aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

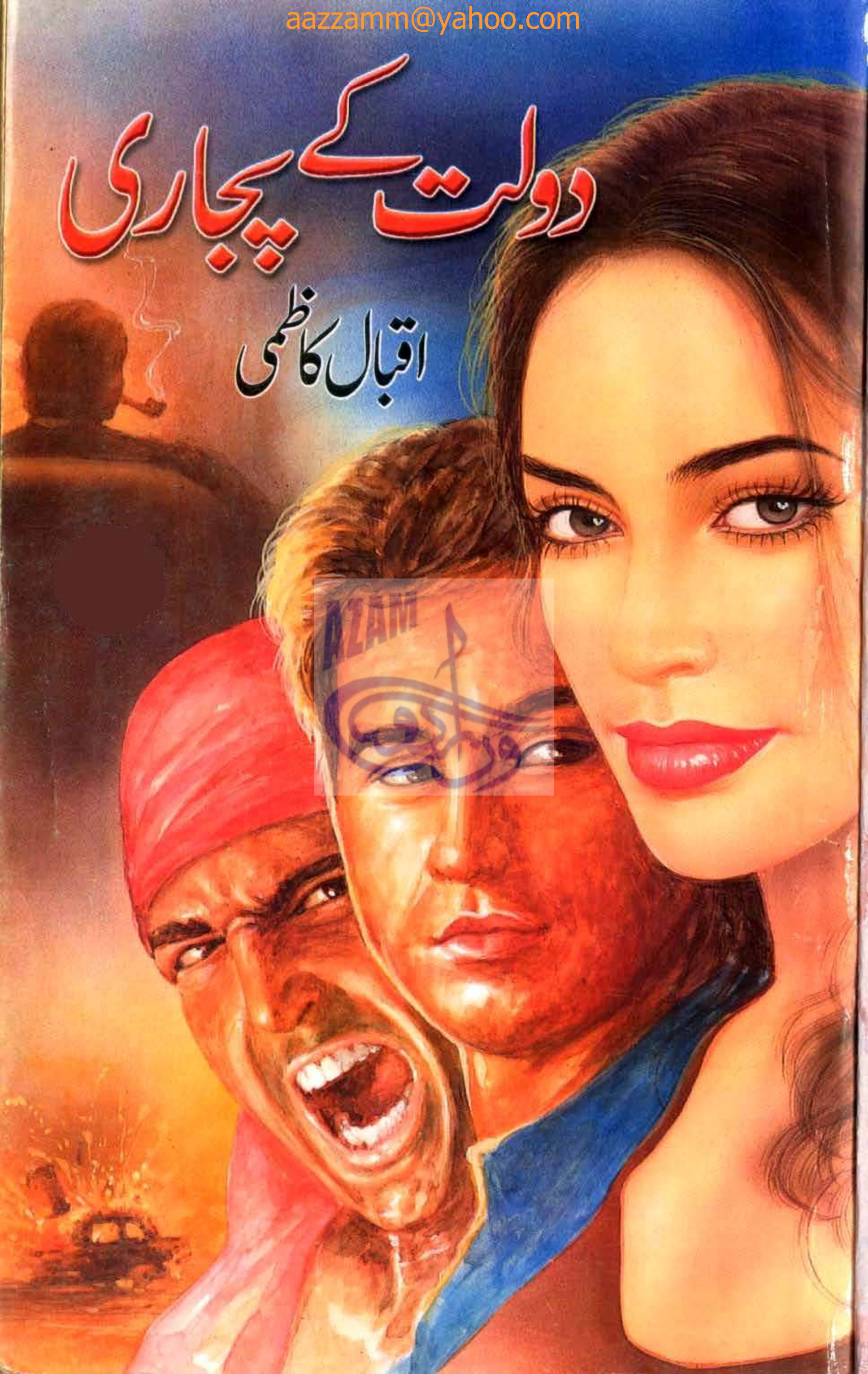

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

1

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیراسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66روپے

لاہور کے سرحدی قصبے بھینی سے تقریباً نصف میل دور اونچے ٹیلے پر واقع اس پرانی حویلی کو پولیس نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ حویلی کے چاروں طرف برگد' پیپل اور ناریل کے درختوں کی بہتات تھی اور یہ پرانی حویلی مکمل طور پر ان درختوں میں کیمو فلاج تھی۔ ٹیلے کے چاروں طرف دھان کی لہلہاتی ہوئی فصلیں تھیں۔ پوری فضا دھان کی مہک سے رچی ہوئی تھی۔ ایک کچا راستہ حویلی سے قصبے کی طرف چلا گیا تھا۔ کسی زمانے میں اس کچے راستے پر صرف بیل گاڑیاں یا حویلی کے مالک' اس علاقے کے سب سے بڑے زمیندار چوہدری برکت علی کا یکہ چلا کرتا تھا۔ یہ کشادہ کچا راستہ صرف حویلی تک آنے جانے والوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس سے آگے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اس لئے لوگ عام طور پر اس طرف آتے بھی نہیں تھے۔ حویلی کی عقبی سمت میں تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر وہ لکیر تھی جو پاکستان کو بھارت سے الگ کرتی تھی۔ سرحد کی نشاندہی کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان برجیوں کے ساتھ ساتھ سرحد کے دونوں طرف کچے راستے تھے۔ سرحد کے متوازی یہ راستے صرف اتنے چوڑے تھے کہ ان پر صرف جیپ ہی چل سکتی تھی۔ بھارت اور پاکستان کے رینجرز کے جوان ان جیپوں پر سرحد کے ساتھ ساتھ گشت کرتے رہتے تھے۔ سرحد کے دوسری طرف تقریباً ایک میل کے فاصلے پر سکھوں کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور شنید یہ تھی کہ سرحد پر رینجرز کے گشت کے باوجود دونوں طرف کے سرحدی دیہاتوں کے لوگ ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے تھے۔ 1947ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تو سرحد کے اس طرف آباد سکھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کے قافلوں کو خوب جی بھر کر لوٹا تھا۔ مسلمانوں پر اتنا ظلم شاید ہندوؤں نے بھی نہ کیا ہو جتنا ان سکھوں نے کیا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے بلکہ قتل و غارت کی ایسی ایسی داستانیں رقم ہوئیں جنہیں آج بھی پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بوڑھوں' بچوں اور جوانوں کو اس طرح بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا کہ وہاں کے کھیت ان کے خون سے سیراب ہو جاتے۔ معصوم اور شیر خوار بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں سے چھین کر انہیں ٹانگوں سے پکڑ کر اس طرح چیر دیا جاتا جیسے کوئی ناراض بچہ اپنی

aazzamm@yahoo.com

گڑیا کو توڑ کر پھینک دیتا ہے۔ جوان اور حسین لڑکیوں کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں کے سامنے ننگا کر کے انہیں بے آبرو کیا گیا۔ گینگ ریپ کے ایسے ایسے مناظر دیکھنے میں آئے کہ روح تک کانپ اٹھتی۔ معصوم جوانیوں کی چیخوں سے آسمان کانپ اٹھا تھا۔ زمین تھرا گئی تھی۔ مگر ان درندہ صفت سکھوں پر ان کی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ معصوم اور بے گناہ جوان لڑکیوں کو بے آبرو کر کے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ ان کی لاشیں کھیتوں میں تڑپتی رہتیں اور ان کے زخموں سے بہنے والا خون کھیتوں کی زمین کو سیراب کرتا رہتا۔

ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے نہتے اور بے سروسامان مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے والے وہی سکھ آج مسلمانوں کی دوستی کا دم بھر رہے تھے۔ سرحد پر رینجرز کے گشت کے باوجود دونوں طرف سے اسمگلنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ بھارت کو اناج کی کمی کا مسئلہ تھا۔ پاکستان کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے بے ضمیر لوگ دولت کے لالچ میں پاکستان سے بڑی مقدار میں اناج، گھی، تیل اور خورد و نوش کی اشیاء بھارت کو اسمگل کر رہے تھے۔

چوہدری برکت علی اس علاقے کا نامی گرامی زمیندار تھا۔ کئی مربع اراضی تھی جو ہندوستان کی سرحد پر پھیلی ہوئی تھی۔ صبح وہ سفید گھوڑی پر بیٹھ کر اپنی زمینوں کے معائنے کو نکلتا تو واپسی پر شام ہو جاتی۔ چوہدری برکت علی جتنا ظالم اور سنگ دل زمیندار تھا اتنا ہی وہ ایک نیک اور ہمدرد انسان بھی تھا۔ اس کے مزارعے اس کے سامنے آتے ہوئے تھر تھر کانپتے تھے تو اس سے خوش بھی تھے کیونکہ ضرورت کے وقت یہی ظالم و جابر زمیندار ان کے لئے رحمت کا فرشتہ بن جاتا تھا۔

چوہدری برکت علی کی ایک حویلی بھینی گاؤں میں بھی تھی۔ لیکن وہ زیادہ تر ٹیبے والی اس حویلی ہی میں رہا کرتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا ان دنوں تعلیم کے سلسلے میں ولایت گیا ہوا تھا۔ ایک بیٹی تھی جو شہر سے میٹرک کرنے کے بعد کالج میں داخلہ لے کر وہیں ہوسٹل میں رہ رہی تھی۔ گاؤں سے پکی سڑک تک کئی میل کا راستہ کچا تھا۔ جس پر صرف بیل گاڑیاں اور ٹریکٹر ٹرالیاں ہی چلتی تھیں۔ اس زمانے میں بہت کم زمینداروں کے پاس موٹریں تھیں۔ البتہ یکے سب کے پاس تھے جو خوب سجے سجائے ہوتے تھے۔ گاؤں سے شادی پور تک کچے راستے پر سفر کرنے کے دوران اتنی مٹی اڑتی کہ منزل پر پہنچ کر سفر کرنے والا اپنے آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیتا۔

علاقے میں چوہدری برکت علی کے کچھ دوست تھے تو دشمنوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ بھینی کے ہی ایک زمیندار سے زمین کے ایک ٹکڑے پر اس کی مقدمے بازی چل رہی تھی۔ وہ دونوں زمین کی قیمت سے کئی گنا زیادہ مقدمے پر خرچ کر چکے تھے لیکن کوئی بھی اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

دوسرے زمیندار سراج کی حویلی بھی بھینی گاؤں ہی میں تھی۔ چوہدری برکت علی گاؤں کی حویلی چھوڑ کر ٹیبے والی حویلی میں صرف اس لئے رہ رہا تھا کہ چوہدری سراج سے آمنا سامنا نہ ہو۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال تھا کہ چوہدری برکت علی اناج کی اسمگلنگ میں ملوث تھا اور اس لئے ٹیبے والی حویلی میں رہ رہا تھا کیونکہ وہاں سے سرحد بالکل سامنے تھی اور ادھر کا مال آسانی سے ادھر پہنچایا جا سکتا تھا۔

یہ آج سے پندرہ سال پہلے کی بات تھی چوہدری برکت علی کی بیٹی بھی سردیوں کی دس دن کی چھٹیوں میں گاؤں آئی ہوئی تھی۔ فیصل آباد سے چوہدری برکت علی کا ایک دوست رشید بھی اپنی فیملی کے ساتھ حویلی کا مہمان بنا ہوا تھا۔ رشید کا فیصل آباد میں صابن کا کارخانہ تھا۔ اس کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی جس کی عمر بائیس تئیس سال رہی ہو گی۔ اس سے چھوٹا لڑکا تھا اور پھر دو لڑکیاں تھیں۔ رشید اپنی بیٹی کے رشتے کے لئے چوہدری برکت علی کے بیٹے کے چکر میں تھا، جو اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔

وہ دسمبر کی ایک ٹھٹھری ہوئی رات تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کسی بھی وقت بارش شروع ہو سکتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے سردی پہلے ہی بڑھ گئی تھی اور بارش کے بعد تو سردی کے مزید بڑھ جانے کا امکان تھا۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد چوہدری برکت علی اس کی بیوی اور رشید اور اس کی بیوی ایک کمرے میں بیٹھے اپنے بچوں کے رشتے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ رشید کا بیٹا اپنے کمرے میں سو چکا تھا۔ البتہ چوہدری کی بیٹی اور رشید کی بیٹیاں ایک ہی کمرے میں لحافوں میں دبکی باتیں کر رہی تھیں۔

جب پرانے دوست مدت بعد ملتے ہیں تو عام طور پر راتیں گپ شپ میں جاگ کر گزرتی ہیں۔ یہی صورت حال کچھ اس حویلی میں تھی۔ بات سے بات نکل رہی تھی۔ قہقہے لگ رہے تھے۔ پرانی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ وقت گزرنے کا کسی کو احساس نہیں رہا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ حویلی کے باہر بھی نوکروں کے لئے دو تین کچے مکان تھے، بعض نوکر حویلی کے اندر بھی رہتے تھے جو سو چکے تھے۔

غالباً دو بجے کا وقت تھا دفعتاً" حویلی کے باہر شور کی آواز سنائی دی۔ عورتوں اور بچوں کی چیخیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔ ان میں مردوں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ لگتا تھا جیسے کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہو۔

65ء کی جنگ میں بھی آدھی رات کو کچھ ایسا ہی شور اٹھا تھا۔ جب بھارت کی فوجوں نے

aazzamm@yahoo.com

اچانک ہی رات کی تاریکی میں پاکستان کی سرحد پر حملہ کر دیا تھا' لیکن یہ شور کچھ عجیب سا تھا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات بڑی حد تک معمول پر آ چکے تھے اور کسی جنگ کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"یہ شور کیسا ہے؟" رشید نے سوالیہ نگاہوں سے چوہدری برکت علی کی طرف دیکھا۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف تھا۔

"دیکھتا ہوں کیا بات ہے۔ مویشی چوروں کے گروہ رات کو وارداتیں کرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے مزارعوں نے کسی کو مویشی چوری کرتے دیکھ کر شور مچا دیا ہو۔"

چوہدری برکت علی کمرے سے باہر آ کر نوکر کو آوازیں دینے لگا۔ "نورے....اوئے نورے....کہاں ہو تم.....باہر شور کیسا ہے؟"

"چوہدری جی....ڈ....ڈاکوؤں نے حویلی پر حملہ کر دیا ہے۔" نورا حویلی کے ایک کونے سے دوڑتا ہوا آ گیا۔

اس سے پہلے کہ چوہدری برکت علی کچھ کہتا' دو تین آدمی حویلی کی دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔ ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ دیواروں سے کودتے ہی انہوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ پہلی گولی نورے کو لگی جو چیختا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ چوہدری برکت علی نے بھاگ کر کمرے میں گھسنے کی کوشش کی مگر دو گولیوں نے اسے بھی دروازے کے باہر ہی ڈھیر کر دیا۔

رشید اس کی بیوی اور چوہدری کی بیوی شور مچانے لگے۔ دوسرے کمرے سے لڑکیوں کے چیخنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور پھر فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی۔ حملہ آور کمروں میں گھس گھس کر انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک گولیاں برساتے رہے۔ شیطان رقص کرتا رہا اور انسان خاک و خون میں لوٹتے رہے۔

حملہ آوروں میں سے دو تین آدمیوں نے حویلی میں مختلف جگہوں پر آگ لگا دی۔ آگ فوراً ہی پھیلنے لگی۔ حملہ آور کچھ دیر تک شیطانی انداز میں قہقہے لگاتے رہے پھر پھاٹک کھول کر باہر نکل گئے۔ ایک نقاب پوش نے لکڑی کے گیٹ کے پاس بھی جلتی ہوئی مشعل پھینک دی۔ ان نقاب پوشوں کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے ٹیبے کے دوسری طرف چلے گئے۔ جہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک آدمی گھوڑوں کے پاس ہی موجود تھا۔ وہ سب لوگ گھوڑوں پر بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

نصف میل دور بھینی کے لوگ فائرنگ اور شور کی آوازیں سن کر گھروں سے باہر آ گئے۔ حویلی سے آگ کے شعلے اٹھتے دیکھ کر انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ چوہدری برکت علی کی حویلی

پر حملہ ہوا ہے۔ حملہ آور چوہدری کی کوئی دشمن پارٹی بھی ہو سکتی تھی اور ڈاکوؤں کا کوئی گروہ بھی۔ کچھ لوگ بندوقیں' لاٹھیاں اور کلہاڑیاں اٹھا کر حویلی کی طرف دوڑ پڑے۔

حویلی تک پہنچنے میں چند منٹ لگ گئے۔ حویلی کے باہر والے مکانوں میں رہنے والے مزارعے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے شور مچا رہے تھے۔ گاؤں سے آنے والے لوگ بھی حویلی سے دور ہی رک گئے۔ حویلی میں لگی ہوئی آگ نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ آگ بجھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ بالٹیوں سے پانی ڈال کر یہ آگ نہیں بجھائی جا سکتی تھی۔ لیکن پھر اچانک بارش شروع ہو گئی۔

پہلے موٹی موٹی بوندیں گرنا شروع ہوئیں اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ گاؤں سے آئے ہوئے لوگ برگد اور پیپل کے درختوں کے نیچے کھڑے ہو کر بے بس نظروں سے جلتی ہوئی حویلی کو دیکھ رہے تھے۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن دس پندرہ منٹ بعد شعلوں کی بلندی کم ہونے لگی۔ تیز اور موسلا دھار بارش حویلی کی آگ بجھانے میں مددگار ثابت ہو رہی تھی۔

تقریباً دو گھنٹوں کی مسلسل بارش سے حویلی کی آگ بجھ گئی۔ البتہ کہیں کہیں سے دھواں اب بھی اٹھ رہا تھا۔ گاؤں سے آئے ہوئے لوگ اب بھی حویلی سے دور درختوں کے نیچے کھڑے تھے۔ حویلی کی طرف سے ڈھلان پر پانی سیلاب کی طرح بہہ رہا تھا۔

بارش تقریباً آدھا گھنٹہ اور اسی شد و مد کے ساتھ جاری رہی اور پھر اس کا زور ٹوٹنے لگا۔

گاؤں والوں نے یہ دیکھا تھا کہ بارش کے دوران یا اس سے پہلے کوئی ذی روح حویلی سے باہر نہیں آیا تھا اور اب جب کہ بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا چند آدمی درختوں کے نیچے سے نکل کر ٹارچوں کی روشنی میں حویلی کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹارچوں کی روشنی میں انہوں نے جلی ہوئی حویلی میں جو کچھ دیکھا وہ انہیں حواس باختہ کر دینے کے لئے کافی تھا۔ حویلی کے صحن میں اور مختلف کمروں میں بارہ انسانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ بعض لاشیں آگ میں جل کر راکھ ہو چکی تھیں اور بعض ادھ جلی تھیں۔ گوشت جلنے کی بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ حویلی کے دروازے اور کھڑکیاں مکمل طور پر جل چکی تھیں۔ اگر بارش نہ ہوتی تو حویلی مکمل طور پر جل کر راکھ ہو چکی ہوتی۔

وہ لوگ دوڑتے اور چیختے ہوئے حویلی سے باہر آ گئے اور چیخ چیخ کر درختوں کے نیچے کھڑے ہوئے لوگوں کو بتانے لگے کہ انہوں نے حویلی میں کیا دیکھا تھا۔

حویلی کے باہر والے مکانوں میں رہنے والے چند مزارعے بھی درختوں کے نیچے جمع تھے اور

aazzamm@yahoo.com

وہ رو رو کر بتا رہے تھے کہ آٹھ دس نقاب پوشوں نے اچانک ہی حویلی پر حملہ کر دیا تھا اور پھر وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر فرار ہو گئے تھے۔

کچھ لوگ گاؤں کی طرف واپس دوڑ گئے۔ تھانہ تو بہت دور تھا۔ البتہ گاؤں میں ایک چھوٹی سی پولیس چوکی موجود تھی جس کا عملہ ایک اے ایس آئی' ایک ہیڈ کانسٹیبل اور نصف درجن کانسٹیبلوں پر مشتمل تھا۔ لیکن جب وہ لوگ پولیس چوکی پہنچے تو پتہ چلا کہ اے ایس آئی گھر پر خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل بھی چوکی سے ملحق کمرے میں سو رہا تھا اور ڈیوٹی پر موجود دو کانسٹیبل کرسیوں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

"سنتری بادشاہ!" ایک آدمی نے ایک کانسٹیبل کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "ادھر چوہدری برکت علی کی حویلی میں قیامت آ گئی ہے اور تم لوگ آرام سے سو رہے ہو؟"

"اوئے' کیا ہوا ہے اوئے؟ کون آ گئی ہے؟ کہاں آ گئی ہے؟" کانسٹیبل گڑبڑا کر اٹھ گیا اور بدحواس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"قیامت صغریٰ آ گئی ہے چوہدری برکت علی کی حویلی میں۔" اس شخص نے کہا۔

"صغریٰ کو تو اس گاؤں سے نکال دیا گیا تھا وہ دوبارہ یہاں کیسے آ گئی؟" کانسٹیبل اٹھ کر اپنی بیلٹ درست کرنے لگا۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھی کو بھی جگا دیا تھا۔ "اوئے شیدے' اٹھ اوئے' صغریٰ دوبارہ یہاں آ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے یہاں کئی لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ اس لئے اسے گاؤں سے نکالا گیا تھا۔ وہ پھر آ گئی ہے۔"

"میں اس صغریٰ کی بات نہیں کر رہا سنتری بادشاہ۔" اس شخص نے کہا۔ "قیامت صغریٰ کی بات کر رہا ہوں۔ چوہدری برکت علی کی حویلی میں دس بارہ آدمیوں کو قتل کر کے آگ لگا دی گئی ہے۔"

"اوئے منہ اچھا نہ ہو تو بات اچھی کر لیا کرو۔" سنتری بولا۔ "چوہری برکت کی حویلی میں گھس کر قتل کون کر سکتا ہے؟"

"آپ چل کر تو دیکھو جی۔ تھانیدار کو جگاؤ' وہاں تو قیامت مچی ہوئی ہے۔" دوسرے شخص نے کہا۔

کانسٹیبل نے دروازے کے قریب آ کر باہر دیکھا۔ ہلکی بوندا باندی اب بھی ہو رہی تھی۔

"اوئے' باہر تو مینہ برس رہا ہے۔" وہ بولا۔

"آپ تھانیدار کو جگائیں جی۔" وہ شخص بولا۔

آدھے گھنٹے کی بحث و تکرار کے بعد تھانیدار کو گھر سے جگا کر لایا گیا۔ اس کی عمر چالیس سے

کچھ اوپر ہی تھی۔ اس کی ساری زندگی پولیس میں گزری تھی۔ لیکن وہ اے ایس آئی کے عہدے سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے ان لوگوں کے ساتھ حویلی کی طرف جانے پر آمادہ ہو سکا تھا۔ چار کانسٹیبل اور ایک اے ایس آئی جب چوہدری برکت علی کی جلی ہوئی حویلی میں داخل ہوئے تو ٹارچوں کی روشنی میں صورت حال کا جائزہ لیتے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"تھانے سے انسپکٹر کو بلانا پڑے گا اور انسپکٹر صاحب کو صبح سے پہلے نہیں بلایا جا سکتا۔ اس دوران کوئی حویلی میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔" اے ایس آئی نے دو کانسٹیبلوں کو وہیں چھوڑ دیا اور حویلی کے باہر والے مکانوں میں رہنے والے تین چار مزارعوں کو پکڑ کر لے آیا۔

انسپکٹر صبح دس بجے سے پہلے نہیں آیا تھا۔ اس دوران بھینی اور آس پاس کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے لوگ بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔

جلی اور نیم جلی لاشیں اٹھوا دی گئیں۔ چوہدری برکت علی کا کوئی رشتہ دار گاؤں میں نہیں تھا۔ لاہور شہر میں اس کے دوسرے رشتہ داروں کو اطلاع دی گئی۔ اور پھر اس کے بیٹے کو بھی لندن میں اطلاع بھجوا دی گئی۔

چوہدری برکت علی کے رشتے دار یوں تو بہت سے تھے مگر سب سے قریبی عزیز ایک چچا زاد بھائی تھا جس کا ٹرانسپورٹ کا بزنس تھا۔ لاہور سے فیصل آباد اس کی بسیں چلتی تھیں۔ وہ تو اطلاع ملتے ہی روتا پیٹتا گاؤں پہنچ گیا۔ دوسرے رشتے دار بھی آ گئے۔ مگر لندن میں زیر تعلیم بیٹا کئی روز بعد ہی پہنچ سکا تھا۔

چوہدری برکت علی کا بیٹا سجاد' ماں باپ اور بہن کے چہلم تک گاؤں میں رہا پھر تمام زمینیں اپنے باپ کے کزن چوہدری حمید کے حوالے کر کے دوبارہ حصول تعلیم کے لئے لندن واپس چلا گیا۔ تین سال بعد وہ لاہور واپس آ گیا۔ ٹیبے والی حویلی جوں کی توں ادھ جلی پڑی تھی۔ لیکن اس نے حویلی کی مرمت نہیں کروائی۔ گاؤں والی حویلی میں بھی رہنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ سمن آباد میں ایک کوٹھی خرید لی اور وہیں رہنے لگا۔ زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے مینیجر رکھ لیا اور گاؤں والی حویلی اسے رہائش کے لئے دے دی۔ خود کبھی کبھار گاؤں جا کر زمینوں کا چکر لگا آتا۔

ٹیبے والی ادھ جلی حویلی پندرہ سال سے ویران پڑی تھی اور اس عرصہ میں خاصی بدنام ہو چکی تھی۔ چوہدری برکت علی' اس کے گھر والوں اور مہمانوں کے قاتل نہیں پکڑے گئے تھے۔ پولیس نے پہلے چوہدری سراج کو شبہ کی بناء پر حراست میں لیا تھا لیکن چند ہی روز بعد اسے چھوڑ دینا پڑا تھا کیونکہ جس رات حویلی میں بارہ افراد کے قتل کی یہ واردات ہوئی تھی اس رات چوہدری سراج سیالکوٹ میں تھا۔

aazzamm@yahoo.com

لوگوں نے اس ادھ جلی حویلی کی طرف آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ رات کے وقت حویلی میں روشنیاں سی چمکتی نظر آتیں۔ کبھی کبھی چیخوں اور قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ اس حویلی میں چوہدری برکت علی' اس کے اہل خانہ اور مہمانوں کی روحیں بھٹکتی رہتی ہیں۔ اور بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اسمگلروں نے اس ادھ جلی حویلی پر قبضہ کر رکھا ہے اور جس رات وہ لوگ مال لے کر حویلی میں آتے ہیں اس رات حویلی میں روشنیاں سی چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

لیکن بعض سنجیدہ قسم کے لوگوں کو اس بات کا یقین تھا کہ حویلی میں کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے بلکہ سارا چکر اسمگلروں کا چلایا ہوا ہے تاکہ لوگ اس طرف کا رخ نہ کریں۔ ان دنوں ایک نیا تھانیدار آیا ہوا تھا۔ وہ اکثر گاؤں کی چوکی کے چکر لگاتا رہا تھا۔ اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ جس روز وہ گاؤں کا گشت کر کے جاتا تھا اس سے اگلے ہی روز حویلی میں پراسرار قسم کی سرگرمیاں دکھائی دیتیں۔

اس تھانیدار کے بار میں بھی علاقے میں بہت قصے مشہور ہو چکے تھے۔ بعض لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اسمگلروں سے ملا ہوا ہے۔ جس روز وہ گاؤں کا گشت کر کے جاتا تھا اس سے اگلے ہی روز رات کو حویلی میں پراسرار سرگرمیاں دکھائی دیتی تھیں۔ تھانیدار کی آمد و رفت گویا اسمگلروں کے لئے اشارہ ہوتا تھا کہ لائن کلیئر ہے۔

وہ بھی سردیوں ہی کی ایک رات تھی۔ غالباً" دو بجے کا وقت ہو رہا ہو گا۔ ادھ جلی حویلی میں پراسرار سرگرمیاں دکھائی دی تھیں اور پھر بڑی خاموشی سے پولیس کی بھاری نفری نے حویلی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ پولیس والوں کی تعداد چالیس پچاس سے کم کسی طرح بھی نہیں تھی۔ پولیس کی اس پارٹی کی قیادت ایک ڈی ایس پی کر رہا تھا۔ جب کہ دو انسپکٹر بھی تھے۔ پولیس والے درختوں کی آڑ لئے رائفلیں سنبھالے ہوشیار کھڑے تھے۔

ڈی ایس پی نے مختلف سمتوں میں کھڑے ہوئے دونوں انسپکٹروں کو مخصوص سگنل دیا۔ چاروں طرف سے پولیس کے جوان آگے بڑھنے لگے۔ وہ لوگ رائفلیں تانے بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور بالآخر وہ حویلی سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئے۔

ڈی ایس پی برگد کے ایک درخت کی آڑ میں کھڑا تھا۔ درخت کا تنا اتنا موٹا تھا کہ اس کے پیچھے چار چھ آدمی آسانی سے چھپ سکتے تھے۔ لمبی لمبی جٹائیں شاخوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ڈی ایس پی کے ہاتھ میں میگافون تھا۔ وہ کچھ دیر تک حویلی کی طرف دیکھتا رہا پھر میگافون کا بٹن دبا کر اسے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"یہ حویلی چاروں طرف سے پولیس کے گھیرے میں ہے۔ اندر جو بھی لوگ موجود ہیں وہ ہاتھ اٹھا کر باہر آ جائیں۔ یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے۔ میں پانچ تک گنوں گا۔ اگر تم لوگ باہر نہ نکلے تو حویلی پر دھاوا بول دیا جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی گنتی شروع ہو گئی۔ پانچ کہنے کے بعد بھی خاموشی رہی۔ ڈی ایس پی نے چند سیکنڈ انتظار کیا اور پھر اپنے ماتحتوں کو سگنل دے دیا۔ پولیس والے اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر حویلی کی طرف دوڑ پڑے لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ پولیس والوں نے طاقتور ٹارچوں کی روشنی میں ادھ جلی حویلی کا کونا کونا چھان مارا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

"حیرت ہے۔" ڈی ایس پی نے اپنے قریب کھڑے ہوئے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اطلاع دینے والے نے حلفیہ طور پر کہا تھا کہ اسمگلر اس حویلی میں موجود ہیں لیکن یہاں تو کسی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔"

"ہو سکا ہے یہ اطلاع ہمیں گمراہ کرنے کے لئے دی گئی ہو۔" انسپکٹر نے کہا۔

"کیا مطلب؟" ڈی ایس پی نے اسے گھورا۔

"مطلب یہ کہ ہمیں اس طرف الجھا دیا گیا اور اسمگلروں کی پارٹی کسی اور طرف سے نکل گئی ہو۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"یہ بات حلق سے نہیں اترتی۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "اسمگلنگ کی روک تھام ہمارا شعبہ نہیں ہے۔ اس کے لئے کسٹمز اور رینجرز موجود ہیں۔ اگر اسمگلروں کے کسی گروہ کو سرحد پار کرنا تھی تو رینجرز کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔ ہمارا کام تو علاقے میں امن و امان قائم رکھنا ہے۔ اطلاع دینے والے نے مجھے خاص طور پر اطلاع اس لئے دی تھی کہ یہ ہمارا علاقہ ہے لیکن....."

"لیکن اطلاع غلط ثابت ہوئی۔" انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یا ہو سکتا ہے وہ لوگ ہمارے آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل چکے ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "بہرحال' جوانوں کو واپسی کا حکم دو۔"

پولیس کے جوان حکم ملتے ہی ٹیلے سے اتر کر کھیتوں کے درمیان اسی پگڈنڈی پر چلنے لگے جو بل کھاتی ہوئی وہاں سے تقریباً نصف میل دور سڑک تک چلی گئی تھی۔ سڑک پر پولیس کے دو ٹرک اور دو جیپیں کھڑی تھیں۔ گاؤں وہاں سے دائیں طرف خاصے فاصلے پر تھا۔

دونوں جیپیں اور دونوں ٹرک مڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹرکوں میں بھرے ہوئے پولیس والے اس ناکام چھاپے پر تبصرے کر رہے تھے۔

"ہمارے ڈپٹی صاحب کو نمبر بنانے کا بڑا شوق ہے۔" ایک کانسٹیبل کہہ رہا تھا۔ "ہر اطلاع

aazzamm@yahoo.com

ملتے ہی بھاگ اٹھتے ہیں۔"

"بلاوجہ رات ضائع کر دی۔" دوسرا کانسٹیبل بولا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ ان اسمگلروں کو بھی چھاپے کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ لوگ ہمارے آنے سے پہلے ہی بھاگ نکلے۔ ہو سکتا ہے وہ مال لے کر سرحد پار کر گئے ہوں۔" تیسرا پولیس والا اپنے قریب بیٹھے ہوئے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا تو خیال ہے کہ علاقے کے تھانے ہی سے انہیں اطلاع ملی ہو گی۔"

"لعنت بھیجو ان سب پر۔ مجھے تو بڑے زور کی نیند آ رہی ہے۔" اس کانسٹیبل نے جواب دیا۔

پولیس کی جیپیں اور ٹرک تیز رفتاری سے شادی پور کی طرف جا رہے تھے۔ ادھر ادھ جلی ویران حویلی کی صورت حال بدل گئی تھی۔ پولیس کی موجودگی میں وہاں کسی ذی روح کا نام و نشام تک نظر نہیں آیا تھا لیکن اب وہاں زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

حویلی کا ایک کمرہ' جس کی تقریباً آدھی چھت گر چکی تھی' کسی کی موجودگی کا پتہ دے رہا تھا۔ اس کمرے کے ایک کونے میں فرش کا ایک حصہ اس طرح چاک ہونے لگا جیسے اسے نیچے سے کسی تیز دھار چھری سے کاٹا جا رہا ہو۔ وہ تقریباً چار مربع فٹ کا ٹکڑا تھا جس میں ایک تاریک خلا پیدا ہو گئی۔ اسی خلا سے پہلے ایک انسانی سر برآمد ہوا۔ اور پھر ایک آدمی باہر نکل آیا۔ اس شخص نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دبے قدموں چلتا ہوا جلے ہوئے دروازے سے نکل کر باہر آ گیا۔ وہ کچھ دیر تک ایک جگہ رک کر کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حویلی سے باہر آ گیا اور پیپل کے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر نصف میل دور گاؤں اور سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں ہے' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس اسی کمرے میں آ گیا اور اسی خلا میں سیڑھیاں اترتا ہوا تہہ خانے میں آ گیا۔

اس تہہ خانے کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس کا راز صرف چوہدری برکت علی کو معلوم تھا یا اس کے ایک بہت قریبی دوست ماجھا گجر کو..... جو اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔

تہہ خانہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ اس وقت تہہ خانے میں پانچ آدمی موجود تھے۔ ان میں ایک پینٹ شرٹ میں تھا اور اوپر سے سرمئی رنگ کا سویٹر پہن رکھا تھا۔ اس کی عمر اٹھائیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ ایک صحت مند آدمی تھا۔ باریک مونچھوں نے اس کے چہرے کو خاصا وجیہہ بنا دیا تھا۔ وہ شارق تھا۔

باقی چاروں آدمی چہروں ہی سے دیہاتی' اجڈ اور چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے تھے۔ ان میں سے

تین نے شلوار قمیض پہن رکھی تھیں جبکہ چوتھا آدمی دھوتی باندھے ہوئے تھا اور کھدر کا کرتا پہنے ہوئے تھا۔ ان چاروں کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں جن سے ان کے چہرے کچھ اور بھی خوفناک ہو گئے تھے۔

"چلے گئے وہ لوگ۔" باہر سے آنے والے نے کہا۔

"لیکن انہیں اطلاع کیسے ملی؟" دوسرے نے پوچھا اور مشکوک نگاہوں سے باری باری سب کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" دھوتی والے نے شارق کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا نام مقصود تھا۔

"کیوں اوئے باؤ۔" پہلے شخص نے شارق کو گھورا۔ "ہمیں یہ دھندہ کرتے ہوئے پندرہ سال ہو چکے ہیں۔ کسی نے اس طرح کی غداری نہیں کی۔ اور جس پر ہمیں شبہ ہوتا ہے اسے ہم اس دنیا میں نہیں رہنے دیتے۔ سچ سچ بتا دو۔ اگر تم بے گناہ ثابت ہوئے تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"ماجھے گجر۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے مخبری کرنی ہوتی تو میں خود یہاں نہ آتا۔"

"ہم نے دنیا دیکھی ہے۔" ماجھے گجر نے اسے گھورا۔ "مجھے پندرہ سال ہو گئے ہیں یہ کاروبار کرتے ہوئے۔ کسی کو آج تک بھنک نہیں مل سکی کہ میں یہاں کیوں آتا ہوں اور کیا کاروبار کرتا ہوں۔ چوہدری برکت اس کاروبار میں میرا پارٹنر تھا لیکن وہ بھی آخر میں کچھ ڈنڈی مارنے لگا تھا۔ میں ان پڑھ اور جاہل ضرور ہوں لیکن کاروبار میں بددیانتی کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ پچھتر لاکھ روپے کی ڈنڈی مار رہا تھا۔ میں نے اس کا پتہ ہی صاف کر دیا۔ پولیس آج تک یہ پتہ نہیں چلا سکی کہ چوہدری برکت' اس کے گھر والوں اور مہمانوں کو موت کی نیند کس نے سلایا تھا اور حویلی کو آگ کس نے لگائی تھی۔ وہ تو ہماری شراکت کا شروع کا زمانہ تھا اور چوہدری برکت نے بے ایمانی شروع کر دی تھی۔ اس تہہ خانے کی تیاری پر میں نے بھی بڑا پیسہ لگایا تھا۔ آگ لگنے سے اس کے میکنزم کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ بعد میں میں نے چوری چھپے اسے ٹھیک کروایا اور چوہدری برکت کے بیٹے کو یہ پٹی پڑھائی کہ اب اسے اس منحوس حویلی میں نہیں رہنا چاہئے۔ اب یہ حویلی مکمل طور پر میرے استعمال میں ہے۔ آس پاس کی بستیوں کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ حویلی آسیب زدہ ہے اس لئے کوئی اس طرف آنے کی جرات نہیں کرتا اور ہمارا کاروبار بڑے اطمینان سے چل رہا تھا۔ لیکن آج پہلی بار پولیس کو اس حویلی پر

aazzamm@yahoo.com

شبہ ہوا ہی اور یہ شبہ بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اس کی مخبری کی گئی ہے اور میرے ساتھیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ مخبری کرنے والا تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو ماجھے گجر۔" شارق نے کہا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس بزنس میں میرا بھی کروڑوں روپے کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ میں پولیس کو مخبری کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مار سکتا۔"

"مال کہاں ہے؟" ماجھے نے اسے گھورا۔ "تم تو مال لے کر یہاں آنے والے تھے۔ لیکن تم خالی ہاتھ آئے اور تمہارے پیچھے ہی پیچھے پولیس بھی پہنچ گئی۔"

"تم جانتے ہو کہ میں نے احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔" شارق نے کہا۔ "تم نے مجھے مال لے کر یہاں پہنچنے کے لئے کہا تھا۔ یہ کوئی دھوکا بھی ہو سکتا تھا اس لئے مال میں نے یہاں سے دو فرلانگ دور پرانے کنویں کے پاس چھپا دیا تھا اور خالی ہاتھ یہاں اس لئے آیا تھا کہ پہلے یہ اطمینان کر لوں کہ میرے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا۔"

"میں نے تمہیں یہاں بلا کر غلطی کی تھی شارق باؤ۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "اور اسی غلطی کی وجہ سے یہ حویلی پولیس کی نظروں میں آ گئی لیکن تم اب یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔ تمہاری لاش اسی تہہ خانے میں گڑھا کھود کر دبا دی جائے گی اور کسی کو قیامت تک پتہ نہیں چل سکے گا کہ تم کہاں غائب ہو گئے۔"

"ماجھے گجر! تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔" شارق نے کہا اور اچانک ہی دائیں طرف کھڑے ہوئے آدمی پر جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحہ اس آدمی کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کلاشنکوف شارق کے ہاتھوں میں تھی۔ "خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" وہ غرایا۔ "تمہارا خیال درست ہے کہ پولیس کو مخبری میں نے ہی کی تھی لیکن مجھے اس تہہ خانے کا پتہ نہیں تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو تم سب لوگ اس وقت آہنی سلاخوں کے پیچھے بند ہوتے۔"

"اوئے مقصود..... تاج.... پکڑو اس کو۔" ماجھا گجر چیخا۔

ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کلاشنکوف رائفلیں سیدھی کرنے کی کوشش کی لیکن شارق نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے پیروں کے قریب برسٹ مار دیا۔ تہہ خانہ گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ "یہ گولیاں تمہارے جسم بھی چھلنی کر سکتی تھیں۔ اپنی رائفلیں پھینک دو۔" شارق غرایا۔

انہوں نے رائفلیں پھینک دیں۔

"تم ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکو گے باؤ شارق۔" ماجھا گجر نے خونخوار نگاہوں سے اس

کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو تم لوگ میرے رحم و کرم پر ہو۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اس وقت تم لوگوں کو ماروں گا نہیں۔ زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں تاکہ پھر کبھی کھلے میدان میں تم سے مقابلہ ہو سکے۔ تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔"

شارق الٹے قدموں تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کی رائفل کا رخ انہی کی طرف تھا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے کمرے میں چھلانگ لگا دی اور دروازے کی طرف دوڑا۔ اس کے ساتھ ہی اسے سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔

شارق جلے ہوئے دروازے سے نکل کر حویلی کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف دوڑا۔ حویلی کی وہ دیوار جب تعمیر کی گئی تھی تو اس کی بلندی دس فٹ کے لگ بھگ تھی۔ لیکن پندرہ سال کی مدت میں کئی جگہوں سے دیوار کی بلندی صرف چار فٹ رہ گئی تھی۔ لوگ دیواروں کی اینٹیں اکھاڑ کر لے گئے تھے۔

شارق دوڑتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف کودنا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"وہ رہا اس طرف.... گولی مار دو اسے۔"

اس کے ساتھ ہی فضا کلاشنکوف کی آواز سے گونج اٹھی۔ کئی گولیاں شارق کے قریب سے گزر گئیں۔ ایک گولی اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل پر لگی تھی۔ اس کے ہاتھ کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور رائفل چھوٹ گئی۔ رائفل دیوار کے اندر کی طرف گری تھی اور شارق دوسری طرف چھلانگ لگا چکا تھا۔ واپس جا کر رائفل اٹھانے کا موقع نہیں تھا۔ اس نے سنبھل کر درختوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس کے عقب میں فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں مگر درختوں کی وجہ سے وہ گولیوں سے بچتا ہوا دوڑتا رہا۔

ٹیلے سے اتر کر وہ کھیتوں میں پگڈنڈی پر دوڑنے لگا۔ ٹیلے پر درختوں میں شور سنائی دے رہا تھا۔ شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بے تحاشہ دوڑتا رہا۔ فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی لیکن شارق فائرنگ کی رینج سے بہت دور نکل چکا تھا۔

وہ دوڑتا ہوا نصف میل دور کچی سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ تاریکی میں بہت دور دو سائے دوڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شارق اگر سڑک کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہتا تو شادی پور پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اس طرف جانے سے تاریکی ہونے کے باوجود وہ نظروں میں آ جائے گا۔ اس نے اپنے لئے کھیتوں کا راستہ منتخب کیا۔ دھان کی جوان فصلوں میں وہ اپنے آپ کو موت کے ان

aazzamm@yahoo.com

فرشتوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔

اگر وہ اسی طرح کھیتوں میں دوڑتا رہے تو لکھو ڈہر سے ذرا آگے محمود بوٹی کے قریب شادی پور والی سڑک کے لنک راوی روڈ پر نکل سکتا تھا۔

وہ بے تحاشہ دوڑتا رہا۔ اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے لیکن وہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ رکنے کا مطلب اذیت ناک موت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ وہ کئی میل تک دوڑتا رہا اور بالآخر ایک نہر نے اس کا راستہ روک لیا۔ نہر تقریباً دس فٹ چوڑی تھی اور پانی خاصا گہرا تھا۔ وہ نہر کے کنارے پر رک کر ہانپتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ دونوں طرف دور دور تک نہر پر کوئی پل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بہت دور تاریکی میں دو سائے دوڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

شارق اپنے تنفس پر کسی حد تک قابو پا چکا تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر دس فٹ چوڑی نہر کو عبور نہیں کر سکتا تھا۔ موت کے فرشتے سر پر پہنچ رہے تھے۔ اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ وہ نہر میں اتر گیا۔ ویسے بھی سردی اچھی خاصی تھی اور نہر کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ وہ کانپ کر رہ گیا لیکن ان موت کے فرشتوں کے مقابلے میں یہ ٹھنڈا پانی قابل برداشت تھا۔

پانی اس کے سینے تک تھا۔ وہ آہستہ آہستہ دوسرے کنارے کی طرف بڑھتا رہا۔ پانی کا بہاؤ اسے آگے دھکیل رہا تھا۔ وہ پاؤں جمانے کی کوشش کرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف بڑھتا رہا۔ دوسرا کنارہ اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا اور پھر دفعتاً اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ موت کے وہ دونوں فرشتے قریب پہنچ رہے تھے۔

شارق تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ نہر کے دوسرے کنارے پر جھاڑیاں تھیں۔ وہ جھاڑیوں کو پکڑ کر باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن دفعتاً اسے خیال آیا کہ وہ پانی سے نکل کر جیسے ہی کنارے پر پہنچے گا موت کے فرشتے اسے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف نہر میں ایک کٹاؤ سا نظر آیا۔ وہ کنارے کی جھاڑیوں کو تھامتا ہوا اس کٹاؤ کی طرف بڑھنے لگا۔

یہ کٹاؤ تقریباً چھ فٹ خشکی کی طرف نکلا ہوا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر سرکنڈے کی گنجان جھاڑیاں تھیں۔ وہ جھاڑیاں اس طرح اندر کی طرف جھکی ہوئی تھیں کہ کھاڑی تقریباً چھپ کر رہ گئی تھی۔ شارق نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دوسری طرف نہر کے کنارے کی ڈھلان نہ ہونے کی وجہ سے وہ دونوں اگرچہ اسے نظر نہیں آ رہے تھے لیکن دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

شارق کھاڑی میں گھس گیا۔ یہاں پانی اس کی گردن تک تھا لیکن وہ کھاڑی کے اندر بالکل

کنارے سے لگ کر جھاڑیوں میں اس طرح چھپ گیا تھا کہ بظاہر اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن وہ جھاڑیوں سے باہر دیکھ سکتا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اسے دوسرے کنارے پر دو سائے نظر آئے۔ ان دونوں کے پاس رائفلیں تھیں اور وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔

"یہاں تک تو میں نے اسے دیکھا تھا۔ لیکن آگے کہاں جا سکتا ہے وہ؟" ایک آواز سنائی دی۔

"ہو سکتا ہے وہ نہر پار کر کے دوسری طرف چلا گیا ہو۔ لکھوڈہر زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر وہ وہاں تک پہنچ گیا تو پھر اسے پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔" دوسرے نے کہا۔

"تو پھر نہر پار کر کے دوسری طرف چلیں۔" پہلی آواز نے کہا۔

"یہی کرنا پڑے گا۔" دوسری آواز نے کہا۔ "تم ماجھے گجر کو اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر شارق باؤ بچ کر نکل گیا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"تو پھر چلو اترو نہر میں۔ سوچ کیا رہے ہو۔" پہلی آواز نے کہا۔

شارق پانی میں کھڑا جھاڑیوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں نہر میں اتر گئے۔ انہوں نے اپنی رائفلیں سر سے اوپر اٹھا رکھی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ دوسرے کنارے پر آ گئے۔

"یہاں تو ایسے کوئی آثار نظر نہیں آتے جن سے یہ اندازہ ہو کہ وہ اس جگہ نہر سے باہر نکلا ہو گا۔" ایک آدمی نے کہا۔ "میرا مطلب ہے وہ اس جگہ نہر سے باہر نکلا ہوتا تو کنارے پر پانی وغیرہ ضرور پھیلا ہوا ہوتا۔"

"ممکن ہے وہ کچھ آگے جا کر نہر سے نکلا ہو۔" دوسرے نے کہا۔

شارق سانس روکے پانی میں دبکا رہا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس نے تیز سانس لی یا ذرا سی بھی حرکت کی تو جھاڑیوں کی سرسراہٹ سے وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور پھر اس کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔

"میرا خیال ہے وہ لکھوڈہر کی طرف ہی گیا ہو گا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تو پھر جلدی کرو۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "ہمیں ہر صورت میں اسے آبادی تک پہنچنے سے روکنا ہے۔"

شارق خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ موت اس کے سر پر کھڑی تھی۔ اس کی ذرا سی بے احتیاطی اس کی زندگی کا چراغ گل کر سکتی تھی۔ ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہنے سے اس کا جسم سن ہو رہا تھا لیکن موت کے خوف سے وہ اپنے جسم کے کسی حصے کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ دونوں نہر کے کنارے پر چلنے لگے۔ ان کے جوتوں میں پانی بھرا ہوا تھا اور چلنے سے ان کے جوتوں سے شڑاپ شڑاپ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ آوازیں بتدریج معدوم ہوتی چلی گئیں۔ تقریباً دس منٹ بعد شارق بڑی احتیاط سے جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا کھاڑی سے باہر نکل آیا۔ اس کے لباس سے پانی دھاروں کی صورت میں نچڑ رہا تھا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بیٹھے ہی بیٹھے گردن گھما کر بائیں طرف دیکھنے لگا۔ بہت دور لکھو ڈہر قصبے کی ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے بیٹھے ہی بیٹھے جوتے اتار دیئے اور انہیں اوندھا کر کے رکھ دیا تاکہ ان میں بھرا ہوا پانی نچڑ جائے۔ وہ اتنی دیر تک ٹھنڈے پانی میں کھڑا رہا تھا اور اب سردی سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے قمیض اتار کر خوب اچھی طرح نچوڑی۔ پھر پتلون بھی اتار کر اسے نچوڑنے لگا۔ پانی نچڑ جانے سے یہ ہو سکتا تھا کہ ہوا سے کپڑے جلدی سوکھ سکتے تھے۔ لیکن کپڑے اتارنے سے اس کی کپکپاہٹ بڑھ گئی اور اس کے دانت بجنے لگے۔ اس نے نچوڑے ہوئے کپڑے دوبارہ پہن لئے اور پانی میں تر جوتے پہن کر تیز تیز قدموں سے کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ جوتے بھیگ جانے سے خاصے وزنی ہو گئے تھے اور قدم اٹھانا مشکل ہو رہا تھا لیکن وہ چلتا رہا۔ چلنے سے خون کی گردش بھی تیز ہونے لگی اور وہ اپنے آپ میں کچھ حرارت محسوس کرنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ پکی سڑک پر پہنچ گیا۔ سڑک سنسان اور تاریک تھی۔ بائیں طرف یہ سڑک شادی پور سے ہوتی ہوئی داروغہ والا کے مقام پر جی ٹی روڈ سے جا ملتی تھی اور دائیں طرف طویل فاصلہ طے کر کے دریائے راوی کے پل تک چلی گئی تھی۔ شارق سڑک پر آنے سے پہلے کھیتوں میں ٹاہلی کے ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر بائیں طرف دیکھنے لگا۔ بائیں طرف تھوڑے ہی فاصلے پر محمود بوٹی کی آبادی تھی۔

شارق ایک بار پھر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ شادی پور کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ دونوں آدمی لکھو ڈہر کی طرف گئے تھے۔ اس طرف ان سے سامنا ہونے کا اندیشہ تھا۔ دائیں طرف راوی پل کے قریب سبزی منڈی تھی۔ اگر اسے وہاں تک پہنچنے کا موقع مل جائے تو وہاں سے کوئی سواری حاصل کر کے کسی بھی طرف جا سکتا تھا لیکن سبزی منڈی وہاں سے کئی میل دور تھی۔ اور اس میں ایک قدم چلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ پہلے ہی کئی میل کا فاصلہ طے کر کے آیا تھا۔ اس کے جوتے اور کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔

وہ کچھ دیر تک ٹاہلی کے درخت کی آڑ میں کھڑا رہا پھر سڑک پر آنے کی بجائے کھیتوں ہی میں دائیں طرف چلنے لگا۔ ابھی وہ چند ہی گز دور چلا تھا کہ سڑک پر دو آدمیوں کو دیکھ کر چونک

گیا۔ وہ دونوں سڑک کے دوسری طرف نشیب سے نکل کر اچانک ہی سامنے آئے تھے۔ تاریکی ہونے کے باوجود ان دونوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ وہی دونوں تھے۔

شارق ایک دم پودوں میں دبک گیا۔ اس سے چند گز آگے کسی گاؤں کی طرف سے آنے والا کچا راستہ تھا جو پکی سڑک سے جا ملتا تھا۔ وہ دونوں اسی راستے پر آ کر رک گئے۔

"وہ لکھو ڈہر یا محمود بوٹی کی طرف بھی نہیں آیا۔ اس طرف بھی کہیں نظر نہیں آ رہا۔ کہاں غائب ہو گیا؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ اس طرف آیا ہی نہ ہو۔ کسی اور طرف نکل گیا ہو۔" دوسرے نے کہا۔

"وہ دیکھو..... گاؤں کی طرف سے شاید کوئی ٹرالی آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس میں ہو۔" ایک آدمی نے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شارق نے بھی گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ وہ کوئی ٹریکٹر ٹرالی ہی تھی جو اس کچے راستے پر آ رہی تھی۔ ٹریکٹر کے انجن کی آواز اب صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں اچھلتی ہوئی سی نظر آ رہی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ راستہ خاصا ناہموار تھا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس ٹرالی پر پٹھے وغیرہ لدے ہوئے تھے یا سبزی وغیرہ جو منڈی لے جائی جا رہی تھیں۔

وہ دونوں آدمی کھیتوں میں راستے کے دائیں بائیں چھپ گئے اور ٹریکٹر جیسے ہی قریب پہنچا وہ دونوں کھیتوں سے نکل کر سڑک پر آ گئے اور رائفلیں اٹھا کر ٹریکٹر کو رکنے کا اشارہ کیا۔ ٹریکٹر فوراً ہی رک گیا۔

"کیا بات ہے جوانو؟" ٹریکٹر ڈرائیور بولا۔ وہ کوئی کاشتکار تھا۔ "بھئی میرے پاس پچاس ساٹھ روپے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"ہمیں تمہارے پچاس ساٹھ روپے کی ضرورت نہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"

"میرا چھوٹا بھائی ہے۔ وہ ٹرالی پر لدے ہوئے پٹھوں پر سو رہا ہے۔" ٹریکٹر ڈرائیور نے جواب دیا۔

"مقصود! تم اوپر چڑھ کر دیکھو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

شارق پودوں میں دبکا رہا۔ ٹرالی کا فاصلہ اس سے دس پندرہ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ ان کی باتیں اسے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سانس روکے پودوں میں دبکا رہا۔ ان میں سے ایک

aazzamm@yahoo.com

آدمی ٹرالی پر لدے ہوئے پٹوں کے گٹھوں پر چڑھتا ہوا نظر آیا۔ وہ مقصود تھا۔ گٹھوں کے اوپر سفید کھیس لپیٹے کوئی آدمی سو رہا تھا۔ مقصود نے رائفل کی نال سے اسے ٹھوکا دیا۔ وہ آدمی گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اور پھر مقصود کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"کک.....کون ہو تم.....کیا بات ہے؟" وہ ہکلایا۔

"کچھ نہیں.....سو جاؤ آرام سے ابھی دن نہیں چڑھا۔" مقصود کہتے ہوئے نیچے اتر آیا۔ وہ شخص لیٹنے کی بجائے کھیس لپیٹ کر بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے ایسی صورت حال میں وہ آرام سے نہیں لیٹ سکتا تھا۔

"ٹرالی پر اس کے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" مقصود نے نیچے اتر کر اپنے ساتھی کو بتایا۔ "میرا خیال ہے وہ نکل چکا ہو گا۔ کیوں نہ ہم لوگ بھی اسی ٹرالی پر سبزی منڈی کی طرف نکل چلیں۔ ہو سکتا ہے وہ اسی طرف ہو۔"

"چلو.....بیٹھ جاؤ ٹریکٹر پر۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ وہ ساجھا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی' تم لوگ کون ہو اور تمہیں کس کی تلاش ہے؟" ٹریکٹر ڈرائیور نے پوچھا۔

"ایک آدمی ہمارے چوہدری کے گھر سے زیورات اور ایک بڑی رقم چوری کر کے بھاگا ہے۔ ہمیں اس کی تلاش ہے۔" مقصود نے کہا "تم ٹریکٹر چلاؤ۔ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"کون سے چوہدری کے گھر سے؟" ٹریکٹر والے نے پوچھا۔

"وہ بھینی کا رہنے والا ہے۔ تم اسے نہیں جانتے۔" مقصود نے کہا۔

"میں اسی علاقے کا رہنے والا ہوں۔ کس چوہدری کو نہیں جانتا۔" ٹریکٹر ڈرائیور بولا۔

"تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ خاموشی سے ٹریکٹر چلاتے رہو۔" ساجھا غرایا۔

ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں اور کاشتکار نے مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ یہ لوگ خاصے خطرناک لگ رہے تھے۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اسے یا اس کے بھائی کو نقصان نہ پہنچا دیا جائے۔ اس لئے وہ خاموشی سے ٹریکٹر چلاتا رہا۔

ٹریکٹر ٹرالی کھیتوں والے کچے راستے سے نکل کر پکی سڑک پر پہنچ چکی تھی اور پھر اس کا رخ راوی کی طرف مڑ گیا۔ ٹرالی جب کافی دور نکل گئی تو شارق بھی کھیت سے نکل آیا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ ٹرالی بہت دور جا چکی تھی اور سڑک ایک بار پھر ویران ہو چکی تھی۔ دفعتاً کسی اور ٹریکٹر کے انجن کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ کھیتوں والے اسی کچے راستے سے ایک اور ٹریکٹر آ رہا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔

وہ بھی ایک ٹریکٹر ٹرالی تھی اور اس پر بھی پٹھے ہی لدے ہوئے تھے۔ وہ ٹرالی جیسے ہی کچے راستے میں سڑک پر چڑھی شارق درخت کی آڑ سے نکل آیا۔ اس دوران اس نے اطمینان کر لیا تھا کہ ٹریکٹر پر ڈرائیور کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ شارق نے سڑک کے بیچ میں آ کر ٹریکٹر کو رکنے کا اشارہ کیا۔

"کیا بات ہے بھئی کون ہو تم؟" ڈرائیور نے اسے گھورا۔

"میں گاؤں سے آ رہا تھا کہ ڈاکو میری موٹر سائیکل چھین کر لے گئے۔ وہ مجھے بھی قتل کر دیتے مگر میں بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔ اگر تم مجھے سبزی منڈی تک پہنچا سکو تو بڑی مہربانی ہو گی۔" شارق نے کہا۔

"کون سے گاؤں سے آ رہے ہو۔ میں نے پہلے تو تمہیں اس علاقے میں کبھی نہیں دیکھا۔" ٹریکٹر ڈرائیور نے کہا۔

"میں دراصل سمن آباد میں رہتا ہوں۔ بھینی میں میری بہن رہتی ہے۔ شام کو ان سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ ابھی واپس جا رہا تھا کہ راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"اس وقت تمہیں گاؤں سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟" کسان نے پوچھا۔

"مجھے صبح دفتر بھی جانا ہے اس لئے گاؤں سے جلدی نکلا تھا۔" شارق نے کہا۔

"ابھی تو صبح ہونے میں بہت دیر ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں منڈی تک پہنچا دوں گا۔" ٹریکٹر ڈرائیور نے کہا۔

شارق اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹریکٹر پر سوار ہو گیا۔ ٹریکٹر پر دوسرے آدمی کے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ شارق پائیدان پر کھڑا ہو گیا اور ٹریکٹر چل پڑا۔

سڑک خاصی ٹوٹی پھوٹی تھی۔ ٹریکٹر اور ٹرالی کو بری طرح جھٹکے لگ رہے تھے۔ شارق اپنے قدم پائیدان پر مضبوطی سے جمائے کھڑا تھا۔ سہارے کے لئے اس نے ٹریکٹر کے ایک حصے کو تھام رکھا تھا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر لگی ہوئی تھیں۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور دور تک سڑک صاف نظر آ رہی تھی۔ شارق اس روشنی میں دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں اس سے پہلے ہی جا چکے تھے اور اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوں۔

رات کی تاریکی اب دن کے ہلکے سے اجالے میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ ٹریکٹر ڈرائیور اطمینان سے ٹریکٹر چلا رہا تھا۔ اس نے شارق سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی

aazzamm@yahoo.com

تھی۔ چونگی ناکے پر پہنچ کر ڈرائیور نے ٹریکٹر روک لیا اور اتر کر چونگی محرر کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ شارق اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پہلے اس نے سوچا کہ یہیں پر اتر جائے مگر پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ منڈی یہاں سے کافی دور تھی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد کسان واپس آ گیا۔ اس نے ٹریکٹر پر سوار ہو کر اپنی سیٹ سنبھالی اور ٹریکٹر حرکت میں آ گیا۔

مزید دس منٹ بعد وہ لوگ منڈی پہنچ گئے۔ اس وقت دن کی روشنی واضح ہو رہی تھی۔ سڑک کے کنارے نشیب میں بہت بڑی منڈی تھی۔ اس کا ایک حصہ مویشیوں کے چارے وغیرہ کے لئے مخصوص تھا دوسرا سبزیوں کے لئے اور تیسرا پھلوں کے لئے۔ سبزیوں والا حصہ درمیان میں تھا اور گھاس منڈی اس سے آگے۔

منڈی میں خاصی چہل پہل تھی۔ اب کاروبار شروع ہو چکا تھا۔ شارق نے ٹرالی والے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹریکٹر سے چھلانگ لگا دی اور سڑک کی ڈھلان پر دوڑتا ہوا سبزی منڈی میں داخل ہو گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل رہا تھا۔ چاروں طرف سے مختلف قسم کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کہیں سبزیوں کی لاٹ کی بولی لگ رہی تھی اور کہیں بھاؤ تاؤ ہو رہا تھا۔

منڈی میں خاصا ہجوم تھا۔ شہر کے بیشتر سبزی اور پھل فروش اپنی دکانوں کے لئے مال اسی منڈی سے خریدتے تھے۔ شارق ہجوم میں راستہ بناتا ہوا اس طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا جہاں سے اسے کوئی سواری مل سکتی تھی۔ وہ ایک طرف مڑا ہی تھا کہ دو آدمیوں نے اچانک ہی اس کا راستہ روک لیا۔ ان دونوں نے اپنے جسموں پر چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان کی شکلیں دیکھ کر شارق کانپ اٹھا۔ وہ مقصود اور ساجھا تھے۔ موت کے وہی دو فرشتے جن سے بچنے کے لئے وہ رات بھر بھاگتا رہا تھا۔

○

"شارق باؤ۔" ساجھے نے خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑو۔ اب اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا جسم گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔"

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان دونوں نے چادروں کے اندر کلاشنکوف رائفلیں چھپا رکھی تھیں۔ اسے حیرت اس بات پر بھی ہوئی تھی کہ انہوں نے چادریں کہاں سے لے لی تھیں۔ پھر دفعتاً" اسے اس ٹریکٹر ٹرالی کا خیال ابھر آیا جس پر وہ دونوں سوار ہوئے تھے۔ اس ٹریکٹر کے ڈرائیور اور اس کے بھائی نے کھیس یا چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ انہوں نے یقیناً یہ چادریں انہی سے ہتھیا لی ہوں گی تاکہ اپنی رائفلوں کو چھپا سکیں۔

شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس بیسیوں لوگ موجو تھے جو اپنے کام دھندوں میں مصروف تھے۔ ساجھا اس کے دائیں طرف کھڑا تھا اور مقصود بائیں طرف۔ مقصود کی رائفل کی نال اس کی پسلیوں میں چبھ رہی تھی۔

"ہمارے ساتھ چلو۔" اس مرتبہ مقصود نے کہا۔ "اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم فائر کھول دیں گے۔ ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں ہو گی کہ کتنے لوگ ہماری گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں لیکن تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس کے کندھے لٹک گئے۔ اس نے ایسا انداز اختیار کر لیا جیسے ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو لیکن پھر اچانک ہی وہ کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کے دونوں ہاتھ دونوں کی گردنوں اور دونوں پیر دونوں کے پہلوؤں پر لگے تھے۔ بڑی محنت اور ریاضت سے سیکھا ہوا مارشل آرٹس کا فن ایسے ہی موقعوں پر کام آنے کے لئے تھا۔

وہ دونوں کراہتے ہوئے گرے۔ شارق بھی گرا تھا مگر وہ ایسے کاموں میں ماہر تھا وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر ایک طرف بھاگ نکلا۔

مقصود پہلے سنبھلا تھا۔ اس نے اٹھتے ہی فائرنگ شروع کر دی۔ شارق تو اس فائرنگ سے محفوظ رہا لیکن ایک مزدور، جس نے سر پر بوجھ اٹھا رکھا تھا گولی کا نشانہ بن گیا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ دو آدمی گولیوں سی زخمی ہو کر گرے تھے۔

پوری منڈی میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ لوگ بدحواس ہو کر ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ شارق بھی لوگوں کو دھکے دیتا ہوا ایک طرف بھاگتا رہا۔ وہ سبزیوں والے سیکشن سے نکل کر پھلوں والے سیکشن میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں بھی بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایک آدمی کیلوں سے بھرے ہوئے ایک ٹوکرے کے قریب کھڑا بدحواس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دائیں طرف سے دوڑتے ہوئے ایک مزدور کو آواز دی۔

"اوئے پانڈی۔"

مگر وہ پانڈی رکے بغیر ایک طرف بھاگتا چلا گیا لیکن شارق اس شخص کے قریب رک گیا۔

"کیا ہے ملک جی، یہ سامان اٹھانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، کیلوں کا یہ ٹوکرا اٹھاؤ۔ جلدی کرو۔" اس شخص نے کہا۔

شارق نے جھک کر کیلوں والا ٹوکرا اٹھا لیا جو خاصا وزنی تھا۔ وہ ٹوکرا سر پر اٹھائے اس شخص کے پیچھے دوڑتا رہا۔ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک سوزوکی پک اپ کھڑی تھی جس میں کچھ اور

aazzamm@yahoo.com

بھی پھلوں کے ٹوکرے لدے ہوئے تھے۔ کچھ پھل ویسے ہی ڈھیر کئے ہوئے تھے۔ شارق نے کیلوں والا ٹوکرا سوزوکی میں پٹخ دیا۔ اور گردن سہلانے لگا۔ اس شخص نے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کو کہاں جانا ہے ملک جی؟" شارق نے نوٹ لینے کی بجائے پوچھا۔

"سمن آباد... کیوں؟" اس شخص نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ مجھے راستے میں چوبرجی پر اتار دیجئے یہاں تو بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔" شارق نے کہا۔

"چلو بیٹھو' جلدی کرو۔" وہ شخص کہتا ہوا اسٹیئرنگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ شارق بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ سوزوکی اس شخص کی اپنی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور سوزوکی ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

سبزی منڈی میں اب بھی بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایک دو مرتبہ فائرنگ بھی ہوئی تھی۔ لوگ اپنا کام چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ سوزوکی ادھر ادھر لہراتی ہوئی تیزی سے منڈی کے علاقے سے نکل کر سڑک پر آ گئی اور تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگی۔

"تم کون ہو' پانڈی تو نہیں لگتے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں شادی پور سے آیا تھا۔ فیصل آباد جانے کے لئے لیکن راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ میں نے کھیتوں میں چھپ کر جان بچائی۔ میرے کپڑوں کی یہ حالت اسی وجہ سے ہوئی ہے۔" شارق نے اسے بھی ایک فرضی کہانی سناتے ہوئے کہا۔

"منڈی میں کیا کر رہے تھے اور چوبرجی کیوں جانا چاہتے ہو؟" اس شخص نے پوچھا۔

"مزدوری کر کے کچھ پیسے جمع کرنا چاہتا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن یہاں تو معاملہ ہی بگڑ گیا۔ چوبرجی میں میرا کزن رہتا ہے۔ اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اسی سے کچھ رقم قرض لے کر آج فیصل آباد چلا جاؤں گا۔"

سوزوکی مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی چوبرجی پہنچ کر رک گئی۔ شارق اس شخص کا شکریہ ادا کر کے نیچے اتر آیا۔ اس وقت دن کی اچھی خاصی روشنی پھیل چکی تھی۔ سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ زیادہ تر لوگ سائیکلوں پر اپنے اپنے کام دھندوں کے لئے جا رہے تھے۔ بسیں بھی چلنے لگی تھیں۔ شارق سوزوکی سے اتر کر پیدل چلتا ہوا اس طرف آ گیا جہاں ایک طرف مرغیوں کی فیڈز کی مارکیٹ تھی اور اس کے سامنے سڑک کے دوسری طرف شام نگر کا علاقہ تھا۔ اگرچہ آمد و

رفت کے لئے لوہے کا ایک اوورہیڈ پل بھی بنا دیا گیا تھا۔ نالے پر ایک چھوٹی پلیا بھی تھی اور لوگ اوورہیڈ برج استعمال کرنے کے بجائے آمد و رفت کے لئے یہی پلیا استعمال کر رہے تھے۔

شارق بھی پلیا پر سے ہوتا ہوا دوسری طرف آ گیا۔ یہاں ایک مختصر سا بازار تھا۔ اسکول جانے والے بچے گھروں سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جا رہے تھے۔ شارق رات بھر بھاگ دوڑ سے بری طرح تھکن محسوس کر رہا تھا۔ بازار میں چائے کی ایک دکان کھل چکی تھی۔ دکان کے سامنے کچھ میزیں اور بنچ بچھے ہوئے تھے اور مزدور قسم کے لوگ ان بنچوں پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ شارق دکان کے اندر آ گیا۔ دکان کے باہر اگرچہ ناشتہ کے لئے حلوہ پوری بھی بن رہی تھی مگر شارق نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے ملازم کو چائے اور مکھن لگا بن لانے کو کہا اور پتلون کی پچھلی جیب سے بٹوہ نکال کر اس میں رکھے ہوئے نوٹوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہزار' پانچ سو اور سو سو والے کئی نوٹ تھے جو نہر میں اترنے اور دیر تک پانی میں کھڑے رہنے کی وجہ سے بھیگ چکے تھے۔ اس کے بٹوے میں کچھ کاغذات بھی تھے اور وہ بھی بھیگ چکے تھے۔ شارق نے سو کا ایک نوٹ نکال کر بٹوہ دوبارہ پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ نوکر جب چائے اور پلاسٹک کی ایک میلی سی پلیٹ میں مکھن لگا ہوا بن لے کر آیا تو شارق نے سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"پیسے کاٹ لو۔"

"کھلے پیسے دو باؤ جی۔" نوکر بولا۔ "صبح صبح سو کا کھلا نہیں ہو گا۔"

"ایسا کرو۔ باہر کھوکھے سے گولڈ لیف کا ایک پیکٹ اور ماچس لے لو۔ دو روپے تمہارے اور چائے کے پیسے کاٹ کر باقی پیسے مجھے لا دو۔" شارق نے کہا۔

دو روپے کے لالچ میں وہ لڑکا سو کا نوٹ لے کر باہر چلا گیا اور شارق اطمینان سے ناشتہ کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد چائے کی دکان سے نکلا تو اس کے ہونٹوں میں سلگتا ہوا سگریٹ دبا ہوا تھا۔ وہ تمباکو نوشی کا عادی نہیں تھا۔ کبھی کبھار شوقیہ طور پر سگریٹ پی لیا کرتا تھا اور اس وقت تو سو کا نوٹ کھلا کرانے کے لئے سگریٹ خریدے گئے تھے۔

شارق کو اطمینان تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ لیکن اسے افسوس اس بات کا تھا کہ ماجھا گجر اور اس کے ساتھی پولیس کے ہاتھ نہیں لگے اور وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔

وہ کچھ دور تک بازار میں چلتا رہا اور پھر ایک گلی میں مڑ گیا۔ اس گلی میں بنگلہ نما رہائشی مکان تھے۔ وہ دو تین گلیوں میں گھومتا ہوا ایک کوٹھی نما مکان کے سامنے رک گیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو چکا تھا اور دھوپ کی نرم سنہری کرنیں بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

گیٹ کو باہر سے تالا نہیں لگا تھا۔ اس نے گیٹ کی شیٹ کے ایک سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اندر سے لگا ہوا کنڈہ ہٹایا اور گیٹ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی گیٹ بند کر دیا۔ کسی نے اسے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور اگر کوئی دیکھ بھی لیتا تو اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ یہیں رہتا تھا اور محلے کے لوگ اسے ایک شریف آدمی کی حیثیت سے جانتے تھے۔

وہ چند لمحے گیٹ کے قریب کھڑا رہا پھر پنے تلے قدم اٹھاتا ہوا برآمدے میں آ گیا۔ برآمدے کا بلب جل رہا تھا۔ وہ رات کو بلب جلا کر گیا تھا۔ اس نے دیوار پر لگا ہوا سوئچ آف کر دیا اور پتلون کی جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ راہداری میں تین چار قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ دائیں طرف والے کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھلا۔ ایک آدمی باہر نکلا اور اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی نال شارق کی گردن سے لگا دی۔

"تم سمجھتے تھے کہ ہمیں دھوکا دے کر ہم سے بچ نکلو گے۔" اس شخص کے حلق سے خوفناک غراہٹ نکلی۔ "ماجھا گجر جس شخص کے ساتھ کاروبار کرتا ہے اس کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے۔ تمہارا یہ ٹھکانہ چند روز پہلے ہی ہماری نظروں میں آیا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ تم وہاں سے بھاگ کر سیدھے یہیں آؤ گے۔"

"تم ماجھا گجر تو نہیں ہو۔" شارق بولا۔ "کون ہو تم؟"

"ماجھے گجر کا ایک ادنیٰ خادم۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "تم پاتال میں بھی چھپ جاتے تو ہم تمہیں ڈھونڈ نکالتے۔ میں ایک گھنٹے سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تم سیدھے یہیں آؤ گے۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ مال ہمارے حوالے کر دو۔"

"مال۔" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ہاں' اب تو مال تم لوگوں کے حوالے کرنا ہی پڑے گا۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے' آگے بڑھو۔" اس شخص نے شارق کی گردن پر پستول کا دباؤ ڈالا۔

شارق دو قدم آگے بڑھا لیکن پھر اچانک ہی بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اس شخص کی پسلیوں میں دونوں کہنیوں سے ٹھوکر مار دی۔

وہ شخص کراہ اٹھا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ شارق بڑی تیزی سے سیدھا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

وہ الیاس تھا۔ ماجھا گجر کا ساتھی۔ رات کو یہ بھی سوختہ حویلی میں ہی تھا لیکن اس کے فرار کے بعد حویلی سے نکل کر شاید یہیں آیا تھا۔ چند گھونسے اور ٹھوکریں کھانے کے بعد الیاس سنبھل

گیا اور اب اس نے بھی جوابی حملے شروع کر دیئے تھے۔ وہ دونوں لڑتے ہوئے ہال نما کمرے میں آ گئے۔ یہاں ایک طرف صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا۔ ایک دو کرسیاں تھیں اور سامنے ایک کونے میں ٹرالی پر ٹیلی ویژن سیٹ رکھا ہوا تھا۔

الیاس کا گھونسہ کھا کر شارق پشت کے بل صوفے پر گرا۔ الیاس نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ شارق بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ الیاس منہ کے بل صوفے پر گرا۔ شارق نے اسے قمیض کے کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور سر پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے زور دار دھکا دیا۔ الیاس ٹی وی ٹرالی سے جا ٹکرایا۔ ٹرالی الٹ گئی۔ ٹی وی کی پکچر ٹیوب چکنا چور ہو گئی۔ الیاس کو سنبھلنے میں صرف ایک سیکنڈ لگا تھا۔ اس نے اٹھ کر فوراً ہی شارق پر حملہ کر دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر فرش پر گرے اور ایک دوسری سے گتھم گتھا ہو گئے۔ کبھی شارق نیچے ہوتا اور کبھی الیاس۔ وہ دونوں دیوار سے جا لگے۔ الیاس دیوار کا سہارا لے کر اٹھنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن شارق نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

شارق کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ الیاس کو دیوار کے ساتھ دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کی برعکس الیاس نے اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ لیکن اس طرح شارق کو موقع مل گیا۔ اس نے سیدھا ہاتھ الیاس کے گلے پر لپیٹ دیا اور اسے پوری قوت سے دبانے لگا۔

الیاس پہلے تو اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر شارق کے سر کے بال پکڑنے کی کوشش کی مگر شارق نے ایک جھٹکے سے سر پیچھے ہٹا لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس کے گلے پر اپنے بازو کا دباؤ بڑھانے لگا۔

الیاس ہاتھ پیر پٹخنے لگا۔ شارق کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ الیاس کی آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگیں۔ شارق نے دوسرے ہاتھ سے اپنے اس بازو کو پکڑ رکھا تھا جو اس نے الیاس کی گردن پر لپیٹ رکھا تھا۔ اس طرح دونوں ہاتھوں کی قوت ایک ہی جگہ پر مرکوز ہو گئی تھی۔ ایک طرف الیاس کا گلا دب رہا تھا اور دوسری طرف اس کی گردن کی ہڈی پر دباؤ بڑھ رہا تھا۔ اب اس کی زبان بھی منہ سے باہر نکلنے لگی تھی۔ وہ بری طرح پیر پٹخ رہا تھا۔

شارق پے در پے جھٹکے دے رہا تھا۔ الیاس کے حلق سے عجیب سی آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔ شارق نے ایک زور دار جھٹکا دیا۔ کڑک کی آواز ابھری۔ الیاس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ پانی سے نکلی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا مگر شارق نے اب بھی گرفت ڈھیلی نہیں کی تھی۔ الیاس کے منہ سے نکلنے والی خرخراہٹ کی آوازیں بتدریج کم ہوتی چلی گئیں۔ اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور اس کی گردن شارق کی بانہوں میں ڈھلک گئی۔ شارق نے ایک اور ہلکا سا جھٹکا دیا

aazzamm@yahoo.com

اور اس کی گردن چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ الیاس لڑھک کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔

شارق اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور سانس بری طرح پھول گیا تھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا دیر تک اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا' پھر اس نے شعلہ بار نگاہوں سے الیاس کی لاش کی طرف دیکھا اور اسے پیر سے ہلکی سی ٹھوکر مارتے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ الماری کھول کر ہینگر پر ٹنگے ہوئے کپڑوں کا ایک جوڑا نکالا اور پہنے ہوئے کپڑے اور جوتے اتار کر وہیں پھینک دیئے اور الماری سے نکالے ہوئے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ گرم پانی کے غسل سے اس کی تھکن بڑی حد تک دور ہو گئی۔ وہ لباس بدل کر باہر آ گیا۔

اس نے کچن میں جا کر چائے بنائی۔ خاصا کشادہ کچن تھا۔ چیزیں رکھنے کے لئے کیبنٹ بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف چھوٹا فریج بھی رکھا ہوا تھا جس میں دودھ اور ضرورت کی دیگر چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ چائے بنانے کے ساتھ ہی اس نے دوسرے چولہے پر دو انڈے ابالنے کو رکھ دیئے تھے۔

ابلے ہوئے انڈے چھیل کر اس نے پلیٹ میں رکھے انہیں دو دو ٹکڑوں میں کاٹا۔ ان پر نمک اور کالی مرچ چھڑکی۔ ایک کپ میں چائے انڈیلی اور دونوں چیزیں لے کر کچن کے سامنے ہی میز پر بیٹھ گیا اور بڑے اطمینان سے چائے کے ساتھ انڈے کے پیس کھانے لگا۔ جس جگہ وہ بیٹھا ہوا تھا وہاں سے الیاس کی لاش بھی نظر آ رہی تھی۔ مگر اس نے لاش کو اس طرح نظر انداز کر رکھا تھا جیسے اس مکان میں اس کا وجود ہی نہ ہو۔

انڈوں کی پلیٹ صاف کرنے اور چائے کا کپ خالی کرنے کے بعد وہ دوبارہ بیڈ روم میں آ گیا۔ کچھ دیر تک دیوار کے ساتھ ایستادہ لکڑی کی الماری کو دیکھتا رہا۔ جب اس نے کپڑے نکالے تھے تو اسی وقت اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ الماری کی تلاشی لی گئی تھی۔ اس نے الماری کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اس کی جگہ سے تقریباً تین فٹ آگے کھسکا دیا۔ اس الماری کے پیچھے دیوار میں ایک اور ہضمی الماری تھی۔ اس الماری کا دروازہ آہنی چادر کا تھا۔ شارق چند لمحے بند آہنی دروازے کو دیکھتا رہا۔ اس میں تالوں کے دو سوراخ تھے۔ وہ الماری کے سامنے سے ہٹ کر بیڈ کے قریب آ گیا۔ پائنتی کی طرف سے بیڈ کو اٹھا کر اس کی جگہ سے تھوڑا سا ہٹا دیا۔ ایک پائے کے نیچے چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں چابیوں کا گچھا رکھا ہوا تھا۔ اس نے چابیوں کا گچھا اٹھا لیا اور دوبارہ آہنی دروازے والی الماری کے قریب آ گیا۔ اس نے دو چابیاں استعمال کرتے ہوئے آہنی دروازے کے

دونوں ہضمی قفل کھول کر الماری کھول دی۔

اس الماری کے اندر تین خانے بنے ہوئے تھے۔ تینوں خانے بند تھے۔ اس نے ایک چابی منتخب کر کے اوپر والا دروازہ کھولا۔ اس میں کرنسی نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ گڈیاں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ دوسرے خانے میں ایک پستول رکھا ہوا تھا۔ مگر یہ پستول نہیں تھا' گن تھی جو سائز میں پستول سے خاصی بڑی تھی۔ چھوٹی رائفل اور پستول کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔ یہ گن شارق نے ایک غیر ملکی اسمگلر سے خریدی تھی اور اسے بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ تیسرے خانے میں پلاسٹک کی تھیلیاں سلیقے سے نیچے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ ان تھیلیوں میں سفید رنگ کا پاؤڈر بھرا ہوا تھا۔ یہ ہیروئن تھی۔

شارق کچھ دیر تک ان تینوں خانوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بیڈ کے نیچے سے سمسونائٹ کا براؤن رنگ کا سوٹ کیس نکالا۔ پہلے اس میں ہیروئن کی تھیلیاں رکھیں۔ وہ تعداد میں پچیس تھیں۔ ہر تھیلی میں ایک کلو ہیروئن تھی۔ بین الاقوامی منڈی میں اس ہیروئن کی قیمت کروڑوں روپے ہو سکتی تھی۔ ہیروئن کی تھیلیاں رکھنے کے بعد اس نے ایک سائیڈ میں پستول رکھا پھر نوٹوں کی گڈیاں جمائیں اور دوسری الماری سے کپڑے نکال کر ان کے اوپر رکھنے لگا۔ لوہے کے دروازے والی الماری بند کر دی اور لکڑی کی الماری کو سرکا کر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اس نے سوٹ کیس بند کر دیا اور گھوم پھر کر گھر کا جائزہ لینے لگا۔ یہ مکان اس نے تقریباً چھ مہینے پہلے کرائے پر لیا تھا۔ جب وہ یہاں آیا تھا تو دیوار میں اس الماری کے صرف شیلف بنے ہوئے تھے آہنی دراز اور دروازے اس نے خود بنوائے تھے۔ یہ مکان بھی اس نے شعیب ہاشمی کے نام سے لیا تھا اور اپنے آپ کو ایک کاروباری آدمی ظاہر کیا تھا۔ ایک سال کا کرایہ اس نے ایڈوانس دے دیا تھا اور صرف ضرورت کی چیزیں ہی یہاں لا کر رکھی تھیں۔ وہ زیادہ تر گھر میں رہتا یا باہر۔ محلے والوں سے کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی تھی اور وہ بھی اسے شعیب ہاشمی ہی کے نام سے جانتے تھے۔

اس نے مکان سے ہر وہ نشان مٹا دیا جس سے اسے شارق کی حیثیت سے شناخت کیا جا سکتا ہو۔ آخر میں اس نے الیاس کی لاش کی طرف دیکھا اور بیڈ روم سے سوٹ کیس اٹھا کر باہر آ گیا۔ دروازہ بند کر کے چابی اس نے برآمدے کی دیوار پر بجلی کے سوئچ پر ٹانگ دی اور سوٹ کیس اٹھا کر باہر آ گیا۔ گیٹ کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اس نے اندر کا کنڈا لگا دیا باہر کا کنڈا یونہی کھلا رہنے دیا۔ گلی میں اس وقت تین چار چھوٹے بچے پتنگ اڑا رہے تھے۔ دو عورتیں ٹوکریاں ہاتھ میں اٹھائے غالباً سبزی گوشت لینے جا رہی تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

شارق تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ اتفاق سے اسے فوراً ہی رکشہ مل گیا اور وہ رکشے پر بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب رکشہ چھوڑ کر چند منٹ بعد شارق دوسرے رکشے پر بیٹھ گیا۔ اس مرتبہ وہ لوہاری چوک پر اترا تھا۔ رکشہ چھوڑ کر وہ سوٹ کیس اٹھائے پیدل ہی چلتا ہوا انارکلی میں داخل ہو گیا۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک ذیلی گلی میں داخل ہو گیا۔ ایک ریسٹورنٹ کے سامنے وہ ایک لمحہ کو رکا۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کو آنکھ سے اشارہ کیا اور ریسٹورنٹ کے بالکل ساتھ ایک چھوٹے دروازے میں داخل ہو کر سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

سیڑھیوں کے اختتام پر دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔ وہ دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے دستک دینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ تقریباً دو منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ یہ وہی شخص تھا جو ریسٹورنٹ کے کاؤنٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور شارق نے سیڑھیوں والے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے اسے آنکھ کے گوشے سے مخصوص اشارہ کیا تھا۔ وہ شارق کا دوست سہیل تھا۔

"خیریت!" سہیل نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ شارق کا اشارہ پا کر ہوٹل کے اندرونی زینے سے اوپر آیا تھا۔ "لگتا ہے کسی لمبے سفر پر جانے کی تیاری کر کے آئے ہو؟"

"نہیں۔" شارق اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ اس نے دروازہ بھی بند کر دیا۔ "پچھلی رات میں بھینی میں تھا۔ ماجھا گجر کے ساتھ ایک چال چلنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام ہو گیا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر وہاں سے نکلا تھا۔ رات بھر بھاگتا رہا اور ماجھا گجر کے دو آدمی موت کے فرشتوں کی طرح میرا تعاقب کرتے رہے۔ میں ان سے بچ کر کسی طرح منڈی پہنچ گیا۔ لیکن انہوں نے مجھے وہاں گھیر لیا۔ مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ میں تو بچ گیا مگر ایک بے گناہ آدمی ان کے ہاتھوں مارا گیا اور میں وہاں سے بھاگ کر شام نگر والے مکان پر پہنچا تو ماجھے گجر کا ایک اور آدمی موت کے فرشتے کی طرح وہاں گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی لاش وہیں پڑی ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ اماں کے ہاں چلا جاؤں گا لیکن پھر یہاں آ گیا اور اب مجھے کم از کم دو تین روز یہاں رہنا ہو گا۔"

"اچھا کیا تم اماں کے ہاں نہیں گئے۔" سہیل نے کہا۔ "انہیں اس معاملے سے الگ ہی رکھنا ہو گا۔ تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔ کسی کو یہاں تمہاری موجودگی کا پتہ نہیں چلے گا۔ ناشتہ کیا ہے یا نہیں؟"

"ناشتہ میں کر چکا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے' تم سو جاؤ.... یہاں کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" سہیل بولا۔

"اور یہ سوٹ کیس سنبھال کر رکھ لو۔" شارق نے سوٹ کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں ڈیڑھ کروڑ کی رقم' پچیس کلو ہیروئن اور آٹو گن ہے۔ میں یہاں آ تو گیا ہوں لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ میری وجہ سے تم کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤ۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" سہیل نے اسے گھورا۔ "جس روز میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو اس وقت میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ تمہاری دوستی میں فائدہ ہو گا یا نقصان۔ میں دوستی کا مفہوم اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس لئے آئندہ تم اس قسم کی کوئی بات نہیں کرو گے۔ اب تم سو جاؤ.... میں نیچے ریسٹورنٹ میں جا رہا ہوں۔"

سہیل اندرونی دروازے سے نکل کر ریسٹورنٹ کے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

شارق نے جوتے بھی نہیں اتارے اور بستر پر گر گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور ذہن ماضی کے پردے اٹھانے لگا۔

○

1965ء کی جنگ پاکستانی قوم کی پہلی آزمائش تھی۔ چھ ستمبر کی شب کبھی نہیں بھلائی جا سکے گی جب مکار بھارتیوں نے پاکستان کی سرحدوں پر شب خون مارا تھا۔ بھارتی حکمرانوں کا خیال تھا کہ اس کی سینا کے سورما راتوں رات آدھے پاکستان پر قبضہ کر لیں گے۔ یہی پلان بنا کر بھارتی فوج نے چاروں طرف سے پاکستانی سرحدوں پر نقب لگانے کی کوشش کی تھی۔ بھارتی فوج کے جرنیلوں نے تو یہ پروگرام بھی بنایا تھا کہ وہ دوسرے روز شام کو لاہور جم خانہ میں آزادی کا جشن منائیں گے۔ ان جرنیلوں نے بھارت کے وزیروں اور ہزاروں معززین کو لاہور جم خانہ میں شراب نوشی کے دعوت نامے بھی تقسیم کر دیئے تھے۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ سوئے ہوئے شیر کو جب جھنجھوڑ کر جگایا جائے تو وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔

پاکستانی سرحدوں پر رات کے اندھیرے میں بھارتی فوجیوں کا حملہ ان سوئے ہوئے شیروں کو جھنجھوڑنے کے مترادف تھا۔ بھارتی جرنیلوں کا لاہور کے جم خانہ میں شراب پینے کا خواب پورا نہ ہو سکا۔ رات کے اندھیرے میں وہ چند میل تک پاکستانی سرحدوں میں داخل تو ہو گئے تھے لیکن صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے پہلے ان کی پیش قدمی روک دی گئی۔

پاکستانی قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ وہ ہر محاذ پر اس طرح ڈٹ گئے کہ بھارتی سینا کے سورماؤں کو اپنے جوتے اور دھوتیاں تک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

aazzamm@yahoo.com

ضلع سیالکوٹ میں چونڈہ نام کے اس قصبے کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے تھے لیکن 65ء کی جنگ نے اس قصبے کو وہ اعزاز بخشا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کا نام سنہری حروف میں رقم ہو گیا۔ پہلے العالمین کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اس کے ریگزاروں میں دنیا کی سب سے بڑی ٹینکوں کی جنگ لڑی گئی تھی لیکن چونڈہ نے العالمین کا یہ اعزاز چھین لیا۔ اس کے سرسبز و شاداب میدانوں میں دنیا کی ٹینکوں کی جو سب سے بڑی جنگ لڑی گئی اس کی مثال شاید آئندہ صدیوں کی تاریخ بھی پیش نہ کر سکے۔ اس جنگ کے دوران پاکستانی فوج کے جوانوں نے بہادری کے ایسے ایسے مظاہرے کئے کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ دنیا بھر کے فوجی ماہرین نے پاکستانی فوج کو دنیا کی بہترین فوج تسلیم کر لیا۔

فضل الٰہی کا تعلق بھی چونڈہ ہی سے تھا۔ وہ چونڈہ کے نواح میں ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کی چند ایکڑ زمین تھی جو میدان جنگ بن گئی تھی۔ اس محاذ پر پاکستانی فوج کے جوانوں کے علاوہ دیہاتیوں نے بھی جرات و شجاعت کے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔

اس محاذ پر ٹینکوں کی لڑائی عروج پر تھی۔ ہزاروں ایکڑ اراضی پر کھڑی فصلیں ٹینکوں تلے روندی جا چکی تھیں۔ کئی بستیاں تباہ ہو گئی تھیں۔ بھارتی فوج سول آبادیوں پر بھی بھرپور حملے کر رہی تھی۔ فضل الٰہی کے گاؤں کے کئی گھر تباہ ہو چکے تھے۔ اور بالآخر ایک گولہ اس کے مکان پر بھی آ کر لگا۔ فضل الٰہی کی بیوی' بیٹی اور سولہ سال کی عمر کا بیٹا شہید ہو گئے۔ اس کا بڑا بیٹا شفاعت علی زخمی ہو گیا۔ اس کی ٹانگ پر بم کا ٹکڑا لگا تھا۔ اس روز بستی کے تین اور مکانوں پر بھارتی توپوں کے بم گرے تھے جن سے کئی افراد شہید اور زخمی ہوئے تھے۔

پاکستانی فوج کے جوانوں نے زخمیوں اور زندہ بچ جانے والوں کو بستی سے نکال کر چونڈہ پہنچا دیا جہاں زخمیوں کو ابتدائی طبی امداد فراہم کرنے کے بعد سیالکوٹ کے ہسپتالوں میں منتقل کر دیا۔

یہاں ایک نیا جذبہ دیکھنے میں آیا۔ ہزاروں شہری جنگ میں زخمی ہونے والے سویلین اور فوجیوں کی جانیں بچانے کے لئے خون کے عطیات دے رہے تھے۔ خون کے عطیات دینے کے لئے جو لوگ طویل قطاروں میں کھڑے تھے ان میں دس سال کے بچے سے لے کر اسی سال کے بوڑھے تک شامل تھے۔ اپنے وطن' وطن کے محافظوں اور ہم وطنوں سے محبت کا جذبہ انہیں یہاں لے آیا تھا۔

فضل الٰہی کا بیٹا شفاعت علی ہسپتال میں تھا اور وہ خود کسی کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ شخص اس کا رشتہ دار نہیں تھا۔ اگر کوئی رشتہ تھا تو اس سرزمین کی مٹی کا۔ دین کا....سیالکوٹ کے باشندوں نے جنگ سے متاثرین کو کھلے ہاتھوں لیا تھا۔ انہیں اپنے گھروں میں پناہ دی تھی اور ان کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک کیا تھا۔ انہیں غیریت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

سترہ روز کی اس جنگ میں پاکستانی قوم سرخرو ہو کر نکلی تھی اور پاکستانی افواج کے جوانوں نے اپنی بہادری کا سکہ منوا لیا تھا جبکہ بھارتی سورما اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔

شفاعت علی ہسپتال ہی میں تھا۔ اس کی وجہ سے فضل الٰہی کو بھی شہر میں ہی رہنا پڑا۔ ایک روز جب وہ اپنے گاؤں گیا تو گاؤں کے بہت سے لوگ واپس آ چکے تھے اور ایک نئی ولولہ خیز زندگی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جو مکان بھارتی فوجوں کی گولہ باری سے منہدم ہو گئے تھے یا انہیں جزوی طور پر نقصان پہنچا تھا ان کی مرمت ہو رہی تھی اور ٹینکوں سے روندے ہوئے کھیتوں کو از سر نو تیار کیا جا رہا تھا۔

حکومت نے متاثرہ کاشتکاروں اور زمینداروں کو معقول معاوضہ دینے کا اعلان کیا تھا۔ فضل الٰہی کا ایک بیٹے کے سوا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بیوی' بیٹی اور ایک بیٹے کو دفن کیا تھا۔ اس گاؤں سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

کچھ ہی عرصہ بعد اس نے اپنی زمین بیچ دی۔ چند روز سیالکوٹ میں رہا پھر بیٹے کو لے کر لاہور آ گیا۔ یہاں اسے اپنا پرانا دوست عبدالرحمٰن مل گیا۔ عبدالرحمٰن اسی گاؤں کے ایک بڑے زمیندار کا بیٹا تھا۔ ان دونوں کا بچپن اکٹھے ہی گزرا تھا۔ عبدالرحمٰن نے میٹرک چونڈہ ہی سے کیا تھا پھر وہ تعلیم کے سلسلے میں لاہور آ گیا جبکہ فضل الٰہی اپنے باپ کے ساتھ کھیتی باڑی میں اس کا ہاتھ بٹانے لگا تھا۔

عبدالرحمٰن نے اپنے باپ کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی اراضی بیچ دی اور لاہور ہی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے شادی بھی یہیں کی تھی۔ فضل الٰہی جب بھی کسی کام کے سلسلے میں لاہور آتا اس سے ضرور ملتا تھا۔ عبدالرحمٰن ہمیشہ پیار اور خلوص سے ملا تھا اور اس مرتبہ تو اس نے زیادہ ہی جوش کا مظاہرہ کیا تھا۔

شفاعت کو میو ہسپتال لے جایا گیا۔ اسے ہسپتال میں داخلے کی ضرورت نہیں تھی۔ زخم بھر رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے احتیاط کے مشورے کے ساتھ استعمال کے لئے چند دوائیں بھی دے دی تھیں۔ ان کی رہائش عبدالرحمٰن ہی کے مکان پر تھی۔ تین مہینے گزر گئے۔ شفاعت بھی اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ ٹانگ کی نسوں میں کھنچاؤ کی وجہ سے چال میں ذرا سی لنگڑاہٹ آ گئی تھی۔

ایک رات وہ سب لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ کھانے کے بعد حسب معمول حالات حاضرہ پر تبصرے ہو رہے تھے۔ اس گفتگو کے دوران موقع پا کر فضل الٰہی نے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

aazzamm@yahoo.com

"بھائی عبدالرحمٰن! تم جس طرح اس مشکل اور آڑے وقت میں ہمارے کام آئے ہو۔ جس طرح تم لوگوں نے ہمیں سہارا دیا ہے وہ احسان ہم زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔ لیکن اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم زندگی بھر تم پر بوجھ بنے رہیں۔ شفاعت بھی اب ماشاء اللہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ میرے بازوؤں میں بھی اتنی طاقت عود کر آئی ہے کہ ہم دونوں باپ بیٹے مل کر زندگی کی گاڑی کھینچ سکیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اب ہم لوگوں کو یہاں سے جانے کی اجازت دے دی جائے۔"

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ تم لوگ ہم پر بوجھ نہیں ہو۔" عبدالرحمٰن نے کہا۔ "مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ہم تمہاری خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکے۔"

"نہیں بھئی۔" فضل الٰہی نے کہا۔ "خدمت تو تم لوگوں نے ہماری بہت کی۔ اللہ تم لوگوں کو اس کی جزا ضرور دے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "زمین کی فروخت سے مجھے جو رقم ملی تھی وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں موقع کی دکان تلاش کر کے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر دوں۔"

"مناسب خیال ہے۔" عبدالرحمٰن نے کہا۔ "تو پھر تلاش کیجئے کوئی دکان۔ اگر مزید رقم کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔"

"نہیں بھئی.... تم لوگوں کا یہ احسان پہلے ہی کیا کم ہے کہ....."

"رحمٰن ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی صاحب۔" عبدالرحمٰن کی بیوی نے فضل الٰہی کی بات کاٹ دی۔ "رقم کچھ کم پڑ جائے تو آپ بلا تکلف لے لیجئے۔ جب حالات بہتر ہو جائیں تو لوٹا دیجئے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ میری جتنی چادر ہے اتنے ہی پیر پھیلاؤں' لیکن اگر ضرورت پڑی تو میں بتا دوں گا۔" فضل الٰہی نے کہا۔

دوسرے ہی روز دکان کی تلاش شروع ہو گئی۔ شہر کے مختلف علاقوں میں بہت سی دکانیں دیکھی گئیں لیکن بھاٹی چوک پر ایک دکان پسند آ گئی۔ یہ دکان چوک کے کارنر پر واقع عمارت کے کارنر پر تھی۔ خاصی بڑی دکان تھی اور کرایہ بھی معقول تھا۔ فضل الٰہی نے اس علاقے کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہاں پھلوں کی دکان کھولی جائے تو خوب چلے گی کیونکہ چوک کے آس پاس پھلوں کی کوئی دکان نہیں تھی۔ بعض لوگ فٹ پاتھ پر ٹوکروں میں پھل لئے بیٹھے تھے۔ ایسی جگہوں پر عام لوگ تو چیز خرید سکتے تھے لیکن معززین جھجکتے تھے۔ اس لئے فضل الٰہی نے اچھے انداز میں پھلوں کی دکان کھلوانے کا ہی فیصلہ کیا تھا۔

زمین کی فروخت سے اسے معقول رقم ملی تھی۔ دکان لینے کے بعد بھی خاصی رقم بچ گئی

تھی۔ دکان کے سامنے تھوڑی سی جگہ گھیر کر لکڑی کا اونچا تھڑا بنا لیا گیا تھا۔ جس پر تازہ پھلوں کے ٹوکرے اور پیٹیاں سجا دی گئیں جبکہ اندر کے حصے میں شیلف وغیرہ بنا کر شیشے کے خوبصورت مرتبانوں میں خشک میوے سجا دیئے گئے۔ دکان کی ڈیکوریشن ایسی تھی کہ گاہک خود بخود کھنچا چلا آتا تھا۔

دکان خوب چل نکلی تھی۔ چند روز تو وہ عبدالرحمٰن کے گھر پر رہے پھر اندرون لوہاری ایک مکان کرائے پر لے کر وہاں منتقل ہو گئے۔ یہاں سے انہیں دکان قریب پڑتی تھی۔ ان کی دکان خوب چل نکلی تھی۔ ان کے گاہکوں میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا شمار علاقے کے معززین میں ہوتا تھا۔ فضل الٰہی صبح سویرے منڈی سے مال لے کر آتا اور دوکان سیٹ کر کے شفاعت کے حوالے کر کے خود داتا دربار چلا جاتا جو وہاں سے صرف چند گز کے فاصلے پر تھا۔ اس کا زیادہ وقت داتا دربار ہی میں گزرتا تھا۔

لوہاری گیٹ کے اندر محلّہ حویلیاں کے کوچہ لالہ ہرنام داس میں جو مکان انہوں نے کرائے پر لیا تھا وہ نان چھولے بیچنے والے ایک آدمی امیر علی کی ملکیت تھا۔ وہ بھاٹی چوک پر دکان لگایا کرتا تھا۔ فضل الٰہی سے دوستی ہو گئی تھی اس لئے مکان بہت کم کرائے پر مل گیا تھا۔ یوں بھی امیر علی کا کوئی نہیں تھا۔ وہ اس دنیا میں بالکل اکیلا تھا اور اسے پیسے کی ہوس بھی نہیں تھی۔ اس کا باپ قیام پاکستان کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے آیا تھا اور یہ مکان اس نے کلیم میں حاصل کیا تھا۔

پر پیچ اور تنگ سی گلیوں میں اس مکان والی گلی تو اور بھی تنگ تھی۔ تین آدمی پہلو بہ پہلو نہیں چل سکتے تھے۔ اس مکان کے دروازے کے عین سامنے گلی کا موڑ تھا۔ مکان میں داخلے کے دروازے کے ساتھ ہی بیٹھک کا دروازہ تھا۔ مکان کے دروازے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ مکان اندر سے بھی چھوٹا ہو گا لیکن اندر سے یہ مکان بے حد وسیع و عریض تھا۔ دروازے کے دوسری طرف سرخ اینٹوں کا کشادہ آنگن تھا جس میں بیس پچیس چارپائیاں بچھ سکتی تھیں صحن کے دوسری طرف طویل برآمدہ تھا۔ اس برآمدے میں چار کمروں کے دروازے تھے۔ بیچ میں ایک راہداری تھی۔ اس راہداری میں بھی کمرے تھے۔ کمروں کی تعداد مجموعی طور پر آٹھ تھی۔ بڑے کشادہ کمرے تھے۔ فضل الٰہی کو اتنے بڑے مکان کی ضرورت نہیں تھی لیکن کم کرائے پر مل گیا تھا اسلئے اس نے لے لیا۔

ان کے سامنے والے مکان میں ظہور نامی ایک صاحب رہتے تھے۔ ظہور بھی فضل الٰہی کا ہم عمر تھا۔ وہ برانڈرتھ روڈ پر مشینری کی ایک دکان پر مینجر تھا۔ اس کی ساری زندگی اسی دکان پر

aazzamm@yahoo.com

ملازمت کرتے ہوئے گزر گئی تھی۔ وہ بہت خوش اخلاق اور ہنس مکھ آدمی تھا۔ ظہور کا مکان چھوٹا تھا۔ ایک بیٹھک دو کمرے۔ آنگن بھی مختصر تھا۔ اس کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔ بیٹی بیاہی جا چکی تھی اور مصری شاہ میں رہائش پذیر تھی۔ بیٹا بھی شادی شدہ تھا وہ فضل الٰہی کے بیٹے شفاعت سے عمر میں تین چار سال بڑا تھا اور ایک بچے کا باپ تھا۔

فضل الٰہی عشاء کی نماز داتا دربار میں پڑھنے کے بعد گھر آ جاتا جبکہ شفاعت دیر تک دکان کھولے بیٹھا رہتا۔ بھائی....لاہور کا دل....یوں لگتا تھا جیسے اس علاقے میں کبھی رات ہوتی ہی نہ ہو۔ رات کو بھی دن کا سا سماں رہتا۔

محلے کے بعض لوگوں نے فضل الٰہی کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا۔ ان میں زیادہ لوگ فضل الٰہی کے ہم عمر تھے جو رات دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ ایک رات ظہور اور گلی کے تین اور آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں شیر محمد نے شفاعت کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"ارے بھائی! بیٹے کی شادی کب کرو گے۔ اب تو ماشاء اللہ تمہارا کاروبار بھی سیٹ ہو گیا ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ اب شفاعت کی شادی کر ہی ڈالو۔ بہو گھر میں آئے گی تو تمہیں بھی کچھ آرام مل جائے گا۔ ایک طرف بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہنا۔"

"بات تم نے چھیڑی ہے تو تم خود ہی اس کے لئے کوئی رشتہ بھی ڈھونڈ نکالو۔ شفاعت کو بھتیجا کہتے ہو۔ تمہارا بھی تو کچھ فرض بنتا ہے۔" فضل الٰہی نے ہنستے ہوئی کہا۔

"چلو' ٹھیک ہے۔" شیر محمد نے جواب دیا۔ "ویسے ایک لڑکی ہے میری نظروں میں۔ یتیم لڑکی ہے' خوبصورت اور سلیقے والی ہے۔ میں اس کے باپ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ بہت شریف آدمی تھا۔ اب دونوں ماں بیٹی اکیلی ہیں' آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے ان کا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' تم ہی بات شروع کرو۔" فضل الٰہی نے کہا۔

اس طرح شفاعت علی کے رشتے کے لئے سلسلہ جنبانی شروع ہو گیا۔ وہ لوگ کاچھوپورہ میں رہتے تھے۔ فضل الٰہی شیر محمد کے ساتھ جا کر لڑکی بھی دیکھ آیا۔ لڑکی اسے پسند آئی تھی۔ ایک سال پہلے اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے دو مکان تھے' ایک میں ان ماں بیٹی کی اپنی رہائش تھی اور دوسرا کرائے پر اٹھا رکھا تھا۔ اسی کے کرائے سے گھر کے اخراجات چل رہے تھے۔ لڑکی کی ماں سلائی کا کام بھی کرتی تھی جس سے کچھ آمدنی ہو جاتی تھی۔

بات پکی ہو گئی اور پھر چند ہی روز بعد شفاعت کی شادی ہو گئی۔ سکینہ بڑی بھاگوان ثابت ہوئی۔ اس کے آنے کے تین مہینے بعد فضل الٰہی نے وہ دکان خرید لی جس میں کاروبار کر رہا تھا۔

اور پھر سکینہ نے جب ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا تو فضل الٰہی خوشی سے پھولا نہیں سمایا تھا۔ اس نے پوتے کا نام شارق رکھا۔ شارق اپنی ماں سے بھی زیادہ بھاگوان ثابت ہوا۔ وہ ابھی تین مہینے کا تھا کہ مکان کا مالک امیر علی بیمار پڑ گیا۔ پہلے تو وہ چھوٹے چھوٹے ڈاکٹروں سے علاج کرواتا رہا لیکن بیماری بڑھتی گئی۔ اور بالآخر جب اس نے میو ہسپتال جا کر معائنہ کرایا تو انکشاف ہوا کہ اس کے نہ صرف جگر میں زخم ہو گیا تھا بلکہ ایک گردہ بھی ناکارہ ہو رہا تھا۔

امیر علی اکیلا آدمی تھا۔ اسے پیسے کی ہوس نہیں تھی۔ قناعت پسند آدمی تھا۔ کبھی کچھ بچا کر بھی نہیں رکھا تھا۔ جو کچھ بچایا تھا وہ بیماری پر خرچ ہونے لگا اور بالآخر وہ اندوختہ بھی ختم ہو گیا تو اس نے فضل الٰہی کے ہاتھ وہ مکان بیچ دیا۔

فضل الٰہی کو وہ مکان بہت سستا مل گیا تھا۔ فضل الٰہی نے وہ مکان شفاعت کے نام ٹرانسفر کروا دیا۔ اس کے چند ہفتوں بعد فضل الٰہی سڑک پار کرتے ہوئے ڈبل ڈیکر بس کی زد میں آ کر شدید زخمی ہو گیا۔ اسے فوراً میو ہسپتال پہنچا دیا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا اور تین دن بعد خالق حقیقی سے جا ملا۔

فضل الٰہی کے انتقال کے بعد شفاعت علی اداس رہنے لگا۔ اس کی بیوی سکینہ حوصلہ مند عورت تھی۔ وہ اس کی ڈھارس بندھاتی رہتی۔ شفاعت نے 65ء والی جنگ میں ہولناک مناظر دیکھے تھے۔ سینکڑوں لوگوں کو خاک و خون میں لوٹتے دیکھا تھا۔ اپنی ماں' بہن اور بھائی کی خون میں لت پت لاشیں دیکھی تھیں۔ وہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس کا دل زخموں سے چور تھا۔ وقت نے وہ زخم تو مندمل کر دیئے تھے لیکن اب باپ کی موت سے دل پر ایک اور زخم لگا تھا۔ یہ تازہ زخم کچھ عرصہ تک تکلیف کا باعث رہا اور پھر آہستہ آہستہ یہ بھی مندمل ہونے لگا۔

سامنے والے پڑوسی ظہور سے اب بھی ان کی بڑے خوشگوار تعلقات تھے۔ لیکن ظہور کا پوتا سلمان جو ان دنوں بی اے میں زیر تعلیم تھا' کچھ مختلف قسم کا انسان تھا۔ اخلاق تو جیسے اسے چھو کر نہیں گزرا تھا۔ دوسروں سے ہمیشہ اکھڑ لہجے میں اور بدتمیزی سے بات کرتا۔ اس کے باپ نے اگرچہ اسے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس ہونے نہیں دی لیکن دوسروں کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھ کر وہ جلتا تھا۔ شکل میں بھی وہ بہت بدہیئت آدمی تھا۔ گینڈے جیسا بے ڈول جسم' تنگ سی پیشانی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن میں مکاری جھلکتی تھی۔ طوطے جیسی خمیدہ ناک اور پیلے دانت' جیسے اس نے کبھی دانتوں کی صفائی نہ کی ہو۔

نجانے کیا بات تھی کہ شفاعت علی اور اس کے گھر والوں سے وہ جلنے لگا تھا۔ ان سے کبھی اس نے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔ کبھی سلام تک نہیں لیا تھا۔ محلے کے دوسرے لوگوں سے

aazzamm@yahoo.com

بھی اس کا رویہ ایسا ہی تھا اور یہ اس کی فطرت کے عین مطابق تھا۔

فضل الٰہی نے جب یہ مکان خریدا تو سلمان کے باپ نے بڑے خلوص سے اسے مبارک باد دی تھی لیکن سلمان نے بڑی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ فضل الٰہی کے انتقال کے بعد تو وہ شفاعت علی کا جیسے دشمن ہو گیا تھا۔

سکینہ ایک سگھڑ اور سلیقہ مند لڑکی تھی۔ اس نے گھر سنبھال لیا۔ لیکن فضل الٰہی کے انتقال کے بعد وہ کچھ بیمار سی رہنے لگی تھی۔ شفاعت علی نے سکینہ اور شارق کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کے لئے ایک عورت رکھ لی۔ مریم نامی اس عورت کا گھر تیسری گلی میں تھا اس کا شوہر تانگہ چلاتا تھا اور وہ خود گھروں میں کام کرتی تھی۔ وہ عمر میں سکینہ سے دو تین سال بڑی تھی۔ اس کا بیٹا پیدائش کے چند ماہ بعد انتقال کر گیا تھا اور اب عرصہ سے اس کی گود خالی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ شارق پر زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ شارق بھی اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا تھا۔

مریم کو اگرچہ جزوقتی طور پر ملازم رکھا گیا تھا مگر سکینہ اور شارق سے کچھ ایسا لگاؤ ہوا کہ اس نے دوسرے گھروں کا کام چھوڑ دیا اور زیادہ وقت اسی گھر میں گزارنے لگی۔ وہ رات کو بھی دیر تک رہتی اور کبھی تو رات بھی یہیں گزار دیتی۔

تقریباً دو سال بعد مریم نے بھی ایک بچی کو جنم دیا۔ اس کا نام رضیہ رکھا گیا۔ رضیہ کی پیدائش کے چند ہی روز بعد اس کا باپ لکشمی چوک پر ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ اس وقت اس کے تانگے میں سواریاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ تانگہ لے کر نسبت روڈ سے میکلوڈ روڈ کی طرف جانے کے لئے لکشمی چوک پر مڑا ہی تھا کہ ایک تیز رفتار اومنی بس نے تانگے کو کچل دیا۔ رضیہ کا باپ اور تانگے کی دو سواریاں تو فوراً ہی جاں بحق ہو گئی تھیں اور باقی چار مسافر، جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں، شدید زخمی ہوئے تھے جنہیں میو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

محلے والوں نے مریم سے صرف اتنی ہمدردی کی کہ اس کے شوہر کا جنازہ اٹھا کر لے گئے۔ دو چار روز تک محلے والوں کی طرف سے ہمدردانہ خیالات کا اظہار ہوتا رہا اور پھر لوگ اسے بھول گئے۔ مگر سکینہ اور شفاعت اسے نہیں بھولے تھے۔

سکینہ اور شفاعت نے مریم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا مکان چھوڑ کر ان کے گھر منتقل ہو جائے لیکن وہ اپنا گھر چھوڑنے کو تیار نہیں تھی، لیکن بہرحال اس کے تمام اخراجات شفاعت ہی برداشت کر رہا تھا۔

شارق اور رضیہ کی پرورش ایک ساتھ ہو رہی تھی۔ شفاعت جو چیز اپنے بیٹے کے لئے لاتا وہی چیز رضیہ کے لئے بھی لے کر آتا۔ ان دونوں میاں بیوی نے مریم کو کبھی کسی چیز کی کمی یا

محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

ان کی زندگی بڑے اطمینان و سکون سے گزر رہی تھی لیکن یوں لگتا تھا جیسے وقت کو ان کی خوشیاں پسند نہ ہوں۔ ان کے سامنے والے گھر میں رہنے والے ظہور کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ سلمان وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد ضلع کچہری میں پریکٹس شروع کر چکا تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ ایک سینئر وکیل کے ساتھ اٹیچ رہا پھر اس نے انڈی پینڈنٹ ہو کر پریکٹس شروع کر دی۔ اس نے کچہری کے احاطے میں ایک بھٹہ بھی لے لیا تھا۔ جہاں ایک میز کرسی لگا دی گئی تھی۔

سلمان نہایت کمینہ فطرت آدمی تھا۔ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ البتہ اپنے فائدے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانے کے چکر میں رہتا تھا۔ ویسے تو اس کی پریکٹس برائے نام ہی چلتی تھی لیکن جعلی دستاویزات کی تیاری کی سلسلے میں وہ خاصی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس کے پاس زیادہ تر ایسے ہی لوگ آتے تھے جو جعل سازی سے اپنا کام کروانا چاہتے تھے۔

سلمان کو شفاعت علی سے بھی بڑی پرخاش تھی۔ جب یہ مکان فضل الٰہی نے امیر علی سے خریدا تھا تو اس کی سینے پر سانپ لوٹ کر رہ گئے تھے۔ اسے تو اس بات کا بھی دکھ تھا کہ اتنا بڑا مکان امیر علی کے باپ کو کلیم میں کیسے مل گیا تھا۔ اور اب سلمان کو ان کے خلاف کچھ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اسے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا اور وہ خود بھی وکیل بن کر جعلی دستاویزات کی تیاری میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔

سلمان نے متعلقہ محکمہ کو یہ درخواست دے دی کہ امیر علی کے باپ نے جھوٹا کلیم داخل کر کے یہ مکان حاصل کیا تھا جو بعد میں فضل الٰہی نے شفاعت علی کے نام اونے پونے خرید لیا تھا۔ اس درخواست میں اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ یہ مکان دراصل اس کے خاندان کی ملکیت ہے۔ اس کی درخواست کے مطابق عرصہ پہلے اس کا اپنا مکان اور شفاعت والا مکان دراصل ایک ہی مکان تھا لیکن اس طرف گلی نکالنے کے لئے اس مکان کو توڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ شفاعت والے مکان کا حصہ مختلف لوگوں کو کرائے پر دیا جاتا رہا۔ آخر میں ایک ہندو کرائے دار تھا جو 47ء کے فسادات کے دوران ہندوستان چلا گیا اور اس مکان پر امیر علی کے باپ نے قبضہ کر لیا اور جھوٹا کلیم داخل کر کے اسے اپنے نام الاٹ کروا لیا۔ سلمان نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کچھ دستاویزات بھی پیش کی تھیں جو ظاہر ہے جعلی تھیں۔

کیس طویل عرصہ تک عدالت میں چلتا رہا اور بالآخر فیصلہ شفاعت کے حق میں ہوا۔ عدالت کے اس فیصلے پر سلمان تلملا اٹھا۔ اس نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور اس طرح یہ کیس دوبارہ شروع ہو گیا۔ سلمان نے متعلقہ محکمہ کے بددیانت آدمیوں سے مل کر اس مکان کی ملکیت

aazzamm@yahoo.com

کے بارے میں کچھ رد و بدل بھی کروا لیا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا سلمان کی حرامزدگی سے کیس میں پیچیدگی پیدا ہوتی چلی گئی اور اس طرح یہ سیدھا سادہ معاملہ الجھنوں کا شکار ہو کر برسوں پر محیط ہوتا چلا گیا۔

شفاعت علی کا بیٹا شارق بارہ سال کا ہو چکا تھا۔ وہ سرخ و سفید رنگ کا گول مٹول' پیارا سا بچہ تھا۔ وجاہت کے ساتھ خدا نے اسے ذہانت بھی خوب دی تھی۔ پڑھنے لکھنے میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ عمر کے لحاظ سے اسے چھٹی کلاس میں ہونا چاہئے تھا لیکن اس نے دو مرتبہ ڈبل پرموشن لی تھی اور اب آٹھویں کلاس میں تھا۔ پڑھائی کے علاوہ وہ باپ کے کاربار میں بھی خاصا مددگار ثابت ہو رہا تھا۔ وہ اسکول سے چھٹی کر کے آتا تو سب سے پہلے گھر میں بیٹھ کر اپنا ہوم ورک کرتا پھر دکان پر چلا جاتا۔ دکان سے واپس آنے کے بعد شارق کچھ دیر آرام کرتا اور پھر پڑھنے کے لئے بیٹھ جاتا۔ سکینہ بھی میٹرک پاس تھی۔ وہ بھی بیٹے کی پڑھائی میں دلچسپی لیتی اور فارغ وقت میں اسے پڑھاتی رہتی۔ مریم کی بیٹی رضیہ دس سال کی ہو چکی تھی۔ وہ پانچویں کلاس میں تھی۔ شام کو وہ بھی شارق کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتی رہتی۔

وہ سردیوں کا موسم تھا۔ بارشیں شروع ہونے والی تھیں۔ لوگ اپنے اپنے مکانوں کی چھتیں وغیرہ مرمت کروا رہے تھے تاکہ بارش میں مکان کو نقصان نہ پہنچ سکے۔

قدیم شہر کے مکانات صدیوں پرانے تھے۔ کچھ لوگوں نے تو پرانے مکان تڑوا کر ان کی جگہ نئے مکان بنوا لئے تھے۔ لیکن اسی فیصد مکان اب بھی ایسے ہی تھے جنہیں آثار قدیمہ میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ بعض مکان تو کھنڈروں کا منظر پیش کرتے تھے لیکن ان میں بھی لوگ رہائش پذیر تھے۔ ہر سال بارشوں کے موسم میں کئی مکان گرتے تھے اور کئی جانیں ضائع ہوتی تھیں۔

اس مرتبہ بارش بھی قیامت خیز ہوئی تھی۔ مسلسل تین دن سے جاری رہنے والی موسلا دھار بارش نے زندگی کا سارا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ شہر کی سڑکیں کئی کئی فٹ پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں اور نہروں اور دریاؤں کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ نشیبی علاقے تو مکمل طور پر پانی میں ڈوب گئے تھے پانی گھروں میں گھس آیا تھا۔ جن کے مکان دو منزلہ تھے وہ لوگ اوپر والی منزل پر منتقل ہو گئے تھے۔

اس طوفانی بارش سے زندگی کا تمام کاروبار معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ شفاعت بھی تین دن سے گھر میں بند تھا۔ مریم بھی ان دنوں اپنی بیٹی کے ساتھ انہی کے گھر میں تھی۔ ان تین دنوں کے دوران اسے گھر سے باہر نکلنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا اور پھر تیسرے دن چار بجے کے قریب مریم کی گلی میں رہنے والے ایک آدمی نے آ کر اسے اطلاع دی کہ مریم کے مکان کے ایک کمرے کی

چھت گر گئی ہے۔ مریم سر پیٹ کر رہ گئی۔

شفاعت برستی بارش میں مریم کو ساتھ لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ تنگ سی گلیوں سے گزرتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کوئی مکان ان کے اوپر نہ آ رہے۔ وہ بڑی مشکل سے مریم کے گھر تک پہنچ سکے تھے۔

مریم کا مکان صرف دو کمروں پر مشتمل تھا اور سامنے مختصر سا صحن۔ مکان بہت قدیم تھا اس کی دیواروں کی اینٹیں بھربھری ہو چکی تھیں۔ چھت اس کمرے کی گری تھی جس میں مریم اپنی بیٹی کے ساتھ سویا کرتی تھی۔ یہ ان دونوں ماں بیٹی کی خوش قسمتی تھی کہ وہ پچھلے تین دن سے شفاعت کے گھر میں تھیں اگر وہ اپنے گھر میں ہوتیں تو چھت کے ملبے کے نیچے دب کر ختم ہو چکی ہوتیں۔

بارش اگرچہ اب بھی تیز تھی لیکن محلے کے چند آدمی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے ملبے میں سے بچا کھچا سامان نکال کر دوسرے کمرے میں پہنچا دیا۔ لیکن بارش کی وجہ سے بہت سا سامان ضائع ہو چکا تھا۔

بارش کا زور تیسرے روز آدھی رات کے بعد ہی ٹوٹا تھا۔ دو دن بعد جب بارش تھم گئی اور بادل چھٹنے کے بعد آسمان پر سورج چمکنے لگا تو مریم بھی اپنے گھر آ گئی۔ گھر میں بھرا ہوا پانی نکالنے اور سامان سنبھالنے میں اسے دو دن لگ گئے۔

تقریباً دو مہینے بعد کمرے کی نئی چھت ڈالی گئی۔ اس دوران مریم دوسرے کمرے میں رہ رہی تھی۔ سکینہ اور شفاعت نے بے حد اصرار کیا تھا کہ وہ ان کے گھر میں رہے لیکن اس نے اپنے ہی گھر میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔

مکان کے مسئلے پر شفاعت کا مقدمہ ہائی کورٹ میں چل رہا تھا۔ ایک سال اور گزر گیا۔ سلمان کی جعل سازیوں اور چالاکیوں سے مقدمے کی کارروائی طول پکڑتی گئی۔

وہ سردیوں کی ایک ٹھٹھری ہوئی شام تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تیز ہوا سے سردی میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ موسم کے تیور بتا رہے تھے کہ بارش کسی بھی وقت شروع ہو سکتی تھی۔ اور اس سے سردی کی شدت میں مزید اضافے کا امکان تھا۔ بازاروں کی رونق سر شام ہی اجڑنے لگی تھی۔ بھاٹی چوک پر بھی اس شام روزانہ جیسی رونق نہیں تھی۔ پان کی دکانوں کے سامنے اور ایک دو ریستورانوں میں کچھ منچلے بیٹھے ہوئے تھے۔

شفاعت بھی دکان کھولے بیٹھا تھا۔ وہ عام طور پر رات ساڑھے بارہ بجے تک دکان کھولے رہتا تھا لیکن اس رات دس بجے کے قریب ہلکی بوندا باندی شروع ہوئی تو اس نے دکان بند کر دی

aazzamm@yahoo.com

اور گھر آ گیا۔ شارق اس وقت تک جاگ رہا تھا۔

شفاعت' سکینہ اور شارق نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے تھوڑی دیر بعد سکینہ نے چائے بنا لی۔ اس دوران بارش کسی حد تک تیز ہو چکی تھی۔ سکینہ نے کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا اور وہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ شارق تو جلد ہی اپنے پلنگ پر جا کر سو گیا۔ سکینہ اور شفاعت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بارش کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ صحن میں چھت کے پرنالے سے پانی گرنے کی آواز سے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی آبشار گر رہا ہو۔

بارہ بجے کے لگ بھگ وہ بھی سونے کے لئے لیٹ گئے۔ سکینہ باتیں کرتے کرتے سو گئی اور شفاعت لیٹا سوچ رہا تھا کہ دو دن بعد اسے مکان کے مقدمے میں پیشی کے لئے ہائی کورٹ جانا تھا۔ پچھلی پیشی سے اب تک اس نے بڑی بھاگ دوڑ کر کے یہ پتہ چلا لیا تھا کہ سلمان نے اس مقدمے کی کارروائی کے دوران کیا کیا حرامزدگیاں کی تھیں۔ مکان کے سلسلے میں اصل دستاویزات کہاں غائب کر دی تھیں۔ متعلقہ محکمہ کے جس کلرک نے سلمان سے رشوت لے کر اصل دستاویزات غائب کی تھیں اسے شاید احساس ہو گیا تھا کہ وہ حق دار کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے۔ اس نے شفاعت سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اصل دستاویزات لے کر اس پیشی پر خود عدالت میں پیش کر دے گا بلکہ یہ بیان بھی دے گا کہ مقدمہ ہی جھوٹا ہے اور سلمان نے اس سلسلے میں جتنی بھی دستاویزات عدالت میں پیش کی ہیں وہ جعلی اور جھوٹی ہیں۔ شفاعت کو یقین تھا کہ متعلقہ کلرک کے بیان اور اصل دستاویزات سامنے آ جانے سے کیس کا رخ بدل جائے گا اور زیادہ سے زیادہ مزید ایک دو پیشیوں میں مقدمے کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا۔ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ وہ کلرک اپنے وعدے سے نہ پھر جائے۔

کمرے میں ہلکے نیلے رنگ کا نائٹ بلب روشن تھا۔ اس نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا' دو بج رہے تھے۔ آج نجانے اسے نیند کیوں نہیں آ رہی تھی حالانکہ وہ دکان سے آنے کے بعد جلد ہی سو جایا کرتا تھا۔ لیکن آج نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے قریب ہی پلنگ پر سوئی ہوئی سکینہ کی طرف دیکھا۔ نیلگوں روشنی میں وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ بال اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ شفاعت اس کے چہرے سے بال ہٹانے لگا۔ رخساروں پر اس کی انگلیوں کا لمس محسوس کر کے سکینہ کی آنکھ کھل گئی۔

"ارے! آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ کیا وقت ہوا ہے؟" سکینہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"دو بج چکے ہیں۔ پتہ نہیں نیند کیوں نہیں آ رہی۔" شفاعت نے جواب دیا۔

سکینہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ باہر سے دھب کی آواز سنائی دی۔ تیز بارش کے باوجود یہ

آواز ان دونوں نے صاف طور پر سنی تھی۔

"شاید باہر کوئی ہے۔" سکینہ نے سرگوشی کی۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف تھا۔

"اس موسلا دھار بارش میں کون ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے پڑوسی کے کسی مکان کی دیوار گری ہے۔ آواز اسی کی ہو سکتی ہے۔" شفاعت نے جواب دیا۔

اسی لمحہ دھب دھب کی دو اور آوازیں سنائی دیں۔

"باہر کوئی ہے شفاعت۔" سکینہ نے پھر سرگوشی کی۔ اس مرتبہ اس کے لہجے میں خوف پہلے سے زیادہ نمایاں تھا۔ "لگتا ہے جیسے کئی آدمی دیوار سے کودے ہیں۔"

"تمہارا وہم ہے' پھر بھی میں دیکھ لیتا ہوں۔" شفاعت کہتے ہوئے لحاف میں سے نکل آیا۔ حالانکہ دھب دھب کی آوازوں سے اسے بھی یہی شبہ ہوا تھا کہ جیسے دو تین آدمی دیوار سے کودے ہوں' لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑوس کے کسی مکان کی دیوار تیز بارش کی وجہ سے گر رہی ہو۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ باہر گہری تاریکی تھی اور تیز بارش ہو رہی تھی۔ شفاعت نے باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا اور برآمدے میں کھڑا تیز بارش اور تاریکی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً" اسے یوں محسوس ہوا جیسے بیرونی دروازے کے قریب کوئی سایہ تیزی سے بیٹھک کی دیوار کی آڑ میں ہوا ہو۔

شفاعت بارش کی پرواہ کئے بغیر برآمدے سے نکل کر بیٹھک کی طرف بڑھنے لگا۔ آنگن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ چلنے سے شڑاپ شڑاپ کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ بیٹھک کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔

"کون ہے' اس طرف کون ہے؟" اس نے آواز میں رعب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ عقب سے شڑاپ کی آواز سن کر وہ تیزی سے پلٹا' لیکن اسے کچھ دیر ہو چکی تھی اس کے پیچھے دو قدم پر کھڑا ہوا ایک نقاب پوش رائفل کو نال کی طرف سے پکڑے لٹھ کی طرح اس پر وار کر چکا تھا۔ شفاعت اگر نہ مڑتا تو یہ وار اس کے سر پر پڑتا لیکن اب رائفل کا بٹ کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے دائیں کندھے پر لگا تھا۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ اسی لمحے ایک اور سایہ دیوار کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے خنجر کا بھرپور وار کیا' خنجر دستے تک شفاعت کے شانے میں پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی دوسری چیخ پہلی سے زیادہ خوفناک تھی۔ اسی لمحہ بادل گرجے' اس کی چیخ تیز بارش اور بادلوں کی گرج میں دب گئی۔ لیکن کمرے میں پلنگ پر لیٹی ہوئی

aazzamm@yahoo.com

سکینہ نے شوہر کے چیخنے کی آواز سن لی تھی۔ وہ اٹھ کر ننگے پیر کمرے سے باہر آئی اور بیٹھک کے قریب دو سیاہ پوشوں کو اپنے شوہر پر حملہ کرتے دیکھ کر چیختی ہوئی اس طرف دوڑی۔ ابھی وہ قریب پہنچی ہی تھی کہ ایک اور سیاہ پوش بیٹھک کی دیوار کی آڑ سے نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی خنجر تھا۔ اس نے سکینہ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ خنجر سکینہ کے پہلو میں لگا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی لیکن زخمی ہونے کے باوجود وہ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے آگے دوڑی۔

حملہ آور دوبارہ اس کی طرف لپکا۔ سکینہ اپنے شوہر کو دوسرے حملہ آور سے بچانے کی کوشش میں اس سے لپٹ گئی۔ دوسرے حملہ آور نے پھر اس پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ خنجر اس کے شانے پر لگا۔ تیسرا سیاہ پوش' جس کے پاس رائفل تھی' رائفل کو لٹھ کی طرح گھما گھما کر ان پر حملے کر رہا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی چیختے رہے اور حملہ آور خنجروں سے ان پر پے در پے وار کرتے رہے۔ وہ دونوں زخموں سے چور ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے اور مدد کے لئے چیختے رہے مگر ان کی چیخیں بادلوں کی گھن گرج' بجلی کی کڑک اور بارش کے شور میں دبتی رہیں۔

شارق چیخوں کی آوا سن کر اٹھ گیا تھا۔ اس نے دوسرے پلنگ کی طرف دیکھا۔ وہ خالی تھا۔ باہر سے بارش کے شور اور بادلوں کی گرج کے ساتھ اسے اپنے ماں باپ کی چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر دوڑا۔

باہر کا منظر بہت ہی خوفناک تھا۔ لیکن وہ ڈرنے کی بجائے اپنے ماں باپ کی مدد کے لئے چیختا ہوا ان کی طرف دوڑا۔ اس نے جاتے ہی ایک حملہ آور کی ٹانگ پکڑ لی اور اس کی پنڈلی میں دانت گاڑ دیئے۔ حملہ آور چیختے ہوئے ٹانگ جھٹکنے لگا۔ شارق اچھل کر دور جا گرا۔

"شارق.....بھا.....گ جاؤ۔" اس کی ماں چیخی۔

شارق نے پھر لپک کر حملہ آور کی ٹانگ میں دانت گاڑنے چاہے مگر حملہ آور نے اسے اس قدر زور دار ٹھوکر رسید کر دی کہ شارق چیختا ہوا اچھل کر دور پانی میں جا گرا۔ حملہ آور خنجر سنبھالے اس کی طرف لپکا مگر شفاعت اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ حملہ آور منہ کے بل پانی میں گرا اور پھر پلٹ کر شفاعت پر خنجر کے پے در پے وار کرنے لگا۔

سکینہ مسلسل چیختے ہوئے شارق کو بھاگ جانے کو کہہ رہی تھی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ان سفاک انسانوں کے مقابلے میں اپنے ماں باپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس وہ درندے اسے بھی ختم کر دیں گے۔ وہ اٹھ کر چھت پر جانے والی سیڑھیوں کی طرف

دوڑا۔

بارش کچھ اور تیز ہو گئی تھی جیسے آسمان کے سارے بند ٹوٹ گئے ہوں۔ بجلی بھی اس طرح کڑک اور چمک رہی تھی جیسے آج کے بعد اسے پھر کبھی موقع نہیں ملے گا۔ سکینہ اور شفاعت کی چیخیں بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج میں ڈوب رہی تھیں۔

"ارے' اس سپنولئے کو پکڑو' وہ بھاگ رہا ہے۔" سیاہ پوشوں میں سے ایک چیخا۔

ایک حملہ آور سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ شارق آخری سیڑھی پر پہنچ کر رک گیا اور سیاہ پوش کی طرف دیکھنے لگا جو ایک ہاتھ میں خنجر پکڑے تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا۔ سیڑھی زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف ریلنگ کی طرح اینٹوں کی دیواریں تھیں جن پر سیمنٹ کا پلستر کیا ہوا تھا۔ شارق اکثر کنکریٹ کی اس ریلنگ پر الٹا بیٹھ کر پھسل بنڈے کی طرح پھسلا کرتا تھا اور سکینہ اسے منع کیا کرتی تھی کہ اس طرح کے کھیل نہ کھیلا کرے' کسی دن گر جائے گا۔

شارق نے دونوں طرف کی ریلنگ پر ہاتھ جما لئے۔ اس کی نظریں حملہ آور پر جمی ہوئی تھیں جو خنجر بدست تیزی سے اوپر آ رہا تھا۔ ان کے درمیان چند سیڑھیوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ شارق دونوں ہاتھ پر زور دے کر اچھلا۔ اس کے دونوں پیر پوری قوت سے سیاہ پوش کے منہ اور سینے پر لگے۔ اس کی یہ کارروائی سیاہ پوش حملہ آور کے لئے بالکل غیر متوقع تھی۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے جا رہا۔

شارق سنبھل کر چھت کی طرف دوڑا۔ چھت پر اگرچہ دو کمرے تھے لیکن اسے یقین تھا کہ یہ سفاک درندے اسے ان کمروں سے ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر دوڑ کر پچھلی طرف سے ممٹی (سیڑھیوں پر چھوٹی سی چھت) پر چڑھ کر سینے کے بل لیٹ گیا۔

سیڑھیوں پر لڑھکنے والا حملہ آور سنبھل کر دوبارہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ چھت پر آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے دونوں کمرے بھی دیکھ لئے۔ وہ پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ممٹی کی طرف اس کا دھیان نہیں گیا۔ البتہ وہ دوسرے مکانوں کی چھتوں کی طرف دیکھنے لگا جو اس مکان کی چھت سے ملی ہوئی تھیں۔ شارق اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ وہ دوڑتا ہوا دوبارہ نیچے پہنچ گیا۔

"وہ بھاگ گیا۔" اوپر سے آنے والے سیاہ پوش نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ "یہ دونوں ختم ہو چکے ہیں اب بھاگو یہاں سے۔ اگر اس لڑکے نے لوگوں کو جمع کر لیا تو یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

دوسرے حملہ آور نے سکینہ کے سینے پر خنجر کا آخری وار کیا۔ خنجر دستے تک سکینہ کے سینے

aazzamm@yahoo.com

میں پیوست ہو گیا۔ سکینہ کے منہ سے ایک آخری گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ وہ تڑپی اور پھر بے حرکت ہو گئی۔ حملہ آور نے خنجر اسکے سینے ہی میں چھوڑ دیا اور اٹھ کر اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ باہر کے دروازے کی طرف دوڑا۔

رائفل والے نقاب پوش نے دروازے کا کنڈا اتار کر بڑی آہستگی سے دراوزہ کھولا۔ باہر جھانکا اور پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی باہر آ گئے۔ آخر میں باہر آنے والے نے بڑی آہستگی سے دروازہ بھیڑ دیا۔ وہ تینوں برستی ہوئی بارش میں تاریک گلی میں نکل گئے۔

شارق مٹی پر سینے کے بل لیٹا بارش میں بھیگتا اور سردی اور خوف کی شدت سے کانپتا رہا۔ اس نے تینوں حملہ آوروں کو مکان سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ لوگ دور جا چکے ہوں گے تو وہ مٹی سے اتر کر دوڑتا ہوا سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آ گیا۔ پہلے وہ باپ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ شفاعت ختم ہو چکا تھا۔ اس کے جسم پر لاتعداد زخم تھے جن سے بہنے والا خون صحن میں جمع پانی میں شامل ہو رہا تھا۔ وہ چیختا ہوا ماں کی طرف دوڑا۔

سکینہ کے سینے میں خنجر پیوست تھا۔ اس نے خنجر کو دستے سے پکڑ کر پوری قوت سے باہر کھینچ لیا۔ خنجر باہر آتے ہی زخم سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ سکینہ بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس کا جسم بھی زخموں سے چور تھا۔ شارق چیختا ہوا ماں سے لپٹ گیا۔

وہ کبھی ماں کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتا کبھی باپ کو پکارتا۔ مگر وہ دونوں اس سے بہت دور جا چکے تھے۔ شارق اٹھ کر مدد کے لئے چیخنے لگا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی چیخوں کی آواز بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک میں دب کر رہ گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا برآمدے میں آ گیا۔ اس نے برآمدے کے ستون کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑے ہونا چاہا مگر اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ وہ کپکپاتا ہوا نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

شارق برآمدے کے بھیگے ہوئے فرش پر آڑا ترچھا پڑا تھا۔ بارش کے چھینٹے اس پر پڑ رہے تھے۔ ماں کے سینے سے نکالا ہوا خون آلود خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اور اسکے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کی چادر پھیلنے لگی۔ اس کی منہ سے آخری سسکی نکلی اور پھر اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب گیا۔

وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

○

صبح چھ بجے بارش بند ہو گئی۔

مریم لحاف میں دبکی دیر سے جاگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ لپٹی ہوئی رضیہ گہری نیند میں تھی۔ تقریباً دو گھنٹے پہلے مریم بھی گہری نیند سو رہی تھی کہ اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ اس کی آنکھ کیوں کھلی تھی لیکن دماغ میں سنسناہٹ تھی۔ ایک انجانا سا خوف تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ اس خوف کی وجہ بھی نہیں سمجھ سکی تھی۔ پہلے تو اس پر کبھی ایسی کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی۔

باہر بارش ہو رہی تھی۔ بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک سنائی دے رہی تھی۔ ایک مرتبہ تو بجلی اس زور سے کڑکی کہ وہ کانپ کر رہ گئی۔ اسے یوں لگا تھا کہ جیسے بجلی اسی کے آشیانے پر گری ہو۔ اس نے سہم کر سوئی ہوئی رضیہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

اس وقت چار بجے تھے۔ مریم نے دوبارہ سونے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ اس کے ذہن میں عجیب و غریب خیالات آ رہے تھے۔ وہ جاگتے میں ڈراؤنے خواب دیکھ رہی تھی۔ اسے ہر طرف خون ہی خون بکھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ سر جھٹک کر ان خوفناک اور انجانے خیالات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کی پھر سورہ یاسین پڑھ پڑھ کر اپنے آپ کو پھونکنے لگی۔

باہر مسلسل بارش اور بادلوں کی گھن گرج کا شور سنائی دیتا رہا۔ چھ بجے کے قریب بارش بند ہوئی گئی۔ مریم کچھ دیر اور لحاف میں دبکی رہی پھر بستر سے نکل آئی۔ شال اوڑھ کر اس نے دروازہ کھولا تو سرد ہوا کی لہر اس کے جسم سے ٹکرائی۔ وہ کپکپا کر رہ گئی۔ باہر صحن میں پانی بھرا ہوا تھا۔

بارش بند ہو چکی تھی لیکن گہرے بادلوں نے اب بھی آسمان پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اس نے کمرے سے نکل کر دراوزہ بند کر دیا اور غسل خانے میں آ گئی۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ باورچی خانے کی چھت ایک جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ فرش پر پانی جمع تھا لیکن چھت سے ٹپکنے والے پانی سے کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس نے رات ہی کو فرش پر رکھی ہوئی ساری چیزیں اٹھا کر اوپر تھڑے پر رکھ دی تھیں۔ اس نے چولہا جلا کر اپنے لئے چائے بنائی اور پیالی لے کر دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ باہر اگرچہ دن کی ملگجی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی لیکن کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے نائٹ بلب بجھا کر ٹیوب لائٹ جلا دی اور چارپائی کے قریب ہی پڑی ہوئی ایک پرانی سی کرسی پر بیٹھ کر گرم گرم چائے کی چسکیاں لینے لگی۔

پونے سات بجے کے قریب اس نے رضیہ کو جگا دیا۔

"تیرا اسکول تو آج نہیں کھلا ہو گا۔ پانی میں ڈوب گیا ہو گا کم بختی کا مارا۔ چل اٹھ۔ منہ ہاتھ دھو لے۔ میں تیرے لئے ناشتہ تیار کر دیتی ہوں۔ ناشتہ کر کے بی بی جی کے ہاں سیپارہ پڑھنے چلی

aazzamm@yahoo.com

جا۔ میں بھی سکینہ کے ہاں چلی جاؤں گی۔ تو سیپارہ پڑھنے کے بعد بی بی جی کے ہاں رہنا۔ میں واپس آؤں گی تو تجھے لے لوں گی وہاں سے۔"

رضیہ سردی میں کپکپاتی ہوئی منہ ہاتھ دھونے غسل خانے میں چلی گئی اور مریم باورچی خانے میں آکر ناشتہ تیار کرنے لگی۔

سوا سات بجے رضیہ سیپارہ لے کر بی بی جی کے ہاں چلی گئی جس کا گھر اسی گلی میں تھا۔ مریم نے مکان کو تالا لگایا اور چابیوں کا گچھا اوڑھنی کے پلو سے باندھتی ہوئی سکینہ کے مکان کی طرف چل پڑی۔ وہ عام طور پر سات بجے ان کے ہاں پہنچ جایا کرتی تھی۔ اس وقت تک شفاعت پھلوں کی خرید کے لئے منڈی جا چکا ہوتا تھا۔ شارق پونے آٹھ بجے سکول جاتا تھا۔ اس کے لئے ناشتہ وغیرہ مریم ہی تیار کرتی تھی۔ آج اسے دیر ہو گئی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ آج نہ تو شفاعت منڈی گیا ہو گا اور نہ ہی شارق اسکول جائے گا۔

مریم دس منٹ میں شفاعت کے مکان کے سامنے پہنچ گئی۔ دو تین آدمی کھیس اور گرم چادروں کی بکلیں مارے گلی میں سے گزر رہے تھے۔ مریم نے دروازے کے ساتھ لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اس نے گھنٹی کی آواز سنی تھی' وہ بٹن سے ہاتھ ہٹا کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔ دو تین منٹ گزر گئے۔ دروازہ نہیں کھلا۔ اس نے دوبارہ گھنٹی بجائی۔ اس مرتبہ بھی کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ تیسری مرتبہ گھنٹی بجانے پر بھی دروازہ نہیں کھلا تو اس نے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے زور سے ہاتھ مارا۔ ہاتھ پڑتے ہی دروازہ کھل گیا۔ مریم حیران سی رہ گئی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رات کو غلطی سے وہ کنڈا لگانا بھول گئے ہوں گے یا ممکن ہے صبح سات بجے شفاعت نے کنڈا کھول دیا ہو اور اب لحاف میں دبکا ہوا ہو۔ وہ دروازہ پوری طرح کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ لیکن دو تین قدم آگے بڑھتے ہی وہ اس طرح رک گئی جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔

سامنے ہی صحن میں شفاعت اور سکینہ کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور چاروں طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ صحن میں جمع پانی بھی خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ ایک مرتبہ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ پھر تو جاگتے میں ڈراؤنا خواب نہیں دیکھ رہی۔ اس نے اپنی انگلی کو دانتوں میں دبایا۔ اس کے منہ سے سسکاری سی نکل گئی۔ وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک خوفناک حقیقت کا سامنا کر رہی تھی....دوسرے ہی لمحہ وہ چیختی ہوئی دراوزے سے باہر نکل گئی اور لوگوں کو مدد کے لئے پکارنے لگی۔

چند منٹ میں ہی لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ لوگوں کی وجہ سے گلی کا راستہ بند ہو گیا۔

شفاعت کے پڑوسی اور کچھ اور لوگ آنگن میں گھس آئے تھے۔ ان میں وکیل سلمان بھی شامل تھا۔ لوگ شفاعت اور سکینہ کی لاشوں کے گرد جمع تھے اور سلمان ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً" وہ چیخا۔

"ارے....وہ دیکھو برآمدے میں...." اس نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں شارق بے ہوش پڑا تھا۔

سلمان کے ساتھ دو تین آدمی دوڑتے ہوئے اس طرف آ گئے۔ مریم بھی سر پیٹتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ شارق کے ایک ہاتھ میں اب بھی خنجر دبا ہوا تھا۔ مریم نے جھک کر اس کے چہرے کو ہاتھ لگایا۔ اس کا خون آلود لباس دیکھ کر مریم سمجھی تھی کہ وہ بھی ختم ہو چکا ہے مگر وہ زندہ تھا اور اس کا جسم تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس نے شارق کے ہاتھ سے خنجر پکڑنا چاہا تو سلمان چیخ اٹھا۔

"اسے ہاتھ مت لگانا مائی۔ مجھے اس لڑکے پر پہلے ہی شبہ تھا کہ بڑا ہو کر کچھ نہ کچھ کرے گا لیکن اس نے تو چھوٹی سی عمر میں ہی بہت بڑا کارنامہ کر دکھایا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" مریم چیخی۔ "اس کے ماں باپ قتل ہو گئے۔ وہ خود پتہ نہیں کب سے یہاں بے ہوش پڑا بخار میں پھنک رہا ہے اور تم کہتے ہو...."

"خود ہی دیکھ لو بھائیو۔" سلمان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ "اس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہے۔ لباس خون سے تر ہو رہا ہے۔ میں تو بہت عرصہ سے اس کے لچھن دیکھ رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اپنے ماں باپ کو اسی نے قتل کیا ہے اور آلہ قتل یہی خنجر ہے۔ جو اس کے ہاتھ میں ہے۔"

"ارے وہ بخار میں پھنک رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ اس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا ہے۔ شرم آنی چاہئے تمہیں۔" مریم دھاڑی۔

ایک اور آدمی نے جھک کر شارق کی پیشانی کو چھوا۔ وہ واقعی بخار میں پھنک رہا تھا۔

"لڑکے کو بہت تیز بخار ہے۔ سب سے پہلے اس کا بندوبست ہونا چاہئے۔ اگر کچھ ہو گیا تو اصل حقیقت کا پتہ نہیں چل سکے گا۔" اس آدمی نے کہا۔

"حقیقت وہی ہے جو اس وقت سب کے سامنے ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔ "میں ایک وکیل ہوں اور قانون کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ جب تک پولیس نہیں آ جاتی کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

کسی نے جا کر پولیس کو اطلاع کر دی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پولیس پہنچ گئی۔ صحن میں پڑی ہوئی لاشوں کا جائزہ لینے کے بعد انسپکٹر شارق کے قریب آ گیا۔ جو ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"یہ کون ہے؟" انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے سلمان کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ دوسری طرف مریم بھی کھڑی تھی۔

"یہ مقتولین کا بیٹا ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔ "بڑا ضدی اور خود سر قسم کا لڑکا ہے۔ اکثر ماں باپ سے کسی نہ کسی بات پر جھگڑتا رہتا تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے ماں باپ کے بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا۔ اور یہ اپنے ماں باپ پر حاوی ہو گیا تھا۔ اس کے لچھن دیکھ کر مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ بڑا ہو کر کچھ نہ کچھ کرے گا۔ آپ کو تفتیش کے لئے زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔ اس کا لباس دیکھئے' خون آلود ہے اور خون آلود خنجر بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر اور مسز شفاعت کو اسی خنجر سے قتل کیا گیا ہے۔ بعد میں شاید خوف کی زیادتی سے یہ لڑکا یہاں گر کر بے ہوش ہو گیا۔"

"یہ.....یہ جھوٹ بولتا ہے۔ بکتا ہے یہ۔" مریم چیخی۔ "یہ تو بڑا معصوم اور بھولا بھالا سا بچہ ہے۔ اس نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ کبھی ماں باپ سے کسی بات کے لئے ضد نہیں کی۔ یہ.....یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔"

"تم کون ہو؟" انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"یہ اس گھر میں برتن کپڑے دھونے کا کام کرتی ہے۔" مریم سے پہلے سلمان بول پڑا۔

"میں صبح سے شام تک یہاں رہتی ہوں جی۔" مریم بولی۔ "یہ لڑکا میرے ہاتھوں میں پلا ہے۔ اس نے کبھی ماں باپ سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ یہ اپنے ہی ماں باپ کو کیسے قتل کر سکتا ہے۔ یہ جو وکیل ہے نا....." اس نے سلمان کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔ ان کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ہائی کورٹ میں مقدمہ بھی چل رہا ہے۔"

انسپکٹر مریم کی بات سن کر چونک گیا اور سلمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں ایڈووکیٹ سلمان ہوں۔ سامنے والے گھر میں رہتا ہوں۔" سلمان نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ اس مکان کے سلسلے میں مرحوم شفاعت سے میرا کیس چل رہا تھا لیکن میں اتنا سفاک نہیں ہوں کہ....."

"تھانیدار جی۔" مریم روتے ہوئے بولی۔ "میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پہلے شارق کو ہسپتال پہنچا دیں۔ وہ بخار میں پھنک رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اسے بھی....."

تھانیدار نے جھک کر شارق کی پیشانی کو چھوا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اس کے ہاتھ سے خون آلود خنجر نکال کر رومال میں لپیٹ لیا اور ایک پولیس والے کو اشارہ کیا۔

"اس بچے کو ہسپتال لے جاؤ۔ کسی پڑوسی کو ساتھ لے جاؤ۔ تم ہسپتال ہی میں رہو گے اس

کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ سمجھ گئے۔"

"یس سر۔" کانسٹیبل نے سلیوٹ جھاڑ دیا۔ اس نے جھک کر بے ہوش شارق کو اٹھایا۔ مریم نے کمرے سے ایک کمبل لا کر شارق پر ڈال دیا۔ محلے کا ایک آدمی پولیس والے کے ساتھ ہو لیا تھا۔

شارق کو ہسپتال پہنچانے کے بعد انسپکٹر پڑوسیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"صورت حال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کو خنجر کے پے در پے وار کر کے اسی جگہ قتل کیا گیا ہے۔ یہ لوگ چیخے بھی ہوں گے۔ شور بھی مچایا ہو گا۔ لیکن آپ لوگوں میں سے کسی نے آواز نہیں سنی تھی؟"

"نہیں جی۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔ "رات دس بجے سے صبح چھ بجے تک طوفانی بارش ہوتی رہی ہے۔ بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج میں ہمیں کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔"

"اور آپ مسٹر سلمان؟" انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں سامنے والے مکان میں رہتا ہوں۔" سلمان نے جواب دیا۔ "میں رات کو تقریباً ایک بجے تک اپنے کمرے میں بیٹھا کیس کی اسٹڈی کرتا رہا۔ ویسے بھی میرا کمرہ مکان کے آخر میں ہے۔ میں نے بارش کے شور میں کوئی آواز نہیں سنی تھی۔"

"اور تم؟" تھانیدار مریم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کہاں رہتی ہو اور کب سے اس گھر میں کام کرتی ہو؟"

"میں یہاں سے تیسری گلی میں رہتی ہوں۔" مریم نے جواب دیا۔ "میں ان کی شادی کے وقت سے یہاں کام کر رہی ہوں۔ پہلے دوسرے گھروں میں بھی کام کرتی تھی لیکن شارق کی پیدائش کے بعد میں نے دوسرے گھروں میں کام چھوڑ دیا اور صرف اسی گھر کی ہو کر رہ گئی۔ بہت اچھے تھے جی یہ دونوں میاں بیوی۔ انسان نہیں فرشتے تھے یہ لوگ۔ کبھی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔ کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ ہمیشہ دوسروں کے کام آتے تھے۔"

"کل رات تم کس وقت یہاں سے گئی تھیں؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں کھانا وغیرہ پکا کر نو بجے کے قریب چلی گئی تھی جی! شفاعت اس وقت دکان سے نہیں آیا تھا اور پھر صبح سوا سات بجے یہاں آئی تو باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اندر داخل ہوئی تو یہاں....." وہ زار و قطار رونے لگی۔

انسپکٹر پڑوس میں رہنے والوں سے کچھ سوالات کرتا رہا پھر لاشیں اٹھوا کر ہسپتال بھجوا دی گئیں اور مکان کو تالا لگا کر چابی انسپکٹر نے اپنی جیب میں رکھ لی۔

aazzamm@yahoo.com

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا مسٹر سلمان۔" انسپکٹر نے کہا۔

"ضرور۔" سلمان نے جواب دیا۔ "میں ایک قانون دان ہوں اور قانون کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

وہ لوگ تھانے آ گئے۔ ایف آئی آر درج کرنے سے پہلے انسپکٹر' سلمان سے تفصیل سے بات کرنا چاہتا تھا۔ ان کی گفتگو کا موضوع مکان کا مقدمہ ہی تھا۔ سلمان کی ہر بات کی تان شارق پر ہی ٹوٹتی رہی تھی۔ وہ اپنی باتوں سے انسپکٹر کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ شفاعت اور اس کی بیوی کا قتل اس کے بیٹے ہی نے کیا ہے۔

"لیکن آپ بھول رہے ہیں کہ سب سے زیادہ شبہ آپ پر ہی کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "آج تک دنیا میں جتنے بھی فساد ہوئے ہیں ان کی بنیاد زن' زر اور زمین ہی ہوتی ہے۔ آپ پر شبے کی ٹھوس وجہ موجود ہے۔"

"نہیں انسپکٹر۔" سلمان نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "خنجر آپ نے خود شارق کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔ اس کا لباس بھی خون آلود تھا۔ جب آپ تحقیقات کریں گے تو آپ کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ قاتل کون ہے۔ میں تحقیقات میں آپ سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوں۔"

انسپکٹر چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دیر تک ان میں مدھم لہجے میں باتیں ہوتی رہیں۔ انسپکٹر کے دفتر میں وہ دونوں اکیلے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد انسپکٹر نے محرر کو بلا کر اس دوہرے قتل کی ایف آئی آر درج کرنے کو کہا اور دیر تک اس سلسلے میں اسے ہدایات دیتا رہا اور جب ایف آئی آر درج کی گئی تو شارق کا نام قاتل کی حیثیت سے اس میں شامل تھا۔

شارق کو ہسپتال میں حراست میں لے لیا گیا۔ اس کی نگرانی کے لئے دو مسلح پولیس والے تعینات کر دیئے گئے۔ ڈاکٹروں کی بھرپور توجہ کے باوجود تین دن سے پہلے اس کا بخار کم نہیں ہو سکا تھا۔ اور بالآخر بخار اترنے کے بعد اسکی حالت بتدریج سنبھلنے لگی لیکن اس کی زبان جیسے بند ہو کر رہ گئی تھی۔ انسپکٹر کئی مرتبہ اس کا بیان قلمبند کرنے کے لئے ہسپتال پہنچا تھا لیکن شارق اس کے کسی سوال کا جواب دینے کے بجائے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

شارق تقریباً ایک مہینہ ہسپتال میں رہا۔ اس دوران مریم کئی مرتبہ اسے دیکھنے کے لئے آئی تھی لیکن پولیس نے اسے شارق سے نہیں ملنے دیا تھا۔

کیس جب عدالت میں پیش ہوا تھا تو پولیس نے ایسے گواہ پیش کئے جنہوں نے شارق کو آوارہ' ضدی اور خود سر اور خطرناک ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان گواہوں میں ایڈووکیٹ سلمان بھی شامل تھا۔ عدالت میں وہ خنجر بھی پیش کیا گیا جو وقوعہ کے بعد بے ہوش شارق کے ہاتھ

میں تھا۔ شارق کے فنگر پرنٹس بھی عدالت میں پیش کئے گئے تھے۔ شارق نے عدالت میں بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ استغاثہ نے عدالت میں ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی پیش کیا جس میں شارق کی ذہنی حالت کو خطرناک قرار دیا گیا تھا۔

مقدمے کی کارروائی نے زیادہ طول نہیں کھینچا اور عدالت نے شارق کو اپنے ماں باپ کا قاتل قرار دیتے ہوئے اسے عمر قید کی سزا سنا دی اور شارق کو جیل بھیج دیا گیا۔ جس روز عدالت نے فیصلہ سنایا تھا اسی رات انسپکٹر' ایڈووکیٹ سلمان کے گھر میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور جب وہ وہاں سے رخصت ہوا تو اس کی جیبوں میں پچیس ہزار روپے کے نوٹ موجود تھے۔ پچیس ہزار اس نے اس روز بھی وصول کئے تھے جب شارق کے خلاف ایف آئی آر درج کی گئی تھی۔

جس روز عدالت نے شارق کو سزا سنا کر جیل بھیجا تھا اس کے چند ہی روز بعد ہائی کورٹ نے بھی مکان کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا تھا۔ متعلقہ محکمہ کے کلرک نے اصل دستاویزات عدالت میں پیش کر دی تھیں جس سے کیس کا رخ ہی بدل گیا۔ اس سے اگلی پیشی پر ہائی کورٹ نے فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے کے مطابق ماتحت عدالت کا فیصلہ برقرار رکھتے ہوئے شفاعت کو مکان کا جائزہ وارث و مالک قرار دیا گیا تھا۔ یہ حقیقت بھی ہائی کورٹ کے سامنے موجود تھی کہ شفاعت اور اس کی بیوی سکینہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کے کم سن بیٹے کو ماں باپ کے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا سنائی جا چکی ہے۔ یہ مقدمہ چونکہ شفاعت علی اور ایک تھرڈ پارٹی میں چل رہا تھا اس لئے عدالت نے شارق کو شفاعت کی جائیداد کا وارث قرار دیتے ہوئے مریم کو اس کا نگران مقرر کر دیا اور مکان اور دکان اس کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

مریم واحد عورت تھی جو مہینے میں ایک بار شارق سے ملاقات کے لئے سینٹرل جیل جاتی تھی۔ جیل میں آنے کے کئی روز بعد بھی شارق خاموش رہا' پھر آہستہ آہستہ اس کی زبان کھلنے لگی۔

جیل میں شارق کا رویہ' اس کے خلاف استغاثہ کے بیانات سے بالکل مختلف تھا۔ سخت گیر اور سنگ دل سپرنٹنڈنٹ جیل کو بھی اس کی معصومیت پر ترس آ گیا تھا۔ اس کی زندگی جیل میں قیدیوں کے ساتھ گزری تھی۔ جیل میں معمولی چور اور جیب کتروں سے لے کر خطرناک ڈاکو اور قاتل بھی آتے تھے۔ کبھی کبھار کسی بے گناہ کو بھی جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل قیدیوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ کس قیدی کے ساتھ کس قسم کا سلوک رکھنا چاہئے۔ اگرچہ جیل میں آنے والا ہر دوسرا قیدی اپنے آپ کو بے گناہ کہتا تھا لیکن سپرنٹنڈنٹ جیل ان کی شکل ہی سے اندازہ لگا لیتا تھا کہ کون جھوٹا اور کون

aazzamm@yahoo.com

سچا ہے۔

شارق نے جیل میں آ کر کئی روز تک زبان نہیں کھولی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے قیدیوں کو دیکھتا رہا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اس سے نجانے کیوں ہمدردی ہو گئی تھی' اور جب شارق نے زبان کھولی تو اس نے اپنے بارے میں یا اپنے ماں باپ کے قتل کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ جیل نے شارق سے کوئی مشقت کا کام لینے کے بجائے اسے دفتر میں چپراسی کی حیثیت سے رکھ لیا اور جب شارق نے پڑھنے لکھنے میں دلچسپی کا اظہار کیا تو اسے فوری طور پر کتابیں بھی مہیا کر دی گئیں۔

شارق کے شریفانہ طرز عمل اور حصول تعلیم کی وجہ سے اسے جیل میں مزید رعایتیں مل گئیں۔ کچھ عرصہ بعد سپرنٹنڈنٹ جیل نے شارق کو اپنے گھر میں ڈیوٹی پر لگا دیا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کا بیٹا کالج میں زیر تعلیم تھا وہ پڑھائی میں شارق کی مدد کرنے لگا۔

جیل میں آنے کے بعد ڈھائی سال بعد جب شارق نے میٹرک کا امتحان دیا تو وہ بہت خوش تھا اور جب رزلٹ نکلا تو شارق سے زیادہ خوشی سپرنٹنڈنٹ جیل کو ہوئی تھی۔ شارق نے پورے صوبے میں ٹاپ کیا تھا۔ اس رزلٹ کے نتیجہ میں شارق کو جیل کے قوانین کے مطابق کچھ اور رعایتیں مل گئیں۔

مریم باقاعدگی سے شارق سے ملنے جیل آتی رہی۔ وہ جب بھی آتی شارق کے لئے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بنا کر ضرور لے آتی۔ کبھی وہ رضیہ کو بھی ساتھ لے آتی اور کبھی اکیلی ہی آ جاتی۔

شارق پر بعض اوقات عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ وہ گم صم سا بیٹھا رہتا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آتے۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے خون ہی خون پھیلا ہوا نظر آتا۔ ماں باپ کی خون میں لت پت لاشیں۔ زخموں سے چور لاشیں....دو تین سیاہ پوش ادھر ادھر بھاگتے ہوئے دکھائی دیتے۔ ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔

شارق پر جب بھی ایسی کیفیت طاری ہوتی اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو جاتا۔ وہ ٹکٹکی لگائے آسمان کو گھورتا رہتا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی ہوتی جن میں بالآخر آنسو بھر آتے۔

دن ہفتوں' ہفتے مہینوں اور مہینے برسوں میں بدلتے رہے۔ شارق نے جیل ہی میں بی۔ اے کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ شارق کے ساتھ جیل میں سزا بھگتنے والے دو اور نوجوانوں نے بھی بی اے

کا امتحان دیا تھا۔ اور وہ تینوں اچھی پوزیشن میں پاس ہو گئے تھے۔

نیک چال چلن اور حصول تعلیم کی وجہ سے شارق کو نہ صرف جیل میں بہت سی سہولتیں مل گئی تھیں بلکہ اس کی سزا میں تخفیف ہو رہی تھی۔ اب وہ بائیس سال کا ایک بھرپور جوان تھا۔ جب وہ جیل میں آیا تو اس کی عمر بارہ سال تھی۔ اس نے جیل میں دس سال کاٹے تھے۔ کچھ عرصہ سے سپرنٹنڈنٹ جیل نے اسے اپنے بنگلے کی ڈیوٹی سے ہٹا کر دوبارہ جیل میں بلا لیا تھا۔ یہاں بھی اس سے ہلکے پھلکے کام ہی لئے جاتے تھے۔ اس روز وہ دفتر کے سامنے پودوں کی کیاریوں کو پانی دے رہا تھا کہ ایک وارڈن اس کے قریب آ کر رک گیا۔

"شارق' تمہیں سپرنٹنڈنٹ جیل صاحب بلا رہے ہیں اپنے دفتر میں۔" وارڈن نے کہا۔

"اچھا' میں آتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا اور پانی والی بالٹی ایک طرف رکھ کر وارڈن کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

دفتر میں سپرنٹنڈنٹ جیل کے علاوہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل بھی موجود تھا۔ شارق نے دفتر میں داخل ہو کر سلام کیا اور سپرنٹنڈنٹ جیل کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"شارق!" سپرنٹنڈنٹ جیل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ اس جیل میں آئے ہوئے تمہیں کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟"

"دس سال' ایک مہینہ اور سترہ دن۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے ایک ایک دن گن گن کر گزارہ ہے جناب۔"

"بہت خوب۔" سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا۔ "کیا تمہیں اپنے جرم کا احساس ہے؟"

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کون بے وقوف اپنے پیاروں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ میرے ماں باپ ہی میرا سب کچھ تھے۔ میں تو باپ کی انگلی پکڑ کر چلا کرتا تھا۔ راستوں کی اونچ نیچ کو بھی نہیں سمجھتا تھا۔ بھلا انہیں کیسے قتل کر سکتا تھا۔"

"یہ سب کچھ تم اب کہہ رہے ہو۔ اپنی زندگی کے دس سال ضائع کرنے کے بعد؟" سپرنٹنڈنٹ جیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری نظروں کے سامنے تو اب بھی وہ نقاب پوش گھوم رہے ہیں جنہوں نے طوفانی بارش میں میرے ماں باپ کو خنجروں کے پے در پے وار کر کے قتل کیا تھا۔ وہ مدد کے لئے پکارتے رہے۔ میں بھی چیختا رہا مگر کسی نے ہماری چیخ و پکار نہیں سنی۔ جب میری آواز اس وقت کسی نے نہیں سنی تھی تو عدالت میں کون سنتا؟ چند مفاد پرستوں نے میرے خلاف اتنا مضبوط حصار قائم کر دیا تھا کہ مجھے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس لئے میں نے اپنی زبان بند رکھی

aazzamm@yahoo.com

تھی۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" سپرنٹنڈنٹ جیل نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"کسی بات کا ارادہ تو وہ شخص کرتا ہے جو آزاد ہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "میری تو سوچوں پر بھی پہرہ ہے' نقل و حرکت پر بھی پابندی ہے۔ جیل کی اونچی دیواروں کے حصار میں مقید مجھ جیسا شخص کیا ارادہ کر سکتا ہے جناب؟"

"آج سے تم پر سے تمام پہرے اور پابندیاں ختم ہو گئی ہیں۔" سپرنٹنڈنٹ جیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری نیک چلنی' اعلیٰ کردار اور حصول تعلیم کی وجہ سے تمہاری باقی سزا معاف کر دی گئی ہے اور آج تمہیں رہا کیا جا رہا ہے۔"

"کیا؟" شارق کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ "کیا واقعی سپرنٹنڈنٹ جیل صاحب؟"

"ہاں۔" سپرنٹنڈنٹ جیل نے جواب دیا۔ "یہ تمہاری رہائی کا پروانہ ہے اور یہ وہ فائل ہے جس میں تمہارا میٹرک کا سرٹیفکیٹ' بی اے کی ڈگری اور جیل کی طرف سے گڈ کریکٹر کا سرٹیفکیٹ وغیرہ ہے۔ تم ایک شریف نوجوان ہو۔ مجھے یقین ہے کہ کسی قسم کے انتقامی جذبے کو دل میں جگہ نہیں دو گے۔ تم پڑھے لکھے ہو۔ تمہیں اچھی ملازمت مل سکتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم آزاد فضا میں اچھی زندگی بسر کرو گے اور معاشرے کے اچھے شہری ثابت ہو گے۔"

"میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا سپرنٹنڈنٹ جیل صاحب!" شارق نے جواب دیا۔

"اچھا دیکھو۔" سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا۔ "میں نے گھر سے اپنے بیٹے کے کپڑوں کا ایک جوڑا منگوا لیا تھا۔ باتھ روم میں جا کر کپڑے بدل لو.... اور بنگلے میں بیگم صاحبہ سے مل کر جانا۔ وہ تمہاری رہائی پر بہت خوش ہیں۔ مریم بھی بنگلے میں موجود ہے۔ میں نے ایک سپاہی کو بھیج کر اسے صبح سویرے ہی یہاں بلا لیا تھا۔ جاؤ.... تمہیں رہائی اور نئی زندگی مبارک ہو۔"

"شکریہ جناب۔" شارق سپرنٹنڈنٹ جیل کے دیئے ہوئے کپڑے لے کر دفتر سے نکل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ اس نے کپڑے بدلے۔ باہر آ کر جیل کا لباس وارڈن کے حوالے کیا اور فائل اٹھا کر اس نے بڑی گرمجوشی سے سپرنٹنڈنٹ جیل سے مصافحہ کیا اور جب وہ ایک وارڈن کے ساتھ جیل کے گیٹ سے باہر نکلا تو آزاد فضا میں سانس لیتے ہوئے اسے بڑا عجیب سا محسوس ہوا۔ حالانکہ وہ پہلے بھی سپرنٹنڈنٹ جیل کے بنگلے پر کام کرنے کے لئے اس گیٹ سے باہر آتا رہا تھا لیکن اس وقت اس کے جسم پر جیل کا لباس ہوتا تھا جس پر قیدی نمبر بھی لکھا ہوتا تھا۔ لیکن آج وہ اس لباس میں تھا جو اسے آزادی کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ گیٹ کے سامنے کھڑا کچھ دیر تک گہرے گہرے

سانس لیتا رہا پھر وارڈن کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل کے بنگلے کی طرف چل پڑا جو اصل جیل سے ملحق بیرونی چار دیواری میں جیل اسٹاف کی کالونی میں واقع تھا۔

وہ وارڈن کے ساتھ جھجکتا ہوا بنگلے میں داخل ہوا۔ حالانکہ جب وہ قیدی کی حیثیت سے یہاں کام کرنے آتا تھا تو کبھی نہیں جھجکا تھا۔ وارڈن اسے بنگلے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ شارق جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو سامنے ہی صوفے پر مریم اور سپرنٹنڈنٹ جیل صاحب کی بیگم بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ مریم دوڑ کر شارق سے لپٹ گئی۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جب اس نے شارق کو چھوڑا تو بیگم صاحبہ نے بھی شارق کو رہائی پر مبارک باد دی۔

"مجھے مریم نے سب کچھ بتایا ہے بیٹے۔ لیکن تم نے اس وقت عدالت کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی بجائے زبان کیوں بند رکھی؟ اپنی زندگی کے دس سال کیوں ضائع کر دیئے؟" بیگم صاحبہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ دس سال ضائع نہیں ہوئے بیگم صاحبہ! میں نے جیل میں رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ آزادی کیا ہوتی ہے۔ جیل میں رہتے ہوئے بھی میں نے جینے کا سلیقہ سیکھا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے دس سال پہلے عدالت کے سامنے زبان کیوں نہیں کھولی تھی؟ یہ ایک مختلف کہانی ہے۔ اسے دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"اچھا' تم لوگ بیٹھو۔ میں خانساماں سے ناشتہ کے لئے کہہ دوں۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ "اور سنو شارق! مریم نے تمہارے لئے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ یہ تمہاری ماں کی طرح ہے اسے اب اپنی ماں ہی سمجھنا۔"

شارق جواب دینے کے بجائے مریم کی طرف دیکھنے لگا۔ مریم کے بال تو آدھے سے زیادہ سفید ہو گئے تھے۔ اپنے ماں باپ کی زندگی میں بھی شارق اس سے بہت زیادہ مانوس تھا اور مریم ہی وہ واحد ہستی تھی جو دس سال کے اس عرصے میں باقاعدگی سے اس سے ملنے کے لئے آتی رہی تھی۔

بیگم صاحبہ دوبارہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور تقریباً پندرہ منٹ بعد خانساماں نے ان کے سامنے میز پر ناشتہ لگا دیا۔ وہ بھی ایک قیدی ہی تھا۔ اس نے بھی شارق کو رہائی پر مبارک باد دی تھی۔

ناشتے کے بعد بھی وہ تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے پھر بیگم صاحبہ سے اجازت لے کر بنگلے سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ انہیں فوراً ہی ایک خالی رکشہ مل گیا۔ اور جب وہ لوہاری گیٹ کے باہر رکشے سے اتر کر پیدل ہی گلیوں میں چلنے لگے تو مریم کے جاننے والے اس کے ساتھ ایک

aazzamm@yahoo.com

سرخ و سفید گبھرو جوان کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے شارق کو بچپن میں دیکھا تھا۔ لیکن دس سال بعد وہ شارق کو بالکل نہیں پہچان سکے تھے۔

مریم اسے اپنے گھر لے آئی تھی۔ شارق جب اندر داخل ہوا تو صحن میں ایک جوان اور حسین لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ مریم آگے بڑھ گئی تھی مگر پھر وہ بھی رک گئی۔

"کیا بات ہے' تم رک کیوں گئے؟" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا' پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اوہ! سمجھ گئی..... تم نے رضیہ کو نہیں پہچانا۔ ارے پگلے یہ رضیہ ہے' تمہارے بچپن کی ساتھی۔"

شارق جھجکتا ہوا آگے بڑھا۔ رضیہ "بھیا" کہتی ہوئی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ جس طرح شارق سے لپٹی تھی اس میں اپنائیت تھی' خلوص تھا اور چاہت تھی۔ شارق بچپن میں بھی رضیہ کو بہن ہی کہتا تھا۔ اور اب بھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سگی بہن اس سے لپٹی ہوئی ہو۔ اس نے جب رضیہ کو بانہوں سے پکڑ کر اپنے سے الگ کیا تو رضیہ کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور رضیہ ایک بار پھر اس سے لپٹ گئی۔ اب وہ باقاعدہ سسکیاں بھر رہی تھی۔ شارق اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"اے لڑکی۔" مریم قریب آ کر بولی۔ "پگلی ہوئی ہے کیا؟ دس سال بعد اس گھر میں خوشیوں نے قدم رکھا ہے اور تو نے رونا شروع کر دیا۔"

"میں تو خوشی سے ہی بے قابو ہو رہی ہوں ماں۔" رضیہ نے شارق سے الگ ہٹ کر دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اچھا' اب بھائی کو اندر تو آنے دے۔" مریم نے کہا۔

"رضیہ' شارق کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آئی اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ مریم قریب ہی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔ رضیہ سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی۔ وہ دیر تک شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کی گود میں رکھا ہوا فائل اٹھا لیا اور اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ بی اے کی ڈگری دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ شارق نے جیل میں بی اے کر لیا تھا۔ اس نے فائل چارپائی پر رکھ دیا اور اٹھ کر ایک ٹرنک میں سے ایک فائل نکال کر شارق کے ہاتھ میں تھما دیا۔ شارق نے فائل کھول کر دیکھا۔ سب سے اوپر رضیہ کے نام کی بی اے کی ڈگری تھی۔ رضیہ نے اسی سال یہ ڈگری حاصل کی تھی۔

"ارے بھئی' تم نے تو کمال کر دیا۔" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ تم پرائمری پاس کر کے گھر کے جھاڑو پونچھے میں لگ جاؤ گی۔"

"بہن کس کی ہوں۔ بھلا میں پیچھے رہ سکتی ہوں۔" رضیہ نے تڑ سے جواب دیا۔

"ارے بیٹا۔" مریم نے کہا۔ "یہ کہتی ہے کہ ایم اے کر کے کالج میں پڑھائے گی۔ مگر اب میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔ لوگوں کے گھروں میں کام کرتے کرتے ہاتھ گھس گئے ہیں۔ بی اے کر لیا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کسی اسکول میں استانی لگ جا۔"

"نہیں ماں جی۔" شارق نے کہا۔ "رضیہ ایم اے ضرور کرے گی۔ اور اس کی کالج میں لیکچرار بننے کی خواہش بھی ضرور پوری ہو گی۔"

"کیا کرے گی ایم اے کر کے۔" مریم بولی۔ "لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ گھروں میں برتن مانجھنے والی کی بیٹی نے بی اے کر لیا۔ اب ایم اے کرے گی۔ مجھ سے نہیں سنی جاتیں لوگوں کی باتیں۔"

"لوگ تو باتیں بناتے ہی رہتے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "تعلیم پر صرف دولت مندوں ہی کا تو حق نہیں ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ جس کے ماں باپ مزدوری کرتے ہوں ان کی اولاد بھی جاہل رہے اور دولت مندوں کی جوتیاں سیدھی کرتی رہے۔"

"دیکھا ماں جی۔" رضیہ چہکی۔ "میں نہ کہتی تھی کہ شارق بھیا میری حمایت کریں گے۔ آپ تو بس لوگوں کی باتوں میں آ جاتی ہیں۔ لوگ کب چاہتے ہیں کہ کوئی اور اچھی زندگی بسر کرے۔ آپ تو بس میرے رشتے کے چکر میں پڑی رہتی ہیں۔ فلاں کا لڑکا یہ کرتا ہے' فلاں کا لڑکا وہ کرتا ہے۔"

"اری تو کیا زندگی بھر تمہیں گھر میں بٹھائے رکھوں گی۔" مریم نے اسے ڈانٹا۔

"رضیہ ایم اے کر لے تو اس کا رشتہ بھی ڈھونڈ لیں گے ماں جی۔" شارق نے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات۔" رضیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ناشتہ بنا لوں۔"

"ہمیں تو سپرنٹنڈنٹ جیل صاحب کی بیگم نے ناشتہ کرا دیا تھا۔ بڑی اچھی عورت ہے بے چاری۔ تو اپنے لئے ناشتہ بنا لے اور ہمیں چائے دے دے۔" مریم نے کہا۔

رضیہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ مریم نے اٹھ کر ایک ٹرنک میں سے نیلے رنگ کا ایک فائل نکال لیا اور شارق کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"شارق بیٹا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ تمہارے جیل جانے کے چند ہی روز بعد ہائی کورٹ نے مکان کا فیصلہ تمہارے مرحوم باپ کے حق میں کر دیا تھا اور تمہیں اس کی ساری جائیداد کا وارث قرار دیتے ہوئے مجھے نگران مقرر کیا تھا۔ میں نے وہ مکان اور دکان بھی کرائے پر دے دی تھی۔ اور ان کا کرایہ بینک میں اپنے نام سے جمع کرواتی رہی تھی۔ مکان اور دکان کی مرمت وغیرہ

aazzamm@yahoo.com

کے لئے کبھی تھوڑے بہت پیسے نکلوا لیتی تھی۔ باقی سارا حساب ان کاغذوں میں موجود ہے۔ ایک دو دن میں تم اپنے نام سے اکاؤنٹ کھول لو تو یہ ساری رقم تمہارے اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جائے گی۔"

شارق فائل کھول کر دیکھنے لگا۔ اس میں دس سال کا پورا حساب موجود تھا۔ بینک کی اسٹیٹ منٹس بھی فائل میں لگی ہوئی تھیں۔ آخری اسٹیٹ منٹ ایک ماہ پہلے کی تھی جس کے مطابق اس اکاؤنٹ میں دو لاکھ سے زائد رقم موجود تھی۔ شارق' مریم کی اس دیانت داری سے بے حد متاثر ہوا۔

"آپ نے اپنی ذات کے لئے اس میں سے کبھی کچھ خرچ نہیں کیا؟" شارق بولا۔

"میں نے تمہارے باپ کا نمک کھایا ہے بیٹا۔" مریم نے کہا۔ "یہ رقم تمہاری امانت تھی جسے میں سنبھال کر رکھتی رہی۔ اب تم آ گئے ہو تو یہ بوجھ بھی میرے سر سے اتر جائے گا۔ تم اگر چاہو تو دکان خالی کروا کر وہاں کوئی کاروبار شروع کر دو۔"

"ایک سزا یافتہ کو کہیں نوکری تو مل نہیں سکتی۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب تو کوئی کاروبار ہی کرنا پڑے گا۔"

اسی دوران رضیہ چائے لے آئی۔ اس نے پراٹھے بنا لئے تھے اور انڈے بھی تل لئے تھے۔ مریم نے ٹوٹی پھوٹی سی میز بیچ میں کھینچ لی۔ رضیہ نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

"آپ کو میرے ہاتھ کا ناشتہ بھی کھانا پڑے گا۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کھا لیتے ہیں۔" شارق نے کہتے ہوئے کرسی آگے سرکا لی۔

وہ تینوں ناشتہ کرنے لگے۔ اسی دوران اسی گلی کی رہنے والی ایک عورت آ گئی۔ وہ دروازے میں کھڑی کچھ دیر تک شارق کو گھورتی رہی پھر سوالیہ نگاہوں سے مریم کی طرف دیکھنے لگی۔

"رحمت بی بی' یہ شارق ہے۔ سکینہ کا بیٹا۔ پہچانا نہیں تم نے؟" مریم نے کہا۔

"کون سی سکینہ کا بیٹا؟" رحمت بی بی نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔ وہ پینتالیس سال کے لگ بھگ فربہ اندام عورت تھی۔ اس کے چہرے ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بات کا بتنگڑ اور لگائی بجھائی کرنے والی عورت ہے۔

"ارے وہی سکینہ جن کے ہاں میں کام کرتی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کو قتل کر دیا گیا تھا اور شارق کو...."

"اچھا سمجھ گئی۔" رحمت بی بی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چھوٹ گیا ہے جیل سے' مگر یہ تمہارے گھر کیوں آیا ہے؟"

"بیٹا ہے میرا۔" مریم نے کہا۔ "میرے گھر میں نہیں آئے گا تو اور کہاں جائے گا۔ میں تو خود لے کر آئی ہوں اسے۔"

"گھر میں تیری جوان لڑکی ہے اور تو ایک غیر مرد کو لے آئی ہے۔" رحمت بی بی نے کہا۔ "اسے گھر لانے سے پہلے کچھ تو سوچا ہوتا مریم تم نے۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔"

"بیٹا ہے میرا۔" مریم نے تنک کر جواب دیا۔ "مجھے نہیں پرواہ لوگوں کی باتوں کی۔"

"لوگ باتیں بنائیں یا نہ بنائیں۔ ماسی ضرور بنائے گی۔" رضیہ نے رحمت بی بی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ماسی' تمہاری یہی باتیں تو کسی کو اچھی نہیں لگتیں۔ اسی لئے سمجھ دار لوگوں نے اپنے گھروں میں تمہارا آنا جانا بند کر دیا ہی۔"

"کسی کے گھر میں میری جاتی ہے جوتی۔" رحمت بی بی نے کہا۔ "یہ تو میری بہن کا گھر ہے میں آؤں گی اور سو بار آؤں گی۔ تو کون ہے مجھے روکنے والی؟"

"تمہیں کسی نے روکا نہیں ہے ماسی' لیکن...."

"بس بس رہنے دے۔" رحمت بی بی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے بھی چائے بنا کے دے۔ میں تیری ماں سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔"

"مجھے پتہ ہے ماسی تم نے اماں سے کیا ضروری بات کرنی ہے۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لائی ہو گی کسی تانگے والے کے بیٹے کا رشتہ۔ اور اسکی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دو گی تم۔"

"ارے' تم کو اپنے گھر جانا ہے یا ساری عمر ماں کے گھٹنوں سے لگی بیٹھی رہو گی۔" رحمت بی بی نے اسے گھورا۔ "جب بھی کوئی رشتہ لے کر آتی ہوں انکار کر دیتی ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔ ساری زندگی پڑھتی ہی رہے گی کیا؟"

"ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور چائے کا ایک کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

شارق اس دوران خاموش بیٹھا رہا۔ رحمت بی بی چائے پی کر مریم سے ضروری بات کئے بغیر چلی گئی۔ اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد پورے محلے میں یہ خبر پھیل گئی کہ شفاعت کا بیٹا جیل سے رہا ہو کر آ گیا ہے۔ مریم کے گھر پر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس وقت کسی نے شارق کو معصوم اور بے گناہ نہیں سمجھا تھا اور اب دس سال بعد اس سے اظہار ہمدردی کر رہے تھے۔ شارق خاموشی سے لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔

اسی شام شارق' مریم کے ساتھ بھاٹی چوک والی دکان پر پہنچ گیا۔ وہاں پان سگریٹ کی دکان

aazzamm@yahoo.com

کھلی ہوئی تھی۔ حسب معمول بھائی کے منچلے سفید اجلے کپڑے پہنے منہ میں پان کی گلوری دبائے اور سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے ادھر ادھر کھڑے گپیں ہانک رہے تھے۔ بعض نوجوانوں نے گلوں میں موتیا کے ہار بھی پہن رکھے تھے۔ ہار بیچنے والا بھی لکڑی کی ایک ڈنڈی میں لاتعداد ہار سجائے آوازیں لگاتا ہوا آس پاس گھوم رہا تھا۔

دکان کے سامنے بھی منچلے کھڑے تھے۔ مریم کو دیکھ کر وہ لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ وہ اسے کوئی گاہک ہی سمجھے تھے جو ان کے خیال میں پان لینے آئی تھی۔ شارق گہری نظروں سے دکان کو دیکھ رہا تھا۔ دکان خاصی بڑی تھی لیکن آگے کے حصے میں ریکس بنا کر اسے مختصر کر لیا گیا تھا۔ شیشے کے سلائیڈنگ ڈورز والے ریکس میں سگریٹوں کے پیکٹ سجے ہوئے تھے۔

دکان کے مالک کی عمر تیس بتیس سال رہی ہو گی۔ چھوٹی داڑھی اور سر پر دھاگے کی بنی ہوئی سفید ٹوپی تھی۔ چہرے سے وہ بڑا شریف اور مہذب لگتا تھا۔

"سلام ماسی۔ کیسے آنا ہوا' کرایہ تو میں پرسوں گھر پر دے آیا تھا۔" دکاندار نے مریم کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

"جیتے رہو بیٹا۔" مریم نے کہا۔ "کرایہ مل گیا تھا۔ آج تو میں شارق کو تم سے ملانے کے لئے لائی ہوں۔ یہ دکان کا اصل مالک ہے۔ میں نے بتایا تھا نا تمہیں کہ....."

"سمجھ گیا ماسی۔" دکاندار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیسے ہیں شارق باؤ۔" اس نے بڑی گرمجوشی سے شارق سے ہاتھ ملایا۔

اسی دوران ایک مجہول سا آدمی وہاں آ گیا۔ میلے کچیلے کپڑے' گریبان چاک' الجھے ہوئی بال' آنکھوں میں سرخی اور دائیں رخسار پر زخم تھا جیسے گرنے سے رگڑ لگی ہو۔ اس شخص کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے مہینوں سے منہ ہاتھ نہ دھویا ہو۔ اس نے جیب سے پچاس کا ایک نوٹ نکال کر دکان والے کی طرف بڑھا دیا۔ دکاندار نے نوٹ لے کر کاؤنٹر کی دراز میں ڈال لیا۔ نیچے جھک کر کہیں سے دو پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں نکالیں۔ ان میں سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ نیچے بیٹھے ہی بیٹھے اس نے دونوں تھیلیاں کاغذ کی ایک تھیلی میں ڈالیں اور اٹھ کر وہ تھیلی اس مجہول سے آدمی کی طرف بڑھا دی۔ اس شخص نے تھیلی جیب میں ڈالی اور تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

"شارق باؤ۔ کیا خدمت کروں آپ کی۔ ٹھنڈا چلے گا؟" دکاندار نے شارق سے پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر دائیں طرف رکھے ہوئے ڈیپ فریزر میں سے کوک کی دو بوتلیں نکال کر انہیں کھولا اور ان میں اسٹرا لگا کر ایک بوتل شارق کی طرف بڑھا دی اور ایک مریم کی طرف۔

"بیٹا لطیف۔" مریم نے کوک کی ایک چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "شارق باؤ کوئی کاروبار کرنا چاہتا

ہے۔ میں نے جب تمہیں دکان دی تھی تو یہ وعدہ لیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر تم سے دکان خالی کرا لی جائے گی۔"

"مجھے یہ وعدہ یاد ہے ماسی۔" لطیف نے کہا۔ "لیکن مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے نا' تاکہ میں کوئی اور بندوبست کر لوں۔"

"کتنا وقت چاہئے ہو گا آپ کو؟" اس مرتبہ شارق نے پوچھا۔

"آج تین تاریخ ہے۔" لطیف بولا۔ "یہ پورا مہینہ آپ مجھے دے دیں۔ ویسے تو نسبت روڈ پر لکشمی چوک کے قریب میری اپنی دکان ہے جو عرصہ سے بند پڑی ہے۔ یہاں تو کاروبار جما ہوا ہے۔ کوشش کروں گا کہ آس پاس ہی کوئی دکان مل جائے۔ اگر کوئی بندوبست نہ ہوا تو لکشمی چوک پر اپنی دکان میں چلا جاؤں گا۔ بہرحال' آپ کو تیس تاریخ کو دکان خالی مل جائے گی۔"

"اس سے آگے تو نہیں....؟"

"نہیں شارق باؤ۔" لطیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مریم ماسی تو مجھے بھی بیٹے کی طرح سمجھتی رہی ہے۔ میں نے ان سے جو وعدہ کیا تھا۔ اس سے نہیں پھروں گا۔ آپ کو تیس تاریخ کو دکان خالی مل جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" شارق نے کہا۔

جب وہ لطیف سے ہاتھ ملا کر رخصت ہونے لگا تو ایک اور گاہک ایسا آیا تھا جس نے لطیف کو پچاس کا نوٹ دیا تھا اور لطیف نے کاؤنٹر کے نیچے سے ویسی ہی پلاسٹک کی دو پڑیاں کاغذ کی تھیلی میں ڈال کر اسے تھما دی تھیں۔

"مکان میں کون لوگ رہ رہے ہیں ماں جی؟" شارق نے راستے میں پوچھا۔

"کوئی سرکاری افسر ہے۔ بہت شریف لوگ ہیں وہ بھی۔ اس آدمی کا راولپنڈی تبادلہ ہو گیا ہے۔ اس نے پہلے ہی مجھے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ اس مہینے کی بیس یا تیس تاریخ تک مکان خالی کر رہے ہیں۔ وہ لوگ چلے جائیں تو مکان میں تھوڑی بہت مرمت کروانا ہو گی۔ اس کے بعد....."

"اس کے بعد وہ مکان فروخت کر دیا جائے گا۔" شارق نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔"

"کیوں بیٹا؟" مریم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں اب اس مکان میں نہیں رہ سکتا۔ وہاں میرے ماں باپ کا خون بکھرا ہوا ہے۔ اس مکان ہی کی وجہ سے میرے ماں باپ کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ میں وہاں کیسے رہ سکتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

مریم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں خاموشی سے راستہ چلتے رہے۔

"ماں جی' آپ گھر جائیں۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" شارق نے لوہاری گیٹ کے سامنے پہنچ کر کہا۔

مریم چلی گئی اور شارق گہری نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو ایک تھڑے پر قائم نیوز اسٹینڈ کے سامنے کھڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کے سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید تھے۔ آنکھوں پر عینک لگی ہوئی تھی۔ لیکن شارق نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ ایڈووکیٹ سلمان تھا۔ اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ خباثت ٹپک رہی تھی۔ شارق اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے تھڑے پر سجے ہوئے اخبارات کی طرف دیکھا۔ شام کو شائع ہونے والے دو تین اخبارات کی ہیڈ لائین تقریباً ایک ہی تھی۔

"دس سال پہلے ماں باپ کو قتل کرنے والے نوجوان کو رہا کر دیا گیا۔"

اس کے نیچے کئی ذیلی سرخیاں تھیں۔ ہر سرخی سنسنی خیز اور دہشت پھیلانے والی تھی۔ اخباروں کی یہ سرخیاں پڑھنے سے یوں لگتا تھا جیسے کوئی عفریت شہر میں گھس آیا ہو اور لوگوں کو ہوشیار کیا جا رہا ہو۔ ہر اخبار نے اس کی تصویریں بھی شائع کی تھیں۔ یہ تصویر اخبار والوں نے یقیناً جیل سے حاصل کی تھی۔

ایڈووکیٹ سلمان بھی اپنے سامنے اخبار پھیلائے یہی خبر پڑھ رہا تھا۔ اس کے قریب ایک اور شخص بھی کھڑا تھا۔ سلمان نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا لیا اور اسے تہہ کر کے کوٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے ساتھ والے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"دیکھ لیا احمد علی۔ شفاعت کا بیٹا جیل سے چھوٹ گیا ہے۔"

"ہاں... تصویر سے تو لگتا ہے کہ وہ جوان ہو گیا ہے۔" احمد علی نے کہا۔

"جوان نہیں ہو گا تو کیا بچہ ہی رہے گا۔" سلمان بولا۔ "جب وہ جیل گیا تھا تو اس کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ دس سال جیل میں رہا۔ اب تو..."

بات کرتے کرتے اس کی نظریں شارق کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ اس طرح چونک گیا جیسے کوئی انوکھی شے دیکھ لی ہو۔ اس نے تھڑے پر پڑے ہوئے ایک اخبار کے صفحہ اول پر شارق کی تصویر کی طرف دیکھا' پھر شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کی رنگت بھی تبدیل ہونے لگی۔

"تت... تم..." وہ شارق کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے ہکلایا۔

"چلو اچھا ہوا۔ تم نے مجھے پہچان تو لیا۔" شارق کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ "یہ

تصویر جو تم نے جیب میں رکھی ہے اسے اپنے دل اور ذہن میں نقش کر لو۔ یہ تصویر تم سے اپنے ماں باپ کے قتل کا حساب لے گی۔"

"مم... میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔" سلمان ہکلا رہا تھا۔ "تت... تم... تم..." وہ بات مکمل کئے بغیر مڑ کر تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔

دوسرا آدمی احمد علی بھی گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر وہ بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ شارق کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر ٹہلتا ہوا نعمت کدہ ہوٹل میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چائے منگوائی اور چسکیاں لیتے ہوئے ہوٹل میں بیٹھے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ بعض لوگوں نے اسے ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا لیکن کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

شارق تقریباً ایک گھنٹے تک ہوٹل میں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر سڑک پار کر کے انارکلی کی طرف آ گیا۔ شام کا وقت تھا۔ یہاں زندگی کی رونق عروج پر تھی۔ وہ دس سال بعد زندگی کی یہ چہل پہل دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے سامنے تقریباً اسی کی عمر کا ایک نوجوان کھڑا تھا۔

"تم شارق ہو نا؟" اس شخص نے شارق کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہاں' لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" شارق کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

"ارے میں سہیل ہوں... آٹھویں کلاس میں تمہارے ساتھ پڑھتا تھا۔ سہیل بلا' اب بھی پہچانا یا نہیں؟" اس شخص نے کہا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر بے اختیار ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"آؤ... میرے ساتھ آؤ۔" سہیل اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچتا ہوا لے گیا۔

وہ ایک سائیڈ اسٹریٹ میں آ گئے جہاں ایک چھوٹا سا صاف ستھرا ریسٹورنٹ تھا۔ وہ ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ سہیل نے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص سے چائے بھجوانے کو کہا اور شارق کو لے کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ شارق کا خیال تھا کہ اوپر اسپیشل گیلری ہو گی لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ زینے کے اختتام پر مختصر سی راہداری تھی جس کے اختتام پر دروازہ تھا۔ سہیل نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر آ گئے۔ یہ دو کمروں کا ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ اس کا ایک راستہ باہر سڑک کی طرف بھی تھا۔

"بیٹھو۔" سہیل نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ریسٹورنٹ میرا ہے اور میری رہائش بھی یہیں ہے۔"

تھوڑی دیر میں ویٹر چائے دے کر چلا گیا۔ چائے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے۔ سہیل

aazzamm@yahoo.com

کے والدین بھی انتقال کر چکے تھے اور وہ بھی شارق کی طرح اس دنیا میں اکیلا ہی رہ گیا تھا۔

شارق جب سہیل سے رخصت ہوا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ جب وہ گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ مریم اور رضیہ نے اس کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔

یہ اس کے دوسرے دن کی بات ہے۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ شارق گھر پر ہی تھا۔ اچانک دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی دروازہ توڑ دینا چاہتا ہو۔ رضیہ اس وقت باورچی خانے میں تھی۔ اس نے جا کر دراوزہ کھولا تو ایک پولیس والے کو دیکھ کر سہم سی گئی۔

"شارق گھر میں ہو تو اسے باہر بھیجو۔" پولیس والے نے بارعب لہجے میں کہا۔

رضیہ نے آ کر شارق کو بتایا۔ شارق باہر آ گیا۔

"تمہیں تھانیدار صاحب نے بلایا ہے میرے ساتھ چلو۔" پولیس والے نے کہا۔

"کیوں....کیا بات ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"یہ تو تمہیں تھانے جا کر ہی پتہ چلے گا۔ چلو میرے ساتھ۔" پولیس والا بولا۔

شارق اس کے ساتھ چل دیا۔ راستے میں لوگ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھانیدار ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ کرختگی اور پھٹکار اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

"معلوم ہوتا ہے دس سال جیل میں رہ کر بھی تم نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ باہر آتے ہی تم نے کل پرزے نکالنا شروع کر دیئے۔" تھانیدار اسے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟ مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" شارق نے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف تھا۔

"کل شام تم نے وکیل صاحب کو دھمکی دی تھی۔" تھانیدار نے اسے گھورا۔

"کون سے وکیل صاحب؟" شارق نے پوچھا۔

"ایڈووکیٹ سلمان۔" تھانیدار نے کہا۔ "تم نے اسے دھمکی دی تھی کہ اپنے ماں باپ کے قتل کا حساب لو گے۔ اس نے تمہارے خلاف تحریری شکایت کی ہے۔ اوئے برکت!" تھانیدار نے قریب کھڑے ہوئے کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ "اسے ذرا بتاؤ نا دھمکی کیسے دی جاتی ہے۔"

لمبے تڑنگے کانسٹیبل نے اچانک ہی شارق کو دبوچ لیا اور لاتوں اور گھونسوں سے اس کی پٹائی کرنے لگا۔ شارق کی ناک سے خون بہنے لگا۔

"بس چھوڑ دو۔" تھانیدار نے کہا۔ پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں اپنے علاقے میں کسی کی بدمعاشی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں

سلاخوں کے پیچھے بند کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے تمہاری جوانی پر ترس آتا ہے۔ آج تو میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ آئندہ کوئی بدمعاشی کی تو وہیں پہنچا دوں گا جہاں دس سال کاٹ کر آئے ہو۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔"

شارق گھر پہنچا تو مریم اور رضیہ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ رضیہ تو باقاعدہ رونے لگی تھی۔ شارق کا جسم جگہ جگہ سے دکھ رہا تھا اور رضیہ دیر تک اس کی سینکائی کرتی رہی۔

شارق کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا۔ اکیس تاریخ کو اس کا مکان خالی ہو گیا۔ اگلے روز وہ مریم کے ساتھ مکان دیکھنے گیا۔ مکان میں داخل ہوتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ وہ دیر تک صحن میں اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں دس سال پہلے اس نے اپنے ماں باپ کو ان سیاہ پوشوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر تڑپتے اور مرتے دیکھا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک مکان میں نہیں رکا۔ مکان میں واقعی کچھ مرمت کی ضرورت تھی۔

"ماں جی۔" وہ مریم کے ساتھ واپس آتے ہوئے بولا۔ "اس مکان کی مرمت وغیرہ کروا لیں پھر میں اسے بیچ دوں گا۔ میں اب دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا۔"

اسی رات وہ گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ مریم نے اٹھ کر کھولا۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا ماں جی؟ کون تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"تمہارے مکان کو آگ لگ گئی ہے۔" مریم نے جواب دیا۔

شارق کھانا چھوڑ کر باہر دوڑا۔ جب وہ اپنے مکان والی گلی میں پہنچا تو دور ہی رک گیا۔ گلی میں لوگوں کا ہجوم تھا اور [illegible] مکان [illegible] سے اٹھنے والے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

شارق بے بسی سے دور ہی کھڑا مکان سے اٹھتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہا تھا۔ لوگ گھروں سے بالٹیوں میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے' لیکن یہ آگ بالٹیوں سے بجھنے والی نہیں تھی' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اب تو فائر بریگیڈ کے بس کی بھی نہیں رہی تھی اور فائر بریگیڈ کا یہاں تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' یہ مکان لوہاری گیٹ کے اندر والی کشادہ سڑک سے تقریباً نصف میل دور واقع تھا اور وہاں تک راستہ تنگ اور پرپیچ گلیوں پر مشتمل تھا۔ صرف سائیکل یا موٹر سائیکل ہی واحد سواری تھی جو ان گلیوں میں آ سکتی تھی۔ فائر بریگیڈ کی گاڑی کے یہاں تک پہنچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لوگ دوسرے گھروں کو آگ کی لپیٹ میں آنے سے روکنے کے لئے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر ڈال رہے تھے۔

چھ گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد اس آگ پر قابو پایا جا سکا تھا' لیکن شارق کا یہ مکان مکمل طور پر جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ پڑوس کے دو اور مکانوں کو جزوی طور پر نقصان پہنچا تھا۔ لوگ شارق سے ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔ بعض لوگ اس بات پر حیران تھی کہ بند مکان میں آگ کیسے لگ گئی؟ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آگ بجلی کے شارٹ سرکٹ کی وجہ سے لگی تھی اور کچھ لوگ اس بات پر مصر تھے کہ یہ آگ جان بوجھ کر لگائی گئی تھی۔ آگ بجھانے کی کوشش کے دوران انہوں نے پیٹرول کی بو بھی محسوس کی تھی جس کا مطلب تھا کہ پیٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی تھی۔

شارق نے آتش زدگی کی رپورٹ تھانے میں نہیں لکھوائی تھی' کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر یہ آگ کسی نے جان بوجھ کر بھی لگائی تھی تو پولیس اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکے گی۔

دوسرے دن وہ مریم کے ساتھ مکان کے ملبے اور راکھ کے ڈھیر کا معائنہ کر رہا تھا۔ ملبے میں کہیں کہیں سے اب بھی ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔ آٹھ کمروں میں سے صرف دو کمرے ایسے تھے جن کی چھتیں ابھی تک قائم تھیں لیکن ان کے شہتیر بھی ادھ جلے تھے اور وہ چھتیں بھی کسی وقت بھی گر سکتی تھیں' شارق نے سوچا تھا کہ یہ مکان بیچ کر اس سے ملنے والی رقم سے شہر کے کسی اور علاقے میں کوئی مناسب مکان خرید لے گا' لیکن اب سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اب تو اسے

اس جلی ہوئی زمین ہی کی قیمت مل سکتی تھی' لیکن شارق کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی تھی کہ اس مکان کو آگ کس نے لگائی تھی؟

ملبے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظریں اچانک ہی سامنے والے مکان کی طرف اٹھ گئیں۔ ٹھیک اسی لمحہ اس مکان کے اوپر والے ایک کمرے کی کھڑکی بند ہوئی تھی۔ شارق کو یوں لگا تھا جیسے اس نے کھڑکی میں کسی کو کھڑے دیکھا ہو۔ لیکن وہ اس چہرے کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ لیکن وہ کھڑکی پوری طرح بند نہیں ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پٹوں میں تقریباً نصف انچ کا خلا اب بھی موجود تھا۔ شارق کو یقین تھا کہ اب بھی کوئی کھڑکی میں کھڑا اس خلا سے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔

"چلو بیٹا' اب چلیں۔ کب تک یہاں کھڑے اس راکھ کو دیکھتے رہو گے؟" مریم نے کہا۔

"ہاں چلیں ماں جی!" شارق نے کہا۔ "ایک دو دن بعد مزدوروں کو بلا کر یہ ملبہ ہٹوا دوں گا اور پھر اس زمین کو فروخت کرنے کے لئے اخبار میں اشتہار دے دوں گا۔"

وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ تین چار پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک انسپکٹر تھا' ایک اے ایس آئی اور دو کانسٹیبل۔ ان پولیس والوں کو دیکھ کر شارق کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"ہم تمہاری ہی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا شارق۔" انسپکٹر نے شارق کے قریب پہنچ کر کرخت لہجے میں کہا۔

"کیوں' وکیل صاحب نے پھر میرے خلاف کوئی شکایت کی ہے کیا؟" شارق نے کہتے ہوئے سامنے والے مکان کی طرف دیکھا۔

"نہیں' البتہ ہمیں یہ رپورٹ ملی ہے کہ تم نے اس مکان کو خود آگ لگائی ہے اور قانون کے مطابق کسی جائیداد کو نقصان پہنچانا یا نذر آتش کرنا خواہ وہ اپنی ہو یا پرائی' قابل دست اندازی پولیس جرم ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب؟" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ کوئی باہوش شخص اپنی جائیداد کو اس طرح جلا کر راکھ کر دے گا۔"

"ہمیں جو رپورٹ ملی ہے اس سے پتہ چلا ہے کہ آگ لگنے سے تھوڑی دیر پہلے تمہیں اس مکان سے نکلتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔" تھانیدار نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" مریم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "شارق تو شام ہی سے گھر میں تھا' ہم جب کھانا کھا رہے تھے تو محلے کے ایک آدمی نے ہمیں آگ لگنے کی اطلاع دی تھی۔"

"تو چپ رہ بڑھیا۔" تھانیدار نے اسے ڈانٹ دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"ویسے بائی دی وے آپ کو یہ اطلاع کسی نے دی تھی؟" شارق نے پوچھا اور سر اٹھا کر سامنے والے مکان کی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ کوئی بھی ہو۔ مگر یہ اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ چلو ہمارے ساتھ تھانے چلو۔" تھانیدار نے کہا اور دونوں کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا۔

"دونوں کانسٹیبلوں نے شارق کے دائیں بائیں آ کر اسے بانہوں سے پکڑ لیا۔

"چل اوئے۔" دونوں کانسٹیبل اسے دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔

"میں سمجھ گیا ہوں کہ میرے خلاف یہ کمینی حرکت کس نے کی ہے۔" شارق نے کہا۔

"یہ ظلم ہے۔ چھوڑ دو اسے۔" مریم چیختی ہوئی ان کے راستے میں آ گئی۔ "یہ اپنے مکان کو آگ کیسے لگا سکتا ہے؟ اپنے پیروں پر کلہاڑی کون مار سکتا ہے؟"

"ہٹ جاؤ مائی۔" تھانیدار نے مریم کو ایک طرف دھکیل دیا۔ "ورنہ تمہیں بھی لے جا کر بند کر دیں گے اس کے ساتھ۔"

"تم پر خدا کی لعنت ہو تھانیدار۔" مریم چیخی۔ "صورت پر پہلے ہی پھٹکار برس رہی ہے۔ غریبوں اور بے گناہوں کی آہیں مت لو۔ چھوڑ دو اسے۔"

"لے چلو اسے۔" تھانیدار نے پولیس والوں کو اشارہ کیا۔

وہ لوگ شارق کو پکڑ کر گلی میں آ گئے۔ مریم ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی چیختی چلاتی تھانیدار کو کوسنے دے رہی تھی۔ بہت سے لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تھے۔ بعض لوگ اونچی آواز میں پولیس والوں کو برا بھلا بھی کہہ رہے تھے۔ مگر تھانیدار اور پولیس والوں پر مریم کے کوسنوں اور لوگوں کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ایسے چکنے گھڑے تھے جن پر پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹھہرتی تھی۔

لوہاری گیٹ کے اندر گلیوں کے چوک پر پہنچ کر مریم رک گئی۔ وہ اب بھی چیخ چیخ کر تھانیدار کو بددعائیں اور کوسنے دے رہی تھی۔

"کیا ہوا مریم بہن! کیوں چیخ رہی ہو؟" ایک دکاندار نے پوچھا۔ مریم گھر کا سودا وغیرہ ہمیشہ اس سے لیا کرتی تھی اور ویسے بھی محلے کے تقریباً سب ہی لوگ اسے جانتے تھے۔

"گھر نہ رہے اس ٹٹ پینے' مرن جوگے تھانیدار کا۔" مریم چیخی۔ "وہ شفاعت کے بیٹے کو پکڑ کر لے گیا ہے۔ کہتا ہے کہ اپنے گھر کو آگ اس نے خود لگائی تھی۔"

"مریم بہن' یہ پولیس والے ہوتے ہی ایسے ہیں۔" دکاندار نے کہا۔ "جس کو چاہیں بادشاہ بنا دیں اور جس کو چاہیں پکڑ کر جیل میں بند کر دیں۔ ملک صاحب کے پاس چلی جاؤ۔ وہ چھڑوا لائیں

گے شفاعت کے بیٹے کو۔ ورنہ پولیس والے اسے پھر لمبے عرصے کے لئے جیل بھجوا دیں گے۔"

"میں ابھی جاتی ہوں۔" مریم کہتی ہوئی ایک گلی میں مڑ کر تیز تیز چلنے لگی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بدستور تھانے دار کو کوس رہی تھی۔ لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ملک منیر کا شمار اس علاقے کے معززین میں ہوتا تھا۔ اسے سیاست سے شغف تھا۔ کورا ان پڑھ آدمی تھا۔ مگر اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی۔ ریلوے اسٹیشن کے سامنے اس کا ایک ہوٹل تھا اور لنڈا بازار میں پانچ چھ دکانیں تھیں جو اس نے کرائے پر دے رکھی تھیں۔ قیام پاکستان کے وقت اس کا باپ تانگہ چلاتا تھا۔ اس نے ریلوے اسٹیشن والے ہوٹل اور لنڈا بازار کی ان دکانوں پر قبضہ کر لیا جو ہندو چھوڑ گئے تھے۔ لوہاری گیٹ والا مکان بھی ایک سکھ کی ملکیت تھا۔ مکان کیا تھا پوری حویلی تھی۔ اس وقت کچھ اور لوگوں نے اس مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر منیر کا باپ تلوار نکال کر کھڑا ہو گیا تھا۔

منیر کے باپ نے تانگہ چلانا چھوڑ دیا۔ چالاک آدمی تھا۔ کچھ لوگوں سے تعلقات بھی تھے۔ بھاگ دوڑ کر کے اس نے یہ ساری جائیداد اپنے نام لکھوا لی۔ منیر کا باپ خود تو آٹھ جماعتیں پڑھا ہوا تھا۔ اس نے منیر کو پڑھانے کی کوشش کی۔ مگر پانچویں جماعت سے آگے نہیں جا سکا۔ باپ نے بھی اس پر دباؤ نہیں ڈالا کہ اسے کونسا نوکری کرنی ہے۔

ان پڑھ ہونے کے بوجود منیر ذہین آدمی تھا۔ اس نے جلد ہی باپ کا کاروبار سنبھال لیا۔ بہت تھوڑے عرصے میں اس نے نہ صرف میکلوڈ روڈ پر ایک اور ہوٹل خرید لیا بلکہ سمن آباد میں زمین خرید کر اس پر شاندار کوٹھی بھی بنوا لی۔ میکلوڈ روڈ والا ہوٹل ٹھیکے پر اور سمن آباد والی کوٹھی ایک نامور فلم ایکٹریس کو کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے خود اس محلے میں رہنے کو ترجیح دی تھی البتہ اس پرانی طرز کی حویلی کی جگہ ایک جدید طرز کا خوبصورت مکان بن چکا تھا جس کے دروازے کے ساتھ والی دیوار پر سنگ مرمر کی سل لگی ہوئی تھی۔ جس پر جلی حروف میں ملک منیر ہاؤس کندہ تھا۔ منیر کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے باپ کی ذات کیا تھی۔ اس کا باپ جب تانگہ چلاتا تھا تو لوگ اسے بشیرا تانگے والا کہتے تھے۔ جب وہ صاحب جائیداد بنا اور ریشمی لاچا' کلف لگا ہوا سفید کرتا اور اجلی سفید پگڑی باندھ کر ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھنے لگا تو لوگوں نے اسے مہرجی کہنا شروع کر دیا۔ مگر منیر کے ایک دوست نے مذاق میں اسے ملک کہہ کر پکارا تو یہ لفظ اسے اچھا لگا۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ ملک لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ ملک منیر بن گیا۔

ملک منیر کو جوانی ہی میں سیاست کا چسکا لگ گیا تھا۔ ایوب خان کے زمانے میں بنیادی جمہوریت کا نظام متعارف ہوا تو دوستوں کے کہنے پر اس نے بھی الیکشن میں حصہ لے ڈالا اور بی

aazzamm@yahoo.com

ڈی ممبر منتخب ہو گیا۔ وہ سیاست کو دولت مندوں کا چونچلا اور مشغلہ سمجھتا رہا تھا لیکن جب خود عملی طور پر سیاست میں آیا تو پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا کہ سیاست مشغلہ اور چونچلا نہیں۔ کندھوں پر پڑنے والی ایک بھاری ذمے داری ہے۔ بعض لوگوں نے سیاست کو حصول زر کا ذریعہ سمجھا تھا۔ وہ دس لاکھ خرچ کر کے ممبر منتخب ہوتے تھے تو پہلے ہی سال میں پچاس لاکھ بنا لیتے تھے۔ مگر منیر نے سیاست کا مفہوم کچھ اور سمجھا تھا۔ اپنے علاقے کے عوام اور ملک و قوم کی دیانتداری سے خدمت۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود اس نے خدمت و دیانت کو اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ روپے پیسے کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔ حکومت سے ملنے والے فنڈ انہی کاموں پر خرچ کرتا جن کے لئے وہ جاری کئے جاتے تھے۔ لوگ ناجائز کام کروانے کے لئے اسے لاکھوں کی پیشکش کرتے مگر وہ ایسی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیتا۔ البتہ جائز کاموں کے لئے وہ لوگوں کے ساتھ دوڑا پھرتا۔ رات دو بجے بھی کوئی اس کے گھر آ جاتا اور اگر کام جائز ہوتا تو اسی وقت اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑتا اور اگر اسے اندازہ ہو جاتا کہ کام ناجائز ہے تو بڑی خوبصورتی سے آنے والے کو ٹال دیتا۔

ملک منیر سیاست میں ہمیشہ ان رہا تھا۔ آج تک ایک مرتبہ بھی آؤٹ نہیں ہوا تھا۔ وہ آج بھی اپنے علاقے کا کونسلر تھا۔ مختلف پارٹیوں نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہمیشہ آزاد ہی رہا تھا۔ ہر پارٹی کے لیڈروں سے اس کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ تھانے کچہری میں بھی اس کی بات سنی جاتی تھی۔ اس کی دیانت داری کی وجہ سے ہر جگہ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

شفاعت اور سکینہ کے قتل کے بعد شارق کو جب عمر قید کی سزا سنا کر جیل میں ڈال دیا گیا تو مریم کی بہت بری حالت ہوئی تھی۔ بھاگ دوڑ کی وجہ سے وہ نہ صرف بیمار ہو گئی تھی بلکہ اپنی ساری جمع پونجی مقدمے پر خرچ کر چکی تھی۔

شارق کو جیل گئے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا۔ مریم گھروں میں کام کرتے ہوئی کسی طرح ملک منیر کے گھر پہنچ گئی۔ یہاں وہ صرف آدھا دن کام کرتی تھی لیکن اسے اتنی تنخواہ مل جاتی کہ کسی اور جگہ کام کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ اسی وقت مریم کو پہلی مرتبہ پتہ چلا تھا کہ ملک کیا ہے۔ اس نے ایک روز موقع پا کر اس سے شفاعت اور سکینہ کے قتل اور شارق کی سزا کا ذکر کیا تو ملک منیر کو بے حد افسوس ہوا۔ اس نے وکیل سے مشورہ کیا۔ وکیل نے بتایا کہ اب اپیل کا وقت بھی نہیں رہا۔

مریم نے دو سال ملک منیر کے گھر کام کیا پھر کسی وجہ سے چھوڑ دیا اور آج تقریباً تین سال بعد وہ اس کے گھر جا رہی تھی۔ ملک منیر اس وقت گھر پر ہی تھا۔ وہ بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا اور

کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ مریم بیٹھک میں گھس گئی۔

"کیا بات ہے مریم بی بی' بہت گھبرائی ہوئی ہو؟" ملک منیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے پہچان لیا ملک جی؟" مریم بولی۔

"کیوں بھئی' میں تمہیں کیسے نہ پہچانتا؟ تم نے دو سال میرے گھر والوں کی خدمت کی ہے۔ میں جس کو ایک مرتبہ اچھی طرح دیکھ لیتا ہوں۔ اسے کبھی نہیں بھولتا۔ کہو' کیسے آنا ہوا؟ تمہاری بیٹی تو ٹھیک ہے نا؟ اب تو ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہو گی؟" ملک منیر نے کہا۔

"اس نے تو جی ماشاء اللہ بی اے کر لیا ہے۔" مریم نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولی۔ "آپ نے مجھے پہچان لیا۔ میری بیٹی کو بھی یاد رکھا۔ پھر تو آپ کو شفاعت اور سکینہ کے بیٹے کا قصہ بھی یاد ہو گا۔ وہی شارق۔ جس کے بارے میں' میں نے اس وقت آپ کو بتایا تھا؟"

"مجھے یاد ہے۔ مگر وہ تو شاید جیل میں ہے؟" ملک منیر نے کہا۔

"وہ رہا ہو گیا ہے جی۔ چند روز پہلے۔" مریم نے بتایا۔ "اس نے بھی جیل میں پڑھ کر بی اے کر لیا ہے۔ مگر پتہ نہیں یہ لڑکا کیسی قسمت لے کر اس دنیا میں آیا ہے۔ پہلے ماں باپ کے قتل کے جھوٹے الزام میں چودہ سال جیل میں کاٹے۔ رہا ہو کر آیا تو دوسرے دن پولیس نے پکڑ کر اسے مارا پیٹا۔ کل اس کا مکان جل کر راکھ ہو گیا اور آج پھر وہ مرن جوگا تھانیدار اسے پکڑ کر لے گیا ہے۔"

"کیوں؟ کیا کیا ہے اس نے؟" ملک منیر نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں ملک جی۔ تھانیدار کہتا ہے کہ مکان کو خود اس نے آگ لگائی تھی۔ آپ ہی سوچیں جی۔ بھلا کوئی اپنے گھر کو جلا سکتا ہے۔ اسے بچا لیں ملک جی۔ بڑا نیک بچہ ہے وہ تو۔ پولیس والے اسے مار مار کر ادھ موا کر دیں گے۔" مریم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"اچھا تم اندر جا کر بیٹھو۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" ملک منیر نے کہا۔

مریم مکان کے اندرونی حصے میں آ گئی۔ ملک منیر کی بیوی نے بھی مریم کو پہچان لیا۔ مریم نے اسے رو رو کر واقعہ بتایا تو وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"مت رو مریم۔ حوصلہ کر۔ تسلی رکھ۔ ملک جی تھانیدار کو ٹیلی فون کر دیں گے۔ کچھ نہیں ہوتا اس لڑکے کو۔"

"وہ تو میرا پتر ہے ملکانی جی۔ کوئی نہیں ہے اس کا اس دنیا میں۔" مریم بولی۔

"خدا تو ہے نا۔" ملکانی نے کہا۔ "حوصلہ رکھ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

aazzamm@yahoo.com

ملک منیر کے پاس اگرچہ ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ وہ اگر چاہتا تو فون پر بھی تھانیدار سے بات کر سکتا تھا۔ مگر بیٹھک میں بیٹھے ہوئے آدمیوں سے نمٹنے کے بعد تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مریم کے ساتھ تھانے کی طرف چل پڑا۔

بازار میں ہر شخص اٹھ اٹھ کر ملک منیر کو سلام کر رہا تھا۔ ملک منیر خوش اخلاقی سے ہر ایک کے سلام کا جواب دیتا رہا۔ جب وہ تھانے میں داخل ہوا تو پولیس والوں نے بھی اسے سلام کیا۔ ملک منیر سیدھا تھانیدار کے کمرے میں گھس گیا۔ مریم بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔ تھانیدار کے کمرے میں دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"آیئے ملک جی۔" تھانیدار نے اٹھ کر ملک منیر سے ہاتھ ملایا۔ "بیٹھئے' کیسے زحمت کی؟ کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"تمہارے بارے میں مجھے بڑی شکایتیں مل رہی ہیں تھانیدار۔" ملک منیر نے اس کی خوشامد سے متاثر ہوئے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تو علاقے کے لوگوں کو ناجائز تنگ کرتا ہے۔ تھانیداری کیا ہوتی ہے' پتہ ہے تجھے؟"

"بات کیا ہے ملک جی؟" تھانیدار کن انکھیوں سے مریم کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوئے پہلے تو یہ بتا کہ تو اپنے گھر کو آگ لگا سکتا ہے؟" ملک منیر نے اسے گھورا۔

"میرا دماغ تو خراب نہیں ہوا ملک جی۔" تھانیدار نے جواب دیا۔

"تو کیا اس لڑکے کا دماغ خراب ہوا ہے جسے تو پکڑ لایا ہے؟ کیا جرم کیا ہے اس نے؟ کیا دفعہ لگائی ہے اس پر؟ کس کے کہنے پر پکڑا ہے تم نے اسے؟" ملک نے کہا۔

"اوہ!" تھانیدار نے گہرا سانس لیا۔ "تو آپ اس عورت کے ساتھ آئے ہیں؟" اس نے مریم کی طرف دیکھا۔ "آپ اس آدمی کو نہیں جانتے ملک جی! وہ ماں باپ کے قتل کے جرم میں لمبی سزا کاٹ کر آیا ہے۔ باہر آتے ہی اس نے لوگوں کو برے نتائج کی دھمکیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ ایک آدمی کو پھنسانے کے لئے اس نے اپنے مکان کو آگ لگا دی۔"

"کیا اس نے اس آدمی کے خلاف رپٹ لکھوائی تھی؟" ملک منیر نے اسے گھورا۔

"نہیں' لیکن اس سے پہلے ہی ہمیں پتہ چل گیا کہ مکان کو آگ اس نے خود لگائی تھی۔ یہ جرم ہے۔ اس کا مکان تو جلا ہی تھا۔ دوسرے دو مکانوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔"

"نہ تو تو ولی ہے۔ تم نے خواب میں اسے اپنے مکان کو آگ لگاتے ہوئے دیکھا تھا؟" ملک منیر نے کہا۔

"میں نہ تو ولی ہوں' نہ میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔" تھانیدار نے جواب دیا۔ غصے کے

باعث اس کے چہرے پر سرخی بڑھ رہی تھی۔ ملک منیر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اب تک اسے سلاخوں کے پیچھے بند کر چکا ہوتا۔ مگر وہ ملک منیر کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے تعلقات بہت اوپر تک تھے۔ "لیکن...." وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "ایک آدمی نے اس کے خلاف شکایت کی تھی کہ مکان کو آگ لگنے سے تھوڑی دیر پہلے اس نے شارق کو مکان سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"اپنے گھر میں جانا کوئی جرم ہے کیا؟" ملک منیر نے اسے گھورا۔ "کس نے شکایت کی تھی؟ مجھے اس کا نام بتاؤ۔ میری بات غور سے سنو تھانیدار۔ میں اس علاقے کا کونسلر ہوں۔ اپنے علاقے کے لوگوں کا خیال رکھنا میری ذمے داری ہے۔ مجھے اس شخص کا نام بتاؤ جس نے شارق کے خلاف شکایت کی ہے کہ اس نے شارق کو اپنے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"وہ اس کے سامنے والے گھر میں رہتا ہے۔ سلمان ایڈووکیٹ۔" تھانیدار نے بتایا۔

"اوئے' وہ تو پہلے ہی بہت خبیث آدمی ہے۔ جعلساز اور دھوکے باز۔" ملک منیر نے کہا۔

"سچ بتا' اس نے تمہیں کتنے پیسے دیئے تھے؟"

"آپ اپنی حد سے بڑھ رہے ہیں ملک جی۔" تھانیدار کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔

"مجھے اپنی حد کا پتہ ہے۔ تو اپنی کھال میں رہ۔ یہ وردی پہن کر فرعون مت بنو۔ اس لڑکے کے خلاف کوئی ثبوت ہے کسی جرم کا تو بتاؤ مجھے۔ ورنہ ابھی اور اسی وقت چھوڑ دو اسے۔"

تھانیدار چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر محرر کو بلا کر پوچھا۔

"اس لڑکے کے خلاف ابھی پرچہ تو نہیں کاٹا؟"

"کچی رپورٹ لکھی ہے جی۔ آپ نے کہا تھا ابھی پرچہ نہ کاٹا جائے۔" محرر نے جواب دیا۔

"یہاں لے کر آؤ اسے۔" تھانیدار نے کہا۔

کچھ دیر بعد شارق کو ایک پولیس والا تھانیدار کے کمرے میں لے آیا۔ شارق کو تھانے لائے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اس عرصہ میں پولیس والے اس کی ٹھیک ٹھاک مرمت کر چکے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر خون جما ہوا تھا اور دائیں رخسار پر بھی سیاہ دھبہ نظر آ رہا تھا۔ مریم دوڑ کر شارق سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"تم واقعی انسان نہیں درندے ہو۔ میں آج ہی تمہارا بندوبست کرتا ہوں۔" ملک منیر نے خونخوار نظروں سے تھانیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے لے جاؤ ملک جی! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ساتھ میں تمہیں بھی بند کر دوں۔ بہت دیکھے ہیں تم جیسے کونسلر۔" تھانیدار کی قوت برداشت بالآخر جواب دے گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"اوئے....اوئے.... تو مجھے بند کرے گا۔" ملک منیر کا پارہ بھی چڑھ گیا۔ "کر دے بند مجھے۔"

کمرے میں موجود دوسرے دونوں آدمی ملک منیر کو پکڑ کر زبردستی باہر لے آئے۔

"چھوڑیئے ملک جی۔ آپ کا کام ہو گیا۔ لے جایئے لڑکے کو۔ بات ختم کر دیں۔" ایک آدمی نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"کام تو میں اس فرعون کا کروں گا۔" ملک چیخا۔

ملک کے بولنے کی آواز سن کر بہت سے لوگ تھانے کے باہر جمع ہو گئے۔ انہیں جب صورت حال کا پتہ چلا تو وہ بھی پولیس والوں کو کھل کر گالیاں بکنے لگے۔ ملک منیر' مریم اور شارق کے ساتھ تھانے سے باہر آ گیا۔

"بہن مریم' تم گھر جاؤ۔ میں ایک دو گھنٹوں میں آتا ہوں اس لڑکے کو ساتھ لے کر۔" ملک منیر نے کہا۔ پھر ہجوم میں دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اوئے' تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں آدمی شارق کو لے کر ملک منیر کے ساتھ ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ملک منیر' شارق کو ہسپتال یا کسی ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہے۔ مگر ان کی منزل ڈی آئی جی کا دفتر ثابت ہوئی تھی۔

عام طور پر ڈی آئی جی جیسے افسران سے ملاقات کے لئے خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عام آدمی تو ان تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ ملک منیر تھا۔ کونسلر ہونا بھی کوئی بڑی بات نہیں تھی' لیکن ملک منیر ایک دیانت دار اور بے خوف آدمی تھا۔ شہر میں اسے خاصی شہرت حاصل تھی۔ وہ خود کو قوم کا خادم سمجھتا تھا اور سرکاری افسران کے بارے میں تو اس کا خیال تھا کہ قوم کے ٹیکسوں پر پلنے والے یہ لوگ بھی قوم کے خدمت گار ہیں اور پولیس کے افسران کے بارے میں تو اس کا خیال تھا کہ ان کے دروازے چوبیس گھنٹے عوام کے لئے کھلے رہنے چاہئیں' لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ عام آدمی کے لئے ڈی آئی جی کے رتبے کے پولیس آفیسر تک پہنچنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی گداگر بادشاہ سلامت کے دربار تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پولیس ہیڈ کوارٹر کی بلڈنگ میں داخل ہونا بھی ایک عام آدمی کے لئے نہایت کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن ملک منیر اپنی کونسلری کی بنیاد پر پرچی بنوا کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تو راستے میں اور بیسیوں رکاوٹیں کھڑی تھیں۔ "صاحب میٹنگ میں ہیں' صاحب مصروف ہیں' آج ملاقات کا دن نہیں ہے' کیا صاحب نے پہلے سے ملاقات کا وقت دے رکھا ہے۔ درخواست لکھ کر دے

جایئے' آپ کو بلا لیا جائے گا۔" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ملک منیر زبردستی ان رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا ڈی آئی جی کے کمرے تک پہنچ گیا۔ دروازے کے سامنے دو کانسٹیبل کھڑے تھے۔ ایک رائفل بردار اور دوسرا اردلی۔

"آپ صاحب کے پی اے سے مل لیں۔ وہ پرچی اندر بھجوائیں گے تو آپ کو بلا لیا جائے گا۔" اردلی نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"تو مجھے نہیں جانتا اوئے پرچی کے کچھ لگتے۔" ملک منیر نے کہا۔ "میں ڈی آئی جی سے ملنے آیا ہوں۔ وزیر اعظم سے نہیں۔" اس نے اردلی کو ایک طرف ہٹایا۔ ایک ہاتھ سے شارق کا بازو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے دراوزہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر واقعی میٹنگ ہو رہی تھی۔ شہر کے تمام ایس پی اور ڈی ایس پی حضرات جمع تھے۔ ان سب کے سامنے چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے اور چائے کی چسکیوں کے ساتھ اس طرح باتیں ہو رہی تھیں جیسے شادی کی کسی تقریب میں آئے ہوں۔

"سر! یہ لوگ زبردستی اندر آ گئے ہیں۔" اردلی نے اندر داخل ہو کر کہا۔ وہ خاصا بدحواس نظر آ رہا تھا۔

تمام پولیس افسران شارق اور ملک منیر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ملک منیر کا چہرہ ڈی آئی جی کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اس کے علاقے کا ایس پی بھی موجود تھا۔

"ٹھیک ہے' تم جاؤ۔" ڈی آئی جی نے اردلی کو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ملک منیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ملک صاحب' ہم اس وقت ایک ضروری میٹنگ میں مصروف ہیں۔ اگر آپ کچھ دیر ساتھ والے کمرے میں جا کر بیٹھ جائیں تو میں فارغ ہو کر آپ سے بات کروں گا۔"

"جو ضروری میٹنگ ہو رہی ہے' میں دیکھ رہا ہوں۔" ملک منیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک یہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ پولیس عوام کی محافظ ہے یا یہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا گروہ؟"

"ملک صاحب۔" اس علاقے کے ڈی ایس پی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ پولیس کے سربراہ سے...."

"آپ چپ رہو جی۔" ملک منیر نے اسے ٹوک دیا۔ "پولیس کا سربراہ تو شہریوں کا محافظ ہوتا ہے' لیکن آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر چائے پی رہے ہیں اور اپنے ماتحتوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ لوگوں کے ساتھ جو سلوک چاہیں کرتے رہیں۔"

"آپ کو جو شکایت ہے وہ...."

aazzamm@yahoo.com

"میں نے کہا نا آپ چپ رہیں۔" ملک منیر نے ایک بار پھر ڈی ایس پی کو ٹوک دیا۔ "آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کے علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔ بس وردی پہن کر اکڑ رہے ہیں آپ تو۔ اس وردی کا آپ پر کچھ حق ہے۔ پہلے وہ حق ادا کریں۔ پھر مجھ سے بات کریں۔"

ڈی ایس پی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر ڈی آئی جی نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور ملک منیر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تشریف رکھئے ملک صاحب۔ یہ نوجوان کون ہے اور بتایئے کیا قصہ ہے؟"

"قصہ مختصر یہ ہے کہ...." ملک منیر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر شارق کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر اس بدمعاش تھانے دار کو برطرف نہ کیا گیا تو میں یہ معاملہ اوپر تک لے جاؤں گا۔ اور یہ ڈی ایس پی صاحب جو بیٹھے ہیں۔" اس نے علاقے کے ڈی ایس پی کی طرف اشارہ کیا۔ "چودہ سال پہلے یہی اس علاقے کا تھانے دار تھا۔ اس نے بارہ سال کے بچے کو ماں باپ کے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا سنوائی تھی۔ میں پوچھتا ہوں کیا ملا اسے کسی کا گھر برباد کر کے۔ پولیس کی وردی پہن لینے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ لوگ قانون کے مالک بن گئے ہیں۔"

"ملک صاحب۔" ڈی آئی جی نے کہا۔ "پولیس عوام کی خادم ہے۔ عوام کی محافظ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس محکمہ میں کچھ کالی بھیڑیں بھی ہیں۔ ایسے غیر ذمے دار لوگوں کے خلاف ہمیں کوئی شکایت ملتی ہے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرتے ہیں۔"

"اچھے محافظ ہیں آپ لوگ۔" ملک منیر نے کہا۔ "مار مار کے حلیہ بگاڑ دیا ہے اس شریف آدمی کا۔" وہ شارق کی طرف مڑ گیا۔ "تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ لکھ دو۔ اگر کوئی کارروائی نہ ہوئی تو میں اوپر تک بھی جا سکتا ہوں۔"

شارق نے اس واقعہ کی مکمل تفصیل لکھ کر ڈی آئی جی کے حوالے کر دیا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ جب سے جیل سے رہا ہو کر آیا ہے۔ علاقے کا تھانیدار اسے مسلسل پریشان کر رہا ہے۔ ڈی آئی جی نے درخواست پر ڈی ایس پی کے نام احکامات لکھ دیئے۔

"مجھے دو گھنٹے کے اندر اندر رپورٹ ملنی چاہئے۔ میں کوئی لاقانونیت برداشت نہیں کروں گا۔ آپ جایئے اور دو گھنٹے بعد مجھے رپورٹ پیش کریں۔" اس نے ڈی ایس پی سے کہا اور پھر ملک منیر کی طرف رخ کر کے بولا۔ "آپ مطمئن رہئے ملک صاحب۔ اگر مذکورہ انسپکٹر فرائض میں غفلت اور بددیانتی کا مجرم پایا گیا تو اس کے خلاف کارروائی ضرور ہو گی۔"

"پایا گیا کا کیا مطلب؟ وہ مجرم ہے۔ اس نے علاقے کے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ بھتے

وصول کرتا ہے دکانداروں سے۔ جس شریف آدمی کو چاہتا ہے پکڑ کر بند کر دیتا ہے۔ کوئی بھی شریف آدمی اس سے محفوظ نہیں ہے۔ جب کہ غنڈے اور بدمعاش علاقے میں دندناتے پھرتے ہیں۔" ملک منیر نے کہا۔

"میں نے ڈی ایس پی صاحب کو تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔ اب آپ کو اطمینان ہو جانا چاہئے۔" ڈی آئی جی نے کہا۔ وہ ملک منیر جیسے لوگوں کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ سیدھی راہ پر چلنے والے ایسے لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے بھی ان کی تقلید کریں اور پھر ملک منیر تو ان معاملات میں پورے شہر میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ چند سال پہلے وہ ڈپٹی کمشنر کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے پاس ڈپٹی کمشنر کے خلاف بدعنوانیوں کے ٹھوس الزامات موجود تھے اور جب تک اس ڈپٹی کمشنر کا ٹرانسفر نہیں کر دیا گیا تھا وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ اس وقت بھی اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اگر اس تھانیدار کے خلاف فوری کارروائی نہ کی گئی تو وہ اس معاملے کو بہت اوپر تک لے جائے گا۔

ملک منیر، شارق کو لے کر لوہاری میں ایک ڈاکٹر کے پاس آ گیا۔ اس کی مرہم پٹی کروانے کے بعد اسے گھر چھوڑا اور پھر اپنے گھر چلا گیا۔

اس روز شام کو انسپکٹر کو معطل کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر سلمان ایڈووکیٹ سے مل کر شارق کے خلاف سازش میں حصہ لینے اور معزز اور شریف شہریوں کو رسوا کرنے اور رشوت لینے کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔ پولیس سلمان ایڈووکیٹ کو بھی گرفتار کرنا چاہتی تھی لیکن وہ گھر سے فرار ہو گیا تھا۔ اخبارات نے پولیس انسپکٹر کے خلاف کارروائی کی خبر شہ سرخیوں میں شائع کی تھی۔

شارق ایک ہفتے تک گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ان واقعات سے وہ محتاط ہو گیا تھا۔ اور بلا وجہ کسی الجھن میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا۔ ایک پولیس آفیسر کی معطلی اور گرفتاری کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام پولیس والے سدھر گئے تھے۔ شارق کو سلمان ایڈووکیٹ کے فرار ہو جانے کا افسوس ہوا تھا۔ اب اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ تمام فسادات کی جڑ وہی بدفطرت اور کمینہ شخص تھا۔ اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ چودہ سال پہلے اس کے ماں باپ کو بھی اسی نے قتل کروایا تھا اور وہ ڈی ایس پی، جو چودہ سال پہلے اس علاقے کا تھانیدار تھا، بھی شارق کو قتل کے کیس میں پھنسوانے کی سازش میں شریک تھا۔

موجودہ تھانیدار کے خلاف تحقیقات کی ذمہ داری اسی ڈی ایس پی کو سونپی گئی تھی۔ اس نے ڈی آئی جی کے احکامات کے تحت تھانیدار کے خلاف تو رپورٹ مرتب کر لی تھی اور شہریوں کے

aazzamm@yahoo.com

بیانات کی روشنی میں اسے قصور وار قرار دیا گیا تھا' لیکن شارق کو شبہ تھا کہ سلمان ایڈووکیٹ کو فرار کا موقع بھی اسی ڈی ایس پی نے ہی فراہم کیا ہو گا۔ کیونکہ چودہ سال پہلے اگر وہ اس سازش میں شریک تھا تو سلمان ایڈووکیٹ کی گرفتاری سے پرانی باتیں سامنے آ سکتی تھیں اور خود ڈی ایس پی بھی ان کی زد میں آ سکتا تھا۔ شارق نے ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ ڈی ایس پی کسی بات کی آڑ لے کر اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا تھا یا سلمان ایڈووکیٹ اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس جیسے بے ضمیر اور بدفطرت لوگ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کے سینوں میں حسد و رقابت کی آگ سلگتی رہتی ہے جو انہیں برائیوں پر اکساتی رہتی ہے۔ کسی نیک کام کی ایسے لوگوں سے توقع نہیں کی جا سکتی۔

اس دوران شارق اپنے دوست سہیل کی طرف بھی نہیں گیا تھا۔ اس نے اخبار میں شارق کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ اور تھانیدار کے خلاف کارروائی کے بارے میں ضرور پڑھا ہو گا اور ممکن ہے اس نے شارق سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی ہو۔ لیکن اسے شارق کے گھر کا پتہ نہیں معلوم تھا۔

بھائی والی دکان کے کرائے دار لطیف نے وعدے کے مطابق تیس تاریخ سے پہلے ہی دکان خالی کر کے چابی ان کے حوالے کر دی۔ اسے کوئی اور دکان نہیں ملی تھی اور وہ اپنی لکشمی والی دکان میں منتقل ہو گیا تھا۔ یہ دکان مین روڈ سے ذرا ہٹ کر واقع تھی جس وجہ سے وہ عرصہ سے بند پڑی تھی۔ مگر اب لطیف نے اس دکان میں اپنا کاروبار شروع کر دیا تھا۔

شارق نے دکان میں رنگ و روغن کروا لیا۔ وہ کئی روز تک یہی سوچتا رہا کہ یہاں کیا کاروبار شروع کرے۔ اس کے دادا نے یہاں پھلوں کی دکان کھولی تھی۔ باپ بھی یہی کاروبار کرتا رہا تھا۔ بچپن میں اس نے بھی باپ کے ساتھ یہی کام کیا تھا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ پھلوں ہی کی دکان کھولے گا۔ اس کے مکان اور دکان کے کرائے کی چودہ سال کی کمائی ابھی تک مریم کے نام سے بینک اکاؤنٹ میں جمع تھی۔ مریم اسے کئی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ وہ اپنے نام سے اکاؤنٹ کھلوا لے تاکہ یہ رقم اس اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جائے۔ مگر شارق اب تک ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔ اس روز رات کے کھانے کے بعد اس نے مریم کی دی ہوئی چیک بک نکال لی۔ اس میں ایک لاکھ روپے کی رقم بھری۔ چیک پر اس نے بیئرر کے آگے کیش لکھا تھا۔

"ماں جی' میں نے پھلوں ہی کی دکان کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لئے مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے۔ یہ میں نے ایک لاکھ کا چیک بھر دیا ہے۔ اس پر دستخط کر دیں۔ کل چیک کیش کروا کر دکان سیٹ کرنے کے لئے کچھ سامان لے آؤں گا اور پھر دو چار روز میں دکانداری شروع کر

دوں گا۔ اس نے چیک بک مریم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک لاکھ کیوں؟" مریم نے اسے گھورا۔ "تم صبح میرے ساتھ چل کر اپنا اکاؤنٹ کھلوا لو اور ساری رقم اس میں منتقل کر لو۔ میں نہیں اب سنبھال سکتی۔"

"میرے لئے ایک لاکھ کی رقم کافی ہے ماں جی۔" شارق نے کہا۔ "بلکہ دکانداری شروع کرنے کے بعد بھی اس میں آدھی سے زیادہ رقم بچ جائے گی۔ وہ میں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا لوں گا۔"

"اور باقی رقم؟" مریم نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کا داخلہ ہونے والا ہے۔" اس نے رضیہ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کے بعد بھی اسے پیسوں کی ضرورت پڑے گی۔ آپ کو تو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تعلیم کتنی مہنگی ہے۔ میں تو آپ کی ہمت کو داد دیتا ہوں جو اسے بی اے کروا دیا۔ اب یہ ایم اے بھی ضرور کرے گی۔"

"لیکن....."

"اس سلسلے میں کوئی بات نہیں سنوں گا ماں جی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر آپ نے انکار کیا تو میں سمجھوں گا کہ آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں۔"

"نہیں پتر' یہ بات نہیں ہے۔" مریم بولی۔

"تو پھر خاموشی سے صرف ایک لاکھ کے اس چیک پر دستخط کر دیں۔" شارق بولا۔

"اچھا۔" مریم کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "لیکن صرف دستخط کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ چیک کیش کروانے کے لئے مجھے خود بھی بینک جانا پڑے گا۔"

صبح شارق نے مریم کے ساتھ جا کر اس بینک میں اپنا کاؤنٹ کھولا۔ مریم کے اکاؤنٹ میں سے ایک لاکھ کی رقم نکلوا کر اس میں سے بیس ہزار جیب میں رکھ لئے اور باقی رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دی۔ بینک سے نکل کر اس نے مریم کو گھر بھیج دیا اور خود دوکان کی طرف چلا گیا۔ وہ اس دکان کو معیاری انداز میں شروع کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے پہلے ہی منصوبہ بنا رکھا تھا۔

ایک ہفتے میں اس نے دکان کے خوبصورت شیلف بنوا لئے۔ شیشے کے خوبصورت مرتبان میں انواع و اقسام کے ڈرائی فروٹ سجا کر شیلفوں پر رکھے اور پھر اس کے دو چار روز بعد وہ صبح سویرے منڈی پہنچ گیا اور اس روز سے دکان داری شروع ہو گئی۔

پہلے ہی روز شام کے وقت وہ ایک گاہک کو پھل دے رہا تھا کہ میلے کچیلے لباس میں ایک مجہول سا آدمی دکان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ صورت ہی سے نشے کا عادی لگتا تھا۔ اس قسم

aazzamm@yahoo.com

کے لوگ بھیک مانگ کر نشے کی عادت پوری کیا کرتے تھے۔ شارق اسے بھی بھکاری ہی سمجھا تھا۔ گاہک کے جانے کے بعد وہ آدمی قریب آ گیا۔ شارق نے اس کی طرف دیکھا تو چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ پہلی مرتبہ جب وہ مریم کے ساتھ کرائے دار کو دکان خالی کرنے کے لئے کہنے آیا تھا تو اس وقت یہاں پان کی دکان تھی۔ اس شخص نے لطیف کو پچاس کا نوٹ دیا اور لطیف نے اسے کاغذ کی ایک تھیلی تھما دی تھی' جسے لے کر یہ شخص چلا گیا تھا۔ اب بھی اس شخص نے جیب سے پچاس روپے کا تڑا مڑا نوٹ نکالا اور کچھ کہے بغیر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا چاہئے؟" شارق نے پچاس کا نوٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

"افغانی پوڈر۔ لطیف نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں یہاں کیا لینے آتا ہوں۔" اس شخص نے کہا۔

"یہ پوڈر کی دکان ہے؟" شارق نے اسے گھورا۔ "چل بھاگ یہاں سے۔" اس نے پچاس کا نوٹ دوبارہ اس شخص کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ایک تو اتنے دن بعد دوکان کھولی ہے اور سودا بھی نہیں دیتا۔ لطیف کی دکان پر ہی جانا پڑے گا لکشمی۔" وہ شخص بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

اس روز تین اور ایسے آدمی آئے تھے جنہوں نے اس سے افغانی پوڈر مانگا تھا۔ اس کے بعد کئی روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ روزانہ کئی گاہک ایسے آتے جو پچاس یا سو کا نوٹ دے کر اس سے افغانی پوڈر طلب کرتے۔ ان میں کچھ سفید پوش بھی ہوتے اور کچھ بھکاری قسم کے آدمی بھی۔

اس روز رات نو بجے ایک کار اس کی دکان کے سامنے آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوبصورت اور جوان عورت کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ شارق کی دکان پر کاروں والے گاہک بھی آتے رہتے تھے۔ وہ عورت انجن بند کر کے کار سے اتر آئی۔ شارق کے اندازے کے مطابق اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس نے دکان کے سامنے رک کر پہلے عجیب سی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر ایک کلو امرود تلوا کر پرس میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کتنے پیسے؟"

"دس روپے۔ اور کچھ نہیں چاہئے؟" شارق نے پوچھا۔

اس عورت نے پرس میں سے ایک دس اور ایک پانچ سو کا نوٹ نکال کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔ وہ گھبرائی ہوئی سی تھی اور بار بار ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ دس روپے کے ساتھ پانچ سو روپے کا نوٹ دیکھ کر شارق اس طرح اس عورت کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس کی ذہنی صحت پر شبہ ہو۔"

"یہ پانچ سو کا نوٹ....."

"مجھے....افغانی پوڈر چاہئے۔" اس عورت نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"افغانی پوڈر....میں سمجھا نہیں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"میں ہمیشہ یہیں سے لے جاتی ہوں۔ پہلے یہاں پان کی دکان تھی اور....."

"ممکن ہے وہ پان والا افغانی پوڈر رکھتا ہو۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ پھلوں کی دکان ہے۔ کاسمیٹکس کی نہیں۔" شارق نے کہتے ہوئے پانچ سو کا نوٹ اسے لوٹا دیا۔

وہ عورت چند لمحے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے شارق کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹا' امرود والا لفافہ اٹھایا اور کار میں بیٹھ گئی۔ اس نے دروازہ اس زور سے بند کیا تھا کہ آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے انجن سٹارٹ کر کے گاڑی بڑے خطرناک انداز میں آگے بڑھائی تھی۔ شاید اس پر کسی قسم کی جھنجلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔

شارق اب واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ اس کے پاس افغانی پوڈر کے گاہک آ رہے تھے اور بقول ان گاہکوں کے' وہ لطیف سے یہ سودا لیتے رہے تھے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ افغانی پوڈر ہوتا کیا ہے؟

شارق عام طور پر رات ساڑھے دس بجے دکان بند کر دیا کرتا تھا۔ اس رات وہ دکان بند کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک آدمی اس کی دکان پر آ کر رکا۔ وہ دبلا پتلا لمبا سا آدمی تھا۔ اس نے جسم پر چادر لپیٹ رکھی تھی۔ سر پر مفلر لپٹا ہوا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔

"کیا حال ہے شارق باؤ؟" اس شخص نے اس طرح بے تکلفی سے اس سے ہاتھ ملایا جیسے بہت پرانی جان پہچان ہو۔ مگر وہ چہرہ شارق کے لئے قطعی اجنبی تھا۔

"میں نے پہچانا نہیں۔" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں پہچانا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن میں تو تم کو جانتا ہوں۔" اس شخص نے کہتے ہوئے چادر میں کالے رنگ کا ایک شاپنگ بیگ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تمہارے گاہک واپس جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا تمہیں مال دے دوں۔ لو یہ رکھ لو۔ آدھا کلو ہے۔ پیسے بعد میں دے دینا۔ گاہک کو پچیس روپے کی ایک پڑیا دینا۔"

"یہ کیا ہے؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"افغانی پوڈر ہے شارق باؤ۔ پیسہ ہی پیسے ہے اس میں۔ لمبا مال ہے اس میں۔ تمہارے پاس

aazzamm@yahoo.com

ایسے ایسے گاہک آئیں گے کہ تم منہ مانگے پیسے لے سکتے ہو ان سے۔" اس شخص نے کہا۔

"افغانی پوڈر کے گاہک تو واقعی آ رہے ہیں۔ مگر یہ ہے کیا؟" شارق نے کہتے ہوئے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اس میں پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہر تھیلی میں چٹکی بھر سفید رنگ کا پوڈر بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک پڑیا نکال کر دیکھنے لگا۔

"شارق باؤ...." وہ آدمی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس تھیلے کو نیچے رکھو۔ چھپا کر۔ کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہئے۔ ایسی چیزیں چوری چھپے بکتی ہیں اور بڑے پیسے دیتی ہیں۔ عیش کرو گے۔"

"ایسی کیا چیز ہے جو چوری چھپے بکتی ہے؟" شارق نے پڑیا دوبارہ تھیلے میں ڈال دی۔ وہ صرف ایک بات جانتا تھا کہ شراب' افیون' چرس اور ایسی ہی نشہ آور چیزیں چوری چھپے فروخت ہوتی ہیں۔ اس کی نظروں میں ان لوگوں کے چہرے ابھر آئے جو اس کے پاس افغانی پوڈر مانگنے آتے رہے تھے۔ ان میں ہر شخص چہرے سے نشے کا عادی ہی لگتا تھا اور تقریباً ایک گھنٹہ پہلے جو عورت آئی تھی وہ اگرچہ خوبصورت تھی مگر شارق کو اس کی آنکھوں میں بھی نشے کی سرخی نظر آئی تھی۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک نام ابھرا....ہیروئن....اس نے زندگی کے چودہ سال جیل میں گزارے تھے۔ جیل میں اخبار پڑھنے کا موقع کبھی کبھار ہی ملتا تھا۔ اس نے ایک آدھ مرتبہ کسی خبر میں ہیروئن کا نام پڑھا تھا۔ جیل سے آنے کے بعد بھی وہ اخبار کبھی کبھار ہی پڑھتا تھا۔ تقریباً پندرہ دن پہلے اس نے اخبار میں کسی کا مراسلہ بھی پڑھا تھا جس میں شکایت کی گئی تھی کہ شہر میں جگہ جگہ ہیروئن فروشی کے اڈے قائم ہیں۔ منشیات فروش نوجوان نسل کو تباہ کر رہے ہیں۔ پولیس صورت حال سے اچھی طرح واقف ہے۔ موت کے ان سوداگروں کو اچھی طرح پہچانتی ہے۔ مگر ان کے خلاف کارروائی نہیں کی جاتی۔ شارق کی نظروں کے سامنے ایک بار پھر وہ چہرے گھومنے لگے۔

"شارق باؤ۔" وہ آدمی اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم افغانی پوڈر کے بارے میں واقعی کچھ نہیں جانتے یا جان بوجھ کر انجان بن رہے ہو؟"

"یہ کیا ہے' کوئی نشہ آور چیز؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اسے ہیروئن کہتے ہیں شارق باؤ۔" اس شخص نے کہا۔ "اس وقت پوری دنیا میں اس کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں تو اس چھوٹی سی پڑیا کی قیمت بھی سو ڈالر سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہاں یورپ کے مقابلے میں یہ مال بہت سستا ہے۔ تمہیں ایک پڑیا کے دس روپے ملیں گے۔ گاہک بناتے جاؤ۔ مال کماتے جاؤ۔"

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں یہ کالا دھندہ نہیں کر سکتا۔ یہ لے جاؤ یہاں سے اور آئندہ یہاں مت آنا۔"

"سوچ لو شارق باؤ۔" اس شخص نے شارق کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"سوچ لیا ہے۔ جاؤ' چلے جاؤ یہاں سے۔ ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گا۔" شارق نے دھمکی دی۔

وہ شخص چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر اس نے شاپنگ بیگ اٹھا کر چادر میں چھپایا اور وہاں سے چلا گیا۔ شارق نے بھی دکان بند کر دی اور دن بھر کی کمائی سمیٹ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس رات شارق کو نیند نہیں آ سکی۔ افغانی پوڈر کا راز اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ ہیروئن.... جس نے ہزاروں گھروں کو اجاڑ دیا تھا۔ نئی نسل تباہ ہو رہی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس ناجائز کاروبار میں آمدنی بہت تھی۔ لوگ راتوں رات دولت مند بن جاتے ہیں۔ لیکن وہ کسی کی بربادی میں حصے دار نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ مریم کو اس نے ماں کا درجہ دیا تھا اور رضیہ کو چھوٹی بہن کی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح تین افراد کے کنبے کی پرورش کے لئے پھلوں کی یہ دکان کافی تھی۔ وہ کسی ناجائز کام میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

شارق نے مریم یا رضیہ کو اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ رات کو دیر تک جاگنے کے باوجود وہ صبح سویرے اٹھ گیا۔ مریم نے اسے چائے بنا دی۔ اس نے چائے پی اور منڈی روانہ ہو گیا۔ یہ اس کا معمول تھا۔ منڈی سے مال لا کر وہ دکان پر چھوڑ دیتا۔ گھر آ کر ناشتہ کرتا اور پھر دکان کھولتا۔ اس نے محلے ہی کے ایک لڑکے کو ملازم رکھ لیا تھا جو صبح سے لے کر شام سات بجے تک دکان پر رہتا تھا۔ اس طرح شارق کو اس لڑکے کی وجہ سے دوپہر کو دکان میں کچھ دیر آرام کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

اس روز بھی افغانی پوڈر کے کئی گاہک آئے تھے۔ آج شارق نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ آٹھ بجے کے قریب ایک شیراڈ کار دکان کے سامنے آ کر رکی۔ کار میں چار آدمی تھے۔ ایک ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ سر پر بال برائے نام ہی تھے۔ بڑی بڑی مونچھیں اور سرخ آنکھیں۔ اس نے سفید کرتا اور ریشمی لاچا پہن رکھا تھا۔ وہ شکل ہی سے گنوار لگتا تھا اور گنواروں ہی کی طرح سیٹ پر پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پچھلی سیٹ پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں شکلوں سے لفنگے لگتے تھے۔ سروں پر ریشمی مفلر لپیٹ رکھے تھے۔ انہوں نے بھی کرتے اور لاچے پہنے ہوئے تھے۔ شارق نے سرسری

aazzamm@yahoo.com

سی نگاہوں سے کار کی طرف دیکھا اور پھر دکان پر کھڑے ہوئے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا گاہک جیسے ہی دکان سے رخصت ہوا' کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ایک آدمی اتر کر دکان پر آ گیا۔

"شارق باؤ' ذرا دکان سے باہر آنا۔ شیرا پہلوان تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔" اس آدمی نے کہا۔

"شیرا پہلوان کون؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ گاڑی میں بیٹھا ہے۔ دکان سے باہر آؤ۔ ملاقات تو کرو۔" وہ شخص بولا۔ "ویسے حیرانگی کی بات ہے کہ تم شیرا پہلوان کو نہیں جانتے جبکہ شہر کا بچہ بچہ اس کے نام سے واقف ہے۔"

شارق دکان سے نکل کر گاڑی کے پاس آ گیا۔ اس نے پہلے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا۔ پہلے جو آدمی بیٹھا ہوا تھا اس کی گود میں کلاشنکوف رائفل رکھی ہوئی تھی۔ دوسری کلاشنکوف ساتھ والی سیٹ پر رکھی ہوئی تھی۔ یہ اس آدمی کی رائفل تھی جو کار سے اترا تھا۔

"شارق تمہارا نام ہے؟" اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ وہ شیرا پہلوان تھا۔

"جی ہاں' فرمایئے۔" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کل تم نے میرے آدمی کو واپس کر دیا تھا۔" شیرا پہلوان نے اسے گھورا۔

"کونسا آدمی؟ میں سمجھا نہیں۔" شارق بولا۔

"میں نے اپنے ایک آدمی کو افغانی پوڈر دے کر بھیجا تھا۔ مگر تم نے وہ پوڈر رکھنے سے انکار کر دیا اور اسے پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی دی تھی۔" شیرا پہلوان بولا۔

"میں اس قسم کے کام نہیں کر سکتا پہلوان جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "آپ کوئی دوسری دکان تلاش کر لیں۔"

"تم بہت بھولے ہو۔" شیرا پہلوان نے کہا۔ "گھر آئی دولت کو ٹھکرا رہے ہو۔ لوگ راتوں رات دولت مند بننے کے خواب دیکھتے ہیں اور تم دولت مند بننے سے انکار کر رہے ہو۔"

"مجھے ایسی دولت نہیں چاہئے پہلوان جی! آپ کوئی اور بندہ تلاش کر لیں۔ مجھے تو معاف ہی رکھیں۔" شارق کہتا ہوا دکان میں واپس آ گیا۔

شیرا پہلوان عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے باہر کھڑے ہوئے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور کار حرکت میں آ گئی۔

اس رات دس بجے شارق دکان بند کر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ بھی تھا جس میں مریم اور رضیہ کے لئے کچھ پھل ڈال لئے تھے۔ وہ سڑک پار کر کے ٹانگوں

والے اڈے کی طرف آ گیا اور فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ فٹ پاتھ پر لوگوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ کہیں راتوں رات جوان بنا دینے والے کسی سنیاسی باوے نے دکان سجا رکھی تھی اور کہیں آلو چھولے اور حلیم بیچنے والے نے قبضہ جما رکھا تھا۔ حالانکہ سڑک کے اس پار حلیم بیچنے والوں کی بے شمار دکانیں تھیں جہاں مرکری بلب جل رہے تھے۔ حلیم کی یہ دکانیں رات بھر کھلی رہتی تھیں۔

شارق جہاں چل رہا تھا وہاں سے کچھ آگے فضل الٰہی ہسپتال کی دکانیں تھیں۔ ایک دو رات بھر کھلے رہنے والے میڈیکل اسٹورز تھے اور باقی پبلشرز اور بک سیلرز کی دکانیں تھیں۔ کتابوں کی دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ البتہ وہ میڈیکل اسٹورز کھلے ہوئے تھے۔ ان دکانوں سے آگے نعمت کدہ اور آبشار ہوٹل تھے اور ان کے بعد لوہاری گیٹ۔ میڈیکل اسٹور کے سامنے سے گزرتے ہوئے شارق کو یاد آ گیا کہ اسے ماں جی کے لئے دوا لینی تھی۔ مریم چند روز سے گردے میں تکلیف محسوس کر رہی تھی اور ڈاکٹر نے کچھ دوائیں لکھ کر دی تھیں جنہیں وہ باقاعدگی سے استعمال کر رہی تھی۔ آج صبح گھر سے نکلتے ہوئے مریم نے اسے کہا تھا کہ واپسی پر گولیاں لیتا آئے۔

شارق نے ایک میڈیکل اسٹور سے مطلوبہ گولیاں لیں۔ پیسے ادا کئے اور گولیوں والی تھیلی جیب میں رکھتا ہوا آگے چل پڑا۔ نعمت کدہ اور آبشار ہوٹل کے سامنے بڑی رونق تھی۔ ہوٹلوں کے سامنے میزیں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور بے فکرے اور منچلے بیٹھے چائے کی چسکیوں کے ساتھ بات بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ یہ لوہاری کا چوک تھا اور یہاں رات بھر چہل پہل رہا کرتی تھی۔

شارق میڈیکل اسٹور سے نکل کر چند گز آگے بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے آنے والی ایک سفید کار اس کے قریب آ کر رکی۔ دو آدمی نیچے اترے۔ ان دونوں کے ہاتھ میں پستول تھے اور وہ دونوں شارق کے دائیں بائیں پہنچ گئے۔

"شارق باؤ۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خاموشی سے ہمارے ساتھ اس کار میں بیٹھ جاؤ۔ شور مچانے یا بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ہمارے ہاتھوں میں پستول اصلی ہیں' نقلی نہیں۔"

"کک... کون ہو تم لوگ؟" شارق ہکلایا۔ "میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔"

"ہمیں تمہاری رقم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بیٹھو گاڑی میں۔" دوسرا آدمی غرایا۔

شارق کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ خاموشی سے کار میں بیٹھ گیا۔ ایک آدمی اس کے دائیں طرف بیٹھ گیا تھا اور دوسرا بائیں طرف۔ اس طرح وہ ان دونوں کے بیچ میں سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا۔ کار حرکت میں آ گئی اور لوہاری کے چوک سے گھوم کر دوبارہ بھاٹی کی طرف دوڑنے لگی۔ بھاٹی کے

aazzamm@yahoo.com

چوک سے کار بائیں طرف مڑ گئی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ تقریباً نصف میل آگے وہ چوک تھا جہاں سے ایک سڑک چوبرجی کی طرف چلی گئی تھی اور ایک جین مندر کی طرف سے ہوتی ہوئی جی پی او اور اسٹیٹ بینک کی پرشکوہ عمارتوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی مال روڈ کو قطع کر کے میکلوڈ روڈ سے جا ملتی تھی۔

وہ کار دائیں یا بائیں مڑنے کے بجائے چوراہا پار کر کے سیدھی ریواز گارڈن کی طرف جانے والی سڑک پر نکل گئی۔ شارق نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔

○

وہ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی رہی۔ ان سڑکوں کے دونوں طرف وسیع و عریض رہائشی بنگلے تھے۔ کسی سڑک کے موڑ پر کوئی ایک آدھ دکان بھی نظر آ جاتی۔

ان دونوں آدمیوں میں سے کسی نے بھی راستے کو خفیہ رکھنے کے لئے شارق کی آنکھوں پر پٹی وغیرہ باندھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ڈرائیور بڑے اطمینان سے متوسط رفتار سے کار چلا رہا تھا۔ ان میں سے کسی نے شارق سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اور نہ ہی شارق نے کچھ پوچھا تھا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیں گے۔

ویسے اس کے دل میں ہلکا سا خوف موجود تھا۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ یہ کون لوگ تھے اور اسے اس طرح اغواء کر کے کیوں لے جایا جا رہا تھا؟ اگر یہ لوگ رہزن یا ڈاکو ہوتے تو اس کی جیبیں خالی کر کے' ڈرا دھمکا کر کسی ویران سڑک پر اتار کر چلے جاتے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کی جیب سے رقم نکالنے یا تلاشی لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھلوں والا تھیلا بھی شارق کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے اس تھیلے کو بھی نہیں چھوا تھا۔

کار ایک ایسی سڑک پر مڑ گئی جس کے دونوں طرف وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ اس وقت تقریباً سوا گیارہ بجے ہوں گے۔ بیشتر کوٹھیوں پر سناٹا طاری تھا۔ بعض کوٹھیوں میں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

وہ کار ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ اس کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پہلے ہی دو کاریں کھڑی تھیں۔ شارق والی کار کے ڈرائیور نے ہارن بجایا۔ کوٹھی کا گیٹ کھل گیا اور وہ کار کو اندر لیتا چلا گیا۔ کار کے اندر داخل ہوتے ہی گیٹ بند ہو گیا۔ وہ دونوں آدمی اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر نیچے اتر آئے۔

"اتر آؤ شارق باؤ۔ ہماری منزل آ گئی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "اور اپنا یہ پھلوں

والا تھیلا سیٹ پر ہی چھوڑ دینا۔ کوئی نہیں کھائے گا انہیں۔"

شارق تھیلا سیٹ پر چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وسیع و عریض لان تھا۔ آمد و رفت کے لئے دو گیٹ تھے۔ ایک پختہ روش کوٹھی کے برآمدے کے سامنے سے ہوتی ہوئی دونوں گیٹوں کی طرف چلی گئی تھی۔ لان میں اگرچہ فینسی لائٹس کے پول لگے ہوئے تھے لیکن کسی پر بھی کوئی بلب روشن نہیں تھا۔ صرف برآمدے میں ایک بلب جل رہا تھا۔ جس شخص نے گیٹ کھولا تھا اس نے چادر کی بکل مار رکھی تھی۔ لیکن دائیں کندھے پر رائفل کی اٹھی ہوئی نال اس چادر میں سے بھی صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں اسے لے کر برآمدے والے دروازے میں داخل ہو گئے۔ سامنے ایک راہداری تھی۔ جس کے دائیں بائیں کمرے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے شارق نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ قالین پر چار آدمی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ریوالور کے ساتھ آٹومیٹک رائفلیں استادہ تھیں۔

وہ راہداری میں بائیں طرف مڑ کر ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر قالین پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کو شارق نے فوراً ہی پہچان لیا وہ شیرا پہلوان تھا۔ شیرا پہلوان کو دیکھ کر شارق کے پورے جسم میں انجانے خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ دوسرے آدمی کو شارق نہیں جانتا تھا۔ اس نے بھی کرتا اور ریشمی لاچا پہن رکھا تھا۔ اسکی عمر بھی چالیس پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گا۔ قد نسبتاً چھوٹا اور جسم قدرے بھاری بھرکم تھا۔

"ہم شارق باؤ کو لے آئے ہیں شیرا پہلوان۔" شارق کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"اس کو بٹھاؤ ادھر۔" شیرا پہلوان نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "کوئی خاطر شاطر کرو اس کی۔ ٹھنڈا شنڈا پلاؤ۔ مہمان ہے ہمارا۔ میں ذرا چھوٹے پہلوان سے بات کر لوں تو شارق باؤ سے بھی بات کرتا ہوں۔"

"بیٹھو شارق باؤ۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

شارق دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں آدمی باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک نے کوک کی ٹھنڈی بوتل لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ شارق کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت واقعی پانی یا اسی قسم کی کسی چیز کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے بوتل سے چسکیاں لے رہا تھا۔ وہ شیرا پہلوان اور چھوٹے پہلوان کی باتیں بھی سن رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"یار چھوٹے پہلوان۔ مان لے میری بات۔" شیرا پہلوان کہہ رہا تھا۔ "کل کراچی کی پارٹی آنے والی ہے۔ اس کے لئے بھی مال کا بندوبست کرنا ہے۔ میں تمہیں ایک کلو جو دے رہا ہوں وہی لے جا آج۔ پرسوں تک اور مال آ جائے گا۔ جتنا چاہے لے جانا۔"

"اونٹ کے منہ میں زیرے والی بات ہے۔" چھوٹے پہلوان نے کہا۔ "ایک کلو کا کیا کروں گا۔ روز کے گاہکوں کو کیا جواب دوں گا۔"

"مجھے بھی تو اپنے روز کے گاہکوں کا خیال رکھنا ہے چھوٹے پہلوان۔" شیرا پہلوان نے کہا۔ "سب کو تھوڑا تھوڑا مال دے رہا ہوں کہ کہیں کوئی ناراض نہ ہو جائے۔ ایک کلو لے جا میرا ویر۔"

"یہ تم زیادتی کر رہے ہو میرے ساتھ شیرا پہلوان۔" چھوٹے پہلوان نے کہا۔ "تمہیں تو میرا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔"

"میں سب کا زیادہ خیال رکھتا ہوں۔ لا' رقم نکال۔" شیرا پہلوان بولا۔

چھوٹے پہلوان نے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا کپڑے کا میلا سا تھیلا نکال کر اس میں سے پانچ سو اور ہزار روپے کے نوٹوں کی ایک ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ تھیلے میں اور بھی گڈیاں موجود تھیں۔

"گن لو' پورے ڈیڑھ لاکھ ہیں۔"

"تم پر کوئی بے اعتباری نہیں چھوٹے پہلوان۔ یا پہلی مرتبہ یہاں آئے ہو۔" شیرا پہلوان نے کہتے ہوئے شیدے نام کے کسی آدمی کو آواز دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک دبلا پتلا سا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال رہی ہو گی۔ چھوٹی گول داڑھی تھی اور سر پر چیک دار کپڑے کا صافہ لپٹا ہوا تھا۔ ماتھے پر محراب کا نشان تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ ابھی مسجد سے نماز پڑھ کر آیا ہو۔

"شیدے پتر۔ یہ پیسے لے جا اور چھوٹے پہلوان کو ایک تھیلا لا کر دے۔" شیرا پہلوان نے کہتے ہوئے نوٹوں کی گڈیاں اس باریش نوجوان کے ہاتھوں میں تھما دیں۔"

شیدا کمرے سے چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد اس نے پیکٹ کی طرح لپٹا ہوا ایک کالا تھیلا لا کر چھوٹے پہلوان کو دے دیا۔ چھوٹے پہلوان نے وہ پیکٹ کپڑے کے میلے سے تھیلے میں رکھا اور شیرا پہلوان سے ہاتھ ملا کر کمرے سے نکل گیا۔

اب کمرے میں شیرا پہلوان اور شارق رہ گئے تھے۔

"ادھر' میرے قریب آ شارق باؤ۔ تو گھبرا کیوں رہا ہے؟" شیرا پہلوان نے کہا۔

"مجھے اس طرح اغواء کر کے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔" شارق نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"تجھے سمجھانے کے لئے۔" شیرا پہلوان نے کہا۔ "کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس دنیا میں دولت ہی سب کچھ ہے۔ دولت سے دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان بھی خریدے جا سکتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دولت ہو تو لوگ جھک جھک کر اسے سلام کرتے ہیں اور اگر دولت نہ ہو تو اسے ٹھوکریں ماری جاتی ہیں۔ میں نے تمہیں بڑی آسانی سے دولت کمانے کا ایک نسخہ بتایا تھا مگر بات تیری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ جگہ سونے کی کان ہے جہاں تم نے پھلوں کی دکان کھول رکھی ہے۔ ٹھیک ہے' اپنی دکانداری کرتے رہو۔ مگر اس کے ساتھ یہ کام کرو گے تو تمہارے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگ جائیں گے۔ عیش کرو گے ساری زندگی۔ اس جیسی کئی کوٹھیاں بنا لو گے۔ لوگ جھک جھک کر تمہیں سلام کریں گے۔"

"لیکن پہلوان جی' میں یہ ناجائز کام نہیں کرنا چاہتا۔" شارق نے جواب دیا۔ "ایک ناکردہ جرم میں چودہ سال سزا کاٹ کر آیا ہوں۔ میں شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"میں بھی تمہاری طرح ایک شریف آدمی تھا اور شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔" شیرا پہلوان نے کہا۔ "لیکن مجھے اس راستے پر ڈال دیا گیا جس پر میں نہیں چلنا چاہتا تھا۔ آج مجھے پتہ چلا ہے کہ شرافت کا دوسرا نام دولت ہے۔ میرے پاس بڑی بڑی شان والے لوگ آتے ہیں' ایسے لوگ جن کی معاشرے میں بڑی عزت ہے۔ لیکن وہ میرے سامنے نظریں جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں۔"

"میں اپنے حالات سے مطمئن ہوں پہلوان جی۔" شارق نے کہا۔ "میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ کوئی اور بندہ دیکھ لیں۔"

"بات یہ ہے کہ تمہاری وہ دکان ہمارا بہت پرانا اڈہ ہے۔ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے شہروں سے ہمارے گاہک وہیں آتے تھے۔ لطیف نے شرافت سے وہ دکان خالی کر دی۔ ہمارا خیال تھا کہ تم سے کام لیں گے۔ لیکن تمہاری ضد کی وجہ سے ہم کئی دن سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔ چلو' نہ سہی۔ تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو وہ دکان ہمیں دے دو۔ منہ مانگی قیمت دے سکتا ہوں۔" شیرے پہلوان نے کہا۔

"نہیں پہلوان جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہ دکان میرے باپ دادا کی نشانی ہے۔ میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں بیچ سکتا۔"

aazzamm@yahoo.com

"جلدی میں کوئی فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" شیرا پہلوان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کر لینا' کل شام کو میرا آدمی آئے گا۔ اسے بتا دینا۔"

"میرا جواب کل بھی یہی ہو گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"بڑے ضدی ہو۔" شیرا پہلوان نے کہا' پھر رفیق کا نام لے کر کسی کو آواز دی۔ ایک آدمی اندر آ گیا۔ یہ ان میں سے ایک تھا جو شارق کو یہاں لائے تھے۔ "اوئے رفیق!" شیرا پہلوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "شارق باؤ کو چھوڑ آ' یار یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔" وہ شارق کی طرف مڑ گیا۔ "جا شارق باؤ' تو تو بالکل ہی نکما نکلا۔"

"بھولا آیا ہوا ہے شیرا پہلوان۔" رفیق نے کہا۔

"اس سے کہہ دے آج مال نہیں ہے۔ کل آ جائے۔" شیرا پہلوان نے کہا۔ "جا پہلے اسے چھوڑ آ۔ اس کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"چل شارق باؤ۔" رفیق نے اشارہ کیا۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کمرے سے باہر نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ کار اب بھی برآمدے کے سامنے کھڑی تھی۔ شارق جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ رفیق نے ڈرائیور یا دوسرے آدمی کو بلانے کی بجائے خود ہی اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس نے جیسے ہی انجن اسٹارٹ کیا لان میں ٹہلتے ہوئے گن مین نے گیٹ کھول دیا۔ کار گیٹ سے نکل کر مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ اس مرتبہ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔

شارق زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرف آیا تھا۔ ماں باپ کے قتل سے پہلے وہ آٹھویں کلاس کا طالب علم تھا۔ گھر سے دکان اور دکان سے گھر۔ کہیں ادھر ادھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر زندگی کے چودہ سال جیل کے حصار میں گزرے تھے۔ ان چودہ برسوں میں وہ راستے بھی اس کی نظروں سے دھندلا گئے تھے جن پر وہ بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔ جیل سے آئے ہوئے ابھی ڈیڑھ مہینہ ہی ہوا تھا' اپنے علاقے کے کچھ دوستوں سے واقف ہوا تھا یا منڈی کا راستہ معلوم ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لاہور کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس طرف پہلی مرتبہ آیا تھا اور ان راستوں کو ذہن میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم تو بے وقوف ہو شارق باؤ۔" رفیق نے کار ایک سڑک پر موڑتے ہوئے کہا۔ "چھوٹے پہلوان کو دیکھا تم نے؟ یہ باغبانپورے کا بہت بڑا بدمعاش ہے۔ چند سال پہلے بالکل سوکھا سڑا سا ہوا کرتا تھا۔ حلوائی کی دکان پر کڑاہیاں مانجھا کرتا تھا۔ کبھی کسی کی نوکری کرتا' کبھی کسی کی مار کھاتا۔ ہمارے شیرا پہلوان کو اس پر ترس آ گیا۔ اسے پان سگریٹ کی دکان کھول دی اور ساتھ ہی یہ

دھندہ شروع کرا دیا۔ بڑا جادو ہے اس افغانی پوڈر میں۔ اب یہ باغبان پورے کا سب سے مشہور آدمی ہے۔ اس نے اپنا اکھاڑہ بھی بنا لیا ہے۔ پہلوان بن گیا ہے' لیکن اسے پہلوانی نہیں آتی۔ بڑے بڑے اونچے شملے والے لوگ آتے ہیں اس کے پاس۔ بڑے تعلقات ہو گئے ہیں اس کے بھی۔ میں تو کہتا ہوں تو بھی شیرا پہلوان کی بات مان لے۔ قسم رب کی' عیش کرے گا۔"

"نہیں بھائی' میرا دل نہیں مانتا ایسے کاموں میں۔" شارق نے جواب دیا۔

رفیق بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔ کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی بالآخر لوہاری گیٹ کے سامنے رک گئی۔ شارق نے نیچے اتر کر رفیق کا شکریہ ادا کیا۔ سوا بارہ بج رہے تھے۔ چوک پر اب بھی رونق تھی۔ ہوٹلوں کے سامنے لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پان کی دکانوں کے سامنے کھڑے منچلے پان چباتے ہوئے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ دو لڑکے موتیے کے ہار بیچتے پھر رہے تھے۔

شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا گیٹ کی محراب کے اندر داخل ہو گیا۔ مختلف گلیوں میں چلتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ ماں جی اور رضیہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔ وہ ساڑھے دس بجے دکان بند کرتا تھا اور زیادہ سے زیادہ بارہ بجے گھر پہنچ جایا کرتا تھا۔ لیکن آج ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔

جب وہ مکان والی گلی میں داخل ہوا تو اس کا خیال درست نکلا۔ مریم اور رضیہ مکان کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ ان کے چہروں پر پریشانی نمایاں تھی۔

"ماں جی۔ آپ لوگ دروازے میں کیوں کھڑی ہیں؟" شارق نے قریب پہنچ کر کہا۔

"کہاں چلا گیا تھا پتر؟" مریم نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔ "دو مرتبہ ہو کر آئی ہوں تمہاری دکان سے۔ دوسرے دکانداروں نے بتایا تھا کہ تو ساڑھے دس بجے دکان بند کر کے چلا گیا تھا۔"

"راستے میں ایک پرانا دوست مل گیا تھا۔ وہ مجھے زبردستی اپنے گھر لے گیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ اور پھلوں والا تھیلا رضیہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"کہیں جانا ہو تو بتا دیا کریں۔" رضیہ نے کہا۔ "آپ کو دیر ہو جاتی ہے تو دل میں ہول سے اٹھنے لگتے ہیں۔"

"اچھا' آئندہ بتا کر جایا کروں گا۔ چلو اب کھانا دے دو۔ بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" شارق نے رضیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ اماں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ آپ کمرے میں چلیں۔ میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔" رضیہ کہتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

شارق اظہار ندامت کے سوا کچھ نہیں کر سکا تھا۔ وہ دونوں اس کی وجہ سے بھوکی بیٹھی رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد رضیہ کھانا گرم کر کے لے آئی۔ کھانے کے دوران ہی شارق کو ماں جی کی دوا

aazzamm@yahoo.com

یاد آ گئی۔ اس نے گولیوں والی تھیلی نکال کر مریم کی طرف بڑھا دی۔

"یہ آپ کی دوا کی گولیاں ہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا کیا تم نے گولیاں لے آئے۔ ختم ہو گئی تھیں۔" مریم نے تھیلی لیتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد شارق اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ مریم اور رضیہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ کتنی چاہت تھی ان دونوں کو اس سے۔ اس کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا تھا اور آدھی رات گزر جانے کے بعد بھی پریشان صورت باہر کھڑی اس کی راہ تکتی رہی تھیں۔ پھر اس کے ذہن میں شیرا پہلوان کا خیال آ گیا۔ آج جو کچھ اس نے دیکھا تھا اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہیروئن کے کاروبار میں کتنی کمائی ہے۔ چھوٹا پہلوان اسے ڈیڑھ لاکھ روپے دے کر گیا تھا اور اس کے بدلے جو ہیروئن کا پیکٹ دیا گیا تھا اس کا وزن زیادہ سے زیادہ ایک کلو رہا ہو گا اور شارق کو یقین تھا کہ چھوٹا پہلوان اس سے دوگنی رقم کمائے گا اور شاید اس لئے شیرا پہلوان اس دکان کے لئے اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ یہ ان کا پرانا اڈا تھا اور یہاں بھی روزانہ لاکھوں کا دھندہ ہوتا ہو گا۔ کچھ لوگ تو اب بھی آ کر افغانی پوڈر مانگتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جو وہ دکان بدلی ہوئی دیکھ کر پوچھے بغیر چلے جاتے ہوں گے۔ شیرا پہلوان نے اسے اس دکان کے لئے منہ مانگی قیمت کی پیش کش بھی کر دی تھی۔ لیکن شارق کا اس دکان کو بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا اور صبح اٹھ کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا۔ دوسرے دن شام کو شیرا پہلوان کا ایک آدمی دکان کی فروخت کے سلسلے میں اس کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے آیا تھا۔ شارق نے اسے جواب دے دیا کہ اس کا دکان بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ شخص خاموشی سے واپس چلا گیا۔

تین چار روز گزر گئے۔ کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ البتہ افغانی پوڈر کے گاہک بدستور آتے رہے۔ جنہیں شارق ڈانٹ کر بھگاتا رہا۔ اس دوران شیرا پہلوان کا کوئی آدمی نہیں آیا تھا۔ شارق نے یہ سمجھ لیا کہ شیرا پہلوان نے یقیناً اس دکان کا خیال ذہن سے نکال دیا ہو گا۔

اس روز رات کے آٹھ بجے تھے۔ شٹل کاک برقع والی ایک عورت پھل لینے کے لئے اس کی دکان پر آئی۔ اس نے برقع کا نقاب اٹھایا ہوا تھا۔ خوبصورت عورت تھی۔ شارق کے اندازے کے مطابق اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس نے دو تین قسموں کے پھل خریدے تھے۔ پیسے دیتے وقت اس نے سیاہ رنگ کا ایک شاپنگ بیگ بھی پھلوں کے تھیلوں کے قریب رکھ دیا۔ اس تھیلے کی گرہ لگی ہوئی تھی۔

"بھیا' یہ سامان ذرا یہیں رکھو۔ میرا یہ تھیلا بھی رکھ لو۔ میں ذرا دربار سے ہو کر

ہوں۔" اس عورت نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ ہو آیئے۔" شارق نے کہتے ہوئے وہ تمام تھیلے اٹھا کر نیچے دکان کے اندر کی طرف رکھ دیئے۔

وہ عورت تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی داتا دربار کی طرف چلی گئی۔ شارق اپنی دکان داری میں لگ گیا۔ کچھ دیر تک تو اسے شٹل کاک برقع والی اس عورت کا خیال رہا پھر وہ اسے بھول گیا۔ تقریباً دس بجے وہ کوئی چیز اٹھانے کے لئے نیچے جھکا تو اس کی نظر ان تھیلوں پر پڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اسے شٹل کاک برقع والی عورت یاد آ گئی۔ تین تھیلوں میں تو پھل تھے اور چوتھا تھیلا وہ عورت چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دو گھنٹے ہو چکے تھے اور وہ عورت ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس نے یہ سوچ کر سر جھٹک دیا کہ بعض عقیدت مند گھنٹوں دربار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ عورت بھی ابھی تک دربار میں بیٹھی ہوئی ہو۔

تقریباً پانچ منٹ اور گزر گئے۔ اچانک ہی پانچ چھ پولیس والے اس کی دکان پر آ گئے ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ یہ سب انسپکٹر کبھی کبھار پھل وغیرہ لینے کے لئے دکان پر آتا رہتا تھا اور ہمیشہ اس سے سلام دعا ہوتی تھی لیکن آج وہ پولیس والوں کو لے کر جس طرح اس کی دکان پر آیا تھا اس سے شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔

"کیا بات ہے سر جی؟ کیا معاملہ ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"باہر نکلو دکان سے۔" تھانیدار دھاڑا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے شارق کو پکڑ کر دکان سے باہر کھینچ لیا تھا۔ پولیس والے رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ سب انسپکٹر اس کی جامہ تلاشی لینے لگا۔ اس کی جیبوں سے برآمد ہونے والی رقم اس نے اپنی پتلون کی جیب میں ٹھونس لی۔

"دکان کی تلاشی لو۔" سب انسپکٹر نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔

دو کانسٹیبل دکان میں گھس گئے۔ انہوں نے چند ہی منٹ میں دکان کو اس طرح الٹ پلٹ کر رکھ دیا جیسے کوئی بیرونی حملہ آور مال غنیمت پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ آس پاس کے دکاندار اور راہگیر بڑی تعداد میں وہاں جمع ہو گئے تھے اور ایک کانسٹیبل انہیں ڈانٹتے ہوئے وہاں سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوئے طفیل۔ کیا بات ہے۔ اس کی دکان پر چھاپہ کیوں مارا ہے؟" ایک پڑوسی دکان دار نے کانسٹیبل سے پوچھا۔ یہاں کے دکاندار تقریباً سب ہی پولیس والوں کو جانتے تھے کیونکہ تھانہ سامنے ہی تھا۔ چوک کے دوسری طرف۔ بھاٹی گیٹ کے بالکل ساتھ۔

"مخبری ہوئی ہے۔ یہ آدمی ہیروئن بیچتا ہے۔" طفیل نے سرگوشی میں بتایا۔

aazzamm@yahoo.com

"کیوں شریف آدمی کو ذلیل کرتے ہو تم لوگ۔ جب یہاں پان کی دکان تھی اور ہیروئن کا کاروبار ہوتا تھا تو اس وقت تو تم لوگوں نے کبھی چھاپا نہیں مارا تھا اور اب ایک شریف آدمی پر چڑھ دوڑے ہو تم لوگ۔" دکاندار نے کہا۔

"جا یار۔ تو اپنی دکان پر بیٹھ جا کے۔ یہ سب انسپکٹر بڑا کرخت ہے۔ کہیں تمہیں بھی نہ لے جا کر بند کر دے۔" کانسٹیبل طفیل نے کہا۔ پھر دوسرے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ "جاؤ یہاں سے تم لوگ۔ کیوں مجمع لگا دیا ہے۔ پہلے کبھی پولیس نہیں دیکھی۔"

"ایسی پولیس تو واقعی پہلے کبھی نہیں دیکھی جو مجرموں کو پناہ دے اور شرفاء کو سر عام ننگا کرے۔" ایک بوڑھے نے جواب دیا۔

یہ جملہ سب انسپکٹر نے بھی سن لیا۔ اس نے مڑ کر خونخوار نظروں سے بوڑھے کی طرف دیکھا۔

"سر جی....یہ دیکھیں۔" دکان کے اندر ایک کانسٹیبل نے کالے رنگ کے شاپنگ بیگ کی گرہ کھول کر اس میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ہیروئن کی پڑیاں بھری ہوئی ہیں اس میں۔"

سب انسپکٹر نے وہ تھیلا لے لیا۔ اس میں ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر پڑیاں نکال لیں اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے بولا۔ "دیکھ لی اس کی شرافت آپ لوگوں نے؟ بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ یہ ہیروئن ہم اپنے ساتھ لے کر نہیں آئے۔ آپ لوگوں کے سامنے اس دکان سے برآمد ہوئی ہے۔"

"اگر تم لوگ چاہتے تو اس دکان سے ایٹم بم بھی برآمد کر سکتے تھے۔" اس بوڑھے نے کہا۔

"جا بابا' یہاں سے چلا جا' کیوں تیری شامت آئی ہے۔" ایک کانسٹیبل نے بوڑھے کو بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیل دیا۔

"کیوں اوئے۔ کب سے دھندہ کر رہا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہتے ہوئے اچانک ہی شارق کو تھپڑ مار دیا۔

"مم....میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔" شارق گال سہلاتے ہوئے ہکلایا۔ "ایک عورت نے پھل خریدے تھے۔ خریدے ہوئے پھل اور یہ تھیلا وہی عورت رکھ کر گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ داتا دربار جا رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں واپس آ کر لے لے گی۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آئی۔"

"جھوٹ بکتا ہے۔" تھانیدار نے اس کی پٹائی شروع کر دی۔ "کالا دھندہ کرتا ہے۔ لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہا ہے۔ کئی دن سے تمہارے بارے میں اطلاعات مل رہی تھیں۔ آج

پکڑا ہی گیا نا۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ زندگی بھر کے لئے سلاخوں کے پیچھے بند کروا دوں گا۔"

"میرا اس تھیلے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں بے قصور ہوں۔" شارق چیخا۔

"تمہاری دکان سے مال برآمد ہو گیا اور اب بھی کہتا ہے بے قصور ہوں۔ پتہ تو تمہیں تھانے جا کر چلے گا بچو جی۔" ایک کانسٹیبل بھی کہتے ہوئے اس پر پل پڑا۔

"دکان کی اچھی طرح تلاشی لو۔ کچھ اور بھی ہو گا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"چیک کر لیا ہے سر جی۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔ "دکان میں تو اور کچھ نہیں ہے۔ شاید گھر میں مال چھپا رکھا ہو۔"

"اسے تھانے لے چلو۔ پتہ کر لیتے ہیں سب کچھ اس سے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

وہ لوگ شارق کو مارتے پیٹتے ہوئے تھانے کی طرف لے چلے۔ بہت سے لوگ اب بھی دکان کے سامنے جمع تھے اور مختلف قسم کے تبصرے کر رہے تھے۔ بعض لوگ اسے مجرم گردان رہے تھے اور بعض لوگ اس کی شرافت کی قسمیں کھا رہے تھے۔

"یہ سب پولیس کے کھانے پینے کے چکر ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔ "جو لوگ پولیس والوں کو بھتہ نہیں دیتے ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

"اوئے کاکے۔" پڑوسی دکان والے نے اپنے نوکر کو آواز دی۔ "یہ سارا سامان سمیٹ کر دکان کا شٹر گرا دے اور شارق باؤ کے گھر میں جا کر اطلاع کر دے۔"

ایک عورت میری دکان پر رکھ کر گئی تھی' میں بالکل بے قصور ہوں۔"

قریب کھڑے ہوئے سب انسپکٹر نے اس کے منہ پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔ شارق لڑکھڑاتا ہوا کرسی سے ٹکرایا اور کرسی سمیت الٹ گیا۔ اس کا سر دیوار سے لگا۔ پیشانی کی کھال پھٹ گئی اور خون رسنے لگا۔ سب انسپکٹر نے اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں زور دار گھونسہ مار دیا۔ شارق کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اور اس سے معلوم کرو کہ اس دھندے میں اس کے ساتھ اور کون کون ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے یہ کسی بڑے گروہ کا آدمی ہے۔"

سب انسپکٹر شارق کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"بتا کب سے یہ دھندہ کر رہا ہے اور کتنے لوگ ہیں تمہارے ساتھ۔" سب انسپکٹر نے اس کے پیٹ پر ایک اور گھونسہ مارا۔

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" شارق چیخا۔ "میں....میں بے قصور ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ابھی تم سب کچھ بتا دو گے۔" سب انسپکٹر نے اس مرتبہ اس کے سینے پر مکا مارا۔

"خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بے قصور ہوں۔ میرا اس دھندے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" شارق چیخ رہا تھا۔

سب انسپکٹر تقریباً آدھے گھنٹے تک شارق کی دھنائی کرتا رہا اور شارق کی چیخیں تھانے میں گونجتی رہیں۔ اسے ادھ موا کر کے سب انسپکٹر ایس ایچ او کے کمرے میں آ گیا۔ وہ معزز آدمی جا چکا تھا جو پہلے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں مریم روتی دھوتی تھانے میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ملک منیر بھی تھا۔

"کیا قصہ ہے تھانیدار صاحب! اس کے بیٹے کو کیوں پکڑا ہے؟" ملک منیر نے علیک سلیک کے بعد کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ یہ اس کا حلقہ انتخاب نہیں تھا مگر اس کے تعلقات تو ہر جگہ تھے۔

"کس لڑکے کی بات کر رہے ہو ملک صاحب؟" تھانیدار نے گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی پھل فروش۔" ملک منیر نے جواب دیا۔

"اچھا وہ۔ منشیات فروش۔" تھانیدار بولا۔ "آپ کا اس سے کیا تعلق ہے ملک صاحب؟"

"وہ میرے علاقے کا آدمی ہے۔ اور اسے تم نے منشیات فروش کیسے کہہ دیا۔" ملک منیر نے کہا۔

"ملک صاحب!" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس لڑکے کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ ممکن ہے لوہاری والے تھانیدار نے کسی سے پیسہ کھا کر اسے کسی جرم کے بغیر پکڑ لیا ہو۔ آپ کی مداخلت سے اس کی نوکری بھی گئی اور وہ اپنے خلاف کیس بھی بھگت رہا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ مختلف ہے۔ اس کی دکان سے یہ ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔ آپ کے سامنے رکھی ہے۔ بہتر ہے آپ اس معاملے سے الگ رہیں۔"

"یہ ہیروئن تو آپ کے گھر سے بھی برآمد ہو سکتی ہی۔" ملک منیر نے کہا۔

"ملک صاحب!" انسپکٹر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"بیٹھو... بیٹھو... آرام سے بیٹھو۔ اکڑنے کی ضرورت نہیں۔" ملک منیر نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے نا تو بھی تم لوگ نہیں سدھر سکو گے۔ میں جانتا ہوں یہ ہیروئن کہاں سے آئی ہو گی۔ تم مجھے بھی جانتے ہو۔ میں کبھی غلط آدمی کی سفارش نہیں کرتا۔ ہیروئن برآمد کرنے کا شوق ہے نا تو میرے ساتھ چلو... میں بتاتا ہوں تمہارے علاقے میں ہیروئن کہاں

کہاں بکتی ہے۔ ان اڈوں پر کئی سالوں سے کھلے عام ہیروئن بک رہی ہے۔ مگر تم نے وہاں سے کبھی ہیروئن برآمد نہیں کی۔ کسی کو نہیں پکڑا۔"

"یہ ہیروئن اس پھل والے کی دکان سے برآمد ہوئی ہے ملک صاحب!" تھانیدار نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "سب انسپکٹر نے اطلاع ملنے پر چھاپہ مارا تھا اور یہ ہیروئن کئی لوگوں کی موجودگی میں اس کی دکان سے برآمد ہوئی ہے۔"

"یہ ٹیلی فون مجھے دو نا۔" ملک منیر نے کہا۔ "میں ابھی تمہارے گھر میں چھاپہ پڑواتا ہوں اور محلے والوں کے موجودگی میں تمہارے گھر سے ہیروئن بھی برآمد ہو گی اور ناجائز اسلحہ بھی۔"

"ملک صاحب!" انسپکٹر نے خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ ایک عزت دار آدمی ہیں۔ میں بھی آپ کی عزت کرتا ہوں۔"

"عزت انہی کی کی جاتی ہے جن کی عزت ہو۔" ملک منیر نے کہا۔ "میں اس لڑکے کی ضمانت دینے کے لئے آیا ہوں۔"

"ضمانت تو آپ عدالت میں دے سکیں گے جب اس کا چالان پیش ہو گا۔" تھانیدار نے کہا۔ "جب اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا تو آپ کو بتا دیا جائے گا۔ آپ عدالت میں پیش ہو کر اس کی ضمانت کروا لیں۔"

"ٹھیک ہے تھانیدار۔" ملک منیر کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "میری ایک بات یاد رکھو۔ بے گناہوں پر ظلم کر کے تم اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اپنی ذلت اور رسوائی کا سامان کر رہے ہو۔ چلو بہن مریم۔" اس نے آخری الفاظ مریم سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ "تمہارا بیٹا آج ہی رات گھر آ جائے گا۔ پریشان نہ ہو۔"

وہ لوگ تھانے سے باہر آ گئے۔ انسپکٹر نے انہیں شارق سے ملنے بھی نہیں دیا تھا۔ وہ تھانے سے چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ سفید رنگ کی ایک کار تھانے کے سامنے رکی۔ دو آدمی کار سے اتر کر تھانے میں داخل ہوئے ان میں ایک شیرا پہلوان تھا اور دوسرا رفیق۔ دو آدمی کار ہی میں بیٹھے رہے تھے۔

انسپکٹر اور سب انسپکٹر شیرا پہلوان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔

"کہاں ہے وہ لڑکا۔ اسے بلاؤ ذرا۔" شیرا پہلوان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" انسپکٹر بولا۔

"کیسی گڑبڑ؟" شیرا پہلوان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"ابھی ملک منیر آیا تھا۔ لڑکے کو چھڑوا کر لے جانا چاہتا تھا۔ دھمکیاں دیتا ہوا گیا ہے۔"

"بات ہی کوئی نہیں۔" شیرا پہلوان نے کہا۔ "اسے منانے کا بھی طریقہ آتا ہے۔ تم لڑکے کو بلاؤ۔" شارق کو انسپکٹر کے کمرے میں لایا گیا۔

"کیا حال کر دیا ہے اس کا تم لوگوں نے۔ یہ تو ایک شریف آدمی ہے۔ کیوں پکڑا ہے تم لوگوں نے اسے۔" شیرا پہلوان نے انسپکٹر کو گھورا۔

"ہیروئن بیچتا ہے یہ پہلوان۔" انسپکٹر نے کہا۔ "یہ ہیروئن اس کے قبضے سے برآمد ہوئی ہے۔"

"یہ غلط ہے۔" شیرا پہلوان بولا۔ "یہ تو شریف آدمی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے کسی نے بتایا تو میں فوراً چلا آیا ہوں۔ چھوڑ دو اسے۔"

"لیکن پہلوان جی...."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔" پہلوان نے اس کی بات کاٹ دی اور جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر اس کے سامنے میز پر پھینک دیا۔ "یہ لو دس ہزار اور اسے چھوڑ دو۔ غریبوں کی بددعائیں مت لو۔ اب تم خود اسے گھر چھوڑ کر آؤ گے۔"

"تم باہر جا کر بینچ پر بیٹھو۔" انسپکٹر نے شارق سے کہا۔ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"تم اسے لے کر ملک منیر کے پاس چھوڑ آؤ۔ وہ تمہارا احسان مند رہے گا۔" شیرا پہلوان نے کہا۔

"میں اس کے گھر کیسے جا سکتا ہوں؟" تھانیدار بولا۔

"تم تو ہو نرے بے وقوف۔" شیرا پہلوان نے اسے گھورا۔ "ملک منیر جیسے لوگ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہوتے ہیں۔ اس کے پاس چلے جاؤ گے تو تمہاری شان نہیں گھٹ جائے گی۔ اس پر یہ احسان لاد دینا کہ اس کی سفارش پر چھوڑ رہے ہو تم اسے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ملک منیر جیسے آدمی اندر سے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ لوہاری والے انسپکٹر کا حشر تم دیکھ چکے ہو۔ میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تم اسے لے کر چلے جانا۔"

شیرا پہلوان کمرے سے باہر آ گیا۔ برآمدے میں بینچ پر شارق بیٹھا ہوا تھا۔

"بات ہی کوئی نہیں شارق باؤ۔" وہ شارق کے قریب رک کر بولا۔ "یہ انسپکٹر ابھی خود تمہیں گھر چھوڑ کر آئے گا۔ گھبراؤ نہیں۔ زندگی میں یہ سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔"

شیرا پہلوان چلا گیا۔ وہ شارق کے لئے سوچوں کی بہت سی راہیں کھول گیا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اسے ہیروئن کے چکر میں پھنسانے والا کون تھا۔ کچھ ہی دیر میں انسپکٹر بھی

باہر آ گیا۔

"چل اوئے، تجھے گھر چھوڑ آؤں پھنے کا کے۔"

شارق انسپکٹر کے ساتھ تھانے سے باہر آ گیا۔ وہ بھاٹی گیٹ کے محرابی دروازے میں داخل ہو گئے اور اندرونی گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے ملک منیر کے گھر پہنچ گئے۔

"ملک صاحب!" انسپکٹر نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ "میں بہت معافی چاہتا ہوں ملک صاحب! آپ کے آنے کے بعد میں نے سب انسپکٹر سے باز پرس کی اور خود تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ہیروئن کا تھیلا اس کی دکان پر واقعی کوئی عورت رکھ کر گئی تھی۔ ذرا سی غلط فہمی کی وجہ سے معاملہ گڑبڑ ہو گیا تھا۔ اب میں اسے لے آیا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس معاملہ کو نظرانداز کر دیں گے۔"

"چلو شکر ہے تمہیں کسی کی بے گناہی کا احساس تو ہوا۔" ملک منیر نے کہا۔ "لیکن اس کا جو نقصان ہوا ہی وہ کون پورا کرے گا۔ میں نے اس کی دکان دیکھی ہے۔ بالکل تباہ کر دی ہے تمہارے ماتحتوں نے۔"

"اس کا نقصان بھی میں پورا کروں گا ملک صاحب۔" انسپکٹر نے کہا۔ "آئندہ میں خیال رکھوں گا کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ تمہارا۔" ملک منیر نے اس انداز میں کہا جیسے اسے وہاں سے رخصت کر دینا چاہتا ہو۔

انسپکٹر بھی اس کا مطلب سمجھ گیا اور ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"چل اوئے پتر، میں تجھے تیرے گھر چھوڑ آؤں۔" انسپکٹر کے جانے کے بعد ملک منیر نے شارق کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔

جب شارق گھر پہنچا تو ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ملک منیر اسے مریم کے حوالے کر کے رخصت ہو گیا۔ مریم شارق کو اندر لے آئی۔ وہ دل کھول کر پولیس والوں کو کوسنے دے رہی تھی۔

دو تین دن شارق کی دکان بند رہی۔ اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اس نے دکان پر جا کر جائزہ لیا۔ سامان کا جو نقصان ہوا تھا وہ تو ہوا تھا پولیس والے اس کی دراز سے سارے پیسے بھی نکال کر لے گئے تھے۔ وہ شارق کی اس روز کی دن بھر کی کمائی تھی جو یقیناً چھ سات ہزار روپے سے کم نہیں تھی۔ دو ڈھائی ہزار اس کی جیب میں تھے جو جامہ تلاشی کے دوران سب انسپکٹر نے نکال لئے تھے۔

دکان کو دوبارہ سیٹ کرنے میں آٹھ دس ہزار روپے خرچ ہو گئے تھے۔ دس بارہ دن گزر گئے

aazzamm@yahoo.com

اور پھر ایک روز یہ خبر اس پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑی کہ ملک منیر کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا ہے۔ شاہ عالمی میں مندر والے چوک پر ایک تیز رفتار کار اسے ٹکر مارتی ہوئی گزر گئی تھی۔ ملک منیر کو لوگوں نے فوراً ہی ہسپتال پہنچا دیا مگر ڈاکٹر اسے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

شارق کو یہ اطلاع دکان پر ملی تھی۔ وہ دکان بند کر کے ہسپتال پہنچ گیا۔ اس وقت بیسیوں لوگ ہسپتال پہنچ چکے تھے اور جب ڈاکٹر نے اعلان کیا کہ وہ ملک منیر کو نہیں بچا سکے تو ایک کہرام مچ گیا۔

ملک منیر کے جنازے میں شہر کی بے شمار معزز شخصیات بھی شامل تھیں۔ ہزاروں لوگ تھے جو اس کے سفر آخرت میں شریک تھے۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ شارق بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس کا نجات دہندہ رخصت ہو گیا تھا۔

ملک منیر کے سوئم کے دو دن بعد شارق دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ شیرا پہلوان کا آدمی رفیق آ گیا اور پلاسٹک کا ایک تھیلا بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ مال شیرا پہلوان نے بھیجا ہے۔ آرام سے بیچو۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

"لے جاؤ اسے۔ میں نہیں بیچوں گا یہ مال۔" شارق نے کہا۔

"بڑے احسان فراموش ہو تم شارق باؤ۔" رفیق نے اسے گھورا۔ "ابھی تھوڑے دن پہلے ہی تو شیرا پہلوان نے دس ہزار روپے دے کر تمہیں تھانے سے چھڑوایا تھا۔ اگر وہ تمہیں چھڑانے کے لئے نہ جاتا تو اس وقت تم جیل میں ہوتے۔"

"وہ سب ڈرامہ تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کس نے پھنسایا تھا۔ اب میں اس چکر میں نہیں آ سکتا۔ اگر تم لوگوں نے آئندہ مجھے پریشان کیا تو میں پولیس میں رپورٹ کر دوں گا۔"

"کونسی پولیس کیا بات کر رہے ہو شارق باؤ۔" رفیق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ پولیس والے تو شیرا پہلوان کا مال کھاتے ہیں۔ اسے جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ اس کے خلاف کچھ کیسے کر سکتے ہیں؟"

"تم یہاں سے جاتے ہو یا بلاؤں لوگوں کو؟" شارق نے دکان سے باہر آ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے دھکیلتا ہوا دو تین قدم دور لے گیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر دو تین دکاندار دوڑ پڑے۔

"کیا ہوا شارق باؤ' کون ہے یہ بدمعاش؟" پڑوسی دکاندار نے پوچھا۔

"ہیروئن کا اسمگلر ہے۔ اس تھیلے میں ہیروئن ہے۔ مجھے زبردستی ہیروئن بیچنے کے لئے کہہ رہا

ہے۔ یہ لوگ میری دکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے پھنسایا بھی انہوں نے ہی تھا۔" شارق چیخا۔

رفیق صورت حال دیکھ کر بدحواس سا ہو گیا۔ اس نے پہلے تو جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا پھر بھاگنے کی کوشش کی مگر لوگوں نے پکڑ کر اس کی دھنائی شروع کر دی۔ اس کے قبضے سے ہیروئن کے علاوہ ایک پستول بھی برآمد ہوا تھا۔ شارق اور پانچ چھ آدمی اسے تھانے لے گئے۔ اتفاق سے انسپکٹر اس وقت تھانے کے گیٹ سے نکل رہا تھا۔

"کیا بات ہے' کون ہو تم لوگ اور اسے کیوں پکڑ کر لائے ہو؟" تھانیدار نے پوچھا۔

"یہ ہیروئن بیچتا ہے انسپکٹر صاحب۔" حنیف نامی دکاندار نے کہا۔ "اس کی قبضے سے ہیروئن کے علاوہ ایک پستول بھی برآمد ہوئی ہے۔ چند روز پہلے شارق کی دکان پر بھی انہی لوگوں نے ہیروئن رکھوائی تھی۔"

"شارق.... اچھا یہ لڑکا۔" انسپکٹر نے شارق کی طرف دیکھا۔ "اوئے علی احمد۔" اس نے ایک کانسٹیبل کو آواز دی۔ "اسے اندر لے کر چلو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

دکانداروں نے پستول اور ہیروئن بھی پولیس کے حوالے کر دی۔

"ٹھیک ہے' آپ لوگ جایئے۔ ہم دیکھ لیں گے۔" انسپکٹر نے کہا۔

شارق اور باقی لوگ واپس آ گئے۔ شارق کو یقین تھا کہ رفیق ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ تھانے میں نہیں رہ سکے گا۔ وہ شیرا پہلوان کا آدمی تھا اور شیرا پہلوان کے تھانیدار سے تعلقات وہ دیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنے پڑوسی دکاندار حنیف سے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا تو وہ بولا۔

"دیکھا جائے گا شارق باؤ' اگر انسپکٹر نے اسے چھوڑ دیا تو ہم مل کر ڈی ایس پی کے پاس جائیں گے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

یہ سہ پہر چار بجے کی بات تھی۔ اس وقت سات بجے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ دکانوں کے برقی قمقمے جگمگا اٹھے تھے۔ شارق کی دکان پر تین چار گاہک کھڑے تھے۔ ان میں دو عورتیں بھی کھڑی تھیں۔ شارق انہیں سودا دینے میں مصروف تھا کہ ایک کار دکان کے سامنے آ کر رکی۔ چار پانچ غنڈے کار سے اترے۔ ان کے ہاتھوں میں ہاکیاں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی دکان پر کر دیا۔ عورتیں چیختی ہوئی ایک طرف دوڑیں۔

غنڈوں نے پھلوں کے ٹوکرے الٹ دیئے۔ وہ ہر چیز توڑ پھوڑ رہے تھے۔ شارق بچنے کے لئے جھک گیا۔ ایک ہاکی اس کے بائیں کندھے پر لگی۔ دوسرے دکاندار بھی ڈنڈے اور ہاکیاں لے کر دوڑ پڑے۔ شارق نے بھی دکان کے اندر پڑا ہوا ایک ڈنڈا اٹھا لیا اور غنڈوں پر حملہ کرنے لگا۔ دکانداروں کے اس اتحاد سے اسے حوصلہ مل گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ شیرا

aazzamm@yahoo.com

پہلوان کے آدمی تھے۔ اس میں سے ایک کو تو اس نے پہچان بھی لیا تھا۔ وہ رفیق کا ساتھی تھا جو اس رات اسے کار میں اغواء کر کے لے گئے تھے۔

غنڈوں نے دوسری دکانوں پر بھی حملہ کیا تھا۔ لیکن کچھ اور دکاندار لاٹھیاں لے کر آ گئے تھے اور بالآخر غنڈوں کو وہاں سے بھاگتے ہی بن پڑی۔ ان کا ایک ساتھی پہلے ہی سے کار کی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ وہ لوگ کار میں ٹھنس گئے اور کار تیزی سے وہاں سے فرار ہو گئی۔ کچھ لوگ ڈنڈے لہراتے ہوئے کار کے پیچھے دوڑے تھے' مگر کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کار دور نکل گئی تھی۔

شارق کا ٹھیک ٹھاک نقصان ہوا تھا۔ لیکن اب اسے نقصان کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے شیرا پہلوان جیسے غنڈے کے سامنے ڈٹ جانے کا فیصلہ کیا تھا خواہ اسے خود ہی کیوں نہ غنڈہ بننا پڑے۔ ان چند روز کے واقعات سے اس نے یہ سبق سیکھا تھا کہ اس طرح دب کر نہیں رہا جا سکتا تھا اور پھر اس رات شیرا پہلوان نے بھی اسے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ شرافت کی زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔

شارق اور دو تین دکاندار رپورٹ لکھوانے کے لئے تھانے پہنچ گئے۔ اس وقت انسپکٹر موجود نہیں تھا۔ البتہ سب انسپکٹر موجود تھا۔

"ٹھیک ہے آپ لوگ تحریری شکایت لکھ کر دے جائیں۔ ہم معاملے کی تحقیقات کریں گے۔ دیکھیں گے کہ وہ کون لوگ تھے؟" سب انسپکٹر نے ان کی بات سننے کے بعد کہا۔

شارق نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک کاغذ پر رپورٹ لکھ دی۔ دکانداروں نے بھی اس پر دستخط کر دیئے۔ شارق نے اس رپورٹ میں یہ بات واضح طور پر تحریر کی تھی کہ حملہ آور شہر کے مشہور بدمعاش اور منشیات فروش شیرا پہلوان کے آدمی تھے۔ سب انسپکٹر نے ان کی تحریری شکایت وصول کر لی لیکن ایف آئی آر نہیں کاٹی۔

دو تین دن گزر گئے۔ کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس دوران دکاندار آپس میں باتیں کرتے رہتے تھے کہ ان غنڈوں کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی یا نہیں۔ اگر کوئی کارروائی ہوئی تھی تو پولیس نے انہیں کیوں نہیں بتایا۔

اور پھر ایک روز دن کے گیارہ بجے کے قریب دو پولیس والے شارق کی دکان پر پہنچ گئے۔

"شارق تمہارا نام ہے؟" ایک پولیس والے نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں فرعونیت تھی۔

"ہاں' کیا بات ہے؟" شارق نے اس کے لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر پوچھا۔

"تھانیدار صاحب نے بلایا ہے تمہیں۔" پولیس والے نے کہا۔ "غنڈوں کے خلاف رپورٹ

تم نے لکھوائی تھی؟"

"ہاں' رپورٹ تو سب دکانداروں نے لکھوائی تھی۔" شارق نے کہا۔

"تھانیدار صاحب نے تمہیں بلایا ہے۔ رپورٹ میں سب سے اوپر تمہارا نام ہے۔ چلو ہمارے ساتھ۔" پولیس والے نے اس طرح کہا جیسے اس نے غنڈوں کے خلاف رپورٹ لکھوا کر کوئی جرم کیا ہو۔

"تم چلو' میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" شارق بولا۔

"تھانیدار تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہے جو تمہارے انتظار میں بیٹھا رہے گا۔ ہمارے ساتھ چلو۔" پولیس والے نے کہا۔

"اچھا چلو۔" شارق نے ساتھ والی دکان پر دیکھا۔ حنیف نہیں تھا۔ اسنے اپنی ملازم لڑکے کو کچھ ہدایات دیں اور پولیس والوں کے ساتھ چل دیا۔

جب وہ تھانے پہنچا تو پولیس والے ایک جیب تراش کی دھنائی کر رہے تھے جسے داتا دربار کے سامنے بازار میں ایک آدمی کی جیب کاٹتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ شارق ایس ایچ او کے کمرے میں داخل ہونے لگا تو کانسٹیبل نے اسے روک دیا۔

"یہیں رکو... میں تھانیدار صاحب کو بتا دوں۔"

کانسٹیبل پانچ منٹ بعد ایس ایچ او کے کمرے سے باہر آیا۔ "تھانیدار صاحب مصروف ہیں۔ یہاں کھڑے ہو جاؤ' ایک طرف۔ فارغ ہو کر تمہیں بلائیں گے۔" اس نے کہا۔

وہاں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ شارق برآمدے میں کھڑا رہا۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ وہ کھڑے کھڑے تھک گیا تھا۔ انسپکٹر کے کمرے سے باتوں اور قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق نے ایک پولیس والے سے دو تین مرتبہ کہا مگر اسے ہر مرتبہ یہی جواب ملا کہ تھانیدار صاحب فارغ ہوں گے تو بلا لیں گے۔ بالآخر مزید آدھا گھنٹہ گزر جانے کے بعد دو آدمی انسپکٹر کے کمرے سے نکلے۔ ان میں سے ایک وکیل تھا جس نے سفید پتلون اور سفید شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ گلے میں سیاہ رنگ کی بو تھی اور گرمی کے باوجود اس نے کالا کوٹ پہن رکھا تھا۔ دوسرے آدمی نے جینز اور نیلی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ شرٹ پر آرنلڈ شوارزنیگر کی تصویر کا عکس چھپا ہوا تھا۔ اس نوجوان کے بال خاصے لمبے تھے۔ عمر پچیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ ان کے جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد انسپکٹر نے شارق کو بلوایا۔

"پہلی مرتبہ تمہیں منشیات فروشی کے الزام میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔" تھانیدار نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "پھر تم نے دوسرے آدمیوں کے ساتھ مل کر رفیق نامی ایک آدمی کو زد و

aazzamm@yahoo.com

کوب کیا اور اسے ایک جھوٹے الزام میں پولیس کے حوالے کر گئے۔ پھر تم لوگوں نے دنگا فساد کیا اور شیرا پہلوان کے آدمیوں کے خلاف جھوٹی رپورٹ لکھوائی۔ میں نے تحقیقات کر لی ہے۔ شیرا پہلوان اور اس کا کوئی آدمی اس روز اس علاقے میں نہیں تھا۔ کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹ لکھوانے کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"یہ جھوٹی رپورٹ نہیں ہے جناب!" شارق نے کہا۔ "آپ چوک پر آ کر لوگوں سے تو پوچھیں۔ وہ شیرا پہلوان کے آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کو تو میں نے پہچان لیا تھا۔ انہوں نے ہاکیوں سے حملہ کیا تھا اور توڑ پھوڑ کی تھی۔"

"اور تم شاید بھول گئے ہو کہ اس شیرا پہلوان نے تمہیں بچایا تھا۔ وہ تمہارے ساتھ ہمدردی نہ کرتا تو آج تم کم از کم چھ ماہ کے لئے جیل میں جا چکے ہوتے۔" تھانیدار نے کہا۔

"اس وقت بھی مجھے شیرا پہلوان کے آدمیوں نے پھنسانے کی کوشش کی تھی۔" شارق نے کہا۔ "میری دکان پر ہیروئن انہی لوگوں نے رکھوائی تھی اور بعد میں چھاپہ پڑوا دیا۔"

"شیرا پہلوان کو تم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" تھانیدار نے اسے گھورا۔

"وہ مجھے مجبور کرتا رہا ہے کہ میں اپنی دکان پر اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے ہیروئن فروخت کروں، کیونکہ اس سے پہلے یہاں پان کی دکان تھی اور یہ دکان ان کا منشیات فروشی کا بہت بڑا اڈا تھا۔ میرے انکار پر اس نے مجھے اس طرح پریشان کرنا شروع کر دیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"شیرا پہلوان جیسے لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ اس سے کسی طرح مفاہمت کر لو۔ مل جل کر رہنا سیکھو۔ ہمیں بھی آرام سے کام کرنے دو۔" انسپکٹر نے کہا۔

"کیا کسی جرائم پیشہ آدمی کے خلاف شکایت کرنا جرم ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"مجھے یہ انسپکٹری تحفے میں نہیں ملی۔" انسپکٹر نے اسے گھورا۔ "میری زندگی گزر گئی ہے پولیس میں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کون شریف ہے اور کون جرائم پیشہ۔ تمہارا پورا ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔ میں تمہیں آخری مرتبہ وارننگ دے رہا ہوں۔ آئندہ مجھے تھانے میں نظر نہ آؤ۔ جاؤ.... دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

شارق چند لمحے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر خاموشی سے کمرے سے نکل کر تھانے سے باہر آ گیا۔ جب وہ دکان پر پہنچا تو دو بج چکے تھے۔ پڑوسی دکاندار حنیف اب تک موجود نہیں تھا۔ دوسرے دکانداروں کو پتہ نہیں چل سکا تھا کہ شارق کو پولیس والے تھانے لے گئے تھے۔ حنیف تقریباً چار بجے آیا۔ اس نے بتایا کہ اس کے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اسے لے کر اسپتال گیا ہوا تھا۔ شارق نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا تو اس کے چہرے پر

پریشانی کے تاثرات ابھر آئے۔

"اس کا مطلب ہے ڈی ایس پی سے ملنا پڑے گا۔" وہ بولا۔

"وہ اس انسپکٹر کا بھی استاد ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "مجھے میرے والدین کے قتل کے الزام میں اسی نے تو سزا دلوائی تھی۔ وہ اس وقت لوہاری کا انسپکٹر ہوا کرتا تھا۔"

"ٹھیک ہے شارق بابو۔" حنیف نے کہا۔ "اس مرتبہ تو صبر کر لو۔ آئندہ کوئی بات ہوئی تو پھر اوپر جائیں گے۔"

اس کے دو تین روز بعد رات کے وقت شارق کو پھر پولیس نے پکڑ لیا۔ اس روز وہ ساڑھے دس بجے دکان بند کر کے گھر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس نے چوک پار کیا ہی تھا کہ دو تین پولیس والے اچانک ہی کہیں سے نکل کر اس پر جھپٹ پڑے۔ شارق کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر انہوں نے اس کی دھنائی شروع کر دی اور کھینچتے ہوئے تھانے لے گئے۔ کچھ لوگوں نے پولیس والوں کو شارق پر جھپٹتے ہوئے دیکھا تھا لیکن انہوں نے مداخلت اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ پولیس والے تھے اور غالباً یہی سمجھے تھے کہ شارق کوئی جرائم پیشہ تھا۔ جسے پولیس والوں نے اس طرح پکڑا تھا۔

انسپکٹر تھانے میں نہیں تھا۔ شارق کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ رات ایک بجے انسپکٹر کسی معرکے سے واپس آیا تو شارق کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

"اب کیا کیا ہے اس نے؟" انسپکٹر نے خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تانگوں والے اڈے پر چھپ کر ہیروئن بیچ رہا تھا۔" ایک ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "اس کے ساتھ دو گاہک تھے جو ہمیں دیکھتے ہی نالے کی طرف بھاگ گئے۔ اس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر ہم نے اسے موقع نہیں دیا۔ اس کے قبضے سے ہیروئن کی یہ پڑیاں نکلی ہیں۔ دو سو گرام تو ہوں گی۔ معلوم ہوتا ہے باقی مال بیچ دیا تھا۔" اس نے چند پڑیاں میز پر رکھ دیں۔

"یہ جھوٹ ہے سر جی۔" شارق چیخا۔ "میں تو دکان بند کر کے گھر....."

انسپکٹر نے بات مکمل کرنے کا موقع دیئے بغیر اس کے منہ پر زور دار تھپڑ مار دیا۔

"اب تو تمہارا حمایتی بھی اس دنیا میں نہیں رہا۔ کس کو بلاؤ گے اپنی سفارش کے لئے۔" انسپکٹر نے کہا اور پھر ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ گیا۔ "بند کر دو اسے، چالان بنا کر صبح عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ملک غفور اپنے کمرے میں ہے؟"

"نو سر۔ وہ تو گشت پر گئے ہیں۔" ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"صبح مجھے ہائی کورٹ جانا ہے۔ ملک غفور سے کہنا اسے عدالت میں لے جا کر پیش کر دے۔" انسپکٹر نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے جناب۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا اور پھر شارق کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "چل اوئے۔"

"انسپکٹر۔" شارق نے تھانیدار کی طرف مڑ کر کہا۔ "تم پچھتاؤ گے۔ آج میرے ساتھ تمہاری زیادتی کا آخری دن ہے۔ تم بھی جانتے ہو کہ جب کسی شریف آدمی کو مجرم بننے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ اب کوئی میری سفارش بن کر نہیں آئے گا۔ اب میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ اس کیس میں مجھے کتنی سزا دلواؤ گے؟ جیل سے نکلنے کے بعد میں بہت بدل چکا ہوں گا اور پھر سب سے پہلے میری ملاقات تم سے ہو گی۔ اس کے بعد میں تمہارے سرپرست شیرا پہلوان سے نمٹوں گا۔"

"بند کر دو اسے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔" انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہیڈ کانسٹیبل شارق کو کھینچتا ہوا انسپکٹر کے دفتر سے نکال کر لے گیا۔ شارق نے اس مرتبہ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

شارق کو صبح عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ اس پر منشیات فروشی کا الزام تھا۔ مجسٹریٹ نے پہلی ہی پیشی پر اس کیس کا فیصلہ کر دیا اور پھر اسے پندرہ دن کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔

○

شارق کو دیکھ کر جیلر کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"میں نے تمہاری فائل دیکھی ہے۔" جیلر نے کہا۔ "تم پر منشیات فروشی کا الزام ہے مجھے یقین نہیں آتا۔"

"بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر یقین کرنا پڑتا ہے جیلر صاحب۔" شارق نے جواب دیا۔ "جب میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو اس وقت بھی آپ نے غالباً ایسے ہی الفاظ کہے تھے۔ بارہ سال کے ایک لڑکے کو اپنے ماں باپ کے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا ہو سکتی ہے تو ایک جوان آدمی کو منشیات فروشی کے جرم میں سزا کیوں نہیں ہو سکتی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جب میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو صرف بارہ سال کا تھا۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب انسان کو اپنا شعور بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اچھے برے کو نہیں سمجھ سکتا۔ بڑوں کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے۔ اس عمر کے بچے کو تو اکیلے گھر سے بھی نہیں نکلنے دیا جاتا۔ میں نے اس چار دیواری کے اندر ہوش سنبھالا۔ میری دنیا ان دیواروں تک محدود تھی۔ میرے سر پر یہی مختصر آسمان تھا۔ یہاں میں نے خونخوار درندہ نما لوگ بھی دیکھے اور آپ جیسے محبت کرنے والے پولیس آفیسر بھی۔ میں نے یہاں رہ کر بی اے کی ڈگری تو حاصل کر لی لیکن دنیا میں رہنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ جب میں یہاں سے باہر نکلا تھا تو اس وقت یہی سمجھا تھا کہ اس دنیا میں رہنے والے سب لوگ

آپ جیسے ہوں گے۔ انسانیت سے محبت کرنے والے۔ مخلص... لیکن باہر رہ کر ان چند مہینوں میں مجھے تجربہ ہوا کہ یہ دنیا خونخوار بھیڑیوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ کی طرح کے انسان کو تو موٹروں کے نیچے کچل دیا جاتا ہے۔ اور کسی خوش فہمی کا شکار مجھ جیسے لوگوں کو کٹھ پتلیاں بنا دیا جاتا ہے۔ انہیں گھناؤنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نے کٹھ پتلی بننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان چند مہینوں میں مجھے صرف یہ تجربہ ہوا ہے کہ اس دنیا میں صرف دو طرح سے زندہ رہا جا سکتا ہے۔ کٹھ پتلی بن کر یا وہ پراسرار قوت بن کر جو ان کٹھ پتلیوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں۔"

"تم پندرہ دن کے لئے یہاں آئے ہو۔" جیلر نے کہا۔ "اس دوران میں کوشش کروں گا کہ ایک بار پھر تمہیں کچھ سمجھا سکوں۔ تم ایک اچھے انسان ہو اور بہت اچھے انسان بن سکتے ہو۔"

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس جیلر کو بھی شاید دنیا کا تجربہ نہیں تھا۔ اس کے شب و روز بھی تو جیل کے اس حصار میں گزرتے تھے۔

تین روز بعد وارڈن نے اسے آواز دی۔

"شارق! تمہاری ملاقات آئی ہے۔"

"کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔ ویسے اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ مریم ہو گی۔ اس رات پکڑے جانے کے بعد شارق نے گھر اطلاع نہیں بھجوائی تھی اور نہ ہی بعد میں اسے خبر کی تھی۔ دو تین دن تک روتی پیٹتی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی ہو گی اور بالآخر اسے پتہ چل گیا ہو گا کہ وہ جیل میں ہے اور ملاقات کے لئے دوڑی آئی تھی۔

"تمہاری ماں ہے۔" وارڈن نے جواب دیا۔ "میرا مطلب ہے وہی عورت جو پہلے بھی تم سے ملاقات کے لئے آتی رہی ہے۔"

"اس سے کہہ دو کہ شارق نام کا کوئی قیدی اس جیل میں نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"ارے پاگل آدمی۔" وارڈن نے اسے گھورا۔ "وہ تمہاری ماں ہے۔ رو رو کر اس نے اپنا برا حال کر رکھا ہے اور تو کہتا ہے کہ ملاقات نہیں کرے گا۔"

"ہاں' میں اس سے ملاقات نہیں کروں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

وارڈن عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا چلا گیا۔ شارق دل مسوس کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ مریم اور رضیہ نے اس کی گمشدگی پر واقعی رو رو کر برا حال کر رکھا ہو گا۔ لیکن اب وہ ایک قیدی اور غلام انسان کی حیثیت سے اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے زندگی گزارنے کا

aazzamm@yahoo.com

جو فیصلہ کر لیا تھا وہ بہت خطرناک تھا۔

اس سے ایک ہفتہ بعد ایک روز وارڈن نے پھر ایک ملاقات کی آمد کی اطلاع دی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ میں نہیں ملوں گا۔" شارق نے کہا۔

"وہ تمہاری ماں نہیں ہے۔" وارڈن نے کہا۔

"پھر کون ہے؟" اس نے اسے گھورا۔

"چھانگا نام بتایا ہے اس نے۔ کئی سال پہلے وہ بھی ایک جرم میں یہاں کی ہوا کھا چکا ہے۔ اگر نہیں ملنا چاہتے تو میں اسے منع کر دوں۔" وارڈن نے کہا۔

"نہیں۔ میں اس سے ملاقات کروں گا۔" شارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چھانگا نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا تھا۔ وارڈن کے کہنے کے مطابق کئی سال پہلے وہ کسی جرم میں جیل کی ہوا بھی کھا چکا تھا۔ شارق حیران ہو رہا تھا کہ وہ کون ہو سکتا تھا۔

آج ملاقاتوں کا دن تھا۔ کئی قیدیوں کے ملاقاتی آئے ہوئے تھے۔ ہال نام کا یہ کمرہ موٹی موٹی آہنی سلاخوں کی مدد سے دو حصوں میں تقسیم تھا۔ سلاخوں پر جالی بھی لگی ہوئی تھی۔ سلاخوں کے اس طرف قیدی تھے اور دوسری طرف ان کے ملاقاتی۔ وارڈن اسے آخری سرے پر لے گیا۔ سلاخوں کے دوسری طرف ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے لاچا اور کرتا پہنا ہوا تھا۔ وہ درمیانے قد کا ایک ادھیڑ عمر مگر صحت مند آدمی تھا۔ کشادہ پیشانی' بڑی بڑی سرخ آنکھیں اور بھاری مونچھیں۔

"میرا نام چھانگا ہے۔ تم مجھے نہیں جانتے شارق باؤ۔" اس نے کہا۔

"ہاں واقعی میں تمہیں نہیں جانتا۔ کیوں ملنا چاہتے تھے مجھ سے؟" شارق نے کہا۔

"مجھے کل پتہ چلا تھا کہ تمہیں جھوٹے کیس میں سزا دلوائی گئی ہے۔ اس سارے چکر کے پیچھے شیرا پہلوان کا ہاتھ ہے۔ تم یہاں سے باہر آ جاؤ تو اس سے حساب کتاب کر لیں گے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے شارق باؤ۔ اب تم اپنے آپ کو اکیلا نہیں پاؤ گے۔" چھانگا نے کہا۔

"تم کون ہو؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دوست۔" چھانگا نے جواب دیا۔ "کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔"

"نہیں' مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"تمہیں پندرہ دن کی سزا ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے ایک دو روز میں رہا ہو جاؤ گے۔ جیل سے نکل کر سیدھے میرے پاس آ جانا۔" چھانگا نے کہا۔

"کہاں؟" شارق نے پوچھا۔

"مزنگ۔" چھانگا نے جواب دیا۔ "مزنگ چوک پر کسی سے بھی پوچھ لینا۔ تمہاری دعا سے بچہ

بچہ چھانگا کو جانتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"اچھا۔ رب راکھا۔ بھولنا مت۔" چھانگا نے کہا اور مڑ کر باہر کی طرف چلا گیا۔

شارق چند سیکنڈ وہاں کھڑا رہا پھر واپس آ گیا۔ وہ دن بھر چھانگا کے بارے میں سوچتا رہا۔ شکل و صورت' لباس اور انداز گفتگو سے تو وہ بھی کوئی اسمگلر ہی لگتا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ چھانگا کو اس کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟"

اس رات شارق کو دیر تک نیند نہیں آ سکی۔ وہ کوٹھڑی کے کھردرے فرش پر لیٹا چھانگا کے بارے میں سوچتا رہا۔ چھانگا نے گفتگو میں شیرا پہلوان کا بھی حوالہ دیا تھا اور اس سے حساب کتاب کر لینے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ اس کی باتوں سے شارق اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ شیرا پہلوان اور چھانگا میں کوئی دشمنی تھی اور چھانگا غالباً اپنے حریف سے کسی قسم کا بدلہ لینے کے لئے اسے آلہ کار بنانا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے ان میں کوئی کاروباری رقابت ہو۔

اس نے کروٹ بدلی اور دروازے کی آہنی سلاخوں سے باہر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں بہت دور ستارے ٹمٹماتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں مریم اور رضیہ کا خیال ابھر آیا۔ مریم دو مرتبہ ملاقات کے لئے آ چکی تھی۔ دوسری مرتبہ رضیہ بھی اس کے ساتھ تھی مگر شارق نے ان سے ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔ کیا سوچا ہو گا انہوں نے اس کے بارے میں۔ مریم وہ واحد ہستی تھی جو چودہ سال کی قید کے دوران باقاعدگی سے اس سے ملنے کے لئے آتی رہی تھی۔ اس نے اسے ماں کی مامتا دی تھی۔ رضیہ سے اسے بہن کا پیار ملا تھا۔

دو دن بعد شارق کو رہائی مل گئی۔ وہ لباس بدل کر جیلر کی نصیحتوں کو دماغ سے جھٹکتا ہوا جیل کے گیٹ سے باہر نکلا تو سب سے پہلے اس کی نظر مریم پر پڑی جو گیٹ کے سامنے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ شارق کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف لپکی۔ شارق سے کچھ فاصلے پر ایک اور آدمی بھی کھڑا تھا۔ اس نے چادر جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔ شارق اسے پہچانتا تو نہیں تھا' لیکن اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ شیرا پہلوان کا آدمی تھا۔

"شارق پتر۔" مریم بانہیں پھیلا کر اس کی طرف لپکی۔

شارق نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ مریم روتی چیختی اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ شارق کے دل پر چھریاں سی چل رہی تھیں۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھا کہ وہ چادر پوش آدمی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک پر آ گیا اور ایک رکشے میں بیٹھ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"کہاں چلنا ہے؟" ڈرائیور نے رکشہ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے یہاں سے چلو۔ راستے میں بتا دوں گا۔" شارق نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ مریم پاگلوں کی طرح اسے پکارتی ہوئی دوڑتی آ رہی تھی۔

رکشہ حرکت میں آ گیا۔ مریم کچھ دیر تک رکشے کے پیچھے دوڑتی رہی پھر رک گئی۔ شارق نے پھر مڑ کر دیکھا۔ مریم بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ مگر سفید رنگ کی ایک سوزوکی کار رکشے کے پیچھے آ رہی تھی۔ کار میں صرف ڈرائیور تھا اور شارق نے اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کی۔ یہ وہی چادر پوش آدمی تھا جسے اس نے جیل کے گیٹ کے سامنے دیکھا تھا۔

رکشہ کئی میل تک مختلف سڑکوں پر دوڑتا ہوا میکلوڈ روڈ کی طرف آ گیا۔

"اسٹیشن لے چلو۔" شارق نے کہا۔

"رکشہ ریلوے اسٹیشن کی طرف مڑ گیا۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب پہنچ کر شارق نے رکشہ رکوا لیا اور جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ڈرائیور نے اس کے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ لے لیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی جیب میں پچاس روپے کا صرف ایک نوٹ تھا اور میٹر پر پینتیس روپے بنے تھے۔

"میرے پاس کھلے نہیں ہیں باؤ۔" ڈرائیور نے سو کا نوٹ دوبارہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ پکڑو اپنا سو کا نوٹ اور پیسے کھلے کروا کے دو۔"

شارق نے اس کے ہاتھ سے پچاس کا نوٹ کھینچ لیا اور رکشہ سے اتر کر تیزی سے ایک بس کی طرف دوڑا جو میکلوڈ روڈ ہی کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بس کے اگلے دروازے سے سوار ہو گیا۔ بس بھری ہوئی تھی۔ شارق نے جھانک کر دیکھا۔ سفید سوزوکی سڑک کے کنارے پر کھڑی تھی اور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا شخص متجسس نگاہوں سے اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں رکشہ رکا تھا۔ اگلا موڑ مڑنے کے لئے بس کی رفتار کم ہوئی تو شارق پچھلے دروازے سے اتر گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اس موڑ پر کھڑا تھا جہاں سے بھاٹی لوہاری کی طرف تانگے جا رہے تھے۔ تمام تانگے والے وہاں سے گزرتے ہوئے دربار....دربار کی آوازیں لگا رہے تھے۔ شارق پہلے ایک تانگے کی طرف بڑھا پھر ایک خالی رکشہ دیکھ کر اس کی طرف مڑ گیا۔

"لوہاری چلو۔" شارق رکشے میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میٹر خراب ہے باؤ جی۔ پندرہ روپے ہوں گے۔" ڈرائیور نے کہا۔

"چلو....پندرہ ہی لے لینا۔" شارق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا اور مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا لوہاری کی طرف جانے والی سڑک پر آ

گیا۔ موچی دروازے سے ذرا آگے نکلتے ہی شارق نے رکشہ رکوا لیا اور پچاس کا نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس رکشہ ڈرائیور کے پاس کھلے پیسے موجود تھے۔ اس نے پینتیس روپے واپس کر دیئے۔ شارق رکشے سے اتر کر ہسپتال روڈ پر آ گیا۔ اور اخبار مارکیٹ سے ذرا آگے جا کر دائیں طرف ایک گلی میں مڑ گیا۔ یہ بازار انمالی گلی آگے جا کر انارکلی سے جا ملی تھی لیکن شارق انارکلی تک پہنچنے سے پہلے ہی بائیں طرف ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ ریسٹورنٹ میں اس وقت اچھے خاصے گاہک تھے۔ ساری ہی میزیں بھری ہوئی تھیں۔ مگر شارق کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا۔ اس کا بچپن کا دوست سہیل کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً چار مہینے پہلے سہیل سے اس ملاقات کے بعد شارق آج اس کے سامنے آیا تھا۔

"ارے تم...."

"میں زیادہ دیر یہاں لوگوں کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اوپر اپنے کمرے میں چلو۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تم اوپر جاؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" سہیل نے کہا۔

شارق نے ادھر ادھر دیکھا اور کاؤنٹر سے ذرا آگے لکڑی کی گول سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر والے کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے گہرا سانس لیا اور پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ پلنگ پر لیٹا کچھ دیر تک چھت کو گھورتا رہا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

آنکھ کھلتے ہی اس کی نظر سامنے دیوار گیر گھڑی پر پڑی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد باتھ روم کا دروازہ کھلا اور سہیل تولیئے سے منہ پونچھتا ہوا باہر آ گیا۔

"میں نے بیرے کو تمہارے لئے چائے دے کر بھیجا تھا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ تم سو رہے ہو۔ میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" سہیل نے کہا۔ "ویسے بھی سچی بات یہ ہے کہ صبح جس وقت تم آئے تھے وہ ذرا دھندے کا وقت ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی سو لو۔ میں بھی دھندہ کر لوں۔"

"تم میرے لئے ناشتہ منگواؤ۔" میں بھی ذرا منہ ہاتھ دھو لوں۔" شارق کہتا ہوا اس سے تولیہ لے کر باتھ روم میں گھس گیا۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد شارق اس کمرے میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا اور سہیل اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"اس ملاقات کے بعد تم تو ایسے غائب ہوئے کہ لوٹ کر آئے ہی نہیں۔ نہ ہی تم نے اپنے گھر کا پتہ بتایا تھا کہ جا کر تم سے ملاقات کرتا۔" سہیل نے پوچھا۔

"تم انجان بننے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟" شارق نے اسے گھورا۔ "یا واقعی تمہیں کچھ نہیں معلوم؟"

"کیا معلوم نہیں؟" سہیل کے لہجے میں حیرت تھی۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "کیا تم اسی دنیا میں رہتے ہو؟ اخبار نہیں پڑھتے کیا؟" اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے اس نے کہا۔

"اس دنیا میں رہتا ہوں۔ اخبار بھی پڑھتا ہوں لیکن....."

"لیکن میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا رہا اس سے بے خبر رہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیا ہوا تمہارے ساتھ؟" سہیل نے اسے گھورا۔

"آج صبح میں جیل سے رہا ہو کر آیا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"کیوں؟ کیا کیا تھا تم نے؟ کس جرم کی سزا میں جیل گئے تھے؟" سہیل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"منشیات فروشی کا الزام تھا مجھ پر۔" شارق نے کہا۔

"یقین کرو شارق.... مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔" سہیل بولا۔

شارق چند لمحے خاموش رہا پھر اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"شیرا پہلوان اور پولیس والوں نے مل کر میری زندگی کی راہیں بدل ڈالی ہیں۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہی بنوں گا جو یہ لوگ مجھے بنانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ لوگ مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ میں ان کی جڑیں تک کھود ڈالوں گا۔"

"یقین کرو شارق...." سہیل اس کے خاموش ہونے کے بعد بولا۔ "کچھ اسی قسم کی خبریں اخبار میں پڑھتا تو رہا ہوں' لیکن میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ تم ہو سکتے ہو۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ یا تو تم کسی کام دھندے میں مصروف ہو گئے ہو یا یہ شہر چھوڑ کر چلے گئے ہو۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی میں تمہارے حالات سے بے خبر رہا۔"

"خیر' چھوڑو اس بات کو۔ یہ سب باتیں پرانی ہو چکی ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟" شارق نے کہا۔

"تم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ اگرچہ درست نہیں ہے لیکن ایک دوست ہونے کے ناطے میں تم سے دامن چھڑانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ ویسے میرا مشورہ یہی ہے کہ جو کچھ ہوا بھول جاؤ۔ کہیں اور چلے جاؤ۔ تم نے جس راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔" سہیل نے کہا۔

"کیسے بھول جاؤں۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے دل پر اتنے زخم لگے ہیں جن کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جیل سے باہر آنے کے بعد میں نے شرافت کی زندگی گزارنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مجھ جیسے لوگ شرافت کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ انہیں ان خطرناک راستوں پر دھکیل دیا جاتا ہے جن پر مجھے دھکیلا گیا ہے۔"

"سوچ لو شارق۔" سہیل نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔" شارق نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"شیرا پہلوان بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس کا اندازہ تم نے لگا لیا ہو گا۔ اسے پولیس کی مکمل سرپرستی حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس قدر نہ پھیل جاتا۔" سہیل نے کہا۔

"اسے صرف انسپکٹر اور ڈی ایس پی کی سطح تک سرپرستی حاصل ہے۔ اس سے....."

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" سہیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ڈی ایس پی سے اوپر کے پولیس افسران اسے نہیں جانتے؟ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے میرے دوست! اگر کوئی معمولی کانسٹیبل بھی کسی رکشہ یا تانگے والے سے دس روپے بھی رشوت لیتا ہے تو ان دس روپوں میں اس کانسٹیبل سے لے کر پولیس کے اعلیٰ ترین آفیسر تک کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس ملک میں اندھیر نگری نہ مچی ہوتی۔ معاشرے میں ایسے جرائم نہ ہوتے۔ ان پولیس والوں کو دولت سے محبت کی بجائے اپنے فرض کا احساس ہوتا تو ہمارا یہ ملک جنت ہوتا۔ اگر تم ایک معمولی سے پولیس انسپکٹر کے بارے میں تحقیقات کرو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اس کی تنخواہ تو چھ سات ہزار روپے ہے لیکن وہ کروڑوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ یہ جائیداد اس کے نام نہیں ہو گی۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں بھی چند روپے ہوں گے۔ ساری جائیداد اس کی بیوی' بیٹے' بیٹیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے نام ہوگی۔ میں صرف پولیس کی بات نہیں کر رہا۔ ہر سرکاری محکمہ کا یہی حال ہے۔ ہر شخص اس ملک کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھ کر لوٹ رہا ہے۔"

"تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں بھی اس ملک کو لوٹنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"نہیں' میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" سہیل نے کہا۔ "تم کمزور ہو۔ ان کے پاس طاقت ہے۔ وہ تمہیں اٹھنے سے پہلے ہی کچل دیں گے۔"

aazzamm@yahoo.com

"کمزور آدمی اس وقت تک کمزور ہوتا ہے جب تک وہ اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں جب تک اپنے آپ کو کمزور سمجھتا رہا یہ لوگ مجھے ٹھوکریں مارتے رہے۔ لیکن ان ٹھوکروں نے مجھے مضبوط بنا دیا ہے۔ مجھے طاقت بخشی ہے انہوں نے۔ اب میں وہ شارق نہیں ہوں جو جیل جانے سے پہلے تھا۔"

"لیکن تم اکیلے کیا کر لو گے۔" سہیل نے کہا۔ "وہ تو گروہ ہیں۔ انسانوں کے نہیں خونخوار بھیڑیوں کے گروہ.....جو اپنے سے کمزور کو چیر پھاڑ دیتے ہیں۔"

"اب وہ کم از کم میری چیر پھاڑ نہیں کریں گے۔" شارق بولا۔ "تم مجھ سے صرف اتنی ہمدردی کرو کہ مجھے چند روز کے لئے پناہ دے دو۔ صرف چند روز۔"

"میں نے تمہاری مدد کرنے سے انکار نہیں کیا۔" سہیل نے کہا۔ "لیکن یہ جگہ تمہارے لئے محفوظ نہیں ہے۔ تم چوبیس گھنٹے اس کمرے میں بند ہو کر نہیں رہ سکتے۔ میں نے دو سال پہلے باغبانپورہ میں ایک مکان خریدا تھا۔ پہلے تو اس میں کرائے دار تھے لیکن اب تین مہینوں سے خالی پڑا ہے۔ تم چاہو تو وہاں رہ سکتے ہو۔ ان بھیڑیوں کی نظروں سے محفوظ رہو گے۔ لیکن کیا تم نے مریم اور رضیہ کے بارے میں سوچا ہے؟ میں نے انہیں ابھی تک دیکھا تو نہیں، لیکن تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں بہت چاہتی ہیں۔ اگر شیرا پہلوان کو ان سے تمہارے تعلق کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ انہیں پریشان کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"میں انہیں بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا۔" شارق نے کہا۔ "میں انہیں وہاں سے نکال کر کہیں اور منتقل کر دوں گا تاکہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہیں۔"

"تو پھر یوں کرو کہ پہلی فرصت میں انہیں میرے باغبانہ پورہ والے مکان میں منتقل کر دو۔ اس کے بعد جو کچھ بھی کرنا چاہو کرتے رہنا۔" سہیل نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "چھانگا نامی کسی آدمی کو جانتے ہو؟ وہ مزنگ کا رہنے والا ہے؟"

"نام سنا ہے۔" سہیل نے کہا۔ "وہ بھی اسی قسم کے دھندے کرتا ہے۔ دراصل حکمرانی تو یہ غنڈے اور بدمعاش ہی کرتے ہیں۔ انہوں نے علاقے بانٹ رکھے ہیں۔ یہ غنڈے اور بدمعاش ان علاقوں کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ بھتے وصول کرنا، شہریوں کو پریشان کرنا اور منشیات فروشی ان کا کاروبار ہے۔ یہ کاروبار کھلے عام ہوتا ہے۔ پولیس کی ان کو سرپرستی حاصل ہے۔ پولیس ان سے بھتہ وصول کرتی ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے پولیس کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ چھانگا بھی ایسا ہی آدمی ہے مگر تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ میری رہائی سے دو دن پہلے مجھ سے ملنے کے لئے آیا تھا۔" شارق نے بتایا۔ "وہ شیرا پہلوان سے کوئی انتقام لینا چاہتا ہے۔ ممکن ہے ان میں کاروباری رقابت ہو۔ وہ مجھے آلہ کار بنانا چاہتا ہے۔ اس نے میری طرف دوست کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ میں اس کی دوستی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس طرح شیرا پہلوان اور اس جیسے لوگوں کے خلاف مجھے ایک سپورٹ مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" سہیل نے کندھے اچکا دیئے۔ "میرا کام تمہیں سمجھانا تھا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اچھے برے کی تمیز تم خود کر سکتے ہو۔ اچھا، تم بیٹھو۔ میں ذرا ریسٹورنٹ کا چکر لگا کر آتا ہوں۔" سہیل کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیل کا بٹن دبا دینا۔" اس نے دروازے کے قریب لگے ہوئے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

سہیل کے جانے کے بعد شارق دیر تک صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ تو بہرحال طے تھا کہ اسے شرافت کی زندگی گزارنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ وہ ملک کے کسی بھی کونے میں چلا جائے وہ لوگ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگے کیوں؟ منہ چھپانے سے تو بہتر ہے کہ یہاں رہتے ہوئے ان لوگوں کا مقابلہ کیا جائے۔

دوپہر کا کھانا بھی اس نے کمرے میں کھایا اور پھر سو گیا۔ شام کو چھ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی۔ سہیل اس وقت تھوڑی دیر کے لئے اوپر آیا تھا۔ اس نے اسے کچھ رقم بھی دے دی تھی اور اس کمرے کے دوسرے دروازے کی چابی تاکہ ریسٹورنٹ میں آنے کے بجائے دوسرے دراوزے سے اپنی آمد و رفت جاری رکھ سکے۔

آٹھ بجے کے قریب شارق سیڑھیوں والے دوسرے دروازے سے باہر آ گیا۔ وہ گلیوں ہی گلیوں سے ہوتا ہوا ہسپتال روڈ پر آ گیا اور ہسپتال کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے ایک سڑک گوالمنڈی اور نسبت روڈ کی طرف چلی گئی تھی اور ایک دائیں طرف کچھ آگے جا کر یہ سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک شاخ تو سیدھی میکلوڈ روڈ کی طرف چلی گئی تھی اور دوسری جی پی او کے سامنے مال روڈ سے جا ملتی تھی۔

شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے کس طرف جانا چاہئے۔ اسے راستوں کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اسے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ مزنگ کس طرف ہے اور باغبانپورہ کس طرف۔ اس کی جیب میں تقریباً ساڑھے گیارہ سو روپے کی رقم موجود تھی۔ دو سو روپے صبح اسے جیلر نے دیئے تھے۔ جن میں سے کچھ پیسے خرچ ہوئے تھے اور ایک ہزار روپے سہیل نے دیئے تھے۔ وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ بائیں طرف بانسوں والا بازار تھا۔ اس سڑک پر دونوں طرف بانسوں اور ٹمبر وغیرہ کی دکانیں تھیں۔ یہی سڑک آگے جا کر شاہ عالمی کے چوک سے جا ملتی تھی۔ ایک رکشہ شارق کے

aazzamm@yahoo.com

قریب ہی آ کر رکا۔ دو عورتیں رکشہ سے اتریں۔ وہ ڈرائیور کو پیسے دے رہی تھیں کہ شارق رکشے میں بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی۔" ڈرائیور نے رکشہ سے اترنے والی عورتوں سے پیسے لے کر مڑ کر شارق کی طرف دیکھا۔

"مزنگ چوک۔" شارق نے جواب دیا۔

"او باؤ۔" رکشہ ڈرائیور نے مڑ کر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم وہی ہو نا جو صبح میرے رکشے میں بیٹھے تھے اور پورے پیسے لئے بغیر بھاگ کر بس میں سوار ہو گئے تھے؟"

"ارے! تم وہی ہو۔" شارق بولا۔ "کتنی چھوٹی ہے یہ دنیا۔ چند گھنٹوں بعد ہماری دوبارہ ملاقات ہو گئی۔"

"تمہارے جانے کے بعد مجھے ایک سوزوکی کار والے نے بہت تنگ کیا تھا۔" ڈرائیور نے کہا۔ "وہ بار بار پوچھ رہا تھا کہ تم رکشے سے اتر کر کہاں گئے ہو؟ کون تھا وہ باؤ جی؟"

"پتہ نہیں وہ کون تھا؟" شارق نے جواب دیا۔

"اور وہ مائی کون تھی جو صبح رکشے کے پیچھے بھاگ رہی تھی؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ تم رکشہ چلاؤ۔" شارق نے اس مرتبہ خشک لہجے میں جواب دیا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا۔ شارق گہری نظروں سے راستوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد رکشہ مزنگ چوک پر پہنچ گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی۔ مزنگ چوک پر تو ہم آ گئے ہیں۔" ڈرائیور نے کہا۔

"یہیں روک لو۔" شارق بولا۔ رکشہ رک گیا۔ وہ میٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"دس روپے دے دو باؤ جی۔ تمہارے صبح کے پیسے بھی بچے تھے۔" ڈرائیور نے کہا۔

بڑا دیانت دار ڈرائیور تھا۔ شارق نے جیب سے دس کا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور رکشے سے اتر گیا۔

وہ ایک جگہ رک کر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ بڑی بارونق جگہ تھی۔ کچھ دیر وہ اسی جگہ پر کھڑا رہا پھر کچھ آگے جا کر ایک پان والے کی دکان پر رک گیا۔ اس وقت دکان پر صرف ایک ہی گاہک تھا۔ وہ نوجوان ہی تھا۔ عمر انیس بیس سال رہی ہو گی۔ نیلی جینز اور سفید ٹی شرٹ جس کے سینے پر میامی کے ساحل کی تصویر کا عکس چھپا ہوا تھا۔ اس نوجوان کے منہ میں پان تھا اور ایک ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ دبا ہوا تھا۔

"ایک آدمی کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے۔" شارق دکان والے کی طرف دیکھتے ہوئے

بولا۔

"کون ہے جی؟" دکاندار نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چھانگا نام ہے اس کا۔ یہیں کہیں رہتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"آپ کو سودا چاہئے تو مجھ سے لے لیں۔ چھانگا کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"وہ میرا دوست ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"آپ سامنے والی سڑک پر چلے جائیں۔ تقریباً دو سو گز آگے بائیں طرف والی سڑک پر مڑ جائیں۔ وہاں موٹروں کی ورکشاپیں ہیں۔ اسی سڑک پر چھانگے کا طویلہ ہے۔ ویسے آپ کہیں باہر سے آئے ہیں کیا؟" دکاندار نے کہا۔

"ہاں' میں کراچی سے آیا ہوں۔" شارق نے جواب دیا اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سامنے والی سڑک کی طرف چل دیا۔

یہ سڑک بھی بڑی بارونق تھی۔ تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور بڑی چہل پہل تھی۔ تقریباً دو سو گز آگے بائیں طرف کارنر پر ایک ریسٹورنٹ تھا جو گاہکوں سے بھرا ہوا تھا۔ ریسٹورنٹ کے اندر بالکل سامنے والی دیوار پر ایک اونچے شیلف پر ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ جس پر امرتسر ٹیلی ویژن دور درشن سے کوئی انڈین فلم چل رہی تھی۔ ریسٹورنٹ میں گاہکوں کی زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی جو بڑے انہماک سے فلم دیکھ رہے تھے۔

شارق ریسٹورنٹ کے ساتھ والی سڑک پر مڑ گیا۔ اس سڑک پر ذرا آگے موٹروں کے لاتعداد ورکشاپس تھے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کے ڈھانچے پڑے تھے۔ صرف دو ورکشاپ کھلے تھے اور باقی سب بند ہو چکے تھے۔ تقریباً سو گز آگے دائیں طرف انہی ورکشاپس کے بیچ میں لکڑی کا ایک اونچا گیٹ تھا۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اندر چند تانگے کھڑے تھے۔ گیٹ کے اندر اندھیرا تھا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا اور گیٹ میں داخل ہو گیا۔ لیکن ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک آدمی تاریکی سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا اس نے چادر کی بکل مار رکھی تھی۔

"کون ہو تم..... کہاں منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو؟ کس سے ملنا ہے؟" اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"میرا نام شارق ہے۔ چھانگا سے ملنا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ اس چادر پوش کو اچانک ہی اپنے سامنے دیکھ کر شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"چھانگا سے کیا کام ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟" اس شخص نے اسے گھورا۔

"اس سے جا کر کہہ دو' شارق جیل سے رہا ہو کر آ گیا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ شخص چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا اور پھر اس نے شارق کا لباس تھپتھپا کر یہ چیک کیا کہ اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ تو نہیں۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی چادر میں چھپی ہوئی رائفل کی نال شارق سے ٹکرا گئی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ شخص سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

شارق اس کے ساتھ چل پڑا۔ گھوڑوں کی لید کی بو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ تانگے کھڑے تھے۔ چند گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے۔ یہ وسیع و عریض احاطہ تھا جس کے آخر میں کسی قدیم طرز کا ایک شکستہ سا گنبد بھی تھا۔ دائیں طرف تین چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ لاہور میں ایسے احاطے بکثرت پائے جاتے تھے۔ یہ تمام دراصل مغلیہ دور کے مزار تھے۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جن پر چھانگا جیسے لوگوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ شخص ایک جگہ رک گیا۔

"جیرے....او جیرے۔" اس نے کسی کا نام لے کر پکارا۔

ایک آدمی ایک کمرے سے نکل کر ان کے قریب آ گیا۔

"اس باؤ کو چھانگے استاد کے پاس لے جانا۔ کہتا ہے آج ہی جیل سے آیا ہوں۔ عجیب سا نام بتایا ہے اس نے۔ کیا نام ہے باؤ؟" وہ شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"شارق۔" شارق نے جواب دیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" جیرے نے کہا۔ شارق اس کے ساتھ چل پڑا اور دوسرا آدمی گیٹ کی طرف واپس چلا گیا۔

کچھ ہی دیر بعد شارق' چھانگا کے سامنے موجود تھا۔ چھانگا ایک کمرے میں بچھی ہوئی دری پر بیٹھا ہوا تھا۔ دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ شارق کو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔

"بسم اللہ۔" وہ شارق کو گرمجوشی سے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے بولا۔ "میرا شارق باؤ آیا ہے۔ لو ست بسم اللہ۔"

وہ شارق سے اس طرح ملا تھا جیسے بچھڑا ہوا بھائی یا بہت قریبی عزیز ہو۔"

"بیٹھو شارق باؤ۔" چھانگا اسے لے کر دری پر بیٹھ گیا۔ "میرا دل کہتا تھا تم ضرور آؤ گے۔ اسی کو کہتے ہیں نا' دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اوئے جیرے.....جا کر کوئی ٹھنڈا شنڈا لے کر آؤ۔"

جیرا فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ کوک کی ٹھنڈی بوتلیں لے کر آ گیا۔ اس نے ایک ایک بوتل کھول کر سب کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس دوران ایک اور آدمی کمرے میں آ گیا۔ وہ مشتبہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوئے ناواں نکال۔ کتنی چاہئے۔ اس کی طرف کیا دیکھ رہا ہے۔ یہ اپنا ہی بندہ ہے۔" چھانگے نے کہتے ہوئے اسے گھورا۔

"آدھا کلو۔" اس شخص نے قمیص کے نیچے شلوار کی کسی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر چھانگے کی طرف بڑھا دی۔ چھانگے نے نوٹوں کی گڈی لے کر قریب رکھے ہوئے ایک صندوقچے میں ڈال دی۔ اور ایک تھیلے میں سے ایک پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہیروئن تھی۔ اس شخص نے پیکٹ شلوار کی جیب میں ڈال لیا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

"اور سنا شارق باؤ۔ کب چھوٹے تھے سرکاری مہمان خانے سے؟ قسم خدا کی' بڑی عجیب جگہ ہے وہ۔ میں ایک دفعہ گیا تھا۔ اس کے بعد تو بس کسی کو ہمت نہیں ہوئے میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کی۔ رب جھوٹ نہ بلوائے۔ وہ جگہ تو آدمی کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اور مجھے دیکھ لو۔ پولیس والے روز میرے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ ایسی چھترول کرتے تھے کہ بے بے یاد آ جاتی تھی۔ پر اب جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔" چھانگا نے کہا۔

"آج صبح ہی رہائی ملی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں تو صبح ہی یہاں آ جاتا لیکن جیل کے گیٹ سے نکلتے ہی شیرا پہلوان کا ایک آدمی پیچھے لگ گیا تھا۔"

"اب تم آ گئے ہو تو نبڑ لیں گے اس سے بھی۔ آؤ ذرا دوسرے کمرے میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" چھانگا کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اوئے جیرے۔ سنبھال یہ سب کچھ۔"

شارق بھی اٹھ گیا۔ وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ وہاں بھی دری بچھی ہوئی تھی۔ گاؤ تکئے رکھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں آمنے سامنے تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ کوک کی بوتل اب بھی شارق کے ہاتھ میں تھی۔

"دیکھ شارق باؤ۔" چھانگا اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تمہیں یہ تجربہ تو ہو گیا ہو گا کہ اس دنیا میں شرافت سے زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ لوگ زندہ رہنے ہی نہیں دیتے۔ مجھے دیکھ لو۔ میرا باپ اسی لاہور میں تانگہ چلاتا تھا مجھے پڑھنے کا شوق تھا۔ میرا باپ بہت ہی غریب آدمی تھا۔ وہ صبح سے رات تک تانگہ چلاتا تب کہیں جا کر گھر کا خرچ پورا ہوتا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ اسے نشے کی لت لگ گئی۔ وہ نشہ کرنے لگا۔ ایک مرتبہ پولیس نے پکڑ لیا۔ تم جانتے ہو نا کہ جو آدمی ایک مرتبہ پولیس کے ہاتھ لگ جائے وہ مر کر ہی پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ یہی حال میرے باپ کے ساتھ ہوا۔ میرا باپ نشہ کرتے کرتے نشہ بیچنے لگا۔ وہ اس طویلے سے تانگہ کرائے پر لے کر چلاتا تھا۔ یہ مہر کا طویلہ کہلاتا تھا۔ مہر علی احمد یہاں چرس' افیون اور شراب بیچا کرتا تھا۔ پولیس کو بھی بھتہ دیتا تھا۔ اس کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

میرا باپ نشہ کرتے کرتے خود بھی زندہ درگور ہو گیا تھا۔ اس کی رگوں میں خون سوکھ گیا تھا اس نے نشہ بیچنا چھوڑ دیا۔ مگر پولیس والے اپنا بھتہ وصول کرنے کے لئے اسے تنگ کرتے رہے۔ پھر وہ اسے پکڑ کر تھانے لے گئے۔ اسے اتنا مارا' اتنا مارا کہ وہ تھانے ہی میں مر گیا۔ پولیس نے اس کی لاش اٹھا کر آدھی رات کو سڑک پر ڈال دی اور دوسرے دن اخبار میں چھپوا دیا کہ وہ نشے کی زیادتی سے مر گیا۔

باپ کے مرنے کی بعد میں نے پڑھنا چھوڑ کر تانگہ چلانا شروع کر دیا۔ اس وقت میری عمر بھی بارہ سال تھی اور میں نے آٹھویں جماعت سے پڑھنا چھوڑا تھا۔ میرے باپ کی موت کے بعد پولیس والے میرے پیچھے پڑ گئے۔ مجھے آئے دن تھانے میں لے جا کر بند کر دیا جاتا اور میری ایسی چھترول کی جاتی کہ تھانے کے آس پاس کے مکانوں میں رہنے والے بھی میری چیخوں کی آواز سن کر کانپ جاتے۔

مہر علی احمد نے بھی مجھے پٹی پڑھانا شروع کر دی کہ میں بھی باپ کی طرح یہ دھندہ شروع کر دوں تو پولیس اپنا حصہ لے کر میرے ساتھ مار پیٹ چھوڑ دے گی۔ میں نے مہر علی احمد کا کہنا مان لیا اور چرس' افیون اور شراب بیچنے لگا۔ اس دھندے کے ساتھ میں تانگہ بھی چلاتا رہا۔ پھر میں نے تانگہ چلانا چھوڑ دیا اور چوک پر پان سگریٹ کی دکان کھول لی۔ نشہ کرنے والے گاہک اس دکان پر میرے پاس آتے رہے۔

"ایک دن میں نے نشے کے عادی ایک شخص کو مرتے ہوئے دیکھ لیا۔ رب جھوٹ نہ بلوائے' بڑی ہی اذیت ناک موت تھی۔ میں نے اس روز کے بعد نشہ بیچنا چھوڑ دیا اور پولیس کو بھتہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ پولیس نے پھر میری پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ اور بالآخر مجھے منشیات فروشی اور ناجائز اسلحہ رکھنے کے الزام میں چار سال کے لئے جیل بھجوا دیا۔"

"وہ میری پہلی اور آخری جیل تھی۔ میں جیل سے نکلا تو محمد رفیق سے چھانگا بن گیا تھا۔ جیل میں چھانگا نامی ایک قیدی نے میری تربیت کی تھی۔ میں نے اس کا نام اپنا لیا۔ آج مہر علی احمد کا یہ طویلہ میری ملکیت ہے۔ وہی پولیس والے جو میری چھترول کیا کرتے تھے آج جھک جھک کر مجھے سلام کرتے ہیں۔ میں یہاں کھل کر یہ کام کرتا ہوں۔ کسی پولیس والے کو میرے اس طویلے میں جھانکنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ میرے آدمیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ میں بھی وہی ہوں' یہ پولیس والے بھی وہی ہیں۔ پر دھندہ ذرا سا بدل گیا ہے۔ پہلے یہاں چرس' افیون اور شراب بکا کرتی تھی اب افغانی پوڈر بکتا ہے۔ یہ ہیروئن بڑی نامراد شے ہے۔ بڑا نشہ ہے اس میں۔ اپنے ملک سے بھاگ کر آنے والے افغانوں نے ہمارے ملک کو دو تحفے دیئے ہیں۔ ہیروئن اور

اسلحہ! اب ہماری قوم ان دو چیزوں سے جان نہیں چھڑا سکتی۔ بھلا پولیس ایسے کام بند کرا سکتی ہے جس سے انہیں روزانہ لاکھوں کروڑوں کی کمائی ہوتی ہے۔ یہ تو بہتی گنگا ہے شارق باؤ۔ جس میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک.....سب ہی ہاتھ دھو رہے ہیں۔ ہم اور تم کیوں محروم رہیں۔ پولیس نے ہم جیسے لوگوں سے یہ کام کروانا ہی ہے تو کیوں نہ اپنی خوشی سے کریں۔ مجھ جیسے کسی آدمی کا دل ٹٹول کر دیکھ لو۔ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے مجرم پیدا نہیں ہوا۔ اسے مجرم بنایا جاتا ہے۔ اور بنانے والے یہی ہیں۔ ہمارے قانون کے محافظ تیری اپنی مثال تیرے سامنے ہے۔ خود ہی سوچ لے۔ تیرے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ اب تیرے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ پولیس کی مار یا اپنی خوشی سے یہ دھندہ۔ عزت اور شرافت کی زندگی تو کبھی نہیں گزار سکتا۔ پولیس کو جب بھی کسی مجرم کی ضرورت ہو گی خانہ پری کے لئے تمہیں پکڑ کر بند کر دے گی۔ اگر بھاگنا چاہو گے تو بھاگ نہیں سکو گے۔ میری طرح اس دھندے میں آؤ گے تو دولت بھی ملے گی اور یہ پولیس والے بھی جھک جھک کر تمہیں سلام کریں گے۔

میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ جان لیا ہے۔ اس لئے جیل جا کر تم سے ملا بھی تھا۔ تم یہاں آئے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے کوئی فیصلہ بھی کر لیا ہے۔"

"ہاں' میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لیکن مجھے تحفظ کی ضرورت ہے۔"

"تحفظ!" چھانگا نے کہا۔ "تم میرے پاس آ گئے ہو' سمجھو کہ اب لاہور کا کوئی پولیس والا تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اور جہاں تک شیرا پہلوان کا سوال ہے تو دیکھتے رہنا اسے میں کس طرح ناک آؤٹ کرتا ہوں۔ اسے تو ایسا گراؤں گا کہ دوبارہ اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکے گا۔"

"تمہارے ساتھ کاروبار میں شریک ہونے سے پہلے میں دو تین آدمیوں کو تھوڑی سی سزا دینا چاہتا ہوں۔ جن کی وجہ سے آج میں یہاں بیٹھا ہوں۔ ان میں سے ایک کو تو تلاش کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ لیکن باقیوں کو تلاش کرنا مشکل نہیں۔ وہ سامنے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"تم نام بتاؤ..... انہیں لا کے تمہارے قدموں میں نہ پھینک دوں تو نام بدل دینا میرا۔" چھانگا نے کہا۔

"ان میں ایک تو ڈی ایس پی ہے۔" شارق نے کہا۔ "گیارہ سال پہلے جب مجھے میرے ماں باپ کے قتل کے الزام میں جیل بھجوایا گیا تھا تو یہی ڈی ایس پی اس وقت انسپکٹر تھا۔ دراصل مکان کے سلسلے میں میرے باپ کا ایک پڑوسی سے مقدمہ چل رہا تھا۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ میرے

aazzamm@yahoo.com

ماں باپ کو اسی شخص نے قتل کروایا تھا اور پھر انسپکٹر کو بھی پیسے دے کر مجھے ماں باپ کے قتل کے الزام میں پھنسوا دیا۔ یہیں سے میری بربادی شروع ہوئی تھی۔ اگر وہ انسپکٹر ایماندار اور فرض شناس ہوتا تو مجھ پر جھوٹا مقدمہ بنانے کے بجائے اصل قاتلوں کو تلاش کرتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ رشوت نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ فرض بھی اور دیانت بھی۔ اور پھر دس سال بعد جب میں جیل سے باہر آیا تو اس بدنیت شخص نے میرے مکان کو آگ لگوا کر مجھے آتش زدگی کے الزام میں پھنسانے کی کوشش کی مگر علاقے کے کونسلر ملک منیر نے نہ صرف مجھے بچا لیا بلکہ تھانیدار کو معطل کروا دیا۔ اس تھانیدار پر اب کیس چل رہا ہے جب کہ سلمان نامی وہ شخص روپوش ہو گیا۔ اسے میں بعد میں تلاش کر لوں گا۔ لیکن وہ انسپکٹر جو میری بربادی کے آغاز کا ذمے دار ہے آج ڈی ایس پی ہے۔ اس کے بعد دوسرا نمبر بھائی کے موجودہ انسپکٹر کا ہے۔ جو شیرا پہلوان کے ساتھ مل کر پچھلے تین مہینوں سے میرا جینا حرام کئے ہوئے ہے۔ بس یہ دو آدمی۔ ان کے علاوہ اپنے دشمنوں سے میں خود ہی نمٹ لوں گا۔"

"شارق باؤ۔" چھانگا نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "بڑا مشکل کام بتایا ہے تم نے۔ لیکن میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور دوستی میں نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا۔ لا' ہاتھ لا۔ آج سے ہماری دوستی پکی۔"

ان دونوں نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

"شارق باؤ....." چھانگا نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "کل رات کو تماشہ دیکھ لینا۔ تمہارے ڈی ایس پی کا جو حشر ہو گا وہ تم دیکھ لو گے۔"

"میں ساتھ ہوں گا۔" شارق نے کہا۔ "پہلے میں اسے بتاؤں گا کہ سزا اسے کس جرم کی دی جا رہی ہے۔"

"ایسے لوگوں کے ہزاروں دشمن ہوتے ہیں' تمہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے۔" چھانگا بولا۔

"نہیں' سزا میں اسے خود دوں گا۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" چھانگا نے کہا۔ "کل دن میں' میں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لوں گا۔ رات کو دو تین بندے اپنے ساتھ لے جانا۔ اسے اٹھا کر یہیں لے آنا۔ دیکھ لیں گے اس ڈی ایس پی میں کتنا دم خم ہے۔"

"اچھا تو اب میں چلوں' کل رات کو آؤں گا۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ طویلہ اب تمہارا ہے۔ یہیں رہو۔" چھانگا نے کہا۔

"میں جیل سے نکلنے کے بعد اپنے بچپن کے ایک دوست کے پاس چلا گیا تھا۔ سارا دن اس کے پاس رہا۔ میں اسے بتا کر نہیں آیا تھا۔ اگر واپس نہ گیا تو وہ پریشان ہو گا۔ میں کل شام کو آ جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ لو یہ رکھ لو..... تمہیں اس کی ضرورت ہو گی۔" اس نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر شارق کے ہاتھ میں تھما دی۔

وہ سو سو کے نوٹوں کی گڈی تھی جسے شارق نے پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا اور چھانگا سے ہاتھ ملا کر طویلے سے باہر آ گیا۔ جب وہ چوک سے رکشے پر بیٹھ رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

○

شارق نے جس راستے کا انتخاب کیا تھا وہ واقعی بہت خطرناک تھا۔ لیکن وہ اس راستے پر خود نہیں آیا تھا۔ اسے دھکیلا گیا تھا۔ مجبور کیا گیا تھا اس راستے پر چلنے کے لئے۔

چھانگا سے ملاقات کے بعد جب وہ سہیل کے ریسٹورنٹ والے کمرے میں پہنچا تو رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ ریسٹورنٹ میں اس وقت بھی چند گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ریستورانوں میں بیٹھ کر چائے کی ایک پیالی پر گھنٹوں سیاست پر گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی باتوں سے یہ تاثر ملتا ہے جیسے انہیں ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر مکمل عبور حاصل ہے اور اگر ان کی تجاویز اور مشوروں پر عمل کر لیا جائے تو دنیا جنت بن جائے۔

شارق گلی میں سیڑھی والے دروازے سے آیا تھا اور اوپر والے کمرے کا دروازہ اس نے اس چابی سے کھولا تھا جو سہیل نے اسے دی تھی۔ جب وہ دراوزہ کھول کر اندر داخل ہوا تو سہیل کمرے میں موجود تھا اور بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

"میں عام طور پر رات کا کھانا دس بجے کھا لیتا ہوں۔" سہیل اسے دیکھ کر بولا۔ "آج میں نے تمہارا انتظار کیا مگر تم نہیں آئے تو بھوک برداشت سے باہر ہو گئی۔ آؤ' تم بھی آ جاؤ۔"

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" شارق کہتے ہوئے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تم اس وقت ریسٹورنٹ میں نہیں بیٹھتے کیا؟"

"کبھی کبھی تو دیر تک بیٹھا رہتا ہوں۔ ویسے عام طور پر اس وقت شاہد کاؤنٹر پر بیٹھ جاتا ہے۔ ایماندار لڑکا ہے۔ چھ سال سے میرے پاس کام کر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے بہت سی سہولتیں بھی مل گئی ہیں۔ آرام کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔" سہیل نے کہا۔

کھانے کے بعد سہیل نے چائے منگوا لی۔ چائے پینے کے بعد شارق اٹھ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"کہاں جا رہے ہو؟" سہیل نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں ذرا ماں جی اور رضیہ سے ملنے جا رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تمہارا باغبان پورے والا مکان مجھے کب مل سکے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ماں جی اور رضیہ کو وہاں منتقل کر دوں کیونکہ ان کا یہاں رہنا اب ٹھیک نہیں ہوگا۔ شیرا پہلوان کے آدمی یا پولیس انہیں تنگ کرتی رہے گی اور میں نہیں چاہتا کہ انہیں کسی قسم کی پریشانیوں کا سامنا ہو۔"

"کل صبح شاہد کو ساتھ لے جانا۔" سہیل نے کہا۔ "وہ صفائی وغیرہ کر دے گا۔ اور پھر جب چاہو تم انہیں وہاں منتقل کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی واپسی پر شاید مجھے دیر ہو جائے۔ پریشان مت ہونا۔" شارق کہتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ دروازے کا آٹومیٹک لاک خود بخود بند ہو گیا۔

شارق مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا ہسپتال روڈ پر آ گیا اور اخبار مارکیٹ کے سامنے سے گزر کر مین روڈ پر آ گیا۔ وہ لوہاری دروازے کی طرف مڑنے کی بجائے دائیں طرف مڑ گیا اور سڑک پار کر کے سامنے ایک گلی میں داخل ہو گیا اور پھر قدیم لاہور کی بھول بھلیاں نما گلیوں سے ہوتا ہوا مریم والے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔

رات کا ایک بج چکا تھا۔ گلیاں تاریک اور سنسان تھیں۔ اس نے مکان کے سامنے رک کر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ صبح جیل کے گیٹ پر وہ مریم کو جس حال میں چھوڑ کر بھاگا تھا اس کے پیش نظر اسے یقین تھا کہ مریم نے پورا دن رو کر گزارا ہو گا اور اس وقت بھی رو رہی ہو گی۔ اس کا اندازہ درست نکلا۔ اس نے اگرچہ دستک بہت ہلکی دی تھی لیکن چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی مریم ہی تھی۔ اس نے سر پر دوپٹہ پٹی کی طرح باندھ رکھا تھا۔ شارق نے اندر داخل ہوتے ہی جھک کر مریم کے پیر پکڑ لئے۔

"مجھے معاف کر دیں ماں جی۔" شارق بے اختیار رو دیا۔ "میں نے جیل میں آپ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا اور آج صبح جیل کے گیٹ پر میں نے جو کچھ بھی کیا مجھے اس پر افسوس ہے ماں جی۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ میرے دل پر کیسے کیسے چھریاں چلتی رہی ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی کیا مجھے معاف کر دیں ماں جی!"

"مجھے یقین تھا کہ تو ضرور آئے گا۔" مریم نے کہتے ہوئے اسے قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ "میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ میں نے تمہیں اپنا دودھ تو نہیں پلایا لیکن تمہارے لئے میرے دل میں ممتا جیسی تڑپ ہے۔"

"میں جانتا ہوں ماں جی۔ میں جانتا ہوں۔" شارق بولا۔

"اماں.... کون ہے؟" کمرے سے رضیہ کی آواز سنائی دی۔

مریم نے شارق کا نام لینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ شارق نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اونچی آواز میں میرا نام نہ لیں ماں جی۔ اندر چلیں۔"

وہ دونوں کمرے میں آ گئے۔ رضیہ شارق کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ بھی زار و قطار رو رہی تھی۔

"ہم سے ایسا کون سا جرم ہو گیا تھا جو آپ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے بھیا؟" رضیہ روتے ہوئے بولی۔

"جرم تو میرا تھا رضیہ۔" شارق نے کہا۔ "میری وجہ سے تم لوگوں کو ذلت و رسوائی کا جو سامنا کرنا پڑتا رہا ہے۔ اس پر مجھے افسوس ہے۔ صبح ماں جی سے میں اس لئے دامن چھڑا کر بھاگا تھا کہ میرا ایک دشمن بھی جیل کے دروازے پر موجود تھا۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں اور انہیں پولیس کی سرپرستی حاصل ہے۔ اب تک تو وہ لوگ صرف مجھے ہی پریشان کرتے رہے ہیں۔ لیکن مجھے شبہ تھا کہ ماں جی کو میرے ساتھ دیکھ کر وہ تم لوگوں کو بھی پریشان کرنا شروع نہ کر دیں۔ لیکن اب میں نے بندوبست کر لیا ہے۔ اب کوئی مائی کا لعل میری طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکے گا۔ اب میں چوبیس گھنٹے تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے میں نے تم لوگوں کے لئے بھی بندوبست کر لیا ہے۔ تم لوگ کل میرے ساتھ چلو گی۔"

"کہاں؟" مریم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں تم لوگوں کا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے باغبانپورہ میں ایک مکان کا بندوبست کر لیا ہے۔ کل رات تک اپنی ضروری چیزیں سمیٹ لینا۔ بہت ضروری چیزیں۔ زیادہ سے زیادہ ٹرنک۔ فالتو کوئی چیز نہیں۔ نئے گھر میں ہر چیز موجود ہو گی' اور یہاں کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم لوگ کہیں جا رہی ہو۔ میں کل رات دس اور گیارہ بجے کے درمیان آؤں گا۔ تم دونوں میرے ساتھ چلو گی۔"

"تو کیا ہمیں چوروں کی طرح یہ گھر چھوڑنا پڑے گا؟" مریم بولی۔

"کچھ عرصے کی بات ہے ماں جی۔ اس کے بعد ہم پھر یہیں آ جائیں گے۔" شارق نے کہا۔

"بات کیا ہے؟ تو مجھے بتاتا کیوں نہیں؟" مریم نے اسے گھورا۔

"آپ سب کچھ جانتی ہیں ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "بعض لوگ پولیس کے ساتھ مل کر بلاوجہ میرے دشمن بن گئے ہیں۔ میں چند روز کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ

aazzamm@yahoo.com

میری عدم موجودگی میں وہ لوگ آپ کو پریشان کریں گے۔ اس لئے میں نے اس مکان کا بندوبست کیا ہے۔ تاکہ وہ لوگ آپ دونوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ آپ لوگ کل رات دس بجے تک تیار رہئے۔"

"تھوڑی دیر تو بیٹھو نا بھیا۔ میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" رضیہ نے کہا۔

"اس نے تمہارے غم میں صبح سے کچھ نہیں کھایا شارق بیٹے۔" مریم نے اسے بتایا۔

"ماں۔ کھایا تو تم نے بھی کچھ نہیں۔ صبح سے رو رو کر ہلکان ہو رہی ہو۔" رضیہ بولی۔

شارق کے دل پر گھونسہ سا لگا۔ وہ باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھنے لگا۔

"اچھا' چلو تم روٹی پکاؤ۔ میں تم لوگوں کو کھلا کر جاؤں گا۔" شارق بولا۔

"روٹی تو میں نے شام کو پکائی تھی' لیکن نہ اس نے کچھ کھایا نہ میں نے۔ میں سالن گرم کرتی ہوں۔ تم بھی کچھ کھا لینا۔" مریم کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

مریم باورچی خانے میں چلی گئی اور شارق رضیہ سے باتیں کرتا رہا۔ اور پھر ان دونوں کے ساتھ اسے بھی تھوڑا بہت کھانا کھانا پڑا تھا اور جب وہ مکان سے باہر نکلا تو تین بج رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ان دونوں کو تاکید کی کہ کل رات دس بجے تک تیار رہیں اور دروازے سے باہر نکل کر تیز تیز قدموں سے تنگ و تاریک پر پیچ گلیوں میں چلنے لگا۔

جب وہ ریسٹورنٹ کے اوپر سہیل کے کمرے میں پہنچا تو سہیل قالین پر چادر بچھائے سو رہا تھا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سہیل نے پلنگ شارق ہی کے لئے خالی چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھے اور بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

ریسٹورنٹ کا کاروبار صبح چھ بجے شروع ہو جاتا تھا۔ سات بجے تک شاہد کاؤنٹر سنبھالتا تھا اور پھر سہیل ناشتہ کر کے نیچے چلا جاتا تھا۔ شارق اگرچہ تین ساڑھے تین بجے کے لگ بھگ سویا تھا مگر صبح ساڑھے چھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ سہیل اس وقت جاگ چکا تھا۔ شارق بھی منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو گیا۔ سات بجے انہوں نے اکٹھے ہی ناشتہ کیا اور ساڑھے سات بجے شارق' شاہد کو لے کر نکل گیا۔

جب وہ باغبانپورہ پہنچے تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ باغبانپورہ ٹیلی فون ایکسچینج بلڈنگ اور مین روڈ پر واقع وسیع و عریض کوٹھیوں کے عقب میں متوسط طبقے کی آبادی پر مشتمل وہ علاقہ صاف ستھرا تھا۔ وہ رکشہ سے اتر کر ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ وہ اس گلی کا تیسرا مکان تھا۔ شارق کے اندازے کے مطابق وہ مکان ایک کنال پر مشتمل تھا۔ مکان کے آگے دروازے کے دونوں طرف دیوار کے ساتھ مختصر کیاریاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ لیکن دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے پودے سوکھ

چکے تھے۔ شاہد نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ایک مختصر سا پختہ صحن تھا۔ اور کمرے تھے۔ ایک ڈرائنگ روم اور تین بیڈ رومز۔ کچن میں کیبنٹ بنے ہوئے تھے۔ تمام کمروں میں پنکھے اور مرکری ٹیوب لائٹس لگی ہوئی تھیں۔

"میں ہر مہینے یہاں آتا ہوں جی۔ صفائی وغیرہ کر کے جاتا ہوں۔ جو بل وغیرہ آتے ہیں وہ بھی دے جاتا ہوں۔ سہیل صاحب بل ہر مہینے باقاعدگی سے جمع کرواتے ہیں۔ تاکہ بجلی' گیس یا پانی کی لائن نہ کٹ جائے۔" شاہد نے بتایا۔

"میرا خیال ہے فرش اور دیواریں وغیرہ ذرا جھاڑنی ہوں گی۔" شارق بولا۔

"دس دن پہلے یہاں کی صفائی کر کے گیا تھا۔ پھر بھی تھوڑی بہت جھاڑ پونچھ تو کرنی ہو گی۔ پلنگ اور دوسرا فرنیچر بھی سیٹ کرنا پڑے گا۔ سارا فرنیچر اس کمرے میں بند پڑا ہے۔" شاہد نے بتایا۔

شارق نے وہ کمرہ کھلوا کر دیکھا۔ نیواڑی پلنگ' صوفے' کرسیاں' سینٹر ٹیبل اور گھر میں استعمال ہونے والا سارا فرنیچر موجود تھا۔

"ایسا کرو تم جھاڑ پونچھ کر لو۔ میں تھوڑا سا سامان لے آؤں۔ یہاں بازار کہاں ہے' جہاں ہر چیز مل سکے؟" شارق نے کہا۔

"مین روڈ سے تانگے پر بیٹھ جائیں۔ باغبان پورہ کا بازار بہت مشہور ہے۔ ہر چیز مل جائے گی آپ کو۔ آپ اطمینان سے جائیں جی' میں یہ ساری چیزیں سیٹ کر دوں گا۔ سہیل صاحب نے مجھے بتا دیا تھا۔ دس بجے تک منا بھی آ جائے گا۔ یوں منٹوں میں کام ختم ہو جائے گا۔" شاہد نے چٹکی بجائی۔

شارق مسکرا دیا۔ منا بھی ریسٹورنٹ کا ویٹر تھا۔ شارق' شاہد کو مکان میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ سامنے والے مکان کے دروازے پر دو عورتیں کھڑی تھیں۔ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔ شارق مین روڈ پر آ کر تانگے میں بیٹھ گیا۔

باغبانپورہ بازار بہت لمبا چوڑا تھا۔ اس کا ایک سرا شالامار باغ کی دیوار تک چلا گیا تھا۔ شارق بچپن میں دو تین مرتبہ ماں باپ کے ساتھ شالامار باغ کی سیر کو آیا تھا۔ مگر یہ بازار اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شاہد نے ٹھیک ہی کہا تھا' یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ بقول شخصے' سوئی سے ہاتھی تک دستیاب تھا۔

رات کو چھانگے نے نوٹوں کا جو بنڈل دیا تھا وہ شارق کی جیب میں تھا۔ وہ گھر کی ضرورت کی چیزیں خریدتا رہا۔ جب وہ لدا پھندا واپس پہنچا تو ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ مکان کے سامنے ایک

aazzamm@yahoo.com

ریڑا کھڑا تھا اور منا اور شاہد اس پر لدا ہوا فرج اتار رہے تھے۔ یہ وہی فرج تھا جو ریسٹورنٹ کے اوپر والے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ فرج اور شارق کا لایا ہوا سامان اندر پہنچا دیا گیا۔ شاہد کمروں کے فرش اور دیواروں کی جھاڑ پونچھ کر چکا تھا۔ ایک کمرے میں بھرا ہوا فرنیچر نکال کر صحن میں رکھنے لگے اور پھر تینوں مل کر فرنیچر صاف کرنے لگے۔ تین بیڈ رومز تھے۔ اس حساب سے پلنگ بھی تین تھے۔

جب وہ سارا سامان سیٹ کر کے نکلے تو سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ شارق نے دوپہر کا کھانا منا کو بھیج کر باغبانپورہ کے ایک ہوٹل سے منگوا لیا تھا۔ باہر نکلتے ہی شارق کی نظر اس عورت پر پڑ گئی جو سامنے والے مکان کے دروازے میں کھڑی تھی۔

"وے شاہد۔" اس نے شاہد کو آواز دی۔ وہ یقیناً اسے جانتی تھی۔ "کوئی نیا کرائے دار آیا ہے کیا؟"

"نہیں باجی۔" شاہد نے مڑ کر جواب دیا۔ "سہیل صاحب کی خالہ اور ان کی بیٹی آ رہی ہیں سیالکوٹ سے۔ اب وہ یہیں رہیں گی۔ یہ سہیل صاحب کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ لوگ ان کا خیال رکھئے باجی۔ ویسے میں بھی یہیں رہوں گا۔"

شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ سہیل نے واقعی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے اپنا فرج بھی بھجوا دیا تھا۔ شارق نے فرج آن کر دیا اور گوشت' دودھ اور کچی سبزیاں بھی لا کر فرج میں رکھ دی تھیں۔ کچن میں رکھے جانے والے نئے برتن بڑے سلیقے سے آراستہ کئے گئے تھے۔ ویسے اسے یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ شاہد یہیں رہے گا۔

سارے دن کے کام سے شارق بری طرح تھک گیا تھا۔ ریسٹورنٹ کے اوپر والے کمرے میں پہنچتے ہی وہ بستر پر گر گیا۔ تھوڑی دیر بعد سہیل بھی اوپر آ گیا۔

"سیٹ ہو گیا گھر؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے شارق کی طرف دیکھا۔

"ہاں' کوشش تو کی ہے کہ ضرورت کی ہر چیز ڈال دی جائے۔ اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہو گی تو خود ہی منگوالیں گی۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں نے شاہد سے کہہ دیا ہے' وہ کچھ دن وہیں رہے گا۔ جب وہ سیٹ ہو جائیں تو کسی ملازمہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ تم تو ظاہر ہے کسی اور ہی راستے پر چل نکلے ہو۔ اس کا مجھے افسوس ہی رہے گا۔" سہیل نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں نے شاہد کو ان کے بارے میں سمجھا دیا ہے کہ وہ میری خالہ ہیں۔ تم بھی ذرا ماں جی کو سمجھا دینا۔ ویسے انہیں وہاں کب لے جاؤ گے؟"

"آج رات۔" شارق نے جواب دیا۔ "شاہد کو شاید لے جاؤں گا۔"

"ہاں' لے جانا۔" سہیل نے سر ہلا دیا۔

تقریباً آٹھ بجے شارق وہاں سے نکل گیا۔ وہ سیدھا مزنگ پہنچا۔ چھانگا اپنے کاروبار میں مصروف تھا۔ لیکن وہ اپنا دھندہ جیرے کے حوالے کر کے فوراً ہی دوسرے کمرے میں آ گیا۔ وہاں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

"میں نے سارا بندوبست کر لیا ہے شارق باؤ۔" چھانگا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "اس ڈی ایس پی کا گھر گلشن راوی میں ہے۔ میں نے رات دو بجے اسے گھر سے نکالنے کا بندوبست کر لیا ہے۔ اسے اٹھا کر یہاں لے آئیں گے اور پھر وہ تمہارے رحم و کرم پر ہو گا۔"

"یہاں کوئی گڑبڑ تو نہ ہو جائے گی؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیسی گڑبڑ؟" چھانگا نے کہا۔ "تم چھانگا کو کیا سمجھتے ہو' زندگی اسی لین میں گزاری ہے۔ آؤ' میں تمہیں دکھاؤں۔"

وہ دونوں کمرے سے نکل کر احاطے کے ایک کونے میں واقع مزار کے گنبد میں آ گئے۔ یہ گنبد چھوٹی اینٹوں والے ایک چبوترے پر تعمیر تھا۔ چبوترہ زمین کی سطح سے تقریباً چار فٹ اونچا تھا اور اس پر چڑھنے کے لئے چھوٹی اینٹوں کی تین سیڑھیاں تھیں۔ کسی زمانے میں یہ گنبد بارہ دری کی طرح رہا ہو گا لیکن بعد میں دیواریں کھڑی کر کے اسے ایک کمرے کی شکل دے دی گئی تھی جس میں دروازہ بھی لگا ہوا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

گنبد کی چھت پر ایک بلب ٹنگا ہوا تھا۔ مگر اس کی روشنی ناکافی تھی۔ چبوترے کے وسط میں ایک قبر تھی۔ وہ قبر سنگ مرمر کی تھی اور چبوترے کی سطح سے تقریباً تین فٹ اونچی تھی۔ چھانگے نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈا چڑھا دیا اور دیوار پر لگے ہوئے ایک سوئچ بورڈ پر ایک سوئچ آن کر دیا۔ پھر قبر کے قریب چلا گیا اور قبر کے تعویذ کی کگر کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولنے لگا۔ جب اس نے ہاتھ ہٹایا تو قبر کا تعویذ کسی بہت بڑے صندوق کے ڈھکنے کی طرح اٹھتا چلا گیا۔

شارق حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ قبر کا تعویذ پوری طرح کھل گیا تھا۔

"آؤ شارق باؤ۔" چھانگا نے اشارہ کیا۔

شارق قبر کے قریب پہنچا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ قبر کے اندر نیچے اترنے کی سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں قبر میں اتر گئے۔ نیچے وسیع و عریض تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے میں بھی بلب جل رہا تھا۔ ایک طرف لکڑی کی بہت سی پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان پیٹیوں میں مختلف قسم کا اسلحہ اور ایمونیشن بھرا ہوا تھا۔ ان پیٹیوں کے قریب ہی شیشے کے دروازے والی

aazzamm@yahoo.com

بہت بڑی الماری تھی جن میں ہیروئن کے لاتعداد پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔

"یہ سب افغان مہاجروں کی مہربانی ہے شارق باؤ۔" چھانگا نے الماری اور پیٹیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تہہ خانہ کئی سال پہلے میں نے بنوایا تھا۔ بڑا پیسہ لگا تھا اس پر۔ اس کے بارے میں صرف مجھے اور جیرا کو معلوم ہے۔ تیسرے آدمی تم ہو۔ جب لوگ ہیروئن اور ناجائز اسلحہ کے بارے میں شور مچاتے ہیں تو پولیس اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے چھاپے مارنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں بھی کئی مرتبہ چھاپے پڑ چکے ہیں' لیکن پولیس کو یہاں سے کبھی ہیروئن کی ایک پڑیا بھی نہیں ملی۔ اس تہہ خانے میں کسی کو لاکر ذبح بھی کر دیا جائے تو باہر کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

شارق حیرت سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ وہ چھانگا کے ساتھ تقریباً آدھے گھنٹے تک تہہ خانے میں رہا۔ چھانگا اسے مختلف اسلحہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ شارق کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس اسلحہ میں پستول' ریوالور اور آٹومیٹک رائفلوں کے علاوہ راکٹ تک موجود تھے۔

وہ تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ شارق نے رات کا کھانا چھانگا ہی کے ساتھ کھایا اور پھر ساڑھے نو بجے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس نے ٹھیک ایک بجے واپس آنے کو کہا تھا۔ چوک پر آ کر اسے فوراً ہی رکشہ مل گیا۔ اس طرح شارق جب ریسٹورنٹ پہنچا تو دس بج چکے تھے۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھی۔ وہ شاہد کو لے کر فوراً ہی مریم کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مریم اور رضیہ تیار بیٹھی تھیں۔ شارق کی ہدایت کے مطابق انہوں نے صرف دو سوٹ کیس تیار کئے تھے جن میں کپڑے اور انتہائی ضرورت کی چیزیں رکھی تھیں۔ اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ گلی میں اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ شارق اور شاہد دونوں سوٹ کیس اٹھا کر مکان سے نکلے اور سامنے والی گلی میں داخل ہو گئے۔ مریم نے دروازے کو تالا لگاتے ہوئے حسرت بھری نگاہوں سے مکان کی طرف دیکھا اور رضیہ کا ہاتھ تھام کر ان کے پیچھے گلی میں داخل ہو گئی۔

گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے انہیں لوہاری گیٹ سے کافی آگے مین روڈ پر آنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔ وہاں ایک دو ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ شارق نے ایک ٹیکسی میں سامان رکھوایا اور وہ چاروں اندر بیٹھ گئے۔ شاہد آگے بیٹھا تھا اور شارق پچھلی سیٹ پر مریم اور رضیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ شارق نے ڈرائیور کو ریلوے اسٹیشن چلنے کو کہا تھا۔

ٹیکسی جیسے ہی ریلوے اسٹیشن کے سامنے رکی کئی قلی ان کی طرف جھپٹے تھے مگر شارق نے

قلیوں کو منع کر دیا اور سامان اتروا کر ٹیکسی کو رخصت کرنے کے بعد انکوائری آفس کی طرف چلا گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ واپس آیا اس نے ایک اور ٹیکسی روکی اور سامان لاد کر اس میں سوار ہو گئے۔ اس ڈرائیور کو اس نے باغبان پورہ چلنے کو کہا تھا۔ یہ سب کچھ شارق نے احتیاط کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ جب وہ باغبانہ پورہ پہنچے تو بارہ بج رہے تھے۔

"اچھا ماں جی۔" شارق نے سامان اندر رکھوانے کے بعد کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔ ایک دو دن میں ملاقات ہو گی۔ یہ شاہد یہیں رہے گا۔ کوئی بھی ضرورت ہو' کوئی بھی بات ہو اس سے کہہ دیجئے گا۔"

"شارق ان سے رخصت ہو کر جب مزنگ پہنچا تو ایک بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ چھانگا کے تین آدمی تیار کھڑے تھے۔ ان میں جیرا بھی تھا۔ وہ شارق ہی کا انتظار کر رہے تھے۔ چھانگا نے شارق کے ہاتھ میں ایک پستول تھما دیا۔

"یہ رکھ لو۔ شاید ضرورت پڑ جائے۔ میگزین بھرا ہوا ہے۔" چھانگا نے کہا۔

"مگر مجھے تو پستول چلانا نہیں آتا۔" شارق نے کہا۔

"تو یہ کونسا مشکل ہے۔ ابھی بتا دیتا ہوں۔" چھانگا نے کہتے ہوئے پستول کا میگزین نکال لیا اور اسے پستول کے استعمال اور سیفٹی کیچ وغیرہ کے بارے میں سمجھانے لگا۔ پھر میگزین فٹ کر کے پستول اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "ان سب کے پاس اپنا اپنا اسلحہ موجود ہے۔ اب تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔"

وہ طویلے سے باہر آ گئے۔ ایک شیراڈ کار کھڑی تھی۔ جیرا اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ شارق ساتھ والی سیٹ پر اور دوسرے دونوں آدمی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کار فوراً ہی حرکت میں آ گئی۔ سڑکوں پر ٹریفک برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ جیرا کو تیز رفتاری سے کار چلانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

سمن آباد موڑ پر پہنچ کر اس نے کار گلشن راوی کی طرف موڑ دی۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے گاڑی سڑک کے کنارے پر روک لی۔ اس سے ذرا آگے گلشن راوی کی آبادی تھی۔ یہ علاقہ تقریباً دو سال پہلے آباد ہونا شروع ہوا تھا اور ابھی بیشتر علاقے میں تعمیراتی کام جاری تھا۔ متوسط طبقے کے لوگوں نے تو اپنی حیثیت کے مطابق مکان بنوا لئے تھے اور دولت مندوں نے بڑی عالیشان کوٹھیاں بنوائی تھیں۔

"یہاں ڈی ایس پی کی اپنی کوٹھی ہے۔ وہ یہیں رہتا ہے۔ اسے ٹھیک دو بجے گھر سے نکل آنا چاہئے۔" جیرے نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ابھی دو بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔

aazzamm@yahoo.com

وہ سب کار سے اتر کر ایک مکان کی دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ سمن آباد موڑ سے یہاں تک سڑک کے کنارے صرف ایک کھمبے پر بلب جل رہا تھا۔ باقی تمام کھمبوں کے بلب یا تو ٹوٹ چکے تھے یا فیوز ہو چکے تھے۔

نالے کے دوسری طرف کافی دور ایک گاڑی کی ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دی۔ اس وقت وہ گاڑی ایک موڑ گھوم رہی تھی۔ موڑ پر اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں وہ گاڑی نظر آ گئی وہ پولیس کی جیپ تھی۔

"شاکر... جلدی کرو۔" جیرا نے اپنے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے کہا۔

شاکر دوڑ کر سڑک پر لیٹ گیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی گاڑی اسے ٹکر مار کر چلی گئی ہو۔ شارق کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور ہاتھ نمایاں طور پر کانپ رہا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ ہاتھ میں پستول پکڑا تھا۔

جیپ سڑک پر رک گی۔ اس میں صرف دو آدمی تھے۔ ایک ڈرائیور اور دوسرا ڈی ایس پی۔ وہ دونوں وردی میں تھے۔ جیپ رکتے ہی ڈرائیور نیچے اتر کر سڑک پر پڑے ہوئے شاکر کی طرف بڑھا۔ وہ جیسے ہی شاکر کے قریب پہنچا' شارق اور جیرا وغیرہ پستول تانے جیپ کی طرف دوڑے۔ ان سب کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ ٹھیک اسی لمحے سڑک پر پڑا ہوا شاکر بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ پولیس ڈرائیور خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ شاکر نے پستول کا دستہ زور سے اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ ڈرائیور چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ڈی ایس پی نے بڑی تیزی سے جیپ سے چھلانگ لگا دی اس کے ساتھ ہی اس نے ہولسٹر میں لگے ہوئے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ مگر شارق اس سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر پستول کی نال اسکی کنپٹی سے لگا دی۔ اسی کے ساتھ اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"حرکت کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔ ہاتھ اٹھا لو۔"

"کون ہو تم لوگ؟" ڈی ایس پی ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔

شارق نے دوسرے ہاتھ سے اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

"چلو اس کار میں بیٹھو۔" شارق غرایا۔ شاکر اور دوسرے ساتھی نے بھی ڈی ایس پی پر پستول تان لئے تھے۔ ڈرائیور بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ڈی ایس پی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔ جیرا نے کار کے ڈیش بورڈ کے خانے سے ہتھکڑی کا جوڑا نکال کر ڈی ایس پی کے ہاتھ پشت پر کئے اور ان میں ہتھکڑی

ڈال دی اور وہ تینوں اسے دھکیلتے ہوئے کار کی طرف آ گئے۔

ان کی یہ کارروائی دو منٹ میں مکمل ہو گئی۔ تیسرا منٹ شروع ہوتے ہی کار بڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔ ڈی ایس پی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔

انہیں اپنے اڈے تک پہنچنے میں چالیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ڈی ایس پی کی آنکھوں کی پٹی تہہ خانے میں پہنچنے کے بعد کھولی گئی تھی۔ تہہ خانے میں صرف چھانگا اور شارق تھے۔

"تم لوگ جو کوئی بھی ہو' قانون کی زد سے بچ نہیں سکو گے۔" ڈی ایس پی نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک ڈھاٹا بندھا ہوا تا۔ چھانگا نے بھی کپڑے میں منہ چھپا لیا تھا۔

شارق نے اپنے چہرے سے ڈھاٹا اتار دیا۔

"مجھے پہچانتے ہو؟" وہ ڈی ایس پی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "اگر نہیں پہچان پائے تو آج سے گیارہ سال پیچھے چلے جاؤ۔ جب تم نے ایک بارہ سالہ بے گناہ لڑکے کو اس کے ماں باپ کے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا دلوائی تھی۔

ڈی ایس پی گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے شارق کو پہچان لیا تھا۔

○

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

"پہچانا نہیں مجھے۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے پہچان بھی کیسے سکتے ہو۔ بات گیارہ سال پرانی ہو چکی ہے۔ اس وقت میں بچہ تھا اور تم ایک انسپکٹر....خدمت' دیانت اور فرض کی پیشانی پر بدنما داغ۔"

"کون ہو تم؟" ڈی ایس پی بولا۔ "تم جو کوئی بھی ہو مجھے اغوا کر کے اچھا نہیں کیا' تم قانون سے کبھی نہیں بچ سکو گے۔"

"قانون تمہارے باپ کی جاگیر ہے نا جسے اب تک تم اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے رہے ہو' لیکن اب تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ تمہاری یہ وردی...."

شارق نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ وردی تمہیں شہریوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور قانون کی بالادستی قائم رکھنے کے لئے دی گئی تھی لیکن.....تم نے اس وردی کے تقدس کو پامال کیا۔ قانون نے تمہیں غنڈوں' بدمعاشوں اور معاشرے کے ناپسندیدہ عناصر سے نمٹنے کے لئے کچھ اختیارات دیئے تھے لیکن غنڈوں' بدمعاشوں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کو تو تم نے ہمیشہ تحفظ فراہم کیا۔ ان کی سرپرستی کرتے رہے اور وہ اختیارات شریف لوگوں کے خلاف استعمال کرتے رہے' ان کی پگڑیاں اچھالتے رہے' انہیں سربازار ننگا کرتے رہے اور آج تم مجھے اسی قانون کی دھمکی دے رہے ہو۔ لیکن تمہارا قانون آج تمہیں نہیں بچا سکے گا۔"

"تم کون ہو؟" ڈی ایس پی نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ وہ شارق کو پہچان نہیں سکا تھا لیکن اس کے چہرے کے خوفناک تاثرات نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔

"گیارہ سال پہلے کی وہ رات یاد کرو جب باد و باراں کا طوفان قیامت بن کر اس شہر پر ٹوٹ پڑا تھا۔ باد و باراں کے اس طوفان میں ایک اور طوفان بھی آیا تھا جس نے ایک ہنستا بستا گھر اجاڑ دیا تھا۔ لوہاری دروازے کے اندر کوچہ لالہ ہرنام داس میں رہنے والے ایک پھل فروش اور اس کی بیوی کو نقاب پوشوں نے ان کے گھر میں گھس کر خنجروں کے پے در پے وار کر کے بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ان کا کمسن بیٹا یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو بچانے کی کوشش کی تو قاتلوں نے اسے بھی قتل کر دینا چاہا مگر اس نے چھپ کر اپنی

جان بچا لی۔ وہ کمسن اور معصوم بچہ ان قاتلوں سے تو بچ گیا مگر تم جیسے راشی اور ایمان فروش پولیس آفیسر نے اس کی زندگی برباد کر دی۔ اس کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر کے اسے قاتل ثابت کر دیا۔ اپنے ماں باپ کا قاتل..... اور اسے عمر قید کی سزا دلوا کر جیل بھجوا دیا۔ وہی بچہ آج تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ گیارہ سال پہلے وہ بچہ خاموش تھا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی' ہونٹ سل گئے تھے لیکن آج اسے زبان بھی مل گئی ہے اور ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی کہ اپنے ماں باپ کے قاتلوں کی گردن مروڑ سکے۔" شارق خاموش ہوگیا۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"تت.....تم تم....شفاعت علی کے بیٹے ہو۔ وہ....وہ جس کی بھائی گیٹ پر پھلوں کی دکان تھی؟" ڈی ایس پی بولا۔ اس کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑ گیا تھا۔

"شکر ہے تم نے پہچان تو لیا۔" شارق بولا۔

"م.....میں بے گناہ ہوں۔" ڈی ایس پی بولا۔ "اس وقت شہادتیں تمہارے خلاف تھیں۔ خون آلود خنجر تمہارے ہاتھ میں تھا۔ تم نے عدالت میں بھی اپنی صفائی میں زبان نہیں کھولی تھی۔ تمہیں سزا کا فیصلہ عدالت نے سنایا تھا۔ میں نے نہیں...."

"لیکن میرے خلاف سارے گواہ تو تم نے عدالت میں پیش کئے تھے۔ وہ لوگ بھی تمہاری طرح ایمان فروش تھے۔ وہ بھی بک گئے تھے جیسے تم بک چکے تھے۔ مجھے اس وقت بھی معلوم تھا اور اب بھی جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ تم نے سلمان ایڈووکیٹ کے کہنے پر کیا تھا۔ آج تم میرے قدموں میں پڑے ہو۔ کل سلمان ایڈووکیٹ بھی اسی طرح میرے قدموں میں پڑا ہو گا۔ میں اپنے باپ کے قاتلوں اور اپنے دشمنوں کو چن چن کر ختم کر دوں گا۔ کوئی میرے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔"

"تت....تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" ڈی ایس پی ہکلایا۔ "میں تمہارے ماں باپ کا قاتل نہیں ہوں۔"

"لیکن تم انہیں گرفتار تو کر سکتے تھے۔" شارق غرایا۔ "مگر تم انہیں کیسے پکڑتے۔ تم تو چند ہزار روپوں کے عوض اپنا ایمان بیچ چکے تھے۔ اپنے آپ کو بیچ چکے تھے۔ آج تمہارے پاس پہلے سے زیادہ اختیارات ہیں لیکن تمہاری یہ وردی اور تمہارے کندھوں پر چمکتے ہوئے یہ اسٹار تمہیں میرے انتقام سے نہیں بچا سکیں گے۔ میں تمہیں اس طرح سسکا سسکا کر ماروں گا کہ تمہیں موت بھی نہیں آئے گی۔"

"م....میں بے گناہ ہوں۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہارے نقصان کی تلافی کر دوں گا۔ جتنی دولت چاہو مجھ سے لے لو۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں گا کہ سلمان

aazzamm@yahoo.com

ایڈووکیٹ کہاں ہے۔ اس نے تمہارے ماں باپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ وہ اس مکان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ میں لالچ میں آ گیا تھا....مجھے معاف کر دو۔"

"حیرت ہے۔" شارق نے کہا۔ "پولیس کا اتنا بڑا اور بااختیار آفیسر ایک معمولی سے شخص سے معافی مانگ رہا ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر تم میرے ماں باپ کو واپس لا دو....میری زندگی کے گیارہ سال لوٹا دو تو میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔"

"یہ....یہ ممکن نہیں ہے۔" ڈی ایس پی بولا۔

"تو پھر تیار ہو جاؤ۔" شارق کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "تم نے مکافات عمل کے بارے میں تو ضرور سنا ہو گا۔ آج مکافات عمل کا وقت آن پہنچا ہے۔ تم زندگی بھر بے گناہ اور معصوم لوگوں کو ظلم کا نشانہ بناتے رہے' ان پر تشدد کرتے رہے' ان کے گھروں کو اجاڑتے رہے۔ آج تمہاری باری ہے بتاؤ سلمان کہاں ہے؟ وہ کہاں روپوش ہے؟" شارق نے خاموش ہوتے ہی پیر کی ایک بھرپور ٹھوکر اس کی پسلیوں پر مار دی۔

ڈی ایس پی کراہتا ہوا دائیں طرف لڑھک گیا۔ شارق نے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی یہ ٹھوکر پہلے سے زیادہ زور دار تھی۔ ڈی ایس پی بلبلا اٹھا۔

"تم جتنا چاہو چیخ لو۔ تمہاری آواز اس تہہ خانے سے باہر نہیں جائے گی۔ کوئی تمہاری مدد کو یہاں نہیں آئے گا۔" شارق غرایا۔

وہ ڈی ایس پی پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کرتا رہا اس دوران چھانگا خاموشی سے ایک طرف کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس نے ابھی تک ان دونوں کے معاملے میں مداخلت کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"یہ پیٹیاں دیکھ رہے ہو؟" شارق نے اسلحہ کی پیٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ان پیٹیوں میں اسلحہ بھرا ہوا ہے اور ان الماریوں میں ہیروئن کے پیکٹ سجے ہوئے ہیں۔ مجھے یہاں تک پہنچانے والے تم اور تم جیسے لوگ ہیں۔ اب میں وہی بن گیا ہوں جو تم لوگ مجھے بنانا چاہتے تھے۔"

شارق نے ایک بار پھر اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ڈی ایس پی کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ شارق کا ہر گھونسہ اور ہر ٹھوکر اسے بلبلانے پر مجبور کر دیتے۔

"شارق باؤ۔" چھانگا نے پہلی مرتبہ مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "آج کے لئے اتنا کافی ہے۔ موٹا تازہ آدمی ہے قبر تک جانے میں کئی دن لگیں گے اسے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو چھانگا۔" شارق نے کہا۔ "اسے اس ستون کے ساتھ باندھ دیں۔ اس کی

زندگی اسی تہہ خانے میں پوری ہو گی۔"

ان دونوں نے اسے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ شارق نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں کسی طرح رسی کی بندشیں نہ کھول سکے۔

"سلمان ایڈووکیٹ کہاں روپوش ہے۔ مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔" شارق ایک بار پھر اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"وہ.....وہ فیصل آباد میں ہے۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا۔

"مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسکا پتہ جانتے ہو گے۔ کیونکہ اس قسم کے آدمی تم جیسے لوگوں کے لئے آمدنی کا مستقل ذریعہ ہوتے ہیں۔ تم یقیناً اسے بھی بلیک میل کرتے رہے ہو اور تمہیں اس کا پتہ معلوم ہو گا۔"

"وہ پیپلز کالونی میں رہتا ہے۔ رحمانیہ مسجد کے قریب' مجھے اس کے مکان کا نمبر معلوم نہیں ہے۔ وہ اس کے سالے کا مکان ہے۔ وہ خود بہت کم گھر سے باہر نکلتا ہے۔ اس علاقے کے لوگ اسے نہیں جانتے۔"

"اس کے سالے کا نام کیا ہے' وہ کیا کرتا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اس کی صابن سازی کی فیکٹری ہے اس کا نام غلام نبی ہے۔ رحمانیہ مسجد کے آس پاس کسی سے بھی پوچھو گے تو تمہیں اس کے گھر کا پتہ چل جائے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"بڑی معلومات رکھی ہیں تم نے اپنے شکار کے بارے میں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی جلد ہی یہاں تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

شارق نے چھانگے کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ مزار کے گنبد سے نکل کر ایک کمرے میں آ گئے۔

"اب سو جاؤ شارق باؤ۔ صبح دیکھنا شہر میں کیا ہنگامہ مچتا ہے۔" چھانگا نے کہا۔

شارق کوئی جواب دیئے بغیر فرش پر بچھی ہوئی دری پر لیٹ گیا۔ اس نے ایک تکیہ کھینچ کر اپنے سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔ چھانگا کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا اور شارق تنہا دری پر لیٹا صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا۔ جیل سے نکلنے کے بعد شیرا پہلوان نے اور پولیس نے اسے جرائم کی دنیا کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ گو وہ ان طاغوتی قوتوں کے سامنے بھرپور مزاحمت کرتا رہا تھا مگر اپنے آپ کو نہیں بچا سکا تھا اور آج وہ جرائم کی دنیا میں پہلا قدم رکھ چکا تھا۔ اسے اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ اگر وہ چاہے بھی تو واپس نہیں پلٹ سکتا تھا۔ واپسی کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ چھانگا نے محض ہمدردی کی بنا پر اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ اچھی

aazzamm@yahoo.com

طرح جانتا تھا کہ چھانگا اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ چھانگا جیسے لوگ بلامقصد کسی کی مدد نہیں کیا کرتے۔ وہ اگر واپس بھی جانا چاہے گا تو چھانگا دیوار بن کر اس کا راستہ روک لے گا۔

باہر گمبھیر سناٹا تھا اور اس سناٹے میں کبھی کبھار کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دے جاتی۔ شارق پہلے ایک دو مرتبہ تو اس آواز پر چونکا تھا لیکن پھر وہ ان آوازوں کا عادی ہو گیا۔

چھانگا کا اصل کام تو وہی تھا جس میں اب شارق بھی شریک ہو گیا تھا لیکن یہ اڈہ تانگوں کا طویلہ تھا۔ اس احاطے میں کم و بیش تیس پینتیس تانگے تھے جو سب کے سب چھانگا کی ملکیت تھے۔ کوچوان یہاں سے تانگے کرائے پر حاصل کر کے دن بھر شہر میں چلاتے۔ ان کوچوانوں میں سے بیشتر چھانگے کے ایجنٹ تھے جو کوچوانی کے ساتھ ہیروئن بھی فروخت کرتے۔

صبح ساڑھے چار بجے طویلے میں کوچوانوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی کوچوان آتا اور اپنا تانگہ تیار کر کے لے جاتا۔ شارق دری پر لیٹا یہ آوازیں سنتا رہا اور پھر اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔

شارق کی آنکھ کھلی تو صبح کے دس بج چکے تھے۔ اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس مختصر سے کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر تک دری پر لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ کچھ ہی فاصلہ پر ایک کشادہ چبوترہ تھا جس پر چٹائیوں کا سائبان سا بنا ہوا تھا۔ بارہ فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ یہ دراصل ایک قبر کا چبوترہ تھا۔ کسی زمانے میں اس چبوترے کے وسط میں ایک قبر ہوا کرتی تھی لیکن اب قبر کا نام و نشان مٹ چکا تھا اور یہ چبوترہ بارہ دری کا کام دیتا تھا۔ اکثر کوچوان اور چھانگا کے آدمی یہاں بیٹھے گپ شپ کرتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی تین چار آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں دو تو کوچوان تھے اور دو چھانگا کے آدمی۔ جن میں ایک جیرا بھی تھا۔ وہ چاروں تاش کھیل رہے تھے۔ شارق کو دیکھ کر جیرا نے وہیں سے آواز لگائی۔

"آؤ شارق باؤ.... بڑا سوئے تم۔"

"ہاں' رات کو دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔" شارق نے کہا۔ "پانی کہاں ہے۔ مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے۔"

"مزار کے پچھلی طرف نلکا ہے اسی طرف چلے جاؤ۔" جیرا نے اشارہ کیا۔

شارق مزار کے دوسری طرف چلا گیا جہاں ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا تھا۔ حوض کے کنارے پر ہینڈ پمپ بھی لگا ہوا تھا۔ ایک آدمی حوض پر ایک گھوڑی کو نہلا رہا تھا۔ شارق پمپ کے قریب

حوض کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"میں پمپ چلاتا ہوں شارق باؤ' تم آرام سے منہ ہاتھ دھو لو۔" وہ آدمی گھوڑے کو چھوڑ کر شارق کے قریب آ گیا اور ہینڈ پمپ چلانے لگا۔

شارق نے ایک نظر اس آدمی کی طرف دیکھا اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ چبوترے کی طرف آ گیا جہاں جیرا وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"ناشتہ کیا کرو گے شارق باؤ؟ مزنگ کے پائے بڑے مشہور ہیں نان اور پائے۔ مزہ آ جاتا ہے۔ ویسے اگر تم چاہو تو لسی' قلچہ' ڈبل روٹی' مکھن انڈا جو چاہو منگوایا جا سکتا ہے۔" جیرا نے کہا۔

"مکھن ڈبل روٹی اور چائے منگوا لو۔" شارق نے کہا۔ "چھانگا کہاں ہے؟"

"وہ باغبانپورے گیا ہے۔ نکے پہلوان نے آدمی بھیجا تھا اسے بلانے کے لئے۔" جیرا نے جواب دیا اور جیب سے پچاس کا نوٹ نکال کر ایک آدمی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "جا اوئے! شارق باؤ کے لئے ناشتہ لے کر آ.... چائے فل سیٹ لے کر آنا ہم بھی پی لیں گے۔ بیٹھ جاؤ شارق باؤ۔" آخر میں اس نے شارق کو اشارہ کیا۔

شارق وہیں دری پر بیٹھ گیا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ آدمی ناشتہ لے کر آ گیا۔ شارق نے وہیں بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ ان کے چاروں طرف گھوڑوں کی لید اور بو پھیلی ہوئی تھی۔ مگر شارق اطمینان سے ناشتہ کرتا رہا۔

"یہ نکا پہلوان کون ہے' اس کا نام چھوٹا پہلوان تو نہیں؟" شارق نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"چھوٹا پہلوان تو بڑا لیچڑ آدمی ہے۔" جیرا نے کہا "نکا پہلوان بڑا جی دار آدمی ہے' یاروں کا یار ہے۔ یہاں آتا رہتا ہے۔ تم اس سے مل کر خوش ہو گے۔ چھانگے سے بڑی دوستی ہے اس کی۔ اس کی جی داری کا اندازہ تم اس بات سے لگا لو کہ کئی مرتبہ پولیس مقابلے ہوئے ہیں لیکن وہ آج تک پولیس کے ہاتھ نہیں آیا۔"

"اور ہاں...." شارق جیسے اچانک کچھ یاد آنے پر بولا۔ "تمہارے مہمان کا کیا حال ہے؟"

"پڑا ہو گا کہیں کونے میں۔" جیرا نے کہتے ہوئے اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ دوسروں کے سامنے ڈی ایس پی کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ویسے شارق باؤ۔ آج شہر میں بڑی گرما گرمی ہے۔ بڑی پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔" جیرا نے کہا۔

"کیوں؟ کوئی خاص بات؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا حالانکہ وہ جیرا کا

aazzamm@yahoo.com

مطلب اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"سنا ہے رات کو کسی ڈی ایس پی کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔ پولیس اس ڈی ایس پی کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے۔ کئی آدمیوں کو پکڑ کر بند کر دیا گیا ہے۔"

"یہاں تو چھاپے کا خطرہ نہیں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"خطرہ تو ہے شارق باؤ لیکن یہاں پولیس کو کیا ملے گا۔" جیرا نے جواب دیا۔ "ویسے احتیاط بڑی ضروری چیز ہے۔ چھانگا نے سارے آدمیوں کو ادھر ادھر کر دیا ہے۔ میں بھی تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں گوجرانوالہ جا رہا ہوں۔ تم بھی ایک دو دن ادھر ادھر ہو جاؤ اور یہ اپنے پاس رکھ لو۔ چھانگا دے گیا تھا۔" اس نے دو ہزار روپے کے نوٹ شارق کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

"اور اس کا کیا ہو گا؟" شارق نے جیرا کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

"وہ دو دن بھوکا رہے گا تو مر نہیں جائے گا۔ تم اس کی فکر مت کرو۔" جیرا نے کہا۔ اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق طویلے سے نکل رہا تھا۔ گلی میں موٹروں کے تمام ورکشاپ کھلے ہوئے تھے۔ لوگ معمول کے مطابق اپنے کام دھندوں میں مصروف تھے۔ شارق گلی سے نکل کر چوک پر آ گیا۔ ایک تانگے پر چار سواریاں بیٹھی ہوئی تھیں اور تانگے والا اسٹیشن اسٹیشن.....کی آوازیں لگا رہا تھا۔ شارق اگلی سیٹ پر دو آدمیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک اور آدمی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شارق نے مڑ کر دیکھا وہ جیرا تھا۔

جیرا راستے ہی میں کسی جگہ اتر گیا شارق اسٹیشن تک تانگے میں بیٹھا رہا۔ اسٹیشن پر تانگے سے اتر کر وہ سیڑھیوں والا پل عبور کر کے ریلوے اسٹیشن کے پچھلی طرف جی ٹی روڈ پر آ گیا یہاں باغبانپورہ کی طرف جانے والے تانگوں کی لین لگی ہوئی تھی۔ وہ سب سے آگے والے تانگے میں بیٹھ گیا اور کچھ ہی دیر بعد چھ سواریاں پوری ہو جانے پر تانگہ حرکت میں آ گیا۔

شارق سنگھ پورہ کے موڑ پر اتر گیا۔ یہاں سے ایک سڑک سنگھ پورہ کی طرف چلی گئی تھی۔ اور دوسری مغلپورہ ریلوے ورکشاپ کی طرف۔ اس سڑک کے موڑ پر ایک چھوٹا سا مزار تھا جس پر ہرے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ دھوپ تیز تھی کچھ لوگ اس مزار کے قریب ٹاہلی کے ایک درخت کے سائے میں کھڑے تھے۔ شارق سڑک پار کر کے کچھ دیر اس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور جب اسے اطمینان ہو گیا کہ کسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا تو وہ مغلپورہ ریلوے ورکشاپ کی طرف جانے والی سڑک پر چل پڑا۔ اس سڑک کے دائیں طرف ایک چھوٹا سا میدان' اس سے ملحق روئی پلانٹ اور اس سے آگے گندے پانی کا وسیع و عریض جوہڑ تھا۔ اور بائیں طرف وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ شارق انہی کوٹھیوں کے درمیان ایک گلی میں گھس گیا۔ اور پھر بل کھاتی

ہوئی گلیوں سے ہوتا ہوا ٹیلی فون ایکس چینج کے پیچھے کسی گلی میں داخل ہو گیا۔ گلی کے تیسرے مکان کے سامنے رک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

دروازہ شاہد نے کھولا تھا وہ شارق کو دیکھتے ہی دروازے سے ہٹ گیا۔

"کون ہے شاہد بیٹا؟" اندر سے مریم کی آواز سنائی دی۔

"شارق بھائی آئے ہیں ماں جی۔" شاہد نے جواب دیا۔

شارق ابھی نصف صحن میں تھا کہ مریم کمرے سے نکل آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر شارق کو گلے سے لگا لیا اور پھر اس کی پیشانی پر بوسے دینے لگی۔

"ماں جی! شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ تو یوں چوم رہی ہیں جیسے میں بہت عرصہ بعد پردیس سے آیا ہوں۔"

"تم جتنی دیر میری آنکھوں سے اوجھل رہتے ہو جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے بیٹا۔" مریم نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

"اب میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "اب شارق نہ تو اتنا بزدل ہے اور نہ ہی کمزور کہ جس کا دل چاہے آ کر ٹھوکریں مارنا شروع کر دے۔"

"ان چند روز میں کوئی خاص بات ہو گئی ہے بیٹا؟" مریم نے پوچھا۔

"ماں جی' یہاں ہمیشہ کمزوروں اور بے بسوں کو دبایا جاتا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "طاقتور کو لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں یا یوں کہئے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔ اب میرے ہاتھ میں بھی ایک لاٹھی آ گئی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "رضیہ کہاں ہے؟ اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی؟"

"پڑوسیوں کی لڑکی سے اس کی دوستی ہو گئی ہے۔" مریم نے بتایا۔ "رضیہ کی ہم عمر ہے۔ وہ صبح ملنے کے لئے آئی تھی۔ رضیہ کے ساتھ بازار گئی ہے کچھ چیزیں لینے کے لئے' بس آنے ہی والی ہو گی۔"

"میں نے رات کو جو باتیں آپ کو سمجھائی تھیں وہ آپ نے رضیہ کو بھی سمجھا دی ہیں نا؟" شارق نے کہا۔

"ہاں بیٹا میں نے رضیہ کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ وہ سمجھ دار لڑکی ہے یہاں کوئی ایسی ویسی بات نہیں کرے گی۔" مریم نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ شاہد چائے لے کر آ گیا۔ اس نے ایک ایک کپ دونوں کے سامنے رکھ دیا اور قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"تم یہاں بور تو نہیں ہو رہے؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں شارق بھائی۔" شاہد نے جواب دیا۔ "یہاں مامی جی کے پاس کون رہ کر بور ہو سکتا ہے اور پھر رضیہ بہن ہیں۔ آپ تو دنیا کے سب سے خوش قسمت انسان ہیں۔ ایسے پیار کرنے والی ماں اور ایسی جان چھڑکنے والی بہن۔ میں کل رات سے ان کی باتیں سن رہا ہوں۔ دونوں کی زبان پر آپ ہی کا ذکر رہتا ہے۔"

"ہاں شاہد۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ایسی پیار کرنے والی ہستیاں خوش قسمت لوگوں ہی کو ملتی ہیں۔"

"سچ کہتے ہو شارق بھائی۔" شاہد گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

شاہد فیصل آباد کا رہنے والا تھا۔ وہ میٹرک پاس تھا۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چند سال پہلے اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ باپ نے تو دوسری شادی کر لی۔ اس عورت کا اپنا بھی ایک بیٹا تھا۔ اس نے شاہد کے ساتھ روایتی سوتیلی ماں کا سلوک شروع کر دیا۔ باپ جو شاہد پر جان چھڑکتا تھا وہ بھی اس سے لاپرواہ ہو گیا۔ شاہد نے سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی کی مار پیٹ سے تنگ آ کر بالآخر ایک روز گھر چھوڑ دیا۔ وہ ایک سال تک ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھاتا رہا پھر سہیل کے ہوٹل میں ملازم ہو گیا۔ سہیل کا رویہ عام لوگوں سے مختلف تھا۔ وہ یہاں آ گیا اور اپنی شرافت اور ایمانداری کی وجہ سے اس نے جلد ہی سہیل کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اس کی وجہ سے سہیل کو بھی کچھ سہولت مل گی تھی۔ کئی مرتبہ کام کے سلسلے میں سہیل کو دو تین روز کے لئے شہر سے باہر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ ایسے موقعوں پر شاہد ہی ہوٹل کا سارا کام سنبھالتا تھا اور اس نے کبھی ایک پیسے کی بے ایمانی نہیں کی تھی۔ اس کی شرافت اور ایمانداری کی وجہ سے ہی سہیل نے اسے یہاں بھیج دیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد رضیہ آ گئی۔ شارق کو دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کے ساتھ پڑوسیوں کی لڑکی صائمہ بھی تھی۔ وہ دونوں سامان سے لدی پھندی تھیں۔ باہر تیز دھوپ کی وجہ سے ان دونوں کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"آپ یہاں پنکھے کے نیچے بیٹھ جائیں رضیہ باجی۔ اور آپ بھی صائمہ باجی۔ میں شربت بنا کر لاتا ہوں۔" شاہد کہتے ہوئے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

صائمہ، رضیہ کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ کن انکھیوں سے بار بار شارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ عمر میں رضیہ سے سال بھر چھوٹی ہو گی۔ دبلی پتلی اور بے حد حسین لڑکی تھی۔

"یہ کیا کچھ لے کر آئی ہو تم؟" شارق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی۔ میں نے سوچا تھوڑی بہت تو لے ہی آؤں۔" رضیہ نے جواب دیا اور پھر پیکٹ کھول کر چیزیں دکھانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد صائمہ اپنے گھر چلی گئی۔ دو بجے کے لگ بھگ انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد شارق ایک کمرے میں آ گیا۔ رضیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

"یہ آپ کا کمرہ ہے بھائی جان۔" رضیہ نے کہا۔ "ابھی اس گھر میں ضرورت کی بہت سی چیزیں باقی ہیں۔ آہستہ آہستہ آتی رہیں گی۔"

"گھر بنتے بنتے ہی بنتا ہے۔" شارق نے جواب دیا اور دھڑام سے بستر پر لیٹ گیا۔ "تمہارے داخلے کب سے شروع ہو رہے ہیں؟" اس نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسی مہینے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "ایک دو دن بعد یونیورسٹی جاؤں گی تو پتہ چلے گا۔"

وہ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شارق پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ رضیہ اسے چھوڑ کر کمرے سے چلی گئی۔ اس نے دروازہ بھی بھیڑ دیا تھا۔

شارق شام تک سوتا رہا۔ شام کی چائے کے دوران مریم نے اس کے کام کے سلسلے میں بات چھیڑ دی۔ اس کا خیال تھا کہ شارق بھائی چوک والی دکان چھوڑ دے اور باغبانپورہ ہی میں کوئی دکان لے کر کام شروع کر دے۔"

"نہیں ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے ایک پرانے دوست کے ساتھ مل کر کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اب اکثر گھر سے باہر رہنا پڑے گا۔"

"تمہاری مرضی بیٹا۔" مریم نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

رات کو کھانے کے بعد بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ دوسرے دن صبح نو بجے کے قریب شارق ناشتہ کر کے گھر سے رخصت ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ سہیل کے پاس رکا اور پھر وہاں سے سیدھا ڈی آئی جی پولیس کے دفتر پہنچ گیا۔ ڈی آئی جی سے ملاقات کے لئے اسے صرف پانچ منٹ کا وقت دیا گیا تھا لیکن تقریباً ایک گھنٹے تک ان میں گفتگو ہوتی رہی۔

"جب تک کارروائی مکمل نہیں ہو جاتی میں اس وقت تک اپنے آپ کو پولیس کی تحویل میں دینے کو تیار ہوں لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ کارروائی شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد شروع کی جائے اور اس وقت تک سب کو اس کارروائی کے بارے میں لاعلم رکھا جائے۔" شارق نے کہا۔

"عین ممکن ہے آپ کے ڈی ایس پی کو بھی اسی پارٹی نے اغوا کیا ہو۔"

"ٹھیک ہے مسٹر شارق۔" ڈی آئی جی نے کہا۔ "مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ میں آپ کو پولیس کی تحویل میں دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ آپ شام چھ بجے یہاں آ جائیے۔ آپ چونکہ وہ پتہ نہیں

aazzamm@yahoo.com

سمجھا سکتے اس لئے رہنمائی کے لئے آپ کو چھاپہ مار پارٹی کے ساتھ جانا ہو گا۔ ویسے اس وقت تک آپ ایک اور کام بھی کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیا سر؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"خیر ٹھیک ہے۔" ڈی آئی جی نے کہا۔ "آپ جائیے اور شام کو ٹھیک چھ بجے یہاں پہنچ جائیے۔"

"یس سر۔" شارق نے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور اس کے دفتر سے باہر آ گیا۔

ڈی آئی جی کے دفتر سے نکل کر شارق سیدھا سہیل کے ریسٹورنٹ پہنچا اور دن کا باقی حصہ اس نے ریسٹورنٹ کے اوپر والے کمرے ہی میں گزارا تھا۔ اس نے سہیل کو بھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں گیا تھا اور اب تک کس کام میں مصروف رہا تھا۔

شام کو ٹھیک چھ بجے وہ ڈی آئی جی کے دفتر پہنچ گیا۔ اس مرتبہ ڈی آئی جی نے اسے فوراً ہی بلا لیا۔ شارق جب کمرے میں داخل ہوا تو اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ ڈی آئی جی کے کمرے میں ایک ایس پی اور دو ڈی ایس پی بھی موجود تھے۔ وہ لوگ ایک بار پھر اس سے طرح طرح کے سوال کرتے رہے۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ بنگلہ منشیات فروشی کا اڈہ ہے؟" ایک ڈی ایس پی نے پوچھا۔ اس کا تعلق اسی علاقے سے تھا جس علاقے میں وہ بنگلہ واقع تھا۔

"جس طرح وہاں کاروبار ہو رہا ہے اس حساب سے تو سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بنگلہ منشیات کا بہت بڑا اڈہ ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ایسے غیر قانونی کام اس علاقے کی پولیس کی نگاہوں سے چھپے نہیں رہ سکتے اور جب کام اتنے بڑے پیمانے پر ہو رہا ہو تو اس کے خفیہ رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ اس علاقے کا ایک عام آدمی تو جانتا ہو کہ اس جگہ کیا ہو رہا ہے مگر پولیس بے خبر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر اس قسم کے غیر قانونی کام پولیس کی سرپرستی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتے۔"

"تم پولیس پر الزام لگا رہے ہو؟" ڈی ایس پی نے اسے گھورا۔

"میں الزام نہیں لگا رہا..... یہ حقیقت ہے۔" شارق نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "مگر کاش! آپ لوگ اس حقیقت کو سمجھ سکیں۔"

"اگر یہ غلط ثابت ہوا تو اس کا نتیجہ جانتے ہو؟" ڈی ایس پی نے کہا۔

"میں نتائج سے بے نیاز ہو کر یہاں آیا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر مجھے کوئی خوف ہوتا تو اس طرح یہاں نہ آتا۔"

"ٹھیک ہے، دیکھ لیں گے۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا۔

اگر شارق اپنی شکایت لے کر اس ڈی ایس پی کے پاس جاتا تو شاید اسی کو پکڑ کر بند کر دیا جاتا مگر وہ اس وقت ڈی آئی جی کے سامنے بیٹھا تھا۔ جو پورے ضلع کے امن و امان، لوگوں کی جان و مال کی حفاظت اور تھانوں کی کارکردگی کا ذمے دار تھا۔

وہ تمام پولیس آفیسر کچھ دیر تک صلاح مشورہ کرتے رہے پھر آدھے گھنٹے کے اندر اندر ایک چھاپہ مار پولیس پارٹی ترتیب دی گئی۔ اس چھاپہ مار پارٹی میں تیس پولیس والے شامل تھے اور سب کے سب دوسرے تھانوں سے منگوائے گئے تھے۔ دو سب انسپکٹرز اور ایک انسپکٹر کا تعلق بھی مختلف علاقوں سے تھا۔ انسپکٹر کو اس چھاپہ مار پارٹی کا انچارج بنایا گیا تھا اور اس ڈی ایس پی کو کارروائی کا نگران۔ شارق بھی پولیس پارٹی کی رہنمائی کے لئے ڈی ایس پی کی جیپ میں سوار تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے دو ٹرکوں اور ایک جیپ پر سوار پولیس پارٹی نے شیرا پہلوان کی کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا۔ شیرا پہلوان کا بزنس اس وقت عروج پر تھا۔ اس چھاپے کے بارے میں اگرچہ مقامی پولیس اسٹیشن کو بھی ہوا نہیں لگنے دی گئی تھی لیکن پولیس جیسے ہی اس علاقے میں داخل ہوئی شیرا پہلوان کو اس کی اطلاع مل گئی اور پولیس کے گھیرا ڈالتے ہی شیرا پہلوان کے آدمیوں نے مزاحمتی کارروائی شروع کر دی۔

شارق اس کوٹھی سے دور ڈی ایس پی کی جیپ میں بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک دونوں طرف سے زبردست فائرنگ ہوتی رہی۔ ایک کانسٹیبل زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے کندھے پر گولی لگی تھی۔ بالآخر پولیس اس کوٹھی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ شیرا پہلوان اور اس کے دو آدمی ساتھ والی کوٹھی میں کود کر فرار ہو گئے تھے جبکہ پانچ آدمیوں کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ان میں دو شیرا پہلوان کے آدمی تھے جن میں سے ایک زخمی ہوا تھا۔ دو گاہک تھے اور ایک اس علاقے کا سب انسپکٹر جو سادہ لباس میں تھا۔

"اب تو میرا خیال ہے کہ آپ کو میری اس بات کا یقین آ گیا ہو گا کہ اس قسم کے غیر قانونی کام پولیس کی سرپرستی کے بغیر نہیں ہو سکتے۔" شارق نے ڈی ایس پی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈی ایس پی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ بنگلے کی تلاشی کے دوران تقریباً ڈھائی من ہیروئن اور بڑی مقدار میں اسلحہ برآمد ہوا تھا۔ فائرنگ کی اطلاع پا کر مقامی پولیس کی ایک موبائل اس وقت وہاں پہنچی تھی جب یہ چھاپہ مار پارٹی وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہی تھی۔ موبائل میں اس تھانے کا انچارج انسپکٹر بھی تھا۔

"کیا ہوا سر؟ یہ..... یہ سب کیا ہوا....." انسپکٹر نے ڈی ایس پی کو سیوٹ کرتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"کچھ نہیں، تم جاؤ آرام کرو۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا۔

ملزمان اور ضبط شدہ اسلحہ اور ہیروئن لے کر یہ پولیس پارٹی دوبارہ ڈی آئی جی آفس پہنچ گئی۔ سادہ لباس سب انسپکٹر کو معطل کر کے گرفتار کر لیا گیا اور تھانے کے انچارج انسپکٹر کو بھی فوری طور پر معطل کر کے لائن حاضر کر دیا گیا۔

شارق جب ڈی آئی جی آفس سے رخصت ہوا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ سہیل ہی کے پاس آیا تھا اور پھر اس رات ریسٹورنٹ بند کرنے کے بعد سہیل جب اوپر والے کمرے میں آیا تو شارق نے بتایا کہ آج اس نے کیا کیا تھا۔

"تم اپنا راستہ دشوار سے دشوار تر کر رہے ہو۔" سہیل نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ شیرا پہلوان کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس کارروائی میں کس کا ہاتھ تھا؟ یہی ڈی ایس پی خود اسے بتائے گا کہ اس کے خلاف یہ کارروائی کس کے اشارے پر کی گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "اگر میں یہ شکایت اس ڈی ایس پی کے پاس لے جاتا تو شاید وہ شیرا پہلوان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے بجائے مجھے ہی بند کر دیتا۔"

"شیرا پہلوان جیسے لوگ اتنے بے بس نہیں ہوتے جتنا تم سمجھتے ہو۔" سہیل نے کہا۔ "ڈھائی من ہیروئن اور چند رائفلوں کی ضبطی سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ نقصان تو وہ ایک دن میں پورا کر لے گا۔ اور یہ بات بھی نوٹ کر لو کہ پولیس اس کے خلاف بار بار کارروائی نہیں کرے گی۔ شیرا پہلوان جیسے لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ ان کی پہنچ بہت اوپر تک ہوتی ہے۔ یہ چھوٹا موٹا نقصان ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے خلاف اس کارروائی کے نتائج ایک دو دن میں تمہارے سامنے آ جائیں گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "نتائج خواہ کچھ بھی نکلیں میں نے شیرا پہلوان کے خلاف محاذ کھول دیا ہے اور میرا یہ محاذ صرف شیرا پہلوان کے خلاف نہیں ہر اس شخص کے خلاف ہے جو اس غیر قانونی کاروبار میں مصروف ہے۔ دولت کے یہ پجاری ہماری نوجوان نسل کو مفلوج کر رہے ہیں۔ ان کے خون میں زہر گھول رہے ہیں۔ اگر میں نے اس قسم کے کسی گروہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا مقصد دولت کمانا نہیں، ایسے لوگوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ اگر پولیس ان لوگوں کے خلاف کارروائی نہیں کرے گی تو میں ان کے خلاف اپنی لڑائی جاری رکھوں گا۔"

"تم اکیلے کیا کر لو گے۔" سہیل نے کہا۔ "قدم قدم پر ایسے لوگ موجود ہیں جو...."

"میں ایسے لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں اکیلا نہیں ہوں۔ تم میرے ساتھ ہو۔ تمہاری طرح اور بھی بہت سے لوگ میرا ساتھ دیں

گے۔"

"اگر تم سمجھتے ہو کہ اس طرح برائی کا خاتمہ ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے۔" سہیل نے گہرا سانس لیا۔

"اگر ہر شخص یہی سوچتا رہے کہ برائی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا تو برائی کا خاتمہ واقعی نہیں ہو سکے گا۔" شارق نے کہا۔ "برائی کا خاتمہ صرف سوچنے سے نہیں ہو گا۔ اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ آج میں نے عملی قدم اٹھایا ہے۔ کل کوئی اور بھی آگے آئے گا۔ یہ بدمعاش، غنڈے، اسمگلر اور ڈاکو ہم سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ ہم نے اپنے دلوں اور اپنے ذہنوں پر ان کا خوف طاری کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنے دل و دماغ سے یہ خوف جھٹک دینا ہو گا۔ ہمیں ان انسان نما درندوں کا مقابلہ کرنا ہو گا جو ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں۔"

"تم سمجھتے ہو کہ لوگ تمہارا ساتھ دیں گے؟" سہیل نے کہا۔

"اگر کوئی میرا ساتھ نہیں بھی دے گا تو میں اکیلا ہی یہ جنگ جاری رکھوں گا۔" شارق نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" سہیل نے کہا۔ "تم اپنی یہ جنگ جاری رکھنا لیکن ماں جی اور رضیہ کو اس جنگ سے دور ہی رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی تمہاری اس جنگ کی لپیٹ میں آ جائیں اور اگر انہیں پتہ چل گیا کہ تم کیا کر رہے ہو تو شاید...."

"انہیں پتہ نہیں چلے گا۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ ایک دوست کی شراکت میں کاروبار شروع کر دیا ہے اور مجھے اکثر شہر سے باہر جانا پڑے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کے ہاں کم سے کم جاؤں تاکہ میرے ذریعے کوئی ان تک نہ پہنچ پائے۔"

"یہ تم نے عقل مندی کا فیصلہ کیا ہے۔" سہیل نے کہا۔

وہ مزید کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر سہیل پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ وہ صوفے پر لیٹے لیٹے سو گیا شارق بھی کرسی سے اٹھ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ جب سے شارق یہاں آنے لگا تھا سہیل نے اس کے لئے اپنا پلنگ خالی کر دیا تھا۔ وہ خود کبھی قالین پر سو جاتا اور کبھی صوفے پر۔ شارق کچھ دیر تک صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ سہیل کا یہ خیال بالکل درست تھا کہ شیرا پہلوان کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگے گی کہ اس کارروائی کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔ وہ شارق کی تلاش میں زمین و آسمان ایک کر دیگا۔ مگر شارق کے دل میں اب اس کا کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ چھانگا اس کے ساتھ تھا۔ چھانگا اس کے لئے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کو اغوا کر سکتا ہے تو وہ شیرا

aazzamm@yahoo.com

پہلوان سے ٹکرانے سے بھی نہیں ہچکچائے گا اور حقیقت یہ تھی کہ شیرا پہلوان ہی سے ٹکرانے کے لئے چھانگا نے اسے اپنے ساتھ ملایا تھا۔ وہ اس کا کاروباری رقیب تھا اور اس سے کوئی حساب کتاب برابر کرنا چاہتا تھا۔

صبح کا اخبار دلچسپ خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ شیرا پہلوان کے منشیات کے اڈے پر چھاپے کی خبر چار کالمی سرخی سے چھپی تھی۔ اخبار نے اس خبر کے حوالے سے اداریہ بھی لکھا تھا اور اس چھاپے کو لاہور میں کسی بڑی مچھلی کے خلاف پہلی کارروائی قرار دیا تھا۔ جبکہ اس سے پہلے پولیس کی کارروائی ہمیشہ منشیات کے خوردہ فروشوں تک ہی محدود رہی تھی۔

اسی اخبار میں ڈی ایس پی کے بارے میں بھی خبر تھی جسے دو دن پہلے اسلحہ کے زور پر اغوا کیا گیا تھا اور ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق اس ڈی ایس پی کو بھی کسی ایسے ہی گروہ نے اغوا کیا تھا۔ اس کی تلاش میں پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ گزشتہ رات جن مقامات پر چھاپے مارے گئے تھے ان میں مزنگ میں چھانگے کا اڈہ بھی شامل تھا لیکن پولیس کو وہاں سے کچھ نہیں ملا تھا اور نہ ہی ڈی ایس پی کا سراغ ملا تھا۔

شارق نے وہ پورا دن بھی ہوٹل کے کمرے ہی میں گزارا تھا۔ رات دس بجے کے قریب وہ ریسٹورنٹ سے نکلا اور رکشہ پر بیٹھ کر سیدھا چھانگا کے اڈے پر پہنچ گیا۔ چھانگا اس وقت موجود تھا اور اس کا بزنس بھی جاری تھا۔

"آؤ شارق باؤ' کیسے ہو؟" چھانگا نے کہا۔

"ٹھیک ہوں' سناؤ تمہارا کیا حال ہے۔" شارق نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "سنا ہے کل یہاں کچھ مہمان آئے تھے؟"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا شارق باؤ۔" چھانگا نے کہا۔ "ایسے مہمان تو آتے ہی رہتے ہیں اور ہمیں ان کے آنے کی خبر پہلے ہی سے ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم ان کے استقبال کے لئے بھی تیار ہی رہتے ہیں۔"

شارق کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہاں بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ چھانگا کا گاہک تھا۔ چھانگا نے اسے جلد ہی چلتا کر دیا۔

"تم کچھ کہنا چاہتے تھے شارق باؤ؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"کل رات شیرا پہلوان کے ساتھ کیسی رہی؟" شارق بولا۔

"مزہ ہی آ گیا۔" چھانگا نے کہا۔ "لیکن حیرت ہے کہ پولیس نے اس کے اڈے پر چھاپہ کیسے مار دیا۔ وہ تو ڈی ایس پی کو پانچ لاکھ روپے مہینہ دیتا ہے۔"

"وہ چھاپہ اس علاقے کی پولیس نے نہیں مارا تھا۔ اس کارروائی کے لئے ایک خصوصی چھاپہ مار ٹیم تشکیل دی گئی تھی اور اس ٹیم میں اس علاقے کا ایک بھی پولیس والا شامل نہیں تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے کی پولیس کو تو پتہ ہی اس وقت چلا تھا جب چھاپا مار ٹیم واپس جا رہی تھی۔" شارق نے کہا۔

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا شارق باؤ؟" چھانگا نے اسے گھورا۔

"اس طرح کہ میں اس چھاپہ مار ٹیم کے ساتھ تھا۔" شارق نے بتایا۔

"کیا؟" چھانگا حیرت سے اچھل پڑا۔ "تم.... یعنی تم...."

"ہاں چھانگے۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے تفصیل سے اس کارروائی کے بارے میں بتانے لگا۔

"خوش کیتا ای شارق باؤ۔" چھانگا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "بڑا کام کر دکھایا شارق باؤ۔ وہ سالا اب کہیں کونے میں چھپا بیٹھا اپنے زخم چاٹ رہا ہو گا۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا ہو گا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ اس تھانے کی پولیس تو اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم شیرا پہلوان کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے یہ جاننے میں دیر نہیں لگے گی کہ اس کے خلاف اس ساری کارروائی میں کس کا ہاتھ تھا کیونکہ جس ڈی ایس پی کی نگرانی میں چھاپہ مارا گیا تھا اس کا تعلق اسی علاقے سے تھا اور تمہارے کہنے کے مطابق شیرا پہلوان ہر مہینے اس ڈی ایس پی کو لاکھوں روپے مہینہ بھتہ دیتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو یار۔" چھانگا نے کہا۔ "اور ہو سکتا ہے اسے پتہ چل بھی گیا ہو۔"

"کیا شیرا پہلوان کو یہ معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس ہوں؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں شارق باؤ۔" چھانگا نے کہا۔ "اسے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری رہائی سے پہلے میں نے جیل میں تم سے ملاقات کی تھی۔"

"تو ایسی صورت میں تمہیں اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہو گی۔"

"ارے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" چھانگا نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ وہ میری طرف آئے۔ اب تمہارے ہوتے ہوئے اس کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے میں تو اور بھی مزہ آئے گا۔"

"ہاں' مزہ تو آئے گا۔" شارق نے کہا۔

شارق اس رات وہیں رہ گیا تھا۔ وہی ایک کمرہ اس کے لئے مخصوص ہو گیا تھا جہاں وہ پہلی

aazzamm@yahoo.com

رات کو سویا تھا۔ رات بارہ بجے جب چھانگا نے اپنا کاروبار بند کیا تو وہ دونوں مزار والے تہہ خانے میں چلے گئے تھے جہاں وہ ڈی ایس پی بندھا ہوا تھا۔ اسے تین دن سے کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ وہ بہت ہی ابتر حالت میں تھا۔ اس پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔

"پانی...خدا کے لئے مجھے ایک گھونٹ پانی دے دو۔" وہ شارق اور چھانگا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں۔" شارق بولا۔ "تمہیں پانی ضرور دیا جائے گا مگر ابھی نہیں' کل صبح.... تمہیں پانی بھی دیا جائے گا اور کھانا بھی۔"

"مجھے چھوڑ دو۔" ڈی ایس پی گھگھیایا۔

"ہاں ہاں تمہیں چھوڑ بھی دیا جائے گا۔ لیکن کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم نے کتنے بے گناہوں کو پکڑ کر کسی جرم کے بغیر انہیں سلاخوں کے پیچھے بند کیا تھا۔ کتنے گھر اجاڑے ہیں اب تک تم نے۔ تم نے تو کئی بے گناہوں کو لمبے لمبے عرصوں کے لئے جیلوں میں بھجوایا تھا۔ تمہیں تو ابھی صرف تیسرا ہی دن ہے۔ ابھی سے گھبرا گئے۔" شارق نے کہا۔

"اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

"بہت خوب۔" شارق نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اس وقت تو تم کوئی بھی وعدہ کر سکتے ہو لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہاری بات پر یقین کر لیں گے۔ اب یہاں سے تمہاری لاش ہی باہر جائے گی۔"

ڈی ایس پی چیختا چلاتا رہا مگر شارق یا چھانگا پر اس کے چیخنے چلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اسے تہہ خانے میں چھوڑ کر باہر آ گئے۔

اسی رات شارق اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ شارق گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس نے اپنے اوپر جھکے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ جیرا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" شارق نے بدحواس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شیرا پہلوان اور اس کے آدمی ہمارے اڈے کو گھیرے میں لے رہے ہیں۔" جیرا نے کہا۔

"جلدی سے اٹھ کر باہر آ جاؤ اور یہ سنبھال لو۔" اس نے ایک کلاشنکوف رائفل اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ "میگزین بھرا ہوا ہے اور رائفل آٹومیٹک ہے۔ اب تم جلدی سے باہر آ جاؤ۔"

جیرا بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ شارق نے بھی کمرے سے باہر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے جیسے ہی کمرے سے باہر قدم رکھا طویلے کے پچھلی طرف ایک مکان کی

چھت سے پہلی گولی چلائی گئی۔ شارق اس وقت کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی روشنی میں تھا اور گولی اسی پر چلائی گئی تھی لیکن وہ بال بال بچ گیا تھا۔ گولی اس کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی تھی۔ شارق نے تاریکی میں ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اس پہلے فائر کے ساتھ ہی چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ چھانگا کے آدمیوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

"شارق باؤ' ادھر آ جاؤ۔"

یہ آواز چھانگا کی تھی جو دائیں طرف سے آئی تھی۔ شارق ایک لمحہ کو اپنی جگہ پر بے حس و حرکت رہا پھر اس نے آواز کی سمت چھلانگ لگا دی۔ چھانگا ایک تانگے کے پیچھے کھڑا تھا۔ فائرنگ کی آوازوں سے تانگے کے قریب بندھے ہوئے گھوڑے بدک کر ہنہناتے ہوئے اچھل کود کر رہے تھے۔ ایک گھوڑے نے اپنی رسی تڑوا لی تھی اور ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔

دفعتاً" ایک انسانی چیخ سنائی دی۔ وہ چھانگا کا آدمی تھا جو ایک طرف دوڑتے ہوئے گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔ دوسری گولی اس گھوڑے کو لگی جو ہنہناتا ہوا ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔

"چھانگے!" اچانک فضا میں شیرا پہلوان کی آواز سنائی دی۔ "تم چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہو۔ ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ تم لوگوں کو بھون کر رکھ دیں۔ لیکن اگر تم شارق باؤ کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم واپس چلے جائیں گے۔ میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں صرف شارق کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری طرح یار مار نہیں ہوں شیرا پہلوان۔" چھانگا نے چیخ کر جواب دیا۔ "شارق باؤ میرا دوست ہے اور تم جانتے ہو کہ میں دوستوں کے لئے جان تو دے سکتا ہوں لیکن ان سے غداری نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تم بھی مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ آج تم لوگ میرے گھیرے سے بچ کر نہیں نکل سکو گے۔" شیرا پہلوان نے چیخ کر کہا اور اس کے ساتھ ہی فائرنگ میں تیزی آ گئی۔

"شارق باؤ۔" چھانگا نے سرگوشی کی۔ "میں بزدل نہیں ہوں۔ ہمارے پاس اسلحہ کی بھی کمی نہیں ہے لیکن ہم اس وقت چاروں طرف سے گھیرے میں ہیں۔ میں اپنے آدمیوں کو مروانا نہیں چاہتا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔"

"لیکن وہ چاروں طرف سے فائرنگ کر رہے ہیں اس طویلے سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔

"جو شخص اس قسم کے کام کرتا ہے وہ اپنے بچاؤ کے راستے بھی رکھتا ہے۔" چھانگا نے کہا اور

aazzamm@yahoo.com

اس کا بازو پکڑ کر تانگوں کی آڑ لیتا ایک طرف بڑھ گیا۔

"جیرے!" اس نے ایک تانگے کے پیچھے کھڑے ہوئے جیرے کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔" ہم یہاں ان لوگوں کو روکے ہوئے ہیں تم شاکر اور فرزند کو ساتھ لے جا کر وہ راستہ کھولو.... جلدی کرو۔"

جیرا فائرنگ کرتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔ شارق اور چھانگا بدستور کھڑے فائرنگ کرتے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد فضا میں سیٹی کی آواز سنائی دی۔

"شارق باؤ! تم مزار کے پچھلی طرف نکلے کے ساتھ والی دیوار کے قریب چلے جاؤ۔ جیرا وہاں تمہارا منتظر ہو گا۔ چھانگا نے سرگوشی کی۔

شارق فائرنگ کرتا ہوا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ ایک گولی اس سے صرف دو فٹ آگے زمین پر لگی۔ دھول اور ریت اڑ کر شارق کے منہ پر پڑی۔ شارق نے طویلے کی پچھلی طرف اس مکان کی چھت کی طرف دیکھا جہاں سے گولی چلائی گئی تھی۔ اس نے مکان کی چھت کی طرف ایک برسٹ مار دیا اور بڑی تیزی سے رینگتا ہوا سامنے پڑے ہوئے مردہ گھوڑے کی آڑ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک لمحہ وہاں رکا اور پھر اٹھ کر تیزی سے مزار کی طرف دوڑنے لگا۔ چھت سے چلائی جانے والی گولیاں اس کا تعاقب کرتی رہیں لیکن وہ ان گولیوں سے محفوظ ہی رہا۔ مزار کے پیچھے کی طرف ہینڈ پمپ کے قریب رک کر وہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن اس طرف گہری تاریکی تھی اور اسے کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"شارق باؤ....اس طرف...."

جیرے کی سرگوشی سن کر وہ اس طرف مڑ گیا۔ پچھلی طرف تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر باؤنڈری وال تھی۔ پرانے زمانے کی بنی ہوئی چھوٹی اینٹوں کی یہ دیوار تقریباً چار فٹ موٹی تھی اور جیرا جس جگہ دیوار کے قریب کھڑا تھا وہاں دیوار میں تقریباً دو فٹ چوڑا خلا نظر آ رہا تھا۔ شارق دوڑتا ہوا اس دیوار کے قریب پہنچ گیا۔

"اندر چلو۔ شارق باؤ۔ جلدی کرو۔" جیرے نے سرگوشی میں کہا۔

شارق اس خلا میں داخل ہو گیا۔ جیرا وہیں کھڑا رہا۔ تقریباً دو منٹ بعد چھانگا بھی اس خلا میں پہنچ گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی جیرا اور اس کے ساتھ دو آدمی اندر کی طرف دیوار کے ایک حصے کو دھکیلنے لگے۔ دیوار کا وہ حصہ سلائیڈنگ ڈور کی طرح اس خلا میں فٹ ہو گیا۔

باہر سے وہ دیوار اسی طرح تھی۔ چھوٹی اینٹوں کی اور کئی اینٹیں جگہ جگہ سے بھربھری ہو کر ٹوٹ گئی تھیں۔ باہر سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ اس جگہ سے دیوار کا کوئی حصہ الگ بھی وہ

سکتا ہے۔ لیکن اندر سے چار فٹ موٹی یہ دیوار کھوکھلی تھی اور دیوار کے اندر کی طرف نیچے سے اوپر تک تقریباً ایک انچ موٹی آہنی چادریں لگی ہوئی تھیں۔

خلا بند ہوتے ہی جیرے نے ٹارچ روشن کر لی اور دوسروں کو راستہ دکھاتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ شارق یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

"یہ سب کچھ میں نے بڑی محنت سے بنوایا ہے شارق باؤ۔" چھانگا نے کہا۔ "وہ تہہ خانہ تو ان کی نظروں میں نہیں آجائے گا؟" شارق نے پوچھا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" چھانگا نے جواب دیا۔ "وہ قبر ہے اور کوئی قبر پر کسی قسم کا شک نہیں کر سکتا۔"

تقریباً بارہ فٹ آگے راستہ بند ہو گیا تھا۔ اسی جگہ مخالف سمت میں دیوار پر بہت بڑا آہنی ہینڈل لگا ہوا تھا۔ جیرا اور اس کا ایک ساتھی ہینڈل کو پوری قوت سے نیچے کی طرف دبانے لگے۔ کلک کی آواز سن کر وہ آہنی پلیٹ کو ایک طرف دھکیلنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد یہاں بھی دیوار میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔

یہ اس مزار کے عقبی سمت کی گلی تھی جو اس وقت تاریک اور سنسان پڑی تھی۔ وہ لوگ باری باری اس خلا سے باہر آ گئے۔ باہر سے دیوار کو دھکیل کر خلا کو برابر کر دیا گیا اور وہ لوگ تیزی سے چلتے ہوئے سامنے والی گلی میں داخل ہو گئے۔ طویلے کی طرف سے اب بھی فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

وہ تعداد میں پانچ تھے جو تنگ اور سنسان گلیوں میں گھومتے ہوئے ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ جیرے نے آگے بڑھ کر دروازے کی گھنٹی بجا دی۔ دوسری مرتبہ گھنٹی بجانے کے کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا اور وہ سب لوگ اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ کھولنے والا ایک بوڑھا آدمی تھا۔ ان کی داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ لوگ ایک کمرے میں آ گئے۔

چھانگا کے طویلے کی طرف سے ابھی تک فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

○

تین مہینوں میں شارق نے چھانگا سے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ اس دوران اس نے شیرا پہلوان کے گروہ کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا تھا۔ کبھی وہ خود اس کے اڈے پر حملہ کرتا اور کبھی پولیس سے ٹریپ کرواتا۔ اس صورت حال سے تنگ آ کر شیرا پہلوان کے آدمی آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑتے چلے گئے اور بالآخر شیرا پہلوان کا گروہ اس طرح بکھر گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ شیرا پہلوان بھی سرحد پار کر کے ہندوستان فرار ہو گیا تھا جہاں اس نے ایک سکھ اسمگلر کے

aazzamm@yahoo.com

پاس پناہ لی تھی۔

لیکن ایک گروہ کے ختم ہو جانے سے شارق کا کام ختم نہیں ہو گیا تھا۔ ابھی تو اس شہر میں اور بہت سے گروہ تھے جو معصوم اور بے گناہ لوگوں میں موت بانٹ رہے تھے۔ سب سے بڑا گروہ تو چھانگا کا تھا جس میں وہ خود بھی شامل تھا۔ اس گروہ میں رہتے ہوئے وہ دوسروں کے راز حاصل کر رہا تھا اور اس کالے دھندے کی اونچ نیچ سے واقفیت حاصل کر رہا تھا۔ یہ معلومات ہی اس کے لئے مفید ثابت ہو رہی تھیں۔

ڈی ایس پی ابھی تک شارق کے قبضے میں تھا شارق نے صرف پہلے دن اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اس کے بعد اس نے کبھی اسے چھوا تک نہیں تھا۔ وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ اس حالت میں اگر اس کے بیوی بچے بھی اسے دیکھ لیتے تو پہچان نہ پاتے۔ شارق اس کی وجہ سے چودہ سال جیل میں تڑپا تھا اور اب وہ اسے سسکا سسکا کر مارنا چاہتا تھا۔

چھانگا اب شارق پر پوری طرح اعتماد کرنے لگا تھا۔ وہ کاروباری حلقوں میں جہاں بھی جاتا شارق کو ساتھ لے جاتا۔ شارق اب اس کے نائب کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔ شارق کے گروہ کے کچھ ساتھی اسے پسند کرنے لگے تھے اور کچھ اس سے جلنے لگے تھے۔ جو لوگ شارق سے خار کھانے لگے تھے ان میں جیرا بھی شامل تھا۔ جیرا اس معاملے میں ایک لحاظ سے حق بجانب تھا شارق کے آنے سے پہلے وہ چھانگا کا معتمد خاص سمجھا جاتا تھا لیکن جیسے جیسے شارق کے قدم جمتے جا رہے تھے ویسے ویسے ہی جیرا کی اہمیت کم ہوتی جا رہی تھی۔ شارق اس صورت حال سے پوری طرح واقف تھا لیکن وہ بڑی حکمت عملی سے کام لے رہا تھا۔ وہ جیرا کو اس گروہ سے الگ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس طرح کہ وہ چھانگا سے الگ ہو کر اس کے مقابلے پر آ جائے اور وہ دونوں آپس میں بھڑ جائیں اس کے لئے شارق نے ایک منصوبہ بنا رکھا تھا اور اس پر عمل کرنے کے لئے موقع کی تاک میں تھا۔

اس کے ساتھ ہی شارق نے اپنے بچاؤ کا بندوبست بھی کر رکھا تھا۔ اس نے سہیل، مریم اور رضیہ سے اپنا تعلق چھانگا اور اس کے آدمیوں سے خفیہ ہی رکھا تھا۔ وہ سہیل کے ریسٹورنٹ یا گھر جاتا تو اس بات کا بہت خیال رکھتا کہ اس کا تعاقب نہ کیا جا رہا ہو۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے سہیل یا مریم وغیرہ کو کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے چوبرجی کے قریب ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا۔ جہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ یہاں وہ عام طور پر شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی آتا اور مکان سے نکلتا بھی شام کے اندھیرے ہی میں تھا۔ پڑوسیوں سے اس کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اس مکان کے بارے میں کسی کو

بھی علم نہیں تھا۔ اس نے بڑی رازداری سے مکان کے اندر کچھ تبدیلیاں بھی کروائی تھیں۔

جیرے کے سلسلے میں شارق جس موقع کی تلاش میں تھا بالآخر وہ موقع اسے مل ہی گیا۔ جیرا اس رات باغبانپورہ کے نکا پہلوان کے لئے مال لے کر گیا تھا۔ چھانگا کے کچھ گاہک ایسے بھی تھے جنہیں چھانگا کے آدمی خود مال پہنچاتے تھے۔ نکا پہلوان بھی ان میں سے ایک تھا۔ نکا پہلوان کا اڈہ بھی باغبانپورہ میں تانگوں کا ایک طویلہ ہی تھا۔

سنگھ پورہ سے باغبانپورہ کی طرف جانے والی سڑک حق نواز روڈ پر ایک طرف چھوٹا سا قبرستان تھا اور اس کے سامنے دکانیں۔ تانگوں کا وہ طویلہ بھی انہی دوکانوں کے بیچ میں تھا۔ اس کا داخلی راستہ حویلی نما گیٹ کی طرح تھا۔ لکڑی کا ایک بھاری پھاٹک بھی تھا لیکن وہ پھاٹک ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ اس کی چولوں میں اور اس کے سامنے اتنی مٹی جم چکی تھی کہ پھاٹک کے بھاری دروازوں کو ان کی جگہ سے ہلانا ممکن نہیں رہا تھا۔ پھاٹک کے اندر بہت وسیع و عریض احاطہ تھا جس کے آخر میں تین چار رہائشی کمرے تھے۔ کسی زمانے میں اس احاطے میں پہلوانی کا اکھاڑہ ہوا کرتا تھا لیکن جیسے جیسے کشتی میں لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی چلی گئی یہ اکھاڑہ بھی ویران ہوتا چلا گیا۔ نکا پہلوان نے بھی کشتی چھوڑ کر دو تین تانگے بنوا لئے جنہیں وہ کرائے پر دیا کرتا تھا۔ اب اس کے پندرہ سولہ تانگے تھے۔ یہ تانگے بھی چھانگے کی طرح اس کے اصل کاروبار کی آڑ تھے۔ اس کا اصل کام تو منشیات فروشی تھا۔ پہلے وہ کشتی سکھا کر نوجوانوں کی جان بنایا کرتا تھا اور اب وہ ان کے خون میں ہیروئن کا زہر گھول کر ان کی جان جلا رہا تھا۔

نکا پہلوان ہفتہ دس دن میں صرف ایک مرتبہ چھانگے ہی سے مال لیتا تھا۔ اور یہ مال اسے خود چھانگا کا کوئی آدمی پہنچایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شارق بھی یہ خدمت انجام دے چکا تھا۔ ویسے عام طور پر ایسے گاہکوں کو مال پہنچانے اور رقم وصول کرنے کی ذمے داری جیرا کے سپرد تھی۔

اس رات بھی جیرا، نکا پہلوان کے لئے مال لے کر جانے والا تھا۔ مال دے کر اسے تقریباً دو لاکھ کی رقم بھی وصول کرنی تھی۔ شارق کو پروگرام کا علم ہو گیا تھا اس لئے وہ جیرا سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے وہاں سے نکل گیا تھا۔ اسے جس موقع کی تلاش تھی وہ اسے مل گیا تھا۔

جس وقت شارق، سنگھ پورہ کی سڑک پر گھاٹی کے قریب رکشہ سے اترا اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ موڑ پر چائے کا چھوٹا سا ریسٹورنٹ کھلا ہوا تھا۔ یہ ریسٹورنٹ ایک دکان پر مشتمل تھا۔ دو تین لکڑی کے بینچ اندر بچھے ہوئے تھے اور دو تین بینچ نما میزیں اور چند کرسیاں دکان کے سامنے بچھی ہوئی تھیں۔ ان کرسیوں پر دو تین گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹیپ ریکارڈر پر نورجہاں آواز میں لتا کا گانا چل رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق رکشے سے اتر کر سیدھا آگے سنگھ پورہ کی طرف چلا گیا اور تقریباً سو گز آگے جا کر دائیں طرف کی گلی میں مڑ گیا۔ اس گلی میں دائیں طرف کے چند مکانوں کے بعد قبرستان شروع ہو جاتا تھا۔ اسی قبرستان کی دوسری دیوار حق نواز روڈ کی طرف تھی۔ شارق قبرستان میں داخل ہو گیا۔

قبرستان میں تاریکی اور سناٹا تھا۔ اکا دکا درخت بھی تھے جن سے ماحول کچھ اور وحشت ناک ہو گیا تھا۔ دن کے وقت اس قبرستان میں لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی لیکن رات کو کوئی احمق ہی یہاں آنے کی جرات کر سکتا تھا۔

شارق درختوں اور قبروں کی آڑ لیتا ہوا بازار کی سمت والی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ دیوار کے ساتھ ہی باہر کی طرف تقریباً تین فٹ چوڑا گندا نالا تھا۔ قبرستان والی سائیڈ پر کوئی دکان وغیرہ نہیں تھی البتہ سڑک کے دوسری طرف دوکانیں تھیں جو اس وقت بند پڑی تھیں۔ اس سڑک پر اسٹریٹ لائٹس موجود تو تھیں لیکن کسی کھمبے پر کوئی بلب نہیں جل رہا تھا جس کی وجہ سے سڑک کا وہ حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر موڑ پر واقع چائے کی وہ دکان تھی جس کے قریب شارق رکشہ سے اترا تھا۔ بائیں طرف ذرا آگے باقاعدہ بازار شروع ہو جاتا تھا مگر اس وقت اس طرف بھی سناٹا تھا۔

قبرستان آبادی کے بیچ میں تھا۔ اس کے سامنے والے رخ پر یہ ویران سڑک تھی اور باقی تین اطراف میں مکان اور گلیاں۔ شارق قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے قریب اس جگہ پر آ کر رک گیا جہاں سامنے ہی اس احاطے کا پھاٹک تھا جس کے اندر متعدد تانگے کھڑے تھے اور احاطے کے آخر میں کسی کمرے کی کھڑکی سے مدھم سی روشنی جھلک رہی تھی۔

جس جگہ شارق دیوار کی آڑ میں کھڑا تھا وہاں بیری کا ایک اونچا درخت بھی تھا اسی درخت کی وجہ سے اس جگہ تاریکی کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ شارق درخت کے نیچے دیوار کی آڑ میں کھڑا سڑک کی طرف دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ایک خالی تانگہ احاطے کے پھاٹک میں داخل ہوا۔ شارق نے ایک اور آدمی کو بھی پھاٹک کے اندر کی طرف کہیں سے نکلتے دیکھا تھا۔ تانگہ ذرا آگے جا کر رک گیا اور کوچوان نیچے اتر کر گھوڑی کو کھولنے لگا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ تانگہ کرائے پر لیا گیا تھا اور کوچوان اپنی دہاڑی پوری کرنے کے بعد تانگہ واپس چھوڑنے آیا تھا۔ اور وہ دوسرا آدمی جو احاطے میں کسی طرف سے برآمد ہوا تھا غالباً اس احاطے کا محافظ تھا اور یقیناً اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ بھی موجود ہو گا۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں تو یہاں تک پہنچ رہی تھیں لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ چند منٹ بعد کوچوان احاطے سے نکل

کر ایک طرف چلا گیا۔

ساڑھے بارہ بجے کے لگ بھگ ایک رکشہ کی آواز سن کر شارق نے چائے کی دکان والے موڑ کی طرف دیکھا رکشہ اسی طرف سے آ رہا تھا۔ شارق کی نظریں رکشے پر مرکوز تھیں جو بالآخر احاطے کے پھاٹک کے سامنے آ کر رک گیا۔ دو آدمی نیچے اترے اور رکشہ آگے چلا گیا۔

تاریکی ہونے کے باوجود شارق نے قد و قامت اور چال سے ان دونوں آدمیوں کو پہچان لیا۔ ان میں ایک جیرا تھا اور دوسرا شاکر۔ وہ دونوں احاطے میں داخل ہو گئے۔ احاطے کے اندر وہ پراسرار محافظ ایک بار پھر سامنے آ گیا تھا۔ جیرا اور شاکر کچھ دیر اس پراسرار محافظ کے پاس رکے اور پھر آگے بڑھ گئے۔

شارق گہری نظروں سے احاطے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر چہرے پر باندھ لیا تھا اور پستول بھی اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ اس نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بے حد خطرناک تھا۔ اس میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی اور اگر جان بچ بھی جائے تو ناکامی کی صورت میں اس کا راز فاش ہو سکتا تھا۔ لیکن اس نے بہرحال یہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا اس کے لئے اس قسم کا خطرہ مول لئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد جیرا اور شاکر احاطے سے باہر آ گئے۔ سڑک پر کھڑے ہو کر انہوں نے ادھر ادھر دیکھا پھر جیرے کی آواز سنائی دی۔

"تم ہی نے تو اسے کہا تھا کہ آدھے گھنٹے بعد آنا۔ وہ آگے چوک پر چلا گیا ہو گا۔ چلو اس موڑ پر چائے کی دکان پر بیٹھتے ہیں آ جائے گا وہ بھی....." یہ شاکر کی آواز تھی۔ وہ ابھی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ شارق قبرستان کی دیوار کود کر اچانک ہی ان کے سامنے آ گیا۔ ایک نقاب پوش کو اچانک اس طرح سامنے دیکھ کر وہ دونوں کسی قدر بدحواس ہو گئے تھے۔

"رک جاؤ۔" شارق ان دونوں کو پستول کی زد پر لیتے ہوئے غرایا۔ "اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ گولی مار دوں گا۔"

"کک....کون ہو تم؟" شاکر ہکلایا۔

"تمہاری موت.....ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" شارق نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ "اور یہ تھیلا مجھے دے دو۔" اس نے جیرے کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے کے تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، میں یہ تھیلا تمہیں نہیں دے سکتا۔" جیرا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

شارق نے آگے بڑھ کر اچانک ہی پستول کی نال اس کے منہ پر ماری۔ چوٹ رخسار کی ہڈی

aazzamm@yahoo.com

پر لگی تھی۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑایا۔ شارق نے اس کے ہاتھ سے تھیلا جھپٹ لیا۔ اس دوران وہ ایک لمحہ کو شاکر کی طرف سے غافل ہوا تھا۔ شاکر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شارق کی پنڈلی پر ٹھوکر مار دی۔

ہڈی پر لگنے والی چوٹ خاصی تکلیف دہ تھی۔ شارق کراہتے ہوئے لڑکھڑایا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس دوران جیرے کو اپنی جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ اس نے گولی چلا دی لیکن شارق نے بڑی پھرتی سے شاکر کو گرفت میں لے کر آگے دھکیل دیا تھا۔ گولی شاکر کے پیٹ میں لگی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی۔

شارق نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جیرے کے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی۔ پستول جیرے کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ شارق کی دوسری ٹھوکر جیرے کے پیٹ پر لگی تھی۔ وہ چیخ کر دوہرا ہو گیا۔

فائر اور چیخوں کی آواز سن کر احاطے میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ نکا پہلوان کا محافظ تھا جو دوڑتا ہوا باہر آ رہا تھا۔ اسی لمحہ بائیں طرف سے رکشہ بھی آتا ہوا دکھائی دیا۔

شارق کے لئے وہاں رکنا اب خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس نے قبرستان کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دسرے ہاتھ میں تھیلا۔ وہ قبرستان کی شکستہ دیوار کے قریب پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ' ورنہ گولی مار دوں گا۔"

یہ احاطے کے محافظ کی آواز تھی۔ شارق نے مڑ کر آواز کی سمت فائر کر دیا۔ مقصد ان لوگوں کو اپنے تعاقب سے روکنا تھا۔ فائر کرتے ہی اس نے ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھ کر قبرستان میں چھلانگ لگا دی تھی۔ یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے مگر شارق گولیوں سے محفوظ رہا۔ وہ قبروں میں دوڑتا ہوا دائیں طرف کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ یہ دیوار تقریباً چھ فٹ اونچی تھی مگر شارق کو اس پر چڑھنے اور دوسری طرف کودنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ دیوار سے کود کر دوڑتا ہوا گلی میں گھس گیا۔ یہ گلی اسے دوبارہ اسی سڑک پر لے آئی تھی۔ پہلوان والا احاطہ بائیں طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ وہاں دو آدمی کھڑے نظر آ رہے تھے۔ رکشہ آگے جانے کے بجائے مڑ کر واپس جا چکا تھا۔ قبرستان میں ایک بار پھر فائر کی آواز سنائی دی۔ شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ جیرا اور نکا پہلوان کا آدمی اسے قبرستان میں تلاش کر رہے تھے۔

شارق چند لمحے گلی کے موڑ پر دکان کی آڑ میں کھڑا رہا پھر آڑ سے نکل کر سامنے والی گلی کی طرف دوڑا۔

"وہ رہا.....اس طرف۔"

ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی فائر ہوا مگر شارق سامنے والی گلی میں داخل ہو چکا تھا۔ اسے سڑک پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ بھی رکنے کے بجائے تنگ اور تاریک گلیوں میں دوڑتا رہا۔

قدموں کی آواز اب بہت پیچھے رہ کر معدوم ہو چکی تھی۔ شارق ان گلیوں میں دوڑتا رہا۔ بھول بھلیوں کی طرح یہ گلیاں خاصی پر پیچ تھیں۔ شارق کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کسی گلی میں ان لوگوں سے آمنا سامنا نہ ہو جائے۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ برف خانے کے ساتھ والی گلی سے نکل کر جی ٹی روڈ پر پہنچ گیا۔ برف خانے کے سامنے مہرا ہوٹل تھا۔ اگرچہ ایک بجے سے اوپر کا وقت ہو چکا تھا مگر ہوٹل کھلا ہوا تھا۔ ہوٹل کے سامنے کرسیوں پر پانچ چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ پان سگریٹ کا کیبن بھی کھلا ہوا تھا اور ایک تانگہ بھی سڑک کے کنارے پر کھڑا تھا۔

شارق سڑک پر آنے کے بجائے عمارتوں کی تاریکی کی آڑ لیتا ہوا بائیں طرف چلنے لگا۔ اس نے چہرے سے رومال ہٹا لیا تھا اور پستول بھی جیب میں ڈال لیا تھا۔ ہوٹل سے ذرا آگے ٹیلی فون ایکس چینج کی بلڈنگ تھی۔ کافی آگے جا کر شارق سڑک پار کر کے ٹیلی فون ایکس چینج والی بلڈنگ کے ساتھ والی گلی میں داخل ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے مکان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس وقت یہی اس کے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ دوسری مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد دروازہ کھلا۔ وہ شاہد تھا جو شارق کو دیکھ کر کچھ حیران بھی ہوا تھا۔

شاہد سوتے میں سے اٹھا تھا۔ مریم اور رضیہ بھی سو چکی تھیں مگر گھنٹی کی آواز سن کر مریم جاگ گئی تھی۔

"شارق پتر۔" وہ شارق کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

"فیصل آباد سے آ رہا ہوں ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں تو گیارہ بجے پہنچ جاتا مگر ٹرین لیٹ ہو گئی تھی۔ میری وجہ سے آپ کی نیند بھی خراب ہوئی۔"

"تم تو ایسی باتیں کر رہے ہو جیسے کسی اجنبی گھر میں آئے ہو۔" مریم نے کہا جو چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "کھانا کھایا ہے یا نہیں؟"

"کھانا تو کھا چکا ہوں ماں جی' چائے پیوں گا۔" شارق نے کہا۔ "آپ جا کر سو جائیے۔ شاہد بنا

aazzamm@yahoo.com

دے گا چائے۔"

"نہیں بیٹا' چائے میں بنا دیتی ہوں۔" مریم کہتے ہوئے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

شارق اپنے کمرے میں آ گیا۔ شاہد بھی مریم کے ساتھ باورچی خانے میں چلا گیا تھا۔ شارق دروازہ بند کر کے کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ جیرا سے چھینا ہوا کپڑے کا تھیلا اس نے پلنگ پر رکھ دیا تھا اور پستول تکیے کے نیچے۔ کپڑے تبدیل کر کے اس نے تھیلا کھول کر دیکھا۔ اس میں نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ اس کے اندازے کے مطابق یہ رقم دو لاکھ کے لگ بھگ ضرور رہی ہو گی۔ اس نے رقم دوبارہ تھیلے میں ڈال دی اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے صرف ایک منٹ بعد شاہد چائے لے کر اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ہی مریم بھی تھی۔

"جاؤ.... تم جا کر سو جاؤ۔" شارق نے شاہد کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے کہا۔ شاہد کمرے سے چلا گیا۔

"فیصل آباد کیا لینے گئے تھے؟" مریم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام تھا ماں جی۔" شارق نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "یہ رقم آپ سنبھال کر رکھ لیجئے جب ضرورت پڑے گی تو آپ سے لے لوں گا۔" اس نے پلنگ پر پڑا ہوا تھیلا اٹھا مریم کی طرف بڑھا دیا۔

مریم نے تھیلے میں بھرے ہوئے نوٹوں کے بنڈل دیکھے مگر رقم کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ شارق خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ مریم گھریلو امور کے بارے میں باتیں کر رہی تھی۔ شارق نے کپ خالی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا تو مریم کپ اٹھاتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔

"اب سو جاؤ بیٹا' رات بہت ہو چکی ہے۔"

"جی ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔

مریم کے جانے کے بعد شارق بستر پر لیٹا آج کے واقعہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے چھانگا کے گروہ کی شکست و ریخت کے سلسلے میں پہلا قدم اٹھا لیا تھا۔ شاکر کے پیٹ میں گولی لگی تھی' پتہ نہیں وہ زندہ تھا یا مر گیا تھا لیکن شارق کے اس اقدام کے نتیجہ میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہونے والے تھے جن کے بارے میں چھانگا یا نکا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ شارق کو یقین تھا کہ جیرا نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ اس نے ڈکیتی کا تاثر دینے کی کوشش کی تھی۔ اس واقعہ سے چھانگا کو یہ تاثر بھی دیا جا سکتا تھا کہ یہ واردات نکا پہلوان کے آدمیوں نے کی تھی۔ کیونکہ وہی لوگ جانتے تھے کہ جیرا اور شاکر ایک خطیر رقم لے کر اس کے اڈے سے نکل رہے تھے۔

دوسری طرف چھانگا کو یہ تاثر بھی دیا جا سکتا تھا کہ یہ ڈرامہ جیرا ہی نے نکا پہلوان کے کسی آدمی کے ساتھ مل کر رچایا تھا تاکہ وہ اس رقم کو ہضم کر سکے۔ جیرا' چھانگا کا قابل اعتماد ساتھی تھا مگر کسی کی نیت بدلتے دیر تو نہیں لگتی۔ اس طرح نہ صرف چانگا اور نکا پہلوان کے تعلقات بگڑ سکتے تھے بلکہ جیرا پر سے چھانگا کا اعتماد اٹھ سکتا تھا۔ اور شارق چاہتا بھی یہی تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے منفی پہلوؤں کو بھی نظرانداز نہیں کیا تھا۔ جیرا کوئی انتقامی کارروائی کر سکتا تھا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ اسے صبح آٹھ بجے رضیہ نے جگایا تھا وہ چائے کا کپ لئے پلنگ کے قریب کھڑی تھی۔

"میں آدھے گھنٹے سے آپ کو جگا رہی ہوں مگر آپ تو گدھے گھوڑے سب کچھ بیچ کر سو رہے تھے۔ دوسری دفعہ بنائی ہے چائے میں نے۔" رضیہ نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"رات کو تقریباً ڈیڑھ بجے تو آیا تھا۔ اور پھر تھکا ہوا بھی تھا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ جب وہ کلی وغیرہ کر کے باتھ روم سے واپس آیا تو کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ رضیہ پلنگ کے قریب کھڑی تھی اور اسکے ہاتھ میں پستول تھا جسے وہ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"یہ کیا ہے بھیا؟" وہ شارق کی طرف دیکھ کر ہکلائی۔

"ارے.... اسے رکھ دو.... کہیں ٹرائیگر نہ دب جائے۔" شارق نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ "تم نے یہ کیوں اٹھا لیا تھا؟"

"بستر کی چادر درست کرنے لگی تھی تو یہ تکیے کے نیچے سے گر پڑا تھا۔" رضیہ نے کہا۔ "مگر آپ کے پاس یہ پستول...." وہ الجھی ہوئی نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔" شارق نے پستول دوبارہ تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ "میرا بزنس ایسا ہے۔ بڑی بڑی رقموں کا لین دین رہتا ہے اور آج کل کے حالات تم جانتی ہو۔ یہ پستول میں نے اپنی حفاظت کے لئے رکھا ہوا ہے۔"

شارق پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ رضیہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کھونٹی پر ٹنگے ہوئے اس کے کپڑے اتار لئے اور جیبوں میں سے رقم اور دوسری چیزیں نکال کر تکیے کے نیچے رکھ دیں ان میں چابیوں کا گچھا بھی تھا۔

"یہ چابیاں کیسی ہیں؟" رضیہ نے پوچھا۔

"دفتر کی چابیاں ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "مگر آج تم میری جیبوں کی تلاشی کیوں لے رہی ہو؟"

aazzamm@yahoo.com

"تلاشی نہیں لے رہی' کپڑے دھونے ہیں۔" رضیہ نے جواب دیا اور کپڑے لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ شارق خاموشی سے بیٹھا چائے پیتا رہا۔

ساڑھے نو بجے شارق ناشتہ کر رہا تھا کہ شاہد آ گیا۔ وہ سبزی گوشت وغیرہ لینے کے لئے باغبانپورہ بازار گیا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی وہ خبر سنائی جو شارق سننا چاہتا تھا۔

"رات کو بازار میں فائرنگ ہوئی تھی۔" شاہد نے کہا۔ "ہیروئن بیچنے والوں کی دو پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔ ایک آدمی مارا گیا اور دو کو بعد میں پولیس پکڑ کر لے گئی۔ نکا پہلوان پولیس کے ہاتھ نہیں آیا وہی فساد کی جڑ ہے۔ اس کا بہت بڑا اڈہ ہے ہیروئن کا۔"

"ایسے لوگ نہیں پکڑے جاتے۔" شارق نے کہا۔ "پکڑے اور مارے تو ان کے کارندے جاتے ہیں اور وہ خود محفوظ رہتے ہیں۔"

"یہی تو اصل لوگ ہوتے ہیں' پکڑے کیوں نہیں جاتے؟" شاہد نے کہا۔

"اگر یہ اصل لوگ پکڑے جائیں تو پولیس کا دھندہ کیسے چلے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"ہاں' یہ بھی ٹھیک ہے۔" شاہد بولا۔ "یہی لوگ تو پولیس کی کمائی کا ذریعہ ہیں۔ اگر پولیس انہی کو پکڑ لے تو ان کا دھندہ کیسے چلے گا۔ لیکن شارق بھائی پولیس کو کوئی نہیں پکڑ سکتا؟"

"یہ تو بادشاہ لوگ ہیں۔ ان پر بھلا کون ہاتھ ڈال سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"اے شاہد.... تم کیا باتیں لے بیٹھے ہو۔ چلو اپنا کام کرو۔ جاؤ یہاں سے۔ جب دیکھو فضول باتیں کرتا رہتا ہے۔" رضیہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اماں کہاں ہیں رضیہ؟" شارق نے پوچھا۔

"پڑوسیوں کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

شارق خاموش رہا۔ ناشتے کے بعد بھی وہ دیر تک رضیہ سے باتیں کرتا رہا۔ اس دوران مریم بھی آ گئی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد شارق گھر سے نکل گیا۔ جب وہ مزنگ' چھاپے کے اڈے پر پہنچا تو وہاں سناٹا تھا صرف ایک آدمی موجود تھا جو ایک گھوڑے کی مالش کر رہا تھا۔ وہ بظاہر تانگہ چلاتا تھا مگر چھانگے کا ہی آدمی تھا۔ وہ شارق کو دیکھتے ہی بولا۔

"شارق باؤ رفوچکر ہو جاؤ یہاں سے!"

"کیا بات ہے' چھانگا کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"چھانگا لکشمی والے اڈے پر ہے۔ باقی آدمی بھی ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ آدھی رات کے بعد سے صبح گیارہ بجے تک پولیس دو مرتبہ یہاں چھاپہ مار چکی ہے۔" اس شخص نے کہا۔

"کیوں' کیا معاملہ ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں نہیں پتہ؟" اس شخص نے شارق کو گھورا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کل رات جیرا اور شاکر' نکا پہلوان کو مال دینے گئے تھے۔ وہ رقم لے کر نکے پہلوان کے طویلے سے باہر نکلے تھے کہ کسی نے ان پر حملہ کر کے رقم چھین لی۔ ان میں مقابلہ بھی ہوا تھا۔ شاکر اس آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ جیرا اور نکے پہلوان کا ایک آدمی پولیس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ جیرے کو تو سارے زمانے کی پولیس جانتی ہے۔ ان کو پتہ ہے کہ وہ چھانگے کا آدمی ہے۔ صبح چار بجے پولیس نے یہاں چھاپہ مارا تھا مگر چھانگے کو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا وہ رفوچکر ہو گیا۔ گیارہ بجے پولیس نے پھر چھاپہ مارا تھا۔"

"کیا ایسا بھی کوئی جی دار ہو سکتا ہے جو چھانگا کے آدمیوں سے رقم چھین لے۔" شارق بولا۔

"چھانگے کو شک ہے کہ یہ حرکت نکا پہلوان کے آدمیوں نے کی ہو گی۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ خود بھی غائب ہو گیا ہے۔ مگر چھانگا اسے چھوڑے گا نہیں۔" اس شخص نے کہا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیرے ہی نے باہر کے کسی آدمی کے ساتھ مل کر یہ پروگرام بنایا ہو۔ یہ دولت بہت بری چیز ہے۔" شارق بولا۔

"نہیں باؤ شارق۔" کوچوان نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "جیرا ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو بچپن ہی سے چھانگے کے پاس ہے تمہارے آنے سے پہلے چھانگے کا تو سارا حساب کتاب ہی اس کے پاس تھا۔"

"ہو سکتا ہے میری وجہ سے اس کے دل میں کوئی بات آ گئی ہو۔" شارق نے کہا۔

"تمہاری یا کسی اور کی وجہ سے جیرے کے دل میں کوئی بات آ تو سکتی ہے مگر وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کر سکتا۔" کوچوان نے کہا۔

شارق کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ بارہ تیرہ سال کی عمر کا ایک لڑکا دوڑتا ہوا طویلے میں آ گیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"چاچا!" اس نے کوچوان کے قریب آ کر کہا۔ "پولیس کا ٹرک ادھر آ رہا ہے۔ چوک پر ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے وہیں رکا ہوا ہے۔"

"شارق باؤ.... اب تیر ہو جا یہاں سے۔" کوچوان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شارق تقریباً دوڑتا ہوا طویلہ کے پھاٹک کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ گلی میں

aazzamm@yahoo.com

موٹروں کی ورکشاپس پر کام ہو رہا تھا۔ وہ پھاٹک سے نکل کر مخالف سمت میں چلنے لگا۔ تقریباً پچاس گز آگے بائیں طرف کی ایک تنگ سی گلی میں گھوم رہا تھا کہ ورکشاپس والی گلی کے دوسری طرف پولیس کا ایک ٹرک گلی میں داخل ہوتا نظر آیا۔ شارق تیزی سے گلی میں مڑ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسری گلی میں گھوم کر چوک پر نکل آیا۔ اس نے چوک پر بھی رکنے کی حماقت نہیں کی بلکہ ایک رکشے میں بیٹھ کر چوبرجی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس وقت وہ بال بال بچا تھا۔ اگر وہ لڑکا آ کر پولیس کی آمد کی اطلاع نہ دیتا تو شارق اس وقت پولیس کے ہاتھ لگ چکا ہوتا!

شارق نے چوبرجی چوک پر رکشہ چھوڑ دیا۔ ٹہلتے ہوئے انداز میں ایک دو دکانوں سے کچھ چیزیں خریدیں اور شام نگر میں اپنے کرائے کے مکان میں آگیا۔ اس وقت گلی میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے شارق کو مکان کا دروازہ کھولتے ہوئے دیکھا ضرور تھا مگر اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

شارق کئی روز بعد یہاں آیا تھا۔ فرنیچر پر گرد کی ہلکی سی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس نے بستر کی چادر اٹھا کر جھاڑی اور ایک میلا کپڑا لے کر فرنیچر اور دیگر چیزوں کی صفائی کرنے لگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے چائے بنائی اور کپ لے کر لاؤنج میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ ایک بار پھر صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔

رات آٹھ بجے وہ اس مکان سے نکلا اور لکشمی چوک پہنچ گیا۔ لکشمی کی رونق اس وقت عروج پر تھی۔ تکا کباب' کڑاہی گوشت اور بالٹی گوشت جیسی کھانے پینے کی دکانوں کے سامنے دور دور تک میز کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ زندہ دلان لاہور نوش و نوش میں مصروف تھے۔ بیشتر سینما ہال لکشمی چوک سے ملحق ایبٹ روڈ اور میکلوڈ روڈ پر تھے اور بہت سی فلم کمپنیوں کے دفتر بھی لکشمی چوک پر ہی تھے۔ فلمی ہیرو بننے کے شوقین نوجوان عجیب و غریب حلیے بنائے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے کہ شاید ادھر سے گزرتے ہوئے کسی ہدایت کار یا فلمساز کی نظروں میں آ جائیں۔

شارق نے رکشہ لکشمی چوک پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں پر کھڑا رہا اور پھر ٹہلتا ہوا نسبت روڈ کی طرف چل دیا۔ تقریباً دو سو گز آگے بائیں طرف ایک موٹر ورکشاپ تھا۔ اس وقت نو بج چکے تھے۔ ورکشاپ کا بڑا پھاٹک بند تھا البتہ چھوٹا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر کمپاؤنڈ میں بلب کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ ورکشاپ کے باہر بھی دو تین گاڑیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔

شارق چھوٹے دروازے سے ورکشاپ میں داخل ہو گیا مگر اس نے ابھی دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ ایک لمبا تڑنگا آدمی نجانے کہاں سے نکل کر سامنے آ گیا۔

"کیا بات ہے باؤ جی' ورکشاپ بند ہو چکا ہے۔" اس آدمی نے شارق کو گھورتے ہوئے کہا۔

اس کا قد چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا تھا۔ کسرتی جسم اور بڑی بڑی مونچھیں' سر پر پولکا ڈاٹس والا سلکی مفلر لپٹا ہوا تھا۔ یہ مفلر لنڈا بازار میں دو دو روپے میں عام مل جاتے تھے۔ شارق نے اکثر تانگے' ٹھیلے والوں' چھابڑی والوں اور داداگیری کرنے والے تھرڈ ریٹ غنڈوں کو اس قسم کے مفلر سروں پر لپیٹے دیکھا تھا۔

"مجھے چھانگے سے ملنا ہے۔ وہ یہاں آیا ہوا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"کون چھانگا؟ یہاں تو کوئی چھانگا نہیں ہے۔ یہ ورکشاپ ہے باؤ جی کوئی گھر تو نہیں ہے نا جو آپ کسی سے ملنے آئے ہو۔" اس شخص نے کہا۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔" شارق نے اسے گھورا۔ "اگر تم چھانگا کو نہیں جانتے تو ماجھے گجر کو جا کر بتاؤ کہ شارق آیا ہے۔"

"شارق....!" وہ شخص اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "نام تو سنا ہوا لگ رہا ہے۔ آؤ میرے ساتھ..... مگر ایک منٹ رک جاؤ۔" وہ شخص شارق کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کے لباس کو دونوں ہاتھوں سے تھپتھپانے لگا اور پھر اس نے شارق کی جیب سے پستول نکال لیا۔

"یہ تمہیں واپس مل جائے گا۔" اس نے پستول اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

خاصا لمبا چوڑا ورکشاپ تھا۔ کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہ تمام مرمت طلب گاڑیاں تھیں جو لوگ یہاں چھوڑ گئے تھے۔ کمپاؤنڈ کے آخر میں تین کمرے تھے۔ ایک کمرہ اسٹور روم تھا جہاں کام میں استعمال ہونے والے اوزار اور ریکس میں کچھ اسپیئر پارٹس سجے ہوئے تھے۔ دوسرا کمرہ ورکشاپ کے مینیجر کا تھا اور تیسرا کمرہ ڈریسنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہاں ورکشاپ میں کام کرنے والے کاریگر اور مکینک وغیرہ لباس تبدیل کرتے تھے اور دوپہر کا کھانا بھی اسی کمرے میں بیٹھ کر کھاتے تھے۔

وہ آدمی شارق کو لے کر دفتر والے کمرے میں آ گیا جہاں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ میز پر بعض دیگر چیزوں کے علاوہ ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ دیواروں پر مختلف ماڈل کی خوبصورت کاروں کے بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ آہنی الماری استادہ تھی۔

شارق الماری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چھانگا کے ساتھ دو مرتبہ یہاں آ چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس دفتر کے نیچے ایک وسیع تہہ خانہ تھا اور اسے اس تہہ خانے کا راستہ بھی معلوم تھا۔ وہ اس لمبے تڑنگے آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے فون کا ریسیور اٹھا لیا تھا اور سات کا بندسہ ڈائل کر رہا تھا۔

یہ ورکشاپ ماجھا گجر کا تھا۔ اس کا تعلق بنیادی طور پر دودھ بیچنے والے خاندان سے تھا۔ کئی

aazzamm@yahoo.com

سال پہلے اس احاطے میں اس کا بھینسوں کا باڑہ ہوا کرتا تھا۔ ماجھا گجر اپنے بیٹے کو پڑھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا مگر اس نے میٹرک بھی نہیں کیا تھا۔ بیٹے کی دلچسپی دیکھتے ہوئے ماجھا گجر نے اسے موٹروں کے ایک ورکشاپ میں ڈال دیا۔ وہ کئی سال تک ایک مشہور کمپنی کے ورکشاپ میں کام سیکھتا رہا اور بالآخر اس کا شمار شہر کے چند ایسے گنے چنے مکینکس میں ہونے لگا جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ مردہ انجن میں بھی جان ڈال دیتے ہیں۔

اس دوران ماجھا گجر کے تعلقات کچھ ایسے لوگوں سے ہو گئے جو منشیات کا بزنس کرتے تھے۔ ماجھا گجر کے پاس اگرچہ پیسے کی کمی نہیں تھی لیکن دولت کے لالچ نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ باڑے میں دودھ کے ساتھ منشیات بھی بیچنے لگا۔

کئی سال بعد جب اس کے بیٹے نے کہا کہ وہ اپنا ذاتی ورکشاپ کھولنا چاہتا ہے تو ماجھا گجر کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ موٹر ورکشاپ کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ چھانگا کے مشورے سے اس نے تمام بھینسیں گاؤں کے باڑے میں منتقل کر دیں اور یہاں ورکشاپ بنانے کی تیاری شروع ہو گئی۔ ماجھا گجر اور چھانگا میں بڑی گہری دوستی تھی۔ دفتر کی عمارت کے نیچے یہ تہہ خانہ چھانگا نے اپنی نگرانی میں بنوایا تھا۔

جب ماجھا گجر کے بیٹے نے یہاں اپنا ورکشاپ شروع کیا تو اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ماجھے گجر نے بھی یہاں اپنا بزنس شروع کر دیا۔ ورکشاپ چھ بجے بند ہو جاتا تھا اس کے بعد ماجھا گجر کا بزنس شروع ہو جاتا جو آدھی رات تک جاری رہتا۔

کل رات باغبانپورہ میں رونما ہونے والے واقعہ کے بعد پولیس نے اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے منشیات فروشوں کے مختلف اڈوں پر چھاپے مارنا شروع کر دیئے تھے۔ اگر شاکر قتل نہ ہوتا تو شاید پولیس اتنی سرگرم نہ ہوتی۔ ان چھاپوں سے بچنے کے لئے شہر کے تقریباً تمام ہی بڑے منشیات فروشوں نے وقتی طور پر اپنے اڈے بند کر دیئے تھے اور خود ادھر ادھر چلے گئے تھے۔

ماجھے گجر کا یہ اڈہ بھی اگرچہ پولیس کی نظروں میں تھا مگر اس پر کبھی چھاپہ نہیں پڑا تھا۔ چھانگا اس اڈے کو محفوظ سمجھ کر ہی یہاں چلا آیا تھا۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس کی سرگرمیاں ایک دو روز سے آگے نہیں بڑھیں گی۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو موت کے ان سوداگروں کا کام پھر شروع ہو جائے گا۔

شارق مڑ کر اس لمبے تڑنگے آدمی کی طرف دیکھنے لگا جو فون پر کہہ رہا تھا۔

"وہ آیا ہے جی.... کیا نام ہے اس کا شارق باؤ.... ہاں جی.... ہاں جی.... اچھا جی.... میں ابھی بھیج دیتا ہوں جی۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور سامنے والی دیوار کے قریب آہنی الماری کے سامنے

کھڑا ہو گیا۔ اس نے الماری کھولی۔ اس کے ایک خانے میں رسید بکیں' ایک خانے میں کچھ فائلیں اور باقی خانوں میں بعض گاڑیوں کے قیمتی اسپیئر پارٹس کے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے الماری کا تجوری والا خانہ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا اور اس کے آخر میں لگی ہوئی ایک کیل کو ٹٹول کر باہر کی طرف کھینچا اور ہاتھ باہر نکال لیا۔ دوسرے ہی لمحہ الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی۔

الماری کے گھوم جانے سے فرش میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ اس خلا کے اندر تنگ سی سیڑھیاں تھیں اور سیڑھیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔

"جاؤ جی.... شارق باؤ جی۔" اس شخص نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا پستول۔" شارق نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اس شخص نے جیب سے پستول نکال کر شارق کے ہاتھ میں تھما دیا۔ شارق نے پستول پتلون کی جیب میں ٹھونسا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے اوپر دیکھا۔ الماری اپنی جگہ پر آ گئی تھی اور فرش کا وہ خلا بند ہو چکا تھا۔

تہہ خانہ خاصا وسیع تھا۔ اس میں تین چار کمرے تھے۔ شارق نے آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھا ہی تھا کہ دائیں طرف دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکل کر شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے شارق کو اشارہ کیا' شارق اسی طرف بڑھ گیا۔

کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور قیمتی صوفے تھے۔ درمیان میں ایک کافی ٹیبل رکھی ہوئی تھی اور اس میز پر شراب کی دو بوتلیں اور چار گلاس نظر آ رہے تھے۔ دونوں بوتلیں آدھی آدھی تھیں اور گلاسوں میں بھی تھوڑی تھوڑی شراب موجود تھی۔ کمرے میں آدمی بھی چار ہی تھے۔ ایک وہ جس نے دروازہ کھولا تھا۔ دوسرا چھانگا' تیسرا ماجھا گجر اور چوتھے کا نام اکبر تھا جو عام طور پر اکو کے نام سے مشہور تھا۔ وہ گڑھی شاہو کا بدمعاش تھا اور اپنے علاقے میں منشیات کا سب سے بڑا بیوپاری وہی تھا۔ شارق ایک مرتبہ پہلے بھی چھانگا کے ساتھ اس سے مل چکا تھا۔

"آؤ شارق باؤ.... بڑی عمر ہے تمہاری۔" ماجھا گجر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ چھانگے کو فکر تھی کہ کہیں تم دھوکے میں پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جاؤ۔"

"شارق اب اتنا کمزور نہیں رہا کہ پولیس اس پر ہاتھ ڈال سکے۔" شارق نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چند مہینے پہلے شارق واقعی بہت کمزور تھا۔ پولیس کے لئے ایک کھلونا تھا۔ لیکن اب اس کے پیچھے آپ جیسے لوگوں کی طاقت ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"او خوش کیتا ای شارق باؤ۔" ماجھا گجر بولا۔ "ہو جائے اسی خوشی میں ایک...."

"نہیں۔" شارق نے ہاتھ اٹھا دیا۔ "میں شراب نہیں پیتا۔ ایسی چیزوں سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ اپنا شغل جاری رکھیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی نا شارق باؤ۔" ماجھے گجر نے اٹھلا کر کہا۔

"مجھے مجبور نہ کرو بھائی۔" شارق نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا پھر چھانگا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل رات کیا ہوا تھا؟ میں آج دوپہر اڈے پر گیا تھا۔ مجھے شوکے نے بتایا تھا۔ اسی وقت پولیس نے بھی چھاپہ مارا تھا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ چند سیکنڈ پہلے ہی مجھے پولیس کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی اور میں وہاں سے نکل گیا تھا۔"

"کیا بتاؤں شارق باؤ۔" چھانگا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ نکے پہلوان سے برسوں سے لین دین ہے۔ پہلے کبھی کوئی ایسی بات ہوئی نہیں تھی۔"

"کیا تمہارے خیال میں رقم چھیننے کے لئے جیرے اور شاکر پر حملہ نکے پہلوان کے آدمیوں نے کیا ہو گا؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

"ویسے شک تو اسی پر ہے کیونکہ وہ آج کل رقم کے معاملے میں کچھ ٹوٹا ہوا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ تو ماجھے گجر کا نکلتا ہے اس کی طرف۔ دو مہینے ہو گئے وہ دینے کا نام ہی نہیں لیتا۔ چند روز پہلے میں اسی لئے اس کی طرف گیا تھا کہ اس کو سمجھا سکوں کہ اگر یکمشت ادائیگی نہیں کر سکتا تو تھوڑی تھوڑی کر کے اس کی رقم دے دے۔ ہم بھی تو پشاور والوں کو نقد ادائیگی کر کے مال اٹھاتے ہیں۔ وہ تو ہمارے ساتھ ایک روپے کا ادھار نہیں کرتے۔ نکے پہلوان پر شک کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ غائب ہو گیا ہے اور اس نے ابھی تک ہم میں سے کسی سے رابطہ نہیں کیا۔"

"رابطہ نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ پولیس کے خوف سے کہیں چھپا بیٹھا ہو۔" شارق نے کہا۔ "جیسے تم لوگ یہاں چھپے بیٹھے ہو۔"

"وہ دوسرے طریقے سے بھی ہم سے رابطہ قائم کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ جس کا مطلب ہے کہ اس کے دل میں چور ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"کیا جیرا ایسا نہیں کر سکتا۔" شارق بولا۔ "میرا مطلب ہے اس نے کسی اور کے ساتھ مل کر یہ ساری پلاننگ کی ہو۔"

"نہیں' شارق باؤ۔" چھانگا نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ میرے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے۔ لاکھوں روپے اس کی تحویل میں رہے ہیں کبھی اس نے ایک پائی کا ہیر پھیر نہیں کیا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تو تمہارا شک نکے پر ہی ہے۔" شارق بولا۔

"نکے پہلوان سامنے آئے تو معاملے کی کچھ وضاحت ہو۔" چھانگا نے جواب دیا۔

"جیرے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ہمیں درمیان کے ایک آدمی کے ذریعے پولیس کا پیغام ملا ہے۔" چھانگا نے جواب دیا۔ "ان کا پانچ لاکھ کا مطالبہ ہے۔"

"کمال ہے۔" شارق بولا۔ "آدمی بھی ہمارا مارا گیا۔ پکڑا بھی ہمارا آدمی گیا اور پانچ لاکھ کا مطالبہ بھی ہم سے۔"

"ایسا ہی ہوتا ہے شارق باؤ۔" چھانگا نے کہا۔ "تمہیں تو خود اس کا تجربہ ہے۔ عمر قید کی سزا بھگت کر آئے ہو اور اس کے بعد بھی تمہارے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا ہے تم جانتے ہو۔ اگر یہ قانون والے ایسا نہ کریں تو ان کی جائیدادیں کہاں سے بنیں؟ ان کی اولادیں ولایت اور امریکہ کے کالجوں میں کیسے تعلیم حاصل کریں۔ ان کی عورتیں زیورات سے کیسے لدی پھندی رہیں۔ وہ کلب اور ماڈل ٹاؤن کی شاندار کوٹھیوں میں کیسے رہیں۔ قیمتی اور چم چماتی کاروں میں کیسے گھومیں؟ دیر میرے! پولیس میں لوگ قوم کی خدمت کے لئے نہیں آتے۔ یہ تو پیسہ بنانے آتے ہیں۔ پیسہ.... اور پیسہ بنانے کے طریقے ان کو آتے ہیں۔"

"تو کیا تم پانچ لاکھ دے دو گے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پانچ لاکھ کا مطالبہ دونوں پارٹیوں سے ہے۔" چھانگا نے کہا۔ "ڈھائی لاکھ مجھ سے اور ڈھائی نکے پہلوان سے۔ اسی لئے تو ہم چاہتے ہیں کہ نکے پہلوان سے رابطہ ہو تو اس سے بات کی جائے۔"

"اگر وہ پہلے ہی پھانک ہو رہا ہے تو ڈھائی لاکھ کہاں سے دے گا؟" شارق بولا۔

"اسے کہیں نہ کہیں سے تو یہ بندوبست کرنا ہی پڑے گا ورنہ اس کا بندہ بھی ایسا پکڑا گیا ہے جو اندر باہر کے سارے راز جانتا ہے۔ اگر نکے پہلوان نے اپنے اس بندے کو نہ چھڑایا تو وہ بھی نہیں بچ سکے گا۔"

وہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ماجھے گجر نے ریسیور اٹھا لیا۔ وہ نکے کی کال تھی۔ اس نے فون کا ریسیور چھانگے کی طرف بڑھا دیا۔ چھانگا تقریباً دس منٹ تک اس سے باتیں کرتا رہا آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' ہم آ رہے ہیں۔ ایک گھنٹہ تو لگ جائے گا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور باری باری سب چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چلو بھئی دوستو۔ وہ حاجی لنگے کے گھر ہمارا انتظار

aazzamm@yahoo.com

کر رہا ہے۔"

"بات کیا ہوئی اس سے؟" اکو بدمعاش نے پوچھا۔

"بات تو وہیں چل کر ہو گی۔" چھانگا کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ سب لوگ کمرے سے نکل آئے۔ چند منٹ بعد وہ اوپر دفتر والے کمرے میں موجود تھے اور پھر وہ دفتر سے نکل کر کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کے گرد گھومتے ہوئے گیٹ کے قریب کھڑی ہوئی ایک سفید کار کے قریب رک گئے۔ اسی دوران لمبا تڑنگا آدمی بھی کہیں سے نکل کر سامنے آگیا۔

"گیٹ کھول اوئے!" ماجھا گجر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' پھر اس شخص سے مخاطب ہوا جس نے تہہ خانے میں شارق کا استقبال کیا تھا۔ "چلے پترا تو آج آرام کر.... ہم یہاں واپس نہیں آئیں گے۔"

"اچھا جی!" حبیبے نے مختصر سا جواب دیا۔

ماجھا گجر کار کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ چھانگا اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ شارق اور اکو بدمعاش پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ بھاری مونچھوں والے لمبے تڑنگے آدمی نے گیٹ کھول دیا۔ ماجھے گجر نے انجن اسٹارٹ کر کے ریورس میں گاڑی کو گیٹ سے نکالا اور سڑک پر آتے ہی اس کا رخ لکشمی چوک کی طرف موڑ دیا۔

ساڑھے دس بجے تھے۔ لکشمی چوک کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ماجھے گجر نے گاڑی ایبٹ روڈ پر موڑ دی۔ اس سڑک پر دونوں طرف لاتعداد سینما ہاؤس تھے۔ پورا علاقہ رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ بیشتر سینماؤں کے انٹرول ہوئے تھے۔ سڑک پر مرغ چھولے' نان کباب اور ایسی ہی چیزیں بیچنے والے ٹھیلوں پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ کار ایبٹ روڈ سے نکل کر شملہ پہاڑی کے گرد گھومتی ہوئی کانونٹ اسکول کے سامنے سے ہوتی ہوئی گڑھی شاہو کے پل کی طرف نکل گئی اور جی ٹی روڈ پر دائیں سمت باغبانپورہ کی طرف مڑ گئی۔

حاجی لنگے کا مکان داروغہ والا میں تھا۔ باغبانپورہ اور شالامار باغ کے سامنے سے ہوتے ہوئے کار تیز رفتاری سے جی ٹی روڈ پر دوڑتی رہی اور بالآخر اس کی رفتار کم ہو گئی۔ بائیں طرف سڑک سے ذرا ہٹ کر وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔

"دھیان رکھنا یار۔" ماجھا گجر نے چھانگا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں ہم آگے ہی نہ نکل جائیں۔"

"کوٹھی ابھی آگے ہے۔" چھانگا نے جواب دیا اور کوٹھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ بعض کوٹھیوں

کے گیٹوں پر بلب جل رہے تھے اور بعض تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ "بس.... وہ آگے والی کوٹھی ہے۔" چھانگا نے اشارہ کیا۔

ماجھے گجر نے کار کوٹھی کے گیٹ کی طرف موڑ دی اور ساتھ ہی ہارن بجا دیا۔ کار گیٹ کے سامنے رکی' ایک آدمی نے چھوٹے دروازے میں سے جھانک کر دیکھا اور پھر گیٹ کھول دیا۔ ماجھا گجر کار کو اندر لیتا چلا گیا۔

بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وسیع و عریض لان تھا جس میں تین چار جگہ پولز پر فینسی شیڈز والی بتیاں جل رہی تھیں۔ پورچ میں دو گاڑیاں پہلے ہی سے کھڑی تھیں۔ ماجھا گجر نے اپنی کار ان کے پیچھے روک کر انجن بند کر دیا۔ ٹھیک اسی لمحے حاجی لنگے کا ایک نوکر برآمدے میں نمودار ہوا۔ یہ لوگ کار سے اترے تو نوکر انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ بہت وسیع اور عالی شان ڈرائنگ روم تھا۔ سامنے ہی صوفوں پر نکا پہلوان اور حاجی لنگا بیٹھے ہوئے تھے۔

حاجی لنگا کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ چھوٹی سفید داڑھی' درمیانہ قد اور قدرے بھاری بھرکم جسم۔ اسے دیکھ کر کسی نیک آدمی کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا لیکن حاجی لنگا کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جو ملک کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھے۔ وہ اسمگلر تھا' اناج' گھی' تیل اور دیگر اشیائے خورد و نوش اور سونا بڑی مقدار میں بھارت اسمگل کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سرحدی محافظوں سے تصادم ہو گیا تھا۔ اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی وہ فرار ہونے میں کامیاب تو ہو گیا تھا مگر اس کی ٹانگ کو روگ لگ گیا تھا۔ ٹانگ کا زخم ٹھیک ہونے کے بعد وہ لنگڑا کر چلنے لگا تھا۔ اسی لنگڑاہٹ کی وجہ سے وہ حاجی لنگا کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

نکا پہلوان اور حاجی لنگا نے اٹھ کر ان لوگوں کا استقبال کیا۔

"اوئے یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟" چھانگے نے نکا پہلوان کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت تھی تو مجھے کہتا۔ دو لاکھ.... چار لاکھ.... دس لاکھ.... جتنی رقم چاہئے تھی مجھ سے لے لیتا۔ لیکن یہ تم نے بہت بری حرکت کی ہے۔ میرا ایک بندہ مروا دیا اور دوسرے کو اندر کروا دیا۔ تو تو بڑا یار مار نکلا اوئے نکے پہلوان...."

"میں نے کچھ نہیں کیا چھانگے۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "اور تمہارا بندہ بھی تمہارے تیرے ہی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ یہ شکر کرو کہ میرے آدمی نے شاکر کے قتل کے سلسلے میں ابھی تیرے کا نام نہیں لیا ورنہ اس کے خلاف قتل کا پرچہ کٹ چکا ہوتا۔"

چھانگے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ چند لمحے عجیب سی نظروں سے نکا پہلوان کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"پھر وہ کون تھا جس نے میرے آدمیوں پر حملہ کر کے رقم چھینی تھی؟"

"اگر یہ معلوم ہوتا تو ہمارے آدمی اندر نہ ہوتے۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔

ان دونوں میں دیر تک گلے شکوے ہوتے رہے اور بالآخر چھانگے کو یقین ہو گیا کہ جیراوئیر سے رقم چھیننے کے لئے حملہ نکا پہلوان کے کسی آدمی نے نہیں کیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ پولیس نے ان دونوں کے لئے پانچ لاکھ مانگے ہیں؟" چانگا نے کہا۔

"ہاں.... مجھے حاجی کے ذریعے یہ پیغام مل گیا ہے۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "ان دونوں کو باہر لانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ ہم دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ پولیس ان سے ہمارے بارے میں ایک ایک بات اگلوا لے گی۔"

"پھر تو ڈھائی لاکھ کہاں سے دے گا؟" چھانگا نے اسے گھورا۔

"یہ رقم حاجی مجھے قرض دے گا۔" نکا پہلوان نے کہتے ہوئے حاجی کی طرف دیکھا۔

"نکا پہلوان آج کل اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اتنی بڑی رقم کا بندوبست کر سکے۔" حاجی لنگے نے کہا۔ "اس کی طرف سے رقم میں دے دوں گا۔ بعد میں اس سے رقم وصول کر لوں گا۔ تم اگر تیار ہو تو میں انسپکٹر کو یہیں پر بلوا لوں تاکہ یہ معاملہ ختم ہو جائے۔"

"رقم کا بندوبست تو کل ہی ہو گا۔ اس وقت کہاں سے آئے گی اتنی بڑی رقم۔" چھانگا نے جواب دیا۔

"رقم کا بندوبست تو کل ہی ہو گا لیکن اس وقت معاملہ تو طے ہو جائے۔" حاجی نے کہا۔

"ٹھیک ہے' بلا لو اسے۔ یہ قصہ بھی ختم ہو ہی جائے۔" چھانگا نے جواب دیا۔

حاجی لنگا فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی وہ تقریباً پندرہ منٹ تک فون پر بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا اور باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ آ رہا ہے' ذرا احتیاط سے بات کرنی ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا معاملہ بگڑ جائے۔ اور نکے...." وہ نکا پہلوان کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم یہی کہو گے کہ اس رات تم اپنے اڈے پر موجود نہیں تھے۔ باقی معاملہ میں سنبھال لوں گا اور چھانگے تم...." اب وہ چھانگے کی طرف گھوم گیا۔ "مقتول شاکر سے تم اپنا کوئی تعلق ظاہر نہیں کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ جس طرح تم کہتے ہو ویسا ہی ہو گا۔" چھانگے نے جواب دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک پولیس آفیسر پہنچ گیا۔ وہ وردی میں تھا اور اکیلا ہی تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک ان میں گرما گرم بحث ہوتی رہی۔

"تم لوگوں کو اندازہ نہیں کہ ہم پر کتنا دباؤ پڑ رہا ہے۔" پولیس آفیسر کہہ رہا تھا۔ "اخبارات ہم پر کھل کر الزام لگا رہے ہیں کہ ہم جرائم پیشہ لوگوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ ہم نے تم لوگوں کو اگر ناجائز دھندوں کی چھوٹ دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم لوگ قتل و غارت کرتے پھرو۔ ارے خدا کے بندو' خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو اور ہمیں بھی نوکری کرنے دو۔"

"پہلے کبھی ایسا ہوا ہے۔" چھانگے نے کہا۔ "یہ حرکت ہمارے آدمیوں نے نہیں کی وہ کوئی باہر کا آدمی تھا۔"

"اب چھوڑو ان باتوں کو۔" حاجی لنگا نے کہا۔ "ان کے بندے کب چھوڑ رہے ہو؟"

"ان کے بندے کل صبح سویرے چھوڑ دیئے جائیں گے لیکن...." پولیس آفیسر خاموش ہو کر حاجی کی طرف دیکھنے لگا۔

"رقم تمہیں کل شام سے پہلے پہلے مل جائے گی۔ یہ میری ذمے داری ہے۔" حاجی نے کہا۔

"دیکھ لو حاجی۔" پولیس آفیسر بولا۔

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔" حاجی لنگا نے کہا۔ "لیکن تمہیں بھی اس بات کی ضمانت دینا ہو گی کہ ان دونوں کے خلاف بعد میں بھی کوئی کارروائی نہیں ہو گی۔"

"ابھی تک اس واقعہ کی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی اس لئے ان کے خلاف کسی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" پولیس آفیسر نے جواب دیا۔ "کم از کم اس کیس میں تو ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو گی۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن اگر انہوں نے کوئی اور حرکت کی تو ایسی صورت میں....."

"اب تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" حاجی لنگا نے اس کی بات کاٹ دی۔

شارق خاموش بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ لوگ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ پولیس جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتی ہے۔ یہاں معاملہ ایک قتل کا تھا۔ وہ مقتول کو بھی جانتا تھا اور قاتل کو بھی۔ لیکن معاملہ کس قدر آسانی سے طے ہو گیا تھا۔ پولیس آفیسر کی مٹھی گرم کر دی گئی تھی اور وہ اس سارے معاملے کو فراموش کر دینے کو تیار ہو گیا تھا۔ شارق جانتا تھا کہ خانہ پری کے لئے کسی بے گناہ کو پکڑ کر قاتل کی حیثیت سے عدالت کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اور اس کے خلاف استغاثہ کا کیس اتنا مضبوط ہو گا کہ وہ بیچارہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ اسے یا تو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا یا زندگی بھر کے لئے آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔

معاملہ طے ہو جانے کے بعد جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو ایک بج چکا تھا۔ پولیس آفیسران

aazzamm@yahoo.com

سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ ماجھا گجر نے شارق اور چھانگا کو مزنگ چوک پر اتار دیا اور اکو بدمعاش کو ساتھ لے کر اچھرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

"شارق باؤ!" چھانگا نے اپنے طویلہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "اس مہمان کا کیا کرنا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اسے ختم کر کے کہیں پھینک دیں۔"

"چلو دیکھتے ہیں اسے بھی۔" شارق نے جواب دیا۔

طویلے میں اس وقت دو آدمی تھے۔ چھانگا شارق کو لے کر مزار کے تہہ خانے میں آ گیا۔ ڈی ایس پی ستون سے بندھا ہوا تھا۔ اس کا سر سینے پر جھکا ہوا تھا۔ شارق نے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اوپر اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک گیا۔ اس نے ڈی ایس پی کے سینے پر ہاتھ رکھا' نبض ٹٹول کر دیکھی' پھر سیدھا ہو کر چھانگا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ تو ختم ہو چکا ہے!"

"چلو اچھا ہوا۔" چھانگا نے جواب دیا۔ "خس کم جہاں پاک۔ اس کی لاش کو بوری میں ڈال کر ابھی باہر پھنکوا دینی چاہئے۔ وہ کالی بوری پڑی ہے۔ تم اس کی لاش کو بوری میں ڈالو میں اوپر جا کر تانگہ تیار کرواتا ہوں۔"

چھانگا اوپر جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ شارق نے رسیاں کھول کر لاش کو کھینچ کر ایک طرف ہٹایا اور پھر اسے بوری میں ٹھونسنے لگا۔ اس نے لاش کو بوری میں ڈال کر اس کا منہ سُتلی سے باندھ دیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد چھانگا واپس آ گیا۔ وہ دونوں بوری اٹھا کر تہہ خانے سے باہر آ گئے۔

چھانگے کا آدمی تانگہ تیار کر چکا تھا۔ شارق نے بوری سیٹوں کے نیچے ٹھونس دی۔ یعقوب نامی کوچوان نے اس کے آگے گھوڑے کے دانے والی بوری اور پیچھے اس طرح رکھ دیئے کہ لاش کی بوری چھپ گئی۔ یعقوب نے اپنی سیٹ سنبھال لی اور شارق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

تانگہ گلی سے نکل کر مین روڈ پر آنے کے بجائے چھوٹی سڑکوں پر چلتا رہا۔ وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا چھپڑ تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ وہ لاش والی بوری کو چھپڑ کے کنارے پر پھینک کر آ جائیں گے۔

انہوں نے تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ آگے ایک چھوٹا سا چوک تھا۔ تانگہ چوک پر پہنچا ہی تھا کہ دو پولیس والے اچانک ہی کہیں سے نکل کر سامنے آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ وہ دونوں سڑک کے بیچ میں آ کر تانگے کو رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ شارق کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یعقوب نے تانگہ روک لیا۔ شارق اپنی سیٹ پر بے حس و حرکت

بیٹھا پولیس والوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔

○

"اوئے!" ایک پولیس والا قریب آتے ہوئے بولا۔ "کون ہو تم؟ کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

"خیر ہو سنتری بادشاہ کی۔" کوچوان یعقوب نے کہا۔ "ٹیشن جا رہے ہیں سنتری بادشاہ۔"

"اوئے یہ ٹیشن کا راستہ ہے؟" کانسٹیبل بولا۔ "تم تو دوسری طرف جا رہے ہو۔"

"یہ باؤ مجھے چوک سے لے کر آیا ہے جی' گھر سے سامان اور سواریاں لینی ہیں۔" یعقوب نے جواب دیا۔

"اور یہ نیچے کیا بھرا ہوا ہے؟" دوسرا کانسٹیبل سیٹ کے نیچے جھانکنے لگا۔

"گھوڑی کے لئے بوری میں دانا اور پھٹے ہیں جی۔" یعقوب نے کہا۔

شارق کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ وہ کن اکھیوں سے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھ رہا تھا جو آگے ہی رکھی ہوئی دانے کی بوری کو ٹٹول رہا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر اس کانسٹیبل نے ہاتھ مزید آگے بڑھا کر دوسری بوری کو ٹٹول لیا تو وہ دونوں بچ نہیں سکیں گے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ فرار کے امکانات کا جائزہ لینے لگا۔

"تم بھی تو کچھ بولو باؤ' کہاں جانا ہے؟" کانسٹیبل نے شارق کو گھورا۔

"ساڑھے چار بجے والی ٹرین سے جانا ہے۔ تم لوگ ہمارا وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔" شارق نے کہا۔

"ہمیں تھانے کے سامنے اتار دو پھر جہاں مرضی چلے جانا۔" وہ کانسٹیبل کہتے ہوئے شارق کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دوسرا کانسٹیبل اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"ہمیں دیر ہو جائے گی سنتری بادشاہ۔ تم جانتے ہو اسٹیشن یہاں سے کتنی دور ہے۔" شارق نے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔

"ابھی تو تین بجے ہیں باؤ جی۔" کانسٹیبل کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارا تو پانچ منٹ کا راستہ ہے۔"

یعقوب نے شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے سر ہلا دیا۔

"چل یار پہلے انہیں چھوڑ دے۔" وہ بولا۔

تانگہ چوک پر دائیں طرف مڑ گیا۔ تھانہ وہاں سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھا۔ شارق بہت محتاط انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو سب سے

aazzamm@yahoo.com

پہلے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کانسٹیبل کی رائفل پر ہاتھ ڈالے گا۔

وہ ایک عجیب صورت حال سے دوچار تھا۔ سیٹوں کے نیچے ایک پولیس آفیسر کی لاش پڑی تھی اور تانگے میں اس کے ساتھ دو پولیس والے بیٹھے ہوئے تھے۔ مزید ستم یہ کہ یہ تانگہ تھانے کی طرف جا رہا تھا.... اسے ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد تانگہ تھانے کے سامنے رکا۔ وہ دونوں پولیس والے نیچے اتر گئے اور شکریہ ادا کئے بغیر تھانے کے گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ یعقوب نے گھوڑی کو ہانک دیا۔ شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ تھانے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر دوسری سڑک پر گھومتے ہی یعقوب نے تانگہ روک لیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔

"شارق باؤ!" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری مانو تو بوری کو یہیں پھینک کر جان چھڑاؤ اس سے۔"

"ٹھیک ہے' اس درخت کے نیچے پھینک دیتے ہیں۔" شارق کہتے ہوئے نیچے اتر آیا۔

انہوں نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیٹوں کے نیچے سے بوری نکالی اور اسے سڑک کے کنارے پیپل کے درخت کے نیچے ڈال دیا۔ تانگے کی طرف بڑھتے ہوئے شارق نے مڑ کر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے بوری نے حرکت کی ہو لیکن وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر تیزی سے چلتا ہوا تانگے پر سوار ہو گیا۔ یعقوب نے گھوڑی کو ہانک دیا۔

جب وہ طویلے میں واپس پہنچے تو پونے چار بج رہے تھے۔ چھانگا اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔

"پھینک آئے؟"

"ہاں' پھینک آئے۔ شارق نے اس کی قریب دری پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن بال بال بچ گئے۔ قسمت اچھی تھی بچ گئے ورنہ دھر لئے جاتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تفصیل سے راستے میں پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل بتانے لگا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک باتیں کرتے رہے پھر وہیں لیٹ کر سو گئے۔ شارق جب بیدار ہوا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ اٹھ کر حوض پر آ گیا۔ نلکے سے منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو چھانگے سے سامنا ہو گیا۔ وہ مزار والے گنبد سے نکل رہا تھا۔

"جیرا آ گیا یا نہیں؟" شارق نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جیرا تو آ گیا ہے شارق باؤ لیکن ایک اور عجیب خبر سنی ہے۔" چھانگا بولا۔

"کیسی خبر؟" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ڈی ایس پی جسے تم مردہ سمجھ کر رات کو پھینک آئے تھے زندہ ہے۔" چھانگا بولا۔

"کیا؟" شارق اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"ہاں' یہ درست ہے۔ چھانگا نے جواب دیا۔ "مجھے یہ اطلاع ایک گھنٹہ پہلے ملی ہے۔ صبح چھ بجے کسی راہ گیر نے سڑک کے کنارے درخت کے نیچے بوری پڑی دیکھ کر اسے کھولا تو اس میں ایک پولیس آفیسر کو دیکھ کر چونک گیا۔ پہلے تو وہ بھی اسے مردہ ہی سمجھا تھا مگر اس کے جسم میں حرکت دیکھ کر راہ گیر نے اسے بوری سے نکال لیا اور تھانے میں اطلاع کر دی۔ ڈی ایس پی اس وقت میو ہسپتال میں ہے۔ وہ زندہ ہے لیکن بے ہوش پڑا ہے۔ ڈاکٹر اسے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ....."

"اس کی زندگی ہماری موت کا پیغام بن سکتی ہے۔" چھانگا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم فکر مت کرو چھانگا۔" شارق بولا۔ "وہ کوئی بیان دینے کے لئے زندہ نہیں رہے گا۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"تمہیں یہ اطلاع کیسے ملی تھی؟"

"پورے شہر میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔" چھانگا نے جواب دیا۔ "پولیس کے محکمہ میں تو جیسے بھونچال آ گیا ہے۔ تم تو سو رہے تھے۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے علاقے کا انسپکٹر آیا تھا۔ وہ پوچھ گچھ کر کے گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ فوری طور پر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن بہتر ہو گا کہ آج کا دن ہم یہاں سے دور ہی رہیں۔" شارق نے کہا۔

"اس کے بعد کیا ہو گا؟" چھانگا نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جو کچھ بھی ہو گا تمہیں کل پتہ چل جائے گا۔" شارق نے کہا۔ "اچھا' میں جا رہا ہوں۔ کل رات ماجھے گجر کے ڈیرے پر ملاقات ہو گی۔"

چھانگا کے ڈیرے سے نکل کر شارق نے مزنگ چوک کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور وہاں سے سیدھا میو ہسپتال پہنچ گیا۔ اسے یہ معلوم کرنے میں دیر نہیں لگی کہ ڈی ایس پی کو ایک اسپیشل روم میں رکھا گیا تھا اور دروازے پر ایک مسلح سنتری موجود تھا۔ شارق چلتے چلتے سنتری کے پاس رک گیا۔

"کیوں سنتری بادشاہ۔ اس اسپیشل روم میں کوئی وزیر یا سرکاری افسر زیر علاج ہے جو تم یہاں پہرہ دے رہے ہو؟"

aazzamm@yahoo.com

"نہیں' ہمارا ایک ڈی ایس پی ہے جسے کئی روز پہلے اغوا کیا گیا تھا۔ وہ لوگ اسے ادھ موا کر کے آج صبح ایک ویران سڑک پر پھینک گئے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"یہ جرائم پیشہ لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "ڈی ایس پی نے بتایا نہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ پکڑے نہیں گئے؟"

"ڈی ایس پی صاحب کو جب سے یہاں لایا گیا ہے بے ہوش پڑے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ وہ زندہ نہیں بچ سکیں گے۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"ان کے گھر والے تو بہت پریشان ہوں گے۔" شارق بولا۔

"پریشانی کی تو بات ہے نا۔" کانسٹیبل نے کہا۔ "کسی کو ملنے بھی نہیں دیا جاتا۔ مل کر کریں گے بھی کیا۔ صاحب تو ہوش میں ہی نہیں ہیں۔"

"اچھا بھائی۔" شارق راہداری میں ایک ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر بولا اور مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اگر ڈاکٹر اکیلا ہوتا تو وہ اس طرح کھسکنے کی کوشش نہ کرتا۔ ڈاکٹر کے پیچھے ایک انسپکٹر بھی چلا آ رہا تھا۔

شارق ہسپتال سے نکل کر ایک سرجیکل اسٹور پر آ گیا۔ یہاں اس نے ضرورت کی چند چیزیں خریدیں۔ ایک اور دوکان سے زیروپوائنٹ کا چشمہ خریدا اور گھومتا ٹہلتا ہوا سہیل کے ریسٹورنٹ والے فلیٹ میں آ گیا۔

رات ایک بجے وہ سہیل کے فلیٹ سے نکل آیا۔ مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا وہ ہسپتال روڈ پر آ گیا۔ میو ہسپتال کے گیٹ کی طرف اس وقت بھی رونق نظر آ رہی تھی۔ ایک دو چھوٹے ریسٹورنٹ اور چند میڈیکل اسٹور کھلے ہوئے تھے مگر شارق مین گیٹ کی طرف جانے کے بجائے ہسپتال روڈ کی طرف واقع چھوٹے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ اس طرف وسیع و عریض لان تھا۔ کچھ لوگ گھاس پر سو رہے تھے اور بعض لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا کوئی عزیز یا رشتہ دار علاج کے لئے ہسپتال میں داخل تھا۔

شارق دیوار کے ساتھ بائیں طرف مڑ گیا۔ دیوار کے ساتھ اندر کی طرف شیشم کے درخت تھے۔ وہ ایک درخت کے نیچے رک گیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے میں سے سفید لیب کوٹ نکال لیا۔ سفید شیشے والی عینک آنکھوں پر لگائی اور اسٹیتھوسکوپ گردن پر لٹکا لیا۔ اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا پھر مطمئن ہو کر پتلون کی جیب سے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکال لی۔ اس تھیلی میں نقلی ہٹلر کٹ مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے مونچھیں ہونٹ پر چپکا کر اسپرنگ ناک میں پھنسا لیا۔ خالی تھیلا درخت کے

نیچے ایک طرف پھینک دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہسپتال کی عمارت کی طرف چلنے لگا۔

کئی ایکڑ پر پھیلا ہوا یہ ہسپتال کئی بلاکس پر مشتمل ہے۔ شارق مختلف بلاکوں میں سے ہوتا ہوا اس بلاک میں آ گیا جس کے ایک حصے میں اسپیشل رومز تھے۔ شارق حلئے سے ایک ڈاکٹر ہی لگ رہا تھا۔ اس وقت رات کے پونے دو بج رہے تھے۔ ہسپتال کے تمام بلاکس پر گہرا سکوت طاری تھا۔ اسے اب تک صرف دو نرسیں ملی تھیں ان میں سے ایک نرس ایسی تھی جس نے گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھا تھا جبکہ دوسری نرس توجہ دیئے بغیر قریب سے گزر گئی تھی۔

شارق جب اسپیشل رومز والی راہداری میں پہنچا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ڈی ایس پی والے کمرے کے سامنے کرسی پر اس وقت ایک اور کانسٹیبل بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کی رائفل گھٹنوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ شارق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کا دایاں ہاتھ غیر ارادی طور پر پیشانی پر پہنچ گیا۔

دل کی دھڑکن بے قابو ہونے کے باوجود شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"سٹاف نرس آئی تھی؟" شارق نے لہجے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"نن.... نہیں جناب۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"دروازہ کھولو۔" شارق نے کہا۔

"جی جناب۔" کانسٹیبل نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

شارق اندر داخل ہوا تو کانسٹیبل نے بھی اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہونا چاہا مگر شارق نے اسے روک دیا۔

"تم یہیں رکو۔ مریض ڈسٹرب ہو گا۔"

اندر داخل ہو کر شارق ایک لمحہ کو رکا۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا اور پھر بڑی احتیاط اور آہستگی سے دروازے کی کنڈی لگا دی اور بڑی تیزی سے بیڈ کے قریب پہنچ گیا۔ ڈی ایس پی ہسپتال کے لباس میں بیڈ پر پڑا تھا۔ وہ واقعی ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہا تھا۔ بیڈ کے ساتھ ہی اسٹینڈ پر گلوکوز کی بوتل ٹنگی ہوئی تھی۔ گلوکوز ٹیوب کے ذریعے اس کے جسم میں منتقل ہو رہا تھا۔ شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے ڈی ایس پی کے بازو میں لگی ہوئی گلوکوز کی سوئی نکال دی۔ ٹیوب اسٹینڈ کے ساتھ جھولنے لگی۔ سوئی سے گلوکوز کے قطرے فرش پر ٹپکنے لگے۔

شارق نے سفید کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سرنج نکال لی۔ سوئی پر کیپ لگا ہوا تھا۔ اس نے کیپ اتار کر بستر پر ہی ڈال دیا اور سرنج کا پلنجر پیچھے کھینچ لیا۔ سرنج میں تقریباً دو سی سی پانی بھرا ہوا تھا۔ پلنجر پیچھے کھینچنے سے اس میں ہوا بھر گئی۔

aazzamm@yahoo.com

شارق ڈی ایس پی پر جھک گیا۔ اس کا بازو بالکل ایسا تھا جیسے ہڈی پر کھال منڈھی ہوئی ہو۔ اس نے بڑی مشکل سے وہ نس تلاش کی جہاں پہلے گلوکوز کی سوئی لگی ہوئی تھی۔ اس نے نس میں ٹھیک اسی جگہ سرنج کی سوئی داخل کر دی اور پلنجر کو آہستہ آہستہ آگے دبانے لگا۔

چند سیکنڈ بعد اس نے سوئی باہر کھینچ لی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ ہوا کی ننھی سی گولی جو اس نے ڈی ایس پی کے جسم میں داخل کی تھی وہ خون کے ساتھ گردش کرتی ہوئی جب دل تک پہنچے گی تو دل کی دھڑکن خاموش ہو جائے گی۔ ڈی ایس پی کبھی ہوش میں نہیں آ سکے گا اور پولیس کبھی یہ نہیں جان سکے گی کہ اسے اغوا کرنے والے اور پھر بوری میں بند کر کے سڑک پر پھینکنے والے کون تھے۔

شارق اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سرنج کو دیکھ رہا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی جو دروازے کے سامنے آ کر رک گئی پھر یوں لگا جیسے دروازہ کھولنے کے لئے ہینڈل پر دباؤ ڈالا گیا ہو۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروزے کی کنڈی لگی ہوئی تھی۔

"اے.... اندر کون ہے؟ دروازہ کھولو!" باہر سے ایک بھاری آواز سنائی دی اور پھر دروازہ دھڑدھڑایا جانے لگا۔

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے سرنج بستر پر پھینک دی پھر کوٹ اتار کر ایک طرف پھینکا اور عقبی کھڑکی کی طرف لپکا' کھڑکی بند تھی۔ اس نے کھڑکی کی چٹخنی کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ دروازہ اب اور زور زور سے دھڑدھڑایا جا رہا تھا۔ شارق نے گلے میں لٹکا ہوا اسٹیتھوسکوپ اتار کر پھینک دیا اور اچک کر کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ گیا۔ دروازے پر اب شاید کندھے سے ٹکریں ماری جا رہی تھیں۔

اس بلاک کے پچھلی طرف لان تھا اور لان کے دوسری طرف دوسرا بلاک تھا۔ شارق نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور لان میں دوڑنے لگا۔ دوڑتے ہوئے اس نے عینک اور مونچھیں بھی اتار کر پھینک دی تیں۔ وہ دوسرے بلاک سے ابھی چند گز کے فاصلے پر تھا کہ دھڑ کی زور دار آواز سنائی دی۔ شاید کمرے کا دروازہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ایک آواز سنائی دی۔

"وہ جا رہا ہے.... پکڑو' جانے نہ پائے۔"

شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک آدمی کھڑکی پر چڑھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے دوڑ کر بلاک کے دوسری طرف گھوم گیا۔ اس بلاک کے دوسری طرف بھی وسیع لان تھا۔ اس کے ساتھ ہی پختہ سڑک تھی جو دائیں بائیں چلی گئی تھیں۔ بائیں طرف ہسپتال روڈ والا مین گیٹ تھا اور دائیں طرف یہ سڑک ایک دوسرے گیٹ سے ہوتی ہوئی نیلا گنبد کی طرف چلی گئی تھی۔ شارق دائیں

طرف دوڑنے لگا۔ لان کے ساتھ مختلف بلاکس تھے ایڈمنسٹریشن بلاک بھی اسی طرف تھا۔ وہ تیزی سے دوڑتا رہا۔ پورے ہسپتال میں پکڑو پکڑو کا شور مچ رہا تھا۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ پکڑا گیا تو زندہ نہیں بچے گا لیکن وہ تاریکی اور عمارتوں کی آڑ میں دوڑتا ہوا نیلا گنبد پہنچ گیا۔

نیلا گنبد لاہور میں سائیکلوں اور ان سے متعلقہ اسپیئر پارٹس کی سب سے بڑی مارکیٹ تھی۔ دن کے وقت تو یہاں چلنے کو راستہ نہیں ملتا تھا لیکن اس وقت یہاں سناٹا طاری تھا۔ شور کی آوازیں اب بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ وہ لوگ شاید اسے ہسپتال کی حدود میں ہی تلاش کر رہے تھے۔

اس کا سانس بری طرح پھول گیا تھا۔ دفعتاً" بازار کے چوکیدار کی سیٹی کی آواز سن کر وہ اچھل پڑا۔ آواز اگرچہ ساتھ والی گلی سے آئی تھی لیکن شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ چوکیدار کچھ ہی دیر بعد اس طرف پہنچنے والا تھا۔ وہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر ایک دکان کے سامنے تختے کے نیچے گھس گیا۔ دوسری مرتبہ چوکیدار کی سیٹی کی آواز بہت قریب سے سنائی دی تھی۔

شارق تختے کے نیچے بالکل آخر میں دیوار کے ساتھ سمٹا اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سڑک کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ چوکیدار نے سائیکل اس دکان کے عین سامنے سڑک پر روک لی۔ اس نے ایک پیر زمین پر ٹکا لیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑا سیٹیاں بجاتا رہا پھر سائیکل آگے بڑھ گئی۔ چوکیدار کی سیٹیوں کی آواز بدستور دور ہوتی چلی گئی۔

شارق تختے کے نیچے سے نکل آیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دائیں طرف چلنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ مال روڈ پر کافی ہاؤس کے سامنے آ گیا۔ کافی ہاؤس کھلا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک رکشہ' ایک ٹیکسی اور دو تین کاریں اور موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں۔ شارق نے کافی ہاؤس کا دراوزہ کھول کر اس طرح اندر جھانکا جیسے کسی کی تلاش ہو۔ اندر پانچ چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ ادیب یا شاعر تھے جنہیں اپنی گھروں کی فکر نہیں ہوتی۔ یہ لوگ ایک کپ چائے پر رات بھر بیٹھے ادب اور شاعری کے موضوع پر بحث کر سکتے تھے اور حقیقت یہ تھی کہ کافی ہاؤس کی رونق بھی انہیں ادیبوں اور شاعروں کے دم سے تھی۔ شارق اندر داخل ہونے کے بجائے مڑ کر رکشے کی طرف آ گیا۔

"کیوں بھئی چلنے کا موڈ ہے؟" اس نے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اپنی سیٹ پر اس طرح نیم دراز بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پیر باہر لٹکے ہوئے تھے۔

"بیٹھئے صاحب جی' کہاں جانا ہے آپ کو؟" ڈرائیور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"چوہدری۔" شارق کہتے ہوئے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

رکشہ اسٹارٹ ہو کر حرکت میں آ گیا۔ چوہدری پہنچنے میں اسے دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ شارق چوک پر ہی رکشے سے اتر گیا اور ڈرائیور کو پیسے دے کر پیدل چلتا ہوا شام نگر کی طرف مڑ گیا۔ مزید دس منٹ بعد وہ اپنی اس خفیہ پناہ گاہ میں موجود تھا جس کے بارے میں ابھی تک کسی اور کو پتہ نہیں چلا تھا۔

بیڈ روم میں آ کر وہ کپڑے بدلے بغیر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ موجودہ صورت حال کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے اپنے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ وہ اس خطرناک راستے پر اتنا دور نکل آیا تھا کہ اب واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب تو اس نے اپنے ہاتھ بھی خون سے رنگ لئے تھے اور خون کا یہ رنگ اتنا پکا تھا جو کبھی نہیں اتر سکتا تھا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے رات کے آخری پہر تک جاگتا رہا اور پھر جب پو پھٹ رہی تھی تو اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔ دنیا والے رات بھر کی نیند پوری کرنے کے بعد جاگ رہے تھے اور شارق نیند کی آغوش میں جا رہا تھا۔

شارق دو دن تک اپنے مکان تک محدود رہا۔ ضرورت کی ہر چیز گھر میں موجود تھی۔ اسے صرف تندور سے روٹی لینے کے لئے رات کو گھر سے باہر جانا پڑتا تھا۔ دوسرے دن وہ اخبار بھی لے آیا تھا۔ اخبار سے پتہ چلا کہ پولیس بڑی سرگرمی سے اس نقلی ڈاکٹر کو تلاش کر رہی ہے جس نے زہریلا انجکشن لگا کر ڈی ایس پی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ہسپتال کے ڈاکٹر اس زہریلے انجکشن کے بارے میں ابھی کوئی رائے قائم نہیں کر سکے تھے کیونکہ ابھی تک ڈی ایس پی کی لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا تھا۔

پولیس نے اس کانسٹیبل کو گرفتار کر لیا تھا جو رات کو ہسپتال میں ڈی ایس پی کے کمرے کے سامنے ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اخبارات نے اس کانسٹیبل کا بیان اور اس کا بتایا ہوا نقلی ڈاکٹر کا حلیہ بھی شائع کیا تھا۔ گوری رنگت' دراز قامت' صحت مند جسم' آنکھوں پر عینک' ہٹلر کٹ مونچھیں اور سیاہ بال جو سادگی سے پیچھے کی طرف بنے ہوئے تھے۔ ہسپتال میں اس حلئے کا کوئی ڈاکٹر نہیں تھا۔

اخبار نے دن کو کمرے کے سامنے ڈیوٹی دینے والے پولیس کانسٹیبل کا بیان بھی شائع کیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق دوپہر کے لگ بھگ ایک خوبرو نوجوان اس سے ڈی ایس پی کے بارے میں پوچھتا رہا تھا۔ اس نے اس نوجوان کا جو حلیہ بتایا تھا وہ اس نقلی ڈاکٹر سے بالکل مختلف تھا۔

پولیس کو اس کمرے سے سرنج' لیب کوٹ اور کھڑکی کے قریب اسٹیتھوسکوپ اور پچھلی طرف لان میں ایک عینک بھی پڑی ہوئی مل گئی تھی۔ پولیس نے یہ تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لی

تھیں اور فنگر پرنٹس حاصل کرنے کے لئے انہیں ماہرین کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ پولیس کے ایک ترجمان نے اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ یہ پراسرار ڈاکٹر انہی لوگوں کا ساتھی ہو سکتا ہے جنہوں نے کئی روز پہلے ڈی ایس پی کو اغوا کیا تھا۔ فنگر پرنٹس کی رپورٹ ملنے کے بعد پولیس کی لسٹ پر موجود مشتبہ افراد کو چیک کیا جائے گا۔

شارق نے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے لئے تشویش کی بات صرف ایک تھی۔ فنگر پرنٹس.... وہ پولیس کے ریکارڈ پر تھا۔ اگر فنگر پرنٹس سے اس کا نام سامنے آ گیا تو پولیس اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گی۔ زیر زمین دنیا کا تقریباً ہر شخص اسے جانتا تھا۔ منشیات فروشوں اور جرائم پیشہ افراد کے گروہوں میں ایسے آدمی بھی موجود تھے جو پولیس کے لئے مخبری کا کام بھی کرتے تھے اور سب ہی لوگ جانتے تھے کہ وہ چھانگا کے گروہ میں شامل تھا۔ پولیس کو اس تک پہنچنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔

تیسری رات شارق چھانگا کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ اس وقت گیارہ بجے تھے اور چھانگا اکیلا ہی بیٹھا تھا وہ شارق کو دیکھتے ہی اپنا بزنس جیرے کے سپرد کر کے شارق کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔

"تم نے تو کمال کر دیا شارق باؤ۔" چھانگا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "پولیس کو تم نے ایسا چکر دیا ہے کہ پورا محکمہ گھن چکر بن کر رہ گیا ہے۔ اب وہ لوگ قیامت تک یہ سراغ نہیں لگا سکیں گے کہ اس ڈی ایس پی کو اغوا کس نے کیا تھا اور پھر ہسپتال میں ڈاکٹر بن کر اسے قتل کس نے کیا تھا۔ بھئی یہی فرق ہوتا ہے ہم جیسے جاہلوں اور تم جیسے پڑھے لکھے لوگوں میں۔ میں نے اس روز جب یہ خبر سنی کہ ڈی ایس پی زندہ ہے تو میرے تو حواس گم ہو گئے تھے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گا۔ میں تو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ باقی زندگی جیل ہی میں گزرے گی لیکن تم.... تم نے تو کمال ہی کر دیا۔"

"جیل جانے کے امکانات ابھی موجود ہیں۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟" چھانگا نے اسے گھورا۔

"اگر اغوا یا قتل ہونے والا کوئی عام آدمی ہوتا تو پولیس والے اس کیس کا فائل کہیں رکھ کر بھول جاتے۔ مگر وہ ایک ڈی ایس پی تھا۔ پولیس کا ایک اعلیٰ آفیسر۔ یہ محکمہ اسے آسانی سے نہیں بھولے گا۔ قاتل کا سراغ لگانے کے لئے وہ زمین آسمان ایک کر ڈالیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں ان پولیس والوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" چھانگا نے کہا۔ "دو چار دن سرگرمی

aazzamm@yahoo.com

دکھائیں گے اور پھر ان کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں البتہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"احتیاط۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں پولیس کے ریکارڈ پر ہوں۔ میری حماقت سے پولیس والوں کو آگے بڑھنے کا ایک راستہ مل گیا ہے۔"

"کیا راستہ؟" چھانگا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری حماقت سے سرنج' کوٹ' اسٹیتھوسکوپ اور عینک پولیس کو مل گئی ہے۔ یہ چیزیں فنگر پرنٹس کے ماہرین کو بھیج دی گئی ہیں۔ رپورٹ ملنے کے بعد وہ لوگ ذرا سی محنت سے پولیس ریکارڈ سے یہ پتہ چلا سکتے ہیں کہ انگلیوں کے یہ نشان کس کے ہیں اور پھر ہر تھانے میں میری تصویر لگی ہوئی نظر آئے گی۔" شارق نے کہا۔

"پولیس والے اتنی محنت نہیں کرتے۔" چھانگا بولا۔ "لیکن اگر تمہارے دل میں کچھ ایسا ہی خوف ہے تو چند روز کے لئے شہر سے باہر چلے جاؤ۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو واپس آ جانا۔"

"اور اگر میری تصویر اخبارات کو جاری کر دی گئی تو پورے ملک میں میری تلاش شروع ہو جائے گی۔" شارق نے جواب دیا۔

"تم واقعی ڈر گئے ہو شارق باؤ۔" چھانگا نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم ایسا کرو کہ چند روز کے لئے فیصل آباد چلے جاؤ۔ حمیدے کے پاس۔ تم حمیدے سے تو مل چکے ہو نا! میرا نام لینا۔ وہ تمہارا خیال رکھے گا اور اپنا حلیہ شلیہ ذرا بدل لو تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔"

چھانگا کا مشورہ معقول تھا۔ شارق چند لمحے سوچتا رہا پھر اس کے مشورے پر عمل کرنے ہی کو مناسب سمجھا۔

"کوئی رقم شقم چاہئے تو لے لو۔" چھانگے نے کہا۔ "ویسے ضرورت پڑنے پر تم حمیدے سے بھی میرے نام پر جتنی رقم چاہو لے سکتے ہو۔ میرا اور اس کا حساب چلتا ہی رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل صبح ہی فیصل آباد چلا جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔

چھانگے نے قمیص کے نیچے شلوار کی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہاں کے حالات جیسے ہی ٹھیک ہوں گے میں تمہیں پیغام بھجوا دوں گا۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کچھ نہیں ہونے دوں گا تمہیں۔"

کچھ ہی دیر بعد شارق چھانگے کے ڈیرے سے نکل آیا۔ وہ مزنگ چوک سے رکشے میں بیٹھ کر سیدھا باغبانپورہ پہنچ گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ بیل بجانے پر دروازہ شاہد ہی

نے کھولا تھا لیکن مریم اور رضیہ بھی آواز سن کر جاگ گئی تھیں۔ ان میں سے کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ وہ اس وقت کہاں سے آیا ہے۔ وہ اس کے کئی روز غائب رہنے اور بے وقت آمد و رفت کی عادی ہو چکی تھیں۔

"ماں جی میں چند روز کے لئے کراچی جا رہا ہوں۔" شارق نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے اس مرتبہ کئی روز لگ جائیں۔ آپ لوگ پریشان مت ہوئیے گا۔"

"میرا دھیان تو ہر وقت تمہاری ہی طرف رہتا ہے بیٹا۔" مریم نے کہا۔ "کوئی اور کام شروع کیوں نہیں کر دیتے کہ آرام سے ایک جگہ ٹک کر بیٹھ سکو۔"

"اب جو کام شروع کر رکھا ہے اسے سمیٹنا بڑا مشکل ہے ماں جی!" شارق نے جواب دیا۔ پھر رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا بریف کیس کہاں ہے' اس میں میرے دو تین جوڑے کپڑے رکھ دو۔"

"کب جا رہے ہیں آپ؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"صبح سویرے نکل جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"صبح آپ کو بریف کیس تیار ملے گا۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر رضیہ اور مریم اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ شارق نے دروازہ بند کر لیا اور پتلون کی جیب سے پستول نکال کر الماری کے سیف والے خانے میں رکھ دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

صبح چھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کچن کی طرف سے برتنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ اسی وقت رضیہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔

"میں آپ ہی کو جگانے کے لئے آ رہی تھی۔" رضیہ نے کہا۔ "آپ منہ ہاتھ دھو لیں۔ شاہد ناشتہ تیار کر رہا ہے۔ میں آپ کے کپڑے بریف کیس میں رکھ دیتی ہوں۔"

شارق باتھ روم میں چلا گیا۔ جب وہ باہر نکلا تو شاہد نے کچن سے آواز لگائی۔

"ناشتہ آپ کے کمرے ہی میں لے آؤں بھائی؟"

"ہاں لے آؤ۔" شارق کہتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

رضیہ اس کے تین چار جوڑے بریف کیس میں رکھ چکی تھی۔ وہ باتھ روم سے جا کر اس کا ٹوتھ برش اور پیسٹ وغیرہ بھی لے آئی اسی دوران شاہد ناشتہ لے آیا۔ شارق پلنگ پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے رضیہ کو کمرے سے نکال دیا اور دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کرنے لگا اور پھر سات بجے کے لگ بھگ وہ مریم اور رضیہ سے رخصت ہو کر گھر سے نکل

aazzamm@yahoo.com

آیا۔ گلیوں سے نکل کر جی ٹی روڈ پر آتے ہی اسے تانگہ مل گیا۔ تانگے میں چار سواریاں پہلے ہی سے بیٹھی ہوئی تھیں اور کوچوان ٹیشن ٹیشن کی آواز لگا رہا تھا۔

جی ٹی روڈ پر اسٹیشن کے عقبی سمت سیڑھیوں کے سامنے وہ تانگے سے اتر گیا اور پل عبور کر کے وہ اسٹیشن کے سامنے والے رخ پر آ گیا۔ وہ بریف کیس ہاتھ میں لٹکائے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسٹیشن کے سامنے جی ٹی ایس کے اڈے کی طرف بڑھ گیا۔

فیصل آباد کی ایک بس اس وقت اڈے سے نکل رہی تھی۔ بس بھری ہوئی تھی۔ دوسری بس آدھے گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی۔ شارق ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور بکنگ ونڈو کے سامنے مسافروں کی لائن لگتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کر لائین میں کھڑا ہو گیا۔ اسی دوران دو پولیس والے ٹہلتے ہوئے اس طرف نکل آئے۔ وہ اس طرح نظریں گھما گھما کر لوگوں کو دیکھ رہے تھے جیسی کسی شکار کی تلاش ہو۔ ان میں سے ایک نے شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے ایک دم منہ پھیر لیا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ خوف کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے ان پولیس والوں کو اسی کی تلاش ہو۔ اس نے دو دن سے شیو نہیں بنایا تھا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن وہ اپنے آپ کو مشتبہ سمجھنے پر مجبور ہو رہا تھا۔

شارق کے آگے تقریباً اسی کی عمر کا ایک دیہاتی سا نوجوان کھڑا تھا۔ اس نے دھوتی اور ململ کا کرتا پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سیاہ کیشن تھی۔ چہرے سے وہ دیہاتی کوئی شریف آدمی ہی لگتا تھا۔ اس نے بھی اٹیچی کیس نما سیاہ رنگ کا پرانا سا بریف کیس اٹھا رکھا تھا۔

"اوئے.....ادھر آؤ نا تم۔" ایک پولیس والے نے اس دیہاتی نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں....کیا بات ہے؟" دیہاتی نوجوان نے کانسٹیبل کو گھورا۔

"ادھر آؤ نا۔ بتاتا ہوں کیا بات ہے...." کانسٹیبل نے کہتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ لیا اور لائن سے نکال کر ایک طرف لے گیا۔ لائن میں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ پولیس والے اسے بکنگ آفس کے پچھلی طرف لے گئے۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ دیہاتی نوجوان واپس آ گیا۔

"کیا بات ہے؟ یہ لوگ کیوں لے گئے تھے تمہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ایسے ہی' جگا ٹیکس وصول کرتے پھر رہے ہیں۔" نوجوان نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیا۔ "جرائم پیشہ لوگوں سے تو ان کی ہوا سکڑتی ہے اور شریف لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔"

"یہی تو ہماری بدقسمتی ہے۔" لائن میں آگے کھڑا ہوا ایک آدمی بولا۔ "ہمارے ہاں تو لوگ

وردی میں بھرتی ہی لوٹ مار کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔"

ان پولیس والوں کو دوبارہ اس طرف آتے دیکھ کر لوگ خاموش ہو گئے۔ پس پشت تو بہت کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن سامنے بولنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ شارق نے ایک بار پھر منہ پھیر لیا۔ وہ کانسٹیبل جس نے پہلی مرتبہ شارق کو دیکھا تھا اس کے قریب آ گیا۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کہیں اس کی تلاش شروع تو نہیں ہو گئی۔

"تم بار بار منہ کیوں چھپا رہے ہو۔ میری طرف دیکھو! ذرا چہرہ تو کراؤ..." کانسٹیبل نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں کوئی چور ہوں نہ ڈاکو اور نہ پینڈو۔" شارق نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "لوگوں کو اس طرح پریشان کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے تمہیں۔"

"دیکھ اوئے باؤ۔" پولیس والے نے اسے گھورا۔ "گرم ہونے کی ضرورت نہیں۔ لے جا کر بند کر دوں گا تو ساری گرمی نکل جائے گی۔ سمجھے۔"

"چلو....ذرا تمہاری تھانیداری بھی دیکھ لوں۔ تمہاری پٹی نہ اتروا دی تو نام بدل دینا۔" شارق کا لہجہ پہلے سے زیادہ سخت تھا۔

پولیس والے کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ شارق کا یہ نفسیاتی حربہ کامیاب رہا تھا۔ پولیس والا اس کے لہجے سے بدک گیا تھا۔ لائن میں آگے کھڑے ہوئے ایک شخص نے قریب آ کر شارق کا بازو پکڑ لیا۔

"چھوڑو یار کن حرامخوروں کے منہ لگ رہے ہو ان کا تو کام ہی یہ ہے۔"

"آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس کی پٹی اتروا دوں گا اور پھر یہ منتیں کرتا پھرے گا۔" شارق نے پولیس والے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اب چھوڑ بھی دے باؤ۔" دوسرے پولیس والے نے کہا۔ "اسے کئی مرتبہ سمجھایا ہے کہ بندہ بشر دیکھ کر بات کیا کرے....پر یہ بھی کیا کرے۔ سرکار جو تنخواہ دیتی ہے اس سے تو گھر کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا۔"

"فٹ پاتھ پر چادر بچھا لیا کرو خرچ پورا ہو جایا کرے گا۔" لائن میں سے کسی نے کہا۔

پولیس والوں نے گھور کر اس شخص کی طرف دیکھا جس نے یہ جملہ کہا تھا پھر وہ خاموشی سے وہاں سے کھسک کر اس طرف چلے گئے جہاں سیالکوٹ کی بس کھڑی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد فیصل آباد کے لئے بس اسٹینڈ پر آ گئی اور اس کے ساتھ ہی بکنگ ونڈو

aazzamm@yahoo.com

کھل گئی۔ لوگ ٹکٹیں لے لے کر بس میں سوار ہونے لگے۔ چند ہی منٹ میں بس بھر گئی۔ شارق کے ساتھ والی صرف ایک سیٹ خالی تھی اور پھر ایک عورت بس میں داخل ہوئی اور دروازے کے قریب ہی رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بس میں عورتیں بھی تھیں۔ لیکن کوئی ایک سیٹ نہیں تھی جہاں وہ عورت کسی عورت کے ساتھ بیٹھ سکتی۔ صرف شارق کے ساتھ والی ایک سیٹ ہی خالی تھی۔ وہ عورت گہرا سانس لیتی ہوئی اس طرف آ گئی۔

"اگر آپ اس طرف آ جائیں تو میں کھڑکی کی طرف بیٹھ جاتی ہوں۔" وہ عورت شارق والی سیٹ کے قریب رک کر بولی۔

"او.... ضرور...." شارق نے کہتے ہوئے اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ قدرے دراز قامت' بھرپور جسم اور چہرے کے دلکش نقوش۔ کانوں میں آویزے اور سیاہ ریشمی بال جو ایک چٹیا کی صورت میں کمر تک لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور دوپٹہ گلے کا ہار بنا ہوا تھا۔ اسکے ہاتھ میں سفری بیگ تھا جو اس نے اوپر شیلف پر رکھ دیا۔ شارق سیٹ سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ وہ عورت سمٹ کر کھڑکی کے ساتھ بیٹھ گئی اور شارق اس کے ساتھ اس طرح بیٹھا کہ ان دونوں کے درمیان چند انچ کا فاصلہ تھا۔ اس کے لباس سے اٹھنے والی بھینی بھینی مہک شارق پر سحر سا طاری کر رہی تھی۔

چند سیکنڈ بعد بس اسٹارٹ ہو کر اڈے سے نکل آئی اور شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی راوی کے پل پر آ گئی۔ اس سے آگے شاہدرہ کے اسٹاپ پر ایک منٹ کو رکی اور پھر شیخوپورہ روڈ پر دوڑنے لگی۔

بس کو لگنے والے ہلکے ہلکے جھٹکوں کی وجہ سے شارق اور اس عورت کے درمیان چند انچ کا فاصلہ بھی مٹ گیا۔ یہ دو آدمیوں کی سیٹ تھی اور بیچ میں فاصلہ رکھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ شروع میں تو سمٹنے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے یہ کوشش بھی ترک کر دی۔ ان دونوں کے کندھے ملے ہوئے تھے اس کے جسم کے لمس سے شارق اپنے آپ میں عجیب سنسنی کی سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ کبھی تو اس کے دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو جاتی کہ شارق کو یہ خوف لاحق ہو جاتا کہ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ اس کی دھڑکن کی آواز نہ سن لیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے پھر ان میں بات چیت شروع ہو گئی۔

سڑک کے دونوں طرف بڑی بڑی فیکٹریاں اور کارخانے تھے اور اس عورت کو اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی جگہ شور مچاتے اور سیاہ دھواں اگلتے ہوئے کارخانوں نے لے لی تھی۔

اس کا نام ثمینہ تھا۔ وہ لاہور کی رہنے والی تھی اور فیصل آباد کے گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھی۔ وہ اپنی کزن کی شادی کے سلسلے میں دس دن کے لئے لاہور آئی ہوئی تھی اور اب واپس جا رہی تھی لیکن شارق نے اس سے نہیں پوچھا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔ شارق نے اپنا نام ریحان بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک دوست سے ملنے کے لئے فیصل آباد جا رہا ہے۔

بس شیخوپورہ اور شاہ کوٹ کے اڈوں پر مختصر وقفوں کے لئے رکتی ہوئی گیارہ بجے کے قریب فیصل آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب جی ٹی ایس کے اڈے پر رک گئی۔ مسافر اپنا اپنا سامان لے کر اترنے لگے۔ شارق نے اوپر والے شیلف سے ثمینہ کا سفری بیگ اٹھا کر اس کے حوالے کر دیا اور اپنا بریف کیس بھی اتار لیا۔ وہ بس سے اتر آئے۔ ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور ایک تانگے پر بیٹھ گئی۔ تانگے پر مزید مسافروں کی گنجائش نہیں تھی ورنہ شارق بھی بیٹھ جاتا۔

ڈھائی تین گھنٹوں کے ساتھ نے شارق کے سینے میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اسے افسوس ہوا تھا کہ یہ سفر اتنی جلدی ختم ہو گیا اور ثمینہ اپنا اتا پتہ بتائے بغیر اس طرح چلی گئی تھی جیسے کوئی تعلق ہی نہ رہا ہو.... شارق اپنے اس خیال پر خود ہی ہنس دیا۔ ان میں تعلق ہی کیا تھا' وہ تو ایک بس کے مسافر تھے۔ وقت گزارنے کے لئے ان میں باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ منزل پر پہنچ کر ان کے راستے الگ ہو گئے تھے لیکن شارق کو حیرت تھی کہ وہ ثمینہ کے بارے میں ایسا کیوں سوچ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا تانگے کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

شارق پہلی مرتبہ فیصل آباد آیا تھا۔ چھانگے نے اسے بتایا تھا کہ وہ منروا سینما کے قریب نہر کے پل کے ساتھ صادق کے پان سگریٹ کے کھوکھے سے حمیدے کے بارے میں پوچھ لے۔ وہ اسے حمیدے کے ڈیرے پر پہنچا دے گا۔ لیکن شارق کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ منروا سینما کس طرف ہے۔

بس کے تمام مسافر جا چکے تھے۔ ایک طرف شٹل کاک برقعے والی ایک عورت اور دو بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے قریب ہی لوہے کا ایک ٹرنک اور ایک ٹوکری رکھی ہوئی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی ان سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ انہیں شاید کسی بس پر سوار ہونا تھا۔ سامنے ایک خالی تانگہ کھڑا تھا۔ شارق تانگے کے قریب آ گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی!" تانگے والے نے پوچھا۔

"منروا سینما۔" شارق نے جواب دیا۔

"بیٹھو' لے چلتا ہوں۔ ادھر کی سواریاں مل گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ سالم تانگہ...."

aazzamm@yahoo.com

"چلو... سالم ہی چلو۔" شارق کہتے ہوئے تانگے کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

تانگہ سرکلر روڈ پر ہوتا ہوا جھنگ بازار کے اختتام پر نہر کے پل کے پاس رک گیا۔

"وہ منروا سینما ہے باؤ جی۔" تانگے والے نے نہر کے پار سینما کی طرف اشارہ کیا۔

شارق تانگے والے کو پیسے دے کر اتر آیا اور بریف کیس ہاتھ میں لٹکائے نہر کے پل کی طرف چلنے لگا۔ یہ نہر پندرہ بیس فٹ چوڑی تھی۔ گہری زیادہ نہیں تھی۔ اس کے کنارے پختہ اینٹوں کے تھے۔ نہر میں گائے بھینسیں بھی نہا رہی تھیں اور بچے اور آدمی بھی۔ پل کے دونوں طرف منڈیروں پر چھابڑی والوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ پل کے دوسری طرف دائیں سمت نہر کے بالکل سامنے منروا سینما تھا اور بائیں طرف دکانیں اور ہوٹل وغیرہ تھے۔ غلام محمد آباد کی طرف جانے کے لئے تانگوں کا اڈہ بھی تھا۔ پل سے چند گز آگے ساتھ ساتھ دو ہوٹل تھے جن کے پیچھے کچی آبادی تھی اور اس کے پیچھے اناج کے بڑے بڑے گودام تھے۔ ہوٹلوں کے سامنے پھلوں اور کھانے پینے کی اشیاء کے چھابڑے اور ٹھیلے تھے۔ سڑک سے اڑنے والی دھول وغیرہ سے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ دونوں ہوٹلوں کے سامنے پان سگریٹ کے کھوکھے بھی تھے۔

شارق پہلے کھوکھے کے سامنے رک گیا جہاں گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا دکانداری کر رہا تھا۔

"صادق کا کھوکھا یہی ہے؟" شارق نے لڑکے سے پوچھا۔

"وہ آگے والا کھوکھا ہے۔" لڑکے نے اشارہ کیا۔

شارق اس اگلے کھوکھے پر چلا گیا۔ وہاں تیس بتیس سال کی عمر کا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ چھوٹی نوکدار سیاہ داڑھی' ماتھے پر محراب اور سر پر دھاگے سے بنی ہوئی سفید ٹوپی۔ اس کا یہ حلیہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے کا عادی ہے۔ لاہور میں دو مرتبہ صادق سے ملاقات ہو چکی تھی۔ شارق اسے اچھی طرح پہچانتا تھا مگر یہ صادق نہیں تھا۔

"صادق کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ تو گھر پر ہے جی۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟" داڑھی والے نے اسے گھورا۔

"لاہور سے آیا ہوں۔ صادق کو اطلاع بھجوا دو کہ چھانگے کا آدمی آیا ہے۔" شارق نے کہا۔

داڑھی والے نے ایک بار پھر سر تا پا اس کا جائزہ لیا اور پھر ہوٹل کی طرف منہ کر کے کسی کو آواز دی۔ اسی وقت میلے سے لباس میں ایک لڑکا آ گیا۔ اس کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے اور الجھے ہوئے تھے۔

"اوئے کاکے!" داڑھی والے نے لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چاچا سے جا کر کہہ لاہور سے پروہنا آیا ہے۔ چھانگے نے بھیجا ہے۔"

لڑکے نے ایک نظر شارق کی طرف دیکھا اور پھر ہوٹل کے ساتھ ہی ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی صادق بھی تھا۔ شارق نے اسے دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ صادق بڑی گرمجوشی سے اس سے ملا تھا۔

"او ست بسم اللہ.... جی آیاں نوں...." اس نے اظہار خلوص کے طور پر شارق سے معانقہ بھی کر ڈالا۔ "آؤ جی گھر چلتے ہیں۔" اس نے کہا' پھر لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اوئے کاکے دو فسٹ کلاس چائے لے کر آؤ۔"

شارق اس کے ساتھ گلی میں داخل ہو گیا۔ تنگ اور گندی سی دو تین گلیاں گھومنے کے بعد وہ ایک کچے مکان میں داخل ہو گئے۔ مکان کے جس کمرے میں وہ داخل ہوئے تھے وہ بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔ پانچ چھ کرسیاں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں درمیان میں ایک میز بھی رکھی ہوئی تھی جس پر کپڑا بچھا ہوا تھا۔ کرسیوں کے کشنز پر کڑھائی کی ہوئی تھی۔

"بیٹھو شارق باؤ۔" صادق نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شارق کرسی پر بیٹھ گیا۔ بریف کیس اس نے اپنے قریب ہی فرش پر رکھ لیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد لڑکا بھی چائے لے کر آ گیا۔

"لو شارق باؤ' چائے پیو۔" صادق نے ایک کپ اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتے رہے پھر صادق نے پوچھا۔ "کیسے آنا ہوا شارق باؤ؟"

"لاہور میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے یار...." شارق نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے جواب دیا۔

"چھانگا نے کہا کہ چند روز کے لئے تمہارے پاس چلا جاؤں۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو واپس چلا جاؤں گا۔"

"کوئی بات نہیں شارق باؤ۔ ہم لوگوں کی زندگی میں ایسی اونچ نیچ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔" صادق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "جیرے والے کیس کا کیا ہوا؟ اس دن لاہور میں گیا تھا تو پتہ چلا تھا کہ جیرے کو پولیس نے پکڑ لیا ہے اور شاکر بھی مارا گیا ہے۔ چھانگا سے تو میری ملاقات ہی نہیں ہو سکی تھی اس روز۔"

"جیرا تین چار دن پہلے ہی چھوٹ کر آ گیا تھا۔ پولیس نے پیسہ لے کر اس کے خلاف کیس ختم کر دیا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"چلو اچھا ہوا۔" صادق نے کہا۔ "پولیس سے ہم جیسے لوگوں کی آنکھ مچولی تو ہوتی ہی رہتی

aazzamm@yahoo.com

ہے اس پکڑ دھکڑ کے بغیر نہ تو پولیس کا گزارا ہوتا ہے نہ ہمارا۔"

"تمہارا دھندہ کیسا چل رہا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ایک دم فسٹ کلاس۔" صادق نے جواب دیا۔ "یہاں چھ بڑی پارٹیاں یہ بزنس کر رہی ہیں۔ تمہاری دعا سے تمہارے اس بھائی کا بڑا ٹیکا ہے یہاں۔ آدھا شہر اپنا مرید ہے۔"

شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے صادق کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ گٹھا ہوا جسم' مضبوط ہاتھ پیر' بڑی بڑی سرخ آنکھیں اور تلوار کٹ مونچھیں' سر گنجا تھا۔ وہ ہر ہفتے باقاعدگی سے سر پر استرا پھروانے کا عادی تھا۔ صادق مشرقی پنجاب کے شہر ہوشیار پور کا رہنے والا تھا بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ اس کے ماں باپ ہوشیار پور سے ہجرت کر کے آئے تھے۔

وہ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ صحن کی طرف سے کبھی کبھی باتوں کی آواز سنائی دے جاتی۔ ان آوازوں میں دو عورتوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ان آوازوں سے شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ایک عورت بوڑھی تھی اور دوسری جوان۔ تقریباً ایک بجے کے لگ بھگ کسی نے بیٹھک کا اندرونی دروازہ کھٹکھٹایا۔ صادق اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے آنے میں تین چار منٹ لگے تھے۔

"روٹی تیار ہے شارق باؤ' آؤ ہاتھ دھو لو۔" صادق نے کہا۔

شارق اسکے ساتھ صحن میں آ گیا۔ خاصا وسیع و عریض پختہ صحن تھا۔ ایک طرف کھرا بنا ہوا تھا اور پانی کا ڈرم رکھا ہوا تھا۔ شارق نے ڈرم کی ٹونٹی کھول کر ہاتھ دھوئے اور بیٹھک میں واپس آ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد صادق نے میز پر کھانا لگا دیا۔

"بھئی اس وقت تو جو کچھ ہے وہی کھانا پڑے گا۔" صادق بولا۔

"ہر چیز خدا کی نعمت ہے۔ کسی چیز سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ دونوں کھانا کھاتے رہے۔ کھانے کے بعد صادق نے برتن اٹھا کر اندر پہنچا دیئے۔

"شارق باؤ' اگر تم آرام کرنا چاہو تو ساتھ والے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤ۔ آؤ میں تمہیں کمرہ دکھا دوں۔" صادق نے کہا۔

"میں یہیں دری پر لیٹ جاؤں گا۔ اندر خواتین کو بلا وجہ تکلیف ہو گی۔" شارق بولا۔

"خواتین کون ہیں' میری بوڑھی ماں ہے اور بھتیجی ہے۔ وہ تم سے پردہ تو نہیں کریں گی۔" صادق نے کہا۔

وہ دونوں بیٹھک سے نکل کر صحن میں آ گئے۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو شارق ٹھٹک کر رک گیا۔ کمرے میں دو چارپائیاں تھیں۔ ایک پر سفید

کھیس بچھا ہوا تھا اور پندرہ سولہ سال کی ایک لڑکی دوسری چارپائی پر کھیس بچھا رہی تھی۔ وہ شارق کو دیکھ کر شرما سی گئی۔ اس نے چادر بچھا کر تکیہ رکھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

"یہ میری بھتیجی ہے نجمہ۔" صادق نے کہا۔ "تین سال پہلے پولیس نے اس کے باپ کو پکڑ لیا تھا اور تھانے میں تشدد کر کے اسے ہلاک کر ڈالا۔ مرنے کے بعد اس کے جسم میں دو گولیاں اتار دی گئیں اور لاش کو سڑک پر ڈال کر یہ مشہور کر دیا کہ وہ ایک خطرناک ڈاکو تھا جو پولیس مقابلے میں مارا گیا۔ صدمے کی تاب نہ لا کر میری بھابھی کا بھی ہارٹ فیل ہو گیا۔ یہ دونوں بہن بھائی میرے ہی پاس رہتے ہیں۔ پان کے کھوکھے پر داڑھی والا جو لڑکا بیٹھا ہوا تھا وہ میرا بھتیجا ہے۔ اس کا نام اشرف ہے۔"

شارق کی چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔ وہ جہاں بھی گیا تھا اس نے پولیس کے ظلم اور جبر و تشدد کی ایسی ہی داستانیں سنی تھیں۔ وہ جن لوگوں سے ملا تھا وہ تمام جرائم پیشہ تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے جرائم کی یہ زندگی ورثے میں ملی ہو یا شوقیہ طور پر ذلت و رسوائی کا یہ راستہ اپنایا ہو۔ انہیں مجرم بنانے میں پولیس کا ہاتھ تھا۔ وہ خود ایک زندہ مثال کی حیثیت سے موجود تھا۔ وہ بڑی عزت و شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن پولیس نے اسے یہ خطرناک راستہ اپنانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یار شارق باؤ۔" صادق نے دوسری چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "سنا ہے تو پڑھا لکھا ہے.... بی اے کیا ہے تم نے.... تم تو کسی دفتر میں افسر بن سکتے تھے پھر یہ گھناؤنا دھندہ کیوں شروع کر دیا تم نے۔ تعلیم تو روشنی پھیلاتی ہے۔ تم گناہوں کے اندھیرے میں کیسے آ گئے؟"

"پولیس کی مہربانی سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہ درست ہے کہ علم کی روشنی انسان کو سیدھا راستہ دکھاتی ہے لیکن پولیس نے اندھیروں میں دھکیل دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے اپنی کہانی سنانے لگا۔

"پاکستان میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔" صادق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے بھی ایف اے کیا ہے۔ میرا باپ بھی مجھے بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا لیکن قانون کے ان محافظوں نے میرے باپ کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ اس کا ذہنی توازن ماؤف ہو گیا ایک دن وہ گھر سے نکلا تو لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ آج تک اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ زندہ ہے یا کہیں مر کھپ گیا اور پھر میرے بڑے بھائی کو بھی پولیس نے مار ڈالا۔ میرے سینے میں آج بھی انتقام کا لاوا کھول رہا ہے اور میرے انتقام کی یہ آگ اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہو گی جب تک میں ایک ایک کو ٹھکانے نہیں لگا دیتا۔"

aazzamm@yahoo.com

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ قانون کے محافظوں کی بات ہو رہی تھی۔ جنہیں عوام کی عزت و آبرو اور جان و مال کے تحفظ کے لئے رکھا گیا تھا مگر قانون کے یہ محافظ عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے اور انہیں ذلیل و رسوا کر رہے تھے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے دفعتاً شارق کے ذہن میں سلمان ایڈووکیٹ کا نام ابھر آیا۔

"یہاں پیپلز کالونی کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"کوہ نور مل کے سامنے ہے۔ کسی سے ملنا ہے؟" صادق بولا۔

"ہاں۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "سلمان ایڈووکیٹ.... میری بربادی کا اصل ذمے دار وہی ہے۔ اس نے میرے ماں باپ کو قتل کروایا تھا۔ انسپکٹر کو رشوت دے کر مجھے چودہ سال کے لئے جیل بھجوانے والا بھی وہی تھا۔ میرے مکان کو بھی اسی نے آگ لگوائی تھی اور آتش زدگی کے الزام میں مجھے دوبارہ اندر کروانے کی کوشش بھی اسی نے کی تھی۔ وہ لاہور سے بھاگ کر یہاں آ گیا ہے۔ سنا ہے پیپلز کالونی میں رحمانیہ مسجد کے قریب کہیں رہتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں' تلاش کر لیں گے اسے۔" صادق نے جواب دیا۔ "مجھے بھی ایک آدمی کی تلاش ہے۔ میں جب تک اسے جہنم رسید نہیں کر دوں گا اس وقت تک مجھے بھی چین نہیں آئے گا۔"

وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شارق اونگھنے لگا تھا اور پھر جلد ہی وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ چھ بجے کھلی تھی۔ اس نے اٹھ کر صحن میں ڈرم سے منہ ہاتھ دھویا اور صادق کے ساتھ گھر سے نکل کر کھوکے کے ساتھ والے ہوٹل میں آ گئے۔ انہوں نے چائے پی اور دیر تک وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اسی دوران دو تین آدمی صادق کے پاس آئے اور دھیمے لہجے میں کچھ باتیں کر کے چلے گئے۔

شام ہو چکی تھی۔ دکانوں اور ہوٹلوں کی بتیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ سینما کا مینی شو ختم ہو چکا تھا۔ چھ بجے والے شو کے لئے سینما کے سامنے رش لگا ہوا تھا۔ سینما کی وجہ سے یہاں بڑی رونق تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رونق میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی صادق کے پاس آ گیا۔ وہ لمبا تڑنگا سا آدمی تھا۔ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھا اور سر کے بالوں میں مہندی کا رنگ تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کوئی پولیس والا تھا۔ صادق سے باتیں کرتے ہوئے وہ بار بار شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی واپس چلا گیا۔

"یہ پولیس کا آدمی تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے صادق کی طرف دیکھا۔

"ہاں' یہ حرام خور پریشان کرتے ہی رہتے ہیں۔ تھانیدار نے بلایا ہے۔ حالانکہ ہمارا یہ علاقہ ان کے تھانے میں نہیں ہے۔ وہ سامنے تھانہ دیکھ رہے ہو؟" اس نے نہر کے پار تھانے کی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ "اس تھانے کی حدود نہر کے اس طرف ہے۔ لیکن یہ لوگ یہاں آ کر بھی لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔" وہ دونوں کچھ دیر تک بیٹھے رہے پھر صادق اٹھ گیا۔ "اچھا شارق باؤ' میں تھانیدار کی بات سن آؤں۔ تم چاہو تو سیر سپاٹا کر آؤ۔ جھنگ بازار سے سیدھے چلے جاؤ گے تو گھنٹہ گھر پہنچ جاؤ گے۔ بڑی رونق والی جگہ ہے۔"

وہ دونوں ہوٹل سے نکل آئے۔ نہر کا پل پار کر کے صادق تو تھانے کی طرف چلا گیا اور شارق جھنگ بازار کی طرف بڑھ گیا۔ اس بازار میں زیادہ تر کریانے کی دکانیں تھیں۔ دکان داروں نے سڑک تک اپنا سامان پھیلا رکھا تھا۔ سبزی فروشوں نے بھی سڑک گھیر رکھی تھی۔ بعض جگہوں پر تو پیدل چلنے کا بھی راستہ نہیں تھا۔ ہر طرف گندگی کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ انسانوں کے ساتھ بکریاں اور گائیں بھی آزادی سے ٹہلتی پھر رہی تھیں۔

شارق گھنٹہ گھر کے چوک پر آ کر رک گیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ چوک کے وسط میں بہت وسیع و عریض چبوترہ تھا جس کے درمیان گھنٹہ گھر کی بلند عمارت تھی۔ گھنٹہ گھر کے آٹھ اطراف میں بازار تھے۔ دوکانوں کے سامنے مرکزی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ گھنٹہ گھر کے چبوترے پر خوانچے والوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ کہیں کیکر کی مسواکیں بیچنے والے بیٹھے ہوئے تھے۔ کہیں دہی بڑے والوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ کہیں کانوں سے میل نکالنے والے بیٹھے ہوئے تھے اور کہیں مالشئے دریاں بچھائے بیٹھے تھے۔

انگریزی سرکار نے لائل پور برطانیہ کے جھنڈے یونین جیک کے نقشے پر بسایا تھا۔ لیکن اب اس میں بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ اس کا نام بھی لائل پور سے فیصل آباد ہو گیا تھا۔ پان کی دکانوں' کھیر کی اور چائے کی دکانوں کے سامنے شہر کے منچلے جمع تھے۔

شارق تقریباً دو گھنٹوں تک مختلف بازاروں میں گھومتا رہا اور پھر کچہری بازار کے موڑ پر کھڑا ہو گیا جہاں دو بک اسٹال تھے۔ ان اسٹالوں پر اخبارات اور جرائد کے علاوہ عریاں اور نیم عریاں ڈائجسٹ والی کتابیں بھی سجی ہوئی تھیں۔ ان کتابوں کو سیلوفین کی تھیلیوں میں اس طرح لپیٹ کر رکھا گیا تھا جیسے وہ انمول ہوں اور ان کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

ساڑھے دس بج چکے تھے۔ گھنٹہ گھر کی رونق عروج پر تھی۔ شارق ٹہلتا ہوا واپس آنے لگا۔ جھنگ بازار میں بیشتر سبزیوں اور پھلوں والے اپنی دوکانیں بڑھا چکے تھے۔ اور اب جگہ جگہ سڑے گلے پھلوں اور بوسیدہ سبزیوں کے ایسے ڈھیر نظر آ رہے تھے جن سے بڑی ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

چند گائیں اور بھینسیں اب زیادہ آزادی سے ان ڈھیروں پر منہ مار رہی تھیں۔

شارق جب واپس پہنچا تو صادق ہوٹل ہی میں کونے کی ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس نے چادر کی بکل مار رکھی تھی۔ شارق اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی آدمی آتا اور صادق سے ہاتھ ملا کر چلا جاتا۔ صادق کے پاس آنے والوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ سب کے سب نشے کے عادی تھے اور پڑیا لینے کے لئے یہاں آ رہے تھے۔ وہ صادق سے ہاتھ کسی عقیدت کی بناء پر نہیں ملاتے تھے۔ ہاتھ صادق کی طرف بڑھاتے وقت ان کی مٹھی میں نوٹ ہوتے اور جب صادق چادر میں سے ہاتھ نکال کر اس شخص سے ہاتھ ملاتا تو اس شخص کی مٹھی میں دبے ہوئے نوٹ صادق کے ہاتھ اور صادق کے ہاتھ میں دبی ہوئی پڑیا اس شخص کے ہاتھ میں منتقل ہو جاتی۔

اس وقت باتوں میں انکشاف ہوا کہ یہ ہوٹل بھی صادق ہی کا تھا جسے اس نے ٹھیکے پر دے رکھا تھا۔ شام کے بعد وہ خود بھی یہاں بیٹھ کر دھندہ کیا کرتا تھا اور اس کے کارندے بھی ادھر ادھر گھوم کر دھندہ کرتے رہتے تھے۔ صادق خود کھانا کھا چکا تھا اس نے شارق کے لئے بھی کھانا منگوا لیا۔

سینما کا آخری شو ختم ہوا تو صادق سے ہاتھ ملانے والوں کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ شو ختم ہونے کے آدھے گھنٹے بعد صادق ہوٹل میں بیٹھا رہا پھر شارق کو لے کر گھر آ گیا۔ شارق آتے ہی بستر پر لیٹ کر اس طرح سویا کہ اسے دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ رہی۔

تین چار روز گزر گئے۔ شارق دن بھر کمرے میں چارپائی پر لیٹا رہتا اور شام کو صادق کے ساتھ ہوٹل پر آ جاتا یا بازاروں میں گھومتا رہتا۔ اس دران وہ لاہور سے آنے والے اخبارات کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتا رہا تھا۔ ڈی ایس پی کے قتل کے بارے میں کوئی خبر اس کے نظروں سے نہیں گزری تھی۔

شارق نے کئی روز سے شیو نہیں بنایا تھا۔ داڑھی بڑھ جانے سے اس کا چہرہ کسی حد تک بدل گیا تھا۔ اس روز شام کو اس نے خط بنوا کر باقاعدہ داڑھی رکھ لی۔ داڑھی اور نوکدار مونچھیں اس کے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

صادق عام طور پر اپنا مال لاہور میں چھانگا سے لایا کرتا تھا۔ کبھی فوری ضرورت پڑ جاتی تو وہ فیصل آباد کی ایک پارٹی سے بھی مال لے لیا کرتا تھا۔ اس روز صادق کے پاس مال ختم ہو گیا تھا۔ رات کے بارہ بجے ہی وہ ہوٹل سے اٹھ گیا۔

"چل یار شارق باؤ' جناح کالونی سے تھوڑا سا مال لے آئیں اور یہ اپنی جیب میں رکھ لو۔"

صادق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ایک پستول شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیوں؟" شارق نے پستول لے کر جلدی سے پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔

"کالا بڑا خبیث آدمی ہے۔ حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔" صادق نے جواب دیا۔

وہ ایک تانگے پر بیٹھ کر جناح کالونی کی طرف روانہ ہو گئے۔

چھوٹی بڑی کوٹھیوں پر مشتمل یہ رہائشی علاقہ تھا۔ کہیں کہیں دکانیں بھی تھیں۔ ایک گلی کے موڑ پر انہوں نے تانگہ چھوڑ دیا اور پیدل چلتے ہوئے دوسری گلی میں گھوم گئے اور بالآخر ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ بنگلہ نما یہ مکان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ گیٹ کے اندر کی طرف بیٹھے ہوئی آدمی نے صادق کو شناخت کرنے کے بعد ہی انہیں اندر آنے کی اجازت دی تھی۔ وہ ایک کمرے میں آ گئے جہاں کالو کے ساتھ دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ اسم بامسمیٰ تھا۔ رنگ توے کی طرح کالا' مونچھیں اور سر کے بال سفید تھے۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ عمر کے لحاظ سے اس کی صحت قابل رشک تھی۔ ان دونوں کو وہاں بیٹھے ابھی پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ گیٹ کا چوکیدار بدحواس سا دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔

"کالو استاد.....بھاگو.... پولیس نے چھاپہ مار دیا ہے۔" وہ شخص چیخا۔

"پولیس کا چھاپہ! تمہارے ڈیرے پر کالو!" صادق نے حیرت سے کہا۔

"آج کل ان حرامخوروں سے میری نسل چل رہی ہے' بھاگو!" کالو چیخا۔

وہ لوگ کمرے سے نکل کر بھاگے۔ اسی دوران باہر سے فائر کی آواز سنائی دی۔ صادق اور شارق کمرے سے نکل کر عقبی کوٹھی کی طرف دوڑے۔ اس طرف کی دیوار کافی اونچی تھی۔ صادق دیوار کے ساتھ پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔ اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا دیں۔

"شارق باؤ۔ اوپر چڑھو۔"

شارق اپنا پیر اس کے ہاتھوں پر رکھ کر اوپر چڑھ گیا۔ دوسرا پیر اس نے صادق کے کندھے پر رکھا اور اچک کر دیوار پر چڑھ گیا۔ دیوار پر لیٹ کر اس نے ہاتھ نیچے لٹکا دیا اور صادق کا ہاتھ پکڑ کر اسے اوپر کھینچنے لگا۔ چند سیکنڈ کی جدوجہد کے بعد صادق بھی دیوار پر پہنچ گیا۔

"وہ دیوار پر.....مار دو گولی۔" ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

اسی کے ساتھ فضا میں تڑتڑاہٹ گونج اٹھی۔ ایک گولی شارق کی سر کے اوپر سے گزر گئی اور ایک صادق کے ہاتھ کے قریب دیوار پر لگی۔ دیوار کا پلستر ادھڑ کر اڑا۔ اس کے ساتھ ہی ان دونوں نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ فائرنگ کی آوازوں سے اس گھر والے چیخنے لگے تھے

aazzamm@yahoo.com

اور جب وہ دونوں اس مکان میں کودے تو عورتوں اور بچوں کے چیخنے کی آواز تیز ہو گئی تھی۔

"شارق بھاگو' اس طرف۔" صادق چیخا اور وہ دونوں پہلو کے گلیارے میں مکان کے سامنے والے رخ کی طرف دوڑے۔ ان دونوں نے اپنے پستول نکال لئے تھے۔

وہ مکان کے سامنے والے رخ پر گیٹ کی دیوار پھاند کر گلی میں کودے ہی تھے کہ گلی کے دائیں موڑ کی طرف سے آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ' گولی مار دوں گا۔"

وہ کسی پولیس والے کی آواز تھی۔ شارق نے آواز کی سمت گولی چلا دی۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں ایک چیخ گونجی۔ گولی یقیناً اس پولیس والے کو لگی تھی جو چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا تھا۔ شارق دوسری طرف دوڑا لیکن اس طرف بھی ایک پولیس والا موجود تھا اور صادق پستول سے فائرنگ کر کے اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پولیس نے باقاعدہ پلاننگ کر کے چھاپہ مارا تھا۔ انہوں نے تین چار گلیوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا تاکہ اس کے ڈیرے میں موجود دوسرے لوگ فرار نہ ہو سکیں۔

"شارق! سامنے والے مکان میں گھس جاؤ اور اس کے پچھلی طرف سے کود کر نکلنے کی کوشش کرو۔" صادق نے کہا۔

کالو کے مکان کی طرف سے مسلسل فائرنگ کی آواز آ رہی تھی۔ شارق زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ سینے کے بل سامنے والے مکان کی طرف رینگنے لگا۔ دائیں طرف سے ایک فائر ہوا۔ گولی شارق سے دو فٹ آگے زمین پر لگی۔ شارق نے دائیں طرف ایک فائر جھونک دیا اور اٹھ کر سامنے والے بنگلے کی طرف دوڑا اور اچک کر دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ دوسری طرف کودنا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور فائر ہوا اور اس کے ساتھ ہی شارق کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ گولی اس کی پنڈلی میں لگی تھی اور گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

شارق نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور اٹھ کر دوڑنے لگا۔ چند قدم بعد وہ لڑکھڑا کر گرا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک آدمی برآمدے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ وہ صاحب خانہ تھا اور اس کے ہاتھ میں دو نالی بندوق تھی۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ گولی مار دوں گا۔" وہ شخص غرایا۔

شارق نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فائر کر دیا۔ گولی اس شخص کے سینے میں لگی اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ وہ شخص شارق کو نہتا سمجھا تھا اور اس کی یہی غلط فہمی اسے لے ڈوبی تھی۔ شارق نے اٹھ کر گیٹ کی طرف چھلانگ لگا دی۔ چند سیکنڈ بعد وہ آگے والی گلی میں پہنچ چکا تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا اور اسے دوڑنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی لیکن رکنے کا مطلب بھی موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا گلیوں میں دوڑتا رہا۔ فائرنگ بند ہو چکی تھی۔ صادق بھی شاید کسی طرف نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کالو اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ پکڑے گئے تھے' مارے گئے تھے یا فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

شارق وہاں سے ساتویں یا آٹھویں گلی میں آ چکا تھا۔ دفعتاً ایک طرف سے بھاری جوتوں کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ پولیس والے تھے جو ان کی تلاش میں گلیوں میں دوڑ رہے تھے۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک کوٹھی کی دیوار پھاند کر آہستگی سے اندر کود گیا۔

یہ کوٹھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ایک کمرے کی کھڑکی سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کی مگر اندر کی طرف پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک کونے سے پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا۔ شارق نے اس جگہ سے جھانک کر دیکھا' یہ کوئی اسٹڈی روم تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ شیلف پر کتابیں سجی ہوئی تھیں اس کے ساتھ ہی میز اور کرسی لگی ہوئی تھی۔ کوئی عورت کرسی پر بیٹھی میز پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی پشت شارق کی طرف تھی۔ وہ اس عورت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اسے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ عورت کچھ پڑھ رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ نوٹس بھی لیتی جا رہی تھی۔

شارق چند لمحے کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا اور پھر دروازے کے سامنے آ گیا اور آہستگی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون.... کون ہے اس وقت؟" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"دروازہ کھولئے.... خدا کے لئے دروازہ کھولئے۔ میں مر رہا ہوں۔ مجھے مدد کی ضرورت ہے۔" شارق نے مردہ لہجے میں کہا۔

"کون ہو بھئی' کیا ہوا تمہیں؟" اندر سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور دروازہ کھولنے والی عورت کو پستول کی زد پر لے لیا۔

"منہ سے آواز نکلی تو گولی سے اڑا دوں گا۔ گھر میں کتنے لوگ ہیں؟" شارق غرایا۔

"کک.... کوئی نہیں۔" وہ عورت ہکلائی۔ خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ "مم.... میں اکیلی ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"تم!" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اس کے سامنے ثمینہ کھڑی تھی۔ وہی خوبصورت عورت جس نے لاہور سے فیصل آباد تک بس میں اس کے ساتھ سفر کیا تھا۔

○

"کک.... کون ہو تم....؟" ثمینہ ہکلا کر رہ گئی۔ اس کا چہرہ خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔

"پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہ بتی بند کر دو اور کسی اندرونی کمرے میں چلو۔ منہ سے کوئی آواز نکالنے کی کوشش مت کرنا۔"

"گھر میں کچھ نہیں ہے' نہ نقدی' نہ زیور' یہاں تمہیں چند روپوں سے زیادہ نہیں ملیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"مجھے نہ تو روپوں کی ضرورت ہے اور نہ زیورات کی۔" شارق بولا۔ "مجھے پناہ چاہئے' اس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہے مجھے۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو گی تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بصورت دیگر...." اس نے ثمینہ کے چہرے کے سامنے پستول لہرایا۔ "چلو۔ دوسرے کمرے میں چلو مس ثمینہ اور بتی بند کر دو۔"

"کک.... کیا؟" ثمینہ اچھل پڑی۔ "تت.... تم میرا نام جانتے ہو...."

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم گرلز کالج میں لیکچرار ہو۔ یہ بتی بند کر دو اور کسی اندرونی کمرے میں چلو۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے سوئچ آف کر دیا۔ ایک اندرونی کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور روشنی اس کمرے تک آ رہی تھی۔ ثمینہ اس کمرے میں آ گئی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ شارق بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ گہری نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ ایک کرسی پر گر گئی۔ وہ چند لمحے شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"تت.... تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔"

"ہم نے تقریباً تین گھنٹے تک بس کی ایک ہی سیٹ پر بیٹھ کر سفر کیا ہے۔ حیرت ہے تم نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا۔" شارق بولا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

"تت.... تم...." وہ ایک بار پھر ہکلائی اور گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "تمہارا چہرہ.... یہ داڑھی....."

"اس روز میرے چہرے پر صرف ایک دو دن کا شیو تھا اور اب یہ داڑھی میں نے حلیہ بدلنے کے لئے رکھی ہے۔" شارق نے کہا۔

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"چلو اچھا ہوا تم نے مجھے پہچان تو لیا۔" شارق بولا۔ "تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور صورت حال بہتر ہوتے ہی میں یہاں سے نکل جاؤں گا اور....."

شارق ایک دم خاموش ہو گیا۔ باہر گلی میں بھاری قدموں اور باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دو یا دو سے زیادہ آدمی تھے۔ قدموں کی آواز رک گئی۔ مگر بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ ثمینہ کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہو گئے۔

"شش... شاید.... پولیس....."

"شاید نہیں یقیناً۔" شارق نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ اس دوران دروازہ پھر دھڑ دھڑایا گیا۔

"تم باہر جاؤ۔ وہ تم سے میرے بارے میں پوچھیں گے۔ اگر تم نے میری موجودگی کے بارے میں بتایا تو زندہ نہیں بچو گی۔ جاؤ.... ان پر یہ ظاہر کرنا کہ تم سو رہی تھیں۔ یہاں کوئی نہیں آیا اور تم نے کوئی آواز بھی نہیں سنی۔"

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کرسی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ اس کی ٹانگیں واضح طور پر کپکپا رہی تھیں۔ اس نے دروازے کے ساتھ والی کھڑکی کھول لی۔

"کک.... کون ہے؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"دروازہ کھولئے۔ ہمیں ایک خطرناک مجرم کی تلاش ہے۔ وہ قتل کر کے بھاگا ہے۔" باہر سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"قتل.... قاتل...." ثمینہ کو سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس مرتبہ تو اس کے جی میں آئی کہ دروازہ کھول کر باہر بھاگ جائے اور انہیں بتا دے کہ قاتل اس کے گھر میں چھپا ہوا ہے لیکن شارق کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ "اگر تم نے میری موجودگی کے بارے میں بتایا تو زندہ نہیں بچو گی۔" "نہیں یہاں کوئی نہیں آیا۔ میں سو رہی تھی۔" اس نے کھڑکی سے ملتے ہوئے کہا۔ چہار دیواری کے باہر تین چار آدمیوں کے سر نظر آ رہے تھے۔

"خون کے دھبے آپ کے دروازے تک ہیں۔ اگر وہ مکان میں کہیں چھپ گیا ہے تو آپ کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"خ.... خون...." ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ یا۔ "نہیں۔ یہاں کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دوسری طرف نکل گیا ہو۔ میں دروازہ نہیں کھول سکتی۔ گھر میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

باہر سے چند لمحوں تک کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر ایک آواز نے کہا۔

"میڈم! میں آپ کا پڑوسی گورایہ ہوں۔ آپ دروازہ کھول دیجئے۔ پولیس اپنا اطمینان کر لے۔ ہو سکتا ہے قاتل مکان کی چھت پر یا کہیں اور چھپا ہوا ہو۔"

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے پیچھے موت کھڑی تھی اور سامنے قانون کے محافظ۔ وہ انہیں کہہ چکی تھی کہ یہاں کوئی نہیں آیا۔ لیکن اگر پولیس والے مکان کے اندر گھس آئے تو.... اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ شارق اس کے قریب ہی دروازے کی آڑ میں کھڑا تھا۔ پستول اس کے ہاتھ میں تھا ثمینہ کو پتہ نہیں چل سکا تھا کہ وہ کب کمرے سے نکل کر وہاں آیا تھا۔

"باہر کا دروازہ کھول دو۔ انہیں کمرے میں مت آنے دینا۔" شارق نے سرگوشی کی۔

"ثمینہ بہن دروازہ کھول دیجئے۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم یہاں موجود ہیں۔" باہر اس کے پڑوسی گورایہ کی آواز سنائی دی۔

ثمینہ نے ایک بار پھر شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ثمینہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کنڈہ ہٹایا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس نے باہر کا گیٹ کھولا اور تیزی سے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔ وہ پولیس والے اور ثمینہ کا پڑوسی گورایہ اور ایک اور آدمی گیٹ سے اندر آ گیا وہ ثمینہ کے سامنے والے گھر میں رہتا تھا۔

ایک پولیس والے کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ وہ اس کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر مکان کے پچھلے حصے کی طرف چلے گئے۔ ان کی باتوں کی آوازیں ثمینہ کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ شارق بھی پستول لئے کھڑا تھا۔ اس کے کان بھی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد پولیس والے مکان کی چھت پر تھے' ان کے قدموں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ تقریباً تین منٹ بعد پولیس والے چھت سے اتر آئے۔

"مفرور زخمی ہے۔" ایک پولیس والے نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خون کے دھبے آپ کے مکان کے بیرونی دروازے تک ہیں' لیکن اس سے آگے کوئی سراغ نہیں مل رہا۔

aazzamm@yahoo.com

ہو سکتا ہے یہاں پہنچ کر اس کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا ہو یا یہاں رک کر اس نے زخم پر رومال وغیرہ باندھ لیا ہو اور کسی اور طرف نکل گیا ہو۔ بہرحال آپ محتاط رہئے۔ اندر کے دروازے وغیرہ اچھی طرح بند کر لیں۔ اگر کسی مشتبہ آدمی کو دیکھیں تو ہمیں فوراً اطلاع کر دیں۔ اس تعاون کے لئے شکریہ۔"

پولیس والے گیٹ سے باہر نکل گئے۔ ثمینہ نے باہر جا کر گیٹ بند کیا اور کمرے میں داخل ہو کر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا اور ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا سانس تیز ہو رہا تھا جیسے میلوں دور سے بھاگ کر آئی ہو۔ اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"چلے گئے۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ چلے گئے۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اگر انہیں یہاں تمہاری موجودگی کا پتہ چل جاتا تو تمہارے ساتھ میں بھی...."

"میں تم پر آنچ نہ آنے دیتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے یا کمرے میں چلو گی۔"

ثمینہ اس کمرے میں آ کر دوبارہ کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔ شارق اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ قاتل تھا اور اس نے ثمینہ کو یرغمال بنا لیا تھا۔ وہ شارق کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی صرف تین گھنٹے کے سفر کا ساتھ رہا تھا۔ اس سفر کے دوران وہ ایک دوسرے کے نام سے واقف ہوئے تھے۔ ثمینہ نے اپنے بارے میں بتایا تھا کہ وہ لیکچرار ہے اور شارق نے بتایا تھا کہ وہ گریجویٹ ہے۔ کہیں ملازمت نہیں کرتا اور ایک دوست سے ملنے کے لئے فیصل آباد جا رہا ہے۔

منزل پر پہنچ کر ان کے راستے جدا ہو گئے تھے۔ ثمینہ بس سے اتر کر اپنے گھر آ گئی تھی....شارق اس وقت بسوں کے اڈے پر ہی کھڑا رہ گیا تھا اور اب ثمینہ سوچ رہی تھی کہ شارق نے پہلے ہی سے کسی طرح اس کا گھر دیکھ لیا تھا یا اس وقت اس کا یہاں آنا محض اتفاق تھا؟ یہ محض اتفاق ہو یا کچھ اور....صورت حال سنگین تھی۔ وہ قاتل تھا اور پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ وہ اس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اس کی نظریں سامنے کھڑے ہوئے شارق کی ٹانگ پر پڑ گئیں۔ اس کی پینٹ پنڈلی سے نیچے پائنچے تک خون سے تر ہو رہی تھی اور اس کا جوتا بھی خون آلود تھا۔

"اوہ! تم زخمی ہو!" ثمینہ کے خیالات کی رو ایک دم بہک گئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک خطرناک قاتل ہے اس کے سینے میں شارق کے لئے ہمدردی کے جذبات ابھر آئے۔

"ہاں' میری ٹانگ میں گولی لگی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "گولی پنڈلی کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی اور اب تو شاید خون بھی رسنا بند ہو گیا ہے۔"

"بیٹھو.... یہاں بیٹھو۔" ثمینہ ایک دم کرسی سے اٹھ گئی۔ "میں تمہارا زخم دیکھتی ہوں۔"

"تم!" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں' میں نے فرسٹ ایڈ کا کورس کیا ہوا ہے۔ میرے پاس فرسٹ ایڈ باکس بھی ہے۔ اگر زخم زیادہ گہرا نہ ہوا تو ڈریسنگ کر سکتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "یہاں بیٹھو میں یہیں فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتی ہوں۔"

ثمینہ جیسے ہی مڑ کر دروازے کی طرف بڑھی شارق بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ ثمینہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔ دوسرے کمرے میں لکڑی کی الماری کے اوپر فرسٹ ایڈ باکس رکھا ہوا تھا۔ اس نے باکس اٹھایا اور دوبارہ اس کمرے میں آ گئی۔ یہ دراصل اس کا بیڈ روم تھا۔ ایک طرف سنگل بیڈ بچھا ہوا تھا اس کے قریب ہی ایک سائیڈ ٹیبل تھی جس پر ذاتی استعمال کی دو تین چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ قریب ہی وہ کرسی پڑی تھی جس پر کچھ دیر پہلے تک ثمینہ بیٹھی رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" ثمینہ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "اور اسے ایک طرف رکھ دو یا جیب میں ڈال لو۔" اس مرتبہ اس کا اشارہ پستول کی طرف تھا۔

شارق نے مسکراتے ہوئے پستول کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر اس نے پتلون کا پائنچہ اوپر اٹھا دیا۔ زخم سے لے کر ٹخنے تک ٹانگ خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔

فرش پر سرخ رنگ کی دری بچھی ہوئی تھی۔ ثمینہ دری پر بیٹھ گئی اور فرسٹ ایڈ باکس کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکالنے لگی۔ پہلے اس نے کاٹن سے اس کے زخم کے آس پاس سے خون صاف کیا پھر کاٹن اسپرٹ میں تر کر کے اس کا زخم صاف کرنے لگی۔

شارق کے منہ سے سسکاری سی نکل گئی۔ اس نے جبڑے بھینچ لئے۔ اتنی تکلیف تو شاید اسے اس وقت بھی نہیں ہوئی تھی جب گولی لگی تھی۔ اب تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے زخم میں مرچ بھری جا رہی ہو۔ اس نے زخم سے ذرا اوپر ٹانگ کو دونوں ہاتھوں سے گرفت میں لے لیا اور جبڑے سختی سے بھینچے رکھے۔

ثمینہ کچھ دیر تک اسپرٹ سے زخم صاف کرتی رہی پھر اس نے دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔ گولی اگر زخم میں موجود ہوتی تو تشویش کی بات ہوتی لیکن گولی گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی اور اس کے خیال میں خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"کچھ کھاؤ گے یا چائے پیو گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔ اس کا خوف اب کسی حد تک دور ہو چکا تھا۔

"کچھ کھانے کا موڈ تو نہیں لیکن چائے ضرور پیوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

ثمینہ نے فرسٹ ایڈ باکس سنبھال کر الماری پر رکھا اور ہاتھ دھو کر کچن میں چلی گئی۔ برنر میں گیس کا چولہا جلاتے ہوئے اس نے آہٹ پا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شارق کچن کے دروازے میں کھڑا تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں پستول موجود تھا۔

"شاید تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"جب زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہو تو کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"باتیں اچھی کر لیتے ہو۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "بس کے سفر کے دوران تمہاری باتوں ہی نے مجھے متاثر کیا تھا اور میں تمہیں ایک شریف آدمی سمجھی تھی۔"

"میری شرافت میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔" شارق نے کہا۔ "کیا یہ میری شرافت کا ثبوت نہیں کہ مجھے اس مکان میں آئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چکا ہے اور میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی۔"

"تم ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "میں نے اگر تمہیں یہاں پناہ دی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تمہاری کوئی حرکت برداشت کر لوں گی۔ عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے۔ ہر ظلم سہہ سکتی ہے لیکن اپنی طرف اٹھنے والی کوئی میلی آنکھ برداشت نہیں کر سکتی۔"

"مجھے پناہ دینے کا شکریہ۔" شارق نے کہا۔ "لیکن میری نظروں میں میل نہیں ہے۔"

"کس کو قتل کر کے آئے ہو؟" ثمینہ نے دو کپوں میں چائے انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

"ایک پولیس والا۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے ارادتاً اسے قتل نہیں کیا۔ اپنے دفاع میں گولی چلائی تھی۔"

"پولیس بلاوجہ تو کسی پر گولی نہیں چلاتی۔" ثمینہ نے چائے کا ایک کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا جرم کیا تھا تم نے؟"

"جرم!" شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "یہی تو میرا جرم ہے کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔"

وہ دونوں پھر اسی کمرے میں آ گئے۔ ثمینہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور شارق کرسی پر بیٹھ گیا۔ پستول اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ایسی باتیں شاید کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ جب مجھے اپنے ماں باپ کے قتل کے الزام میں چودہ سال کے لئے جیل بھیجا گیا تھا تو اس وقت میں بھی کچھ نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اب بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"کک.... کیا کہا تم نے۔" ثمینہ کا ہاتھ کانپ گیا۔ اگر وہ کپ کو فوراً ہی میز پر نہ رکھ دیتی تو چائے اس پر گر جاتی۔ "تت.... تم نے اپنے ماں باپ کو قتل....."

"نہیں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن پہلی مرتبہ سزا مجھے اسی الزام میں ہوئی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اپنی داستان سنانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو آج میں اس طرح پولیس سے چھپنے کے بجائے معاشرے کا ایک معزز شہری ہوتا۔ میں نے چوتھی کلاس کی اردو کی کتاب میں ایک مضمون پڑھا تھا۔ "پولیس والا" اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ پولیس شہریوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہوتی ہے لیکن میرا اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ پولیس ہی شریف آدمیوں کو چور، ڈاکو اور قاتل بناتی ہے۔"

"مجھے تمہاری کہانی سن کر افسوس ہوا ہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے دیوار پر آویزاں کلاک کی طرف دیکھا۔ بارہ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے اب خطرہ ٹل چکا ہے۔ تمہیں چلے جانا چاہئے۔"

"کیا؟" شارق نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تمہارے خیال میں مجھے اس حالت میں یہاں سے چلے جانا چاہئے؟"

"میں ایک شریف عورت ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "اس محلے میں میری بڑی عزت ہے۔ ایک قاتل کی حیثیت سے نہ سہی لیکن میں نہیں چاہتی کہ کوئی تمہیں یہاں دیکھ لے۔"

"اس شہر میں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں جس دوست سے ملنے کے لئے فیصل آباد آیا تھا وہ بھی اس وقت میرے ساتھ تھا۔ اب مجھے پتہ نہیں کہ وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے، پکڑا گیا ہے یا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے، لیکن پولیس اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ بھی پولیس کی نظروں میں ہے اور میں وہاں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس لئے جب تک یہ ہنگامہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا میں یہیں رہوں گا۔"

"کیا.... کیا مطلب؟" ثمینہ اچھل پڑی۔ اسے اپنے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے وہ کردار کے لحاظ سے شریف آدمی ہو۔ اس کی داستان بھی درست ہو

aazzamm@yahoo.com

کہ وہ مجرم نہیں تھا۔ اسے مجرم بنایا گیا ہے لیکن قانون کی نگاہ میں وہ مجرم ہی تھا اور اس وقت قتل کے الزام میں پولیس کو مطلوب تھا۔ وہ ایک ایسے اجنبی کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتی تھی۔ "نہیں، تم ایسا نہیں کرسکتے۔ تمہیں جانا ہی ہو گا۔"

"جب تک حالات سازگار نہیں ہو جاتے میں یہیں رہوں گا۔" شارق نے کہتے ہوئے میز پر سے پستول اٹھا لیا۔ "اس وقت تک تم بھی گھر سے باہر نہیں جا سکو گی اور نہ ہی تمہارے ہاں کوئی مہمان آئے گا۔ اگر کوئی آ بھی جائے تو اسے باہر ہی سے ٹرخا دو گی سمجھیں۔"

"یا الٰہی یہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔" ثمینہ کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

"یہ مصیبت تو تمہیں برداشت کرنا ہی پڑے گی۔" شارق بولا۔ "اگر تم سونا چاہو تو اپنے بستر پر سو سکتی ہو۔ میں کمرے کے باہر کرسی پر بیٹھ کر رات گزار لوں گا۔"

"نن... نہیں۔" ثمینہ گھگھیائی۔ "خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

"یہ تو تم جان ہی چکی ہو کہ میں قتل کے الزام میں پولیس کو مطلوب ہوں۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اپنی جان بچانے کے لئے اگر میں ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں تو دوسرا قتل کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کروں گا۔"

ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اب وہ اس کے چنگل میں پھنس چکی ہے اور اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی راستہ اس کے سامنے نہیں تھا۔ وہ اس لمحہ کو کوسنے لگی جب اس نے شارق کی درد بھری آواز سن کر دروازہ کھولا تھا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اسے ایک موقع ملا تھا۔ جب پولیس آئی تھی اور وہ دروازہ کھولنے کے لئے باہر نکلی تھی تو وہ اس کے لئے بہترین موقع تھا۔ وہ پولیس کو مکان میں اسکی موجودگی کے بارے میں بتا دیتی تو اس وقت اسے ایسی سنگین صورت حال کا سامنا نہ ہوتا۔

شارق نے کرسی اٹھا کر کمرے کے باہر دروازے کے سامنے ڈال دی اور اطمینان سے بیٹھ گیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم چاہو تو آرام سے بستر پر سو سکتی ہو۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ اٹھ کر دروازے کے قریب آ اس نے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن شارق نے پیر پھنسا دیا۔

"دروازہ کھلا رہے گا۔" اس نے کہا اور کرسی اٹھا کر دروازے کے بیچ میں رکھ دی۔ ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر رو دینے والے تاثرات تھے۔

ثمینہ پلنگ کی پٹی پر سر جھکائے بیٹھی رہی۔ دیوار گیر کلاک نے دو بجنے کا اعلان کیا تو اس نے

سر اٹھا کر شارق کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی پر چاق و چوبند بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا جیسے نیند کا اس کی آنکھوں میں نام و نشان نہ ہو۔

نیند تو ثمینہ کی آنکھوں سے بھی کوسوں دور تھی۔ ایسی صورت حال میں اسے جلد کیسے نیند آ سکتی تھی۔ اس کے گھر میں ایک قاتل موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ جوان آدمی تھا اب تک اس نے اگرچہ واقعی کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی لیکن مرد کی نیت کا کیا بھروسہ؟ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ سونا تو درکنار وہ تو اس کی موجودگی میں بستر پر لیٹ بھی نہیں سکتی تھی۔

شارق کے آنے سے پہلے ثمینہ اس کمرے میں بیٹھی صبح کلاس میں دیئے جانے والے لیکچر کی تیاری کر رہی تھی۔ اس کا طریقہ کار یہی تھا۔ صبح کالج میں جن موضوعات پر لیکچر دینا ہوتے رات کو وہ ان کی اسٹڈی ضرور کرتی تھی۔ لیکن آج اس کا سارا پروگرام درہم برہم ہو گیا تھا۔ اسے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ یہ خونی صبح اسے کالج بھی نہیں جانے دے گا۔

وقت کی رفتار جیسے تھم کر رہ گئی تھی۔ لمحے صدیاں بن کر بیت رہے تھے۔ وہ بار بار دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھتی۔ ہر مرتبہ اسے یوں لگتا جیسے گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھنا بھول گئی ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔

ہر طرف سناٹا اور ہو کا عالم طاری تھا۔ دیوار گیر کلاک کی ٹک ٹک کے علاوہ کسی قسم کی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی اور یہ آواز بھی خاموش فضا میں بڑا پراسرار تاثر پیدا کر رہی تھی۔

ثمینہ نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ اس نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اسے سوتے دیکھ کر اچانک ہی ثمینہ کے ذہن میں ایک خیال ابھرا اور اس نے فوراً ہی اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ بڑی آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ننگے پیر دبے قدموں سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی۔ شارق کرسی پر اس طرح ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا کہ راستہ رکا ہوا تھا۔

ثمینہ بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اس نے اپنا سانس تک روک رکھا تھا اور نظریں شارق کے چہرے پر مرکوز تھیں اس کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ اس نے بڑی احتیاط سے ایک پیر شارق کی پھیلی ہوئی ٹانگوں کے اوپر سے دوسری طرف رکھا پھر دوسرا پیر اٹھایا۔ اس کی نظریں اب بھی شارق کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

وہ بلی کی طرح نہایت دبے قدموں دوسرے کمرے کے باہر کی طرف نکلنے والے دروازے کی طرف چلنے لگی۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر اس نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا.... دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شارق کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے مڑ کر دراوزہ کی چٹخنی پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے بڑی آہستگی سے نیچے کھینچنے لگی۔ چٹخنی آواز پیدا کئے بغیر کھل گئی۔ ثمینہ نے ایک مرتبہ پھر پیچھے مڑ کر دیکھا' اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے مڑ کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس ہینڈل میں آٹومیٹک لاک بھی تھا جسے کھولنے یا بند کرنے کے لئے اندر سے کسی چابی کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف چھوٹی سی ناب کو اوپر اٹھا کر ہینڈل گھما دینا تھا جس سے دروازہ کھل جاتا۔ اس نے ناب پر انگوٹھا رکھا اور اسے بڑی آہستگی سے اوپر اٹھانے لگی۔ ناب کھل گئی۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے گھمانا ہی چاہتی تھی کہ اپنے کندھے پر کسی قسم کا ہلکا سا بوجھ محسوس کر کے اچھل پڑی۔ وہ تیزی سے پیچھے مڑی' شارق اس کے سامنے کھڑا تھا۔

ثمینہ کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خوف کی شدت سے آنکھیں اس طرح پھیل گئیں جیسے اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھ لیا ہو۔ اس کا منہ کھل گیا لیکن چیخ نکلنے سے پہلے ہی شارق نے ہاتھ رکھ کر اس کا منہ دبا لیا۔

"میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹا رہا ہوں کوئی آواز نکلی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔" شارق کے حلق سے سانپ کی سی پھنکار نکلی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کے چہرے کے سامنے لہرا دیا تھا۔

شارق نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا دیا' ثمینہ کے منہ سے اس طرح سانس خارج ہوئی جیسے غبارے سے ہوا نکلی ہو' سنسنی نے اس کے پورے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی اور انتہائی خوفزدہ نظروں سے شارق کی طرف دیکھنے لگی۔ شارق نے آگے بڑھ کر دروازے کی آٹومیٹک لاک کی ناب دبا دی اور چٹخنی بھی چڑھا دی۔

"ایسی کوئی حرکت تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "چلو.... اپنے کمرے میں جاؤ۔"

ثمینہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اسی کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی۔

"دیکھو ثمینہ۔" شارق اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ "میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا' تین گھنٹے کا بس کا وہ سفر اب بھی میرے ذہن میں تازہ ہے۔ میں زندگی میں پہلی مرتبہ کسی

عورت کے اتنا قریب بیٹھا تھا۔ تین گھنٹوں کے اس سفر کے دوران تمہارے جسم کے کسی حصے کا غیر ارادی لمس میرے دل و دماغ پر عجیب سی کیفیت طاری کئے رہا تھا۔ تم تو بس سے اتر کر پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر تانگے میں بیٹھ کر چلی گئی تھیں اور میں دیر تک وہاں کھڑا اس راستے کو تکتا رہا تھا جس طرف تانگہ گیا تھا۔

کئی روز بعد آج قسمت مجھے تمہارے سامنے لے آئی ہے۔ لیکن جس طرح تمہارے سامنے آیا ہوں اس صورت حال کے پیش نظر تم تو کیا دنیا کا کوئی بھی شخص مجھ سے نفرت کر سکتا ہے۔ ایک قاتل کو گھر میں پناہ دینا بلاشبہ خطرناک بات ہے۔ لیکن میں تم پر پہلے واضح کر چکا ہوں کہ میں خطرناک وہ نہیں ہوں جو اس وقت تمہارے سامنے ہوں۔ میرے دل میں تمہاری بہت قدر ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر تم میری موت کا سامان کرنے کی کوشش کرو تو میں آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہوں۔ اب اگر تم نے اس قسم کی کوئی حرکت کی تو...." وہ خاموش ہو کر معنی خیز انداز میں پستول کو اس کے چہرے کے سامنے حرکت دینے لگا۔

"تم یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے' خدا کے لئے چلے جاؤ یہاں سے۔" ثمینہ نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"میں زندگی بھر تو یہاں نہیں رہ سکتا' چلا جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن حالات کو ذرا اس قدر تو سازگار ہونے دو کہ میں باہر نکل سکوں۔ اس وقت تک تمہیں بھی ذرا پابند ہونا پڑے گا۔ اب تم کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گی جو مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر دے۔"

وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ ثمینہ بدستور پلنگ پر آڑھی ترچھی پڑی رہی۔ اس نے جو سوچا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا تھا۔ شارق کو کرسی پر سوتے دیکھ کر جب اس نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تھی تو اس کا خیال تھا کہ باہر نکلتے ہی وہ دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دے گی اور پڑوسیوں کو جگا کر انہیں صورت حال سے آگاہ کر دے گی لیکن اس نے جو سوچا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے ہی گھر میں قیدی بن کر رہ گئی تھی اور ایک قاتل کے رحم و کرم پر تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا اور ثمینہ اپنی قسمت کو کوستی رہی۔ اس نے کئی مرتبہ شارق کی طرف دیکھا تھا اور ہر مرتبہ شارق کو جاگتے ہوئے ہی پایا تھا۔

رات کا آخری پہر بیت رہا تھا۔ رات بھر جاگتے رہنے سے ثمینہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ پہلے بھی کئی مرتبہ راتوں کو جاگی تھی' مگر وہ اور بات تھی۔ وہ اپنی مرضی سے جاگتی تھی اور کام میں مصروف رہتی تھی۔ لیکن آج کی شب بیداری مختلف نوعیت کی تھی۔ اس کے ذہن پر

aazzamm@yahoo.com

خوف طاری تھا۔ عزت و آبرو کا خوف.... جان کا خوف' اس کے اعصاب میں کشیدگی تھی اور دماغ کی نسوں میں تناؤ تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

کھڑکی سے دن کا ہلکا سا اجالا نظر آنے لگا تھا۔ رات بیت گئی تھی۔ ایک نیا دن طلوع ہونے والا تھا۔ طلوع ہونے والا ہر نیا دن زندگی کا پیغام لاتا ہے۔ مکان کے عقب میں بیری کے درخت پر چڑیوں نے چہچہانا شروع کر دیا تھا۔ چہچہاتی ہوئی یہ چڑیاں زندگی کا پیغام دیتے ہوئے اپنے اپنے آشیانوں سے اڑنے کے لئے پر تول رہی تھیں لیکن ثمینہ کا آشیانہ اس کے لئے قفس بن گیا تھا۔

دفعتاً" دروازہ دھڑدھڑانے کی آواز سن کر ثمینہ اچھل پڑی۔ اس کی دل کی دھڑکن یکدم تیز ہو گئی تھی۔ اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ شارق بھی ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ گیا تھا۔ پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"دودھ والا ہو گا۔ وہ روزانہ اسی وقت آتا ہے۔" ثمینہ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ چھ بجنے میں ایک دو منٹ باقی تھے۔

شارق دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا' اس نے پردہ ذرا سا سرکا کر باہر جھانکا' گیٹ کی درز میں سے ایک سائیکل کھڑی ہوئی نظر آ گئی۔ وہ دودھ والا ہی تھا' شارق دوبارہ ثمینہ کے قریب آ گیا۔

"تم دودھ لینے جاؤ گی لیکن باہر کا گیٹ نہیں کھولو گی۔ اس سے کہہ دینا کہ گیٹ کی چابی نہیں مل رہی۔ دودھ تم گیٹ کے اوپر سے لو گی۔ میں اس کھڑکی کے پاس کھڑا رہوں گا۔ اگر تم نے دودھ والے کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی تو میرے پستول سے نکلنے والی گولی سیدھی تمہاری کھوپڑی میں لگے گی۔"

ثمینہ اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ اس نے پتیلی دھوئی اور دروازے کی طرف آ گئی شارق پستول لئے کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ ثمینہ نے اس کی طرف دیکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ گیٹ کے قریب پہنچ کر وہ رکی' پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پھر پتیلی گیٹ کے اوپر سے بڑھا کر بلند آواز میں دودھ والے کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

"دودھ والے' چابی کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں' اس وقت گیٹ نہیں کھل سکتا۔ یہ پتیلی پکڑ لو۔"

شارق کھڑکی کے قریب کھڑا گہری نظروں سے گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پتیلی گیٹ کے اوپر سے دوسری طرف غائب ہو گئی۔ کچھ ہی دیر بعد گیٹ کے اوپر پتیلی دوبارہ نمودار ہوئی۔ ثمینہ نے

بڑی احتیاط سے پتیلی پکڑ لی اور کمرے میں آ گئی۔ شارق نے دروازہ بند کر دیا۔

ثمینہ کچن میں تھی۔ شارق موقع سے فائدہ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔ اس نے باتھ روم کا دروازہ کھلا رکھا اور جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ثمینہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک کپ شارق کے ہاتھ میں تھما دیا اور دوسرا کپ لے کر کمرے میں آ گئی۔

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن دل ہی دل میں اسے افسوس بھی ہو رہا تھا۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا کہ اس کی وجہ سے ثمینہ شدید کرب میں مبتلا تھی۔ لیکن اس میں خود شارق کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ پولیس سے بچنے کے لئے جس گھر میں داخل ہوا تھا وہ ثمینہ کا گھر تھا' وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا تھا کہ قسمت دوبارہ اسے ثمینہ کے سامنے لے آئی تھی۔

بس میں ایک ہی سیٹ پر تین گھنٹے کے سفر کے بعد ثمینہ جب اس سے کوئی بات کئے بغیر تانگے پر بیٹھ کر چلی گئی تھی تو وہ دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ اس نے عورت کو ہمیشہ ماں اور بہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ بارہ سال کی عمر تک وہ ماں کی مامتا سے بہرا مند ہوتا رہا تھا۔ جیل سے آنے کے بعد اس نے مریم اور رضیہ کو دیکھا تھا۔ مریم نے اسے ماں کی مامتا دی تھی اور رضیہ نے بہن کا پیار۔ لیکن ثمینہ سے ملاقات کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی اور رشتہ بھی ہوتا ہے۔ وہ اتنے دنوں تک ثمینہ کے لئے سینے میں ایک کسک سی محسوس کرتا رہا تھا اور اب قسمت اسے ثمینہ کے سامنے لائی بھی تھی تو اس روپ میں کہ ثمینہ اس سے نفرت کرنے میں حق بجانب تھی لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ ثمینہ کے دل میں اس کے لئے یہ نفرت برقرار رہے۔

ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ ثمینہ نے ناشتہ بنا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"تم ناشتہ نہیں کرو گی؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم جو کچھ بھی کر رہے ہو وہ اچھا نہیں کر رہے۔ مان لیا کہ تم بہت شریف آدمی ہو لیکن شاید تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ عورت کی طرف ایک مرتبہ انگلی اٹھ جائے تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی۔"

"لیکن..... میں نے تو کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ؟" شارق نے جواب دیا۔

"اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہو۔" ثمینہ بولی۔ "تم ایک قتل کر کے بھاگے ہو۔ پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اور تم میرے گھر میں موجود ہو۔ اگر کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ میں نے ایک قاتل کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے تو کیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہوں گی۔ کیا

aazzamm@yahoo.com

پولیس مجھے بھی سلاخوں کے پیچھے نہیں پہنچا دے گی؟"

"پناہ دینے اور یرغمال بنائے جانے میں بڑا فرق ہوتا ہے مس ثمینہ۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں گن پوائنٹ پر خاموش رہنے پر مجبور کر رکھا ہے اور تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ تم میرا حکم ماننے پر مجبور ہو۔"

"لیکن تم یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے۔" ثمینہ بولی۔

"چلا جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔ "دن کی روشنی میں محلے کا کوئی آدمی مجھے تمہارے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھے گا تو کیا سوچے گا؟"

"دن نکل آیا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "پڑوس والوں سے میرا ملنا ملانا ہے۔ ان کو جب پتہ چلے گا کہ میں آج کالج نہیں گئی تو کسی نہ کسی گھر کی کوئی عورت یہاں ضرور آئے گی اور تم....."

"تم کسی کو اندر نہیں بلاؤ گی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جو بھی آئے گا اسے باہر ہی سے ٹرخا دو گی۔"

شارق نے اٹھ کر تمام کھڑکیوں کی پردے برابر کر دیئے تاکہ باہر سے کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ گھر کے اندر کوئی موجود ہے یا نہیں۔ ثمینہ کرسی پر خاموش بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ رات بھر جاگتے رہنے سے اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ شارق بھی رات بھر جاگتا رہا تھا اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن اس کے چہرے پر تھکن کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

ساڑھے دس بجے کے قریب کال بیل کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے۔ شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا اور پردے کا کونا سرکا کر باہر دیکھنے لگا۔ گیٹ کے سامنے ایک باریش ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ اس کے سر پر پرانی سی جناح کیپ تھی۔ اس کے قریب ہی ایک سائیکل بھی کھڑی تھی۔

شارق نے ثمینہ کو اشارہ کیا۔ وہ چھوٹی چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"یہ آدمی کون ہے؟" شارق نے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"یہ ہمارے کالج کا چپراسی ہے۔" ثمینہ نے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

"اس سے جا کر پوچھو وہ کیوں آیا ہے' گیٹ کھولنے یا اسے اندر بلانے کی ضرورت نہیں' ورنہ....." شارق نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس ورنہ میں جو دھمکی چھپی ہوئی تھی اسے ثمینہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔

ثمینہ دروازہ کھول کر باہر کے گیٹ کے قریب آ گئی۔ اس نے چپراسی سے ایک منٹ تک

کوئی بات کی اور پھر اندر آ گئی۔ اس نے میز پر کتابوں کے نیچے رکھا ہوا ایک رجسٹر اٹھایا اسے کھول کر دیکھا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پھر باہر نکل گئی اسے واپس آنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ شارق نے دروازہ بند کر دیا۔ اس نے چپراسی کے بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ثمینہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو پوری طرح بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اس دوران اس نے ایک دو مرتبہ شارق کی طرف دیکھا تھا۔ شارق بدستور کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر اب تھکن کے آثار نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ کبھی اونگھنے لگتا اور کبھی سنبھل کر سر کو ہلکے ہلکے جھٹکے دینے لگتا۔ ثمینہ کے اعصاب بھی اب جواب دینے لگے تھے اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ نیند کا غلبہ بڑھ رہا تھا۔ اس کی پلکیں بار بار جھک رہی تھیں۔ اسے بڑی شدت سے نیند آ رہی تھی مگر وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے شارق کی طرف دیکھا۔ وہ سر کو کرسی کی پشت پر ٹکائے اونگھ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹکا ہوا تھا۔ دوسرا ہاتھ گود میں تھا' پستول بھی گود میں رکھا ہوا تھا۔ ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ نہایت دبے قدموں چلتی ہوئی شارق کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ شارق بدستور اونگھ رہا تھا۔ ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے بڑی تیزی سے جھپٹ کر شارق کی گود سے پستول اٹھا لیا۔

شارق ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ پستول ثمینہ کے ہاتھ میں دیکھ کر اس کی چہرے پر خوف کے ہلکے سے سائے ابھر آئے۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"لاؤ....یہ پستول مجھے دے دو۔ چل جائے گا۔"

"میرے قریب مت آنا....گولی مار دوں گی۔" ثمینہ کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں پستول تھام رکھا تھا اور انگلی ٹرائیگر پر تھی۔

"دیکھو....غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ پستول مجھے دے دو۔" شارق نے کہا اس کا ہاتھ بدستور آگے بڑھا ہوا تھا۔

"اگر تم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میں ٹرائیگر دبا دوں گی۔" ثمینہ غرائی۔ "تم نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس شرافت کے بدلے میں تمہارے ساتھ یہ رعایت کر سکتی ہوں کہ

aazzamm@yahoo.com

تمہیں یہاں سے زندہ نکل جانے دوں۔ جاؤ.... چلے جاؤں یہاں سے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔"

"چلو.... دروازے کی طرف بڑھو۔" ثمینہ غرائی۔

شارق دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی نظریں ثمینہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ثمینہ بھی دو قدم کے فاصلے پر آگے بڑھ رہی تھی۔ شارق نے دروازے کے قریب پہنچ کر ایک ہاتھ اوپر والی چٹخنی کی طرف بڑھا دیا۔ ثمینہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ یہ بلا اب اس کے سر سے ٹلنے والی ہے۔ شارق نے چٹخنی پر ہاتھ رکھا۔ لیکن پھر بڑی تیزی سے مڑ کر اس نے ثمینہ کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پستول پر زور دار ٹھوکر ماری۔

ثمینہ کے لئے یہ حملہ اگرچہ بالکل غیر متوقع تھا لیکن پستول پر اس کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔ پستول تو اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا البتہ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔ شارق نے برق سرعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال لیا اور پستول چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کشمکش میں ٹرائیگر دب گیا۔ گولی چھت میں لگی۔

شارق نے ایک جھٹکے سے ثمینہ کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور اسے دھکا دے کر فرش پر گرا دیا۔ "گولی کی آواز باہر سنی گئی ہو گی۔ اگر کوئی پوچھنے آیا تو تم یہی بتاؤ گی کہ بلب پھٹ گیا تھا۔ اب میں تمہارا کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔"

شارق نے اسے چھوڑ دیا۔ ثمینہ فرش پر پڑی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی نظروں سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ پچھتاؤ گے تم اپنی اس حرکت پر۔" وہ غرائی۔

"میں ایسا کوئی کام نہیں کرتا جس پر مجھے پچھتانا پڑے۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔ وہ ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم اس دراوزے کی دہلیز سے باہر قدم نہیں رکھو گی۔ دروازے ہی میں کھڑی ہو کر بات کرو۔ کوئی غلط حرکت یا کوئی اشارہ تمہاری موت کا باعث بن سکتا ہے۔"

ثمینہ نے دروازہ کھول دیا اور گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ شارق اس کے قریب ہی دروازے کی آڑ میں پستول لئے کھڑا تھا۔

"کون ہے؟" ثمینہ نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"ثمینہ بہن۔ اس طرف سے کوئی آواز آئی تھی جیسے گولی چلی ہو۔ خیر تو ہے؟" باہر کھڑے ہوئے آدمی نے پوچھا۔ وہ سامنے والے گھر کا مکین تھا۔ لمبے قد کی وجہ سے اس کا سر گیٹ کے اوپر سے نظر آ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بھائی صاحب۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "کچن کا بلب فیوز ہو گیا تھا۔ میں نے دوسرا بلب لگا کر سوئچ آن کیا ہی تھا کہ بلب ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔"

"آج آپ کالج نہیں گئیں' طبیعت تو ٹھیک ہے۔" باہر سے اس آدمی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے گھر پر ہی کچھ کام کرنا تھا۔ اس لئے آج کالج نہیں گئی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

باہر کھڑے ہوئی آدمی نے ایک دو اور باتیں پوچھیں اور پھر چلا گیا' شارق نے پستول سے ثمینہ کو اشارہ کیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"کچن میں چلو.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو دو۔" شارق نے کہا۔

"کھانے کو کچھ نہیں ہے گھر میں۔" ثمینہ نے غراتے ہوئے کہا۔

"تم محض ہوا کھا کر زندہ ہو یا چھڑے مردوں کی طرح کسی ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا کرتی ہو۔ چلو آگے بڑھو۔" شارق کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

ثمینہ کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی کچن میں آ گئی۔ اس نے کنستر میں سے آٹا نکال کر گوندھا اور فرج میں سے کل رات کا بچا ہوا سالن نکال لیا۔ چولہا جلا کر پتیلی اوپر رکھی اور مڑ کر شارق کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔

سالن گرم ہونے کے بعد اس نے پتیلی اتار کر توا چولہے پر رکھ دی اور روٹیاں پکانے لگی۔ شارق دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ تقریباً بیس منٹ بعد ثمینہ نے کھانا نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"تم نہیں کھاؤ گی۔" شارق نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" ثمینہ نے تڑ سے جواب دیا۔

"دیکھو ثمینہ۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ مجھے تم سے کوئی عداوت نہیں ہے۔ مجھے حالات نے ایسا طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے' جس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن تم کھانا پینا چھوڑ کر اپنے ساتھ دشمنی کر رہی ہو' بیمار پڑ جاؤ گی۔ چلو بیٹھو۔ کھانا کھاؤ.... تم نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور جب تک تم کھانا نہیں کھاؤ گی میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

ثمینہ چند لمحے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے سامنے دوسری

aazzamm@yahoo.com

کرسی پر بیٹھ گئی اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے بھی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

تین بج رہے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد تو شارق کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کے جسم سے جان نکلی جا رہی ہو۔ بے پناہ سستی ہو رہی تھی۔ نیند کے بوجھ سے آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ گندم کا خمار اپنا رنگ دکھانے لگا تھا' وہ آنکھیں کھلی رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ مگر کسی نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ اس کی بھی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ باقاعدہ ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگا۔

ثمینہ بھی اپنے پلنگ پر بیٹھے بیٹھے اونگھ رہی تھی۔ پھر دفعتاً" ایک ہلکی سی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی چیز زمین پر گری ہو۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا' شارق کرسی پر بیٹھا سو رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں لٹکے ہوئے تھے اور پستول کرسی کے قریب فرش پر پڑا تھا۔ ثمینہ نے اس کے ہاتھ سے پستول گرنے کی ہلکی سی آواز سنی تھی۔

وہ اپنی جگہ بیٹھی چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر دبے قدموں چلتی ہوئی شارق کی کرسی کے قریب پہنچ گئی۔ وہ جھک کر پستول اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ رک گئی۔ اس کی نظریں شارق کے چہرے پر جم گئیں۔ نجانے کیا بات تھی کہ شارق کا چہرہ دیکھ کر اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اسے شارق کے چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت نظر آئی تھی۔ یہ قاتل کا چہرہ نہیں تھا' نہ ہی اس شخص کا چہرہ تھا جس نے گزشتہ رات سے اس کا جینا حرام کر رکھا تھا۔

ثمینہ کو بس میں شارق سے پہلی ملاقات یاد آ گئی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان تھا۔ وہ گزشتہ رات سے اس کی یرغمال بنی ہوئی تھی۔ وہ اگر چاہتا تو اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اب تک اس نے بڑی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا اور اسے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

"کیا ایسا معصوم صورت نوجوان قاتل ہو سکتا ہے؟"

یہ سوال بار بار ثمینہ کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے اپنے بارے میں جو کہانی سنائی ہو وہ محض افسانہ ہو۔

ثمینہ یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ کال بیل کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً گہری نیند میں تھا۔ گھنٹی کی آواز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا' دوسرے ہی لمحہ ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی اور پھر گیٹ کے سامنے ایک آدمی کے سر پر پولیس کی ٹوپی دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

○

شارق نیند میں تھا۔ لیکن وہ شاید اس وقت کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف ویرانہ تھا اور وہ بے تحاشا بھاگے جا رہا تھا۔ خونی بھیڑیئے اس کا تعاقب کر رہے تھے' وہ ان بھیڑیوں سے بچنے کے لئے جان توڑ کر دوڑ رہا تھا۔ دفعتاً" اسے ٹھوکر لگی۔ وہ لڑکھڑایا سنبھلنے کی کوشش کرتا رہا لیکن دھڑام سے نیچے گرا۔

اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ نہ تو ویرانہ تھا اور نہ ہی خونخوار بھیڑیئے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی اور جب اسے حقیقت کا احساس ہوا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ ثمینہ کے مکان میں تھا اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا اور نیند ہی میں کرسی سے نیچے گر گیا تھا۔

اس نے کمرے کی طرف دیکھا' ثمینہ اپنے بیڈ پر موجود نہیں تھی اور پھر دوسرے ہی لمحہ جب اس نے بیرونی دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا دیکھا تو کانپ کر رہ گیا اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ موقع پا کر فرار ہو گئی تھی۔ اسی لمحہ اسے باہر سے باتوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا پستول قریب ہی فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے پستول اٹھا لیا اور دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا اور پردے کا ایک کونا سرکا کر باہر جھانکنے لگا۔ باہر کا منظر دیکھتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی اور دماغ میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ پستول کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ دو پولیس والے گیٹ کے باہر تھے اور ثمینہ اندر کھڑی تھی۔ وہ پولیس والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں نے کہا نا کہ بلب پھٹ گیا تھا۔ اس کی آواز سے کسی کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ جی نہیں' میں آپ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ میں گرلز کالج کی لیکچرار ہوں۔ ایک قانون پسند شہری ہوں' کوئی بات ہوتی تو میں خاموش نہ بیٹھی رہتی۔ جی شکریہ۔"

ثمینہ کی گفتگو سن کر شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا' اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی' چند سیکنڈ بعد ثمینہ اندر آ گئی۔ اندر داخل ہو کر اس نے جیسے ہی دروازہ بند کیا شارق کو دروازے کے پیچھے کھڑکی کے قریب کھڑے دیکھ کر چونک گئی۔ شارق نے کچھ کہنا چاہا مگر ثمینہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے میں آ گئی۔ شارق بھی اس کے پیچھے تھا۔

"پولیس والوں سے تمہاری گفتگو کا کیا مطلب سمجھوں؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لئے بہترین موقع تھا' تم مجھے پولیس کے حوالے کر سکتی تھیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہاں۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر سکتی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن.... لیکن نجانے کیوں میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"وہ یہاں کیوں آئے تھے؟ کیا انہیں کوئی شبہ ہوا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"گولی کی آواز سن کر کسی نے تھانے فون کر دیا تھا اور یہ پولیس والے تحقیقات کے لئے آئے تھے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"لیکن وہ تو بارہ بجے کی بات تھی اور اب....." وہ خاموش ہو کر گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ "تقریباً ساڑھے تین گھنٹے کا وقت گزر چکا ہے۔"

"پولیس کو تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔" ثمینہ نے کہا۔ "یہ لوگ کبھی بھی وقت پر کسی جگہ نہیں پہنچتے۔"

"لیکن.... لیکن تم نے....."

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میری اب بھی یہ خواہش ہے کہ تم جلد سے جلد یہاں سے چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "چلا جاؤں گا۔ لیکن میں تمہیں سمجھ نہیں سکا۔"

ثمینہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ گھنٹی کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کھڑکی کے پاس پہنچ گئی اور پردے کا کونا ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔ پھر تیزی سے واپس آ گئی۔

"محلے کی دو تین عورتیں آئی ہیں۔ انہیں میں اندر آنے سے نہیں روک سکتی۔ تم اس کمرے میں چلے جاؤ۔" اس نے ایک کمرے کے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا اور پھر خود ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

اس کمرے میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جس پر کھیس بچھا ہوا تھا اور متعدد دھلے کپڑے پڑے تھے۔

"تم یہاں بیٹھ جاؤ.... میں کوشش کروں گی کہ ان عورتوں کو جلد سے جلد رخصت کر دوں۔" ثمینہ نے کہا اور باہر نکل کر دراوزہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

شارق چند لمحے کھڑا رہا پھر چارپائی پر بکھرے ہوئے کپڑے سمیٹ کر ایک طرف ڈال دیئے یہ سارے ثمینہ ہی کے کپڑے تھے۔ وہ ان کپڑوں پر تکئے کی طرح سر رکھ کر لیٹ گیا۔ کپڑوں سے عجیب سحر انگیز سی مہک آ رہی تھی۔ جیسے ثمینہ کے بدن کی خوشبو ان میں رچی بسی ہو۔ ایک عجیب سا خیال شارق کے ذہن میں آیا۔ اس کے دماغ پر سحر سا طاری ہونے لگا اس کی آنکھیں بند ہو

گئیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ خوابوں کی حسین وادی میں پہنچ چکا تھا۔

شارق کی آنکھ کھلی تو اپنے چاروں طرف اندھیرا دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگا۔ اسے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کی بینائی تو زائل نہیں ہو گئی۔ پھر وہ اپنے آس پاس ٹٹولنے لگا۔ چارپائی پر بکھرے ہوئے کپڑے اور پھر اس کا ہاتھ پستول سے ٹکرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ دماغ کی سنسناہٹ کچھ کم ہونے لگی۔ وہ ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک طرف روشنی کی بہت باریک سی لکیر نظر آئی اوپر سے نیچے' جیسے سیاہ چادر پر سونے کے تار سے لکیر کھینچ دی گئی ہو۔

وہ دروازہ تھا اور اس کی جھری سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر دروازے کے قریب آ گیا۔ یہ ڈبل پٹ والا دراوزہ تھا۔ اس نے ایک پٹ پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولنا چاہا مگر باہر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔ اس نے دستک دے کر ثمینہ کو متوجہ کرنا چاہا مگر پھر ہاتھ روک لیا اسے یاد آ گیا کہ محلے کی کچھ عورتیں ثمینہ کے ہاں آئی تھیں اور ثمینہ نے اسے چھپانے کے لئے اس کمرے میں بند کر دیا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کمرے میں بند ہوئے کتنی دیر ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ عورتیں اب بھی موجود ہوں۔ وہ دروازے سے کان لگا کر کسی قسم کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر گھر پر سناٹا طاری تھا۔ نہ باتوں کی آواز آ رہی تھی اور نہ ہی کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر دوبارہ چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں تاریکی سے کسی حد تک مانوس ہو چکی تھیں لیکن کوئی چیز واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ چارپائی پر بیٹھا صورت حال کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ ثمینہ اسے دھوکے سے اس کمرے میں بند کر کے پولیس کو اطلاع دینے تو نہیں گئی تھی۔ لیکن نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا تو وہ ثمینہ کے لئے بہترین موقع تھا اور پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے وہ خوفناک منظر دیکھا تھا جس سے وہ کانپ کر رہ گیا تھا۔ اس وقت ثمینہ باہر گیٹ پر کھڑی پولیس والوں سے باتیں کر رہی تھی اور انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر ثمینہ چاہتی تو اسے اس وقت پولیس کے حوالے کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔

لیکن کیوں؟ گزشتہ رات اور آج دن میں ثمینہ نے اسے دھوکا دے کر گھر سے نکلنے کی کوشش کی تھی اور بار بار اسے گھر سے چلے جانے کو کہتی رہی تھی لیکن جب اسے موقع ملا تو اس نے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ کسی نے فائر کی آواز سن کر پولیس کو اطلاع دی تھی اور پولیس

aazzamm@yahoo.com

اس کے دروازے پر آ گئی تھی۔ وہ چاہتی تو اسی وقت اسے پولیس کے حوالے کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس کا دفاع کیا تھا۔ اور کچھ دیر بعد جب محلے کی عورتیں ملنے آئی تھیں تو ثمینہ نے اسے کمرے میں بند کر دیا تھا تاکہ ان عورتوں کو بھی اس کی موجودگی کا شبہ نہ ہو سکے۔ اور وہ اس کمرے میں چارپائی پر لیٹتے ہی سو گیا تھا۔

اب شارق سوچ رہا تھا کہ ثمینہ میں یہ تبدیلی کیوں آئی تھی۔ کیا بات تھی کہ وہ اسے پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اس کا دفاع کرنے پر تل گئی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر بعد میں بھی کسی وقت پولیس کو پتہ چل گیا کہ شارق نے یہاں پناہ لی تھی تو اسے بھی شریک جرم سمجھ کر گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو بچانے کے بجائے خطرات میں چھلانگ لگا دی تھی، لیکن کیوں؟

اس کیوں کے آگے بہت بڑا سوالیہ نشان تھا اور اس کا جواب شارق کے پاس نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر اٹھ کر دروازے کی جھری سے باہر جھانکنے لگا۔ سامنے ہال نما کمرے کے دوسری طرف کچن کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔ مکان کے باہر گلی میں تو لوگوں کی آمد و رفت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن مکان کے اندر خاموشی تھی۔ کیا ثمینہ گھر میں موجود نہیں تھی؟ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ ثمینہ نے بھی اس کی طرح رات جاگ کر گزاری تھی۔ ممکن ہے محلے کی ان عورتوں کے جانے کے بعد وہ بھی سو گئی ہو۔

آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا۔ شارق ایک بار پھر چارپائی سے اٹھ کر دروازے کے قریب آ گیا اور اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ کمرے کی تاریکی میں اب اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ دروازے کے دونوں طرف دیوار ٹٹولنے لگا۔ بائیں طرف سوئچ بورڈ مل گیا۔ اس نے ٹٹول کر ایک سوئچ آن کر دیا کچھ نہیں ہوا اس نے دوسرا سوئچ دبایا۔ اس مرتبہ چٹ کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا، یہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ غالباً اسٹور روم کے طور پر بنایا گیا تھا۔ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر وہ سویا تھا۔ سوئچ بورڈ والی دیوار کے ساتھ استری اسٹینڈ رکھا ہوا تھا جس پر استری بھی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری دیوار پر کھونٹیوں پر کچھ دھلے ہوئے اور استری شدہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے یہ ثمینہ ہی کے کپڑے ہو سکتے تھے۔

شارق کمرے میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ باہر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی یوں لگا تھا جیسے وہ سلیپر گھسیٹ کر چل رہا ہو۔ وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگا قدموں کی آواز رک گئی اور پھر

دروازے کا کنڈا کھول دیا گیا۔ شارق دروازے کے سامنے آ گیا۔

سامنے ثمینہ کھڑی تھی۔ اس کے بال الجھے ہوئے اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سو کر اٹھی تھی۔

"تھینک گاڈ۔" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم مجھے بھول گئی ہو یا مجھے اس کمرے میں بند کر کے گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہو۔"

"میں سو گئی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں اب بھی نیند کا خمار تھا۔

شارق نے ہال نما کمرے میں آ کر دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بجنے والے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی تین چار گھنٹے سویا تھا اور ثمینہ بھی کافی دیر سوتی رہی تھی۔ شارق غسل خانے میں گھس گیا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور باہر آ گیا۔

"آٹھ بج رہے ہیں۔ تم کھانا کھاؤ گے یا چائے پیو گے۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"کھانے کو اس وقت دل نہیں چاہ رہا۔ چائے پیوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔ ثمینہ نے بھی پہلے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور پھر کچن میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک کپ شارق کے ہاتھ میں تھما دیا اور دوسرا خود لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا میں تمہاری اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں۔" شارق نے اس کی طرف دیکھا۔

"دوپہر کو تم گہری نیند میں تھے۔ تمہارا پستول بھی ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھی تو میں یہی سوچ کر تھی کہ خاموشی سے باہر نکل کر شور مچا دوں کہ ایک قاتل میرے گھر میں چھپا ہوا ہے یا پستول اٹھا کر تمہیں مار دوں۔ لیکن نجانے کیوں تمہاری صورت دیکھ کر مجھے ترس آ گیا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم پیشہ ور جرائم کرنے والے نہیں ہو۔ اس دوران دروازے کی گھنٹی بجی۔ تم گھنٹی کی آواز سن کر بھی نہیں اٹھے۔ میں اس وقت تک تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔ لیکن دروازے پر پھر پولیس کو دیکھ میں نے تمہیں بچانے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اور یہ فیصلہ تم نے دل کی آواز پر کیا تھا۔" شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ میں نے تمہیں بچانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا لیکن بہتر ہو گا کہ آج رات تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ ذہنی اذیت زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی۔"

"مس ثمینہ۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں پہلے بتایا تھا کہ اس شہر میں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں جس دوست کے ہاں ٹھہرا تھا وہ بھی گزشتہ

aazzamm@yahoo.com

رات میرے ساتھ تھا۔ اب مجھے پتہ نہیں کہ وہ پکڑا گیا ہے' مارا گیا ہے یا فرار ہو گیا تھا۔ صورتحال کچھ بھی ہو۔ اس کا گھر اب میرے لئے محفوظ نہیں ہے۔ اب تم نے مجھ پر اعتماد کر ہی لیا ہے تو مجھے ایک دو دن اور....."

"لیکن تم اس طرح یہاں نہیں رہ سکتے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کسی کو پتہ چل گیا تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

"میں تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں محسن کش نہیں ہوں۔ اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر تم پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا۔"

"تم اپنے دوست کے پاس کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟" ثمینہ نے پوچھا۔ "کالو نامی اس شخص کے پاس جس کے مکان پر پولیس نے ریڈ کیا تھا؟"

"نہیں۔ میں سینما کے قریب ٹھہرا ہوا تھا۔ لیکن تم کالو کو کیسے جانتی ہوں؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کالو کو میں نہیں جانتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "وہ اس علاقے کا بدنام آدمی ہے۔ عرصہ سے یہاں منشیات کا کاروبار کر رہا ہے' اس علاقے کے لوگ کئی مرتبہ اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ کر چکے ہیں۔ آج محلے کی جو عورتیں آئی تھیں ان سے پتہ چلا کہ پولیس نے کل رات اس کے مکان پر چھاپہ مارا تھا۔ کالو فرار ہونے کی کوشش میں پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کے باقی ساتھی تمہاری طرح بھاگ گئے تھے۔ ایک پولیس والا زخمی ہوا تھا۔ مرا کوئی نہیں۔"

"تھینک گاڈ۔" شارق نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میں....."

"لیکن پولیس کو اب بھی تمہاری تلاش ہے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھو ثمینہ میں فطرتاً برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں اپنے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ کوئی من گھڑت افسانہ نہیں تھا۔ مجھے بچپن ہی سے ماں باپ کے پیار سے محروم کر دیا گیا۔ میرے گھر کو جلا کر راکھ کر ڈالا گیا۔ میں نے شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش کی لیکن یہ پولیس والے مجھے جرائم کی دلدل کی طرف دھکیلتے رہے۔ آج اگر میں جرائم پیشہ لوگوں کے زمرے میں شمار ہوتا ہوں تو یہ پولیس کی مہربانی ہے۔ میں فطرتاً بدکردار نہیں ہوں' میری ماں ہے' ایک پیاری سی بہن ہے لیکن مجھے ان کے پیار سے بھی محروم رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں کبھی ان سے ملنے جاتا ہوں تو چھپ کر.....چوروں کی طرح۔"

"لیکن ابھی تم نے بتایا تھا کہ تمہارے ماں باپ کو قتل کر دیا گیا تھا اور تم ہی کو ان کا قاتل قرار دے کر عمر قید کی سزا دلوائی گئی تھی۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ہاں.....یہ درست ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "شیطانوں کی اس دنیا میں کچھ فرشتہ صفت لوگ بھی بستے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر مریم اور رضیہ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "مریم نے مجھے ماں کی ممتا دی اور رضیہ سے مجھے بہن کا پیار ملا۔ اگر مجھے ان کا سہارا نہ ملتا تو شاید میں خودکشی کر چکا ہوتا۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ پھر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کچھ کہے بغیر خالی کپ اٹھا کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ شارق کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر اس میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا جہاں ثمینہ بیٹھ کر اسٹڈی کیا کرتی تھی۔ میز پر کچھ کتابیں اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ میز کے ساتھ دیوار پر تین شیلف بنے ہوئے تھے۔ ان میں بھی کچھ کتابیں آراستہ تھیں۔ سب سے اوپر والے شیلف میں خواتین کے لکھے ہوئے کچھ ناول رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک ناول اٹھا لیا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ ثمینہ کچن میں مصروف تھی۔ اب صورت حال مختلف تھی۔ ثمینہ کے ذہن سے بھی بڑی حد تک خوف زائل ہو گیا تھا اور شارق بھی مطمئن تھا کہ ثمینہ اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گی۔

دس بجے کے قریب ثمینہ نے کھانا میز پر لگا دیا۔ ان دونوں نے اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ثمینہ نے برتن وغیرہ سمیٹ لئے۔ شارق پھر وہی ناول لے کر بیٹھ گیا تھا۔ ثمینہ ایک کرسی پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

"کل رات سے اب تک میں نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں ثمینہ۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں پریشانی اٹھانا پڑی۔ تم اگر چاہو تو اپنے بستر پر جا کر سو جاؤ۔ میں یہیں دری پر سو رہوں گا۔"

"گویا آج تمہارا یہاں سے جانے کا پروگرام نہیں ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔

ثمینہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کے بیڈ پر دو تکئے تھے۔ اس نے ایک تکیہ اٹھا کر شارق کی کرسی کے قریب دری پر پھینک دیا اور کمرے کا دروازہ بھیڑ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

ثمینہ بستر پر لیٹے دیر تک شارق کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ میں خود بھی نہیں آ رہا تھا کہ اس نے شارق کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا تھا اور وہ اس پر اعتماد کیوں کرنے لگی تھی۔ گزشتہ رات اور آج دن میں شارق نے اگر کسی اخلاقی رویئے کا مظاہرہ نہیں کیا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ واقعی شریف آدمی ہے۔ وہ دیر تک شارق کے بارے میں

aazzamm@yahoo.com

سوچتی اور کروٹیں بدلتی رہی۔ وہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ کبھی اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں دوڑ جاتیں اور کبھی وہ گدگداہٹ سی محسوس کرنے لگتی۔ اس نے سامنے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا' ایک بجنے والا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز اس کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر دبے قدموں دروازے کے قریب آ گئی۔ اس نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکا۔ شارق دری پر سو رہا تھا۔ اس نے دونوں ٹانگیں اس طرح سمیٹ رکھی تھیں جیسے سردی لگ رہی ہو۔ اس نے مڑ کر اپنے بستر پر رکھی ہوئی چادر اٹھائی اور دبے قدموں کمرے سے نکل کر شارق کے قریب آ گئی۔ اس نے چادر شارق پر ڈال دی اور دوبارہ کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ شارق کا خیال اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ شارق کا چہرہ بار بار اس کی نظروں کے سامنے آ جاتا۔ کبھی اس کا چہرہ بہت بھیانک ہو جاتا اور کبھی اس قدر معصومیت آ جاتی کہ فرشتے بھی رشک کرنے لگیں۔

ثمینہ بار بار سر جھٹک رہی تھی۔ وہ شارق کے بارے میں کیوں سوچ رہی تھی۔ اس کا شارق سے کیا تعلق ہے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے بالآخر اس کی آنکھیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔

○

ثمینہ کے کمرے میں جانے کے بعد شارق کافی دیر تک کرسی پر بیٹھا وہ ناول پڑھتا رہا۔ دو محبت کرنے والے دلوں کی کہانی تھی اور بڑے دلچسپ پیرائے میں لکھی گئی تھی۔ بعض جملے بڑے خوبصورت تھے اور انہیں انڈر لائین کیا ہوا تھا ان جملوں کو پڑھ کر دل میں عجیب گدگداہٹ سی ہوتی تھی۔

وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو دری پر لیٹ کر پڑھنے لگا۔ ثمینہ ایک تکیہ اس کے قریب پھینک گئی تھی جسے اس نے فولڈ کر کے سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔ کتاب دلچسپ تھی۔ چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگی تھیں۔ اس نے کتاب کا وہ صفحہ موڑ دیا اور کتاب میز پر رکھ کر دری پر لیٹ گیا۔ اسے کچھ خنکی سی محسوس ہو رہی تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

وہ بڑی گہری نیند سویا تھا۔ ناول کے بعض مناظر اور جملے اس قدر خوبصورت تھے کہ اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئے تھے اور نیند میں اسے حسین سپنے دکھاتے رہے تھے۔ وہ ایک وادی میں گھوم رہا تھا۔ یہ وادی فطرت کا حسین ترین شاہکار تھی۔ اس کے چاروں طرف سبزہ تھا۔ رنگ برنگے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ دور بہت دور پہاڑ کی برف پوش چوٹی جیسے آسمان کو چھونے کی

کوشش کر رہی تھی۔ گنگناتی ہوئی ندیاں آبشاریں اور چھوٹی چھوٹی چٹانوں میں بہتے ہوئے شفاف پانی کے جھرنے..... خاموش فضا میں پانی گرنے کی آواز بڑا دلفریب تاثر دے رہی تھی۔

پھر اسے یوں لگا جیسے کوئی ان دیکھی قوت اسے ہاتھ سے پکڑ کر گنگناتے ہوئے جھرنے کی طرف لے جا رہی ہو' پتھروں میں چلتے ہوئے اس کا پیر رپٹ گیا۔ وہ لڑکھڑایا اور اس نے گرنے سے بچنے کے لئے ایک جھاڑی کی شاخ کو پکڑ لیا۔ اسے جھرجھری سی آ گئی۔ اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کسی جھاڑی کی شاخ نہیں تھی۔ اس نے قریب پڑی ہوئی کرسی کا پایہ پکڑ رکھا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کروٹ بدل لی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ چونک گیا۔ اس کے اوپر چادر پڑی ہوئی تھی حالانکہ اسے یاد تھا کہ جب وہ سونے کے لئے لیٹا تھا تو اس کے پاس کوئی چادر وغیرہ نہیں تھی۔ اسے ایک بار پھر چونک جانا پڑا۔ کسی جھرنے سے پانی گرنے کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس نے آنکھیں چچماتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا کمرے میں تیز روشنی والے بلب کے بجائے نیلگوں روشنی والا نائٹ بلب جل رہا تھا اور کھڑکی سے دن کا ہلکا ہلکا اجالا جھانک رہا تھا۔ پانی گرنے کی آواز دائیں طرف سے آ رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اس طرف باتھ روم تھا اور غالباً شاور کھلا ہوا تھا جس سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ثمینہ کے کمرے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا مگر ثمینہ اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ باتھ روم میں تھی۔

چند منٹ بعد پانی گرنے کی آواز بند ہو گئی۔ شارق بظاہر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا لیکن وہ پلکوں میں معمولی سی جھری پیدا کئے باتھ روم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بڑی آہستگی سے باتھ روم کا دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ ثمینہ نے باتھ روم کے دروازے کی آڑ سے جھانک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

شارق کو سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ثمینہ ایک بڑا تولیہ جسم پر لپیٹے باتھ روم سے باہر نکلی تھی۔ تولیہ پوری طرح اس کی ستر پوشی نہیں کر پا رہا تھا۔ لمبے سیاہ بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا اور نیلگوں روشنی میں جسم کے بعض حصوں پر پانی کے قطرے چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شارق نے اپنا سانس روک لیا۔ ثمینہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی ننگے پیر دری پر دبے قدموں چلتی ہوئی تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا وہ دری پر لیٹا بند دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کروٹ بدل لی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوبارہ سونے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ چشم تصور سے دلفریب منظر دیکھنے لگا۔ پانی ٹپکاتی ہوئی سیاہ زلفیں اور مرمریں بدن

aazzamm@yahoo.com

پر موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے پانی کے قطرے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ ثمینہ باہر نکلی۔ اس نے تولیہ پگڑی کی طرح سر پر لپیٹ رکھا تھا۔ پشت پر تولیے کے باقی حصے میں اس کی سیاہ زلفیں لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کچن میں آ گئی۔ اس وقت سات بج رہے تھے۔ باتھ روم میں جانے سے پہلے اس نے دودھ لے لیا تھا۔ کچن میں آ کر اس نے چولہا جلایا اور دودھ کی پتیلی اوپر رکھ دی۔

شارق کچھ دیر تک لیٹا رہا تھا پھر کروٹ بدلتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا' اس نے کچن کی طرف دیکھا۔ ثمینہ وہاں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلا اور کچن کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

"تولیہ۔" اس نے کہتے ہوئے ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"تولیہ۔" ثمینہ گڑبڑا گئی۔ "وہ وہاں کرسی پر رکھا ہے۔"

شارق چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ دوپٹے کے بغیر وہ شارق کو خاصی بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ثمینہ اس کی نظروں کا مرکز تاڑ کر جزبز سی ہو کر رہ گئی۔ اس نے رخ بدل لیا اور کیتلی میں چائے کا پانی رکھنے لگی۔ شارق واپس مڑ گیا اور کرسی کی پشت پر رکھا ہوا تولیہ اٹھا کر منہ پونچھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ثمینہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک کپ شارق کے سامنے رکھ دیا اور اپنا کپ میز کے کنارے پر رکھ کر میز پر بکھری ہوئی کتابیں اور کاغذ سمیٹنے لگی۔ اس نے کاغذ ایک رجسٹر میں رکھ دیئے اور دو کتابیں رجسٹر کے اوپر رکھ کر انہیں الگ رکھ دیا۔ پھر وہ دوسری کرسی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لینے لگی۔

"میں آج کالج جاؤں گی۔" اس نے شارق کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "روٹیاں پکا کر رکھ جاؤں گی۔ فرج میں انڈے رکھے ہوئے ہیں۔ آملیٹ بنا کر کھا لینا۔"

شارق جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے میز پر سے ایک کاغذ اٹھا کر اپنے سامنے رکھ دیا اور بال پین سے اس پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تمہارے کالج کے راستے میں گارمنٹس کی کوئی دکان تو ضرور ہو گی۔ ایک پینٹ اور ایک شرٹ لیتی آنا..... یہ پیسے رکھ لو۔" اس نے جیب سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "کپڑوں کو ڈبوں سے نکال کر کسی تھیلے میں ڈال لینا۔ یہاں آتے ہوئے ڈبے کسی کی نظروں میں آ گئے تو شبہ ہو گا۔"

ثمینہ نے کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ اس پر پینٹ شرٹ کا ناپ لکھا ہوا تھا۔ اس نے وہ کاغذ بھی رجسٹر

میں رکھ لیا۔

"پینٹ شرٹ کس کلر میں؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"اپنی پسند سے کسی بھی کلر میں لے آنا۔" شارق نے کہا۔ "تمہارا مطالعہ کا ذوق تو بہت عمدہ ہے۔ اپنے لباس کے معاملے میں بھی تمہارا ذوق بہت اچھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مردانہ لباس میں تمہارا انتخاب کیا ہے۔ ویسے تمہاری واپسی کتنے بجے ہو گی۔"

"عام طور پر تین بج جاتے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

چائے پینے کے بعد وہ ایک بار پھر کچن میں گھس گئی اور ناشتے کے لئے پراٹھے بنانے لگی۔ پونے آٹھ بجے کے قریب ان دونوں نے بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ شارق اس دوران کن انکھیوں سے بار بار اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سوا آٹھ بجے ثمینہ گھر سے رخصت ہو گئی۔ اس نے مکان کے باہر تالا لگا دیا تھا۔ عام طور پر وہ ساڑھے سات بجے گھر سے نکلتی تھی۔ آٹھ بجے کالج شروع ہوتا تھا۔ لیکن آج اسے اچھی خاصی دیر ہو گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد شارق نے تمام کھڑکیوں کی پردے برابر کر دیئے اور وہی ناول لے کر بیٹھ گیا۔ کہانی خاصی دلچسپ تھی۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کرسی پر بیٹھا ناول پڑھتا رہا۔ پھر اٹھ کر ثمینہ والے کمرے میں آ گیا اور اس کے پلنگ پر نیم دراز ہو کر پڑھنے لگا۔ ثمینہ کے بستر پر لیٹے ہوئے اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دو بج رہے تھے۔ بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور کچن میں آ گیا۔ فرج میں سے دو انڈے نکالے اور ایک پیالے میں توڑ کر پھینٹنے لگا۔ نمک مرچ ملا کر اس نے توا چولہے پر رکھا اور آملیٹ بنانے لگا۔ اس توے پر اس نے روٹیاں بھی گرم کر لی تھیں۔

وہ روٹی کھا رہا تھا کہ باہر رکشہ رکنے کی آواز سنائی دی۔ صبح سے اب تک کئی رکشے گلی میں آئے تھے لیکن یہ رکشہ دروازے کے بالکل سامنے آ کر رکا تھا۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا' اس کا خیال درست نکلا وہ ثمینہ ہی تھی۔ جب وہ باہر کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں کتابوں اور رجسٹر کے علاوہ دو پھولے ہوئے شاپنگ بیگ بھی تھے۔ کندھے پر پرس بھی ٹنگا ہوا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس نے باہر کا گیٹ بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ دروازے کے قریب پہنچی تو شارک نے لاک والی ناب ہٹا کر آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

"اوہ۔" ثمینہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "تو تم یہاں کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے۔"

aazzamm@yahoo.com

"میں ابھی کھانا کھانے بیٹھا تھا' دروازے پر رکشہ رکنے کی آواز سنی تو اٹھ کر جھانکنے لگا... آؤ پہلے کھانا کھا لو' میں نے ابھی ابھی آملیٹ بنایا ہے' روٹی بھی گرم کر لی ہے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے رجسٹر کتابیں اور دونوں شاپنگ بیگ میز پر ایک طرف رکھ دیئے اور اسکے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلا نوالہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

"یہ آملیٹ بنایا ہے' اور یہ..... یہ تم کھا رہے ہو۔" اس نے شارق کو گھورا۔

"کیوں..... کیا ہوا؟ ذرا سا نمک ہی تو تیز ہوا ہے۔" شارق بولا۔

"ذرا سا۔" ثمینہ بولی۔ "زہر کی طرح کڑوا ہو رہا ہے یہ آملیٹ۔ اسے چھوڑو۔ میں دوسرا بنا کر لاتی ہوں۔" وہ پلیٹ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ دوسرا آملیٹ بنا کر لے آئی۔

"کھانے کے بعد ثمینہ نے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ دیئے اور واپس آ کر میز پر رکھا ہوا ایک شاپنگ بیگ کھولنے لگی۔ اس نے ایک پینٹ اور شرٹ نکال کر شارق کے سامنے رکھ دی۔

"مجھے تو یہی کلر اچھے لگے تھے۔۔ اب تمہیں پسند آتے ہیں یا نہیں۔"

"قائل ہو گیا تمہارے ذوق کا۔" شارق مسکرا دیا۔ "بہت اچھے کلر ہیں۔"

"شکریہ۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے دوسرا تھیلا اٹھا لیا اور کچن میں چلی گئی۔ اس تھیلے میں گوشت اور سبزی وغیرہ تھی۔ اس نے سبزی اور گوشت فرج میں رکھ دیا اور دوبارہ شارق کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے آج تمہیں چلے جانا چاہئے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم پڑھے لکھے ہو۔ تمہیں یہ بھی احساس ہونا چاہئے کہ عزت ہی عورت کا سرمایہ ہوتا ہے۔ ایک بار اس کی عزت پر حرف آ جائے تو وہ جیتے جی مر جاتی ہے۔"

"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں' میں آج ہی چلا جاؤں گا۔ لیکن...."

"لیکن کیا؟" ثمینہ الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہیں یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ میں دوبارہ جب بھی یہاں آؤں مجھے یہ دروازہ کھلا ہوا ملے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"کک..... کیا مطلب..... کیا تم.....؟" ثمینہ ہکلا کر رہ گئی۔

"یہ دنیا بہت چھوٹی سی ہے۔" شارق نے کہا۔ "انسان بچھڑنے کے بعد دوبارہ کہیں نہ کہیں مل ہی جاتا ہے۔ اب دیکھ لو چند روز پہلے ہم بس میں ملے تھے۔ اس کے بعد یہاں ہماری ملاقات ہو گئی۔ ملاقات پھر بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی مرتبہ جب یہاں آؤں گا تو

تمہیں اس طرح مجھے چھپانے یا مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

"تم نے عجیب سی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے مجھے۔" ثمینہ بولی۔ "سب محلے والے جانتے ہیں کہ میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔ میرا کوئی رشتہ دار یہاں نہیں ہے۔ کسی کا یہاں آنا جانا نہیں ہے' میرا چھوٹا بھائی لاہور سے مہینے میں ایک آدھ بار یہاں آ جاتا ہے اسے میرے پڑوسی بھی جانتے ہیں۔ لیکن ایک اجنبی....."

"اجنبی میں دوسروں کے لئے ہوں گا تمہارے لئے نہیں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس معاشرے میں انسان اکیلا نہیں ہے۔ اس کے عزیز و اقارب اور دیگر ملنے ملانے والے بھی ہوتے ہیں۔ اگر تم یہاں اکیلی رہتی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہیں کوئی ملنے کے لئے بھی یہاں نہیں آ سکتا۔"

"تم میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔" ثمینہ بولی۔

"میں تمہاری بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ بہرحال' اب اس موضوع پر مزید بحث نہیں ہو گی۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ خاموش ہو گئی۔ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ یہ اچھی زبردستی تھی کہ وہ اسے یہاں آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

پانچ بجے وہ کمرے سے نکلی۔ اس نے شارق کو چائے بنا کر دی اور کچن میں دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ تقریباً سات بجے وہ شارق کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس مرتبہ وہ فرسٹ ایڈ باکس بھی لے آئی تھی۔

"لاؤ۔ میں تمہاری ڈریسنگ کر دوں۔"

شارق نے پتلون کا پائنچہ اوپر اٹھا کر ٹانگ آگے کر دی۔ ثمینہ دری پر بیٹھ گئی تھی اس نے پٹی کھول کر ایک بار پھر زخم کو صاف کیا اور ڈریسنگ کر دی۔

"یہاں سے جانے کے بعد چند روز کہیں آرام سے بیٹھ جانا اور کسی ڈاکٹر کو بھی دکھا دینا۔ زخم خراب ہو گیا تو زندگی بھر کا روگ بن جائے گا۔" ثمینہ نے کہا اور فرسٹ ایڈ باکس سنبھال کر ہاتھ دھونے کے لئے باتھ روم میں چلی گئی۔

"آرام تو مجھے اسی گھر میں مل سکتا ہے اور تم جیسی دیکھ بھال کرنے والی ہو تو ٹانگ تو کیا دل کے زخم بھی بھر جائیں گے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شارق۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھے اپنے بارے

aazzamm@yahoo.com

میں جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہے؟"

"مجھے افسانے گھڑنے نہیں آتے۔" شارق نے جواب دیا۔

ثمینہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے جو سوچ کر شارق سے یہ بات پوچھی تھی' اسے زبان پر نہیں لا سکی۔ وہ کچھ دیر تک وہاں بیٹھی رہی اور پھر باورچی خانے میں آ گئی۔

"تم کالج میں لیکچرار ہو' تنخواہ بھی معقول ہو گی۔ گھر کے کام کاج کے لئے کوئی ملازمہ کیوں نہیں رکھ لیتیں۔" شارق نے پوچھا وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کے دروازے پر آ گیا تھا۔

"ملازمہ..... رکھی تھی ایک مرتبہ۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "آدھا راشن وہ چرا کر اپنے گھر لے جاتی تھی اور گھر کا آدھے سے زیادہ کام مجھے ہی کرنا پڑتا تھا۔"

"ہاں' آج کل یہی سب کچھ تو ہو رہا ہے۔" شارق بولا۔ وہ دروازے میں کھڑا گہری نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نو بجے کے لگ بھگ ثمینہ نے کھانا تیار کر کے میز پر لگا دیا۔ وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھاتے رہے' کھانے کے بعد دس بجے کے لگ بھگ شارق نے باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ میلی قمیض اور پینٹ باتھ روم ہی میں ٹنگی رہنے دی۔

"وہ کپڑے میں یہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ انہیں ضائع کر دینا۔ بہتر ہو گا کہ جلا کر ان کی راکھ فلش میں بہا دینا۔" شارق نے کہا۔

"تو تم واقعی جا رہے ہو۔" ثمینہ نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو کیا مجھے نہیں جانا چاہئے۔" شارق بولا۔

"نن..... نہیں' میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" ثمینہ جلدی سے بولی۔ "تمہارا چلے جانا ہی بہتر ہے۔"

شارق چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میری وجہ سے تمہیں جو دکھ پہنچا ہے اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں۔ اب ذرا دروازے پر جا کر دیکھنا۔ اگر گلی میں راستہ صاف ہو تو میں نکل چلوں۔"

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر احتیاط سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ شارق دروازے کی آڑ میں رک گیا۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر آہستگی سے باہر کا گیٹ کھولا اور گلی میں ادھر ادھر جھانکنے لگی۔ دو آدمی گلی میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان کے علاوہ گلی میں اور کوئی نہیں تھا۔ ابھی ساڑھے دس ہی بجے تھے۔ گلی میں کوئی بھی آ سکتا تھا یا کسی گھر سے کوئی نکل سکتا تھا۔ ثمینہ چند لمحے گلی میں ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اس نے پیچھے مڑ کر اشارہ کر دیا۔

شارق دروازے سے نکل کر گیٹ کے قریب آ گیا۔ ثمینہ راستے میں کھڑی تھی۔ اس نے ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف ہٹایا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت سے ثمینہ کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ شارق نے ادھر ادھر جھانکا اور گیٹ سے نکل کر اسی طرف چل دیا جس طرف دو آدمی جا رہے تھے۔ چند قدم چلنے کی بعد اس نے مڑ کر دیکھا۔ ثمینہ اب بھی گیٹ میں کھڑی تھی۔ شارق مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے لگا۔

ثمینہ نے آہستگی سے گیٹ بند کر دیا اور تیزی سے کمرے میں آ کر دروازہ بند کیا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دائیں ہاتھ سے بائیں بازو کو اسی جگہ سے سہلا رہی تھی جہاں شارق نے گیٹ سے نکلتے ہوئے ہاتھ رکھا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شارق نے اب بھی اس کے بازو پر گرفت جما رکھی ہو۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی۔

ثمینہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ شارق کا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا تھا۔ وہ اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کرتی۔ شارق سے اس کا کیا تعلق تھا؟ وہ قاتل ہے' پولیس کو مطلوب ہے۔ وہ پولیس سے چھپنے کے لئے بھاگا پھر رہا ہے۔ وہ کسی بھی وقت پولیس کے ہاتھ آ سکتا ہے۔ وہ اس کے بارے میں کیوں سوچ رہی ہے؟ شریف لوگ تو ایسے لوگوں کے سائے سے بھی بچتے ہیں۔ وہ زبردستی اس کے گھر میں گھس آیا تھا اور پستول کی زد پر اسے یرغمال بنائے رکھا تھا ایسے جرائم پیشہ آدمی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ اگر آئندہ وہ یہاں آئے تو اسے گھر میں گھسنے کی اجازت نہ دی جائے۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیتی اور شارق کا چہرہ ایک شریف نوجوان کی حیثیت سے اس کے سامنے ابھر آتا۔ حالات نے اسے جرائم کی دلدل میں دھکیل دیا تھا لیکن وہ شریف آدمی تھا۔ اس کی رگوں میں شریف ماں باپ کا خون دوڑ رہا تھا۔ اگر اس میں خاندانی شرافت نہ ہوتی تو وہ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جوان عورت کو اس طرح نظر انداز نہ کرتا جبکہ وہ مکمل طور پر بے بس اور اس کے رحم و کرم پر تھی۔

ثمینہ کا دماغ ایسے ہی گنجلک خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور بالآخر یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی۔

کسی گھنٹی کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھولتے ہی اس نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ پونے چھ بجے تھے۔ دودھ والا عام طور پر چھ بجے آتا تھا۔ کبھی وہ چند منٹ آگے پیچھے بھی ہو جاتا تھا۔ وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی اور پتیلی دھونے لگی۔ اس دوران گھنٹی ایک بار پھر بجائی

aazzamm@yahoo.com

گئی۔

"آ رہی ہوں بھئی آ رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے جیسے باہر کا گیٹ کھولا اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کے سامنے دودھ والا نہیں دو پولیس والے کھڑے تھے۔

○

شارق کو راستوں کا پتہ نہیں تھا۔ وہ گلیوں ہی گلیوں میں چلتا ہوا تقریباً پندرہ منٹ بعد روڈ پر نکل آیا۔ یہاں ایک دو ریسٹورنٹ اور چند دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ بائیں طرف کچھ فا پر ایک سینما ہاؤس نظر آ رہا تھا۔ اس طرف رونق کچھ زیادہ تھی شارق اس سینما کے بارے بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہاں سے جانا کس طرف ہے۔

وہ سڑک پر کھڑا چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر ایک ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ کچھ نوجوا بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے' شارق ایک خالی میز پر بیٹھ گیا اس نے ویٹر کو اشارہ کر کے چا منگوائی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

چائے پینے کے بعد وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھا۔ وہ اٹھ کر کاؤنٹر پر آ گیا جہاں ایک ادھیڑ عمر باریش آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے پانچ کا نوٹ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟" اس نے باریش آدمی سے پوچھا۔

"آپ کو کہاں جانا ہے؟" باریش آدمی نے دو روپے لوٹاتے ہوئے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں دراصل لاہور سے پہلی مرتبہ یہاں آیا ہوں۔ رہائش منروا سینما کے قریب ہے۔ ا دوست کے ساتھ شام کو جناح کالونی آیا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ مجھے راستوں کا پتہ ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"یہ آگے نادر سینما ہے اور اس سے آگے زرعی یونیورسٹی۔" باریش آدمی نے کہا۔ پھر پر بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اسی طرف آگے نڈوالا اڈہ ہے۔ وہاں سے گھنٹہ گھر جاؤ تو جھنگ بازار سے ہوتے ہوئے سیدھا منروا پہنچ جاؤ گے۔ لیکن فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ تانگے یا رکشے پر بیٹھ جاؤ۔"

"جی شکریہ۔" شارق کہتے ہوئے ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔

وہاں کوئی رکشہ یا تانگہ نہیں تھا۔ وہ سڑک پر رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر سینما کی طرف سے ایک رکشہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ شارق نے اسی رکنے کا اشارہ کیا۔

"منروا سینما۔" وہ رکشہ میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"پندرہ روپے ہوں گے جی۔" ڈرائیور نے کہا۔

"ٹھیک ہے چلو تو۔" شارق بولا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا اور نڈوالے اڈے سے گھنٹہ گھر کی طرف جانے کی بجائے دائیں طرف مڑ گیا اور دھوبی گھاٹ کے سامنے ریز ہوٹل کے ساتھ والی سڑک پر واقع پولیس چوکی کے قریب سے ہوتا ہوا نہر کے پل کی طرف مڑ گیا۔ شارق نے پل سے پہلے ہی رکشہ رکوا لیا اور ڈرائیور کو پیسے دینے کے بعد بھی وہیں کھڑا رہا۔ رکشہ نہر کا پل پار کر کے سینما کی طرف مڑ گیا تھا۔ شارق کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ پل کی طرف چلنے لگا۔

پل پر اس وقت بھی خوانچے والے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پھلوں کے ایک چھابڑے کے پاس رک گیا۔ وہاں سے صادق کے بھتیجے کا کھوکھا نظر آ رہا تھا۔ پان کے کھوکھے یا اس کے قریب ہوٹل میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔

"بتا سکتے ہو صادق کہاں ملے گا؟" شارق نے چھابڑے والی سے پوچھا۔

"ہوٹل میں بیٹھا ہے۔ چلے جاؤ۔" چھابڑے والے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اب شارق کو اطمینان ہو گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا پان کے کھوکھے کے قریب سے گزر کر ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ صادق کونے میں اپنی مخصوص میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہ آدمی جیسے ہی رخصت ہوا شارق اس کے قریب پہنچ گیا۔

"اوئے شارق باؤ۔" صادق نے گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کہاں غائب ہو گئے تھے۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ نہ کسی تھانے میں تمہارا پتہ چلا نہ کہیں اور سے' کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"لمبی کہانی ہے۔ اطمینان سے سناؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہاں کے حالات کیسے ہیں؟ پولیس تم تک تو نہیں پہنچی؟"

"حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ پولیس کے ساتھ یہ لکن میٹی تو ہوتی رہتی ہے' چلو گھر چل کر بات کرتے ہیں۔ میں ابھی اٹھنے ہی والا تھا۔" صادق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ دونوں ہوٹل سے باہر نکلے تو سامنے ایک خالی رکشہ آ کر رکا۔ ڈرائیور رکشے سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا صادق کے قریب آ گیا۔

"استاد ایک...."

aazzamm@yahoo.com

"کل آنا پتر۔ مال ختم ہو گیا ہے۔" صادق نے اس کو بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ "یا ایسا کرو بیڑے سے لے لو آج۔"

"اس کے پاس تو ملاوٹ والا مال ہوتا ہے استاد۔ اس لئے تو تمہارے پاس آتے ہیں۔"

"یہاں تو ہر چیز میں ملاوٹ ہوتی ہے۔ زہر میں ملاوٹ سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زہر تو زہر ہی ہوتا ہے۔ آج اسی پر گزارہ کر لو۔ کل میرے پاس آ جانا۔ چل شارق باؤ۔" صادق کہتے ہوئے شارق کے ساتھ چل پڑا۔

"میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔" صادق نے گھر پہنچ کر کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ تم پولیس کے ہاتھ آ گئے ہو یا مارے گئے ہو۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی مجھے تسلی ہوئی لیکن پریشانی اس بات کی تھی کہ تم غائب کہاں ہو گئے تھے؟"

"مرنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔ "ٹانگ میں گولی لگی تھی۔" اس نے پینٹ کا پائنچہ اٹھا کر ٹانگ پر بندھی ہوئی پٹی دکھائی۔ "میں دوڑتا ہوا پتہ نہیں کس طرف نکل گیا تھا۔ وہاں سے بہت دور ایک جھگی میں پناہ مل گئی۔ دو دن میں نے اس جھگی ہی میں گزارے ہیں۔ دوسرے دن مجھے اس جھگی والے سے پتہ چل گیا تھا کہ کالو پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے اور باقی بھاگ گئے ہیں۔"

"کالو کو تو مرنا ہی تھا۔" صادق نے جواب دیا۔ "وہ کئی دنوں سے پولیس کو تنگ کر رہا تھا۔ تم ہی سوچو شارق باؤ۔ ایسے کام پولیس کی مرضی کے بغیر کئے جا سکتے ہیں؟ کالو نے پولیس کو نہ صرف بھتہ دینا بند کر دیا تھا بلکہ انہیں آنکھیں بھی دکھانے لگا تھا۔ اس رات اڑا دیا پولیس نے۔"

"کیا پولیس یہاں بھی پہنچی تھی؟" شارق نے پوچھا۔

"جب ایسی کوئی بات ہوتی ہے تو پولیس پورے شہر میں ہم جیسے لوگوں کے خلاف کارروائی شروع کر دیتی ہے۔ پولیس کی اس کارروائی کا مطلب صفایا نہیں ہوتا بلکہ رقم جمع کرنا ہوتا ہے۔ مجھ سے بھی پانچ ہزار روپے لے گئے تھے۔ بطور چندہ۔"

وہ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر صادق تو سو گیا مگر شارق کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس کا ذہن ثمینہ کے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ ثمینہ کا خیال ایک لمحہ کو بھی ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔ وہ منظر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا جب اس نے ثمینہ کو باتھ روم سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

شارق نے پہلی مرتبہ کسی عورت کے بارے میں اس انداز میں سوچا تھا۔ ثمینہ نے اس کے سینے میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اس کے سینے میں ہلچل تو اسی وقت مچی تھی جب اس نے پہلی مرتبہ

ثمینہ کو دیکھا تھا اور ایک ہی سیٹ پر بیٹھ کر بس میں سفر کیا تھا۔ اس سفر کے اختتام پر ان کے راستے مختلف ہو گئے تھے۔ ممکن ہے شارق اسے بھول جاتا لیکن قسمت دوبارہ اسے ثمینہ کے پاس لے گئی تھی۔ اس مرتبہ وہ ایک مفرور کی حیثیت سے ثمینہ کے سامنے آیا تھا۔ ثمینہ نے دو مرتبہ اس سے بھاگنے کی کوشش کی تھی اور جب اسے موقع ملا تھا تو وہ اسے پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اس کا دفاع کر رہی تھی۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو بھی خطرے میں ڈال لیا تھا۔ ثمینہ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ یہ محض انسانی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس تبدیلی کے پیچھے کوئی اور راز پوشیدہ تھا اور وہ راز کیا تھا؟ کیا ثمینہ بھی اس کی طرح.....

شارق اس سے آگے کچھ نہیں سوچ سکا تھا۔ ثمینہ ایک تعلیم یافتہ عورت تھی کالج میں لیکچرار تھی اور وہ ایک مجرم..... ثمینہ اس کے بارے میں کسی اور رخ پر کیسے سوچ سکتی تھی لیکن شارق اس کے خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔ اسے ثمینہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس نے اسے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ وہ چند روز کے لئے کہیں آرام سے بیٹھ جائے تاکہ اس کا زخم نہ بگڑ جائے۔ یہ مشورہ اور دوسری باتیں محض انسانی ہمدردی کی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھیں۔ ضرور کوئی اور بات تھی۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے شارق نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

رات کو وہ اگرچہ دو بجے کے لگ بھگ سویا تھا لیکن صبح چھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے صحن میں رکھے ہوئے ڈرم سے منہ ہاتھ دھویا اور کمرے میں آ کر لباس تبدیل کرنے کے بعد اپنی چیزیں بریف کیس میں سنبھالنے لگا۔ اسی دوران صادق بھی بیدار ہو گیا۔

"کیا بات ہے شارق باؤ؟ کہیں جا رہے ہو کیا؟" صادق نے پوچھا۔

"ہاں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے میں آج واپس آ جاؤں یا چند روز کسی کا مہمان بنا رہوں۔"

"تم دو دن کسی کی جھگی میں رہے تھے نا؟" صادق نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں..... کیوں؟" شارق نے پوچھا۔

"اس جھگی والے کی کوئی جوان بیٹی تو نہیں؟" صادق نے پوچھا۔

"اوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اور مجھے اس قسم کی باتوں سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر کہاں جا رہے ہو یا۔ مجھ سے بھی چھپا رہے ہو؟" صادق نے اسے گھورا۔

"میں نے سوچا یہاں بیکار بیٹھے رہنے کے بجائے تھوڑی سیر ہو جائے۔ جھنگ جا رہا ہوں۔

aazzamm@yahoo.com

وہاں میرے ایک دو جاننے والے وہاں بھی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

"تو پھر ناشتہ کر کے جانا۔" صادق چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں بے بے سے کہہ کر ناشتہ بنواتا ہوں۔ صبح سویرے گھر سے خالی پیٹ نکلنا اچھا نہیں ہوتا۔"

ناشتہ وغیرہ کر کے جب شارق گھر سے نکلا تو سات بج رہے تھے۔ نہر کے پل کے قریب ہی اسے رکشہ مل گیا۔ ثمینہ نے بتایا تھا کہ وہ عام طور پر کالج جانے کے لئے ساڑھے سات بجے گھر سے نکلتی ہے اور شارق کا خیال تھا کہ وہ ساڑھے سات بجے سے پہلے اس کے گھر پہنچ جائے گا۔ وہ ثمینہ کا خیال ذہن سے نکال نہیں سکا تھا اور رات ہی کو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مہمان کی حیثیت سے اس کے گھر جائے گا۔

جب وہ جناح کالونی میں ثمینہ کے مکان کے سامنے رکشے سے اترا تو سات بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ لیکن گیٹ پر تالا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ ثمینہ شاید وقت سے پہلے ہی کالج چلی گئی تھی۔ دروازے کے سامنے کھڑا ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ساتھ والے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا باہر نکلا۔ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑے کرتے ہوئے وہ الجھی ہوئی نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ثمینہ کالج کس وقت گئی ہیں اور کالج سے واپس کس وقت آتی ہیں؟" شارق نے اس شخص کے قریب جا کر پوچھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ مسٹر گورایہ تھا۔ جس رات پولیس اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئی تھی تو یہ شخص بھی اپنے گھر سے نکل کر ثمینہ کے دروازے پر آیا تھا۔

"آپ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں؟" گورایہ نے اسے گھورا۔

"میں ثمینہ کا کزن ہوں۔ لاہور سے آیا ہوں۔ لاری اڈے سے سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ثمینہ کالج سے کتنے بجے تک واپس آ جاتی ہے؟"

گورایہ فوری طور پر جواب دینے کے بجائے چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"ثمینہ بی بی کے معاملے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیسی گڑبڑ؟" شارق چونک گیا۔

"دو تین روز پہلے اس علاقے میں پولیس اور منشیات فروشوں میں جھڑپ ہو گئی تھی ایک منشیات فروش مارا گیا تھا اور پولیس کا ایک آدمی زخمی ہوا تھا۔ پولیس ایک آدمی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئی تھی۔ وہ آدمی پولیس کی گولی لگنے سے زخمی ہوا تھا۔ خون کے نشانات یہاں تک دیکھے گئے تھے۔ پولیس کو شبہ تھا کہ مفرور نے اس گھر میں پناہ نہ لی ہو۔ پولیس یہاں پہنچی تو

آوازیں سن کر میں بھی باہر آ گیا تھا۔ ثمینہ بی بی کو سوتے میں سے جگایا گیا تھا پولیس مطمئن ہو کر چلی گئی تھی کہ مفرور یہاں نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی پولیس یہاں آئی تھی اور پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ آج صبح چھ بجے دو پولیس والے پھر یہاں آ گئے اور ثمینہ بی بی کو تھانے لے گئے۔ میں تھانے ہی جا رہا ہوں۔ آپ بھی...."

"چلئے.... میں بھی چلتا ہوں۔" شارق نے بریف کیس ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

گورایہ نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ شارق اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ دس منٹ بعد وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔ تھانے کے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے شارق کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

○

"کیا بات ہے کیا چاہتے ہو؟ کیوں آئے ہو تم لوگ یہاں؟" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئی کہا۔ اس کی نظریں دونوں پولیس والوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان میں سے ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔

"بی بی۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مفرور اسی گھر میں موجود ہے۔ کل رات اسے یہاں دیکھا گیا ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

"تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں نے کسی ڈاکو یا قاتل کو اپنی گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔" ثمینہ کے لہجے میں قدرے سختی آ گئی تھی۔ وہ اس لئے بھی کچھ دلیر ہو گئی تھی کہ شارق اب یہاں موجود نہیں تھا۔ "تم لوگ ایک شریف عورت کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔ میں تمہارے ایس پی سے بات کروں گی۔"

"کر لینا ایس پی سے بات۔ پہلے ہم سے تو نمٹ لو۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "ہم تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے پاس تلاشی کا وارنٹ ہے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ایسے معاملوں میں ہم وارنٹوں کے چکر میں نہیں پڑتے۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"کسی پر شبہ ہو تو ہم چھاپہ مار سکتے ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔"

ثمینہ پریشان ہو گئی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اگر یہ پولیس والے زبردستی پر آ گئے تو وہ انہیں روک نہیں سکے گی۔ ظاہر ہے شارق یہاں موجود نہیں تھا۔ اگر پولیس والے تلاشی لے لیں تو ان کی تسلی ہو جائے گی اور وہ آئندہ کی پریشانیوں سے بچ جائے گی۔

aazzamm@yahoo.com

"اچھا۔ ایک منٹ ٹھہرو۔" اس نے پولیس والوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے پڑوسیوں میں سے کسی کو بلا لوں۔ ان کی موجودگی میں تلاشی لے لینا۔" ثمینہ نے باہر آ کر گیٹ بند کر دیا اور گورایہ کے مکان کی گھنٹی بجا دی۔ چند منٹ بعد گورایہ خود باہر آیا تھا۔ ثمینہ نے اسے پولیس والوں کے بارے میں بتایا تو وہ اس کے ساتھ آ گیا۔

"کیوں پریشان کر رہے ہو تم لوگ کیا بات ہے۔" گورایہ نے پولیس والوں کو گھورا۔

"مکان کی تلاشی لینی ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں ایک مفرور مجرم چھپا ہوا ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"ثمینہ بہن.....دروازہ کھول دو۔" گورایہ نے کہا پھر پولیس والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چلو۔ لے لو تلاشی۔"

وہ دونوں پولیس والے ثمینہ اور گورایہ کے ساتھ اندر آ گئے اور اس طرح مکان کی تلاشی لینے لگے جیسے انہیں کسی آدمی کی نہیں سوئی کی تلاش ہو۔ کمروں کی تلاشی لینے کے بعد کانسٹیبل جیسے ہی باتھ روم کی طرف بڑھا۔ ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے یاد تھا کہ شارق نے میلے کپڑے باتھ روم ہی میں چھوڑ دیئے تھے۔ پتلون کا پائنچہ نہ صرف خون آلود تھا بلکہ اس میں گولی لگنے سے سوراخ بھی بن گیا تھا۔ اگر وہ پتلون پولیس کی نظروں میں آ گئی تو اس کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

پولیس والے نے دروازہ کھول دیا اور باتھ روم میں جھانکنے لگا۔ دائیں طرف دیوار پر لگی ہوئی کھونٹی پر ثمینہ کے پرانے کپڑوں کا ایک جوڑا ٹنگا ہوا تھا۔ دروازے کے پیچھے بھی ایک لمبی کھونٹی لگی ہوئی تھی اور شارق نے اس کھونٹی پر کپڑے ٹانگے تھے۔ پولیس والے نے غسل خانے میں جھانکنے کے بعد دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا اور واپس آ گیا۔ شارق کے کپڑے اس کی نظروں میں نہیں آ سکے تھے۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے سر جی۔" کانسٹیبل نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کسی نے جھوٹی اطلاع دی ہو گی۔ واپس چلیں۔"

"تسلی ہو گئی تم لوگوں کی؟" ثمینہ نے باری باری ان دونوں کو گھورا۔

ہیڈ کانسٹیبل دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے رک گیا۔ اس کی نظریں دری پر ایک سرخ دھبے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بیٹھ کر اس دھبے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہے؟ خون....." اس نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

ثمینہ کو ایک بار پھر سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں اس رات

شارق اندر داخل ہونے کے بعد کافی دیر تک کھڑا اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس کی ٹانگ کے زخم سے بہنے والے خون کے چند قطرے اس جگہ دری پر گرے تھے اور اب تین دن بعد وہ جگہ خشک ہو چکی تھی۔ دھبہ اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دری بھی سرخ رنگ کی تھی۔ وہ دھبہ ہر شخص کی نظروں میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس روز پڑوس کی تین چار عورتیں بھی آئی تھیں۔ وہ بھی دری پر اسی جگہ سے گزری تھیں مگر کسی کی نظر اس دھبے پر نہیں پڑی تھی لیکن یہ پولیس والے' یہ دھبہ فوراً ہی ان کی نظروں میں آ گیا تھا۔

"یہ.....یہ دھبہ....." وہ ہکلائی۔ "دو تین روز پہلے سرخ روشنائی گر گئی تھی۔"

"یہ دھبہ روشنائی کا نہیں بی بی۔" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے گھورا۔ "خون اور روشنائی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس رات جو شخص ہمارے ایک سپاہی کو گولی مار کر فرار ہوا تھا وہ خود بھی زخمی تھا۔ خون کے نشانات آپ کے دروازے تک دیکھے گئے۔ اس رات تم نے پوچھنے پر جواب دیا تھا کہ یہاں کوئی نہیں آیا۔ دوسرے دن یہاں سے گولی کی آواز سن کر کسی نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس کے پوچھنے پر تم نے بتایا کہ بلب پھٹ گیا تھا اور آج رات کسی نے پولیس کو اطلاع دی کہ یہاں تمہارے علاوہ کسی اور کو بھی نقل و حرکت کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور دری پر خون کا یہ دھبہ؟ ان سب باتوں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے بی بی۔" ہیڈ کانسٹیبل چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "وہ شخص اب اگرچہ یہاں نہیں ہے لیکن خون کا یہ دھبہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ یہاں تھا۔ دیکھو بی بی.....اگر تم پولیس سے تعاون کرو تو یہ بڑی اچھی بات ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس نے اسلحہ کے زور پر تمہیں یرغمال بنا رکھا ہو اور تم نے جان کے خوف سے اس وقت پولیس کو کچھ نہ بتایا ہو۔ لیکن اب وہ یہاں نہیں ہے۔ تمہیں اس سے کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے۔ اگر حلیہ بتا دو تو ہمیں اس کی تلاش میں مدد مل سکتی ہے۔ بصورت دیگر....."

"یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہاں مجھ سے سرخ روشنائی گر گئی تھی جسے تم خون کا دھبہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم لوگ بلاوجہ مجھے پریشان کر رہے ہو۔ میں اعلیٰ افسران سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"ٹھیک ہے بی بی۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چل کر اپنا تحریری بیان دینا ہو گا۔"

"تت..... تھانے....." ثمینہ کانپ کر رہ گئی۔

"جی ہاں۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "جو کچھ ہمیں بتا رہی ہو وہی سب کچھ ایس ایچ او کے

aazzamm@yahoo.com

سامنے تحریری بیان میں کہہ دینا۔"

ثمینہ نے بے بسی سے گورایہ کی طرف دیکھا۔

"حوالدار۔" گورایہ حوالدار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ بلاوجہ بات بڑھانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ ایک شریف خاتون ہیں۔ کالج میں لیکچرار ہیں۔ ان کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ تم لوگوں کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ مک مکا کرو اس قصے کا۔ تم جانتے ہو کسی عورت کا تھانے جانا کس قدر رسوائی کا باعث ہو سکتا ہے۔"

"دیکھئے جی بات کوئی معمولی نہیں ہے۔" حوالدار نے کہا۔ "وہ ایک خطرناک ملزم ہے جو ایک پولیس والے کو گولی مار کر فرار ہوا ہے۔ تمام شہادتیں بتاتی ہیں کہ اس نے یہاں پناہ لی تھی۔ اب ہم تو بات اس طرح ختم نہیں کر سکتے۔ مک مکا بھی کرنا ہو گا تو ایس ایچ او صاحب ہی کریں گے۔ اس بی بی کو ہمارے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔"

ثمینہ عجیب صورت حال سے دوچار تھی۔ ایک مرتبہ تو اس کے دل میں آئی کہ شارق کے بارے میں سب کچھ بتا دے۔ لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ انہیں شارق کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ پولیس اسٹیشن جانے سے اسے اچھی خاصی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن شارق کو بچانے کے لئے اس نے یہ رسوائی بھی قبول کرنا گوارا کر لیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں پولیس اسٹیشن چلنے کو تیار ہوں۔" بالآخر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں کے ساتھ نہیں۔"

"ہم گلی کے موڑ پر انتظار کرتے ہیں۔ اگر تم نے کہیں ادھر ادھر ہونے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہتے ہوئے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔

وہ دونوں باہر چلے گئے۔

"ثمینہ بی بی یہ سب کیا ہے؟" گورایہ نے کہا۔

"کچھ نہیں بھائی صاحب۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "آپ خود بھی جانتے ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ ایک عورت کو اکیلا سمجھ کر پریشان کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم چلو۔ میں بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس معاملے میں کچھ سے جو ہو سکے گا کروں گا۔ پریشان مت ہونا۔ تم چلو۔ میں بھی آتا ہوں۔" گورایہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

ثمینہ نے چادر اوڑھی اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ گلی میں ابھی زیادہ لوگوں کی آمد و

رفت شروع نہیں ہوئی تھی۔ ثمینہ نے مکان کو تالا لگایا اور ایک طرف چلنے لگی۔ اس نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ اس کا چہرہ تقریباً چھپ کر رہ گیا تھا۔ دونوں پولیس والے گلی کے موڑ پر کھڑے تھے۔ ثمینہ وہاں پہنچی تو وہ اس کے ساتھ ہو لئے۔ دوسری گلی کا موڑ گھومتے ہی انہیں ایک خالی تانگہ مل گیا۔ حوالدار نے تانگہ رکوا لیا۔ وہ دونوں آگے بیٹھ گئے اور ثمینہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

تھانے پہنچ کر ثمینہ کو احساس ہوا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ پولیس والوں کو وہ گھر پر ہی بتا دیتی کہ مفرور ملزم نے اسے گن پوائنٹ پر یرغمال بنا رکھا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے زبان کھولی تو اسے جان سے مار دے گا۔ لیکن اس نے شارق کو بچانے کے لئے پولیس اسٹیشن آنا قبول کر لیا تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ وہ بہت بڑی غلطی کر چکی ہے۔

پولیس کے بارے میں اس کے نظریات بالکل غلط ثابت ہوئے تھے۔ وہ پولیس کو شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ سمجھتی تھی۔ لیکن اب پتہ چلا تھا کہ شہر کے چھٹے ہوئے سارے بدمعاش پولیس میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ایس ایچ او ابھی گھر سے نہیں آیا تھا۔ ثمینہ کو ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا تھا۔ جو بھی پولیس والا آتا ہوس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی شرمناک جملہ بھی کس دیتا۔

"کس کے ساتھ پکڑی گئی ہے یہ؟"

"کب سے یہ دھندہ کر رہی ہو؟"

"اب آئی ہو نا قابو میں۔ پتہ چل جائے گا تمہیں۔"

"اسے کمرے میں لے جا کر دروازے پر سپاہیوں کی لائن لگا دو نا۔"

ثمینہ ایک ایک جملے پر کٹی جا رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ جائے لیکن وہ پولیس کے جال میں پھنس چکی تھی اور یہ ایسا جال تھا جس سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

سات بجے کے لگ بھگ ایس ایچ او آ گیا۔ وہ لمبا تڑنگا بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی۔ حوالدار ایس ایچ او کے کمرے میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ثمینہ کو بھی بنچ سے اٹھا کر اندر لے گیا۔

"بیٹھ جاؤ بی بی۔" ایس ایچ او نے میز کے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ کالج کی معلمہ ہیں۔ آپ کو تو قانون سے تعاون کرنا چاہئے۔ جو بھی بات ہے آپ ٹھیک ٹھیک بتا دیں۔ ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔ اگر آپ غلط بیانی سے کام لیں گی تو آپ کے لئے مشکلات پیدا ہوں گی۔"

aazzamm@yahoo.com

"بات یہ ہے جی۔" ثمینہ نے کہا۔ "اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کسی کو اس کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے قتل کر دے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں عورت ذات ہوں۔ اکیلی رہتی ہوں۔ اس لئے میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔"

"اوہ۔" ایس ایچ او سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "کون تھا وہ.....کیا آپ اسے جانتی ہیں؟" میرا مطلب ہے پہلے کبھی دیکھا تھا؟"

"جی نہیں۔ میں اسے نہیں جانتی۔ نہ پہلے کبھی دیکھا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اس رات میں اگلے دن کے لیکچر کے لئے اسٹڈی کر رہی تھی کہ وہ مکان میں گھس آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کسی کو اس کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے گولی مار دے گا۔ میں نے جان کے خوف سے اپنی زبان بند رکھی تھی۔"

"آپ کسی اور ذریعے سے بھی پولیس یا کسی اور کو اس کی موجودگی کے بارے میں مطلع کر سکتی تھیں۔" ایس ایچ او نے کہا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پستول لئے میرے سر پر کھڑا رہتا تھا۔" ثمینہ نے بتایا۔

"وہ کب تک آپ کے مکان میں رہا؟" ایس ایچ او نے پوچھا۔

"وہ صبح سویرے ہی چلا گیا تھا۔" ثمینہ نے بتایا۔ "اس نے جاتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے پولیس کو اس کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اس کا حلیہ بتا سکتی ہیں؟"

"حلیہ!" ثمینہ چند لمحے خاموش رہی پھر کہنے لگی۔ "وہ درمیانے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ عمر پینتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ کشادہ پیشانی' آنکھیں چھوٹی' ناک لمبی اور پیشانی پر دائیں طرف چاند تارہ گدا ہوا تھا۔"

ٹھیک اسی لمحہ ایک کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوا اور بتایا کہ اس بی بی کے حوالے سے دو آدمی آئے ہیں۔ تھانیدار نے انہیں اندر بھیج دینے کو کہا۔ کچھ ہی دیر بعد جو دو آدمی اندر داخل ہوئے انہیں دیکھ کر ثمینہ چونکے بغیر نہ رہی۔ ایک تو اس کا پڑوسی گورایہ تھا اور دوسرا شارق۔ وہ دونوں تھانیدار سے ہاتھ ملا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"کہئے کیسے زحمت کی آپ حضرات نے۔" تھانیدار نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"میرا نام منظور گورایہ ہے۔ میں ان کا پڑوسی ہوں اور کینال آفس میں سب ڈویژنل آفیسر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی ہوا کسی غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے۔"

"اور آپ؟" ایس ایچ او نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"میرا نام شارق علی ہے۔ ان کا کزن ہوں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے ہی لاہور سے آیا ہوں۔ جب ان کے گھر پہنچا تو گورایہ صاحب سے پتہ چلا کہ ثمینہ کے بارے میں پولیس کو کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔" شارق نے بتایا۔

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟" ایس ایچ او نے پوچھا۔

"لاہور میں میرا صابن کا کاروبار ہے۔ فیصل آباد سے مال لے جاتا ہوں۔ آج بھی کاروباری سلسلے میں آیا تھا۔ ماموں نے کہا تھا کہ ثمینہ کی خیر خیریت بھی معلوم کرتا آؤں۔ پروگرام یہ تھا کہ گھر پر ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد مارکیٹ چلا جاؤں گا۔ لیکن یہاں آتے ہی اس گڑبڑ کا پتہ چلا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کا چہرے کا زیادہ حصہ اب بھی چادر میں چھپا ہوا تھا۔ وہ کن انکھیوں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے شارق کی دیدہ دلیری پر حیرت بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی کہ وہ اپنی جان خطرہ میں ڈال کر یہاں آ گیا تھا۔

"بات یہ ہے جناب۔" ایس ایچ او نے کہا۔ "معاملہ بے حد سنگین ہے۔ آپ جانتے ہیں کسی مفرور مجرم کو پناہ دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"وہ میرا کوئی رشتہ دار نہیں تھا جسے بچانے کے لئے میں نے پناہ دی تھی۔" ثمینہ' شارق یا گورایہ سے پہلے ہی بول اٹھی۔ "میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ اس نے مجھے گن پوائنٹ پر یرغمال بنا لیا تھا۔ میں اپنی جان کے خوف سے خاموش رہی تھی۔"

گورایہ اور شارق دونوں ہی چونک گئے۔ گورایہ اس لئے چونکا تھا کہ ثمینہ اب تک انکار کرتی رہی تھی لیکن یہاں آ کر شاید اس نے اعتراف کر لیا تھا۔

"تھانیدار صاحب!" گورایہ نے کہا۔ "ڈی ایس پی چودھری اکبر میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں' یہاں آنے سے پہلے میں نے فون پر ان سے بات کی تھی۔ شاید انہوں نے آپ کو فون کیا ہو۔"

"نہیں' مجھے کسی کا فون نہیں آیا۔" تھانیدار نے کہا۔

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ایس ایچ او نے ریسیور اٹھا لیا۔ چند منٹ تک یس سر یس سر کہہ کر باتیں کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر گورایہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ڈی ایس پی صاحب کا فون تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ معاملہ سنگین نہ ہو تو....."

"کہہ مکا کریں جی۔" شارق بیچ میں بول پڑا۔ "آپ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے اور پھر یہ کوئی ایسا سنگین معاملہ بھی نہیں ہے' ایک عورت نے اگر اپنی جان کے خوف سے زبان بند رکھی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے نا کہ وہ بھی اس جرم میں شریک ہے۔" شارق نے بریف کیس گود

aazzamm@yahoo.com

میں رکھ کر کھول لیا اور کپڑوں کے نیچے سے پانچ ہزار روپے کے نوٹ نکال کر مٹھی میں دبا لئے اور بریف کیس بند کر کے اپنا ہاتھ میز کے نیچے سے تھانیدار کی طرف بڑھا دیا جب اس کا ہاتھ واپس آیا تو اس کی مٹھی خالی تھی۔

"ٹھیک ہے جناب۔" تھانیدار نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ڈی ایس پی صاحب اور قائد اعظم کی سفارش تو میں رد نہیں کر سکتا اور بی بی۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "اور بی بی۔ آئندہ آپ محتاط رہا کریں۔ دروازہ کھولنے سے پہلے تسلی کر لیا کریں کہ باہر کون ہے۔ ورنہ کسی دن کسی مصیبت میں پھنس جائیں گی۔ ٹھیک ہے۔ اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ جی۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

شارق اور گورایہ بھی اٹھ گئے۔ ان دونوں نے تھانیدار سے ہاتھ ملایا اور پھر وہ تینوں تھانے سے باہر آ گئے۔

"بہت شکریہ گورایہ صاحب۔" شارق نے باہر آ کر کہا۔ "آپ نے حق ہمسائیگی ادا کر دیا۔ اگر آپ مدد نہ کرتے تو شاید واقعی کوئی بڑی مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ آپ موٹر سائیکل پر چلئے ہم تانگے پر آ جاتے ہیں۔"

گورایہ موٹر سائیکل پر چلا گیا اور وہ دونوں ایک تانگے پر سوار ہو گئے راستے میں خاموشی رہی۔ ان دونوں میں سے کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی ثمینہ پھٹ پڑی۔

"دیکھا..... دیکھ لیا تم نے۔ یہ سب ذلت و رسوائی مجھے تمہاری وجہ سے اٹھانا پڑی ہے۔ اگر میرے کالج میں اس بات کا پتہ چل جائے تو مجھے کھڑے کھڑے برطرف کر دیا جائے۔ میرے گھر والوں کو اطلاع ہو جائے تو مجھے زندہ زمین میں گاڑھ دیں۔ اگر گورایہ صاحب مدد نہ کرتے تو مجھے سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا جاتا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ میں یہ سب کچھ ہونے دیتا۔" شارق نے کہا۔

"تم کیا کر لیتے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "تم تو خود پولیس کو مطلوب ہو۔"

"اس کے باوجود میں تھانے پہنچ گیا تھا۔ اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ پولیس مجھے ہی سلاخوں کے پیچھے بند کر دے گی۔ لیکن میں تمہیں ان پولیس والوں کے رحم و کرم پر تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم نے پولیس کو میرے بارے میں کیوں نہیں بتا دیا۔ مجھے اسی وقت پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیا؟" شارق بولا۔

"یہی تو میں نہیں کر سکی۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اور شاید آئندہ بھی ایسا نہ کر سکوں۔"

"کیوں؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اس کیوں کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ ویسے وہ شارق کی شرافت کی پہلے سے زیادہ قائل ہو گئی تھی جو اسے بچانے کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر تھانے پہنچ گیا تھا۔ اگر پولیس کو اس پر شبہ ہو جاتا تو وہ یقیناً پکڑا جاتا۔ "لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں....."

"کل کی رات میں نے بڑی اذیت میں گزاری ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں رات بھر سوچتا رہا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس لئے صبح ہوتے ہی یہاں آ گیا تھا کہ تم سے معافی مانگ سکوں۔ لیکن یہاں کی صورت حال ہی بدلی ہوئی تھی۔ اتفاق سے گورایہ صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ انہیں میں نے بتایا کہ تمہارا کزن ہوں اور ابھی ابھی لاہور سے آیا ہوں۔ مجھے صورت حال کا پتہ چلا تو میں ان کے ساتھ ہی تھانے پہنچ گیا۔"

"اگر تم پکڑے جاتے تو؟" ثمینہ نے کہا۔

"تمہیں بچانے کے لئے میں پکڑا جاتا تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔" شارق نے جواب دیا۔

ثمینہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ باہر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ ثمینہ باہر آ گئی۔ وہ گورایہ صاحب کی بیوی تھی جو دودھ کی پتیلی لئے کھڑی تھی۔

"تمہارے بعد دودھ والا آیا تھا۔ میں نے دودھ لے لیا۔" مسز گورایہ نے کہا۔

"آیئے۔ اندر آ جایئے۔" ثمینہ نے اس سے پتیلی لیتے ہوئے کہا۔ وہ اندر آ گئی۔ "یہ میرے کزن ہیں۔ آج ہی لاہور سے آئے ہیں۔"

"گورایہ صاحب نے مجھے بتایا تھا۔" مسز گورایہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی اور پھر واپس چلی گئی۔

"میں نے ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا۔ صبح ہی صبح ان منحوسوں کی شکل دیکھنی پڑی۔ ویسے تھانہ بہت بری جگہ ہے۔ لگتا ہے تہذیب و شرافت تو ان پولیس والوں کو چھو کر نہیں گزری' ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے کہ سر شرم سے جھکا جا رہا تھا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب تمہیں یہ احساس بھی ہو گیا ہو گا کہ کسی شریف آدمی کو جرائم کی دلدل میں دھکیلنے میں بڑا ہاتھ پولیس ہی کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ ایک شریف آدمی ان کا آلہ کار بن کر جرائم پیشہ زندگی' اپنانے پر مجبور ہو جاتا ہے' میں ایک زندہ مثال کی صورت میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جنہیں ہم اپنا محافظ سمجھتے

aazzamm@yahoo.com

ہیں وہی معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور خرابیوں کی اصل جڑ ہیں۔"

"اس موضوع پر بعد میں باتیں ہوں گی۔ تم ناشتہ بناؤ۔ میں صرف چائے پیوں گا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ باورچی خانے میں جا کر ناشتے کی تیاری کرنے لگی اور شارق دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

ثمینہ اس روز بھی کالج نہیں گئی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ سبزی گوشت وغیرہ لینے کے لئے چلی گئی۔ شارق وہ ناول لے کر بیٹھ گیا جسے وہ ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ثمینہ واپس آئی تو اخبار بھی لے آئی تھی۔ فیصل آباد سے کوئی ڈھنگ کا اخبار شائع نہیں ہوتا تھا۔ دو تین جو اخبار شائع ہوتے بھی تھے تو ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ تمام بڑے اخبارات لاہور ہی سے آتے تھے اور ثمینہ جو اخبار لے کر آئی تھی وہ بھی لاہور ہی کا تھا۔

شارق نے ناول رکھ دیا اور ثمینہ سے اخبار لے کر دیکھنے لگا۔ آخری صفحہ پر دو کالمی سرخی دیکھتے ہی اچھل پڑا۔

"ڈی ایس پی کے قاتل کا سراغ مل گیا۔"

شارق وہ خبر پڑھنے لگا۔ یہ خبر پولیس کے ایک ترجمان کے حوالے سے شائع ہوئی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ لاہور کے ایک ڈی ایس پی کو ذاتی دشمنی کی بنا پر پہلے اغوا کیا گیا اور کئی روز بعد اسے مردہ سمجھ کر سڑک پر پھینک دیا گیا۔ لیکن ڈی ایس پی زندہ تھا جسے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ اسی رات ملزم نے ڈاکٹر کا بھیس بدل کر بے ہوش ڈی ایس پی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پولیس ترجمان نے یہ بھی بتایا تھا کہ ملزم ہسپتال سے فرار ہونے کے بعد کافی ہاؤس کے سامنے ایک رکشہ پر بیٹھ کر چوبرجی گیا تھا۔ رکشہ ڈرائیور کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق پولیس نے ایک ایسے شخص کا پتہ چلا لیا ہے جس کا تعلق منشیات فروشوں کے ایک گروہ سے ہے۔ پولیس اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کر رہی ہے۔ توقع ہے کہ ملزم کو ایک آدھ دن میں گرفتار کر لیا جائے گا۔"

شارق یہ خبر پڑھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ پولیس کی تفتیش اس حد تک درست تھی کہ وہ ہسپتال سے فرار ہونے کے بعد کافی ہاؤس کے سامنے سے ایک رکشے پر بیٹھ کر چوبرجی گیا تھا۔ رکشے والے نے جو حلیہ بتایا تھا وہ کسی حد تک مختلف تھا۔ لیکن پولیس کو یقین ہو گیا تھا کہ قاتل چوبرجی کے آس پاس ہی کا رہنے والا تھا اور ہو سکتا ہے پولیس اس حلیے کے مطابق اس علاقے میں اسے تلاش کر رہی ہو۔ لیکن شارق مطمئن تھا کہ اس علاقے میں کوئی شخص اسے نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ عام طور پر رات ہی کو اس مکان میں آیا جایا کرتا تھا اور وہاں رہنے والے بہت کم لوگوں سے اس

کا آمنا سامنا ہوتا تھا۔ اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ رکشہ ڈرائیور کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق محلے والے اسے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔

پولیس کی یہ تحقیق بھی درست تھی کہ ڈی ایس پی کے قاتل کا تعلق منشیات فروشوں کے کسی گروہ سے تھا۔ پولیس تفتیش یقیناً اسی رخ پر کر رہی تھی۔ ایسے منشیات فروشوں کے بارے میں تحقیقات کی جا رہی ہوں گی جنہیں ماضی میں اس ڈی ایس پی کے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچا ہو گا۔ شارق کے لئے یہ بات بہرحال باعث تشویش ضرور تھی کہ اگر پولیس چھانگا تک پہنچ گئی تو معاملہ گڑبڑ ہو سکتا تھا۔ لیکن چھانگا کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ اس کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔

اس روز شام کو شارق پیپلز کالونی پہنچ گیا۔ رحمانیہ مسجد کے قریب اسے سلمان ایڈووکیٹ کے بہنوئی کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ تقریباً دو گھنٹے مکان کی نگرانی کرتا رہا۔ آٹھ بجے کے قریب ایک آدمی کو مکان سے نکلتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ سلمان ایڈووکیٹ تھا۔ اس نے حلیہ بدلنے کے لئے اگرچہ داڑھی رکھ لی تھی لیکن شارق کو اسے شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

سلمان ایڈووکیٹ گھر سے نکل کر مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا ڈی گراؤنڈ کی طرف آ گیا۔ یہ انگریزی حرف ڈی کی طرح ایک وسیع و عریض پارک تھا۔ اس کے ایک طرف خط مستقیم کی طرح بالکل سیدھی سڑک تھی جو زیادہ تر ویران رہتی تھی۔ نصف دائرے کی شکل کی دوسری سڑک کے ساتھ ساتھ رہائشی اور کمرشل عمارتیں تھیں۔ ان عمارتوں میں سڑک کے رخ پر دکانوں کی وجہ سے بہت بارونق شاپنگ سینٹر بن گیا تھا۔ شام سے لے کر رات دس گیارہ بجے تک یہاں اچھی خاصی رونق رہتی تھی۔ یہاں دو تین اچھے ریسٹورنٹ بھی تھے۔ ریسٹورنٹ والوں نے اپنے سامنے خوبصورت لان بنا رکھے تھے یہاں شام ہوتے ہی میزیں اور کرسیاں ڈال دی جاتیں۔

سلمان ایڈووکیٹ بھی ایک ایسے ہی ریسٹورنٹ کے سامنے لان میں آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔ پھر وہ ایک میز کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور آدمی وہاں آ گیا۔ ان دونوں نے ہاتھ ملایا اور وہ آدمی بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ آدمی بھی سلمان کی طرح پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہا ہو گا۔ سلمان نے ویٹر کو بلا کر چائے کے لئے کہا۔

شارق کچھ دیر تک لان کے باہر کھڑا رہا پھر وہ بھی آگے آ کر ان کے قریب ہی ایک میز کے خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور ویٹر کو اشارے سے چائے کے لئے کہہ دیا۔

چائے کے دوران سلمان ایڈووکیٹ اور دوسرا آدمی باتیں کرتے رہے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر

aazzamm@yahoo.com

نہیں لگی کہ سلمان روزانہ شام کے بعد یہاں آ کر بیٹھا کرتا تھا اور اس آدمی سے غالباً یہیں پر اس کی دوستی ہوئی تھی وہ توجہ سے ان کی باتیں سننے لگا۔

"جھگڑا تو سارا جائیداد کا ہے۔" وہ آدمی کہہ رہا تھا۔ "لڑکی کی چونکہ شادی ہو چکی ہے اور اس کے بھائی اسے جائداد میں سے حصہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" سلمان نے کہا۔ "لڑکی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ وہ اپنے باپ کی وراثت میں حقدار ہے' ہاں اگر وہ بھائیوں کے حق میں اپنے حصے سے دست بردار ہو جائے تو الگ بات ہے۔ بصورت دیگر وہ قانونی طور پر بھی اپنا حصہ وصول کر سکتی ہے۔ شرعی اور ملکی قانون نے ہر معاملے میں عورت کو پورا تحفظ دیا ہے۔"

"کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ کل میں اس کے شوہر کو تمہارے پاس بھیج دوں۔ تم اس سے بات کر لینا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"تم کل اسے اپنے ساتھ ہی لے آنا۔" سلمان بولا۔

"کل میں دفتر کے کام سے لاہور جا رہا ہوں۔ میری واپسی پرسوں شام تک ہو گی۔ کل اسی وقت لڑکی کا شوہر یہاں آ جائے گا۔ وہ تمہیں جانتا ہے۔ مناسب سمجھو تو اس کے ساتھ چلے جانا۔ اس کا گھر دربار غوثیہ کے قریب ہے۔ لڑکی سے بھی بات کر لینا۔ تفصیل سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل اس کا انتظار کروں گا۔" سلمان نے کہا اور پھر وہ دوسرے موضوعات پر باتیں کرنے لگے۔

شارق اٹھ گیا۔ اب اسے وہاں بیٹھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی باتیں سننے کے بعد شارق نے منصوبہ بنا لیا تھا اور اس منصوبے پر عمل درآمد کے لئے اسے چوبیس گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ سلمان ایڈووکیٹ نے شارق کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی پشت کی طرف بیٹھا ہوا تھا اور اگر وہ اسے دیکھ بھی لیتا تو داڑھی کی وجہ سے اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ داڑھی سے شارق کی صورت بڑی حد تک تبدیل ہو گئی تھی۔ اور پھر سلمان تو شاید یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں شارق سے اس کا آمنا سامنا ہو جائے گا۔

شارق جب ثمینہ کے گھر واپس پہنچا تو رات کے دس بج رہے تھے۔ ثمینہ نے اس کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شارق ایک جرائم پیشہ آدمی ہے۔ اس کی وجہ سے اسے ذلت و رسوائی بھی اٹھانا پڑی تھی۔ وہ شارق کی طرف جھکتی چلی جا رہی تھی۔ دل کے معاملات شاید ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جذبات غالب آ جاتے ہیں' ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔ سوچنے

سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور انسان دل کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے اور بالآخر شارق اصل مطلب پر آ گیا۔ وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ میری بربادی کی اصل وجہ ایک وکیل ہے۔ اس نے میرے ماں باپ کو قتل کروا دیا تھا۔ پولیس سے ساز باز کر کے مجھے ایک لمبے عرصے کے لئے جیل بھجوا دیا تھا اور بعد میں اس نے میرے مکان کو جلا کر راکھ کر ڈالا تھا اور مجھے ہی آتشزنی کے الزام میں گرفتار کروانے کی کوشش کی تھی۔"

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔" ثمینہ نے سر ہلایا۔

"میری رہائی کے بعد اپنے ان مذموم مقاصد میں ناکام ہو کر مجھے دیکھ لینے کے بعد وہ وکیل اپنی جان کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ فیصل آباد میں ہے۔ آج میں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔" شارق نے بتایا۔

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "کیا تم نے....."

"ہاں ثمینہ۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک اپنے ماں باپ کے قاتلوں اور اپنا گھر برباد کرنے والوں سے انتقام نہیں لوں گا اس وقت تک مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"شارق۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کیا تم ان خیالات کو ذہن سے نہیں نکال سکتے۔ ابھی تو ساری زندگی تمہارے سامنے پڑی ہے۔ کیا تم زندگی بھر یونہی بھٹکتے رہو گے۔ یہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم یہ سب کچھ بھول جاؤ اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرو.....صاف ستھری زندگی جس میں خلوص ہو اور چاہتیں ہوں۔"

"میں چاہوں بھی تو اپنا راستہ نہیں بدل سکتا ثمینہ۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں جہاں بھی جاؤں گا یہ برائیاں میرا پیچھا کرتی رہیں گی اور پھر میں وہ رات کیسے بھول سکتا ہوں جب میرے ماں باپ میری نظروں کے سامنے خنجروں سے وار کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ میں ایک لمحہ کو بھی اس خوفناک طوفانی رات کو نہیں بھولا ہوں۔ میں جب تک ان لوگوں کو جہنم میں نہیں پہنچا دوں گا میرے انتقام کی آگ نہیں بجھے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم جان بوجھ کر اس دلدل میں آگے بڑھتے جاؤ گے۔" ثمینہ بولی۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اس وکیل والے معاملے میں تمہیں میری کچھ مدد کرنی پڑے گی۔"

aazzamm@yahoo.com

"کیا مطلب؟" ثمینہ چونک گئی۔ "کیا تم مجھے بھی اس آگ میں گھسیٹنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" شارق نے کہا اور پھر ثمینہ کو سمجھانے لگا کہ اسے کیا کرنا ہو گا۔

"کیا تم اسے یہاں لے کر آؤ گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کا ہلکا سا تاثر ابھر آیا تھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کے لئے میں کوئی اور جگہ تلاش کر لوں گا۔"

وہ دیر تک اس موضوع پر بحث کرتے رہے۔ ثمینہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی رہی لیکن شارق کسی طرح بھی جھکنے کو تیار نہیں تھا۔

ثمینہ صبح ساڑھے سات بجے کالج چلی گئی۔ اس نے گھر کی ایک چابی شارق کو دے دی تھی تا کہ بعد میں اسے کہیں آنا جانا ہو تو پریشانی نہ ہو۔

شارق نو بجے گھر سے نکلا۔ گلیوں میں ہوتا ہوا دھوبی گھاٹ پہنچ گیا۔ نشیب میں واقع اس میدان میں دھوبی گھاٹ ہوا کرتا تھا لیکن اب یہاں کھیل کا میدان بنا دیا گیا تھا۔ پورے میدان میں سبز مخملی گھاس بچھی ہوئی تھی۔ وہ دوسری طرف سیڑھیاں چڑھ کر سڑک پر آ گیا۔ سڑک کی دوسری طرف ریز ہوٹل تھا۔ وہ ہوٹل کے سامنے ایک رکشے پر بیٹھ کر پیپلز کالونی کی طرف روانہ ہو گیا۔

پیپلز کالونی میں ڈی گراؤنڈ سے ہوتے ہوئے غوثیہ دربار کے قریب رکشہ سے اتر کر وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پیدل چلنے لگا۔ اس طرف ذرا آگے ایک ٹیکسٹائل مل کی اونچی دیوار کا عقبی حصہ تھا۔ کچھ زمین ویران پڑی تھی اور کچھ پلاٹوں پر مکان زیر تعمیر تھے لیکن کسی جگہ کام نہیں ہو رہا تھا۔ لگتا تھا کسی وجہ سے ان مکانوں کی تعمیر ادھوری چھوڑ دی گئی تھی۔

شارق گھوم پھر کر ان ادھورے مکانوں کو دیکھتا رہا' مل کی دیوار کے قریب اندر کی طرف اسے ایک مکان پسند آ گیا۔ اس مکان کے تین کمرے بنے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں کے چوکھٹ بھی لگائے گئے ہوں گے مگر لوگ انہیں اکھاڑ کر لے جا چکے تھے۔

شارق نے ان راستوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور واپس ڈی گراؤنڈ کی طرف چلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اسے ایک رکشہ مل گیا۔ وہ گھر جانے کے بجائے کچہری بازار کے موڑ پر اتر گیا اور گھنٹہ گھر کی طرف چلنے لگا۔

گھنٹہ گھر کے چوک پر ایک بک اسٹال کے سامنے وہ رک گیا۔ اخبارات سامنے ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک اخبار خرید لیا اور جیسے ہی اخبار کو سیدھا کیا پہلے صفحہ پر قدرے نیچے ایک تصویر دیکھ کر چونک گیا۔ یہ چہرہ اسے کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ تصویر کے ساتھ ہی ایک دو کالمی سرخی

تھی۔

"لاہور کے ڈی ایس پی کے قاتل کو گرفتار کر لیا گیا۔"

شارق وہیں کھڑے کھڑے وہ خبر پڑھنے لگا' اس کے خیال میں بڑی دلچسپ خبر تھی۔ اشفاق نامی جس شخص کو گرفتار کیا گیا تھا اس کا تعلق ہیرا منڈی میں منشیات فروخت کرنے والے ایک گروہ سے تھا۔ چند سال پہلے ڈی ایس پی نے (جب وہ انسپکٹر تھا) اشفاق نامی اس شخص کو منشیات فروشی اور ایک شخص کو چاقو مار کر شدید زخمی کرنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا اور عدالت سے اسے چار سال کے لئے جیل بھجوا دیا تھا۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اشفاق نامی وہ شخص کچھ عرصہ غائب رہا اور منظر عام پر آنے کے بعد اس نے ایک بار پھر منشیات کا دھندہ شروع کر دیا اس کے ساتھ ہی وہ ڈی ایس پی سے انتقام لینے کے لئے موقع کی تاک میں رہا اور پھر موقع ملتے ہی اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ڈی ایس پی کو اغواء کیا اور کئی روز تک تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد اسے مردہ سمجھ کر سڑک پر پھینک دیا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ڈی ایس پی زندہ ہے تو اس نے ڈاکٹر کا بھیس بدل کر ہسپتال میں ڈی ایس پی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے دوسرے حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

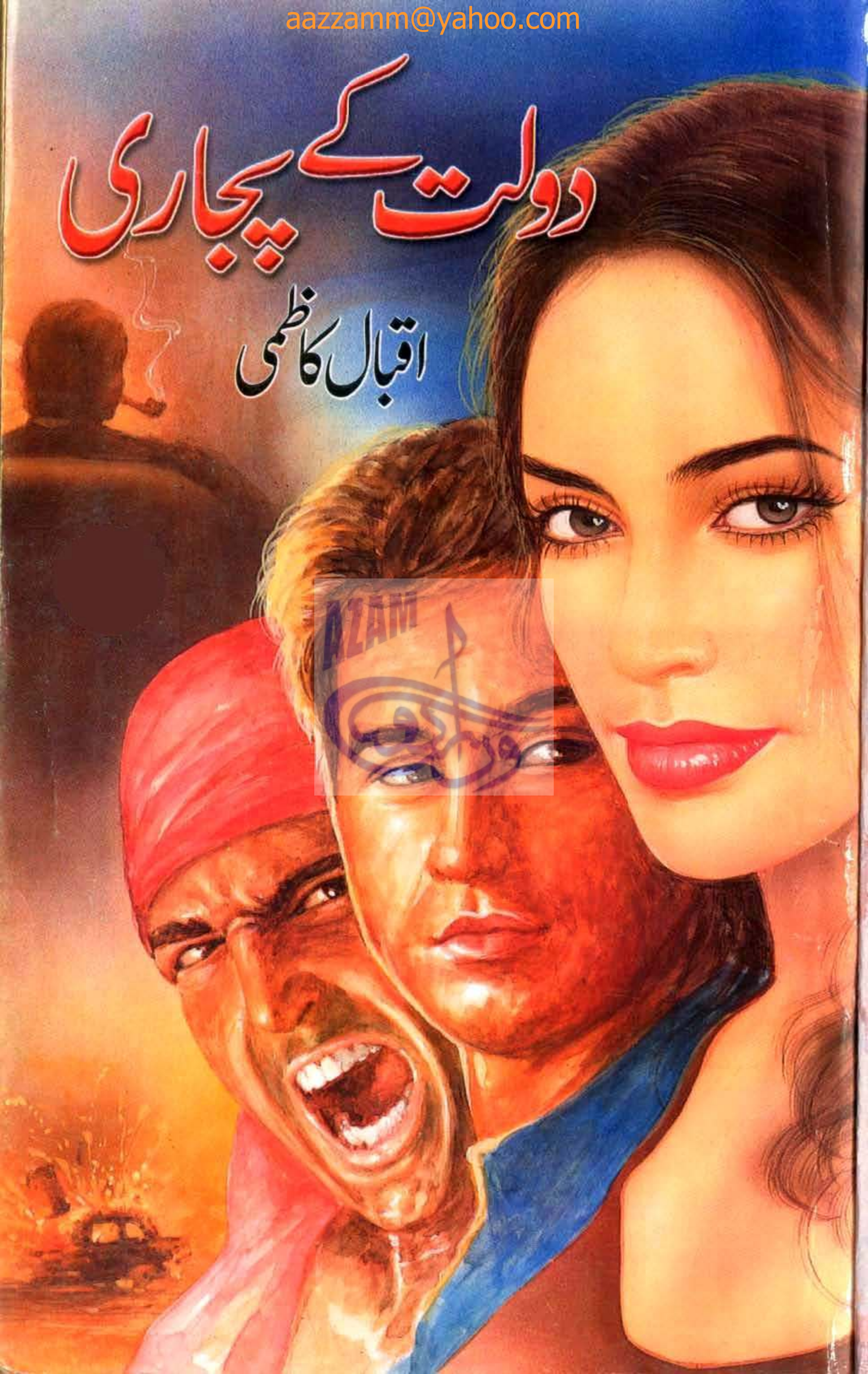

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

2

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیر اسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66روپے

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

پولیس کے ترجمان کے مطابق ملزم تعلیم یافتہ ہے لیکن آوارہ قسم کے دوستوں کی صحبت میں رہنے سے غلط راستے پر چل نکلا تھا۔ پولیس کے مطابق ملزم نے نہ صرف ڈی ایس پی کے قتل کا اعتراف کر لیا ہے بلکہ اور بھی بہت سی سنگین وارداتوں میں ملوث ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

خبر پڑھ کر شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پولیس نے نجانے کس بے گناہ کو ڈی ایس پی کے قتل کے الزام میں پکڑا تھا اور لطف کی بات تو یہ تھی کہ اس سے ایک ناکردہ جرم کا اعتراف بھی کروا لیا تھا۔ ایک لحاظ سے پولیس کی یہ کارروائی شارق کے حق میں بہتر تھی۔ اس طرح وہ شبہے کی زد سے نکل گیا تھا۔

اس نے اخبار تہہ کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف مرغ پلاؤ کی دکان تھی۔ پلاؤ کی خوشبو سے اسے بھوک کا احساس ہونے لگا اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا دکان کے سامنے پہنچ گیا۔ دکان چھوٹی تھی اندر بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی وہ باہر ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو ڈھائی بجنے والے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ثمینہ بھی پہنچ گئی۔ دھوپ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے چادر اتار کر میز پر پھینک دی اور پنکھے کے نیچے کرسی پر بیٹھ گئی۔ تانگے کا اسٹاپ وہاں سے کافی دور تھا اور وہاں تک اسے پیدل آنا جانا پڑتا تھا۔

"کیا سوچا ہے تم نے شارق؟" بالآخر ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کس سلسلے میں؟" شارق نے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"وہی وکیل والا معاملہ؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ پروگرام تو ہم نے رات ہی کو فائنل کر لیا تھا۔" شارق بولا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے اپنا ارادہ نہیں بدلا۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"میں جو فیصلہ کرتا ہوں بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے اپنے دشمن کو بڑی مشکل سے تلاش کیا ہے۔ اسے کیسے معاف کر سکتا ہوں۔"

ثمینہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

"اپنے دشمن کو معاف کر دینا سب سے بڑی بہادری ہے۔"

"لیکن میں معاف نہیں کر سکتا۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تم اگر اس معاملے میں میری مدد نہیں کر سکتیں تو انکار کر دو۔ میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔"

"مجھے انکار نہیں۔" ثمینہ بولی۔ "تمہارے لئے میں نے اتنی ذلت اٹھائی ہے۔ تھانے تک ہو آئی ہوں۔ اب کیا رہ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آٹھ بجے یہاں سے نکلیں گے۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھا دوں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" شارق نے کہا۔

اور پھر ٹھیک آٹھ بجے وہ گھر سے نکل کر دھوبی گھاٹ کی طرف جا رہے تھے۔ شارق راستے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

"سلمان کو پہچاننے میں تمہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کے دوست کا نام تو مجھے معلوم نہیں لیکن سلمان اسے ملک صاحب کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ ملک نے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کے شوہر کو بھیج دے گا۔ لیکن تم کوئی بہانہ بنا کر کہو گی کہ تمہارا شوہر نہیں آ سکا اس لئے تم خود اسے لینے کے لئے آئی ہو تاکہ گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بات کی جا سکے۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے شارق۔" ثمینہ بولی۔ "اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو۔"

"تم چادر اس طرح اوڑھے رہنا کہ کوئی دوسرا تمہارا چہرہ نہ دیکھ سکے۔" شارق بولا۔ دھوبی گھاٹ کے دوسری طرف سڑک پر انہیں رکشہ مل گیا۔

رکشہ کوہ نور مل کے گیٹ کے سامنے پیپلز کالونی کی سڑک پر مڑ گیا۔ ڈی گراؤنڈ شروع ہوتے ہی شارق نے رکشہ رکوا لیا اور ڈرائیور کو پیسے دے کر رخصت کر دیا اور وہ دونوں سڑک سے ہٹ کر گھاس کے میدان میں چلنے لگے۔ سامنے شاپنگ ایریا برقی روشنیوں سے جگ مگا رہا تھا۔ شارق ایک جگہ رک گیا۔

"وہ سامنے ریسٹورنٹ ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لان میں میزیں

کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ سلمان وہیں بیٹھا ہو گا۔ نوکدار داڑھی اور طوطے جیسی خمیدہ ناک۔ یہی اس کی شناخت ہے۔ تم اسے لے کر اس طرف آؤ گی۔" اس نے پارک میں ایک طرف اشارہ کیا۔ "میں وہاں انتظار کروں گا۔ اس کے بعد میں سنبھال لوں گا۔"

"مم.... مجھے ڈر لگ رہا ہے شارق۔" ثمینہ کے لہجے میں خوف تھا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں، تم کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہی ہو۔" شارق بولا۔ "بس اسے اپنے ساتھ لے کر آنا ہے۔ تم اسے بتاؤ گی تو وہ فوراً ہی تمہارے ساتھ چل پڑے گا۔ اب جاؤ۔ کہیں وہ اٹھ کر چلا نہ جائے۔"

ثمینہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی ریسٹورنٹ کی طرف چلنے لگی۔ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ جس شخص کو بلانے جا رہی ہے اس کا حشر کیا ہو گا۔ شارق کے سر پر خون سوار تھا اور وہ ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارنے میں اس کی مددگار بن رہی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر پکڑے گئے تو اس کا اپنا انجام کیا ہو گا لیکن وہ نتائج سے بے پرواہ ہو گئی تھی۔ شارق نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا تھا اور وہ اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔

جب وہ ہوٹل کے سامنے لان کے قریب پہنچی تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ لان میں تقریباً تمام ہی میزیں بھری ہوئی تھیں۔ صرف ایک میز ایسی تھی جس پر ایک آدمی اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ شارق کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق ثمینہ کو اسے شناخت کرنے میں واقعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سلمان ایڈووکیٹ تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کی میز کے قریب پہنچ گئی۔

"آپ سلمان انکل ہیں نا؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ میرا نام سلمان ہی ہے لیکن تم کون ہو بی بی؟" سلمان نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ثمینہ کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔

"میں رابعہ ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "ملک صاحب نے میرے شوہر سے کہا تھا کہ آج اسی جگہ آپ سے مل لے لیکن شام کو وہ سائیکل سے گر گیا اس کی ٹانگ میں چوٹ آ گئی اس لئے مجھے آنا پڑا۔ وہ جائداد والا مسئلہ ہے۔"

"اوہ۔ سمجھ گیا۔ قصہ کیا ہے؟" سلمان بولا۔

"یہاں نہیں انکل۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں کبھی اس جیسی جگہ پر نہیں آئی۔ آپ کو زحمت تو ہو گی۔ میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"او' ہاں۔ ملک صاحب نے بتایا تھا کہ تمہارا گھر غوثیہ دربار کے قریب ہے۔ میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" سلمان کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور ثمینہ کے ساتھ ریسٹورنٹ کے لان سے نکل کر سڑک پر آگیا۔

وہ کچھ دور تک سڑک پر چلتے رہے پھر ثمینہ ڈی گراؤنڈ والے پارک میں داخل ہو گئی۔ پارک میں کہیں کہیں لوگ بیٹھے ہوئے تھے' بچے بھی کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں پارک سے نکل کر دوسری سڑک پر پہنچ گئے' سڑک کے دوسری طرف جھاڑیاں تھیں۔ ثمینہ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی' اس وقت اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ وہ سڑک پر تقریباً پچاس قدم چلے تھے کہ اچانک ہی جھاڑیوں سے ایک سایہ نکل کر ان کے سامنے آگیا۔ وہ شارق تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"خاموشی سے چلتے رہو۔ منہ سے کوئی آواز نکالنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔" شارق غرایا۔ اس نے پستول کی نال سلمان کے پہلو سے لگا دی۔

"کک.... کون ہو تم....." سلمان بدحواس ہو گیا۔

"تم مجھے پہچان نہیں سکے لیکن میں وہ ہوں جس کے خوف سے تم لاہور سے بھاگ کر یہاں چھپے ہوئے ہو۔" شارق نے کہا۔

"شش.... شا...." سلمان ہکلا کر رہ گیا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں شارق ہوں۔ جس کے ماں باپ کو تم نے قتل کروایا اور جسے اپنے ماں باپ کے قتل کے جھوٹے الزام میں جیل بھجوایا۔ جس کے گھر کو جلا کر تم نے راکھ کر ڈالا۔ اس روز تو تم نے مجھے پہچان لیا تھا جب لوہاری گیٹ پر ہمارا آمنا سامنا ہوا تھا۔ تم جان کے خوف سے لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن میں اپنے دشمنوں کو نہیں بھولا۔ ڈی ایس پی کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں نے تمہاری تلاش شروع کر دی اور بالآخر تمہیں تلاش کر ہی لیا۔"

"تت.... تم غلط سمجھے ہو۔" سلمان ہکلایا۔ "مم.... میں بے قصور ہوں.... ساری سازش اس انسپکٹر کی تھی۔ تمہیں جیل بھجوانے کے بعد وہ مجھے بھی بلیک میل کرتا رہا۔ وہ ڈی ایس پی ہو گیا تھا لیکن ہر مہینے مجھ سے پانچ ہزار روپے وصول کرتا رہا۔ اس کی بلیک میلنگ سے میں کوڑی کوڑی کا محتاج ہو چکا ہوں۔ چند روز پہلے اخبار میں اس کے قتل کی خبر پڑھی تو میں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔"

"اور اب تمہارے قتل کی خبر پڑھ کر کوئی اور سکھ کا سانس لے گا۔" شارق بولا۔

"نہیں.... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو.... میں بے قصور ہوں۔" سلمان گھگھیایا۔

"خاموشی سے چلتے رہو ورنہ یہیں پر لاش گرا دوں گا۔" شارق غرایا۔

آگے کسی موڑ پر ایک گاڑی گھوم کر سامنے آگئی۔ شارق نے پستول جیب میں ڈال لیا وہ تینوں گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھے۔

"شرافت سے چلتے رہنا۔ اگر کوئی گڑبڑ کی تو زندہ نہیں بچو گے۔" شارق غرایا۔

گاڑی ان کے قریب سے گزر گئی۔ شارق نے پھر پستول نکال لیا۔ وہ غوثیہ دربار سے پہلے ہی بائیں طرف ایک تنگ سی گلی میں گھوم گئے اور کچھ ہی دیر بعد وہ اس زیر تعمیر مکان میں پہنچ گئے جو شارق نے آج دن میں دیکھا تھا۔ شارق نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر ثمینہ کو تھما دی۔ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ روشنی مکان سے باہر کہیں نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔

"ہاں' اب بتاؤ تم کس طرح مرنا پسند کرو گے۔" شارق نے سلمان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں گولی نہیں ماروں گا۔ گولی سے تو آدمی ایک دم مر جاتا ہے۔ میں تمہیں ایک دم نہیں مرنے دوں گا۔ سسکا سسکا کر' تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ ان ہاتھوں سے۔"

شارق نے پستول جیب میں رکھ لیا اور دونوں ہاتھ سلمان کی طرف بڑھا دیئے۔

"نن.... نہیں..... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" سلمان چیخا۔

"چیخنے کا کوئی فائدہ نہیں' اس ویرانے میں تمہاری آواز کوئی نہیں سنے گا اور اگر کسی نے تمہاری آواز سن بھی لی تو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے تمہاری روح جسم سے رخصت ہو چکی ہو گی۔"

"مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" سلمان گھگھیایا۔

"ظالم ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔" شارق بولا۔ "دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے اسے ذرا بھی رحم نہیں آتا لیکن جب خود پھنستا ہے تو کتے کی طرح پیر چاٹنے پر بھی تیار ہو جاتا ہے۔"

سلمان واقعی اس کے پیروں پر گر گیا۔ شارق نے اسے ٹھوکر مارنا چاہی مگر سلمان نے اچانک ہی اس کے دونوں پیر ٹخنوں کے قریب سے پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا شارق لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ اس سے پہلے کہ شارق سنبھلتا سلمان نے جیب سے پستول نکال لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"میرے آدمیوں سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس رات انہوں نے تمہیں زندہ چھوڑ دیا تھا اور جب جیل سے رہا ہونے کے بعد میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام لو گے۔ اگرچہ میں وہ شہر بھی چھوڑ کر یہاں آگیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ تم ایک نہ ایک دن مجھے ڈھونڈ نکالو گے۔ میں کبھی ایک لمحہ کو بھی لاپرواہ نہیں رہا۔ یہ پستول چوبیس گھنٹے

aazzamm@yahoo.com

میری جیب میں رہتا ہے۔ آج اس کے استعمال کا وقت آ گیا ہے۔"

یہ صورت حال دیکھ کر ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ اس نے چیخ روکنے کے لئے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

شارق پشت کے بل زمین پر پڑا تھا۔ اس نے دونوں کہنیوں پر زور دے کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اس لمحہ سلمان کے حلق سے پھنکار سی نکلی۔

"نہ.....نہ.....اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔ اب میں تمہیں اٹھنے کا موقع نہیں دوں گا۔ یہ مکان ہی اب تم دونوں کا مقبرہ بنے گا۔ میں بوڑھا ضرور ہو گیا ہوں مگر تم جیسے لفنگوں کی گردن اب بھی مروڑ سکتا ہوں۔"

زمین پر پڑی ہوئی پنسل ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس کا چہرہ بہت ہی پراسرار لگ رہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو لیکن تمہاری موت ہی شاید تمہیں یہاں لے آئی تھی۔ تم بھی اس طرف آ جاؤ....." اس نے پستول سے اشارہ کیا۔

سلمان کی توجہ ایک لمحہ کو شارق سے ہٹی تھی اور شارق نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھل کر پیر کی زور دار ٹھوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر ماری۔ اس کی یہ حرکت سلمان کے لئے قطعی غیر متوقع تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا شارق بڑی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن سلمان نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کے منہ پر زور دار گھونسہ مار دیا۔

شارق کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ سلمان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ بوڑھا ہو گیا تھا لیکن اب بھی اس کے ہاتھوں میں بڑی طاقت تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے جبڑے پر گھونسہ نہیں وزنی ہتھوڑے سے زور دار ضرب لگائی گئی ہو۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ سلمان نے دوسرا گھونسہ مارنا چاہا مگر شارق نے بائیں ہاتھ کی کلائی پر اس کا وار روکا اور دائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر گھونسہ مار دیا۔ سلمان لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔

ثمینہ ایک طرف کھڑی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ ایک مرتبہ تو اس کے ذہن میں آیا تھا کہ یہاں سے نکل کر بھاگ جائے مگر وہ شارق کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

سلمان کا داؤ ایک بار پھر چل گیا۔ اس نے شارق کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری۔ شارق لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ سلمان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اس کے ساتھ ہی اس نے

شارق کے گلے پر پنجے جما دیئے۔

شارق کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا گلا آہنی شکنجے میں جکڑا گیا ہو۔ اسے سینے میں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا ایک ہاتھ سلمان کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ نکالا اور بڑی مشکل سے دونوں ہاتھ اپنے سر کے پیچھے لے گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسا لیں اور پوری قوت سے دوہتڑ سلمان کے منہ پر مارا۔ ضرب اگرچہ زیادہ زور دار نہیں تھی لیکن ایک لمحہ کو شارق کے گلے پر سلمان کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی۔ شارق نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اور دو ہتڑ رسید کر دیا۔ سلمان کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے اسے اپنے اوپر سے دھکیل کر نیچے گرا دیا۔

اب شارق سلمان کے سینے پر تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت سلمان کے گلے پر تھی۔ سلمان اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر وہ شارق کو اپنے اوپر سے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن شارق نے گرتے ہوئے بھی اپنا دایاں بازو اس کی گردن پر لپیٹ دیا۔ سلمان نے ایک اور جھٹکا دے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس طرح خود شکنجے میں آ گیا۔ اب شارق اس کی پشت پر تھا اور اس کا بازو سلمان کی گردن پر لپٹا ہوا تھا۔ شارق نے دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو لپیٹ میں لے لیا اور زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ سلمان بری طرح چیخ رہا تھا۔ شارق اس کی چیخوں کی پرواہ کئے بغیر اس کی گردن کو جھٹکے دیتا رہا۔

کڑک کی آواز ابھری۔ سلمان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ شارق گردن کو مسلسل جھٹکے دیتا رہا اور بالآخر اس نے سلمان کو ایک طرف دھکیل دیا۔

سلمان زمین پر اس طرح تڑپ رہا تھا جیسے مرغے کے گلے پر چھری پھیر کر پھینک دیا گیا ہو۔ شارق قریب کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ اس نے گردن گھما کر ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اس نے چیخ روکنے کیلئے ایک ہاتھ سختی سے منہ پر جما رکھا تھا۔

سلمان اب بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ شارق نے اس کی لاش کو ٹھوکر ماری اور ثمینہ کی طرف آ گیا۔

"چلو....." وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "سناٹے میں چیخوں کی آواز دور تک سنی گئی ہو گی۔ اگر کوئی اس طرف آ گیا تو پھنس جائیں گے۔"

"تت... تم نے اسے مم.... مار دیا۔" ثمینہ ہکلائی۔

aazzamm@yahoo.com

"تو کیا میں اسے لوری سنانے کے لئے لایا تھا۔" شارق نے کہا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ پرسکون تھا۔

ثمینہ اب بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس رات شارق کی شرافت اور معصومیت نے اسے متاثر کیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شارق اس قدر بے رحم اور سنگدل ہو گا۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور ثمینہ اس طرح چل رہی تھی جیسے نیم کیفیت میں ہو۔

شارق اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ زیر تعمیر مکانوں سے نکل کر سڑک پر آنا ہی چاہتے تھے کہ غوثیہ دربار کی طرف سے سائیکلوں پر دو آدمی آتے دکھائی دیئے۔ شارق، ثمینہ کو کھینچتا ہوا جلدی سے جھاڑیوں کی آڑ میں دبک گیا۔ وہ دونوں سائیکل سوار ان کے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر سامنے سے گزر گئے۔ ان میں ایک اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"چیخوں کی آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔"

"آواز تو میں نے بھی سنی تھی۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "جب تک مل والوں کے اور ان زیر تعمیر مکانوں کے مالکوں کا مقدمہ ختم نہیں ہوتا یہاں ایسے واقعات ہوتے رہیں گے۔ یاد ہے چھ مہینے پہلے بھی یہاں سے ایک عورت کی لاش ملی تھی۔"

"چور ڈاکوؤں نے ان ادھورے مکانوں کو اپنا اڈہ بنا لیا ہے۔ آگے بائیں طرف مڑ جاؤ۔ چیخنے کی آوازیں اس طرف سے آئی تھیں۔" پہلے آدمی نے کہا۔

شارق جھاڑیوں کی آڑ سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں سائیکل سوار جیسے ہی کچے راستے پر مڑ کر ایک مکان کی آڑ میں ہوئے شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

وہ جلد ہی ڈی گراؤنڈ کے پہلے موڑ پر پہنچ گئے۔ اس طرف بھی ایک ریسٹورنٹ اور چند دکانیں تھیں۔ ریسٹورنٹ کے ساتھ چکن تکہ اور سیخ کبابوں کی دکان بھی تھی۔ کبابوں کی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ وہ ریسٹورنٹ کے قریب سے گزر گئے۔ اس سے اگلے موڑ پر انہیں ایک رکشہ مل گیا۔

کچہری بازار کے موڑ پر انہوں نے رکشہ چھوڑ دیا اور جیسے ہی رکشہ وہاں سے رخصت ہوا وہ دونوں نڈ والا اڈے کی طرف جانے والے تانگے پر سوار ہو گئے۔ نڈ والا اڈے پر تانگے سے اتر کر دھوبی گھاٹ سے ہوتے ہوئے جناح کالونی میں داخل ہو گئے اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ ثمینہ اپنے کمرے میں آتے ہی بستر پر گر گئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ شارق کی ہمدردی میں وہ اس حد تک آگے نکل گئی تھی کہ اب وہ خود بھی

اسی زمرے میں آ گئی تھی۔ شارق نے اس کی آنکھوں کے سامنے سلمان کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ کتنی درندگی تھی اس وقت شارق کے چہرے پر۔

"کیا ہوا..... تم رو کیوں رہی ہو؟" شارق نے دروازے میں رک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔" ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم قاتل ہو۔ تم نے میری آنکھوں کے سامنے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ تم قاتل ہو۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔ چلے جاؤں یہاں سے۔"

"آہستہ بولو۔" شارق کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "یہی وہ آدمی تھا جس نے میرے ماں باپ کو قتل کروایا تھا۔ انہیں میری آنکھوں کی سامنے ذبح کیا گیا تھا۔ ان کی چیخوں کی آوازیں تو کسی نے نہیں سنی تھیں، میری فریاد کسی نے نہیں سنی تھی۔ آج وہ میرے ہاتھوں انجام کو پہنچ گیا تو تمہیں اس سے ہمدردی ہو گئی۔"

"مجھے کسی سے ہمدردی نہیں ہے۔ سب قاتل ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ تم میری زندگی برباد کرنے کے لئے کیوں آ گئے تھے۔ جاؤ چلے جاؤ۔" ثمینہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

"ثمینہ" شارق پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"مت ہاتھ لگاؤ مجھے۔ تمہارے یہ ہاتھ..... خون میں رنگے ہوئے ہیں۔"

"مت بھولو کہ یہ خون اب تمہارے ہاتھوں پر بھی لگ چکا ہے۔" شارق نے کہا۔ "اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ تم دانستہ یا نادانستہ طور پر اس دلدل میں پہلا قدم رکھ چکی ہو جس میں میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہو گا۔ ہمت سے کام لو..... جب تک میں ہوں تم پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا۔" شارق نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس مرتبہ ثمینہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ شارق اس کا ہاتھ سہلاتا رہا اور پھر اسے ہولے سے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ثمینہ اس کی طرف کھنچتی چلی آئی۔ اس نے اپنا سر شارق کے سینے سے لگا دیا۔ شارق ایک ہاتھ سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ثمینہ پر اب عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی مرد کے اتنا قریب آئی تھی۔ کسی مرد نے پہلی مرتبہ اس کے جسم کو اس طرح چھوا تھا۔ اس کے پورے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ رہی تھی۔

شارق کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ اس کے دماغ میں بھی سنسنی سی ہو رہی

aazzamm@yahoo.com

تھی اور دل ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ عورت کو اس طرح اپنی بانہوں میں لیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ ثمینہ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ثمینہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ شارق اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ اپنا چہرہ آہستہ آہستہ نیچے جھکانے لگا۔ ٹھیک اسی لمحہ کال بیل بج اٹھی اور وہ دونوں اچھل پڑے۔

"یہ.....یہ کون ہے.....پولیس....." ثمینہ ہکلائی۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔

"پولیس نہیں ہو سکتی۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم اپنا حلیہ درست کر لو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

"نہیں.....تم رک جاؤ۔ میں دیکھتی ہوں۔" ثمینہ بھی پلنگ سے اتر آئی۔ اس نے آنکھیں پونچھیں اور دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی تھی کہ اگر سلمان کے قتل کا پتہ چل بھی گیا ہو گا تو کسی کو یہ تو پتہ نہیں چلا ہو گا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ پولیس اتنی جلدی ان کا سراغ نہیں لگا سکتی۔

شارق بھی کمرے سے نکل کر لاؤنج میں [illegible] پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے میز پر پڑا ہوا وہ ناول اٹھا لیا تھا جس نے اسے زندگی کے ایک نئے رخ سے روشناس کرایا تھا۔ ناول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو باہر کا دروازہ کھول رہی تھی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازے ہی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"میں ہوں ثمینہ بی بی۔ گورایہ۔ ذرا دروازہ کھولئے۔" باہر سے آواز آئی۔

ثمینہ نے باہر کا گیٹ کھولا۔ اس کا پڑوسی گورایہ ہاتھ میں ایک تھیلا لئے کھڑا تھا۔

"جی خیریت؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تقریباً نو بجے کے قریب ایک صاحب آئے تھے۔ وہ یہ تھیلا دے گئے ہیں۔ اس میں ایک خط بھی ہے۔" گورایہ نے کہتے ہوئے تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کون تھا وہ۔ نام نہیں بتایا۔" ثمینہ نے تھیلا لیتے ہوئے پوچھا۔

"نام تو میرے ذہن میں نہیں رہا۔ البتہ یہ بتایا تھا کہ وہ آج دوپہر لاہور سے آیا تھا۔ ڈگلس پورہ میں کہیں ٹھہرا ہوا ہے اور کل صبح واپس چلا جائے گا۔ اس کے ہاتھ یہ تھیلا آپ کے گھر والوں نے بھیجا تھا۔"

"شکریہ۔ آپ کو زحمت ہوئی۔" ثمینہ بولی۔

"اس میں شکریئے کی کیا بات ہے۔" گورایہ نے کہا۔ "شارق صاحب لاہور واپس چلے گئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ یہیں ہیں۔ ابھی شاید ایک دو دن رہیں گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

گورایہ واپس چلا گیا۔ ثمینہ گیٹ بند کر کے اندر آ گئی۔ اس نے گورایہ کی آنکھوں میں اشتباہ کی جھلک دیکھ لی تھی۔ شارق نے اپنے آپ کو اس کا کزن ظاہر کیا تھا اور وہ کل ہی لاہور سے آیا تھا اور آج اس کے گھر والوں نے اس کے لئے کچھ چیزیں بھیجی تھیں۔ اگر شارق اس کا کزن تھا اور اس کے گھر والوں سے مل کر آیا تھا تو آج کسی اور کے ہاتھ چیزیں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ چیزیں کل شارق کے ہاتھ بھی بھیجی جا سکتی تھیں۔ یہ بات گورایہ کے دل میں شبہ پیدا کر سکتی تھی کہ کیا شارق واقعی اس کا کزن تھا اور لاہور ہی سے آیا تھا یا کوئی اور تھا؟ اس کی طرح اکیلی رہنے والی عورتوں پر محلے کے لوگ بڑی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ کون لوگ ملنے آتے ہیں ان میں کیا رشتہ یا تعلق ہے؟

ثمینہ اندر آتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ لاہور سے کون آیا تھا۔ ان کا کوئی عزیز تھا یا محلے کا کوئی آدمی جس کے ہاتھ یہ چیزیں بھیج دی گئی تھیں۔ گورایہ نے بتایا تھا کہ وہ ڈگلس پورہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ فیصل آباد میں اس کے رشتے کے ایک ماموں رہتے تھے ان کی رہائش طارق آباد میں تھی۔ ڈگلس پورہ میں ان کا کوئی جاننے والا نہیں رہتا تھا۔ وہ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اندر آ گئی۔

"کون تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لاہور سے کوئی آیا تھا۔ میرے گھر والوں نے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔ گھر پر تالا دیکھ کر وہ شخص یہ تھیلا گورایہ صاحب کے گھر دے گیا تھا۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے تھیلا میز پر رکھ دیا۔

"تمہارا کوئی رشتے دار؟" شارق نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کون تھا؟" ثمینہ نے کندھے اچکا دیئے۔

"تمہیں بھوک نہیں لگ رہی؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم شاید بھول گئی ہو کہ شام کی چائے کے بعد ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا پیا۔"

"بھوک!" ثمینہ نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے یاد آ گیا کہ شام کی چائے کی بعد واقعی کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔ اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے دل میں تو ہول سے اٹھ رہے تھے۔ "اس وقت میں روٹی نہیں پکا سکتی۔ چائے بنا دیتی ہوں۔ بسکٹ وغیرہ کھا لینا۔" ثمینہ کہتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

aazzamm@yahoo.com

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے ساتھ اس نے بسکٹ کا ڈبہ بھی میز پر رکھ دیا تھا۔ وہ خود تو صرف چائے کی چسکیاں لیتی رہی اور شارق ڈبے میں سے بسکٹ بھی نکال نکال کر کھاتا رہا۔

وہ رات ایک بجے تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ثمینہ کے ذہن پر خوف مسلط تھا اور شارق اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"لاش کا پتہ چل گیا ہو گا اور پولیس وہاں پہنچ گئی ہو گی۔" ثمینہ نے کہا اس کے لہجے میں اب بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"تم نے بلاوجہ اپنے ذہن پر خوف طاری کر رکھا ہے۔" شارق نے کہا۔ "پولیس کو پتہ نہیں چلے گا کہ اس خبیث کا قاتل کون ہے؟"

"میں جب اسے بلانے گئی تھی تو وہاں بیٹھے ہوئے لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اگرچہ اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا لیکن ہو سکتا ہے کسی نے مجھے دیکھ لیا ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" شارق نے کہا۔ "اگر تمہارا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا تو کسی نے کیسے دیکھ لیا ہو گا؟"

"لیکن..... نجانے مجھے کیوں ڈر لگ رہا ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

"تمہارا یہ خوف بلاوجہ ہے۔ جاؤ۔ جا کر سو جاؤ۔ صبح اٹھو گی تو سارا خوف ذہن سے نکل چکا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شارق بھی دری پر لیٹ گیا۔ شارق تو کچھ دیر بعد سو گیا لیکن ثمینہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج کے واقعہ نے اسے بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ جس شخص کو بہت معصوم سمجھی تھی وہ کسی درندے کی طرح سفاک اور بے رحم ثابت ہوا تھا۔ اس کی ہمدردی میں وہ خود بھی اس دلدل میں قدم رکھ چکی تھی۔ جس سے وہ شارق کو نکالنا چاہتی تھی۔

شارق اس کے لئے اجنبی تھا۔ لیکن ثمینہ اس سے متاثر ہو کر چند ہی روز میں اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ اپنے آپ کو خطرات میں ڈال لیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب بھی وقت تھا کہ وہ شارق سے کنارہ کشی کر کے اپنے آپ کو بچا لے۔ لیکن اب ایسا کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ اس نے نادانی میں اپنے لئے بہت سی مشکلات پیدا کر لی تھیں۔ شارق نے جب پولیس کے سامنے کہا تھا کہ وہ اس کا کزن ہے تو ثمینہ نے اس کی تردید نہیں کی تھی اور اگر پولیس نے یہ سراغ لگا لیا کہ اس رات پولیس مقابلے کے بعد اس کے گھر میں پناہ لینے والا ملزم کون تھا تو شارق

کے ساتھ وہ بھی آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچ جائے گی۔ اس نے شارق کو نہ صرف بچانے کی کوشش کی تھی بلکہ ملزم کا غلط حلیہ بتا کا پولیس کو بھی غلط راستے پر ڈال دیا تھا اور قانون کی نظروں میں یہ ایک سنگین جرم تھا اور اس سے زیادہ سنگین جرم تو یہ تھا کہ وہ سلمان کے قتل میں ملوث ہو گئی تھی۔

ثمینہ جیسے جیسے سوچ رہی تھی اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ کبھی اس کے چہرے کے سامنے شارق کا چہرہ آ جاتا اور کبھی پھانسی کا پھندہ جھولتا ہوا دکھائی دینے لگتا۔

اس وقت ساڑھے تین بجے تھے۔ ثمینہ بار بار کروٹیں بدل رہی تھی۔ دفعتاً" باہر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کے ساتھ ہی کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور پھر عجیب سا شور سنائی دینے لگا۔ بہت سے لوگ شور مچاتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔

"پکڑو.... پکڑو.... جانے نہ پائے۔"

ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر دوڑتی ہوئی شارق کے قریب پہنچ گئی۔ شارق بھی شور سن کر اٹھ گیا تھا۔ باہر ایک دھماکے کی سی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی گیٹ سے ٹکرایا ہو۔

ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل کر شارق سے لپٹ گئی۔

○

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا....یہ شور کیسا ہے؟" شارق کے لہجے میں نیند کا خمار تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ جب اسے یہ احساس ہوا کہ ثمینہ اس سے لپٹی ہوئی ہے تو وہ ایک لمحہ کو بدحواس سا ہو گیا تھا۔

"وہ.... آ گئے....پو....لیس...." ثمینہ کے حلق سے کپکپاتی ہوئی سی آواز نکلی۔ خوف کی شدت سے وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ شارق کے گرد اس کی بانہوں کی گرفت کچھ اور بھی مضبوط ہو گئی۔

شارق کے ذہن پر طاری نیند کا خمار غائب ہو چکا تھا۔ ثمینہ اس سے لپٹی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ ثمینہ کے گداز بوجھ نے اس کے پورے جسم میں سنسنی کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔

باہر سے شور کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ کسی کے بار بار گیٹ سے ٹکرانے کی آواز آ رہی تھی جیسے دو آدمی گتھم گتھا ہوں اور گیٹ سے ٹکرا رہے ہوں۔

"میں نے اسے پکڑ لیا ہے جلدی آؤ' بھاگو۔"

ایک چیختی ہوئی آواز گیٹ کے قریب ہی سے ابھری۔ ثمینہ چیخ کر شارق میں سما جانے کی کوشش کرنے لگی۔ شارق نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اپنے حواس قابو میں رکھو۔ اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟" شارق کے منہ سے سرگوشی نکلی۔

"ہپ....پولیس....وہ آ گئے۔" ثمینہ ہکلائی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔" شارق نے اسے ہولے سے ڈانٹ دیا۔ "اپنے حواس قابو میں رکھو۔ میں دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے۔"

"نن.....نہیں....باہر مت جانا۔ دروازہ مت کھولنا۔" ثمینہ بولی۔

شارق نے بڑی مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ کیا اور اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اس نے کرسی اٹھا کر کھڑکی کے قریب رکھ لی اور اوپر چڑھ کر ذرا سا پردہ سرکا کر کھڑکی کے سب سے اوپر والے شیشے سے باہر جھانکنے لگا۔ گلی میں اسٹریٹ لیمپ کی روشنی تھی اور سات آٹھ آدمی نظر آ رہے تھے جنہوں نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔ اس آدمی کی پٹائی کی جا رہی تھی۔

"اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔" ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔ "اسے میں نے اس طرف بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"اسے کوتوال لے چلو۔ پولیس والے اس سے دوسرے ساتھی کا پتہ بھی معلوم کر لیں گے۔" ایک اور آواز نے کہا۔

"کچھ گیا تو نہیں؟" کسی تیسری آواز نے پوچھا۔

"نہیں۔ بروقت آنکھ کھل گئی تھی۔ ہمارے شور مچانے پر یہ بھاگ نکلے۔" پہلی آواز نے کہا۔

"چل اوئے.... چور دیا پتر۔" ایک آدمی نے پکڑے گئے شخص کو تھپڑ مار دیا۔

وہ لوگ اسے مارتے پیٹتے ہوئے وہاں سے لے گئے۔ شارق کو ان کی باتوں سے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دو چور کسی گھر میں گھس گئے تھے لیکن اہل خانہ بروقت جاگ گئے۔ ان کے شور مچانے پر چور بھاگ نکلے لیکن شور مچانے پر محلے کے کچھ لوگ بھی جاگ گئے تھے جنہوں نے تعاقب کر کے ایک چور کو پکڑ لیا تھا جبکہ دوسرا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

شارق نے کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا اور کرسی سے اتر کر ثمینہ کے قریب آ گیا۔ وہ ابھی تک کرسی پر بیٹھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"کسی گھر میں چور گھس آئے تھے۔" شارق نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک بھاگ گیا اور دوسرے کو پکڑ کر تھانے لے گئے ہیں۔"

"مم.... میں سمجھی تھی پولیس آ گئی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"پولیس یہاں نہیں پہنچ سکتی۔" شارق نے کہا۔ "تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ پولیس تو ابھی تک سلمان کے قاتل کا سراغ نہیں لگا سکی لیکن اگر تم اسی طرح بات بات پر بدحواس ہوتی رہیں تو پھر یہ راز' راز نہیں رہ سکے گا۔"

"مم... مجھے ڈر لگتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" شارق نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ثمینہ نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ اس کی آغوش میں سمٹ گئی۔ اس کا جسم اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ شارق کی کی پیٹھ سہلانے لگا۔ ثمینہ کا خوف بتدریج زائل ہوتا چلا گیا اور اب وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی۔ ذہن پر خمار سا طاری ہونے لگا۔ دیوار گیر کلاک نے چار بجنے کا اعلان کیا۔ گھڑی کی ٹن ٹن کی آواز سن کر وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ اس نے اپنے آپ کو شارق کی گرفت

aazzamm@yahoo.com

سے چھڑایا اور اٹھ کر دوڑتی ہوئی اپنے پلنگ پر جا گری۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کا کوئی حسین خواب ٹوٹ گیا ہو۔ اس نے ثمینہ کے پلنگ کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا دری پر لیٹ گیا۔ تکیئے کو سر کے نیچے رکھنے کے بجائے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور آنکھیں بند کر کے حسین تصورات میں کھو گیا۔

صبح جب شارق کی آنکھ کھلی تو آٹھ بج چکے تھے۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ ثمینہ کو ساڑھے سات بجے کالج جانا تھا اور وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ شاید رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح جلدی اس کی آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ وہ دری سے اٹھ کر ثمینہ کے پلنگ کے قریب آ گیا۔

"ثمینہ...." اس نے ہولے سے پکارا۔ "ثمینہ اٹھو.... آٹھ بج چکے ہیں۔" اس نے جھک کر ثمینہ کو ہلانے کے لئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک گیا۔ اس نے ہاتھ ثمینہ کے کندھے سے اٹھا کر پیشانی پر رکھ دیا۔ ثمینہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

"ثمینہ.... ثمینہ آنکھیں کھولو...." وہ اسے آہستہ آہستہ اسے ہلانے لگا۔

ثمینہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تمہیں تیز بخار ہو رہا ہے ثمینہ۔" شارق اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" ثمینہ کے منہ سے کراہ سی نکلی۔

"آٹھ بج چکے ہیں۔" شارق نے بتایا۔

"اوہ.... مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"نہیں، تمہیں تیز بخار ہو رہا ہے۔ تم آج کالج نہیں جا سکو گی۔" شارق نے اسے بانہوں سے پکڑ کر دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔ "آرام سے لیٹی رہو۔ میں تمہارے لئے چائے بناتا ہوں۔ کچھ کھا پی لو تو میں کسی ڈاکٹر کو لے آؤں گا۔"

"ڈاکٹر کو لانے کی ضرورت نہیں۔" ثمینہ نے کہا۔ "میز کی دراز میں گولیاں رکھی ہوئی ہیں۔ گولی کھا لوں گی۔ بخار اتر جائے گا۔"

شارق نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور کچن میں آ کر چائے بنانے لگا۔ چائے کے ساتھ وہ بسکٹ کا ڈبہ بھی اٹھا لایا تھا۔ اس نے سہارا دے کر ثمینہ کو بستر پر بٹھا دیا۔ ایک دو بسکٹ کھلانے کے بعد اس نے ثمینہ کو پونسٹان کی دو گولیاں کھلا دیں۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ کو بخار خوف کی وجہ سے ہوا تھا۔ ایک تو کل سلمان والا واقعہ اور پھر رات کو گلی میں چوروں

کا ہنگامہ۔ ثمینہ ڈر گئی تھی اور یہ بخار اسی ڈر اور خوف کا نتیجہ تھا۔

ثمینہ کا خیال درست نکلا۔ دس بجے کے لگ بھگ اس کا بخار کم ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن شارق نے اسے بستر سے نہیں اٹھنے دیا۔ دوپہر کے لئے کھانا بھی وہ ہوٹل سے جا کر لے آیا تھا۔ شام پانچ بجے کے لگ بھگ ثمینہ کا بخار بالکل اتر گیا۔ وہ اگرچہ کمزوری محسوس کر رہی تھی لیکن وہ اٹھ کر کام کاج میں مصروف ہو گئی۔

ثمینہ جب گھر پر ہوتی تو پڑوس میں سے کوئی نہ کوئی عورت ضرور آ جایا کرتی تھی لیکن اس روز پڑوس کی کوئی عورت نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی ثمینہ نے محسوس کیا تھا کہ جس دن سے پولیس کا چکر چلا تھا اس روز سے اس کے گھر میں پڑوس کی عورتوں کی آمد و رفت کم ہو گئی تھی۔ ثمینہ نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ جب وہ گھر سے نکلتی تھی تو محلے کی کوئی عورت مل بھی جاتی تو وہ اس سے کترا کر نکل جانے کی کوشش کرتی۔ شام چھ بجے کے لگ بھگ شارق گھر پر ہی تھا۔ ثمینہ تھوڑی دیر کے لئے گورایہ صاحب کے گھر چلی گئی۔ اس وقت گورایہ گھر میں نہیں تھا البتہ پڑوس کی ایک اور عورت اس کی بیوی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"پتہ چلا تھا آج تم گھر پر ہو۔ میں نے کئی مرتبہ تمہارے ہاں آنے کو سوچا مگر گھر سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ کیسی ہو؟ تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟" مسز گورایہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بخار ہو گیا تھا آنٹی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "کالج بھی نہیں جا سکی۔"

"تمہارا یہ کزن سنا تھا ایک دن کے لئے آیا تھا۔ لیکن وہ کئی روز سے یہاں ہے۔" دوسری پڑوسن نے کہا۔

"آنٹی.... ان کا صاحب کا بزنس ہے۔ یہاں وہ جس فیکٹری سے مال منگواتے تھے ان کے ساتھ حساب کتاب میں گڑبڑ تھی جس کی وجہ سے انہیں رکنا پڑا۔ شاید ایک دو دن اور رہیں گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ پڑوسن کچھ دیر اور بیٹھی رہی۔ اس دوران اس نے ایک ایسا جملہ کہا تھا جس کے الفاظ ثمینہ کو نشتر کی طرح چبھتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ان لوگوں کو شارق کا یہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ ثمینہ اس مکان میں تقریباً دو سال سے رہ رہی تھی۔ اس دوران کبھی کبھار اس کا چھوٹا بھائی لاہور سے آ جایا کرتا تھا۔ دو سال میں دو یا تین مرتبہ اس کے والد بھی آئے تھے۔ اس کے گھر آنے والے صرف یہی دو مرد تھے جنہیں محلے والے اچھی طرح جانتے تھے۔ محلے والے بھی ان دونوں سے بڑے خلوص اور اخلاق سے ملتے تھے۔ اس کے والد

aazzamm@yahoo.com

جب بھی یہاں آتے تھے محلے کے دو تین گھروں میں ان کی دعوت ضرور ہوتی تھی۔ لیکن شارق کے آنے کے بعد صورت حال کچھ بدل گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پولیس کا چکر بھی چل نکلا تھا اور محلے والے اس سے کچھ کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ پڑوسن کی اس ایک بات سے تو اس نے محلے والوں کی ناراضگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر گھر واپس آ گئی۔ پڑوسنوں کے اس طرز عمل سے ثمینہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے دل میں خوف سا محسوس کرنے لگی تھی۔ اس کے دل میں ایک چور سا تھا۔ وہ محلے والوں کی نظروں میں گرتی جا رہی تھی اور اس کی وجہ شارق تھا۔ شارق کے آنے سے پہلے یہ صورت حال نہیں تھی۔ اس رات نہ شارق اس گھر میں آتا اور نہ یہ سارا چکر چلتا۔ اب تو وہ اس چکر میں اس طرح پھنس گئی تھی کہ نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ اب شارق کے جرم میں برابر کی شریک تھی۔ سلمان ایڈووکیٹ کے قتل میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔

آٹھ بجے کے لگ بھگ شارق گھر سے چلا گیا تو ثمینہ سوچنے لگی کہ کیوں نہ وہ یہ گھر تبدیل کر لے لیکن اس کے خیال میں ایسا کرنا بے کار تھا۔ وہ کہیں بھی چلی جائے شارق اسے ڈھونڈھ نکالے گا۔ وہ نوکری چھوڑ کر چلی جائے شارق جب بھی اسے تلاش کر لے گا۔

شارق گھر سے نکلنے کی بعد سیدھا منروا سینما کے پل پر پہنچا تھا۔ صادق حسب معمول ہوٹل کی مخصوص میز پر بیٹھا اپنا بزنس شروع کر چکا تھا۔ وہ شارق کو دیکھتے ہی بولا۔

"کہاں غائب ہو گئے تھے شارق باؤ۔ کچھ پتہ ہے لاہور میں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"چھانگا کو گولی لگی ہے۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ کل رات اس کا بندہ آیا تھا۔ وہ مرنے سے پہلے تم سے ملنا چاہتا ہے۔" صادق نے جواب دیا۔

"کیا ہوا؟ گولی کیسے لگی؟" شارق نے پوچھا۔ "کیا پولیس...."

"نہیں۔" صادق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چھانگا اور جیرے میں کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔ جیرے نے اس پر گولی چلا دی۔ جواب میں چھانگا نے بھی جیرے پر گولی چلا دی۔ جیرا تو مر گیا۔ مگر چھانگا ابھی تک زندہ ہے۔ بات پولیس تک نہیں پہنچی۔ جیرے کی لاش غائب کر دی گئی تھی۔"

"جیرا۔" شارق اچھل پڑا۔ "وہ تو چھانگا کا سب سے زیادہ قابل اعتماد آدمی تھا۔ ان میں جھگڑا کیسے ہو گیا؟"

"یہ کاروبار ایسا گندہ ہے شارق باؤ۔" صادق نے کہا۔ "اس کاروبار میں تو باپ اور بیٹے کو بھی ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہوتا۔ تم فوراً ہی لاہور چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج رات ہی چلا جاتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ صادق کے پاس زیادہ دیر نہیں بیٹھا تھا۔ چائے کا ایک کپ پیا۔ اس دوران وہ صادق سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن صادق کو زیادہ تفصیل معلوم نہیں تھی کہ چھانگا اور جیرے کے درمیان جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔

وہ سیدھا گھر واپس پہنچا۔ اس وقت پونے دس بجے تھے۔ ثمینہ میز کے سامنے کرسی پر بیٹھی کچھ کاغذات درست کر رہی تھی۔ دروازہ کھولنے کے بعد وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ شارق آتے ہی اپنے بکھرے ہوئے کپڑے سمیٹنے لگا۔ ثمینہ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے کپڑے سمیٹتے دیکھ کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی لیکن شارق سے کچھ پوچھا نہیں۔ انجان بنی بیٹھی رہی۔

"ثمینہ۔" شارق نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "میں لاہور جا رہا ہوں۔ چند روز بعد واپس آؤں گا۔ میرا انتظار کرو گی نا؟"

"انتظار...." ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"ایک بات ذہن میں رکھنا۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں اور تم ایک ایسے راز سے وابستہ ہیں جس کا کھل جانا ہم دونوں کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی زبان پر قابو رکھو گی۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ شارق نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "معاملہ اگر اہم نہ ہوتا تو میں تمہیں اس طرح اکیلا چھوڑ کر نہ جاتا لیکن میں جلدی واپس آؤں گا۔"

شارق بریف کیس سنبھالے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ شارق نے دروازے کے قریب رک کر اس کی طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی ثمینہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور کمرے میں آ کر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کا دل بھر آیا۔ برداشت کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ثمینہ کے خیال میں اپنی بربادی کی ذمے دار وہ خود تھی۔ اس روز شارق کے جانے کے بعد اگر وہ پولیس کو سب کچھ بتا دیتی تو اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن شارق کی معصومیت اسے لے ڈوبی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ قاتل ہے وہ اس کے سامنے جھک گئی تھی اور اب اس عذاب میں پھنس گئی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

شارق کو گھر سے نکل کر دوسری گلی میں مڑتے ہی رکشہ مل گیا۔ مائی دی جھگی میں لاری اڈے کے سامنے رکشہ سے اترتے ہی کئی ہاکروں نے اسے گھیر لیا۔ کوئی پشاور کی آواز لگا رہا تھا' کوئی جھنگ کی' کوئی سرگودھا کی' کوئی لاہور کی اور کوئی سیالکوٹ کی۔ پنجاب میں بسوں پر سفر کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ چوبیس گھنٹے ہر شہر کے لئے ہر وقت ٹرانسپورٹ دستیاب تھی۔ شارق اس ہاکر کے ساتھ چل پڑا جو لاہور کی آواز لگا رہا تھا۔ لاہور کے لئے روانگی کے لئے کئی بسیں تیار کھڑی تھیں۔ ہاکر اسے تیسری قطار میں بس کے قریب لے آیا جہاں بس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی میز کرسی بچھائے بکنگ کلرک بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے ٹکٹ خریدا اور بس میں سوار ہو گیا۔

رات ڈیڑھ بجے کے قریب بادشاہی مسجد والے موڑ پر وہ بس سے اترا۔ اسے رکشہ ملنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگی تھی لیکن جب وہ مزنگ پہنچا تو تین بج چکے تھے۔ چھانگے کے اڈے پر صرف دو آدمی تھے۔

"چھانگا کہاں ہے؟ اس کی حالت کیسی ہے؟" شارق نے رفیق نامی آدمی سے پوچھا۔

"چھانگا یہاں تو نہیں ہے شارق باؤ۔" رفیق نے جواب دیا۔ "وہ ماسی مہراں کے گھر پر ہے۔۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔ وہ جب بھی ہوش میں آتا ہے تمہارے ہی بارے میں پوچھتا ہے۔"

"چلو۔" شارق نے بریف کیس ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

وہ طویلے سے نکل کر ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے پچھلی طرف آ گئے اور مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ یہ وہی مکان تھا جہاں اڈے پر حملے والی رات خفیہ راستے سے فرار ہو کر انہوں نے پناہ لی تھی۔ دستک کے جواب میں دروازہ کھلنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے جس کا مطلب تھا کہ مکین جاگ رہے تھے۔

"کیا بات ہے فیقے۔ تم کیوں آئے ہو؟" دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔

"شارق باؤ آیا ہے۔ میں نے سوچا اس کو ابھی پہنچا دوں۔" فیقے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' اندر آ جاؤ۔ مگر اپنا منہ بند ہی رکھنا۔ چھانگا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سویا ہے۔ رات ساری جاگ کر گزاری ہے اس نے بڑی تکلیف میں۔" اس شخص نے کہا۔

"کیسا حال ہے اس کا۔" شارق نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ اس نے دروازہ کھولنے والے کو پہچان لیا تھا۔ وہ گاما تھا جو بظاہر تانگہ چلاتا تھا مگر چھانگے کا ایجنٹ تھا اور ہیروئن کے ساتھ اسلحہ کے گاہک بھی تلاش کیا کرتا تھا۔

"اس کی حالت اچھی نہیں ہے شارق باؤ۔ ڈاکٹر نے تو جواب دے دیا ہے۔" گاما نے جواب

دیا۔ "گولی کل سے اس کے پھیپھڑے میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"پھیپھڑے میں۔" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اسے ہسپتال کیوں نہیں لے گئے۔"

"چھانگے کو ہسپتال لے جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ سب لوگ اس وقت اندر ہوتے۔" گاما نے جوابدیا۔ "ہم لوگوں کی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے شارق باؤ۔ چوری چھپے جیتے ہیں اور چوری چھپے مرجاتے ہیں یا پولیس کے ہاتھوں اگلے جہان پہنچا دیئے جاتے ہیں۔"

وہ ایک کمرے کے دروازے پر آ گئے۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ گاما نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر شارق کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے چارپائی پر چھانگا سو رہا تھا یا بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے جسم پر قمیض نہیں تھی پیٹ اور سینے پر چوڑی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جس کا کچھ حصہ خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایک آدمی چارپائی کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری کرسی خالی پڑی تھی۔ وہ آدمی شارق کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بھی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر شارق کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

شارق خاموشی سے خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور چھانگا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے زخم سے غالباً خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا۔ چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ شارق کو وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ گاما نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر گاما کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ یہاں چارپائی پر ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ گامے نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"جا اوئے۔ چائے بنا کے لا۔ شارق باؤ آیا ہے۔" گاما نے کہا۔

"ماسی کو جگا دیتے تمہیں پتہ ہے میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو سویا تھا۔" وہ آدمی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس کمرے میں دو کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ شارق نے اپنا بریف کیس آتش دان کے کارنس پر رکھ دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کچھ کیسے ہو گیا گامے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔ "کیا جیرے کے ساتھ جھگڑا اتنا ہی سنگین ہو گیا تھا کہ دونوں نے ایک دوسر گولیاں چلا دیں۔"

"ہاں' شارق باؤ.....کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔" گاما نے جواب دیا۔

"مگر ان دونوں میں جھگڑا ہوا کیسے؟ چھانگا تو جیرے کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا تھا۔" شارق نے کہا۔

"چھانگا واقعی اسے اپنا بیٹا سمجھتا تھا۔ اس نے ہمیشہ جیرے پر اعتماد کیا۔ سارا مال اور لاکھوں روپے کی رقم اس کے قبضے میں رہتی تھی اور کبھی ایک پائی کا ہیر پھیر نہیں کیا تھا۔ لیکن

aazzamm@yahoo.com

پرسوں..... چھانگے کو پتہ چلا کہ اس کے خفیہ ٹھکانے سے بیس کلو ہیروئن غائب ہے۔ اس خفیہ ٹھکانے کے بارے میں چھانگا کے علاوہ صرف تمہیں معلوم ہے یا جیرے کو۔ چھانگا نے اس ہیروئن کے بارے میں جیرے سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور کہا کہ ہیروئن شارق باؤ نے غائب کی ہو گی۔ اس جواب پر ان میں بات بڑھ گئی کیونکہ چھانگا نے ایک دن پہلے ہی نیا مال منگوا کر رکھا تھا اور تم کئی دن پہلے کہیں چلے گئے تھے۔ جیرے کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تم کہیں گئے ہو اور مال بھی ایک دن پہلے ہی آیا تھا۔

جب بات بڑھ گئی تو جیرے نے چھانگا کو دھمکی دی کہ وہ اس معاملے کو زیادہ نہ بڑھائے ورنہ وہ پولیس کو بتا دے گا کہ ڈی ایس پی کو کس نے اغوا کیا تھا اور اسے کہاں رکھا گیا تھا اور قتل کس نے کیا تھا۔ اس کی یہ دھمکی سن کر چھانگا اس وقت تو خاموش ہو گیا مگر کل اس نے جیرے کو پھر پکڑ لیا۔ ان دونوں میں گرمی آ گئی۔ چھانگا نے پستول نکال کر اسے دھمکی دی کہ اگر مال واپس نہ کیا تو وہ اسے گولی مار دے گا۔ وہ تو شاید محض دھمکی دے رہا تھا مگر جیرے نے پستول نکال کر گولی چلا دی۔ جو چھانگے کے پیٹ میں لگی۔ چھانگے نے بھی گولی چلا دی۔ جیرے کی کھوپڑی اڑ گئی اور وہ اسی وقت ختم ہو گیا۔ ہم نے اس کی لاش غائب کر دی اور زخمی چھانگا کو یہاں لے آئے۔ میں خود جا کر ڈاکٹر انور کو لے کر آیا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہی کام آتا ہے۔ اس نے چھانگے کو ہسپتال لے جانے کو کہا کیونکہ آپریشن کے بغیر پھیپھڑے میں پھنسی ہوئی گولی نہیں نکل سکتی۔ چھانگا اس وقت ہوش میں تھا اس نے منع کر دیا کہ اسے ہسپتال نہ لے جایا جائے۔ اب ڈاکٹر اس کا علاج کر تو رہا تھا مگر آج تو اس نے بھی کہہ دیا ہے کہ اس کے بچنے کی امید نہیں اگر چند گھنٹے بھی نکال لے تو غنیمت ہو گا۔ چھانگا جب بھی ہوش میں آتا ہے تمہیں بڑا یاد کرتا ہے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ تم کہاں ہو۔ کل ایک مرتبہ جب ہوش میں آیا تو اس نے کہا کہ تم صادق کے پاس فیصل آباد گئے ہوئے ہو۔ میں نے کل رات ہی ایک بندے کو فیصل آباد بھیج دیا تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئے ہو۔"

"مجھے آج رات نو بجے پیغام ملا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ آدمی چائے لے کر آ گیا۔ شارق اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"جا تو برانڈے میں جا کر سو جا۔ یہاں شارق باؤ تھوڑی دیر آرام کرے گا تھکا ہوا آیا ہے۔" گاما نے اس سے چائے لیتے ہوئے کہا۔

"یہاں کی صورت حال کیا ہے؟" شارق نے اس آدمی کے جانے کے بعد پوچھا۔ اس نے گاما کے ہاتھ سے چائے کا ایک کپ لے لیا تھا۔

"یہاں تو بڑی گڑبڑ ہے۔" گاما نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "لاہور کی ساری ڈرگ

مافیا برادری کو پتہ چل گیا ہے کہ چھانگا قرب المرگ ہے۔ ابھی سے سازشیں شروع ہو گئی ہیں۔"

"کیسی سازشیں؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مارکیٹ پر قبضہ کرنے کی سازشیں۔" گاما نے جواب دیا۔ "شیرا پہلوان کو تو تم نے اس بزنس سے آؤٹ کیا تھا۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ چھانگا نے اٹھایا تھا۔ چھانگا اس وقت لاہور کی سب سے بڑی پارٹی ہے۔ لوگوں کو اس کی موت کا یقین ہو چکا ہے۔ مارکیٹ پر قبضہ کرنے کی سازشیں شروع ہو گئی ہیں۔ ماجھا گجر سب سے زیادہ سرگرم ہے۔ وہ ابھی سے چھوٹے بیوپاریوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"مگر ماجھا گجر تو چھانگے کا بہت گہرا دوست ہے۔" شارق نے کہا۔

"اس کاروبار میں کوئی دوستی' کوئی رشتہ نہیں ہوتا شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔ "سب ایک دوسرے کی تاک میں رہتے ہیں۔ چھانگا کی آنکھیں بند ہوتے ہی دیکھنا یہاں کیا ہوتا ہے۔"

"کیا پولیس کو ابھی تک چھانگا اور جیرے کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا؟" شارق نے پوچھا۔

"سب کو پتہ ہے لیکن ایسے موقع پر پولیس خاموش ہی رہتی ہے۔ چھانگا کے مرنے کے بعد پولیس تم سے معاملہ طے کرنے کی کوشش کرے گی۔" گاما نے کہا۔

"مجھ سے؟" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں' تم سے۔" گاما بولا۔ "پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ چھانگا کے بعد جیرا اس کا جانشین ہو گا لیکن جب سے تم آئے ہو لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ چھانگا کی گدی تم سنبھالو گے۔ کیونکہ ہر جگہ تمہیں چھانگا کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے اور اب چھانگا کے ہاتھوں جیرے کے قتل کے بعد تو لوگوں کو یقین ہو گیا ہے' اور سنا ہے کہ کچھ لوگ تمہیں تلاش بھی کر رہے ہیں تاکہ تم سے کوئی بات کی جا سکے۔"

"کیا چھانگا نے کبھی تم سے اس قسم کی بات کی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"آج شام کو اس نے میری اور نیامت کی موجودگی میں کہا تھا کہ اس کے بعد ہم لوگ شارق کی بات مانا کریں۔" گاما نے بتایا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈرگ مافیا میں جتنے بھی بڑے بیوپاری تھے انہیں ڈان کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ لوگ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ڈرگ ڈیلنگ کے سائنٹیفک اصولوں سے واقف نہیں تھے لیکن انہوں نے منشیات اور اسلحہ کی خرید و فروخت کے اپنے طریقے اپنا رکھے تھے جن میں وہ کامیاب تھے۔

aazzamm@yahoo.com

"تم تھوڑی دیر آرام کر لو شارق باؤ۔" گاما نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں چھانگا والے کمرے میں جا کر بیٹھتا ہوں۔ اگر وہ ہوش میں آگیا تو میں تمہیں جگا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے' میں واقعی بڑی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔" شارق بولا۔

گاما کے جانے کے بعد شارق چارپائی پر لیٹ گیا۔ وہ کچھ دیر تک چھانگا اور موجودہ صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا پھر نیند سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح سات بجے گامے نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"جلدی کرو شارق باؤ۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "چھانگا ہوش میں آگیا ہے۔ وہ تمہیں بلا رہا ہے۔"

شارق چارپائی سے اتر کر ننگے پیر چلتا ہوا گامے کے ساتھ چھانگا والے کمرے میں آگیا۔ چھانگا چارپائی پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ شارق کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ شارق کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو؟" شارق نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

"یہی بتانے کے لئے تمہیں بلایا ہے۔" چھانگا نے کمزور سی آواز میں کہا پھر گاما اور دوسرے آدمی سے باہر جانے کو کہا۔ ان کے جانے کے بعد شارق نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ چھانگا چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کمزور سی آواز میں کہنے لگا۔

"میرے خلاف اس سازش میں ماجھا گجر کا ہاتھ ہے۔"

"ماجھا گجر؟" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "وہ تو...."

"تم اسے نہیں جانتے۔" چھانگا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جیرا مجھ سے ناراض تھا کیونکہ میں اس کی جگہ تمہیں اہمیت دینے لگا تھا۔ ماجھا گجر کسی ایسے ہی موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے جیرا کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ اور بالآخر جیرا کو توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ جیرا نے پہلے بیس کلو ہیروئن غائب کی پھر ڈی ایس پی کے قتل کے حوالے سے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مجھے قتل کرنا چاہا مگر خود مر گیا۔ میں بھی تھوڑی ہی دیر کا مہمان ہوں۔ اچھا ہوا تم آ گئے.... میرے بعد اب تمہی کو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔ میں نے گاما وغیرہ سے کہہ دیا ہے۔ یہ لوگ قابل اعتماد آدمی ہیں لیکن ان پر اندھا اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ماجھا گجر جیسے لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ یہ یار مار قسم کے لوگ ہیں۔ لاہور کی ڈرگ مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے لئے یہ لوگ تمہارے خلاف بھی بڑے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کریں گے۔ لیکن تم پڑھے لکھے ہو' ذہین ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان لوگوں سے نمٹ لو گے۔ طویلہ آباد رہنا چاہئے۔"

"فکر مت کرو چھانگے۔" شارق اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر سہلانے لگا۔ "تم

ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"جس شخص کے جسم میں گولی اٹکی ہوئی ہو اور آپریشن بھی نہ ہو وہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔" چھانگا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "مزار کے تہہ خانے کا راستہ تمہیں معلوم ہے۔ سب کچھ وہیں پر ہے۔ اسلحہ' ہیروئن اور رقم بھی۔ پشاور کی ایک پارٹی سے تم واقف ہو چکے ہو۔ اس سے رابطہ رکھنا۔ وہ تمہیں مال سپلائی کرتا رہے گا۔ تم نے چھانگا کا جانشین بن کر یہ ثابت کرنا ہے کہ کسی سے کمزور نہیں ہو۔"

تھوڑی دیر بعد گاما وغیرہ کو بھی اندر بلا لیا گیا۔ چھانگا نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ شارق باؤ کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔

اسی دوپہر چھانگا مر گیا۔ اور شام کو اسے خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ اس کے جنازے میں صرف چند آدمی شریک تھے جن میں ماجھا گجر بھی شامل تھا۔

چھانگا کی تدفین کے دوسرے ہی دن سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ اس سلسلے میں ماجھا گجر نے سب سے پہلے شارق سے ملاقات کی تھی۔

"شارق باؤ۔" وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ "چھانگا اب نہیں رہا۔ کاروبار اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں تمہارے پاس ایک تجویز لے کر آیا ہوں۔"

"ابھی تو چھانگے کی قبر کی مٹی بھی نہیں سوکھی ہو گی۔ بہتر ہو گا کہ دو چار دن انتظار تو کر لیا جائے۔ کم از کم سوئم تک۔" شارق نے کہا۔

"اس بزنس میں مرنے والے کو فوراً ہی بھلا دیا جاتا ہے۔ سوئم' دسواں' چہلم.... یہ سب شرفاء کی رسمیں ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کو کون یاد رکھتا ہے۔ ہمارے لئے تو کہا جاتا ہے کہ مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود... ویسے ٹھیک ہے۔ تم چھانگا کا سوئم کر لو۔ اس کے بعد بات ہو گی ویسے ایک بات یاد رکھنا میں سب سے پہلے تمہارے پاس آیا تھا۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یاد رکھوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

اسی رات بکے نے بھی شارق سے ملاقات کی تھی۔ نام تو اس کا برکت علی تھا مگر وہ بکہ کے نام سے مشہور تھا۔ شاہدرہ کا پورا علاقہ اس کے کنٹرول میں تھا۔ وہ اپنے علاقے کا سب سے طاقتور آدمی تھا۔ اس نے آج تک کسی اور کے قدم وہاں جمنے نہیں دیئے تھے۔ ہیروئن کے ساتھ اسلحہ کا بزنس بھی کرتا تھا۔ ہیروئن تو کبھی کبھار وہ کسی اور سے بھی لے لیا کرتا تھا لیکن اسلحہ وہ ہمیشہ چھانگا سے خریدا کرتا تھا۔

"شارق باؤ۔" اس نے کہا۔ "تم جانتے ہو میں چھانگا کا سب سے پرانا گاہک ہوں میں نے

aazzamm@yahoo.com

ہمیشہ چھانگا کا ساتھ دیا ہے۔ اپنے علاقے میں کسی اور کا مال کبھی نہیں بکنے دیا۔ اب چھانگا کی گدی تم نے سنبھالی ہے۔ ہمارا خیال رکھنا۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ ماجھا گجر کسی اور کو میرے علاقے میں اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر کسی اور کو وہاں قدم جمانے کا موقع مل گیا تو وہاں چھانگے کا نام ختم ہو جائے گا۔"

"میں ایک دو دن بعد تم سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔

یکے کے بعد ایک دو اور آدمیوں نے بھی شارق سے ملاقات کی تھی۔ یہ سب اپنے اپنے علاقے کے ڈان سمجھے جاتے تھے۔ ان لوگوں سے ملاقاتوں کے بعد شارق کو احساس ہوا کہ چھانگا لاہور کی ڈرگ مافیا کی کس قدر اہم شخصیت تھی۔ صرف لاہور ہی نہیں بیرونی علاقوں کے لوگ بھی اس کی حلقے میں شامل تھے اور ان سب نے شارق کو بلا اعتراض چھانگا کا جانشین تسلیم کر لیا تھا اور ہر شخص نے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ لیکن شارق فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ معاملات کو فی الحال جوں کا توں رکھنا چاہتا تھا۔ صورت حال کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد ہی وہ کوئی فیصلہ کرتا۔

ان لوگوں سے ملاقاتوں سے شارق کو اپنی اہمیت کا احساس بھی ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ جلد بازی سے کام لے کر کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا جو اس کی بساط پلٹ دے۔ ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو چھانگا کا نام ختم کرنا چاہتے تھے۔ ماجھا گجر کے بارے میں چھانگا مرنے سے پہلے اسے خود ہی بتا چکا تھا۔ وہ دوستی کی آڑ میں اس کی جڑیں کاٹتا رہا تھا اور اس کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوا تھا۔ اس نے جیرے کو اس گروہ سے کاٹا تھا اور شارق کے خیال میں چھانگے کی موت کا ذمے دار بھی وہی تھا۔

تین دن بعد شارق نے عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات دو بجے کے لگ بھگ وہ خاموشی سے مزار والے تہہ خانے میں داخل ہوا۔ وہ تہہ خانے میں موجود اسٹاک کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک تہہ خانے میں رہا۔ اس تہہ خانے میں تقریباً ڈھائی من ہیروئن کے علاوہ بڑی مقدار میں اسلحہ بھی موجود تھا جس میں ریوالور' پستول' کلاشنکوف اور دیگر آٹومیٹک رائفلیں اور ہزاروں کی تعداد میں مختلف کیلیبر کی گولیاں شامل تھیں۔ ان چیزوں کے علاوہ لاکھوں روپے نقدی کی صورت میں بھی موجود تھے۔

شارق کے خیال میں اس تہہ خانے میں کروڑوں کا مال تھا اور وہ اس کا واحد مالک تھا۔ شارق انتقام کے جذبے کے تحت اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ اس نے شیرا پہلوان کے گروہ کا خاتمہ کر

دیا تھا۔ اب کوئی جیرا پہلوان کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ اور وہ خود بھی اس دلدل میں اتنا آگے جا چکا تھا کہ اب واپسی ممکن نہیں رہی تھی۔ کم از کم دو قتل اس کے حساب میں لکھے جا چکے تھے۔ یہ وہ دو آدمی تھے جنہیں اس نے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جو لوگ ہیروئن کے استعمال سے مفلوج ہو رہے تھے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔

ایک مرتبہ شارق کے ذہن میں یہ بات بھی آئی تھی کہ وہ یہ سب کچھ تباہ کر دے لیکن پھر اس نے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ اس طرح بھی وہ اپنی جان نہیں چھڑا سکے گا۔ پولیس اسے بھی چین سے بیٹھنے نہیں دے گی۔ وہ جہاں بھی جائے گا وہ لوگ اسے ڈھونڈھ نکالیں گے۔

چھانگا کے گروہ میں تین چار آدمی ایسے تھے جو زیادہ قریب تھے لیکن گاما ایک ایسا آدمی تھا جس پر شارق بھروسہ کر سکتا تھا۔ اسے ایک نائب کی ضرورت تھی اور شارق کے خیال میں اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

گاما ایک کمرے میں سویا ہوا تھا۔ صبح چار بجے کے قریب شارق نے اسے جگا دیا۔

"کیا بات ہے شارق باؤ۔ خیر تو ہے۔" وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔

"ہاں.... خیر ہی ہے۔ تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"ضروری بات! اس وقت؟" گاما نے اس طرح شارق کی طرف دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ وہ رات کے آخری پہر اسے جگا کر کوئی ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں' ایسی باتوں کے لئے ایسا ہی وقت مناسب ہوتا ہے۔" شارق نے کہا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اس روز تم نے بتایا تھا کہ ماجھا گجر مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے لئے کسی قسم کی سازش کر رہا ہے۔"

"ہاں' یہ درست ہے۔" گاما نے کہا۔ "اس نے کچھ لوگوں سے رابطے بھی شروع کر دیئے تھے۔"

"کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں گاما؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کیسی بات کر رہے ہو شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔ "تمہیں چھانگا نے اپنا جانشین بنایا ہے اور تمہاری ہر بات ماننا میرا فرض ہے۔"

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ چھانگا کے قتل میں ماجھا گجر کا ہاتھ ہے۔" شارق بولا۔

"یہ.... یہ کیا کہہ رہے ہو.... شارق باؤ۔" گاما نے اسے گھورا۔

"یہ درست ہے۔" شارق نے کہا۔ "مرنے سے پہلے چھانگا نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ماجھا نے پہلے جیرے کو توڑا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جیرے کو چھانگا کے خلاف اٹھا کر ان میں پھوٹ

aazzamm@yahoo.com

ڈال دے اور ممکن ہو تو چھانگا کو مروا کر جیرے کو اس گروہ کا سربراہ بنا دے اور پھر جیرے کے ذریعے چھانگا کے بزنس پر قبضہ جما لے لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ چھانگے کے ساتھ جیرا بھی مر گیا۔ اب وہ کسی اور طریقے سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔ وہ مجھ سے بھی ملا تھا اور یہ پیشکش کی تھی کہ ہم اس کی ساتھ مل کر کام کریں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بہتر ہو گا کہ وہ ہمیں اپنے نیچے لگانا چاہتا ہے لیکن میں نے اس کی یہ تجویز مسترد کر دی ہے۔ چھانگا کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اگر وہ میری پشت پناہی نہ کرتا تو آج میں جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔ میں چھانگا کی موت کو نہیں بھلا سکتا۔ میں ماجھا گجر کو ایسی سزا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی اسے نہ بھلا سکیں۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔ "اگر تم کہو تو کل ہی اس کا قصہ تمام کر دیں۔"

"نہیں' اس طرح نہیں۔" شارق نے کہا۔ "میں اسے سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے۔"

"وہ کیا؟" گاما نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گوا منڈی میں ہمارا ایجنٹ کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"مولوی حمید۔" گاما نے جواب دیا۔ "لیکن وہ دبا ہوا ہے۔ ماجھے گجر کا آدمی وہاں چھایا ہوا ہے۔ اس کے سامنے مولوی حمید کی حیثیت بہت کمزور ہے۔"

"اسے اس علاقے میں اٹھاؤ۔" شارق نے کہا۔ "آدھی قیمت پر مال فروخت کرے۔ ماجھے گجر کا آدمی خود بخود جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"مولوی حمید کے پاس تو اتنا پیسہ نہیں ہے۔ آدھی قیمت پر بیچنے کے لئے وہ مال کہاں سے لائے گا۔" گاما نے کہا۔

"مال اسے ہم دیں گے۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ اپنے کسی حریف کو زیر کرنے کے لئے تھوڑی بہت قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"لیکن ہمارے پاس مال کہاں ہے شارق باؤ۔ ایک ہفتے سے تو ہمارے گاہک واپس جا رہے ہیں۔ ہم مولوی حمید کو کہاں سے دیں گے۔"

"مال بہت ہے۔" شارق نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے۔"

"کیسی بات کر رہے ہو شارق باؤ۔ تمہارے لئے تو اپنی جان بھی حاضر ہے۔" گاما بولا۔

"تو آؤ میرے ساتھ۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ احاطے کے گیٹ کے قریب دو کوچوان اپنے اپنے تانگے تیار کر رہے تھے۔ شارق' گاما کو لے کر مزار میں آ گیا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ شارق نے بہت سوچ سمجھ کر گاما کو اپنا رازدار بنایا تھا۔ اسے ایک قابل اعتماد آدمی کی ضرورت تھی اور اس کے لئے اس نے گاما کا انتخاب کیا تھا۔

گاما اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اس مزار کے اندر آ چکا تھا۔ لیکن اسے اس حقیقت کا آج تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ یہاں کیا ہے۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ یہاں صرف ایک قبر ہے اور کچھ نہیں لیکن اب وہ حیرت سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ شارق اسے مزار کے اندر کیوں لے کر آیا تھا۔ لیکن جب شارق نے سوئچ بورڈ کا ایک بٹن آن کرنے کے بعد مخصوص میکنزم کے ذریعے قبر کا تعویذ کھولا تو اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔ اور پھر جب شارق اسے لے کر تہہ خانے میں اترا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"کیا تمہارے خیال میں اس مال سے ہم گوا منڈی کے علاقے میں ماجھے گجر کی مارکیٹ ڈاؤن نہیں کر سکتے؟" شارق نے ہیروئن اور اسلحہ کی پیٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اس مال سے گوا منڈی تو کیا ہم پورے لاہور میں اس کا بیڑا غرق کر سکتے ہیں۔" گاما نے جواب دیا۔

"تم صبح مولوی حمید کو یہاں بلا لو۔ اس سے سارا پروگرام طے کر لیتے ہیں۔" شارق نے کہا اور اسے لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ "اور آج سے اپنا دھندہ بھی شروع کر دو۔ کسی گاہک کو واپس نہیں جانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔

"اس تہہ خانے کا راز چھانگا اور جیرے کو معلوم تھا۔ تیسرا آدمی میں ہوں اور اب چوتھے تم ہو۔ کسی اور کو اس کا پتہ نہیں چلنا چاہئے۔" شارق نے کہا۔

"فکر ہی مت کرو.... شارق باؤ۔" گاما نے جواب دیا۔ "گاما اپنی جان تو دے سکتا ہے کوئی راز فاش نہیں کرے گا۔"

دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ وہ دونوں تانگے والے تانگے لے کر جا چکے تھے اور اب ایک کوچوان اپنا تانگہ تیار کر رہا تھا۔

"اوئے شیرے۔" گاما نے اسے آواز دی۔ "جا دیکھ ہوٹل کھل گیا ہو گا۔ چائے تو لے کر آ...."

aazzamm@yahoo.com

"اچھا گاما جی۔ ابھی لاتا ہوں۔" کوچوان اپنا کام چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

"ایک بات تو بتاؤ گامے۔" شارق نے کہا۔ "میں چند روز فیصل آباد رہا ہوں' میری عدم موجودگی میں یہاں کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ سنا ہے ڈی ایس پی کا قاتل بھی پکڑا گیا ہے کون ہے وہ' جانتے ہو اسے؟"

"وہ تو سارا ڈرامہ ہے۔" گاما نے جواب دیا۔ "پہلے تو پولیس نے ڈی ایس پی کے قاتل کی تلاش میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی۔ بہت پکڑ دھکڑ بھی ہوئی تھی لیکن پولیس اصل آدمی کا سراغ نہیں لگا سکی۔ ہیرا منڈی کا ایک بندہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ اتفاق سے وہ کئی سال پہلے اسی ڈی ایس پی کے ہاتھوں جیل جا چکا تھا۔ اس وقت یہ ڈی ایس پی' انسپکٹر ہوا کرتا تھا۔ اس شخص نے پکڑے جانے کے بعد یہ اعتراف کیا تھا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ ڈی ایس پی پر قاتلانہ حملہ کر چکا تھا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے اس بیان کے بعد پولیس نے اسی پر قتل کا الزام لگا دیا۔ پولیس نے تو ابھی تک اسے عدالت میں بھی پیش نہیں کیا۔ ابھی اس سے مزید پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ صورت حال کوئی اطمینان بخش نہیں تھی لیکن بہرحال اس کے لئے پریشانی کی بھی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اتنا لاپرواہ بھی نہیں تھا کہ دھوکے میں مار کھا جاتا۔ لاہور میں رہتے ہوئے وہ صورت حال پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ کوچوان چائے لے کر آ گیا۔ اس نے چائے کے برتن ان کے سامنے رکھ دیئے۔

"گامے استاد!" وہ گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اپنے دھندے کا کیا ہو گا؟ صرف کوچوانی پر تو گزارہ نہیں ہوتا نا؟"

"اب کنجی شارق باؤ کے پاس ہے۔" گاما نے جواب دیا۔ "میں نے بات کر لی ہے' آج شام کو تم لوگوں کو مال مل جائے گا۔"

"خیر ہو شارق باؤ کی۔" کوچوان نے کہا۔ "کئی دن سے دھندا ہی نہیں ہو رہا۔ پولیس والے الگ تنگ کر رہے ہیں۔ انہیں کیا پتہ کہ ہم کس سیاپے میں پڑے ہوئے ہیں۔"

"آج شام کو لے جانا۔" شارق نے کہا۔

"ابھی تم تانگہ لے کر کہاں جاؤ گے؟" گاما نے پوچھا۔

"ٹیشن جاؤں گا جی۔" کوچوان نے جواب دیا۔ "اپنا پھیرا تو ادھر ہی کا ہوتا ہے ٹیشن سے دربار اور دربار سے ٹیشن۔"

"گوالمنڈی سے ہوتے ہوئے چلے جاؤ۔ مولوی حمید کو یہاں بھیج دینا۔ کہنا فوراً آ جائے.... سارے کام چھوڑ کر۔" گاما نے کہا۔

"اچھا جی.... میں جاتے ہوئے پیغام دے دوں گا۔" کوچوان نے جواب دیا۔

شارق اور گاما چائے پینے لگے۔ طویلے میں اب آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ کوچوان آتے اور اپنے اپنے تانگے تیار کر کے لے جاتے۔ گاما تھوڑی دیر بعد اٹھ کر باہر چلا گیا۔ عام طور پر وہ بھی تانگہ چلایا کرتا تھا لیکن چھانگے کے مرنے کے بعد اس نے تانگہ چلانا چھوڑ دیا تھا اور زیادہ وقت شارق کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

اس وقت سورج نکل رہا تھا۔ شارق حوض کے قریب کھڑا ہینڈ پمپ سے منہ دھو رہا تھا۔ اس نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ مولوی حمید سے ملنے کے بعد گھر جائے گا۔ فیصل آباد سے واپس آنے کے بعد بھی وہ گھر نہیں گیا تھا اور نہ ہی اس نے سہیل کی طرف کا چکر لگایا تھا۔ چھانگا کی موت کے بعد وہ کچھ اس قدر مصروف رہا تھا کہ یہاں سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ طویلے میں بھی آج وہ پہلی رات ہی سویا تھا۔ رات کو وہ ماسی مہراں کے مکان پر ہی رہا کرتا تھا۔ ماسی مہراں کے بارے میں گاما سے اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ چھانگے کی منہ بولی بہن تھی۔ دس بارہ سال پہلے مہراں نے اس پر کوئی احسان کیا تھا۔ چھانگا نے اسے اپنی بہن بنا لیا تھا۔ اور جب تک زندہ رہا اسے بہن ہی کی طرح سمجھا۔ مہراں بیوہ ہو چکی تھی اس کا صرف ایک بیٹا تھا جو ایبٹ آباد کے اسکول میں زیر تعلیم تھا اور وہیں رہتا تھا۔ وہ صرف چھٹیوں میں یہاں آیا کرتا تھا۔ مہینے میں ایک مرتبہ مہراں اس سے ملنے کے لئے چلی جایا کرتی تھی۔ یہ مکان بھی چھانگے ہی نے مہراں کو خرید کر دیا تھا اور چھانگا اس مکان کو اپنے خفیہ ٹھکانے کے طور پر بھی استعمال کرتا تھا۔ پہلے تو اس کا یہ ٹھکانہ واقعی خفیہ تھا۔ جیرے کے علاوہ کسی اور کو اس کا علم نہیں تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کے سارے آدمیوں کو اس مکان کا پتہ چل گیا تھا۔ اس کے آدمی مہراں کو احتراماً ماسی کہنے لگے تھے اور وہ ماسی مہراں کی نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ چھانگا نے یہاں کبھی اپنا مال وغیرہ نہیں رکھا تھا نہ ہی یہاں کبھی ایسی کوئی چیز لایا تھا جسے غیر قانونی کہا جا سکتا ہو۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی سختی سے منع کر رکھا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کبھی مہراں کے گھر کا رخ نہ کریں۔ وہ انتہائی ایمرجنسی کی صورت میں اس گھر میں آ کر پناہ لیتا تھا' اور اب شارق بھی کئی روز سے وہاں تھا' لیکن شارق نے یہ تو طے کر لیا تھا کہ چھانگے کی طرح وہ بھی ماسی مہراں کا خیال رکھے گا۔ اسے باقاعدگی سے اخراجات ادا کرتا رہے گا لیکن اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ ماسی مہراں کے مکان کو اپنے اڈے کے طور پر استعمال نہیں کرے گا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق ابھی حوض کے قریب ہی کھڑا تھا کہ گاما وہاں آ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"کیا بات ہے گاما... کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ سب انسپکٹر آیا ہے شارق باؤ۔ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" گاما نے کہا۔

"سب انسپکٹر۔" شارق چونک گیا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی سوالات ابھرے تھے لیکن بہرحال اسے اس سب انسپکٹر سے ملنا تو تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ سب انسپکٹر سادہ لباس میں تھا اور کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔

"بسم اللہ.... بسم اللہ...." شارق اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "کیسے آنا ہوا حضور..... مجھے بلا لیا ہوتا.... آؤ..... اندر آؤ..... اوئے گامے..... کسی کو بھیج کر ہوٹل سے چائے منگواؤ۔"

شارق سب انسپکٹر کو لے کر کمرے میں آ گیا۔

وہ دونوں دری پر بیٹھ گئے۔

"کیسے آنا ہوا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بات یہ ہے چھانگا سے ہمارا ایک معاملہ طے تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "تم میری بات سمجھ رہے ہو نا.... مہینے کا ایک لاکھ روپیہ۔ یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے اس کے عوض ہم اسے ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتے تھے۔ چھانگا اب نہیں رہا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ اڈہ اب تم نے سنبھال لیا ہے۔ تم چھانگا کے جانشین ہو اور میرا خیال ہے تمہیں بھی چھانگا کے معاہدوں کا خیال رکھنا ہو گا۔"

"بالکل خیال رکھنا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ابھی تک چھانگا کے کاروبار کے بارے میں زیادہ پتہ نہیں' نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ اس کا کس سے کیا معاہدہ تھا اور...."

"دیکھو مسٹر شارق۔" سب انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم کئی مہینوں سے چھانگا کے ساتھ ہو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا کس سے کیا تعلق تھا۔ اگر تمہیں نہیں بھی معلوم تو یہ علم ہونا چاہئے کہ اس قسم کے کاروبار پولیس کی سرپرستی کے بغیر نہیں چل سکتے۔ ویسے مہینے کا ایک لاکھ زیادہ نہیں ہے۔ کروڑوں کا بزنس ہے۔ ہمارے تعاون کے بغیر یہاں کوئی پان سگریٹ کا کھوکھا بھی نہیں کھول سکتا۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن....."

"تم جیسے جیسے سوچو گے بات الجھتی جائے گی شارق...." سب انسپکٹر نے پھر اس کی بات کاٹ

دی۔ "اگر تمہیں یہ کام یہاں پر جاری رکھنا ہے تو اس معاہدے پر بھی عمل کرنا ہو گا۔ بصورت دیگر تم جانتے ہو کہ ہم ایسے لوگوں کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہیں مثلاً تمہارے بارے....."

"میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس مرتبہ شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارے بارے میں۔" سب انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "ایک مرتبہ جو شخص تھانے کا چکر لگا لیتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے پولیس کی نظروں میں آ جاتا ہے اور تم تو ایک لمبی سزا کاٹ کر آئے ہو اور اس کے بعد بھی سرکاری مہمان بنتے رہے ہو۔ تمہارا لوہاری تھانے کا پورا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔ یہاں اگر چھانگا نے تمہیں پناہ نہ دی ہوتی تو تم ایک دن بھی آزاد نہیں رہ سکتے تھے اور اب تم اس اڈے کے مالک ہو اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پولیس سے عدم تعاون کی صورت میں تمہیں کس قسم کی مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "چھانگا سے تم لوگوں کا جو معاہدہ ہوا ہے وہ جاری رہے گا۔"

"عقل مند ہو۔" سب انسپکٹر مسکرایا۔ "دس بجے تھانے آ جاؤ۔ انسپکٹر صاحب سے تفصیل سے بات کر لینا۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ ان سے میل ملاقات رکھو گے تو تمہیں کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔ اسی دوران گاما چائے لے کر آ گیا۔ چائے کے بعد جب سب انسپکٹر رخصت ہونے لگا تو شارق نے پانچ سو روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔" سب انسپکٹر نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"بوہنی سمجھ لو۔" شارق مسکرایا۔ "بوہنی اچھی ہو تو دن اچھا گزر جاتا ہے۔"

"بوہنی اچھی ہو یا بری ہمارے دن تو بس ایسے ہی گزرتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"تم دس بجے تھانے پہنچ جانا.... اس کے بعد انسپکٹر صاحب کو کہیں اور جانا ہے۔ اپنا معاملہ آج طے کر ہی لو تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ جاؤں گا۔" شارق نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔

سب انسپکٹر کے جانے کے بعد شارق ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا پورا ریکارڈ اس تھانے میں موجود تھا اور محض چھانگا کی وجہ سے اس علاقے کی پولیس نے کبھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ اسے چھانگے کا آدمی سمجھا جاتا تھا اور چھانگا انہیں ایک لاکھ روپے ماہوار بھتہ دیتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

نو بجے کے لگ بھگ گوالمنڈی کا مولوی حمید بھی پہنچ گیا۔ گوالمنڈی چوک پر اس کی چائے کی دکان تھی۔ اس کی دکان پر دن بھر گاہکوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ شام کے بعد تو وہاں میلہ سا لگا رہتا۔ دکان کے اندر گاہکوں کے لئے صرف تین میزیں تھیں۔ شام ہوتے ہی سامنے والے فٹ پاتھ پر میزیں اور کرسیاں بچھا دی جاتی تھیں اور رات ایک ڈیڑھ بجے تک یہاں رونق رہتی تھی۔

مولوی حمید پینتیس اور چالیس کے درمیان رہا ہو گا۔ چھوٹی داڑھی اور ماتھے پر محراب کا نشان تھا۔ سر پر ہر وقت ٹوپی موجود رہتی۔ وہ کاؤنٹر پر خود ہی بیٹھتا تھا۔ چائے کے ساتھ اس کا ہیروئن کا کاروبار بھی چلتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک وہ اس علاقے کی مارکیٹ پر چھایا ہوا تھا لیکن پھر ماجھا گجر کے دو آدمیوں نے بھی اڈے کھول لئے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے کاروبار پر چھا گئے۔ مولوی حمید پیسے کے معاملے میں ذرا کمزور آدمی تھا۔ دبتا چلا گیا۔ اب اس کا ہیروئن کا کاروبار برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ شارق کا پیغام ملتے ہی دوڑا چلا آیا تھا۔

"صبح سے رات تک تمہارے پاس کتنی کھپت ہو جاتی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اب تو نہ ہونے کے برابر ہے۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔ "کچھ لگے بندھے گاہک ہیں جو مروت میں چلے آتے ہیں۔ میرے سارے گاہک تو ماجھے گجر کے آدمیوں نے توڑ لئے ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ اب وہ تمام گاہک تمہارے پاس واپس آئیں گے۔" شارق نے کہا۔ "جتنا مال تمہیں چاہئے لے جاؤ اور آدھی قیمت پر بیچنا شروع کر دو۔ پیسے کی پرواہ مت کرنا۔ ماجھا گجر کے آدمی وہاں نہیں نکلنے چاہئیں۔"

"آدھی قیمت پر۔" مولوی حمید نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "لیکن دام تو پہلے سے بڑھ چکے ہیں۔ آدھی قیمت پر مال کیسے فروخت ہو سکتا ہے۔ میں یہ نقصان برداشت نہیں سکتا۔"

"حریف کو نقصان پہنچانے کے لئے خود بھی تھوڑا بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور یہ نقصان تم نہیں، میں اٹھاؤں گا۔ تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ میں ایک ہفتے کے اندر اندر گوالمنڈی سے ماجھا گجر کے آدمیوں کا صفایا کرنا چاہتا ہوں۔ گوالمنڈی کے بعد دوسرے علاقوں کی باری آئے گی۔ ماجھا گجر یہ سمجھ رہا ہے کہ چھانگا کے مرنے کی بعد اس کے آدمی اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن.... میں اسے بتاؤں گا کہ چھانگا کے آدمی اس قدر کمزور نہیں ہیں کہ انہیں آسانی سے دبایا جا سکے۔ ہر جگہ اس کا مقابلہ کریں گے اور بالآخر اسے یہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" مولوی حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ شام سے پہلے پہلے تمہیں مال مل جائے گا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "تم آج ہی سے اس پروگرام پر عمل شروع کر دو پھر دیکھو تماشہ۔"

مولوی حمید کے جانے کے کچھ دیر بعد شارق نے گاما کو کچھ ہدایات دیں اور طویلے سے نکل آیا۔ اس کا رخ تھانے کی طرف تھا۔

○

شارق کو گئے ہوئے کئی روز ہو چکے تھے۔

وہ رات ثمینہ نے جاگتے ہوئے گزاری تھی۔ کبھی وہ شارق کے چلے جانے پر خدا کا شکر ادا کرتی اور کبھی اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل جاتا۔ وہ شارق کی شرافت اور معصومیت پر فریفتہ ہوئی تھی لیکن اس نے اسے ایسے جال میں پھنسا دیا تھا جس کے پھندے تنگ ہوتے جا رہے تھے۔

اس سے اگلے روز بھی ثمینہ کالج نہیں گئی تھی۔ ایک عجیب سا خوف اس کے ذہن پر طاری تھا۔ ہر آہٹ پر وہ گڑبڑا جاتی۔ دروازے کے سامنے آتی کوئی بھی آواز سن کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ اسے ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ پولیس کسی بھی لمحہ یہاں پہنچ جائے گی اور اسے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے لے جائے گی، لیکن پھر یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو تسلی دیتی کہ پولیس کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ سلمان ایڈووکیٹ کا قاتل کون تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کے لان سے سلمان کو بلانے گئی تھی لیکن اس نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ اس کا چہرہ چھپ کر رہ گیا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور محض آنکھوں سے اسے شناخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس سے اگلے روز جب شارق اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا تو وہ خوب بلک بلک کر روئی تھی شارق اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور وہ رات بھر سوچتی رہی تھی کہ اگر کسی طرح پولیس اس تک پہنچ گئی تو وہ شارق کے بارے میں کیا بتائے گی۔ وہ تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ لاہور میں کہاں رہتا تھا۔

وہ رات اس نے بڑی مشکل سے گزاری تھی۔ رونے اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ نسوں میں اس قدر شدید تناؤ تھا جیسے کسی بھی لمحہ پھٹ جائیں گی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا لیکن دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر چائے بنائی۔ کرسی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ ایک بار پھر صورت حال کا جائزہ لینے لگی۔ اس کے ذہن میں ایک یہ سوال بھی گردش کر رہا تھا کہ شارق اسے چھوڑ کر بھاگ تو نہیں گیا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق کی شرافت کی وہ اب بھی قائل تھی۔ تمام تر مواقع ہونے کے باوجود شارق نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ کم از کم دو مرتبہ ایسا موقع بھی آیا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو شارق کی آغوش میں گرا دیا تھا مگر شارق یا تو بے وقوف تھا عورت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور یا پھر واقعی اس قدر شریف تھا کہ جوان عورت کو اپنی آغوش میں پا کر بھی اس نے شرافت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ ہر مرد کے دل میں یہی ہوس ہو۔ بعض لوگ دوسرے طریقوں سے بھی عورت کی مجبوری اور بے بسی سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ پہلی رات شارق محض اتفاق سے اس گھر میں پہنچ گیا تھا۔ وہ پولیس سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے گن پوائنٹ پر اسے یرغمال بنا لیا تھا اور جب اسے پتہ چلا کہ وہ یہاں بالکل اکیلی ہے تو شرافت کا مظاہرہ کر کے اس کا اعتماد حاصل کر لیا' اور جب پولیس ثمینہ کو پکڑ کر لے گئی تو اس کا کزن بن کر پہنچ گیا اور پھر اسے ایک ایسے جال میں پھنسا دیا جس سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا اصل مقصد ہی یہ ہو کہ اپنے دشمن سلمان کو قتل کرنے کے لئے اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔ اس لحاظ سے اس کا مقصد پورا ہو گیا اور وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

ثمینہ یہ سب کچھ سوچ تو رہی تھی لیکن اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ شارق اسے چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ باہر گلی میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ ثمینہ اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے اس کے حواس کسی قدر بحال ہوئے۔ پہلے اس نے سوچا کہ بستر پر جا کر سو جائے لیکن پھر کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔ کل بھی وہ نہیں گئی تھی آج بھی نہ گئی تو پرنسپل کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔

اس نے ناشتہ کیا۔ لباس بدل کر تیار ہوئی۔ وہ اپنا نوٹس والا رجسٹر اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ اسے یکایک محسوس ہوا جیسے زمین پیروں کے نیچے سے نکلی جا رہی ہو۔ وہ اگر جلدی سے قریب پڑی ہوئی کرسی کا سہارا نہ لے لیتی تو یقیناً گر پڑتی۔ رجسٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کرسی تھامے کھڑی رہی۔ اسے ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اور جب یہ گردش ذرا کم ہوئی تو آنکھوں کے سامنے تاریکی سی پھیلنے لگی۔ وہ کرسی چھوڑ کر لڑکھڑاتی ہوئی پلنگ پر آن گری اور سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔

اسے بری طرح چکر آ رہے تھے۔ اس نے سر کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ دماغ کی نسیں پھٹتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اپنے اردگرد کی ہر چیز گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ پلنگ یوں گھوم رہا تھا جیسے بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی گردش کرتی ہوئی لہروں کے کنویں میں دھنستی

جا رہی ہو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے آپ کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہی تھی اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ اسکے چاروں طرف تاریکی تھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بس دوڑ رہی تھی۔ ان خونی بھیڑیوں سے بچنے کے لئے جو سرخ زبانیں نکالے غراتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے آ رہے تھے۔ وہ دوڑتے دوڑتے رک گئی۔ سامنے تاریکی میں چمکتی ہوئی سرخ آنکھوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ بھیڑیئے تھے۔ اس نے دائیں طرف دیکھا۔ وہاں بھی خونی بھیڑیئے سرخ زبانیں نکالے اس کی طرف لپک رہے تھے۔ بائیں طرف بھی بھیڑیئے اس کا راستہ روکے کھڑے تھے اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سیٹیوں کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کی آواز سینے میں گھٹ کر رہ گئی۔ سیٹیوں کی آواز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ وہ آواز اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگی۔ اور پھر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں اور بدحواس سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ دماغ میں اب بھی ہتھوڑے برس رہے تھے اور سیٹیوں جیسی تیز آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ اب دھڑدھڑاہٹ کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

نہ تو ویرانہ تھا' نہ تاریکی تھی اور نہ ہی خونی بھیڑیئے۔ دن کی روشنی تھی' کھڑکی سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ باہر دروازے کی گھنٹی بج رہی تھی اور ساتھ ہی دروازہ دھڑدھڑایا بھی جا رہا تھا۔ ثمینہ کو ایک بار پھر اپنا دل سینے میں ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلے پولیس کا خیال ابھرا تھا۔ شاید پولیس کو سلمان کے قتل کا پتہ چل گیا تھا اور وہ لوگ اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔

ثمینہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ دروازہ بدستور دھڑ دھڑایا جا رہا تھا اور گھنٹی بھی بجائی جا رہی تھی۔ ثمینہ کی نظریں کمرے کی عقبی کھڑکی پر تھیں۔ اس کھڑکی کے پیچھے تقریباً پانچ فٹ چوڑا گلیارہ سا تھا اور اس کے ساتھ پیچھے والے مکان کی دیوار تھی۔ اس نے ایک لمحہ کو یہ سوچا کہ کھڑکی کے راستے نکل کر عقبی دیوار پھاند کر پچھلے مکان میں کود جائے لیکن اسی لمحہ باہر سے ایک آواز سنائی دی۔

"مس ثمینہ.... دروازہ کھولئے.... میں فقیر حسین ہوں۔"

یہ آواز اور یہ نام کچھ جانا پہچانا سا لگا اور پھر دفعتاً" وہ اچھل پڑی۔ یہ انکے کالج کے چپراسی فقیر حسین کی آواز تھی۔ وہ پلنگ سے اتر کر ننگے پیر دوڑتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔

aazzamm@yahoo.com

دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ گیٹ کے باہر کالج کا چپراسی فقیر حسین کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ثمینہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی اس نے گیٹ کھولا اور فقیر حسین کو اندر آنے کے لئے کہہ کر تیزی سے واپس آ گئی۔

فقیر حسین کے ساتھ ثمینہ کی سامنے والی پڑوسن آسیہ بھی اندر آئی تھی۔ اس وقت ثمینہ کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کا جسم اب بھی پسینے میں شرابور تھا۔

"ارے ثمینہ بی بی۔" آسیہ جلدی سے اس کے قریب پہنچ گئی۔ "کیا ہوا تمہیں۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی....."

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل سارا دن بخار رہا۔ رات کو بھی بخار تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"اور تمہارا وہ کزن..... وہ کہاں ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلا لیا ہوتا۔" آسیہ نے کہا۔

"وہ تو کل ہی لاہور چلا گیا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا پھر فقیر حسین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے فقیر حسین تم کیسے آئے ہو؟"

"میڈم نے بھیجا ہے جی۔" فقیر حسین نے جواب دیا۔ "آپ کل بھی کالج نہیں آئی تھیں۔"

"تم دیکھ رہے ہو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں دو دن کی رخصت کی ایپلی کیشن لکھ دیتی ہوں۔ میڈم کو دے دینا۔" ثمینہ نے کہا اور ایک کاغذ لے کر ایپلی کیشن لکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے جی۔ میں بتا دوں گا میڈم کو۔" فقیر حسین نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"ثمینہ بی بی۔ تم نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔ طبیعت اتنی خراب تھی تو دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دے دی ہوتی۔" آسیہ نے فقیر حسین کے جانے کے بعد کہا۔

"میں تو صبح کالج جانے کے لئے تیار ہوئی تھی کہ یکایک چکر آ گیا۔ اس کے بعد میں بستر پر لیٹ گئی پھر مجھے ہوش ہی نہیں رہا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تین بج رہے ہیں۔ تم لیٹ جاؤ بستر پر۔ میں کھانا بنا کر لاتی ہوں۔ اتنی دیر تمہارے پاس عائشہ کو بھیج دیتی ہوں۔" آسیہ نے کہا اور ثمینہ کو کرسی سے اٹھا کر بستر پر لے آئی۔

آسیہ کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کی بیٹی عائشہ آ گئی۔ وہ چودہ پندرہ سال کی لڑکی تھی۔ ثمینہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد آسیہ گھر سے کھانا تیار کر کے لے آئی۔ ثمینہ کی طبیعت نہیں چاہ رہی تھی لیکن آسیہ نے زبردستی کھانا کھلا دیا۔ آسیہ ڈیڑھ دو گھنٹے تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔

شام سے پہلے ثمینہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ گھر میں اسے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ تیار ہو کر اپنی ایک دوست کے ہاں چلی گئی۔ اس کا گھر دھوبی گھاٹ کے دوسری طرف ڈگلس پورہ میں تھا۔ نائلہ بھی اسی کے کالج میں لیکچرار تھی۔ وہ اس وقت گھر پر ہی تھی۔

"ارے ثمینہ۔" وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "کیا ہوا تمہیں۔ تم دو دن کالج نہیں آئیں اور دو دنوں میں تم نے یہ کیا حالت بنا لی ہے۔"

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "گھر میں اکیلے بیٹھے وحشت ہو رہی تھی۔ سوچا تھوڑی دیر کے لئے تمہارے پاس آ جاؤں۔"

"اچھا کیا تم نے..... آؤ..... میرے کمرے میں آ جاؤ۔" نائلہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

ثمینہ رات گیارہ بجے تک نائلہ کے پاس رہی۔ اس نے رات کا کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔ نائلہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر اسے گھر تک چھوڑنے آئی تھی۔

اس رات بھی ثمینہ کو دیر تک نیند نہیں آ سکی تھی۔ اس پر عجیب سی وحشت طاری تھی۔ شارق کا خیال بار بار اس کے ذہن میں در آتا۔ وہ بار بار سر کو جھٹک دیتی۔ وہ شارق کے خیال سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اسے بھول جانا چاہتی تھی۔ وہ قانون کا مجرم تھا۔ وہ قاتل تھا۔ اسے شارق کے خیال کو بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دینا چاہئے۔ دل کی نادانی اس کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ اسے عقل سے کام لینا چاہئے۔ وہ معاشرے کی ایک معزز فرد ہے۔ لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ استاد ہے۔ معاشرے میں استاد کا مقام تو بہت اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ لیکن اگر لوگوں کو پتہ چل گیا کہ اس نے ایک مجرم کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ ایک قاتل کو اپنا کزن بتایا تھا اور اس کے ساتھ ایک شخص کو قتل کرنے میں حصہ لیا تھا تو اس کی جو ذلت و رسوائی ہو گی اس کا وہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔ لوگ اس پر نفرین کریں گے۔ اس کی وجہ سے دوسرے استادوں پر سے بھی والدین کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ وہ خود کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ خاندان والے اس کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔ ہاں..... اسے سب کچھ بھول جانا ہو گا۔ اب بھی وقت ہے۔ شارق کے خیال کو ذہن سے جھٹک دینا ہو گا۔ یہ شخص ایک تند بگولے کی طرح اس کی زندگی میں آیا تھا۔ اسے اس بگولے کی لپیٹ میں آنے سے بچنا ہو گا۔ ہاں..... وہ شارق کو بھول جائے گی۔ اس کے تصور کو بھی قریب نہیں پھٹکنے دے گی۔

صبح جب وہ بیدار ہوئی تو اس کا ذہن بالکل صاف تھا اور وہ اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ناشتہ کیا اور تیار ہو کر کالج کے لئے روانہ ہو گئی۔ وہ کالج میں حسب معمول

aazzamm@yahoo.com

درس و تدریس میں مصروف رہی۔ شارق کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لینے کے بعد اس کا ذہن بالکل صاف ہو چکا تھا۔ حسب معمول وہ تین بجے گھر پہنچی۔ دوپہر کا کھانا اس نے کالج کی کینٹین سے کھا لیا تھا۔ اس نے نہا کر لباس بدلا۔ چائے بنائی اور میز کے سامنے بیٹھ کر کل کے لیکچرز کے لئے نوٹس تیار کرنے لگی۔ تقریباً ساڑھے چار بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ درمیانے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی سامنے کھڑا تھا۔ اس نے لاچہ باندھا ہوا تھا اور وائل کا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ سر گنجا تھا جس پر پٹکا لپیٹا ہوا تھا۔ شکل و صورت اور لباس سے وہ کوئی تھیلے والا یا اسی قماش کا کوئی آدمی لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔

"کیا بات ہے' کس سے ملنا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"میرا نام نولکھا ہے جی۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "میں فیصل آباد ہی میں رہتا ہوں مائی دی جھگی۔ لاری اڈے کے پیچھے۔ لاہور گیا ہوا تھا۔ شارق باؤ نے یہ چیزیں آپ کے لئے بھیجی ہیں۔"

"کیا؟" ثمینہ چونک گئی۔ "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لے جاؤ۔ میں کسی شارق کو نہیں جانتی۔"

"آپ شاید شارق باؤ سے ناراض ہیں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ چیزیں آپ رکھ لیں۔ اس تھیلے میں ایک خط بھی ہے۔ اور شارق باؤ نے کہا تھا کہ اگر آپ کو کسی قسم کی پریشانی ہو تو مجھے بتا دیں۔ لاری اڈے کے پچھلی طرف بلو سائیں کا تکیہ ہے' میں وہیں ہوتا ہوں۔ کسی سے بھی میرا نام لے کر پوچھ لیں آپ کو پتہ چل جائے گا۔ کوئی بھی پریشانی ہو آپ مجھے بتا دیں۔"

ثمینہ عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے شارق کو اپنی زندگی سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کا نام پھر سامنے آ گیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر اس نے نولکھا کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا کہ ممکن ہے اس تھیلے میں رکھے ہوئے خط میں شارق کا ایڈریس بھی ہو۔ اگر کبھی کسی معاملے میں ضرورت پڑ گئی تو وہ اس کے پتے سے تو واقف ہو گی۔

کمرے میں آ کر ثمینہ نے تھیلا کھولے بغیر میز پر ایک طرف رکھ دیا اور اپنا کام کرنے لگی۔ لیکن اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ چکا تھا۔ شارق کا نام ایک بار پھر اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی پیدا کرنے لگا۔ وہ بار بار سر کو جھٹکتی رہی مگر شارق کا خیال جیسے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اس کی نظریں بار بار تھیلے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ بالآخر اس نے قلم رکھ دیا اور ہاتھ بڑھا کر تھیلا اٹھا لیا۔ پلاسٹک کے سفید تھیلے پر انارکلی لاہور کے ایک بہت مشہور ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا نام چھپا ہوا تھا۔ اس نے تھیلا کھولا تو اس کی انگلیاں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔

تھیلے میں دو سوٹوں کا کپڑا اور کچھ کھانے کی چیزوں کے علاوہ ڈرائی فروٹ بھی تھا۔ کپڑوں کی تہ میں نیلے رنگ کا لفافہ بھی تھا۔ لفافہ خاصا پھولا ہوا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا۔ اس میں کرنسی نوٹوں کے علاوہ ایک خط بھی تھا۔ وہ خط کھول کر پڑھنے لگی۔ جیسے جیسے وہ خط پڑھ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے نوٹ نکال کر گنے۔ پانچ ہزار روپے تھے۔ اس نے خط' نوٹ اور تمام چیزیں تھیلے میں ڈال دیں اور گرہ لگا کر تھیلا میز پر ایک طرف رکھ دیا۔

شارق کا خط پڑھنے کے بعد ثمینہ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ شارق نے اپنے اس خط میں جن عزائم کا اظہار کیا تھا وہ خاصے خطرناک تھے۔ وہ اس جنجال سے نکلنا چاہتی تھی لیکن لگتا تھا جیسے وہ اپنے گرد پھیلنے والے اس حصار سے کبھی نہیں نکل سکے گی۔

شارق نے اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ تین چار دن بعد آئے گا لیکن ثمینہ نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس سے نہیں ملے گی۔ اس کا طریقہ بھی اس نے سوچ لیا تھا۔ تیسرے روز اس نے تین چار جوڑے کپڑے اور چند ضروری چیزیں بیگ میں ڈالیں اور نائلہ کے گھر پہنچ گئی۔ اس نے کالج ہی میں نائلہ سے بات کر لی تھی کہ وہ چند روز کے لئے اس کے گھر رہنا چاہتی ہے۔ نائلہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو بہت خوش ہوئی تھی۔ نائلہ کوئی بچی تو تھی نہیں کہ اس کی کسی من گھڑت کہانی پر یقین کر لیتی۔ اس نے پہلی ہی رات ثمینہ سے اصل بات اگلوا لی۔ لیکن ثمینہ نے پوری بات اسے پھر بھی نہیں بتائی تھی۔ وہ اپنی کولیگ کو کیسے بتا سکتی تھی کہ شارق قاتل ہے اور وہ بھی اس کے جرم میں شریک ہو چکی ہے۔ اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ شارق اس کا کزن ہے اور وہ کاروباری سلسلے میں لاہور سے یہاں آتا رہتا ہے۔ پچھلی مرتبہ اس نے گھر دیکھ لیا تھا اور چار پانچ دن رہ کر گیا تھا۔ اب وہ پھر آ رہا ہے۔ اس کا پروگرام اس کے ہاں رہنے کا ہے لیکن وہ اسے اپنے ہاں رکھنا نہیں چاہتی اسی لئے وہ چند روز کے لئے نائلہ کے ہاں آ گئی ہے۔

ثمینہ کو اپنی دوست کے ہاں رہتے ہوئے آٹھواں دن تھا۔ اس روز بھی صبح وہ دونوں اکٹھی ہی کالج جانے کے لئے گھر سے نکلی تھیں۔ ان کا تانگہ جیسے ہی کالج کے سامنے رکا' نیچے اترتے ہوئے ثمینہ کی نظر بائیں طرف فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے ایک آدمی کی طرف اٹھ گئی۔ پینٹ شرٹ میں ملبوس دراز قامت وہ نوجوان کالج میں آنے والی ہر عورت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اگرچہ کلین شیو تھا مگر اسے دیکھ کر ثمینہ کے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ داڑھی نہ ہونے کے باوجود اس نے شارق کو پہچان لیا تھا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ لی کہ چہرہ پوری طرح

aazzamm@yahoo.com

چھپ گیا۔ صرف ایک آنکھ کھلی رہ گئی تھی۔ وہ تانگے سے اترتے ہی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ گیٹ میں داخل ہونے سے پہلے غیر ارادی طور پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شارق اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں ثمینہ کو اپنے اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شارق نے اسے پہچان لیا تھا۔

گیٹ پر رش تھا۔ لڑکیاں جوق در جوق گیٹ کی طرف آ رہی تھیں۔ ثمینہ انہیں دھکیلتی ہوئی گیٹ میں داخل ہو گئی۔ سب لڑکیاں حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں' نائلہ بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ وہ تیز تیز چلنے کی کوشش کرتے ہوئے ثمینہ کے ساتھ ملنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ثمینہ اس سے پہلے ہی اسٹاف روم میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اندر داخل ہوتے ہی ایک کرسی پر گر گئی۔ اس نے چادر اتار کر ایک طرف ڈال دی اور سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ایک منٹ بعد نائلہ بھی پہنچ گئی۔

"کیا ہوا ثمینہ' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' میں ٹھیک ہوں۔ پتہ نہیں کیوں دل گھبرانے لگا تھا۔" ثمینہ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

اسٹاف روم میں دوسری لیکچرارز اور پروفیسرز بھی موجود تھیں۔ وہ بھی باری باری ثمینہ کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔

کالج میں ثمینہ کا وہ دن بہت برا گزرا تھا۔ کلاس کو لیکچر دیتے ہوئے بھی بار بار اس کے ذہن میں شارق کا خیال ابھر آتا۔ وہ یقیناً کل کسی وقت آیا ہو گا۔ گھر کے دروازے پر تالا دیکھ کر اس نے پڑوسیوں سے بھی پوچھا ہو گا اور آج صبح کالج کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ چھٹی کے وقت تک کالج کے سامنے کھڑا رہے گا۔ ممکن ہے وہ اسے روکنے کی کوشش نہ کرے لیکن وہ اس کا پیچھا کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا کہ وہ کہاں رہ رہی ہے۔

اس روز ثمینہ کا آخری پیریڈ خالی تھا۔ اس نے نائلہ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرنے کی بجائے گھر چلی جائے گی۔ وہ کالج کے پچھلے گیٹ سے نکلی تھی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ ایک آنکھ کے علاوہ اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ پچھلے گیٹ سے نکل کر وہ ایک طویل چکر کاٹتی ہوئی کالج سے بہت آگے سڑک پر نکل آئی۔ موڑ پر دو تین تانگے تھے۔ ایک تانگے والا جھنگ چوکی کی آواز لگا رہا تھا۔ ثمینہ تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت تانگے میں اکیلی تھی اور اچھی طرح جانتی تھی کہ جب تک چھ سواریاں پوری نہیں ہوں گی تانگہ حرکت میں نہیں آئے گا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ کو وہاں سے کالج کا گیٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ گہری

نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شارق اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ صبح ہی واپس چلا گیا ہو یا کہیں چھپا بیٹھا ہو۔ اسی دوران ایک آدمی آگے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس شخص کے بیٹھنے سے تانگے کو ہلکا سا جھٹکا لگا تھا۔

"چل بھئی..... مائی دی جھگی۔" اس شخص نے کوچوان کو آواز دی۔

"یہ تانگہ جھنگ چوکی کے لئے ہے باؤ جی۔ مائی دی جھگی کے لئے وہ تانگہ کھڑا ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤ۔" تانگے والے نے جواب دیا۔

"میں کہتا ہوں مائی دی جھگی..... سالم تانگہ..... چلو ہانکو گھوڑے کو۔"

دوسری مرتبہ یہ آواز سن کر ثمینہ چونکے بغیر نہیں رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ شارق تھا۔ ثمینہ نے تانگے سے اترنا چاہا مگر اسی لمحہ شارق کی سرسراتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اترنے کی کوشش مت کرنا۔ آرام سے بیٹھی رہو۔"

ثمینہ اپنی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی۔ شارق ہی سے بچنے کی کوشش میں وہ کالج کے پچھلے گیٹ سے نکل کر ایک طویل چکر کاٹتی ہوئی اس طرف آئی تھی لیکن شارق جیسے پہلے ہی سے یہاں اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"اگر تم نے میرے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی کوشش کی تو میں شور مچا دوں گی۔" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

"شور مچانے سے پہلے سوچ لینا کہ تمہارے ہاتھ بھی صاف نہیں ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ "یہاں کے لوگ ابھی تک سلمان ایڈووکیٹ کو نہیں بھولے ہیں۔"

ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ یہ کھلی دھمکی تھی۔ شارق اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اس کی ساری شرافت دھری کی دھری رہ گئی تھی اب اس کا اصل چہرہ سامنے آ رہا تھا۔ ثمینہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا منہ نوچ لے مگر اس طرح بات کچھ اور بگڑ جاتی۔ وہ اپنے کالج کے سامنے تھی۔ اس کی اسٹوڈنٹس اور کالج کے اسٹاف کو فوراً ہی پتہ چل جاتا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"چل بھئی..... تم چلتے کیوں نہیں۔" شارق نے کوچوان کی طرف دیکھا۔ "سالم تانگہ لے چلنے کو کہہ رہا ہوں۔ دو روپے زیادہ ہی دوں گا۔"

"بی بی آپ پچھلے تانگے میں بیٹھ جائیں۔" کوچوان نے تانگے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بی بی تو میرے ہی ساتھ ہے۔ تم تانگہ چلاؤ۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

تانگے والے نے مڑ کر پہلے ثمینہ کی طرف دیکھا پھر شارق کی طرف اور پھر سیدھا ہو کر گھوڑے کو ہانک دیا۔ گھوڑا بہت مریل سا تھا۔ تانگے والا اس کے آگے پیچھے کی سات سات نسلوں کو برا بھلا کہتے ہوئے بار بار اسے چابک رسید کر رہا تھا۔

تانگہ مختلف سڑکوں پر ہوتا ہوا جیسے ہی چناب کلب کے سامنے پہنچا شارق نے کوچوان کو تانگہ روکنے کو کہا اور جیب سے پندرہ روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ تانگہ رکتے ہی وہ نیچے اتر آیا۔ ثمینہ کو بھی اترنا پڑا۔ وہاں سے چند قدم آگے لاری اڈہ شروع ہو جاتا تھا لیکن اس سے ذرا پہلے سامنے دائیں طرف ایک سڑک تھی جو وہاں سے سیدھی ریلوے اسٹیشن کے سامنے والی سڑک سے جا ملتی تھی۔ اس سڑک پر وسیع و عریض سرکاری کوٹھیاں تھیں۔ چند کوٹھیاں پرائیویٹ بھی تھیں۔ کسی میں رہائش تھی اور کسی میں کوئی دفتر قائم تھا۔

شارق ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا اس سڑک پر مڑ گیا۔ سڑک کے دونوں طرف فلک بوس گنجان پتوں والے درخت تھے۔ دھوپ کی ایک کرن بھی زمین تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق بائیں طرف دو بنگلوں کے درمیان ایک تنگ سی گلی میں مڑ گیا۔ اس گلی سے نکل کر وہ لاری اڈے کے پچھلی طرف پہنچ گئے۔ اس طرف کسی زمانے میں ایک وسیع قبرستان ہوا کرتا تھا' لیکن اس قبرستان کی جگہ اب زندہ انسانوں کی بستی تھی۔ درمیان میں ایک سڑک بھی نکل آئی تھی جس کے دوسری طرف کچھ قبریں بچ گئی تھیں۔ انہی قبروں میں کسی بزرگ کا مزار تھا جو بلو سائیں کے تکیئے کے نام سے مشہور تھا۔ اس مزار کے پچھلی طرف چند گز کے فاصلے پر ایک کچا مکان تھا۔

مزار کے چاروں طرف پیپل کے درخت تھے۔ چند درخت گوندنی کے بھی تھے جن کی شاخیں گوندنی سے لدی ہوئی تھیں۔ بہت سے درختوں پر سبز جھنڈے لگے ہوئے تھے۔ مزار زیادہ بڑا نہیں تھا صرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس پر گنبد بنا ہوا تھا۔ اندر ایک کچی قبر تھی جو پھولوں اور سبز چادروں سے لدی ہوئی تھی۔ مزار کے اردگرد کا وسیع رقبہ کچی دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ جہاں جہاں سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی وہاں راستہ بند کرنے کے لئے سوکھی جھاڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

پیپل کے درختوں کے نیچے ایک وسیع و عریض چبوترہ تھا جس پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور تین چار ملنگ وہاں بیٹھے کونڈے میں بھنگ رگڑ رہے تھے۔ یہ ملنگ ہیروئن اور دیگر منشیات بھی استعمال کرتے تھے مگر بھنگ کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

یہ دونوں قبرستان میں داخل ہوئے تو ایک ملنگ اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے مزار کا دروازہ کھول دیا۔ ضعیف العقیدہ لوگ دعائیں مانگنے اور منتیں ماننے کے لئے اس مزار پر آتے ہی

رہتے تھے۔ مزار کے دروازے پر ایک مقفل پیٹی بھی رکھی ہوئی تھی اور یہاں آنے والے نذرانے کے طور پر پیٹی میں کچھ نہ کچھ رقم ڈال دیتے تھے۔ صاحب حیثیت قسم کے لوگ ہوتے تو ان ملنگوں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جاتا۔ شارق اور ثمینہ کو دیکھ کر وہ ملنگ کوئی امید لے کر ہی اس طرف آیا تھا۔

"یہ بلو سائیں کا روضہ ہے۔ جو منت مانگو گے قبول ہو گی۔ دل سے نکلی ہوئی دعا اللہ ضرور پوری کرتا ہے۔" ملنگ دروازے میں کھڑا مسلسل بول رہا تھا۔ کبھی وہ حق اللہ' حق اللہ کے نعرے لگانے لگتا۔

"ٹھنڈا پانی مل جائے گا؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جتنا مرضی.....ابھی لاتا ہوں۔" ملنگ کہتا ہوا ایک درخت کے نیچے رکھے ہوئے مٹکے کی طرف دوڑ گیا۔ اس نے مٹی کا پیالہ مٹکے سے بھرا اور قریب آ کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"لو پانی پی لو....." شارق نے پیالہ ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

ثمینہ نے چادر چہرے سے اتار لی تھی۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا اور پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور وہ واقعی پانی کی طلب محسوس کر رہی تھی۔ اس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"نولکھا کہاں ہے؟" شارق نے ملنگ کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

"مال شال چاہئے تو ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں۔ نولکھے سے ضرور ملنا ہے۔" ملنگ نے اسے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ چاہئے نہیں بیوقوف۔ نولکھا کے لئے مال لے کر آیا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟" شارق بولا۔

"وہ اپنے حجرے میں سو رہا ہے پچھلے دروازے سے چلے جاؤ۔" ملنگ نے جواب دیا۔

ثمینہ پانی پی چکی تھی۔ اس نے پیالہ شارق کی طرف بڑھا دیا جس میں کچھ پانی ابھی تک موجود تھا۔ شارق نے پیالہ ہونٹوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں پانی حلق سے اتار لیا اور پیالہ ملنگ کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پانچ کا ایک نوٹ بھی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"چلو۔" شارق نے ثمینہ کو اشارہ کیا۔

اس مزار کے پچھلی طرف بھی ایک دروازہ تھا جس کی اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ شارق نے آگے بڑھ کر کنڈی گرا دی اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں باہر آ گئے۔ اس طرف جھکی ہوئی شاخوں والے گوندنی کے درخت زیادہ گنجان تھے۔ پکی ہوئی گوندنی درختوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین

aazzamm@yahoo.com

پر بکھری ہوئی تھی۔ چاروں طرف ٹوٹی پھوٹی قبریں تھیں۔ بعض قبریں تو اس قدر زیادہ ٹوٹی ہوئی تھیں کہ قبروں کے بجائے کھلے ہوئے گڑھے بن گئے تھے۔

ثمینہ کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ جبکہ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شارق اسے اس قبرستان میں کیوں لے آیا تھا۔ دفعتاً" اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ اس روز پہلوان نما جو آدمی اس کے لئے شارق کا پیغام اور تحائف لے کر آیا تھا اس نے بتایا تھا کہ اس کا نام نولکھا ہے اور وہ مائی دی جھگی میں بلو سائیں کے تکئے پر رہتا ہے۔ اسے کوئی پریشانی ہو تو وہاں چلی آئے اور اب شارق اسے خود یہاں لے آیا تھا۔

"تت.... تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں شارق سے پوچھا۔

"تمہیں یہ دکھانے کے لئے کہ میرے تعلقات کس قسم کے لوگوں سے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم تو میرا پیغام ملنے کی بعد وہ مکان بھی چھوڑ گئیں لیکن میرے دل میں تمہارے لئے اب بھی وہی احترام ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"تم نے کسر ہی کونسی چھوڑی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "تمہاری وجہ سے میں تھانے تک تو ہو آئی۔ محلے کے جو لوگ میری بے حد عزت کرتے تھے آج مجھے شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ تم نے سلمان کا خون میرے اجلے دامن پر چھڑک دیا ہے اور اب تم مجھے دھمکی دے کر اس قبرستان میں لے آئے ہو اور اس پر بھی دعویٰ ہے کہ میری عزت کرتے ہو اور میرا احترام کرتے ہو؟"

"ہاں' میں اپنے اس دعوے پر قائم ہوں۔" شارق نے کہا۔

وہ درختوں کے جھنڈ میں واقع کچے مکان کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ شارق نے ہلکی سی دستک دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں جانب تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر قبرستان کی دیوار کے دوسری طرف بھی ایک سڑک تھی اور اس سے ذرا ہٹ کر آبادی تھی۔ اس سڑک سے گزرتے ہوئے دو سائیکل سوار قبرستان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا دیوار پر چڑھ کر گوندنی توڑ رہا تھا گوندنی توڑتے ہوئے وہ لڑکا بھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شارق نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی۔ اس مرتبہ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ نولکھا تھا۔ اسے دیکھ کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"او بسم اللہ' شارق باؤ۔" نولکھا اسے دیکھتے ہی بولا۔ اس نے صرف دھوتی باندھ رکھی تھی۔ جسم کے اوپر کے حصے پر کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس وقت عجیب بدہیئت سا لگ رہا تھا۔ ثمینہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

"اوہ! آؤ.... اندر آ جاؤ شارق باؤ.... مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" نولکھا کہتے ہوئے دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا۔

شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ اور بھی تیز ہو گئی۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی نولکھا نے دروازہ بند کر دیا۔

"تم لوگ اس کمرے میں چلو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" نولکھا نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسرے کمرے میں گھس گیا۔

شارق ثمینہ کو لئے ہوئے اس کمرے میں آ گیا۔ یہاں لکڑی کی ایک بوسیدہ سی میز اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف جھلنگا سی بان کی چارپائی بھی پڑی ہوئی تھی۔ کمرے کے پچھلی طرف ایک کھڑکی تھی جو بند تھی۔ شارق نے کھڑکی کھول دی۔ اس طرف بھی درختوں کے نیچے قبریں اور ان کے اختتام پر کچی دیوار تھی جس کے دوسری طرف بسوں کا اڈہ تھا۔ وہاں کھڑی ہوئی بسیں نظر آ رہی تھیں اور شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس دیوار کا فاصلہ وہاں سے بیس گز سے زیادہ نہیں تھا۔ شارق نے کھڑکی بھیڑ دی صرف تھوڑا سا خلا رہنے دیا۔ اس مکان میں بجلی موجود تھی۔ چھت پر پنکھا بھی لگا ہوا تھا۔ شارق نے سوئچ بورڈ پر ایک سوئچ آن کر دیا۔ وہ بتی کا سوئچ تھا۔ اس نے وہ سوئچ آف کر کے دوسرا سوئچ آن کر دیا۔ پنکھا چل پڑا۔

ثمینہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اگرچہ پسینے میں تر ہو رہی تھی لیکن چادر اس نے اب بھی پوری طرح لپیٹ رکھی تھی۔ ایک رجسٹر اور دو کتابیں اب بھی اس نے ہاتھ میں سنبھال رکھی تھیں۔ اس کے دل میں ایک ہلکا سا خوف تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ شارق جب اس کے گھر میں رہا تھا تو اس نے واقعی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن وہ ایک جرائم پیشہ آدمی تھا۔ اس کی نیت پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس وقت تو وہ اسے دھمکی دے کر یہاں لایا تھا۔ قبرستان' مزار کے سامنے نشہ باز ملنگ اور بدہیئت نولکھا۔ ہو سکتا ہے اس مکان میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو۔ اگر انہوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تو وہ کیا کر سکے گی۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ اگر اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی کوشش کی گئی تو وہ اپنی جان دے دے گی مگر ان کا مقصد پورا نہیں ہونے دے گی۔ اس قبرستان کے چاروں طرف آبادی تھی۔ وہ شور مچا دے گی۔

"تمہیں گرمی نہیں لگ رہی۔ یہ چادر اتار دو۔ اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔" شارق نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"تم سے باتیں کرنے کے لئے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا تم مجھ سے اتنی

aazzamm@yahoo.com

ہی خوفزدہ تھیں کہ میرا پیغام ملنے کے بعد تم نے وہ گھر چھوڑ دیا۔"

"تم جس طرح مجھے یہاں لے کر آئے ہو کیا اسے شرافت کا نام دو گے؟" ثمینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔ مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ میں جن لوگوں کے گھر میں رہ رہی ہوں وہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔ کیا تم مجھے ان لوگوں کے سامنے بھی ذلیل کرنا چاہتے ہو؟"

"بات یہ ہے ثمینہ۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "مجھے احساس ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری وجہ سے تم پر کوئی حرف آئے۔ کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھائے....."

"تم نے مجھے ہر جگہ تو ذلیل کر دیا ہے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر تمہیں میری عزت کا احساس ہوتا تو مجھے اس جگہ پر نہ لے کر آتے۔"

"مجبوری تھی۔" شارق نے کندھے اچکا دیئے۔ "کل شام میں تمہارے مکان پر ہی گیا تھا لیکن پڑوسیوں نے بتایا کہ تم اپنی کسی دوست کے پاس رہ رہی ہوں۔ میں نے جہاں رات گزاری تھی وہ اس سے بھی بری جگہ تھی۔ صبح میں کالج کے سامنے کھڑا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اگرچہ داڑھی صاف کروا لی ہے مگر تم نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ تم مجھ سے بات کرنے کے لئے بھی نہیں رکیں اور مجھے نظرانداز کر کے کالج میں گھس گئیں۔ میں صبح سے کالج کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ واپس آنے کے لئے بھی تم نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ تو اتفاق ہے کہ اس وقت میں اسی طرف ٹہل رہا تھا۔ تمہاری اس نیلے پولکا ڈاٹس والی چادر کی وجہ سے میں نے تمہیں پہچان لیا تھا۔" اس نے چادر کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا چاہتے ہو مجھ سے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔" شارق نے کہا۔

"بلیک میل کرنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں' میں ایسی گندی ذہنیت کا مالک بھی نہیں ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "پہلی مرتبہ تمہیں بس میں دیکھا تھا۔ تم مجھے اچھی لگی تھیں لیکن سفر کے اختتام پر تم میری طرف دیکھے بغیر چلی گئیں۔ ممکن ہے تمہارے دل میں میرے بارے میں کوئی خیال بھی نہ آیا ہو لیکن میں تمہیں نہیں بھلا سکا اور پھر قسمت مجھے تمہارے دروازے پر لے آئی....."

"یہ بات میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم شاید اسے محبت کا نام دینے کی کوشش کرو گے۔"

"ہاں' میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تمہیں بھی مجھ سے کچھ لگاؤ ہے۔ تمہارا میرے اتنا قریب آ جانا کہ دونوں کے سانس....."

"بند کرو یہ بکواس۔" ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔ "وہ خوف و وحشت کی کیفیت تھی جس نے مجھے تمہارے اتنا قریب آنے پر مجبور کر دیا تھا اور مجھے اس خوف میں بھی تم نے ہی مبتلا کیا تھا۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا' کیوں میری زندگی برباد کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔"

"میں تو تمہارا پیچھا چھوڑ سکتا ہوں۔ دل پر جبر کر کے تمہیں بھول جانے کی کوشش کروں گا لیکن.... یہ جو پولیس والے ہیں نا یہ کسی کو نہیں بھولے اور میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ پولیس تمہاری تلاش میں سرگرداں رہے۔" شارق نے کہا۔

"مجھے اس مصیبت میں مبتلا کرنے والے بھی تم ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"اور اس مصیبت سے تمہیں بچاؤں گا بھی میں ہی۔" شارق نے جواب دیا۔

"تم...." ثمینہ کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "تم تو مجھے دلدل میں دھکیلتے جا رہے ہو' خود تو تم کسی کا سامنا نہیں کر سکتے اور مجھے مصیبت سے بچاؤ گے۔ اونہہ....."

شارق جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ باہر کسی کے کھانسنے کی آواز آئی اور پھر نولکھا اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ مزار کا ایک ملنگ بھی تھا۔ یہ وہی ملنگ تھا جس نے انہیں پانی پلایا تھا اور شارق نے اس سے نولکھا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس نے ایلومینیم کا جگ اور شیشے کے دو بڑے گلاس اٹھا رکھے تھے جو اس نے میز پر رکھ دیئے۔ جگ میں لسی بھری ہوئی تھی جس میں برف کے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔ وہ ملنگ گلاسوں میں لسی انڈیلنا چاہتا تھا کہ شارق نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

ملنگ نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ رخ پھیرے تھی۔ اس کا چہرہ ملنگ کو نظر نہیں آ سکا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر دونوں گلاسوں میں لسی انڈیل دی۔ اس نے ایک گلاس اٹھا کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"لو یار لسی پیو۔ ٹھنڈ پڑ جائے گی۔" شارق نے گلاس لے لیا۔ نولکھا نے دوسرا گلاس ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔ "لو بی بی.... لسی پی لو۔ سارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ جنگی پہلوان کی دکان سے بنوا کر لایا ہوں۔ پورے فیصل آباد میں اس جیسی لسی کوئی نہیں بناتا۔"

"مجھے نہیں پینی لسی وسی۔" ثمینہ نے غصے میں جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق نے نوکھا کو اشارہ کیا۔ وہ گلاس میز پر رکھ کر باہر چلا گیا۔ شارق نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

"لو یہ لسی پی لو..... تمہارے دماغ میں جو گرمی بھر گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔"

"کہہ دیا نا کہ مجھے نہیں پینی۔" ثمینہ غرائی۔

شارق نے گلاس میز پر رکھ دیا اور ثمینہ کو دونوں بانہوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف موڑ لیا۔ ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"چھوڑ دو..... ہاتھ مت لگانا مجھے' میں شور مچا دوں گی۔" ثمینہ غرائی۔

"تمہارے شور مچانے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ذلت و رسوائی تمہاری ہو گی اور پھر یہ لوگ میری طرح شریف نہیں ہیں۔" شارق نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ میری وجہ سے تمہارے ساتھ جو زیادتی ہو چکی ہے اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں کتنا چاہنے لگا ہوں۔"

"عجیب چاہت ہے تمہاری۔" ثمینہ نے اپنے آپ کو اس سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اٹھا کر غنڈوں اور بدمعاشوں کے ڈیرے پر لے آئے ہو اور دعوے محبت کے کر رہے ہو۔ دنیا میں پہلا مرد ایسا دیکھا ہے جو اپنی محبوبہ کو تحفظ فراہم کرنے کی بجائے جرائم کی دلدل میں دھکیل رہا ہو۔ اسے دوسروں کے لئے بھی تر نوالہ بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"کسی کی جرات نہیں ہو سکتی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔" شارق بولا۔

"آج تم مجھے اٹھا کر یہاں لے آئے ہو کل یہ لوگ بھی مجھے اٹھا کر کہیں اور لے جائیں گے۔ کیا کر لو گے تم ان کا؟" ثمینہ نے کہا۔

"یہ لوگ ایسی کوئی جرات بھی نہیں کر سکتے۔" شارق بولا۔ "یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "یہ جرائم پیشہ لوگ اپنی ماں اور بہنوں تک کا سودا کر ڈالتے ہیں۔ کسی دوسری عورت کی یہ کیا عزت کریں گے؟"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" شارق نے کہا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جانے دو مجھے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"تم ابھی نہیں جا سکتیں۔" شارق نے کہا۔ "ابھی تو مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ آرام سے..... دیر سے گھر پہنچو گی تو قیامت نہیں آ جائے گی۔ کہہ دینا کہ کسی سہیلی کے

ہاں چلی گئی تھی۔"

"کیا باتیں کرنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "یہی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور....."

"ہاں' یہی بات ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں عورت کی محبت سے محروم رہا ہوں۔ بچپن میں ماں کی ممتا سے محروم کر دیا گیا۔ زندگی کا آدھا حصہ جیل میں گزر گیا۔ باہر آیا تو میرے گرد سازشوں کے جال پھیلا دیئے گئے۔ مجھے مجرمانہ زندگی اپنانے پر مجبور کر دیا گیا۔ نفرت ہو گئی تھی مجھے اس دنیا سے' میرے دل میں نفرت کی آگ کم نہیں ہوئی۔ میرے راستے میں جو بھی آئے گا انتقام کی آگ اسے جلا کر راکھ کر ڈالے گی۔ اب میں اپنا حق لینے کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ چھین لوں گا۔ یہی یہاں کی ریت ہے اور یہی میں نے سیکھا ہے۔"

"لیکن... محبت کوئی جنس تو نہیں جسے بازار سے خریدا جا سکے یا کسی سے چھینا جا سکے۔" ثمینہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"تم میری زندگی میں بہار کا جھونکا بن کر آئی ہو۔ میں اس لطیف احساس کو کھونا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں....."

"اس کے لئے تم نے بڑا شریفانہ طریقہ اپنایا ہے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجبوری تھی۔ اس کے بعد ایسا نہیں ہو گا۔ اس کے لئے بھی میں نے ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم وہ مکان چھوڑ دو۔" شارق نے کہا۔ "کہیں اور مکان لے لیتے ہیں۔ ہم دونوں اکٹھے اس مکان میں شفٹ ہوں گے تو کسی کو میری آمد و رفت پر شبہ نہیں ہو گا۔ تم اس مکان میں رہو گی میں کبھی کبھار آ جایا کروں گا۔"

"گویا تم مجھے اپنی داشتہ بنا کر رکھنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔" شارق بولا۔ "یہ بہت گندہ لفظ استعمال کیا ہے تم نے۔ میں تمہیں اپنی جان سے زیدہ عزیز رکھوں گا۔ کبھی کبھار تمہیں دیکھنے کے لئے آ جایا کروں گا۔"

"نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ تم مجھے برباد کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔"

شارق کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ نوکھا کھانستا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس وقت اس نے دھوتی

aazzamm@yahoo.com

اور سفید اجلا کرتا پہن رکھا تھا۔ گنجے سر پر بھی سفید کپڑا سا لپیٹ رکھا تھا۔

"شارق باؤ میں تکئے پر جا رہا ہوں۔ کوئی بات ہو تو مجھے بلا لینا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اپنا دھندہ شروع کرو۔" شارق نے جواب دیا۔

نولکھا باہر چلا گیا۔ دن بھر تکئے میں بیٹھے ہوئے ملنگ پڑیاں بیچتے رہتے تھے اور شام سے ذرا پہلے وہ خود وہاں بیٹھ جایا کرتا تھا۔ دس گیارہ بجے تک اس کا دھندہ چلتا رہتا تھا' اس کے گاہکوں میں زیادہ تعداد مزدور پیشہ لوگوں' بھیسے' چھابڑی والوں اور موٹر مکینکوں کی تھی۔ گاڑیوں والے بہت سے گاہک بھی آتے تھے۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ قبرستان کے باہر کچی سڑک پر کار روک لیتے۔ ہارن بجاتے اور تکئے کا کوئی ملنگ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ وہاں سے گزرنے والے بعض لوگ یہی سمجھتے کہ یہ صاحب حیثیت لوگ ہیں اور مزار کے لئے چندہ دے کر جا رہے ہیں۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ثمینہ کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ جانے کی کوشش کی تھی لیکن ہر مرتبہ شارق نے کسی نہ کسی طرح اسے روک لیا تھا۔

"خدا کے لئے مجھے جانے دو۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ "کیوں مجھے برباد کرنا چاہتے ہو۔"

"بس' تھوڑی دیر اور..... پھر میں تمہیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔" شارق بولا۔

تقریباً پانچ منٹ اور گزرے تھے کہ نولکھا دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو رہا تھا۔

"شارق باؤ۔" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "تکئے پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے دو ملنگ ان کے ہاتھ لگ گئے ہیں تم نکل چلو یہاں سے۔"

شارق اس کے ساتھ ہی باہر کی طرف دوڑا۔ وہ غالباً صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ثمینہ کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ پولیس کے خوف سے وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اگر وہ منشیات کے اڈے سے پکڑی گئی تو اس کی تباہی میں کوئی کسر نہیں رہ جائے گی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر کھڑکی کی طرف لپکی۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھی اور دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

دوسری طرف اگرچہ کچی زمین تھی۔ لیکن نیچے چھلانگ لگاتے ہوئے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ اس کا پیر مڑ گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر چادر الجھ جانے سے وہ ایک بار پھر گر گئی۔ اس نے چادر سمیٹتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا مزار کی طرف سے شور سنائی دے رہا تھا مگر اس طرف کوئی نہیں آیا تھا۔

ثمینہ کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ وہ جب اٹھ کر کھڑی

ہوئی تو بائیں پیر میں زور دار ٹیس اٹھی۔ پیر مڑ جانے سے اچھی خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ لنگڑاتی ہوئی قبرستان کی پچھلی دیوار کی طرف دوڑی۔ ایک جگہ سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اوپر چڑھنا ہی چاہتی تھی کہ پیر ایک بار پھر رپٹ گیا اور وہ لڑکھڑا کر دیوار کے بالکل ساتھ ایک کھڈ میں گر گئی۔

وہ کھڈ دراصل ایک ٹوٹی ہوئی قبر تھی۔ یہ سوچ کر ہی ثمینہ کی روح کانپ اٹھی کہ وہ جیتے جی قبر میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اٹھا کر قبر سے باہر نکالا اور چادر سمیٹتے ہوئے دیوار پر چڑھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو پولیس والے مزار کی طرف سے دوڑتے ہوئے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ ثمینہ دیوار کے دوسری طرف اتر گئی اور لنگڑاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ بائیں پیر پر بوجھ نہیں پڑ رہا تھا۔

وہ عجیب صورت حال سے دوچار تھی۔ کالج کی ایک معزز لیکچرار منشیات فروش کے اڈے سے بھاگ رہی تھی۔ چہرے پر بے پناہ خوف اور دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ پیر میں موچ آ گئی تھی اور چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ چادر اور کپڑے مٹی میں اٹ گئے تھے۔

قبرستان کی دیوار کے دوسری طرف لاتعداد چھوٹے چھوٹے ورکشاپ تھے۔ زیر مرمت بسیں آڑھی ترچھی کھڑی تھیں کچھ بسوں پر کام ہو رہا تھا۔ تقریباً سب ہی ورکشاپ کھلے ہوئے تھے۔ تیل اور گریس وغیرہ مسلسل گرتے رہنے سے ورکشاپوں کے سامنے فرش پر چکنائی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔

قبرستان کی طرف سے شور کی آواز سن کر ورکشاپوں پر کام کرنے والے لڑکے مڑ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ ایک مکینک نے ثمینہ کو بھی دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ دوسروں نے اگر اسے کودتے ہوئے نہیں بھی دیکھا تھا تو بھی وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ عورت قبرستان ہی کی دیوار کود کر آئی ہے۔ کیونکہ اس طرف کوئی عام راستہ تو نہیں تھا۔ وہ سب ہی مشتبہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ثمینہ چند قدم آگے بڑھی تھی کہ چکنے فرش پر اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دھڑام سے گری۔ ایک بار پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی قریب کھڑا ہوا ایک مکینک اس کی طرف لپکا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی آپ کو۔" مکینک نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

گرنے سے ثمینہ کو کولہے پر چوٹ تو لگی تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔ اس کی چادر اور لباس پر سیاہ دھبے پڑ گئے تھے۔

"نن..... نہیں زیادہ چوٹ نہیں لگی۔" ثمینہ کراہی۔

aazzamm@yahoo.com

"اوہ میڈم آپ؟" مکینک اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔ "آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ مکینک کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ لمبا تڑنگا صحت مند آدمی تھا۔ ہاتھ تو اس کے بھرے ہوئے تھے ہی منہ پر بھی کالک کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

"میں وہ نہیں ہوں جو شاید تم سمجھ رہے ہو۔" ثمینہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"نہیں میڈم' میں نے آپ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی۔" مکینک نے جواب دیا۔ "آپ کالج کی پروفیسر ہیں۔ میری بہن سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے صبح میں اسے موٹر سائیکل پر کالج چھوڑنے جاتا ہوں۔ کئی مرتبہ آپ کو دیکھا ہے میں نے.... آپ کو شاید زیادہ چوٹ لگی ہے آیئے.... اندر بیٹھ جایئے۔"

مکینک اسے سہارا دے کر اپنی دکان کے اندر لے گیا اور اسے بینچ پر بٹھا دیا۔ دوسرے ہی لمحہ شور کی آواز سن کر وہ باہر آ گیا۔ اس کے دو تین شاگرد قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے قریب کھڑے تھے۔ ایک پولیس والا بھی دیوار پھلانگ کر باہر آ گیا۔

"ادھر سے کسی آدمی کو بھاگتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟" پولیس والے نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے لڑکوں سے پوچھا۔

اسی لمحہ مکینک وہاں پہنچ گیا۔ لڑکوں سے پہلے وہ بول اٹھا۔

"نہیں سنتری بادشاہ۔ اس طرف تو کوئی نہیں آیا۔ کوئی چور تھا کیا؟"

"چور نہیں' ہیروئن بیچنے والا تھا۔" سنتری نے جواب دیا اور ٹوٹی ہوئی دیوار سے قبرستان میں کود گیا۔

"اوئے چلو.... اپنا کام کرو۔ یہ ڈرامے تو یہاں روز ہی ہوتے رہتے ہیں۔" مکینک نے لڑکوں کو ڈانٹ کر دیوار کے قریب سے ہٹا دیا اور اپنے ورکشاپ والے کمرے میں آ گیا۔

ثمینہ اسٹول پر بیٹھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں اور حلق خشک ہو رہا تھا۔

"پپ.... پانی... تھوڑا پانی مل جائے گا۔" اس نے مکینک کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"ابھی لاتا ہوں۔" مکینک کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شیشے کے ایک میلے گلاس میں پانی لے آیا۔ "قبرستان میں بلو سائیں کا یہ تکیہ منشیات فروشوں کا اڈہ ہے۔" وہ گلاس ثمینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہاں بہت عرصہ سے یہ کالا دھندہ ہو رہا ہے۔ پولیس سب

کچھ جانتی ہے لیکن جب بھتہ نہیں ملتا تو یہاں چھاپے پڑنے لگتے ہیں۔ یہ پولیس والے منشیات فروشوں سے تو یہیں پر مک مکا کر کے انہیں چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہاں جو گاہک ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں انہیں تھانے لے جا کر بے عزت کیا جاتا ہے اور بالآخر پیسے لے کر انہیں بھی چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن.... آپ میڈم.... آپ یہاں کیا لینے آئی تھیں کیا آپ بھی....."

"نہیں تم غلط سمجھ رہے ہو۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اپنے ملنے والوں کے ہاں گئی تھی۔ واپسی پر سوچا کہ اگر قبرستان سے نکل چلوں تو شارٹ کٹ پڑ جائے گا لیکن اسی وقت دوسری طرف سے پولیس قبرستان میں داخل ہوئی تو میں ڈر کر اس طرف بھاگ نکلی بدحواسی میں دوڑتے ہوئے میرا پیر رپٹ گیا۔ شاید موچ آ گئی ہے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" ثمینہ جھک کر پیر کو دبانے لگی۔

"آج کل عورتیں بھی اس لعنت کا شکار ہو رہی ہیں۔" مکینک نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "کالج کی لڑکیوں اور لڑکوں میں بھی ہیروئن کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ نوجوان نسل تباہ ہو رہی ہے۔ میرے دو شاگرد ہیروئن استعمال کرتے ہیں۔ اسی تکیے سے خرید کر لاتے ہیں۔ بہت سمجھا چکا ہوں انہیں۔ مگر وہ تو اپنی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ آپ کو اس طرف بھاگتے دیکھ کر میں سمجھا کہ شاید آپ بھی.... بہت سی عورتیں بھی آتی ہیں اس تکیے پر ہیروئن لینے کے لئے۔ ایک مرتبہ تو پولیس کے چھاپے میں دو عورتیں پکڑی بھی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک کسی مل اونر کی بیٹی تھی اور دوسری کچہری بازار کے ایک بہت بڑے دکاندار کی بیوی۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ ان کی کس قدر رسوائی ہوئی ہو گی۔"

"نہیں مکینک صاحب....."

"میرا نام محمد یوسف ہے۔" اس نے ثمینہ کی بات کاٹ دی۔

"محمد یوسف صاحب۔" ثمینہ بولی۔ "میرے بارے میں تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نے بتایا نا کہ شارٹ کٹ کے خیال سے قبرستان سے گزر رہی تھی۔ بہرحال' آپ نے مجھے پولیس کی نظروں سے بچا لیا اس کے لئے میں بے حد شکرگزار ہوں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو رکشہ منگوا دیں۔ پیر میں تکلیف کی وجہ سے مجھ سے ایک قدم نہیں چلا جا رہا۔"

"منگوا دیتا ہوں رکشہ' میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو..."

"شکریہ۔" ثمینہ نے کہا۔ "آپ کی اتنی ہی عنایت کافی ہے۔ ویسے آپ کی بہن کا کیا نام ہے۔ کون سی کلاس میں پڑھتی ہے؟"

"سیکنڈ ایئر میں۔ شمائلہ نام ہے اس کا... میں نے خود بھی میٹرک کر رکھا ہے۔ آپ بیٹھئے میں

aazzamm@yahoo.com

لڑکے کو بھیج کر رکشہ منگواتا ہوں۔"

مکینک یوسف باہر نکل گیا۔ ثمینہ جھک کر زور زور سے اپنا پیر سہلانے لگی۔ تکلیف بڑھ گئی تھی اور اس کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکاریاں سی نکل رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد رکشہ ورکشاپ کے سامنے آ کر رک گیا۔ ثمینہ نے اٹھ کر چلنا چاہا تو اس کے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی بایاں پیر زمین پر ٹک ہی نہیں رہا تھا۔ یوسف نے ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ثمینہ اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر لنگڑاتی ہوئی رکشے تک آ گئی۔ اور جب رکشے میں بیٹھنے لگی تو دفعتاً" اسے اپنے رجسٹر اور کتابوں کا خیال آ گیا۔ اس نے بدحواسی میں ادھر ادھر دیکھا پھر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ رجسٹر اور کتابیں قبرستان کے مکان کے اس کمرے ہی میں رہ گئی تھیں جہاں وہ شارق کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ نوٹس کے رجسٹر پر اس کا اور کالج کا نام لکھا ہوا تھا۔ کتابوں پر بھی اس کا نام تھا۔ رجسٹر اور کتابیں یقیناً پولیس کے قبضے میں آ گئی ہوں گی اور اب پولیس کو اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"کیا ہوا میڈم؟" یوسف نے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھا۔

"کک... کچھ نہیں۔ پیر میں تکلیف بڑھ گئی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے موچ آ گئی ہے' پہلی فرصت میں کسی جراح وغیرہ کو دکھایئے۔ اور اس طرف سے آپ بے فکر رہئے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ یہاں آئی تھیں۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے رکشہ میں بیٹھ گئی۔ رکشہ حرکت میں آ کر لاری اڈے میں کھڑی ہوئی لاتعداد بسوں کے اردگرد چکراتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ اس وقت آٹھ بج چکے تھے۔ لاری اڈے کی وجہ سے سڑک پر خاصا ٹریفک تھا۔

"کہاں جانا ہے بی بی آپ کو؟" رکشہ ڈرائیور نے پوچھا۔

"ڈگلس پورہ۔" ثمینہ نے مختصر سا جواب دیا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر دانت بھینچ لئے۔ اس کے پیر کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

جب وہ نائلہ کے گھر کے سامنے پہنچی تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ آج صبح وہ ہینڈ بیگ لے کر نہیں گئی تھی۔ چالیس پچاس روپے کے نوٹ کتاب ہی میں رکھے ہوئے تھے۔ رکشہ سے اترتے ہوئے اس نے پیر زمین پر رکھنا چاہا تو بے اختیار کراہ اٹھی۔ اس نے پیر کی طرف دیکھا۔ ٹخنے کے قریب سے پیر سوج گیا تھا۔

"ارے بھیا... ذرا اس دروازے کی گھنٹی بجا دیجئے۔" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے اتر کر گھنٹی بجا دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا۔ وہ نائلہ کا چھوٹا بھائی ندیم تھا۔

اس نے رکشے میں ثمینہ کو دیکھتے ہی پیچھے مڑ کر آواز لگائی۔

"باجی.... ثمینہ باجی آ گئیں۔"

"ندیم آگے آؤ ذرا۔" ثمینہ نے اسے پکارا۔ "میرے پیر میں تکلیف ہے مجھے سہارا دے کر اندر لے چلو۔"

ندیم جلدی سے آگے آ گیا۔ اس نے ثمینہ کے سوجھے ہوئے پیر کی طرف دیکھا پھر اسے سہارا دے کر رکشے سے اتارا۔ ثمینہ اس کے سہارے ایک پیر پر تقریباً اچھلتی ہوئی چلنے لگی۔ اسی دوران نائلہ بھی آ گئی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دوسری طرف سے ثمینہ کو سہارا دیا اور وہ دونوں اسے اندر لے آئے۔ نائلہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ ثمینہ کی حالت دیکھ کر نائلہ پریشان ہو گئی تھی۔

"یہ کیا ہوا تمہیں کہاں چلی گئی تھیں تم؟" اس نے پوچھا۔

"باہر رکشے والے کو پیسے بھجوا دو۔" ثمینہ نے کہا۔ "بعد میں بتاؤں گی کہ کیا ہوا ہے اور میں کہاں گئی تھی۔"

نائلہ نے ندیم کو بلا کر کہا کہ وہ رکشے والے کو پیسے دے کر رخصت کر دے۔ اسی دوران نائلہ کی والدہ اور چھوٹی بہن بھی کمرے میں آ گئیں۔

"کیا ہوا ثمینہ بیٹی۔ کہاں چلی گئی تھیں۔ ہم تو پریشان ہو رہے تھے۔" والدہ نے کہا۔

"کالج کی ایک اسٹوڈنٹ مجھے زبردستی اپنے گھر لے گئی تھی۔ اس کے گھر والوں نے آنے ہی نہیں دیا اور تقریباً ایک گھنٹے پہلے میں ان کے گھر سے نکل کر تانگے میں بیٹھی تو کچھ ہی دور جانے کے بعد تانگے کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا۔ قسمت اچھی تھی' بچ گئی۔ لیکن تانگے سے گرنے سے پیر مڑ گیا ہے۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ بڑی مشکل سے رکشے پر بیٹھ سکی تھی۔"

نائلہ کی والدہ نے اس کا پیر دیکھا۔ انہوں نے پیر پر ہاتھ رکھ کر ذرا سی حرکت دی تھی کہ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"موچ آ گئی ہے۔ میں ندیم کو بھیج کر اچھے پہلوان کو بلواتی ہوں۔" والدہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

اچھا پہلوان ہڈی جوڑ کا ماہر تھا' گلی کے موڑ سے ذرا آگے جھنگ بازار میں اس کی دکان تھی۔ ندیم پندرہ ہی منٹ میں اسے ساتھ لے کر آ گیا۔ ثمینہ کو پلنگ کی پٹی پر اس طرح بٹھا گیا دیا کہ اس کے دونوں پیر لٹکے ہوئے تھے۔ اچھے پہلوان نے اس کے پیر کو ٹٹول کر دیکھا۔ ٹخنے میں موچ آ گئی تھی۔ اس نے پہلے گرم پانی منگوا کر سینکائی کی پھر ایک بوتل میں بھرے ہوئے تیل سے پیر کی مالش

aazzamm@yahoo.com

کرنے لگا۔ تیل موبل آئل کی طرح گاڑھا اور سیاہ تھا۔ عجیب سی بو اٹھ رہی تھی۔

اچھا پہلوان بڑے ہلکے ہاتھ سے مالش کر رہا تھا۔ ثمینہ کے منہ سے سسکاریاں سی نکل رہی تھیں۔ اس نے دانت بھینچ لئے۔ اچھا پہلوان نے مالش کرتے کرتے اس کے پیر کو زور دار جھٹکا دیا۔ ثمینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ بری طرح مچلنے لگی۔ نائلہ اور اس کی چھوٹی بہن نے اسے دونوں بانہوں سے پکڑ لیا۔ اچھا پہلوان نے پیر کو دو تین اور جھٹکے دیئے پھر مالش کرنے لگا اور بالآخر ایک ڈبیہ میں سے مٹیالے سے رنگ کی کریم نکال کر پیر پر اچھی طرح ملی اور پٹی باندھ دی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کل اسی وقت مجھے بلا لینا کاکے.... مالش کرنی پڑے گی۔" اچھا پہلوان نے آخری الفاظ ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہے اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

ثمینہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم پیلا ہو گیا تھا۔ پیر کو لگائے جانیوالے جھٹکوں سے اسے یوں لگا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی ہو۔

ثمینہ اور نائلہ رات کو اسی کمرے میں ایک ہی پلنگ پر سوتی تھیں۔ رات کو نائلہ جب سونے کے لئے اس کے ساتھ پلنگ پر لیٹی تو اس نے پوچھا۔

"تکلیف میں کچھ افاقہ ہوا یا نہیں؟"

"ہاں.... درد کی شدت میں کمی آ گئی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ایک بات بتاؤ ثمینہ۔" نائلہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اصل بات وہی تھی جو تم نے امی کو بتائی ہے یا معاملہ کچھ اور تھا؟"

"کچھ اور معاملہ.... کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو ثمینہ۔ جو بات ہے مجھے ٹھیک ٹھیک بتا دو ہو سکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔" نائلہ نے کہا۔

"مدد...." ثمینہ کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "نہیں' تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ میں نے یہاں آ کر غلطی کی' میری وجہ سے تم لوگوں کو بھی پریشانی ہو سکتی ہے۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو ثمینہ۔" نائلہ نے اسے گھورا۔ "ہمیں غیر سمجھتی ہو؟"

"اپنا سمجھ کر ہی یہ بات کہی ہے میں نے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں جس دلدل سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہوں اتنا ہی اس میں دھنستی جا رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

"مجھ پر اعتماد کرو ثمینہ۔ جو بات بھی ہے کہہ دو۔ اس طرح تمہارے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو

جائے گا اور ممکن ہے اس مسئلے کا کوئی حل بھی نکل آئے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو معاملہ تمہارے اسی کزن کا ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔"

"وہ میرا کزن نہیں ہے۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"تو پھر کون ہے وہ؟" نائلہ چونک گئی۔

"منشیات کا اسمگلر.... قاتل....." ثمینہ بولی۔

"کیا مطلب.... کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" نائلہ نے اسے گھورا۔ "منشیات کے اسمگلر اور قاتل سے تمہارا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میں اس کے جال میں پھنس گئی ہوں نائلہ۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شارق سے بس میں ہونے والی ملاقات سے لے کر اب تک کی پوری کہانی سنا ڈالی۔ آخر میں اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ "کاش!" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس رات مجھے اس پر ترس نہ آیا ہوتا۔ اس کے چہرے کی معصومیت نے مجھے متاثر نہ کیا ہوتا۔ وہ میرے لئے بہترین موقع تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اگر میں اسی رات اسے پولیس کے حوالے کر دیتی تو آج مجھے اس طرح ذلیل اور رسوا نہ ہونا پڑتا۔ آج صبح وہ کالج کے سامنے موجود تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا وہ سارا دن وہاں کھڑا میرا انتظار کرتا رہا۔ میں ایک پیریڈ پہلے کالج کے پچھلے گیٹ سے نکلی تھی اور جب میں دوسرے موڑ سے تانگے میں بیٹھی تو کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نجانے کہاں سے آ کر تانگے میں بیٹھ گیا اور مجھے دھمکی دے کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اگر میں فرار میں کامیاب ہونے کے بجائے پولیس کے ہاتھ آ جاتی تو اس وقت کسی تھانے میں بند ہوتی۔ میں پولیس کے ہاتھ آنے سے تو بچ گئی ہوں لیکن منشیات کے اس اڈے پر اپنی موجودگی کا ثبوت چھوڑ آئی ہوں۔"

"کیسا ثبوت؟" نائلہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بدحواسی میں بھاگتے ہوئے اپنا رجسٹر اور کتابیں وہیں بھول گئی تھی۔ ان پر میرا اور کالج کا نام لکھا ہوا ہے۔ مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ پولیس صبح ہی کالج پہنچ جائے گی اور تم سمجھ سکتی ہو کہ مجھے کس قدر رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میرا مشورہ مانو تو پولیس کے کسی بڑے آفیسر سے مل کر سب کچھ بتا دو۔" نائلہ نے کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ سب کچھ بتانے کے بعد وہ پولیس آفیسر مجھے گھر واپس آنے دے گا؟ نہیں نائلہ.... میں ایسا نہیں کر سکتی۔" ثمینہ نے کہا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ بلکہ اس تعاون پر پولیس تمہاری شکر گزار ہو گی۔ تم کہہ سکتی ہو کہ تمہیں قتل کی دھمکی دے کر خاموش رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔" نائلہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"نہیں نائلہ.... میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں نے پولیس کے سامنے شارق کو اپنا کزن تسلیم کیا تھا۔ یعنی میں نے پولیس کو دھوکا دیا تھا۔ ایک مجرم کو بچانے کے لئے میں نے انہیں غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی تھی.... اور پھر قتل کی اس واردات کے بعد میں خاموش رہی جبکہ شارق بھی یہاں موجود نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں مجھے کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں پولیس کو سب کچھ بتا سکتی تھی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"معاملہ خاصا گمبھیر ہے۔ میرا خیال ہے ابو سے بات کر کے کسی وکیل سے مشورہ کرنا چاہئے' کوئی اچھا وکیل ہی اس سلسلے میں بہتر مشورہ دے سکتا ہے۔"

"تمہارے ابو سیالکوٹ میں ہیں اور وہ جمعرات کو آتے ہیں۔ جبکہ پولیس صبح ہی مجھے تلاش کرتی ہوئی کالج پہنچ جائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا حل بھی میں نے سوچ لیا ہے۔" نائلہ نے کہا۔ "تم کہہ سکتی ہو کہ رجسٹر اور کتابیں تانگے میں بھول گئی تھیں جو کسی اور کے ہاتھ لگ گئیں۔ ہو سکتا ہے وہ شخص منشیات کے اڈے پر گیا ہو اور وہ رجسٹر اور کتابیں اس نے وہاں چھوڑ دی ہوں۔"

"لیکن ایک ایسے آدمی نے مجھے وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا جو یہ جانتا ہے کہ میں کالج میں لیکچرار ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

"کون ہے وہ؟" نائلہ نے چونک کر پوچھا۔

"موٹر مکینک ہے۔ قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی لاری اڈے میں اس کا ورکشاپ ہے۔"

"لیکن وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟" نائلہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اس کی بہن شمائلہ ہمارے ہی کالج میں سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ وہ صبح اپنی بہن کو کالج چھوڑنے کے لئے آتا ہے۔ وہ کئی مرتبہ مجھے دیکھ چکا ہے۔" ثمینہ نے بتایا۔

"شمائلہ وہی لڑکی تو نہیں' بھاری بھرکم' لمبی اور بے ڈول سی۔" نائلہ نے کہا۔

"ہاں' شاید وہی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن اس کے بھائی کو کیسے پتہ چلا کہ تم وہاں سے بھاگی ہو؟"

"قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی اس کا ورکشاپ ہے۔ اس نے مجھے دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میرے پیر میں موچ تو پہلے ہی آ چکی تھی۔ میں اس کی دکان کے سامنے ہی پھسل کر گر گئی تھی اور وہی مجھے اٹھا کر دکان کے اندر لے گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک پولیس والا بھی یہ پوچھتا ہوا ادھر آیا تھا کہ انہوں نے اس طرف سے کسی کو بھاگتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ شمائلہ کے بھائی یوسف نے ہی پولیس والے کو جواب دیا تھا کہ انہوں نے کسی کو اس طرف آتے ہوئے نہیں دیکھا

اور پھر کچھ دیر بعد مجھے رکشہ بھی اسی نے منگوا کر دیا تھا۔" ثمینہ نے بتایا۔

"بات واقعی الجھ گئی ہے۔" نائلہ نے کہا۔ "بہرحال' شمائلہ کا وہ بھائی فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا اور یہ ضروری نہیں کہ تمہارا رجسٹر اور کتابیں پولیس کے ہاتھ آ گئی ہوں۔ بالفرض پولیس نے رجسٹر اور کتابوں پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ معلومات کے لئے صبح کالج آئے بھی تو میں سنبھال لوں گی اور یہی کہوں گی کہ تم وہ رجسٹر اور کتابیں کسی تانگے میں بھول گئی تھیں۔"

"لیکن اگر پولیس یہاں تمہارے گھر پہنچ گئی تو؟" ثمینہ بولی۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" نائلہ نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب میرے گھر والوں کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری امی اور ابو تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ آج منگل ہے۔ پرسوں شام کو ابو آ جائیں گے۔ میں ان سے بات کروں گی' اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا.... پیر کی تکلیف کی وجہ سے اب تم دو چار روز تک کالج تو نہیں جا سکو گی۔ صبح ایپلی کیشن لکھ دینا۔ اب سو جاؤ۔ دو بجنے والے ہیں۔"

نائلہ تو تھوڑی دیر بعد سو گئی مگر ثمینہ دیر تک جاگتی رہی۔ موجودہ صورت حال نے اس کے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔

دوسرے دن نائلہ کالج سے واپس آئی تو اس کے پاس ثمینہ کا رجسٹر اور دونوں کتابیں بھی تھیں۔ اس نے بتایا کہ دو پولیس والے کالج آئے تھے۔ وہ رجسٹر اور کتابوں کے حوالے سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"پھر کیا بات ہوئی؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ دونوں پولیس والے پرنسپل سے ملے تھے۔ پرنسپل کو معلوم ہے کہ تم آج کل میرے ہاں رہ رہی ہو۔ انہوں نے مجھے بلا لیا۔ میں نے یہ فرضی کہانی سنا دی کہ کالج سے نکلنے کی بعد تم جس تانگے پر بیٹھی تھیں اس کی ٹکر ہو گئی۔ گرنے سے تمہارے پیر میں چوٹ آ گئی اور تم بدحواسی میں رجسٹر اور کتابیں بھول کر رکشے پر بیٹھ کر گھر چلی گئیں۔ بعد میں یہ رجسٹر اور کتابیں کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ گئی ہوں گی جس کا اس منشیات کے اڈے پر آنا جانا ہو۔ اور اس نے یہ چیزیں وہاں ڈال دی ہوں۔"

"پھر.... انہوں نے یہ رجسٹر اور کتابیں کیسے دیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"انہیں میری بات کا یقین کرنا پڑا اور وہ لوگ یہ چیزیں دے کر واپس چلے گئے۔ اس طرح بات ختم ہو گئی۔" نائلہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر بات اس طرح ٹل گئی ہے تو میرا خیال ہے کہ تم فی الحال اپنے ابو سے بات مت

aazzamm@yahoo.com

کرنا۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیوں؟" نائلہ نے اسے گھورا۔ "کیا تم اسی طرح الجھنوں میں پھنسی رہنا چاہتی ہو یا اس جال سے خود نہیں نکلنا چاہتیں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں ذرا سوچنا چاہتی ہوں۔ وکیل سے مشورہ کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ بات آگے نکل جائے گی۔ میں نے ابھی گھر والوں کو بھی اس مسئلے سے آگاہ نہیں کیا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ایک دو دن کے لئے ڈیڈی کو یہاں بلا لوں۔ انہیں سب کچھ بتا دوں اور وہ تمہارے ابو سے مشورہ کریں۔ اگر میرے ڈیڈی کو کسی اور ذریعے سے پتہ چلا تو وہ کیا سوچیں گے؟"

"جیسے تمہاری مرضی۔" نائلہ نے کندھے اچکا دیئے۔ "لیکن جو کچھ سوچنا ہے جلدی سوچ لو۔ معاملہ بے حد سنگین ہے۔ اگر پولیس نے اس قتل کا سراغ لگا لیا اور شارق پکڑا گیا تو وہ تمہارا نام لینے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائے گا۔ یا اگر پولیس تحقیقات کرتی ہوئی پہلے تم تک پہنچ گئی تو بھی مشکل ہو جائے گی۔ اس لئے جو فیصلہ کرنا ہے جلدی کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ڈیڈی کو خط لکھ کر بلوا لیتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ نائلہ نے بات ٹھیک ہی کی تھی۔ اگر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے پولیس اس تک پہنچ گئی تو بات بگڑ جائے گی اور وہ کچھ نہیں کر سکے گی۔"

ثمینہ پانچ چھ دن مزید نائلہ کے گھر رہی۔ اس دوران اس کے پیر کا ورم ختم ہو گیا تھا لیکن چلنے میں اب بھی تھوڑی بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ کالج سے اس نے ایک ہفتے کی چھٹیاں لے رکھی تھیں۔ اس روز آخری چھٹی تھی۔ اگلے روز اسے کالج جانا تھا۔ ثمینہ نے اس روز اچانک ہی اپنے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"کیا ہوا.... یہ پیکنگ کیوں کر رہی ہو؟" نائلہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنے گھر جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کیا یہ تمہارا اپنا گھر نہیں ہے؟" نائلہ نے اسے گھورا۔

"یہ احساس نہ ہوتا تو اتنے دن یہاں آ کر کیوں رہ لیتی۔" ثمینہ نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے میں نے ڈیڈی کو خط لکھا ہے۔ وہ ایک دو دن میں آنے ہی والے ہوں گے۔ گھر پر تالا دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے' چلو.... تم بھی آج میرے ساتھ چلو۔ صبح وہاں سے اکٹھی ہی کالج چلی جائیں گی۔"

"چلو.... یونہی سہی۔ میں امی سے کہہ دوں۔" نائلہ نے کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "لیکن اگر

تمہارا وہ چاہنے والا وہاں پہنچ گیا تو؟"

"تو میں اس سے نمٹ لوں گی۔" ثمینہ بولی۔ "ایسی صورت میں مجھے مزید انتظار کرنے کی بجائے پولیس کے پاس جانا ہی پڑے گا۔"

ثمینہ اپنی چیزیں پیک کرتی رہی اور نائلہ اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی کمرے میں آ کر اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ ماں نے اسے ثمینہ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی۔

شام کی چائے پی کر وہ چھ بجے کے لگ بھگ گھر سے نکلیں تو نائلہ کا چھوٹا بھائی ندیم بھی ان کے ساتھ تھا۔ ثمینہ کا بیگ ذرا وزنی تھا۔ وہ ندیم نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے دھوبی گھاٹ پہنچ گئے اور چند منٹ میں ثمینہ کے گھر پہنچ گئے۔

تقریباً بیس دن تک گھر بند رہا تھا ہر چیز پر دھول نظر آ رہی تھی۔ دو گھنٹے صفائی اور جھاڑ پونچھ میں لگ گئے۔ ثمینہ نے کچن کا جائزہ لیا۔ نائلہ کے ہاں جانے سے پہلے وہ فریج بھی بند کر گئی تھی۔ اس نے فریج آن کر دیا اور کچھ چیزیں منگوانے کے لئے ندیم کو پیسے دے کر بازار بھیج دیا۔

نائلہ' ثمینہ کی اسٹڈی ٹیبل صاف کر رہی تھی۔ اس نے شیلف سے بھی کتابیں نکال کر صاف کر دی تھیں۔ میز صاف کرتے ہوئے اس نے کونے میں پڑا ہوا تھیلا اٹھا کر کھولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک گئی۔ اس میں سوٹوں کے کپڑے' ڈرائی فروٹ اور بعض دوسری چیزوں کے علاوہ اوپر ہی سو سو روپے کے نوٹ بھی رکھے ہوئے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس پیسے فالتو ہو گئے ہیں۔ اس طرح لاپرواہی سے پھینکے ہوئے ہیں۔" نائلہ نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کچن سے نکل رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس تھیلے میں کچھ چیزوں کے علاوہ سو سو کے نوٹ بھی رکھے ہوئے ہیں۔" نائلہ نے کہا۔

"اوہ' وہ تھیلا۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیا۔ "اس کے بارے میں تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گئی تھی۔" وہ بتانے لگی کہ یہ تھیلا شارق ہی نے لاہور سے بھیجا تھا اور اس کے بعد ہی وہ اپنا گھر چھوڑ کر نائلہ کے گھر منتقل ہوئی تھی۔

نائلہ نے تھیلے میں سے تمام چیزیں نکال لیں۔ اس نے کپڑا کھول کر دیکھا۔

"اس کم بخت کا ذوق تو بہت عمدہ ہے۔" اس نے کپڑا تہہ کر کے دوبارہ تھیلے میں رکھ دیا اور پستے اور بادام کی تھیلیاں کھولنے لگی۔ "یہ تو کھاؤ..... کھانے پینے کی چیزوں سے انکار کفران نعمت ہے۔" وہ ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے پستہ چھیل کر کھانے لگی۔

aazzamm@yahoo.com

کچھ دیر بعد ندیم بھی سودا سلف لے کر آ گیا۔ ثمینہ نے تمام چیزیں سنبھال کر رکھیں اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

ندیم رات کا کھانا کھانے کے بعد چلا گیا۔ نائلہ اور ثمینہ کھانے کے بعد دیر تک جاگتی اور باتیں کرتی رہیں۔ کھانے سے تھوڑی دیر پہلے گورایہ کی بیوی اور سامنے والی پڑوسن آسیہ بھی آ گئی تھیں۔ ثمینہ جب نائلہ کے ہاں گئی تھی تو وہ گورایہ کی بیوی کو بتا کر گئی تھی۔

صبح وہ دونوں کالج چلی گئیں۔ چھٹی کے بعد نائلہ تو اپنے گھر چلی گئی اور ثمینہ اپنے گھر آ گئی۔ اسے گھر آئے ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے موٹر مکینک یوسف کو دیکھ کر اس کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ یوسف کو اس کے گھر کا پتہ کیسے چلا تھا۔

"کیا بات ہے' یہاں کیوں آئے ہو؟" ثمینہ نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا جی۔ اس روز آپ کے پیر میں تکلیف تھی۔ آپ کئی روز کالج بھی نہیں گئیں۔" یوسف نے جواب دیا۔ اس وقت وہ سیاہ پتلون اور سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شیو بنا ہوا تھا اور بال بھی سنورے ہوئے تھے۔ لگتا تھا جیسے وہ خاص طور پر تیار ہو کر یہاں آیا ہو۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مگر تمہیں میرے گھر کا پتہ کس نے بتایا ہے؟" ثمینہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"آج صبح شمائلہ کو کالج چھوڑنے گیا تھا تو آپ کو دیکھا تھا۔ میں چھٹی کے وقت دور کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ پھر تانگے کا پیچھا کرتے ہوئے میں نے آپ کا گھر دیکھ لیا۔" یوسف نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"تم میری خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو اور سنو! آئندہ یہاں مت آنا۔" ثمینہ نے کہا۔

"آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی جی۔" یوسف نے کہا۔

"کہو.... کیا بات ہے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"وہ جی.... یہاں باہر کھڑے ہو کر تو بات نہیں ہو سکتی نا۔" یوسف نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ "بات ایسی ہے کہ گلی میں کھڑے ہو کر نہیں کی جا سکتی۔ آپ مجھے اندر آنے کے لئے بھی نہیں کہیں گی۔"

ثمینہ نے چند لمحے سوچا پھر اسے اندر بلا لیا۔ اس کے اندر آنے کے بعد ثمینہ نے دروازہ کھلا

ہی چھوڑ دیا تھا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ اس روز آپ کے آنے کے بعد میں نے تکئے کے ایک ملنگ سے بات کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ آپ کسی آدمی کے ساتھ دوپہر کو وہاں آئی تھیں اور سارا دن وہاں رہی تھیں پھر شام کو جب پولیس کا چھاپہ پڑا تو آپ وہاں سے بھاگی تھیں۔" یوسف نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ثمینہ کو سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ ویسے یوسف کو دیکھتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا تھا اب اس کی بات سن کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

"کیا صرف یہی بتانے کے لئے آئے تھے؟" اس نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"باتیں تو بہت سی ہیں جی لیکن میں مختصر سی بات کروں گا۔" یوسف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس روز اس آدمی کے ساتھ نولکھا کے مکان میں کیا کرتی رہی ہیں لیکن یہ تو آپ جانتی ہیں کہ وہ منشیات کا بدنام اڈہ ہے۔ کوئی شریف عورت اس طرف جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ تو کالج کی پروفیسر ہیں۔ لڑکیوں کو پڑھاتی ہیں میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ اس آدمی کے ساتھ اس مکان میں کیا کرتی رہی ہیں لیکن...."

یوسف خاموش ہو کر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ شرم کے مارے ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور دماغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔ اس کے پاس یوسف کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ وہ ایک آدمی کے ساتھ دن بھر منشیات کے اڈے میں کیوں رہی تھی۔

"اب آپ خود ہی سوچیں نا جی۔" یوسف کہہ رہا تھا۔ "اگر آپ کے کالج میں یہ پتہ چل جائے کہ آپ کے تعلقات بدنام منشیات فروشوں سے ہیں تو کالج کی پرنسپل اور دوسری پروفیسرز آپ کے بارے میں کیا سوچیں گی۔ اس محلے میں بھی آپ کی عزت ہو گی لیکن یہ لوگ بھی آپ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے مردہ لہجے میں پوچھا۔

"جب صورت حال ایسی ہو تو اگلے کی زبان بند رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے۔" یوسف نے کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

aazzamm@yahoo.com

"آپ جوان ہیں' حسین ہیں۔" یوسف اسے اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولا۔ ثمینہ کو اس کی نظریں لباس چیر کر اندر تک جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ آپ مجھے خوش کر کے میرا منہ بند کر سکتی ہیں۔"

"کمینہ..... بے غیرت....." ثمینہ دل ہی دل میں بولی۔ وہ اسے طوائف سمجھ کر آیا تھا' جو مطالبہ سنتے ہی اپنے آپ کو اس کی سپردگی میں دے دے گی۔

"دیکھو مسٹر یوسف۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں ایک شریف عورت ہوں تم نے میرے بارے میں جو کچھ بھی سوچا ہے' وہ غلط ہے۔"

"کیا یہ غلط ہے کہ تم دوپہر سے رات آٹھ بجے تک ایک آدمی کے ساتھ نولکھا کے کمرے میں رہی ہو۔ کیا تم وہاں نماز پڑھنے گئی تھیں۔" یوسف کے لہجے میں سختی آ گئی وہ ایک دم آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔ "اس محلے کے لوگوں کو اور تمہارے کالج میں پتہ چل جائے تو تمہیں کھڑے کھڑے نکال دیا جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ کیا تم اس قابل ہو کہ ہماری بچیوں کو تعلیم دے سکو۔ کیا تم شریف لوگوں میں رہ سکتی ہو۔ تمہاری جگہ یہ نہیں' گول بازار ہے۔"

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو یوسف' میں قسم کھاتی ہوں کہ میں...."

"رہنے دو یہ باتیں۔" یوسف نے اچانک ہی آگے بڑھ کر اس کی دونوں بانہیں پکڑ لیں۔

"چھوڑ دو مجھے.... میں شور مچا دوں گی۔" ثمینہ روہانسی آواز میں بولی۔

"شور مچا دو تو محلے والوں کو ابھی تمہارے سیاہ کارناموں کا پتہ چل جائے گا۔" یوسف نے اسے بانہوں سے جھنجھوڑ کر چھوڑ دیا۔ "تکئے کے وہ تمام ملنگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ تم بدکردار ہو اور شریفوں میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔ اس وقت میں تمہیں ایک شرط پر چھوڑ سکتا ہوں۔"

"وہ..... وہ کیا؟" ثمینہ خوفزدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے اس وقت پانچ ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ ابھی اور اسی وقت..... اگر نقد رقم نہ ہو تو کوئی نہ کوئی زیور تو تمہارے پاس موجود ہو گا۔" یوسف بولا۔

"مم.... میرے پاس رقم ہے...." ثمینہ جلدی سے بولی۔ "میں تمہیں پانچ ہزار روپے دے دیتی ہوں۔ خدا کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے میز پر پڑے ہوئے تھیلے میں سے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "گن لو' پورے پانچ ہزار ہیں۔"

"اتنا تو میں تم پر اعتبار کر سکتا ہوں کہ رقم پوری ہو گی۔" یوسف کے ہونٹوں پر مکروہ سی

مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے نوٹ پتلون کی جیب میں ٹھونس لئے۔ "اس وقت میں جا رہا ہوں۔ کل رات کو آؤں گا تمہارا مہمان بن کر..... سمجھ گئیں؟"

وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ ثمینہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ باہر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی اور دھڑ سے کرسی پر گر گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد سامنے والی پڑوسن آسیہ کی بیٹی اندر آ گئی۔

"ارے آنٹی' آپ رو رہی ہیں۔" وہ اس کے قریب رک کر بولی۔

"سر میں بہت شدید درد ہو رہا ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔" لڑکی کہتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔

ثمینہ نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ رو لینے سے اس کے دل کا غبار کچھ ہلکا ہو گیا تھا لیکن دماغ پر ہتھوڑے اب بھی برس رہے تھے۔ دو ٹکے کا کمینک اسے بدکردار اور آوارگی کا طعنہ دے کر گیا تھا۔ وہ اس کی نظروں میں طوائف تھی۔ آوارہ' بدچلن.... غنڈوں اور بدمعاشوں کے ڈیرے پر کئی گھنٹے گزارنے والی عورت کس طرح شریف ہو سکتی ہے؟

وہ چاروں طرف سے پھنس گئی تھی۔ فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شارق کے بارے میں اس نے نائلہ سے جو پروگرام بنایا تھا وہ بھی تلپٹ ہو گیا تھا۔ اب ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور یہ فتنہ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ یوسف اسے آوارہ اور بدچلن سمجھ کر بہتی گنگا سے ہاتھ دھونے آیا تھا۔ آج تو وہ پانچ ہزار روپے لے کر ٹل گیا تھا لیکن اس کی عزت سے کھیلنے کے لئے ایک دن کی مہلت دے گیا تھا۔ بلیک میلروں کے بارے میں اس نے کتابوں میں بھی بہت کچھ پڑھا تھا اور اس موضوع پر فلمیں بھی دیکھی تھیں۔ ان کے مطالبے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ یہ اپنے شکار کو قبر تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ اتفاق سے اس کے پاس پانچ ہزار کی وہ رقم موجود تھی جو شارق نے بھیجی تھی۔ اس نے وہی رقم اٹھا کر اس بلیک میلر کو دے دی تھی۔ کل وہ دوسرا مطالبہ لے کر آئے گا اور پھر وہ کبھی انکار نہیں کر سکے گی۔ دنیا والوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے سے بچنے کے لئے وہ اس کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہے گی۔

آسیہ کی بیٹی چائے بنا کر لے آئی۔

"بیٹھو پنکی۔" اس نے لڑکی کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔ اس کی عمر پندرہ سال تھی اور وہ نویں کلاس کی طالبہ تھی۔ کبھی کبھی پڑھنے کے لئے اس کے پاس آ جاتی تھی۔ "کیسے آئی ہو؟"

aazzamm@yahoo.com

"ایسے ہی آ گئی تھی۔" پنکی نے جواب دیا۔ "آپ بہت دنوں سے یہاں نہیں تھیں نا۔ آج ملنے کو دل چاہا تھا میں چلی آئی۔"

"تمہاری پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"بس ٹھیک ہی ہے آنٹی۔" پنکی نے جواب دیا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک ثمینہ کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر چلی گئی۔ پنکی کی باتوں سے ثمینہ کی توجہ بٹ گئی تھی لیکن اس کے جاتے ہی چبھتے ہوئے خیالات نے اس کے ذہن پر یلغار کر دی۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اس نئے فتنے کا سر کچلنے کے لئے اس نے ایک اور داؤ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے سامنے صرف یہی ایک راستہ تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ گھر سے نکل گئی۔ اس وقت اس نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ سڑک پر آتے ہی اسے رکشہ مل گیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بلو سائیں کے تکیے والے قبرستان سے ملحق سڑک پر دیوار کے قریب کھڑی دوسری طرف جھانک رہی تھی۔ ایک ملنگ نے اسے دیکھ لیا اور وہ فوراً ہی چبوترے سے اٹھ کر دیوار کے قریب آ گیا۔

"کتنا مال چاہئے؟" ملنگ نے پوچھا۔

"مجھے مال نہیں چاہئے۔ نولکھا کو یہاں بھیجو۔ جلدی کرو۔" ثمینہ بولی۔ ملنگ واپس چلا گیا۔

چند منٹ بعد نولکھا اس کے سامنے موجود تھا۔

"تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ میں اور شارق باؤ آٹھ دن سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

"شارق کہاں ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"اس نے طارق آباد میں مکان لے لیا ہے۔ اس وقت وہیں ہو گا۔ کہو تو میں کسی کو بھیج دوں تمہارے ساتھ۔" نولکھا بولا۔

"اس وقت میں جلدی میں ہوں۔ یہاں کھڑے کھڑے بات نہیں کر سکتی۔ میرے ساتھ چلتے رہو۔" ثمینہ کہتے ہوئے پچھلی سمت بنگلوں کے درمیان والی گلی کی طرف مڑ گئی۔

"خیر تو ہے۔ بہت گھبرائی ہوئی ہو؟" نولکھا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"حکم کرو سوہنیو۔ میں یہاں کس لئے بیٹھا ہوں۔" نولکھا بولا۔

ثمینہ چند لمحے خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی پھر اس روز کے فرار اور یوسف سے

ملاقات کے بارے میں بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"وہ آج دوپہر میرے گھر آیا تھا۔ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ آج وہ مجھ سے پانچ ہزار روپے لے گیا ہے۔ کل پھر آئے گا اپنے گندے عزائم پورے کرنے کے لئے۔"

"اس کی یہ ہمت کہ شارق باؤ کی عزت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ سکے۔" نولکھا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "ہم غنڈے اور بدمعاش ضرور ہیں لیکن ماں بہن کی عزت بچانا جانتے ہیں۔ تم اطمینان سے گھر جاؤ ثمینہ بی بی۔ صبح تمہیں یوسف کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ وہ اب کبھی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے لاری اڈے والی سڑک پر آ گئے تھے۔ نولکھا نے اسے کچہری بازار کی طرف جانے والے تانگے پر بٹھا دیا اور خود واپس چلا گیا۔

ثمینہ کو اس رات بہرحال نیند نہیں آ سکی تھی۔ وہ صرف دو تین گھنٹے ہی سو سکی تھی، صبح جب اٹھی تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ تیار ہو کر کالج چلی گئی۔ اس روز اس کا پیریڈ سیکنڈ ایئر کی کلاس میں تھا جہاں یوسف مکینک کی بہن شمائلہ تھی۔ اس نے داخل ہو کر کلاس میں تمام لڑکیوں کو دیکھا مگر شمائلہ نظر نہیں آئی۔

"شمائلہ کہاں ہے؟ وہ آج نہیں آئی کیا؟" ثمینہ نے ایک لڑکی سے پوچھا۔

"مس!" ایک لڑکی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ شمائلہ ہی کے محلے میں رہتی تھی۔ "شمائلہ کے بھائی کو کل رات کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اس لئے شمائلہ نہیں آئی۔"

ثمینہ میز کے قریب کھڑی تھی۔ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گری اور وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی اس لڑکی کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

○

لاہور میں شارق کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ گوالمنڈی میں مولوی حمید کو ماجھا گجر کے آدمیوں کے مقابلے میں اٹھانے سے براہ راست ماجھا گجر سے ٹھن گئی تھی۔ لیکن شارق ڈرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ دو تین دن میں اس نے شہر کے مختلف علاقوں میں اس کے تین چار بڑے گاہک توڑ لئے تھے۔ اپنے علاقے کی پولیس سے بھی اس کا معاملہ طے ہو گیا تھا اس لئے وہ کچھ اور بھی بے خوف ہو گیا تھا۔

اس نے کئی مرتبہ گھر جانے کے لئے سوچا تھا لیکن ان گمبھیر معاملات کی وجہ سے وہ ایک گھنٹے کے لئے بھی گھر نہیں جا سکا تھا اور نہ ہی سہیل سے ملاقات ہو پائی تھی۔ اسی دوران اسے یہ اطلاع بھی مل گئی کہ فیصل آباد کا گاہک صادق، ماجھا گجر کے جال میں آ گیا تھا اور اس نے چھانگا کے

aazzamm@yahoo.com

گروہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس سے اگلے ہی دن شارق کی ملاقات نولکھا سے ہو گئی جو فیصل آباد سے آیا ہوا تھا۔ وہ ماجھا گجر کا آدمی تھا لیکن شارق نے بڑی خوبصورتی سے اسے توڑ لیا اسے یقین دلا دیا کہ وہ اسے فیصل آباد میں زیر زمین دنیا کا سب سے بڑا آدمی بنا دے گا۔ اس نے آدھا کلو ہیروئن نولکھا کو تحفے میں دے دی تھی۔ نولکھا اتنا قیمتی تحفہ پا کر کتے کی طرح اس کے پیر چاٹنے لگا تھا۔ شارق نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ فیصل آباد میں بھی ماجھا گجر کے آدمی کے مقابلے میں نولکھا کو اٹھائے گا۔ شارق نے نولکھا ہی کے ہاتھ ثمینہ کے لئے تحائف بھی بھیجے تھے اور اس نے نولکھا کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ ثمینہ کا خیال رکھے اور اگر ثمینہ کو کوئی پریشانی ہو تو وہ اس کی مدد کرے۔

لاہور آنے کے بعد شارق ایک لمحہ کو بھی ثمینہ کو نہیں بھولا تھا۔ حالانکہ لاہور میں اس کی مصروفیت بہت زیادہ تھی لیکن اس روز وہ فیصل آباد چلا آیا تھا۔ ثمینہ کے مکان پر تالا دیکھ کر اسے زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید وہ بازار یا کسی سہیلی کے گھر گئی ہو گی۔ اس نے پڑوس میں گورایہ کے گھر سے دریافت کیا تو اسے پتہ چلا کہ وہ اپنی کسی دوست کے ہاں رہنے کے لئے گئی ہوئی ہے۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی شارق گرلز کالج کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے داڑھی صاف کروا لی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ ثمینہ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور وہ اس سے بچنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کالج کے گیٹ میں گھس گئی تھی اور پھر وہ چھٹی سے پہلے ہی کالج کے پچھلے گیٹ سے نکلی تھی۔ شارق اتفاق سے اسی طرف گھوم رہا تھا۔ اس نے نیلے پولکا ڈاٹس والی چادر سے اسے پہچان لیا تھا اور وہ بھی تانگے پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ اسے بلو سائیں کے تکیے پر نولکھا کے ڈیرے پر لے آیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ ثمینہ کو لے جاتا۔

ثمینہ کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس سے سخت ناراض تھی۔ خود شارق کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اس کی وجہ سے ثمینہ کو واقعی بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ثمینہ دو سال سے اس مکان میں رہ رہی تھی۔ اس دوران اس کے والد' بھائی اور ایک آدھ مرتبہ والدہ کے علاوہ اس کا کوئی رشتے دار اس سے ملنے کے لئے وہاں نہیں آیا تھا اور پھر اچانک وہ اس کے کزن کی صورت میں وہاں آن ٹپکا۔ اس سے پہلے پولیس کا چکر چل چکا تھا۔ یہ سب چیزیں محلے والوں کو ثمینہ کے بارے میں مشکوک کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ اس لئے شارق نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کہیں اور مکان لے کر ثمینہ کو وہاں منتقل کر دے گا۔ لیکن ثمینہ شدید غصے میں

تھی۔ وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔ اور پھر اس شام بلو سائیں کے تکیے پر پولیس کے چھاپے نے مزید کام خراب کر دیا تھا۔

نولکھا سے چھاپے کی اطلاع پا کر شارق صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مکان سے باہر نکلا اور چند منٹ بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں آیا تو ثمینہ غائب تھی۔ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے جھانک کر باہر دیکھا لیکن ثمینہ کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ قبرستان کی عقبی دیوار پھاند کر بھاگ گئی تھی۔

پولیس کے چھاپے کے وقت دو ملنگ ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ البتہ دو پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ ان دونوں سے پڑیوں کی صورت میں تقریباً دو سو گرام ہیروئن برآمد ہوئی تھی۔ نولکھا بھی پکڑا گیا تھا لیکن اس کے قبضے سے یا اس کے مکان سے کچھ بھی برآمد نہیں ہوا تھا۔ نولکھا اتنا بے وقوف نہیں تھا اپنا مال مکان میں رکھتا۔ اس نے اپنا مال قبرستان کی مختلف ٹوٹی ہوئی قبروں میں چھپا دیا تھا۔ پولیس نے ثمینہ کا رجسٹر اور کتابیں بھی اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ ان کے بارے میں پوچھنے پر نولکھا نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے بھی پولیس کو یہی بتایا تھا کہ آج دوپہر وہ تانگے پر آ رہا تھا کہ یہ رجسٹر اور کتابیں اسے تانگے کی سیٹ پر پڑی ہوئی ملیں۔ وہ کوئی بی بی تانگے سے اترتے ہوئے بھول گئی تھی۔

پولیس نے شارق کو بھی پکڑ لیا تھا۔ نولکھا نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ لاہور کے کسی سرکاری محکمہ میں ملازم ہے' اسکا دوست ہے۔ اس سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ شارق کو بھی پولیس کے ساتھ تھانے تو جانا ہی پڑا تھا مگر وہ سب لوگ ایک گھنٹے سے زیادہ تھانے میں نہیں رہ سکے تھے۔ نولکھا نے تھانیدار سے مک مکا کر لیا تھا۔ پولیس اور جرائم پیشہ لوگوں کے درمیان یہ ڈرامے ہوتے ہی رہتے تھے اور ہمیشہ مک مکا کے ذریعے معاملہ ختم ہو جاتا تھا۔ نولکھا اور اسکے آدمیوں نے ایک گھنٹے بعد پھر بلو سائیں کے تکیے پر اپنا دھندہ شروع کر دیا تھا۔

شارق ثمینہ کے لئے پریشان تھا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ موقع پا کر بھاگ گئی تھی لیکن اسے کزن اس دوست کے گھر کا پتہ نہیں معلوم تھا کہ وہ وہاں جا کر اس کے بارے میں معلوم کرتا۔ تین دن تک کالج کے چکر بھی لگاتا رہا لیکن ثمینہ کالج بھی نہیں آ رہی تھی۔ شارق کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ شارق کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ پولیس اس کا رجسٹر اور کاپیوں کی وجہ سے ثمینہ کو تنگ نہ کرے۔

شارق کو یہ بھی یقین تھا کہ پولیس کے چھاپے کی وجہ سے ثمینہ کے دل میں اس کے خلاف نفرت اور بڑھ گئی ہو گی۔ شارق کو احساس تھا کہ وہ ثمینہ کے معاملے میں غلطی پر غلطی کرتا چلا گیا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ سلمان کو ٹھکانے لگانے کے لئے اس نے ثمینہ کو ساتھ لے جا کر پہلی بڑی غلطی کی تھی۔ دوسری غلطی اس نے ثمینہ کو نولکھا کے ڈیرے پر لا کر کی تھی۔ اگر اس روز ثمینہ پولیس کے ہاتھ آ جاتی تو وہ پورے شہر میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاتی۔ اور اس کی ساری ذمے داری اسی پر ہوتی۔

شارق اگرچہ یہاں صرف ایک دو دن کے لئے آیا تھا لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ثمینہ کا مسئلہ حل کئے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ وہ ثمینہ کا خیال دل سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ثمینہ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو چکی تھی اور وہ اس کی بدگمانی دور کئے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ثمینہ کے دل میں بھی اس کے لئے چاہت موجود تھی۔ اگر چاہت نہ ہوتی تو وہ پولیس سے اصل بات کیوں چھپاتی۔ اس روز اس نے تلخ اور جلی کٹی باتیں ضرور کی تھیں لیکن اس کی وجہ وہ حالات تھے جن سے وہ پریشان ہو چکی تھی۔ اگر اس کے دل میں لگن نہ ہوتی تو وہ لاکھ دھمکیوں کے باوجود اس کے ساتھ نہ آتی۔

دو تین دن کی بھاگ دوڑ کے بعد شارق نے طارق آباد میں ایک کوٹھی کرائے پر لے لی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ ثمینہ کو اس مکان سے نکال کر اس کوٹھی میں لے آئے گا۔ اس نے کوٹھی میں ضروری سامان بھی سجا دیا تھا۔ ایک بیڈ روم اس نے ثمینہ کے لئے آراستہ کیا تھا۔ آرام دہ میٹریس کا خوبصورت بیڈ' الماری' ڈریسنگ ٹیبل اور ضرورت کی ہر چیز اس کمرے میں سجا دی گئی تھی۔ اپنے بیڈ روم کے علاوہ اس نے ڈرائنگ روم بھی سجا دیا تھا۔ کمرے میں قالین شاندار صوفے اور خوبصورت ڈیکوریشن پیس سجائے گئے تھے۔ ان تمام انتظامات پر اس کے ہزاروں روپے اٹھ گئے تھے۔ اس کوٹھی میں سب سے بڑی سہولت کی بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ ٹیلی فون کی ایک ایکس ٹینشن اس نے ثمینہ والے کمرے میں بھی لگا دی تھی۔

کھانا وغیرہ وہ ہوٹل ہی میں جا کر کھاتا تھا لیکن چائے بنانے کا بندوبست اس نے گھر ہی میں رکھا تھا۔ اس روز بھی شام کو اس نے چائے بنائی اور لان میں آ کر بیٹھ گیا۔ چھوٹے سے لان میں گھاس بڑی دبیز تھی۔ چاروں طرف کیاریوں میں پھولوں کے پودے تھے۔ شارق کو یہاں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا اس نے لان کی بتی بھی نہیں جلائی تھی۔ پودوں' گھاس اور اندھیرے کی وجہ سے مچھروں نے اس پر یلغار کر رکھی تھی۔ وہ گارڈن چیئر پر بیٹھا ثمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اندر سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے یہاں کا فون نمبر صرف نولکھا کو دیا تھا۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا یہاں کئی فون آ چکے تھے۔ اور وہ سب اس کوٹھی میں رہنے والے پہلے کرائے داروں کے لئے تھے۔ شارق کا خیال تھا کہ اب بھی کوئی ایسی ہی کال ہو گی وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی

تھی۔ اس نے قریب پہنچ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"نولکھا بول رہا ہوں شارق باؤ۔" اسے ہیلو کے جواب میں ریسیور پر نولکھا کی آواز سنائی دی۔

"خیریت؟ کیا بات ہے نولکھا؟" شارق نے چونک کر پوچھا۔

"وہ آئی تھی ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"کب.... کس وقت؟" شارق نے جلدی سے پوچھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ثمینہ کے آنے کا مطلب یہ تھا کہ شارق کی طرف سے اس کا دل صاف ہو رہا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے۔ اس نے بڑی تشویش ناک بات بتائی ہے شارق باؤ۔ میں فون پر بات نہیں کر سکتا۔ تم میرے ڈیرے پر آ جاؤ۔" نولکھا نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آ رہا ہوں۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

شارق کی آنکھوں میں بھی تشویش ابھر آئی تھی۔ نولکھا کی ادھوری اطلاع نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیا ثمینہ پھر کسی مصیبت میں پھنس گئی تھی؟ منشیات کے اڈے سے اس کا رجسٹر اور کتابیں برآمد ہونے کی وجہ سے پولیس تو اس تک نہیں پہنچ گئی تھی' یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا.... باہر نکل کر گیٹ کو تالا لگایا اور چابیوں کا گچھا ہاتھ میں لئے سڑک کی طرف آ گیا۔

یہ سڑک پہلے بہت مصروف رہا کرتی تھی۔ سارا ٹریفک اسی طرف سے گزرتا تھا۔ آگے ریلوے پھاٹک تھا۔ ٹرینوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بار بار ریلوے پھاٹک بند رہتا تھا جس سے ٹریفک کے مسائل پیدا ہو جاتے اور آئے دن حادثے بھی ہوتے رہتے تھے لیکن اوورہیڈ برج بن جانے سے یہ مسائل حل ہو گئے تھے۔ ریلوے اسٹیشن کی طرف سے جی ٹی ایس کے اڈے کے قریب سے شروع ہونے والا یہ پل دوسری طرف عبداللہ پور تک چلا گیا تھا۔ اسی پل کی وجہ سے نچلی سڑک پر ٹریفک تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ اب اس طرف صرف وہی گاڑیاں آتیں جنہیں صرف طارق آباد تک آنا ہوتا۔

لاری اڈہ وہاں سے پیدل دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا لیکن شارق ایک رکشے پر بیٹھ گیا۔ وہ جلد سے جلد وہاں پہنچ کر نولکھا سے صورت حال جاننا چاہتا تھا۔

نولکھا بلو سائیں کے تکئے پر چبوترے پر موجود تھا وہ شارق کو لے کر مزار کے پیچھے مکان میں آ گیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" شارق نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ "کیا کہا تھا ثمینہ نے؟"

"ثمینہ بی بی اس رات یہاں سے تو خیریت سے نکل گئی تھیں لیکن وہ ایک اور مسئلے میں الجھ

aazzamm@yahoo.com

گئی ہے۔" نولکھا نے کہا اور پھر اسے پوری بات بتانے لگا۔

"یوسف کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔ اس کا چہرہ غصے سے ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"قبرستان کی دیوار کے دوسری طرف پہلا ورکشاپ اسی کا ہے۔" نولکھا نے کھڑکی سے اشارہ کیا۔

"اس موٹر مکینک کی یہ ہمت۔ میں ابھی اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"گرم جوشی سے کام بگڑ جائے گا شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تسلی رکھو.... آج ہی اس سے نمٹ لیں گے۔ تم آرام سے بیٹھو یہاں۔ میں چائے منگواتا ہوں.... اس مکینک کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔"

نولکھا کمرے سے نکل گیا۔ اس نے ایک ملنگ کو بھیج کر ہوٹل سے چائے منگوائی اور پھر اس ملنگ کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ ملنگ کمرے سے نکل کر قبروں میں چلتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا اور ایک جگہ چھپ کر دیوار کے دوسری طرف یوسف کے ورکشاپ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں تاریکی ہونے کی وجہ سے وہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ تھا۔ شارق اور نولکھا کمرے میں بیٹھے بار بار کھڑکی سے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ دس بجے کے قریب وہ ملنگ دوڑتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا اور اندر جھانکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"تمام ورکشاپ بند ہو چکے ہیں۔ یوسف کے سارے شاگرد بھی جا چکے ہیں۔ وہ اپنی دکان کے اندر گیا ہے۔ شاید کپڑے تبدیل کر رہا ہے کچھ دیر بعد وہ بھی چلا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے' تم ٹکنے پر جاؤ۔" نولکھا نے کہا۔

ملنگ کے جاتے ہی شارق اور نولکھا کمرے سے نکل آئے اور درختوں کے نیچے قبروں میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے عقبی دیوار کی طرف چلنے لگے۔ دیوار کے قریب رک کر انہوں نے دوسری طرف جھانکا تمام ورکشاپ بند ہو چکے تھے۔ بالکل آخر میں ایک ورکشاپ کھلا ہوا تھا وہاں دو آدمی بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان کے رخ دوسری طرف تھے۔ یوسف کے ورکشاپ کے سامنے بتی جل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد بتی بجھ گئی اور یوسف دکان سے نکل کر دروازہ بند کرنے لگا۔ شارق اور نولکھا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بڑی آہستگی سے دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے یوسف کے قریب پہنچ گئے جو اس وقت دروازے کو تالا لگا رہا تھا۔ یوسف تالا لگا کر جیسے ہی مڑا ان دونوں کو دیکھ کر چونک گیا۔ تاریکی کی وجہ سے پہلے تو وہ ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکا تھا پھر نولکھا کو اس نے پہچان لیا۔

"نولکھا استاد.... خیر تو ہے؟" وہ بولا۔

"ہاں' خیر ہی ہے۔ تم سے ذرا دو باتیں کرنی ہیں۔" نولکھا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے کمانی دار چاقو نکال لیا۔ بٹن دباتے ہی کھٹ سے چاقو کا پھل باہر آ گیا۔

"کک.... کیا بات ہے نولکھا استاد.... یہ.... یہ چاقو...." یوسف ہکلا کر رہ گیا۔ چاقو دیکھ کر اس کا چہرہ یک دم دھواں ہو گیا تھا۔

"تم تو بڑے بزدل نکلے۔ چاقو دیکھ کر ڈر گئے۔ حالانکہ بلیک میلر تو بڑے جگر والے ہوتے ہیں۔" نولکھا نے چاقو اس کے چہرے کے سامنے لہرایا۔

"مم.... میں نے کیا کیا ہے نولکھا استاد۔" یوسف خوف سے کانپنے لگا۔

"میں تو تمہیں بہت شریف آدمی سمجھتا تھا۔ تم تو بلیک میلر نکلے۔" نولکھا بولا۔ "اپنی بہن کی استانی کو بلیک میل کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی بے غیرتا۔ اس سے پانچ ہزار روپے بھی لے آئے ہو اور کوئی اور دھمکی بھی دی تھی تم نے اسے۔ آؤ نا ذرا ہمارے ساتھ۔"

"غلطی ہو گئی نولکھا استاد۔ میں رقم واپس کر دیتا ہوں۔" یوسف تھر تھر کانپ رہا تھا۔

شارق نے اسے گردن سے دبوچ لیا۔

"اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو زندہ نہیں بچو گے۔" شارق غرایا۔

وہ دونوں یوسف کو لے کر وہاں کھڑی ہوئی ایک ایسی بس میں گھس گئے جس کا انجن مرمت کے لئے نکالا ہوا تھا۔ اس طرف بھی اندھیرا ہی تھا۔ چند گز کے فاصلے پر لاری اڈے میں مچھلی مارکیٹ کا سا منظر تھا۔ اس طرف سینکڑوں لوگ جمع تھے لیکن کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تاریکی میں کھڑی ہوئی ایک زیر مرمت بس میں کیا ہو رہا ہے۔

شارق نے یوسف کو دھکا دے کر ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک زور دار گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ یوسف کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکرا گیا۔ وہ گھگھیا رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بار بار معافی مانگ رہا تھا۔

"آواز نہ نکلے تمہارے منہ سے۔ گلا گھونٹ دوں گا۔" شارق غرایا۔

"اوئے بے غیرتا۔" نولکھا نے اس کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ "ہم غنڈے بدمعاش ہیں۔ ہیروئن اور چرس بیچتے ہیں۔ لوگ ہمارے نام پر تھوکتے ہیں۔ شریف لوگ ہمارے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں لیکن ہماری غیرت ابھی مری نہیں۔ ہمارے پاس بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں بھی آتی ہیں نشہ لینے کے لئے.... لیکن ہم نے کبھی کسی عورت کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ عورت کو تو ہم اپنی عزت سمجھتے ہیں چاہے وہ ہمارے گھر کی ہو یا کسی اور کے گھر کی'

aazzamm@yahoo.com

مگر تو تو بہت ہی بے غیرت نکلا۔ اسی عورت کو بلیک میل کرنے لگا جو تمہاری بہن کو تعلیم دے رہی ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا تھا وہ یہاں کس طرح آئی ہو گی۔ یہاں سے نکلتے دیکھ کر تم نے اسے آوارہ اور بدچلن سمجھ لیا۔ تمہیں تو ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہنا چاہئے۔"

"مجھے معاف کر دو نولکھا استاد... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" یوسف گڑگڑایا۔

"تم جیسے بے غیرت اور بے ضمیر کو اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔" نولکھا نے کہا پھر شارق کو اشارہ کیا۔

شارق نے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر یوسف کو سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے یوسف کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر جکڑ لئے تھے۔ یوسف کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر اچانک تیز دھار چاقو اس کے گلے پر پھیر دیا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے اس کا منہ دبا دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے منہ سے نکلنے والی بھیانک چیخ لوگوں کو اس طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

نولکھا نے دو تین جھٹکے دے کر چاقو کھینچ لیا۔ یوسف کی کٹی ہوئی شہ رگ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ شارق نے کچھ دیر تک ایک ہاتھ سے اس کے بال جکڑے رکھے اور دوسرے ہاتھ سے منہ دبائے رکھا پھر اس نے دونوں ہاتھ ہٹا لئے۔ یوسف دونوں سیٹوں کے درمیان ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے کٹے ہوئے نرخرے سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"چل شارق باؤ.... صبح لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے گا۔" نولکھا نے کہتے ہوئے ایک سیٹ کے کشن سے چاقو صاف کیا اور وہ دونوں بس سے اتر گئے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اس طرف اب بھی سناٹا تھا۔ وہ دونوں دیوار پھاند کر قبرستان میں آ گئے۔ کمرے میں پہنچ کر انہوں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا۔ نولکھا کے کرتے پر خون کا ایک دھبہ لگا تھا اور شارق کے ہاتھ خون آلود تھے۔ صحن میں ہینڈ پمپ پر انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ نولکھا نے کرتے کا دامن اور چاقو بھی دھو لیا۔

"کیا آج کی رات تمہارا یہاں رہنا مناسب ہو گا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "صبح جب اس لاش کا پتہ چلے گا تو پولیس سب سے پہلے ہماری طرف ہی آئے گی۔ ایک دو دن مجھے یہاں سے غائب رہنا پڑے گا۔"

"میرے ساتھ چلو دو تین دن وہیں گزار لینا۔" شارق نے کہا۔

"چلو... تمہارے ساتھ ہی چلتے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

وہ دونوں باہر آ گئے۔ نولکھا نے کمرے کو تالا لگا دیا۔ تکئے پر آ کر وہ رک گئے۔ نولکھا نے

پردان ملنگوں کو جمع کر لیا۔

"تم تینوں دو دن کے لئے نشاط آباد والے تکئے پر چلے جاؤ اور تم...." اس نے چوتھے ملنگ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہیں رہو گے۔ میری بات غور سے سنو۔ میں کل مغرب سے پہلے لاہور چلا گیا تھا۔ میرا کوئی ملنے والا یہاں نہیں آیا تھا۔ اور رات کو لاری اڈے میں جو کچھ ہوا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں جانتا نولکھا استاد۔" اس ملنگ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم تینوں فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ جب تک میرا پیغام نہ ملے واپس مت آنا' سمجھ گئے؟ آؤ شارق باؤ چلیں۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے آخری الفاظ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

وہ دونوں قبرستان سے نکل کر بنگلوں کے درمیان والی گلی میں گھس گئے۔ وہ لوگ کسی رکشہ یا تانگے پر بیٹھنے کے بجائے پیدل ہی چلتے ہوئے طارق آباد پہنچ گئے۔ نولکھا کو کوٹھی پر چھوڑنے کے بعد شارق ایک ہوٹل سے کھانا لینے کے لئے چلا گیا۔ نولکھا کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں تھا۔ اس وقت کے کچھ لوگ اسے یقیناً جانتے ہوں گے جبکہ بلو سائیں کے تکئے پر ملنگ کو ہدایت کی گئی تھی کہ اگر کوئی نولکھا کی بارے میں پوچھے تو یہی بتایا جائے کہ وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ اس دوران اگر اسے دیکھ لیا گیا تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد کھانا لے کر واپس پہنچا تو نولکھا ڈرائنگ روم میں قالین پر لیٹا ہوا تھا۔ صوفے کے ایک کشن کو تکئے کے طور پر اس نے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ شارق کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یار شارق باؤ۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ کوٹھی تو تم نے خوب سجائی ہے۔ جی چاہتا ہے میں بھی یہیں رہ جاؤں۔"

"تو رہ جاؤ.... تمہیں روکا کس نے ہے؟" شارق نے کہا وہ کچن میں جا کر پلیٹیں وغیرہ لے آیا اور ان میں کھانا نکالنے لگا۔

"نہیں یار۔" نولکھا بولا۔ "اپنی اوقات تو وہی ہے۔ بان کی کھردری چارپائی پر سونا اور تندور پر بیٹھ کر روٹی کھانا۔"

"تمہارے پاس پیسے کی کمی تو نہیں۔ اپنی رہائش کے لئے کوئی اچھا سا مکان کیوں نہیں لے لیتے۔ تندور پر بیٹھ کر روٹی کھانا اور بان کی کھردری چارپائی پر سونے کو اپنا مقدر کیوں بنا لیا ہے.... آؤ بیٹھو.... کھانا شروع کرو۔ باتیں ہوتی رہیں گی۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"میرا اپنا مکان ہے تو۔" نولکھا کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "وہ میں نے اپنی بہن کو دے دیا ہے۔ اس کا بندہ پیسے کے معاملے میں ذرا کمزور ہے۔ ایک مل میں کام کرتا ہے۔ تنخواہ میں بھلا کیا گزارہ ہوتا ہے۔ چار بچے بھی ہیں۔"

"تم نے شادی نہیں کی؟" شارق نے پوچھا۔

"کی تھی۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "وہ بھاگوان پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی فوت ہو گئی۔"

"بچہ کہاں ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک ہفتے بعد وہ بھی اپنی ماں کے پاس چلا گیا تھا۔ کوئی بچہ بھلا اپنی ماں کے بغیر رہ سکتا ہے۔ زندہ ہوتا تو آج سولہ سال کا ہوتا۔" نولکھا کی آواز بھرا گئی۔ "ان دونوں کی قبریں بھی وہیں ہیں جہاں میں نے ڈیرہ جما رکھا ہے۔"

ماحول کچھ سوگوار سا ہو گیا تھا۔ شارق نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

"میں نے بھی کیا اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کھانا کھا یار شارق باؤ.... یہ دکھ سکھ تو زندگی کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں۔ ان دکھوں کو جان کا روگ بنا لیا جائے تو زندگی نہیں گزرتی۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "انسان کو حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ ویسے تم ایسے گھناؤنے کاروبار میں کیسے آئے؟"

"بیوی اور بچے کی موت کے بعد غم بھلانے کے لئے میں نے نشہ شروع کر دیا تھا۔ چرس پیتا تھا۔ اس خانہ خراب نے تھوڑے ہی عرصے میں مجھے نچوڑ کر رکھ دیا۔ کوئی کام دھندہ بھی نہیں رہا تھا۔ جس آدمی سے میں نشہ خریدتا تھا اس نے مجھے اس راستے پر لگا دیا۔ میں ادھر ادھر گھوم کر چرس بیچتا کئی مرتبہ پکڑا گیا۔ لیکن میرا استاد ہر مرتبہ مجھے چھڑا لیتا۔ لیکن مجھے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے خود نشہ کرنا چھوڑ دیا۔ پھر چرس کی جگہ ہیروئن آ گئی۔ میرا استاد مر گیا۔ اس کی جگہ میں نے لے لی۔ اس بلو سائیں کے تکئے کو میں نے اپنا اڈہ بنا لیا۔ اس کام میں کمپی ٹیشن بہت ہے۔ ہر شخص دولت مند بننے کے چکر میں ہے۔ اس لاری اڈے پر دس بارہ آدمی یہ دھندہ کر رہے ہیں۔ وہ سب لوگ صادق سے مال لے کر آتے ہیں۔"

"فکر مت کرو.... چند روز بعد یہ سب لوگ تم سے ہی مال خریدیں گے اور تمہارے پاس اتنی دولت آئے گی کہ سنبھالے نہیں سنبھلے گی۔" شارق نے کہا۔

"میرا تو اس کام سے دل ہی ٹوٹ گیا تھا یار۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "اب تم آ گئے ہو تو

دیکھو کیا بنتا ہے۔"

"اور ہاں... یہ تو بتاؤ کہ ثمینہ نے کچھ اور بھی کہا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"میں نے اسے تمہارا ٹیلی فون نمبر دے دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تم اس کے پیچھے مت آنا۔ وہ خود ہی فون پر تم سے بات کرے گی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' میں اس کے فون کا انتظار کروں گا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد شارق نے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ دیئے اور دونوں ڈرائنگ روم میں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر نولکھا تو وہیں قالین پر لیٹ گیا اور شارق اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

شارق صبح دیر تک سوتا رہا۔ جب وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آیا تو نولکھا ڈرائنگ روم میں موجود نہیں تھا۔ شارق برآمدے میں آ گیا۔ نولکھا پائپ اٹھائے لان میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے بھی شارق کو دیکھ لیا۔

"تم سو رہے تھے۔ میں نے سوچا ان پودوں کی پیاس بجھا دی جائے۔" نولکھا نے کہا۔

شارق جواب دیئے بغیر واپس اندر چلا گیا۔ پہلے اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور پھر کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگا پھر اس نے نولکھا کو بھی بلا لیا۔

"تم تو دو تین دن میں میری عادت بگاڑ دو گے شارق باؤ۔" نولکھا نے میز پر انڈے' مکھن' جام اور ڈبل روٹی وغیرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"عادت اس طرح نہیں بگڑتی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ناشتے کے بعد وہ باتیں کرتے رہے۔ شارق نے الماری سے تاش نکال لی تھی۔ وہ تاش کھیلنے لگے۔ وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا۔ تقریباً تین بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو شارق نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس کے خیال میں یہ ثمینہ ہی کی کال ہو سکتی تھی۔ اس کا خیال درست نکلا۔ وہ ثمینہ ہی کی کال تھی۔ وہ شارق کی آواز سنتے ہی بولی۔

"یہ تم نے کیا کیا شارق؟"

"تمہاری طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھے اور میں اسے زندہ چھوڑ دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں فون پر تفصیل سے بات نہیں کر سکتی۔ کہاں مل سکتے ہو؟" ثمینہ نے کہا۔

"رکشہ پر بیٹھ کر طارق آباد آ جاؤ۔ جہاں سے طارق آباد کا پل شروع ہوتا ہے تمہیں وہیں سڑک پر کھڑا ملوں گا۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے' میں یہاں سے روانہ ہو رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

شارق نے بھی ریسیور رکھ دیا اور پھر پانچ منٹ بعد وہ گھر سے نکل کر سڑک پر اس جگہ آ گیا جہاں سے پل شروع ہوتا تھا۔ نیچے والی سڑک پر ایک کوٹھی کی دیوار کے ساتھ تین چار ٹھیلے کھڑے تھے۔ ان میں ایک ٹھیلا پھلوں کا بھی تھا۔ شارق ٹھیلے کے قریب کھڑے ہو کر کینو کھانے لگا۔ وہ اس طرف آنے والے ہر رکشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کوئی بھی رکشہ وہاں نہیں رکا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک رکشہ وہاں آ کر رکا۔ اس میں ثمینہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"رکشہ چھوڑ دو۔ گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" شارق نے کہا اور جیب سے پیسے نکال کر ڈرائیور کو دینے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ پیدل گھر کی طرف جا رہے تھے۔ کوٹھی تک پہنچنے میں انہیں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے نولکھا انہیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"یہ.....یہ تم لوگوں نے کیا کیا؟" وہ باری باری ان کی شکلیں دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا تم لوگوں کی نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے؟"

"بات یہ ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "اس شخص نے تمہاری توہین کی تھی اور ہم تمہاری توہین کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اتنی سخت سزا۔" ثمینہ بولی۔

"اگر اسے یہ سزا نہ دی جاتی تو وہ تمہارے لئے مستقل طور پر عذاب بنا رہتا۔ تمہارا جینا حرام کر دیتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" ثمینہ نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "میں جتنا بچنا چاہتی ہوں اتنا ہی اس دلدل میں دھنستی جا رہی ہوں۔ کاش! تم میری زندگی میں نہ آئے ہوتے۔"

"اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تم اس مکان میں بھی نہیں رہو گی۔"

"لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کوٹھی میں نے تمہارے لئے کرائے پر لی ہے۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے' تم ایک دو دن میں یہاں شفٹ ہو جاؤ تمہارے یہاں آ جانے کے بعد میں لاہور چلا جاؤں گا۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "میں یہاں کیسے آ سکتی ہوں؟"

"دیکھو ثمینہ۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں ان تمام

جھنجھٹوں سے بچنا ہے تو میرے ساتھ رہنا ہو گا۔ میں تمہیں مکمل تحفظ دوں گا اور کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ایک دو دن میں فیصلہ کر لو۔" شارق نے کہا۔ "آؤ تمہیں کوٹھی دکھاؤں۔"

نولکھا تو وہیں بیٹھا رہا اور شارق' ثمینہ کو لے کر کوٹھی میں گھمانے لگا۔ آخر میں وہ اس بیڈ روم میں آ گئے جو اس نے ثمینہ کے لئے آراستہ کیا تھا۔

"یہ تمہارا بیڈ روم ہے۔" شارق نے کہا۔

"میرا؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ثمینہ' یہ تمہارا بیڈ روم ہے۔" شارق نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

ثمینہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں شارق کو اپنی پشت پر کھڑا دیکھ رہی تھی۔ شارق کے ہاتھوں کے لمس نے اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑا دی تھیں۔ اس پر بے خودی سی طاری ہونے لگی اور وہ شارق کے بارے میں سب کچھ بھول گئی.....

○

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

سنسنی کی ایک عجیب سی کیفیت نے ثمینہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' وہ بھول گئی تھی کہ یہ وہی شارق ہے جس نے اس کی پرسکون زندگی میں ایک طوفان سا اٹھا دیا تھا۔ اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ کوئی پریشانی نہیں تھی۔ لوگوں کی نظروں میں اس کے لئے بڑا احترام تھا لیکن اب وہی لوگ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ ایک معمولی موٹر مکینک اسے بدکردار اور آوارہ قرار دے کر اسے بلیک میل کرنے آیا تھا اور یہ سب کچھ شارق کی وجہ سے ہوا تھا۔ اگر یہ شارق اس کی زندگی میں نہ آیا ہوتا تو وہ موٹر مکینک اس سے بات کرتے ہوئے نظریں اٹھانے کی جرات بھی نہ کرتا مگر وہ تو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے آیا تھا۔

شارق اسے مسلسل تباہی کے راستے پر دھکیل رہا تھا۔ اس نے یہ بھی فراموش کر دیا تھا کہ کل رات اس نے ایک انسان کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور شاید وہ رات کو بھی سکون و اطمینان کی نیند سویا ہو گا۔ اسے ایک لمحہ کو بھی یہ احساس نہیں ہوا ہو گا کہ اس نے کسی زندگی کا چراغ گل کر دیا ہے۔

ثمینہ بے خودی کی سی کیفیت میں کھڑی سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ شارق اس کی پشت پر کھڑا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ ثمینہ کے کندھوں پر تھے۔ لیکن دفعتاً" کھانسنے کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ شارق اسے چھوڑ کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ثمینہ بھی سنبل گئی۔ اسی لمحے نولکھا کھانستا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"آؤ شارق باؤ میں نے چائے بنا لی ہے۔" نولکھا نے دروازے کے قریب ہی رک کر باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا جیسے کوئی جرم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

"چائے!" شارق نے حیرت سے نولکھا کی طرف دیکھا۔ "تم نے چائے بنائی ہے؟"

"تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں چائے نہیں بنا سکتا۔" نولکھا نے اسے گھورا۔ "آ کر دیکھو تو سہی ایسی چائے تو تم نے اپنی پوری حیاتی میں نہیں پی ہو گی۔ ثمینہ بی بی بھی کیا یاد کرے گی کہ کبھی نولکھا کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پی تھی۔"

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ سینٹر ٹیبل پر چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک کپ اٹھا لیا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ چائے واقعی بے حد خوش ذائقہ تھی۔ الائچی کی مہک تھی۔

"مان گئے استاد۔" شارق نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چائے تو واقعی بہت شاندار بنائی ہے تم نے۔"

"کیا تم مجھے نکما آدمی سمجھتے ہو؟" نولکھا نے اسے گھورا۔ "ضرورت پڑنے پر میں روٹی بھی پکا سکتا ہوں اور برتن بھی مانجھ سکتا ہوں۔"

"اچھا ہوا تمہاری ان صفات کا پتہ بھی چل گیا۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ تینوں چائے پیتے ہوئے اسی قسم کی باتیں کرتے رہے۔ ان دونوں کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں گزشتہ رات کے واقعے کی سنگینی کا قطعاً احساس نہیں تھا۔

"کل رات تم لوگوں نے بڑے ظالمانہ رویہ کا مظاہرہ کیا ہے۔" بالآخر ثمینہ نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ "اس مکینک نے مجھے پریشان ضرور کیا تھا میں نے تم لوگوں سے اس کی شکایت اس لئے کی تھی کہ اسے تھوڑی بہت سزا دے دی جاتی۔ اس کے بعد وہ اس قسم کی کوئی حرکت کرنے کی جرات نہ کرتا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "ہم اسے مارپیٹ کے چھوڑ دیتے تو وہ تمہارا جینا اجیرن کر دیتا۔ تم اس قسم کے لوگوں کو نہیں جانتیں۔ یہ لوگ تو کسی جرم کی سزا ملنے پر تائب ہونے کے بجائے اور پھیل جاتے ہیں۔ لاری اڈے کے یہ سارے موٹر مکینک اور بسوں کے ہاکر وغیرہ جو ڈرامے کرتے رہتے ہیں وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ لوگ لاری اڈے پر آنے والی معصوم اور سادہ لوح عورتوں کو ورغلا کر انہیں بے آبرو کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ ابھی چھ سات مہینے پہلے سرگودھا سے آنے والی ایک عورت کے ساتھ کچھ ایسا ہی کیا گیا تھا۔ اس عورت کے ساتھ آٹھ سال کا بچہ بھی تھا۔ انہیں جھنگ جانا تھا۔ وہ عورت بے چاری سرگودھا کے کسی گاؤں کی رہنے والی تھی۔ وہ رات دس بجے یہاں پہنچی ایک ہاکر سے اس نے جھنگ جانے والی بس کے بارے میں پوچھا تو وہ دھوکے سے اسے یوسف کے ورکشاپ میں لے آیا وہ تو اس بچے نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ اس طرح لوگوں کو پتہ چل گیا اور ان دونوں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس مکینک کی رات تھانے میں گزری تھی۔ صبح دو ہزار روپے دے کر چھوٹا تھا۔ یہ تو اچھا ہوا ثمینہ بی بی کہ کل تم نے مجھے بتا دیا ورنہ وہ شیطان تو تمہارا جینا حرام کر دیتا۔"

"لیکن اگر پولیس کو پتہ چل گیا تو...."

aazzamm@yahoo.com

"پولیس کو پتہ کیسے چلے گا۔" نولکھا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کام ہم نے بڑی رازداری سے کیا ہے۔ اور بالفرض پولیس کو پتہ چل بھی گیا تو میں ہی پکڑا جاؤں گا نا.... تم دونوں پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا۔"

ثمینہ خاموش رہی۔ تقریباً پانچ بجے جب وہ جانے لگی تو شارق نے ڈپلی کیٹ چابیوں کا گچھا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کل رات کو لاہور چلا جاؤں گا۔ شاید ایک ہفتے بعد واپس آؤں گا۔ اس سے پہلے اگر تم وہ مکان چھوڑ کر یہاں منتقل ہو جاؤ تو بڑی اچھی بات ہو گی۔ یہ کوٹھی میں نے تمہارے ہی نام سے کرائے پر لی ہے اور ایک سال کا کرایہ ایڈوانس دے چکا ہوں۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم مجھے یہاں منتقل ہونے پر مجبور نہ کرو شارق۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں ایک باعزت گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور باعزت پیشے سے وابستہ ہوں۔ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اسے لوگ شاید کسی قسم کی غلط فہمی سمجھ کر بھول جائیں لیکن مستقل طور پر تمہارے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔ الگ رہتے ہوئے تو کسی ناگہانی صورت حال میں اپنا دفاع کر سکتی ہوں لیکن ساتھ رہتے ہوئے ایسا ممکن نہیں ہو گا۔ تم اپنے بارے میں بھی خوب اچھی طرح جانتے ہو۔ تم پولیس کو مطلوب ہو۔ پولیس نے کبھی تمہارا سراغ لگا لیا تو مجھے بھی شریک جرم قرار دے کر پکڑ لیا جائے گا۔ اس وقت نہ تم مجھ سے کوئی لاتعلقی ثابت کر سکو گے اور نہ میں۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور ہی رہیں۔"

"لیکن میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔" شارق نے کہا۔ "اور اس بات کا تم اطمینان رکھو۔ میرے تعاقب میں پولیس کبھی اس کوٹھی تک نہیں پہنچ سکے گی اور پھر نولکھا کو تم نے دیکھ لیا ہے۔ یہ اس قسم کا آدمی ہے کہ عدالت میں بھی اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ اس کی وفاداری کا مظاہرہ تم دیکھ چکی ہو۔ ایک آدمی نے میلی آنکھ سے تمہاری طرف دیکھا تھا اور اس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تم یہاں رہو گی تو یہ تمہاری حفاظت بھی بہتر طور پر کر سکے گا اور مجھے بھی اطمینان رہے گا۔"

"کیا... کیا یہ یہاں رہے گا؟" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کے پاس بہت سے ذرائع ہیں یہ اس کوٹھی پر کبھی نہیں آئے گا لیکن تمہارے حالات سے باخبر رہے گا۔"

"میں سوچوں گی۔" بالآخر ثمینہ نے نیم رضامندی کا اظہار کر دیا۔

"سوچنے میں وقت ضائع مت کرو۔ دو چار دن میں یہاں آ جاؤ۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے مزید کچھ کہے بغیر اس سے چابیوں کا گچھا لے لیا۔ جب وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر باہر آئے تو نولکھا لان میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ ثمینہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ شارق اس کے ساتھ گیٹ سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ثمینہ کے جانے کے بعد اس نے گیٹ بند کر دیا اور لان میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

اسی رات آٹھ بجے کے قریب شارق' نولکھا کو کوٹھی ہی میں چھوڑ کر بلو سائیں کے تکیے پر پہنچ گیا۔ قبرستان کی دیوار کے ساتھ تاریکی میں کھڑے ہو کر اس نے ملنگ کا نام لے کر ہولے سے آواز دی۔ سڑک پر سے کچھ لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ تیسری مرتبہ پکارنے کے بعد ملنگ درختوں کے سائے میں اس کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ قبرستان میں تاریکی اور سناٹا تھا۔ مزار میں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا اور کھلے ہوئے دروازے سے اس کی مدھم سی روشنی سامنے کے کچھ حصے کی تاریکی کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"کون ہے بھئی.... کدھر کھڑے ہو۔ ہنیرے میں تو کچھ نظر بھی نہیں آتا۔" ملنگ دیوار سے دو تین قدم دور رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ادھر ہوں.... اس طرف۔" شارق نے سرگوشی کی۔

"کون ہے' کیا بات ہے۔" ملنگ قریب پہنچ کر بولا۔ دیوار کے ایک طرف شارق تھا اور دوسری طرف ملنگ۔ دیوار ان کے کندھوں تک اونچی تھی۔

"میں ہوں شارق۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "یہاں کی صورت حال کیا ہے؟"

"سب ٹھیک ہے شارق باؤ۔" ملنگ نے بھی اس مرتبہ سرگوشی میں جواب دیا۔

"صبح سویرے یوسف کی لاش کا پتہ چل گیا تھا تو پولیس آئی تھی۔ وہ لوگ یوسف مکینک کے دو شاگردوں اور تین چار اور آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں' اس طرف کوئی نہیں آیا۔ کسی نے پوچھا تک نہیں۔"

دوسری رات تقریباً اسی وقت صورت حال معلوم کرنے کے لئے وہ پھر بلو سائیں کے تکیے پر پہنچ گیا۔ سب خیریت تھی۔ پولیس تکیے کی طرف نہیں آئی تھی۔ ملنگ نے بتایا تھا کہ پولیس نے گزشتہ روز جن آدمیوں کو شبہے کی بنا پر حراست میں لیا تھا۔ ان میں سے دو کے علاوہ باقی سب کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ جن دو آدمیوں کو حوالات میں بند رکھا گیا تھا ان میں ایک یوسف مکینک کا

aazzamm@yahoo.com

تنخواہ دار مستری تھا اور دوسرا ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کا ہاکر۔۔۔ اس کمپنی کی بسیں یوسف ہی کے ورکشاپ میں مرمت کے لئے آتی تھیں اور اس ہاکر نے چند مہینے پہلے یوسف سے پچاس روپے ادھار لئے تھے جنہیں وہ ابھی تک ادا نہیں کر سکا تھا۔ تین دن پہلے ان دونوں میں جھگڑا بھی ہوا تھا۔ اس کے دوسرے دن یوسف کا تنخواہ دار مستری سے بھی کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا اور پولیس کو شبہ تھا کہ قتل ان دونوں میں سے کسی نے کیا ہو گا۔

شارق مطمئن ہو گیا تھا۔ پولیس نے دو آدمیوں کو قتل کے شبہے میں حراست میں لے لیا تھا۔ شبہے کی وجہ معقول تھی۔ بعض اوقات کوئی معمولی سا جھگڑا بھی کسی بڑے فساد کی بنیاد بنتا ہے اور ایسی تو بے شمار مثالیں موجود تھیں کہ محض دو چار روپے کی خاطر کسی کو قتل کر دیا گیا ہو۔ یوں بھی اس ملک کی پولیس تفتیش و تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کرتی شبے میں دو آدمیوں کو پکڑ لیا تھا' یہی کافی تھا۔ پولیس ان میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اس جرم کا اعتراف کروا سکتی تھی۔ لاہور میں ڈی ایس پی کے قتل کی مثال بھی اس کے سامنے تھی۔ قاتل وہ تھا اور پولیس نے کسی اور کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

رات گیارہ بجے شارق اور نولکھا کوٹھی سے نکلے۔ شارق نے کوٹھی کے دروازے بند کر کے تالے چیک کئے اور چابیاں جیب میں ڈال لیں۔ سڑک پر آ کر انہیں کوئی رکشہ نہیں ملا تھا وہ ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ نولکھا تو لاری اڈے سے پہلے موڑ پر اتر گیا اور شارق کچھ آگے جا کر اترا تھا۔ دس منٹ بعد وہ لاہور جانے والی بس پر سفر کر رہا تھا۔

لاہور میں لاری اڈے پر بس سے اترتے ہی وہ ایک رکشے پر بیٹھ کر باغبانپورہ روانہ ہو گیا۔ وہ پندرہ بیس دن سے گھر نہیں گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ سمجھتا تھا کہ اگر سیدھا مزنگ چلا گیا تو کسی نہ کسی الجھن میں پھنس جائے گا اور شاید پھر کئی روز تک گھر آنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے وہ سیدھا باغبانپورہ آیا تھا۔ جب اس نے گھر کے دروازے کی بیل بجائی تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ دروازہ شاہد نے کھولا تھا۔

"آپ کہاں غائب ہو گئے تھے بھائی جان۔" شاہد اسے دیکھتے ہی بولا۔ "ماں جی اور رضیہ باجی پریشان ہو رہی تھیں۔ کوئی اطلاع بھی نہیں دی آپ نے۔"

"بس کام میں ایسا مصروف رہا کہ کوئی اطلاع نہ دے سکا۔" شارق آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ماں جی یا رضیہ کو مت جگانا۔ صبح ملاقات ہو جائے گی۔"

"مگر رضیہ باجی کو تو جگانا پڑے گا۔ وہ آپ کے کمرے میں سو رہی ہیں۔" شاہد بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں ڈرائنگ روم میں سو جاتا ہوں۔" شارق اپنے کمرے کی طرف جاتے

جاتے ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا۔

"میں بستر بچھا دیتا ہوں۔" شاہد نے کہا۔

"بستر بچھانے کی ضرورت نہیں' میں صوفے پر سو جاؤں گا۔ جاؤ' تم بھی سو جاؤ اور صبح مجھے جگانا مت۔" شارق کہتے ہوئے ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔ بتی جلا کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا بریف کیس میز پر رکھ دیا اور جوتے اتار کر صوفے پر لیٹ گیا۔ اس نے بتی جلتی چھوڑ دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

اس کی آنکھ صبح دس بجے سے پہلے نہیں کھل سکی تھی۔ اسی وقت شاہد کسی کام سے اندر داخل ہوا۔

"میں نے ابھی ابھی چائے کا پانی رکھا ہے۔ آپ ہی کو دیکھنے آیا تھا۔" شاہد نے کہا۔

"چائے بنا کر یہیں لے آؤ۔ ماں جی کہاں ہیں؟" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔

"بازار گئی ہیں سودا وغیرہ لینے کے لئے آتی ہی ہوں گی اور رضیہ باجی آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہی ہیں۔" شاہد نے کہا۔

شارق ڈرائنگ روم سے نکل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ دس منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو رضیہ بھی کمرے سے نکل رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس طرح لپٹ گئی جیسے برسوں کی بچھڑی ہوئی ہو۔

"آپ تو کہیں جاتے ہیں تو خبر تک نہیں لیتے۔ ہم ماں بیٹی یہاں بیٹھی پریشان ہوتی رہتی ہیں۔"

"اچھا بھئی جہاں جایا کروں گا اطلاع دے دیا کروں گا۔" شارق نے کہا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد شاہد ان دونوں کے لئے چائے لے آیا۔ شارق کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد شاہد نے اخبار بھی اس کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ شارق نے اخبار اٹھا لیا۔ پہلے صفحہ پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ چائے چھلک گئی۔ اس نے جلدی سے کپ میز پر رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" رضیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں' یہ سرخی دیکھ کر ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔" شارق نے ہیڈ لائن کی طرف اشارہ کیا۔ پاکستان کی سرحدوں کے قریب بھارتی فوج کے اجتماع کی خبر تھی حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ شارق ایک اور دو کالمی سرخی کو دیکھ کر چونکا تھا۔

"گوالمنڈی میں منشیات فروشوں کے دو گروہوں میں خوفناک تصادم۔"

aazzamm@yahoo.com

"فائرنگ سے ایک راہ گیر اور ایک منشیات فروش ہلاک ہو گیا۔"

شارق وہ خبر پڑھنے لگا۔ اس خبر کے مطابق کل رات دس بجے گوا منڈی کے علاقے میں مولوی حمید اور جیرا بلیڈ کے گروہوں میں تصادم ہو گیا جس کے نتیجہ میں مولوی حمید کے گروہ کا ایک آدمی اور دو راہ گیر فائرنگ کی زد میں آ کر ہلاک ہو گئے' اس علاقے میں منشیات کی فروخت پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے دونوں گروہ کئی روز سے آپس میں الجھ رہے تھے اور بالآخر گزشتہ رات ان میں خونی تصادم ہو گیا۔ منشیات فروشوں کی ان دونوں پارٹیوں کو ماجھا گجر اور شارق نامی منشیات کے بڑے اسمگلروں کی حمایت حاصل ہے۔ پولیس نے دونوں پارٹیوں کے دو دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہے جبکہ مولوی حمید اور جیرا بلیڈ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس سرگرمی سے انہیں تلاش کر رہی ہے۔

شارق نے یہ خبر دو مرتبہ پڑھی۔ اس کی توقع کے خلاف ماجھا گجر نے بڑی جلدی اپنا رد عمل ظاہر کر دیا تھا۔ گوا منڈی میں اس کی دو پارٹیاں سرگرم عمل تھیں اور وہ روزانہ لاکھوں روپے کما رہی تھی۔ شارق نے مولوی حمید کی پشت پناہی کر کے ماجھا گجر کے آدمیوں کو وہاں سے بھگانے کی کوشش کی تھی لیکن ماجھا گجر اس کی پالیسی کو سمجھ گیا تھا اور اس نے فوراً ہی رد عمل کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

شارق نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔

"آپ جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جایئے۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ میں نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا؟" رضیہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

"کیوں بھئی' تم نے ناشتہ کیوں نہیں کیا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"کئی روز بعد آپ آئے ہیں۔ میں نے سوچا آپ ہی کے ساتھ ناشتہ کروں گی۔" رضیہ کہتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا۔ ماجھا گجر کو پتہ چل گیا تھا کہ گوا منڈی میں مولوی حمید کو اٹھانے میں شارق کا ہاتھ ہے۔ اور اس نے فوراً ہی رد عمل کا اظہار بھی کر دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ان دونوں کے براہ راست تصادم میں بھی اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وہ اپنے آدمیوں سے صورت حال کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک آدھ دن مزنگ والے ڈیرے پر جانا یا اپنے کسی آدمی سے رابطہ قائم کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اس وقت اس کے پاس معلومات حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا۔ نکا

پہلوان..... ایسی خبریں زیر زمین دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں' یہ واقعہ رات دس بجے کے قریب پیش آیا تھا۔ نکا پہلوان کو یقیناً اس سلسلے میں بہت کچھ معلوم ہو گا۔

شارق اور رضیہ ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ مریم بھی آ گئی۔ گھر کا سودا سلف حالانکہ شاہد ہی لایا کرتا تھا لیکن صبح سویرے جب اسے معلوم ہوا کہ شارق آ گیا ہے تو وہ خود سودا لینے چلی گئی تھی۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ شارق کی پسند سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسی لئے وہ خود سودا لینے گئی تھی۔

مریم بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔ ناشتے کے بعد بھی وہ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے رضیہ اسے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے لیکن آج وہ شارق کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ کچھ دیر بعد شارق اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کرنے لگا۔ جب وہ کمرے سے نکلا تو بارہ بجنے والے تھے۔

"کہاں جا رہے ہو بیٹا؟" مریم نے اسے کہیں جانے کے لئے تیار دیکھ کر پوچھا۔

"سنگھ پورہ تک جا رہا ہوں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔

"کھانا گھر پر ہی آ کر کھانا۔" مریم نے کہا۔

"جی بہتر ہے۔" شارق کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

گلیوں سے نکل کر وہ میں روڈ پار کر کے سامنے والی ایک گلی میں گھس گیا اور پھر تنگ اور پیچ در پیچ گلیوں میں گھومتا ہوا حق نواز روڈ پر نکل آیا۔ نکا پہلوان کے طویلہ تک پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ایک آدمی احاطے میں ایک تانگے کا پہیہ مرمت کر رہا تھا۔

"نکا پہلوان کہاں ہے؟" شارق نے اس کے قریب رک کر پوچھا۔

"اندر ہے شارق باؤ۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "سنا ہے رات کو تمہارا ایک آدمی پکڑا گیا ہے؟"

شارق نے گہری نظروں سے اس کی دیکھا۔ وہ شارق کو پہچانتا تھا لیکن شارق اسے نہیں جانتا تھا۔

"میں شہر میں نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم کون پکڑا گیا ہے۔" شا کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

نکا پہلوان کمرے میں جھلنگا سی چارپائی پر لیٹا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے سامنے کرسی پر ایک اور آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ شارق باؤ..... تمہیں دیکھنے کو تو آنکھیں ترس جاتی ہیں۔ کہاں غائب ہو جاتے ہو؟" نکا پہلوان اسے دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"میں ایک کام سے سیالکوٹ گیا ہوا تھا۔" شارق نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آج صبح چار بجے واپس آیا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے اخبار میں ایک خبر پڑھی ہے کیا قصہ ہے؟"

"قصہ کیا ہونا ہے۔" نکا پہلوان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "چھانگے کی موت کے بعد ماجھا گجر پھیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم نے گوالمنڈی میں مولوی حمید کو اٹھانے کی کوشش کی تو وہ ناراض ہو گیا۔ رات کو اس کے آدمیوں نے مولوی حمید پر حملہ کر دیا تھا۔ مولوی حمید خود تو بچ گیا مگر اس کا ایک بندہ مارا گیا۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ میں گوالمنڈی میں مولوی حمید کو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"ایسی باتوں کے لئے ڈھنڈورہ پیٹنا ضروری نہیں ہوتا شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "ایسی خبریں تو خود بخود پھیل جاتی ہیں۔"

"میرا کون سا بندہ پکڑا گیا ہے؟" شارق نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"شیدا۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "وہ تو بے قصور ہی پکڑا گیا۔ مولوی حمید سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ اس سے ملنے گیا تھا کہ لپیٹ میں آ گیا۔ گوالمنڈی تھانے میں ہے سنا ہے دس ہزار مانگ رہے ہیں اس کے لئے۔"

"دس ہزار کی تو کوئی بات نہیں لیکن اس ماجھا گجر کا دماغ درست کرنا ہی پڑے گا۔" شارق نے کہا۔ بات کرتے ہوئے اس کے دانت بھنچ گئے تھے۔

"ایک بات اور بتاؤں شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماجھا پھنیئر ہے پھنیئر۔ اس سے بچ کر رہنا۔ پرسوں وہ میرے پاس بھی آیا تھا۔"

"کس لئے؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تمہیں پتہ ہے نا کہ چھانگے کی موت کے بعد وہ پورے لاہور کی مارکیٹ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر اس سے مل جاؤں۔"

"تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اصول بھی کوئی چیز ہوتی ہے شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "چھانگا نے میرے برے وقتوں میں ساتھ دیا تھا۔ آج میں اس کی پارٹی کو کیسے چھوڑ دوں؟ ویسے ایک بات بتاؤں شارق باؤ.... ماجھا گجر تمہاری تاک میں ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر بولا۔

"اگر تم ماجھا گجر کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ماجھا گجر اب یہاں سے بھاگنے ہی والا ہے۔ وہ لاہور کی مارکیٹ پر قابض ہونے کا جو خواب دیکھ رہا ہی وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔"

"کیا بات کرتے ہو شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "چھانگے کے احسانات کے سامنے تو میری گردن نہیں اٹھ سکتی۔ میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر چھانگے کی پارٹی سے غداری نہیں کروں گا۔ چھانگا نہیں رہا تو کیا ہوا۔ تم تو ہو نا اس کی جگہ پر۔"

"گوالمنڈی کا تھانیدار کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ملک صاحب ہیں وہ یہاں بھی کچھ عرصہ رہ چکا ہے۔ اپنی بڑی یاری ہے اس سے۔ کہو تو میں چلوں تمہارے ساتھ۔" نکا پہلوان نے کہا۔

شارق چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ابھی نہیں میں شام کو جاؤں گا تو تمہیں اپنے ساتھ لے لوں گا اس وقت مجھے کچھ اور ضروری کام ہیں۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ جس وقت مرضی ہو آ جانا۔ میں یہیں رہوں گا۔" نکا بولا۔

"ٹھیک ہے، اب میں چلتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

"کوئی لسی پانی شارق باؤ...." نکا پہلوان بولا۔

"پھر کبھی سہی۔" شارق نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

نکا پہلوان کے ڈیرے سے نکل کر شارق مدینہ چوک پر آ گیا۔ وہاں بازار سے اس نے کچھ پھل خریدے اور گھاس منڈی کے سامنے سے ایک تانگے پر بیٹھ گیا جب وہ گھر پہنچا تو ڈیڑھ بجنے والا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر تک مریم اور رضیہ سے باتیں کرتا رہا پھر اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ نکا پہلوان سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ بات صرف گوالمنڈی تھانے تک محدود رہی تھی۔ شیدا اگر گوالمنڈی نہ جاتا تو وہ بھی گرفت میں نہ آتا لیکن بہرحال اسے پولیس کی حراست سے چھڑانا ضروری تھا۔

رات نو بجے وہ کھانا کھا کر گھر سے نکل گیا۔ اس نے مریم اور رضیہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ رات کو واپس نہ آئے تو وہ لوگ پریشان نہ ہوں۔ مین روڈ پر وہ تقریباً دس منٹ تک کھڑا رہا۔ کوئی ٹیکسی یا رکشہ نہیں ملا۔ بالآخر وہ ایک تانگے پر بیٹھ گیا۔ سیڑھیوں والی طرف ریلوے اسٹیشن کے قریب تانگے سے اتر کر وہ سیڑھیوں والا پل پار کر کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے آ گیا۔ وہاں سے بھی وہ تانگے پر بیٹھ کر ہی گوالمنڈی پہنچا تھا۔ ایس ایچ او ملک اس وقت موجود نہیں تھا۔ شارق

aazzamm@yahoo.com

کو تقریباً بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ اور ملک سے ملاقات مزید دس منٹ گزرنے کے بعد ہی ہوئی تھی۔ ملک کے چہرے پر بے حد کرختگی تھی۔ اس کا لہجہ بھی درشت تھا۔ لیکن شارق نے جب مطلب کی بات شروع کی تو اس کا لہجہ بدل گیا۔ شارق نے براؤن رنگ کا ایک پھولا ہوا لفافہ اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ ملک نے لفافہ اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ لیا اور ایک کانسٹیبل کو آواز دی۔

"شیدے کو لے کر آؤ۔"

چند منٹ بعد شیدا آ گیا۔ اس کا حلیہ دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کل رات سے اب تک اس کی اچھی خاصی چھترول کی گئی تھی۔

"آئندہ اگر تم اس علاقے میں نظر آئے تو بند کر دوں گا اور کسی سفارش پر نہیں چھوڑوں گا۔" تھانیدار نے شیدے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا سر جی۔ ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے بندوں نے پکڑ لیا۔" شیدے نے کہا۔

"کچھ نہیں کیا۔ اسی لئے تو تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن آئندہ اس طرف مت آنا۔"

"نہیں آؤں گا جی۔" شیدے نے جواب دیا۔

"چلو' بھاگ جاؤ۔" تھانیدار نے کہا۔

شارق بھی کرسی سے اٹھ گیا۔ اس نے تھانیدار سے ہاتھ ملایا اور شیدے کو لے کر تھانے سے باہر آ گیا۔

"تم جاؤ مزنگ پہنچو۔ میں آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔" شارق نے کہا۔ شیدا ایک طرف چلا گیا اور شارق ٹہلتا ہوا مولوی حمید کے ہوٹل کے سامنے سے گزرتا ہوا کچھ آگے ایک اور چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھ گیا۔ مولوی حمید کا ہوٹل بند تھا۔

اسے بھی ہوٹل کے بجائے چائے کی دکان کہنا ہی مناسب ہو گا۔ دکان کے اندر دیوار کے ساتھ تھڑا سا بنا ہوا تھا جس کے سامنے بینچ نما لمبی سی میز رکھی ہوئی تھی۔ تین چار گاہک دکان کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے فٹ پاتھ پر بھی کرسیوں پر کچھ گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق بھی باہر ہی بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہوٹل کے ملازم لڑکے نے پوچھے بغیر اس کے سامنے چائے کا گلاس لا کر رکھ دیا۔

اس ہوٹل کا مالک بھی دراصل ماجھا گجر ہی کا ایجنٹ تھا۔ لیکن وہ خود اس وقت نہیں تھا۔ اس کا ملازم کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے

دوسرے ملازم لڑکے کو بلا کر کوئی سرگوشی کی تھی اور وہ لڑکا ہوٹل سے نکل کر شارق کی طرف دیکھتا ہوا ایک طرف چلا گیا تھا۔

شارق گلاس اٹھا کر چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ اس نے یہ بات بھی نوٹ کر لی تھی کہ کل کے ہنگامے کی وجہ سے آج یہاں پر پڑیوں کا کاروبار بند تھا۔ شارق ابھی چائے پی ہی رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ طویل سا تھا' شیو بڑھا ہوا' پچکے ہوئے گال اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں۔ لباس صاف ستھرا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر صاف طور پر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ نشے کا عادی ہے۔

"شارق باؤ!" اس نے میز پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ انداز ایسا تھا جیسے بڑبڑا رہا ہو۔ "یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ گجر کے آدمی آنے والے ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ تمہیں گھیر کر ختم کر دیا جائے۔"

"تم کون ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"میرے بارے میں جاننے کے چکر میں مت پڑو۔" وہ آدمی بڑبڑایا۔ "تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ لوگ یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔"

شارق چند لمحے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر میز پر گلاس کے نیچے دبا دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اس اجنبی کی مشورے پر عمل کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ وہ اس وقت خالی ہاتھ تھا اور جان بوجھ کر خطرات کو دعوت دینا حماقت ہی کہلاتی۔

چوک پر آ کر وہ ایک لمحہ کو رکا۔ ادھر ادھر دیکھا اور ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ چوک پر اگرچہ رونق تھی لیکن گلی میں سناٹا تھا۔ وہ گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا نسبت روڈ پر نکل سکتا تھا۔

وہ تیسری گلی میں مڑا ہی تھا کہ اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک گیا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو آدمی تیز تیز قدم اٹھائے ہوئے آ رہے تھے۔ اس نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی اور ایک اور گلی میں گھس گیا۔ وہ دونوں آدمی بھی اس کے پیچھے اسی گلی میں مڑے تھے۔

مزید دو تین گلیوں میں گھومنے کے بعد شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ دونوں آدمی اسی کا تعاقب کر رہے تھے۔ شارق یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ایک اور گلی میں گھومتے ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک مکان کی دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ اس گلی میں کافی آگے ایک مکان کے سامنے بلب جل رہا تھا لیکن اس کی روشنی یہاں نہیں پہنچ رہی تھی۔ شارق

aazzamm@yahoo.com

جس جگہ کھڑا تھا وہاں تو گہری تاریکی تھی۔

چند سیکنڈ بعد ہی وہ دونوں آدمی گلی میں مڑے وہ دو قدم آگے بڑھے تھے لیکن پھر ایک دم رک گئے۔

"کہاں غائب ہو گیا نظر نہیں آ رہا۔" ایک آدمی نے کہا۔

"وہ آگے چھوٹی گلی میں مڑ گیا ہو گا' جلدی چلو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے چلنے لگے۔ شارق بڑی خاموشی سے آڑ سے نکلا اور دبے قدموں چلتا ہوا دوبارہ اسی گلی میں مڑ گیا جس طرف سے وہ آیا تھا۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک اور گلی میں مڑ گیا اور پھر مختلف گلیوں میں گھومتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ بھول بھلیوں کی طرح پیچ و خم کھاتی ہوئی یہ گلیاں شیطان کی آنت ثابت ہو رہی تھیں۔ شارق کو کسی بڑی سڑک پر نکلنے کا راستہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ بعض اوقات تو وہ گھومتا ہوا دوبارہ اسی گلی میں پہنچ جاتا جہاں سے چلا تھا۔

وہ ایک اور گلی میں مڑا ہی تھا کہ وہ دونوں آدمی اچانک ہی ایک اور گلی سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گئے۔

"اب تم بھاگنے کی کوشش مت کرنا شارق باؤ۔" ایک آدمی نے اس پر پستول تان لیا۔ "تمہاری موت ہی تمہیں اس طرف لے آئی تھی۔ اب تم ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔"

"کون ہو تم لوگ اور مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟" شارق بولا۔

"ہاجھے گجر سے دشمنی مول لے کر کوئی یہاں زندہ نہیں رہ سکتا۔" پستول والے نے کہا۔ "تم ہمارے دوست بن کر تو زندہ رہ سکتے تھے دشمن بن کر نہیں۔"

"او اس کو کیا کہانی سنا رہے ہو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "اس کو کھولے میں لے چلو اور جان چھڑاؤ اس سے۔"

"چلو... آگے لگو...." پہلے آدمی نے پستول سے اشارہ کیا۔

"اس کی تلاشی تو لے لو۔" دوسرا آدمی شارق کے پیچھے آ کر اس کا لباس تھپتھپانے لگا۔ "ٹھیک ہے کچھ نہیں ہے اس کے پاس۔ "چل اوئے۔" اس نے شارق کو دھکا دیا۔

وہ دونوں شارق کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ پہلے آدمی نے اسے پستول کی زد میں لے رکھا تھا۔ وہ ایک موڑ گھوم کر تنگ سی گلی میں آ گئے۔ تھوڑا ہی آگے چل کر وہ رک گئے۔ بائیں طرف ایک بہت پرانے مکان کا ملبہ بکھرا ہوا تھا۔ یہ مکان شاید کچھ عرصہ پہلے ہی گرا ہو گا اور اس

کو اس شخص نے کھولے کا نام دیا تھا۔

وہ دونوں اسے لے کر ٹوٹے ہوئے مکان میں داخل ہو گئے۔ دوسرے آدمی نے بھی اب جیب سے چاقو نکال لیا تھا۔

"شارق باؤ۔" چاقو والے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں ایک شرط پر چھوڑ سکتے ہیں۔"

"وہ کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر تم ماجھے گجر سے راضی نامہ کر لو اور اپنا کاروبار بند کر کے کہیں اور چلے جاؤ تو تمہاری جان بخشی جا سکتی ہے۔ ویسے بھی تم اس لائن کے آدمی نہیں ہو۔ چھانگا تو تمہیں زبردستی گھسیٹ لیا تھا۔ وہ مر گیا.... قصہ ختم.... تم بھی چلے جاؤ یہاں سے۔" اس شخص نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ایک مرتبہ جو آدمی اس بزنس میں آ جائے۔ اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"ایک راستہ ہے اور ہم تمہیں اب اسی راستے پر بھیج رہے ہیں۔" پستول والے نے کہا۔

شارق اچانک ہی حرکت میں آ گیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر پستول والے کے ہاتھ پر پڑی۔ پستول اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر ملبے میں کہیں جا گرا۔ وہ آدمی بھی لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ شارق کے دوسرے پیر کی ٹھوکر چاقو والے کے پیٹ پر لگی تھی۔ اس کے منہ سے گندی گالی نکلی اور وہ پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

شارق نے ان دونوں میں سے کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے دونوں کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ ان میں سے ایک تو مسلسل گالیاں بک رہا تھا جبکہ دوسرا خاموشی سے پٹ رہا تھا لیکن بالآخر ان میں سے ایک کا داؤ چل گیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر شارق کی پنڈلی کی ہڈی پر لگی۔ شارق بلبلا اٹھا وہ ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔ اس دوران پستول والے نے اس پر گھونسوں کی بوچھاڑ کر دی۔ شارق کچھ دیر پٹتا رہا لیکن پھر اس نے اپنے حریف کو دبوچ لیا۔ وہ دونوں نیچے گرے۔ وہ شخص نیچے تھا اور شارق اس کے اوپر.... ٹھیک اسی لمحہ اپنے پیچھے غراہٹ سن کر شارق نے اپنے حریف کو چھوڑ دیا اور بڑی پھرتی سے ایک طرف لوٹ لگا دی۔

دوسرا آدمی چاقو لہراتا ہوا شارق پر حملہ آور ہوا تھا۔ شارق کے بروقت ایک طرف ہٹ جانے سے وہ اپنے ہی ساتھی کے اوپر گرا۔ اس نے چاقو سے بھرپور وار کیا تھا۔ اس کا نشانہ تو شارق تھا۔ مگر شارق کے ہٹ جانے سے چاقو اس کے اپنے ہی ساتھی کے سینے میں دستے تک پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔

aazzamm@yahoo.com

حملہ آور سکتے میں رہ گیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی چاقو کے دستے پر تھا۔ شارق بھی ایک لمحہ کو دم بخود سا کھڑا ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ کھولے سے نکل کر گلی میں ایک طرف دوڑنے لگا۔ گلی کے موڑ پر پہنچ کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دوسرا آدمی بھی کھولے سے نکل کر مخالف سمت میں بھاگ اٹھا تھا۔

شارق گلیوں میں دوڑتا رہا۔ سڑک پر پہنچا تو انکشاف ہوا کہ وہ ایک بار پھر گوالمنڈی کے چوک کے آس پاس ہی موجود تھا۔ وہ مڑ کر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سہیل کے ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہا تھا۔

○

ثمینہ ایک بار پھر الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ شارق سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی لیکن حالات نے اسے پھر اسی راستے پر دھکیل دیا تھا۔ اگر موٹر مکینک یوسف اسے بلیک میل کرنے کی کوشش نہ کرتا تو ممکن ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی مگر بلیک میلنگ کے اس چکر نے اسے ایک بار پھر شارق کی طرف دھکیل دیا تھا۔ وہ بلیک میلروں کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی۔ یوسف ایک بار اس کی پیچھے پڑ جاتا تو زندگی بھر اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ سب سے پہلے وہ اس کی عزت پر ہاتھ ڈالتا۔ یوسف سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس نے نولکھا سے شکایت کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اسے تھوڑی بہت سزا دے کر چھوڑ دیں گے مگر انہوں نے یوسف کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اور اب شارق بضد تھا کہ وہ اپنا مکان چھوڑ کر اس کے ساتھ رہے۔ عجیب منطق تھی۔ لیکن ثمینہ محسوس کر رہی تھی کہ اسے شارق جیسے شخص کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ وہ جس چکر میں پھنس گئی تھی اس سے نکلنا بظاہر اسے مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔ شارق سے نجات حاصل کرنے کے لئے حکمت عملی طے نہیں کر پائی تھی۔ لیکن اتنا وہ جانتی تھی کہ شارق آسانی سے اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اس روز وہ اسے دھمکی دے کر اپنے ساتھ نولکھا کے ڈیرے پر لے گیا تھا۔ اس کے اخلاق اور شرافت میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن تھا تو وہ جرائم پیشہ۔ اس نے معمولی سی دھمکی دی تھی اور وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ کل کلاں کو وہ اس سے کوئی اور مطالبہ بھی کر سکتا تھا۔

دوسرے ہی دن ثمینہ کا والد لاہور سے آ گیا۔ شفاعت علی اے جی آفس میں ملازم تھے اور ثمینہ کا خط ملنے کے بعد وہ دو دن کی چھٹی لے کر آئے تھے۔ ثمینہ نے یہ سوچ کر اپنے والد کو خط لکھا تھا کہ نائلہ کے والد اور وکیل سے مل کر اپنے بچاؤ کی کوئی راہ نکالی جائے گی لیکن صورت

حال اب بدل گئی تھی۔ اس نے اپنے والد سے یہ بہانہ کر دیا کہ وہ یوں ہی کچھ پریشان ہو گئی تھی اور اسی پریشانی میں اس نے خط لکھ دیا تھا۔

"آپ سے ایک اور بات بھی کرنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے رات کے کھانے کے دوران اپنے والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میری ایک سہیلی اور اس کے والدین دو سال کے لئے انگلینڈ چلے گئے ہیں۔ طارق آباد میں ان کی کوٹھی خالی ہے۔ وہ کوٹھی کسی کو کرائے پر نہیں دینا چاہتے۔ چابی مجھے دے گئے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو یہ مکان چھوڑ کر وہاں منتقل ہو جاؤں۔"

"اگر کوئی مسئلہ نہ ہو تو تمہارے وہاں منتقل ہونے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس کے والد نے جواب دیا۔

"مسئلہ تو کوئی نہیں۔" ثمینہ نے باپ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ "اگر آپ کہیں تو آپ کے ہوتے ہوئے سامان وہاں منتقل کر دیا جائے۔"

"جیسا تم چاہو۔" شفاعت علی نے جواب دیا۔

اور پھر دوسرے ہی دن انہوں نے سامان شارق والی کوٹھی میں منتقل کر دیا۔ ثمینہ کو اپنا بہت سا سامان نکالنا بھی پڑا تھا۔ جس روز وہ کوٹھی میں منتقل ہوئی اس سے اگلے ہی روز شفاعت علی لاہور واپس چلے گئے۔

اس کوٹھی میں ثمینہ کی وہ دوسری رات تھی۔ پہلی رات تو اس کا والد ساتھ تھا لیکن آج وہ اکیلی تھی۔ اتنی بڑی کوٹھی میں اسے ڈر لگ رہا تھا۔ اس نے سارے دروازے بند کر رکھے تھے اور وہ اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی نوٹس تیار کر رہی تھی۔ لیکن اس کا دھیان بار بار شارق کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ شارق اس سے کیا چاہتا تھا؟ کیا شارق کو واقعی اس سے محبت تھی؟ لیکن وہ اسے اپنے ساتھ جرائم کی دلدل میں کیوں گھسیٹ رہا تھا؟ لیکن وہ اس صورت حال کے لئے خود کو بھی بری الذمہ نہیں سمجھتی تھی۔ سارا قصور اسی کا تھا۔ یہ حالات خود اس کے اپنے پیدا کردہ تھے۔ اگر وہ پہلے ہی دن شارق کے ساتھ مختلف رویہ اختیار کرتی تو آج اسے ایسی سنگین صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا لیکن شارق کے بھولپن اور شرافت سے متاثر ہو کر وہ خود پھنس گئی تھی۔ اسے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ کوئی جرائم پیشہ شخص شرافت کا مجسمہ نہیں ہوتا۔

ثمینہ کی وہ رات تقریباً جاگتے ہوئے ہی گزری تھی۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی وہ جلدی سے تیار ہو کر کالج کے لئے روانہ ہو گئی۔ کالج میں وہ دوسرا پیریڈ لے رہی تھی کہ چپراسی کلاس روم کے دروازے کے سامنے آ کر رکا۔ ثمینہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو پرنسپل صاحبہ بلا رہی ہیں مس ثمینہ۔" چپراسی نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"اچھا' میں آ رہی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"انہوں نے کہا ہے ذرا جلدی آ جایئے۔" چپراسی نے پھر کہا۔

ثمینہ نے مڑ کر چپراسی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔ ثمینہ کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ اپنا لیکچر ادھورا چھوڑ کر کلاس روم سے نکل گئی۔

پرنسپل اپنے دفتر میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات تھے۔

"یس میڈم!" ثمینہ دفتر میں داخل ہو کر میز کے سامنے رک گئی۔

"مس ثمینہ!" پرنسپل کے لہجے میں کسی قدر کرختگی تھی۔ "تمہیں یاد ہو گا کہ چند روز پہلے پولیس کو منشیات کے ایک اڈے سے تمہارا رجسٹر اور کتابیں ملی تھیں اور پولیس تمہارے بارے میں پوچھتی ہوئی یہاں پہنچی تھی۔"

"یس میڈم۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "وہ رجسٹر اور کتابیں تانگے میں رہ گئی تھیں اور ہو سکتا ہے کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ گئی ہوں جس کا تعلق منشیات کے اس اڈے سے ہو۔ میں نے پولیس والوں کو بھی ساری بات بتا دی تھی اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔"

"لیکن پولیس والے کسی معاملے میں آسانی سے مطمئن نہیں ہوتے۔" میڈم نے اسے گھورا۔

"میں سمجھی نہیں میڈم۔" ثمینہ بولی۔ اسے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"ایک پولیس آفیسر اسی سلسلے میں تم سے ملنا چاہتا ہے۔" پرنسپل نے کہا۔ "وہ وزیٹرز روم میں تمہارا منتظر ہے۔ اس سے جا کر مل لو لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ میں یہاں پولیس کی آمد و رفت پسند نہیں کرتی۔ تم سمجھتی ہو نا کہ اس سے دوسروں پر اور کالج کی ریپوٹیشن پر کیا اثر پڑے گا؟"

"یس میڈم!" ثمینہ کہتی ہوئی دفتر سے نکل گئی۔

وزیٹرز روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پولیس کو یہ پتہ تو نہیں چل گیا کہ جس روز بلو سائیں کے تکئے پر چھاپہ پڑا تھا وہ بھی وہاں موجود تھی۔ اس روز رجسٹر اور کتابوں کے سلسلے میں اس نے جو من گھڑت کہانی سنائی تھی اس سے بظاہر پولیس والے مطمئن ہو کر چلے گئے تھے لیکن اسے پولیس کا تجربہ نہیں تھا۔ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں تھی کہ پولیس والے بال کی بھی کھال نکالتے ہیں۔

وہ جب وزیٹرز روم میں داخل ہوئی تو کرسی پر بیٹھا ہوا ایک اے ایس آئی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک نوجوان اور خوبرو آفیسر تھا۔ اسے غالباً پولیس میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں

گزرا تھا اسی لئے چہرے پر شگفتگی اور نرمی تھی۔

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مس ثمینہ؟" پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"جی ہاں' ثمینہ میرا ہی نام ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" پولیس آفیسر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ کو زحمت دینے کی معذرت چاہتا ہوں مس ثمینہ لیکن آپ سمجھتی ہیں نا کہ ہماری ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ بعض اوقات ناخوشگوار فرائض بھی انجام دینا پڑتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں اگرچہ نرمی اور شائستگی تھی لیکن ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ پولیس آفیسر بھی اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"جی فرمایئے آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"چند روز پہلے پولیس نے بلو سائیں کے تکئے پر قائم منشیات کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا۔ اس چھاپے کے دوران آپ کا رجسٹر اور دو کتابیں پولیس کو منشیات کے اس اڈے سے ملی تھیں۔"

"جی ہاں۔" ثمینہ نے کہا۔ "اور میں بتا چکی ہوں کہ وہ رجسٹر اور کتابیں ایک تانگے میں رہ گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے تانگے میں سوار کسی شخص نے وہ چیزیں اٹھا لی ہوں اور اس کا تعلق منشیات کے اس اڈے سے ہو...."

"لیکن آپ کا یہ بیان درست نہیں ہے۔" پولیس آفیسر نے کہا۔ "آپ وہ رجسٹر اور کتابیں کسی تانگے میں نہیں منشیات کے اس اڈے میں بھولی تھیں۔ ہمارے پاس منشیات کے اس اڈے میں آپ کی موجودگی کا ثبوت ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے...." ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا اور دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔

"بیٹھ جایئے۔" پولیس آفیسر نے کہا۔ اس کے لہجے میں بدستور نرمی تھی۔ "معاملہ بے حد سنگین ہے مس ثمینہ۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "چند روز قبل منشیات کے اڈے والے قبرستان سے ملحق موٹر ورکشاپ کے مالک یوسف کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس سے چند روز پہلے منشیات کے اڈے پر پولیس نے چھاپہ مارا تھا تو ایک عورت قبرستان کی دیوار پھلانگ کر اس طرف آئی تھی اور دیوار پھاندنے سے اس عورت کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔ یوسف نے اس عورت کو کالج کی لیکچرار کی حیثیت سے شناخت کر لیا تھا۔ اس کی بہن اسی کالج میں پڑھتی ہے اور وہ اپنی بہن کو کالج چھوڑنے آتا تھا۔ اس نے اس لیکچرار کو دیکھا تھا۔ اس

aazzamm@yahoo.com

لئے شناخت بھی کر لیا۔ ہم نے آپ کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کی ہیں۔ ابھی پرنسپل صاحبہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ پچھلے دنوں پیر میں موچ آ جانے سے کالج سے چھٹی پر تھیں۔ منشیات کے اڈے سے آپ کے رجسٹر اور کتابوں کا ملنا اور یہ واقعات اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ....."

"یہ جھوٹ ہے' غلط ہے سب کچھ۔" ثمینہ نے کہا۔

"مس ثمینہ۔" پولیس آفیسر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "معاملہ اگر صرف رجسٹر اور کتابوں کے برآمد ہونے تک محدود رہتا تو بات ختم ہو سکتی تھی لیکن اب معاملہ ایک قتل کا ہے۔ ورکشاپ میں کام کرنے والے مستری آپ کو شناخت کر سکتے ہیں۔"

"آپ سمجھتے ہیں کہ اس مکینک کو میں نے قتل کیا ہو گا؟" ثمینہ نے کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔" پولیس آفیسر بولا۔ "مکینک یوسف کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کے بارے میں بھی کچھ سنسنی خیز انکشافات ہوئے ہیں۔ وہ بلیک میلر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو منشیات کے اڈے سے بھاگتے دیکھ کر اس نے آپ کو پریشان کرنے کی کوشش کی ہو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کسی جرم میں ملوث ہو سکتی ہیں لیکن مجرموں کی گرفتاری کے لئے آپ ہماری مدد ضرور کر سکتی ہیں۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جانتی ہوں تو ہم سے تعاون کیجئے۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ قانون آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرے گا۔"

ثمینہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ اس کا گلا سوکھ رہا تھا اور ہونٹ خشک تھے۔ وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس نوجوان پولیس آفیسر نے حالات کا جو تجزیہ کیا تھا وہ حقیقت کے کس قدر قریب تھا اور ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت وہ اسے قانونی تحفظ کی پیشکش کر کے تعاون کے لئے کہہ رہا ہے لیکن جب اسے پتہ چلے گا کہ شارق اور نولکھا سے اس کا کوئی تعلق ہے تو وہ اپنی پیشکش بھول کر اسے سلاخوں کے پیچھے بند کر دے گا۔

"مس ثمینہ!" پولیس آفیسر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ایک بات ذہن میں رکھئے۔ قانون اندھا یا بہرہ نہیں ہے ابھی تحقیقات شروع ہوئی ہے آگے چل کر مزید انکشافات ہو سکتے ہیں۔ میں آپ کو سوچنے کے لئے وقت دے رہا ہوں۔ میں کل دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی وہ آپ کے حق میں ہو گا۔"

پولیس آفیسر اٹھ کر کھڑا ہو گیا وہ چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کا چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو رہا تھا اور دل کانپ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے۔ وہ بیٹھی

طرح پھنس گئی تھی۔ پہلی مرتبہ جب اسے پولیس والے تھانے لے گئے تھے تو شارق اور گورایہ اسے چھڑا لائے تھے پھر رجسٹر اور کتابوں کے بارے میں جو پولیس والے پوچھ گچھ کے لئے آئے تھے انہیں بھی ٹرخا دیا گیا تھا۔ لیکن ثمینہ کو اب احساس ہو رہا تھا کہ پولیس والے اتنے بے وقوف نہیں ہوتے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔ پولیس والے جب کسی جرم کی تحقیقات کرتے ہیں تو بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ یوسف کا قتل ایک راز تھا۔ پولیس نے شبے میں دو آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا تھا اس کے خیال میں یہ بات یہیں پر ختم ہو جانی چاہئے تھی لیکن پولیس تحقیقات کرتی ہوئی اس تک پہنچ گئی تھی۔

منشیات کے اڈے پر چھاپہ اگرچہ یوسف کے قتل سے کئی روز پہلے پڑا تھا لیکن پولیس نے یہ سراغ بھی لگا لیا تھا کہ چھاپہ پڑنے کے بعد وہ قبرستان کی دیوار پھلانگ کر یوسف کے ورکشاپ کی طرف آئی تھی۔ اور اس کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔

یہ ابھی تحقیقات کی ابتدا تھی۔ پولیس ورکشاپ کے ملازموں کو سامنے لے آئے گی تو وہ اسے شناخت کر لیں گے۔ پولیس کڑی سے کڑی ملاتی ہوئی ایک ایسی زنجیر تیار کر لے گی جو اس کی گردن میں لپیٹ دی جائے گی۔ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ پولیس یوسف کے قتل کا سراغ لگا لے گی اور پھر سلمان ایڈووکیٹ کے قتل کا سراغ لگانا بھی مشکل نہیں ہو گا۔

ثمینہ کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ بے حس و حرکت کرسی پر بیٹھی سامنے والی دیوار کو گھورتی رہی چونکی تو اس وقت جب دفتر کی مائی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ثمینہ بی بی.... میڈم آپ کو بلا رہی ہیں۔" ماسی نے کہا۔

"اوہ.... اچھا۔" ثمینہ کہتی ہوئی اٹھ گئی لیکن دوسرے ہی لمحہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اگر وہ خود سے نہ بیٹھ جاتی تو یقیناً گر پڑتی۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھی اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر اٹھ کر وزیٹرز روم سے نکل گئی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور اس کے لئے چلنا مشکل ہو رہا تھا۔

"یس میڈم!" وہ پرنسپل کے کمرے میں داخل ہو کر میز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"کیا معاملہ ہے مس ثمینہ۔ یہ پولیس آفیسر کیوں آیا تھا؟" پرنسپل نے اسے گھورا۔

"پتہ نہیں میڈم۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

"مس ثمینہ!" پرنسپل نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ تمہارا کوئی ذاتی معاملہ ہے تو اس میں کالج کا نام نہیں آنا چاہئے۔ میں کالج کی بدنامی کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہیں وضاحت کرنی ہو گی کہ یہ سب کیا قصہ ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"یس میڈم۔" ثمینہ نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں کل آپ کو بتا دوں گی۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔"

ثمینہ پرنسپل کے دفتر سے نکل کر اسٹاف روم میں آ گئی۔ اس وقت نائلہ اسٹاف روم سے نکل رہی تھی۔ ثمینہ کو دیکھ کر رک گئی۔

"کیا ہوا ثمینہ' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" نائلہ اس کی حالت دیکھ کر چونک گئی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ثمینہ نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ پولیس آفیسر کیوں آیا تھا؟" اب کیا کہہ رہا تھا یہ؟" نائلہ نے پوچھا۔

"وہی قصہ ہے۔ پولیس یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ میرا رجسٹر اور کتابیں منشیات کے اس اڈے تک کیسے پہنچی تھیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تو پھر... تم نے کیا کہا؟" نائلہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہتی کیا۔" ثمینہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "وہی جو پہلے کہا تھا۔ لیکن پولیس والے اس کہانی کے بجائے کچھ اور سننا چاہتے ہیں۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ کسی وکیل سے بات کر لی جائے لیکن تم نے معاملے کو معمولی سمجھ کر ٹال دیا۔ تمہارے ڈیڈی آئے بھی تو تم نے بات نہیں کی۔ تم نے تو سنا ہے مکان بھی تبدیل کر لیا ہے۔ کہاں چلی گئی ہو؟" نائلہ نے کہا۔

"کل بتاؤں گی۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ گھر جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے اپنی الماری سے اپنی چیزیں نکالیں۔ چادر اوڑھی اور اسٹاف روم سے نکل گئی۔

کالج کے گیٹ سے نکل کر اس نے محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک طرف چلنے لگی۔ اس کے قدموں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ تقریباً دو فرلانگ تک پیدل چلتی رہی اور بار بار پیچھے مڑ کر اور ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ وہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پھر وہ ایک تانگے پر بیٹھ کر کچہری بازار کے بیرونی چوک پر اتر گئی۔ اور ادھر ادھر دیکھتی ہوئی کچہری بازار میں داخل ہو گئی۔ اب اس کی خود اعتمادی کسی حد تک لوٹ آئی تھی اور اس نے اپنی وحشت پر بھی بڑی حد تک قابو پا لیا تھا۔

گھنٹہ گھر کے چوک پر پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رکی اور کارخانہ بازار میں داخل ہو گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا کر چلتی ہوئی بازار کے چوک پر آ گئی۔ تیز دھوپ میں چلتے ہوئے اس کا لباس پسینے میں شرابور ہو چکا تھا لیکن یہ سب کچھ اس نے محض اس لئے کیا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کرتا ہوا اس کے گھر تک نہ پہنچ جائے۔ کالج سے نکلتے ہوئے اسے شبہ تھا کہ سادہ لباس میں کوئی پولیس والا اس

کی نگرانی نہ کر رہا ہو۔ لیکن اس کا شبہ بے بنیاد نکلا۔ اتنا لمبا چکر کاٹنے کے بعد اسے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا۔

چوک پر آنے کے بعد وہ ایک خالی تانگے پر بیٹھ گئی۔ تانگے والا طارق آباد کی آوازیں لگا رہا تھا۔

"بابا مجھے جلدی جانا ہے سالم تانگہ لے چلو۔" ثمینہ نے تانگے والے سے کہا۔

کوچوان تانگے پر بیٹھ گیا اور اس نے گھوڑے کو ہانک دیا۔

ثمینہ طارق آباد کا اوورہیڈ برج شروع ہوتے ہی تانگے سے اتر گئی۔ اس نے ہینڈ بیگ میں سے پیسے نکال کر تانگے والے کو دیئے اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے چلنے لگی حالانکہ اسے سیدھا جانا تھا لیکن وہ بنگلوں کے درمیان ایک گلی میں اتر گئی۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلنے لگی۔ دو تین گلیاں گھوم کر وہ مخالف سمت سے اپنی کوٹھی والی گلی میں داخل ہو گئی۔ کوٹھی کے سامنے پہنچ کر وہ رکی۔ محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ہینڈ بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکال کر ایک چابی منتخب کی۔ گیٹ کھولا اور اندر داخل ہو کر گیٹ بند کر دیا۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے ایک بار پھر گچھے میں سے ایک چابی منتخب کی۔ تالا کھولا اور دروازے میں داخل ہو کر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

ثمینہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیزیں راہداری ہی میں پھینک دیں۔ چادر بھی اتار کر پھینک دی اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر گر گئی۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ دیر تک پلنگ پر بے سدھ پڑی روتی رہی۔ اس طرح رو لینے سے اس کے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا ہو گیا لیکن دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ صورت حال واقعی سنگین ہو گئی تھی۔ اگر کوئی چھوٹی موٹی بات ہوتی تو وہ حالات کا مقابلہ کر سکتی تھی لیکن معاملہ قتل کا تھا۔ ایک نہیں بلکہ دو قتل.... قتل کی ان دونوں وارداتوں میں گرچہ وہ براہ راست ملوث نہیں تھی لیکن وہ شریک جرم ضرور تھی۔ سلمان ایڈووکیٹ کو وہ ہوٹل سے بلا کر لائی تھی اور ویران اور زیر تعمیر مکان میں لے جا کر اسے قتل شارق نے کیا تھا۔ اس طرح وہ بھی سلمان کے قتل میں شریک ہو گئی تھی۔ مکینک یوسف نے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اصولی طور پر ہونا تو چاہئے تھا کہ وہ یوسف کے خلاف پولیس سے مدد طلب کرتی۔ پولیس اسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرتی اور عدالت اسے سزا دیتی لیکن اس طرح خود بھی پھنس جاتی۔ اس سے یہ ضرور پوچھا جاتا کہ یوسف اسے کس بنا پر بلیک میل کر رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اسے وہ سب کچھ بتانا پڑتا جو وہ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے نولکھا سے یوسف کی شکایت کر دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یوسف کو تھوڑی بہت سزا دے کر چھوڑ دے گا لیکن نولکھا اور شارق نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ نولکھا نے بھی یوسف کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ اور اس پولیس آفیسر نے بھی کچھ انکشافات کئے تھے۔ وہ جرائم پیشہ تھا۔ بلیک میلر تھا لیکن اسے سزا دینے کا حق صرف اور صرف قانون کو تھا۔

یوسف کے قتل میں ثمینہ کا براہ راست کوئی تعلق نہ سہی لیکن پولیس کو اس پر شبہ ہو گیا تھا کہ یوسف اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اس پر قاتل ہونے کا شبہ نہ سہی لیکن پولیس اس سے معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ پولیس کا طریقہ کار اب کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اتنے مضبوط اعصاب کی مالک نہیں تھی کہ پولیس کے چند سوالوں کا بھی مقابلہ کر سکتی۔

وہ کیا کرے؟ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس کا ذہن ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ پلنگ پر پڑے پڑے اس نے سر اٹھا کر دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ چار بجنے والے تھے۔ اسے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ صبح ناشتے میں اس نے ڈبل روٹی کا صرف ایک سلائس کھایا تھا اور اب بھوک کی شدت سے وہ پیٹ میں اینٹھن سی محسوس کر رہی تھی۔

اس نے کروٹ بدل لی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ وہ لاہور چلی جائی اور اپنے باپ کو سب کچھ بتا دے۔ اس کے باپ کے بعض بڑے لوگوں سے تعلقات تھے۔ ممکن ہی وہ اس کی کوئی مدد کر سکیں لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ معاملہ قتل کا تھا۔ باپ کے تعلقات اس کے کسی کام نہیں آ سکتے تھے اور جب شارق سے اس کا تعلق ثابت ہو گیا تو بات بہت آگے نکل جائے گی۔ شارق نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ اسلحے اور ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ ممکن ہے اس کے کھاتے میں دو چار قتل بھی ہوں۔ اس سے ثمینہ کا تعلق ثابت ہونے کے بعد اسے بھی ہر جرم میں اس کا شریک سمجھا جائے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ پولیس کے چکر میں ایک مرتبہ پھنس جانے کے بعد وہ اس سے نکل نہیں سکتی تھی۔ شارق نے بھی اپنے بارے میں یہی سب کچھ بتایا تھا۔ سب سے پہلے اسے بھی جرم بے گناہی کی سزا بھگتنا پڑی تھی۔ اس کے بعد اس نے شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہی تھی لیکن پولیس نے اسے جرائم کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔

ثمینہ کو بچاؤ کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ فرار! اس کے لئے یہی ایک راستہ باقی بچا تھا۔ اس کے سوا بچاؤ کی اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔

یہ خیال آتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فرار کے ساتھ ہی اسے ایک اور خیال

ی آیا تھا۔ راہ فرار اختیار کرنے کے بعد اسے اپنے ماں باپ اور بہن بھائی ہر ایک سے محروم ہونا ے گا۔

وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ صبح کی ڈبل روٹی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے چائے بنائی اور ڈبل ی کے دو تین سلائس کھا لئے۔ پیٹ بھرنے کے بعد دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو وہ ار پھر صورت حال کا جائزہ لینے لگی اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس کے سامنے صرف فرار ا راستہ بچا تھا۔ اس نے ہر پہلو پر غور کر لیا تھا۔ شارق سے پہلی ملاقات کے بعد وہ جس طرح تہ طور پر جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی گئی تھی ان حالات کے پیش نظر اس کے بچاؤ کا کوئی ہ نہیں رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی بے گناہی پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہو گا۔ اسی لئے اس نے ا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن پھر دفعتاً" ایک اور خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ جائے گی کہاں؟

ں سوال نے اسے پریشان کر دیا۔ یہ واقعی اس کے لئے اہم مسئلہ تھا۔ اپنے کسی جاننے ے ہاں وہ نہیں جا سکتی تھی۔ اسے ہر جگہ تلاش کر لیا جائے گا۔ اس کے سامنے صرف ایک ہم تھا۔ ایک ہی چہرہ تھا جو ایسی صورت میں اسے پناہ دے سکتا تھا۔ شارق ہی ایک ایسا آدمی تھا ے پاس اسے پناہ مل سکتی تھی۔ یہ کوٹھی بھی شارق ہی نے اس کے لئے کرائے پر حاصل کی یکن وہ یہاں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کوٹھی کے بارے میں اگرچہ کسی کو علم نہیں تھا لیکن زیادہ سے زیادہ دو تین روز میں اس کا سراغ لگا لے گی۔ لیکن مسئلہ تو یہ تھا کہ اسے شارق ر کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ اس نے کبھی اپنا پتہ نہیں بتایا تھا البتہ ایک مرتبہ شارق نے بتایا تھا ہ لاہور میں مزنگ میں رہتا ہے لیکن مزنگ کوئی چھوٹی جگہ نہیں تھی کہ اسے آسانی سے یا جا سکتا۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ شارق نے وہ کون سا نام بتایا تھا جس نے ی منشیات کا اڈہ قائم کر رکھا تھا۔ بڑا عجیب سا نام تھا۔ کچھ دیر ذہن پر زور دینے کے بعد ام یاد آ گیا.... چھانگا.... وہ منشیات کا اسمگلر تھا۔ اس قسم کے لوگ خاصے بدنام ہوتے ہیں علاقے میں وہ رہتے ہیں وہاں کا بچہ بچہ ان سے واقف ہوتا ہے۔

ہ حتمی فیصلے پر پہنچنے کے بعد ثمینہ کو اطمینان سا ہوا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ آج ہی جائے گی اور مزنگ پہنچ کر شارق کو تلاش کر لے گی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے تیاری شروع کر دی۔ وہ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں لے جا سکتی تھی۔ چند جوڑے کپڑے ورت کی چند دوسری چیزیں اس موقع پر اس کا ساتھ دے سکتی تھیں۔ ہ کی تھی۔ ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اس وقت روانہ ہوئی تو رات کے دس بجے ہور نہیں پہنچ سکے گی اور پھر شارق کا ٹھکانہ تلاش کرنے میں بھی وقت لگے گا۔ رات

aazzamm@yahoo.com

کو اکیلی عورت سڑک پر گھومتی رہے تو ویسے ہی غنڈے اور بدمعاش اس کا پیچھا شروع کر دیتے ہیں' نہیں اس وقت جانا مناسب نہیں ہو گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ صبح سویرے روانہ ہو جائے گی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ مطمئن سی ہو گئی اور کچن میں جا کر کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ کھانا کھانے بیٹھی ہی تھی کہ کال بیل کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس گھر کے بارے میں کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے نائلہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔ تو کیا پولیس نے اس کا پتہ لگا لیا تھا؟

کال بیل ایک بار پھر بجائی گئی اور اس کے ساتھ ہی گیٹ زور زور سے دھڑدھڑایا جانے لگا۔ یہ انداز پولیس ہی کا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں ہوتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی اور بتی جلائے بغیر کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکنے لگی۔ گیٹ پر تاریکی تھی اس لئے کچھ نظر نہیں آ سکا۔ اسی لمحہ ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بیگم صاحب.... اللہ کے نام پر... بچا کھچا کھانا دے دو.... میرے بچے بھوکے ہیں آپ کو دعائیں دیں گے۔"

اس صدا کے ساتھ ہی گیٹ ایک بار پھر کھٹ کھٹایا گیا۔ ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کوئی بھکاری تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کا دل اب بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے مانگنے کا۔ تنگ کر رکھا ہے تم لوگوں نے۔" وہ گیٹ کھول کر بولی۔ اس کے سامنے ایک دراز قامت ملنگ کھڑا تھا۔ گنجا سر اور ٹخنوں تک لمبا چوغہ۔

"ثمینہ بی بی۔" ملنگ نے سرگوشی کی۔ "مجھے نولکھا نے بھیجا ہے۔ پولیس کو شبہ ہو گیا ہے' وہ لوگ آپ کا سراغ لگا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے پولیس آج رات آپ کی گرفتاری کے لئے یہاں چھاپہ مار دے۔ آپ دس بجے تک تیار ہو جائیں۔ نولکھا آپ کو لینے کے لئے پہنچ جائے گا۔"

"میں تیار ملوں گی لیکن جانا کہاں ہو گا؟" ثمینہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

"یہ تو پتہ نہیں جی لیکن آپ تیار رہئے۔" ملنگ نے کہا اور بائیں طرف سے دو آدمیوں کو آتے دیکھ کر حق اللہ کی آوازیں لگانے لگا۔

"معاف کرو بابا۔ تم لوگوں نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔" ثمینہ نے اونچی آواز میں کہا اور دھڑ سے گیٹ بند کر دیا۔

برآمدے میں پہنچ کر ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ ملنگ جا چکا تھا۔ اس نے راہداری میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور کمرے میں آ کر کھانا کھانے لگی۔ ابھی نو بجنے والے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ باقی

تھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے نولکھا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نولکھا نے جس طرح اطلاع بھجوائی تھی اس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ اس سے بے خبر نہیں تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ دیئے اور نولکھا کا انتظار کرنے لگی۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ہر آہٹ پر چونک پڑتی۔ اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ نولکھا سے پہلے پولیس یہاں نہ پہنچ جائے۔ نولکھا نے اسے غلط اطلاع نہیں بھجوائی ہو گی۔ پولیس نے اس کوٹھی کا سراغ لگا لیا ہو گا۔ اور عین ممکن ہے پولیس کو اس کے خلاف کوئی اور ثبوت بھی مل گیا ہو اور پولیس آج رات یہاں چھاپہ مارنے والی ہو۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گئی اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔ کبھی وہ اپنے کمرے میں آ جاتی اور کبھی کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح کوٹھی کے دوسرے کمروں میں گھومنے لگتی۔ ایک عجیب سی بے چینی بھری ہوئی تھی اس میں۔ جب سے ملنگ نے آ کر اسے اطلاع دی تھی اسی وقت سے وہ اور پریشان ہو گئی تھی۔

دس بج گئے۔ نولکھا نہیں آیا۔ اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ سوا دس بج گئے۔ کوئی گاڑی گیٹ کے سامنے آ کر رکی تو وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد ہی کال بیل چیخ اٹھی۔ ثمینہ کو اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر دروازے کے قریب آ گئی۔

چند لمحے سوچنے کی بعد اس نے دروازہ کھول دیا اور باہر آ گئی۔ کمرے میں بند رہ کر یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ باہر کون ہے۔ اس لئے اسے مجبوراً باہر آنا پڑا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ کے قریب پہنچ گئی۔ گیٹ کے باہر نولکھا کھڑا تھا۔

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا کی سرگوشی سنائی دی۔ "تیار ہو کر جلدی سے آ جاؤ میں یہاں انتظار کر رہا ہوں۔"

"میں تیار ہوں' ابھی آ رہی ہوں۔" ثمینہ کہتی ہوئی تیزی سے مڑ گئی۔ کمرے میں آ کر اس نے اپنا اٹیچی کیس اٹھایا اور ہر چیز پر الوداعی نظر ڈالتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے بتیاں بجھا دی تھیں۔ دروازے کو تالا لگانے لگی۔ جب وہ تالا لگا کر گاڑی کے قریب آئی تو نولکھا اگلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا ثمینہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ ایک پرائیویٹ کار تھی۔ ثمینہ کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آ گئی۔ ڈرائیور کو شاید پہلے ہی معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے اس لئے نہ تو نولکھا نے کچھ بتایا تھا اور نہ ہی ڈرائیور نے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی لاری اڈے کے سامنے سے

aazzamm@yahoo.com

ہوتی ہوئی نشاط آباد ریلوے پھاٹک عبور کر کے رک گئی۔ یہاں چھوٹی چھوٹی کئی دوکانیں تھیں ہوٹل تھے' پھلوں کے اور مختلف چیزوں کے ٹھیلے تھے' خاصی چہل پہل تھی۔ کار پھاٹک سے ذرا آگے رکی تھی۔ ڈرائیور نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ اور نولکھا کار ہی میں بیٹھے رہے۔ ثمینہ نے چادر لپیٹ رکھی تھی اور اس کا چہرہ بھی چادر میں چھپا ہوا تھا۔ نولکھا نے بھی سر پر ایک سفید کپڑا اس طرح رکھا ہوا تھا کہ کپڑے کا ایک پلو اس کے چہرے پر گرا ہوا تھا اور اس کا چہرہ بھی تقریباً چھپ گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک فلائنگ کوچ کار سے چند گز پیچھے آ کر رکی۔ کار کے ڈرائیور نے جھک کر نولکھا سے کچھ کہا۔ نولکھا ثمینہ کا اٹیچی کیس اٹھا کر کار سے اتر گیا۔ ثمینہ بھی دروازہ کھول کر نیچے آ گئی اور وہ دونوں فلائنگ کوچ کی طرف آ گئے۔ کار کا ڈرائیور وہیں کھڑا رہا تھا۔

نولکھا نے فلائنگ کوچ کے کنڈکٹر سے کچھ کہا۔ جیب سے ٹکٹ نکال کر دکھایا۔ کنڈکٹر نے دو خالی سیٹوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے بیٹھتے ہی فلائنگ کوچ حرکت میں آ گئی۔

ان کا اٹیچی کیس چھت پر رکھ دیا گیا۔ ثمینہ کھڑکی کی طرف بیٹھی تھی۔ نولکھا نے اس فلائنگ کوچ کے ٹکٹ پہلے ہی سے منگوا لئے تھے اور یہی کہا گیا تھا کہ وہ لوگ نشاط آباد ریلوے پھاٹک سے فلائنگ کوچ میں بیٹھیں گے۔ یہ فلائنگ کوچ انہی کے لئے یہاں رکی تھی اور ان کے بیٹھتے ہی حرکت میں آ گئی تھی۔

فلائنگ کوچ کی تمام سیٹیں بھری ہوئی تھیں۔ فلائنگ کوچ کہیں رکے بغیر چلتی رہی۔

رات ایک بجے لاہور ریلوے اسٹیشن کے سامنے ایک ہوٹل کی عمارت کی قریب فلائنگ کوچ رک گئی۔ یہاں متعدد ہوٹل تھے اور ہر ہوٹل کے سامنے مختلف شہروں کو جانے والی فلائنگ کوچز کے اڈے بھی قائم تھے۔ یہاں تانگوں' رکشوں اور ٹیکسیوں کی بھی بھرمار تھی۔ رکشہ اور ٹیکسی ڈرائیور کوچ سے اترنے والے مسافروں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ نولکھا' ثمینہ کا سوٹ کیس اٹھائے ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔ اس نے اپنے جسم پر چادر کو کچھ اور بھی لپیٹ لیا تھا۔

ٹیکسی میں بھی نولکھا آگے والی سیٹ پر ہی بیٹھا تھا۔ ثمینہ پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی۔

"کہاں چلنا ہی جی؟" اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"چوبرجی۔" نولکھا نے مختصر سا جواب دیا۔

ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ چوبرجی چوک کے ساتھ سرکاری کوارٹرز تھے

اور ثمینہ کے والد کا مکان بھی اسی کالونی میں تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے دل کو تسلی دی کہ انہیں چوبرجی کے علاقے میں پتہ نہیں کہاں جانا ہو گا۔ اور پھر رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس وقت بھلا اسے کون دیکھے گا۔

ٹیکسی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی چوبرجی چوک پر پہنچ گئی۔ نولکھا ڈرائیور کو راستہ بتانے لگا اور جب ٹیکسی چوبرجی کوارٹرز کالونی کے گیٹ میں داخل ہوئی تو ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ٹیکسی کوارٹرز کی چوتھی لین کے قریب رک گئی۔ نولکھا نے ڈرائیور کو پیسے دیئے اور نیچے اتر آیا۔ ثمینہ بھی نیچے آ گئی۔ اس وقت اگرچہ ہر طرف سناٹا تھا لیکن اس نے چادر کو پوری طرح لپیٹ رکھا تھا صرف ایک آنکھ کھلی تھی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ساتویں لین میں اس کے والد کا کوارٹر تھا۔

"چلو ثمینہ بی بی یہاں میری پھوپھی زاد بہن رہتی ہے۔ آج کی رات ہمیں یہیں گزارنی پڑے گی۔ صبح شارق کے ڈیرے پر جا کر اس کا پتہ کروں گا۔" نولکھا نے کہا۔

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" ثمینہ نے کہا اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف تھا۔

"یہاں میری پھوپھی زاد بہن رہتی ہے۔ گھبراؤ نہیں' آؤ میرے ساتھ....." نولکھا نے کہتے ہوئے اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا۔

"یہ....یہاں میرے والدین بھی رہتے ہیں۔ ساتویں لین میں ان کا کوارٹر ہے۔ اگر انہیں میرے بارے میں پتہ چل گیا تو قیامت آ جائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اوہ۔" نولکھا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہ تو واقعی گڑبڑ ہو گئی۔ لیکن رات تو یہیں گزارنی پڑے گی ہم صبح سویرے ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔"

ثمینہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ نولکھا اسی لین میں ایک کوارٹر کے سامنے رک گیا اور دروازے پر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ دروازہ دوسری مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد ہی کھلا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جو دھوتی اور بنیان پہنے ہوئے تھا۔

"ارے نولکھا تم..... یہ..... یہ کون ہے؟" وہ شخص باری باری دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ میری بہن ہے بھائی صاحب۔" نولکھا آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "رات یہاں رہنا ہے۔ صبح اپنے گھر چلی جائے گی۔ کلثوم کہاں ہے؟"

"وہ سو رہی ہے' آؤ..... اندر آ جاؤ۔" اس شخص نے کہا۔

وہ لوگ اندر آ گئے..... نولکھا کی پھوپھی زاد بہن کلثوم بھی جاگ گئی تھی۔ وہ ثمینہ کی شکل دیکھتے ہی چونک گئی۔ ثمینہ اسی محلے کی تو رہنے والی تھی۔ کالونی کے لوگ ایک دوسرے کو جانتے

aazzamm@yahoo.com

پہچانتے تھے۔ کلثوم نے بھی ثمینہ کو پہچان لیا تھا اور ثمینہ بھی اسے پہچان گئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی ثمینہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

"یہ.... شفاعت علی کی بیٹی...." اس نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو فیصل آباد میں استانی ہے۔ تو اسے بھگا کر تو نہیں لایا نولکھے؟"

"او نہیں بہن کلثوم۔" نولکھا نے کہا۔ "اسے میری بہن ہی سمجھو۔ بیچاری ایک مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ اس کے ماں باپ کا گھر بھی یہیں ہے تو اسے کبھی بھی یہاں لے کر نہ آتا لیکن اب..... کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ یہ یہاں ہے۔ میں اسے کل دن میں کسی وقت یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"تو کیا یہ اپنے ماں باپ کے پاس نہیں جائے گی؟" کلثوم کے شوہر ناصر نے کہا اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور پریشانی بھی۔

"نہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "میں نے ابھی کہا ہے نا کہ کسی کو اس کے بارے میں خبر بھی نہیں ہونی چاہئے۔ میری بات سمجھ گئے نا تم دونوں؟"

"لیکن اگر کسی ہمسائی نے دیکھ لیا تو؟" کلثوم بولی۔

"اگر گھر میں کوئی بھی آ جائے تو اسے دوسرے کمرے میں چھپا دینا۔" نولکھا بولا۔

"ہمیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دینا نولکھے۔" ناصر نے کہا۔

"او کچھ نہیں ہوتا۔" نولکھا نے کہا پھر کلثوم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اب اس کے سونے کا بندوبست کرو۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ نیند آ رہی ہے۔"

کلثوم نے ایک کمرے میں ثمینہ کے لئے بستر لگا دیا۔ نولکھا چادر لے کر بیٹھک میں دری پر سو گیا۔ ثمینہ اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ اس کے آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ صورت حال نے اچانک ہی ایک نیا موڑ لیا تھا۔ وہ اپنے گھر سے کس قدر قریب تھی۔ لیکن گھر نہیں جا سکتی تھی۔ چند گز کا یہ فاصلہ میلوں پر محیط ہو گیا تھا۔ وہ بار بار کلثوم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر اس نے صبح ہوتے ہی اس کے گھر والوں کو جا کر بتا دیا تو وہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ رات کو سفر کر کے کیوں آئی تھی اور پھر رات کو گھر آنے کی بجائے کسی اور کے گھر میں کیوں رہی تھی؟ وہ کبھی یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دیتی کہ نولکھا کے ڈر سے کلثوم اس کے بارے میں فی الحال اپنی زبان بند رکھے گی لیکن جب وہ یہاں سے چلی جائے گی تو وہ یقیناً محلے بھر میں بتاتی پھرے گی کہ ثمینہ رات کو اس کے گھر آ کر رہی تھی اور اگر کلثوم نے خود ہی اس سے پوچھ لیا کہ وہ نولکھا کو کیسے جانتی ہے اور رات اپنے گھر

جانے کے بجائے یہاں کیوں رہی ہے اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو اپنے ماں باپ سے کیوں چھپانا چاہتی ہے تو وہ کیا جواب دے گی۔

عجیب سی صورت حال ہو گئی تھی۔ کبھی اس کا دل چاہتا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جائے اور جا کر اپنے باپ کو سب کچھ بتا دے لیکن ہر بار وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیتی تھی۔ وہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکی تھی۔ اس کے دامن پر بے شمار دھبے لگ چکے تھے۔ پولیس اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ ممکن ہے اس کے بعد فیصل آباد میں پولیس نے اس کے مکان پر چھاپہ مارا ہو اور اس کی باقاعدہ تلاش شروع ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ فیصل آباد میں اس کی تلاش میں ناکامی کے بعد پولیس اس کے گھر والوں سے رابطہ قائم کرے گی اور جب اس کے ماں باپ کو پتہ چلے گا کہ وہ پولیس کو مطلوب ہے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ محلے والے اس کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ کیا اس کے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہیں گے؟ اب یہ سب کچھ سوچنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی اور ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا چکی تھی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ ثمینہ بستر پر لیٹی تاریکی میں گھورتی رہی اور بالآخر رات کا اندھیرا چھٹنے لگا۔ کھڑکی سے دن کا مدھم سا اجالا جھلکنے لگا۔ دن کی روشنی بتدریج واضح ہوتی چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد گھر میں چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گھسٹتے ہوئے قدموں کی آواز دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ وہ کلثوم تھی جو کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر کلثوم کمرے میں آ گئی۔

"میرا خیال ہے تمہیں رات کو نیند نہیں آئی۔" وہ چارپائی کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں، مجھے نیند نہیں آئی۔" ثمینہ نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"تم نولکھے کو کیسے جانتی ہو؟" کلثوم نے سرگوشی کی۔ "یہ میرا بھائی ضرور ہے مگر اس کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ہیروئن بیچتا ہے۔ تم اس کے جال میں کیسے پھنس گئیں، کیا یہ تمہیں بھگا کر لایا ہے۔ کوئی دھمکی دے کر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟"

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں کسی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ یہ تو مجھے بچا کر لایا ہے۔ میرے ساتھ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تو پھر اپنے گھر چلی جا۔" کلثوم نے کہا۔ "تمہارے ماں باپ کو جب پتہ چلے گا کہ تم یہاں ہو تو وہ کیا سوچیں گے۔"

"نہیں نہیں۔ خدا کے لئے انہیں مت بتانا۔ کسی کو مت بتانا کہ میں یہاں ہوں۔ کسی کو پتہ

aazzamm@yahoo.com

نہیں چلنا چاہئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"عجیب لڑکی ہو تم؟" کلثوم اسے گھورنے لگی۔

"تم نہیں جانتیں کہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "جب تک اس مصیبت سے نہیں نکل جاتی اپنے ماں باپ کا سامنا نہیں کر سکتی۔"

"تم اپنے ماں باپ کو بتا کیوں نہیں دیتیں۔ آخر ایسی کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ہے تم پر۔" کلثوم نے کہا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ بس تم مجھ پر یہ احسان کرو کہ کسی کو یہاں میری موجودگی کا پتہ نہ چلے۔" ثمینہ نے کہا۔

کلثوم چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلی گئی۔ ثمینہ چارپائی پر لیٹی رہی۔ کچھ دیر بعد کلثوم کا شوہر اور نولکھا بھی جاگ گئے۔ ثمینہ ان کی آوازیں سنتی رہی مگر اس کے کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا۔ کلثوم کا شوہر تیار ہو کر دفتر چلا گیا تو اس کے کچھ دیر بعد نولکھا کمرے میں آ گیا۔

"ثمینہ بی بی۔" وہ اس کی چارپائی کے قریب رک کر بولا۔ "میں شارق باؤ کا پتہ کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے کلثوم کو سمجھا دیا ہے۔ تم اٹھ کر کچھ کھا پی لو اور اپنا خیال رکھنا۔"

"کب تک واپس آؤ گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"اگر شارق باؤ چھانگے کے ڈیرے پر مل گیا تو میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے اسے تلاش کرنے میں کچھ دیر ہو جائے۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کلثوم تمہارا خیال رکھے گی۔" نولکھا کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

نولکھا کے جانے کے بعد بھی ثمینہ دیر تک بستر پر لیٹی رہی پھر اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور باورچی خانے ہی میں کلثوم کے پاس بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ ناشتے کے بعد وہ پھر اسی کمرے میں آ گئی۔ کلثوم گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ثمینہ جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن نولکھا کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اسے گئے ہوئے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس وقت کلثوم، ثمینہ کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ باہر کا دروازہ کھٹ کھٹایا گیا۔

"تم یہ دروازہ اندر سے بند کر لو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" کلثوم کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ ثمینہ نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور وہیں کھڑی ہو کر دروازے کی جھری سے جھانکنے لگی۔ وہ محلے ہی کی کوئی عورت تھی۔ ثمینہ اسے جانتی تھی اور ان کے گھر میں بھی اس کا

آنا جانا تھا۔

وہ عورت تقریباً ایک گھنٹے تک کلثوم کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی اور جب وہ چلی گئی تو ثمینہ نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

دوپہر ڈھلنے لگی۔ نولکھا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ثمینہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ اپنے گھر چلی جائے۔ ماں اس وقت اکیلی ہو گی۔ وہ ماں کو سب کچھ بتا دے شاید بہتری کا کوئی راستہ نکل آئے لیکن ان بھیانک خیالات نے ایک بار پھر پیروں میں زنجیریں ڈال دیں کہ پولیس اس کے گھر پہنچ جائے گی اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ کچھ ہی دیر بعد کال بیل بجائی گئی۔ ثمینہ نے کمرے میں داخل ہو کر دراوزہ بند کر لیا۔ کلثوم نے باہر کا دروازہ کھولا۔ وہ نولکھا تھا۔ ثمینہ نے اسے دیکھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "میں نے شارق باؤ کا پتہ چلا لیا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں ٹیکسی لے کر آیا ہوں۔"

ثمینہ کو تیاری کیا کرنی تھی۔ اس نے چادر اٹھا کر اس طرح اوڑھ لی کہ اس کا چہرہ بھی چھپ گیا۔ نولکھا نے کلثوم کو ایک بار پھر سمجھا دیا کہ اس کی یا ناصر کی زبان پر ثمینہ کا نام نہیں آنا چاہئے پھر وہ ثمینہ کا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ ثمینہ چادر لپیٹ کر دروازے سے باہر نکلی۔ سامنے والے کوارٹر کے دروازے میں کھڑی ہوئی ایک عورت اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ٹیکسی دروازے کے بالکل سامنے کھڑی تھی ثمینہ جلدی سے آگے بڑھی اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

اس وقت لوگ دفتروں سے واپس آ رہے تھے کالونی کے گیٹ والی سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ گیٹ کے باہر کی طرف پھلوں کے دو تین ٹھیلے بھی کھڑے تھے۔ ٹیکسی جیسے ہی گیٹ پر پہنچی باہر والی سڑک سے ایک موٹر سائیکل گیٹ کی طرف مڑی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے موٹر سائیکل کو بچانے کے لئے ایک دم بریک لگا دیا۔ ثمینہ کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور چادر اس کے سر سے اتر گئی....

موٹر سائیکل کی ٹکر ہونے سے بچ گئی تھی۔ موٹر سائیکل سوار نے گھور کر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا پھر اس کی نظریں نولکھا کے چہرے سے پھسلتی ہوئی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ثمینہ کی نظریں بھی موٹر سائیکل سوار کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا

aazzamm@yahoo.com

دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی نظریں اس شخص کے چہرے سے نہیں ہٹا سکی تھی۔ وہ موٹر سائیکل سوار اس کا باپ شفاعت علی تھا....!!!

○

شارق' سہیل کے ریسٹورنٹ والے کمرے میں محدود ہو کر رہ گیا تھا شہر میں ایک ہنگامہ سا مچ گیا تھا۔ اس قتل کو بھی پولیس نے منشیات فروشوں کے دو گروہوں کے تصادم کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ پولیس نے کچھ لوگوں کو حراست میں بھی لیا تھا۔ رائے عامہ پولیس کے خلاف ہو گئی تھی۔ سیاسی اور سماجی لیڈروں کے دھواں دار بیانات اخباروں میں چھپ رہے تھے اور پولیس ہی کو ان تمام خرابیوں کی بنیاد قرار دینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ بعض سیاسی اور سماجی لیڈروں نے کھل کر یہ بیان دیئے تھے کہ یہ تمام بھیانک جرائم پولیس کی سرپرستی میں ہو رہے ہیں۔ پولیس نے اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے پکڑ دھکڑ شروع کر رکھی تھی لیکن پولیس کی گرفت میں وہ لوگ آ رہے تھے جو جیب تراشی اور چھوٹی موٹی چوریوں جیسے جرائم میں ملوث تھے۔ بڑی مچھلیاں ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔ سب لوگ روپوش ہو گئے تھے۔ شارق نے بھی اپنی پناہ گاہ سے باہر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ ویسے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس کی یہ سرگرمی دو تین روز تک جاری رہے گی اور اس کے بعد سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ جائے گا اور پھر خطرے کی کوئی بات نہیں رہے گی۔

تین دن بعد وہ اپنی پناہ گاہ سے نکلا۔ اس کا خیال درست ثابت ہوا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں سرد پڑ گئی تھیں۔ وہ شام کے وقت سہیل کے ریسٹورنٹ سے نکلا اور مزنگ پہنچ گیا۔ گاما اور دو اور آدمی ڈیرے پر موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو تو شارق جانتا تھا جبکہ دوسرا اس کے لئے اجنبی تھا۔ شارق گاما کو لے کر الگ چلا گیا۔

"یہ کون ہے؟" شارق نے اس اجنبی کے بارے میں دریافت کیا۔

"یہ شیدا ٹلی والا ہے۔ سیالکوٹ سے آیا ہوا ہے۔ کل سے یہاں بیٹھا ہوا ہے اسے مال چاہئے۔" گاما نے بتایا۔

"تو دے دیتے اسے مال۔ تمہیں تو پتہ ہے کہاں رکھا ہے۔" شارق نے کہا۔

"مجھے پتہ تو ہے لیکن تمہاری اجازت کے بغیر میں اس مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" گاما نے جواب دیا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ "اسے اچھی طرح جانتے ہو نا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں' ایک دو مرتبہ چھانگے سے مال لے گیا تھا۔"

"کتنا مال چاہئے اسے؟"

"ایک کلو....رقم لے کر آیا ہے۔" گاما نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس سے رقم لے لو۔ میں مال لے کر آتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

گاما اس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ آدمی بیٹھا ہوا تھا اور شارق مزار میں آ گیا۔ اس نے دراوزہ بند کر کے تہہ خانہ کھولا اور قبر کے اندر اتر گیا۔ تہہ خانے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے تمام چیزیوں کو چیک کیا۔ کسی چیز کو نہیں چھوا گیا تھا۔ تقریباً دس لاکھ کی رقم بھی الماری کے سب سے نچلے خانے میں موجود تھی۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے ہیروئن کا ایک کلو والا پیکٹ اٹھا کر پلاسٹک کے ایک تھیلے میں لپیٹا اور تہہ خانے سے باہر آ گیا۔

اس نے تھیلی گاما کے حوالے کر دی۔ گاما نے وہ تھیلی شیدا ٹلی کے حوالے کر دی۔

"مال چیک کر لو۔ بعد میں ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی۔"

"کوئی بے اعتباری ہے گامے۔" شیدا ٹلی نے تھیلی لیتے ہوئے کہا۔ "بے اعتباری ہوتی تو کل سے یہاں نہ بیٹھا رہتا۔ یہاں میں اسی لئے آتا ہوں کہ مال کھرا اور پورا ملتا ہے۔"

"تم واپس کب جاؤ گے؟" گاما نے پوچھا۔

"بس یہاں سے سیدھا لاری اڈے ہی جاؤں گا۔" شیدا ٹلی نے جواب دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شیدا ٹلی رخصت ہو گیا۔ شارق نے دوسرے آدمی کو چائے لینے کے لئے بھیج دیا۔

"صورت حال کیا ہے؟" شارق نے گامے سے پوچھا۔

"تین دن پہلے ماجھے گجر کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔" گاما نے کہا۔ "یہ تو پتہ نہیں چلا کہ اسے کس نے مارا تھا لیکن ماجھا گجر یہ سمجھتا ہے کہ اسے تم نے مارا تھا کیونکہ اس رات تمہیں گوالمنڈی کے علاقے میں دیکھا گیا تھا۔"

"مولوی حمید واپس آیا کہ نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"آج صبح سے اس نے ہوٹل کھولا ہے۔ لیکن ماجھا گجر کے آدمی اسے دھمکی دے چکے ہیں کہ اگر اس نے گوالمنڈی میں اپنا کاروبار بند نہ کیا تو اسے بھی اڑا دیا جائے گا۔"

"ماجھا گجر کو تو میں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد کریں گی۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولا۔ "فیصل آباد سے کوئی پیغام!"

"نہیں' کوئی نہیں آیا۔" گاما نے جواب دیا۔

اس دوران وہ آدمی چائے لے کر آ گیا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ شارق تقریباً گیارہ

aazzamm@yahoo.com

بجے تک وہاں رہا۔ اس دوران صرف دو گاہک وہاں آئے تھے۔ گزشتہ تین چار دن کے دوران پولیس کی پکڑ دھکڑ کی وجہ سے تمام چھوٹے منشیات فروش ادھر ادھر ہو گئے تھے اور اب آہستہ آہستہ وہ دوبارہ اپنا دھندہ شروع کر رہے تھے۔

گیارہ بجے کے قریب شارق ایک بار پھر تہہ خانے میں گھس گیا اس نے الماری کے نچلے خانے سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ایک تھیلے میں بھر لیں اور تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ اس کے کچھ دیر بعد وہ گاما کو کچھ ہدایات دیتا ہوا ڈیرے سے نکل آیا۔ چوک سے اسے رکشہ مل گیا اور وہ سیدھا چوبرجی پہنچ گیا۔ رکشہ اس نے چوک پر ہی چھوڑ دیا اور پیدل چلتا ہوا اپنی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ گیا۔

اپنے بیڈ روم میں آ کر اس نے الماری کے پیچھے دیوار میں خفیہ خانہ کھولا اور رقم اس میں رکھنے کے بعد الماری دوبارہ اسی جگہ پر سرکا دی اور کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ گیا۔ چار دن پہلے جب وہ گھر سے نکلا تھا تو اس نے رضیہ اور مریم سے کہا تھا کہ اگر وہ رات کو نہ آیا تو صبح آ جائے گا لیکن ماجھے گجر کے آدمیوں کی پیدا کردہ گڑبڑ کی وجہ سے وہ سہیل کے ہاں رک گیا تھا اور پولیس کی سرگرمیوں کی وجہ سے وہیں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ اس طرح وہ آج بھی گھر نہیں جا سکا تھا۔

بستر پر لیٹے ہوئے وہ ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ثمینہ اس کوٹھی میں منتقل ہو چکی ہو گی۔ وہ ثمینہ کے سحر میں پوری طرح جکڑا جا چکا تھا۔ لیکن نادانستہ طور پر وہ ثمینہ کو بھی اپنے ساتھ جرائم کی اس دلدل میں گھسیٹ چکا تھا۔ جس کا اسے بے حد افسوس تھا۔ ثمینہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ ایک معزز پیشے سے وابستہ تھی۔ معاشرے میں اسے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن جب لوگوں کو یہ پتہ چلے گا کہ وہ ایک جرائم پیشہ شخص سے وابستہ ہو چکی ہے اور خود بھی ایک قتل میں ملوث ہے تو لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ اس کی کیا عزت رہ جائے گی لوگوں کی نظروں میں؟ اب وہ قانون کی نظروں میں مجرم تھی۔ پولیس کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ سلمان ایڈووکیٹ کے قتل میں ملوث ہے۔ لیکن پولیس کو جیسے ہی اس کے بارے میں شبہ ہو گا وہ اس پر ہاتھ ڈالنے میں دیر نہیں لگائے گی۔

شارق ثمینہ کے ہی کے بارے میں یہ سب کچھ سوچتا ہوا نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ صبح وہ دیر تک سوتا رہا۔ بیدار ہونے کے بعد بھی وہ بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کی ذہنی رو ایک بار پھر بہک گئی۔ وہ اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کیا تھا اور کیا بن گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اسے کیا بنانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر، انجینئر، وکیل لیکن وہ مجرم بن گیا تھا.... اور اسے مجرم بنانے میں قانون کے محافظوں ہی کا ہاتھ تھا۔ اگر قانون کے یہ محافظ اسے اس راستے پر نہ دھکیلتے تو آج وہ کچھ اور ہوتا۔ شریفانہ اور پرسکون زندگی بسر کر رہا ہوتا لیکن اب شرافت اور سکون اس کی زندگی سے رخصت ہو چکا تھا۔ وہ قانون کا مجرم تھا۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس کا ہر قدم اسے گہری دلدل میں دھکیل رہا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ بستر سے اٹھ گیا۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ رات کو وہ آتے ہوئے بیکری سے انڈے اور ڈبل روٹی وغیرہ لے آیا تھا۔ اس نے ناشتہ تیار کیا۔ ناشتے کے بعد کپڑے بدلے اور مکان سے باہر آ گیا۔ وہ سیدھا باغبانپورہ چلا گیا۔ رضیہ اس وقت یونیورسٹی گئی ہوئی تھی۔ مریم نے اسے آڑھے ہاتھوں لیا۔ شارق مسکراتے ہوئے خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ جب مریم خاموش ہوئی تو وہ بولا۔

"ماں جی.... میرا کاروبار ہی ایسا ہے کہ گھر آنے جانے کا کوئی وقت نہیں رہا۔ کبھی کئی کئی روز شہر سے باہر رہنا پڑتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی گھر آنے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن اب کوشش کروں گا کہ روزانہ نہیں تو دوسرے دن گھر کا ایک چکر لگا لیا کروں...."

"آخر ایسا کون سا کاروبار ہے کہ تمہیں گھر آنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔" مریم نے کہا۔

"ماں جی۔" شارق نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی کو چوبیس گھنٹے مصروف رہنا پڑتا ہے۔ میرا کام بھی کچھ ایسا ہی ہے۔"

شارق بڑی مشکل سے مریم کو قائل کر سکا تھا کہ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے اسے گھر آنے کا موقع نہیں ملتا۔ مریم بار بار اس کے کاروبار کے بارے میں پوچھتی رہی تھی لیکن وہ اسے یہ بتا دیتا کہ وہ اسلحہ اور ہیروئن کا سوداگر ہے۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں اور وہ پولیس کو مطلوب ہے۔ پولیس کو جیسے ہی موقع ملا اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی۔

تین بجے کے لگ بھگ اس نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس وقت رضیہ بھی آ گئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ رضیہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک کام یاد آ گیا ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں جا رہا ہوں واپسی میں شاید دیر ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واپس نہ آؤں۔"

اپنے کمرے میں آ کر اس نے کپڑے بدلے اور فوراً ہی باہر نکل گیا۔ اتفاق سے گلی سے نکلتے ہی اسے ٹیکسی مل گئی اور وہ اس پر بیٹھ کر مزنگ روانہ ہو گیا۔ شارق کو کوئی کام یاد نہیں آیا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کسی غیبی قوت نے اسے پکڑ کر اٹھا دیا ہو۔ وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ ایسی کیا بات

aazzamm@yahoo.com

تھی جس نے اسے اس قدر عجلت میں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب وہ مزنگ والے ڈیرے پر پہنچا تو وہاں نولکھا کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"تم.... خیریت؟ کب آئے؟" شارق نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ نولکھا کو یہاں دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"خیریت ہوتی تو میں یہاں نہ آتا شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "میں رات کو لاہور آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہے۔" اس نے ثمینہ کا نام لئے بغیر کہا۔

"اوہ!" شارق اس کا مطلب سمجھ گیا۔ "کہاں ہے؟"

"میری بہن کے گھر میں ہے۔" نولکھا نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے گاما کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی موجودگی میں تفصیل سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شارق نے گاما کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"ہاں' اب بتاؤ کیا بات ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے نولکھا کی طرف دیکھا۔

"فیصل آباد میں تو بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے یار شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "پولیس نے یہ پتہ چلا لیا ہے کہ جس روز تکئے پر چھاپہ پڑا تھا ثمینہ بی بی وہاں موجود تھی جو قبرستان کی دیوار پھاند کر یوسف کی ورکشاپ میں چلی گئی تھی۔ ورکشاپ میں کام کرنے والے لڑکوں نے پولیس کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ یوسف نے ثمینہ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا ہو گا اور ثمینہ نے کسی اور کی مدد سے اسے قتل کر دیا۔ ایک پولیس آفیسر ثمینہ سے پوچھ گچھ کے لئے کالج میں گیا۔ وہ لوگ میرے بارے میں بھی معلومات حاصل کر رہے تھے۔ کل شام مجھے پتہ چلا کہ پولیس ثمینہ کی کوٹھی پر اور ہمارے تکئے پر چھاپہ مارنے والی ہے۔ میں ثمینہ بی بی کو لے کر فیصل آباد سے نکل آیا۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔ "چوبرجی کوارٹرز میں میری پھوپھی زاد بہن رہتی ہے رات کو ہم وہیں رہے تھے۔ ثمینہ اب بھی وہیں ہے۔ میں صبح سے یہاں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں لیکن ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چوبرجی کوارٹرز میں ثمینہ کے ماں باپ کا گھر بھی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"میرا تو خیال تھا کہ ثمینہ بی بی کو چند روز تک اپنی بہن کے گھر میں رکھوں گا لیکن اب یہ ممکن نہیں۔ کلثوم کے گھر عورتوں کا آنا جانا ہے اور وہ سب ثمینہ کو جانتی ہیں۔ اس لئے اسے وہاں نہیں رکھا جا سکتا۔"

"یہ تو واقعی خطرناک بات ہے۔" شارق بولا۔ "تم اسے ماسی مہراں کے گھر لے آؤ۔ وہ ایک آدھ دن وہاں رہے گی۔ اس کے بعد میں کوئی اور بندوبست کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نولکھا اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں ثمینہ بی بی کو لے کر ماسی مہراں کے گھر پہنچ جاتا ہوں۔"

"میں وہیں تمہارا انتظار کروں گا۔" شارق بھی کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ دونوں ڈیرے سے اکٹھے ہی نکلے تھے۔ نولکھا چوک کی طرف چلا گیا اور شارق اوپر سے گھوم کر گلیوں سے چکراتا ہوا ماسی مہراں کے گھر آ گیا۔ چھانگے کے مرنے کے بعد شارق نے اپنے تمام آدمیوں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ صورت حال خواہ کچھ بھی ہو وہ ماسی مہراں کے گھر نہ جائیں۔ وہ خود بھی اب تک صرف ایک ہی مرتبہ گیا تھا اور آج دوسری مرتبہ وہاں جا رہا تھا۔

دستک کے جواب میں دروازہ ماسی مہراں ہی نے کھولا تھا۔

"اندر آ جاؤں ماسی؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آ جا پتر۔" ماسی مہراں دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے بولی۔ "تجھے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

شارق اندر آ گیا ماسی مہران نے دروازہ بند کر دیا ور اسے لے کر بیٹھک میں آ گئی۔

"چائے پیو گے پتر۔" اس نے پوچھا۔

"ضرور پیوں گا ماسی۔ لیکن پہلے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"کیا بات ہے پتر؟" ماسی مہراں دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

شارق چند لمحے خاموش رہا پھر ثمینہ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"وہ بڑی مظلوم لڑکی ہے۔ محض میری وجہ سے مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک دو روز یہاں رہے گی پھر میں اس کے لئے کوئی دوسرا بندوبست کر دوں گا۔"

"کوئی دوسرا بندوبست کرنے کی کیا ضرورت ہے پتر۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "اسے لے آؤ وہ یہیں رہے گی۔ میرا بھی دل لگا رہے گا۔"

"نہیں ماسی۔" شارق نے کہا۔ "پولیس اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ اگر وہ لوگ اس کا سراغ لگاتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تو آپ کو بھی پریشانی ہو گی۔ نہیں' اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہو گا۔ ایک آدھ دن کی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔" ماسی مہراں نے کہا پھر اٹھتے ہوئی بولی۔ "تم بیٹھو میں چائے

aazzamm@yahoo.com

بنا کر لاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور شارق ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد ماسی مہراں چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران وہ زیادہ تر چھانگا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد گلی میں کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھٹ کھٹایا گیا۔ ماسی مہراں نے جا کر دروازہ کھولا اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ ثمینہ اور نولکھا بھی تھے۔

"بڑا غضب ہو گیا شارق باؤ۔" نولکھا نے سوٹ کیس رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"ہم ٹیکسی پر کالونی کے گیٹ سے نکل رہے تھے کہ ثمینہ کے باپ نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے موٹر سائیکل پر ہماری ٹیکسی کا پیچھا کیا مگر ٹیکسی ڈرائیور بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ وہ چکر دیتا ہوا داتا دربار کی طرف لے گیا۔ وہاں سے ہم دوسری ٹیکسی میں بیٹھ کر گڑھی شاہو پہنچ گئے۔ وہ ٹیکسی وہاں چھوڑی اور تیسری ٹیکسی پر بیٹھ کر یہاں آئے ہیں۔ اس صورت حال سے ثمینہ بی بی تو کیا میں بھی پریشان ہو گیا تھا۔" نولکھا نے بتایا۔

شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"رونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا ثمینہ۔" شارق نے کہا۔

"یہ تم نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔" ثمینہ روتے ہوئے بولی۔ "کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے مجھے؟ کاش! تم سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔"

"اب تو معاملہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔" شارق بولا۔ اس نے ماسی مہراں کو اشارہ کیا۔ وہ ثمینہ کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئی۔

"تم اپنی بہن کے ہاں پہلے بھی آتے جاتے رہے ہو۔ اس محلے کے لوگ تمہیں پہچانتے تو نہیں؟" شارق نے نولکھا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں تقریباً ایک سال پہلے کلثوم کے گھر گیا تھا اور وہ بھی رات کے وقت۔ وہاں مجھے کوئی نہیں جانتا۔ اب بھی سامنے والی ہمسائی نے مجھے اور ثمینہ کو کلثوم کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔" نولکھا نے کہا۔

"کیا اس نے ثمینہ کی شکل دیکھی تھی؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" نولکھا نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس وقت تو اس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن گیٹ سے نکلتے ہوئے اچانک ہی ثمینہ کے باپ کی موٹر سائیکل سامنے آ گئی تھی۔ اسے بچانے کے لئے ڈرائیور نے بریک لگائی تو جھٹکا لگنے سے ثمینہ کے سر سے چادر اتر گئی اور اس کے باپ نے اسے دیکھ لیا۔ ٹیکسی اگرچہ اسی وقت چل پڑی تھی لیکن ثمینہ کے باپ نے موٹر سائیکل پر ہمارا پیچھا شروع کر دیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس سے پیچھا چھڑایا ہے۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ پیچھا نہیں چھوڑے گا۔" شارق نے کہا۔ "اس کالونی میں زیادہ کوارٹرز نہیں ہیں۔ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا کہ تم لوگ کس گھر سے نکلے تھے۔ اس طرح انہیں پتہ چل جائے گا کہ ثمینہ' کلثوم کے گھر میں تھی اور اگر انہوں نے پولیس میں اغواء کی رپورٹ لکھوا دی تو پولیس والے کلثوم اور اس کے شوہر کو پریشان کریں گے۔"

"اتنی دور کی بات تو میں نے سوچی بھی نہیں تھی۔" نولکھا نے کہا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "لیکن پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں شارق باؤ۔ کلثوم اور اس کا خاوند میرے بارے ہی میں بتائیں گے نا۔ پولیس والے میری تلاش میں فیصل آباد جائیں گے اور میں فیصل آباد میں نہیں ہوں۔"

"ہاں.... ٹھیک ہے' دیکھا جائے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ ماسی مہراں کے مکان سے نکل کر ڈیرے پر آ گئے۔ نولکھا کو اب یہیں رہنا تھا۔ ابھی شارق مطمئن نہیں تھا۔ اگر پولیس نولکھا کا سراغ لگاتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ ثمینہ کا ماسی مہراں کے گھر میں رہنا درست نہیں تھا۔ پہلے اس کے ذہن میں خیال آیا کہ ثمینہ کو گھر پہنچا دے لیکن پھر اس خیال کو اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ مریم اور ثمینہ کو اس قسم کے معاملات سے الگ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ پھر دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ وہ ثمینہ کو شام نگر والے مکان میں لے جا سکتا تھا۔

رات دس بجے کے قریب وہ ڈیرے سے نکلا۔ چوک سے ٹیکسی لی اور ماسی مہراں کے گھر سے ثمینہ کو لے کر شام نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹیکسی اس نے گلی کے موڑ پر ہی رکوا لی۔ اس نے ثمینہ کا سوٹ کیس اٹھا لیا اور وہ دونوں گلی میں داخل ہو گئے' مکان کے بیرونی گیٹ کو باہر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔ شارق نے گلی میں ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے کنڈا کھولا۔ پہلے ثمینہ کو اندر داخل ہونے کا موقع دیا پھر خود اندر داخل ہو کر گیٹ بند کر دیا اور برآمدے میں پہنچ کر دیوار کی چوکھٹ کے اوپر ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔

چوکھٹ میں اس نے ایک گہرا سوراخ بنا رکھا تھا۔ برآمدے والے دروازے کے تالے کی چابی وہ چوکھٹ کے اسی سوراخ میں رکھ دیا کرتا تھا۔ کسی کو یہاں چابی رکھے جانے کے بارے میں خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ٹٹول کر چابی نکالی اور تالا کھول کر دروازہ کھول دیا۔ پہلے اس

aazzamm@yahoo.com

نے ثمینہ کو اندر داخل ہونے کا راستہ دیا پھر خود اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور بتی جلانے کے لئے دیوار پر سوئچ ٹٹولنے لگا۔

گہری تاریکی تھی۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے ذہن پر ایک عجیب سا خوف طاری ہو رہا تھا۔ شارق اس کے گھر میں کئی روز رہ چکا تھا لیکن اس نے بڑی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس وقت بات کچھ اور تھی اور اب وہ بقول شخصے اپنی ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ اب وہ شارق کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ پولیس کے خوف سے بھاگی تھی۔ اس نے اپنے گھر والوں کو بھی تج دیا تھا۔ یہ بات اس نے اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ اب اس کے مقدر میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک جرائم پیشہ شخص کی پناہ میں رہ کر وہ ذلت و رسوائی ہی کی زندگی گزار سکتی تھی۔

چٹ کی آواز کے ساتھ ہی تیز روشنی پھیل گئی۔ ثمینہ کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یہ میری وہ خفیہ پناہ گاہ ہے جس کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔ تم پہلی ہستی ہو جسے میں یہاں لایا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "آؤ میں تمہیں پورا گھر دکھا دوں۔"

وہ بیڈ روم میں آ گئے۔ شارق نے اس کا سوٹ کیس پلنگ پر رکھ دیا۔ وہ اسے بیڈ روم دکھانے کے بعد دوسرے کمرے میں لے آیا۔ بیڈ روم میں تو آرام دہ بستر لگا ہوا تھا لیکن اس کمرے میں بان کی ایک جھلنگا سی چارپائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ فرش پر گرد جمی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے کی صفائی پر کبھی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ وہ اسے لاؤنج میں لے آیا یہ مستطیل کمرہ تھا۔ تین چار کرسیاں اور ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ میز پر شیشے کا ایک گلاس اور ایک جگ بھی رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے کا ایک دروازہ بائیں طرف گلیارے میں بھی کھلتا تھا۔ جبکہ دائیں طرف کچن تھا۔ کچن کے دروازے کے قریب ہی آٹھ مکعب فٹ کا ایک فرج بھی رکھا ہوا تھا۔ کچن میں ضرورت کے برتن اور دیگر تمام چیزیں موجود تھیں۔ گیس کا چولہا بھی رکھا ہوا تھا اور ایک کونے میں برشین کا سلنڈر بھی موجود تھا۔ سنک میں تین چار جوٹھے برتن پڑے تھے۔

"تم نے کھانا کھایا تھا یا نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن مجھے بھوک نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کھانا پینا چھوڑ دو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔" شارق نے کہا۔ "اس وقت تو میں ہوٹل ہی سے کچھ لے آتا ہوں۔ کل صبح کوئی دیگر بندوبست کیا جائے گا۔ آؤ دروازہ بند کر لو۔ میں باہر جا رہا ہوں۔"

شارق کے باہر جاتے ہی ثمینہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور بیڈ روم میں آ گئی۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری تھی۔ اپنی بربادی کی ذمے دار وہ خود تھی۔ اس میں شارق کا یا کسی اور کا کوئی قصور نہیں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق کھانا لے کر آ گیا۔ چکن تکہ کباب اور تندور کی روٹیاں۔ وہ رات اور صبح کے ناشتے کے لئے ڈبل روٹی اور انڈے مکھن وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

ثمینہ نے پہلے کچن میں جا کر برتن دھوئے۔ اس دوران شارق نے میز وغیرہ صاف کر دی اور گلاس اور جگ دھو کر اس میں پانی بھر کر میز پر رکھ دیا۔ ثمینہ نے کھانا پلیٹوں میں نکال لیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں میز پر آمنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ثمینہ کا انداز ایسا تھا جیسے نوالے زبردستی حلق میں ٹھونس رہی ہو۔ وہ بظاہر تو شارق کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ اس کے گھر والوں کا کیا حال ہو گا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب اس نے ٹیکسی پر کالونی کے گیٹ سے گزرتے ہوئے اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ اس کے باپ کی آنکھوں میں پہلے حیرت کے تاثرات ابھرے تھے پھر حیرت کی جگہ تشویش اور پریشانی نے لے لی تھی۔ اس کا باپ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑی کر رہا تھا۔ وہ غالباً ٹیکسی کی طرف آنا چاہتا تھا لیکن اس دوران ٹیکسی حرکت میں آ گئی تھی۔ اس کا باپ ثمینہ کو پکارتا ہوا ٹیکسی کے پیچھے لپکا۔ نولکھا نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرے ڈیڈی۔" ثمینہ نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیچھے مڑ کر بھی دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر اس قسم کے تاثرات ابھر آئے تھے جیسے ابھی رو پڑے گی۔

نولکھا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کچھ کہا۔ ٹیکسی کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔ ثمینہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کا باپ اپنی موٹر سائیکل کی طرف لپکا اور پھر اس نے موٹر سائیکل پر ٹیکسی کا پیچھا شروع کر دیا۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ وہ جلد ہی ثمینہ کے باپ کو ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا۔

داتا دربار کے قریب انہوں نے وہ ٹیکسی چھوڑ دی اور دوسری ٹیکسی میں بیٹھ گئے پھر گڑھی شاہو سے ایک تیسری ٹیکسی میں بیٹھ کر مزنگ میں ماسی مہراں کے گھر پہنچے۔ ثمینہ کو باپ کا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی کو کھو دینے کے بعد یقیناً گھر گیا ہو گا اب اسے پتہ چلا ہو گا کہ ثمینہ گھر نہیں آئی تھی تو اس پر اور گھر کے دوسرے افراد پر کیا کیا قیامت گزر گئی ہو گی۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ کو یوں گم صم پا کر شارق نے میز پر سے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ دیئے اور ثمینہ کو ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ روم میں لے آیا۔

"زیادہ مت سوچو جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب سوچنا چھوڑ دو۔"

ثمینہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ شارق اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ثمینہ نے بھی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شارق نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بجنے والے تھے۔

"تم یہاں پلنگ پر سو جاؤ۔ میں دوسرے کمرے میں چارپائی پر سو جاتا ہوں۔ اپنے دل سے سارا خوف نکال دو۔ یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔" شارق نے کہا۔ اور پھر اس کا سوٹ کیس اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور پلنگ پر پڑی ہوئی دو چادروں میں سے ایک چادر اٹھا کر بیڈ روم سے نکل آیا۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے تیز روشنی کا بلب بجھا کر نیلگوں روشنی والا نائٹ بلب جلا دیا تھا۔

دوسرے کمرے میں آ کر اس نے چارپائی اٹھا کر جھاڑی اور اس پر چادر بچھا کر لیٹ گیا۔ لیٹنے سے پہلے اس نے کمرے کی بتی بجھا دی تھی۔ صرف لاؤنج کی بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی شارق والے کمرے کے دروازے تک پہنچ رہی تھی۔

شارق اندھیرے میں جھلنگا سی چارپائی پر پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ وہ بار بار ثمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ سو گئی ہو گی یا شاید جاگ رہی ہو۔ رات کے تین بج رہے تھے وہ چارپائی سے اٹھ کر ننگے پیر چلتا ہوا کمرے سے نکلا اور دبے قدموں ثمینہ والے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ثمینہ سو گئی تھی یا ابھی تک جاگ رہی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نیلگوں روشنی جھلک رہی تھی۔ شارق دروازے میں رک گیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ثمینہ جاگ رہی تھی۔ اس نے شارق کو دیکھ لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شارق اندر آ گیا۔

"تت.... تم.... کیوں آئے ہو؟" وہ ہکلائی۔ شارق کو اس وقت اپنے کمرے میں دیکھ کر اس کا دل ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

"غلط مت سمجھو۔" شارق نے کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ تم سو گئی ہو یا جاگ رہی ہو۔ اگر تم سو چکی ہوتیں تو میں یقیناً واپس چلا جاتا۔ تمہیں جاگتے دیکھ کر اندر آ گیا ہوں۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔ تم بھی جاگ رہی ہو' کیوں نہ باتوں میں کچھ وقت گزار لیا جائے....." وہ پلنگ

کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ رات کا پچھلا پہر.... وہ دونوں اکیلے تھے۔ بلکہ وہ شارق کے رحم و کرم پر تھی۔ اگر شارق اس پر دست درازی کی کوشش بھی کرے تو وہ مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ چیخ کر محلے والوں کو جمع نہیں کر سکتی تھی۔ اپنی عزت بچانے کے لئے اس گھر سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔= اس لئے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرے میں تھی۔ یہاں شارق تھا۔ اس چار دیواری کے باہر بیسیوں شکاری گھات لگائے بیٹھے تھے۔ پولیس اس کی تاک میں تھی۔ وہ کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"تم رو رہی ہو؟" شارق نے قریب سرک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں مجھے قہقہے لگانے چاہئیں۔ اپنی بربادی پر خوش ہونا چاہئے۔" ثمینہ نے جذبات کی شدت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو ثمینہ...." شارق اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے بولا۔ "مجھے بار بار افسوس اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب تم وہ نہیں رہی جو چند روز پہلے تک تھیں۔ میں بھی وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا۔ میری طرح تمہیں بھی حالات سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب انسان سے ایک غلطی ہو جائے تو لوگ اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیتے۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ لیکن مجھے غلطیاں کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ تم عورت ہو۔ تم سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ مجھے پناہ دینے کی۔ تمہیں ایک موقع ملا تھا لیکن تم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگر تم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے پولیس کے حوالے کر دیا ہوتا تو تمہیں آج اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا مگر تم سے غلطی ہو گئی تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا کسی بھی طرح۔ اس کے بعد تم غلطی پر غلطی کرتی چلی گئیں۔ پے در پے سرزد ہونے والی غلطیاں تمہیں دلدل میں دھکیلتی رہیں۔ اگر تم اب بھی اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو تو عین ممکن ہے کہ قانون تمہیں مجبور اور بے بس سمجھ کر تمہاری ان غلطیوں کو معاف کر دے۔ مگر قانون کے یہ محافظ' جنہیں پولیس کہا جاتا ہے' تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ وہ قدم قدم پر تمہارے راستے میں آئیں گے اور تمہیں وہ راستہ اپنانے پر مجبور کر دیں گے جس سے تم بچنا چاہتی ہو۔ یہ اپنے مفاد کے لئے تمہیں جرائم کی دلدل میں دھکیلتے رہیں گے.... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ثمینہ.... یہاں زندہ رہنے کے لئے اپنا حق مانگا نہیں جاتا چھینا جاتا ہے۔ آج تم جن لوگوں سے چھپ رہی ہو کل وہی تمہیں سلام کریں گے۔"

"کیا... کیا میں اس طرح زندہ رہ سکوں گی۔ لوگوں کے لئے کھلونا بن کر۔" ثمینہ نے سسکی

aazzamm@yahoo.com

بھرتے ہوئے کہا۔

"زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "زندگی غلاموں کی طرح ڈر کر اور سہم کر بھی گزر جاتی ہے اور اپرہینڈ ہو کر بھی گزاری جا سکتی ہے۔ جب اپر ہینڈ ہونے کا موقع حاصل ہو تو سسکنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب تم بالا دست ہو کر رہو گی تو کوئی تمہیں کھلونا سمجھ کر تمہاری طرف ہاتھ نہیں بڑھائے گا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" ثمینہ نے سسکی بھری۔

"سب کچھ دماغ سے نکال دو۔" شارق نے کہتے ہوئے آہستگی سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ثمینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس کا سر شارق کے کندھے پر ٹک گیا۔ شارق اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ثمینہ سسکیاں بھرتی رہی۔ پھر اس کے آنسو تھم گئے۔ وہ اپنے آپ میں سنسنی کی ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی۔ لیکن اس سنسنی میں خوف نہیں تھا ایک عجیب سی کیفیت تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ شارق نے اسے لٹا دیا۔ ثمینہ اس کے لمس کو محسوس کرتی رہی۔

اور جب صبح ثمینہ بیدار ہوئی تو وہ پہلے والی ثمینہ نہیں رہی تھی۔ شارق اس کے پہلو میں گہری نیند سو رہا تھا۔ ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور اپنی قسمت پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

○

ماجھا گجر بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ شارق کی وجہ سے اسے گزشتہ چند روز میں نہ صرف لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا تھا بلکہ اس کے دو بندے بھی مارے جا چکے تھے۔

دولت کی ہوس انسان کو کبھی ایک سطح پر ٹکنے نہیں دیتی۔ ہر شخص قارون سے زیادہ دولت مند بننے کے خواب دیکھتا ہے۔ ماجھا گجر کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھا۔ اس نے چھانگا کے کہنے میں آ کر دودھ کا کاروبار ختم کر کے منشیات کا کاروبار شروع کیا تھا۔ اور تب اسے پتہ چلا تھا کہ حصول زر کا اصل ذریعہ تو یہی ہے۔ اس میں خطرات تو تھے لیکن جب دولت پاس ہو تو ان خطرات پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ وہ لاکھوں روپے کما رہا تھا مگر اس کی ہوس بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے اس بزنس میں لانے والا چھانگا تھا۔ چھانگا اس سے زیادہ کما رہا تھا لیکن ماجھا گجر اب چھانگا کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنانے لگا۔ جیرا' چھانگے کا خاص آدمی تھا۔ شارق کے آنے سے جیرے پر اگرچہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا مگر ماجھا گجر' جیرے کے ذہن میں یہ بات بٹھانے لگا کہ چھانگے کو اب اس پر اعتماد نہیں رہا۔ جیرا اسکی باتوں میں آ گیا اور ماجھا گجر اسے چھانگے سے توڑنے میں کامیاب ہو

گیا۔ جیرا نے چھانگے کے تہہ خانے سے پندرہ کلو ہیروئن بھی چوری کر کے اونے پونے داموں ماجھا گجر کے حوالے کر دی تھی۔

ماجھا گجر کا منصوبہ یہ تھا کہ جیرے کے ہاتھوں چھانگے کو ختم کروا کر لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قابض ہو جائے گا۔ لاہور کے منشیات فروشوں کی تمام بڑی پارٹیاں چھانگا کے قبضے میں تھیں۔ لاہور سے باہر کی پارٹیاں بھی چھانگا ہی سے مال لیتی تھیں اور ماجھا گجر اس پوری مارکیٹ پر قابض ہونے کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ چھانگا اور جیرا آپس میں الجھ پڑے۔ جیرا مارا گیا اور چھانگا شدید زخمی ہوا۔ ماجھا گجر نے اصل میں غلط وقت پر غلط قدم اٹھایا تھا۔ اسے اگر یہ علم ہوتا کہ شارق ان دنوں لاہور میں نہیں تھا تو وہ جیرے کو چھانگا کے اسٹور سے ہیروئن چرانے کا مشورہ نہ دیتا۔ اس کا منصوبہ تو یہ تھا کہ جیرے کے ذریعے ہیروئن چوری کروا کر اس کا الزام شارق پر تھوپ دیا جائے اور شارق کو چھانگا کی نظروں میں گرا کر اسے گروہ سے نکلوا دیا جائے اور دوسرے مرحلے میں چھانگا کو جیرے کے ہاتھوں مروا دیا جائے۔ اس طرح جیرا بھی اس کے قبضے میں آ جاتا لیکن جیرے کو بھی شارق کی عدم موجودگی کا علم نہیں تھا اس طرح ہیروئن کی چوری کا الزام اسی پر آیا کیونکہ تہہ خانے کے راز سے صرف وہی واقف تھا۔ اور کوئی آدمی نہیں جانتا تھا کہ قبر کے نیچے کوئی تہہ خانہ موجود ہے۔ اس طرح جیرے کا راز افشا ہو گیا۔

چھانگا شدید زخمی تھا۔ اس کے پھیپھڑے میں گولی پھنسی ہوئی تھی۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماجھا گجر نے دوسری پارٹیوں سے ساز باز شروع کر دی مگر عین وقت پر شارق کود پڑا۔ وہ چھانگے سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ ماجھا گجر جیسا گھاگھ آدمی بھی چکرا کر رہ گیا۔ شارق نے ایک طرف نکا پہلوان پر چھانگا کا دو ڈھائی لاکھ روپے کا قرضہ معاف کر دیا تو دوسری طرف گوالمنڈی کے مولوی حمید کو مفت ہیروئن دے کر اس کے آدمیوں کے مقابلے پر لا کھڑا کر دیا۔ مولوی حمید آدھی قیمت پر ہیروئن فروخت کرنے لگا جس سے اس علاقے میں ماجھا گجر کے آدمیوں کا دھندہ ٹھپ ہو گیا۔ اس کے علاوہ شارق نے دوسری پارٹیوں کو بھی بڑی ہوشیاری سے اپنے قابو میں رکھا تھا۔

ماجھا گجر نے اپنے آدمیوں کے ذریعے مولوی حمید پر حملہ کروا دیا۔ اس ہنگامے میں دو راہ گیر اور مولوی حمید کا ایک آدمی مارا گیا۔ اور اس کا ایک آدمی پکڑا بھی گیا تھا۔ ماجھا گجر کے بھی دو آدمی پکڑے گئے تھے جنہیں وہ مک مکا کر کے اسی رات چھڑوا لایا تھا۔ دوسرے دن شارق نے بھی اپنے آدمی کو چھڑا لیا۔ اس دوران ماجھا گجر کو یہ اطلاع مل گئی کہ شارق گوالمنڈی کے علاقے میں موجود ہے۔ اس نے فوراً ہی اسے ختم کرنے کا پروگرام بنا لیا اور دو آدمی اسکے پیچھے لگا دیئے لیکن

aazzamm@yahoo.com

اس کا ایک آدمی مارا گیا اور شارق صاف بچ نکلا۔ شارق پر براہ راست حملہ کروا کر ماجھا گجر نے اس کے خلاف گویا باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ شارق ایک آدھ دن میں جوابی کارروائی ضرور کرے گا۔ مگر کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوئی۔ اس کی برعکس شارق گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گیا تھا۔ نہ جانے ماجھا گجر کو یہ یقین کیوں تھا کہ شارق اچانک ہی اس پر وار کرے گا۔ اس نے اپنے دو آدمی شارق کی جاسوسی پر لگا دیئے۔ وہ دونوں بھیس بدل کر شارق کے ڈیرے کے آس پاس منڈلانے لگے۔ ان میں ایک بھکاری بن کر گلی کے موڑ پر بیٹھ گیا اور دوسرا رکشہ ڈرائیور کے بھیس میں آس پاس منڈلانے لگا۔

اگلے روز ماجھا گجر کو اطلاع مل گئی کہ شارق اپنے ڈیرے پر آیا تھا۔ وہ رات گیارہ بجے تک وہاں رہا پھر کہیں چلا گیا۔ رکشہ ڈرائیور نے اس کا پیچھا کیا تھا مگر وہ شارق کی ٹیکسی کا تعاقب نہ کر سکا۔ دوسرے دن ماجھا گجر کو اطلاع ملی کہ شارق کا فیصل آباد کا ایجنٹ نولکھا آیا ہوا ہے۔ ماجھا گجر نے اس کی نگرانی جاری رکھنے کا حکم دیا اور پھر اسے یہ اطلاع ملی کہ پانچ بجے سے ذرا پہلے شارق اپنے ڈیرے پر آ گیا تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد نولکھا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اسکے جانے کے کچھ دیر بعد شارق بھی ڈیرے سے نکل کر پچھلی طرف والی آبادی کی گلیوں میں غائب ہو گیا۔ اس وقت ماجھا گجر کا وہ آدمی شارق کا تعاقب کر رہا تھا جو بھکاری کے بھیس میں تھا۔ لیکن وہ اس گلیوں میں شارق کا تعاقب جاری نہ رکھ سکا اور شارق غائب ہو گیا۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ شارق اور نولکھا کو پھر ڈیرے میں جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ بھکاری اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ رکشہ والا گلی کے دوسرے موڑ پر تھا۔ شارق چوک پر پہنچ کر ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر چلا گیا اور وہ بھکاری موقع پا کر نکل گیا۔ اس نے دوڑ کر اپنے رکشہ والے ساتھی کو اطلاع دی۔ وہ اس ٹیکسی کی تلاش میں سڑکوں پر رکشہ دوڑاتا رہا اور جب وہ واپس آ رہا تھا تو اس نے شارق کی ٹیکسی کو دیکھ لیا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ شارق کے ساتھ ٹیکسی میں ایک عورت بھی تھی جس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا۔

اس نے فوراً اپنا رکشہ موڑ لیا اور ٹیکسی کا پیچھا شروع کر دیا۔ لیکن اگلے چوک پر ٹیکسی کے سگنل پر ریڈ سگنل کی بتی سرخ ہو گئی۔ ممکن ہے وہ بھی رکشہ نکال لے جاتا لیکن ٹھیک اسی وقت بائیں طرف سے ایک ٹرک آ گیا جس نے رکشہ کا راستہ روک لیا۔ ٹرک کے پیچھے اور گاڑیاں بھی تھیں۔ رکشہ والا ایک غصہ آلود سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ حسرت بھری نظروں سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی ہوئی شارق کی ٹیکسی کی عقبی سرخ بتیوں کو دیکھتا رہا۔ اور جب سگنل کھلا تو اس نے رکشہ دوڑا دیا۔ وہ مختلف سڑکوں پر رکشہ دوڑاتا رہا لیکن شارق والی ٹیکسی غائب ہو چکی تھی۔

اور جب ماجھا گجر کو یہ رپورٹ دی گئی کہ شارق کو ایک عورت کے ساتھ ٹیکسی پر جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا تو ماجھا گجر آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ پچھلے چھ سات مہینوں سے شارق کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے لئے کچھ عجیب سا انسان ثابت ہوا تھا۔ اسے نہ تو شراب سے دلچسپی تھی اور نہ عورت سے۔ وہ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ شارق کسی عورت کو ٹیکسی پر لے کر گیا تھا۔

ویسے ماجھا گجر نولکھا کے لاہور آنے پر بھی چونکا تھا۔ یہ پہلے اس کا ساتھی تھا لیکن کچھ عرصہ پہلے ان میں رقم کے لین دین پر ان بن ہو گئی تھی۔ نولکھا اس کا ساتھ چھوڑ کر شارق کے قبضے میں آ گیا تھا جبکہ ماجھا فیصل آباد میں صادق کو ان کی پارٹی سے توڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ نولکھا منشیات فروش ہی نہیں خونی بھی تھا۔ ماجھے کو اچھی طرح یاد تھا کہ ایک سال پہلے اس نے لکشمی چوک پر سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں ایک رکشہ ڈرائیور کو قتل کر دیا تھا اور صاف بچ نکلا تھا۔ پولیس اس کے خلاف کوئی گواہ پیش نہیں کر سکی تھی۔ اور اب نولکھا کا یہاں آنا ماجھا گجر کے خیال میں خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا اس کے ذہن میں یہی خیال آیا تھا کہ شارق اس پر جوابی حملے کی تیاری کر رہا ہے اور اسے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

شارق دو دن تک غائب رہا۔ ماجھا گجر کے آدمی اس کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ نولکھا بدستور لاہور ہی میں تھا۔ ماجھا گجر شارق سے اس لئے بھی خوف زدہ تھا کہ وہ اس کے بہت سے راز جانتا تھا۔ وہ چھانگا کے ساتھ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا تھا۔ چھانگا کی ان دنوں ماجھا گجر سے کافی بنتی تھی۔ شارق کا اس کے ساتھ آنا جانا تھا اور شارق اس کے تہہ خانے کے راز سے بھی واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماجھا گجر شہر میں ہیروئن کی سپلائی کے علاوہ سرحدی گاؤں بھیتی کے ایک زمیندار کے ساتھ اسمگلنگ میں بھی ملوث ہے اور خورد و نوش کی اشیاء اور سونا بھارت اسمگل کر کے وہاں سے اسلحہ اور اسی قسم کی چیزیں اسمگل کرتا تھا۔

یہی سب باتیں اب ماجھا گجر کو پریشان کر رہی تھیں۔ اس لئے وہ شارق کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ اس طرح اسے دو فائدے ہوتے۔ پہلے تو یہ کہ اس کے راز محفوظ رہتے اور دوسرا یہ کہ وہ لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قابض ہو جاتا۔ لاہور میں اگرچہ اور بھی کئی پارٹیاں تھیں مگر ماجھے کو ان کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ شارق کے ختم ہو جانے کے بعد باقی پارٹیاں خود بخود اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گی۔

ماجھا گجر کے آدمی شارق کی تلاش میں پورے شہر میں گھوم رہے تھے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر ایک اور ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔ اسے کسی سیانے کا یہ قول یاد آ گیا کہ جس درخت کو گرانا ہو تو پہلے اس کی جڑوں کے آس پاس کی زمین کھودی جائے اور ماجھا گجر

aazzamm@yahoo.com

نے شارق کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر نکا پہلوان پر پڑی تھی۔ شارق نے نکا پہلوان پر دو ڈھائی لاکھ روپے کا قرضہ معاف کر دیا تھا اور نکا پہلوان شارق کی محبت کا کچھ زیادہ ہی دم بھرنے لگا تھا۔

اس روز ماجھا گجر شام سے پہلے ہی اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔ گاؤں سے تقریباً دو فرلانگ دور اس کا بھینسوں کا ڈیرہ ہوا کرتا تھا۔ بہت بڑا باڑہ تھا جہاں تقریباً دو سو بھینسیں بندھا کرتی تھیں۔ لیکن اس نے تمام بھینسیں بیچ کر سارا پیسہ منشیات کے بزنس میں لگا دیا تھا۔ وہ باڑہ بہرحال اب بھی موجود تھا۔ اس کے ساتھ تین چار کمرے بھی تھے۔

ماجھا نے نے گاؤں سے اپنا ایک آدمی منگوا لیا تھا۔ جو اس کے لئے رات کا کھانا بھی تیار کر کے لے آیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد ماجھا گجر کمرے میں پلنگ پر لیٹ گیا۔ وہ بار بار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ رات گیارہ بجے کے قریب کوئی گاڑی وہاں آ کر رکی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اس کے دو آدمی نکا پہلوان کو لے کر اندر داخل ہوئے۔ نکا پہلوان کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔

"آؤ.... آؤ میرے نکے پہلوان' آج کل تو تم بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے ہو۔" ماجھا گجر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے آدمی مجھے اس طرح پکڑ کر یہاں کیوں لائے ہیں۔" نکا پہلوان اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ویسے اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے دھوکے سے پکڑ کر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے۔" ماجھا گجر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "دیکھو نکے! میری اور تمہاری دوستی بہت پرانی ہے۔ شارق تو کل کا لونڈا ہے اسے کیا پتہ کہ کاروبار کیا ہوتا ہے۔ وہ چند روز بعد سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔"

"اگر تمہیں اس کے بھاگ جانے کی امید ہے تو اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" نکا پہلوان نے اسے گھورا۔

"اس کی وجہ سے مجھے لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اس کے بھاگنے سے پہلے میں اسے سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس طرح بھاگے کہ دوبارہ کھڑا ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔"

"تو پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" نکا پہلوان نے کہا۔

"تم شارق کو چھوڑ دو۔" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں

شارق کے تمام آدمیوں کو اس سے توڑنا چاہتا ہوں۔ وہ اکیلا رہ جائے گا اور پھر میں اسے بھاگنے کا راستہ بھی نہیں دوں گا۔ شارق ختم ہو جائے گا اور لاہور کی پوری مارکیٹ پر میرا قبضہ ہو گا۔"

"تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا ماجھے۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "شارق کوئی اتنا کمزور نہیں ہے جسے تم اس قدر آسانی سے بھاگنے پر مجبور کر سکو۔ اس نے اپنے پیر بڑی مضبوطی سے جما رکھے ہیں۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"اگر تم لوگ اس کا ساتھ چھوڑ دو تو وہ اکیلا رہ جائے گا اور اس کے پیر خود بخود اکھڑ جائیں گے۔"

"نہیں میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔" نکا پہلوان نے کہا۔

"یہ بات تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہارا ڈھائی لاکھ روپے کا قرضہ معاف کر دیا تھا؟" ماجھا گجر نے اسے گھورا۔ "یہ رقم مجھ سے لے کر اس کے منہ پر دے مارو جا کر۔ ڈھائی لاکھ کیا پانچ لاکھ لے لو مجھ سے۔"

"بات رقم کی نہیں ماجھے اصول کی ہے۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو۔ نکا پہلوان کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"میں تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "شارق روپوش ہو گیا ہے تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ کہاں ہے۔ تم اسے ایک مرتبہ یہاں لے آؤ۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ آگے کا معاملہ میرے آدمی سنبھال لیں گے۔ شارق کو یہ شبہ بھی نہیں ہو گا کہ تم اسے دھوکے سے یہاں لائے ہو۔ اس کے بدلے میں تمہیں پانچ لاکھ روپے نقد دوں گا اور باغبانپورے کا پورا علاقہ تمہارے کنٹرول میں ہو گا۔ میرے آدمی اس علاقے میں دھندہ نہیں کریں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "میں شارق کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا۔"

"سوچ لو نکے پہلوان۔" ماجھا گجر نے اسے گھورا۔ "میری پیشکش قبول کر کے تم عیش کرو گے۔ دوسری صورت میں شارق کا تو میں بندوبست کر ہی لوں گا مگر تمہارا بھی جو انجام ہو گا وہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"میں اپنے انجام سے نہیں ڈرتا۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "لیکن میں شارق جیسے آدمی کے ساتھ فراڈ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"لوئے بگے۔" ماجھا گجر نے اپنے ایک آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کو ذرا اپنی زبان میں سمجھاؤ تاکہ میرے اور شارق میں کیا فرق ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"آؤ نا ذرا میرے ساتھ کے پہلوان جی۔" بگے نے نکا پہلوان کو کالر سے پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا۔ ان کمروں سے چند قدم آگے ایک کنواں تھا جس پر رہٹ لگا ہوا تھا۔ رہٹ کافی عرصہ سے استعمال میں نہیں تھا۔ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ ایک سست موٹا شہتیر پل کی طرح کنویں پر رکھا ہوا تھا۔

"اب بھی وقت ہے مان جا۔" بگے نے نکا پہلوان کی گردن کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "انکار کرنے کی صورت میں یہ سمجھ لے کہ آج تو میرے ہاتھ سے خرچ ہو جائے گا۔"

"اوہ میں ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "شارق باؤ سے یاری ہے کوئی کھیل نہیں۔"

"میں ابھی بتاتا ہوں کہ یاری کیا ہوتی ہے۔" بگے نے کہا اور اچانک ہی اس کے منہ پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔

نکا پہلوان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ بگے نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے منہ پر پے در پے گھونسے برسانے لگا۔ نکا پہلوان چیخ رہا تھا۔

"یہاں تمہاری چیخیں نہیں سنی جائیں گی۔" بگے نے کہا۔ "اس کے تمہارے چیخنے پر کوئی پابندی نہیں۔ جتنا چیخنا چاہو چیختے رہو۔"

ایک اور آدمی بھی بگے کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ وہ دونوں نکا پہلوان کی پٹائی کرنے لگے۔ نکا پہلوان کی دھوتی کھل گئی۔ وہ ان دونوں کے درمیان فٹ بال بنا پٹتا رہا۔ لیکن اس کی زبان پر ایک ہی جواب تھا۔ نہیں۔ وہ انکار پر اڑا رہا اور پھوسڑے قد کا آدمی تھا لیکن بہت سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ان کی ہر بات مان چکا ہوتا۔

ماجھا گجر دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اسے بھی نکا پہلوان پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چار ہاتھ پڑنے کے بعد نکا پہلوان اس کی بات مان لے گا مگر وہ تو بڑا سخت جان ثابت ہوا تھا۔

"لے کنویں کے پانی میں دو چار غوطے دو۔ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔" اس نے بگے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بگے کا ساتھی ایک کریہہ سے اس کی رسی اٹھا لایا۔ پہلے نکا پہلوان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے پھر رسی کے ایک سرے کو [illegible] ایک [illegible] گرہ لگا دی اور ان دونوں نے نکا پہلوان کو پکڑ کر [illegible] کی آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ پانی تک پہنچ گیا تھا۔ ماجھا گجر [illegible] کنویں کی منڈیر پر بیٹھا کنویں کی طرف دیکھنے لگا۔ بگا

اور اس کا ساتھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد رسی ڈھیلی کر کے نکا پہلوان کو پانی میں غوطے دے رہے تھے۔ جب بھی پانی سے باہر نکالا جاتا وہ [illegible] کنویں کی منڈیر پر بیٹھا ہوا ماجھا گجر ہر مرتبہ اس سے پوچھتا مگر ہر مرتبہ بگے پہلوان کا جواب نفی میں ہوتا۔

آخری مرتبہ نکا پہلوان کو غوطہ دے کر ماجھا گجر کے اشارے پر بگے نے رسی کنویں پر رکھے ہوئے شہتیر سے باندھ دی اور وہ دونوں کنویں کی منڈیر سے اتر آئے۔

"وہ مر جائے گا ماجھے۔" بگے نے کہا۔

"مرنے دو۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔ "وہ میرے کام نہیں آ سکتا تو اسے شارق کے کام بھی نہیں آنا چاہئے۔"

دس منٹ بعد نکا پہلوان کو کنویں سے نکالا تو وہ ختم ہو چکا تھا۔ پانی بھر جانے سے اس کا پیٹ پھول گیا تھا۔ اسے کنویں کی قریب ہی زمین پر ڈال دیا گیا۔

"وہاں قبر کھود کر دفن کر دو اسے۔" ماجھا گجر نے بگے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے نکا پہلوان کے مر جانے کی ذرا سی بھی پروا نہیں تھی۔

بگا پھاوڑا اٹھا لایا اور جس جگہ جانوروں کا گوبر جمع کیا جاتا تھا وہاں گڑھا کھودنے لگا۔ قبر اس نے زیادہ گہری نہیں کھودی تھی۔ وہ پھاوڑا قبر کے قریب ہی چھوڑ کر نکا پہلوان کی لاش کی طرف آ گیا۔ دوسرا آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

"رسی کھول دیں اس کی۔" بگے نے کہا۔

"رہنے دو یہ تھوڑا سا نقصان برداشت کر لو۔" [illegible] نے رسی لے لی۔ ماجھا گجر نے جواب دیا۔

بگے اور اس کے ساتھی نے نکا پہلوان کی لاش اٹھا کر گڑھے میں ڈال دی اور اس پر مٹی ڈالنے لگے۔ گڑھا پر کرنے کے بعد انہوں نے اوپر بھوسا ہوا گوبر پھیلا دیا اب اس جگہ کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کسی کو دفن کیا گیا ہے۔

وہ رات ماجھا گجر نے اپنے [illegible] میں گزاری تھی۔ صبح وہ دیر تک سوتا رہا جاگنے کے کافی دیر بعد اس نے اپنے کارندوں [illegible] شہر بھیج دیا اور خود اپنی گاڑی پر گاؤں آ گیا۔

[illegible] بگے تک کا وقت ماجھا گجر نے اپنے گاؤں والے گھر ہی میں گزارا اور پھر شہر [illegible] شارق کو نکا پہلوان کے [illegible] سوچ رہا تھا کہ نکا پہلوان [illegible] شارق بیٹھا پریشان ہو گا اور اس نے [illegible]

aazzamm@yahoo.com

بھی اثر پڑے گا۔ ایک بڑا اڈا بند ہو جانے سے اسے لاکھوں کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اور جب یکے بعد دیگرے اس کے آدمی اسی طرح غائب ہونے لگیں گے تو شارق کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے وہ یا تو میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا یا اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا اور پھر لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر اس کی اجارہ داری کو کوئی نہیں روک سکے گا۔

○

شارق دو دن تک اس مکان سے باہر نہیں نکلا۔ ثمینہ نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ شارق کی شرافت کا بھرم بھی کھل گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے ذرا سی مزاحمت بھی تو نہیں کر سکی تھی۔ وہ کس قدر آسانی سے تسخیر ہو گئی تھ....!!!

شارق تیسرے روز رات نو بجے کے قریب گھر سے نکلا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ ثمینہ کو اپنے ساتھ کہیں لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسے چوبیس گھنٹے گھر میں بند بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب تھی لیکن اس ترکیب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی دو تین روز کا وقت درکار تھا۔

گھر سے نکلتے ہوئے اس نے ثمینہ سے کہہ دیا تھا کہ ممکن ہے وہ رات کو گھر واپس نہ آئے۔ وہ گھر کے دروازے بند کر کے رکھے۔

گھر سے نکل کر شارق سیدھا مزنگ والے ڈیرے پر پہنچا۔ وہاں نولکھا کو دیکھ کر شارق کو اطمینان سا ہوا۔ اس کی یہاں موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ پولیس کو اس کے بارے میں پتہ نہیں چلا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ صورت حال نارمل ہے۔" شارق نے نولکھا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن زیادہ نہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "تم نے شاید اخبار نہیں پڑھا۔ ثمینہ کے باپ نے اپنی بیٹی کے اغوا کی رپورٹ لکھوائی ہے۔ اور میرا حلیہ بھی پولیس کو بتایا ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق اس کی بیٹی فیصل آباد سے واپس آئی تھی کہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی اسے اسلحہ کے زور پر اغواء کر لیا گیا۔ پولیس اب میرے حلئے کے آدمی کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔"

"فیصل آباد کی کوئی خبر؟" شارق نے پوچھا۔

"ایک اور خبر اخبار میں چھپی تھی۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ خبر فیصل آباد پولیس کے حوالے سے چھپی ہے کہ پولیس ثمینہ نامی کالج کی لیکچرار سے قتل کی ایک واردات کے سلسلے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ روپوش ہو گئی۔ پولیس کا خیال ہے کہ ثمینہ بعض سنگین جرائم میں ملوث ہو

سکتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ فیصل آباد کی پولیس نے لاہور میں اس کے گھر والوں سے بھی رابطہ قائم کیا ہو گا۔" شارق بولا۔

"یقیناً ایسا ہوا ہو گا۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ پولیس جرائم پیشہ لوگوں کو تو معاف کر سکتی ہے لیکن شریف آدمیوں کو تو یہ لوگ معاف نہیں کرتے۔"

"ہوں۔" شارق نے ہنکارہ بھرا پھر نولکھا والے کمرے سے نکل کر گاما کے پاس آ گیا۔ "تمہارا دھندہ کیسا ہے بھئی؟"

"اپنا دھندہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔" گاما نے کہا۔

"کیا بات ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"نکا پہلوان کل رات سے غائب ہے۔ آج شام کو اس کا ایک بندہ اس کے بارے میں معلوم کرنے آیا تھا۔"

"یہ تو واقعی گڑبڑ والی بات ہے۔" شارق بولا۔ "بہرحال' پتہ کر لیتے ہیں اس کا۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق نولکھا کو ساتھ لے کر ڈیرے سے نکل آیا وہ ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر سیدھا باغبانپورہ نکا پہلوان کے ڈیرے پر پہنچا۔ نکا پہلوان کے لئے کام کرنے والے تین آدمی اس وقت ڈیرے پر موجود تھے۔ شارق ان میں سے صرف ایک کا نام جانتا تھا۔

"نکا پہلوان کا کچھ پتہ چلا حنیف؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں شارق باؤ۔" حنیف نے جوابدیا۔ "پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔"

"کوئی بلانے آیا تھا یا کسی کا پیغام ملا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حنیف نے جواب دیا۔ "کل تقریباً اسی وقت باہر نکلا تھا۔ میں سمجھا کہ وہ سڑک پر کھڑا ہو گا۔ کبھی کبھی وہ گیٹ کے سامنے سڑک پر کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ میں اندر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ یہ رحمت بھی میرے پاس بیٹھا تھا۔ جب بہت دیر تک وہ اندر نہیں آیا تو میں نے باہر آ کر دیکھا۔ وہ سڑک پر کہیں بھی نہیں تھا۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔"

"تھانے وغیرہ میں پتہ کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"آج دوپہر کو پتہ کیا تھا۔ وہ بھی کچھ نہیں جانتے۔" حنیف نے جواب دیا۔

اسی دوران نکا پہلوان کا مغل پورہ کا ایک گاہک آ گیا۔ وہ یہاں سے روزانہ ڈھائی سو گرام ہیروئن لے کر جایا کرتا تھا۔ وہ انہیں نکے پہلوان کے بارے میں باتیں کرتے دیکھ کر بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"نکا پہلوان کو کل میں نے بگا کے ساتھ کار میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"بگے کے ساتھ..... کب' کس وقت؟" حنیف چونک گیا۔

"کل جب میں یہاں سے مال لے کر گیا تھا تو شالا مار والے موڑ پر کھڑا اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا تھا کہ نکا پہلوان کو بگے کے ساتھ کار میں بیٹھے دیکھا۔ وہ داروغہ والا کی طرف گئے تھے۔"

"بگا کون ہے؟" شارق نے حنیف سے پوچھا۔

"ماجھا گجر کا آدمی ہے۔ اندھے والے موڑ پر سودا بیچتا ہے۔" حنیف نے جواب دیا۔

"ہوں۔" شارق خاموش ہو گیا۔

وہ آدمی حنیف سے سودا لے کر چلا گیا تو شارق نے کہا۔

"حنیف! تم میرے ساتھ آؤ۔ اب یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں رہا کہ نکا پہلوان کہاں ہے چلو دیکھیے۔" شارق نے کہا۔

وہ تینوں حق نواز روڈ پر نکل آئے۔ چند قدم آگے گھاس منڈی کے موڑ پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ وہ تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

"کہاں جانا ہی جی۔" ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سیدھے چلتے رہو استاد۔ پیسے کی فکر مت کرنا۔ تمہاری دیہاڑی آج ہمارے ساتھ ہی لگے گی۔" شارق نے کہا۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔ اندھے والے موڑ سے ذرا آگے نکل کر حنیف نے ٹیکسی رکوا لی۔ بڑی بارونق جگہ تھی۔ پان سگریٹ کی دو تین دکانیں تھیں۔ آمنے سامنے دو دکانیں مچھلی فرائی کرنے والوں کی تھیں۔ چائے کی دکانیں تھیں۔ باہر کرسیاں اور میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ کونے پر ایک پھولوں والی دکان بھی تھی۔ اسی پھولوں والی دکان کے سامنے بگا کھڑا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ لاچہ دھاری دار اور سفید اجلا کرتا پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں موتیے کا ہار بھی پڑا ہوا تھا۔

"وہ پھولوں والی دوکان کے سامنے جو آدمی ہار پہنے کھڑا ہے وہی بگا ہے۔" حنیف نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"نوکھیے!" شارق نے نوکھیا کو مخاطب کیا۔ "اسے لے کر آؤ۔ کسی کو پتا نہ چلے۔"

"فکر ہی نہ کرو۔" نوکھیا کہتے ہوئے ٹیکسی سے اتر گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا پھولوں والی دوکان کے سامنے پہنچ کر بگے سے قریب ہو گیا۔ بگے نے اس کی طرف دیکھا۔ نوکھیا نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ نوکھیا نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ خاموشی سے میرے

ساتھ اس ٹیکسی کی طرف چلو۔ اور کوئی آواز نکالی یا کسی کو اشارہ کیا تو گولی مار دوں گا۔"

بگا اچھل پڑا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ نوکھیا کے ہاتھ میں پستول اس طرح دبا ہوا تھا کہ اس کی نال کا اگلا تھوڑا سا حصہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ خاموشی سے نوکھیا کے ساتھ چل پڑا۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اس نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شارق کی شکل دیکھی تو بری طرح چونک گیا۔ پچھلی سیٹ پر حنیف بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

"چل اوئے بیٹھ اندر۔" نوکھیا نے اسے ہلکا سا دھکا دیا۔

بگا ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی نوکھیا بھی بیٹھ گیا۔ اس طرح بگا حنیف اور نوکھیا کے بیچ میں سینڈوچ بن کر رہ گیا۔ نوکھیا نے پستول کی نال اس کے پہلو سے لگا دی تھی۔ حنیف نے بھی پستول نکال لیا تھا۔ بگا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس کی شامت آ گئی تھی۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی تھی۔ حنیف نے ڈرائیور کو داروغہ والا کی طرف چلنے کو کہا تھا۔ حنیف سمجھ گیا تھا کہ شارق نے بگے کو کیوں اٹھایا تھا۔

"شارق باؤ۔" بگا نے شارق کو مخاطب کیا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ "تم [illegible] کر رہے ہو۔ ماجھا گجر تمہیں بخشے گا نہیں۔"

"ماجھے سے تو میں بعد میں نمٹ ہی لوں گا فی الحال تم اپنی فکر کرو۔" شارق نے جواب دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور بھی سمجھ گیا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس کا خوفزدہ ہو جانا فطری بات تھی۔

"صاحب جی۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔ "میرا خیال رکھنا جی۔ میرے بچے بچے ہیں۔ میرے سوا کوئی کمانے والا بھی نہیں ہے۔"

"ڈرو نہیں تم ہمیں چھوڑ کر واپس چلے جاؤ گے اور اپنی زبان بند رکھو گے۔" شارق نے جواب دیا۔

ٹیکسی داروغہ والا سے شادی پور کی طرف مڑ گئی۔ تقریباً ایک میل آگے جانے کے بعد حنیف نے ٹیکسی رکوا لی۔ یہ سڑک تقریباً سنسان پڑی تھی۔ بائیں طرف تو آبادی تھی اور دائیں طرف [illegible] کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں کوئی فیکٹری تھی اور کہیں مکان وغیرہ بن رہے تھے۔ [illegible] وہ ٹیکسی سے اترے تھے یہاں سے ذرا آگے سڑک کے دائیں طرف ایک انجینئرنگ فیکٹری تھی۔ کئی سال پہلے یہ فیکٹری بند ہو چکی تھی۔ اس کی مشینری وغیرہ دوسری جگہ لے جانے والی فیکٹری میں منتقل کر دی گئی تھی اور اس جگہ کو اب [illegible] طور پر استعمال کیا جاتا [illegible] یہاں صرف ایک چوکیدار رہتا تھا۔ اس کی رہائش بھی یہیں تھی۔ وہ حنیف کا دوست تھا اور

aazzamm@yahoo.com

حنیف اسی لئے انہیں یہاں لے کر آیا تھا۔

ٹیکسی واپس مڑ کر بڑی تیزی سے داروغہ والا کی طرف روانہ ہو گئی۔ ڈرائیور نے یہ دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ وہ لوگ اغواء کر کے لانے والے آدمی کو کہاں لے کر جاتے ہیں۔

وہ چاروں فیکٹری کے گیٹ پر آ گئے۔ شارق اور نولکھا نے بگا کو اپنے درمیان میں لے رکھا تھا۔ حنیف نے آگے بڑھ کر گیٹ کھٹ کھٹایا۔ آہنی گیٹ کھٹ کھٹانے کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی تھی۔ تقریباً دو منٹ بعد چھوٹا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا چار آدمیوں کو سامنے دیکھ کر گڑبڑا سا گیا۔

"کک.... کون ہو تم لوگ؟" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔

"اوئے میں ہوں حنیفا!" حنیف نے کہا۔ "ہمیں اندر تو آنے دو نواب۔"

چوکیدار نے حنیف کی آواز پہچان لی۔ وہ ایک طرف ہٹ گیا اور شارق وغیرہ گیٹ میں داخل ہو گئے۔ نواب نے فوراً ہی گیٹ بند کر دیا۔

"کیا بات ہے حنیف۔ یہ لوگ کون ہیں؟" نواب نے پوچھا۔

"اپنے یار ہیں فکر کی کوئی بات نہیں یہ لو.... عیش کرو۔ یہ سمجھ لو کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔" حنیف نے جیب سے پلاسٹک کی ایک پڑیا نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

یہ فیکٹری بڑے وسیع و عریض رقبے پر تھی۔ ایک طرف اسکریپ کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف تیار شدہ سریئے کے ڈھیر تھے۔ ان کے پیچھے خالی جگہ تھی۔ اور اونچے شیڈ پر ایک بلب جل رہا تھا۔ سو واٹ کے بلب کی روشنی تاریکی دور کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ البتہ وہاں چلنے پھرنے کے لئے وہ روشنی کافی تھی۔

"تم جاؤ.... اپنی کوٹھری میں جا کر آرام کرو۔ جب ہم واپس جائیں گے تو تمہیں بتا دیں گے۔" حنیف نے نواب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ بگے کو لے کر فیکٹری کے بالکل آخری حصے میں آ گئے۔ یہاں ایک طرف لوہے کے گارڈرز کا انبار لگا ہوا تھا۔ شارق رک گیا۔

"اس کی تلاشی لو۔" اس نے نولکھا کو مخاطب کیا۔

نولکھا بگے کی تلاشی لینے لگا۔ کرتے کے نیچے شلوار کی جیبوں میں ہیروئن کی پڑیاں اور نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ لاچے کی ڈب میں پستول بھی تھا۔ نولکھا نے سب کچھ نکال کر حنیف کے حوالے کر دیا۔

"تت.... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" بگا ہکلایا۔ "اپنی اس حرکت پر تم لوگوں کو پچھتانا

پڑے گا۔"

"ہم تو پچھتانے کے عادی ہو چکے ہیں لیکن تم کیوں کانپ رہے ہو۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میرے صرف ایک سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو تو تمہیں عزت و احترام کے ساتھ تمہارے اڈے پر پہنچا دیا جائے گا۔"

"کک.... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" بگا نے پوچھا۔

"نکا پہلوان کہاں ہے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"نکا پہلوان!" بگے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "مم.... مجھے نہیں معلوم.... میں نے تو اسے کئی روز سے نہیں دیکھا۔"

شارق نے اچانک ہی اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ بگا لڑکھڑا گیا۔

"بگے!" شارق کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "کل رات دس بجے کے قریب نکا پہلوان کو تمہارے ساتھ کار میں باغبانپورہ سے اس طرف آتے ہوئے دیکھا گیا تھا اس کے بعد سے وہ لاپتہ ہے۔ میں تمہیں ایک آخری موقع دے رہا ہوں۔ اگر تم سچ بتا دو کہ نکا پہلوان کہاں ہے تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" بگا اپنا گال سہلاتے ہوئے بولا۔

"نولکھے!" شارق نے نولکھا کی طرف دیکھا۔ "اس سے معلوم کرو کہ نکا پہلوان کہاں ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لئے تم جو بھی طریقہ اختیار کرو گے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن اسے اس وقت تک زندہ رہنا چاہئے جب تک یہ کچھ بتا نہیں دیتا۔"

"ہاں بھئی بگے کیا ارادہ ہے۔" نولکھا اس کے قریب آ گیا۔

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا.... مجھے نہیں معلوم۔" بگا پیچھے ہٹنے لگا۔

نولکھا نے اچانک ہی اس کے پیٹ پر ٹھوکر مار دی۔ بگا بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ نولکھا نے گھٹنے سے اس کے منہ پر ٹھوکر لگائی۔ اس مرتبہ بگا ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ نولکھا نے اس کے جبڑوں پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ ہر گھونسے پر بگا بلبلا اٹھتا۔

"تم اپنے آپ کو بہت بڑے بدمعاش سمجھتے ہو۔" نولکھا اسے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔

"لیکن جو کچھ تم کرتے ہو وہ بدمعاشی نہیں ہے۔ آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بدمعاشی ہوتی کیا ہے۔" نولکھا نے اس پر تابڑ توڑ حملے کر دیئے۔

بگا زمین پر لوٹ رہا تھا۔ اور نولکھا اس پر ٹھوکروں کی بارش کر رہا تھا۔ شارق کو اس پر حیرت ہو رہی تھی نولکھا کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ اندر سے کھوکھلا ہو گا لیکن بگے پر اتنی محنت

aazzamm@yahoo.com

کرنے کے باوجود وہ بالکل تازہ دم نظر آ رہا تھا۔ اس نے بگے کو دو تین ٹھوکریں اور مارنے کے بعد چھوڑ دیا اور جیب سے چاقو نکال لیا۔

"میں تمہاری بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گا۔" نولکھا چاقو کی دھار پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ "اب بھی وقت ہے بتا دو۔"

"م.... میں کچھ نہیں جانتا۔" بگا ہکلایا۔ خوف کی شدت سے اس کا چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا۔

نولکھا اسکے قریب جھک گیا۔ اس نے چاقو کی نوک بگے کے گال پر رکھ دی۔ بگے کی آنکھیں خوف کی شدت سے پھیل گئیں۔ نولکھا نے ہلکا سا دباؤ ڈال کر اسے دائیں سے بائیں کھینچ لیا۔ بگے کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ اس کے گال پر پہلے سرخ لکیر سی بنی پھر خون رسنے لگا۔

"دوسری مرتبہ چاقو تمہارے سینے میں اترے گا۔" نولکھا نے کہا۔ "زبان کھول دو تو میرا ہاتھ رک سکتا ہے۔"

"م.... ماجھا مجھے.... زندہ نہیں چھوڑے گا۔" بگا ہکلایا۔

"زندہ تو تمہیں میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" نولکھا نے چاقو والا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کے سینے پر وار کرنا چاہتا ہو۔

"رک جاؤ نولکھے۔" شارق ہاتھ اٹھاتا ہوا آگے آ گیا اور بگا کے قریب جا کر جھک کر بیٹھ گیا۔ "اگر تم سب کچھ سچ سچ بتا دو تو میں تمہیں تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہوں۔ ماجھا گجر تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ بتاؤ نکا پہلوان کہاں ہے؟ اگر تم نے اب بھی زبان نہ کھولی تو پھر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"ن.... ختم ہو چکا ہے۔" بگے نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا؟" حنیف اچھل پڑا۔ اس نے آگے بڑھ کر بگے پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ شارق نے بڑی مشکل سے اسے قابو کیا تھا۔

"وہ کیسے مرا.... تفصیل بتاؤ۔" شارق پھر بگے کے پاس بیٹھ گیا۔

"ماجھا گجر تمہیں زک پہنچانا چاہتا تھا۔" بگے نے کہا اور پھر نکا پہلوان کے بارے میں اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے ماجھا گجر کو منع کیا تھا کہ اسے قتل نہ کیا جائے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی۔ اسے دس منٹ تک کنویں کے پانی میں ڈبوئے رکھا اور پھر اس کی لاش وہیں دفن کر دی گئی۔"

"ہوں۔" شارق بولا۔ "ماجھا گجر کی اب شامت ہی آ گئی ہے۔ نولکھے! ختم کر دو اسے۔" شارق نے آخری الفاظ نولکھا سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ اس کے لہجہ میں درندگی تھی۔

"ن.... نہیں۔" بگا چیخا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ....."

"اگر نکا پہلوان زندہ ہوتا تو میں اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں خون کے بدلے خون کا قائل ہوں۔"

بگے نے اٹھنا چاہا مگر حنیف نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ اس دوران نولکھا نے موقع پا کر چاقو بگے کے سینے میں اتار دیا۔ اس نے دو تین وار کئے اور چاقو کھینچ لیا۔ بگا تڑپتا ہوا ادھر سے ادھر لوٹ رہا تھا۔ اس کے خون کے چھینٹے چاروں طرف اڑ رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ٹھنڈا ہو گیا نولکھا نے چاقو کا بلیڈ بگا ہی کے لباس سے رگڑ کر صاف کیا اور اسے بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اس کے چہرے پر ذرا سی بھی پشیمانی یا ندامت نہیں تھی۔

"لاش کو یہاں چھوڑنا ٹھیک نہیں ہو گا میرا خیال ہے اسے فیکٹری کے پیچھے کھیتوں میں پھینک دیا جائے۔ کل دن میں کوئی نہ کوئی اسے دیکھ ہی لے گا۔" شارق نے کہا۔

"اور اگر رات کو کتوں نے دعوت اڑا لی تو؟" نولکھا بولا۔

"ایسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہئے۔" شارق نے جواب دیا۔

فیکٹری کی پچھلی دیوار میں بھی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس میں کنڈا لگا ہوا تھا اور ایک مڑی ہوئی تار کنڈی میں پھنسی ہوئی تھی۔ نولکھا نے تار نکال کر کنڈا کھول دیا۔ پچھلی طرف کھیت کافی گہرائی میں تھے۔ دروازے کے ساتھ مٹی ڈال کر ایک ڈھلان سی بنا دی گئی تھی۔ نولکھا اور حنیف نے ہاتھوں اور پیروں سے بگے کی لاش کو اٹھا لیا اور اسے ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے دروازے سے باہر لے گئے۔

شارق نے لوہے کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا اور زمین پر بکھرا ہوا خون چھپانے کے لئے مٹی کو اوپر تلے کرنے لگا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا اس نے مٹی کو تہہ و بالا کر کے خون کے دھبے غائب کر دیئے۔ نولکھا اور حنیف تقریباً دس منٹ بعد واپس آ گئے۔

"کہاں پھینکی لاش؟" شارق نے پوچھا۔

"فیکٹری سے تین کھیت دور۔" نولکھا نے جواب دیا اور دروازے کا کنڈا بند کر کے اس میں پہلے کی طرح تار پھنسانے لگا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔" شارق بولا۔

وہ فیکٹری کے مین گیٹ کے قریب چوکیدار کی کوٹھری کے سامنے آ گئے۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور نواب چارپائی پر لیٹا اونگھ رہا تھا۔

"نواب۔" حنیف نے کوٹھری میں داخل ہو کر اسے جھنجھوڑ دیا۔ "اٹھ کر گیٹ بند کر لے۔"

aazzamm@yahoo.com

ہم جا رہے ہیں۔"

نواب گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ یہ تینوں گیٹ کھول کر فیکٹری سے باہر آ گئے۔ نواب نے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ کوٹھری میں آ کر چارپائی پر گر گیا۔ وہ نیند میں یہ بھی نہیں دیکھ سکا تھا کہ یہ لوگ جب آئے تھے تو ان کی تعداد چار تھی اور اب تین آدمی واپس جا رہے تھے۔

وہ لوگ فیکٹری سے نکل کر سڑک پر داروغہ والا کی طرف چلنے لگے۔ اس وقت تقریباً بارہ بج چکے تھے اور سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ حنیف نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شادی پور کی طرف سے ایک رہڑہ آ رہا تھا۔ رہڑہ جب قریب پہنچا تو حنیف نے اسے روک لیا۔ رہڑے پر پٹھے لدے ہوئے تھے۔ وہ تینوں بھی اوپر چڑھ گئے۔ داروغہ والا موڑ پر واہگہ کی طرف سے آنے والی بس مل گئی۔ یہ بس ریلوے اسٹیشن جا رہی تھی۔ حنیف تو برف خانے والے اسٹاپ پر اتر گیا اور وہ دونوں بس پر بیٹھے رہے۔ ریلوے اسٹیشن سے نولکھا اور شارق کے راستے بھی الگ ہو گئے۔ نولکھا تو مزنگ چلا گیا اور شارق چوبرجی آ گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو ثمینہ جاگ رہی تھی۔ اس نے پہلی ہی ہلکی سی دستک پر دروازہ کھول دیا۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک۔" شارق نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے اس ویران مکان میں کیوں رکھا ہوا ہے۔ یہاں تو میں بالکل قید ہو کر رہ گئی ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ لاہور میں تمہاری ماں اور بہن بھی رہتی ہیں۔ مجھے ان کے پاس کیوں نہیں چھوڑ دیتے کم از کم کوئی باتیں کرنے والا تو ہو گا۔"

"ابھی حالات ایسے نہیں ہیں کہ تمہیں وہاں چھوڑا جائے۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس ابھی تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اخبارات میں تمہاری تصویر بھی چھپ جائے۔ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں ہمیشہ اس چار دیواری میں قید رہوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے کہا۔ "ویسے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ ایک دو دن انتظار کر لو۔ اس کے بعد تم آزادی سے گھوم پھر سکو گی۔"

"کیسی ترکیب؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ بہت تھکا ہوا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

شارق تو کچھ دیر بعد واقعی سو گیا لیکن ثمینہ دیر تک جاگتی رہی۔

صبح ناشتہ کر کے شارق پھر گھر سے نکل گیا۔ اس نے ثمینہ سے کہا تھا کہ وہ دوپہر تک لوٹ آئے گا۔ شارق سیدھا سہیل کے ریسٹورنٹ پہنچا۔ وہ بغلی دروازے سے جانے کے بجائے ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تھا۔ سہیل کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق ایک لمحہ کو اس کے قریب رکا۔

"مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ اوپر کمرے میں ہوں۔ تم ریسیور مت اٹھانا۔"

وہ اوپر کمرے میں آ گیا۔ ٹیلی فون کا ایک ایکس ٹینشن سیٹ یہاں بھی موجود تھا۔ قریب ہی ڈائریکٹری رکھی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ڈائریکٹری کی ورق گردانی کرتا رہا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد ہی دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"یس' پولیس اسٹیشن۔"

"ایس ایچ او صاحب سے بات کرائیں۔ ایک قتل کے بارے میں اطلاع دینی ہے۔" شارق نے کہا۔

"ایس ایچ او صاحب موجود نہیں ہیں جناب۔ میں ہیڈ محرر بول رہا ہوں۔ آپ مجھے بتایئے کس کا قتل ہوا ہے اور کہاں ہوا ہے؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"نکا پہلوان کا نام سنا ہے کبھی؟" شارق بولا۔

"وہ باغبانپورے کا بدمعاش۔ اس نے قتل کیا ہے؟ کس کو؟"

"اس نے قتل نہیں کیا.... وہ خود قتل ہو گیا ہے' پرسوں رات۔ اس کی لاش گڑھا کھود کر چھپا دی گئی ہے۔" شارق نے کہا۔

"قتل کہاں ہوا ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"آپ کے علاقے میں۔" شارق نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے بتانے لگا کہ قتل کہاں ہوا تھا اور لاش کہاں ملے گی۔

"آپ کا نام پتہ جناب۔ مقتول سے آپ کا کیا تعلق تھا؟"

"میں فی الحال اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا لیکن یہ اطلاع غلط نہیں ہے۔ اگر ایک گھنٹے میں آپ لوگ جائے وقوعہ پر نہ پہنچے تو میں ایس پی صاحب سے بات کروں گا اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اس قتل میں ماجھا گجر کا ہاتھ ہے۔" شارق نے کہا اور فون بند کر دیا اسے یقین تھا کہ پولیس جائے وقوعہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگائے گی۔

کچھ ہی دیر بعد سہیل بھی کمرے میں آ گیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"معاملہ ایک قتل کا ہے۔ پولیس کو اطلاع دینی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

سہیل نے یہ نہیں پوچھا کہ قتل کس کو کیا گیا تھا اور اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔

"کل شام کو شاہد آیا تھا۔" سہیل نے کہا۔

"خیریت؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے ہی آ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تم کئی کئی روز تک گھر سے غائب رہتے ہو اور ماں جی اور رضیہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔" سہیل نے کہا۔

"تم جانتے ہو میں کیا کر رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں وہاں زیادہ آمد و رفت اس لئے نہیں رکھ سکتا کہ میرا کوئی دشمن یا پولیس تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک نہ پہنچ جائیں۔ میں انہیں اس سارے معاملے سے الگ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ تم بھی کبھی کبھار چکر لگا لیا کرو نا۔"

"میں!" سہیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہارے بارے میں انہیں بتا رکھا ہے۔ کسی روز چلے جاؤ۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔" سہیل بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک دو دن بعد میں تمہیں ساتھ لے چلوں گا۔ اب میں چلتا ہوں۔ ایک دو ضروری کام نمٹانے ہیں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ دیر تک انارکلی میں گھومتا رہا۔ کچھ اور چیزیں خریدنے کے علاوہ اس نے ایک دکان سے دو تین پتلونیں اور شرٹس بھی خریدی تھیں پھر وہ ایک بیوٹی ڈریسر کی دکان میں داخل ہو گیا۔ پہلے خود شیو بنایا اور پھر ہوم سروس کے لئے دکان کے ایک ملازم کو ساتھ لے کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو ثمینہ اس کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر کچھ گھبرائی تھی۔ اس آدمی کو شارق نے لاؤنج میں بٹھا دیا اور کمرے میں آ کر دیر تک ثمینہ سے بحث کرتا رہا بالآخر ثمینہ نے اس کی بات مان لی اور وہ شارق کے ساتھ لاؤنج میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ شارق نے اپنے ساتھ آنے والے بیوٹی ڈریسر کو سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بیوٹی ڈریسر نے فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ ایک گھنٹے میں بیوٹی ڈریسر چلا گیا۔

"لو.... یہ کپڑے پہن کر دیکھو۔" شارق نے تھیلے میں سے ایک پینٹ شرٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

ثمینہ کمرے سے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر تھیلے میں سے ایک ڈبیہ نکال لی۔ اس میں پنسل جتنی چوڑی نقلی مونچھیں

تھیں۔ مونچھوں کے نیچے ایک خاص قسم کا گلو لگا ہوا تھا جس سے مونچھیں ہونٹ پر سختی سے چپک جاتی تھیں۔ شارق نے بڑی احتیاط سے اس کے ہونٹ پر مونچھیں چپکائیں اور اسے لے جا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔

آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر ثمینہ اچھل پڑی۔ مردوں کی طرح کٹے ہوئے بال' باریک مونچھیں پینٹ شرٹ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکی تھی۔ صرف سینے کا ابھار ایسا تھا جو اس کے عورت ہونے کی چغلی کھا رہا تھا لیکن شارق نے اس کا بھی حل سوچ لیا تھا۔

"قمیض کے نیچے جو پہن رکھا ہے اسے اتار کر دوبارہ قمیض پہن لو۔ میں تمہارے لئے کچھ اور بھی لایا ہوں۔ ابھی لے کر آتا ہوں۔" شارق کہتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں آیا تو ثمینہ اس کی ہدایت پر عمل کر چکی تھی۔ جسامت میں تھوڑا بہت فرق پڑ گیا تھا۔ شارق نے دھوپ کا چشمہ اور گولف کیپ اس کی طرف بڑھا دی۔ ثمینہ نے عینک لگا کر ٹوپی اوڑھی تو اس کا حلیہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اس حلیے میں اس کا باپ بھی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ اس کی بیٹی ہے۔

"چلو... یہ سب کچھ اتار کر بال دھو لو۔ آج رات کا کھانا ہم کسی ہوٹل میں کھائیں گے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ اپنے کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں چلی گئی۔ نہاتے ہوئے اسے اپنے لمبے بال کٹ جانے کا بے حد افسوس ہوا تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد وہ گھر سے نکلے۔ ثمینہ کچھ عجیب سی جھجک محسوس کر رہی تھی۔ شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

"کسی ہوٹل میں جانے کے بجائے لکشمی چوک کا چرغہ نہ کھایا جائے۔" شارق بولا۔

"جہاں چاہو لے چلو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ جھجک کے علاوہ وہ دل میں عجیب سا خوف بھی محسوس کر رہی تھی۔

وہ ایک رکشے پر بیٹھ کر لکشمی چوک پہنچ گئے۔ بڑی رونق تھی۔ وہ چرغہ والی ایک دکان کے سامنے ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض لوگوں کو اپنی طرف دیکھتے پا کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی لیکن کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

دس منٹ بعد ویٹر نے روغنی نان اور چرغہ ان کی میز پر سجا دیا۔ ثمینہ پر عجیب وحشت سی

aazzamm@yahoo.com

طاری تھی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح کسی پبلک مقام پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھی تھی۔

ابھی انہوں نے چند لقمے ہی لئے تھے کہ نسبت روڈ کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں محاذ کھل گیا ہو۔ بڑی زبردست فائرنگ ہو رہی تھی.... کچھ ہی دیر بعد یہ پتہ چل گیا کہ پولیس نے نسبت روڈ پر ماجھا گجر کے منشیات کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا۔ منشیات فروشوں نے پولیس کو دیکھتے ہی فائرنگ شروع کر دی تھی۔

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے نظر آ رہے تھے۔

"ڈرو نہیں' آرام سے کھانا کھاؤ۔" شارق نے سرگوشی کی۔

لوگ نسبت روڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس فائرنگ سے لکشمی چوک کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ شارق ثمینہ سے سرگوشیاں کرتا ہوا اطمینان سے کھانا کھاتا رہا۔

○

فائرنگ میں شدت آ گئی۔

نسبت روڈ ویران ہو چکا تھا۔ جس جگہ فائرنگ ہو رہی تھی وہاں سے لکشمی چوک زیادہ دور نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد فائرنگ کے اثرات وہاں بھی نظر آنے لگے۔ پہلے نسبت روڈ والی سائیڈ پر چوک کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ پھلوں وغیرہ کے ٹھیلے غائب ہو گئے۔ ٹریفک بند ہونے لگا اور پھر اس طرف کا علاقہ بھی خالی ہونے لگا۔ تکے کباب والی دکانوں کے سامنے کھلی جگہ پر بیٹھے ہوئے گاہک اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد پولیس کے سائرن کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ شارق نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ پولیس کے دو ٹرک بڑی تیز رفتاری سے میکلوڈ روڈ کی طرف سے آ رہے تھے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آنے والی اس پولیس کا تعلق تھانہ گوجر سنگھ سے تھا جنہیں غالباً مدد کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ پولیس کے دو ٹرک نسبت روڈ کی طرف مڑے ہی تھے کہ ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ یہ دھماکہ اس طرف ہوا تھا جہاں فائرنگ ہو رہی تھی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے لکشمی چوک کا پورا علاقہ ویران ہو گیا۔ زیادہ تر لوگ ایبٹ روڈ کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے اب یہاں رکنا خطرناک ہو گا۔" شارق' ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "محاذ پھیل رہا ہے۔ ممکن ہے کچھ دیر بعد یہ علاقہ بھی میدان جنگ بن جائے۔ اس سے پہلے کہ کوئی گولی ہمارے آس پاس آ کر گرے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

ثمینہ پہلے ہی خوفزدہ تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا نوالہ بھی پلیٹ میں رکھ دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے نیپکن اٹھا کر ہاتھ پونچھے اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پورا علاقہ ویران ہو چکا تھا۔ ہوٹلوں کے سامنے بچھی ہوئی تمام میزیں خالی ہو چکی تھیں۔ شارق نے ویٹر کو بلا کر بل دیا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر بائیں طرف چلنے لگا۔

ثمینہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ شارق ہولے ہولے اس کا ہاتھ دبا رہا تھا اور ثمینہ اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس رات جب شارق اسے ماسی مہراں کے ہاں سے لے کر گھر آیا تھا تو ثمینہ کے دل میں ایک عجیب سا خوف جاگزیں ہو گیا تھا۔ اس سے

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

پہلے کئی مرتبہ وہ شارق کے ساتھ اکیلی رہی تھی۔ فیصل آباد میں اس کے اپنے مکان میں شارق کئی روز اس کے گھر میں رہا تھا۔ یہ خوف ان دنوں بھی اس کے دل میں ابھرا تھا مگر..... کچھ نہیں ہوا تھا۔ شارق نے اُسے چھوا تک نہیں تھا اور ثمینہ اس کی شرافت کی قائل ہو گئی تھی لیکن اس رات شام نگر والے مکان میں داخل ہوتے وقت ایک انجانے خوف نے اس کے دل و دماغ کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ مکان کسی ویرانے میں نہیں تھا گنجان آبادی میں تھا۔ مکان ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے۔ اونچی آواز میں بولنے کی آوازیں بھی پڑوس کے مکانوں میں یا گلی میں سنی جا سکتی تھیں۔ شارق کے کسی قسم کی زیادتی کرنے پر ثمینہ چیخی تو اس کی آواز سن کر کئی لوگ جمع ہو سکتے تھے۔

اس رات ثمینہ کو نیند نہیں آ سکی تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے دل میں عجیب و غریب سے خیالات آ رہے تھے۔ پہلے وہ اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اسے ٹیکسی پر ایک اجنبی آدمی کے ساتھ کالونی سے نکلتے دیکھ کر اس کے باپ کے چہرے پر جو تاثرات ابھرے تھے وہ زندگی بھر نہیں بھلا سکتی تھی اور پھر اس کے باپ نے کس طرح موٹر سائیکل پر اس کا پیچھا کیا تھا۔ ایک دو مرتبہ وہ ٹیکسی کے برابر بھی پہنچ گیا تھا اور چیخ کر کچھ کہا بھی تھا لیکن ثمینہ نے اپنے کان بند کر لئے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ثمینہ کے باپ کو ڈاج دے کر کچھ ہی دیر بعد انہیں داتا دربار کے سامنے پہنچا دیا تھا جہاں سے نولکھا نے اسے دوسری ٹیکسی پر بٹھایا تھا۔

وہ چشم تصور سے دیر تک اپنے ماں باپ اور بھائی کے چہرے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے ان خیالات کو ذہن سے جھٹکا تھا اور وہ ایک بار پھر شارق کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ اسے شارق سے کبھی اتنا خوف محسوس نہیں ہوا تھا جتنا وہ اس رات محسوس کر رہی تھی۔

وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ مدھم نیلگوں روشنی سے ماحول میں عجیب پراسراریت سی آ گئی تھی۔ وہ بستر پر لیٹی کبھی دیواروں کو گھورنے لگتی اور کبھی چھت کو۔ عجیب سے خیالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ ایک انجانا سا خوف ذہن پر طاری ہونے کے باوجود اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔

پورے گھر پر سناٹا تھا۔ ماحول خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک دو مرتبہ کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے خیال میں شارق بھی گہری نیند سو چکا تھا۔

ایک دو مرتبہ ثمینہ کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خاموشی سے اس مکان سے نکل کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے۔ چوبرجی کوارٹرز وہاں سے زیادہ دور نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ نصف میل کا فاصلہ ہو گا۔ وہ پیدل ہی وہاں تک جا سکتی تھی۔ اسی خیال کے تحت وہ ایک مرتبہ غیر ارادی طور پر بستر سے اٹھی بھی تھی۔ لیکن پھر لیٹ گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اسے کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔ اس نے اپنے ماں باپ کو جس طرح ذلیل و رسوا کیا تھا وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے اور دوسرے روز اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں اس سے تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔ ایسی صورت حال میں اس کے ماں باپ اسے کبھی قبول نہیں کریں گے بلکہ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ خاموشی اور سناٹے میں دفعتاً" ہلکی سی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی چیز چرچرائی ہو۔ وہ غور سے آواز سننے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ چارپائی کے چرچرانے کی آواز تھی۔ شاید شارق نے اپنی چارپائی پر کروٹ بدلی تھی۔ پھر دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا" کیا شارق بھی اس کی طرح جاگ رہا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اٹھ کر شارق کے پاس چلی جائے لیکن پھر اس خیال کو اس نے سختی سے ذہن سے جھٹک دیا اور پھر یہ سوچنے لگی کہ کیوں نہ اٹھ کر دروازہ بند کر دیا جائے۔ وہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ پہلے تو وہ اٹھ کر شارق کے پاس جانا چاہتی تھی اور اب کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ حالات نے اس کا ذہن ماؤف کر رکھا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں اور وہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

دفعتاً" چارپائی کے چرچرانے کی آواز سن کر وہ ایک بار پھر چونک گئی۔ اس مرتبہ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شارق جاگ رہا تھا اور بار بار کروٹیں بدل رہا تھا جس سے بان کی جھلنگا سی چارپائی چرچرا رہی تھی۔ اس کے فوراً ہی بعد بہت ہلکی ہلکی ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی آہستہ قدموں چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ اس کی نظریں کھلے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں۔ چند ہی سیکنڈ بعد دروازے پر ایک انسانی ہیولہ دکھائی دیا۔ سامنے تو اس کے چہرے پر نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی پڑ رہی تھی جبکہ پس منظر میں گہری تاریکی تھی۔ اس کا ہیولہ بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ ثمینہ کو اس ہیولے کو پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ شارق تھا۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ شارق کو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تت... تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"غلط مت سمجھو۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ تم سو رہی ہو یا جاگ رہی ہو۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ تم بھی جاگ رہی ہو۔ کیوں نہ باتوں میں کچھ وقت گزار لیا جائے۔" وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ رات کا پچھلا پہر۔ وہ دونوں اکیلے تھے۔ وہ شارق کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر بے بس محسوس کر رہی تھی اور یہ اس کی بے بسی ہی تھی کہ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

"تم رو رہی ہو۔" شارق نے قریب سرک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

شارق اسے صورت حال سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے تسلیاں دے رہا تھا۔ اسے حالات سے سمجھوتہ کرنے کا مشورہ دے رہا تھا پھر اس نے ثمینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ثمینہ اس کی آغوش میں گر گئی۔ شارق کی زبان کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی چلتے رہے۔ ثمینہ کے ذہن پر ایک انجانا سا خوف تو تھا لیکن اب وہ اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ ایک سنسنی تھی جس نے اس کے دل و دماغ اور پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اور پھر وہ کچھ ہو گیا جس سے وہ اب تک بچنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ فیصل آباد میں لاری اڈے کے موٹر مکینک یوسف نے اسی چیز کے حصول کے لئے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شارق اور نولکھا کو پتہ چلا تو انہوں نے یوسف کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ شارق کے بارے میں ثمینہ کا اب تک یہی خیال تھا کہ قاتل اور دیگر سنگین جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود عورت کے معاملے میں اس نے شرافت کا دامن ابھی تک ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ یوسف نے میلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو شارق نے نولکھا کی مدد سے اسے قتل کر دیا تھا لیکن اب اس کی شرافت کا بھرم کھل گیا تھا۔

صبح جب ثمینہ کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو عجیب صورت حال سے دوچار پایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے کبھی اپنے آپ کو اور کبھی شارق کو دیکھتی رہی جو گہری نیند سو رہا تھا۔

ثمینہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو امڈ آئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ یہ سوچے

بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ شارق شاید اسی دن کے لئے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نے کس طرح اپنی شرافت کا سکہ جمایا تھا اور پھر آخر موقع ملتے ہی اس نے شرافت کا لبادہ اتار پھینکا تھا اور اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آ گیا تھا۔

ثمینہ خونخوار نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی جو گہری نیند میں تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ شارق کو سوتے ہی میں قتل کر دے اور یہاں سے بھاگ جائے۔ لیکن پھر اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ بھاگ کر کہاں جائے گی؟ اس کے ماں باپ کا گھر اب اس کا گھر نہیں رہا تھا۔ وہ کہیں اور بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ وہ یہاں سے نکل کر جہاں بھی جائے گی اس کے ساتھ یہی سب کچھ ہو گا۔ اسے ہر جگہ مال غنیمت ہی سمجھا جائے گا۔ دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے تو بہتر یہی تھا کہ وہ شارق ہی کی پناہ میں رہے۔

اس بات کو چار پانچ روز گزر گئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ مطلب براری کے بعد اس میں شارق کی دلچسپی کم ہو جائے گی۔ کھلونے سے دلچسپی اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ پہنچ سے دور رہتا ہے اور جب کھلونا ہاتھ آ جائے تو اس سے کھیلنے کے بعد دلچسپی کم ہو جاتی ہے اور پھر بتدریج اس کا خیال بھی ذہن سے نکل جاتا ہے۔ شارق کے بارے میں بھی اس کا یہی خیال تھا کہ رفتہ رفتہ اس کی دلچسپی کم ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن ثمینہ نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ شارق کو اپنے ہاتھ سے نہیں نکلنے دے گی۔

آج وہ کئی روز بعد شارق کے ساتھ گھر سے نکلی تھی۔ شارق نے اگرچہ اس کا حلیہ بالکل ہی بدل دیا تھا لیکن اس کے دل میں ہلکا سا خوف اب بھی موجود تھا کہ کوئی اسے پہچان نہ لے۔ موجودہ حلئے میں وہ بظاہر ایک خوبرو لڑکا لگ رہی تھی لیکن آواز کے علاوہ نسوانیت کے آثار اب بھی کسی حد تک نظر آ رہے تھے۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ اسے اس حلئے میں رہنا ہے تو اسے اس کا بھی بندوبست کرنا پڑے گا۔

ثمینہ کو اندازہ نہیں تھا کہ شارق اسے لکشمی چوک کیوں لے کر آیا تھا۔ محض چرغہ کھلانے کے لئے یا اس کا کوئی اور مقصد بھی تھا۔ اتفاق سے نسبت روڈ سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور انہیں وہاں سے اٹھنا پڑا تھا اور اب شارق اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے چل رہا تھا۔ وہ بار بار ہولے ہولے ثمینہ کا ہاتھ دبا رہا تھا۔ ثمینہ اس وقت بھی اپنے آپ میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس نے شارق سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ بیڈن روڈ پر مڑ گئے۔ فائرنگ کی آوازیں وہاں تک بھی آ رہی تھی لیکن یہاں کسی قسم کی

aazzamm@yahoo.com

افراتفری نہیں تھی۔ تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور لوگ اپنے کاروبار میں مصروف تھے۔ بیڈن روڈ زیادہ کشادہ سڑک نہیں تھی۔ دونوں طرف دکانیں اور ان کے اوپر رہائشی مکان تھے۔ بازار میں اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ جگہ جگہ ٹھیلے کھڑے تھے اور دکانداروں نے بھی اپنا سامان دکانوں کے سامنے فٹ پاتھ پر ڈھیر کر رکھا تھا۔ جس سے راستہ تنگ ہو گیا تھا اور پیدل چلنے والوں کو خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔

وہ بیڈن روڈ سے نکل کر مال روڈ پر آ گئے۔ پررونق ہونے کے باوجود یہ علاقہ پرسکون تھا۔ یہاں نہ تو لکشمی چوک کی طرح ہا ہو تھی اور نہ ہی افراتفری دکھائی دیتی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر کشادہ فٹ پاتھ کے ساتھ ریلنگ کے قریب کھڑے رہے پھر سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے۔ شارق کا رخ لارڈز کی طرف تھا۔

بڑا پرسکون اور خوابناک ماحول تھا اس ریسٹورنٹ کا۔ مدھم روشنی اور موسیقی کی ہلکی لہروں نے ماحول کو خاصا پراسرار سا بنا دیا تھا۔ ہال میں اگرچہ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے لیکن کسی کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی لیکن ان کی سرگوشیوں کی آواز اپنی میز کی حد تک ہی محدود تھی۔

وہ دونوں کچھ دیر دراوزے میں داخل ہو کر وہیں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ ثمینہ اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ وہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اچھے گھرانے سے تعلق تھا۔ اچھے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا تھا لیکن ایسے ماحول میں کبھی نہیں آئی تھی۔ گھروں میں پارٹیاں ہوتی رہتی تھیں۔ صرف اسی حد تک آزادی بھی حاصل تھی لیکن اس طرح کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں جانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ وہ دونوں ادھر ادھر دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک باوردی ویٹر ان کے قریب آ گیا۔

"اس طرف تشریف لایئے جناب۔" ویٹر نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں ویٹر کی رہنمائی میں میزوں کے گرد چکراتے ہوئے ایک خالی میز پر پہنچ گئے۔ ویٹر انہیں میز کے قریب چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"کھانا تو ڈھنگ سے کھا نہیں سکے تھے۔ اب کچھ منگوا لیا جائے؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھانے کو اب بالکل طبیعت نہیں چاہ رہی۔" ثمینہ نے کہا۔

"تو پھر میرا خیال ہے کافی منگوا لیتے ہیں۔" شارق بولا۔

کچھ ہی دیر بعد ویٹر جب مینو لے کر آیا تو شارق نے مینو لینے کے بجائے اسے کافی کے لئے

کہہ دیا۔ ثمینہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ان کے ساتھ والی میز پر ایک نوجوان لڑکی اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی خاصی حسین تھی۔ کٹے ہوئے بال اور فیشن ایبل لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا تعلق کسی بڑے گھرانے سے ہے اور ظاہر ہے اس قسم کے ریستورانوں میں بڑے گھرانوں کے لوگ ہی آ سکتے تھے۔ اس کا ساتھی مرد ادھیڑ عمر تھا۔ شکل و صورت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ وہ دونوں جس انداز میں آگے جھکے ہوئے گفتگو کر رہے تھے اس سے ثمینہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ ان میں کوئی ایسا رشتہ نہیں تھا جس سے وہ دونوں کھل کر اپنوں کا سامنا کر سکتے ہوں۔

کچھ دیر بعد ویٹر نے ان کی میز پر کافی لا کر رکھ دی۔ وہ دونوں خاموشی سے کافی پینے لگے۔ ثمینہ کے خیال میں اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

جب وہ لارڈز سے باہر نکلے تو گیارہ بجنے والے تھے۔ وہاں کی رونق میں ابھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ خاصی چہل پہل تھی۔ شارق، ثمینہ کا ہاتھ پکڑے ٹہلتا ہوا ریگل چوک پر آ گیا۔ ثمینہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ ایک الجھن تھی اور یہ الجھن اس لباس کی وجہ سے تھی جو شارق نے اسے پہنایا تھا۔ لباس بدل لینے سے اس کی فطرت تو نہیں بدل گئی تھی۔ وہ تھی تو عورت ہی۔ اس کے انداز میں جھجک نمایاں تھی۔ سامنے سے دو آدمیوں کو آتے دیکھ کر اس نے غیر ارادی طور پر شارق کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا لیکن کچھ دیر بعد شارق نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ کچھ دیر تک ریگل چوک پر کھڑے رہے اور پھر شارق نے ایک ٹیکسی روک لی۔ اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے ثمینہ کو اندر بیٹھنے کا موقع دیا اور پھر خود اس کے ساتھ بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

"کہاں چلنا ہے جی؟" ڈرائیور نے سامنے لگے ہوئے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مزنگ۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی اور مال روڈ سے نکل کر مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ شارق ثمینہ کے ساتھ چپکا بیٹھا تھا۔ ثمینہ سرک کر دوسری طرف ہٹ گئی۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ ثمینہ کی جھجک کو سمجھ گیا تھا۔

مزنگ چوک پر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور سڑک پار کر کے پیدل ہی طویلے والی گلی کی طرف چلنے لگے۔ چوک پر رونق تھی۔ تکے کباب، کولڈ ڈرنکس، پان سگریٹ کی دوکانیں اور ریسٹورنٹ کھلے ہوئے تھے البتہ گلیوں کی طرف سناٹا تھا۔ اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی۔

شارق جب اس گلی میں مڑا تو ثمینہ کسی قدر جھجکی تھی۔ اس گلی میں زیادہ تر ورکشاپ تھے

aazzamm@yahoo.com

جو بند تھے۔ گلی میں دونوں طرف مختلف قسم کی گاڑیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ ثمینہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی اور جب شارق ایک بہت بڑے پھاٹک میں داخل ہوا تو ثمینہ کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔

"یہ....یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں' آ جاؤ۔" شارق نے کہا۔

پھاٹک کے اندر بہت بڑا احاطہ تھا۔ بہت سے تانگے کھڑے تھے اور کئی گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کی لید کی بو سے ثمینہ کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ ناک پر رکھ لیا۔ وہ طوعاً و کرہاً شارق کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ ابھی وہ چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ ایک آدمی اچانک ہی تانگوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ شاید وہ انہیں روکنا چاہتا تھا لیکن اس نے شارق کو پہچان لیا۔ اس نے شارق کو سلام کیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا تانگوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

ثمینہ رک گ تھی۔ اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف ابھر آیا تھا۔ سنسان گلی' تانگوں طویلہ اور ایک آدمی کا پراسرار طور پر سامنے آنا اور شارق کو سل کر کے غائب ہو جانا۔ شارق اسے یہاں کیوں لایا تھا؟ یہ سوال بار بار ثمینہ کے ذہن میں سر اٹھا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ جائے۔ وہ غیر ارادی طور پر رک گئی اور خوف زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شارق دو تین قدم آگے جا چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ ثمینہ پیچھے رہ گئی تھی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر اس کے قریب آ کر ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے۔ اسی دوران ایک اور آدمی سامنے سے آ کر ان کے قریب سے گزر گیا۔ اس نے چادر کی بکل مار رکھی تھی۔ وہ آدمی ان کی طرف دیکھتا ہوا خاموشی سے ان کے قریب سے گزر گیا تھا۔

سامنے کسی جگہ بانس کے پول کے ساتھ سو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی احاطے کا اندھیرا دور کرنے کے لئے قطعی ناکافی تھی لیکن بہرحال اس مردہ سی روشنی میں راستہ دیکھا جا سکتا تھا۔

ثمینہ کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ ماحول ہی ایسا تھا کہ یہاں آنے والا کوئی بھی اجنبی خوفزدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ثمینہ کو ایک بھارتی فلم یاد آ گئی جو اس نے تقریباً ایک سال پہلے دیکھی تھی۔ وہ چھٹیوں پر لاہور آئی ہوئی تھی اور رات کا زیادہ وقت وی سی آر پر فلمیں دیکھتے ہوئے

رہا تھا۔ وہ فلم بھی اس کا بھائی لے کر آیا تھا۔ بھارت کے سب سے بڑے شہر بمبئی کے پس منظر میں بنائی جانے والی یہ فلم دراصل بمبئی کی زیر زمین دنیا کی کہانی تھی۔ ایک جرائم پیشہ گروہ جو منشیات کی اسمگلنگ کے علاوہ جوئے کے اڈے بھی چلاتا تھا۔ بالکل ایسا ہی منظر تھا۔ تانگوں کا طویلہ اور اس کے اندر منشیات اور جوئے کا اڈہ... اس فلم میں پولیس نے اس اڈے پر چھاپہ مارا تو اس اڈے پر موجود ہر شخص پولیس کے سامنے ایک چٹان بن گیا تھا۔

یہ بالکل ویسی ہی جگہ تھی۔ وسیع و عریض احاطہ' تانگوں کا طویلہ' پراسرار لوگوں کی آمد و رفت.... کیا یہ بھی منشیات کا اڈہ تھا؟ ثمینہ کے ذہن میں فیصل آباد کا وہ قبرستان ابھر آیا جہاں تھانے نے منشیات کا اڈہ قائم کر رکھا تھا اور جب شارق اسے وہاں لے کر گیا تھا تو پولیس نے چھاپہ مارا تھا اور یہیں سے اس کی بربادی کا اصل دور شروع ہوا تھا اور شارق اب پھر اسے ایک ایسی ہی جگہ پر لے آیا تھا۔

وہ جیسے ہی تانگوں کی آڑ سے نکلے بائیں طرف ایک مزار دیکھ کر ثمینہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ مزار کے گنبد پر اوپر ایک مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا جبکہ دائیں طرف دو تین کمرے تھے۔ ان کے سامنے بھی ایک بلب روشن تھا۔ ثمینہ رک گئی۔

"یہ....یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" اس نے عجیب سی نظروں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا اڈہ ہے۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ چلی آؤ۔" شارق نے کہا۔

دو کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور دونوں کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ شارق ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ ثمینہ دروازے کے باہر ہی رک گئی تھی۔

"آؤ شارق باؤ۔ میں تو بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ایک خوش خبری سنانی ہے تمہیں۔" اندر سے آنے والی ایک آواز ثمینہ کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کیا خوش خبری سنانا چاہتے ہو۔" شارق نے جواب دیا۔

"تو تمہیں پتہ چل گیا ہے۔" پہلی آواز نے کہا۔

"اتفاق سے میں اس وقت لکشمی چوک میں ہی تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس نے جب کارروائی شروع کی تو میں وہاں سے نکل گیا تھا۔ نولکھا کہاں ہے؟"

"دوسرے کمرے میں۔ شاید سو گیا ہے۔" پہلی آواز نے جواب دیا۔

"ارے ایک منٹ رکو۔" شارق کی آواز سنائی دی اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ باہر آ گیا۔ "ارے! تم یہاں رک گئی ہو' اندر آؤ۔"

شارق اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گیا۔ کمرے میں شارق کے علاوہ دو آدمی اور تھے۔ ان

aazzamm@yahoo.com

میں ایک گاما تھا اور دوسرا حنیف.... جو نکے پہلوان کا آدمی تھا لیکن کل رات سے ان کے ساتھ تھا۔

وہ دونوں ثمینہ کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"بیٹھو بھئی.... کھڑے کیوں ہو۔" شارق نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے دری پر بٹھا دیا اور خود بھی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

ثمینہ بھی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ اس نے دونوں گھٹنے اٹھا رکھے تھے اور اس طرح بیٹھنے سے وہ بڑی الجھن محسوس کر رہی تھی۔

"یہ کون ہے شارق باؤ؟" گامے نے شارق کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"اپنا دوست ہے۔ ذرا نولکھے کو بلا کر لاؤ۔" شارق نے کہا۔

گاما باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ نولکھا بھی تھا۔ اسے سوتے سے جگایا گیا تھا اور وہ آنکھیں مل رہا تھا۔ اس نے پہلے شارق کی طرف دیکھا اور پھر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے جانتے ہو نولکھے؟" شارق نے پوچھا۔

نولکھا چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا دیا ثمینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ نولکھا ایک بار پھر چونک گیا۔

"ایک منٹ شارق باؤ۔" وہ بولا۔ "یہ...."

"بس بس!" شارق نے اسے ٹوک دیا۔ "اگر پہچان گئے ہو تو خاموش رہو۔" وہ گامے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہاں گامے' تم کچھ کہہ رہے تھے۔ میرا مطلب ہے وہ خوشخبری' لکشمی والے ڈرامے سے پہلے کچھ ہوا ہو تو بتاؤ۔"

"آج دن میں کسی نے پولیس کو ٹیلی فون پر اطلاع دی تھی کہ نکا پہلوان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ فون کرنے والے نے اس جگہ کی نشاندہی بھی کی تھی جہاں نکا پہلوان کو قتل کیا گیا تھا۔ پولیس نے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ماجھا گجر کے گاؤں والے ڈیرے پر چھاپہ مار کر اس کے ایک بندے کو گرفتار کر لیا اور اس کی نشاندہی پر گوبر میں دبی ہوئی لاش بھی برآمد کر لی۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا؟" شارق نے پوچھا۔

"حنیف نے۔" گامے نے قریب بیٹھے ہوئے حنیف کی طرف اشارہ کیا۔ "ویسے بھی ایسی خبریں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں شارق باؤ۔"

"اور ماجھے گجر کا کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ پولیس کے ہاتھ نہیں لگا شارق باؤ۔" اس مرتبہ حنیف نے کہا۔ "میں تھوڑی دیر پہلے ہی گوالمنڈی سے آیا ہوں۔ پولیس نے ماجھا گجر کے نسبت روڈ والے اڈے پر چھاپہ تو بڑا زبردست مارا تھا لیکن ماجھا گجر کچھ زیادہ ہی چالاک ثابت ہوا۔ وہ بھاگ گیا لیکن اس کے دو بندے پولیس کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ ایک پولیس والا بھی اگلے جہان پہنچ گیا ہے۔ اڈے میں جتنا بھی مال تھا وہ پولیس کے قبضے میں پہنچ گیا ہے۔"

"گڈ!" شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "اور مولوی حمید کا کیا حال ہے؟"

"اس کے قدم جم رہے ہیں شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ "فی الحال اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ماجھے گجر کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی ہے۔ اسے سنبھلنے میں بڑا وقت لگے گا۔ اور اس وقت تک مولوی حمید ہی نہیں پورے شہر میں ہمارے قدم جم جائیں گے۔"

"ماجھا گجر کو تم اتنا کمزور اور بے بس مت سمجھو۔ اسے یہ جو چوٹ لگی ہے وہ اسے آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس کا وار بہت خطرناک ہو گا۔ اپنے تمام آدمیوں کو خبردار کر دو کہ وہ محتاط رہیں۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں اور دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ یہ لوگ قتل و غارت کی باتیں اس طرح کر رہے تھے جیسے کسی انسان کی زندگی ان کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ ثمینہ نے کن انکھیوں سے شارق کی طرف دیکھا' وہ سوچ رہی تھی کہ یہ شاید شارق کا اصل روپ تھا جو اس کے سامنے آ رہا تھا۔ شارق کے بارے میں یہ انکشاف اس کے لئے خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور کسی دوسرے گروہ سے بھی ان کی دشمنی چل رہی ہے۔

ثمینہ کو اب خیال آ رہا تھا کہ شارق اسے بلامقصد لکشمی چوک لے کر نہیں گیا تھا۔ اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ پولیس نسبت روڈ پر چھاپہ مارنے والی ہے۔ وہ اسی لئے وہاں گیا تھا کہ پولیس کی اس کارروائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے اور پھر مطمئن ہونے کے بعد ثمینہ کو لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

"اور تمہارا بزنس کیسا ہے گامے؟" شارق نے گامے سے پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ "رقم جمع ہو گئی ہے چاہو تو لیتے جاؤ۔"

"رقم ابھی اپنے پاس ہی رہنے دو اور ہاں.... نولکھے کو اخراجات یا کسی اور سلسلے میں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ "نولکھے کو میرے ہوتے ہوئے بھلا کوئی تکلیف ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں چل رہا ہوں۔ کل کسی وقت چکر لگاؤں گا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ثمینہ بھی فوراً ہی اٹھ گئی تھی۔ نولکھا انہیں باہر کے گیٹ تک چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ آیا تھا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا ثمینہ بی بی کہ اپنا حلیہ بدل لیا۔" نولکھا نے کہا۔ "اب تم آزادی سے گھوم پھر بھی سکو گی اور کوئی تمہیں پہچان نہیں پائے گا۔"

"مگر تم نے تو مجھے پہچان لیا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس لئے کہ میں نے تمہیں پہلے سے دیکھا ہوا تھا۔ اگر شارق باؤ مجھے خاص طور پر تمہاری طرف متوجہ نہ کرتا تو شاید میں بھی تمہیں پہچان نہ پاتا۔ بہرحال' اب تم بڑی حد تک محفوظ ہو۔ کوئی عام آدمی تمہیں نہیں پہچان سکتا۔" نولکھا نے کہا۔

"لیکن ایک بات ایسی ہے جو دیکھنے والے کو شبہے میں ڈال سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ دیکھنے والا اس شبہے میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک دم رخ بدل لیا۔

شارق اور نولکھا کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر شارق نے اس سے ہاتھ ملایا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ سے نکل کر گلی میں آ گیا۔

جب وہ گھر پہنچے تو رات کے دو بج چکے تھے۔ ثمینہ بہت تھک گئی تھی۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ اپنا لباس پہن کر اسے بڑا سکون ملا تھا۔ اس نے پینٹ شرٹ اٹھا کر کرسی کی پشت پر ڈال دی اور دروازہ کھول دیا۔ شارق لاؤنج میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے کپڑے نہیں بدلے تھے۔

"میں سونے جا رہی ہوں۔ مجھے پریشان مت کرنا۔ بہت تھکی ہوئی ہوں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مڑ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

شارق نے واقعی اسے رات کو پریشان نہیں کیا تھا۔ ثمینہ صبح دیر تک سوتی رہی پھر شارق بھی دیر سے ہی سویا تھا۔ گیارہ بجے کے لگ بھگ وہ دونوں میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

"یہ سب کون لوگ تھے؟ ماجھا گجر کون ہے اور یہ قتل و غارت! یہ سب کیا ہے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں جان بوجھ کر وہاں لے کر گیا تھا تاکہ تم سب کچھ دیکھ سکو۔" شارق نے کہا۔

"کیا مطلب! کیا کہنا چاہتے ہو تم؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ثمینہ!" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہاری زندگی بھی اب میری طرح ایک نیا راستہ اختیار کر چکی ہے۔ ایک طرف پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور دوسری طرف تم اپنے ماں باپ اور اپنے گھر سے محروم ہو چکی ہو۔ تم اب وہ زندگی نہیں گزار سکتیں جس کی تم نے کبھی خواہش کی تھی۔ یہ نئی زندگی اس زندگی سے بہت مختلف ہو گی جس کے تم نے خواب دیکھے تھے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے بھی کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن مجھے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ آہنی سلاخوں کے پیچھے گزارنا پڑا اور جب میں جیل سے باہر آیا تو مجھے مجرمانہ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ قانون کے یہ محافظ مجھے اس راستے پر آگے دھکیلتے رہے۔ میں اکیلا تھا' تنہا' بے بس و مجبور..... ایک طرف شیرا پہلوان جیسے لوگ تھے جو مجھے اس دلدل کی طرف کھینچ رہے تھے اور دوسری طرف قانون کے یہ محافظ مجھے بچانے کی کوشش کرنے کے بجائے مجھے پیچھے سے اس خوفناک دلدل کی طرف دھکیلتے رہے۔ پھر مجھے چھانگا جیسے آدمی کا سہارا مل گیا۔ اس نے مجھے یہ سبق پڑھایا کہ اپنا حق مانگا نہیں چھینا جاتا ہے۔ چھانگا ایک بہت بڑا بدمعاش تھا۔ ہیروئن اسلحہ کا اسمگلر..... میں اس کا نائب بن گیا۔ میں نے چھانگا کا دور بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے پولیس آفیسرز زر خرید غلاموں کی طرح اس کے در پہ حاضری دیتے تھے۔ چھانگا مر گیا۔ آج میں اس کا گدی نشین ہوں۔ لاہور کا سب سے بڑا اسلحہ اور منشیات کا ڈیلر..... یہ مقام میں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے۔ کئی مرتبہ موت سے پنجہ آزمائی کی ہے۔ اور آج تم....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "آج تم بھی اسی جگہ کھڑی ہو جہاں سے میں نے اپنی یہ گھناؤنی زندگی شروع کی تھی۔ ہم دونوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ میں نے بھی کوئی جرم نہیں کیا تھا اور تمہارا جرم بھی صرف یہ ہے کہ تم نے ایک ایسے شخص کو پناہ دی تھی جو اپنی جان بچانے کے لئے تمہارے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ مجھے پناہ دینا ہی تمہارا سب سے بڑا جرم بن گیا اور پھر میری طرح تم بھی اس دلدل میں دھنستی چلی گئیں' جس سے نکلنا ممکن نہیں۔ ہم دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ میں اکیلا تھا' بے سہارا تھا کوئی میری پشت پناہی کرنے والا نہیں تھا۔ لاوارث ہونے کی وجہ سے میں قانون کے محافظوں اور جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا۔ وہ مجھ سے کھیلتے رہے لیکن تم..... تم تنہا

aazzamm@yahoo.com

نہیں ہو.... میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہیں ان لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بننے دوں گا۔ میں تمہیں اپنے اس اڈے پر اس لئے لے کر گیا تھا کہ تم اس ماحول سے آشنا ہو سکو۔ تمہیں یہی زندگی گزارنی ہے۔ مگر دب کر نہیں' اپر ہینڈ ہو کر....!"

"تو گویا تم مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تمہیں اس زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور اگر میں اس دلدل میں نہ پھنسنا چاہوں تو؟" ثمینہ نے کہا۔

"دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تمہیں ایک راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ اگر تمہارے ماں باپ تمہیں قبول کر لیتے ہیں تو تم اپنے گھر جا سکتی ہو۔ رہا پولیس کا معاملہ تو اس سے میں نمٹ لوں گا۔ جتنا پیسہ خرچ ہو گا کروں گا۔ پولیس کے ریکارڈ سے تمہارا نام نکلوا دوں گا۔ دوسرا راستہ وہی ہے جو میں نے تمہیں بتایا ہے۔ یعنی تمہیں باقی زندگی میرے ساتھ گزارنی ہو گی۔ زیر زمین دنیا میں..... اس زیر زمین دنیا کی ملکہ بن کر۔ اس دنیا کا اپنا ایک رنگ ہے۔ بڑی سنسنی خیز زندگی ہے یہ۔ جو ایک مرتبہ اس کا رنگ دیکھ لیتا ہے اس کا واپس جانے کو جی نہیں چاہتا اور اگر یہ دونوں راستے تمہارے لئے مشکل ہوں تو ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔"

"وہ کون سا راستہ ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ناشتہ کر لو.... پھر بتاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ ناشتہ تقریباً ختم ہی کر چکے تھے۔ اب چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔

"یہ ماجھا گجر کون ہے۔ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"یہ بھی ہماری ہی برادری کا ہے۔" شارق نے کہا۔ "چھانگے کا بڑا اچھا دوست تھا۔ اس کا دودھ کا کاروبار تھا۔ سرحد کی طرف تھوڑی سی زمین بھی ہے۔ اناج اور سونا وغیرہ سرحد پار اسمگل کیا کرتا تھا' اب بھی کرتا ہے۔ ڈھائی تین سو بھینسیں تھیں اس کی۔ بڑا منافع بخش کاروبار تھا۔ پھر چھانگا اسے اپنی لائن پر لے آیا۔ اس نے تمام بھینسیں بیچ دیں اور ہیروئن کا بزنس شروع کر دیا۔ چالاک آدمی تھا۔ بڑی جلدی قدم جما لئے لیکن ذرا جلد بازی کر گیا۔ لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگا لیکن چھانگا اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔ اس نے چھانگا کے ایک آدمی جیرے کو توڑ لیا۔ اس نے جیرے کو یہ سبز باغ دکھایا تھا کہ اگر وہ چھانگے کو قتل کر دے تو وہ اس گروہ کا سربراہ بن سکتا ہے۔ جیرا بے وقوف تھا۔ اس کی باتوں میں آ گیا لیکن اپنی بے وقوفی ہی کی وجہ سے چھانگے کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے چھانگے کے پھیپھڑوں میں بھی گولی اتار دی

تھی۔ چھانگا تین چار دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد مر گیا۔ مرنے سے پہلے اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کے خلاف یہ سازش ماجھے گجر نے کی تھی۔ موت کی ہچکی لینے سے پہلے چھانگے نے مجھے اپنے آدمیوں کے سامنے گروہ کا سرغنہ بنا دیا۔

ماجھے گجر کا خیال تھا کہ وہ چھانگے کی موت کے بعد لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قبضہ کر لے گا۔ لاہور میں روزانہ کروڑوں کا بزنس ہوتا ہے اور ہر کوئی اس کاروبار پر اجارہ داری قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ہمارے گروپ کی پوزیشن اس وقت سب سے زیادہ مضبوط ہے جبکہ ماجھا گجر ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں دونوں پارٹیوں میں کئی مسلح تصادم ہو چکے ہیں۔ دونوں طرف کے متعدد آدمی مارے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں پہل ماجھا گجر ہی نے کی تھی۔ سب سے پہلے اس نے ہمارے آدمی کو مارا تھا۔ میرے آدمیوں نے بدلہ لینے کے لئے اس کا بندہ مار دیا۔ اس طرح یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ دو دن پہلے اس نے ہمارے ایک آدمی کو مار کر اس کی لاش گوبر میں دفن کر دی تھی۔ ہم نے اس کا ایک آدمی پکڑ لیا جس نے ہمارے آدمی کے قتل کا اعتراف کر لیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے کہاں دفن کیا گیا ہے۔ میں نے ایک گمنام فون کے ذریعے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس نے ماجھا گجر کے گاؤں والے ڈیرے پر چھاپہ مار کر گوبر میں دفن وہ لاش برآمد کر لی اور اس کے دو آدمیوں کو حراست میں لے لیا۔ عام حالات ہوتے تو ماجھا گجر اپنے آدمیوں کو چھڑا چکا ہوتا لیکن میں نے اسے نکلنے اور سوچنے کا موقع نہیں دیا اور اس کے نسبت روڈ والے اڈے کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس نے جب وہاں چھاپہ مارا تو ہم دونوں بھی لکشمی چوک پر موجود تھے۔ فائرنگ کی آوازیں تم نے بھی سنی تھیں۔ لیکن افسوس تو مجھے اس بات کا ہوا ہے کہ ماجھا گجر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اسے جو نقصان ہوا ہے اس کا بھی مجھے اندازہ ہے۔ پولیس کی اس کارروائی میں ماجھا گجر کے دو بندے مارے گئے ہیں۔ اسے اپنے آدمیوں کے مرنے کی کوئی فکر نہیں ہو گی۔ اسے سب سے زیادہ افسوس تو اپنے مال کا ہو گا جو پولیس کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ مال ایک سے ڈیڑھ کروڑ تک کا ہو سکتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ماجھا گجر خاموشی سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ بہت جلد ہم پر وار کرے گا۔"

"یہ سب کچھ تم مجھے اس طرح بتا رہے ہو جیسے تم نے کوئی تاریخی کارنامہ انجام دیا ہو؟" ثمینہ نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ثمینہ۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "پولیس اور جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں تنگ آ کر جب میں نے اس لائن میں قدم رکھا تھا تو اس کا ایک مقصد تھا۔ میں نے عہد کیا تھا کہ ان لوگوں کے اندر رہ کر ان کا صفایا کرتا رہوں گا۔ شروع میں کچھ کیا بھی تھا۔

aazzamm@yahoo.com

میں نے پولیس کے اعلیٰ افسران کو بعض بڑی مچھلیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کی تھیں' اور پولیس نے ان کے خلاف موثر کارروائی بھی کی تھی۔ شیرا پہلوان لاہور کی منشیات کی دنیا کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن میں نے پولیس کے اعلیٰ افسران کو اس کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور کیا اور آج کوئی شیرا پہلوان کا نام بھی نہیں جانتا۔ یہ حقیقت ہے کہ پولیس اگر دیانتداری سے کام کرے تو کوئی جرم نہیں پنپ سکتا لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ پولیس میں کچھ نہیں بہت سی کالی بھیڑیں گھس آئی ہیں۔ بیشتر لوگ یہ عزم لے کر اس محکمہ میں آتے ہیں کہ وہ دولت بنائیں گے اور اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی رہتے ہیں۔ پولیس کو سب سے زیادہ کمائی ان جرائم پیشہ گروہوں سے اور ان کی آپس کی لڑائیوں سے ہوتی ہے۔ دو گروہوں کے کسی تصادم میں دونوں طرف کے کچھ آدمی پکڑے جاتے ہیں اور انہیں چھڑانے کے لئے پولیس کو لاکھوں روپے کی رشوت دی جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے پولیس والوں کے بینک بیلنس بڑھتے رہتے ہیں اور ان کی جائیدادوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ میں اپنے علاقے کے ایس ایچ او کو ایک لاکھ روپیہ ماہوار بھتہ دیتا ہوں۔

تم نے امریکی مافیا کے بارے میں ضرور پڑھا ہو گا۔ مافیا دنیا کی سب سے خطرناک تنظیم ہے لیکن پاکستان کی ڈرگ مافیا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ انہیں تحفظ فراہم کرنے والے اسمبلیوں تک میں موجود ہیں۔ یہ لوگ کروڑوں روپے خرچ کر کے اپنے آدمیوں کو الیکشن میں کامیاب کراتے ہیں جو اسمبلیوں میں بیٹھ کر انہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ لاہور کے یہ منشیات کے بیوپاری تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں لیکن یہاں بھی ہر شخص مافیا کا ڈان بنا ہوا ہے' بے رحم اور سفاک' میں یہی سوچ کر آیا تھا کہ ان میں رہ کر ان کا صفایا کروں گا لیکن میرے ہاتھ بھی صاف نہیں رہے۔ مجھ سے بھی کچھ ایسے جرائم سرزد ہو چکے ہیں کہ میں بھی سر اٹھا کر نہیں چل سکتا اور نہ ہی قانون کا سامنا کر سکتا ہوں لیکن.... میں اس وقت تک قانون سے آنکھ مچولی کھیلتا رہوں گا جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ چند لوگوں کو جیل پہنچا دینے یا منشیات کے چند اڈے ختم کر دینے سے معاشرہ پاک نہیں ہو جائے گا لیکن اس کا کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور پڑے گا۔"

"عجیب منطق ہے تمہاری۔" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کی بات کر رہے ہو لیکن خود اسی دلدل میں دھنسے ہوئے ہو اور اپنے آپ کو بچانے کے بجائے دوسروں کو بھی اس میں گھسیٹ رہے ہو۔ میں نہیں جانتی کہ تم اب تک کتنے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو لیکن کم از کم دو قتل ایسے ہیں جن کی گواہ تو

میں بھی ہوں۔ سلمان ایڈووکیٹ اور موٹر مکینک محمد یوسف....."

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے ہاتھ بھی صاف نہیں ہیں۔" شارق نے کہا۔

"لیکن مجھ سے جو جرائم سرزد ہوئے ہیں ان میں انتقامی جذبہ کارفرما ہے۔ سب سے پہلے میں نے اس شخص کو قتل کیا جو میری بربادی کا اصل ذمے دار تھا۔ میں ایک ناکردہ جرم کی سزا بھگت کر جیل سے نکلا تو اس وقت میرے ذہن میں یہی تھا کہ سب کچھ بھول کر شرافت کی زندگی گزاروں گا۔ میں نے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی پھلوں کی دکان کھول لی۔ یہی وہ موقع تھا جب شیرا پہلوان نے مجھے غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی۔ اگر اس علاقے کا پولیس انسپکٹر میری مدد کرتا تو آج میں وہ نہ ہوتا جو اس وقت ہوں' لیکن اس پولیس آفیسر کو تو ایک نئی آسامی مل گئی تھی۔ وہ اپنے مفاد کے لئے مجھے جرائم کی طرف دھکیلتا رہا۔ میں نے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور بالآخر ان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گیا اور بالآخر جب میں نے وہ راستہ اختیار کر ہی لیا تو سب سے پہلے میں نے اسی پولیس آفیسر کو ٹھکانے لگایا جو میری بربادی کا ذمے دار تھا۔ وہ نجانے مجھ جیسے کتنے شریف لوگوں کو مجرم بنا چکا تھا صرف اپنے مفاد کے لئے۔ وہ قانون کا محافظ تھا لیکن قانون سے اسے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ صرف دولت کمانے کے لئے اس محکمہ میں آیا تھا۔ ہوس زر میں اس نے کئی گھر اجاڑے تھے۔ میں نے اپنا انتقام لینے کے لئے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

پھر سلمان ایڈووکیٹ میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ جس نے میرے ماں باپ کو قتل کروایا تھا۔ اس کے بعد موٹر مکینک محمد یوسف کی باری آئی۔ اس نے تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ ان تین آدمیوں کے قتل میں میرا ذاتی انتقام شامل ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہوا یا ہو رہا ہے اس میں میرا نہ تو کوئی ذاتی مفاد شامل ہے اور نہ انتقام کا جذبہ۔ ہاں' اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قتل و غارت کی ان وارداتوں میں میرا کردار مرکزی رہا ہے۔ لیکن مارے جانے والے یہ وہ لوگ ہیں جن کا انجام اس سے بھی زیادہ خوفناک ہونا چاہئے تھا۔ یہ صرف قانون کے نہیں انسانیت کے بھی مجرم ہیں۔ انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ پکڑے جانے کی صورت میں ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ یہ چند گھنٹوں کے بعد پھر باہر آ جائیں گے۔ اس لئے میرے خیال میں ایسے لوگوں کا مر جانا ہی بہتر ہے۔"

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" ثمینہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اب تو میں بھی انہی کا حصہ بن چکا ہوں۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"کسی دن کسی دشمن کی کوئی گولی مجھے بھی چاٹ جائے گی اور میری لاش بھی کہیں بے گور و کفن پڑی سڑتی رہے گی۔"

ثمینہ جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"میرے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ میرے لئے ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔ لیکن تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ میرے لئے وہ تیسرا راستہ کون سا ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ثمینہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا خالی کپ میز پر رکھ دیا اور اٹھ کر شارق کے ساتھ اس کمرے میں آ گئی جہاں بیڈ بچھا ہوا تھا۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار کے ساتھ لکڑی کی الماری تھی۔ شارق نے وہ الماری گھسیٹ کر دیوار سے دور ہٹا دی۔ ثمینہ یہ دیکھ کر قدرے حیران ہوئی کہ اس کے پیچھے آہنی دروازوں والی ایک اور الماری تھی۔ شارق نے چابی لگا کر اس الماری کو کھولا۔

الماری کھلتے ہی ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس الماری کے دو تین شیلف تھے۔ سب سے نیچے والے شیلف میں سفید پاؤڈر سے بھرے ہوئے پلاسٹک کے کئی تھیلے رکھے تھے۔ یہ ہیروئن تھی.... اوپر والے خانے میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ ثمینہ کے خیال میں یہ لاکھوں روپے کی رقم تھی۔ تیسرے خانے میں ایک پستول پڑا ہوا تھا جو کسی عام پستول سے قدرے مختلف اور بڑا تھا۔

"یہ پستول۔" شارق نے پستول اٹھا لیا۔ "یہ پستول میں نے ایک غیر ملکی سے بہت مہنگا خریدا تھا۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ گولی جسم کے اندر جا کر پھٹ جاتی ہے اور اس کا شکار ہونے والے کے بچنے کا امکان نہیں رہتا۔" اس نے پستول دوبارہ وہیں رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تیسرا راستہ یہ ہے کہ تم یہ ملک چھوڑ کر کہیں باہر چلی جاؤ۔ جتنی رقم چاہو تمہیں یہاں سے مل سکتی ہے۔ میرے پاس رقم کی کمی نہیں ہے۔ اور بھی مل سکتی ہے۔"

"اوہ!" ثمینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم بھی یہاں سے بھاگنے کا کوئی پروگرام بنا رہے ہو؟"

"نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر میں بھی ایسا نہیں کر سکتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے پھر شارق نے آہنی الماری بند کر دی اور لکڑی والی الماری بھی سرکا کر اس کی جگہ پر پہنچا دی۔ وہ دوسرے کمرے میں آ کر کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر شارق اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں ایک کام سے جا رہا ہوں واپسی شام تک ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ رات کو بھی نہ آ سکوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" ثمینہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ "میں اکیلی یہاں نہیں رہ سکتی۔ دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تو پھر تیار ہو جاؤ۔ لیکن اس چیز کا خیال رکھنا جس کی نشاندہی گزشتہ رات نولکھا نے کی تھی۔"

اس کا مطلب سمجھ کر ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اسے گھورتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد تیار ہو کر باہر نکلی۔ پینٹ شرٹ میں واقعی اس کا حلیہ بدل گیا تھا۔ اس نے مونچھیں بھی بڑے سلیقے سے ہونٹ پر جمائی تھیں۔ سر پر گولف کیپ اور آنکھوں پر تاریک شیشے والی عینک۔ وہ ایک خوبرو نوجوان لگ رہی تھی۔ پیروں میں جوگرز کی وجہ سے وہ اپنے اصل قد سے کچھ لمبی نظر آ رہی تھی۔

"گڈ!" شارق نے توصیفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اس وقت تو تم واقعی لڑکا لگ رہی ہو۔ کوئی ایسا نشان نظر نہیں آتا جس سے تم پر لڑکی ہونے کا شبہ ہو سکے۔"

"اب تو میں نجانے کیا سے کیا بنتی رہوں گی۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ تم نے حالات کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ دونوں باہر آ گئے۔

برآمدے کا تالا لگا کر اس نے چابی اوپر والی چوکھٹ پر رکھ دی اور باہر آ کر بیرونی گیٹ بند کر دیا۔ وہ گلی میں چلتے ہوئے سڑک پر آ گئے اور پھر مین روڈ کے بس اسٹاپ پر پہنچ گئے۔

آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بڑی خوش گوار ہوا چل رہی تھی۔ کئی روز بعد موسم اس قدر خوش گوار ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بس اسٹاپ پر کھڑے رہے۔ پھر جیسے ہی ایک خالی رکشہ وہاں آ کر رکا شارق تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اس وقت ایک اور آدمی بھی رکشے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کتھے جانا ہے باؤ جی؟" رکشہ والے نے مڑ کر شارق کی طرف دیکھا جو رکشے میں بیٹھ چکا تھا۔

"مال روڈ.... کافی ہاؤس کے پاس۔" شارق نے جواب دیا اور ثمینہ کے لئے جگہ چھوڑ کر دوسری طرف سرک گیا۔

aazzamm@yahoo.com

رکشہ مختلف سڑکوں پر گھومتا ہوا جی پی او کے قریب سے مال روڈ پر آ گیا اور پھر کافی ہاؤس کے سامنے رک گیا۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے اور سڑک پار کر کے انارکلی کی طرف چل پڑے۔

انارکلی میں بڑی رونق تھی۔ چھابڑوں والوں نے پوری سڑک روک رکھی تھی۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے چل رہے تھے۔ ثمینہ کو بھی کئی دھکے لگے تھے۔ مگر وہ خاموشی سے چلتی رہی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ یہاں آئی تھی تو سامنے سے آنے والے ایک اوباش نے اسے کندھے سے ٹکر ماری تھی اور پھر ثمینہ اور اس کی دوست نے اس اوباش کی وہ دھنائی کی تھی کہ وہ گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا تھا کہ آئندہ کسی عورت کو نہیں چھیڑے گا اور آج تو ثمینہ کو چلتے ہوئے کئی لوگوں کے دھکے لگے تھے۔ مگر وہ خاموشی سے چلتی رہی تھی۔

شارق ریڈی میڈ گارمنٹس کی ایک بہت بڑی دکان میں داخل ہو گیا۔ وہ اپنے اور ثمینہ کے لئے کچھ پینٹ شرٹس خریدنا چاہتا تھا۔ اپنی کمر کا سائز تو اسے معلوم تھا۔ اس روز محض اندازاً ثمینہ کے لئے پینٹ لے گیا تھا۔ جن میں ایک ٹائٹ تھی اور ایک ڈھیلی۔ ثمینہ نے اس وقت وہ ڈھیلی پینٹ پہنی ہوئی تھی جسے بیلٹ کی مدد سے قابو میں رکھا گیا تھا۔ سیلزمین ثمینہ کی کمر کے گرد انچ ٹیپ لپیٹ کر سائز لینے لگا تو ثمینہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے ٹیپ خود لے لیا اور اسے کمر پر لپیٹنے لگی۔

شارق نے اس کے لئے چھ پتلونیں اور شرٹس خریدیں۔ ثمینہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ اس کے خیال میں اب اسے یہی لباس پہننا تھا۔ اس کے ساتھ والی دکان سے جوگرز کا بھی ایک جوڑا خرید لیا گیا۔ ظاہر ہے وہ سینڈل وغیرہ تو اب نہیں پہن سکتی تھی۔ دوسرے مردانہ جوتے اسے اچھے نہیں لگے تھے اور جوگرز اسے پسند آئے تھے۔

وہ انارکلی میں چلتے ہوئے ایبک روڈ پر مڑ گئے۔ اس تنگ سی گلی میں مڑتے ہی ایک دیوار کے ساتھ نہایت مختصر سی جگہ پر قطب الدین ایبک کا مزار تھا۔ کئی سال پہلے یہاں محض قبر تھی جس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ ہندوستان کے ایک فرمانروا کی قبر ہے۔ قبر کے ساتھ جو تھوڑی سی کھلی جگہ تھی وہاں ایک ملنگ نے ڈیرہ جما رکھا تھا جہاں ہر وقت چرس کے سگریٹ پھونکے جاتے اور بھنگ گھوٹی جاتی۔ پاکستان کے ایک سابق صدر ایوب خان نے ان تاریخی یادگاروں کی طرف توجہ دی۔ ان کے تحفظ اور تزئین و آرائش کا کام شروع ہوا۔ قطب الدین ایبک کی قبر کے ساتھ کچھ جگہ حاصل کر کے دیوار اٹھا دی گئی تھی جس پر کئی جگہ قطب مینار کا سمبل بنا دیا گیا تھا۔ جگہ اگرچہ بہت کم تھی مگر بہرحال ایک تاریخی یادگار کو تحفظ مل گیا تھا۔ اس گلی

میں چند قدم چلنے کے بعد ہی شارق رک گیا۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔" شارق پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "بیسیوں مرتبہ یہاں آنے کے باوجود میں غلط گلی میں آ گیا ہوں۔"

وہ دوبارہ انارکلی میں آ گئے اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اور گلی میں آ گئے۔ اسی گلی میں دائیں طرف سہیل کا ریسٹورنٹ تھا۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت سہیل کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور ریسٹورنٹ میں خاصا رش تھا۔ شارق اس کی طرف دیکھتا ہوا اوپر جانے والے گول زینے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ اوپر فیملی روم ہو گا۔ پھر یکایک اسے خیال آیا کہ وہ چونکہ مردانہ حلئے اور لباس میں تھی۔ شارق اسے فیملی روم میں لے جانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک اور خیال بھی آیا کہ اوپر بھی کوئی گیلری وغیرہ ہو گی۔

زینے کے اختتام پر مختصر سی گیلری کے بعد وہ ایک دروازے میں داخل ہوئے تو ثمینہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ یہ ریسٹورنٹ کی گیلری نہیں کوئی رہائشی کمرہ تھا۔ اور بڑے سلیقے سے آراستہ تھا۔

"یہ.....یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" ثمینہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کل رات میں نے تمہیں چند ایسے لوگوں سے ملوایا تھا جو جرائم کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ سفاک اور بے رحم انسان۔ جو ایک دو نہیں کئی کئی انتہائی سنگین الزامات میں پولیس کو مطلوب ہیں لیکن اس وقت میں تمہیں ایک ایسے دوست سے ملوانے والا ہوں جس کا جرائم کی دنیا سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ ایک شریف اور معزز آدمی ہے۔ تم اس سے مل کر یقیناً بہت خوش ہو گی۔" شارق نے کہا۔ "بیٹھو.... یہاں تکلف کی ضرورت نہیں۔"

ثمینہ نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپنگ بیگ پلنگ پر رکھ دیئے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ شارق نے بھی اپنے ہاتھ کا شاپنگ بیگ ایک طرف ڈال دیا اور دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد سہیل کمرے میں داخل ہوا۔

"ہیلو سہیل۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے دوست سے ملو.... ثمین جان اور ثمین.... یہ میرا دوست سہیل ہے۔"

سہیل نے مسکراتے ہوئے ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ثمینہ کچھ جھجکی پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بھی ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ سہیل اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے چونکا بڑا نازک اور

aazzamm@yahoo.com

ملائم ہاتھ تھا۔

"بڑے نازک ہو بھئی۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے اللہ میاں نے تمہیں لڑکی بناتے بناتے اپنا ارادہ بدل دیا ہو۔"

"کچھ ایسا ہی لگا ہے۔" ثمینہ بھی جواب میں مسکرا دی تھی۔

"کھانا وغیرہ کھایا یا نہیں؟" سہیل نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ابھی نہیں کھایا۔" شارق نے کہا۔ "بلکہ میں تو یہ طے کر کے نکلا تھا کہ دوپہر کا کھانا تمہارے پاس ہی کھایا جائے گا۔"

"میں ابھی بھیجتا ہوں۔" سہیل نے کہا۔ "تم سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔"

سہیل نیچے چلا گیا اور شارق' ثمینہ کو سہیل کے بارے میں بتانے لگا۔ ثمینہ حیرت سے یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ ایک طرف تو شارق قاتلوں' خونیوں اور اسمگلروں میں گھرا ہوا تھا اور دوسری طرف سہیل جیسے لوگ بھی اس کے دوست تھے۔

"کیا یہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟" ثمینہ نے کہا۔

"سب کچھ جانتا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کئی مرتبہ سمجھانے کی کوشش کر چکا ہے۔ لیکن اب اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بات یہ ہے ثمینہ کہ ہم جیسے لوگ اس گھناؤنی زندگی کو چھوڑنا بھی چاہیں تو نہیں چھوڑ سکتے۔ سب سے پہلے تو یہ قانون کے محافظ ہمیں کہیں ٹکنے نہیں دیں گے۔ جس طرح بھیڑیئے کے منہ کو خون لگ جانے کے بعد وہ خطرناک ہو جاتا ہے نا' بالکل یہی مثال ان پولیس والوں کی ہے۔ ان کے منہ کو حرام لگ چکا ہے۔ یہ لوگ رزق حلال کھا ہی نہیں سکتے۔ انہیں ہضم نہیں ہوتی حلال کی روٹی۔ یہ حرام کھانے کے عادی ہو چکے ہیں اور یہ لوگ ہم جیسے لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ ہمارے لئے عزت کی زندگی کے تمام دروازے بند کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ اگر خونخوار بھیڑیئے سے یہ کہا جائے کہ وہ خونخواری چھوڑ دے تو شاید وہ بات مان جائے لیکن یہ پولیس والے کسی صورت ایسی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ ان کے ہاتھ میں قانون ہے جس کی آڑ میں یہ شرفاء کی پگڑیاں اچھالتے رہیں گے اور معصوم اور بے گناہ لوگوں کو جرائم کی دلدل میں دھکیلتے رہیں گے۔"

شارق مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسی لمحہ ریستوران کا ایک ویٹر کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے کافی ٹیبل پر کھانا لگا دیا اور دوسرے کمرے میں فریج میں رکھی ہوئی پانی کی ٹھنڈی بوتل بھی لا کر رکھ دی۔

"کچھ اور تو نہیں چاہئے سر جی؟" ویٹر نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"نہیں' کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو بتا دوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

سہیل نے دو تین سالن بھیج دیئے تھے۔ چکن' چانپ کے علاوہ ماش کی بھنی ہوئی دال بھی تھی۔ انہوں نے اگرچہ گیارہ بجے کے لگ بھگ ناشتہ کیا تھا لیکن اس وقت واقعی انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ دونوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ثمینہ غنودگی سی محسوس کرنے لگی۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے تم تھک گئی ہو۔ سونا چاہو تو سو جاؤ ہم شام کو یہاں سے چلیں گے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں' واقعی مجھے بڑے زور کی نیند آ رہی ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے جوگرز اتار دیئے اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

اس کے چند ہی منٹ بعد سہیل کمرے میں آ گیا۔ وہ دیر تک مدھم لہجے میں شارق سے باتیں کرتا رہا۔ ثمینہ کے بارے میں اس نے صرف ایک آدھ سوال ہی کیا تھا جس کے جواب میں شارق نے بتایا تھا کہ وہ اس کا دوست ہے اور باہر سے آیا ہوا ہے۔ سہیل اس کے جواب سے مطمئن ہو گیا تھا اور شارق کو بھی یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ سہیل' ثمینہ کی اصلیت نہیں جان سکا تھا کہ وہ عورت ہے یا مرد!

رات ساڑھے نو بجے وہ کھانا کھا کر ہی سہیل کے ریسٹورنٹ سے نکلے تھے۔ وہ سیدھے گھر ہی آئے تھے لیکن گھر میں داخل ہونے کے چند ہی منٹ بعد شارق ایک بار پھر کہیں جانے کی لئے تیار ہوا تو ثمینہ نے گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟"

"میں ذرا ڈیرے کا چکر لگا کر آتا ہوں۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ دو تین گھنٹوں میں واپس آ جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"کیا میں....؟"

"نہیں' تم یہیں رہو۔ میں جلد آ جاؤں گا۔" شارق کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شارق کے جانے کے بعد ثمینہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

aazzamm@yahoo.com

اس نے کچن میں آ کر چائے بنائی اور کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے وہ صورت حال کا جائزہ لینے لگی۔ شارق نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جرائم کی اس دلدل میں پھنسنے کے بعد کسی کے لئے باہر نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ شارق نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ ایک ناکردہ جرم کی سزا بھگتنے کے بعد وہ شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا لیکن قانون کے محافظوں نے اسے اس کا موقع فراہم نہیں کیا اور اسے جرائم کی اس دلدل میں دھکیل دیا۔ جہاں سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا اور اب ثمینہ بھی اپنے آپ کو ایسے ہی حالات میں گرفتار پا رہی تھی۔ اس کے کھاتے میں بھی کچھ جرائم لکھے جا چکے تھے اور کسی نہ کسی طرح وہ ان جرائم میں ملوث تھی۔ شروع میں اگر وہ پولیس سے رابطہ کر کے شارق کے بارے میں صورت حال سے آگاہ کر دیتی تو اس کے بچ جانے کے امکانات زیادہ تھے لیکن اس نے کسی انجانے خوف کی وجہ سے پولیس سے رابطہ نہیں کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ غیر دانستہ طور پر اس دلدل میں دھنستی چلی گئی تھی۔

وہ اپنی اس صورت حال کا تمام تر ذمے دار شارق کو ٹھہراتی تھی۔ لیکن اب وہ اس نتیجہ پر بھی پہنچی تھی کہ اس میں زیادہ قصور اس کا اپنا تھا یا شاید شارق کی چاہت تھی جس نے اسے شارق کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے باز رکھا تھا اور اب وہ اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔

ثمینہ محسوس کر رہی تھی کہ اب وہ حالات سے سمجھوتہ کر رہی تھی۔ اس رات شارق نے اس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا اس کے بعد تو اب اس کے لئے ایسی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر کا رخ کر سکتی۔

یہ سب سوچتے ہوئے اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا جس پر اس نے چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

○

شارق گھر سے نکل کر پہلے نسبت روڈ پہنچا۔ اس نے رکشے پر بیٹھے ہی بیٹھے ماجھا گجر کے ڈیرے کا جائزہ لیا۔ وہاں تاریکی تھی جبکہ عام حالات میں اس وقت ڈیرے پر گاہکوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ منشیات کے اڈوں پر پولیس کے چھاپے پڑتے ہی رہتے تھے' لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ چھاپہ مارنے کی بعد پولیس جیسے ہی وہاں سے ہٹتی ہے کاروبار دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس وقت صورت حال مختلف نظر آتی تھی۔ کسی گاہک تو کیا کاروبار کرنے والوں کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ماجھا گجر کے اس اڈے پر اس مرتبہ کارروائی بہت اوپر سے ہوئی تھی۔ اس نے رکشہ ڈرائیور کو گوالمنڈی

چلنے کو کہہ دیا۔

"کوئی مال وغیرہ چاہئے تھا باؤ جی؟" رکشہ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔ "یہ اڈہ تو بند ہو گیا ہے۔ کل بڑا زبردست چھاپہ پڑا تھا یہاں۔ تین بندے مارے گئے تھے۔ دو اڈے والوں کے اور ایک پولیس والا۔ اگر ضرورت ہو تو میں آپ کو گوالمنڈی لے چلوں۔"

"چلو.... میں نے تمہیں گوالمنڈی چلنے کے لئے ہی کہا تھا۔" شارق نے کہا۔

"او ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا تھا باؤ جی کہ آپ نے مجھے گوالمنڈی چلنے کو کہا تھا۔" ڈرائیور نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "گوالمنڈی میں مولوی حمید کا ہوٹل ہے چھوٹا سا.... اس سے آپ کو مل جائے گا۔"

"چل یار رکشہ آگے بڑھا۔ میرا دماغ نہ چاٹ۔" شارق نے خشک لہجہ میں کہا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ گوالمنڈی پہنچ گئے۔ شارق نے چوک سے پہلے ہی رکشہ رکوا لیا۔ وہ ڈرائیور کو پیسے دے رہا تھا اور ڈرائیور اسے مولوی حمید کے ہوٹل کا پتہ سمجھا رہا تھا۔ ٹھیک اسی لمحہ ایک عورت اور ایک مرد رکشہ کے قریب آ گئے اور اس طرح شارق کو رکشہ ڈرائیور کی مزید باتیں سننے سے نجات مل گئی۔

رکشہ جانے کے بعد شارق چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ چوک کی طرف چلنے لگا۔ چوک پار کر کے وہ اگلی سڑک پر آ گیا۔ وہاں سے چند گز آگے مولوی حمید کی چائے کی دکان تھی۔ اگرچہ اس وقت ٹھیک گیارہ بج چکے تھے لیکن فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ محلے کے بے فکرے نوجوان چائے پیتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کچھ نوجوان پان کے کھوکھے کے سامنے کھڑے تھے۔

مولوی حمید بھی موجود تھا۔ وہ چولہے والے چبوترے کے پیچھے کھڑا چائے بنانے میں مصروف تھا۔ کاؤنٹر نما کنکریٹ کا یہ چبوترہ ایل شیپ کا تھا۔ ایک کاؤنٹر پر چولہے بنے ہوئے تھے جہاں چائے بنائی جاتی تھی اور دوسرے کاؤنٹر پر برتن وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ اس کاؤنٹر کے نچلے حصے میں پیروں والا صندوقچہ تھا۔ اس کاؤنٹر میں مولوی حمید نے ایک ایسی خفیہ جگہ بھی بنا رکھی تھی جہاں ہیروئن رکھی جاتی تھی۔

ایک میز سے دو نوجوان اٹھ کر چلے گئے۔ شارق اسی میز کے قریب ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ لڑکا پہلے سے میز پر پڑے ہوئے چائے کے خالی گلاس اٹھانے کے لئے آیا تو شارق نے اس سے چائے کے لئے کہہ دیا۔ وہ لڑکا شارق کو نہیں جانتا تھا۔ کچھ دیر بعد خاموشی سے شارق کے سامنے چائے کا گلاس رکھ کر چلا گیا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق چائے پی رہا تھا کہ مولوی حمید کا وہ ملازم آگیا جو اس کی عدم موجودگی میں کاؤنٹر سنبھالا کرتا تھا۔ وہ شاید کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے اس نے شارق کو بیٹھے دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ اس نے مولوی حمید کے پاس جا کر کوئی سرگوشی کی۔ مولوی حمید نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا پھر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر دکان کے باہر آگیا۔ محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا شارق کے قریب آگیا۔

"شارق باؤ تم... کب آئے ہو؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "دھندہ کیسا ہے تمہارا؟"

"دھندہ تو کل رات سے بند کر رکھا ہے شارق باؤ۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔

"کل رات جب پولیس نے ماجھا گجر کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا تو تھانے والوں نے اپنے علاقے میں ادھر ادھر بھی ہاتھ مارنا شروع کر دیئے تھے۔ ایک پولیس والے نے آکر مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ میں نے اسی وقت مال ٹھکانے لگا دیا تھا۔ آج شام کو پولیس نے یہاں چھاپہ مارا تھا مگر انہیں کچھ نہیں ملا۔ بیچارے مایوس ہو کر چلے گئے۔"

"اور ماجھا گجر کے آدمیوں کا کیا حال ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ان کا اڈہ تو کل رات ہی سے بند ہے۔ سب تتر بتر ہو گئے ہیں۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔ "لگتا ہے اس مرتبہ بڑی زبردست قسم کی کارروائی ہوئی ہے اور ہاں.... ایک بات بتانا تو میں بھول ہی گیا۔ اچھا ہوا تم آگئے۔ ورنہ مجھے خود جانا پڑتا۔"

"کیا بات؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ماجھا گجر کے آدمی تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے اس کا ایک آدمی وہ سامنے بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا تھا۔" مولوی حمید نے اشارہ کیا۔ "ان لوگوں سے ہوشیار رہنا شارق باؤ بڑی سخت چوٹ پڑی ہے اس مرتبہ گجر کو۔ اس کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں ایسے لوگوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

وہ کچھ دیر بیٹھا مولوی حمید سے باتیں کرتا رہا اور چائے بھی پیتا رہا پھر چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اس نے خالی گلاس میز پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

مولوی حمید سے رخصت ہونے کے بعد شارق سیدھا مزنگ پہنچا تھا۔ اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کہیں اس کی نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔ مگر کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا تھا جس پر

شبہ کیا جا سکتا۔

ڈیرے پر نولکھا اور گامے کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا۔ وحید نامی یہ شخص مصری شاہ کا رہنے والا تھا۔ وہاں مین روڈ پر اس کی پان سگریٹ کی بہت بڑی دکان تھی۔ دکان خوب سجی ہوئی تھی۔ رات کے وقت تو برقی قمقموں کی روشنی میں وہ دکان جگمگاتی ہوئی نظر آتی۔ شام ہوتے ہی یہاں گاہکوں کا تانتا بندھ جاتا۔ کاروں کی لائن لگ جاتی۔ لوگ بہت دور دور سے پان لینے کے لئے آتے تھے۔ وحید کا میٹھا پان پورے شہر میں مشہور تھا۔ جو شخص ایک مرتبہ یہاں سے پان کھا لیتا پھر ہمیشہ کے لئے اس کا گاہک بن جاتا۔ ایک عجیب سا نشہ ہوتا تھا وحید کے میٹھے پان میں۔

وحید کا کاروبار کا اپنا ایک انداز تھا۔ وہ پان میں چونے کتھے کے ساتھ ہیروئن کی ایک سلائی بھی لگا دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی شخص ایک مرتبہ یہاں کا پان کھانے کے بعد کسی اور دکان پر نہیں جاتا تھا۔

پان کے علاوہ وحید کا ہیروئن کا بھی دھندہ تھا۔ وہ ہیروئن کی فروخت کے سلسلے میں مصری شاہ کے علاوہ کاچھو پورہ اور دین پورہ کے علاقوں کو بھی کور کرتا تھا۔ اس کے کارندے ان علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وحید پہلے ماجھا گجر سے مال لیتا تھا لیکن چند روز سے وہ شارق کے اڈے سے مال لینے لگا تھا۔ شارق کو اس پر شبہ تھا کیونکہ وحید کی ماجھا گجر سے کوئی ان بن نہیں ہوئی تھی۔ بلاوجہ کسی کو چھوڑ دینے والی بات شارق کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اس لئے اس نے گاما اور دوسرے آدمیوں کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ وحید سے لین دین کرتے وقت محتاط رہا کریں۔ اور اب رات بارہ بجے وحید کو اپنے ڈیرے پر دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

"شارق باؤ۔" وحید نے علیک سلیک کے بعد کہا۔ "میں نو بجے سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں لیکن اپنا یہ گاما پہلوان پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتا۔ کہہ رہا ہے کہ ایک پڑیا بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔" شارق نے کہا۔ "اگر مال ہوتا تو تمہیں ضرور مل جاتا۔ ظاہر ہے ساری ہیروئن ہم نے تو گھول کر نہیں پی۔"

"لیکن شارق باؤ۔" وحید نے کہا۔ "میں اپنا کام دھندہ چھوڑ کر یہاں آیا ہوا ہوں۔ تمہیں اندازہ ہے میرا کتنا نقصان ہو گیا ہو گا۔ تھوڑا بہت ہی مال دے دو۔"

"تم روزانہ ہزاروں روپے صرف پان سے کماتے ہو۔ تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے چار آدمی اب بھی دوکان پر بیٹھے دھندہ کر رہے ہیں' لیکن بالفرض ایک دن تم نے دھندہ نہ بھی کیا تو دیلے تو نہیں ہو جاؤ گے۔ شہر کے حالات دیکھ رہے ہو؟ ماجھے گجر کا اڈہ بند ہو چکا ہی۔ شہر میں ہر جگہ چھاپے پڑ رہے ہیں۔ اس وقت مال ہوتا بھی تو ہم کسی کو نہ دیتے' لیکن گاما ٹھیک کہہ رہا ہے

aazzamm@yahoo.com

کہ ایک پڑیا بھی نہیں ہے۔ ایک دو دن صبر کر لو۔ مال آ جائے گا تو نکال لینا کسر۔"

"شارق باؤ۔" وحید نے کہا۔ "اگر دام بڑھا کر مال بیچنا چاہتے ہو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"نہیں میرے دوست۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مال ہے ہی نہیں۔ اس لئے دام بڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ مجھے ان سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اور واپس بھی جانا ہے۔"

وحید چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر منہ لٹکائے واپس چلا گیا۔ شارق نے آتے ہوئے گیٹ کے اندر کی طرف اس کی موٹر سائیکل دیکھ لی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

"یہاں تمہارے علاوہ اور کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"سراج کوچوان ہے۔ اس کی گھوڑی آج بیمار ہو گئی ہے۔ وہ تانگہ لے کر نہیں گیا۔ مزار کے سامنے والے چبوترے پر سو رہا ہے۔" گامے نے جواب دیا۔

"اسے جاؤ اور کہو کہ احاطے کا پھاٹک بند کر دے یا وہیں چارپائی ڈال کر لیٹ جائے۔ کسی کو اندر نہ آنے دے۔" شارق نے کہا۔

"خیر تو ہے؟" گامے نے پوچھا۔

"ہاں' خیر ہی ہے۔" شارق نے کہا۔ "شہر کے حالات اچھے نہیں ہیں جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ ایک دو دن اپنا کاروبار بند رکھو۔"

"آج شام کو تھانے کے ایک آدمی نے آ کر بتا دیا تھا کہ ایک دو دن میں یہاں کسی بھی وقت چھاپہ پڑ سکتا ہے۔ میں نے اسی لئے دھندہ بند کر کے سب کچھ یہاں سے ہٹا دیا ہے۔ وحید کو بھی میں نے اسی لئے انکار کر دیا تھا۔" گامے نے کہا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔ تھانے سے کون آیا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"کانسٹیبل فضل دین۔ اسے ایس ایچ او نے بھیجا تھا کہ منشیات کے اڈوں کے خلاف کارروائی بہت اوپر سے ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم دو تین دن اپنا کام بند رکھیں۔" گامے نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "جاؤ' سراج کو جگا کر پھاٹک پر بھیج دو۔"

گامے کمرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ شارق' نولکھا کی طرف متوجہ ہو گیا جو منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا نولکھے؟" شارق نے پوچھا۔

"گڑبڑ ہو گئی ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "پولیس نے ناصر علی کو حراست میں

لے لیا ہے۔"

"ناصر علی کون؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا بہنوئی۔ چوبرجی کوارٹرز والا جہاں ثمینہ نے رات گزاری تھی۔"

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "پولیس کو اس کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟"

"ثمینہ کے باپ نے پولیس کو رپورٹ لکھوا رکھی تھی۔ پولیس اسی روز سے تفتیش کر رہی تھی کہ اس روز اس وقت ٹیکسی کس کے گھر آئی تھی۔ تم جانتے ہو اس کالونی میں کوارٹروں کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے۔ پولیس آج ناصر علی کے گھر تک پہنچ گئی۔ ان کے سامنے والے کوارٹرز میں رہنے والی عورت نے بھی پولیس کو بتایا ہے کہ اس نے ایک چادر پوش عورت کو ایک آدمی کے ساتھ ناصر علی کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ آدمی کا جو حلیہ اس نے بتایا ہے وہ میرا ہے اور ثمینہ کا باپ بھی پولیس کو میرا حلیہ بتا چکا ہے۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" شارق نے کہا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"آج شام پانچ بجے کی۔ آج شام سات بجے میں چھپ چھپا کر ناصر علی کے گھر چلا گیا تھا۔ میری بہن کلثوم کا تو رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ ناصر علی کی نوکری بھی چلی جائے گی اور ذلت و رسوائی الگ ہو گی۔ میں نے کلثوم سے وعدہ کیا ہے کہ ناصر صبح سے پہلے پہلے گھر واپس آ جائے گا۔"

"فکر مت کرو۔ وہ صبح سے پہلے پہلے گھر واپس پہنچ جائے گا۔" شارق نے کہا۔ اسی دوران گامے بھی آ گیا۔

"ایک اور بات بتانا تو بھول ہی گیا شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ شارق کچھ کہنے کے بجائے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ گامے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آج دن میں ماجھا گجر کے دو آدمیوں کو اس طرف گھومتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ مجھے ان کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگتے تھے۔ میں نے بھی تین کوچوان بھیج دیئے جو ان کے آس پاس گھومنے لگے۔ وہ دونوں سمجھ گئے اور خاموشی سے اس علاقے سے نکل گئے۔"

"ایک دو آدمی یہاں اپنے پاس رکھو۔ ماجھا گجر تاک میں ہے۔ وہ کسی بھی وقت کچھ کر سکتا ہے لیکن ابھی تو تم میرے ساتھ چلو اور کچھ رقم لے لو۔"

"رقم تو میری جیب میں ہے شارق باؤ۔ کہاں جانا ہے؟" گامے نے پوچھا۔

"تھانے!" شارق نے جواب دیا۔ "نولکھا کے بہنوئی کو پولیس نے ایک جھوٹے الزام میں پکڑ لیا ہے۔ اسے چھڑا کر لانا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"میں بھی چلوں شارق باؤ۔" نولکھا ایک دم اٹھ گیا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ پولیس تمہارے بہنوئی کو چھوڑ دے اور تمہیں اپنا مہمان بنا لے۔ تم یہیں بیٹھے رہو۔ ہم زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی گھنٹوں میں آ جائیں گے۔"

شارق گامے کو لے کر احاطے سے نکل گیا۔ چوک پر دو تین ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ دو تین رکشے بھی تھے۔ شارق ایک ٹیکسی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاما اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ شارق نے ڈرائیور کو بتا دیا تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔

متعلقہ تھانے پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔ لیکن ایس ایچ او اس وقت موجود نہیں تھا۔ وہ پارٹی کے ساتھ گشت پر گیا ہوا تھا۔ شارق نے ٹیکسی کو روک لیا تھا اور خود گامے کے ساتھ محرر کے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔

ایس ایچ او تقریباً آدھے گھنٹے بعد آیا تھا۔ وہ دو ایسے آدمیوں کو بھی پکڑ لائے تھے جو ان کی نظروں میں مشکوک تھے۔ ان میں ایک تو واقعی مشکوک لگتا تھا لیکن دوسرا چہرے اور لباس سے کوئی شریف آدمی ہے لگتا تھا اور وہ خاصا خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ ایس ایچ او نے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں اپنے ماتحتوں کو کچھ ہدایات دیں اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ گاما اور شارق بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوئے۔ ایس ایچ او نے ان کی طرف دیکھا اور پھر شارق کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چونک گیا۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے مسٹر شارق۔" ایس ایچ او اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہوا تم نے مجھے پہچان لیا۔ ورنہ تعارف کرانے میں کچھ وقت ضائع ہو جاتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کون نہیں پہچانتا۔" ایس ایچ او نے کہا۔ "کہئے اس وقت کیسے زحمت کی؟"

"تمہارے آدمی آج شام ایک شریف آدمی کو پکڑ لائے ہیں۔ اسی سلسلے میں آیا ہوں اور اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" شارق نے کہا اور پھر اسے ناصر علی کے بارے میں بتانے لگا۔

"لیکن وہ تو ایک لڑکی کے اغواء میں ملوث ہے اور....."

"یہ سب جھوٹ ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ ایک سرکاری ملازم ہے اور بہت شریف آدمی ہے۔ تم محلے والوں سے اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اس کے خلاف یہ سب کچھ کسی دشمنی کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اگر اس کے خلاف کیس درج ہو گیا تو اس کی نہ صرف نوکری چلی

جائے گی بلکہ اس کی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔" شارق نے کہتے ہوئے گامے کی طرف دیکھا۔ اس نے قمیض کے اندر جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر میز پر رکھ دیا۔ شارق نے وہ بنڈل ایس ایچ او کی طرف سرکا دیا۔

"یہ دس ہزار ہے اور میرا خیال ہے اس شریف آدمی کو یہاں روکے رکھنے کا اب کوئی جواز نہیں ہے۔"

"اس کی شرافت میں کوئی شبہ نہیں، محلے کے بہت سے لوگوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ واقعی بہت شریف آدمی ہے لیکن لڑکی کے اغواء میں....."

"کسی کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ناصر علی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" ایس ایچ او نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا میرا شریف لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا؟" شارق نے جواب دیا۔

بہرحال، تقریباً ایک گھنٹے بعد شارق اور گاما تھانے سے نکلے تو ناصر علی بھی ان کے ساتھ تھا۔ ناصر علی حیران تھا کہ یہ فرشتے کون ہیں جو اسے پولیس کے شکنجہ سے چھڑا کر لے جا رہے ہیں۔ باہر ٹیکسی موجود تھی۔ وہ تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

پہلے ناصر علی کو اس کے گھر چھوڑا گیا اور پھر وہ دونوں اپنے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ نولکھا کو جب پتہ چلا کہ ناصر علی گھر پہنچ گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔

"یہ تو تم نے بڑی نیکی کا کام کیا ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "کلثوم اور ناصر تمہیں زندگی بھر دعائیں دیتے رہیں گے اور ہاں.... یہ بتاؤ کہ پولیس دوبارہ تو ناصر علی کو پریشان نہیں کرے گی؟"

"بالکل نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی تو نمٹ لیا جائے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور ایک بات کا تم بھی خیال رکھنا۔ کچھ دن کے لئے اس طرف مت جانا۔ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو ناصر اور تمہاری بہن کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"نہیں جاؤں گا شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔

شارق نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت سوا تین بج رہے تھے۔ ثمینہ اس وقت گہری نیند سو رہی ہو گی۔ اسے پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے شارق نے رات کا باقی حصہ ڈیرے ہی میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ نولکھا کے قریب ہی دری پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک وہ باتیں کرتے رہیں

aazzamm@yahoo.com

پھر شارق کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح چھ بجے شارق کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کمرے سے نکل کر نلکے سے منہ ہاتھ دھویا اور گامے کو کچھ ہدایات دیتا ہوا پھاٹک کی طرف چل پڑا۔

"میں شام کو آؤں گا۔ خیال رکھنا کوئی مشتبہ آدمی طویلے میں نہ آنے پائے۔"

"اس طرف سے تو تم بے فکر ہی رہو شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ "لیکن ایک کپ چائے تو پی لو۔ صبح صبح خالی پیٹ نکلنا اچھا نہیں ہوتا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ چائے لے آؤ۔" شارق دوبارہ کمرے میں جانے کے بجائے وہیں ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد گاما ہوٹل سے چائے لے آیا۔ نولکھا ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ دونوں وہیں بیٹھے چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ چائے ختم کر کے شارق جانے کے لئے اٹھ گیا۔ باہر سڑک پر آتے ہی اسے رکشہ مل گیا۔

گھر کے باہر سڑک پر اس نے رکشہ چھوڑ دیا۔ ایک بیکری سے ڈبل روٹی اور انڈے وغیرہ خریدے اور گلی میں مڑ گیا۔ اپنے مکان کے سامنے پہنچ کر اس نے بڑی آہستگی سے باہر کا گیٹ کھولا اور برآمدے میں داخل ہو کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اس وقت سات بج چکے تھے اور شارق کا خیال تھا کہ ثمینہ جلدی جاگ گئی ہو گی لیکن اس نے دروازے کے اندر داخل ہو کر جیسے ہی ثمینہ کے چہرے کو دیکھا بری طرح چونک گیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر نہیں سوئی تھی اور ممکن ہے وہ روئی بھی ہو۔

"ارے!" شارق نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تم رات کو سوئی نہیں ہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ نیند نہیں آ سکی اور پھر تم کہہ کر گئے تھے کہ تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤ گے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں سو گئی تو تم دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے۔"

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "میں آ تو جاتا مگر ایک گڑبڑ ہو گئی تھی۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کل شام پولیس نے نولکھا کے بہنوئی ناصر علی کو پکڑ لیا تھا۔ انہیں شبہ تھا کہ تم ناصر علی کے گھر میں تھیں اور نولکھا تمہیں وہیں سے لے کر گیا تھا۔"

"اوہ!" ثمینہ چونک گئی۔ "پھر کیا ہوا۔ کلثوم اور ناصر علی تو بہت شریف لوگ ہیں۔"

"ہونا کیا تھا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "پولیس کو چڑھاوا چڑھانا پڑا۔ رات

تین بجے ناصر کو اس کے گھر پہنچا دیا تھا۔" اس نے ابھی تک وہ شاپنگ بیگ اٹھا رکھا تھا جس میں ڈبل روٹی اور انڈے وغیرہ تھے۔ وہ شاپنگ بیگ ثمینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "ناشتہ بناؤ۔ رات بھر کی بھاگ دوڑ سے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

ثمینہ شاپنگ بیگ لے کر کچن میں گھس گئی اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ناشتے کے بعد شارق جھلنگا سی چارپائی پر لیٹ گیا۔ رات بھر جاگنے اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے وہ تھک گیا تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ سو گیا۔

ثمینہ نے برتن وغیرہ دھو کر رکھ دیئے۔ وہ بھی رات کو ایک لمحہ نہیں سو سکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت شدید جلن ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ کافی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی پھر بالآخر وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

ثمینہ گہری نیند میں تھی۔ وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی تھی بڑا بھیانک خواب تھا۔ خونی بھیڑیئے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ ان سے بچنے کے لئے دوڑ رہی تھی۔ بھیڑیئے اس کے تعاقب میں تھے۔ وہ بے تحاشہ دوڑتی رہی۔ بالآخر اسے ٹھوکر لگی اور وہ گر گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتی ایک بھیڑیئے نے اسے دبوچ لیا اس کے نوکیلے دانت چمک رہے تھے۔ سرخ زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی اور منہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ ثمینہ نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔ خونی بھیڑیئے نے اسے دبوچ لیا تھا اور اسے بری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔ ثمینہ نے دہشت زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ باقی بھیڑیئے دور کھڑے تھے شاید اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ کچھ بچے تو وہ بھی اپنا حصہ وصول کریں۔

وہ خونخوار بھیڑیا ثمینہ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ بھیڑیا اس کے سینے پر سوار تھا جس نے اسے دبوچ رکھا تھا۔ ثمینہ کے سینے پر بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور پھر دفعتاً" اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

ثمینہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا سانس اب بھی گھٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے منہ سے ایک بار پھر ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے بھیڑیئے کو اپنے اوپر سے گرانے کی کوشش کرنے لگی۔ بھیڑیئے کے منہ سے بلی جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

اور پھر ثمینہ ہوش میں آ گئی۔ وہ بھیڑیا نہیں تھا۔ شارق تھا جس نے اسے دبوچ رکھا تھا۔ وہ بھی انسان نہیں بھیڑیا ہی ثابت ہوا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اس وقت سہ پہر کے چار بجے تھے۔ ثمینہ بستر پر پڑی اپنی تقدیر پر آنسو بہاتی رہی۔ اب اس کے مقدر میں آنسو ہی رہ گئے تھے۔ شارق اسے دوسروں سے بچانا چاہتا تھا اور اپنے لئے کھلونا بنا لیا تھا۔

رات نو بجے شارق تیار ہو گیا۔ ثمینہ ابھی تک بستر پر پڑی آنسو بہا رہی تھی۔ شارق اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ثمینہ! اٹھو تیار ہو جاؤ۔ کھانا ہم کسی ہوٹل میں کھائیں گے اور پھر ایک جگہ چلنا ہے۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے خونخوار نظروں سے اسے گھور کر رہ گئی۔ اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شارق نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور باتھ روم کی طرف دھکیل دیا۔

"جلدی۔ تیار ہو جاؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کو تیار ہونے میں ایک گھنٹہ لگا تھا۔ اس کا باہر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن شارق اسے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

انہوں نے گلبرگ میں واقع کباب ہٹ میں کھانا کھایا۔ ایک بہت بڑے بنگلے میں واقع کباب ہٹ ایک بہت بڑی سیاسی شخصیت کی ملکیت تھا۔ یہاں صرف اونچے طبقے کے لوگ ہی آتے تھے۔ کباب ہٹ کے سامنے سڑک پر دور تک کاروں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ بہت سے لوگ کاروں ہی میں بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ کئی باوردی ویٹر بڑی مستعدی سے ادھر ادھر دوڑے پھر رہے تھے۔

جب وہ دونوں کھانا کھا کر وہاں سے رخصت ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ انہیں کباب ہٹ کے سامنے ہی ایک رکشہ مل گیا تھا۔ شارق نے ثمینہ کے ساتھ رکشے میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو لبرٹی مارکیٹ چلنے کو کہا تھا۔ ثمینہ بالکل خاموش تھی۔ اس نے یہ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ وہ لبرٹی کیوں جا رہا ہے۔ وہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اسے اب اس سے کوئی غرض نہیں رہی تھی کہ شارق اسے کہاں لے جاتا ہے۔

سڑک پر سناٹا تھا۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی گزرتی ہوئی نظر آ جاتی۔ اگلا ٹریفک سگنل پار کرنے کے تھوڑی ہی دیر بعد پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار کار رکشہ سے آگے نکل کر اس طرح رک گئی کہ رکشہ ڈرائیور کو رکشہ روکنا پڑا۔ اس طرح اچانک بریک لگانے سے رکشہ الٹتے الٹتے بچا تھا۔

اس سے پہلے کہ ثمینہ یا شارق کچھ سمجھ سکتے کار میں سے تین آدمی اترے اور انہوں نے دوڑ کر رکشے کو گھیرے میں لے لیا۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

"نیچے اترو۔" ایک آدمی نے غراتے ہوئے کہا۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ جبکہ ثمینہ کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کی طرف کھڑے ہوئے آدمی نے اسے بازو سے پکڑا اور کھینچ کر نیچے اتار لیا۔ دوسری طرف سے شارق کو بھی اسی طرح نیچے اتار لیا گیا تھا۔

"کیا بات ہے' کون ہو تم لوگ؟" شارق نے بڑے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو تمہیں اپنے ڈیرے پر جا کر ہی بتائیں گے۔ شارق باؤ کہ ہم کون ہیں۔ خیریت چاہتے ہو تو خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" شارق کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

شارق کار کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی مزاحمت کے بغیر کار میں بیٹھ جائے گا لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی اس نے ایک آدمی پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ آدمی لڑکھڑا کر گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ شارق نے لپک کر پستول اٹھانے کی کوشش کی مگر دوسرے آدمی نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کر دی۔ شارق الٹ کر پیچھے گرا لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

ثمینہ ایک طرف کھڑی خوف زدہ سی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ پھر دفعتاً" فائر کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ ثمینہ نے چیختے ہوئے ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن وہ چند گز سے زیادہ دور نہیں جا سکی تھی۔ ایک آدمی نے دوڑ کر اسے دبوچ لیا۔

گولی شارق کے بازو میں لگی تھی جو اس کے حریف نے چلائی تھی۔ گولی لگنے کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری اور ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اسی دوران ایک اور فائر ہوا۔ دراصل شارق اپنے حریف سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہا تھا اسی دوران پستول کا ٹرائیگر دب گیا۔ پستول کا رخ اس آدمی کی طرف تھا۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا ثمینہ اسے نظر نہیں آئی تھی..... شاید وہ کسی طرف بھاگ گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحہ شارق نے بھی ایک طرف دوڑ لگا دی۔ وہ ایک بنگلے کی دیوار پر چڑھا ہی تھا کہ ایک اور فائر ہوا۔ گولی شارق کے ہاتھ کے قریب دیوار پر لگی۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے دیوار سے چھلانگ لگا دی اور بنگلے کے لان میں ایک طرف دوڑ لگا دی۔

ثمینہ اپنے آپ کو اس آدمی کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ آدمی اسے گھسیٹتا ہوا کار کے قریب لے آیا۔ ان کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔ رکشہ ڈرائیور کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس آدمی نے ثمینہ کو گھسیٹ کر کار میں ڈال دیا۔ دوسرا آدمی بھی کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گئی تھی۔ گاڑی کا انجن اسٹارٹ تھا اور ڈرائیور اسٹیئرنگ

aazzamm@yahoo.com

کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش اٹھانے تک کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

ثمینہ ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بنی بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا اور جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ کار تیز رفتاری سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

○

ثمینہ ان دونوں کے درمیان پھنسی بیٹھی تھی۔ خوف کی شدت سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ اس کا دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ اپنے آپ میں بالکل سمٹی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے دبا رکھا تھا۔

ان دونوں کے چہرے بڑے خوفناک تھے۔ ان کے خطرناک ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ انہوں نے سڑک پر ان کا رکشہ روک کر انہیں اغواء کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے پستول استعمال کرنے میں بھی کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ان کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔ ثمینہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ آدمی شارق کے ہاتھوں مرا تھا یا انہی میں سے کسی کے ہاتھوں۔ اتنا وہ جانتی تھی کہ شارق کے پاس پستول وغیرہ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے گولی شارق پر چلائی گئی ہو اور زد میں ان کا اپنا ہی آدمی آ گیا ہو۔ لیکن یہ طے تھا کہ یہ لوگ بہت ہی بے رحم اور سفاک تھے۔ کسی انسان کی زندگی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش بھی سڑک پر پڑی چھوڑ آئے تھے۔ ثمینہ نے فائرنگ میں شارق کی چیخ کی آواز بھی سنی تھی۔ غالباً اسے گولی لگی تھی لیکن وہ بھاگ گیا تھا۔ لیکن ثمینہ کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ اس سے محبت اور تحفظ فراہم کرنے کے دعوے کرنے والا اس کی پرواہ کئے بغیر بھاگ نکلا تھا۔ اسے یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ ثمینہ کو قاتلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ وہ بڑی بہادری کے دعوے کرتا تھا لیکن موقع پڑتے ہی بزدلوں کی طرح بھاگ نکلا۔

کار اب ریلوے لائن کے اوورہیڈ برج کے نیچے سے گھوم کر نہر والی سڑک پر آ گئی تھی۔ نہر کے دونوں کناروں پر پختہ سڑکیں تھیں۔ نہر کی ڈھلان سے قدرے ہٹ کر رہائشی کوٹھیاں تھیں۔ نہر کے دونوں کناروں پر اونچے سایہ دار درخت تھے۔ نہر پر کہیں کہیں پل بھی تھے۔ تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار کی رفتار کم ہو گئی اور پھر ایک پل عبور کر کے نہر کے دوسری طرف آ کر واپس جانے والے راستے پر مڑ گئی۔ کار اس مرتبہ نہر کی پٹڑی والی سڑک پر نہیں مڑی تھی بلکہ ڈھلان میں اتر کر عالی شان کوٹھیوں کے سامنے سروس روڈ پر آ گئی تھی۔ کار کی رفتار ہلکی تھی۔

ثمینہ کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون لوگ تھے۔ شارق کے بیسیوں دشمن تھے۔ یہ لوگ کوئی بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن شارق تو ان کے ہاتھ نہیں آیا تھا البتہ وہ ان کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ وہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے تھے اور نجانے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اور اگر انہیں پتہ چل گیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہے تو وہ اس کا کیا حشر کریں گے؟ یہ سوچ کر ہی وہ کانپ اٹھی تھی۔

کار کی رفتار مزید کم ہو گئی اور پھر چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک کوٹھی کے گیٹ کی طرف مڑ گئی۔ باہر سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کوٹھی بڑی شاندار تھی۔ ڈرائیور نے گیٹ کے سامنے کار روکتے ہوئے دو مرتبہ ہارن بجایا۔ گیٹ فوراً ہی کھل گیا اور ڈرائیور کار کو اندر لیتا چلا گیا۔

وسیع و عریض لان تھا۔ کار پختہ روش پر شاندار پورچ سے ہوتی ہوئی دوسرے گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ لان کے وسط میں چھوٹا سا حوض تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا۔ فوارہ اس وقت بند تھا البتہ رنگین پولز پر فینسی شیڈ والی بتیاں جل رہی تھیں۔ پورچ کی چھت پر بھی تین مرکری ٹیوب لائٹیں روشن تھیں۔ برآمدے کی کشادہ سیڑھیاں اور پورا فرش سنگ مرمر کی سلوں کا تھا۔ کار پورچ میں رکتے ہی ثمینہ کے بائیں طرف بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور جھک کر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تھلے اتر اوئے نواب دیا پترا..."

ثمینہ کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے آدمی نے اسے دھکا دیا اور ثمینہ نیچے اتر آئی۔ خوف کی شدت سے اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور اس کے لئے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس قسم کی خطرناک صورت حال سے دوچار ہوئی تھی اور اس کا خوف زدہ ہونا فطری بات تھی۔ وہ اگلے آدمی کے اشارے پر سنگ مرمر کی کشادہ سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں آ گئی۔ اس شخص نے برآمدے کا دروازہ کھولا اور ثمینہ کو پستول سے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

راہداری میں چند قدم چلنے کے بعد وہ دائیں طرف کے ایک دروازے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جو ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے بہت قیمتی اور شاندار تھے۔ اس کمرے کی ہر چیز قیمتی اور نفیس تھی۔ صرف اسی ایک کمرے کو دیکھ کر صاحب خانہ کی دولت مندی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اس وسیع و عریض کمرے میں صوفوں پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک قدرے بھاری بھرکم اور درمیانے قد کا تھا جو پینٹ شرٹ میں تھا۔ دوسرا لمبے قد کا لحیم شحیم آدمی تھا۔ اس نے ریشمی لاچا اور بوسکی کی قمیض پہن رکھی تھی۔ جس کے گلے کے بٹن غالباً سونے کے تھے اور ایک باریک طلائی زنجیر سے منسلک تھے۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں سونے کی دو دو انگوٹھیاں نظر آ رہی تھیں۔ پیروں میں تلے والی سلیم شاہی تھی۔ اس نے دوپٹے کی طرح کا ایک سفید کپڑا اس طرح گلے میں ڈال رکھا تھا کہ اس کے دونوں پلو سامنے کو لٹکے ہوئے تھے۔ اس کی مونچھیں بڑی خوفناک تھیں۔

ثمینہ کے ساتھ آنے والا ایک آدمی باہر ہی رک گیا تھا جبکہ دوسرے آدمی نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد بھی ثمینہ پر پستول تان رکھا تھا۔

"یہ کون ہے اوئے اکو؟" لاچے والے نے ثمینہ کے ساتھ آنے والے سے پوچھا۔ "اور وہ کہاں ہے شارق باؤ۔"

"ہم نے بڑی مشکل سے شارق کو تلاش کیا تھا۔" اکو نے جواب دیا۔ "یہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ چند روز سے اسے شارق باؤ کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ یہ دونوں دس بجے کے قریب گلبرگ میں کبابیش میں گئے تھے۔ وہاں سے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم نے انہیں گھیر لیا۔"

"پر وہ ہے کہاں؟" اس شخص کے لہجے میں سختی آ گئی۔

"وہ بھاگ گیا استاد۔" اکو نے ڈرے ڈرے سے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ گولی لگنے سے زخمی ہو گیا تھا۔ ہمارا بھی ایک بندہ مارا گیا ہے۔ ہم نے شارق کو پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ایک کوٹھی میں کود گیا۔ اسی وقت اگر پولیس کی گشتی وین اس طرف نہ آ جاتی تو ہم اسے بھی پکڑ لیتے۔ اس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے اسے پکڑ لیا۔"

"کیا بک رہے ہو۔" وہ شخص ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "تم لوگ ایک آدمی کو نہیں پکڑ سکے۔ کیا تم لوگوں نے چوڑیاں پہن لی ہیں یا زنگ لگ گیا ہے تم لوگوں کو؟"

"استاد!" اکو نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں خوف اب بھی نمایاں تھا۔ "میں سچ کہتا ہوں اگر پولیس نہ آ جاتی تو ہم اسے پکڑ لیتے اور تمہارے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیتے۔ وہ میری گولی لگنے سے زخمی ہو گیا ہے۔ ہم اسے جلد ہی ڈھونڈھ نکالیں گے۔"

"ہمارا بندہ کیسے مرا؟" اس شخص نے پوچھا۔

"شارق کی گولی سے۔" اکو نے جواب دیا۔

خوفزدہ ہونے کے باوجود ثمینہ دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ پولیس پارٹی کی

ند اور شارق کی گولی سے اپنے ساتھی کے مرنے کی کہانی انہوں نے راستے ہی میں گھڑی تھی یونکہ انہیں ڈر تھا کہ ناکامی کی خبر سن کر ان کا باس شاید انہیں زندہ نہ چھوڑے۔

"یہ کون ہے؟" لاچے والے نے ثمینہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے کئی روز سے شارق باؤ کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شارق کے اس ٹھکانے کے بارے میں جانتا ہو گا جس کا سراغ ہم اب تک نہیں لگا سکے۔ میرا خیال ہے کہ چار ہاتھ پڑیں گے تو سب کچھ بک دے گا۔" اکو نے جواب دیا۔

"کیوں لوئے..... کون ہو تم اور شارق باؤ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" لاچے والے نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"مم... میرا اس سے ایسا کوئی تعلق نہیں۔ محض دوستی ہے۔ کبھی کبھی اتفاقاً ملاقات ہو جاتی ہے۔ تمہارے یہ آدمی مجھے بلاوجہ ہی پکڑ لائے ہیں۔ اگر شارق سے تمہاری کوئی دشمنی ہے تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ثمینہ نے اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے جانتے ہو؟" لاچے والے نے کہا۔

"نہیں..... نہیں..... میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"میرا نام ماجھا گجر ہے۔" اس شخص نے ثمینہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمہارے بارے میں جان لو گے کہ میں کیا ہوں۔"

ماجھا گجر کا نام سن کر ثمینہ کانپ اٹھی۔ شارق نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ اس کا سب سے بڑا دشمن تھا اور ابھی دو تین دن پہلے ہی تو شارق کی مخبری پر پولیس نے اس کے ٹھکانے پر چھاپہ مارا تھا۔ پولیس کی اس کارروائی میں نہ صرف ماجھے گجر کے دو بندے مارے گئے تھے بلکہ اس کا کئی لاکھ کا مال بھی پولیس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ ماجھا گجر اسی روز سے شارق کو تلاش کر رہا تھا اور آج شارق تو اس کے ہاتھ نہیں آ سکا تھا البتہ وہ پھنس گئی تھی۔ اس کا دماغ چل رہا تھا۔ اس نے شارق سے ماجھا گجر کی سفاکی کے بہت قصے سنے تھے۔ ابھی چند روز پہلے ہی اس نے شارق کے ایک آدمی کو قتل کر کے لاش گوبر میں دبا دی تھی۔ ثمینہ سمجھ گئی کہ شاید یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔

"میں نے تمہارا نام کبھی نہیں سنا۔ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں مم.... مجھے چھوڑ دو۔"

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ بتانا ہو گا کہ شارق رات کو کہاں ہوتا ہے۔ اگر تم وہ ٹھکانہ بتا دو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ میں تمہیں اتنی رقم انعام میں دوں گا کہ تم زندگی بھر عیش کرو گے۔" ماجھے گجر نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"سوچ لو پپو۔" ماجھے گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم اتنے نازک نظر آ رہے ہو کہ دو ہاتھ بھی نہیں سہہ سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو۔"

"مم.... میں واقعی اس کے گھر کے بارے میں نہیں جانتا۔ ہماری ملاقات ہمیشہ مال روڈ پر کافی ہاؤس میں ہوتی ہے۔ آج بھی وہیں ملے تھے پھر ہم کھانا کھانے کے لئے کباب شیش آ گئے تھے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ شارق نے اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اسی کی وجہ سے وہ ایک باعزت زندگی چھوڑ کر اس دلدل میں پھنسی تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اس کے باوجود وہ شارق کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ شارق کے شہر نگر والے گھر کا پتہ نہیں بتائے گی۔

"یہ ایسے نہیں مانے گا اکو۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اس کے پنڈے پر دو چار چھتر لگاؤ نا۔ پھر دیکھو یہ بولتا ہے یا نہیں۔"

اکو نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"اوئے باؤ.... اپنی قمیض اتار دے کہیں چھتر پڑنے سے میلی نہ ہو جائے۔"

"نہیں.... نہیں میں قمیض نہیں اتاروں گا۔" ثمینہ خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"اگر بندے نے قمیض پہنی ہو تو چھتروں کا مزہ نہیں آتا۔ آدھی چوٹ قمیض روک لیتی ہے اور پھر دیکھو نا جب ہمارے ملک میں مارشل لا لگتا ہے تو مجرموں کو کوڑے مارنے کی سزا دینے کے لئے ان کی قمیض اتار دی جاتی ہے۔ تو بھی اتار دے قمیض' شاباش! سمجھ لے کہ اس کمرے میں مارشل لا لگا ہوا ہے۔" اکو اس کے سامنے رک گیا۔

"نہیں' میں قمیض نہیں اتاروں گا۔" ثمینہ دو قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔

اکو چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اچانک ہی اچھل کر ثمینہ کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ ثمینہ نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اپنی قمیض کو پکڑ لیا اور جھک کر زور دار جھٹکا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح اکو کی گرفت سے نکل جائے گی لیکن اکو گھوم کر اس کے پیچھے آ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بغلوں سے ہوتے ہوئے ثمینہ کے گریبان پر تھے۔ اسے ثمینہ کے بدن میں گداز پن کا ایک عجیب سا احساس ہوا تھا لیکن اس نے زیادہ توجہ نہیں دی اور دونوں ہاتھوں کو زور دار جھٹکا دیا۔ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑا گئی اور اس کے ساتھ ہی قمیض کے سامنے کے سارے بٹن ٹوٹ گئے۔ اکو نے قمیض کو پیچھے کھینچا۔ ثمینہ کی بانہیں پیچھے مڑ گئیں اور

قمیض اس کی بانہوں سے بھی نکل گئی۔

ماجھا گجر پھٹی پھٹی سی نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ صوفے پر بیٹھا ہوا دوسرا آدمی بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی حیرت امڈ آئی تھی۔

اکو بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ثمینہ کی پھٹی ہوئی قمیض ایک طرف پھینک دی اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی خوفناک چمک تھی۔

"رک جاؤ اکو۔" ماجھا گجر نے اشارہ کیا۔ اکو کے قدم وہیں رک گئے۔ "اب تو بات ہی دوسری ہو گئی ہے تم جاؤ.... میں اس سے شارق کے بارے میں پوچھ لوں گا۔ اب یہ ہماری کسی بات کا جواب دینے سے انکار نہیں کرے گی۔"

اکو عجیب سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ ماجھا گجر کے ساتھ دوسرا بھاری بھرکم آدمی نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کے قریب پہنچ گیا اور انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"یار ماجھے! یہ شارق تو بڑا چھپا رستم نکلا' کیا غضب کی چیز پال رکھی ہے اس نے۔ لوگوں کی نظروں سے چھپانے کے لئے اس کا حلیہ بھی ایسا بدلا ہے کہ کوئی شک بھی نہیں کر سکتا۔ کون ہو تم؟ تمہارا تعلق ہیرا منڈی سے تو نہیں؟ یا فلموں شلموں میں کام کرتی ہو؟"

ثمینہ نے نظریں اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"یہ تو بڑی خوفناک چیز ہے بھئی۔" وہ شخص بے غیرتی سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا پھر جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

"یہ قمیض پہن لو۔" ماجھا گجر نے ثمینہ کی قمیض اٹھا کر اس کی طرف اچھال دی اور اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مہرا! تم اب جاؤ۔ اب صورت حال بدل گئی ہے۔ میں اس لڑکی سے معلوم کر لوں گا کہ شارق کہاں ہے۔ تم جاؤ۔ اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی گجرا۔" بھاری بھرکم مہرا گھورتی ہوئی نگاہوں سے ماجھا گجر کی طرف دیکھا۔ "مال ہاتھ لگا ہے تو مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینک رہے ہو۔"

"مہرا" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑھ دیں۔ "تم گجر کو اچھی طرح جانتے ہو۔ گجر ہیروئن بیچتا ہے' اسلحہ بیچتا ہے' اسمگلنگ کرتا ہے مگر اس نے لڑکیوں کا کاروبار کبھی نہیں کیا۔ میری غیرت ابھی مری نہیں۔ عورتوں کے بارے میں میرے خیالات کچھ اور ہیں اور تو اچھی طرح جانتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"لیکن اس سے شارق کا پتہ تو پوچھنے دو۔" مہر نے کہا۔

"میں پوچھ لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ بس اب پھوٹ لو یہاں سے۔ کل شام کو آ جانا مجھے یقین ہے کہ اس وقت شارق بھی یہاں پہنچ جائے گا اور پھر تم اس پر اپنی حسرتیں پوری کر لینا۔" ماجھا گجر نے کہا اور مہر کا بازو پکڑ کر اسے کمرے سے باہر لے گیا۔

ثمینہ نے جلدی سے قمیض پہن لی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ جس سے اسے قمیض پہننے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔ قمیض کے اگلے سارے بٹن ٹوٹ چکے تھے۔ صرف درمیان کا ایک بٹن باقی بچا تھا جسے اس نے لگا لیا لیکن یہ بٹن لگانے کے باوجود اس کا گلا کھلا ہوا تھا۔

ماجھا گجر تھوڑی ہی دیر بعد کمرے میں واپس آ گیا۔ اس مرتبہ وہ اکیلا تھا۔ وہ کچھ دیر تک ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو۔ ڈرو نہیں تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

ثمینہ جلدی سے قریب کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور اس نے قمیض کو بڑی سختی سے مٹھی میں پکڑ رکھا تھا۔

"تم کون ہو اور شارق سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مم.... میرا نام ثمینہ ہے۔" ثمینہ نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بوہاری میں رہتی ہوں۔ پہلے شارق بھی وہیں رہا کرتا تھا لیکن پھر وہ کہیں چلا گیا۔ دو تین ہفتے پہلے اتفاق سے اس سے ملاقات ہو گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کی تلاش میں تھی۔"

"میں سمجھا نہیں!" ماجھا گجر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

ثمینہ چند لمحے خاموش رہی۔ اس نے فوراً ہی ایک فرضی کہانی سنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ شارق نے اسے اپنی زندگی کی پوری کہانی سنا رکھی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ بوہاری ہی میں گزرا تھا۔ سلمان ایڈووکیٹ کا قصہ تو وہ جانتی تھی۔ ثمینہ نے اسی حوالے سے ایک فرضی کہانی گھڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"بات یہ ہے جی۔" وہ مدہم لہجے میں کہنے لگی۔ "شارق ہمارے گھر کے سامنے رہتا تھا۔ میرے والد سلمان ایڈووکیٹ تھے۔ میرے والد اور شارق کے باپ کے درمیان مکان کا کوئی جھگڑا تھا۔ عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ شارق کا باپ مقدمہ جیت گیا۔ اس کے چند روز بعد اس کا انتقال ہو گیا اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد شارق کے مکان کو آگ لگ گئی شارق کو شبہ تھا کہ اس کے مکان کو آگ میرے والد نے لگائی یا لگوائی تھی۔ وہ میرے والد سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ چند روز

پہلے میرے والد ایک کام سے فیصل آباد گئے ہوئے تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ شارق بھی ان دنوں فیصل آباد گیا ہوا تھا۔ اس قتل میں اگرچہ اس کا نام سامنے نہیں آیا لیکن مجھے شبہ ہے کہ میرے والد کو اسی نے قتل کیا تھا۔ میں نے حقیقت کا پتہ چلانے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور شارق سے میل ملاقاتیں بڑھانے لگی۔ میں اس سے محبت کا ڈھونگ رچا کر یہ اگلوانا چاہتی تھی کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے۔"

"اس حلئے میں؟" ماجھا گجر نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شارق مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "یہ بھیس تو میں نے اپنے جاننے والوں کی نظروں سے بچنے کے لئے اپنایا ہے۔"

"تم جانتی ہو شارق کی اصلیت کیا ہے؟ وہ کرتا کیا ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ میرے باپ کا قاتل تو نہیں۔ اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ میرے باپ کا قاتل وہی ہے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اسے سسکا سسکا کر ماروں گی۔"

"کیا وہ جانتا ہے کہ....."

"ہاں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں سلمان ایڈووکیٹ کی بیٹی ہوں۔ وہ بے وقوف سمجھتا ہے کہ میں سب کچھ بھول گئی ہوں اور واقعی اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیتی ہوں۔ تم چاہو تو وہاں سے میرے بارے میں تصدیق کر سکتے ہو۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شارق اسلحہ اور منشیات کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔ وہ صرف منشیات فروش ہی نہیں قاتل بھی ہے۔ وہ کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کو بھی اسی نے قتل کیا ہو گا۔"

"جب تک کوئی ثبوت نہیں مل جاتا میں اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن تمہاری اس سے کیا دشمنی ہے؟ تمہارے آدمی اسے اغواء کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

"وہ میرا دشمن نمبر ایک ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "وہ اب تک نہ صرف میرے کئی آدمیوں کو قتل کر چکا ہے بلکہ اس کی وجہ سے مجھے کروڑوں روپے کا نقصان بھی اٹھانا پڑا ہے۔"

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں پکڑا ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"تمہاری صورت میں شطرنج کا ایک مہرہ میرے ہاتھ آ گیا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"اطمینان رکھو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تمہارے ذریعے شارق باؤ کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہوں۔ میں اسے پیغام بھیجوں گا کہ تم میرے قبضے میں ہو اگر اسے واقعی تم سے محبت ہے تو وہ ضرور آئے گا اور اگر نہیں آیا تو سمجھ لینا کہ وہ تمہارے ساتھ بھی دھوکا کر رہا ہے۔"

"اور پھر میرا کیا ہو گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"تمہیں کل رات تک تو ہر صورت میں یہیں رہنا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہو گا اس کا فیصلہ کل رات ہی کیا جائے گا۔"

"کک.... کیا مطلب؟ کیا تم مجھے اپنا قیدی بنا کر رکھو گے؟" ثمینہ ہکلائی۔

"صرف کل رات تک کے لئے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" وہ اسے دوسرے کمرے میں لے آیا۔ "رات تم اس کمرے میں گزارو گی۔ اپنے اطمینان کے لئے چاہو تو دروازہ اندر سے بند کر لو۔"

ماجھا گجر اسے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ثمینہ کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بہت شاندار بیڈ روم تھا۔ بہت ہی آرام دہ بیڈ بچھا ہوا تھا اور دیگر ساز و سامان بھی قیمتی تھا۔ اس کمرے کے عقبی سمت میں دو کھڑکیاں تھیں۔ کھڑکیاں کافی کشادہ تھیں جن کے سامنے نیلے رنگ کے دبیز ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ثمینہ چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کھڑکیوں میں آہنی سلاخوں والی گرل لگی ہو گی لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ کوئی سلاخیں نہیں تھیں۔ اس نے ایک پٹ کھول دیا اور باہر جھانکنے لگی۔

عقبی سمت میں بھی لان تھا لیکن اس طرف تاریکی تھی۔ لان کے دوسری طرف تقریباً آٹھ دس فٹ اونچی دیوار تھی۔ لان کی اندر کی طرف نابلی کے دو تین درخت بھی تھے۔ ایک درخت کی موٹی موٹی شاخیں چھت تک چلی آئی تھیں۔ ثمینہ کھڑکی سے سر نکال کر ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر دفعتاً غراہٹ کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ وہ آوازوں کی سمت دیکھنے لگی۔ اور پھر اسے دو خونخوار قسم کے کتے ٹہلتے ہوئے نظر آ گئے۔

ثمینہ نے پیچھے ہٹ کر کھڑکی بند کر دی اور پردہ برابر کر دیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کھڑکیوں میں سلاخیں لگانے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ان خونخوار کتوں کی موجودگی میں نہ تو کوئی چوری چھپے کوٹھی میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی باہر نکلنے کی کوشش کر سکتا

تھا۔

ثمینہ، ماجھا گجر کے شریفانہ سلوک سے اگرچہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی لیکن اس کا دل اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ عورتوں کے بارے میں ماجھا گجر کے خیالات اگرچہ بہت شریفانہ تھے لیکن تھا تو وہ اسمگلر۔ ایسے لوگ اپنی کسی بات پر صرف اسی وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک ان کے مفادات پر ضرب نہیں پڑتی۔ جب انہیں اپنی گوٹ پھنسی ہوئی نظر آتی ہے تو وہ تمام اصول اور قاعدے قانون بھول جاتے ہیں۔ شارق بھی تو ایسا ہی ثابت ہوا تھا۔ کتنے بلند و بانگ دعوے کئے تھے اس نے عورت کے بارے میں۔ کیسے کیسے فلاسفی بولے تھے۔ ثمینہ اس کی شرافت کی قائل ہو گئی تھی۔ لیکن موقع ملتے ہی شارق نے اسے روند ڈالا تھا۔ اور اب اسے اپنا کھلونا بنا لیا تھا۔ ان جیسے لوگوں کی کسی بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ثمینہ نے کئی کتابیں پڑھی تھیں۔ بہت سی ایسی فلمیں دیکھی تھیں جن میں شارق اور ماجھا گجر جیسے لوگ خوبصورت لڑکیوں کو اپنا کام نکالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ انہیں لڑکیوں کی عزت کا پاس نہیں ہوتا نہ ہی ان کی جان کی پرواہ ہوتی ہے وہ تو صرف اپنا کام نکالنے کے لئے ان لڑکیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ کہیں ان لڑکیوں کو رشوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور کہیں دوسرے طریقوں سے چارے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ شارق نے ابھی تک ایسا نہیں کیا تھا۔ شاید اسے کوئی موقع نہیں ملا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ ماجھے گجر کے ہاتھ لگ گئی تھی اور اب ماجھا گجر شارق کو گرفت میں لینے کے لئے اسے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔

ثمینہ کی بربادی کا ذمے دار اگرچہ شارق تھا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اسے شارق سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو بڑے اطمینان سے شارق کے شام نگر والے مکان کا پتہ بتا کر اپنی گلوخلاصی کروا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے شارق کے اس خفیہ ٹھکانے کے بارے میں بتا بھی دیا تو ماجھا گجر اسے آزاد نہیں کرے گا۔ ایسے لوگوں کی نظریں بہت دور تک دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔ شارق کو اغواء کرنے کی کوشش میں ان کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور شارق زخمی ہوا تھا اور ثمینہ اس سارے واقعہ کی چشم دید گواہ تھی۔ ماجھا گجر اسے آسانی سے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

ثمینہ کے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ اس نے اپنے بارے میں ایک فرضی کہانی سنائی تھی۔ ماجھا گجر ایسا بے وقوف تو نہیں تھا کہ اس نے اس کی کہانی پر یقین کر لیا ہو گا۔ وہ یقیناً اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور جب اسے پتہ چلے گا کہ ثمینہ نے اس سے جھوٹ بولا تھا تو وہ اس کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک نہیں کرے گا۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ بیڈ کے قریب کھڑی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ ہلکے سے کھٹکے کی آواز سن کر چونک گئی۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ واقعی باہر کوئی موجود تھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کون ہے؟ کیا بات ہے؟" ثمینہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ اس کے ذہن پر ہلکا سا خوف طاری ہونے لگا تھا۔

"دروازہ کھولو.....میں تمہارے لئے چائے لے کر آیا ہوں۔" باہر سے کہا گیا۔ یہ اکو کی آواز تھی۔

"چائے!" ثمینہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ کمرہ ایسا نہیں تھا کہ وہ دروازہ بند رکھ کر محفوظ رہ سکتی ہو۔ وہ دروازہ نہ بھی کھولتی تو وہ لوگ دروازہ یا کھڑکی توڑ کر آسانی سے اندر آ سکتے تھے۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کا بولٹ گرا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی قمیض کے گریبان کو قریب سے مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔ اس نے جیسے ہی بولٹ گرایا تھا دوسری طرف سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اکو واقعی چائے لے کر آیا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا کمرے میں آ گیا اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"استاد نے کہا تھا کہ تمہیں چائے دے دی جائے۔ اس واقعہ نے تمہارے ذہن کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو گا۔ لو... چائے پی لو۔" اکو نے کمرے میں داخل ہو کر چائے کا کپ چھوٹی ٹیبل پر رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماجھا گجر کہاں ہے۔ میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

"وہ تو چلا گیا.... کل دن میں کسی وقت آئے گا۔" اکو نے جواب دیا۔

"کیا یہ کوٹھی اس کی نہیں ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"یہ کوٹھی اسی کی ملکیت ہے۔ ابھی حال ہی میں تو بنائی ہے۔" اکو نے کہا۔ "لیکن وہ یہاں زیادہ نہیں رہتا۔ یہ اس کا سب سے محفوظ اور خفیہ ٹھکانہ ہے جس کے بارے میں اس کے صرف چند نہایت قابل بھروسہ آدمیوں کو معلوم ہے۔ شارق کے چکر نے اسے پریشان کر دیا ہے۔ وہ اسی سلسلے میں گیا ہے۔ کل دن میں کسی وقت آ جائے گا۔ کوئی بات کرنی ہے تو مجھ سے کر لو۔ میں جو ہوں۔"

"نہیں....کل وہ آ جائے گا تو اس سے بات کروں گی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے.... یہ چائے پی لو اور دروازہ اندر سے بند مت کرنا۔" اکو نے کہا۔

"کیوں؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"بس کہہ دیا نا کہ تم دروازہ اندر سے بند نہیں کرو گی۔ تمہیں کوئی کھا نہیں جائے گا اور ویسے بھی اس وقت کوٹھی میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ ایک چوکیدار ہے وہ گیٹ سے ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اور ہاں..... ایک بات اور بتا دوں۔ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش مت کرنا۔ کمپاؤنڈ میں خونخوار کتے گھوم رہے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں چیر پھاڑ دیا تو....." اکو نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورہ چھوڑ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

ثمینہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر وہ دروازہ بھیڑ کر پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ وہ اس وقت واقعی چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔

چائے پیتے ہوئے اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ صورت حال اس کے سامنے نہایت واضح تھی۔ وہ فیصل آباد پولیس کو مطلوب تھی۔ یہاں بھی اس کے باپ کی رپورٹ پر پولیس اسے تلاش کر رہی تھی۔ شارق نے اگرچہ اسے تحفظ دیا تھا لیکن وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی حیثیت شارق کی داشتہ کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ شارق اسے ساتھ لے کر مختلف جگہوں پر گیا تھا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ اسے لوگوں سے متعارف کرانا چاہتا ہے تاکہ کل کلاں کو وہ خود ہی ان لوگوں سے نمٹ سکے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ شارق اسے بھی ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث کرنا چاہتا تھا۔ شاید شارق نے اسے اس کاروبار میں استعمال کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا جس پر قدم بہ قدم عمل شروع کر دیا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس قسم کے کاروبار میں بڑی کامیاب رہتی ہیں۔ ان کے ذریعے بڑے بڑے کام نکالے جا سکتے ہیں۔ لیکن اب وہ شارق کے ہاتھوں سے نکل کر ماجھا گجر کے جال میں آن پھنسی تھی۔ شارق اور ماجھا گجر ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔ وہ ایک ہی کاروبار کے مالک تھے۔ ان کا کاروبار ایک ہی تھا۔ گویا وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔

چائے پیتے ہوئے اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا.... فرار..... اکو نے اپنی حماقت سے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کوٹھی میں اکیلا ہے۔ دوسرا چوکیدار ہے جو گیٹ کے آس پاس ہی رہتا ہے۔ اگر اکو کو قابو میں کر لیا جائے تو وہ آسانی سے یہاں سے فرار ہو سکتی تھی۔ اکو کی آنکھوں میں وہ ہوس کی چمک دیکھ چکی تھی۔ عورت، مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے اور اگر عورت اس جیسی جوان اور حسین ہو تو کسی مرد کو بے وقوف بنانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

چائے ختم کر کے اس نے خالی کپ میز پر رکھا اور اٹھ کر ایک بار پھر کھڑکی کے قریب آ گئی اور کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ کمپاؤنڈ میں خونخوار کتوں کی موجودگی میں دیوار پھاند کر فرار ہونا

aazzamm@yahoo.com

ممکن نہیں تھا۔ اس کے دیوار تک پہنچنے سے پہلے ہی کتے اسے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ وہ کھڑکی سے ذرا باہر کی طرف جھک کر ٹاہلی کے اس درخت کی طرف دیکھنے لگی جس کی ایک شاخ چھت کی طرف چلی گئی تھی۔ درخت کا جائزہ لینے کے بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس درخت کی ایک شاخ چھت کی طرف تھی اور دو تین شاخیں اس درخت کی شاخوں میں الجھی ہوئی تھیں جو دیوار کے زیادہ قریب تھا۔ اس درخت کی دوسری شاخیں دیوار کے باہر کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں کی مدد سے نہایت آسانی سے کوٹھی کی دیوار کے باہر پہنچا جا سکتا تھا۔ لیکن.... مسئلہ صرف اکو کو گرفت میں لینے کا تھا۔

اکو کو حسن کا لشکارا دے کر قابو میں کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے تصور ہی سے ثمینہ کراہیت محسوس کرنے لگی۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا اور بالآخر اس نے اسی منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اکو یقیناً جاگ رہا ہو گا۔ ثمینہ دل پر جبر کر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اگر یہاں سے نکلنا ہے تو اکو کی تھوڑی بہت دست درازی برداشت کرنی ہی پڑے گی۔ یہ بات بھی اس کے ذہن میں تھی کہ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو اکو اس کے ساتھ کوئی نرمی نہیں کرے گا۔

وہ دروازہ کھول کر راہداری میں آ گئی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے قمیض کے گریبان کو سنبھال رکھا تھا۔ وہ راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بائیں طرف برآمدے والا دروازہ تھا جو بند تھا۔ دائیں طرف چند قدم آگے ایک ہال کمرہ تھا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ دبے قدموں ہال کی طرف بڑھنے لگی۔

وسیع و عریض ہال تھا۔ دیوار سے دیوار تک قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے آراستہ تھے۔ درمیان میں شیشے کے ٹاپ والی دو کافی ٹیبل پڑی ہوئی تھیں۔ دونوں پر شیشے کے خوبصورت گلدان رکھے ہوئے تھے جن میں خوبصورت مصنوعی پھول سجے ہوئے تھے۔ بائیں طرف اوپر جانے کا زینہ تھا۔ زینے کا اوپر والا دروازہ بند تھا۔ دائیں طرف ایک صوفے پر اکو نیم دراز سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس نے شاید ابھی تک ثمینہ کو نہیں دیکھا تھا۔ ثمینہ آگے بڑھتی رہی۔ دفعتاً وہ ایک کرسی سے ٹکرا گئی۔ آواز سن کر اکو ایک دم اٹھ گیا۔

"کی گل اے سوہنیو!" وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ایش ٹرے میں سگریٹ مسلتے ہوئے بولا۔ "کوٹھی کا معائنہ ہو رہا ہے۔ بھاگنے کا راستہ تو تلاش نہیں کر رہی ہو؟"

"نن... نہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "نیند نہیں آ رہی تھی سوچا کہ تمہارے ساتھ باتوں میں

کچھ وقت گزار لیا جائے۔"

"ست بسم اللہ۔ جی آیا نوں۔" اکو کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ "آؤ نا پھر... یہاں میرے پاس بیٹھو۔" اس نے صوفے پر ہاتھ مارا۔

"نہیں، میں یہاں بیٹھ جاؤں گی۔" ثمینہ کہتے ہوئے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا رخ اکو کی طرف تھا۔ ثمینہ نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ پھر اس نے گریبان سے اپنی قمیض اس طرح چھوڑ دی جیسے غیر ارادی طور پر ایسا ہوا ہو۔

قمیض کا گریبان کھل گیا۔ اکو کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر اس کے صوفے پر آ گیا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس نے قمیض سنبھالنی چاہی مگر اکو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کو رہنے دو نا ایسے ہی۔ گرمی ہو رہی ہے۔ جسم کو ذرا ہوا شوا لگنے دو۔" اکو نے کہا۔

ثمینہ کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا۔ "کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے ہیں اور باہر چوکیدار بھی گشت کر رہا ہو گا۔ اگر وہ اس طرف آ گیا تو....."

"تو پھر چلو اس کمرے میں چلتے ہیں۔ وہاں ایئر کنڈیشنر بھی لگا ہوا ہے۔" اکو نے کہا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر صوفے سے اٹھا دیا اور سامنے والے ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "یہ ماجھا گجر کا خاص کمرہ ہے۔" دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے اکو نے بتی جلا دی اور ایئر کنڈیشنر بھی آن کر دیا۔

کمرے میں شاندار ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ بستر پر سرخ رنگ کی ایک لمبی ڈوری پڑی ہوئی تھی جس کے دونوں سروں پر رنگین دستے لگے ہوئے تھے۔ یہ رسیاں عام طور پر کمسن لڑکیاں کھیل کے دوران پھاندنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔ یہ رسی دیکھ کر ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"یہ رسی ماجھے گجر کی بیٹی کی ہے۔ کل گاؤں جاتے ہوئے یہیں بھول گئی تھی۔" اکو نے کہتے ہوئے رسی ایک طرف ہٹا دی اور ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

"سوہنیو! اب یہ مونچھیں اتار دو نا۔ اتنے خوبصورت چہرے پر یہ نقلی مونچھیں اچھی تو نہیں لگتیں۔" اکو نے کہا اور پھر خود ہی اس کے ہونٹوں سے مونچھیں اتار کر ایک طرف پھینک دیں۔

ثمینہ کے لئے یہ آخری موقع تھا۔ اس نے پلنگ کے کنارے پڑی ہوئی رسی پکڑ لی اور پھر اکو نے جیسے ہی اسے دبوچنا چاہا وہ بڑی پھرتی سے لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گئی اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے رسی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اکو کی گردن پر لپیٹ دیا اور اسے پوری قوت سے بل

aazzamm@yahoo.com

دینے لگی۔

اکو پلنگ پر بری طرح مچل رہا تھا لیکن رسی پر ثمینہ کی گرفت خاصی مضبوط تھی اب وہ چند سیکنڈ پہلے والی ثمینہ نہیں رہی تھی جو خوف سے تھرتھر کانپ رہی تھی۔ اب وہ ایک نئی ثمینہ تھی جس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ان درندوں میں رہنا ہے تو اسے بھی درندہ بننا پڑے گا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ وہ پوری قوت سے رسی کو بل دیتی چلی گئی۔ اب اسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ اکو زندہ بچے گا یا مر جائے گا۔

اکو بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس کے منہ سے خرخراہٹ کی عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر اس کی مزاحمت کمزور پڑتی چلی گئی اور بالآخر وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ ثمینہ نے ایک زور دار جھٹکا دے کر اسے چھوڑ دیا۔ اکو کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں اور زبان باہر کو نکل آئی تھی۔ اس کا چہرہ بہت ہی خوفناک ہو گیا تھا۔

ثمینہ کا سانس پھول گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس خوفناک ترین مرحلے سے گزرنا پڑا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑا تھا۔ اب یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کو کیوں اور کس طرح قتل کرتے ہیں۔ کوئی اپنی دولت بچانے کے لئے کسی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور کوئی اپنی جان بچانے کے لئے کسی اور کی زندگی کا چراغ گل کر دیتا ہے۔

ثمینہ کچھ دیر وہاں کھڑی اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے اکو کی لاش کی طرف دیکھا اور اپنی قمیض کا واحد بٹن بند کرتی ہوئی دروازہ کھول کر ہال میں آ گئی اور تیز تیز قدموں سے زینے کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک کرسی پر کوئی چادر پڑی دیکھ کر وہ ایک لمحہ کو رکی۔ اس نے چادر اٹھائی اور دبے قدموں زینہ چڑھنے لگی۔

زینے کے اختتام والے دروازے کے دوسری طرف ایک کمرہ تھا جس میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا اور چھت پر نکل آئی اور پھر جھک کر چلتی ہوئی اس طرف آ گئی جہاں ٹاہلی کے درخت کی ایک موٹی شاخ چھت تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے چادر کمر پر لپیٹ کر باندھ لی اور شاخ پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگی۔

اس کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہو گئی تھی۔ یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر نیچے گر گئی تو خونخوار کتے آواز سن کر اس طرف آ جائیں گے اور اسے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی شاخوں کی وجہ سے اسے آگے بڑھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی لیکن بالآخر وہ اس جگہ

تک پہنچ گئی جہاں دوسرے درخت کی شاخیں اس شاخ سے الجھی ہوئی تھیں۔ دوسری شاخ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے ثمینہ کا پیر پھسل گیا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اگر وہ دوسری شاخوں کا سہارا نہ لے لیتی تو یقیناً گر پڑتی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ شاخیں زور سے ہلنے سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی تھی اور یہ آواز کتوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھی۔

آواز سنتے ہی کتے غراتے ہوئے اس طرف آ گئے۔ ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ شاخوں کی آواز سن کر کتے منہ اوپر اٹھا کر بھونکنے لگے۔ ثمینہ سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کتے منہ اوپر اٹھائے مسلسل بھونک رہے تھے۔

کتوں کی آواز سن کر گیٹ کا چوکیدار تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف آ گیا۔ اس کے کندھے پر شاٹ گن لٹکی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے ڈبو.... کیوں بھونک رہے ہو؟" چوکیدار ایک کتے کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پچکارنے لگا۔

کتے بدستور منہ اوپر اٹھائے بھونکتے رہے۔ ساتھ ہی وہ اچھل رہے تھے جیسے شاخوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اوپر تمہارا باپ بیٹھا ہوا ہے کیا؟" چوکیدار نے کتے کو ڈانٹا اور پھر خود بھی اوپر دیکھنے لگا۔ ثمینہ اس دوران اس شاخ پر پہنچ گئی تھی جو دیوار سے باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ چوکیدار نے اسے دیکھ لیا تھا۔ "اوئے.... کون ہو تم.... چور.....چور.... ٹھہر جا.... ابھی بتاتا ہوں تمہیں۔"

ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ چوکیدار کندھے پر لٹکی ہوئی شاٹ گن اتار رہا تھا۔ ثمینہ بڑی پھرتی سے شاخ سے لٹک گئی۔ ادھر اس نے چھلانگ لگائی ادھر فضا دھماکے کی آواز سے گونج اٹھی۔ چوکیدار کی چلائی ہوئی گولی شاخوں میں ٹھیک اس جگہ لگی تھی جہاں چند سیکنڈ پہلے ثمینہ موجود تھی۔

ثمینہ نے تقریباً دس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگائی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ نیچے کچی زمین تھی اور اسے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ ایک سیکنڈ بعد وہ اٹھ کر ایک طرف دوڑنے لگی۔ اس بات کا سو فیصد امکان تھا کہ چوکیدار کوٹھی سے نکل کر اس کے پیچھے آئے گا۔ فائر کی آواز سن کر دوسرے بنگلوں کے لوگ بھی باہر آ سکتے تھے۔

وہ ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔ پچھلی طرف بھی کوٹھیاں تھیں۔ بعض کوٹھیاں ابھی زیر تعمیر تھیں۔ ایک بار تو ثمینہ نے سوچا تھا کہ کسی زیر تعمیر کوٹھی میں چھپ جائے لیکن پھر اس کے دل

aazzamm@yahoo.com

میں خیال آیا کہ تعاقب کرنے والے سب سے پہلے انہی جگہوں پر تلاش کریں گے اور وہ آسانی سے ان کے ہاتھ لگ جائے گی۔

وہ دوڑتی رہی.... بے تحاشہ دوڑتی رہی۔ اس کا سانس بری طرح پھول گیا تھا اور ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ وہ کوٹھیوں سے نکل کر جھاڑیوں میں آ گئی تھی۔ اس سے اب ایک قدم نہیں دوڑا جا رہا تھا۔ پھیپھڑوں کی قوت جواب دے رہی تھی اور بالآخر وہ لڑکھڑا کر جھاڑیوں میں گری۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ کوٹھیاں اگرچہ اب بہت دور رہ گئی تھیں لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ محفوظ نہیں ہے۔ اسے تلاش کرنے والے یہاں تک بھی پہنچ سکتے تھے۔

دو منٹ بعد جب وہ اپنی حالت پر کسی حد تک قابو پا چکی تو جھاڑیوں سے نکل کر ایک بار پھر دوڑنے لگی اور پھر یکایک رک گئی۔ اس کے سامنے ریلوے لائنیں تھیں۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ریلوے لائنوں کی طرف چلنے لگی۔

رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ یہ اٹاری کی طرف جانے والی ریلوے لائن تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا.... وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی لائنوں کے درمیان چلتی رہی۔ ریلوے لائنوں کے ڈھلان کے نیچے وہ سڑک تھی جو ایک طرف اچھرہ اور دوسری طرف گلبرگ کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ نہر گلبرگ والی سڑک کے ساتھ ساتھ تھی۔ اسے سڑک پر ایک دو گاڑیاں جاتی ہوئی نظر آئی تھیں۔ وہ ریلوے لائن سے اتر کر سڑک پر جانا چاہتی تھی پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ سڑک پر وہ آسانی سے پکڑی جا سکتی تھی۔

وہ لائنوں میں کھڑی ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر دفعتاً" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اسے آخری پٹڑی کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیبن نظر آیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کیبن کے قریب پہنچ گئی۔ کیبن ایک طرف سے کھلا ہوا تھا اور غالباً لائنوں پر کام کرنے والے یہاں اپنا سامان وغیرہ رکھتے ہوں گے یا کسی اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہو گا لیکن اس وقت کیبن خالی تھا۔ ثمینہ نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کیبن میں گھس گئی۔

کیبن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ زمین ہموار تھی بلکہ ریت بچھی ہوئی تھی۔ ثمینہ نے کمر پر لپٹی ہوئی چادر کھول لی اور کیبن کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کیبن کی لمبائی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر ٹانگیں تو پھیلا سکتی تھی لیکن پوری طرح لیٹ نہیں سکتی تھی۔

ثمینہ نے اپنے اوپر چادر لپیٹ لی اور آنکھیں بند کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کا

دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ پہلے تو وہ نادانستہ طور پر شارق کے جرائم میں اس کی شریک رہی تھی لیکن اب براہ راست خود ایک سنگین جرم میں ملوث ہو گئی تھی۔ اس نے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور وہ آدمی بھی ماجھا گجر کا تھا جو خود ایک چھٹا ہوا بدمعاش اور منشیات کا اسمگلر تھا۔ اس کا ایک باقاعدہ گروہ تھا۔ وہ اس کی تلاش میں پورے شہر کی خاک چھان ڈالیں گے۔ ماجھا گجر کے بارے میں شارق اسے بتا چکا تھا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے کئی آدمی مار چکے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر مخالف گروہ کے کسی آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دینا ان لوگوں کے لئے معمولی بات تھی اور ماجھا گجر جیسا آدمی یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ ایک لڑکی اس کی کوٹھی میں اس کے آدمی کو قتل کر کے بھاگ جائے اور کوٹھی بھی وہ جسے وہ اپنی سب سے خفیہ اور محفوظ ترین پناہ گاہ سمجھتا تھا۔ ثمینہ ایک تو اس کے آدمی کو قتل کر کے بھاگی تھی اور دوسرے وہ اس کی محفوظ ترین پناہ گاہ کے بارے میں جان گئی تھی۔ وہ آرام سے کیسے بیٹھ سکے گا۔

اکو نے بتایا تھا کہ ماجھا گجر کل دن میں واپس آئے گا۔ وہ گاؤں گیا تھا یا کسی اور اڈے پر لیکن ثمینہ کو یقین تھا کہ اسے رات ہی رات میں اکو کے قتل اور ثمینہ کے فرار کی اطلاع مل جائے گی اور وہ فوراً ہی واپس آ جائے گا اور پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے شروع کر دے گا۔ ممکن ہے اس کا سارا غصہ کوٹھی کے چوکیدار پر اترے کیوں کہ اکو کے ساتھ وہی کوٹھی میں موجود تھا۔

ثمینہ سوچ رہی تھی کہ شارق زخمی ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ کر کہاں گیا ہو گا۔ مزنگ والے اڈے پر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ کسی دوسرے اڈے پر بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کے تمام اڈے ماجھا گجر کی نظروں میں تھے۔ وہ ایک ایک جگہ اسے تلاش کرے گا۔ شام نگر والے مکان کے بارے میں شارق نے بتایا تھا کہ وہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ اس مکان کے بارے میں اس کے اپنے آدمیوں میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ وہیں گیا ہو لیکن وہ زخمی تھا۔ اسے نجانے کہاں گولی لگی تھی۔ اب ثمینہ کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ زندہ بھی تھا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں سے بھاگنے کے بعد کہیں گر گیا ہو۔ ختم ہو گیا ہو یا اسے بے ہوشی کی حالت میں کسی نے ہسپتال پہنچا دیا ہو لیکن سوال یہ تھا کہ وہ خود کہاں جائے؟ کیا شام نگر والا مکان اس کے لئے محفوظ رہے گا؟

ثمینہ یہی سب کچھ سوچتی رہی اور بالآخر نیند کے بوجھ سے اس کی پلکیں جھکنے لگیں اور وہ کمر کے اس کیبن میں آڑھی ترچھی پڑی سو گئی۔

صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی ثمینہ کی آنکھ کھل گئی۔ مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کی کرنیں براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک آنکھیں مچ مچاتی ہوئی

aazzamm@yahoo.com

سوچتی رہی کہ وہ کہاں ہے اور پھر ریلوے لائنوں پر نظر پڑتے ہی سب کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اس نے کیبن سے گردن نکال کر ادھر ادھر جھانکا۔ دور سامنے دو آدمی مخالف سمت میں جاتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں کے کندھوں پر چمڑے کے تھیلے ٹنگے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں گز بھر لمبے دستوں والی ہتھوڑیاں تھیں اور وہ ریلوے لائن کو چیک کرتے ہوئے جا رہے تھے۔

ثمینہ کیبن سے باہر آ گئی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ لی کہ اس کا چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ کچھ دیر کیبن کی آڑ میں کھڑی رہی پھر ڈھلان سے نیچے اترنے لگی۔

سڑک پر ٹریفک شروع ہو چکا تھا۔ صبح سویرے کا وقت تھا۔ پرائیویٹ گاڑیاں اور رکشے ٹیکسیاں سڑک پر سے گزر رہی تھیں۔ ڈھلان پر سے اترتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ دل میں ہلکا سا خوف اب بھی تھا کہ اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو.....؟ وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکی تھی۔

وہ ریلوے لائن سے اتر کر سڑک پر آ گئی اور خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے قریب سے گاڑیاں گزر رہی تھیں مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی پھر ایک خالی رکشہ آتے دیکھ کر ثمینہ نے اسے روک لیا۔ وہ رکشے میں بیٹھ تو گئی لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ جانا کہاں ہے۔

"کہاں جانا ہی جی؟" رکشے والے نے پوچھا۔

"لوہاری!" غیر ارادی طور پر ثمینہ کے منہ سے نکلا۔

رکشہ مڑ کر نہر کے کنارے بائیں طرف والی سڑک پر دوڑنے لگا۔ اسی طرف کچھ آگے نہر کے دائیں کنارے پر ماجھے گجر کی کوٹھی تھی جہاں سے ثمینہ اکو کو قتل کر کے بھاگی تھی۔ رکشے کو اس طرف جاتے دیکھ کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن اچانک ہی تیز ہو گئی تھی۔ وہ ڈرائیور سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔ اس کی پرورش اگرچہ لاہور ہی میں ہوئی تھی گھومتی پھرتی بھی رہی تھی لیکن ظاہر ہے کہ تمام راستوں کے بارے میں اسے معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اس لئے وہ خاموش بیٹھی رہی۔

وہ رکشے میں بیٹھی نہر کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھتی رہی۔ ماجھا گجر والی کوٹھی کے قریب پہنچی تو اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پولیس کی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ ایک کانسٹیبل بھی گیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔

ثمینہ بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پائے ہوئے تھی اور پھر جیسے ہی رکشہ کچھ آگے نکلا اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ بالآخر رکشہ اپر مال پر پہنچ گیا اور بائیں طرف مڑ کر تیز رفتاری سے

دوڑنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد رکشہ لوہاری چوک پر رک گیا۔ ثمینہ کی پتلون کی جیب میں کچھ رقم موجود تھی اس نے سو کا ایک نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

"کھلے پیسے دیں جی۔ ابھی تو رکشہ لے کر نکلا ہوں آپ پہلی سواری ہیں۔ میرے پاس تو ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔" ڈرائیور نے سو کا نوٹ دیکھ کر کہا۔

"رکھ لو..... کھلے میرے پاس بھی نہیں ہیں۔" ثمینہ سو کا نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر نیچے اتر آئی۔

ڈرائیور حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پان والی گلی سے گزر کر انارکلی میں داخل ہو گئی اور آگے بڑھتی رہی۔ رکشہ میں بیٹھتے ہوئے اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر لوہاری کا نام نکل گیا تھا اور پھر اس نے راستے ہی میں شارق کے دوست سہیل کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا ممکن ہے شارق بھی یہیں آیا ہو۔

وہ چند منٹ میں ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ ریسٹورنٹ میں رش تھا اور سہیل کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ خاصا مصروف تھا۔ ثمینہ نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک لڑکے کو روک لیا۔

"وہ جو آدمی کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے کہو تمہیں باہر کوئی بلا رہا ہے۔" ثمینہ نے سہیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لڑکے کو سمجھایا۔

لڑکے نے ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر سہیل کو پیغام دیا اور باہر کی طرف اشارہ بھی کیا۔ سہیل ایک ویٹر کو کاؤنٹر کے قریب کھڑا کر کے باہر آ گیا۔

"کیا بات ہی بی بی! آپ کو کیا کام ہے مجھ سے؟" سہیل نے پوچھا۔

"آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں مگر یہاں سڑک پر کھڑے کھڑے نہیں اوپر کمرے میں بیٹھ کر۔ میرا خیال ہے شارق کا حوالہ میرے تعارف کے لئے کافی ہو گا۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق کے نام سے سہیل چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس چادر پوش لڑکی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں رضیہ کا نام ابھرا تھا۔

"آ اس زینے سے اوپر چلی جایئے۔ میں کمرہ کھلواتا ہوں۔ اور اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو اوپر آرام سے بیٹھ جایئے۔ میں ابھی گاہکوں سے نمٹ کر آتا ہوں۔" سہیل نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں۔ میں انتظار کر لوں گی۔" ثمینہ کہتے ہوئے ریسٹورنٹ کے ساتھ والے دروازے میں داخل ہو گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور احتیاط سے

aazzamm@yahoo.com

سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

○

گاڑی رکشے کے سامنے آتے ہی شارق کو کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتا تین آدمیوں نے کار سے اتر کر رکشے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک آدمی نے ثمینہ کو پکڑ کر رکشے سے کھینچ لیا تھا اور دوسرے نے شارق کو۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان کا چوتھا ساتھی کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ کار کا انجن اسٹارٹ ہی تھا۔

شارق عام طور پر جیب میں پستول رکھا کرتا تھا لیکن یہ محض اتفاق تھا کہ آج اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ اس طرح ایک لحاظ سے وہ ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ اسے بھی ایک آدمی نے پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ ظاہر ہے وہ اس قسم کے حالات کی عادی نہیں تھی اور اس کا خوف زدہ ہونا فطری بات تھی۔

شارق اس شخص کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کار کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بڑی شرافت سے کار میں بیٹھ جائے گا لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی اس نے اپنے حریف پر حملہ کر دیا۔ وہ آدمی لڑکھڑا کر گرا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سڑک پر گر گیا تھا۔ شارق نے پستول کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ جھک کر پستول اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ دوسرے آدمی نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر شارق کی پسلیوں پر ٹھوکر مار دی۔ شارق کراہ کر نیچے گرا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

شارق نے سنبھل کر اس شخص پر چھلانگ لگا دی جس نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔ اس شخص نے پستول کا ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی شارق کے بازو میں لگی اور گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی لیکن وہ پیچھے ہٹنے کے بجائے اپنے حریف سے لپٹ گیا۔ وہ دونوں نیچے گرے اور ان میں پستول کے لئے کشمکش ہونے لگی۔ اسی دوران شارق نے ثمینہ کو چیخ کر ایک طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ ثمینہ ان کے ہاتھ نہ آئے۔

دونوں میں پستول کے لئے کشمکش جاری تھی۔ پستول کا رخ شارق کے سینے کی طرف تھا۔ اگر ٹرائیگر دب جاتا تو گولی شارق کے سینے میں لگتی لیکن شارق نے اس شخص کی کلائی مروڑتے ہوئے پستول کا رخ اپنی طرف سے ہٹا دیا۔ اب پستول کا رخ اس کے حریف کی طرف تھا۔ شارق نے اس کے ہاتھ کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ اس شخص کی انگلی پستول کے ٹرائیگر پر تھی۔ ہاتھ کو زور دار جھٹکا لگنے سے ٹرائیگر دب گیا اور گولی اس شخص کی پیشانی پر لگی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اسے نظر نہیں آئی تھی وہ سمجھا شاید وہ کسی طرف نکل جانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ وہ جیسے ہی اٹھا زمین پر پڑے ہوئے تیسرے آدمی نے اٹھ کر اس کا راستہ روکنا چاہا مگر شارق نے اس کے پیٹ پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ شخص بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ شارق نے قریبی کوٹھی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ کوٹھی کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے جیسے ہی دوسری طرف چھلانگ لگائی فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی دیوار پر ٹھیک اس جگہ لگی جہاں چند سیکنڈ پہلے شارق کا ہاتھ تھا۔

بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ کوٹھی کے ایک دو کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ شارق پچھلی طرف بھاگتا چلا گیا۔ فائرنگ کی آواز سن کر ایک آدمی کسی دروازے سے باہر نکلا تھا۔ اس نے شارق کو دوڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اور چیخ کر دوبارہ کمرے میں گھس گیا۔

شارق کوٹھی کے پچھلی طرف دوڑتا چلا گیا۔ کوٹھی کی پچھلی دیوار بھی زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن بازو زخمی ہونے کے وجہ سے شارق کو یہ دیوار پھاندنے میں بھی خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

دوسری طرف تنگ سی گلی تھی۔ سامنے والی کوٹھیوں کی پشت اس طرف تھی۔ شارق اس تاریک گلی میں دوڑتا چلا گیا۔ یہ گلی بھی گھوم کر مین روڈ سے جا ملتی تھی اور شارق سڑک پر نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک گلی میں دوڑتا رہا پھر سامنے والی ایک کوٹھی کی دیوار پھاند کر اندر کود گیا اور لان میں دوڑتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکل گیا۔

شارق دوڑتے ہوئے بری طرح تھک گیا تھا۔ بازو میں بھی خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ زخم سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ جس سے نہ صرف اس کے کپڑے تر ہو رہے تھے بلکہ وہ اپنے آپ میں کمزوری بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ ایک کوٹھی کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس جگہ تاریکی تھی۔ زخم کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر خون بہنا بند نہ ہوا تو خطرناک بات ہو گی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دوسری گلی میں مڑ کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

شارق ایک اور گلی میں مڑ گیا۔ یہ بھی کوٹھیوں کی عقبی گلی تھی اور پھر دفعتاً وہ رک گیا۔ چند گز آگے ایک سوزوکی کار کھڑی تھی۔ شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا۔ کار دیکھنے میں خاصی پرانی لگ رہی تھی اور شارق سوچ رہا تھا کہ شاید یہاں قسمت اس کا ساتھ دے جائے۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا کار کے ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے سامنے پہنچ گیا اور

aazzamm@yahoo.com

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ دروازہ لوک نہیں تھا۔ آسانی سے کھل گیا۔ اس نے سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔

اگنیشن میں چابی نہیں تھی۔ لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ جھک کر اسٹیئرنگ کے نیچے جھانکنے لگا۔ کار خاصی پرانی تھی اسٹیئرنگ کے نیچے کی طرف کچھ تاریں لٹکی ہوئی نظر آ رہی تھیں اس نے ٹٹول کر دو تاریں زور دار جھٹکے سے باہر کھینچ لیں اور ان کے ننگے سرے جوڑنے لگا۔

شارق کو مایوسی نہیں ہوئی۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ شارق سنبھل کر بیٹھ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے گاڑی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

شارق گاڑی کو ایسی سڑکوں پر چلا رہا تھا جہاں پولیس سے آمنا سامنا ہونے کا زیادہ اندیشہ نہیں تھا۔ گاڑی واقعی بہت کھٹارا تھی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس وقت تو یہ بھی اس کے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی تھی۔

گاڑی چلاتے ہوئے شارق' ثمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہ بچ کر نکل گئی ہو۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ ماجھا گجر کے آدمی تھے جنہوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دو تین دن پہلے ماجھا گجر کے ڈیرے پر چھاپہ پڑوا کر پولیس کے ہاتھوں اسکے نہ صرف دو بندے مروائے تھے بلکہ اسے کروڑوں کا نقصان بھی پہنچایا تھا۔ ماجھا گجر زخمی ناگ کی طرح تلملایا پھر رہا تھا۔ اسے ماجھا گجر کی طرف سے کسی کارروائی کی توقع تو تھی لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسے اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ شارق کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ آدمی کب سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے جنہوں نے موقع ملتے ہی اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی' لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

دفعتاً" شارق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اگر ثمینہ بھاگنے میں کامیاب ہونے کے بجائے ان کے ہاتھ لگ گئی ہو تو؟ یہ خیال بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ ثمینہ کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ایک شریف لڑکی تھی جو محض اس کی وجہ سے اس دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ ماجھے گجر کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بے حد سفاک اور بے رحم انسان تھا۔ اگر ثمینہ اس کے ہاتھ لگ گئی تو' نہ اس کی عزت محفوظ رہ سکتی تھی اور نہ ہی اس کی زندگی کی ضمانت دی جا سکتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ثمینہ مردانہ بھیس میں تھی اور جب ماجھا گجر پر یہ انکشاف ہو گا کہ وہ مرد نہیں لڑکی ہے تو ثمینہ کے بارے میں بہت کچھ سمجھ جائے گا اور پھر ثمینہ جیسی نازک اندام لڑکی اس کے دو چار ہاتھ بھی نہیں سہہ سکے گی۔ ماجھا گجر سب سے پہلے ثمینہ سے اس کے خفیہ ٹھکانوں کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرے گا اور ثمینہ اس کے تمام خفیہ

ٹھکانوں کے بارے میں جانتی تھی۔ شام نگر والا مکان... سہیل کا ریسٹورنٹ اور ماسی مہراں کا مکان....

ماسی مہراں کا خیال آتے ہی شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔ ثمینہ اس مکان میں صرف چند گھنٹوں کے لئے آئی تھی۔ وہ بھی شام کا وقت تھا اور نوکھا اسے اس طرح گھما پھرا کر لایا تھا کہ ثمینہ کو نہ تو وہ راستے یاد رہے ہوں گے اور نہ یہ معلوم ہو گا کہ وہ مکان کہاں پر واقع تھا۔ اس کے برعکس شام نگر والے مکان اور سہیل کے ریسٹورنٹ کی آسانی سے نشاندہی کی جا سکتی تھی۔ شارق کے خیال میں یہی ایک محفوظ جگہ تھی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے گاڑی کا رخ مزنگ کی طرف موڑ دیا۔ شارق یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ثمینہ اگر واقعی ماجھا گجر کے ہاتھ لگ گئی ہے اور اس نے ثمینہ کو کوئی نقصان پہنچایا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا!

گاڑی اس نے مزنگ چوک سے پہلے ہی ایک موڑ پر چھوڑ دی اور تاریک گلیوں میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ مزنگ چوک پر تو رات گئے تک رونق رہتی تھی لیکن یہ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اس وقت رات کا تقریباً ایک بجا تھا اور ظاہر ہے اس وقت کسی راہ گیر کے ملنے کی توقع نہیں تھی البتہ چوکیدار کی نگاہوں سے بچنے کے لئے وہ تاریکی کا سہارا لے کر چل رہا تھا۔ اور بالآخر مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا ماسی مہراں کے مکان پر پہنچ گیا۔ پہلی مرتبہ گھنٹی بجائی تو ایک منٹ بعد اندر پختہ صحن میں قدموں کے گھسٹنے کی آواز سنائی دینے لگی پھر دروازے کے قریب ہی سے ماسی مہراں کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں ماسی مہراں.... شارق' دروازہ کھولو۔" شارق نے دروازے کی جھری سے منہ لگا کر گوشیانہ لہجے میں جواب دیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ماسی مہراں اسے دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

"شارق پتر! اس وقت' خیر تو ہے.... یہ.... یہ تمہارے کپڑوں پر خون...."

"مجھے اندر آنے دو ماسی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی اور اندر داخل ہو گیا۔ ماسی مہراں نے ایک دم سے دروازہ بند کر کے کنڈا چڑھا دیا۔

وہ ایک کمرے میں آ گئے۔ شارق کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے قمیض اتار دی تھی اور اسی قمیض سے بازو پر جما ہوا خون صاف کرنے لگا۔ زخم سے خون بہنا بند ہو گیا تھا لیکن تکلیف میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"یہ کیا ہوا شارق پتر؟ اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟" ماسی مہراں نے پوچھا اس کے لہجے

aazzamm@yahoo.com

میں پریشانی نمایاں تھی۔

"گولی لگی ہے ماسی۔" شارق نے جواب دیا۔ "معمولی سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ الماری میں پولی فیکس پڑی ہو گی۔ لاؤ اس وقت وہی لگا لوں۔ صبح ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔"

ماسی مہراں نے الماری سے پولی فیکس کی ٹیوب نکال کر دے دی۔ یہ مرہم چھوٹے موٹے زخم یا خراش وغیرہ کے لئے تو ٹھیک تھا مگر گولی کے زخم کے لئے زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا تھا لیکن بہرحال کچھ نہ ہونے سے بہتر تھا۔ اس نے زخم پر اچھا خاصا مرہم لگا دیا۔

"ماسی' اس پر کس کر پٹی باندھ دو۔" شارق نے ماسی مہراں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ماسی مہراں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے پٹی کے لئے کوئی اور کپڑا نظر نہیں آیا تو اس نے اپنا ململ کا دوپٹہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھ دی۔

"گولی کیسے لگی پتر! کس سے جھگڑا ہوا تھا۔" ماسی مہراں نے پوچھا۔

"تم جانتی ہو ماسی مہراں کہ ہم لوگ کس قسم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک طرف پولیس ہے اور دوسری طرف ہماری مخالف پارٹیاں۔ کسی نہ کسی سے ٹکراؤ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ آج بھی آمنا سامنا ہو گیا تھا کسی سے۔" شارق نے جواب دیا۔

"شارق پتر!" ماسی مہراں نے کہا۔ "میں نے بھائی چھاتگے کو بھی کئی دفعہ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ تمہیں بھی کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں۔ چھوڑ دو یہ کاروبار.... ایسی دولت کا کیا فائدہ جس میں ہر وقت جان کا خطرہ ہو۔ تمہارے پاس پیسے کی تو کمی نہیں ہے۔ کوئی اور کاروبار شروع کر دو جس سے عزت کی زندگی گزار سکو۔"

"ماسی!" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہی تو اصل بات ہے کہ ہم عزت کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ تم سمجھتی ہو کہ ہم یہ دھندہ چھوڑ دیں گے تو پولیس ہمیں عزت کی زندگی گزارنے دے گی' نہیں ماسی۔ یہ تمہاری خوش فہمی ہے ہم یہ سب کچھ چھوڑ کر فرشتے بھی بن جائیں نا تو قانون کے یہ محافظ ہمیں ایک لمحہ کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔"

"کیوں؟" ماسی مہراں نے اسے گھورا۔ "جب تم شرافت کی زندگی گزارو گے تو وہ لوگ تمہیں پریشان کیوں کریں گے؟"

"یہی بات تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی ماسی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر تکلیف نہ ہو تو مجھے چائے بنا دو اور پھر تم جا کر سو جاؤ۔"

"تکلیف کیسی پتر! میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ماسی مہراں کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ چند منٹ شارق سے باتیں کرتی رہی پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ایک بار پھر ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اس وقت ثمینہ کے بارے میں یہ معلوم کیا جا سکتا کہ وہ ماجھا گجر کے آدمیوں کے قبضے میں آ گئی تھی یا بھاگ کر گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

چائے ختم کر کے وہ کرسی سے اٹھ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ بازو کی تکلیف کسی حد تک کم ہو گئی تھی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی... اس کے ذہن میں بار بار ثمینہ کا خیال آ رہا تھا.... کبھی وہ اپنے آپ کو مورد الزام ٹھہرانے لگتا کہ وہ اسے چھوڑ کر بھاگا کیوں تھا۔ اسے اس وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ دکھنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سر پر منوں بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ اعصاب میں شدید تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کر لیں اور بالآخر وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

شارق گہری نیند میں تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو اور کوئی اسے آوازیں دے رہا ہو۔ بڑی ممتا اور چاشنی تھی اس آواز میں۔

"شارق پتر! اٹھو.... دن چڑھ گیا ہے اور دیکھو یہ کون آیا ہے؟"

پھر کسی نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہولے سے ہلایا۔ شارق نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے ماسی مہراں کھڑی تھی اور کرسی پر ڈاکٹر انور بیٹھا ہوا تھا۔ شارق کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم آگ میں تپ رہا ہو۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کراہ کر رہ گیا۔

"لیٹے رہو.... تمہیں تیز بخار ہو رہا ہے۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" ڈاکٹر انور نے کہا۔

"تت.... تم یہاں کیسے آئے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر انور کی طرف دیکھا۔

"میں بلا کر لائی ہوں۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "میں تمہارے کمرے میں آئی تو تم نیند میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ میں نے تمہاری پیشانی پر ہاتھ رکھا تو تمہیں تیز بخار ہو رہا تھا۔ میں ڈاکٹر صاحب کو بلا لائی۔ ایسے موقعوں پر یہی خدا کا بندہ کام آتا ہے۔"

شارق عجیب سی نظروں سے ماسی مہراں کو دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر انور کا کلینک یہاں سے تقریباً دو میل دور تھا۔ ماسی مہراں نے عقل مندی کا ثبوت دیا تھا کہ وہ کسی اور ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے انور ہی کو بلا لائی تھی۔

"راستے میں مجھے ماسی مہراں نے بتا دیا تھا۔" ڈاکٹر انور اس کے بازو کی پٹی کھولتے ہوئے بولا۔

aazzamm@yahoo.com

[illegible] کی بھاگ گئی تھی۔

[illegible] صاف کیا اور زخم کا جائزہ لینے کے بعد نئی ڈریسنگ کر [illegible] لگا۔

[illegible] نے شارق کو انجکشن لگا دیا اور بیگ میں سے دو تین قسم کی گولیاں بھی نکال کر [illegible]

"[illegible] کے بعد ایک ایک دن کھانا اور ایک ایک دوپہر کے بعد۔ میرا خیال ہے دوپہر تک بخار اتر جائے گا۔ میں شام کو آؤں گا اور کچھ اور دوائیں بتاؤں گا۔ ویسے احتیاطاً کیپسول لکھ دے رہا ہوں۔ [illegible] بازار سے کیپسول لے لی۔ زیادہ تکلیف محسوس کرو تو دوپہر کے کھانے کے بعد ایک کیپسول کھا لینا۔" انور نے ایک کاغذ پر نسخہ لکھ کر ماسی مہراں کی طرف بڑھا [illegible]

ماسی مہراں بھی ڈاکٹر کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ اس کی واپسی کوئی گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی ناشتہ تیار کیا۔ شارق کو ناشتہ کروایا اور ڈاکٹر کی دی ہوئی گولیاں کھلا دیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد شارق پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔ دوپہر دو بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کا بخار ٹوٹ گیا تھا لیکن چند گھنٹوں کے بخار نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں بے حد کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

ماسی مہراں دوپہر کا کھانا تیار کر چکی تھی۔ شارق کے لئے اس نے پتلے شوربے والا سالن تیار کیا تھا۔ اس کا سر ہاتھ دھلا کر اس نے اپنے ہاتھ سے شارق کو کھانا کھلایا پھر گولیاں بھی کھلا دیں۔

"[illegible] کو [illegible] بلا لوں شارق بیٹا؟" ماسی مہراں نے کہا۔

"نہیں ماسی۔" شارق نے جواب دیا۔ "صورت حال بہت سنگین ہو گئی تھی۔ میں نہیں چاہتا [illegible] کو یہاں لا کر [illegible] بستر میں تم سے ایک اور کام لینا چاہتا ہوں۔"

"بالکل کہو بیٹا۔" ماسی مہراں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کل رات میرے ساتھ [illegible] تھی۔"

"شہینہ کون؟" ماسی مہراں نے پوچھا۔

"وہی لڑکی جسے چند روز پہلے میں یہاں لے کر آیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کل رات وہ میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں [illegible] کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ماجھا گجر کے آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ وہ [illegible] تھے اور غالباً مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔ ہم میں ہاتھا پائی ہوئی۔ گولیاں بھی چلیں۔ اسی دوران میں نے شہینہ کو وہاں سے بھاگتے دیکھا تھا۔ میں بھی گولی لگنے سے

[illegible] گئی تھی۔ [illegible] وہ [illegible] کے لئے [illegible] بھاگنے کی نہیں [illegible] گئی۔ میں تو جیسے تیسے رات کو یہاں پہنچ گیا لیکن [illegible] کے بارے میں [illegible] نہیں [illegible] بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی یا نہیں [illegible] آدمیوں سے [illegible] تک [illegible] بچانے کے لئے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا اور [illegible] کے ہاتھ [illegible] سے بچ گئی ہے تو وہ صرف ایک ہی جگہ [illegible] جگہ [illegible] علاوہ کسی اور [illegible] نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر معلوم کرو [illegible] وہاں پہنچی ہے یا نہیں۔"

"وہ کون سی جگہ ہے بیٹا میں جا کر معلوم کرتی ہوں۔" ماسی مہراں نے کہا۔

"تم شام کو [illegible] کا وہ مکان تلاش کرو [illegible]۔" شارق نے [illegible] کا پتہ سمجھانے لگا۔ "سمجھ گئیں نا ماسی! پہنچ جاؤ گی؟"

"کیوں نہیں پتر! لاہور میں [illegible] تلاش [illegible]۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "میں ابھی جاتی ہوں۔"

شارق نے ماسی مہراں [illegible] ہدایت دی [illegible] روانہ ہو گئی۔ شارق کی ہدایت پر اس نے مکان کو باہر سے تالا لگا دیا تھا۔

ماسی مہراں کے جانے کے بعد شارق نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر گزشتہ رات زخم سے خون زیادہ بہہ جانے اور تیز بخار کی وجہ سے اس میں ایک دم کمزوری آ گئی تھی۔ ہلکا سا بخار اب بھی موجود تھا۔ شارق نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور [illegible] ایک بار پھر تلخ خیالات کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ [illegible] اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ شہینہ کسی حالت میں بھی ہو اس نے یقیناً یہ سمجھا ہو گا کہ شارق [illegible] تھا تو مقابلہ کرنے کے بجائے اسے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا لیکن شارق [illegible] چھوڑ کر نہیں بھاگا تھا۔ اس نے خود رہ [illegible] اختیار [illegible] پیٹھ [illegible] عرصے [illegible] تھا۔ البتہ اس نے یہ تصدیق نہیں کی تھی کہ وہ وقتی بھاگ [illegible] تصدیق کے لئے وہاں رکنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ خود ان کی گولیوں کا نشانہ [illegible]

شارق شہینہ کے بارے میں [illegible] سوچنا [illegible] کے بعد باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور [illegible] ماسی مہراں [illegible] داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر [illegible] دیکھ کر شارق بھی [illegible] ہو گیا۔

"کیا ہوا ماسی۔ [illegible] نہیں ملے؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں [illegible] مکان [illegible] تالا [illegible] ہاتھ سے

aazzamm@yahoo.com

گیا۔

"مکان وہی تھا نا تم کسی دوسری جگہ تو نہیں چلی گئی تھیں؟" شارق بولا۔

"نہیں پتر' مکان وہی تھا۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "دروازے کے سامنے نیم کا درخت ہے نا اور باہر کا گیٹ ہرے رنگ کا ہے۔"

"ہاں ماسی' مکان تو وہی ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر ثمینہ وہاں نہیں پہنچی تو اس کا مطلب ہے کہ...."

"کچھ کرو پتر۔" ماسی مہراں بولی۔ "وہ تو اتنی اچھی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی' خوبصورت۔ وہ میرے پاس چند گھنٹے ہی رہی تھی لیکن مجھے بڑی اچھی لگی تھی۔ اگر وہ ماجھا گجر کے ہاتھ آ گئی تو وہ لوگ تو اس کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔"

"کچھ کرنا ہی پڑے گا ماسی۔ اسے اس طرح تنہا تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اور اگر ماجھا گجر نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد تم ذرا ڈیرے پر جا کر گامے کو بلا لانا۔"

"ٹھیک ہے پتر۔ میں بلا لاؤں گی۔" ماسی مہراں نے کہا۔

ماسی مہراں گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی اور شارق بستر پر لیٹا ثمینہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ اس کے لئے یہ خیال ہی لرزا دینے والا تھا کہ اگر ثمینہ ماجھا گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی ہے تو ثمینہ کا کیا حشر ہوا ہو گا۔

شام کو ڈاکٹر انور آ گیا۔ اس نے شارق کو چیک کیا کچھ دوائیں وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"بخار اب بہت معمولی سا ہے' کل صبح تک بالکل اتر جائے گا۔ البتہ کمزوری ہے اسے دور ہونے میں چند روز لگیں گے۔ دو چار روز مکمل آرام کرو اور یہ دوائیں استعمال کرتے رہو۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ڈاکٹر انور نے اسے دواؤں کے استعمال کے بارے میں بتایا اور قریب کھڑی ہوئی ماسی مہراں کو اس کے کھانے وغیرہ کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

شام کی چائے شارق اور ڈاکٹر انور نے اکٹھے ہی پی تھی اور پھر ڈاکٹر انور کے جانے کے بعد تقریباً آٹھ بجے ماسی مہراں گامے کو بلانے کے لئے چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ گاما بھی اس کے ساتھ تھا۔

"کیا ہوا شارق باؤ؟" گاما اسے دیکھتے ہی بولا۔ "سارا دن گزر گیا تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں۔ پیغام ہی بھیج دیتے تو ماجھے گجر کو ہم اب تک ٹھکانے لگا چکے ہوتے۔"

"میں تو رات سے یہاں بے بس پڑا ہوں لیکن تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تمہیں کچھ پتہ

چل گیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"ہمیں تو آج صبح نو بجے پتہ چل گیا تھا۔" گامے نے کہا۔ "وہ لڑکی کون تھی شارق باؤ.... وہ تو بڑی بہادر نکلی...."

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تو تمہیں ابھی تک پتہ نہیں چلا؟" گامے نے پوچھا۔

"میں تو صبح سے یہاں پڑا بخار میں تپ رہا ہوں۔ اس لڑکی کے بارے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جسے تم لڑکا بنا کے لائے تھے نا ڈیرے پر....وہی ثمینہ۔" گامے نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "وہ رات کو ماجھے گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ وہ لوگ اسے ماجھے کی نہر والی کوٹھی پر لے گئے تھے۔"

"نہر والی کوٹھی؟" شارق چونک گیا۔

"گلبرگ والی نہر کے کنارے اس نے نئی کوٹھی بنائی ہے اور مجھے بھی اس کے بارے میں آج ہی پتہ چلا ہے۔" گامے نے بتایا۔ "بہرحال۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ماجھا گجر بھی وہاں موجود تھا۔ وہ بھی اسے آدمی ہی سمجھ رہا تھا لیکن جب اس کے آدمی اکو نے اس سے تمہارے بارے میں پوچھنے کے لئے اس پر تشدد شروع کیا تو اس کی قمیض پھٹ گئی تب پتہ چلا کہ وہ لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ ماجھے گجر نے ثمینہ سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے تمہارے بارے میں بتا دے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مگر ثمینہ نے تمہارے بارے میں بتانے کے بجائے ایک جھوٹی کہانی سنا دی۔ ماجھا گجر اس کے ذریعے تمہیں بلیک میل کرنے کا پروگرام بنانے لگا۔ وہ ثمینہ کو کوٹھی میں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہاں اس کی نگرانی کے لئے اکو اور کوٹھی کا چوکیدار تھا۔ مگر ثمینہ رات کو اکو کو قتل کر کے کوٹھی سے فرار ہو گئی۔"

"کیا....؟" شارق اچھل پڑا۔ اس کے لئے یہ انکشاف خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ ثمینہ ماجھے گجر کے آدمی کو قتل کر کے بھاگ گئی تھی۔ "یہ....یہ تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے گامے کی طرف دیکھا۔

"مہر نے۔" گامے نے جواب دیا۔ "رات کو وہ بھی گجر کی کوٹھی میں موجود تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ ثمینہ مرد نہیں عورت ہے تو اس کی رال ٹپک پڑی تھی۔ وہ ثمینہ کے ساتھ رات گزارنا چاہتا تھا مگر ماجھے گجر نے اسے بھگا دیا۔ جس پر مہر کو غصہ آ گیا اور آج صبح ہی اس نے ڈیرے پر آ کر مجھے سب کچھ بتا دیا۔ میں تو تمہارے بارے میں پریشان ہو رہا تھا کہ تم کہاں غائب

aazzamm@yahoo.com

AZAM

aazzamm@yahoo.com

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ کوچوان باہر سے دوڑتا ہوا آیا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا سراج۔ تمہارے پیچھے کتے لگے ہوئے ہیں کیا؟" گاما نے اسے گھورا۔

"ماجھا گجر کے آدمی چاروں طرف سے طویلے کو گھیرے میں لے رہے ہیں۔" سراج نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ!" گاما ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"شارق باؤ.... تم ثمینہ کو لے کر مزار میں چلے جاؤ اور نوکھے تم میرے ساتھ آؤ۔" گاما نے کہا۔

شارق کمرے سے نکلا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر مزار کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ وہ مزار والے چبوترے پر پہنچے ہی تھے کہ فائرنگ شروع ہو گئی۔ ثمینہ کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ اگر رات کا اندھیرا نہ ہوتا تو شاید انہیں بھی گولیوں کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے مزار میں داخل ہو گیا اور پھر اس نے تہہ خانے کا خفیہ راستہ کھول دیا۔

قبر کا تعویذ صندوق کے ڈھکنے کے طرح کھلتا دیکھ کر ثمینہ کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ شارق اسے لے کر قبر میں اتر گیا۔ ثمینہ کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ دونوں جیسے ہی نچلی سیڑھیوں پر پہنچے قبر کا تعویذ بند ہو گیا۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں اترتا چلا گیا اور جب وہ تہہ خانے میں پہنچے تو یہاں اسلحہ کی پیٹیاں اور الماریوں میں سجے ہوئے ہیروئن کے پیکٹ دیکھ کر حیرت کی زیادتی سے ثمینہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے مڑ کر شارق کی طرف دیکھا۔ شارق کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی.....!!!

○

ماجھا گجر واقعی پاگل ہو گیا تھا۔

اسے صبح چار بجے اکو کے قتل اور ثمینہ کے فرار کی اطلاع ملی تھی۔ وہ اس وقت داروغہ والا میں حاجی کی کوٹھی پر تھا۔ حاجی سے پروگرام کل شام ہی سے طے تھا دراصل اس نے حاجی کے ساتھ مل کر بھی کچھ کاروبار شروع کر رکھا تھا اور اس رات ان کا کچھ مال سرحد پار جانے والا تھا۔ حاجی اور اس نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ مال کی روانگی سے ایک گھنٹہ پہلے سرحد کے ایک مخصوص مقام پر تعینات سرحدی محافظوں سے ملاقات کر کے اپنے آدمیوں کو گرین سگنل دیں گے اور ان کے آدمی مال لے کر سرحد پار کر جائیں گے۔ سرحدی محافظوں سے معاملہ پہلے ہی سے طے تھا صرف گرین سگنل لینا تھا تاکہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے سرحد پار مال وصول کرنے کے لئے ان کے بھارتی ایجنٹ موجود ہوتے تھے۔ ان کا مال برقی کی طرف سے جانے والا تھا برقی سے ذرا آگے سرحد پار کر کے مال بھارتی ایجنٹوں کے حوالے کر دیا جاتا جو ترن تارن سے ہوتے ہوئے دہلی کی طرف نکل جاتے۔

حاجی سے ماجھے گجر کا یہ پروگرام طے ہو رہا تھا کہ اکو ایک بجے اس کی کوٹھی پہنچ جائے گا یہاں سے وہ ماجھا کی گاڑی پر برقی کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اکو کو بھی ماجھے کے ساتھ جانا تھا اور ماجھا گجر نہر والی کوٹھی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس روز صبح اکو نے ہی اسے اطلاع دی تھی کہ شارق کو ایک خوبرو نوجوان کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور اکو نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام تک انہیں تلاش کر کے ماجھے کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔

شام تک تو اکو شارق کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ دس بجے کے قریب ایک آدمی نے آ کر اطلاع دی کہ شارق اسی خوبرو نوجوان کے ساتھ گلبرگ میں مین روڈ پر واقع کباڑیئے میں گیا ہے اس وقت ماجھا گجر بھی کوٹھی میں موجود تھا اور وہ جانتا تھا کہ کباڑیئے میں جانے والا کوئی شخص ایک گھنٹے سے پہلے واپس نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہاں گاہکوں کی اتنی لمبی لائن لگی ہوتی تھی کہ اپنی باری کا انتظار کرنے میں ایک گھنٹہ تو لگ ہی جاتا تھا۔ ماجھا گجر نے دو اور آدمی اکو کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ اس طرح اطلاع دینے والے سمیت ان کی تعداد چار ہو گئی۔

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

aazzamm@yahoo.com

کم سے کم چار لاکھ روپے منافع کی توقع تھی دو لاکھ حاجی کے حصے میں آتا اور دو لاکھ ماجھا گجر کے حصے میں۔ ایک رات کا یہ منافع خاصا معقول تھا اتنا ہی مال اگلی رات بھی جانے والا تھا۔

وہ لوگ جب حاجی کی کوٹھی پر واپس پہنچے تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ ماجھا گجر بری طرح تھک گیا تھا حالانکہ وہ اس قسم کی بھاگ دوڑ کا عادی تھا لیکن آج اس پر تھکن سوار ہو گئی تھی۔ حاجی کی کوٹھی پر واپس آ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی وہ صوفے پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ حاجی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"کیا بات ہے یار حاجی!" وہ اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔ "کیا قیامت آ گئی ہے سونے کیوں نہیں دیتے۔"

"بلو آیا ہے۔" حاجی نے کہا۔ "وہ جو خبر لے کر آیا ہے تمہارے لئے قیامت سے کم نہیں ہو گی۔"

"بلو!" یہ نام سنتے ہی ماجھے گجر کے دماغ پر طاری نیند کا خمار غائب ہو گیا۔ بلو اس کی نہر والی کوٹھی کا چوکیدار تھا وہ اکو اور بلو کو بتا کر آیا تھا کہ حاجی کی طرف جا رہا ہے اور رات اسی کے ساتھ رہے گا۔ اکو کو تو معلوم ہی تھا کیونکہ وہ تو خود بھی اس کے ساتھ جانے والا تھا لیکن ثمینہ کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ گیا تھا اور اس وقت بلو کی آمد کا سن کر ماجھے کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ "کہاں ہے بلو... کیا خبر لایا ہے وہ!" ماجھا کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھ گیا۔

"باہر برآمدے میں کھڑا ہے۔ جا کر پوچھ لو۔" حاجی نے کہا۔

ماجھا گجر ننگے پاؤں ڈرائنگ روم سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ بلو برآمدے کے ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ ماجھے کو دیکھ کر ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"کیا بات ہے بلو... کیا ہوا؟" ماجھے نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"استاد وہ..." بلو کہتے کہتے رک گیا اس کے چہرے پر عجیب سے خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔

"بتاتا کیوں نہیں۔ کیا بات ہے؟" ماجھے نے اسے گھورا۔

"استاد! اکو قتل ہو گیا ہے۔" بلو نے رک رک کر کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو!" ماجھا گجر دھاڑا... "کس نے قتل کیا اسے! کوٹھی پر حملہ ہو گیا تھا کیا؟"

"نہیں استاد۔" بلو نے جواب دیا۔ "لڑکی نے اسے گلا گھونٹ کر مار دیا ہے اس کے گلے میں رسی لپٹی ہوئی تھی۔"

"کیا بک رہے ہو۔" ماجھا گجر بھنا گیا۔ "وہ کمزور اور معمولی سی بزدل لڑکی اکو جیسے آدمی کا گلا کیسے گھونٹ سکتی ہے۔"

"پتہ نہیں استاد یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔" بلو نے جواب دیا۔ "کتوں کے بھونکنے کی آواز سن کر میں کوٹھی کے پچھلی طرف گیا تھا۔ کتے اوپر کی طرف منہ اٹھا کر بھونک رہے تھے۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہ لڑکی چھت کے راستے ٹاہلی کی شاخوں کے ذریعے کوٹھی کی دیوار کے باہر کودنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے گولی چلا دی مگر وہ دیوار کے باہر چھلانگ لگا چکی تھی۔ اس وقت میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ یہ وہی لڑکی تھی جسے اکو پکڑ کر لایا تھا میں اسے کوئی چور ہی سمجھا تھا میں چور چور کا شور مچاتا ہوا کوٹھی سے باہر نکل کر بھاگا۔ دوسری کوٹھیوں سے بھی کچھ لوگ شور سن کر باہر آ گئے تھے۔ وہ بھی اسے تلاش کرنے لگے۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ اتنے شور کے باوجود اکو باہر نہیں نکلا تھا۔ میں واپس آ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی میں اندر کود گیا۔ وہ لڑکی اندر کہیں بھی موجود نہیں تھی۔ پھر جب میں تمہارے کمرے میں داخل ہوا تو بستر پر اکو کی لاش پڑی تھی۔ اس کے گلے میں رسی لپٹی ہوئی تھی اور زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں اس کی شکل دیکھ کر ہی ڈر گیا تھا استاد۔"

"میرے کمرے میں.... میرے بستر پر۔" ماجھا گجر بڑبڑایا۔

"ہاں استاد۔ وہ لاش اب بھی وہیں پڑی ہے۔" بلو نے جواب دیا۔

"وہاں کون ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"گیٹ پر ساتھ والی کوٹھی کا چوکیدار ہے استاد! دو تین اور آدمی بھی ہیں۔ میں نے چوکیدار کو منع کر دیا تھا کہ کسی کو اندر نہ جانے دے۔" بلو نے بتایا۔

"کسی کو بتایا تو نہیں کہ کوٹھی میں کوئی لڑکی بھی موجود تھی؟" گجر نے پوچھا۔

"نہیں استاد۔" بلو نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے لوگوں سے یہی کہا تھا کہ چور کوٹھی میں گھس گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے چلو میرے ساتھ۔" ماجھا گجر نے کہا۔ اور ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

حاجی اب بھی ڈرائنگ روم میں کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟ کس نے قتل کیا ہے اکو کو؟" اس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں یار ہر بازی الٹی پڑ رہی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں اس وقت تو جا رہا ہوں۔ بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔" ماجھا گجر نے کہتے ہوئے جوتے پہنے اور باہر آ گیا۔

بلو کسی پڑوسی کی موٹر سائیکل لے کر آیا تھا جو کوٹھی کے باہر کھڑی تھی۔ بلو باہر چلا گیا اور

aazzamm@yahoo.com

[illegible]

[illegible] کی طرف [illegible] ان میں سے [illegible] دشواری پیش [illegible] تھی۔ [illegible] تک [illegible] وقت [illegible] گا تھا۔

[illegible] کے گیٹ کے سامنے پڑوسیوں [illegible] تھے۔ وہ [illegible] کے پاس کی [illegible] کے ملازم ہی تھے۔ ماجھا گجر [illegible] تقریباً دوڑتا ہوا [illegible] میں داخل ہوا۔ [illegible] بھی [illegible] کرنے اس کے پیچھے دوڑا۔

ماجھا گجر اپنے بیڈ روم میں گیا تو اسے [illegible] کی طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ بیڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی [illegible] کی ایک ٹانگ نیچے لٹکی ہوئی تھی اور باقی جسم بستر پر تھا۔ اس نے [illegible] رنگ [illegible] لپٹی ہوئی تھی۔ اس سے اس کی بیٹی کھیلا کرتی تھی۔ [illegible] ہونٹ [illegible] تھے [illegible] اور گردن پر بھی [illegible] ہوا تھا اور خون کا ایک [illegible] بھی تھا۔ [illegible] جانے سے پھیپھڑے [illegible] گئے تھے اور جب اسے چھوڑا گیا تھا تو خون بہہ نکلا تھا۔

ماجھا گجر کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ سب [illegible] ہوا ہو گا۔ ثمینہ [illegible] تھی۔ رات کو قریبی [illegible] کی کوشش میں [illegible] ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر اکو جیسے شخص کو اپنے عملی جدوجہد پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہو گا۔ [illegible] سے [illegible] فائدہ اٹھاتے ہوئے ثمینہ کو اپنے [illegible] کی کوشش کی ہو گی۔ [illegible] تھا اور [illegible] ہے ثمینہ اپنی مرضی سے اس کمرے میں نہیں آئی ہو گی لیکن وہ اکو کا [illegible] کرنے سے [illegible] نہیں آئی ہو گی۔ اسے جب پتہ چلا ہو گا کہ [illegible] کیلا ہے تو اس نے بھی کوئی منصوبہ بنایا ہو گا اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب رہی تھی۔ اس کی بیٹی کے کھیلنے کی [illegible] بیڈ پر پڑی تھی۔ ثمینہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور [illegible] سے اکو کا گلا [illegible] بھاگ گئی تھی۔

ماجھا گجر کمرے سے باہر آ گیا۔ [illegible] میں کھڑا تھا۔

"سیڑھیوں کا اوپر کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ استاد [illegible] نے [illegible] کرتے ہوئے [illegible] اکو کو قتل کرنے کے بعد وہ اس طرف سے بھاگی تھی۔"

ماجھا گجر چھت پر گیا۔ نالی کی ایک [illegible] شاخ چھت تک پہنچی ہوئی تھی۔ ماجھا گجر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ نے اکو کو قتل کرنے کے بعد فرار [illegible] کیا تھا۔ وہ چھت پر ادھر ادھر دیکھتا ہوا دوبارہ نیچے آ گیا۔

"پولیس کو اطلاع دی؟" اس نے [illegible] پوچھا۔

"نہیں مالک۔" [illegible] نے جواب دیا۔ "پہلے [illegible] میں لوگوں نے [illegible] کی تلاش کرنے [illegible] کرتا رہا پھر تمہیں بتانے کے لئے چلا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پولیس کو اطلاع دیتا ہوں۔" اور ایک پت [illegible] ماجھے نے [illegible] کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رات کو یہاں کوئی لڑکی نہیں آئی تھی۔ وہ کوئی چور تھا جو درختوں کے ذریعے چھت کے راستے اندر داخل ہوا تھا۔ وہ چوری کرنے کی نیت سے آیا تھا لیکن کمرے میں سوئے ہوئے اکو کی آنکھ کھل گئی۔ چور نے اکو کی رسی سے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور چھت ہی کے راستے درختوں کے ذریعے فرار ہو گیا تھا کہ کتوں کی آواز سن کر تم اس طرف متوجہ ہوئے تم نے راستے پر چور کو دیکھ کر پہلے للکارا پھر گولی چلا دی لیکن چور دیوار کے دوسری طرف کود کر بھاگ نکلا۔ تم محلے کے لوگوں کے ساتھ چور کو تلاش کرتے رہے پھر واپس آ کر کوٹھی میں داخل ہوئے تو یہاں اکو کی لاش پڑی تھی۔ تم مجھے اطلاع دینے کے لئے چلے گئے۔ سمجھ گئے؟"

ماجھا گجر ڈرائنگ روم میں آیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر مقامی پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ یہ ٹیلی فون ابھی تین دن پہلے ہی لگا تھا۔ وہ پولیس کو اطلاع دینے کے بعد ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اکو جیسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ بظاہر نازک اور [illegible] نظر آنے والی لڑکی کس قدر چالاک اور خطرناک ثابت ہوئی تھی۔ ماجھے کو اپنی حماقت پر [illegible] آ رہا تھا۔ اس نے ثمینہ کو محض ایک کمزور اور ڈرپوک سی عورت سمجھ لیا تھا جو اس کے سامنے خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ لیکن شاید وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ شارق کی ساتھی تھی۔

شارق کا خیال آتے ہی اس کے دماغ میں لاوا سا کھولنے لگا۔ وہ پے در پے اسے غلطیاں کر رہا تھا۔ وہ شارق کو اپنے سامنے جھکانے کے لئے چالیں چل رہا تھا۔ لیکن نہ صرف یہ کہ ہر چال ناکام ہو رہی تھی بلکہ بازی اسی کے خلاف پلٹ رہی تھی۔

سب سے پہلے اس نے نکا پہلوان کو پکڑا تھا۔ وہ نکا پہلوان کے ذریعے شارق کا خفیہ ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتا تھا مگر نکے پہلوان نے جان دے دی تھی شارق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ نکا پہلوان کی لاش گاؤں والے ڈیرے پر گوبر میں دبا دی گئی تھی۔ لیکن دو دن بعد ہی پولیس نے اس کے گاؤں والے ڈیرے پر چھاپہ مار کر لاش دریافت کر لی تھی اور اس کے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اسی روز پولیس کو داروغہ والا سے شادی پور کی طرف جانے والی سڑک پر ٹیکریوں کے پیچھے کھیتوں سے ایک آدمی کی لاش ملی تھی جسے باغبانپورہ کے بدمعاش اور ممنوعہ فروش گلے کی ثبوت سے شناخت کر لیا گیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

ماجھا گجر صرف چند گھنٹوں کے لئے روپوش رہا تھا اس نے پولیس کو چڑھاوا چڑھا کر ان کی تسلی کرا دی تھی کہ وہ کئی روز سے گاؤں والے ڈیرے پر نہیں گیا تھا۔ اور یہ کہ نکا پہلوان کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے اپنے گرفتار ہونے والی آدمیوں کو بھی تسلی دی تھی کہ وہ پریشان نہیں ہوں وہ زیادہ دیر تک اندر نہیں رہیں گے۔

ماجھا گجر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس کے گاؤں والے ڈیرے پر پولیس کے چھاپے اور بگے کے قتل میں شارق کا ہاتھ ہے بگا کسی طرح شارق کے ہاتھ لگ گیا ہو گا اور شارق نے اس سے نکے کے بارے میں معلوم کر لیا ہو گا۔ پھر اسے بھی قتل کر کے لاش کھیتوں میں پھنکوا دی۔

ماجھا گجر اس صدمے سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے نسبت روڈ والے اڈے پر پولیس نے ہلہ بول دیا اس و وہ خود بھی اس اڈے پر موجود تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ مقامی تھانے کی پولیس کے دو چار کانسٹیبل چڑھ دوڑے ہوں گے لیکن اسے جلد ہی پت گیا کہ یہ چھاپہ ایک اعلیٰ پولیس افسر کی سرکردگی میں مارا گیا تھا اور اس میں پولیس کے دو چار نہیں کم از کم دو درجن مسلح آدمی شامل تھے۔ مقابلے کے دوران ہی پولیس کو مزید کمک پہنچ گئی۔

اس دوران ماجھے گجر کے دو آدمی مارے جا چکے تھے۔ ماجھا اور اس کے باقی ساتھی بری طرح گھیرے میں آ گئے تھے۔ ماجھے نے یکے بعد دیگرے دو دستی بم پولیس کی طرف پھینکے تھے۔ جن میں سے ایک تو پھٹ نہیں سکا تھا۔ دوسرا بم پھٹا تو پولیس والے بھی گڑبڑا گئے تھے اور ماجھا اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو ساتھیوں سمیت عقبی سمت سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس چھاپے کے بعد ماجھے گجر نے اپنی اس کوٹھی میں پناہ لی تھی۔ کیونکہ یہ اس کے خیال میں محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔

اس دوران ماجھا گجر ایک طرف مختلف آدمیوں کو بیچ میں ڈال کر پولیس سے مک مکا کی کوشش کرتا رہا اور دوسری طرف اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے شارق کی تلاش جاری رکھی.... پولیس سے تو مک مکا ہو گیا لیکن شارق کا کئی روز گزرنے کے بعد بھی کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ تو اس طرح غائب ہوا تھا جیسے اس دنیا میں اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

اور گزشتہ رات اس کا سراغ ملا بھی تو اس کے آدمی اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اس کے برعکس اکو کے کہنے کے مطابق وہ ان کے ایک آدمی کو مار کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا مانجھے کے آدمی شارق کے ساتھی کو پکڑ لائے تھے جو مرد کے بجائے عورت ثابت ہوئی تھی۔ ماجھا اسے ایک کمزور اور ڈرپوک عورت سمجھ کر اکو کی نگرانی میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جو اس کی

توقع سے کہیں زیادہ چالاک نکلی اور اکو کو قتل کر کے فرار ہو گئی۔ اس طرح گزشتہ رات بھی اس کے دو آدمی مارے گئے تھے اور ان دونوں کا قتل وہ شارق کے کھاتے میں ڈال رہا تھا۔

ماجھا گجر یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر سے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔

"چوہدری صاحب... کہاں ہو بھئی۔ یہ سب کیا ہو گیا ہے؟"

وہ ماجھے کی ساتھ والی کوٹھی میں رہنے والے غفور بٹ کی آواز تھی۔ غفور بٹ کپڑے کا ہول سیل بیوپاری تھا۔ اس کی دکان اعظم کلاتھ مارکیٹ میں تھی۔ ماجھا گجر نے یہاں اپنے آپ کو چوہدری معراج دین کے نام سے متعارف کرا رکھا تھا اور بتایا تھا کہ وہ زمینداری کرتا ہے۔ یہاں کوئی اس کی اصلیت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ یہاں سب ہی کاروباری لوگوں کی کوٹھیاں تھیں۔ شریف لوگ تھے اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ صبح جاتے اور رات کو گھروں کو لوٹتے اس کوٹھی میں منتقل ہونے کے بعد ایک دو پڑوسیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ جب بھی اس کوٹھی میں آتا ٹھیک ٹھاک حلیے میں آتا۔

"آؤ... آؤ بٹ صاحب۔" ماجھا راہداری سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔

"یہ کیا گڑبڑ ہو گئی چوہدری صاحب۔ پولیس کو اطلاع دی یا نہیں؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"میں نے ٹیلی فون کر دیا ہے میرا خیال ہے پولیس پہنچنے والی ہو گی۔" ماجھے نے جواب دیا۔

"لیکن یہ ہوا کیسے؟ چور اندر کیسے گھس گیا۔" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے چھت والا دروازہ رات کو کھلا رہ گیا تھا۔ چور درختوں کی شاخوں کے راستے چھت پر آیا اور پھر نیچے پہنچ گیا۔ میرا ملازم اندر سو رہا تھا۔ شاید آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی لیکن چور نے شاید اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور گلے میں رسی لپیٹ کر گلا گھونٹ دیا اور پھر غالباً ڈر کر اسی وقت بھاگ گیا تھا اسے کچھ چرانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔" ماجھے گجر نے جواب دیا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" بٹ صاحب نے کہا۔ "رات کو شور کی آواز سن کر میں بھی باہر آ گیا تھا لوگوں نے چور کا پیچھا تو کیا مگر وہ قابو نہیں آ سکا۔ میں نے آپ سے ایک مرتبہ پہلے بھی کہا تھا کہ پیچھے والی ٹاہلیوں کی کم از کم دو شاخیں کٹوا دیں مگر آپ ٹھہرے زمیندار لوگ درختوں کو کٹوانا گناہ سمجھتے ہیں۔"

"میں نے بھی کئی مرتبہ ان شاخوں کو کٹوانے کے بارے میں سوچا تھا مگر بات آج کل پر ٹلتی رہی۔ جس کا نتیجہ اس وقت بھگتنا پڑ رہا ہے۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ گیٹ کے سامنے پولیس کی جیپ آ کر رکی۔ ایک سب انسپکٹر

aazzamm@yahoo.com

اور چار پانچ پولیس والے جیپ سے اتر کر اندر آ گئے۔ بٹ صاحب پولیس کو دیکھ کر کھسک گئے..... ماجھا گجر کچھ دیر تک برآمدے ہی میں کھڑا سب انسپکٹر سے باتیں کرتا رہا پھر انہیں لے کر اندر آ گیا۔

سب انسپکٹر لاش اور کمرے کا معائنہ کرتا رہا۔ چوکیدار کو بھی اندر بلا لیا گیا تھا۔ بلو بڑی مہارت سے پولیس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ سب انسپکٹر کمرے سے نکل کر چھت پر آ گیا۔ اس نے چھت والے دروازے کا بھی اچھی طرح معائنہ کیا اور اس جگہ کا بھی جہاں ٹاہلی کی شاخیں چھت تک پہنچی ہوئی تھیں۔

سب انسپکٹر نے اس کوٹھی کے آس پاس جو لوگ بھی ملے ان کے بیانات قلم بند کر لئے۔ جس سے وہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ رات کو چور اس کوٹھی میں داخل ہوا تھا جو کوٹھی کے ایک ملازم کو قتل کر کے کچھ چرائے بغیر فرار ہو گیا۔ اور جب لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوائی جانے لگی تو ماجھا گجر نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لاش کی بے حرمتی ضرور کرنی ہے۔ مر گیا بیچارہ..... اب اس کی چیر پھاڑ تو نہ کی جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن دوسری قانونی کارروائی پوری کرنی ہو گی۔ میرا مطلب ہے اس کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور....."

"آپ قانونی کارروائی کر لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ماجھا گجر نے اس کی بات کاٹ دی۔

پولیس نو بجے وہاں سے رخصت ہوئی تھی ماجھا گجر ان کے ساتھ ہی گیا تھا۔ اور اکو کی لاش کے سلسلے میں قانونی کارروائی مکمل ہونے سے پہلے یہ خبر زیر زمین دنیا میں پھیل چکی تھی کہ ماجھے کے بندے اکو کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اور پھر لاہور کی زیر زمین دنیا سے تعلق رکھنے والوں سے یہ بات بھی چھپی نہیں رہ سکی کہ اکو کو کسی چور نے نہیں ایک لڑکی نے قتل کیا تھا اور وہ لڑکی شارق کی ساتھی تھی۔ ثمینہ کے حوالے سے زیر زمین دنیا میں یہ خبر پھیلانے میں مہر نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

ماجھا گجر نے وہ ایک دن تو خاموشی سے گزار دیا پھر اڑیل بھینسے کی طرح پھنکارتا ہوا پورے شہر میں دندنانے لگا۔ اس نے اپنے سارے آدمی پورے شہر میں پھیلا دیئے تھے جو شکاری کتوں کی طرح شارق اور ثمینہ کی بو سونگھتے پھر رہے تھے لیکن ان دونوں میں سے کسی کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔

ماجھے کی وہ کوٹھی بھی اب خفیہ نہیں رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ تو شارق کا سراغ نہیں لگا سکا لیکن شارق کو اس کوٹھی کے بارے میں اسی رات پتہ چل گیا ہو گا جب ثمینہ' اکو کو قتل کر

کے فرار ہوئی تھی۔

چوتھے روز کسی نے ماجھے گجر کو اطلاع دی کہ شارق اور ثمینہ گلشن راوی کے ایک مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ مکان شارق کے ایک ایجنٹ حفیظ کی ملکیت تھا جو گلشن راوی' سمن آباد موڑ اور بھلا اسٹاپ کے آس پاس گھوم پھر کر دھندہ کرتا تھا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا تھا کہ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اسے شبہ ہے کہ اس نے شارق کو حفیظ کے مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی جس نے برقعہ پہن رکھا تھا۔

ماجھا گجر اپنے تین آدمیوں کو لے کر اسی رات حفیظ کے مکان پر چڑھ دوڑا تھا۔ رات دو بجے کا وقت تھا۔ حفیظ مکان کی چھت پر سو رہا تھا۔ نیچے شور کی آواز سن کر وہ سمجھا کہ پولیس نے چھاپہ مارا ہے۔ وہ چھت ہی سے دوسرے مکان کی چھت پر کود کر بھاگ نکلا ماجھا گجر اور اس کے ساتھی دندناتے ہوئے مکان کی تلاشی لے رہے تھے۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ حفیظ بھاگ گیا ہے۔

ثمینہ اور شارق تو اس مکان میں نہیں ملے البتہ حفیظ کی بیوی اور نو عمر بیٹا ماجھے کے قابو میں آ گئے۔

"تمہارا خصم مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اسے تو میں تلاش کر لوں گا۔ لیکن تم اگر اپنی اور اپنے بیٹے کی خیریت چاہتی ہو تو میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو انکار یا غلط بیانی کی صورت میں پہلے میں تمہارے بیٹے کی کھوپڑی میں گولی ماروں گا اور پھر تمہاری باری آئے گی۔" ماجھا گجر نے کہا اس کے لہجے میں بھیڑیئے کی سی غراہٹ تھی۔

"نن..... نہیں۔ خدا کے لئے ہمیں چھوڑ دو۔" حفیظ کی بیوی گڑگڑائی۔

"اگر تم یہ بتا دو کہ شارق اور ثمینہ کہاں ہیں تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"یہ کون ہیں میں ان کو نہیں جانتی۔" حفیظ کی بیوی نے کہا۔

"شارق' حفیظ کا گرو ہے اور ثمینہ اس کی داشتہ۔ وہ دونوں کل یہاں آئے تھے کہاں گئے وہ؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ وہ کون تھے؟" حفیظ کی بیوی نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ..... وہ دونوں میاں بیوی رائے ونڈ سے آئے تھے۔ رات یہاں رہے اور آج دوپہر کو چلے گئے۔ حفیظ نے بتایا تھا کہ وہ اس کا دوست ہے۔"

"کہاں گئے وہ؟" گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" حفیظ کی بیوی نے جواب دیا۔ "دوپہر کی روٹی کھا کر گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ پہلے داتا دربار جائیں گے۔ سلام کرنے پھر بازار سے کچھ چیزیں خریدنے کے بعد

aazzamm@yahoo.com

رائے ونڈ واپس چلے جائیں گے میں..... میں سچ کہتی ہوں۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ حفیظ کے ساتھ پہلی دفعہ یہاں آئے تھے۔ خدا کے لئے ہمیں کچھ مت کہنا..... میرے بیٹے کو چھوڑ دو.....۔"

ماجھا گجر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ لیکن اسے ایک سراغ مل گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ثمینہ اور شارق ہی تھے اور ان کے بارے میں حفیظ ہی بتا سکتا تھا۔ وہ ان ماں بیٹے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

دوسرے دن حفیظ ماجھا گجر کے ہاتھ لگ گیا۔ حفیظ نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ اس کا ایک دوست تھا جو اپنی بیوی کے ساتھ رائے ونڈ سے آیا تھا اور رات اس کے گھر رہنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کو وہ چلے گئے تھے۔ مگر ماجھا گجر اس کی بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"اسے پھجے کے ڈیرے پر لے چلو۔ میں بھی ایک ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ پھر اس سے پوچھوں گا کہ وہ دونوں کون تھے اور شارق کہاں ہے۔" ماجھا گجر نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

حفیظ کو انہوں نے کشمیری بازار سے پکڑا تھا اور وہیں سڑک پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ماجھا گجر تو دلی دروازے کی طرف چلا گیا اور اس کے آدمی حفیظ کو لے کر وسن پورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماجھا گجر دلی دروازے سے نکل کر لنڈا بازار میں آ گیا۔ یہاں وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا رہا اسے ایک آدمی کا انتظار تھا۔ ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی اس کا ملاقاتی نہیں آیا تو وہ بھی ہوٹل سے نکل کر باہر آ گیا۔

اک موریہ پل اور مصری شاہ سے ہوتے ہوئے وسن پورہ پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی اسے جس گلی میں جانا تھا وہ بہت تنگ تھی۔ اس نے کار باہر سڑک پر ہی روک کر لاک کر دی اور دو تین تنگ سی گلیوں میں ہوتا ہوا ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ دستک کے جواب میں دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا۔

وہ ایک پرانا سا مکان تھا۔ دروازہ ایک ادھیڑ عمر اور بھاری بھرکم عورت نے کھولا تھا۔ اس نے دوپٹے کو سر پر پٹی کی طرح باندھ رکھا تھا چہرے پر خباثت نمایاں تھی۔ اس کی آواز بھی پہاڑی کوے کی طرح بھاری اور بے سری تھی۔

"وہ لوگ کہاں ہیں؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"اس آدمی کو لے کر پچھلے کمرے میں گھس گئے ہیں۔ کون ہے وہ؟ کیوں لائے ہو اس کو؟"

عورت نے پوچھا۔

"جو بات سمجھ میں نہ آئے نا اس کے بارے میں سوال جواب مت کیا کرو۔" ماجھا گجر کہتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کے پیچھے بھی ایک کمرہ تھا۔ ماجھے نے دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں آدمی حفیظ سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ ان کا پوچھ گچھ کا طریقہ بہت ہی خوفناک تھا۔ اس کی قمیض اتری ہوئی تھی اور جسم پر تشدد کے کئی نشان نظر آ رہے تھے۔ ہونٹوں سے خون بھی بہہ رہا تھا۔

"کچھ بتایا اس نے..... کیا کہتا ہے یہ؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں استاد۔" اس کے ایک آدمی نے جواب دیا۔ "کہتا ہے مجھے شارق کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔"

"تو پتہ کرو اس سے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

وہ دونوں آدمی ایک بار پھر حفیظ پر پل پڑے۔ حفیظ بری طرح چیخ رہا تھا لیکن اس کی چیخیں اسی کمرے میں گھٹ کر رہ گئی تھیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک حفیظ کی پٹائی ہوتی رہی مگر وہ شارق کے بارے میں انکار ہی کرتا رہا۔

"اسے چھت سے الٹا لٹکا دو۔" ماجھا گجر نے کہا۔

حفیظ کو چھت سے الٹا لٹکا دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی پٹائی بھی ہوتی رہی۔ ماجھا گجر اور اس کے دونوں آدمی اس پر گھونسے اور ٹھوکریں برساتے رہے۔ ماجھا گجر پر جنون طاری تھا اور اس کے چہرے پر درندگی نمایاں تھی وہ حفیظ سے ہر قیمت پر شارق کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے زور دار ٹھوکر حفیظ کے سینے پر ماری۔ ٹھوکر ٹھیک دل پر لگی۔ حفیظ بری طرح تڑپنے لگا۔ ماجھے نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے حفیظ کو رسی سے کھول کر فرش پر ڈال دیا۔ وہ کچھ دیر تک فرش پر تڑپتا رہا پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

ماجھے نے اس کے جسم پر ایک اور ٹھوکر ماری۔ مگر حفیظ کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ وہ جھک کر اسے ٹٹولنے لگا اور پھر گہرا سانس لیتا ہوا سیدھا سا ہو گیا۔

"ختم ہو گیا۔" وہ اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اوئے تاجے! تم یہیں رہو گے اور شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اس کی لاش بوری میں بند کر کے شارق کے مزنگ والے اڈے کے سامنے پھینک دینا۔"

"ٹھیک ہے استاد۔" تاجے نے جواب دیا۔

"اچھو! تم میرے ساتھ آؤ۔" ماجھے نے دوسرے آدمی سے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

ماجھا گجر نے باہر جاتے ہوئے جیب سے ہزار روپے نکال کر اس عورت کے ہاتھ میں تھما دیئے اور اچھو کے ساتھ مکان سے باہر آ گیا۔

ماجھا گجر شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد نسبت روڈ والے ڈیرے پر آ گیا۔ چھاپہ پڑنے کے بعد پولیس سے مک مکا تو ہو گیا تھا مگر ماجھے نے اس ڈیرے پر ابھی اپنا دھندہ شروع نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ کبھی کبھی یہاں بیٹھنے لگا تھا۔

نو بجے کے قریب فیصل آباد سے اس کا ایک ایجنٹ آ گیا۔ اس نے باتیں کرتے ہوئے تھیلے میں سے کچھ چیزیں نکالیں تو ان میں تہہ کیا ہوا ایک اخبار بھی تھا۔ اخبار میز پر ماجھا گجر کے سامنے پڑا تھا۔ اخبار کے اوپر والے صفحہ پر ایک عورت کی تصویر دیکھ کر ماجھا گجر چونک سا گیا۔ اس نے اخبار اٹھا لیا اور تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون تھی۔ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ اس نے اخبار پوری طرح کھول لیا۔ تصویر کے ساتھ ہی دو کالمی خبر بھی تھی۔ وہ پڑھنے لگا۔

"گرلز کالج کی پروفیسر ثمینہ کا ابھی تک سراغ نہیں مل سکا۔"

"پولیس کو شبہ ہے کہ ثمینہ موٹر مکینک یوسف کے قتل میں ملوث ہے۔"

ماجھا گجر کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ نام پڑھتے ہی اسے یاد آ گیا تھا کہ اس لڑکی کو اس نے کہاں دیکھا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس کے آدمی مرد کے بھیس میں پکڑ کر لائے تھے اور پھر وہ رات کو اکو کو قتل کر کے کوٹھی سے فرار ہو گئی تھی۔ چہرے میں ذرا سا فرق تھا اور یہ فرق غالباً ثمینہ کے کٹے ہوئے بالوں کی وجہ سے تھا لیکن ماجھے نے اسے پہچان لیا تھا وہ پوری خبر پڑھتا چلا گیا۔

اس خبر کے مطابق ثمینہ پہلی مرتبہ اس وقت پولیس کی نظروں میں آئی تھی جب پولیس نے منشیات کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا تھا اور وہاں سے پولیس کو اس کا رجسٹر اور کتاب ملی تھی جس پر اس کا اپنا اور کالج کا نام لکھا ہوا تھا اس کے چند ہی روز بعد لاری اڈے پر ایک موٹر مکینک کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ تحقیقات کے بعد پولیس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ یوسف نامی مکینک کو شہر کے مشہور اور بدنام منشیات فروش نولکھا نے قتل کیا تھا اور شبہ ہے کہ ثمینہ بھی اس میں ملوث ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ دونوں پراسرار طور پر فیصل آباد سے غائب ہو گئے تھے۔ آخری اطلاع کے مطابق ثمینہ اور نولکھا کو آخری مرتبہ لاہور میں دیکھا گیا تھا۔ ثمینہ کے والد نے لاہور تھانے میں اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی ہے لیکن پولیس ابھی تک ثمینہ کا سراغ نہیں لگا سکی۔ پولیس کو شبہ ہے کہ ثمینہ بعض دیگر سنگین جرائم میں بھی ملوث ہو سکتی ہے۔

خبر پڑھ کر ماجھا گجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے اخبار میز پر رکھ دیا اور فیصل آباد سے آنے والے اپنے ایجنٹ غفورے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا قصہ ہے غفورے؟" اس نے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو فیصل آباد کا بڑا مشہور کیس ہے استاد۔" غفورے نے جواب دیا۔ "پولیس نے جب نولکھے کے ڈیرے پر چھاپہ مارا تھا تو یہ استانی بھی وہاں موجود تھی لیکن بھاگ نکلی۔ اپنی کتاب اور رجسٹر وہیں بھول گئی تھی۔ جو بعد میں پولیس کے ہاتھ لگ گیا تھا پولیس نے اس استانی سے رابطہ قائم کیا تو اس نے بتایا کہ اس کی کتاب اور رجسٹر کسی تانگے میں رہ گیا تھا جو بعد میں شاید کسی ایسے آدمی کے ہاتھ لگ گیا تھا جس کا تعلق منشیات کے اس اڈے سے تھا۔"

"اس کے بعد چند ہی روز بعد نولکھا کے ڈیرے سے ملحق ورکشاپ کے مالک یوسف کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ پولیس نے ورکشاپ میں کام کرنے والے دو مستریوں اور ایک دو اور آدمیوں کو شبہے کی بناء پر حراست میں لیا تھا لیکن بعد میں یہ انکشاف ہوا کہ اس قتل میں نولکھا کا ہاتھ ہے۔ اس دوران پولیس نے ایک بار پھر استانی ثمینہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔

اس کے فوراً ہی بعد استانی ثمینہ نے وہ مکان بدل لیا جہاں وہ پہلے رہتی تھی اس کے چند ہی روز بعد پولیس نے اس مکان کا بھی سراغ لگا لیا۔ اسی رات پولیس نے اس مکان پر چھاپہ مارا تو استانی لاپتہ ہو چکی تھی۔ اس رات نولکھا بھی غائب ہو گیا۔ وہ استانی یہیں لاہور ہی کی رہنے والی ہے۔ سنا ہے اس کے باپ نے ثمینہ کو نولکھا کے ساتھ دیکھ کر اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی تھی لیکن پولیس ابھی تک اس کا پتہ نہیں لگا سکی فیصل آباد کے اخباروں میں تو روز ہی اس استانی کے بارے میں، کوئی نہ کوئی خبر چھپتی رہتی ہے۔"

"ہوں۔" ماجھا گجر کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اس نے اخبار بھی تہہ کر کے جیب میں ڈال لیا تھا۔ "آؤ.... میرے ساتھ آؤ....." اس نے غفورے کو اشارہ کیا۔

اخبار میں لاہور کے اس تھانے کا نام موجود تھا جہاں ثمینہ کے باپ نے اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی تھی۔ اسے اس تھانے میں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اتفاق سے اس تھانے کے ایس ایچ او انسپکٹر عثمان سے اس کے تعلقات بھی اچھے تھے۔ اس نے گاڑی تھانے کے سامنے روک لی اور نیچے اترنے کے بجائے گیٹ پر کھڑے ہوئے سنتری کو آواز دے کر بلا لیا۔

"انسپکٹر عثمان اپنے کمرے میں ہے یا نہیں؟"

"انسپکٹر صاحب بیٹھے ہیں جی۔" سنتری نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"اس سے کہو ماجھا لجربلا رہا ہے۔" ماجھا نے کہا۔

سنتری چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر تھانے میں چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد انسپکٹر عثمان تھانے سے باہر آ گیا۔ ماجھا گجر نے کار کا پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

"آؤ بیٹھو۔ ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"اندر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ بات مختصر ہو۔" انسپکٹر عثمان کار میں بیٹھ گیا۔

"چند روز پہلے تمہارے تھانے میں ثمینہ نام کی ایک لڑکی کے اغواء کی رپورٹ درج ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے!" انسپکٹر عثمان نے اسے گھورا۔

"جانتے ہو اسے اغواء کس نے کیا ہے؟"

"مطلب کی بات کرو۔" انسپکٹر بولا۔

"وہ لڑکی اغواء نہیں ہوئی۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "وہ فیصل آباد سے بھاگی ہوئی ہے اس کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی ہے جو منشیات فروشی و بعض دیگر سنگین جرائم اور ایک آدمی کے قتل میں بھی پولیس کو مطلوب ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو۔" انسپکٹر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"لو... یہ اخبار پڑھ لو۔" ماجھا گجر نے جیب سے اخبار نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور ساتھ ہی کار کی چھت والی بتی جلا دی۔

انسپکٹر عثمان اخبار کی وہ خبر پڑھنے لگا۔ اس نے ثمینہ کی تصویر کو بھی غور سے دیکھا تھا۔

"یہ نولکھا کون ہے اور تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟" انسپکٹر عثمان نے اخبار تہہ کرتے ہوئے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم پولیس والوں کا آپس ہی میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایسا کیس ہے کہ تمہارے تھانے اور فیصل آباد کے متعلقہ تھانے کو مل کر تفتیش کرنی چاہئے' اگر ایسا ہوتا تو اب تک مسئلہ حل ہو چکا ہوتا لیکن بہرحال میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ نولکھا کون ہے اور ثمینہ نام کی یہ استانی کہاں ہے۔"

"کیا واقعی؟ تم اسے کیسے جانتے ہو؟" انسپکٹر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اس لڑکی کو تو میں نہیں جانتا لیکن نولکھے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ اپنی ہی برادری کا ہے نا۔ تم اگر چاہو تو میں نولکھے کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ملے گا۔ اس سے تم اس لڑکی کے بارے میں بھی پوچھ سکتے ہو لیکن وہ لڑکی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"کیوں؟" انسپکٹر عثمان نے اسے گھورا۔

"اس لئے کہ یہ لڑکی شارق کے پاس ہے۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

"شارق!" انسپکٹر چونک گیا۔

"پچھلے دنوں شارق بھی فیصل آباد گیا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے اس لڑکی سے وہیں پر اس کا کوئی تعلق ہوا ہو۔ وہ لڑکی آج کل شارق کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے۔ لیکن بدلے ہوئے روپ میں۔ میرا مطلب ہے مرد کے روپ میں۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

"نولکھا کہاں ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"مزنگ میں۔ شارق کے ڈیرے پر۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اگر تم نولکھا کو پکڑ لو تو نہ صرف فیصل آباد کے موٹر مکینک کے قتل کا معاملہ حل ہو جائے گا بلکہ ثمینہ والا کیس اور بہت سے دیگر مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔"

"ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں اب وہ میرے ہاتھوں سے کیسے بچ کر نکلتا ہے۔"

"علاقے میں میرے آدمیوں کا خیال رکھنا۔" ماجھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو۔ تمہارے آدمیوں کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔"

"ایک بات اور۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "ثمینہ کے باپ نے تمہارے تھانے میں اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی تھی اس کا پتہ تو ہو گا تمہارے پاس۔ میں اس کے باپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ چوبرجی کوارٹرز میں رہتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "شفاعت علی اس کا نام ہے۔ کالونی میں اس کا پتہ چل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "میں نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔"

"فکر مت کرو۔ تمہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔" انسپکٹر کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ماجھے نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

ماجھا گجر کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا اس نے انسپکٹر عثمان کو ایک ٹپ دے دی تھی اگر وہ نولکھے کو گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گیا تو اس طرح شارق کے لئے بھی بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ پولیس کو جب یہ یقین ہو جائے گا کہ فیصل آباد کی مفرور اور لاہو سے اغواء ہونے والی ثمینہ شارق کے پاس ہے تو پولیس اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور اسے چین سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملے گا۔

aazzamm@yahoo.com

لیکن دوسری طرف ماجھا' انسپکٹر عثمان کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ پولیس میں آ کر اس نے بڑا پیسہ بنایا تھا۔ وہ پولیس میں شاید آیا ہی پیسہ بنانے کے لئے تھا۔ ماجھے کو اندیشہ تھا کہ انسپکٹر عثمان کہیں شارق کے چکر میں نہ آ جائے اور بات مک مکا پر ختم نہ ہو جائے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ دو تین روز پہلے ہی شارق نولکھا کے بہنوئی کو اسی تھانے سے چھڑا کر لے گیا تھا۔ اگر اسے اس بات کا علم ہوتا تو شاید وہ انسپکٹر عثمان کو یہ ٹپ نہ دیتا۔

ماجھا گجر رات ایک بجے اپنی کوٹھی واپس آیا تھا وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ آتے ہی سو گیا تھا۔ صبح آٹھ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ شہر میں رہتے ہوئے اسے بھی بیڈ ٹی کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ جیسے ہی بیدار ہوا اچھو نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ناشتہ میں خود ہی کر لوں گا تم ذرا کہیں سے پتہ کر کے آؤ کہ انسپکٹر عثمان نے رات کو کوئی کارروائی کی تھی یا نہیں؟" ماجھے نے سائیڈ ٹیبل سے کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

اچھو اسی وقت کوٹھی سے رخصت ہو گیا۔

اچھو کی واپسی تقریباً گیارہ بجے ہوئی تھی۔ اس نے جو اطلاع دی وہ ماجھے کی توقع کے عین مطابق تھی۔

"انسپکٹر عثمان نے رات کو شارق کے ڈیرے پر چھاپہ مارا تھا۔ لیکن وہاں سے اسے نہ تو کوئی چیز ملی اور نہ ہی نولکھا پکڑا گیا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا خیال درست ہی نکلا۔" ماجھے نے کہا۔ "اب جو کچھ بھی کرنا ہے مجھے خود ہی کرنا ہو گا۔ اس کی علاوہ کوئی اور بات معلوم ہوئی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے اچھو کی طرف دیکھا۔

"رات کو شارق کے ڈیرے والی گلی کے باہر بوری میں بند حفیظ کی لاش پولیس کو مل گئی تھی۔ لیکن مقامی پولیس نے ڈیرے والوں یا کسی اور کے خلاف کارروائی نہیں کی بلکہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس شخص کو کہیں اور قتل کر کے لاش یہاں پھینکی گئی ہے۔" اچھو نے بتایا۔

"ڈیرے والوں کو پتہ تو چل گیا ہو گا کہ لاش کس کی ہے؟" ماجھے نے پوچھا۔

"ہاں یہ تو انہیں پتہ چل ہی گیا ہو گا۔" اچھو نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" ماجھا گجر نے سر ہلا دیا۔

دو دن اور گزر گئے شارق اور ثمینہ کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور پھر مزے کی بات یہ تھی کہ نولکھا بھی غائب ہو گیا تھا اور پھر اس سے اگلی رات ماجھا گجر کو اطلاع ملی کہ نہ صرف نولکھا بلکہ ثمینہ اور شارق بھی مزنگ والے ڈیرے میں موجود ہیں۔ ماجھا گجر فوراً ہی حرکت میں آ گیا۔ پہلے

اس نے سوچا تھا کہ پولیس کو ساتھ لے لیا جائے لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا اور خود ہی ان کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر چھ خونخوار قسم کے آدمی ماجھا گجر کی نہر والی کوٹھی میں جمع ہو چکے تھے۔ وہ سب صرف منشیات فروش ہی نہیں تھے بلکہ وہ سفاک اور بے رحم قاتل بھی تھے کسی انسان کی زندگی ان کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔

پندرہ منٹ بعد وہ لوگ کوٹھی سے روانہ ہو گئے۔ مزنگ پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی دو دو کی ٹولیوں میں انہوں نے تین اطراف سے شارق کے ڈیرے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ماجھا گجر کا خیال تھا کہ وہ اس طرح اچانک ڈیرے کو گھیرے میں لے کر ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ لیکن جب سامنے سے پہلی گولی چلی تو اسے چونک جانا پڑا اس مزاحمت کا مطلب تھا کہ وہ لوگ بے خبر نہیں تھے۔

ماجھا گجر اور اس کے آدمیوں کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تقریباً آدھے گھنٹے تک دونوں طرف سے زبردست فائرنگ ہوتی رہی۔ اس دوران ڈیرے سے ایک آدمی کی چیخ سنائی دی تھی۔ اور پھر ڈیرے کی طرف سے یکایک فائرنگ بند ہو گئی۔ ماجھے نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر اپنے آدمیوں کو لے کر ڈیرے میں گھس گیا۔

انہیں ایک تانگے کے قریب کوچوان سراج کی لاش ملی تھی۔ اس کے سر میں گولی لگی تھی جس سے کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ماجھا اور اس کے آدمی پورے ڈیرے میں پھیل گئے لیکن انہیں نہ تو کوئی اور لاش ملی اور نہ ہی کوئی زندہ آدمی ہاتھ لگا۔

"ہو سکتا ہے شارق اور اس کے ساتھی ہماری اطلاع پا کر پہلے ہی سے بھاگ گئے ہوں اور یہاں صرف یہی ایک آدمی ہو۔" اچھو نے سراج کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"پاگلوں والی بات مت کرو۔" ماجھا گجر غرایا۔ "تین چار آدمی مختلف سمتوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ تلاش کرو انہیں۔ وہ لوگ باہر نہیں جا سکتے۔ یہیں کہیں ہوں گے۔"

طویلہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ تیس پینتیس تانگے کھڑے تھے۔ جن میں کچھ ناکارہ بھی تھے۔ ماجھے کے آدمی ان تانگوں کے پیچھے اور تاریک گوشوں میں انہیں تلاش کرتے رہے۔ لیکن کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے۔

ماجھے نے تینوں کمرے بھی دیکھ لئے تھے۔ وہاں کوئی آدمی تو کیا بلی کا بچہ تک نہیں ملا تھا۔ اور کسی قسم کا مال بھی نظر نہیں آیا تھا۔ آخر میں ماجھا گجر مزار کی طرف آ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سو واٹ کا ایک بلب جل رہا تھا۔ ماجھے نے سنگ مرمر کی قبر کی طرف دیکھا اور پھر ادھر ادھر

aazzamm@yahoo.com

دیکھنے لگا۔ مزار میں آمد و رفت کا یہی ایک دروازہ تھا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ قبر کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے کہ اچھو دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔

"استاد! نکل چلو پولیس آ رہی ہے۔" اچھو نے کہا۔

ماجھا گجر مزار سے باہر آ گیا۔ فضا میں پولیس سائرن کی آواز سنائی دے رہی تھی اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کو پکارتا ہوا ایک طرف بھاگ نکلا۔

○

ثمینہ مزار کے تہہ خانے میں کھڑی حیرت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"یہ.... یہ سب کیا ہے؟" اس نے عجیب سی نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے یہ شہر جہنم بنا ہوا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہ اسلحہ اور یہ ہیروئن ہی وہ چیزیں ہیں جس کی تجارت پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے ماجھا گجر اور اس جیسے کئی آدمی قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ انہی چیزوں کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا ہے۔ جرائم میں اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر پولیس ان دو چیزوں پر قابو پا لے تو ہمارے معاشرے سے اسی فیصد جرائم ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے یہ قانون کے محافظ بھی معاشرے کو جرائم سے پاک نہیں کرنا چاہتے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر جرائم ختم ہو جائیں تو پولیس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ یہ جو تم اسلحہ کی پیٹیاں اور ہیروئن کے پیکٹ دیکھ رہی ہو نا ان کی مالیت بھی کروڑوں روپے ہے۔ اگر یہ سارا مال پولیس کے قبضہ میں آ جائے تو آدھے سے زیادہ مال یہ پولیس والے ہی غائب کر جائیں گے۔"

"باہر فائرنگ ہو رہی ہے۔" ثمینہ نے فائرنگ کی آواز سن کر کہا۔ تہہ خانے میں ہونے کے باوجود فائرنگ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جیسے محاذ کھل گیا ہو۔ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ماجھا گجر اور اس کے آدمی تہہ خانے میں آ گئے تو ان کے جسم گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔

"ڈرو نہیں۔" شارق اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی دلی کیفیت سمجھ گیا۔ "اس تہہ خانے کا راستہ صرف مجھے معلوم ہے یا گامے کو.... اول تو گاما کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا اور اگر وہ پکڑا بھی گیا تو اپنی جان دے دے گا مگر اس تہہ خانے کا راز وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔"

شارق اسے تسلی دیتا رہا لیکن ثمینہ پھر بھی ڈرتی رہی۔ فائرنگ کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ پھر فائرنگ بند ہو گئی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اپنے سر پر قدموں کی دھمک سنائی

دینے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اوپر مزار میں کوئی موجود ہے۔ وہ ایک بار پھر یہ سوچ کر کانپ اٹھی کہ اگر کسی نے تہہ خانے کا راستہ دریافت کر لیا تو وہ دونوں زندہ نہیں بچ سکیں گے۔

اوپر جو کوئی بھی تھا تھوڑی ہی دیر بعد مزار سے باہر نکل گیا۔ چند منٹ گزر گئے پھر شارق نے ثمینہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ رک گیا۔ پہلے کسی قسم کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے میکنزم پر ہاتھ رکھ دیا۔ قبر کا ڈھکنا بہت آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ ڈھکنا تقریباً آدھا انچ اوپر اٹھا تھا کہ شارق نے میکنزم سے ہاتھ ہٹا لیا۔

باہر احاطے میں اگرچہ خاموشی تھی لیکن پولیس کے سائرن کی آواز سن کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا پولیس کی کوئی گاڑی احاطے کے باہر آ کر رکی تھی اور سائرن کی آواز دم توڑ رہی تھی شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس سائرن کی آواز سن کر ہی ماجھا گجر اور اس کے آدمی بھاگ گئے ہوں گے۔ وہ نولکھا اور گامے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ان کا انجام کیا ہوا ہو گا کیا وہ لوگ بھی فرار ہو گئے تھے یا ان میں سے کوئی ایک یا دونوں مارے گئے تھے۔

گیٹ کے اندر کی طرف بھاری قدموں کی آواز سن کر وہ چونک گیا قبر کے تعویذ میں آدھا انچ کے قریب جھری تھی ظاہر ہے وہ اس جھری سے مزار کے باہر کا منظر تو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن آوازیں سن سکتا تھا۔

وہ پولیس والے تھے جو دوڑتے ہوئے احاطے میں چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ ایک آواز چیخ چیخ کر انہیں احکامات جاری کر رہی تھی وہ غالباً اس پولیس پارٹی کا انچارج تھا جو اپنے ماتحتوں کو مختلف ہدایات دے رہا تھا۔

"سر جی! یہ ایک لاش پڑی ہے۔" ایک اور آواز سن کر شارق چونک گیا۔

"دیکھو! ادھر ادھر ہر طرف کوئی اور لاش بھی ملے گی۔" انچارج نے چیخ کر کہا۔ "یہ درندے جب آپس میں لڑتے ہیں تو ایک آدھ لاش پر اکتفا نہیں کرتے.... ویسے یہ کس کی لاش ہے؟"

"یہ سراج ہے سر جی! تانگے والا۔" دوسری آواز نے جواب دیا۔ "اس کے سر میں گولی لگی ہے۔"

شارق چونک گیا۔

"اوئے فضل دین.... اس مزار کے اندر جا کر دیکھو۔" پولیس پارٹی کے انچارج کی آواز سنائی دی۔

aazzamm@yahoo.com

شارق نے ایک دم میکنزم کا سوئچ آف کر دیا قبر کا تعویذ آہستگی سے اپنی جگہ پر فٹ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مزار کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی وہ ایک نہیں دو آدمیوں کے قدموں کی آوازیں تھیں۔

"یہاں تو کچھ نہیں ہے۔" ایک آواز نے کہا۔ "یہ لوگ قبریں اور مزاروں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ ایسی ہی جگہوں پر انہوں نے منشیات کے اڈے قائم کر رکھے ہیں۔"

"قصور تو ہمارے افسروں کا ہے۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "اگر وہ لوگ ان لوگوں کو ڈھیل نہ دیں تو ان کے پیر کہیں بھی نہ ٹک سکیں۔ یہ لوگ یا تو شہر اور ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں یا سیدھے راستے پر آ جائیں۔ چلو باہر نکلو۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔"

وہ لوگ باہر چلے گئے۔ شارق نے ایک بار پھر قبر کے تعویذ میں ذرا سی جھری پیدا کر لی اور باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔

پولیس والے تقریباً ایک گھنٹے تک احاطے میں رہے۔ ان کی باتوں سے شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ صرف سراج کوچوان ہی مارا گیا تھا' اس کی لاش کے علاوہ پولیس کو وہاں سے اور کچھ نہیں ملا تھا۔

"شارق کا تو بڑا ٹیکا ہے۔ سنا ہے کہ اس کے پاس بیک وقت ڈھائی تین من ہیروئن اور بڑی مقدار میں اسلحہ مل سکتا ہے۔ لیکن یہاں تو ہیروئن کی ایک پڑیا بھی نہیں ملی اور اسلحہ کی بڑی مقدار تو کیا ایک گولی تک کہیں پڑی نظر نہیں آئی۔" یہ غالباً پولیس پارٹی کے انچارج کی آواز تھی۔

"یہ لوگ مال ایسی جگہوں پر نہیں رکھتے سر جی! جہاں ہر وقت چھاپے کا خطرہ ہو۔" دوسری آواز نے کہا۔ "ایک دو دن بعد ان کو اپنے اڈے پر آنے دیں پھر کسی فرضی گاہک کو بھیج کر آزما لیں۔ جتنی ہیروئن اور جتنا اسلحہ چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔"

"لاش کو اٹھوا کر ہسپتال بھجوا دو اور دو آدمی یہاں چھوڑ دو۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ لوگ پولیس کے واپس جانے کے بعد رات ہی کو واپس آ جائیں گے۔ اپنے آدمیوں کو حکم دے دینا کہ جو بھی اس احاطے میں داخل ہونے کی کوشش کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے سر جی۔" دوسری آواز نے کہا۔

شارق نے قبر کا تعویذ بند کر دیا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔ ثمینہ ایک پٹی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات اب بھی نمایاں تھے۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"کوچوان سراج مارا گیا ہے۔ نولکھا اور گاما کہیں نکل گئے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس سراج کی لاش اٹھوا کر لے گئی ہے۔ لیکن دو پولیس والے احاطے کی نگرانی کے لئے تعینات کر دیئے گئے ہیں اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ احاطے میں جس کسی کو بھی دیکھیں گولی سے اڑا دیں۔"

"اب کیا ہو گا؟" ثمینہ نے متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا ہم اس تہہ خانے میں قید ہو کر رہ جائیں گے؟"

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن ہمیں چند گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا۔"

شارق بھی لکڑی کی ایک پٹی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے اور وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ثمینہ کبھی اٹھ کر تہہ خانے میں ٹہلنے لگتی اور کبھی بیٹھ جاتی۔ شارق کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ شارق نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"تم یہیں بیٹھو۔ میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں۔ اگر پولیس والے آس پاس موجود نہ ہوں تو ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔"

"آس پاس موجود نہ ہوں کا کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "انہیں احاطے کی نگرانی کے لئے چھوڑا گیا ہے وہ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر کہیں گھومنے کے لئے تو نہیں چلے جائیں گے۔"

"وہ گیٹ کی طرف ہوں گے۔" شارق نے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

شارق دبے قدموں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ رکا۔ چند لمحے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے میکنزم والے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ قبر کا تعویذ ڈھکنے کی طرح آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔

قبر کا ڈھکنا پوری طرح اوپر اٹھ گیا تھا۔ شارق قبر سے باہر آ گیا اور دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مزار کے اندر بتی جل رہی تھی۔ پہلے شارق نے سوچا کہ بتی بجھا دی جائے لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا کیونکہ مزار کی روشنی اوپر والی روشندان نما جالیوں کے باہر دیکھی جا سکتی تھی۔ بتی بجھ جانے سے شبہ ہو سکتا تھا۔

وہ دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا۔ دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ اس نے گردن نکال کر باہر جھانکا۔ کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ آہستگی سے باہر نکل آیا اور تاریکی میں دبے قدموں چلتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔

ایک جگہ وہ تانگے کی آڑ میں رک گیا اور جھانک کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں

aazzamm@yahoo.com

پولیس والے پھاٹک کے پاس لکڑی کے ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

شارق چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر دبے قدموں چلتا ہوا مزار میں واپس آ گیا۔

"ثمینہ!" اس نے قبر میں جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "اوپر آ جاؤ۔"

چند سیکنڈ بعد ثمینہ بھی قبر سے نکل کر اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ شارق نے سوئچ بورڈ پر میکنزم کے بٹن پر ہاتھ رکھ کر قبر بند کر دی اور ثمینہ کے ساتھ مزار سے باہر آ گیا۔ مزار سے باہر نکلتے ہی وہ بائیں طرف مڑ گئے اس طرف تاریکی تھی۔ شارق نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ ثمینہ کا پیر ایک خالی ڈبے سے ٹکرا گیا۔ ڈبہ لڑھک گیا۔ سناٹے میں ڈبے کے لڑھکنے کی آواز دور تک پھیل گئی تھی۔

"اس طرف... جلدی چلو۔" شارق نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور ثمینہ کو ایک طرف کھینچنے لگا۔

اس لمحہ پھاٹک کی طرف سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ایک پولیس والا تیزی سے اس طرف آ رہا تھا۔ شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑے اسے تیزی سے کھینچتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا۔

"کون ہے اوئے ادھر.... سامنے آ جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

پولیس والے کی آواز تاریکی میں گونجی۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ دیکھے بغیر گولی مار دینے والی بات بھی خاصی دلچسپ تھی وہ ثمینہ کو لے کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

اچانک وہ رک گئے۔ پولیس والا مزار کے اوپر سے گھوم کر اس طرف آ گیا تھا۔ شارق اور ثمینہ سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکے کھڑے تھے پولیس والا چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ شارق نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی اور اندیشہ تھا کہ پولیس والا اسے دیکھ نہ لے۔

پولیس والا چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر مزار کی طرف چل پڑا۔ شارق دیوار کے ساتھ چند قدم اور آگے بڑھ گیا اور جھک کر دیوار کے ساتھ کچھ ٹٹولنے لگا۔ بالآخر اسے وہ خفیہ میکنزم مل گیا جس سے اس دیوار میں خفیہ راستہ کھل جاتا تھا۔

دیوار کا ایک حصہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے سرکنے لگا۔ ثمینہ اس سے چند قدم دور دیوار کی ساتھ ٹیکی کھڑی تھی۔ شارق نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آگے آؤ ثمینہ۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کا راستہ مل گیا ہے۔" شارق نے سرگوشی کی۔ ثمینہ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

"اوئے.... رک جاؤ.... کون ہے ادھر۔"

دفعتاً ایک آواز سناٹے میں گونجی اور ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ پولیس والا تھا جو مزار کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف سے سامنے آ گیا تھا اور اس نے ثمینہ اور شارق کو دیکھ لیا تھا۔

"بھاگو ثمینہ۔ جلدی۔" شارق نے تیز لہجے میں سرگوشی کی۔

ثمینہ نے شارق کی طرف چھلانگ لگا دی اسی لمحہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ پولیس والے نے گولی چلا دی تھی جو ثمینہ سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر دیوار میں لگی۔ ثمینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ شارق نے لپک کر ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا دیوار کے خلا میں گھس گیا دیوار کا خلا آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔ اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا گولی باہر دیوار ہی پر کسی جگہ لگی تھی۔

ثمینہ گہری تاریکی میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی اور سانس اس طرح پھولا ہوا تھا جیسے میلوں دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔ وہ بال بال بچی تھی۔ اگر ایک ڈیڑھ فٹ پیچھے ہوتی تو گولی دیوار میں لگنے کے بجائے اس کے سینے میں لگتی اس کا ایک ہاتھ شارق نے تھام رکھا تھا۔ جسے وہ بار بار آہستہ آہستہ دبا رہا تھا۔

"ڈرو نہیں۔ اب ہم محفوظ ہیں۔" شارق نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

اسی لمحہ باہر سے باتوں کی مدہم سی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ دوسرا پولیس والا بھی فائرنگ کی آواز سن کر وہاں آ گیا تھا۔

"میں نے انہیں یہیں دیکھا تھا۔" ایک پولیس والا کہہ رہا تھا۔ "وہ دو تھے اور دیوار کے ساتھ ساتھ اس طرف جا رہے تھے ان میں ایک عورت تھی جو چیخی بھی تھی لیکن پتہ نہیں وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے۔"

"تمہارا وہم ہو گا۔" دوسرے پولیس والے نے جواب دیا۔ "یہاں سے وہ کہاں جا سکتے ہیں وہ ہوا میں تو تحلیل نہیں ہو سکتے۔"

"میں نے خود انہیں دیکھا تھا اور ان پر گولی بھی چلائی تھی۔ وہ عورت چیخی تھی۔ چیخ کی آواز تم نے بھی سنی ہو گی۔" پہلے پولیس والے نے کہا۔

"میں چیخ کی نہیں فائر کی آواز سن کر اس طرف آیا تھا۔" دوسری آواز نے کہا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہاں کوئی موجود تھا تو وہ آئے کہاں سے تھے۔ پھاٹک پر تو ہم دونوں موجود تھے۔"

aazzamm@yahoo.com

"ممکن ہے وہ پہلے ہی سے یہاں کہیں چھپے ہوئے ہوں اور موقع پا کر نکلنے کی کوشش کی ہو۔" پہلے پولیس والے نے کہا۔

"پورے طویلے کی تلاشی لی گئی تھی۔ ایک ایک کونا دیکھا گیا تھا۔ ایک لاش کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں ملا تھا پھر وہ لوگ کہاں سے آ جائیں گے۔" دوسرے نے کہا۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ یہاں موجود تھے۔" پہلے نے کہا۔

"شاید ساری رات جاگنے کی وجہ سے تمہارے دماغ پر اثر ہوا ہے۔ چلو چھوڑو۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔" دوسرے نے کہا۔

اور پھر خاموشی چھا گئی۔ پولیس والے شاید واپس چلے گئے تھے۔ تاریک سی ایک سرنگ میں ثمینہ کا سانس گھٹنے لگا تھا۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے آہستہ آہستہ ایک طرف سرکنے لگ اور بالآخر ایک جگہ رک گیا اور دیوار کو ٹٹولنے لگا۔

دیوار کا بیرونی حصہ شق ہو گیا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا ثمینہ کے چہرے سے ٹکرایا اور اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

وہ ایک گلی میں آ گئے تھے۔ دیوار ہموار ہو گئی تھی۔ شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑے تیز تیز قدموں سے تاریک گلی میں چلنے لگا۔ ثمینہ کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ پہلے مزار کے نیچے وہ تہہ خانہ جس میں اسلحہ اور ہیروئن کے انبار لگے ہوئے تھے اور پھر دیوار میں یہ خفیہ راستہ۔

ان چیزوں سے اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان لوگوں کے وسائل بہت وسیع تھے اور ایسے لوگوں پر قابو پانا واقعی پولیس کے بس کی بات نہیں تھی۔ لیکن وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر پولیس دیانتداری سے کام لے تو ایسے لوگوں کا خاتمہ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

وہ مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ یہ ماسی مہراں کا مکان تھا دستک کے جواب میں دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ شارق کی توقع کے عین مطابق نولکھا اور گاما بھی یہاں موجود تھے۔

"ہم پریشان ہو رہے تھے کہ تم لوگ پتہ نہیں کہاں پھنس گئے ہو۔" نولکھا نے کہا۔

"ہم تو محفوظ تھے لیکن سراج بیچارہ مارا گیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"سراج کو گولی لگنے کی بعد ہی تو ہم لوگ وہاں سے نکل آئے تھے۔ لیکن مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم ان کا ایک بندہ بھی نہیں گرا سکے۔" گاما نے کہا۔

"فکر مت کرو.... ایک کے بدلے میں ہم ان کے دو آدمی ڈھیر کریں گے۔" شارق بولا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماجھا گجر کو ڈیرے میں تمہاری موجودگی کا پتہ کیسے چلا؟" نولکھا نے کہا۔

"پے در پے نقصان اٹھانے سے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس کے آدمی پورے شہر میں ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ہمارے اس ڈیرے کی بھی نگرانی کی جاتی رہی ہو گی۔ ہمیں آتے دیکھ کر مخبر نے اسے ہماری موجودگی کی اطلاع دے دی اور وہ ہم پر چڑھ دوڑا۔ لیکن شارق پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان تو نہیں ہے۔ بہرحال' اسے اپنی اس کارروائی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"دیکھ لیں گے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "اگر ماجھا گجر ہم پر انیک کر سکتا ہے تو ہم نے بھی تو چوڑیاں نہیں پہن رکھیں نا۔ دیکھ لیں گے ان کو۔"

"میرا خیال ہے ایک دو دن آرام سے گزر جائیں تو ہمیں اپنا مال وہاں سے ہٹانا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

"کیوں شارق باؤ۔ مال کو کوئی خطرہ ہو گیا؟" گاما نے چونک کر پوچھا۔

"فی الحال تو نہیں لیکن خطرہ بڑھ رہا ہے اور اس سے پہلے کہ اس تہہ خانے کا راز کھل جائے ہمیں وہ جگہ خالی کر دینی ہو گی کوئی اور جگہ دیکھنی پڑے گی۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس بھی اب بار بار اس طرف آنے لگی ہے تھانیدار کو ایک لاکھ روپے مہینہ دینے کے باوجود ہمارے خلاف کسی بھی وقت کوئی کارروائی ہو سکتی ہے۔"

"ایک بات بتانا تو میں بھول ہی گیا تھا شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ "دو تین دن پہلے بھی انسپکٹر عثمان پولیس پارٹی لے کر آیا تھا۔ اسے نولکھا کی تلاش تھی اتفاق سے نولکھا دو تین منٹ پہلے ہی ڈیرے سے نکل کر گیا تھا۔"

"انسپکٹر عثمان۔" شارق چونک گیا۔

"ہاں۔" گاما نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ نولکھا فیصل آباد میں کسی موٹر مکینک کے قتل میں ملوث ہے ثمینہ بھی اس کیس میں ملوث ہو سکتی ہے اور ثمینہ کے باپ نے ثمینہ کے اغواء کے سلسلے میں جو رپورٹ لکھوا رکھی ہے اس سلسلے میں بھی پولیس کو نولکھا کی تلاش ہے۔"

"انسپکٹر عثمان کو کیسے پتہ چلا کہ نولکھا یہاں ہو سکتا ہے۔" شارق بولا۔

"میرا خیال ہے پولیس کو یہ اطلاع بھی ماجھا گجر کے ذریعے ہی ملی ہو گی۔" گاما نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر بولا۔ "اسی رات دو بجے پولیس کو گلی کے باہر بوری میں بند ایک آدمی کی لاش ملی تھی جسے تشدد کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔ میں نے تھانے جا کر وہ لاش دیکھی تھی وہ حفیظ کی لاش تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے بھی ماجھا گجر نے قتل کر کے لاش ہمارے اڈے کے

aazzamm@yahoo.com

قریب پھنکوا دی ہو گی۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح ہمیں پھنسا دے۔"

"وہ جو کچھ بھی کرتا رہے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔" شارق نے کہا۔

اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے ثمینہ کرسی پر بیٹھی کچھ دیر تک تو ان کی باتیں سنتی رہی پھر اونگھنے لگی شارق نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی اپنی آنکھوں میں بھی جلن ہو رہی تھی۔ ویسے اسے ترس آ رہا تھا ثمینہ پر۔ شریف گھرانے کی پڑھی لکھی لڑکی محض اس کی وجہ سے مصائب کا شکار ہوئی تھی۔ اچھی خاصی پرسکون زندگی چھوڑ کر وہ جرائم پیشہ لوگوں میں گھر گئی تھی۔

"مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ اب تھوڑی دیر سو لینا چاہئے۔" شارق نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ اس وقت بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرش پر سرخ رنگ کی دری بچھی ہوئی تھی شارق اور ثمینہ کے آنے سے پہلے نولکھا اور گاما اسی دری پر لیٹے ہوئے تھے شارق نے ثمینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ثمینہ گڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"اندر جا کر سو جاؤ۔ چلو میں تمہیں کمرے میں چھوڑ آؤں۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کرسی سے اٹھ گئی۔ شارق اسے ماسی مہراں والے کمرے میں لے آیا۔ اس کمرے میں دو چارپائیاں تھیں۔ ایک پر ماسی مہراں سو رہی تھی اور دوسری خالی پڑی تھی شارق نے دروازے ہی میں کھڑے کھڑے خالی چارپائی کی طرف اشارہ کر دیا۔ ثمینہ آگے بڑھ کر چارپائی پر ڈھیر ہو گئی۔ شارق دوبارہ بیٹھک میں آ گیا جہاں نولکھا اور گاما دری پر لیٹ چکے تھے شارق بھی ان کے ساتھ ہی لیٹ گیا۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

شارق کی آنکھ صبح نو بجے کے لگ بھگ کھلی تھی۔ گاما سو رہا تھا اور نولکھا جاگ چکا تھا۔ شارق اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ ماسی مہراں باورچی خانے میں تھی۔ شارق نے ماسی مہراں والے کمرے میں جا کر جھانکا۔ ثمینہ جاگ چکی تھی لیکن بستر پر لیٹی ہوئی تھی شارق کو دیکھ کر بھی اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔

دس بجے کے لگ بھگ وہ سب اکٹھے ہی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ناشتہ کے بعد ماسی مہراں تو گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی اور یہ لوگ بیٹھک ہی میں بیٹھے پروگرام بنانے لگے۔ نولکھے کا خیال تھا کہ انہیں آج ہی رات ماجھا گجر کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرنی چاہئے تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ ڈر کر چھپ گئے ہیں۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ گجر پر براہ راست ہاتھ ڈالنے کے بجائے پہلے اس کے حواریوں پر

ہاتھ ڈالنا چاہئے اس کے چار چھ آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ماجھے گجر پر ہاتھ ڈالنا چاہئے۔" گامے نے کہا۔

"ملتان روڈ والی حویلی میں کون ہے؟" شارق نے گاما سے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں۔" گاما نے جواب دیا۔

"آج رات یہاں سے نکلو اور راجے کو وہاں بھیج دو اس سے کہنا کہ صفائی وغیرہ کر دے اور کچھ راشن بھی ڈال لے۔ ہم لوگ ایک دو دن میں وہاں آئیں گے۔" شارق نے کہا۔

"تو کیا مال وہاں منتقل کرنے کا ارادہ ہے؟" گامے نے پوچھا۔

"نہیں۔ مال کے لئے وہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ ہم اس جگہ سے کوئی اور کام لیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ سارا دن اسی طرح گزر گیا شام کا اندھیرا پھیلتے ہی گاما صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکل گیا۔ اس نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔ وہ گلیوں میں گھومتا ہوا مزنگ چوک کی طرف نکل آیا۔ کچھ دیر تک چوک پر ادھر ادھر گھومتا رہا پھر اس گلی کی طرف آ گیا جس میں لاتعداد ورکشاپ تھے۔ ان کے احاطے کا پھاٹک بھی اس گلی میں تھا۔

چوک پر بھی رونق تھی اور گلیوں میں بھی ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ گلی میں بہت سے ورکشاپ بھی کھلے ہوئے تھے۔ جن میں کام ہو رہا تھا۔ گاما گلی کے موڑ پر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد گلی سے ایک لڑکا آتا ہوا نظر آیا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر کا وہ لڑکا احاطے کے پھاٹک کے ساتھ والے ورکشاپ میں کام کرتا تھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا گامے نے اسے روک لیا۔

"اوئے ندیم! بات سن ذرا۔"

"کون ہو تم.... کیا بات ہے؟" لڑکا گھبرا گیا۔

"ڈرو نہیں اوئے میں گاما ہوں۔" گامے نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کی..... "ہمارے ڈیرے کا کیا حال احوال ہے؟"

"ڈیرے کے پھاٹک پر دو پولیس والے کھڑے ہیں۔" ندیم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بتایا۔ "وہ کسی کو اندر نہیں جانے دیتے۔ آج کوئی کوچوان تانگہ لے کر بھی نہیں گیا۔ پر بات کیا ہے گاما بھائی سنا ہے رات کو پھر یہاں کوئی ہنگامہ ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔ میں تو ڈیرے میں تھا ہی نہیں۔ قصور گیا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں تو کسی نے مجھے ادھر جانے سے منع کر دیا تھا سنا ہے رات کو سراج گولی لگنے سے مر گیا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔"

"سنا تو یہی ہے۔" ندیم نے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" گامے نے پوچھا۔

"استاد کے لئے چائے لینے جا رہا ہوں۔" ندیم نے جواب دیا۔

"اچھا جا..... مگر کسی کو بتانا نہیں کہ میں تجھے ملا تھا۔" گامے نے کہا۔ ندیم ہوٹل کی طرف چلا گیا۔ گاما کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر ایک اور گلی میں مڑ گیا۔

گاما مختلف گلیوں میں ہوتا ہوا دوبارہ ماسی مہراں کے مکان پر پہنچ گیا اور شارق کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

"میرا خیال ہے شارق باؤ۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہمیں تھانیدار سے مل ہی لینا چاہئے۔ ہم ڈیرے کو چھوڑ تو نہیں سکتے نا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا چلو..... ابھی چلتے ہیں۔" شارق اٹھ گیا۔

ثمینہ اور نوکھے کو انہوں نے ماسی مہراں کے مکان پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ مکان سے نکلتے ہوئے ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ لیکن دو تین گلیاں گھومنے کے بعد انہوں نے چادریں اتار دیں اور اب بے خوفی سے چل رہے تھے۔

پولیس اسٹیشن پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ایس ایچ او اس وقت تھانے سے نکل رہا تھا لیکن انہیں دیکھ کر رک گیا اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر تم نہ آتے تو ہم تمہیں تلاش کر لیتے۔"

"ہم نے آپ کو زحمت سے بچا لیا۔" شارق نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے ہم اور آپ ایک دوسرے سے الگ تو نہیں رہ سکتے نا۔ ہم جیسے لوگوں کا اور پولیس کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔"

وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے ایس ایچ او کے کمرے میں آ گئے تھے۔ ایس ایچ او نے ایک کانسٹیبل کو بلا کر چائے لانے کے لئے کہہ دیا۔ شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ گویا صورت حال ان کے لئے زیادہ سنگین نہیں تھی۔

"دیکھو شارق۔" ایس ایچ او نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں منشیات کا اڈہ چلا رہے ہو۔ دھندہ چوری چھپے ہو رہا ہے بات بن جاتی ہے۔ لیکن یہ روز روز کے ہنگامے' قتل و غارت' لاشوں کا گرنا..... اس کی میں اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ کوئی جنگل تو نہیں ہے۔ گنجان

آبادی ہے۔ چاروں طرف شریف لوگ رہتے ہیں۔ ہر شخص سکون کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن تم لوگوں کی وجہ سے لوگوں کا سکون غارت ہو گیا ہے۔ پہلے تو لوگ شکایت کرنے ہمارے پاس آتے تھے۔ لیکن اب ہم پر سے ان کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ اب وہ اپنی شکایتیں لے کر سیدھے اعلیٰ افسران کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہم پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ افسران جواب طلبی کرتے ہیں۔ ہمیں بھی نوکری کرنی ہے اور یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ ہمیں کسی کارروائی پر مجبور کر رہا ہے۔ آخر ہمیں بھی تو اپنی کچھ کارکردگی دکھانی ہے نا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"میں آپ کی بات کو سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر جواب دیا۔

"لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کل رات جو کچھ بھی ہوا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے میں اور گاما کل شام قصور چلے گئے تھے۔ ڈیرے پر کوچوان سراج تھا۔ مجھے تو آج واپس آ کر پتہ چلا ہے کہ کسی نے رات کو ڈیرے پر حملہ کر دیا تھا جس میں بیچارہ سراج مارا گیا۔ اس کی موت کا مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"حملہ آور کون تھے؟" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" شارق نے جواب دیا۔

"دو دن پہلے گلی کے نکڑ پر بوری میں بند ایک لاش ملی تھی۔ جسے گاما نے حفیظ کے نام سے شناخت کیا تھا۔ تمہارے خیال میں حفیظ کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"کیا کہہ سکتا ہوں؟" شارق نے کہا۔ "مجھے تو یہ پتہ چلا ہے کہ حفیظ کو کسی اور جگہ تشدد کر کے ہلاک کیا گیا تھا اور اس کی لاش بوری میں بند کر کے یہاں ڈال دی گئی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا شاید ہمیں پھنسانا چاہتا تھا۔"

"لیکن پھنس گئے ہم پولیس والے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اب کل رات کا واقع ہے۔ ہمیں پھر ایک لاش تمہارے ڈیرے سے اٹھانی پڑی۔ آخر میں کیا کروں..... یہ واقعہ بہت سنگین ہے۔ مجھے کسی کی گرفتاری تو دکھانی ہو گی۔"

"آپ کو گرفتاری مل جائے گی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کل شام کو مجید آپ کو گرفتاری دے دے گا۔ لیکن اس پر ذرا ہلکا ہاتھ رکھنا۔"

"مجید رہڑے والا؟" انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں..." شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیوں اس بیچارے کو پھنسا رہے ہو۔" انسپکٹر بولا۔

"اس لئے تو کہا ہے کہ ہاتھ ذرا ہلکا رکھنا۔ ہم عدالت سے اسے ضمانت پر چھڑا لیں گے۔"

aazzamm@yahoo.com

شارق نے جواب دیا۔ "اس طرح تمہاری کارکردگی بھی افسروں کی نظروں میں آ جائے گی اور ہمارا کام بھی ہو جائے گا۔"

انسپکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسی دوران کانسٹیبل چائے لے آیا۔ اس نے ایک ایک کپ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"اور نولکھا کا کیا چکر ہے۔" انسپکٹر نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "سنا ہے وہ فیصل آباد میں کوئی قتل کر کے بھاگا ہوا ہے اور یہاں بھی اس کے خلاف اغواء کی رپورٹ درج ہے۔ دو تین دن پہلے انسپکٹر عثمان بھی اس کی تلاش میں تمہارے ڈیرے پر آیا تھا۔"

"نولکھا آیا تھا میرے پاس۔ لیکن ایک رات رہ کر واپس چلا گیا تھا مگر یہ کئی روز پہلے کی بات ہے اس کے بعد نولکھا سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔" شارق نے جواب دیا۔

"اور وہ لڑکی کہاں ہے؟" انسپکٹر نے آگے جھکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے لڑکیوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"پتہ نہیں کس نے کہہ دیا ہے کہ وہ لڑکی میرے پاس ہے حالانکہ میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔ کبھی دیکھا تک نہیں اسے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایک دن یہ بات بھی سامنے آ جائے گی۔" انسپکٹر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تم جو کچھ بھی کرو مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن ذرا ہمارا خیال رکھا کرو۔"

"تمہیں تو تمہارا حصہ ملتا ہی رہتا ہے اور کیا چاہتے ہو؟" شارق نے کہا۔

"گھر والی نے دو تین دن سے ناک میں دم کر رکھا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "ریفریجریٹر پرانا ہو گیا ہے۔ اکثر بند ہو جاتا ہے اور تم جانتے ہو کہ نیا فرج خریدنا...."

"کل نیا فرج تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی پھر گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "گھر کا پتہ سمجھ لو گامے۔ کل صبح سب سے پہلا کام تم نے یہی کرنا ہے۔ بھولنا مت۔"

"میں نے ان کا مکان دیکھا ہوا ہے۔ فرج کل صبح ہی پہنچ جائے گا۔" گامے نے جواب دیا۔

"اور اب اپنے سنتریوں کو بھی وہاں سے ہٹا لو۔" شارق نے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ جاؤ۔ میں پیغام بھیج دیتا ہوں۔ دونوں سنتری وہاں سے ہٹ جائیں گے۔" انسپکٹر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

شارق اور گاما بھی اٹھ گئے اور وہ انسپکٹر کے ساتھ ہی تھانے سے باہر آ گئے۔ تھانے سے باہر نکل کر انسپکٹر جیپ کی طرف بڑھ گیا اور وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے سامنے والی گلی کی طرف چلے

گئے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ لوگ اپنے ڈیرے پر موجود تھے۔ ثمینہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ شارق نولکھا کے لئے فکر مند تھا۔ وہ انسپکٹر عثمان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ نولکھا کا بہنوئی ناصر علی بے گناہ تھا اس لئے انسپکٹر عثمان نے دس ہزار روپے لے کر اسے چھوڑ دیا تھا لیکن نولکھا کے خلاف تو باقاعدہ رپورٹ لکھوائی گئی تھی۔ ممکن ہے اسے نولکھا کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو گئی ہوں۔ انسپکٹر عثمان کو ملنے والی یہ اطلاع بھی درست تھی کہ نولکھا شارق کے ڈیرے پر چھپا ہوا ہے۔ یہ تو نولکھا کی خوش قسمتی تھی کہ جس وقت انسپکٹر عثمان ڈیرے پر آیا تھا اس سے تھوڑی دیر پہلے ہی نولکھا باہر جا چکا تھا اس طرح وہ بچ گیا تھا۔ لیکن دوسری مرتبہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا شارق کو یقین تھا کہ انسپکٹر عثمان دوبارہ ضرور آئے گا۔

"گامے!" وہ گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نولکھا کو لے کر راجے کی طرف چلے جاؤ۔ نولکھا کو راجہ کے ساتھ رات ہی کو ملتان روڈ والی حویلی بھیج دو۔ یا راجہ اگر مناسب سمجھے تو نولکھا کو رات اپنے پاس رکھ لے اور صبح سویرے ہی یہ دونوں حویلی چلے جائیں۔ انسپکٹر عثمان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اگر اس نے رات کو یہاں چھاپہ مار دیا تو یہ بچ نہیں سکے گا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ میں اسے لے کر ابھی چلا جاتا ہوں۔ مگر تم لوگ؟" گاما نے باری باری شارق اور ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"ہم بھی تھوڑی دیر میں یہاں سے نکل جائیں گے اور صبح تم اس حرام خور کے گھر فرج بھجوانا مت بھولنا۔" شارق نے کہا۔

"فرج پہنچ جائے گا۔" گامے نے کہا۔ پھر نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چل یار۔ تمہیں راجے کے پاس چھوڑ ہی آؤں۔"

"ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نکل رہے ہیں۔" شارق نے کہتے ہوئے ثمینہ کو اشارہ کیا۔

ثمینہ فوراً ہی اٹھ گئی وہ چاروں طویلے سے اکٹھے ہی نکلے تھے۔ پھاٹک سے نکلتے ہی ان کے رستے مختلف ہو گئے۔ نولکھا اور گاما ایک طرف مڑ گئے۔ ثمینہ اور شارق دوسری طرف۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ بھوک کے مارے ثمینہ کی جان نکلی جا رہی تھی۔ گلیوں ہی گلیوں میں مڑتے ہوئے وہ مزنگ چوک سے بہت دور مین روڈ پر نکل آئے۔ یہ بھی چھوٹا سا چوک تھا۔ یہاں بھی رونق تھی۔ یہاں تکے کباب کی بھی ایک دکان تھی۔ دکان چھوٹی تھی البتہ باہر دیوار کے ساتھ بینچ رکھے ہوئے تھے۔ دو بینچ قدرے تاریکی میں تھے۔ ایک بینچ پر ایک آدمی اور دو عورتیں بھی کباب کھا رہی تھیں۔ شارق بھی ثمینہ کے ساتھ دوسرے بینچ پر بیٹھ گیا اور لڑکے کو تکے

aazzamm@yahoo.com

کباب اور نان کا آرڈر دے دیا۔

جب وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ وہ ایک رکشے پر بیٹھ کر شام نگر پہنچ گئے۔ اس گھر میں قدم رکھتے ہی ثمینہ کو عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا..... نجانے کیا بات تھی کہ وہ جب بھی اس گھر میں آتی اسے بڑا سکون ملتا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس گھر میں تحفظ کا احساس زیادہ تھا۔ وہ دونوں لاؤنج میں آ گئے۔

"تمہارے بازو کی تکلیف کیسی ہے اب؟" ثمینہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اب تو بالکل ٹھیک ہے۔ بس کبھی کبھی تکلیف ہونے لگتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"تم نے کہا تھا کہ مجھے اپنی ماں اور بہن سے ملاؤ گے۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے ابھی تک اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔"

"ضرور ملاؤں گا۔ لیکن ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم دیکھ رہی ہو کہ دس بارہ دن سے ہم کس طرح بھاگتے پھر رہے ہیں۔ ان حالات میں' میں اپنے گھر کا رخ نہیں کر سکتا۔ حالات ذرا بہتر ہو جائیں تو میں تمہیں ان سے ملانے کے لئے ضرور لے جاؤں گا۔"

ثمینہ نے اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کی۔ وہ گزرے ہوئے دنوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ عجیب زندگی تھی یہ' ایک ایک لمحہ سنسنی خیز تھا۔ ایک طرف پولیس گھات لگائے بیٹھی تھی اور دوسری طرف ماجھا گجر جیسے دشمن موقع کی تلاش میں تھے۔ وہ خود کئی مرتبہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچی تھی۔ ماجھے گجر کی سفاکی کا مظاہرہ وہ دیکھ چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس رات اگر وہ اکو کو قتل کر کے کوٹھی سے فرار نہ ہوتی تو ماجھا گجر اس سے شارق کا پتہ معلوم کرنے کے لئے اس کے بخیئے تک ادھیڑ ڈالتا اور اسے اس بات پر بھی حیرت ہوئی تھی کہ دوسرے دن اخبار میں اکو کے قتل کی خبر چھپی تھی لیکن اس قتل کا ذمے دار ایک نامعلوم چور کو ٹھہرایا گیا تھا۔ پوری خبر میں کہیں بھی شارق یا ثمینہ کا تذکرہ نہیں تھا۔ اس نے پولیس سے یہ بات چھپائی تھی کہ اکو کا قتل کسی نامعلوم چور کے ہاتھوں نہیں ثمینہ کے ہاتھوں ہوا تھا۔

پولیس کے سامنے اس کا نام نہ لینے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ماجھا گجر شارق سے اپنے آدمی کے قتل کا بدلہ خود لینا چاہتا تھا اور پھر موقع ملتے ہی کل رات وہ' شارق کے ڈیرے پر چڑھ دوڑا تھا اور اس کے ایک آدمی کو مار کر بھاگ گیا تھا۔ ثمینہ کو یقین تھا کہ اگر وہ دونوں بھی ماجھا گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ جاتے تو وہ انہیں بھی بھون ڈالتے۔

ثمینہ نے اتنے دنوں میں یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ یہ دونوں گروہ لاہور کی منشیات کی منڈی پر اپنا کنٹرول رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اس دوران دونوں

طرف سے کئی جانیں ضائع ہو چکی تھیں۔ دونوں دشمن ایک دوسرے کے خلاف پولیس کو خفیہ طور پر اطلاعات تو فراہم کرتے رہتے تھے لیکن اپنا کوئی نقصان ہونے پر دوسرے کے خلاف پولیس میں رپورٹ کبھی نہیں لکھواتے تھے۔ پولیس نے جب بھی مداخلت کی تھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ نامعلوم حملہ آور تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حملہ آور کون تھا۔

رات کے دو بج گئے تھے۔ ثمینہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی وہ سو گئی۔

صبح وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ شارق سو رہا تھا۔ اس نے چائے بنائی اور شارق کو بھی جگا دیا۔

"چائے پی کر تیار ہو جاؤ۔ ناشتہ ہم باہر کریں گے۔ ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" شارق نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"گاڑی کا بندوبست کرنا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "اب ہمارے لئے گاڑی بہت ضروری ہو گئی ہے۔ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔"

تقریباً دس بجے وہ تیار ہو کر باہر نکلے۔ ثمینہ نے پینٹ شرٹ پہنی تھی۔ اسے یہ لباس اچھا لگا تھا اس لئے اس نے زیادہ تر پینٹ شرٹ پہننے ہی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے بال مردانہ اسٹائل میں کٹے ہوئے تھے لیکن اس نے بھیس بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پینٹ شرٹ میں اس کے جسم کا بالائی حصہ نمایاں ہو رہا تھا۔ فیشن ایبل گھروں کی لڑکیاں ایسا لباس تو پہنتی ہی تھیں۔ ثمینہ نے بھی اب اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھی۔

وہ مین روڈ پر کسی رکشے کے انتظار میں کھڑے تھے کہ چوبرجی کی طرف سے آنے والی ایک موٹر سائیکل ان کے سامنے سے گزر گئی ثمینہ نے موٹر سائیکل سوار کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر موٹر سائیکل سوار نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل کی رفتار ایک دم کم کر دی اور اسے گھما کر واپس آ گیا اور جب موٹر سائیکل ان کے سامنے آ کر رکی تو موٹر سائیکل سوار کو دیکھ کر ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ اس کا باپ شفاعت علی تھا۔

○

پولیس کا سائرن سنتے ہی ماجھا گجر اور اس کے آدمی وہاں سے بھاگے تھے گلی میں کچھ دور ان کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ دو کاروں میں آئے تھے۔ چار آدمی ایک کار میں بیٹھ گئے اور ماجھا گجر اچھو کو لے کر دوسری کار میں بیٹھ گیا۔ اچھو پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور ماجھا گجر اسٹیئرنگ کے

aazzamm@yahoo.com

سامنے۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

وہ رات کا ابتدائی حصہ تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک بھی موجود تھا۔ ماجھا گجر کی کار کی رفتار اگرچہ خطرناک حد تک تیز تھی لیکن وہ ایک ماہر ڈرائیور تھا۔ بڑی ہوشیاری سے اپنی کار کو نکالتا لے گیا۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ جبکہ اس کی اپنی کار کا رخ راوی کے پل کی طرف تھا۔ اس نے اپنی رائفل اچھو کے حوالے کر دی تھی اور اچھو نے پچھلی سیٹ اٹھا کر ماجھے کی رائفل کے ساتھ اپنی رائفل بھی چھپا دی تھی۔

دریائے راوی پل کے ٹول ٹیکس بوتھ پر ماجھے نے کار کی رفتار ہلکی کر دی اور جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کار کا ٹیکس اگرچہ دو روپے تھا لیکن اس کے پاس دو روپے کھلے نہیں تھے۔ بوتھ کے قریب پہنچ کر اس نے رفتار مزید ہلکی کر دی اور بوتھ کے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ تھما کر کار کی رفتار تیز کر دی۔

تھوڑا ہی آگے جا کر شاہدرہ چوک کی طرف مڑنے کے بجائے اس نے کار بائیں طرف والی سڑک پر گھما دی۔ یہ سڑک مشرق وسطیٰ کے کسی علاقے کا منظر پیش کرتی تھی۔ اس کے دونوں طرف کھجور کے قد آور درخت تھے۔ اس سڑک پر ذرا آگے بائیں طرف تاریخی بارہ دری کی طرف جانے والا راستہ تھا مگر ماجھا گجر کار کو سیدھا لیتا چلا گیا۔

سڑک کے بائیں طرف راوی بہہ رہا تھا اور دائیں طرف کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا۔ تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کی بعد اس نے کار نشیب میں ایک کچے راستے پر موڑ دی۔ اس راستے پر تقریباً دو سو گز آگے ایک خوبصورت مکان تھا۔ ماجھے نے مکان کے سامنے کار روک دی۔ کار روکتے ہی دو تین کتے اس کی طرف لپکے تھے مگر ماجھے نے نیچے اترنے کے بجائے ہارن بجا دیا۔ دو تین مرتبہ ہارن بجانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی مکان کے پچھلی طرف سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس نے دھوتی اور بنیان پہن رکھی تھی۔

"اوئے سودے!" ماجھے نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "پہلے ان کتوں کو سنبھال اور پھر بیٹھک کا دروازہ کھول۔"

"اچھا جی۔ ابھی کھولتا ہوں۔" سودے نامی اس شخص نے ماجھے گجر کو پہچان لیا تھا۔ وہ کتوں کو ہشکارتا ہوا مکان کے پچھلی طرف لے گیا۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے مکان کا دروازہ کھول دیا۔

ماجھا گجر اور اچھو کار سے اتر کر اندر آ گئے۔ یہ بیٹھک تھی۔ کھیتوں میں واقع کسی مکان میں اس قسم کے ڈرائنگ روم کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وسیع و عریض کمرہ تھا۔ دبیز قالین بچھا ہوا

تھا۔ شاندار اور قیمتی صوفے تھے ایک طرف ٹرالی پر سونی کا رنگین ٹی وی اور اس کے نچلے حصے میں وی سی آر بھی رکھا ہوا تھا۔ آرائش کی ہر چیز قیمتی تھی۔

"بی بی جی کو جگا دوں ملک جی؟" سودے نے پوچھا۔

"نہیں، اسے سونے دے اور تو ہمارے لئے چائے بنا کر لے آ۔ پھر خود بھی جا کر سو جانا۔" ماجھے نے کہا۔

سودا "اچھا" کہتا ہوا اندرونی دروازے میں غائب ہو گیا۔ ماجھا گجر ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا جبکہ اچھو قالین پر لیٹ گیا۔

یہ ماجھا گجر کی بہن عارفہ کا گھر تھا۔ عارفہ اس سے تقریباً چھ سال چھوٹی تھی۔ ماجھے نے بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی کی تھی۔ عارفہ کا شوہر عبدالقادر اس علاقے کا ایک معزز زمیندار تھا۔ لیکن شادی کے تقریباً دو سال بعد پڑوس کے ایک زمیندار سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ دوسرے لوگوں کی مداخلت سے بات اس وقت تو رفع دفع ہو گئی تھی لیکن وہ زمیندار انتقام لینے کے لئے موقع کی تاک میں تھا اور ایک روز اسے موقع مل ہی گیا۔ عبدالقادر لاہور شہر گیا ہوا تھا۔ زمیندار کو اندازہ تھا کہ اس کی واپسی کس وقت ہو گی۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ راستے پر گھات لگائے بیٹھا رہا اور شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد جب عبدالقادر اپنے یکے پر اس طرف پہنچا تو زمیندار اور اس کے آدمیوں نے حملہ کر دیا اور عبدالقادر اور اس کے ایک نوکر کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔

اس وقت عارفہ کی گود میں چھ ماہ کی بچی تھی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خود ماجھا گجر اور دوسرے رشتہ داروں نے عارفہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ دوسری شادی کر لے۔ ایک دو رشتے بھی آئے تھے مگر عارفہ نے صاف انکار کر دیا۔ بچی کی پرورش کے ساتھ اس نے زمینداری سنبھال لی تھی۔ وہ ایک مثالی زمیندار ثابت ہوئی تھی۔ اس کے مزارع اور دیگر ملازم اس پر جان چھڑکتے تھے۔

ماجھا گجر کبھی کبھار یہاں آیا کرتا تھا۔ لیکن جب سے اس نے بھینسیں بیچ کر ہیروئن کا بزنس شروع کیا تھا اس کے بعد تو اس نے یہاں آنا بہت ہی کم کر دیا تھا۔ اور آج اس نے مجبوراً اس طرف کا رخ کیا تھا لاہور میں اس کے سارے اڈے شارق کی نظروں میں آ گئے تھے۔ اس کی گلبرگ نہر والی کوٹھی بھی محفوظ نہیں رہی تھی۔ اس نے جس طرح شارق کے ڈیرے پر حملہ کیا تھا اسے یقین تھا کہ شارق زندہ نہیں بچ سکے گا لیکن صورت حال اس کے برعکس ثابت ہوئی تھی شارق کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور شارق سمیت اس کے باقی ساتھی وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

ماجھا گجر کو یقین تھا کہ شارق آج ہی رات جوابی کارروائی کرے گا اور اسی لئے وہ اس سے چھپنے کے لئے اپنی نہر والی کوٹھی یا کسی اور اڈے پر جانے کے بجائے اپنی بہن کے گھر آ گیا تھا۔ یہاں کے بارے میں اس کے اپنے آدمیوں کو بھی علم نہیں تھا۔ اچھو پہلا آدمی تھا جو اس کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ویسے بھی یہ علاقہ لاہور میں نہیں ضلع شیخوپورہ کی حدود میں تھا اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ یہاں آیا ہو گا۔

تقریباً بیس منٹ بعد سودا چائے لے کر آیا۔ اس نے ایک ایک کپ دونوں کے سامنے رکھ دیا۔

"کمرہ کھول دوں ملک جی رات تو یہیں رہیں گے نا؟" سودے نے پوچھا۔

"باقی رات اسی صوفے پر لیٹے لیٹے گزار لوں گا۔ کمرہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تم جا کر سو جاؤ۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

سودا "اچھا جی!" کہتا ہوا پھر اندرونی دروازے میں غائب ہو گیا۔

ماجھا گجر اور اچھو چائے پیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ آج کی صورت حال پر تبصرے بھی کر رہے تھے۔ اچھو کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ شارق اور اس کے ساتھی اچانک ہی کہاں غائب ہو گئے تھے۔

"یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "ہماری طرف سے فائرنگ کے جواب میں کم از کم تین آدمی مختلف جگہوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ لیکن مارا گیا ایک ہی آدمی اور دو غائب ہو گئے۔"

"ماجھے استاد۔" اچھو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم تو بہت عرصہ استاد چھانگا کے ساتھ رہے ہو۔ کئی راتیں بھی تم نے چھانگا کے ڈیرے پر گزاری ہیں۔ کیا تمہیں کبھی پتہ نہیں چلا کہ وہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہو سکتا ہے؟"

"بات تو تو نے بڑے پتے کی کہی ہے۔" ماجھا گجر نے کسی قدر چونکتے ہوئے کہا۔ "چھانگا سے واقعی میری دوستی تھی۔ مجھے اس کاروبار میں لانے والا بھی وہی تھا۔ اس کاروبار کی اونچ نیچ بھی مجھے اسی نے سمجھائی تھی۔ میں کئی مرتبہ رات کو بھی اس کے ڈیرے پر رہا ہوں۔ لیکن وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے مجھے کبھی اپنے اندر کے راز نہیں بتائے تھے۔ میں نے جیرے کو اس سے توڑنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو سارے مسئلے ہی حل ہو جاتے۔ لیکن جلد بازی میں وہ خود ہی مارا گیا۔ تمہاری یہ بات میرے دل کو لگتی ہے کہ طویلے میں کوئی تہہ خانہ ضرور ہو گا ورنہ وہ لوگ رات کو اس طرح اچانک غائب نہ ہو جاتے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تہہ خانہ کہاں ہو سکتا ہے؟"

"مزار کے نیچے!" اچھو نے کہا۔

"نہیں۔" ماجھا نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں کئی مرتبہ اس مزار میں جا چکا ہوں وہاں ایسے کوئی آثار نہیں۔ ویسے بھی چھانگا قبروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اگر وہاں کوئی تہہ خانہ ہے تو کسی اور جگہ ہو گا.... شاید ان کمروں کے نیچے جہاں بیٹھ کر وہ اپنا کاروبار کرتے ہیں۔"

"ان کا ایک آدمی ہمارے ہاتھ آ جائے تو سارا پتہ چل جائے گا۔" اچھو نے کہا۔

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" ماجھا گجر بولا۔ "ہم نے ان کے کئی آدمی پکڑے ہیں لیکن کسی نے شارق کے خلاف زبان نہیں کھولی۔ نکا پہلوان اور حفیظ کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی جانیں دے دیں مگر شارق کا راز نہیں بتایا۔ پتہ نہیں شارق نے ان سب پر کیا جادو کر رکھا ہے۔"

"اس لڑکی کو پکڑو استاد۔" اچھو نے کہا۔ "اگر وہ لڑکی قابو آ جائے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لڑکی ہمارے قبضے میں ہو گی تو شارق بھی تمہارے قدموں میں جھک جائے گا۔"

"اسے تلاش کرنا ہی پڑے گا۔" ماجھے گجر نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اس لڑکی کے ذریعے شارق ہمارے قبضے میں آ سکتا ہے۔"

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے تیسرے حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

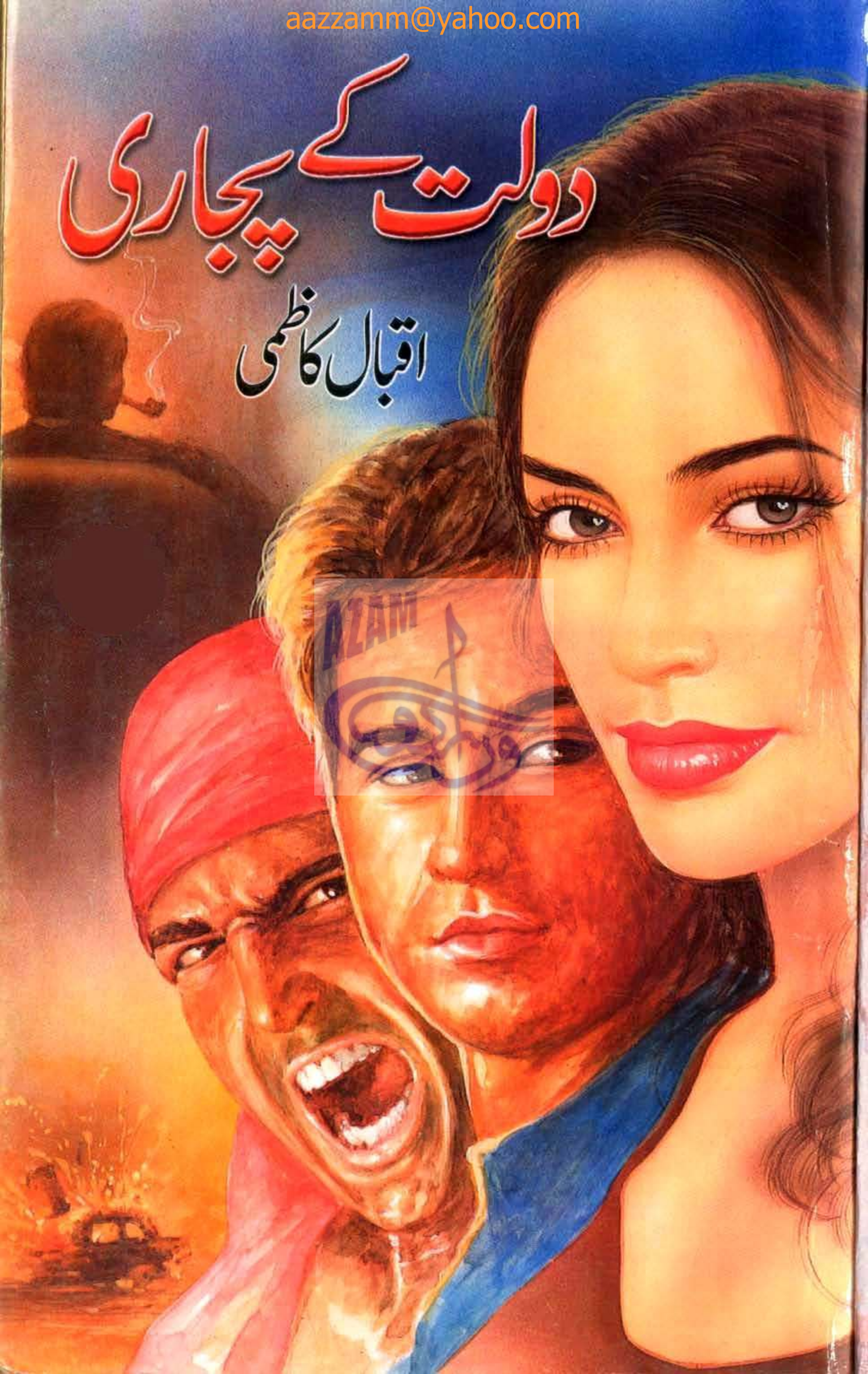

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

3

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیراسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66روپے

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

وہ اسی طرح کی باتیں کرتے رہے کچھ دیر بعد اچھو تو سو گیا لیکن ماجھا گجر جاگتا رہا۔ وہ بار بار شارق کے بارے میں سوچنے لگتا۔ شارق ہی کی وجہ سے پچھلے چند دنوں کے دوران اسے کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا تھا اور جو پانچ چھ بندے ضائع ہوئے تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔ شارق کی حکمت عملی وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ اسے نہ صرف مالی لحاظ سے بلکہ افرادی قوت کے لحاظ سے بھی کمزور کر رہا تھا۔ شارق کا منصوبہ واقعی بے حد خوفناک تھا وہ اسے بتدریج کمزور کر کے ختم کرنا چاہتا تھا۔ ماجھا سوچ رہا تھا کہ اگر شارق اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو ایک روزہ وہ (ماجھا گجر) سڑکوں پر بھیک مانگتا ہوا نظر آئے گا۔ وہ تو شارق کو اس کاروبار سے ہٹانا چاہتا تھا تاکہ اس کے بعد منشیات کی منڈی پر اپنی اجارہ داری قائم کر سکے۔ لیکن وہ شارق کا تو ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا البتہ اس کے اپنے قدم اکھڑنا شروع ہو گئے تھے۔

ماجھا گجر جیسے جیسے سوچتا اس کا ذہن الجھتا گیا۔ اور اب تو صورتحال یہ تھی کہ شارق کا خیال ذہن میں آتے ہی اس کا خون کھولنے لگتا تھا۔ رات کے آخری پہر شارق ہی کے بارے میں سوچتے ہوئے دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اب وہ ایک نئے رخ پر سوچ رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

کمرے کی کھڑکی سے دن کا ہلکا سا اجالا نظر آنے لگا تھا۔ ماجھا رات بھر جاگتا رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے سامنے آگیا اور کھڑکی کھول دی۔ تازہ ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ مکان کے پچھلی طرف سے مویشیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ماجھا گجر کی ساری زندگی گاؤں میں گزری تھی۔ بڑی دلچسپ زندگی تھی۔ صبح منہ اندھیرے اٹھنا۔ خاموش اور پرسکون فضا میں مویشیوں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں۔ لیکن وہ جب سے شہر آیا تھا سب کچھ بھول گیا تھا۔ شہر میں وہ رات کو دیر تک جاگتا اور صبح دیر تک سوتا رہتا۔ آج بہت عرصہ بعد وہ صبح سویرے تازہ ہوا میں سانس لیتے ہوئے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مکان کے پچھلی طرف وہ احاطہ تھا جہاں مویشی وغیرہ باندھے جاتے تھے۔ اس طرف سے مویشیوں کے ساتھ اب دو آدمیوں کے بولنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ دیہی علاقوں میں رہنے والوں کے لئے ایک نیا دن شروع ہو گیا تھا۔

ماجھا گجر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ دفعتاً اپنے عقب میں آہٹ سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کی بہن عارفہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے ماجھے کو دیکھ کر سلام کیا پھر بولی۔

"مجھے ابھی سودے نے بتایا ہے۔ رات کو جب تم آئے تھے تو مجھے جگا لیا ہوتا۔"

"وہ ایسا وقت نہیں تھا کہ تمہاری نیند خراب کی جاتی۔" ماجھے نے جواب دیا۔

"خیر تو ہے اتنی رات کو کیسے آئے تھے؟" عارفہ نے پوچھا۔

"کسی کام سے شیخوپورہ گیا ہوا تھا۔ واپسی پر سوچا کہ یہاں کا بھی چکر لگاتا چلوں۔ رات کو دیر سے پہنچا تھا اس لئے میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔" ماجھا گجر نے جواب دیا پھر بولا۔ "سلطانہ کیسی ہے۔ اسکول جاتی ہے یا نہیں۔"

"دو تین دن سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے اسکول بھی نہیں جا رہی۔ ابھی تو سو رہی ہے۔" عارفہ نے جواب دیا۔ پھر قالین پر سوئے ہوئے اچھو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"نوکر ہے سونے دو اسے۔ چلو۔ اندر چلتے ہیں۔" ماجھے نے کہا اور عارفہ کے ساتھ مکان کے اندرونی حصے میں آگیا۔

برآمدے میں کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہی پر بیٹھ گئے۔ سامنے کشادہ پختہ صحن تھا۔ ایک دروازہ صحن کے دوسری طرف بھی تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سودا دودھ کی بالٹی اٹھائے ہوئے سامنے

والے دروازے سے صحن میں داخل ہوا اور سیدھا باورچی خانے کی طرف چلا گیا جہاں ملازمہ پہلے ہی سے موجود تھی۔

تھوڑی دیر بعد عارفہ کی بیٹی سلطانہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر آگئی۔ وہ دس گیارہ سال کی ایک پیاری سی بچی تھی۔ ماجھے گجر کو دیکھ کر وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی عارفہ اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور ماجھا سلطانہ سے باتیں کرنے لگا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ماجھا اور اچھو وہاں سے رخصت ہو گئے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ لنڈا بازار کے قریب سلطان سرائے پہنچ گئے۔ یہاں زیادہ تر موٹروں کے ورکشاپ تھے۔ اور انہی ورکشاپوں میں چائے کی ایک دکان میں ماجھے کے ایک اجنٹ نے بھی ہیروئن کا اڈہ قائم کر رکھا تھا۔ یعقوب نامی یہ ایجنٹ بھی رات کو شارق کے اڈے پر ہونے والی کارروائی میں شریک تھا۔

"کیا صورت حال ہے شہر کی؟" ماجھا نے اس سے پوچھا۔

"رات کو پولیس نے شارق کے ڈیرے سے ایک لاش اٹھا لی تھی۔ اس لاش کے علاوہ انہیں وہاں سے کچھ نہیں ملا تھا۔ البتہ دو سنتری وہاں کی نگرانی کے لئے کھڑے کر دیئے گئے ہیں لیکن شارق یا اس کے ساتھیوں کا کوئی سراغ نہیں ملا۔" یعقوب نے بتایا۔

"کوئی اور بات؟" ماجھے نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چلا۔" یعقوب نے جواب دیا۔

ماجھا گجر تقریباً دو گھنٹے تک وہاں بیٹھا رہا۔ اس دوران اس کاروبار سے تعلق رکھنے والے دو اور آدمی وہاں آئے تھے۔ ماجھے نے ان سے بھی معلومات حاصل کی تھیں لیکن کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ شہر میں خاموشی تھی۔

ماجھا گجر جب سلطان سرائے سے رخصت ہوا تو سہ پہر کے پانچ بجنے والے تھے۔ وہ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا چوبرجی کوارٹرز پہنچ گیا۔ گیٹ میں داخل ہونے کے بعد تھوڑی ہی دور جا کر اس نے سامنے سے آنے والے ایک شخص کو دیکھ کر گاڑی روک لی۔

"آپ بتا سکتے ہیں کہ شفاعت علی صاحب کہاں رہتے ہیں؟" ماجھے نے اس آدمی سے پوچھا۔

"چوتھی لین میں دائیں طرف گراؤنڈ فلور کا آخری کوارٹر ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس وقت گھر پر ہی ہوں گے۔ تھوڑی دیر پہلے انہیں آتے ہوئے دیکھا تھا۔" اس شخص نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

ماجھے نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ سرخ اینٹوں کی یہ لمبی لمبی عمارتیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ اس نے چوتھی لین میں گاڑی موڑ لی اور کونے والے کوارٹر

aazzamm@yahoo.com

کے سامنے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور اچھو کو گاڑی میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتا ہوا نیچے اتر گیا اور دروازے پر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک نوجوان تھا جو الجھی ہوئی نظروں سے ماجھے گجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"شفاعت علی صاحب سے ملنا ہے۔" ماجھے گجر نے کہا۔

وہ ثمینہ کا بھائی ندیم تھا۔ وہ کچھ دیر تک الجھی ہوئی نظروں سے ماجھے کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ پچھلی طرف سے آیئے۔ میں بیٹھک کا دروازہ کھولتا ہوں۔"

ماجھا گجر کار میں بیٹھتے ہوئے اچھو کو اشارہ کرتا ہوا بلاک کے اوپر سے گھوم کر پچھلی طرف آ گیا۔ اس طرف بیٹھک کا دروازہ تھا۔ ہر کوارٹر والے نے اپنے کوارٹر کے سامنے تاروں یا باڑھ سے حد بندی کر کے خوبصورت لان بنا رکھے تھے۔ اس کوارٹر کے سامنے بھی باڑھ کی حد بندی تھی اور آمد و رفت کے لئے لکڑی کے تختوں کا ایک دروازہ بھی لگا رکھا تھا۔ لان خوبصورت تھا۔ پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ لکڑی کا یہ پھاٹک غالباً لان کو بکریوں وغیرہ سے بچانے کے لئے لگایا گیا تھا۔

تقریباً ایک منٹ بعد وہی نوجوان بیٹھک کے دروازے سے باہر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر لان والا پھاٹک کھول دیا اور ماجھے کو بیٹھک میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔ ماجھا ایک کرسی پر بیٹھا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ بیٹھک کے فرنیچر اور دیگر سامان سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ایک دھیڑ عمر آدمی اندرونی دروازے سے کمرے میں داخل ہوا۔ ماجھا گجر اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آگے بڑھ کر اس شخص سے ہاتھ ملایا۔ وہ ثمینہ کا باپ شفاعت علی تھا۔ وہ اجنبی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ ملا کر بیٹھ گئے اور خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ بالآخر شفاعت علی نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"میرا خیال ہے میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا ہے۔ بہرحال فرمایئے۔ آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟" شفاعت علی سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگا۔

"بات کچھ عجیب سی ہے۔" ماجھا گجر کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح شروع کروں۔ میری بھی جوان بیٹی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ....."

"آپ کھل کر بات کیجئے۔" شفاعت علی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں آپ کی بیٹی ثمینہ بی بی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" ماجھے نے کہا۔

"آپ کا میری بیٹی کے معاملے سے کیا تعلق ہے؟" شفاعت علی اسے گھور رہا تھا۔

"آپ شریف آدمی ہیں ثمینہ بی بی کی شرافت میں بھی کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن بدقسمتی سے وہ غلط ہاتھوں میں پھنس کر خطرناک راستے پر چل نکلی ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کون ہیں اور اس معاملے سے آپ کو کیا دلچسپی ہے۔"

"دیکھئے جی۔" ماجھا گجر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دلچسپی اور غرض نہ ہو تو کوئی کسی کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ اس معاملے سے میری بھی ایک غرض وابستہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ہم مل کر یہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔"

"ذرا وضاحت کیجئے۔" شفاعت علی نے کہا۔

"ثمینہ بی بی نادانستگی میں فیصل آباد میں ایک ایسے آدمی کے جال میں پھنس گئی تھی جو منشیات کا ایک بہت بڑا اسمگلر ہے۔ وہ ایک خطرناک قاتل بھی ہے اسی وجہ سے ثمینہ بی بی بعض سنگین کیسز میں ملوث ہو چکی ہے۔ وہ فیصل آباد پولیس کو قتل کے ایک کیس میں بھی مطلوب ہے۔ وہ چند روز پہلے لاہور میں بھی ایک آدمی کو قتل کر چکی ہے لیکن پولیس کو ابھی اس کے بارے میں اطلاع نہیں ملی... ثمینہ بی بی اس وقت جس شخص کے جال میں پھنسی ہوئی ہے وہ بے حد خطرناک آدمی ہے۔ اس کی وجہ سے ثمینہ بی بی بھی جرائم کی دلدل میں پھنستی جا رہی ہے۔"

شفاعت علی اس کی باتیں سنتا رہا پھر وہ ایک دم پھٹ پڑا۔ اس نے ماجھے کو پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی تک دے ڈالی تھی ماجھا گجر خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہاں گرم مزاجی دکھانے سے معاملہ بگڑ جائے گا۔

"دیکھئے جناب۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کی مدد کرنے آیا ہوں آپ کو مزید پریشان کرنے نہیں۔ اگر آپ مجھ سے تعاون کریں تو نہ صرف آپ کی بیٹی واپس آ سکتی ہے بلکہ میں اس کے خلاف تمام کیسز بھی ختم کرا سکتا ہوں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" شفاعت علی نے کہا۔

"سنا ہے آپ نے ثمینہ بی بی کو کسی آدمی کے ساتھ اس کالونی سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ اس کا نام نولکھا ہے وہ فیصل آباد کا رہنے والا ہے۔ منشیات کا دھندہ کرتا ہے اور ایک آدمی کو قتل کر کے فیصل آباد سے بھاگا ہوا ہے۔ فیصل آباد پولیس کو شبہ ہے کہ ثمینہ بی بی بھی قتل کے اس کیس میں ملوث ہے۔ وہ دونوں اس وقت لاہور میں موجود ہیں۔ ثمینہ بی بی شارق نامی ایک آدمی کی تحویل میں ہے جو روپوش ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ثمینہ بی بی اور نولکھا یہاں کس گھر میں ٹھہرے تھے۔ اگر اس کا پتہ چل جائے تو اس سے نولکھا کے بارے میں

aazzamm@yahoo.com

معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"اس کا نام ناصر علی ہے۔" شفاعت علی نے جواب دیا۔ "یہ ثبوت بھی مل گیا تھا کہ ثمینہ رات کو اس کے گھر میں رہی تھی۔ نولکھا اس کا رشتے دار ہے۔ پولیس نے ناصر علی کو پکڑا بھی تھا لیکن بعد میں چھوڑ دیا۔"

"کیوں.... چھوڑ کیوں دیا؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"پولیس کے خیال میں وہ بے گناہ تھا اس لئے اسے چھوڑ دیا گیا۔" شفاعت علی نے جواب دیا۔

ماجھا گجر کچھ دیر خاموش رہا پھر وہ دونوں پرسکون لہجے میں باتیں کرتے رہے۔ ماجھا گجر جب شفاعت علی کے کوارٹر سے نکلا تو شام کے سات بج رہے تھے۔ واپس جاتے ہوئے اس نے ناصر علی کا کوارٹر بھی دیکھ لیا تھا۔

اس رات گیارہ بجے کے لگ بھگ ماجھا گجر کے آدمی ناصر علی کو اس کے گھر سے اٹھا لائے۔ ناصر علی کی عمر سینتالیس اڑتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ دراز قامت دبلا پتلا سا آدمی تھا ایک سرکاری دفتر میں ہیڈ کلرک تھا دفتر میں اور محلے میں بھی وہ بہت شریف آدمی سمجھا جاتا تھا۔ بائیس سالہ ملازمت میں اس نے ایک مرتبہ بھی اپنے افسران یا کسی اور کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس کوارٹر میں رہتے ہوئے بھی اسے تقریباً اٹھارہ سال ہو چکے تھے۔ محلے میں کسی سے بھی ان بن نہیں ہوئی تھی ہمیشہ دوسروں کے غم خوشی میں شریک رہتا۔ اپنے حسن سلوک سے اس نے اس کالونی میں بھی کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔

نولکھا اس کی بیوی کلثوم کا ماموں زاد بھائی تھا۔ وہ فیصل آباد میں رہتا تھا۔ بہت شریف آدمی تھا اکثر لاہور آتا رہتا تھا اور ہمیشہ انہی کے ہاں ٹھہرتا تھا۔ لیکن پھر نجانے کیا ہوا کہ وہ نشہ کرنے لگا۔ راستے سے بھٹک گیا۔ اس کی بیوی اور بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ وہ ہیروئن بیچنے لگا۔ اس نے خود تو نشہ کرنا چھوڑ دیا مگر وہ ہیروئن فروخت کر کے نوجوان نسل کو موت کے کنویں میں دھکیلنے لگا۔

نولکھا نے ناصر علی کے ہاں آنا جانا بہت کم کر دیا تھا۔ اور پھر چند روز پہلے وہ آدھی رات کو آیا تو اس کے ساتھ اسی کالونی میں رہنے والے شفاعت علی کی بیٹی بھی تھی۔ انہوں نے چوری چھپے رات یہاں گزاری اور پھر چلے گئے۔ مگر شفاعت علی نے انہیں ٹیکسی پر کالونی کے گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا لیا تھا۔ اس نے پولیس میں بیٹی کے اغواء کی رپورٹ درج کرا دی اور نولکھا کا حلیہ بھی بتا دیا۔ پولیس کے لئے یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا کہ ثمینہ اور نولکھا کالونی میں کس کے گھر سے گئے تھے۔ پولیس ناصر علی کو پکڑ کر لے گئی۔

اس کالونی میں چھوٹی موٹی باتیں تو ہوتی ہی رہتی تھیں لیکن اس قسم کا سنگین واقعہ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ شفاعت علی کی بیٹی فیصل آباد کے ایک کالج میں پروفیسر ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ان دنوں فیصل آباد میں تھی۔ کالونی سے اس کے اغواء کی خبر سب کے لئے حیرت کا باعث بنی تھی۔ پھر یہ سوچا کہ ممکن ہے وہ اس شام فیصل آباد سے آئی ہو اور گھر پہنچنے سے پہلے ہی کسی نے اسے اغواء کر لیا ہو لیکن جب پولیس ناصر علی کو ثمینہ کے اغواء کے الزام میں پکڑ کر لے گئی تو لوگوں کو اس سے زیادہ حیرت ہوئی تھی اور پھر یہ بات بھی کسی معمے سے کم نہیں تھی کہ ثمینہ نے ایک رات کسی اور آدمی کے ساتھ ناصر علی کے گھر پر گزاری تھی۔ معاملہ بے حد پیچیدہ تھا اور لوگ اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔

ناصر علی کو تھانے لے جا کر ثمینہ اور نولکھا کے بارے میں سرسری سی باز پرس کی گئی۔ ابھی باز پرس جاری ہی تھی کہ علاقے میں کسی قتل کی اطلاع ملی اور ایس ایچ او پولیس پارٹی کو لے کر جائے وقوعہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے محرر سے کہہ دیا تھا کہ ناصر علی کو حوالات میں بند کر دے۔ وہ واپس آ کر اس سے باز پرس کرے گا۔

اور پھر رات دو ڈھائی بجے ایک آدمی اسے تھانے سے چھڑا کر لے گیا تھا۔ وہ آدمی اس کے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ وہ اسے گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ راستے میں نہ تو ناصر علی نے اس سے کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی اس شخص نے خود اپنے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اسے گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ دروازے پر اتارتے ہوئے اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ اب پولیس اسے پریشان نہیں کرے گی۔

اس واقعہ کو کئی روز گزر گئے تھے۔ پولیس نے واقعی اسے پریشان نہیں کیا تھا لیکن شفاعت علی سے اس کے تعلقات میں اچھی خاصی کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔

اور پھر آج رات وہ کلثوم کے ساتھ بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے جیسے ہی باہر کا دروازہ کھولا دو آدمیوں نے اسے منہ کھولنے کا موقع دیئے بغیر دبوچ کر سامنے کھڑی ہوئی کار میں بٹھا لیا۔ ان دونوں کے پاس پستول تھے۔ انہوں نے ناصر علی کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے شور مچایا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ تیسرا آدمی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی کار آگے بڑھا دی۔

یہ پولیس والے نہیں تھے۔ اگر پولیس والے ہوتے تو اسے اس طرح نہ اٹھاتے۔ وہ ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بنا بیٹھا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کون ہیں اور

aazzamm@yahoo.com

اسے کہاں لے جا رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے جواب نہیں دیا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا تھا کہ اسے شفاعت علی نے تو اس طرح اغواء نہیں کروایا تھا۔ شفاعت علی کے اس قسم کے لوگوں سے تعلقات نہیں تھے لیکن معاملہ اس کی بیٹی کا تھا اور وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ پولیس نے تو اسے شاید رشوت لے کر چھوڑ دیا تھا اور اب وہ اسے بدمعاشوں کے ذریعے اغواء کر کے خود اس سے بیٹی کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی گلبرگ والی نہر کے کنارے ایک شاندار کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ ناصر علی کا خیال تھا کہ یہاں اسے شفاعت علی سے سامنا کرنا پڑے گا مگر شفاعت علی کے بجائے ایک اور آدمی اس کا منتظر تھا۔ وہ ماجھا گجر تھا۔

"اس رات نولکھا ثمینہ کو لے کر تمہارے گھر آیا تھا؟" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" ناصر علی نے جواب دیا۔ "لیکن میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ثمینہ تمہارے ہی محلے میں رہنے والے ایک آدمی کی بیٹی ہے۔" ماجھے نے اسے گھورا۔

"میں جانتا تھا۔" ناصر علی نے کہا۔ "پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ نولکھا اسے اغواء کر کے لایا ہے۔ میں نے اور میری بیوی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنے گھر چلی جائے یا ہم خود اسے چھوڑ آتے ہیں لیکن ثمینہ نے ہمیں منع کر دیا تھا اور ہمارے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے کہ اس کے گھر والوں یا محلے میں کسی کو بھی پتہ نہ چلے کہ وہ یہاں موجود ہے بعد میں مجھے نولکھا نے بتایا تھا کہ وہ کسی کیس میں فیصل آباد پولیس کو مطلوب ہے اور پولیس سے بچنے کے لئے بھاگ کر آئی ہے۔ وہ اپنے کسی اور جاننے والے کے ہاں جانا چاہتی تھی اور نولکھا اسے چھوڑنے آیا تھا۔"

"وہ کس کے پاس جانا چاہتی تھی؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" ناصر علی نے جواب دیا۔ "نولکھا صبح سویرے ہی کہیں چلا گیا تھا اور پانچ ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ آ کر اسے لے گیا تھا۔ لیکن ثمینہ کے باپ نے راستے میں انہیں دیکھ لیا۔ اس نے پہلے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور بعد میں رپورٹ لکھوا دی کہ اس کی بیٹی کو اغواء کر لیا گیا ہے۔ پولیس نے یہ معلوم کر لیا کہ وہ میرے گھر سے گئے تھے۔ پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے میں نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ ثمینہ اپنے گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے مرضی سے نولکھا کے ساتھ فیصل آباد سے آئی تھی اور اپنی

مرضی ہی سے اس کے ساتھ گئی تھی۔ اسے کسی نے اغواء نہیں کیا تھا۔"

"نولکھا اسے لے کر کہاں گیا تھا؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" ناصر علی نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس نے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"اس کا کوئی ٹھکانہ تمہیں معلوم ہے؟"

"ہمارے کچھ رشتے دار ہیں جو شہر کے مختلف علاقوں میں رہتے ہیں۔ لیکن نولکھا ان میں سے کسی کے گھر نہیں جاتا۔ وہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔" ناصر علی نے جواب دیا۔

"اس کا کوئی دوست جہاں وہ رہ سکتا ہو۔" ماجھے نے پوچھا۔

"اس کے دوست بھی منشیات بیچنے والے ہی ہیں۔ لیکن میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔" ناصر علی نے کہا۔

"اس رات تمہیں تھانے سے کون چھڑا کر لایا تھا۔" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں اس شخص کو نہیں جانتا۔ اس رات میں نے زندگی میں پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ وہ مجھے تھانے سے چھڑا کر گھر چھوڑ گیا تھا اور کہا تھا کہ پولیس اب مجھے پریشان نہیں کرے گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص رات دو ڈھائی بجے تمہیں پولیس سے چھڑا کر لایا ہو۔ اس کے لئے اس نے پانچ دس ہزار روپے رشوت بھی دی ہو گی اور تم اسے نہیں جانتے۔" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں اسے نہیں جانتا۔" ناصر علی نے کہا۔

"اس کا حلیہ کیا تھا؟" گجر نے پوچھا اور ناصر علی نے جو حلیہ بتایا اسے سن کر ماجھا گجر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اچھا بھئی ناصر علی!" ماجھا گجر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ "بات یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ نولکھا کہاں چھپا ہوا ہے۔ اب تک تو میں تم سے بڑی محبت سے باتیں کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب میں اپنی زبان سے بات کروں گا۔ زبان سے زیادہ میرے اور ان دونوں کے ہاتھ چلیں گے۔ میں تمہیں سوچنے کے لئے صرف ایک منٹ دے رہا ہوں۔ اگر تم نے نولکھا کا ٹھکانہ بتا دیا تو ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہو گا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"مم.... میں سچ کہتا ہوں۔ میں کچھ نہیں جانتا کہ نولکھا کہاں ہے؟" ناصر علی نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"تمہارے پاس پینتالیس سیکنڈ باقی ہیں۔ اچھی طرح سوچ لو۔" ماجھا گجر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مم.... میں کچھ .... نہیں جانتا۔" ناصر علی ہکلایا اس کے چہرے پر خوف ابھر آیا تھا۔

"تمہارے پاس وقت ختم ہو چکا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اب ہم اپنی زبان میں بات کریں گے۔" اس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ "گلو! جب تک یہ نولکھا کا پتہ نہ بتائے اس وقت تک اس کی ٹھکائی کرتے رہو۔ اور تم بھی ایک بات یاد رکھو۔ میں انکار نہیں سننا چاہتا تمہیں اجازت ہے کہ جو طریقہ پسند کرو استعمال کرو۔"

"کیوں اوئے کانگڑی پہلوان۔ کیا ارادہ ہے؟" گلو نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ناصر علی کے سامنے آ گیا۔

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" ناصر علی رو پڑا۔

گلو چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس نے ناصر علی کے منہ پر زور دار گھونسہ مار دیا گھونسہ منہ پر سامنے لگا تھا ناصر علی کو یوں لگا جیسے کسی وزنی ہتھوڑے سے ضرب لگائی گئی ہو۔ اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ اس کے سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گر گیا تھا۔

"ابھی صرف ایک دانت ٹوٹا ہے۔" گلو اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں تو تمہارے سارے دانت اس طرح توڑنے کے بعد تمہارے ہاتھوں اور پیروں کے ناخن اکھاڑ دوں گا اور اگر اس کے بعد بھی تم نے زبان نہیں کھولی تو تمہارے جسم سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر باہر کتوں کو ڈال دیئے جائیں گے۔ اندر آتے ہوئے وہ کتے تو دیکھے تھے نا تم نے.... بڑے خونخوار ہیں۔ انسان کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔"

"مم.... میں سچ کہتا ہوں۔ میں کچھ نہیں....."

"میں یہ الفاظ نہیں سننا چاہتا۔" گلو نے اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ سے ایک بار پھر اس کے منہ پر زور دار گھونسہ مارا۔

ناصر علی بری طرح چیخا۔ اس کے سامنے کا ایک اور دانت ٹوٹ گیا تھا۔ گلو نے اس کے بال چھوڑ کر اس مرتبہ اس کے کان پر گھونسہ مارا۔ ناصر علی چکرا کر گرا ایک لمحہ کو اسے یوں لگا جیسے اس کے کان میں بموں کے دھماکے ہو رہے ہوں وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلایا اور فرش پر گر کر تڑپنے لگا اس کے کان کا پردہ پھٹ گیا تھا اور خون بہہ نکلا تھا۔

اور پھر گلو کے ہاتھ پیر چلتے رہے۔ ناصر علی کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں گلو کی

ٹھوکریں اور گھونسے نہ پڑ رہے ہوں ناصر علی پانی سے نکلی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا لیکن پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

"اسے ہوش میں لاؤ اور معلوم کرو نولکھا کہاں ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "نولکھا اس کا رشتے دار ہے اور نولکھا یقیناً یہ جانتا ہے کہ شارق اور ثمینہ کہاں ہوں گے۔"

وہ ناصر علی کو آدھے گھنٹے بعد ہوش میں لانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ تشدد کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا اس مرتبہ گلو پلاس سے اس کے ہاتھوں کے ناخن اکھاڑنے لگا۔ لیکن ناصر علی اس مرتبہ زیادہ دیر تک تشدد برداشت نہ کر سکا اور کچھ دیر تڑپنے کے بعد ایک بار پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ وہ لوگ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اس مرتبہ کامیاب نہیں ہو سکے ..... وہ ختم ہو چکا تھا۔

"اس کی لاش یہاں سے دور لے جا کر نہر میں پھینک دو۔" ماجھا گجر نے کہا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔

کچھ دیر بعد گلو اور دوسرا آدمی ناصر علی کی لاش بوری میں ڈال کر لے گئے اور ماجھا گجر خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ نولکھا' شارق اور ثمینہ کو کیسے تلاش کرے۔ اب تک اس کی ہر کوشش ناکام رہی تھی اور کم از کم چار آدمی اس چکر میں اس کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے مگر اسے مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔ ہر کوشش میں ناکامی کے بعد اس کی مایوسی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا اور اس وقت بھی اس کا چہرہ مایوسی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

○

شفاعت علی عجیب صورت حال سے دوچار تھا۔

ثمینہ نے جو قدم اٹھایا تھا اس سے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ نہ صرف اس محلے میں بلکہ پورے خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ جب پہلی مرتبہ کالونی کے گیٹ پر ثمینہ سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ اس وقت اگر وہ اس کے ساتھ گھر آ جاتی تو شاید یہ بات زیادہ نہ پھیلتی اور وہ کوشش کر کے دیگر مسائل پر بھی قابو پا سکتا تھا لیکن ثمینہ تو اس کے ہاتھ ہی نہیں آئی تھی۔ بالآخر مایوس ہو کر اس نے پولیس میں ثمینہ کے اغواء کی رپورٹ لکھوا دی۔

شفاعت علی نے رپورٹ میں واضح طور پر یہ لکھوایا تھا کہ اس کی بیٹی فیصل آباد کے ایک گرلز کالج میں پروفیسر ہے۔ شاید وہ چھٹی پر گھر آئی تھی لیکن گھر پہنچنے سے پہلے ہی اسے اغواء کر لیا گیا۔ لیکن جب پولیس نے تحقیقات شروع کی تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا۔ شفاعت علی کے لئے یہ انکشاف خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ ثمینہ نے رات اسی کالونی میں ناصر علی نامی ایک شخص کے

aazzamm@yahoo.com

گھر میں گزاری تھی۔ ناصر علی اور اسکی بیوی نے یہ بیان دیا تھا کہ ثمینہ آدھی رات کے بعد نولکھا کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اپنے گھر جانے کو تیار نہیں تھی بلکہ اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس کالونی میں کسی کو اس کے بارے میں پتہ نہیں چلنا چاہئے۔

پولیس ناصر علی کو لے گئی تھی لیکن آدھی رات کے بعد وہ واپس آ گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ مقامی پولیس سے اس سلسلے میں دریافت کرتا کہ ناصر علی کو کیوں چھوڑا گیا ہے کہ فیصل آباد پولیس کے دو آدمی اس کے گھر پہنچ گئے۔ ان میں ایک اے ایس آئی تھا دوسرا کانسٹیبل۔ ان کے ساتھ مقامی پولیس اسٹیشن کا ایک کانسٹیبل بھی تھا۔ شفاعت علی نہیں سمجھ سکا تھا کہ فیصل آباد کی پولیس کیوں آئی ہے لیکن جو انکشاف ہوا وہ خاصا سنسنی خیز تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بیٹی ثمینہ بی بی فیصل آباد میں بعض ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث رہی ہے۔" اے ایس آئی نے کہا۔

"نہیں' میری بیٹی ایسا نہیں کر سکتی۔" شفاعت علی نے کہا۔ "وہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ کالج میں پروفیسر ہے۔ اچھے برے کی تمیز کر سکتی ہے۔ وہ اس قسم کی کوئی بات نہیں کر سکتی جس سے اس کی اپنی یا اس کے ماں باپ کی عزت پر حرف آتا ہو۔"

"لیکن وہ ایسا کر چکی ہے۔" اے ایس آئی نے کہا۔ "چند روز پہلے پولیس نے قبرستان میں قائم منشیات کے اڈے پر چھاپہ مارا تو وہاں سے ثمینہ بی بی کی ایک کتاب اور ایک رجسٹر ملا تھا۔ جس پر ان کا اور کالج کا نام تحریر تھا۔ رابطہ قائم کرنے پر ثمینہ بی بی نے ایک عذر پیش کر دیا جسے وقتی طور پر تسلیم کر لیا گیا لیکن آپ جانتے ہیں کہ پولیس آسانی سے کسی بات پر یقین نہیں کرتی۔

'ہماری تفتیش جاری رہی اسی دوران اس منشیات کے اڈے سے متصل ایک ورکشاپ کے مالک محمد یوسف کو قتل کر دیا گیا۔ یہ قتل نولکھا نامی ایک شخص نے کیا تھا لیکن تفتیش کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ جس روز منشیات کے اڈے پر چھاپہ پڑا تھا اس وقت ثمینہ بی بی اس اڈے پر موجود تھی اور اپنی کتاب اور رجسٹر بھول کر اس ورکشاپ کی طرف سے فرار ہوئی تھی اور یوسف نامی اس موٹر مکینک نے فرار میں اسکی مدد کی تھی مزید تفتیش پر یہ انکشاف ہوا کہ محمد یوسف نے ثمینہ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کے گھر گیا تھا۔ اس سے اگلے روز اسے بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔

پولیس کی تحقیقات جاری رہیں اور مزید انکشافات ہوتے چلے گئے۔ ایک یہ دلچسپ انکشاف بھی ہوا کہ اس سے کئی روز پہلے ثمینہ نے ایک ایسے شخص کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی جو اس علاقے میں ایک قتل کر کے بھاگا تھا۔ وہ زخمی تھا اور پولیس اس کے تعاقب میں تھی۔ پولیس کو

ثمینہ کے دروازے پر خون کے نشان ملے تھے اور شبہ تھا کہ وہ زخمی مفرور اس گھر میں پناہ لئے ہوئے ہے۔ لیکن ثمینہ بی بی نے صاف طور پر کہہ دیا کہ یہاں کوئی نہیں آیا۔

محلے والوں کی اطلاع کے مطابق بعد میں ایک نوجوان کو ثمینہ کے گھر میں دیکھا گیا جسے ثمینہ نے اپنا کزن بتایا کہ وہ کاروباری سلسلے میں لاہور سے آیا ہوا ہے۔ وہ نوجوان کئی روز وہاں رہا۔ پھر ثمینہ بی بی اچانک ہی وہ مکان چھوڑ کر طارق آباد کی ایک کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔

اس دوران یوسف مکینک کے قتل کی تفتیش کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ اس قتل میں ثمینہ بھی ملوث ہو سکتی ہے اور اب ہم اس کوٹھی پر پہنچے تو پتہ چلا کہ ثمینہ ایک آدمی کے ساتھ کار میں بیٹھ کر کہیں جا چکی ہے۔ یہ بات ہمیں سامنے والی کوٹھی میں رہنے والے ایک شخص نے بتائی تھی جو اتفاق سے اس وقت اپنی کوٹھی کے برآمدے میں کھڑا تھا۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں اس شخص نے ثمینہ کے ساتھ کار میں دوسرے شخص کو بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ فیصل آباد کا بدنام منشیات فروش نولکھا تھا۔

ہو سکتا ہے مکینک یوسف کے قتل میں ثمینہ بی بی ملوث نہ ہو اور اپنے گھر میں پناہ دینے والے زخمی ملزم کی دھمکیوں میں آ کر اس نے اپنی زبان بند رکھی ہو لیکن ثمینہ کا اس طرح فرار ہونا اسے قانون کی نظروں میں مشتبہ بنا رہا ہے۔ ہم نے آج صبح ہی ثمینہ کے کالج سے یہاں کا ایڈریس لیا تھا لیکن جب متعلقہ تھانے میں پہنچے تو صورت حال کچھ زیادہ ہی سنگین نکلی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کیا ہے؟ آپ کو اپنی بیٹی کے ان سرگرمیوں کے بارے میں پہلے سے کوئی علم تھا؟"

"اگر مجھے اس پر کسی قسم کا شبہ ہوتا تو میں اس کی نوکری چھڑوا کر گھر لے آتا۔" شفاعت علی نے جواب دیا۔ "مجھے تو خود بھی حیرت ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ اس نے تو ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ ہاں ایک بات مجھے یاد آ رہی ہے چند ہی روز پہلے اس نے مجھے خط لکھا تھا کہ میں ایک دو روز کے لئے اس کے پاس آ جاؤں وہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ میں فیصل آباد گیا تھا لیکن میرے پوچھنے پر بھی اس نے کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ شاید اس نے ارادہ بدل دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اداس ہو گئی تھی' اس نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ اس کی ایک دوست اپنے والدین کے ساتھ ملک سے باہر جا رہی ہے۔ وہ کم از کم دو سال تک ملک سے باہر رہیں گے۔ وہ اپنی کوٹھی کسی کو کرائے پر نہیں دینا چاہتے نہ ہی خالی چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ثمینہ کے بقول انہوں نے پیش کش کی تھی کہ اگر وہ چاہے تو ان کی عدم موجودگی میں اس کوٹھی میں رہ سکتی ہے۔ ثمینہ نے مجھ سے اجازت مانگی تھی۔"

aazzamm@yahoo.com

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ کوٹھی کسی آدمی نے ثمینہ کے نام پر کرائے پر لی تھی اور ایک سال کا کرایہ بھی ایڈوانس دیا گیا تھا۔" اے ایس آئی نے کہا۔

"مجھے اس سلسلے میں کوئی علم نہیں۔" شفاعت علی نے کہا۔

"دیکھئے شفاعت صاحب۔" اے ایس آئی نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ثمینہ بی بی اس شخص کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر ان لوگوں کا ساتھ دینے پر مجبور ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ثمینہ بی بی اب بھی اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے تو اس کے بچنے کے امکانات ہیں۔ اس کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ براہ راست کسی جرم میں ملوث نہیں ہے تو قانون اسے تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ثمینہ بی بی کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ خود پیش ہو جائے۔ اگر آپ کوشش کریں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

"میں کیسے کوشش کر سکتا ہوں۔" شفاعت علی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ تو میرے منہ پر کالک مل کر پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اے ایس آئی نے کہا۔ "آپ اپنی طرف سے کوشش جاری رکھئے ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ ثمینہ کے حق میں بہتر تو یہی ہے کہ وہ خود پیش ہو جائے۔ اس طرح قانونی طور پر اسے کچھ رعائتیں بھی مل سکتی ہیں۔ اگر پولیس اسے گرفتار کرے گی تو بات دوسری ہو گی۔"

شفاعت علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس والے چلے گئے تھے۔ لیکن شفاعت علی کو انگاروں میں دھکیل گئے تھے۔ ثمینہ کے بارے میں اے ایس آئی کے انکشافات یقیناً بہت سنسنی خیز تھے۔

ثمینہ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد جب کالج میں ملازمت کی خواہش کا اظہار کیا تھا تو شفاعت علی نے اس کی مخالفت کی تھی۔ لیکن ثمینہ کی ضد اور ماں کی حمایت کی وجہ سے اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی پڑی تھی۔ ایک سال لاہور میں ملازمت کے بعد جب ثمینہ کا تبادلہ فیصل آباد ہو گیا تو شفاعت علی نے اس وقت پھر مخالفت کی تھی۔ لاہور میں رہتے ہوئے ملازمت کرنا اور بات تھی لیکن وہ جوان بیٹی کو شہر سے باہر نہیں بھیجنا چاہتا تھا لیکن ثمینہ کی ماں پھر آڑے آئی تھی اس کا موقف تھا کہ فیصل آباد میں ان کے کئی رشتہ دار تھے۔ وہ اس کا خیال رکھیں گے۔

ثمینہ چند ہفتے بعض رشتہ داروں کے ہاں رہی پھر اس نے الگ مکان لے لیا تھا۔ کبھی شفاعت علی اور کبھی ان کا بیٹا ندیم فیصل آباد کے چکر لگاتا رہتا تھا لیکن شفاعت علی کو کیا پتہ تھا کہ

ان کی بیٹی کسی ایسے چکر میں پھنس جائے گی جو انہیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔

کئی روز گزر گئے تھے۔ ثمینہ کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور نہ ہی اس آدمی کا پتہ چلا تھا جسے اس روز ثمینہ کے ساتھ ٹیکسی میں دیکھا گیا تھا۔

ثمینہ کی ماں تو رو رو کر پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے تو گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ نکلتی بھی کیسے اس صدمے نے تو اسے چارپائی پر ڈال دیا تھا۔ ثمینہ کا بھائی ندیم بھی کالج سے آنے کے بعد بہت کم گھر سے باہر نکلتا تھا۔ اس نے بھی دوستوں سے ملنا ملانا چھوڑ دیا تھا۔ ظاہر ہے اس میں کسی کی باتیں سننے کی تاب نہیں تھی۔ شفاعت علی بھی دفتر سے آنے کے بعد گھر ہی میں محدود ہو کر رہ جاتے۔

اور آج ماجھا گجر نامی وہ شخص اسے ایک نئی کہانی سنا گیا تھا۔ اسکے کہنے کے مطابق ثمینہ لاہور میں تھی اور منشیات کے ایک بہت بڑے اسمگلر کے ساتھ رہ رہی تھی اور ماجھا گجر کے کہنے کے مطابق وہ ایک آدمی کو اپنے ہاتھوں سے قتل بھی کر چکی تھی۔ ماجھا گجر کی باتیں سن کر شفاعت علی کانپ اٹھا تھا۔ اگر فیصل آباد کے اے ایس آئی کے کہنے کی مطابق ثمینہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر بھی دے تو اب اس کے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ماجھا گجر کو شفاعت علی نہیں جانتا تھا لیکن اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں تھا اور کسی خطرناک ارادے سے ہی یہاں آیا تھا۔

اس رات شفاعت علی ایک لمحہ کو نہیں سو سکا تھا۔ وہ رات بھر ثمینہ کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ ان جرائم پیشہ لوگوں کے چنگل میں کس طرح پھنس گئی تھی۔ وہ تو ایسی لڑکی نہیں تھی۔ یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ وہ کسی نشے کی عادی ہو گئی ہو گی۔ اسے تو ہر قسم کے نشے سے شدید نفرت تھی۔ شفاعت علی کو اچھی طرح یاد تھا کہ ایک سال پہلے ثمینہ نے اپنے چھوٹے بھائی ندیم کو سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے وہ دھنائی کی تھی اس کی کہ اس کے بعد ندیم نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

صبح آٹھ بجے شفاعت علی دفتر جانے کے لئے تیار ہوئے تو پتہ چلا کہ موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ پنکچر ہے۔ ندیم کالج جا چکا تھا ورنہ وہ اس کو پنکچر لگوانے کے لئے بھیج دیتے۔ سمن آباد موڑ پر پنکچر لگانے والی ایک دکان تھی۔ شفاعت علی موٹر سائیکل کو گھسیٹتے ہوئے وہاں تک لے گئے۔ دکان ایک ہی تھی اور تین گاہک پہلے ہی سے موجود تھے اور کام کرنے والا بھی ایک ہی آدمی تھا۔ اس طرح جب شفاعت علی کی موٹر سائیکل تیار ہوئی تو دس بجنے والے تھے۔ دفتر سے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چوبرجی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اے جی آفس کا راستہ چوبرجی ہی سے ہو

aazzamm@yahoo.com

کر گزرتا تھا۔

چوبرجی کا چوک پار کر کے وہ جیسے ہی چند گز آگے نکلے ان کی بس اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف نظر اٹھ گئی۔ ایک لڑکی پینٹ شرٹ میں ایک آدمی کے ساتھ کھڑی تھی۔ بال مردانہ وضع کے کٹے ہوئے تھے۔ دولت مند گھروں کی لڑکیاں فیشن کے نام پر نجانے کن رستوں پر چل نکلی تھیں۔ لیکن جیسے ہی وہ چند گز آگے نکلے شفاعت علی کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ پینٹ شرٹ میں ملبوس اس لڑکی کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا۔ انہوں نے موٹر سائیکل روک لی اور لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے موٹر سائیکل واپس موڑ کر اس لڑکی کے طرف بڑھنے لگے۔ شفاعت علی کے چہرے پر اس وقت بڑے عجیب سے تاثرات تھے جنہیں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اس لڑکی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

وہ ثمینہ تھی!

○

باپ کو سامنے دیکھ کر ثمینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ شفاعت علی موٹر سائیکل سے اتر کر بڑی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اس کا جارحانہ انداز دیکھ کر ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ شفاعت علی نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کی شفقت بھری گرفت تو کئی مرتبہ محسوس کی تھی لیکن یہ گرفت مختلف تھی۔ لگا تھا جیسے اس کی کلائی آہنی شکنجے میں کس دی گئی ہو۔

"تت... تم..." شفاعت علی کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے غالباً غصے اور جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

شارق اس وقت ثمینہ سے دو قدم ہٹ کر کھڑا تھا۔ وہ دائیں طرف سے آنے والے ایک خالی رکشے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن غراہٹ کی آواز سن کر وہ پیچھے پلٹا اور پھر صورت حال دیکھ کر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ شفاعت علی کو نہیں جانتا تھا لیکن ثمینہ کو خوفزدہ انداز میں ایک آدمی کی گرفت میں دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ حلیے سے وہ آدمی شریف ہی نظر آ رہا تھا لیکن اس نے جس طرح ثمینہ کو گرفت میں لیا تھا وہ انداز شریفانہ نہیں تھا۔ لیکن پھر کسی کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا تھا کہ وہ شریف ہے۔ ثمینہ کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا جیسے وہ موت کے فرشتے کی گرفت میں آ گئی ہو شارق کو یہ صورت حال دیکھ کر فوراً ہی گڑبڑ کا احساس ہو گیا۔ وہ پلٹ کر تیزی سے ان کے قریب پہنچ گیا۔

"کون ہو تم؟ تمہیں اس لڑکی کا ہاتھ پکڑنے کی جرات کیسے ہوئی؟" شارق نے شفاعت علی

کے ہاتھ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو؟ ہٹو پیچھے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔" شفاعت علی غرایا۔

"شش..... شارق.... ڈیڈی....." ثمینہ اس کی طرف دیکھ کر ہکلائی۔ اس کی آواز یوں لگی تھی جیسے وہ گہرے کنویں کی تہہ سے بول رہی ہو۔

شارق اچھل پڑا۔ اس نے شفاعت علی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ شفاعت علی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور غصے کی شدت سے اس کے ہونٹ پھڑپھڑا رہے تھے شاید وہ خود بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے دو تین آدمی تو آگے بڑھ آئے تھے۔

"شفاعت علی صاحب۔" شارق اس کی طرف جھکتے ہوئے مدہم لہجے میں بولا۔ "یہ بس اسٹاپ ہے۔ چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگ اس طرف دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ تماشہ بننا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن بہتر ہو گا کہ ہم کسی جگہ بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں تاکہ کسی کو ہنسنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"تم.... تم کون ہو؟" شفاعت علی پھنکارہ۔

"میرا نام شارق ہے۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "میرا مشورہ مان لیجئے اور بیٹی کو سڑک پر اس طرح مت گھسیٹیے آپ ہمارے ساتھ چلئے گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات کر لیجئے گا۔"

"میرا گھر بھی زیادہ دور نہیں ہے لیکن تم...."

"اس وقت ثمینہ کے لئے آپ کا گھر مناسب نہیں ہے۔ اور یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ پلیز! لوگ ہمارے اردگرد جمع ہو رہے ہیں۔ کسی کو مداخلت کا موقع نہ دیں بات بڑھ جائے گی۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ چلو۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" شفاعت علی نے ثمینہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ہم اس طرف چل رہے ہیں۔ آپ موٹر سائیکل لے کر ہمارے پیچھے آ جائیے۔" شارق نے نالے کے پل کی طرف اشارہ کیا۔

شفاعت علی کا دل تو اس وقت یہ چاہ رہا تھا کہ ثمینہ کا گلا گھونٹ دے۔ لیکن شارق کی مداخلت سے اس کی ذہنی رو کا رخ بدل گیا تھا۔ ثمینہ کی وجہ سے اسے اب تک خاصی ذلت اٹھانی پڑی تھی۔ اگر وہ اسے مار ڈالتا تو خود پکڑا جاتا۔ رہی سہی کسر پوری ہو جاتی اور اس کا گھر مکمل طور پر تباہ ہو جاتا۔ وہ ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا۔ ثمینہ کو دیکھ کر اسے شدید غصہ تو آیا تھا لیکن غصے کی

aazzamm@yahoo.com

اس کیفیت میں بھی شارق کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو گھورتا ہوا اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔ شارق اور ثمینہ نالے کا پل پار کر کے دوسری طرف جا چکے تھے۔ شفاعت علی بھی اپنی موٹر سائیکل کھینچتا ہوا ان کے پیچھے چل پڑا۔

وہ بازار میں چلتے ہوئے گلی میں مڑ گئے۔ بازار میں لوگ گھورتی ہوئی نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن ثمینہ کو شاید لوگوں کی ان نظروں کی پرواہ نہیں تھی۔

دس منٹ بعد وہ گھر پہنچ گئے گیٹ پر پہنچ کر شارق نے ثمینہ کو اشارہ کیا وہ برآمدے میں پہنچ گئی اور چوکھٹ کی مخصوص جگہ سے چابی نکال کر تالا کھولنے لگی شارق نے گیٹ کا ایک حصہ پوری طرح کھول دیا تھا۔

"موٹر سائیکل اندر لے آیئے۔" اس نے شفاعت علی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

شفاعت علی نے موٹر سائیکل اندر لا کر دیوار کے قریب کھڑی کر دی اور گھورتی ہوئی نظروں سے شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق اسے لے کر اندر آ گیا۔ ثمینہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھی رو رہی تھی۔ شفاعت علی ایک کرسی کے قریب کھڑا خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح رونے سے تمہارے گناہ دھل جائیں گے' ہماری کھوئی ہوئی عزت واپس آ جائے گی۔" شفاعت علی کہہ رہا تھا۔ "مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی ثمینہ! تم تو پڑھی لکھی ہو۔ برا بھلا سمجھ سکتی ہو۔ پھر یہ سب کچھ کیوں کیا تم نے؟ کیا تمہیں ہماری عزت کا خیال نہیں آیا تھا؟"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتی یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟" ثمینہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

شارق نے اس موقع پر مداخلت کی تو شفاعت علی ایک دم بھڑک اٹھا۔ شارق خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ شفاعت علی کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔

شفاعت علی کے بارے میں اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ دل کی بھڑاس نکال کر وہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ شارق نے بھی اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ شفاعت علی ثمینہ کو اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں ہو گا۔" شارق نے کہا۔ "پولیس کے بارے میں آپ خود بتا چکے ہیں۔ اس اے ایس آئی نے آپ کو شیشے میں اتارنے کے لئے بہت باتیں کی تھیں۔ ثمینہ کو تحفظ فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن آپ ان پولیس والوں کو نہیں جانتے۔ میں آج جس مقام پر کھڑا ہوں اس کے ذمہ دار بھی یہ پولیس والے ہی ہیں اور پھر آپ نے بتایا تھا کہ ماجھا گجر بھی کل آپ کے پاس آیا تھا اسے بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ درست ہے کہ اس کا ایک آدمی ثمینہ

کے ہاتھوں مارا گیا تھا وہ لوگ ثمینہ کو اٹھا کر لے گئے تھے اور ثمینہ نے اپنی عزت بچانے کے لئے اس آدمی کو قتل کیا تھا۔ ان لوگوں کو جیسے ہی پتہ چلے گا کہ ثمینہ اپنے گھر پہنچ چکی ہے وہ مردار خور گدھ کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں گے۔ ثمینہ میرے پاس سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ یہ جب تک میرے پاس ہے کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ویسے اگر ثمینہ آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"نن... نہیں۔" ثمینہ ہکلائی۔ "مم.... میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتی۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ شارق ٹھیک کہتا ہے میں اس کے ساتھ محفوظ رہ سکتی ہوں۔"

شفاعت علی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "تمہاری وجہ سے ہمیں بہت ذلت اٹھانی پڑی ہے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ رہی سہی کسر اب پوری ہو جائے گی۔ یہ جگہ ہمارے گھر سے زیادہ دور تو نہیں ہے۔ جس طرح آج میری نظروں میں آ گئی ہو اسی طرح کوئی اور بھی تمہیں دیکھ سکتا ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ....."

"آپ مطمئن رہئے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ثمینہ کسی کی نظروں میں نہیں آئے گی۔ اور میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی سلامتی چاہتے ہیں تو آپ بھی اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہ کریں۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" شفاعت علی نے اسے گھورا۔

"دھمکی نہیں مشورہ دے رہا ہوں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اسی میں دونوں کی عزت اور ثمینہ کی سلامتی ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ ثمینہ اس چکر سے نکل جائے۔ اس کے بعد اسے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

شفاعت علی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ شارق بھی اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر باہر کا گیٹ کھول دیا اور جب وہ موٹر سائیکل لے کر نکل گیا تو شارق نے گیٹ بند کر دیا اور اندر آ گیا۔

ثمینہ پلنگ پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ شارق نے اسے تسلی دینے کی کوشش نہیں کی۔ اسے معلوم تھا ایک دن یہ تو ہونا ہی تھا۔ ایک ہی شہر میں اور پھر اتنا قریب رہتے ہوئے ثمینہ زیادہ عرصہ تک اپنے گھر والوں کی نظروں سے چھپی تو نہیں رہ سکتی تھی۔

شفاعت علی چلا گیا تھا لیکن شارق کو شبہ تھا کہ ہو سکتا ہے وہ بعد میں پولیس کو لے کر چڑھ دوڑے۔ ثمینہ آخرکار اس کی بیٹی تھی اور اس نے اس کے بارے میں اغواء کی رپورٹ بھی لکھوا

aazzamm@yahoo.com

رہی تھی۔ فیصل آباد کے اے ایس آئی نے وعدہ لیا تھا کہ اگر ثمینہ سامنے آ جائے تو وہ کچھ قانونی سہولتیں حاصل کر سکتی ہے اور ایک دن پہلے ماجھا گجر بھی اس سے مل کر گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے بھی شفاعت علی کو کوئی سبز باغ دکھایا ہو اور شفاعت علی ان میں سے کسی کی طرف جھک جائے۔

"یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ نہیں ہے ثمینہ۔" شارق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی اس وقت تو خاموش چلے گئے ہیں لیکن ممکن ہے بعد میں ان کے دل میں ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا خیال آ جائے۔ اس لئے ہمیں پہلی فرصت میں یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔"

"نہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔" ثمینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "وہ میرا باپ ہے میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اگر انہیں کچھ کرنا ہوتا تو ہمارے ساتھ یہاں تک نہ آتے۔ جو کچھ کرنا تھا سڑک پر ہی کر ڈالتے اب وہ کچھ نہیں کریں گے۔ اگر اتفاق سے میں کبھی ان کے سامنے آ بھی گئی تو اس طرح گزر جائیں گے جیسے ہمارا کوئی رشتہ نہ ہو۔"

"لیکن میرا خیال ہے احتیاطاً کچھ دنوں کے لئے یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔ ہمیں یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ ماجھا گجر کل ہی تمہارے ڈیڈی سے مل چکا ہے تم اسے جان چکی ہو کہ وہ کس قسم کا انسان ہے۔"

"کہاں لے جاؤ گے مجھے؟" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

"ملتان روڈ پر یتیم خانہ چوک سے آگے سڑک سے ہٹ کر ایک پرانی حویلی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "کافی عرصہ پہلے یہاں کھیت ہوا کرتے تھے۔ پھر زمیندار نے زمین بیچ دی۔ وہ زمین ایک کمپنی نے خریدی تھی۔ جس میں وہ حویلی بھی شامل تھی۔ کمپنی نے وہ حویلی جوں کی توں رہنے دی اور زمین کو پلاٹوں کی صورت میں بیچنا شروع کر دیا۔ چھانگے نے وہ حویلی اور اس کے آس پاس کی تھوڑی سی زمین خرید لی تھی لیکن پھر زمیندار کے بیٹے نے کمپنی پر مقدمہ کر دیا۔ زمیندار کا انتقال ہو چکا تھا اور کمپنی نے یہ زمین بہت سارے قانونی اخراجات سے بچنے کے لئے ناقابل تنسیخ پاور آف اٹارنی پر حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کچھ ایسی دستاویزات پر بھی دستخط کروا لئے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ زمیندار اس کمپنی سے زمین کی قیمت وصول کر چکا ہے۔ زمیندار کے انتقال کے بعد وہ پاور آف اٹارنی خود بخود منسوخ ہو گئی۔ اب اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہی تھی۔ زمیندار کے بیٹے نے کمپنی کے خلاف زمین کی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ کیس کئی سال تک عدالت میں چلتا رہا اور بالآخر کمپنی سے پانچ لاکھ روپے وصول کر کے اپنے

دعوے سے دستبردار ہو گیا۔

معاملات کو سدھارنے میں کچھ عرصہ اور لگ گیا اور بالآخر کمپنی نے لوگوں کو پلاٹوں پر قبضہ دینا شروع کر دیا۔ وہ جگہ چونکہ شہر سے باہر اور سڑک سے بہت ہٹ کر ہے اس لئے ابھی تک وہاں آبادی نہیں ہو سکی۔ بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے پلاٹوں پر نقشوں کے مطابق بنیادیں بھر دی ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنے پلاٹوں کے گرد چار دیوار کھڑی کر دی ہے اور بعض لوگوں نے پلاٹ یونہی چھوڑ دیئے ہیں جبکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کرائے کے مکانوں سے جان چھڑانے کے لئے اپنے پلاٹوں پر جیسے تیسے مکان تعمیر کر کے وہاں رہائش اختیار کر لی ہے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ پورے علاقے میں چار چھ مکان ہی ہوں گے۔

وہ حویلی بھی چھانگے کے کاروبار کی طرح میری تحویل میں ہے۔ اس کے بارے میں قابل اعتماد قسم کے دو تین آدمیوں ہی کو معلوم ہے۔ وہ حویلی ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے رات کو میں نے نولکھا کو وہاں بھیج دیا تھا اور میرا خیال ہے کہ چند روز کے لئے ہمیں بھی وہاں منتقل ہو جانا چاہئے۔ لیکن وہاں آمد و رفت کے لئے گاڑی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تمہیں یاد ہے صبح ہم گاڑی لینے کے لئے ہی گھر سے نکلے تھے لیکن تمہارے ڈیڈی سے آمنا سامنا ہو گیا اور اب میرا خیال ہے ہمیں روانہ ہو جانا چاہئے۔ خاصی دیر ہو چکی ہے۔ تم منہ ہاتھ دھو لو تاکہ فریش نظر آؤ۔"

ثمینہ اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور بال سنوارتے ہوئے آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ آنکھوں میں سرخی تھی اور نیچے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے باتھ روم سے باہر آ گئی۔ اس نے لباس نہیں بدلا تھا۔

اس مرتبہ گلی سے نکلتے ہی انہیں رکشہ مل گیا۔ شارق کو اچھرے میں کاروں کے ایک دو ایسے شو روم معلوم تھے جہاں استعمال شدہ کاریں مل سکتی تھیں۔ ایک شو روم پر انہیں سرخ رنگ کی ایک شیراڈ پسند آ گئی۔ کار زیادہ استعمال نہیں ہوئی تھی۔ ظاہری کنڈیشن کے علاوہ انجن بھی بہترین حالت میں تھا۔ کئی میل تک کار کی ٹرائی کرنے کے بعد سودا ہو گیا اور وہ کار انہوں نے خرید لی۔

شارق نے کار کی خریداری کی رسید ثمینہ کے نام بنوائی تھی۔ ڈیلر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو دن میں کاغذات اس کے نام ٹرانسفر کرا دے گا۔ کار میں بیٹھ کر ثمینہ عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی۔

شارق نے بازار سے کچھ سامان خریدا جس میں کھانے پینے کی اشیاء تھیں پھر کار کی ٹنکی میں

aazzamm@yahoo.com

پیٹرول بھروایا اور وہ ملتان روڈ پر آ گئے۔ ملتان روڈ پر یتیم خانہ چوک سے ذرا ہی آگے سڑک کے دونوں طرف کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ ہائی وے پر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق نے کار دائیں طرف کچے راستے پر موڑ دی۔ اس راستے کے دونوں طرف کھیت تھے لیکن تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کھیت ختم ہو گئے اور وہ علاقہ شروع ہو گیا جو کسی کمپنی نے زمیندار سے خرید کر پلاٹوں کی صورت میں فروخت کر دیا تھا۔

کہیں خالی پلاٹ تھے' کہیں بنیادیں بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کہیں کہیں چاردیواریاں تھیں اور کہیں مکان ہی مکان بن چکے تھے۔ اس علاقے میں بجلی پہنچائی جا چکی تھی لیکن اور کسی بھی ترقیاتی کام کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ راستے کچے تھے اور پانی کی فراہمی کا بھی ابھی تک کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں جو لوگ رہائش اختیار کر چکے تھے وہ ملحقہ کھیتوں میں لگے ہوئے ٹیوب ویل سے پانی لے کر آتے تھے۔

وہ حویلی دور ہی سے نظر آ رہی تھی۔ حویلی قدرے بلندی پر تھی سرخ شیراڈ مختلف راستوں پر گھومتی ہوئی حویلی کے پھاٹک کے سامنے آ کر رک گئی۔ شارق نے دو تین مرتبہ ہارن بجایا۔ کچھ دیر بعد پھاٹک میں چھوٹا دروازہ کھلا اور ایک باریش نوجوان باہر جھانکنے لگا۔

دراز قامت اور صحت مند جسم کا مالک وہ نوجوان راجہ تھا۔ گول سیاہ داڑھی اس کے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے سرخ شیراڈ کی طرف دیکھا۔ پھر شارق کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دوڑتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی اور کندھے کے قریب چادر کا کونا اٹھا ہوا تھا۔

"راجہ! پھاٹک کھولو۔ میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی کھولتا ہوں جی۔" راجہ کہتے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑ گیا۔

اس طرح دوڑنے سے اس کے کندھے سے چادر ہٹ گئی اور ثمینہ کو اس کے کندھے پر وہ رائفل نظر آ گئی جس کی وجہ سے چادر کا کونا اٹھا ہوا تھا۔ راجہ نے پھاٹک کھول دیا اور شارق شیراڈ کو اندر لیتا چلا گیا۔

حویلی کے وسیع و عریض کمپاؤنڈ میں ٹاہلی اور پیپل کے پانچ چھ درخت بھی تھے اور ان درختوں کے نیچے دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک پر نولکھا بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے درختوں کے نیچے گاڑی روک لی۔ راجہ بھی پھاٹک بند کر کے قریب آ چکا تھا۔

"ہاں بھئی راجے۔" شارق نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "یہاں کوئی سامان وغیرہ لائے

ہو یا نہیں؟"

"لے آیا ہوں شارق باؤ۔" راجہ نے جواب دیا۔ "راشن ڈال لیا ہے۔ ایک ہفتے تک تو آرام سے بیٹھ کر کھا سکتے ہیں۔"

"ابھی تم لوگوں نے کھانا کھایا کہ نہیں۔" شارق نے پوچھا۔

"ابھی نہیں شارق باؤ۔" راجہ نے جواب دیا۔ "تین بجنے والے ہیں۔ مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔ نولکھا سے جب بھی کہتا ہوں ایک ہی جواب دیتا ہے کہ ٹھہر کے کھا لیں گے۔"

"کھانا ہم نے بھی نہیں کھایا۔" شارق نے کہا۔ "میں کچھ سامان لے آیا ہوں۔ گاڑی سے نکال لو۔ کھانا بھی نکال لو۔ مل کر کھا لیں گے۔"

ثمینہ بھی کار سے اتر آئی تھی۔ وہ ان کی باتوں میں مداخلت کرنے کے بجائے ایک طرف کھڑی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ شارق کے کہنے پر اس نے گاڑی میں سے سامان نکال کر راجہ کے حوالے کر دیا۔ اس میں کھانے پینے کی بھی چیزیں تھیں۔

آدھے گھنٹے بعد وہ وہیں چارپائیوں پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد شارق' ثمینہ کو ساتھ لے کر حویلی دکھانے لگا۔ یہ حویلی غالباً پچاس ساٹھ سال پہلے تعمیر ہوئی تھی بہت اچھی طرح سے دیکھ بھال ہوتی رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کم از کم مزید سو برس تک اس کے در و دیوار پر کوئی اثر نہیں ہو گا سات آٹھ کشادہ کمرے تھے۔ سب کے سب خالی تھی البتہ ایک کمرے میں تین چار بان کی چارپائیاں پڑی تھیں جو غالباً نئی خریدی گئی تھیں۔ ان پر بستر بھی رول کیے ہوئے رکھے تھے۔ گدے اور چادریں وغیرہ بھی نئی خریدی گئی تھیں۔

وہ چھت پر آ گئے۔ چاروں طرف دور دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ بڑا خوبصورت منظر لگ رہا تھا۔ وہ دونوں کافی دیر تک چھت پر کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر نیچے آ گئے۔

"تمہارے اس کباڑیے دوست کا کیا حال ہے راجہ؟" شارق نے درختوں کے نیچے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے جی۔" راجہ نے جواب دیا۔ "کہنے کو تو وہ کباڑیا ہے۔ اسکریپ کا کاروبار کرتا ہے لیکن ہم سے زیادہ کماتا ہے۔ گلبرگ میں دوسری کوٹھی بنوا رہا ہے۔"

"یہ بھی ایک فن ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہاں ہر شخص فنکار ہے۔ اپنے اپنے کام کا ماہر۔ ہم اپنے دھندے میں کما رہے ہیں وہ اسکریپ میں کما رہا ہے۔ بہرحال' مجھے اس کی ضرورت پڑ گئی ہے۔"

"کیا ضرورت پڑ گئی ہے شارق باؤ۔" راجہ نے کہا۔ "اسکریپ خریدنا ہے یا بیچنا ہے؟"

aazzamm@yahoo.com

"اس کے ٹرک کی ضرورت ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ پھر چند لمحے خاموش رہا اور پھر اسے اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "تم ابھی روانہ ہو جاؤ اور ٹرک لے کر ڈیرے پر پہنچ جاؤ۔ گامے کو سمجھا دینا۔ رات دس بجے کے قریب میں بھی آ جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" راجہ نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد راجہ حویلی سے چلا گیا۔ راجہ کے جانے کے بعد شارق نے نولکھا کو بتایا کہ آج صبح انہیں ثمینہ کا باپ مل گیا تھا اور اس سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا تھا۔ اور اب ثمینہ چند روز اس حویلی میں رہے گی۔

رات کا کھانا ثمینہ ہی کو پکانا پڑا تھا۔ باورچی خانے میں گیس کا چولہا رکھا ہوا تھا اور گیس کا ایک بڑا سلنڈر بھی موجود تھا۔ ثمینہ کے خیال میں راجہ اور نولکھا نے یہ عقلمندی کا کام کیا تھا کہ چولہے اور گیس کا بندوبست کر لیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد دس بجے کے لگ بھگ شارق کار پر حویلی سے روانہ ہو گیا۔ وہ ٹھیک گیارہ بجے مزنگ والے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ راجہ اور گاما وہاں موجود تھے۔ ایک کھٹارہ سا ٹرک بھی مزار کے قریب ہی کھڑا تھا اور اس کے قریب ہی اسکریپ کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

"کیا صورت حال ہے؟" شارق نے گاما سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے شارق باؤ۔" گاما نے جواب دیا۔ "ہمارا ایک بندہ باہر گلی کے موڑ پر کھڑا ہے۔ کوئی بات ہو گی تو ہمیں اطلاع مل جائے گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب جلدی سے کام شروع کر دو۔" شارق نے کہا۔

وہ مزار میں آ گئے۔ شارق نے میکنزم سے راستہ کھولا اور وہ تینوں قبر میں داخل ہو کر تہہ خانے میں اتر گئے۔ گاما کو تو یہ سب کچھ معلوم تھا لیکن راجہ بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"پہلے یہ پیٹیاں اٹھا کر ٹرک میں رکھو۔ میں یہ پیکٹ سنبھالتا ہوں۔" شارق نے لکڑی کی پیٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔

چھ سات پیٹیاں تھیں۔ راجہ اور گاما مل کر ایک ایک پیٹی اٹھا کر باہر لے جانے لگے شارق ہیروئن کے پیکٹ بوریوں میں بند کرنے لگا۔ دو بڑی بوریاں بھر گئی تھیں الماری میں ایک خطیر رقم بھی موجود تھی جسے شارق نے تھیلے میں ڈال لیا۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک وہ لوگ اسلحہ کی ساری پیٹیاں اور ہیروئن کی بوریاں ٹرک میں لاد چکے تھے اور ان پر اسکریپ ڈال دیا گیا تھا۔ پیٹیاں اور بوریاں اسکریپ کے انبار میں اس طرح

چھپ گئی تھیں کہ اسکریپ اتارے بغیر انہیں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ رقم والا تھیلا شارق نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

ایک بجے کے لگ بھگ ٹرک ڈیرے سے نکلا۔ اسٹیئرنگ کے سامنے گاما تھا اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر راجہ بیٹھا ہوا تھا۔ شارق کی کار گلی کے نکڑ پر کھڑی تھی۔ ٹرک جیسے ہی گلی سے نکلا شارق نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔

مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے وہ لوگ ملتان روڈ پر پہنچ گئے۔ شارق کی گاڑی تقریباً پچاس گز پیچھے تھی۔ یتیم خانے والے چوک سے ذرا پہلے ایک پولیس پارٹی نے ٹرک روک لیا۔ شارق نے گاڑی کی رفتار بہت ہلکی کر دی اس کی نظریں سامنے لگی ہوئی تھیں۔ گاما اور راجہ ٹرک سے اتر آئے۔ پولیس والوں کی تعداد چار تھی ان میں سے ایک ٹرک کے پچھلے حصے پر چڑھ کر بھرے ہوئے اسکریپ کو دیکھ رہا تھا۔ شارق نے ٹرک کے پیچھے گاڑی روک لی اور کھڑکی سے گردن نکالتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ۔ ان بیچاروں کو کیوں پکڑ لیا ہے؟"

"باؤ جی۔" سنتری سے پہلے گاما بول پڑا۔ "یہ اسکریپ ہم اوکاڑہ لے جا رہے ہیں۔ مال تو مالکوں کا ہے مگر سنتری بادشاہ پریشان ہمیں کر رہے ہیں۔ ہم تو مزدور آدمی ہیں جی۔"

"کیوں پریشان کرتے ہو سنتری بادشاہ جانے دو ان بے چاروں کو۔" شارق نے پولیس والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ہیڈ کانسٹیبل تھا جو اس پارٹی کا انچارج تھا۔

"آپ اپنی منزل کھوٹی نہ کریں سر جی۔ آپ جائیں۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کے پاس راہداری بھی نہیں ہے۔ مجھے تو لگتا ہے یہ چوری کا مال ہے۔"

"قسم لے لو سنتری بادشاہ۔" گاما نے کہا۔ "یہ بادامی باغ کے صوفی محمد حسین کا مال ہے۔ تم ٹیلی فون پر تصدیق کر لو۔"

"تصدیق تو تھانے جا کر ہو گی۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

"کیوں تنگ کرتے ہو انہیں سنتری بادشاہ۔ کچھ لے دے کر کے ختم کرو اس معاملے کو..... یہ مزدور غریب آدمی ہیں۔ جانے دو۔" شارق نے کہا۔

گامے نے جلدی سے پچاس کا ایک نوٹ جیب سے نکال لیا مگر سنتری کی بھنویں تن گئیں گامے نے پچاس کا ایک اور نوٹ جیب سے نکال لیا۔

"اب صرف میرے پاس دس پندرہ روپے رہ گئے ہیں۔ یہ سو روپیہ بھی میں تمہیں اپنی جیب

aazzamm@yahoo.com

سے دے رہا ہوں۔ اب تو مان جاؤ سنتری بادشاہ۔"

مگر سنتری بادشاہ پانچ سو سے کم پر ماننے کو تیار نہیں تھا۔ دوسری صورت میں وہ انہیں تھانے لے جانے کی دھمکی دے رہا تھا۔ گاما قسمیں کھا رہا تھا کہ اس کے پاس اور پیسے نہیں ہیں۔ شارق نے اپنی جیب سے سو سو کے تین نوٹ نکال لئے اور سو روپیہ گامے والا ملا کر زبردستی ہیڈ کانسٹیبل کی مٹھی میں دبا دیا۔

"سو سو روپیہ تم چاروں کے حصے میں آ جائے گا۔ اب جانے دو ان غریبوں کو۔" شارق نے کہا اور پھر گاما کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ بھی خیال رکھا کرو۔ راہداری لے کر کیوں نہیں چلے تھے؟"

"ہم ادھر کے پھیرے لگاتے رہتے ہیں باؤ جی۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ آئندہ ہم خیال رکھیں گے اور آپ اپنا پتہ بتا دیں جی۔ میں آپ کی رقم پہنچا دوں گا۔" گاما نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے انسانی ہمدردی کے تحت تمہاری مدد کی ہے۔ آئندہ خیال رکھنا۔ شہر سے باہر کہیں مال لے کر جاؤ تو کمپنی کے کاغذات اور راہداری لے کر چلا کرو۔" شارق نے ڈانٹنے والے لہجے میں کہا۔

"بڑی مہربانی باؤ جی۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔ اچھا سنتری بادشاہ۔ رب راکھا۔" گاما کہتے ہوئے ٹرک میں بیٹھ گیا راجہ نے بھی بڑی پھرتی دکھائی تھی۔

شارق بھی ہیڈ کانسٹیبل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اور جب ٹرک آگے نکل گیا تو اس نے بھی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور پولیس والوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

یہ معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا تھا۔ اگر پولیس والے ٹرک کو تھانے لے جانے پر بضد ہو جاتے تو معاملہ گڑ بڑ ہو سکتا تھا۔ شارق کا سارا مال اسی ٹرک پر تھا۔ اگر پکڑا جاتا تو وہ بھی ختم ہو جاتا۔

دو بجے کے لگ بھگ وہ حویلی پہنچ گئے۔ ٹرک کی آواز سن کر ثمینہ بھی جاگ گئی۔ ٹرک حویلی کے اندر لے آیا گیا تھا۔ پہلے اسکریپ اتار کر ایک طرف ڈھیر کیا گیا پھر ہیروئن کی بوریاں اور اسلحہ کی پیٹیاں اتار کر حویلی کے ایک پچھلے کمرے میں پہنچا دی گئیں۔ اسکریپ دوبارہ ٹرک پر لاد دیا گیا تھا۔

"ٹرک شہر واپس لے جاؤں شارق باؤ۔" راجہ نے کہا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" شارق نے اسے گھورا۔ "وہ پولیس والے اس علاقے

میں گشت کر رہے ہوں گے اور اب اگر انہوں نے پکڑ لیا تو چھوڑیں گے نہیں۔ اس وقت آرام سے سو جاؤ۔ صبح لے جانا ٹرک اور یہ اسکریپ بھی اپنے اسی دوست کو دے دینا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" راجہ نے کہا۔

اس حویلی میں اگرچہ کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا لیکن وہ کسی قسم کی لاپرواہی کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ رات کے لئے نولکھا کی پہرے کی ڈیوٹی لگا دی گئی تھی۔ راجہ اور گاما نے اپنی چارپائیاں کھلے صحن میں ڈال لی تھیں۔ شارق اور ثمینہ کی چارپائیاں برآمدے میں تھیں۔ وہ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر سو گئے۔

شارق، ثمینہ اور نولکھا حویلی تک ہی محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ گاما اور راجہ شہر میں ایجنٹوں سے رابطہ کر کے دھندہ کر رہے تھے۔ شارق حویلی کے آس پاس کچے راستوں پر ثمینہ کو ڈرائیونگ بھی سکھا رہا تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ ثمینہ اچھی خاصی ڈرائیونگ سیکھ چکی تھی۔ شارق یہاں بیکار نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ گاما اور راجہ کے ذریعے شہر کی خبریں مل رہی تھیں۔ ماجھا گجر اور اس کے آدمی اب بھی بڑی سرگرمی سے شارق اور ثمینہ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

اور بالآخر ایک روز شارق نے شہر واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ نولکھا کو حویلی ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ گاما اور راجہ ایک روز پہلے ہی سے شہر میں تھے۔ شارق رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی حویلی سے روانہ ہوا تھا۔ جب وہ شام نگر والے مکان میں پہنچے تو رات کے نو بج رہے تھے۔

"تم یہیں رکو.... میں ڈیرے کا چکر لگا کر آتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"نہیں میں یہاں اکیلی نہیں رہ سکتی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اوہ!" شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "شاید تم ڈرتی ہو کہ تمہارے ڈیڈی نہ آ جائیں۔"

"کچھ بھی کہہ لو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ چلو۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دوبارہ گھر سے نکل گئے۔ راستے میں ایک جگہ انہوں نے کھانا کھایا اور پھر مزنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی گاڑی مزنگ چوک پر پہنچی تھی کہ شارق ایک طرف شعلے اٹھتے دیکھ کر چونک گیا کہیں بہت زبردست آگ لگی تھی۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

شارق کی گاڑی گلی کی طرف نہیں جانے دی گئی۔ موڑ پر لوگوں کا ہجوم تھا اور پولیس نے آگے جانے کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ چاروں طرف سے فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں

aazzamm@yahoo.com

سنائی دے رہی تھیں۔ سڑک پر بھی ٹریفک جام ہو رہا تھا شارق گاڑی کو ہٹا کر دوبارہ چوک کی طرف لے آیا۔

"آگ کہاں لگی ہے؟" شارق نے ایک آدمی کو روک کر پوچھا۔

"چھانگے کے طویلے میں۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "سنا ہے ماجھا گجر کی پارٹی نے طویلے پر حملہ کر دیا تھا۔ پہلے فائرنگ ہوتی رہی پھر آگ لگ گئی۔ آگ ماجھا گجر کے آدمیوں نے لگائی ہے۔"

شارق کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے دروازہ کھول کر کار سے اترنا چاہا مگر ثمینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا اس طرف جانا مناسب ہو گا؟" ثمینہ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ماجھا گجر کے آدمی اب بھی آس پاس کہیں موجود ہوں۔ میرے خیال میں تو بہتر یہی ہو گا کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔"

شارق چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دروازہ بند کر کے کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

مین روڈ پر ٹریفک جام ہو رہا تھا۔ بسیں' تانگے' کاریں اور رکشے وغیرہ مختلف گلیوں میں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شارق نے بھی کار ایک گلی میں موڑ دی۔ اس کے آگے دو تین رکشے تھے۔ شارق کو ایک لمحہ کو کار روکنی پڑی۔ وہ کار کو دوبارہ آگے بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ پچھلی طرف کے دونوں دروازے بیک وقت کھلے اور دو آدمی کار میں گھس گئے۔

"شارق باؤ...." ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ "اب تم وہاں چلو گے جہاں ہم چاہیں گے۔ آرام سے کار چلاتے رہو۔ ان گلیوں سے نکلنے کے بعد ہم تمہیں راستہ بتاتے رہیں گے۔"

شارق اور ثمینہ نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور ثمینہ کا چہرہ مارے خوف کے دھواں ہو گیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور چادروں سے جھانکتی ہوئی رائفلوں کی نالیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

○

Scanned By:
Azam & Ali

Scanned By:
Azam & Ali

مختلف گلیوں سے گھومتی ہوئی گاڑی ایک بار پھر مین روڈ پر نکل آئی۔ وہ اگرچہ مزنگ چوک سے تقریباً ایک میل دور مین روڈ پر نکلے تھے لیکن طویلے میں لگی ہوئی آگ کے شعلے وہاں سے بھی نظر آ رہے تھے۔ طویلے میں لاتعداد تانگے کھڑے رہتے تھے۔ ایک حصے میں توڑی بھوسے وغیرہ کے ڈھیر تھے۔ اس کے علاوہ لکڑی کا اور بھی بہت سا کاٹھ کباڑ تھا۔ اگر احاطے کی دیوار کے ساتھ گلی کے رخ پر موٹروں کے ورکشاپ وغیرہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ چکے ہوں تو لاہور کے سارے فائر بریگیڈ مل کر بھی صبح سے پہلے اس آگ پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ ڈیرے پر گاما اور راجہ بھی تھا۔ جس آدمی سے شارق نے آگ کے بارے میں پوچھا تھا اس نے بتایا تھا کہ آگ لگنے سے پہلے فائرنگ بھی ہوئی تھی۔ اس سے شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ماجھا گجر کی پارٹی نے ڈیرے پر حملہ کیا تھا اور ڈیرے کو آگ لگا دی تھی۔ شارق اب گاما اور راجہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ بچ کر کہیں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے' ان کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے یا وہ بھی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے تھے۔

ان دونوں آدمیوں کی اس علاقے میں موجودگی سے اندازہ ہوتا تھا کہ ماجھا گجر یا اس کے آدمیوں کو یقین رہا ہو گا کہ ڈیرے کو آگ لگنے کی اطلاع پا کر شارق یہاں ضرور آئے گا۔ جس طرح آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آگ کافی دیر سے لگی ہوئی تھی اور پھیل کر قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ شارق تو محض اتفاق سے اس طرف آ نکلا تھا اور ماجھے کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ ویسے یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ چند روز پہلے ہی شارق نے اپنا سارا مال یہاں سے ہٹا دیا تھا۔ اگر وہ مال یہاں ہوتا تو سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا۔

"کہاں جانا ہے؟" شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر ان آدمیوں سے پوچھا جو اسے اور ثمینہ کو گن پوائنٹ پر لئے بیٹھے تھے۔

"بادامی باغ۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ "وہاں پہنچنے کے بعد ہم تمہیں راستہ بتا دیں گے۔"

شارق نے جواب دینے کے بجائے کار کی رفتار کم کر دی۔ سامنے ٹریفک سگنل کی سرخ بتی

aazzamm@yahoo.com

نظر آ رہی تھی۔ قریب پہنچنے تک سگنل کھل گیا اور وہ گاڑی کو سیدھا نکال لے گیا۔

شیراؤ مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی داتا دربار کے سامنے سے ہوتی ہوئی راوی روڈ پر آ گئی اور پھر اگلا ٹریفک سگنل پار کر کے اس سڑک پر آ گئی جس کے ایک طرف شاہی قلعہ تھا اور دوسری طرف وسیع و عریض اقبال پارک میں مینار پاکستان۔ اس سڑک پر بسوں کی آمد و رفت کے باعث گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہیں کی جا سکتی تھی۔ بادامی باغ کے لاری اڈے سے ہر منٹ بعد پاکستان کے مختلف شہروں کے لئے ایک دو بسیں نکل رہی تھیں۔ بادامی باغ کے سامنے والی سڑک پر شارق نے کار کی رفتار مزید کم کر لی۔

"رفتار ہلکی رکھو اور سیدھے چلتے رہو۔ جس طرف مڑنا ہو گا بتا دوں گا۔" پیچھے بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

شارق نے کار کی رفتار مزید کم کر دی اور پھر اس آدمی کے کہنے پر کار کو بائیں طرف موڑ دیا۔ یہ کافی کشادہ گلی تھی مگر ورکشاپوں کی وجہ سے راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ سڑک بھی ٹوٹی پھوٹی تھی۔ کار بہت ہلکی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔

یہ سڑک وسیع و عریض لاری اڈے کے پچھلی طرف چلی گئی تھی۔ اس طرف بھی زیادہ تر ورکشاپ ہی تھے جو اس وقت بند پڑے تھے اور سناٹا سا تھا۔

"بس' یہاں کار روک لو۔" پیچھے بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

شارق نے کار روک کر انجن بند کر دیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ایک آدمی نیچے اتر گیا۔ اس نے چادر کے اندر رائفل کو اس طرح پکڑ لیا تھا کہ کسی بھی لمحہ استعمال کر سکتا تھا۔

"چلو.... نیچے اترو۔" کار میں بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی نے کہا۔

پہلے شارق دروازہ کھول کر نیچے اترا اور پھر دوسری طرف سے ثمینہ بھی نیچے آ گئی۔ شارق کے انداز میں تو لاپرواہی تھی لیکن ثمینہ کا چہرہ خوف کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

اس سڑک پر بجلی کے کھمبے تو لگے ہوئے تھے لیکن بلب ایک دو کھمبوں پر ہی جلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"سیدھے چلتے رہو اور پھر بائیں طرف والی گلی میں مڑ جانا۔" ایک آدمی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

شارق اور ثمینہ آگے آگے چلتے ہوئے بائیں طرف گلی میں مڑ گئے۔ اس گلی میں آخری سرے پر ایک بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی بھی اسی جگہ تک محدود تھی باقی گلی تاریکی میں ڈوبی

ہوئی تھی۔ اسی گلی میں تقریباً پچاس گز آگے بائیں طرف ایک پرانا مندر تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے اس پورے علاقے میں مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں کی ملی جلی آبادی تھی۔ اس وقت لاری اڈہ بھی یہاں نہیں تھا۔ ٹرانسپورٹروں نے شہر کے مختلف علاقوں میں بسوں کے اڈے بنا رکھے تھے۔

پاکستان بنا تو سکھ اور ہندو ہجرت کر کے بھارت چلے گئے۔ یہاں بھارت سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو مکان مل گئے تھے۔ کئی سال بعد جب شہر کے مختلف علاقوں سے بسوں کے اڈے ختم کئے گئے تو بادامی باغ میں ایک مرکزی لاری اڈہ بنا دیا گیا جو ضرورت کے ساتھ ساتھ پھیلتا چلا گیا۔ گلیوں میں ورکشاپ بنتے چلے گئے۔ لاری اڈے اور ورکشاپوں کی وجہ سے اس علاقے میں رہنے والوں کا جینا دوبھر ہو گیا۔ لوگ اپنے مکان بیچ کر یا کرائے پر دے کر شہر کے دیگر علاقوں میں منتقل ہونے لگے۔ اب یہاں زیادہ تر ورکشاپ تھے یا اسپیئر پارٹس کی دکانیں اور یا ٹرانسپورٹ کمپنیوں کے دفاتر۔ صرف چند مکان ایسے تھے جو اب بھی رہائشی مقاصد کے لئے استعمال ہو رہے تھے۔

اس تنگ سی گلی میں واقع وہ مندر کسی زمانے میں آباد ہوا کرتا تھا۔ اردگرد کی زیادہ آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس مندر میں دن رات آمد و رفت رہتی تھی لیکن پھر یہ مندر بتدریج ویران ہوتا چلا گیا۔ اور اب بھی یہ مندر ویران پڑا تھا۔ لیکن بعض ناپسندیدہ عناصر نے اسے اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اس مندر پر مختلف اوقات میں مختلف گروہوں کا قبضہ رہا تھا اور اب یہ ماجھا گجر کی پارٹی سے تعلق رکھنے والے یعقوب نامی ایک آدمی کے قبضے میں تھا۔

یعقوب لمبے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کے چہرے اور جسم پر زخموں کے کئی نشان تھے جنہیں وہ بڑے فخر سے بہادری کے تمغے کہا کرتا تھا۔ وہ باقاعدہ ہسٹری شیٹر تھا۔ تھانے میں باقاعدہ حاضری لگتی تھی۔ اس علاقے میں کوئی بھی واردات ہوتی تو پولیس سب سے پہلے اسی کی گردن ناپتی۔ یعقوب کے ہاتھوں اب تک کم از کم تین آدمی مارے جا چکے تھے لیکن پولیس اس کے خلاف قتل کا کوئی ایک کیس بھی ثابت نہیں کر سکی تھی۔

یعقوب اس علاقے کے دکانداروں' ورکشاپوں اور بعض ٹرانسپورٹروں سے بھتہ وصول کرنے کے علاوہ ہیروئن کا دھندہ بھی کرتا تھا۔ وہ ماجھا گجر کی پارٹی میں اس وقت شامل ہوا تھا جب ماجھے نے دودھ کا کاروبار چھوڑ کر یہ دھندہ شروع کیا تھا۔ کاروباری لحاظ سے یہ ماجھا گجر کے لئے سب سے اہم علاقہ تھا۔ اس سے پہلے یہ علاقہ شیرا پہلوان کے کنٹرول میں تھا لیکن شارق نے شیرا پہلوان کو یہ شہر تو کیا یہ ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سرحد پار کر کے امرتسر بھاگ گیا تھا اور

aazzamm@yahoo.com

یہاں کے لوگ اب اس کا نام بھی بھول گئے تھے اور پھر جب شارق نے چھاتگے کی موت کے بعد اس کا کاروبار سنبھالا تو اس نے بھی اپنے آدمیوں کے ذریعے اس علاقے میں قدم جمانے کی کوشش کی لیکن یعقوب نے کسی کو بھی یہاں ٹکنے نہیں دیا تھا۔

یہ مندر اب یعقوب کے قبضے میں تھا۔ طویل عرصہ سے دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث مندر کی عمارت خاصی خستہ ہو چکی تھی۔ باہر سے دیکھ کر تو یوں لگتا تھا جیسے کسی بھی لمحہ ڈھیر ہو جائے گی۔ اندر سے بھی عمارت کی حالت کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔

مندر کا دروازہ بند تھا۔ مرکزی گیٹ بہت اونچا اور بھاری لکڑی کا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو چھوٹے دروازے بھی تھے۔ مندر والی گلی میں مڑتے ہی ان دونوں آدمیوں نے چادروں میں چھپی ہوئی رائفلیں نکال لی تھیں اور وہ شارق اور ثمینہ کو رائفلوں کی زد میں لئے مندر کے سامنے پہنچ گئے۔ مندر کے دروازے تک پہنچنے کے لئے تقریباً چار فٹ اونچا چبوترہ تھا جس پر چڑھنے کے لئے اینٹوں کی دو سیڑھیاں تھیں۔ وہ چبوترے پر پہنچ کر رک گئے۔ ایک آدمی نے ان دونوں کو رائفل کی زد پر لئے رکھا اور دوسرے نے دائیں طرف والے دروازے پر مخصوص انداز میں تین مرتبہ ہلکی سی دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا اور وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

یہ بہت بڑا مرکزی ہال تھا جس کی اونچی چھت پر لمبی تار سے لٹکا ہوا سو واٹ کا ایک بلب جل رہا تھا۔ جس کی روشنی اس ہال کی تاریکی کو دور کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ تقریباً چودہ پندرہ فٹ اوپر چاروں طرف ایک تنگ سی بالکونی تھی جس کے سامنے حفاظتی جنگلہ لگا ہوا تھا۔ اس بالکونی میں پچھلی طرف چار اطراف میں دروازے بھی نظر آ رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ اوپر کمرے بھی تھے لیکن اوپر جانے کے لئے کوئی زینہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہال میں بالکل سامنے ایک بڑا چبوترہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں ایک ایک چھوٹا چبوترہ بھی تھا۔ جب یہ مندر آباد تھا تو ان چبوتروں پر ہندوؤں کے دیوتاؤں کی مورتیاں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن یہ مورتیاں اسی وقت توڑ دی گئی تھیں جب ملک تقسیم ہوا تھا۔ چاروں طرف دیواروں میں جا بجا طاقچے نظر آ رہے تھے۔ جب بجلی نہیں تھی تو ان طاقچوں میں چراغ جلائے جاتے تھے۔

دروازہ کھولنے والا خود یعقوب تھا۔ نیم تاریک ماحول میں اس کی صورت دیکھ کر ہی ثمینہ کانپ اٹھی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی ان کے ساتھ آنے والے دونوں آدمیوں میں سے ایک نے اپنی رائفل یعقوب کے ہاتھ میں تھما دی۔ ان دونوں کو ہینڈز اپ کرا دیا گیا تھا۔ یعقوب ان کے سامنے رائفل تانے کھڑا تھا۔ اس کی نظریں ثمینہ کے سراپے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دوسرے

آدمی نے پہلے شارق کے پچھلی طرف آ کر اس کا لباس تھپتھپا کر دیکھا۔ شارق کے پاس اسلحہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ آدمی ثمینہ کی طرف بڑھ گیا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ مجھے ہاتھ مت لگانا۔" ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"تمہارے پاس ہی تو سب کچھ ہے سوہنیو!" وہ شخص معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "ذرا ہاتھ لگا کر دیکھنے تو دو۔"

"نہیں، کچھ نہیں ہے میرے پاس۔ دور رہو مجھ سے۔" ثمینہ بولی۔

وہ شخص چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے اچانک ہی ایک بھرپور تھپڑ ثمینہ کے منہ پر رسید کر دیا۔ ثمینہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

شارق نے آگے بڑھنا چاہا مگر دوسرے آدمی نے رائفل سے اسے اپنی جگہ پر کھڑا رہنے کا اشارہ کیا۔ شارق جز بز ہو کر رہ گیا۔

"اس کے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ نہیں ہے۔ اس سے دور رہو۔" شارق بولا۔

"آرام سے اپنی جگہ پر کھڑا رہ باؤ ورنہ تمہاری یہ پتلون اتار کے نا تمہارے ہاتھ میں تھما دوں گا۔" پہلے شخص نے کہا اور ثمینہ کی طرف بڑھ گیا۔

ثمینہ کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔ اس مرتبہ اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ وہ شخص آگے بڑھ کر اس کے جسم کو ٹٹولنے لگا۔ ثمینہ جز بز سی ہو کر بدستور پیچھے ہٹ رہی تھی۔

"انہیں اندر کمرے میں لے چلو۔" وہ شخص تلاشی سے فارغ ہو کر بولا اور یعقوب سے اپنی رائفل لے لی۔

وہ لوگ اونچے چبوترے کے پیچھے آ گئے۔ یہاں ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ ان دونوں کو لے کر اندر آ گئے۔ یہ ایک کشادہ کمرہ تھا۔ جس میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں درمیان میں ایک میز تھی جس پر کھانے کے جوٹھے برتن پڑے تھے۔ ان برتنوں کے قریب ہی ایک گلاس اور جگ بھی رکھا ہوا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں پانی کا ایک گھڑا رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں ٹیوب لائٹ جل رہی تھی اور روشنی خاصی معقول تھی۔

وہ لوگ اس کمرے میں رکے نہیں۔ یعقوب نے دائیں طرف ایک دروازہ کھول دیا اور وہ لوگ ثمینہ اور شارق کو دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے۔ پہلے یعقوب اندر آیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی بتی جلا دی تھی۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ کسی قسم کا فرنیچر اور نہ ہی فرش پر کوئی دری یا چٹائی بچھی ہوئی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"میری شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ دروازہ کھولو۔ انہیں نیچے لے کر چلو۔" شارق اور ثمینہ کی تلاشی لینے والے نے یعقوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جندرے کی کنجی گم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے آج میرا دھندہ بھی نہیں ہو سکا۔ انہیں اسی کمرے میں بند کر دو۔ بھاگ کے کہاں جائیں گے۔" یعقوب نے جواب دیا اور سامنے والے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ جس پر بہت پرانی ساخت کا تالا لگا ہوا تھا۔ اس قسم کے تالے چالیس پچاس سال پہلے ہوا کرتے تھے۔

"ماجھا کہاں ہے؟" اس شخص نے سوالیہ نگاہوں سے یعقوب کی طرف دیکھا۔

"وہ تم لوگوں کا انتظار کر کے چلا گیا ہے۔" یعقوب نے جواب دیا۔ "ویسے اسے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ تم لوگوں نے چھانگے کے ڈیرے کو آگ لگا دی ہے۔"

"چھانگے کے ڈیرے کو نہیں' شارق باؤ کے ڈیرے کو۔" اس شخص نے کہتے ہوئے شارق کی طرف دیکھا۔ "پھر اب ان کا کیا کرنا ہے؟"

"کرنا کیا ہے۔ موج اڑاؤ.... ماجھا تو اب صبح ہی آئے گا۔ اس نے کہا تھا کہ تم لوگ آ جاؤ تو یہیں پر انتظار کرنا۔" یعقوب نے کہا اور عجیب سی نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "ویسے یہ چیز تو بڑی شاندار ہے لیکن یقین نہیں آتا کہ اکو اسی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔"

"اس کا داؤ چل گیا ہو گا۔" پہلے شخص نے جواب دیا۔

"آج ہم بھی آزما کر دیکھ لیتے ہیں۔" یعقوب کہتے ہوئے نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے ثمینہ کی ٹھوڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر ثمینہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔ دور کھڑے رہو مجھ سے۔" ثمینہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

"لو سن لو...." یعقوب نے قہقہہ لگایا۔ "یہ میم کہہ رہی ہے کہ دور کھڑے رہو اور مجھ کو ہاتھ مت لگانا۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ پھر آگے بڑھ گیا۔ اس نے ثمینہ کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ثمینہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ پر دانت جما دیئے۔ اتفاق سے یعقوب کے ہاتھ کی ایک انگلی ثمینہ کے دانتوں میں آ گئی تھی۔ یعقوب کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ثمینہ نے نہ صرف اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ رکھا تھا بلکہ اس کی انگلی کو بھی پوری قوت سے دانتوں سے چبا رہی تھی۔ یعقوب کا دوسرا ہاتھ چل گیا۔ اس کا گھونسہ ثمینہ کے پیٹ پر لگا۔ ثمینہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

یعقوب کی انگلی سے خون بہہ رہا تھا۔ ثمینہ نے پورا گوشت چبا ڈالا تھا اگر اسے تھوڑا سا موقع اور ملتا تو شاید وہ ہڈی بھی چبا ڈالتی۔ ثمینہ کے ہونٹ بھی خون آلود تھے۔ اس نے ایک طرف تھوک دیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

یعقوب چند لمحے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے اچانک ہی ثمینہ پر ٹھوکروں کی بارش شروع کر دی۔ ثمینہ کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ انہیں یہاں لانے والے دونوں ایک طرف کھڑے دلچسپ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

شارق بھی ایک طرف کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا پھر اچانک ہی اس نے یعقوب پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے دو تین گھونسے یعقوب کے جبڑوں پر لگے۔ یعقوب لڑکھڑا گیا۔ اس نے پینترا بدلا اور بائیں ہاتھ کا گھونسہ پوری قوت سے شارق کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔

شارق کا دماغ جھنجھنا گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کر رہی ہوں۔ اس نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور پھر سنبھل کر یعقوب پر حملہ کر دیا۔

جسمانی لحاظ سے دیکھا جاتا تو شارق اور یعقوب کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ یعقوب دیو قامت آدمی تھا اور شارق اس کے مقابلے میں ہلکا تھا لیکن اس کی طرح اسٹریٹ فائٹر نہیں تھا۔ وہ لڑنے کی کچھ ٹیکنیکس بھی جانتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ یعقوب پر حاوی ہو رہا تھا۔ ایک مرتبہ موقع پا کر وہ یعقوب کی پشت پر پہنچ گیا اور اس کی گردن بازو میں لپیٹ لی۔

اگر یعقوب اکیلا ہوتا تو شاید شارق اس کی گردن مروڑ دیتا۔ لیکن دوسرے آدمی بھی شاید ایک دم ہوش میں آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے شارق کے کندھے پر زور سے رائفل کی نال ماری اور کتے کی طرح غرایا۔

"چھوڑ دو اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔"

اس سے پہلے کہ شارق اس کے حکم کی تعمیل کرتا ثمینہ نے اچانک ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی اور رائفل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کا رخ اوپر کی طرف کر دیا۔ رائفل سنگل شاٹ تھی۔ جھٹکا لگنے سے ٹرائیگر دب گیا اور گولی چھت میں پیوست ہو گئی۔ اس آدمی کے لئے ثمینہ کا حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ثمینہ اس کے ہاتھ سے رائفل چھین چکی تھی۔ اس نے رائفل کی نال کی طرف سے پکڑا اور اسے لٹھ کی طرح گھمانے لگی۔ دوسرا گن مین بھی اس کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کے کندھے پر ضرب لگی تھی اور اس کی اپنی رائفل بھی ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔ ثمینہ ان دونوں پر لٹھ برساتی رہی۔ وہ جیسے پاگل ہو گئی تھی۔

دوسری طرف شارق کو موقع مل گیا تھا۔ وہ یعقوب کی مرمت کر رہا تھا۔ یعقوب کے منہ اور

aazzamm@yahoo.com

ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ یعقوب کی کھوپڑی پر ایک گھونسہ لگا تو وہ لڑکھڑاتا ہوا ثمینہ سے ٹکرا گیا۔ ثمینہ بھی لڑکھڑا کر گری۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتی ان دو آدمیوں میں سے ایک کو موقع مل گیا اس نے لپک کر ثمینہ کے ہاتھ سے رائفل چھین لی اور ثمینہ پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

شارق دوسری رائفل کی طرف لپکا لیکن دوسرے شخص نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر اس کے سینے پر ٹھوکر مار دی۔ شارق کراہ کر پیچھے گرا۔ دوسرے شخص نے رائفل اٹھا لی۔ بازی ایک بار پھر پلٹ گئی تھی۔ اب ثمینہ اور شارق ان کے رحم و کرم پر تھے۔

ایک طرف ثمینہ پٹ رہی تھی اور دوسری طرف شارق اس آدمی کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ یعقوب ایک طرف کھڑا ہاتھ کی پشت سے ناک اور ہونٹوں سے بہنے والا خون پونچھتے ہوئے خون خوار نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ثمینہ لڑائی بھڑائی نہیں جانتی تھی۔ لیکن صورت حال کچھ ایسی تھی کہ وہ ہاتھ پیر چلائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ ہاتھ پیر چلا رہی تھی اور خوب چلا رہی تھی۔ پہلے اس نے یعقوب کی مرمت کی تھی پھر دوسرے آدمی کی بھی اچھی خاصی ٹھکائی کر دی تھی اور اب خود پٹ رہی تھی۔

دوسری طرف شارق بھی پٹ رہا تھا۔ ایک موقع پر اسے اپنے حریف کو زیر کرنے کا چانس مل گیا تھا لیکن ٹھیک اسی لمحہ یعقوب نے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں پر زور دار ٹھوکر مار دی تھی۔ اور شارق بلبلاتا ہوا دور جا گرا تھا۔ پھر اسے سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس کے حریف نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی تھی۔

ثمینہ بھی پٹ رہی تھی۔ ایک مرتبہ ثمینہ کا داؤ چل گیا۔ وہ اس وقت پشت کے بل نیچے گری ہوئی تھی۔ اس کے حریف نے جیسے ہی اس پر چھلانگ لگائی ثمینہ نے لیٹے ہی لیٹے اسے زور دار ٹھوکر مار دی۔ ثمینہ کے پیروں میں جاگرز تھے۔ ٹھوکر حریف کے منہ پر لگی اور وہ بلبلاتا ہوا ایک طرف ڈھیر ہو گیا۔ ثمینہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے حریف پر حملہ آور ہونا ہی چاہتی تھی کہ دوسرے آدمی نے گھوم کر اسے زور دار ٹھوکر مار دی۔

ٹھوکر زور دار تھی جو ثمینہ کے پیٹ پر لگی تھی۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگی۔

شارق بھی بے بس ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بھی خون بہہ رہا تھا اور وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔ وہ دونوں آدمی رائفلیں اٹھا چکے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی رائفل شارق پر تان رکھی تھی۔

یعقوب چند قدم دور کھڑا خونخوار نظروں سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس

کے ناک اور ہونٹوں سے اب بھی خون رس رہا تھا۔

"دیکھ لیا قوبی۔" دونوں میں سے ایک آدمی نے یعقوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کہتے تھے نا کہ یہ لڑکی تو ایسی خطرناک نہیں لگتی۔ اب تو تمہیں یقین آ گیا نا کہ اکو کو اسی نے قتل کیا تھا۔"

"میں سمجھ گیا جیلے۔" یعقوب نے جواب دیا۔ "اس کو تو میں ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ ساری تیزی بھول جائے گی۔"

"اس کا اب کیا کیا جائے۔ اسی وقت ماجھے کے پاس لے چلیں؟" جیلے نے کہا۔

"نہیں۔" یعقوب نے نفی میں سر ہلایا۔ "ان دونوں کو باندھ کر اوپر والے کمرے میں ڈال دو۔ ماجھے کو ان کے بارے میں صبح اطلاع دی جائے گی۔ رات کو میں اس لڑکی کا گھونٹ بھروں گا تو اس کی ساری تیزی نکل جائے گی۔" وہ خاموش ہو کر اپنی زخمی انگلی کی طرف دیکھنے لگا۔

جیلے کا دوسرا ساتھی کہیں سے رسیاں لے کر آیا اور وہ لوگ ان دونوں کو گن پوائنٹ پر اس کمرے سے نکال کر ایک اور کمرے میں لے آئے۔ اس کمرے میں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر بالکونی میں آ گئے۔ بالکونی تقریباً پانچ فٹ چوڑی تھی اور اس کا حفاظتی جنگلہ بھی زیادہ اونچا نہیں تھا۔

جیلے کے ساتھی نے آگے بڑھ کر ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر بتی جلا دی۔ یہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ فرش پر دھول جمی ہوئی تھی اور دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا تھا۔ پچھلی طرف ایک کھڑکی تھی جو تقریباً تین فٹ چوڑی اور اوپر کی طرف چھ فٹ لمبائی میں تھی۔

پہلے شارق کے ہاتھ پیر پشت پر باندھ کر گرد آلود فرش پر ڈال دیا گیا پھر ثمینہ کو بھی باندھ دیا گیا۔

"ابھی بہت رات باقی ہے۔" یعقوب نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم تھوڑی دیر آرام کر لو.... پھر میں تم سے نمٹ لوں گا۔"

وہ تینوں باہر چلے گئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ کمرے میں سو واٹ کا بلب روشن تھا جسے جلتا چھوڑ دیا گیا تھا۔ ثمینہ اور شارق فرش پر پڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ کی آنکھوں میں خوف جھلک رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے ثمینہ۔" شارق نے مدہم لہجے میں کہا۔ "میری وجہ سے تم پر پے در پے مصیبتیں پڑ رہی ہیں۔"

"اب تو یہ سب کچھ ہو گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بے اختیار کراہ سی نکل گئی۔ "اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلے تو پڑیں گے ہی۔"

"کاش! میں ان میں سے ایک کی گردن مروڑ سکتا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان کے شکنجے سے نکلیں گے کیسے؟" ثمینہ نے کہا۔

"مجھے سوچنے دو۔ شاید کوئی ترکیب ذہن میں آ جائے۔" شارق بولا۔

"ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "ہم شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ آواز سن کر کوئی نہ کوئی تو ہماری مدد کو آئے گا۔"

"کسی مددگار سے پہلے یہ لوگ پہنچ جائیں گے اور ہمیں گولی مارنے میں کسی حیل و حجت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور لاری اڈے کی طرف سے بسوں کے ہارن وغیرہ کا شور سنائی دے رہا تھا۔

"ایک ترکیب میرے ذہن میں آتی ہے۔" شارق نے کہا۔

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لوٹ لگاتی ہوئی میرے قریب آ جاؤ۔ میں تمہارے ہاتھ کی بندشیں کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر ہم ایک دوسرے کے ہاتھ پیر کھولنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کھڑکی کے راستے فرار ہو سکتے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"اس کھڑکی سے چھلانگ لگا کر ہم قبرستان یا ہسپتال ہی پہنچ سکتے ہیں۔" ثمینہ بولی۔

"یہ رسیاں خاصی مضبوط ہیں۔" شارق نے کہا۔ "اس کے ذریعے ہم لٹک کر اتر سکتے ہیں۔"

بات ثمینہ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر لوٹ لگاتی ہوئی شارق کے قریب آنے لگی۔ شارق بھی فرش پر لوٹ لگا کر اس کے قریب آ گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے پشت ملا کر بیٹھ گئے۔ شارق انگلیوں سے ٹٹول کر ثمینہ کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کی گرہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن گرہ انگلیوں کی گرفت میں نہیں آ رہی تھی۔ شارق کچھ دیر کوشش کرتا رہا پھر بولا۔

"گرہ انگلیوں کی گرفت میں نہیں آ رہی تم اوندھی ہو جاؤ۔ میں دانتوں سے گرہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

ثمینہ بیٹھے بیٹھے اوندھ گئی۔ شارق نے بھی رخ بدل لیا اور جھک کر دانتوں سے رسی کی گرہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ تقریباً پانچ منٹ کی کوشش کے بعد وہ گرہ

aazzamm@yahoo.com

ڈھیلی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چند منٹ کی مزید کوشش کے بعد اس نے گرہ کھول دی۔

ثمینہ ہاتھوں کو حرکت دینے لگی۔ رسی ڈھیلی ہوتے ہی اس کے ہاتھ گرفت سے آزاد ہو گئے۔ وہ اپنی کلائیاں سہلانے لگی۔ رسی خاصی مضبوطی سے باندھی گئی تھی جس سے اس کی کلائیوں پر سفید نشان پڑ گئے تھے۔

"پہلے اپنے پیر کھول لو اور پھر میری رسیاں کھولو۔" شارق نے سرگوشی کی۔

ثمینہ اپنے پیروں کی رسی کھولنے لگی۔ گرہیں سخت ہونے کی وجہ سے اسے خاصی دشواری پیش آئی تھی لیکن بہرحال اس نے اپنے پیر بھی آزاد کرا لئے۔ وہ بیٹھے بیٹھے شارق کی طرف مڑ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"پہلے دروازے کی اندر سے کنڈی لگا دو۔ اگر کوئی آ بھی گیا تو ہمیں کچھ مہلت مل جائے گی۔" شارق نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔

ثمینہ دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے بڑی احتیاط سے کنڈا چڑھا دیا۔ دروازہ خاصا مضبوط تھا اگر کوئی آ بھی گیا تو دروازہ اندر سے بند پا کر اسے توڑنے میں خاصا وقت لگے گا۔

وہ شارق کے پیچھے آ کر بیٹھ گئی اور اس کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کی گرہیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے لئے اسے اپنے دانت بھی استعمال کرنے پڑے تھے لیکن بالآخر وہ گرہیں کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔

ہاتھ کھلتے ہی شارق اپنی کلائیاں سہلانے لگا پھر اس نے اپنے پیروں کی رسی کھولی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دبے قدموں آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی کھلتے ہی شور کی آواز نمایاں ہو گئی۔ سامنے دو گلیوں کے بعد لاری اڈہ تھا۔ روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ لاتعداد بسوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ بسوں کے ہارن اور انجنوں کی آوازیں اب واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ لاری اڈے کے علاقے میں دن کا سا سماں تھا۔

شارق نے کھڑکی سے باہر جھک کر نیچے جھانکا۔ یہ کھڑکی زمین کی سطح سے تقریباً تیس فٹ اونچی تھی۔ اس طرف بھی تاریک گلی تھی جو اس وقت سنسان پڑی تھی۔ ظاہر ہے رات کے پچھلے پہر کوئی مٹرگشت کرنے کو تو گھر سے نہیں نکل سکتا تھا۔

شارق مڑ کر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا پھر اس نے فرش پر پڑی ہوئی رسیاں اٹھا لیں۔ یہ دو رسیاں تھیں۔ ایک سے ثمینہ کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اور دوسری سے خود اس کے۔ اس نے دونوں رسیوں کو باندھ کر پہلے گرہ کی مضبوطی آزمائی اور پھر اندازے سے رسی کو ناپنے لگا اس کے

aazzamm@yahoo.com

خیال میں یہ رسی پچیس گز کے لگ بھگ تھی۔ وہ اسے ہاتھ میں پکڑے کھڑکی کے قریب آ کر چوکھٹ کو دیکھنے لگا۔ چوکھٹ کے نیچے کی طرف ایک اینٹ اکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اینٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چند جھٹکے دیئے۔ اینٹ باہر آ گئی۔ اس طرح چوکھٹ کے نیچے ایک خلا پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے رسی کے سرے کو اس خلا میں سے گزار کر چوکھٹ پر مضبوطی سے باندھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر باقی رسی بڑی احتیاط سے باہر لٹکا دی۔

ثمینہ کھڑکی پر جھک کر باہر جھانکنے لگی۔ دوسرے ہی لمحہ وہ ایک جھرجھری سی لے کر پیچھے ہٹ گئی۔ رسی کے ذریعے اتنی بلندی سے اترنے کے خیال ہی سے اس کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

"پہلے تم نیچے اترو گی۔" شارق نے سرگوشی کی۔

"مم.... میں؟" ثمینہ ہکلا گئی۔ "اگر رسی ٹوٹ گئی یا میں گر گئی تو؟"

"تو پھر دو ہی جگہیں باقی ہیں جہاں تم جا سکتی ہو۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "قبرستان یا ہسپتال لیکن میرا خیال ہے کہ اگر تم احتیاط سے کام لو تو صحیح سلامت نیچے پہنچ سکتی ہو۔ چلو... کھڑکی پر چڑھو میں تمہیں سہارا دیتا ہوں۔ رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر پیر دیوار کے ساتھ جماتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے اترتی رہنا۔"

شارق نے ثمینہ کا بازو پکڑ لیا۔ ثمینہ کھڑکی کے فریم پر چڑھنا ہی چاہتی تھی کہ باہر بالکونی میں قدموں کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔

"میرا خیال ہے وہ یعقوب ہے۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "وہ دروازے کو اندر سے بند پا کر سمجھ جائے گا کہ ہم نے اپنی رسیاں کھول لی ہیں اور اتنی جلدی ہم نیچے بھی نہیں اتر سکتے۔ وہ فوراً ہی ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔ سب سے پہلے ان کا دھیان اسی کھڑکی کی طرف جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ دروازہ بھی توڑنے کی کوشش کریں۔ اس طرح ہمارا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔"

"پھر...." ثمینہ نے متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"میں کنڈا کھول دیتا ہوں۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "ہم دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہو گا ہم اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

وہ دونوں دبے قدموں تیزی سے کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئے۔ شارق نے بڑی احتیاط سے دروازہ کا کنڈا ہٹا دیا۔ ٹھیک اسی لمحہ قدموں کی آواز دروازے کے سامنے رک گئی۔ قدموں کی آواز سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ ایک ہی آدمی تھا۔

شارق اور ثمینہ دروازے کے دائیں بائیں دیوار سے چپکے کھڑے تھے۔ ان دونوں کے دل

بڑی تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ ثمینہ تو کچھ زیادہ ہی خوفزدہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر ان کا منصوبہ ناکام ہو گیا تو وہ لوگ انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

چند سیکنڈ بعد باہر سے کنڈا ہٹائے جانے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ یعقوب کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ شارق اور ثمینہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ دو تین قدم آگے بڑھ کر وہ رک گیا اور حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ٹھیک اسی لمحہ شارق نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے لئے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ثمینہ بھی یعقوب کی طرف لپکی۔

صورت حال کا اندازہ کر کے یعقوب کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ شراب پی کر ثمینہ کے حسن و شباب سے کھیلنے کے لئے آیا تھا لیکن یہاں کی صورت حال نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔ ثمینہ اور شارق نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ شارق نے اس کی گردن بڑی مضبوطی سے بازو کی لپیٹ میں لے رکھی تھی اور اسے زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔

یعقوب کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ ثمینہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تاکہ وہ زیادہ مزاحمت نہ کر سکے۔ یعقوب کی مزاحمت دو منٹ سے زیادہ جاری نہیں رہ سکی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ شارق نے اس کی گردن کو ایک دو اور جھٹکے دیئے اور پھر اسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ یعقوب جیسے دیو قامت شخص کی گردن مروڑنے میں اسے خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ اس کا سانس پھول گیا تھا اور وہ ایک طرف کھڑا ہانپ رہا تھا۔ ثمینہ بھی اپنے تنفس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

دو تین منٹ اور گزر گئے۔ شارق نے یعقوب کو ہلا جلا کر دیکھا اگر وہ مرا نہیں تھا تو کم از کم ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔

"چلو.. جلدی کرو زیادہ دیر یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

وہ دونوں کھڑکی کے قریب آ گئے۔ باہر جھانکتے ہوئے ثمینہ کو ایک بار پھر جھرجھری آ گئی۔ شارق نے اسے سہارا دے کر کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھا دیا۔ اور اسے بڑی آہستگی سے دوسری طرف لٹکانے لگا۔ ثمینہ نے دونوں ہاتھوں سے رسی کو بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کے جسم کے مسام بڑی تیزی سے پسینہ اگل رہے تھے۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی پسینے میں تر ہو رہی تھیں اور رسی پر گرفت قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

"نیچے مت دیکھو۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "دیوار پر پیر جماتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے

aazzamm@yahoo.com

اترتی رہو۔

ثمینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ اس نے پیر دیوار کے ساتھ ٹکا رکھے تھے اور رسے کو ایک ایک انچ کر کے چھوڑتی جا رہی تھی۔ اس نے چند منٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نیچے جھانک کر دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ نیچے تاریکی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور وہیں رک گئی۔ ہتھیلیوں پر پسینے کی وجہ سے رسی ہاتھوں سے پھسلی جا رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ پھر نیچے پھسلنے لگی۔ ایک مرتبہ تو ہاتھوں سے پسینے کی وجہ سے وہ کئی فٹ تک نیچے پھسلتی چلی گئی تھی۔ رسی میں ایک جگہ گرہ ہونے کی وجہ سے اس کی گرفت جم گئی۔

ثمینہ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دیوار ٹوٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے اسے پیر پھنسانے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ وہ فضا میں معلق لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کا چہرہ پسینے میں تر ہو رہا تھا اور پسینے کی دھاریں گردن پر بھی بہہ رہی تھیں۔

ثمینہ چند لمحے رسے کو پکڑے لٹکی رہی اور ایک بار پھر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی اور پھر دفعتاً" رسہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ زمین کی تاریک گہرائیوں میں گرتی جا رہی ہو اور پھر وہ دھب سے نیچے گری۔ زمین پر گرتے ہوئے بھی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

زمین تقریباً چھ فٹ کے فاصلے پر رہ گئی تھی کہ رسی ختم ہو گئی تھی۔ وہ جس جگہ گری تھی وہاں کچی زمین تھی اور کیچڑ بھی تھا۔ ثمینہ کو اگرچہ چوٹ تو نہیں لگی تھی لیکن خوف سے وقتی طور پر اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا اور جب صدمے سے سنبھل کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو منہ سے بے اختیار کراہ سی نکل گئی۔ اس کے دائیں ٹخنے میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔ گرنے سے اس کے پیر میں موچ آ گئی تھی اور وہ خود سے اٹھ کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔

ثمینہ کے چہرے پر کرب کے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اسے دیوار کے ساتھ ایک ہیولہ سا پھسلتا ہوا نظر آیا۔ وہ شارق تھا جو رسی کے سہارے پھسلتا ہوا نیچے آ رہا.... اور پھر وہ بھی دھب سے ثمینہ کے قریب ہی گرا۔

"کیا ہوا ثمینہ' تمہیں چوٹ تو نہیں لگی۔" شارق نے سرگوشی میں پوچھا۔

"میں اوپر سے گر گئی تھی۔ دائیں پیر میں موچ آ گئی ہے۔ میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔" ثمینہ نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

شارق نے جھک کر اس کے پیر کو ٹٹولا۔ ثمینہ کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔

"ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔" شارق نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اگر ان دونوں میں سے کوئی اوپر چلا گیا تو انہیں پتہ چل جائے گا اور پھر ہمارے لئے اس علاقے سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ میرے سہارے آہستہ آہستہ چلنے کی کوشش کرو۔"

ثمینہ اس کے ساتھ دو تین قدم چلی تھی کہ کراہتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"نہیں شارق' میں نہیں چل سکتی۔" وہ کراہی۔

"ٹھیک ہے' تم یہاں رکو.... میں دیکھتا ہوں۔ اگر ہماری گاڑی اب بھی اسی جگہ موجود ہے تو میں لے کر آتا ہوں۔" شارق نے کہا اور ثمینہ کو تاریکی میں دیوار کے ساتھ بٹھا دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

گلی کے موڑ پر پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رکا' دوسری طرف جھانک کر دیکھا۔ اس گلی میں بھی تاریکی تھی۔ شارق تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مندر کے سامنے سے گزر گیا اور ایک اور گلی مڑ کر اس طرف آ گیا جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کار کے قریب آ گیا۔

اس نے جب گاڑی یہاں چھوڑی تھی تو انجن تو بند کر دیا تھا لیکن چابی اگنیشن ہی میں رہنے دی تھی۔ جیلے اور اس کے ساتھی نے بھی اس بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ ان دونوں کو تو گن پوائنٹ پر لے کر مندر کی طرف چلے گئے تھے مگر گاڑی کو انہوں نے مکمل طور پر نظرانداز کر دیا تھا اور اب ان کی عدم توجہی شارق کے لئے سودمند ثابت ہوئی تھی۔ وہ بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

شارق گاڑی کو ہلکی رفتار سے چلاتا ہوا پچھلی گلی میں آ گیا اور پھر اس نے گاڑی اس گلی میں موڑ دی جہاں اس نے ثمینہ کو چھوڑا تھا۔ ثمینہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ شارق کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اس نے ثمینہ کو سہارا دے کر اٹھایا اور اسے آہستہ آہستہ چلاتا ہوا کار تک لے آیا۔

"اوئے جیلے! اٹھ اوئے۔ وہ دیکھ.... وہ دونوں بھاگ رہے ہیں۔"

شارق یہ آواز سن کر بری طرح چونک گیا اس نے مڑ کر دیکھا۔ مندر کے نچلے کمرے کی عقبی کھڑکی میں جیلے کا دوسرا ساتھی نظر آ رہا تھا۔ اس نے شاید گاڑی کی آواز سن لی تھی اور جب اس نے کھڑکی سے جھانکا تو گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ان دونوں کو دیکھ کر بری طرح چیخا تھا۔

شارق نے پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول کر ثمینہ کو اندر دھکیل دیا۔ اس طرح ثمینہ کے پیر کو جھٹکا لگا تو اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ شارق بڑی پھرتی سے کار کے سامنے سے گھوم کر

aazzamm@yahoo.com

اسٹیئرنگ سائیڈ پر آگیا اور سیٹ پر بیٹھتے ہی انجن کو گیئر میں ڈال دیا۔

یہ بھی غنیمت تھا کہ مندر کی اس عقبی کھڑکی میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ کمرہ چونکہ گراؤنڈ فلور پر تھا اس لئے سلاخیں لگی ہوئی تھیں اگر سلاخیں نہ ہوتیں تو جیلا یا اس کا ساتھی کھڑکی سے کود کر باہر آ چکے ہوتے۔

گاڑی چند گز آگے نکلی تھی کہ فضا فائر کی خوفناک آواز سے گونج اٹھی۔ گولی پچھلی ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی ثمینہ کے پیچھے والی کھڑکی سے نکل گئی تھی۔ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ ایک دم نیچے جھک گئی تھی۔

شارق نے ایک دم ایکسلریٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ گاڑی کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ ثمینہ اب بھی جھکی بیٹھی تھی ایک اور فائر ہوا۔ لیکن گاڑی اب بہت آگے نکل چکی تھی۔ اگلے موڑ پر رفتار کم کئے بغیر گاڑی گھما دی۔ یہ ایک تنگ سی گلی تھی جس میں لاتعداد ورکشاپ تھے اور جگہ جگہ ٹوٹی پھوٹی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شارق کی کار گلی میں ایک کار کے ڈھانچے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

شارق کار کو مختلف گلیوں میں گھماتا ہوا سڑک پر آگیا۔ اب اس کے سامنے دو راستے تھے۔ پہلا راستہ تو یہ تھا کہ وہ بائیں طرف ریلوے اسٹیشن کی طرف نکل جاتا اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ دائیں طرف شاہی قلعہ اور اقبال پارک کے درمیان والی سڑک پر سے ہوتا ہوا داتا دربار اور بھاٹی کی طرف نکل جاتا۔

ان دونوں کے حلئے ایسے نہیں تھے کہ پورے شہر کا سفر آرام سے کر سکتے۔ دونوں کے ناک اور ہونٹ زخمی تھے۔ کپڑے خون آلود تھے۔ ثمینہ کی اور شارق کی قمیض بھی پھٹی ہوئی تھی۔ الجھے ہوئے بال اور چہروں پر چوٹوں کے نشان تھے۔ راستے میں کہیں پولیس والے چیک کرنے کے لئے روک لیتے تو کسی قسم کی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ اس لئے شارق نے لمبا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قریبی منزل پر پہنچنے کا فیصلہ کرتے ہوئے گاڑی کو بائیں طرف گھما دیا۔

اس وقت غالباً ساڑھے تین بجے تھے۔ اک موریہ پل کے اوپر کوئی مال گاڑی گزر رہی تھی۔ پل کے نیچے دیوار کے ساتھ دو پولیس والے کھڑے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ انہوں نے کار کی طرف دیکھا تو تھا مگر توجہ نہیں دی تھی۔

یہاں سے تین اطراف میں سڑکیں نکلتی تھیں۔ ایک سڑک پل کے نیچے مصری شاہ کی طرف، دوسری دائیں سمت دلی دروازے کی طرف اور ایک سڑک ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سیدھی ریلوے اسٹیشن کی طرف چلی گئی تھی۔ ریلوے لائن سڑک سے تقریباً بیس فٹ اونچی تھی۔

دو موریہ پل کے قریب سے ہوتے ہوئے شارق گاڑی کو سیدھا لیتا چلا گیا۔ ریلوے اسٹیشن وہاں سے تقریباً تین فرلانگ آگے تھا لیکن ایک فرلانگ آگے جانے کے بعد شارق نے گاڑی دائیں طرف ایک تنگ سی گلی میں موڑ لی۔

یہ نولکھا کا علاقہ تھا اور نولکھا تھانے کے عین عقب میں واقع تھا۔ یہاں گلیوں میں پرانے اور ری کنڈیشنڈ ٹائروں کی بہت بڑی مارکیٹ تھی۔ جگہ جگہ ٹائروں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ربر کی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

پورے علاقے میں سناٹا تھا۔ مارکیٹ کا چوکیدار بھی کہیں دبک کر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے گاڑی ایک اور تنگ سی گلی میں موڑ کر ایک تین منزلہ مکان کے سامنے روک لی۔ اس علاقے کے سارے ہی مکان بہت پرانے تھے اور بعض تو ایسے تھے جن کے کسی بھی وقت ڈھیر ہو جانے کا خدشہ تھا لیکن ان مکانوں میں بھی رہائش موجود تھی۔

شارق نے جس مکان کی سامنے کار روکی تھی وہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ نیچے دکانیں تھیں جو بند تھیں۔ اوپر کی منزل پر بھی ٹائروں کی دکانیں تھیں اور ظاہر ہے اس وقت ساری دکانیں بند تھیں۔ نیچے والی دکانوں کے بیچ میں ایک چھوٹا لکڑی کا دروازہ تھا۔ جس کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ شارق نے کار کے شیشے چڑھا دیئے۔ اگنیشن سے چابی نکال کر جیب میں ڈال لی۔ نیچے اتر کر دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ دوسری طرف سے آ کر اس نے ثمینہ کو سہارا دے کر نیچے اتارا اور کار کا دروازہ لاک کر دیا۔ وہ ثمینہ کو سہارا دے کر چلاتا ہوا مکان کے دروازے تک لے گیا۔

دروازے کے اندر زینہ تنگ سا تھا اور روشنی بھی نہیں تھی۔ شارق ثمینہ کو سہارا دے کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ سیڑھیاں بھی ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ تاریکی میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ اوپر چڑھ رہے تھے۔

تیسری منزل پر ایک دروازے کے سامنے وہ رک گئے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ثمینہ ہانپ گئی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ شارق نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن دو تین منٹ گزرنے کے بعد بھی دروازہ نہیں کھلا تو دوسری مرتبہ اس نے ذرا زور سے دستک دی۔ اس کے ایک منٹ بعد اندر سے ایک خوابیدہ سی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں شارق۔ دروازہ کھولو۔" شارق نے کہا۔

وہ آواز خاصی بھاری تھی۔ آواز سے ثمینہ نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی ہو گا لیکن جب دروازہ کھلا تو اسے دیکھ کر چونک گئی۔ وہ کوئی مرد نہیں ادھیڑ عمر عورت تھی۔

aazzamm@yahoo.com

سامنے کشادہ صحن تھا۔ آخر میں تین کمرے تھے۔ ایک دیوار پر بلب روشن تھا۔ بائیں طرف ایک کمرے کے برابر کبوتروں کا بہت اونچا پنجرہ تھا اس کے دائیں بائیں کبوتروں کے لئے دو بہت اونچی چھتریاں لگی ہوئی تھیں۔ پنجرے میں لاتعداد کبوتر بھرے ہوئے تھے۔

شارق' ثمینہ کو لے کر اندر آ گیا۔ وہ عورت ثمینہ کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور الجھی ہوئی نظروں سے شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

"بھولا گھر پر نہیں ہے کیا؟" شارق نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"سیالکوٹ گیا ہوا ہے آج آنا تھا مگر آیا نہیں شاید صبح سویرے آ جائے۔" اس عورت نے جواب دیا۔ اس کی آواز پہاڑی کوے جیسی بھاری تھی۔

"کمرے کا دروازہ کھولو۔ اس کے پیر میں موچ آ گئی ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔" شارق نے کہا۔

اس عورت نے آگے بڑھ کر ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر بتی بھی جلا دی۔ شارق' ثمینہ کو لے کر کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں ایک چارپائی تھی جس پر صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک چھوٹی سی میز تھی۔ دو کرسیاں تھیں اور کھونٹی پر کچھ زنانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ لیکن ثمینہ کے خیال میں یہ کپڑے اس عورت کے نہیں ہو سکتے تھے۔ میز پر کچھ کاپیاں اور کتابیں بھی پڑی تھیں جو ثمینہ کے اس خیال کی تصدیق کر رہی تھیں۔

شارق نے ثمینہ کو چارپائی پر بٹھا دیا۔

"کون ہے یہ؟ کیا ہوا اسے؟" اس عورت نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ثمینہ ہے۔ اس کے پیر میں موچ آ گئی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"او... یہ ہے ثمینہ۔" وہ عورت بولی۔ "موچ کا علاج تو بہت آسان ہے۔ اپنا پیر دکھاؤ مجھے۔"

ثمینہ اس وقت پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس نے پائنچہ اوپر اٹھا دیا۔ اس کا ٹخنہ سوجھ گیا تھا۔ اس عورت نے اس کے پیر کو ٹٹول کر دیکھا تو ثمینہ کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔

"اس پیر میں پہلے بھی موچ آئی تھی؟" اس عورت نے پوچھا۔

"ہاں۔" ثمینہ نے جواب دیا اسے فیصل آباد کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب قبرستان میں نولکھا کے اڈے پر پولیس پارٹی نے چھاپہ مارا تھا اور وہاں سے بھاگتے ہوئے اس کے اسی پیر میں موچ آ گئی تھی۔

"میں مالش کر دیتی ہوں۔ تین چار دن میں تمہارا پیر ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ عورت کہتی ہوئی

کمرے سے نکل گئی۔

پندرہ بیس منٹ بعد وہ پہاڑی کوے جیسی آواز والی عورت ایک کٹورے میں سرسوں کے تیل میں ہلدی ملا کر گرم کر کے لے آئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے ثمینہ کا پیر پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے مالش کرنے لگی۔ اس نے پیر کو ایک دو ایسے جھٹکے دیئے کہ ثمینہ کی چیخیں نکل گئیں۔ مالش کرنے کے بعد اس نے پیر پر کپڑا لپیٹ دیا۔

"بس اب آرام سے لیٹ جاؤ۔ پیر کو ہلانا مت۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وہ عورت تیل والا کٹورہ اٹھا کر باہر چلی گئی۔

"یہ عورت کون ہے اور یہ گھر کس کا ہے؟" ثمینہ نے شارق سے پوچھا۔

"بھولے کی ماں ہے۔ رشماں نام ہے اس کا۔"

"مجھے تو یہ کوئی جلاد لگتی ہے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیسی بے دردی سے میرے پیر کو جھٹکے دیئے تھے۔ آواز تو اس کی پہاڑی کوے جیسی ہے اور نام رشماں...."

"بہت اچھی عورت ہے۔" شارق نے اس کے ریمارکس پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ "دو تین دن یہاں رہو گی تو تم اس کی گرویدہ ہو جاؤ گی۔ اس کی ایک بیٹی بھی ہے حمیرا۔ میٹرک میں پڑھتی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ملو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"بھولے کے ساتھ سیالکوٹ گئی ہے صبح آ جائے گی تو مل لینا۔"

"یہ کون لوگ ہیں۔ تمہارا ان سے کیا تعلق ہے؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بھولے کا باپ میرے گروہ میں تھا۔ چند ہفتے پہلے پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ مکان ان کا اپنا ہے۔ نیچے کی دونوں منزلیں کرائے پر دے رکھی ہیں۔ بھولا انٹر پاس ہے۔ کوئی نوکری نہیں ملی تو یہیں ٹائر مارکیٹ میں ایک دکان پر کام کرنے لگا۔ اسے کاروبار کی کچھ سمجھ بوجھ آ گئی ہے۔ میرے مشورے پر اب اپنی دکان کھول رہا ہے۔ اپنی ہی بلڈنگ کے ایک دکاندار کو دکان خالی کرنے کا نوٹس دے رکھا ہے۔ دس بارہ دن تک وہ دکان خالی ہو جائے گی تو بھولا اپنا کام شروع کر دے گا۔ اسے کبوتروں کا شوق ہے۔ باہر پنجرہ دیکھا ہے تم نے۔ یہ کبوتر اسی نے پال رکھے ہیں۔ کبوتروں کے ساتھ پتنگ بازی کا بھی شوق ہے۔ صبح آئے گا تو دیکھنا کتنی پتنگیں اور ڈوریں جمع کر رکھی ہیں اس نے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم لوگ کسی سے لڑ کر آئے ہو۔ کیا حالت ہو رہی ہے تم دونوں کی۔ تم ان

aazzamm@yahoo.com

میں سے کوئی کپڑے پہن لو۔" اس نے ثمینہ کو مخاطب کرتے ہوئے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اور شارق بیٹا..... تم بھی بھولے کے کمرے میں جا کر کپڑے بدل لو۔ مگر تم لوگوں کی یہ حالت ہوئی کیسے؟"

"کچھ لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم کپڑے بدل کر سو جاؤ..... صبح دیکھا جائے گا۔"

شارق اور ر-شماں کمرے سے نکل گئے۔ ثمینہ نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور کھونٹی سے ایک جوڑا اتار کر اپنے کپڑے بدلنے لگی۔

کپڑے بدلنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس کے جسم میں کئی جگہوں سے ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں اس وقت کی لگی ہوئی چوٹیں اب اپنا رنگ دکھا رہی تھیں۔ ثمینہ دانت بھینچے لیٹی رہی اور بالآخر نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

○

یعقوب اوپر چلا گیا۔

جیلا اور اس کا ساتھی رحمت اسی کمرے میں دری پر بیٹھے رہے۔ ان کے سامنے گلاس اور شراب کی دو بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ پانی کا جگ بھی تھا۔ ایک بوتل بالکل خالی ہو چکی تھی اور دوسری میں کچھ شراب باقی تھی۔ یعقوب اس مندر میں ہیروئن کے علاوہ چرس اور دیسی شراب بھی فروخت کرتا تھا۔ اس کے گاہکوں میں زیادہ تعداد موٹر مکینکوں' تھیلے والوں اور اسی قسم کے لوگوں کی تھی بیشتر نوجوان بھی آتے تھے مگر ان کی آمد و رفت زیادہ تر شام سے پہلے پہلے ہی رہتی تھی۔ نوجوان ہیروئن کے شوقین تھے۔ شام سات سے رات دس' ساڑھے دس بجے تک موٹر مکینک قسم کے لوگ آتے تھے اور ان لوگوں کو زیادہ دلچسپی شراب سے تھی۔

ماجھا گجر نے آج شام سے پہلے ہی شارق کے ڈیرے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا ڈیرے کو آگ لگانا بھی اس کے منصوبے میں شامل تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی کہ اگر شارق ہاتھ لگ جائے تو اسے پکڑ کر یعقوب کے اس ڈیرے پر لے آئیں۔

ماجھے نے بارہ بجے تک یہاں انتظار کیا تھا پھر اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اس نے یعقوب کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر کوئی بہت ہی اہم اطلاع ملے تو اسے فوراً نہر والی کوٹھی پر مطلع کر دیا جائے۔ جیلا' یعقوب کا آدمی تھا اور رحمت' ماجھا گجر کا... شارق کے ڈیرے کو آگ لگانے کے بعد ان کے دوسرے ساتھی تو تتر بتر ہو گئے تھے اور جیلا اور رحمت وہیں ٹہلتے رہے تھے۔ جیلے کا خیال تھا کہ ڈیرے کو آگ لگنے کی اطلاع پا کر شارق وہاں ضرور آئے گا اور وہ لوگ اسے گرفت میں لینے

کی کوشش کریں گے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ شارق' ثمینہ کے ساتھ محض اتفاق سے اس طرف آ نکلا تھا اور بڑی آسانی سے وہ دونوں ان کے ہاتھ بھی لگ گئے تھے۔ وہ لوگ انہیں مندر میں لے آئے تھے۔

رحمت کا خیال تھا کہ ماجھا گجر کو ان کے بارے میں فوراً ہی اطلاع دے دی جائے لیکن ثمینہ کو دیکھ کر یعقوب کی رال ٹپک پڑی تھی۔ یعقوب کا شاید یہ خیال تھا کہ ثمینہ اس کے لئے تر نوالہ ثابت ہو گی لیکن ان دونوں نے مار مار کر یعقوب کا حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا اور اگر جیلا اور رحمت مداخلت نہ کرتے تو شاید وہ دونوں اسے ختم ہی کر دیتے۔ شارق اور ثمینہ کو قابو میں کرنے کے لئے انہیں بڑی محنت کرنا پڑی تھی۔ رحمت نے اس وقت بھی مشورہ دیا تھا کہ ماجھا گجر کو اطلاع دے دی جائے مگر یعقوب نے سختی سے منع کر دیا۔ اب وہ ثمینہ سے اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

وہ تینوں اس کمرے میں آ گئے۔ یعقوب نے اپنی زخمی انگلی شراب میں تر کر کے اس پر پٹی باندھ لی تھی اور وہ تینوں بیٹھ کر شراب پینے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد یعقوب اٹھ گیا۔ اس نے ان دونوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں بھی ثمینہ سے اپنی توہین کا بدلہ لینے کا موقع دے گا۔

یعقوب کے جانے کے بعد وہ دونوں بیٹھے شراب پیتے اور قہقہے لگاتے رہے۔ دس پندرہ منٹ بعد ہی انہوں نے ایک ہلکی سی نسوانی چیخ سنی تھی۔ رحمت کا خیال تھا کہ چیخ کی آواز عقبی گلی سے آئی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا بھی تھا۔ لیکن تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ دوبارہ جیلے کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

تقریباً دس منٹ اور گزر گئے۔ پھر ایک کار کے انجن کی آواز سنائی دی۔ آواز سے بالکل ایسا لگا تھا جیسے وہ کار پچھلی گلی میں رکی ہو۔ رحمت ایک بار پھر اٹھ کر کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ کھڑکی میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ گردن باہر نہیں نکال سکتا تھا لیکن کھڑکی سے قدرے بائیں طرف گلی میں ایک کار کو دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ کار کے ہیڈ لیمپس روشن تھے لیکن اس کے اندر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا اور پھر دفعتاً" وہ چونک گیا بائیں طرف سے ایک آدمی کسی عورت کو سہارا دے کر کار کی طرف لا رہا تھا۔ وہ عورت لنگڑا رہی تھی۔ وہ اگرچہ براہ راست کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نہیں تھے لیکن ان کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل پڑا۔ اس نے شارق اور ثمینہ کو پہچان لیا تھا وہ مڑ کر جیلے کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"اوئے جیلے..... اٹھ اوئے..... وہ دیکھ... وہ دونوں بھاگ رہے ہیں۔"

"بھاگنے دے یار۔" جیلے نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش

aazzamm@yahoo.com

تھی۔ "کہاں تک بھاگیں گے۔ تھک کر خود ہی گر جائیں گے۔"

"اوئے میں ثمینہ اور شارق کی بات کر رہا ہوں۔" رحمت نے قریب آ کر جیلے کو جھنجوڑ دیا۔ "وہ دونوں کار میں بھاگ رہے ہیں۔"

"ثمینہ اور شارق....." جیلا بڑبڑایا پھر ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "کہاں ہیں وہ دونوں.... کہاں بھاگ رہے ہیں....."

"پچھلی گلی میں کار پر بیٹھ رہے ہیں۔" رحمت نے جواب دیا۔

جیلا کھڑکی کی طرف لپکا۔ وہ شاید کھڑکی سے چھلانگ لگانا چاہتا تھا مگر سلاخوں سے سر ٹکرا گیا۔ اس ٹکر کے ساتھ ہی اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

رحمت بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ مندر سے نکل کر پچھلی گلی میں جا کر انہیں روکنے کی کوشش کریں گے تو انہیں بہت دیر ہو جائے گی۔ شارق اور ثمینہ نکل جائیں گے۔ انہیں روکنے کی ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے لپک کر رائفل اٹھالی اور کھڑکی کی سلاخوں سے نال باہر نکال کر گولی چلا دی۔ گولی کار کی پچھلی ونڈ اسکرین پر لگی لیکن شاید ان دونوں میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس دوران کار آگے نکل گئی تھی۔ کھڑکی میں سلاخوں کی وجہ سے وہ رائفل کی نال کو زیادہ نہیں گھما سکتا تھا۔

"وہ نکل گئے.... بھاگو ان کے پیچھے۔" رحمت چیخا۔

وہ دونوں دوڑتے ہوئے کمرے سے نکلے۔ ان کا رخ مندر سے باہر جانے والے دروازے کی طرف تھا۔ مندر کے مرکزی ہال میں بلب روشن تھا۔ وہ دروازے کے قریب رک گئے۔ دروازے کو اندر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔

"دروازہ تو بند ہے۔" جیلا بڑبڑایا۔ "وہ لوگ باہر کیسے جا سکتے ہیں۔ تمہیں کار والوں کو پہچاننے میں غلطی تو نہیں ہوئی۔"

"میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ وہی دونوں تھے۔ میرے ساتھ آؤ۔" رحمت نے کہا اور وہ دونوں اس کمرے میں آ گئے جس میں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے' بالکونی میں بھی رکے بغیر وہ اس کمرے کی طرف دوڑے جہاں شارق اور ثمینہ کو باندھ کر ڈالا گیا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے اندر گھس گئے لیکن دوسرے ہی لمحہ انہیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ سامنے فرش پر یعقوب آڑا ترچھا بے حس و حرکت پڑا تھا اور ثمینہ اور شارق غائب تھے۔ جیلا بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر یعقوب پر جھک گیا۔ پہلے اسے ہلایا جلایا پھر اس

کی ناک کے سامنے ہاتھ رکھ دیا۔ سانس کی آمد و رفت جاری تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زندہ تھا۔

"یہ..... یہ دیکھو..... وہ لوگ اس کھڑکی کے راستے فرار ہوئے ہیں۔"

جیلا' رحمت کی آواز سن کر اس کے قریب آ گیا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ کھڑکی کی چوکھٹ سے بندھی ہوئی رسی نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ وہ دونوں اس کھڑکی کے راستے کس طرح فرار ہوئے تھے۔ رحمت نے رسی اوپر کھینچ لی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ یعقوب کے اوپر آنے سے پہلے وہ لوگ اپنے ہاتھ پیر کھول چکے تھے۔" جیلا قیاس آرائی کرتے ہوئے بولا۔ "یعقوب جیسے ہی اندر داخل ہوا انہوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے بے بس کرنے کے بعد اس رسی کے ذریعے کھڑکی کے راستے فرار ہو گئے۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔" رحمت نے اس کی تائید میں سر ہلایا۔

"ان کے پیچھے جانا بے کار ہے۔" جیلے نے کہا۔ "اب تک وہ بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ اسے نیچے لے کر چلو.... اس کی حالت تو بری ہے شاید بچ جائے۔" اس نے یعقوب کی طرف اشارہ کیا۔

یعقوب دیو قامت تھا۔ وہ دونوں اسے کسی نہ کسی طرح نیچے والے کمرے میں لانے میں کامیاب ہو گئے اور پھر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

یعقوب ہوش میں نہیں آ سکا تھا وہ ہوش میں آئے بغیر ہی ختم ہو گیا۔

"اب کیا ہو گا؟" جیلے نے عجیب سی نگاہوں سے رحمت کی طرف دیکھا۔

"ہونا کیا ہے' اس کی لاش کو یہیں رہنے دو اور نکل چلو یہاں سے۔" رحمت نے جواب دیا۔

"تین بج رہے ہیں۔ راستے میں پولیس نے روک لیا تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔ دن چڑھنے دو پھر نکلتے ہیں یہاں سے....." جیلے نے جواب دیا۔

رات کا باقی حصہ بھی انہوں نے جاگتے ہوئے ہی گزارا تھا۔ اور پھر جیسے ہی دن کی روشنی طلوع ہوئی وہ دونوں مندر سے نکل آئے۔ انہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں جن کے اندر رائفلیں چھپی ہوئی تھیں۔ انہیں مندر سے نکلتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ محتاط انداز میں چلتے ہوئے ناری اڈے میں داخل ہو گئے اور پھر دوسری طرف سے سڑک پر نکل آئے۔ وہاں سے انہیں فوراً ہی رکشہ مل گیا اور وہ رکشے پر بیٹھ کر ماجھا گجر کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

[illegible] ماجھا گجر کی کوٹھی پر پہنچے تو سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ ماجھا گجر سو رہا تھا [illegible] جگا دیا گیا۔ [illegible] ماجھا گجر کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لئے اس کے

aazzamm@yahoo.com

غصے سے بچنے کے لئے انہوں نے راستے ہی میں ایک فرضی کہانی گھڑ لی تھی تاکہ انہیں ماجھے کے غصے کا نشانہ نہ بننا پڑے۔

"شارق کا مزنگ والا ڈیرہ جل کر راکھ ہو گیا ہے۔" جیلا اسے بتا رہا تھا۔ "رات ایک بجے شارق کی دوست ثمینہ ہمارے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ہم اسے مندر لے گئے تھے۔ ہم مندر پہنچے ہی تھے کہ ہمیں اطلاع ملی کہ شارق اپنے تین آدمیوں کے ساتھ آپ کے نسبت روڈ والے ڈیرے کی طرف جا رہا ہے۔ ہم نے سوچا کہ اچھا موقع ہے۔ ہم شارق کو بھی گرفت میں لے سکتے ہیں۔ ہم ثمینہ کو یعقوب کے حوالے کر کے نسبت روڈ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ہمیں غلط اطلاع ملی تھی میرے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال آیا کہ ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں ہوا۔ ہم فوراً واپس دوڑے۔

جب ہم مندر میں پہنچے تو میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ثمینہ غائب تھی اور یعقوب بے ہوش پڑا تھا۔ اسے بڑی مشکل سے ہوش میں لایا گیا اس کی حالت بہت ابتر تھی۔ وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے بتایا کہ شارق اور اس کے دو ساتھی وہاں آئے تھے اور وہ ثمینہ کو چھڑا کر لے گئے۔ یعقوب نے مزاحمت کی تو انہوں نے اس کی گردن مروڑ دی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس وقت تک زندہ کیسے رہا تھا۔"

"شارق کو کیسے پتہ چلا کہ ثمینہ کو وہاں لے جایا گیا ہے؟" ماجھا گجر بولا۔

"پتہ نہیں۔" جیلے نے کندھے اچکا دیئے۔ "ویسے ہو سکتا ہے شارق کے کسی آدمی نے ہمارا پیچھا کر کے اس ٹھکانے کا پتہ معلوم کر لیا ہو اور پھر شارق کو اطلاع دے دی ہو اور شارق نے ہمیں وہاں سے ہٹانے کے لئے کسی آدمی تک اطلاع پہنچا دی ہو کہ وہ آپ کے نسبت روڈ والے ڈیرے پر جا رہا ہے۔ اس طرح موقع پا کر وہ مندر سے ثمینہ کو نکال لے گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارا کوئی اڈہ بھی شارق کی نگاہوں سے محفوظ نہیں رہا۔" ماجھا گجر نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔

"اگر تم اجازت دو تو ہم شارق کے دو تین آدمیوں کو اٹھا لیں۔ ان میں سے کسی سے تو شارق کا پتہ چل جائے گا۔" جیلے نے کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" ماجھے نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کے کتنے آدمی ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ مگر کسی نے بھی اس کے خلاف زبان نہیں کھولی تھی۔ اب میں خود معلوم کروں گا کہ وہ بزدل چوہا کہاں چھپا ہوا ہے۔"

ماجھا گجر سارا دن اپنی کوٹھی میں رہا۔ شام سے ذرا پہلے وہ کوٹھی سے رخصت ہو کر مختلف

جگہوں پر گھومتا ہوا سلطان سرائے آ گیا۔ یہاں وہ اپنے ایجنٹ کی چائے کی دکان کے سامنے بینچ پر بیٹھا ایک اور آدمی سے باتیں کر رہا تھا کہ دو آدمی سامنے والے بینچ پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان میں ایک بے تحاشہ موٹا داڑھی والا آدمی تھا۔ اسے ماجھا گجر بھی جانتا تھا۔ وہ صوفی کے نام سے مشہور تھا اور سلطان سرائے ہی میں اس کی کباڑیئے کی دکان تھی۔ ماجھا گجر سے کبھی کبھار اس کی علیک سلیک ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ماجھے کو دیکھ کر سلام کیا تھا۔ دوسرا آدمی اس کا مہمان تھا جسے وہ چائے پلانے کے لئے لایا تھا۔

"تمہارا ٹرک ٹھیک ہوا یا نہیں؟" صوفی کے مہمان نے پوچھا۔

"ورکشاپ میں کھڑا ہے۔" صوفی نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں راجہ نے کیا کیا ہے اس کا انجن ہی بیٹھ گیا ہے۔ اب اس پر اچھی خاصی رقم لگے گی۔"

"راجہ کو ٹرک کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟" مہمان نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" صوفی نے جواب دیا۔ "اس دن میرے پاس آیا اور ٹرک پر اسکریپ لدوا کر لے گیا تھا لیکن دوسرے دن وہ ٹرک پر اسکریپ بھی واپس لے آیا تھا۔ اس وقت تو ٹرک ٹھیک ٹھاک تھا لیکن شام کو جب ڈرائیور نے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو اسٹارٹ نہیں ہوا۔"

"راجہ جیسے آدمی کا اسکریپ سے کیا کام؟" مہمان نے پوچھا۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔" صوفی نے کہا۔ "اس دن کے بعد راجہ سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ ورنہ اس سے پوچھتا کہ ٹرک کے ساتھ اس نے کیا کیا ہے۔"

ان کی باتوں میں راجہ کا نام سن کر ماجھا گجر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ راجہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ لنڈے کے علاقے میں گھوم پھر کر ہیروئن فروخت کرتا تھا۔ وہ کسی ایک پارٹی سے وابستہ نہیں تھا۔ مختلف پارٹیوں سے مال لیتا تھا۔ کئی مرتبہ ماجھے سے بھی مال لے چکا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ شارق سے مال لیتا تھا یا نہیں لیکن صوفی اور اس کے مہمان میں ہونے والی گفتگو سے اس کا ذہن کچھ الجھ گیا تھا۔ راجہ منشیات فروش تھا اس کا اسکریپ سے کیا کام؟ اور پھر وہ ٹرک پر اسکریپ لدوا کر لے گیا اور دوسرے دن اسکریپ بھی واپس لے آیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے اسکریپ سے لدے ہوئے ٹرک کی ضرورت تھی۔ ہو سکتا ہے وہ اسکریپ کی آڑ میں کوئی چیز کہیں لے کر گیا ہو۔

صوفی جب اپنے مہمان کے ساتھ اٹھ کر جانے لگا تو ماجھے نے اسے روک لیا۔

"صوفی یار میری ایک بات سننا ذرا۔"

"فرماؤ استاد جی۔" صوفی اس کے قریب آ گیا۔ اس کا مہمان دور ہی کھڑا رہ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"تم ابھی راجہ کے بارے میں کوئی بات کر رہے تھے کیا چکر ہے؟" ماجھے نے پوچھا۔

صوفی نے ایک بار پھر ساری بات دہرا دی' آخر میں وہ بولا۔ "یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکی کہ وہ اسکریپ لے کر کیوں گیا تھا اور پھر دوسرے دن اسکریپ واپس کیوں لے آیا اس نے مجھ سے اسکریپ کے پیسے بھی واپس نہیں لئے تھے۔"

"راجہ آج کل کہاں بیٹھ رہا ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"عام طور پر لنڈے میں بابو ہوٹل کے آس پاس پھرتا رہتا ہے لیکن اس دن کے بعد سے نظر نہیں آیا۔" صوفی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ' یہی معلوم کرنا تھا۔" ماجھے نے کہا۔

صوفی اس سے ہاتھ ملا کر چلا گیا ماجھا گجر کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر لنڈا بازار کی طرف آ گیا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی بتیاں جل چکی تھیں۔ ماجھا گجر ٹہلتا ہوا بابو ہوٹل میں آ گیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا راجہ نظر نہیں آیا۔ ہوٹل سے ذرا آگے وہ پان سگریٹ کے ایک کھوکھے پر رک گیا۔

"راجہ کہاں ہے؟" اس نے پان والے سے پوچھا۔

"کئی دن سے یہاں نظر نہیں آیا۔" پان والے نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ ماجھے کو پہچان گیا تھا۔ "سنا ہے آج کل گامے کے ساتھ اس کی بڑی گاڑھی چھن رہی ہے۔"

گامے کے نام پر ماجھا گجر چونک گیا۔ گاما' شارق کا خاص آدمی تھا۔ راجہ سے گامے کے تعلق کا مطلب یہ تھا کہ وہ شارق تک پہنچ گیا ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اسکریپ کا ٹرک کسی ڈرامے ہی میں استعمال کیا گیا تھا۔

"اس کا گھر کہاں ہے۔ رات کو کہاں رہتا ہے؟" ماجھے نے پوچھا۔

"گھر کا پتہ نہیں ویسے وہ آج کل گامے کے ساتھ ہی رہ رہا ہے۔" پان والے نے کہا۔

ماجھا گجر زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔ وہ ٹہلتا ہوا دوبارہ سلطان سرائے آ گیا۔ اس کی گاڑی یہیں کھڑی تھی وہ گاڑی میں بیٹھ کر مزنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس نے مزنگ میں شارق کے ڈیرے کے آس پاس کی گلیوں کا چکر لگایا۔ اس کا ڈیرہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ اس سے ملحق کئی ورکشاپ بھی تباہ ہو گئے تھے۔ اس نے ساتھ والی گلی میں پرچون کی ایک دکان کے سامنے گاڑی روک لی اور اتر کر دکان میں آ گیا۔ دکان کے باہر ڈیپ فریزر بھی رکھا ہوا تھا اور ڈیپ فریزر دیکھ کر ہی اس نے گاڑی روکی تھی۔ اس نے سیون اپ لی اور دکاندار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"طویلے کو آگ کیسے لگی تھی؟"

"آگ لگی نہیں لگائی گئی تھی۔" دکان والے نے جواب دیا۔ "پہلے آپس میں فائرنگ ہوئی پھر مخالف پارٹی نے آگ لگا دی۔ ایک لحاظ سے تو بہت اچھا ہوا۔ یہ طویلہ منشیات کا بہت بڑا اڈہ تھا۔ مخالف پارٹیوں سے آئے دن اس کا جھگڑا رہتا تھا۔ فائرنگ سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل جاتا تھا اب تک یہاں کئی لوگ مارے جا چکے ہیں اب ذرا سکون ہو گا لیکن اس کے ساتھ آگ سے اور لوگوں کا بھی نقصان ہوا ہے اس کا افسوس ہے۔"

"کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟" ماجھے نے پوچھا۔

"کوئی انسان تو نہیں البتہ تین گھوڑے جل کر ختم ہو گئے ہیں۔" دکاندار نے جواب دیا۔

"گھوڑوں کی خیر ہے۔ بندے تو بچ گئے۔" ماجھے نے کہا اور سیون اپ کی بوتل خالی کر کے جیب سے پانچ کا ایک نوٹ بھی نکال کر دکاندار کے سامنے رکھ دیا۔

"کوئی پکڑا نہیں گیا؟" ماجھے نے پھر پوچھا۔

"ایسے لوگ پکڑے تو نہیں جاتے۔" دوکاندار نے کہا۔ "کئی سالوں سے یہاں منشیات کا اڈہ چل رہا ہے۔ علاقے کے لوگ اس کے خلاف حکام کو درخواستیں دیتے رہتے ہیں پولیس بھی سب کچھ جانتی ہے مگر پولیس کو بھتہ ملتا ہے اس لئے ان کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں ہوتی اور اوپر سے دباؤ پڑتا ہے تو پولیس کے مخبر پہلے منشیات فروشوں کو اطلاع کر دیتے ہیں پھر چھاپہ مارتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ چھاپہ پڑنے سے پہلے ہی بھاگ جاتے ہیں۔"

"اب تو یہ اڈہ ختم ہو گیا نا۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "اب تو علاقے کے لوگ سکون کا سانس لے سکیں گے۔"

"دو چار دن کی بات ہے۔" دوکاندار نے کہا۔ "یہیں پھر دھندہ شروع ہو جائے گا۔ کون روک سکتا ہے ان لوگوں کو؟"

"ہاں' یہ بات تو ہے کون روک سکتا ہے ان لوگوں کو۔" ماجھا گجر نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "یہاں ایک گاما کوچوان بھی ہوا کرتا ہے۔ اسے جانتے ہو وہ آج کل کہاں ہے؟"

"کل رات وہ بھی یہیں تھا۔ بھاگ گیا۔" دکاندار نے کہا۔ "ویسے وہ تانگہ چلانا چھوڑ چکا ہے۔ اب تو وہ بھی یہی دھندہ کرتا ہے۔ یہ اڈہ وہ ہی چلا رہا تھا۔"

"لیکن میں نے تو سنا تھا کہ یہ اڈہ شارق کا تھا؟" ماجھے نے کہا۔

"ہے تو شارق کا ہی مگر اسے چلا گما ہی رہا تھا۔ اب پتہ نہیں بھاگ کر کہاں گیا ہو گا۔"

aazzamm@yahoo.com

دکاندار نے جواب دیا۔

ماجھا گجر کچھ دیر مزید ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اسے گاما یا شارق کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ وہ کار میں بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے نو بج چکے تھے۔ اس نے کار ایک گلی میں موڑی ہی تھی کہ چونک گیا۔ گاما ایک پولیس ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ آ رہا تھا۔ وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر تھے۔ اس لئے گاما اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ ماجھا گجر نے کچھ آگے جا کر کار روک لی پچھلی سیٹ پر پڑی ہوئی چادر اٹھائی اور گاڑی کے دروازے بند کر کے گاما کے پیچھے چل پڑا۔ اس نے چادر اس طرح اوڑھ لی تھی کہ اگر گاما مڑ کر بھی دیکھ لے تو اس کی شکل نہ دیکھ سکے۔ وہ کچھ فاصلہ دے کر ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ تھانے کی طرف جا رہا ہے۔

ماجھا گجر کا خیال درست نکلا۔ گاما ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ تھانے ہی میں داخل ہو تھا۔ ماجھا تھانے کے گیٹ سے تقریباً پچاس گز دور تاریکی میں کھڑا رہا۔ گاما تقریباً آدھے گھنٹے بعد تھانے سے نکلا۔ اس مرتبہ وہ اکیلا ہی تھا۔ اس نے گیٹ سے باہر آ کر ادھر ادھر دیکھا پھر اسی طرف آنے لگا جہاں ماجھا کھڑا تھا۔

ماجھا گجر دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ گاما اس کے قریب سے نکل گیا۔ وہ جیسے ہی چند قدم آگے نکلا ماجھا بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کچھ فاصلہ دے کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ گامے نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

دو تین گلیاں گھومنے کے بعد گاما اس سڑک پر نکل آیا جس کے ایک طرف سڑک کے ساتھ ساتھ بہت بڑا چھپڑ تھا۔ آس پاس کے علاقوں کا گندہ پانی اسی جوہڑ میں آ کر گرتا تھا۔ آبادی کے وسط میں اتنا بڑا چھپڑ محکمہ صحت اور بلدیہ کی بے حسی کی منہ بولتی تصویر تھا۔ یہ چھپڑ کئی سال سے تھا۔ مچھروں کی افزائش کی بہترین جگہ۔ گندے پانی کی وجہ سے کئی بیماریاں بھی جنم لیتی رہتی تھیں لیکن متعلقہ حکام نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔

گاما سڑک کے دائیں طرف مکانوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس سڑک پر تقریباً سناٹا تھا۔ ماجھا گجر بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گامے کے قریب پہنچ گیا۔ قدموں کی آہٹ پا کر گامے نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ ماجھا گجر جیب سے پستول نکال چکا تھا۔

"خاموشی سے سیدھے چلتے رہو گامے۔" ماجھے گجر کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔ "اگر تم نے کوئی حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔"

"اوہو۔" گامے کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا تھا۔ "دیکھو ماجھے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا کل رات تم نے یا تمہارے آدمیوں نے جو کچھ بھی کیا ہی وہ کمینگی کی انتہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس معاملے کو یہیں ختم کر دو ورنہ..."

"ورنہ کیا....." ماجھا گجر غرایا۔ "ورنہ کیا کر لو گے تم لوگ۔ کیا بگاڑ لو گے میرا؟"

"ہم نے ابھی تک تمہارے خلاف کوئی بڑا قدم نہیں اٹھایا۔ شارق نے اپنے تمام آدمیوں کو بڑی مشکل سے کھینچ کر رکھا ہوا ہے۔ لیکن قوت برداشت کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ اب کوئی بھی شارق کے کنٹرول میں نہیں رہے گا۔ سب بپھرے ہوئے ہیں۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" گامے نے کہا۔

"فی الحال تو تم اپنی زندگی کی فکر کرو۔" ماجھے نے کہا۔ "اس وقت تم میرے سامنے کھڑے ہو اور میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ بہتر ہے خاموشی سے میرے ساتھ چلو اگر تم چاہو تو مجھ سے تعاون کر کے شارق کے اڈے کے مالک بن سکتے ہو اور انکار یا ضد کی صورت میں تمہارے حصے میں موت بھی آ سکتی ہے۔"

"موت تو ایک دن آنی ہی آنی ہے۔" گامے نے کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں نہیں مروں گا۔"

گامے نے جملہ مکمل کرتے ہی اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ مار دیا۔ ماجھے نے اگرچہ گامے کو پستول کی زد میں لے رکھا تھا لیکن گامے سے اسے اس اقدام کی توقع نہیں تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر تاریکی میں کہیں دور جا گرا۔ اس سے پہلے کہ ماجھا صورت حال کو سمجھ سکتا گامے نے آگے جھکتے ہوئے اس کے سینے پر سر سے ٹکر مار دی۔

ماجھا گجر کراہ اٹھا۔ وہ لڑکھڑا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جسم پر اوڑھی ہوئی چادر اس کے لئے مسئلہ بن گئی تھی۔ جب تک وہ چادر سے نجات حاصل کرتا اس وقت تک گاما اسے تین چار گھونسے رسید کر چکا تھا۔

چادر سے نجات ملتے ہی ماجھا گجر بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح گامے پر حملہ آور ہوا۔ گاما اگرچہ اس حملے کے لئے تیار تھا مگر وہ اپنا دفاع کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ماجھے نے اس پر گھونسوں کی بارش کر دی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گر گیا۔ ماجھے نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

ماجھے کو اپنے اوپر آتا دیکھ کر گاما بڑی پھرتی سے لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ ماجھا منہ کے

aazzamm@yahoo.com

بل نیچے گرا۔ اگر وہ دونوں ہاتھ زمین پر نہ ٹکا لیتا تو اس کا منہ زمین پر لگتا اور ایک آدھ دانت ضرور ٹوٹ جاتا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر گاما نے اسے موقع نہیں دیا اور اسے پے در پے ٹھوکریں مارنے لگا۔

ماجھا گجر اس کی ٹھوکریں برداشت کرتا رہا لیکن پھر اس کا داؤ چل گیا۔ اس نے گامے کا پیر پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ گاما چکرا کر گرا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے کبھی گاما نیچے آ جاتا اور کبھی ماجھا گجر۔ طاقت میں وہ دونوں ایک دوسرے کے برابر تھے۔ اور ایک دوسرے کو رگیدتے ہوئے سڑک پر آ گئے اور پھر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

سڑک کے کنارے کا کچھ حصہ کچا اور ڈھلوان تھا۔ اس ڈھلوان کے ساتھ ہی چھپڑ کا گندہ پانی تھا۔ وہ ڈھلوان پر لڑھکتے ہوئی چھپڑ کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے۔

ٹھیک اسی وقت بائیں طرف سے کوئی گاڑی آتی دکھائی دی۔ وہ دونوں ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھے۔ اس وقت گاما نیچے تھا اور ماجھا گجر اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ گاما کے گلے پر دبا رکھے تھے۔

گاما نے ماجھے کو اپنے دونوں پیروں پر اٹھانا شروع کیا اور بالآخر پیروں کو زور دار جھٹکا دیا۔ ماجھا گجر اس کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل شڑاپ کی آواز سے چھپڑ کے گندے پانی میں گرا۔

گاڑی قریب آتی جا رہی تھی گاما اٹھ کر سڑک پار کر کے گلی کی طرف دوڑا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تاریکی میں غائب ہو گیا۔

ماجھا گجر چھپڑ کے گندے پانی میں تر ہو گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ پیر پھسلا اور پھر پانی میں گرا۔ اسی دوران وہ گاڑی وہاں آ کر رک گئی۔ دو آدمی گاڑی سے اتر کر اس کی طرف لپکے۔ ماجھا ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھا۔

"کیا ہوا... کون ہو تم اور وہ دوسرا آدمی کون تھا؟" کار سے اترنے والے ایک آدمی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کون تھا۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔ "میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ وہ اچانک ہی اس گلی سے نکل کر سامنے آ گیا اور پستول دکھا کر کہنے لگا کہ جو کچھ ہے میرے حوالے کر دو۔ میں اس سے بھڑ گیا۔ اور پھر گاڑی کو آتے دیکھ کر اس نے مجھے چھپڑ میں گرا دیا اور اس طرف بھاگ گیا۔" اس نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم کون ہو..... کہاں رہتے ہو؟" دوسرے آدمی نے پوچھا۔

"میری چوک پر چھوٹی سی دکان ہے جی۔ دکان بند کر کے گھر جا رہا تھا قریب ہی رہتا ہوں۔ گھر زیادہ دور نہیں ہے۔" ماجھے نے جواب دیا۔

"وہ یقیناً شروع ہی سے تمہارے پیچھے لگا ہو گا۔" پہلے آدمی نے کہا۔ "تمہیں تھانے میں اس کی رپورٹ کرانی چاہئے۔ اگر چاہو تو ہم تمہارے ساتھ تھانے جا کر گواہی دیں گی۔"

"کوئی فائدہ نہیں جی۔" ماجھے نے چھپڑ سے نکلتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ تو بھاگ گیا۔ پولیس والے اسے تلاش کرنے کے بجائے مجھے ہی پریشان کریں گے۔ اس لٹیرے سے تو میں بچ گیا ہوں لیکن پولیس والے میری جیبیں خالی کرا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے' تمہاری مرضی۔" اس شخص نے کہا۔ "ہم تمہاری کوئی اور مدد کر سکتے ہیں؟"

"شکریہ جی' میرا گھر قریب ہی ہے میں چلا جاؤں گا۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ہم تو تمہاری مدد کے خیال سے رک گئے تھے۔" اس شخص نے کہا اور اپنے ساتھی کو اشارہ کرتا ہوا کار کی طرف بڑھ گیا۔

وہ لوگ کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ماجھا گجر سڑک کے کنارے کھڑا اپنی صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کا لباس گندے پانی سے تر ہو رہا تھا۔ ہاتھ پیروں اور منہ پر بھی کیچڑ لگا ہوا تھا۔ اسے اپنے آپ سے بدبو سی آ رہی تھی۔

جہاں اس نے گاڑی کھڑی کی تھی وہ جگہ وہاں سے خاصی دور تھی۔ اور وہاں دوکانیں بھی تھیں۔ ظاہر ہے دوکانیں کھلی ہوں گی۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی ہو گی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر لوگ یقیناً چونکیں گے۔

وہ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ پھر سڑک پار کر کے سامنے تاریک گلی میں گھس گیا۔ ظاہر ہے وہ رات بھر یہاں کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ اس سڑک پر پہنچ گیا جہاں اس نے گاڑی کھڑی کی تھی۔ بائیں طرف اسکول کے میدان کی دیوار تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

○

رخشاں واقعی بہت اچھی خاتون ثابت ہوئی تھی۔ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اس نے ان دونوں کو ناشتہ کروایا تھا پھر ثمینہ کے پیر کی مالش کی تھی۔

دس بجے کے قریب شارق وہاں سے جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"جب تک تمہارا پیر ٹھیک نہیں ہو جاتا تم یہیں رہو گی۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے کہا۔ "یہ جگہ تمہارے لئے زیادہ محفوظ ہے۔ یہاں تمہیں آرام کا بھی موقع ملے گا۔ حمیرا آج کسی وقت آ جائے گی۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہو گی اور تمہارا خیال رکھے گی۔"

شارق چلا گیا۔ ثمینہ اپنے کمرے میں بیٹھی رہی۔ پھر ریشماں بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"تمہارا نام تو کئی مرتبہ سنا تھا۔ آج دیکھا پہلی مرتبہ ہے۔" ریشماں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شارق کو کیسے جانتی ہو؟ اس کے ساتھ کیوں رہ رہی ہو کیا تمہارے ماں باپ نہیں ہیں؟"

"مجھ جیسی لڑکیوں کے ماں باپ ہوتے ہوئے بھی ان کا کوئی نہیں ہوتا۔" ثمینہ نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "میں شارق کے ساتھ کیوں رہ رہی ہوں؟ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ لیکن میں کچھ بتا نہیں سکتی لیکن تم لوگوں سے شارق کا کیا تعلق ہے؟" ثمینہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"بھولے کا باپ نشہ بیچا کرتا تھا۔" ریشماں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے اس کا پتہ نہیں تھا۔ پتہ تو اس وقت چلا جب پہلی مرتبہ پولیس نے یہاں چھاپہ مارا۔ یہاں سے پولیس کو کچھ نہیں ملا تھا لیکن وہ بھولے کے باپ کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ دوسرے دن گھر آیا تو اس کے ساتھ یہ شارق بھی تھا۔ اس نے ہمیں تسلی دی کہ پولیس والے آئندہ بھولے کے باپ کو نہیں ستائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ شارق ایک شریف آدمی ہے جس نے بھولا کے باپ کی ضمانت دی ہو گی اور بھولا کے باپ نے نشہ بیچنا چھوڑ دیا ہو گا۔

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ بھولا کے باپ نے یہ دھندہ شروع ہی کیوں کیا تھا۔ یہ مکان اپنا ہے۔ نیچے کی دونوں منزلیں کرائے پر چڑھی ہوئی ہیں۔ ہر مہینے معقول رقم مل جاتی ہے وہ خود بھی اسٹیشن کے سامنے جی ٹی ایس کے اڈے پر پھلوں کی دکان لگاتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے سب کچھ تھا۔ اسے یہ دھندہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

میرا خیال تھا کہ اس روز پکڑے جانے کے بعد جب دوسرے دن چھوٹ کر آیا تھا تو اس نے یہ دھندہ چھوڑ دیا ہو گا لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ اس روز کے بعد تو وہ اکثر گھر سے بھی غائب رہنے لگا تھا۔ کبھی پشاور کبھی کہاں کبھی کہاں.... اور پھر ایک روز اس کی لاش گھر آئی۔ وہ شاہ عالمی پولیس کی گولی لگنے سے مر گیا تھا۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ بھولا کے باپ نے وہ دھندہ چھوڑا نہیں تھا بلکہ وہ اس دلدل میں اور بھی آگے بڑھ گیا تھا اور بالآخر پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔

شارق دوسرے دن ہمارے گھر آیا۔ اس نے مجھے بھی تسلی دی اور بچوں کو بھی۔ اس کے بعد وہ اکثر آتا رہا۔ بھولا اور حمیرا اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے۔ شارق جب بھی آتا ان کے

لئے کچھ نہ کچھ لے کر آتا۔ پہلے مجھے شارق کے بارے میں شبہ تھا پھر یقین ہو گیا کہ وہ بھی یہی دھندہ کرتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اب وہ بھولا کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے گا لیکن میرا یہ شبہ غلط نکلا۔ بھولا ٹائروں کی ایک دکان پر ملازم تھا۔ شارق نے اس سے کہا کہ وہ نوکری چھوڑ دے اور اپنی دکان کھول لے۔ اس نے بھولے کو اتنی بڑی رقم بھی دی ہے کہ وہ آسانی سے دکان کھول سکتا ہے۔ بھولے نے ایک کرائے دار کو نوٹس دے رکھا ہے۔ وہ چند روز میں دکان خالی کر دے گا اور پھر بھولا وہیں اپنی دکان کھول لے گا۔ اس نے ٹائر مرمت کرنے والے کچھ کاریگروں سے بھی بات کر لی ہے۔

شارق کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ اسمگلر ہے۔ غیر قانونی دھندہ کرتا ہے وہ خود بھی بہت برا آدمی ہو گا لیکن میں اسے دیکھ چکی ہوں۔ وہ ایک شریف آدمی ہے۔ تمہارے بارے میں دو تین مرتبہ سنا تھا تم کہاں کی رہنے والی ہو؟" ریشماں خاموش ہو کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"لاہور ہی کی رہنے والی ہوں۔ میرا پورا خاندان یہاں ہے لیکن مقدر نے مجھے ایک ایسے چکر میں پھنسا دیا ہے کہ میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

ریشماں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر کمرے سے نکل کر گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ تقریباً بارہ بجے بھولا اور حمیرا بھی آ گئے۔ وہ سیالکوٹ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ ثمینہ کو دیکھ کر وہ دونوں حیران ہوئے تھے اور جب ریشماں نے انہیں ثمینہ کے بارے میں بتایا تو حمیرا اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور بھولا باہر جا کر اپنے کبوتروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

شام سے ذرا پہلے حمیرا نے ایک کتاب اور ایک کاپی اٹھائی اور چادر اوڑھتے ہوئے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ماں! میں ذرا عارفہ کے گھر جا رہی ہوں۔ ایک دو سوال اس سے سمجھنے ہیں۔"

ثمینہ بھی صحن میں ریشماں کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ حمیرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"لاؤ... مجھے دکھاؤ کون سے سوال ہیں۔"

حیرا الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کے قریب آ گئی اور کاپی اس کی طرف بڑھا دی۔ ثمینہ نے وہ سوال دیکھے اور حمیرا کو قریب بٹھا کر سمجھانے لگی۔

"آپ نے تو بڑے اچھے طریقے سے سمجھا دیا۔ کتنی جماعتیں پڑھی ہیں آپ نے؟" حمیرا نے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"میں نے انگلش میں ایم اے کیا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

حمیرا کے علاوہ ریشماں نے بھی بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

بھولا اب اپنے کمرے سے ڈور کا پنا اور پتنگ نکال لایا تھا۔ اس نے پنا حمیرا کے ہاتھ میں تھما دیا اور پتنگ اڑانے لگا۔ اس وقت آسمان پر اور بھی بہت سی پتنگیں نظر آ رہی تھیں۔

"تم ڈور کا پنا پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ پڑھو گی کب؟" ثمینہ نے کہا۔

"یہ بھولا روز ہی ایسے کرتا ہے۔ مجھے پنا تھما دیتا ہے اور خود پتنگ اڑانے لگتا ہے اور جب اس کی پتنگ کٹ جاتی ہے تو مجھے ڈانٹتا ہے کہ میں نے ڈور روک لی تھی۔" حمیرا نے جواب دیا۔

ثمینہ مسکرا کر رہ گئی۔

ریشماں کے مکان سے نکلنے کے بعد شارق ریلوے اسٹیشن اور میکلوڈ روڈ سے ہوتا ہوا مال روڈ پار کر کے اے جی آفس کی طرف نکل آیا۔ چوبرجی کی طرف جانے سے پہلے اس نے پیٹرول پمپ سے گاڑی میں پیٹرول بھروایا تھا اور پھر چوبرجی سے ہوتا ہوا ملتان روڈ کی طرف نکل گیا۔

جب وہ حویلی پہنچا تو بارہ بجنے والے تھے۔ نولکھا کے علاوہ راجہ اور گاما بھی وہاں موجود تھے۔ ان کے چہروں پر بارہ بج رہے تھے۔ حویلی کے اندر درخت کے نیچے گاڑی کھڑی کر کے شارق جیسے ہی نیچے اترا گاما تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"غضب ہو گیا شارق باؤ...."

"مجھے معلوم ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

"کل رات دس بجے کے قریب میں اور راجہ وہاں کمرے میں بیٹھے روٹی کھا رہے تھے کہ انہوں نے اچانک ہی حملہ کر دیا۔ وہ پانچ چھ آدمی تھے۔ وہ فائرنگ کرتے ہوئے اندر گھسے آ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ان میں سے دو آدمیوں نے جگہ جگہ پیٹرول چھڑک کر آگ لگانا شروع کر دی۔ ہمارے لئے مقابلے کا موقع نہیں تھا۔ ہم پچھلے راستے سے بھاگ نکلے۔ اگر رک کر مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے تو وہ ہمیں بھون ڈالتے۔"

"اچھا کیا تم لوگ وہاں سے نکل آئے۔" شارق نے کہا۔ "ویسے کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان میں کون کون شامل تھے؟"

"رحمت کو تو میں نے دیکھا تھا وہ آج کل ماجھے کا بڑا چمچہ بنتا پھر رہا ہے۔" اس مرتبہ راجہ نے جواب دیا۔

"رحمت کے علاوہ یعقوب کا چمچہ جیلا بھی تھا۔" شارق نے کہا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا شارق باؤ۔" گامے نے چونک کر پوچھا۔

"آگ لگانے کے بعد بھی یہ دونوں وہاں موجود تھے۔" شارق نے کہا اور پھر اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل بتانے لگا آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "قسمت اچھی تھی کہ ہم لوگ وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور اگر ماجھا گجر اس وقت وہاں ہوتا تو کل کی رات ہماری زندگی کی آخری رات ہوتی۔"

"ثمینہ بی بی کہاں ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے پوچھا۔

"بھاگنے کی کوشش میں اس کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔ یہاں لانا مناسب نہیں تھا اسے میں ایک محفوظ جگہ پر چھوڑ آیا ہوں۔" شارق نے جواب دیا اور پھر گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ابھی مزنگ چلے جاؤ اور تھانے میں طویلے میں آتش زدگی کی رپورٹ لکھوا دو۔ اس رپورٹ میں ماجھا گجر، جیلا اور رحمت کا نام ضرور ہونا چاہئے۔ اگر ایس ایچ او رپورٹ لکھنے میں حیل و حجت سے کام لے تو کچھ رقم لگا دینا۔ ایسے موقعوں پر یہ لوگ کچھ اڑل ضرور کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" گامے نے کہا اور کچھ ہی دیر بعد حویلی سے رخصت ہو گیا۔

شارق شام تک حویلی میں رہا اور پھر راجہ کو حویلی میں رہنے کی ہدایت کر کے دوبارہ شہر آ گیا۔ وہ سیدھا گوالمنڈی آیا تھا۔ گاڑی اس نے مولوی حمید کے ہوٹل سے دور ہی چھوڑ دی تھی۔ یہ علاقہ اب مکمل طور پر مولوی حمید کے کنٹرول میں تھا۔ ماجھے گجر کے آدمی یہاں سے دھندہ چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔

شارق نے ہوٹل کے سامنے رک کر مولوی حمید کو اشارہ کیا اور آگے چلتا ہوا بجلی کے ایک کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کھمبے کا بلب یا تو فیوز تھا یا ٹوٹا ہوا تھا۔ بہرحال یہ نسبتاً تاریک جگہ شارق کو مناسب لگی تھی۔ چند منٹ بعد ہی مولوی حمید بھی وہاں آ گیا۔

"کیا ہو گیا شارق باؤ۔ طویلے کو آگ کس نے لگائی تھی؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"ہمارا ایک ہی دشمن ہے۔ اس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم سناؤ.... کیا صورت حال ہے؟"

"ہر طرف گڑبڑ ہی نظر آ رہی ہے۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔ "طویلے میں آگ لگنے کے بارے میں مجھے رات ہی کو پتہ چل گیا تھا۔ آج صبح گیارہ بجے کے قریب یہ پتہ چلا کہ یعقوب مندر والے کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اس کی لاش پولیس کو مندر کے ایک کمرے میں ملی تھی۔ پولیس کو اس کے چیلے جیلے کی تلاش ہے جو لاپتہ ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"اور کوئی خاص بات؟" شارق نے پوچھا۔

"خبریں تو بس ایسی ہی ہیں۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔

"آج کل میں پولیس سرگرمی دکھانے والی ہے۔ تم ایک دو دن ذرا محتاط رہنا۔" شارق کہتے ہوئے مڑ کر اس طرف چل پڑا جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔

گوالمنڈی سے نکل کر وہ انارکلی کی طرف آ گیا۔ سہیل کے ریسٹورنٹ والی گلی میں داخل ہوتے ہی اس نے گاڑی روک لی۔ شیشے چڑھا دیئے اور دروازے لاک کرنے کے بعد چابیاں جیب میں ڈالتا ہوا سہیل کے ریسٹورنٹ کی طرف چلنے لگا۔

اس وقت ساڑھے نو بجے تھے۔ ریسٹورنٹ میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سہیل کاؤنٹر پر نہیں تھا۔ کاؤنٹر پر جو لڑکا بیٹھا ہوا تھا اس نے شارق کو دیکھ کر اوپر اشارہ کر دیا۔ شارق سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر والے کمرے میں آ گیا۔ سہیل وہاں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

"تم کہاں غائب تھے؟" سہیل اسے دیکھتے ہی بولا۔ "میں تو سمجھا تھ کہ تم یہ شہر تو کیا یہ ملک ہی چھوڑ کر جا چکے ہو۔"

"یہ ملک چھوڑنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" شارق نے اس کے سامنے بیٹھ کر بے تکلفی سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جب کبھی باہر جانے کا پروگرام بنا تو تمہیں بتا دوں گا بلکہ تمہیں ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔"

"ایک منٹ۔" سہیل اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں پہلے تمہارے لئے کھانے کو کہہ دوں۔ لگتا ہے تم دو تین دن سے بھوکے ہو۔"

اس نے دروازے کے قریب جا کر لڑکے کو آواز دی اور اسے کھانے کا کہہ کر دوبارہ کمرے میں آ گیا۔

"کہاں غائب تھے اتنے روز سے؟" سہیل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "گھر کی بھی خبر نہیں لی۔ اماں اور رضیہ نے رو رو کر برا حال کر رکھا ہے۔"

"غلطی ہو گئی کہ اتنے روز سے میں نے انہیں اپنے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی' بہرحال آج میں گھر جاؤں گا۔ تم اس دوران گئے تھے یا نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"دو تین مرتبہ جا چکا ہوں۔ جب بھی جاتا ہوں وہ دونوں تمہارے بارے ہی میں پوچھتی ہیں اب تو کئی روز سے میری بھی ہمت نہیں پڑی وہاں جانے کی۔" سہیل نے جواب دیا۔

اسی دوران ہوٹل کا ملازم لڑکا کھانا لے کر آ گیا۔ اس نے میز پر جگہ بنا کر پلیٹیں رکھ دیں اور فریج میں سے پانی کی ایک بوتل بھی نکال کر رکھ دی اور واپس چلا گیا۔

شارق دیر تک سہیل سے باتیں کرتا رہا۔ وہ جب ریسٹورنٹ سے نکلا تو ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ یہی فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ یہاں سے سیدھا باغبانپورہ جائے گا اور دو تین دن گھر پر ہی رہے گا۔ ثمینہ کی طرف سے اسے پریشانی نہیں تھی۔ وہ محفوظ جگہ پر تھی۔

اس نے کار کے قریب آ کر چابی سے اسٹیئرنگ سائیڈ کا دروازہ کھولا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اگنیشن میں چابی لگائی ہی تھی کہ ایک ہلکی سی غراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"گاڑی اسٹارٹ کر کے لکشمی چوک کی طرف لے چلو شارق باؤ۔"

اس کے ساتھ ہی پستول کی نال شارق کی گردن سے لگ گئی۔ شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے اگنیشن میں چابی گھما دی۔

○

شارق کے خیال میں وہ ماجھا گجر کا آدمی تھا۔ وہ کار کو گھما کر ہسپتال روڈ پر لے آیا اور اپنے سامنے لگا ہوا عقبی منظر پیش کرنے والا آئینہ درست کرنے لگا۔ اس دوران اس آدمی نے اس کی گردن سے پستول ہٹا لیا تھا کیونکہ سڑک پر ٹریفک تھا اور لوگ اس طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔

"پستول میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو بلاجھجک گولی مار دوں گا۔" اس شخص نے شارق کو وارننگ دی اور سیٹ پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تم کون ہو اور گاڑی میں کیسے بیٹھے تھے جبکہ دروازے لاک تھے؟" شارق نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ شخص سرخ شرٹ اور جینز پہنے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ بھی شارق کو اجنبی سا لگا تھا اور پھر پینٹ شرٹ..... ماجھا گجر کے گروہ میں ایسا کوئی آدمی نہیں تا جو پینٹ شرٹ پہنتا ہو۔ وہ سب تو دھوتی باندھنے والے لوگ تھے!

"کسی گاڑی کا لاک کھولنا ہم جیسے لوگوں کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سے گاڑی میں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اتفاق سے تمہیں یہاں گاڑی سے اترتے اور ریسٹورنٹ میں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ بہت دیر لگا دی تم نے ہوٹل میں۔"

"ایک دوست سے ملاقات کے لئے آیا تھا۔ اسی سے گپ شپ ہو رہی تھی۔ لیکن تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ تم کون ہو؟ ماجھا گجر کے گروہ کے تو نہیں لگتے۔" شارق کہتے ہوئے ایک بار پھر سامنے آئینے کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماجھا گجر... وہ چور دا پتر؟" وہ شخص مسکرا دیا۔ "دودھ بیچنے والا وہ تھرڈ ریٹ غنڈہ کیا جانے کہ یہ دھندہ کیا ہے؟ اس جیسے لوگوں کو تو ہم گھاس بھی نہیں ڈالتے۔"

"تو پھر تم کون ہو؟ پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں تمہیں۔" شارق نے کہا۔ اسے اس شخص کا لہجہ

aazzamm@yahoo.com

بھی کچھ مہذب سا لگ رہا تھا۔ "اس دھندے میں شاید نئے آئے ہو؟"

"میری تو عمر ہی گزر گئی ہے اس کاروبار میں۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"مگر تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو جبکہ میرا تمہارا کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔" شارق بولا۔

"میو ہسپتال کے سامنے پہنچ کر اس نے گاڑی نسبت روڈ کی طرف موڑ دی تھی۔

"تمہیں اس طرح اپنے ساتھ لے جانے پر میں معذرت چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا اگر میں ویسے تمہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہتا تو تم صاف انکار کر دیتے۔ بہرحال' اب میں نے پستول جیب میں رکھ لیا ہے۔ ہماری اور تمہاری چونکہ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تمہیں اس طرح ساتھ لے جانا ایک مجبوری تھی۔ لیکن بہرحال' اب ہم دوستوں کی طرح باتیں کریں گے۔ امید ہے کہ تم بھی کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے۔ تمہارا یہ اغواء تمہارے فائدے کے لئے ہی ہے۔"

"بہت خوب!" شارق نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "پہلی مرتبہ سنا ہے کہ اغواء کی کوئی واردات مغوی کے فائدے کے لئے ہو۔"

"آج اس کا عملی تجربہ بھی ہو جائے گا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "اس اغواء میں تمہارے لئے فائدے ہی فائدے ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ تمہیں ماجھا گجر جیسے چوروں سے نجات مل جائے گی۔ لاہور اور اس کے گرد و نواح کی منشیات کی پوری منڈی تمہارے کنٹرل میں ہو گی۔"

"میں سمجھا نہیں۔" شارق بولا۔ اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

"سمجھ جاؤ گے۔" اس آدمی نے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ مجھے اپنا تعارف بھی کرا دینا چاہئے۔ میرا نام رحمٰن ہے اور میری رہائش بھی مزنگ ہی میں ہے۔ لیکن گھر جانے کا اتفاق کبھی کبھار ہی ہوتا ہے۔"

گاڑی اس وقت ماجھا گجر کے اڈے کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ ماجھے کا یہ ڈیرا ویران پڑا تھا۔ جب سے یہاں پولیس نے بڑی کارروائی کی تھی اس کے بعد سے اس اڈے پر ماجھے کا دھندہ بند تھا۔ اس کا بیٹا دن میں ورکشاپ کھولتا تھا اور شام ہوتے ہی بند کر دیتا تھا۔

"کس طرف جانا ہے مسٹر رحمٰن؟" شارق نے سامنے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایبٹ روڈ کی طرف لے چلو۔" رحمٰن نے جواب دیا۔

شارق نے کار کی رفتار کم کر دی۔ چوک کے قریب پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا اور گاڑی کو سیدھا ایبٹ روڈ کی طرف نکال لے گیا۔ اس سڑک کے دونوں طرف لاتعداد سینما ہالز تھے۔ رحمٰن نے

ایک سینما ہال کے سامنے گاڑی روک لینے کو کہا اور سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کھڑکی سے گردن نکال کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر گیٹ کے قریب کھڑے ہوئے آدمی کو آواز دے کر بلا لیا۔

"حاجی صاحب سے جا کر کہو کہ رحمٰن' شارق کو لے آیا ہے۔ اسے دفتر میں لے آؤں یا کہیں اور ملاقات کریں گے۔" رحمٰن نے اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

اس شخص نے کن انکھیوں سے شارق کی طرف دیکھا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سینما کے گیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"حاجی صاحب نے کہا ہے کہ انہیں سمن آباد والی کوٹھی پر لے چلو۔ وہ خود بھی یہاں سے نکل رہے ہیں۔" اس شخص نے پچھلی کھڑکی پر جھکتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" رحمٰن نے کہا پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے شارق سے مخاطب ہوا۔ "چلو مسٹر شارق.... سمن آباد.... میرا خیال ہے پرسکون ماحول میں لمبی گفتگو ہو گی۔ ویسے ٹھیک بھی ہے کاروباری گفتگو پرسکون ماحول ہی میں ہونی چاہئے۔ یہاں سینما کے دفتر میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آرام سے کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔"

شارق نے کندھے اچکا دیئے اور انجن اسٹارٹ کر کے یو ٹرن لیتے ہوئے گاڑی کو دوبارہ لکشمی چوک کی طرف گھما دیا۔ لکشمی چوک سے اس نے گاڑی بائیں طرف میکلوڈ روڈ پر موڑ دی۔

سمن آباد موڑ پر رحمٰن کی ہدایت کے مطابق شارق نے گاڑی بائیں طرف موڑ لی اور پھر وہ اس کے اشارے پر گاڑی کو مختلف سڑکوں پر گھماتا رہا۔ شروع میں شارق کی دل میں جو خوف پیدا ہوا تھا وہ اب ختم ہو گیا تھا۔ رحمٰن کا تعلق ماجھا گجر کے گروہ سے نہیں تھا نہ ہی وہ اس کا دشمن تھا۔ اس کا انداز دوستانہ تھا۔ لیکن شارق کے ذہن پر ایک سوالیہ نشان سا بنا ہوا تھا۔ رحمٰن کون ہے اور کس کے لئے کام کر رہا ہے؟

دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔ رحمٰن اسے ایبٹ روڈ پر ایک سینما کے سامنے لے گیا تھا اور سینما میں کسی حاجی صاحب کے نام پیغام بھجوایا تھا۔

اب بات شارق کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ حاجی عبداللہ کا نام اس کے ذہن میں واضح ہو رہا تھا۔ یہ نام اس کے لئے اگرچہ اجنبی نہیں تھا لیکن اس نے بہت عرصہ سے اس کے بارے میں کچھ سنا نہیں تھا۔

شارق جیسے جیسے سوچ رہا تھا صورت حال واضح ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے اخبارات میں ڈرگ مافیا کی چند بڑی مچھلیوں کا بڑا چرچا رہا تھا۔ قومی اسمبلی میں بھی ڈرگ مافیا کی ان بڑی مچھلیوں کے ناموں کی بازگشت سنی گئی تھی۔ اخبارات میں ان کے بارے میں بڑی لمبی لمبی کہانیاں

aazzamm@yahoo.com

چھپی تھیں۔ بعض بڑی مچھلیوں کی تو باقاعدہ سوانح حیات شائع کی گئی تھی۔

اخبارات کی ان کہانیوں کے مطابق ڈرگ مافیا کے ان پاکستانی ڈانز کے ہاتھ پیر ہشت پا کی طرح پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ منشیات کے حوالے سے دنیا کے ہر ملک میں ان کا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ پاکستان میں موت کے ان سوداگروں کو حکومت اور اسمبلیوں میں شامل بعض اہم ترین شخصیات کی پشت پناہی حاصل تھی اور حقیقت یہ تھی کہ یہ شخصیات انہی کے پیسے پر الیکشن میں کامیابی حاصل کر کے اسمبلیوں تک پہنچتی تھیں۔

حاجی عبداللہ کا نام بھی ان بڑی مچھلیوں میں شامل تھا جن کے بارے میں ان دنوں اخبارات میں بڑا چرچا رہا تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق حاجی عبداللہ لاہور میں ایک سینما ہاؤس اور ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک تھا۔ اس کی بسیں ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کرتی تھیں۔ امریکہ اور کینیڈا میں ڈرگ مافیا کے علاوہ برطانیہ' فرانس' جرمنی اور دنیا کے تمام بڑے ممالک میں منشیات فروشوں کے بڑے بڑے گروہوں سے اس کے تعلقات تھے۔

پاکستان کی پولیس اور اعلیٰ حکام اس کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے لیکن آج تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی اور اب رحمٰن نامی یہ نوجوان شارق کو اسی حاجی عبداللہ کے پاس لے جا رہا تھا۔ شارق کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ حاجی عبداللہ خود اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اور اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ اسے گن پوائنٹ پر اغواء کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں رحمٰن نے اس کی وضاحت کر دی تھی کہ اگر سیدھے سادھے طریقے سے بات کی جاتی تو شاید شارق انکار کر دیتا اس لئے اسے گن پوائنٹ پر اغواء کیا گیا تھا لیکن اب پستول رحمٰن کی جیب میں تھا اور وہ دونوں دوستانہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

رحمٰن کے کہنے پر شارق نے گاڑی ایک کوٹھی کے سامنے روک لی۔ شارق نے انجن بند کرتے ہوئے کوٹھی کی طرف دیکھا۔ گیٹ کھلا ہوا تھا اور اسٹول پر ایک گن مین بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ گھروں میں گن مینوں کے پاس عام طور پر ڈبل بیرل گن ہوتی ہے مگر اس گن مین کے پاس جدید ترین آٹومیٹک رائفل تھی۔ ایک میگزین رائفل میں فٹ تھا اور دوسرا اس کے ساتھ اسکاچ ٹیپ سے جڑا ہوا تھا۔ تاکہ استعمال کے دوران ایک میگزین خالی ہو جائے تو فوری طور پر دوسرا لگایا جا سکے۔ گن مین اسٹول پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگاتا ہوا کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رحمٰن کو کار سے اترتے دیکھ کر وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اور پھر شارق کی طرف دیکھنے لگا جو کار سے اتر کر دروازے وغیرہ لاک کر رہا تھا۔

وہ دونوں گیٹ میں داخل ہوئے تو گن مین نے انہیں سلام کیا تھا۔ کوٹھی میں آمد و رفت

کے دو گیٹ تھے لیکن ایک گیٹ مستقل طور پر بند تھا۔ اندر کی طرف دونوں گیٹوں کے درمیان خوبصورت لان تھا۔ جس کے چاروں طرف پولز پر مرکری ٹیوب لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ گیٹ میں داخل ہو کر برآمدے کی طرف بڑھے۔ اسی لمحہ برآمدے والا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی برآمد ہوا۔ اس نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ بائیں پہلو پر قمیض قدرے ابھری ہوئی تھی جس سے شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ قمیض کے نیچے پستول یا ریوالور موجود تھا۔ اس آدمی نے دروازہ کھول دیا اور رحمٰن' شارق کو لے کر برآمدے والے دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف والے دروازے میں داخل ہو گیا۔

یہ وسیع و عریض کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین اور قیمتی فرنیچر آراستہ تھا۔ ڈیکوریشن کی چیزیں غیر ملکی اور خاصی قیمتی تھیں۔ ایک طرف اسٹینڈ پر ٹیلی فون سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ دروازہ کھولنے والا دراز قامت آدمی بھی ان کے ساتھ ہی اندر آ گیا تھا۔

"حاجی صاحب کا فون آیا تھا رحمٰن بھائی۔" وہ شخص رحمٰن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ کوئی چائے ٹھنڈا کہیں تو لے آؤں۔"

"ہاں... ٹھنڈا لے آؤ... چائے پی پی کر تو سینہ جل گیا ہے۔" رحمٰن نے جواب دیا پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بیٹھو مسٹر شارق' تھوڑا سا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا۔"

وہ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ آدمی کولڈ ڈرنکس کی ٹھنڈی بوتلیں لے آیا۔ اس نے ایک ایک بوتل ان دونوں کے سامنے رکھ دی اور باہر نکل گیا۔ شارق اور رحمٰن نے اپنی اپنی بوتل اٹھالی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگے۔

"امیر علی۔" رحمٰن نے بوتل میں سے چند گھونٹ لینے کے بعد کسی کو آواز دی۔ فوراً ہی لمبا تڑنگا آدمی اندر آ گیا۔ "حاجی صاحب اکیلے آ رہے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہو گا؟"

"یہ نہیں بتایا انہوں نے۔" امیر علی نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔" رحمٰن نے کہا۔

امیر علی کمرے سے باہر نکل گیا۔ شارق جس صوفے پر بیٹھا تھا وہاں سے کھڑکی سے لان اور کوٹھی کا وہ گیٹ نظر آ رہا تھا جہاں اسٹول پر گن مین بیٹھا ہوا تھا لیکن اب گن مین بیٹھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے اسٹول ایک طرف رکھ دیا تھا اور خود بڑی مستعدی سے کھڑا تھا۔ شاید اسے پتہ چل گیا تھا کہ حاجی عبداللہ آنے والا ہے۔

"حاجی صاحب کی رہائش ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں ہے۔" رحمٰن نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کوٹھی مہمانوں کے لئے ہے۔ پشاور' کوئٹہ اور کراچی سے ان کے جو مہمان آتے

aazzamm@yahoo.com

ہیں انہیں اسی کوٹھی میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ غیر ممالک سے بھی حاجی صاحب کے بڑے مہمان آتے ہیں لیکن انہیں یہاں نہیں گلبرگ والی کوٹھی میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ وہ کوٹھی اس سے بھی زیادہ بڑی اور شاندار ہے۔"

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ حاجی صاحب مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کوئی کاروباری معاملہ ہی ہو گا۔" رحمٰن نے جواب دیا۔ "ویسے ایک بات ہے۔ حاجی صاحب جس بندے پر مہربان ہو جاتے ہیں تا وہ تو بس تر ہی جاتا ہے' وارے نیارے ہو جاتے ہیں اس کے اور اگر حاجی صاحب کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے دنیا کے کسی کونے میں پناہ نہیں ملتی۔ مجھے یاد ہے چند مہینے پہلے ایک آدمی نے حاجی صاحب کے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ڈر کر افغانستان بھاگ گیا تھا لیکن ایک ہفتے بعد اس کی لاش کی تصویر حاجی صاحب کو مل گئی تھی۔"

شارق خاموش بیٹھا رحمٰن کی باتیں سنتا رہا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رحمٰن اسے حاجی عبداللہ کی شخصیت سے مرعوب کرنا چاہتا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد شارق کی نظر کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ باہر کھڑا ہوا گن مین گیٹ کھول رہا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ہی گرے رنگ کی ایک مرسیڈیز گیٹ میں داخل ہو کر برآمدے میں رک گئی۔

مرسیڈیز میں چار آدمی تھے۔ ایک ڈرائیور' دوسرا پسنجرز سیٹ پر جس کے چہرے پر چھوٹی گول داڑھی اور سر پر دھاگے والی سفید ٹوپی تھی۔ دو آدمی پچھلی سیٹ پر تھے۔ ان دونوں کے پاس آٹو میٹک رائفلیں تھیں۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا داڑھی والا حاجی عبداللہ تھا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمی اس کے محافظ تھے۔

محافظ اور ڈرائیور تو باہر ہی رک گئے۔ حاجی اندر داخل ہوا تو رحمٰن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شارق بھی اٹھ گیا۔ حاجی عبداللہ نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر مسٹر شارق۔" حاجی عبداللہ کے انداز میں گرمجوشی تھی۔ "میں تو کئی روز سے تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن تمہارا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔"

"کیا کریں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اس دھندے میں بیسیوں دشمن ہوتے ہیں۔ ان سے تو چھپ کر رہنا ہی پڑتا ہے۔"

"آج کل تو تمہارا سب سے بڑا دشمن ماجھا گجر ہے۔" حاجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ کاروبار کرنا نہیں جانتا۔ پیسہ کھینچنا چاہتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس بزنس میں فائدہ ہے تو نقصان

بھی ہے اور نقصان برداشت کرنا چاہئے۔ وہ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کر رہا ہے غلط کر رہا ہے۔ اس نے تمہارے ڈیرے کو آگ لگائی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"یہ سب کچھ تو ہوتا ہی رہتا ہے حاجی صاحب۔" شارق نے کہا۔ "آپ فرمایئے مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے۔"

"بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کا بزنس تو ایک ہی ہے۔ ہم میں کوئی رابطہ بھی تو ہونا چاہئے نا۔" حاجی عبداللہ نے جواب دیا پھر چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولا۔ "مجھے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو نہ صرف دیانت دار ہو بلکہ ذہین بھی ہو اور اس بزنس کے نشیب و فراز کو سمجھتا ہو۔ میں نے اس سلسلے میں کوئٹہ' پشاور' کراچی اور لاہور کے لوگوں کو چیک کیا بعض نوجوان میری نظروں میں تھے لیکن میں ان سے مطمئن نہیں ہو سکا۔ تمہارا نام جب سامنے آیا تو میں نے تم پر توجہ مبذول کر دی۔ اور طویل عرصے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تم پر نہ صرف اعتماد کیا جا سکتا ہے بلکہ تم بڑے سے بڑے معاملے کو بھی ہینڈل کر سکتے ہو۔ اس لئے میں نے تم سے معاملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"لیکن حاجی صاحب! آپ جانتے ہیں کہ میرا اپنا دھندہ ہے۔ اپنے بندے ہیں اور....."

"تمہارا دھندہ یہاں چلتا رہے گا۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "گاما بھی ایک ذہین آدمی ہے وہ تمہارے سارے کام کی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔ ہم بھی اسے تحفظ دیں گے۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا معاملہ کرنا چاہتے ہیں؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لاہور سے باہر جانا ہو گا اور شاید ملک سے بھی باہر۔" حاجی نے کہا۔ "لیکن ایک بات ذہن میں رکھو کہ جتنا تم ایک ٹرپ میں کما لو گے اتنا تم یہاں رہ کر ایک مہینے میں بھی نہیں کما سکو گے۔"

"اس کے لئے مجھے سوچنا پڑے گا۔ اپنے ساتھیوں سے بھی مشورہ کرنا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

"اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ دو چار دن سوچ لو.... تسلی سے پھر بات کر لیں گے۔" حاجی نے کہا۔

اس کے بعد وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر شارق جب وہاں سے نکلا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس نے گھر جانے کا پروگرام ترک کر دیا اور موڑ پر آ کر گاڑی کا رخ ملتان روڈ کی طرف موڑ دیا۔

aazzamm@yahoo.com

رات کا کچھ حصہ اس نے حویلی میں جاگتے ہوئے ہی گزارا۔ راجہ' گاما اور نولکھا بھی موجود تھے۔ شارق نے حاجی کی تجویز ان کے سامنے رکھی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔

"میں حاجی عبداللہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" گامے نے کہا۔ "میرے خیال میں تو تمہیں اس کی پیشکش قبول کر لینی چاہئے۔ اس طرح ہمیں ماجھے سے بھی نجات مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے میں بھی اس سلسلے میں ذرا کچھ سوچ لوں۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر مزید باتیں کرتے رہے پھر سو گئے۔

شارق صبح سویرے ہی اٹھ گیا تھا۔ اس نے نولکھا کو جگا دیا۔ نولکھا چائے بنانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چائے پیتے ہی شارق گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے نولکھا وغیرہ کو بتا دیا تھا کہ وہ دو تین دن بعد آئے گا۔

حویلی سے نکلنے کے بعد شارق پورے شہر کے فاصلے طے کرتا ہوا باغبانپورہ پہنچ گیا۔ اس نے جیسے ہی گاڑی روکی مکان کا دروازہ کھلا اور رضیہ باہر نکلی۔ وہ شاید یونیورسٹی جا رہی تھی۔ اس نے کار کی طرف دیکھا ضرور تھا مگر توجہ نہیں دی تھی لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی اور گہری نظروں سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھے ہوئے شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

شارق مسکرا رہا تھا۔ وہ شیشے چڑھانے کے بعد نیچے اتر آیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ رضیہ کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑ کر دروازے میں داخل ہو گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ شارق کو رضیہ کے اس رویئے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ گاڑی لاک کر کے جیسے ہی مکان میں داخل ہوا رضیہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"بہت سنگدل ہیں آپ بھیا۔" رضیہ کی آواز بھی بھرائی ہوئی تھی۔ "آپ تقریباً بیس بائیس روز بعد واپس آئے ہیں۔ ہم سے رشتہ ختم کر دیا آپ نے؟"

"نہیں میری بہن۔" شارق اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ "ہمارا یہ رشتہ تو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔"

"تو پھر... ہمیں اس طرح چھوڑ کر اچانک کہاں غائب ہو جاتے ہیں کہ کوئی اطلاع تک نہیں ہوتی۔ ہم سولی پر ٹنگے رہتے ہیں ہر وقت۔ اماں تو بیمار پڑی ہیں ہر وقت تمہارا انتظار کرتی ہیں۔"

"بات یہ ہے رضیہ کہ میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا اور جانے سے پہلے اطلاع کرنے کا موقع نہیں ملا اور جہاں گیا تھا وہاں بھی اتنا مصروف رہا کہ خط تک نہیں لکھ سکا۔ اماں کہاں ہے؟" شارق بولا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "کئی دن سے بیمار پڑی ہیں۔ آج طبیعت کچھ

سنبھلی ہے تو میں یونیورسٹی جانے کے لئے نکلی تھی لیکن....."

"لیکن کیا؟" شارق نے مریم کی طرف دیکھتے چلتے ہوئے رضیہ کی طرف دیکھا۔

"لیکن اب نہیں جاؤں گی۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو شارق مریم کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ واقعی برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ شارق کو دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ شارق جلدی سے آگے بڑھ کر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو ماں جی.... کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے؟" وہ بولا۔

"اب تم آ گئے ہو.... میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔" مریم نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔ "تم کہیں چلے جاتے ہو نا تو لگتا ہے میرے جسم کا کوئی حصہ مجھ سے الگ ہو گیا ہو۔"

"ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کیا کرے گا۔" مریم نے کہا۔ "تم آ گئے ہو۔ اب مجھے ان دواؤں کی بھی ضرورت نہیں رہی۔" اس نے تپائی پر رکھی ہوئی دواؤں کی طرف اشارہ کیا۔

"کون سے ڈاکٹر کو دکھایا تھا رضیہ؟ کیا بتایا ہے اس نے؟" شارق نے رضیہ کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر بخاری کو۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "کئی دنوں سے علاج ہو رہا ہے اب تو پہلے سے بہت بہتر ہیں۔"

"میں آج شام کو خود ڈاکٹر سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔

"رضیہ!" مریم نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا' بھائی کے ناشتہ وغیرہ کا بندوبست کرو۔ مجھے یقین ہے اس نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔"

"ابھی تک میں نے واقعی ناشتہ نہیں کیا۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں ناشتہ بناتا ہوں جی۔" دروازے میں کھڑے ہوئے شاہد نے پوچھا۔ "کیا کھائیں گے شارق بھائی... ڈبل روٹی کے سلائس یا پراٹھا؟"

"پراٹھا بنا لو یار۔" شارق نے کہا۔

"میں بناتی ہوں ناشتہ۔ تم اپنا کام کرو۔" رضیہ نے شاہد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور شارق وہیں بیٹھا مریم سے باتیں کرتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد رضیہ ناشتہ تیار کر کے وہیں لے آئی۔ گرم گرم پراٹھا کھاتے ہوئے شارق کو واقعی بڑا مزہ آ رہا تھا۔ کئی روز بعد اسے گھر کی پکی ہوئی کوئی چیز ملی تھی۔

ناشتے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک مریم کے پاس بیٹھا رہا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے

aazzamm@yahoo.com

دروازہ بند کر کے لباس بدلا اور پھر دروازہ کھول دیا۔ کچھ ہی دیر بعد رضیہ آ گئی اور گلے شکوے کرنے لگی۔ پھر بولی۔

"یہ گاڑی کس کی ہے۔ کسی سے مانگ کر لائے ہیں یا؟"

"اپنی خریدی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "کیسی ہے؟"

"اس میں بیٹھ کر دیکھوں گی تو پتہ چلے گا۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہاں جاؤ گی بیٹھ کر؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہیں بھی چلے جائیں گے۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "راوی کا کنارہ ہے جہانگیر کا مقبرہ ہے۔ گلشن اقبال ہے۔ بہت سی جگہیں ہیں۔ چھانگا مانگا بھی جایا جا سکتا ہے۔"

"بڑے لمبے پروگرام ہیں۔" شارق نے اسے گھورا۔ "چلو ٹھیک ہے۔ جمعہ کے دن تمہیں چھانگا مانگا لے چلوں گا۔ اب تو خوش؟"

"بالکل خوش۔" رضیہ نے قہقہہ لگایا۔

اسی شام شارق ڈاکٹر بخاری کو گھر پر لے آیا۔ ڈاکٹر بخاری پچھلے پندرہ دن سے مریم کا علاج کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے مریم کا تفصیلی معائنہ کیا اور پھر شارق کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"کوئی تشویش کی بات؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"ان کا پتا متاثر ہوا ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "مکمل علاج کی ضرورت ہے۔"

"اوہ!" شارق چونک گیا۔ "خطرے کی کوئی بات؟"

"خطرے کی بات تو ہے۔ آپریشن کرنا پڑے گا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"اوہ!" شارق کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ "کیا آپریشن کے بغیر علاج ممکن نہیں؟"

"انہیں کچھ عرصہ میڈیسن پر رکھا تو جا سکتا ہے لیکن آپریشن ضروری ہو گا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ انہیں میو ہسپتال میں ڈاکٹر ہاشمی کو دکھا دیں۔ وہ پتے کی بیماریوں کے ماہر ہیں۔ دن کے وقت تو وہ آپ کو میو ہسپتال میں ملیں گے اور شام کو سات سے دس بجے تک اپنے پرائیویٹ کلینک میں بیٹھتے ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو مریضہ کو وہاں لے جا کر چیک اپ کروا سکتے ہیں۔"

"ان کا کلینک کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"گڑھی شاہو میں۔" ڈاکٹر بخاری نے جواب دیا۔ "میں آپ کو ڈاکٹر ہاشمی کے نام لیٹر لکھ دیتا ہوں اور مریضہ کی ہسٹری بھی۔ آپ چاہیں تو انہیں ابھی لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی لے جاؤں گا۔ آپ لکھ دیجئے۔" شارق نے کہا۔

ڈاکٹر نے اپنے بیگ میں سے پیڈ نکالا اور اس پر مریضہ کی ہسٹری لکھنے لگا۔ شارق اٹھ کر اندر آ گیا۔

"رضیہ! ماں جی کو تیار کر دو۔ میں انہیں ڈاکٹر ہاشمی کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

"کیوں بھیا! خیریت تو ہے؟" رضیہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"تشویش کی کوئی بات نہیں صرف چیک اپ کروانا ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں کپڑے بدل لوں..... تم ماں جی کو تیار کر دو۔"

شارق دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ ڈاکٹر نے مریضہ کی ہسٹری اور ڈاکٹر ہاشمی کے نام تعارفی خط لکھ دیا۔ شارق نے دونوں کاغذ اس سے لے لئے اور ڈاکٹر کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں آ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد مریم کو بھی تیار کر دیا گیا شارق جب اس کے سامنے آیا تو وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

"مجھے کس ڈاکٹر کے پاس لے جا رہے ہو بیٹا۔ ڈاکٹر بخاری نے کیا کہا۔ خیر تو ہے نا؟"

"بالکل خیر ہے ماں جی۔" شارق نے کہا۔ "ڈاکٹر بخاری ہی نے کہا ہے کہ آپ کا ڈاکٹر ہاشمی سے چیک اپ کروا لیا جائے۔ اس میں پریشان ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا ہے۔ چیک اپ ہو جائے تو تسلی ہو جائے گی۔"

رضیہ بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔ شارق اسے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا اسے ڈر تھا کہ اگر رضیہ نے مریم کے بارے میں باتیں سن لیں تو وہ بھی پریشان ہو جائے گی۔ لیکن وہ اسے ساتھ لے جانے سے منع بھی نہیں کر سکا تھا۔

ڈاکٹر ہاشمی اپنے پرائیویٹ کلینک میں ان مریضوں کو دیکھتا تھا جنہوں نے پہلے سے وقت لے رکھا ہو۔ لیکن اتفاق سے اس وقت صرف ایک مریض تھا۔ اس کے جاتے ہی شارق مریم کو لے کر اس کے کمرے میں گھس گیا۔ پہلے اس نے ڈاکٹر بخاری کا تعارفی خط اور مریم کی کیس ہسٹری والا کاغذ دیا جسے پڑھنے کے بعد ڈاکٹر مریم سے کچھ باتیں پوچھتا رہا پھر اسے اسکرین کے پیچھے کوچ پر لٹا دیا اور اسٹیتھوسکوپ سے اس کا معائنہ کرنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر نے مریم اور رضیہ کو دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھنے کو کہا اور پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ڈاکٹر بخاری کی تشخیص درست ہے۔ آپریشن ضروری ہے اور اس میں زیادہ تاخیر خطرناک

aazzamm@yahoo.com

ثابت ہو سکتی ہے۔"

"آپ کے خیال میں آپریشن کب تک ہو جانا چاہئے؟" شارق نے پوچھا۔

"آٹھ دس دن میں۔"

"کامیابی کے چانسز□> شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جیسے جیسے دیر ہو گی چانسز کم ہوتے چلے جائیں گے۔" ڈاکٹر ہاشمی نے کہا۔ "میرا مشورہ تو یہی ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو آپریشن ہو جانا چاہئے۔"

"تو پھر میں کل آپ کو بتا دوں گا۔" شارق نے کہا۔

جب وہ لوگ گھر واپس پہنچے تو دس بج چکے تھے۔ مریم کو اس کے کمرے میں لٹانے کے بعد شارق' رضیہ کو اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

"خیریت.... کیا خاص بات ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"ہاں' خاص بات ہی ہے۔" شارق نے کہا اور پھر اسے مریم کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر نے کہا تھا کہ آپریشن میں تاخیر ماں جی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ چند روز بعد میں بھی ملک سے باہر جانے والا ہوں۔ میرے ذہن پر بھی بوجھ رہے گا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہ کام ہو ہی جائے تو بہتر ہے۔"

رضیہ اس کی باتوں سے ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔ شارق اسے تسلی دیتا رہا پھر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے امی کو بتا دینا چاہئے کہ ان کا آپریشن ہو گا۔" رضیہ نے کہا۔

"ہاں' تم آج رات ہی کسی طرح انہیں بتا دینا۔ میں کل صبح ہی ڈاکٹر ہاشمی سے مل کر پروگرام بنا لیتا ہوں۔"

"آپریشن میں خطرے کی تو کوئی بات نہیں؟" رضیہ بولی۔

"ہسپتالوں میں روزانہ بیسیوں لوگوں کے آپریشن ہوتے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ویسے ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہئے۔ ڈاکٹر ہاشمی نے بھی کہا تھا کہ ابھی ایسی کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ البتہ تاخیر کی صورت میں کچھ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں آج امی کو بتا دوں گی۔ آپ کل جا کر ڈاکٹر سے مل لیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

شارق دوسرے دن صبح ہی میو ہسپتال پہنچ گیا۔ ڈاکٹر ہاشمی سے ملنے میں اسے زیادہ دشواری

پیش نہیں آئی تھی۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک ڈاکٹر ہاشمی کے پاس بیٹھا رہا اور پھر یہ طے پایا کہ مریم کو کل ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے اور اس کے دو چار دن بعد آپریشن ہو جائے گا۔

ایک ہفتے بعد مریم کا آپریشن ہو گیا۔ آپریشن کامیاب رہا تھا۔ چند روز مزید ہسپتال میں رکھنے کے بعد ڈاکٹر نے اسے گھر منتقل کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے شارق نے ایک نرس کا بھی انتظام کر لیا تھا جسے چوبیس گھنٹے گھر میں ہی رہنا تھا۔

اس دوران شارق ایک مرتبہ حاجی عبداللہ سے بھی ملا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ اسے اس کی پیش کش قبول ہے لیکن ماں کے آپریشن کی وجہ سے وہ چند روز تک کہیں بھی نہیں جا سکتا تھا۔

یوں تو شارق اس دوران ثمینہ سے بھی ملتا رہا تھا لیکن جس دن مریم ہسپتال سے گھر آئی تھی اس سے اگلے روز وہ ثمینہ کو بھی وہیں لے آیا تھا۔

"تمہیں میری ماں اور بہن سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔" شارق نے کہا۔ "اب تم چند روز ان کے ساتھ رہو گی۔ ماں جی کی طبیعت ذرا سنبھل جائے تو ہم کراچی چلیں گے۔"

مریم اور رضیہ' ثمینہ سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ رضیہ تو اس سے لپٹی جا رہی تھی۔ شارق نے انہیں ثمینہ کے بارے میں صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ اس کے کاروبار کی حصے دار ہے اور پشاور سے آئی ہوئی ہے۔ ثمینہ کو بھی اس نے یہاں لانے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔

مریم کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد شارق نے ایک بار پھر حاجی عبداللہ سے ملاقات کی اور اسے بتا دیا کہ اب وہ اس کے کام کے لئے تیار ہے۔

"دیکھو شارق۔" حاجی نے اس کی چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ کام بہت ذمے داری کا ہے اور اس کے لئے میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہارا انتخاب کیا ہے۔ معاملہ لاکھ دو لاکھ کا نہیں' پانچ سو کلو ہیروئن کا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ اپنا اعتماد بناتے ہو یا اتنی بڑی دولت لے کر کہیں غائب ہونے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا کہ دنیا کے کسی کونے میں تم میری نگاہوں سے چھپے نہیں رہ سکو گے۔"

"مجھے کوئی لالچ نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ "محض ایک ایڈونچر سمجھ کر آپ کی یہ پیشکش قبول کر رہا ہوں۔ ویسے میرے پاس بھی اتنی دولت ہے کہ میں چاہوں تو کسی ملک میں جا کر سیٹل ہو سکتا ہوں اور مجھے زندگی بھر کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

"جانتا ہوں.... سب کچھ جانتا ہوں۔" حاجی عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اسی لئے تو میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ تم دو تین دن میں اپنے یہاں کے معاملات سمیٹ لو۔ گامے کو بھی ایک مرتبہ میرے سامنے لے آنا۔ تمہیں یہاں کے بارے میں پریشان

aazzamm@yahoo.com

ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں ایک دو دن بعد مکمل طور پر تیار ہو کر آپ سے ملوں گا۔"

شارق نے گامے کو نہ صرف سب کچھ سمجھا دیا بلکہ اسے حاجی عبداللہ سے بھی ملوا دیا تھا۔ نولکھا کو وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اسے بھی تیار رہنے کو کہہ دیا تھا۔ مریم اور رضیہ کو بھی بتا دیا تھا کہ دو چار روز بعد وہ ثمینہ کے ساتھ ملک سے باہر جانے والا ہے۔

سب سے آخر میں وہ سہیل سے اس کے ریسٹورنٹ میں ملا تھا۔ صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد وہ سیاہ رنگ کا ایک بھاری بریف کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ بریف کیس میری امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔ اگر میں واپس آ گیا تو ٹھیک ہے۔ یہ امانت واپس لے لوں گا اور اگر کسی اخبار میں میرے مرنے کی خبر پڑھ لو تو یہ بریف کیس ماں جی اور رضیہ کے حوالے کر دینا اور میرے بعد تم ان کا خیال رکھنا۔ دوسرے تیسرے دن گھر کا چکر لگاتے رہنا۔"

اسی رات شارق نے حاجی عبداللہ سے سمن آباد والی کوٹھی میں آخری ملاقات کی۔ حاجی عبداللہ نے اسے اپنا سارا منصوبہ سمجھا دیا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"کراچی میں تم مسٹر ڈی کوسٹا نامی ایک شخص سے ملو گے۔ وہ گورا عیسائی ہے۔ تمہارے پاس زرد رنگ کا تکونہ رومال تمہاری شناخت بنے گا اور کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بعد تم اطمینان کر لو گے کہ تم صحیح آدمی سے ملے ہو۔ وہ نہ صرف مال تمہارے حوالے کرے گا بلکہ بعض دیگر معاملات میں بھی تمہاری تھوڑی بہت مدد کرے گا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی کرنا ہو گا تمہیں خود کرنا ہو گا۔" حاجی عبداللہ نے ایک زرد رنگ کا تکونہ رومال اس کے حوالے کر دیا اور شناخت کے لئے کوڈ ورڈز بھی بتا دیئے۔

حاجی عبداللہ کا منصوبہ اچھی طرح سمجھنے کے بعد شارق وہاں سے رخصت ہو گیا اور جب وہ گھر پہنچا تو رات کے دو بج رہے تھے۔

اور پھر اس کے اگلے روز آدھی رات کے بعد شارق، ثمینہ اور نولکھا جہاز میں کراچی کی طرف پرواز کر رہے تھے۔

○

ڈی کوسٹا کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ درمیانے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ آبنوسی رنگت اور چمکتے ہوئے سفید دانت۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

شارق سے اس کی ملاقات ایک شاندار ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔ ملاقات کا وقت اور مقام پہلے ہی سے طے تھا۔ لاہور سے روانگی سے ایک روز پہلے حاجی عبداللہ نے ہی شارق کو بتایا تھا کہ ڈی کوسٹا کراچی میں کہاں اور کب ملے گا۔ حاجی عبداللہ نے ڈی کوسٹا کا جو حلیہ بتایا تھا وہ اتنا آسان تھا کہ ایک بچہ بھی اسے آسانی سے شناخت کر سکتا تھا۔ اس لئے ڈی کوسٹا جیسے ہی ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تھا شارق نے اسے فوراً ہی پہچان لیا تھا۔

شارق، ثمینہ کے ساتھ ایسی میز پر بیٹھا تھا جہاں سے ریسٹورنٹ میں آنے جانے والے ہر شخص پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ ڈی کوسٹا ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر دروازے کے قریب ہی رک گیا اور متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ حاجی عبداللہ کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق شارق نے فوراً ہی اسے پہچان لیا۔ اس کے گلے میں زرد رنگ کا ایک تکونہ رومال بندھا ہوا تھا۔ شارق نے بھی جیب سے اسی رنگ کا تکونہ رومال نکال لیا۔ پہلے اسے ایک دو مرتبہ ہولے سے جھٹکا پھر میز پر رکھ کر اس کی تہہ لگانے لگا۔ ثمینہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے شارق کے پاس یہ رومال پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

ڈی کوسٹا چند لمحے دروازے کے قریب ہی کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نظریں شارق کی ٹیبل کی طرف اٹھ گئیں۔ شارق کے ہاتھ میں زرد رنگ کا رومال دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ کر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ان کی میز کی طرف آ گیا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے شارق اور ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ثمینہ کچھ جز بز ہو گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ دو تین میزیں خالی تھیں۔

"یہ سامنے والی ٹیبل خالی ہے آپ...."

"نہیں ثمینہ۔" شارق نے اسے ٹوک دیا۔ "ہمیں اچھے ایٹی کیٹ کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔" وہ ڈی کوسٹا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ضرور ضرور.... تشریف رکھئے محترم...."

"شکریہ۔" ڈی کوسٹا ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "آدمی اکیلا ہو تو بڑی بوریت محسوس کرتا ہے۔ اگر اچھی کمپنی مل جائے تو وقت اچھا گزر جاتا ہے۔"

"جی ہاں۔" شارق نے کہا۔ "آپ کی جگہ میں بھی ہوتا تو میں بھی اچھی کمپنی کی تلاش کرتا۔"

ثمینہ اب بھی جز بز سی ہو رہی تھی۔ دراصل شارق نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے ثمینہ کو ابھی تک حالات سے بالکل بے خبر رکھا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ وہ تو اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ لوگ سیر و تفریح کے لئے یہاں آئے ہیں۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ وہ دن بھر ہوٹل میں پڑے سوتے رہے تھے اور رات کا کھانا کھانے کے بعد شارق اور ثمینہ ہوٹل سے نکل آئے تھے۔ نولکھا نے ہوٹل ہی میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔

یہ دونوں مختلف جگہوں پر گھومتے ہوئے اس ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے کافی پی تھی۔ ویٹر برتن اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس وقت گیارہ بجنے والے تھے اور ثمینہ کا خیال تھا کہ وہ لوگ جلد ہی یہاں سے اٹھ جائیں گے لیکن اسی دوران وہ اجنبی ٹپک پڑا تھا اور وہ اور شارق اس طرح باتیں کرنے لگے تھے جیسے پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں حالانکہ ثمینہ جانتی تھی کہ شارق پہلی مرتبہ کراچی آیا تھا۔ اور لاہور میں بھی اس شخص کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن پھر یہ خیال بھی آیا کہ وہ شارق کے سارے ہی جاننے والوں سے تو واقف نہیں تھی شارق کئی کئی روز غائب رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس شخص سے بھی اس کے تعلقات رہے ہوں۔

"میں گاڑی کھڑی کر کے اس طرف آ رہا تھا کہ دو تین کتے میرے پیچھے لگ گئے۔" ڈی کوسٹا کہہ رہا تھا۔ "میں انہیں ہشکارنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ کسی طرح میرا پیچھا چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ اتفاق سے ایک بلڈنگ کی پہلی منزل کے فلیٹ سے کسی عورت نے نیچے کچھ پھینکا وہ شاید بچا کھچا کھانا تھا اس میں کچھ ہڈیاں بھی تھیں کتے ہڈیاں چچوڑنے لگے اور مجھے آگے آنے کا موقع مل گیا۔"

"ہڈی کتوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کتوں سے بچنے کے لئے جیب میں ہڈی رکھنا بہت ضروری ہے۔"

"اب یہ تو ہونے سے رہا کہ آدمی ہر وقت جیب میں ہڈی لئے پھرتا رہے۔" ڈی کوسٹا نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "البتہ کتوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہو سکتے ہیں اور ہمیں ان طریقوں پر زیادہ توجہ دینی چاہئے۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں مسٹر ڈی کوسٹا۔" شارق نے کہا۔

"ویل!" ڈی کوسٹا بولا۔ "تم نے اس لیڈی کا تعارف نہیں کرایا۔"

ثمینہ چونک گئی۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا تھا اور اب وہ ایک دوسرے کو اس کے نام سے مخاطب کر رہے تھے۔ ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ریسٹورنٹ کا ہال خاصا بڑا تھا اور مناسب فاصلوں پر میزیں لگی ہوئی تھیں آمنے سامنے کی دو دیواروں کے ساتھ چھوٹے

کیبن بھی بنے ہوئے تھے۔ بعض کیبنوں کے سامنے پردے کھنچے ہوئے تھے اس ریسٹورنٹ میں زیادہ تر نوجوان جوڑے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ہال کی مدھم روشنی میں سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔

"یہ میری دوست ہے مس ثمینہ۔" شارق نے ثمینہ کا تعارف کرایا۔

شارق اور ڈی کوسٹا باتوں ہی باتوں میں کوڈ ورڈز کے تبادلے سے اطمینان کر چکے تھے کہ وہ دونوں وہی ہیں جو انہیں ہونا چاہئے۔

"تو چلیں مسٹر شارق؟" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"ٹھیک ہے چلو۔" شارق نے کہا اور وہ تینوں میز سے اٹھ گئے۔ کافی کا بل شارق پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔ وہ تینوں ریسٹورنٹ سے باہر آ گئے۔

ثمینہ جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے۔ اس لباس میں وہ بڑی اسمارٹ لگ رہی تھی۔ ڈی کوسٹا بار بار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ابھی ساڑھے گیارہ ہی بجے تھے۔ سڑک پر بڑی رونق تھی۔ ڈی کوسٹا کی کار وہاں سے تقریباً پچاس گز دور ایک سائیڈ اسٹریٹ میں کھڑی تھی۔

ڈی کوسٹا نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور ثمینہ اور شارق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ثمینہ اب بھی پریشان تھی کہ یہ مسٹر ڈی کوسٹا کون ہے اور وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے۔ اس نے شارق سے کچھ پوچھنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گئی تھی۔

گاڑی شہر کے بارونق علاقے سے نکل کر سبزی منڈی کی طرف آ گئی اور پھر سبزی منڈی کے درمیان ایک تنگ سی سڑک سے ہوتی ہوئی پچھلی طرف نکل آئی۔ گلے سڑے پھلوں اور سبزیوں کی سڑاند سے فضا متعفن ہو رہی تھی۔ ثمینہ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

گاڑی جہاں رکی تھی وہ ایک احاطہ تھا۔ لکڑی کی خالی پیٹیوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گھاس پھوس بھی بکھرا ہوا تھا..... اس احاطے کی دیوار بھی لکڑی کے تختوں کی تھی۔ لکڑی کے تختوں ہی کا ایک عارضی سا گیٹ لگا ہوا تھا۔

اس طرف تاریکی تھی۔ اور زیادہ تر اسی طرح پیٹیوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں ہلکی روشنی کا کوئی بلب جل رہا تھا۔ وہ تینوں کار سے اتر آئے اور احاطے والے پھاٹک کی طرف چلنے لگے۔ ڈی کوسٹا ان میں سب سے آگے تھا۔ لکڑی کے پھاٹک کے سامنے پہنچ کر وہ رک گیا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے تختوں میں ہاتھ ڈال کر اندر سے مڑی ہوئی تار کا کنڈا ہٹا دیا اور پھاٹک کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ثمینہ اور شارق بھی اس کے پیچھے ہی پھاٹک میں داخل ہو گئے۔

aazzamm@yahoo.com

"کون ہو تم لوگ ..... رک جاؤ۔" دائیں طرف تاریکی سے ایک بھاری آواز ابھری۔

"میں ہوں سمندر خان۔" ڈی کوسٹا نے جواب دیا۔

"او..... کوسٹر۔" تاریکی سے جواب ملا اور پھر ایک لمبا تڑنگا آدمی سامنے آ گیا۔ اس نے ڈی کوسٹا کا نام خوب بگاڑا تھا۔

"لاہور کے مہمان آئے ہیں۔ انہیں پیچھے لے کر جانا ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

سمندر خان نے پھاٹک بند کر دیا اور انہیں لے کر پیٹیوں کے انبار کے پیچھے آ گیا۔ یہاں ایک بہت اونچا اور بہت بڑا شیڈ تھا۔ اس شیڈ کے نیچے بھی خالی پیٹیوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ سمندر خان نے لکڑی کے ایک ستون کے ساتھ لگا ہوا سوئچ آن کر دیا۔ شیڈ سے لٹکا ہوا سو وات کا ایک بلب روشن ہو گیا۔ چاروں طرف پیٹیوں کے انبار ہونے کی وجہ سے روشنی اس شیڈ تک ہی محدود تھی۔ شیڈ کے نیچے لکڑی کی خالی پیٹیاں بڑے سلیقے سے نیچے اوپر چنی ہوئی تھیں۔ زمین پر گھاس پھوس تھی جو گیلی تھی اور چلنے سے چچ چچ کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ چاروں طرف ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

وہ ایک جگہ رک گئے۔ ثمینہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ اب تک نہیں سمجھ سکی تھی کہ ڈی کوسٹا انہیں یہاں کیوں لایا تھا۔

ڈی کوسٹا نے سمندر خان کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر نیچے اوپر پڑی ہوئی خالی پیٹیوں میں سے ایک پیٹی بڑی احتیاط سے کھینچ لی اور پھر تین چار پیٹیاں اور نکال لیں۔ پیٹیاں ایک دوسرے کے اوپر اس طرح چنی ہوئی تھیں کہ بیچ کی چند پیٹیاں نکال لینے سے انبار کی دوسری پیٹیاں اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھیں۔ سمندر خان نے اپنے لباس سے ایک پنسل ٹارچ نکال کر ڈی کوسٹا کے ہاتھ میں تھما دی۔ ڈی کوسٹا نے شارق کو اشارہ کیا اور وہ ٹارچ کی روشنی میں پیٹیوں کے درمیان اس خلا میں جھانکنے لگا۔

اندر نیلے پولیسٹر کی بوریاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک بوری کا منہ کھلا ہوا تھا۔ شارق نے ہاتھ ڈال کر اس میں سے سفید پلاسٹک کی ایک تھیلی نکال لی۔ یہ ہیروئن تھی اور تھیلی پر نمایاں طور پر پانچ کے جی چھپا ہوا تھا۔ شارق کچھ دیر تک اس تھیلی کا جائزہ لیتا رہا پھر تھیلی دوبارہ اسی بوری میں رکھ دی اور پیچھے ہٹ گیا۔ سمندر خان نے بڑی احتیاط سے وہ تمام پیٹیاں دوبارہ اسی طرح سیٹ کر دیں۔

ثمینہ یہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ اب اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ شارق اسے محض سیر و تفریح کے لئے کراچی لے کر نہیں آیا تھا۔ ہیروئن کا وہ پیکٹ دیکھ کر وہ

سمجھ گئی تھی کہ یہ اس کا کاروباری دورہ تھا اور ڈی کوسٹا نامی اس شخص کی ملاقات محض اتفاق نہیں تھی۔ یہ ملاقات ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت ہوئی تھی اور یہ پروگرام غالباً لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا۔

لکڑی کی پیٹیوں والے اس احاطے سے نکل کر وہ دوبارہ کار میں آ گئے۔ سمندر خان پھاٹک بند کر کے دوبارہ تاریکی میں غائب ہو چکا تھا۔ کار سبزی منڈی کی حدود سے نکلی تو ثمینہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ گلے سڑے پھلوں اور سبزیوں کی سڑاند سے تو اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

"مجھے تمہاری تھوڑی سی مدد کی ضرورت پڑے گی ڈی کوسٹا۔" شارق نے کہا۔ وہ اس وقت ڈی کوسٹا کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور ثمینہ پچھلی سیٹ پر تھی۔

"کس قسم کی مدد چاہتے ہو؟" ڈی کوسٹا نے پوچھا۔

"ایک دو ایسے آدمیوں سے ملوا دو' جن سے میں کچھ کام لے سکوں لیکن وہ آدمی ہر لحاظ سے قابل اعتماد اور پڑھے لکھے ہونے چاہئیں۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کل ایک آدمی کو تم سے ملا دوں گا۔ وہ تمہارے مسئلے حل کر دے گا۔" مسٹر ڈی کوسٹا نے جواب دیا۔

کار شہر کے اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں ان کا رہائشی ہوٹل تھا۔ ڈی کوسٹا نے کار ہوٹل سے دور ہی روک لی۔

"ایک بات اور۔" شارق نے ڈی کوسٹا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل میں رہ کر ہم آزادی سے کام نہیں کر سکتے۔ کسی اچھے علاقے میں رہائش کے لئے مکان اور گاڑی کا بھی بندوبست کرنا ہو گا تاکہ ہم آزادی سے کام کر سکیں۔"

"کل دوپہر کے وقت تم لوگ مکان میں منتقل ہو جاؤ گے اور گاڑی بھی مل جائے گی۔ ایک بجے ہوٹل میں میرے فون کا انتظار کرنا۔" ڈی کوسٹا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔ شارق کہتے ہوئے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے ہوٹل کی طرف آ گئے۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا تھا۔ ہوٹل کا لوہے کے جنگلے والا گیٹ بند ہو چکا تھا۔ اندر کی طرف کرسی پر ایک دربان بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے انہیں دیکھ کر دروازہ کھول دیا اور وہ دونوں اندر آ گئے..... نولکھا اپنے کمرے میں سو چکا تھا۔ یہ دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔ ان دونوں نے ہوٹل میں میاں بیوی کی حیثیت سے اپنا اندراج کروایا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"یہ سب کیا ہے؟" ثمینہ نے دراوزہ بند کرتے ہوئے شارق کی طرف دیکھا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ ہم یہاں سیرو تفریح کے لئے آئے ہیں اور چند روز بعد باہر چلے جائیں گے۔ لیکن یہ مسٹر ڈی کوسٹا اور خالی پیٹیوں کے انبار میں چھپی ہوئی وہ ہیروئن....."

"لاہور میں تمہیں یہ سب کچھ بتانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم چند روز کراچی میں رہیں گے۔ مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔ اس دوران تم اور نولکھا آزادی سے کراچی کی سیرو تفریح کرتے رہنا۔ اس مشن کے بعد میں کوشش کروں گا کہ ہم لوگ چند روز کے لئے ملک سے باہر چلے جائیں۔"

"مشن کیا ہے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ہیروئن کی ایک بڑی کھیپ جو سمندری راستے سے ایک غیر ملکی جہاز پر منتقل کرنی ہے۔" شارق نے کہا اور پھر اسے پوری تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ مسٹر ڈی کوسٹا' حاجی عبداللہ کا آدمی ہے۔ ہیروئن بھی تم دیکھ چکی ہو اب اس ہیروئن کو کراچی سے نکال کر کھلے سمندر میں اس غیر ملکی جہاز پر منتقل کرنے کی ذمے داری میری ہے۔ میں اس سلسلے میں مصروف رہوں گا۔ تم نولکھا کے ساتھ گھومتی پھرتی رہنا۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے صرف جوگرز اتار کر ایک طرف پھینک دیئے تھے۔ کپڑے تبدیل نہیں کئے تھے۔ کچھ دیر بعد شارق بھی اسی بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد وہ دونوں نیند کی آغوش میں پہنچ چکے تھے۔

○

اس شخص کا نام تو اگرچہ خرم تھا لیکن وہ اپنے حلقے میں ٹیٹو کے نام سے مشہور تھا اس کی عمر ستائیس اٹھائیس سال رہی ہو گی۔ دراز قامت' صحت مند جسم' گوری چٹی رنگت' پنسل جیسی باریک مونچھیں اس کے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔ وہ کراچی یونیورسٹی کا گریجویٹ تھا۔ اس کے ماں باپ اسے جو کچھ بنانا چاہتے تھے وہ تو نہیں بن سکا تھا لیکن وہ ایک غنڈہ بن گیا تھا۔ اور غنڈہ بھی ایسا جس کے تعلقات بہت اوپر تک تھے۔ اس کے جاننے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ ٹیٹو جیسا آدمی اعلیٰ سرکاری آفیسروں کے دفتروں اور ایم پی اے اور ایم این ایز وغیرہ کے دفاتر میں بے تکلفی سے کس طرح گھس جاتا ہے۔ بعض لوگ جو ٹیٹو کو جانتے تھے ان کا ٹیٹو کے بارے میں خیال تھا کہ وہ افسران اور اعلیٰ شخصیات کو بلیک میل کرتا ہے۔ ان کی کوئی نہ کوئی دکھتی رگ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہیں۔

شارق کے لئے ٹیٹو بڑے کام کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ ایک طرف اس کے تعلقات بہت اونچی

سطح تک تھے اور دوسری طرف نہایت نچلی سطح پر بھی اس کا ملنا ملانا تھا۔ شارق نے ٹیٹو کی مدد سے ایک ٹن اسمتھ سے رابطہ قائم کیا اور اپنی نگرانی میں لوہے کی چادر کا ایک کنٹینر تیار کروایا۔ یہ کنٹینر اونچائی میں کم تھا لیکن چوڑائی زیادہ تھی۔ کنٹینر تیار کرواتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ہیروئن کی پانچ پانچ کلو والی سو تھیلیاں آسانی سے اس میں سما سکیں۔

کنٹینر تیار کروانے کے بعد شارق' ٹیٹو کے ساتھ مختلف جگہوں پر گھومتا رہا۔ ان جگہوں میں کچھ سرکاری دفاتر بھی تھے اور بعض دکانیں وغیرہ بھی۔ جہاں سے کچھ سامان خریدا گیا تھا۔

شارق کے خیال میں ٹیٹو زیادہ قابل اعتماد نہیں تھا لیکن وہ اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور تھا۔ ان تمام کاموں سے نمٹنے کے بعد شارق' ٹیٹو کو لے کر کراچی سے کئی میل دور ماہی گیروں کی ایک بستی میں پہنچ گیا۔ ان کے ساتھ ثمینہ بھی تھی۔ اس دوران شارق نے محسوس کیا تھا کہ ٹیٹو بڑی للچائی ہوئی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا تھا اور وہ شارق کے بجائے ثمینہ ہی سے زیادہ تر بات کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ ثمینہ کے چہرے پر الجھن کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

ماہی گیروں کی بستی میں نورو چاچا کو تلاش کرنے میں انہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ نورو چاچا کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ سر کے بال برف کی طرح سفید اور کلین شیو۔ اور رنگت توے کی طرح سیاہ تھی۔ اس کی ساری زندگی سمندر میں گزری تھی لیکن اب کچھ عرصہ سے اس نے سمندر میں جانا چھوڑ دیا تھا۔

نورو چاچا تین لانچوں کا مالک تھا ایک اس کا بیٹا خود چلاتا تھا اور باقی دو اس نے ٹھیکے پر دے رکھی تھیں۔ تھے تو یہ لوگ ماہی گیر لیکن عام تاثر یہ تھا کہ یہ لوگ دوسروں کے ساتھ مل کر منشیات اور انسانوں کی اسمگلنگ بھی کرتے تھے۔ سمندر کی نگران لانچوں کو دھوکا دے کر خلیج کی ساحلی ریاستوں تک پہنچ جانا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

"فرماؤ صاحب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" نورو چاچا نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت ایک جھونپڑے میں چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے قہوے کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جھونپڑے سے گھاٹ پر کھڑی ہوئی ماہی گیری کی لانچیں اور سمندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہمیں ایک لانچ چاہئے۔ بہت اچھی حالت میں اور تیز رفتار۔" شارق نے قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کس مقصد کے لئے؟" نورو چاچا نے پوچھا پھر خود ہی بولا۔ "اگر آپ کو لانچ اسمگلنگ کی غرض سے چاہئے تو پھر میں معذرت چاہوں گا۔ میں اس قسم کے غیر قانونی دھندے نہیں کرتا میری

aazzamm@yahoo.com

ساری زندگی اس سمندر میں گزری ہے۔ لیکن آج تک میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے دوسروں کو مجھ پر انگلی اٹھانے کا موقع مل سکے۔"

"تم غلط سمجھے نورو چاچا۔" شارق نے کہا۔ "ہمارا تعلق ایک ایسے پرائیویٹ ادارے سے ہے جو سمندر میں مختلف قسم کی تحقیقات کرتا ہے۔ ہمارے ادارے کے پاس اپنی دو لانچیں ہیں لیکن اتفاق سے دونوں لانچیں سمندر میں گئی ہوئی ہیں اس لئے ہمیں لانچ کی ضرورت پڑ گئی ہے آپ کو ادارے کی طرف سے ضمانت فراہم کی جائے گی کہ اسے غیر قانونی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔"

نورو چاچا چند لمحے خاموشی سے ان تینوں کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"لانچ آپ کو کتنے دنوں کے لئے چاہئے؟"

"کم از کم ایک ہفتے کے لئے۔ زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

"اتفاق سے میری وہ لانچ آج صبح ہی سمندر سے واپس آئی ہے جو آپ کے کام کی ہو سکتی ہے۔ آپ لوگ پہلے لانچ دیکھ لیں اس کے بعد بھاڑا وغیرہ طے کر لیں گے۔" نورو چاچا کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ لوگ جھونپڑی سے نکل کر گھاٹ پر آ گئے۔ کئی کشتیاں اور لانچیں کھڑی تھیں زیادہ تر ایسی تھیں جو صرف ماہی گیری کے لئے ہی استعمال ہو سکتی تھیں البتہ دو ایسی لانچیں بھی نظر آ رہی تھیں جن پر باقاعدہ کیبن بنے ہوئے تھے۔

وہ لوگ جیٹی سے ہوتے ہوئے اس لانچ پر آ گئے جس کے کیبن پر نیلے رنگ میں ایک چوڑی پٹی بنی ہوئی تھی۔ کیبن کے عرشے پر تین آدمی کام کر رہے تھے۔ دو تو جال سمیٹ رہے تھے اور ایک عرشے کی صفائی کر رہا تھا۔ مچھلی کی بو نمایاں طور پر فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

"یہ لانچ میرا بیٹا استعمال کرتا ہے۔" نورو چاچا نے کہا۔ "اس میں دو کیبن ہیں اور انجن بہترین حالت میں ہے۔ چند روز پہلے ہی انجن کی اوورہالنگ کی گئی ہے۔"

وہ لوگ گھوم پھر کر لانچ دیکھنے لگے۔ اور پھر اس کے کرائے کی بات ہونے لگی۔ نورو چاچا بہت زیادہ مانگ رہا تھا لیکن بہرحال ان میں معاملہ طے ہو گیا۔

"تم لوگ کب جانا چاہتے ہو؟" نورو چاچا نے پوچھا۔

"تین چار دن تو لگیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔ "اس دوران ہمیں لانچ پر کچھ کام کرنا ہو گا۔ کچھ آلات اور مشینیں فٹ کرنی ہیں۔ کل میں اپنے کاریگروں کو لے کر آ جاؤں گا اور جیسے ہی کام مکمل ہو گا ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

"لانچ کے عملے کے تین آدمی ہیں ان کا خرچ بھی تم کو دینا ہو گا۔" نورو چاچا نے کہا۔

"خرچ تو کھانے پینے کا ہی ہو گا اور ظاہر ہے وہ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں گے بھوکے تو نہیں رہیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

نورو چاچا کو دس ہزار روپے ایڈوانس دے دیئے گئے اور وہ لوگ شہر واپس آ گئے اسی رات شارق، ثمینہ اور ڈی کوسٹا کو لے کر سبزی منڈی پہنچ گیا۔ لوہے کی چادروں والا کنٹینر پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ رات کے سناٹے میں بڑی خاموشی سے ہیروئن کی تھیلیاں واٹر پروف بیگز میں ڈال کر آہنی کنٹینر میں پیک کر دی گئیں۔ کنٹینر کو اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ اس میں پانی داخل ہونے کا احتمال نہ رہے۔ کنٹینر کو پھر لکڑی کی خالی پیٹیوں کے انبار کے نیچے چھپا دیا گیا۔

دوسرے دن شارق دو کاریگروں کو لے کر ماہی گیروں کی بستی پہنچ گیا۔ ان کاریگروں کے ساتھ ایک پورٹیبل ویلڈنگ پلانٹ بھی تھا۔ ثمینہ اور ڈی کوسٹا بھی شارق کے ساتھ تھے۔ وہ ٹیٹو کو جان بوجھ کر ساتھ نہیں لایا تھا۔

شارق دن بھر اپنی نگرانی میں کاریگروں سے کام کرواتا رہا۔ لانچ کے نیچے چار جگہوں پر لوہے کے ہک لگا کر ان میں لمبی لمبی آہنی پیٹیاں لگوائی گئی تھیں۔

شام کو وہ لوگ واپس آ گئے اور اگلے روز پھر گھاٹ پہنچ گئے۔ اس مرتبہ ٹیٹو اور نولکھا بھی ساتھ تھے۔ لکڑی کی دو پیٹیاں بھی تھیں جن میں کچھ آلات تھے۔ ان میں سے کچھ آلات ایک کیبن میں سیٹ کر دیئے گئے اور کچھ باہر عرشے پر مختلف جگہوں پر لگا دیئے گئے۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہی تھے کہ نورو چاچا آ گیا۔

"کل رات کو ہم لوگ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے نورو چاچا۔" شارق نے کہا۔ "ہم نے یہاں اپنے بہت قیمتی آلات لگوائے ہیں۔ اس لئے ہمارا یہ آدمی رات کو یہیں رہے گا۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" نورو چاچا نے جواب دیا۔

"کل شام سے پہلے پہلے لانچ کا انجن وغیرہ چیک کروا لیں اور تیل بھروا لیں۔ ہم آدھی رات کو روانہ ہو جائیں گے کیونکہ صبح سویرے ہمیں اس جگہ پہنچنا ہے جہاں ہم اپنا تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں۔"

"سارا انتظام ہو جائے گا تم لوگ فکر مت کرو۔" نورو چاچا نے جواب دیا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے وہ لوگ واپس آ گئے نولکھا کو لانچ پر ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ شارق نے ٹیٹو کو اگلے دن ملاقات کے لئے کہہ کر رخصت کر دیا اور وہ لوگ فیڈرل بی ایریا میں اس مکان پر آ گئے جس کا بندوبست ڈی کوسٹا نے کیا تھا۔ یہاں کھانا وغیرہ پکانے کے لئے ایک ملازم بھی تھا۔

aazzamm@yahoo.com

یہ لوگ اسے بتا کر گئے تھے کہ رات کا کھانا گھر پر آ کر ہی کھائیں گے۔ اس لئے اس نے کھانا تیار کر رکھا تھا۔

ان تینوں نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس کے ساتھ ہی کل کا پروگرام بھی طے کرنے لگے۔ جس جہاز پر انہیں ہیروئن کی یہ کھیپ منتقل کرنا تھی وہ ہفتہ کی صبح پاکستان کی سمندری حدود کے باہر ایک خاص مقام پر پہنچنے والا تھا۔ شارق نے جہاز کے ٹائم ٹیبل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اپنا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ وہ جمعرات کی رات کو ساحل سے روانہ ہو کر اور بڑے اطمینان سے سفر کرتے ہوئے مقررہ وقت سے کئی گھنٹے پہلے وہاں پہنچ سکتے تھے۔

ڈی کوسٹا تقریباً بارہ بجے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ملازم بھی اوپر چھت پر واقع اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ شارق نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

ثمینہ نے نوکھا کے ساتھ دو تین دن کراچی کی سیر کی تھی اور پھر شارق کے ساتھ کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ آج بھی وہ بہت تھک گئی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔

صبح وہ دیر تک سوتے رہے۔ باہر کا کوئی کام نہیں تھا اس لئے شام تک گھر پر ہی رہے اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی وہ لوگ مکان سے رخصت ہو گئے۔ جب وہ لوگ سبزی منڈی کے عقبی حصے میں واقع خالی پیٹیوں والے اس گودام میں پہنچے تو وہاں درمیانے سائز کا مزدہ کا ایک ٹرک تیار کھڑا تھا۔ اس پر لکڑی کی پیٹیاں لدی ہوئی تھیں اور ان پیٹیوں کے نیچے وہ آہنی کنٹینر تھا جس میں پانچ سو کلو ہیروئن رکھی گئی تھی۔

ڈی کوسٹا ڈرائیور کے ساتھ ٹرک پر بیٹھ گیا۔ ٹرک منڈی سے نکل کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور شارق بھی ایک ٹیکسی پر ماہی گیروں کی بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔

شارق اور ثمینہ ٹرک سے پہلے ماہی گیروں کی بستی پہنچ گئے۔ ٹرک آدھے گھنٹے بعد پہنچا تھا۔ ٹرک رکتے ہی پیٹیاں اتار کر اس میں سے آہنی کنٹینر اتار لیا گیا۔ ٹھیک اسی وقت نورو چاچا بھی پہنچ گیا۔

"یہ کیا ہے بھائی.... اس میں کیا ہے؟" نورو چاچا نے کنٹینر کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کے اندر آلات لگے ہوئے ہیں۔ یہ ڈبہ پانی کی تہہ میں رہے گا اور اس کے اندر لگے ہوئے آلات ہمیں سمندر کے بارے میں وہ معلومات فراہم کریں گے جن کی ہمیں ضرورت ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

نورو چاچا مشتبہ نگاہوں سے کبھی کنٹینر اور کبھی شارق وغیرہ کی طرف دیکھتا رہا۔ شارق نے

اسے بہرحال مطمئن کر دیا کہ اس ڈبے میں تحقیقاتی آلات ہی لگے ہوئے ہیں۔ اس نے وعدہ کے مطابق آدھی رقم نورو چاچا کے حوالے کر دی اور طے یہ پایا تھا کہ باقی رقم واپسی پر ادا کی جائے گی۔

کنٹینر کو لانچ کے نچلے حصے میں پہلے سے لگی ہوئی آہنی پیٹیوں میں باندھ دیا گیا اور اب وہ سب لوگ دعا مانگ رہے تھے کہ روانگی تک کا وقت خیریت سے گزر جائے۔

پروگرام کے مطابق دس بجے کے لگ بھگ ٹیٹو بھی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا حالانکہ کسی اور آدمی کو ساتھ لے جانے کے لئے ان میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ آدمی شکل سے ہی چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔

"یہ کون ہے؟" شارق نے ٹیٹو سے پوچھا۔

"یہ میرا خاص آدمی ہے۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔ "ہم جس مہم پر جا رہے ہیں اس میں اس قسم کے آدمیوں کی ضرورت پڑے گی۔ اس لئے میں نے اسے ساتھ لے لیا ہے۔"

"مگر پہلے تو تم نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔" شارق نے اسے گھورا۔

"اس سے ملاقات ہی آج ہوئی ہے۔" ٹیٹو نے کہا۔ "اس کا نام مانڈا ہے میں نے اس سے ذکر کیا تو فوراً ہی تیار ہو گیا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مانڈا بڑے کام کا آدمی ہے۔"

شارق الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اسے ٹیٹو کی نیت پر شبہ ہونے لگا تھا لیکن اگر وہ مانڈا کو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتا تو یہیں سے گڑبڑ شروع ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ ویسے بھی وہ سوچ رہا تھا کہ راستے میں اگر ان کی نیت میں فتور آ گیا تو یہ لوگ کیا کر سکیں گے۔ وہ دو تھے اور شارق اور اس کے ساتھیوں کی تعداد چار تھی۔ تین آدمی لانچ کے عملے میں تھے اور ظاہر ہے کسی ہنگامی صورت حال میں وہ شارق ہی کا ساتھ دیں گے۔

لانچ کا کیپٹن نورو چاچا کا بیٹا قاسم تھا۔ اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ تھی اور وہ بھی اپنے دونوں ساتھیوں کی طرح ہٹا کٹا آدمی تھا۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت لانچ حرکت میں آ کر کھاڑی سے نکلی اور آہستہ آہستہ گہرے سمندر کی طرف بڑھنے لگی۔

ایک کیبن کو دفتر کے طور پر آراستہ کر لیا گیا تھا۔ وہاں بعض آلات کے علاوہ کچھ کاغذات اور سمندری نقشے بھی تھے۔ ثمینہ، شارق اور ڈی کوسٹا اسی کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ سمندر میں سفر کرنے کا یہ شارق کا بھی پہلا موقع تھا لیکن ثمینہ تو اپنے آپ میں عجیب سی سنسنی کی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔

شارق نے قاسم کو نقشوں کی مدد سے اپنی منزل کے بارے میں بتا دیا تھا اور لانچ مناسب رفتار

aazzamm@yahoo.com

سے گہرے سمندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان کی منزل دو سو میل دور پاکستان کی سمندری حدود سے بھی تقریباً پچیس میل آگے آزاد سمندر میں وہ چھوٹا سا چٹانی جزیرہ تھا جس پر کسی قسم کی آبادی نہیں تھی۔ اس غیر ملکی جہاز کو اسی چٹانی جزیرے کے قریب ان کا انتظار کرنا تھا۔

ثمینہ کچھ دیر کے لئے عرشے پر گئی تھی لیکن چاروں طرف تاریک سمندر تھا۔ لانچ کے ہچکولوں سے اسے چکر سا آنے لگا اور وہ دوبارہ کیبن میں آگئی تھی۔ نولکھا عرشے پر تھا۔ اسے خاص طور پر ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ مانڈا پر نگاہ رکھے۔

ڈی کوسٹا اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا تھا۔ شارق اور ثمینہ مدہم لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ لانچ اپنی رفتار سے منزل کی طرف چلی جا رہی تھی۔

اس وقت غالباً صبح کے چار بجے تھے کہ قاسم ان کے کیبن میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے قاسم؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک لانچ دائیں طرف سے ہمارے سامنے آ رہی ہے۔ ہمیں رکنے کے لئے روشنی کا سگنل دیا جا رہا ہے۔" قاسم نے بتایا۔

"اوہ!" شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ڈی کوسٹا بھی آواز سن کر جاگ گیا تھا۔ وہ تینوں قاسم کے ساتھ کیبن سے باہر آ گئے۔ نولکھا، ٹیٹو اور مانڈا پہلے ہی سے عرشے پر موجود تھے۔ شارق ریلنگ کے قریب رک کر دائیں طرف دیکھنے لگا۔ بہت دور روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک روشنی مخصوص انداز میں جل بجھ رہی تھی۔

"یہ... یہ بحری قذاق تو نہیں؟" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے ابھر آئے تھے۔

"بحری قذاق!" قاسم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "نہیں بی بی آج کل بحری قذاق نہیں ہوتے۔ یہ بحری کسٹمز کی لانچ ہے۔ جس سے ہمیں رکنے کے لئے سگنل دیا جا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لانچ روک دو۔" شارق نے کہا۔

قاسم نے چیخ کر اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور خود وہیل پر آ گیا اس کا ایک ساتھی دوسری لانچ کو روشنی کا جوابی سگنل دینے لگا۔ قاسم نے لانچ کی رفتار کم کر دی تھی اور بالآخر وہ رک گئی۔ کچھ ہی دیر بعد دوسری لانچ بھی قریب آ کر رک گئی۔ اس پر پاکستانی جھنڈا لہرا رہا تھا اور لانچ کے پہلو پر بحری کسٹمز کا مخصوص نشان بنا ہوا تھا۔

"تم لوگ ہماری مشین گنوں کی زد پر ہو۔ کوئی شرارت مت کرنا۔ ہمارے آدمی چیکنگ کے لئے تمہاری لانچ پر آ رہے ہیں۔" دوسری لانچ سے میگافون پر کہا گیا۔

دونوں لانچیں بہت قریب تھیں چند سیکنڈ بعد تین آدمی ان کی لانچ پر آ گئے ان میں دو کے پاس سب مشین گنیں تھیں اور ایک کے پاس ریوالور۔

"آپ لوگ کون ہیں اور اس کھلے سمندر میں کہاں جا رہے ہیں؟" ریوالور والے نے پوچھا۔ وہ اپنی پارٹی کا انچارج تھا۔

"ہمارا تعلق اوشیانوگرافی کے شعبے سے ہے اور ہم لوگ ریسرچ کے لئے گہرے سمندر میں جا رہے ہیں۔ ہمارے پاس حکومت کا اجازت نامہ اور دیگر کاغذات موجود ہیں۔ آپ چاہیں تو چیک کر سکتے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

"چیک تو کرنا ہی پڑے گا۔" آفیسر نے جواب دیا۔ اس کے ماتحت عرشے پر ہی مستعد کھڑے رہے اور وہ خود شارق اور ثمینہ کے ساتھ کیبن میں آ گیا۔ شارق نے ایک فائل اس کے سامنے رکھ دی۔ اس فائل میں وہ تمام ضروری کاغذات موجود تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ ان کا تعلق سمندری تحقیقات کے کسی شعبے سے ہے۔ اس تحقیقاتی مشن کے لئے حکومت کا اجازت نامہ بھی موجود تھا۔

آفیسر نے تمام کاغذات چیک کر لئے۔ بیشتر کاغذوں پر سرکاری مہریں ثبت تھیں اس نے کاغذات دیکھتے ہوئے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا اور فائل واپس کرتے ہوئے بولا۔

"آپ کے کاغذات تو درست ہیں لیکن ہم لانچ کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ تلاشی لیجئے۔" شارق نے کہا۔

آفیسر کیبن سے باہر آ گیا۔ اس نے اپنی لانچ سے دو آدمی اور بلوا لئے اور وہ لانچ کی تلاشی لینے لگے۔ بحری کسٹمز کے ان اہلکاروں کا واسطہ دن رات مختلف قسم کی لانچوں اور جہازوں سے پڑتا رہتا تھا اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی چیز لانچ تلاشی کے لئے کون کون سی جگہوں پر توجہ دی جانی چاہئے۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک تلاشی لیتے رہے لیکن انہیں لانچ کے کسی بھی حصے سے کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی تھی۔ لانچ کے کاغذات بھی درست تھے۔ قاسم کے پاس پاکستان کی سمندری حدود میں ماہی گیری کا اجازت نامہ موجود تھا۔ اور شارق کے پاس حکومت کا جاری کردہ وہ لیٹر بھی تھا جس کے تحت اس پارٹی کو پاکستان کی سمندری حدود کے باہر تحقیقات کی اجازت دی گئی تھی۔

لانچ کے کاغذات درست تھے۔ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی تھی اس لئے لانچ کو روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے جناب۔" کسٹمز آفیسر نے کہا۔ "آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

تمام کسٹمز والے اپنی لانچ پر چلے گئے۔ ان کی لانچ سمندر کے پانی میں ایک سفید محراب سی بناتی ہوئی بائیں طرف چلی گئی۔ قاسم نے بھی لانچ کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور ان کی لانچ بھی حرکت میں آ کر اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگی۔

اس وقت دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ نولکھا عرشے پر ہی تھا اور ثمینہ' شارق اور ڈی کوسٹا اپنے کیبن میں بیٹھے اس صورت حال پر تبصرہ کر رہے تھے۔

"اگر یہ کاغذات مہارت سے تیار نہ کرائے گئے ہوتے تو ہمارا مشن یہیں پر ختم ہو جاتا۔" شارق نے ڈی کوسٹا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو میں نے کہا تھا نا کہ ٹیٹو بڑے کام کا آدمی ہے۔" ڈی کوسٹا نے جواب دیا۔ "اس نے کاغذات تیار کرانے کے لئے جس آدمی کا انتخاب کیا تھا وہ واقعی فنکار ثابت ہوا۔ کسٹمز آفیسر کو ان کاغذات کے جعلی ہونے پر ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکا۔"

"ٹیٹو تو واقعی کام کا آدمی نکلا لیکن یہ مانڈا نام کے جس شخص کو ساتھ لے کر آیا ہے اس سے مجھے ان کی نیتوں پر شبہ ہو رہا ہے۔" شارق نے کہا۔

"ان کی تم فکر نہ کرو۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "اگر ان کی نیتوں میں فتور بھی ہوا تو یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

اسی لمحہ کیبن کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور وہ تینوں چونک گئے۔ ٹیٹو دروازے سے ایک قدم آگے بڑھ کر رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔

"ہم تمہارا واقعی کچھ نہیں بگاڑیں گے بشرطیکہ تم لوگ یہ بتا دو کہ پانچ سو کلو ہیروئن تم لوگوں نے اس لانچ کے کس حصے میں چھپائی ہے۔" ٹیٹو نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پانچ سو کلو ہیروئن!" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اگر ہیروئن اس لانچ پر ہوتی تو کیا تمہارے خیال میں یہ کسٹمز افسران اتنے بے وقوف تھے کہ ہیروئن تلاش نہیں کر سکے۔"

"ان کی بے وقوفی میں شبہ نہیں ہے۔" ٹیٹو نے کہا۔ "لیکن میں بے وقوف نہیں ہوں۔ اگر تم لوگ ہیروئن کے بارے میں بتا دو گے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو ساحل پر لے جا کر اتار دیا جائے گا۔ بصورت دیگر ہم تم سب کو الگ الگ تشدد کا نشانہ بنا کر ہیروئن کے بارے میں معلوم کر لیں گے۔"

"تم واقعی کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔" ڈی کوسٹا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہیروئن یا کسی اور غیر قانونی چیز کی اسمگلنگ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ

تم...."

"یہ تو میں معلوم کر ہی لوں گا کہ ہیروئن لانچ میں کہاں چھپائی گئی ہے۔" ٹیٹو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگوں کا تعلق ہیروئن کی اسمگلنگ سے نہیں ہے تو جعلی کاغذات کی تیاری اور دیگر انتظامات پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہیروئن ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے اتنا منافع کمایا جا سکتا ہے اور پھر معاملہ پانچ سو کلو ہیروئن کا ہو تو چند لاکھ روپے کا خرچ کوئی معنی نہیں رکھتا اور پھر تم مجھے اتنا بے وقوف کیوں سمجھتے ہو۔ میں نے تمہیں ہیروئن کی مقدار بتا دی ہے اس کا مطلب ہے کہ میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"تم یقیناً غلط کہہ رہے ہو۔" شارق نے کہا۔ "ہمارا ہیروئن سے کوئی..."

"اب میں مزید کوئی بکواس نہیں سنوں گا۔" ٹیٹو نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں ہیروئن کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اور کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔"

وہ تینوں خاموش رہے۔ شارق سوچ رہا تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی مانڈا عرشے پر ہے اور یقینی بات تھی کہ اس نے نولکھا اور قاسم وغیرہ کو پستول یا ریوالور کی زد پر لے رکھا ہو گا۔

"اے.... تم ادھر آؤ۔" ٹیٹو نے خالی ہاتھ سے ثمینہ کو اشارہ کیا۔ "میرا خیال ہے گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔"

ثمینہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ اس کا چہرہ خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔

"میں نے کہا تم ادھر آؤ!" ٹیٹو دھاڑا۔

ثمینہ نے ڈی کوسٹا اور شارق کی طرف دیکھا اور اٹھ کر ٹیٹو کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ ٹیٹو نے پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

"میں تین تک گنوں گا۔" ٹیٹو نے ڈی کوسٹا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تین کہنے کے بعد بھی تم میں سے کسی نے مثبت جواب نہیں دیا تو اس خوبصورت لڑکی کی کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔ ایک.... دو...."

ٹیٹو کے تین کہنے سے پہلے ہی عرشے کی طرف سے فائر کی ایک آواز سنائی دی۔ ٹیٹو نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ثمینہ اگرچہ بے حد خوفزدہ تھی لیکن اس موقع پر اس نے بڑی بہادری اور عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے بڑی پھرتی سے نیچے جھک کر دونوں کہنیاں ٹیٹو کے پیٹ میں مار دیں اور خود بھی نیچے گر گئی۔

ٹیٹو کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ اس نے غیر ارادی طور پر پستول کا ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی کیبن کی گول کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ شارق اور ڈی کوسٹا نے بیک وقت اپنی جگہ سے

aazzamm@yahoo.com

چھلانگ لگائی تھی۔ ڈی کوسٹا کے پیر کی ٹھوکر ٹیٹو کے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دروازے سے باہر جا گرا۔

ٹیٹو نے بھی فوراً ہی سنبھل کر باہر چھلانگ لگا دی لیکن شارق اسے دروازے ہی میں چھاپ چکا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو رگیدتے ہوئے کیبن کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ ٹیٹو فرش پر پڑے ہوئے پستول پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا مگر ڈی کوسٹا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے پیر کے نیچے کچل کر رکھ دیا۔ ٹیٹو کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا۔ ایک چیخ فضا میں ابھری اور پھر شڑاپ کی آواز سنائی دی۔ شارق کی توجہ ایک لمحہ کو ہٹی تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹیٹو نے اسے اپنے اوپر سے دھکیل دیا اور اٹھ کر لانچ کے وہیل کیبن کی طرف دوڑ لگا دی۔ شارق نے لپک کر پستول اٹھایا اور ٹیٹو کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ٹیٹو کے لئے یہ انکشاف بڑا خوفناک ثابت ہوا کہ مانڈا لانچ کے کپتان قاسم کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بن کر سمندر میں جا گرا تھا۔ ٹیٹو بری طرح بدحواس ہو گیا وہ وہیل کیبن میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ شارق نے بڑی پھرتی سے آگے آ کر اس کے منہ پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔ ٹیٹو لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔

شارق کے بائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے ٹیٹو کو پستول کی زد پر لے لیا۔ ٹیٹو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا اور بالآخر عرشے کی ریلنگ سے جا لگا۔

"مجھے پہلے ہی دن سے شبہ تھا کہ تم کوئی حرامزدگی کرو گے۔" شارق غرایا۔

"تت... تم مجھے پکڑ نہیں سکو گے۔" ٹیٹو ہکلایا۔

اور اس سے پہلے کہ شارق کچھ سمجھتا ٹیٹو نے اچانک ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

"خس کم جہاں پاک۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"استاد! وہ دیکھو!" قاسم کا ایک آدمی چیخا۔ "کوئی لانچ اس طرف آ رہی ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ سب چونک کر اس طرف دیکھنے لگے۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی کرنوں میں سمندر کی سطح پر اچھلتی ہوئی ایک لانچ صاف نظر آ رہی تھی۔ اس لانچ کا رخ اسی طرف تھا۔

○

Scanned By:
Azam & Ali

"خطرہ ہمارے سر پر آ رہا ہے مسٹر شارق! اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" لانچ کے کپتان قاسم نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"یہ کونسی لانچ ہو سکتی ہے؟" شارق نے پوچھا۔ وہ دوسری لانچ کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔

"میری ٹائم سیکیورٹی۔" قاسم نے جواب دیا۔ "یہ لوگ کسٹمز والوں کی طرح بے وقوف نہیں ہیں۔ آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکیں گے۔"

"کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"میرا باپ پرانے زمانے کا آدمی ہے۔" قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کئی سال پہلے اس نے سمندر کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اب تو ساحل پر کھڑے ہو کر پرسکون لہروں کو دیکھ کر ہی خوش ہو لیتا ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ منشیات اور مختلف چیزوں کی اسمگلنگ کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں...."

"تم غلط سمجھ رہے ہو قاسم۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "منشیات کی اسمگلنگ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"بقول شخصے میں نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے شارق بابو۔" قاسم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئی کہا۔ "اس مشن پر روانگی سے پہلے تین چار دن تک تم لوگ اس لانچ پر جو کچھ کرتے رہے ہو سب میری نظروں میں ہے۔ یہ آلات تو دوسروں کو دھوکا دینے کے لئے ہیں۔ اصل مال تو اس لوہے کے ڈبے میں ہے جو اس لانچ کے پیندے میں بندھا ہوا ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا۔ کسٹمز والے جعلی کاغذات اور ان آلات سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ لیکن میری ٹائم سیکیورٹی والے نہیں۔ ان کے پاس بڑے جدید ترین انتظامات ہیں۔ وہ ایک منٹ میں معلوم کر لیں گے کہ یہ کاغذات جعلی ہیں۔"

"وہ یہی کریں گے تاکہ وائرلیس پر اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کر کے ہمارے کاغذات کے بارے میں تصدیق کرنے کی کوشش کریں گے۔" شارق ایک لمحہ کو خاموش ہوا۔ اس کے ہونٹوں

aazzamm@yahoo.com

پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن میں نے یہ پلاننگ بہت سوچ سمجھ کر کی تھی۔ آج جمعہ ہے تمام سرکاری دفاتر بند ہوتے ہیں۔ کم از کم آج کا دن تو یہ کسی طرح بھی ہمارے کاغذات کے بارے میں تصدیق نہیں کر سکتے۔"

"ایسی باتوں کی تصدیق کے لئے ان کے پاس اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔" قاسم نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولا۔ "تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ مانڈا کی لاش سمندر میں تیر رہی ہو گی اور نیٹو بھی ابھی سمندری لہروں پر ہاتھ پیر مار رہا ہو گا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی لانچ والوں کی نظروں میں آ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ان کے شکنجے سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہو گا' اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ ان کے ہاتھ سے بچنا چاہتے ہو یا...." اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورہ چھوڑ دیا۔

"تم کیا چاہتے ہو قاسم؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ انہیں بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔

"انتظامات پر لاکھوں روپے خرچ کئے گئے ہیں تو مال تو کروڑوں کا ہو گا۔" قاسم بولا۔

"میں تمہیں پچاس ہزار دینے کو تیار ہوں۔" شارق اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔

"پچاس ہزار تو بہت کم ہیں شارق بابو۔" قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پانچ لاکھ کی بات کرو۔ پانچ لاکھ کی۔"

"دیکھو قاسم۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ مال ہمارا نہیں ہے۔ ہم تو صرف کمیشن پر کام کر رہے ہیں۔ میں تمہیں زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔ اگر تمہیں قبول ہے تو ٹھیک بصورت دیگر لانچ روک لو اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ویسے تمہیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ لانچ تمہاری ہے۔ اگر اس میں سے کوئی غیر قانونی چیز برآمد ہوتی ہے تو بچ تم بھی نہیں سکو گے۔ اس لئے عقل مندی یہی ہے کہ ایک لاکھ پر ہی اکتفا کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔" قاسم کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو آواز دے کر قریب بلایا اور اپنی زبان میں کچھ کہا۔ وہ انجن روم کی طرف دوڑ گیا۔ دوسرا ساتھی ہدایت پا کر لانچ کے اس حصے کی طرف دوڑ گیا جہاں رسے اور جال وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ پہلا آدمی جلد ہی واپس آ گیا۔ اس نے ایک سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا۔

"تم لوگ اس کے ساتھ کیبن میں جاؤ اور کپڑے بدل لو۔ اس سوٹ کیس میں ایک زنانہ جوڑا بھی ہے۔ جو تمہاری اس ساتھی کو پورا آ جائے گا۔ بلکہ ڈھیلا ہو گا اور ڈھیلا ڈھالا لباس ہی

اس کے لئے بہتر ہے۔ ہمیں اس قسم کی صورت حال کا اندازہ تھا اس لئے میں نے پہلے ہی یہ سارے انتظامات کر لئے تھے۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم لوگ ماہی گیر ہیں۔ مچھلیاں پکڑنے کے لئے گہرے سمندر کی طرف جا رہے ہیں۔ کھلے سمندر میں ماہی گیری کا اجازت نامہ ہمارے پاس موجود ہے۔" قاسم نے کہا۔

"لیکن ماہی گیری کی لانچ پر ایک عورت کی موجودگی!" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ قاسم کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"ماہی گیری کی لانچ پر کسی عورت کا موجود ہونا اچنبھے کی بات نہیں ہے۔" قاسم نے کہا۔ "ماہی گیر جب زیادہ دنوں کے لئے کھلے سمندر میں جاتے ہیں تو کھانا وغیرہ پکانے کے لئے گھر کی کسی عورت کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں اور بعض اوقات تو بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ ماہی گیروں کی زندگی ہی سمندر کی لہروں پر گزرتی ہے اس لئے عورت کی موجودگی کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ.... تم لوگ جلدی سے لباس بدل لو وہ تمام آلات جو کیبن میں لگا رکھے ہیں سمندر میں پھینک دو۔ عرشے پر لگے ہوئے آلات میرے آدمی پھینک دیں گے۔ تمہارے کاغذات اور اپنے یہ کپڑے سمیٹ کر سوٹ کیس میں بند کر کے میرے آدمی کے حوالے کر دینا۔ میرا آدمی ان کا بھی بندوبست کر لے گا۔ جاؤ.... اب دیر مت کرو۔"

شارق وغیرہ قاسم کے ماتحت نبی بخش کے ساتھ کیبن میں آ گئے۔ نبی بخش نے سوٹ کیس میز پر رکھ دیا اور دوسری میزوں پر لگے ہوئے آلات اکھاڑنے لگا۔ شارق نے تمام کاغذات سمیٹ کر فائل میں جمع کر دیئے۔ نبی بخش وہ قیمتی آلات سمندر میں پھینک آیا۔

نولکھا وغیرہ سوٹ کیس میں سے لباس نکال رہے تھے۔ یہ پرانے اور استعمال شدہ لباس تھے اور ایسے ہی تھے جیسے ماہی گیر استعمال کرتے ہیں۔ نولکھا اور ڈی کوسٹا اپنے اپنے لباس لے کر دوسرے کیبن میں چلے گئے۔ ثمینہ کے لباس کے ساتھ پلاسٹک کی چوڑی سفید اور نیلی چوڑیاں بھی تھیں اور ایک چادر بھی اور چاندی کے بالے بھی۔

"تم جلدی سے کپڑے بدل لو۔ میں کوئی اور جگہ تلاش کر لیتا ہوں۔" شارق نے ثمینہ سے کہا اور نبی بخش کو لے کر کیبن سے باہر آ گیا۔

ثمینہ نے دروازہ بند کر لیا اور بڑی تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس نے پلاسٹک کی چوڑیاں بھی پہن لیں اور کانوں میں بالے بھی۔ اس نے اپنی پینٹ شرٹ تہہ کر کے میز پر ڈال دی۔ پینٹ کی جیب میں کچھ رقم تھی جسے نکال کر اس نے اپنے گریبان میں ٹھونس لیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

کیبن کے باہر شارق بھی ایک آڑ میں کھڑا لباس تبدیل کر رہا تھا۔ یہ لباس اس کے جسم پر ڈھیلا سا تھا جو بہرحال بہتر تھا۔ سر پر چیک کا رومال بھی لپیٹ لیا اور جوتے اتار کر وہ چپل پہن لی جو سوٹ کیس سے برآمد ہوئی تھی۔ دوسروں کے حصے میں بھی ایک ایک چپل آئی تھی۔ سوٹ کیس میں دو جوڑے بچ گئے تھے۔ قاسم نے پہلے ہی سے پورا انتظام کر رکھا تھا۔ باقی دونوں جوڑے ٹیٹو اور مانڈا کے لئے تھے لیکن وہ دونوں سمندر برد ہو چکے تھے۔

ثمینہ نے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے چادر بھی اوڑھ رکھی تھی۔ نولکھا کی رنگت سانولی تھی اور ڈی کوسٹا آبنوسی رنگت کا مالک تھا۔ انہوں نے جو لباس پہنے تھے ان میں وہ واقعی ماہی گیر ہی لگتے تھے۔

شارق اور ثمینہ کی رنگت گوری تھی۔ ثمینہ نے تو ہاتھ اور چہرہ چادر میں چھپا لیا تھا۔ پیر بھی زمین پر لگتے ہوئے گھاگھرے میں چھپ گئے تھے۔ البتہ شارق کی رنگت اس کی چغلی کھا سکتی تھی۔ لیکن اس کا بھی حل تلاش کر لیا گیا تھا۔ نبی بخش اسے کیبن والے کمرے میں لے گیا۔ شارق نے موبل آئل وغیرہ اس طرح ہاتھوں اور چہرے پر مل لیا جیسے انجن کیبنوں کا منہ اور ہاتھ عام طور پر کالے ہوتے ہیں۔

نبی بخش سوٹ کیس ٹھکانے لگا آیا تھا جس میں ان کے کپڑے' جوتے اور وہ جعلی کاغذات والا فائل تھا۔ وہ ثمینہ کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"بی بی! تم میرے ساتھ آؤ۔"

ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھا اور پھر نبی بخش کے پیچھے چل پڑی۔ نبی بخش اسے انجن والے کیبن کے پچھلی طرف لے گیا۔ یہاں تین اطراف میں تختے کھڑے کر کے یہ مختصر سی جگہ گویا باورچی خانے کے طور پر مخصوص کر دی گئی تھی۔ مٹی کے تیل کا چولہا' چائے کے برتن پلیٹیں اور کھانے پکانے کے لئے ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ چولہا جل رہا تھا اور اس پر دھوئیں سے کالی ایک کیتلی چڑھی ہوئی تھی۔

"اس ڈبے میں چائے کی پتی ہے' اس میں چینی اور یہ خشک دودھ ہے۔ پلاسٹک کے اس کنستر میں پینے کا پانی ہے۔ کیتلی چڑھی ہوئی ہے۔ تم یہاں بیٹھ کر چائے بناؤ۔" نبی بخش نے اسے اس کی ڈیوٹی سمجھا دی۔

نولکھا اور ڈی کوسٹا' قاسم کے دوسرے ماتحت عمر کے ساتھ عرشے کے ایک حصے میں مچھلیاں پکڑنے والے جال اور رسوں میں الجھے ہوئے تھے۔

شارق انجن والے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کی نظریں دھوپ میں چمکتی ہوئی اس سفید لانچ

کی طرف تھیں جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ قاسم نے ان کے حلیے بدلنے میں اگرچہ بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن اس بات کا اندیشہ بہرحال موجود تھا کہ ان پر کسی قسم کا شبہ نہ کر لیا جائے۔

اسے قاسم پر بھی بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ بظاہر سیدھا سادھا نظر آنے والا یہ آدمی بڑا گھاگ نکلا تھا۔ اور اس نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اسے یقیناً شروع ہی سے ان پر شبہ رہا تھا اور غالباً کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ شارق کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ قاسم کی لانچ اسمگلنگ میں استعمال ہوتی رہی تھی اور وہ خود بھی اس دھندے میں ملوث رہا ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ان کے بارے میں اس قدر صحیح اندازہ نہ لگا لیتا۔

قاسم کی ساری زندگی سمندر کی لہروں پر گزری تھی وہ ایک مشاق ملاح تھا وہ لانچ کو اس جگہ سے بہت دور نکال لے گیا تھا جہاں سمندر میں مانڈا کی لاش گری تھی اور ٹیٹو نے چھلانگ لگائی تھی ویسے اسے یقین تھا کہ وہ دونوں اب تک مچھلیوں کی خوراک بن چکے ہوں گے لیکن اس کے باوجود وہ میری ٹائم سیکیورٹی والوں کو کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جس سے ان پر کسی قسم کا شبہ کر سکیں۔ وہ لانچ کو اس طرح وہاں سے نکال کر لے گیا تھا کہ یہ شبہ بھی نہ ہو سکے کہ وہ فرار کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوسری لانچ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ نصف دائرے کی صورت میں آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے سامنے سے اس لانچ کا راستہ روکنا چاہتی ہو۔ لانچ پر بھاری مشین گنیں نصب تھیں اور جوان بڑی مستعدی سے ان مشین گنوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ جیسے اپنے آفیسر کا سگنل ملتے ہی فائر کھول دیں گے۔ کچھ جوان سب مشین گنیں سنبھالے کھڑے تھے۔

قاسم نے اپنی لانچ کی رفتار کم کر دی اور بالآخر وہ رک گئی۔ دوسری لانچ بھی ان کے برابر آ کر رک چکی تھی۔ دو جوان ریلنگ پر چڑھ کر ان کی لانچ پر کود آئے۔

"اوہو! یہ قاسم ہے۔" ایک جوان نے قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو وہیل کیبن سے نکل کر ان کی طرف آ رہا تھا۔

قاسم نے آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے ان سے ہاتھ ملایا۔ ایک دوسرے کو شناخت کر لینا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سمندر میں ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا ہی رہتا ہے۔

دو اور آدمی بھی لانچ پر آ گئے۔ ان میں سے ایک آفیسر تھا۔ اس نے بھی قاسم کو پہچان لیا۔

"اس مرتبہ تم جلدی سمندر میں واپس آ گئے۔" آفیسر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تین چار دن پہلے تو تم ساحل پر گئے تھے۔"

aazzamm@yahoo.com

"موسم اچھا ہے۔ ہم نے سوچا کیوں نہ ایک لمبا پھیرا لگا لیا جائے آپ جانتے ہیں پھر تو برسات کا موسم شروع ہونے والا ہے۔" قاسم نے کہا۔

"لمبا چکر!" آفیسر نے اسے گھورا۔ "واقعی کوئی لمبا چکر تو نہیں چلا رہے؟"

"نہیں صاحب!" آپ جانتے ہیں میں ایسے دھندوں میں نہیں پڑتا جس میں کوئی عزت بھی نہ رہے۔" قاسم نے جواب دیا۔

""کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ؟" آفیسر نے پوچھا۔

"ہم ٹوٹل سات ہیں جی۔ اس میں میری گھر والی بھی شامل ہے۔" قاسم نے جواب دیا پھر نبی بخش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جا دیکھ وہ چائے بنا رہی ہے یا اس نے گائے کے پائے چڑھا رکھے ہیں۔ چائے لا کر پلاؤ مہمانوں کو۔"

نبی بخش انجن والے کیبن کے پچھلی طرف چلا گیا۔

آفیسر عرشے پر موجود آدمیوں کو گھور رہا تھا۔ پھر وہ شارق کے قریب آ کر رک گیا جو انجن والے کیبن کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جس پر تیل وغیرہ کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

"کپتان صاحب!" قاسم جلدی سے ان کے قریب آ گیا۔ "یہ اپنا مستری ہے عبدالرحیم انجن کچھ پریشان کرنے لگا تھا اس لئے میں نے اس مرتبہ اسے بھی ساتھ لے لیا۔"

آفیسر گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی لیکن اس نے اپنے چہرے سے کسی قسم کے تاثرات کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ٹھیک اسی لمحہ نبی بخش پلاسٹک کی ایک پلیٹ میں چار مگے رکھے ہوئے آ گیا۔ پلاسٹک کے مگے خاصے استعمال شدہ لگ رہے تھے۔

"چائے پیو کپتان صاحب۔" قاسم نے ایک مگا اٹھا کر کپتان کی طرف بڑھا دیا۔

"میں چائے نہیں پیوں گا۔ البتہ تمہاری لانچ چیک کرنا چاہتا ہوں۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"ضرور جی۔ آپ اپنی ڈیوٹی ضرور پوری کیجئے۔" قاسم نے کہا اور چائے کا مگا شارق کی طرف بڑھا دیا۔ شارق مگا لے کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

آفیسر نے اپنے جوانوں کو اشارہ کیا۔ وہ لانچ میں پھیل گئے۔ آفیسر انجن والے کیبن کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف آ گیا۔ قاسم بھی اس کے ساتھ تھا۔ ثمینہ چولہے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اس نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ ہاتھ تک چھپ کر رہ گئے تھے۔

"یہ میری گھر والی ہے جی۔"

پشت پر قاسم کی آواز سن کر ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا خون کھول اٹھا۔ کم بخت کس کے سامنے اسے اپنی بیوی بتا رہا تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحہ خوف غصے پر غالب آ گیا قاسم کے ساتھ یقیناً کوئی سیکیورٹی آفیسر تھا اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ یہ عورت اس کی گھر والی نہیں تو وہ سب لوگ قانون کے شکنجے میں اس طرح کسے جائیں گے کہ نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آئے گی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک تلاشی کا سلسلہ جاری رہا۔ سیکیورٹی کے جوان مطمئن تھے کہ لانچ پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے غیر قانونی کہا جا سکے البتہ انہوں نے اس پہلو پر دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ لانچ کے عرشے پر چار افراد کا وجود ہی غیر قانونی تھا۔

سیکیورٹی آفیسر اور تمام جوان اپنی لانچ پر چلے گئے۔ وہ لانچ حرکت میں آ کر آہستہ آہستہ دور ہٹنے لگی۔ جبکہ ان کی لانچ وہیں کھڑی رہی۔ وہ لوگ عرشے پر اس طرح چلتے پھرتے رہے جیسے کام میں مصروف ہوں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد سیکیورٹی کی لانچ نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ قاسم نے اپنی لانچ کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور اسے حرکت میں لے آیا۔

دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ تیز ہوا ہونے کے باوجود دھوپ کی تپش سے ان کے دماغ پلپلے ہونے لگے تھے۔ ابھی تو دن کی ابتدا ہوئی تھی۔ شارق کا خیال تھا کہ اگر گرمی بڑھتی رہی تو دوپہر کے وقت یہ لوگ پاگل ہو جائیں گے۔

انہوں نے ابھی تک صرف چائے پی تھی۔ ناشتے کے لئے بند خوراک کے ڈبے کھولے گئے اور ایک مرتبہ پھر چائے بنانا پڑی۔

ثمینہ، شارق اور ڈی کوسٹا کیبن میں آ گئے تھے۔ نولکھا عرشے پر ہی تھا۔ وہ قاسم کے ساتھ چپکا ہوا تھا اور اس سے لانچ کے بارے میں مختلف سوالات کر رہا تھا۔ قاسم مسکرا مسکرا کر اس کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔

ڈی کوسٹا اور شارق بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ثمینہ اپنے بنک پر لیٹ گئی تھی کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

ثمینہ کو دوپہر دو بجے کھانا کھانے کے لئے جگایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد وہ پھر لیٹ گئی اور اونگھنے لگی۔ اس پر سستی سوار تھی۔ جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر یونہی لیٹی رہے۔ اس میں ثمینہ کا قصور نہیں تھا۔ سب سمندری ہوا کا اثر تھا۔

سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ثمینہ اٹھ کر کیبن سے باہر آ گئی۔ مغربی افق پر ہلکے

aazzamm@yahoo.com

ہلکے بادل تھے۔ سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ سورج جیسے جیسے نیچے ہو رہا تھا فضا میں سرخی سی پھیلتی جا رہی تھی.... اور پھر ثمینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے سمندر پر خون بکھر گیا ہو۔ سورج کا سرخ تھال افق پر پانی کی سطح سے شاید چند انچ اوپر تھا۔ ہر طرف سرخی پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھی اور پھر سرخ تھال آہستہ آہستہ پانی میں اترنے لگا۔

سورج نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن سمندر کی سطح اور افق پر گہری سرخی اب بھی موجود تھی۔ ثمینہ اپنے آپ میں ایک عجیب سنسنی کی سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس نے غروب آفتاب کا یہ حسین منظر زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

لانچ بہت ہلکی رفتار سے چل رہی تھی۔ سمندر اور افق پر پھیلی ہوئی سرخی بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی اور پھر سرخی کی جگہ سرمئی غبار نے لے لی جو آہستہ آہستہ تاریکی میں بدلنے لگا۔

ثمینہ دونوں ہاتھ عرشے کی ریلنگ پر ٹکائے کھڑی تھی۔ اس کے چاروں طرف تاریک سمندر تھا۔ اچھلتی ہوئی لہروں کا شور اس تاریکی میں کچھ عجیب سا تاثر پیدا کر رہا تھا۔

دفعتاً ثمینہ کے ذہن میں ایک خیال ابھر آیا' اگر ان کی لانچ کو کوئی حادثہ پیش آ جائے؟ لانچ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے تو کیا ہو گا؟ سمندر کی لہروں پر ان کی موت کتنی اذیت ناک ہو گی اور پھر وہ مچھلیوں کی خوراک بن جائیں گے۔

یہ خیال آتے ہی ثمینہ کانپ اٹھی۔ اس کے ذہن میں ٹیٹو کا چہرہ ابھر آیا۔ جس نے گولی سے بچنے کے لئے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ کیسی اذیت ناک ہوئی ہو گی اس کی موت؟

ثمینہ یہ سب سوچ رہی تھی کہ اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اچھل پڑی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ شارق تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"سوچ رہی ہوں کہ اگر ہماری لانچ کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو ہمارا انجام کیا ہو گا؟" ثمینہ نے کہا۔

کو منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ایک نئی خوراک مل جائے گی اور کیا!" شارق نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"شاید ایسا ہی ہو۔" ث نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"تم کچھ اداس لگ رہی ہو؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں مجھے قہقہے لگانے چاہئیں؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "میری زندگی کے راستے کتنے بدل گئے ہیں۔" اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "میں کالج کی ایک

پروفیسر تھی۔ بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہی تھی۔ انہیں یہ بتاتی تھی کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔ لیکن خود اچھے برے میں تمیز کرنا بھول گئی۔ اور ایسے راستے پر نکل آئی ہوں جہاں قدم قدم پر ذلت ہے اور رسوائی ہے۔"

"اور اس کا ذمے دار میں ہوں۔" شارق نے کہا۔

"میں اپنی بربادی کا الزام کسی اور کو نہیں دوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں کوئی بچی نہیں تھی کہ صورتحال کا اندازہ نہ لگا سکتی۔ آج میں جس جگہ پر کھڑی ہوں اس کی ذمے دار میں خود ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم بہت زیادہ مایوس ہو۔" شارق نے کہا۔

"مایوسی اور امیدیں.... اب میرے لئے بے معنی چیزیں ہو کر رہ گئی ہیں۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اب تو میں وہ ہوں جو اس وقت میں ہوں۔ اسمگلر' قانون کو مطلوب... جس کا ہر لمحہ خوف میں گزر رہا ہے۔ پکڑے جانے کا دھڑکا تلوار کی طرح گردن پر لٹکا ہوا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔" شارق نے کہا۔ "لیکن بار بار اظہار افسوس کا کوئی فائدہ بھی تو نہیں ہے۔ ذہن پر بوجھ لادے رکھنے سے بہتر یہی ہے کہ اس پرخطر زندگی کو ایک چیلنج سمجھ کر قبول کر لو۔ اسے زندگی کا ایک ایڈونچر سمجھ لو۔ تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ کتنی سنسنی ہے اس زندگی میں۔ کتنا دلچسپ ہے بلی چوہے کا کھیل.....ہاں! یہ کھیل ہی تو ہے۔ کل رات سے اب تک اس کھیل میں کتنے سنسنی خیز موڑ آ چکے ہیں۔ سی کسٹمز کا سامنا... ٹیٹو اور مانڈا کی غداری... اس وقت تو لگتا تھا جیسے ہماری زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہیں۔ جیسے ہم بازی ہار رہے ہیں۔ لیکن پھر بازی ایک دم پلٹ گئی۔ تم نے خوفزدہ ہونے کے باوجود وہ کام کر دکھایا جس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہاری ہوئی بازی جیتنے میں کتنا لطف ہے؟ اس کا اندازہ تم نے لگا لیا ہو گا اور پھر میری ٹائم سیکیورٹی والوں کی آمد اور اس سے پہلے لانچ کے کپتان قاسم کی بلیک میلنگ... یہ سب کچھ کتنا عجیب سا لگتا ہے اور پھر یہ ایک نیا روپ! کتنی سنسنی ہے زندگی کے ان لمحات میں۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جب میں جیل سے نکلا اور پولیس اور منشیات فروشوں نے مجھے تنگ کرنا شروع کیا تو میں یہ سوچ کر اس لائن میں آیا تھا کہ ان لوگوں کے اندر رہتے ہوئے ان کا خاتمہ کروں گا۔ شروع میں کچھ کیا بھی۔ لیکن پھر میرا راستہ بدل گیا۔ میں غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہوتا چلا گیا۔ میرے ہاتھ خون میں رنگ گئے اور اس میں میرے اپنے ارادے کو بھی دخل تھا۔ میرا دامن داغدار ہو گیا۔ مجھے اس کا احساس

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ میں نے اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر میرے قدم اس راستے پر اٹھتے چلے گئے۔ اپنے آپ کو بے گناہ کہنے کا حق مجھ سے چھن گیا اور میں ایک باقاعدہ مجرم بن گیا۔ قاتل... منشیات فروش' متعدد سنگین جرائم میں پولیس کو مطلوب۔" وہ ایک بار پھر چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔

"تم میری ماں اور بہن سے مل چکی ہو۔ وہ میری ماں اور بہن نہیں لیکن میرے لئے سب کچھ وہی ہیں۔ وہ میری ان سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ میں ایک معزز شخص ہوں اور باعزت کاروبار کر رہا ہوں جس کے لئے مجھے اکثر کئی کئی روز تک گھر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ میرے اندر کا آدمی ابھی زندہ ہے۔ اور میں اپنے اندر کے اس آدمی کو مرنے نہیں دوں گا۔ تم جانتی ہو کہ کوئی بھی شخص پیدائشی مجرم نہیں ہوتا۔ اس کے کردار کی تشکیل اس کے اردگرد کا ماحول کرتا ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں' نولکھا تمہارے سامنے ہے' ٹیٹو کو بھی تم دیکھ چکی ہو۔ وہ کراچی یونیورسٹی کا گریجویٹ تھا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس نے اپنی خوشی سے جرائم کی دنیا میں قدم رکھا ہو گا۔ نہیں ثمینہ ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ انسان کا کردار اس کے اردگرد کا ماحول تشکیل دیتا ہے۔ غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارا معاشرہ کچھ عجیب سا ہے۔ غلطی کرنے والے کی اصلاح کرنے کے بجائے اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اسے مزید غلطیاں کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور پھر وہ شخص غلطیاں نہیں کرتا جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے اور اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے۔ معاشرے سے اسے نفرت ہو جاتی ہے وہ انتقام لینے پر تل جاتا ہے۔ ڈی کوسٹا تمہارے سامنے ہے۔ یہ بظاہر شریف اور باعزت انسان نظر آتا ہے۔ لیکن اس کا اصل روپ بھی تم نے دیکھ لیا ہے۔ یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اگر تم اس کا دل ٹٹول کر دیکھو تو تمہیں ایک سنسنی خیز کہانی سننے کو ملے گی۔ تم خود ہو.... کیا تم اپنی مرضی سے آئی ہو؟ نہیں ثمینہ؟ اپنی مرضی سے کوئی بھی شخص کیچڑ میں پیر نہیں رکھتا.... اور جب کوئی اس طاغوتی چکر میں پھنس جاتا ہے تو وہ باہر نہیں نکل سکتا۔ لاکھ ہاتھ پیر مارنے کے باوجود اسے حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی اب حالات سے سمجھوتہ کر ہی لینا چاہئے۔"

"اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ یہاں نہ ہوتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں اب بھی اداسی تھی۔

شارق نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جیسے جیسے بات آگے بڑھے گی ثمینہ کی اداسی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس نے موضوع بدل دیا تھا۔

دفعتاً" ثمینہ چونک سی گئی۔ سامنے بہت دور تاریکی میں کچھ روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی

تھیں۔ لگتا تھا جیسے کسی بہت بڑی عمارت میں چراغاں کیا گیا ہو۔

"کیا ہم ساحل کے قریب پہنچ رہے ہیں؟" اس نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ساحل! نہیں تو۔" شارق نے جواب دیا۔ "بلکہ ہمارے اور ساحل کے درمان گزرنے والے ہر لمحہ کے ساتھ مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"لیکن وہ جھلملاتی ہوئی روشنیاں۔ لگتا ہے کسی عمارت پر چراغاں ہو رہا ہے۔" ثمینہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"اوہ...وہ۔" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "وہ ساحل پر کوئی عمارت نہیں۔ بحری جہاز ہے اور شاید مسافر بردار جہاز ہے۔"

"اوہ!" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ بڑی دلچسپ نظروں سے ان روشنیوں کی طرف دیکھتی رہی جو لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی جا رہی تھیں۔ سمندر کی لہروں پر ہلکورے لیتی اور جھلملاتی ہوئی یہ روشنیاں بڑی پراسرار لگ رہی تھیں۔

لانچ خاصے فاصلے سے نکل گئی۔ ان کی لانچ کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ ثمینہ دونوں ہاتھ ریلنگ پر ٹکائے اس وقت تک ان جھلملاتی ہوئی روشنیوں کی طرف دیکھتی رہی جب تک وہ نظر آتی رہیں۔ پھر یکایک اسے احساس ہوا کہ وہ اکیلی کھڑی ہے۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ شارق وہاں نہیں تھا۔ ثمینہ کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ وہ کب وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا اور وہ ایک بار پھر مڑ کر تاریک سمندر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ اسے وقت کا اندازہ بھی نہیں تھا۔

"ثمینہ بی بی!" اپنے عقب میں نولکھا کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ "کھانا تیار ہو گیا ہے۔ سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

ثمینہ گہرا سانس لیتی ہوئی کیبن کی طرف مڑ گئی۔ نولکھا اس سے دو قدم آگے تھا۔ جب وہ کیبن میں داخل ہوئی تو نبی بخش میز پر کھانا لگا چکا تھا۔ شارق اور ڈی کوسٹا میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ قاسم بھی تھا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔

"کب پہنچیں گے ہم لوگ اس چٹان کے پاس؟" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر ہم لانچ کو اسی رفتار سے چلاتے جس رفتار سے روانہ ہوئے تھے تو بہت پہلے منزل پر پہنچ چکے ہوتے۔ لیکن ہم نے لانچ کی رفتار بہت کم رکھی ہے۔ اس رفتار سے ہم صبح چار بجے کے

aazzamm@yahoo.com

لگ بھگ اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔" قاسم نے کہا۔

"تو کیا ہم آج رات بھر بھی سفر کرتے رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی۔

"لگتا ہے تم نے پہلے کبھی سمندری سفر نہیں کیا۔" قاسم نے کہا۔

"نہیں۔ یہ پہلا اتفاق ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد ثمینہ اور شارق وغیرہ پھر عرشے پر آ گئے۔ وہ کچھ دیر تک ریلنگ کے سہارے کھڑے تاریک سمندر میں گھورتے رہے پھر عرشے پر بیٹھ گئے۔ یہاں کوئی کرسی وغیرہ نہیں تھی۔ وہ فرش پر ہی بیٹھے تھے۔ قاسم ایک بار پھر وہیل کیبن میں چلا گیا تھا اور اس کے دونوں آدمی عمر اور نبی بخش مختلف کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔

شارق، ثمینہ اور نولکھا کی زندگی میں بحری سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ شروع میں تو وہ خاصے پریشان ہوئے تھے لیکن اب کسی حد تک عادی ہو گئے تھے۔ ڈی کوسٹا البتہ کئی مرتبہ سمندری سفر کر چکا تھا۔ وہ حاجی عبداللہ کے گروہ کا آدمی تھا اور مختلف اوقات میں بحری جہازوں اور لانچوں کے ذریعے مختلف ممالک جا چکا تھا۔ وہ ان تینوں کو اپنی بیتی ہوئی مہمات کی داستانیں سنا رہا تھا اور وہ تینوں بڑی دلچسپی سے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ باتیں کرتے کرتے ڈی کوسٹا نے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ لیکن پیکٹ جیب میں نہیں تھا۔

"میں سگریٹ کا پیکٹ شاید کیبن ہی میں بھول آیا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "سگریٹ لے آؤں تو داستان کا باقی حصہ سناتا ہوں۔"

وہ کیبن میں آ گیا۔ اندر داخل ہو کر اس نے بتی جلائی اور اپنے بنک پر رکھا ہوا سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس اٹھا کر باہر آ گیا۔ وہ عرشے کی طرف واپس جانا ہی چاہتا تھا کہ کیبن کے دوسری طرف سرگوشیوں کی آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر تاریکی میں کوئی نظر نہیں آیا۔ سرگوشیاں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ ڈی کوسٹا کو آواز کی شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ عمر اور نبی بخش تھے جو بلوچی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔

ڈی کوسٹا تھوڑی بہت بلوچی زبان سمجھتا تھا ان دونوں کی سرگوشیانہ گفتگو میں ثمینہ کا نام سن کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے کچھ شبہ سا ہوا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کیبن کے دوسری طرف رسوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہ کسی چوپائے کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں پر چلتا ہوا رسوں کے اس ڈھیر کے قریب آ گیا۔ عمر اور نبی بخش رسوں کے اس ڈھیر کے دوسری طرف بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ ڈی کوسٹا نے رسوں کے انبار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ تاریکی میں ان کے

چہرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ دونوں بیڑیاں پی رہے تھے۔ ڈی کوسٹا فضا میں بیڑی کے پتے کی بو محسوس کر رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ اب وہ ان کی باتیں صاف طور پر سن سکتا تھا۔

"اڑے! قاسم استاد نے بولا ہے کہ آج ہی رات ان تینوں کو مار کر سمندر میں پھینک دے گا اور لانچ کو واپس لے جائے گا۔" یہ نبی بخش کی آواز تھی۔ وہ مزید کہہ رہا تھا۔ "اور سنا تم نے استاد قاسم بولتا ہے کہ لوہے کے اس ڈبے میں پانچ سو کلو ہیروئن ہے۔ کروڑوں روپے کا مال ہے۔ استاد قاسم یہ ہیروئن بیچ دے گا تو اپنے تو وارے نیارے ہو جائے گا۔ استاد قاسم ہم دونوں کو بھی حصہ دے گا۔ جانتا ہے۔ میں اپنے پیسے کا کیا کروں گا؟"

"کیا کرو گے؟" عمر نے پوچھا۔

"اڑے ہم بھی ایک لانچ خریدے گا۔ پھر تو ساری زندگی آرام سے گزر جائے گی۔" نبی بخش نے جواب دیا۔

"اڑے! تم بولا ان تینوں کو مار کر سمندر میں پھینک دے گا۔ مگر وہ تو چار ہیں۔ اس چھوکری کو بھول گئے کیا؟" عمر نے کہا۔

"چھوکری کو استاد قاسم اپنا پاس رکھے گا۔ اسے اپنے گھر والی بنائے گا۔ ایک بات ہے عمر۔" نبی بخش چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "وہ چھوکری ہے زوردار چیز۔ میں استاد قاسم کو بولوں گا کہ وہ ہم کو دے دے۔ اس کا تو اپنی گھر والی بھی ہے نا... وہ چھوکری ہم کو مل جائے گا تو ہمارا گھر بھی آباد ہو جائے گا۔"

"اڑے شکل دیکھا ہے اپنا۔" عمر نے کہا۔ "وہ چھوکری تو تم پر تھوکے گا بھی نہیں۔ کوئی اور بات سوچو نبی بخش وہ چھوکری تم کو نہیں ملے گا۔ لیکن یار ایک بات اپنا سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ لوگ تو چار ہے اور ہم تین..... ان لوگوں کو کیسا مار کر پھینکے گا؟"

"تم بھول گئے۔ اس بدمعاش کا پستول تو استاد قاسم کے پاس ہے۔ جسے مار کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔" نبی بخش نے جواب دیا۔ "استاد قاسم کا پروگرام یہ ہے کہ رات کو جب یہ لوگ سو جائے گا تو سب کو ایک ایک گولی مار کر لاشیں سمندر میں پھینک دے گا۔ صبح ہونے سے پہلے مچھلیاں ان کا گوشت کھا جائیں گی۔"

"اگر ان کے پاس بھی پستول مستول ہوا تو؟" عمر کے لہجے میں تشویش تھی۔

"اڑے یہی تو مزے کی بات ہے۔" نبی بخش نے کہا۔ "ان کے پاس پستول مستول نہیں ہے۔ اس لئے تو استاد قاسم نے یہ پروگرام بنایا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"کس وقت؟" عمر نے پوچھا۔

"رات کو ایک سے تین بجے کی درمیان۔ جب بھی موقع ملا۔" نبی بخش نے جواب دیا۔

"مگر وہ موٹا تو رات کو بھی سوتا ہی نہیں۔ کیا نام بولتا ہے اس کا۔ ہاں یاد آگیا۔ نولکا..... اس کا کیا کرے گا؟" عمر نے کہا۔

"اس کو بھی دیکھ لیں گے یار۔ تم فکر مت کرو۔" نبی بخش بولا۔

اس سے پہلے کہ عمر کچھ کہتا وہیل کیبن کی طرف سے قاسم کی آواز سنائی دی۔ وہ نبی بخش کو آوازیں دے رہا تھا۔

"چلو..... اٹھو..... استاد بلا رہا ہے۔" نبی بخش نے کہا۔

وہ دونوں اٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے سلگتی ہوئی بیڑی سمندر کی طرف اچھال دی اور وہ دونوں وہیل کیبن کی طرف چلے گئے۔

ڈی کوسٹا رسوں کے ڈھیر کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قاسم اس قسم کا کوئی منصوبہ بنا سکتا ہے۔ وہ زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔ پھر اسے یاد آگیا کہ وہ قاسم ہی تھا جس نے میری ٹائم سیکیورٹی کی لانچ دیکھ کر شارق کو بلیک میل کیا تھا اور رازداری کے عوض پانچ لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا۔ جبکہ معاملہ ایک لاکھ پر طے ہو گیا تھا قاسم بہت گھاگھ آدمی تھا۔ اسے شروع ہی سے ان پر شبہ تھا اور موقع ملتے ہی اس نے فائدہ اٹھایا تھا لیکن اب پھر اس کی نیت بدل گئی تھی۔ پہلے اس نے ایک لاکھ پر معاملہ طے کیا تھا لیکن اب وہ پورے مال پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا تھا اور اس کے لئے اس نے بہت ہی خوفناک منصوبہ بنایا تھا۔

جب وہ لوگ روانگی کی تیاری کر رہے تھے تو ڈی کوسٹا نے شارق کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کسی قسم کا اسلحہ بھی اپنے ساتھ لے چلیں لیکن شارق نے سختی سے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ کیونکہ لانچ پر ان کی حیثیت سائنس دانوں کی ہوتی اور اسلحہ کی موجودگی کسی قسم کے شبہے کا باعث بن سکتی تھی۔

دفعتاً" ڈی کوسٹا کو یاد آگیا کہ ٹیٹو والے پستول پر شارق نے قبضہ کر لیا تھا اور قاسم کو شاید اس کا علم نہیں تھا۔ وہ یقیناً یہ سمجھا ہو گا کہ پستول صرف مانڈا کے پاس تھا جسے اس نے خود چھین کر مانڈا کو گولی مار دی تھی۔ پستول قاسم کے قبضے میں تھا اور اسے یقیناً یہ علم نہیں تھا کہ ان کے پاس بھی پستول ہے۔

ڈی کوسٹا اس وقت تک رسوں کے ڈھیر کے پیچھے دبکا رہا جب تک عمر اور نبی بخش وہیل

کیبن کی طرف جا کر نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئے۔ ان کے غائب ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے اس طرف چلنے لگا جہاں شارق وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ بھی رہا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تم کیبن میں جا کر سو گئے۔ کہاں رہ گئے تھے؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ پستول کہاں ہے جو تم نے ٹیٹو سے چھینا تھا؟" ڈی کوسٹا نے شارق کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"کیوں.....؟ خودکشی کرنے کا ارادہ ہے کیا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اس وقت ہم بہت سنگین قسم کی صورتحال سے دوچار ہیں شارق۔" ڈی کوسٹا کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"کیا ہوا..... قیامت آنے والی ہے کیا؟" شارق نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔" ڈی کوسٹا نے کہا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "قاسم اور اس کے ساتھیوں نے آج رات ہمیں قتل کر کے سمندر میں پھینک دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔ قاسم ہمیں ختم کر کے اس ہیروئن پر قبضہ کرنا چاہتا ہے جس کے لئے ہم یہ ساری مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ اسی لئے میں نے تم سے اس پستول کا پوچھا تھا۔"

"اوہ!" شارق اچھل پڑا۔ "پستول میرے پاس ہے لیکن تمہیں یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا۔"

"میں کیبن سے سگریٹ کا پیکٹ لے کر باہر نکلا ہی تھا کہ کیبن کے پچھلی طرف سے عمر اور نبی بخش کی باتوں کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ بلوچی میں باتیں کر رہے تھے اور میں یہ زبان تھوڑی بہت سمجھتا ہوں۔ میں رسوں کے ڈھیر کے پیچھے چھپ کر ان کی باتیں سننے لگا۔ ان کا منصوبہ یہ ہے کہ آج رات ایک اور تین بجے کی درمیان جب ہم سو رہے ہوں تو ہمیں گولیاں مار کر لاشیں سمندر میں پھینک دی جائیں اور لانچ کا رخ موڑ کر واپس چلے جائیں۔ قتل کا منصوبہ ہم تینوں کے لئے ہے۔ ثمینہ کے لئے قاسم نے ایک اور پروگرام بنا رکھا ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے پوچھا۔ ڈی کوسٹا کی باتیں سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔

"قاسم تمہیں اپنی گھر والی بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے جبکہ نبی بخش بھی تمہارا امیدوار ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"قاسم کا گلا تو میں اپنے ہاتھ سے گھونٹوں گی۔" ثمینہ نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔ "دن میں جب میری ٹائم سیکیورٹی کے آدمی لانچ چیک کر رہے تھے تو اس وقت بھی قاسم نے کہا تھا کہ

aazzamm@yahoo.com

یہ میری گھر والی ہے۔ اس وقت بھی میرا خون کھول اٹھا تھا۔ لیکن صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر میں خاموش رہی تھی اس حبشی کو تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "جب تک ہم زندہ ہیں کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔"

"قاسم کے پاس وہ پستول ہے جو اس نے مانڈا سے چھینا تھا۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "ان کے پاس چھریاں یا خنجر وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن انہیں یہ پتہ نہیں ہے کہ تمہارے پاس بھی پستول موجود ہے۔ آج رات...."

"فکر مت کرو۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر ہمیں اس منصوبے کا پتہ نہ چلتا تو شاید لاعلمی میں مارے جاتے لیکن اب جبکہ ہم قاسم کے اس گھناؤنے پروگرام سے آگاہ ہو چکے ہیں تو گویا ان کی اپنی زندگیاں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔"

ڈی کوسٹا نے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ ایک کش لگا کر اس نے دھواں اگلا اور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہیل کیبن کی طرف سے کسی کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ قاسم تھا جو ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب ہمیں یا ہماری لانچ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تھوڑی دیر سو لینا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بھی اگر چاہو تو سو جاؤ۔ صبح چار بجے ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"ہاں۔ ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ تھوڑی دیر سو لیا جائے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن ابھی تو شاید دس بھی نہیں بجے۔ کچھ دیر اور یہاں بیٹھیں گے۔ پھر سو جائیں گے اپنے کیبن میں جا کر۔ تم جاؤ.... آرام کرو۔"

قاسم انہیں شب بخیر کہتا ہوا دوبارہ وہیل کیبن کی طرف چلا گیا۔ اس سے ذرا آگے چلا گیا تھا جہاں ڈیزل کے ڈرموں کے قریب عمریا نبی بخش نے بوریاں وغیرہ ڈال کر سونے کی جگہ بنا رکھی تھی۔

"نولکھا۔" شارق نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم شروع ہی سے قاسم کے ساتھ لگے رہے ہو لانچ کے بارے میں کچھ سمجھے ہو یا نہیں۔"

"راستوں کو سمجھنا تو اپنی سمجھ میں نہیں آیا لیکن لانچ کو بند کرنا۔ اسٹارٹ کرنا۔ لنگر گرانا لنگر اٹھانا اور پہیے کو قابو کرنا سمجھ لیا ہے۔"

"یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے کسی اناڑی کو گاڑی کے کلچ بریک اور گیئر وغیرہ کے بارے میں زبانی

طور پر بتا کر اسے کہہ دیا جائے کہ گاڑی کو کسی پرہجوم سڑک پر لے جائے۔" شارق نے کہا۔

"نہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "ایکسی ڈنٹ نہیں ہونے دوں گا۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے تم لوگوں کا؟" شارق نے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"پروگرام یہی ہے کہ ہم اپنے اپنے بستروں پر لیٹے رہیں گے لیکن اپنی آنکھیں کھلی رکھیں گے۔ یہ لوگ جیسے ہی کچھ کرنا چاہیں گے جوابی کارروائی کریں گے۔"

"میرا خیال ہے نولکھا اپنے بستر پر نہیں جائے گا۔" شارق نے کہا۔ "یہ عرشے پر عمریا نبی بخش کے ساتھ رہے گا۔ اس طرح کم از کم ایک آدمی کو تو یہ سنبھال لے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "ایک کیا۔ اگر وہ دونوں اکٹھے ہوئے تو میں ان دونوں کو سنبھال لوں گا۔"

"اور ہم تینوں۔" شارق نے ثمینہ اور ڈی کوسٹا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج رات ایک ہی کیبن میں گزاریں گے۔ اس طرح جو بھی کیبن میں آئے گا اس سے نمٹنے میں آسانی رہے گی۔"

وہ لوگ پروگرام طے کرنے کے بعد موضوع بدل کر باتیں کرتے رہے۔ نولکھا نے اچانک ہی اونچی آواز میں ماہیا گانا شروع کر دیا تھا۔ اس کی پاٹ دار آواز تاریکی میں سمندر کی لہروں پر دور دور تک پھیل رہی تھی۔

گیارہ بجے ثمینہ، شارق اور ڈی کوسٹا اٹھ کر کیبن میں آ گئے۔ نولکھا وہیں بیٹھا اونچی آواز میں ماہیا گاتا رہا۔

کیبن میں چار بنک تھے۔ دو نیچے اوپر ایک دیوار کے ساتھ اور دو دوسری دیوار کے ساتھ۔ اس طرح کیبن میں چار افراد کے سونے کی جگہ تھی۔ ثمینہ اور شارق ایک دیوار والے بنکس پر لیٹ گئے۔ ثمینہ اوپر والے بنک پر تھی اور شارق نیچے۔ ڈی کوسٹا ساتھ والی دیوار کے نیچے والے بنک پر لیٹ گیا۔ وہ دونوں اپنے اپنے بنک پر اس طرح لیٹے تھے کہ سر ایک دوسرے کے قریب تھے انہوں نے کیبن کی بتی نہیں جلائی تھی۔ وہ دونوں تاریکی میں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔

"ضروری نہیں کہ یہ لوگ ایک اور تین بجے کے درمیان کوئی کارروائی کریں۔ یہ اپنے منصوبے پر اس سے پہلے بھی عمل کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ہر لمحہ محتاط رہنا ہو گا۔" شارق نے کہا اور لباس میں چھپا ہوا پستول نکال کر اپنے سامنے اس طرح رکھ لیا کہ اسے کسی بھی وقت ہاتھ میں لیا جا سکتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھی اور ثمینہ اوپر والے بنک پر لیٹی اس تازہ ترین صورتحال کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ موت ان کے اردگرد منڈلا رہی تھی اور اس تاک میں تھی کہ یہ لوگ پلک جھپکیں تو انہیں جھپٹ لے۔ لیکن مرنے کو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔ سب ہی موت سے پنجہ آزمائی کے منصوبے بنا رہے تھے۔

ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اگر انہیں اس سازش کا پتہ نہ چلتا تو وہ بڑی آسانی سے اس کا شکار ہو جاتے۔ شارق، نولکھا اور ڈی کوسٹا کو قتل کر دیا جاتا اور ثمینہ قاسم کے قابو میں آ جاتی۔ لیکن اپنے خلاف اس سازش سے آگاہ ہو کر وہ لوگ ہوشیار ہو چکے تھے۔

اس وقت غالباً بارہ بج چکے تھے۔ کیبن میں تاریکی اور سناٹا تھا۔ یکایک ثمینہ کو خیال آیا کہ شارق اور ڈی کوسٹا سو تو نہیں گئے۔ کیونکہ اب ان کی سرگوشیوں کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ اس نے اپنے بنک سے ذرا سا نیچے جھک کر ہلکی سی سرگوشی کی۔

"شارق!"

"ہاں۔ کیا بات ہے؟" شارق کا جواب بھی سرگوشی میں ملا۔

"کچھ نہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم لوگ سو تو نہیں گئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔ ہم لوگ جاگ رہے ہیں۔" اس مرتبہ ڈی کوسٹا نے جواب دیا۔

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ شارق اپنے بنک سے اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا کیبن کے دراوزے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ عرشے کی طرف سے اب نبی بخش یا عمر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ بلوچی میں کوئی گیت گا رہا تھا لیکن آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔

"ابھی تک تو خیریت ہے۔" شارق نے دروازہ بند کرتے ہوئے سرگوشی کی اور اپنے بنک پر لیٹ گیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر وقت کی رفتار کچھ سست ہو جاتی ہے لیکن ثمینہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے وقت بالکل تھم گیا ہو۔

کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ کتنا وقت گزرا ہو گا لیکن دفعتاً باہر قدموں کی آواز سن کر وہ تینوں چونک گئے۔ پھر پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ تینوں بڑی پھرتی سے اپنے اپنے بنک سے اتر کر دروازے کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے ہو گئے۔ اب اگر دروازہ کھلتا تو وہ دروازے کی آڑ میں ہوتے۔

ثمینہ کسی کے ساتھ چپک کر کھڑی تھی۔ اب اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ شارق تھا یا ڈی

کوسٹا۔ لیکن خوف کے باعث وہ اسی کے ساتھ چپکی جا رہی تھی۔

قدموں کی آواز دروازے کے قریب آ کر رک گئی۔ شارق نے پستول ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے خاموشی رہی اور قدموں کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا واپس جا رہا تھا چند سیکنڈ بعد شارق نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے ان میں سے کوئی یہ دیکھنے آیا تھا کہ ہم لوگ جاگ تو نہیں رہے۔"

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" ڈی کوسٹا نے سرگوشی کی۔ "مجھے یقین ہے کہ اب وہ لوگ کوئی کارروائی کرنے والے ہوں گے۔"

ان آوازوں سے ثمینہ سمجھ گئی تھی کہ اس کے ساتھ ڈی کوسٹا ہی کھڑا تھا اور شارق اس سے آگے دروازے کی طرف تھا۔ ثمینہ سرک کر کچھ پیچھے ہٹ گئی مگر ڈی کوسٹا بھی اس سے چپکا جا رہا تھا۔

تقریباً تین منٹ گزر گئے۔ باہر قدموں کی آواز ایک بار پھر سنائی دینے لگی۔

"ہوشیار!" شارق نے سرگوشی کی۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی اور بالآخر دروازے کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ ثمینہ غیرارادی طور پر ڈی کوسٹا کے ساتھ چپک گئی۔

چند سیکنڈ گزر گئے اور پھر یوں لگا جیسے باہر سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ آہستہ گھمایا جا رہا ہو۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو کیا ہو گا۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ شارق سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا لیا تھا۔ دروازہ مزید کھلتا چلا گیا اور پھر دفعتاً تاریکی میں ایک شعلہ چمکا اس کے ساتھ ہی فائر کی آواز گونجی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس نے دروازے کے باہر ہی سے فائر کیا تھا۔ لیکن فائر کے جواب میں کوئی چیخ نہ سن کر اس نے دروازہ جھٹکے سے کھول دیا اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔

شارق اس موقع کا منتظر تھا۔ باہر صرف وہیل کیبن کی بتی جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی یہاں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ دروازے میں داخل ہونے والے کا چہرہ اگرچہ واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اسے شناخت کرنے میں شارق کو زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ قاسم تھا اس نے پستول والا ہاتھ آگے نکال رکھا تھا۔

شارق نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور پستول سے قاسم کے ہاتھ پر زوردار ضرب لگائی۔ قاسم کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ اس نے ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی اس مرتبہ سامنے دیوار پر اوپر والے بنک پر

aazzamm@yahoo.com

گئی۔ شارق نے بھی گولی چلا دی۔ اس کی گولی دوسری دیوار میں لگی تھی۔

اسی لمحے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ قاسم تھا جو دوڑتا ہوا انجن والے کیبن کی آڑ میں چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھیوں سے چیخ کر کچھ کہا تھا۔ شارق بھی کیبن سے باہر آگیا اور اس نے زمین پر لیٹ کر آواز کی طرف فائر کر دیا۔

دوسری طرف نولکھا لانچ کے عرشے پر بچھی ہوئی بوری پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ بظاہر سو رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر عمر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔ وہ جب کش لگاتا تو روشنی کا ننھا سا نقطہ چمک اٹھتا۔

پھر دفعتاً نولکھا چونک گیا۔ عمر نے بیڑی عرشے کی ریلنگ کی طرف اچھال دی تھی اور اب وہ کسی چوپائے کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں پر رینگتا ہوا نولکھا کی طرف آ رہا تھا۔ نولکھا آنکھوں میں جھری پیدا کئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گیا اور پھر قمیض کے اندر ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی۔ وہ چاقو تھا جس کا بلیڈ وہیل کیبن سے آنے والی مدھم سی روشنی میں چمک رہا تھا۔ نولکھا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور وہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

خاموش فضا اچانک ہی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی عمر سانپ کی طرح بڑی تیزی سے نولکھا کی طرف لپکا۔ اس نے چاقو والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور نولکھا کے سینے پر وار کر دیا۔

نولکھا اچانک ہی حرکت میں آگیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے عمر کی کلائی تھام لی اور اسے زور دار جھٹکا دیا۔

عمر کے لئے یہ صورت حال بالکل غیر متوقع تھی۔ اس کا خیال تھا کہ نولکھا سویا ہوا تھا اور وہ بڑے اطمینان سے چاقو اس کے دل میں اتار دے گا۔ لیکن یہاں اسے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نولکھا نے اس کی کلائی پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا؟ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ نولکھا نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے عمر کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ عمر کچھ دیر پٹتا رہا پھر وہ بھی سنبھل گیا۔

عمر نولکھا کے مقابلے میں کم عمر اور دبلا پتلا تھا اور نولکھا سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہو رہا تھا۔ وہ لڑائی کا بھی ماہر تھا۔ اس نے سنبھلتے ہی نولکھا پر حملے شروع کر دیئے۔ اس کی ایک ٹھوکر نولکھا کی دائیں پنڈلی پر لگی۔ نولکھا کراہ اٹھا۔ وہ ذرا نیچے جھکا تو عمر نے سر کی زور دار ٹکر اس کے سر پر ماری۔ نولکھا کراہتا ہوا پیچھے گرا۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ عمر نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

نولکھا پٹتا رہا۔ وہ عمر کو گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن عمر اچھل اچھل کر اس پر حملے کر رہا تھا اور بالآخر اس کی ٹانگ نولکھا کے ہاتھ میں آگئی۔ نولکھا نے ٹانگ کو زور دار جھٹکا دیا۔ عمر ایک ٹانگ پر گھوم گیا اور پھر لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ نولکھا نے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اسے چھاپ لیا۔

کیبن کی طرف سے یکے بعد دیگرے دو اور گولیوں کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی قاسم کے چیخنے کی آواز بھی سنائی دی تھی اس نے غالباً اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا تھا۔ نولکھا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دوسری طرف بھی معرکہ شروع ہو چکا تھا۔

نولکھا نے عمر کو اس طرح دبوچ رکھا تھا کہ وہ حرکت کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ وہ نبی بخش کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔

نبی بخش وہیل کیبن میں تھا۔ وہ وہیل چھوڑ کر کیبن سے نکلا اور عمر اور نولکھا کی طرف دوڑا۔ اس کے ہاتھ میں بھی چاقو تھا جس کا پھل بلب کی مدھم روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس نے آتے ہی نولکھا پر حملہ کر دیا۔ نولکھا بڑی پھرتی سے ایک طرف جھک گیا۔ نبی بخش اپنی ہی جھونک میں آگے نکل گیا۔ نولکھا نے عمر کی گردن کو ایک زور دار جھٹکا دے کر ایک طرف پھینک دیا اور نبی بخش کی طرف لپکا جو چاقو والا ہاتھ آگے کو نکالے اس پر حملے کے لئے پر تول رہا تھا۔

نبی بخش نے جیسے ہی حملہ کیا نولکھا نہ صرف پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا بلکہ اس نے اپنی ٹانگ بھی آگے نکال دی تھی۔ اس کی ٹانگ نبی بخش کی ٹانگوں میں پھنس گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور پھر اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ نولکھا نے تیزی سے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ عرشے پر تڑپ رہا تھا اور اس کا اپنا ہی چاقو دستے تک اس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر پیوست تھا۔ وہ اس انداز میں گرا تھا کہ اس کا چاقو اپنے ہی سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔ سینے سے بہنے والا خون فرش پر پھیل رہا تھا۔

اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر عمر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے عرشے پر پڑا ہوا اپنا چاقو اٹھایا اور چیختا ہوا نولکھا پر حملہ آور ہوا۔ نولکھا غافل نہیں تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے عمر کی کلائی پکڑ لی اور دونوں میں چاقو کی لئے کشمکش ہونے لگی۔ دفعتاً نولکھا کا پیر فرش پر پھسلا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ وہ سنبھلنا ہی چاہتا تھا کہ عمر نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس مرتبہ بھی نولکھا اگر اس کی کلائی نہ پکڑ لیتا تو چاقو اس کے سینے میں پیوست ہو جاتا۔

عمر نولکھا کے سینے پر سوار تھا۔ چاقو کی نوک نولکھا کے گلے کی طرف تھی۔ نولکھا نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی تھام رکھی تھی اور وہ کلائی موڑتے ہوئے چاقو کا رخ بدلنے کی کوشش کر

aazzamm@yahoo.com

رہا تھا۔ چاقو کی نوک کبھی اس کی شہ رگ کے قریب آ جاتی اور کبھی وہ اسے ہٹانے میں کامیاب ہو جاتا۔

عمر دبلا پتلا ہونے کے باوجود بے پناہ طاقت کا مالک تھا۔ اور اس وقت تو اس کی ساری طاقت بازوؤں میں سمٹ آئی تھی۔ وہ یہی کوشش کر رہا تھا کہ چاقو نولکھا کے حلق میں پیوست ہو جائے مگر نولکھا بھی بڑی مہارت سے اپنا دفاع کر رہا تھا۔

دفعتاً" نولکھا کے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی۔ اس نے عمر کو دونوں پیروں سے اوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ اس نے دونوں پیر عمر کے پیٹ پر جما دیئے اور اسے بتدریج اوپر اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔ عمر اب اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں تھا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ نولکھا نے اسے پوری طرح اوپر اٹھا دیا اور ایک زور دار جھٹکا دے کر اپنے پیچھے کی طرف اچھال دیا۔

عمر کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ وہ نولکھا کے سر کے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتا ہوا ریلنگ کے اندر سے نکل کر سمندر میں جا گرا تھا۔

نولکھا پھرتی سے اٹھ گیا۔ عمر کا چاقو عرشے کے کنارے پر پڑا تھا۔ اس نے لپک کر چاقو اٹھا لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا لانچ ہلکی رفتار سے ایک طرف جا رہی تھی۔ وہیل کیبن میں کوئی نہیں تھا۔ لیکن انجن والے کیبن کی آڑ میں اسے قاسم نظر آ گیا جو وقفے وقفے سے فائرنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے شارق بھی فائرنگ کا جواب دے رہا تھا۔ فائرنگ کی آواز سے اس نے شارق کی پوزیشن کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ رسوں کے ڈھیر کے پیچھے پوزیشن لئے ہوئے تھا۔ ثمینہ اور ذی کوشا نظر نہیں آ رہے تھے۔ شاید وہ کیبن میں پناہ لئے ہوئے تھے۔

نولکھا چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر چاقو سنبھالے دبے قدموں بائیں طرف چلنے لگا۔ عرشے پر ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ اس طرف نکل آیا جہاں باورچی خانے کی جگہ بنی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ انجن کا کیبن تھا۔ قاسم اس کیبن کے دوسری طرف سے شارق پر فائرنگ کر رہا تھا۔

نولکھا چاقو سنبھالے دبے قدموں کیبن کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ بالآخر وہ قاسم کے پیچھے پہنچ گیا۔ قاسم اور اس کے درمیان صرف دو فٹ کا فاصلہ تھا نولکھا نے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر چاقو کی نوک قاسم کی پشت سے لگا دی۔

"بس! اب تمہارا کھیل ختم ہو گیا قاسم۔ پستول پھینک دو۔" نولکھا کے حلق سے بھیڑیئے کی سی غراہٹ نکلی۔

نتیجہ نولکھا کی توقع کے برعکس نکلا۔ اس کا خیال تھا کہ قاسم پستول پھینک کر شرافت سے ہاتھ اٹھا لے گا لیکن وہ بڑی تیزی سے نیچے جھکتے ہوئے گھوم گیا۔ اس کے پستول کا رخ نولکھا کے

سینے کی طرف تھا۔ اس نے ٹرائیگر دبا دیا۔ لیکن کوئی دھماکہ نہیں ہوا۔ پستول سے صرف اٹک کی آواز نکل کر رہ گئی۔ میگزین خالی ہو چکا تھا۔ اس پستول کی ساری گولیاں وہ شارق سے مقابلے میں ضائع کر چکا تھا۔

نولکھا کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ وہ قاسم کے سامنے چاقو لہراتے ہوئے بولا۔

"اب کہاں جاؤ گے بچو! تمہاری گولیاں تو ختم ہو گئیں۔ اب میرا کمال دیکھو۔"

قاسم کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے خوفزدہ نگاہوں سے نولکھا کی طرف دیکھتا رہا پھر نبی بخش اور عمر کو آوازیں دینے لگا۔

"وہ لوگ اب نہیں آئیں گے۔" نولکھا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا ایک آدمی تو اپنے ہی چاقو سے موت کے گھاٹ اتر گیا۔ اس کی لاش عرشے پر پڑی ہے اور دوسرا سمندر میں گر گیا۔ اسے بھی اب تک مچھلیاں کھا چکی ہوں گی۔ اب تمہاری باری ہے۔ تم ہمارے ہاتھ سے مرنا پسند کرو گے یا مچھلیوں کے خوراک بننا چاہو گے؟"

قاسم کی چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہونے لگے۔ وہ الٹے قدموں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ پھر اس نے اچانک ہی ہاتھ میں پکڑا ہوا خالی پستول نولکھا پر دے مارا۔ اس کی یہ حرکت نولکھا کے لئے غیر متوقع تھی۔ اس نے بچنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ پستول اس کے سینے پر لگا۔ ضرب خاصی زور دار تھی نولکھا کراہتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ قاسم نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر نولکھا کے چاقو والے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی۔ چاقو نولکھا کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔

نولکھا سیدھا ہونا چاہتا تھا کہ قاسم نے اس کے سینے پر سر سے زور دار ٹکر ماری۔ نولکھا ایک بار پھر کراہتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ قاسم نے اس کے منہ پر اس طرح ٹھوکر ماری جیسے فٹ بال کو کک لگائی جاتی ہے۔ نولکھا پھر الٹ گیا۔ قاسم نے اس کے جسم پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ لیکن پھر نولکھا کو بھی سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

وہ اٹھ کر قاسم سے لپٹ گیا۔ قاسم کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ کچھ دیر تک اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتا رہا مگر نولکھا کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ قاسم نے اس کے بازو پر دانت گاڑھ دیئے۔ اس کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ نولکھا بلبلا اٹھا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ قاسم نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن وہ زیادہ دور نہیں جا سکا تھا۔

شارق اچانک ہی تاریکی سے نکل کر سامنے آ گیا تھا۔ قاسم ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس نے

aazzamm@yahoo.com

پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس طرف سے نولکھا نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ قاسم خوفزدہ انداز میں کیبن وال کی طرف بڑھنے لگا لیکن اس کے قدم ایک بار پھر رک گئے۔ اس طرف ڈی کوسٹا کھڑا تھا۔ اس کے بائیں طرف چند فٹ کے فاصلے پر ثمینہ کھڑی تھی۔

لانچ شتر بے مہار کی طرح سمندر کی لہروں پر اچھلتی ہوئی جا رہی تھی۔ قاسم نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے موت ناچتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ ناکام ہو گیا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی مارے جا چکے تھے اور وہ ان دشمنوں میں گھر گیا تھا جنہیں اس نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

قاسم اس کھیل کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ خود اسمگلر نہیں تھا لیکن اس کی لانچ کئی مرتبہ اسمگلروں کے استعمال میں رہی تھی۔ اور اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ اسمگلر اپنے دشمن کو کسی صورت میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ انسانی زندگی ان کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ صرف دولت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور پھر یہاں معاملہ لاکھ دو لاکھ کا نہیں کروڑوں کا تھا۔ لانچ کے نچلے حصے میں جو آہنی کنٹینر بندھا ہوا تھا اس میں پانچ سو کلو ہیروئن تھی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عالمی منڈی میں اس ہیروئن کی قیمت کروڑوں ڈالر تھی۔

اس ہیروئن پر قبضہ کرنے کے لئے پہلے خود ان لوگوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ ٹیٹو اور اس کے ساتھی مانڈا نے ان لوگوں کو قتل کر کے ہیروئن پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس معرکے میں قاسم نے شارق کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ پارٹی کا لیڈر شارق تھا اور قاسم سمجھ گیا تھا کہ ٹیٹو اور مانڈا کرائے کے آدمی تھے جن کی نیتوں میں فتور آ گیا تھا۔ لیکن وہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ مانڈا تو قاسم ہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور ٹیٹو نے اپنی جان بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور اس طرح مچھلیوں کی خوراک بن گیا تھا۔

قاسم کی دل میں دراصل شروع ہی سے لالچ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لالچ کی دو وجوہات تھیں۔ کروڑوں ڈالر مالیت کی ہیروئن اور اس سے بڑھ کر حسین و جمیل ثمینہ۔ پینٹ شرٹ میں ثمینہ کا حسن و شباب اس کے دل پر قیامت ڈھا رہا تھا۔ قاسم نے ان لوگوں کے بارے میں یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ یہ لوگ اس کاروبار میں نئے تھے۔ خصوصاً ثمینہ کے بارے میں تو اسے یقین تھا کہ وہ اسمگلروں کے کسی گروہ کے ساتھ پہلی مرتبہ کسی ایسے ٹور پر جا رہی تھی۔ وہ ڈری ڈری اور سہمی سہمی سی تھی اور قاسم نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ راستے میں وہ ثمینہ ہی کے ذریعے کوئی سازش تیار کرے گا۔ نجانے اسے یہ یقین کیوں ہو گیا تھا کہ وہ ثمینہ کو پھانسنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسے

اگر کوئی اندیشہ تھا تو ٹیٹو اور مانڈا کی طرف سے۔ وہ دونوں ہی چھٹے ہوئے اور پیشہ ور لگتے تھے۔

قاسم کے ذہن میں بھی کوئی منصوبہ واضح نہیں تھا۔ لیکن پھر ٹیٹو والا واقعہ پیش آ گیا۔ ان دونوں کے خاتمے کے بعد میری ٹائم سیکیورٹی کی لانچ کو آتے دیکھ کر قاسم نے شارق کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی اور ایک لاکھ میں معاملہ طے کر لیا۔ حالانکہ بلیک میلنگ اس کا مقصد نہیں تھا۔ وہ لاکھ دو لاکھ پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نظریں تو پورے مال اور ثمینہ پر تھیں۔ لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی اس حرکت نے شارق کو ہوشیار کر دیا تھا۔

مانڈا کا پستول قاسم کے قبضے میں آ گیا تھا۔ وہ یہ بھی اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ ٹیٹو کا پستول شارق کے پاس تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹیٹو نے اپنی جان بچانے کے لئے بدحواسی میں سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور اس کا پستول بھی اس کے پاس تھا۔

قاسم نے ثمینہ کو ورغلانے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ اس طرح قابل عمل نہیں ہو سکا تھا کہ ثمینہ ہر وقت شارق کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔ وہ اس سے الگ ہوتی تو قاسم کوئی کوشش کرتا مگر اس کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ پھر پستول ہاتھ آ جانے کے بعد اس نے دوسرا منصوبہ بنایا اس نے عمر اور نبی بخش کو اپنی سازش کے بارے میں بتا دیا۔

نولکھا عام طور پر عرشے پر ہی رہتا تھا۔ اس نے عمر اور نبی بخش کو سمجھا دیا کہ جیسے ہی پہلی گولی چلے وہ اس کا خاتمہ کر دیں۔ ثمینہ اور شارق ایک کیبن میں اور ڈی کوسٹا دوسرے کیبن میں ہوتا تھا۔ لیکن رات کو جب اس نے ان تینوں کو ایک ہی کیبن میں جاتے دیکھا تو یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ اس طرح اس کا کام بھی کچھ اور آسان ہو گیا تھا۔ وہ تینوں ایک کیبن میں ہوں گے تو انہیں ٹھکانے لگانے میں آسانی رہے گی۔

اور پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ لوگ سو چکے ہوں گے تو قاسم نے عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا نولکھا عرشے پر سو رہا تھا۔ اس نے عمر کو اشارہ کیا اور خود پستول سنبھالے کیبن کی طرف بڑھنے لگا اس نے بڑی آہستگی سے کیبن کا دروازہ کھولا تھا۔ دروازے کے بالکل سامنے والی دیوار میں نیچے اور اوپر دو بنک تھے۔ اسے یقین تھا کہ دو افراد تو اس بنک پر سوئے ہوئے ہوں گے۔ اس نے دروازہ کھولتے ہی ایک بنک پر گولی چلا دی تھی۔ لیکن پھر اسے چونک جانا پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جسے بھی گولی لگے گی وہ چیخے گا ضرور۔ لیکن گولی کے جواب میں خاموشی پا کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ایک عجیب سا شبہ اس کے ذہن میں ابھرا اور وہ دروازہ پوری طرح کھول کر مزید آگے بڑھ گیا اور پھر وہ سب کچھ ہو گیا جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شارق اور اس کے ساتھی کسی طرح اس کی سازش سے واقف ہو چکے تھے۔ بازی پلٹ گئی تھی

aazzamm@yahoo.com

اس کے دونوں ساتھی مارے جا چکے تھے۔ نبی بخش کی لاش اس کے سامنے عرشے پر پڑی تھی اور وہ چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ یہ چاروں اسے انسان نہیں موت کے فرشتے لگ رہے تھے۔

قاسم نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح لانچ کے انجن والے کیبن تک پہنچ جائے تو اپنے آپ کو بچا سکتا تھا۔ اگر موت ہی اس کا مقدر بن چکی تھی تو وہ اکیلا نہیں مرے گا۔ ان چاروں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبے گا لیکن انجن والے کیبن کی طرف اب نولکھا کھڑا تھا۔ وہ انسان نہیں جلاد تھا۔

قاسم نے ایک بار پھر گھوم کر ادھر ادھر دیکھا۔ شارق ہاتھ میں پستول سنبھالے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ ڈی کوسٹا بھی آگے آ رہا تھا۔ البتہ ثمینہ اپنی جگہ کھڑی تھی۔ قاسم کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ یہ حصار کا کمزور پہلو تھا۔ یہ سوچتے ہوئے قاسم نے ثمینہ کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ کسی طرح ثمینہ کو اپنی گرفت میں لے کر اس کے ذریعے انہیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے گا۔ اگر وہ ثمینہ کو گرفت میں نہ بھی لے سکا تو اسے اوپر سے گھوم کر انجن والے کیبن تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔ اس نے جیسے ہی ثمینہ کی طرف چھلانگ لگائی شارق نے پستول کا ٹرائیگر دبا دیا۔ پستول سے سٹک کی آواز ابھر کر رہ گئی۔ شارق کا پستول بھی خالی ہو چکا تھا۔ وہ پستول پھینک کر قاسم کے پیچھے دوڑا۔

قاسم ثمینہ کی طرف لپکا۔ ثمینہ غافل نہیں تھی۔ وہ بھی غالباً قاسم کے ارادے کو بھانپ گئی تھی۔ قاسم جیسے ہی قریب پہنچا ثمینہ نہ صرف پھرتی سے ایک طرف جھک گئی بلکہ اس نے ایک پیر بھی آگے کر دیا تھا۔ اس کا پیر قاسم کی ٹانگوں میں الجھا اور قاسم چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے اٹھ کر ثمینہ پر جھپٹنا چاہا تھا مگر پھر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ شارق بہت قریب پہنچ چکا تھا۔

قاسم نے مڑ کر دوسری طرف دوڑ لگا دی۔ وہ اوپر سے گھوم کر انجن والے کیبن کی طرف جانا چاہتا تھا مگر نولکھا دوڑتا ہوا اس طرف آ گیا۔ قاسم بری طرح بدحواس ہو گیا۔ اس نے مڑ کر ریلنگ کی طرف چھلانگ لگا دی۔ دوسری طرف سے شارق نے دوڑ کر اس کا راستہ روکنا چاہا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ قاسم چیختا ہوا اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا تاریک سمندر میں جا گرا۔

وہ چاروں دوڑتے ہوئے ریلنگ کے قریب پہنچ گئے۔ تاریکی میں قاسم کی ایک دو چیخیں سنائی دیں اور پھر اسے لہروں نے نگل لیا۔

"خس کم جہاں پاک۔" نولکھا نے تاریک سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہاں تو اس خس سے پاک ہو گیا۔ اب لانچ کو دیکھو۔" شارق نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ

جہاں ہمارے وجود سے بھی پاک ہو جائے۔"

نولکھا اور شارق وہیل کیبن میں آ گئے۔ شارق کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ لانچ آٹو پائلٹ پر تھی اور اس کا رخ بھی اس طرف تھا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ شارق نے ایک طرف لگی ہوئی گھڑی دیکھی۔ ساڑھے تین بج رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ تقریباً آدھ گھنٹے میں اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے لیکن سب سے بڑا مسئلہ لانچ کو کنٹرول کرنے کا تھا۔

"تم لانچ کو سنبھال سکو گے یا ہم سمندر میں ہی بھٹکتے رہیں گے۔" شارق نے پوچھا۔

"فکر مت کرو شارق باؤ۔" نولکھا نے لانچ کا کنٹرول سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں قاسم کے ساتھ دن لئے لگا رہتا تھا کہ اسے تھوڑا بہت ہینڈل کرنا سیکھ لوں۔"

"خدا کرے تم اسے ہینڈل کر لو۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ اور ڈی کوسٹا بھی وہیل کیبن میں آ گئے تھے۔ ثمینہ مختلف ڈائلز کو دیکھ رہی تھی۔ پانچ بجے کے لگ بھگ دن کی روشنی پھیلنے لگی تو ثمینہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ اٹھی۔

"وہ..... وہ دیکھو..... وہ چٹان نظر آ رہی ہے۔"

شارق وغیرہ اس طرف دیکھنے لگے اور پھر تیزی سے کیبن سے نکل کر عرشے پر آ گئے۔ صرف نولکھا کنٹرول وہیل سنبھالے رہ گیا تھا شارق، ثمینہ اور ڈی کوسٹا عرشے کی ریلنگ کے سہارے کھڑے ہو کر سامنے دیکھنے لگے۔ بہت دور صبح کے دھندلکے میں ایک بہت بڑی چٹان کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔

"نولکھے!" شارق نے وہیں سے چلا کر کہا۔ "لانچ کا رخ چٹان کی طرف موڑ دو۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ لانچ کہیں ٹکرا نہ جائے۔"

"فکر مت کرو شارق باؤ۔" نولکھا نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ "ہم انشاء اللہ خیریت سے پہنچ جائیں گے۔"

فضا میں دھند سی تھی۔ لانچ کی رفتار کم ہو گئی۔ اب وہ بہت سست روی سے چٹان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ نولکھا نے لانچ کی تمام بتیاں بھی روشن کر دی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے وہیل گھمائے ہوئے تھا اور کسی ماہر ملاح کی طرح اسے کبھی دائیں اور کبھی بائیں حرکت دے رہا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد لانچ چٹان کے بہت قریب پہنچ گئی۔ اب دھند بھی چھٹنے لگی تھی۔ صرف نولکھا ہی کو نہیں بلکہ سب کو یہ اندیشہ تھا کہ لانچ کہیں پانی میں چھپی ہوئی کسی چٹان سے نہ ٹکرا جائے۔ نولکھا صرف چند گھنٹے قاسم کے ساتھ رہا تھا۔ اور ان چند گھنٹوں میں سطحی طور پر چند باتیں تو سمجھی جا سکتی تھیں لیکن ملاح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن نولکھا نے ان چند

aazzamm@yahoo.com

گھنٹوں میں قاسم سے جو کچھ سمجھا تھا اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

چٹان لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھی۔ چٹان کیا تھی تقریباً دو مربعہ میل پر پھیلا ہوا ایک چھوٹا سا چٹانی جزیرہ تھا جس پر گھاس کا ایک تنکا تک نہیں تھا۔ اگرچہ یہ جزیرہ ساحل کے قریب ہوتا تو اس طرح ویران نہ ہوتا۔ ساحل سے تقریباً ڈھائی سو میل دور ہونے کی وجہ سے ہی یہ ویران پڑا تھا۔

تقریباً پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ لانچ پانی میں چھپی ہوئی ایک چٹان سے ٹکرا گئی۔ اگر رفتار تیز ہوتی تو شاید لانچ کے ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔ لیکن رفتار نہ ہونے کے برابر تھی اس لئے اس تصادم کے بعد بھی یہ لوگ محفوظ رہے تھے۔ البتہ لانچ زیر آب چھوٹی چھوٹی چٹانوں میں پھنس گئی تھی۔ اب یہ بات نولکھا کے بس میں نہیں تھی کہ لانچ کو وہاں سے نکال سکتا۔ اس نے انجن بند کر دیا۔ پتھروں میں پھنسی ہوئی لانچ ہلکے ہلکے ہلکورے لینے لگی۔

"قصہ تمام شد۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم اس چٹان پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی تھی۔

"تم شاید بھول رہی ہو کہ مال لینے کے لئے ایک جہاز یہاں آنے والا ہے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم اس جہاز کے کپتان سے کہیں گے کہ وہ ہمیں کسی ویران ساحل پر اتار دے۔ امید ہے کہ وہ ہماری یہ درخواست رد نہیں کرے گا۔"

"لیکن.... وہ جہاز کب آئے گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"میرے خیال میں اب سے ایک گھنٹے بعد اس جہاز کو یہاں پہنچ جانا چاہئے۔" اس مرتبہ ڈی کوسٹا نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ لانچ کے عرشے پر بیٹھ گئے۔ ہوا خاصی تیز تھی۔ اس میں نمی زیادہ تھی جس کی وجہ سے چپ چپاہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔

"ایک دن اور دو راتیں۔" شارق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "یہ ہماری زندگی کا سب سے سنسنی خیز دور تھا۔ پانچ انسان اپنی زندگیوں سے محروم ہوئے اور ہمارے سروں پر بھی خوف کی تلوار لٹکتی رہی۔"

"خوف کی یہ تلوار تو اب بھی ہمارے سروں پر لٹکی ہوئی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اگر میری ٹائم سیکیورٹی یا بحری کسٹمز کی کوئی لانچ اس طرف نکل آئی تو ہم دھر لئے جائیں گے۔ پہلے دو مرتبہ تو بات بن گئی تھی لیکن اب ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔"

"ہم اس وقت آزاد سمندر میں ہیں۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "یہاں ہم محفوظ ہیں۔ البتہ ہم جیسے ہی کسی ملک کی سرحد میں داخل ہوں گے وہاں کے قانون کے مطابق ہمارے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔"

"یار شارق باؤ۔" نولکھا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ساری رات ہمارے ساتھ بڑے ڈرامے ہوتے رہے ہیں۔ میرا تو جسم بھی تھک گیا ہے اور دماغ بھی۔ میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ چائے پی لیں اور کچھ کھا پی بھی لیں۔ تاکہ دماغ کچھ سوچنے کے قابل تو ہو سکے۔"

"میں چائے بناتی ہوں۔ تم ڈبوں میں سے کچھ کھانے کو نکال لو۔" ثمینہ بھی کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

نولکھا تو کیبن کی طرف چلا گیا اور ثمینہ اس طرف جہاں کچن کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ اسے چائے بنانے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے اس دوران نولکھا بھی بسکٹوں کے ڈبے نکال لایا تھا۔ "ہمارے کپڑے اس کمبخت نے پتہ نہیں کہاں چھپا دیئے ہیں ان کپڑوں میں تو اب الجھن ہونے لگی ہے۔" شارق نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتہ ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "انجن روم کی ایک دیوار کے تختوں کے پیچھے وہ سوٹ کیس رکھا ہوا ہے۔ اتفاق سے میں نے نبی بخش کو وہ تختہ کھولتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

چائے پینے کے بعد نولکھا وہاں سے اٹھ کر انجن روم میں آ گیا۔ ثمینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ کیبن میں داخل ہو کر نولکھا ایک دیوار کے قریب بیٹھ گیا اور اسکریو ڈرائیور سے دیوار میں لگے ہوئے پیچ کھولنے لگا۔ چار پیچ کھل جانے سے لکڑی کا ایک تختہ الگ ہو گیا۔ دیوار میں پیدا ہونے والے اس خلا میں وہ سوٹ کیس رکھا ہوا تھا جسے باہر نکال کر اس نے ثمینہ کے حوالے کر دیا اور خود تختے کو دوبارہ اس کی جگہ پر فٹ کرنے لگا۔

ثمینہ وہ سوٹ کیس لے کر اپنے کیبن میں آ گئی۔ اس نے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور سوٹ کیس میں سے اپنے کپڑے نکال کر پہننے لگی۔ پینٹ شرٹ اور جوگرز میں وہ اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ فٹ محسوس کرنے لگی تھی۔

ثمینہ کیبن سے باہر آ گئی۔ ڈی کوسٹا عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے بھی باری باری کیبن میں جا کر کپڑے بدل لئے۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ کل ثمینہ نے غروب آفتاب کا دلچسپ و حسین منظر دیکھا تھا۔ سمندر پر طلوع آفتاب کا منظر اس سے کہیں زیادہ حسین تھا۔

aazzamm@yahoo.com

سورج جیسے جیسے بلند ہو رہا تھا دھوپ میں تپش آتی جا رہی تھی۔ جہاز ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ جہاز ہفتہ کی صبح اس چٹان کے پاس پہنچے گا۔ کوئی وقت مقرر نہیں تھا لیکن صبح کا وقت بیت رہا تھا۔ اور اب تو دوپہر ہونے والی تھی۔ وہ سب ہی اپنی اپنی جگہ کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے۔ ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اگر جہاز نہ پہنچا تو وہ اسی لانچ یا چٹان پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے ختم ہو جائیں گے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ شارق کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ یہ چٹان آبی گزرگاہ سے بہت ہٹ کر ہے جس کا مطلب تھا کہ اس طرف کسی اور جہاز کے آنے کی بھی توقع نہیں تھی جسے کسی طرح اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا۔

پونے بارہ کے قریب افق پر ایک جہاز کا ہیولہ سا دکھائی دیا۔ جہاز کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ جہاز اسی طرف آ رہا تھا۔ اسے وہاں پہنچنے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا اور پھر وہ جہاز اس چٹان سے تقریباً نصف میل دور ہی لنگر انداز ہو گیا۔

شارق وغیرہ اس طرف دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک کشتی جہاز سے سمندر میں اتاری گئی۔ اس کے ساتھ ہی دو آدمی بھی کشتی میں آ گئے۔ وہ ایک چھوٹی موٹر بوٹ تھی جو لہروں کو چیرتی ہوئی ان کی لانچ کے قریب آ گئی۔ وہ دونوں آدمی کشتی سے لانچ پر آ گئے تھے۔ وہ دونوں پاکستانی ہی تھے۔ کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ یہ وہی لوگ تھے جن کے حوالے وہ مال کرنا تھا۔

"مال کہاں ہے؟" ان میں لطیف نامی شخص نے پوچھا۔

"مال تمہارے حوالے کر دیا جائے گا لیکن ہمیں ایک پرابلم درپیش ہے۔" شارق نے کہا۔

"وہ کیا؟" لطیف نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

شارق نے اپنا مسئلہ بیان کر دیا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"ہم میں سے کوئی بھی لانچ چلانا نہیں جانتا۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی جہاز پر سوار کر لیا جائے اور کسی ساحل پر اتار دیا جائے۔ وہاں سے ہم اپنا بندوبست خود ہی کر لیں گے۔"

"کپتان سے بات کرنی پڑے گی۔" لطیف نے کہا۔ "وہ کینیڈین ہے اور میرا خیال ہے کہ تمہاری بات مشکل ہی سے مانے گا کیونکہ ہمیں صرف مال اٹھانے کو کہا گیا تھا کسی آدمی کو نہیں۔"

"چلو.....میں خود بات کرتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

لطیف اور شارق موٹر بوٹ پر آ گئے۔ پھر کچھ سوچ کر شارق نے ثمینہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ انہیں جہاز تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ یہ مال بردار جہاز تھا اور زیادہ بڑا نہیں تھا۔ جہاز کراچی کی بندرگاہ سے روانہ ہوا تھا اور اس کی منزل کینیڈا تھی جہاز کا کپتان بھی کینیڈین تھا۔ وہ

بڑی مشکل سے انہیں ساتھ لینے پر آمادہ ہوا تھا۔

"ہمارا راستہ اگرچہ مختلف ہے لیکن ہم ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے مسقط کی طرف نکل جائیں گے۔ وہاں تم لوگوں کو ساحل پر اتار دیا جائے گا اور اگر قسمت نے ساتھ دیا تو گوادر پہنچ جاؤ گے۔ اسمگلروں کی لانچیں مسقط اور گوادر کی درمیان چکر لگاتی رہتی ہیں۔"

شارق نے ثمینہ کو جہاز پر ہی چھوڑ دیا اور لطیف کے ساتھ موٹر بوٹ پر سوار ہو کر لانچ کی طرف واپس چلا گیا۔

لانچ کے نیچے سے ہیروئن سے بھرا ہوا وہ آہنی کنٹینر نکالنے میں تقریباً دو گھنٹے لگ گئے۔ سب لوگ بوٹ پر آ گئے۔ شارق نے لانچ کے عرشے پر رکھا ہوا ڈیزل کا ایک ڈرم اوندھا دیا۔ ڈیزل عرشے پر پھیلتا چلا گیا۔ شارق نے ریلنگ کے قریب آ کر ایک کپڑے کو آگ لگائی اور اسے عرشے پر پھینک دیا اور خود بڑی پھرتی سے رسے سے لٹک کر موٹر بوٹ میں آ گیا۔ موٹر بوٹ فوراً ہی حرکت میں آ گئی۔

جب وہ جہاز پر پہنچے تو چٹان کے قریب کھڑی ہوئی لانچ سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ اور یہ شعلے بتدریج بلند ہوتے جا رہے تھے۔

جہاز حرکت میں آ گیا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ وہاں سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ شارق، ثمینہ، نولکھا اور ڈی کوسٹا جہاز کے عرشے کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑے شعلے اگلتی ہوئی لانچ کو دیکھ رہے تھے جو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

○

ماجھا گجر کی تلملاہٹ قابل دید تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنا ہی گلا گھونٹ لے۔ شارق اور ثمینہ کا مندر سے بھاگ جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ نہ صرف بھاگ گئے تھے بلکہ یعقوب کو بھی قتل کر گئے تھے۔ یعقوب اس کا ایک مضبوط ستون تھا جو گر گیا تھا۔

شارق بڑی مشکل سے اس کے ہاتھ لگا تھا۔ لیکن وہ جس طرح نکل بھی گیا تھا اس سے ماجھا گجر بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اس کے اس طرح بھاگ جانے کا مطلب تھا کہ اب وہ ان پر بھرپور وار کرے گا۔ ماجھا کو اپنے آدمیوں پر اس بات پر بھی طیش آ رہا تھا کہ رات کو جب شارق اور ثمینہ کو پکڑ کر مندر والے اڈے پر لایا گیا تھا تو اسے اطلاع کیوں نہیں دی گئی تھی۔ حالانکہ رات بارہ بجے تک وہ خود مندر میں رہا تھا۔ اسے کسی اور ذریعے سے یہ اطلاع تو مل گئی تھی کہ شارق کے ڈیرے کو آگ لگا دی گئی تھی۔ پھر وہ یعقوب کو یہ ہدایت کر کے اپنی نہر والی کوٹھی پر آ گیا تھا کہ شارق کے سلسلے میں کوئی اطلاع ملے تو اسے فوری طور پر اطلاع دے دی جائی لیکن شارق کے

aazzamm@yahoo.com

ساتھ ثمینہ کو دیکھ کر یعقوب کی رال ٹپک پڑی تھی اور اس کی ہوس نے ہی اسے موت کی نیند سلا دیا تھا۔

شارق ایک بار پھر اپنی خفیہ پناہ گاہ میں جا چھپا تھا اور ماجھے کے آدمی اس کا سراغ لگانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اپنے آدمیوں سے مایوس ہو کر ماجھے نے خود شارق کی تلاش شروع کر دی تھی۔ اس سلسلے میں راجہ کا نام سامنے آیا تھا۔ راجہ بھی شارق کا آدمی تھا۔ اور ماجھے کو اس بات پر حیرت تھی کہ اس نے اسکریپ سے بھرا ہوا ٹرک کیوں لیا تھا اور پھر دوسرے دن اسکریپ واپس کیوں کر دیا تھا۔ ماجھے کو شبہ تھا کہ اسکریپ کی آڑ میں مال کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا ہو گا۔ لیکن راجہ کہاں تھا؟ وہ بھی اسی طرح غائب ہو گیا تھا جیسے اس دنیا میں اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

اور پھر اسی رات مزنگ میں گھومتے ہوئے گاما اس کی نظروں میں آ گیا تھا جو ایک ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ پولیس اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ ماجھا گجر تھانے کے باہر کھڑا گامے کی واپسی کا انتظار کرتا رہا اور بالآخر گاما تھانے سے باہر نکلا تو ماجھے نے اس کا تعاقب شروع کر دیا اور ایک سنسان جگہ پر اسے گرفت میں لینے کی کوشش کی مگر گاما اسے گندے پانی والے چھپڑ میں ڈھیر کر کے بھاگ نکلا تھا۔

ماجھا گجر اپنے آدمیوں پر برہم تو تھا ہی لیکن اب اسے اپنے آپ پر بھی طیش آ رہا تھا۔ وہ گامے کو قابو نہیں کر سکا تھا۔ بلکہ اسے خود ذلیل ہونا پڑا تھا۔ چھپڑ سے نکلنے کے بعد وہ سیدھا اپنی نہر والی کوٹھی پر آیا تھا اس کے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے جس سے گاڑی کی سیٹ بھی خراب ہو گئی تھی۔ جب وہ کوٹھی پہنچا تو چوکیدار اسے کیچڑ میں لت پت دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

"کاکا کہاں ہے؟" ماجھے نے گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی گاڑی روک لی تھی۔

"وہ چھت پر ہے جی۔" چوکیدار نے جواب دیا۔

"اسے بلاؤ اور کہو یہ گاڑی صاف کرے۔" ماجھا کہتے ہوئے گاڑی سے اتر کر آگے بڑھ گیا۔

جب سے شارق مندر سے فرار ہوا تھا ماجھے نے دو گن مین اپنی کوٹھی پر تعینات کر دیئے تھے کیونکہ اسے شارق کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی کا اندیشہ تھا۔ ان دونوں گن مینوں میں سے ایک ہر وقت چھت پر موجود رہتا تھا۔

ماجھا پورچ والے دروازے سے اندر داخل ہونے کی بجائے پہلو کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ایک باتھ روم تھا اور اس سے آگے راہداری کے اختتام پر ایک طرف ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا اور دوسری طرف ہال میں داخلے کا راستہ۔ یہ

باتھ روم دراصل ڈرائنگ روم میں آنے والے مہمانوں کے لئے مخصوص تھا۔ ماجھا اس باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

اس کے کپڑوں سے اب بھی کیچڑ ٹپک رہا تھا۔ چہرہ اور ہاتھ پیر بھی کیچڑ میں لت پت تھے۔ اسے اپنے آپ سے کراہیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ باتھ روم میں داخل ہو کر اس نے بڑی احتیاط سے کپڑے اتار کر ایک کونے میں ڈال دیئے اور شاور کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ شاور کے نیچے کھڑا نہاتا رہا۔ اس دوران اس نے تین مرتبہ اپنے جسم پر صابن ملا تھا اور بالآخر مطمئن ہو کر اس نے تولیہ لپیٹا اور باتھ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا اور الماری میں سے استری شدہ کپڑے نکال کر پہننے لگا۔ کپڑے بدل کر وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ تقریباً اسی وقت کاکا اندر داخل ہوا اس کے کندھے پر آٹومیٹک رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"گاڑی کیچڑ میں کیسے بھر گئی استاد؟" اس نے دروازے ہی میں رک کر پوچھا۔

"آج تو میرے ساتھ ڈرامہ ہو گیا۔" ماجھے نے کہا۔ "میں وزیر علی کی طرف گیا تھا۔ گاڑی بازار میں کھڑی کر دی تھی۔ میں خود وزیر علی کی طرف چلا گیا تھا۔ تمہیں پتہ ہے اس کا گھر گندے نالے کے پرلی طرف ہے۔ واپس آتے ہوئے میں نے سوچا لمبا چکر لگانے کے بجائے چھلانگ لگا کر نالہ پار کر لیا جائے۔ اندھیرے میں اندازے کی غلطی ہو گئی اور میں گندے نالے میں جا گرا۔ اس وقت آس پاس کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو میری مدد کرتا۔ بڑی مشکل سے نکلا تھا نالے سے..... میرے کپڑے پچھلے غسل خانے میں پڑے ہیں۔ انہیں پانی میں کھنگال کر باہر ڈال دو۔ بعد میں دھوبی کو دے دینا۔ اور غسل خانے کو اچھی طرح دھو دینا.... اور ہاں.... گاڑی صاف کر دی؟"

ماجھے نے آخر میں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کیچڑ کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنا دی تھی۔ ظاہر ہے وہ یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ اسے گامے نے کیچڑ میں رگیدا تھا۔

"منیر گاڑی صاف کر رہا ہے۔" کاکے نے جواب دیا۔

"اچھا جاؤ..... تم چائے بنا کر لاؤ اور یہ ٹیلی فون ذرا میرے پاس رکھ جاؤ۔" ماجھے نے کہا۔

کاکا نے اسٹینڈ پر رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھا کر اس کے سامنے کافی ٹیبل پر رکھ دیا اور باہر چلا گیا۔ ماجھے نے ٹیلی فون اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دو بند سے ملانے کے بعد اس نے کریڈل دبا دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ٹیلی فون صوفے پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد کاکا چائے بنا کر لے آیا۔ ماجھا گجر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ شارق کو کہاں تلاش کرے۔ لیکن شارق سے زیادہ اب اسے گامے کی ضرورت تھی جس نے اسے ذلیل کیا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک گامے کو سبق نہیں سکھائے گا اسے چین نہیں

aazzamm@yahoo.com

آئے گا۔

چائے پیتے ہوئے اسے اچانک ہی ایک اور خیال آیا۔ ایک ایسے شخص کا نام اس کے ذہن میں آ گیا تھا جس سے راجہ کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا تھا۔ اس کا نام شکور تھا اور وہ مغل پورہ میں رہتا تھا۔ راجہ سے اس کی بڑی یاری تھی اور ماجھے سے بھی اس کے تعلقات تھے۔ ماجھے کو یقین تھا کہ شکور سے راجہ کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔

"اوئے کاکے!" اس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے آواز دی۔

کاکا فوراً ہی حاضر ہو گیا۔ "جی استاد جی۔"

"گاڑی صاف ہو گئی؟" ماجھا نے پوچھا۔

"منیر گاڑی صاف کر رہا ہے استاد جی۔ بس تھوڑا ہی کام رہ گیا ہے۔ سیٹوں پر سوکھا کپڑا پھیر رہا ہے۔" کاکا نے جواب دیا۔

"تم گاڑی لے کر مغل پورے چلے جاؤ اور شکور کو لے کر آؤ۔ اس سے کہنا ماجھے نے بلایا ہے۔ بہت ضروری کام ہے۔" ماجھے نے کہا۔

"اچھا استاد جی۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔" کاکا کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

ماجھا کچھ دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر ہال کمرے میں آ گیا جہاں ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹی وی آن کر کے دور درشن لگا دیا۔ اس وقت فلم آ رہی تھی۔ مار دھاڑ سے بھرپور یہ فلم خاصی دلچسپ تھی۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھا فلم دیکھتا رہا۔

فلم اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی۔ یہ انجام بھی مار دھاڑ سے بھرپور تھا۔ ماجھے نے اٹھ کر ٹی وی بند کر دیا اور دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ ساڑھے بارہ بجے تھے۔ ٹھیک اسی لمحہ کار بنگلے میں داخل ہو کر رکی اور تھوڑی ہی دیر بعد سامنے والے دروازے کی طرف سے کاکا اور شکور کی باتوں کی آواز سنائی دی۔

"کاکا! میں یہاں ہوں۔ ہال کمرے میں۔ شکور کو یہیں لے آؤ۔" ماجھے نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ہال میں آ گئے۔ شکور نے اس طرح آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا تھا جیسے وہ پیر و مرشد کے سامنے حاضری دے رہا ہو۔

"آج ہماری یاد کیسے آ گئی استاد۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم بھول ہی گئے ہو؟" شکور نے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو نہیں بھولا لیکن تم ہی لوگ مجھے بھولتے جا رہے ہو۔" ماجھے نے کہا۔ "آج ایک کام

آن پڑا ہے تم سے۔"

"حکم کرو استاد۔" شکور نے کہا۔ "کوئی بندہ اٹھوانا ہے۔"

"یہی سمجھ لو۔" ماجھے گجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس طرح نہیں جس طرح سمجھ رہے ہو۔"

"پھر کیسے استاد؟" شکور نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جسے اٹھانا ہے وہ تمہارا بہت گہرا دوست ہے۔ تم اسے کہیں بھی لے جا سکتے ہو۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ اسے اٹھانے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ تم بڑی آسانی سے معلوم کر سکتے ہو؟"

"کھل کر بات کرو استاد۔" شکور نے کہا۔

"راجہ آج کل کہاں غائب ہے۔" ماجھا گجر نے سوال کیا۔

"وہ آج کل گامے کے ساتھ لگا ہوا ہے۔" شکور نے جواب دیا۔ "اتفاق سے آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ بڑی جلدی میں تھا۔ کوئی تفصیلی بات بھی نہیں ہو سکی۔ مگر تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے شارق سے آج کل میری نسل چل رہی ہے۔ اس نے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے ہاتھوں میرے کئی بندے بھی ضائع ہو چکے ہیں لیکن شارق کسی طرح قابو میں ہی نہیں آ رہا۔ کل رات وہ ہاتھ تو لگ گیا تھا لیکن یعقوب کو قتل کر کے بھاگ گیا۔ اس کے بعد کوئی پتہ نہیں وہ کہاں غائب ہے۔ راجہ اگر گامے کے ساتھ لگا ہوا ہے تو اسے شارق کے ٹھکانے کا پتہ ہو گا۔ کسی طرح راجہ سے یہ معلوم کر لو کہ گامے یا شارق کہاں ہے۔ میں تمہیں اتنا انعام دوں گا کہ یاد کرو گے۔"

"مجھے انعام کا لالچ نہیں ہے استاد۔" شکور نے کہا۔ "میں ایک دو دن میں راجہ کو تلاش کر کے اس سے معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"کوشش ہی نہیں کرنی۔ یہ کام ہر صورت میں کرنا ہے۔ لو یہ خرچ وغیرہ کے لئے رکھ لو۔" ماجھا گجر نے جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

شکور نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے۔ وہ کچھ دیر تک شارق ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے پھر شکور جانے کے لئے اٹھ گیا۔

"اسے چھوڑ آؤ کاکا۔" ماجھا گجر نے کاکا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سونے کے لئے جا رہا ہوں۔ واپس آ کر مجھے جگا مت دینا۔"

شکور کے جانے کے بعد ماجھا گجر اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ

aazzamm@yahoo.com

نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

کئی روز گزر گئے۔ شارق کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ اس دوران دو مرتبہ شکور سے بھی ملاقات ہوئی تھی لیکن وہ بھی راجہ یا گاما کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکا تھا۔ اور پھر ایک روز ماجھا گجر کے لئے یہ اطلاع بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی کہ شارق کو سرخ رنگ کی شیراڈ میں حاجی عبداللہ کے ایک آدمی کے ساتھ سمن آباد کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ ماجھا گجر حاجی عبداللہ کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا شمار پاکستان میں منشیات کے ان چند اسمگلروں میں ہوتا تھا جو پوری دنیا میں منشیات سپلائی کرتے تھے۔ وہ بہت سے ممالک کو مطلوب تھا پاکستان کی حکومت بھی اس کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ مگر یہاں کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ اس کی گرفتاری حکومت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ سکتی تھی۔

حاجی عبداللہ پاکستان میں آزادی سے گھومتا پھرتا تھا۔ لاہور میں اس کی بہت جائیداد تھی۔ ایبٹ روڈ پر ایک سینما بھی تھا۔ حاجی عبداللہ کو مقامی طور پر ہیروئن یا دیگر منشیات کی سپلائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ منشیات صرف بیرون ملک سمگل کرتا تھا۔ دس بیس کلو ہیروئن کے گاہکوں کو تو وہ گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا۔ اس کا مال تو منوں کے حساب سے نکلتا تھا لیکن ماجھا گجر کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ اس سے شارق کا کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ حاجی عبداللہ کے کسی آدمی کے ساتھ دیکھے جانے کا مطلب یہ تھا کہ شارق حاجی عبداللہ سے ملا ہو گا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حاجی عبداللہ جیسے شخص سے ملنا یا اس تک رسائی حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ ماجھا گجر اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اسے خود حاجی عبداللہ سے ملنا ہوتا تو پہلے اسے کئی سفارشیں تلاش کرنا پڑتیں۔ ان سفارشوں کے باوجود یا تو وہ مصروفیت کا بہانہ کر کے ملنے سے صاف انکار کر دیتا یا ملاقات کے لئے کئی روز تک انتظار کرنا پڑتا لیکن..... شارق اس تک کیسے پہنچ گیا تھا۔

ماجھا گجر نے اپنے ذرائع سے یہ معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ شارق حاجی عبداللہ تک کیسے پہنچا تھا۔ اس کا حاجی عبداللہ کے دو تین آدمیوں سے رابطہ ہوا بھی لیکن ان میں سے کوئی بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ شارق اور حاجی عبداللہ میں کوئی ملاقات ہوئی بھی تھی یا نہیں۔

ماجھا گجر بری طرح چکرایا ہوا تھا۔ نہ تو راجہ کا پتہ چل رہا تھا نہ ہی گامے کا اور نہ ہی شارق کا۔ البتہ شارق کے بارے میں اس انکشاف نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔

اور پھر ایک روز اچانک ہی شارق اس کی نظروں میں آ گیا۔ وہ سرخ رنگ کی شیراڈ میں تھا اور اسکے ساتھ ثمینہ بھی تھی۔ وہ گاڑی اس نے ریلوے اسٹیشن کے قریب دیکھی تھی جو گھومتی

ہوئی گڑھی شاہو کی طرف جا رہی تھی۔ ماجھا گجر نے فوراً ہی اس سرخ شیراڈ کا تعاقب شروع کر دیا۔ بوہڑ والا چوک تک تو اس نے اپنے اور شیراڈ کے درمیان ایک گاڑی حائل رکھی۔ اس علاقے میں رش تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ اگر زیادہ فاصلہ رکھا گیا تو شارق کی گاڑی غائب نہ ہو جائے لیکن بوہڑ والا چوک کے ذرا آگے نکلتے ہی اس نے فاصلہ بڑھا دیا۔

گڑھی شاہو کے چوک سے شارق کی گاڑی ریلوے پل کی طرف مڑ گئی۔ ماجھا گجر موڑ پر پہنچا ہی تھا کہ پل کی طرف سے آنے والی ایک مسافر ویگن تیزی سے اس طرف مڑی۔ ماجھا گجر نے اپنی گاڑی بڑی پھرتی سے بائیں طرف موڑ دی لیکن وہ بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ نہ صرف ویگن اس کی گاڑی سے ٹکرا گئی بلکہ کنارے پر کھڑا ہوا پھلوں کا ایک ٹھیلا بھی اس کی گاڑی سے ٹکرا کر الٹ گیا۔

ویگن کے ٹکرانے سے ماجھا گجر کی گاڑی کا اس طرف کا ہیڈ لیمپ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اپنا یہ نقصان نظر انداز کرنے کو تیار تھا مگر ٹھیلے والا اسے نظر انداز کرنے کو تیار نہیں تھا۔

اس جھگڑے کو طے کرنے میں تقریباً دس منٹ لگ گئے۔ ماجھا گجر نے گاڑی طوفانی رفتار سے دوڑا دی۔ پل کے دوسری طرف کوآپریٹو سٹور والے موڑ پر وہ رک گیا اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ شارق کی گاڑی بائیں طرف گئی ہو گی یا دائیں سمت باغبانپورہ کی طرف۔ بالآخر اس نے گاڑی جی ٹی روڈ پر باغبانپورہ کی طرف موڑ دی۔ وہ گاڑی کو طوفانی رفتار سے دوڑا رہا تھا۔ کئی مرتبہ حادثہ ہوتے ہوتے بچا تھا ماجھا گجر شالامار باغ تک پہنچ گیا لیکن شارق کی گاڑی کا سراغ نہیں ملا۔ بیس منٹ کا مارجن بہت زیادہ تھا۔ شارق کسی اور طرف نکل گیا ہو گا۔

ماجھا گجر کو بے حد افسوس ہوا تھا۔ شارق ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اسے مسافر ویگن اور ٹھیلے والے پر بے حد غصہ آ رہا تھا جن کی وجہ سے شارق کو نکلنے کا موقع مل گیا تھا شارق اگرچہ نکل گیا تھا لیکن اس کی گاڑی کا نمبر اس نے نوٹ کر لیا تھا۔ اسے امید تھی کہ اس گاڑی کے ذریعے وہ شارق کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

تیسرے دن رات کو اسے ایک بار پھر یہ اطلاع ملی کہ شارق کو گڑھی شاہو میں ایک ڈاکٹر کے کلینک سے نکلتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ اطلاع دینے والے نے یہ بھی بتایا تھا کہ شارق کے ساتھ ایک بوڑھی عورت اور ایک جوان اور خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ وہ کلینک سے نکل کر سرخ رنگ کی شیراڈ میں بیٹھے تھے۔ انہیں دیکھنے والا شخص گاڑی کا نمبر نوٹ نہیں کر سکا تھا۔ نمبر معلوم نہ ہونے کے باوجود ماجھے کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ وہی گاڑی تھی جس میں اس روز شارق اور ثمینہ کو اس نے دیکھا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ بوڑھی عورت اور جوان لڑکی کون تھی۔ مخبر نے جو حلیہ

aazzamm@yahoo.com

بتایا تھا وہ ثمینہ سے بہت مختلف تھا اور یوں بھی زیر زمین دنیا کے بہت سے لوگ اب ثمینہ کو پہچان چکے تھے کیونکہ شارق اسے ہر وقت اپنے ساتھ لئے پھرتا تھا۔

تو پھر وہ بوڑھی عورت اور جوان لڑکی کون تھی؟

یہ سوال ماجھا گجر کے ذہن میں مسلسل گردش کر رہا تھا مگر اس سوال کا کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ اس کی ماں یا بہن بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شارق کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا' تو پھر وہ بوڑھی عورت اور جوان لڑکی کہاں سے ٹپک پڑی۔ مخبر نے بتایا تھا کہ شارق اور وہ لڑکی اسی بوڑھی عورت کو سہارا دیئے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ عورت بیمار تھی اور شارق اسی کو دکھانے کے لئے لایا تھا۔ ماجھے کے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ شارق گڑھی شاہو میں کہیں رہ رہا ہو۔ اگر وہ کسی اور علاقے میں ہوتا تو اسی علاقے کے کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا۔ شہر کے ہر علاقے میں اچھے ڈاکٹر موجود تھے۔

ماجھا گجر نے اپنے آدمی کو ہدایت کر دی کہ وہ کلینک کی نگرانی کرتا رہے اور جیسے ہی شارق نظر آئے اسے اطلاع کر دی جائے یا کسی بھی طرح پکڑنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اب اس نے گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ ذمہ داری اپنے ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دی جو کچھ پڑھا لکھا بھی تھا۔

لیکن اس سلسلے میں بھی اسے بے حد مایوسی ہوئی۔ وہ گاڑی عرفان احمد نام کے ایک آدمی کے نام رجسٹر تھی۔ ماجھے نے جب ماڈل ٹاؤن میں عرفان احمد سے رابطہ قائم کیا تو پتہ چلا کہ اس نے یہ گاڑی ایک شو روم کے توسط سے فروخت کر دی تھی۔ ماجھا اس شو روم پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ شو روم کے مینیجر نے بتایا کہ چند روز پہلے یہ گاڑی فروخت ہو گئی تھی۔ خریدنے والا ایک جوان آدمی اور ایک خوبصورت عورت تھی۔ گاڑی کی ٹرانسفر کے لئے اس عورت کا نام اور پتہ لکھ کر دیا گیا تھا لیکن وہ کاغذ کہیں کھو گیا تھا جس کی وجہ سے ٹرانسفر کی کارروائی بھی نہیں ہو سکی تھی شو روم کا مینیجر منتظر تھا کہ وہ لوگ گاڑی کی ٹرانسفر کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے دوبارہ آئیں تو ان سے نام اور ایڈریس لے کر کارروائی مکمل کی جائے۔

"کس رجسٹر پر تو لکھا ہو گا کہ گاڑی کس کو فروخت کی گئی ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"ہم گاڑیاں بیچنے اور خریدنے والوں کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس گاڑی کے خریدار کا نام رجسٹر میں درج نہیں کیا جا سکا۔ خیال یہ تھا کہ وہ لوگ جو نام اور پتہ کاغذ پر لکھ کر دے گئے تھے اسے رجسٹر میں درج کر لیا جائے گا لیکن بدقسمتی سے وہ کاغذ ہی کہیں کھو گیا ہے۔ وہ لوگ یقیناً واپس آئیں گے تو ان کا نام پتہ ریکارڈ میں شامل کر لیا جائے گا۔" مینیجر نے جواب دیا۔

ماجھا گجر مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ کئی روز گزر گئے نہ تو گاڑی کا سراغ ملا اور نہ ہی شارق کا.... گڑھی شاہو میں واقع اس کلینک کی بھی نگرانی کی جا رہی تھی لیکن شارق اس روز کے بعد وہاں نہیں آیا تھا۔

اور پھر کئی روز بعد ماجھا گجر کو اطلاع ملی وہ بھی بڑی سنسنی خیز تھی۔ شارق اور ثمینہ کو ایئر پورٹ پر دیکھا گیا تھا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا تھا کہ اس نے شارق اور ثمینہ کو ایئر پورٹ کے سامنے ایک ٹیکسی سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کے پاس سامان کے نام پر صرف ایک سوٹ کیس تھا جسے شارق نے اٹھا لیا تھا۔

اس اطلاع پر ماجھا گجر اچھل پڑا تھا۔ ان دونوں کے اچانک ہی کراچی چلے جانے والی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کیا وہ اس سے ڈر کر بھاگ گئے تھے؟ یہ اطلاع پا کر ماجھا گجر کو خوشی بھی ہوئی تھی کہ اس کا سب سے بڑا دشمن بھاگ گیا تھا۔

شارق اور ثمینہ کے جانے کے دو دن بعد اتفاق سے گاما سے آمنا سامنا ہو گیا۔ گاما اس وقت اکیلا تھا اور ماجھے کے ساتھ دو خونخوار قسم کے آدمی تھے۔ انہوں نے گاما کو اپنی گاڑی میں ڈال لیا اور ماجھے کی نہر والی کوٹھی میں لے آئے۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ وہ لوگ ہال کمرے میں تھے۔ گاما کو انہوں نے قالین پر بٹھا رکھا تھا اور ماجھا اور اس کے آدمیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

"سن اوئے گامے۔" ماجھا گجر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تیری وجہ سے مجھے اب تک کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ لیکن میں یہ سب کچھ بھول سکتا ہوں بشرطیکہ تو شارق کو چھوڑ کر میری طرف آ جا۔ شارق ہے کیا چیز؟ اس میں مردانگی ہوتی تو وہ چوروں کی طرح نہ چھپتا۔ تو تو بڑا دلیر آدمی تھا۔ لیکن شارق نے اپنے ساتھ تجھے بھی بزدل بنا دیا ہے۔ بھاگ گیا نا وہ تمہیں اکیلا چھوڑ کے۔ مجھے یقین تھا کہ اسے ایک نہ ایک دن بھاگنا ہی پڑے گا۔"

"وہ بھاگا نہیں ہے۔" گامے نے کہا۔ "چند روز بعد واپس آ جائے گا اور پھر تم اس کے آگے آگے لگ کر اس طرح بھاگے پھرو گے کہ تمہیں کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی۔"

"تمہیں باتیں تو بہت کرنا آ گئی ہیں۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اب بھی وقت ہے گامے! میری بات مان لو۔ ورنہ سمجھ لے کہ یہ تیری زندگی کی آخری رات ثابت ہو گی۔"

"زندگی اور موت تو رب کے ہاتھ میں ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔" گامے نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں مرنا قبول کر لوں گا مگر تم جیسے چور اچکے کی بات نہیں مان سکتا۔"

"اوئے کاکا!" ماجھا گجر نے کاکے کی طرف دیکھا۔ "تو اسے ذرا اپنی زبان میں سمجھا۔ اگر میں

aazzamm@yahoo.com

اٹھ گیا تو یہ میرے ہاتھوں خرچ ہو جائے گا۔"

کاکا نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا گامے کے قریب پہنچ گیا۔ گاما سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کاکا نے اچانک ہی اس کے سر پر زور دار ٹھوکر مار دی۔ گاما چیختا ہوا قالین پر دوسری طرف الٹ گیا۔

ٹھیک اسی لمحہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ٹیلی فون کا ایک ایکس ٹینشن سیٹ اس کمرے میں بھی ایک کونے میں اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ ماجھے نے اپنے ایک اور آدمی کو اشارہ کیا اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا ہیلو کہہ کر کچھ دیر وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر وہ ٹیلی فون اٹھا کر ماجھے کے قریب آ گیا۔ ریسیور اس نے ماجھے کی طرف بڑھا دیا اور خود ٹیلی فون اٹھائے کھڑا رہا۔

"ہیلو!" ماجھا گجر ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ماجھا گجر؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ہاں۔ بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟" ماجھا گجر بولا۔

"میں رحمن بول رہا ہوں۔ حاجی عبداللہ کا خاص بندہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا بات ہے رحمٰن جی! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔" ماجھا بولا۔

"یہ بات حاجی عبداللہ کے کانوں تک پہنچ چکی ہے کہ تم گامے کو اٹھا کر لے گئے ہو اور وہ اس وقت تمہاری تحویل میں ہے۔ ہمارے دو آدمی تمہاری کوٹھی پر آ رہے ہیں۔ گامے کو ان کے حوالے کر دو..... صحیح سلامت۔ اگر اس کے جسم پر مار پیٹ کا کوئی ایک نشان بھی نظر آیا تو تم سمجھ سکتے ہو کہ حاجی عبداللہ کس قدر ناراض ہو گا۔"

"حاجی صاحب تو بہت بڑے آدمی ہیں۔ ان سے کہو کہ ہم چھوٹوں کے معاملات میں نہ الجھیں۔ ہمارے آپس کے چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں۔ انہیں ہم اپنے طور پر ہی حل کر لیں گے۔ حاجی صاحب مداخلت نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"میں نے جو کہا وہ شاید تم نے ٹھیک سے نہیں سنا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہمارے دو آدمی گامے کو لینے کے لئے تمہاری کوٹھی پر آ رہے ہیں۔ گامے کی صحیح سلامت واپسی ہی تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔ اگر گامے کو کچھ ہوا تو تمہاری لاش کے اتنے ٹکڑے کوٹھی میں بکھرے ہوں گے کہ کوئی ماہر سے ماہر حساب دان بھی انہیں شمار نہیں کر سکے گا اور تم یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ حاجی عبداللہ کوئی بات صرف کہتا ہی نہیں اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ ہمارے آدمی روانہ ہو رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ چالیس منٹ میں تمہاری کوٹھی پر پہنچ جائیں گے۔"

ماجھے نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی۔ ماجھے نے ریسیور اپنے

آدمی کی طرف بڑھا دیا جو ٹیلی فون لئے کھڑا تھا۔ ماجھے کے چہرے کی تاثرات ایک دم بدل گئے تھے اس کے کندھے اس طرح ڈھلک گئے تھے جیسے ان پر بہت بڑا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ کاکا' گامے کو ایک ہی ٹھوکر مارنے کے بعد ٹیلی فون کی وجہ سے رک گیا تھا۔ اب وہ دوبارہ گامے کی طرف بڑھا تو ماجھے نے اسے روک دیا۔

"نہیں۔ اسے چھوڑ دو۔ اس کی سفارش آ گئی ہے۔"

"کیا مطلب! کس کی سفارش آ گئی ہے؟" کاکا نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حاجی عبداللہ کی۔" ماجھا گجر نے کہا پھر گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیوں اوئے.... حاجی عبداللہ سے کیا تعلق ہے تم لوگوں کا؟"

"ہمارے تعلق کا اندازہ تو تم نے اس ٹیلی فون کال سے لگا ہی لیا ہو گا۔" گامے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جسے تم سفارش کہہ رہے ہو وہ دراصل ایسی خوفناک دھمکی ہو گی جس نے تمہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"اس مرتبہ تو میں تمہیں حاجی کے کہنے پر چھوڑ رہا ہوں لیکن اگلی مرتبہ جب میں تم پر ہاتھ ڈالوں گا تو اس سے پہلے ایسا بندوبست کر لوں گا کہ حاجی عبداللہ جیسے آدمیوں کو مداخلت کا موقع نہ ملے۔" ماجھا گجر نے کہا پھر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "کاکا! تم یہیں رہو اور تم لوگ اپنی اپنی پوزیشن پر جاؤ۔ حاجی عبداللہ کے دو آدمی یہاں آنے والے ہیں۔ گامے کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا اور سب لوگ سن لو۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے۔ میں فی الحال حاجی عبداللہ جیسے آدمی سے کوئی ٹکر نہیں لینا چاہتا۔ جاؤ..... اب تم لوگ جاؤ۔"

کاکا کے علاوہ سب لوگ کمرے سے نکل گئے۔ کوئی چھت پر چلا گیا کوئی لان کے کسی تاریک حصے میں پودوں کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا۔

چالیس منٹ سے بھی پہلے ایک گاڑی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے آ کر رکی اور اس کے دو منٹ بعد چوکیدار نے آ کر بتایا کہ گامے کے دوست اسے لینے کے لئے آئے ہیں۔

"اسے باہر چھوڑ آؤ کاکا۔" ماجھا گجر نے اشارہ کیا۔

گاما مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا کاکا کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ماجھا گجر کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو شکست خوردہ اور دنیا کا سب سے بے بس انسان سمجھ رہا تھا۔

○

aazzamm@yahoo.com

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

جہاز لنگر انداز ہو گیا تھا۔ سامنے بہت دور ساحل پر مدھم سی روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ جہاز کا کینیڈین کپتان شارق کے ساتھ عرشے کی ریلنگ کے قریب کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہ مسقط ہے۔ جہاں بہت زیادہ روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ وہ بندرگاہ ہے اور لائٹ ہاؤس کی روشنی تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ بائیں طرف روشنیاں بتدریج کم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ تم اپنی موٹر بوٹ کا رخ اسی تاریک ساحل کی طرف رکھو گے۔ مجھے یقین ہے کہ ساحل پر تم لوگوں کو کہیں نہ کہیں پناہ مل جائے گی اور پھر وہاں سے گوادر تک جانے کا بندوبست بھی تم آسانی سے کر سکو گے۔"

"سنا ہے مسقط اور گوادر کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ کیا ہم موٹر بوٹ پر گوادر کا رخ نہیں کر سکتے؟" شارق نے پوچھا۔

"سمندر بھی اس صحرا کی طرح ہے جہاں بھٹک جانے کے بعد زندگی کی امید نہیں کی جا سکتی۔" کپتان نے کہا۔ "کسی ماہر ملاح کے لئے تو مسقط سے گوادر تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا لیکن تم لوگ تو سمندری سفر کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے۔ بہتر یہی ہے کہ موٹر بوٹ کو ساحل پر کہیں چھوڑ دینا اور رات گزارنے کے لئے کوئی محفوظ جگہ تلاش کر لینا۔ تمہیں ایسے بہت سے آدمی مل جائیں گے جو معاوضہ لے کر تم لوگوں کو گوادر پہنچا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تمہارے مشورے پر عمل کریں گے۔" شارق نے کہا۔

"یہ کچھ ڈالر ہیں۔ اپنے پاس رکھ لو۔ ویسے یہاں پاکستانی کرنسی بھی کام دے جائے گی۔" کپتان نے ڈالرز کی ایک چھوٹی سی گڈی اس کی طرف بڑھا دی۔ "اور ایک بات کا اور خیال رکھنا۔ بوٹ کی لائٹ آن کرنے کی کوشش مت کرنا۔ تم لوگوں کے لئے تاریکی ہی بہتر رہے گی۔"

کپتان کے حکم پر موٹر بوٹ سمندر میں اتار دی گئی اور رسی کی سیڑھی کے ذریعے یہ لوگ بھی بوٹ میں پہنچ گئے۔ جہاز کا ایک آدمی بھی ان کے ساتھ بوٹ میں آیا تھا۔ اس نے نولکھا کو بوٹ کے بارے میں مختصر بتا دیا اور بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر کے رسی کی سیڑھی کے ذریعے جہاز پر واپس چلا گیا نولکھا نے بوٹ کا کنٹرول سنبھال لیا اور بوٹ آہستہ آہستہ جہاز سے دور ہٹنے لگی۔

بوٹ کا رخ تاریک ساحل کی طرف تھا۔ نولکھا بڑی مہارت سے کنٹرول سنبھالے ہوئے تھا۔ ڈی کوسٹا' نولکھا کے قریب بیٹھا ہوا تھا اور ثمینہ اور شارق دوسری سیٹ پر تھے۔ ثمینہ شارق سے چپکی ہوئی تھی۔ ایک انجانا سا خوف اس کے ذہن پر طاری تھا۔ وہ چاروں طرف تاریکی میں گھور

گھور کر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر ساحل پر پہنچ کر وہ لوگ پکڑے گئے تو انجام کیا ہو گا۔

ساحل بظاہر جہاز سے قریب ہی لگتا تھا لیکن وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہی ساحل کے قریب پہنچ سکے تھے۔ نولکھا نے موٹر بوٹ کی رفتار کم کر دی تھی۔ سناٹے میں بوٹ کے انجن کی پھٹ پھٹ کی آواز چاروں طرف گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی حالانکہ انجن کی آواز اتنی زیادہ نہیں تھی۔

ان چاروں کی نظریں ایک ساحل پر مرکوز تھیں۔ بائیں طرف چٹانوں کے ہیولے سے نظر آ رہے تھے۔ نولکھا کی نظریں سرچ لائٹوں کی طرح ساحل کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"شارق باؤ۔" وہ شارق کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے ساحل پر اترنے کے لئے وہ چٹانیں ہی مناسب رہیں گی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ وہاں ہم فوری طور پر کسی کی نظروں میں نہیں آئیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔ "بوٹ کو احتیاط سے اسی طرف لے چلو اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی چٹان کو ٹکر مت مار دینا۔"

"اندھیرا اتنا گہرا ہے کہ کچھ نظر نہیں آ رہا۔ ہم خیریت سے چٹانوں کے قریب بھی پہنچ جائیں تو غنیمت ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔

بوٹ کی رفتار ہلکی ہو گئی۔ چٹانیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ انجن کی آواز کچھ زیادہ ہی شور مچاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا غالباً ان چٹانوں کی وجہ سے تھا جن سے بازگشت سی پیدا ہو رہی تھی۔

موٹر بوٹ بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اب پانی میں ابھری ہوئی چھوٹی چھوٹی چٹانیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ نولکھا بڑی مہارت سے بوٹ کو ان چٹانوں سے بچاتا ہوا آگے لے جا رہا تھا۔

مزید قریب پہنچے تو انجن کی آواز اس شور میں دب گئی جو لہروں کے چٹانوں سے ٹکرانے سے پیدا ہو رہا تھا نولکھا بڑی مہارت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بوٹ اب چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے بیچ میں لہراتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر دفعتاً بوٹ ایک چٹانی پتھر سے ٹکرا گئی۔ بوٹ کو ایک زوردار جھٹکا لگا ثمینہ اپنی سیٹ سے گر گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ شارق نے پھرتی سے اسے سنبھال لیا۔ نولکھا نے انجن بند کر دیا۔

"شارق باؤ اب آگے نہیں جا سکتے۔" اس نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلے ڈی کوسٹا نے اٹھ کر قریبی پتھر پر چھلانگ لگا دی پھر اس نے سہارا دے کر

aazzamm@yahoo.com

شارق کو پتھر پر کھینچ لیا۔ شارق نے پتھر پر کھڑے ہو کر ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ بوٹ پانی کی سطح پر مسلسل ہل رہی تھی۔ ثمینہ کے لئے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ پتھر اور بوٹ کے درمیان تقریباً تین فٹ کا فاصلہ تھا ثمینہ نے ایک پیر بوٹ کے کنارے پر رکھا۔ اس نے ہاتھ شارق کی طرف بڑھا دیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ شارق اس کا ہاتھ پکڑتا بوٹ کو ایک زور دار جھٹکا لگا ثمینہ کا پیر پھسل گیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ شڑاپ سے پانی میں گر گئی۔

ثمینہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ نولکھا اپنی جگہ سے اٹھ کر جلدی سے آگے بڑھا اور اس نے بڑی پھرتی سے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا شارق بھی چھلانگ لگا کر بوٹ پر آ گیا تھا ان دونوں نے ثمینہ کو کھینچ کر پانی سے باہر نکالا۔

ثمینہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس کے لباس سے پانی نچڑ رہا تھا۔ وہ دونوں اسے سہارا دیئے کھڑے رہے۔ پھر شارق پتھر پر چلا گیا اور نولکھا ثمینہ کو سہارا دیئے کھڑا رہا۔ شارق نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے پتھر پر کھینچ لیا۔ اس کے بعد نولکھا بھی چھلانگ لگا کر پتھر پر آ گیا۔

وہ کچھ دیر اس چٹانی پتھر پر کھڑے رہے پھر آگے بڑھنے لگے۔ ثمینہ کے جوتوں میں بھی پانی بھر گیا تھا اور بھیگے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے اس کے لئے چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر چھلانگیں لگاتے ہوئے بالآخر چٹان کے ساتھ ہموار جگہ پر پہنچ گئے۔ اس سے آگے بھی چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں اور چٹانوں کا یہ سلسلہ پتہ نہیں کہاں تک چلا گیا تھا۔

وہ ان نیلہ نما چٹانوں میں چلتے رہے۔ بھیگے ہوئے جوتوں اور کپڑوں کی وجہ سے ثمینہ کے لئے چلنا اب بہت ہی مشکل ہو گیا تھا۔ بار بار چٹانوں پر اترنے چڑھنے سے اس کی سانس پھول گئی تھی۔

"مجھ سے اب نہیں چلا جا رہا۔" ثمینہ کہہ رہی تھی۔ "بھیگے ہوئے کپڑے بہت بھاری محسوس ہو رہے ہیں۔"

وہ سب رک گئے۔ شارق متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"تم اس بڑے پتھر کے پیچھے چلی جاؤ۔" شارق ایک چٹانی پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اپنے کپڑے اتار کر نچوڑ لو اور جوتے بھی صاف کر لینا۔"

ثمینہ چند لمحے جھجکی پھر اس پتھر کے پیچھے چلی گئی۔ وہ تینوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ثمینہ واپس آ گئی۔ وہ ایک بار پھر چل پڑے۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نیلہ نما چٹانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ آگے ہموار میدان تھا جس میں جھاڑیاں بکثرت اگی ہوئی تھیں۔

تیز ہوا کی وجہ سے ثمینہ کے کپڑے کسی حد تک سوکھ گئے تھے لیکن جوتے اب بھی خاصے بھاری محسوس ہو رہے تھے۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔

"میرا خیال ہے ہمیں پہلے کسی منزل کا تعین کر لینا چاہئے۔" شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایسا نہ ہو ہم کسی ایسی مصیبت میں پھنس جائیں جس سے نکلنا ممکن نہ ہو۔"

"یہ علاقہ ہمارے لئے اجنبی ہے۔ منزل کا تعین کیسے ہو گا۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"ایک منٹ۔" شارق بولا۔ "تم لوگ یہاں رکو..... میں اس ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتا ہوں۔ شاید کوئی نشان نظر آ جائے۔"

شارق انہیں چھوڑ کر ٹیلے پر چڑھ گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دائیں طرف بہت دور مدھم سی روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اس طرف شہر تھا اور شہر کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ بائیں طرف دیکھنے لگے۔ اس طرف بہت دور ایک جگہ صرف ایک روشنی دکھائی دے رہی تھی جیسے تاریکی میں کوئی ستارہ ٹمٹما رہا ہو۔ وہ کچھ دیر تک ادھر دیکھتا رہا۔ قرب و جوار میں اور کوئی روشنی نہیں تھی۔ وہ ٹیلے سے اتر کر اپنے ساتھیوں کے قریب آ گیا۔

"اس طرف صرف ایک جگہ روشنی نظر آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اسی طرف چلنا چاہئے۔" شارق نے کہا۔

"کیا یہ رسک والی بات نہیں ہو گی؟" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہ علاقہ ہمارے لئے اجنبی ہے۔ جہاں نہ ہم کسی کو جانتے ہیں اور نہ ہی کوئی ہمیں جانتا ہے ہم کوئی بھی قدم رسک لئے بغیر نہیں اٹھا سکتے۔"

"تو ٹھیک ہے چلو۔" ڈی کوسٹا نے کندھے اچکا دیئے۔

وہ لوگ ٹیلے کے اوپر سے گھوم کر اسی طرف چلنے لگے جہاں شارق نے وہ روشنی چمکتے ہوئے دیکھی تھی۔ یہاں سے وہ روشنی نظر نہیں آ رہی تھی لیکن وہ اندازے کی بنا پر اس طرف چلتے رہے۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ روشنی دوبارہ دکھائی دینے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے تیز روشنی کا وہ بلب کسی بہت اونچی جگہ پر لگایا گیا ہو۔ لیکن وہ روشنی اب بھی خاصی دور لگ رہی تھی۔

شارق نے ایک بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ وہ لوگ ساحل سے زیادہ دور نہیں تھے۔ کبھی کبھی تو لہروں کے شور کی آواز بھی سنائی دینے لگتی تھی۔ اس سے شارق نے اندازہ لگایا تھا کہ بلندی پر چمکتی ہوئی وہ روشنی بھی ساحل کے قریب ہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

مزید آدھے گھنٹے بعد وہ روشنی کے قریب پہنچ گئے۔ شارق کا یہ خیال درست نکلا تھا کہ دور سے نظر آنے والی وہ روشنی کسی اونچی جگہ پر لگی ہوئی تھی اور اب چند اور روشنیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

وہ ایک وسیع و عریض احاطہ سا تھا۔ چاردیواری پر کئی جگہ بلب روشن تھے۔ یہ غالباً اسی احاطے کی عقبی سمت تھی کیونکہ اس طرف کوئی گیٹ کا دروازہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ احاطے کے اندر ایک عمارت بھی نظر آ رہی تھی اور دور سے نظر آنے والا تیز روشنی کا وہ بلب عمارت کی چھت پر ایک اونچے پول پر لگا ہوا تھا۔ انہیں یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ عمارت سمندر کے کنارے پر واقع تھی اور ممکن ہے اس کے دوسری طرف کوئی جیٹی وغیرہ بھی بنی ہوئی ہو۔

"کیا خیال ہے۔ عمارت کے سامنے کے رخ پر چلیں۔" شارق نے کہا۔ اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"ظاہر ہے۔ یہاں تک آئے ہیں تو آگے بھی جانا ہی پڑے گا۔ لیکن...." ڈی کوسٹا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ عمارت ساحلی محافظوں کی کوئی چوکی ثابت ہوئی تو؟" ڈی کوسٹا نے اپنے خدشہ کا اظہار کر دیا۔

"اوکھلی میں سر تو دے ہی چکے ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس لئے موسلے بھی برداشت کرنا ہی پڑیں گے۔"

"تو پھر چلو۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

وہ چاروں دبے قدموں دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ دیوار کی لمبائی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ احاطہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دوسری طرف مڑ گئے اور پھر شارق ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کر دیا۔

اس طرف احاطے کا گیٹ تھا جہاں تیز روشنی کے بلب جل رہے تھے۔ گیٹ کے سامنے پختہ سڑک تھی جو دائیں طرف کہیں چلی گئی تھی۔ گیٹ کے سامنے ذرا ہٹ کر ایک سائبان سا بنا ہوا تھا جس کے نیچے ایک پرانا سا چھوٹا ٹرک کھڑا نظر آ رہا تھا۔

شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ لوگ گیٹ کی طرف چلنے لگے۔ وہ گیٹ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک غراتی ہوئی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ جو کچھ بھی کہا گیا تھا بلوچی

زبان میں کہا گیا تھا۔

"رک جاؤ۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "وہ شخص دھمکی دے رہا ہے کہ اگر ہم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گولی مار دی جائے گی۔"

وہ چاروں اسی جگہ کھڑے ہو گئے۔ چند منٹ بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر آ گئے ان دونوں کے پاس آٹو میٹک رائفلیں تھیں۔ دونوں شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے۔ دونوں کے سروں پر کالے رومال مخصوص انداز میں بندھے ہوئے تھے۔

"کون ہو تم لوگ اور اس طرف کیوں آئے ہو؟" ان میں سے لمبے قد والے نے بلوچی زبان میں کہا اور باری باری ان چاروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم لوگ اجنبی ہیں۔" ڈی کوسٹا نے بلوچی زبان میں رک رک کر جواب دیا۔ وہ بلوچی زبان سمجھ تو پوری طرح لیتا تھا لیکن بولنے میں اسے کچھ دشواری پیش آئی تھی۔ "ہم مصیبت کے مارے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ دونوں گن مین انہیں گھورتے رہے پھر لمبے قد والے نے آگے بڑھ کر ان کے لباس تھپتھپائے۔ وہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ ان کے پاس کسی قسم کا اسلحہ تو موجود نہیں ہے۔ پھر وہ مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تم لوگوں کے ساتھ اور کون ہے؟" اس نے پوچھا۔ اس مرتبہ اس نے اردو میں بات کی تھی کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ صرف ایک آدمی کے علاوہ کوئی بھی بلوچی زبان نہیں سمجھتا تھا۔

"ہم یہی چاروں ہیں۔ ہمارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔" اس مرتبہ شارق نے جواب دیا۔

وہ آدمی چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار ثمینہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ اندر آ جاؤ.... آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

وہ لوگ اندر آ گئے.... گیٹ میں داخل ہوتے ہی شارق کی نظروں میں حیرت ابھر آئی۔ احاطے کے بائیں طرف خوبصورت دو منزلہ عمارت تھی۔ اس کے سامنے وسیع اور خوبصورت لان تھا۔ لان کے اختتام پر وسیع و عریض پختہ چبوترہ تھا۔ اور اس چبوترے کے دوسری طرف ایک کشادہ نہر تھی جو بہت دور تک چلی گئی تھی۔ اس نہر کے دونوں طرف خاصی جگہ چھوڑ کر اونچی دیواریں تھیں۔ یہ نہر خاصی طویل لگتی تھی۔ انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ دراصل سمندری کھاڑی تھی جو خشکی میں خاصی اندر تک چلی گئی تھی اور اس کھاڑی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا تھا۔ چبوترے سے چند گز آگے جیٹی بنی ہوئی تھی اور سفید رنگ کی ایک خوبصورت لانچ اس جیٹی کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ ایک لانچ دور سے اس کھاڑی کے اختتام پر بلکہ یوں

aazzamm@yahoo.com

کہنا چاہئے کہ شروع میں نظر آ رہی تھی۔

دونوں گن مین بلوچی تھے اور گوادر کے رہنے والے تھے۔ اس وقت یہاں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں کو ایک کمرے میں لے آئے جہاں فرش پر سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا اور چند کرسیاں سلیقے سے پڑی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک کافی ٹیبل بھی پڑی تھی۔

"بیٹھو۔" لمبے قد والے گن مین نے کہا۔ "اب بتاؤ تم لوگ کون ہو اور اس طرف کیسے آئے ہو۔ ایک بات یاد رکھنا..... اگر جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ ہم اپنے ذرائع سے معلوم کر لیں گے۔"

"ہمارا تعلق کراچی سے ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم کرائے کی ایک لانچ پر تفریح کے لئے نکلے تھے لیکن کھلے سمندر میں ہماری لانچ ایک چٹان سے ٹکرا گئی اور پھر نجانے کس طرح اس لانچ میں آگ لگ گئی۔ لانچ کا ناخدا اس کا ایک ماتحت اور ہمارا ایک آدمی لانچ کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئے۔ انہیں نکلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہم لوگوں نے سمندر میں کود کر اپنی جانیں بچائی تھیں۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس چٹان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پوری رات اور اگلا آدھا دن ہم بے یار و مددگار چٹان پر بیٹھے رہے۔ تین بجے کے لگ بھگ ہم لوگ اس طرف سے گزرتے ہوئے ایک مال بردار جہاز کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاز کے عملے نے ہماری جانیں بچائیں۔ وہ مال بردار جہاز یورپ جا رہا تھا۔ شام کے وقت جہاز کے کپتان نے یہاں سے کئی میل دور گہرے سمندر میں ہمیں ایک موٹر بوٹ پر اتار دیا۔ ہم بڑی مشکل سے ساحل تک پہنچ سکے ہیں۔ وہ موٹر بوٹ اب بھی یہاں سے تقریباً دو میل دور چٹانوں میں موجود ہے۔ فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ اگر تم چاہو تو چٹانوں میں موٹر بوٹ کی موجودگی کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔" گن مین نے شارق کو گھورا۔ "سمندر میں تفریح کے لئے زیادہ سے زیادہ چار چھ میل اندر تک جانے کی بات تو مانی جا سکتی ہے لیکن تفریح کے لئے سینکڑوں میل دور تک کھلے سمندر میں چلے جانا کچھ عجیب سی بات لگتی ہے۔ تم جس چٹان کا بتا رہے ہو وہ کراچی سے تقریباً ڈھائی سو میل دور ہے۔ اس کے علاوہ اس علاقے میں اور کوئی چٹان نہیں ہے۔"

"کیا تمہارا تعلق کسی سرکاری محکمہ سے ہے؟" شارق نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" اس شخص نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر یہ کونسی جگہ ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"یہ ملا بشیر پنج گوری کا ڈیرہ ہے۔" اس شخص نے جواب دیا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہم اگر چاہیں تو تم لوگوں کو یہاں کی پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں لیکن تم لوگ ملا بشیر پنج گوری کے ڈیرے تک پہنچ گئے ہو اس لئے تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ بھی وہی کرے گا۔"

"ملا بشیر پنج گوری!" ڈی کوسٹا یہ نام سن کر چونک گیا تھا۔ "کیا اس سے ہماری ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"وہ اس وقت شہر میں ہے۔ صبح اسے اطلاع کر دی جائے گی اور وہی یہاں آ کر تم لوگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔ بوٹ کہاں چھوڑی تھی تم لوگوں نے؟" وہ شخص سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہاں سے تقریباً دو میل دور ساحلی چٹانوں میں۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ شخص چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ثمینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔"

"کک..... کہاں.....؟" ثمینہ کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا۔

"تمہیں ان لوگوں سے الگ رکھا جائے گا تاکہ تم سب مل کر کوئی گڑبڑ نہ کر سکو۔ تم ان سے الگ رہو گی تو ان کے دماغوں میں بھی کیڑے نہیں کلبلائیں گے۔"

"ہا..... ہا..... ہم لوگ۔ کچھ نہیں کریں گے۔ مجھے یہیں رہنے دو..... اپنے ساتھیوں کے پاس۔" ثمینہ ہکلائی۔

"اٹھو۔" اس شخص کے حلق سے غراہٹ سی نکلی اور اس نے آگے بڑھ کر ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھا دیا۔ اس کا دوسرا ساتھی رائفل تانے دروازے میں کھڑا تھا۔

وہ دونوں ثمینہ کو لے کر باہر نکل گئے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ثمینہ کو اوپر والے ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ لمبے قد والے نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور وہ حویلی سے نکل کر ساحلی چٹانوں کی طرف چلا گیا۔

"یہ لوگ ثمینہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔" نولکھا بڑبڑایا۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ ایسا نہیں کریں گے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "ثمینہ کو ہم سے اس لئے الگ کیا گیا ہے کہ ہم ان لوگوں کے خلاف کوئی سازش نہ کریں۔ اور میرا خیال ہے کہ ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ملا بشیر پنج گوری کو جب یہ پتہ چلے گا کہ ہم حاجی عبداللہ کے آدمی ہیں تو وہ یقیناً ہماری مدد کرے گا۔"

"کیا مطلب!" شارق نے اسے گھورا۔ "کیا تم ملا بشیر پنج گوری کو جانتے ہو؟"

aazzamm@yahoo.com

"ذاتی طور پر نہیں۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "لیکن وہ بھی حاجی عبداللہ ہی کے قبیلہ کا ہے۔ اس خطے کا سب سے بڑا منشیات کا اسمگلر... من دو من نہیں' ٹنوں کے حساب سے چرس اور ہیروئن سمگل کرتا ہے۔ یہاں سے گوادر تک اس کی لانچیں اور گوادر سے بلوچستان کے دوسرے سرے تک اس کے مال سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے چلتے رہتے ہیں۔"

"لیکن ضروری تو نہیں کہ وہ حاجی عبداللہ کو جانتا ہو۔" شارق نے کہا۔

"یہ سب ایک ہی قبیل کے لوگ ہیں۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "بلوچستان کا یہ ملا بشیر پنج گوری' لاہور کا حاجی عبداللہ' کراچی کا سیٹھ ماجد' سرحدی قبائل کے ملک منور' بادشاہ گل خٹک اور ملک یعقوب آفریدی.... یہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ بین الاقوامی اسمگلر.... یہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس کہیں سے بڑی ڈیمانڈ آ جائے اور اس کے اپنے پاس مال موجود نہ ہو تو دوسرے سے لے لیتا ہے۔ ان عالمی اسمگلروں کے اپنے کچھ قانون اور قاعدے ہوتے ہیں۔ جن پر یہ بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ یہ لوگ پیسے کے لین دین کے بھی کھرے ہیں۔ ایک دوسرے پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ کروڑوں ڈالر کا مال دوسرے کے حوالے کر دیں گے۔ فوری ادائیگی کا مطالبہ نہیں کریں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی رقم پہنچ جائے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میرے علم میں نہیں ہے کہ حاجی عبداللہ اور ملا بشیر پنج گوری میں بھی کوئی معاملہ ہوا ہو لیکن ایک دو مرتبہ میں نے حاجی عبداللہ سے اس کا نام سنا ہے۔ یہ ایک ہی سمندر کی مچھلیاں ہیں اور مل جل کر رہنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔"

"کمال ہے بھئی۔" نولکھا نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا تو ڈیڑھ پاؤ کا سودا ہوتا تھا لیکن پیسوں کے معاملہ میں کبھی ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کیا۔ پھر شارق باؤ کے پاس آیا تو پتہ چلا کہ میں تو کنویں کا مینڈک تھا۔ میری معلومات پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے سودے تک ہی محدود تھیں۔ شارق باؤ کے پاس آنے کے بعد پتہ چلا کہ میں کنویں سے نکل کر دریا میں آ گیا ہوں جہاں ایک سے پانچ اور دس کلو تک کے سودے ہوتے دیکھے۔ یہاں پیسوں کے لین دین پر بھی ایک دوسرے پر تھوڑا بہت اعتماد دیکھا۔ ماچھا گجر جیسے لوگ بھی دیکھے جو پاؤ ڈیڑھ پاؤ ہیروئن کے لئے بندے کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اور یہاں..... سمندر میں آ کر تو عجیب ہی انکشاف ہو رہے ہیں۔ سمندر واقعی سمندر ہے۔ کروڑوں کا مال ادھر سے ادھر مگر پیسے کی پرواہ نہیں۔"

"پاؤ ڈیڑھ پاؤ کا خیال یہاں بھی رکھا جاتا ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "ساری بات تو پاؤ ڈیڑھ پاؤ نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی پڑیا سے شروع ہوتی ہے۔ اگر ایک پڑیا کا حساب نہ رکھا جائے تو بات

منوں اور ٹنوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن بات ساری اعتماد کی ہے۔ ہمارے اس مشن پر اب تک لاکھوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اور تم لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کئی ملین ڈالر کا مال جہاز کے کپتان کے حوالے کر دیا گیا لیکن کسی سے پیسے کی بات نہیں ہوئی۔ پیسہ خود بخود اپنی جگہ پہنچ جائے گا۔ میرا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ کروڑوں کا مال آنکھیں بند کر کے دوسرے کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کروڑوں ڈوب بھی جاتے ہیں۔ اعتماد اور عدم اعتماد.... یہ دونوں چیزیں اس بین الاقوامی کاروبار کی بنیاد ہیں۔ اب شارق کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ کسی بین الاقوامی رابطے میں یہ نام میں نے پہلی مرتبہ سنا تھا۔ حاجی عبداللہ نے جب فون پر مجھے بتایا کہ شارق آ رہا ہے تو میں نے کچھ احتجاج بھی کیا تھا۔ کسی نئے آدمی کو اتنا اوپر لے آنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ شارق اگر چاہتا تو یہ مال غائب کر سکتا تھا۔ مگر حاجی عبداللہ کو شارق پر اعتماد تھا اور شارق کو تم دونوں پر..... اگر اعتماد نہیں تھا تو شارق کو ٹیٹو وغیرہ پر نہیں تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں شارق نے میرے سامنے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ بالکل درست نکلے۔ لیکن جس طرح ان دونوں کو ٹھکانے لگایا گیا وہ بھی اپنی جگہ ایک اہم بات ہے اور پھر قاسم بیچ میں ٹپک پڑا۔ انہیں بھی ٹھکانے لگا دیا گیا۔ کراچی سے یہاں تک پانچ بندے مارے گئے لیکن شارق کا مشن کامیاب رہا۔ اس بزنس میں کسی کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ترجیح مال کو دی جاتی ہے جسے ہر صورت میں منزل پر پہنچانا ہوتا ہے۔ اس کے لئے کتنے لوگوں کی زندگیاں قربان کی جاتی ہیں اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔"

"او بھائی ڈکوٹا۔" نولکھا نے اس کے نام کی ریڑھ لگاتے ہوئے کہا۔ "پر اب اپنا کیا بنے گا؟ اگر اس ملا بشیر پنج گوری نے حاجی عبداللہ کو پہچاننے ہی سے انکار کر دیا تو کیا ہو گا؟"

"ڈرتے ہو؟" ڈی کوسٹا نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔ شارق یہ بات اچھی طرح جانتا ہے۔ موت کا تو ایک وقت مقرر ہے۔ وہ نہ ایک منٹ پہلے آ سکتی ہے اور نہ ایک منٹ بعد میں۔ لیکن بھائی ڈکوٹا۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "موت کی کوئی وجہ بھی تو ہو نا۔ اگر لانچ پر قاسم کے آدمیوں یا ٹیٹو کے ہاتھوں مارا جاتا تو کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ لیکن دیکھو نا۔ سارے کام نمٹ نمٹا جانے کے بعد ہمیں یہاں قتل کر دیا جائے تو افسوس تو ہو گا نا۔"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "لیکن اطمینان رکھو۔ یہاں موت کا خوف ذہن پر نہیں رکھنا چاہئے۔ اگر ملا بشیر پنج گوری' حاجی عبداللہ کو پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور ہماری کسی بات کا یقین نہیں کرتا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ ہمیں حکام کے حوالے کر دے گا اور ہمارے

aazzamm@yahoo.com

خلاف غیر قانونی طور پر اس ریاست کی سرحد میں داخل ہونے کا مقدمہ چلے گا اور تین چار مہینوں کی سزا ہو جائے گی اور بس۔"

"پھر تو کوئی بات نہیں۔" نولکھا نے اس طرح گہرا سانس لیا جیسے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ "سرکاری مہمان خانوں میں آمد و رفت کے تو ہم عادی ہیں۔ سنا ہے باہر کی ملکوں کی جیلیں بھی بڑی شاندار ہوتی ہیں۔"

"لیکن عرب اور خلیجی ممالک کی جیلیں دنیا کی دوسری جیلوں سے ذرا مختلف ہیں۔" ڈی کوسٹا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی کو جیل میں ڈال کر بھول جاتے ہیں اور بیچارہ ساری زندگی جیل میں پڑا روتا رہتا ہے۔"

"تم تو ڈرا رہے ہو بھائی ڈکوٹا۔" نولکھا نے کہا۔ "پہلے ہی بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔ کم بخت' یہ لوگ ہمیں کمرے میں بند کر کے بھول تو نہیں گئے۔"

"نہیں۔ یہ لوگ ہمیں نہیں بھولیں گے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "ذرا اٹھ کر زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑاؤ۔ دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

نولکھا اٹھ کر دراوزے کے قریب آ گیا اور اسے زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا اور وہی لمبے قد والا گن مین اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کرختگی تھی۔

"کیا بات ہے کیوں شور مچا رہے ہو؟" اس کے لہجے میں بھی کرختگی تھی۔

"ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اور سنا ہے بلوچ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن تم نے تو ہمیں پانی تک کو نہیں پوچھا۔ ارے بھائی صاحب! بھوک لگ رہی ہے بڑے زور کی۔" نولکھا نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بلوچ تو اپنے دشمن کو بھی بھوکا نہیں مرنے دیتے اور تم لوگوں کے بارے میں تو ابھی فیصلہ نہیں ہوا کہ دوست ہو یا دشمن۔ میں تم لوگوں کے لیے کھانا لے کر آتا ہوں مگر تھوڑا دیر لگے گا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"اس لڑکی کو بھی کھلا دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ رات بھر بھوکی بیٹھی رہے۔" نولکھا نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ اس کو بھی کھلا دے گا۔" اس شخص نے جوب دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

کھانا انہیں تقریباً ایک گھنٹے بعد مل سکا تھا۔ انڈے کا آملیٹ اور توے پر پکی ہوئی موٹی موٹی آڑھی ترچھی روٹیاں۔ ظاہر ہے انڈے کا آملیٹ اور یہ روٹیاں ان دونوں میں سے کسی نے پکائی تھیں۔ کھانا لے کر وہ دونوں آئے تھے۔ لمبے قد والے نے رائفل تان رکھی تھی اور دوسرے آدمی نے کھانا اٹھا رکھا تھا جسے میز پر رکھ دیا گیا۔

"اپنا نام تو بتا دو یار۔ ہم کوئی تمہارے دشمن تو نہیں ہیں۔" نولکھا نے لمبے قد والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا نام واجہ رحیم بخش ہے۔ اور یہ محمد دین ہے۔" لمبے قد والے نے تعارف کرا دیا۔

محمد دین پانی کا جگ اور دو گلاس بھی لے آیا تھا۔ نولکھا کے پوچھنے پر واجہ رحیم بخش نے بتایا کہ لڑکی کو بھی کھانا دے دیا گیا ہے۔

"اسے ہمارے پاس ہی رہنے دو نا یار واجہ رحیم بخش۔ وہ بیچاری الگ تھلگ قید میں ڈرتی رہے گی۔" نمولکھا نے کہا۔

"اسے ضمانت کے طور پر تم لوگوں سے الگ رکھا گیا ہے تاکہ تم لوگ ہمارے خلاف کوئی سازش نہ کر سکو۔" واجہ رحیم بخش نے کہا۔ "ویسے تمہیں اس کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو کچھ نہیں ہو گا اور ہاں.... تم لوگوں کا موٹر بوٹ ہم لوگوں کو مل گیا ہے۔ اسے ہم اپنی جیٹی پر لے آئے ہیں۔"

"تو پھر ملا بشیر پنج گوری کو بھی ہمارے بارے میں اطلاع کر دو نا۔ میرا خیال ہے یہاں ٹیلی فون تو ہو گا۔" نولکھا نے کہا۔

"یہاں ٹیلی فون ہے اور ملا بشیر پنج گوری کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ صبح سویرے یہاں آ جائے گا۔" واجہ رحیم بخش نے جواب دیا۔

"پترا تو میرے ہاتھ لگ گیا تو تیرا تو میں واجہ وجا دوں گا۔" نولکھا نے بڑبڑاتے ہوئے یہ جملہ پنجابی زبان میں کہا تھا جسے واجہ رحیم بخش نہیں سمجھ سکا تھا۔

وہ لوگ کھانا کھا چکے تو محمد دین نے برتن اٹھا لئے اور دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا گیا۔

یہ لوگ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر قالین پر لیٹ گئے۔ ڈی کوسٹا تو تھوڑی دیر بعد سو گیا مگر شارق اور نولکھا ایک دوسرے کے قریب لیٹے سرگوشیاں کرتے رہے۔ شارق کو ثمینہ کی فکر تھی۔ اسے نجانے اس وسیع و عریض عمارت کے کس حصے میں رکھا گیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

"اگر انہوں نے ثمینہ بہن کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو میں ان میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" نولکھا نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

رات دھیرے دھیرے بیتتی رہی۔ اور پھر یہ دونوں بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

پھر دفعتاً" کسی گاڑی کی آواز سن کر شارق کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا پہلے انجن کو ریس دی گئی تھی پھر اسے آف کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھلنے اور

aazzamm@yahoo.com

بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔ شارق اٹھ کر دروازے کے قریب آ گیا اور دو پٹوں کے درمیان باریک سی جھری سے جھانک کر باہر دیکھنے لگا۔ فضا میں طلوع ہوتے ہوئے دن کا ہلکا سا اجالا تھا۔ دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں واجہ رحیم بخش کی آواز شارق نے پہچان لی تھی لیکن دوسری آواز اس کے لئے اجنبی تھی۔ وہ لوگ بلوچی زبان میں باتیں کر رہے تھے اور ایک لفظ بھی شارق کے پلے نہیں پڑا تھا۔

شارق نے ڈی کوسٹا اور نولکھا کو جگا دیا اور سرگوشی میں انہیں بتانے لگا کہ شاید ملا بشیر پنج گوری آ گیا ہے۔ وہ دونوں بھی دروازے کے قریب آ کر باتیں سننے کی کوشش کرنے لگے مگر آوازیں وہاں سے بہت دور جا چکی تھیں۔

یہ تینوں قالین پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ قدموں کی آواز سنائی دی جو دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس کے چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا اور واجہ رحیم بخش اندر داخل ہوا۔ وہ سمجھا تھا کہ یہ لوگ سو رہے ہوں گے لیکن انہیں جاگتے پا کر بھی اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔

"ملا بشیر پنج گوری آ گیا ہے۔ چلو بلایا ہے تم لوگوں کو۔" واجہ رحیم بخش نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ محمد دین بھی برآمدے کے سامنے لینڈ کروزر کے پاس آٹومیٹک رائفل لئے کھڑا تھا۔ لینڈ کروزر کا ڈرائیور لان میں گھاس پر ٹانگیں پسارے بیٹھا تھا۔ اس نے بھی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور سر پر سیاہ ریشمی رومال بندھا ہوا تھا۔

واجہ رحیم بخش ان تینوں کو لے کر ایک اور کمرہ میں آ گیا۔ اس کمرے میں بھی دبیز قالین بچھا ہوا تھا لیکن یہاں کرسیاں یا صوفے وغیرہ نہیں تھے۔ گاؤ تکئے اور خوبصورت کشن جگہ جگہ رکھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سامنے دیوار کے قریب سرخ کور والے گاؤ تکئے سے ایک آدمی ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

اس کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ فربہ جسم چھوٹی گول داڑھی جس میں کچھ سفید بال بھی چمک رہے تھے۔ سوسی قسم کے دھاری دار کپڑے کا لمبا چوغہ اور سیاہ ریشمی رومال' جس کے بارڈر پر سرخ دھاریاں تھیں' مخصوص انداز میں سر پر بندھا ہوا تھا۔ آبنوسی رنگت پر موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے سفید دانت بڑے عجیب لگ رہے تھے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں موٹے موٹے سرخ دانوں والی تسبیح تھی۔ وہ گاؤ تکئے سے اس طرح ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ ایک گھٹنا اوپر اٹھا ہوا تھا تسبیح والا ہاتھ گھٹنے پر ٹکا ہوا تھا۔ تسبیح کے سرخ دانے آہستہ آہستہ گھوم

رہے تھے۔

وہ ملا بشیر پنج گوری تھا۔

وہ تینوں اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اور واجہ رحیم بخش بلوچی میں ملا بشیر پنج گوری کو کچھ بتا رہا تھا۔ لیکن ملا بشیر پنج گوری کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ اس کی باتیں نہ سن رہا ہو۔ وہ گہری نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگ یہاں کیسے پہنچے؟" بالآخر ملا بشیر پنج گوری نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی سرسراہٹ تھی۔

"ہم لوگ کراچی سے کرائے کی ایک لانچ پر تفریح کے لئے...."

"میں نے کوئی داستان سنانے کے لئے نہیں کہا تھا۔" ملا بشیر پنج گوری نے شارق کی بات کاٹ دی۔ "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم لوگ جمعرات کی شب نورو چاچا کی لانچ پر کراچی کے ساحل سے روانہ ہوئے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ چٹان کے قریب اس لانچ کو آگ لگ گئی تھی یا لگائی گئی تھی۔ مجھے کوئی قصہ سنانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پوچھا تھا یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"ایک مال بردار جہاز نے ہماری جانیں بچائی تھیں۔" شارق نے جواب دیا۔ اسے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ ملا بشیر پنج گوری کو ان باتوں کا پتہ کیسے چل گیا تھا۔ لانچ میں آگ لگنے کے بارے میں تو ہو سکتا ہے اسی جہاز کے کپتان نے کراچی کی بندرگاہ کو اطلاع دی ہو۔ سمندری زندگی سے تعلق رکھنے والوں کو ایسی باتوں کا فوراً پتہ چل جاتا ہے لیکن اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ لوگ نورو چاچا کی لانچ پر جمعرات کی شب ساحل سے روانہ ہوئے تھے' یہ شخص یقیناً اور بھی بہت کچھ جانتا ہو گا۔ اس لئے شارق محتاط ہو گیا تھا۔ "وہ جہاز ہمیں یہاں سے کئی میل دور ایک موٹر بوٹ پر اتار کر چلا گیا۔ جہاز کے کپتان نے کہا تھا کہ ہمیں یہاں پناہ مل جائے گی۔"

"پناہ!" ملا بشیر پنج گوری کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔ "یہاں موت بھی تم لوگوں کا مقدر بن سکتی ہے۔ چلو... اس حد تک مان لیتا ہوں کہ تم لوگ کسی جہاز سے موٹر بوٹ پر اترے تھے۔ لیکن موٹر بوٹ کا رخ کسی اور طرف کیوں نہیں ہوا۔ میرے ڈیرے کی طرف آنے کا مقصد کیا تھا؟ میں سچ جاننا چاہتا ہوں؟"

وہ تینوں کانپ کر رہ گئے۔ انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ملا بشیر پنج گوری کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ کہیں وہ یہ تو نہیں سمجھ رہا کہ یہ لوگ کسی بری نیت سے اس کے ڈیرے کی طرف آئے تھے اور پکڑے گئے تھے۔ ایسی صورت میں موت ہی ان کا مقدر بن سکتی تھی۔ شارق نے

aazzamm@yahoo.com

کن انکھیوں سے ڈی کوسٹا کی طرف دیکھا۔

"واجہ پنج گوری۔" ڈی کوسٹا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ "سچ بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ حاجی عبداللہ کے آدمی ہیں۔"

"حاجی عبداللہ..... لاہور والا۔" ملا بشیر پنج گوری کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

"جی واجہ۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "ہم لوگ ایک اہم کام سے نکلے تھے لیکن سمندر میں اس چٹان کے قریب پہنچ کر ہمیں دھوکے سے قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی دوران نجانے کس طرح لانچ کو آگ لگ گئی اور ہم بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا سکے۔"

"اس میں مجھے اب بھی تھوڑا سا جھوٹ نظر آ رہا ہے۔" ملا پنج گوری نے ڈی کوسٹا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا اور پھر نوکھا اور شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ سچ ہے واجہ۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "ٹیلی فون آپ کے پاس موجود ہے۔ حاجی عبداللہ آپ کا دوست ہے۔ آپ چاہیں تو تصدیق کر سکتے ہیں۔"

"وہ تو میں کر ہی لوں گا۔" ملا بشیر پنج گوری نے کہا۔ "لیکن لانچ میں آگ لگ جانے والی بات حلق سے نہیں اترتی۔"

"لانچ کو آگ ہم نے خود لگائی تھی۔" اس مرتبہ شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" ملا بشیر پنج گوری نے اسے گھورا۔

"یہ تاثر دینے کے لئے کہ لانچ کے ساتھ اس کے مسافر بھی ختم ہو چکے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "نورو چاچا کے بیٹے قاسم نے ہمیں دھوکے سے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے ایک رات پہلے بھی لانچ پر ہنگامہ ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ کرائے کے دو آدمی تھے انہیں کسی طرح پتہ چل گیا کہ لانچ میں کیا ہے۔ پہلے انہوں نے ہمیں ٹھکانے لگانے کی کوشش کی لیکن خود ہی مچھلیوں کی خوراک بن گئے۔ پھر قاسم نے مجھے بلیک میل کرنا چاہا اور بعد میں ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی.... یہ کاروبار ہی ایسا ہے۔ یہاں انسانی زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔ اگر ہم بھی قتل ہو جاتے تو شاید کسی کو افسوس نہ ہوتا۔"

"اور تم جانتے ہو کہ قتل کی سزا بھی موت ہوتی ہے۔" پنج گوری نے کہا۔

"یہ ریاست ہم پر قتل کا مقدمہ نہیں چلا سکتی۔" شارق نے کہا۔ "لانچ پر جو کچھ بھی ہوا تھا پاکستان کی سمندری حدود میں ہوا تھا۔ اور کوئی بھی اس واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے۔ سمندر میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ جہاں تک اس ریاست کا تعلق ہے تو میں یہ اعتراف ضرور کروں گا کہ ہم غیر قانونی طور پر اس کی حدود میں داخل ہوئے ہیں اور اس ریاست کے قانون کے مطابق ہمیں

صرف اسی جرم کی سزا مل سکتی ہے۔"

"دلیر آدمی ہو۔" ملا بشیر پنج گوری اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ پھر رحیم بخش کی طرف رخ کر کے کچھ کہا۔

رحیم بخش نے کمرے کے کونے میں رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھا کر ملا بشیر پنج گوری کے سامنے رکھ دیا۔ پنج گوری نے ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کئے۔ چند لمحے تیز لہجے میں کسی سے بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"دلیر آدمی ہو..... اور میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تقریباً تین منٹ بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ملا بشیر پنج گوری نے ریسیور اٹھا لیا۔ ہیلو کہہ کر چند لمحے انتظار کیا پھر اردو میں کسی سے بات کرنے لگا۔ ان تینوں کے چہروں پر طمانیت سی آ گئی۔ ملا بشیر پنج گوری دوستانہ لہجے میں ٹیلی فون پر حاجی عبداللہ سے بات کر رہا تھا۔ فون پر بات کرتے ہوئے وہ باری باری ان تینوں کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایک بار پھر باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم تینوں میں شارق کون ہے؟"

"شارق میرا نام ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"آفرین ہے۔" ملا بشیر پنج گوری نے کہا۔ "آؤ بیٹھو.... بیٹھو تم لوگ۔ حاجی عبداللہ نے بتایا ہے کہ تم پہلی مرتبہ کسی ایسے مشن پر بھیجے گئے ہو۔ لیکن تم نے جس طرح امانت کی حفاظت کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ قاسم نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا تھا اسے مر ہی جانا چاہئے تھا۔"

"مجبوری تھی۔" شارق نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم انہیں نہ مارتے تو وہ لوگ ہمیں مار دیتے۔ کسی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔ حاجی عبداللہ نے مجھ پر اعتماد کیا تھا۔ امانت کی حفاظت کے لئے میری جان بھی چلی جاتی تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔"

"آفرین۔" ملا بشیر پنج گوری نے کہا پھر بولا۔ "تم لوگ رحیم بخش کے ساتھ جاؤ.... منہ ہاتھ دھو۔ اپنا حلیہ درست کرو اور رحیم بخش۔" وہ رحیم بخش کی طرف دیکھنے لگا۔ "ان کے لئے ناشتے کھانے کا بندوبست کرو۔ یہ ہمارے مہمان ہیں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔"

"جی واجہ۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔

"واجہ!" نوکھا ملا بشیر پنج گوری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ساتھ ایک...."

"وہ لڑکی بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرے گی۔ فکر مت کرو۔" ملا بشیر پنج گوری نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بات کاٹ دی۔

aazzamm@yahoo.com

وہ تینوں واجہ رحیم بخش کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

ایک گھنٹے بعد وہ ایک بار پھر ملا بشیر پنج گوری کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس مرتبہ ان کے ساتھ ثمینہ بھی تھی۔ ان کے سامنے قالین پر دستر خوان بچھا ہوا تھا اور محمد دین ناشتہ لگا رہا تھا۔

ناشتے کے بعد برتن اور دستر خوان اٹھا لیا گیا تو ملا بشیر پنج گوری شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب بتاؤ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہو؟"

"ہم پاکستان واپس جانا چاہتے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "آپ کی لانچیں تو گوادر تک آتی جاتی رہتی ہیں۔ ہمیں بھی اپنی کسی لانچ پر بھجوا دیں۔ اگر کسی اور کی لانچ میں بھی بندوبست ہو جائے تو ہم معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔"

"ہمیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ملا بشیر پنج گوری نے کہا۔ اس کی انگلیاں بدستور تسبیح کے موتیوں پر چل رہی تھیں۔ "میری ایک لانچ گوادر گئی ہوئی ہے۔ وہ ایک دو دن تک آ جائے گی تو میں تم لوگوں کو بھجوا دوں گا۔ تم لوگ دو تین دن یہاں رہو۔ ہمارے مہمان بن کر۔ تم لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ تم لوگ دن کے وقت اس حویلی کے گیٹ سے باہر نہیں نکلو گے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تم لوگوں کو دیکھ لے تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے۔"

"دو تین دن!" شارق بولا۔

"ہاں مجبوری ہے۔" ملا بشیر پنجگوری نے کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔ موقع ملا تو شام کو چکر لگاؤں گا۔ شہر میں میری مصروفیت اتنی ہے کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔"

وہ چاروں بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل آئے۔ ڈرائیور برآمدے میں کھڑا تھا۔ وہ پنج گوری کو دیکھ کر لینڈ کروزر کی طرف لپکا۔ واجہ رحیم بخش نے بھی جلدی سے آگے بڑھ کر ملا بشیر پنج گوری کے لئے لینڈ کروزر کا دروازہ کھول دیا۔

"رحیم بخش۔" پنج گوری گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے رحیم بخش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "واجہ۔ ان کا خیال رکھنا..... مہمان ہیں ہمارے۔ بہت دور سے آئے ہیں۔ کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ان کو۔"

"جی واجہ۔ آپ فکر نہ کریں۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔

ملا بشیر پنج گوری سیٹ پر بیٹھ گیا رحیم بخش نے دروازہ بند کر دیا۔ پنج گوری نے ان کی طرف

دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور لینڈ کروزر حرکت میں آ گئی۔

دھوپ پھیل رہی تھی۔ یہ لوگ برآمدے میں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ لان کے اردگرد باڑے کی صورت میں ناریل کے درخت لگے ہوئے تھے۔ لان بڑا خوبصورت تھا۔ گھاس خاصی دبیز تھی اور کیاریوں میں لگے ہوئے پودوں پر رنگ برنگے پھول بھی مسکرا رہے تھے۔ لان کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔

ثمینہ اور شارق برآمدے سے نکل کر لان میں آ گئے اور پھر اس چبوترے کی طرف بڑھنے لگے جس کے دوسری طرف کھاڑی تھی اور سفید لانچ اس کھاڑی میں کھڑی تھی۔ وہ چبوترے کے پختہ روش پر آگے بڑھتے رہے۔ محمد دین نے اگرچہ انہیں اس طرف جاتے دیکھا تھا مگر انہیں ٹوکنے یا روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ملا بشیر پنج گوری سے ملاقات کے بعد ان دونوں کا رویہ بدل گیا تھا۔ اب وہ بڑے احترام سے ان سے بات کرتے تھے۔

وہ دونوں پلیٹ فارم نما روش پر چلتے ہوئے کھاڑی کے آخری سرے پر آ گئے۔ دراصل کھاڑی شروع ہی یہاں سے ہوتی تھی۔ سمندر کا ایک کشادہ کٹاؤ تھا جو اندر تک چلا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ کٹاؤ پہلے اتنا طویل نہ ہو اور بعد میں زمین کی کھدائی کر کے اسے بھی کھاڑی کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہو۔

یہ کھاڑی کا دہانہ تھا جو تقریباً سو فٹ چوڑا تھا۔ دہانے پر ایک بہت لمبے آہنی پائپ کا بیریئر لگا ہوا تھا۔ دائیں طرف دیوار کے قریب ایک ستون کے ہک میں موٹا سا رسہ لپٹا ہوا تھا۔ اس رسے کو کھول دینے سے پائپ اوپر اٹھ جاتا اور کسی لانچ یا کشتی کی آمد و رفت کے لئے راستہ کھل جاتا۔

دہانے کے قریب بیریئر کے اندر کی طرف ایک بہت بڑی لانچ لنگر انداز تھی۔ جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہ لانچ اب اس قدر پرانی ہو چکی تھی کہ اب شاید استعمال کے قابل نہیں رہی تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ بظاہر کباڑ نظر آنے والی یہ لانچ بھی اسمگلنگ کے کاروبار میں اکثر و بیشتر استعمال ہوتی رہتی تھی۔ اس لانچ کے پہلو میں بائیں طرف وہ موٹر بوٹ بھی ایک رسے کے ساتھ جیٹی سے بندھی ہوئی تھی جس پر وہ لوگ گزشتہ رات جہاز سے پٹانوں تک پہنچے تھے۔

وہ دونوں وہاں کھڑے بہت دیر تک سمندر کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر دھوپ چبھنے لگی تو واپسی کے لئے مڑ گئے۔ دور سے یہ عمارت بڑی خوبصورت لگ رہی تھی عمارت کے دائیں طرف ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی۔ صرف ایک کمرہ تھا جس کے دائیں طرف ایک چھوٹا سا مینار بنا ہوا تھا۔ مسجد والے اس کمرے کے سامنے ایک مختصر سا پختہ صحن بھی تھا وہ دونوں ٹہلتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔ یہاں الگ تھلگ گودام نما کمرے بنے ہوئے تھے جن کے دروازے خاصے مضبوط

aazzamm@yahoo.com

تھے۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر ٹہلتے رہے اور پھر واپس آ گئے۔ نولکھا اور ڈی کوسٹا برآمدے میں نہیں تھے۔ کسی کمرے میں جا چکے تھے۔ وہ دونوں انہیں تلاش کرتے رہے لیکن وہ کسی کمرے میں نظر نہیں آئے۔ اسی وقت رحیم بخش ادھر سے گزرا تو شارق نے اسے روک لیا۔

"ہمارے ساتھی کہاں گئے واجہ؟" اس نے پوچھا۔ ڈی کوسٹا سے اسے پتہ چل گیا تھا کہ بلوچ کسی کو احترام سے بلانے کے لئے واجہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے جناب یا بھائی صاحب وغیرہ۔

"وہ لوگ اوپر کمرے میں ہیں۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔ "آپ لوگ بھی گھومو پھرو..... مگر واجہ حویلی کے گیٹ سے باہر مت جانا۔ نہیں تو ہماری شامت آ جائے گی۔"

"فکر مت کرو۔ ہم لوگ حویلی سے باہر نہیں جائیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ لوگ اوپر کی منزل پر آ گئے۔ بظاہر چھوٹی نظر آنے والی یہ عمارت خاصی وسیع تھی۔ کئی کمرے تھے۔ دوسری منزل کے اوپر بھی ایک گول کمرہ بنا ہوا تھا۔ اس کمرے میں چاروں طرف چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سے دور تک سمندر دکھائی دے رہا تھا اور دوسری طرف جزیرے کا اندرونی علاقہ۔ شارق اور ثمینہ ایک کھڑکی کے سامنے کھڑے دیر تک باہر دیکھتے رہے۔ ریگستانی علاقہ تھا اور ببول یا اسی قسم کی جھاڑیاں بکثرت نظر آ رہی تھیں۔

وہ لوگ اس گول کمرے سے نکل کر دوسری منزل پر آ گئے اور بالآخر ایک کمرے میں انہیں نولکھا اور ڈی کوسٹا نظر آ گئے۔ وہ قالین پر ٹانگیں پسارے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شارق اور ثمینہ بھی ان کے قریب بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ انہیں قالین کہیں سے مفت میں مل گئے تھے۔ ہر کمرے میں قالین ہی قالین بچھے ہوئے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "اور تو اور دیواروں پر بھی قالین ٹنگے ہوئے ہیں۔ وہ دیکھو کتنی خوبصورت سیزی بنی ہوئی ہے اس قالین پر۔"

شارق دیوار پر ٹنگے ہوئے قالین کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ قالین چھ فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا تھا جس پر کسی نخلستان کی سیزی بنی ہوئی تھی۔ اس قسم کے قالین وہ مختلف کمروں میں دیکھ چکا تھا۔ یہ افغانی اور ایرانی قالین تھے جو آرائش کے لئے خصوصی طور پر تیار کئے جاتے تھے۔

نولکھا کی بات پر کسی نے تبصرہ نہیں کیا تھا۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں یہاں سے کب جانے دیتے ہیں۔" اس مرتبہ بھی نولکھا ہی نے لب کشائی کی تھی۔

"ملا بشیر پنج گوری نے کہا تو ہے کہ دو تین دن میں ہمیں یہاں سے بھیج دے گا۔ اور میرا خیال ہے ہمیں اس کی بات پر یقین کر لینا چاہئے۔" شارق نے جواب دیا۔

"اور یہ دو تین دن ہم یہاں قید میں رہیں گے۔" نولکھا بولا۔

"مجبوری ہے۔" شارق نے کندھے اچکا دیئے۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "شکر کرو کہ ہم آزاد ہیں۔ اپنی مرضی سے اس وسیع و عریض احاطے میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ اگر کہیں پکڑے جاتے تو جیل کی چھوٹی سی کوٹھری میں بند ہوتے اور تم دروازے کی آہنی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہیر وارث شاہ یا ماہیا گا رہے ہوتے۔"

"ہاں بھائی.... یہ بات تو ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "لیکن اس طرح یہاں بیٹھے بیٹھے تو ہم تختے کی طرح اکڑ جائیں گے۔"

"ٹھہرو.... ہمیں وقت گزارنے کے لئے اپنے لئے کوئی دلچسپی تلاش کرنی ہو گی۔ میں واجہ رحیم بخش سے پوچھتا ہوں۔ تاش وغیرہ مل جائے تو کام بن سکتا ہے۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

پندرہ منٹ بعد واپس آیا تو اس کے پاس بوسیدہ سے تاش تھے۔ وہ چاروں بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔ اس طرح وقت گزارنے میں کچھ آسانی ہو گئی۔

وہ دن بھر تاش کھیلتے رہے۔ دوپہر کا کھانا بھی انہوں نے اسی کمرے میں کھایا تھا۔ شام سے ذرا پہلے وہ لان میں آ کر بیٹھ گئے۔ چائے بھی انہوں نے یہیں بیٹھ کر پی تھی۔

شام کا اندھیرا پھیلنے میں ابھی تھوڑی دیر تھی کی فضا میں پھٹ پھٹ کی مدھم سی آواز سنائی دینے لگی۔ ان چاروں نے بیک وقت آسمان کی طرف دیکھا۔ آواز ہیلی کاپٹر سے کچھ ملتی جلتی تھی۔ لیکن صاف آسمان پر دور دور تک ہیلی کاپٹر کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر دفعتاً یوں لگا جیسے وہ آواز سمندر کی طرف سے آ رہی ہو۔

"میرا خیال ہے کوئی موٹر بوٹ ہے۔ تم لوگ یہیں بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر کھاڑی کے دہانے کی طرف چل پڑا۔

پرانی لانچ کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا اور سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ بائیں طرف سے ایک موٹر بوٹ آتی ہوئی نظر آئی جس پر دو آدمی تھے۔ ان کے جسموں پر وردی تھی جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کا تعلق کسی سرکاری ادارے سے تھا۔ شارق لانچ کی آڑ میں ہو گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر بھی دیکھا تھا۔ واجہ رحیم بخش ثمینہ وغیرہ کو ایک کمرے کی طرف لے جا رہا تھا۔

شارق ایک بار پھر سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک آدمی اب بوٹ میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے بیلٹ میں اڑسا ہوا ریوالور بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

"واجہ! میں تم کو ادھر ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں کھڑے ہو۔ وہ لوگ تمہیں دیکھ لیں گے تو

aazzamm@yahoo.com

غضب ہو جائے گا۔ اس لانچ کے کیبن میں گھس جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں باہر مت آنا۔ جلدی کرو۔"

وہ رحیم بخش تھا۔

شارق آڑ لیتا ہوا لانچ کے کیبن میں گھس گیا۔ اس نے رحیم بخش کو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کھاڑی کے دہانے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ آٹومیٹک رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔

موٹر بوٹ رک گئی۔ انجن بھی بند ہو گیا۔ شارق انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"کیا بات ہے واجہ! تم لوگ ادھر کس واسطے آئے ہو؟" یہ آواز واجہ رحیم بخش کی تھی۔

"کل رات کچھ لوگ ساحل پر اترتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ ہم انہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

یہ اس آدمی کی آواز تھی جو موٹر بوٹ سے اترا تھا۔ وہ اردو بول رہا تھا اور لہجہ بالکل صاف تھا.... شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی پاکستانی تھا۔ خلیج کی ریاستوں کی پولیس، فوج اور دیگر سرکاری محکموں میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

"بہت اچھے واجہ بہت اچھے۔" رحیم بخش نے کہا۔ "ان لوگوں کو کل رات ساحل پر اترتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور تلاش تم لوگ اب کر رہے ہو۔ کیا تمہارے خیال میں وہ لوگ ساحل پر کہیں بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"ان کے بارے میں ہمیں آج دوپہر کو اطلاع ملی تھی۔ ہم لوگ انہیں ساحلی بستیوں میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہم لوگ اس ڈیرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا واجہ!" رحیم بخش کے لہجے میں اس مرتبہ سختی تھی۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم یہ ملا بشیر پنج گوری کا ڈیرہ ہے اور اجازت کے بغیر کوئی اس کے اندر قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔"

"یہ ڈیرہ ملا بشیر پنج گوری کا ہو یا کسی اور کا۔ قانون سے کوئی بھی بالاتر نہیں ہے۔ ہم اس ڈیرے کی تلاشی لیں گے۔" اس شخص نے کہا۔

"تو پھر ہمت ہے تو قدم آگے بڑھاؤ واجہ۔" رحیم بخش نے کہا۔ "اس رائفل کی ساری گولیاں تمہارے جسم میں اتار دوں گا۔"

"دیکھو!" دوسرے آدمی کی آواز سنائی دی۔ "تم ہمارے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہو اور تمہارے خلاف بھی کارروائی ہو سکتی ہے۔"

"ارے واجہ! تم قدم تو آگے بڑھاؤ۔ پھر دیکھو میں تمہیں قانون کا کیسا تماشہ دکھاتا ہوں۔" رحیم بخش کی آواز میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اس آدمی کی شکست خوردہ سی آواز سنائی دی۔ "ہم دوبارہ یہاں آئیں گے۔ اور پھر دیکھوں گا کہ تم ہمیں اندر داخل ہونے سے کیسے روکتے ہو۔"

تھوڑی دیر بعد موٹر بوٹ کی آواز سنائی دی جو بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔ شارق لانچ کے کیبن سے باہر آ گیا۔

"اگر یہ مزید فورس لے کر واپس آ گیا تو؟" شارق نے رحیم بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو۔" رحیم بخش بولا۔ "دفتر واپس پہنچنے سے پہلے پہلے اس کی نوکری ختم ہو چکی ہو گی۔"

وہ دونوں حویلی کی طرف واپس آ گئے۔ رحیم بخش ایک کمرے میں گھس گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ کچھ دیر تک بلوچی زبان میں کسی سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے فون بند کر دیا اور شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ انہوں نے کھانا کھا لیا۔ مرغابی کا گوشت تھا۔ بے حد لذیذ۔

وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک گاڑی حویلی کے گیٹ کے سامنے آ کر رکی۔ رحیم بخش نے گیٹ کا ذیلی دروازہ کھولا اور جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ ان میں ایک خوب لمبا تڑنگا تھا۔ چہرے سے وہ بلوچ نہیں لگتا تھا۔ اس نے سفید بی شرٹ اور کالی پتلون پہن رکھی تھی۔ دوسرا درمیانے قد کا تھا۔ وہ بلوچ تھا۔ وہ لوگ دیر تک کھڑے باتیں کرتے رہے۔ پھر اس کمرے میں آ گئے جہاں شارق وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لمبے قد والا آدمی بڑی گہری نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ کو اس کی نظریں اپنے جسم میں چبھتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔

"ملا بشیر پنج گوری نے ان دونوں آدمیوں کو حویلی اور تم لوگوں کی حفاظت کے لئے بھیجا ہے۔" رحیم بخش نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں ریڈ کا خطرہ ہے کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں واجہ!" رحیم بخش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ان دونوں آدمیوں کو تو واپس اپنے دفتر پہنچنے سے پہلے ہی نہ صرف نوکری سے نکال دیا گیا ہے بلکہ مداخلت بے جا کے الزام میں انہیں گرفتار بھی کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ اب کوئی اور اس طرف آنے کی ہمت نہیں کرے گا لیکن

aazzamm@yahoo.com

سر پھرے لوگ بہت ہیں۔ اس لئے ملا بشیر پنج گوری نے ان لوگوں کو یہاں بھیج دیا ہے۔ اب تم لوگ فکر مت کرو۔"

فکر تو بہرحال انہیں تھی۔ وہ جب تک یہاں سے نکل نہ جاتے ان کی پریشانی ختم نہیں ہو سکتی تھی اور یہاں سے نکلنا ان کی اپنی مرضی پر منحصر نہیں تھا۔ اس کا انحصار ملا بشیر پنج گوری پر تھا کہ اس کی لانچ کب آتی ہے اور وہ انہیں گوادر کب روانہ کرتا ہے۔

اس رات وہ سب ایک ہی کمرے میں تھے اور دیر تک جاگتے رہے۔ نجانے کیا بات تھی کہ ثمینہ اپنے دل میں ایک عجیب سا خوف محسوس کرنے لگی تھی۔ شام کو نئے آنے والوں میں سے لمبے قد والے نے جب گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا تو یہ خوف اسی وقت اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اور کوشش کے باوجود اس سے نجات نہیں پا سکی تھی۔

رات خیریت سے گزر گئی۔ صبح ناشتے کے بعد انہیں پتہ چلا کہ لمبے قد والا جس کا نام سجاد تھا شہر واپس چلا گیا تھا۔ ثمینہ نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

وہ دن بھی انہوں نے تاش کھیلنے اور جیٹی لان اور حویلی میں گھومتے پھرتے گزارا تھا شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد سجاد واپس آ گیا۔ اسے دیکھ کر ثمینہ کے ذہن میں ایک بار پھر خوف سا ابھر آیا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ پھر ایک کمرے میں بند ہو گئے۔ نولکھا تھوڑی دیر بعد ہی اونگھنے لگا تھا۔ شارق اور ڈی کوسٹا باتیں کرتے رہے تھے۔ کل صبح ملا بشیر پنج گوری سے ملاقات ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ وہ شام کو چکر لگائے گا لیکن وہ نہ تو کل شام کو واپس آیا تھا اور نہ ہی آج اس نے ان کی خبر لی تھی۔ البتہ اس کے ملازمین ان کی بڑی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ یہاں اگرچہ انہیں کوئی تکلیف نہیں تھی لیکن اب ان پر وحشت سی طاری ہونے لگی تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے ساتھ کسی قسم کا دھوکا کیا جا رہا ہو۔" ثمینہ نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"دھوکا! میں سمجھا نہیں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"حاجی عبداللہ کا کام تو ہو گیا۔ اس نے ملا بشیر پنج گوری کو یہ ہدایت کی ہو کہ ہمیں ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اس قسم کے لوگوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو ہماری اس طرح خاطر مدارات نہ کی جاتی اور نہ ہی ہماری حفاظت کا بندوبست کیا جاتا۔"

"جسے تم ہماری حفاظت کا بندوبست کہہ رہے ہو یہ نگرانی بھی تو ہو سکتی ہے تاکہ ہم کہیں

فرار ہونے کی کوشش نہ کریں۔"

"رات تو گزار لی جائے۔ صبح میں فون پر ملا بشیر پنج گوری سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔" شارق نے کہا۔

وہ کچھ دیر اور باتیں کرتے رہے پھر ڈی کوسٹا بھی اونگھنے لگا۔

اس وقت شاید رات کے گیارہ بجے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ ثمینہ شارق کے قریب ہی لیٹی ہوئی تھی دفعتاً" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" شارق نے اس کی طرف دیکھا۔

"دل گھبرا رہا ہے۔ سانس گھٹ رہی ہے۔" ثمینہ سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"چلو باہر لان میں چلتے ہیں۔ تازہ ہوا میں طبیعت سنبھل جائے گی۔" شارق نے کہا۔

وہ دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ کچھ دیر برآمدے میں کھڑے رہے پھر لان میں آ کر ٹہلنے لگے۔ حویلی کے محافظوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کسی نے انہیں دیکھا بھی تھا تو ٹوکا نہیں تھا۔

"وہ سامنے سمندر میں کچھ روشنیاں دیکھ رہی ہو۔" شارق نے اشارہ کیا۔ "میرا خیال ہے کوئی جہاز ہے۔ چلو۔ جیٹی کی طرف چلتے ہیں۔"

وہ لوگ چبوترے پر چڑھ کر جیٹی کے پلیٹ فارم پر آ گئے اور پرانی لانچ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ وہ لوگ سمندر میں تیرتی ہوئی ان روشنیوں کو دیکھ رہے تھے جو بہت دور دائیں سے بائیں جاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

دفعتاً" اپنے عقب میں آہٹ سن کر شارق چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا لیکن اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کے سر پر کسی وزنی چیز سے ضرب لگی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچنے لگیں۔ وہ تیورا کر گرا۔

شارق کو آخری آواز جو سنائی دی تھی وہ ثمینہ کی چیخ تھی اور اس کے بعد شارق کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

چیخوں کی آواز سن کر وہ دونوں گڑبڑا کر اٹھ گئے۔

"یہ.... یہ کیسی آواز تھی' کون چیخا تھا؟" ڈی کوسٹا' نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ثمینہ!" نولکھا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہ ثمینہ کے علاوہ کسی اور کی آواز نہیں ہو سکتی۔"

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑا۔ ڈی کوسٹا نے بھی اپنی جگہ سے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت دروازے سے نکلنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آپس میں ٹکرا گئے۔ نولکھا تو سنبھل گیا مگر ڈی کوسٹا اس کی ٹکر سے دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کا سر دروازے کی چوکھٹ سے لگا تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑے نیچے جھکتا چلا گیا۔

"سنبھل کے بھائی ڈکوٹا۔ اٹھو' جلدی کرو۔" نولکھا نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

ڈی کوسٹا کو اچھی خاصی چوٹ لگی تھی - وہ ایک ہاتھ سے سر سہلا رہا تھا۔

چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی لیکن اس مرتبہ آواز بہت دور کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کسی موٹر بوٹ کے انجن کی پھٹ پھٹ کی ہلکی سی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

وہ دونوں برآمدے سے نکل کر جیٹی کی طرف دوڑنے لگے۔ تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ دفعتاً" نولکھا کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر گر گیا۔ وہ اس چیز کو ٹٹول کر دیکھنے لگا جس سے ٹکرا کر گرا تھا۔ اور پھر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ ایک انسانی جسم تھا۔ نولکھا نے جیب سے ماچس نکال کر دیا سلائی جلائی۔ دیا سلائی کی زرد روشنی میں شارق کا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بدحواس ہو گیا۔

ڈی کوسٹا بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔ شارق کو دیکھ کر وہ بھی بدحواس ہو گیا تھا۔ وہ بے ہوش تھا۔ نولکھا کی انگلیوں میں جلتی ہوئی دیا سلائی بجھ گئی۔ اس نے دوسری دیا سلائی جلائی اور اب اسے شارق کے سر سے بہتا ہوا خون بھی نظر آ گیا۔

"شارق.... شارق باؤ.... ہوش میں آؤ۔" نولکھا اسے کندھے سے جھنجھوڑنے لگا۔ مگر شارق ہوش میں نہیں آیا۔

"ڈکوٹا۔" نولکھا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم اسے سنبھالو۔ میں ثمینہ کو تلاش کرتا ہوں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ان کی موٹر بوٹ غائب تھی اور پیریز والا پائپ بھی اوپر اٹھا ہوا تھا۔

"ثمینہ.... ثمینہ بی بی.... کہاں ہو تم...." اس نے تاریکی میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پکارا لیکن جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

نولکھا کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر واپس آ گیا۔ ڈی کوسٹا' شارق کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کون ہے ادھر؟ ادھر کیا ہو رہا ہے؟"

وہ واجد رحیم بخش کی آواز تھی۔ نولکھا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رحیم بخش عمارت کے دائیں طرف والے برآمدے میں کھڑا تھا۔ اس طرف جلنے والے بلب کی مدھم سی روشنی میں اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل بھی نظر آ رہی تھی۔

"اوئے واجد!" نولکھا نے اسے پکارا۔ "ادھر آ' میں تیرا باجہ بجاتا ہوں۔ آ کر دیکھ یہ کیا ہو گیا ہے۔"

واجد رحیم بخش نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد جیٹی والے ایریا میں بھی دو بلب روشن ہو گئے۔ روشنی ہوتے ہی نولکھا پھر شارق کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے پر چوٹ تھی۔ سر کے بال اور گردن خون آلود تھی۔ وہ اس کا سر اور جسم کے دوسرے حصے ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ چوٹ صرف سر میں لگی تھی۔ جسم کے کسی اور حصے پر بظاہر کوئی اور نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ نولکھا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ چوٹ گرنے سے نہیں آئی تھی بلکہ شارق کے سر پر کسی چیز سے زور دار ضرب لگائی گئی تھی۔

"یہ.... یہ کیا ہوا؟ کون ہے یہ؟"

رحیم بخش کی آواز سن کر نولکھا نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ اپنا شارق باؤ ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے ہم نے ثمینہ کے چیخنے کی آواز سنی تھی۔ یہاں آئے تو شارق باؤ یہاں بے ہوش پڑا تھا۔ ثمینہ بی بی کا کچھ پتہ نہیں اور ہماری موٹر بوٹ بھی غائب ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"کیا بولتا پڑا ہے واجہ؟" رحیم بخش کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں ٹھیک بولتا پڑا ہوں۔" نولکھا نے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔ "کوئی ثمینہ کو اغواء کر کے لے گیا ہے اور یہاں کی بتیاں کیوں بجھی ہوئی تھیں حالانکہ یہاں رات بھر بتیاں جلتی رہتی ہیں۔"

"مجھے پتہ نہیں کس نے بجھائی تھیں۔ مگر وہ کون لوگ تھے؟ ثمینہ کو کون اٹھا کر لے گیا ہے؟ وہ کون لوگ تھے؟" رحیم بخش نے کہا۔

"اگر یہ پتہ ہوتا تو ہم تمہارے انتظار میں یہاں بیٹھے نہ ہوتے۔" نولکھا کے لہجے میں تلخی تھی۔ "وہ لوگ ثمینہ کو موٹر بوٹ میں لے گئے ہیں' ان کا پیچھا کرو۔"

رحیم بخش کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ وہ شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا... کیا یہ..." وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"بے ہوش ہے' مرا نہیں ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"اس کو ادھر کمرے میں لے چلو۔ ہوش میں لاؤ اور پوچھو وہ کون لوگ تھے؟" واجہ رحیم بخش نے کہا۔

"وہ اس کے رشتے دار نہیں تھے جنہیں یہ پہچانتا ہو۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں وہ کون تھے۔ اگر ان کا پیچھا نہ کیا گیا تو وہ ثمینہ کو لے کر کہیں دور نکل جائیں گے۔"

"تم لوگ اسے لے کر کمرے میں چلو... میں ابھی آتا ہوں۔" رحیم بخش کہتا ہوا عمارت کی طرف دوڑ گیا۔

نولکھا اور ڈی کوسٹا نے بے ہوش شارق کو اٹھایا اور اسے کمرے میں لا کر لٹا دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رحیم بخش بھی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ محمد دین اور لمبا تڑنگا سجاد بھی تھا۔ وہ دونوں حیرت سے شارق کو دیکھ رہے تھے۔

"محمد دین۔" رحیم بخش نے کہا۔ "تم اسے ہوش میں لاؤ اور سر کے زخم پر دوائی بھی لگا دو۔ اور سجاد... تم میرے ساتھ آؤ... چلو نولکھا۔"

وہ تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جیٹی پر آ گئے۔ رحیم بخش نے سفید لانچ کا جیٹی کے ہک سے بندھا ہوا رسہ کھولا اور وہ تینوں لانچ پر آ گئے۔ رحیم بخش وہیل کیبن میں آ گیا۔ اس نے لانچ کی بتیاں جلائیں اور پھر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ ایک ہی مرتبہ بٹن دبانے سے انجن اسٹارٹ ہو گیا تھا۔

"یہ لانچ واجہ ملا بشیر بیچ گوری کے ذاتی استعمال کے لئے ہے۔ اسے کسی اور کام کے لئے

استعمال نہیں کیا جاتا۔" رحیم بخش نے قریب کھڑے ہوئے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت مجبوری ہے' ہمارے پاس کوئی اور بوٹ وغیرہ بھی نہیں ہے۔"

ایک دو مرتبہ آگے پیچھے حرکت دینے کے بعد لانچ کا رخ کھاڑی کے دہانے کی طرف ہو گیا۔ وہ بڑی مہارت سے لانچ کو کھاڑی سے نکال لایا۔

"وہ لوگ کس طرف گئے تھے' دیکھا تھا تم نے؟" رحیم بخش نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھا تو نہیں تھا لیکن بوٹ کی آواز اس طرف سے آئی تھی۔" نولکھا نے اشارہ کیا۔

رحیم بخش نے سمندر میں آنے کے بعد لانچ کا رخ اسی طرف موڑ دیا۔ لانچ ساحل سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ہلکی رفتار سے چلتی رہی۔ اس طرف ساحل کا وہی علاقہ تھا جہاں اس رات وہ لوگ ساحل پر اترے تھے اور بوٹ چٹانوں میں چھوڑ دی تھی۔

"ساحل کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر وہ بوٹ کہیں نظر آ جائے تو بتا دینا۔" رحیم بخش نے کہا۔

نولکھا وہیل کیبن سے نکل کر عرشے پر آ گیا۔ سجاد پہلے ہی عرشے کی ریلنگ کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی۔ نولکھا بھی دونوں ہاتھ ریلنگ کے پائپ پر جما کر کھڑا ہو گیا۔ لانچ کے چاروں طرف سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں جن کی روشنی خاصی تیز تھی۔ ساحل کی یہ چٹانیں اس روشنی میں صاف نظر آ رہی تھیں۔

نولکھا گہری نظروں سے ساحل کی طرف دیکھ رہا تھا لانچ کبھی ساحل کے بہت قریب آ جاتی اور کبھی دور ہٹ جاتی۔ رحیم بخش اس ساحل کے چپے چپے سے واقف تھا۔ وہ اسی حساب سے لانچ کو کبھی ساحل کے قریب لے جاتا اور کبھی دور لے جاتا۔

وہ چٹانیں اب بہت پیچھے رہ گئی تھیں جہاں اس رات وہ لوگ ساحل پر اترے تھے۔ اب ساحل کے ساتھ ساتھ گنجان جھاڑیوں کا سلسلہ تھا اور ان سے آگے خاصی دور بندرگاہ کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ نولکھا کو یقین تھا کہ وہ لوگ ثمینہ کو لے کر بندرگاہ کی طرف نہیں گئے ہوں گے بلکہ اس سے پہلے ہی کسی جگہ ساحل پر اتر گئے ہوں گی۔ اس لئے نولکھا بڑی توجہ سے ساحل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید کہیں وہ موٹر بوٹ نظر آ جائے اور بالآخر وہ چیخ اٹھا۔

"روکو... لانچ روکو واجہ۔"

رحیم بخش نے اس کی آواز سن لی۔ لانچ چند گز آگے جا کر رک گئی۔ رحیم بخش کیبن سے نکل کر اس کے قریب آ گیا۔

"وہ ادھر جھاڑیوں میں۔" نولکھا نے اشارہ کیا۔ "مجھے یوں لگا تھا کہ جیسے وہاں گنجان جھاڑیوں

aazzamm@yahoo.com

میں کوئی کشتی چھپی ہوئی ہے۔"

رحیم بخش غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔ اس جگہ ساحل عمودی کنارے کی طرح تھا اور گنجان جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہاں کوئی چیز موجود ضرور ہے۔" رحیم بخش نے کہا۔ "سجاد! ربر کی کشتی اتارو اور تم دونوں وہاں دیکھ کر آؤ۔"

سجاد نے ربر کی کشتی پانی میں اتار دی۔ اس میں صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ رسی کی سیڑھی کے ذریعے سجاد اور نولکھا کشتی میں اتر آئے۔ سجاد نے اپنی رائفل اپنے پیروں کے قریب رکھ لی اور چپوؤں کی مدد سے کشتی کو چلانے لگا۔ پلاسٹک کے یہ چپو خاصے مضبوط تھے۔

جھاڑیاں وہاں سے تقریباً پچاس گز دور تھیں۔ نولکھا گہری نظروں سے اس طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً" وہ چیخ اٹھا۔

"وہ اس طرف۔" اس نے اشارہ کیا۔ وہ کشتی ہی ہے اور یقیناً وہی موٹر بوٹ ہے۔"

سجاد نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا اور کشتی کا رخ اسی طرف موڑ دیا۔ وہ موٹر بوٹ ہی تھی جو گنجان جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ کشتی بوٹ کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ وہ دونوں متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ انہیں جھاڑیوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ نظر آ گیا جو پینتالیس درجے کا زاویہ بناتا ہوا اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ یہ راستہ اس بھربھری چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ سجاد کشتی کو اس راستے کے قریب لے آیا۔ کشتی سے منسلک نائلون کی رسی کا سرا اس نے ایک جھاڑی کی شاخ سے باندھ دیا اور رائفل اٹھا کر بڑی احتیاط سے اس کٹاؤ پر چڑھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد نولکھا بھی اس کے قریب موجو تھا۔ وہ دونوں کٹاؤ پر چڑھتے ہوئے اوپر آ گئے۔

تقریباً پندرہ فٹ اوپر وہ مسطح جگہ پر پہنچ گئے۔ ان کے چاروں طرف جھاڑیاں تھیں۔ وہاں جھاڑیوں میں چلتے ہوئے چند قدم آگے جا کر رک گئے۔ یہ جگہ قدرے صاف تھی۔ سجاد رائفل کو دونوں ہاتھوں میں سنبھالے' ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور نولکھا اس طرح نتھنے پھلا پچکا رہا تھا جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تم بو محسوس کر رہے ہو.... پیٹرول کی بو؟" نولکھا نے کہا۔

"ہاں .... محسوس تو ہو رہی ہے۔" سجاد نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کچھ دیر پہلے تک یہاں کوئی ایسی گاڑی موجود تھی جس سے پیٹرول کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔"

نولکھا چند قدم اور آگے بڑھ گیا اور پھر دفعتاً" وہ چیخ اٹھا۔

"وہ.... وہ دیکھو.... کوئی گاڑی کھڑی ہے۔"

وہ دونوں دوڑتے ہوئے جھاڑیوں میں کھڑی ہوئی گاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ وہ کوئی لینڈ کروزر تھی۔ ریگستانی علاقوں میں عام طور پر اسی قسم کی گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔ وہ دونوں گاڑی میں جھانکنے لگے۔ گاڑی خالی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ انہی لوگوں کی گاڑی ہے جو ثمینہ کو اغواء کر کے لے گئے ہیں۔ شاید گاڑی کسی وجہ سے خراب ہو گئی ہے جسے وہ یہاں چھوڑ گئے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

"ایسا ہی لگتا ہے۔" سجاد نے کہا۔

"اس گاڑی کے نمبر سے اس کے مالک کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اور پھر یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا کہ یہ گاڑی کس کے استعمال میں تھی۔"

نولکھا جھک کر گاڑی کا نمبر دیکھنے لگا۔ اسی لمحہ اس کی چھٹی حس خطرے کا احساس دلانے لگی۔ وہ ایک دم سیدھا ہوا مگر اسے دیر ہو گئی تھی۔ سجاد رائفل کو نال کی طرف سے پکڑے اس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ نولکھا بڑی پھرتی سے ایک طرف جھکا مگر وہ پوری طرح اپنے آپ کو بچا نہیں سکا تھا۔ رائفل کا بٹ اس کے کندھے پر لگا۔ سجاد نے نشانہ تو اس کے سر کو بنایا تھا مگر نولکھا کے بروقت آگاہ ہو جانے سے رائفل کا بٹ سر کی بجائے اس کے کندھے پر لگا تھا۔ اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ ٹھیک اسی لمحہ سجاد نے اس پر دوبارہ حملہ کیا لیکن اس مرتبہ نولکھا نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائفل کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی ایک زور دار جھٹکا دیا۔

نولکھا کا یہ رد عمل غالباً سجاد کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ اس کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا جھاڑیوں میں گرا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی اور نولکھا کی گرفت بھی رائفل پر نہیں رہی تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر سجاد کی طرف لپکا۔ اس نے سجاد پر چھلانگ لگائی تھی۔ مگر سجاد نے اپنا ایک پیر اوپر اٹھا دیا۔ نولکھا اس کے پیر سے ٹکرا کر زمین پر گرا۔

سجاد نے فوراً ہی اسے چھاپ لیا۔ وہ اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے گلے پر گرفت جمانے کی کوشش کر رہا تھا مگر نولکھا بھی اس سے کمزور نہیں تھا۔ وہ بھی اس قسم کی لڑائیوں کا ماہر تھا۔ اس نے سجاد کی دونوں کلائیاں گرفت میں لے لیں اور پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ سجاد اس کے اوپر سے لڑھک کر بائیں طرف گرا۔ نولکھا فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس دوران سجاد بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہے تھے اور پھر یوں لگا جیسے دو پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ دونوں ایک ساتھ نیچے گرے تھے۔ وہ دونوں دیر تک ایک دوسرے کو جھاڑیوں میں رگیدتے رہے۔

aazzamm@yahoo.com

سجاد کا ہاتھ جھاڑیوں میں پڑی ہوئی رائفل پر پڑ گیا۔ نولکھا نے بھی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب ان دونوں میں رائفل کے لئے کشمکش ہونے لگی۔ رائفل کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ کشمکش میں ٹرائیگر دب گیا۔ فائر کی آواز سے ویرانہ گونج اٹھا۔ گولی نولکھا کے بالکل قریب جھاڑیوں میں دھنس گئی تھی۔

سجاد نے رائفل کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ رائفل ان دونوں کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتی ہوئی دور جھاڑیوں میں جا گری۔ اس کے ساتھ ہی نولکھا بھی لڑکھڑا کر گرا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سجاد اس پر حملہ آور ہو گا لیکن دوسرے ہی لمحہ سجاد نے جھاڑیوں میں ایک طرف دوڑ لگا دی۔

نولکھا بڑی پھرتی سے اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑا۔ اس کے پیر کو جھاڑیوں میں پڑی ہوئی رائفل سے ٹھوکر لگی۔ اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر رائفل اٹھا لی اور وہیں رک کر سجاد کی طرف نشانہ باندھنے لگا۔ سجاد تقریباً پچاس گز آگے نکل چکا تھا۔ نولکھا نے رائفل سیدھی کر کے ٹرائیگر دبا دیا۔ رائفل کا رخ قدرے نیچے کی طرف تھا۔

ویرانہ ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سجاد کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ نولکھا نے سجاد کو گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ نولکھا اس طرف دوڑا جس جگہ سجاد گرا تھا۔ وہاں رک کر وہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک طرف جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز سنائی دی تو وہ اس طرف لپکا۔ سجاد جھاڑیوں میں رینگتا ہوا وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اب ایک انچ بھی آگے سرکے تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔" نولکھا کے حلق سے بھیڑیئے کی سی غراہٹ نکلی۔ "اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"مم.... میں زخمی ہوں۔ میری ٹانگ میں گولی لگی ہے۔" سجاد کراہا۔

"اگر تم ایک سیکنڈ میں اٹھ کر کھڑے نہ ہوئے تو دوسری گولی تمہاری کھوپڑی میں لگے گی۔" نولکھا غرایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رائفل کی نال سے اس کی گردن پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔

"اٹھ.... اٹھ رہا ہوں۔" سجاد کراہا۔ گولی اس کی پنڈلی میں لگی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑا ہو سکا تھا۔

"چلو.... اب ساحل کی طرف چلو۔" نولکھا نے اس کی پشت پر رائفل کی نال سے دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں.... میں چل تو نہیں سکتا۔" سجاد کراہا۔

"میں تمہیں گود میں تو نہیں اٹھا سکتا۔" نولکھا غرایا۔ "چلو آگے بڑھو...."

سجاد لڑکھڑاتا ہوا آگے چلنے لگا۔ نولکھا اسے بار بار رائفل سے ٹھوکے دے رہا تھا۔ وہ تنگ سی

ڈھلان سے اتر کر پانی کے کنارے پر پہنچ گئے۔ نولکھا نے پہلے اسے ربر کی کشتی میں اتارا اور پھر خود بھی کشتی میں آ گیا۔

"چلو.... چپو چلاؤ۔" نولکھا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ وہ سجاد کے سامنے بیٹھا تھا اور سجاد کو اس نے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔

سجاد نے جھاڑی کی شاخ سے بندھی ہوئی رسی کھولی اور چپو سنبھال لئے۔ اب وہ لانچ کی روشنی کی زد میں تھے۔ کشتی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لانچ کے قریب پہنچ گئی۔

"کیا ہوا....؟ یہ فائرنگ کیسی تھی؟" رحیم بخش نے ریلنگ پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ غدار سجاد اوپر آ رہا ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔" نولکھا نے چیخ کر کہا۔

پہلے سجاد رسی کی سیڑھی سے اوپر چڑھا۔ نولکھا نے ربر کی کشتی کی رسی رسے والی سیڑھی سے باندھ دی اور پھر خود اوپر چڑھ گیا۔

سجاد عرشے پر ٹانگ پھیلائے بیٹھا ہوا تھا۔ پنڈلی سے خون بہہ رہا تھا اور رحیم بخش نے اسے رائفل کی زد میں لے رکھا تھا۔ نولکھا نے اوپر آ کر رسوں والی سیڑھی اور ربر کی کشتی اوپر کھینچ لی۔ وہ بری طرح ہانپ گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ یہ زخمی کیسے ہوا اور اس نے کیا غداری کی ہے؟" رحیم بخش نے پوچھا۔

"یہ انہی لوگوں کا ساتھی ہے جو شمینہ کو اغواء کر کے لے گئے ہیں۔" نولکھا نے کہا اور پھر تفصیل سے اسے سب کچھ بتانے لگا۔ "میں نے جب اس سے گاڑی کا نمبر نوٹ کرنے والی بات کی تو اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن بالآخر میرے قابو میں آ ہی گیا۔"

"یہ.... یہ جھوٹ بولتا ہے۔" سجاد نے کراہتے ہوئے کہا۔

"نہیں' یہ جھوٹ نہیں بول رہا۔" رحیم بخش نے کہا۔ "یہ تمہیں جانتا تک نہیں۔ تم سے اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے جو یہ تم پر جھوٹا الزام لگائے گا۔ یہ تو میں ڈیرے پر جا کر معلوم کر لوں گا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔" وہ نولکھا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "نولکا بھائی.... وہ ادھر ایک رسی پڑی ہوئی ہے۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔ ڈیرے پر جا کر معلوم کرتے ہیں کہ وہ کون لوگ تھے۔ لڑکی کو کہاں لے گئے ہیں ا اس کا ان سے کیا تعلق ہے؟"

نولکھا رسی اٹھا کر لے آیا اور سجاد کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے عرشے پر ڈال دیا۔ رحیم بخش نیچے چلا گیا۔ اس نے لانچ کی ساری فالتو بتیاں بجھا دیں اور لانچ کو حرکت میں لے آیا۔ انہیں ڈیرے تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ دین محمد کھاڑی کے دہانے کے قریب کھڑا تھا۔ لانچ پہنچتے ہی اندر داخل ہوئی اس نے بیریر گرا دیا اور دوڑتا ہوا جیٹی پر آ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"ان کا کچھ پتہ چلا.... ارے..... اس کو کیوں باندھا ہے؟" وہ حیرت سے سجاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ غدار ہے محمد دین۔" رحیم بخش نے کیبن سے نکلتے ہوئے کہا۔ "شارق ہوش میں آیا' اب کیسا ہے وہ؟"

"ہاں' ہوش میں آگیا ہے۔ چوٹ زیادہ گہری نہیں ہے۔ میں نے دوائی لگا دی تھی۔ دو تین دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔" دین محمد نے جواب دیا۔

اسی دوران ڈی کوسٹا اور شارق بھی وہاں آ گئے۔ شارق کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ محمد دین اور نولکھا نے سجاد کو نیچے اتارا اور اسے ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے کمرے تک لے آئے۔

"ثمینہ کا کچھ پتہ چلا؟" شارق نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" نولکھا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "لیکن پتہ چل جائے گا۔ یہ جو باگڑ بلا ہے نا۔" اس نے سجاد کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ان لوگوں کے ساتھ ملا ہوا ہے جو ثمینہ کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس نے مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں تو بچ گیا اور یہ خود میرے ہاتھ آ گیا۔" نولکھا اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔

"واجہ سجاد!" رحیم بخش اس کے قریب آ کر بولا۔ "تم نے ہم لوگوں کا ناک کٹوا دیا ہے۔ بلوچ تو مہمانوں کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں مگر تمہاری اس حرکت سے ہمارے سر جھک گئے ہیں۔ یہ لوگ کیا سمجھیں گے کہ بلوچ ایسے دھوکے باز اور بے ایمان ہوتے ہیں کہ مہمانوں کو بھی نہیں بخشتے۔ اب تم سب کچھ مجھے بتا دو گے یا میں ٹیلی فون کروں ملا بشیر پنج گوری کو؟"

"یہ مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے۔" سجاد نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"یہ پردیسی لوگ ہیں۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔ "زندگی میں پہلی مرتبہ تم کو دیکھا ہے تم پر جھوٹا الزام کیوں لگائے گا۔ کیا دشمنی ہے اس کی تم سے.... لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے ملا بشیر پنج گوری کو اطلاع دینی پڑے گی۔ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جسے آسانی سے چھوڑ دیا جائے...."

رحیم بخش چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کمرے سے نکل کر باہر چلا آیا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم لوگ آدھی رات کو اس طرف کیا لینے گئے تھے؟"

"تمہارے سامنے ہی تو ہم کمرے سے نکلے تھے۔" شارق نے کہا۔ "کمرے میں بیٹھے بیٹھے

ثمینہ کا دم گھٹنے لگا تھا۔ ہم لوگ کمرے سے نکل کر ٹہلتے ہوئے جیٹی پر چلے گئے تھے۔ جیٹی پر اندھیرا تھا۔ ہم لوگ پرانی لانچ کے قریب کھڑے ہو گئے۔ دور سمندر میں ایک جہاز کی بتیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہم جیٹی پر کھڑے تھے کہ اچانک ہی کسی نے تاریکی میں ہم پر حملہ کر دیا۔ میرے سر پر کسی ٹھوس چیز سے زور دار ضرب لگی تھی۔ میں نے ثمینہ کی چیخ سنی تھی۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔"

"جب تم لوگ اس طرف گئے تھے تو جیٹی پر اندھیرا تھا یا بتیاں بعد میں بجھی تھیں؟" یہ سوال ڈی کوسٹا نے کیا تھا۔

"بتیاں پہلے ہی سے بجھی ہوئی تھیں۔ جس پر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی۔ حالانکہ جیٹی پر تو رات بھر بتیاں جلتی رہتی ہیں بہرحال' میں نے توجہ نہیں دی تھی کہ بتیاں کیوں بجھی ہوئی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ پلاننگ سے ہوا ہے اور اس پلاننگ میں ڈیرے کا کوئی آدمی بھی شامل ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"یہی ہے اور کون ہو سکتا ہے۔" نولکھا نے سجاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں اوئے بجو! وہ کون تھے اور ان سے کیا رشتہ داری ہے تمہاری؟"

"بکواس کر رہے ہو تم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" سجاد نے جواب دیا۔

"رحیم بخش کو واپس آ لینے دو.... تم سے تو میں ایک منٹ میں اگلوا لوں گا۔" نولکھا نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ویسے ایک بات سن لو.... اگر ثمینہ بی بی کو ذرا سا نقصان بھی پہنچا تو میں تمہارے جسم کی اتنی بوٹیاں کروں گا کہ کوئی گن نہیں سکے گا۔"

اسی دوران رحیم بخش واپس آ گیا۔

"میں نے فون پر ملا بشیر پنج گوری کو بتا دیا ہے وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچ جائے گا۔ پنج گوری وہ آدمی ہے جو اپنے وفاداروں کے لئے تو موت سے بھی لڑ جاتا ہے لیکن غداروں کو وہ کبھی معاف نہیں کرتا۔" اس نے سجاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مم... میں نے کچھ نہیں کہا۔" سجاد جلدی سے بول اٹھا۔

"تمہارا شروع سے اب تک یہی ایک جواب رہا ہے۔" رحیم بخش نے کہا۔ "اب تو بشیر پنج گوری ہی تم سے پوچھے گا کہ بے قصور کون ہے اور قصور کس کا ہے۔"

"دیکھو رحیم بخش۔" سجاد اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم پرانے ساتھی ہیں۔ ایک سال ہو گیا ہے ہمیں ایک ساتھ رہتے ہوئے۔ تم جانتے ہو اس ایک سال میں کبھی ایسی کوئی بات نہیں

aazzamm@yahoo.com

ہوئی۔ میں ہمیشہ ملا پنج گوری کا وفادار رہا ہوں۔"

"تم جیسے لوگوں کا ایمان بدلتے دیر نہیں لگتی۔" رحیم بخش نے کہا۔ "ایک سال پہلے تم بمبئی میں مستان دادا کے پاس تھے نا.... اسے چھوڑ کر تم ملا پنج گوری کے پاس آ گئے تھے۔ مستان دادا کے پاس تم نے کوئی لمبا ہی ہاتھ مارا تھا کیونکہ وہ تقریباً چار مہینے تک ملا پنج گوری کے پیچھے لگا رہا تھا کہ تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے مگر ملا پنج گوری تمہیں پناہ دے چکا تھا۔ اس نے کسی قیمت پر بھی تمہیں مستان دادا کے حوالے نہیں کیا۔ اور تم نے اس نیکی کا یہ صلہ دیا کہ مہمانوں کے سامنے اس کی عزت خاک میں ملا دی۔ ملا پنج گوری تھوڑی دیر میں یہاں آنے والا ہے۔ وہ خود ہی تم سے سب کچھ معلوم کر لے گا۔"

"میں بے قصور ہو رحیم بخش۔" سجاد کراہا۔ "دیکھو... دیکھو میری ٹانگ زخمی ہے... خون بہہ رہا ہے۔ اس کا کوئی..."

"اگر تھوڑا سا خون بہہ بھی جائے تو تم جیسے گینڈے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔" رحیم بخش نے کہا۔ "تھوڑی دیر اور انتظار کر لو۔ ملا پنج گوری ہی آ کر یہ فیصلہ کرے گا کہ اس زخم پر مرہم لگایا جائے یا اس زخم کو اور پھیلایا جائے۔"

"اب بھی وقت ہے واجہ۔" محمد دین نے سجاد کی طرف دیکھا۔ "سب کچھ بتا دو۔ لڑکی کو ہم برآمد کر لیں گے اور ملا پنج گوری کو بھی سنبھال لیں گے۔"

"یہ کچھ نہیں بتائے گا محمد دین۔" رحیم بخش نے کہا۔ "تم گیٹ پر جاؤ۔ واجہ پنج گوری آنے ہی والا ہو گا۔ وہ میری بات سنتے ہی غصے میں آ گیا تھا اور فوراً ہی روانہ ہو گیا تھا۔"

"جاتا ہوں واجہ۔" محمد دین نے کہا اور اپنی رائفل سنبھالے گیٹ سے نکل گیا۔

"تم لوگ میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آ جاؤ۔ اب اس کے پاس بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" رحیم بخش نے شارق وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں رحیم بخش کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئے۔ رحیم بخش تو انہیں چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا اور وہ تینوں صورت حال پر اظہار خیال کرنے لگے۔

"ہم یہاں بالکل اجنبی ہیں کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم یہاں پر موجود ہیں پھر وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" شارق نے کہا۔

"یہ ساری اسی کی سازش ہے۔" نولکھا کا اشارہ سجاد کی طرف تھا۔ "لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو ہم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"تم بھی بہت بھولے ہو نولکھے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "بات دشمنی کی نہیں لیکن اگر معاملہ

کسی خوبصورت لڑکی کا ہو تو وہاں کسی دشمنی کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ثمینہ جیسی حسین لڑکیاں بہت کم نظر آتی ہیں۔ اسی کو دیکھ کر اس کی نیت میں فتور آ گیا ہو گا۔ تھوڑی دیر پہلے رحیم بخش نے بتایا تھا کہ یہ سجاد ایک سال پہلے بمبئی کے مستان دادا کے پاس تھا۔ اس کے ساتھ کوئی فراڈ کر کے بھاگا تھا اور ملا بشیر پنج گوری نے اسے پناہ دی تھی۔ مجھے تو لگتا ہے وہ بھی ایک ڈرامہ ہی تھا۔ اس قسم کے لوگ بڑے لمبے منصوبے بنایا کرتے ہیں۔"

"مستان دادا کون ہے؟" اس مرتبہ شارق نے پوچھا۔

"بمبئی کا سونے کا بہت بڑا اسمگلر۔" ڈی کوسٹا نے جواب دیا۔ "کچھ عرصہ پہلے تک تو وہ صرف سونے کی اسمگلنگ کیا کرتا تھا لیکن پھر سنا تھا کہ ہیروئن کا پیسہ بھی اس کے منہ کو لگ گیا تھا۔ خلیج کی ریاستوں سے جتنا سونا وہ اسمگل کرتا ہے اتنا اس خطے کے سات اسمگلر مل کر بھی نہیں کرتے ہوں گے.... تم لوگ اس لائن میں نئے نئے آئے ہو۔ آہستہ آہستہ سب کے بارے میں جان جاؤ گے کہ کون کیا کرتا ہے۔"

"اب بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔" شارق نے کہا۔ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت بمبئی کے مستان دادا کا گروہ چھوڑ کر آیا تھا اور ملا بشیر پنج گوری کے گروہ میں محض اس لئے شامل ہوا تھا کہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد اس کے راز مستان دادا کو پہنچاتا رہے؟"

"میرا مطلب بالکل یہی تھا۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "اب تو یہ ملا بشیر پنج گوری کو ہی پتہ ہو گا کہ اس ایک سال کے عرصہ میں اس گینڈے کی وجہ سے اسے کوئی نقصان اٹھانا پڑا ہے یا نہیں۔"

"ایک اور بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "جس روز ہم لوگ یہاں آئے تھے اس کے اگلے ہی روز کوسٹ گارڈ والے ہمارے بارے میں معلوم کرنے آئے تھے جنہیں رحیم بخش نے بھگا دیا تھا اور ملا پنج گوری سے ان کی شکایت بھی کی تھی اور انہیں اسی روز ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ اس سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اس ملا پنج گوری کے تعلقات بہت ہیں۔ اور دوسری بات جو میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے ملا پنج گوری سے انتقام لینے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہو۔ انہوں نے کسی طرح سجاد کو اپنے ساتھ ملا لیا ہو اور کہا ہو کہ اگر ہم لوگ یہاں چھپے ہوئے ہوں تو انہیں اطلاع دے دے۔ میرے ذہن میں یہ شبہ اس لئے بھی ابھرتا ہے کہ سجاد آج دن بھر ڈیرے سے غائب رہا تھا۔ ممکن ہے اس نے ان لوگوں سے مل کر پروگرام بنایا ہو اور جیپ والے حصے کی بتیاں بھی اسی نے بجھائی ہوں حالانکہ وہ بتیاں رات بھر جلتی رہتی ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہو سکتا ہے یہ بات بھی ہو۔" ڈی کوسٹا نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "بہرحال' حقیقت کیا ہے؟ یہ تو ملا پنج گوری کے آنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔ وہ سب کچھ معلوم کر لے گا۔"

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حویلی کے اندر دو تین گاڑیاں رکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ تینوں اٹھ کر دروازے میں آ گئے۔ ایک مرسیڈیز کار تھی اور اس کے آگے اور پیچھے دو جیپیں تھیں۔ ہر جیپ میں چار چار گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں وہیں کھڑے گاڑیوں کی طرف دیکھتے رہے۔ اس وقت رات کے دو بجے تھے اور اس وقت ملا پنج گوری کی آمد کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اس معاملے کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی۔

مرسیڈیز کار کا دروازہ کھلا اور ملا بشیر پنج گوری برآمد ہوا۔ اس نے ویسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ لمبا سا چغہ' سر پر سیاہ ریشمی رومال اور ہاتھ میں تسبیح۔ اس نے کار سے اتر کر ان لوگوں کی طرف سرسری سے انداز میں دیکھا تھا پھر اپنے مخصوص کمرے میں چلا گیا۔ رحیم بخش بھی اس کے ساتھ ہی کمرے میں گیا تھا۔ وہ تینوں برآمدے میں کھڑے انتظار کرتے رہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد رحیم بخش کمرے سے باہر آیا اور اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔ وہ تینوں اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئے۔ ملا پنج گوری مخصوص انداز میں گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں تسبیح تھی اور تسبیح کے دانے مسلسل چل رہے تھے۔ اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ سنجیدگی تھی۔ اس نے ان تینوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ اس کے سامنے قالین پر بیٹھ گئے۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔" ملا پنج گوری نے کہا۔ "اس سے ہم بلوچوں کی روایت کو نہ صرف شدید دھچکا پہنچا ہے بلکہ میرے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچائی گئی ہے۔ ہم بلوچ تو مہمانوں کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ ہمارا کوئی جانی دشمن بھی مہمان بن کر آ جائے تو ہم اپنی روایات کے مطابق اپنی حیثیت سے بڑھ کر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ لیکن یہاں جو کچھ بھی ہوا اس سے اگرچہ میرا یا میرے آدمیوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس پر بہت شرمندگی ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ جہاں مختلف لوگ گروہ کی صورت میں کام کر رہے ہوں ان میں ایک آدھ کالی بھیڑ بھی گھس ہی آتی ہے۔ یہاں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ ابھی پتہ چل جائے گا کہ قصہ کیا ہے مگر نولکھا بھائی..... پہلے تم بتاؤ..... کیا ہوا تھا؟"

نولکھا اسے صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"جب میں نے یہ کہا کہ اس گاڑی کے نمبر سے ان لوگوں کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے اور پھر میں نمبر دیکھنے کے لئے جھکا تو سجاد نے رائفل کے بٹ سے مجھ پر حملہ کر دیا۔ وہ تو

قسمت اچھی تھی کہ میں بچ گیا۔ اور پھر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن رائفل میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں نے گولی چلا دی جو اس کی ٹانگ میں لگی اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ میں اسے لے کر لانچ پر آ گیا۔ ہم سے بھلا اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ یہ تو آپ کے خلاف سازش ہے۔ آپ کو بدنام کرنے کے لئے اور یہ آج دن میں غائب بھی رہا تھا۔ مجھے تو شک ہے کہ یہ سازش اس نے دن کے وقت ہی کسی کے ساتھ مل کر تیار کی تھی۔ جیٹی کے ایریا میں رات کو بتیاں جلتی رہتی ہیں لیکن آج وہ بتیاں بھی بجھی ہوئی تھیں۔"

"یہ کہاں گیا تھا رحیم بخش؟" ملا پنج گوری نے پوچھا۔

"یہ تو یہ بول کر گیا تھا کہ اسے شہر سے اپنی کچھ چیزیں لانی ہیں۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔

"اور جیٹی کی بتیاں کیسے بجھی ہوئی تھیں؟" ملا پنج گوری نے پوچھا۔

"بات یہ ہے واجہ میں اور محمد دین دو تین دن سے مسلسل جاگتے رہے تھے۔ آج ہم نے سجاد کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔ میں اور محمد دین اپنے کمرے میں جا کر سو گئے تھے۔ پھر چیخوں کی آواز سن کر میری آنکھ کھلی تھی۔"

"اس طرح تو شک اسی پر جاتا ہے۔" پنج گوری اٹھتے ہوئے بولا۔ "تو چلو ذرا اس سے معلوم تو کرتے ہیں۔"

وہ تینوں بھی اٹھ گئے۔ وہ لوگ کمرے سے نکل کر برآمدے میں چلتے ہوئے اس کمرے کی طرف چلنے لگے جہاں سجاد کو رکھا گیا تھا۔ برآمدے کے سامنے گاڑیوں کے قریب ملا پنج گوری کے گن مین کھڑے تھے۔

وہ لوگ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سجاد بندھا ہوا فرش پر پڑا تھا۔ ملا پنج گوری کو دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"سنا ہے تم زخمی ہو گئے ہو..... کیا ہوا واجہ سجاد..... کس نے گولی ماری ہے تمہیں اس کا نام تو بتاؤ..... ابھی دیکھو تمہارے سامنے اس کے ٹکڑے کرتا ہوں۔" ملا بشیر پنج گوری نے سجاد کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردانہ اور نرم لہجے میں کہا۔ "کس میں اتنی ہمت ہے کہ ہمارے ہی علاقے میں ہمارے ہی آدمی کو گولی مار دے؟"

ملا بشیر پنج گوری کے چہرے پر نرمی اور لہجے میں ہمدردی پا کر سجاد کے چہرے پر کچھ رونق سی آ گئی۔ وہ ہمت پا کر نولکھا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ..... یہ ہے وہ..... واجہ..... اس نے مجھے گولی ماری تھی۔ اس نے تو مجھے قتل کرنا چاہا تھا مگر قسمت اچھی تھی کہ میں بچ گیا۔"

aazzamm@yahoo.com

"کیوں واجہ نولکھا؟" ملا بشیر پنج گوری نولکھا کی طرف گھوم گیا۔ "کیا تم کو پتہ نہیں تھا کہ یہ میرا آدمی ہے۔"

"واجہ پنج گوری.... ابھی تو.... آپ...." نولکھا ہکلا کر رہ گیا۔ شارق اور ڈی کوسٹا کے چہروں پر بھی ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔

"کیا تمہیں پتہ نہیں تھا کہ ایک سال پہلے جب یہ بمبئی کے مستان دادا کے پاس سے بھاگ کر آیا تھا تو میں نے اسے پناہ دی تھی اور میں جس کو پناہ دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بدترین دشمن بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جب سے یہ سجاد میرے پاس آیا ہے میں تین مرتبہ بھاری نقصان اٹھا چکا ہوں۔ دو مرتبہ میری لانچیں پکڑی گئیں اور تیسری مرتبہ بمبئی میں میرے گودام پر چھاپہ مار کر میرا لاکھوں کا مال پکڑا گیا۔ کیا تمہیں پتہ نہیں تھا کہ میں اس کی ساری حرکتوں کو نظرانداز کرتا رہا تھا اور اسے ڈھیل دے رکھی تھی...."

نولکھا اور شارق وغیرہ کے چہروں کی رنگت اعتدال پر آنے لگی۔ انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سجاد کے جرائم گنوا رہا تھا اور اسے باور کروا رہا تھا کہ وہ اس کی حرکتوں سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہا تھا۔ اس کے برعکس سجاد کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے سائے ابھرنے لگے تھے۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے ملا بشیر پنج گوری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ واجہ پنج گوری بدستور نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"جب پہلی مرتبہ سمندر میں مال سے بھری ہوئی میری لانچ پکڑی گئی تھی تو میں اسے محض ایک اتفاق سمجھا تھا لیکن اس کے ایک مہینے بعد جب دوسری لانچ پکڑی گئی تو مجھے شبہ ہوا کہ مخبری کی گئی ہے۔ میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ میرے آدمیوں میں ایسا کون ہو سکتا ہے جو میرے خلاف مخبری کرنے کی جرات کر سکتا ہو۔ مجھے اس شخص پر شبہ تھا۔ میں نے یہ بات اس کے کانوں میں ڈال دی کہ دو دن بعد میرا مال بمبئی کے گودام میں پہنچنے والا ہے۔ میری توقع کے عین مطابق تین دن بعد گودام پر چھاپہ پڑا۔ پولیس کو وہاں سے کچھ نہیں ملا تھا لیکن میں نے اس کے سامنے یہ بتایا کہ میرا لاکھوں کا مال پکڑا گیا ہے۔ اس نے افسوس کا اظہار کیا لیکن اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک میں نے دیکھ لی تھی۔ اگرچہ میرے شبہے کی تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ مخبری ہے مگر میں نے اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہ تقریباً پندرہ دن پہلے کی بات ہے۔ میں اسے ایک اور موقع دینا چاہتا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تین چار دن پہلے میں نے اسے بتایا کہ پاکستان کی ایک پارٹی کے کچھ آدمی میرے پاس آئے ہوئے ہیں۔ اس سے اگلے

ہی روز کوسٹ گارڈ کے دو آدمی چیکنگ کے لئے یہاں بھی پہنچ گئے۔ رحیم بخش نے مجھے اطلاع دی تو میں نے انہیں نوکری ہی سے نکلوا دیا۔ سجاد کے بارے میں میرا خیال تھا کہ یہ تم لوگوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف کوئی سازش کرے گا۔ لیکن اس نے شاید کچھ اور سوچا تھا۔ مجھے معلوم ہے اس لڑکی کو کون اٹھا کر لے گیا ہو گا اور میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اسے برآمد کر سکتا ہوں لیکن میں اس کی زبان سے سننا چاہتا ہوں کہ لڑکی کہاں ہے...." وہ سجاد کی طرف گھوم گیا۔ "کیوں واجہ سجاد؟" اس مرتبہ اسکے ہونٹوں سے نکلنے والی آواز سانپ کی پھنکار سے مشابہہ تھی۔ "خود بتاؤ گے وہ لڑکی کہاں ہے یا میں اپنے آدمیوں سے کچھ کہوں؟"

"مم... میں کچھ نہیں جانتا واجہ۔" سجاد کانپ گیا۔

"نہیں کا لفظ میں نے کبھی نہیں سنا۔" ملا پنج گوری پھنکارا۔

"واجہ میں...."

"رحیم بخش..." ملا بشیر پنج گوری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے رحیم بخش کی طرف دیکھا۔ "ہم دوسرے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اس سے پانچ منٹ میں معلوم کرو کہ لڑکی کہاں ہے؟ اگر تم چاہو تو باہر سے کسی کو مدد کے لئے بلا سکتے ہو اور محمد دین.....واجہ تم ہم لوگوں کو چائے تو پلاؤ۔"

ملا بشیر پنج گوری شارق وغیرہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سجاد کی چیخوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔ محمد دین قہوہ لے کر آ گیا لیکن رحیم بخش نے ابھی تک آ کر رپورٹ نہیں دی تھی۔ وہ لوگ چائے پی رہے تھے کہ رحیم بخش آ گیا۔

"کیا بولا اس نے؟" ملا بشیر پنج گوری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لڑکی کو سلمان اور اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے ہیں۔" رحیم بخش نے بتایا۔

"سلمان کون ہے؟" ملا پنج گوری نے پوچھا۔

"کوسٹ گارڈ کا وہ آدمی جو یہاں آیا تھا اور جسے آپ کے کہنے پر نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔" رحیم بخش نے بتایا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔" ملا پنج گوری بولا۔ "وہ لوگ شاید لڑکی کو اپنے محکمہ کے افسروں کے سامنے پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے اپنے ڈیرے میں غیر ملکیوں کی موجودگی کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ وہ مجھے جھوٹا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکی کو کہاں لے کر گئے ہیں؟"

"مرشد کے ڈیرے پر۔" رحیم بخش نے بتایا۔

"تین چار آدمیوں کو لے کر جاؤ اور لڑکی کو لے کر آؤ۔ ان کے کتنے بھی آدمی مرتے ہیں، مر

aazzamm@yahoo.com

جانے دو..... میں صبح سے پہلے پہلے لڑکی کو یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" ملا پنج گوری نے کہا۔

"سجاد کا کیا کریں واجہ؟" رحیم بخش نے پوچھا۔

ملا بشیر پنج گوری نے منہ سے جواب دینے کے بجائے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے نیچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"ٹھیک ہے واجہ' سمجھ گیا۔" رحیم بخش نے کہا۔

"واجہ! اگر آپ اجازت دو تو میں اس کے ساتھ چلا جاؤں۔" نولکھا نے کہا۔

ملا بشیر پنج گوری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے نولکھا کو ان لوگوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

نولکھا رحیم بخش کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا جہاں وہ لوگ سجاد کو چھوڑ کر گئے تھے۔ اس وقت سجاد کو دیکھ کر نولکھا کانپ اٹھا۔ اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں سے خون نہ بہہ رہا ہو۔ فرش بھی دور دور تک خون سے تر ہو رہا تھا۔ سجاد مرا نہیں تھا زندہ تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ ہوش میں تھا آہٹ سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن اس کی آنکھیں فوراً ہی بند ہو گئیں۔

رحیم بخش نے دو آدمیوں کو باہر سے بلوایا۔ وہ بھی سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے سروں پر بھی روایتی انداز میں سیاہ رومال بندھے ہوئے تھے۔

"اس کو اٹھا کر جیپ میں ڈالو اور ایک بڑی رسی بھی لے لو۔ مولا داد اور دادو سے کہو وہ بھی جیپ میں بیٹھ جائیں۔ تم لوگ بھی جیپ میں بیٹھو اور اپنا اسلحہ پاس رکھو۔" رحیم بخش نے کہا۔

وہ دونوں زخموں سے چور سجاد کو اٹھا کر ایک جیپ کی طرف لے گئے۔ ان میں سے ایک کا نام مولا بخش تھا اور دوسرے کو رحیم بخش نے تربتی کے نام سے مخاطب کیا تھا۔

رحیم بخش کے اپنے پاس بھی ایک آٹومیٹک رائفل موجود تھی جس میں ایک میگزین تو فٹ تھا اور ایک فاضل میگزین اس کے ساتھ ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ وہ ایک کمرے سے جا کر ایک اور رائفل لے آیا۔ اس کے ساتھ بھی دو میگزین تھے۔

"رائفل چلانا جانتے ہو نا واجہ نولکا؟" اس نے دوسری رائفل نولکھا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں یہی سب کچھ تو سیکھا ہے واجہ۔" نولکھا اس سے رائفل لے کر چیک کرنے لگا۔

وہ سب لوگ ایک جیپ پر سوار ہو گئے۔ جیپ کے پچھلے حصے میں دو سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ مولا بخش اور دادو ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور تربتی اور مولا داد سامنے والی سیٹ پر۔ ان

چاروں کے پاس اسی قسم کی آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ ان کے درمیان فرش پر سجاد پڑا تھا۔ اس کے جسم کو بار بار ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔

رحیم بخش ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور نولکھا اس کے ساتھ والی سیٹ پر۔ جیپ اسٹارٹ ہو کر حویلی کے گیٹ سے نکلی۔ کچھ دور تک پختہ سڑک پر دوڑتی رہی پھر سڑک چھوڑ دی گئی۔ اب جیپ ریگستان میں دوڑ رہی تھی۔ ریت سخت تھی اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں جھاڑیاں بکثرت نظر آ رہی تھیں۔

جیپ تقریباً ایک میل تک ویرانے میں دوڑتی رہی پھر ایک جگہ رک گئی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ٹیلا نما چھوٹی چھوٹی چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ سناٹے میں شور کی آواز سن کر نولکھا کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان چٹانوں کے دوسری طرف سمندر تھا جس کی لہریں چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

رحیم بخش کی ہدایت پر دادو اور تربتی نے زخمی سجاد کو جیپ سے اتار کر زمین پر ڈال دیا۔ مولا داد ایک بڑا سا پتھر اٹھا لایا جسے رسی کی مدد سے سجاد کے سینے پر باندھ دیا گیا اور پھر تربتی اور دادو سجاد کو اٹھا کر چٹانوں کی طرف لے گئے۔ وہ کچھ دیر تک ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نظر آتے رہے پھر چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ دس منٹ بعد وہ خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ نولکھا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ سجاد کو سمندر میں پھینک آئے تھے۔ تربتی اور دادو نے کچھ ریت اٹھا کر جیپ کے فرش پر ڈال دی جہاں سجاد کے جسم سے بہنے والا خون بکھرا ہوا تھا۔ وہ لوگ جیپ پر بیٹھ گئے اور جیپ ایک بار پھر حرکت میں آ گئی۔ اس مرتبہ جیپ کا رخ مخالف سمت میں تھا۔

جب وہ لوگ حویلی سے روانہ ہوئے تھے تو تین بجے تھے۔ جیپ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک تیز رفتاری سے دوڑتی رہی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دادو وغیرہ بلوچی زبان میں باتیں کر رہے تھے جبکہ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا نولکھا ہیڈ لیمپس کی روشنی میں خاموشی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ دائیں طرف بہت دور کہیں کہیں جھلملاتی ہوئی سی روشنیاں دکھائی دی تھیں مگر ان کے راستے میں ویرانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

دفعتاً رحیم بخش نے جیپ کی تمام بتیاں بجھا دیں۔ نولکھا ایک دم اچھل پڑا۔ روشنیاں بند کر دینے کے باوجود جیپ کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا یہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ جیپ کسی ان دیکھے کھڈ میں بھی گر سکتی تھی۔ لیکن رحیم بخش تقریباً پندرہ منٹ تک جیپ کو اسی رفتار سے دوڑاتا رہا پھر جب اس نے رفتار کم کی تو نولکھا کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔

جیپ اب ڈھلان پر تھی لیکن اس کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔ رحیم بخش شاید اس

aazzamm@yahoo.com

ڈھلان کی وجہ سے محتاط ہو گیا تھا۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ مزید طے ہو جانے کے بعد جیپ کی رفتار مزید کم ہو گئی.... سامنے بہت دور کسی قدر دائیں طرف ٹمٹماتی ہوئی سی ایک روشنی نظر آ رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی اونچی جگہ کوئی بلب لگایا گیا ہو۔ رحیم بخش نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر داود سے مخاطب ہو کر کچھ کہا۔ اس نے بھی جواب میں کچھ کہا اور رحیم بخش نے جیپ بائیں طرف موڑ دی۔

اس طرف کچھ ہی آگے جا کر قد آدم جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جھاڑیوں میں کافی اندر جانے کے بعد رحیم بخش نے جیپ روک لی اور انجن بند کر دیا۔ انجن بند ہوتے ہی وہ سب لوگ نیچے اتر آئے اور جھاڑیوں میں ایک طرف چلنے لگے۔ نولکھا' رحیم بخش کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جھاڑیاں کانٹے دار تھیں۔ نولکھا کے ہاتھوں پر ایک دو جگہ خراشیں بھی آئی تھیں جن میں جلن سی ہونے لگی تھی۔

تقریباً ایک میل تک جھاڑیوں میں چلتے ہوئے وہ دائیں طرف مڑ گئے۔ اب وہ اس روشنی کی طرف بڑھ رہے تھے جو لحہ بہ لحہ قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ نولکھا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہی وہ جگہ تھی جہاں انہیں چھاپہ مار کارروائی کرنا تھی اور غالباً اسی جگہ کو رحیم بخش نے مرشد کے ڈیرے کا نام دیا تھا۔

تقریباً نصف میل تک چلتے رہنے کی بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ اب وہ عمارت بھی نظر آ رہی تھی جس پر بلب جل رہا تھا۔ اس کے اطراف میں اونچی چار دیواری تھی۔ اور داخلے کا گیٹ غالباً دوسری طرف تھا۔ نولکھا کے اندازے کے مطابق وہ عمارت وہاں سے تقریباً دو سو گز دور تھی۔

وہ سب لوگ رک کر بلوچی زبان میں آپس میں مشورہ کرنے لگے۔

نولکھا خاموش کھڑا تاریکی میں ادھر ادھر گھورتا رہا۔ ان کی باتوں کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک آپس میں مشورے کرتے رہے اور پھر آگے چل پڑے۔ اب وہ محتاط انداز میں چل رہے تھے۔ ان سب نے رائفلیں تان رکھی تھیں جنہیں کسی بھی لحہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ نولکھا نے بہت سی ایسی فلمیں دیکھی تھیں جن میں چند فوجی کمانڈوز کسی خاص مشن پر روانہ ہوتے ہیں۔ اس وقت نولکھا بھی اپنے آپ کو کسی ایسے ہی مشن کا ایک حصہ سمجھ رہا تھا اور حقیقت بھی یہ تھی کہ یہ ایک کمانڈو آپریشن ہی تھا۔ جس میں جان جانے کا خطرہ بھی تھا۔ نولکھا اپنے آپ میں عجیب سی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ اپنے ملک میں رہتے ہوئے اس کا کئی مرتبہ پولیس مقابلہ ہوا تھا' مخالف پارٹیوں سے محاذ آرائی ہوتی رہتی تھی لیکن ایسی سنسنی اس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ اجنبی ملک تھا۔ اجنبی لوگ تھے۔

تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر رک گئے۔ اب آگے جھاڑیاں کچھ چھدری ہو گئی تھیں اور ویسے بھی اب آگے بڑھنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ وہ لوگ بھی غیر محتاط نہیں ہوں گے۔

"داود.... مولا بخش....." رحیم بخش نے سرگوشی کی۔ "تم دونوں اس طرف جاؤ اور دیوار کے ساتھ گھوم کر دوسری طرف سے اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔ مولا داد اور تربتی تم دونوں سامنے سے دیوار پر چڑھو گے۔ لیکن تم دونوں کے درمیان کم از کم پندرہ فٹ کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ تم لوگ اس وقت تک فائر نہیں کرو گے جب تک کسی اور طرف سے فائر نہ ہو اور نولکھا.... تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ چاروں رحیم بخش کی ہدایات کے مطابق بتائی ہوئی سمتوں میں چل دیئے جبکہ نولکھا' رحیم بخش کے ساتھ دائیں طرف چلنے لگا۔ جھاڑیاں اب بہت ہی چھدری ہو گئی تھیں اور اندیشہ تھا کہ تاریکی ہونے کے باوجود وہ کسی کی نظروں میں نہ آ جائیں۔

دیوار کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے اور پھر اس کے ساتھ چپک کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ رحیم بخش آگے تھا اور اس کے چار قدم کے فاصلے پر نولکھا۔ دیوار کے موڑ پر پہنچ کر وہ ایک بار پھر رک گئے۔ رحیم بخش نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا اور پھر نولکھا کو اشارہ کرتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا۔ نولکھا بھی بہت احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا اس طرف مڑ گیا۔

اس طرف تقریباً بیس گز آگے گیٹ تھا مگر وہاں روشنی کا بندوبست نہیں تھا۔ اگر کوئی بندوبست تھا بھی تو بتی نہیں جلائی گئی تھی۔ وہ ابھی گیٹ سے چند گز کے فاصلے پر تھے کہ حویلی کے پچھلی طرف سے اچانک ہی فائر کی آواز سناٹے میں گونج اٹھی۔ جس طرف سے فائر کی آواز سنائی دی تھی اس طرف داود اور مولا بخش گئے تھے۔ غالباً انہیں دیکھ لیا گیا تھا لیکن یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ پہلی گولی کس نے چلائی تھی۔ داود وغیرہ نے یا مخالف پارٹی کے کسی آدمی نے۔

رحیم بخش دوڑتا ہوا گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔ نولکھا نے بھی اس کا ساتھ دینے میں تاخیر نہیں کی تھی۔ رحیم بخش گیٹ پر چڑھ رہا تھا کہ ذیلی دروازہ کھلا اور ایک آدمی چیختا ہوا باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں آٹو میٹک رائفل تھی۔ وہ رحیم بخش کی طرف رائفل سیدھی کرنا ہی چاہتا تھا کہ نولکھا نے اپنی رائفل کو نال سے پکڑ کر لٹھ کی طرح گھما دیا۔ رائفل کا بٹ اس شخص کی کھوپڑی پر لگا۔ وہ شخص چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی تھی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔

اب حویلی میں مختلف سمتوں میں فائرنگ ہو رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ دونوں پارٹیاں ٹکرا

aazzamm@yahoo.com

گئی تھیں۔ رحیم بخش اس دوران گیٹ کے اوپر پہنچ چکا تھا لیکن نولکھا اس سے پہلے ہی ذیلی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دفعتاً" عمارت کی طرف سے ایک شعلہ چمکتے دیکھ کر نولکھا بڑی پھرتی سے زمین پر گر گیا۔ ٹھیک اسی لمحہ سنسناتی ہوئی گولی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو یہ گولی نولکھا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈھیر کر دیتی۔

نولکھا نے اس طرف دیکھا جہاں سے گولی چلائی گئی تھی۔ جس شخص نے گولی چلائی تھی وہ برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں تھا۔ برآمدے میں تاریکی تھی۔ ایک ستون کے قریب حرکت محسوس کرتے ہی نولکھا نے فائر کر دیا اور خود بھی بڑی پھرتی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد برآمدے کی طرف سے گولی چلائی گئی تھی جو ٹھیک اسی جگہ لگی تھی جہاں چند سیکنڈ پہلے نولکھا موجود تھا۔

نولکھا نے ادھر ادھر دیکھا۔ رحیم بخش اب اسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ بائیں طرف ایک لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ نولکھا رینگتا ہوا اس گاڑی کے پیچھے چلا گیا اور گاڑی کی آڑ میں رک کر ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تقریباً دس گز آگے ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا۔ نولکھا اس چبوترے کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک فائر ہوا۔ گولی اس سے تقریباً تین فٹ آگے زمین پر لگی تھی۔ نولکھا دوبارہ گاڑی کی آڑ میں دبک گیا۔ وہ اس چبوترے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر وہاں تک پہنچ جائے تو عمارت میں داخل ہونا آسان ہو جائے گا۔

تین چار سمتوں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ اس فائرنگ سے نولکھا کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس حویلی میں کم از کم چھ آدمی موجود تھے اور وہ سب کے سب فائرنگ کر رہے تھے۔

دفعتاً" دائیں طرف سے چیخ کی ایک آواز سنائی دی۔ چھ میں سے ایک آدمی یا تو کوئی گولی لگنے سے ختم ہو گیا تھا یا زخمی ہوا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک اور چیخ سنائی دی۔

نولکھا برآمدے کی طرف دیکھنے لگا کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک سائے کو ستون کی آڑ سے نکل کر دوسرے ستون کی طرف دوڑتے دیکھ کر ٹرائیگر دبا دیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی برآمدے سے ایک چیخ ابھری اور نولکھا نے اس سائے کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ لینڈ کروزر کی آڑ سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ برآمدے کی طرف سے پھر فائر ہوا۔ نولکھا ایک بار پھر گاڑی کے پیچھے دبک گیا۔ گولی ونڈ اسکرین کا شیشہ توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔

عمارت کے طویل برآمدے میں لاتعداد محرابیں بنی ہوئی تھیں اور کئی ستون تھے۔ ایک آدمی نولکھا کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا اور دوسرا اب بھی کسی ستون کے پیچھے موجود تھا۔ ممکن ہے اس کے علاوہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہو۔ حویلی میں موجود آدمیوں کی تعداد کے اندازے میں بھی نولکھا کو غلطی ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے وہاں چھ سے زیادہ آدمی موجود ہوں۔

نولکھا نے برآمدے کی طرف دیکھا اور پھر چبوترے کی طرف دیکھنے لگا۔ چبوترے تک اس کا پہنچنا بہت ضروری تھا۔ اس نے رائفل کو آٹو میٹک پر سیٹ کیا اور برآمدے کی طرف گولیاں برساتا ہوا چبوترے کی طرف دوڑا۔ جواب میں برآمدے کی طرف سے بھی شدید فائرنگ کی گئی لیکن نولکھا محفوظ جگہ پر پہنچ چکا تھا۔ برآمدے کی طرف سے چلائی جانے والی تمام گولیاں لینڈ کروزر میں لگیں۔ کم از کم دو گولیاں گاڑی کی پیٹرول ٹینکی میں لگی تھیں ایک زور دار دھماکہ ہوا اور لینڈ کروزر کے پرخچے اڑ گئے۔

نولکھا چبوترے کی آڑ میں پہنچ چکا تھا۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے آگ کے اس گولے کو دیکھ رہا تھا جو اوپر اٹھتا جا رہا تھا۔ لینڈ کروزر کے کئی ٹکڑے بھی ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ نولکھا یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھا تھا کہ اگر وہ گاڑی کے قریب موجود ہوتا تو اس کے جسم کے ٹکڑے بھی اسی طرح چاروں طرف فضا میں بکھر جاتے۔

وہ دراصل چبوترہ نہیں تھا بلکہ حوض تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ یہ پانی غالباً پودوں وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اگر پینے کے لئے ہوتا تو حوض پر کوئی ڈھکنا ہوتا۔

نولکھا حوض کی آڑ سے برآمدے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہاں سے برآمدہ صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ برآمدے میں کمروں کی ایک قطار تھی جن کے وسط میں غالباً اوپر جانے کے لئے زینہ تھا۔ جہاں بہت مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ غالباً اوپر کسی جگہ بلب جل رہا تھا جس کی بہت مدھم روشنی نیچے بھی پہنچ رہی تھی۔ نولکھا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ برآمدے میں جو کوئی بھی تھا وہ اوپر جا چکا تھا۔ نولکھا نے ایک لمحہ انتظار کیا پھر حوض کی آڑ سے نکل کر دوڑتا ہوا برآمدے میں آ گیا۔ ٹھیک اسی وقت ایک اور آدمی کسی طرف سے دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔ نولکھا نے رائفل تان لی لیکن اس سے پہلے کہ ٹرائیگر دباتا ایک جانی پہچانی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں ہوں نولکھا گولی مت چلانا۔"

وہ رحیم بخش تھا۔

"بچ گئے واجہ۔" نولکھا نے کہا۔ "اگر تم بولتے نہیں تو میں گولی چلا دیتا۔"

"بچانے والا اللہ ہے واجہ نولکھا۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں جلتی ہوئی گاڑی کی روشنی میں ادھر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

aazzamm@yahoo.com

عمارت کے پچھلی طرف سے فائرنگ کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

"اوپر چلو واجہ نولکھا۔" رحیم بخش نے کہا۔ "اوپر دو تین آدمی ہیں اور میرا خیال ہے لڑکی بھی اوپر ہی ہے۔"

وہ دونوں بڑے محتاط انداز میں سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ ایک دائیں طرف کی دیوار کے ساتھ تھا اور دوسرا بائیں طرف۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ رحیم بخش نے جھانک کر دیکھا۔ اوپر ایک راہداری تھی جو خالی تھی۔ اس نے نولکھا کو اشارہ کیا۔

"تم اس طرف جاؤ۔ میں اس طرف جاتا ہوں۔" رحیم بخش نے سرگوشی کی۔

نولکھا رائفل سنبھالے راہداری میں دائیں طرف گیا۔ اس طرف تین کمرے تھے تینوں دروازے بند تھے۔ ایک کمرے سے فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ فائرنگ غالباً پچھلی کھڑکی سے کی جا رہی تھی۔

دفعتاً درمیان والے کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک آدمی بڑی عجلت میں باہر نکلا اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ نولکھا کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔ اس نے رائفل سیدھی کرنا چاہی لیکن نولکھا اس سے پہلے ہی ٹرائیگر دبا چکا تھا۔ اس کی رائفل سے نکلنے والی دو گولیاں اس شخص کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

نولکھا دوڑتا ہوا دروازے میں گھس گیا۔ اس کمرے میں دو آدمی تھے اور وہ دونوں پچھلی طرف کی کھڑکیوں میں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ وہ دونوں تیزی سے مڑے ان میں سے ایک کو تو نولکھا کی گولیوں نے ٹھنڈا کر دیا اور دوسرے نے رائفل پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا دیئے.... اسی کمرے میں فرش پر ثمینہ بھی رسیوں سے بندھی ہوئی پڑی تھی۔

"میں آ گیا ہوں ثمینہ بی بی۔ گھبراؤ نہیں۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس آدمی کی طرف رخ کر کے بولا۔ "دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ شخص ایک لمحہ ضائع کئے بغیر دیوار کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر ٹکا دیئے تھے۔

"تم بلوچ تو نہیں لگتے۔ کیا نام ہے تمہارا؟" نولکھا نے پوچھا۔

"میرا نام سلمان ہے۔ کراچی کا رہنے والا ہوں۔ یہاں کوسٹ گارڈز میں ملازم ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ہوں نہیں بلکہ تھے۔" نولکھا نے کہا۔ "چند روز پہلے تم نے ہم لوگوں کی تلاش میں ملا بشیر پنج گوری کے ڈیرے پر چھاپہ مارا تھا اور ملا پنج گوری نے تمہیں نوکری سے نکلوا دیا تھا تم نے اس کا

انتقام لینے کے لئے اس کی مہمان عورت کو اغواء کر لیا۔ تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ بلوچ لوگ مہمانوں کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں اسی وقت گولی مار دوں۔ لیکن.... نہیں، میں تمہیں ملا بشیر پنج گوری کے حوالے کروں گا۔ سزا تمہیں وہی دے گا۔"

"بچ تم لوگ بھی نہیں سکو گے۔" سلمان نے کہا۔ "میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا میں تو اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ یہ میرا فرض تھا۔ لیکن ملا پنج گوری نے مجھے نوکری سے نکلوا دیا۔ میں اپنے افسروں پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ ملا کے ڈیرے پر جا کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ تمہاری ساتھی کو میں نے اسی لئے اغوا کیا تھا کہ اسے ثبوت کے طور پر صبح اپنے افسروں کے سامنے پیش کر سکوں۔ لیکن ملا پنج گوری کے آدمی بڑی جلدی یہاں تک پہنچ گئے۔"

"تم نے ملا کے جس آدمی کو اپنے ساتھ ملایا تھا وہ دیکھنے میں تو بہت جی دار لگتا تھا لیکن بڑا بھسا نکلا۔ دو ہاتھ بھی برداشت نہیں کر سکا اور اس نے سب کچھ اگل دیا کہ لڑکی کو اٹھا کر لے جانے والے کون لوگ ہیں اور اسے کہاں رکھا گیا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو یہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ لیکن تمہارے یہاں کے ساتھی بھی بڑے ڈھیلے نکلے۔ چند منٹ بھی تو مقابلہ نہیں کر سکے۔ ویسے یہ مرشد کون ہے؟"

"مرشد اس علاقے میں ملا بشیر پنج گوری کا سب سے بڑا حریف ہے۔" سلمان نے کہا۔ "وہ اگرچہ ملا پنج گوری کی طرح اتنا زیادہ طاقتور نہیں ہے لیکن میں جانتا تھا کہ ملا پنج گوری کے خلاف وہی ایک ایسا آدمی ہے جو اس معاملے میں میرا ساتھ دے سکتا ہے۔ میں نے اس سے بات کی تو وہ فوراً ہی میرا ساتھ دینے کو تیار ہو گیا۔ سجاد سے پہلے بھی میری دوستی تھی۔ وہ بمبئی کے مستان دادا سے بھاگا ہوا نہیں ہے بلکہ ایک خاص مقصد سے ملا بشیر پنج گوری کے گروہ میں داخل ہوا ہے۔ وہ لالچی آدمی ہے۔ فوراً ہی میرے لئے کام کرنے کو تیار ہو گیا۔ اس نے پہلے ہی روز مجھے اطلاع دے دی کہ تم لوگ ملا پنج گوری کے ڈیرے پر موجود ہو۔ ہم نے لڑکی کو اغواء کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ہمارا یہ منصوبہ یہاں پہنچ کر ناکام ہو گیا۔ اگر صبح تک ہمیں مہلت مل جاتی تو ملا پنج گوری کے تعلقات بھی کوئی کام نہیں دے سکتے تھے۔"

"لیکن اب تمہارا جو انجام ہو گا اس کا تم سوچ بھی نہیں سکو گے۔" نولکھا نے کہا اور ثمینہ کے قریب بیٹھ گیا۔

ثمینہ کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ نولکھا نے پہلے اس کے منہ سے کپڑا نکالا پھر اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔ وہ سلمان کی طرف سے بھی غافل نہیں تھا۔ ثمینہ کے ہاتھ کھول کر وہ کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ اپنے پیروں پر بندھی

aazzamm@yahoo.com

ہوئی رسی خود ہی کھولنے لگی۔

"ثمینہ بی بی.... یہ رائفل اٹھا لو.... اگر یہ اپنی جگہ سے حرکت کرے تو گولی سے اڑا دینا۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

ثمینہ نے فوراً ہی فرش پر پڑی ہوئی رائفل اٹھا کر سلمان پر تان لی۔ نولکھا دروازے سے نکل کر راہداری میں آ گیا۔ عمارت کے پچھلی طرف اب بھی فائرنگ ہو رہی تھی۔ لیکن راہداری سنسان تھی۔ نولکھا دو قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک کمرے میں رحیم بخش ایک آدمی کو رائفل کی زد پر لے کر راہداری میں آ گیا۔

"واجہ رحیم بخش!" نولکھا بولا۔ "ثمینہ مل گئی ہے اور سلمان بھی اس کمرے میں موجود ہے۔"

"اوہ! چلو.... جلدی کرو۔" رحیم بخش بولا۔

وہ دوبارہ اس کمرے میں آ گئے۔ ثمینہ بڑی مستعدی سے سلمان کو رائفل کی زد پر لئے کھڑی تھی۔

"تم ذرا کھڑکی پر چڑھو نا واجہ۔" رحیم بخش نے اس آدمی کو دھکا دیا جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔

وہ آدمی چند لمحے خوفزدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے رحیم بخش کے حکم کی تعمیل تو کرنا ہی پڑی تھی۔ وہ کھڑکی پر چڑھ گیا اور مڑ کر خوفزدہ سی نظروں سے رحیم بخش کی طرف دیکھنے لگا۔

"چھلانگ لگا دو۔" رحیم بخش نے کہا۔ "سمجھو تمہیں بھاگنے کا موقع مل رہا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا لو اور چھلانگ لگا دو باہر۔"

"م.... مجھے معاف کر دو...." وہ شخص ہکلایا۔

"چھلانگ لگا دو ورنہ...." رحیم بخش نے رائفل سیدھی کر لی۔

اس شخص نے ایک دم باہر چھلانگ لگا دی۔ اس کی چیخ بڑی خوفناک تھی۔ نولکھا کو یقین تھا کہ اندھیرے میں دوسری منزل سے چھلانگ لگانے کے بعد اس کی ایک آدھ ہڈی ضرور ٹوٹ گئی ہو گی۔

"واجہ نولکھا۔" رحیم بخش نے کہا۔ "اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دو اور لے کر نکلو یہاں سے۔"

نولکھا نے رائفل ثمینہ کے حوالے کی اور رسی اٹھا کر سلمان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور

اسے دھکیلتا ہوا رحیم بخش وغیرہ کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔

فائرنگ بند ہو گئی تھی۔ نیچے کمپاؤنڈ میں آ کر رحیم بخش نے چیخ کر اپنے آدمیوں کو مخصوص سگنل دیا۔ وہ سب کمپاؤنڈ میں آ گئے۔ تربق زخمی ہوا تھا۔ سلمان کے تین آدمی مارے گئے تھے اور تین فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے جبکہ وہ خود ان کی حراست میں آ گیا تھا۔

وہ لوگ حویلی سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے حویلی کے پچھلی طرف جھاڑیوں میں اس طرف پہنچے جہاں انہوں نے جیپ چھوڑی تھی۔ اس وقت دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ اس لئے انہیں راستہ چلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

سلمان کو جیپ کے فرش پر اوندھا لٹا دیا گیا۔ داؤد وغیرہ آمنے سامنے کی سیٹوں پر اس طرح بیٹھ گئے کہ ان چاروں نے اپنے پیر سلمان کے جسم پر رکھے ہوئے تھے۔ ثمینہ اگلی سیٹ پر نولکھا کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

رات کو اس طرف آتے ہوئے یہ فاصلہ طے کرنے میں تقریباً دو گھنٹے لگے تھے۔ لیکن واپسی میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ لگا تھا۔ حویلی کا گیٹ محمد دین نے کھولا تھا۔ اس نے بتایا کہ ڈی کوسٹا اور شارق اپنے کمرے میں سو رہے ہیں اور ملا بشیر پنج گوری مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے۔

برآمدے کے سامنے جیپ رکتے ہی نولکھا اور ثمینہ اتر آئے۔ وہ دونوں اس کمرے کی طرف بڑھ گئے جس میں شارق اور ڈی کوسٹا موجود تھے۔ سلمان کو ایک اور کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ رحیم بخش اور اس کے ساتھی برآمدے ہی میں کھڑے رہ گئے تھے۔

نولکھا نے دروازہ کھولا تو اس کی نظر سامنے ہی قالین پر لیٹے ہوئے شارق پر پڑی وہ جاگ رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ڈی کوسٹا سو رہا تھا۔ ثمینہ دوڑ کر شارق کے پاس پہنچ گئی۔ وہ دونوں بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر دبانے لگے۔

"اوہ! تم ٹھیک ہو نا؟ ہم تو پریشان ہو گئے تھے؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں' میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں کیا ہوا؟ سر پر یہ پٹی کیسی ہے؟" ثمینہ بولی۔

"جب تمہیں اغواء کیا گیا تو میں نے تمہیں بچانے کی کوشش کی تھی اور اسی وقت میرے سر پر کسی وزنی چیز سے زور دار ضرب لگائی گئی تھی۔ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا۔" شارق نے بتایا۔

"او ہاں.... میں نے تمہاری چیخ سنی تھی۔" ثمینہ نے کہا۔

ڈی کوسٹا بھی انکی باتوں کی آواز سن کر اٹھ گیا۔ اسے ثمینہ کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"ان لوگوں نے تو واقعی کمال کر دیا۔" ڈی کوسٹا بولا۔ "اتنی دیر میں تو کسی جاننے والے کا پتہ

aazzamm@yahoo.com

معلوم کرنا بھی مشکل ہوتا ہے اور یہ لوگ تمہیں دشمن کے قبضے سے چھڑا کر بھی لے آئے۔"

"جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے نا پھر ٹانک ٹوئیوں میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا۔" نولکھا نے کہا۔

"ان کی کارروائی پر مجھے بھی حیرت ہوئی ہے۔ کم از کم تین چار آدمی مرے ہیں اس کارروائی میں اور وہ جو فساد کی اصل جڑ تھا اسے زندہ پکڑ کر لے آئے ہیں؟"

"وہ کون ہے؟" ڈی کوسٹا نے پوچھا۔

"سلمان۔" نولکھا نے جوب دیا۔ "کوسٹ گارڈ کا وہی آدمی جس کے بارے میں' میں نے بھی شبہے کا اظہار کیا تھا۔ اس نے ملا پنج گوری سے انتقام لینے کے لئے یہ حرکت کی تھی۔ لیکن یہ حرکت اسے بہت مہنگی پڑی۔ اب ملا پنج گوری اسے جو سزا دے گا وہ بھی قابل دید ہو گی۔"

"اور اس کا کیا ہوا... سجاد کا؟" شارق نے پوچھا۔

"جسم پر بھاری پتھر باندھ کر اسے سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔ اب تک تو اس کا سارا گوشت مچھلیاں کھا چکی ہوں گی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"ایسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہئے۔" شارق نے کہا۔

"سجاد کون ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی لمبا تڑنگا آدمی جو بعد میں یہاں آیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "سلمان نے اس کے ساتھ مل کر یہ سازش تیار کی تھی لیکن نولکھا نے اسے پکڑ لیا اور رحیم بخش نے اس سے سب کچھ اگلوا لیا تھا۔ اسی لئے تو یہ لوگ اتنی جلدی تم تک پہنچ گئے تھے۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد محمد دین قہوہ لے کر آ گیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس نے ان سب کے سامنے ایک ایک کپ رکھ دیا۔

"آپ لوگ چائے پئیں پھر واجہ پنج گوری سے ناشتے پر ملاقات ہو گی۔" محمد دین کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ لوگ خاموشی سے چائے پینے لگے۔ صبح کی پہلی چائے بڑی خوش ذائقہ محسوس ہوئی تھی۔ چائے پینے کے بعد شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ کھڑکی مشرق کے رخ پر تھی۔ اس سے آگے حویلی کی اونچی دیوار تھی جس کی وجہ سے دھوپ ابھی تک کھڑکی تک نہیں پہنچ پائی تھی البتہ اوپر کی منزل کی دیواروں پر دھوپ چمک رہی تھی۔

ساڑھے سات بجے کے قریب محمد دین دوبارہ آ گیا۔

"ناشتہ تیار ہے۔ آپ لوگ منہ ہاتھ دھو کر واجہ پنج گوری کے کمرے میں آ جائیے۔" محمد دین کہہ کر باہر چلا گیا۔

وہ لوگ بھی کمرے سے نکل آئے۔ منہ ہاتھ دھوئے اور ضروریات سے فارغ ہونے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا اور جب وہ لوگ ملا بشیر پنج گوری کے کمرے میں پہنچے تو دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ ملا بشیر پنج گوری نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ان کا استقبال کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں محمد دین نے ناشتہ لگا دیا۔

"میں ناشتہ کرنے کے بعد شہر چلا جاؤں گا۔" ملا بشیر پنج گوری نے ناشتہ کے دوران کہا۔ "تم لوگ آج رات گیارہ بجے یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔ رحیم بخش اور تین اور آدمی تم لوگوں کے ساتھ جائیں گے۔ یہ لوگ تمہیں سونمیانی چھوڑ دیں گے۔ وہاں سے تم لوگ آسانی سے کراچی جا سکو گے۔ رحیم بخش تم لوگوں کو سونمیانی کے ایک پولیس آفیسر سے بھی ملوا دے گا تاکہ وہاں سے کراچی جانے میں تم لوگوں کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"سونمیانی تو ہمارا اپنا علاقہ ہے۔ وہاں ہمیں کون پریشان کرے گا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پریشانی اپنوں ہی سے اٹھانی پڑتی ہے۔" پنج گوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ناشتے کے تھوڑی دیر بعد ملا پنج گوری رخصت ہو گیا۔ رخصت ہونے سے پہلے وہ ان لوگوں سے اس طرح ملا تھا جیسے اپنوں سے بچھڑ رہا ہو۔ رحیم بخش بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا اور حویلی میں ان کے ساتھ صرف محمد دین رہ گیا تھا۔

رحیم بخش کی واپسی مغرب سے تھوڑی دیر پہلے ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ ایک تو داود ہی تھا اور دو نئے چہرے تھے۔ رحیم بخش نے ایک بڑا سوٹ کیس شارق کے حوالے کر دیا۔

"یہ کیا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ملا بشیر پنج گوری نے تم لوگوں کے لئے کچھ تحائف دیئے ہیں۔ کھول کر دیکھ لو۔" رحیم بخش نے جواب دیا۔

ثمینہ نے جلدی سے سوٹ کیس کھول لیا۔ اس میں چار پیکٹ رکھے ہوئے تھے اور ہر پیکٹ پر نام لکھا ہوا تھا۔ سب نے اپنے اپنے نام کا پیکٹ اٹھا لیا۔ ثمینہ نے اپنے نام کا پیکٹ کھولا تو اس میں کئی سوٹوں کا کپڑا' دو قیمتی گھڑیاں اور کچھ اور تحائف کے علاوہ ہیرے کے جڑاؤ والا سونے کا ایک سیٹ بھی تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ثمینہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دوسروں کے پیکٹوں میں زیور کے سیٹ کے علاوہ کپڑے' گھڑیاں اور کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔ وہ سب لوگ یہ تحائف دیکھ کر بہت حیران بھی ہوئے اور خوش بھی تھے۔

aazzamm@yahoo.com

رات نو بجے وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ ساڑھے دس بجے وہ لوگ ملا بشیر پنج گوری کی لانچ پر سوار ہو چکے تھے۔ اس لانچ میں عرشے کے نیچے بھی تین کیبن تھے۔ لانچ کا کنٹرول رحیم بخش کے ہاتھ میں تھا۔ وہ لانچ کو کھاڑی سے نکال کر دہانے پر لے آیا۔ لانچ کا انجن اسٹارٹ تھا اور رحیم بخش بار بار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے بائیں طرف آسمان پر ایک سبز روشنی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ یوں لگا تھا جیسے کسی نے آتش بازی کا فینسی چھوڑا ہو۔ سبز روشنی کا ایک گولا سا تھا جو ہوا میں تیرتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے آ رہا تھا۔

یہ مخصوص سگنل تھا۔ آسمان پر تیرتی ہوئی وہ سبز روشنی معدوم ہونے سے پہلے ہی رحیم بخش لانچ کو حرکت میں لے آیا۔ لانچ کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ وہ پہلے بہت ہلکی رفتار سے چلتی رہی پھر ساحل سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر پہنچ کر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس کا رخ پاکستان کے ساحل کی طرف تھا۔

ثمینہ اور شارق وغیرہ عرشے کی ریلنگ کے قریب کھڑے مسقط کے ساحل کی دور ہوتی ہوئی روشنیوں کو دیکھ رہے تھے۔

○

سونمیانی کے ساحل پر آنے سے پہلے انہیں کم از کم ایک گھنٹہ سمندر میں کھڑا رہنا پڑا تھا۔ رحیم بخش بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے لنگر اٹھا دیا۔ ساحل سے تقریباً دو سو گز دور پہنچ کر اس نے لانچ ایک بار پھر روک لی۔ لنگر گرا دیا گیا۔ ایک بڑی کشتی سمندر میں اتار دی گئی۔ رحیم بخش نے اپنا ایک آدمی بھی ساتھ لے لیا اور شارق وغیرہ کے ساتھ کشتی میں اتر گیا۔

شارق اور اس کے ساتھی خاموش بیٹھے ہوئے ویران ساحل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ کچھ زیادہ ہی خوفزدہ تھی۔ رحیم بخش کشتی کے اگلے حصے میں کھڑا تھا۔ اس کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی اور ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ وہ گہری نظروں سے تاریک ساحل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دادو نے چپو سنبھال رکھے تھے۔ وہ بہت آہستہ آہستہ کشتی کو چلا رہا تھا۔

دفعتاً ساحل پر دائیں طرف تاریکی میں روشنی چمکتے دیکھ کر رحیم بخش چونک گیا۔ روشنی مخصوص انداز میں جل بجھ رہی تھی۔ رحیم بخش کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ٹارچ سے مخصوص سگنل دیا جا رہا تھا۔ اس نے مڑ کر دادو کو اشارہ کیا۔ دادو نے کشتی کا رخ اسی طرف موڑ دیا جس طرف روشنی چمکتی ہوئی نظر آئی تھی۔

روشنی غائب ہو چکی تھی۔ رحیم بخش نے ساحل کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ سے روشنی کے مخصوص سگنل دیئے۔ جواب میں ساحل پر بھی روشنی چمکتی ہوئی دکھائی

دی۔ کشتی آہستہ آہستہ اسی روشنی کی طرف بڑھتی رہی اور بالآخر ساحل پر چھوٹی چھوٹی چٹانوں میں پہنچ کر رک گئی۔

"عمر دراز۔" رحیم بخش نے ساحل کی طرف رخ کر کے ہولے سے آواز دی۔

"ٹھیک ہے۔ آجاؤ تم لوگ۔" ساحلی چٹانوں سے جواب میں ایک آواز ابھری اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی بھی چمک اٹھی تھی۔

"چلو... اترو۔" رحیم بخش نے شارق وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ٹارچ کی روشنی سے انہیں راستہ دکھانے لگا۔

پہلے شارق ایک پتھر پر اترا پھر اس نے سہارا دے کر ثمینہ کو کشتی سے اتارا۔ اس کے بعد ڈی کوسٹا اور آخر میں نوکھا کشتی سے اترا۔ بھاری سوٹ کیس اسی نے اٹھا رکھا تھا۔

"دادو!" رحیم بخش نے دادو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم واپس جاؤ اور لانچ کو مچھلی گھاٹ پر لے جاؤ۔ میں صبح وہیں آ جاؤں گا۔"

"اچھا واجہ... خدا حافظ۔" دادو نے جواب دیا اور کشتی کو واپس موڑنے لگا۔

وہ لوگ کشتی سے اتر کر رحیم بخش کی رہنمائی میں پتھروں پر پھلانگتے ہوئے ساحل پر آ گئے۔ شارق نے ثمینہ کو سہارا دے رکھا تھا تاکہ وہ کہیں گر نہ جائے۔ ایک آدمی اچانک ہی ایک بڑے پتھر کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ وہ درمیانے قد کا ایک دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ اس نے بھی سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور سر پر مخصوص رومال بندھا ہوا تھا۔ وہ عمر دراز تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ تاریکی میں وہ ثمینہ کو پہچان نہیں سکا تھا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ اس نے ثمینہ کی طرف بھی ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ لیکن جب ثمینہ نے ہاتھ نہیں ملایا تو وہ ٹارچ جلا کر اسے دیکھنے لگا۔

"اوہ! معاف کرنا بی بی۔" وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا۔ "میں سمجھا تھا کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح مرد ہو۔"

"گاڑی کہاں ہے عمر دراز؟" رحیم بخش نے پوچھا۔

"آگے کھڑی ہے۔ ان چٹانوں کے پیچھے۔" عمر دراز نے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

وہ لوگ عمر دراز کی رہنمائی میں چٹانوں کے گرد چکراتے ہوئے چلنے لگے۔ اس وقت ان چٹانوں کی وجہ سے تاریکی کچھ زیادہ ہی گہری تھی۔ اگر عمر دراز نے ٹارچ روشن نہ کر رکھی ہوتی تو ان کے لئے راستہ چننا مشکل ہو جاتا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ایک کھلی جگہ پر نکل آئے۔ ایک چٹان کے قریب ایک پرانی سی فورڈ پک اپ کھڑی تھی جس پر سیاہ کینوس کا ہڈ لگا ہوا تھا۔ ان چاروں کو پیچھے بٹھا دیا گیا اور رحیم بخش

aazzamm@yahoo.com

عمر دراز کے ساتھ آگے بیٹھ گیا۔

پک اپ کے پچھلے حصے میں سیٹیں نہیں تھیں۔ یہ لوگ فرش پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پک اپ چٹانوں کے گرد چکراتی ہوئی چلتی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ کھلی جگہ پر نکل آئی۔ اس وقت مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ یہ چاروں پیچھے دیکھ رہے تھے۔ تاحد نگاہ ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔ کہیں کوئی درخت' کوئی پودا یا جھاڑیاں وغیرہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔

پک اپ کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی لیکن اس کے باوجود ناہموار راستے پر زور دار جھٹکے لگ رہے تھے۔ وہ بار بار لڑھک کر ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئے۔ کتوں نے بھونک کر ان کا استقبال کیا تھا۔ یہ بستی پندرہ بیس گھروں پر مشتمل تھی۔ ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور آدمی اس مسجد سے فجر کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے۔

بستی کے تمام مکان کچے تھے۔ چند مکان ایسے تھے جن کی دیواروں میں کچھ پتھر بھی استعمال کئے گئے تھے۔ پک اپ ایک گلی میں گھوم کر ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ رحیم بخش اتر کر پچھلے حصے کی طرف آ گیا۔

"آ جاؤ واجہ! نیچے اتر آؤ۔"

وہ چاروں نیچے اتر آئے اور رحیم بخش کی رہنمائی میں چلتے ہوئے مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔ لکڑی کا بھاری دروازہ تھا۔ دوسری دستک پر ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس نے ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ غالباً یہاں اس قسم کے بن بلائے مہمان آتے ہی رہتے ہوں گے۔

دروازے کے دوسری طرف وسیع کچا صحن تھا۔ کھجور کے چند درخت تھے اور کافی آگے مکان تھا۔ اس کے سامنے بھی ایک برآمدہ تھا۔ مکان ایل شیپ کا تھا۔ ایک طرف ایک کمرہ تھا اور دوسری طرف دو کمرے۔ اس عمارت سے ہٹ کر ایک اور کمرہ تھا اور اس کے ساتھ ایک وسیع شیڈ تھا جس کے نیچے چند بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ بکریاں انہیں دیکھ کر ممیانے لگیں۔

اس ادھیڑ عمر عورت نے ایک کمرے کا دراوزہ کھول دیا۔ وہ چاروں رحیم بخش کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں اندھیرا سا تھا اس لئے دروازہ کھلا رہنے دیا گیا۔ رحیم بخش نے آگے بڑھ کر عقبی سمت کی دونوں کھڑکیاں کھول دیں۔ کھڑکیاں کھلتے ہی نہ صرف کمرے میں روشنی پھیل گئی بلکہ تازہ ہوا بھی آنے لگی۔

شارق دراوزے کے قریب ہی کھڑا کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرہ خاصا بڑا تھا۔ پختہ فرش تھا

جس پر وال ٹو وال نائیلون کے تکوں والی خوبصورت چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر لکڑی کی پرانے طرز کی کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار پر سنگل شیٹ والا کیلنڈر بھی ٹنگا ہوا تھا۔ یہ کیلنڈر پچھلے سال کا تھا اور گوادر کے کسی جنرل اسٹور کا تھا۔ کیلنڈر پر خانہ کعبہ کی تصویر تھی۔ غالباً اسی لئے اسے دیوار سے اتارا نہیں گیا تھا۔ کمرے میں کوئی پنکھا یا بلب وغیرہ نہیں تھا۔ اس چھوٹی سی بستی میں بجلی نہیں تھی اس لئے بلب یا پنکھے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

نولکھا نے سوٹ کیس ایک دیوار کے قریب رکھ دیا تھا اور خود بھی دیوار سے ٹیک لگا کر چٹائی پر بیٹھ گیا تھا۔ اسی دوران عمر دراز بھی آ گیا تھا۔

"واجہ شارق!" رحیم بخش نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو ابھی چلا جاؤں گا۔ یہ واجہ عمر دراز آپ لوگوں کے پاس ہے۔ یہ مجھے شہر چھوڑ کر واپس آ جائے گا۔ آپ لوگ ناشتہ کریں۔ آج کا دن یہیں آرام کریں۔ کل صبح آپ لوگ کراچی چلے جانا۔"

"کل صبح! آج کیوں نہیں۔" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں سے کراچی کے لئے بسیں صبح سویرے ہی نکل جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں نے پہلے ہی ڈرائیوروں سے اپنی اپنی سیٹوں کے لئے کہہ رکھا ہوتا ہے۔ اس لئے جو مسافر عین وقت پر آتے ہیں انہیں مشکل ہی سے سیٹ ملتی ہے۔ یہاں تو بسوں میں مسافر بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ چھتوں پر بیٹھ کر سفر کرتے ہیں۔ آج شام عمر دراز بس ڈرائیور سے کہہ دے گا۔ کل صبح آپ لوگ آرام سے بیٹھ کر جائیں۔" رحیم بخش نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "تم واپس جاؤ تو ملا بشیر بیچ گوری کا ہماری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کرنا۔ مہمان نوازی کا بھی اور ان تحائف کا بھی!"

"اس میں شکریئے کی کوئی بات نہیں۔" رحیم بخش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کبھی دوبارہ آؤ تو پھر تم لوگوں کو اپنے علاقے کی سیر کرائیں گے۔ اچھا واجہ' اب اجازت دو۔" رحیم بخش نے شارق' نولکھا اور ڈی کوسٹا سے باقاعدہ مصافحہ کیا۔ ثمینہ کو ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور عمر دراز کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

وہ چاروں چٹائی پر بیٹھ گئے۔ دروازہ اور کھڑکیاں کھلی ہونے کی وجہ سے تازہ ہوا کمرے میں آ رہی تھی اور گرمی کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہی عورت کمرے میں داخل ہوئی جس نے باہر کا دروازہ کھولا تھا۔

"تم لوگ منہ ہاتھ دھو لو۔ میں روٹی اور چائے بناتی ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"پانی کہاں ہے؟" شارق نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ جدھر بکری بندھا ہوا ہے ادھر پانی کا ڈرم رکھا ہے۔" اس عورت نے کہا پھر ثمینہ کی طرف دیکھتی ہوئے بولی۔ "تم میرے ساتھ آ جاؤ بی بی۔"

وہ تینوں بکریوں والے شیڈ کی طرف چلے گئے اور ثمینہ اس عورت کے ساتھ آ گئی۔ دوسری طرف والے کمروں کے پچھلی طرف ایک غسل خانہ سا بنا ہوا تھا۔

"یہ غسل خانہ ہے۔ تم منہ ہاتھ دھو کر بکریوں کے شیڈ کے ساتھ والے کمرے میں آ جاؤ۔ ادھر ہم نے باورچی خانہ بنایا ہوا ہے۔" وہ عورت کہتی ہوئی چلی گئی۔

تقریباً بیس منٹ بعد ثمینہ بھی اس کمرے میں آ گئی۔ کمرہ خاصا بڑا تھا جسے باورچی خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کمرے کی پچھلی طرف بھی دو کھڑکیاں تھیں جن سے روشنی اور ہوا اندر آ رہی تھی۔ کمرے کی دیواریں دھویں سے کالی ہو رہی تھیں۔ ایک طرف چولہا بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دائیں طرف دیوار میں دو الماریاں بنی ہوئی تھیں جن میں برتن وغیرہ سجے ہوئے تھے۔ بائیں طرف والی دیوار کے ساتھ سوکھی لکڑیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔

وہ عورت آٹا گوندھ چکی تھی اور چولہے پر توا رکھ کر آگ جلا رہی تھی۔ ثمینہ کو توا دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ تقریباً آدھا انچ موٹی پتھر کی ایک چوکور سی سل تھی اسے تو یہ دیکھ کر بھی حیرت ہوئی تھی کہ اس عورت نے آٹا بھی ریگزین کے ایک ٹکڑے پر گوندھا تھا اور پھر اسے کپڑے میں لپیٹ دیا تھا۔ اور اب وہ ریگزین پھیلائے اس پر پیڑے بنا بنا کر رکھ رہی تھی۔

روٹیاں بڑی اور موٹی موٹی اور آڑھی ترچھی سی پک رہی تھیں۔ آٹے میں نمک بھی ڈالا گیا تھا۔ ثمینہ نے ایک نوالہ توڑ کر کھایا تو اسے یہ روٹی بہت اچھی لگی اور بعد میں جب بکری کے دودھ کی چائے کے ساتھ یہ روٹی ناشتے میں کھائی گئی تو بڑا مزہ آیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ لوگ جو سوئے ہیں تو دوپہر دو بجے سے پہلے کوئی بھی نہیں اٹھ سکا تھا۔ وہ لوگ لانچ میں تقریباً رات بھر جاگے تھے۔ اور اب خوب گہری نیند سوئے تھے اور جب بیدار ہوئے تو بڑی کسلمندی محسوس ہو رہی تھی۔ نہانے کے لئے پانی بھی نہیں تھا۔ صرف منہ ہاتھ دھونے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ پانی بہت دور سے لانا پڑتا تھا۔

عمر دراز بہت دیر پہلے شہر سے واپس آ چکا تھا۔ کھانے میں لیلا ذبح کر لیا گیا تھا۔ لیلا کی ران اور بھنا ہوا گوشت بے حد لذیذ تھا۔ عمر دراز بھی ان کے ساتھ کھانے میں دستر خوان پر موجود تھا۔

کھانے کے بعد وہ پھر لیٹ گئے کیونکہ باہر تیز دھوپ تھی اور کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں بیٹھ کر کچھ وقت گزارہ جاتا۔ صبح اور اس وقت کھانے سے پہلے جب وہ کمرے سے باہر نکل کر صحن

میں آئے تھے تو باہر بائیں طرف انہیں کھجور کے درختوں کی چوٹیاں نظر آئی تھیں لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ درخت کسی گھر میں لگے ہوئے تھے یا بستی کے باہر کسی جگہ پر تھے۔

ڈی کوسٹا اور نولکھا تو فوراً ہی سو گئے تھے۔ ثمینہ بھی اونگھنے لگی تھی۔ شارق پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

چھ بجے کے لگ بھگ وہ سب جاگ گئے تھے۔ اس وقت عمر دراز نے انہیں قہوہ پلایا۔

"چلو.... تم لوگوں کو تھوڑا سیر کروا کے لاؤں.... صبح سے بند پڑے ہو۔" عمر دراز نے کہا۔

وہ لوگ عمر دراز کے ساتھ مکان سے باہر آ گئے۔ بستی زیادہ بڑی تو نہیں تھی۔ وہ لوگ دائیں طرف گلی سے نکلے تھے۔ گلی کے اختتام پر ایک چھوٹا سا میدان تھا جس میں چند بچے کھیل رہے تھے اور تین چار ادھیڑ عمر آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اٹھ کر عمر دراز اور شارق وغیرہ سے ہاتھ ملایا۔

میدان کے دوسری طرف بہت دور ایک پہاڑی تھی جو دائیں سے بائیں طرف چلی گئی تھی۔ پہاڑی زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس کے دامن میں کھجوروں کے درخت کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آ رہے تھے وہ لوگ اسی طرف جا رہے تھے۔ میدان کے دوسری طرف نشیب تھا وہ لوگ جیسے ہی میدان کے دوسری طرف پہنچے انہیں سبزہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔

پہاڑی کے دامن میں دور تک سبزہ ہی سبزہ تھا۔ وہ دراصل کھیت تھے جن میں مختلف اقسام کی فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ وہ لوگ کھیتوں کے شروع میں پہنچ کر رک گئے جہاں دو تین جگہوں پر گھاس پھونس کے جھونپڑے سے بنے ہوئے تھے۔

"اس پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔" عمر دراز نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "یہ سبزہ اسی چشمے کا مرہون منت ہے۔ اس طرف کی زمین بڑی زرخیز ہے۔ اگر پانی ہو تو پہاڑی کے دامن میں میلوں دور تک کاشت ہو سکتی ہے لیکن چشمے سے پانی کے بہنے کی رفتار اتنی زیادہ نہیں ہے۔ بہرحال جتنا بھی پانی دستیاب ہے اسے استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ بستی والے پینے کے لئے بھی یہیں سے پانی لے جاتے ہیں۔"

وہ لوگ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر چلتے رہے یہاں سبزے کی وجہ سے ہوا میں خنکی بھی تھی۔ وہ لوگ پہاڑی کے دامن میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں رتی چشمہ تھا.... یہ چشمہ قدرے بلندی پر تھا۔ نیچے بہت بڑا تالاب بنایا گیا تھا جس میں چشمے کا پانی جمع ہو رہا تھا۔ اسی تالاب سے کھیتوں کو پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ تالاب اس وقت پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ثمینہ نے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا بے حد ٹھنڈا پانی تھا۔ اس نے چلو بھر پانی پیا' میٹھا پانی تھا' ان سب نے جی بھر کر پانی پیا

aazzamm@yahoo.com

اور عمر دراز کے ساتھ کھیتوں کی سیر کرتے رہے۔

عمر دراز بتا رہا تھا کہ یہ بستی سونمیانی شہر سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس بستی کے سب ہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ بہت سیدھے سادھے اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ اس کا اندازہ انہیں ہو گیا تھا۔ کھیتوں میں مختلف جگہوں پر چار پانچ آدمی ملے تھے۔ جنہوں نے بڑی محبت اور بڑے خلوص کا مظاہرہ کیا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو وہ لوگ واپس آ گئے۔ یہاں بجلی تو نہیں تھی البتہ پیٹرومیکس روشن کر کے رکھ دیا گیا تھا۔

وہ عورت عمر دراز کی بیوی تھی۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ عمر دراز بھی ملا بشیر پنج گوری کے گروہ سے وابستہ تھا۔ ملا بشیر پنج گوری سونے' منشیات اور دیگر چیزوں کے علاوہ انسانوں کی اسمگلنگ بھی کرتا تھا۔ اس کے آدمی ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ غیر قانونی طور پر خلیج کی ریاستوں میں جانے والوں کی کمی نہیں تھی۔ پنج گوری کے آدمیوں کو ایسے ہی لوگوں کی تلاش تھی۔ اور جب معقول تعداد میں لوگ جمع ہو جاتے تو انہیں لانچ میں بھر کر کسی بھی خلیجی ریاست کے ویران ساحل پر اتار دیا جاتا۔ لانچ پر لے جانے سے پہلے ان لوگوں کو اسی بستی میں عمر دراز ہی کے گھر پر ٹھہرایا جاتا تھا۔

عمر دراز انہیں گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ثمینہ' عمر دراز کی بیوی کے ساتھ مختلف کاموں میں لگ گئی تھی۔ رحیم بخش نے عمر دراز کو اور عمر دراز نے اپنی بیوی کو بتا دیا تھا کہ یہ لوگ وہ نہیں ہیں جنہیں پیسے کے عوض سمندر پار پہنچایا جاتا ہے بلکہ یہ ملا بشیر پنج گوری کے خاص آدمی ہیں۔ اور غالباً اسی لئے ان کی اتنی خاطر تواضع ہو رہی تھی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد عمر دراز واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ایک بس ڈرائیور سے اس نے بات کر لی ہے۔ بس صبح سات بجے روانہ ہو گی اور ان کے لئے آگے کی سیٹوں کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔

اس چھوٹی سی بستی میں اگرچہ آٹھ بجے کے بعد ہی سناٹا چھا گیا تھا مگر وہ لوگ دیر تک جاگتے رہے۔

رات اسی طرح سوتے جاگتے میں گزر گئی۔ صبح چھ بجے وہ لوگ عمر دراز کے ساتھ اس کی پک اپ پر سوار ہو کر سونمیانی شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کا خیال تھا کہ اتنی صبح شہر کے لوگ سو رہے ہوں گے لیکن یہ کراچی نہیں سونمیانی تھا۔ ایک ساحلی بستی جس کے باشندوں کی روزی کا انحصار ماہی گیری پر تھا۔ رات بھر گہرے سمندر میں رہنے والی ماہی گیری کی کشتیاں صبح منہ اندھیرے واپس آ جاتی تھیں اور بندرگاہ کے علاقے میں بڑی گہما گہمی رہتی تھی لاری اڈے پر بھی بڑی رونق رہتی تھی۔ مچھلیوں سے لدے ہوئے مخصوص ساخت کے ٹرک صبح منہ اندھیرے ہی کراچی کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

کراچی جانے کے لئے تین چار بسیں تیار کھڑی تھیں۔ ایک بس آدھا گھنٹہ پہلے جا چکی تھی اور دوسری بس سات بجے روانہ ہونے والی تھی۔ انہیں اسی بس میں جانا تھا۔ بہت سے مسافر بس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ مسافر آ رہے تھے۔ آگے کی دو سیٹیں خالی رکھی گئی تھیں۔ ان چاروں کو ان سیٹوں پر بٹھا دیا گیا۔ سوٹ کیس چھت پر رکھوا دیا گیا تھا۔

سات بجے بس روانہ ہوئی تو پوری طرح بھر چکی تھی۔ سیٹوں کے درمیانی راستے پر چھوٹے چھوٹے اسٹول رکھ دیئے گئے تھے۔ ان پر بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رحیم بخش نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہاں مسافروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بسوں میں ٹھونسا جاتا ہے۔

جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا گرمی کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان کے چاروں طرف ویرانہ تھا۔ کہیں کوئی چھوٹی سی بستی بھی نظر آ جاتی۔

حب چوکی پر بس کو چیکنگ کے لئے روک لیا گیا۔ مسافروں کے ساتھ کسٹمز اور پولیس والوں کا رویہ ایسا تھا جیسے وہ کسی مفتوحہ قوم کے افراد ہوں۔ لوگوں کے ساتھ پولیس والوں کا رویہ بہت ہتک آمیز تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک چیکنگ ہوتی رہی۔ بس پر لدا ہوا تمام سامان اتروا لیا گیا تھا اور بس کو بھی اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا گیا تھا کہ کسی خفیہ خانے میں کوئی مال تو نہیں چھپایا گیا تھا۔ ان کا سوٹ کیس بھی کھلوا کر دیکھا گیا۔ ایک کسٹمز والا شارق کو ایک طرف لے گیا۔ سوٹ کیس میں صرف وہی چیزیں تھیں جو ملا بشیر پنج گوری سے تحفے میں ملی تھیں۔ ایک ایک دو دو سونوں کا کپڑا اور ثمینہ کا زیورات کا سیٹ۔ وہ کسٹمز والا شاید شارق سے کوئی سودے بازی کرنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت بس کا ڈرائیور وہاں پہنچ گیا۔

"یہ لوگ ملا بشیر پنج گوری کے مہمان ہیں واجہ۔" بس ڈرائیور نے کسٹمز والے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" کسٹمز والا چونک گیا پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"ہم لوگ کراچی ہی سے سیر و تفریح کے لئے گئے تھے۔ دو دن رہنے کے بعد واپس آ رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"میں نے تم لوگوں کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔" کسٹمز والے نے کہا۔

"ہم لوگ بس پر ہی گئے تھے ہو سکتا ہے اس وقت تمہاری ڈیوٹی نہ ہو۔" شارق نے جواب دیا۔

"سوال جواب کیا کر رہے ہو واجہ!" ڈرائیور نے کسٹمز والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے کہ یہ پنج گوری کے مہمان ہیں۔"

"ٹھیک ہے' جاؤ۔" کسٹمز والے نے کہا۔

وہ لوگ واپس بس کے قریب آ گئے۔ سامان دوبارہ لادا جا رہا تھا اور مسافر بھی بس میں بیٹھ رہے تھے۔ ان کا سوٹ کیس بھی اوپر رکھ دیا گیا تھا۔ یہ لوگ بھی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے اور بس روانہ ہو گئی۔

"مجھے رات ہی کو عمر دراز نے تم لوگوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔" ڈرائیور نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہاں ملا پنج گوری کا نام استعمال نہ کیا جاتا تو یہ کسٹمز والے تم لوگوں سے دو چار ہزار روپے اینٹھ لیتے یا تم لوگوں کے سامان سے ہیروئن یا کوئی اور ایسی چیز برآمد کر لی جاتی کہ تم لوگوں کو بند کر دیا جاتا۔"

"ملا بشیر پنج گوری کے نام میں بڑی تاثیر ہے۔" شارق نے کہا۔

"پنج گوری بڑی اونچی شے ہے۔" ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمام ناکوں کے کسٹمز اور پولیس والے اس کے وظیفہ خوار ہیں۔ وہ اس کے کسی آدمی کو روکنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کوئی مخبری ہو اور اطلاع بہت اوپر سے ہو تو دوسری بات ہے۔ ایسی صورت میں وہ پوری کارروائی کرتے ہیں لیکن کسی نہ کسی طرح معاملہ نمٹ ہی جاتا ہے۔"

باقی راستہ ڈرائیور سے باتیں کرتے ہی گزرا تھا۔ کراچی سے سونمیانی کا فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن راستہ خراب ہونے اور جگہ جگہ چیکنگ کی وجہ سے بس پانچ بجے کے لگ بھگ کراچی پہنچی تھی۔

بس سے اترنے کے بعد شارق نے محسوس کیا تھا کہ وہاں سادہ لباس میں کچھ ایسے آدمی موجود تھے جو بس سے اترنے والے مسافروں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی شارق کی نظروں میں بھی آ گیا تھا۔ وہ دور کھڑا بڑی گہری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ڈی کوسٹا ایک ٹیکسی والے سے بات کر رہا تھا۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد بالآخر ٹیکسی ڈرائیور راضی ہو گیا۔ ڈی کوسٹا نے شارق وغیرہ کو اشارہ کیا اور وہ لوگ ٹیکسی کے قریب آ گئے۔ ڈرائیور نے اتر کر ڈگی کھول دی۔ نولکھا نے سوٹ کیس ڈگی میں رکھ دیا۔ ڈی کوسٹا آگے بیٹھ گیا اور یہ تینوں پچھلی سیٹ پر۔ شارق ان دونوں کے بیچ میں سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا۔

ٹیکسی ٹاور سے گھومتی ہوئی چندریگر روڈ' وہاں سے آرام باغ روڈ اور پھر ایم اے جناح روڈ پر آ گئی۔ وہ لوگ پرانی نمائش پر پہنچے ہی تھی کہ ایک اور ٹیکسی نے آگے نکل کر ان کی ٹیکسی کا راستہ روک لیا۔ اس وقت ٹریفک کا ہجوم تھا۔ ان کی وجہ سے ٹریفک جام ہونے لگا۔ گاڑیوں کے ہارنوں کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی۔

"اپنی ٹیکسی لے کر ہمارے پیچھے آؤ۔ اگر ادھر ادھر ہونے کی کوشش کی تو بچ کر نہیں جا سکو گے۔" اگلی ٹیکسی سے اترنے والے شخص نے شارق کی ٹیکسی کے ڈرائیور سے کہا۔

"کیا بات ہے' کون ہو تم؟" ڈی کوسٹا نے اسے گھورا۔

"ٹیکسی ایک طرف لگانے دو۔ پھر بتاتا ہوں میں کون ہوں؟" اس شخص نے کہا اور ڈرائیور کو اشارہ کرتا ہوا اگلی ٹیکسی پر بیٹھ گیا۔

مختلف گاڑیوں کے ہارنوں کی آوازوں سے کان پھٹے جا رہے تھے۔ اگلی ٹیکسی حرکت میں آئی تو شارق والے ڈرائیور نے بھی گاڑی آگے بڑھا دی۔ دونوں ٹیکسیاں بریٹو روڈ پر مڑ گئیں۔ اس طرف آنے والا ٹریفک بہت کم تھا۔ بریٹو روڈ پر مڑنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اگلی ٹیکسی رک گئی اور وہی آدمی بڑی پھرتی سے نیچے اتر آیا۔ اس نے پچھلی ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ شارق والی ٹیکسی ایک درخت کے نیچے فٹ پاتھ کے کنارے پر رک گئی اسی دوران اگلی ٹیکسی سے ایک اور آدمی اتر آیا۔ یہ وہی آدمی تھا جسے شارق نے بس کے اڈے پر اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دونوں سادہ لباس میں تھے اور ان کے حلیے انہیں پولیس والے ہی ظاہر کر رہے تھے۔

"کون ہو تم لوگ اور ہمیں کیوں روکا ہے؟" شارق نے اس شخص کو گھورا۔

"نیچے آ جاؤ تم لوگ' ابھی بتاتا ہوں کہ ہم کون ہیں۔" پہلے شخص نے جواب دیا۔

"مگر ہم لوگ کیوں اتریں۔ تم لوگ ہو کون؟" اس مرتبہ ڈی کوسٹا بولا۔

"نیچے آتے ہو یا گھسیٹ کر اتاروں۔" اس شخص نے کہتے ہوئے پہلو کی طرف سے قمیض اوپر اٹھا دی۔ قمیض کے نیچے ہولسٹر میں ریوالور کا دستہ صاف نظر آ گیا تھا اور اس شخص کا قمیض اٹھانے کا مقصد بھی غالباً یہی تھا کہ وہ انہیں ریوالور دکھانا چاہتا تھا۔

ڈی کوسٹا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ثمینہ دروازے کی طرف بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اگر یہ پولیس والے تھے تو یہ کسی مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔ شارق نے ڈی کوسٹا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر ثمینہ کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ چاروں نیچے اتر آئے۔

اس سڑک پر سے گزرنے والے موٹر سائیکل سوار اور دوسری گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگ

aazzamm@yahoo.com

مڑ مڑ کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بیشتر لوگ صورت حال کو سمجھ چکے تھے۔

پولیس کے بعض اہلکاروں نے، بعض کیا بیشتر اہلکاروں نے پورے محکمہ میں گند پھیلا رکھا تھا۔ ڈیوٹی پر نہ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ سرکاری وردیاں پہن کر یا سادہ لباس میں ایئرپورٹ کے آس پاس کی سڑکوں، ریلوے اسٹیشن اور بسوں کے اڈوں کے آس پاس گھومتے رہتے اور بیرون ملک یا بیرون شہر سے آنے والوں کو روک کر انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے ہراساں کرتے اور انہیں لوٹ لیتے۔ اخبارات میں روزانہ ان لوگوں کے خلاف خبریں چھپتی تھیں، مراسلے چھپتے تھے مگر اس قسم کی وارداتوں میں کبھی کمی نہیں آئی تھی۔ بلکہ اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ ان کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ قانون کے محافظ ہی جب لٹیرے اور راہزن بن جائیں تو ان کے خلاف کارروائی کون کرے۔

یہ دونوں بھی پولیس اہلکار ہی تھے، جو ڈیوٹی پر نہیں تھے مگر باہر سے آنے والے لوگوں کو لوٹنے کے لئے بسوں کے اس اڈے کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ اور شارق وغیرہ ان کی نظروں میں آ گئے تھے اور تعاقب کرنے کے بعد یہاں انہیں روک لیا گیا تھا۔

"کون ہو تم لوگ، کیوں روکا ہے ہمیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ہم سی آئی اے کے آدمی ہیں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور یہ لڑکی کون ہے؟" وہ ہوس بھری نظروں سے ثمینہ کو دیکھنے لگا۔

"یہ میری بیوی ہے۔ ہم لوگ سونمیانی سے آئے ہیں۔ مگر تم لوگوں نے ہمیں روکا کیوں ہے؟" شارق نے کہا۔

"ڈگی سے سوٹ کیس نکالو۔ ہم چیک کرنا چاہتے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم اسمگلر ہیں اور....."

"سوٹ کیس نکالو۔" اس شخص نے شارق کی بات کاٹ دی۔

شارق کے کہنے پر ڈرائیور نے ڈگی کھول دی اور نولکھا نے سوٹ کیس باہر نکال کر فٹ پاتھ پر رکھ دیا۔

"کھولو اسے۔" وہ شخص غرایا۔

چابی نولکھا ہی کے پاس تھی۔ شارق کے اشارے پر اس نے سوٹ کیس کھول دیا۔ اس وقت پیدل چلنے والے دو تین آدمی وہاں رک گئے تھے۔ دوسرے آدمی نے انہیں بھگا دیا۔ پہلا آدمی فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا اور سوٹ کیس کا ڈھکنا کھول کر سامان چیک کرنے لگا۔ سامان تھا ہی کیا، لیکن وہ شخص اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کی قمیض کا دامن سوٹ کیس میں رکھے ہوئے کپڑوں پر پھیل گیا

تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے بڑی ہوشیاری سے قمیض کے اندر سے پلاسٹک کی ایک تھیلی نکال کر سوٹ کیس میں کپڑوں کے نیچے ڈال دی۔ پھر اس نے پہلو بدلتے ہوئے اپنا دامن سمیٹا اور سوٹ کیس میں رکھے ہوئے کپڑے اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر ڈالنے لگا۔ سب ان سلے کپڑے تھے انہی میں قیمتی گھڑیاں اور ہیروں کا وہ طلائی سیٹ بھی تھا۔ اس سیٹ کو دیکھ کر اس شخص کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی اس نے سیٹ ایک طرف رکھ دیا اور کپڑے دوبارہ الٹ پلٹ کرنے لگا۔ اور بالآخر اس نے پلاسٹک کی تھیلی برآمد کر لی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ تھیلی ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمیں یہی شک تھا جس کی وجہ سے تم لوگوں کو روکا تھا؟"

"یہ.... یہ کیا ہے؟" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ چاروں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"اسے ہیروئن کہتے ہیں ایک پاؤ تو ضرور ہو گی۔" وہ شخص تھیلی کو ہاتھ میں تولتے ہوئے بولا۔ "تم لوگوں کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" شارق جھنجلا گیا۔ "اس پیکٹ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"پتہ تو تم لوگوں کو تھانے جا کر چلے گا۔" وہ شخص معنی خیز لہجے میں بولا۔ "خوبصورت لڑکیوں کو اسی لئے ساتھ رکھا جاتا ہے کہ دوسروں کو دھوکہ دے سکو.... شاید اس حسینہ کی وجہ سے ہی تم لوگ تمام چیک پوسٹوں سے بچتے ہوئے چلے آئے ہو لیکن اس خوبصورت لڑکی کا جادو ہم پر نہیں چل سکے گا۔"

"یقین کرو ہیروئن کے اس پیکٹ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" شارق بولا۔

"تو کیا یہ پیکٹ میں نے تمہارے سوٹ کیس میں رکھا تھا۔" وہ شخص غرایا۔

"ہاں.... ہاں تم نے رکھا تھا یہ پیکٹ ہمارے سوٹ کیس میں۔" ثمینہ اچانک ہی چیخی حالانکہ وہ بہت خوفزدہ تھی لیکن اچانک ہی اس نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ انہیں کسی جال میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ لوگوں کو جمع کر کے انہیں بتانا چاہتی تھی کہ یہ لوگ قانون کی آڑ میں ان کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں۔ اس کے شور مچانے سے پانچ چھ آدمی وہاں جمع ہو گئے تھے۔

"زبان بند کراؤ اس کی ورنہ الٹا ٹانگ دوں گا لے جا کر۔" اس شخص نے خونخوار نظروں سے شارق کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا بہن.... کیوں چیخ رہی ہو؟" جمع ہونے والوں میں سے ایک آدمی نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ... یہ ڈاکو ہمیں لوٹنا چاہتے ہیں۔" ثمینہ چیخی۔

"کیوں اوئے.... کیا بات ہے؟" اس آدمی نے سادہ لباس والے کو گھورا۔

"جاؤ یہاں سے تم لوگ.... چلو بھاگو.... ورنہ تم لوگوں کو بھی دھر لیا جائے گا۔ یہ لوگ اسمگلر ہیں اور ان کا تعلق ایک خطرناک بین الاقوامی گروہ سے ہے۔ یہ دیکھو.... ان کے سامان سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔" وہی سادہ لباس والا بولا۔

"یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس نے یہ پیکٹ خود ہمارے سامان میں رکھا تھا۔" ثمینہ چیخی۔

"یہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ راہ گیروں کو لوٹتے ہیں۔" ہجوم سے ایک آواز آئی۔

"تم لوگ جاتے ہو یا...." اس شخص نے قمیض کے نیچے ہولسٹر میں سے ریوالور نکال لیا۔

"وہ دیکھو.... موبائل جا رہی ہے' بلاؤ انہیں۔" ایک شخص چیخا۔

پولیس کی ایک موبائل چوراہے سے گرومندر کی طرف جا رہی تھی۔ لیکن وہ موبائل ٹریفک کے ہجوم میں پھنسی ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے ہونٹوں میں دو انگلیاں دبا کر سیٹی بجا دی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ موبائل کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اے ایس آئی نے گردن گھما کر دیکھ لیا۔ سیٹی بجانے والا ہاتھ سے اشارے کرنے لگا۔

سادہ لباس والے نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ اپنی ٹیکسی کی طرف دوڑے۔ دوڑتے ہوئے دوسرے نے بھی ریوالور نکال لیا تھا۔ ہجوم میں سے کسی کو ان کو پکڑنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور ان کے بیٹھنے سے پہلے ہی انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی ٹیکسی زور دار جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔

پولیس موبائل کو ٹریفک کے ہجوم سے نکلنے اور مڑ کر اس طرف آنے میں دو منٹ لگ گئے تھے۔ اس دوران وہ ٹیکسی اگلا موڑ پار کر چکی تھی۔

"کیا بات ہے' کیا ہوا؟" اے ایس آئی فوراً ہی موبائل سے اتر آیا۔ پچھلے حصے سے دو مسلح کانسٹیبل بھی اتر آئے تھے۔

"دو آدمی اپنے آپ کو پولیس والا ظاہر کر کے ہمیں لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ بھاگ گئے۔ ان کی ٹیکسی چوراہا پار کر کے سیدھی گئی ہے۔" ڈی کوشا نے بتایا۔

"چلو.... موبائل میں بیٹھو۔ ہری اپ۔" اے ایس آئی نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور خود بھی دوڑ کر موبائل میں بیٹھ گیا۔ موبائل تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

"جائیے.... آپ لوگ بھی چلے جائیے' کہیں ایسا نہ ہو کہ جعلی پولیس والوں سے بچنے کے بعد اصلی پولیس والوں کے ہاتھوں لٹ جائیں۔" ہجوم میں سے ایک آدمی نے ثمینہ اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کا مشورہ معقول تھا۔ شارق نے نولکھا کو اشارہ کیا اس نے سوٹ کیس بند کر کے ڈگی میں رکھ دیا۔ اور ڈگی بھی دھڑ سے بند کر دی۔ وہ چاروں پہلے کی طرح ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

شارق کو دراصل یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اگر موبائل واپس آ گئی اور پولیس والوں نے راہزنوں کے بارے میں جاننے اور ان کے خلاف رپورٹ لکھوانے کے لئے انہیں اپنے ساتھ تھانے لے جانا چاہا تو کہیں بات بگڑ نہ جائے۔ ہو سکتا ہے پولیس والے الٹا انہی سے جرح شروع کر دیں اور باتوں ہی باتوں میں کہیں یہ خود نہ پھنس جائیں۔ اسی لئے انہوں نے یہاں سے پھوٹ لینے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

تین ہٹی اور لیاقت آباد سے ہوتے ہوئے وہ لوگ فیڈرل بی ایریا میں آ گئے۔ کریم آباد کا چوراہا پار کرتے ہی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈی کوشا نے ٹیکسی بائیں طرف ایک گلی میں مڑوا لی اور پھر دوسری گلی میں گھوم کر اس نے ٹیکسی ایک بنگلے کے سامنے رکوا لی۔ یہ وہی بنگلہ تھا جہاں اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے وہ لوگ مقیم تھے۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ دروازہ چوکیدار نے کھولا تھا۔ یہ لوگ کئی روز بعد آئے تھے لیکن انہیں دیکھ کر چوکیدار کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

"علی مراد۔" ڈی کوشا نے چوکیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے ہمیں چائے پلاؤ اور پھر ہمارے لئے کھانے کا بندوبست کرو۔"

"جی صاحب' میں دودھ لے آؤں تو چائے بناتا ہوں۔" علی مراد نے جواب دیا۔

اس بنگلے میں تین بیڈ رومز تھے۔ ثمینہ اس کمرے میں آ گئی جہاں وہ پہلے بھی رہ چکی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بستر پر گر سی گئی۔

تقریباً چالیس منٹ بعد نولکھا دروازے میں نمودار ہوا۔ ثمینہ اس وقت آنکھیں بند کئے بستر پر پڑی تھی۔ آہٹ سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"چائے تیار ہو گئی ہے ثمینہ بی بی' ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔" نولکھا کہتے ہوئے دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔

ثمینہ انگڑائی لیتے ہوئی اٹھ گئی۔ اس نے باتھ روم میں جا کر کلی کی اور کمرے سے نکل کر

aazzamm@yahoo.com

ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ ڈی کوسٹا اور شارق بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ سینٹر ٹیبل پر چائے رکھی ہوئی تھی۔ ثمینہ نے ایک کپ اٹھا لیا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ثمینہ نے تو آج کمال ہی کر دیا۔" ڈی کوسٹا نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ چیخنے چلانے نہ لگتی تو وہ لوگ ہمیں لوٹ کر لے جاتے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس شخص کی نظریں ثمینہ کے زیورات والے سیٹ پر تھیں۔ ہمیں چھوڑنے کے بدلے وہ کم از کم اس سیٹ پر تو قبضہ کر ہی لیتے۔ لیکن تمہیں پتہ کیسے چلا کہ ہیروئن کا پیکٹ اسی نے سوٹ کیس میں رکھا تھا۔" ڈی کوسٹا نے چسکی لیتے ہوئے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" ثمینہ نے بھی چائے کی چسکی لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم چاروں میں سے کسی نے بھی سوٹ کیس میں ہیروئن نہیں رکھی تھی۔ راستے میں کئی جگہ چیکنگ ہوئی تھی لیکن سوٹ کیس میں ہیروئن کی موجودگی کا انکشاف کہیں بھی نہیں ہوا تھا' اور پھر یہاں پہنچ کر ہیروئن برآمد ہونا عجیب سی بات تھی۔ جب اس شخص نے ہیروئن کا پیکٹ نکال کر دکھایا تو مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا کہ یہ لوگ دھوکے باز ہیں اور ہمیں لوٹنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہیروئن والا ڈرامہ نہ رچاتا تو شاید میں بھی یہی سمجھتی کہ ان کا تعلق سی آئی اے سے ہے۔ ایسی صورت میں وہ میرا زیورات کا سیٹ تو کیا پورا سوٹ کیس بھی لے جاتے تو ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولتا۔ دھوکہ دہی کا احساس ہوتے ہی میرے ذہن پر طاری خوف زائل ہو گیا اور میں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔"

"یہ کراچی ہے ثمینہ بی بی۔" ڈی کوسٹا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہاں بڑے بڑے ڈرامے ہوتے ہیں۔ روزانہ سینکڑوں لوگ اسی طرح لٹتے رہتے ہیں مگر ان لٹیروں کے خلاف کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔"

"صرف کراچی ہی نہیں' ہمارے ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔" اس مرتبہ شارق نے کہا۔

وہ لوگ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے چائے پیتے رہے۔ چائے پینے کی بعد بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر ثمینہ اٹھ گئی۔

"میں تو نہانے جا رہی ہوں۔ دن بھر کے سفر کی مٹی جسم سے چپکی ہوئی ہے۔ بڑی الجھن سی ہو رہی ہے۔"

"نہا کر کپڑے کون سے پہنو گی۔" شارق نے کہا۔ "ہمارا کپڑوں والا سوٹ کیس تو قاسم کی لانچ میں ہی رہ گیا تھا اور اس دن سے ہم سب لوگ یہی کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔"

"یہی کپڑے جھاڑ کر پہن لئے جائیں گے۔ کیا کیا جائے مجبوری ہے۔ کل بازار سے ایک دو جوڑے خرید لئے جائیں گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"یہاں کریم آباد پر چند اچھی دکانیں ہیں۔ تیار ملبوسات وہاں سے بھی مل سکتے ہیں۔ دکانیں دیر تک کھلی رہتی ہیں۔ ابھی تو آٹھ بھی نہیں بجے چاہو تو شاپنگ سینٹر کا ایک چکر لگایا جا سکتا ہے۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔

ٹھیک ہے چلو پہلے شاپنگ سینٹر کا ایک چکر لگا ہی لیا جائے۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق اور نولکھا بھی جانے کو تیار ہو گئے انہوں نے اگرچہ منہ ہاتھ دھو لئے مگر بالوں اور کپڑوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ شارق کے سر پر بندھی ہوئی پٹی بھی بہت گندی ہو رہی تھی لیکن بہرحال ان کے پاس پہننے کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا اس لئے وہ پہلے مارکیٹ کا چکر لگا لینا چاہتے تھے۔

وہ لوگ بنگلے سے نکل کر اس گلی میں آ گئے جو مین روڈ سے جا ملتی تھی۔ اس گلی کے اختتام پر مین روڈ کی طرف ایک بہت بڑا پیٹرول پمپ بھی تھا۔ وہ لوگ سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے۔ چوراہے پر کوئی ٹریفک سگنل نہیں تھا جس کی وجہ سے ٹریفک کے سیلاب میں سڑک پار کرنے میں بھی خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

دوسری طرف مینا بازار کے سامنے بڑی رونق تھی۔ یہ کئی منزلہ عمارت تھی۔ جس کے گراؤنڈ فلور پر باہر کی طرف اور اندر بھی سینکڑوں دکانیں تھیں۔ عمارت کی پہلی منزل بھی دکانوں پر مشتمل تھی' مگر فرسٹ فلور کا یہ شاپنگ سینٹر صرف خواتین کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں دکاندار بھی خواتین تھیں اور گاہک بھی۔ مردوں کو اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی شاپنگ سینٹر کی وجہ سے یہاں کا نام ہی مینا بازار رکھا گیا تھا۔

"اب ایسا کرتے ہیں کہ تم اوپر چلی جاؤ۔ اور ہم نیچے گھوم پھر کر شاپنگ کر لیتے ہیں۔ تمہارے پاس پیسے تو ہیں نا؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں' میرے پاس کافی رقم ہے۔" ثمینہ نے پتلون کی ہپ پاکٹ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' ایک گھنٹے بعد ہم یہیں ملیں گے۔ زیادہ دیر مت کرنا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ اوپر مینا بازار کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی جہاں ایک باوردی چوکیدار بھی کھڑا تھا۔ ثمینہ کے جانے کے بعد شارق وغیرہ نیچے والی دکانوں کے درمیان ایک گلی میں داخل ہو گئے۔

اندر تنگ سی کئی گلیاں تھیں۔ جن میں چھوٹی چھوٹی لاتعداد دکانیں تھیں۔ ان دکانوں پر ہر چیز

aazzamm@yahoo.com

دستیاب تھی۔ مارکیٹ کے اندر اچھا خاصا رش تھا۔ زیادہ تر خواتین تھیں۔ تنگ سی گلیوں میں راستہ چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔

وہ تینوں مارکیٹ کے اس سیکشن میں آ گئے جہاں تیار ملبوسات کی دکانیں تھیں۔ بہت سے لوگ مڑ مڑ کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے حلیے ہی ایسے تھے کہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔ وہ مردانہ کپڑوں کی ایک دکان پر رک گئے۔ دکاندار بھی ان کے حلیے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"شلوار سوٹ دکھاؤ بھئی' ہم تینوں کے لئے۔" شارق نے کہا۔

"سر! آپ کے سر پر یہ پٹی' خیریت تو ہے جناب؟" دکاندار نے شارق کے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ کامیاب دکاندار وہی ہوتا ہے جو گاہک کو قابو کر لے۔ گاہک کو قابو کرنے کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں اور اس دکاندار نے شارق سے ہمدردی کے اظہار کا طریقہ اپنایا تھا۔

"ارے بھئی' سیرو تفریح کے لئے کراچی آئے ہیں۔ پہلے بس کا ایکسی ڈنٹ ہوا جس سے میرے سر میں یہ چوٹ لگی پھر جب کراچی پہنچے تو پتہ چلا کہ ہمارا سوٹ کیس بھی غائب ہے۔ غالباً راستے میں اترنے والا کوئی مسافر ہمارا سوٹ کیس مال غنیمت سمجھ کر اٹھا لے گیا ہے۔"

"جناب کہاں سے تشریف لائے ہیں۔" دکاندار نے اس واقعہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"صادق آباد سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "اب آپ ہمیں کپڑے دکھا دیجئے۔"

"ابھی لیجئے۔" دکاندار نے کہا اور کچھ ہی دیر میں اس نے ان کے سامنے مختلف رنگوں اور مختلف اقسام کے کپڑوں کا انبار لگا دیا۔

ڈی کوسٹا نے اپنے لئے صرف ایک سوٹ پسند کیا تھا۔ کیونکہ اس کا گھر تو کراچی ہی میں تھا اور گھر میں اس کے پاس کپڑوں کی کمی نہیں تھی۔ شارق اور نولکھا نے تین تین سوٹ پسند کئے۔ کپڑے خریدنے کے بعد وہ مارکیٹ میں گھوم پھر کر ضرورت کی دیگر چیزیں خریدتے رہے۔ جن میں ٹوتھ پیسٹ' ٹوتھ برش اور شیونگ وغیرہ کا سامان شامل تھا۔

جب وہ لوگ مارکیٹ سے نکل کر مقررہ جگہ پر پہنچے تو ایک گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ تقریباً اسی وقت ثمینہ بھی مینا بازار کی سیڑھیاں اترتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے بھی تین چار شاپنگ بیگ اٹھا رکھے تھے۔ وہ چاروں سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے اور پھر بنگلے تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

علی مراد کچن میں تھا۔ مرغی فرائی کئے جانے کی خوشبو آ رہی تھی۔ ان چاروں ہی نے باورچی خانے میں جھانکا تھا۔ خوشبو سے ان کی بھوک اور چمک اٹھی تھی۔

"کھانے میں کتنی دیر ہے علی مراد؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"پندرہ بیس منٹ تو لگیں گے جی۔" علی مراد نے جواب دیا۔

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے اور اپنے اپنے شاپنگ بیگز کھول کر چیزیں چیک کرنے لگے۔ ثمینہ لان کا ایک جوڑا اور کچھ دوسری چیزیں لے کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کھڑکی کے پردے برابر کر دیئے اور کپڑے اتار کر باتھ روم میں گھس گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ تک وہ شاور کے نیچے کھڑی جسم کی مٹی اتارتی رہی اور پھر کمرے میں آ کر اس نے لان کا نیا جوڑا پہن لیا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو بہت ہلکی پھلکی اور تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔

اس دوران شارق وغیرہ بھی نہا دھو کر اپنے حلیے تبدیل کر چکے تھے۔ دس بجے کے لگ بھگ انہوں نے ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد بھی وہ لوگ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ بارہ بجے کے لگ بھگ نولکھا اونگھنے لگا اور وہ وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا کچھ دیر بعد ثمینہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

شارق اور ڈی کوسٹا دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر شارق بھی جمائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔ ڈی کوسٹا وہیں نولکھا کے قریب لیٹ گیا تھا۔ شارق دوسرے بیڈ روم کی طرف بڑھا پھر کچھ سوچ کر ثمینہ کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ نائٹ بلب جل رہا تھا اور ثمینہ پلنگ پر آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ شارق کا دل چاہا کہ وہ اندر چلا جائے مگر پھر کچھ سوچ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس بنگلے میں وہ دونوں اکیلے نہیں تھے۔ دوسرے لوگ بھی موجود تھے اس لئے وہ محتاط ہی رہنا چاہتا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھیں بھی بند ہو چکی تھیں۔

اور پھر نجانے رات کا وہ کون سا پہر تھا کہ کھٹکے کی آواز سن کر نولکھا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ اسی لمحہ باہر سے آہٹ پھر سنائی دی۔ نولکھا نے سر کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا۔ اسے یاد آیا کہ جب وہ سونے کے لئے لیٹا تھا تو ثمینہ' ڈی کوسٹا اور شارق بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ڈی کوسٹا اسکے قریب ہی قالین پر سو رہا تھا۔ غالباً شارق اور ثمینہ نے جاتے ہوئے بتی بجھا دی تھی.... باہر والی بتی جل رہی تھی اور اس کی بہت مدھم سی روشنی

aazzamm@yahoo.com

کمرے میں بھی پہنچ رہی تھی۔

نولکھا اب پوری طرح حواس میں آ چکا تھا اور وہ کوئی آہٹ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً آواز پھر سنائی دی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی دبے قدموں چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً ایک اور آواز سن کر وہ چونک گیا۔ وہ کسی آدمی کی آواز تھی جو سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

نولکھا بڑی احتیاط سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا۔ کھڑکی میں گرل لگی ہوئی تھی لیکن پٹ کھلے ہوئے تھے وہ باہر کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہی سرگوشیانہ آواز کہہ رہی تھی۔

"تم سامنے والے دروازے کے قریب کھڑے رہو اور فضل داد تم دائیں طرف سے جاؤ اور میں بائیں طرف سے جاتا ہوں۔ چھت تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا اور پھر ہم آسانی سے اندر والے صحن میں اتر جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" دوسری آواز سنائی دی۔

"اور قادر.... میں اندر داخل ہوتے ہی دروازہ کھول دوں گا۔ تم بھی اندر آ جانا بظاہر تو لگتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہیں ہو گا لیکن پھر بھی ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔" پہلی آواز نے کہا۔

"تم دونوں کے پاس ریوالور موجود ہیں اور پستول میرے پاس بھی ہے۔ فکر مت کرو۔ تم لوگ جاؤ۔ میں دروازے پر موجود ہوں۔" قادر نے جواب دیا۔

اور اس کے بعد کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دینے لگی۔ نولکھا اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر جب قدموں کی چاپ معدوم ہو گئی تو وہ بڑی احتیاط سے چلتا ہوا ڈی کوسٹا کے قریب قالین پر بیٹھ گیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ آہستہ ہلانے لگا۔

"کک... کون ہے.... کیا ہے؟" ڈی کوسٹا گڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"خاموش رہو۔" نولکھا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میں ہوں نولکھا.... کچھ لوگ اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد تین ہے اور وہ تینوں مسلح ہیں۔ ایک دروازے کے باہر کھڑا ہے اور دو چھت کے راستے اندر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"اوہ!" ڈی کوسٹا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "کون ہیں وہ لوگ؟"

"چور ڈاکو ہوں گے.... میرے رشتہ دار بہرحال نہیں ہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"شارق اور ثمینہ کو بتاؤ۔" ڈی کوسٹا بولا۔

"اب موقع نہیں ہے۔" نولکھا نے سرگوشی کی۔ "اگر ہم اس کمرے سے باہر نکلے تو ہمارے چلنے پھرنے کی آوازیں سن کر وہ لوگ محتاط ہو جائیں گے۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ یہ ہے کہ تم اسی طرح قالین پر لیٹے رہو جیسے سو رہے ہو۔ میں یہاں دروازے کے پیچھے چھپ جاتا ہوں۔ ان میں سے کوئی ایک اس کمرے میں داخل ضرور ہو گا۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ تمہیں گن پوائنٹ پر لینے کی کوشش کرے گا اور میں پیچھے سے اسے گرفت میں لے لوں گا۔"

"اگر اس نے مجھے گن پوائنٹ پر لینے کے بجائے گن چلا دی تو؟" ڈی کوسٹا نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ ایسا نہیں کرے گا۔" نولکھا نے سرگوشی کی۔ "وہ لوگ چوری کی نیت سے آئے ہیں ہمیں قتل کرنے نہیں کہ دیکھتے ہی گولی چلا دیں۔ ان کی کوشش یہ ہو گی کہ ہم سب کو کسی ایک جگہ جمع کر کے کوئی آدمی ہمیں گن پوائنٹ پر لئے رہے اور اس کے باقی ساتھی قیمتی اشیاء تلاش کرنے یا سمیٹنے لگیں۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا طریقہ کار یہی ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈی کوسٹا نے پھر سرگوشی کی پھر ایک آوز سن کر چونک گیا۔ "میرا خیال ہے کوئی اندر کودا ہے۔ میں قالین پر لیٹ رہا ہوں۔ تم دروازے کے پیچھے جاؤ۔"

نولکھا بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اور دروازے کے قریب دیوار سے اس طرح چپک کر کھڑا ہو گیا کہ اگر دروازہ کھلے تو وہ اس کے پیچھے چھپا رہ جائے۔ ڈی کوسٹا کروٹ کے بل قالین پر لیٹ گیا۔ اس کا چہرہ دروازے کی طرف تھا۔ اس نے ایک بازو موڑ کر تکئے کی طرح سر کے نیچے رکھ لیا تھا اور دوسرا بازو سر کے اوپر تھا۔ اس نے آنکھوں میں ذرا سی جھری پیدا کر رکھی تھی اور وہ اس جھری سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نولکھا نے ڈی کوسٹا کی طرف دیکھا اور پھر کمرے کے باہر قدموں کی ہلکی سی آواز سن کر چونک گیا۔ آواز دروازے کے سامنے رک گئی۔ پھر باہر سے کسی نے دروازے پر ہاتھ رکھا اور ہینڈل گھمائے جانے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ نولکھا نے اپنا سانس تک روک لیا۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ اور پھر ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ریوالور تھا۔ دروازہ پورا نہیں کھلا تھا کیونکہ نولکھا اس کی آڑ میں تھا۔ وہ شخص ایک قدم آگے بڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ ڈی کوسٹا سے ایک قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کے پستول کا رخ کوسٹا کی طرف تھا۔ نولکھا دروازے کی آڑ سے نکلا اور بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا اس شخص کی طرف بڑھنے لگا۔

اس آدمی کی چھٹی حس نے غالباً اسے کسی انجانے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ تیزی سے

aazzamm@yahoo.com

پیچھے گھوما لیکن اسے دیر ہو گئی تھی۔ نولکھا عقاب کی طرح اس پر جھپٹا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اس شخص کے پستول والے ہاتھ پر اور دوسرا اسی بازو پر کہنی سے ذرا اوپر پڑا تھا۔ اس شخص نے ٹرائیگر دبا دیا۔ ممکن ہے وہ اپنا ہاتھ نولکھا کی گرفت سے چھڑا لیتا لیکن قالین پر لیٹے ہوئے ڈی کوسٹا نے اس کی دونوں ٹانگوں کو ٹخنوں کے قریب سے پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ پستول سے نکلنے والی گولی چھت میں لگی تھی۔ پیروں کو جھٹکا لگنے سے وہ شخص پشت کے بل گرا تھا۔ نولکھا نے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔

"ڈکوٹا!" نولکھا چیخا۔ "تم اسے سنبھالو۔ میں باہر جا رہا ہوں۔"

اسی لمحہ ثمینہ کی چیخ سنائی دی نولکھا باہر کی طرف دوڑا اس نے شارق کو اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا لیکن بائیں طرف بیرونی دروازے کے قریب ایک آدمی کو حرکت کرتے دیکھ کر نولکھا چونک گیا۔

"شارق بچو۔" نولکھا چیخا۔

شارق نے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اسی لمحہ بیرونی دروازے کی طرف سے فائر ہوا تھا اور گولی ٹھیک اس جگہ پیچھے دیوار میں لگی تھی جہاں کچھ دیر پہلے شارق کھڑا تھا۔ نولکھا نے اس کی طرف فائر جھونک دیا جہاں سے کچھ دیر پہلے شارق پر گولی چلائی گئی تھی۔ شارق پر گولی چلانے والا شخص باہر بھاگ گیا۔ نولکھا اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس شخص نے دوڑتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔ نولکھا کو دروازہ کھولنے میں کچھ دیر لگی۔ اسی لمحہ بیرونی گیٹ دھڑ سے بند ہونے کی آواز سنائی دی اور جب نولکھا بیرونی گیٹ کے قریب پہنچا تو گلی میں کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ نولکھا نے گیٹ کھول کر باہر نکلنا چاہا لیکن گیٹ کو باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔ نولکھا حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تقریباً آٹھ فٹ اونچی دیوار پر چڑھ گیا۔ اسی وقت ایک ٹیکسی گلی میں دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ نولکھا نے گولی چلا دی۔ ٹیکسی کی پچھلی ونڈ اسکرین ٹوٹ گئی لیکن ٹیکسی تیزی سے آگے نکل گئی تھی۔

نولکھا چھلانگ لگا کر نیچے اترا۔ جب وہ ڈرائنگ روم کے دروازے میں آیا تو وہاں کا منظر خاصا تشویش آمیز تھا۔ ڈی کوسٹا اس شخص کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر اس شخص کے سر پر ٹھوکر ماری۔ وہ شخص بلبلا کر بائیں طرف الٹ گیا۔ نولکھا نے اس کے دو تین ٹھوکریں مار دیں۔ وہ شخص بلبلاتا ہوا پورے ڈرائنگ روم میں لوٹ رہا تھا۔ سینٹر ٹیبل دو کرسیاں اور ایک صوفہ الٹ گیا تھا۔ ثمینہ کی چیخ ایک بار پھر سنائی دی۔ نولکھا چونک گیا۔

"بھائی ڈکوٹا۔ اب اس کو مت چھوڑنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔" نولکھا کہتے ہوئے پھر باہر دوڑا۔

وہ ثمینہ والے کمرے کی طرف دوڑا۔ یہاں ایک دلچسپ منظر اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ شارق اور وہ آدمی ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے اور ثمینہ ادھر ادھر اچھلتے ہوئے اس آدمی کو ٹھوکریں مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی چکر میں اس کی ایک ٹھوکر شارق کی پسلیوں میں لگی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اس شخص پر سے شارق کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی اور شارق اس شخص کے شکنجے میں آ گیا تھا۔ اس سارے منظر میں دلچسپی کی بات یہ تھی کہ ثمینہ کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا جو غالباً اس شخص سے چھینا گیا تھا۔

حریف شارق کی پشت پر تھا اور اس نے اپنا دایاں بازو شارق کے گلے پر لپیٹ رکھا تھا۔ وہ شارق کی گردن کو ہلکے ہلکے جھٹکے دے رہا تھا۔ شارق کے چہرے پر بے پناہ اذیت کے تاثرات تھے۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں۔

نولکھا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے ریوالور کو نال کی طرف سے پکڑا اور اس شخص کے پیچھے پہنچ کر ریوالور کے دستے سے زور دار ضرب اس شخص کی گردن سے ذرا نیچے ماری۔ ضرب زور دار تھی۔ وہ شخص بلبلا اٹھا... نولکھا نے دوسری ضرب اس کی کھوپڑی پر لگائی تھی۔ وہ شخص چیخ اٹھا مگر اس نے شارق کی گردن نہیں چھوڑی تھی۔ نولکھا نے اس مرتبہ اسکے دائیں کندھے پر ضرب لگائی۔ یہ ضرب کارگر ثابت ہوئی۔ اس شخص نے بلبلا کر شارق کو چھوڑ دیا۔

اپنی گلو خلاصی ہوتے ہی شارق اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چند لمحے اپنا گلا سہلاتا رہا پھر اس نے زمین پر پڑے ہوئے اپنے حریف پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

"بس شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "کچھ کام دوسروں کے لئے بھی رہنے دو۔" شارق رک گیا۔ وہ بری طرح ہانپ گیا تھا۔

"بتی جلاؤ ثمینہ۔ ذرا اس کا چہرہ تو دیکھیں۔" نولکھا نے کہا۔

ثمینہ نے ٹیوب لائٹ جلا دی۔ اس شخص کی شکل دیکھتے ہی وہ تینوں چونک گئے۔ یہ وہی ٹیکسی ڈرائیور تھا جس کے ساتھ وہ بسوں کے اڈے سے یہاں آئے تھے۔

"اوئے تم...." نولکھا اچھل پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ جملہ پورا کرتا ڈرائنگ روم سے ڈی کوسٹا کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ "شارق باؤ' اس کو سنبھالو میں ڈکوٹا کو دیکھتا ہوں۔" نولکھا کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کی طرف دوڑا۔

ڈی کوسٹا ایک بار پھر اس شخص کے قابو میں آ گیا تھا۔ نولکھا نے اس پر بھی وہی حربہ آزمایا جو شارق کے حریف پر آزما چکا تھا۔ اس شخص نے ڈی کوسٹا کو چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔ نولکھا نے دیوار کے قریب پہنچ کر بتی جلا دی۔ وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر

aazzamm@yahoo.com

تھامے بیٹھا تھا اس کا چہرہ نیچے کی طرف تھا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر اسے زور دار ٹھوکر ماری وہ دائیں طرف الٹ گیا۔ اس کی شکل دیکھ کر نولکھا ایک بار پھر چونک گیا۔ وہ ان دونوں پولیس والوں میں سے ایک تھا جنہوں نے انہیں شام کو راستے میں ہیروئن کے چکر میں پھنسا کر لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ نولکھا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ فرار ہو جانے والا دوسرا پولیس والا تھا۔

"بہت ہی بے غیرت نکلے تم لوگ تو۔" نولکھا نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ شام کو تم لوگ پولیس کے ہاتھ نہیں آئے تھے اور اگر پکڑے بھی گئے تھے تو ان پولیس والوں نے تم لوگوں کو اپنا بھائی بند سمجھ کر چھوڑ دیا تھا مگر... اب تم لوگ نہیں بچ سکو گے۔ پکا بندوبست کیا جائے گا تمہارا۔"

نولکھا اس شخص پر ٹھوکروں کی بارش کرتا رہا۔ اور بالآخر اسے چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ اس دوران شارق اور ثمینہ دوسرے آدمی کو بھی ڈرائنگ روم میں لے آئے تھے۔ اس مرتبہ ریوالور ثمینہ کے بجائے شارق کے ہاتھ میں تھا۔

"اوہ!" یہ بھی اسی کا ساتھی ہے۔" شارق اس پولیس والے کو دیکھ کر چونک گیا۔

"یہ وہی گروپ ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "اور یہ ٹیکسی ڈرائیور انہی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اب میں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ یہ دونوں تو اس وقت بھاگ گئے تھے مگر یہ ٹیکسی ڈرائیور ہمارا گھر دیکھ گیا تھا۔ اور انہوں نے موقع ملتے ہی بلہ بول دیا۔"

"مم.... میں بے قصور ہوں جناب۔" ڈرائیور بولا۔ وہ بنگالی تھا۔ "انہوں نے مجھے دھمکی دے کر اپنے ساتھ ملایا تھا۔"

"ابھی پتہ چل جاتا ہے پتر۔" نولکھا نے کہا۔ "اب میں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ تم ان کے پکے ساتھی ہو۔ اور ان کے حصہ دار ہو۔ مرغا بن جا اوئے۔"

ڈرائیور منت سماجت کرنے لگا۔ لیکن اسے مرغا تو بننا ہی پڑا تھا۔ وہ جیسے ہی مرغا بنا نولکھا نے اس کی کمر پر بھرپور ٹھوکر ماری۔ بنگالی ڈرائیور چیختا ہوا منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔ نولکھا نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی پھر ایک طرف کھڑے ہو کر ہانپنے لگا۔

"ان لوگوں کا کیا کیا جائے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ڈی کوسٹا کی طرف دیکھا۔ "پولیس کو اطلاع دی جائے؟"

"پولیس کو اطلاع دینی ہی پڑے گی۔" ڈی کوسٹا نے کہا۔ "اگر فائرنگ نہ ہوتی تو ہم خود ہی ان کا کوئی بندوبست کر لیتے۔ لیکن فائرنگ کی آواز محلے والوں نے بھی سنی ہو گی اور پھر ان کا تیسرا ساتھی بھاگ گیا ہے۔ وہ بھی ہمارے لئے مسئلہ بن سکتا ہے۔ اس لئے پولیس کو اطلاع دینا ضروری

ہے۔"

"علی مراد کہاں ہے؟ کیا اس نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی۔" نولکھا بولا۔

"وہ رات کو ہمیں کھانا کھلانے کے بعد ایک دوست کے ہاں چلا گیا تھا۔ صبح سویرے آ جائے گا۔" ڈی کوسٹا نے ڈرائنگ روم میں کونے میں اسٹینڈ پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں پولیس کو اطلاع دیتا ہوں۔"

وہ صوفے کے کنارے پر بیٹھ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر ایمرجنسی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تین چار مرتبہ کی کوشش کے بعد کال ریسیو ہو سکی تھی۔ ڈی کوسٹا نے ڈیوٹی آفیسر کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ان میں سے ایک ڈاکو تو فرار ہو گیا ہے اور دو کو ہم نے گرفت میں لے لیا ہے۔ جی نہیں جانی نقصان کوئی نہیں ہوا۔ اتفاق سے آہٹ سن کر ہماری آنکھ کھل گئی تھی جس سے ہم ہوشیار ہو گئے تھے۔ ٹھیک ہے جناب' ہم انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے فون بند کر دیا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ لوگ مقامی تھانے سے رابطہ کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں کوئی موبائل یہاں پہنچ جائے گی۔"

اور پھر موبائل آدھے گھنٹے بعد گلی میں داخل ہوئی تھی۔ سائرن کی آواز سن کر ڈی کوسٹا باہر آ گیا۔ موبائل دو گھر آگے جا کر رکی تھی۔ ڈی کوسٹا نے آگے بڑھ کر انہیں بتایا کہ فون اس نے کیا تھا۔

اس پولیس پارٹی کا انچارج ایک نوجوان اے ایس آئی تھا۔ دو کانسٹیبل رائفلیں سنبھالے گیٹ کے بنگلے کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تین کانسٹیبل اے ایس آئی کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ مختلف گھروں میں بتیاں جل گئی تھیں اور کچھ لوگ کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔

"یہ ہیں وہ دونوں ڈاکو۔" ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ڈی کوسٹا نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا جو قالین پر بیٹھے ہوئے تھے اور نولکھا اور شارق نے ان پر ریوالور تان رکھے تھے۔

"اور یہ رہے ان کے ریوالور جو ہم نے ان سے چھینے تھے۔" نولکھا نے اپنا ریوالور اے ایس آئی کی طرف بڑھا دیا۔ شارق نے بھی ریوالور اے ایس آئی کے حوالے کر دیا۔

"میرا نام ڈی کوسٹا ہے۔ میں صدر میں رہتا ہوں۔" ڈی کوسٹا نے جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے دوست ہیں جو سیر و تفریح کے لئے پنجاب سے آئے ہوئے ہیں۔ یہ بنگلہ میرے ایک اور دوست کا ہے جو ملک سے باہر گیا ہوا ہے۔ اپنے گھر میں مناسب جگہ نہ ہونے کی وجہ سے میں نے انہیں یہاں ٹھہرایا ہوا ہے۔ دو تین دن پہلے میں انہیں سیر کرانے کے لئے سونمیانی لے گیا تھا۔ واپس آئے تو بندر روڈ پر ان لوگوں نے ہماری ٹیکسی روک لی اور

aazzamm@yahoo.com

نجانے کس طرح ہمارے سوٹ کیس سے ہیروئن کا پیکٹ برآمد کر کے ہمیں گرفتار کر لینے کی دھمکی دی۔ یہ لوگ اس طرح ہمیں لوٹنا چاہتے تھے لیکن اتفاق سے ایک پولیس موبائل اس طرف آ گئی اور یہ لوگ وہاں سے بھاگ نکلے۔ یہ ٹیکسی ڈرائیور ہے۔" ڈی کوسٹا نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا۔ "جو ہمیں چھوڑ کر گیا تھا۔ اس طرح اس نے ہمارا گھر دیکھ لیا اور یہ لوگ ہم پر چڑھ دوڑے۔ اس شخص کا تعلق پولیس سے ہے۔" اس نے دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کا دوسرا ساتھی' جو بھاگ گیا ہے' اس کا تعلق بھی پولیس ہی سے ہے۔ یہ لوگ پولیس کی دھونس جما کر وارداتیں کرتے اور لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے پولیس کے محکمہ کو بھی بدنام کر رکھا ہے۔"

"اب کم از کم یہ لوگ تو کسی کو پریشان نہیں کریں گے۔" اے ایس آئی نے کہا۔ پہلے اس نے دونوں کی تلاشی لی۔ پولیس والے کے قبضے سے اس کے محکمہ پولیس کا شناختی کارڈ بھی برآمد ہوا تھا۔ دوسرا بنگالی ڈرائیور ان کا باقاعدہ ساتھی تھا اور یہ لوگ مل کر وارداتیں کرتے تھے اور مال غنیمت میں تینوں برابر کے حصے دار ہوتے تھے۔

اے ایس آئی نے ان دونوں کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ بھاری جوتے ان دونوں کے جسموں کے مختلف حصوں پر پڑ رہے تھے۔ اور وہ ذبح ہوتے ہوئے جانوروں کی طرح بلبلا رہے تھے پھر ان دونوں کو ہتھکڑیاں لگا کر باہر موبائل میں بھیج دیا گیا۔

پولیس پارٹی تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رہی۔ ڈی کوسٹا ہی کی معیت میں رپورٹ لکھوائی گئی تھی۔ اس طرح شارق وغیرہ کے نام نہیں آئے تھے۔

پولیس کے جانے کے بعد وہ لوگ ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے پھر ثمینہ جمائی لیتی ہوئی صوفے سے اٹھ کر ایک طرف قالین پر لیٹ گئی۔ اس نے صوفے کا ایک کشن تکیے کے طور پر سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔

"نیند آ رہی ہے تو اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔" شارق نے کہا۔

"نہیں' میں یہیں سوؤں گی۔ مجھے اپنے کمرے میں اکیلے سوتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ تم لوگ بھی یہیں سو جانا۔ ایک ہی کمرے میں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ سو چکی تھی۔ رات کا آخری پہر تھا۔ گھنٹے بھر میں صبح ہونے والی تھی۔ وہ لوگ بھی باتیں کرتے کرتے اونگھنے لگے اور پھر وہیں ادھر ادھر پڑ کر سو گئے۔

○

تین دن مزید کراچی میں رہنے کے بعد وہ لوگ لاہور جانے کے لئے ریلوے اسٹیشن پہنچ

گئے۔ ڈی کوسٹا انہیں سی آف کرنے کے لئے آیا تھا۔ تیز گام کا وقت تھا اور کینٹ اسٹیشن پر بے پناہ ہجوم تھا۔ آج صبح جب ڈی کوسٹا ٹکٹ لینے گیا تھا تو اسے بتایا گیا تھا کہ پندرہ دن سے پہلے کسی ٹرین کا ٹکٹ دستیاب نہیں ہے۔ اس نے واپس جا کر شارق کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن شارق نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ آج ہی لاہور جائیں گے اور تیز گام ہی سے جائیں گے۔

پلیٹ فارم پر تل رکھنے کو جگہ نہیں تھی۔ لوگ پریشانی میں ادھر ادھر دوڑے پھر رہے تھے۔ جن کی پاس ریزرویشن نہیں تھی وہ کنڈکٹر گارڈ اور ریلوے کے اس اہلکار کے پیچھے پیچھے پھر رہے تھے جس کے پاس ٹرین کا بکنگ چارٹ تھا۔ کچھ لوگ قلیوں کی منت سماجت کرتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے پھر رہے تھے۔

شارق انہیں ایک جگہ چھوڑ کر گیٹ کے قریب پہنچ گیا جہاں بہت سے لوگ ریلوے کے اس اہلکار کو گھیرے کھڑے تھے جس کے پاس بکنگ چارٹ تھا۔ شارق ہجوم میں گھس گیا اور اس اہل کار کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا۔ ریلوے اہلکار پریشان ہو گیا۔ شارق نے جیب سے پانچ سو کا ایک نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں دبا دیا۔

"یہ تمہارا نذرانہ ہے فرسٹ کلاس کے تین ٹکٹ!"

ریلوے اہلکار نے پہلے مٹھی کھول کر دیکھی پھر شارق کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ونڈو سے ٹکٹ لے آیئے۔ میں اس بوگی کے سامنے کھڑا ہوں۔"

شارق مسکراتا ہوا گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس نے ونڈو سے تین ٹکٹ خریدے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مذکورہ بوگی کے سامنے آ گیا۔ ریلوے کا اہلکار وہاں کھڑا تھا۔ کچھ لوگ اب بھی اسے گھیرے کھڑے تھے۔ شارق نے آگے بڑھ کر تینوں ٹکٹ اس کے حوالے کر دیئے وہ ٹکٹ لے کر بوگی میں گھس گیا۔ شارق وغیرہ بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ ریلوے اہلکار ایک کمپارٹمنٹ میں گھس گیا۔ یہ چار برتھوں والا کمپارٹمنٹ تھا۔ دو نیچے اور دو اوپر.... ایک ادھیڑ عمر آدمی پہلے ہی سے بیٹھا ہوا تھا۔ ریلوے اہلکار نے اس کا ٹکٹ لے کر دیکھا جس پر ریزرویشن نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔

"آپ کا برتھ یہ ہے اوپر والا۔" ریلوے اہلکار نے اسے ٹکٹ لوٹاتے ہوئے اوپر والے ایک برتھ کی طرف اشارہ کیا اور چارٹ دیکھ کر شارق کے دیئے ہوئے ٹکٹوں پر ریزرویشن نمبر لگانے کے بعد ٹکٹ اس کے حوالے کر دیئے۔ "یہ تینوں برتھ آپ کے ہیں۔ ذرا نام لکھوا دیجئے۔"

شارق نے اپنا' ثمینہ اور نولکھا کے نام لکھوا دیئے اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹکٹ لے کر جیب میں رکھ لئے۔ ریلوے اہلکار چلا گیا۔ وہ چاروں سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ ڈی کوسٹا شارق کی

aazzamm@yahoo.com

طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

انجن کے وسل کی آواز سنائی دی تو ڈی کوسٹا سیٹ سے اٹھ گیا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے نولکھا اور شارق سے مصافحہ کیا۔ ثمینہ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور ٹرین سے اتر گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد ٹرین چل پڑی شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ لوگ کئی روز تک ساتھ رہے تھے۔ وہ جس خطرناک مہم پر گئے تھے اس میں قدم قدم پر موت کا سامنا رہا تھا اور ڈی کوسٹا نے ہر لمحہ ان کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے کسی موقع پر بھی بزدلی نہیں دکھائی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک مخلص دوست اور وفادار ساتھی تھا۔ اس قسم کے کاروبار میں ایسے ہی وفاداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ لوگ دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

ان کے کمپارٹمنٹ کا چوتھا مسافر ایک ادھیڑ عمر مگر صحت مند قسم کا آدمی تھا۔ وہ لاہور کا ایک کاروباری آدمی تھا اور کاروبار کے سلسلے ہی میں چند روز پہلے کراچی آیا تھا اور آج وہ واپس جا رہا تھا۔ اس کا نام عبدالکریم تھا اور وہ اچھرے کا رہنے والا تھا۔ وہ جلد ہی ان لوگوں سے بے تکلف ہو گیا۔

تقریباً آٹھ بجے کے لگ بھگ ڈائننگ کار کے بیروں نے چکر لگانا شروع کر دیئے۔ عبدالکریم نے ایک ویٹر کو اندر بلا لیا اور اس نے سب کے لئے کھانے کا آرڈر دے دیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ویٹر کھانا لے آیا۔ ان سب نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران ثمینہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور عبدالکریم بار بار اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ غالباً کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ بالآخر اس کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

"میں نے غالباً آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" اس نے پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لاہور میں کہیں دیکھا ہو گا۔" شارق نے کہا۔ "یہ میری بیوی ہے۔ ہم علامہ اقبال ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ اچھرے ہی کی طرف سے آنا جانا رہتا ہے۔ ممکن ہے راستے میں کہیں آتے جاتے نظر پڑ گئی ہو۔"

"نہیں۔ میں نے کہیں اور دیکھا ہے۔" عبدالکریم نے بوتل میں سے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے کہا پھر جیسے چونک کر بولا۔ "او ہاں.... یاد آ گیا۔ میں نے آپ کو چوبرجی کوارٹرز میں دیکھا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی ایک سرکاری محکمہ میں آفیسر ہے۔ اس کی رہائش چوبرجی کوارٹرز میں ہے۔ میں کبھی کبھار اس کے ہاں جاتا رہتا ہوں۔ شاید آپ شفاعت علی کی بیٹی ہیں۔ وہ میرے چھوٹے بھائی کے پڑوسی ہیں۔ آخری مرتبہ میں نے آپ کو تقریباً چھ ماہ پہلے دیکھا تھا۔"

نوالہ ثمینہ کے حلق میں اٹک گیا۔ اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا اس نے

جلدی سے پانی کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے زور کا پھندہ لگا اور حلق میں اٹکا ہوا نوالہ باہر آ گیا۔ اگر وہ فوراً ہی رخ نہ پھیر لیتی تو منہ کا اگلا ہوا نوالہ اور پانی کی پھوار کھانے کی ٹرے پر پڑتی۔ وہ اٹھ کر دوسری سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔ شارق بھی اٹھ کر اس کے قریب آ گیا اور اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔ پھندہ اس زور کا لگا تھا کہ ثمینہ کے منہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔ شارق نے اسے دو تین مرتبہ گھونٹ گھونٹ پانی پلایا۔ دو تین منٹ بعد ثمینہ کی حالت سنبھل سکی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر انجانا سا خوف ابھر آیا تھا۔ شارق دوبارہ اپنی سیٹ پر آ گیا اور ان کے ساتھ کھانے میں شامل ہو گیا۔

"بڑا زور کا پھندہ لگا ہے۔" عبدالکریم، ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہاں تو آپ کیا کہہ رہے تھے کہ تقریباً چھ ماہ پہلے ثمینہ کو چوبرجی کوارٹر میں دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ثمینہ کے والدین مغلپورہ میں رہتے ہیں جہاں ان کا آبائی مکان ہے۔ ہماری شادی کو تین سال ہو چکے ہیں اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس دوران ہم ایک بار بھی چوبرجی کوارٹرز نہیں گئے۔ وہاں تو ہمارا کوئی رشتے دار یا دوست بھی نہیں رہتا۔ نہ میرا نہ ثمینہ کا۔ آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔"

"ہو سکتا ہے۔" عبدالکریم نے کہا۔ "بعض اوقات چہروں میں اتنی مشابہت ہوتی ہے کہ آدمی دھوکا کھا جاتا ہے۔"

نولکھا ابھی تک خاموش بیٹھا ہوا تھا لیکن معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے موضوع بدل دیا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد نولکھا ہی نے برتن سمیٹ کر سیٹ کے نیچے رکھ دیئے تھے۔ ثمینہ کھڑکی کے قریب بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ تاریکی میں پیچھے کی طرف دوڑتے ہوئے درختوں کے ہیولے بہت عجیب لگ رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی بستی کی خوابیدہ سی روشنیاں بھی دکھائی دے جاتیں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈائننگ کار کا بیرا برتن لینے کے لئے آیا تو عبدالکریم نے جیب سے پرس نکال لیا لیکن شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہمارے ووٹ زیادہ ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ترجیح ہمیشہ اکثریت کے فیصلے کو دی جاتی ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تو آپ زیادتی کر رہے ہیں۔" عبدالکریم نے کہا۔ "کھانے کا آرڈر تو میں نے دیا تھا۔"

"اگر آپ پہل نہ کرتے تو یہ آرڈر میں دیتا۔ بہرحال، چوبیس گھنٹے کا ساتھ ہے۔ صبح کا ناشتہ ہم آپ کی طرف سے کریں گے۔" شارق نے کہتے ہوئے بیرے کو بل دے دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"وقت گزاری کے لئے لوڈو کھیلا جائے؟" عبدالکریم نے ویٹر کے جانے کے بعد کہا۔

"لوڈو... آپ نے تو مجھے میرا بچپن یاد دلا دیا۔ امی ابو کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔" شارق نے کہا اور دفعتاً اس کے چہرے پر افسردگی چھا گئی.... اسے واقعی اپنا بچپن یاد آ گیا تھا۔ جب وہ رات کو اپنی ماں اور باپ کے ساتھ لوڈو کھیلا کرتا تھا۔

"تو پھر آج وہ یاد تازہ ہو جائے۔" عبدالکریم نے کہتے ہوئے گتے کے ایک ڈبے میں سے لوڈو اور اس کی گوٹیں نکال لیں۔ یہ لوڈو اس نے اپنے بچے کے لئے خریدا تھا۔

شارق، ثمینہ کو بھی اس کی سیٹ سے اٹھا کر لے آیا۔ سیٹ پر چاروں نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ عبدالکریم نے اپنے سامان میں سے ایک چادر نکال کر فرش پر بچھا لی اور وہ چاروں بیٹھ کر لوڈو کھیلنے لگے۔

وہ رات کو دیر تک لوڈو کھیلتے رہے۔ ثمینہ، عبدالکریم کے منہ سے اپنے باپ کا نام سن کر خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن کھیل میں مشغول ہو کر اس کے ذہن پر طاری یہ خوف بھی زائل ہو گیا۔

دن کا زیادہ وقت ثمینہ کھڑکی کے قریب بیٹھی باہر دیکھتی رہی۔ ٹرین لیٹ ہو گئی تھی اس طرح وہ سہ پہر چار بجے کے لگ بھگ لاہور پہنچے تھے۔ ان کے پاس سامان کے نام پر وہی ایک سوٹ کیس تھا جس میں کراچی سے خریدا جانے والا کچھ سامان بھر دیا گیا تھا۔ شارق نے گاما اور راجہ کے لئے بھی چند جوڑے کپڑے اور کچھ دیگر تحائف خرید لئے تھے۔ اس کے علاوہ رضیہ اور ماں جی کے لئے بھی کچھ تحائف خریدے گئے تھے۔ اس طرح یہ سوٹ کیس خاصا وزنی ہو گیا تھا۔ نولکھا نے وہ سوٹ کیس ایک قلی کے حوالے کر دیا اور وہ تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے قلی کے پیچھے چلنے لگے۔

پلیٹ فارم سے باہر وسیع و عریض برآمدے میں آتے ہی کئی ٹیکسی ڈرائیوروں نے انہیں گھیر لیا۔ شارق کا خیال یہ تھا کہ پہلے وہ ملتان روڈ والی حویلی ہی جائیں گے۔ گاما اور راجہ وہیں ہوں گے کل وہ ثمینہ کو باغبانپورہ رضیہ کے پاس چھوڑ دے گا اور خود حاجی عبداللہ سے ملنے چلا جائے گا۔

ایک ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا سوٹ کیس بھی قبضے میں کر لیا تھا۔ اب وہ اس ٹیکسی ڈرائیور کے پیچھے چل رہے تھے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ کسی نے شارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک آواز شارق کی سماعت سے ٹکرائی۔

"شارق باؤ!"

شارق نے تیزی سے گھوم کر دیکھا اور پھر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ حاجی عبداللہ کا آدمی رحمٰن تھا۔ وہی نوجوان جو سب سے پہلے شارق کو حاجی کے پاس لے گیا تھا۔

"اوہ رحمٰن تم!" شارق اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "یہاں کیسے گھوم رہے ہو؟"

"تم لوگوں کو لینے کے لئے آیا تھا۔ اگر دو چار منٹ اور لیٹ ہو جاتا تو تم لوگ نکل چکے ہوتے۔" رحمٰن نے کہا۔

"ہمیں لینے کے لئے؟" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم آ رہے ہیں۔"

"ابھی تو صرف چوبیس گھنٹے ہوئے ہیں اور شاید تم ڈی کوسٹا کو بھول گئے ہو؟" رحمٰن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ ڈی کوسٹا کو نہیں بھولا تھا لیکن یہ بات شاید اس کے ذہن میں نہیں رہی تھی کہ وہ حاجی عبداللہ کا آدمی تھا اور اس نے حاجی عبداللہ کو ان کی روانگی کی اطلاع کر دی ہو گی۔

"میری گاڑی وہاں کھڑی ہے۔" رحمٰن نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "حاجی صاحب نے کہا ہے کہ تم لوگوں کو ان کے مہمان کی حیثیت سے سمن آباد والے بنگلے میں لے جایا جائے۔"

"میرا خیال تھا کہ میں حاجی سے کل ملوں گا۔ لیکن بہرحال....." شارق خاموش ہو گیا اور ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا جو ان کا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈگی میں رکھ رہا تھا۔

ثمینہ اور نولکھا چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رحمٰن نے ٹیکسی ڈرائیور کو آواز دے کر سوٹ کیس اتروا لیا اور جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکریہ دوست۔ تم کوئی اور سواری تلاش کر لو۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے برا سا منہ بناتے ہوئے نوٹ جھپٹ لیا اور کسی اور سواری کی تلاش میں اسٹیشن کے برآمدے کی طرف دوڑ گیا۔

"تم لوگ رکو.... میں گاڑی یہیں لے آتا ہوں۔" رحمٰن کہتے ہوئے ایک طرف چلا گیا۔

"یہ کون ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے قریب آ کر پوچھا۔

"حاجی عبداللہ کا خاص آدمی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ڈی کوسٹا نے ہمارے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ یہ ہمیں لینے کے لئے آیا ہے۔ ہم حاجی عبداللہ کے مہمان کی حیثیت سے اس کے بنگلے پر جا رہے ہیں۔"

"چلو، کوئی بات نہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "ہمارا کون سا کوئی گھر ہے اور کون سے بیوی بچے

aazzamm@yahoo.com

ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ رہنا ہی ہے نا..... کہیں بھی رہ لیں گے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد رحمٰن گاڑی لے کر آ گیا۔ وہ انجن چلتا چھوڑ کر گاڑی سے اتر آیا ڈگی کھول کر سوٹ کیس اندر رکھا اور دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے آ گیا۔ ثمینہ اور نولکھا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے جبکہ شارق اگلی سیٹ پر آ گیا تھا۔

"حاجی تم سے بہت خوش ہے۔" رحمٰن نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جہاز کے کپتان نے جو رپورٹ دی تھی اس سے بھی حاجی بہت خوش ہوا تھا۔ دوسرے ایجنٹوں کے ذریعے جو مال بھیجا جاتا تھا ان میں کچھ نہ کچھ ضائع ضرور ہو جاتا تھا لیکن تم نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ دوسروں سے بہت ہی مختلف تھا۔"

"مال اپنی منزل پر پہنچ گیا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں' جہاز ابھی راستے ہی میں ہے۔ دو چار دن تک پہنچ جائے گا۔" رحمٰن نے جواب دیا۔

گاڑی مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی چوبرجی والی سڑک پر پہنچی تو ثمینہ نے بے چینی سے سیٹ پر پہلو بدلا۔ گاڑی جیسے ہی چوبرجی کوارٹرز کے گیٹ کے سامنے پہنچی ثمینہ ایک دم نیچے جھک گئی۔ گیٹ کے اندر والی سڑک سے اس کا بھائی موٹر سائیکل پر آ رہا تھا اور موٹر سائیکل کو گیٹ سے باہر لانے سے پہلے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کافی آگے نکل جانے کے بعد ثمینہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

گاڑی سمن آباد موڑ سے بائیں طرف گھوم گئی اور پھر مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک بنگلے کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ گیٹ بند تھا۔ ہارن کی آواز سن کر اندر کی طرف کھڑے ہوئے ایک آدمی نے اوپر سے باہر جھانکا اور پھر گیٹ کھول دیا۔ گاڑی گیٹ میں داخل ہو کر پورچ میں رک گئی۔ برآمدے میں بھی ایک آدمی کھڑا تھا۔ رحمٰن انجن بند کر کے نیچے اتر آیا اور ڈگی کھول دی۔

"خادم! یہ سوٹ کیس اٹھا کر کونے والے بیڈ روم میں رکھ دو۔" رحمٰن نے برآمدے میں کھڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ خادم تھا۔ اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ڈگی میں سے سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے چادر کا ایک کونا ڈھلک گیا اور اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف نظر آنے لگی۔ وہ سوٹ کیس اٹھا کر اندر چلا گیا۔

شارق وغیرہ بھی گاڑی سے اتر آئے تھے۔ وہ رحمٰن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

"تم لوگ نہا کر کپڑے بدل لو..... پھر چائے پر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" رحمٰن نے کہا۔

"ہمارا سوٹ کیس کہاں رکھا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"راہداری میں دائیں طرف آخری کمرے میں۔" رحمٰن نے جواب دیا۔

ثمینہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد خادم نے ان کے سامنے چائے لگا دی۔ چائے کے ساتھ کھانے پینے کے لوازمات بھی تھے۔

"یہ ملا بشیر پنج گوری کا کیا قصہ تھا؟" رحمٰن نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"لانچ نذر آتش ہو جانے کے بعد جہاز کے کینیڈین کپتان نے ہمیں مسقط کے ساحل پر اتار دیا تھا اور ہم اتفاق سے ساحل پر اترنے کے بعد ملا بشیر پنج گوری کے ڈیرے پر پہنچ گئے تھے۔ یہ تصدیق ہو جانے کے بعد کہ ہم حاجی عبداللہ کے آدمی ہیں اس نے ہماری خاص مدد کی اور ہماری بڑی دیکھ بھال کی۔ لیکن واپس آنے سے دو دن پہلے ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا تھا۔" شارق نے بتایا۔

"کچھ لوگ ثمینہ کو اٹھا کر لے گئے تھے؟" رحمٰن نے کہتے ہوئے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"اوہ!" شارق چونک گیا۔ "تو اس واقعہ کی اطلاع بھی پہنچ گئی۔"

"ہاں۔" رحمٰن نے سر ہلایا۔ "ملا بشیر پنج گوری نے فون پر بتایا تھا۔ اگرچہ مخالف پارٹی کے تین چار آدمی اڑا دیئے گئے تھے لیکن اس نے اس واقعہ پر بڑی ندامت کا اظہار کیا تھا۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ اس کا اندازہ تم خود بھی لگا سکتے ہو۔"

"ہاں' وہ واقعی بہت اچھا آدمی ہے۔" شارق نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم لوگ آرام کرو۔ اب میں چلتا ہوں۔" رحمٰن کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو دو آدمی یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی سے کہہ دینا۔ رات کے کھانے پر حاجی سے ملاقات ہو گی۔ ویسے وہ تمہارے کام سے بہت خوش ہے۔ اسے عرصہ سے تم جیسے آدمی کی تلاش تھی۔"

کچھ دیر بعد رحمٰن' شارق اور نولکھا سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ وہ تینوں کچھ دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر گھوم پھر کر کوٹھی دیکھنے لگے۔ شارق ایک مرتبہ پہلے بھی یہاں آیا تھا لیکن اس روز وہ ڈرائنگ روم تک محدود رہا تھا۔ اور اب وہ ثمینہ کے ساتھ آزادی سے کوٹھی میں گھوم رہا تھا۔ بہت بڑی کوٹھی تھی۔ نیچے اوپر کئی بیڈ رومز تھے۔ ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود تھی۔

کونے والے بیڈ روم میں آ کر ثمینہ نے نوٹ کیا کہ ان لوگوں نے جو میلے کپڑے اتارے تھے وہ غائب تھے۔ شارق نے خادم سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ کپڑے اٹھا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ صبح لانڈری بھیج دیئے جائیں گے۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ بیڈ روم میں بستر پر لیٹ گئی تھی۔ چوبیس گھنٹوں کے اس سفر نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ لیٹنے کے کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ شارق ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ نولکھا بھی ایک صوفے پر نیم دراز اونگھ رہا تھا۔ شارق بھی ایک صوفے پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

رات نو بجے کے قریب حاجی عبداللہ آیا تو کوٹھی میں چہل پہل سی محسوس ہونے لگی۔ وہ بڑی گرمجوشی سے شارق سے ملا تھا اور نولکھا سے بھی بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔

"یہ نولکھا اور ثمینہ ہیں۔" حاجی عبداللہ نے پہلے نولکھا اور پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں.... ان کے بغیر میں اپنے آپ کو بالکل تنہا سمجھتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"مخلص اور وفادار دوست آج کل مشکل ہی سے ملتے ہیں۔" حاجی عبداللہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "جہاز کے کپتان اور ڈی کوسٹا نے تم لوگوں کے بارے میں جو رپورٹ دی ہے وہ میرے لئے واقعی بڑی حیرت انگیز ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے اور جانتے ہو مسقط سے نکلنے کے بعد ملا بشیر پنج گوری نے خاص طور پر مجھے فون کیا تھا اور تمہارے بارے میں کیا کہا تھا؟"

"میں کیسے جان سکتا ہوں؟" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس نے کہا تھا یہ بندہ مجھے دے دو۔ اور اس کے بدلے جو چاہو لے لو۔" حاجی نے کہتے ہوئے شارق کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ملا بشیر پنج گوری بہت اچھا آدمی ہے۔" حاجی بولا۔ "لیکن جو چیز مشکل سے ملے اسے آسانی سے نہیں کھویا جا سکتا۔"

اسی دوران خادم نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ وہ لوگ اٹھ کر ڈائننگ روم میں آ گئے۔ میز پر کھانا سجا ہوا تھا۔ اس وقت کوٹھی میں اگرچہ حاجی عبداللہ کا باڈی گارڈ دستہ بھی موجود تھا لیکن کھانے کی میز پر صرف یہی چاروں تھے۔ خادم نے کھانا واقعی بہت لذیذ بنایا تھا۔ حاجی اپنے ہاتھ سے پلیٹیں اٹھا اٹھا کر ان کے سامنے رکھ رہا تھا۔

"اس مہم کے دوران تمہیں جو مشکلات پیش آئیں مجھے اس کا اندازہ ہے۔" حاجی عبداللہ کہہ رہا تھا۔ "ٹیٹو کی غداری، قاسم کی دھوکہ دہی کی کوشش اور ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا وہ سب میرے علم میں آ چکا ہے۔ ڈی کوسٹا کراچی میں میرا بہت پرانا اور وفادار آدمی ہے۔ اس نے تمہاری ایک ایک لمحہ کی نگرانی کی ہے وہ تم سے بہت خوش ہے۔"

"ڈی کوسٹا اچھا آدمی ہے۔" شارق نے کہا۔

کھانے کے دوران باتیں ہوتی رہیں۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ حاجی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آج رات تم لوگ یہیں آرام کرو۔ کل صبح ناشتے کی بعد تم لوگ میری اقبال ٹاؤن والی کوٹھی منتقل ہو جاؤ گے۔ تم لوگوں کا ادھر ادھر گھومنا اور ڈیروں پر رہنا اب مناسب نہیں ہے۔ وہ کوٹھی عرصہ سے خالی پڑی تھی۔ میں نے کل ہی نوکروں سے کہہ دیا تھا۔ سب کچھ ٹھیک کر دیا ہو گا۔ کل تم لوگ وہاں شفٹ ہو جانا۔"

"اور میرے آدمیوں کا کیا حال ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"گاما اور راجہ بالکل ٹھیک ہیں۔ کل تم کسی وقت ان سے مل بھی لینا۔" حاجی نے کہا اور جب وہ جانے کے لئے رخصت ہوا تو رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

حاجی کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ لوگ بھی سو گئے۔

صبح دس بجے کے لگ بھگ رحمٰن پہنچ گیا۔ انہیں تیار ہونے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ یہ لوگ رحمٰن کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اقبال ٹاؤن کی طرف روانہ ہو گئے۔ سمن آباد موڑ سے گھوم کر وہ سیدھی سڑک پر چلتے رہے اور تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رحمٰن نے گاڑی بائیں طرف ایک گلی میں موڑ لی اور پھر دو تین گلیوں میں گھومنے کے بعد ایک خوبصورت ڈبل اسٹوری کوٹھی کے سامنے گاڑی روک لی۔ اقبال ٹاؤن کا یہ بلاک مکمل طور پر ڈیویلپ نہیں ہوا تھا۔ سڑکیں اور گلیاں کچی تھیں لیکن بیشتر مکان تعمیر ہو چکے تھے، کچھ تعمیر کے مرحلے میں تھے۔

رحمٰن نے بتایا کہ حاجی عبداللہ کی یہ دو منزلہ کوٹھی تقریباً چھ ماہ پہلے مکمل ہوئی تھی اور اس وقت سے خالی پڑی تھی۔ گیٹ کے بالکل سامنے بھی ایک گلی تھی جس کے بائیں طرف کارنر والے دو پلاٹ خالی تھے۔

کوٹھی بہت شاندار تھی۔ اس کے آگے پیچھے بڑے خوبصورت لان تھے۔ کوٹھی کی دیکھ بھال کے لئے ایک ملازم مستقل طور پر یہاں رہائش پذیر تھا۔ کوٹھی کی عقبی دیوار بہت اونچی تھی۔ اس دیوار کے دوسری طرف تقریباً سات آٹھ فٹ زمین تھی اور پھر کئی فٹ گہرا نشیب تھا.... دور تک ویرانہ اور نشیبی علاقہ تھا۔ یہ دراصل دریا کے کٹاؤ کا علاقہ تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دریا پر بند تعمیر ہونے سے پہلے یہ علاقہ بھی پانی میں ڈوب جایا کرتا تھا لیکن بند تعمیر ہو جانے کے بعد یہ علاقہ ویران ہو گیا تھا اور اب آہستہ آہستہ یہاں جدید بستیاں قائم ہو رہی تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

یہ کوٹھی ون یونٹ قسم کی تھی۔ اس کا زینہ اندرونی ہال میں تھا۔ اوپر بھی تین بیڈ رومز تھے اور نیچے بھی تین بیڈ روم' ایک ہال کمرہ اور ڈائننگ روم کے علاوہ ڈرائنگ روم بھی تھا۔

"بھئی یہ کمرہ تو میں لے لیتا ہوں۔" نولکھا نے زینے کے سامنے والا بیڈ روم اپنے لئے منتخب کر لیا۔ اس میں بیڈ بھی لگا ہوا تھا اور بستر بھی بچھا ہوا تھا۔

ثمینہ اور شارق نے اوپر دو بیڈ رومز پسند کئے تھے۔ اس کوٹھی میں کھانا وغیرہ پکانے کے لئے ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک چوکیدار اور اوپر کے کاموں کے لئے ایک آدمی موجود تھا۔ عورت کا نام مرادو تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس عمر میں بھی وہ خاصی پرکشش نظر آ رہی تھی۔ جوانی میں تو وہ خاصی حسین رہی ہو گی جبکہ آدمی کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ دبلے پتلے جسم اور لمبے قد کا مالک تھا۔ سر کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے۔ اس کا نام رنگو تھا۔ ان لوگوں کو غالباً کل رات ہی یا صبح سویرے شارق وغیرہ کے بارے میں اطلاع کر دی گئی تھی۔ مرادو دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

رحمٰن انہیں پوری کوٹھی گھمانے کے بعد ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کوٹھی کے ہر کمرے میں قالین بچھے ہوئے تھے اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ رحمٰن ڈرائنگ روم کی طرف آتے ہوئے مرادو سے چائے کا کہہ آیا تھا۔ ان کے بیٹھنے کے تھوڑی ہی دیر بعد مرادو چائے لے کر آ گئی۔

"تم خوش قسمت ہو شارق۔" رحمٰن نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے شخص ہو جو اتنی جلدی حاجی عبداللہ کے اتنا قریب آ گئے ہو۔ اگر چند مہینوں تک تمہاری کارکردگی ایسی ہی رہی تو یہ کوٹھی تمہاری ملکیت بن سکتی ہے۔"

"اچھی خوبصورت کوٹھی ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو اب میں چلتا ہوں۔" رحمٰن اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پتلون کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ گاڑی کی چابیاں ہیں۔ گاڑی اب تمہارے ہی پاس رہے گی۔"

شارق کے ذہن کو ایک اور ہلکا سا جھٹکا لگا۔ وہ نئے ماڈل کی سفید ٹویوٹا کرولا تھی۔ اس نے نولکھا اور ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"گاڑی کی ڈگی میں ایک بریف کیس رکھا ہوا ہے۔ وہ نکال لینا۔ بریف کیس کی چابی اسی چھلے میں موجود ہے۔" اس نے چابیوں کے گچھے کی طرف اشارہ کیا۔

رحمٰن کے جانے کے بعد شارق نے چابیوں کا گچھا نولکھا کی طرف بڑھا دیا۔

"گاڑی میں سے بریف کیس نکال کر اوپر لے آؤ۔"

نولکھا باہر نکل گیا اور یہ دونوں ثمینہ والے کمرے میں آ گئے۔

کچھ ہی دیر بعد نولکھا بھی بریف کیس لے کر اوپر آ گیا۔ ثمینہ پلنگ پر پیر لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی اور شارق کرسی پر براجمان تھا۔ نولکھا نے بریف کیس ثمینہ کے قریب پلنگ پر رکھ دیا اور چابیوں کا گچھا بھی اس کے قریب پھینک دیا اور دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بریف کیس کھولو.... دیکھیں اس میں کیا ہے۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ثمینہ پلنگ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس نے چابیوں کا گچھا اٹھایا' بریف کیس والی چابی انگلیوں میں دبائی اور بریف کیس کا رخ اپنی طرف گھما کر اس کے دونوں لاک کھول دیئے اور پھر جیسے ہی ڈھکنا اٹھایا اچھل پڑی۔

"کیا ہوا؟" کیا ہے اس میں....؟" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ثمینہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے کچھ کہنے کے بجائے بریف کیس کا رخ شارق کی طرف گھما دیا۔ بریف کیس میں جو کچھ بھی تھا اسے دیکھ کر شارق کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی لیکن نولکھا اچھل پڑا تھا۔

بریف کیس میں ہزار ہزار روپے والے نوٹوں کے بنڈل بھرے ہوئے تھے اور یہ رقم دس لاکھ سے کم کسی طرح نہیں ہو گی۔

"کیا یہ حیرت کی بات نہیں؟" نولکھا بولا۔ "دو کنال پر یہ شاندار کوٹھی' نئی ٹویوٹا کار اور یہ اتنی بڑی رقم.... اتنی مہربانی....؟"

"تمہیں اندازہ ہے ہم جو مال بحری جہاز پر پہنچا کر آئے تھے اس کی مالیت کیا ہو گی؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے نولکھا کی طرف دیکھا۔

"نہیں.... میں ٹھیک سے اندازہ نہیں لگا سکتا۔" نولکھا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بین الاقوامی منڈی میں ایک کلو ہیروئن کی قیمت ایک کروڑ ڈالر بنتی ہے اور وہ ہیروئن پانچ سو کلو گرام تھی۔ اس طرح تم قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" شارق بولا۔

"پانچ سو کروڑ....!!!" نولکھا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"روپے نہیں ڈالر.... اور ایک ڈالر تیس بتیس روپے کا ہوتا ہے۔ اس طرح اربوں روپے بنتے ہیں۔ حاجی عبداللہ بلاوجہ ہی تو ہم پر اتنا مہربان نہیں ہو رہا۔ اگر چالیس پچاس لاکھ روپے وہ ہم پر خرچ کر رہا ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ چالیس پچاس بھی نہیں' بلکہ اس نے ہمیں نقد تو صرف یہ رقم دی ہے جو میرے خیال میں دس لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ مکان اور کار تو ابھی اسی کی ملکیت ہے اور دس لاکھ کی یہ رقم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اتنی رقم تو تم جانتے ہو کہ ہم یہاں

aazzamm@yahoo.com

رہ کر بھی دو چار دن میں کما ہی لیتے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر لعنت بھیجو اس حاجی پر۔" نولکھا نے کہا۔ "اتنے دن تک مصیبتیں اٹھائیں قدم قدم پر پنجہ آزمائی کرتے رہے اور دیا کیا صرف دس لاکھ.... میں تو کہتا ہوں کہ یہ رقم بھی اس کے منہ پر مارو اور اپنے ڈیرے پر چلو۔"

"لیکن میرے خیال میں ہمارے لئے بھی یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس مرتبہ ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تجربہ.... بین الاقوامی تعلقات۔ جو کل ہمارے کام آسکتے ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے شارق باؤ.... چند روز حاجی عبداللہ کی روٹیوں پر ہی عیش کرتے ہیں۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہی کرنا پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہمیں چند روز اور حاجی کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ اس کے بعد ہم اس سے علیحدگی اختیار کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے.... جیسی تمہاری مرضی۔ ویسے مجھے تو اپنا ڈیرہ ہی اچھا لگتا ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔

"ابھی چلتے ہیں ڈیرے پر۔ لو.... پہلے یہ سنبھال لو۔" شارق نے کہتے ہوئے بریف کیس بند کر کے نولکھا کی طرف سرکا دیا اور جیب میں سے چابی نکال کر اس کے حوالے کر دی۔

"میں کہاں سنبھالوں گا.... اسے اپنے پاس ہی رکھو۔" نولکھا نے کہا۔

"نہیں.... یہ بریف کیس تمہارا ہے۔ میرا یا ثمینہ کا اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو شارق باؤ!" نولکھا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"اسے اپنے کمرے کی الماری میں رکھ کر الماری کی چابی جیب میں ڈالو اور تیار ہو جاؤ.... ہم ڈیرہ کا چکر لگا کر آئیں گے۔"

نولکھا چند لمحے حیرت سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا پھر نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

○

Scanned By:
Azam & Ali

سورج سر پر چمک رہا تھا۔ گرمی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن ایئرکنڈیشنڈ کار میں گرمی کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا۔

شارق اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا' نولکھا اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر تھا اور ثمینہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا رکھی تھی اور قدرے نیم دراز پوزیشن میں تھی۔

ملتان روڈ پر یتیم خانے کے چوک سے ذرا آگے ٹریفک جام تھا۔ گاڑیوں کے ہارنوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بعض گاڑیاں بغلی راستوں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھیں جس سے اطراف کے راستے بھی بند ہو چکے تھے۔ شارق نے گاڑی روک لی تھی۔

"کیا ہوا بھائی یہاں؟ ٹریفک کیوں جام ہو رہا ہے؟" نولکھا نے اپنی طرف کا شیشہ اتار کر ایک رہڑے والے سے پوچھا۔

"ایکسی ڈنٹ ہو گیا ہے جی!" رہڑے والے نے بتایا۔ "ساہیوال سے آنے والی بس نے ادھر سے جانے والی ایک کار کو کچل دیا ہے۔ سنا ہے چھ سات بندے مرے ہیں۔"

نولکھا نے شیشہ بند کر دیا اور ادھر ادھر کھڑی ہوئی گاڑیوں کو دیکھنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ٹریفک میں حرکت پیدا ہوئی۔ گاڑیاں چیونٹی کی رفتار سے رینگنے لگیں۔ اگر کوئی سلیقہ اور طور طریقہ استعمال کیا جاتا تو ٹریفک بہت جلد کلیئر ہو سکتا تھا لیکن ہر شخص پہلے نکلنے کی کوشش میں تھا' بہرحال خدا خدا کر کے انہیں آگے نکلنے کا راستہ ملا۔

وہ نیلے رنگ کی ایک سنی نسان کار تھی جو ایک بس کے سامنے بری طرح کچلی ہوئی پڑی تھی۔ کار کا اگلا حصہ پچکا ہوا تھا جو بس کے نیچے پھنسا ہوا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ بس سامنے سے آنے والی اس کار کو ٹکر مار کر بہت دور تک گھسیٹتی ہوئی لے آئی تھی۔ سڑک پر دور تک خون پھیلا ہوا تھا۔

ہجوم سے کافی آگے نکل آنے کے بعد شارق نے سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے کار روک لی۔ وہاں بھی پانچ چھ آدمی کھڑے تھے۔ شارق نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ اتار لیا

aazzamm@yahoo.com

لوہا ایک آدمی کو اشارے سے بلا کر پوچھا۔

"یہ ایکسی ڈنٹ کیسے ہوا تھا؟"

"غلطی نہ کار والے کی تھی اور نہ بس ڈرائیور کی۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹکر کیسے ہوئی بھائی میرے؟" نولکھا بولا۔

"یہ کار والے شاید پکنک کے لئے چھانگا مانگا جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو موٹر سائیکل سوار بھی تھے۔ جو اپنی موٹر سائیکلوں کو سڑک پر لہرا رہے تھے۔ کبھی وہ کار کے ساتھ آ جاتے کبھی پیچھے رہ جاتے اور کبھی موٹر سائیکل لہراتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ کار کی رفتار بھی خاصی تیز تھی اور سامنے سے بھی تیز رفتار بس آ رہی تھی۔ ایک موٹر سائیکل سوار لہراتا ہوا بس کے سامنے آ گیا۔ بس کے ڈرائیور نے موٹر سائیکل کو بچانے کی کوشش کی تو کار اس کے سامنے آ گئی۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور بس اس کار کو کچل کر گھسیٹتی ہوئی دور تک لے گئی۔"

"اور وہ موٹر سائیکل سوار؟" شارق نے پوچھا۔

"حادثہ ہونے کے بعد وہ ایک لمحہ کو رکے تھے۔ پھر وہ اپنی موٹر سائیکلوں کو شہر کی طرف دوڑا کر لے گئے۔" اس شخص نے بتایا۔

"تو گویا اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ حادثہ ان موٹر سائیکل سواروں کی وجہ سے ہی پیش آیا ہے۔" شارق بولا۔

"میں تو یہی کہوں گا جی۔" اس شخص نے کہا۔ "وہ دونوں نوجوان بھی کار والوں کے ساتھ ہی تھے۔ میں انہیں راستے بھر اسی طرح بدتمیزیاں کرتے ہوئے دیکھتا آیا ہوں۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ لڑکے ان کے ساتھ تھے؟" شارق نے پوچھا۔

"میں بھی اپنی موٹر سائیکل پر آ رہا تھا جی۔" اس شخص نے درخت کے نیچے کھڑی ہوئی ایک موٹر سائیکل کی طرف اشارہ کیا۔ "میں ٹھوکر نیاز بیگ میں رہتا ہوں۔ ایک ضروری کام سے صبح سویرے شہر گیا تھا اور اب واپس آتے ہوئے سمن آباد موڑ سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک موٹر سائیکل والا کبھی کار کے ساتھ آ کر کار کی کھڑکی پر ہاتھ رکھ دیتا تھا اور کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کرنے لگتا تھا۔ یہ تو اتفاق تھا کہ یتیم خانے والے موڑ سے میں ان لوگوں سے ذرا آگے نکل گیا تھا۔ اور پھر میں نے دھماکے کی آواز سنی۔ اللہ معاف کرے جی.... بڑا ہی خوفناک حادثہ تھا۔"

"ہاں بھئی۔ اللہ معاف کرے۔" شارق نے کہتے ہوئے کھڑکی کا شیشہ چڑھا کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

ثمینہ اور نولکھا خاموش بیٹھے رہے تھے۔ شارق ہلکی رفتار سے گاڑی چلاتا رہا اور بالآخر اس نے گاڑی دائیں طرف کچے راستے پر موڑ دی اس کے تقریباً پانچ منٹ بعد گاڑی حویلی کے سامنے کھڑی تھی۔ ہارن بجانے پر گیٹ گامے نے کھولا تھا۔ پہلے تو وہ سفید ٹویوٹا دیکھ کر حیران ہوا اور پھر شارق اور نولکھا کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق سی آ گئی اور اس نے پھاٹک پوری طرح کھول دیا۔

شارق نے گاڑی اندر لے جا کر درختوں کے نیچے روک دی۔ اور وہ تینوں نیچے اتر آئے۔ ثمینہ تو ادھر ادھر ٹہلنے لگی اور نولکھا قریب ہی بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔

"راجو کہاں ہے؟" شارق نے گامے کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"راجو دو تین دن سے غائب ہے شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ اس کے چہرے پر یک دم پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "میں تو خود بھی یہاں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟ راجو کہاں غائب ہے؟" شارق چونک گیا۔

"پتہ نہیں۔ پہلے تو میں سمجھا تھا کہ شاید ماجھے گجر کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ لیکن میں نے مختلف ذرائع سے تصدیق کر لی ہے۔ وہ ماجھا گجر یا اس کے کسی آدمی کے ہاتھ نہیں لگا۔"

"تو پھر وہ کہاں غائب ہو سکتا ہے؟" شارق بولا۔

"یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" گامے نے جواب دیا۔

"اور دھندہ کیسا ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دھندہ تو ٹھیک ہے۔" گامے نے کہا۔ "میں تو کئی روز سے یہاں سے باہر نہیں گیا۔ پہلے راجو نے کام سنبھال رکھا تھا اور جب سے وہ غائب ہوا ہے مولوی حمید کام سنبھالے ہوئے ہے۔"

"تم یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"مزنگ کا تھانیدار میرے پیچھے لگ گیا ہے۔" گامے نے بتایا۔ "پتہ چلا ہے کہ ماجھا گجر نے اسے کچھ چڑھاوا چڑھا دیا تھا۔ وہ ڈیرے میں آتشزنی اور دو آدمیوں کے قتل کے الزام میں مجھے اندر کرنا چاہتا ہے۔"

"کون دو آدمی؟" شارق نے اسے گھورا۔

"پولیس کے پاس ایسے بہت سے کیس ہوتے ہیں جن کے لئے انہیں مناسب ملزموں کی تلاش ہوتی ہے۔ ایسے ہی کیس ہوں گے جن میں وہ تھانیدار مجھے فٹ کرنا چاہتا ہے۔" گامے نے بتایا۔

aazzamm@yahoo.com

"تم نے حاجی عبداللہ سے بات نہیں کی تھی؟" شارق نے کہا۔

"راجو کے غائب ہونے کے بعد میں حاجی عبداللہ کے پاس گیا تھا مگر ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔" گامے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب میں آ گیا ہوں۔ سنبھال لوں گا سارا معاملہ۔"

"یہ دیکھو..... ہم تمہارے لئے کراچی سے کیا لائے ہیں۔" نولکھا نے کہتے ہوئے ایک شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "کراچی کے تحفے ہیں۔ خوش ہو جاؤ گے دیکھ کر اور یہ دوسرا تھیلا سنبھال کر رکھ لو۔ راجو کے لئے.... وہ آ جائے تو اسے دے دینا۔"

"اور کیا خبریں ہیں؟" شارق نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تم لوگوں کے بعد میں کوئی اچھی خبریں جمع نہیں کر سکا۔" گامے نے کہا۔ "خاص طور سے نولکھا کے لئے میرے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔"

"کھل کر بات کرو۔" نولکھا نے اسے گھورا۔

"تمہارے بہنوئی کا نام ناصر علی ہے نا؟" گامے نے پوچھا۔

"ہاں.... کیا ہوا اسے؟" نولکھا ناصر علی کا نام سن کر چونک گیا۔

"اسے قتل کر دیا گیا ہے۔" گامے نے کہا۔ "تم لوگوں کے جانے کے دوسرے دن گلبرگ نہر سے اس کی لاش ملی تھی۔ پولیس کے کہنے کے مطابق اسے کئی روز پہلے تشدد کر کے لاش نہر میں پھینک دی گئی تھی جو پل کے درمیان والے ستون کے ساتھ اٹک گئی تھی۔ اس روز نہر میں نہاتے ہوئے چند لڑکے اس طرف نکل گئے تو لاش کا پتہ چلا۔ لاش بہت بری حالت میں تھی لیکن پتلون کی جیب سے برآمد ہونے والے شناختی کارڈ سے اسے ناصر علی کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا۔ شناختی کارڈ پر پتہ بھی چوبرجی کوارٹرز کا تھا.... یہ سب کچھ اخبار میں چھپا تھا۔ تصویر بھی چھپی تھی۔ میں نے وہ اخبار سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ ابھی لے کر آتا ہوں۔"

گامے اندر چلا گیا اور نولکھا گم صم سا کھڑا رہا۔ شارق نے اسے بازو سے پکڑ کر چارپائی پر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد گامے کمرے سے ایک تہہ کیا ہوا اخبار لے آیا۔ اخبار کئی روز پرانا تھا۔ اس نے اخبار سیدھا کر کے وہ صفحہ سامنے کر دیا جس پر لاش کے بارے میں خبر اور تصویر چھپی ہوئی تھی۔ یہ تصویر شناختی کارڈ سے لی گئی تھی اور نولکھا کو اسے پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ ناصر علی ہی تھا۔

شارق نے گامے سے اخبار لے کر خبر پڑھی۔ چند لمحے تصویر کو دیکھتا رہا پھر اس نے نولکھا کے

کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ جو سر جھکائے بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"حوصلہ کرو نولکھا۔" شارق اس کا کندھا تھپتھپاتا ہوا بولا۔

"یہ اس گجر کے سوا کسی اور کا کام نہیں ہو سکتا۔" نولکھا ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"حوصلہ کرو نولکھے۔" شارق نے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "یہ کام گجر کا ہو یا کسی اور کا' ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔ ایک دو دن صبر کرو۔ مجھے اس کیس کے بارے میں معلومات حاصل کر لینے دو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"میں بہن کلثوم کو کیا منہ دکھاؤں گا شارق باؤ۔" نولکھا روتے ہوئے بولا۔ "یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ نہ میں اس رات ثمینہ کو لے کر وہاں جاتا اور نہ آج میری بہن کو یہ دن دیکھنا پڑتا۔"

"قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے نولکھا۔ اس میں غلطی میری' تمہاری یا کسی اور کی نہیں۔" شارق اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "قسمت کا لکھا تو کوئی نہیں ٹال سکتا۔"

"میں ابھی کلثوم کے گھر جانا چاہتا ہوں۔" نولکھا نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" شارق نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ ثمینہ کے باپ نے اس کے اغواء کی رپورٹ درج کروا رکھی ہے اور پولیس کو تمہاری تلاش ہے اس طرح دن کی روشنی میں دندناتے ہوئے وہاں جاؤ گے تو دھر لئے جاؤ گے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے دو' چلیں گے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" شارق نے کہا۔

نولکھا دوبارہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ شارق' ثمینہ اور گامے اسے تسلی دیتے رہے۔ پھر گامے مٹکے سے پانی کا گلاس بھر کر لے آیا اور نولکھا کو زبردستی چند گھونٹ پلا دیئے۔

نولکھا بڑی مشکل سے اپنی طبیعت پر قابو پا سکا تھا۔ اس وقت دو بج چکے تھے۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ گامے خود ہی کھانا تیار کیا کرتا تھا لیکن اس وقت کسی کا بھی کھانے کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔ گامے نے چائے بنا لی تھی اور کمرے میں سے دو تین کرسیاں بھی نکال لی تھیں۔ وہ درختوں کے نیچے ہی بیٹھے رہے۔ یہاں تازہ ہوا اچھی لگ رہی تھی۔

ثمینہ ان سے قدرے الگ تھلگ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی کلثوم اور ناصر علی ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ چند گھنٹے ہی تو ان کے گھر میں رہی تھی۔ لیکن انہی چند گھنٹوں میں ثمینہ نے ان کی فطرت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ دونوں بہت شریف انسان تھے۔ ثمینہ کا زیادہ وقت چونکہ

aazzamm@yahoo.com

کلثوم کے ساتھ گزرا تھا اس لئے وہ کلثوم کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکی تھی۔ ان چند گھنٹوں میں کلثوم نے ہر لحاظ سے اس کا خیال رکھا تھا۔

شارق بھی اپنی جگہ بیٹھا یہی سب کچھ سوچ رہا تھا۔ اس رات جب نولکھا ثمینہ کو فیصل آباد سے لے کر آیا تھا وہ ناصر علی کے گھر نہ جاتا تو آج ناصر علی کو بھی اپنی زندگی سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے۔ شارق کو یقین تھا کہ ناصر علی' ماجھا گجر ہی کی درندگی کا نشانہ بنا ہو گا۔ وہ انسان نہیں زہریلا ناگ تھا جو اب تک اس کے کئی آدمیوں کو ڈس چکا تھا۔ ماجھا گجر' ثمینہ کے باپ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ وہ ناصر تک بھی پہنچ گیا ہو گا اسے کسی طرح پتہ چل گیا ہو گا کہ ناصر علی' نولکھا کا رشتہ دار ہے اور وہ نولکھا کے بارے میں ضرور جانتا ہو گا اور ظاہر ہے ناصر' نولکھا کے بارے میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اس طرح ناصر اس کے تشدد کا نشانہ بن کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا' ماجھے گجر نے اس کی لاش نہر میں پھنکوا دی تھی۔ شارق سوچ رہا تھا کہ اگر ان کے جانے سے پہلے ہی ناصر علی کے قتل کا انکشاف ہو جاتا تو وہ ماجھا گجر سے اس کا حساب برابر کر کے ہی جاتا۔ لیکن بہرحال' اب اس نے طے کر لیا تھا کہ ماجھا گجر سے ناصر علی کے قتل کا بدلہ ضرور لے گا۔

ثمینہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اندر جا کر چارپائی پر لیٹ گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

شارق' نولکھا اور گاما درختوں کے نیچے ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ چھ بجے کے لگ بھگ شارق نے کمرے میں جا کر ثمینہ کو جگا دیا۔ ثمینہ نے باہر آ کر ڈرم میں سے پانی لے کر منہ ہاتھ دھویا لیکن اس کے دماغ میں ابھی تک سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ آج وہ کئی روز بعد دوپہر کے وقت سوئی تھی۔ وہ جب بھی دوپہر کو سو کر اٹھتی تھی اس کے دماغ میں دیر تک اسی طرح سنسناہٹ سی ہوتی رہتی تھی۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ لوگ حویلی سے نکلے۔ گاما بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ سیدھے مزنگ تھانے پہنچے تھے۔ شارق نے کار تھانے سے چند گز پیچھے ہی روک لی تھی۔ وہ ان تینوں کو کار میں چھوڑ کر خود نپے تلے قدم اٹھتا ہوا تھانے میں داخل ہو گیا۔ تھانیدار موجود تھا دو تین اور آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ.... آؤ شارق باؤ.... تم تو عید کا چاند ہی ہو گئے۔" تھانیدار نے اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ "کہاں غائب ہو گئے تھے شارق باؤ۔ کئی روز سے نظر نہیں آئے۔"

"تم جیسے لوگوں کی مہربانی ہے۔ بعض اوقات تو اپنے آپ سے بھی چھپنا پڑتا ہے۔" شارق کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ایک منٹ۔ میں ذرا ان لوگوں کو فارغ کر لوں پھر تم سے بات کرتا ہوں۔" تھانیدار کہتے ہوئے وہاں پہلے سے بیٹھے ہوئے دوسرے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ٹھیک ہے خواجہ صاحب! اگر آپ لوگ اپنے بچوں کو کنٹرول نہیں کر سکتے تو اس کا خمیازہ تو آپ لوگوں کو بھی بھگتنا ہو گا۔ میرا خیال ہے اب معاملہ عدالت پر ہی چھوڑ دیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ ایک دو دن میں کسی اچھے وکیل کا بندوبست کر لیں۔"

"ہم تو چاہتے ہیں کہ بات عدالت تک پہنچنے کی بجائے یہیں پر ختم ہو جائے۔" خواجہ صاحب نے جواب دیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا اور چہرے مہرے سے شریف ہی لگتا تھا۔

"دوسری پارٹی بھی بڑی زور والی ہے خواجہ صاحب!" تھانیدار نے کہا۔ "اور پھر اگر کوئی معمولی سا لڑائی جھگڑا ہوتا تو ہم خود ہی لڑکوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر معاملہ ختم کر دیتے اور آپ کو بھی یہاں تک آنے کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔ لیکن آپ جانتے ہیں معاملہ سنگین ہے۔ گولی دوسرے لڑکے کے پیٹ میں لگی ہے جو ہسپتال میں پڑا ہے۔ اگر وہ ختم ہو جاتا ہے تو کیس مزید سنگین ہو جائے گا۔"

"میں ہسپتال سے ہو کر آیا ہوں انسپکٹر صاحب!" خواجہ صاحب نے کہا۔ "ڈاکٹر سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ گولی پیٹ سے نکال لی گئی ہے اور لڑکے کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ ڈاکٹر نے تو کہا تھا کہ تین چار روز میں اسے ہسپتال سے چھٹی دے دی جائے گی۔ اگر آپ چاہیں تو لڑکے کے باپ سے مل کر معاملہ طے ہو سکتا ہے۔"

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ لڑکے کا باپ پہلے ہی ایس پی صاحب تک پہنچ چکا ہے۔" تھانیدار نے کہا۔ "اب معاملہ میرے اختیار میں بھی نہیں ہے۔ صبح ہم آپ کے لڑکے کو عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ لینے کی کوشش کریں گے۔ آپ بھی کسی وکیل سے بات کر لیں۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب!" خواجہ صاحب گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ گئے۔ اس کے ساتھ دوسرے دونوں آدمی بھی اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے تھانیدار سے ہاتھ ملایا اور رخصت ہو گئے۔

"کیا قصہ ہے؟" شارق نے ان کے جانے کے بعد سوالیہ نگاہوں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"خواجہ صاحب اسی محلے میں رہتے ہیں۔ آج دوپہر ان کے بیٹے کا کسی دوست سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ ان کے بیٹے افضال نے جیب سے پستول نکال کر اسے گولی مار دی۔ افضال دسویں کلاس میں پڑھتا ہے۔ ماں باپ اتنے لاپرواہ ہیں کہ بیٹے کی حرکتوں کا علم نہیں۔ اب بھاگے پھر رہے ہیں۔ تم بتاؤ اتنے روز کہاں غائب رہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔" شارق نے کہا۔ "لیکن تم نے میری عدم موجودگی سے خوب فائدہ

aazzamm@yahoo.com

اٹھایا۔ کیوں میرے آدمیوں کو پریشان کر رہے ہو؟"

"تم شاید گامے کی بات کر رہے ہو؟" انسپکٹر بولا۔

"ہاں۔" شارق نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ اپنے ڈیرے کو آگ اسی نے لگائی تھی؟ اور قتل کے وہ کون سے دو کیس ہیں جن کا پھندہ تم اس کے گلے میں فٹ کرنا چاہتے ہو؟"

"پرانے کیس ہیں۔" انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور تمہیں اب خیال آیا ہے کہ گاما اس میں فٹ ہو سکتا ہے۔" شارق نے اسے گھورا۔

"کوئی کیس کسی بھی وقت رخ بدل سکتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"بہتر ہے کہ اس کیس کا رخ ایک بار پھر بدل دو۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ماجھے گجر کے پیچھے لگ کر تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس کے خلاف قتل کے کتنے کیس ہیں۔ اسی کو اپنے کسی کیس میں فٹ کیوں نہیں کر لیتے۔"

"بات کسی کو کسی کیس میں فٹ کرنے کی نہیں ہے شارق باؤ۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ "قانون کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور....."

"قانون کے تقاضے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ٹھیک ہے۔ گاما باہر گاڑی میں بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر قانون کے تقاضے پورے کر لو۔ پھر میں بھی رابعہ کو عدالت میں پیش کر کے قانون کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس وقت کوئی اعتراض مت کرنا۔"

"رابعہ!" یہ نام سنتے ہی انسپکٹر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"وہ سب کچھ جانتا ہوں جو اس کے ساتھ ہو چکا ہے۔" شارق نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ رابعہ اس وقت کہاں ہے اور اس معاملے میں کون کون ملوث ہے۔"

انسپکٹر کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ رکا کیس کراچی جانے سے دو تین روز پہلے ہی اس کی نظروں میں آیا تھا۔ لیکن یہ بات اس نے اپنے سینے میں چھپائے رکھی تھی۔

رابعہ کے ایک کالج کی تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ بیس اکیس سال کی ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ دراز قامت ہونے کی وجہ سے اس کے حسن میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ بابر نامی کالج کے ایک اسٹوڈنٹ سے اس کا معاشقہ چل رہا تھا۔ بابر کا ماموں الطاف لاہور میں ایک فلم کمپنی میں ملازم تھا لیکن بابر نے اپنے دوستوں کو یہ تاثر دے رکھا تھا کہ اس کا ماموں اس فلم کمپنی کا مالک

ہے۔ بابر اکثر لاہور جاتا رہتا تھا۔ ہمیشہ واپس آنے کے بعد وہ رابعہ کو فلم نگری کے قصے سنایا کرتا تھا۔ رابعہ فلم بینی کی شوقین تھی۔ لیکن بابر کی باتیں سن سن کر اس کے دل میں فلمی اداکارہ بننے کا شوق بھی ابھرنے لگا۔ بابر اس کے اس جذبے کو ابھارتا رہتا تھا۔ اس نے رابعہ کو باور کروا دیا تھا کہ اس میں وہ تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں جو صف اول کی ایک ہیروئن میں ہونی چاہئیں۔ وہ رابعہ کو یہ یقین دہانی کرانے کی کوشش بھی کرتا رہا تھا کہ اگر وہ اس کے ساتھ لاہور چلی چلے تو اس کا ماموں الطاف اسے اپنی فلم میں ہیروئن کاسٹ کر لے گا۔ لیکن..... رابعہ ڈرتی تھی۔ اس کا تعلق ایک متوسط اور شریف گھرانے سے تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے گھر والے اسے کبھی بھی فلم انڈسٹری کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ لیکن بابر بھی یہ کب چاہتا تھا کہ وہ ماں باپ سے اجازت لے کر جائے وہ رابعہ کو یہ پٹی پڑھا رہا تھا کہ اگر وہ چپکے سے گھر چھوڑ کر چلی جائے تو اس کا کام بن سکتا ہے۔ اس کے ماں باپ کو اس وقت تک اس کا پتہ نہیں چلے گا جب تک اس کی پہلی فلم ریلیز نہ ہو جائے گی اور جب اس کے گھر والے یہ دیکھیں گے کہ وہ صف اول کی ہیروئن بن چکی ہے تو ان کی ناراضگی بھی ختم ہو جائے گی۔

رابعہ بابر کی باتوں میں آ گئی اور بالآخر ایک روز وہ ماں باپ کی عزت کو پیروں تلے روندتی ہوئی گھر کی دہلیز پار کر گئی۔ رابعہ وہ سارا زیور بھی لے آئی تھی جو ماں باپ نے پیسہ پیسہ جوڑ کر اس کے جہیز کے لئے تیار کر رکھا تھا۔

لاہور پہنچ کر بابر اسے سمن آباد میں اپنے ایک دوست کے ہاں لے آیا۔ پہلا دن خیریت سے گزر گیا۔ دوسرے دن دو تین لڑکے اور بھی اس کوٹھی میں آ گئے۔ وہ شکل و صورت ہی سے اوباش لگ رہے تھے۔ بابر نے بتایا کہ یہ سب فلمی اداکار ہیں۔ اور پھر اسی رات وہ تمام فلمی اداکار رابعہ کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رابعہ چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ بابر کی محبت کا پول کھل گیا تھا۔ بابر اور اس کے ساتھی تین دن تک رابعہ کو کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلتے رہے۔ وہ چوتھی رات تھی جب بابر اور اس کا ایک ساتھی رابعہ کو لے کر بڑی افراتفری میں سمن آباد والی اس کوٹھی سے فرار ہوا تھا۔ رابعہ کو بعد میں پتہ چلا تھا کہ پولیس اس کوٹھی پر چھاپہ مارنے والی تھی اور ان لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا تھا اور یہ لوگ رابعہ کو لے کر وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔

سمن آباد سے فرار ہو کر وہ لوگ مغلپورہ کے ایک مکان میں آ گئے۔ دو دن بعد وہاں سے شالامار باغ منتقل ہو گئے۔ اب رابعہ ایک ایسے آدمی کے قبضے میں تھی جو شکل ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔ اس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ بھی کئی روز تک رابعہ کو کھلونا سمجھ کر

aazzamm@yahoo.com

اس سے کھیلتا رہا۔ کچھ اور لوگ بھی آ کر داد عیش دیتے رہے۔ اور پھر رابعہ پر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ بابر اسے دس ہزار روپے میں اس شخص کے ہاتھ فروخت کر گیا تھا۔

چند روز انگوری باغ میں رکھنے کے بعد رابعہ کو اچھرے کے ایک بدمعاش کے ہاتھ بیس ہزار میں فروخت کر دیا گیا۔ رابعہ تقریباً پندرہ دن اچھرے کے ایک مکان میں مختلف لوگوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہی پھر مزنگ میں رہنے والی روبی نامی ایک عورت نے اسے پچیس ہزار میں خرید لیا۔ روبی ایک طوائف تھی۔ وہ خود بھی دھندہ کرتی تھی اور بڑے بڑے لوگوں کو لڑکیاں سپلائی کرتی تھی۔

رابعہ نے دوسرے دن روبی کے مکان سے بھاگنے کی کوشش کی مگر روبی نے اسے گلی ہی میں پکڑ لیا۔ رابعہ نے شور مچا دیا تھا۔ اگرچہ روبی کے آدمی اسے پکڑ کر دوبارہ مکان میں لے گئے تھے لیکن بات لوگوں کی نظروں میں آ گئی تھی۔ اور اس طرح تھانے تک بھی اطلاع پہنچ گئی تھی۔ انسپکٹر نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مکان پر چھاپہ مارا۔ ایک گھنٹے بعد انسپکٹر جب مکان کے باہر نکلا تو پانچ چھ آدمی مکان کے سامنے گلی میں جمع تھے۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر انسپکٹر سے اس لڑکی کے بارے میں دریافت کیا تو انسپکٹر نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کوئی معاملہ نہیں ہے۔ تم لوگ تو بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہو۔ یہ ان کا گھریلو معاملہ ہے لڑکی ان کے ہاں مہمان آئی ہوئی ہے۔ اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے۔ یہ لوگ اسے علاج ہی کے لئے یہاں لے کر آئے ہیں۔ ذہنی توازن درست نہ ہونے کی وجہ سے ہی وہ گھر سے نکل گئی تھی۔"

لوگ حیرت سے انسپکٹر کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن ظاہر ہے کوئی شخص اس کے مقابلے پر نہیں آ سکتا تھا۔

لیکن اس روز کے بعد محلے کے لوگوں نے اکثر اس انسپکٹر کو رات کے وقت سادہ کپڑوں میں روبی کے مکان میں آتے دیکھا تھا اور پھر یوں ہوا کہ روبی کا ایک گاہک رابعہ کو لے اڑا۔ وہ کسی زمیندار کا بیٹا تھا رابعہ اسے پسند آ گئی تھی اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ روبی نے اپنے غنڈوں کے ذریعے اس زمیندار زادے کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن زمیندار زادے نے دھمکی دی تھی کہ وہ رابعہ کو بھول کر خاموش بیٹھے رہیں بصورت دیگر وہ ڈی آئی جی سے مل کر ان کے خلاف کارروائی کرائے گا۔ اس طرح رابعہ والا معاملہ وہیں پر ختم ہو گیا تھا۔

شارق کو یہ سب کچھ سہیل سے معلوم ہوا تھا۔ وہ زمیندار زادہ سہیل کا دوست تھا۔ وہ رابعہ کو لے کر چند گھنٹے اس کے ریسٹورنٹ کے اوپر والے کمرے میں بھی رہا تھا۔ رابعہ نے رو رو کر اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ زمیندار زادہ رابعہ کو لے کر چلا گیا تھا اور شارق کو سہیل

سے اس پورے قصے کا پتہ چلا تھا اور اب وہ انسپکٹر کو اسی رابعہ کے حوالے سے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا تم اپنی حد سے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہے شارق باؤ؟" انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"میں تو اپنی حد میں ہی ہوں لیکن تم اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "مجھے اور بھی بہت سی کہانیاں معلوم ہیں لیکن صرف رابعہ کا ایک قصہ تمہارا مستقبل تاریک کر سکتا ہے۔ نہ صرف تمہاری نوکری جائے گی بلکہ اس بات کا بھی سو فیصد امکان ہے کہ تمہارے یہی ماتحت یہ معمولی کانسٹیبل' اس تھانے کے حوالات میں تم پر چھترول کر کے تم سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ ذرا سوچو اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہو گی؟"

"ہوں۔" انسپکٹر نے اسے گھورا۔ "تم بہت زیادہ پھیل رہے ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہیں بھی ابھی اور اسی وقت بند کر سکتا ہوں۔"

"تم چاہو تو اپنا یہ شوق بھی پورا کر سکتے ہو۔" شارق نے کہا۔ "لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں تھانیدار صاحب! فرق صرف اتنا ہے کہ تم نے اس وردی کی آڑ لے رکھی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو تمہارا جرم مجھ سے زیادہ سنگین ہے۔ ہم دونوں مجرم ہیں۔ ایسی صورت میں کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ غیر مشروط طور پر' برابری کی بنیاد پر۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" تھانیدار نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو تم بازی جیت رہے ہو۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ میرا داؤ چل گیا تو ساری چوکڑی بھول جاؤ گے۔"

"میں یاد رکھوں گا۔ ویسے میرا مشورہ ہے کہ ماجھا گجر جیسے گھٹیا لوگوں سے دور ہی رہو۔ اس کی وجہ سے مار کھا جاؤ گے۔ دوستی رکھنی ہے تو ہم جیسے لوگوں سے رکھو۔ جو کسی آڑے وقت میں تمہارے کام بھی آ سکتے ہیں۔ روپے پیسے اور ہر لحاظ سے تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں۔ ویسے ایک بات بتاؤ.... راجو کو جانتے ہو؟"

"راجو.... کون راجو؟" تھانیدار اچھل پڑا۔

"تم نے تین دن سے اس بیچارے کو نظربند کر رکھا ہے۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اور وہ بھی ماجھا گجر کے کہنے پر! چھوڑ دو اس بے چارے کو۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ راجو...."

aazzamm@yahoo.com

"محض ایک اندازہ تھا۔ تمہارے اس جملے نے تصدیق کر دی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ماجھا گجر جیسے لوگ تمہیں ذلیل کرتے رہیں گے۔ ہم سے دوستی رکھو.... فائدے میں رہو گے.... راجو کو بلاؤ۔ میں اسے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں۔"

تھانیدار کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ چند لمحے شارق کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک کانسٹیبل کو بلا کر اسے راجو کو لانے کی ہدایت کی۔ اسی لمحہ ایک اور کانسٹیبل دفتر میں داخل ہوا۔ اس نے پہلے شارق کی طرف دیکھا اور پھر میز کے دوسری طرف جا کر تھانیدار کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے۔ تم جاؤ۔ اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک کانسٹیبل راجو کو لے آیا۔ اس کا حلیہ دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ تین دن تک اس کی اچھی خاصی خاطر مدارات کی گئی تھی۔

"شکریہ انسپکٹر۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اس تعاون کا بہت بہت شکریہ! میں یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے دوستی کر کے تم گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ چلو راجو۔" اس نے راجو کو اشارہ کیا۔

وہ دونوں تھانے سے باہر آ گئے۔ جب گاڑی کے قریب پہنچے تو گاما شارق کے ساتھ راجو کو دیکھ کر چونک گیا۔

"اوئے راجو تم!" گاما نے کہا۔ "تم سرکاری مہمان بنے ہوئے تھے اور میں تمہیں پتہ نہیں کہاں کہاں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔"

راجو بھی پچھلی سیٹ پر نولکھا اور گامے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ شارق نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔

ایک جگہ شارق نے گاڑی روک لی اور ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ثمینہ! تم راجو اور گامے کو لے کر اقبال ٹاؤن والے مکان پر چلی جاؤ میں اور نولکھا چوبرجی کوارٹرز ہو کر آتے ہیں۔ دیر ہو جائے تو پریشان مت ہونا۔"

وہ تینوں کار سے اتر کر قریب کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی پر بیٹھ گئے۔ ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد شارق بھی کار کو حرکت میں لے آیا۔ چوبرجی کوارٹرز تک پہنچنے میں پچیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ شارق کو اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ اگر ثمینہ کے باپ نے اسے دیکھ لیا تو اچھا خاصہ ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف یہ خطرہ بھی تھا کہ نولکھا نہ پہچان لیا جائے۔

شارق نے گاڑی ناصر علی کے کوارٹر کے دروازے کے سامنے روکی تھی۔ اس وقت ساڑھے

نو بج رہے تھے۔ گلی میں اندھیرا ہی تھا۔ نولکھا نے کار سے اتر کر مکان کے دروازے کی گھنٹی بجا دی۔ صرف ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ ناصر علی کی نوجوان بھتیجی تھی۔ نولکھا کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور راستے سے ہٹ گئی۔ نولکھا اندر چلا گیا۔

شارق کار میں بیٹھا رہا۔ اس نے کار کی تمام بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ نولکھا کے اندر جانے کی بعد کچھ دیر تک اندر سے رونے دھونے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی۔

نولکھا تقریباً ایک گھنٹے بعد باہر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ شارق کو لے کر کوارٹر کے پچھلی طرف سے بیٹھک میں آ گیا۔ اندر بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ کلثوم بیٹھک میں آ گئی۔ شارق نے پہلے اس سے تعزیت کی پھر صورت حال دریافت کرنے لگا۔ کلثوم نے بتایا کہ کئی روز پہلے رات کے وقت دو تین آدمی آئے تھے۔ انہوں نے ناصر علی کو باہر بلایا اور کار میں ڈال کر لے گئے۔

کلثوم آدھی رات تک ناصر کا انتظار کرتی رہی پھر پڑوسیوں کو بلا کر اس کے بارے میں بتایا۔ دوسرے دن بھی ناصر علی کو تلاش کیا جاتا رہا۔ پھر تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوا دی گئی لیکن ناصر علی کا کوئی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا اور بالآخر اسے پولیس کے ذریعے اس کی موت کی اطلاع ملی تھی۔

"آپ نے پولیس میں ناصر کی گمشدگی کی رپورٹ کب لکھوائی تھی؟" شارق نے پوچھا۔

"دوسرے دن شام کو۔" کلثوم نے جواب دیا۔ "گھنٹی بجنے پر انہوں نے جا کر دروازہ کھولا۔ کچھ دیر دروازہ پر ہی باتوں کی آواز سنائی دیتی رہی پھر ناصر ان کے ساتھ ہی چلے گئے۔ میں سمجھی کوئی دوست ہوں گے جن کے ساتھ چلے گئے ہیں لیکن آدھی رات گزر گئی تو میں نے پڑوسیوں کو جگایا۔ کالونی ہی میں ناصر کے ایک دو دوستوں کے گھروں میں جا کر معلوم کیا لیکن وہ کسی کے گھر میں نہیں تھے۔ دوسرے دن بھی انہیں تلاش کرتے رہے۔ مگر کہیں سے کوئی پتہ نہیں چلا تو شام کو پولیس میں رپورٹ درج کروا دی۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا تھا جو ناصر کو بلانے آئے تھے؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں' میں تو باہر ہی نہیں گئی تھی۔" کلثوم نے جواب دیا۔ "جب بہت دیر گزر گئی تو میں نے باہر جا کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں دروازہ بھیڑ کے واپس آ گئی۔"

"ٹھیک ہے کلثوم بہن۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "پولیس' بھائی ناصر علی کے قاتلوں کا سراغ نہیں لگا سکے گی اور نہ ہی وہ سراغ لگانا چاہے گی۔ قاتلوں کا سراغ ہم لگائیں گے۔ انہیں

aazzamm@yahoo.com

آپ کے قدموں پر لا کر ڈالیں گے اور پھر جو سزا آپ تجویز کریں گی انہیں وہی سزا دی جائے گی۔"

"کیا تم ان کے بارے میں جانتے ہو؟" کلثوم جلدی سے بولی۔ "تمہیں معلوم ہے وہ کون لوگ تھے؟"

"پتہ چلا لیں گے۔" شارق بولا۔ "دو تین دن میں ان کا پتہ چل جائے گا۔"

"اچھا کلثوم بہن اب میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا۔" نولکھا نے کہا۔ وہ دونوں کلثوم بہن کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے بیٹھک کے دروازے سے باہر آ گئے۔

وہ دونوں بلاک کے اوپر سے گھوم کر گاڑی میں آ گئے۔ نولکھا پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا اور شارق نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کچھ ہی دیر بعد ان کی کار کالونی کے گیٹ سے نکل رہی تھی۔ سڑک پر اس وقت زیادہ ٹریفک نہیں تھا لیکن شارق نے رفتار کم ہی رکھی تھی۔

"تمہارے خیال میں وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں شارق باؤ؟" نولکھا نے پوچھا۔

"ماجھا گجر یا اس کے آدمیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

"لیکن ماجھا گجر کا ناصر سے کیا تعلق؟" نولکھا نے کہا۔

"ماجھا گجر کا ثمینہ کے باپ سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہ ان کے گھر پہنچ گیا تھا۔" شارق نے کہا۔

"کیا مطلب؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا۔" شارق نے کہا۔ "ماجھا گجر بہت خبیث آدمی ہے۔ اس کے جسم میں [illegible] بدروح حلول کر گئی ہے۔ اس نے کسی طرح ثمینہ کے گھر والوں کے بارے میں معلوم کر لیا تھا اور پھر ایک دن وہ اس کے باپ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس سے ہمدردی جتا کر یہ کہا تھا کہ ثمینہ میرے قبضے میں ہے اور یہ کہ میں دنیا کا سب سے بڑا بدمعاش ہوں۔ ماجھا گجر نے ثمینہ کے باپ کو یہ لالچ دیا تھا کہ اگر وہ ان لوگوں سے تعاون کرے تو ثمینہ کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ ثمینہ کے باپ ہی سے اسے پتہ چلا ہو گا کہ ثمینہ نے وہ رات ناصر علی کے گھر میں گزاری تھی۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ ثمینہ کو وہاں لانے والا نولکھا یعنی تم تھے۔ اسے یہ یقین ہو گیا ہو گا کہ ناصر علی سے تمہارا کوئی رشتہ ضرور ہے اور ناصر علی تمہارے ٹھکانے کے بارے میں جانتا ہو گا۔ وہ تمہارے ذریعے مجھ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اور تمہارے بارے میں معلوم کرنے کے لئے اس نے ناصر علی کو اغواء کیا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا۔ جب تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تو اسے مار کر لاش نہر میں پھینک دی۔"

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" نولکھا نے دانت کچکچائے۔

"اسے ہاتھ لگ جانے دو۔ پھر دیکھو اس کا حشر کیا کرتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

چوبرجی کوارٹرز سے نکلنے کے بعد وہ سیدھا گوالمنڈی پہنچ گئے۔ حسب معمول چوک پر خاصی رونق تھی۔ مولوی حمید کی چائے کی دکان کے سامنے بھی فٹ پاتھ پر سارے بنچ بھرے ہوئے تھے۔ مولوی حمید خود اپنے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا تھا اور دو ملازم لڑکے گاہکوں کو چائے دے رہے تھے۔

شارق نے گاڑی سڑک کے دوسری طرف روکی تھی۔ اس نے گاڑی کے اندر کی بتیاں بجھا دی تھیں اور انجن بھی بند کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک مولوی حمید کی چائے کی دکان کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک لڑکے کو آواز دے کر قریب بلا لیا۔ مولوی حمید نے یہ لڑکا غالباً نیا ملازم رکھا تھا۔ اور ظاہر ہے وہ شارق کو نہیں پہچانتا تھا۔

"جی باؤ جی؟" لڑکے نے قریب آ کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دو چائے لے کر آؤ.... اچھی سی ملائی والی۔" شارق نے کہا۔

"ابھی لایا جی۔" لڑکا تیزی سے واپس چلا گیا۔

لڑکے نے مولوی حمید سے جا کر چائے کے لئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے کار کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔ مولوی حمید نے کار کی طرف دیکھا۔ مگر وہ کار میں اندھیرا ہونے کے وجہ سے شارق کو نہیں دیکھ سکا۔ ویسے بھی شارق کا رخ اس وقت نولکھا کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد لڑکا دو کپ چائے لے آیا۔ اوپر موٹی بالائی تیر رہی تھی۔ شارق نے ایک کپ لے کر نولکھا کے ہاتھ میں تھما دیا اور ایک کپ خود لے لیا۔ اس وقت بھی وہ مولوی حمید کی طرف سے رخ موڑے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ چائے پینے کے بعد شارق نے ایک بار پھر لڑکے کو آواز دے کر بلا لیا۔ دونوں خالی کپ اس کے حوالے کئے اور پچاس کا نوٹ لڑکے کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔

"وہ کاؤنٹر کے پیچھے مولوی کھڑا ہے نا' اس سے کہنا باقی پیسے خود لے کر آئے۔"

"اچھا جی۔" لڑکا کہتے ہوئے چلا گیا۔

لڑکے نے جب مولوی حمید کو پچاس کا نوٹ دیتے ہوئے شارق کی بات کہی تو مولوی حمید نے چونک کر کار کی طرف دیکھا۔ اس نے پچاس کا نوٹ پیٹی میں رکھا اور باقی پیسے لے کر دکان سے نکل کر کار کی طرف آ گیا۔ شارق کا رخ اس وقت بھی دوسری طرف تھا۔ لیکن شارق نے جیسے ہی سیٹ پر رخ بدلا مولوی حمید چونک گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"شارق باؤ تم؟ واپس کب آئے؟"

"کل آیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کہو دھندہ کیسا چل رہا ہے؟"

"دھندہ تو ٹھیک ہی ہے لیکن ماجھا گجر بری طرح سے ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔" مولوی حمید نے کہا۔ "اسے یہ نہیں پتہ تم شہر سے باہر گئے ہوئے ہو لیکن تم چونکہ سامنے نہیں آ رہے وہ اور بھی شیر ہو گیا ہے۔ راجو تین دن سے غائب ہے اور شاید اسی کے قبضے میں ہے۔ اس نے گامے کے پیچھے بھی پولیس کو لگا دیا ہے۔"

"راجو بھی مل گیا ہے اور پولیس نے بھی گامے کا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"کیا واقعی؟" مولوی حمید چونک گیا۔

"ہاں۔ ہم اس وقت دونوں کو گھر بھیج کر آئے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

"ماجھے گجر کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا شارق باؤ۔" مولوی حمید نے کہا۔ "اس کا ایک آدمی ہر وقت یہاں موجود رہتا ہے۔ ماجھا تمہاری تلاش میں پاگل ہو رہا ہے۔ اس وقت بھی اس کا کوئی نہ کوئی آدمی یہاں موجود ہو گا۔"

"میں یہیں کھڑا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے۔ بلکہ یوں کرو کہ تقریباً دس منٹ بعد دو چائے اور بھیج دینا۔ دوسرے لڑکے کے ہاتھ سے بتا دینا کہ وہ اس آدمی کی نشاندہی کر دے۔ آگے میں نمٹ لوں گا۔" شارق نے کہا۔

مولوی حمید واپس چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد اس نے دوسرے لڑکے کے ہاتھ چائے کے دو کپ بھیج دیئے۔

"پان کے کھوکھے کے پرلی طرف دو آدمی کھڑے ہیں ان میں جس نے کالے کپڑے پہن رکھے ہیں وہی آدمی ہے۔" لڑکے نے چائے کے کپ شارق کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ لڑکا مولوی حمید کا پرانا ملازم تھا اور شارق کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر بعد آ کر کپ لے جانا۔" شارق نے کہا۔

لڑکے کے جانے کے بعد وہ دونوں چائے پینے لگے۔ چائے پینے کے بعد شارق نے دوسرے لڑکے کو بلا کر خالی کپ اس کے حوالے کر دیئے اور نولکھا کی طرف دیکھنے لگا۔ نولکھا کار سے اتر گیا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر پان سگریٹ کے کھوکھے کے قریب پہنچ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پچاس کا نوٹ نکالا اور گولڈ لیف کا پیکٹ خرید کر باقی پیسے جیب میں رکھتے ہوئے کالے کپڑوں والے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کالا کرتا اور کالا لاچہ پہنا ہوا تھا۔ سر پر غنڈوں کی طرح مفلر لپٹا ہوا تھا۔ اس کی اپنی رنگت بھی کالی تھی۔ اور کالے لباس کی وجہ سے وہ کوئی بھتنا ہی لگ رہا تھا۔ اس

نے بھی نولکھا کی طرف دیکھا تھا لیکن توجہ نہیں دی تھی۔ وہ یقیناً نولکھا کو نہیں پہچانتا تھا۔

"پہلوان جی!" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں سے بانسوں والے بازار کا راستہ کس طرف سے نکلتا ہے۔"

کالے کپڑے والے نے ہاتھ اٹھا کر ایک طرف اشارہ کیا اور اسے راستہ سمجھانے لگا۔

"یار میں تو پردیسی ہوں۔ میرے ڈرائیور کو ذرا سمجھا دے۔" نولکھا نے کار کی طرف اشارہ کیا۔

کالے کپڑوں والا اس کے ساتھ کار کی طرف آ گیا اور پھر کھڑکی پر جھک کر جیسے ہی وہ کچھ کہنے لگا اسٹیئرنگ کے سامنے شارق کو دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"خاموشی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جا۔ ورنہ تیری گردن مروڑ دوں گا۔" نولکھا کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

اس شخص کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے کوئی مزاحمت کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ نولکھے نے بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ شارق فوراً ہی گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔ نولکھا نے بڑی پھرتی سے اس شخص کا لباس تھپتھپا کر قمیض کے نیچے چھپا ہوا پستول نکال لیا تھا۔

"ہاں۔ اب بتا راستہ۔ کس طرف جانا ہے ہمیں۔" نولکھا نے پستول اس کے پہلو سے لگاتے ہوئے کہا۔

"مم.... میں سمجھا نہیں۔ تم لوگ کون ہو اور مجھے اس طرح دھوکے سے کیوں پکڑا ہے۔" وہ شخص خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"دھوکے باز تو تیرا گرو ہے ماجھا گجر۔" نولکھا نے کہا۔ "چوروں کی طرح چھپ چھپ کر وارداتیں کرتا ہے۔ ہم تو کھرے آدمی ہیں۔ دیکھ لے تجھے کس طرح بھرے بازار سے اٹھا لائے ہیں۔ اس میں دھوکے والی تو کوئی بات نہیں ہوئی نا۔ بہت سے آدمیوں نے ہمیں دیکھا ہے۔"

"مگر تم لوگ ہو کون؟ مجھے اس طرح پکڑ کر کہاں لے جا رہے ہو؟" وہ شخص بولا۔

"پہلے اپنا نام تو بتا کہ بات کرنے میں آسانی رہے۔" نولکھا نے کہا۔

"مم... میرا نام شوکا ہے.... میرا مطلب ہے شوکت.... گھر والے مجھے بچپن میں پیار سے شوکا کہا کرتے تھے۔ اب یہی نام مشہور ہو گیا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"چلو! کوئی بات نہیں۔ ہم بھی تمہیں پیار سے شوکا ہی پکاریں گے۔ لیکن پہلے یہ بتا کہ اس میں کوئی گولی شولی بھی ہے یا نہیں۔" نولکھا کہتے ہوئے پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

"میگزین بھرا ہوا ہے۔ ابھی تک کوئی گولی استعمال نہیں ہوئی۔" شوکے نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم استعمال کر لیں گے۔" نولکھا نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو شوکے پہلوان! کیا کام دھندہ کرتے ہو اور تم اس وقت یہاں کھڑے کیا کر رہے تھے۔"

"موچی دروازے پر میری پتنگوں کی دکان ہے۔ اس وقت یہاں دوستوں سے ملنے کے لئے آ گیا تھا۔ دکان بند کر کے کبھی کبھی گھومنے پھرنے کو تو دل چاہتا ہے نا۔" شوکے نے کہا۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔" نولکھا نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "آج ہم تمہیں گھمائیں گے۔ اتنا گھمائیں گے کہ زندگی بھر یاد کرو گے۔ اچھا یہ بتاؤ.... مجھے جانتے ہو؟"

"نہیں جی۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شوکے نے جواب دیا۔

"اس بندے کو جانتے ہو؟ یہ جو گاڑی چلا رہا ہے۔" نولکھا نے شارق کی طرف اشارہ کیا۔

"نن.... نہیں جی۔" شوکا ہکلا گیا۔ "ہم چھوٹے لوگوں کا اتنے بڑے لوگوں سے کیسے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔"

"میں نے یہ نہیں پوچھا کہ اس سے تمہاری دوستی ہے یا نہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "ویسے یہ اچھی بات ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنی اوقات ہی میں رہنا چاہئے۔ ویسے یہ بتاؤ شوکے پہلوان کہ ماجھے گجر کے لئے کب سے کام کر رہے ہو؟"

"مم.... ماجھا گجر...." شوکا پھر ہکلا گیا۔ "مم.... میں کسی ماجھے گجر کو نہیں جانتا۔"

"بات سن اوئے شوکے!" نولکھا نے ایک ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا۔ "میرا نام نولکھا ہے اور یہ جو بندہ گاڑی چلا رہا ہے نا اس کا نام شارق ہے۔ وہی شارق جس کی تلاش میں ماجھے گجر نے تمہاری ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔"

"سچ کہتا ہوں میں کسی ماجھے گجر کو نہیں جانتا۔ میں تو اپنے دوستوں سے ملنے آیا تھا۔" شوکے نے جواب دیا۔

"یہ ایسے نہیں مانے گا شارق باؤ۔" نولکھا نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "حویلی کی طرف چلو۔ میں اور شوکا پہلوان رات وہیں رہیں گے۔ لیکن راستے میں کسی دکان سے کڑاہی گوشت یا بالٹی گوشت قسم کی کوئی چیز لے لینا۔ مہمان کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں اسے بھوکا تو نہیں مارنا۔"

شارق نے جواب دینے کے بجائے گردن ہلا دی اور پھر تقریباً دس منٹ بعد ایک ریسٹورنٹ کے سامنے اس نے گاڑی روک لی۔ ریسٹورنٹ کے آگے کڑاہی گوشت کا اسٹال بنا ہوا تھا۔ شارق نے انجن بند کر دیا اور ان دونوں کو گاڑی میں چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس

آیا تھا۔ اس نے پلاسٹک کا پھولا ہوا تھیلا اگلی سیٹ پر رکھ لیا اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ملتان روڈ پر نکل آئے تھے۔

"یہ راستہ دیکھ لے گا نولکھے!" شارق نے نولکھا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے شارق باؤ.... اسے کونسا واپس آنا ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔ شوکا اس کی بات سن کر کانپ اٹھا۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا۔

"آپ لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جی.... میں سچ کہتا ہوں میں کسی ماجھے گجر کو نہیں جانتا۔ میری تو پتنگوں کی دکان ہے جی...."

"پستول جیب میں کیوں لئے پھرتے ہو؟" نولکھا کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

"ایسے ہی جی...." شوکے نے جواب دیا۔ "دو تین دن پہلے ایک دوست نے دے دیا تھا۔ میں نے تحفہ سمجھ کر رکھ لیا۔"

"تو پھر آج ہم بھی تمہیں ایک تحفہ دیں گے۔" نولکھا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

کار اسکیم موڑ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ چوک پر زیادہ رش نہیں تھا۔ چند ایک دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ سامنے ایک تانگہ آ جانے کی وجہ سے شارق کو کار کی رفتار کم کر لینا پڑی۔ شوکا شاید کسی ایسے ہی موقع کا منتظر تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔ سڑک پر گرنے سے اسے چوٹ ضرور آئی ہو گی لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ بچاؤ بچاؤ کا شور مچاتا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

شارق بری طرح چونک گیا۔ اس نے ایک دم بریک پر پیر رکھ دیا۔ لیکن نولکھا کار رکنے سے پہلے ہی چھلانگ لگا چکا تھا۔ وہ گرتے گرتے بچا۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے سنبھل کر شوکے کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

شوکا بچاؤ بچاؤ کا شور مچاتا ہوا سڑک پار کر کے ایک ریسٹورنٹ میں گھس گیا تھا نولکھا بھاری بھرکم جسم کا مالک تھا۔ لیکن وہ بھی حیرت انگیز طور پر تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا شوکے کے پیچھے ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔

شوکا غالباً ریسٹورنٹ کے عقبی دروازے سے پچھلی گلی میں نکلنا چاہتا تھا مگر بدحواسی میں کچن میں گھس گیا۔ نولکھا بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔ اس نے اندر گھستے ہی شوکے کو پکڑنے کی کوشش کی مگر شوکا مزاحمت پر اتر آیا۔ اس دھینگا مشتی میں کچن کے برتن دھڑا دھڑ گرنے لگے۔ کچن میں کام کرنے والے دونوں آدمی ڈر کر باہر بھاگ گئے تھے۔ شوکے نے بھی ایک بار پھر باہر بھاگنے کی

aazzamm@yahoo.com

کوشش کی مگر اس مرتبہ نولکھا نے اسے چھاپ لیا اور دو چار گھونسے اس کی گردن اور پسلیوں پر ٹکا دیئے۔

شوکا بری طرح چیخ رہا تھا۔ ہوٹل کا مالک اور تین چار گاہک دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ مگر وہ سب دروازے ہی میں رک گئے تھے۔ اندر گھسنے کی کوشش کسی نے نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہے بھئی؟ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کون ہو تم لوگ؟" ہوٹل کا مالک چیخا۔

"مجھے بچاؤ..... خدا کے لئے مجھے بچالو..... یہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔" شوکا چیخا۔

"کیا بات ہے پہلوان جی۔ کیوں مار رہے ہو بیچارے کو۔ کیا کیا ہے اس نے؟" کچن کے دروازے پر کھڑے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا۔ وہ کوئی گاہک تھا۔

"نوکر ہے ہمارا۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "تین مہینے پہلے کوٹھی سے لاکھوں روپے کے زیور اور نقد رقم لے کر بھاگ گیا تھا۔ کہاں کہاں تلاش نہیں کیا ہم نے اس نمک حرام کو۔ آج اتفاق سے نظر آگیا۔"

"یہ..... یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" شوکا چیخا۔ "یہ لوگ مجھے گوا منڈی سے اٹھا کر لائے ہیں۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

"چپ اوئے!" نولکھا نے اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ اور پھر اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کچن سے باہر لے آیا۔

شوکا اب بھی چیخ رہا تھا۔ ہوٹل کے تقریباً سارے ہی گاہک اپنی کرسیاں چھوڑ کر ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ کچھ لوگ ہوٹل کے باہر بھی جمع تھے۔

"مجھے بچالو۔ خدا کے لئے مجھے بچالو۔ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔" شوکا لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

نولکھا نے اسے دو چار ہاتھ اور جڑ دیئے۔ لوگوں میں سے کسی نے آگے آنے کی ہمت نہیں کی تھی ہوٹل کا مالک پریشان کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کچن میں ان دونوں کی دھینگا مشتی سے اچھے خاصے برتن ٹوٹ گئے تھے۔ لیکن اس نے اپنے نقصان پر صبر کر لیا تھا۔ وہ نولکھا کے ڈیل ڈول سے ویسے ہی خائف ہو گیا تھا۔

نولکھا جب شوکے کو گریبان سے پکڑے گھسیٹتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر نکلا تو شارق بھی کار ایک طرف کھڑی کر کے نیچے اتر آیا تھا۔ شوکا اب بھی لوگوں کی منت سماجت کرتے ہوئے چیخ رہا تھا کہ اسے ان قاتلوں سے بچایا جائے۔ شارق نے بھی آگے بڑھ کر اس کے دو چار ہاتھ جڑ دیئے۔

شاندار کار دیکھ کر بعض لوگوں نے نولکھا کی اس بات پر یقین کر لیا تھا کہ شوکا ان کا گھریلو ملازم تھا اور ان کی کوٹھی سے نقدی اور زیورات لے کر بھاگا ہوا تھا۔ کیونکہ نولکھا جب شوکے کو کار میں ٹھونس رہا تھا تو اس نے ایک آدمی کو کہتے سنا تھا۔

"جب یہ زیورات اور رقم لے کر بھاگا تھا تو اس وقت اس نے نہیں سوچا تھا کہ ایک دن پکڑا بھی جائے گا۔ ایسے نمک حراموں کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے۔"

تین چار آدمی کار کے قریب بھی آ گئے تھے۔ شارق نے نولکھا اور شوکے کے بیٹھتے ہی جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور کار جلدی سے آگے بڑھا دی۔

"لوگوں نے کوئی مداخلت تو نہیں کی۔" شارق نے سامنے لگے ہوئے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں نولکھا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی مائی کا لال آگے نہیں آیا۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "ایک آدمی نے پوچھا تھا کہ میں اس غریب کو کیوں مار رہا ہوں۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ ہمارے گھر کا نوکر ہے۔ تین مہینے پہلے لاکھوں روپے کے زیور اور نقد رقم لے کر بھاگ گیا تھا آج پکڑا گیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے کچھ نہیں کہا۔"

"میں تو تمہیں نرا گاؤدی سمجھتا تھا۔" شارق نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن وقت پڑنے پر تم ایسی ذہانت کا ثبوت دیتے ہو کہ حیرت ہوتی ہے۔"

"وقت ہی سب سے بڑا استاد ہے شارق باؤ۔ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔" نولکھا نے جواب دیا اور پھر شوکے کی گردن پر زور دار گھونسہ مارتے ہوئے بولا۔ "کیوں اوئے بے غیرتا! یہ کیا حرکت کی تھی تو نے..... کیا تو یہ سمجھتا تھا کہ لوگ تمہیں بچالیں گے۔"

"م..... میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے چھوڑ دو۔" شوکا گھگھیایا۔

"تمہیں چھوڑ ہی دیں گے۔ ہم نے تمہارا اچار ڈالنا ہے۔" نولکھا نے کہا۔

شارق نے کار کی رفتار تیز کر دی تھی۔ نولکھا نے جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

"اب اگر تم نے پہلے جیسی حرکت کی نا تو اس مرتبہ میں تمہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ تمہارے ہی پستول کی گولی تمہارے جسم میں اتار دوں گا۔"

شوکا سمٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوفزدہ تھا۔ سکیم موڑ کے قریب پہنچ کر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ نولکھا اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اس نے شوکے کو گردن سے پکڑ کر نیچے کر دیا۔

"نیچے ہو کر بیٹھ اوئے۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "کسی جاننے والے نے تمہیں

aazzamm@yahoo.com

دیکھ بھی لیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کوئی تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔"

مزید پندرہ منٹ بعد کار حویلی کے پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ شارق نے ڈیش بورڈ کے خانے میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور نیچے اتر کر پھاٹک کے ذیلی دروازے کا تالہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ نولکھا بھی شوکے کو لے کر کار سے اتر آیا تھا۔ اس نے شوکے کو پستول کی زد پر لے رکا تھا۔ وہ اسے لے کر ذیلی دروازے میں داخل ہو گیا۔ شارق بھی گاڑی اندر لانے کے لئے پھاٹک کھول رہا تھا۔

"پہلے روٹی کھا لیں شارق باؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" نولکھا نے اندر پہنچ کر کہا۔

شارق نے چارپائی پر ہی دستر خوان بچھا کر وہ تھیلا کھول دیا تھا جس میں کڑاہی گوشت اور نان وغیرہ لے کر آئے تھے۔

"آ جا بھئی شوکے پہلوان۔ تو بھی آ جا۔" نولکھا نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" شوکے نے جواب دیا۔

"میں تمہاری منتا ترلے تو نہیں کروں گا۔ روٹی نہیں کھائی تو اس دیوار کے ساتھ بیٹھ جا۔ چل جلدی کر۔" نولکھا نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

شوکا دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ شارق اور نولکھا اطمینان سے کھانا کھاتے رہے۔ کھانے کے بعد بچی کچی چیزیں نولکھا نے تھیلے ہی میں سمیٹ دیں۔

"تم اب جاؤ شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "وہ لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اس سے معلوم کر لینا کہ ماجھا کہاں ہے اور ناصر علی کو کس نے قتل کیا تھا۔"

"تم فکر ہی مت کرو شارق باؤ۔ میں ایک ایک بات اس کے حلق سے اگلوا لوں گا۔" نولکھا نے جواب دیا۔

شارق کے جانے کے بعد نولکھا نے شوکے کو گھیر لیا۔

"ہاں بھئی شوکا پہلوان۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "یہ حویلی تم نے دیکھ لی۔ اس طرف آنے والا راستہ بھی دیکھ لیا۔ آس پاس کوئی مکان نہیں ہے جہاں تمہاری آواز جا سکے۔ تمہاری آواز تو اس کمرے میں سے بھی نہیں نکل سکے گی۔ تو اب تم بتاؤ کیا پروگرام ہے۔ شرافت سے کچھ بتاؤ گے یا تمہارے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا پڑیں گے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھ لو کہ تمہارے ٹوٹے کرنے کے بعد میں حویلی کے صحن میں کسی جگہ دبا دوں گا اور کسی کو پتہ نہیں

چلے گا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔" شوکے نے کہا۔

"اگر تم وہ نہیں ہو تو کار سے بھاگے کیوں تھے؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"تم لوگ مجھے زبردستی اٹھا کر لائے ہو۔ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ میں اسی لئے بھاگا تھا۔" شوکے نے جواب دیا۔

نولکھا نے اچانک ہی اس کے منہ پر زور دار گھونسہ مار دیا۔ گھونسہ شوکے کے منہ پر بالکل سامنے لگا تھا۔ اس کا اوپر کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ منہ سے خون بہہ نکلا تھا اور جب اس نے تھوکا تو خون کے ساتھ دانت بھی باہر گر گیا۔

"ابھی تو صرف ایک دانت ٹوٹا ہے۔" نولکھا غرایا۔ "میں تو تمہاری ساری ہڈیاں توڑ دوں گا۔ تم لوگوں نے میرے بہنوئی کو قتل کیا ہے۔ اس کی لاش کئی روز تک نہر میں پڑی سڑتی رہی۔ میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ایک ایک کو ختم کر دوں گا۔ بتاؤ ماجھا گجر کہاں ہے؟"

"م۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتا۔" شوکا خون تھوکتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے بہنوئی کو بھی نہیں جانتا۔ تم مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو۔"

"تم آسانی سے نہیں مانو گے۔" نولکھا نے کہا۔ وہ چند لمحے خونخوار نظروں سے شوکے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس پر پل پڑا۔

شوکے نے شروع میں اپنے آپ کو بچانے کے لئے کچھ مزاحمت کی تھی۔ لیکن نولکھے پر تو جنون طاری تھا۔ اس وقت اگر اس کے مقابلے میں دس آدمی بھی ہوتے تو وہ ان کی ہڈیاں توڑ ڈالتا۔

شوکا پٹتے ہوئے بری طرح بلبلا رہا تھا اور جب نولکھا نے اس کی دائیں پنڈلی کی ہڈی توڑی تو اس طرح چیخا جیسے اس کے گلے پر چھری پھیری جا رہی ہو۔ وہ فرش پر چاروں طرف لوٹ رہا تھا۔ اس کی چیخیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"میں تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی توڑ دوں گا۔" نولکھا چیخا۔ "بتاؤ ناصر علی کو گھر سے اغواء کس نے کیا تھا اور اسے قتل کس نے کیا تھا؟"

"م۔۔۔ میں کچھ۔۔۔ نہیں جانتا۔" شوکے نے روتے ہوئے جواب دیا۔

نولکھا نے اس کے سینے پر زور دار ٹھوکر ماری۔ شوکا ایک بار پھر چیخا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا مگر نولکھا اسے اس طرح چھوڑنے والا نہیں تھا۔ وہ پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

شوکا تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوش میں آ سکا تھا۔ نولکھا نے اس کے بالوں سے پکڑ کر سر کو ایک جھٹکے سے اوپر کیا۔

"بتا اوئے! کس نے قتل کیا تھا ناصر علی کو؟"

"پپ.... پانی...." شوکا کے منہ سے مردہ سی آواز نکلی۔

نولکھا نے پانی سے بھرا ہوا گلاس اس کے چہرے کے سامنے کر دیا۔

"بتاؤ ناصر علی کو کس نے قتل کیا تھا؟"

"مم.... مجھے نہیں معلوم...." شوکا نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

نولکھا نے پانی اس کے منہ پر انڈیل دیا۔ شوکا ہونٹ چاٹنے لگا۔ نولکھا نے خالی گلاس ایک طرف پھینک دیا اور جیب سے چاقو نکال لیا اور اس کا چمکتا ہوا بلیڈ اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔

"میں تمہارے جسم کی بوٹیاں کر کے کتوں کو ڈال دوں گا۔ لیکن.... تمہیں مرنے نہیں دوں گا.... اس وقت تک مرنے نہیں دوں گا جب تک تم میرے سوالوں کا جواب نہیں دیتے۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" شوکا بمشکل بول سکا تھا۔

نولکھا نے اسے کے کرتے کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زور سے جھٹکا دیا۔ کرتا پھٹ گیا۔ شوکے کا سینہ ننگا ہو گیا۔ نولکھا نے چاقو کی نوک اس کے سینے پر عین درمیان میں رکھی اور تقریباً تین انچ لمبی لکیر کھینچ دی۔

شوکے کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی۔ اس کے سینے پر تین انچ لمبی لکیر سے خون رسنے لگا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔

"تمہارا گلا میں سب سے آخر میں کاٹوں گا۔" نولکھا نے کہا۔ "تمہارے جسم پر اس طرح کی لکیریں اس وقت تک کھینچتا رہوں گا جب تک تم کچھ بتاؤ گے نہیں۔"

"بب.... بتاتا ہوں...." شوکا ہکلایا۔ "پانی.... پہلے پانی دو...."

"شاباش!" نولکھا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "یہ ہوئی نا بات! پہلے ہی زبان کھول دیتے تو اتنی تکلیف تو نہ اٹھانی پڑتی۔" اس نے پانی کا گلاس بھر کر شوکا کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

شوکا غٹاغٹ پی گیا۔ کچھ پانی اس کے زخمی ہونٹوں سے گر کر ٹھوڑی اور سینے پر بہنے لگا تھا۔

"اور پیو گے؟" نولکھا نے پوچھا۔

"بب.... بس...." شوکا زور زور سے سر ہلانے لگا۔

"اب بتاؤ کہ ناصر علی کو کس نے قتل کیا تھا؟" نولکھا نے کہا۔

"مم.... ماجھا گجر نے۔" شوکے نے کہا۔ "اس کے تین چار آدمی بھی ساتھ تھے.... مم.... میں نہیں تھا۔ میں اس کارروائی میں شامل نہیں تھا.... مجھے ویسے پتہ چل گیا تھا کہ انہوں نے چوبرجی کوارٹروں سے کسی کو اٹھایا ہے۔ وہ اس سے شارق کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے۔"

"ماجھا گجر کے ساتھ اس کارروائی میں اور کون کون تھا؟" نولکھا نے پوچھا۔

شوکا چند لمحے خاموش رہا پھر وہ ان لوگوں کے نام بتانے لگا جو ناصر علی کو قتل کرنے کی کارروائی میں شریک تھے۔

"ماجھا گجر کہاں ہے۔ نہر والی کوٹھی پر؟"

"نہیں۔" شوکا نے جواب دیا۔ "ناصر کو قتل کرنے کے بعد وہ کہیں اور چلا گیا تھا کیونکہ اسے شبہ تھا کہ جب تم لوگوں کو ناصر کے قتل کا پتہ چلے گا تو تم لوگ کوٹھی پر چڑھ دوڑو گے۔"

"اس کا نسبت روڈ والا اڈا ختم ہو چکا ہے۔ نیا اڈا کہاں بنایا ہے اس نے' جہاں سے سارے شہر کو مال سپلائی کرتا ہے؟" نولکھا نے پوچھا۔

"قلعہ گوجر سنگھ میں۔" شوکا نے جواب دیا۔ "وہاں پہلے ہی سے گوگے کا اڈہ موجود ہے۔ ماجھا گجر نے اسی کو اپنا مرکز بنا لیا ہے۔ وہیں سے پورے شہر کو ہیروئن کی سپلائی ہو رہی ہے۔"

"گوگا۔" نولکھا بولا۔ "اور ہمارے مزنگ والے اڈے کو آگ لگانے کی کارروائی میں کون کون شامل تھا؟"

"پانچ آدمی تھے جن میں' میں بھی تھا۔" شوکا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے شوکا پہلوان۔" نولکھا کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "مولوی حمید کے ہوٹل کے پاس کیوں کھڑے تھے؟"

"نگرانی کے لئے۔" شوکے نے جواب دیا۔ "ماجھے گجر کو شبہ ہے کہ شارق مولوی حمید سے ملنے کے لئے ضرور آتا ہو گا۔ میں اسی لئے وہاں کھڑا نگرانی کر رہا تھا۔"

"تو شارق کو تم نے دیکھ لیا۔" نولکھا کا لہجہ بے حد معنی خیز تھا۔ اس نے چاقو بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"مم.... مجھے ہسپتال لے چلو...." شوکا کراہا۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے بے پناہ تاثرات تھے۔ "مجھے شدید تکلیف ہو رہی ہے۔ خدا کے لئے مجھے ہسپتال لے چلو۔"

"تمہیں تکلیف ہو رہی ہے نا؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"ہاں۔ خدا کے لئے مجھے ہسپتال لے چلو۔"

aazzamm@yahoo.com

"میں تمہیں اس تکلیف سے نجات دلا سکتا ہوں۔" نولکھا نے معنی خیز لہجے میں کہتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا۔

"یہ..... یہ کیا....."

شوکا کا جملہ مکمل نہیں ہو سکا۔ کمرے میں ڈز کی آواز ابھری۔ پستول سے نکلنے والی گولی شوکے کی پیشانی میں پیوست ہو گئی۔

نولکھا چند لمحے شوکے کی لاش کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے پھاوڑا اٹھایا اور حویلی کی دیوار کے قریب گڑھا کھودنے لگا۔

○

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے چوتھے حصے کا مطالعہ کریں۔

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com
۱۳۔ حصّوں میں
مکمل سیٹ قیمت ۷۸۰/- روپے
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

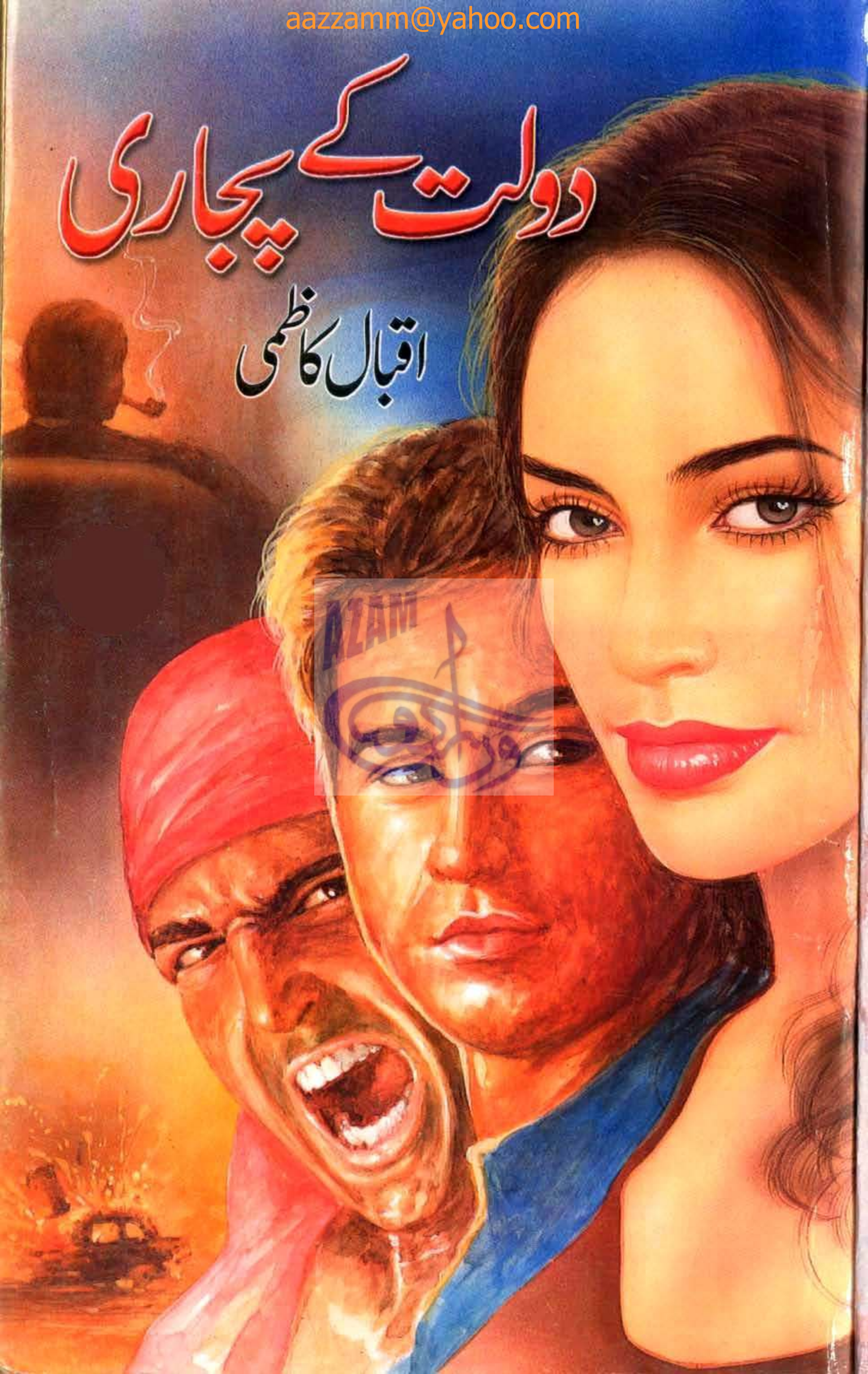

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

4

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز

باراول ——— 2004ء

مطبع ——— نیر اسد پریس

سرورق ——— ذاکر

کمپوزنگ ——— نوید بٹ

قیمت ——— -/66روپے

Scanned By:

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

قلعہ گوجر سنگھ میں گوگے پہلوان کا اکھاڑہ بڑا مشہور تھا۔ اس علاقے سے اگرچہ آج تک کوئی قابل ذکر پہلوان نہیں نکلا تھا لیکن اس کا نام بڑی شہرت رکھتا تھا۔ علاقے کے نوجوان اور پہلوانی کے شوقین سورج ڈھلتے ہی اس طرف کا رخ کرنا شروع کر دیتے۔ رات نو دس بجے تک یہاں بڑی رونق رہتی تھی۔ ہفتے میں ایک دن یہاں باقاعدہ کشتیاں ہوا کرتی تھیں۔ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے محلے کے معززین کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ اور کشتیاں جیتنے والے نوجوانوں کو چھوٹے موٹے انعامات بھی دیئے جاتے تھے تاکہ پہلوانی کی طرف ان کا رجحان برقرار رہے۔

محلے کے لوگ گوگا پہلوان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے محلے کے نوجوانوں کو آوارگی سے بچا کر ایک ایسے فن کی طرف لگا رکھا تھا جس کی معاشرے میں بھی عزت تھی۔ گوگا پہلوان کی ان صحت مندانہ سرگرمیوں کی سب ہی تعریف کرتے تھے۔

لیکن پھر نجانے کیا ہوا کہ گوگا پہلوان کا اکھاڑہ اجڑنے لگا۔ بہت سے لوگوں نے یہاں آنا بند کر دیا تھا۔ اور یہ افواہیں پھیلنے لگی تھیں کہ گوگا پہلوان کے اکھاڑے میں نشہ فروخت ہوتا ہے۔ اس اکھاڑے میں آنے والے بہت سے نوجوان نشے کے عادی ہو رہے تھے۔ محلے کے جو معززین گوگا کا احترام کرتے تھے وہ اب اسے ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ گوگا پہلوان ہی نے ہیروئن کا دھندہ شروع کر دیا ہے اور وہ نوجوانوں کی رگوں میں ہیروئن کا زہر گھول رہا ہے۔

علاقے کے پولیس آفیسر جو کبھی گوگا پہلوان کے اکھاڑے میں ہونے والی کشتی کی تقریبات میں مہمان خصوصی ہوا کرتے تھے۔ وہ اب گوگا کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ محلے کے نوجوانوں میں کوئی چھوٹا موٹا لڑائی جھگڑا ہوتا تو گوگا پہلوان سفارشی بن کر تھانے پہنچ جاتا۔ تھانیدار بھی اسے دیکھ کر کرسی سے اٹھ جایا کرتا تھا۔ اس کی بات ہمیشہ مان لی جاتی تھی اور

aazzamm@yahoo.com

نوجوانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لیکن اب وہی پولیس والے اس انداز میں اکھاڑے کے چکر لگانے لگے تھے جیسے جرائم پیشہ لوگوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔

چھ مہینے کے اندر اندر گوگا پہلوان کا اکھاڑہ اس لحاظ سے ویران ہو گیا کہ کشتی سیکھنے کے شوقین اور زور کرنے والے اب اس طرف کا رخ نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس یہاں مشکوک قسم کے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ پولیس والے بھی وقتاً" فوقتاً" چکر لگانے لگے۔ ہر دس پندرہ روز بعد کوئی نہ کوئی پولیس والا گوگا پہلوان کو تھانے لے جاتا۔ جہاں اسے گھنٹوں برآمدے میں بٹھائے رکھا جاتا۔ اور جب تھانے دار کے سامنے پیش کیا جاتا تو اسے مختلف قسم کی دھمکیاں سننے کو ہی ملتیں۔

گوگا پہلوان کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ بھاری بھرکم کسرتی جسم' موٹی گردن اور سر گنجا' وہ روزانہ باقاعدگی سے سر پر استرا پھروایا کرتا تھا۔ اس کا اکھاڑہ بہت وسیع و عریض رقبے پر مشتمل تھا۔ یہ دراصل ایک بہت بڑا احاطہ تھا۔ جس کے آخر میں تین چار کمرے ایک طرف اور تین چار کمرے دوسری طرف تھے۔ احاطے کے میدان کا بہت بڑا حصہ لان پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ کچھ حصہ پختہ تھا۔ یہ احاطہ کسی زمانے میں کمیونٹی سینٹر ہوا کرتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ہندو چلے گئے تو یہ احاطہ بہت عرصہ تک ویران پڑا رہا۔ اور پھر نجانے کس طرح گوگا کے باپ نے اس احاطے پر قبضہ کر کے یہاں اکھاڑہ بنا لیا۔ گوگا نے بھی پہلوانی اپنے باپ ہی سے سیکھی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ اکھاڑہ چلاتا رہا۔ لیکن تقریباً چھ مہینے پہلے اس کی ملاقات ماجھا گجر سے ہو گئی تھی اور ماجھا گجر نے ہی اسے اس تباہ کن راستے پر لگایا تھا۔

گوگا کی آمدنی کا واحد ذریعہ وہ اکھاڑہ ہی تھا۔ وہ کشتی سیکھنے کے لئے یہاں آنے والوں سے پچاس روپے مہینہ فیس لیتا تھا جو بعد میں بڑھا کر سو روپے کر دی گئی تھی۔ پینتیس چالیس شاگردوں سے ملنے والی ساڑھے تین چار ہزار روپے کی رقم اس کے مہینے بھر کے اخراجات کے لئے کم پڑنے لگی تھی۔ مہنگائی بڑھتی جا رہی تھی۔ آمدنی کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس نے اکھاڑے کی فیس سو کے بجائے ڈیڑھ سو کر دی لیکن پانچ چھ لڑکوں نے اکھاڑے میں آنا چھوڑ دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی دبے لفظوں میں فیس کی زیادتی پر احتجاج کیا۔ گوگا نے فیس دوبارہ سو روپے کر دی کیونکہ اندیشہ تھا کہ فیس زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسرے لڑکے بھی اکھاڑہ نہ چھوڑ دیں اور وہ اس آمدنی سے بھی محروم نہ ہو جائے۔

اس دوران اس کی ملاقات ماجھا گجر سے ہو گئی۔ اس نے آمدنی کا ایک ایسا ذریعہ بتایا کہ گوگا پہلوانی بھول کر دولت کے چکر میں پڑ گیا۔ ہیروئن میں واقعی بڑی کمائی تھی۔ گوگا کی ہوس بڑھتی

گئی۔ دولت کے لالچ میں وہ اس دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

گوگا پہلوان کا اکھاڑہ منشیات کا بہترین اڈہ ثابت ہوا۔ گنجان آبادی والا علاقہ تھا۔ اس کے ساتھ میکلوڈ روڈ لگتا تھا۔ متوسط اور گنجان آبادی والے علاقے میں دراصل منشیات فروشی کے لئے آئیڈیل علاقے ثابت ہوتے ہیں۔

گوگا پہلوان پر دولت کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے زیادہ مضبوط گرفت ماجھا گجر کی تھی۔ ماجھا گجر کا نسبت روڈ والا اڈہ تباہ ہو گیا تو وہ کسی اور اڈے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن شارق نے اسے کہیں بھی ٹکنے دیا تھا۔

بالآخر ماجھا گجر کی نظریں گوگا پہلوان پر جم گئیں۔ اس کے خیال میں یہ اڈہ اس کے لئے بہترین مرکز ثابت ہو سکتا تھا۔ آس پاس بھی گنجان آبادی والے علاقے تھے۔ یہاں بیٹھ کر وہ لکشمی چوک اور ریلوے اسٹیشن اور برانڈرتھ روڈ وغیرہ تک کے علاقے کنٹرول کر سکتا تھا۔ اس نے بڑی سوچ بچار اور حالات کا گہری نظروں سے جائزہ لینے کے بعد گوگا پہلوان سے بات کی۔ گوگا پہلوان کو اور کیا چاہئے تھا۔ وہ فوراً ہی تیار ہو گیا۔ ماجھا گجر نے اپنا اڈہ منتقل کرنے سے پہلے یہاں کچھ کام بھی کروایا۔ ایک دو کمروں میں ایسے خفیہ ٹھکانے بنوائے جہاں مال چھپایا جا سکتا تھا۔ دو کمروں میں مصنوعی سیلنگ بھی لگوائی گئی اور دیواروں کے سامنے لکڑی کے تختوں کے پینل بظاہر آرائش اور خوبصورتی کے لئے بنائے گئے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان میں ہیروئن کے پیکٹ چھپانے کی ایسی خفیہ جگہیں بنائی گئی تھیں جنہیں آسانی سے تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان خفیہ ٹھکانوں کا علم ماجھا گجر کے علاوہ صرف گوگا پہلوان کو تھا۔ اس کے کسی اور آدمی کو پتہ نہیں تھا کہ مال کہاں چھپایا جاتا ہے۔ ماجھا گجر نے یہاں کاروبار شروع کرنے سے پہلے علاقے کی پولیس سے بھی سمجھوتہ کر لیا تھا۔ گوگا پہلوان نے جب یہاں ہیروئن بیچنے کا دھندہ شروع کیا تھا تو اس کے خلاف تھانے میں شکایتیں پہنچنے لگی تھیں۔ اس وقت پولیس والے گوگا پہلوان کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ لیکن ماجھا گجر کے آ جانے سے اسے بھی روز روز کی اس پکڑ دھکڑ سے نجات مل گئی تھی۔ علاقے کے لوگ شکایتیں اب بھی کرتے تھے لیکن پولیس اب ان شکایتوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ ماجھا گجر تھانیدار کو اپنے اور اپنے کاروبار کے تحفظ کے لئے معقول رقم دے رہا تھا۔ جب لوگ زیادہ شور مچانے لگتے تو پولیس والے ہیروئن کے عادی کسی شخص کو یا کسی اور کو' جس کا اس دھندے سے معمولی سا بھی تعلق ہوتا' پکڑ کر بند کر دیتے۔

ماجھے گجر کا دھندہ یہاں خوب چل رہا تھا۔ آس پاس کے علاقوں کے ڈیلر وہیں سے مال لیتے تھے۔ صبح سے لے کر شام تک گوگا پہلوان اور ماجھے کے دو آدمی کاروبار چلاتے تھے۔ دن کے

aazzamm@yahoo.com

وقت چھوٹے موٹے گاہک ہی آتے تھے البتہ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد بڑی پارٹیوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی تھی۔ غروب آفتاب سے لے کر رات تقریباً بارہ بجے تک ماجھا گجر خود یہاں بیٹھتا تھا۔ ماجھے کے دو تین آدمی بھی اب مستقل طور پر یہیں رہ رہے تھے۔

اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ ماجھے گجر نے تھوڑا سا مال گوگا پہلوان اور اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا اور وہ خود آج کی ساری آمدنی کپڑے کے ایک میلے سے تھیلے میں سمیٹ کر یہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کا ایک آدمی فیقا گھبرایا ہوا احاطے میں داخل ہوا۔ فیقا کا اصل نام رفیق تھا۔ وہ میو ہسپتال کے چوک پر پان سگریٹ کے کھوکھے میں ہیروئن فروخت کرتا تھا۔

"غضب ہو گیا استاد!" وہ ماجھے کے سامنے پہنچتے ہی بولا۔

"کیا ہوا! راوی میں ہڑ آ گیا ہے کیا؟" ماجھے نے اسے گھورا۔

"ہڑ نہیں آ گیا استاد! شوکے کو شارق کے بندے اٹھا کر لے گئے ہیں۔" فیقے نے جواب دیا۔

"کیا بکتے ہو؟" ماجھا گجر چیخا۔ "شارق تو سنا ہے کراچی گیا ہوا ہے۔ اس کے بندے شوکے کو کیوں اٹھا کر لے گئے۔"

"شارق واپس آ گیا ہے استاد۔" فیقے نے کہا۔

"تم نے خود دیکھا ہے اسے؟" ماجھے نے پوچھا۔

"نہیں استاد۔" فیقے نے جواب دیا۔ "میں تو اپنے کھوکھے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ایک آدمی نے آ کر بتایا کہ شوکے کو شارق کے بندے ایک سفید کار میں لے گئے ہیں۔ وہ آدمی میرا گاہک ہے اور شوکے کو بھی جانتا ہے۔ وہ اتفاق سے اس وقت مولوی حمید کے ہوٹل میں چائے پی رہا تھا۔ ایک آدمی بہانے سے اسے کار تک لے گیا تھا اور پھر وہ زبردستی اسے کار میں بٹھا کر لے گئے۔"

"کار میں شارق بھی تھا؟" ماجھے گجر نے پوچھا۔

"اس نے شارق کو نہیں دیکھا تھا لیکن جو آدمی شوکے کو کار تک لے گیا تھا اس کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق وہ نولکھا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔" فیقہ نے کہا۔

"اوہ!" ماجھا گجر چونک گیا۔ "اوئے بھجے.... کوڈو.... میرے ساتھ چلو... فیقے تم بھی گاڑی میں بیٹھو۔"

وہ چاروں احاطے سے باہر آ گئے۔ ماجھے گجر نے گوگا پہلوان کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کا ایک آدمی بھی اکھاڑے میں رہ گیا تھا۔ اس کی گاڑی احاطے کے باہر کھڑی تھی۔ ماجھے نے کار کی ڈکی کھول کر نوٹوں سے بھرا ہوا تھیلا لاپرواہی سے اندر پھینک کر ڈکی بند کر دی اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ فیقا اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ کوڈو اور بھجا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ان سب کے پاس پستول موجود تھے۔ جو انہوں نے اپنی اپنی قمیض کے نیچے چھپا رکھے تھے۔

ماجھا گجر گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے گلیوں میں سے نکالتا ہوا سڑک پر لے آیا۔ اور پھر گوالمنڈی چوک تک پہنچنے میں اسے چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ چوک کی رونق اجڑ چکی تھی۔ مولوی حمید کی چائے کی دکان اور پان سگریٹ کا کھوکھا کھلا ہوا تھا لیکن گاہک صرف دو تین ہی تھے۔

ماجھے گجر نے گاڑی مولوی حمید کے ہوٹل کے سامنے سڑک کے دوسری طرف روک لی۔ مولوی حمید جا چکا تھا۔ دونوں ملازم لڑکے تھے۔ ایک لڑکا باہر سے میز کرسیاں اٹھا رہا تھا اور اندر جو لڑکا کھڑا تھا وہ بھی برتن وغیرہ سمیٹ کر صفائی کر رہا تھا۔ یہ مولوی حمید کا پرانا اور قابل اعتماد ملازم تھا۔

"وہ لڑکا جو دکان کے اندر کھڑا ہے نا اسے یہاں لے کر آؤ۔" ماجھے گجر نے فیقے سے کہا اور خود بھی دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

فیقا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور سڑک پار کر کے مولوی حمید کی دکان کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے لڑکے کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"اوئے اشرف! چل تجھے استاد بلا رہا ہے۔"

اشرف نے آواز سن کر فیقے کی طرف دیکھا۔ وہ فیقے کو جانتا تھا۔ اس نے سڑک کے دوسری طرف کار کے قریب کھڑے ہوئے ماجھے گجر کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوف کے سائے ابھر آئے۔

"مولوی حمید تو گھر چلا گیا ہے۔ فیقا استاد۔" اشرف نے کہا۔

"میں مولوی حمید سے نہیں تم سے بات کر رہا ہوں۔ استاد تمہیں بلا رہا ہے۔ جلدی سے چل' ایسا نہ ہو اسے غصہ آ جائے۔" فیقا نے کہا۔

اشرف نے کام چھوڑ دیا اور قمیض کے دامن سے ہاتھ پونچھتا ہوا دکان سے باہر آ گیا۔ وہ سڑک پار کر کے کار کے قریب پہنچا تو کار کی پچھلی سیٹ پر دو اور آدمیوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے۔

aazzamm@yahoo.com

"جی استاد جی؟" اس نے ماجھا گجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مولوی کہاں ہے؟" ماجھے گجر نے پوچھا۔

"وہ تو گھر چلا گیا ہے جی' آدھا گھنٹہ پہلے۔" اشرف نے جواب دیا۔

"شارق آیا تھا یہاں؟" ماجھے گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"جی نہیں' شارق باؤ تو کراچی گیا ہوا ہے۔" اشرف نے کہا۔

"نولکھا آیا تھا؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ جی۔ میں نے اسے بھی نہیں دیکھا۔" اشرف نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"ادھر دیکھ اوئے۔ میری طرف۔" ماجھا گجر نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر ایک جھٹکے سے چہرہ اپنی طرف گھمایا۔ "تو مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو ایک ہی جھٹکے میں گردن کا منکا توڑ دوں گا۔"

"میں تو نوکر آدمی ہوں استاد جی' آپ بڑوں کے جھگڑوں سے میرا کیا واسطہ۔ میں آپ لوگوں کے جھگڑوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" اشرف نے کہا۔

"میں جو پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔ نولکھا یہاں کس وقت آیا تھا اور اس کے ساتھ اور کون تھا؟ وہ لوگ کہاں گئے ہیں؟ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ یہاں سے میرے ایک بندے کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ سچ سچ بتا دو کہ وہ لوگ کہاں گئے ہیں ورنہ....."

"میں کچھ نہیں جانتا استاد جی۔" اشرف بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"فیقے؟" ماجھے گجر نے فیقے کی طرف دیکھا۔

ماجھا گجر کو مزید کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ فیقا دو قدم اٹھا کر اشرف کے قریب آ گیا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے اشرف پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ اشرف کے پیٹ' پہلوؤں اور پسلیوں پر گھونسے پڑ رہے تھے۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مگر کسی نے آگے بڑھ کر اسے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ اشرف چیختا ہوا نیچے گر گیا تھا۔ فیقا اس پر ٹھوکریں برساتا رہا۔

مولوی حمید کا دوسرا ملازم لڑکا یہ دیکھ کر چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اشرف سڑک پر لوٹ رہا تھا اور فیقا اس پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔ اشرف کے ہونٹوں' ناک اور کانوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے جسم کے دوسرے حصوں پر بھی گہری چوٹیں لگی تھیں اور وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ اور پھر تڑپتے ہوئے وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

"چلو' چھوڑو اسے' گاڑی میں بیٹھو۔" ماجھا گجر' فیقے کو کہتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اور پھر فیقے کے بیٹھتے ہی ماجھے گجر نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ گاڑی جیسے ہی وہاں سے دور گئی آس پاس کھڑے ہوئے لوگ سڑک پر پڑے ہوئے اشرف کی طرف دوڑے۔

ماجھا گجر اپنے آدمیوں کے ساتھ صبح چار بجے تک شہر کے مختلف علاقوں میں شارق کے آدمیوں کے اڈوں پر گھومتا رہا۔ اسے نہ تو کوئی آدمی ملا تھا اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا تھا کہ نولکھا شوکے کو کہاں لے کر گیا تھا۔

ماجھا گجر نے اپنے آدمیوں کو گوگا پہلوان کے اکھاڑے کے سامنے اتار دیا اور خود اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ کئی دن سے نہر والی کوٹھی نہیں گیا تھا۔ پچھلے چند روز سے مستقل طور پر گوگا پہلوان کے اکھاڑے پر رہ رہا تھا۔ آج کے لئے اس نے گاؤں جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا لیکن ساری رات ضائع ہو گئی تھی۔

وہ سہ پہر چار بجے تک گاؤں میں رہا۔ دن کا بیشتر حصہ سوتے ہوئے گزرا تھا۔ شہر واپس جانے سے پہلے اس نے نوٹوں سے بھرا ہوا تھیلا اپنی بیوی کے حوالے کر دیا تھا۔

"اس رقم کو سنبھال کر رکھنا۔ مجھے کل پرسوں اس کی ضرورت پڑے گی تو لے لوں گا تم سے۔"

وہ تقریباً چھ بجے کے لگ بھگ قلعہ گوجر سنگھ پہنچا تو ایک اور خبر اس کی منتظر تھی۔

"فیقے کو گوالمنڈی تھانے کی پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے استاد۔" کوڈو نے بتایا۔

"پولیس نے کسی نہ کسی کو تو پکڑنا ہی تھا۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اس لڑکے کا کیا ہوا؟ مر گیا یا بچ گیا؟"

"بچ گیا ہے استاد۔" اس مرتبہ پھجے نے جواب دیا۔ "ہمارے وہاں سے نکلنے کے بعد کچھ لوگوں نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔ اشرف کو پولیس نے ہسپتال پہنچا دیا مولوی حمید بھی پہنچ گیا تھا۔ اس نے تمہارے اور فیقے کے خلاف پولیس میں باقاعدہ رپورٹ لکھوا دی ہے۔ تین اور آدمیوں نے بھی بیان لکھوائے ہیں۔ ان تینوں آدمیوں نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ پہلے تم نے اشرف کو گلے سے پکڑا تھا پھر فیقے نے اسے مارا پیٹا۔ اشرف ہسپتال میں ہے۔ اس کی حالت تشویش ناک ہے۔ اگر وہ مر گیا تو سیدھا سیدھا قتل کا کیس بن جائے گا۔ گوالمنڈی تھانے کا ایک اے ایس آئی آج دوپہر کو بھی یہاں آیا تھا۔ اس نے تمہیں تھانے آنے کے لئے کہا تھا۔"

"شارق کے کسی آدمی کو تو آس پاس نہیں دیکھا؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں' کوئی مشتبہ آدمی نظر تو نہیں آیا۔" پھجے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' تم لوگ یہیں رہو۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔

aazzamm@yahoo.com

ذرا ہوشیار ہو کر رہنا۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"تھوڑا سا مال دے جاؤ استاد!" پھجے نے کہا۔

"نہیں۔" ماجھے گجر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "آج ذرا احتیاط کرو... کوڈو... تم میرے ساتھ آؤ۔"

ماجھا گجر کوڈو کو لے کر دوبارہ کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ گوگا پہلوان کے اکھاڑے سے نکل کر سیدھا سلطان سرائے پہنچا تھا۔ جہاں گلو کا اڈہ تھا۔

"مزنگ والے حوالدار سے ملے تھے؟ راجو کے بارے میں اس نے کچھ بتایا ہے یا نہیں۔ سنا ہے شارق واپس آ گیا ہے۔" ماجھے نے گلو سے پوچھا۔

"اس کی اطلاع مجھے آج صبح ہی مل گئی تھی استاد۔" گلو نے جواب دیا۔ "دو دن سے جو کچھ ہو رہا ہے مجھے اس کا علم ہے۔ نولکھا' شوکے کو اٹھا کر لے گیا تھا جس کا اب تک کچھ پتہ نہیں چل سکا پھر رات ہی کو تم نے مولوی حمید کے نوکر کی پٹائی کروا دی جس کے نتیجہ میں پولیس نے آج فیقے کو گرفتار کر لیا۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی استاد۔ بعض اوقات تو تم بالکل بچوں جیسی حرکتیں کرنے لگتے ہو۔"

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟" ماجھے گجر نے اسے گھورا۔

"مولوی حمید کے نوکر کی پٹائی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" گلو نے کہا۔ "وہ اس کی چائے کی دکان کا معمولی سا نوکر ہے۔ بیوہ ماں کا بیٹا ہے۔ وہی اپنی ماں اور تین بہن بھائیوں کا کفیل ہے۔ تم نے اسے بھی اسپتال میں ڈال دیا۔"

"تم اس لڑکے کو نہیں جانتے۔ وہ بھی اس گینگ کا ممبر ہے۔" ماجھے گجر نے کہا۔

"اس کا مولوی حمید کے دوسرے کسی کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ صرف چائے کی دکان کا ملازم ہے۔ میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مگر تم تو جوش انتقام میں اندھے ہو رہے ہو۔ شارق تمہارے ہاتھ نہیں آ رہا اور تم اس چکر میں کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو جن میں ناصر علی جیسے بے گناہ بھی شامل ہیں۔ شہر کے تمام اڈوں پر آج نولکھا کا یہ پیغام پہنچ چکا ہے کہ وہ اپنے بہنوئی ناصر کے قاتلوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اور میں نولکھا کو بھی جانتا ہوں۔ وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اور پھر تم ہو کہ غلطیوں پر غلطیاں کرتے چلے جا رہے ہو۔ تم شارق سے خوفزدہ ہو اور اسی خوف نے تمہیں بدحواس کر رکھا ہے۔ تم ہوش سے نہیں جوش سے کام لے رہے ہو۔"

"گلو!" ماجھا گجر نے اسے گھورا۔ "یہ آج تمہاری زبان سے کون بول رہا ہے؟"

"گلو ہی بول رہا ہے ماجھے استاد۔" گلو نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اب بھی وقت ہے۔ عقل سے کام لو... شارق جیسے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ راجو کے بارے میں جانتے ہو تم؟"

"وہی پوچھنے آیا ہوں۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "پولیس اس سے شارق کے بارے میں کچھ پوچھنے میں کامیاب ہوئی یا نہیں! اسے اس لئے پولیس کے حوالے کیا گیا تھا کہ پولیس اپنے ہتھکنڈے استعمال کر کے اس سے شارق کا پتہ معلوم کرے۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ شارق کل ہی راجو کو پولیس سے چھڑا کر لے گیا تھا۔" گلو نے کہا۔

"کیا بکتے ہو؟" ماجھا گجر چیخا۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ شارق جیسے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے۔" گلو نے کہا۔ "شارق کل مزنگ تھانے پہنچ گیا تھا۔ پتہ نہیں کہ اس نے تھانیدار پر کیا جادو کیا کہ جب وہ تھانے سے باہر نکلا تو راجو بھی اس کے ساتھ تھا اور یہ بھی سن لو کہ گاما بھی اس کے ساتھ تھا۔ اب یہ بات ذہن سے نکال دو کہ مزنگ کا تھانیدار گامے کے خلاف کوئی کارروائی کرے گا۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" ماجھا گجر دونوں ہاتھ ملنے لگا۔ "ہر کام الٹا ہو رہا ہے۔ اس شارق نے تو میرا جینا حرام کر رکھا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"پھر وہی جوش!" گلو نے کہا۔ "ویسے میری بات مانو تو شارق سے انتقام کا خیال ذہن سے نکال دو اور خاموشی سے اپنا دھندہ کرتے رہو۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" ماجھے گجر نے اسے گھورا۔ "آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ شارق نے تم سے....."

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" گلو نے اس کی بات کاٹ دی۔ "عرصہ سے میں نے شارق کو نہیں دیکھا۔ یہ سب کچھ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم شارق کا کبھی کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ شارق تم سے زیادہ ذہین ہے۔ وہ دماغ سے کام لیتا ہے۔ تمہاری طرح جوش میں آ کر اپنے ہوش نہیں کھو بیٹھتا۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟" ماجھا گجر کے لہجے میں شکست خوردگی تھی۔

"کچھ عرصہ خاموشی سے بیٹھے رہو۔ شارق جو کچھ بھی کرتا ہے کرنے دو۔ میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر اسے چھیڑا نہ جائے تو وہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے

aazzamm@yahoo.com

گا۔ اور پھر جب موقع ملے تو وار کر دو۔ مگر وار ایسا کاری ہونا چاہئے کہ وہ بچ نہ سکے۔"

"یہ تو بعد کی بات ہے۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "اس وقت جو اہم مسئلہ ہے وہ یہ کہ نولکھا اپنے بہنوئی ناصر علی کے قتل کا انتقام لینے کے لئے پاگل ہو رہا ہے۔ اس نے زیر زمین دنیا میں یہ پیغام پھیلا دیا ہے کہ جو لوگ اس کے بہنوئی کے قتل میں شریک تھے وہ انہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اور ظاہر ہے شارق بھی اس کے ساتھ ہے۔ کل رات وہ شوکے کو بھی اٹھا کر لے گئے تھے جس کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے۔"

"صورت حال واقعی بہت گمبھیر ہو گئی ہے استاد۔" گلو نے کہا۔ "ویسے میرا مشورہ مانو تو چند روز کے لئے کہیں باہر چلے جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ چند روز میں ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس کے بعد تم شارق سے راضی نامہ کرنے کی کوشش کرو..... علاقے بانٹ کر کام کر لو۔"

"میں شارق سے راضی نامہ کر لوں؟" ماجھا گجر نے اسے گھورا۔

"ہاں ماجھے استاد۔" گلو نے کہا۔ "سیانوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں کیا جا سکتا۔"

"مگرمچھ!" ماجھے گجر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں.... شارق مگرمچھ بن چکا ہے۔" گلو نے کہا۔ "ایک ایسا مگرمچھ جس سے دشمنی مول لے کر زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ شارق کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کراچی کیوں گیا تھا؟"

"میں نے تو یہی سنا تھا کہ وہ ثمینہ کے ساتھ عیاشی کرنے گیا تھا۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

"تم بھی نرے گجر ہی ہو۔" گلو نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "عیاشی وہ یہاں بھی کر سکتا تھا۔ کراچی جانے کی وجہ کچھ اور تھی۔"

"اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" ماجھے گجر نے اسے گھورا۔

"اگر دماغ سے کام لیتے تو شارق کے بارے میں ہر بات تمہارے علم میں ہوتی۔" گلو نے کہا۔ "تمہارے آدمی بھی بس ایسے ہی ہیں جو کوئی ڈھنگ کا مشورہ دینے کے بجائے تمہیں شارق کے خلاف انتقامی کارروائیوں پر اکساتے رہتے ہیں۔ وہ صرف کھانے پینے کے لئے تمہارے گرد جمع ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ لڑائی بھڑائی سے نہیں ڈرتے لیکن دماغ ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ تمہیں مشکلوں میں پھنسانے والے وہی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک دو بھی تمہیں صحیح مشورہ دینے والے ہوتے تو آج تم اور شارق آرام سے اپنے اپنے اڈوں پر بیٹھے کاروبار کر رہے ہوتے۔ تم دونوں کے جھگڑوں سے سب سے زیادہ فائدہ پولیس ہی کو پہنچ رہا ہے۔ ادھر سے تم

پولیس کو کھلا رہے ہو ادھر سے وہ کھلا رہا ہے۔ پولیس کو ایک دوسرے کے خلاف اکسا کر تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔"

"بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو گلو بادشاہ۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ سارے زمانے کی عقل تمہاری ہی کھوپڑی میں جمع ہو گئی ہے۔ اب تم ہی مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"وہی جو میں نے پہلے کہا تھا۔" گلو نے کہا۔ "چند روز کے لئے باہر چلے جاؤ یا خاموشی سے بیٹھے رہو۔"

"اور اگر شارق نے کچھ کیا تو....؟" ماجھا گجر بولا۔

"تو پھر دیکھا جائے گا۔"

"تم نے بتایا نہیں کہ شارق کراچی کیوں گیا تھا۔" گجر نے پوچھا۔

"تمہیں بتاؤں گا تو تم اچھل پڑو گے۔" گلو نے کہا۔ اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "وہ حاجی عبداللہ کا مال لے کر گیا تھا۔ صرف کراچی نہیں۔ اس سے بھی آگے۔"

"حاجی عبداللہ کا مال۔" ماجھا گجر واقعی اچھل پڑا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا؟ حاجی عبداللہ کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ عقل سے بھی کچھ کام لو۔" گلو نے جواب دیا۔ "حاجی عبداللہ وہ شخص ہے جو ملک بھر میں منشیات کا دھندہ کرنے والوں کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون کتنا دھندہ کرتا ہے اور اس کے ذرائع کیا ہیں۔ اسے ایک قابل اعتماد آدمی کی ضرورت تھی۔ اس نے شارق کا انتخاب کر لیا اور شارق اس کے اعتماد پر بالکل پورا اترا ہے۔ آج صبح ہی حاجی کے ایک آدمی نے مجھے یہ سب کچھ بتایا تھا۔ اسی لئے تو میں بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اب شارق سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔ اس کی پشت پر حاجی عبداللہ جیسا آدمی ہے۔"

"یہ تو تم نے بڑی عجیب بات بتائی۔" ماجھا گجر بولا۔

"ابھی اور بہت سی باتیں سنو گے۔" گلو نے کہا۔ "اب گوالمنڈی تھانے جا کر فیقا کو پولیس سے چھڑاؤ اور چند روز کے لئے آرام سے بیٹھے رہو۔"

ماجھا گجر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔ جب وہ گلو کے اڈے سے رخصت ہوا تو شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کوڈو اس کے ساتھ تھا۔ وہاں سے وہ سیدھا گوالمنڈی تھانے پہنچا۔ ایک گھنٹہ اسے تھانیدار کے انتظار میں بیٹھنا پڑا تھا۔ تھانیدار بڑی مشکل سے فیقے کو چھوڑنے پر آمادہ ہوا تھا لیکن اس نے یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اگر ہسپتال میں

aazzamm@yahoo.com

اشرف کا انتقال ہو گیا تو وہ نہ صرف فیقے کو بلکہ اسے بھی قتل کے الزام میں گرفتار کر لے گا۔ تھانیدار کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کے علاوہ ماجھے گجر نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ کم سے کم دس ہزار روپے کل شام سے پہلے پہلے اشرف کی ماں کو بھجوا دے گا۔

فیقے کی اچھی خاصی دھنائی کی گئی تھی۔ ماجھا گجر نے فیقے کو اس کے گھر پر چھوڑا اور جب وہ گوگا پہلوان کے اکھاڑے پہنچا تو رات کے دس بج رہے تھے۔

"اوئے بچے!" اس نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر بچے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھوک لگ رہی ہے یار..... لکشمی چوک سے چرغے لے کر آؤ۔ ذرا جلدی آ جانا.... ایسا نہ ہو آدھی رات کر دو۔"

"بس یوں گیا اور یوں آیا استاد جی۔" پھجے نے کہا اور باہر چلا گیا۔

ماجھا اور گوگا پہلوان وغیرہ کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ان کے اکا دکا گاہک آ رہے تھے جنہیں واپس لوٹایا جا رہا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب پھجا چرغے وغیرہ لے آیا۔ ان سب نے اکٹھے ہی کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ تقریباً ایک بجے کے لگ بھگ ماجھا گجر سونے کے لئے بستر پر لیٹ گیا۔

ماجھا گجر بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ دفعتاً اسے یوں لگا جیسے کوئی اسے کندھے سے پکڑ کے جھنجھوڑ رہا ہو۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

"استاد! اٹھو جلدی کرو۔ دشمنوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔" پھجے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

ماجھا گجر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نیند کافور ہو گئی تھی لیکن دماغ کی سنسناہٹ بڑھ گئی تھی۔ اس نے پستول اٹھانے کے لئے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ دھڑ سے دروازہ کھلا اور جو شخص دروازے میں نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر گجر کے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ شارق تھا۔ جس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ ماجھا گجر کے سینے کی طرف تھا۔

○

نولکھا صبح نو بجے سے پہلے ہی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی پہنچ گیا تھا۔ وہ سب لوگ ابھی تک سو رہے تھے۔ راجو اور گاما تو ہال کمرے میں قالین پر آڑھے ترچھے پڑے تھے۔ ثمینہ اور شارق اوپر والے کمروں میں تھے۔ لیکن بہرحال کچھ دیر بعد وہ چاروں اٹھ گئے۔

"کچھ کھانے پینے کا بندوبست بھی ہے یا نہیں؟ میں نے تو ابھی چائے بھی نہیں پی۔" نولکھا نے کچن کا کام کرنی والی ملازمہ شاداں کو بلا کر کہا۔

"یہ لوگ تیار ہو جائیں جی۔ میں ابھی ناشتہ بناتی ہوں۔" شاداں نے جواب دیا۔

"یہ لوگ تیار ہوتے رہیں گے پہلے مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔ آنتیں سلگ رہی ہیں۔" نولکھا بولا۔

"ابھی لاتی ہوں جی۔" شاداں کچن کی طرف چلی گئی۔

راجو اور گاما ابھی تک قالین پر پڑے اینٹھ رہے تھے۔ نولکھا نے انہیں زبردستی اٹھا دیا۔

"جاؤ یار..... منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو جاؤ۔ اس طرح دن چڑھے تک سونا اچھا نہیں ہوتا۔"

تقریباً دس منٹ بعد شاداں' نولکھا کے لئے چائے لے کر آ گئی۔ ثمینہ اور شارق اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ نولکھا ہال کمرے ہی میں ایک صوفے پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سب لوگ ڈائننگ روم میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

"تمہارے مہمان کا کیا حال ہے؟" شارق نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔" نولکھا نے ڈبل روٹی کا مکھن لگا ایک سلائس اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"واہ نولکھے واہ!" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "اب تو تم بہت انگریزی بولنے لگے ہو۔"

"تم دونوں کے ساتھ رہنے کا یہ فائدہ تو ہوا کہ بولنے کا کچھ سلیقہ آ گیا ہے۔" نولکھا نے کہتے ہوئے باری باری ثمینہ اور شارق کی طرف دیکھا۔ "اور بھی بہت کچھ سیکھا ہے اور سیکھ رہا ہوں۔"

"یار نولکھے؟" گامے نے کہا۔ "ہمیں بھی کسی اسکول میں داخل کرا دو۔"

"تم جیسے بڈھے طوطے اب کیا پڑھیں گے۔" نولکھے نے کہا۔ "تم مجھ سے پہلے شارق باؤ کے پاس موجود ہو۔ اگر چاہتے تو بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ لیکن تم تو ہو ہی جاہل.... کورے ان پڑھ۔"

"مجھے ان پڑھ اور جاہل مت کہو نولکھے۔" گامے نے اسے گھورا۔ "پوری چھ جماعتیں پڑھا ہوا ہوں۔ حساب کتاب کر لیتا ہوں اور دستخط بھی کر سکتا ہوں۔"

"اچھا ایسا کرو۔" نولکھا نے گامے اور راجو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ناشتہ کر کے تم دونوں مزنگ چلے جاؤ.... دو تین مزدوروں کو وہاں سے پکڑ لینا۔ آج احاطے کی صفائی کروا ڈالو.... وہاں چاروں طرف راکھ اور جلا ہوا ملبہ بکھرا ہو گا۔ صفائی کروا لو تو ایک دو دن بعد اپنے پرانے اڈے پر بیٹھنا شروع کر دیں۔ کیوں شارق باؤ۔ کیا خیال ہے؟"

aazzamm@yahoo.com

"میرا خیال ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔" شارق نے کہا۔ "ہم مزنگ والے اڈے پر کام شروع کریں گے تو ماجھا گجر بھی سامنے آئے گا۔"

"اس کا پتہ میں نے چلا لیا ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "ایک دو دن صبر کرو۔ پھر دیکھنا میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔"

دوران ناشتہ وہ ماجھا گجر کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر جب گاما اور راجو جانے کے لئے تیار ہوئے تو شارق نے ایک کاغذ پر اس کوٹھی کا ٹیلی فون نمبر لکھ کر گاما کے حوالے کر دیا۔

"یہ نمبر اپنے پاس رکھ لو.... کوئی بہت ہی خاص بات ہو تو فون کر دینا۔ آج ڈیرے کی صفائی کرواؤ تو کل تھوڑا سا سامان بھی وہاں پہنچا دیں گے۔ تم دونوں اب مستقل طور پر وہیں رہو گے۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" گامے نے کاغذ کا وہ پرزہ لے کر احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

"ان دونوں کے جانے کے بعد یہ تینوں اوپر والے کمرے میں آ گئے اور اس مرتبہ ان کی گفتگو کا موضوع حاجی عبداللہ تھا۔

"مزہ نہیں آیا شارق باؤ۔" نولکھا کہہ رہا تھا۔ "حاجی سے معاملہ طے کر لو۔ اتنے خطرناک کام کا معاوضہ تو اس نے کچھ بھی نہیں دیا۔ ویسے میرا ایک مشورہ ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حاجی نے یہ کوٹھی اور گاڑی تمہیں دی ہے نا۔" نولکھا بولا۔ "لیکن تم اس وقت تک ان کے مالک نہیں کہلا سکتے جب تک یہ تمہارے نام نہ ہو جائیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آج ہی حاجی سے ملو اور کہو کہ یہ گاڑی اور کوٹھی تمہارے نام لگا دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ حاجی کی نیت واقعی صاف ہے۔"

"نولکھا ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "حاجی عبداللہ نے تو واقعی ٹرخانے والی بات کی ہے۔ رحمٰن نے کہا تھا کہ چند ماہ میں تم اس کوٹھی کے مالک بن سکتے ہو۔ چند مہینے کیوں؟ تم آج ہی حاجی سے بات کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں آج ہی حاجی سے ملاقات کی کوشش کرتا ہوں۔"

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ گامے اور راجو کو گئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شاداں کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

"کیا بات ہے شاداں؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گامے کا ٹیلی فون آیا ہے جی شارق باؤ کے لئے۔" شاداں نے کہا۔

"اوہ!" شارق ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ "یقیناً کوئی خاص بات ہو گی جو اس نے جاتے ہی فون کیا ہے۔ تم لوگ بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

شارق نیچے آ گیا۔ ٹیلی فون ہال کمرے میں کونے میں صوفے کے قریب ایک سائیڈ ٹیبل پر تھا۔ اس کا ریسیور الگ رکھا ہوا تھا۔ شارق نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں گامے! کیا بات ہے' خیریت؟" اس نے پوچھا۔

"خیریت ہی نہیں ہے شارق باؤ۔" ریسیور پر گامے کی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"یہاں آتے ہی مجھے ایک آدمی سے پتہ چلا ہے کہ رات ساڑھے بارہ بجے ماجھا گجر اور اس کے آدمیوں نے مولوی حمید کے ملازم لڑکے اشرف کو مار مار کر ادھ موا کر دیا ہے۔ وہ میو ہسپتال میں ہے۔"

"اوہ! اشرف سے ان کا ٹاکرا کہاں ہو گیا؟" شارق بولا۔

"اشرف ہوٹل بند کر رہا تھا۔ مولوی حمید اس وقت گھر جا چکا تھا۔ ماجھا گجر اور اس کے آدمی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اشرف کو مار مار کر ادھ موا کر دیا اور سڑک پر پھینک کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لوگوں نے پولیس کو اطلاع دی اور اشرف کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ سنا ہے اسے فیقا نے مارا ہے۔"

"فیقا وہی تو نہیں جس کا میو ہسپتال کے سامنے پان کا کھوکھا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں وہی فیقا۔" گامے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ میں اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔" شارق نے کہتے ہوئے ٹیلی فون بند کر دیا اور اوپر آ گیا۔

"کیا ہوا شارق باؤ۔ خیر تو ہے؟ اس نے جاتے ہی ٹیلی فون کیوں کھڑکھڑا دیا؟" نولکھا نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"ماجھا گجر نے مولوی حمید کے ہوٹل کے ملازم لڑکے اشرف کو مار مار کر ادھ موا کر دیا ہے۔ وہ ہسپتال میں ہے۔" شارق نے کہا۔

"اوہ! یہ کب کی بات ہے؟" نولکھا چونک گیا۔

"رات ساڑھے بارہ بجے۔" شارق نے کہا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں مولوی حمید کی طرف جا رہا ہوں' وہاں سے اشرف کو دیکھنے میو ہسپتال جاؤں گا۔"

"چلو' میں بھی چلتا ہوں۔" نولکھا بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ غصے اور جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ

aazzamm@yahoo.com

سرخ ہو رہا تھا۔ "ماجھا گجر تو واقعی بے غیرت نکلا۔ اس معصوم لڑکے نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ میری ایک بات مان لو شارق باؤ.... اب وقت آ گیا ہے کہ ماجھا گجر کا حساب کتاب برابر کر دیا جائے۔ یہ کچھ زیادہ ہی پھیلتا جا رہا ہے۔"

"کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" شارق نے کہا پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہو سکتا ہے میں شام تک واپس نہ آؤں۔ تم گھر پر ہی رہو گی۔"

"ظاہر ہے' مجھے اور کہاں جانا ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"چلو نوکھے۔" شارق دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

کچھ ہی دیر بعد سفید ٹویوٹا تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ شارق کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے آج گھر جانے کا پروگرام بنایا تھا لیکن اب یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ وہ آج پھر گھر نہیں جا سکے گا۔

گوا منڈی کے چوک پر اس نے مولوی حمید کے ہوٹل کے سامنے گاڑی روک لی۔ اس وقت دکان میں یا اس کے سامنے فٹ پاتھ پر بنچوں پر زیادہ گاہک نہیں تھے۔ دن کے وقت زیادہ تر باہر دکانوں پر چائے جاتی تھی۔ البتہ شام کو ہوٹل کے سامنے رونق ہوتی تھی۔

مولوی حمید دکان پر ہی تھا اور وہ کپوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ سامنے گاڑی رکنے کی آواز سن کر اس نے اس طرف دیکھا۔ گردن ہلا کر شارق کو اشارہ کیا۔ کپوں میں چائے انڈیل کر اس نے لڑکے کو کاؤنٹر پر کھڑا کیا اور دکان سے نکل کر کار کے قریب آ گیا۔

"کیا قصہ ہے مولوی! اشرف کیسا ہے اب؟" شارق نے پوچھا۔

"اشرف کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔ ظالموں نے اسے بہت بری طرح پیٹا ہے۔ ایک کان کا پردہ پھٹ گیا ہے۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور اندرونی چوٹیں بہت آئی ہیں بچ تو گیا ہے لیکن ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اسے ٹھیک ہونے میں کئی دن لگیں گے۔" مولوی حمید نے کہا۔

"ماجھے کے ساتھ اور کون کون تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"مجھے رات ڈیڑھ بجے باؤ عبدالکریم نے گھر آ کر بتایا تھا۔ وہ ساتھ والی گلی میں رہتا ہے۔" مولوی حمید نے کہا۔ "اس نے بتایا تھا کہ وہ شور اور چیخوں کی آواز سن کر گھر سے باہر آیا تھا۔ اس وقت ماجھا گجر کار کے پاس کھڑا تھا اور فیتا لاتوں اور گھونسوں سے اشرف کو مار رہا تھا۔ کار میں پچھلی سیٹ پر دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے لیکن باؤ کریم انہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم دیکھ لیں گے۔" نوکھا نے کہا۔ "ان سوروں کا تو میں وہ حشر کروں گا کہ لوگ عرصہ تک یاد کرتے رہیں گے۔"

"مولوی! گاڑی میں بیٹھو۔" شارق نے اشارہ کیا۔

"میں لڑکے کو ذرا کام سمجھا دوں۔ ابھی آتا ہوں۔" مولوی حمید کہتے ہوئے دوبارہ دکان میں چلا گیا اور لڑکے کو سمجھانے لگا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ چند منٹ بعد وہ واپس آ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ "کہاں چلنا ہے؟"

"ہسپتال۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

"مجھے فیقے کے کھوکھے کے سامنے اتار دینا شارق باؤ۔ اسے بھی ہسپتال میں اشرف کے سامنے والے بستر پر لٹاؤں گا۔" نوکھا نے کہا۔

گاڑی مختلف گلیوں سے نکل کر میو ہسپتال کی طرف آ گئی۔ فیقے کا کھوکھا بند تھا۔ شارق گاڑی کو ہسپتال کے گیٹ میں لیتا چلا گیا۔ اور پھر ایک جگہ اس نے گاڑی روک لی۔ وہ تینوں نیچے اتر آئے۔ مولوی حمید آگے آگے تھا اور وہ دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔

مولوی حمید ایک راہداری میں فرش پر بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت کے پاس رک گیا۔ رو رو کر اس عورت کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

"یہ اشرف کی ماں ہے شارق باؤ۔" مولوی حمید نے کہا۔ "رات سے یہاں بیٹھی ہے رو رو کر برا حال کر لیا ہے اس نے اپنا۔"

اشرف کی ماں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ مولوی حمید کو دیکھ کر وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

"حوصلہ کریں ماں جی۔ اشرف ٹھیک ہو جائے گا۔" شارق نے اسے تسلی دی۔

ہمدردی کے دو لفظ سن کر بڑی بی کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ تینوں اسے تسلی دیتے رہے۔ پھر وارڈ کی طرف بڑھ گئے۔ انہیں وارڈ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی لیکن شارق وارڈ کے انچارج ڈاکٹر سے ملنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ دیر تک ڈاکٹر سے اشرف کے بارے میں بات کرتا رہا اور پھر شارق نے کوشش کر کے پرائیویٹ روم کا بندوبست کر لیا اور اشرف کو وارڈ سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ اشرف کی ماں بھی کمرے میں آ گئی۔ وہ بیٹے کی حالت دیکھ دیکھ کر رو رہی تھی۔

"تسلی رکھیں ماں جی! یہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔" شارق نے ایک بار پھر اشرف کی ماں کو تسلی دی۔

اس دوران انکشاف ہوا کہ اشرف کی ماں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا پیا تھا۔ نوکھا باہر جا کر ہوٹل سے کھانا اور چائے لے آیا۔ شارق نے قریب بیٹھ کر اشرف کی ماں کو کھانا کھلایا۔ چائے پلائی اور ایک بار پھر تسلی دینے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئے۔ وہاں سے وہ سیدھے گوالمنڈی تھانے پہنچے۔ خوش قسمتی سے اس وقت تھانیدار موجود تھا۔ وہ مولوی حمید کو بھی جانتا تھا اور شارق بھی اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔

"میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ وہ لوگ پکڑے گئے یا نہیں؟" شارق نے تھانیدار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تلاش جاری ہے۔ دو تین جگہوں پر چھاپے مارے جا چکے ہیں۔ لیکن ان کا پتہ نہیں چلا۔ بچ کر جائیں گے کہاں۔" تھانیدار نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولا۔ "ویسے مجھے اطلاع ملی ہے کہ فیتا قلعہ گوجر سنگھ میں کسی جگہ روپوش ہے۔ میرے آدمی تلاش کر رہے ہیں جیسے ہی پتہ چلا اسے پکڑ لیا جائے گا۔"

"قلعہ گوجر سنگھ۔" نولکھا کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ذرا گوگا پہلوان کے اکھاڑے پر چھاپہ مار کر تو دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ فیتا تمہیں وہاں مل جائے گا۔ اگر وہ قلعہ گجر سنگھ کے علاقے میں روپوش ہے تو گوگا کے اکھاڑے کے علاوہ کہیں اور نہیں ہو سکتا۔"

"دیکھ لیتے ہیں۔" تھانیدار نے سر ہلایا۔

وہ لوگ کچھ دیر اور تھانے میں بیٹھے رہے۔ پھر شارق نے مولوی حمید کو اس کے ہوٹل کے سامنے اتار دیا۔

"ایک بات کا خیال رکھنا مولوی۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اشرف کے علاج کے سلسلے میں خرچ کی پرواہ مت کرنا اور اس کے گھر والوں کو بھی خرچ کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔"

"مجھے خود اس بات کا احساس ہے شارق باؤ۔" مولوی حمید نے کہا۔ "تم فکر مت کرو۔ نہ تو اشرف کے علاج میں کوئی کسر چھوڑی جائے گی۔ اور نہ ہی اس کے گھر والوں کو خرچ کی تکلیف ہو گی۔"

"میں شام کو چکر لگاؤں گا۔" شارق نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ دونوں دوپہر تک مختلف جگہوں کے چکر لگاتے رہے۔ دوپہر کا کھانا بھی انہوں نے ایک ہوٹل ہی میں کھایا تھا۔ دراصل شارق مختلف اڈوں پر گھوم پھر کر کاروبار کی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے اندازہ ہوا کہ ماجھا گجر کے قدم ہر جگہ سے اکھڑ رہے تھے۔ اس کے اپنے ایجنٹ اس سے ناراض تھے۔ اس کی وجہ اس کا اپنا نامناسب رویہ تھا۔ اس کی گرم دماغی کی وجہ سے اس کا

اپنا ہی نقصان ہو رہا تھا۔

تین بجے کے قریب وہ کوٹھی واپس پہنچ گئے۔ ثمینہ اس وقت اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ شارق نے اس کے کمرے کا رخ ہی نہیں کیا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

پانچ بجے اسے ثمینہ نے جگایا تھا۔ شارق نے بستر پر لیٹنے سے پہلے جوتے تک نہیں اتارے تھے۔ آنکھیں کھلنے کے بعد بھی وہ کچھ دیر تک بستر پر لیٹا رہا پھر اٹھ کر جوتے اتارے اور باتھ روم میں گھس گیا۔

چھ بجے وہ تینوں ہال کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"چائے پینے کے بعد ہم ذرا ہسپتال جائیں گے۔ تم بھی چلنا چاہو تو..." شارق کہتے ہوئے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں چلوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "صبح سے گھر میں بیٹھی بور ہو رہی ہوں۔ تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی۔ ویسے میں گھر جانا چاہتی تھی۔ رضیہ اور اماں سے ملنے کے لئے۔"

"آج کے لئے پروگرام تو میرا بھی تھا۔" شارق نے کہا۔ "لیکن یہ الجھن آن پڑی ہے۔ کل صبح چلیں گے۔"

چائے پینے کے بعد ثمینہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ لباس تبدیل کر کے باہر آ گئی۔ اس نے آدھی آستین والی سفید ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور جینز پہنی تھی۔ شارق نے پہلی مرتبہ پینٹ شرٹ اس کا حلیہ تبدیل کرنے کے لئے پہنائی تھی لیکن ثمینہ کو یہ لباس پسند آیا تھا اور وہ اکثر پینٹ پہننے لگی تھی۔

"تم تو ماڈرن ہوتی جا رہی ہو!" شارق نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اب تو یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

سات بجے کے لگ بھگ وہ لوگ میو ہسپتال پہنچے تھے۔ اتفاق سے اس وقت مولوی حمید بھی موجود تھا اور اشرف کی بہنیں اور کچھ اور رشتے دار بھی آئے ہوئے تھے۔ اشرف اس وقت ہوش میں تھا لیکن اس کے چہرے پر بے پناہ کرب تھا اور وہ بار بار کراہ رہا تھا۔

یہ لوگ زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ ہسپتال سے نکل کر وہ سیدھے مزنگ پہنچے۔ گاما اور راجو کام کر رہے تھے۔ انہوں نے چار آدمی اور بھی ساتھ لگا رکھے تھے۔ احاطے کی مکمل صفائی کے لئے کم از کم ایک ہفتے کی ضرورت تھی۔ ہر طرف جلے ہوئے تانگے، لکڑیاں اور دیگر سامان بکھرا ہوا تھا۔ ثمینہ اور شارق پورے احاطے میں گھوم پھر کر جائزہ لینے لگے۔ تمام کمروں کے دروازے اور

aazzamm@yahoo.com

کھڑکیاں وغیرہ جل چکی تھیں۔ لیکن نہایت حیرت کی بات یہ تھی کہ مزار والے حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

وہ لوگ تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں رہے۔ گاما اور راجو کے بھی ہاتھ پیر کالے ہو رہے تھے۔ منہ پر بھی کالک لگی ہوئی تھی۔

"تم لوگ یہاں رہ تو نہیں سکتے۔" شارق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم لوگ بھی ہمارے ساتھ ہی چلو۔ صبح آ کر پانچ چھ آدمیوں کو کام پر لگا دینا۔ میرا خیال ہے چار پانچ دن لگیں گے۔ یہ کمرے بھی ٹھیک کروانے ہوں گے۔ صبح کسی کارپینٹر کو بلوا کر اسے دروازے اور کھڑکیاں بنانے کو کہہ دینا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ "تم لوگ تھوڑا سا انتظار کر لو۔ ہم اپنے یہ حلیے تو درست کر لیں۔"

گاما نے مزدوروں کو پیسے دے کر رخصت کر دیا اور انہیں صبح پھر آنے کے لئے بھی کہہ دیا۔ وہ دونوں پانی والے حوض پر چلے گئے۔ اور منہ ہاتھ دھونے لگے۔

وہ لوگ احاطے سے نکل کر کار میں بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ دائیں طرف سے گلی کے موڑ پر کھڑی ہوئی ایک موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوئی اور تیز رفتاری سے ان کی طرف آنے لگی۔ موٹر سائیکل پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اس وقت اپنی کار کی ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول رہا تھا۔ موٹر سائیکل چند گز دور تھی۔ پیچھے سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے ہاتھ باہر کو نکالا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ شارق کو گولی کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت جب اس نے ٹرائیگر دبایا موٹر سائیکل کا اگلا پہیہ کسی پتھر پر پڑا۔ فائر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی موٹر سائیکل اچھلی۔ گولی شارق کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔

وہ سب اچھل پڑے تھے۔ موٹر سائیکل بھی اس کے ڈرائیور سے بے قابو ہو گئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل کو سنبھالنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ موٹر سائیکل کا ہینڈل مڑ گیا۔ ڈرائیور قلابازی کھا کر دور جا گرا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی بری طرح چیخا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ موٹر سائیکل کے نیچے دب گئی تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اس گلی میں زیادہ تر ورکشاپ تھے۔ بیشتر ورکشاپ ابھی کھلے ہوئے تھے۔ فائر کی آواز سن کر سب ہی لوگ چونک گئے تھے۔ اور جب دونوں موٹر سائیکل سوار گرے تو دو لڑکے انہیں اٹھانے کے لئے ان کی طرف لپکے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ گولی انہی میں سے ایک نے چلائی تھی۔ وہ غالباً یہی سمجھے تھے کہ ان میں سے کسی کو گولی لگی تھی۔

شارق اور نولکھا وغیرہ ایک لمحہ کو سناٹے میں آ گئے۔ لیکن نولکھا اور گاما نے فوراً ہی اپنے حواس بھی سنبھال لئے تھے۔ وہ دونوں موٹر سائیکل کی طرف دوڑے۔ ڈرائیور نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن نولکھا نے چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لئے ہوئے سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ گاما نے دوسرے آدمی کو چھاپ لیا۔ اس کی ٹانگ موٹر سائیکل کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ گاما نے اس آدمی پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

گلی میں کچھ لوگ ان کی طرف دوڑے۔ وہ صورت حال کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ اکثر لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ موٹر سائیکل والوں پر گولی چلائی گئی تھی اور گولی چلانے والے وہ لوگ تھے جو اب ان پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ لیکن پھر گاما اور نولکھا کو پہچانتے ہی لوگ پیچھے ہٹ گئے۔

گاما نے موٹر سائیکل کو اٹھا کر دوسری طرف پٹخ دیا۔ اس شخص کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ گاما نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر اس کی دھنائی شروع کر دی۔ نولکھا بھی اپنے شکار کے بخیے ادھیڑ رہا تھا۔

ثمینہ خوفزدہ سی ایک طرف کھڑی تھی۔ شارق آگے بڑھ گیا۔ اس نے سڑک پر پڑا ہوا پستول نالی کی طرف سے اٹھا لیا۔ اور پھر نولکھا اور گاما ان دونوں آدمیوں کو پیٹتے ہوئے احاطے میں لے آئے۔

"اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" شارق نے اس شخص کو گھورتے ہوئے کہا۔ جس نے گولی چلائی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم بچ گئے۔" وہ شخص بولا۔ "لیکن کب تک بچتے رہو گے۔"

"تم نے گولی کس کے کہنے پر چلائی تھی؟" شارق نے پوچھا۔

"ماجھا گجر کے علاوہ اور کون ایسی ہمت کر سکتا ہے کہ تمہیں قتل کرنے کا حکم دے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "ہم بہت دنوں سے تمہاری تلاش میں تھے۔ آج گامے اور راجو کو یہاں دیکھا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ تم بھی یہاں ضرور آؤ گے۔ ہم دوپہر سے یہاں تمہارے انتظار میں تھے۔ لیکن تمہاری قسمت اچھی تھی۔ بچ گئے۔"

اس دوران تین چار پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ شاید کسی نے تھانے میں فائرنگ کی اطلاع کر دی تھی۔ اس پولیس پارٹی کا انچارج ایک نوجوان اے ایس آئی تھا جو شارق کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"مشتاق صاحب۔" شارق نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "ان میں سے کسی ایک نے مجھے قتل کرنے کے لئے گولی چلائی تھی۔ لیکن قسمت اچھی تھی بچ گیا۔ یہ ہے وہ پستول۔ انہیں تم

aazzamm@yahoo.com

لے جاؤ اور جو چارج لگانا چاہو لگا سکتے ہو لیکن میرا نام نہیں آنا چاہئے۔ اور کم از کم آج کی رات ان کے پکڑے جانے کی اطلاع تھانے سے باہر نہیں جانی چاہئے۔"

"یہ کون ہیں؟" اے ایس آئی مشتاق نے پوچھا۔

"ماجھا گجر کے آدمی ہیں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن ٹھہرو' اس طرح کچھ الجھن پیدا ہو جائے گی۔ راجو کو ساتھ لے جاؤ اور اس کی طرف سے رپورٹ درج کر لو۔"

"سمجھ گیا شارق صاحب۔" اے ایس آئی مشتاق نے کہا اور اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔

پولیس والے ان دونوں کو تھپڑ اور گھونسے مارتے ہوئے تھانے کی طرف لے گئے۔ راجو بھی ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ شارق نے راجو کو سمجھا دیا تھا کہ تھانے سے فارغ ہو کر وہ کوٹھی آ جائے۔

شارق' ثمینہ' نولکھا اور گاما کے ساتھ اپنی کوٹھی واپس آ گیا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ راجو بھی پہنچ گیا۔

"تھانیدار نے ان دونوں کو بند کر دیا ہے اور ان کے خلاف پکا پرچہ بھی کاٹ دیا ہے۔" راجو نے بتایا۔

"کیا چارج لگایا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"قاتلانہ حملہ.... اقدام قتل.... ارادہ قتل اور پتہ نہیں کیا کچھ لکھا ہے اس رپورٹ میں۔" راجو نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہتے ہوئے نولکھا کی طرف دیکھا۔ "اب کیا پروگرام ہے نولکھے؟"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اب ماجھے گجر کا حساب کتاب کر دینا چاہئے۔ ڈھیل دینے کا ہی یہ نتیجہ نکلا ہے۔" نولکھا نے کہا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اب تو ہمیں یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"ضروری تو نہیں کہ وہ آج رات کو بھی وہیں ہو۔" شارق نے کہا۔

"پتہ کر لیں گے۔" نولکھا نے کہا۔ "پھر گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرے ویر گامے! یہ کام تو نے ہی کرنا ہے۔ جا کر پتہ کر گاما' گوگا پہلوان کے اڈے پر ہے کہ نہیں۔ خود آگے مت جانا۔ ورنہ وہ تمہیں کچا ہی کھا جائے گا۔ کسی اور کو بھیج کے پتہ کرنا اور پھر ٹیلی فون کر دینا۔ ہم پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔" گاما فوراً اٹھ گیا۔

"کہیں سے ٹیلی فون مت کرنا گامے! خود واپس آ جانا۔ ہمیں کچھ تیاری بھی کرنی ہو گی۔"

شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے جی۔ میں چلتا ہوں۔"

"چلو میں تمہیں اچھرے موڑ تک چھوڑ دوں۔ وہاں سے ٹیکسی لے لینا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو نولکھا اور حویلی کے دروازے کی چابیاں لے لینا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ تینوں گاڑی پر بیٹھ کر اچھرہ موڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاما کو انہوں نے اچھرہ موڑ سے ایک ٹیکسی میں بٹھا دیا اور شارق نے گاڑی کا رخ ملتان روڈ کی طرف موڑ دیا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد وہ حویلی پہنچ گئے۔ نولکھا نے حویلی کا وہ اندرونی کمرہ کھول لیا جہاں اسلحہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے چار پستول نکال کر چیک کئے۔ ان میں میگزین فٹ کئے۔ ایک ایک فاضل میگزین لے لیا اور کمرے سے باہر آ کر دروازے کو تالا لگا دیا۔

شارق حویلی کے گیٹ کے باہر ہی گاڑی میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ نولکھا نے حویلی کا ذیلی دروازہ بند کر دیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد شارق کار کو حرکت میں لے آیا۔ نولکھا نے وہ چاروں پستول سیٹ کے نیچے چھپا دیئے تھے۔ اس مرتبہ انہیں واپس کوٹھی میں پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب گاما واپس آ گیا۔

"ہاں بھئی کیا خبر ہے؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ گوگا پہلوان کے ڈیرے پر ہی ہے۔ لیکن ایک اور خبر بھی ہے۔" گاما نے کہا۔

"آج دوپہر کے بعد پولیس نے فیقے کو گوگا پہلوان کے اکھاڑے سے پکڑ لیا تھا۔ اس وقت ماجھا گجر وہاں موجود نہیں تھا۔ لیکن ساڑھے نو بجے کے قریب وہ فیقے کو تھانے سے چھڑا کر لے گیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" نولکھا بولا۔ "اس مرتبہ ہم فیقے کا ایسا بندوبست کریں گے کہ ماجھا گجر کا باپ بھی اسے نہیں چھڑا سکے گا۔ بہرحال' یہ بتاؤ کہ گوگا کے اکھاڑے میں کتنے آدمی ہیں؟"

"ماجھا گجر' اس کے تین آدمی اور گوگا پہلوان' اس طرح کل پانچ آدمی بنتے ہیں۔" گامے نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے' شارق باؤ؟" نولکھا نے شارق کی طرف دیکھا۔

"چلو' میں تیار ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"جانے سے پہلے ایک ایک کپ چائے پی لیں' میں اپنے ہاتھ سے بنا کر لاتا ہوں۔" نولکھا کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کی طرف چلا گیا۔

aazzamm@yahoo.com

چائے پینے کے بعد وہ تقریباً ڈھائی بجے کوٹھی سے نکلے۔ ثمینہ اس وقت اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ شارق نے اسے جگا کر کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

جب وہ میکلوڈ روڈ پر پہنچے تو تین بج رہے تھے۔ شارق نے کار میکلوڈ روڈ سے پھوٹنے والی ایک گلی کے موڑ پر روک دی۔ ان تینوں کے اتر جانے کے بعد شارق نے کار کے تمام شیشے لاک کئے اور نیچے اتر کر دروازہ لاک کر دیا۔ ان سب کی جیبوں میں پستول موجود تھے اور ہر ایک کے پاس ایک ایک فاضل میگزین بھی تھا۔ وہ چاروں باتیں کرتے ہوئے اسی طرح چل رہے تھے جیسے کسی دعوت سے واپس آ رہے ہوں۔

ان گلیوں میں پولیس کے ٹکراؤ کا اندیشہ نہیں تھا۔ پولیس والے بڑی سڑکوں پر ہی گشت کرتے تھے۔ البتہ گلیوں میں پرائیویٹ چوکیدار "جاگدے رہنا" کی آوازیں لگاتے ہوئے گھومتے رہتے تھے۔ یہ چوکیدار بھی خانہ پری کے لئے تھے۔ بعض علاقوں کے چوکیدار تو اس قدر بوڑھے ہو چکے تھے کہ ان سے چلا بھی نہیں جاتا تھا۔ لاٹھی وہ چوروں وغیرہ سے مقابلے کے لئے نہیں اپنے سہارے کے لئے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ دوسری گلی میں ان کا سامنا بھی ایک ایسے ہی چوکیدار سے ہو گیا جو منہ سے "جاگدے رہنا" کی مریل سی آواز نکالتا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا آ رہا تھا۔ ان چاروں کو آتے دیکھ کر اس کی آواز کچھ اور بھی کمزور ہو گئی۔

"بابا جی کہاں جانا ہے۔ اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہو۔ ہم چھوڑ آئیں تمہیں؟" نولکھا نے بوڑھے چوکیدار کے قریب رک کر کہا۔

"اوئے پترا جانا کہاں ہے۔ میں تو اس علاقے کا چوکیدار ہوں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا۔" نولکھا کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ بابا چوکیدار ہے۔ یہ تو اپنی راکھی نہیں کر سکتا۔ دوسروں کی راکھی کیا کرے گا۔"

شارق نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ کچھ اور آگے جا کر ایک اور گلی میں مڑ گئے۔ گوگا پہلوان کا اکھاڑہ اسی گلی میں تھا۔ اس گلی میں داخل ہوتے ہی وہ محتاط ہو گئے تھے۔ چند گز آگے دائیں طرف اکھاڑہ تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض احاطہ تھا۔ جس کے سامنے کی دیوار خاصی اونچی تھی۔ احاطے میں آمد و رفت کے لئے ایک ہی پھاٹک تھا۔ قدیم زمانے کا بنا ہوا لکڑی کا یہ پھاٹک بہت بھاری اور بہت مضبوط تھا۔ پہلے کبھی یہ پھاٹک رات کو بند بھی کر دیا جاتا ہو گا لیکن اب تو مستقل طور پر کھلا رہتا تھا کیونکہ اس کے سامنے زمین پر اتنی مٹی جمع ہو چکی تھی کہ اسے کھولنا ممکن نہیں رہا تھا۔

شارق نے پھاٹک کے قریب پہنچ کر ان تینوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود دبے پاؤں چلتا ہوا

آگے بڑھ گیا۔

احاطے میں اندھیرا تھا۔ تاہم بالکل آخر میں' جہاں کمرے بنے ہوئے تھے' برآمدے میں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس بلب کی روشنی بھی برآمدے تک ہی محدود تھی۔ شارق کچھ دیر تک پھاٹک کے قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور آگے بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے پستول بھی نکال لیا تھا۔

پھاٹک سے چند گز آگے دائیں طرف ایک شیڈ سا بنا ہوا تھا۔ جس کے نیچے کا کچھ حصہ لکڑی کی پارٹیشن لگا کر الگ کر دیا گیا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں کشتی اور ورزش کے لئے آنے والے کپڑے تبدیل کیا کرتے تھے۔ وہ چاروں شیڈ کے نیچے آ کر رک گئے' اور گہری نظروں سے کمروں کی طرف دیکھنے لگے۔

بائیں طرف والے کمروں کے برآمدے میں چارپائی پر کوئی لیٹا ہوا تھا' شارق نے گامے کو اشارہ کیا۔ وہ پستول سنبھالے دبے قدموں برآمدے کی طرف چلنے لگا۔ شارق کا اشارہ پا کر راجو اور نولکھا بھی مختلف سمتوں میں بڑھنے لگے تھے۔ شارق کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر وہ بھی شیڈ سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف چلنے لگا۔

دفعتاً" ایک ہلکی سی چیخ سن کر وہ ٹھٹک گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا کمروں والی عمارت کی پچھلی طرف غائب ہو گیا تھا۔ وہ شارق کے ساتھیوں میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

شارق دیوار کے ساتھ ساتھ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ وہ جلد ہی اس چھوٹی سی عمارت کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ اس طرف ایک دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور کمرے میں بہت ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ شارق دبے قدموں چلتا ہوا اس دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا اور کان لگا کر اندر سے کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔

"استاد! اٹھو جلدی کرو' دشمنوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔"

شارق نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر ایک زور دار ٹھوکر سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں زیرو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ دائیں طرف پلنگ تھا جس پر ماجھا گجر بیٹھا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے گہری نیند سے زبردستی جگایا گیا ہے۔ پلنگ کے قریب ہی ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ وہ بھجا تھا۔

دروازہ دھڑ سے کھلنے کی آواز سن کر ماجھے گجر نے اس طرف دیکھا پھر بڑی تیزی سے تکیئے کی

aazzamm@yahoo.com

طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ تکیے کے نیچے رکھا ہوا پستول نکالنا چاہتا تھا لیکن اسی لمحہ ایک غراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی اور اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہونے والے شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی سینے میں اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ شارق تھا!

ماجھا گجر کو بہت عرصہ سے شارق کی تلاش تھی۔ اس کے لئے اس نے شارق کی پارٹی کے کئی آدمیوں کو بھی اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی شارق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے اپنے بعض آدمیوں سے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ شارق جہاں بھی نظر آئے اسے گولی مار دی جائے۔

اور اب.... شارق اس کے سامنے کھڑا تھا۔ شارق کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ اس کی طرف تھا۔ شارق کو اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر ماجھے گجر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ پلنگ کے قریب کھڑے ہوئے پھجے نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی مگر شارق غافل نہیں تھا۔ وہ پستول کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے غرایا۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ گولی مار دوں گا۔"

پھجا بے حس و حرکت ہو گیا اور اس نے کہے بغیر دونوں ہاتھ بھی سر سے اوپر اٹھا دیئے تھے۔ شارق نے آگے بڑھ کر اس کے جسم کو تھپتھپایا اور اس کی قمیض کے نیچے چھپا ہوا پستول نکال کر پلنگ کے نیچے پھینک دیا۔

"ڈر کیوں گئے ماجھے؟" شارق ماجھے گجر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں تو میری تلاش تھی نا۔ اسی چکر میں تم کئی بے گناہوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار چکے ہو اور کل ہی تم نے ایک معصوم اور بے گناہ لڑکے کو مار مار کر ادھ موا کیا ہے' اب میں خود چل کر تمہارے پاس آ گیا ہوں تو تم ڈر کیوں رہے ہو؟ تمہارے چہرے پر ہوائیوں کیوں اڑ رہی ہیں؟"

"دیکھو شارق باؤ!" ماجھے گجر نے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔ ورنہ تمہاری لاش ہی یہاں سے واپس جائے گی۔ میرے آدمی تمہارے ٹوٹے کر دیں گے۔"

"تمہارا ایک آدمی تو یہ کھڑا ہے اور باقی بھی اس وقت میرے آدمیوں کے رحم و کرم پر ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اور میرے ساتھ نولکھا بھی ہے۔ نولکھا کو تم جانتے ہو نا؟ تم نے اس کے بہنوئی ناصر علی کو قتل کر کے لاش نہر میں پھینک دی تھی۔ اس وقت نولکھا کو اس کا پتہ نہیں چلا تھا۔ اور پھر وہ میرے ساتھ کراچی چلا گیا تھا۔ اب اسے پتہ چلا ہے۔ وہ تمہارا حساب

کتاب برابر کرنے کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔"

"شارق باؤ۔" ماجھا گجر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں آپس کے اختلافات بھلا کر پھر سے دوست بن جائیں۔"

"بالکل ہو سکتا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ ہم دوستوں کی طرح مل جل کر رہیں۔ لیکن میں آدمی ہوں اصول کا۔ دوستی کی تجدید سے پہلے پچھلا حساب کتاب برابر ہو جائے تو اچھا ہے نا۔ تاکہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔"

"تم جتنی رقم چاہو لے لو شارق باؤ۔ میں تمہارا سارا نقصان پورا کرنے کو تیار ہوں۔ ابھی اور اسی وقت۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"سمجھ دار آدمی ہو۔" شارق مسکرایا۔ "لیکن میں آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کا قائل ہوں۔"

"نہیں پھجے! رک جاؤ!" ماجھا گجر پھجے کی طرف دیکھ کر چیخا۔

شارق تیزی سے گھوما.... وہ بڑی آسانی سے ماجھا گجر کی چال میں آ گیا تھا۔ ماجھے نے نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا جو سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ شارق پلٹتا ماجھا گجر بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے اچھلا اور کسی پرندے کی طرح ہوا میں اڑتا ہوا شارق کے اوپر آ گرا۔

شارق لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ اس کی انگلی سے ٹرائیگر دب گیا تھا۔ گولی سامنے والی دیوار میں لگی۔ ماجھا گجر بھی شارق کے اوپر گرا تھا۔ اس نے شارق کی ناک پر زور دار ٹکر ماری۔ شارق کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ناک سے خون بہہ نکلا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔

پھجا دیوار کے قریب ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماجھے کی مدد کرتا اور شارق کو گرفت میں لینے کی کوشش کرتا اس نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔

ماجھا گجر شارق کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے شارق کا گریبان پکڑ کر اس کی ناک پر ایک اور ٹکر ماری۔ شارق زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔ ماجھے نے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر جما دیئے۔

"تم اپنے آپ کو بہت دلیر اور چالاک سمجھتے ہو۔" ماجھا اس کا نرخرہ دباتے ہوئے غرایا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری موت ہی تمہیں یہاں لے آئی ہے۔"

شارق کی سانس رک گئی' اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر گلے پر گرفت ڈھیلی نہ ہوئی تو وہ ختم ہو جائے گا۔ اس نے ماجھے کی کلائیوں پر ہاتھ جما کر گرفت

aazzamm@yahoo.com

چھڑانے کی کوشش کی مگر ماجھے کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ اس طرح گلا چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اس نے ہتھیلی سے ماجھے کی ناک پر زور سے وار کیا۔ اور پھر وہ رکے بغیر ماجھے کی ناک پر ہتھیلی سے وار کرتا رہا۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اس کے گلے پر ماجھے کی گرفت کمزور پڑ گئی۔

شارق نے دونوں ٹانگیں سمیٹ کر دونوں پیر ماجھے کی ٹانگوں میں پھنسائے اور اسے پوری قوت سے اوپر اٹھا دیا۔ ماجھا اس کے سر کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پیچھے گرا۔ شارق بڑی پھرتی سے اٹھ گیا اور پھر اس نے ماجھے کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ ماجھے کے جسم پر ٹھوکریں برساتا رہا۔ ماجھا کمرے میں لوٹ رہا تھا۔ اور پھر دفعتاً فرش پر پڑا ہوا شارق کا پستول اس کے ہاتھ میں آگیا۔

"اب اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔" گجر اس پر پستول تان کر بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

شارق رک گیا۔ ماجھا گجر بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے کہا تھا کہ تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔" ماجھا گجر غرایا۔ "اب تمہیں میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچائے گا۔ تم ختم ہو جاؤ گے اور لاہور کی پوری مارکیٹ پر میرا قبضہ ہو جائے گا۔ اب کوئی مائی کا لال میرا راستہ نہیں روک سکے گا۔ نہیں شارق باؤ۔ اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔"

ماجھا گجر الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ پستول کا رخ شارق کے سینے کی طرف تھا اور شارق اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ ماجھا گجر دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ وہ دروازے کی دہلیز پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے پستول والا ہاتھ آگے کو نکال لیا۔

دفعتاً ماجھے کے پیچھے تاریک برآمدے میں ایک ہیولے کو دیکھ کر شارق چونک گیا۔ تاریکی کے باوجود ڈیل ڈول سے شارق نے اسے پہچان لیا۔ وہ نولکھا تھا۔ شارق نے اپنے چہرے سے کسی قسم کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

ماجھا گجر کے ہونٹوں پر بڑی شیطانی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پستول والا ہاتھ ذرا اوپر اٹھایا اور ٹرائیگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ اسے یوں لگا جیسے اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

ماجھا گجر کے پیچھے کھڑے ہوئے نولکھا نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر پر مارا تھا۔ ماجھے کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑایا۔ لیکن اس سے پہلے کہ سنبھل سکتا نولکھا نے اس کے کولہوں پر زور دار لات رسید کر دی۔ ماجھے کے منہ سے ایک اور چیخ نکلی۔ پستول اس کے

ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ خود بھی لڑکھڑاتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

شارق نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اپنا پستول اٹھا لیا۔ اور ماجھے کے سر اور پسلیوں پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ماجھا گجر ہر ٹھوکر پر بلبلا اٹھتا۔

"چپ کر جا اوئے ماں دیا کھسماں۔" نولکھا اسے ایک زور دار ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔

"میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ایک ایک کو ختم کر دوں گا۔" ماجھا گجر چیخا۔

"پہلے اپنی جان تو بچا۔" نولکھا نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری۔

اس دوران گاما دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"بجا بھاگ گیا ہے شارق باؤ۔ اب یہاں سے چلنے کا پروگرام بناؤ۔ وہ پولیس کو لے کر نہ آ جائے۔" اس نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اطمینان رکھو۔ وہ پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہیں کر سکتا۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "گوگا پہلوان اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دو۔ اور اس کے ہاتھ پیر بھی باندھو۔ اسے تو ہم ساتھ لے کر جائیں گے۔"

شارق، ماجھا گجر کو پستول کی زد میں لئے کھڑا رہا۔ گاما اور نولکھا باہر نکل گئے۔ کچھ دیر بعد نولکھا لمبی سی رسی لے آیا اور ماجھے گجر کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ کچھ دیر بعد گاما بھی آ گیا۔

"انہیں باندھ کر ڈال دیا ہے استاد۔" اس نے کہا۔

"گڈ!" شارق مسکرایا۔ اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا چاقو اٹھایا اور اس کی نوک سے ایک دیوار پر لکڑی کا پینل اکھاڑنے لگا۔

ماجھا گجر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ شارق نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی کارروائی میں مصروف رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ پینل کے دو تختے اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس میں سے ایک تختے کے پیچھے وہ خفیہ خانہ تھا جس میں ہیروئن کے چند پیکٹ چھپائے گئے تھے۔ کئی اور تختوں کے نیچے بھی اس قسم کے خفیہ خانے موجود تھے۔

"تھوڑی دیر بعد پولیس یہاں آ کر یہ تمام دیواریں اور چھت ادھیڑ ڈالے گی۔ تمہارا سارا مال پولیس کے قبضے میں چلا جائے گا اور تمہارا لاہور کی مارکیٹ پر قبضہ کرنے کا خواب بکھر کر رہ جائے گا۔" شارق نے گجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر گاما اور نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے اٹھا کر لے چلو۔"

"میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں شارق باؤ! یہ سب کچھ لے لو۔ مجھے چھوڑ دو۔ صلح کر لو...." ماجھا گجر نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"تم سے صلح ضرور کریں گے لیکن پہلے پچھلا حساب کتاب۔" شارق مسکرایا۔

نولکھا اور گامے نے ماجھے گجر کو اٹھا لیا اور ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے باہر لے گئے۔ اکھاڑے کے احاطے سے باہر نکلتے ہوئے شارق کی نظر سامنے والے ایک مکان کی اوپر والی منزل کی ایک کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی مگر پھر بڑی آہستگی سے بند ہو گئی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کھڑکی میں کوئی کھڑا تھا۔

گلیوں میں چلتے ہوئے پھر وہی بوڑھا چوکیدار مل گیا جو "جاگدے رہنا" کی آواز لگاتا ہوا آ رہا تھا۔

"عقل سے کام لو بابا۔" نولکھا نے بوڑھے سے کہا۔ "اگر سارے لوگ جاگتے رہیں تو تمہاری کیا ضرورت ہے۔"

"یہ کون ہے۔ اسے اس طرح باندھ کر کیوں اٹھایا ہوا ہے۔" بوڑھے نے ماجھے گجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بابا یہ ہیروئن بیچتا ہے۔ اسے ہسپتال لے جا رہے ہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"اسے گندے نالے میں جا کر پھینک دو.... مت ماری گئی ہے ان لوگوں کی۔ جان بوجھ کر زہر پی رہے ہیں۔ اپنے دشمن آپ ہو رہے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"ٹھیک ہے بابا جی۔ اسے ہسپتال نہیں لے جاتے۔ گندے نالے ہی میں پھینک دیں گے۔" نولکھا نے کہا۔

وہ آگے بڑھ گئے اور بوڑھا "جاگدے رہنا" کی آواز لگاتا ہوا مخالف سمت میں چل پڑا۔

گلی کے موڑ پر پہنچ کر شارق نے سڑک پر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر کار کی ڈکی کھول دی۔ نولکھا اور گامے نے رسیوں سے بندھے ہوئے ماجھے گجر کو ڈکی میں ٹھونس دیا اور ڈھکنا بند کر دیا۔ شارق نے پہلے ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے کا لاک کھولا پھر اندر بیٹھ کر دوسرے دروازے کھول دیئے۔ گاما اور راجو پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ نولکھا اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شارق گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔

"میرا خیال ہے ٹھوکر نیاز بیگ والی حویلی چلیں۔ وہیں اس سے کوئی بات کریں گے۔" نولکھا نے کہا۔

"وہیں چل رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی نظر آ جاتی۔ کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی چوبرجی والی سڑک پر آ گئی۔ چوبرجی چوک سے ذرا پہلے شارق کو چونک جانا پڑا۔ ایک پولیس والا سڑک کے وسط میں کھڑا گاڑی روکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ پہلے تو شارق کے ذہن میں خیال آیا کہ سائیڈ دے کر گاڑی کو تیز رفتاری سے نکال لے جائے۔ لیکن پولیس والے کے ہاتھ میں رائفل بھی تھی۔ وہ فائرنگ کر سکتا تھا۔ اس نے کار کی رفتار کم کر لی اور قریب پہنچ کر اسے روک لیا۔ اسی لمحہ ایک اور پولیس والا بھی تاریکی سے نکل کر سامنے آ گیا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ صرف وہی دو پولیس والے تھے۔

"آپ لوگ کون ہیں اور اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں؟" ایک پولیس والے نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دوسرے پولیس والا رائفل لئے کار کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کسی شہری کے کسی بھی وقت اور کہیں بھی آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" پولیس والے نے اسے گھورا۔ "انجن بند کر کے نیچے اتر آیئے آپ لوگ۔ ہم گاڑی چیک کریں گے۔"

"کیوں سنتری بادشاہ! قصہ کیا ہے؟" شارق بولا۔

"ریواز گارڈن میں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ وہ بہت کچھ لوٹ کے لے گئے ہیں۔ آپ لوگ نیچے اتر آیئے۔" سنتری کے لہجے میں ذرا سختی تھی۔

"ہم تمہیں چور یا ڈاکو نظر آتے ہیں سنتری بادشاہ۔" شارق بولا۔

"آپ لوگ نیچے اتر آئیں۔" سنتری نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

شارق نے کن انکھیوں سے نولکھا کی طرف دیکھا اور پھر انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ نولکھا اور گاما وغیرہ بھی نیچے آ گئے۔ انہوں نے کار کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ وہی پولیس والا جو شارق سے باتیں کر رہا تھا' آگے جھک کر کار کی تلاشی لینے لگا۔ نولکھا دوسرے پولیس والے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ پولیس والے نے رائفل اوپر کر لی۔

دوسرا پولیس والا کار میں جھکا سیٹوں کے سامنے فٹ میٹ پر ادھر ادھر جھانک رہا تھا کہ پچھلی سیٹ کے پیچھے سے دھب دھب کی آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا آواز سیٹ کے پیچھے ڈکی کی طرف سے آ رہی تھی۔ پولیس والا ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"ڈکی میں کیا ہے؟" اس نے شارق کو گھورا۔ "کھولو اسے!"

"قربانی کا بکرا ہے سنتری بادشاہ۔" نولکھا نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے کہا۔ "ڈکی کھولی تو بھاگ جائے گا۔ تم اسے رہنے دو اور اپنا کام کرو۔"

"میں کہتا ہوں ڈکی کھولو۔" پولیس والے نے رائفل تان لی۔

aazzamm@yahoo.com

شارق نے کندھے اچکا دیئے۔ لیکن ڈکی تو بہرحال' اسے کھولنا ہی پڑی تھی۔ ڈکی جیسے ہی کھلی ایک آدمی کو بندھے پڑے دیکھ کر پولیس والا اچھل پڑا۔

"یہ... یہ کون ہے۔ باہر نکالو اسے۔" پولیس والا دھاڑا۔

ماجھا گجر ڈکی میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ وہ بول تو نہیں سکتا تھا لیکن گاڑی رکنے کے بعد باتوں کی آواز سن کر اس نے ڈکی میں مچلنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ڈکی کھلتے ہی اس نے پولیس والے کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ شارق کا اشارہ پا کر گامے اور راجو نے اسے ڈکی سے نکال کر سڑک پر پٹخ دیا۔

"کون ہے یہ اور تم لوگ کون ہو؟" پولیس والے نے لہجے کو بارعب بنانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"قربانی کا بکرا ہے یار۔ پہلے بھی تمہیں بتایا تھا۔" نولکھا نے کہا۔

"عمر دین۔" پولیس والے نے اپنے ساتھی کو آواز لگائی۔ "یہ لوگ کوئی واردات کرنے لگتے ہیں۔ ہوشیار رہنا۔"

"یہ ہمارا دوست ہے۔ ہیروئن کا نشہ کر رکھا ہے اس لئے ہم نے اسے باندھ کر ڈال رکھا ہے۔" شارق نے کہا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو بائیں والی سڑک پر بہت دور ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپس دکھائی دیئے۔ وہ گاڑی اسی طرف آ رہی تھی۔

صورت حال خاصی تشویش ناک تھی۔ اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ گاڑی پولیس کی ہو۔ ایسی صورت میں یہ لوگ پھنس سکتے تھے۔ اس نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے مخصوص اشارہ کیا اور وہ قریب کھڑے ہوئے کانسٹیبل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سنتری بادشاہ۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم تو بلا وجہ ہم پر شک کر رہے ہو۔ ہم تو شریف لوگ ہیں اور....."

اس نے اچانک ہی سنتری بادشاہ کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی پنڈلی پر بھی ٹھوکر رسید کر دی تھی۔ دوسری طرف نولکھا بھی ایسی ہی کارروائی کر چکا تھا۔ محتاط ہونے کے باوجود دونوں پولیس والے مار کھا گئے۔ ان کی رائفلیں اب شارق اور نولکھا کے قبضے میں تھیں۔

وہ گاڑی قریب پہنچ رہی تھی۔ پھر دفعتاً" فضا سائرن کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ شارق کا شبہ درست نکلا تھا۔ وہ پولیس کی گاڑی تھی۔ پولیس والوں نے غالباً اسے دور ہی سے سفید کار اور ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ سائرن بجانے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ وہ چوک پر ڈیوٹی پر کھڑے ہوئے کانسٹیبلوں کو اپنی آمد کی اطلاع دینا چاہتے تھے۔

"گامے' راجو.... جلدی کرو۔ گاڑی میں بیٹھو۔" شارق چیخا۔

نولکھا نے دونوں کانسٹیبلوں کو رائفل کی زد پر لے لیا۔ شارق نے پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اس نے کانسٹیبل کی چھینی ہوئی رائفل پیچھے گامے کے حوالے کر دی تھی۔

نولکھا بھی کار کی طرف دوڑا۔ وہ پوری طرح بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ شارق نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ نولکھا گرتے گرتے بچا تھا۔ شارق نے گاڑی سمن آباد موڑ کی طرف دوڑا دی تھی۔

"اوئے نولکھے۔" راجو بولا۔ "تمہارا قربانی کا بکرا تو وہیں رہ گیا۔"

"رہنے دو کم بخت کو۔ پولیس والوں کے کام آئے گا۔" نولکھے نے جواب دیا۔

نولکھا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس کی گاڑی ایک لمحہ کو چوک پر ان پولیس والوں کے قریب رکی تھی اور پھر تیز رفتاری سے ان کے پیچھے آنے لگی۔ شارق نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

دونوں گاڑیوں میں فاصلہ کافی تھا۔ کوئی بھی گاڑی فائرنگ کی رینج میں نہیں تھی لیکن پولیس کی گاڑی سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے گامے نے بھی رائفل کھڑکی سے نکال کر جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

سمن آباد موڑ سے شارق نے گاڑی بائیں طرف موڑ دی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد پولیس کی گاڑی بھی اس طرف مڑی تھی۔ فائرنگ کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

گامے کی رائفل کا میگزین خالی ہو گیا۔ اس نے رائفل کھڑکی سے باہر پھینک دی اور نولکھا سے دوسری رائفل لے لی اور دوبارہ فائرنگ کرنے لگا۔ ان کی فائرنگ کا مقصد پولیس والوں کو نقصان پہنچانا نہیں تھا۔ وہ تو انہیں اپنے سے دور رکھنا چاہتے تھے۔

شارق نے گاڑی ایک گلی میں موڑ لی اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا وہ بہت دور نکل گیا۔ پولیس کی گاڑی کا اب کوئی پتہ نہیں تھا۔ گامے نے دوسری رائفل بھی سڑک پر پھینک دی اور سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد مختلف گلیوں اور سڑکوں پھر گھومنے کے بعد شارق فیروز پور روڈ پر نکل آیا اور اچھرہ موڑ سے اس نے گاڑی علامہ اقبال ٹاؤن کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دی۔

کار جب کوٹھی کے سامنے رکی تو صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ شارق نے ہارن بجایا تو کچھ ہی دیر بعد خادم نے دروازہ کھول دیا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ لوگ ہال کمرے ہی میں ٹھہر گئے۔ شارق بھی اوپر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہیں صوفے پر لیٹ گیا کچھ دیر تک وہ اس نئی صورت حال پر تبادلہ خیال کرتے رہے اور پھر اونگھتے ہوئے نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

○

ثمینہ کے لئے کوئی کام نہیں تھا۔ وہ گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ بوریت حد سے بڑھ گئی تھی۔ وہ چند روز کراچی میں رہی تھی تو آزادی سے گھوم پھر تو سکتی تھی لیکن یہاں تو بالکل ہی قید ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن بالآخر اس نے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

وہ لوگ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوئے تو دس بج رہے تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد ثمینہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس مرتبہ اس نے ڈھنگ کا لباس پہنا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ اس پر خوب سج رہا تھا۔ تیار ہونے کے بعد اس نے اپنا سوٹ کیس کھولا اور وہ چیزیں نکال کر پلاسٹک کے ایک تھیلے میں رکھنے لگی جو اس نے کراچی سے رضیہ کے لئے خریدی تھیں۔ تین چار سوٹ پیس اور کچھ ایسی ہی چیزیں تھیں۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے زیور کا وہ سیٹ اور سوٹ پیس بھی تھیلے میں رکھ لئے جو مسقط سے روانہ ہوتے وقت ملا بشیر پنجگوری نے اسے تحفے کے طور پر بھجوائے تھے۔ وہ سوٹ کیس بند کر کے تھیلے میں رکھی ہوئی چیزوں کو چیک کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز ابھری۔ ظاہر ہے یہ شارق کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

وہ شارق ہی تھا۔ ثمینہ کو کہیں جانے کے لئے تیار دیکھ کر چونک گیا۔

"کہیں جا رہی ہو کیا؟" شارق نے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" ثمینہ نے جواب دیا۔ "بیزاری کی حد تک بوریت ہو رہی ہے۔ میں رضیہ کے ہاں جا رہی ہوں۔"

"رضیہ کے ہاں۔" شارق چونک گیا۔ پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "رضیہ تمہیں بہت یاد آ رہی ہے۔ اکثر تم اس کا ذکر کرتی رہتی ہو۔ حالانکہ کراچی جانے سے پہلے اس سے تمہاری صرف ایک ہی مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔"

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "رضیہ اور ماں جی سے وہ پہلی ہی ملاقات میرے دل میں کچھ عجیب سا احساس جگا گئی ہے۔ میں ایک لمحہ کو بھی انہیں فراموش نہیں کر سکی۔ ان سے ملاقات میں عجیب سی چاہت اور اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ میرے اپنے مجھ سے دور ہو چکے ہیں۔ میں رضیہ اور ماں جی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ دو چار دن ان کے

پاس رہوں گی۔"

شارق چند لمحے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بھی چل رہا ہوں تمہارے ساتھ۔ چند منٹ رک جاؤ۔ میں تیار ہو لوں۔"

شارق ثمینہ کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ثمینہ نے ایک بار پھر سوٹ کیس کھول لیا اور اپنے چند جوڑے نکال کر دوسرے تھیلے میں رکھنے لگی تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر نیچے آ گئی۔ اس کے چند ہی منٹ بعد شارق بھی آ گیا۔

"گامے! تم چلو ہمارے ساتھ۔" شارق نے گامے کو اشارہ کیا اور پھر نوکھا سے باتیں کرنے لگا۔

چند منٹ بعد ان کی گاڑی کوٹھی سے باہر نکل رہی تھی۔ ثمینہ اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی اور گاما پچھلی سیٹ پر تھا۔ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی میکلوڈ روڈ پر آ گئی۔ اور بالآخر شارق نے کار لاہور ہوٹل کے سامنے روک لی۔

"تم یہاں اتر جاؤ گامے۔" شارق نے گاما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم کرنا ہے کہ رات کو ہمارے یہاں سے جانے کے بعد کیا ہوا تھا۔ اور ماجھا گجر کہاں ہے۔ میں شام کو گھر پہنچ جاؤں گا۔ لیکن تم ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی دھر لئے جاؤ۔"

"اطمینان رکھو شارق باؤ۔" گامے نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "اب میں کسی کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔"

گامے کے اترنے کے بعد شارق نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ اگر چاہتا تو اچھرے سے دوسری طرف سے ہوتا ہوا گلبرگ نہر کی طرف نکل سکتا تھا مگر گامے کی وجہ سے اسے اتنا طویل چکر کاٹنا پڑا۔ اب وہ ریلوے اسٹیشن کے قریب سے ہو کر گڑھی شاہو کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گیا اور پھر گڑھی شاہو کے پل پر سے ہوتا ہوا جی ٹی روڈ پر آ گیا۔ اس کے بعد گھر پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

کال بیل ثمینہ نے بجائی تھی۔ شارق اس وقت کار ہی میں بیٹھا شیشے وغیرہ چڑھا رہا تھا۔ کال بیل کے جواب میں دروازہ شاہد نے کھولا تھا۔ اس نے پہلے عجیب سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا جو اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاہد غالباً ثمینہ کو پہچان نہیں سکا تھا لیکن پھر شارق کو کار سے اترتے دیکھ کر وہ ایک دم دروازے سے ہٹ گیا اور ایک کمرے کی طرف رخ کر کے چیخا۔

aazzamm@yahoo.com

"ماں جی! شارق بھائی آئے ہیں اور وہ بی بی بھی...." وہ ثمینہ کا نام بھی بھول گیا تھا۔

شارق کے باہر والے دروازے سے اندر داخل ہونے سے پہلے مریم اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔ وہ بہت کمزور ہو گئی تھی اور آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ثمینہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"ماں جی! کیسی ہیں آپ۔"

"جیتی رہو بیٹی۔" مریم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئی کہا۔ "ٹھیک ہوں' کمزوری بہت ہو گئی ہے۔ چلا نہیں جاتا.... شارق کہاں ہے؟"

"وہ آ رہا ہے۔" ثمینہ نے پیچھے مڑ کر کہا پھر شارق کو دیکھ کر بولی۔ "لیجئے.... وہ آ گیا۔"

شارق تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب پہنچ گیا۔ اس نے مریم کو سلام کیا اور وہ دونوں اسے سہارا دے کر ڈرائنگ روم میں لے آئے۔

"آپ کیسی ہیں ماں جی؟" شارق نے پوچھا۔ اس نے مریم کو صوفے پر بٹھا دیا اور خود اس کے قدموں میں قالین پر بیٹھ گیا تھا۔

"کمزوری بہت ہو گئی ہے بیٹا۔" مریم نے جواب دیا۔ "تمہاری فکر نہ ہوتی تو میں اب تک ہٹی کٹی ہو چکی ہوتی۔"

"اب آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے ماں جی۔" ثمینہ نے کہا۔ "رضیہ کہاں ہے؟"

"نگہت کے ساتھ بازار گئی ہے۔ بس آتی ہی ہو گی۔" مریم نے جواب دیا۔

"آج وہ یونیورسٹی نہیں گئی؟" شارق نے پوچھا۔

"ارے بیٹے ان کے وہ ہو رہے ہیں۔ کیا کہتے ہیں..... مجھے تو نام بھی نہیں آتا....." مریم کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

"سمسٹر!" ثمینہ نے کہا۔

"ہاں وہی۔" مریم بولی۔ "کہہ رہی تھی دو دن کی چھٹی ہے۔"

"گیپ ہو گا۔" ثمینہ نے کہا اور پھر وہ موضوع بدل کر باتیں کرنے لگے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد رضیہ آ گئی۔ وہ پڑوسن کے ساتھ سودا وغیرہ لینے باغبانپورہ بازار گئی تھی۔ اسے دروازے پر ہی شاہد نے ثمینہ اور شارق کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اور شاید اسی لئے وہ دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ پہلے وہ شارق سے لپٹی پھر ثمینہ سے لپٹ گئی۔ پہلی مرتبہ جب ثمینہ یہاں آئی تھی تو شارق نے اس کا تعارف بزنس پارٹنر کی حیثیت سے کروایا تھا۔ لیکن وہ دونوں اس قدر بے تکلف ہو گئی تھیں کہ ان میں کوئی امتیاز نہیں رہا تھا اور اس وقت بھی وہ اس طرح ملی تھیں جیسے بچھڑی ہوئی پرانی سہیلیاں ملی ہوں۔

"اکیلے اکیلے کراچی گھوم آئیں۔ ہمیں پوچھا تک نہیں تھا۔" رضیہ نے ثمینہ سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"ہم ایک بزنس ٹور پر گئے تھے۔ تمہیں ساتھ لے جاتے تو سیر کیا خاک ہوتی۔" ثمینہ نے کہا۔ "تم اپنے امتحان سے فارغ ہو لو تو تمہیں سیر کرانے کے لئے صرف کراچی ہی نہیں دوسری جگہوں پر بھی لے چلوں گی۔"

"وعدہ!" رضیہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"وعدہ۔" ثمینہ نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئی بولی۔ "دیکھو میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں۔"

"کیا ہے؟" رضیہ نے تھیلا لے کر اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"تھیلا کھول کر دیکھ لو..... اس میں ماں جی کے لئے بھی کچھ ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

رضیہ نے جلدی سے شاپنگ بیگ کھولا اور ایک ایک چیز نکالتی چلی گئی۔ ہر مرتبہ اس کے منہ سے اوہ.... واہ.... نکل جاتا۔ اور جب اس نے زیور والا ڈبہ کھولا تو اس کے منہ سے ایک لمبی لو.... کی آواز نکل گئی تھی۔ زیور کا یہ سیٹ دیکھ کر شارق بھی چونک گیا تھا۔ اس نے وہ کپڑے بھی پہچان لئے تھے جو ملا بشیر پنج گوری نے ثمینہ کو دیئے تھے۔ اور ثمینہ یہ سب کچھ رضیہ کے لئے لے آئی تھی۔ ہیروں والا زیور کا وہ سیٹ دو لاکھ روپے سے کم مالیت کا نہیں تھا۔

"کتنا خوبصورت ہے یہ سیٹ۔" رضیہ نیکلس نکال کر اپنے گلے پر لگاتے ہوئے بولی۔ "قیمتی بھی بہت ہے۔"

"دو لاکھ روپے سے کم کا نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہیرے جڑے ہوئے ہیں ہیرے۔"

"دو لاکھ روپے۔" رضیہ کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگے۔ نیکلس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ڈبے میں گر گیا۔

مریم بھی دو لاکھ روپے کا سن کر چونک گئی تھی۔

"ارے بیٹی! اتنی قیمتی چیز لانے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی چھوٹا موٹا تحفہ لا دیا ہوتا۔"

"ایک ہی تو بہن ہے میری ماں جی۔ اسے بھی چھوٹے موٹے تحفے پر ٹرخا دیتی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کتنی اچھی ہیں ثمینہ باجی۔" رضیہ اس سے لپٹ گئی۔

ثمینہ نے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ رضیہ کو سینے سے لپٹا کر اسے عجیب سا سکون ملا تھا۔ شارق گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب اسے شاید پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا تھا کہ

aazzamm@yahoo.com

اس نے ثمینہ کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اپنی محبت کے نام پر اس نے ثمینہ کو اس کے ماں باپ' بہن بھائیوں سے دور کر دیا تھا۔ رضیہ اور مریم کی صورت میں اسے شاید اپنی ماں اور بہن کی شکلیں نظر آئی تھیں اور وہ ان پر اپنا پیار نچھاور کر رہی تھی۔

شاہد ان کے لئے چائے بنا کر لے آیا تھا۔ ثمینہ نے بیگ میں سے نکالے ہوئے دو سوٹوں کا کپڑا اٹھا کر مریم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ماں جی! یہ دو سوٹ آپ کے لئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ کے لئے کیا لوں۔ بس یہی دو سوٹوں کا کپڑا اٹھا لائی۔"

"میری ایک بات ذہن میں رکھو بیٹا۔" مریم نے کہا۔ "خلوص اور محبت سے جو تحفہ کسی کو دیا جائے وہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔ کسی تحفہ کی مالیت کو نہیں دیکھا جاتا۔ دراصل اس کے پیچھے اس جذبے اور خلوص کو دیکھا جاتا ہے جس کے تحت تحفہ کسی کو دیا جاتا ہے۔ اور پھر تم تو اتنا کچھ لے آئی ہو کہ سمجھ میں...."

"ماں جی۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں آپ کی بیٹی نہیں؟"

"کیوں نہیں بیٹا۔ میرے لئے جیسی رضیہ ہے ویسی ہی تم ہو۔" مریم نے جواب دیا۔

"فضا کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے پہلے ہمیں چائے پی لینی چاہئے۔ شاید اس طرح یہ بوجھل پن ختم ہو جائے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور میز پر رکھا ہوا کپ اٹھا لیا۔ اس کے بعد واقعی موضوع بدل گیا تھا۔ رضیہ' ثمینہ سے کراچی کی بارے میں پوچھ رہی تھی۔

چائے ختم ہوئی تو مریم اٹھ گئی۔

"میں دیکھوں ذرا.... شاہد کیا کر رہا ہے۔"

"نہیں ماں جی۔ آپ باورچی خانے میں نہیں جائیں گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "آپ آرام کیجئے۔ کچن کا معاملہ ہم خود دیکھ لیں گے۔"

اور پھر اس نے مریم کو کچن میں نہیں جانے دیا۔ رضیہ نے اپنی تمام چیزیں سنبھال کر اپنے کمرے میں رکھ دیں اور وہ دونوں کچن میں آ گئیں اور دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے لگیں۔ جبکہ شارق مریم کے ساتھ ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

رات دس بجے کے قریب شارق واپس چلا گیا۔ ثمینہ یہیں رہ گئی۔ وہ آئی ہی یہاں رہنے کی نیت سے تھی۔ رات کو وہ مریم کے کمرے میں بیٹھی دیر تک باتیں کرتی رہی پھر رضیہ اور وہ شارق والے کمرے میں آ گئیں اور پلنگ پر لیٹی باتیں کرتی رہیں۔

ثمینہ کو یہاں رہتے ہوئے چھ سات روز گزر گئے تھے۔ اس دوران شارق صرف ایک مرتبہ آیا تھا۔ اس گھر میں ثمینہ کا دل لگ گیا تھا۔ مریم کی خدمت کے ساتھ ساتھ اس نے گھر کے کام کاج بھی سنبھال لئے تھے۔ شاہد کے ہونے کے باوجود کچن اس نے سنبھال لیا تھا۔ یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد رضیہ بھی اس کے ساتھ کام میں شامل ہو جاتی اور پھر رات کے کھانے کے بعد ثمینہ اسے پڑھائی میں بھی مدد دیتی۔

ان چند دنوں کے دوران ثمینہ کئی مرتبہ رضیہ کے ساتھ باغبانپورہ بازار بھی گئی تھی۔ بازار جاتے ہوئے وہ برقعہ پہن لیا کرتی تھی۔ تاکہ وہ کسی جاننے والے کی نظروں میں نہ آ جائے۔

مریم' ثمینہ سے بہت خوش تھی۔ وہ جس طرح مریم کی خدمت کر رہی تھی اس سے مریم کو احساس ہونے لگتا تھا جیسے ثمینہ اسی کی بیٹی ہو۔

ثمینہ نے بھی یہاں رہتے ہوئے ایک بات خاص طور سے محسوس کی تھی۔ شارق نے بتایا تھا کہ مریم اور رضیہ سے اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ جب شارق کے والدین زندہ تھے تو مریم ان کے گھر میں کام کیا کرتی تھی اور جب شارق ایک ناکردہ جرم کی سزا بھگت کر جیل سے باہر آیا تھا تو مریم ہی نے اسے سہارا دیا تھا۔ لیکن یہاں کی صورت حال دیکھ کر ثمینہ بعض اوقات الجھن میں پڑ جاتی۔ وہ سوچنے لگتی کہ شاید شارق نے ان کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا تھا۔ شارق کے حوالے سے مریم کا طرز عمل ایسا تھا جیسے وہ اس کا سگا بیٹا ہو اور رضیہ بھی شارق کو سگے بھائیوں ہی کی طرح چاہتی تھی۔ ان دونوں کو ہر وقت شارق ہی کی فکر رہتی تھی۔

اس روز شام کے وقت ثمینہ' رضیہ کے ساتھ باغبانپورہ بازار گئی تھی۔ بازار میں گھومتے ہوئے اس نے برقعے کا نقاب اٹھا رکھا تھا۔ ایک دکان سے سودا خریدتے ہوئے ثمینہ نے محسوس کیا کہ ایک آدمی اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا تو وہ آدمی وہاں سے غائب ہو گیا۔ ثمینہ کے خیال میں وہ کوئی اوباش قسم کا آدمی تھا جو انہیں اکیلے دیکھ کر ان کے پیچھے لگا ہو گا۔ ثمینہ کے گھور کر دیکھنے پر وہ آدمی وہاں سے چلا گیا تو ثمینہ نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

اور پھر اسی رات گیارہ بجے کے لگ بھگ کال بیل بجی تو ثمینہ اس وقت کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ اس نے سوچا کے شارق کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس سے پہلے کہ شاہد اپنے کمرے سے نکلتا ثمینہ دروازے پر پہنچ گئی۔ اس نے دراوزہ کھول دیا۔ پھر دوسرے ہی لمحہ اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

ماجھا گجر دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ وہی آدمی تھا جسے ثمینہ نے بازار میں

aazzamm@yahoo.com

دیکھا تھا۔

ثمینہ نے دروازہ بند کرنا چاہا مگر ماجھا گجر نے جلدی سے آگے بڑھ کر پیر دروازے میں پھنسا دیا۔

ماجھا گجر کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

○

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

ماجھے گجر کو اپنے سامنے دیکھ کر ثمینہ کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا اس کا دماغ گھوم گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچ سکتی ماجھے گجر کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ اس کی طرف اٹھ گیا۔

"اگر تمہارے منہ سے معمولی سی آواز بھی نکلی تو تمہارا یہ خوبصورت چہرہ اس طرح بگاڑ دوں گا کہ تمہارا عاشق شارق بھی تمہیں نہیں پہچان سکے گا۔" ماجھے گجر کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

"ہم نے بڑی مشکل سے تمہیں تلاش کیا ہے خاموشی سے ہمارے ساتھ چلی چلو۔"

ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ براہ راست ماجھا گجر سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ ماجھا گجر کو وہ اچھی طرح جانتی تھی وہ نہایت کمینہ اور گھٹیا کردار کا مالک تھا۔ اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی تھی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا مریم اپنے کمرے میں تھی اور رضیہ اپنے کمرے میں شاہد بھی سارے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں بند ہو چکا تھا۔ آنگن میں سناٹا تھا۔

ثمینہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے مزاحمت کی تو ماجھا گجر یا تو اسے گولی مار دے گا یا وہ دونوں اسے زبردستی اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

"ثمینہ بی بی۔" ماجھے گجر کے حلق سے ایک بار پھر غراہٹ نکلی۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی نکلو یہاں سے۔"

ثمینہ نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا اور اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اسے ماجھے گجر کے حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑی تھی وہ خاموشی سے دروازے سے باہر نکل آئی دروازہ اس نے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

دروازے سے باہر نکلتے ہی ماجھے گجر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ثمینہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں میرا ہاتھ چھوڑ دو۔"

"اب تو ہاتھ چھڑا لو... تھوڑی دیر بعد سارا پچھلا حساب کتاب لوں گا۔" ماجھے گجر نے کہا۔

ثمینہ کانپ کر رہ گئی اسے وہ وقت یاد آ گیا جب وہ ماجھے گجر کی سرداری کوٹھی سے بھاگی

aazzamm@yahoo.com

ایک بندے کو قتل کر کے فرار ہوئی تھی' ان دنوں بھی ماجھا گجر اسے بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا لیکن شارق نے ہمیشہ ماجھے کو بڑا نقصان پہنچایا تھا اور اب وہ اس کے قابو میں آ گئی تھی وہ یقیناً گن گن کر اس سے بدلے لے گا اور شارق کو اس کا پتہ بھی نہیں چل سکے گا اور رضیہ وغیرہ کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ وہ کہاں چلی گئی۔ رضیہ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کیسے اور کہاں غائب ہو گئی تھی۔

گلی کے موڑ پر ماجھے گجر کی کار کھڑی تھی کار کے قریب پہنچ کر ماجھے گجر نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صدیقے! تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ میں اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہا ہوں۔"

صدیق اگلا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا ماجھے گجر نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا پہلے ثمینہ کو اندر دھکیلا اور پھر خود بھی اندر بیٹھ گیا صدیقے نے انجن اسٹارٹ کر دیا ثمینہ سیٹ پر سرک کر دوسرے دروازے کے ساتھ لگ گئی تھی صدیقا جیسے ہی کار کو حرکت میں لایا بائیں موڑ سے ایک کار اس طرف گھومی۔

"اب یا کبھی نہیں؟"

ثمینہ کے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال ابھرا اس کے ساتھ ہی اس نے آہستگی سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر زور دار جھٹکا دیا اور اپنے جسم کے بوجھ سے دروازے کو دھکیلتی ہوئی باہر جا گری۔

ماجھا گجر بری طرح بدحواس ہو گیا اسے توقع نہیں تھی کہ ثمینہ اس قسم کی کوئی حرکت بھی کر سکتی ہے وہ بڑی تیزی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف لپکا اس دوران کار پانچ چھ گز آگے جا چکی تھی اور سڑک پر اس طرف مڑنے والی کار قریب آ گئی تھی اس کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سب کچھ صاف نظر رہا تھا۔

دفعتاً" وہ کار ایک جھٹکے سے رک گئی اس کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی بڑی پھرتی سے نیچے اتر آیا.... وہ شارق تھا اس نے ثمینہ کو دیکھ لیا تھا اور ماجھا گجر کی کار بھی پہچان لی تھی اسے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

شارق نے جیب سے پستول نکال کر ماجھے گجر کی کار پر فائر کر دیا گولی پچھلے فینڈر پر لگی۔

"صدیقے!" ماجھا گجر چیخا۔ "کار بھگاؤ۔"

صدیقے نے ایک دم ایکسل ریٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا گولی کی آواز سے وہ بری طرح بدحواس ہو گیا تھا اس بدحواسی میں اسٹیئرنگ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا کار ایک مکان کی طرف بڑھی

اس سے پہلے کہ کار مکان کی دیوار سے ٹکراتی صدیقے نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اس دوران ماجھے گجر نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر گولی چلا دی تھی لیکن کار لہرا جانے کی وجہ سے اس کی گولی نجانے کس طرف چلی گئی تھی۔

ثمینہ سڑک پر پڑی تھی اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اٹھ کر اپنے مکان والی گلی کی طرف دوڑ لگا دی شارق ماجھے کی کار کے پیچھے دوڑا اس نے ایک اور فائر کر دیا تھا اس مرتبہ گولی کار کی عقبی ونڈ اسکرین میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی اور اس سے پہلے کہ شارق دوبارہ ٹرائیگر دباتا ماجھے گجر کی کار دوسری گلی میں مڑ گئی ماجھے گجر نے شارق کو اپنے تعاقب سے باز رکھنے کے لئے یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلا دیں۔

شارق رک گیا ماجھے گجر کی کار گلی میں غائب ہو گئی تھی وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر مڑ کر اپنے مکان والی گلی کی طرف دوڑا اور گلی میں مڑتے ہی ایک جھٹکے سے رک گیا ثمینہ پہلے مکان کی دیوار کے ساتھ چپکی کھڑی تھی اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور وہ دوسرے ہاتھ سے اپنی کہنی سہلا رہی تھی کار سے چھلانگ لگانے سے اسے کچھ چوٹیں آئی تھیں مگر یہ بھی غنیمت تھا کہ اس وقت کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی اور اسے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔

"ثمینہ!" شارق اس کے قریب رک گیا "تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں....ہاں....میں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تم گھر چلو..... میں گاڑی کو راستے سے ہٹا لوں۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ دیوار کا سہارا لے کر اپنے گھر کی طرف چلنے لگی اور شارق کار کی طرف دوڑا۔

اس وقت بعض گھروں کے دروازے کھلنے لگے تھے اور کچھ لوگ صورت حال معلوم کرنے کے لئے گھروں سے باہر آ رہے تھے شاہد بھی اپنے مکان سے باہر آ گیا تھا اور دروازے کے اندر رضیہ بھی کھڑی تھی۔

"ثمینہ باجی.... آپ.... آپ...."

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے شاہد کی بات کاٹ دی۔

اس لمحہ رضیہ تیزی سے مکان سے باہر آ گئی اس نے آگے بڑھ کر ثمینہ کو پکڑ لیا۔

"کیا ہوا ثمینہ باجی!" کہاں گئی تھیں تم؟"

"کچھ نہیں....اندر چلو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

اس دوران شارق بھی گاڑی گلی میں لے آیا' ثمینہ اور رضیہ اندر جا چکی تھیں شارق جیسے ہی گاڑی سے اترا گلی کے دو تین آدمی اس کے قریب آ گئے۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا.... کیا معاملہ تھا فائرنگ کون کر رہے تھے؟" ایک آدمی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ڈاکو تھے.... اتفاق سے میں بروقت اس طرف پہنچ گیا مجھے دیکھتے ہی انہوں نے گولی چلا دی جواب میں مجھے بھی گولی چلانا پڑی۔ وہ بھاگ گئے۔" شارق کہتے ہوئے اپنے مکان کے دروازے کی طرف بڑھا۔

"پولیس کو اطلاع دیں' یہ ڈاکو بڑے خطرناک ہوتے ہیں دوبارہ بھی آ سکتے ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"میں پولیس کو اطلاع دے کر مزید پریشانیوں میں نہیں الجھنا چاہتا۔" شارق یہ کہتے ہوئے اندر آ گیا۔

ثمینہ' رضیہ اور مریم صحن میں کھڑی تھیں شارق نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور ان تینوں کو کمرے میں لے آیا۔ مریم اور رضیہ کو ایک کمرے میں چھوڑ کر وہ ثمینہ کو لے کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ وہ خبیث یہاں تک کیسے پہنچا؟" شارق نے پوچھا۔

"رضیہ کے ساتھ سودا لینے بازار گئی تھی۔" ثمینہ نے کہا۔ "ایک دکان پر سودا لیتے ہوئے میں نے برقعے کا نقاب چہرے سے ہٹا دیا تھا۔ ایک آدمی نے اس وقت بہت غور سے میری طرف دیکھا تھا میں سمجھی کوئی شہدا لفنگا ہے میں نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا لیکن اس نے شاید ہمارا پیچھا کر کے گھر دیکھ لیا تھا۔" ثمینہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "کچھ دیر پہلے دروازے کی بیل بجی میں اس وقت کسی کام سے صحن میں نکلی تھی میں سمجھی کہ تم ہو گے میں نے دروازہ کھولا تو ماجھا گجر اور وہی آدمی دروازے میں کھڑا تھا جس نے آج دن میں مجھے بازار میں دیکھا تھا اس کا نام صدیق ہے وہ مجھے پستول کی زد پر اپنی کار میں لے آئے.... کار کی پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ ماجھا گجر تھا کار ابھی حرکت میں آئی ہی تھی کہ اسی لمحہ تمہاری کار گلی میں مڑی اور اسی وقت میں نے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی اگر تم نہ آتے تب بھی میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ راستے ہی میں اسے چکمہ دے کر بھاگنے کی کوشش کروں گی۔"

"یہ بہت برا ہوا۔" شارق اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "گھر کا پتہ چلا لینا ہمارے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات ہے۔ اسے یہ پتہ چل گیا ہے کہ تم بھی یہاں ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم پولیس کو مطلوب ہو۔ وہ اگرچہ خود دوبارہ یہاں آنے کی ہمت نہیں کرے گا لیکن وہ پولیس کو تمہاری یہاں موجودگی کی اطلاع دے سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد ہمیں نقصان پہنچانا ہے اور اس کے لئے وہ کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے ہمیں فوراً یہ مکان چھوڑ دینا چاہئے

ایک لمحہ ضائع کئے بغیر۔"

"تو کیا اماں اور رضیہ کو یہیں چھوڑ دیا جائے گا؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں وہ بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔" شارق نے کہا "تم رضیہ سے کہو کہ اپنی انتہائی ضروری چیزیں سمیٹ لے میں ماں جی سے بات کرتا ہوں وہ مشکل سے آمادہ ہوں گی لیکن انہیں یہاں چھوڑا نہیں جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے تم رضیہ کو یہاں بھیج دو۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق کمرے سے نکل گیا چند سیکنڈ بعد رضیہ اندر آ گئی۔

"کیا بات ہے ثمینہ باجی۔" رضیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شارق بھائی بہت پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"بات ہی پریشانی کی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "تم اپنے زیور نقدی کپڑے' کتابیں اور ضروری چیزیں سمیٹ لو ہم یہ گھر چھوڑ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" رضیہ نے اسے گھورا۔

"مطلب وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی کرو۔"

"لیکن ہم جائیں گے کہاں؟" رضیہ بولی۔

"ایک اور جگہ ہے جو اس سے زیادہ محفوظ ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "چند روز بعد حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو ہم دوبارہ یہیں آ جائیں گے۔"

رضیہ چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر الماری کے اوپر رکھا ہوا خالی سوٹ کیس اتار لیا اور الماری میں سے کپڑے دیگر قیمتی چیزیں وغیرہ سمیٹ کر اس میں بھرنے لگی۔ چند منٹ بعد شارق بھی آ گیا' اس نے بھی مریم کے کپڑے اور ضروری چیزیں ایک سوٹ کیس میں ڈال دی تھیں۔

"چلو..... جلدی کرو۔" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

ثمینہ نے اپنے کپڑے بھی رضیہ کے سوٹ کیس میں ڈال دیئے تھی۔

شارق نے شاہد کو بلا کر ہدایت کی کہ گھر کے تمام دروازے بند کر دے اور چابیاں اپنے پاس ہی رکھے۔

"تمہاری گاڑی ٹھیک ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے رضیہ کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہاں ٹھیک ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تو پھر باہر نکلو.... جلدی کرو۔" شارق نے کہا۔

وہ کمرے سے باہر آ گئے مریم برآمدے میں کھڑی تھی وہ بے حد پریشان نظر آ رہی تھی شارق انہیں لے کر باہر نکل گیا اور شاہد کمرے بند کرنے لگا۔

شارق اور مریم سفید کار میں بیٹھے تھے ثمینہ اور شاہد' رضیہ کی کار میں آ گئے دونوں کاریں اسٹارٹ ہو کر حرکت میں آ گئیں۔ شارق کی کار آگے تھی اور رضیہ والی کار اس کے پیچھے۔

شملہ پہاڑی کے قریب پہنچ کر شارق نے کار روک لی۔ رضیہ نے بھی اس کے پیچھے ہی کار روک لی شارق اپنی کار سے اتر کر ان کی کار کے قریب آ گیا۔

"شاہد! تم سہیل کے پاس چلے جاؤ اس سے کہنا میں ایک دو دن میں اس سے رابطہ کروں گا۔" شارق نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "لو یہ پیسے رکھ لو۔ یہاں سے رکشے پر بیٹھ جانا۔"

شاہد پیسے لے کر کار میں سے اتر گیا۔

"رضیہ! تم اپنی گاڑی کو میرے پیچھے ہی رکھنا ویسے ثمینہ تمہیں راستہ بتاتی رہے گی۔ ٹھیک ہے ثمینہ! اقبال ٹاؤن والی کوٹھی۔"

"ٹھیک ہے تم چلو۔ ہم تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

دونوں کاریں ایک بار پھر آگے پیچھے روانہ ہو گئیں۔

تقریباً پینتیس منٹ بعد وہ اقبال ٹاؤن والی کوٹھی پہنچ گئے نولکھا اکیلا ہی تھا گاما اور راجو مزنگ والے اڈے پر چلے گئے تھے رضیہ اور مریم کے سوٹ کیس اوپر والے کمروں میں پہنچا دیئے گئے۔ وہ دونوں اس وقت ثمینہ والے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ شارق اس وقت نیچے نولکھے کے پاس تھا۔ ثمینہ نے شاداں سے چائے کے لئے کہا اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"بات کیا ہے ثمینہ بیٹی۔" مریم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس گھر سے چوروں کی طرح کیوں بھاگے ہیں؟"

"ماں جی آپ تو مجھ سے زیادہ جانتی ہیں۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "شارق کے کچھ پرانے دشمن ایک بار پھر سامنے آ گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے اغواء کرنے کی کوشش کی تھی یہ تو اتفاق تھا کہ شارق وقت پر پہنچ گیا تھا۔ آپ نے فائرنگ کی آواز سنی ہو گی شارق کو اندیشہ تھا کہ وہ لوگ دوبارہ حملہ کر کے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں اس لئے وہ ہم سب کو یہاں لے آیا ہے۔"

"یہ کوٹھی کس کی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تمہارے بھیا ہی کی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا....؟" رضیہ اچھل پڑی۔ "مم..... مگر شارق بھائی نے پہلے تو کبھی اس کوٹھی کا ذکر نہیں کیا۔"

"خیال نہیں رہا ہو گا ویسے اس کوٹھی میں آئے ہوئے چند ہی روز گزرے ہیں۔"

مریم خاموش بیٹھی تھی۔ اس صورت حال سے اسے ذہنی طور پر اس قدر شدید دھچکا پہنچا تھا کہ وہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے ذہن میں تو صرف ایک بات تھی کہ شارق کے پرانے دشمن اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شارق کے پرانے دشمنوں میں منشیات کے اسمگلر تھے اور پولیس والے بھی تھے لیکن شارق نے تو کبھی ان کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ وہ تو یہی سمجھتی رہی تھی کہ دشمنوں نے شارق کا پیچھا چھوڑ دیا تھا اور شارق باعزت طریقے سے کوئی کاروبار کر رہا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ شارق کا کاروبار کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شاداں چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک ایک کپ ان تینوں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

"شارق کو چائے دی؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"جی بی بی جی.... شارق صاحب اور نولکھا کو بھی چائے دے دی ہے۔" شاداں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

شاداں چلی گئی ثمینہ ان کے ساتھ بیٹھی چائے پیتی رہی پھر تینوں خالی کپ لے کر نیچے آ گئی۔ اس نے خالی کپ شاداں کے حوالے کئے اور نولکھے کے کمرے میں آ گئی جہاں شارق بھی موجود تھا۔

"آؤ ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمہاری ہی باتیں ہو رہی تھیں۔"

"مثلاً کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ تم نے بڑی ہمت سے کام لیا جو چلتی کار سے چھلانگ لگا دی۔" نولکھا نے کہا۔ "ویسے ماجھا گجر تو بڑا ہی بے غیرت نکلا اس نے تو گجروں کا نام ہی ڈبو دیا۔"

"ارے ہم لاکھ برے سہی مگر کسی کی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ لڑائی تو مردوں میں ہوتی ہے عورتوں کو بیچ میں لانے کا کیا مطلب؟"

"اب اس نے عورتوں کو گھسیٹ ہی لیا ہے تو اسے بتا دیا جائے گا کہ عورتیں کمزور نہیں ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا مطلب؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"اب تک میں ڈرتی رہی تھی لیکن پچھلے واقعات نے اور خاص طور پر آج کے واقعہ نے میرا سارا ڈر خوف نکال دیا ہے اب میں خود ماجھے گجر سے نمٹوں گی۔ اسے بتاؤں گی کہ کسی عورت پر ہاتھ ڈالنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "ابھی ہم زندہ ہیں ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے آج اس نے جو حرکت کی ہے اس کا نتیجہ تو اسے میں دکھاؤں گا۔ اس بزدل کو اگر کہیں نکلنے دیا تو میرا نام بدل دینا۔"

"جو آدمی گجر کے ساتھ تھا اس کا کیا نام بتایا تھا تم نے۔" اس مرتبہ شارق نے پوچھا۔

"صدیقا!" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن اب تم اس معاملے میں دخل نہیں دو گے۔ ماجھے گجر نے میری بے عزتی کی ہے اس کا مزہ بھی اسے میں ہی چکھاؤں گی۔ کل ہی میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"ایک بات سوچ لو۔" شارق نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے ہی اس کا ایک بندہ مار چکی ہو اگر تم اس کے ہاتھ لگ گئیں تو وہ تمہیں خونی بھیڑیئے کی طرح چیر پھاڑ ڈالے گا۔"

"سوچنے کا وقت تو اب گزر چکا ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اور تم بھی میری ایک بات نوٹ کر لو... اب ماجھا گجر مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"میرا خیال ہے ماجھا گجر بھی اب آسانی سے تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔" شارق بولا۔

"میں کل ہی اسے تلاش کر لوں گی دیکھ لینا۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ماجھے گجر کو تم اچھی طرح سمجھ چکی ہو' وہ نہایت کمینہ اور گھٹیا ذہنیت کا ملک ہے۔ ایسے کمینے دشمن سے نمٹنے کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔" ثمینہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے اس جیسے کمینے لوگوں سے نمٹنا سیکھ لیا ہے۔" وہ انگڑائی لیتے ہوئے اٹھ گئی۔ "اب میں سونے کے لئے جا رہی ہوں نیند آ رہی ہے۔"

ثمینہ جب اپنے کمرے میں پہنچی تو مریم اور رضیہ اس کے پلنگ پر سو رہی تھیں اس نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا اور دوسرے کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ پہلے شارق کے استعمال میں تھا۔ مریم اور رضیہ کے سوٹ کیس اسی کمرے میں رکھوائے گئے تھے۔ دونوں سوٹ کیس اب بھی

پلنگ پر پڑے ہوئے تھے ثمینہ نے دونوں سوٹ کیس اٹھا کر نیچے رکھ دیئے اور پلنگ پر لیٹ گئی کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اپنے ساتھ کسی کو لیٹے پا کر بری طرح گڑبڑا گئی۔ اس کے ساتھ پلنگ پر جو کوئی بھی تھا اس کا ایک ہاتھ ثمینہ کے سینے پر تھا ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا' وہ رضیہ تھی جو کس وقت اپنے کمرے سے آ کر اس کے ساتھ لیٹ گئی تھی ثمینہ کے اس طرح گڑبڑا کر اٹھنے سے رضیہ بھی جاگ گئی۔

"اوہ!" رضیہ جمائی لیتے ہوئے بولی۔ "میں آپ کو جگانے آئی تھی اور خود بھی یہاں لیٹ کر سو گئی۔"

"اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تم بھی رات کو دیر تک جاگتی رہی تھیں۔" ثمینہ نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دس بج رہے ہیں اب واقعی اٹھ ہی جانا چاہئے۔"

"دس!" رضیہ اچھل پڑی۔ "میں آٹھ بجے آئی تھی آپ کو جگانے کے لئے' ماں جی کمرے میں بیٹھی غصے سے کھول رہی ہوں گی ابھی ناشتہ نہیں کیا۔"

"تو پھر جلدی سے اٹھ جاؤ۔" ثمینہ بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی جب وہ باتھ روم سے نکلی تو رضیہ وہاں نہیں تھی ثمینہ تیار ہو کر رضیہ والے کمرے میں آ گئی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بالوں میں کنگھا کر رہی تھی مریم کمرے میں نہیں تھی۔

"کہاں ہیں ماں جی؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ گھوم پھر کر کوٹھی دیکھ رہی ہیں۔" رضیہ نے بتایا۔

"ابھی تک ناشتہ نہیں کیا انہیں واقعی غصہ آ رہا ہو گا۔" ثمینہ بولی۔

"اب پریشانی کی ضرورت نہیں شاداں نے انہیں ناشتہ کروا دیا تھا۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "شارق بھائی اور وہ دوسرا آدمی' کیا نام بتایا تھا آپ نے اس کا؟"

"نولکھا۔" ثمینہ بولی۔

"ہاں.... وہ دونوں ابھی تک سو رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ دونوں ابھی باتیں کر رہی تھیں کہ شاداں کمرے میں داخل ہوئی۔

"ثمینہ بی بی..... آپ لوگ ناشتہ کر لیں ساڑھے دس بج رہے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم ناشتہ تیار کرو ہم نیچے ہی آ رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

اس کے تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ دونوں ڈائننگ روم میں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں اسی دوران مریم بھی آ گئی اور ثمینہ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"ثمینہ بیٹی۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شارق نے یہ کوٹھی کب خریدی تھی؟"

"یہ کوٹھی دراصل شارق کے ایک دوست کی ہے ماں جی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ابھی خریداری کی بات مکمل نہیں ہوئی دوست نے کوٹھی شارق کے حوالے کر دی ہے کہ سودا بھی ہو جائے گا فکر کی بات نہیں ہے شارق نے آپ لوگوں کو اس لئے نہیں بتایا کہ وہ سودا مکمل ہو جانے کے بعد آپ کو بتا کر سرپرائز دینا چاہتا تھا لیکن رات کو جو کچھ بھی ہوا اس کی وجہ سے آپ کو یہاں لانا پڑا۔"

"ہم جس طرح وہاں سے بھاگے ہیں وہ میرے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہے۔" مریم نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اس محلے کے لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ کتنے اچھے تعلقات تھے ان لوگوں سے اس طرح چوروں کی طرح وہاں سے بھاگنا...."

"کوئی بھی کچھ نہیں سوچ رہا ہو گا ماں جی۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "سب ہی لوگوں کو رات ہی میں پتہ چل گیا تھا کہ وہ ڈاکو تھے جنہوں نے مجھے اغواء کرنے کی کوشش کی تھی ڈاکو اگرچہ بھاگ گئے تھے لیکن ایسی صورت میں وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا ظاہر ہے اپنی جان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے ہم بھی اپنی جان بچانے کے لئے اس طرح وہاں سے نکلے ہیں بس چند روز کی بات ہے آپ لوگ دوبارہ وہاں جائیں گی تو کسی کے دل میں اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے تو وہ دور ہو جائے گی۔"

"اور میرا یونیورسٹی کا کیا بنے گا؟" رضیہ نے پوچھا۔

"آج تو تم غوطہ لگا گئیں لیکن کل تم یونیورسٹی جاؤ گی۔" ثمینہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "گاڑی تمہارے پاس موجود ہے خادم تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"خادم کون؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوٹھی کا ملازم ہے تم نے شاید ابھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"وہ کیوں میرے ساتھ جائے گا؟" رضیہ بولی۔

"اول تو تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن احتیاطاً خادم تمہارے ساتھ رہے گا خدانخواستہ کوئی ایسی بات ہوئی تو خادم ایک بہت اچھا گن مین ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ میں گن مین کے ساتھ یونیورسٹی آیا جایا کروں گی۔" رضیہ نے کہا۔

"کسی کو کیا پتہ کہ وہ گن مین ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "وہ ڈرائیور کی حیثیت سے تمہارے ساتھ رہے گا۔"

رضیہ کوئی جواب دینے کے بجائے ماں کی طرف دیکھنے لگی وہ خاموش بیٹھی تھی اس کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد شارق اور نولکھا بھی اٹھ گئے۔ مریم اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور ثمینہ، رضیہ کو کوٹھی دکھانے لگی۔ پوری کوٹھی دیکھ کر رضیہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اتنی شاندار کوٹھی۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "دل چاہتا ہے کہ ساری زندگی یہیں رہ جاؤں۔"

"رہ جاؤ۔ تمہیں کس نے روکا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور وہ مکان؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسے چھوڑ دو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

رضیہ نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد ثمینہ نے کپڑے بدل لئے۔ اس نے پھر پینٹ شرٹ پہنی تھی پیروں میں جوگرز سر پر ٹوپی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ، اس نے شارق کا پستول بھی چیک کر کے اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا تھا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شیرنی پہلی مرتبہ اپنے شکار کی تلاش میں جا رہی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" نولکھا ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔

"تم صدیقے کو جانتے ہو؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں میں نے یہ نام ہی پہلی مرتبہ سنا ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"تو پھر تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں مزنگ سے گامے کو ساتھ لے لوں گی وہ صدیقے کو ضرور جانتا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ مگر ذرا محتاط رہنا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے میز پر سے سفید ٹویوٹا کی چابی اٹھائی اور مٹک مٹک کر چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی نظریں اوپر اٹھ گئیں رضیہ باہر والی بالکونی میں کھڑی تھی ثمینہ نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور گاڑی کو گیٹ سے نکال لے گئی خادم نے گیٹ بند کر دیا۔

ثمینہ کو مزنگ والے اڈے تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے پھاٹک کے سامنے گاڑی روک لی اور اتر کر پھاٹک میں داخل ہو گئی۔ گلی کی ورکشاپوں میں کام کرنے والے لوگ

aazzamm@yahoo.com

عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

گاما سائبان کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ احاطے کی صفائی ہو چکی تھی تھوڑا بہت کام رہ گیا تھا۔ گامے نے دو مزدور لگا رکھے تھے راجو بھی مزدوروں کے ساتھ کام میں لگا ہوا تھا۔ ثمینہ کو دیکھ کر گاما ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"خیریت ثمینہ بی بی؟" اس نے ثمینہ کے قریب آتے ہی پوچھا۔

"صدیقے کو جانتے ہو؟" ثمینہ نے سوال کیا۔

"صدیقا! وہ باغبانپورے والا۔" گامے نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ باغبانپورہ ہی کا رہنے والا ہے ماجھے گجر کا ساتھی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"گنجا اور قدرے چھوٹے قد کا بھاری بھرکم آدمی ہے۔" گاما بولا۔

"ہاں وہی۔" ثمینہ نے کہا۔

"وہ باغبانپورہ ہی میں ہے گھاس منڈی کے آس پاس گھوم پھر کر کام کرتا ہے۔"

"اس وقت کہاں ملے گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہیں ہونا چاہئے۔" گامے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میرے ساتھ چلو۔" ثمینہ نے کہا۔

گامے نے راجو کو کام کے بارے میں بتا دیا اور ثمینہ کے ساتھ احاطے سے باہر آ کر کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور کار ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھا دی۔

ثمینہ بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ جب کسی ٹریفک سگنل پر گاڑی رکتی تو لوگ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگتے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی نہایت خوبصورت اور فیشن ایبل لڑکی اور اس کی ساتھ پسنجرز سیٹ پر بیٹھا ہوا گاما جو لباس اور شکل و صورت ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔ یہی تضاد لوگوں کے لئے غالباً حیرت کا باعث تھا۔

باغبانپورہ میں گھاس منڈی کے سامنے ثمینہ نے گاڑی روک لی۔

"کسی سے معلوم کرو صدیقا کہاں ہے؟" ثمینہ نے گامے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

گاما گاڑی سی اتر کر کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر گھاس منڈی کے ساتھ والی گلی میں داخل ہو گیا اس کی واپسی تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی وہ پاکستانی بازار کی طرف سے آیا تھا۔

"پتہ چلا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں وہ باغیچی سیٹھاں والی میں بیٹھا ہوا ہے۔" گامے نے جواب دیا۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ سامنے والی گلی میں۔" گامے نے سڑک کے پار اشارہ کیا۔

"بیٹھو۔" ثمینہ نے اشارہ کیا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے یو ٹرن لیا اور گامے کے کہنے پر گاڑی ایک تنگ سی گلی میں موڑ دی۔ اس گلی میں دائیں طرف ایک بہت بڑا احاطہ تھا جو گھوڑوں کے اصطبل کا کام دے رہا تھا۔ اس سے آگے فرنیچر کا ایک بہت بڑا ورکشاپ تھا بائیں طرف مکان بھی تھے اور دو تین ایسے چھوٹے چھوٹے کارخانے تھے جہاں سائیکلوں کے پرزے تیار ہوتے تھے۔

اس سے آگے ایک چھوٹا سا میدان تھا جس کے چاروں طرف کسی قلعہ نما عمارت کی قدیم چار دیواری تھی فرنیچر کے ورکشاپ کے ساتھ ہی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کا واٹر پمپ اور میونسپل کارپوریشن کی ایک چھوٹی سی ڈسپنسری تھی۔ بالکل سامنے چھوٹی سرخ اینٹوں کا ایک بہت بڑا چبوترہ تھا جس کے عین وسط میں ایک ٹوٹی پھوٹی قبر تھی قبر والے چبوترے پر پیپل کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ پیپل کا یہ درخت بھی شاید اتنا ہی قدیم تھا جتنی یہ قبر..... اس کی پھیلی ہوئی شاخیں قبر پر سایہ فگن تھیں۔

یہ مہابت خان کی قبر تھی..... وہی مہابت خان جو شہنشاہ جہانگیر کا جرنیل تھا۔ لاہور کا گورنر..... بڑا دبدبہ تھا اس کا..... لیکن اب اس کی قبر کے چبوترے پر بچے کرکٹ کھیلا کرتے تھے کسی زمانے میں اس کے چاروں طرف ایک عظیم مقبرے کی دیوار ہوا کرتی تھی چار دیواری اور احاطے کا کچھ حصہ اب بھی باقی تھا جسے لوگوں نے اصطبل بنا لیا تھا۔

ثمینہ نے گاڑی قبر والے چبوترے کے قریب روک لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی اس کی نظریں چار دیواری کے بالکل آخری کونے میں ایک جگہ جم گئیں احاطے کے اس حصے میں تانگوں کی مرمت کرنے والے نے قبضہ جما رکھا تھا تین چار ٹوٹے پھوٹے تانگے کھڑے تھے ایک طرف ایک دائرے میں اپلے سلگ رہے تھی ان اپلوں میں کسی تانگے کے پہیے کا رم دبا ہوا تھا۔

قریب ہی دو تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی زمین پر پڑی ہوئی تانگے کی ایک ٹوٹی پھوٹی گدی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے میلی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔

"میرا خیال ہے صدیقا وہ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جس نے چادر اوڑھ رکھی ہے۔" ثمینہ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہی ہے میں اسے لے کر آتا ہوں۔" گاما اترنے کے لئے کار کا دروازہ کھولنے لگا۔

"خیال رکھنا بھاگنے نہ پائے۔" ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"میری نظروں میں آگیا ہے اب بچ کر کہاں جائے گا۔" گاما کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔

قبر والے چبوترے کے قریب مکانوں کے سامنے کوئی گاڑی رکنا انوکھی بات نہیں تھی لیکن تانگوں والے ورکشاپ میں بیٹھے ہوئے دو تین آدمی بڑے غور سے اس طرف دیکھ رہے تھے اور جب گاما گاڑی سے اتر کر آگے بڑھنے لگا تو دو آدمی وہاں سے کھسک گئے۔ تانگے کی ٹوٹی ہوئی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے بھی گامے کو دیکھ لیا تھا اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے۔

وہ صدیق تھا۔ گامے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اسے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آہستہ آہستہ تانگوں کے پچھلی طرف جانے لگا۔ گاما ابھی دور ہی تھا کہ صدیقے نے فصیل نام دیوار کی طرف دوڑ لگا دی گاما بھی للکارتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا۔

فصیل نما دیوار ٹوٹی پھوٹی تھی دیوار کی بلندی اگرچہ بیس بائیس فٹ تھی مگر اس پر چڑھنا زیادہ مشکل نہیں تھا اور صدیقا دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گامے نے جیب سے پستول نکال کر گولی چلا دی وہ اسے نشانہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ فائر کا مقصد محض اسے ڈرانا تھا۔ گولی صدیقے کے پیر سے تقریباً دو فٹ دور دیوار میں لگی دیوار کا چونے کا پلستر اکھڑ کر گرا صدیقے کی منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ بھی دھڑام سے نیچے گر گیا۔

فائر کی آواز سے ڈسپنسری اور آس پاس کے لوگ چونک گئے۔ کچھ لوگ خوفزدہ ہو کر وہاں سے محفوظ جگہ کی طرف دوڑے تھے۔ گاما دوڑ کر صدیقے کے قریب پہنچ گیا جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا گامے نے قریب پہنچتے ہی اس کے سر اور پسلیوں پر دو تین ٹھوکریں رسید کر دیں اور چادر کھینچ کر دور پھینک دی چادر کے ساتھ ہی کپڑے کا ایک چھوٹا سا تھیلا بھی دور جا گرا تھا جس میں سے پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں نکل کر ادھر ادھر بکھر گئیں وہ ہیروئن کی تھیلیاں تھیں۔ گامے نے صدیقے کو قمیض کے کالر سے پکڑ لیا اور اسے گھسیٹا ہوا کار کی طرف لے جانے لگا۔

لوگ اب خوفزدہ ہو کر بھاگنے کی بجائے کھڑے یہ دلچسپ منظر دیکھ رہے تھے بہت سے لوگ صدیقے کو ہیروئن فروش کی حیثیت سے جانتے تھے ان کے خیال میں اسے پکڑنے والا کوئی پولیس کا آدمی تھا لیکن جب انہوں نے کار میں ایک خوبصورت لڑکی کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی تھی کہ کیا اس خوبصورت لڑکی کا تعلق خفیہ پولیس سے ہو سکتا ہے؟

تانگوں والے ورکشاپ پر بیٹھے ہوئے بعض لوگ گامے کو بھی جانتے تھے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ صدیقا ماجھا گجر کا آدمی تھا اور گاما کا تعلق شارق سے تھا اور یہ دونوں گروہ طویل عرصہ سے آپس میں لڑ رہے تھے۔ ان لوگوں کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اب صدیقے کی خیر نہیں۔

گاما صدیقے کو ٹھوکریں مارتا ہوا کار کے قریب لے آیا اس نے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے ٹھوکریں مارتے ہوئے اندر ٹھونس دیا اور خود بھی اندر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

ثمینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اس نے کار ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دی کار واپس موڑنے کے بجائے وہ ایک اور گلی میں گھوم کر پچھلی طرف ایک تنگ سے بازار میں نکل آئی۔ تنگ دھڑنگ بچے بھی سڑک پر دوڑ رہے تھے ٹریفک اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن ثمینہ کار کی رفتار بڑھا نہیں سکی تھی۔ اسے رفتار بڑھانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اسے اطمینان تھا کوئی ان کے تعاقب میں نہیں ہے۔

یہ تنگ سی سڑک انگوری سینما کے قریب مغلپورہ لنک روڈ پر جا ملتی تھی اس سڑک پر پہنچتے ہی ثمینہ نے کار دائیں طرف موڑ دی اور اس کے ساتھ ہی کار کی رفتار بڑھا دی لاہور چھاؤنی کی مختلف سڑکوں اور آر اے بازار کی طرف سے ہوتی ہوئی کار گڑھی شاہو والی سڑک پر آ گئی۔

پچھلی سیٹ پر گاما صدیقے کو دبوچے بیٹھا تھا۔ سب سے پہلے اس نے صدیقے کی تلاشی لی تھی اس کی جیب سے ایک کمانی دار چاقو برآمد ہوا تھا جسے گامے نے ثمینہ کے حوالے کر دیا تھا۔ ثمینہ نے وہ چاقو ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال دیا تھا اس کمانی دار چاقو کے علاوہ اس کی جیبوں سے ہیروئن کی چند پڑیاں اور کچھ رقم برآمد ہوئی تھی۔

"تم جیسے لوگوں کا مال تو جائز اور حلال ہے۔" گامے نے کہتے ہوئے وہ رقم اپنی جیب میں ڈال لی۔

"گامے!" ثمینہ نے سامنے لگے ہوئے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس سے معلوم کرو ماجھا گجر کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم..... خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم....." صدیقا گھگھیایا۔

"کل تو تمہیں معلوم تھا۔" ثمینہ نے کہا۔ "مجھے بازار میں دیکھ کر تم نے تعاقب کر کے میرا گھر دیکھ لیا اور گجر کو اطلاع کر دی۔ گجر تو بڑے غیرت مند ہوتے ہیں لیکن ماجھے جیسا بے غیرت گجر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس میں شارق کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں مجھے اٹھانے کی کوشش کر ڈالی اور اس کوشش کا نتیجہ تم نے بھی دیکھ لیا۔ اگر عین وقت پر شارق نہ بھی پہنچ جاتا تو تم لوگ مجھے لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے یہ میرے ہاتھ دیکھ رہے ہو؟" اس نے بایاں ہاتھ اٹھا کر دکھایا۔ "میں نے کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔ ماجھے گجر سے اب شارق نہیں میں نمٹوں گی۔ تم تو اس کے بہت معمولی سے کارندے ہو کل تم نے وہی کیا تھا جو تمہیں کرنا چاہئے تھا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں نہیں

aazzamm@yahoo.com

چاہتی کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم شرافت سے مجھے بتا دو کہ ماجھا گجر کہاں ہے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"رب جانتا ہے ثمینہ بی بی مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔" صدیقا نے جواب دیا۔

"کل تم نے اسے میرے بارے میں اطلاع کیسے دی تھی؟" ثمینہ نے کہا۔

"کل وہ نہر والی کوٹھی پر تھا۔" صدیقے نے جواب دیا۔ "لیکن رات والے واقعہ کے بعد اس نے اپنا ٹھکانہ بدل لیا ہے وہ ڈر گیا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں اب وہ کہاں ہو گا۔"

"ثمینہ بی بی! یہ ایسے نہیں مانے گا۔" گامے نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اسے حویلی لے چلو میں خود ہی معلوم کر لوں گا۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے ایسے لوگوں کی زبان کھلوانے کے لئے پیار بھری باتوں کی نہیں لاتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور کار کی رفتار بڑھا دی۔

صدیقہ گھگھیا گھگھیا کر ثمینہ کی منت سماجت کر رہا تھا کہ وہ بے قصور ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔ گامے نے اس کی پسلیوں پر دو تین گھونسے جما دیئے وہ دانت بھینچ کر دوہرا ہو گیا۔

"اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو گردن مروڑ دوں گا۔" گاما غرایا۔

صدیقا پسلیوں پر ہاتھ رکھ کر دوہرا ہو کر بیٹھا رہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ حویلی پہنچ گئے۔ ثمینہ نے کار گیٹ کے باہر ہی روک لی تھی۔

"گامے! میں شام کو آؤں گی اس وقت تک تمہیں اس سے یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ ماجھا گجر کہاں ہے۔" ثمینہ نے کہا اور کار موڑ لی۔

واپسی پر جب وہ سمن آباد موڑ پر پہنچی تو کسی حادثے کی وجہ سے ٹریفک جام ہو رہا تھا۔ ثمینہ آہستہ آہستہ گاڑی کو آگے بڑھاتی رہی۔ ٹریفک سڑک کے کنارے بہت ہلکی رفتار سے چل رہا تھا سمن آباد موڑ سے ذرا آگے گندے نالے کا پل تھا۔ اس پل کے دوسری طرف سڑک کے دائیں طرف چوبرجی کوارٹرز تھے لیکن اب ثمینہ کو اس طرف سے گزرنے میں کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

پلیا پر ٹریفک کی رفتار کچھ اور بھی سست ہو گئی تھی دفعتاً" ایک موٹر سائیکل آگے نکل کر کار کے برابر آ گئی۔ ثمینہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ موٹر سائیکل سوار نے کھڑکی پر ہاتھ مارا۔ ثمینہ نے گردن گھما کر دیکھا اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا موٹر سائیکل سوار اس کا باپ تھا۔

"گاڑی ایک سائیڈ پر روکو۔" اس کے باپ نے اشارہ کیا۔

باپ کو دیکھ کر ثمینہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ گاڑی روک رہی ہے۔

تقریباً پچاس گز آگے نکل کر اس نے گاڑی بائیں طرف ایک راستے پر موڑ لی اس طرف بھی سرکاری کوارٹرز تھے اور یہ راستہ ان کوارٹروں میں آنے جانے کے لئے تھا۔ اس سے چند گز آگے چوبرجی کوارٹرز کا گیٹ تھا۔ ثمینہ نے اس راستے پر موڑتے ہی گاڑی روک لی۔ اس کے باپ نے بھی قریب آ کر موٹر سائیکل روک لی تھی۔ باپ کی چہرے کے تاثرات دیکھ کر ثمینہ کے دل پر گھونسہ سا لگا۔

"ڈیڈی!" وہ کار سے اتر کر باپ کے سامنے کھڑی ہو کر بولی۔ "کچھ کہنے سے پہلے میری بات سن لیجئے ہم پہلے ہی بہت رسوائی دیکھ چکے ہیں۔ آپ شاید یقین نہیں کریں گے کہ میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے لمبی داستان ہے میری ذلت اور رسوائی کی' آپ پلیز! گھر چلے جایئے کسی کو مت بتایئے کہ مجھ سے ملاقات ہوئی تھی میں کسی روز گھر آؤں گی پھر چاہے آپ میرا گلا گھونٹ دیجئے لیکن پلیز ڈیڈی اس وقت آپ کچھ مت بولئے۔"

باپ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے اور پھر دفعتاً" موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔ کک لگا کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اسے تیزی سے گھما کر کالونی کے گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس نے مڑ کر ثمینہ کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

ثمینہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی قریبی کوارٹر کا دروازہ کھلا ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا وہ عجیب سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ کار میں بیٹھ گئی اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور یو ٹرن لے کر کار کو سڑک پر لے آئی سڑک پر آتے ہی اس نے کار کی رفتار ایک دم بڑھا دی اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

وہ گھر جانے کی بجائے مال روڈ کی طرف نکل گئی۔ لارڈز کے سامنے کار روک کر وہ نیچے اتر آئی اس وقت ساڑھے پانچ بجے تھے مال روڈ پر بڑی چہل پہل تھی۔ لارڈ کے سامنے بہت کھلی جگہ تھی جہاں گاڑیاں بھی کھڑی تھیں اور کچھ لوگ کھڑے باتوں میں وقت گزار رہے تھے۔ ایک موٹر سائیکل کے قریب ایک نوجوان کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا جبکہ اس کا دوسرا ساتھی موٹر سائیکل پیچھے کی سیٹ پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے دونوں پیر ایک ہی طرف تھے وہ بھی سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

ثمینہ نے تاریک شیشوں کی عینک اتار کر سیٹ پر ڈال دی اور اپنا بیگ اٹھا کر کندھے پر لٹکایا'

aazzamm@yahoo.com

کار کا دروازہ کھول کر شیشہ چڑھایا اور دروازہ لاک کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگی یہاں آنے میں اس کے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ باپ سے ملاقات کے بعد وہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی اور غیر ارادی طور پر اس طرف نکل آئی تھی۔

موٹر سائیکل کے قریب کھڑے ہوئے نوجوان نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے بھی گھوم کر دیکھا اور اس کے ہونٹوں سے بے اختیار سیٹی نکل گئی۔

ثمینہ نے سیٹی کی آواز سن لی اور گھورتی ہوئی نظروں سے ان نوجوانوں کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دونوں اچھے اور معزز گھرانوں کے لگتے تھے لیکن ان کے مزاج میں آوارگی نمایاں تھی۔ ثمینہ لاپرواہی سے قدم اٹھاتی ہوئی ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھی دروازے پر کھڑے ہوئے باوردی دربان نے پہلے اسے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

ثمینہ پہلی مرتبہ شارق کے ساتھ یہاں آئی تھی تو سہمی سہمی تھی لیکن آج وہ بڑے بے باکانہ انداز میں اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ دروازے کے قریب ہی رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اندر روشنی بہت مدھم تھی چند میزوں پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے جبکہ بیشتر میزیں خالی تھیں یہاں کی رونق دراصل شام کے بعد شروع ہوتی تھی اور اس وقت تو سیٹ حاصل کرنا بھی مشکل ہوتا تھا۔

ثمینہ چند لمحے دروازے کے قریب کھڑی رہی پھر ایک باوردی ویٹر تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔

"اس طرف تشریف لائیے میڈم!" ویٹر نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔

"تھینک یو" ثمینہ آگے بڑھ کر اس میز کے قریب پہنچ گئی۔ ویٹر نے بڑے احترام سے اس کے لئے کرسی کھینچ دی تھی۔ ثمینہ کے بیٹھتے ہی ویٹر چلا گیا چند منٹ بعد وہ واپس آیا اور ایک خوبصورت طشتری میں رکھا ہوا ٹھنڈے پانی کا گلاس اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"کافی لے آؤ.... ذرا اسٹرانگ۔" ثمینہ نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ویٹر کے جانے کے بعد اس نے گلاس اٹھا لیا اور ایک دو گھونٹ بھرنے کے بعد گلاس دوبارہ میز پر رکھ دیا۔ پانی اس قدر ٹھنڈا تھا کہ اس کے حلق اور سینے میں ٹھنڈک کی ایک لہر سی دوڑاتا ہوا چلا گیا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد ویٹر نے اس کے سامنے کافی سرو کر دی ثمینہ کڑوی کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ والی میز خالی تھی۔ اس کے بعد والی میز پر ایک نوجوان جوڑا بیٹھا ہوا سر جھکائے سرگوشیوں میں باتیں کر رہا تھا۔

ثمینہ نے کافی کا ابھی آدھا کپ ہی ختم کیا تھا کہ ریسٹورنٹ کا دروازہ کھلا اس کی نظر بے

اختیار دروازے کی طرف اٹھ گئی وہی دونوں نوجوان اندر داخل ہوئے جنہیں وہ باہر موٹر سائیکل کے قریب دیکھ چکی تھی۔ وہ دونوں دروازے کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ کو دیکھ کر ان میں سے ایک کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی وہ دونوں اس میز کی طرف آ گئے ثمینہ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر کافی کی چسکیاں لینے لگی۔

"ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں!" ان میں سے ایک نوجوان نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے ساتھی کے مقابلے میں قدرے لمبے قد کا مالک تھا۔ گوری رنگت اور کلین شیو دوسرا درمیانے قد کا مالک تھا سانولی رنگت اور پنسل ٹائپ مونچھیں۔

"ارے یار عارف۔" مونچھوں والے نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پوچھنے کی کیا بات ہے بیٹھ جاؤ کمپنی رہے گی یہ خود بھی اکیلی بیٹھی بور ہو رہی ہو گی۔"

"جناب محمود صاحب آپ شاید بھول گئے ہیں کہ ایئی کیٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" لمبے قد والے عارف نے کہا۔

"ارے چھوڑو یار ایئی کیٹ کو.... بیٹھو۔" محمود کہتے ہوئے بے تکلفی سے ثمینہ کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اس کی ساتھ ہی چٹاخ کی آواز ابھری اور مختلف میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ گھوم کر اس طرف دیکھنے لگے۔ محمود کے گال پر پڑنے والا تھپڑ اس قدر زوردار تھا کہ وہ کرسی سمیت ہل کر رہ گیا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ بے اختیار گال پر پہنچ گیا اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تت..... تم.... تمہاری یہ ہمت..." محمود کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"آؤٹ!" ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے چیختے ہوئے ایک ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "تم لوگ یہ کیوں سمجھتے ہو کہ اکیلی نظر آنے والی ہر لڑکی آوارہ ہوتی ہے۔ اگر تم ایک سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے دفعان نہ ہوئے تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ اپنے پیروں پر چل کر جا بھی نہیں سکو گے۔"

دراز قامت عارف ثمینہ کی اس کارروائی سے بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے ہٹ جانا چاہا لیکن محمود نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اسی لمحہ ریسٹورنٹ کا مینجر اور دو تین ویٹر بڑی تیزی سے وہاں پہنچ گئے۔

"یہ ریسٹورنٹ ہے یا قحبہ خانہ؟" ثمینہ' مینجر کی طرف دیکھ کر بولی۔ "کیا لچے لفنگوں کے داخلے پر کوئی پابندی نہیں' یا شرفاء یہاں آنا چھوڑ دیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"مجھے افسوس ہے میڈم!" مینجر نے کہا۔ "میں ابھی ان دونوں کو پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

"پولیس کے حوالے کرنے کی ضرورت نہیں۔" ثمینہ نے کہا۔ "چھوڑ دو انہیں غیرت مند ہوں گے تو آئندہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے۔"

مینجر نے ویٹروں کو اشارہ کیا۔ ویٹر محمود اور عارف کو بانہوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔ محمود مڑ مڑ کر ثمینہ کو بدترین نتائج کی دھمکیاں دے رہا تھا۔

"میں ایک بار پھر آپ سے معذرت چاہتا ہوں خاتون۔" مینجر نے ثمینہ کی طرف دیکھ کر اظہار ندامت کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے آپ نے بہت اچھا کیا۔ ان غنڈوں کی اگر اسی طرح پٹائی ہوتی رہے تو آئندہ یہ واقعی کسی خاتون کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے۔"

"آپ نے واقعی بہت اچھا کیا۔" قریبی میز سے ایک نوجوان نے کہا وہ بھی اٹھ کر ان کے قریب آ گیا۔ "لیکن شاید آپ نے یہ نہیں سوچا کہ یہاں سے باہر نکلنے کے بعد یہ بدمعاش آپ کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"ان جیسے بدمعاشوں سے نمٹنا میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا اور ویٹر کو دوسری کافی لانے کے لئے کہا پہلی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ثمینہ ریسٹورنٹ سے نکلی۔ ریسٹورنٹ کے سامنے رونق بڑھ گئی تھی۔ اس نے دروازہ سے نکل کر ادھر ادھر دیکھا نہ تو وہ موٹر سائیکل نظر آ رہی تھی اور نہ ہی آس پاس کہیں وہ نوجوان دکھائی دیئے تھے۔ ثمینہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس قسم کے لوگ آسانی سے ہار ماننے والے نہیں ہوتے۔ اسے یقین تھا کہ وہ دونوں آس پاس کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوں گے۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی اور انجن اسٹارٹ کر کے اسے ہلکی رفتار سے سروس روڈ پر ہی ریگل چوک کی طرف لے جانے لگی۔

اور پھر وہ دونوں نظر آ گئے ریسٹورنٹ سے تقریباً پچاس گز آگے وہ اپنی موٹر سائیکل کے قریب کھڑے تھے۔ ثمینہ کو دیکھتے ہی عارف نے سیٹ پر بیٹھ کر موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور محمود اچک کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ثمینہ نے ٹریفک سگنل کی سرخ بتی دیکھ کر گاڑی روک لی اور پھر روشنی تبدیل ہوتے ہی اس نے یوٹرن لیتے ہوئے سڑک پر گاڑی واپڈا ہاؤس کی طرف موڑ دی۔ وہ موٹر سائیکل بھی اسی طرف مڑی تھی۔

اسمبلی والے موڑ پر اسے ایک بار پھر سرخ بتی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے گاڑی روک لی اس

کے آگے دو گاڑیاں تھیں اور پیچھے بھی دو تین گاڑیاں آ کر رک گئی تھیں۔ موٹر سائیکل ان گاڑیوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی ثمینہ کی کار کے برابر آ کر رک گئی۔ ثمینہ نے گردن گھما کر دیکھا موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا محمود خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں حساب چکانے میں زیادہ دیر نہیں لگاتا' تھوڑی دیر بعد ہی تم سے نمٹ لوں گا۔" محمود نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں کتے کی سی غراہٹ تھی۔

ثمینہ طیش دلانے والے انداز میں مسکرا دی اسی دوران ٹریفک سگنل پر پیلے اورنج اور پھر سبز بتی روشن ہو گئی ثمینہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اپر مال روڈ بہت کشادہ سڑک تھی اور غالباً لاہور کی سب سے خوبصورت سڑک بھی یہی تھی۔ تمام فائیو اسٹار ہوٹل اسی سڑک پر واقع تھے۔ سڑک پر کئی گاڑیاں اور بھی تھیں۔ موٹر سائیکل کبھی ثمینہ کی کار کے برابر آ جاتی اور کبھی پیچھے رہ جاتی ثمینہ اطمینان سے ڈرائیونگ کرتی رہی۔

نہر والے موڑ سے پہلے ہی اس نے رفتار کم کر دی اور دائیں طرف مڑنے کے لئے انڈی کیٹر آن کر دیا۔ اس سے آگے ایک اور گاڑی دائیں طرف نہر کے کنارے والی سڑک پر مڑی تھی یہی نہر گلبرگ کی طرف چلی گئی تھی اور گلبرگ نہر کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے دونوں کناروں پر سڑکیں تھیں اور ان کے پیچھے بڑی بڑی رہائشی کوٹھیاں۔

اس وقت سورج غروب ہونے والا تھا دن کی روشنی کم ہو رہی تھی۔ اس سڑک پر اکا دکا ہی گاڑیاں تھیں اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ صرف ثمینہ کی گاڑی اکیلی رہ گئی۔ موٹر سائیکل اس سے تقریباً بیس گز پیچھے تھی اور پھر دفعتاً" موٹر سائیکل جیسے ہی کار کے برابر پہنچی ثمینہ نے غیر محسوس انداز میں کار کو دائیں طرف لینا شروع کر دیا۔

موٹر سائیکل کی رفتار خاصی تیز تھی وہ اسے دائیں طرف لیتا چلا گیا۔ کار اسے مسلسل دبا رہی تھی عارف کو ثمینہ کا مطلب سمجھنے میں دیر نہیں لگی اس نے موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا کر آگے نکلنا چاہا مگر ثمینہ نے بھی کار کی رفتار بڑھا دی موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا محمود چیخ چیخ کر ثمینہ کو گندی گالیاں بک رہا تھا۔ موٹر سائیکل نہر کے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی ثمینہ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور کار کو کچھ اور دائیں طرف کر لیا موٹر سائیکل نہر کے بالکل کنارے پر پہنچ گئی۔ عارف کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا وہ تیز رفتار موٹر سائیکل کو ایک دم روک بھی نہیں سکتا تھا آگے نکلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جو ثمینہ چاہتی تھی۔ موٹر سائیکل کے پہیوں نے زمین چھوڑ دی اور وہ ہوا میں اڑتی ہوئی نہر کے عین وسط میں جا کر گری۔ عارف اور محمود بھی چیختے ہوئے موٹر سائیکل کے

aazzamm@yahoo.com

ساتھ ہی نہر میں گرے۔ ثمینہ کار کو سڑک کے وسط میں لے آئی۔ اس نے نہر کے دوسرے کنارے والی سڑک پر مخالف سمت سے آنے والی دو کاروں کو رکتے ہوئے دیکھا تھا ان لوگوں نے موٹر سائیکل کو نہر میں گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ثمینہ حویلی پہنچ گئی اس نے کار گیٹ کے سامنے روک کر ہارن بجایا تو چند منٹ بعد گامے نے گیٹ کھول دیا ثمینہ کار کو اندر لیتی چلی گئی۔

"کیا رہا صدیقا کہاں ہے؟" ثمینہ نے درخت کے نیچے کار سے اترتے ہوئے پوچھا۔

"اوپر ہے۔" گامے نے مسکراتے ہوئے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

ثمینہ نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی چونک گئی۔ صدیقا درخت سے الٹا لٹکا ہوا تھا اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔

"اس کا مطلب ہے اس نے کچھ بتایا نہیں؟" ثمینہ بولی۔

"بڑا پکا ہے ثمینہ بی بی۔" گامے نے جواب دیا۔ "اب تک میں اس سے پیار محبت سے باتیں کرتا رہا تھا لیکن یہ منہ سے کچھ نہیں پھوٹا۔ اسے لٹکائے ہوئے ابھی صرف تین چار منٹ ہوئے ہیں دیکھتا ہوں کہ یہ کب تک اپنی زبان بند رکھتا ہے۔"

"واقعی بہت پکا ہے اور میرا خیال ہے کہ کچھ بتائے گا نہیں۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولی۔ "اسے چھوڑ دو اور تم میرے ساتھ چلو۔ ماجھے گجر کا پتہ بھی خود ہی چلا لیں گے۔"

"اس کا کیا کریں.... قیمہ کر دیں۔" گامے نے مخصوص انداز میں اپنے گلے پر ہاتھ پھیرا۔

"نہیں اسے ایسے ہی لٹکا رہنے دو خود ہی قیمہ ہو جائے گا۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور یہ اطمینان کر لو کہ اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نہ نکل جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شور مچا کر کسی کو متوجہ کر لے۔"

"کپڑا تو میں نے اس کے حلق کے اندر تک ٹھونسا ہوا ہے اور ہاتھ بھی پیچھے بندھے ہوئے ہیں۔ اب یہ بول نہیں سکے گا اسی طرح خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔" گامے نے جواب دیا۔

صدیقا بول نہیں سکتا تھا لیکن ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس طرح حرکت دینے لگا کہ اس کا جسم جھولے کے طرح جھولنے لگا۔ گامے نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ثمینہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ گامے نے آگے جا کر کمروں کے دروازے بند کر دیئے اور ایک بار پھر ثمینہ کی طرف

دیکھنے لگا۔

ثمینہ کار میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ صدیقا اسی طرح الٹا لٹکا رہا تو زیادہ سے زیادہ آدھے پونے گھنٹے بعد ختم ہو جائے گا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے گامے کو اشارہ کیا گامے گیٹ کی طرف چل پڑا۔ ثمینہ نے گاڑی گھماتے ہوئے ایک بار پھر صدیقے کی طرف دیکھا اسے صدیقے پر ذرا سا بھی ترس نہیں آیا تھا۔ اس کی وجہ سے اسے اور رضیہ وغیرہ کو اپنا گھر چھوڑنا پڑا تھا اپنی تو اسے فکر نہیں تھی لیکن رضیہ اور مریم کا افسوس تھا۔ وہ کتنے سکون سے اس گھر میں رہ رہی تھیں لیکن انہیں رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح اس گھر سے بھاگنا پڑا تھا۔ مریم نے اس واقعہ کا سب سے زیادہ اثر لیا تھا۔ شارق نے اسے بتا رکھا تھا کہ وہ بزنس کرتا ہے۔ ان ماں بیٹیوں کے ذہن میں شارق کا تصور نجانے کیا تھا۔ وہ شاید اسے فرشتہ سمجھتی تھیں لیکن اب شارق کے بارے میں جو انکشافات ہوں گے اس کا انہیں کتنا صدمہ ہو گا اور اس کی تمام ذمے داری ثمینہ کے خیال میں اسی صدیقے پر عائد ہوتی تھی' جو ماجھے گجر کے ساتھ ان کے گھر پر چڑھ دوڑا تھا اور ثمینہ کے خیال میں اس کی یہی سزا ہونی چاہئے تھے کہ وہ اس وقت تک درخت سے الٹا لٹکا رہے جب تک روح اس کے جسم کا ساتھ نہیں چھوڑ دیتی۔

گامے نے گیٹ کھول دیا۔ ثمینہ گاڑی باہر لے آئی تو گامے نے گیٹ بند کر کے تالہ لگا دیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ کار کو موڑ کر کچے راستے پر لے آئی۔

جب وہ مزنگ چوک پر پہنچی تو آٹھ بج رہے تھے ثمینہ نے گامے کو چوک پر ہی اتار دیا تھا۔

"صبح سویرے حویلی چلے جانا اور اسے اوپر سے اتار کر انڈر گراؤنڈ کر دینا۔" اس نے گامے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو جائے گا ثمینہ بی بی۔" گامے نے جواب دیا۔

"اور یہاں دھندہ کب شروع کر رہے ہو؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ایک دو دن میں شروع کر دیں گے۔" گامے نے کہا "گاہک تو اب بھی آ رہے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ دھندہ شروع کرنے سے پہلے ایسے انتظامات بھی کر لئے جائیں کہ اپنا بچاؤ بھی ہوتا رہے۔"

"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

ثمینہ جب گھر پہنچی تو سوا نو بج رہے تھے۔ نوکھا کوٹھی کے گیٹ کے سامنے ہی مل گیا' پریشانی اس کے چہرے سے مترشح تھی ثمینہ نے جیسے ہی گاڑی روکی وہ لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھ کر

aazzamm@yahoo.com

مسکراتے ہوئے کہا۔

"بارہ نہ بجیں تو اور کیا ہو۔" نولکھا نے کہا۔ "تم دوپہر سے گئی ہوئی ہو کہیں سے ٹیلی فون ہی کر دیتیں سب لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔ شارق باؤ تمہیں تلاش کرنے گیا ہے اور وہ جو ہیں نا ماں جی اور رضیہ بہن وہ تو بہت ہی پریشان ہیں تم ذرا اندر چلو ماں جی تمہاری خبر لیتی ہیں۔"

"سوری نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

"انگریزوں کی طرح صرف ایک لفظ کہہ دینے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔" نولکھا نے اسے گھورا۔ "تمہیں تفصیل سے بتانا پڑے گا کہ کہاں غائب تھیں۔"

"پتہ ہے کیا ہوا؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "میں مزنگ سے گامے کو ساتھ لے کر صدیقے کی تلاش میں گئی تھی۔ اسے باغبانپورہ سے اٹھا کر حویلی پہنچایا واپس آ رہی تھی کہ سمن آباد موڑ کے قریب ڈیڈی سے ملاقات ہو گئی۔" باپ کے بارے میں بات کرتے ہوئے ثمینہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "بڑی مشکل سے ڈیڈی کو ٹالا پھر مال روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھی کہ دو غنڈوں نے مال غنیمت سمجھ کر مجھ پر قبضہ کرنا چاہا انہیں گلبرگ نہر میں نہانے کے لئے چھوڑ کر دوبارہ حویلی گئی وہاں سے گامے کو لے کر مزنگ چھوڑا اور اب یہاں آئی ہوں۔"

"صدیقے نے کچھ بتایا یا نہیں؟" نولکھا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں لیکن مجھے گجر کا پتہ اب میں خود معلوم کر لوں گی۔" ثمینہ نے جواب دیا' وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رضیہ بھی گیٹ سے باہر آ گئی' اس نے بھی گیٹ پر کھڑے کھڑے شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔

"اچھا چلو اندر چل کر بات کرتے ہیں' ماں جی کہاں ہیں؟" ثمینہ نے کہا۔

"اوپر ٹیرس پر بیٹھی ہیں۔" رضیہ نے اوپر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ثمینہ اور رضیہ اندر آ گئیں وہ رکے بغیر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر والی منزل کے ٹیرس پر آ گئیں۔

ٹیرس بڑا خوبصورت تھا۔ تین اطراف میں چھت کے کنارے پر تقریباً چار فٹ اونچی گرل لگی ہوئی تھی جس کے ساتھ ساتھ پودوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔

ٹیرس پر آنے والے دروازے کے اوپر ٹیوب لائٹ روشن تھی۔ پانچ چھ گارڈن چیئرز پڑی ہوئی تھیں ایک کرسی پر مریم بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے کے تاثرات سے لگتا تھا جیسے وہ ثمینہ سے ناراض ہے اور جب اس نے زبان کھولی تو ثمینہ کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ثمینہ کرسی کے سامنے زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنا سر مریم کی گود میں رکھ لیا مریم نے اس

کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ لوگ میرے لئے اتنا پریشان ہوں گے۔" ثمینہ نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو پریشانی اٹھانا پڑی۔"

"کل رات جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے بعد تم سوچ سکتی ہو کہ تمہارے اس طرح غائب رہنے سے میں چین سے کیسے بیٹھ سکتی ہوں۔"

"واقعی میری غلطی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "مجھے کہیں سے ٹیلی فون کر دینا چاہئے تھا تا کہ آپ لوگ تو پریشان نہ ہوتے۔"

"شارق تمہیں تلاش کرنے کے لئے پتہ نہیں کہاں گیا ہے۔" مریم نے کہا۔

"اسے مزنگ سے پتہ چل جائے گا کہ میں گھر پہنچ گئی ہوں وہ بھی جلد واپس آ جائے گا۔" ثمینہ نے کہا اور پھر اٹھ کر رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ شاداں کیا کر رہی ہے کھانا تیار ہوا یا نہیں؟ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ کچن ہی میں ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے چلو چل کر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔"

"ماں جی آپ یہیں بیٹھیں گی یا نیچے چلیں گی؟" رضیہ نے پوچھا۔

"میں ابھی یہیں بیٹھوں گی بیٹا ٹھنڈی ہوا بہت اچھی لگ رہی ہے۔" مریم نے جواب دیا۔

وہ دونوں کچن میں چلی گئیں۔ شاداں وہیں موجود تھی۔ "کتنی دیر ہے بھئی کھانے میں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"بس جی روٹیاں پک جائیں تو میں کھانا نکالتی ہوں۔" شاداں نے کہا۔

وہ دونوں کچن سے نکل کر ہال کمرے میں آ گئیں۔ نولکھا بھی گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد ہال کمرے میں آ گیا لیکن ان دونوں کو دیکھ کر وہ کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"میں کل رات سے آپ سے ایک بات پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن موقع نہیں ملا۔" رضیہ نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں پوچھو کیا بات ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' ویسے وہ رضیہ کے لہجے سے سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔

"یہ نولکھا کون ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"شارق کا دوست۔"

"دوست؟" رضیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "شارق بھائی کا دوست نولکھا؟"

aazzamm@yahoo.com

"جب تم شارق کے دوسرے دوستوں سے ملو گی تو تمہیں مزید حیرت ہو گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"ویسے ایک بات تمہیں بتا دوں شارق کے جتنے بھی دوست ہیں سب کے سب نہایت مخلص اور بے حد وفادار ہیں۔ یہ لوگ شارق کے لئے جان دینے کو بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ویسے ان سب میں ایک اور ایسا رشتہ بھی ہے جس میں یہ لوگ آپس میں بڑی مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔"

"کیسا رشتہ؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم ابھی اس بات کو نہیں سمجھ سکو گی' ویسے شارق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ثمینہ نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"ایک بہن کے اپنے بھائی کے بارے میں کیا خیالات ہو سکتے ہیں لیکن آپ نے یہ بات کیوں پوچھی؟" رضیہ نے کہا۔

"کچھ نہیں۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"ایک اور بات پوچھنا چاہتی ہوں۔" رضیہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولی۔ "آپ کا شارق بھیا سے کیا ناطہ ہے میرا مطلب ہے...."

"میں سمجھ گئی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جوا دیا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست ہیں بہت گہرے دوست لیکن اس سے آگے کچھ مت پوچھنا۔"

"چلئے دوستی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتی لیکن یہ تو بتایئے آپ کا گھر کہاں ہے میرا مطلب ہے آپ کے والدین...."

"میرے والدین لاہور ہی میں ہیں۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن کچھ عرصہ سے ناراضگی چل رہی ہے اس لئے آج کل میں تمہارے بھیا کے ساتھ ہی رہ رہی ہوں۔"

"کب تک؟" رضیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جب تک حالات اجازت دیں گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

ان کی گفتگو کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ شارق بھی پہنچ گیا۔ اس نے بلا اطلاع غائب رہنے پر زیادہ برہمی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ صوفے پر ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ شاداں نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ وہ لوگ اٹھ کر ڈائننگ روم میں آ گئے۔ اوپر والے میرس سے ماں جی کو بھی بلا لیا گیا۔ نولکھا بھی اپنے کمرے سے نکل کر آ گیا۔

کھانے کے بعد وہ سب لوگ ہال میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے پھر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ اوپر والا کمرہ رضیہ اور مریم کو دینے کے بعد شارق نے نیچے نولکھا کے ساتھ والے کمرے پر

قبضہ جما لیا تھا۔ اس وقت ثمینہ بھی اوپر ہی گئی تھی۔ مریم تو اپنے کمرے میں چلی گئی اور رضیہ ثمینہ کے کمرے میں بیٹھی اس سے باتیں کرتی رہی۔

"تم یہیں سو جاؤ' مجھے ایک اہم کاروباری معاملے میں شارق سے ایک ضروری بات کرنی ہے آتی ہوں تھوڑی دیر میں۔" ثمینہ کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

ثمینہ جب شارق کے کمرے میں داخل ہوئی تو نولکھا بھی وہاں موجود تھا ثمینہ' شارق کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں تمہیں بلانے ہی والا تھا۔ اچھا ہوا تم خود ہی آ گئیں۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیریت! کوئی خاص معاملہ؟" ثمینہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"حاجی عبداللہ سے ایک اور آفر ملی ہے۔" شارق بولا۔

"کیسی آفر؟"

"افغانستان سے اس کا مال لانا ہے۔ اس نے آج تک جتنا بھی مال منگوایا ہے یہ اس کی سب سے بڑی کھیپ ہو گی۔" شارق نے بتایا۔ "یہ مال دراصل شمالی افغانستان سے لایا جائے گا جو وادی پنج شیر میں واقع ایک غیر معروف بستی کے قریب ایک قلعہ نما پرانی عمارت میں پہنچا دیا جائے گا وہاں سے آگے یہ مال ہمیں پشاور اور پھر کراچی پہنچانا ہو گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کروڑوں کا مال ہو گا۔" ثمینہ بولی۔

"اس سے بھی زیادہ۔" شارق مسکرایا۔

"پچھلے ٹرپ میں حاجی عبداللہ نے ہمیں جو ٹرپ دیا تھا وہ ایسا تھا جیسے تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہارے ہاتھ میں ٹافی تھما دی گئی ہو لیکن اب صورت حال مختلف ہو گی اور ہمیں سارا معاملہ پہلے ہی سے طے کرنا ہو گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"کل رات سمن آباد والے مکان میں میری اور حاجی کی ملاقات ہو گی اس میں یہی معاملہ طے کیا جائے گا۔" شارق نے بتایا۔

"ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "جو بھی کمیشن طے ہو گا اس کا کچھ حصہ اسے ایڈوانس دینا ہو گا۔"

"کیا تم حاجی عبداللہ کو بے وقوف سمجھتی ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"بے وقوف حاجی عبداللہ نہیں تم ہو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "بہرحال اس وقت مجھے نیند آ رہی ہے کل دن میں کسی وقت بات ہو گی۔"

aazzamm@yahoo.com

"صدیقے کا کیا کرو گی؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "گامے نے بتایا تھا کہ اس نے اسے درخت سے الٹا ٹانگ دیا تھا۔"

"وہ اب تک وہیں لٹکا ہوا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں صبح سویرے گامے کو لے کر حویلی جاؤں گی۔ اس کا انتظام کرنے کے بعد واپس آ کر ہی تم سے بات کروں گی۔"

ثمینہ اوپر چلی گئی' رضیہ اس کے بیڈ پر سو رہی تھی۔ ثمینہ ابھی تک پینٹ شرٹ میں تھی اس نے باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کیا اور رضیہ کے ساتھ بیڈ پر لیٹ گئی کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

صبح چھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی اس نے رضیہ کو جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"چلو اٹھو تمہیں یونیورسٹی جانا ہے۔"

رضیہ نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے کے لگ بھگ ان دونوں نے اکٹھے ناشتہ کیا پھر ثمینہ نے کوٹھی کے ملازم خادم کو بلا لیا۔

"دیکھو خادم! تمہاری ڈیوٹی آج سے رضیہ بی بی کے ساتھ ہے۔ تم اسے یونیورسٹی لے کر جاؤ گے اور جب تک اس کی چھٹی نہیں ہوتی وہیں رک کر انتظار کرو گے اور ایک بات ذہن میں رکھنا رضیہ کی حفاظت تمہاری ذمے داری ہے اسے کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔"

"بیگم صاحبہ۔" خادم نے کہا۔ "خادم کی لاش پر سے گزر کر ہی کوئی رضیہ بی بی تک پہنچ سکتا ہے۔"

"گڈ!" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سرخ شیراڈ رضیہ کے استعمال میں رہے گی اور اسے تم ڈرائیو کرو گے۔ میں ایک بار پھر کہہ رہی ہوں کہ تم رضیہ کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ رہو گے۔"

"سمجھ گیا بیگم صاحبہ! آپ فکر نہ کریں۔" خادم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ تم گاڑی چیک کرو رضیہ آ رہی ہے۔" ثمینہ نے کہا اور خادم کے جانے کے بعد وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جاؤ جی.... تم بھی اپنی تیاری کرو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے ثمینہ باجی۔" رضیہ بولی۔

"کس بات سے ڈر لگ رہا ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"پرسوں رات جو واقعہ پیش...."

"اسے بھول جاؤ۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ جو کوئی بھی تھے تمہیں نہیں پہچانتے اور پھر خادم کو اس لئے تمہارے ساتھ بھیجا جا رہا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایسی بات ہو

جائے تو یہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اچھا اب جاؤ.... تمہیں دیر ہو رہی ہے۔"

رضیہ! اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"شاداں! اماں جی کو ناشتہ دیا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"جی بی بی جی۔ انہوں نے آپ سے پہلے ناشتہ کر لیا تھا۔" شاداں نے جواب دیا۔

ثمینہ سر ہلاتی ہوئی اپنی کمرے میں آ گئی۔ رضیہ باتھ روم میں شاید کپڑے بدل رہی تھی۔ ثمینہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔ پانچ منٹ بعد رضیہ باتھ روم سے نکل آئی' اس نے اپنی کتابیں وغیرہ سنبھالیں اور ثمینہ کو خدا حافظ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

رضیہ کے جانے کے پانچ منٹ بعد ثمینہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی۔ اس وقت بھی اس نے پینٹ شرٹ پہن لی تھی۔ جب وہ برآمدے میں نکل آئی تو اس نے دیکھا شارق لان میں پودوں کی کیاری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"صدیقے کا بندوبست کرنے وہ بیچارہ ٹنگا ٹنگا تھک گیا ہو گا۔" ثمینہ کہتے ہوئے پورچ میں کھڑی سفید ٹویوٹا کی طرف بڑھ گئی۔

کوٹھی سے نکل کر وہ سیدھی مزنگ پہنچی۔ وہاں سے گامے کو ساتھ لیا اور حویلی پہنچ گئی۔ راستے میں ثمینہ نے ایک بڑا گتے کا خالی کارٹن اور ایک بوری بھی خرید لی تھی۔ گامے نے درخت سے ٹنگی ہوئی صدیقے کی لاش کو اتار کر پہلے بوری میں بند کیا اور پھر بوری اٹھا کر گتے کے کارٹن میں رکھ دی۔ کارٹن بند کر کے اس پر اچھی طرح رسیاں لپیٹ دی گئی تھیں۔ دونوں نے کارٹن اٹھا کر بڑی مشکل سے کار کی ڈگی میں اس طرح پھنسا دیا کہ وہ گر نہ سکے۔

گاڑی ایک چوراہے کے قریب پہنچی تھی کہ ٹریفک سگنل کی سبز روشنی بند ہو گئی۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ وہ سرخ بتی جلنے سے پہلے سگنل پار کر لے گی لیکن اسی لمحہ بائیں طرف سے ایک کار سامنے آ گئی۔ ثمینہ نے پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔ بریکوں کی تیز چرچراہٹ فضا میں گونج اٹھی۔ ثمینہ نے اپنی کار کو دوسری طرف سے آنے والی کار کے ساتھ ٹکرانے سے تو بچا لیا تھا لیکن اس کی ڈگی میں پھنسا ہوا وزنی کارٹن زوردار جھٹکا لگنے سے نیچے گر گیا تھا۔

ٹریفک جام ہونے لگا مختلف گاڑیوں کے ہارنوں کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی۔ ٹریفک کانسٹیبل دوڑتا ہوا ثمینہ کی کار کے قریب پہنچ گیا۔

"اوئے..... ہٹاؤ گڈی کو.... اور یہ ڈبا بھی ہٹاؤ... اور...." کانسٹیبل کہتے کہتے رک گیا اس کی نظریں سڑک پر پڑے ہوئے کارٹن کے ایک کونے پر جم گئیں جہاں سے خون کے قطرے ٹپک

aazzamm@yahoo.com

رہے تھے۔

ثمینہ بھی کار سے اتر چکی تھی اور پھر صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی وہ کانپ کر رہ گئی۔

○

گاما بھی کار سے اتر آیا تھا۔ اس نے بھی کارٹن سے خون کے قطرے ٹپکتے ہوئے دیکھ لئے تھے۔ غلطی اسی کی تھی۔ صدیقا چودہ پندرہ گھنٹے درخت سے الٹا لٹکا رہا تھا جسم کا سارا خون اس کے سر میں جمع ہو گیا تھا۔ درخت سے لٹکانے سے پہلے گامے نے اس کی اچھی خاصی پٹائی بھی کی تھی ناک سے تو اسی وقت خون بہہ رہا تھا جب گامے نے اسے الٹا لٹکایا تھا اور اب اسے درخت سے اتارتے ہوئے گامے نے کچی زمین پر تھوڑا سا خون بھی جما ہوا دیکھا تھا لیکن اسے بوری اور کارٹن میں بند کرتے وقت اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس قسم کی صورت حال بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ غالباً جھٹکے لگنے سے صدیقے کی لاش میں جما ہوا خون بہہ نکلا تھا اور یہ صورت حال دیکھ کر وہ تھرا کر رہ گیا تھا۔

"اوئے.... یہ کیا ہے اوئے.....؟" ٹریفک کانسٹیبل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "خون... اس ڈبے میں کیا ہے....؟ کھولو اسے....!"

"کیا کہہ رہے ہو سنتری بادشاہ!" گامے نے ڈبے کے گرد لپٹی ہوئی رسیوں پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہمارا اتنا نقصان ہو گیا اور تم کہتے ہو خون بہہ رہا ہے سنتری بادشاہ! خون تو ہمارے دل سے بہہ رہا ہے اس ڈبہ سے نہیں۔"

"کیا بکتے ہو..... کیا ہے اس ڈبے میں؟" سنتری نے اسے گھورا..... "اس میڈم کو نہیں جانتے تم؟" گامے نے ثمینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اب وہ اپنے آپ پر مکمل طور پر قابو پا چکا تھا۔ "یہ ملک کی بہت بڑی آرٹسٹ مس ثمر ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے بڑے ڈیوڑھے کی دیواروں پر بہت بڑی تصویریں بنائی ہیں اس ڈبے میں رنگوں کی بوتلیں ہیں پتہ نہیں کتنی بوتلیں ٹوٹی ہوں گی۔ یہ رنگ تو یہاں ملتے بھی نہیں باہر سے منگواتے ہیں ہم۔" اس نے بڑی ہمت کر کے کارٹن اٹھایا اور اسے کھلی ہوئی ڈگی میں پھنسا کر اس طرح دھکے مارنے لگا کہ وہ اچھی طرح پھنس جائے۔

ٹریفک جام ہو گیا تھا۔ گاڑیوں کے ہارنوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ٹریفک کانسٹیبل کنفیوژ ہو گیا اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا ایک لمحہ کو اس کے ذہن میں خیال ابھرا کہ اتنی حسین لڑکی کوئی غیر قانونی کام نہیں کر سکتی لوگوں کا شور بھی بڑھ رہا تھا۔

"چلو.... ہٹاؤ گڈی.... جلدی کرو۔" ٹریفک کانسٹیبل نے گامے کو گھورتے ہوئے کہا۔

ثمینہ اور گاما ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ثمینہ نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ چوک کے دوسری طرف بھی ٹریفک رکا ہوا تھا لیکن وہ بڑی مہارت اور پھرتی سے گاڑی نکالتی لے گئی۔ بالآخر وہ لوگ چوراہے سے خاصا دور نکل آئے تھے۔

"او مائی گاڈ۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "آج تو پھنس ہی گئے تھے۔"

"بچ گئے ثمینہ بی بی۔" گاما نے کہا۔ "اس کم بخت صدیقے نے مرنے کے بعد بھی ہمیں پھنسانے کی کوشش کی تھی، مگر خدا کا شکر ہے یہ بات میرے ذہن میں آ گئی اور چھٹکارا مل گیا ورنہ ان تو ہتھکڑیاں لگنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔"

"تم واقعی بہت ذہین ہو۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن تمہارے ذہن میں آرٹسٹ اور رنگوں والا خیال کیسے آیا تھا؟"

"صبح آپ کے آنے سے پہلے میں اخبار دیکھ رہا تھا۔" گامے نے کہا۔ "ایک پورے صفحہ پر کسی عورت کی بنائی ہوئی تصویریں چھپی ہوئی تھیں۔ اس عورت کی تصویر بھی تھی۔ بڑا مشکل سا نام تھا اس کا وہ تو مجھے یاد نہیں رہا لیکن میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔ اخبار میں اس عورت کے بارے میں جو چھوٹا سا مضمون چھپا تھا اس میں اس نے بتایا تھا کہ وہ اپنی تصویریں بنانے کے لئے جو رنگ استعمال کرتی ہے وہ یہاں نہیں ملتے، وہ باہر سے منگواتی ہے اور بہت قیمتی ہیں۔ بس عین وقت پر مجھے اس آرٹسٹ عورت کا خیال آ گیا تھا اس کے نام کے بجائے میں نے مس ثمر کہہ دیا۔"

"اگر تم نے صبح اخبار میں تصویروں والا وہ مضمون نہ پڑھا ہوتا تو؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر...." گامے نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یا تو کوئی اور بات ذہن میں آ جاتی یا ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوتیں۔"

ثمینہ خاموش رہی۔ چند لمحوں بعد وہ گامے کو بتانے لگی کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔ گاما سر ہلاتا رہا تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار گلبرگ نہر کے کنارے ماجھے گجر کی کوٹھی کے سامنے رک رہی تھی گیٹ بند تھا۔ ثمینہ نے انجن اسٹارٹ ہی رہنے دیا اور گامے کو اشارہ کرتی ہوئی کار سے اتر آئی دونوں نے کارٹن اتار کر گیٹ کے سامنے اس طرح رکھ دیا کہ جس کونے سے خون ٹپک رہا تھا گیٹ کھولنے والوں کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ثمینہ دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی اور گامے نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی ذیلی دروازہ کھل گیا۔ وہ ماجھے گجر کا نوکر تھا جس نے

aazzamm@yahoo.com

دھوتی اور کرتا پہن رکھا تھا سر پر مفلر لپیٹا ہوا تھا۔

"یہ ثمینہ بی بی ہے۔" گامے نے کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے پہچان لیا ہے تمہیں بھی جانتا ہوں گامے۔" اس شخص نے کہا۔

"ثمینہ بی بی چاہتی ہے کہ ماجھے گجر سے دنگا فساد ختم کر دیا جائے۔ ان کے خیال میں بلاوجہ ایک دوسرے کا نقصان ہو رہا ہے۔ ثمینہ بی بی ماجھے گجر سے دوستی چاہتی ہے اور ماجھے گجر کے لئے ثمینہ بی بی کی طرف سے دوستی کا یہ پہلا تحفہ ہے ایک دو دن میں وہ خود ماجھے گجر سے ملاقات کرے گی۔ ثمینہ بی بی کا یہ تحفہ ماجھے گجر کو دے دینا۔" گامے نے گیٹ کے سامنے رکھے ہوئے کارٹن کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے گامے۔" اس شخص نے کہا۔ "روز روز ایک دوسرے کے بندے مارے جا رہے ہیں بتا دوں گا ماجھے استاد کو۔"

"یہ ڈبہ ذرا وزنی ہے اندر سے کسی اور کو بلا لو اکیلے تم سے نہیں اٹھے گا۔" گامے نے اسے کارٹن کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔

"اس میں ہے کیا یار؟" اس شخص نے پوچھا۔

"پچھلے دنوں ثمینہ بی بی شارق کے ساتھ کراچی گئی تھیں وہاں سے کچھ غیر ملکی چیزیں لائی تھیں۔ انہی میں سی کچھ چیزیں ہیں۔ اچھا ہم چلتے ہیں۔ ماجھے استاد کو سلام کہنا اور یہ بھی بتا دینا کہ یہ تحفہ دینے کے لئے ثمینہ بی بی خود آئی تھیں۔"

"تم فکر ہی نہ کرو میں بتا دوں گا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

گاما کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا ثمینہ نے اس شخص کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی چند ہی منٹ بعد ان کی کار ماجھے گجر کی کوٹھی سے بہت دور پہنچ چکی تھی۔

○

اسی رات نو بجے کے لگ بھگ ثمینہ اور شارق حاجی عبداللہ کی سمن آباد والی کوٹھی پر موجود تھے۔ حاجی عبداللہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ لیکن اس کے ملازموں نے ان دونوں کو بڑے احترام سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا اور انہیں فرج میں سے ٹھنڈی بوتلیں نکال کر پیش کی تھیں ملازموں کو غالباً پہلے ہی سے ان کی بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔

حاجی عبداللہ پونے دس بجے کے لگ بھگ آیا تھا۔ اس کے آتے ہی ملازم نے کھانا لگا دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں کھانے کی میز پر تھے۔ کمرے میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا حاجی

نے ملازم کو بھی باہر بھیج دیا تھا۔

"تم کب تک روانگی کے لئے تیار ہو؟" حاجی عبداللہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم تو کسی بھی روز روانہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ایک معاملہ بالکل دو ٹوک انداز میں طے کر لینا چاہتے ہیں۔" شارق کے بجائے ثمینہ نے جواب دیا۔ "آپ شارق کے بارے میں جانتے ہیں تو میرے بارے میں بھی سب کچھ جانتے ہوں گے۔"

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" حاجی عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کراچی والے مشن میں، میں بھی شارق کے ساتھ تھی اور نولکھا بھی ہمارے ساتھ تھا۔ اس مشن پر بھی ہم تینوں ساتھ ہوں گے۔ پچھلے مشن میں آپ نے شارق کو جو کمیشن دیا تھا وہ ایسے ہی تھا جیسے کسی بچے سے کوئی کام لینے کی بعد اس کے ہاتھ میں انعام کے طور پر ایک ٹافی تھما دی جائے لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ معاملہ بالکل واضح طور پر طے ہو جائے۔"

"تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ فیصل آباد کے معاملات اور لاہور میں جو واقعات پیش آئے وہ سب میرے علم میں ہیں۔"

"آپ کی معلومات میں مزید اضافے کے لئے بتا دوں کہ آج صبح بھی میں نے ماجھے گجر کو ایک تحفہ بھیجا ہے اور پولیس بڑی سرگرمی سے میری تلاش کر رہی ہے لیکن اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ سے یا کسی اور سے میں بلیک میل ہو جاؤں گی تو یہ ممکن نہیں ہے۔ اب میں وہ ثمینہ نہیں رہی جو کچھ عرصہ پہلے پولیس سے چھپتی پھر رہی تھی۔ اب مجھے کوئی ڈر خوف نہیں رہا بلکہ اب وقت آ گیا ہے کہ لوگ میرے نام سے ڈرا کریں۔"

"گڈ؟" حاجی عبداللہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "تم واقعی ایک بہادر لڑکی ہو۔ کراچی والے مشن کے بعد ڈی کوسٹا نے مجھے جو رپورٹ بھیجی تھی اس میں بھی تمہاری بڑی تعریف کی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم اس مشن میں بھی شارق کے ساتھ جانے کو تیار ہو۔ یہ مشن اگرچہ کراچی والے مشن سے زیادہ خطرناک ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اور شارق پہلے کی طرح کامیاب لوٹو گے بہرحال کیا چاہتی ہو تم؟"

"میرا خیال ہے کراچی والے مشن کا حساب ابھی بے باک نہیں ہوا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن اگر اقبال ٹاؤن والی کوٹھی اس کے نام پر ٹرانسفر کروا دیں تو ہم سمجھیں گے کہ پچھلا حساب بے باک ہو گیا اور اگلے مشن کے لئے بھی بات طے ہو جائے گی۔" ثمینہ نے کاغذ کا ایک ٹکڑا اس

aazzamm@yahoo.com

کے سامنے رکھ دیا۔

حاجی چند لمحے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کاغذ کی وہ چٹ اٹھا لی۔ اس پر کوئی نام وغیرہ لکھے ہوئے تھے۔ اس نے چٹ دوبارہ میز پر رکھ دی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"شارق کی بہن۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

ثمینہ کے اس جواب پر شارق بھی چونک گیا تھا۔ اس نے چٹ اٹھا کر دیکھا اس پر رضیہ اور اس کے والد کا نام اور اسی کوٹھی کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

"اوہ!" حاجی عبداللہ نے کہا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ تم اپنے لئے کچھ چاہتی ہو لیکن....بہرحال۔ میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں میں صبح ہی وکیل کو ہدایت کر دوں گا۔ وہ کل ہی کاغذات تیار کر لے گا۔ ایک ہفتے بعد وہ کوٹھی رضیہ کے نام ٹرانسفر ہو جائے گی۔ اس دوران دیگر قانونی کارروائیاں بھی مکمل کر لی جائیں گی اس کے علاوہ کچھ اور....؟"

"اور اب اس نئے مشن کے بارے میں بات ہو جائے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سو فیصد!" حاجی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مال کتنے کا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"مال اتنا ہے کہ ایک کروڑ کے لگ بھگ تم دونوں کا کمیشن بن جائے گا۔" حاجی عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا پچاس فیصد ایڈوانس روانگی سے پہلے دینا ہو گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"میں تمہیں بہت سیدھی سادھی لڑکی سمجھتا تھا جو غلطی سے پھنس گئی تھی لیکن تم تو بہت زیادہ چالاک ثابت ہو رہی ہو۔" حاجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھنسی تو غلطی اور دھوکے ہی سے تھی۔" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اب مجھے عقل آ گئی ہے۔ مجھے اس فیلڈ میں رہنا ہے اور اب میں کسی کو اپنی سادگی اور معصومیت سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتی۔"

"اب واقعی تمہیں عقل آ گئی ہے۔" حاجی عبداللہ نے کہا۔ "مجھے خوشی ہوئی کہ تم اس بے باکی اور دیدہ دلیری سے بات کر رہی ہو۔ میں نے ہمیشہ اپنی شرائط پر کام کروایا ہے لیکن مجھے تمہاری تمام شرائط منظور ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم شارق سے زیادہ کامیاب رہو گی۔ کیوں شارق.... تم کیوں خاموش بیٹھے ہو؟ کیا تم اسے اپنا وکیل بنا کر لائے ہو؟"

"یہ مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اب تمہاری باری ہے بولنے کی۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب تم حاجی صاحب سے اس منصوبے کی تفصیلات طے کر لو میں خاموشی سے سنتی رہوں گی۔"

"میرا خیال ہے ہم باتوں میں الجھ کر کھانے کو بھول گئے ہیں۔" حاجی عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کھانا شروع کرو باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

وہ تینوں اگرچہ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے لیکن کھانے کی طرف اب تک کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ حاجی کے کہنے پر سب سے پہلے ثمینہ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور پھر وہ تینوں کھانا کھانے لگے' ساتھ ہی باتیں بھی ہوتی رہیں۔

"تم لوگ یہاں سے پارہ چنار جاؤ گے۔" حاجی عبداللہ کہہ رہا تھا۔ "یہ پاکستان کا علاقہ ہے یہاں آمد و رفت کے لئے کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ پاکستانی اور غیر ملکی سیاح ان علاقوں میں اکثر گھومتے رہتے ہیں۔ پارہ چنار میں تمہاری ملاقات ملک گل رحمان سے ہو گی۔ یہ قصبے کے مرکزی بازار میں ایک دوکان کا مالک ہے جہاں مرچ مصالحہ اور آٹا نمک سے لے کر گولہ بارود تک فروخت ہوتا ہے۔ ملک گل رحمان تم لوگوں کو وہاں سے آگے علی مینگل نامی گاؤں میں پہنچا دے گا۔ وہاں سے آگے درہ پیروار سے تم لوگ سرحد پار کر کے افغانستان میں داخل ہو جاؤ گے اور درہ ملا خاک سے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو زرغون شہر پہنچا دیا جائے گا جہاں تم لوگ ملک فرید کے مہمان ہو گے۔ ملک فرید خان ہی وہ اصل آدمی ہے جو مال تمہارے حوالے کرے گا۔ مال سرحد میں داخل ہونے کے بعد ملک گل رحمان کے آدمی تمہارے ساتھ ہوں گے اور پھر کراچی تک مال پہنچانا تم لوگوں کی ذمہ داری ہو گی۔ ایک بات میں بالکل واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں۔" حاجی عبداللہ باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھتا رہا' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

"یہ مشن کراچی کے مشن سے بہت مختلف ہو گا۔ یہاں قدم قدم پر تم لوگوں کو موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کسی کی جان بھی چلی جائے لیکن تم لوگوں کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم لوگ ہر قسم کی صورت حال سے آسانی سے نمٹ سکو گے۔"

"کراچی کی مہم سے کچھ تجربات حاصل ہوئے ہیں ہم ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

"تو پھر تم لوگ کب روانہ ہو رہے ہو؟" حاجی عبداللہ نے پوچھا۔

"کوٹھی رضیہ کے نام ٹرانسفر ہونے کے اگلے ہی روز ہم اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیں گے۔" شارق سے پہلے ثمینہ بول اٹھی۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے۔" حاجی عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کا پروگرام معلوم ہونے کے بعد میں اپنے آدمیوں کو اطلاع دے دوں گا۔"

ثمینہ یا شارق نے کوئی بات نہیں کی۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ کھانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے یہاں چائے کا دور چلا اور جب وہ لوگ باہر نکل رہے تھے تو بارہ بجنے والے تھے۔

دونوں گاڑیاں پورچ میں کھڑی تھیں۔ آگے سفید ٹویوٹا تھی اور پیچھے حاجی عبداللہ کی ہونڈا ایکارڈ۔ ثمینہ ٹویوٹا کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئی۔

"حاجی صاحب۔" وہ حاجی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اس گاڑی کے بارے میں تو کوئی فیصلہ ہوا ہی نہیں۔"

"تم تو میری توقع سے کہیں زیادہ چالاک ثابت ہو رہی ہو لڑکی۔" حاجی عبداللہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ گاڑی میں نے شارق کو دی تھی لیکن لگتا ہے کہ تم شارق کے پاس کچھ نہیں رہنے دو گی' چلو یہ گاڑی تمہاری ہوئی۔"

"شکریہ!" ثمینہ کار کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی۔ شارق دوسری طرف سے پسنجرز سیٹ پر آ گیا تھا۔ ثمینہ نے انجن اسٹارٹ کرنے کے بعد حاجی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور کار کو پختہ روش پر گھماتی ہوئی گیٹ کی طرف لے آئی۔

گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ گیٹ سے کار نکالتے ہوئے ثمینہ نے دو آدمیوں کو لان میں بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ گیٹ کے باہر بھی ایک کار کھڑی تھی اس میں بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سب حاجی کے محافظ تھے۔

سمن آباد کی سڑکوں پر سناٹا تھا۔ ثمینہ کسی مین روڈ پر آنے کے بجائے چھوٹی سڑکوں پر ہوتی ہوئی اقبال ٹاؤن کی طرف نکل آئی اور جب اس کی کار کوٹھی کے سامنے رکی تو بارہ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔

ثمینہ کچھ دیر نیچے ہی ہال میں بیٹھی شارق اور نولکھا سے باتیں کرتی رہی پھر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ رضیہ اس کے پلنگ پر کتابیں پھیلائے بیٹھی پڑھائی میں مصروف تھی۔ ثمینہ کو دیکھ کر وہ کتابیں سمیٹنے لگی۔

"تم اپنا کام کرتی رہو مجھے سونے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور باتھ روم میں گھس کر کپڑے بدلنے لگی۔ چند منٹ بعد وہ پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھی رضیہ کی طرف دیکھ رہی تھی جو اپنے کام میں مصروف تھی۔ ایک بجے کے لگ بھگ رضیہ نے

کتابیں سمیٹ کر رکھ دیں اور اپنے کمرے میں جانے لگی تو ثمینہ نے اسے روک لیا۔

"یہیں سو جاؤ۔ اپنے کمرے میں جاؤ گی تو آہٹ سن کر ماں جی کی نیند خراب ہو گی۔ لیٹ جاؤ یہیں۔"

رضیہ واپس آ گئی۔ اس نے گلے میں لٹکا ہوا دوپٹہ اتار کر کرسی پر ڈال دیا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔ ثمینہ نے ٹیوب لائٹ بجھا کر نائٹ بلب جلا دیا اور وہ خود بھی رضیہ کے بستر پر لیٹ گئی۔

"تمہارے لئے ایک خوش خبری ہے رضیہ۔" وہ رضیہ کی طرف کروٹ لیتے ہوئے بولی۔

"کیا...؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں ابھی نہیں ایک ہفتے بعد بتاؤں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" رضیہ نے اسے گھورا۔ "ایک ہفتہ تک آپ مجھے تجسس کی اذیت میں مبتلا رکھیں گی؟"

"تجسس اور انتظار میں تو مزا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پلیز باجی!" رضیہ اس سے لپٹتے ہوئے بولی۔ "بتائیں نا کیا بات ہے؟"

"ایک ہفتہ انتظار کرو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

رضیہ چند لمحے ثمینہ کو گھورتی رہی پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں ثمینہ نے اپنا ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھ لیا اور اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں پھیرنے لگی۔

ثمینہ کو اگرچہ صبح کے وقت کوئی کام نہیں ہوتا تھا لیکن وہ ٹھیک چھ بجے اٹھ جایا کرتی تھی۔ سات بجے وہ ماں جی کو ناشتہ کرواتی اور پھر رضیہ کو اس کی تیاری میں مدد دیتی۔ ناشتہ وہ رضیہ کے ساتھ بیٹھ کر ہی کیا کرتی تھی رضیہ کے یونیورسٹی چلے جانے کے بعد وہ یا تو لان میں بیٹھی اخبار پڑھتی رہتی یا اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ کر دوبارہ اونگھنے لگتی۔

اس روز رضیہ کے جانے کے بعد وہ اخبار لے کر لان میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اخبار کے پچھلے صفحہ پر وہ خبر دیکھ کر ثمینہ اچھل پڑی۔ وہ خبر گزشتہ روز ماجھا گجر کو دیئے جانے والے تحفے کے بارے میں تھی۔

"سنگدل حسینہ نے اپنے دشمن کو لاش کا تحفہ پیش کیا۔"

خبر خاصی طویل تھی۔ اخبارات کی رپورٹ کے بیان کے مطابق کل صبح گیارہ بجے کے قریب ثمینہ نامی ایک حسین عورت ماجھا گجر کی کوٹھی پر ایک وزنی کارٹن چھوڑ گئی اور نوکر کو بتایا کہ ماجھا گجر کے لئے تحفہ ہے۔ اس حسینہ کے جانے کے بعد نوکر نے کارٹن اٹھانا چاہا تو اس میں سے خون بہتا ہوا دیکھ کر چونک گیا۔ اس نے کارٹن کھولا تو اس میں ایک آدمی کی لاش تھی جس کے جسم پر

aazzamm@yahoo.com

تشدد کے نشانات تھے۔ ناک' منہ اور کانوں سے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ ماجھا گجر کے نوکر نے فوراً ہی پولیس کو اطلاع دے دی۔ لاش کی شناخت صدیقے نامی ایک شخص کی حیثیت سے کر لی گئی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ باغبانپورہ میں ہیروئن فروخت کرنے کا دھندہ کرتا تھا۔ ایک اطلاع کے مطابق صدیقے کو پرسوں باغبانپورہ کے علاقے باغیچی سیٹھاں والی سے اغواء کیا گیا تھا۔ اغواء کرنے والوں میں ایک آدمی اور ایک خوبصورت عورت شامل تھے جو صدیقے کو سفید رنگ کی ایک کار میں لے گئے تھی۔

ایک الگ چھوٹی سی خبر میں اس ٹریفک کانسٹیبل کا بھی بیان تھا جس نے شہر کے ایک چوراہے پر سفید کار والی اس حسینہ کو دیکھا تھا۔ اس کانسٹیبل نے اپنے بیان میں اس کار ٹن کا حوالہ بھی دیا تھا جو کار سے سڑک پر گر گیا تھا اور اس میں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ کانسٹیبل نے بیان میں کہا تھا کہ اس خوبصورت عورت کے ساتھی نے بتایا تھا کہ وہ عورت ملک کی معروف آرٹسٹ مس ثمر ہے لیکن تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ پورے ملک میں اس نام کی کوئی آرٹسٹ نہیں ہے۔ ریلوے حکام نے بھی اس بات سے انکار کیا ہے کہ انہوں نے مس ثمر نامی کسی خاتون آرٹسٹ کو ریلوے اسٹیشن کے بڑے ڈیوڑھے میں کوئی تصویر بنانے کا آرڈر دیا تھا ریلوے حکام کے مطابق ان کا اس قسم کا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔

پولیس ماجھا گجر سے بھی رابطہ قائم نہیں کر سکی۔ پولیس ذرائع کے مطابق ماجھا گجر بھی کئی سنگین جرائم میں پولیس کو مطلوب ہے اور عرصہ سے روپوش ہے۔

باکس میں ایک الگ خبر ثمینہ نامی اس پراسرار حسینہ کے بارے میں تھی جو ماجھا گجر کی کوٹھی پر لاش کا تحفہ چھوڑ کر گئی تھی۔ پولیس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ وہی ثمینہ ہے جو فیصل آباد پولیس کو قتل کے ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں مطلوب ہے لیکن عرصہ سے لاپتہ ہے۔

ثمینہ نے اس حوالے سے تمام خبریں پڑھ کر اخبار ایک طرف ڈال دیا اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی اخبار نے اسے پراسرار حسینہ' سنگدل حسینہ اور نجانے کیا کیا لکھ دیا تھا۔

"دوپہر کو کھانے میں کیا پکانا ہے ثمینہ بی بی؟"

ثمینہ شاداں کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ اس سے دو تین قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ ثمینہ اپنے خیالات میں اس قدر محو تھی کہ اسے شاداں کا پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔

"پہلے تم مجھے ایک کپ چائے پلاؤ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ دوپہر کے کھانے میں کیا پکایا جائے۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا بی بی جی۔" شاداں کہتے ہوئے اندر چلی گئی۔

لان میں دھوپ پھیل رہی تھی۔ ثمینہ جس جگہ بیٹھی تھی وہاں ابھی تک سایہ تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس وقت وہ کسی اور نظروں سے کوٹھی کا جائزہ لے رہی تھی کوٹھی واقعی خوبصورت تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ایک ہفتے بعد جب اس کوٹھی کی ملکیت کے کاغذات رضیہ کو ملیں گے تو مریم اور رضیہ کتنا خوش ہوں گی۔

باغبانپورہ والے مکان میں رہتے ہوئے مریم نے ثمینہ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ وہ شارق کے والدین کی ایک معمولی سی ملازمہ تھی۔ ان کے قتل کے بعد جب شارق سزا بھگت کر جیل سے باہر آیا تو مریم ہی اس دنیا میں وہ واحد ہستی تھی جس نے شارق کو پیار دیا تھا۔ وہ اسے اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتی تھی اور شارق بھی اسے ہمیشہ ماں ہی کی طرح عزیز سمجھتا تھا۔ اس نے ہمیشہ یہ کوشش کی تھی کہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ ان کے لئے کچھ کرنا بھی چاہتا تھا لیکن اپنے لاابالی پن کی وجہ سے آج تک کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھا سکا تھا۔ ثمینہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شارق کی زندگی پانی کے ایک ایسے بلبلے کی طرح تھی جو کسی بھی وقت پھٹ کر ختم ہو سکتا تھا اس کے بیسیوں دشمن تھے۔ سب سے بڑا دشمن ماجھا گجر تھا اور پھر پولیس تھی وہ کسی بھی وقت پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو سکتا تھا یا گولیوں کا نشانہ بن سکتا تھا۔ ایسی صورت میں مریم اور رضیہ بے سہارا ہو جاتیں۔ شارق کی لاابالی طبیعت دیکھتے ہوئے ثمینہ نے یہ ذمے داری اپنے سر لے لی تھی کہ اس کے یا شارق کے بعد یہ ماں بیٹی بے سہارا نہ ہو جائیں اس لئے اس نے حاجی عبداللہ سے رضیہ کے نام کوٹھی ٹرانسفر کرانے کے لئے مطالبہ کیا تھا۔

شاداں چائے لے کر آ گئی۔ ثمینہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بھی یہی سب کچھ سوچتی رہی۔ اس وقت دس بجنے والے تھے اور جس جگہ ثمینہ بیٹھی ہوئی تھی وہاں بھی اب دھوپ آنے لگی تھی۔ اس نے شاداں کی طرف دیکھا جو قریب ہی گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہاں تو تمہارا دوپہر کے کھانے کا مسئلہ ہے۔" ثمینہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"روز روز کا یہ مسئلہ تو بڑا پیچیدہ ہے کم از کم میرے بس کی بات نہیں ہے' تم ایسا کرو کہ ماں جی کی پاس چلی جاؤ.... وہی نمٹ سکتی ہیں اس مسئلے سے۔"

"جی وہ کہتی ہیں ثمینہ بی بی سے پوچھا کرو۔" شاداں نے اس کے ہاتھ سے خالی کپ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں ماں جی سے ہی جا کر پوچھو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"اچھا جی۔" شاداں کپ لے کر برآمدے کی طرف چلی گئی۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ اب پودوں کی کیاریوں کے پاس بیٹھ گئی اور کیاریوں میں سوکھے ہوئے پتے نکال نکال کر ایک طرف ڈالنے لگی۔ اسے ایک اور مصروفیت مل گئی تھی۔ کیاریاں صاف کرنے کے بعد اس نے ربر پائپ اٹھا لیا اور پودوں کو پانی دینے لگی لان اور پودوں کو پانی دینا خادم کی ذمے داری تھی۔ وہ روزانہ صبح سویرے پانی دیا کرتا تھا۔ ثمینہ نے کل سے خادم کی ڈیوٹی رضیہ کے ساتھ لگا دی تھی اس طرح کل بھی پانی نہیں دیا جا سکا تھا اور آج بھی..... اس لئے ثمینہ نے یہ ذمہ داری بھی سنبھال لی اور پودوں کو پانی دینے لگی۔

گیارہ بجے کے لگ بھگ شارق کی آواز سن کر اس نے پائپ گھاس پر ہی چھوڑ دیا اور نلکا بند کر کے اندر آ گئی۔ شارق ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا اور ہال کمرے میں آ کر بیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے رات کو گھوڑے بیچ کر سوئے تھے کیا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "کئی روز بعد آج پہلی مرتبہ اس قدر سکون اور اطمینان کی نیند سویا ہوں۔"

"اس سے پہلے کوئی ذہنی الجھن تھی کیا؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "ہاں۔" شارق بولا۔ "سوچتا رہتا تھا کہ ماں جی یا رضیہ کے نام کوئی جائیداد خرید لی جائے مگر ہمیشہ سوچ کر ہی رہ جاتا تھا لیکن تم نے میری یہ مشکل حل کر دی۔ انہیں کم از کم چھت تو مل جائے گی۔"

"میں انہیں اور بھی بہت کچھ دینا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "تم تیار ہو کر ناشتہ کرو میں نولکھا کو جگاتی ہوں وہ بھی ناشتہ کر لے تو اسے ایک ضروری کام سے بھیجنا ہے۔"

"نولکھا جاگ رہا ہے ثمینہ بی بی۔"

نولکھا کی آواز سن کر ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر اسی طرف آ رہا تھا۔

"تم ناشتہ کر کے تیار ہو جاؤ تمہیں ایک کام سے بھیجنا ہے۔ میں اوپر اپنے کمرے میں ہوں تیار ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا۔" ثمینہ کہتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

ایک گھنٹے بعد نولکھا ثمینہ کے سامنے موجود تھا۔

"ہاں ثمینہ بی بی۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا ضروری کام ہے؟"

"تم مزنگ چلے جاؤ' وہاں کی خیر خبر معلوم کرو' گامے سے پتہ کرو کہ وہ اپنا کام کب تک شروع کر رہا ہے۔"

"بہتر ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"اس سے کہنا کہ جلد سے جلد اپنا بندوبست کرے میں چاہتی ہوں کہ ہمارے افغانستان جانے سے پہلے اس کا کام سیٹ ہو جائے تاکہ ہمارے بعد ان لوگوں کو کوئی پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے ثمینہ بی بی میں اسے سمجھا دوں گا۔" نولکھا کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

ثمینہ کچھ دیر شارق کے پاس بیٹھی رہی پھر مریم کے کمرے میں آ گئی۔ شاداں سبزی گوشت وغیرہ لینے کے لئے بازار جا چکی تھی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے ماں جی!" ثمینہ نے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن پتہ نہیں اداسی کیوں لگ رہی ہے۔" مریم نے جواب دیا۔

"ایک دو دن بعد اداسی بھی ختم ہو جائے گی۔" پڑوسنوں سے باتیں کر کے دل بہلا رہے گا اور وقت بھی گزر جائے گا۔ کل بائیں طرف تیسری کوٹھی کے گیٹ پر میں نے آپ ہی کی عمر کی ایک خاتون کو کھڑے دیکھا تھا بظاہر تو وہ بڑی اچھی لگتی ہیں۔ آپ جائیے ان سے ملئے محلے میں جتنے لوگوں سے تعلقات ہوں گے اتنا ہی اچھا ہو گا۔"

"ایک محلے میں پڑوسیوں سے تعلقات بنائے تھے نا! کیا ہوا جس طرح ہم لوگ وہاں سے نکلے ہیں وہ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔" مریم نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"مجھے افسوس ہے ماں جی۔" ثمینہ نے کہا۔ "میری وجہ سے آپ کو یہ ذہنی اذیت اٹھانا پڑی۔ لیکن...." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "وہ پرایا مکان تھا اور ایک نہ ایک دن تو چھوڑنا ہی پڑتا لیکن یہ ..... یہ آپ کا اپنا مکان ہے۔ آپ کا گھر ہے..."

"میرا مکان؟" مریم نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے آپ کے بیٹے کا۔" ثمینہ نے کہا۔

مریم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ثمینہ بھی خاموش بیٹھی رہی اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس کی باتوں سے مریم کی اداسی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد نولکھا واپس آ گیا۔ وہ خاصا بدحواس لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے نولکھے خیریت؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"خیریت ہی نہیں ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے جلدی بتاؤ۔" ثمینہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آج رات پچھلے پہر راجو کو قتل کر دیا گیا ہے' گامے بھی ڈیرے سے غائب ہے۔" نولکھا نے

aazzamm@yahoo.com

کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" ثمینہ چیخی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "میں جب وہاں پہنچا تو ڈیرہ خالی پڑا تھا' ایک جگہ خون کے دھبے دیکھ کر میں چونک گیا' اسی دوران گلی کے دو تین آدمی آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ رات کے پچھلے پہر کچھ لوگوں نے ڈیرہ پر حملہ کر دیا تھا جس میں راجو مارا گیا اور گاما غائب ہے۔ شبہ ہے کہ حملہ آور اسے پکڑ کر ساتھ لے گئے ہیں۔ پولیس صبح سویرے وہاں پہنچی تھی انہوں نے راجو کی لاش کو اسپتال بھجوا دیا ہے لیکن اس سے آگے انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔"

"حملہ آور کون ہو سکتے ہیں؟" ثمینہ بڑبڑائی۔

"ماجھے گجر کی پارٹی کی علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "ویسے میں نے پتہ کر لیا ہے۔ ماجھا گجر آج کل راوی کے دوسری طرف اپنی بہن کے گھر میں رہ رہا ہے۔"

"اس کا بندوبست کرنا پڑے گا۔" ثمینہ نے کہا۔ "شارق کہاں ہے؟"

"وہ تو اپنے کمرے میں نہیں ہے' شاداں نے بتایا ہے کہ شارق باؤ تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے باہر گیا ہے۔"

"تمہیں ماجھے گجر کی بہن کا گھر معلوم ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"جی نہیں' لیکن میرا خیال ہے مولوی حمید کو معلوم ہو گا۔ وہ ہمارے ساتھ ملنے سے پہلے کافی عرصہ ماجھا گجر کے ساتھ رہا ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"تم اسی وقت جاؤ اور مولوی حمید کو بلا کر لاؤ' اپنے ساتھ لے کر آنا کہنا بہت ضروری کام ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔" نولکھا پھر باہر چلا گیا۔

ثمینہ ہال کمرے میں بیٹھ گئی۔ اس نے شاداں سے کہہ کر چائے منگوائی اور اس تازہ ترین صورت حال کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ مزنگ والے ڈیرے پر حملہ ماجھا گجر ہی نے کیا ہو گا۔ اس نے صدیقے کے قتل کا بدلہ لینے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ راجو اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اور گاما لاپتہ تھا گاما اگر وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو جاتا تو کسی نہ کسی طرح یہاں تک ضرور پہنچ جاتا لیکن وہ یہاں تک نہیں پہنچ سکا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ماجھے گجر کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ گامے پر ثمینہ کو پورا اعتماد تھا۔ اگر ماجھا گجر اس کی کھال بھی اتار دے تو گاما' شارق اور ثمینہ کے کسی ٹھکانے کے بارے میں نہیں بتائے گا لیکن ثمینہ کی نظروں میں

سب سے اہم معاملہ یہ تھا کہ گامے کو ان کے رحم و کرم پر بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔

شاداں چائے لے کر آئی تو ثمینہ نے اس سے شارق کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ شارق تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے کہیں چلا گیا تھا اور کچھ بتا کر بھی نہیں گیا تھا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ یا تو ٹیکسی وغیرہ پر گیا تھا یا کہیں زیادہ دور نہیں گیا تھا۔

دو بجے کے لگ بھگ شارق واپس آ گیا۔ ثمینہ نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ افسردہ سے لہجے میں بولا۔

"مجھے پتہ چل گیا ہے۔ میں ڈیرے پر ہی گیا تھا اور تھانے بھی۔ پولیس نے نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف رپورٹ درج کر لی ہے۔ انسپکٹر کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حملہ آوروں کے بارے میں جانتا ہے لیکن ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا۔"

"کارروائی تو ہم کریں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "راجو مارا گیا' گاما ان لوگوں کے قبضے میں ہے' ہم اسے ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی ایکٹو نہیں ہو رہیں؟" شارق نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "تم کارروائی کس کے خلاف کرو گی؟"

"ماجھا گجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟"

"وہ تو نجانے کس بل میں چھپا بیٹھا ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیا۔

"میں نے اس بل کا سراغ لگا لیا ہے اور آج رات اسے بل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟ تم نے اس کا سراغ کیسے لگا لیا' کہاں ہے وہ؟" شارق نے اسے گھورا۔

"دریا کے اس پار اپنی بہن کے گھر میں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "مولوی حمید یہاں آنے والا ہے اس سے پتہ چل جائے گا کہ اس کی بہن کا گھر کہاں ہے۔"

تقریباً ایک گھنٹے بعد نولکھا اور مولوی حمید آ گئے۔ مولوی حمید نے بتا دیا کہ ماجھا گجر کی بہن کا گھر کہاں ہے۔

"گڈ!" ثمینہ نے کہا۔ "اب یہ تصدیق کرنا باقی ہے کہ ماجھا گجر واقعی وہاں ہے یا نہیں اور یہ کہ اس گھر میں کتنے افراد ہیں۔"

"یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔" مولوی حمید نے کہا۔ "میرا ایک بند کر کے اس کے قریب زمیندار عبداللطیف کے پاس کام کرتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ماجھے گ
اس کی بہن کو شبہ ہے کہ قتل لطیف اور اس کے آدمیوں نے کیا
ث طولا اور ثمینہ

aazzamm@yahoo.com

رہا ہے۔ میرے رشتہ دار قدیر کا نام بھی مبینہ ملزمان میں شامل ہے قدیر یہ معلوم کر لے گا کہ ماجھا گجر وہاں ہے یا نہیں۔"

"آج شام سے پہلے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"معلوم ہو جائے گا۔" مولوی حمید نے کہا۔ "میں اپنے بھانجے کو بھیج دیتا ہوں وہ شام تک سب کچھ معلوم کر لے گا۔"

"تو ٹھیک ہے تم ابھی چلے جاؤ اور اپنی بھانجے کو وہاں بھیج دو۔" ثمینہ نے کہا۔ "مولوی حمید فوراً ہی رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد ثمینہ' شارق اور نولکھا بیٹھے آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رضیہ بھی یونیورسٹی سے آ گئی اور پھر وہ سب لوگ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

شام چھ بجے کے قریب مولوی حمید آ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھانجہ سلیم بھی تھا۔

"نولکھے کی اطلاع درست ہے شارق باؤ۔" مولوی حمید نے کہا۔ "ماجھا گجر راوی کے اس پار اپنی بہن کے گھر پر ہی چھپا بیٹھا ہے۔"

"تفصیل سے بتاؤ' وہاں اور کتنے آدمی ہیں۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"ماجھے گجر کے علاوہ وہاں تین آدمی اور بھی ہیں باجی۔" مولوی حمید کے بجائے اس کے بھانجے نے جواب دیا۔ "دو آدمی تو اس کے اپنے ہیں اور تیسرا گھر کا نوکر ہے۔"

"گھر کے افراد کتنے ہیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ماجھے گجر کی بہن اور بھانجی کئی دنوں سے بھینی کی طرف ماجھے کے گاؤں میں ہیں۔ ماجھے نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا ہے۔" سلیم نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات؟ کوئی مزارع وغیرہ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دس بارہ مزارع ہیں جی لیکن ان کے گھر پانچ چھ کھیتوں کے فاصلے پر ہیں۔" سلیم نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ایک بات اور ہے باجی' وہاں دو کتے بھی ہیں سنا ہے بڑے خوں خوار کتے ہیں۔"

اس کے ہاتھوں ہم [illegible] پرواہ نہیں یہ بتاؤ وہ مکان کہاں پر واقع ہے۔" ثمینہ نے پوچھا۔

کسی طرح یہاں تک ضرور [illegible] ہی ایک سڑک بائیں طرف مڑتی ہے اسی سڑک پر تقریباً ایک میل ماجھے گجر کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ [illegible] ہٹ کر ماجھے گجر کی بہن کا مکان ہے۔ وہیں سے اس کی زمینیں دے تو گاما' شارق اور ثمینہ کے [illegible] دیا۔

"کیا تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"چلا جاؤں گا۔" سلیم نے مولوی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" مولوی حمید نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"ہم تمہارے بھانجے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔" ثمینہ نے مولوی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تم آٹھ بجے سے پہلے پہلے دو آدمیوں کا بندوبست کرو' آدمی بھروسے کے ہونے چاہئیں بھاگنے والے نہ ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔" مولوی حمید نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں شارق باؤ کے آدمیوں میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو کسی موقع پر بھاگنے کا سوچ سکے۔"

"ٹھیک ہے سلیم ہمارے پاس ہی رہے گا تم ان آدمیوں کو لے آؤ یا ایسا کرو کہ ان آدمیوں کو یہاں لے کر آنے کے بجائے راوی پل کے پیٹرول پمپ کے قریب ہمارا انتظار کرو ہم نو بجے کے قریب وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ثمینہ بی بی۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔

مولوی حمید کے جانے کے بعد ثمینہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"نولکھا تم میرے ساتھ چلو حویلی کی چابیاں تو گامے کے پاس تھیں دوسری چابیاں کہاں ہیں؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے نولکھا کی طرف دیکھا۔

"شارق باؤ کے پاس ہوں گی۔" نولکھا نے کہا۔

شارق نے سوٹ کیس میں سے چابیوں کا گچھا نکال کر ثمینہ کی طرف اچھال دیا۔ ثمینہ نے چابیوں کا گچھا ہوا ہی میں دبوچ لیا اور میز پر سے گاڑی کی چابیاں اٹھا کر نولکھا کو اشارہ کرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ مڑی اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں آ جائیں گے۔"

وہ دونوں باہر آ گئے۔ ثمینہ حسب معمول اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی تھی اور نولکھا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ گلیوں سے نکل کر سڑک پر آتے ہی ثمینہ نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

وہ پینتیس منٹ میں ٹھوکر نیاز بیگ والی حویلی پہنچ گئے نولکھا نے اٹھ کر گیٹ کھولا اور ثمینہ گاڑی کو اندر لیتی چلی گئی۔ وہ گاڑی روک کر نیچے اتری تو نولکھا بھی گیٹ بند کر کے اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"پچھلے کمرے کا دروازہ کھولو..." ثمینہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

نولکھا نے پہلے باہر والا دروازہ کھولا اور بتی جلا کر اندر داخل ہو گیا۔ ثمینہ بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔ حویلی کے تمام کمروں میں سیلن کا احساس نمایاں تھا۔ حویلی کے کمرے عرصہ سے بند پڑے ہوئے تھے اور یہ لوگ بھی کبھی کبھار ہی یہاں آتے تھے اور صرف باہر والا ایک ہی کمرہ استعمال ہوتا تھا' باقی کمرے بند رہتے تھے جس سے سیلن سی ہو رہی تھی۔

آخری کمرے میں اسلحہ کی پیٹیاں تھیں۔ ثمینہ نے وہ پیٹی کھلوا لی جس میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ جب سے یہ اسلحہ یہاں رکھا گیا تھا اس کے بعد یہ کمرہ آج کھولا گیا تھا۔

"کتنی رائفلیں نکالوں بی بی؟" نولکھا نے پوچھا۔

"پانچ نکال لو.... اور دو دو میگزین فالتو نکال لینا۔" ثمینہ نے کہا۔

نولکھا پیٹی سے رائفلیں نکال کر چیک کرتا رہا تمام رائفلیں نئی تھیں۔ رائفلیں چیک کرنے کے بعد اس نے میگزین بھی نکال لئے۔ ایک ایک میگزین تو رائفلوں میں فٹ کر دیا گیا اور باقی تھیلے میں ڈال لئے گئے۔

"ٹھیک ہے اب چلو۔" ثمینہ نے کہا۔

ایک رائفل اور میگزینوں والا تھیلا ثمینہ نے اٹھا لیا اور تین رائفلیں نولکھا نے اٹھا لیں۔ رائفلیں گاڑی کی ڈگی میں رکھنے کے بعد نولکھا نے دوبارہ اندر جا کر تمام کمروں کے دروازے بند کر کے تالے لگا دیئے اور باہر آ کر پھاٹک کھول دیا۔ ثمینہ کے گاڑی نکالنے کے بعد اس نے پھاٹک بند کر دیا اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ وہ کوٹھی واپس پہنچ چکے تھے۔

"ہم لوگ ٹھیک آٹھ بجے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خادم سے دوسری گاڑی کی چابیاں لے لو ہم دونوں گاڑیاں لے کر جائیں گے۔"

ثمینہ اوپر چلی گئی اور شارق اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ چند روز سے ثمینہ بڑی ایکٹو ہو گئی تھی۔ ہر وقت ڈری ڈری اور سہمی سہمی سی رہنی والی لڑکی اب بہت بے باک اور نڈر ہو گئی تھی اور غیر محسوس انداز میں گروہ کے آدمیوں پر کنٹرول حاصل کرتی جا رہی تھی۔ دو روز پہلے اس نے حاجی عبداللہ سے جس بے باکی اور دبنگ لہجے میں بات کی تھی اس پر شارق کو بھی بڑی حیرت ہوئی تھی۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ ثمینہ نے اب پوری طرح حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور آہستہ آہستہ کھل کر سامنے آ رہی تھی۔ ماجھا گجر کو لاش کا تحفہ بھیجنا اس بات کا ثبوت تھا کہ اس کے دل سے سارا خوف دور ہو گیا تھا اور اخبارات بھی اب اسی کو اہمیت دینے لگے تھے۔ اخبارات نے

اسے پراسرار حسینہ اور سنگدل حسینہ جیسے خطابات دیئے تھے اور دو دن سے اس کے بارے میں مسلسل خبریں شائع ہو رہی تھیں اور اب وہ جو کچھ کرنے جا رہی تھی اس کا بھی شارق کو اندازہ تھا۔

ماجھا گجر کے کسی ٹھکانے پر حملہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی' لیکن ثمینہ نے اس کے بارے میں جس طرح معلومات جمع کی تھیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس قسم کی کارروائیوں کی منصوبہ بندی میں بھی اناڑی نہیں ہے۔

گھر میں کھانا عام طور پر ساڑھے نو بجے کھایا جاتا تھا اور ابھی آٹھ بھی نہیں بجے تھے۔ ثمینہ نے چائے بنوائی تھی۔ چائے پیتے ہوئے وہ اوپر اپنے کمرے میں آ گئی رضیہ اسی کمرے میں تھی۔ رضیہ اب مستقل طور پر اسی کے کمرے میں رہ رہی تھی اور حسب معمول پلنگ پر کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔

"کیا بات ہے ثمینہ باجی آج گھر میں کچھ عجیب سی ہلچل نظر آ رہی ہے؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"لوگوں کی آمد و رفت اور آپ کی بھاگ دوڑ.... مجھے تو کوئی گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔" رضیہ نے اسے گھورا۔

"ارے کوئی خاص بات نہیں ہے' دراصل ہم لوگ ایک جگہ ضروری کام سے جا رہے ہیں کچھ انتظامات کرنے تھے اس لئے ان لوگوں کو بلایا تھا۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "اچھا ہم لوگ جا رہے ہیں کھانے پر ہمارا انتظار مت کرنا دیر ہو جائے گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

ثمینہ نیچے آ گئی اور پھر چند ہی منٹ بعد وہ دونوں کاروں پر کوٹھی سے نکل رہے تھے۔ مولوی حمید کا بھانجا سلیم' ثمینہ کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور نولکھا پچھلی سیٹ پر تھا۔ شارق اکیلا ہی تھا۔ ثمینہ نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ راوی کے پل کے ساتھ والے پیٹرول پمپ پر پہنچ جائے۔

یہ لوگ سوا آٹھ بجے کے لگ بھگ کوٹھی سے نکلے تھے مین روڈ پر آ کر شارق نے اپنی گاڑی کسی اور راستے پر موڑ لی تھی۔

وہ لوگ تین چار منٹ کے وقفے سے پیٹرول پمپ پر پہنچے تھے۔ مولوی حمید کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر نو بجے یہاں پہنچ جائے۔ ابھی نو بجنے میں پانچ منٹ تھے اور مولوی حمید کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

ان کی گاڑیاں پیٹرول پمپ سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھیں۔ نو بج گئے پھر دس منٹ اوپر ہو گئے' مولوی حمید کا کوئی نام و نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ثمینہ بے چین سی ہونے لگی۔ اس نے مولوی حمید کے بھانجے سلیم کی طرف دیکھا وہ بھی کچھ بے چین سا دکھائی دے رہا تھا۔

"سلیم تم نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھو وہ لوگ کہیں اور نہ کھڑے ہوں۔"

سلیم نیچے اتر گیا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ سلیم کی عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ بھرے بھرے جسم کا دراز قامت اور خوبرو نوجوان تھا۔ مولوی حمید کے کہنے کے مطابق وہ ایک مقامی کالج میں فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ ثمینہ اسے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ اسے محض مکان کی نشاندہی کے لئے ساتھ لیا گیا تھا اس سے زیادہ وہ اس سے کوئی کام نہیں لینا چاہتی تھی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد مولوی حمید بھی اپنے آدمی لے کر پہنچ گیا۔ وہ دونوں آدمی شکلوں ہی سے خونخوار لگ رہے تھے۔ دونوں شارق کی گاڑی میں بیٹھ گئے اور سلیم دوبارہ ثمینہ کی گاڑی میں آ گیا۔ مولوی حمید واپس چلا گیا تھا۔

اس مرتبہ ثمینہ کی گاڑی آگے تھی اور شارق کی پیچھے۔ راوی کا پل پار کر کے سلیم کے اشارے پر ثمینہ نے گاڑی بائیں طرف ایک چھوٹی سی سڑک پر موڑ لی۔ اس سڑک پر کھجور کے چند درخت تھے لیکن اس سے آگے ناریل کے درخت تھے۔

سڑک پر بائیں طرف کچھ فاصلے پر راوی بہہ رہا تھا اور دائیں طرف ڈھلان میں کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ثمینہ نے گاڑی روک لی۔ شارق کی گاڑی بھی اس کے پیچھے ہی رکی تھی۔ ثمینہ نے گاڑی کا انجن بند کر کے چابیوں کا گچھا نولکھا کی طرف بڑھا دیا نولکھا کو اس کا مطلب سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے نیچے اتر کر ڈگی کھولی اور شارق اور اس کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو ایک ایک رائفل اور فاضل میگزین تھما دیئے۔ ایک رائفل اس نے اپنے پاس رکھ لی اور ایک ثمینہ کی طرف بڑھا دی۔ ثمینہ نے رائفل پیروں کے قریب رکھ لی اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"اب ذرا دھیان رکھنا سلیم۔" ثمینہ نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ ہو ہم کسی اور طرف نکل جائیں۔"

"چودھرانی کا مکان میں نہیں بھول سکتا۔" سلیم نے جواب دیا۔ "میں اکثر قدیر چاچا کے پاس آتا رہتا ہوں اور یہی راستہ استعمال کرتا ہوں۔"

گاڑیوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ مزید نصف میل کا فاصلہ طے ہونے کے بعد سلیم نے

دائیں طرف نشیب میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کچا راستہ اسی مکان کی طرف جاتا ہے۔ وہ جلتا ہوا بلب دیکھ رہی ہیں آپ وہی مکان ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اس نے گاڑی نہیں روکی تھی۔ نصف میل کا فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد اس نے گاڑی روک لی اور انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آئی۔

"وہ مکان میں نے جان بوجھ کر پیچھے چھوڑ دیا ہے شارق۔" ثمینہ نے شارق کی کار کے قریب پہنچ کر کہا۔ "یہاں سے ہم واپس مڑیں گے۔ گاڑی کی تمام بتیاں بجھی ہوئی ہوں گی۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ کرنا ہو گا وہ تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔"

ثمینہ دوبارہ اپنی کار میں آ گئی۔ پہلے اس نے اپنی کار موڑی اس کے پیچھے شارق نے بھی کار موڑ لی۔ مکان کے سامنے سڑک پر پہنچ کر ثمینہ نے کار روک لی شارق کی کار بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی۔ وہ سب لوگ نیچے اتر آئے۔

"تم کار ہی میں بیٹھے رہو گے سلیم۔" ثمینہ نے کہا۔ "ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس طرف کوئی نہیں آئے گا۔"

وہ نشیب کی طرف دیکھنے لگی۔ مکان وہاں سے تقریباً نصف فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ ایک جلتا ہوا بلب نظر آ رہا تھا۔ ثمینہ کچھ دیر تک مکان کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ سب مکان کی طرف جانے والے کچے راستے پر اترنے لگے۔ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر پہنچ کر وہ رک گئے اور پھر ثمینہ کے اشارے پر وہ مختلف سمتوں میں پھیل گئے۔ نولکھا' ثمینہ کے ساتھ تھا۔

انہوں نے مکان کو اس طرح گھیرے میں لے لیا تھا کہ اگر کوئی فرار ہونے کی کوشش کرتا تو کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ ثمینہ نولکھا کو اشارہ کرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی دفعتاً" ایک کتے کی غراہٹ سن کر وہ دونوں رک گئے۔ ٹھیک اسی لمحہ مکان کے دوسری طرف سے بھی ایک کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دینے لگی اس کے ساتھ ہی فضا گولی کی آواز سے گونج اٹھی۔

"یہ گولی کس احمق نے چلائی ہے۔میں نے ان لوگوں سے کہا بھی تھا کہ جب تک مخالف سمت سے فائر نہ ہو گولی نہ چلائی جائے۔" ثمینہ نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"گولی مکان کے اندر سے چلائی گئی ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے مکان کے دوسری طرف ہمارے کسی آدمی کو دیکھ لیا گیا ہے۔"

ثمینہ ابھی کوئی جواب نہ دینے پائی تھی کہ فضا گولیوں کی مسلسل تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی جس کا مطلب تھا کہ باقاعدہ مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ جو کتا ان دونوں کو دیکھ کر غرایا تھا اس

aazzamm@yahoo.com

نے بھی اب بھونکنا شروع کر دیا تھا نولکھا نے فائر کر دیا۔ کتا چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

مکان کے اندر سے اب زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ ثمینہ اور اس کے ساتھی جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد ایک آدمی مکان سے نکل کر دوڑتا ہوا نظر آیا۔ ثمینہ نے فائر کھول دیا۔ وہ شخص چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ثمینہ کے ساتھی گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ مکان میں ایک جگہ اچانک ہی آگ بھڑکتے دیکھ کر ثمینہ چونک گئی غالباً کوئی گولی آنگن میں خشک بھوسے وغیرہ کے ڈھیر میں لگی تھی جس نے آگ پکڑ لی تھی۔ اس طرف سے مویشیوں کے ڈکرانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

ثمینہ نے نولکھا کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں فائرنگ کرتے ہوئے مکان کی طرف دوڑے۔ نولکھا نے رائفل کے بٹ مار کر ایک کھڑکی توڑ دی۔ پہلے اس نے کمرے میں ایک برسٹ مارا اور پھر کھڑکی پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ ثمینہ نے بھی اس کے پیچھے کمرے میں کودنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ ثمینہ دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی آنگن میں لگی ہوئی آگ شیڈ کو لپیٹ میں لے چکی تھی اور رہائشی کمروں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً" دائیں طرف آہٹ سن کر ثمینہ بڑی پھرتی سے نیچے گر گئی اور ٹھیک اسی لمحہ گولیوں کی ایک بوچھاڑ اس کے اوپر سے گزر گئی' اگر اسے گرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جاتا۔ اس نے بڑی پھرتی سے لوٹ لگا کر رائفل کا ٹرائیگر دبا دیا۔ رائفل سے گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور اس پر فائرنگ کرنے والا شخص بھی چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ثمینہ دندناتی ہوئی اسی کمرے میں گھس گئی جس کمرے سے وہ شخص باہر آیا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ اسے چونک جانا پڑا' گاما کمرے میں فرش پر بندھا ہوا پڑا تھا۔ ثمینہ نے چیخ کر نولکھے کو بلا لیا۔

"اسے دیکھو.... میں دوسرے کمرے میں جا رہی ہوں۔ بہتر ہو گا کہ اسے لے کر باہر چلے جاؤ.... جلدی کرو۔" ثمینہ چیخی۔

سلیم کی اطلاع کے مطابق اس مکان میں چار آدمی تھے۔ ایک ماجھا گجر' دو اس کے آدمی اور چھوتھا گھر کا ملازم.... دو آدمی مارے جا چکے تھے۔ ماجھا گجر اور ایک آدمی بچ گیا تھا۔ ثمینہ ایک اور کمرے میں داخل ہوئی تو ادھیڑ عمر کا ایک آدمی کمرے کے کونے میں دبکا کانپ رہا تھا۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا۔

"مجھے مت مارو.... خدا کے لئے مجھے مت مارو میں بے قصور ہوں۔" وہ آدمی ہاتھ جوڑ کر

چیخا۔

ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ نوکر تھا۔

"اس کھڑکی سے کود کر بھاگ جاؤ.... جلدی کرو۔" ثمینہ چیخی۔

وہ شخص کھڑکی پر چڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی اور کھیتوں کی طرف دوڑنے لگا۔ ثمینہ ایک اور کمرے میں پہنچی تو ایک اور آدمی کھڑکی سے کودتا ہوا نظر آیا۔ ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ماجھا گجر تھا۔ ثمینہ نے بھی اس کی پیچھے چھلانگ لگا دی۔

ماجھا گجر کھیتوں میں پہنچ چکا تھا' ثمینہ اس سے زیادہ دور نہیں تھی۔

"رک جاؤ ماجھے ورنہ چھلنی کر دوں گی۔" ثمینہ چیخی' اس کے ساتھ ہی اس نے ماجھے سے ذرا ہٹ کر ایک برسٹ مار دیا تھا۔

ماجھا گجر لڑکھڑا کر گرا ثمینہ اس کی سر پر پہنچ چکی تھی۔

"اٹھو بے غیرت۔" ثمینہ اسے رائفل کی زد پر لی کر چیخی۔

"تت..... تم...." ماجھا گجر ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں میں۔" ثمینہ غرائی۔ "شارق تو اب تک تمہارا لحاظ کرتا رہا تھا لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی' تمہیں ایسی سزا دوں گی کہ تم نہ مر سکو گے اور نہ ہی اپنے آپ کو زندوں میں شمار کر سکو گے۔"

"مم... مجھے معاف کر دو ثمینہ.... میں...." ماجھا گجر نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"یہی تمہاری بے غیرتی کی نشانی ہے۔" ثمینہ بولی۔ "اگر تم میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو ایک عورت کے سامنے اس طرح ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک نہ مانگتے۔"

ثمینہ نے رائفل کی نال ذرا سی جھکا کر ٹرائیگر دبا دیا کئی گولیاں ماجھے گجر کی دونوں ٹانگوں میں پیوست ہو گئیں وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

"مجھے امید ہے کہ تم مرو گے نہیں۔" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر مر بھی گئے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ زندہ رہو گے تو پھر تم سے ملاقات ہو گی۔"

ثمینہ تیزی سے واپس دوڑی' مکان کا بہت سا حصہ اب آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ ثمینہ نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور سڑک کی طرف دوڑنے لگی۔

اس کے ساتھی بھی تقریباً اس کے ساتھ ہی سڑک پر پہنچے تھے۔ نولکھا پہلے ہی گامے کو لے کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا وہ سب اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ گئے اور دوسرے ہی لمحہ کاریں

aazzamm@yahoo.com

حرکت میں آ کر بڑی تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگیں۔

○

اس واقعہ نے پورے شہر میں سنسنی اور ہلچل سی مچا دی تھی۔ ماجھا گجر کی بہن کا وہ مکان اگرچہ ضلع لاہور کی حدود سے باہر تھا لیکن ماجھا گجر اور بھاگ جانے والے نوکر کے بیان کے حوالے سے اسے انہی واقعات کی ایک کڑی قرار دیا گیا جو ایک تسلسل سے لاہور شہر میں رونما ہو رہے تھے۔

ماجھا گجر بچ گیا تھا لیکن اس کی دونوں ٹانگیں گولیوں سے چھلنی ہو گئی تھیں اور اس کی جان بچانے کے لئے ڈاکٹروں کو گھٹنوں کے قریب سے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹنی پڑی تھیں۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے جو بیان دیا تھا اس میں اس نے ثمینہ کو اس کارروائی کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ اس کی بہن کا ادھیڑ عمر نوکر جسے خود ثمینہ نے فرار ہونے کا موقع دیا تھا۔ بھاگ کر قریبی تھانے میں پہنچ گیا تھا وہ شاہدرہ تھانے کا علاقہ تھا اس نے بھی یہی بیان دیا تھا کہ مکان پر حملہ کرنے والے کئی آدمی تھے اور ان کی لیڈر ایک خوبصورت لڑکی تھی اور اسی لڑکی نے اسے بھاگنے کا موقع دیا تھا۔

اس کارروائی میں ماجھا گجر کے دو آدمی مارے گئے تھی مکان مکمل طور پر جل گیا تھا اور پانچ چھ مویشی بھی جل کر راکھ ہو گئے تھے۔

اخبارات نے ایک بار پھر اس پراسرار اور سنگدل حسینہ کے قصے چھاپنا شروع کر دیئے تھے۔ ایک اخبار نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ثمینہ نامی یہ حسینہ خود کسی کی بے رحمی کا شکار ہوئی تھی اور اب اپنا انتقام لے رہی تھی' لیکن بعض لوگوں کے لئے یہ بات بھی حیرت انگیز تھی کہ انتقام کے لئے وہ صرف ماجھا گجر اور اس کے گروہ ہی کو نشانہ کیوں بنا رہی تھی۔

ماجھا گجر اسپتال میں تھا اور پولیس کی حراست میں تھا۔ اس کے خلاف لاہور کے کئی تھانوں میں سنگین نوعیت کے مقدمات درج تھے۔ ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اگر پولیس دیانت داری سے کام لے تو ماجھے کو ان مقدمات میں اتنی سزا ہو سکتی تھی کہ ایک اور جنم لینے کے بعد بھی وہ رہائی حاصل نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسے معاملات میں پولیس کیا کرتی ہے اور ان کا اصل مقصد کیا ہوتا ہے۔

اخبارات کی اطلاع کے مطابق پولیس اس پراسرار اور سنگدل حسینہ کی تلاش میں پورے لاہور میں چھاپے مارتی پھر رہی تھی۔ دوسرے دن کے اخبار میں یہ سنسنی خیز خبر شائع ہوئی کہ ثمینہ کی تلاش میں پولیس نے اس کے باپ کے گھر پر چھاپہ مارا تھا اور اس کے باپ اور بھائی کو پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لے لیا تھا۔ ولیہ کہ ط ح ہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ

یہ پراسرار حسینہ وہی ثمینہ ہے جو قتل کے ایک کیس کی تفتیش کے سلسلے میں فیصل آباد پولیس کو بھی مطلوب ہے اور طویل عرصہ سے روپوش ہے۔

یہ خبر پڑھتے ہی ثمینہ کانپ اٹھی۔ رگوں میں اس کا خون کھولنے لگا۔ اس کے ماں باپ نے اس کی وجہ سے پہلے کیا کم ذلت اٹھائی تھی کہ اب پولیس نے اس کے باپ اور بھائی کو حراست میں لے لیا تھا۔

یہ خبر پڑھنے کے بعد ثمینہ دیر تک سنسنی کی سی کیفیت میں مبتلا رہی پھر اٹھ کر اس صوفے پر بیٹھ گئی جس کے قریب سائیڈ ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے۔ شارق وغیرہ سو رہے تھے۔ رضیہ یونیورسٹی جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ثمینہ نیچے والے ہال میں تھی۔ اس نے چائے پیتے ہوئے اخبار اٹھا لیا تھا اور یہ خبر پڑھ کر وہ بدحواس ہو گئی تھی۔

اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ رضیہ کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"آج تم جلدی تیار ہو گئیں کیا بات ہے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنی ایک دوست کو گھر سے لینا ہے۔ اس کا گھر ہمارے راستے سے ذرا ہٹ کر ہے اس لئے میں جلدی نکلنا چاہتی ہوں۔" رضیہ نے کہا اور شاداں کو آواز دے کر ناشتہ لگانے کو کہا۔

"آج تو تم اکیلی ہی ناشتہ کرو۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں نے ابھی ابھی چائے پی ہے اس لئے اس وقت ناشتہ کو بالکل جی نہیں چاہ رہا۔"

"کوئی بات نہیں آج اکیلے ہی سہی۔" رضیہ کہتی ہوئی میز پر بیٹھ گئی۔

شاداں نے اس کے سامنے ناشتہ لگا دیا اور رضیہ ناشتہ کرنے لگی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جب وہ اپنی کتابیں اٹھا کر جانے لگی تو ثمینہ نے کہا کہ کار میں پیٹرول ڈلوا لے۔

رضیہ کے جانے کے بعد ثمینہ نے پھر فون کا ریسیور اٹھا لیا اور اس علاقے کے پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگی جس علاقے کی پولیس نے اس کے باپ کے گھر پر چھاپہ مارا تھا۔ لائن ملنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"ہیلو کون بول رہا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"میں تھانہ محرر عبدالخالق بول رہا ہوں' آپ کون ہیں بی بی کس سے بات کرنی ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ایس ایچ او سے۔" ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ایس ایچ او صاحب تو ابھی تک نہیں آئے کوئی پیغام...."

"میری بات غور سے سنو مسٹر محرر۔" ثمینہ نے کہا۔ "میرا نام ثمینہ ہے' وہی پراسرار اور سنگدل حسینہ جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے تم لوگوں نے...."

"ایک منٹ...." محرر نے کہا۔ "ایس ایچ او صاحب آ گئے ہیں آپ ان سے بات کر لیں۔"

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"ایس ایچ او بول رہا ہوں تم کون ہو بی بی؟"

"وہی پراسرار اور سنگدل حسینہ جس کی تمہیں تلاش ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میری تلاش میں تم جگہ جگہ چھاپے مار کر شریف لوگوں کو پریشان کر رہے ہو۔ کل میرے والد اور بھائی کو حراست میں لے لیا۔ میری ایک بات غور سے سن لو آفیسر' میرے گھر والے میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے' میں عرصہ سے ان سے لاتعلق ہوں میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ میرے باپ اور بھائی کو چھوڑ دو میں تمہیں صرف دو گھنٹے کی مہلت دے رہی ہوں اگر دو گھنٹے بعد میرا باپ اور بھائی باعزت طور پر گھر نہ پہنچے تو تمہارا حشر ماجھا گجر سے بھی برا ہو گا یہ محض دھمکی نہیں ہے میں جو کچھ کہتی ہوں اس پر عمل بھی کرتی ہوں۔ تمہیں اپنی کھال بچانے کے لئے صرف دو گھنٹے کی مہلت دے رہی ہوں اس کے بعد تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

ثمینہ نے فون بند کر دیا' اس نے دوسری طرف سے ایس ایچ او کی آواز سننے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے ایس ایچ او کو دھمکی تو دی تھی لیکن اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس کی دھمکی کا کوئی اثر لے گا۔

دو کے بجائے ڈھائی گھنٹے بعد اس نے پھر فون کیا اس مرتبہ بھی کال پہلے محرر نے ریسیو کی تھی پھر ایس ایچ او کی آواز سنائی دی۔

"تمہارے باپ اور بھائی کو ہم اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک تم اپنے آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کر دیتیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اپنے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا معاملہ ہے کس کو انجام کی دھمکیاں دے رہی ہو؟"

شارق کی آواز سن کر ثمینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شارق ہال کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا وہ غالباً ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔

"پولیس نے ابو اور میرے بھائی ندیم کو حراست میں لے لیا ہے۔ انسپکٹر سے بات کر رہی تھی وہ ابو اور ندیم کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ پولیس والے اپنے آپ کو پتہ نہیں

فرعون کیوں سمجھ لیتے ہیں۔ جس کو دل چاہا پکڑ لیا ویسے کیا۔ اس انسپکٹر کو جانتے ہو؟" ثمینہ نے کہا۔

"کونسا انسپکٹر؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

ثمینہ نے پولیس اسٹیشن کا نام بتایا تو شارق نے کہا۔

"انسپکٹر شفیق! وہ سیالکوٹ کا رہنے والا ہے' اس کے بیوی بچے لاہور ہی میں ہیں۔ والدین اور دوسرے رشتہ دار سیالکوٹ ہی میں رہتے ہیں۔"

"گڈ۔" ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "اب اسے میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اس نے تمہارے ڈیڈی اور بھائی کو حراست میں لیا ہے۔" شارق نے پوچھا۔

ثمینہ نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ شارق اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ یہ خبر پڑھنے کے بعد اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے۔

"کیا کرنا چاہتی ہو؟" اس نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے سوچ لیا ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "نولکھا اٹھ جائے تو پروگرام بناتے ہیں۔"

تقریباً ایک گھنٹے بعد ثمینہ اور نولکھا کار پر باہر چلے گئے۔ ان کی واپسی دو گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ تقریباً آٹھ سال کی عمر کا ایک بچہ بھی تھا۔ اس بچے کے جسم پر کسی اسکول کی یونیفارم تھی اور گلے میں اسکول بیگ بھی تھا۔ ثمینہ نے ایک چادر بچے کو اس طرح اوڑھا رکھی تھی کہ وہ راستہ نہ دیکھ سکے۔ گھر میں آتے ہی وہ بچے کو لے کر ایک کمرے میں گھس گئی اور ٹیلی فون بھی وہیں لے آئی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا اتفاق سے اس مرتبہ کال انسپکٹر شفیق ہی نے ریسیو کی تھی۔

"انسپکٹر شفیق...." ثمینہ نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔ "تمہارا بیٹا اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ اگر تم اس کی زندگی چاہتے ہو تو پندرہ منٹ کے اندر اندر میرے باپ اور بھائی کو چھوڑ دو بصورت دیگر آدھے گھنٹے بعد تمہیں شہر کی کسی سڑک پر اپنے بیٹے کی لاش مل جائے گی۔"

"کیا بکتی ہو!" جواب میں انسپکٹر کی دھاڑ سنائی دی۔

"لو.... پہلے اپنے بیٹے سے بات کر لو تاکہ تمہیں یقین آ جائے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور بچے کے ہاتھ میں دے دیا۔ بچے نے ایک دو جملے کہے تھے کہ ثمینہ نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ "اپنے بیٹے کی آواز سن لی انسپکٹر۔ اب تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں اگر

aazzamm@yahoo.com

پندرہ منٹ بعد مجھے اپنے آدمی کی کال نہ ملی تو تمہارے بیٹے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

ٹھیک پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی' ثمینہ نے ریسیور اٹھا لیا۔

"یس؟" وہ ماؤتھ پیس میں بولی۔

"مولوی حمید بول رہا ہوں ثمینہ بی بی۔" ریسیور پر آواز سنائی دی۔ "ابھی ایک منٹ پہلے آپ کے والد اور بھائی تھانے سے نکلے ہیں' وہ کچھ دور جا کر تانگے میں بیٹھ گئے تھے..... جی ہاں..... ان کے چہروں سے لگتا ہے کہ ان کے ساتھ کچھ زیادتی بھی کی گئی ہے لیکن بہرحال انہیں پولیس سے نجات مل گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے تم ابھی وہیں رہو اور انسپکٹر شفیق پر نگاہ رکھو۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور نولکھا کی طرف دیکھ کر بولی۔ "چلو نولکھے اس بچے کو بھی چھوڑ آئیں۔"

ثمینہ نے بڑی جرات کا مظاہرہ کیا تھا۔ نولکھا کے ساتھ وہ بچے کو ساتھ لے کر انسپکٹر شفیق کے مکان پر پہنچ گئی۔ اسے یقین تھا کہ انسپکٹر تھانے میں بیٹھا اس کے فون کا انتظار کر رہا ہو گا۔ مکان کے سامنے گاڑی روک کر اس نے بچے کو نیچے اتارا ہی تھا کہ مکان کا دروازہ کھلا اور ایک درمیانی عمر کی عورت باہر نکلی' وہ انسپکٹر شفیق کی بیوی تھی۔

"یہ بچہ ہمیں بھٹکا ہوا مل گیا تھا۔ بڑی مشکل سے ہم اس سے گھر کا پتہ پوچھتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں' خدانخواستہ کسی بردہ فروش کے ہاتھ لگ جاتا تو آپ لوگ زندگی بھر روتے رہتے۔ بچوں کے بارے میں ذرا محتاط رہا کریں۔" ثمینہ نے کار سے اتر کر اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عورت نے دوڑ کر بچے کو لپٹا لیا۔

"شکریہ بہن۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

ثمینہ کار میں آ کر بیٹھ گئی اور اس نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔ کار گلی کے موڑ پر پہنچی تھی کہ پولیس کی جیپ موڑ گھوم کر سامنے آ گئی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے انسپکٹر شفیق بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سرسری انداز میں کار میں بیٹھی ہوئی ثمینہ کی طرف دیکھا اور جیپ کو سائیڈ سے نکال لے گیا۔

ثمینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ گلی سے نکلتے ہی اس نے کار کی رفتار بڑھا دی اور چند منٹ کے اندر اندر وہ اس جگہ سے بہت دور نکل چکی تھی۔

ثمینہ کو اس بات کا افسوس تھا کہ وہ اپنے گھر جا کر اپنے باپ' بھائی اور دیگر افراد خانہ سے ہمدردی کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ اس واقعہ نے اسے ایک بار پھر افسردہ کر دیا تھا اس کی وجہ سے

اس کے ماں باپ کو ایک بار پھر ذلت اٹھانا پڑی تھی۔ پولیس نے جب اس کے گھر پر چھاپہ مارا ہو گا اور پولیس والے اس کے باپ اور بھائی کو لے کر گئے ہوں گے تو ان بے چاروں کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ انسپکٹر شفیق کو معاف نہیں کرے گی۔"

پولیس پراسرار اور سنگدل حسینہ کی تلاش میں چھاپے مارتی رہی اور اخبارات اس کے بارے میں سنسنی خیز خبریں چھاپتے رہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ جس رات شارق اور ثمینہ نے حاجی عبداللہ سے ملاقات کی تھی اس کے دو دن بعد حاجی عبداللہ کی طرف سے کوٹھی کے سلسلے میں اخبار میں اشتہار بھی شائع ہوا تھا۔ اس اشتہار کو شائع ہوئے پورے آٹھ دن ہو چکے تھے۔

اور پھر اسی رات ساڑھے نو بجے کے قریب فون پر حاجی عبداللہ کا پیغام ملا کہ وہ رضیہ کو لے کر صبح نو بجے رجسٹرار کے دفتر پہنچ جائیں۔

انہوں نے رضیہ کو پروگرام کے بارے میں نہیں بتایا۔ صبح اٹھتے ہی ثمینہ نے اسے بتایا کہ آج وہ یونیورسٹی نہیں جائے گی بلکہ ان کے ساتھ ایک بہت ضروری کام سے جا رہی ہے۔

اور جب رجسٹرار کے دفتر میں کئی کاغذات اور رجسٹروں پر دستخط کرنے کے بعد کوٹھی کی ملکیت کے کاغذات اس کے حوالے کئے گئے تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں نے ایک روز تمہیں کہا تھا کہ ایک ہفتہ بعد تمہیں خوشخبری سناؤں گی یہی تھی وہ خوش خبری۔" ثمینہ نے کہا۔

رضیہ لوگوں کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر ثمینہ سے لپٹ گئی۔

اور جب گھر آ کر اس نے مریم کو سارا قصہ سنایا تو مریم کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ کوٹھی آپ کے بیٹے نے آپ کو لے کر دی ہے ماں جی۔" ثمینہ نے مریم سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "یہ کوٹھی کے کاغذات ہیں انہیں سنبھال کر رکھئے۔"

وہ لوگ بہت دیر تک بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے' پھر شارق اٹھ کر نیچے آ گیا جہاں نولکھا اخبار کا فلمی صفحہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے نولکھے؟" شارق نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آج بڑے غور سے اخبار کا یہ صفحہ دیکھ رہے ہو کوئی فلم دیکھنے کا ارادہ ہے کیا؟"

"اپنی ہی فلم ختم نہیں ہوتی شارق باؤ' کوئی اور فلم کیا دیکھیں گے۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"تو آج پھر فلم کا پروگرام بن ہی جائے' سب لوگ چلیں گے تمہارے خیال میں کونسی فلم

aazzamm@yahoo.com

اچھی ہے؟" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو سلطان راہی کے علاوہ کسی اور کی فلم اچھی لگتی ہی نہیں۔ بھئی شارق باؤ سچی بات تو یہ ہے کہ جس فلم میں سلطان راہی نہ ہو مزا ہی نہیں آتا۔ کیا بڑک مارتا ہے شیر دا بچہ! خون جوش مارنے لگتا ہے رگوں میں۔" نولکھا نے کہا۔

"ان بڑکوں کے جوش میں تم نے شاید کبھی ایک بات پر غور نہیں کیا۔" شارق بولا۔

"وہ کیا شارق باؤ؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا اس طرح کی فلمیں ہمارے معاشرے میں بگاڑ پیدا نہیں کر رہی ہیں۔ بڑکوں اور گنڈاسوں کے ذریعے قوم کو کیا پیغام دیا جا رہا ہے' ان فلموں کے ذریعے کس تہذیب کی عکاسی کی جا رہی ہے۔ حقیقی زندگی میں کبھی یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ رقص کے نام پر یہ بے ہودہ اچھل کود یہ سب کچھ کہاں ہوتا ہے۔"

"اچھل کود نہ سہی لیکن اور سب کچھ تو ہوتا ہی ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا تم خود اس کی سب سے بڑی زندہ مثال نہیں ہو' کیا جرم کیا تھا تم نے جس کی سزا کاٹنے کے لئے تمہیں طویل عرصہ کے لئے جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا' اس کے بعد تمہیں شرافت کی زندگی کیوں نہیں گزارنے دی گئی' آج تم اسمگلر ہو' قاتل ہو' دہشت گرد ہو یہ سب کچھ تمہیں کس نے بنایا ہے؟ کیا تم نے اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے یہ راستہ اختیار کیا ہے؟ نہیں شارق باؤ کوئی اپنی مرضی سی مجرمانہ زندگی اختیار نہیں کرتا نہ ہی کوئی ماں کے پیٹ سے مجرم پیدا ہوتا ہے مجرم تو اسے یہ معاشرہ ہی بناتا ہے۔ یہ زمیندار' جاگیردار اور دولت مند لوگ اپنے مفادات کے لئے شریف لوگوں کو قربانی کا بکرا بنا لیتے ہیں اور جب یہ شریف لوگ ان کے چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں تو قانون کے یہ محافظ آڑے آ جاتے ہیں۔ قانون کے ان محافظوں کا مفاد بھی اسی میں ہوتا ہے کہ وہ شریف لوگوں کو مجرمانہ زندگی اپنانے پر مجبور کرتے رہیں۔ یہ شریف لوگ تو دولت مندوں اور قانون کے محافظوں کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ جو کبھی ان کے چنگل سے نہیں نکل سکتے' کیا تم ان سے اپنا پیچھا چھڑا سکتے ہو.... سلطان راہی بھی ہمارے معاشرے کا ایک ایسا ہی کردار ہے۔"

"تم تو فلسفہ بگھارنے لگے۔" شارق نے اسے گھورا۔ "فلم کی بات کرو کونسی فلم دیکھنا چاہتے ہو؟"

"نہیں شارق باؤ.... کوئی فلم نہیں دیکھنی۔" نولکھا نے نفی میں سر ہلایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ثمینہ بھی آ گئی۔

"ہاں بھئی! اب کیا پروگرام ہے؟" ثمینہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"کیسا پروگرام؟" شارق نے پوچھا۔

"اس کوٹھی کا مسئلہ تھا وہ تو حل ہو گیا۔ اب حاجی عبداللہ کے کام کے لئے کیا پروگرام بناؤ گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ایک ہفتے بعد کا پروگرام بنا لیتے ہیں اس دوران ہم یہاں سے اپنے کام سمیٹ لیں گے۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "ماجھے گجر کی طرف سے تو اب ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے لیکن ہماری طرف بھی صورت حال کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے۔ گامے کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ ہماری عدم موجودگی میں یہاں کا کام سنبھال سکے اسے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ مزنگ والا اڈہ بند کر دیا جائے۔ گاما ٹھوکر نیاز بیگ والی حویلی میں رہے گا۔ مولوی حمید تھوڑا بہت دھندہ کرتا رہے تاکہ پارٹیوں سے رابطہ قائم رہے۔ اور ان سب لوگوں کو سختی سے ہدایت کر دی جائے کہ ہماری عدم موجودی میں وہ اس کوٹھی کا رخ نہ کریں' میں نہیں چاہتی کہ ہمارے بعد ماں جی اور رضیہ کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔"

"میرا خیال ہے ثمینہ بی بی ٹھیک کہتی ہے۔" نولکھا نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "مزنگ والا اڈہ واقعی بند کر دیا جائے' گاما ٹھیک بھی ہوتا تو وہ اکیلا یہ دھندہ نہیں سنبھال سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کیا جائے گا۔" شارق نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولا۔ "تو گویا حاجی عبداللہ کو اطلاع دے دی جائے کہ ہم ایک ہفتے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"ہاں آج رات اسے ٹیلی فون پر اطلاع دے دو۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ باتیں کر ہی رہے تھی کہ شاداں ان کے لئے چائے لے کر آ گئی۔

"اے! تم سے چائے کے لئے کس نے کہا تھا؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"آپ لوگ عام طور پر اس وقت چائے پیتے ہیں اس لئے میں خود ہی بنا کر لے آئی ہوں۔" شاداں نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اس نے تو چائے پلا پلا کر میرا سینہ ساڑ دیا ہے ثمینہ بی بی جی۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی اور کام نہیں ہوتا تو چائے بنا کر لے آتی ہے۔"

"ایک تو وہ تمہیں بغیر مانگے چائے پلاتی رہتی ہے الٹا تم اسے الزام دے رہے ہو۔" شارق نے اسے گھورا۔

aazzamm@yahoo.com

شاداں باہر چلی گئی تھی۔ چائے کے دوران وہ لوگ خوش گپیاں کرتے رہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ثمینہ' رضیہ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی اور اسے باتوں ہی باتوں میں بتا دیا کہ ایک ہفتے بعد وہ لوگ چند روز کے لئے ملک سے باہر جا رہے ہیں۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"افغانستان۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"افغانستان۔" رضیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہ پورا ملک تو میدان جنگ بنا ہوا ہے' روسی فوجوں کے جانے کی بعد افغانستان کے لوگ تو آپس میں لڑ مر رہے ہیں ان حالات میں آپ لوگ وہاں کیا لینے جا رہے ہیں۔"

"ایک چیز ہوتی ہے ایڈونچر۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ سمجھ لو کہ ہم لوگ ایک ایڈونچر پر جا رہے ہیں۔"

وہ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتی رہیں۔

اس رات شارق نے حاجی عبداللہ کو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیا۔ حاجی عبداللہ نے انہیں دوسرے دن سمن آباد والی کوٹھی میں بلا لیا تھا۔

دوسرے دن رات کو وہ سمن آباد والی کوٹھی میں تقریباً دو گھنٹوں تک حاجی عبداللہ سے باتیں کرتے رہے۔ حاجی عبداللہ انہیں پارہ چنار میں ملک گل رحمان اور اس سے آگے دوسرے لوگوں سے ملاقات کے ذرائع اور دوسری باتیں بتاتا رہا۔

باقی تین چار دن یہ لوگ اپنے دیگر کاموں اور تیاریوں میں مصروف رہے اور پھر ایک روز یہ تینوں رات گیارہ بجے جی ٹی ایس کی لگژری بس کے ذریعے راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ صبح پانچ بجے یہ لوگ راولپنڈی پہنچے اور ایک ہوٹل میں کمرے لے کر دن بھر سوتے رہے۔

دوسرے دن پنڈی سے بھی رخصت ہو گئے اور بسوں کے ذریعے کوہاٹ' ہنگو' علی زئی اور سدہ ہوتے ہوئے پارہ چنار پہنچ گئے۔ کوہاٹ سے آگے کا راستہ بے حد خطرناک تھا بعض مقامات پر تو اس قدر خطرناک موڑ تھے کہ دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ نولکھا تو ایسے ہر موقع پر آنکھیں بند کر کے کلمہ پڑھنے لگتا تھا۔

قراقرم ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر پارہ چنار ایک خوبصورت چھوٹا سا شہر اپنے اندر بہت سی دلچسپیاں سمیٹے ہوئے تھا۔ یہ لوگ جب پارہ چنار پہنچے تو شام ہونے والی تھی یہاں ملک بھر سے سیاح آتے رہتے تھے غیر ملکی سیاح بھی بڑی تعداد میں یہاں آتے تھے۔ بس سے اترتے ہی انہیں تین چار غیر ملکی سیاح بھی نظر آئے تھے جن میں ایک جوان اور حسین لڑکی بھی شامل تھی۔

سیاحت کا سیزن ہونے کی وجہ سے انہیں بڑی مشکل سے ایک ریسٹ ہاؤس میں جگہ ملی اور اس کے لئے انہیں دگنا کرایہ دینا پڑا تھا۔ بسوں کے طویل اور خطرناک سفر نے انہیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ کھانا کھانے کے فوراً ہی بعد وہ سو گئے لیکن صبح سویرے وہ بیدار ہو گئے۔

سفر کے دوران ثمینہ پورا علاقہ دیکھتی ہوئی آئی تھی اور اس کے خیال میں یہ دنیا کی حسین ترین وادیاں تھیں۔ جو لوگ سوئٹزر لینڈ اور فرانس کی طرف بھاگتے تھے۔ وہ بے وقوف تھے' یہ وادیاں تو سوئٹزر لینڈ سے بھی زیادہ حسین تھیں یہاں کیا کچھ نہیں تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ ریسٹ ہاؤس سے نکل گئے۔ بازار کی دکانیں صبح سویرے ہی کھل گئی تھیں۔ تقریباً ہر دکان پر انہیں اسلحہ نظر آ رہا تھا۔ یہاں اسلحہ اس طرح فروخت ہو رہا تھا جیسے ٹھیلوں پر پھل اور سبزیاں فروخت ہو رہی ہوں۔

شارق ایک ایسی ہی دکان کے سامنے رک گیا جہاں ضروریات زندگی کی دوسری چیزوں کے علاوہ مختلف اقسام کے ہتھیار بھی سجے ہوئے تھے۔

"آؤ بابو سیب کیا مانگتا ہے۔" دکاندار نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا' وہ اونچا لمبا قد آور آدمی تھا۔ مونچھیں اس قدر پھیلی ہوئی تھیں کہ دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔

"ہمیں ملک گل رحمٰن سے ملنا ہے خان صاحب۔" شارق نے کہا۔

"اوئے تم گل رحمٰن کا مہمان ہے' ابھی تم کو اس کے پاس بھیجے گا۔ بیٹھو ہمارے ساتھ ایک پیالی چائے پیو پھر جانا۔" خاں صاحب نے کہا۔

"نہیں خان صاحب ہمیں ذرا جلدی ہے۔" شارق نے کہا۔

"اچھا ٹھہرو' ہم تم کو بھیجتا ہے۔" خان صاحب نے کہا اور دس گیارہ سال کے ایک لڑکے کو بلا کر اس سے کچھ کہا اور ان لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ تقریباً پچاس گز آگے وہ لڑکا ایسی ہی ایک دکان کے سامنے رک گیا' دکان میں جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ بہت دبلا پتلا تھا لیکن اس کی آنکھیں سرخ اور مونچھیں رخساروں تک پھیلی ہوئی تھیں وہ ملک گل رحمان تھا۔

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

گل رحمٰن نے بھی بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا تھا۔ اس کی نظریں بار بار ثمینہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ جس نے اسٹون واش جینز اور سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ٹی شرٹ کے سامنے کے رخ پر امریکہ کے کسی ساحلی علاقے کی تصویر بنی ہوئی تھی اور پشت پر "ڈونٹ فالو می" لکھا ہوا تھا۔ ٹی شرٹ خاصی ٹائٹ تھی جس سے اس کے سینے کے ابھار نمایاں ہو گئے تھے۔ چمکتی ہوئی دھوپ سے بچنے کے لئے اس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔

اس قسم کا لباس قبائلی علاقوں میں بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہاں سیاحوں کی آمد و رفت تھی۔ ان سیاحوں میں پاکستانی بھی تھے اور غیر ملکی بھی۔ پاکستانی خواتین تو عام طور پر شلوار قمیض پہنتی تھیں جبکہ غیر ملکی خواتین زیادہ تر پینٹ شرٹ وغیرہ استعمال کرتی تھیں۔ شہروں سے آنے والی ماڈرن پاکستانی بھی اس قسم کا ماڈرن لباس پہنتی تھیں۔ اور اس طرح بعض ناخوشگوار واقعات بھی رونما ہو جاتے تھے۔

گل رحمٰن چند لمحے گہری نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ ثمینہ کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے گل رحمٰن کی نظریں سوئیوں کی طرح اس کے جسم میں چبھ رہی ہوں۔ گل رحمٰن کی نظر نولکھا کی طرف اٹھ گئی اور پھر وہ شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم حاجی عبداللہ کے دوست ہے تو امارا بھی دوست ہے۔" بالآخر گل رحمٰن نے کہا۔ "بولو۔ ہم تمہارا کیا خدمت کرے.... چائے پلائے یا روٹی کھائے گا۔"

"ہم اس وقت نہ چائے پئیں گے اور نہ روٹی کھائیں گے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمیں ان بلند پہاڑوں کے اس پار جانا ہے اور ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"پہاڑوں کے اس پار تو کافر لوگ رہتا ہے۔" گل رحمٰن نے کہا۔

"وہ نورستان ہے۔ نورانی چہروں والے لوگ کافر نہیں ہو سکتے۔" شارق نے کہا۔

"اچھا۔ ابھی تو تم ایسا کرو کہ اس لڑکا کے ساتھ جاؤ۔ ہم آدھا گھنٹہ بعد تم لوگ سے ملاقات کرے گا۔ گل رحمٰن نے کہا اور دکان کے اندر کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز دی۔ چند سیکنڈ

بعد ہی گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا سامنے آ گیا۔

اس لڑکے کو دیکھ کر ان تینوں کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے بڑے گھیر والی کالے کپڑے کی شلوار پہن رکھی تھی۔ قمیض گھٹنوں تک لمبی تھی۔ اور اس کا رنگ بھی کالا ہی تھا۔ کالی مخملی واسکٹ جس پر گوٹے سے کشیدہ کا کام تھا' سر پر اپنی عمر کے لحاظ سے بڑی پگڑی اور گلے میں بیلٹ تھا جس کے ہولسٹر میں ریوالور اڑسا ہوا تھا۔

گل رحمٰن نے اس لڑکے کو عمر کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کچھ اپنی زبان میں کہا اور پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ عمر کے ساتھ چلے جاؤ۔ ام آتا ہے۔"

شارق نے ثمینہ اور نولکھا کی طرف دیکھا اور وہ تینوں دکان سے باہر آ گئے۔ عمران سے پہلے ہی باہر آ چکا تھا۔ عمران سے چند قدم آگے تھا۔ وہ تینوں اس کے پیچھے پیچھے بازار میں چلتے رہے اور بالآخر آبادی سے باہر نکل آئے تھے۔ اونچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے نولکھا کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"شارق باؤ۔" وہ شارق کو پکارتے ہوئے رک گیا۔ "یہ لونڈا ہمیں کہاں لے جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری واپسی مشکل ہو جائے۔"

"اے عمر....!" شارق نے آواز دے کر عمر کو بھی روک لیا۔ "کتنی دور جانا ہے۔"

"اس چٹان کے پیچھے۔" عمر نے ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چٹان وہاں سے تقریباً دو سو گز دور تھی۔ ثمینہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ان کے چاروں طرف سبزہ تھا جس میں جگہ جگہ جنگلی پھول کھلے ہوئے تھے۔ نشیب میں دریا بہہ رہا تھا۔ دریا کے آس پاس اور پہاڑیوں پر کہیں کہیں مکان بھی نظر آ رہے تھے۔ یہاں چیڑ اور چنار کے درختوں کی بہتات تھی۔

وہ ایک بار پھر چلنے لگے۔ چٹان کے دوسری طرف گہرائی میں ایک چوڑی ندی بہہ رہی تھی۔ ندی تقریباً پندرہ فٹ چوڑی تھی اور اس پر رسوں کا پل بنا ہوا تھا۔ عمر تو بڑی آسانی سے یہ پل پار کر گیا مگر وہ تینوں رک گئے۔

"او خوچہ تم ڈرتا ہے۔" عمر نے ندی کے دوسری طرف سے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس موٹے رسے کو پکڑو اور آرام سے آ جاؤ۔ پل نہیں ٹوٹ جائے گا۔"

ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پہلے شارق آگے بڑھا۔ پل کی چوڑائی تقریباً تین فٹ تھی۔ کمر کے برابر بلندی تک موٹے رسے تنے ہوئے تھے۔ نیچے بھی رسوں کا جال سا بنا ہوا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ جال اتنا گنجان تھا کہ پیر اس میں سے نہیں نکل سکتا تھا۔

شارق نے دونوں طرف کے رسوں کو پکڑ لیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے چلنے سے پورا پل جھول رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا رہا اور بالآخر دوسری طرف پہنچ گیا اس کے بعد نولکھا اور پھر ثمینہ بھی دوسری طرف آ گئے۔

ندی کے دوسری طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ تقریباً تین فٹ تک مکان کی دیواریں پتھروں کی تھیں اور اس سے اوپر پورے مکان کی تعمیر میں لکڑی استعمال کی گئی تھی۔

مکان کے سامنے کے رخ پر ایک کشادہ برآمدہ تھا جس میں پانچ چھ پرانی سی گارڈن چیئرز پڑی ہوئی تھیں۔ مکان کے سامنے ایک ڈھلان تھی جو نشیب میں بہتے ہوئے دریا تک چلی گئی تھی۔ پوری ڈھلان سبز مخملی گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی۔

نولکھا تو برآمدے میں آتے ہی ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا اور ثمینہ اور شارق گھوم پھر کر مکان دیکھنے لگے۔ ایک پندرہ بائی بیس فٹ کا بڑا کمرہ تھا اور دو کمرے بارہ بائی چودہ فٹ کے تھے۔ پچھلی طرف ایک کچن بھی تھا۔ دونوں کمروں میں لکڑی کے بیڈ بچھے ہوئے تھے۔ دو دو کرسیاں بھی تھیں اور ہر کمرے میں دیوار میں ایک ایک الماری بھی تھی۔ کچن میں کھانے پینے کا سامان اور برتن بھی موجود تھے۔ بڑے کمرے میں ایک دری بچھی ہوئی تھی۔

یہ ایک خوبصورت کاٹیج تھا اور سیاحت کے لئے آنے والوں کے لئے ایک آئیڈیل جگہ تھی۔

ثمینہ اور شارق بھی برآمدے میں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ برآمدے کے سامنے تقریباً پچاس بائی پچاس فٹ چوڑی ہموار جگہ تھی جس میں دبیز گھاس لگی ہوئی تھی اور ڈھلان اس ہموار جگہ سے آگے شروع ہوتی تھی۔ مکان کے اردگرد چیڑ کے درخت تھے۔

وہ تینوں برآمدے میں بیٹھے قدرتی حسن کا نظارہ کر رہے تھے کہ عمر ایک ٹرے میں چائے لے کر آ گیا۔ شیشے کے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں سبز چائے تھی۔ اس نے ٹرے ان کے سامنے ایک سال خوردہ سی میز پر رکھ دی اور خود جا کر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں اپنے اپنے گلاس اٹھا کر چائے پینے لگے۔ چائے واقعی بڑی خوش ذائقہ تھی۔ چائے کے ساتھ وہ خوش گپیاں بھی کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد عمر بھی اٹھ کر ان کے قریب آ گیا۔

"اوئے لڑکے۔" نولکھا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ بوجھ اپنے گلے میں کیوں ڈال رکھا ہے۔" اس نے ریوالور کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ اصلی بھی ہے یا نقلی ہے!"

عمر نے چبھتی ہوئی نظروں سے نولکھا کی طرف دیکھا۔ نولکھا چائے ختم کر چکا تھا۔ خالی گلاس

اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تم ادھر آ کر کھڑا ہو جاؤ اور یہ گلاس اوپر ہوا میں پھینک دو۔ ہم تم کو بتائے گا کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔" عمر نے کہا۔

نولکھا اپنی جگہ سے اٹھ کر برآمدے سے باہر آ گیا۔ عمر اس کے دائیں طرف چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کا ریوالور ہولسٹر میں تھا۔ ہولسٹر کا بٹن کھلا ہوا تھا۔ نولکھا نے عمر کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس پوری قوت سے ہوا میں اچھال دیا۔

اچانک فائر کی آواز سناٹے میں گونجی اور ہوا میں گلاس کے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی کرچیاں فضا میں چاروں طرف بکھر گئی تھیں۔

نولکھا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے گلاس ہوا میں اچھالا تھا اور اس کی توجہ گلاس پر ہی تھی۔ اس نے گلاس کی کرچیاں فضا میں بکھرتے ہوئے دیکھی تھیں لیکن وہ یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ عمر نے کب ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور کب گولی چلائی تھی۔ البتہ اس نے جب مڑ کر عمر کی طرف دیکھا تو ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کی نالی سے دھواں نکل رہا تھا۔

ثمینہ اور شارق نے یہ ساری کارروائی دیکھی تھی۔ وہ فضا میں گلاس کے ٹکڑے ہوتے دیکھ کر اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں شدید حیرت تھی۔ اور چہروں پر ایسے تاثرات جیسے جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا اس پر یقین نہ آ رہا ہو۔

عمر نے جب نولکھا کو چیلنج کیا تھا تو ثمینہ سمجھی تھی کہ وہ بچہ ہے اور انہیں اپنی باتوں سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ لیکن نولکھا نے جیسے ہی گلاس ہوا میں اچھالا تھا ثمینہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ عمر نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہولسٹر سے ریوالور کھینچ کر گولی چلا دی تھی اور گلاس کے فضا ہی میں ٹکڑے ہو گئے تھے۔

نولکھا نے دوسرے دونوں گلاس بھی باری باری ہوا میں اچھالے اور عمر نے اپنی گولیوں سے ان کی کرچیاں بھی فضا میں بکھیر دیں۔

"کمال ہے بھئی۔" نولکھا نے کہا۔ "میں تو اسے بچہ ہی سمجھ رہا تھا۔ لیکن ایسا سچا نشانہ..... میں نے تو آج تک ایسا نشانہ نہیں دیکھا۔"

"ہم نے سنا تھا کہ قبائلیوں کے بچے بھی ہتھیاروں سے کھلونوں کی طرح کھیلتے ہیں۔ کبھی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن آج ہمارے سامنے جو حقیقت ہے اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہ ذرا اپنا توپک دکھانا مجھے۔" نولکھا نے عمر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

aazzamm@yahoo.com

عمر نے ریوالور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نولکھا ریوالور کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ روسی ریوالور تھا۔ روس سے افغانستان کی جنگ ہوئی تھی اور اس کے بعد ہر طرف روسی اسلحہ کی بھرمار ہو گئی تھی۔ یہی اسلحہ اسمگل ہو کر پورے پاکستان میں پھیل رہا تھا۔ نولکھا نے ریوالور عمر کو واپس کر دیا اور اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔

"تم لوگ ادھر بیٹھو۔ ہم ابھی آئے گا۔" عمر نے کہا اور ڈھلان پر اترنے لگا۔ وہ دریا کی طرف جا رہا تھا۔

وہ تینوں پھر برآمدے میں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس بچے کا نشانہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ اس مہم کے دوران کسی قبائلی سے الجھنے کی کوشش مت کرنا۔"

"ثمینہ بی بی۔ ابھی میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔" نولکھا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

وہ تینوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ گل رحمٰن نے کہا تھا کہ وہ آدھے گھنٹے میں ان کے پاس پہنچ جائے گا لیکن اب تقریباً ایک گھنٹہ ہونے والا تھا۔ پندرہ منٹ اور گزر گئے اور پھر انہیں ندی کی طرف سے تین آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کا پل چٹان کی آڑ میں تھا اس لئے وہ انہیں ندی کا پل پار کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکے تھے۔ اور جب وہ چٹان گھوم کر سامنے آئے تھے تو ان کی نظروں میں آ گئے تھے۔

ان میں ایک تو گل رحمٰن تھا۔ دوسرے دونوں ظاہر ہے ان کے لئے اجنبی تھے لیکن وہ دونوں لمبے تڑنگے تھے اور انہوں نے قبائلی لباس پہن رکھے تھے۔ گل رحمٰن کے جسم پر بظاہر کوئی اسلحہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن دوسرے دونوں آدمیوں نے اپنے کندھوں پر رائفلیں لٹکا رکھی تھیں۔ شارق وغیرہ اپنی جگہوں پر بیٹھے ان کی طرف دیکھتے رہے اور بالآخر وہ قریب پہنچے تو یہ تینوں بھی کرسیوں سے اٹھ گئے۔ اور پھر وہ سب اندر آ کر دری پر بیٹھ گئے۔ ثمینہ ٹائٹ جینز کی وجہ سے دری پر بیٹھنے میں کچھ دشواری محسوس کر رہی تھی۔

"شارق صاب۔" گل رحمٰن اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دکان پر تم سے بات کرتے ہوئے جو کوڈ استعمال کیا تھا وہ تو ٹھیک ہے مگر حاجی عبداللہ نے ام کو یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی عورت بھی ہو گا۔"

"پہلے عورت کا ہمارے ساتھ آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ لیکن..." شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ثمینہ کو ہم نے عین آخر وقت میں شامل کیا ہے اور حاجی عبداللہ کو بتا دیا تھا۔ میں نے تمہاری دکان پر ٹیلی فون دیکھا تھا۔ پارہ چنار سے پورا ملک سے ٹیلی فونک رابطہ قائم

ہے۔ تم اگر چاہو تو ٹیلی فون پر حاجی عبداللہ سے بات کر کے اپنی تسلی کر سکتے ہو۔"

"وہ تو کرنا ہی پڑے گیا۔" گل رحمٰن نے کہتے ہوئے کینوس کا ایک بیگ کھول لیا اس بیگ سے جو کچھ بھی برآمد ہوا اسے دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ یہ روسی ساخت کا وسیع حیطہ عمل والا ٹرانسمیٹر تھا۔ اس کی لمبائی و چوڑائی ایک کتاب کے برابر تھی البتہ اونچائی چھ انچ کے قریب تھی۔

گل رحمٰن نے وہ ٹرانسمیٹر بیگ میں سے نکال کر پہلے اس کا انٹینا باہر کھینچا پھر دو تین بٹن آن آف کرنے کے بعد مائیک منہ کے سامنے کرتے ہوئے کال نشر کرنے لگا۔

"پوسٹ زیرو نو کالنگ۔ مشن نورستان..... پوسٹ زیرو ٹو کالنگ۔"

ٹرانسمیٹر میں نصب اسپیکر پر بہت ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی سی آواز سنائی دے رہی تھی پھر ڈائل پر ایک چھوٹی سی سبز بتی روشن ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک آواز سنائی دی۔

"پوسٹ زیرو ون ریسیونگ۔ مشن نورستان۔ یس گل رحمٰن کیا بات ہے؟"

"مہمان پہنچ گئے ہیں لیکن ان کے ساتھ ایک عورت بھی ہے جس کے بارے میں ہمیں پہلے سے کچھ نہیں بتایا گیا۔" گل رحمٰن نے مائیک میں کہا۔

"اندیشے کی کوئی بات نہیں ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ آواز بالکل صاف آ رہی تھی۔ "اس عورت کا نام ثمینہ ہے اور وہ شارق کی دوست ہے۔ اس مشن میں اس کے ساتھ رہے گی۔ اور کوئی بات!"

"بس یہی تصدیق کرنا تھی۔" گل رحمٰن نے کہا۔ "حاجی عبداللہ کو ہمارا سلام بولو اور بتا دو کہ مشن دو تین دن میں روانہ ہو جائے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

اس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا اور مسکراتی ہوئی نظروں سے شارق کی طرف دیکھنے لگا۔

نولکھا، ثمینہ اور شارق بہت حیران ہو رہے تھے۔ یہ کام بڑے منظم طریقے سے ہو رہا تھا۔ یہ تو شارق کو معلوم تھا کہ حاجی عبداللہ کا تعلق منشیات کے ایک بین الاقوامی گروہ سے ہے۔ لیکن یہ انکشاف پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ان میں اس قدر جدید بنیادوں پر مواصلاتی رابطہ بھی موجود ہے۔

"ٹھیک ہے شارق صاحب!" گل رحمٰن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ٹرانسمیٹر پر بڑی صاف اور رواں اردو میں بات کی تھی حالانکہ اس سے پہلے وہ ان سے قبائلی لہجے میں بات کرتا رہا تھا۔ "مجھے اس مشن میں اس عورت کی شمولیت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم تو بڑی شستہ اردو بول

aazzamm@yahoo.com

لیتے ہو۔"

"میں اس قبائلی علاقے میں پیدا ہوا تھا مگر میری پرورش ان علاقوں میں ہوئی ہے جہاں اردو عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ میں نے پشاور یونیورسٹی سے گریجویشن کیا تھا۔ اس کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی داخلہ لیا تھا۔ لیکن چند مہینوں بعد چھوڑ کر واپس آ گیا۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔

"مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے۔" شارق بولا۔ "اتنا پڑھنے لکھنے کے باوجود منشیات اور اسلحہ کی اسمگلنگ...."

"تم نے بھی تو جیل میں رہتے ہوئے گریجویشن کیا ہے۔" گل رحمٰن نے اس کی بات کاٹ دی۔

شارق اچھل پڑا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گل رحمٰن اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ جانتا تھا اور یہ تمام معلومات اسے یقیناً حاجی عبداللہ نے فراہم کی ہوں گی۔ کوئی بھی بین الاقوامی گروہ کسی نئے آدمی کو ساتھ ملاتا ہے یا کسی سے کام لیتا ہے تو اس کے بارے میں تمام معلومات پہلے سے جمع کر لیتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ نولکھا کے بارے میں بھی ان کے پاس مکمل معلومات ہوں گی۔ البتہ ثمینہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

"شارق صاحب!" گل رحمٰن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ ہم جیسے پڑھے لکھے لوگ جب جرائم کی دنیا میں آتے ہیں تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور وہ وجہ معمولی نہیں ہوتی۔ تم اپنی مثال لے لو..... تم خوشی سے تو مجرم نہیں بنے؟ تمہارے ماں باپ کو تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کیا تھا اور انصاف فراہم کرنے کے بجائے الٹا تمہیں ہی جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ اور جب تم جیل سے رہا ہوئے اور تم نے شرافت کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کی تو قانون کے محافظوں نے تمہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ بے گناہ ہونے کے باوجود سزا کاٹنے کے بعد بھی تم سب کچھ بھول جانا چاہتے تھے لیکن تمہارے سینے میں دبے ہوئے انتقام کے جذبے کو ابھارا گیا اور پھر انسانیت کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میرے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کی صورت حال پیش آئی تھی جس نے مجھے یہ مجرمانہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"کیا تمہارے ماں باپ کو بھی....." شارق نے جملہ ادھورہ چھوڑ کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" گل رحمٰن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میرا باپ اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ اور تم جانتے ہو ان پہاڑوں میں قبیلوں کے مابین دشمنیاں نسل در نسل چلتی ہیں۔ ہمارے قبیلے کی بھی کسی اور

قبیلے سے دشمنی چل رہی تھی۔ میرا باپ ان پڑھ اور جاہل ہونے کے باوجود فطرتاً امن پسند اور صلح جو آدمی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سب لوگ امن اور سکون سے رہیں۔ وہ ان پڑھ تھا لیکن تعلیم کو فروغ دینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی علاقے میں دو اسکول بنائے تھے۔ مگر دوسرے قبائلی سرداروں کو یہ پسند نہیں تھا۔ میرا باپ چاہتا تھا کہ میں بھی پڑھ لکھ کر ان پہاڑوں میں علم کے چراغ روشن کروں اس لئے وہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا تھا۔

میں اس وقت آکسفورڈ میں زیر تعلیم تھا۔ میرا پہلا ہی سال تھا۔ ایک روز مجھے اطلاع ملی کہ ہمارے مخالف قبیلے کے لوگوں نے ہماری بستی پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ بستی آٹھ دس گھروں پر مشتمل تھی۔ جسے گھیرے میں لے لیا گیا۔ کچھ لوگوں نے میرے باپ کے گھر کو آگ لگا دی اور چاروں طرف سے مکان پر مشین گنوں سے گولیوں کی بارش کی جانے لگی۔ اس طرح میرے ماں باپ زندہ جل گئے۔

میں یہ اطلاع ملتے ہی واپس آ گیا۔ قبیلے کے لوگ میری واپسی کی اطلاع پا کر میرے گرد جمع ہو گئے۔ ہر شخص کے سینے میں انتقام کا لاوا کھول رہا تھا۔ اسلحے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ افغانستان کی جنگ نے ہماری یہ مشکل حل کر دی تھی۔ ان دنوں روسی فوجیں' افغانستان پر قابض تھیں۔ مختلف علاقوں میں ان کے پاس اسلحہ کے ڈپو یا تو تباہ کئے جا رہے تھے یا لوٹے جا رہے تھے۔ مجاہدین کو لڑنے کے لئے اسلحہ اور گولہ بارود کی ضرورت تھی۔ لیکن ایسے گروہ بھی معرض وجود میں آ چکے تھے جو مجاہدین کے بھیس میں روسی فوجیوں کے کیمپوں سے اسلحہ لوٹ کر یا تو مجاہدین کے ہاتھوں فروخت کر دیتے یا زیادہ پیسے کے لالچ میں سرحد پار کر کے پاکستانی علاقے میں لے آتے۔ یہاں سے اسلحہ پورے ملک میں پھیل رہا تھا۔

میرے آدمیوں کے پاس اسلحہ کی کمی نہیں تھی۔ ان کے پاس ہیوی مشین گنوں کے علاوہ راکٹ اور لانچر بھی موجود تھے۔ میرے دشمن قبیلے کو میری آمد کی اطلاع مل چکی تھی اور انہوں نے بھی تیاری شروع کر دی تھی۔ لیکن ہم نے انہیں مزید تیاری کا موقع دیئے بغیر چاروں طرف کے پہاڑوں پر مورچے جما لئے اور رات کو ان پر حملہ کر دیا۔ میرا دشمن قبیلہ بھی پوری تیاری سے تھا۔ میرے آدمیوں کے پاس ایک اسٹنگر میزائل بھی تھا۔ وہ لانچر اور میزائل کو پہاڑی کی چوٹی پر لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے وہ میزائل فائر کر دیا گیا اور پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔

میں نے اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے وہ علاقہ بھی چھوڑ دیا۔ اس اسٹنگر میزائل کے بارے میں سرکاری حلقوں میں یہ رائے قائم کی گئی کہ یہ

aazzamm@yahoo.com

سرحد پار سے داغا گیا تھا۔ ان دنوں صورت حال کچھ ایسی ہی تھی کہ افغان مجاہدین' روسی فوجوں کے کیمپوں پر حملے کے بعد پاکستان کی طرف بھاگ آتے تھے اور روسی گن شپ ہیلی کاپٹر ان کا تعاقب کرتے ہوئے میزائل داغتے رہتے تھے۔ اس طرح کئی راکٹ اور میزائل پاکستانی علاقوں میں آ کر گرتے تھے۔ جس سے جانی اور مالی نقصان بھی ہوتا تھا اور حکومت پاکستان افغان انتظامیہ سے احتجاج کر کے رہ جاتی۔ اس روز بھی افغان انتظامیہ ہی سے احتجاج کیا گیا تھا۔

میں واپس چلا جانا چاہتا تھا لیکن مجھے بعض ایسے لوگ مل گئے تھے جو مجھے یہیں روکنا چاہتے تھے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ میرے ہمدرد ہیں لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ لوگ میرے ذریعے افغانستان سے اسلحہ اور ہیروئن اسمگل کرنا چاہتے تھے۔ میں ان کے جھانسے میں آ گیا۔ اور میں نے ان کے اشاروں پر کام شروع کر دیا۔ پہلے تو میں ان لوگوں کے لئے اسلحہ ہی اسمگل کرتا رہا لیکن پھر ہیروئن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہیروئن میں زیادہ منافع تھا۔ پہلے میں دوسروں کے لئے کام کرتا تھا پھر میرے بھی اوپر کے لوگوں سے روابط ہو گئے۔ میں نے انڈی پنڈنٹ ہو کر کام شروع کر دیا۔ پھر میری ملاقات پشاور میں لاہور کے حاجی عبداللہ سے ہوئی۔ وہ ایک بہت بڑے بین الاقوامی گروہ کے جنوبی ایشیا زون کا سربراہ ہے۔ اس زون میں دو بڑے مراکز ہیں جہاں سے سب سے زیادہ ہیروئن بیرونی ممالک کو بھیجی جاتی ہے۔ پاکستان اور گولڈن ٹرائی اینگل۔"

"گولڈن ٹرائی اینگل برما' لاؤس اور تھائی لینڈ پر مشتمل ہے۔ وہاں بھی بڑے بڑے جغادری اور بین الاقوامی اسمگلر موجود ہیں لیکن حاجی عبداللہ کا ان سب پر کنٹرول ہے۔ بہت خوفناک قسم کا آدمی ہے حاجی عبداللہ۔"

گل رحمٰن خاموش ہو گیا۔ نولکھا' ثمینہ اور شارق معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ اور شارق تو حاجی عبداللہ سے کئی بار مل چکے تھے لیکن انہیں اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی تھی جو اسے خوفناک ثابت کرتی اور اب جو انکشافات ہوئے تھے اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ وہ واقعی بہت خوفناک آدمی تھا۔ جو شخص آزاد علاقے کے خونخوار قبائلیوں اور گولڈن ٹرائی اینگل میں سرگرم چینی' برما اور تھائی مافیا کے خونخوار بھیڑیوں کو کنٹرول کر رہا تھا وہ واقعی خوفناک تھا۔

"اب ہمارے لئے کیا پروگرام بنایا ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کے لئے پروگرام یہ ہے کہ دو تین دن یہاں رہو گے۔ اس مکان میں۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ "یہ مکان میرا ہے جو سیزن میں سیاحوں کو کرائے پر دیا جاتا ہے لیکن یہاں یہ کاٹیج بنانے کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔ وہ میں بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔ مجھے ایک ہفتہ پہلے اطلاع

مل گئی تھی کہ لاہور سے ایک پارٹی آ رہی ہے۔ اس لئے میں نے یہ کاٹیج کسی کو کرائے پر نہیں دیا تھا۔ دراصل...." وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "مشن نورستان تقریباً تین مہینے پہلے بنایا گیا تھا۔ لیکن اس کے لئے کوئی مناسب آدمی نہیں مل رہا تھا جس وجہ سے یہ معاملہ ٹلتا رہا اور بالآخر اس مقصد کے لئے حاجی عبداللہ نے تمہارا انتخاب کر لیا۔ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان چکا ہوں۔ تم پہلے بھی ایک مشن کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچا چکے ہو۔ نولکھا اور یہ ثمینہ بھی اس مشن میں تمہارے ساتھ تھے۔ اور اس مشن کی کامیابی ہی کے باعث مشن نورستان کے لئے بھی تم لوگوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ثمینہ کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ بھی تمہارے ساتھ ہو گی۔ بہرحال' تم لوگوں کا پروگرام یہ ہے کہ دو تین دن یہاں رہو گے۔ زرغون شہر سے ملک فرید خان کی طرف سے سگنل ملنے کے بعد تم لوگ یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوا اور اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ طور خان ہے۔ اور یہ بازت خان ہے۔" اس نے دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ دونوں تمہارے ساتھ جائیں گے اور تیسرا آدمی سرخاب اس وقت یہاں نہیں ہے۔ کل وہ آ جائے گا اور وہ بھی تم لوگوں کے ساتھ جائے گا۔"

"کیا ہم اسی مکان تک محدود رہیں گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔" گل رحمٰن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم لوگ یہاں اس کاٹیج میں کرائے دار کی حیثیت سے رہو گے۔ اندرون ملک اور باہر سے آنے والے سیاح یہاں آتے رہتے ہیں اس لئے کسی کو تم لوگوں پر شبہ نہیں ہو گا۔ تم لوگ آزادی سے جہاں چاہو گھوم پھر سکو گے۔ البتہ تم لوگوں کی حفاظت کے لئے طور خان یہاں رہے گا۔ اس کے بارے میں تم یہی بتاؤ گے کہ تم لوگوں نے کرائے پر اس کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ نیچے نشیب میں دریا بہہ رہا ہے۔ وہاں درختوں کے جھنڈ میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں مچھلیاں پکڑنے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ اس دریا میں دنیا کی بہترین مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ شہر کی طرف جانے کے لئے تم لوگ دریا والا راستہ بھی استعمال کر سکتے ہو۔ وہاں سے فاصلہ کم پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے سر ہلایا۔ "یہاں ہمارے کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو گا؟"

"طور خان کھانا پکانے کا ماہر ہے۔ مشن کے دوران بھی یہ تم لوگوں کو مزے مزے کے کھانے کھلاتا رہے گا۔" گل رحمٰن نے کہا پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا "عمر کہاں چلا گیا۔"

"وہ ہمیں چائے پلانے کے بعد دریا کی طرف چلا گیا تھا۔" شارق نے کہا۔

"اوہ!" گل رحمٰن بولا۔ "وہ یقیناً مچھلیاں پکڑنے گیا ہو گا۔ بڑا ہی مہمان نواز لڑکا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"اس میں شبہ نہیں۔" اس مرتبہ نولکھا نے کہا۔ "اس نے یہاں آتے ہی ہمیں چائے بنا کر پلائی تھی۔ ویسے وہ لڑکا ہے بڑے کمال کا۔"

"آہا۔" گل رحمٰن ہنس پڑا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اس نے یہاں آتے ہی تم لوگوں کو اپنا کمال دکھا دیا تھا۔"

"ہاں جی...." نولکھا بولا۔ "بیٹا ہے تمہارا؟"

"نہیں۔" گل رحمن نے جواب دیا۔ "اسی شہر کا رہنے والا ہے۔ تقریباً پانچ سال پہلے اس کا باپ پہاڑی سے گر کر مر گیا تھا۔ اسے میں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس کی ٹریننگ کر رہا ہوں۔ نشانہ بازی میں پورے علاقے میں اس کا ثانی نہیں ہے۔ یہاں ہر سال ایک میلہ لگتا ہے جس میں نشانہ بازی کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ یہ بڑوں کے مقابلے میں حصہ لیتا ہے اور دو سال سے ٹرافی جیت رہا ہے۔ اندھیرے میں بھی آواز پر نشانہ لگا لیتا ہے اور اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔"

"وہ تو ہم نے دیکھ لیا۔ آج تین گلاس توڑے ہیں اس نے۔" نولکھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی رائفل کا نشانہ دیکھو تو تمہیں اور حیرت ہو گی۔" گل رحمن نے کہا پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے باہر بیٹھتے ہیں۔ اور طور خان تم ہمیں چائے تو پلاؤ۔"

"بالکل پلاتا ہوں خان۔" طور خان نے جواب دیا۔

وہ لوگ باہر آ گئے جبکہ طور خان باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ اسی وقت انہیں دریا کی طرف سے عمر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے پشت پر کچھ لاد رکھا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا رسی میں بندھا ہوا تھا اور اس نے ایک ہاتھ سے کندھے پر رسی کو پکڑ رکھا تھا۔

وہ لوگ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد عمر اوپر آ گیا۔ اس نے چھ عدد مچھلیاں پشت پر لاد رکھی تھیں جو ایک رسی میں پروئی ہوئی تھیں۔ وہ ٹراؤٹ فش تھی۔ واقعی کھانے کے لئے دنیا کی بہترین اور لذیذ مچھلی تھی۔

"یہ مچھلیاں طور خان کے حوالے کر دو۔ وہ چائے بنانے کے بعد ان کی صفائی کر لے گا۔" گل رحمٰن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں خود ان کی صفائی کرتا ہوں خان۔" عمر کہتا ہوا کاٹیج کے پچھلی طرف چلا گیا۔

چند منٹ بعد طور خان چائے لے آیا۔

"اس وقت تو تم لوگوں کو بغیر دودھ کی چائے ہی پینا پڑے گی۔ شام کو طور خان دودھ لے آئے گا۔" گل رحمٰن نے کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ اس مکان کا ایک اور مقصد بھی ہے۔ اس مقصد کے بارے میں تم نے نہیں بتایا تھا۔" شارق نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ چائے پی لو تو پھر بتاتا ہوں۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔

اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ انہیں ساتھ لے کر اٹھ گیا اور کاٹیج کے پچھلی طرف ایک چٹان پر چڑھنے لگا۔ چٹان پر چڑھنے کے لئے ایک تنگ سا عمودی راستہ تھا۔ وہ لوگ بڑی مشکل سے اوپر چڑھ رہے تھے۔

تقریباً پچاس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ کھڑے ہونے کے لئے بڑی مختصر سی جگہ تھی۔ دوسری طرف عمودی اور سپاٹ ڈھلان تھی جو سینکڑوں فٹ نیچے تک چلی گئی تھی۔ ثمینہ ایک بڑے پتھر کا سہارا لئے کھڑی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس کا پیر پھسل گیا تو نیچے اس کی ہڈیوں کا سراغ بھی نہیں ملے گا۔

ان کے سامنے ایک تنگ سی وادی تھی۔ جو چٹان سے تقریباً دو ہزار فٹ گہرائی میں تھی۔ اس وادی میں بہت دور بل کھاتی ہوئی ایک سرمئی سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔

"وہ علی مینگل کی طرف جانے والی سڑک ہے۔" گل رحمٰن نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں اس مکان کے بنانے کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں سے ہم میلوں دور تک اس وادی پر نگاہ رکھ سکتے ہیں۔"

"گڈ۔" شارق مسکرا دیا۔ "بڑی اہم جگہ ہے۔"

"ملیشیا کی پارٹیاں بھی اس طرف پیٹرولنگ کرتی رہتی ہیں۔ جب ہماری کوئی پارٹی آنے والی ہوتی ہے تو ہم یہاں سے نگرانی کرتے ہیں۔ آگے بھی پہاڑوں میں ہماری اسی قسم کی نگران اور حفاظتی چوکیاں قائم ہیں۔"

شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ یہ کام بڑے منظم طریقہ سے ہو رہا تھا۔ گل رحمٰن اسے بتا رہا تھا کہ ہر چوکی میں ایک آدمی چوبیس گھنٹے موجود رہتا ہے جس کے پاس اسی قسم کا جدید ترین ٹرانسمیٹر بھی ہے۔ وہ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنی آنے والی پارٹی اور ملیشیا کی گشتی پارٹیوں کے بارے میں گل رحمٰن کی اس چوکی زیرو ٹو کو صورت حال سے آگاہ رکھتا ہے۔

وہ لوگ تقریباً آدھا گھنٹہ اوپر کھڑے وادی کا جائزہ لیتے رہے پھر واپس آ گئے۔

"تو تمہارے خیال میں ہم کب تک یہاں سے روانہ ہو جائیں گے؟" شارق نے برآمدے میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ملک فرید خان کی طرف سے سگنل ملنے کے بعد تم لوگوں کی روانگی میں ایک لمحہ بھی تاخیر

aazzamm@yahoo.com

نہیں کی جائے گی۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔

"کوئی پیچیدہ معاملہ ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ملک فرید خان دراصل کابل گیا ہوا ہے۔ اس کے واپس آنے کے بعد ہی ہمیں سگنل ملے گا۔" گل رحمٰن نے کہا۔

اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ ثمینہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ تھوڑا سا ٹہل لیا جائے۔ جب وہ کرسی سے اٹھی تو گل رحمٰن گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم میری ایک بات غور سے سنو لڑکی!" گل رحمٰن نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں تم اس قسم کا لباس مت پہنو بہتر ہو گا کہ تم کوئی ڈھنگ کا لباس پہنو۔ ان پہاڑوں میں رہنے والے قبائلی بڑے خونخوار ہوتے ہیں۔"

گل رحمٰن کی بات پر ثمینہ دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ گل رحمن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ قبائلی عورتوں کی بڑی عزت کرتے ہیں۔"

"بالکل کرتے ہیں۔" گل رحمن نے جواب دیا۔ "لیکن ان پہاڑوں میں تمہیں جگہ جگہ ایسے قبائلیوں سے واسطہ پڑے گا جنہوں نے برسوں کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ تم جیسی عورت تو ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو گی۔"

"میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں گل رحمن!" ثمینہ نے جواب دیا' اس کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

"لیکن پھر بھی میرا مشورہ ہے کہ تم اپنا یہ لباس تبدیل کر لو۔" گل رحمن نے کہا۔

ثمینہ نے نولکھا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور مسکراتی ہوئی برآمدے سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گئی۔ نولکھا بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ اور وہ دونوں گھاس کے پلاٹ پر ٹہلتے ہوئے ڈھلان پر اترنے لگے۔ ثمینہ راستے میں رک رک کر پھول توڑ رہی تھی۔ دریا تک پہنچتے ہوئے اس نے خاصا بڑا گلدستہ بنا لیا تھا۔

دریا کا شفاف پانی آئینے کی طرح دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اس جگہ پر دریا اگرچہ خاصا گہرا تھا لیکن پانی شفاف ہونے کی وجہ سے نیچے بڑے بڑے پتھر صاف نظر آ رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی مچھلی بھی تیرتی ہوئی نظر آ جاتی۔ لیکن جب ثمینہ نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہاں مچھلیاں بھی بڑی تعداد میں موجود تھیں۔

دریا کا بہاؤ خاصا تیز تھا۔ ثمینہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلدستہ دریا میں اچھال دیا۔ پھول پانی میں بکھر گئے اور تیز رفتار پانی کے ساتھ تیرتے ہوئے بہت جلد نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

ثمینہ نے پیروں سے جوگرز اتار لئے اور کنارے کے ایک پتھر پر بیٹھ کر پیر پانی میں لٹکا لئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے بڑی تیزی سے پیر باہر کھینچ لئے۔

"کیا ہوا؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت ٹھنڈا پانی ہے۔" ثمینہ بولی۔

کچھ دیر بعد اس نے پیر دوبارہ پانی میں لٹکا دیئے۔ اور آہستہ آہستہ ہلانے لگی۔ پانی واقعی بہت ٹھنڈا تھا۔ اس سے چند فٹ کے فاصلے پر نولکھا بھی پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔

یہ لوگ کتنے خوش قسمت ہیں ثمینہ بی بی۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ٹھنڈا میٹھا اور شفاف پانی' پرسکون ماحول' آلودگی سے پاک فضا' تازہ ہوا..... شہر میں رہنے والوں کو یہ سب کچھ کہاں نصیب ہوتا ہے۔"

"خدا نے انسان کے لئے بڑی نعمتیں پیدا کی ہیں۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن انسان ہی ناشکرا ہے۔ اس نے کبھی ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور ہوس میں کبھی کمی نہیں آنے دی۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو ثمینہ بی بی۔" نولکھا بولا۔

ثمینہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دریا کے دوسری طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر بنے ہوئے مکان بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ دائیں طرف کچھ فاصلے پر شہر کی آبادی شروع ہوتی تھی۔ لیکن یہاں سے پورا شہر نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے۔ پھر شارق کی آواز سن کر وہ چونک گئے۔ ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ مکان کے برآمدے سے ذرا آگے کھڑا شارق ہاتھ کے اشارے سے انہیں بلا رہا تھا۔

ثمینہ کھڑی ہو گئی۔ اس نے جینز کے پائینچے پنڈلیوں تک موڑ رکھے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ میں اپنے جوگرز اٹھا لئے اور نولکھا کو اشارہ کرتی ہوئی ڈھلان پر چڑھنے لگی۔ نولکھا بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی تھا۔ اس نے بھی اپنے موکیشن ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔

جب وہ لوگ کاٹیج واپس پہنچے تو بڑے کمرے میں دری پر دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ کھانے میں صرف فرائی مچھلی تھی جس کی بڑی اچھی خوشبو آ رہی تھی۔ ثمینہ نے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اپنی جینز کے پائینچے سیدھے کر لئے تھے۔

مچھلی واقعی بہت لذیذ تھی۔ اس میں فرائی کرنے والے کا بھی کمال تھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ

aazzamm@yahoo.com

طور خان واقعی لذیذ کھانے تیار کر سکتا تھا۔

مچھلی کھانے کی بعد سبز قہوے کا دور چلا۔ اور پھر گل رحمٰن اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ عمر کے ساتھ واپس شہر چلے جاؤ شارق بابو! اور شام سے پہلے پہلے اپنا سامان لے کر یہاں آ جاؤ۔ ریسٹ ہاؤس والوں سے کہہ دینا کہ تمہیں ایک کاٹیج کرائے پر مل گیا ہے۔ تمہارے آنے سے پہلے طور خان بھی راشن اور دیگر ضروری سامان لے کر یہاں واپس آ جائے گا۔ تم لوگ یہاں آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو لیکن پہاڑیوں میں زیادہ دور نہیں جانا۔ ایک تو راستہ بھٹک جانے کا اندیشہ ہے اور دوسرے....." وہ خاموش ہو کر معنی خیز نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"مطمئن رہو گل رحمٰن!" ثمینہ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔ "ہم تمہاری ہدایت پر پورا پورا عمل کریں گے۔"

"اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔" گل رحمٰن نے کہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ سب لوگ اس وقت برآمدے میں کھڑے تھے۔ طور خان نے کاٹیج کو تالا لگا کر گچھے میں سے ایک چابی نکال کر شارق کے حوالے کر دی اور گچھا اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"ہم لوگ رسے والے پل کی طرف سے جا رہے ہیں۔ تم لوگ دریا کی طرف سے چلے جاؤ۔ وہ راستہ نسبتاً قریب بھی ہے اور آسان بھی۔ واپسی پر بھی اسی راستے سے آ جانا۔" گل رحمٰن نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور طور خان وغیرہ کے ساتھ اس چٹان کی طرف چلنے لگا جس کے دوسری طرف ندی پر رسوں کا پل تھا۔

ان کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق وغیرہ بھی روانہ ہو گئے۔ ان کا رخ دریا کی طرف تھا۔ ڈھلان کے اختتام پر وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ دریا بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا۔ ان کے اور شہر کے درمیان چٹانیں حائل تھیں وہ جیسے ہی دریا کے ساتھ گھوم کر دوسری طرف آئے انہیں شہر دکھائی دینے لگا۔ مزید آدھے گھنٹے بعد وہ شہر پہنچ گئے۔

بڑی رونق تھی شہر میں۔ اندرون ملک سے آنے والے پاکستانی سیاحوں کے علاوہ غیر ملکی سیاح بھی بڑی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ غیر ملکی عورتوں کے لباس ظاہر ہے ویسے ہی تھے جو ہمارے معاشرے میں باعث شرم سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں بھی اونچی سوسائٹی میں اس لباس کو فیشن سمجھ کر اپنا لیا گیا ہے۔ ثمینہ کو بہت سی ایسی پاکستانی خواتین بھی نظر آئی تھیں جنہوں نے پینٹ شرٹس پہن رکھی تھی۔

وہ لوگ کچھ دیر تک بازاروں میں ٹہلتے رہے پھر ریسٹ ہاؤس میں آ گئے۔ شارق نے آتے

ہی ریسٹ ہاؤس کے مینجر کو بتا دیا تھا کہ انہیں ایک کاٹیج کرائے پر مل گیا ہے اس لئے وہ چھ بجے کے لگ بھگ ریسٹ ہاؤس چھوڑ دیں گے۔

ثمینہ تھک گئی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔ شارق اور نولکھا کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

پانچ بجے وہ روانگی کی تیاریاں کرنے لگے۔ ثمینہ نے بکھرے ہوئے کپڑے سمیٹ کر بیگ میں ٹھونس لئے اور چھ بجے سے پہلے ہی وہ ریسٹ ہاؤس سے نکل آئے۔ اس وقت سورج مغربی پہاڑیوں کی طرف جھک رہا تھا۔ یہ لوگ بازار سے ہوتے ہوئے دریا کی طرف چلنے لگے۔ اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ پہاڑی علاقوں میں شام جلدی ہو جاتی ہے تو یہ لوگ ایک گھنٹہ پہلے ہی ریسٹ ہاؤس سے نکل آتے۔ جب وہ بازار سے باہر نکلے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور شام بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔

پہاڑی علاقوں میں رات کی تاریکی میں چلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ان کے پاس کوئی ٹارچ بھی نہیں تھی۔ لیکن یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ لوگ جس راستے سے آئے تھے اس طرف زیادہ نشیب و فراز نہیں تھے۔ وہ لوگ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلتے رہے۔ اور بالآخر ایک جگہ رک گئے۔ بائیں طرف بلندی پر ایک جگہ روشنی نظر آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے وہ ہمارا ہی کاٹیج ہے۔" ثمینہ نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... میرا بھی یہی خیال ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ دریا سے ہٹ کر ڈھلان پر چڑھنے لگے۔ وہ کاٹیج تقریباً تین سو فٹ کی بلندی پر تھا۔ وہاں تک پہنچتے ہوئے ثمینہ ہانپ گئی۔ برآمدے میں میز پر پیٹرومیکس رکھا ہوا تھا۔ لیکن طور خان کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شارق نے ایک دو آوازیں بھی دیں۔ اور پھر اچانک ہی طور خان تاریکی سے نکل کر سامنے آ گیا۔

طور خان نے ان کا سامان اٹھا کر کمرے میں پہنچا دیا اور خود باورچی خانے میں گھس گیا۔ وہ لوگ برآمدے ہی میں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ثمینہ اٹھ کر اندر آ گئی۔ ان کے بیگ بڑے کمرے میں رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کیروسین لیمپ جل رہا تھا۔ دوسرے دونوں کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور ان کمروں میں بھی کیروسین لیمپ جل رہے تھے۔ ثمینہ نے بیگ کو بیڈ پر رکھ کر کھولا اور سلیپنگ سوٹ نکال لیا۔ یہ سلیپنگ سوٹ بھی پاجامے اور بوشرٹ پر مشتمل تھا۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا لی اور اپنی ٹی شرٹ اتارنا ہی چاہتی تھی کہ اس کی نظر عقبی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس

aazzamm@yahoo.com

نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی۔ اس میں شیشے لگے ہوئے تھے لیکن پردہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

باہر تاریکی تھی لیکن کمرے میں لیمپ کی روشنی تھی۔ ثمینہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی صورت حال میں لباس کس طرح تبدیل کرے۔ یہ سیدھی سی بات اس کی ذہن میں نہیں آئی کہ بیگ سے کوئی کپڑا نکال کر یا بستر کی چادر اٹھا کر کھڑکی پر ڈال دے۔ البتہ اس نے لیمپ کی روشنی کم کر دی اور ایک طرف ہو کر شرٹ اتارنے لگی۔

ثمینہ نے ٹی شرٹ اتار کر بیڈ پر پھینک دی اور جھک کر بو شرٹ اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ یکدم چونک گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کھڑکی کے باہر کوئی دبے قدموں چل رہا ہو۔ اس نے متوحش نگاہوں سے کھڑکی کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے بو شرٹ اٹھا کر رخ بدل کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بڑی عجلت میں بو شرٹ پہنی' بٹن لگائے اور لپک کر کھڑکی کے قریب پہنچ گئی اور ایک جھٹکے سے کھڑکی کھول دی۔ لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ ثمینہ اسے اپنا واہمہ سمجھ کر دوبارہ بیڈ کے قریب آ گئی۔ وہ کھڑکی کے قریب بڑی تیزی سے اور اچانک ہی پہنچی تھی۔ اگر وہاں کوئی ہوتا تو ضرور نظر آ جاتا یا اگر وہ بھاگ گیا تھا تو اس کے قدموں کی آواز ہی سنائی دے جاتی۔ لیکن نہ تو کوئی نظر آیا تھا اور نہ ہی کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔

اس نے جینز اتار دی اور پاجامہ پہن لیا۔ اتارے ہوئے کپڑے اس نے اسی طرح پلنگ پر پڑے رہنے دیئے اور لیمپ کی روشنی تیز کر کے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد طور خان نے بڑے کمرے میں دری پر دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا۔ مرغ کا گوشت فرائی کیا گیا تھا اور چپاتیاں تھیں۔

وہ لوگ کھانا کھانے لگے۔ اس دوران طور خان ایک طرف بیٹھا رہا۔ ثمینہ نے محسوس کیا تھا کہ طور خان عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی ثمینہ کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ جب وہ کمرے میں کپڑے تبدیل کر رہی تھی تو باہر سے طور خان تو نہیں جھانک رہا تھا۔ لیکن پھر یہ خیال اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ اس نے فوراً ہی کھڑکی کھول کر دیکھا تھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ ممکن ہے خشک پتے ہوا سے زمین پر لڑھک رہے ہوں اور وہ ان کی آواز کو قدموں کی آواز سمجھی ہو۔

کھانے کے بعد وہ لوگ برآمدے میں آ کر بیٹھ گئے۔ دریا کے اس پار پہاڑیوں پر بھی کہیں کہیں مدہم سی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ مقامی باشندوں کے مکان تھے یا سیاحوں کے کاٹیج اور ریسٹ ہاؤس تھے۔

طور خان بھی باورچی خانے میں اپنا کام ختم کر کے آ گیا تھا اور رائفل کندھے پر لٹکائے برآمدے کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا۔

ان میں مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ نوکھا اب جمائیاں لینے لگا تھا۔ ثمینہ نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ ابھی ساڑھے دس بجے تھے لیکن لگتا تھا جیسے رات آدھی سے زیادہ بیت چکی ہو۔ نوکھا جمائیاں لیتا ہوا اٹھ کر اندر چلا گیا اور بڑے کمرے میں دری پر ہی لیٹ گیا۔ ثمینہ اور شارق تقریباً آدھے گھنٹے بعد اٹھ کر اندر آئے تھے۔ طور خان بھی ان کے ساتھ ہی اندر آ گیا تھا۔

"آپ یہ باہر کا دروازہ اندر سے بند کر لیں۔ اس نے شارق سے کہا۔ پھر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم کہاں سو گے؟" شارق نے پوچھا۔

"میں باہر ہی رہوں گا۔ میرا تم لوگ فکر نہ کرو۔" طور خان نے جواب دیا۔ اور باہر نکل گیا۔

شارق نے کاٹیج کا مرکزی دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا۔ اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ثمینہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ باورچی خانہ پچھلی طرف تھا اور اس کا ایک دروازہ باہر کی طرف بھی کھلتا تھا۔ ثمینہ نے وہ دروازہ بھی بند کر کے کنڈا لگا دیا۔

نوکھا خراٹے لے رہا تھا۔ ثمینہ اور شارق کچھ دیر اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر سونے کے لئے الگ الگ کمروں میں چلے گئے۔ انہوں نے ایک کمرے میں سونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

ثمینہ نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اور آگے بڑھ کر کھڑکی کو چیک کرنے لگی۔ کھڑکی میں چھوٹی سی چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ وہ چٹخنی اگرچہ زیادہ مضبوط نہیں تھی لیکن دل کی تسلی کے لئے کافی تھی۔ ثمینہ بستر پر لیٹ گئی۔ لیمپ اس نے بجھایا نہیں تھا البتہ روشنی بہت مدہم کر دی تھی۔ وہ کچھ دیر تک بستر پر لیٹی سامنے والی دیوار کو گھورتی رہی اور پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تھکن کی وجہ سے وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

ثمینہ گہری نیند میں تھی۔ اپنے سینے پر بوجھ محسوس کر کے وہ کسمسائی۔ وہ نیند میں کسمسائی تو وہ بوجھ اس کے سینے سے ہٹ گیا۔ لیکن چند سیکنڈ بعد وہ دوبارہ سینے پر بوجھ محسوس کرنے لگی۔ اس مرتبہ اسے یوں لگا تھا جیسے وہ اس کے بوجھ کے نیچے دبی چلی جا رہی ہو۔ اس کا سانس گھٹنے لگا اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ بوجھ اب بھی اس کے سینے پر موجود تھا۔

ثمینہ کے دماغ پر نیند کا خمار طاری تھا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھی کہ شاید وہ شارق ہے جو اپنے بستر سے اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گیا ہے۔ لیکن دفعتاً اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ شارق

aazzamm@yahoo.com

کے ہاتھوں کا لمس نہیں تھا۔ شارق کے ہاتھوں کے لمس سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ یہ تو بڑے بھاری اور کھردرے ہاتھ تھے جو وحشیانہ انداز میں اس کے جسم کو ٹٹول رہے تھے۔

ثمینہ کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور کوئی آدمی اسے اپنے نیچے دبائے ہوئے تھا۔

"اے۔ کون ہو تم.....ہٹو....." ثمینہ نے اسے اپنے اوپر سے دھکیل دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ وہ شخص پلنگ پر سے کود کر کھڑکی کی طرف لپکا۔ ثمینہ کو کمرے کے اندھیرے میں ایک تاریک ہیولہ سا حرکت کرتا ہوا نظر آیا اور پھر غائب ہو گیا۔ ثمینہ ایک بار پھر چیخی۔ چند سیکنڈ بعد ہی بڑے کمرے میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی شارق کی آواز سنائی دی۔

"ثمینہ..... دروازہ کھولو..... کیا ہوا..... دروازہ کھولو ثمینہ....."

ثمینہ بستر پر خوفزدہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی شارق کی آواز سن کر وہ اچھل کر بستر سے اتری اور دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے سامنے شارق اور نولکھا کھڑے تھے۔ ثمینہ شارق سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا ثمینہ..... تم چیخ کیوں رہی تھیں؟" شارق اس کا کندھا سہلاتے ہوئے بولا۔

"مم..... میرے کمرے میں کوئی موجود تھا شارق۔" ثمینہ نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ شارق نے کمرے میں جھانکا۔ لیمپ بجھا ہوا تھا۔ البتہ بڑے کمرے میں رکھے ہوئے پیٹرومیکس کی روشنی اندر تک پہنچ رہی تھی۔ ثمینہ کو شارق نے اپنے سے الگ کیا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ اسی لمحے کاٹیج کے باہر کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا اور اس کے ساتھ ہی طور خان کی آواز سنائی دی۔

"شارق بھائی۔ دروازہ کھولو۔ کیا ہوا؟"

نولکھا نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ طور خان اندر آ گیا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ رائفل اس نے دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا شارق بھائی..... یہ شور کیسا تھا؟" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"کوئی آدمی ثمینہ کے کمرے میں گھس آیا تھا۔ تم کہاں تھے۔" شارق نے اسے گھورا۔

"ہم تو ادھر برآمدے میں سوتا پڑا تھا۔ یہ نیند بھی بوت ظالم چیز ہے۔ بڑے بڑے بہادر لوگ کو پچھاڑ دیتا ہے۔ مگر ادھر کون آئے گا۔ میرا خیال ہے ثمینہ بی بی خواب میں ڈر گیا ہے۔" طور خان نے کہا۔

"ثمینہ خواب میں نہیں ڈری۔ کوئی واقعی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ دیکھو کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔" شارق نے کہا۔

"طور خان نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اور پھر اس کی نظریں کمرے میں رینگتی ہوئی ثمینہ پر جم گئیں۔ دفعتاً" اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ ثمینہ نے اسکی نظروں کا مرکز تاڑ لیا اور جب اس نے نظریں جھکا کر دیکھا تو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اس کی بوشرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے اور سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ وہ جلدی سے رخ بدل کر کھڑی ہو گئی اور بٹن بند کرنے لگی۔

ثمینہ بی بی اگر خواب میں نہیں ڈرا تو ادھر کون آئے گا یار۔" طور خان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ کھڑکی ہوا سے کھل گیا ہو۔ بوت کمزور ہے یہ کنڈی۔" اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

ثمینہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ طور خان اسے جھٹلانے کی کوشش کر رہا تھا حالانکہ اس نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا ٹھوس حقیقت کی طرح تھا اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ کوئی آدمی اسے دبوچے ہوئے تھا اور جب اس کی آنکھ کھلی تھی اور اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی تو وہ کھڑکی سے کود کر فرار ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ ہو نہ ہو وہ طور خان ہی تھا۔ کیونکہ طور خان کل ہی سے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نہیں طور خان۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "کمرے میں کوئی موجود تھا۔ میری آنکھ کھل گئی تو وہ کھڑکی سے بھاگ گیا۔ میں نے خود اسے یہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"اچھا یار مان لیتا ہے۔" طور خان نے گویا شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں پھر قصور میرا ہے نا جو ہم سو گیا۔ اب ہم نہیں سوئے گا یارا۔ پہرہ دے گا۔ تم لوگ سو جاؤ..... اب ادھر کوئی نہیں آئے گا۔ ڈرو مت جاؤ سو جاؤ اور یہ دروازہ کھڑکی بند کر لو۔" وہ باہر جانے کے لئے مڑا۔ نولکھا اس کے ساتھ تھا۔ طور خان بیرونی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا اور نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "نو لکھ کا بھائی..... گل رحمٰن کو مت بتانا ورنہ وہ میرے کو زندہ نہیں چھوڑے گا کہ تم ڈیوٹی دینے کا بجائے سو گیا تھا۔"

"فکر مت کرو۔ ہم گل رحمٰن کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ لیکن تم جاگتے رہنا۔" نولکھا نے کہا دیا۔ اور طور خان کے باہر جانے کے بعد دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق ابھی تک ثمینہ کے کمرے میں موجود تھا۔ شارق نے کھڑکی بند کر کے چٹخنی لگا دی چٹخنی واقعی بہت کمزور تھی اور ہوا کی جھونکے سے بھی کھڑکی کھل سکتی تھی۔

"یہ کھڑکی تو واقعی ہوا کے جھونکے سے بھی کھل سکتی ہے۔ کہیں واقعی تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا تھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں شارق۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے کمرے میں کوئی موجود تھا اور میرے اوپر چڑھا ہوا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ طور خان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ کل سے مجھے عجیب سی نظروں سے گھور رہا ہے۔"

"بہرحال' ہمیں..... نہیں بلکہ تمہیں محتاط رہنا پڑے گا۔ گل رحمٰن نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تمہیں لباس کے معاملے میں احتیاط برتنی چاہئے۔" شارق نے کہا۔

"لیکن میرے پاس تو سارے لباس ایسے ہی ہیں۔ پینٹ شرٹس۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کل بازار میں دو تین دکانوں پر میں نے خواتین کے مقامی لباس ٹنگے ہوئے دیکھے تھے۔ صبح بازار جا کر ایک دو جوڑے خرید لئے جائیں گے۔ تین بج رہے ہیں۔ اب تم بھی سو جاؤ۔" شارق نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں اس کمرے میں اکیلی نہیں سوؤں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرے کمرے میں آ جاؤ۔" شارق نے کہا۔

وہ دونوں شارق والے کمرے میں آ گئے۔ نولکھا دوبارہ بڑے کمرے میں دری پر لیٹ گیا تھا۔ شارق نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کھڑکی چیک کرنے لگا۔ اس کھڑکی کی چٹخنی ذرا مضبوط تھی لیکن پردہ اس کھڑکی پر بھی موجود نہیں تھا۔

ثمینہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ شارق نے لیمپ کی بتی بہت دھیمی کر دی اور ثمینہ کے ساتھ بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک دھیمے لہجے میں باتیں کرتے رہے پھر ثمینہ کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ شارق کے سینے پر رکھ دیا اور نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

○

انہیں وہاں رہتے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ اس دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ جس رات ثمینہ کے ساتھ ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا اس سے اگلے ہی روز اس نے بازار سے دو جوڑے کپڑے خرید لئے تھے۔ فراک نما ڈھیلی ڈھالی قمیض اور بڑے گھیر کی شلوار۔ پہلی مرتبہ ثمینہ کو اس ڈھیلے ڈھالے لباس میں بڑی الجھن محسوس ہوئی تھی کیونکہ اس ڈھیلے ڈھالے لباس میں اس کا سارا نسوانی حسن چھپ کر رہ گیا تھا۔ لیکن اس کا یہ ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ

مردوں کی چبھتی ہوئی نظروں سے بچ گئی تھی۔

ان تین دنوں کے دوران گل رحمٰن صرف دو مرتبہ آیا تھا۔ ابھی تک افغانستان سے ملک فرید خان کی طرف سے کوئی سگنل نہیں ملا تھا۔

ثمینہ اور شارق وغیرہ آس پاس کے علاقوں میں گھومتے رہتے۔ نولکھا کبھی ان کی ساتھ ہوتا اور کبھی کاٹیج میں لیٹا رہتا۔ قرب و جوار کے علاقوں میں گھومتے ہوئے بہت سے دوسرے سیاحوں سے بھی ان کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

وہ چوتھا دن تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ لوگ برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ گل رحمٰن پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ بازت خان بھی تھا۔ گل رحمٰن عام طور پر صبح کے وقت یہاں آیا کرتا تھا لیکن آج اس وقت آیا تھا جب دن ڈھل رہا تھا۔ اور شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یقیناً کوئی خاص بات ہے۔ وہ قریب پہنچا تو انہوں نے بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا تھا۔

"ملک فرید کی طرف سے سگنل مل گیا ہے۔" گل رحمٰن نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ کابل سے واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکا ہے۔ اور آج رات تم لوگ بھی روانہ ہو رہے ہو۔"

"گڈ۔" شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ سب لوگ یہاں بیکار بیٹھے بیٹھے بور ہو چکے تھے۔ "تو ہمیں کب روانہ ہونا ہو گا؟"

"آج رات۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ آج رات دس بجے یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔ طور خان اور بازت خان تمہارے ساتھ جائیں گے۔ میں اور سرخاب خان کسی اور راستے سے نکلیں گے لیکن ٹرانسمیٹر پر ہمارا آپس میں رابطہ ہو گا۔"

"آج رات دس بجے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ "میرے دو آدمی خچر لے کر ایک مقررہ مقام پر پہنچ جائیں گے اور تم لوگ ٹھیک دس بجے یہاں سے روانہ ہو گے۔ میرے خیال میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ جاؤ گے۔ اور پھر ٹرانسمیٹر پر میرا سگنل ملتے ہی وہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔ رات کے آخری پہر تک تم لوگوں کو اس وادی سے نکل جانا ہو گا۔"

"خچروں پر!" ثمینہ نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر وحشت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"ہاں خچروں پر۔" گل رحمٰن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "قبائلی عورتیں خچروں اور

aazzamm@yahoo.com

گھوڑوں سے بالکل نہیں ڈرتیں۔ وہ زیادہ تر انہی جانوروں پر سفر کرتی ہیں۔ افغانستان کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد تمہیں جگہ جگہ ایسے خانہ بدوش قبائل ملیں گے جو خچروں اور گھوڑوں پر ہی سفر کرتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا اور سگریٹ کے پیکٹ سے کسی قدر بڑی سیاہ رنگ کی ایک ڈبیہ جیب سے نکال کر شارق کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ ٹرانسمیٹر ہے جس پر میرے اور تمہارے درمیان رابطہ رہے گا۔ اس ٹرانسمیٹر پر سو میل کے علاقے میں بات کی جا سکتی ہے۔" وہ شارق کو ٹرانسمیٹر کے استعمال کا طریقہ سمجھانے لگا۔

"راستے میں ہمیں حفاظت کے لئے اسلحہ کی ضرورت بھی ہو گی؟" شارق نے اس سے ٹرانسمیٹر لیتے ہوئے کہا۔

"جو آدمی خچر لے کر تمہارے منتظر ہوں گے ان کے پاس اسلحہ بھی موجود ہو گا جو تم لوگوں کو دے دیا جائے گا۔" گل رحمٰن نے کہا۔ "تم لوگوں کو صبح ہونے سے پہلے پہلے علی مینگل پہنچنا ہے۔ فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں ہے لیکن تم لوگ جس راستے سے جاؤ گے وہ نہ صرف طویل ہے بلکہ دشوار گزار بھی ہے۔ علی مینگل اگرچہ پاکستانی علاقہ ہے۔ وہاں تک بس بھی جاتی ہے۔ تم لوگوں کو کسی بس میں بھی بھیجا جا سکتا تھا لیکن پاکستانی یا غیر ملکی سیاح اس طرف کا رخ نہیں کرتے۔ وہ قصبہ افغان سرحد کے بہت قریب ہونے کی وجہ سے غیر مقامی لوگ نہ صرف آسانی سے نظروں میں آ جائیں گے بلکہ ان پر کسی قسم کا شبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ تم لوگ علی مینگل کی آبادی سے تقریباً دو میل دور پہاڑیوں میں ایک خاص جگہ پر رک کر ہمارا انتظار کرو گے۔ اس کے بعد ہم آگے کا پروگرام بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تمہاری ہدایات پر عمل کریں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" گل رحمٰن کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر پشتو زبان میں طور خان اور بازت خان کو کچھ ہدایات دینے لگا اور پھر سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے رخصت ہو گیا۔ بازت اور طور خان کچھ دور تک اس کے ساتھ چلے گئے تھے۔

نولکھا' ثمینہ اور شارق برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ثمینہ اپنے آپ میں ایک عجیب سنسنی کی سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ وہ کراچی سے سمندر کے مشن میں بھی شارق وغیرہ کے ساتھ تھی۔ لیکن وہ بات اور تھی۔ ان کے ساتھ گنے چنے لوگ تھے اور کسی قدر مہذب بھی تھے لیکن یہاں صورت حال مختلف تھی۔ قدم قدم پر خونخوار قسم کے قبائلیوں سے واسطہ تھا۔

آٹھ بجے رات کا کھانا کھا لیا گیا اور پھر وہ لوگ اپنی تیاریاں کرنے لگے۔ ثمینہ نے کپڑے اور دیگر چیزیں بیگز میں پیک کر لیں۔ اور پھر رات کو ٹھیک دس بجے وہ لوگ کاٹیج سے رخصت ہو

گئے۔ ان کا رخ اونچے پہاڑوں کی طرف تھا۔ طور خان سب سے آگے تھا اس کے پیچھے ثمینہ وغیرہ اور آخر میں بازت خان تھا۔

وہ ایک تنگ سے راستے پر مسلسل بلندی کی طرف چلتے رہے اور بالآخر ایک تقریباً عمودی ڈھلان پر اترنے لگے۔ ان کے سامنے نشیب میں وسیع و عریض وادی تھی لیکن ان کا رخ وادی کی طرف نہیں تھا۔ وہ بائیں طرف پہاڑیوں میں ایک تنگ سے رستے پر چلتے رہے۔ بعض جگہوں پر راستہ کشادہ تھا اور وہ پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے لیکن بعض جگہوں پر انہیں ایک قطار میں تنگ سی دراڑ میں سے گزرنا پڑتا۔

ایک گھنٹے بعد وہ ایک کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ تقریباً سو مربع فٹ کا ایک میدان سا تھا اور چاروں طرف بلند چٹانیں تھیں۔ طور خان نے انہیں ایک بڑے پتھر کے قریب روک دیا اور خود آگے بڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ ثمینہ نے ادھر ادھر دیکھا پھر سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگی۔ آسمان پر ستارے چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ثمینہ کو یوں لگا جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں کی تہہ میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ اسی لمحہ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ کہیں ان کے ساتھ دھوکا تو نہیں کیا جا رہا۔ یہ کچھ بعید بھی نہیں تھا۔

حاجی عبداللہ ایک بین الاقوامی اور خطرناک اسمگلر تھا۔ وہ اپنے مقابلے پر کسی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پاکستان میں منشیات کے بہت سے اسمگلر ایسے تھے جو حاجی عبداللہ کی رقابت کا شکار ہوئے تھے۔ بعض کو تو مروا دیا گیا تھا اور بعض جان کے خوف سے یہ دھندہ ہی چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے تھے۔ حاجی عبداللہ چاہتا بھی یہی تھا۔

شارق بھی منشیات کی اسمگلنگ میں آ گیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قابض ہو گیا تھا۔ شارق سے حاجی عبداللہ کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ ایسے لوگوں سے نمٹنے کے بہت سے طریقے تھے۔ یا تو انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے یا انہیں تھوڑا سا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا جائے تاکہ اپنا دھندہ محفوظ رہے۔ حاجی عبداللہ نے شارق کے ساتھ یہی طریقہ استعمال کیا تھا اور اسے لالچ دے کر اپنے کام سے لگا دیا۔ اسے ایک مشن دیا گیا جس میں وہ کامیاب رہا۔ اور اس مشن سے واپس آنے کے بعد شارق پھر اپنے دھندے سے لگ گیا تھا اور حاجی عبداللہ نے اسے اس خطرناک مشن پر بھیج دیا تھا اور اب ثمینہ کے ذہن میں یہ خیال آ رہا تھا کہ حاجی عبداللہ نے شارق کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ تو نہیں بنایا تھا۔ اگر یہاں انہیں قتل کر دیا جائے تو ان کی لاشوں کا بھی کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ نے سرگوشیانہ لہجے میں شارق کو اپنے اس اندیشے سے آگاہ کر دیا۔ اس کی بات سن کر بظاہر تو وہ مسکرا دیا تھا لیکن وہ اس پر سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر واقعی حاجی عبداللہ نے ان کے خلاف کوئی منصوبہ بنایا تھا تو وہ گویا چوہے دان میں پھنس گئے تھے۔ ان کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا جس سے اپنا دفاع کر سکتے۔ ثمینہ کا یہ اندیشہ ایسا نہیں تھا جسے بالکل نظرانداز کر دیا جاتا۔ اس نے نولکھا کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں ثمینہ کے خدشات سے آگاہ کر دیا۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیا۔ "تم فکر ہی نہ کرو۔ ہم مریں گے تو عزت سے' چوہے کی موت نہیں مریں گے۔ مرنے سے پہلے کم سے کم دو آدمیوں کو تو میں بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ثمینہ بی بی کا یہ خدشہ بے بنیاد ہے۔ حاجی عبداللہ ایسی کمینی حرکت نہیں کرے گا۔ وہ یہ بھی جانتا ہو گا کہ اگر ہم تینوں میں سے ایک بھی بچ گیا تو اس کی زندگی جہنم بنا دے گا۔"

"بہرحال' ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔" شارق نے کہا۔

وہ تینوں اس طرح پوزیشن میں کھڑے ہو گئے کہ اگر کسی گڑبڑ کے آثار نظر آئیں تو سب سے پہلے طور خان اور بازت خان کو گرفت میں لے لیں۔

شارق ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ تاریکی میں کسی طرف سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب لوگ چونک گئے۔ بازت خان اور طور خان ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے شارق وغیرہ کو پتھر کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا اور دونوں نے رائفلیں اپنے کندھوں سے اتار لیں اور تاریکی میں پوزیشن لے کر بیٹھ گئے۔ چند لمحے گزر گئے اور پھر پتھروں کے لڑھکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں چھوٹے چھوٹے پتھر گھوڑوں کے پیروں سے ٹکرا کر لڑھک رہے تھے۔ وہ سب آواز کی سمت دیکھ رہے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ہی کچھ تاریک ہیولے دکھائی دیئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہیولے کسی چٹان میں سے نمودار ہوئے ہوں۔

"کون ہے۔ وہیں رک جاؤ ورنہ بھون دیئے جاؤ گے۔" طور خان نے پشتو زبان میں چیختے ہوئے کہا۔ اس کی رائفل فائر کے لئے بالکل تیار تھی۔

"ہم دوست ہیں۔ اندھیرے میں دوستوں کو تلاش کرنے آئے ہیں۔" دوسری طرف سے پشتو ہی میں جواب دیا گیا۔

"کوڈ بتاؤ۔" طور خان بولا۔

"مشن نورستان...." دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ٹھیک ہے۔ وہیں رک جاؤ۔ ہم آ رہے ہیں۔" طور خان نے کہتے ہوئے رائفل نیچے کر لی اور اٹھ کر شارق وغیرہ کے قریب آ گیا۔ "وہ لوگ آ گئے ہیں۔"

وہ پتھر کی آڑ سے نکل کر اس جگہ آ گئے جہاں گھوڑے کھڑے تھے۔ وہ گھوڑے نہیں دراصل پانچ خچر تھے۔ آدمیوں کی تعداد دو تھی۔ ان سب نے بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔ شارق وغیرہ اب بھی بہت محتاط تھے۔

ایک خچر پر کچھ سامان لدا ہوا تھا۔ خچروں کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے ٹارچ روشن کر لی اور دوسرا خچر پر بندھا ہوا سامان اتارنے لگا۔ ایک تھیلے میں تین کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ ان کے ساتھ بیلٹ بھی تھے جنہیں کراس کی صورت میں سینے پر باندھا جا سکتا تھا۔ ان بیلٹوں میں گولیوں کے بجائے رائفلوں کے میگزین لٹکے ہوئے تھے۔ ہر بیلٹ میں پانچ میگزین تھے۔ خچر پر دو تھیلے تھے جنہیں نہیں اتارا گیا۔

طور خان نے ایک ایک رائفل شارق' ثمینہ اور نولکھا کے حوالے کر دی۔ ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس کا خدشہ واقعی بے بنیاد نکلا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں رائفل کو دیکھا۔ بالکل نئی رائفل تھی۔ اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں رائفل کو چیک کیا اور پھر ایک بیلٹ اٹھا کر گلے میں ڈال لیا۔ ڈھیلے ڈھالے لباس میں بیلٹ باندھنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ بیلٹ بھی خاصا وزنی تھا۔ شارق اور نولکھا بھی اپنے اپنے سینوں پر بیلٹ باندھ چکے تھے۔ ایک ایک بیلٹ طور خان اور بازت خان کے حصے میں بھی آیا تھا۔

طور خان خچروں کے ساتھ آنے والے دونوں آدمیوں سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا پھر ایک خچر پر سوار ہو گیا۔ ثمینہ نے کبھی گھوڑے یا خچر کی سواری نہیں کی تھی۔ وہ خچر پر سوار ہوتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ شارق کی مدد سے وہ بڑی مشکل سے خچر پر سوار ہوئی تھی۔

انہوں نے خچروں کے ساتھ آنے والے دونوں آدمیوں کو خدا حافظ کہا اور اپنی منزل کے لئے راونہ ہو گئے۔ اس مرتبہ بھی سب سے آگے طور خان تھا۔ اس کے پیچھے شارق پھر ثمینہ اور اس کے بعد نولکھا۔ سب سے آخر میں بازت خان تھا۔

وہ لوگ اونچی چٹان میں ایک تنگ سی دراڑ میں داخل ہو گئے۔ آگے جا کر یہ دراڑ کچھ کشادہ ہو گئی تھی۔ خچر آگے پیچھے نپی تلی رفتار سے چل رہے تھے۔ ثمینہ بڑی آب ورد پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حالانکہ خچر بڑے آرام سے چل رہا تھا۔ لیکن لگنے والے ہلکے ہلکے جھٹکوں سے بھی ثمینہ ڈر رہی تھی اور اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

وہ تقریباً دو گھنٹوں تک رکے بغیر پہاڑوں میں ناہموار راستوں پر چلتے رہے اور بالآخر ایک کھلی

aazzamm@yahoo.com

جگہ پر پہنچ گئے۔ وہاں سے دائیں طرف بہت دور نشیب میں کچھ روشنیاں سی نظر آ رہی تھیں۔ روشنیوں کی اس قطار کو دیکھ کر شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ گاڑیاں تھیں۔ شارق گنتی کرنے لگا۔ وہ تعداد میں چھ گاڑیاں تھیں۔ ظاہر ہے بسیں یا مسافر بردار گاڑیاں نہیں ہو سکتی تھیں۔ رات کو اس وقت تو مال بردار ٹرک ہی ہو سکتے تھے۔

"یہ ملیشیا کے ٹرک ہیں۔" طور خان نے نشیب میں نظر آنے والی ان روشنیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان قبائلی علاقوں میں رات کے وقت کوئی عام آدمی سفر نہیں کرتا۔ مال بردار ٹرک بھی شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے کسی نہ کسی ٹھکانے پر رک جاتے ہیں۔ لیکن ملیشیا کے ٹرک گشت کرتے رہتے ہیں۔"

"کیا ان سے ہمیں کوئی خطرہ تو نہیں؟" نولکھا نے پوچھا۔

"نہیں۔" طور خان نے جواب دیا۔ "سڑک یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل دور نشیبی علاقے سے گزرتی ہے۔ ہمیں ان ٹرکوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

کچھ ہی دیر بعد وہ روشنیاں ایک ایک کر کے غائب ہونے لگیں۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ملیشیا کے وہ ٹرک کسی چٹان کی آڑ میں چلے گئے تھے۔

خچروں کا قافلہ چلتا رہا۔ ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔ ثمینہ کبھی گھوڑے پر نہیں بیٹھی تھی۔ لیکن آج وہ تین گھنٹے سے مسلسل خچر پر سفر کر رہی تھی وہ اکڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اور مسلسل لگنے والے جھٹکوں سے کمر میں تکلیف محسوس کرنے لگی تھی۔ اور جب تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اس نے خچر روک لیا۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" شارق نے بھی خچر روک لیا تھا۔

"جھٹکوں سے کمر میں تکلیف ہو رہی ہے۔ اب میں یہ سفر جاری نہیں رکھ سکتی۔" ثمینہ نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کچھ دیر رک کر آرام کر لینا چاہئے۔" شارق نے کہا اور طور خان کو بھی آواز دے کر روک لیا۔

پورا قافلہ رک گیا۔ شارق خچر سے اتر آیا۔ اس نے سہارا دے کر ثمینہ کو بھی اتار لیا۔ ثمینہ خچر سے اترتے ہی زمین پر بیٹھ گئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ سب لوگ خچروں سے اتر کر ادھر ادھر بیٹھ گئے تھے۔

اس وقت تقریباً عشائی بج رہے تھے۔ ثمینہ تقریباً آدھے گھنٹے تک زمین پر لیٹی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی اور ایک ہاتھ موڑ کر کمر دبانے لگی۔ کمر کی تکلیف کچھ کم ہو گئی تھی۔

اونچے پہاڑوں پر تیز ہوا کی وجہ سے وہ لوگ سردی بھی محسوس کرنے لگے تھے۔ لیکن ظاہر ہے سردی کا ان کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ ان کے بیگز میں کپڑے تو موجود تھے لیکن کوئی سویٹر وغیرہ نہیں تھے۔

تقریباً دس منٹ مزید وہاں بیٹھے رہے پھر روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ شارق نے سہارا دے کر ثمینہ کو خچر پر سوار کرا دیا اور پھر خود بھی اپنے خچر پر سوار ہو گیا اور ان کا قافلہ ایک بار پھر چل پڑا۔

صبح کے پانچ بج گئے۔ سردی کچھ بڑھ گئی تھی۔ ثمینہ کی حالت سب سے زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ سردی کی وجہ سے وہ ایک بار پھر کمر میں تکلیف محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ رکنا چاہتی تھی لیکن طور خان ان سے بہت آگے تھا اس لئے یہ لوگ بھی اس کے پیچھے چلتے رہنے پر مجبور تھے۔

شارق نے خچر روک لیا اور جب بازت خان اس کے قریب پہنچا تو شارق نے اس سے پوچھا۔

"ابھی کتنا فاصلہ باقی ہے بازت؟"

"میرے خیال میں ابھی ایک گھنٹہ کا راستہ باقی ہے۔" بازت خان نے جواب دیا۔ "ایسا چلتا رہو۔ اللہ مالک ہے پہنچ جائے گا۔"

اور ظاہر ہے وہ چلتے رہنے پر مجبور تھے۔ اس طرح ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔ طور خان نے اپنا خچر روک لیا۔ وہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اور بالآخر اس نے خچر کا رخ دائیں طرف موڑ دیا۔ دوسرے بھی اس کے پیچھے ہی تھے اور اب وہ مسلسل اترائی کی طرف جا رہے تھے۔

دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ مزید آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد وہ جیسے ہی ایک چٹان کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف پہنچے۔ نشیب میں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دینے لگی۔ یہ بستی چھ سات گھروں پر مشتمل تھی۔ اتنی بلندی سے وہ مکان بچوں کے گھروندوں کی طرح لگ رہے تھے۔ وہ ایک پہاڑی راستے پر مسلسل نشیب کی طرف اترتے رہے۔ اس بستی تک پہنچنے میں انہیں آدھا گھنٹہ اور لگ گیا تھا۔ اور جب وہ بستی کے قریب پہنچے تو ٹھیک اس وقت سورج طلوع ہوا اور روپہلی دھوپ چاروں طرف پھیل گئی۔

تین آدمی بستی سے نکل کر ان کی طرف آ رہے تھے۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچے طور خان گھوڑے سے اتر گیا۔ دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔ شارق نے ثمینہ کو سہارا دے کر نیچے اتار لیا۔ ثمینہ نیچے اترتے ہی پتھریلی زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

"محراب خان۔" طور خان نے بستی سے آنے والے ایک آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہمارے ساتھ ایک زنانہ بھی ہے۔ یہ بوت تھک گیا ہے۔ سردی بھی لگتا ہے اس کو۔ اپنا گھر لے جاؤ اس کو اور کوئی کمبل وبل دو۔ اپنا زنانہ کو بولو۔ اس کا تھوڑا بہت خدمت خاطر کرے۔"

"بہت اچھا خان۔" محراب خان نے کہا اور ثمینہ کی طرف مڑ کر بولا "آؤ بی بی میرے ساتھ میں آؤ۔"

شارق نے ثمینہ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ ثمینہ محراب خان کے ساتھ چلتی ہوئی بستی کے ایک کچے مکان میں داخل ہو گئی۔ بستی کے تمام مکان کچے ہی تھے۔

اس گھر میں دو عورتیں اور تین بچے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی اور دوسری جوان جس کی عمر ثمینہ کے اندازے کی مطابق بیس بائیس سال رہی ہو گی۔ ادھیڑ عمر عورت چولہے میں لکڑیاں جلا رہی تھی اور جوان عورت ایک پرانے سے کنستر میں سے آٹا نکال رہی تھی جبکہ تینوں بچے سو رہے تھے۔

محراب خان نے جوان عورت سے کچھ کہا۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر ثمینہ کو ایک کمرے میں لے آئی۔ کمرے کے کچھ حصے پر نمدہ بچھا ہوا تھا اور ایک طرف پانچ چھ پرانے سے فوجی کمبل تہہ کئے ہوئے رکھے تھے۔ اس نے میلے سے غلاف والا ایک تکیہ نمدے پر دیوار کے قریب رکھ دیا اور ثمینہ کو اشارہ کرتی ہوئی کمبل اٹھانے لگی۔ ثمینہ نے رائفل اور بیلٹ اتار کر تکیے کے قریب رکھ دیا اور نمدے پر لیٹ گئی۔ اس عورت نے وہ کمبل ثمینہ پر ڈال دیئے۔ ثمینہ اس وقت بڑی شدت سے سردی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اچھی طرح کمبل میں لپیٹ لیا تھا۔

ثمینہ کا چہرہ کمبل سے باہر تھا۔ جس جگہ وہ لیٹی ہوئی تھی وہاں سے کھلے ہوئے دروازے کے عین سامنے وہ جوان عورت بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی اور ثمینہ بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ آٹا گوندھنے کے لئے وہ کوئی پرات وغیرہ استعمال نہیں کر رہی تھی فرش پر ترپال کا ایک ٹکڑا بچھا ہوا تھا اور آٹا ترپال کے اس ٹکڑے پر گوندھا جا رہا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد آٹا گوندھ کے دسترخوان قسم کے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا گیا اور اس کے اوپر ترپال کا ٹکڑا لپیٹ دیا۔ وہ لڑکی ایک طرف جا کر ہاتھ دھونے لگی۔ اور پھر ثمینہ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

ثمینہ نے اپنا چہرہ بھی کمبل میں لپیٹ لیا۔ اس کے اوپر دو کمبل تھے جو خاصے گرم تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے جسم میں حرارت سی محسوس کرنے لگی۔ اور پھر اپنے قریب ہی ایک نسوانی آواز سن کر وہ چونک سی گئی۔

"خور..... او خورا..... بے بہن..... او بے بہن....."

اس آواز کے ساتھ ہی کسی نے کمبل پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔ ثمینہ نے کمبل میں سے منہ

نکال کر دیکھا تو وہ جوان لڑکی چائے کا پیالہ لئے اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ ثمینہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن کمبل اس نے اپنے جسم پر لپیٹے رکھا تھا۔ وہ اس وقت واقعی بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔ وہ کمبل لپیٹے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چائے کا پیالہ لے لیا۔ چائے بغیر دودھ کی تھی۔

"اردو جانتی ہو؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"تھورا تھورا....." لڑکی نے جواب دیا۔

"یہ خور کیا ہوتا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"بے.....بہن.....ام.....تم بے بہن۔" لڑکی نے جواب دیا۔ اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ثمینہ بھی مسکرا دی۔ اسے لڑکی کی یہ ادا بڑی بھلی لگی تھی۔ بڑی حسین تھی یہ لڑکی گول چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ اس نے ثمینہ کو خور کا مطلب سمجھا دیا تھا کہ وہ اسے اپنی بہن سمجھتی ہے۔"

"میرا نام ثمینہ ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"زینب۔" اس لڑکی نے جواب دیا۔

زینب ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اسے بتا رہی تھی کہ محراب خان اس کا باپ اور وہ عورت اس کی ماں ہے۔ اور تینوں بچے جو دوسرے کمرے میں سو رہے ہیں ان میں ایک اس کی بہن اور دو بھائی ہیں۔ وہ دونوں ابھی باتیں کر ہی رہی تھیں کہ باہر سے زینب کی ماں کی آواز سنائی دی جو اسے بلا رہی تھی۔

"مہمان..... چائے....." زینب نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ مہمانوں کو چائے دینے جا رہی ہے۔ ثمینہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ گرم گرم چائے سے اسے بڑی تسکین مل رہی تھی۔ اس کی سردی بھی اب کچھ کم ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے اوپر سے ایک کمبل اتار دیا۔ البتہ دوسرا کمبل لپیٹے رکھا۔ چائے پی کر اس نے خالی پیالہ ایک طرف زمین پر رکھ دیا اور کمبل لپیٹے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی رہی تھی۔ اس طرح کمر کی تکلیف کو بھی کچھ آرام مل رہا تھا۔

رات بھر جاگتے رہنے اور خچر کی پشت پر سفر سے وہ بری طرح تھک گئی تھی اور اس وقت اسے نڈھال ہو کر نیند کی آغوش میں پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن وہ حیرت انگیز طور پر اپنے آپ میں ایک تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ اس وقت نہ تو اسے تھکن کا احساس ہو رہا تھا اور نہ ہی نیند کا

aazzamm@yahoo.com

دور دور تک کچھ پتہ تھا۔ وہ کمبل میں دبکی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد باہر سے باتوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ایک آواز زینب کی تھی اور دوسری اس کی ماں کی۔

ثمینہ اٹھ گئی۔ اس نے کمبل ایک طرف ڈال دیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ زینب اس وقت چولہے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ چولہے پر توا چڑھا ہوا تھا۔ یہ توا دیکھ کر بھی ثمینہ کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ پتھر کا ایک آڑھا ترچھا ٹکڑا تھا جس کی موٹائی چوتھائی انچ کے برابر تھی۔ آٹے والا ترپال زینب کے سامنے بچھا ہوا تھا اور زینب اس پر پیڑے کو ہاتھ سے دبا دبا کر روٹی بیل رہی تھی۔ اس نے روٹی توے پر ڈالی تو ثمینہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ روٹی بھی آڑھی ترچھی تھی اور اسکی موٹائی بھی چوتھائی انچ کے برابر تھی۔

زینب نے پہلی روٹی پکا لی تو ثمینہ اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگی۔ زینب نے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تو زینب چولہے کے سامنے سے اٹھ گئی۔ اس کی جگہ ثمینہ بیٹھ گئی۔ اور آٹا لے کر پیڑا بنانے لگی اور جب وہ پیڑے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر روٹی بنانے لگی تو زینب اور اس کی ماں حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور پھر ثمینہ نے روٹی توے پر ڈالی تو ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ روٹی بالکل گول اور بہت پتلی تھی۔

باقی روٹیاں ثمینہ ہی نے پکائی تھیں۔ اور جب وہ چولہے کے سامنے سے اٹھی تو زینب مسکراتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

"مجھے..... سکھائے..... گا؟" وہ ثمینہ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ضرور سکھائے گا۔" ثمینہ نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

زینب کی ماں دوسری چولہے پر سوکھا ہوا گوشت تل رہی تھی۔ زینب نے اسے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتایا کہ وہ لوگ گوشت کو سکھا کر محفوظ کر لیتے ہیں اور حسب ضرورت نکال کر تل لیتے ہیں۔ ناشتے میں یہی تلا ہوا گوشت اور ثمینہ کی ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں تھیں۔

ناشتہ کرنے کے بعد ثمینہ دماغ پر کچھ بوجھ سا محسوس کرنے لگی۔ اب اسے تھکن اور نیند کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر نمدے پر لیٹ گئی اور کمبل اوڑھ لیا۔ زینب بھی اس کے قریب بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ نیند کے بوجھ سے ثمینہ کی پلکیں جھکی جا رہی تھیں۔ اور پھر وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ زینب اسے بتا رہی تھی کہ کھانے کے وقت اس نے ثمینہ کو جگانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ ثمینہ نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا تو زینب نے اس کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔ زینب کے ہاتھ کی پکی ہوئی

آڑھی ترچھی موٹی روٹیاں اور تلا ہوا گوشت تھا۔ ثمینہ کو بھوک لگ رہی تھی اسے یہ کھانا بہت لذیذ محسوس ہوا۔

"دوسرے مہمان کہاں ہیں؟" ثمینہ نے کھانے کی بعد زینب سے پوچھا۔

زینب نے اشارے سے بتایا کہ وہ ساتھ والے مکان میں ہیں۔ ثمینہ باہر جانے لگی تو زینب نے لپک کر اس کی رائفل اور بیلٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اپنا ساتھ رکھو..... بوت..... ضروری۔" اس نے کہا۔

ثمینہ نے رائفل کندھے سے لٹکا لی اور گولیوں والا بیلٹ گلے میں ڈالنے کے بجائے ہاتھ میں پکڑ کر مکان سے باہر آ گئی۔ مکان کے سامنے پانچ چھ بچے کھیل رہے تھے۔ محراب خان بھی دروازے کے سامنے رکھے ہوئے ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ ثمینہ کو دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ نے شارق وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ساتھ والے مکان کی طرف اشارہ کر دیا۔ ثمینہ اس دروازے میں گھس گئی۔

اس بستی میں کل چھ سات مکان تھے۔ اور سب کے سب گارے اور مٹی سے بنے ہوئے تھے۔ اس مکان کے سامنے بھی ایک مختصر سا صحن تھا اور اس سے آگے دو کمرے تھے۔ صحن میں ایک طرف نیلے رنگ کا ہارڈ پلاسٹک کا ایک بہت بڑا بیرل نما ڈرم رکھا ہوا تھا۔ جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ یہ بیرل ظاہر ہے کسی قسم کے کیمیکل کے کنٹینر کے طور پر بنایا گیا ہو گا لیکن پسماندہ علاقوں میں انہیں پانی کے لئے ستعمال کیا جاتا تھا جو انسانی صحت کے لئے خطرناک تھا۔ لیکن لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں تھے۔

سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نولکھا اور شارق زمین پر بچھے ہوئے نمدے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ ثمینہ بہن۔" نولکھا اسے دیکھتے ہی بولا۔ "ہم تو سمجھے تھے کہ یہاں پہنچتے ہی ان لوگوں نے شاید تمہیں غائب کر دیا ہے۔"

"مجھے کون غائب کر سکتا ہے۔" ثمینہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں سو گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی تو اٹھی ہوں۔"

"ہم بھی سو گئے تھے۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "رات کے سفر نے تو ہمیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ اور خچروں کی سواری سے تو میری چال ہی بگڑ گئی ہے۔"

"ابھی آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔" ثمینہ نے کہا پھر شارق کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیا پروگرام ہے۔ گل رحمٰن یہاں پہنچا یا نہیں؟"

aazzamm@yahoo.com

"گل رحمن خود تو نہیں آیا لیکن ٹرانسمیٹر پر اس کا پیغام ملا تھا۔ ہمیں تین چار دن یہیں رہنا ہو گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ ہم لوگ اسی طرح خوار ہونے کے لئے گھر سے نکلے ہیں؟" ثمینہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

"مجبوری ہے۔" شارق نے کندھے اچکا دیئے۔ "اس کا کہنا ہے کہ زرغون میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ملک فرید خان نے اسے پیغام بھیجا تھا کہ ہم لوگ چند روز انتظار کر لیں۔ حالات جیسے ہی بہتر ہوں گے وہ ہمیں سگنل دے دے گا۔ اس دوران ہم یہاں تھوڑی سی تفریح کر لیں۔"

"کیا یہ کوئی پکنک پوائنٹ ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ثمینہ بہن۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ جگہ واقعی ایسی ہے کہ یہیں زندگی گزار دینے کو دل چاہتا ہے۔ ہر طرف قدرتی حسن بکھرا ہوا ہے۔"

"تو تم یہاں کمرے میں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ جاؤ..... باہر جا کر قدرت کا حسن سمیٹتے رہو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ہمارے پاس تین چار دن ہیں۔ آرام سے سمیٹتے رہیں گے یہاں کا قدرتی حسن۔" نولکھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک اور بات۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے آگے کم از کم دو دن کا سفر ہے۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں میں یہ سفر ہمیں خچروں اور گھوڑوں پر ہی کرنا پڑے گا۔ صبح طور خان کہہ رہا تھا کہ گزشتہ رات تمہاری وجہ سے سب کو کچھ پریشانی ہوئی تھی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان دو تین دنوں کے دوران تم یہاں خچر کی سواری کی پریکٹس کر لو۔ تاکہ آگے کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"خچر پر سواری کی پریکٹس۔" ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"ہاں۔ میرے خیال میں یہ ضروری ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "طور خان یہ بھی بتا رہا تھا کہ محراب خان کی بیٹی زینب خچر اور گھوڑے کی سواری جانتی ہے۔ وہ تمہیں پریکٹس کروا دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس سے بات کروں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"شارق باؤ..... باہر چلتے ہیں یار۔ یہاں کمرے میں بیٹھے بیٹھے تو بور ہونے لگے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

وہ لوگ اٹھ کر مکان سے باہر آ گئے۔ شارق اور نولکھا نے بھی اپنی اپنی رائفلیں اور گولیوں

والے بیلٹ اٹھا لئے تھے۔

محراب خان اب بھی باہر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے اس سے طور خان اور بازت خان کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ دونوں تو دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہی کہیں چلے گئے تھے۔

وہ تینوں ٹہلتے ہوئے بستی سے نکل گئے۔ نولکھا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہاں ہر طرف قدرتی حسن بکھرا ہوا تھا۔ چیڑ اور چنار کے فلک بوس درخت اور ہر طرف بچھا ہوا مخملیں گھاس کا فرش۔ کھلے ہوئے خوش رنگ جنگلی پھول.....

اس بستی کے چاروں طرف ایک مختصر سی وادی تھی اور اس وادی کے اختتام پر اونچے پہاڑ تھے۔ یہ کوہ قراقرم کا سلسلہ تھا جو بہت دور تک چلا گیا تھا۔ وہ تینوں ٹہلتے ہوئے چشمے پر پہنچ گئے۔ پانی ایک چھوٹے سے جھرنے کی صورت میں ایک چٹان کی دراڑ سے گر رہا تھا اور اس سے آگے ایک تنگ سے ندی کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

"انسان واقعی ناشکرا ہے۔" نولکھا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی نعمتوں سے نوازا ہے لیکن ایک ہم ہیں کہ....."

"نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھ کر بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت فلسفہ بگھارنے لگے ہو۔ کیا بات ہے؟"

"یہ فلسفہ نہیں ثمینہ بی بی۔ یہ ایک ان پڑھ اور جاہل آدمی کے دل کی آواز ہے۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تم خود ہی سوچو۔ کتنی نعمتیں دی ہیں ہمیں اللہ نے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم فساد پھیلا رہے ہیں اللہ کی زمین پر....."

"بس بس۔" ثمینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔ "اب ناصح بننے کی کوشش مت کرو۔"

"یہ ناصر کون ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔

"ناصر نہیں ناصح۔" ثمینہ نے اسے سمجھایا۔ "نصیحت کرنے والا۔ تمہاری طرح وعظ کرنے والا۔"

"میں تو بہت گناہگار آدمی ہوں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

ثمینہ نے بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ادھر ادھر گھومتے رہے اور جب سورج بلند پہاڑوں کے پیچھے چھپنے لگا تو وہ بستی میں واپس آ گئے۔ طور خان اور بازت خان ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

رات کا کھانا شام ڈھلتے ہی کھا لیا گیا۔ روشنی کے لئے کیروسین آئل کے دیوں کا انتظام تھا۔ ٹن کے ڈبوں میں سوراخ کر کے ان میں تیل اور کپڑے کی بٹی ہوئی بتیاں ڈال دی گئی تھیں۔ یہ لیمپ جلنے سے دھواں پھیل رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے یہ سب کچھ انہیں برداشت کرنا تھا۔

ثمینہ کے لئے محراب خان کے گھر میں انتظام کیا گیا تھا۔ وہ اور زینب ایک ہی کمرے میں ایک ہی بستر پر سوئی تھیں۔ رات کو وہ دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ زینب اسے بتا رہی تھی کہ ان علاقوں میں رہنے والے قبیلوں میں دشمنیاں نسل در نسل چلتی ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے وہ لوگ مہمند ایجنسی میں تھے۔ لیکن خاندانی دشمنوں کی وجہ سے کئی سال پہلے اس کا باپ انہیں لے کر یہاں آ گیا تھا۔ ملک فرید خان نے انہیں پناہ دی تھی۔ ملک فرید خان اگرچہ افغانستان کا رہنے والا تھا لیکن اس کا قبیلہ سرحد کے دونوں طرف آباد تھا۔ آزادانہ آمد و رفت تھی۔ یہ علاقہ بھی ملک فرید خان کی عمل داری میں تھا وہ کبھی افغانستان والے علاقے میں رہتا اور کبھی پاکستان میں آ جاتا۔ اس کا قبیلہ بہت بڑا تھا اور کچھ دشمنیاں بھی تھیں۔

زینب نے بتایا کہ چند سال پہلے ایک دشمن قبیلے کے چند آدمیوں نے اس بستی پر حملہ کر دیا تھا۔ اس بستی میں محراب خان کے خاندان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی آباد تھے۔ حملہ آور بستی سے دو عورتوں کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ ملک فرید خان کو پتہ چلا تو اس نے دشمن قبیلے پر حملہ کر دیا اور نہ صرف ان کے چھ سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ ان کی تین عورتیں بھی اٹھا لایا تھا جنہیں بعد میں واپس کر دیا گیا تھا۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ قبائلی لوگ عورت کا بہت احترام کرتے ہیں اور اپنی لڑائی میں عورتوں اور بچوں کو شامل نہیں کرتے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہاں یہ درست ہے۔" زینب نے جواب دیا۔ "لیکن جب فریق مخالف اس قسم کی اوچھی حرکتوں پر اتر آئے تو اسے جواب دینا ہی پڑتا ہے۔ ملک فرید خان عورتوں کا بڑا احترام کرتا ہے۔ وہ جن عورتوں کو اٹھا کر لایا تھا انہیں بڑی عزت و احترام سے رکھا گیا تھا اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دی گئی تھی..... اس واقعہ کے بعد مخالف قبیلے کو فرید خان کے علاقے میں داخل ہونے کی جرات بھی نہیں ہوئی۔"

"ملک فرید خان ہے کون؟" ثمینہ نے سوال کیا۔

"قبیلے کا سردار ہے۔" زینب نے جواب دیا۔ "وہ جس مکان میں رہتا ہے وہ دراصل بہت بڑا قلعہ ہے۔ روسیوں کے خلاف جنگ کے دوران اس کا قلعہ افغان مجاہدین کی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ ملک فرید خان نے خود تو کبھی جنگ میں حصہ نہیں لیا لیکن وہ افغان مجاہدین کی ہر لحاظ

سے بڑی مدد کرتا رہا تھا۔"

"اور غالباً آج وہ مجاہدین پر اپنے احسانات کا معاوضہ وصول کر رہا ہے۔" ثمینہ نے کہا مگر زینب اس کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی۔

وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر ثمینہ نے کہا۔

"سنا ہے تم گھڑ سواری اچھی کر لیتی ہو۔ کل میں پہلی مرتبہ خچر پر سوار ہوئی تھی۔ بری حالت ہو گئی تھی۔ ہمارا یہاں تین چار دن رہنے کا پروگرام ہے۔ اس دوران تم مجھے خچر پر سواری کی پریکٹس کرا دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں صبح تمہیں ساتھ لے چلوں گی۔" زینب نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر اور باتیں کرتی رہیں پھر زینب کروٹ لے کر ثمینہ سے لپٹ گئی۔ ثمینہ نے بھی اپنا ایک ہاتھ اس کی پشت پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھیں۔

حسب معمول صبح وہ جلدی اٹھ گئیں۔ ناشتہ زینب اور ثمینہ نے مل کر تیار کیا تھا۔ ناشتے کے بعد ثمینہ دوسرے مکان میں آ کر کچھ دیر شارق اور نولکھا سے باتیں کرتی رہی۔ وہاں اس وقت طور خان اور بازت خان بھی موجود تھے۔ وہ لوگ رات کو دیر سے آئے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ گئے کہاں تھے۔ ثمینہ یا شارق نے ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

زینب والے مکان میں واپس آ کر ثمینہ نے لباس تبدیل کیا۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہن لی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال میں شلوار قمیض میں خچر یا گھوڑے پر سواری نہیں کی جا سکتی تھی۔

جب وہ لباس بدل کر کمرے سے باہر نکلی تو زینب بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ خود عورت تھی لیکن ثمینہ کو اس لباس میں دیکھ کر خود اس کے جسم پر بھی چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ پھر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔

"چلو..... میں تیار ہوں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

زینب نے اپنے چھوٹے بھائی جس کی عمر گیارہ سال کے لگ بھگ تھی، کو بلا کر اپنی زبان میں کچھ کہا اور ثمینہ کے ساتھ مکان سے باہر آ گئی۔ زینب کا بھائی بھی ان کے ساتھ ہی باہر آیا تھا لیکن وہ دوسری طرف مڑ گیا تھا۔ وہ دونوں بستی کی مختصر سی گلی میں سے گزرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھیں۔ بستی سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر شہتوت کے ایک درخت کے نیچے رک کر انتظار کرنے لگیں۔

aazzamm@yahoo.com

تقریباً دس منٹ بعد زینب کا بھائی آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے دو خچروں کی لگامیں پکڑ رکھی تھیں اور دونوں خچر بڑی سعادت مندی سے سر جھکا کر اس کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ہی وہ ان کے قریب پہنچ گیا۔ زینب نے دونوں خچروں کی لگامیں پکڑ لیں۔

"تم اس پر سوار تو ہو سکتی ہو نا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ اگرچہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بات کر رہی تھی مگر مفہوم ثمینہ کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

"ہاں..... میں نے رات بھی اسی خچر پر سواری کی ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ایک خچر کی لگام پکڑ لی اور چند گز دور ایک بڑے پتھر کے قریب چلی گئی۔ وہ پتھر پر چڑھ گئی اس نے ایک پیر خچر کی رکاب میں رکھا اور بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہوئی خچر پر سوار ہو گئی۔

زین پر اسے اپنا توازن برقرار رکھنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی وہ پہلی مرتبہ از خود خچر پر سوار ہوئی تھی اور ڈر رہی تھی۔

زینب مسکراتی ہوئی نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے زمین پر کھڑے کھڑے ایک پیر رکاب میں رکھا اور اچک کر زین پر بیٹھ گئی۔

دونوں خچر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ زینب کا بھائی وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ زینب نے ثمینہ کی طرف دیکھا اور پھر اسے سمجھانے لگی کہ اسے خچر یا گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے کیا طریقہ استعمال کرنا چاہئے اور اگر طریقہ درست ہو گا تو وہ گھنٹوں بغیر تھکان کے خچر یا گھوڑے پر سفر کر سکتی ہے۔ پوسچر درست ہونے سے اس کا توازن برقرار رہے گا اور گھوڑا یا خچر کتنی بھی تیز رفتاری سے کیوں نہ دوڑ رہا ہو اس کے گرنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ لیکن اگر بیٹھنے کا پوسچر درست نہیں ہو گا تو وہ نہ صرف بے چینی اور تکلیف محسوس کرے گی بلکہ توازن بھی قائم نہیں رکھ سکے گی اور ہر وقت گرنے کا بھی خطرہ رہے گا۔

ثمینہ اس کی طرف دیکھ دیکھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرتی رہی اور اس نے محسوس کیا تھا کہ زینب کے بتائے ہوئے طریقے پر بیٹھنے سے ایک گھنٹے بعد بھی اس کی کمر میں تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کا توازن بھی برقرار رہا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک وادی میں چلتے رہنے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی ندی کے قریب رک گئیں۔

"میرا خیال ہے کہ کچھ دیر یہاں ستا لیا جائے۔" ثمینہ کہتے ہوئے خچر سے اتر آئی۔ زینب نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

انہوں نے خچروں کو کھلا چھوڑ دیا۔ وہ گھاس چرنے لگے اور یہ دونوں ندی کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ دفعتاً ثمینہ کی نظر سامنے والی پہاڑی کی طرف اٹھ گئی۔ وہ پہاڑی درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور ثمینہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے درختوں کے جھنڈ میں جھاڑیوں کے پیچھے کسی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہو۔

"کیا بات ہے؟" زینب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اس پہاڑی پر درختوں کے جھنڈ میں کوئی موجود ہے۔" ثمینہ نے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

زینب کی پشت پہاڑی کی طرف تھی۔ اس نے گھوم کر دیکھا لیکن اسے کوئی دکھائی نہیں دیا۔

"کوئی جانور ہو گا۔" وہ سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔ "ان پہاڑیوں پر مار خور اور چرخ بہت ہوتے ہیں۔ بھیڑیے بھی پھرتے رہتے ہیں۔"

ثمینہ چند لمحے پہاڑی کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے بھی توجہ ہٹا لی۔ لیکن تقریباً دو منٹ بعد ہی اس کی آنکھوں پر کسی چیز کی چمک پڑی تو اس نے چونک کر دوبارہ پہاڑی کی طرف دیکھا۔ اسے جھاڑیوں کے اوپر ایک آدمی کا سر دکھائی دیا تھا جس نے بڑی سی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ اس شخص کے کندھے پر رائفل لگی ہوئی تھی اور چمک اس رائفل کی نال کی تھی۔ سورج سامنے کے رخ پر تھا اور رائفل کی نال دھوپ میں چمک رہی تھی۔

"زینب.... اٹھو.... واپس چلیں۔ اس پہاڑی پر کوئی موجود ہے۔" ثمینہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابھی ابھی دھوپ میں ایک رائفل کی نال کو چمکتے ہوئے دیکھا ہے۔ مجھے ایک آدمی کا سر بھی نظر آیا تھا جس نے پگڑی باندھ رکھی ہے۔ میرا خیال ہے کوئی ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"ہماری نگرانی کون کرے گا۔" زینب اٹھتے ہوئے بولی۔ "لیکن اگر تمہیں کسی قسم کا ڈر محسوس ہو رہا ہے تو واپس چلتے ہیں۔"

انہوں نے خچروں کو پکڑا اور ان پر سوار ہو گئیں۔ اس مرتبہ ثمینہ نے کسی پتھر کا سہارا لینے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ زینب کی طرح زمین پر کھڑے کھڑے رکاب میں ایک پیر رکھا اور اچک کر خچر پر سوار ہو گئی۔ واپسی میں زینب نے اسے خچر بھگانے کو کہا۔ ثمینہ ڈر رہی تھی لیکن اس نے خچر کو ہلکی رفتار میں دوڑا دیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی رفتار کم کر دی۔

اس روز ثمینہ کی کمر میں تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اس نے مجموعی طور پر تقریباً تین گھنٹوں تک خچر کی سواری کی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

پہاڑی پر ثمینہ نے درختوں کے جھنڈ میں جس شخص کا سر دیکھا تھا اس کے بارے میں ثمینہ کو شبہ تھا کہ وہ طور خان ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ بستی واپس پہنچیں تو اس کا شبہ غلط ثابت ہوا۔ طور خان' شارق کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور بازت خان بھی وہاں موجود تھا۔ ان دونوں کے بارے میں بعد میں ثمینہ کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ لوگ صبح سے بستی سے باہر نہیں گئے تھے۔

وہ تیسرا دن تھا۔ ثمینہ اب باقاعدہ خچر کو دوڑانے لگی تھی۔ اس روز ان دونوں نے شرط باندھ کر ریس لگائی تھی اور بستی کے دوسری طرف تقریباً تین میل دور نکل گئی تھیں۔ اس طرف بھی ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ ندی کے قریب پہنچ کر انہوں نے خچر روک لئے۔ اور نیچے اتر کر قہقہے لگانے لگیں۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔" زینب نے ثمینہ کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تو خچر ہے اب تم گھوڑا بھی دوڑا سکتی ہو۔"

"یہ سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اگر تم میرا ساتھ نہ دیتیں تو آج میں اس طرح تیز رفتاری سے خچر نہ دوڑا سکتی۔"

وہ دونوں ندی کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ ان کے چاروں طرف گنجان درخت تھے اور قد آدم خود رو پودے تھے جن میں چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔

انہیں وہاں بیٹھے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اور پھر دفعتاً" اپنے عقب میں پودوں کی سرسراہٹ سن کر وہ چونک گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا' تیز ہوا سے پودے حرکت کر رہے تھے اور ان میں سرسراہٹ کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ وہ مڑ کر دوبارہ زینب سے باتیں کرنے لگی۔ زینب نے اس کے چہرے کے تاثرات سے تاڑ لیا تھا کہ وہ کسی وجہ سے پریشان ہو رہی ہے۔

"کیا بات ہے تم بات بات پر چونک جاتی ہو؟ تمہارے دل میں کسی قسم کا خوف ہے کیا؟" اس نے ثمینہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"ہم جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں اس میں قدم قدم پر ہمیں خطرات کا سامنا رہتا ہے۔ اگر ہم احتیاط سے کام نہ لیں تو کسی بھی وقت بے خبری میں مارے جا سکتے ہیں۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولی۔ "تم جانتی ہو کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں اور افغانستان کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں میں سب جانتی ہوں۔" زینب نے جواب دیا۔ "ملک فرید خان اب واقعی افغان مجاہدین سے اپنے احسانات کا معاوضہ وصول کر رہا ہے۔ وہ پہلے انہیں روسیوں کے خلاف لڑنے کے لئے اسلحہ اور گولہ بارود سپلائی کرتا تھا۔ روپے پیسے سے بھی ان کی مدد کرتا تھا۔ لیکن اس وقت بھی وہ

اپنے احسانات کی قیمت وصول کر رہا تھا اور اب بھی کر رہا ہے۔ روسیوں سے چھینا ہوا اسلحہ اب افغان مجاہدین کے لئے بوجھ بن گیا ہے۔ لڑائی اب صرف کابل اور اس کے گرد و نواح میں صرف حصول اقتدار کے لئے ہو رہی ہے۔ جبکہ پورے ملک میں روسیوں کے خلاف جنگ میں جن مجاہدین نے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا وہ اب یہ اسلحہ بیچ بیچ کر اپنا نقصان پورا کر رہے ہیں۔ ملک فرید خان ان کا سب سے بڑا گاہک ہے۔ وہ آٹے کی ایک بوری کے بدلے کم از کم دس کلاشنکوف رائفلیں وصول کرتا ہے مجاہدین بڑی خوشی سے یہ سودا منظور کر لیتے ہیں۔ دس رائفلیں انہیں کھانے کو کچھ نہیں دے سکتیں جبکہ ان کے بدلے ملنے والی آٹے کی ایک بوری سے وہ چند روز تک پیٹ کی آگ تو بجھا لیتے ہیں۔

ہماری یہ چھوٹی سی بستی ملک فرید خان نے ہم پر ترس کھا کر نہیں بسائی' یہ بستی علی مینگل شہر سے تقریباً پانچ میل اور ہائی وے سے تقریباً دس میل دور ہے۔ ملک فرید خان کے قافلے جب افغانستان سے ہیروئن اور اسلحہ کی کھیپ لے کر آتے ہیں تو سرحد پار کرنے کے بعد یہ ان کا پہلا پڑاؤ ہوتا ہے۔ وہ اپنا سارا مال یہاں رکھتے ہیں۔ بستی کے مکان بظاہر کچے جھونپڑے نظر آتے ہیں مگر انکے نیچے بڑے بڑے تہہ خانے ہیں جہاں مال رکھا جاتا ہے اور پھر وہی تھوڑا تھوڑا کر کے اندرون ملک منتقل کر دیا جاتا ہے۔

میں جانتی ہوں تم کس مقصد کے لئے افغانستان جا رہے ہو۔ تم لوگوں کے بارے میں میں کئی روز پہلے اطلاع مل گئی تھی۔ یہاں پارٹیاں آتی رہتی ہیں جن میں عام طور پر مرد ہی ہوتے ہیں۔ لیکن پہلی مرتبہ ایک عورت کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ تم اتنی پیاری سی ہو۔ خطرات سے کیوں کھیل رہی ہو؟"

"اب تو خطرات میری زندگی کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔" زینب نے کہا۔ "یہ طور خان بڑا کمینہ اور خطرناک آدمی ہے۔ اکثر یہاں آتا رہتا ہے۔ مجھ پر بری نیت رکھتا ہے لیکن ملک فرید خان کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ تم اس سے ذرا ہوشیار رہنا وہ جن نظروں سے تمہیں دیکھتا ہے اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہارے بارے میں بھی اس کی نیت اچھی نہیں ہے۔"

"میں اسے اچھی طرح جان چکی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو واقعی وہ بہت خبیث آدمی ہے۔ لیکن مجھے اس جیسے آدمیوں سے نمٹنا بھی آتا ہے۔"

وہ باتیں کر رہی تھیں کہ پودوں میں ایک بار پھر سرسراہٹ کی تیز آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ

aazzamm@yahoo.com

ان دونوں نے مڑ کر دائیں طرف دیکھا تھا اور پھر اس کے ساتھ ہی ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ زینب بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے منہ سے خوف کی ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

قد آدم پودوں سے دو آدمی نکل کر ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے کندھے پر آٹو میٹک رائفل لٹکی ہوئی تھی اور دوسرے کے بیلٹ میں اڑسا ہوا پستول صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نپے تلے انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے۔ دونوں کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس انداز میں آگے بڑھ رہے تھے جیسے کوئی شکاری کسی شکار کو گھیرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کون ہو تم لوگ؟" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"طور خان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" ان میں سے ایک آدمی نے جواب دیا۔ "تم تو واقعی قیامت ہو قیامت۔"

"اور تم شاید یہ نہیں جانتے کہ جب قیامت ٹوٹ پڑتی ہے تو کچھ باقی نہیں بچتا۔" ثمینہ نے کہا۔

"ایسی قیامت کو تو ہم ہنسی خوشی سہہ لیں گے۔" پستول والے نے دو قدم اور آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں کچھ اور کراہت سی آ گئی تھی۔

"دور رہو ہم سے۔" اس مرتبہ زینب نے چیختے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر بھی خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ "تم لوگ اس علاقے کے تو نہیں لگتے۔ کون ہو تم لوگ؟ کہاں سے آئے ہو اور طور خان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"ہم بھی اسی زمین کے رہنے والے ہیں اور طور خان ہمارا دوست ہے۔" اسی شخص نے جواب دیا۔ "ہم طور خان سے اپنی دوستی کا حق ادا کرنے آئے ہیں۔ یہ قیامت تو طور خان کی گود میں جائے گی اور تم.... تم پر ہمارا حق ہے۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ ہمارا تعلق ملک فرید خان سے ہے اور یہ علاقہ بھی اسی کا ہے۔ تم لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ چوروں کی طرح آئے ہو اسی طرح واپس چلے جاؤ۔ ورنہ ملک فرید تمہارے پورے قبیلے کو ملیامیٹ کر دے گا۔" زینب نے کہا۔

"ملک فرید خان۔" پستول والے نے قہقہہ لگایا۔ "فرید خان کے تو فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ تمہیں زمین نگل گئی یا آسمان نے اچک لیا ہے۔ ہم تمہیں ایسی جگہ لے جا کر رکھیں گے جہاں فرید خان کا پورا قبیلہ بھی تم لوگوں کا سراغ نہیں لگا سکے گا۔ تم دونوں کے لئے بہتر یہی ہے

کہ خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑو۔ ورنہ ہم دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔"

وہ دونوں ان کے بالکل سامنے آ گئے۔ پستول والے نے ہولسٹر سے پستول نکال لیا تھا اور دوسرے آدمی نے بھی کندھے سے رائفل اتار لی تھی۔

ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ اتفاق تھا کہ آج وہ اپنی رائفل لے کر نہیں آئی تھی حالانکہ وہ جب بھی زینب کے ساتھ بستی سے باہر نکلی رائفل اس کے کندھے پر ضرور ہوتی تھی لیکن آج اس نے رائفل کو فالتو بوجھ سمجھ کر مکان پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

اس کے سامنے کھڑے ہوئے دونوں آدمی مسلح تھے۔ اور ان کے ارادے بھی خطرناک تھے لیکن ثمینہ بھی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والی تو نہیں تھی۔ ماضی میں وہ کئی بار اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت حال کا سامنا کر چکی تھی۔ اس نے موت کی آنکھوں میں جھانکنا سیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس قسم کی صورت حال میں جوش سے کام بگڑ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر تو ہوش اور ٹھنڈے دماغ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت بھی ثمینہ نے جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے زینب کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھ سے مخصوص اشارہ کیا اور پستول والے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے ہم تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں لیکن تم ہمیں ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ راستے میں تمہیں ہاتھ نہیں لگائیں گے لیکن اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد تم لوگ ہمارا ہاتھ نہیں روک سکو گی۔" پستول والے نے کہا۔

وہ دونوں ان کے آگے چل پڑیں۔ پستول والا دائیں سمت ثمینہ کی طرف تھا اور رائفل والا زینب کی طرف۔ وہ جھاڑیوں سے نکل کر دوسری طرف آ گئے ادھر تقریباً سو فٹ نشیب میں درختوں کے ساتھ دو گھوڑے بندھے ہوئے نظر آئے۔

ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ سب کچھ سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت ہو رہا تھا۔ طور خان ان کی نگرانی کرواتا رہا تھا اور بالآخر آج انہیں اغوا کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ لوگ ان کے تعاقب میں گھوڑوں پر آئے تھے۔ گھوڑے انہوں نے دور ہی چھوڑ دیئے تھے۔ اور شاید اس وجہ سے انہیں گھوڑوں کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ ڈھلان پر اترنے لگے۔ وہ دونوں آدمی ان کے دائیں بائیں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ڈھلان میں اترتے ہوئے ثمینہ نے زینب کی طرف دیکھا اور پھر انہوں نے بیک وقت حرکت کی تھی۔ ثمینہ نے بڑی پھرتی سے گھوم کر پستول والے کے ہاتھ پر کک لگائی تھی۔ پستول اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا دور جھاڑیوں میں جا گرا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ شخص بدحواس ہو گیا۔ ثمینہ کی یہ حرکت اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتا ثمینہ نے اچھل کر اس کی پسلیوں پر ایک اور زور دار کک رسید کر دی۔ وہ شخص کراہتا ہوا جھاڑیوں میں گرا اور نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ ثمینہ بھی سنبھل کر اس کے پیچھے لپکی تھی۔

دوسری طرف زینب نے بھی کچھ ایسی ہی کارروائی کی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے گھوم کر رائفل والے کے پہلو میں کک مار دی تھی۔ رائفل والا لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ لیکن رائفل اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی تھی۔ زینب نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اس کی رائفل پر گرفت جما دی۔

دونوں میں رائفل کے لئے کشمکش ہونے لگی۔ زینب نازک سی لڑکی ہونے کے باوجود بڑی طاقتور ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ رائفل پر جما رکھے تھے اور رائفل چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے حریف کو بھی زیر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس شخص کے دائیں ہاتھ کی انگلی کسی طرح ٹرائیگر پر پہنچ گئی اس نے ٹرائیگر دبا دیا۔ فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ رائفل کی نال اوپر کی طرف تھی۔ گولیاں فضا کو چیرتی ہوئی اوپر نکل گئیں۔

زینب فائرنگ کی آواز سے قطعی خوفزدہ نہیں ہوئی۔ اس نے اپنے حریف کے دائیں بازو پر دانت گاڑ دیئے۔ وہ شخص بلبلا اٹھا۔ رائفل سے اس کا ہاتھ ہٹ گیا۔ زینب نے بھی اپنا سیدھا ہاتھ رائفل سے ہٹا لیا اور اپنی گھیر والی قمیض کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک خنجر نکال لیا۔ اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کر کے اس شخص کے سینے پر وار کرنا چاہا مگر اس شخص نے بڑی پھرتی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا' بڑی عجیب سی صورت حال تھی۔ ان دونوں کا ایک ایک ہاتھ رائفل پر تھا اور دوسرا ہاتھ خنجر پر اب خنجر کے لئے کشمکش ہو رہی تھی۔ اور پھر اچانک ہی اس شخص نے پوری قوت سے لوٹ لگائی اور زینب کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس کے چہرے پر بڑی درندگی تھی۔ اس نے رائفل چھوڑ دی۔ ایک ہاتھ سے زینب کا کندھا دبائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نیچے لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زینب نے ایک ہاتھ سے اس کا خنجر والا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اس نے رائفل چھوڑ دی اور دوسرا ہاتھ بھی خنجر والے ہاتھ کی کلائی پر جما دیا۔

زینب پوری قوت سے اپنے حریف کا خنجر والا ہاتھ روکے ہوئے تھی۔ قوت آزمائی سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر اس کے ہاتھوں کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی ہوئی تو خنجر اس کے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔

زینب نے لیٹے لیٹے اپنی ایک ٹانگ سمیٹ لی اور اس شخص کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ٹھوکر لگائی۔ وہ شخص کراہ اٹھا لیکن خنجر پر اس کی گرفت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ زینب نے

گھٹنے سے اسی جگہ ایک اور ضرب لگائی یہ ضرب پہلے سے زیادہ زور دار تھی۔ وہ شخص بلبلا اٹھا۔ اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔ زینب نے بڑی پھرتی سے اس شخص کو اپنے اوپر سے پلٹ دیا اور اس سے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

تکلیف کے باوجود اس شخص نے ایک بار پھر خنجر سے زینب پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر زینب نے بڑی تیزی سے ایک طرف چھلانگ لگا دی اور چند فٹ دور پڑی ہوئی رائفل اٹھا لی۔

اس وقت زینب کے چہرے پر بھی بے پناہ درندگی تھی۔ رائفل اٹھاتے ہی اس نے ایک برسٹ مار دیا۔ فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی اس مرتبہ فائرنگ کی آواز میں اس شخص کی چیخ کی آواز بھی شامل تھی۔ اس شخص کے دائیں گھٹنے پر صرف ایک گولی لگی تھی۔ اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور وہ چیختا ہوا پتھروں پر لوٹ رہا تھا۔ زینب چاہتی تو یہ تھی کہ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی کر دے لیکن اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔

فائرنگ کے ساتھ چیخ کی آواز ثمینہ نے بھی سنی تھی۔ وہ دوڑتے دوڑتے ایک دم رک گئی۔ اس نے اپنے حریف کی طرف دیکھا جو ڈھلان پر لڑھکتا ہوا تقریباً بیس گز دور جا چکا تھا۔ پھر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ زینب رائفل لئے کھڑی نظر آئی لیکن وہ آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ثمینہ دوڑتی ہوئی زینب کے پاس پہنچ گئی۔ وہ شخص اپنی ٹانگ پکڑے تڑپ رہا تھا۔ خون سے اس کے کپڑے اور آس پاس کے پتھر تر ہو رہے تھے۔ زینب نے اس پر رائفل تان رکھی تھی اور چیخ چیخ کر پشتو میں کچھ کہہ رہی تھی۔

"زینب!" ثمینہ نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "اسے مارنا نہیں۔ زندہ بستی میں لے چلو تا کہ یہ اپنی زبان سے دوسروں کو بتا سکے کہ یہ لوگ کس کے کہنے پر کیا کرنے آئے تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اسے گھسیٹتی ہوئی بستی تک لے جاؤں گی۔ اور پھر وہاں سب کے سامنے اس کا جسم گولیوں سی چھلنی کر دوں گی۔" زینب نے کہا۔

دفعتاً" گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئیں۔ ثمینہ نے گھوم کر اس طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ سے بے اختیار زور دار قہقہہ نکل گیا۔ دوسرا آدمی گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہو گیا تھا۔ وہ دونوں سورما انہیں اغوا کرنے آئے تھے مگر انہیں لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ ایک اپنی جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور دوسرا زخمی ہو کر ان کا قیدی بن گیا تھا۔

ثمینہ نے پودوں میں سے خنجر اور پستول بھی تلاش کر لیا اور پھر نشیب میں جا کر اس شخص کا گھوڑا لے آئی۔ ان کے خچر وہاں سے تقریباً دو سو گز دور تھے۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ زخمی قیدی کو گھوڑے پر بٹھا دیا جائے اور وہ ان کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے ندی تک آئیں لیکن زینب اس پر

aazzamm@yahoo.com

آمادہ نہیں تھی۔ وہ زخمی قیدی کو ٹھوکریں اور رائفل کے بٹ مارتی ہوئی ندی تک لائی تھی۔ گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کی ٹانگ بے جان ہو کر لٹک گئی تھی۔ اور وہ بڑی مشکل سے گھسٹ گھسٹ کر وہاں تک پہنچا تھا۔

زینب تو اسے بستی تک اسی طرح لے جانا چاہتی تھی لیکن ثمینہ نے اس شخص کو سہارا دے کر ایک خچر پر بٹھا دیا اور خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ اب تک خچر کی سواری کرتی آئی تھی اور اب گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ زینب دوسرے خچر پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے زخمی کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔

اور اس طرح وہ زخمی قیدی کو لے کر بستی کی طرف روانہ ہو گئیں۔

○

وہ بستی سے تقریباً ایک میل دور تھیں کہ شارق، محراب خان، بازت اور دو آدمی خچروں پر سوار بستی کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان سب کے پاس رائفلیں تھیں۔ ثمینہ وغیرہ کو دیکھ کر وہ رک گئے۔

"کیا ہوا۔ کچھ دیر پہلے فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ یہ کون ہے؟" شارق نے پہلے ثمینہ، زینب اور پھر اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ طور خان کا ساتھی ہے۔" ثمینہ نے بتایا۔ "اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ یہ دونوں طور خان کے کہنے پر ہمیں اسلحے کے زور پر اغوا کرنے آئے تھے۔ ایک بھاگ گیا اور دوسرا تم لوگوں کے سامنے ہے۔"

"طور خان کہاں ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" زینب چیخی۔

"وہ تو صبح ہی سے کہیں گیا ہوا ہے۔ لیکن اب میں صورت حال کو سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ لیکن بہرحال، آج دوپہر کو گل رحمٰن یہاں پہنچنے والا ہے۔ اسے بستی میں لے چلو۔"

"اسے بستی میں لے جانے کی ضرورت نہیں۔" محراب خان نے کندھے پر لٹکی ہوئی رائفل اتارتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی ہماری عورتوں کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑتے۔"

"نہیں محراب خان۔" شارق نے اسے روک دیا۔ "بات صرف عورتوں کی نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ طور خان ہمارے خلاف کوئی اور سازش بھی کر رہا ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو اس شخص کی گواہی ہمارے لئے مفید ثابت ہوگی۔ اس لئے اسے گل رحمٰن کے آنے تک زندہ رکھنا ضروری ہے۔"

بات محراب خان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے رائفل دوبارہ کندھے پر لٹکا لی تاہم وہ غصے سے گالیاں بکتا رہا تھا۔

وہ لوگ بستی میں پہنچ گئے۔ زخمی شخص کا نام باسم گل تھا۔ اسے گھوڑے سے اتار کر کمرے کے فرش پر پھینک دیا گیا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کا رنگ بالکل سفید ہو رہا تھا اور وہ تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔

ثمینہ نے زینب کے مکان میں آتے ہی کپڑے بدل لئے۔ زینب کی ماں بھی غصے میں تھی اور وہ چیخ چیخ کر طور خان کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد گل رحمٰن بھی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ اسے جب صورت حال کا پتہ چلا تو وہ ایک دم بپھر گیا۔ وہ زخمی باسم گل سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ کوئی سازش نہیں تھی۔ طور خان صرف ان لڑکیوں کو اٹھانا چاہتا تھا۔

"وہ بہت بے چین ہے۔" وہ بتا رہا تھا۔ "اس نے کہا تھا کہ جب سے اس نے ثمینہ کو دیکھا ہے اس کی راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔ دو دن پہلے وہ ہمارے پاس آیا تھا اور ثمینہ کو اٹھانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ثمینہ اور زینب آج کل خچروں کی سواری کرتے ہوئے بستی سے میلوں دور نکل جاتی ہیں اگر ہم ان دونوں کو اٹھا لائیں تو وہ زینب کو ہمارے حوالے کر دے گا۔ لیکن یہ لڑکیاں ہماری توقع سے زیادہ خطرناک نکلیں۔"

"طور خان کہاں ہے؟" گل رحمٰن نے پوچھا۔

"ہماری بستی میں۔" باسم گل نے جواب دیا۔ "ہم خانہ بدوش ہیں یہاں سے تقریباً پندرہ میل دور اس پہاڑی کے پیچھے ہم نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ طور خان نے کہا تھا کہ یہاں ہمیں کوئی نہیں پہچانتا۔ یوں بھی ایک دو روز بعد ہم ڈیرہ اٹھانے والے تھے۔ ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے تو کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"طور خان نے تمہیں کوئی اور لالچ بھی دیا ہو گا؟" گل رحمٰن نے پوچھا۔

"اس نے ہمیں دو بوری آٹا لے کر دیا تھا۔" باسم گل نے جواب دیا۔

گل رحمٰن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ آنے والے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ باسم گل کو گھسیٹتے ہوئے بستی سے باہر لے گئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد گولیوں کی آواز پہاڑوں میں گونج گئی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ باسم گل کو ختم کر دیا گیا تھا۔ اس نے عورتوں کو اغوا کرنے کی کوشش کر کے سنگین جرم کیا تھا اور اسے اس جرم

aazzamm@yahoo.com

کی سزا مل گئی تھی۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد پانچ آدمی گھوڑوں پر سوار خانہ بدوشوں کی اس بستی کی طرف جا رہے تھے جہاں باسم گل کے کہنے کے مطابق طور خان چھپا بیٹھا تھا۔ اس پارٹی کی رہنمائی گل رحمٰن کر رہا تھا اور ان پانچ آدمیوں میں زینب کا باپ محراب خان اور شارق بھی شامل تھے۔

خانہ بدوشوں کی اس بستی کا فاصلہ اگرچہ پندرہ میل سے زیادہ نہیں تھا لیکن پہاڑوں میں راستہ بہت دشوار تھا۔ گھوڑوں کی رفتار بہت کم تھی اس طرح وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد بستی کے نواح میں پہنچ سکے تھے۔

گل رحمٰن نے ایک پہاڑی پر گھوڑا روک لیا اور ہاتھ اٹھا کر دوسروں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔ شارق، گل رحمٰن کے دائیں طرف تھا۔ وہ نشیب میں واقع خانہ بدوشوں کی بستی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ بستی ایک پہاڑی کے دامن میں چشمے کے کنارے آباد تھی۔ پندرہ بیس گھر تھے۔ جن میں دو گھر مٹی اور گارے سے بنے ہوئے تھے اور باقی خیمے تھے۔ خیموں کے نیچے بھی تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی گارے کی دیوار تھی۔ اور اوپر خیموں کے پردے۔

یہ بستی تقریباً پانچ سو فٹ نشیب میں تھی۔ وہ اس نشیب میں اترنے کا راستہ تلاش کر رہے تھے کہ ایک گھوڑا سوار بستی سے نکلا۔ گھوڑے کا رخ بستی کی مخالف سمت میں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھوڑا سرپٹ دوڑانے لگا۔ گھوڑ سوار نے ایک دو مرتبہ گردن گھما کر پیچھے بھی دیکھا تھا۔

"گل رحمٰن!" محراب خان اس کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ "طور خان فرار ہو رہا ہے۔ مجھے اجازت دو کہ میں اس کا پیچھا کروں۔"

"نہیں محراب خان۔" گل رحمٰن نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ "وہ بزدل اور کمینہ آدمی ہے۔ جلد ہی ہمارے قابو میں آ جائے گا۔ فی الحال اسے جانے دو۔ آؤ ذرا بستی تک چلتے ہیں۔"

وہ ایک تنگ سے راستے پر ہو لئے۔ اس تنگ سے راستے پر تو وہ ایک قطار میں چلتے رہے تھے لیکن کھلی جگہ پر آتے ہی پھیل گئے۔ بستی اب ان سے صرف پچاس گز کے فاصلے پر تھی۔ ابھی تک انہیں بستی کا ایک بھی فرد نظر نہیں آیا تھا لیکن پھر اچانک ہی بستی کے بچے اور عورتیں خیموں سے نکل کر بستی کے سامنے جمع ہو گئیں۔ گل رحمٰن نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود چند گز آگے بڑھ کر ان عورتوں اور بچوں کے سامنے گھوڑا روک لیا۔

"کیا اس بستی میں کوئی مرد باقی نہیں رہا جو عورتوں اور بچوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔" گل رحمٰن نے چیخ کر کہا۔

"گل رحمٰن۔" ایک ادھیڑ عمر عورت نے چیخ کر جواب دیا۔ "ہمارے مردوں نے بہت برا کیا۔ لالچ میں آ کر ان دو آدمیوں نے پورے قبیلے کو دوسروں کی نظروں میں رسوا کر دیا۔ انہیں طور خان نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اگر ہمیں طور خان کی نیت کا پتہ چل جاتا تو ہم ایسا کبھی نہ ہونے دیتے۔ ان دونوں نے ہمارے چہروں پر کالک مل دی ہے۔ معاف کر دو انہیں۔"

"ان میں سے ایک تو معافی کی حد سے بہت آگے جا چکا ہے۔" گل رحمٰن نے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ دوسرے کو بھی ہمارے حوالے کر دو۔"

"دوسرا یہاں آیا تھا لیکن طور خان سے کچھ بات کرنے کے بعد چلا گیا اور اب طور خان بھی تم لوگوں کو دیکھ کر بھاگ گیا ہے۔" اس عورت نے جواب دیا۔

"ایسی صورت میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تم لوگ یہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھا دو۔ کل شام سے پہلے پہلے تم لوگ اس علاقے سے نکل جاؤ۔ کل شام کو اگر یہ خیمے یہاں نظر آئے تو انہیں آگ لگا دی جائے گی۔ اب جاؤ اور گھروں میں چھپے ہوئے مردوں سے کہو کہ وہ باہر نکلیں اور اپنے ہاتھوں سے خیمے اکھاڑنا شروع کر دیں۔"

گل رحمٰن نے اپنا گھوڑا موڑ لیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔ شارق وغیرہ نے بھی اپنے گھوڑے موڑ لئے۔

جب وہ اپنی بستی میں داخل ہوئے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ گل رحمٰن اب بھی غصے میں بھنایا ہوا تھا۔ وہ بازت خان پر برس پڑا۔

"تم نے طور خان کو ایسا کرنے سے کیوں نہیں روکا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت اور حفاظت ہمارا فرض ہے۔ کیا تم مہمان نوازی کی روایات کو بھول گئے ہو بازت خان۔ تم نے طور خان کو ایسی باتوں سے منع کیوں نہیں کیا جس سے ہماری عزت پر حرف آتا ہو۔"

"خان گل رحمٰن۔" بازت خان نے مدہم اور پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس سفر میں طور خان کے ساتھ ضرور تھا۔ لیکن اس نے میرے سامنے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے مجھے اس پر کسی قسم کا شبہ ہوتا۔ اور خان..... کسی کے دل کی بات میں کیسے جان سکتا ہوں۔ اگر مجھے اس پر معمولی سا بھی شبہ ہوتا تو میں اسے صرف روکتا نہیں سرزنش بھی کرتا۔"

"ہاں..... یہ تم ٹھیک کہتے ہو کہ کوئی کسی کے دل کی بات نہیں جان سکتا۔ لیکن میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہو گی۔ جب تک میں طور خان کو اپنے ہاتھوں

aazzamm@yahoo.com

سے سزا نہیں دے نوں گا۔ میری نظریں مہمانوں کے سامنے جھکی رہیں گی۔" گل رحمٰن نے کہا۔

"گل رحمٰن" شارق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدہم لہجے میں کہا۔ "تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان بدمعاشوں نے دو لڑکیوں کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہیں ان لڑکیوں ہی کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور جہاں تک طور خان کا سوال ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب بھی اس سے سامنا ہو گا میری ساتھی اس سے اپنی توہین کا بدلہ لے لے گی۔"

"یہ ہماری روایات کے خلاف ہے شارق بھائی۔" گل رحمٰن نے کہا۔ "توہین ہماری ہوئی ہے۔ ہماری مہمان نوازی کی روایات کو پامال کیا گیا ہے۔ اس بدمعاش نے ہماری پیشانی پر دھبہ لگایا دیا ہے اور یہ دھبہ اس کے خون سے ہی صاف ہو گا۔"

شارق خاموش رہا۔ وہ مزید کچھ کہہ کر گل رحمٰن کے غصے کو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح بات مزید بگڑ سکتی تھی۔ وہ ان قبائلیوں کی فطرت کو سمجھ چکا تھا۔ یہ جب تک اپنی توہین کا بدلہ نہیں لے لیتے چین سے نہیں بیٹھتے۔ اور مہمانوں کی عزت اور جان و مال بچانے کے لئے تو یہ لوگ اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد گل رحمٰن پرسکون ہو سکا تھا۔ موقع مناسب سمجھتے ہوئے شارق نے دوسری بات شروع کر دی۔

"سرحد کے اس پار سے کوئی اطلاع ملی یا نہیں۔" اس نے پوچھا۔

"سرحد کے اس پار حالات کچھ بہتر ہو گئے ہیں۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ "ملک فرید خان کی طرف سے کل کسی بھی وقت سگنل مل سکتا ہے۔ ہمیں بہرحال تیار رہنا ہے۔ سگنل ملتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ آج کل سرحد پر بھی کچھ نگرانی سخت کر دی گئی ہے۔ مہاجرین کو اس سرحد پر آنے سے روکنا اگرچہ بہت مشکل ہے۔ لیکن ملیشیا کی پارٹیاں گشت کرتی رہتی ہیں۔ اس لئے ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہو گی۔ سرحد کی نگرانی بھی دراصل ہم جیسے لوگوں کے لئے کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں جس طرح اسلحہ اور ہیروئن کی ریل پیل ہو گئی ہے اس سے حکومت پاکستان بھی پریشان ہو رہی ہے۔ پاکستانی حکومت پر عالمی دباؤ بڑھ رہا ہے کہ اسلحہ اور خاص طور پر ہیروئن کی اسمگلنگ کو روکا جائے۔ تم جانتے ہو کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں بھی پوست کاشت ہوتا ہے جس سے افیون' چرس' مارفین اور ہیروئن تیار ہوتی ہے۔ حکومت پاکستان نہ صرف پوست کی فصلیں تباہ کر رہی ہے بلکہ ہیروئن تیار کرنے والی فیکٹریوں کو بھی تباہ کیا جا رہا ہے۔ ہیروئن کی ایک بڑی مقدار افغانستان ہی سے اسمگل ہو کر آتی ہے اس لئے مشکلات ہونے کے باوجود سرحد کی نگرانی بھی سخت کر دی گئی ہے۔ اس لئے سرحد پار کرتے ہوئے ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہو گی۔

"ابھی ابھی میرے دل میں ایک اور خیال آیا ہے۔" شارق نے کہا۔ "طور خان ہم سے باغی ہو گیا ہے۔ وہ کچھ اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا سکتا ہے۔ وہ ہمارے پروگرام سے واقف ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ سرحد پر ملیشیا کی گشتی پارٹیوں کو ہمارے بارے میں آگاہ کر دے؟"

"اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ "لیکن ہم بھی تو کچی گولیاں نہیں کھیلتے نا۔ وہ ہمارے سرحد پار کرنے والے معمول کے دو تین راستوں سے واقف ہے۔ لیکن ہمارے پاس ایسے راستے بھی ہیں جن کے بارے میں اس کے فرشتے بھی نہیں جانتے۔ ہمارے پروگرام سے واقف ہونے کے باوجود وہ بدبخت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"مجھے یہی اندیشہ تھا۔ اس کی وضاحت ہو گئی۔ اب مجھے کوئی پریشانی نہیں رہی۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ محراب خان کا بیٹا پلاسٹک کا ایک تسلہ اور پانی سے بھرا ہوا لوٹا لے کر آ گیا۔ اس نے پہلے سب کے ہاتھ دھلائے پھر کمرے میں دری پر دستر خوان بچھا دیا۔ اس دوران محراب خان اپنے مکان میں چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ کھانا لے آیا اور کھانا دستر خوان پر چن دیا گیا۔

کھانے کے دوران گل رحمٰن اور دیگر لوگ پشتو میں باتیں کرتے رہے۔ شارق اور نولکھا خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ ان کی باتوں کا ایک لفظ بھی ان کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ شارق نے نولکھا کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات بھی صاف طور پر محسوس کر لئے تھے۔

کھانے کے بعد شارق اور نولکھا اٹھ کر مکان سے باہر آ گئے۔ وہ ٹہلنے کے لئے جانا چاہتے تھے لیکن کتوں کے بھونکنے کی آواز سن کر واپس آ گئے اور مکان کے اس کمرے میں گھس گئے جو صرف ان دونوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

ایک پتھر پر مٹی کے تیل کا دیا جل رہا تھا۔ دھواں کمرے کی فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ اس دھویں کی وجہ سے ان کے حلق تک سیاہ ہو چکے تھے۔ وہ تھوکتے بھی تو ان کے حلق سے کالک ہی نکلتی۔

"شارق باؤ۔" نولکھا اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہم لوگ کہاں آ کر پھنس گئے ہیں یار۔ عجیب لوگ ہیں یہ..... یہاں سے تو واپسی کا راستہ بھی نہیں ہے۔"

"واپسی کا راستہ تو واقعی نہیں ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ اگر کل رات تک ملک فرید خان کی طرف سے آگے بڑھنے کا سگنل نہ ملا تو ہمیں گل

aazzamm@yahoo.com

رحمٰن سے بات کروں گا کہ ہماری واپسی کا بندوبست کر دیا جائے۔"

"بات کرنی ہی پڑے گی۔" نولکھا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہاں پڑے پڑے تو ہمیں زنگ لگ جائے گا۔ مجھے تو لاہور بڑا یاد آ رہا ہے شارق باؤ..... لکشمی چوک اور بھائی گیٹ کی رونق میری نظروں کے سامنے گھوم رہی ہے۔ اس وقت تو وہاں شام جوان ہو گی اور ہم یہاں بیٹھے مٹی کے تیل کی کالک سے اپنی آنتیں بھی کالی کر رہے ہیں۔"

"یہ تو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے کیا تمہارا نظریہ بدل گیا ہے!"

"کیسا نظریہ؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"دو تین دن پہلے تم ثمینہ سے کہہ رہے تھی کہ یہاں ہر طرف قدرت کا حسن بکھرا ہوا ہے اور دل چاہتا ہے کہ ساری زندگی یہیں رہ کر گزار دی جائے۔" شارق نے کہا۔

"وہ نظریہ تو اپنی جگہ پر ہے شارق باؤ! مگر یہاں کچھ کرنے کو تو ہو۔" نولکھا نے کہا۔ "دن کے وقت تو سب کچھ بہت اچھا لگتا ہے لیکن شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وحشت ہونے لگتی ہے۔ اب دیکھو نا یہ کالا دھواں....." وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکا تھا۔ اس کالے دھویں کی وجہ سے اس کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"یہ باری کھول دے یار شارق باؤ!" اس نے کھانستے ہوئے بمشکل کہا۔ "کمرے میں تازہ ہوا آئے اور یہ دھواں باہر نکلے۔"

شارق نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ تازہ ہوا کا جھونکا اندر آیا اور کچھ دیر بعد کمرے کی فضا کسی حد تک صاف ہو گئی مگر نولکھا وقفے وقفے سے کھانستا رہا۔

○

صبح ناشتے کے بعد شارق اور نولکھا ٹہلتے ہوئے بستی سے کچھ دور آ کر شہتوت کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ثمینہ بھی پہنچ گئی۔ اس وقت اس نے قبائلی لباس پہن رکھا تھا اور یہ لباس اسے زینب نے دیا تھا۔

"کیا پروگرام ہے بھئی۔ زندگی بھر یہیں پڑے رہنا ہے کیا؟" ثمینہ نے ان کے سامنے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آج شام کو میں گل رحمٰن سے بات کروں گا کہ اگر حالات موافق نہیں ہیں تو یہ مشن ملتوی کر دیا جائے اور ہماری واپسی کا بندوبست کر دیا جائے۔ کچھ عرصے بعد جب حالات موافق ہوں تو اس مشن پر عمل کیا جائے۔" شارق نے جواب دیا۔

"ہاں۔ یہ بات کرنی ہی پڑے گی۔" ثمینہ بولی۔ "یہاں بیکار بیٹھے بیٹھے تو اب اکتاہٹ سی ہونے لگی ہے۔"

"میں تو زندگی ہی سے بیزار ہو گیا ہوں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔

"اور اس بستی کے بارے میں جانتے ہو یہ کیا ہے؟" ثمینہ بولی۔

"ایک چھوٹی سی بستی ہے اور یہاں کیا ہو سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"یہ چھوٹی سی بستی دراصل دونوں ملکوں کی سرحد پر ملک فرید کی غیر قانونی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "اس بستی کے کچے مکانوں کے نیچے بہت وسیع و عریض تہہ خانے ہیں جہاں افغانستان سے آنے والا مال' ہیروئن اور اسلحہ اسٹور کیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ مال تھوڑا تھوڑا کر کے آگے پہنچا دیا جاتا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"محراب خان کی بیٹی زینب نے بتایا تھا۔" ثمینہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ملک فرید خان سرحد کے دونوں طرف آباد قبائل کا سردار ہے۔ وہ ان علاقوں کا بے تاج بادشاہ ہے۔ روسیوں کے خلاف جنگ میں اس نے افغان مجاہدین کی مدد کی تھی اور اب اس کا معاوضہ وصول کر رہا ہے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی اور چند لمحوں بعد اسے ملک فرید خان کے بارے میں بتانے لگی۔

"ثمینہ بی بی! بات یہ ہے کہ جب تک آدمی کے اوپر تک تعلقات نہ ہوں اس قسم کے غیر قانونی کاموں میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہاں ملک فرید ہے تو لاہور میں حاجی عبداللہ ہے۔ حاجی عبداللہ کو تو تم نے دیکھ لیا ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے تعلقات ہیں۔ ہم اپنے آپ کو بہت بڑے فنکار سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم تو چھوٹی مچھلیاں ہیں۔ بہت چھوٹی۔ ہم تو شطرنج کے مہرے ہیں۔ جو دوسروں کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اگر ہم پولیس کے ایک معمولی سے انسپکٹر کو رشوت دے کر اپنے قابو میں کر لیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت تیر مارا ہے۔ لیکن پھر بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ پولیس انسپکٹر ہمارے قابو میں ہے۔ اوپر سے آنے پڑنے پر وہی پولیس انسپکٹر ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال سکتا ہے۔ حاجی عبداللہ کو دیکھ لو..... اور یہ ملک فرید خان ہے جس کے بارے میں نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔ یہ بظاہر منشیات کے اسمگلر ہیں لیکن اپنے اندر حکومت کا تختہ الٹ دینے کی قوت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ اپنی حکومت کا دس سال تک کا بجٹ چلا سکتے ہیں۔ کولمبیا والوں کی بات تو تم نے اخباروں میں پڑھی ہو گی۔ وہاں کے منشیات کے اسمگلر تو اپنے خلاف فیصلہ دینے والے ججوں

aazzamm@yahoo.com

کو بھی عدالتوں میں گولی سے اڑا دیتے ہیں۔ کولمبیا کی حکومت مقروض ہے۔ اس کا کاروبار بھی قرضوں پر چل رہا ہے۔ اور ایک تجزیہ یہ ہے کہ وہ آئندہ پچاس برس تک بھی قرضے نہیں اتار سکتے بلکہ ان قرضوں میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اس ملک کے منشیات کے اسمگلروں کے پاس بڑی دولت ہے۔ انہوں نے تو اپنی حکومت کو یہ پیشکش بھی کی ہے کہ اگر وہ انہیں منشیات کا آزادانہ کاروبار کرنے کی اجازت دے دے تو وہ نہ صرف چند روز میں حکومت کے تمام قرضے چکا دیں گے بلکہ حکومت کو آئندہ دس سال کے بجٹ کی پریشانیوں سے بھی نجات دلا دیں گے۔"

"تو لکھا بھائی۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "میرا خیال ہے کہ کھلی فضا اور تازہ ہوا تمہارے لئے مفید ثابت ہو رہی ہے۔ تمہارا دماغ روشن ہو رہا ہے اور تم ایسی باتیں کرنے لگے ہو جو عام آدمی نہیں کر سکتا۔"

"یہ باتیں عام آدمیوں کے کرنے کی بھی نہیں ہیں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔

نولکھا کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن بات کرتے کرتے رک گیا۔ اس کی نظریں اس پہاڑی راستے پر مرکوز تھیں جو خانہ بدوشوں کی بستی کی طرف سے آتا تھا۔ ثمینہ اور شارق بھی اس طرف دیکھنے لگے۔

وہ تین عورتیں تھیں جو ایک گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیدل آ رہی تھیں۔ گھوڑے پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ایک عورت نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور دو اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

شارق وغیرہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب وہ قدرے قریب پہنچے تو شارق نے اس عورت کو پہچان لیا جس نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ یہ خانہ بدوش قبیلے کی وہی عورت تھی جس نے کل قبیلے کی بستی کے سامنے گل رحمٰن سے بات کی تھی۔

گھوڑے پر بیٹھے ہوئے آدمی نے اپنا سر جھکا رکھا تھا۔ لیکن جب وہ مزید قریب پہنچے تو ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ.... یہ تو وہی ہے۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"وہی کون؟" شارق بولا۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"باسم گل کا ساتھی۔ جس نے کل مجھے اور زینب کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔" ثمینہ نے بتایا۔

اس دوران بستی والوں کو بھی پتہ چل گیا تھا۔ محراب خان اور دوسرے لوگ گھروں سے نکل

آئے۔ ان کے پیچھے گل رحمٰن بھی تھا۔ وہ خانہ بدوش عورتیں ان کے سامنے پہنچ کر رک گئیں۔ شارق وغیرہ بھی وہاں آ گئے تھے۔ گل رحمٰن دوسرے لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا آگے آ گیا۔ خانہ بدوش عورت نے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے شخص کو کھینچ کر گھوڑے سے گرا دیا۔ اس شخص کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ وہ نیچے گرتے ہوئے اپنا بچاؤ نہیں کر سکا تھا۔ اسے گرنے سے اچھی خاصی چوٹ لگی تھی اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"خان گل رحمٰن۔" وہی خانہ بدوش عورت گل رحمٰن کے سامنے آتے ہوئے بولی۔ "ہم تمہارے مجرم کو لے آئے ہیں۔ اسے ہم نے قبیلے سے خارج کر دیا ہے۔ اب اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس نے جو حرکت کی تھی اس سے ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ اس سے تم جو بھی سلوک کرو گے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ لیکن خدارا.... ہمیں اس علاقے سے بے دخل مت کرو۔ ہم ملک فرید خان کے وفادار ہیں اور تم جانتے ہو کہ ہم نے ہمیشہ اس کے مفاد کو پیش نظر رکھا ہے۔"

"تم نے میری زبان بند کر دی ہے زرمینہ بی بی۔" گل رحمٰن نے اس عورت کے خاموش ہونے پر کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ملک فرید خان کے وفادار ہو اور کبھی اس کے مفاد کے خلاف کام نہیں کیا۔ اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا اور اس جرم کی سزا اسے ضرور ملے گی۔ تم لوگ چونکہ بے قصور ہو اور اسے میرے سامنے پیش کر کے تم لوگوں نے بڑے خان سے اپنی وفاداری کا ثبوت دے دیا ہے۔ اس لئے میں اپنا کل والا فیصلہ واپس لیتا ہوں۔" اس نے خاموش ہو کر دو آدمیوں کو اشارہ کیا کہ قیدی کو وہاں سے لے جائیں۔ پھر محراب خان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "محراب خان! مہمانوں کو گھر میں لے جاؤ اور ان کی خاطر تواضع کا بندوبست کرو۔"

محراب خان ان تینوں خانہ بدوش عورتوں کو اپنے گھر لے گیا۔ ثمینہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ چونکہ قبائلی لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس لئے زرمینہ وغیرہ اسے بھی قبائلی ہی سمجھ رہی تھیں۔

"وہ لڑکیاں کہاں ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔" زرمینہ نے زینب کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

زینب کی ماں نے ثمینہ اور زینب کی طرف اشارہ کر دیا۔ زرمینہ نے باری باری ان دونوں کو گلے لگا کر پیار کیا۔ پھر اپنی ایک ساتھی سے ایک پوٹلی لے کر کھولی۔ اس میں دو خوبصورت کڑھائی والی شالیں تھیں۔ ایک شال اس نے ثمینہ کی سر پر ڈال دی اور دوسری زینب کے سر پر اور ان دونوں کو ایک بار پھر گلے سے لگا کر پیار کیا۔ دوسری دونوں عورتوں نے بھی ثمینہ اور زینب کو گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ خانہ بدوش عورتیں تقریباً دو گھنٹے وہیں رہیں۔ اور جب وہ واپس جانے لگیں تو گل رحمٰن نے ان کے گھوڑے پر آٹے کی تین بوریاں لدوا دی تھیں۔ آٹے کے علاوہ انہیں اور بھی کچھ چیزیں دی گئی تھیں۔ خانہ بدوشوں کے لئے آٹا ہی سب سے بڑی نعمت تھی۔

اور پھر اس رات کھانے کی تھوڑی دیر بعد شارق اور نولکھا' گل رحمٰن کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ملک فرید خان کی طرف سے ابھی تک کوئی پیغام نہیں ملا تھا اس لئے شارق نے گل رحمٰن سے واپسی کے لئے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گل رحمٰن نے بڑے سکون سے ان کی بات سنی پھر بولا۔

"میں تمہاری تمام باتوں سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن سرحد پار کی صورت حال ہماری نظروں میں نہیں ہے۔ ہمیں کم از کم آج رات انتظار کر لینا چاہئے۔ اگر ملک فرید خان کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملا تو کل صبح میں خود ٹرانسمیٹر پر اس سے بات کروں گا۔ اور مشن کو ملتوی کر دینے والی تمہاری تجویز اس کے سامنے پیش کر دوں گا۔"

"اگر صورت حال موافق نہ ہو تو کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے بجائے مشن ملتوی کر دینا ہی مناسب ہو گا۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"سرحد پار کی سیاسی صورت حال خاصی دگرگوں ہے۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ "اور تم نہیں جانتے ہمارا یہ کاروبار وہاں کی سیاسی صورت حال سے مشروط ہے۔ وہاں کئی سیاسی پارٹیاں ہیں جو برسرا قتدار آنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گے۔ بہرحال' ہمیں آج کی رات انتظار کر لینا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آج کی رات انتظار کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی بات بنتی ہوئی نظر نہ آئے تو ہماری واپسی کا بندوبست کر دینا۔" شارق نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ان کی یہ محفل برخاست ہو گئی۔

اس وقت رات کے تقریباً دس بجے تھے۔ نولکھا کمرے میں اپنے بستر پر بیٹھا کھانس رہا تھا کہ آنگن میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس کے دو سیکنڈ بعد ہی محراب خان اندر داخل ہوا۔

"تم کو خان بلاتا ہے۔" اس نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شارق کمرے سے نکل کر محراب خان کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا جہاں گل رحمٰن بیٹھا ہوا تھا۔ دو آدمی اور بھی تھے۔ گل رحمٰن کے سامنے ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ شارق جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا گل رحمٰن اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"بیکاری ختم ہو گئی۔ اب ایکشن کا وقت آ گیا ہے شارق بھائی!" گل رحمٰن بولا۔

"گڈ۔" شارق بھی مسکرا دیا۔ "ہمیں کس وقت روانہ ہونا ہے؟"

"ایک گھنٹے بعد۔" گل رحمٰن نے جواب دیا۔ "ٹھیک گیارہ بجے ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ تم لوگ اپنی تیاری کر لو۔"

"ہم تو تیار ہی بیٹھے ہیں۔ کپڑے جو بکھرے ہوئے ہیں انہیں بیگز میں سمیٹنا ہے اور چل پڑنا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" تم لوگ تیاری کرو۔ اس دوران میرے آدمی بھی تیار ہو جائیں گے۔" گل رحمٰن نے کہا۔

شارق اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے نولکھا کو بتایا تو وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ کو بھی اطلاع بھجوا دی گئی۔

اور پھر ٹھیک گیارہ بجے وہ لوگ بستی سے رخصت ہو رہے تھے۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ تین تو شارق وغیرہ تھے۔ اور گل رحمٰن کے ساتھ دو آدمی تھے۔ بازت خان اور نجیب اللہ۔

شارق' ثمینہ اور نولکھا خچروں پر سوار تھے جبکہ گل رحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے پاس گھوڑے تھے۔ گل رحمٰن نے شارق کو بتایا تھا کہ سرحد پار کرنے سے پہلے انہیں بھی گھوڑے مل جائیں گے۔

یہ قافلہ بستی سے نکل کر بلند پہاڑوں کی طرف چلتا رہا۔ ان کے بائیں طرف تقریباً چھ میل کے فاصلے پر علی مینگل قصبہ تھا اور سرحد وہاں سے چند میل آگے تھی۔

چھ سات میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب رک گئے درختوں کے اس جھنڈ کے دوسری طرف شاید کوئی مکان تھا جہاں سے مدہم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ گل رحمٰن نے پشتو زبان میں بازت خان سے کچھ کہا اور بازت خان گھوڑے سے اتر کر پیدل ہی درختوں کے جھنڈ میں سے ہوتا ہوا مکان کی طرف چلنے لگا۔

بازت خان کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے جنہوں نے تین گھوڑوں کی لگامیں تھام رکھی تھیں۔ انہوں نے قریب پہنچ کر گل رحمٰن کو سلام کیا۔

"اب تک کی کیا رپورٹ ہے ضیغم۔" گل رحمٰن نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے خان۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "سمندر خان پوائنٹ پر موجود ہے۔ تازہ ترین صورت حال وہی بتا سکتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ لوگ زیادہ دیر نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم لوگ روانہ ہو رہے ہیں۔" گل رحمٰن نے کہا۔

وہ تینوں گھوڑے شارق' ثمینہ اور نولکھا کو دے دیئے گئے۔ اور اس کے تقریباً دس منٹ بعد

aazzamm@yahoo.com

وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک تنگ سی دراڑ میں داخل ہو گئے۔ یہ دراڑ آگے جا کر ایک سرنگ میں بدل گئی تھی۔ گل رحمٰن سب سے آگے تھا اور اس کے پیچھے شارق۔ گل رحمٰن نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔ ٹارچیں حالانکہ دوسروں کے پاس بھی تھیں مگر کسی اور نے ٹارچ نہیں جلائی تھی۔ سرنگ میں ایک ٹارچ کی روشنی ان سب کو راستہ دکھانے کے لئے کافی تھی۔ اور یوں بھی شاید گھوڑے اس راستے سے اچھی طرح واقف تھے۔

"طور خان کے بارے میں مجھے بھی شبہ تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے گا۔" گل رحمٰن نے پیچھے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس لئے میں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ اس راستے کے بارے میں طور خان کے فرشتوں کو بھی کچھ معلوم نہیں ہے۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے تاریک سرنگ میں چلتے رہے۔ اس سرنگ میں دو تین موڑ آئے تھے۔ اور بالآخر تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ سرنگ سے نکل کر کھلی فضا میں آ گئے۔

سرنگ سے باہر آتے ہی ثمینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی سانس رک جائے گی۔ سرنگ کا دہانہ تقریباً دو ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ اس کے سامنے تقریباً پندرہ فٹ چوڑی پٹی تھی جو چٹان کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ آگے گہرا کھڈ تھا۔ اگر گھوڑا بدک کر اس کھڈ میں جا گرے تو گھوڑے اور اس کے اتنے ٹکڑے ہو جائیں گے کہ انہیں سمیٹنا بھی ممکن نہیں ہو گا۔

ثمینہ نے اپنا گھوڑا چٹان کی طرف کر لیا۔ اس مرتبہ بازت کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ کچھ دور تک، تو راستہ چٹان کے گرد گھومتا رہا پھر وہ ایک کشادہ جگہ پر پہنچ کر رک گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی کسی چٹان کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ وہ سمندر خان تھا۔

"سمندر خان! کیا صورت حال ہے؟" گل رحمٰن نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے خان! تم لوگ نکل جاؤ۔" سمندر خان نے جواب دیا۔

اسی وقت چاند نکل آیا اور فضا میں پھیکی سی چاندنی پھیل گئی۔ سمندر خان واپس چلا گیا تھا۔ گل رحمٰن کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ وہ مسلسل ڈھلان سے اتر رہے تھے اور بالآخر ایک جگہ رک گئے۔ وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے تھے۔ ان کے سامنے وسیع و عریض وادی پھیلی ہوئی تھی۔ تقریباً سو گز آگے وہ چھوٹی سی چٹان دیکھ رہے ہو؟ گل رحمٰن نے شارق کو مخاطب کرتے ہوئے سامنے اشارہ کیا۔ "وہ سرحد ہے۔ اس چٹان کے دوسری طرف افغان علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس چٹان سے دوسری طرف ہمیں بڑی تیز رفتاری سے

گھوڑے دوڑانے ہوں گے تاکہ ہم کم سے کم وقت میں سرحد سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جائیں۔"

وہ لوگ چند منٹ وہاں کھڑے رہے پھر گل رحمٰن نے اشارہ کیا اور ان سب لوگوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔

گھوڑے تیزی سے دوڑتے ہوئے سرحدی چٹان سے آگے نکل گئے۔ ٹاپوں کی آواز سے فضا گونجنے لگی تھی۔ ثمینہ کا گھوڑا بازت خان کے گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اب تک اس گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ لیکن پھر اچانک ہی گھوڑا بدک گیا۔ گھوڑے کے بدکنے کی وجہ بھی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

بھیڑیوں کے ایک غول نے اچانک ہی ان پر حملہ کر دیا تھا۔ گل رحمٰن نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس علاقے میں خونخوار بھیڑیوں کے غول کے غول پھرتے رہتے ہیں جو اگر تعاقب میں لگ جائیں تو دور تک پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اور وہی ہوا تھا جس کا اندیشہ تھا۔

بھیڑیوں کے اس اچانک حملے سے سب ہی گھوڑے بدک گئے تھے۔ ثمینہ کا گھوڑا تو بدک کر راستے سے بھی ہٹ گیا تھا۔ پانچ چھ بھیڑیئے غراتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ثمینہ بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ وہ گھوڑے پر تقریباً لیٹ گئی تھی۔ خوفزدہ گھوڑا طوفانی رفتار سے دوڑ رہا تھا اور ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ گر گئی تو گھوڑے کے پیروں تلے کچلی جائے گی۔ اور اگر کچلی جانے سے بچ گئی تو خونخوار بھیڑیئے اس کا تیا پانچا کر ڈالیں گے۔

بھیڑیوں کی غراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ گردن گھما کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ ایک بھیڑیا بہت قریب تھا اور وہ بار بار گھوڑے کی ٹانگ پر دانت گاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ثمینہ بار بار اپنے پیر گھوڑے کے پیٹ پر مارنے لگی۔ گھوڑا خود بھی خوفزدہ تھا۔ اسے اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ وہ جان توڑ کر دوڑ رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد بھیڑیوں نے پیچھا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کئی منٹ تک ثمینہ گھوڑے کو دوڑاتی رہی اور بالآخر اس نے گھوڑا روک لیا اور سیدھی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے چاروں طرف سناٹا اور ویرانہ تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر کس طرف اور کتنی دور نکل آئی تھی۔ اس کا دل کانپ رہا تھا۔ اس ویرانے میں خونخوار بھیڑیئے دوبارہ بھی اس پر حملہ کر سکتے تھے۔

اس نے گھوڑے کا رخ دائیں طرف کر دیا۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ نولکھا کی تو بہت بری حالت

aazzamm@yahoo.com

تھی۔ وہ چیخ چیخ کر اس وقت کو گالیاں بک رہا تھا جب اس نے اس مشن پر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ پہاڑی سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔ گل رحمٰن ایک جگہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور پھر ایک طرف رخ کر کے کسی کا نام لے کر پکارنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دو گھوڑ سوار ایک چٹان کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گئے۔ ان دونوں کے چہرے پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔

"خوش آمدید گل رحمٰن۔" ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ "تم سب لوگ ہمارے پیچھے آ جاؤ۔"

وہ پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ ان پہاڑوں میں انہیں ایک مختصر چوڑائی والا دریا بھی پار کرنا پڑا تھا۔ دریا کے دوسری طرف ایک چٹان پر قلعہ نما مکان بنا ہوا تھا۔ اس کے چاروں طرف درخت تھے۔

اس وقت دن کا بہت ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ وہ لوگ اس قلعہ نما مکان میں داخل ہو گئے۔ لیکن وہ ابھی گھوڑوں پر سوار ہی تھی کہ ایک آدمی کسی طرف سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر سب ہی چونک گئے۔

وہ طور خان تھا۔

گل رحمٰن کا ہاتھ اپنی رائفل پر پہنچ گیا۔ لیکن اس نے رائفل ابھی کندھے سے بھی نہیں اتاری تھی کہ طور خان کی آواز سنائی دی۔

"خان گل رحمٰن! رائفل کندھے سے اتارنے سے پہلے اپنے چاروں طرف دیکھ لو۔"

گل رحمٰن نے تو شاید بعد میں دیکھا ہو گا لیکن ثمینہ کی گردن فوراً ہی گھوم گئی تھی' اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ان کے چاروں طرف دس بارہ آدمی رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ وہ لوگ چوہے دان میں پھنس گئے تھے اور چاروں طرف سے رائفلوں کی زد میں تھے۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

ثمینہ کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اسے اپنی گردن پر سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ وہ صبح صادق کا وقت تھا۔ موسم میں اگرچہ خنکی تھی لیکن ثمینہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یکایک کسی سرد خانے میں آن کھڑی ہوئی ہو۔ یخ بستگی کی لہریں اس کی ہڈیوں کے گودے تک میں اتری جا رہی تھیں۔ اس نے گردن گھما کر شارق اور پھر نولکھا کی طرف دیکھا' نولکھا کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ لڑائی بھڑائی کا آدمی تھا لیکن یہاں کی صورتحال مختلف تھی۔ وہ چاروں طرف سے رائفلوں کی زد میں تھے۔ اور ان میں سے کسی کی معمولی سی حرکت اس کا جسم چھلنی کر سکتی تھی۔ ثمینہ نے ایک بار پھر گل رحمان کی طرف دیکھا' اس کا ہاتھ ابھی تک رائفل پر تھا لیکن چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات تھے۔

"گل رحمان!" طور خان کی آواز خاموش فضا میں گونجتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ "رائفل پھینک دو اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہو کہ اپنی اپنی رائفلیں نیچے پھینک دیں۔ اگر کسی نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

گل رحمان نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا' وہ طور خان سے اچھی طرح واقف تھا' اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ اس کے ایک اشارے پر چاروں طرف سے رائفلوں کے دہانے کھل سکتے تھے۔ گل رحمان کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے رائفل کندھے سے اتار کر نیچے پھینک دی اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔

"سب لوگ رائفلیں پھینک دیں۔"

نجیب اللہ اور بازت خان کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ شاید اس طرح آسانی سے ہتھیار نہیں پھینکنا چاہتے تھے لیکن انہیں گل رحمان کے حکم کی تعمیل تو کرنی ہی پڑی تھی۔ ان دونوں نے اپنی رائفلیں نیچے پھینک دیں۔ شارق وغیرہ نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔

"تم لوگ گھوڑوں سے اتر کر دس قدم دور گھاس پر کھڑے ہو جاؤ اور یہ خیال رہے کہ تم میں ہر ایک کے درمیان دو فٹ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو۔" طور خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ سب لوگ گھوڑوں سے اتر کر دس قدم دور گھاس پر کھڑے ہو گئے۔ اس میں شبہ نہیں

aazzamm@yahoo.com

کہ اس صورت حال نے سب ہی کو پریشان کر دیا تھا لیکن ثمینہ کی کیفیت سب سے مختلف تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ جب وہ لوگ پارا چنار میں تھے تو اسی وقت طور خان نے اس کے کمرے میں تاک جھانک شروع کی تھی۔ اس کی نیت میں شروع ہی سے فتور تھا۔ وہ اس وقت بھی موقع کی تلاش میں تھا لیکن اسے ثمینہ پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں ملا تھا اور پھر علی مینگل کے قریب سرحدی گاؤں میں محراب خان کی بیٹی اور اسے اٹھانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ان دونوں کی ہمت اور دلیری کے باعث طور خان اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اور گل رحمٰن کی سزا کے خوف سے گاؤں سے بھاگ گیا تھا۔

گل رحمان کو یہ اندازہ تو تھا کہ طور خان خاموش نہیں بیٹھے گا لیکن اسے شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلد سامنے آ جائے گا۔ اس نئی صورت حال نے ثمینہ کو بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہوا تھا۔ اور اب طور خان انتقام لینے کے لئے نہ صرف اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنائے گا بلکہ دوسرے طریقوں سے بھی اذیت پہنچانے کی کوشش کرے گا اور اس کے ساتھی شاید اس کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔

اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ طور خان اور اس کے آدمی رائفلیں سنبھالے اپنی اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل کر سامنے آ گئے۔ انہوں نے ان سب کو رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ طور خان آگے بڑھ آیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ گل رحمان سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"گل رحمان!" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میری اور تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم پرانے دوست ہیں اور دوست رہنا چاہتے ہیں' سارا جھگڑا اس لڑکی کا ہے۔ یہ مجھے پسند آ گئی تھی۔ میں نے اسے حاصل کرنا چاہا تو تم میرے خلاف ہو گئے۔ اب یہ لڑکی میرے قبضے میں آ گئی ہے۔ اس وقت تم میرے راستے کی رکاوٹ تو نہیں بن سکو گے لیکن میری خواہش ہے کہ تم سے میری دوستی برقرار رہے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ ان کی حمایت کرنے کی بجائے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔ یہ لوگ اجنبی ہیں۔ واپس چلے جائیں گے۔ ہم ان کی وجہ سے آپس میں دشمنی کیوں پیدا کریں۔"

"تم شاید بھول گئے ہو کہ ہم پٹھان ہیں اور پٹھانوں کی اپنی روایات ہوتی ہیں۔" گل رحمان نے جواب دیا۔ "مہمان خدا کی رحمت ہوتا ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم مہمان کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ لیکن شاید تمہاری غیرت مر چکی ہے۔ تمہارا ایمان ختم ہو چکا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو اس مہمان لڑکی کی طرف بری نگاہ سے نہ دیکھتے۔ میری ایک بات یاد

رکھو طور خان!" گل رحمان ایک لمحہ کو خاموش ہوا اور پھر خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایک بات یاد رکھو طور خان! یہ لڑکی ہماری مہمان ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ تم ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہی اس تک پہنچ سکو گے۔"

"میں جانتا ہوں تم بہت بہادر ہو گل رحمان۔" طور خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت تم بے بس ہو چکے ہو۔ میرے آدمی تمہارا لحاظ بالکل نہیں کریں گے۔ بہادری دکھانے کی کوشش کرو گے تو مفت میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ البتہ میں تمہیں ایک پیشکش کر رہا ہوں۔ میں تمہیں دوپہر بارہ بجے تک کا وقت دے رہا ہوں۔ اگر تم میرے حق میں فیصلہ کر لو تو ہماری دوستی برقرار رہے گی اور میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت تک اس ظالم کی بچی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" گل رحمان نے جواب دیا۔ "تم اس مہمان لڑکی سے معافی مانگ لو تو میں اب بھی تمہیں اپنا دوست سمجھوں گا بصورت دیگر....."

"میں تمہیں دوپہر بارہ بجے تک کی مہلت دے چکا ہوں۔" طور خان نے اس کی بات کاٹ دی اور اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان لوگوں کو عزت کے ساتھ ایک کمرے میں بند کر دو۔"

طور خان کے آدمی رائفلیں تانے ہوئے آگے بڑھے اور گل رحمان اور شارق وغیرہ کو دھکیلتے ہوئے مکان کی طرف لے جانے لگے۔ ثمینہ نے ان کے ساتھ جانا چاہا تو طور خان نے رائفل آگے کر کے اس کا راستہ روک لیا۔

"تم نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم ان کے ساتھ نہیں' الگ کمرے میں رہو گی۔"

ثمینہ جزبز سی ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ مگر طور خان کے آدمی انہیں دھکیلتے ہوئے آگے لے جا چکے تھے۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ طور خان نے اگرچہ گل رحمان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوپہر بارہ بجے تک ثمینہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا لیکن اس شخص کی زبان پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ انتہائی نچلے درجے کا اور گھٹیا انسان ثابت ہوا تھا۔

ثمینہ اپنی جگہ پر کھڑی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ قلعہ نما یہ مکان بہت بڑا تھا۔ اس کی دیواریں بھی قلعے کی فصیل کی طرح اونچی اور مضبوط تھیں۔ سامنے والے رخ پر گیٹ کے دائیں بائیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر دو برجیاں نظر آ رہی تھیں۔ ظاہر ہے یہ برجیاں محافظوں کے لئے

aazzamm@yahoo.com

بنائی گئی تھیں۔ اور یقیناً اس مکان کے پچھلی طرف کی فصیل پر بھی ایسی ہی برجیاں ہوں گی۔

مکان کا صحن بہت وسیع و عریض تھا۔ دائیں طرف آخر میں فصیل کے قریب چھوٹے چھوٹے کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ اصطبل تھے۔ ایک دو کمروں میں گھوڑے بھی نظر آ رہے تھے۔

اس وقت سورج نکل رہا تھا اور سنہری دھوپ چمکنے لگی تھی۔ اس قلعہ نما مکان کے پچھلی طرف عمودی چٹان تھی۔ ثمینہ کے خیال میں یہ قلعہ ہر لحاظ سے محفوظ تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا اس قلعے میں اس کی حفاظت ہو سکے گی؟

"چلو..... یہاں کیوں کھڑی ہو۔" طور خان کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اس کے ساتھی مکان کے اندر داخل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ طور خان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ثمینہ نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔ میں خود چل رہی ہوں۔" وہ ہولے سے غرائی۔ طور خان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"میں نے گل رحمان کو بارہ بجے تک کا وقت دیا ہے لیکن مجھے اپنے آپ پر یقین نہیں کہ بارہ بجے تک صبر کر سکوں گا یا نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

ثمینہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ وہ مکان میں داخل ہو گئے اور پھر کئی راہداریوں سے گزرنے کے بعد ایک کمرے میں آ گئے۔ خاصا وسیع و عریض کمرہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ ریشمی غلاف والے گاؤ تکیے بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی مشرق کے رخ پر تھی جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ دھوپ اس کھڑکی کے راستے کمرے کے وسط تک پہنچ رہی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ جیسے جیسے سورج بلند ہوتا جائے گا کمرے سے دھوپ ختم ہوتی جائے گی۔

"تم ادھر آرام کرو۔ میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو بھیجتا ہوں۔" طور خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر کھڑی کمرے میں چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پتھر کی دیواریں اور چھت خاصی اونچی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اپنے شہر سے نکلتے ہی اسے دور ایک اجنبی دیس میں اس طرح قیدی بن کر کسی قلعے میں رہنا پڑے گا۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے شارق کے ساتھ اس مہم پر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دفعتاً ثمینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے اپنی دائیں ٹانگ کی پتلون کا پائنچہ اٹھا دیا۔ پنڈلی پر چرمی فیتے سے ایک خنجر بندھا ہوا تھا۔ یہ خنجر بستی سے روانہ ہونے سے پہلے محراب خان کی بیٹی نے اسے دیا تھا۔ اور اب اس خنجر سے کام لینے کا وقت آ گیا تھا۔ یہ فیصلہ تو اس نے پہلے ہی کر لیا تھا کہ وہ اپنی جان دے دے گی لیکن طور خان کو اپنے قریب نہیں آنے دے گی۔ اس نے خنجر کو ہولے سے تھپتھپایا اور پائنچہ نیچے کر دیا اور کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے گھاس بے ترتیب تھی اور کئی جگہوں سے سوکھی ہوئی تھی۔ لان کے دوسری طرف طور خان کا ایک آدمی کندھے پر رائفل اٹھائے ٹہل رہا تھا۔

ثمینہ کو اس کمرے میں بند ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہوا تھا کہ دروازہ کھلا اور طور خان اندر داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایلومینیم کی چھوٹی کیتلی تھی جو دھوئیں سے کالی ہو رہی تھی۔ ایک مگا تھا جس کا کنڈا ٹوٹا ہوا تھا اور ایک پلیٹ میں تلا ہوا خشک گوشت تھا اور ایک تلا ہوا نان تھا۔

طور خان نے وہ چیزیں قالین پر رکھ دیں اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ثمینہ کو اس کی نظریں اپنے جسم پر چبھتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔

"تم یہ ناشتہ کر لو اور پھر آرام کرو۔ بارہ بجے کے بعد تم سے بات کرے گا۔" طور خان نے کہا اور کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

ثمینہ کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر قالین پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ تلے ہوئے گوشت میں ہلکی سی باس تھی لیکن ذائقہ برا نہیں تھا۔ کیتلی میں قہوہ بھی خوش ذائقہ تھا جس میں الائچی کی خوشبو تھی۔ اس نے ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ کچھ سوچنے سمجھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ جسم میں طاقت ہو اور طاقت کھائے پئے بغیر نہیں آ سکتی تھی۔

ناشتہ کے کچھ ہی دیر بعد اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ پہلے تو اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شاید کھانے میں کچھ ملا دیا گیا تھا۔ لیکن اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ رات بھر جاگی تھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کیا تھا۔ تھکن اور نیند کا غلبہ فطری بات تھی۔

ثمینہ نے اٹھ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے اوپر والے حصے میں زنجیر نما کنڈا موجود تھا لیکن وہ کسی بھی طرح سے قابل اعتماد نہیں تھا۔ اس نے دل کی تسلی کے لئے کنڈا لگا دیا اور ایک بار پھر کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ جاگتے رہنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن نیند کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور بالآخر وہ قالین پر لیٹ گئی اور کچھ ہی دیر بعد نیند کی آغوش میں پہنچ

aazzamm@yahoo.com

چکی تھی۔

وہ گہری نیند میں تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ کچھ بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ یہ شاید اس کا لاشعور تھا جو نیند میں بھی اسے بے چین کئے ہوئے تھا اور پھر دفعتاً اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے جسم کو ٹٹول رہا ہو۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ طور خان اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر طور خان کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

ثمینہ نے طور خان کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹا دیا اور خود بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ طور خان بھی اٹھ گیا۔ اس کے بھدے ہونٹوں پر بدستور مکروہ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ثمینہ کے دماغ میں اب بھی سنسناہٹ ہو رہی تھی اور وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی کمرے کا دروازہ تین چار انچ کے قریب کھلا ہوا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ناشتہ کرنے کی بعد اس نے دروازے کو اندر سے زنجیر والا کنڈا لگا دیا تھا۔ لیکن باہر سے یہ کنڈا کس طرح کھول لیا گیا تھا.... پھر اسے یاد آ گیا کہ زنجیر کی وجہ سے دروازے کے پٹ ذرا ڈھیلے رہ جاتے تھے باہر سے دھکیلنے سے ان میں ذرا سا خلا پیدا ہو جاتا تھا اور طور خان جیسے شخص کے لئے دروازہ کھولنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

طور خان بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ثمینہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ باہر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دوپہر ہو چکی ہے اور طور خان اور گل رحمان کے مذاکرات کامیاب نہیں ہو سکے اور طور خان موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کے کمرے میں آ گیا ہے۔

"میرے قریب مت آنا۔" ثمینہ بدستور پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "اگر تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو...."

"کچھ بھی نہیں ہو گا۔" طور خان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے تو ہم کو پاگل کر دیا ہے۔ ہم نے گل رحمان کو بارہ بجے تک کا مہلت دیا تھا۔ ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ مگر ہم صبر نہیں کر سکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ گل رحمان ہمارا بات نہیں مانے گا۔ اس لئے ہم انتظار نہیں کرے گا۔ تم انکار مت کرو، ہم تم کو بہت کچھ دے گا۔"

"بند کرو بکواس۔" ثمینہ چیخی۔ اس کا خیال درست نکلا تھا۔ طور خان واقعی قابل اعتماد آدمی نہیں تھا۔ وہ اپنی دی ہوئی مہلت پوری ہونے سے پہلے ہی وعدہ خلافی کر رہا تھا۔

ثمینہ پیچھے ہٹتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ طور خان اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گیا اور دونوں ہاتھ اس کی طرف پھیلاتے ہوئے بولا۔

"ضد مت کرو..... ہم تم کو زبردستی بھی پکڑ لے گا۔ ضد کیوں کرتا ہے۔"

ثمینہ کچھ کہنے کے بجائے دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف سرکنے لگی۔ طور خان نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ تیزی سے ایک طرف ہٹی اور چھلانگ لگا کر کھڑکی کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے ایک لمحہ کو باہر دیکھا۔ تیز چمکتی ہوئی دھوپ میں کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ کوئی اس کی مدد کو نہیں آئے گا۔

"شور مچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، آرام سے میرے پاس آ جاؤ۔" طور خان بولا اور پھر اس نے اچانک ہی ثمینہ پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ جھکائی دے کر نکل گئی لیکن طور خان نے اپنا پیر آگے کر دیا۔ ثمینہ کی ٹانگ اس کے پیر میں الجھی اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

طور خان نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ ثمینہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بری طرح مچلنے لگی۔ وہ چیخ بھی رہی تھی لیکن طور خان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ شور مچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ثمینہ ایک مرتبہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر دیوار سے جا لگی۔ طور خان اس کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ہوس کی چمک نمایاں تھی۔ ثمینہ نے جھکائی دے کر نکلنا چاہا مگر طور خان کے قابو میں آ گئی۔ ثمینہ بے بسی سے پھڑپھڑانے لگی۔ دائیں ٹانگ کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی اور بالآخر اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے پائنچہ اوپر سمیٹ کر پنڈلی کے ساتھ بندھا ہوا خنجر کھینچ لیا۔ دستے پر مضبوطی سے ہاتھ جمانے کے بعد اس نے بڑی پھرتی سے ہاتھ سامنے لا کر طور خان پر وار کر دیا۔

عین آخری لمحہ طور خان کو خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے پیچھے ہٹا۔ خنجر اس کے کندھے پر لگا۔ اس کے منہ سے کراہ سی نکلی اور پھر وہ پشتو میں ماں بہن کی گالیاں بکنے لگا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ثمینہ نے اسے پیچھے دھکیل دیا اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر طور خان کی رائفل کی طرف چھلانگ لگا دی۔ طور خان نے اس کا مقصد سمجھتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ رائفل ثمینہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے خنجر کمرے کے ایک کونے میں اچھال دیا اور رائفل کو دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا۔

رائفل کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔ طور خان گالیاں بکتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ثمینہ نے رائفل کا رخ نیچے کر کے ٹرائیگر دبا دیا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور گولی طور خان کے پیروں کے قریب

aazzamm@yahoo.com

قالین پر لگی۔ وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی گالیوں کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

"اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو دوسری گولی تمہاری سینے میں لگے گی۔" ثمینہ غرائی۔

طور خان وہیں رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

"تمہارا خیال ہے کہ تم ایک رائفل کے آسرے پر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاؤ گی..... اس کمرے سے نکلتے ہی تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ اس قلعے کی تاریخ بتاتی ہے کہ کوئی قیدی آج تک یہاں سے زندہ نہیں نکلا۔"

"لیکن آج قلعے کی یہ تاریخی روایت ٹوٹ جائے گی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "آج نہ صرف میں یہاں سے زندہ نکلوں گی بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔"

طور خان نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے منہ سے کراہ سی نکل کر رہ گئی۔ کندھے پر ثمینہ کے خنجر سے لگنے والا زخم اگرچہ زیادہ گہرا نہیں تھا لیکن اس سے خون رس رہا تھا اور تکلیف ہو رہی تھی۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ یہاں سے نکل سکو گی۔" طور خان بولا۔

اسی لمحہ راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ راہداری میں دوڑنے والے کم از کم دو آدمی تھے اور وہ یقیناً فائر کی آواز سن آئے تھے۔ ثمینہ نے بڑی پھرتی اپنا خنجر اٹھا لیا اور طور خان کے پیچھے پہنچ کر رائفل کی نال اس کی پشت سے لگا دی۔

"اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو تمہارے جسم میں سوراخ کر دوں گی۔" وہ غرائی۔

ٹھیک اسی لمحہ دروازہ دھڑ سے کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ دونوں کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں۔

"کیا ہوا خان۔ یہ فائر کی آواز....."

وہ آدمی اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ طور خان کو رائفل کی زد پر دیکھ کر اس کے چہرے پر شدید حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس نے تو شاید سوچا بھی نہیں ہو گا کہ ایک عورت اس کے خان کو اس طرح بے بس کر دے گی۔ ان دونوں آدمیوں نے رائفلیں تان لیں لیکن ثمینہ طور خان کے پیچھے تھی اور وہ اس کا نشانہ نہیں لے سکتے تھے۔

"ان دونوں سے کہو کہ رائفلیں دروازے کے باہر راہداری میں پھینک کر کمرے کے اندر آ

جائیں۔" ثمینہ نے طور خان کی پشت پر رائفل کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم بچ کر نہیں جا سکو گی۔" طور خان غرایا۔

"میں نے جو کہا ہے وہ کرو۔" ثمینہ بھی غرائی۔ "ورنہ ٹریگر دبا دوں گی۔"

طور خان نے پشتو زبان میں اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ ان کے چہروں پر حیرت بڑھ گئی تھی۔ انہیں شاید اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ان سے کہو رائفلیں پھینک دیں۔" ثمینہ پھر غرائی۔ اس نے رائفل کا دباؤ کچھ بڑھا دیا تھا۔

اس مرتبہ طور خان نے اپنے آدمیوں سے بات کی تو اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ ان دونوں نے رائفلیں دروازے کے باہر راہداری میں پھینک دیں اور کمرے میں آ گئے۔

"ان سے کہو دیوار کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ دیوار سے لگا کر کھڑے ہو جائیں۔" ثمینہ نے طور خان کو حکم دیا۔

طور خان نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ثمینہ کا یہ حکم دہرا دیا۔ وہ دونوں خونخوار نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سامنے والی دیوار کے قریب پہنچ گئے اور دونوں ہاتھ سر سے اونچا دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑے ہو گئے۔

"تم بھی ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو اور کمرے سے باہر نکلو۔" ثمینہ نے طور خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو بلا دریغ گولی چلا دوں گی۔"

طور خان دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ راہداری میں پہنچ کر وہ بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا۔ وہ راہداری میں پڑی ہوئی رائفل اٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن اس قسم کی کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے وہ تیار تھی۔ اسے پہلے ہی امید تھی کہ طور خان ایسی کوئی حرکت کرے گا۔ طور خان جیسے ہی جھکا ثمینہ نے بڑی پھرتی اس کے کولہوں پر زور دار لات رسید کر دی۔ طور خان کراہتا ہوا آگے گرا۔ لیکن اس کا ہاتھ ایک رائفل پر پڑ گیا تھا۔ ثمینہ نے ایک بھی لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔ اس نے اگرچہ بے تکا فائر کیا تھا لیکن گولی طور خان کے ہاتھ پر لگی اور ہاتھ میں سوراخ کرتی ہوئی فرش سے ٹکرا کر سامنے والی دیوار پر لگی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی طور خان کی چیخ بھی فضا میں گونجی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بڑی احتیاط سے جھک کر اس نے زمین پر پڑی ہوئی دونوں رائفلیں اٹھا کر کندھے پر لٹکا لیں اور اپنی رائفل تانتے ہوئے بولی۔

"اب تم اس کمرے تک میری رہنمائی کرو گے جہاں گل رحمان اور میرے ساتھی قید ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

طور خان گالیاں بک رہا تھا لیکن اس نے ثمینہ کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ ابھی دو قدم آگے بڑھے تھے کہ سامنے سے ایک آدمی رائفل سنبھالے راہداری میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ رائفل سیدھی کرتا ثمینہ نے گولی چلا دی' گولی نے اس شخص کی کھوپڑی اڑا دی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ طور خان کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ وہ ثمینہ کی طرف جھپٹا مگر ثمینہ نے بلا توقف فائر کر دیا۔ اس مرتبہ گولی طور خان کے دائیں بازو پر لگی اور قمیض کی آستین چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ گولی چلانے کے ساتھ ہی ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"میں نے کہا تھا کہ کوئی غلط حرکت مت کرنا۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب تم خاموشی سے مجھے اس کمرے میں لے چلو جہاں میرے ساتھی قید ہیں۔"

اس مرتبہ واقعی طور خان نے کوئی غلط حرکت نہیں کی اور ثمینہ کے آگے آگے چلنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے مسلسل خون ٹپک رہا تھا اور کندھے کے زخم سے بھی خون رس رہا تھا جس سے کندھے کے قریب اس کی قمیض سرخ ہو رہی تھی۔

ایک راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی تو طور خان نے چیخ کر کہا کہ جو جہاں ہے وہیں کھڑا رہے۔

"نہیں۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ مکان سے نکل کر باہر گھاس پر کھڑے ہو جائیں اور اپنی رائفلیں مکان کی اندر ہی چھوڑ دیں۔" ثمینہ نے طور خان سے کہا۔

طور خان نے چیخ کر اس کا یہ حکم اپنے آدمیوں تک پہنچا دیا۔

"طور خان!" دائیں طرف سے راہداری سے ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم کہاں ہو۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"میں نے جو کہا ہے اس پر عمل کرو۔" طور خان نے جواب دیا۔

قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

"چلو.... آگے بڑھو۔" ثمینہ نے رائفل سے طور خان کو ٹھوکا دیا۔

طور خان مختلف راہداریوں سے ہوتا ہوا ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ یہ کمرہ غالباً باقاعدہ قید خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کے دروازے کے اوپر والے حصے پر ایک چھوٹا سا روشندان بنا ہوا تھا جس میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ دروازہ خاصا بھاری تھا۔ باہر کی طرف سے ایک مضبوط اور موٹا کنڈا لگا ہوا تھا۔ اس کنڈے میں تالہ نہیں تھا۔

"وہ لوگ اس کمرے میں ہیں۔" طور خان نے اشارہ کیا۔

"دروازہ کھولو۔" ثمینہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

طور خان جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھا ثمینہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اسے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت وہ ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھی۔

طور خان نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں سامنے ہی اس کے ساتھی موجود تھے۔ ثمینہ کی قمیض سامنے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر پہلے تو گل رحمان وغیرہ پریشان ہو گئے لیکن اس کے ہاتھ میں رائفل اور زخمی طور خان کو دیکھ کر انہیں صورتحال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

گل رحمان دوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا' اس نے ادھر ادھر دیکھا' راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ وہ طور خان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"بے غیرت۔ نمک حرام۔" گل رحمان نے چیختے ہوئے طور خان کے منہ پر زور دار گھونسہ جڑ دیا۔ "تم نے مہمانوں کی توہین کی ہے۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں زندہ چھوڑا جائے۔" اس نے جھپٹ کر ثمینہ سے رائفل چھین لی۔

طور خان کے چہرے پر پہلی مرتبہ خوف کی تاثرات ابھرے تھے۔ جبڑے پر گھونسہ کھا کر وہ لڑکھڑا گیا تھا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن گل رحمان نے رائفل کی نال اس کی طرف اٹھا کر ٹریگر دبا دیا اور کئی گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔

شارق وغیرہ بھی دوڑ کر کمرے سے نکل آئے تھے۔ ثمینہ نے کندھے پر لٹکی ہوئی رائفل اتار کر ایک بازت خان اور دوسری شارق کی جانب بڑھا دی۔

"یہ رائفل تم اپنے پاس رکھو۔ مجھے معلوم ہے انہوں نے ہماری رائفلیں کہاں رکھی تھیں۔"

شارق نے وہ رائفل ثمینہ کو لوٹا دی اور دوڑ کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کے دروازے کا بھی باہر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔ وہ کنڈا کھول کر اندر داخل ہو گیا اور رائفلیں اٹھا کر باہر لے آیا۔ سب نے اپنی اپنی رائفلیں لے لیں۔ اب ان کے پاس تین رائفلیں فالتو ہو گئی تھیں۔

گل رحمان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ طور خان کو قتل کر دینے کے بعد بھی اسے سکون نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ثمینہ کی طرف دیکھا اور اپنی واسکٹ اتار کر اس کی طرف اچھال دی۔

aazzamm@yahoo.com

"ابھی تو تم یہ پہن لو..... پھر تمہارے لئے کپڑوں کا بندوبست کرتے ہیں۔"

ثمینہ نے واسکٹ پہن کر سامنے کے بٹن بند کر لئے۔ ٹھیک اس وقت مکان میں کسی طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ طور خان کے ساتھی تھے جو فائرنگ کرتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔

"اس طرف..... تم لوگ اس طرف سے نکل جاؤ۔" گل رحمان نے دائیں راہداری کی طرف اشارہ کیا۔ "بازت خان تم ان لوگوں کو لے کر پہاڑی والے راستے پر پہنچو اور نجیب اللہ' شارق تم دونوں میرے ساتھ رہو۔"

بازت خان' نولکھا اور ثمینہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ دونوں اڑ گئے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔

"میں تم دونوں کو بازت خان کے ساتھ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ طور خان کے آدمیوں کو پچھلی طرف سے بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔ تم لوگ انہیں روکو گے بھی اور یاد رکھو کسی کو زندہ بچ کر نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔" گل رحمان نے کہا۔ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ دونوں بازت خان کے ساتھ راہداری میں دوڑنے لگے۔ دوسری راہداری کے اختتام پر ایک دیوار نے ان کا راستہ روک لیا۔ یہ پتھر کی دیوار تھی اور غالباً کسی چٹان کا ایک حصہ تھی جس میں لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ بازت خان نے کنڈا کھول دیا۔

دوسری طرف چٹان میں ایک تنگ سی دراڑ تھی جس میں پتھر کاٹ کر سیڑھیاں سی بنا دی گئی تھیں۔ یہ دراڑ مسلسل اوپر کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ دراڑ میں داخل ہو گئے۔ بازت خان آگے تھا۔ اس کے پیچھے نولکھا اور آخر میں ثمینہ۔ چٹانی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نولکھا بری طرح ہانپنے لگا تھا۔ ثمینہ اسے مسلسل دھکیل رہی تھی۔

بالآخر وہ دراڑ سے نکل کر ایک کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ ثمینہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ اس مکان سے تقریباً پچاس فٹ اوپر چٹان پر پہنچ چکے تھے۔ وہاں سے قلعہ نما وہ مکان اور اس کا وسیع و عریض صحن اور سامنے کا گیٹ صاف نظر آ رہا تھا۔

"نولکھا بھائی۔ تم ادھر رک جاؤ۔ اگر کوئی سامنے والے گیٹ سے باہر جانے کی کوشش کرے تو اسے گولی مار دو اور ثمینہ بی بی تم میرے ساتھ آؤ۔" بازت خان نے کہا۔

نولکھا وہیں چٹان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ثمینہ' بازت خان کے ساتھ چلنے لگی۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کر کے وہ رک گئے۔ یہاں سے وہ چھوٹا گیٹ صاف نظر آ رہا تھا جو مکان کے عقب میں واقع ایک چٹانی دیوار میں بنا ہوا تھا۔ اس گیٹ کے دوسری طرف تقریباً عمودی ڈھلان تھی اور ایک تنگ سا راستہ نشیب میں دریا کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ دونوں چٹان پر مختلف جگہوں پر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

"طور خان کے آدمیوں میں سے اگر کوئی زندہ بچ گیا تو اس راستے سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔" بازت خان نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو..... اگر کوئی اس طرف آیا تو زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

نیچے مکان میں فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جو تقریباً نصف گھنٹے تک جاری رہیں اور بالآخر خاموشی چھا گئی۔ لیکن ان لوگوں نے اپنی پوزیشن نہیں چھوڑی۔ پندرہ منٹ اور گزر گئے اور پھر نجیب اللہ کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ نجیب اللہ نولکھا کے قریب کھڑا تھا اور انہیں واپس آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ وہ دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کر واپس آ گئے۔

ثمینہ نے واسکٹ کے بٹن اوپر تک بند کر رکھے تھے اور وہ کچھ عجیب سی الجھن محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کبھی تنگ گریبان کی قمیض نہیں پہنی تھی اور واسکٹ کے بٹن گلے تک لگے ہوئے تھے۔

وہ اسی دراڑ والے راستے سے ہوتے ہوئے مکان میں واپس آ گئے۔ طور خان کی لاش اسی جگہ پڑی تھی۔ جہاں گل رحمان نے اسے گولیوں سے چھلنی کیا تھا۔ ایک لاش اس سے اگلی راہداری میں پڑی تھی اور پھر ثمینہ نے گھوم پھر کر دیکھ لیا کہ طور خان کا کوئی بھی آدمی زندہ نہیں بچا تھا۔ ان سب کی لاشیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔

گل رحمان' ثمینہ کو ایک کمرے میں لے گیا۔ یہاں بھی قالین بچھا ہوا تھا۔ جس پر گاؤ تکیے پڑے ہوئے تھے۔ ایک دیوار میں دو الماریاں بنی ہوئی تھیں۔

"اس الماری میں کپڑے رکھے ہوئے ہیں۔" گل رحمان ایک الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم کپڑے بدل لو..... ہم اتنی دیر میں لاشیں ٹھکانے لگا دیتے ہیں اس کے بعد کھانے کا بندوبست کریں گے اور پھر باتیں بھی ہوں گی۔"

شارق بھی ساتھ تھا۔ وہ بھی گل رحمان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ثمینہ نے دروازہ بند کر لیا اور الماری کھول لی۔ اور اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس الماری میں کئی روسی فوجی وردیاں ہینگروں پر ٹنگی ہوئی تھیں۔ ایک شرٹ پر کرنل کے عہدے کے نشان لگے ہوئے تھے اور وہ قمیض ثمینہ کو بالکل فٹ آئی تھی۔ اس نے وہی وردی پہن لی۔ پتلون بھی بالکل ٹھیک آئی تھی۔ ثمینہ

aazzamm@yahoo.com

نے روسی فوج اور افغان مجاہدین کی جنگ کے بارے میں اخبارات میں بہت کچھ پڑھا تھا اور اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی افغانستان جائے گی اور روسی فوج کے کسی کرنل کی وردی پہنے گی۔ اس نے اپنا خنجر بھی صاف کر کے پنڈلی کے ساتھ باندھ لیا تھا۔

چند منٹ بعد جب وہ کمرے سے نکلی تو ادھر ادھر بکھری ہوئی تمام لاشیں اٹھائی جا چکی تھیں۔ وہ مکان سے باہر آ گئی۔ صحن میں دائیں طرف دیوار کے قریب لوگ جمع تھے۔ ثمینہ بھی وہاں پہنچ گئی۔ نجیب اللہ اور بازت خان گڑھا کھود رہے تھے۔ قریب ہی ایک طرف طور خان اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں زمین پر پڑی تھیں۔ گڑھا خاصا بڑا اور گہرا تھا۔ لاشوں کو گڑھے میں ڈال کر مٹی ڈال دی گئی۔

وہ لوگ مکان میں واپس آ گئے۔ گل رحمان اپنے آدمیوں کو لے کر کچن میں چلا گیا اور ثمینہ، شارق اور نولکھا کو لے کر اسی کمرے میں آ گئی جہاں اس نے کپڑے بدلے تھے۔

"اس وردی میں تو تم واقعی روسی فوج کی کرنل لگتی ہو۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کسی کرنل سے کم تو نہیں ہوں۔" ثمینہ مسکرائی۔

"تم واقعی کسی فوجی کی طرح بہادر ہو۔" شارق نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ واقعہ کیا ہوا تھا۔ طور خان جیسا آدمی تمہارے ہاتھ کیسے لگا؟"

"وہ بہت ہی گھٹیا آدمی تھا۔" ثمینہ نے کہا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ اگر محراب خان کی بیٹی کا دیا ہوا یہ خنجر میرے پاس نہ ہوتا تو آج میں اپنے آپ کو نہیں بچا سکتی تھی۔" اس نے پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکال کر دکھایا۔

ثمینہ اور شارق باتیں کر رہے تھے اور نولکھا گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ تقریباً تین بجے گل رحمان نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ نولکھا کو جگا دیا گیا۔ اور وہ لوگ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے جہاں قالین پر دسترخوان بچھا ہوا تھا اور کھانا لگا ہوا تھا۔ تلا ہوا بکرے کا خشک گوشت، موٹی موٹی روٹیاں اور ایک دو اور چیزیں تھیں جو گوشت ہی سے تیار کی گئی تھیں۔

ثمینہ کو اس وقت کھانا پہلے سے زیادہ لذیذ لگا۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ دوسروں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا تھا۔ کھانے کے بعد قہوہ کا دور چلا۔ ثمینہ کو گل رحمان کے سامنے بھی اپنی کہانی دہرانی پڑی تھی۔

"طور خان اور اس کی آدمیوں کے قتل سے ان کے قبیلے سے تمہاری دشمنی نہیں شروع ہو

جائے گی۔" نولکھا نے گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہماری دشمنیاں تو نسل در نسل چلتی ہیں لیکن....." گل رحمان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن جب طور خان کے قبیلے والوں کو معلوم ہو گا کہ وہ کس وجہ سے مارا گیا ہے تو وہ لوگ بھی اس سے نفرت کریں گے۔ ہم پٹھانوں میں مہمانوں کو بہت عزت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی میرا جانی دشمن میرے مکان پر حملہ کر دے اور اسے پتہ چل جائے کہ میرے گھر میں کوئی مہمان ٹھہرا ہوا ہے تو وہ مہمان کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گا۔ لیکن یہ طور خان..... بہت بے غیرت تھا' اس نے جو کچھ بھی کیا اس پر میں شرمندہ ہوں اور ثمینہ بی بی سے معافی مانگتا ہوں۔"

"اس نے جو کچھ بھی کیا اس کی سزا اسے مل گئی ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"بہرحال!" شارق نے کہا۔ "اب یہ قصہ بھی تمام ہوا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اب کیا پروگرام ہے؟"

"کل کسی وقت ملک فیروز یہاں آئے گا۔" گل رحمان نے جواب دیا۔ "یہ تو اچھا ہوا کہ طور خان کا معاملہ ختم ہو گیا۔ اگر کل فیروز کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوتا تو اس پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔"

"ملک فیروز کون ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ پلندر خان کا خاص آدمی ہے جو ہمیں پلندر خان کے پاس لے جائے گا۔ مال ہمیں پلندر خان ہی سے وصول کرنا ہو گا۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اور آگے جانا ہو گا۔" ثمینہ بولی۔ "ہمارا یہ سفر ختم بھی ہو گا یا نہیں؟"

"شاید تم پچھلے واقعات کی وجہ سے اس سفر سے اکتا گئی ہو۔" گل رحمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب وہ صورت حال نہیں رہی۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب تم اس سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہو گی۔"

"لیکن جانا کہاں ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہماری منزل صوبہ لوگر میں کابل غزنی شاہراہ پر واقع سید آباد نامی وہ چھوٹا سا شہر ہے جہاں پلندر خان ہمارا منتظر ہے۔ دریائے لوگر کی وادی کو افغانستان کی حسین ترین وادی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں سربفلک پہاڑ بھی ہیں' میلوں تک پھیلی ہوئی زرخیز وادیاں بھی اور گنگناتی ہوئی ندیاں' چشمے اور دریا بھی۔ تمہیں اس سفر میں بوریت نہیں ہو گی۔"

aazzamm@yahoo.com

"کتنے گھنٹے کا سفر ہو گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"گھنٹے نہیں دن۔" گل رحمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گھوڑوں پر سفر کرتے ہوئے دو یا تین دن بھی لگ سکتے ہیں۔"

"دو تین دن۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

نولکھا اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ دو تین دن کا سن کر وہ بھی سیدھا ہو گیا۔

"او بھائی گل رحمان!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لگتا ہے تم ہمیں سفر میں ہی خرچ کر دو گے۔"

"یہی تو زندگی ہے نولکھا بھائی!" گل رحمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آؤ..... میں تم لوگوں کو اس قلعے کی سیر کراؤں۔ روسیوں کے خلاف جنگ میں یہ قلعہ مجاہدین کی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔ تم اس کی تاریخ سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"یہ قلعہ تم نے بنوایا ہے؟" نولکھا کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"یہ قلعہ میں نے تو نہیں بنایا لیکن اس کے نقشے سے اس طرح واقف ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی لکیروں سے۔ آؤ..... میں تم لوگوں کو دکھاؤں۔" گل رحمان کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ لوگ بھی اس کے ساتھ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئے اور گل رحمان انہیں مختلف راہداریوں اور کمروں میں گھماتا ہوا اس قلعے کی تاریخ کے بارے میں بتانے لگا۔

○

باہر سے وہ مکان بظاہر چھوٹا لگتا تھا لیکن گھوم پھر کر دیکھنے سے پتہ چلا کہ واقعی قلعے کی طرح وسیع و عریض تھا۔ اس کا صحن اتنا بڑا تھا کہ اس میں تین چار سو افراد کی رہائش کا بندوبست ہو سکتا تھا۔ مکان کے پچھلی طرف پہاڑی کے دامن میں بھی کچھ کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں گل رحمان نے بتایا کہ ان کمروں کو اناج کے گوداموں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

اس مکان کے نیچے ایک بہت بڑا تہہ خانہ بھی تھا۔ گل رحمان نے انہیں وہ تہہ خانہ بھی دکھایا۔ گل رحمان کے کہنے کے مطابق روسی فوج سے لڑائی کے دوران یہ قلعہ افغان مجاہدین کی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز رہا تھا۔ یہاں سے کابل کی طرف مجاہدین کو گولہ بارود اور کھانے پینے کی اشیاء فراہم کی جاتی تھیں۔ پاکستان آنے والے افغان مہاجرین کے بیشتر قافلے یہی راستہ استعمال کرتے تھے۔ اور روسی فوج کے گن شپ ہیلی کاپٹر ان کا تعاقب کرتے ہوئے بعض اوقات پاکستان کی سرحد میں بھی داخل ہو جاتے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ پاکستانی بستیوں پر میزائل بھی پھینکے تھے جن سے جانی و مالی نقصان بھی ہوا تھا۔ اس قلعے میں مقیم مجاہدین روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں کی

مزاحمت بھی کرتے تھے۔

ثمینہ نے اپنے کمرے کی اس الماری میں بہت سی روسی فوجی وردیاں دیکھی تھیں۔ ان کے بارے میں گل رحمان نے بتایا کہ اس قلعے میں مقیم افغان مجاہدین روسی فوجیوں کے کیمپوں پر حملے کرتے اور مال غنیمت اس قلعے میں جمع کیا جاتا جن میں خوراک کے ذخیرے، گولہ بارود کے علاوہ فوجی وردیاں بھی شامل ہوتی تھیں۔ بعد میں یہ چیزیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

جب وہ قلعے کی سیر کر کے گھاس کے میدان میں آئے تو ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ وہ لوگ گھاس پر ہی بیٹھ گئے۔ نجیب اللہ ان سب کے لئے قہوہ بنا کر لے آیا اور قہوہ کی چسکیوں کے دوران بھی گل رحمان انہیں افغان مجاہدین کے کارناموں کے بارے میں بتاتا رہا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو وہ لوگ ایک کمرے میں آ گئے۔ یہاں بجلی نہیں تھی۔ روشنی کے لئے مشعلیں استعمال کی جا رہی تھیں جن میں جانوروں کی چربی استعمال ہوتی تھی۔

کمروں کی دیواروں میں مشعلوں کے لئے باقاعدہ اسٹینڈ بنے ہوئے تھے جن کے اوپر چمنی نما پائپ لگے ہوئے تھے۔ دھواں ان چمنیوں کے ذریعے باہر نکل جاتا تھا۔ اس طرح کمروں میں نہ تو چربی کے جلنے کی بو پھیلتی تھی اور نہ ہی دھواں۔

رات کا کھانا آٹھ بجے سے پہلے ہی کھا لیا گیا۔ طور خان اور اس کے ساتھیوں کا قصہ تمام ہو جانے کے بعد اگرچہ کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن گل رحمان نے اپنے ایک آدمی کی ڈیوٹی قلعے کے گیٹ پر لگا دی۔

ثمینہ، شارق اور نولکھا ایک کمرے میں تھے اور گل رحمان بازت خان کے ساتھ دوسرے کمرے میں۔ نجیب اللہ گیٹ پر جا چکا تھا۔

وہ تینوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نولکھا جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ کمرے میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تھے۔ شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر ثمینہ کے قریب آ گیا اور وہ دیر تک سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے اور بالآخر وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

رات کے آخری پہر ثمینہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں مشعل کی روشنی تھی۔ شارق اور نولکھا گہری نیند میں تھے۔ نولکھا کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔ ثمینہ کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس کی آنکھ کیوں کھل گئی تھی۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ بہت ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی۔ اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد فضا میں اللہ اکبر کی صدا سنائی دینے لگی۔ وہ نجیب اللہ تھا جو باہر کسی جگہ پر کھڑا اذان دے رہا تھا۔ ثمینہ کو ان لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے کئی روز ہو گئے تھے اور یہ بات اس نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ یہ لوگ نماز کی

aazzamm@yahoo.com

بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

ثمینہ کھڑکی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ دس پندرہ منٹ بعد اس نے تین آدمیوں کو گھاس پر کھڑے دیکھا۔ وہ گل رحمان اور اس کے دونوں ساتھی تھے۔ جو فجر کی نماز کے لئے وہاں جمع ہوئے تھے۔ بازت خان جماعت کروا رہا تھا۔

جب وہ لوگ نماز پڑھ چکے تو ثمینہ بھی کمرے سے نکل آئی۔ باہر آتے ہی اسے پھریری سی آ گئی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا نے اس کے پورے جسم میں سردی کی ایک لہر سی دوڑا دی تھی۔ وہ دیر تک تازہ اور ٹھنڈی ہوا میں ٹہلتی رہی۔

سات بجے تک نولکھا اور شارق بھی اٹھ گئے۔ ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ وہ سب لوگ ایک کمرے میں جمع ہو گئے۔ ناشتہ کے بعد باقی لوگ تو اسی کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے البتہ ثمینہ کمرے سے باہر آ گئی اور قلعے کے وسیع و عریض صحن میں گھومنے لگی۔ گیٹ کے قریب ہی دائیں طرف فصیل کے ساتھ اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں جہاں فصیل پر ایک چھوٹا سا واچ ٹاور بنا ہوا تھا۔ ثمینہ سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

واچ ٹاور زیادہ بڑا نہیں تھا۔ چار بائی چار فٹ کا کمرہ تھا جس کی اونچائی بھی آٹھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ پتھر کی دیواروں میں چاروں طرف بڑے بڑے سوراخ بنے ہوئے تھے جن سے اطراف میں دیکھا جا سکتا تھا اور انہی سوراخوں سے رائفلوں سے فائرنگ بھی کی جا سکتی تھی۔

ثمینہ سامنے والے سوراخ سے باہر جھانکنے لگی۔ یہ سوراخ چار انچ چوڑا اور چھ انچ لمبا تھا۔ اس سے قلعے کے گیٹ سے لے کر نشیب میں دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ ثمینہ کو اس سوراخ سے باہر جھانکتے ہوئے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے وقت سے صدیوں پیچھے چلی گئی ہو۔ نشیب میں بہت دور دریا کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ دریا کے دوسری طرف پہاڑیاں تھیں۔ انہی پہاڑیوں میں وہ تنگ سا درہ بھی دکھائی دے رہا تھا جس سے گزر کر وہ لوگ یہاں آئے تھے۔

ثمینہ واچ ٹاور میں کھڑی ان سوراخوں سے چاروں طرف دیکھتی رہی۔ وہ اس وقت دائیں طرف والے سوراخ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس طرف دریا بہت آگے جا کر پہاڑیوں میں غائب ہو گیا تھا۔ ثمینہ وہاں سے ہٹنا چاہتی تھی کہ دریا کے دوسری طرف کوئی متحرک چیز دیکھ کر چونک سی گئی۔ وہ غور سے اس طرف دیکھنے لگی۔ وہ کوئی گھوڑا سوار تھا جو دریا کے دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ اسی طرف آ رہا تھا۔ فاصلہ بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے گھڑ سوار کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی رائفل کی نالی دھوپ میں بار بار چمک رہی تھی۔ ثمینہ

گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

گھوڑا سوار ایک جگہ رک گیا۔ گھوڑے کا رخ اب دریا کی طرف تھا۔ گھوڑا سوار ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید دریا پار کرنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش تھی۔ پھر چند گز آگے بڑھ کر اس نے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ اس جگہ دریا میں جگہ جگہ پتھر بھی ابھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یہ تو ثمینہ کل ہی دیکھ چکی تھی کہ دریا زیادہ گہرا نہیں تھا۔ کل انہوں نے بھی اسی طرح دریا پار کیا تھا۔

گھوڑا آہستہ آہستہ پانی میں چلتا ہوا دریا کے دوسرے کنارے کی طرف آ رہا تھا۔ کئی جگہ سوار کو گھوڑے کا رخ بدلنا پڑا تھا اور بالآخر وہ کنارے پر پہنچ گیا۔ اب گھوڑے کا رخ اس قلعے کی طرف تھا۔

گھڑ سوار کا چہرہ دھوپ کے رخ پر تھا اور ثمینہ اس کا چہرہ بھی دیکھ سکتی تھی۔ وہ کوئی لمبا تڑنگا افغان تھا۔ چھوٹی داڑھی بھی تھی۔ ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر واچ ٹاور کی سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آ گئی اور مکان کی طرف دوڑنے لگی۔ گل رحمان وغیرہ ابھی تک اسی کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے' بڑی بدحواس ہو رہی ہو؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک گھوڑا سوار اس طرف آ رہا ہے۔ وہ زیادہ دور نہیں ہے۔" ثمینہ نے اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" گل رحمان ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "وہ یقیناً ملک فیروز ہو گا۔" اس نے دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی رائفل اٹھا لی۔

نجیب اللہ خان' بازت خان اور شارق بھی اپنی رائفلیں اٹھا کر اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئے تھے۔ نولکھا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا تھا۔ ثمینہ نے بھی باہر جانا چاہا تو نولکھا نے اسے روک لیا۔

"بیٹھو ثمینہ بی بی۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

ثمینہ اس کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات کرنا چاہتے ہو نولکھا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لاہور میں حاجی سے ایگری منٹ کر کے تو ہم مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" نولکھا بولا۔

"گھبرا گئے؟" ثمینہ مسکرائی۔ "میں عورت ہو کر نہیں گھبرائی اور تم مرد ہو کر گھبرا رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "گل رحمان بتا رہا تھا کہ ہمیں گھوڑوں پر دو تین دن کی مسافت اور طے کرنی ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

اس ملک کے حالات کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ تم تو ناشتہ کرکے گھومنے پھرنے چلی گئی تھیں اور ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔ گل رحمان بتا رہا تھا کہ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد اس ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کئی دھڑے بن گئے ہیں۔ دو بڑی پارٹیاں ہیں جو حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑ رہی ہیں۔ چھوٹی پارٹیاں ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔ کابل کو تو انہوں نے کھنڈر بنا دیا ہے۔ خود گل رحمان بتا رہا تھا کہ افغانستان کو روسیوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا افغان لیڈر پہنچا چکے ہیں یا پہنچا رہے ہیں۔"

"لیکن ہمارا ان معاملات سے کیا تعلق؟" ثمینہ نے کہا۔

"تعلق ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "جس علاقے میں ہم سفر کریں گے یا جہاں تک ہمیں جانا ہے وہاں بھی افغان باشندے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہم اگر اس لڑائی میں پھنس گئے تو زندہ بچنا مشکل ہو گا۔"

"ہم ان کی لڑائی میں کیوں الجھنے لگے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہمارا آگے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے ثمینہ بی بی! وہ سارا علاقہ لڑائی کی زد میں ہے۔ ہم بھی نہ چاہنے کے باوجود اس زد میں آ سکتے ہیں۔" نولکھا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولا۔ "مجھے تو اب حاجی کی نیت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔"

"کیسا شبہ؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لاہور اور اس کے نواح میں منشیات اور اسلحہ کی اسمگلنگ پر حاجی کی اجارہ داری تھی۔ کچھ اور چھوٹی چھوٹی پارٹیاں تھیں جن سے حاجی کو خطرہ نہیں تھا لیکن شارق باؤ' حاجی کے لئے بہت بڑا خطرہ بن کر سامنے آ گیا۔ کسی خطرے سے نمٹنے کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا جواب طاقت ہی سے دیا جائے۔ سیاست بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ حاجی نے شارق کے خطرے سے نمٹنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ اس نے کمیشن کا لالچ دے کر شارق کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسے کراچی کا مشن سونپا گیا اور اب افغانستان کا یہ مشن!" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس خطرناک مشن پر بھیج کر وہ شارق باؤ اور ہم سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہاں قدم قدم پر خطرات ہیں۔ افغانوں کی لڑائی میں ہمارا تیا پانچا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے خطرے ہیں۔ جن سے اگر ہم بچ گئے تو ہم بہت ہی خوش قسمت ہوں گے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ حاجی نے ہماری موت کا پورا بندوبست کر کے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ کل کا واقعہ تمہارے سامنے ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ سب کچھ بھی ہمارے خلاف سازش کا ایک حصہ تھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے ذہن میں یہ بدگمانیاں کیوں پیدا ہو رہی ہیں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کل جو کچھ بھی ہوا اس کی وجہ میں تھی۔ یہ بات تو میں نے پارہ چنار ہی میں محسوس کر لی تھی کہ میرے بارے میں طور خان کی نیت میں فتور آ گیا ہے۔ محراب خان والی بستی میں اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا اور اسے بھاگنا پڑا۔ وہ ہم سے پہلے اس قلعے میں پہنچ گیا اور اسے ہم پر قابو پانے کا موقع مل گیا۔ لیکن اس کا نتیجہ تم بھی دیکھ چکے ہو۔ اگر یہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہوتی تو گل رحمان' طور خان اور اس کے چھ سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیتا۔ نہیں نولکھا میں تم سے اتفاق نہیں کروں گی۔ بالفرض' اگر حاجی نے ہمیں کسی سازش کے تحت یہاں بھیجا ہوتا تو افغانستان کی حدود میں داخل ہونے کے بعد ہمیں بڑی آسانی سے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوتی۔" ثمینہ اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ "حاجی اور گل رحمان کے بارے میں شبہات ذہن سے نکال دو۔ اگر ہم اس مشن میں کامیاب ہوئے تو یقین کرو حاجی ہمارے قدموں میں ہو گا۔ شارق بھی بیوقوف نہیں ہے۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر حاجی کی یہ پیشکش قبول کی تھی۔ وہ اس گینگ کے مرکزی آدمیوں سے رابطے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر شارق اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو چند ہفتوں بعد لوگ حاجی کا نام بھول جائیں گے۔" وہ بات کرتے کرتے رک گئی اور کھڑکی سے قلعے کے گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر نولکھا کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "جس گھوڑا سوار کو میں نے دریا کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا تھا وہ قلعے کے گیٹ پر پہنچ گیا ہے۔ گل رحمان اور اس کے ساتھی بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کر رہے ہیں۔ آؤ دیکھتے ہیں وہ کون ہے؟"

وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نولکھا بھی اٹھ کر اس کے ساتھ چلا۔ جب وہ دونوں راہداریوں سے نکل کر برآمدے کے سامنے رک گئے۔ بازت خان مہمان کے پر تھا اور اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ اور مہمان گل رحمان وغیرہ کے ساتھ مکان کی طرف فٹ کی بلندی اور نولکھا بھی چند قدم آگے بڑھ گئے۔ مہمان نے گرم جوشی سے نولکھا سے ہوا نشیب میں دریا بانہیں پھیلا کر ثمینہ کی طرف بڑھا۔ ثمینہ بدحواس سی ہو کر دو قدم پیچھے فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ سر پر ٹوپی تھی اور بادی النظر میں وہ کھٹے۔ جس جگہ آبشار کا پانی گر ہٹتے دیکھ کر مہمان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ لیکن جب گل رحمان پیچھے چٹان کے نیچے ایک کھوہ نہیں عورت ہے تو مہمان کے چہرے پر الجھن کے سے تاثرات جو اس کھوہ میں سے ہوتی ہوئی قہقہہ لگا دیا۔ دوسرے بھی اس قہقہہ میں شامل ہو گئے۔ ثمینہ ندی کے دوسری طرف پہنچنے کا گزرنا پڑے گا تو اس کی جان نکل

aazzamm@yahoo.com

رہی تھی۔ وہ ملک فیروز تھا۔ ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد' سرخ و سفید رنگت اور چھوٹی سیاہ داڑھی اس کے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ ثمینہ کے اندازے کی مطابق اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔

وہ لوگ اسی کمرے میں آ گئے جہاں ناشتہ کیا گیا تھا۔ ملک فیروز طویل سفر کر کے آیا تھا۔ وہ نہ صرف تھکا ہوا تھا بلکہ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے اس کے لئے ناشتے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ بازت خان پندرہ منٹ کے اندر اندر اس کے لئے ناشتہ اور سب کے لئے قہوہ تیار کر کے لے آیا۔

ناشتے کے بعد وہ تو باتیں کرنے لگے اور ثمینہ اور نولکھا کمرے سے باہر نکل آئے اور برآمدے میں بیٹھ گئے۔

دوپہر کے کھانے پر وہ سب جمع تھے۔ اس وقت ثمینہ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ کل صبح سویرے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ ثمینہ تو خوش تھی لیکن نولکھا کا منہ لٹک گیا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود حاجی کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کو ذہن سے نہیں جھٹک سکا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ملک فیروز سو گیا۔ ثمینہ' نولکھا اور شارق دوسرے کمرے میں آ گئے۔ وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر وہ لوگ بھی اونگھنے لگے۔

رات کا کھانا بھی حسب معمول جلد ہی کھا لیا گیا۔ اس رات نولکھا نے شارق کے سامنے بھی اپنے خدشات کا اظہار کیا تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے بھی ثمینہ کی طرح نولکھا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہو گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اب ان کے لئے [illegible] کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے گل رحمان وغیرہ کو ان کی واپسی پر کوئی اعتراض نہ ہو طریقہ اخیر پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی رہنمائی کے بغیر وہ واپس کیسے جا سکیں گے۔ وہ ان سونپا گیا اور اب بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر جائیں گے۔

"مجھے یقین ہے کہ [illegible] کی۔ ثمینہ اور شارق کی باتوں سے اسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اس ہے۔ یہاں قدم قدم پر [illegible] نا درست ہی تھا کہ اگر گل رحمان ان کی واپسی پر آمادہ ہو بھی گیا تو وہ علاوہ اور بھی بہت سے خطر میں بھٹک کر بڑی اذیت ناک موت مریں گے۔

گے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ [illegible] نولکھا دیر تک جاگتا اور یہی سب کچھ سوچتا رہا اور بالآخر اسے کل کا واقعہ تمہارے سامنے ہے

حصہ تھا۔"

حسب معمول بازت خان نے ان سب کے لئے ناشتہ تیار کیا۔ [illegible] کر لی گئیں۔ بکرے کا خشک گوشت وافر مقدار میں موجود تھا۔

بازت خان نے تمام چیزیں پیک کر کے گھوڑے پر لاد دیں۔ اور پھر طلوع آفتاب سے پہلے ہی وہ لوگ اس قلعے سے رخصت ہو گئے۔

سردی اچھی خاصی تھی۔ ان سب نے روسی فوجی جیکٹیں پہن رکھی تھیں۔ فوجی وردیوں کی طرح جیکٹیں بھی وافر مقدار میں قلعے میں موجود تھیں۔ ثمینہ نے تو تین فالتو جیکٹیں بھی اپنے گھوڑے کی خرجی میں ٹھونس لی تھیں۔

دریا اسی جگہ سے پار کیا گیا جہاں سے گزشتہ روز ثمینہ نے ملک فیروز کو پار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ دریا پار کرنے کے بعد وہ کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ملک فیروز اور گل رحمان کے گھوڑے آگے تھے۔ ان کے پیچھے ثمینہ' شارق اور نولکھا اور سب سے آخر میں نجیب اللہ اور بازت خان تھے۔

دریا کے دونوں طرف اونچے پہاڑ تھے۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر تو درخت نظر آ رہے تھے مگر ان کے دامن بنجر تھے۔ کہیں کہیں جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ تنگ سی وادی میں چلتے رہے۔ ایک جگہ دریا دائیں طرف پہاڑوں میں غائب ہو گیا لیکن وہ اس تنگ سی وادی میں چلتے رہے اور بالآخر ایک تنگ سے درے میں سے گزر کر ایک وسیع و عریض وادی میں پہنچ گئے۔ دریا پہاڑوں میں گھومتا ہوا پھر سامنے آ گیا۔ ثمینہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ درے سے پہلے جس تنگ سی وادی سے وہ گزر کر آئے تھے وہ بنجر اور ویران تھی لیکن دوسری طرف سرسبز و شاداب وادی ان کی نظروں کے سامنے تھی۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔

دھوپ تیز ہونے کے باوجود یہاں سردی تھی۔ وہ کہیں رکے بغیر مسلسل چلتے رہے۔ دریا کبھی سامنے آ جاتا اور کبھی وادی میں کہیں غائب ہو جاتا۔ دو بجے کے لگ بھگ وہ ایک چٹان کے قریب رک گئے۔ چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ دریا دائیں طرف تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا اور بائیں طرف وہ چٹان تھی جس کے قریب وہ رکے تھے۔ اس چٹان سے تقریباً ساٹھ فٹ کی بلندی سے آبشار گر رہا تھا۔ آبشار سے گرنے والا پانی ایک ندی کی صورت میں بہتا ہوا نشیب میں دریا سے جا ملتا تھا۔

ندی کافی چوڑی اور گہری تھی۔ گھوڑے اسے پار نہیں کر سکتے تھے۔ جس جگہ آبشار کا پانی گر رہا تھا وہاں بھی ایک بہت چوڑا اور گہرا تالاب سا بن گیا تھا۔ اس کے پیچھے چٹان کے نیچے ایک کھوہ سی بنی ہوئی تھی۔ پتھروں کی ایک تقریباً چار فٹ چوڑی پٹی سی تھی جو اس کھوہ میں سے ہوتی ہوئی تالاب کے کنارے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف چلی گئی تھی۔ اس ندی کے دوسری طرف پہنچنے کا یہی ایک راستہ تھا۔ نولکھا کو جب پتہ چلا کہ اس پل صراط پر سے گزرنا پڑے گا تو اس کی جان نکل

aazzamm@yahoo.com

گئی۔ ملک فیروز کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ وہ تالاب کے کنارے کھڑا چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اس نے گھوڑا اس کھوہ میں ڈال دیا۔ صرف دو منٹ بعد وہ آبشار کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ گل رحمان اور شارق وغیرہ بھی دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔ اب ثمینہ کی باری تھی۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

کھوہ میں تاریکی تھی۔ سامنے پانی کی چادر گر رہی تھی اور پیچھے غار سا تھا جو چٹان کے اندر بہت دور تک چلا گیا تھا۔ اس غار کے دہانے اور تالاب کے درمیان تقریباً چار فٹ چوڑی جگہ تھی جہاں پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ اوپر سے گرنے والے پانی کی پھوار اندر آ رہی تھی۔ ثمینہ بہت محتاط ہو کر گھوڑے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ پتھروں پر اگر گھوڑا لڑکھڑا گیا تو وہ سیدھی تالاب میں جا گرے گی۔ تالاب بہت گہرا تھا۔ اس میں گرنے کے بعد صرف وہی شخص باہر آ سکتا تھا جو تیرنا جانتا ہو لیکن اس طرح حادثاتی طور پر گرنے سے انسان بدحواس ضرور ہو جاتا ہے۔

ثمینہ خیریت سے دوسری طرف پہنچ گئی۔ اس نے کلمہ شکر ادا کیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس نے مڑ کر دیکھا' نولکھا گھوڑے کو آگے بڑھاتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ لیکن بہرحال' اسے آگے تو بڑھنا ہی پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ ثمینہ کو اس کے ساتھ رہتے ہوئے کئی مہینے گزر چکے تھے۔ وہ اسے اچھی طرح جان چکی تھی۔ وہ ایک بہادر اور نڈر آدمی تھا۔ کراچی کی مہم کے دوران سمندر میں سفر کرتے ہوئے بدترین حالات میں بھی ثمینہ نے اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نہیں دیکھے تھے۔ پھر مسقط میں جو حالات پیش آئے تھے انہیں بھی نولکھا نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا تھا۔ بلکہ وہ تو دوسروں کا حوصلہ بڑھاتا رہا تھا لیکن اب یہ بات ثمینہ کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ نولکھا اس قدر خوفزدہ کیوں تھا۔

نولکھا کا گھوڑا تقریباً نصف راستہ طے کر چکا تھا۔ دفعتاً گھوڑے کا اگلا پیر کسی پتھر پر رپٹ گیا۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا آگے کو جھکا اور اس کے ساتھ ہی نولکھا نے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس نے بدحواس ہو کر خود چھلانگ لگائی تھی یا وہ گھوڑے کے لڑکھڑانے سے اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ بہرحال وہ اچھل کر تالاب میں گرا تھا اور اس کے منہ سے ایک خوفزدہ چیخ بھی نکل گئی تھی۔

نولکھا کو گرتے دیکھ کر ثمینہ کے منہ سے بھی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت ابھر آئی تھی۔ نولکھا تالاب میں گرنے کے بعد پانی میں بیٹھتا چلا گیا تھا اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

گل رحمان اور اس کے ساتھی اس صورت حال سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ گل رحمان تو ایک دم گھوڑے سے اتر آیا تھا۔ شارق بھی گھوڑے سے چھلانگ لگا کر دوڑتا ہوا تالاب کے کنارے پر پہنچ گیا' تقریباً تیس سیکنڈ بعد نولکھا پانی کی سطح پر ابھر آیا۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ شارق نے تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ اور تیرتا ہوا نولکھا کے قریب پہنچ گیا۔ نولکھا بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے شارق سے لپٹنے کی کوشش کی مگر شارق نے اپنے آپ کو اس کی گرفت میں نہیں آنے دیا اور اسے قمیص کے کالر سے پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنے لگا۔ نولکھا چونکہ ہاتھ پیر مار رہا تھا اس لئے اسے کنارے تک لے جانے میں شارق کو خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ گل رحمان اور نجیب اللہ کنارے پر جھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے نولکھا کو پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ ثمینہ نے بھی شارق کو سہارا دے کر تالاب سے نکال لیا۔

نولکھا کو زمین پر لٹا دیا گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس کے پیٹ میں زیادہ پانی نہیں گیا تھا۔ گل رحمان اسے اوندھا لٹا کر ٹریٹ منٹ دے رہا تھا۔ چند منٹ بعد نولکھا کو اٹھا کر بٹھا دیا گیا۔ اب وہ پہلے سے بہتر تھا اور اس کی بدحواسی بھی ختم ہو رہی تھی۔

"نولکھا بھائی۔" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر نہانے کا شوق تھا تو پہلے بتا دیتے۔ ہم سب اس طرح خوفزدہ تو نہ ہوتے۔"

"بس بی بی ثمینہ! اچانک ہی نہانے کو دل چاہنے لگا تھا۔" نولکھا نے جواب دیا۔ وہ لوگ کچھ دیر وہاں بیٹھے اور پھر تقریباً بیس گز آگے جا کر درختوں کے نیچے پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ نولکھا نے ایک طرف جا کر کپڑے بدل لئے اور بھیگے ہوئے کپڑے سوکھنے کے لئے جھاڑیوں پر پھیلا دیئے۔ تالاب کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ کپڑے بدل لینے کے باوجود نولکھا پر کپکپی سی طاری تھی۔ وہ دھوپ میں جا کر بیٹھ گیا۔

نجیب اللہ اور بازت خان ادھر ادھر سے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگے۔ وہ لوگ طور خان اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ایک گھوڑے پر سامان لدا ہوا تھا جس میں آٹے کا تھیلا بھی تھا۔ بازت خان نے تھیلا اتارا تو ثمینہ آگے آ گئی۔

"تم گوشت وغیرہ تیار کر لو۔ روٹیاں میں پکاؤں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں بی بی۔ تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہم پکائے گا۔" بازت خان نے کہا۔

"نہیں۔ روٹیاں تو میں ہی پکاؤں گی۔" ثمینہ بولی اور آٹے والا تھیلا اس سے لے لیا۔

ان کے پاس ایلومینیم کے برتن بھی تھے۔ ثمینہ ایک برتن میں ندی سے پانی لے آئی اور تسلے میں آٹا گوندھنے لگی۔ اس دوران نجیب اللہ پتھروں کا چولہا بنا کر آگ جلا چکا تھا۔ ثمینہ نے توا چولہے پر رکھ دیا اور روٹیاں پکانے لگی۔ بازت خان نے دوسرا چولہا تیار کر کے آگ جلا لی اور

aazzamm@yahoo.com

ایلومینیم کی ایک پتیلی میں خشک گوشت کے ٹکڑے تلنے لگا۔

کھانا کھانے کے بعد ثمینہ ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ بڑا حسین منظر تھا۔ ایسے مناظر اس نے فلموں ہی میں دیکھے تھے۔ لیکن اس وقت وہ خود ایک حسین ترین منظر کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد انہوں نے پڑاؤ اٹھا دیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ ان کی رفتار تیز تھی۔ دریا دائیں طرف رہ گیا تھا اور وہ مسلسل بائیں طرف چل رہے تھے۔ وادی بھی بتدریج تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن ہریالی اور سبزے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور ان کے سائے بڑھ رہے تھے۔ انہیں ایک بار پھر ایک تنگ سے درے میں سے گزرنا پڑا۔ اس درے کے دوسری طرف ایک اور وادی تھی جو مسلسل نشیب کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ تنگ سے راستے پر اترتے رہے اور بالآخر ایک ندی نے ان کا راستہ روک لیا۔ وہ سب لوگ گھوڑوں سے اتر آئے اور ندی سے پانی پینے لگے۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی ان کے سینوں میں ٹھنڈک سی پیدا کرتا چلا گیا۔

"اور کتنا چلنا ہو گا؟" ثمینہ نے گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارا پڑاؤ اب زیادہ دور نہیں ہے۔ رات وہاں گزارنے کے بعد صبح آگے روانہ ہوں گے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

ندی زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ اسے پار کرنے میں انہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس طرح ان کا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

شام کے سائے ڈھلنے لگے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ دن کی روشنی ماند پڑنے لگی۔ شام کا ملگجا سا اندھیرا بتدریج گہرا ہونے لگا۔ وہ چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سے راستے سے گزر کر رک گئے۔ سامنے نشیب میں ایک مکان نظر آ رہا تھا۔ دو آدمی اس مکان سے باہر آ گئے اور پھر وہ تیزی سے اس طرف آنے لگے۔ ملک فیروز نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

دس منٹ بعد وہ لوگ اس مکان میں موجود تھے۔ ثمینہ اور نولکھا جس کمرے میں آئے تھے وہاں فرش پر موٹا نمدہ بچھا ہوا تھا۔ ثمینہ کمرے میں آتے ہی نمدے پر گر گئی۔ دن بھر گھوڑے کی پشت پر سفر کرنے سے وہ بری طرح تھک گئی تھی۔ نمدے پر لیٹتے ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

وہ رات بڑے سکون سے گزری اور پھر صبح ہوتے ہی ان کا سفر شروع ہو گیا۔ یہ سفر پہلے سے زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ سرسبز وادیاں بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ اب ان کے چاروں طرف بنجر خشک پہاڑ تھے۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے لیکن درختوں کے وہ جھنڈ

ان کے راستے سے بہت ہٹ کر تھے۔ تیز دھوپ سے چٹانیں تپ رہی تھیں۔ انہوں نے اگرچہ جیکٹیں اتار لی تھیں لیکن گرمی سے نڈھال ہو رہے تھے۔ جسم پسینے میں شرابور تھے اور راستے میں کوئی سایہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا جہاں رک کر کچھ دیر آرام کر لیا جاتا۔

دوپہر دو بجے تک وہ کہیں رکے بغیر چلتے رہے اور بالآخر ایک چٹان کے دامن میں درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب رک گئے۔ وہاں ایک چھوٹا سا چشمہ بھی تھا۔ وہ سب گھوڑوں سے اترتے ہی چشمے کی طرف لپکے تھے۔

ثمینہ' جو نولکھا کو اب تک تسلیاں دیتی رہی تھی' اس کی اپنی حالت سب سے ابتر تھی' وہ بری طرح نڈھال ہو رہی تھی۔ اس نے سیر ہو کر پانی پیا اور پھر چشمے کے قریب ہی ایک درخت کے سائے میں لیٹ گئی۔ مسلسل گھوڑے پر بیٹھے رہنے سے اس کی ٹانگوں میں بڑی شدت کا درد ہو رہا تھا اور وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔

آرام کے لئے صرف ایک گھنٹہ ملا تھا۔ اس کے بعد ان کا سفر پھر شروع ہو گیا۔ شام سے ذرا پہلے وہ دریائے لوگر کے کنارے پر پہنچ گئے اور کئی میل تک کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کے بعد انہوں نے ایک جگہ پر دریا عبور کیا اور سفر جاری رکھا۔

یہ بڑا سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ ان کے چاروں طرف باغات تھے لیکن اجڑے ہوئے۔ انہی باغات میں سے ہوتے ہوئے وہ ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئے۔ چند گھروں پر مشتمل یہ بستی کھنڈروں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ گل رحمان نے بتایا کہ افغانستان پر روسی فوج کے تسلط کے دوران اس بستی میں کئی مرتبہ روسی فوجی آئے تھے۔ ان کے گن شپ ہیلی کاپٹر بھی فضا میں پرواز کرتے رہتے تھے۔ روسی فوجی افغان مجاہدین کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ وہ بستی کے باشندوں کو ڈراتے دھمکاتے بھی تھے لیکن انہوں نے بستی کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ یہ چھوٹی سی بستی تو خود افغانوں نے تباہ کی تھی۔ ایک دھڑے کے کچھ جنگجو یہاں ڈیرہ جمائے ہوئے تھے کہ مخالف دھڑے نے حملہ کر دیا۔ انہوں نے اس بستی پر اتنے گولے برسائے تھے کہ ایک بھی مکان سلامت نہیں رہا تھا۔

انہوں نے اس بستی کے کھنڈروں پر پڑاؤ ڈال دیا۔ ثمینہ اور شارق وغیرہ گھوم پھر کر بستی دیکھنے لگے۔ بیس بائیس گھر تھے اور کسی گھر کی کوئی دیوار سلامت نہیں تھی۔ اس بستی سے چند گز کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ ثمینہ ندی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گئی۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ لیکن اسے بڑا سکون مل رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جسم کی ساری تھکن پیروں کے راستے اتر رہی ہو۔

"شارق... وہ دیکھو۔ ادھر کوئی آ رہا ہے۔" ثمینہ نے ندی کے دوسری طرف بہت دور

aazzamm@yahoo.com

درختوں کی طرف اشارہ کیا۔

شارق اسی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ مگر دوسرے ہی لمحہ اسے ایک گھوڑا سوار دکھائی دیا۔ جو کبھی درختوں میں چھپ جاتا اور کبھی سامنے آ جاتا۔

"چلو گل رحمان کو اطلاع کر دیں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کھنڈروں میں آ گئے۔ گھوڑا سوار کے بارے میں اطلاع ملتے ہی گل رحمان اور اس کے ساتھی رائفلیں اٹھا کر ندی کی طرف دوڑ پڑے۔ شارق بھی اپنی رائفل سنبھالے ان کے پیچھے لپکا تھا۔ ثمینہ اور نولکھا آگ کے الاؤ کے قریب بیٹھے رہے۔ لیکن ان دونوں نے بھی اپنی رائفلیں اپنے قریب رکھ لی تھیں۔

گل رحمان اور اس کے ساتھی درختوں اور بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ گل رحمان بہت دور تک دیکھ رہا تھا لیکن اس گھڑ سوار کے پیچھے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ چند منٹ بعد وہ گھڑ سوار قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے شاید کسی قسم کا خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ڈھاٹا بندھا ہوا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ پھر اس نے چہرے سے ڈھاٹا اتار دیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دری زبان میں چیخ کر بولا۔

"کوئی ہے.... یہاں کوئی ہے؟"

گل رحمان شارق کے قریب تھا۔ اس نے شارق کو وہیں دبکے رہنے کا اشارہ کیا اور اپنی رائفل سنبھالے پتھر کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔

"کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو؟" گل رحمان نے اسے رائفل کی زد پر لیتے ہوئے پوچھا۔

اپنے آپ کو رائفل کی زد پر دیکھ کر اس شخص کے چہرے کے تاثرات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ مطمئن اور پرسکون نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ اس کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی لیکن اس نے رائفل کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

"میرا نام امان اللہ ہے اور میں سید آباد سے آیا ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "تم کون ہو؟ کیا تم اکیلے ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہیں۔ لیکن سید آباد تو یہاں سے بہت دور ہے کیا تم اکیلے ہو؟" گل رحمان نے پوچھا۔

"ہاں میں اکیلا ہوں۔" امان اللہ نامی اس شخص نے جواب دیا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر تمہارے ساتھ ملک فیروز بھی ہے تو میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے میرے پاس پلندر خان کا پیغام ہے۔"

ملک فیروز اور پلندر خان کا نام سن کر گل رحمان چونک گیا۔ اس نے گہری نظروں سے امان اللہ کی طرف دیکھا۔ وہ پلندر خان کے بہت سے ساتھیوں کو جانتا تھا۔ لیکن یہ چہرہ اس کے لئے اجنبی تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر ملک فیروز کو آواز دی..... ملک فیروز خاصا پیچھے تھا۔ وہ درختوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ امان اللہ اسے دیکھ کر گھوڑے سے اتر آیا۔ ملک فیروز نے بھی امان اللہ کو پہچان لیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے امان اللہ سے مصافحہ کیا اور پھر شارق اور گل رحمان کے دوسرے ساتھی بھی کمین گاہوں سے نکل کر سامنے آ گئے۔

ملک فیروز نے سب سے امان اللہ کا تعارف کرایا۔ وہ پلندر خان کا آدمی تھا۔ وہ لوگ اسے لے کر کھنڈروں میں آ گئے۔ جہاں ثمینہ اور نولکھا بھی موجود تھے۔ ثمینہ قہوہ بنا رہی تھی۔ اس نے کیتلی چولہے سے اتاری اور پیالیوں میں قہوہ انڈیلنے لگی۔ نولکھا ایک ایک پیالی اٹھا کر دوسروں کی طرف بڑھاتا جا رہا تھا۔

اس وقت شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ کھنڈروں سے باہر کی طرف تاریکی تھی۔ وہ لوگ ایک مکان کے کھنڈر میں ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ دیواروں کی وجہ سے وہ تیز ہوا سے بچے ہوئے تھے اور آگ کی روشنی بھی باہر سے نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔

"ہاں۔ اب بتاؤ تم پلندر خان کا کیا پیغام لے کر آئے ہو۔ حالانکہ اسے معلوم ہے کہ ہم کل دوپہر کے بعد کسی وقت وہاں پہنچ جائیں گے۔ پھر اسے پیغام بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا کوئی بہت خاص بات ہے؟" ملک فیرزو نے قہوہ کی چسکی لیتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے امان اللہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ خاص بات ہی ہے تو مجھے بھیجا ہے۔" امان اللہ نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے یقین تھا کہ تم لوگ اسی راستے سے آؤ گے۔ ویسے دو آدمی اور بھی دوسرے راستے پر بھیجے گئے ہیں۔"

"پیغام کیا ہے؟" ملک فیروز نے پوچھا۔

"پیغام یہ ہے کہ تم لوگ یہاں سے سید آباد جانے کے بجائے براکی کی طرف مڑ جاؤ گے اور خانزادہ کی بستی میں رک کر اگلے پیغام کا انتظار کرو گے۔" امان اللہ نے جواب دیا۔

"راستے میں اس تبدیلی کی کوئی خاص وجہ؟" ملک فیروز نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہاں۔" امان اللہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "حکومت کی مخالف فوج نے سید آباد پر قبضہ کر لیا ہے۔ اگرچہ براکی کے آس پاس بھی لڑائی ہو رہی ہے لیکن وہ جگہ نسبتاً محفوظ ہے۔ اس لئے تم لوگوں کو اس طرف جانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔"

"اوہ!" ملک فیروز بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ مہمانوں کو کئی روز تک براکی میں رکنا پڑے گا۔"

"دو چار روز کی بات ہے۔" امان اللہ نے جواب دیا۔ "سرکاری فوج سید آباد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ امید ہے کہ مخالف دھڑا ایک دو روز میں یہ شہر خالی کر دے گا اور اس کے بعد کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس پروگرام پر عمل کرنا پڑے گا۔" ملک فیروز بولا۔

ان میں یہ ساری گفتگو دری زبان میں ہو رہی تھی اور اس زبان کا ایک لفظ بھی شارق وغیرہ کے پلے نہیں پڑ رہا تھا اور اب گل رحمان اردو میں انہیں اس گفتگو کے بارے میں بتا رہا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"سید آباد' کابل غزنی شاہراہ پر واقع ہے۔ یہ شہر گو کہ بہت بڑا نہیں ہے لیکن کابل کے لئے اس کی بڑی اہمیت ہے اور براکی کابل سے گردیز جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ اہمیت اس شہر کی بھی کم نہیں ہے لیکن یہاں حکمران پارٹی کے قدم بہت مضبوط ہیں۔ یہ شہر بھی دریائے لوگر کے کنارے پر آباد ہے' اس لئے وہاں پہنچنے کے لئے ہمیں تھوڑا اوپر جا کر راستہ تبدیل کرنا پڑے گا۔"

"اور پھر سید آباد جانے کے لئے ہمیں دوبارہ اس طرف آنا پڑے گا۔" شارق نے پوچھا۔

"نہیں" گل رحمان نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہم دریائے لوگر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے سید آباد پہنچ سکتے ہیں۔"

"اس علاقے میں تو کوئی خطرہ نہیں ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"یوں تو اصل لڑائی کابل اور اس کے آس پاس ہو رہی ہے لیکن افغانستان میں کسی بھی علاقے کو خطرے سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لوگ بڑے شہروں سے نکل کر چھوٹی بستیوں' جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کر رہے ہیں لیکن وہ کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہیں۔ یہ بستی تمہارے سامنے ہے۔ اس کا جو حشر ہوا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ چھوٹے علاقوں میں کبھی کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوتی بلکہ چھاپہ مار جنگ ہوتی ہے جس کا داؤ چل جاتا ہے مخالف فریق کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نقصان عام لوگوں کا ہوتا ہے۔ عوام مارے جاتے ہیں اور ان کی املاک تباہ ہو

جاتی ہیں۔ اس خانہ جنگی کی وجہ سے یہ ملک تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے اور اب پتہ نہیں اس کی قسمت میں اور کیا لکھا ہے؟"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی وقت ہم پر بھی حملہ ہو سکتا ہے۔" ثمینہ بولی۔ "ایسا ممکن ہے۔" گل رحمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"براکی یہاں سے کتنی دور ہے۔ اگر وہ محفوظ جگہ ہے تو ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہم صبح نماز کے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے تو دوپہر بارہ ایک بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"صبح ہونے کا انتظار کیوں کیا جائے۔" ثمینہ بولی۔ "کیوں نہ ابھی کھانا کھانے کے فوراً بعد روانہ ہو جائیں۔"

"ان علاقوں میں رات کو سفر کرنا زیادہ خطرناک ہے۔" گل رحمان نے کہا۔ "رات کو سفر کے دوران کسی پارٹی کی طرف سے ہم پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اگر حملہ نہ بھی ہو تو راستہ اس قدر دشوار گزار ہے کہ ہم کسی حادثے کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ صبح ہونے کا انتظار کیا جائے۔"

ثمینہ نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ گل رحمان دوبارہ ملک فیروز اور امان اللہ کی باتوں میں شریک ہو گیا اور ثمینہ' شارق اور نولکھا سے سرگوشیاں کرنے لگی۔

ان کے چاروں طرف سناٹا تھا' سب لوگ سو چکے تھے۔ بازت خان کھنڈروں کے باہر کسی جگہ بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ ثمینہ کھنڈر کی ایک شکستہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی پتھروں کے بیچ میں ان کوکوں کو گھور رہی تھی جو الاؤ ختم ہو جانے کے بعد سلگ رہے تھے۔ اس کے ہر طرف خاموشی تھی۔ سناٹا تھا۔ اور اس سناٹے میں کبھی کبھی اسے یوں محسوس ہوتا جیسے دشمن کی فوج مارچ کرتے ہوئے بڑی تیزی سے اس طرف آ رہی ہو۔ بھاری فوجی بوٹوں کی دھمک اسے اپنے سینے پر محسوس ہونے لگتی۔ اور کبھی یوں لگتا جیسے ٹینک دھرتی کا سینہ کوٹتے اور اپنے دہانوں سے آگ اگلتے ہوئے چلے آ رہے ہوں اور کبھی گولوں کی گھن گرج سنائی دینے لگتی۔ وہ بار بار اپنا سر جھٹک کر ان خیالات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن یہ خوفناک خیالات اس کے دماغ سے گویا چپک کر رہ گئے تھے۔ اس نے نظریں گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ کوئی بہت بڑا کمرہ تھا جس کی چھت غائب ہو چکی تھی اور دیواریں بھی ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ ایک دروازے کی جگہ ہوئی شکستہ دیوار میں پھنسی رہ گئی تھی۔ وہ سب اسی کمرے میں سو رہے تھے۔ سامنے والی دیوار کے

aazzamm@yahoo.com

ساتھ گل رحمان' امان اللہ' ملک فیروز اور نجیب اللہ سوئے ہوئے تھے۔ بازت خان کھنڈر کے باہر پہرہ دے رہا تھا۔ آدھی رات کے بعد نجیب اللہ کو اس کی جگہ لینی تھی۔ اس شکستہ چار دیواری کے اندر ثمینہ واحد ہستی تھی جو جاگ رہی تھی۔ اس کے ذہن پر ایک عجیب سا خوف طاری تھا۔ اس ملک میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ تباہی کی ایک چھوٹی سی مثال اس بستی کے ان کھنڈروں کی صورت میں اس کے سامنے تھی۔ کبھی یہاں بھی زندگی سے بھرپور قہقہے گونجتے ہوں گے لیکن سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ اب یہاں ویرانہ تھا۔ ثمینہ اس بات سے خوفزدہ تھی کہ اگر جنگجو افغانوں کی کوئی ٹولی اس طرف نکل آئی تو یہ لوگ زندہ نہیں بچیں گے۔

اب وہ بھی نولکھا کے ذہن سے سوچ رہی تھی کہ حاجی نے ان کے خلاف کوئی سازش تو نہیں کی تھی۔ انہیں مال کی ایک کھیپ لانے کے لئے افغانستان بھیجا گیا تھا۔ اسمگلروں کی سرگرمیاں عام طور پر سرحد کے آس پاس کے علاقوں تک محدود رہتی ہیں تاکہ مال لے کر فوری طور پر سرحد کے دوسری طرف پہنچا جائے' لیکن یہ لوگ پانچ دن سے سفر کر رہے تھے اور ابھی تک اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ آخر یہ لوگ مال لے کر واپس کیسے جائیں گے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حاجی نے واقعی کسی سازش کے تحت انہیں یہاں بھیجا ہو' وہ خود ان کے خون سے ہاتھ نہ رنگنا چاہتا ہو اور اس طرح اس پر کوئی حرف بھی نہیں آئے گا۔ نولکھا نے بھی شاید ٹھیک ہی سوچا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے بالآخر ثمینہ کی آنکھ لگ گئی اور وہ دیوار کے قریب ہی زمین پر لیٹ کر سو گئی۔

دفعتاً" اس کی آنکھ کھل گئی۔ کھنڈر کے باہر کسی جگہ پر بندھے ہوئے گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے وہ کسی چیز سے ڈر گئے ہوں اور رسے تڑوا کر بھاگنا چاہتے ہو۔ پتھریلی زمین پر ان کے سم مارنے کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔

ثمینہ بدحواس سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ گل رحمان اور شارق بھی جاگ گئے تھے۔ جبکہ دوسرے لوگ اب بھی گہری نیند میں تھے۔

"کیا ہوا..... یہ گھوڑے کیوں بدک گئے ہیں؟" گل رحمان نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہپ..... پتہ نہیں۔" ثمینہ ہکلائی۔ "میری آنکھ بھی انہی کے شور سے کھلی تھی۔ شاید کسی چیز سے ڈر گئے ہیں۔"

ٹھیک اسی لمحہ بازت خان دوڑتا ہوا کھنڈر میں داخل ہوا۔

"غضب ہو گیا خان۔" وہ گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو رہا

تھا۔

"کیا ہوا؟" گل رحمان ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ لوگوں نے اس کھنڈر کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔" بازت خان نے بتایا۔ "پتہ نہیں وہ حکومت کے آدمی ہیں یا کسی مخالف پارٹی کے۔"

"ان کی تعداد کیا ہے؟" گل رحمان نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ میرا خیال ہے تیس پینتیس تو ہو گی۔" بازت خان نے جواب دیا۔ دوسرے آدمی بھی ان کی آواز سن کر بیدار ہو گئے تھے۔ نولکھا بھی جاگ گیا تھا۔ ان سب نے اپنی اپنی رائفلیں سنبھال لیں۔

"خبردار تم میں سے کوئی بھی گولی نہیں چلائے گا۔" گل رحمان چیخا۔ "ان کی تعداد ہم سے زیادہ ہے اور ان کے پاس ایمونیشن بھی وافر مقدار میں ہو گا۔ اگر ہم نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو وہ لوگ ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔"

"تو کیا ہم اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیں۔" شارق بولا۔

"ہاں ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" گل رحمان نے کہا۔ "ایسی صورت میں ہمارے لئے بچت کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے۔ وہ حکومت کے آدمی ہوں یا مخالف پارٹی کے۔ ہماری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ ہم تو مسافر ہیں' مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک نہیں کریں گے۔"

کسی نے کچھ نہیں کہا۔ نولکھا کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ ثمینہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے بے بس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ رات کی تاریکی چھٹ رہی تھی اور بہت ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔

"ہم نے تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔" باہر سے کوئی آدمی چیخ کر دری زبان میں کہہ رہا تھا۔ "اپنے ہتھیار پھینک کر ایک ایک کر کے باہر آ جاؤ۔ اگر مزاحمت کی کوشش کی تو تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

وہ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور پھر گل رحمان نے اپنی رائفل زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ بلند کر کے کھنڈر کی شکستہ چار دیواری سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے جانے والا ملک فیروز تھا۔ شارق نے ثمینہ اور نولکھا کو اشارہ کیا۔ وہ بھی اپنی کامل کے لئے کوئی بس کھنڈر سے باہر نکل آئے۔

ثمینہ' شارق کے پیچھے تھی..... اس نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے تھے۔

آتے ہی اس نے دائیں بائیں درختوں کی آڑ میں کھڑے ہوئے

aazzamm@yahoo.com

دونوں کے ہاتھوں میں سب مشین گنیں تھیں۔ دو آدمی کھنڈر کی دیوار کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی سب مشین گنیں تھیں۔ ثمینہ رک کر پیچھے دیکھنا چاہتی تھی لیکن دائیں طرف کھڑے ہوئے آدمی نے دری زبان میں چیخ کر کچھ کہا اور ثمینہ آگے بڑھ گئی۔ خوف سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

وہ لوگ ایک دوسرے سے پشت ملائے ایک چھوٹے سے میدان میں ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کی ٹانگیں آگے کو پھیلی ہوئی تھیں اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ ان کے چاروں طرف پانچ چھ آدمی کھڑے تھے جنہوں نے ان سب کو مشین گنوں کی زد پر لے رکھا تھا۔

ان کی تعداد بائیس تھی۔ ان کے پاس سب مشین گنوں کے علاوہ اینٹی مشین گنیں اور مارٹر گنیں بھی تھیں۔ ایک آدمی کے پاس راکٹ لانچر بھی تھا جسے کندھے پر رکھ کر چلایا جا سکتا تھا۔ راکٹ صرف دو تھے البتہ ایمونیشن ان کے پاس بہت تھا۔ مختلف کیلیبر کے کارتوسوں کے کئی کئی بار ہر ایک کے گلے میں پڑے ہوئے تھے۔

ان میں سے پانچ تو گل رحمان اور اس کے ساتھیوں پر پہرہ دے رہے تھے اور باقی ان سے ذرا ہٹ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ تو انہیں دیکھنے کے فوراً ہی بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا تعلق حکمران پارٹی سے نہیں تھا۔ وہ حکومت کی کسی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا لیڈر ایک ایسا شخص تھا جس کی داڑھی دو بالشت سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ سر پر بھی سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا۔

اس وقت سورج طلوع ہو چکا تھا اور دھوپ پھیل رہی تھی۔ شارق نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر گل رحمان کو مخاطب کرتے ہوئے اس سے کوئی بات کرنا چاہی تھی مگر ایک پہرے دار نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا کہ وہ خاموش بیٹھے رہیں۔

"ہم لوگ خاموش نہیں بیٹھے رہ سکتے۔" گل رحمان نے گردن گھما کر پہریدار کی طرف دیکھا۔ "تم لوگ کون ہو؟ ہمیں اس طرح پکڑ کر کیوں بٹھا رکھا ہے۔ ہم تو مسافر ہیں۔ ہمارا کسی [illegible] کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"چپ.... پتہ [illegible] چیز سے ڈر گئے ہیں۔" گل رحمان کی بات سن لی تھی۔ اس نے محافظ سے کچھ کہا اور محافظ ٹھیک اسی لمحہ بازت خ

"غضب ہو گیا خان۔" [illegible] کر آرام سے بیٹھ سکتے ہو۔ لیکن کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش

[illegible]ت کرنا۔"

گل رحمان اور اس کے ساتھیوں نے ٹانگیں سمیٹ لیں۔ اس نے شارق وغیرہ کو بھی بتا دیا وہ بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اس پوزیشن میں بیٹھے رہے تھے جس سے ان کی ٹانگیں اکڑ کر تختہ ہو گئی تھیں۔ اب وہ رخ بدل کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس طرح کیوں بٹھا رکھا ہے؟" شارق بولا۔ اس سے پہلے کہ گل رحمان کوئی جواب دیتا سیاہ لباس اور لمبی داڑھی والا اپنے گروپ میں سے اٹھ کر ان کے قریب آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دو آدمی اور بھی تھے۔ ایک تو اس کی طرح داڑھی والا تھا اور دوسرا بالکل نوعمر تھا۔ اس کی تو ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ اس نے کندھے پر سب مشین گن لٹکا رکھی تھی۔

کالے لباس والا گل رحمان اور ملک فیروز سے باتیں کرتا رہا۔ کبھی وہ بہت غصے میں آ جاتا اور کبھی اس کے لہجے میں نرمی آ جاتی....

"ہم جانتے ہیں کہ تم لوگوں کا حکمران پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ تین غیر ملکی جاسوسوں کی موجودگی تم لوگوں کو مشتبہ بنا رہی ہے۔" سیاہ لباس والے نے کہا۔

"یہ غیر ملکی جاسوس نہیں ہیں۔" گل رحمان نے کہا۔ "یہ اخبار نویس ہیں اور ان کا تعلق پاکستان سے ہے۔ یہ لوگ یہاں سے واپس جا کر اخبارات میں لکھیں گے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مجاہدین کس طرح ظالم حکمرانوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔"

"لیکن ان کے پاس تو کیمرے وغیرہ نہیں ہیں۔" سیاہ لباس والے نے باری باری شارق، ثمینہ اور نوکھا کو گھورا۔

"تین روز پہلے ایک گروہ نے انہیں پکڑ لیا تھا۔ وہ انکے قیمتی کیمرے اور دوسرا سامان لوٹ کر لے گئے۔ اتفاق سے کل شام یہ لوگ ہمیں مل گئے۔ ہم انہیں اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔"

"اگر یہ لوگ ہمیں نہ ملتے تو ویرانوں میں بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔ یہ لوگ کابل کی طرف جانا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"لیکن یہ کابل کا راستہ تو نہیں ہے۔" داڑھی والے نے کہا۔

"ہم انہیں براکی تک اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ وہاں سے انہیں کابل کے لئے کوئی بس وغیرہ مل جائے گی۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا چاہتے ہو؟" داڑھی والے نے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہم لوگ بلندر خان کے آدمی ہیں اور براکی جا رہے ہیں۔" اس مرتبہ گل رحمان کے بجائے ملک فیروز خان نے جواب دیا۔

"بلندر خان تو سید آباد میں ہے۔ تم لوگ براکی کیوں جا رہے ہو؟" داڑھی والے نے اسے گھورا۔

"ہم لوگ دراصل کئی روز پہلے ایک کام سے سرخاب کی طرف گئے تھے۔ واپسی پر راستے میں پتہ چل گیا کہ سید آباد میں جنگ ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم کل شام کو یہاں رک گئے تھے۔ اب ہمارا ارادہ براکی جانے کا ہے۔ ایک دو روز وہاں رکنے کے بعد سید آباد کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔" ملک فیروز نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ آرام سے بیٹھے رہو۔ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں اس کے بعد تم لوگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔" داڑھی والے نے جواب دیا اور وہاں سے ہٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔

دس بج گئے۔ ان لوگوں نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔ اس کے برعکس انہیں اپنا قیدی بنانے والے قہوہ بنا کر پی چکے تھے اور ان کے سامان میں رکھا خشک گوشت بھی تل کر چٹ کر گئے تھے۔ اور ان سے پوچھا تک نہیں تھا۔

"کیا ان کا تعلق کسی پارٹی سے ہے؟" شارق نے گل رحمان سے پوچھا۔

"ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے نہیں ہے۔" ملک فیروز نے جواب دیا۔ "یہ وہ لوگ ہیں جو اس قسم کے ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حکومت کمزور ہوتی ہے تو ہر شخص اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ سیاسی پارٹیاں تو سرگرم ہوتی ہی ہیں۔ اس قسم کے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ افغانوں میں اس وقت کوئی قانون نہیں ہے۔ جس کا جو دل چاہتا ہے کر رہا ہے۔ یہاں لاتعداد گروہ بن چکے ہیں جو اپنے آپ کو اس ملک کے محافظ اور مجاہدین کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ لٹیرے ہیں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں لوٹ مار کرتے پھر رہے ہیں۔ بستیوں کے نہتے لوگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ ان سے ڈرتے ہیں لیکن جب کوئی بڑا گروہ مقابلے پر آتا ہے تو یہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔"

"لیکن ان کے پاس تو جدید ترین ہتھیار ہیں۔" شارق نے کہا۔ "راکٹ لانچر، لائٹ مشین گنیں، مارٹر گنیں، سب مشین گنیں، ہینڈ گرنیڈ اور میزائل۔ یہ اسلحہ ان کے پاس کہاں سے آ گیا۔"

"افغانستان جیسے ملک میں اسلحہ کا حصول کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جب روسی فوجیں یہاں سے واپس گئی تھیں تو وہ اپنے پیچھے جگہ جگہ اسلحہ اور بارود کا انبار چھوڑ گئی تھیں۔ لوگوں نے یہ اسلحہ اپنے گھروں میں چھپا لیا۔ بہت سا اسلحہ پاکستان کی طرف اسمگل ہو رہا ہے اور بہت سا یہاں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ حکومت کو بھی معلوم نہیں ہے کہ یہاں عام لوگوں کے پاس کتنی کثیر مقدار میں گولہ بارود موجود ہے اور یہ لوگ" اس نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ "انہیں بھی کہیں سے یہ گولہ بارود مل گیا ہے اور یہ لوگ اپنے آپ کو مجاہدین سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صرف یہی لوگ افغانستان کو غاصبوں سے نجات دلا سکتے ہیں جبکہ درحقیقت یہ لٹیرے ہیں۔"

"ہمارے ساتھ یہ لوگ کیا سلوک کریں گے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہم نے انہیں بتایا ہے کہ تم تینوں پاکستانی اخبار نویس ہو۔ تین دن پہلے کسی گروہ نے تم دونوں کو لوٹ لیا تھا اور کیمرے وغیرہ چھین کر لے گئے تھے۔ تم لوگ حالات کا جائزہ لینے کے لئے کابل جانا چاہتے ہو۔ کل تم لوگ ہمیں مل گئے تھے اور ہم نے تمہیں براکی تک لے جانے کی پیشکش کی تھی۔ جہاں سے تم لوگ کابل چلے جاؤ گے۔" اس مرتبہ گل رحمان نے جواب دیا۔

"لیکن اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا تو؟" شارق بولا۔

"خود تو یہ لوگ لوٹ مار پر گزارہ کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اپنے کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ تم لوگوں کو قیدی بنا کر کہاں سے کھلائیں گے؟" ملک فیروز نے کہا۔ "یہ لوگ آپس میں مشورہ کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ہم سب کو چھوڑ دیں گے۔"

"ہو سکتا ہے تم لوگوں کے بارے میں ان کی رائے مختلف ہو۔ لیکن اگر انہوں نے ہم تینوں کو نہ چھوڑا تو....؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں شاید ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم میں ایک عورت بھی موجود ہے۔" گل رحمان نے کہا۔ "اگر پتہ چل گیا ہوتا تو وہ ثمینہ کو ہم سے الگ کر چکے ہوتے۔ میں ثمینہ بی بی کو مشورہ دوں گا کہ وہ اپنے کو ان کی نگاہوں سے بچانے کی کوشش کرے۔"

گل رحمان نے جن نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا تھا وہ جھینپ سی گئی۔ اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ کوشش کرتی رہی کہ اپنے آپ کو نمایاں نہ ہونے دے۔

گیارہ بج گئے۔ ان نام نہاد مجاہدین کی طویل میٹنگ ختم ہو گئی۔ لمبی داڑھی والے نے اعلان کیا کہ مجاہدین نے ان کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ وہ لوگ چاہیں تو اپنی منزل کی طرف جا سکتے ہیں۔

ان سب کے منہ سے بے اختیار گہرے سانس نکل گئے۔ ان کی رائفلیں واپس کر دی گئیں

aazzamm@yahoo.com

البتہ فالتو گھوڑے واپس نہیں کئے گئے۔ راشن ختم ہو چکا تھا۔ یہ مجاہدین سب کچھ چٹ کر گئے تھے۔ ان لوگوں سے نجات ملتے ہی وہ لوگ گھوڑوں پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ثمینہ نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ وہ عورت ہے تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔

وہ لوگ رکے بغیر سفر کرتے رہے۔ گھوڑوں کی رفتار بھی تیز تھی۔ وہ لوگ ان نام نہاد مجاہدین سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔

تین بج رہے تھے۔ گرمی اور بھوک پیاس سے ان سب کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ گھوڑوں کے جسم بھی پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ وہ دریا سے ہٹ کر دوسری طرف نکل گئے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان تنگ سے راستے تھے جن سے وہ گزر رہے تھے۔

ایک جگہ انہیں گھوڑوں سے اتر جانا پڑا۔ ایک طرف عمودی چٹان تھی اور دوسری طرف سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ.... عمودی چٹان کے ساتھ تقریباً پانچ فٹ چوڑی کارنس سی بنی ہوئی تھی۔ انہیں اسی راستے سے گزر کر جانا تھا۔ یہ کارنس تقریباً اسی فٹ لمبی تھی۔ اس کے بعد کشادہ راستہ تھا۔ لیکن اسی فٹ کا یہ فاصلہ پل صراط سے کم نہیں تھا۔

پہلے اماں اللہ اور ملک فیروز آگے بڑھے۔ وہ اپنے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر پیدل اس تنگ سی پٹی پر چل رہے تھے۔ ان کے بعد شارق اپنے گھوڑے کو لے کر آگے بڑھ گیا اور اس سے تقریباً دس فٹ کا فاصلہ دے کر ثمینہ گھوڑے کی لگام تھامے اس کارنس پر چلنے لگی۔ اس نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ سے چٹان کا سہارا لے رکھا تھا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک بار نیچے جھانک کر دیکھا تو اسے اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چٹان کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔

اس سے تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر گل رحمان آ رہا تھا۔ ثمینہ نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا اور پھر آگے چلنے لگی۔ اس نے بیس فٹ کا فاصلہ اور طے کر لیا۔ چٹان پر چند فٹ اوپر جھاڑیوں میں کسی پرندے نے گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ پرندہ اچانک ہی پھڑپھڑاتا ہوا گھونسلے سے اڑا تو ثمینہ کا گھوڑا بدک گیا۔ ثمینہ بھی بدحواس سی ہو گئی۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ لگام ثمینہ کے ہاتھ میں تھی اور وہ اسے کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن گھوڑا بری طرح بدک گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا پیچھے کی طرف ہٹ رہا تھا۔ اس کا پچھلا ایک پیر کنارے کے ایک پتھر پر پڑا۔ پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ گھوڑا کھڈ کے کنارے پر نیچے کی طرف پھسلنے لگا۔ اس کی لگام اب بھی ثمینہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور لگام کے ساتھ وہ بھی کھڈ کی طرف کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔

"لگام چھوڑ دو..... ثمینہ لگام چھوڑ دو۔"

یہ گل رحمان کے چیخنے کی آواز تھی جو ثمینہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ غیر ارادی طور پر ثمینہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور لگام اس کے ہاتھ سے پھسلتی چلی گئی۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا کھڈ میں غائب ہو گیا۔ ثمینہ کھڈ کے کنارے سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کا دماغ چکرا گیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ بلند پہاڑ اس کے چاروں طرف بڑی تیزی سے گھوم رہے ہوں۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور پھر وہ نیچے جھکتی چلی گئی۔

گل رحمان سب سے قریب تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام تھامے رکھی اور دوسرے ہاتھ سے ثمینہ کو پکڑ کر کنارے سے پیچھے کھینچ لیا۔ ثمینہ کا چہرہ خوف کی شدت سے بالکل سفید پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہے، اپنے آپ پر قابو پاؤ ثمینہ بی بی۔" گل رحمان نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

ثمینہ کو اپنی حالت پر قابو پانے میں تقریباً دو منٹ لگ گئے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ گل رحمان نے اس کا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اور اسے چٹان کی طرف رکھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ شارق ان سے چند گز آگے تھا۔ یہ حادثہ پیش آنے پر وہ بھی رک گیا تھا۔ اب وہ بھی آگے چل پڑا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ سب لوگ ایک کشادہ جگہ پر جمع تھے۔ ثمینہ کے چہرے پر اب بھی خوف تھا۔ تھوڑی دیر وہاں رکنے کے بعد وہ نشیب میں اترنے لگے۔ ثمینہ شارق کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ ایک چشمے پر پہنچ گئے۔ یہاں چند سایہ دار درخت بھی تھے۔ گھوڑوں سے اترتے ہی انہوں نے پانی پیا اور درختوں کے سائے میں گر گئے۔

ایک گھنٹے سے پہلے کسی کے حواس بحال نہیں ہو سکے تھے۔ چند گھنٹوں کے اس سفر نے ان سب کو بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔ اور پھر ملک فیروز کا یہ انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ وہ لوگ اصل راستے سے بھٹک گئے تھے۔ وہ راستہ بھٹک کر ہی ان دشوار گزار پہاڑوں کی طرف نکل گئے تھے جہاں ایک حادثے میں انہیں ایک گھوڑے سے بھی محروم ہونا پڑا تھا۔ لیکن بہرحال اب پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ دریا کے کنارے وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا، وہ لوگ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تین گھنٹوں میں براکی پہنچ جائیں گے۔

aazzamm@yahoo.com

اور جب وہ دریا کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت بھی وہ زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے۔ بھوک سے ان سب کے پیٹ میں گرہیں سی پڑ رہی تھیں۔ انہوں نے کل شام کو کھانا کھایا تھا' صبح یہ لوگ ان نام نہاد مجاہدین کے قیدی بن گئے تھے جو کہ ان کا سارا راشن چٹ کر گئے تھے اور یہ لوگ بھوکے رہ گئے تھے۔ اس پڑاؤ پر بار بار چشمے کا پانی پینے سے متلی سی ہو رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی انہوں نے پانی پیا۔ خالی پیٹ پانی پینے سے نولکھا کوتے ہو گئی تھی۔ وہ سب سے زیادہ نڈھال ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے انہیں تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں رکنا پڑا۔

ثمینہ اور شارق ایک ہی گھوڑے پر سوار تھے۔ گھوڑا بھی بہت بری طرح تھک گیا تھا۔ اس کے چلنے کی رفتار بھی ہلکی ہو گئی تھی۔

دو گھنٹے مسلسل چلتے رہنے کے بعد وہ لوگ ایک بار پھر دریا سے دور ہٹتے چلے گئے۔ اس وقت اگرچہ شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا لیکن اب ان کے بھٹکنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ ایک باقاعدہ راستے پر چل رہے تھے اور یہ پتھریلا راستہ ظاہر ہے کسی نہ کسی بستی کی طرف ہی جاتا ہو گا۔ یہ راستہ مسلسل بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ اور بالآخر وہ ایک جگہ رک گئے۔ سامنے نشیب میں بہت دور چند مدہم سی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

"یہ کرم باد ہے۔" امان اللہ انہیں بتا رہا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق یہ گاؤں تقریباً دو سو گھروں پر مشتمل تھا۔ اس سے تقریباً ایک گھنٹہ کی مسافت پر براکی نامی قصبہ ہے جہاں انہیں جانا ہے۔ ایک پکی سڑک کرم آباد سے براکی تک چلی گئی ہے۔ انہیں آگے سفر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

وہ نشیب میں پتھریلے راستے پر اترتے رہے اور بالآخر تقریباً آدھے گھنٹے بعد کرم آباد نامی بستی میں پہنچ گئے۔ شارق وغیرہ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس بستی میں آبادی بہت کم تھی۔ بیشتر مکان تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گلیوں میں بھی اکا دکا لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔

امان اللہ کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ وہ لوگ مختلف گلیوں میں چلتے ہوئے ایک چھوٹی سی دکان کے سامنے رک گئے۔ دکان بھی اجڑی پڑی تھی۔ دکاندار کے علاوہ دو آدمی اور بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ مشتبہ نظروں سے ان گھڑ سواروں کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیا تم ملا نصیرالدین کے گھر تک ہماری راہنمائی کر سکتے ہو؟" امان اللہ نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ آدمی اٹھ کر گلی میں ایک طرف چل پڑا۔

دو گلیاں گھومنے کے بعد وہ ایک مکان کے سامنے رک گیا' مکان کا دروازہ حویلی کے پھاٹک کی طرح تھا۔ امان اللہ نے اس شخص کا شکریہ ادا کر کے اسے رخصت کر دیا اور گھوڑے سے اتر کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ سناٹے میں لوہے کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز دور تک گونج گئی تھی۔ شارق وغیرہ بھی گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ ثمینہ مکان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کی کمر تختے کی طرح اکڑ گئی تھی اور اس کے لئے ٹیک لگائے بغیر بیٹھنا یا کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ ملا نصیرالدین ہی تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ سفید داڑھی اور سر پر سفید پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ اس نے لالٹین کی مدہم سی روشنی میں امان اللہ کو پہچان لیا۔ اس نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔

"مجھے تم لوگوں کے بارے میں آج صبح پلندر خان کا پیغام مل گیا تھا۔ آؤ اندر آ جاؤ تم لوگ۔" ملا نصیرالدین نے کہا اور پھر اندر کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز دی۔

دو لمبے تڑنگے آدمی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہ دونوں ملا نصیرالدین کے بیٹے تھے۔ انہوں نے مہمانوں سے گھوڑے لے لئے....گیٹ کے اندر بہت وسیع و عریض صحن تھا۔ ایک طرف اصطبل بھی تھا۔ وہ دونوں گھوڑوں کو لے کر اصطبل کی طرف چلے گئے اور ملا نصیرالدین مہمانوں کے ساتھ مہمان خانے میں آ گیا۔

مہمان خانہ بڑا وسیع و عریض تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور گاؤ تکیے پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں دو ٹیوب لائٹیں جل رہی تھیں۔ اس بستی کی بجلی براکی کے بجلی گھر سے سپلائی ہوتی تھی۔ لیکن بجلی کی یہ سپلائی رات دس بجے منقطع ہو جاتی تھی۔ رات دس بجے سے صبح پانچ بجے تک لوگ اپنے گھروں میں لالٹینیں یا پیٹرومیکس استعمال کرتے تھے۔

ملا نصیرالدین باری باری ان سب کے چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ کو دیکھ کر وہ چونک سا گیا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"مجھے یقین تھا کہ تم لوگ شام تک یہاں پہنچ جاؤ گے۔ میں نے کھانا تیار کروا رکھا ہے۔ تم لوگ ہاتھ دھو لو تو کھانا لگوا دیتا ہوں۔" ملا نصیرالدین نے کہا۔ اسی وقت اس کے دونوں بیٹے بھی اندر داخل ہوئے۔ ملا نصیرالدین نے دری زبان میں ان سے کچھ کہا۔ ایک تو اندرونی دروازے میں چلا گیا اور دوسرا باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اسکے ہاتھ میں تولیہ تھا۔

"میں نے برآمدے میں پانی رکھ دیا ہے۔ آپ لوگ منہ ہاتھ دھو لیں۔" اس نے باری باری

aazzamm@yahoo.com

ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ برآمدے میں آ گئے۔ ایک بڑی بالٹی پانی سے بھری رکھی تھی۔ اس میں مگا بھی تھا۔ وہ لمبا تڑنگا نوجوان کلے سے پانی ڈالنے لگا اور وہ لوگ باری باری منہ ہاتھ دھونے لگے۔

اس دوران ملا نصیرالدین کے دوسرے بیٹے نے قالین پر دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا تھا۔ وہ لوگ آداب محفل کو نظر انداز کرتے ہوئے بے تکلفی سے کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا۔ قہوہ پیتے ہوئے ملا نصیرالدین انہیں بتا رہا تھا کہ تین دن پہلے اس بستی پر حکومت کی مخالف پارٹی کے ایک دستے نے حملہ کر دیا تھا جس میں کئی لوگ مارے گئے تھے۔ بہت سے مکانوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اور اگلے ہی روز اس بستی کی آدھی سے زیادہ آبادی برائی منتقل ہو گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ حملہ پھر بھی کسی وقت ہو سکتا ہے۔" یہ بات شارق نے پوچھی تھی۔

"کوئی بھروسہ نہیں ہے۔" ملا نصیرالدین نے کہا۔ "یہاں تو بہت ہی عجیب و غریب قسم کی صورت حال ہے۔ ہر شخص مجاہد بنا ہوا ہے۔ اسلحہ کی کمی نہیں ہے۔ جس کا دل چاہتا ہے گولے داغنا شروع کر دیتا ہے۔ جب اس ملک پر روسی فوجوں کا تسلط تھا تو اس وقت بھی یہ علاقہ زیر عتاب تھا۔ اکثر گن شپ ہیلی کاپٹر مجاہدین کے تعاقب میں اس طرف آ جاتے تھے۔ ہم نے بستی کے باہر ایک گن شپ ہیلی کاپٹر گرایا بھی تھا۔ اس کا ڈھانچہ اب بھی پڑا ہوا ہے۔ ان روسی ہیلی کاپٹروں نے ہمیں کبھی اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا یہ مجاہدین پہنچا چکے ہیں۔ اگر یہی صورت حال رہی اور خانہ جنگی بند نہ ہوئی تو اس ملک میں کچھ نہیں بچے گا۔"

"بچا تو اب بھی کچھ نہیں ہے۔" ملک فیروز نے کہا۔ "رہ ہی کیا گیا ہے یہاں۔ افغانستان کی آدھی سے زیادہ آبادی تو یہاں سے بھاگ کر پڑوسی ملکوں میں پناہ لے چکی ہے۔ بہرحال، ہمیں آج کی رات محتاط رہنا پڑے گا۔ ہم صبح سویرے ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"ہاں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ تم لوگ صبح سویرے ہی یہاں سے نکل جاؤ تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو تم لوگ محفوظ رہو۔" ملا نصیرالدین نے جواب دیا۔

ان کی گفتگو زیادہ دیر جاری نہیں رہی تھی۔ وہ لوگ بہت تھکے ہوئے تھے۔ جلد ہی سو گئے۔ ثمینہ ایک کونے میں دیوار کے ساتھ لگ کر سو گئی تھی۔ اس کے ایک طرف نوکھا تھا اور دوسری طرف شارق۔

آدھی رات کے بعد اچانک ہی ثمینہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کسی دھماکے کی خوفناک آواز تھی۔ بستی کے قریب ہی کوئی بم پھٹا ہو۔ پہلے تو وہ اسے واہمہ یا خواب سمجھی لیکن اسی لمحہ دوسرے لوگ بھی

گڑبڑا کر اٹھ گئے۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی اور وہ سب سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس لمحہ ایک اور دھماکہ ہوا، اس مکان کے قریب ہی کوئی گولہ پھٹا تھا۔

"یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے؟" نوکھا چیخا۔

"شاید مجاہدین کی کسی پارٹی نے حملہ کر دیا ہے۔" امان اللہ نے جواب دیا۔

دھماکوں کے ساتھ اب مشین گنوں یا لائٹ مشین گنوں کی مسلسل فائرنگ کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ حملہ بستی کے باہر سے ہوا تھا اور بستی سے بھی جوابی کارروائی کی جا رہی تھی۔

ایک منٹ بعد ملا نصیرالدین بدحواس سا کمرے میں داخل ہوا۔

"جلدی سے باہر نکلو۔" وہ چیخا۔ "وہ لوگ بستی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ یہاں آنے کے بعد وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں ان سے پہلے ہی اس بستی سے نکل جانا ہو گا۔"

وہ لوگ بدحواسی کے عالم میں باہر کی طرف دوڑے۔ دوسرے دروازے سے ملا نصیرالدین کے گھر والے بھی باہر نکل چکے تھے۔ ان میں ایک اس کی بیوی تھی، ایک دس گیارہ سال کا لڑکا اور ایک جوان لڑکی، جس کی عمر اٹھارہ انیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس کے بیٹے پہلے ہی اصطبل کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

"امان اللہ!" ملا نصیرالدین نے چیخ کر کہا۔ "تم اپنے آدمیوں کو لے کر برائی کی طرف نکل جاؤ۔ میں بھی اپنے گھر والوں کو لے کر تم لوگوں کے پیچھے آ رہا ہوں۔"

ان لوگوں نے گھوڑے کھول لئے تھے۔ ملا نصیرالدین کے اصطبل میں اتفاق سے ایک گھوڑا نالتو تھا جو ثمینہ کو مل گیا۔ چھوٹے لڑکے کو ملا نصیرالدین کے بڑے بیٹے نے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اس کی بیوی اور بیٹی الگ الگ گھوڑوں پر سوار ہوئی تھیں۔

پوری بستی میں دھماکے ہو رہے تھے اور لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ لوگ گھروں سے نکل کر بدحواسی کے عالم میں مختلف سمتوں میں دوڑ رہے تھے۔ بستی کے شمال کی طرف سے جس پہاڑی سے مارٹر گنوں سے گولے برسائے جا رہے تھے اور مشین گنوں سے مسلسل فائرنگیں بھی ہو رہی تھی، ثمینہ نے دو آدمیوں کو زخمی ہو کر یا مر کر گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ مارٹر گن کا ایک گولہ ملا نصیرالدین کے مکان سے تیسرے مکان پر گرا تھا۔ چیخم دھاڑ اور دھماکوں کی آواز سے گھوڑے بدکنے لگے۔

"نکل چلو یہاں سے۔" ملا نصیرالدین نے چیخ کر کہا۔

بستی کی گلیوں میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ وہ ایک گلی کا موڑ مڑ رہے تھے کہ ثمینہ کا دل کانپ رہا

aazzamm@yahoo.com

ایک گولی بازت خان کو لگی اور وہ چیختا ہوا گھوڑے سے الٹ گیا۔ امان اللہ نے دیوار کی آڑ میں گھوڑا روک لیا جبکہ دوسرے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بستی سے نکل گئے۔

ثمینہ بہت بری طرح دہشت زدہ تھی۔ وہ اپنا گھوڑا دوسروں کے پیچھے دوڑاتی رہی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک رکے بغیر گھوڑے دوڑتے رہے۔ آگے ایک چھوٹی سی چٹان تھی۔ آگے والے گھوڑے چٹان کے بائیں طرف سے نکل گئے' ثمینہ نے اپنا گھوڑا چٹان کے دائیں طرف موڑ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس چٹان سے آگے نکل کر وہ اپنے ساتھیوں سے مل جائے گی۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا اور جب اسے اپنے غلطی کا احساس ہوا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے گھوڑا روک لیا۔ وہ پہاڑوں کے درمیان تنہا کھڑی تھی اور اس کے سامنے وسیع و عریض وادی پھیلی ہوئی تھی۔ سنسنی کی ایک لہر ثمینہ کے پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی اور وہ گھوڑے پر بیٹھی وحشت زدہ سی نظروں سے چاروں طرف تاریکی میں گھورنے لگی۔

○

اس کے چاروں طرف ویرانہ تھا اور تاریکی تھی۔ خوف سے اس کی گھگھی بندھی جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ایک ایک کا نام لے کر پکارنے لگی۔ اس کی آواز چٹانوں میں بازگشت پیدا کر رہی تھی۔ لیکن جواب میں کوئی اور آواز سنائی نہیں دی۔

دفعتاً" اسے خیال آیا کہ اسے واپس جانا چاہئے۔ وہ اس چٹان کے پاس سے راستہ بھٹکی تھی۔ اگر وہ دوبارہ اس چٹان کے پاس پہنچ جائے تو اسے راستہ مل سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے شارق وغیرہ بھی اس کی تلاش میں ہوں اور راستے میں ہی ملاقات ہو جائے۔ یہی سوچ کر اس نے گھوڑے کا رخ موڑ کر لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔

گھوڑا آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ لیکن وہ اس راستے پر نہیں جا سکا جس سے آیا تھا۔ وہ راستے ہو ہے مزید ہٹتا چلا گیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ثمینہ نے گھوڑا روک لیا اور تاریکی میں ادھر ادھر ہوئے شارق اور گل رحمان وغیرہ کو آوازیں دینے لگی لیکن اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ثمینہ ایک طرف شارق۔ وڑے سے اتر کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ خوف سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔ دل آدھی رات وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اپنے ساتھیوں سے نہ مل سکی یا اسے واپسی کا راستہ نہ ہے قریب ہی ہا پہاڑوں میں بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی۔

یہ وہاں بیٹھنے کے بعد وہ ایک بار پھر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس نے گھوڑے کو اس

کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ گھوڑا گردن جھکائے آہستہ آہستہ ایک طرف چلتا رہا اور ثمینہ وحشت زدہ سی نظروں سے چاروں طرف دیکھتی رہی اور بالآخر گھوڑا ایک جگہ رک گیا۔

ایک طرف سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ثمینہ ادھر دیکھنے لگی۔ وہ آواز ایسی تھی جیسے پتھروں میں ہلکی رفتار سے پانی بہہ رہا ہو۔ وہ گھوڑے سے اتر کر آواز کی سمت میں بڑھنے لگی۔ اس نے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور گھوڑا بھی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

بالآخر وہ ایک جگہ رک گئی۔ وہ تقریباً تین فٹ چوڑی ندی تھی جس میں ہلکی رفتار سے پانی بہہ رہا تھا۔ گھوڑا بھی شاید پیاسا تھا۔ اس نے ثمینہ سے پہلے ہی پانی میں منہ ڈال دیا۔ ثمینہ بھی چلو سے پانی پینے لگی۔ ثمینہ نے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تھی گھوڑا پانی پینے کی بعد ندی کے کنارے جھاڑیوں میں منہ مارنے لگا اور ثمینہ ندی کے کنارے پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہو گا۔

رات کی تاریکی چھٹ رہی تھی۔ بہت ہی مدھم اجالے میں چٹانوں کے ہیولے اب واضح ہونے لگے تھے..... ثمینہ کو امید تھی کہ دن کی روشنی میں اسے واپسی کا کوئی نہ کوئی راستہ مل جائے گا۔ لیکن وہ یہ سوچ کر بھی کانپ اٹھی تھی کہ سورج نکلنے کے بعد یہ چٹانیں تپ جائیں گی۔ اسے گزشتہ کئی روز کے سفر کے دوران تجربہ ہو چکا تھا۔ تپتی ہوئی سنگلاخ چٹانیں جہنم کا منظر پیش کرنے لگتی تھیں۔ اور اگر وہ اس جہنم میں بھٹکتی رہی تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہو گیا تھا۔ دھوپ نکل رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دفعتاً" وہ چونک گئی۔ گھوڑا کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید جھاڑیوں میں چرتے ہوئے کسی طرف نکل گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لیکن وہ گھوڑا کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔

وہ ایک دم بدحواس ہو گئی۔ گھوڑے کے بغیر تو وہ ان چٹانوں میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتی تھی۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑنے لگی۔ ہر طرف چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں جن پر خود رو جھاڑیاں بکثرت لگی ہوئی تھیں۔ وہ ان چٹانوں میں دوڑتی رہی لیکن گھوڑا اسے کہیں بھی نہیں ملا۔ وہ یا تو چرتا ہوا چٹانوں میں بہت دور نکل گیا تھا۔ یا ہو سکتا ہے وہ کسی قریبی چٹان کے پیچھے موجود ہو اور وہ اسے تلاش نہ کر پا رہی ہو۔ چھوٹی چھوٹی یہ لاتعداد چٹانیں بھول بھلیوں کی طرح تھیں ان میں کسی کو تلاش کر لینا آسان نہیں تھا۔ وہ خود گھوڑے کی تلاش میں چلتی ہوئی ندی سے بہت دور نکل آئی تھی۔

اس وقت بھی وہ ایک چٹان پر کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ خوف سے اس کا دل کانپ رہا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا۔ کئی سال پہلے دیکھی ہوئی ایک انگلش فلم کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ ایک آدمی صحرا میں راستہ بھٹک گیا تھا۔ وہ بھی اس کی طرح گھوڑے پر سوار تھا لیکن اس کا گھوڑا بھی موقع پا کر بھاگ گیا تھا۔ اور اس آدمی نے تپتے ہوئے صحرا میں ایڑیاں رگڑتے ہوئے دم توڑ دیا تھا اور اس کی لاش کو گدھ نوچنے لگے تھے۔

ثمینہ بے اختیار اوپر دیکھنے لگی۔ لیکن اسے کوئی گدھ دکھائی نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ اور یہ خوف آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپکنے لگا۔ وہ چٹان سے اتر کر ایک طرف چلنے لگی۔ وہ رو رہی تھی اور اس لمحے کو کوس رہی تھی جب اس نے شارق کے ساتھ اس مہم پر آنے کا فیصلہ کیا تھا..... وہ چٹانوں میں ایک بار پھر ایک ندی پر پہنچ گئی۔ یہ غالباً وہی ندی تھی جو چٹانوں میں گھومتی ہوئی چل رہی تھی۔ یہاں ندی کا پاٹ تقریباً چھ فٹ چوڑا تھا' لیکن پانی پنڈلی سے زیادہ گہرا نہیں تھا۔ دھوپ میں چمکتے ہوئے شفاف پانی کے نیچے پتھر صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ ندی کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے پانی پیا اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

ثمینہ کی مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ ان پہاڑوں ہی میں کہیں ختم ہو جائے گی اور اس کی لاش یا تو جانوروں کی خوراک بن جائے گی یا گل سڑ جائے گی اور اس کا ڈھانچہ شاید صدیوں تک کسی کی نظروں میں آئے بغیر یہاں پڑا رہے۔

اس کا ذہن ماضی کی طرف پرواز کرنے لگا۔ اپنوں کے چہرے نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔ باپ کا چہرہ' ماں اور بھائی کا چہرہ..... اس نے اپنے ماں باپ کو بڑے دکھ پہنچائے تھے۔ انہیں ذلیل و رسوا کیا تھا۔ انہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اور یہ سب کچھ شارق کی وجہ سے ہوا تھا۔ لاہور سے فیصل آباد جاتے ہوئے نہ بس میں شارق سے ملاقات ہوتی اور نہ اس کی زندگی یوں برباد ہوتی۔ شارق نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور شادی کر لے گا لیکن شادی کے نام پر وہ ہمیشہ ٹال جاتا' وہ داشتہ کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اگر بات داشتہ تک ہی رہتی تو معاملہ کچھ اور ہوتا لیکن وہ تو اس کے ساتھ جرائم کی دلدل میں دھنس گئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کئی قتل بھی ہو چکے تھے۔ اور پھر حاجی نے انہیں افغانستان بھیج دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ افغانستان سے ہیروئن کی ایک بڑی کھیپ لانی ہے۔ وہ کئی روز سے ان پہاڑوں میں بھٹک رہے تھے۔ گزشتہ رات تو ان کی قسمت ہی اچھی تھی کہ بستی پر اس حملے سے بچ نکلے تھے۔ دوسروں کے بارے میں ثمینہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی لیکن اپنے بارے میں اسے یقین تھا کہ اب قسمت اس کا ساتھ نہیں دے گی۔ اگر وہ زندہ بچ

کر ان پہاڑوں سے نکل گئی تو یہ ایک معجزہ ہی ہو گا۔ اور وہ جانتی تھی کہ یہ معجزوں کا دور نہیں تھا۔ اس کے اعمال ہی ایسے تھے۔ اسے قدرت سے کسی مدد کی توقع نہیں تھی۔

دفعتاً" گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اس کے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لیکن اسے نہ تو گھوڑا دکھائی دیا اور نہ ہی دوبارہ اس کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے اپنا واہمہ سمجھنے لگی۔ لیکن پھر یہ سوچ کر قریبی چٹانوں پر چڑھ گئی کہ شاید آس پاس کی کسی چٹان کی آڑ میں گھوڑا موجود ہو۔ لیکن اسے گھوڑا کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ دوبارہ ندی کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

تقریباً دو منٹ بعد وہ ایک بار پھر اچھل پڑی' اس مرتبہ گھوڑے کی آواز صاف اور نسبتاً" قریب سے سنائی دی تھی۔ وہ ندی کے ساتھ ساتھ آواز کی سمت میں دوڑنے لگی۔ ندی چٹانوں میں بل کھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ ثمینہ کو یقین تھا کہ گھوڑا ندی کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔

ایک چٹان کی آڑ سے نکل کر وہ جیسے ہی سامنے آئی ٹھٹک کر رک گئی۔ سفید رنگ کا ایک گھوڑا ندی کے قریب جھاڑیوں میں چر رہا تھا۔ اور اس کا سوار ندی کے کنارے پر آڑھا ترچھا بے حس و حرکت پڑا تھا۔ پہلے تو ثمینہ نے سوچا کہ وہ بھی اس کی طرح تھکا ہوا ہے اور آرام کر رہا ہے' لیکن وہ دھوپ میں پڑا تھا۔ کوئی بھی ذی ہوش شخص تیز دھوپ میں تپتے ہوئے پتھروں پر اس طرح نہیں لیٹ سکتا۔

ثمینہ دو قدم آگے بڑھ آئی۔ پہلے اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اس ایک گھوڑے اور اس کے سوار کے علاوہ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ مڑ کر زمین پر پڑے ہوئے بے حس و حرکت شخص کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک بار پھر چونک جانا پڑا۔ وہ کوئی آدمی نہیں عورت تھی۔ اس کا اندازہ ثمینہ نے اس کے لباس سے لگایا تھا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا جو ابھی تک ثمینہ کو نظر نہیں آیا تھا۔ وہ دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

ثمینہ کا خیال درست نکلا' وہ عورت ہی تھی۔ بلکہ اسے لڑکی ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بے ہوش پڑی تھی۔

ثمینہ اسے گھسیٹ کر ایک چٹان کے سائے میں لے آئی اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ اپنے اوپر ایک عورت کو جھکے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کک.... کون ہو تم؟" لڑکی نے دری زبان میں پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ اس کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی۔ لیکن اس نے ہاتھ سے انتظار کرنے کا اشارہ کیا اور آرام سے چلتی ہوئی گھوڑے کے قریب پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر گھوڑا ہنہنانے لگا۔ ثمینہ نے اس کی لگام پکڑ لی اور اسے ایک پتھر سے باندھ دیا۔ لڑکی سے کوئی بات کرنے سے پہلے اس نے ضروری سمجھا تھا کہ گھوڑے کو قابو کر لیا جائے۔ اگر یہ گھوڑا بھی ٹہلتا ہوا کہیں نکل گیا تو ان کے لئے مشکل ہو جائے گی۔ وہ دوبارہ اس لڑکی کے قریب آ گئی۔

"اردو سمجھتی ہو!" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تھوڑا تھوڑا۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"اچھا تو پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو' اور ان پہاڑوں میں کیسے بھٹک رہی ہو۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ وہ بہت حسین لڑکی تھی۔

"میں کرم آباد کے ملا نصیرالدین کی بیٹی ہوں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میرا نام شاہ پری ہے۔ رات کو میرے بابا کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ آدھی رات کے بعد بستی پر حملہ ہو گیا اور ہم سب لوگ جان بچانے کے لئے بستی سے بھاگ نکلے۔ میں سب سے پیچھے تھی۔ اور پھر اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گئی۔ اب تک ان چٹانوں میں بھٹک رہی ہوں۔ پانی پینے کے لئے ندی پر رکی تھی۔ شاید مجھے چکر آ گیا تھا اور میں بیٹھے بیٹھے گر گئی تھی۔ تم کون ہو..... کافر؟"

"نہیں..... میں کافر نہیں ہوں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ افغانستان میں روسی فوجیوں کو کافر کہا جاتا تھا۔ اور اس کے جسم پر روسی فوجی وردی تھی۔ "میں بھی تمہاری طرح مسلمان ہوں اور ان مہمانوں میں سے ایک ہوں جو گذشتہ رات تمہارے گھر پر آ کر ٹھہرے تھے۔ میں بھی تمہاری طرح اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گئی ہوں' اور میری بدقسمتی تو یہ ہے کہ میرا گھوڑا بھی کہیں بھاگ گیا ہے۔"

"اوہ! تو وہ تمہارا گھوڑا تھا؟"

"گھوڑے کو تم نے دیکھا ہے۔ کہاں ہے وہ؟" ثمینہ نے جلدی سے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل دور جھاڑیوں میں چرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن اسے بھول جاؤ اب اسے تلاش کرنا مشکل ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"تمہارے مل جانے سے مجھے کچھ حوصلہ ہوا ہے۔" ثمینہ بولی۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان پہاڑوں سے نکلیں گے کیسے؟"

"تمہارے مل جانے سے مجھے بھی حوصلہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ ہم راستہ تلاش کر لیں گے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ ثمینہ نے اسے اپنے بارے میں یہی بتایا تھا کہ وہ اخبار نویس ہے اور افغانستان کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے یہاں آئی ہوئی ہے۔ لیکن وہ بھی مسلسل حادثات کا شکار ہو رہی ہے۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی' چٹانیں تپ رہی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے وہ یہاں بیٹھی نہیں رہ سکتی تھیں۔ بالآخر انہوں نے وہاں سے رخصت ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گئیں۔ شاہ پری آگے تھی اور ثمینہ اس کے پیچھے بیٹھی تھی۔

"برائی' کرم آباد سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں مشرق کی طرف ہی چلنا چاہئے۔" شاہ پری نے گھوڑے کی لگام تھامتے ہوئے کہا۔

اس نے سر اٹھا کر سورج کی طرف دیکھا۔ سمت کا تعین کیا اور گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔ گھوڑا ہلکی رفتار سے چٹانوں میں چلتا رہا۔ تیز دھوپ میں سنگلاخ چٹانیں انگاروں کی طرح تپ رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے آگ اگل رہی ہوں۔ شاہ پری اور ثمینہ کے جسم پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ ثمینہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس پر انگارے برس رہے ہوں۔

دوپہر تک وہ دونوں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھی رہیں۔ وہ اگرچہ چھوٹی چٹانوں کی بھول بھلیوں سے نکل آئی تھیں لیکن ان کے چاروں طرف دور دور تک اب بھی بلند پہاڑ تھے اور انہیں ان پہاڑوں سے نکلنے کا کوئی راستہ اب بھی نہیں ملا تھا۔

پیاس سے ان کے حلق خشک ہو رہے تھے۔ ایک طرف درختوں کا جھنڈ دیکھ کر شاہ پری نے گھوڑے کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ اس کا اندازہ درست نکلا۔ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا پانی ایک چھوٹی سی ندی میں بہتا ہوا چٹانوں ہی میں کہیں غائب ہو گیا تھا۔ انہوں نے گھوڑے سے اتر کر پانی پیا لیکن اس سے بھوک نہیں مٹی۔ زمین پر لیٹے ہوئے ثمینہ کی نظر درختوں کی شاخوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ تمام شہتوت کے درخت تھے۔ شاخیں پھل سے بھری ہوئی تھیں۔ لیکن شہتوت ابھی پوری طرح پکے نہیں تھے۔ اس نے شاہ پری کو اس طرف متوجہ کیا' اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ان درختوں کا پھیلاؤ اگرچہ بہت زیادہ تھا لیکن زیادہ بلند نہیں تھے۔ شہتوت پورے افغانستان میں پایا جاتا ہے اور اس کا پھل بہت شوق سے کھایا جاتا ہے۔ اسے سکھا بھی لیا جاتا ہے جو ہر موسم میں دکانوں پر بھی فروخت ہوتا ہے۔

"اس سے ہمارا پیٹ بھر سکتا ہے۔ شہتوت پوری طرح پکے ہوئے ہوں تو بہت مزیدار ہوتے ہیں۔ آؤ' ہم ان درختوں پر آسانی سے چڑھ سکتی ہیں۔" شاہ پری نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ دونوں اٹھ گئیں۔ درخت پر چڑھنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں الگ الگ شاخوں پر بیٹھ کر پکے ہوئے شہتوت توڑ توڑ کر کھانے لگیں۔ شہتوت کھانے میں ثمینہ کو واقعی مزہ آ رہا تھا۔

پیٹ بھرنے کے بعد وہ ایک بار پھر درخت کے نیچے بیٹھی یہ سوچنے لگیں کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک بار پھر گھوڑے پر سوار ہو کر منزل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اس مرتبہ ثمینہ آگے بیٹھی تھی اور شاہ پری نے پیچھے بیٹھ کر دونوں ہاتھ اس کی کمر پر لپیٹ لئے تھے۔

وہ اگرچہ تازہ دم ہو چکی تھیں لیکن دھوپ نے ایک بار پھر پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ ثمینہ کو اپنا دماغ پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پیچھے بیٹھی شاہ پری بار بار کہہ رہی تھی کہ کرم آباد سے براکی زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ لیکن وہ کل رات سے بھٹک رہی ہے۔ ثمینہ کو شبہ تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ان پہاڑوں میں بھٹک کر اپنی منزل سے بہت دور نکل گئی ہوں۔

وہ ایک تنگ سے درے میں پہنچ گئیں۔ اور جیسے ہی اس درے سے باہر نکلیں ثمینہ نے گھوڑا روک لیا۔ ان کے سامنے نشیب میں وسیع و عریض سرسبز و شاداب وادی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں وادی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ شاہ پری اچانک ہی اچھل پڑی اور وہ ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخی۔

"وہ.... وہ دیکھو' اس طرف دھواں اٹھ رہا ہے.... وہاں یقیناً کوئی گھر ہو گا۔ گھوڑا اس طرف موڑ دو۔"

ثمینہ نے اس کے اشارہ کی سمت میں دیکھا۔ نشیب میں بہت دور درختوں میں کسی جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ گنجان درختوں کی وجہ سے اگرچہ کوئی مکان دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن وہاں سے اٹھتا ہوا دھواں اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ ان درختوں میں کوئی چھوٹی سی بستی یا کوئی ایک آدھ مکان موجود ہے۔ ثمینہ نے گھوڑا اس راستے پر ڈال دیا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچی تھیں۔ وہ اخروٹ کا باغ تھا جو چاروں طرف بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس باغ میں ایک کھلی جگہ تھی جہاں ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ پر دو کچے مکان بنے ہوئے تھے۔ اور وہ دھواں ایک مکان کے صحن سے اٹھ رہا تھا۔

وہ دونوں گھوڑے سے اتر آئیں۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ شاہ پری' ثمینہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتی ہوئی آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ تقریباً دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت باہر نکلی۔ وہ عورت ان دونوں کو دیکھ کر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔

"کیا اس گھر میں ہمیں تھوڑی دیر کو پناہ مل سکتی ہے؟" شاہ پری نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہو تم لوگ' کہاں سے آئی ہو اور تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" اس عورت نے پوچھا اور دور کھڑی ہوئی ثمینہ کی طرف دیکھنے لگی۔ ثمینہ کے سر پر ٹوپی نہیں تھی اور اس کے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"ہم دونوں اکیلی ہیں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "میں کرم آباد کی رہنے والی ہوں۔ کل رات ہماری بستی پر حملہ ہو گیا تھا۔ ہم لوگ اپنے گھر والوں کے ساتھ بستی سے نکل کر براکی کی طرف جا رہے تھے کہ ہم ان سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گئیں۔ کل رات سے ان پہاڑوں میں بھٹک رہی ہیں۔ یہاں سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آیا تو اس طرف آ گئیں۔"

"تم کرم آباد کی رہنے والی ہو اور براکی جا رہی تھیں؟" عورت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔" شاہ پری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کرم آباد یہاں سے پچاس کوس اور براکی تقریباً نوے کوس ہے۔ تم لوگ یہاں کیسے آ گئیں؟" عورت نے کہا۔

"میں نے بتایا نا کہ ہم کل رات سے ان پہاڑوں میں بھٹک رہی ہیں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "بھوک پیاس اور تھکن نے ہمیں نڈھال کر رکھا ہے۔ ہم تھوڑی دیر یہاں رکنا چاہتی ہیں۔ پھر چلی جائیں گی۔"

"آؤ..... اندر آ جاؤ۔" اس عورت نے دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

ثمینہ نے گھوڑے کو ایک درخت کی شاخ سے باندھ دیا اور شاہ پری کے ساتھ اندر آ گئی۔ صحن خاصا وسیع تھا ایک طرف تندور بنا ہوا تھا اور آگ اسی تندور میں جل رہی تھی جس سے اٹھنے والا دھواں انہوں نے دیکھا تھا۔

"آؤ..... آؤ.... تم لوگ ادھر بیٹھ جاؤ۔" وہ عورت انہیں مکان کے برآمدے میں لے گئی۔ جہاں ایک پرانی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگا کر دری پر بیٹھ گئیں۔ اس عورت نے پہلے انہیں پانی پلایا پھر جلدی سے قہوہ بنا کر لے آئی اور ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"گھر میں تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"میرا خاوند ہے اور بیٹا ہے' وہ دونوں کہیں گئے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر میں آنے والے ہوں گے۔" عورت نے جواب دیا۔

"یہ باغ تمہارا ہے؟" شاہ پری نے ایک اور سوال کیا۔

aazzamm@yahoo.com

"نہیں' یہ باغات خان عبدالرسول کے ہیں۔ ہم تو یہاں چوکیداری کرتے ہیں۔" عورت نے جواب دیا۔

"یہاں سے آبادی کتنی دور ہے؟" اس مرتبہ ثمینہ نے پوچھا۔

"اس باغ سے آگے ایک کچا راستہ ہے جو پختہ سڑک تک چلا گیا ہے۔ وہیں پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ وہاں سے بسیں بھی مل جاتی ہیں۔" عورت نے جواب دیا اور چند لمحوں بعد اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم لوگ بیٹھو' میں روٹیاں بناتی ہوں۔"

شاہ پری اور ثمینہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی رہیں۔ وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ رہی تھیں کہ اس مکان تک پہنچ گئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آگے چلی جائیں گی۔ لیکن روٹیاں پکانے کے بعد عورت نے بتایا کہ وہ آج یہاں سے نہیں جا سکیں گی۔ شام ہونے والی تھی۔ وہ عورت مصر تھی کہ رات یہیں رہیں صبح اس کا خاوند یا بیٹا انہیں پکی سڑک والی بستی تک چھوڑ آئے گا۔

وہ دونوں حالانکہ بہت پریشان تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ دوسرے لوگ ان کے بارے میں پریشان ہو رہے ہوں گے لیکن انہوں نے اس بوڑھی عورت کا مشورہ قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر دوبارہ راستے سے بھٹک گئیں تو نجانے کہاں نکل جائیں۔

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس بوڑھی عورت نے لالٹین روشن کر دی اور ان کے سامنے دستر خوان بچھا دیا۔ شوربے والا گوشت اور تندوری روٹی۔ ان دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ وہ کھانے سے فارغ ہوئی ہی تھیں کہ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ چونک گئی۔ اس نے کئی روز بعد کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنی تھی۔ اسکے تھوڑی ہی دیر بعد ایک لمبا تڑنگا نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کی عمر چھبیس ستائیس سال رہی ہو گی۔ خوب صحت مند اور لمبے قد کا مالک تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں رخساروں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ اس بڑھیا کا بیٹا سعد اللہ تھا۔ وہ حیرت سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ بڑھیا نے ان کے بارے میں بتایا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ ثمینہ نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی تھی۔ ثمینہ نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ سعد اللہ' شاہ پری کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

بڑھیا کے پوچھنے پر سعد اللہ نے بتایا کہ بابا کسی کام سے بستی میں رہ گیا ہے۔ کل دوپہر کے بعد واپس آئے گا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ صبح ان دونوں کو بستی میں پہنچا دے گا۔

سعد اللہ اور اس کی ماں نے بھی کھانا کھا لیا۔ اس کے کچھ دیر بعد جب سعد اللہ کی ماں ایک کمرے میں شاہ پری اور ثمینہ کے لئے بستر بچھانے گئی تو سعد اللہ نے اسے روک دیا۔

"کیوں میں تو یہاں ان مہمان لڑکیوں کے لئے بستر بچھا رہی ہوں۔ تم کیوں منع کر رہے ہو؟" ماں نے اسے گھورا۔

"وہ رات کو دوسرے گھر میں رہیں گی۔ میں وہاں ان کے لئے بستر لگا دیتا ہوں۔" سعداللہ نے جواب دیا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" ماں نے اسے گھورا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو ماں!" سعد اللہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "وہ جو فوجی وردی والی لڑکی ہے نا وہ کافر ہے اور دوسری لڑکی پر بھی مجھے شبہ ہے۔ مجھے شک ہے یہ دونوں لڑکیاں جاسوسی کے لئے اس علاقے میں آئی ہوئی ہیں اور مجاہدین کو ان کی تلاش ہے۔ اگر مجاہدین یہاں آ گئے تو انہیں ہمارے گھر میں پا کر ہمیں بھی پکڑ لیں گے۔ اس لئے انہیں رات کو یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ میں دوسرے مکان میں ان کے لئے بستر لگا دیتا ہوں۔"

"لیکن وہ بھی تو ہمارا ہی مکان ہے۔" بڑھیا نے اسے گھورا۔

"وہاں سے پکڑی جائیں گی تو ہم پر زیادہ ذمے داری نہیں آئے گی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رات کو کسی وقت چوری چھپے وہاں گھس گئی ہوں گی۔" سعداللہ نے جواب دیا۔

بڑھیا سوچ میں پڑ گئی۔ ثمینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ مسلمان ہے لیکن اس کا بیٹا کہہ رہا تھا کہ وہ کافر "روسی فوجی" ہے۔ اس کے لئے بیٹے کی بات میں زیادہ وزن تھا' اور اس نے بیٹے کی بات مان لی۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب سعد اللہ نے شاہ پری اور ثمینہ کو بتایا کہ رات انہیں دوسرے مکان میں گزارنی پڑے گی تو ثمینہ کی چھٹی حس نے اسی وقت خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ شاہ پری کا ماتھا بھی ٹھنکا تھا لیکن بہرحال' ان میں سے کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

سعد اللہ انہیں دوسرے مکان میں لے آیا۔ ایک کمرے میں چٹائی پڑی ہوئی تھی۔ سعد اللہ نے چٹائی پر ایک چادر بچھا دی اور دو پرانے سے کمبل انہیں اوڑھنے کے لئے دے دیئے۔ لالٹین اس نے کمرے کے ایک کونے میں رکھ دی تھی۔

"اب تم لوگ سو جاؤ۔ مگر صبح جلدی اٹھ جانا۔ میں بستی تک چھوڑنے کے لئے تم لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لینا۔"

سعدہ اللہ چلا گیا۔ ثمینہ نے دروازے کے قرب آ کر باہر جھانکا۔ ان دونوں مکانوں کے درمیان تقریباً پچاس گز کا فاصلہ تھا۔ سرخ رنگ کا ایک کھنڈرہ سا چھوٹا یک اپ ٹرک بھی ثمینہ نے باہر کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پہلے مکان میں بیٹھے ہوئے اس نے اسی گاڑی کی آواز سنی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

اس نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا اور کھڑکیاں دیکھنے لگی۔ ایک دروازہ اور کھڑکی اندر صحن کی طرف کھلتی تھی۔ صحن کا دروازہ مکان کے دوسری طرف تھا۔ ثمینہ نے کمرے کا دراوزہ اور کھڑکی بند کر دی۔ کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور اس کی جگہ ایک گتہ لگا ہوا تھا۔ دوسری کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی۔ اس کے تمام شیشے سلامت تھے۔

دروازہ اور کھڑکیاں بند ہونے کے باوجود کمرے میں گھٹن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ دونوں چٹائی پر بچھی ہوئی چادر پر لیٹ گئیں اور کمبل اوڑھ کر باتیں کرنے لگیں۔ کونے میں پڑی ہوئی لالٹین جلتی چھوڑ دی گئی تھی۔ شاہ پری تو باتیں کرتے کرتے سو گئی تھی لیکن ثمینہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سعد اللہ کے چہرے پر جو تاثرات اور اس کی آنکھوں میں جو چمک دیکھی تھی اس نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔ اس نے اگرچہ سعد اللہ اور اس کی ماں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی تھی لیکن وہ سمجھ گئی تھی کہ سعد اللہ انہیں الگ مکان میں کیوں سلانا چاہتا ہے۔ اس کی نیت میں فتور تھا اور ثمینہ کو یقین تھا کہ وہ آج رات کچھ نہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ثمینہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔

اس نے گردن گھما کر شاہ پری کی طرف دیکھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے پر بے پناہ معصومیت نظر آ رہی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ثمینہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اس کھڑکی کے قریب آ گئی جو باہر کی طرف کھلتی تھی۔ اس نے آہستگی سے چٹخنی ہٹا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

کھڑکی کھلتے ہی حشرات الارض کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرانے لگی تھیں۔ وہ چند منٹ تک وہاں کھڑی تاریکی میں گھورتی رہی' پھر کھڑکی بند کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر لیٹ گئی اور کمبل سینے تک کھینچ لیا۔ بے حد تھکی ہوئی ہونے کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کے برعکس اس کے دماغ میں ایک بے چینی سی بھری ہوئی تھی۔

لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ بالآخر ثمینہ کی بھی آنکھ لگ گئی۔

دفعتاً" گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ رات کا کونسا پہر تھا۔ اس پر نیند کا دباؤ تھا اور دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اس نے شاہ پری کی طرف دیکھا۔ ثمینہ نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ لیکن چند سیکنڈ بعد ہی اس کی آنکھیں دوبارہ کھل گئیں۔ اس کی سماعت سے ہلکی سی آواز ٹکرا رہی تھی جیسے کوئی کسی چیز کو اس کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ چند سیکنڈ تک اسی طرح بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ اس نے بہت محتاط انداز میں ذرا سی گردن گھما کر باہر کی

طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر تاریکی ہونے کے باوجود اسے اندازہ ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس وقت آواز بھی رک گئی تھی۔ اس نے چند سیکنڈ وہ آواز سننے کی کوشش کی پھر آنکھیں بند کر لیں۔

تقریباً دو منٹ گزر گئے۔ ثمینہ کا ذہن ایک بار پھر نیند میں ڈوب رہا تھا کہ ایک بار پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس مرتبہ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی دبے قدموں کمرے میں چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ آواز اس کے قریب آ کر رک گئی اور وہ سانس روکے بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ کوئی اس کے قریب موجود تھا۔ اس کی سانسوں کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

اور پھر اسے یوں لگا جیسے شاہ پری کے اوپر سے کمبل ہٹا دیا گیا ہو۔ اس وقت شاہ پری کروٹ لے کر اس سے کچھ دور ہٹ گئی تھی۔ ثمینہ نے بھی یوں حرکت کی جیسے کروٹ لے رہی ہو۔ اس نے کمبل اپنے اوپر سے نہیں ہٹنے دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھ میں ذرا سی جھری پیدا کر کے دیکھ لیا تھا۔ سعد اللہ' شاہ پری کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے پر خباثت کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پستول تھا اور دایاں ہاتھ وہ شاہ پری کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا رہا تھا۔

ثمینہ نے بڑے محتاط انداز میں کمبل کے اندر ہی اندر پتلون کا پائنچہ اوپر سرکا کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکال لیا اور اس کے دستے پر گرفت جما کر آنے والے لمحوں کا انتظار کرنے لگی۔

اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شاہ پری کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ سعداللہ کو دیکھ کر خوفزدہ سی ہو گئی۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی مگر سعد اللہ نے پھرتی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور پستول اس کے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"خاموشی سے اٹھ کر میرے ساتھ چل دو ورنہ گولی مار دوں گا۔"

شاہ پری کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ ثمینہ صورت حال کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے کمبل کے اندر ہی خنجر کے دستے پر گرفت درست کی۔ پھر بڑی آہستگی سے ہاتھ کمبل سے باہر نکالا اور بجلی کی سی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پلٹ کر سعد اللہ پر حملہ کر دیا۔

سعد اللہ کے لئے یہ صورت حال بالکل غیر متوقع تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ ثمینہ گہری نیند سو رہی ہے۔ وہ شاہ پری کو پستول کے زور پر دوسرے کمرے میں لے جا کر اپنی گندی خواہش پوری کرلے گا لیکن معاملہ اس کے برعکس ثابت ہو رہا تھا۔

خنجر کی نوک سعد اللہ کی کہنی سے ذرا اوپر بازو میں پیوست ہو گئی۔ سعداللہ کے منہ سے ہلکی

aazzamm@yahoo.com

سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اس طرح اچھلا تھا کہ پستول بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

ثمینہ نے کمبل کو اپنے اوپر سے اتار کر دور پھینک دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر خنجر سے وار کیا۔ سعد اللہ اس مرتبہ بھی حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ خنجر اس کے کندھے پر لگا۔ وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔

شاہ پری بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ چند لمحے خوفزدہ سی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس دوران ثمینہ ایک بار پھر سعد اللہ پر حملہ کر چکی تھی۔ لیکن اس مرتبہ سعد اللہ نے اس کا خنجر والا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور گالیاں بکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے خنجر چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ خنجر تو ثمینہ کی گرفت سے نکل کر ایک جھٹکے سے دور جا گرا لیکن وہ خود سعد اللہ کی گرفت میں آ گئی۔

سعد اللہ بہت طاقتور تھا۔ اس نے ایک زور دار گھونسہ ثمینہ کے منہ پر مارا اور ثمینہ کے منہ سی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

ایک طرف کھڑی ہوئی شاہ پری' ثمینہ کی چیخ سن کر جیسے ہوش میں آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر سعد اللہ کے بال پکڑ لئے اور اسے زور زور سے جھٹکے دیتے ہوئے پیچھے کھینچنے لگی۔ سعد اللہ نے اس کی پسلی پر کہنی سے زور دار وار کیا۔ شاہ پری کراہ کر پیچھے الٹ گئی۔ اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ کچھ دیر تک سینہ سہلاتی رہی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ اس کی نظر خنجر پر پڑ گئی۔ جو اس سے تین چار فٹ کے فاصلے پر پڑا تھا۔ اس نے لپک کر خنجر اٹھا لیا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سعد اللہ پر حملہ کر دیا۔

خنجر سعد اللہ کی پشت پر ریڑھ کی ہڈی کے قریب پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ ثمینہ کو چھوڑ کر پیچھے پلٹا لیکن شاہ پری نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور پے در پے اس پر خنجر سے وار کرتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور جنون سا طاری ہو گیا تھا۔

سعد اللہ کو سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ شاہ پری پے در پے اس پر خنجر سے وار کرتی رہی۔ سعد اللہ چیختا اور فرش پر لوٹتا رہا۔ لیکن شاہ پری نے اس وقت تک ہاتھ نہیں روکا جب تک وہ بے حس و حرکت نہیں ہو گیا۔

شاہ پری پر اب بھی جنون طاری تھا۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔ شاہ پری چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ ثمینہ نے اس کا کندھا تھپتھپایا پھر اسے لے کر اس جگہ سے چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

کمرے میں خون بکھرا ہوا تھا۔ شاہ پری کی قمیض پر بھی خون لگا ہوا تھا۔ ثمینہ نے خنجر صاف کر کے اپنی پنڈلی پر باندھ لیا۔ اور شاہ پری کی چادر اٹھا کر اس کے کندھے پر ڈال دی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔" وہ شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کمرے کے دونوں دروازے بند تھے لیکن آنگن کی طرف والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اب یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ سعد اللہ کمرے میں کس طرح داخل ہوا تھا۔ اس کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی جگہ گتہ لگا ہوا تھا۔ اس نے گتہ نکال کر کھڑکی کھول لی تھی اور کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"چلو... اب دیر نہ کرو۔" ثمینہ نے شاہ پری کا ہاتھ پکڑ لیا۔

شاہ پری نے چادر اپنے اوپر درست کی اور ثمینہ کے ساتھ باہر والے دروازے کی طرف چلنے لگی۔ ثمینہ نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ باہر تاریکی تھی۔ ان کا گھوڑا وہاں سے کچھ دور کھڑا تھا۔ ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور وہ دونوں مکان سے نکل کر دبے قدموں گھوڑے کی طرف چلنے لگیں۔ گھوڑا انہیں دیکھ کر ہنہنانے لگا۔

شاہ پری اور ثمینہ نے گھوڑے کو تھپتھپایا۔ درخت کی شاخوں سے بندھی ہوئی اس کی لگام کھولی اور اسے لے کر پیدل ایک طرف چلنے لگیں۔ مکان سے تقریباً سو گز دور نکل آنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو گئیں۔

باغ کے بیچوں بیچ کچھ راستہ کافی کشادہ تھا۔ وہ اس راستے پر گھوڑے کو دوڑاتی رہیں۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے دور نکل جانا چاہتی تھیں۔ بڑھیا نے بتایا تھا کہ یہ کچا راستہ تقریباً بیس کوس آگے جا کر پکی سڑک سے مل جاتا تھا جہاں ایک چھوٹی سی بستی بھی تھی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ وہ اس کچے راستے پر گھوڑا دوڑاتی رہیں اور بالآخر جب رات کی تاریکی چھٹنے لگی تو وہ پکی سڑک پر پہنچ گئیں۔ بستی اس سڑک کے دوسری طرف تھی۔ لیکن ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ بستی کے لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ البتہ وہ جیسے ہی پکی سڑک پر پہنچیں آوارہ کتوں نے بھونک کر ان کا استقبال کیا تھا۔

بڑھیا نے بتایا تھا کہ اس بستی سے کرم آباد اور براکی کے لئے بسیں بھی مل سکتی تھیں لیکن ان دونوں کے خیال میں کسی بس کے انتظار میں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ باغ میں واقع وہ مکان بیس میل ہی کے فاصلے پر تو تھا۔ صبح ہوتے ہی اس بڑھیا کو اپنے بیٹے کے قتل کا پتہ چل جائے گا۔ ہو سکتا ہے اس دوران کوئی اور بھی اس مکان تک پہنچ جائے اور پھر قتل کی اطلاع اس بستی تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس لئے اس بستی میں رکنا ان دونوں کے لئے خطرناک

aazzamm@yahoo.com

ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ یہاں سے کس طرف جانا چاہئے۔

کتے بھونک بھونک کر ان کی طرف لپک رہے تھے۔ چند گز آگے بستی کی طرف جانے والی ایک کچی سڑک کے کنارے پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر فارسی میں کرم آباد اور براکی کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے فاصلہ اور تیروں کے نشان بھی تھے۔ براکی کے نیچے تیر کا نشان بائیں طرف تھا۔

"کرم آباد کی طرف جانا تو مناسب نہیں ہو گا۔ میرا خیال ہے اس طرف چلا جائے۔" ثمینہ نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلو۔" شاہ پری نے کہا۔

کتے کچھ دور تک ان کا پیچھا کرتے رہے پھر واپس چلے گئے۔ وہ دونوں سڑک کے کنارے کچی زمین پر گھوڑا دوڑاتی رہیں۔ دن کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے گھوڑے کی رفتار کم نہیں کی تھی۔

سڑک کے دونوں طرف سبزہ تھا۔ جا بجا چھوٹی چھوٹی ندیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ دھوپ کی روپہلی کرنیں ہر طرف پھیل رہی تھیں۔ اب اکا دکا آدمی بھی کھیتوں میں نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک جگہ گھوڑا روک کر ندی سے پانی پیا اور پھر آگے روانہ ہو گئیں۔

دھوپ پھیل چکی تھی۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ سامنے سے ایک بس آتے دیکھ کر انہوں نے گھوڑا روک لیا۔ کچھ دیر بعد بس ان کے قریب سے گزر گئی تو انہوں نے دوبارہ گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں سڑک سے ذرا ہٹ کر چلنا چاہئے تاکہ دوسروں کی نظروں میں نہ آ سکیں۔" شاہ پری نے کہا۔

مناسب مشورہ تھا۔ ثمینہ نے فوراً ہی گھوڑا سڑک سے اتار دیا۔ وہ سڑک سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر چلتی رہیں۔ انہوں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سڑک ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

تقریباً بیس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئیں۔ یہ بستی سڑک سے ذرا ہٹ کر واقع تھی۔ اور چند گھروں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے رک کر مشورہ کیا اور بستی میں داخل ہو گئیں۔

بستی کے لوگ مہمان نواز تھے۔ ایک آدمی انہیں اپنے گھر لے گیا۔ گھر کی خواتین نے ان کی

بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے لئے ناشتہ تیار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ناشتے کے تھوڑی دیر بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔ وہ ابھی قہوہ پی رہی تھیں کہ ایک نوجوان لڑکا اندر داخل ہوا۔ وہ مشتبہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا پھر اپنی ماں سے سرگوشیاں کرنے لگا۔ اس کی ماں کے چہرے پر بھی پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

چند منٹ بعد ایک اور آدمی کمرے میں داخل ہوا' اس کے پیچھے جو دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے تھے انہیں دیکھ کر ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ پولیس والے تھے..... ثمینہ نے شاہ پری کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی دھواں ہو رہا تھا۔

پولیس والے دروازے میں کھڑے چند لمحے ان کی طرف دیکھتے رہے۔ ایک پولیس والے نے شاہ پری سے چند سوالات کئے اور پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا..... ایک اجنبی ملک میں پولیس کے ہاتھ لگنے کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتی تھی..... وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے پولیس والوں کے ساتھ چلنے لگی۔

باہر ایک کھٹارہ سی جیپ کھڑی تھی۔ ان دونوں کو جیپ میں بٹھا لیا گیا اور جیپ بستی سے نکل کر سڑک پر اسی طرف دوڑنے لگی جس طرف سے وہ آئی تھیں۔

○

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

Scanned By:
Azam & Ali

ثمینہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کسی غیر ملک خصوصاً افغانستان جیسے ملک میں پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ افغانستان کے بارے میں جہاں اور بھی بہت سی خوفناک باتیں سن رکھی تھیں' وہاں اس نے یہ بھی سنا تھا کہ دنیا کی بدترین جیلیں افغانستان میں ہیں۔ قیدیوں کو جیلوں میں ڈال کر اس طرح بھلا دیا جاتا ہے جیسے اس دنیا میں ان کا کوئی وجود ہی نہ رہا ہو اور پھر غیر ملکی قیدیوں کے ساتھ تو بہت ہی برا سلوک کیا جاتا ہے۔ قانون تو ہر ملک میں ہوتا ہے مگر افغانستان میں ان دنوں قانون نام کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ملک خانہ جنگی کا شکار تھا۔ روسیوں کے جانے کے بعد افغان حکمران اقتدار کے لیے جس طرح آپس میں لڑ رہے تھے' اس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ روزانہ سینکڑوں لوگ مارے جا رہے تھے۔ شہروں کے شہر کھنڈر بن رہے تھے مگر اقتدار کی ہوس نے حکمرانوں کو اندھا کر رکھا تھا۔ کئی دھڑے بن گئے تھے۔ ملک میں اسلحہ کی کمی نہیں تھی۔ روسی فوجی اپنے پیچھے ہر قسم کے اسلحہ کے انبار چھوڑ گئے تھے جنہیں افغان سیاسی لیڈر بڑی آزادی سے اپنے ہی لوگوں پر استعمال کر رہے تھے۔ اس طرح افغانستان کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔ جو سیاسی لیڈر جس علاقے پر قابض ہوتا' وہاں اس کا قانون چلتا تھا۔ سرکاری قانون عملی طور پر ختم ہو چکا تھا۔

ثمینہ کو یہی خوف تھا کہ ان کے ساتھ نجانے کیا سلوک کیا جائے۔ وہ دونوں لڑکیاں تھیں اور وہ جانتی تھی کہ دنیا کے ہر خطے میں عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اور جب عورت کسی معاملے میں مجبور ہو تو اس کی مجبوری سے فائدہ بھی اٹھایا جاتا ہے۔ اس وقت وہ دونوں پولیس کے قبضے میں تھیں۔ وہ ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگی تھیں۔ یہ قتل انہوں نے اپنی عزت بچانے کے لیے کیا تھا لیکن پکڑی گئی تھیں اور ثمینہ جانتی تھی کہ اس کے لیے اپنی صفائی پیش کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ شاہ پری افغانی تھی اور اسی علاقے کی رہنے والی تھی۔ اس کے باپ ملا نصیرالدین کے کچھ تعلقات بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے شاہ پری بچ جائے لیکن خود اس کا بچنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ کرم آباد اور اس سے پہلے انہوں نے اپنے آپ کو پاکستانی اخبار نویس بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے پہلے ملنے والے لوگوں نے ان کی بات کا یقین کر لیا ہو لیکن اب وہ پولیس کے ہتھے لگ گئی تھی۔ اس

aazzamm@yahoo.com

کے پاس نہ پاسپورٹ تھا' نہ کسی اور قسم کے کاغذات۔ پولیس یقیناً یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ درحقیقت کون ہے اور اس دوران اس کا جو حشر کیا جائے گا' اس کا بھی اسے کچھ اندازہ تھا۔

ثمینہ انہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی اور جیپ متوسط رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اسی بستی میں پہنچ گئے جہاں سے انہوں نے پکی سڑک کا راستہ اختیار کیا تھا۔

جیپ جیسے ہی بستی میں داخل ہوئی' ادھر ادھر کھڑے ہوئے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ جیپ دو تین گلیاں گھومنے کے بعد ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ یہ مکان دوسرے مکانوں سے کچھ مختلف تھا۔ اس کی دیواریں اونچی اور درمیان میں ایک گیٹ بنا ہوا تھا۔ گیٹ کے سامنے ایک پولیس والا آٹومیٹک رائفل کندھے پر لٹکائے کھڑا تھا۔

جیپ پر سوار پولیس والے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے شاہ پری اور ثمینہ کو بھی پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ شاہ پری نے چیخ کر فارسی زبان میں کچھ کہا اور جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر پولیس والے نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ شاہ پری چیخ اٹھی ..... ثمینہ نے بھی دوسرے پولیس والے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر شاہ پری کا حشر دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا ہاتھ کسی آہنی شکنجے میں کسا ہوا ہو۔

پولیس والے انہیں کھینچتے ہوئے گیٹ کے اندر لے گئے۔ ثمینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس مکان کے سامنے بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ گیٹ کے آگے مختصر سا صحن تھا اور اس سے آگے برآمدہ۔ وہ برآمدے میں پہنچ کر ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔

یہ مکان بھی بستی کے دوسرے مکانوں کی طرح کچا ہی تھا۔ کمرے کا فرش بھی کچا تھا۔ سامنے ہی ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک کرسی تھی۔ دائیں طرف دیوار کے سامنے ایک بنچ پڑا ہوا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر پولیس والوں نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ ثمینہ اور شاہ پری نے بنچ پر بیٹھنا چاہا تو ایک پولیس والے نے انہیں ڈانٹ دیا اور دوسری طرف دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں انتہائی خوفزدہ تھیں۔ دیوار کے قریب کھڑی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہی پولیس والا اندر آ گیا جو انہیں پکڑ کر لایا تھا۔ وہ اس پولیس چوکی کا انچارج تھا۔ اس نے کمرے میں کھڑے ہوئے ایک پولیس والے سے کچھ کہا' وہ سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک لمبا تڑنگا آدمی بھی تھا۔ اس کی عمر پچپن کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن کاٹھی اب بھی خاصی مضبوط نظر آ رہی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے

aazzamm@yahoo.com

ہی خونخوار نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا تھا اور پھر وہ جیسے ہی ان کی طرف بڑھا' پولیس والے نے اس کا راستہ روک لیا اور بازو سے پکڑ کر بنچ پر بٹھا دیا۔ وہ اب بھی ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور وہ غصے سے ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

پولیس چوکی کا انچارج عمر خان نے پہلے اس ادھیڑ عمر آدمی کی طرف دیکھا' پھر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ آخر میں وہ شاہ پری کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "اس شخص کو جانتی ہو؟"

"نہیں۔" شاہ پری نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ اس نوجوان سعد اللہ کا باپ ہے جسے تم دونوں نے قتل کیا ہے۔" عمر خان نے کہا۔

"ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" شاہ پری نے کہا۔

"کیا کل رات تم دونوں اخروٹوں والے باغ میں واقع مکان میں نہیں رکی تھیں؟" عمر خان اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "سعد اللہ کی ماں نے تم دونوں کو پناہ دی' تمہیں کھانا کھلایا' سونے کے لیے جگہ دی اور اس کا صلہ تم لوگوں نے یہ دیا کہ اس کے جوان بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" شاہ پری نے چیخ کر جواب دیا۔ "ہم رات کو اس مکان میں ٹھہری ضرور تھیں۔ اس بڑھیا نے ہمیں اپنے گھر میں سونے کو جگہ دی تھی مگر سعد اللہ نے ہمیں وہاں سے اٹھا کر دوسرے مکان میں پہنچا دیا۔ ہم وہاں سو رہی تھیں کہ رات کے پچھلے پہر شور کی آواز سن کر ہماری آنکھ کھل گئی۔ بڑھیا کا بیٹا ہمارے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ہی دو آدمی اور بھی کمرے میں آگئے۔ وہ غالباً اس کے دوست تھے۔ وہ تینوں ہمیں مال غنیمت سمجھ کر ہماری عزت سے کھیلنا چاہتے تھے۔ بڑھیا کے بیٹے کا ایک دوست پہلے اس لڑکی کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا تھا جبکہ بڑھیا کا بیٹا اس لڑکی پر پہل کرنا چاہتا تھا۔ اسی بات پر ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ وہ دونوں ایک طرف تھے اور بڑھیا کا بیٹا ایک طرف۔ ہم انتہائی خوفزدہ تھیں۔ ان کی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر ہم وہاں سے بھاگ نکلیں۔ ہمارے بعد اگر بڑھیا کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا تو ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا قاتل کون ہے' ہم تو ڈر کے مارے وہاں سے بھاگی تھیں۔"

عمر خان چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر سعد اللہ کے باپ سے باتیں کرنے لگا۔ شاہ پری اور عمر خان میں ساری گفتگو فارسی زبان میں ہوئی تھی اور ثمینہ کے پلے ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا۔ عمر خان کو بوڑھے سے باتیں کرتے پا کر شاہ پری ثمینہ کی طرف جھک گئی اور سرگوشی کرتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی اردو میں اسے بتانے لگی کہ اس نے پولیس کو کیا کہانی سنائی ہے۔ وہ بھی یہی کہانی

سنائے۔

ثمینہ اس کی ذہانت پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھی تھی۔ وہ کن انکھیوں سے پولیس آفیسر عمر خان اور اس بوڑھے کی طرف دیکھنے لگی۔ عمر خان کی باتیں سن کر بوڑھا بھڑک اٹھا تھا۔ وہ تیز تیز لہجے میں کچھ کہہ رہا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" ثمینہ نے سرگوشی میں شاہ پری سے پوچھا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ سعد اللہ رات کو اکیلا ہی بستی میں واپس گیا تھا اور اس کے ساتھ اس کا کوئی دوست نہیں تھا اور یہ کہ اس کا بیٹا اتنا بے غیرت نہیں تھا کہ گھر میں مہمان خواتین کی طرف بری نظروں سے دیکھتا۔" شاہ پری نے بھی سرگوشی میں بتایا۔

"اس کے بیٹے کے بے غیرت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔" ثمینہ بولی۔ "اگر غیرت والا ہوتا تو واقعی کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔"

"اب یہ پولیس آفیسر اس بوڑھے کو جانے کا کہہ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ ہم سے تفتیش کرے گا۔ وہ بوڑھے سے کہہ رہا ہے کہ اگر یہ لڑکیاں واقعی قاتل ثابت ہوئیں تو چھوڑے گا نہیں۔" شاہ پری نے سرگوشی کی۔

چند منٹ بعد بوڑھا چلا گیا۔ پولیس آفیسر عمر خان ایک بار پھر ثمینہ اور شاہ پری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ شاہ پری کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"تم کون ہو اور اس باغ میں کیسے پہنچی تھیں؟"

"میں کرم آباد کے ملا نصیر الدین کی بیٹی ہوں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ ملا نصیر الدین کا نام سن کر عمر خان چونک گیا۔

"ملا نصیر الدین کی بیٹی!" اس نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم کرم آباد سے اس باغ میں کیسے پہنچیں اور یہ لڑکی کون ہے؟"

"دو رات پہلے ہمارے گاؤں پر مجاہدین کے کسی گروہ نے حملہ کر دیا تھا۔ گاؤں کے بہت سے لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہم لوگ بھی جانیں بچانے کے لیے بھاگے تھے لیکن میں رات کی تاریکی میں راستہ بھٹک گئی۔ کل یہ بھی مجھے پہاڑوں میں مل گئی۔ یہ بھی رات کی تاریکی میں راستہ بھٹک کر پہاڑوں کی طرف نکل گئی تھی۔"

"یہ کون ہے؟" عمر خان ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پاکستانی ہے۔ اخبار نویس۔" شاہ پری نے بتایا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں۔ دو دن پہلے یہ بھی ہمارے ہاں مہمان بن کر آئے تھے۔ جب گاؤں پر حملہ ہوا تو یہ بھی ہمارے گھر میں

aazzamm@yahoo.com

موجود تھے اور ہمارے ساتھ ہی وہاں سے بھاگے تھے۔ رات کی تاریکی میں یہ بھی میری طرح راستہ بھٹک گئی تھی۔ اتفاق سے یہ مجھے پہاڑوں میں مل گئی اور ہم راستہ ڈھونڈتے ہوئے اس باغ میں پہنچ گئے جہاں اس عورت نے ہمیں پناہ دی لیکن اس کے بیٹے کی نیت خراب ہو گئی اور اپنے دوستوں کے ہاتھوں مارا گیا۔"

"یہ تو بعد میں پتہ چلے گا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔" عمر خان نے کہا۔ "ملا نصیر الدین کہاں ہے؟"

"ہم کرم آباد سے بھاگ کر براکی جا رہے تھے۔" شاہ پری نے بتایا۔ "ہماری گمشدگی پر وہ لوگ یقیناً پریشان ہوں گے اور ہو سکتا ہے ہمیں تلاش کر رہے ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم لوگوں سے بعد میں بات کروں گا۔" عمر خان نے کہا اور پولیس والوں کو اشارہ کیا۔

پولیس والے انہیں کلائیوں سے پکڑ کر دفتر سے باہر لے آئے۔ دفتر کے پچھلی طرف ایک چھوٹی سی جیل بنی ہوئی تھی۔ چار کمرے تھے جن پر سلاخوں والے دروازے لگے ہوئے تھے۔ ایک کوٹھری میں دو قیدی تھے۔ وہ دونوں دروازے کی سلاخوں سے لگے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں ادھیڑ عمر تھے۔ بے تحاشہ بڑھی ہوئی داڑھیاں' بکھرے ہوئے بال اور میلے چیکٹ لباس۔ ان کے چہروں پر بھی میل جمی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے انہوں نے مہینوں سے منہ نہ دھویا ہو۔ ان دونوں کو دیکھ کر ان میں سے ایک قہقہے لگانے لگا جیسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔

ثمینہ کو ان کے ساتھ والی کوٹھری میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ یہ جان کر ثمینہ کی روح فنا ہو گئی کہ اس کوٹھری میں اسے اکیلی ہی کو بند کیا جا رہا ہے جبکہ شاہ پری کو اس کے ساتھ والی کوٹھری میں بند کیا گیا تھا۔ غالباً شاہ پری نے بھی انہیں الگ الگ بند کیے جانے پر احتجاج کیا تھا لیکن پولیس والوں نے اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا تھا۔

پولیس والے جا چکے تھے۔ شاہ پری کی کوٹھری سے کچھ دیر تک فارسی میں چیخنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں' پھر وہ بھی خاموش ہو گئی۔ ثمینہ خوف سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ کوٹھری کا جائزہ لینے لگی۔ یہ کوٹھری تقریباً آٹھ فٹ لمبی اور چھ فٹ چوڑی تھی۔ ایک کونے میں غلاظت بکھری ہوئی تھی جس سے اٹھنے والے تعفن سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ پچھلی دیوار میں ایک روشندان تھا۔ یوں تو وہ روشندان خاصا کشادہ تھا لیکن اس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ ثمینہ دروازے کی سلاخیں پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور شاہ پری والی کوٹھری کی طرف گردن گھما کر بولی۔

"شاہ پری۔ میری آواز سن رہی ہو؟"

"ہاں۔ سن رہی ہوں۔" شاہ پری کی آواز سنائی دی۔ وہ بھی غالباً دروازے کے قریب ہی کھڑی تھی۔ "خدا غارت کرے ان لوگوں کو۔ کاش! بابا کو پتہ چل جائے تو وہ ہمیں چھڑا کر لے جائیں گے۔"

"خدا کرے تمہارے بابا کو پتہ چل جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اگر انہیں پتہ نہ چلا تو شاید ہم اسی جیل میں پڑے پڑے سڑ جائیں گی اور کسی کو خبر تک نہیں ہوگی۔ سنا ہے افغانستان کی جیلیں بہت بری ہوتی ہیں۔ یہاں قیدیوں کو جیل میں ڈالنے کے بعد بھول جاتے ہیں۔"

"ایسا مت بولو۔ بابا کو ضرور پتہ چلے گا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

ثمینہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ساتھ والی کوٹھری کے ایک قیدی نے اونچی آواز میں دری زبان میں گیت گانا شروع کر دیا۔ وہ کیا گا رہا تھا؟ یہ تو ثمینہ کی سمجھ میں نہیں آسکا لیکن اس کی آواز بڑی پرسوز تھی اور ثمینہ اس آواز کے سوز سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ دفعتاً" وہ گاتے گاتے رک گیا اور اس کے رونے کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ وہی قیدی تھا جو انہیں اس طرف آتے دیکھ کر ہنسا تھا۔

"یہ آدمی کیا گا رہا تھا شاہ پری؟" ثمینہ نے چیخ کر پوچھا۔

"یہ جدائی کا گیت ہے ثمینہ۔" شاہ پری نے جواب دیا "اس کا مطلب ہے کہ وہ صدیوں سے اپنے محبوب سے بچھڑا ہوا ہے اور صیاد نے اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں۔"

"بڑا دکھی لگتا ہے۔ اس سے پوچھو یہ کب سے یہاں قید ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

شاہ پری نے دری زبان میں چیخ کر قیدی سے پوچھا۔ قیدی نے بھی چیخ کر ہی جواب دیا تھا۔ پھر شاہ پری ثمینہ کو مخاطب کر کے بولی۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ چھ مہینے پہلے چوری کے شبے میں پکڑا گیا تھا۔ اس وقت سے اس کوٹھری میں قید ہے۔ ہفتے میں صرف ایک مرتبہ دو گھنٹے کے لیے اسے کوٹھری سے نکالا جاتا ہے۔"

"اوہ!" ثمینہ کانپ اٹھی۔ چوری کے الزام میں پکڑا جانے والا قیدی چھ مہینوں سے یہاں بند تھا اور انہیں تو قتل کے الزام میں پکڑا گیا تھا۔ پتہ نہیں ان کا کیا حشر ہو۔

وہ دونوں کبھی باتیں کرنے لگتیں اور کبھی خاموش ہو جاتیں۔ انہیں جب یہاں لایا گیا تھا تو دن کے گیارہ بجے تھے اور اب شام ہو رہی تھی۔ اس وقت سے اب تک کسی نے ان کی خبر نہیں لی تھی۔ کل رات کو انہوں نے باغ والے مکان میں کھانا کھایا تھا اور آج صبح بستی میں اس شخص کے گھر میں ابھی آرام سے بیٹھ بھی نہ پائی تھیں کہ پولیس نے انہیں پکڑ لیا تھا۔ انہیں کچھ کھائے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے بیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے اور پولیس والوں نے انہیں پوچھا تک نہیں تھا۔ ثمینہ پیٹ میں اینٹھن سی محسوس کرنے لگی تھی۔

جیسے جیسے شام گہری ہو رہی تھی' خنکی بڑھ رہی تھی۔ ثمینہ سلاخوں کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ کوٹھری کے اندرونی حصے کی طرف تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ تعفن ناقابل برداشت تھا۔ دروازے کے قریب بیٹھی ہونے کے باوجود بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

اندھیرا گہرا ہونے کے ساتھ ہی مچھروں نے بھی یلغار شروع کر دی تھی۔ مچھر جگہ جگہ سے اس کا خون چوس رہے تھے۔ سردی بھی بڑھ رہی تھی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہیں تھی۔ شاہ پری سے ایک بار پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس طرح سردی اور بھوک سے دھیان بٹ رہا تھا۔

اندھیرے میں ایک آدمی کو کوٹھریوں کی طرف آتے دیکھ کر ثمینہ کو یہ امید بندھی کہ شاید وہ کھانا لے کر آیا ہے۔ اس آدمی کے ایک ہاتھ میں لالٹین تھی۔ کوٹھریوں کے قریب پہنچ کر اس نے لالٹین زمین پر رکھ دی۔ اس کا دوسرا ہاتھ خالی دیکھ کر ثمینہ کو بڑی مایوسی ہوئی۔

وہ پولیس والا تھا۔ اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک چابی منتخب کرکے شاہ پری کی کوٹھری کا دروازہ کھولنے لگا۔ وہ فارسی میں کوئی بات بھی کر رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی شاہ پری کوٹھری کے باہر آگئی۔ اس نے ثمینہ کو بتایا کہ اس کا بابا پہنچ گیا ہے۔ اب وہ آزاد ہو جائیں گی لیکن پولیس والا جب صرف شاہ پری کو لے کر چلا گیا تو ثمینہ کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی تھی کہ اگر اسے رہائی نہ ملی تو کیا ہوگا؟ لیکن ایک امید اب بھی قائم تھی کہ ملا نصیر الدین کے ساتھ گل رحمان اور دوسرے بھی ہوں گے جو اسے بھی رہائی دلوا دیں گے۔

وقت گزرتا رہا۔ ثمینہ انتظار کرتی رہی لیکن اسے کوٹھری سے نکالنے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ پہلے تو تھوڑی بہت آوازیں سنائی دیتی رہیں' پھر سناٹا چھا گیا۔ ساتھ والی کوٹھری کے قیدی بھی شاید سو گئے تھے۔ ان کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ آج انہیں بھی کھانا نہیں دیا گیا تھا اور انہوں نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ شاید وہ اس قسم کی صورتحال کے عادی ہو چکے تھے۔

سردی اور بھوک سے ثمینہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ مچھر الگ خون چوس رہے تھے لیکن وہ یہ سب کچھ برداشت کرنے پر مجبور تھی۔

شاہ پری کو کوٹھری سے گئے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ اب وہ اس جیل سے کبھی رہائی نہیں پا سکے گی۔ یہ پولیس والے دیکھنے ہی میں وحشی لگتے تھے۔ وہ ان کے رحم و کرم پر تھی اور وہ اس کے ساتھ جو کچھ کریں گے' وہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی تھی۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی کہ سناٹے میں قدموں کی آواز سن کر کانپ اٹھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک پولیس والا لالٹین ہاتھ میں لیے اس طرف آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے لالٹین نیچے رکھ دی اور دروازے کا تالا کھولنے لگا۔ اس نے فارسی زبان میں کچھ کہا بھی تھا لیکن ثمینہ کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ پولیس والے نے دروازہ کھول کر اسے اشارہ کیا.....یہ اشارہ بہرحال اس کی سمجھ میں آگیا اور وہ کوٹھری سے باہر آگئی۔ آوازیں سن کر ساتھ والی کوٹھری کے دونوں قیدی بھی جاگ گئے تھے۔ ایک قیدی نے کچھ کہا اور پھر زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ اس کے قہقہوں نے ثمینہ کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ پولیس والا اسے دفتر میں لے آیا جہاں چوکی کا انچارج عمر خان بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔ عمر خان چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اس نے یہ مختصر سا جملہ انگریزی میں کہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"شاہ پری کہاں ہے؟" ثمینہ نے بھی انگریزی ہی میں پوچھا۔ اس نے بیٹھنے کے بجائے کھڑے رہنے ہی کو ترجیح دی تھی۔

"شاہ پری۔" عمر خان نے رک کر جواب دیا۔ "وہ اپنے باپ کے ساتھ جا چکی ہے۔ ملا نصیر الدین علاقے کا معزز آدمی ہے۔ وہ اپنی ضمانت پر اپنی بیٹی کو لے گیا ہے۔ اگر وہ تمہیں جانتا ہوتا تو شاید تمہاری ضمانت بھی دے دیتا۔"

ثمینہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "اس کے ساتھ گل رحمان اور ملک فیروز خان بھی ہوں گے۔ وہ تو مجھے جانتے ہیں۔ وہ میری ضمانت دے سکتے تھے۔" وہ بولی۔

"ملا نصیر الدین کے ساتھ صرف اس کا بیٹا تھا۔" عمر خان نے قہوے کی چسکی لیتے ہوئے جواب دیا۔ "گل رحمان یا ملک فیروز خان کو ہم نہیں جانتے۔ اگر جانتے بھی ہوتے تو شاید تمہیں نہ چھوڑتے۔ تم سے ابھی تفتیش کرنی ہے۔"

"قتل میں نے یا شاہ پری نے نہیں کیا تھا۔" ثمینہ بولی "شاہ پری کا یہ بیان درست ہے کہ مقتول کا اپنے دوستوں سے جھگڑا ہو گیا تھا اور وہ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہم دونوں بے قصور ہیں۔"

"ہم نے شاہ پری کے بیان پر یقین کر لیا ہے اور اسی لیے اسے چھوڑ بھی دیا ہے۔" عمر خان نے کہا۔

"اور مجھے؟" ثمینہ نے کہا۔ "مجھے کیوں قید میں رکھا گیا ہے؟"

"تم سے ایک دوسرے معاملے میں تفتیش کرنی ہے۔" عمر خان بولا۔ "تم کہتی ہو کہ تم

aazzamm@yahoo.com

پاکستانی اخبار نویس ہو لیکن تمہارے پاس نہ تو پاسپورٹ ہے اور نہ ہی دوسرے کاغذات اور تمہارے جسم پر یہ روسی فوج کی وردی۔ اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ روسی فوج یہاں سے جا چکی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ ان کے ایجنٹ اب بھی یہاں موجود ہیں۔ کوئی غیر ملکی کے روپ میں اور کچھ ہمارے ہی آدمی ان کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں۔ تم سے یہ معلوم کرنا ہے کہ افغانستان میں کب سے ہو اور کیا کیا اطلاعات اپنے آقاؤں کو بھیج چکی ہو؟"

ثمینہ کانپ اٹھی۔ اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ایک نیا شوشہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر روسی فوجی وردی اس کے لیے پھانسی کا پھندہ بھی بن سکتی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو پاکستانی اخبار نویس بتایا تھا۔ اگر یہ لوگ اس کے بارے میں تحقیقات کریں گے تو یہ پول بھی کھل جائے گا کہ اس کا پاکستانی پریس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ غیر قانونی طور پر افغانستان میں داخل ہوئی تھی اور پھر جاسوسی کے الزام سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ وہ لوگ اس سے معلوم کرنا چاہیں گے کہ وہ کب سے یہاں ہے اور کیا کیا اطلاعات اپنے آقاؤں کو بھجوا چکی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے وہ لوگ کیا طریقے اختیار کریں گے' اس کا بھی اسے اندازہ تھا۔

"میں جاسوس نہیں ہوں۔" بالآخر ثمینہ نے جواب دیا۔ "پاکستانی اخبار نویس ہوں۔ چند روز پہلے تمہارے ہی ملک کے چند لٹیروں نے ہمیں لوٹ لیا تھا۔ وہ میرا بیگ چھین کر لے گئے۔ اس میں پاسپورٹ بھی تھا اور دوسرے کاغذات بھی۔ اگر بعض نیک لوگ ہمیں نہ مل جاتے تو ہم پہاڑوں میں بھٹک کر ختم ہو جاتے۔"

"اور یہ روسی وردی؟" عمر خان نے اسے گھورا۔

"افغانستان میں نہ روسی اسلحہ کی کمی ہے' نہ وردیوں کی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میرے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ یہ روسی فوجی وردی میں نے ایک بستی میں ایک افغان باشندے سے خریدی تھی۔ یہاں بہت سے افغان باشندے روسی فوجی وردیاں پہنے پھر رہے ہیں۔ کیا وہ سب روس کے ایجنٹ ہیں؟"

"میں دوسروں کی نہیں' تمہاری بات کر رہا ہوں۔" عمر خان کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "اگر تم روس کی نہیں تو پاکستان کی ایجنٹ ضرور ہو کیونکہ پاکستان اپنی پسند کی پارٹی کو برسراقتدار لانے کے لیے افغانستان میں خانہ جنگی کرا رہا ہے۔"

"پاکستان پر یہ الزام غلط ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "پاکستان ایک امن پسند ملک ہے۔ وہ نہ تو اپنے اندرونی معاملات میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے ملک

کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا ہے۔ اقتدار کی رسہ کشی افغانستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ اگر مختلف پارٹیاں اقتدار حاصل کرنے کے لیے عوام کو ایک دوسرے سے لڑا رہی ہیں تو اس میں پاکستان یا کسی اور ملک کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"میں نے سیاست پر لیکچر سننے کے لیے تمہیں یہاں نہیں بلوایا۔" عمر خان نے کہا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس یہ روسی فوجی وردی کہاں سے آئی؟ اور تم کس کے لیے کام کر رہی ہو؟ پاکستان کے لیے یا روس کے لیے؟"

"میں کسی کے لیے کام نہیں کر رہی ہوں۔ میں اخبار نویس ہوں۔ تم چاہو تو اپنی متعلقہ وزارت سے میرے بارے میں تصدیق کر سکتے ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"تصدیق بھی کر لی جائے گی لیکن اس میں وقت لگے گا۔" عمر خان نے جواب دیا۔ "تم جانتی ہو اس چھوٹے سے گاؤں میں بجلی اور ٹیلی فون نہیں ہے۔ کابل یہاں سے بہت دور ہے۔ تصدیق کرنے کے لیے کسی آدمی کو کابل بھیجنا پڑے گا اور ہمارے پاس اتنے فنڈز نہیں ہیں۔ ہم ایک آدمی کے کابل آنے جانے کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور پھر مجھے اتنی لمبی چوڑی تصدیق کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں خود ہی تم سے معلوم کر لوں گا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔"

"یہ ظلم ہے.... سراسر ناانصافی ہے۔" ثمینہ نے احتجاج کیا۔ "مجھے صبح سے یہاں بھوکا پیاسا رکھا گیا ہے۔ غیر ملکیوں کے ساتھ یہ سلوک....."

"اوہ!" عمر خان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا تمہیں کھانا نہیں دیا گیا؟"

"صبح کوٹھری میں بند کرنے کے بعد اب تک کسی نے پوچھا تک نہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔" عمر خان بولا۔ "بہرحال اس وقت تو تمہارے کھانے کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔ یہ چھوٹی سی بستی ہے۔ یہاں کے لوگ جلد سو جانے کے عادی ہیں۔ اس وقت تو پوری بستی پر سناٹا طاری ہے۔ سب لوگ سو چکے ہیں۔ تمہیں صبح تک بھوک برداشت کرنی پڑے گی۔"

"مجھے جس کوٹھری میں رکھا گیا ہے۔ وہ بھی انتہائی غلیظ ہے۔ غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ میں اندر بیٹھ بھی نہیں سکتی۔ دروازے کے پاس بیٹھے رہنے سے سردی بھی لگ رہی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" عمر خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میں اپنے نائب سے کہہ دیتا ہوں۔ وہ تمہیں میرے کمرے میں پہنچا دے گا۔ آرام دہ بستر پر سکون سے سو سکو گی۔"

ثمینہ کانپ اٹھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رات کو اس وقت اسے کوٹھری سے نکال کر یہاں بلانے کا مقصد بھی یہی تھا۔ مرد دنیا کے کسی بھی خطے کا ہو' فطرت ایک ہی ہوتی ہے۔

aazzamm@yahoo.com

عورت کو دیکھ کر مرد کی رال ٹپکنے لگتی ہے اور جب عورت جوان اور حسین و جمیل بھی ہو تو اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔

"نہیں' میں اسی کوٹھری میں ٹھیک ہوں۔ جیسے تیسے رات گزار لوں گی۔" ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

"ہم قیدیوں کی مرضی پر نہیں چلتے۔ قیدیوں کو ہماری مرضی پر چلنا پڑتا ہے۔" عمر خان نے کہا اور دروازے کی طرف رخ کرکے کسی کو پکارا۔ ایک پولیس والا فوراً ہی اندر آگیا۔ عمر خان نے فارسی میں اس سے کچھ کہا۔ وہ چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا' پھر آگے بڑھ کر ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دروازے کی طرف کھینچنے لگا۔ ثمینہ نے مزاحمت نہیں کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہاں مزاحمت کرنا بیکار ہوگا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ عمر خان کے کمرے میں پہنچ کر اس سے نمٹنے کی کوشش کرے گی۔

ثمینہ نے باتوں ہی باتوں میں عمر خان سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس پولیس چوکی کا عملہ صرف چار افراد پر مشتمل ہے۔ ایک عمر خان جو انچارج تھا اور تین اس کے ماتحت۔ اگر اسے عمر خان کو قابو میں کرنے کا موقع مل جائے تو وہ یہاں سے فرار ہو سکتی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عمر خان نے اسے اپنے کمرے میں رات بسر کرنے کی پیشکش کیوں کی تھی۔ یہ پیشکش انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نہیں کی گئی تھی۔ وہ اس کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی۔

عمر خان کا کمرہ بھی اسی مکان کے آنگن میں بائیں طرف واقع تھا۔ ایک کمرہ اس کے مخالف سمت دفتر کے دوسری طرف تھا جو اس کے محافظوں کے لیے مخصوص تھا۔

عمر خان کا کمرہ خاصا کشادہ تھا۔ فرش کچا ہی تھا۔ اس پر کھجور کی چٹائی اور اس کے اوپر دری بچھی ہوئی تھی۔ دو دیواروں کے ساتھ کھونٹیوں پر کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ ان ہی کپڑوں میں پولیس کی وردی بھی نظر آرہی تھی۔

ایک دیوار کے ساتھ دری پر بستر لگا ہوا تھا جس پر دو میلے سے کمبل پڑے ہوئے تھے۔ تکیہ اس قدر چکنا اور گندا تھا کہ دیکھ کر ہی گھن آرہی تھی۔

دروازے کے قریب ہی دائیں طرف دیوار کے ساتھ پانی کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا جس پر پلاسٹک کا ایک میلا سا گلاس بھی موجود تھا۔ پولیس والا اسے کمرے میں دھکیل کر واپس چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کرکے باہر سے کنڈا لگا دیا تھا۔ ثمینہ چند لمحے دروازے کے قریب کھڑی رہی' پھر اس نے مٹکے کے پاس بیٹھ کر پانی کے دو گلاس پیئے اور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

سامنے دیوار پر ایک گھڑی بھی ٹنگی ہوئی تھی جس کی سوئیاں گیارہ بجکر پانچ منٹ کا وقت بتا رہی تھی۔ وہ گھڑی کی سوئیوں پر نظریں جمائے ٹک ٹک کی آواز سنتی رہی۔

عمر خان تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کمرے میں آیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کرکے کنڈا لگا دیا اور معنی خیز نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ اونگھنے لگی تھی لیکن عمر خان کو دیکھ کر اس کی نیند غائب ہو گئی۔

عمر خان وردی میں تھا۔ وہ چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا' پھر اس دیوار کے قریب آگیا جہاں کھونٹی پر کپڑے ٹنگے ہوئے تھے اور پھر وہ وہیں کھڑے کھڑے کپڑے بدلنے لگا۔ ثمینہ نے گردن جھکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

عمر خان کپڑے بدلنے کے بعد ثمینہ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ عمر خان کو اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

عمر خان کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"یہاں نہیں' وہاں بستر پر لیٹ جاؤ۔ نہیں.....میں یہیں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میری بات غور سے سنو لڑکی۔" عمر خان کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

"میں اگر چاہوں تو تمہیں گولی مار کر لاش باہر پھنکوا دوں' کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں ہوگا لیکن اگر تم شرافت کا مظاہرہ کرو تو تمہارے لیے کچھ آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اگر مزاحمت کرو گی بھی تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ اس لیے....."

"تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔" ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ عمر خان بھی اٹھ گیا۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر شکاری کتے کی طرح ثمینہ پر جھپٹا۔ ثمینہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ عمر خان سے بچنے کی کوشش کرتی رہی لیکن بالآخر عمر خان کی گرفت میں آہی گئی۔

ثمینہ نے اپنی جدوجہد جاری رکھی لیکن عمر خان اس سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔

عمر خان اسے مکمل طور پر زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن دفعتاً فائر کی ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ ثمینہ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ثمینہ نے اس کی کلائی پر دانتوں سے کاٹ لیا۔ عمر خان بلبلا اٹھا۔ اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا۔ عمر خان ثمینہ کو چھوڑ کر دروازے کی طرف لپکا۔ وہ دروازہ کھول کر چیخ چیخ کر اپنے ماتحتوں سے پوچھ رہا تھا کہ گولیاں کون چلا رہا ہے۔

aazzamm@yahoo.com

ثمینہ کی نظریں دیوار پر ٹنگی ہوئی عمر خان کی وردی پر جم گئیں۔ وردی کے ساتھ بیلٹ بھی تھا جس کے ہولسٹر سے ریوالور کا دستہ جھانک رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے دیوار کے قریب پہنچ گئی اور بڑی پھرتی سے ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لیا۔

عمر خان کو اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ وہ دروازے سے منہ باہر نکالے چیخ رہا تھا۔

"دلبر جان! کیا ہوا۔ یہ گولیاں کون چلا رہا ہے؟"

لیکن جواب میں صرف فائرنگ کی آوازیں ہی سنائی دی تھیں۔ عمر خان تیزی سے اندر کی طرف مڑ گیا۔ "خانہ خراب لوگ کون ہے۔ پولیس چوکی پر حملہ کرتا....." وہ مڑتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا لیکن ثمینہ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اس کی آواز بند ہو گئی۔ پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اوہ..... تم....." وہ کہتے ہوئے آگے بڑھا لیکن پھر اس کے قدم رک گئے۔ ثمینہ نے ریوالور اس کے سینے کی طرف تان لیا تھا۔

"اگر تم نے ایک بھی قدم آگے بڑھایا تو گولی چلا دوں گی۔ کھوپڑی اڑا دوں گی تمہاری۔" ثمینہ چیخی۔

"میرا بات سنو لڑکی!" عمر خان اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"پاگل لوگ پتہ نہیں کون ہے جنہوں نے پولیس چوکی پر حملہ کیا ہے۔ اگر وہ لوگ ادھر آگیا تو ہم دونوں مارا جائے گا۔ یہ ریوالور مجھے دو۔ ہم دونوں یہاں سے نکل چلتے ہیں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔"

"تم جس طرح میری حفاظت کرو گے' میں جانتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تمہارا تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ میں یہاں سے اکیلی نکلوں گی اور اپنی حفاظت بھی میں خود ہی کروں گی۔"

اس سے پہلے کہ عمر خان کوئی جواب دیتا باہر سے فائرنگ کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ لگتا تھا سات آٹھ رائفلیں بیک وقت گولیاں اگل رہی ہوں۔ فائرنگ کے اس شور میں ایک اور آواز سن کر ثمینہ اچھل پڑی۔ کوئی چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"وہ جیل میں نہیں ہے۔ میں نے دو قیدیوں کو آزاد کر دیا ہے لیکن ثمینہ یہاں نہیں ہے۔"

ثمینہ کو فائرنگ کے شور میں یہ آواز پہچاننے میں ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ شارق کی آواز تھی جسے سن کر ثمینہ چونک گئی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ چوکی پر حملہ کرنے والے شارق اور اس کے ساتھی تھے۔

"اس طرف۔" ثمینہ دیوار سے اشارہ کرتے ہوئے غرائی۔ "اس طرف آجاؤ۔ جلدی کرو۔"

عمر خان کے چہرے پر الجھن کے ساتھ اب خوف کے ملے جلے تاثرات بھی ابھر آئے تھے۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ ثمینہ نے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دے کر ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ گولی عمر خان کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔

"اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو دوسری گولی تمہاری کھوپڑی اڑا دے گی۔" ثمینہ غرائی..... "اس طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔"

عمر خان کے چہرے پر خوف اب نمایاں ہو گیا تھا۔ حکم کی تعمیل کے سوا اب اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ کر دوسری دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی دروازے کے قریب آگئی۔ چوکی کے دفتر والی سمت سے فائرنگ اور شور کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ "شارق.....!" ثمینہ چیخی۔ "میں یہاں ہوں۔"

ثمینہ نے اگرچہ عمر خان کو ریوالور کی زد پر لے رکھا تھا لیکن اس وقت اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ عمر خان کی طرف سے ایک لمحہ کو اس کی توجہ ہٹی تھی اور عمر خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ کو بروقت پتہ چل گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹنے کے ساتھ ہی ریوالور کا ٹریگر دبا تھا۔ کمرے میں دھماکہ سا ہوا اور اس کے ساتھ ہی عمر خان کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے گر گیا تھا۔

"شارق.....میں یہاں ہوں۔" ثمینہ دروازے کی طرف رخ کرکے چیخی اور پھر مڑ کر عمر خان کی طرف دیکھنے لگی۔

عمر خان سیدھا ہو گیا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ پیٹ پر تھا جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ بھی خون سے تر ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کے آثار تھے اور آنکھیں جیسے شعلہ اگل رہی تھیں۔ وہ چند سیکنڈ خونخوار نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا' پھر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

عمر خان کو آگے بڑھتے دیکھ کر ثمینہ کے چہرے پر خوف سا پھیل گیا۔ اس نے ریوالور والا ہاتھ آگے نکال کر یکے بعد دیگرے دو مرتبہ ٹریگر دبا دیا۔ دونوں گولیاں عمر خان کے سینے میں لگیں۔ اس کے جسم کو زوردار جھٹکا لگا لیکن وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا اور پھر وہ ریوالور کا ٹریگر دباتی چلی گئی۔ عمر خان کا جسم چھلنی ہو گیا تھا۔ کئی جگہوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑایا اور پھر کٹے ہوئے درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

"ثمینہ! کہاں ہو تم؟"

شارق کی آواز ثمینہ کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ سکتہ کی سی کیفیت میں کھڑی عمر خان کو دیکھ

aazzamm@yahoo.com

رہی تھی۔ شارق کی آواز سن کر وہ جیسے ہوش میں آگئی۔ اس نے چیخ کر شارق کو بتایا کہ وہ اس کمرے میں موجود ہے۔ پھر اس نے ریوالور عمر خان کی لاش کے قریب پھینک دیا جو خالی ہو چکا تھا اور دوڑ کر کھونٹی پر سے عمر خان کی پولیس یونیفارم کی قمیض پہننے لگی۔ وہ قمیض کے بٹن لگا رہی تھی کہ شارق دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو۔" شارق اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "جلدی کرو' نکلو یہاں سے۔ اوہ....." وہ عمر خان کی لاش دیکھ کر رک گیا۔ "یہ کون ہے؟"

"اس چوکی کا انچارج عمر خان۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "یہ مجھے کھلونا سمجھ کر اپنے کمرے میں لے آیا تھا لیکن....."

"یہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔" شارق نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ "اب جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔ اس چوکی کے دو آدمی تو ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں اور پتہ نہیں کتنے باقی ہیں۔ اگر بستی کے لوگ بھی آگئے تو مشکل ہو جائے گی۔"

"اس چوکی میں صرف چار آدمی تھے۔ دو تم نے مار دیئے' ایک میں نے۔ صرف ایک باقی رہ گیا ہے' اسے بھی ختم کر دو۔" ثمینہ نے کہا۔

"ان دونوں کو میں نے نہیں مارا۔ وہ ملا نصیر الدین کے بیٹے کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ جلدی نکلو یہاں سے۔" شارق نے کہا۔

وہ کمرے سے نکل کر دوڑتے ہوئے واپس آگئے۔ اب فائرنگ بند ہو گئی تھی۔ تین چار آدمی دوڑتے ہوئے دفتر کے سامنے آگئے۔ شارق نے چیخ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"شارق!" گل رحمان کی آواز سنائی دی۔ "ثمینہ کا پتہ نہیں چل رہا' اس چوکی میں صرف تین آدمی تھے جو مارے جا چکے ہیں۔ ثمینہ اور چوکی کا انچارج غائب ہیں۔"

"ثمینہ میرے ساتھ ہے۔" شارق نے چیخ کر بتایا "چوکی کا انچارج بھی مارا جا چکا ہے۔ اب یہاں کوئی نہیں بچا۔ نکل چلو یہاں سے۔"

"چلو.....بھاگو۔" گل رحمان چیخا۔ بستی کے لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ "اگر وہ لوگ آگئے تو ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

وہ لوگ پولیس چوکی سے نکل کر گلی میں آگئے۔ یہاں عمر خان کی جیپ کے پیچھے ایک اور جیپ بھی کھڑی تھی۔ وہ لوگ دوسری جیپ کی طرف دوڑے۔ ملا نصیر الدین کے بیٹے نے رک کر پولیس جیپ کے اگلے ٹائر کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ٹائر کے پرخچے اڑ گئے۔

"چلو.....جلدی کرو۔" وہ چیختا ہوا جیپ پر چڑھ گیا۔ شارق اور ثمینہ بھی جیپ کے پچھلے حصہ پر سوار ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ سامنے والی سیٹ پر دو آدمی اور تھے۔ اسٹیئرنگ کے سامنے گل رحمان بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر ملا نصیر الدین کا بیٹا بیٹھا تھا۔

جیپ ایک جھٹکے سے حرکت میں آگئی۔ ثمینہ نے محسوس کیا تھا کہ بستی کے بعض لوگ اپنے مکانوں کے دروازے کے پیچھے کھڑے گلی میں جھانک رہے تھے۔

جیپ گلیوں میں دوڑتی ہوئی بستی سے نکل کر سڑک پر آگئی اور تیزی سے براکی کی طرف دوڑنے لگی۔

○

رات کا آخری پہر تھا۔ وہ لوگ براکی سے تقریباً دو میل دور واقع ایک چھوٹی سی بستی کے ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ شاہ پری اور ملا نصیر الدین بھی تھا۔ ملا نصیر الدین کہہ رہا تھا۔

"تم دونوں لڑکیوں کی گمشدگی سے ہم بہت پریشان تھے۔ گمشدگی کا انکشاف دراصل یہاں پہنچ کر ہوا تھا۔ ہم صبح تک تو انتظار کرتے رہے۔ پھر پریشانی ہوئی تو تم لوگوں کی تلاش شروع کر دی گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ تم لوگ راستہ بھٹک گئی ہو۔ تمہاری تلاش میں کچھ آدمی پہاڑوں کی طرف چلے گئے تھے۔ کل شام ہمارا ایک آدمی اس بستی میں پہنچ گیا تھا جہاں سے پولیس نے تم دونوں کو گرفتار کیا تھا۔ یہ اطلاع ملتے ہی میں شام کے بعد دو آدمیوں کو ساتھ لے کر پولیس چوکی پہنچ گیا۔ چوکی کے انچارج عمر خان کا کہنا تھا کہ تم دونوں کو قتل کے الزام میں پکڑا گیا تھا لیکن شاہ پری نے یہ بیان دیا تھا کہ قتل ان سے نہیں ہوا۔ بڑی بحث و تکرار کے بعد عمر خان شاہ پری کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا لیکن وہ تمہیں چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تم جاسوس ہو سکتی ہو۔ وہ تم سے تفتیش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے بحث کرنا بیکار سمجھا اور شاہ پری کو لے کر آگیا لیکن میں تمہاری طرف سے غافل نہیں تھا۔ تم نے باغ والے مکان میں میری بیٹی کی عزت بچائی تھی۔ میں تمہیں ان لوگوں کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ ہم لوگوں نے آدھی رات کے بعد تمہیں چھڑانے کے لیے پولیس چوکی پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا' وہ تمہیں بھی معلوم ہے۔"

"اگر تم لوگ دو چار منٹ لیٹ ہو جاتے تو وہ درندہ میری عزت لوٹ چکا ہوتا۔" ثمینہ نے کہا۔ "بہرحال' میں آپ لوگوں کی شکرگزار ہوں کہ آپ لوگوں نے مجھے اس درندے سے بچا

aazzamm@yahoo.com

لیا۔"

"اس میں شکر گزار ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔" ملا نصیر الدین نے جواب دیا۔ "یہ تو ہمارا فرض تھا۔ اگر ہم بروقت تمہاری مدد کو نہ پہنچتے تو ہمیں افسوس ہوتا۔"

ثمینہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی شاہ پری اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ واپس آگئی اور ثمینہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ثمینہ دوسرے کمرے میں پہنچی تو قالین پر بچھے ہوئے دسترخوان پر کھانا لگا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے تمہیں کھانا نہیں دیا ہوگا۔ تم بھوکی ہو۔ میں نے جلدی میں تمہارے لیے یہ کھانا تیار کروا لیا ہے۔ تم آرام سے بیٹھ کر کھاؤ' میں ان لوگوں کو چائے دے آؤں۔" شاہ پری نے کہا۔

ثمینہ نے دوسرے دروازے میں کھڑی ہوئی ایک ادھیڑ عمر عورت کی طرف دیکھا اور دسترخوان پر بیٹھ گئی۔ خشک تلا ہوا گوشت اور خمیری روٹیاں تھیں۔ وہ دو دن سے بھوکی تھی۔ وہ شاہ پری اور دوسری ادھیڑ عمر عورت کی موجودگی کو نظرانداز کرتے ہوئے کھانے پر ٹوٹ پڑی۔ شاہ پری نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور ادھیڑ عمر عورت کو اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

تین موٹی موٹی روٹیاں تھیں اور تلا ہوا گوشت بھی اچھی خاصی مقدار میں تھا۔ ثمینہ عام حالات میں اتنا کھانا تین وقت میں بھی نہیں کھا سکتی تھی لیکن اس وقت وہ سارا کھانا چٹ کر گئی۔ اس نے آخری لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ شاہ پری قہوہ لے کر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کے دو گلاس تھے۔ ایک اس کے لیے اور دوسرا اپنے لیے۔ وہ بھی وہیں بیٹھ گئی اور دونوں قہوے کی چسکیاں لینے لگیں۔

"ایک بات بتاؤ ثمینہ بہن۔" شاہ پری قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔

"میں راستہ بھٹک کر ان پہاڑوں میں نکل گئی تھی اور بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑی تھی۔ اگر تم وہاں نہ پہنچ جاتیں تو شاید بے ہوشی ہی میں مرجاتی اور اگر زندہ بچ بھی جاتی تو کوئی انسانی بھیڑیا مجھے چیر پھاڑ دیتا۔ تم نے اپنی جان پر کھیل کر سعد اللہ سے میری عزت اور جان بچائی تھی۔ اگر تم میرے ساتھ نہ ہوتیں تو جانے میرا کیا حشر ہو چکا ہوتا۔"

"میں تو ایک بہانہ بن گئی تھی۔ بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میری صورتحال تو تم سے زیادہ خوفناک تھی۔ عمر خان نے میرے کپڑے تک پھاڑ ڈالے تھے۔

عین وقت پر تمہارے والد اور دوسرے لوگ پہنچ گئے اور میں بچ گئی۔ بہرحال جو کچھ ہوا' اسے بھول جاؤ۔" وہ خاموش ہو کر قہوہ کی چسکیاں لینے لگیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "بستی والوں کو پولیس والوں کے قتل کا پتہ چل گیا ہوگا۔ انہوں نے کسی اور جگہ اطلاع دیدی ہوگی اور اگر ہماری تلاش شروع کر دی گئی تو ہم پکڑے جائیں گے۔ بستی کے بہت سے لوگ گواہی دیں گے کہ تم ملا نصیر الدین کی بیٹی ہو اور وہ تمہیں چھڑا کر لے گیا تھا۔"

"پولیس کا بڑا دفتر براکی میں ہے۔" شاہ پری نے بتایا۔ "ملک فرید براکی پہنچ چکا ہے۔ میرے بابا نے یہاں واپس آتے ہی ایک آدمی کو ملک فرید کے پاس بھیج دیا تھا۔ اسے صورتحال کا پتہ چل گیا ہوگا۔ ملک فرید بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ معاملہ کو سنبھال لے گا۔ میرا خیال ہے اب تم سو جاؤ' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" شاہ پری نے کہتے ہوئے اس کے سامنے سے خالی گلاس اٹھا لیا اور اپنا گلاس بھی اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور قالین پر لیٹ گئی۔

"یہ مکان کس کا ہے؟" ثمینہ نے اس کے قریب ہی لیٹتے ہوئے پوچھا۔

"یہ مکان ملک فرید ہی کا ہے۔ گل رحمان ہم سب کو یہاں لے کر آیا تھا۔ اس نے بھی ملک فرید کو یہاں اپنی آمد کی اطلاع بھجوا دی ہے۔ بہرحال تم آرام سے سو جاؤ۔ یہاں ہمیں یا تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم لوگ ہمارے مہمان ہو۔ ہم اپنی جان تو دیدیں گے لیکن اپنے مہمانوں پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اب سو جاؤ۔"

شاہ پری یہ کہتے ہوئے ثمینہ سے لپٹ گئی۔ ثمینہ نے قریب پڑا ہوا کمبل اٹھا کر اوپر ڈال لیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھیں۔

ثمینہ کی آنکھ صبح تقریباً دس بجے کھلی تھی۔ شاہ پری اس کے پہلو میں موجود نہیں تھی۔ وہ کمبل لپیٹے لیٹی رہی۔ کچھ دیر بعد شاہ پری کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"تم تو خوب سوئیں۔" شاہ پری نے کہا۔

"ہاں.... کل رات بھر جاگتی رہی ہوں۔" ثمینہ نے کمبل ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

"تم منہ ہاتھ دھو لو تو میں تمہارے لیے ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ غسل خانہ اس طرف ہے۔" شاہ پری نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ثمینہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک لمحہ کو ٹھٹک سی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ باتھ روم کا دروازہ ہوگا لیکن دوسری طرف ایک وسیع صحن تھا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی ایک طرف بنے ہوئے کنویں سے پانی نکال رہا تھا۔ اس نے بھی ثمینہ کو دیکھ لیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحہ نظریں جھکا لی

aazzamm@yahoo.com

تھیں۔ وہ کنویں سے نکالا ہوا پانی بالٹی میں بھر کر مکان سے باہر چلا گیا۔

ثمینہ کمرے سے باہر آگئی۔ صحن کے دائیں طرف باتھ روم تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ باتھ روم سے نکلی۔ جب وہ کمرے میں پہنچی تو شاہ پری دسترخوان پر ناشتہ لگا رہی تھی۔ تلا ہوا گوشت' خمیری روٹی اور چائے۔ شاہ پری بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

ناشتہ کے بعد ثمینہ اس کمرے میں آگئی جہاں شارق اور نولکھا وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ گل رحمان کسی مسئلے پر شارق سے باتیں کر رہا تھا۔ نولکھا الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری ٹپک رہی تھی۔ کئی روز کی اس بھاگ دوڑ میں اس کی صحت بھی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ پہلے وہ بات بات پر قہقہے لگایا کرتا تھا' ہنسا کرتا تھا لیکن اب زیادہ تر خاموش رہنے لگا تھا۔

"آؤ ثمینہ بی بی۔" نولکھا اسے دیکھتے ہی بولا۔ "آؤ میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔"

"کیا بات ہے نولکھا بھائی۔ بہت اداس ہو رہے ہو؟" ثمینہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"سمجھ میں نہیں آتا' یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نولکھا گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو اس بھاگ دوڑ کا کوئی مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"بھاگ دوڑ تو ہو رہی ہے نا۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو لطف اندوز ہونا چاہیے۔"

"اس بھاگ دوڑ کا کوئی مقصد ہوتا تو مزہ بھی آتا۔" نولکھا نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ہم بلامقصد ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگے پھر رہے ہیں۔ ہمارا اس میں کیا فائدہ۔ ہم تو الٹا دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں۔"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں تو ابھی سو کر اٹھی ہوں۔ یہاں کی صورتحال کیا ہے۔ کیا پروگرام بنایا ہے ان لوگوں نے؟"

"مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔" نولکھا نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ دونوں گھنٹے بھر سے باتیں کر رہے ہیں۔ ان سے پوچھ لو کیا پروگرام ہے۔" اس نے شارق اور گل رحمان کی طرف اشارہ کیا۔

ثمینہ مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ نجیب اللہ اور بازت خان ایک طرف بیٹھے پشتو میں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ملا نصیر الدین کا بیٹا ایک طرف پڑا سو رہا تھا۔ خود ملا نصیر الدین موجود نہیں تھا۔ امان اللہ بھی کمرے میں نظر نہیں آرہا تھا۔ ثمینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شارق اور گل رحمان کے قریب آگئی۔

"کس بات پر بحث ہو رہی ہے؟ پروگرام کیا ہے اب؟" اس نے ان دونوں کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم یہی بات کر رہے تھے ثمینہ بی بی۔" گل رحمان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملا نصیر الدین اور امان اللہ براکی گئے ہوئے ہیں۔ ملک فرید براکی میں موجود ہے۔ ان دونوں کے واپس آنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ کیا پروگرام ہے۔"

"میرا خیال ہے نولکھا ٹھیک ہی کہتا ہے۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "ہم اپنے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور ہماری بھاگ دوڑ کا کوئی مقصد نہیں رہا۔"

"تم غلط سوچ رہی ہو ثمینہ بی بی۔" گل رحمان نے کہا۔ "ہم اپنے راستے پر ہیں اور مقصد سے بھی نہیں ہٹے۔ دراصل حالات ہی کچھ ایسا رخ اختیار کر گئے ہیں کہ وقتی طور پر اصل کام سے ہماری توجہ ہٹ گئی ہے۔ حالات جیسے ہی ٹھیک ہوں گے' ہم اپنے کام پر توجہ دیں گے۔ بہرحال امان اللہ اور ملا نصیر الدین کے واپس آنے کے بعد ہی صحیح صورتحال کا علم ہو سکے گا۔"

"یہ لوگ کب واپس آئیں گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ لوگ صبح سات بجے یہاں سے گئے تھے۔ اب تک تو انہیں واپس آجانا چاہیے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ امان اللہ اور ملا نصیر الدین بھی آگئے۔

"ہاں کیا صورتحال ہے؟ ملک فرید سے ملاقات ہوئی؟" گل رحمان نے ملا نصیر الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" ملا نصیر الدین نے سر ہلایا۔ "ملک فرید نے کہا ہے کہ ہم شام سے پہلے براکی پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہی پروگرام کو حتمی شکل دی جائے گی۔"

"چلو.....یہ مسئلہ تو حل ہوا۔" گل رحمان بولا۔

امان اللہ اور ملا نصیر الدین کو وہاں آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس بستی کا ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے امان اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے فارسی زبان میں کچھ کہا۔ امان اللہ' گل رحمان کی طرف دیکھنے لگا۔ گل رحمان کے چہرے کے تاثرات ایک لمحہ کو بدل گئے تھے۔

"کیا ہوا.....کیا بات ہے؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"براکی کا پولیس کمانڈر آیا ہے۔ تم لوگ بیٹھو' میں دیکھتا ہوں۔" گل رحمان کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

پولیس کمانڈر کا نام سن کر ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس علاقے کا پولیس ہیڈ کوارٹر براکی میں

aazzamm@yahoo.com

تھا اور اس بستی کی چوکی میں پولیس والوں کے قتل کی خبر صبح ہونے سے پہلے ہی ہیڈ کوارٹر پہنچ چکی ہوگی اور ہیڈ کوارٹر کی پولیس نے انہیں تلاش کر لینے میں بڑی عجلت دکھائی تھی۔

"شارق!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "انہوں نے بڑی جلدی ہمیں تلاش کر لیا۔ پولیس کمانڈر خود یہاں آیا ہے۔ اس سے تم صورتحال کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہ ملک فرید کا علاقہ ہے اور مکان بھی اسی کی ملکیت ہے۔ گل رحمان نے بتایا تھا کہ اس علاقے میں ملک فرید کا بڑا دبدبہ ہے۔ پولیس والے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہم ملک فرید کے مہمان ہیں۔ پولیس ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔"

"لیکن یہ بھی تو سنا تھا کہ اس علاقے کے موجودہ حکمران ان دنوں ملک فرید سے کچھ ناراض ہیں۔ ہو سکتا ہے اب ملک فرید کی اتنی قدر نہ رہی ہو۔" ثمینہ بولی۔

"سیاست میں اونچ نیچ ہوتی ہی رہتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس والے یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک سیاست دان اگر آج زیرعتاب ہے تو کل ان پر مسلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں کہ کسی کو ان سے کوئی شکایت نہ ہونے پائے۔ اس بات کا اندازہ تم اس سے بھی لگا سکتی ہو کہ پولیس کمانڈر خود آیا ہے۔ اگر ہمیں گرفتار کرنا مقصود ہوتا تو کمانڈر کے بجائے عام پولیس والے آتے اور اپنی آمد کا پیغام بھیجنے کے بجائے مکان کو گھیرے میں لے لیتے اور پھر ہم اکیلے نہیں ہیں' اس معاملے میں یہ سب لوگ ملوث ہیں۔"

"تمہاری بات سمجھ میں تو آرہی ہے۔ خدا کرے تمہارا خیال درست ہو۔" ثمینہ بولی۔

وہ ابھی باتیں کر رہی رہے تھے کہ گل رحمان دو آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ وہ دونوں اونچے لمبے اور پولیس کی وردی میں تھے۔ ان میں ایک پولیس کمانڈر تھا اور دوسرا اس کا نائب۔ انہیں دیکھ کر وہ سب کھڑے ہو گئے۔ گل رحمان نے احمد شاہ کے نام سے کمانڈر کا تعارف کرایا اور پھر دوسروں کا بھی تعارف کرانے لگا۔ کمانڈر اور اس کا نائب ان کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئے۔

"کمانڈر احمد شاہ چوکی والے واقعے کی تحقیق کرنے آئے ہیں۔ یہ تم سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اصل واقعہ کیا ہوا تھا۔" گل رحمان نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی تاکہ ثمینہ کے ساتھ احمد شاہ بھی سمجھ سکے۔

"یہ کیا جاننا چاہتا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا' اس کی تفصیل بتا دو۔" گل رحمان نے کہا۔

ثمینہ چند لمحے خاموش رہی' پھر اس نے باغ والے مکان سے بات شروع کی۔ اس نے یہی

کہانی سنائی تھی کہ بڑھیا کا بیٹا رات کو اپنے دو دوستوں کے ساتھ کمرہ میں گھس آیا تھا اور "پہلے میں" کی بات پر ان میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلیں۔ بعد میں پولیس نے انہیں پکڑ لیا۔ اس شام ملا نصیرالدین تو اپنی بیٹی کو پولیس چوکی سے لے آیا لیکن چوکی کے انچارج عمر خان نے اسے دیگر الزامات کے تحت روک لیا اور پھر رات کو وہ اسے جیل کی کوٹھری سے نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا اور اس کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی۔ اسی دوران کچھ لوگوں نے چوکی پر حملہ کر دیا۔ وہ غالباً ان دو قیدیوں کے ساتھی تھے جو پہلے ہی جیل میں بند تھے۔ وہ لوگ قتل و غارت کرکے اپنے آدمیوں کو چھڑا کر لے گئے۔ وہ خوفزدہ ہو کر پولیس چوکی سے بھاگ نکلی۔ سڑک پر پہنچی ہی تھی کہ گل رحمان وغیرہ مل گئے۔ وہ اس کی رہائی کے سلسلے میں پولیس چوکی کے انچارج سے بات کرنے آرہے تھے۔ صورتحال معلوم ہونے کے بعد وہ لوگ اسے ساتھ لے کر واپس آگئے.....

گل رحمان اور ملا نصیرالدین تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ نے ایک بڑی خوبصورت کہانی گھڑ ڈالی تھی۔ انہوں نے بھی پولیس کمانڈر کو غالباً کوئی ایسی ہی کہانی سنائی تھی اور اس لیے ان کے چہروں پر قدرے اطمینان تھا۔

پولیس کمانڈر ثمینہ سے مختلف سوالات کرتا رہا اور ثمینہ بڑے پراعتماد لہجے میں جواب دیتی رہی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد پولیس کمانڈر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں اگر چاہوں تو تفتیش کے لیے تمہیں حراست میں لے سکتا ہوں لیکن ملک فرید کی مہمان ہو۔ اس لیے میں تمہیں حراست میں نہیں لے رہا لیکن تم میری اجازت کے بغیر براکی سے واپس نہیں جاؤ گی۔ شہر کی حدود سے باہر نہیں نکلو گی۔ تفتیش کے لیے ہمیں کسی بھی وقت تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔" کمانڈر احمد شاہ نے کہا۔

"میں اپنے میزبان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی' اس لیے مطمئن رہو۔ جب چاہو مجھے اپنی تحویل میں لے سکتے ہو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

پولیس کمانڈر واپس چلا گیا اور وہ لوگ اس تازہ ترین صورتحال پر بحث کرنے لگے۔ صورتحال بڑی پیچیدہ تھی۔ انہوں نے طے کر لیا کہ دوپہر کا کھانا کھاتے ہی وہ لوگ براکی کے لیے روانہ ہو جائیں گے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر یہاں رہے تو مزید کوئی پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔

دوپہر دو بجے انہوں نے کھانا کھایا اور تین بجے جیپ پر سوار ہو کر براکی کے لیے روانہ ہو گئے۔ فاصلہ ہی کتنا تھا' صرف دو میل۔ انہیں شہر پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ملک فرید کا حویلی نما مکان شہر کے دوسری طرف نواح میں واقع تھا۔ وہاں پہنچنے میں چند منٹ اور

aazzamm@yahoo.com

لگ گئے لیکن وہاں پہنچ کر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ ملک فرید تقریباً ایک گھنٹہ پہلے کابل جا چکا تھا۔ اس کی واپسی تین دن بعد ہوگی اور وہ اپنے آدمیوں کو یہ پیغام دے گیا تھا کہ شارق اس کی واپسی کا انتظار کرے۔

ثمینہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ اگر ملک فرید کا یہ پیغام نہ بھی ملتا تو ان کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

حویلی بہت بڑی تھی۔ دیواریں کسی قلعے کی فصیل کی طرح تھیں۔ درمیان میں بہت وسیع و عریض میدان تھا جہاں کوئی بڑا کارواں پڑاؤ ڈال سکتا تھا۔ لمبے چوڑے لان تھے۔ پھلدار درختوں کی بھی بہتات تھی۔ حویلی کے ایک طرف گھوڑوں کا اصطبل تھا جس میں تقریباً ایک درجن گھوڑے موجود تھے۔ حویلی کی دیکھ بھال کے لیے کئی نوکر چاکر تھے جن میں دو تین خواتین بھی تھیں۔

انہیں مختلف کمرے دے دیئے گئے۔ ثمینہ اور شاہ پری کو ایک الگ کمرہ ملا تھا جس کے فرش پر بہت دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ یہاں انہیں کئی روز بعد نہانے کا موقع ملا۔ ثمینہ باتھ روم دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ وسیع باتھ روم میں پانچ فٹ کی بلندی تک ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ شاور تھے' نہانے کا ایک خوبصورت ٹب تھا اور ایک دیوار پر آویزاں شیشے والی ایک کیبنٹ میں طرح طرح کے لوشن' کریم اور سینٹ رکھے ہوئے تھے۔

ثمینہ نہانے کے بعد وہی کپڑے پہن کر باتھ روم سے نکل آئی۔ شاہ پری نہانے کے لیے گئی تو ثمینہ نے ایک خوبصورت الماری کھول لی اور اسے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس الماری میں زنانہ ملبوسات ٹنگے ہوئے تھے۔ ان میں یورپی تراش کے بھی تھے اور قبائلی بھی۔ ثمینہ نے بڑی بے تکلفی سے ایک قبائلی جوڑا نکال کر پہن لیا۔

کچھ دیر بعد شاہ پری باتھ روم سے نکلی تو اسے دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"اوہ! معلوم ہوتا ہے کہ چند منٹ میں ہی تم نے اس کمرے کی تلاشی لے لی ہے۔" وہ بولی۔

"تلاشی تو نہیں لی' بس یونہی غیر ارادی طور پر یہ الماری کھول لی تھی۔" ثمینہ نے الماری کی طرف اشارہ کیا۔ "اس میں زنانہ کپڑے دیکھ کر سوچا ایک جوڑا میں استعمال کر لوں۔ ویسے یہ بات طے ہے کہ یہ کمرہ کسی خاتون کا ہے۔"

"ملک فرید کی بیٹی کا ہوگا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک بیٹا ہے جو امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔ دو بیٹیاں ہیں۔ ایک شادی شدہ ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ

پیرس میں رہ رہی ہے۔ دوسری بیٹی سنا ہے کابل یونیورسٹی میں پڑھاتی ہے۔ آج کل تو کابل شہر کا بہت برا حال ہے۔ تمام اسکول کالج بند پڑے ہیں۔ ملک فرید کی بیٹی پتہ نہیں کابل میں ہے یا کہیں اور گئی ہوئی ہے۔ یہ کمرہ اس کا ہوگا۔ وہ اکثر یہاں آتی رہتی ہے۔"

"اگر اس نے یہاں آکر مجھے اپنا لباس پہنے ہوئے دیکھ لیا تو ناراض تو نہ ہوگی؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" شاہ پری نے کندھے اچکا دیئے۔ "میں سوچ رہی ہوں کہ اس کا ایک جوڑا میں بھی پہن لوں۔ میرے کپڑے بھی بہت گندے ہو رہے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔ ان کپڑوں کے استعمال سے ہمیں کون روک سکتا ہے۔" ثمینہ نے کہا اور جھٹ سے الماری کھول لی۔ وہ کتنی دیر تک الماری میں ہینگروں پر ٹنگے ہوئے کپڑوں کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک جوڑا اتارتے ہوئے بولی "لو یہ پہن لو۔ یہ رنگ تم پر خوب جچے گا۔"

"بہت خوب۔" شاہ پری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "تم تو کپڑوں کا انتخاب اس طرح کر رہی ہو جیسے یہ اپنے ہی باپ کا مال ہو۔"

"اپنے باپ کا مال نہ سہی لیکن یہ کپڑے یہاں بیکار پڑے ہیں۔ ہم انہیں استعمال تو کر سکتے ہیں۔ لو..... پہن لو۔ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا۔" ثمینہ نے یہ کہتے ہوئے کپڑے اس کی طرف بڑھا دیئے۔

شاہ پری ایک بار پھر باتھ روم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد وہ کپڑے بدل کر باہر آگئی۔ ثمینہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ جوڑا شاہ پری پر واقعی بہت جچ رہا تھا۔ چند منٹ بعد دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سن کر ثمینہ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ ملک فرید کی ایک ادھیڑ عمر ملازمہ تھی۔ پہلے تو وہ ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"تمہاری مالک ہمیں ان کپڑوں میں دیکھ کر ناراض تو نہیں ہوگی؟" ثمینہ نے ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لالہ رخ آج کل کابل میں ہے' اگر وہ یہاں ہوتی بھی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا بلکہ وہ خود تم لوگوں کی بہت خدمت کرتی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" ملازمہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "سب لوگ باہر لان میں بیٹھے ہیں اور چائے کے لیے آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ دونوں ملازمہ کے ساتھ باہر آگئیں۔ لان میں گارڈن چیئرز بچھی ہوئی تھیں اور ان کے تمام ساتھی وہاں موجود تھے۔ چھوٹی میزوں پر چائے کے برتن آراستہ تھے اور ملک فرید کا ایک ملازم

aazzamm@yahoo.com

کپوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری کو دیکھ کر شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ثمینہ اس قبائلی لباس میں پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ ملازم نے ایک ایک کپ ان کے ہاتھوں میں بھی تھما دیا۔ ثمینہ بڑی دلچسپ نظروں سے کپ کو دیکھ رہی تھی۔ بڑا خوبصورت اور قیمتی کپ تھا۔ چائے بھی بڑی خوش ذائقہ تھی۔

چائے کے ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں۔ موضوع گفتگو ملک فرید ہی تھا جو اچانک کابل چلا گیا تھا۔ اس کی واپسی تین دن بعد ہونے والی تھی اور ظاہر ہے انہیں تین دن انتظار کرنا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے تک وہ لوگ لان ہی میں بیٹھے رہے۔ پھر اپنے اپنے کمروں میں آگئے۔ ثمینہ بھی شارق اور نولکھا کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئی تھی۔

"اب یہ تین دن ہمارے لیے قیامت بن کر گزریں گے۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی کہ حاجی نے ہمیں مال لینے کے لیے افغانستان بھیجا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ مال سرحد کے آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا لیکن ہم تو افغانستان کے وسط تک آگئے ہیں اور ابھی تک ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ جانا کہاں ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ملک فرید مال ہمارے حوالے کرے گا مگر ملک فرید ہم سے ملاقات کرنے کے بجائے کابل چلا گیا۔"

"ہم تین دن تک اس کی واپسی کا انتظار کریں گے۔" شارق نے کہا۔ "اگر وہ نہ آیا تو تین دن بعد ہم واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ آگیا تو اس کے ساتھ یہ طے کیا جائے گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم واپس کیسے جائیں گے۔" نولکھا نے کہا۔

"کوئی بندوبست کیا جائے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

ثمینہ رات گیارہ بجے کے قریب اپنے کمرے میں آئی تھی۔ شاہ پری موجود نہیں تھی۔ وہ تقریباً گیارہ بجکر بیس منٹ پر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"میں بابا کے کمرے میں تھی۔" شاہ پری نے آتے ہی کہا۔ بابا نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم لوگ کل صبح سویرے گردیز چلے جائیں گے۔ وہاں میرا ماموں رہتا ہے۔"

"تم لوگ ملک فرید خان کی واپسی کا انتظار نہیں کرو گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"فرید خان سے ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔ اپنی بستی پر حملہ ہونے کے بعد ہم تو گل رحمان کے ساتھ یہاں آگئے تھے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"تو تم لوگ اپنی بستی میں واپس نہیں جاؤ گے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ بستی تباہ ہو چکی ہے۔ بیشتر مکان جلا دیئے گئے ہیں۔ اب وہاں ہمارے لیے کچھ نہیں رہا۔ کچھ عرصہ گردیز میں رہیں گے' اس کے بعد واپسی کا سوچیں گے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "شاہ پری! کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ اپنے ہی اپنوں کو مار رہے ہیں۔ جب غیر لوگ اس ملک پر مسلط تھے تو یہاں کے سب لوگ متحد ہو گئے تھے۔ روس دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت تھی جسے افغانوں نے متحد ہو کر یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اب آپس ہی میں لڑ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے روسی فوجوں نے اس ملک میں اتنی تباہ کاری نہیں پھیلائی ہوگی جتنی یہ خود پھیلا رہے ہیں۔"

"یہ ہماری بدقسمتی ہے۔" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"اقتدار بہت بری چیز ہے۔ افغانستان کی تاریخ خون سے رنگین ہے۔ زیادہ دور جانے کی بات نہیں ہے۔ چند ہی سال پہلے کی بات ہے سردار داؤد نے ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر حکومت پر قبضہ کر لیا تھا لیکن وہ بھی زیادہ دنوں تک برسراقتدار نہیں رہ سکا۔ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد حفیظ اللہ امین برسراقتدار آیا۔ پھر ترہ کی' ببرک کارمل اور کئی لوگ آئے اور اپنی گردنیں کٹواتے گئے۔ اس طرح روس کو مداخلت کا موقع ملا۔ افغانوں نے روس کو تو نکال دیا لیکن اب خود آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ ان پہاڑوں کا ہر پتھر بے گناہوں کے لہو سے سرخ ہو چکا ہے لیکن اقتدار کی ہوس نہیں مٹتی۔ پتہ نہیں یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوگا۔"

"مجھے تو یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "محفوظ تو کوئی بھی جگہ نہیں ہے لیکن بہرحال ہم گردیز جا رہے ہیں۔ اگر تم لوگوں کا اس طرف آنے کا اتفاق ہو تو ہمارے پاس ضرور آنا۔ گردیز شہر سے چند میل آگے اومازئی نام کی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ گردیز شہر ہی میں ملک طوطی خان کا پوچھو گے تو لوگ بتا دیں گے۔ یہ میرے ماموں کا نام ہے۔ بہت بڑا ملک ہے وہ.....اگر تم لوگ وہاں آؤ گے تو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ہم لوگ تو پھنسے ہوئے ہیں شاہ پری۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ملک فرید سے ملاقات کے بعد ہی ہمارا کوئی پروگرام بنے گا۔ بہرحال' اگر گردیز کی طرف آنے کا موقع ملا تو تم لوگوں سے ملاقات ضرور ہوگی۔"

وہ دونوں دیر تک باتیں کرتی رہیں' پھر سو گئیں۔

صبح چھ بجے شاہ پری نے ثمینہ کو جگا دیا۔ وہ لوگ جانے کے لیے تیار تھے۔ ثمینہ نے گلے لگا

aazzamm@yahoo.com

کر شاہ پری کو رخصت کیا۔ شارق اور گل رحمان وغیرہ بھی ملا نصیر الدین کو رخصت کرنے کے لیے باہر آئے تھے۔ وہ لوگ ایک جیپ پر روانہ ہو گئے تو ثمینہ' شارق کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی۔

تین دن بڑی بیزاری میں گزرے تھے۔ انہیں امید تھی کہ ملک فرید تیسرے دن شام تک آجائے گا لیکن وہ نہیں آیا۔ البتہ رات دس بجے کے قریب انہیں یہ سنسنی خیز اطلاع ملی کہ ملک فرید کو کابل میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اس خبر سے ان میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ثمینہ' شارق اور نولکھا سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ملک فرید کی گرفتاری کے بعد وہ لوگ بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ پولیس کمانڈر پہلے ہی ان کی تاک میں تھا۔ ملک فرید کی وجہ سے ثمینہ بھی اب تک محفوظ تھی لیکن اب شارق کو یقین تھا کہ صبح ہوتے ہی یا ممکن ہے رات ہی کو کسی وقت چھاپہ مار کر انہیں بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔

شارق گل رحمان کے کمرے میں آگیا اور دیر تک اسی موضوع پر ان سے باتیں کرتا رہا۔ گل رحمان بھی بے حد پریشان تھا۔ اسے بھی یہ اندیشہ تھا کہ ملک فرید کی گرفتاری کے بعد صرف ثمینہ ہی کو نہیں' انہیں بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔

"شارق بھائی۔" گل رحمان اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "اب ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ خاموشی سے یہاں سے فرار ہو جائیں۔"

"کیا ایسا ممکن ہے؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "میرا مطلب ہے کیا ہم پولیس سے بچ کر نکل سکیں گے؟"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" گل رحمان بولا۔ "میری تجویز یہ ہے کہ میں اور تم تینوں خاموشی سے یہاں سے نکل چلیں۔ کرم آباد یا کابل کا راستہ اختیار کرنا خطرناک ہوگا۔ ہم یہاں سے چرخ کی طرف جائیں گے اور وہاں سے گردیز کی طرف نکل چلیں گے۔ اگر حالات نے ہمارا ساتھ دیا تو ہم شمالی یا جنوبی وزیرستان پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"کب چلنا ہوگا؟" شارق نے پوچھا۔

"ابھی اور اسی وقت۔" گل رحمان نے جواب دیا۔ "ملک فرید کی ایک لینڈ کروزر موجود ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر حویلی کے پچھلے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں گاڑی لے کر اس طرف پہنچ جاؤں گا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ میرے ساتھیوں کو بھی پتہ نہ چلے' اب تم جاؤ۔"

شارق نے اٹھتے ہوئے کمرے میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھا اور اس کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔ نولکھا دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اس کے چہرے پر حسب معمول بیزاری ہی نظر آرہی تھی۔ ثمینہ بھی گاؤ تکیے پر سر ٹکائے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے شارق کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا اور اس کے چہرے کے تاثرات سے اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"کیا ہوا شارق! خیریت؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"گڑبڑ ہو گئی ہے۔" شارق نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "گل رحمان کا کہنا ہے کہ ملک فرید کی گرفتاری کے بعد ہم لوگ بھی محفوظ نہیں رہے۔ پولیس کسی بھی وقت یہاں چھاپہ مار سکتی ہے۔ اس لیے ہمیں وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے گردیز کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"گردیز!" ثمینہ چونک سی گئی۔

"ہاں۔ اس کا کہنا ہے کہ اس سے آگے کسی جگہ سرحد عبور کر کے ہم پاکستان کے علاقے شمالی یا جنوبی وزیرستان میں داخل ہو سکتے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"کب چلنا ہوگا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ابھی اور اسی وقت۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم اور نولکھا کمرے سے نکل کر حویلی کے پچھلے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ کسی کو پتہ نہ چلے۔ میں بھی آرہا ہوں۔"

نولکھا بھی ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اب ایک نیا جھگڑا۔" وہ بڑبڑایا۔ "لگتا ہے ہم زندہ پاکستان نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"پہنچ جائیں گے۔" شارق بولا۔ "اب تم لوگ یہاں سے نکل چلو۔"

ثمینہ اور نولکھا اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے اور پھر راہداریوں میں گھومتے ہوئے مکان کے پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف درختوں کی بہتات تھی اور ایک پختہ سڑک درختوں کے بیچ میں سے ہوتی ہوئی حویلی کے پچھلے گیٹ تک چلی گئی تھی۔ وہ دونوں درختوں کے درمیان تاریکی کا سہارا لیتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ اس گیٹ کے قریب دو گیراج تھے۔ ایک گیراج کے سامنے سفید رنگ کی ایک لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ وہ دونوں گیٹ کے قریب ایک تاریک گوشے میں دبک کر کھڑے ہو گئے۔

اس گیٹ پر کوئی محافظ نہیں تھا۔ صرف اگلے گیٹ پر ایک محافظ کھڑا تھا اور ظاہر ہے وہ اپنا گیٹ چھوڑ کر کسی اور طرف نہیں جا سکتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ دونوں بے حس و حرکت کھڑے تاریکی میں گھورتے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد درختوں میں ایک سایہ سا متحرک دکھائی دیا۔ قریب پہنچ کر وہ لینڈ کروزر کی طرف مڑ گیا۔ ثمینہ نے اس کی چال سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شارق نہیں تھا۔ وہ شخص لینڈ کروزر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر بڑی احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

اس کے تقریباً دو منٹ بعد ایک اور سایہ درختوں میں حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ شارق تھا۔ وہ چند گز دور ہی ایک درخت کی اوٹ میں رک گیا۔ دوسرے ہی لمحہ اس کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ ثمینہ کو پکار رہا تھا۔

"میں یہاں ہوں شارق۔" ثمینہ نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

شارق درخت کی اوٹ سے نکل کر ان کے قریب پہنچ گیا۔

"گل رحمان نہیں آیا؟" شارق نے سرگوشی میں پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی اس گاڑی میں بیٹھا ہے۔" ثمینہ نے سفید لینڈ کروزر کی طرف اشارہ کیا۔

شارق اس طرف دیکھنے لگا۔ ٹھیک اسی لمحہ گاڑی کی طرف سے گل رحمان کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ گل رحمان دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"تم لوگ گاڑی میں بیٹھو' میں گیٹ کھول کر آتا ہوں۔" گل رحمان نے سرگوشی میں کہا اور دبے قدموں حویلی کے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

شارق آگے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ثمینہ اور نولکھا پچھلی سیٹ پر چلے گئے۔ سیٹوں کے درمیان لکڑی کی ایک پیٹی اور چار پانچ کلاشنکوف رائفلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک گٹھڑی میں کچھ اور بھی بندھا ہوا تھا۔

تقریباً دو منٹ بعد گل رحمان گیٹ کھول کر واپس آگیا۔ وہ گاڑی کے دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ حویلی کے سامنے والے حصے کی طرف سے پہلے شور اور پھر فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"اوہ!" گل رحمان اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے پولیس نے حویلی پر ریڈ کر دیا ہے۔ ملک فرید کے آدمیوں نے مزاحمت کی ہوگی جس پر فائرنگ شروع ہوگئی۔"

اس نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور گیئر میں ڈال کر گاڑی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ حویلی کو پچھلی طرف سے بھی گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ پیچھے رکھی ہوئی رائفلیں لوڈ ہیں۔ ایک لیک اٹھا لو اور کسی بھی ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہو۔" گل رحمان نے کہا۔

ثمینہ کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے ایک رائفل آگے بیٹھے ہوئے شارق کو دیدی اور ایک خود اٹھا لی۔ نولکھا نے بھی ایک رائفل [illegible] لی تھی۔ وہ دونوں سیٹوں سے اتر کر فرش پر بیٹھ گئے اور کسی بھی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

لینڈ کروزر جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلی' دائیں طرف سے پولیس کی ایک جیپ آتی ہوئی نظر آئی۔ شارق نے رائفل کی نال کھڑکی سے نکال کر ٹریگر دبا دیا۔

فضا میں تڑتڑاہٹ کی آواز سی گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک انسانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ جیپ کا ایک ہیڈ لیمپ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ جیپ کی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی لیکن لینڈ کروزر اس دوران سامنے والی گلی میں داخل ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ لوگ پولیس کی گولیوں سے محفوظ ہی رہے۔

گل رحمان نے گاڑی بائیں طرف ایک اور گلی میں موڑ لی۔ ٹھیک اسی وقت پولیس کی جیپ پچھلی گلی میں گھوم گئی تھی۔ ثمینہ اور نولکھا نے بیک وقت فائر کھول دیا لیکن ان کی گولیاں بھی ضائع گئیں۔

گل رحمان بڑی تیزی سے لینڈ کروزر کو مختلف گلیوں میں گھماتا رہا۔ پولیس کی جیپ ان کے تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔

"گل رحمان۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس جیپ میں وائرلیس ضرور ہوگا۔ اگر انہوں نے دوسری پولیس پارٹیوں کو ہمارے بارے میں اطلاع دیدی تو ہم بڑی آسانی سے گھیرے میں آجائیں گے۔"

"ہاں۔ یہ خطرہ تو ہے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"اگلا موڑ گھومتے ہی گاڑی کی رفتار کم کرکے مجھے اتار دو۔ پولیس کی جیپ جیسے ہی اس موڑ پر پہنچے گی' میں ان سے نمٹ لوں گا۔ تم کچھ آگے جا کر گاڑی روک لینا۔" شارق نے کہا۔

"خودکشی کا ارادہ کیا ہے؟" گل رحمان نے اسے گھورا۔

"یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "بہرحال اگلا موڑ گھومتے ہی گاڑی کی رفتار کم کر دینا۔"

دو تین منٹ بعد گل رحمان نے اگلا موڑ گھومتے ہی گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ شارق نے بڑی

aazzamm@yahoo.com

پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ گاڑی کی رفتار پھر تیز ہوگئی۔

شارق نے سنبھل کر ایک لمحہ کو ادھر ادھر دیکھا اور بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو گیا اور جھانک کر پچھلی گلی میں دیکھنے لگا۔ ٹھیک ایک منٹ بعد پولیس کی جیپ تیز رفتاری سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کا صرف ایک ہیڈ لیمپ روشن تھا اور یہی اس جیپ کی نشانی تھی۔ دوسرا ہیڈ لیمپ ان کی گولیوں سے ٹوٹ گیا تھا۔

شارق رائفل سنبھال کر تیار ہو گیا۔ اس کی نظریں جیپ کے انجن کی آواز پر لگی ہوئی تھیں اور چند سیکنڈ بعد پولیس کی جیپ موڑ گھوم کر سامنے آئی۔

جیپ میں ڈرائیور کے علاوہ تین آدمی اور تھے۔ ان میں دو کھڑے تھے جو رائفلیں سنبھالے فائرنگ کر رہے تھے۔ تیسرا پچھلی طرف رخ کیے بیٹھا تھا۔ وہ بھی فائرنگ کے لیے تیار تھا۔

شارق نے رائفل سیدھی کر لی اور پولیس جیپ جیسے ہی اس کے سامنے آئی' اس نے فائر کھول دیا۔ فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ کھڑے ہوئے پولیس والوں میں سے ایک چیختا ہوا گر گیا۔ دوسری گولی ڈرائیور کی کھوپڑی میں لگی تھی۔ جیپ بے قابو ہو کر تیز رفتاری سے لڑکھڑاتی ہوئی سڑک کے دائیں طرف دیوار سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی چیخوں کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

شارق جیپ اور پولیس والوں کا حشر دیکھنے کے لیے وہاں نہیں رکا تھا۔ وہ تیزی سے آگے دوڑتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اسے کسی گاڑی کی سرخ عقبی بتیاں دکھائی دیں جو تیزی سے اس کی طرف آرہی تھی۔ وہ کوئی گاڑی تھی جو ریورس میں آرہی تھی۔

وہ گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ شارق کے قریب رک گئی۔ وہ لینڈ کروزر تھی۔ شارق نے دوڑ کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اچھل کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ پوری طرح سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ لینڈ کروزر ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھی اور بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی۔

"تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔" گل رحمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"لیکن خدانخواستہ اگر وہ تمہیں دیکھ لیتے اور فائر کھول دیتے تو....."

"انہیں اس کا موقع ہی نہیں ملا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جیپ جیسے ہی موڑ گھومی تھی' میں نے فائر کھول دیا تھا۔ ایک گولی ڈرائیور کے سر میں لگی تھی۔ جیپ بے قابو ہو کر دیوار سے ٹکرا گئی۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا ہوگا۔ اگر کوئی بچ بھی گیا ہوگا تو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا ہوگا۔"

"لیکن ہم خطرے سے اب بھی باہر نہیں نکلے۔" گل رحمان نے گاڑی کو ایک اور سڑک پر موڑتے ہوئے کہا۔ "کچھ ہی دیر میں شہر کو سیل کر دیا جائے گا۔ ہمیں جلد سے جلد شہر کی حدود سے نکل جانا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے ہمیں بڑی سڑکوں پر آنے کے بجائے چھوٹے راستوں پر رہنا چاہیے تاکہ پولیس کی کسی اور پارٹی کے تصادم سے بچے رہیں۔" شارق بولا۔

"وہی کوشش کر رہا ہوں۔" گل رحمان نے کہتے ہوئے گاڑی ایک اور گلی میں گھما دی۔

اس طرح وہ گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے شہر کے نواحی علاقے میں پہنچ گئے۔ یہ کچا راستہ تھا۔ اس طرف عام طور پر دن میں بھی ٹریفک کم ہی رہتا تھا اور آدھی رات کے وقت تو کسی قسم کے ٹریفک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

انہوں نے اس راستے پر تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے کافی دور سڑک کے عین وسط میں ایک سرخ روشنی دکھائی دی۔ وہ غالباً سرخ ٹارچ تھی جس سے انہیں رکنے کا اشارہ کیا جا رہا تھا۔

"وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔" گل رحمان بولا۔ "اس راستے کی بھی ناکہ بندی کی گئی ہے۔"

شارق چونک گیا۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپ کی روشنی میں اب دو پولیس والے بھی نظر آرہے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ انہی میں سے ایک کے ہاتھ میں سرخ روشنی والی ٹارچ بھی تھی جسے حرکت دیتے ہوئے وہ رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ سڑک کے کنارے پر ایک جیپ کھڑی تھی۔ ایک پولیس والا جیپ میں اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

"ثمینہ' نولکھا ہوشیار۔" شارق نے پیچھے مڑ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جیپ کی رفتار اس طرح آہستہ کر لینا جیسے روک رہے ہو لیکن جیسے ہی فائرنگ شروع ہو' رفتار ایک دم تیز کر دینا۔"

گل رحمان نے گاڑی کی رفتار ہلکی کر دی۔ شارق رائفل سنبھالے گہری نظروں سے آگے دیکھنے لگا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سڑک کے دائیں بائیں کوئی اور پولیس والے تو نہیں تھے لیکن جہاں تک ہیڈ لیمپ کی روشنی کام کر رہی تھی' وہاں تک اور کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف وہی تین تھے جو روشنی کی زد میں تھے۔

قریب پہنچ کر گاڑی کی رفتار مزید کم ہوگئی۔ ایک پولیس والا اب ٹارچ والا ہاتھ اوپر اٹھا کر رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ دوسرا رائفل تانے تیار کھڑا تھا۔ شارق نے رائفل کی نال کھڑکی سے باہر نکال لی اور ٹریگر دبا دیا۔

aazzamm@yahoo.com

ویرانہ فائرنگ سے گونج اٹھا۔ سب سے پہلے وہ پولیس والا نشانہ بنا تھا جو رائفل تانے ہوئے - ٹارچ والے نے ٹارچ پھینک کر رائفل سنبھالنے کی کوشش کی تو دوسری گولی نے اسے بھی ث لیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر جیپ میں بیٹھے ہوئے پولیس والے نے چھلانگ لگا دی اور کھیتوں کی رف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا اس طرح بھاگنا ہی اس کی موت کا باعث بن گیا۔ اگر وہ جیپ میں ما رہتا تو شاید بچ جاتا لیکن اس طرح بھاگنے سے وہ نشانے کی زد میں آگیا اور گولیوں نے اسے نی کر دیا۔

گل رحمان پہلے ہی گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔ کچے راستے پر گاڑی بری طرح اچھل رہی ی۔ اس کے الٹ جانے کا اندیشہ بھی تھا لیکن گل رحمان نے اس کی رفتار کم نہیں کی اور اسے زی سے دوڑاتا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ شہر سے بہت دور نکل گئے۔

کچی سڑک سے وہ پھر پختہ سڑک پر آگئے۔ یہ سڑک چرخ کی طرف چلی گئی تھی۔ اس طرف نے کا مقصد بھی یہی تھا کہ پولیس ان کو چرخ کی طرف تلاش کرتی رہے۔

رات کے پچھلے پہر وہ چرخ کے نواح میں پہنچ گئے۔ دریا کا پل پار کرنے کے بعد گل رحمان نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ وہاں سے ایک اور پتھریلا راستہ تھا جو پہاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ چند سیکنڈ رکنے کے بعد گل رحمان نے گاڑی اسی سڑک پر ڈال دی۔ پہاڑیوں میں بل کھاتا ہوا یہ پتھریلا راستہ خاصا دشوار گزار تھا لیکن گل رحمان بڑی مہارت سے گاڑی چلا رہا تھا۔

گاڑی اس پتھریلے راستے پر دوڑتی رہی۔ اب دن کا ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ راستہ مسلسل بلندی کی طرف جا رہا تھا۔

"کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں آگئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں؟" شارق نے گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ یہ راستہ گردیز کے نواح میں نکلتا ہے لیکن ہم دن کی روشنی میں گردیز میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں کہیں رکنا پڑے گا۔" گل رحمان نے جواب دیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ سامنے نشیب تھا۔ بنجر اور ویران وادی تھی۔ ایک طرف بہت دور درختوں کا ایک جھنڈ سا نظر آرہا تھا۔ نشیب میں آکر گل رحمان نے گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ اس طرف کوئی راستہ نہیں تھا۔ گاڑی پتھروں پر اچھلتی ہوئی درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئی۔ گل رحمان نے گاڑی درختوں کے جھنڈ میں ایسی جگہ روکی تھی کہ اسے اوپر سے نہ دیکھا جا سکے۔ درختوں کے دوسری طرف ایک چھوٹا سا چشمہ بھی تھا۔

"یہ جگہ ہمارے لیے مناسب ہے۔ دن ہم یہیں گزاریں گے اور شام اندھیرا پھیلنے کے بعد آگے روانہ ہوں گے۔" گل رحمان انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ "ثمینہ بی بی۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جو گاڑی سے اتر رہی تھی۔ "پوٹلی میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھا پی لو۔ ہم سارا دن یہاں رہیں گے۔ کھانے پینے کی چیزیں وافر مقدار میں موجود ہیں۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے چشمے پر چلی گئی اور ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھونے لگی۔ دوسرے لوگ بھی چشمے پر آگئے تھے۔ شارق منہ ہاتھ دھو کر اٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ جگہ ان کے لیے واقعی محفوظ تھی۔ درخت بہت گنجان تھے۔ گاڑی بھی چھپ گئی تھی اور انہیں بھی سڑک پر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

ثمینہ بھی منہ ہاتھ دھو کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گاڑی کے پچھلے حصے سے وہ پوٹلی نکال لی۔ ایک جگہ چادر بچھا دی اور پوٹلی اس پر رکھ کر کھول دی۔ ایک پتیلے میں بھنا ہوا گوشت تھا۔ اتنا کہ وہ سب لوگ کم سے کم تین وقت کھا سکتے تھے۔ بیس نان تھے جو تندور میں تیار کیے گئے تھے۔ پانچ چھ کیک نما میٹھی روٹیاں بھی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ثمینہ کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ گل رحمان کو صورتحال کا اندازہ ہوگیا تھا اور اس نے پہلے ہی سے تیاری مکمل کر رکھی تھی۔

سالن ٹھنڈا تھا۔ اسے گرم کرنے کے لیے آگ جلانے کی ضرورت تھی اور وہ آگ جلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اٹھنے والا دھواں یہاں ان کی موجودگی کا راز کھول سکتا تھا۔ اس لیے انہیں ٹھنڈے سالن پر ہی گزارہ کرنا پڑا۔

کھانا کھانے کے بعد ثمینہ نے روٹی سالن سنبھال کر گاڑی میں رکھ دیا۔ وہ لوگ رات بھر جاگتے رہے تھے اور اب نیند پریشان کرنے لگی تھی۔ نولکھا تو ایک درخت کے تنے کے قریب زمین صاف کرکے لیٹ گیا تھا اور کچھ ہی دیر بعد وہ سو چکا تھا۔ ثمینہ گاڑی میں آکر سیٹ پر لیٹ گئی اور کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں بھی بند ہوگئیں۔

○

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے پانچویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

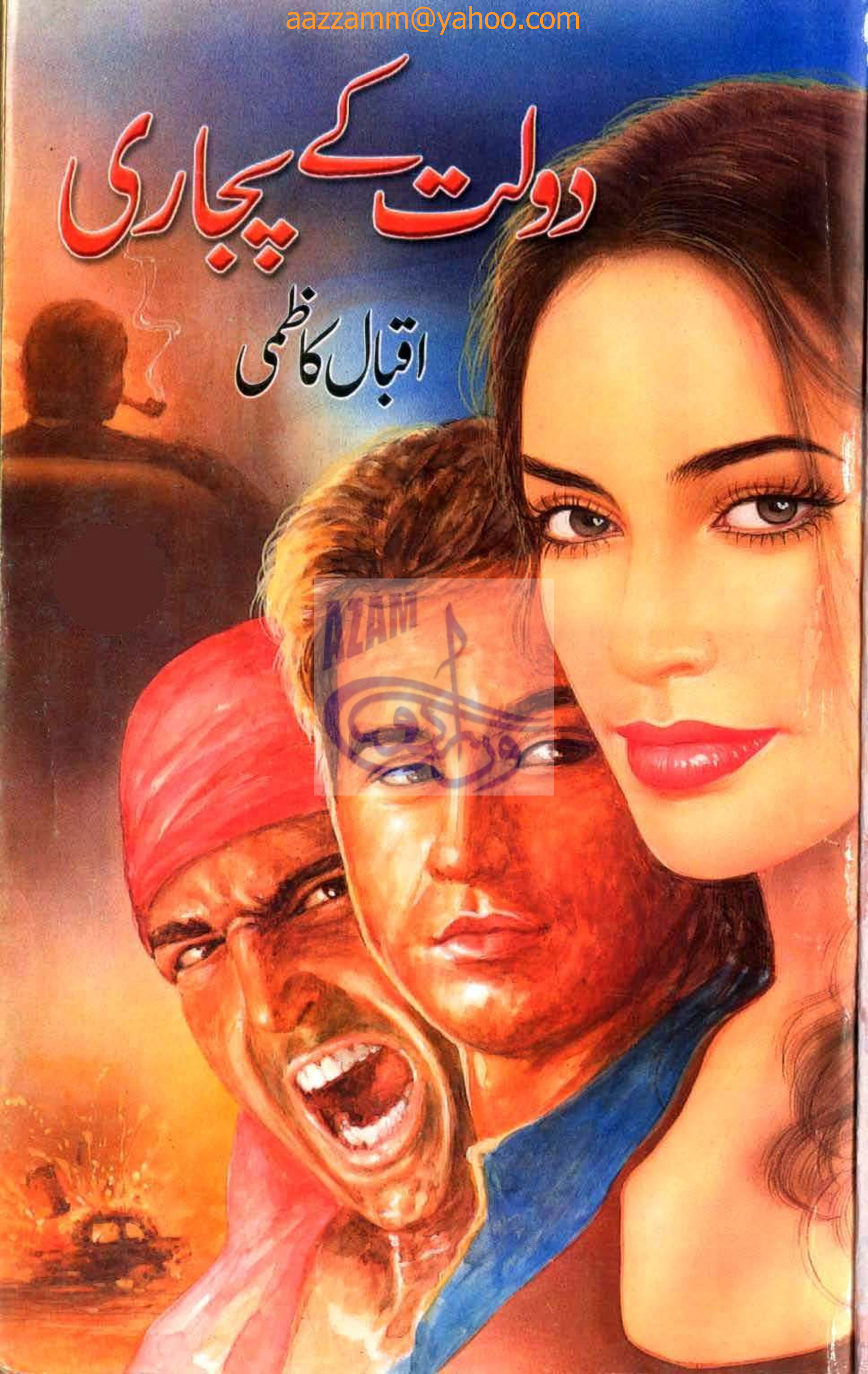

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

5

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیر اسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66روپے

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

ثمینہ بیدار ہوئی تو سائے لمبے ہو چکے تھے۔
چشمے کے ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھونے کے بعد بھی اس پر کسلمندی تو طاری رہی۔ نولکھا ٹہلتا ہوا اس کے قریب آگیا۔
"تم تو خوب سوئیں ثمینہ بی بی۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہاں- رات بھر جاگی تھی- نیند زیادہ ہی گہری ہو گئی تھی-" ثمینہ نے جواب دیا-

"اس لیے ہم نے تمہیں جگایا بھی نہیں تھا تاکہ تمہاری نیند پوری ہو جائے-" نولکھا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا- "اچھا اب کچھ کھا پی لو تو یہاں سے روانگی کی تیاری کریں-"

"ہاں....اب تو سورج بھی جھک رہا ہے-" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ کر گاڑی کی طرف آگئی- گل رحمان اور شارق گاڑی کے پاس کھڑے تھے- ثمینہ نے گاڑی میں گھس کر پوٹلی کھول لی اور ایک نان نکال کر سالن کے بغیر ہی کھانے لگی-

"اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے شارق اور گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا-

"گل رحمان کہہ رہا ہے کہ گردیز میں اس کا ایک دوست رہتا ہے- اس کے ہاں پناہ تو مل جائے گی لیکن اس کے خیال میں وہ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے- گردیز کی پولیس کو بھی ہمارے بارے میں اطلاع مل چکی ہوگی اور انہیں ہماری تلاش ہوگی-" شارق نے بتایا-

"گردیز میں کسی دوست کے پاس جانے کی ضرورت نہیں-" ثمینہ نے کہا-

"ملا نصیر الدین اپنے خاندان کو لے کر اوماڑئی گیا ہے- یہ گردیز سے چند میل آگے ایک چھوٹی سی بستی ہے- شاہ پری نے مجھے بتایا تھا کہ ملک طوطی خان اس کا ماموں ہے- شاہ پری نے مجھے دعوت بھی دی تھی کہ کبھی اس طرف آنے کا اتفاق ہو تو ہم ان کے پاس ضرور آئیں-"

"پھر تو کام بن گیا-" گل رحمان نے جواب دیا- "اوماڑئی میں ہم ہر لحاظ سے محفوظ رہیں گے- ہم گردیز شہر میں داخل ہونے کے بجائے باہر ہی باہر سے اوماڑئی کی طرف نکل جائیں گے-"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے-" ثمینہ ایک لقمہ توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے بولی-

"تم اطمینان سے روٹی کھا لو تو پھر چلتے ہیں-" گل رحمان مسکراتے ہوئے بولا- ثمینہ نے روٹی کھانے کے بعد چشمے سے پانی پیا اور نولکھا کے ساتھ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی-

اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب سورج مغرب میں ایک پہاڑی چوٹی کے پیچھے غوطہ لگانے کی تیاری کر رہا تھا' گل رحمان نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا- تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بلندی پر واقع پتھریلے راستے پر پہنچ گئے- گل رحمان تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا رہا لیکن جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو اس نے رفتار کم کر دی- اس نے گاڑی کے ہیڈ لیمپ روشن نہیں کیے تھے اور اندھیرے میں تیز رفتاری سے گاڑی چلانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا-

سڑک پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی جا رہی تھی- تقریباً دو گھنٹے بعد انہیں ایک موڑ گھومتے ہوئے بہت دور نشیب میں شہر گردیز کی روشنیاں دکھائی دیں اور چند منٹ بعد ہی یہ روشنیاں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں- ان کی گاڑی ایک پہاڑی کے گرد گھوم رہی تھی-

دفعتاً" گاڑی کا انجن ہچکولے لینے لگا اور پھر فیول بتانے والے ڈائل پر نظر پڑتے ہی گل رحمان چونک گیا- سوئی زیرو پر تھرتھرا رہی تھی-

"کیا ہوا؟" شارق نے گل رحمان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظر بھی ڈائل کی طرف اٹھ گئی-

"پٹرول ختم ہو گیا ہے-" گل رحمان نے کہا- اس کے لہجے میں تشویش تھی-

پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ اور نولکھا نے بھی یہ بات سن لی تھی- وہ دونوں تشویش آمیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے- گاڑی کچھ دیر تک ڈھلان پر رینگتی رہی' پھر ایک جگہ رک گئی-

"اب کیا ہوگا بھائی گل رحمان؟" یہ سوال نولکھا نے کیا تھا- اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی-

"پیدل چلنا ہوگا اور کیا؟" گل رحمان کے بجائے شارق نے جواب دیا- پھر وہ گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا- "شہر یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"پانچ چھ میل تو ہوگا-" گل رحمان نے جواب دیا "اور ہمیں پانچ چھ میل مزید آگے جانا ہوگا لیکن ہمیں شہر میں تو داخل نہیں ہونا- ہم شہر کے باہر سے ہوتے ہوئے اوماڑئی کی طرف نکل جائیں گے- اس طرح ہمیں زیادہ سے زیادہ آٹھ نو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑے گا-"

"آٹھ نو میل!" نولکھا کے حلق سے کراہ سی نکلی-

"فاصلہ زیادہ نہیں ہے نولکھا بھائی- ہمت سے کام لو- ہم جلد ہی اوماڑئی پہنچ جائیں گے-" گل رحمان بولا-

"ہمت تو کرنی ہی پڑے گی-" نولکھا ایک بار پھر کراہا-

"کھانے پینے کا سامان نکال لو اور رائفلیں لے لو- اس پیٹی میں رائفلوں کے میگزین ہیں- ایک ایک دو دو میگزین اٹھا لو- شاید ضرورت پڑ جائے- اس کے بعد گاڑی کا بندوبست کرنا ہوگا-" گل رحمان نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا-

وہ سب گاڑی سے اتر آئے تھے- رائفلوں کے استعمال شدہ میگزین نکال کر پھینک دیئے گئے- ان کی جگہ نئے میگزین لوڈ کر لئے گئے اور ایک ایک فاضل میگزین بھی لے لیا گیا- ثمینہ نے کھانے پینے والی چیزوں کی پوٹلی بھی اٹھا لی تھی-

aazzamm@yahoo.com

گل رحمان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ان تینوں کو اشارہ کیا اور وہ گاڑی کو دھکا دینے لگے۔ گل رحمان دھکا دینے کے ساتھ اسٹیئرنگ بھی گھما رہا تھا۔ گاڑی ایک کھڈ کے کنارے پہنچ گئی اور پھر ایک زوردار دھکے سے گاڑی کھڈ میں قلابازیاں کھاتی ہوئی تقریباً سو فٹ نیچے جا گری۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ پٹرول کی ٹنکی نہیں پھٹی' تاہم اس کے دو پہیے الگ ہو کر دور چلے گئے تھے۔

"اب تھوڑا آگے جا کر راستے کا تعین کرنا پڑے گا۔ اس طرف آؤ۔" گل رحمان کہتے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔

وہ تینوں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ چٹان کے اوپر سے گھوم کر وہ لوگ دوسری طرف آگئے۔ گردیز شہر کی روشنیاں ایک بار پھر دکھائی دینے لگی تھیں۔

راستہ مسلسل ڈھلان کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اس راستے پر تقریباً لڑھکتے ہوئے چلتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ایک بلند جگہ پر رک گئے۔ شہر اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا لیکن وہ شہر کا رخ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کچھ دیر وہیں رکے' پھر آگے چلنے لگے۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پھر رک گئے۔ یہاں سے ایک اور راستہ دائیں طرف کو پھوٹ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے یہی راستہ اوماڑئی کی طرف جاتا ہے۔ اس طرف چلنا چاہیے۔" گل رحمان نے کہا۔

وہ لوگ کچھ کہے بغیر گل رحمان کے پیچھے چل پڑے۔ یہ راستہ اونچا نیچا تھا۔ انہیں کبھی ڈھلان پر اترنا پڑتا اور کبھی چڑھائی چڑھنی پڑتی۔ مسلسل دو گھنٹے چلتے رہنے سے ثمینہ بری طرح تھک گئی تھی۔ نولکھا کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ انہیں رائفلیں بھی بوجھ محسوس ہونے لگی تھیں۔ ثمینہ کو چلتے چلتے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ بھی نکلی تھی۔ گل رحمان اور شارق آگے آگے تھے۔ وہ بھی رک گئے۔ شارق ثمینہ کے قریب پہنچ گیا اور اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"مجھ سے اب نہیں چلا جاتا۔" ثمینہ نے کراہتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہیں چھوڑ دو۔ اب میں اور آگے نہیں جا سکتی۔"

"تمہیں یہاں کیسے چھوڑ دیں ثمینہ بی بی؟" نولکھا نے کہا۔ "ہمت کرلو۔"

"ابھی پتہ نہیں اور کتنی دور جانا ہوگا۔" ثمینہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔ شہر کی روشنیاں اب دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"گل رحمان۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے اور ثمینہ نے بھی بتایا تھا کہ اوماڑئی گردیز شہر سے پانچ چھ میل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم مسلسل دو گھنٹے سے چل رہے ہیں

لیکن دور دور تک کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ کہیں ہم راستہ تو نہیں بھول گئے؟"

"میرا خیال ہے ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر آرام کر لو..... پھر آگے چلیں گے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"گل رحمان اور شارق وغیرہ بھی پتھروں پر بیٹھ گئے۔ اونچے نیچے راستوں پر مسلسل چلتے رہنے سے وہ بھی تھک گئے تھے لیکن وہ نولکھا اور ثمینہ کے سامنے اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دوبارہ چل پڑے۔ آگے چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ مزید ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ٹیلوں سے باہر آگئے اور اس کے ساتھ ہی انہیں چونک جانا پڑا۔ سامنے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ گاڑی کا رخ اسی طرف تھا اور ناہموار راستے پر گاڑی اچھلتی ہوئی چلی آرہی تھی۔ اس کا اندازہ ان روشنیوں سے ہو رہا تھا جو اچھلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"یہ گاڑی اسی طرف آرہی ہے۔ اس ٹیلے کے پیچھے چلے جاؤ۔" گل رحمان نے کہا۔ وہ سب لوگ ٹیلے کے پیچھے دبک گئے۔ وہ گاڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ روشنی کبھی ٹیلے پر پڑنے لگتی اور کبھی اس کا رخ کسی اور طرف مڑ جاتا۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ گاڑی سامنے آگئی۔ وہ پولیس کی جیپ تھی۔ کھلی چھت کی اس جیپ میں چھ پولیس والے تھے۔ دو پولیس والے کھڑے تھے۔ چند گز آگے نکلنے کے بعد جیپ رک گئی۔ دو آدمی اتر کر سڑک کے دوسری طرف ٹیلوں میں چلے گئے۔ وہ اپنی رائفلیں بھی دوسروں کو تھما گئے تھے۔

"ہم لوگوں کو بلاوجہ اس طرف دوڑایا جا رہا ہے' وہ لوگ نجانے کس طرف گئے ہوں گے۔" جیپ کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

"انہیں براکی سے چرخ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ چرخ سے ایک راستہ اس طرف بھی آتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس راستے پر آئے ہوں۔ اس لیے تو ہمیں اس طرف چیک کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"چرخ سے آگے بھی کئی راستے ہیں۔ وہ کسی اور طرف بھی جا سکتے ہیں۔" یہ پہلی آواز تھی۔ "انہیں براکی سے نکلے ہوئے چوبیس گھنٹے ہو چکے ہیں۔ اب تو وہ نجانے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔"

"ہمیں بہرحال چیک کرنا ہے۔ یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔ اسی دوران ٹیلوں کی طرف جانے والے دونوں آدمی واپس آگئے۔

aazzamm@yahoo.com

وہ لوگ دری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ شارق وغیرہ کچھ سمجھ تو نہیں سکے لیکن نولکھا نے رائفل سیدھی کر لی تھی۔ ممکن ہے وہ فائر کھول دیتا لیکن گل رحمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ یہاں ہماری موجودگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" اس نے سرگوشی کی۔ "بہتر ہے وہ ہمارے بارے میں لاعلم ہی رہیں۔"

"لیکن اگر انہوں نے کھڈ میں ہماری گاڑی دیکھ لی تو سمجھ جائیں گے کہ ہم اس طرف آئے ہیں۔"

"اس کا امکان نہیں کہ وہ اندھیرے میں کھڈ میں پڑی ہوئی گاڑی کو دیکھ لیں گے۔ اگر گاڑی دیکھ بھی لی گئی تو وہ ہمیں ان پہاڑوں ہی میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اگر ہم نے یہاں ان کا مقابلہ کیا اور وہ سب ہمارے ہاتھوں مارے بھی گئے تو یہاں ان کی لاشیں یہ راز کھول دیں گی کہ ہم کس طرف گئے ہیں۔ ہماری تلاش میں آس پاس کی بستیوں کو کھنگال ڈالا جائے گا۔ اوماڑئی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم چوہوں کی طرح پکڑے جائیں گے۔ نہیں میرے دوست بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھے رہو اور ان لوگوں کو آگے جانے دو۔"

بات نولکھا کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے رائفل نیچے جھکا لی تھی۔ وہ جیپ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں پولیس والے جیپ پر سوار ہو چکے تھے۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

جیپ کے جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس پتھریلے راستے پر چلنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ پختہ سڑک پر پہنچ گئے۔ گردیز سے آنے والی یہ سڑک زراوک' ارغون اور سردبی کی طرف چلی گئی تھی۔

سڑک کے دوسری طرف بھی ایک کچا راستہ تھا اور بہت آگے ایک روشنی ٹمٹماتی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔ اس راستے سے کچھ ہٹ کر دائیں طرف ایک باغ تھا۔ وہ سڑک پار کرکے اس کچے راستے پر چل پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اوماڑئی بستی ہوگی لیکن روشنی کے قریب پہنچ کر انکشاف ہوا کہ وہ ایک ہی مکان تھا۔ ایک اونچے پتھر پر رکھی ہوئی لالٹین روشن تھی اور اسی کی روشنی انہیں دکھائی دی تھی۔ وہ مکان کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

"کوئی ہے؟ یہاں کوئی ہے؟" گل رحمان نے اونچی آواز میں یہ جملہ پہلے فارسی اور پھر دری زبان میں دہرایا۔

"چند سیکنڈ بعد ایک آدمی مکان سے باہر آگیا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی

ہوگی۔ کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"کون ہے؟ کون ہو تم لوگ؟" وہ آدمی الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ پہلے رائفل کندھے سے اتارنے کے لیے اٹھا تھا لیکن پھر اس کا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ اس نے ان سب کے پاس رائفلیں دیکھ لی تھیں۔

"اوماڑئی یہاں سے کتنی دور ہے؟" گل رحمان نے پوچھا۔

"تقریباً ایک میل۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ملک طوطی خان کا گھر بستی میں کس طرف ہے؟" گل رحمان نے دوسرا سوال کیا۔

ملک طوطی کا نام سن کر اس شخص کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"ڈرو نہیں۔" گل رحمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ہم دشمن نہیں ملک طوطی خان کے دوست ہیں۔ بہت دور سے آئے ہیں۔"

"براکی سے؟" اس شخص نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ لیکن تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟" گل رحمان چونک سا گیا۔

"اس کے ہاں پہلے سے بھی براکی سے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں اور....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور کیا؟" گل رحمان نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پولیس کی ایک جیپ ادھر آئی تھی۔ انہیں براکی سے فرار ہونے والے کچھ لوگوں کی تلاش تھی۔ ان میں ایک عورت بھی ہے۔" وہ آدمی خاموش ہو کر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ کوئی اور ہوں گے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔ ویسے وہ اس شخص کی بات سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ "ہم ملک طوطی کے مہمان ملا نصیرالدین کے دوست ہیں۔ دو دن پہلے وہی اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ اس نے ہمیں یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ یہاں سے تقریباً دو میل دور ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں پیدل آنا پڑا۔"

اور پھر اس شخص کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ عبداللہ نامی یہ شخص ملک طوطی کا ملازم ہے اور یہ باغ بھی ملک طوطی ہی کا ہے۔

"ٹھیک ہے' تم ہمیں ملک طوطی کے گھر پہنچا دو۔" گل رحمان نے کہا۔

اس شخص نے مکان کا دروازہ بند کر دیا اور پتھر پر رکھی ہوئی لالٹین اٹھا کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ ثمینہ بری طرح تھکی ہوئی تھی۔ اس کے لیے قدم اٹھانا مشکل ہو رہا تھا لیکن اس امید پر چلتی

aazzamm@yahoo.com

رہی کہ کچھ دیر بعد وہ ایسی جگہ پہنچ جائیں گے جہاں انہیں آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔

جب وہ بستی میں پہنچے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ بستی دس بارہ گھروں مشتمل تھی۔ وہ شخص ایک حویلی نما مکان کے سامنے رک گیا اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ دو تین منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔ عبداللہ فارسی زبان میں اس سے بات کرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ پیچھے کھڑے ہوئے شارق وغیرہ کی طرف اشارے بھی کر رہا تھا۔

وہ شخص چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا' پھر اندر چلا گیا۔ تین چار منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ ان میں سے ایک ملا نصیرالدین تھا اور دوسرا ملک طوطی خان۔

ملا نصیرالدین گل رحمان اور شارق وغیرہ کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ دونوں بڑی گرمجوشی سے ان لوگوں سے ملے اور انہیں اندر لے گئے۔ ان کے چہروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انہیں سوتے میں سے جگایا گیا تھا۔ گھر کے دوسرے افراد سو رہے تھے لیکن ان کی آوازیں سن کر وہ بھی جاگ گئے۔ شاہ پری گرمجوشی سے ثمینہ سے ملی تھی۔

گل رحمان نے ملا نصیرالدین کو بتایا کہ وہ کن حالات میں براکی سے نکلے تھے اور اب کس نوعیت کی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ملک طوطی خان بھی یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ گل رحمان خاموش ہوا تو وہ بولا۔

"فکر مت کرو۔ کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ تم لوگ یہاں موجود ہو۔"

"لیکن اگر پولیس ہماری تلاش میں کسی وقت اس طرف آگئی اور بستی کے لوگوں نے بتا دیا کہ کچھ اجنبی یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو....."

"اس کی تم فکر مت کرو۔" ملک طوطی خان نے کہا۔ "سارے بستی والے میرے قبیلے کے لوگ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسی جرأت نہیں کرے گا۔"

اس نے عبداللہ کو اندر بلایا اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ واپس چلا جائے اور اگر پولیس اس طرف آئے اور مہمانوں کے بارے میں دریافت کرے تو انہیں کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

ملک طوطی خان نے اپنے گھر والوں کو مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنے کو کہا اور اپنے بیٹے کو کچھ ہدایات دے کر باہر بھیج دیا۔

وہ سب لوگ مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد کچھ لوگ آنا شروع ہو گئے۔ اس طرح بیس منٹ میں وہاں پندرہ آدمی جمع ہو چکے تھے۔ یہ سب اس بستی کے گھروں کے سربراہ تھے اور وہ سب ملک طوطی خان کے سامنے بڑے مؤدبانہ انداز میں بیٹھے تھے اور کن انکھیوں سے شارق اور نولکھا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ پہلے ہی شاہ پری کے ساتھ زنان خانے میں چلی گئی

تھی۔

"یہ ہمارے مہمان ہیں۔" ملک طوطی خان نے شارق اور گل رحمان وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ براکی میں ملک فرید کے مہمان تھے۔ کابل میں حکومت نے ملک فرید کو گرفتار کر لیا تو براکی پولیس نے ان لوگوں کو بھی گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن یہ لوگ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں پولیس کے کچھ آدمی بھی مارے گئے ہیں۔"

"آفرین۔" ایک آدمی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آفرین' آفرین۔" دو تین اور آدمی بھی بول اٹھے۔

"یہ لوگ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں۔" ملک طوطی خان نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "گردیز کی پولیس بھی ان کی تلاش میں ہے۔ عبداللہ جان نے بتایا تھا کہ پولیس کی ایک جیپ ان کی تلاش میں اس طرف بھی آئی تھی اور اس سے پوچھ کر وہیں سے واپس چلے گئے تھے۔ پولیس کی جیپ کو ان لوگوں نے سڑک کے دوسری طرف پہاڑی راستے پر جاتے دیکھا ہے لیکن عین ممکن ہے کہ پولیس ان کی تلاش میں دوبارہ اس طرف آجائے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم لوگ جانتے ہو کہ مہمانوں کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔ میں نے عبداللہ کو ہدایت کر دی ہے کہ اگر پولیس ان کی تلاش میں دوبارہ اس طرف آئے تو وہ ہوائی فائر کرکے ہمیں سگنل دے دے.....اب کم از کم دو آدمی ایسے ہوں گے جو بستی کے باہر پہرہ دیں گے۔ ہو سکتا ہے عبداللہ کو فائر کرکے سگنل دینے کا موقع نہ ملے اور پولیس یہاں پہنچ جائے تو بستی کے باہر پہرہ دینے والے ہمیں ہوشیار کر دیں گے۔ اب تم میں سے کون دو آدمی پہریداری کی ذمہ داری قبول کریں گے؟"

بیک وقت آٹھ ہاتھ اٹھے تھے۔ ملک طوطی خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"تم اور تم....." ملک طوطی خان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بستی کے باہر پہرہ دو گے۔ اگر پولیس اس طرف آئی تو ان کی گاڑی کی روشنی دور سے نظر آجائے گی۔ گاڑی کو دیکھتے ہی تم لوگ بستی کے لوگوں کو اطلاع دے دو گے.....ظاہر ہے پولیس والے پوچھ گچھ کریں گے اور ہم مہمانوں کی موجودگی سے لاعلمی کا اظہار کریں گے اور اگر انہوں نے زبردستی گھروں میں گھسنے کی کوشش کی تو ان کی مزاحمت کی جائے گی۔ مہمانوں کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔ ہم اپنی جانیں دے کر بھی ان کی جانیں بچائیں گے۔ بس اب تم لوگ جاؤ اور ہوشیار رہو۔"

وہ سب لوگ اٹھ گئے۔ انہوں نے باری باری شارق وغیرہ سے ہاتھ ملایا اور باہر چلے گئے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر شارق اور نولکھا بے حد متاثر ہوئے تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ مفرور ہیں اور

aazzamm@yahoo.com

کئی پولیس والوں کے قتل میں ملوث تھے لیکن وہ لوگ نہ صرف انہیں پناہ دینے بلکہ ان کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگانے کو بھی تیار تھے۔ اس سے شارق کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ عوام انتظامیہ سے بیزار تھے اور کسی بھی معاملہ میں ان سے تعاون کرنے کو تیار نہیں تھے۔

کچھ ہی دیر بعد ملک طوطی کا بیٹا دسترخوان لے کر آگیا۔ اس نے قالین پر دسترخوان بچھا دیا اور اندر سے کھانا لا کر سجانے لگا۔ دوسرا بیٹا ایک بڑے کوزے میں پانی لے آیا تھا۔ اس کے کندھے پر ایک تولیہ بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے مہمانوں کو برآمدے میں لے جا کر ان کے ہاتھ دھلائے اور کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ملک طوطی خان اور ملا نصیر الدین بھی اخلاقاً ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

کھانے کے بعد وہ جلد ہی سو گئے لیکن صبح انہیں اٹھنا بھی جلدی پڑا تھا۔ ناشتے کے بعد انہیں حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ حصہ حویلی سے تقریباً الگ تھلگ تھا اور کئی کمروں پر مشتمل تھا۔ یہاں ایک وسیع و عریض تہہ خانہ بھی تھا۔ طوطی خان نے سب سے پہلے انہیں یہ تہہ خانہ دکھایا تھا۔ تہہ خانے سے ایک زیرزمین سرنگ حویلی کے باہر تک چلی گئی تھی۔ طوطی خان نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ سرنگ حویلی کے باہر کس جگہ نکلتی تھی۔ ملک طوطی خان نے اپنا ایک آدمی صبح سویرے ہی گردیز شہر بھیج دیا تھا تاکہ وہاں سے صورتحال کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکیں۔ وہ آدمی دوپہر بارہ بجے کے قریب واپس آیا۔ اس کی فراہم کردہ اطلاعات ان کے لیے خاصی تشویشناک تھیں۔

اس آدمی کی اطلاع کے مطابق آج صبح پولیس کو پہاڑوں میں کھڈ میں گری ہوئی وہ لینڈ کروزر مل گئی تھی جس پر یہ لوگ براکی سے اس طرف آئے تھے۔ اتفاق سے جس جگہ کھڈ میں وہ گاڑی ملی تھی، اس سے چند گز آگے ایک راستہ زرمالی کی طرف جاتا تھا اور پولیس کی ایک پارٹی ان لوگوں کی تلاش میں زرمالی کی طرف گئی ہوئی ہے۔ اس طرف اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ وہ ان لوگوں کو اس طرف تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے ساتھ ہی دیگر اطراف میں بھی ان کی تلاش جاری رکھی جائے گی۔

یہ اطلاع اس لیے بھی تشویشناک تھی کہ اگر پولیس کی کوئی پارٹی اس طرف بھی نکل آئی تو نہیں اس بستی تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی اور بستی کے ہر شخص کو معلوم تھا کہ وہ لوگ حویلی میں موجود ہیں۔ اگر ایک آدھ آدمی کی بات ہوتی تو اس راز کو چھپایا جا سکتا تھا لیکن یہاں تو بستی کا ہر شخص ان کے بارے میں جان چکا تھا۔ پولیس کے لیے ان کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہوگا۔

شارق اس بات سے ڈر رہا تھا کہ ان کی وجہ سے بستی کے لوگوں کو مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ اس بات کا اندازہ لگا چکا تھا کہ اس بستی کے لوگ بہت ہی مہمان نواز اور دلیر تھے۔ انہوں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ اپنی جان دیدیں گے لیکن مہمانوں پر آنچ نہیں آنے دیں گے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ کب تک اس صورتحال کا مقابلہ کریں گے۔ وہ قبائلیوں کی جنگجوانہ فطرت سے واقف تھا لیکن اگر بستی کو پولیس نے گھیرے میں لے لیا تو کیا ہوگا؟

شارق نے ملا نصیر الدین اور طوطی خان کے سامنے اپنے ان خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہماری وجہ سے بستی والوں پر کوئی افتاد نازل ہو۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم پولیس کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں۔"

"اگر تم لوگ جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ملک طوطی خان نے جواب دیا۔

"لیکن تم لوگوں کے بارے میں سرحدی چوکیوں تک خبر پہنچ چکی ہے۔ تم لوگ اس وقت تک کہیں نہیں جا سکتے جب تک معاملہ سرد نہیں پڑ جاتا۔"

"لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے ہمارے محسنوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔" شارق نے کہا۔

"یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔" ملک طوطی نے کہا۔ "ہم مہمانوں کو خدا کی رحمت سمجھتے ہیں، زحمت نہیں۔ اس دوران اگر کوئی پریشانی آتی ہے تو اس کا ذمہ دار ہم اپنے مہمانوں کو نہیں سمجھتے۔ ویسے میں نے تم لوگوں کی حفاظت کے لیے پورا پورا بندوبست کر لیا ہے۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیسا بندوبست؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حکومت کا باغی طور خان میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ وہ پچھلے چھ مہینوں سے پہاڑوں پر ہے۔ اس کے ساتھ اس کا پورا گروہ بھی ہے۔ طور خان کبھی کبھی میرے پاس آتا رہتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اس کی مدد کی ہے۔ وہ بھی کئی مرتبہ ہمارے کام آیا ہے۔ میں نے اپنا ایک آدمی اس کی طرف بھیج دیا ہے کہ وہ آج شام سے پہلے پہلے ہماری بستی کے قریب پہنچ جائے۔ آج دن میں تو پولیس کے اس طرف آنے کی توقع نہیں ہے۔ اگر رات کے وقت پولیس اس طرف آئی تو اسے بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بستی کے اندر سے ہمارے آدمی ہوں گے اور باہر طور خان اور اس کے آدمی۔ اگر ضروری ہوا تو تم لوگوں کو طور خان کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔"

شارق نے مزید بحث نہیں کی۔ اس کے خیال میں بحث کرنا بیکار تھا۔ ملک طوطی خان اس کی

aazzamm@yahoo.com

ایک نہیں سنے گا۔ ملک طوطی خان کو تو مہمانوں کا اتنا خیال تھا کہ اس نے ان کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کر لیا تھا۔

"بات یہ ہے میرے دوست۔" ملک طوطی خان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "قتل و غارت افغانستان میں روز کا ایک معمول بن چکا ہے۔ یہاں کوئی قانون نہیں رہا۔ جو طاقتور ہے' اس کی ہر بات قانون بن جاتی ہے۔ وہ اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ملک فرید کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ تم جانتے ہو اسے کابل میں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟"

"میں اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو بس اس کی گرفتاری کی خبر ملی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔

"ملک فرید میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ ہم کبھی کبھی مشترکہ طور پر کاروبار بھی کر لیتے ہیں۔ میں اس کے بارے میں کسی بات سے بے خبر نہیں ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ حاجی نے تم لوگوں کو لاہور سے افغانستان کیوں بھیجا تھا۔"

"کیا.....؟" شارق اچھل پڑا۔ اسے ملک طوطی کے اس جملے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"تم لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ افغانستان سے بڑی مقدار میں ہیروئن پاکستان پہنچانی ہے لیکن بات یہ نہیں ہے۔ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ تم ایک دلیر اور ذہین شخص ہو لیکن ذہین ہونے کے باوجود تم بڑی آسانی سے حاجی کی چال میں آگئے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" شارق الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اس انکشاف سے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ افغانستان جیسے ملک میں دور دراز کی اس چھوٹی سی بستی کا رہنے والا یہ شخص اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔

"انجان مت بنو۔" ملک طوطی نے اسے گھورا۔ "تم لاہور میں جو کچھ بھی کرتے رہے ہو' میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے کراچی میں میلوں دور سمندر میں حاجی کا مال کس طرح بحری جہاز پر منتقل کیا تھا۔ تمہارے انہی کارناموں کی بدولت حاجی کو تم سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا لیکن وہ تم جیسے شخص سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے تمہیں بھاری کمیشن اور کوٹھی و کار کے تحفے دے کر تمہیں اپنا مطیع کرنا چاہا لیکن تم اس کے دام میں نہیں آئے۔ اتفاق سے انہی دنوں حاجی کو ملک فرید کی طرف سے ایک پیشکش موصول ہوئی جسے اس نے فوراً قبول کر لیا اور تمہیں بھاری کمیشن کا لالچ دے کر یہ آفر دے دی اور تم آسانی سے اس کے جھانسے میں آگئے۔"

یہ انکشافات شارق کو حواس باختہ کیے دے رہے تھے۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ واقعی اتنا بے وقوف ہے کہ آسانی سے حاجی کی کسی چال میں آگیا۔

"اس کا منصوبہ کچھ اور تھا۔" ملک طوطی خان کہہ رہا تھا۔ "بات ہیروئن کی نہیں' اربوں روپے مالیت کے قدیم نوادرات کی ہے۔"

"نوادرات!" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "نوادرات اس معاملے میں کہاں سے آگئے؟"

"کابل کے میوزیم میں کئی قدیم تہذیبوں کے نوادرات بھرے ہوئے تھے۔ ہزاروں سال پر محیط ایک تاریخ تھی جو ان نوادرات کی صورت میں کابل میوزیم میں محفوظ تھی۔ روسی طویل عرصہ تک افغانستان پر مسلط رہے لیکن انہوں نے بھی اس میوزیم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا مگر روسیوں کے جانے کے بعد افغان آرمی کے ایک جرنیل نے کابل میوزیم کو اپنی ملکیت سمجھ لیا۔ کچھ نوادرات اس نے دوستوں میں بانٹ دیئے اور اربوں روپے مالیت کے نوادرات چھپا دیئے۔ اس کے بعد میوزیم کی عمارت میں گولہ باری کروا دی گئی اور میوزیم کو لوگوں نے لوٹ لیا۔ وہ فوجی جنرل ملک فرید کا دوست تھا۔ اس نے ملک فرید کے ساتھ مل کر ان نوادرات کو ملک سے باہر اسمگل کرنے کا پروگرام بنایا۔ ملک فرید نے حاجی سے مل کر منصوبہ تیار کیا اور حاجی نے تمہیں یہاں بھیج دیا۔ اس نے دوہری چال چلی تھی۔ افغانستان کے حالات سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر تم مارے گئے تو اسے تم سے نجات مل جائے گی اور اگر نوادرات سمگل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں اتنا کچھ مل جاتا کہ تم ہیروئن کے چکر سے نکل جاتے اور اس کی اجارہ داری قائم رہتی۔"

"لیکن تم لوگوں کے براکی پہنچنے تک صورتحال بدل گئی۔ حکومت سے اختلافات کی وجہ سے اس فوجی جنرل کو کابل سے فرار ہونا پڑا۔ وہ کابل سے فرار ہو کر حکومت کے مخالف گروپ میں شامل ہو گیا۔ ملک فرید کو اس صورتحال کا علم تھا۔ دو دن پہلے اسے کابل سے ایک خفیہ پیغام ملا کہ وہ فوری طور پر کابل پہنچ جائے۔ جنرل کابل میں موجود ہے اور نوادرات کے سلسلے میں اس سے ملنا چاہتا ہے۔

جنرل اور ملک فرید کی ملاقات بالا کوہ کے علاقے میں واقع ایک چھوٹے سے مکان میں ہوئی تھی۔ حکومت کو اس ملاقات کا پتہ چل گیا۔ جب چھاپہ مارا گیا تو جنرل تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا لیکن ملک فرید اور اس کے دو ساتھی پکڑے گئے جو اس منصوبے سے واقف تھے۔ ان میں

aazzamm@yahoo.com

سے ایک آدمی نے حکومت کو بتا دیا کہ ملک فرید اور جنرل وہ نوادرات اسمگل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ تم لوگ نوادرات لینے کے لیے براکی پہنچ چکے ہو۔ اس لیے تم لوگوں کی گرفتاری کے لیے ملک فرید کے مکان پر چھاپہ مارا گیا تھا۔ گل رحمان کو بروقت صورتحال کا پتہ چل گیا اور وہ تم لوگوں کو لے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اب تم لوگوں کو اس لیے تلاش نہیں کیا جا رہا کہ تمہارے ہاتھوں دو چار آدمی مارے گئے ہیں۔ آدمی تو روز ہی مارے جا رہے ہیں۔ حکومت کو کسی کی جان کی پروا نہیں ہے' اسے تو اربوں روپے مالیت کے نوادرات کی ضرورت ہے جو ان کے خیال میں یا تو ملک فرید کے قبضے میں ہیں یا تم لوگ ان کے بارے میں جانتے ہو۔ ان نوادرات میں چین میں منگ دور کا ایک ایسا مجسمہ بھی ہے جو سائز میں اگرچہ ایک بالشت سے زیادہ نہیں ہے لیکن چین کی حکومت ٹھوس سونے سے بنے ہوئے اس مجسمے کی منہ مانگی قیمت ادا کر سکتی ہے۔ یہ مادیت کا دور ہے۔ یہاں قیمت انسانوں کی نہیں' چیزوں کی لگتی ہے۔"

طوطی خان خاموش ہو گیا۔ شارق کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اتنی بڑی سازش ہو رہی تھی اور وہ بے خبر تھا اور ستم ظریفی تو یہ تھی کہ وہ اس سازش کا مرکزی کردار تھا لیکن وہ اس سے لاعلم تھا۔

"کیا گل رحمان کو یہ سب کچھ معلوم تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" ملک طوطی خان نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بھی اصل منصوبے سے بالکل لاعلم تھا۔ اسے بھی یہی بتایا گیا تھا کہ معاملہ ہیروئن کا ہے لیکن اسے یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ تم لوگوں کو کسی طرح براکی تک لے آئے۔ تم لوگوں کو آگے لانے میں ملک فرید کی پلاننگ بھی شامل تھی۔ پہلے سرحد کے قریب ملاقات کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ تم لوگ مقررہ جگہ پر پہنچے تو ملا نصیر اندین کو یہ پیغام دے کر تم لوگوں کے پاس بھیج دیا گیا کہ ملک فرید چند دیگر مصروفیات کی بناء پر اس قلعہ نما مکان میں نہیں آسکا۔ اس لیے تم لوگوں کو آگے لے آئے۔ اس طرح ہوتے ہوتے تم لوگوں کو بالآخر براکی پہنچا دیا گیا۔

منصوبہ یہ تھا کہ ملک فرید براکی میں تم سے ملاقات کرتا اور تمہیں اعتماد میں لے کر بتاتا کہ اصل منصوبہ کیا ہے۔ ہیروئن کی بات اور ہوتی لیکن یہ معاملہ قومی نوادرات کا ہے جنہیں حکومت کسی طرح بھی ملک سے باہر نہ جانے دیتی۔ یہ افغانستان کا قومی' تاریخی ورثہ اور قومی خزانہ ہے جسے ہر قیمت پر ملک سے باہر لے جانے سے روکا جاتا۔ اس میں تم لوگوں کی جان بھی جا سکتی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکا اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔" شارق بڑبڑایا۔

"جب تمہیں اصل منصوبے کا پتہ چلے گا تو شاید تم پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگو گے۔"

ملک طوطی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اصل منصوبہ۔" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا کوئی اور منصوبہ بھی تھا؟"

"ہاں۔" ملک طوطی مسکرایا۔ "اور ان کا اصل منصوبہ وہی تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اصل منصوبہ یہ تھا کہ تمہیں نقلی یا بہت معمولی قسم کے نوادرات دے کر روانہ کر دیا جاتا اور تمہاری روانگی کے بعد یہ راز لیک کر دیا جاتا کہ تم نوادرات لے کر جا رہے ہو۔ حکومت کے کارندے تمہارے پیچھے لگ جاتے اور دوسری پارٹی اصل نوادرات لے کر بڑے اطمینان سے کسی اور راستے سے نکل جاتی۔ وہ لوگ تو صحیح سلامت پاکستان پہنچ جاتے لیکن تم لوگ یا تو مارے جاتے یا پکڑے جاتے۔ پکڑے جانے کی صورت میں بھی تم لوگوں کی موت یقینی ہوتی۔ جب یہ انکشاف ہوتا کہ تم لوگوں کے پاس نوادرات نقلی یا بہت معمولی نوعیت کے ہیں تو وہ اصلی نوادرات کا پتہ چلانے کے لیے تم لوگوں پر تشدد کرتے۔ ہماری پولیس اور انٹیلی جنس نے روسیوں سے تشدد کے ایسے ایسے طریقے سیکھے ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔"

"حیرت انگیز۔" شارق بولا۔ "ملک فرید کے مکان سے فرار ہونے سے پہلے گل رحمان نے بتایا تھا کہ ملک فرید کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس پر دباؤ ڈالنے کے لیے اس کے گھر والوں کو بھی گرفتار کر لیا جائے گا اور ہم بھی ساتھ پکڑے جائیں گے۔ اس لیے اس نے ہمیں فرار ہونے کا مشورہ دیا تھا لیکن یہ اندازہ تو مجھے بعد میں ہوا اس نے پہلے ہی سے فرار کی تیاری مکمل کر رکھی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ....."

"اسے فرار کے وقت بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔" ملک طوطی خان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ملک فرید کی گرفتاری کی اطلاع کے ساتھ ہی گل رحمان کو خفیہ طور پر یہ پیغام بھی ملا تھا کہ وہ تم لوگوں کو لے کر براکی سے نکل جائے۔ یہ تو محض اتفاق ہے کہ ثمینہ نے اسے یہاں آنے کا مشورہ دیا تھا لیکن اگر ثمینہ یہ مشورہ نہ بھی دیتی تو گل رحمان تم لوگوں کو لے کر یہیں آتا۔ مجھے کل صبح ہی تم لوگوں کے فرار کی اطلاع مل گئی تھی۔ تم لوگوں کی آمد میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔ یہ قبیلہ میرا وفادار ہے۔ میں نے یہ بتا دیا ہے کہ مہمانوں کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ لوگ اپنی جانیں دیدیں گے لیکن تم لوگوں پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔"

"لیکن..... تم ہماری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" شارق بولا۔ "محض انسانی ہمدردی کی بنا پر یا اس کے پس منظر میں کچھ اور بھی ہے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" ملک طوطی نے کہا۔ "انسانی ہمدردی بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ خیریت سے اپنے وطن پہنچ جاؤ۔ تم لوگوں کی مدد کرنے کا ایک مقصد اور بھی ہے اور وہ یہ

aazzamm@yahoo.com

کہ وہ نوادرات اس ملک سے باہر نہ جانے پائیں۔"

"کیوں؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑا عجیب سا سوال ہے۔" ملک طوطی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"منشیات کا اسمگلر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میرا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔ یہ میرا وطن ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے۔ اس کی ہر چیز سے محبت ہے۔ یہ نوادرات میرے ملک کا تاریخی اور قومی ورثہ ہے۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ یہ ورثہ اس طرح لٹ جائے۔ میں نے ملک فرید سے بھی کہا تھا کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن وہ نہیں مانا۔ میرا فرض اسے سمجھانا تھا۔ میری بات ماننا یا نہ ماننا اس کا کام ہے۔ وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا لیکن وہ اس میں کامیاب بھی نہیں ہو سکا۔ میں نے تو اسے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ تمام نوادرات حکومت کے حوالے کر دے لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ حکمران بھی قابل اعتماد نہیں ہیں۔ قومی خزانے کو وہ خود دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ ہمارے حکمران یہ نوادرات اس لیے حاصل نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی حفاظت کی جائے گی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نوادرات ملنے کے بعد ان کی بندربانٹ شروع ہو جائے گی اور بہت کم چیزیں جو معمولی نوعیت کی ہوں گی' میوزیم کو لوٹائی جائیں گی۔"

"تو اصل کہانی یہ ہے۔" شارق بولا۔

"ملک فرید کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہم دونوں نے ماسکو یونیورسٹی میں اکٹھے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ اپنے ارادے کا پکا اور آہنی اعصاب کا مالک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دینے کے بعد بھی حکمران اس سے نوادرات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکیں گے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ملک فرید زیادہ عرصہ تک ان کے قبضے میں نہیں رہ سکے گا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ بڑے تعلقات ہیں اس کے۔ رہائی ملنے کے بعد وہ پھر اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دے گا لیکن اب چونکہ بات کھل چکی ہے' اس لیے عملی قدم اٹھانے سے پہلے اسے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"لیکن پولیس ہمارے پیچھے کیوں لگ گئی ہے؟" شارق بولا۔

"ہو سکتا ہے حکمران یہ سمجھتے ہوں کہ نوادرات تم لوگوں کے پاس ہیں اور وہ لوگ تم سے نوادرات کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔ اگر نوادرات تم لوگوں کے قبضے میں ہوتے تو بات اور تھی لیکن افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ تم اس بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں۔ جب تم لوگ کچھ نہیں بتا سکو گے تو تم لوگوں کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر

تم لوگوں کو کوئی خطرہ ہوا تو تمہیں طور خان کے ساتھ پہاڑوں پر بھیج دیا جائے گا۔ وہ تم لوگوں کو سرحد کی طرف لے جائے گا۔"

"اچھا ہوا تم نے مجھے اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال میں تمہارا شکرگزار ہوں۔ زندگی میں اگر کبھی موقع ملا تو میں تمہارے اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔" طوطی خان نے کہا۔ "اگر تم دانستہ طور پر اس سازش میں شریک ہوتے تو میرا رویہ مختلف ہوتا۔ ایسی صورت میں تمہیں یہاں پناہ دینے کی بجائے میں خود تمہیں حکومت کے حوالے کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں' تم بے گناہ ہو۔ تمہیں شروع سے اب تک دھوکے میں رکھا گیا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے تم سے پولیس کے کچھ آدمی مارے گئے ہیں۔ وہ ایک الگ معاملہ ہے۔ پولیس سے ہمیں بھی کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ حکومت کا وہ شعبہ ہے جو عوام پر ظلم کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ انہوں نے لاتعداد بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ تمہیں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جسے پولیس سے ہمدردی ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے شارق! جب تک خطرہ نہیں ہے' تم لوگ یہاں رہو۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جیسے ہی خطرہ محسوس ہوا' تم لوگوں کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔"

ملک طوطی خان حویلی کے سامنے والے حصے کی طرف چلا گیا اور شارق وہیں چھوٹے سے لان میں کرسی پر بیٹھا رہ گیا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ حاجی کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیا تھا۔

وہ ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ثمینہ بھی پہنچ گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ثمینہ چونک سی گئی۔

"کیا بات ہے۔" ثمینہ دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "پہلی مرتبہ تمہیں اس قدر پریشان دیکھ رہی ہوں۔"

"بات ہی پریشانی کی ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے ملک طوطی خان سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

"تمہیں یاد ہے ایک موقع پر میں نے اور نولکھا نے بھی کہا تھا کہ حاجی ہمارے ساتھ کوئی چال چل رہا ہے اور ہمیں دھوکے سے یہاں بھیجا گیا ہے۔ وہ ہمیں اپنے راستہ سے ہٹانا چاہتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہاں' مجھے یاد ہے لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ حاجی ایسی گھٹیا حرکت کرے گا۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال' دعا کرو۔ ہم خیریت سے واپس پہنچ جائیں۔ حاجی کو تو میں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد کریں گی۔"

"یہاں سے نکلیں گے تو اسے سبق سکھائیں گے نا۔" نولکھا نے کہا۔ "ہم جس طرح کی صورتحال سے دوچار ہیں' اسے دیکھتے ہوئے مجھے تو یقین نہیں کہ ہم پاکستان واپس جا سکیں گے۔ یہاں کی پولیس ہمارے پیچھے لگ چکی ہے۔ سرحدوں پر اطلاع دے دی گئی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہمیں ہر جگہ ملک طوطی خان جیسے ہمدرد لوگ ملتے رہیں۔"

"گھبراؤ نہیں نولکھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم واپس ضرور جائیں گے اور پھر تم بھی دیکھ لو گے کہ میں حاجی سے انتقام کس طرح لیتا ہوں۔"

"اچھا بھائی۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "واپس جائیں گے تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو یہ دعا کرنی چاہیے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل جائیں۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر ایک بار پھر باہر آگیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے گل رحمان کی تلاش تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ملک طوطی کے ایک ملازم نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ وہ تینوں حویلی کے سامنے والے حصے میں آگئے جہاں ایک کمرے میں دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ کھانے پر بستی کے کچھ اور لوگ تو مدعو تھے لیکن گل رحمان موجود نہیں تھا اور یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ گل رحمان یہاں سے جا چکا ہے۔

"مجھے تو اب بھی دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے اپنے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ملک طوطی ہمیں کسی اور چکر میں پھنسانا چاہتا ہو۔"

"میں ملک طوطی سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔ "اگر گل رحمان یہاں سے جا سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں جا سکتے۔ اگر اسے کوئی خطرہ نہیں ہے تو ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ کوئی اور عذر پیش کر دے گا۔ ویسے یہ بات اب اپنے ذہن سے نکال دو کہ ہم اپنے ملک واپس جا سکیں گے۔" نولکھا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں نولکھا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شارق نے کہا اور ظاہر ہے وہ اسے تسلی دینے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

اسی روز شام سے ذرا پہلے شارق نے ملک طوطی کو پکڑ لیا۔ وہ دونوں لان میں کرسیوں پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ شارق نے گل رحمان کے چلے جانے کے بارے میں بات کی تو وہ مسکراتے

ہوئے بولا۔

"تمہیں شاید یہ شبہ ہے کہ میں بھی تم لوگوں کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوں یا تمہارے خلاف کوئی نئی سازش تیار ہو رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے میرے دوست۔"

وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ گل رحمان کو میں نے ہی بھیجا ہے۔ وہ بورمل میں تم لوگوں کا انتظار کرے گا۔"

"یہ بورمل کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"پاکستان کی سرحد سے چند میل دور ایک چھوٹا سا افغان قصبہ۔" ملک طوطی نے جواب دیا۔ "وہاں بھی میرے کچھ لوگ آباد ہیں جن کا سرحد پار آنا جانا رہتا ہے۔ تم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے گل رحمان ان سے مل کر تمام انتظامات مکمل کر لے گا۔ اس طرح تم لوگ وہاں سے آسانی سے پاکستان کے علاقے جنوبی وزیرستان میں داخل ہو سکو گے۔"

"ہمیں گل رحمان کے ساتھ کیوں نہیں بھیج دیا گیا؟" شارق نے پوچھا۔

"گل رحمان پختون ہے۔" ملک طوطی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ پشتو کے علاوہ فارسی اور دری زبان بھی جانتا ہے۔ اپنے آپ کو آسانی سے افغان باشندہ ثابت کر سکتا ہے۔ اگر اسے کہیں روک لیا گیا تو اسے اپنی جان چھڑانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس تم لوگوں کو آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔ تم لوگوں کے چہرے یہاں کے لوگوں سے مختلف ہیں اور تم یہاں کی کوئی زبان بھی نہیں جانتے۔ ایسی صورت میں تم لوگوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو گل رحمان کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔"

"لیکن گل رحمان مجھے مل کر کیوں نہیں گیا؟" شارق بولا۔

"اسے بڑی عجلت میں یہاں سے روانہ ہونا پڑا تھا۔" ملک طوطی نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ شبہات کو دل میں جگہ نہ دو۔ میں واقعی تمہارا ہمدرد ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم لوگ خیریت سے اپنے وطن پہنچ جاؤ۔"

"لیکن اگر ہمارے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا نا کہ شبہات کو اپنے دل میں جگہ مت دو۔" ملک طوطی نے کہا۔ "میں کھرا آدمی ہوں۔ میرے دل میں کوئی منافقت نہیں ہے۔ جو حقیقت تھی' وہ میں نے بتا دی ہے۔ اگر میں بھی حاجی کی اس سازش میں شریک ہوتا تو اس وقت یہاں تم لوگوں کی پوزیشن مختلف ہوتی۔ تم لوگ اس طرح ہماری مہمان نوازی کا لطف نہ اٹھا سکتے۔"

aazzamm@yahoo.com

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ملک طوطی کہتے ہوئے اٹھ گیا اور اس طرح ان کی یہ میٹنگ ختم ہو گئی۔

ثمینہ حویلی کے دوسرے حصے میں ملک طوطی خان کے افراد خانہ کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔ اس کی اپنے ساتھیوں سے دن میں ایک دو ملاقاتیں تو ہو ہی جاتی تھیں لیکن اس روز ثمینہ صبح سے اس طرف نہیں آئی تھی جہاں شارق اور نولکھا رہ رہے تھے۔

ملک طوطی نے جو کچھ بتایا تھا' ثمینہ کو اس سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ شام کو شارق نے پیغام بھیج کر ثمینہ کو بلا لیا۔ اسے دیکھ کر شارق اچھل پڑا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ خواب میں چل رہی ہو۔ کندھے جھکے ہوئے اور آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر قالین پر نیم دراز ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں جیسے نیند کا غلبہ ہو رہا ہو۔

"کیا بات ہے ثمینہ۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" شارق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کریم جان صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔ پتا نہیں کب آئے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کی آواز بھی کسی کنویں کی گہرائی سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"کریم جان کہیں گیا ہوا ہے تو تمہیں کیا پریشانی ہے؟" شارق نے کہا۔ کریم جان ملک طوطی خان کے بیٹے کا نام تھا۔

"وہ.....وہ پتا نہیں کب آئے گا۔" ثمینہ بڑبڑائی۔

اس مرتبہ شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے ثمینہ کو کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

"ثمینہ.....ہوش میں آؤ.....کیا بک رہی ہو تم؟"

"کک.....کیا ہوا؟" ثمینہ اس طرح چونک گئی جیسے نیند سے بیدار ہو گئی ہو۔

"ثمینہ.....!" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے..... کیا ہوا تمہیں.....؟"

"کک.....کیا ہوا ہے مجھے؟" ثمینہ نے کہا۔

"سچ بتاؤ ثمینہ۔ معاملہ کیا ہے؟" شارق نے اسے گھورا۔ "تمہاری یہ حالت..... جیسے نشہ ٹوٹ رہا ہو.....کہیں تم....." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر بولا۔

"تم کریم جان کے لیے کیوں پریشان ہو۔ کہیں وہ تمہیں....." وہ خاموش ہو گیا۔ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے پچھلے دو تین دن سے شارق ثمینہ میں کچھ تبدیلی محسوس کر رہا

تھا لیکن اس نے توجہ نہیں دی تھی اور اب تو ثمینہ کی حالت دیکھ کر اس کے دل میں طرح طرح کے شبہات سر ابھارنے لگے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ نولکھا کمرے میں نہیں تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شارق نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور ثمینہ کے سامنے بیٹھ گیا۔

"بتاؤ ثمینہ.....یہ کیا ہوا ہے تمہیں۔" اس نے ثمینہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔ "کیا تم نے نشہ شروع کر دیا ہے؟ کون دیتا ہے تمہیں یہ زہر؟"

"کریم جان۔" ثمینہ نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "وہ.....وہ تین چار دن سے مجھے انجکشن دے رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ....." وہ خاموش ہو گئی۔

"کیا کہتا تھا وہ؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اس روز میرا دل گھبرا رہا تھا۔" ثمینہ نے کہا۔ "کریم جان نے مجھے انجکشن لگا دیا کہ اس سے میرے دل کو تقویت ملے گی اور پھر وہ صبح شام مجھے انجکشن لگاتا رہا۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" شارق چیخا۔ "کیا تم نہیں جانتی کہ ہیروئن وہ زہر ہے جو خون میں شامل ہو کر زندگی کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے.... اور بالآخر....."

شارق کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ پہلے ماجھا گجر اور پھر حاجی کے ساتھ مل کر طویل عرصہ سے دنیا بھر کے نوجوانوں کی رگوں میں یہ زہر پہنچا رہا تھا لیکن اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس زہر سے کتنے نوجوان موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں' کتنے مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کے نتائج کتنے بھیانک اور خوفزدہ ہیں لیکن اب اپنے پر پڑی تھی تو اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ کریم جان نے اسے دھوکے سے ہیروئن کے انجکشن لگائے تھے۔ تین چار دن میں ہی ثمینہ کی یہ حالت ہو گئی تھی۔

دروازہ کھلا اور نولکھا اندر آ گیا۔

"کیا ہوا شارق باؤ....." نولکھا بولا۔ "یہ ثمینہ بی بی کو کیا ہوا؟"

"وہی ہوا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" شارق نے کہا اور پھر اسے ثمینہ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔ "نولکھا! آج اپنے آپ پر آن پڑی ہے تو مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ہم کس طرح معصوم لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے رہے ہیں۔ بڑا ظلم کیا ہے ہم نے لیکن آج میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ موت کے ان سوداگروں کے خلاف لڑتے ہوئے گزرے گا۔ میں برباد کر دوں گا ان سب کو.....ہیروئن کی فیکٹریاں تباہ کر دوں گا۔"

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ تو گردن تک اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیسے نکلیں گے اس سے؟"

aazzamm@yahoo.com

"تم میرا ساتھ دو۔" شارق بولا۔ "زندگی اور موت کی پروا کیے بغیر ہم اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک یہ لڑائی جاری رکھیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" نولکھا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

ان دونوں نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے یہ عہد کیا کہ اب وہ موت کے ان سوداگروں کے خلاف جنگ شروع کریں گے۔

"میں کریم جان کی گردن پکڑ لوں گا۔" نولکھا نے کہا۔

"نہیں۔" شارق بولا۔ "ایسا کرنا خطرناک ہوگا۔ البتہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ اب ثمینہ کو اپنے پاس ہی رکھیں اور کریم جان کو اس کے قریب آنے کا موقع نہ دیں۔"

"اب وہ اس کے قریب نہیں آئے گا۔" نولکھا نے کہا۔

ثمینہ قالین پر پڑی ان کی باتیں سنتی رہی۔

تین چار روز اور گزر گئے۔ ثمینہ انہی کے ساتھ رہ رہی تھی اور اس دوران اس کی طبیعت بھی سنبھل گئی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ شروع میں ہی پتا چل گیا تھا اور اس کی روک تھام کر لی گئی تھی لیکن اس واقعہ نے شارق کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

اس رات وہ کھانا کھا رہے تھے کہ بستی کا ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ دروازے کے قریب ہی رک کر باری باری سب کی طرف دیکھنے لگا' پھر ملک طوطی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"طور خان کا پیغام آیا ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ گھاٹی میں موجود ہے اور آپ کی طرف سے کسی پیغام کا منتظر ہے۔"

"اسے اطلاع بھجوا دو کہ وہ گھاٹی ہی میں رہے اور جب تک میری طرف سے دوسرا پیغام نہ ملے' بستی میں نہ آئے۔" ملک طوطی نے کہا۔

وہ آدمی باہر چلا گیا۔ ان میں یہ گفتگو دری زبان میں ہوئی تھی۔ اس آدمی کے جانے کے بعد ملک طوطی نے شارق وغیرہ کو اردو میں طور خان کے بارے میں بتا دیا۔

کھانا کھانے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ فائر کی آواز سن کر چونک گئے۔ رائفل کے فائر کی یہ آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"اوہ!" شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میرا خیال ہے پولیس ہماری تلاش میں باغ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ رائفل کا یہ فائر عبداللہ جان کی طرف سے سگنل ہے کہ اپنی رائفلیں اٹھا لو اور صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی اپنی رائفل اٹھا لی۔ ثمینہ اور نولکھا نے بھی اپنی اپنی رائفلیں اٹھا لی تھیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ "پولیس اس طرف آ رہی ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ملک طوطی نے کہا ہے کہ تم لوگ تہہ خانے میں پہنچ جاؤ....."

"ٹھیک ہے چلو۔" شارق نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ لوگ کمرے سے نکل کر صحن عبور کر کے سامنے والے برآمدے میں داخل ہو گئے۔ یہاں قطار میں کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ آدمی انہیں لے کر ایک کمرے میں گھس گیا۔ ٹھیک اسی لمحہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس بستی میں پہنچ گئی تھی اور بستی والوں نے مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ فائرنگ کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔

اس آدمی نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور فرش پر بچھا ہوا قالین ایک کونے سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔

○

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

تہہ خانے کا راستہ اتنا زیادہ کشادہ نہیں تھا کہ وہ سب بیک وقت اس میں داخل ہو سکتے۔ ملا نصیر الدین بھی اپنی بیوی اور بیٹی شاہ پری کو لے کر پہنچ گیا تھا۔ شارق تہہ خانے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے سب سے پہلے نولکھا کو نیچے اتارا' پھر شاہ پری اور اس کی ماں کو۔ وہ بڑھیا ابھی دروازے میں ہی تھی کہ اس مکان کا آنگن بھی فائرنگ سے گونج اٹھا۔ پولیس والے ملک طوطی خان کے دو آدمیوں کا پیچھا کرتے ہوئے اس طرف آگئے تھے۔ ملا نصیر الدین نے رائفل سنبھالا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"میں ان لوگوں کو روکتا ہوں۔ تم اندر جاؤ۔ جلدی کرو۔"

شارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کئی گولیاں اس کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں پر آکر لگیں۔ شارق نے ایک کھڑکی کی آڑ میں ہو کر فائرنگ شروع کر دی۔ ملا نصیر الدین دوسری کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ بھی فائرنگ کر رہا تھا۔

"وہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔ تم بھاگو یہاں سے۔" ملا نصیر الدین ایک بار پھر چیخا' شارق دوڑتا ہوا تہہ خانے کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا ہاتھ دیوار پر ایک ایسی جگہ لگا جہاں اس دروازے کا میکنزم پوشیدہ تھا اور دروازہ خودبخود بند ہو گیا۔ باہر سے فائرنگ کی آوازیں ابھی بھی سنائی دے رہی تھیں دروازہ بند ہونے کی وجہ سے آواز کی شدت کم ہو گئی تھی لیکن پھر اچانک ہی فائرنگ کی آوازوں میں شدت پیدا ہو گئی۔

شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ تہہ خانے کا راستہ بند ہو جانے کے بعد باہر سے کسی اجنبی کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ تہہ خانے کا راستہ کہاں ہے۔ وہ مڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت سب سے اوپر والی سیڑھی پر تھا۔ نیچے گہری تاریکی تھی' ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے اپنے ساتھی بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ دفعتاً" اپنے چہرے کے قریب ہی روشنی کا نقطہ دیکھ کر چونک گیا۔ وہ خفیہ دروازے میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جو ٹیڈی پیسے سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ شارق نے اس ننھے سے سوراخ سے آنکھ لگا دی اور دوسرے ہی لمحہ وہ کانپ اٹھا۔

دو پولیس والوں نے ملا نصیر الدین کو دبوچ رکھا تھا۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہے تھے اور ملا نصیر الدین مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ایک پولیس والے نے رائفل کا بٹ پوری قوت سے اس کے پیٹ پر مارا۔ ملا نصیر الدین چیخ اٹھا۔ پولیس والے نے پھر کچھ پوچھا۔ ملا نصیر الدین نے اس مرتبہ بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ پولیس والے نے ایک بار پھر اس کے پیٹ پر رائفل کا بٹ مارا۔ ملا نصیر الدین پھر چیخ اٹھا۔ دوسرے پولیس والے نے ملا نصیر الدین کو پشت سے اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ اس کے بازو پولیس والے کی گرفت میں تھے۔

سامنے کھڑا ہوا پولیس والا ملا نصیر الدین کے پیٹ پر رائفل کے بٹ سے وار کرتا رہا۔ ہر ضرب پر ملا نصیر الدین چیخ اٹھتا لیکن اس کا سر انکار ہی میں ہلتا رہا۔ شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس والا اس سے انہی لوگوں کے بارے میں دریافت کر رہا تھا اور ملا نصیر الدین کچھ بتانے سے انکار کر رہا تھا۔

پولیس والے نے رائفل کا بٹ اس کے چہرے پر مارا۔ ضرب رخسار پر لگی تھی۔ ملا نصیر الدین چیخ اٹھا۔ چہرے کی کھال پھٹ گئی تھی اور خون بہہ نکلا تھا۔ دوسری ضرب اس کی پیشانی پر لگی۔ پیشانی سے بھی خون بہہ نکلا۔ اس کا چہرہ خون سے تر ہو رہا تھا۔ داڑھی کے بال بھی خون میں تر ہو گئے تھے۔ ملا نصیر الدین بری طرح مچل رہا تھا لیکن پشت سے دوسرے پولیس والے نے اسے جکڑ رکھا تھا۔

رائفل بردار پولیس والے نے آگے جھک کر ایک بار پھر ملا نصیر الدین سے کچھ دریافت کیا۔ ملا نصیر الدین نے جواب دینے کے بجائے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ پولیس والا ایک دم بھڑک اٹھا۔ اس نے ملا نصیر الدین پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ملا نصیر الدین بری طرح مچل رہا تھا۔ دوسرے پولیس والے کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ملا نصیر الدین کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔

ملا نصیر الدین منہ کے بل گرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا' دونوں پولیس والوں نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ملا نصیر الدین ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا رہا تھا۔ دونوں پولیس والے دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ایک نے رائفل تان لی اور دوسرے ہی لمحہ وہ کمرہ گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ رائفل سے نکلنے والی تمام کی تمام گولیاں ملا نصیر الدین کے جسم میں پیوست ہو گئی تھیں۔ ملا نصیر الدین کا جسم چھلنی ہو گیا۔ خون کی دھاریں اس کے جسم سے بہہ نکلی تھیں۔ وہ کچھ دیر تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

وہ دونوں پولیس والے کمرے سے نکل گئے تھے۔ شارق چند لمحے سوراخ سے آنکھ لگائے ملا

aazzamm@yahoo.com

ملا نصیر الدین کی لاش کو دیکھتا رہا' پھر مڑ کر ٹٹولتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔ آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھتے ہی وہ کسی سے ٹکرا گیا۔ اس نے سہارے کے لیے اسے پکڑ لیا۔ وہ کوئی عورت تھی لیکن تاریکی میں یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ ثمینہ تھی' شاہ پری تھی یا اس کی ماں تھی۔

"ثمینہ۔" شارق نے اپنے سے ٹکرانے والی عورت کا بازو تھامتے ہوئے سرگوشی کی۔

"میں شاہ پری ہوں۔" جواب میں سرگوشی سنائی دی۔

شارق نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور ایک بار پھر ثمینہ کو پکارا۔

"میں یہاں ہوں۔" شارق کو قدرے فاصلے سے ثمینہ کی سرگوشی سنائی دی۔

"تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا۔ نولکھے! ماچس ہے تمہارے پاس؟" شارق بولا۔

"ماچس کل جیب میں رکھی تو تھی۔ دیکھتا ہوں۔" جواب میں نولکھا کی آواز سنائی دی۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک شعلہ سا بھڑکا اور وہاں زرد مدھم سی روشنی پھیل گئی۔ نولکھا چند قدم آگے کھڑا تھا۔ شارق اس کے قریب پہنچ گیا۔ نولکھا کی انگلیوں میں جلتی ہوئی دیاسلائی دبی ہوئی تھی لیکن شارق فوری طور پر اس جگہ کو سمجھ نہیں سکا۔ دیاسلائی ختم ہو رہی تھی۔ شارق نے نولکھا کے ہاتھ سے ماچس لے کر دوسری دیاسلائی جلائی اور اس کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

وہ ایک تنگ سی سرنگ تھی جس کی چھت تقریباً آٹھ فٹ اونچی تھی لیکن سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ دو آدمی بمشکل پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ اس سرنگ میں سیلن کی نمی تھی۔

"یہ سرنگ بالکل سیدھی ہے۔ ہمیں آگے بڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ نولکھا تم آگے چلتے رہو اور یہ ماچس بھی اپنے پاس رکھ لو لیکن زیادہ تیلیاں مت جلانا۔"

شارق نے کہتے ہوئے ماچس نولکھا کو دیدی۔

نولکھا نے ایک اور تیلی جلا کر ہاتھ اوپر اٹھا لیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے پیچھے ثمینہ تھی' پھر شاہ پری کی ماں' شاہ پری اور آخر میں شارق تھا۔

"میرے بابا کہاں ہیں' وہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں آئے؟"

شاہ پری کی آواز سن کر شارق کانپ اٹھا۔ شاہ پری نے جس طرح یہ سوال کیا تھا' اس سے شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان لوگوں نے باہر کی آوازیں نہیں سنی تھیں اور اگر آوازیں سنی بھی تھیں تو اتنی مدھم تھیں کہ وہ پہچان نہیں سکے تھے کہ چیخ کی آواز کس کی تھی۔

"تمہارے بابا۔" شارق نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "وہ ملک طوطی کے ساتھ دوسری طرف نکل گئے تھے۔ بعد میں ہم سے مل جائیں گے۔"

شاہ پری شاید مطمئن ہو گئی تھی۔ اس لیے اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے۔ نولکھا تھوڑی تھوڑی دیر بعد ماچس کی تیلی جلا لیتا تھا۔ ویسے بھی راستہ سیدھا تھا اور انہیں چلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

انہوں نے تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کر لیا۔ ملک طوطی نے بتایا کہ سرنگ حویلی کے باہر نکلتی ہے لیکن شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ ابھی کتنا اور چلنا پڑے گا۔ وہ لوگ محتاط انداز میں آگے چلتے رہے۔

دفعتاً سرنگ شاہ پری کی ماں کی چیخ سے گونج اٹھی۔

"کیا ہوا؟.....نولکھا.....ماچس جلاؤ۔" شارق چیخا۔

اسی لمحہ دھڑ کی آواز آئی۔ شاہ پری کی ماں زمین پر گر گئی تھی اور مسلسل چیخ رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹانگ کو پنڈلی کے قریب سے پکڑ رکھا تھا۔

"کیا ہوا' کیوں چیخ رہی ہو؟" شارق اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے نولکھا سے ماچس لے لی تھی اور پھر دفعتاً وہ اچھل پڑا۔

سیاہ رنگ کا ایک بچھو شاہ پری کی ماں کے پیر پر ٹخنے کے قریب بار بار ڈنک مار رہا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔ شارق ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے رائفل کی نال سے بچھو کو اس کے پیر سے ہٹایا۔ بچھو دوسری طرف دوڑا لیکن دوسرے ہی لمحہ شارق نے اسے اپنے جوتے کے نیچے مسل دیا۔

شاہ پری اپنی ماں کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ماں کو سنبھال رکھا تھا اور وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ شارق بھی اس کے قریب بیٹھ گیا اور دیاسلائی کی روشنی میں پیر کو دیکھنے لگا اور دوسرے ہی لمحہ اسے چونک جانا پڑا۔ بچھو نے کئی جگہ پر ڈنک مارا تھا اور پیر نہ صرف سوج رہا تھا بلکہ اس کی رنگت بھی تبدیل ہو رہی تھی۔ کوئی بہت ہی زہریلا بچھو تھا جس کا زہر اس قدر تیزی سے اثر کر رہا تھا۔ شارق نے شاہ پری سے دوپٹہ لے کر اسے پھاڑ دیا اور اس کی پٹیاں بنا کر پنڈلی پر دو تین جگہ کس کر باندھ دیں تاکہ زہر اوپر نہ چڑھ سکے۔

شاہ پری ماں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے بیٹھی تھی۔ ایک طرف سے ثمینہ نے بھی اسے تھام لیا تھا لیکن وہ ان کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ شارق کی

aazzamm@yahoo.com

باندھی ہوئی پٹیاں بھی بیکار ثابت ہو رہی تھیں۔ بچھو کا زہر بلڈ سرکولیشن کے ذریعے اس کے پورے جسم میں پھیلتا جا رہا تھا۔ جسم کا رنگ پہلے نیلا ہوا اور پھر سیاہ ہونے لگا۔ وہ بوڑھی عورت اس طرح تڑپ رہی تھی کہ ان کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اس کے جسم کو زور زور سے جھٹکے لگ رہے تھے اور پھر وہ ایک دم بے حرکت ہو گئی۔

شارق نے پہلے اس کی نبض ٹٹولی' پھر اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ شارق نے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

"مجھے افسوس ہے شاہ پری۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "اس بچھو کا زہر بہت ہی سریع الاثر تھا۔ ہم تمہاری ماں کو نہیں بچا سکے۔"

شاہ پری چیخ مار کر ماں کی لاش سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔" شارق نے کہا۔ "ہمیں جلد سے جلد اس سرنگ سے باہر نکلنا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ سرنگ کا راستہ دریافت کر لیں اور ہم سب بھی چوہے کی طرح اس بل میں مارے جائیں۔"

"کیا یہ لاش.....؟"

"ہاں....." شارق نے ثمینہ کی بات کاٹ دی۔ "ہم اس لاش کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ اسے یہیں چھوڑنا ہوگا۔"

ثمینہ نے سہارا دے کر شاہ پری کو اٹھایا اور اسے ساتھ لے کر چلنے لگی۔ شاہ پری بری طرح رو رہی تھی اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ نولکھا کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس حادثے پر اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ لوگ جب تک وہاں کھڑے رہے تھے' نولکھا خاموشی سے ماچس کی تیلیاں جلاتا رہا تھا۔ وہ آدھی سے زیادہ ماچس ختم کر چکا تھا اور اب بھی تیلیاں جلاتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔

دو سو گز کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ سرنگ بند ہو گئی تھی اور آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ شارق رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چھت کے قریب ایک جگہ روشنی کی ننھی سی کرن دیکھ کر وہ چونک گیا اور آگے بڑھ کر اس جگہ کو ٹٹولنے لگا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

وہ سرنگ کا دہانہ تھا جس پر غالباً کوئی پتھر رکھا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن پتھر خاصا وزنی تھا۔ کسی سے ٹس مس نہیں ہوا۔

"سرنگ سے نکلنے کا راستہ یہی ہے۔ اس پتھر کو ہٹانا پڑے گا۔ خاصا وزنی ہے۔ آؤ تم لوگ بھی اسے ہٹانے میں میری مدد کرو۔" شارق نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نولکھا اور ثمینہ نے اپنی رائفلیں نیچے رکھ دیں اور وہ سب مل کر پتھر کو سرنگ کے دہانے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں ناکامی نہیں ہوئی۔ پتھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتا چلا گیا اور بالآخر لڑھکتا ہوا دور جا گرا۔

تازہ ہوا کے جھونکے سے انہیں بڑا سکون ملا تھا۔ انہوں نے لمبے لمبے سانس لیے اور پھر شارق نے جھک کر زمین پر پڑی ہوئی رائفل اٹھا لی۔

"نولکھا!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے سہارا دو' پہلے میں باہر نکلتا ہوں۔ پھر تم لوگوں کو بھی اوپر کھینچ لوں گا۔"

نولکھا دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر کے ان کی انگلیاں آپس میں پھنسا لی تھیں۔ شارق نے ایک پیر اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔

وہ کندھے تک دہانے سے باہر آگیا۔ چاروں طرف جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور بستی کی طرف سے اب بھی فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق کا ایک ہاتھ خالی تھا اور دوسرے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور دونوں ہاتھ گڑھے کے کناروں پر رکھ کر اپنے آپ کو اوپر اٹھاتا ہوا باہر گیا۔ وہ اپنی رائفل اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ اس کی نظر جھاڑیوں میں ایک ایسی چیز پر پڑی جسے دیکھ کر شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ کلاشنکوف رائفل کی نال تھی جو اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ لمبا تڑنگا افغان جھاڑیوں سے نکل کر سامنے آگیا۔ اس کی باقاعدہ داڑھی نہیں تھی لیکن کئی روز کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ سر پر سیاہ پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے کندھے پر ایک اور رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ سینے پر لپٹے ہوئے بیلٹ میں گولیاں بھی بھری ہوئی تھیں اور کلاشنکوف اور رائفل کے تین چار میگزین بھی بیلٹ میں پھنسے ہوئے تھے۔

اس شخص نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل سے اشارہ کرتے ہوئے فارسی میں کچھ کہا جسے شارق سمجھ تو نہیں سکا لیکن اس کا اشارہ واضح تھا۔ شارق اپنی رائفل اٹھانے کے بجائے سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ بھی سر سے اوپر اٹھا لیے۔

"شارق باؤ....." سرنگ میں سے نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "کہاں چلے گئے ہو شارق باؤ.....ہمیں تو باہر نکالو....."

aazzamm@yahoo.com

یہ آواز سن کر اس افغان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ اچھل کر سرنگ کے کنارے پر آگیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ پھر اس نے اچانک ہی رائفل کا رخ نیچے کرکے نولکھا اور ثمینہ کو اپنی رائفل کی زد میں لے لیا۔

"یہ ریچھ کہاں سے آگیا شارق باؤ؟" سرنگ میں سے نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "اس سے کہو پہلے ہمیں باہر نکلنے دے' پھر بات کر لیں گے۔"

شارق کو اپنی کم مائیگی پر غصہ آرہا تھا۔ وہ نہ تو فارسی جانتا تھا اور ہی پشتو اور اس کے خیال میں یہ افغان بھی انگریزی یا اردو نہیں سمجھتا تھا لیکن بہرحال اس نے قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

"کیا تم اردو سمجھ سکتے ہو؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

افغان نے نفی میں سر ہلایا۔

"انگریزی سمجھتے ہو؟" شارق نے اپنا جملہ انگریزی میں دہرایا۔

"ہاں' میں تھوڑی بہت انگریزی سمجھتا ہوں۔" افغان نے جواب دیا۔

"گڈ....." شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ملک طوطی خان کے مہمان ہیں۔ گاؤں پر اس کے دشمنوں نے حملہ کر دیا ہے۔ فائرنگ کی آوازیں تم سن سکتے ہو۔" شارق نے بستی کی طرف اشارہ کیا جہاں سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تم طور خان ہو؟"

"نہیں' میں طور خان کا ساتھی ہوں۔" افغان نے جواب دیا۔ "تم لوگ کون ہو؟"

"ہم پاکستانی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہاں ہم طوطی خان کے مہمان تھے کہ پولیس نے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ ملک طوطی خان کو معلوم تھا کہ پولیس اس کے گاؤں پر حملہ کرے گی' اس لیے اس نے طور خان کو مدد کے لیے پیغام بھیج دیا تھا۔ پولیس نے جب گاؤں پر حملہ کیا تو ملک طوطی خان نے اپنے مکان کے خفیہ راستے سے ہمیں اس طرف نکال دیا۔ طور خان کہاں ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ گھبراؤ نہیں' ہم دوست ہیں۔ پہلے مجھے اپنے ساتھیوں کو باہر نکالنے دو' پھر ہم طور خان سے ملاقات کریں گے۔"

شارق اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر جھک کر نولکھا کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر کھینچنے لگا۔ نولکھا نے باہر آکر سب سے پہلے بڑی گرمجوشی سے اس شخص سے ہاتھ ملایا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ "بڑے عرصہ بعد تم

سے ملاقات ہوئی ہے۔ آخری بار شاید لاہور کے چڑیا گھر میں دیکھا تھا۔"

"یہ وہ نہیں ہے نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے کہا۔ شارق اسے بھی باہر نکال چکا تھا۔ "لاہور کے چڑیا گھر میں تم نے جو ریچھ دیکھا تھا' وہ انڈیا کا تھا۔ یہ تو افغان ہے۔"

"ریچھ سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔" نولکھا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ان کا تعلق انڈیا سے ہو یا افغانستان سے ہو' ریچھ تو ریچھ ہی ہوتا ہے۔"

وہ افغان خاموش کھڑا الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس دوران شارق شاہ پری کو بھی باہر نکال چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی رائفل تھی۔ ان دو جوان اور حسین لڑکیوں کو دیکھ کر اس ریچھ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ رائفلیں ان سب کے ہاتھوں میں تھیں لیکن اس افغان کو اطمینان اس بات کا تھا کہ کسی نے اس پر رائفل نہیں تانی تھی۔ اس نے خود بھی رائفل کی نال نیچے جھکا لی۔

"ہمیں طور خان کے پاس لے چلو۔ کہاں ہے وہ؟" شارق نے افغان کی طرف دیکھتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"پڑھا لکھا ریچھ لگتا ہے۔" نولکھا مسکراتے ہوئے بولا۔

اس افغان نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اشارہ کرتے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تمہیں یہاں ہماری موجودگی کا پتہ کیسے چلا تھا؟" شارق نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام محمد عمر ہے۔" افغان نے جواب دیا۔ "میں ایک فطری ضرورت کے تحت اس طرف آیا تھا۔ فارغ ہوا تو اس پتھر کو ہلتے ہوئے دیکھ کر چونک گیا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید زلزلہ آیا ہے لیکن زمین ساکت تھی اور وہ پتھر ہل رہا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد پتھر کے نیچے سے آوازیں آنے لگیں۔ مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوف بھی محسوس ہونے لگا کہ اس بھاری پتھر کے نیچے کون ہو سکتا ہے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور پھر وہ بھاری پتھر اپنی جگہ سے لڑکھڑا کر دور جا گرا اور جب تمہیں اس کھڈ میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تو میں جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ تمہیں گولی مار دوں لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم کون ہو اور اتنے بڑے پتھر کے نیچے کیسے چھپے تھے؟ اور یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے تمہیں گولی نہیں ماری۔"

وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے چٹان نما بڑے بڑے پتھروں کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں بھی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں اور آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

"طور خان اور اس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" شارق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ لوگ گاؤں کی طرف گئے ہیں۔" محمد عمر نے بتایا۔ "طور خان کو ملک طوطی خان کا پیغام ملا تو وہ سارے کام چھوڑ کر ادھر آگیا مگر شاید ہم یہاں دیر سے پہنچے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ طور خان ملک طوطی کے دشمنوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ واپس نہیں جانے دے گا۔"

"لیکن میرا خیال ہے اب تک خاصا جانی نقصان ہو چکا ہوگا۔" شارق بولا۔ محمد عمر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نولکھا وغیرہ آس پاس پتھروں پر بیٹھ گئے تھے۔ نولکھا کو بڑی پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے پانی مانگا تو محمد عمر نے ایک گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا چمڑے کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

نولکھا نے مشکیزے کے منہ پر بندھی ہوئی ڈوری کھولی اور مشکیزہ اوپر اٹھا کر پانی پینے لگا۔ پھر اس نے مشکیزہ ثمینہ کی طرف بڑھا دیا جو اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ ثمینہ نے پہلے شاہ پری کو پانی پلایا' پھر خود پیا اور آخر میں مشکیزہ شارق کی طرف بڑھا دیا۔

شاہ پری کی حالت بہت بری تھی۔ اس نے ماں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا اور اس کی لاش بے گورو کفن چھوڑ کر آئی تھی۔ وہ مسلسل رو رہی تھی اور ثمینہ اسے تسلیاں دے رہی تھی۔ شارق بار بار شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شاہ پری کو اس کے باپ کی موت کا بھی بتا دیا جائے تو کیا وہ یہ صدمہ برداشت کر سکے گی۔ ابھی تو وہ ماں کی موت کے صدمے سے نہیں سنبھل پا رہی تھی۔ باپ کی موت کا صدمہ کیسے برداشت کر پائے گی؟ یہی سوچ کر شارق نے فی الحال خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ کسی مناسب وقت پر اسے ملا نصیر الدین کی موت کے بارے میں بھی بتا دیا جائے گا۔

گاؤں کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد فائرنگ بند ہو گئی۔ اس وقت سورج بھی غروب ہونے والا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد چھ سات آدمی گاؤں کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

وہ طور خان اور اس کے ساتھی تھے۔ ان کی تعداد سات تھی۔ سب سے آگے طور خان تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ سر پر سیاہ پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر داڑھی نہیں تھی البتہ مونچھیں بڑی خوفناک تھیں۔ وہ حیرت سے شارق اور نولکھا وغیرہ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر دفعتاً" جیسے اسے کچھ یاد آگیا۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا۔

"اوہ۔ تم ہی ملک طوطی خان کے وہ مہمان ہو جن کی وجہ سے پولیس نے اس کے گاؤں پر حملہ کیا تھا۔"

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے ان لوگوں کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔"

"پولیس کے اس حملے میں ملک طوطی خان کے تین آدمی ہلاک ہوئے ہیں جبکہ چار پولیس والے مارے گئے ہیں۔ کچھ پولیس والے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے ہیں اور مجھے یقین ہے' پولیس آج رات اس گاؤں پر دوبارہ حملہ کرے گی۔"

"میرے بابا کہاں ہیں؟" شاہ پری نے طور خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا بابا؟" طور خان نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ملا نصیر الدین کی بیٹی ہے۔" شارق بولا۔ "ہم حویلی سے نکلنے کے لیے اس سرنگ میں آرہے تھے کہ اس کی ماں کو بچھو نے کاٹ لیا۔ ہم اسے بچا نہیں سکے۔ بچھو کا زہر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پورے جسم میں پھیل گیا اور وہ بیچاری ختم ہو گئی۔ اسے اپنا بابا یاد آرہا ہے۔ ملا نصیر الدین نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم اسے لے کر چلے جائیں۔ وہ بعد میں ہمارے پاس آجائے گا۔" شارق نے کہتے ہوئے طور خان کو آنکھ مار دی تھی۔

"اوہ!" طور خان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ حویلی میں ملا نصیر الدین کی لاش دیکھ کر آیا تھا اور اب شارق کے اشارے کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ شاہ پری اپنی ماں سے بھی محروم ہو گئی تھی اور فوری طور پر باپ کی موت کی خبر اسے سنانا مناسب نہیں تھا۔ "مجھے تمہاری ماں کے مرنے کا افسوس ہے۔" وہ شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ملا نصیر الدین سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ابھی ملک طوطی خان کے پاس ہی رہے گا۔ تم ان لوگوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں تمہارے باپ کو لے کر آجاؤں گا۔"

"ہمیں کہاں جانا ہوگا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ محمد عمر کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہ تمہیں پہلی منزل پر لے جائے گا۔" طور خان نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ پولیس آج رات پھر گاؤں پر حملہ کرے گی اور میں ملک طوطی خان کو بے یار ومددگار چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ مجھے ایک دو دن یہاں رہنا پڑے گا۔ شام ہونے والی ہے۔ تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔ باقی باتیں بعد میں کسی وقت ہوں گی۔" وہ محمد عمر کی طرف مڑ گیا۔ "محمد عمر! انہیں ساتھ لے جاؤ۔ پہلی منزل پر ہمارا انتظار کرنا۔ اگر ہم دو دن تک نہ آئے تو انہیں آگے لے جانا اپنے ٹھکانے پر اور دیکھو انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ ملک طوطی خان کو

aazzamm@yahoo.com

بھی بتا دینا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں' ان کا خیال رکھے۔"

"ٹھیک ہے طور خان۔" محمد عمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔" طور خان نے شارق اور نولکھا سے ہاتھ ملایا۔ "تم لوگ ہمارے اور گھوڑے لے جاؤ۔ ہمیں یہاں سے گھوڑے مل جائیں گے۔"

انہوں نے ایک ایک گھوڑا کھول لیا۔ ثمینہ نے ایک سفید گھوڑا منتخب کیا تھا۔ محمد عمر نے بھی اپنا گھوڑا کھول لیا تھا۔ باقی چار گھوڑے طور خان کے ساتھیوں نے کھول لیے تھے۔

ان کے گھوڑوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ سب سے آگے محمد عمر کا گھوڑا تھا اور آخر میں شارق کا۔ انہوں نے تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ سورج غروب ہو گیا لیکن اس کے کچھ ہی دیر بعد چاند نکل آیا۔ چاند ان کے بالکل سامنے تھا اور انہوں نے کئی عرصہ بعد چاند کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ چودھویں کی شب تھی اور کسی بہت بڑے تھال کی طرح چمکتا ہوا چاند بہت بھلا لگ رہا تھا۔

راستہ تقریباً ہموار تھا اس لیے گھوڑوں کو چلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی لیکن سامنے بہت دور بلند پہاڑ نظر آرہے تھے اور شارق جانتا تھا کہ جب وہ ان پہاڑوں میں پہنچیں گے تو ان کے لیے دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔

وہ چاندنی رات میں چلتے رہے۔ ان کے چاروں طرف ویرانہ اور سناٹا تھا جو بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ ملک طوطی خان کے گاؤں تک تو انہوں نے باغات دیکھے تھے لیکن اس سے آگے کا علاقہ بالکل بنجر تھا۔ کہیں کہیں کوئی اکا دکا درخت نظر آجاتا تھا یا وہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اپنا گھوڑا اس کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ روس والے اس ملک پر قبضہ کیوں کرنا چاہتے تھے۔ ہم کئی روز سے یہاں بھٹک رہے ہیں۔ بڑا بنجر اور ویران ملک ہے یہ۔ یہاں نہ تو سونے کی کانیں ہیں اور نہ ہی یہاں کی زمین اناج پیدا کرتی ہے۔ روس نے اپنے ہزاروں بندے مروا دیئے۔ اپنے ملک کی آدھی دولت یہاں خرچ کر دی بلکہ ضائع کر دی۔ اگر وہ قبضہ جمانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو اسے یہاں سے کیا مل جاتا۔ یہاں تو پتھروں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تم اس بات کو نہیں سمجھ سکو گے نولکھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کسی ملک پر قبضہ کرنے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ وہاں سونے کی کانیں ہوں۔ وہاں کی زمین اناج اگلتی ہو اور وہاں کے میدانوں میں دودھ کی نہریں بہتی ہوں۔" وہ چند لمحوں خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "روس اس بنجر اور ویران ملک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تو اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ یہ ملک دفاعی لحاظ سے اس کے لیے اہمیت رکھتا تھا۔ افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے قدم پاکستان کی طرف بڑھتے۔ اسے اس خطے پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے بندرگاہ کی ضرورت تھی اور گرم پانیوں کے سمندر تک پہنچنے کے لیے ہی روس نے یہ سارے جتن کیے تھے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ روس دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی لیکن افغانستان میں شکست کے بعد اس کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔ سنٹرل ایشیا کی ریاستیں روس کے تسلط سے آزاد ہو رہی ہیں۔ روس اپنی اصل سرحدوں میں سمٹ رہا ہے۔ اگر وہ افغانستان میں پناہ لیتا تو شاید صورتحال یہ نہ ہوتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ افغان بڑے بہادر ہیں۔" نولکھا بولا۔

"ان کی بہادری تو تم دیکھ چکے ہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "افغانستان میں روس کی شکست کی ایک اور بڑی وجہ یہاں کے دشوار گزار راستے ہیں۔ روسی فوجوں کے لیے نقل و حرکت ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اونچے پہاڑوں اور دشوار گزار راستوں پر انہیں قدم قدم پر مزاحمت کا سامنا تھا۔ افغانوں نے چھاپہ مار جنگ لڑی ہے اور یہ چھاپہ مار جنگ ہی روس کی شکست کا باعث بنی تھی۔"

"فرض کرو اگر روسی یہاں قابض ہو جاتے تو؟" نولکھا نے کہا۔

"اول تو یہ ناممکن ہوتا۔" شارق نے کہا۔ "کسی دوسرے ملک پر قبضہ کرنا آج کے دور میں اتنا آسان نہیں ہے اور بالفرض یہاں روس کا قبضہ ہو بھی جاتا تو صورتحال پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لیے کم از کم نصف صدی درکار ہوتی۔"

"جب طاقت ہو تو کسی کو کچلنے کے لیے اتنی مدت درکار نہیں ہوتی۔" نولکھا نے کہا۔

"یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔" شارق بولا۔ "دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کے باوجود روس کو یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑا۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو ہمیں یہاں سے کیا لینا۔"

باتوں میں انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار پر بھی توجہ نہیں دی اور اب شارق کو احساس ہوا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اس نے نولکھا کو اشارہ کیا اور گھوڑے کی لگام کو حرکت دے کر اس کی رفتار بڑھا دی۔ اس طرح وہ کچھ ہی دیر بعد اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

"محمد عمر کہہ رہا ہے کہ ہمیں کم از کم دو گھنٹے اور سفر کرنا پڑے گا۔ ان پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ کر ہم کچھ دیر آرام کریں گے اور پھر اگلے سفر پر روانہ ہو جائیں گے اور پھر

aazzamm@yahoo.com

ہمیں رات بھر سفر کرنا پڑے گا۔" ثمینہ نے شارق اور نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم تو مسلسل سفر میں ہیں۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جب سے ہم نے افغانستان کی سرحد عبور کی ہے' اس وقت سے بھاگ دوڑ میں ہیں اور یہ بھاگ دوڑ اس وقت ختم ہوگی جب ہم پاکستان کی سرحد میں داخل ہوں گے۔"

"فکر مت کرو نولکھا.....ہم ایک نہ ایک روز اپنے ملک پہنچ ہی جائیں گے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

محمد عمر ان سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ شاہ پری کا گھوڑا اس کے پیچھے تھا۔ اس نے بھی اپنا گھوڑا ان کے قریب کر لیا اور یہ لوگ باتیں کرتے ہوئے چلتے رہے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک پہاڑی ندی کے آس پاس چند درخت بھی تھے اور ایک چھوٹی چٹان کے قریب دو تین کچے مکان بھی نظر آرہے تھے۔ ندی کے قریب پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اتر گئے۔ گھوڑے بھی شاید پیاسے تھے' وہ ندی میں پانی پینے لگے۔ شارق وغیرہ چند گز اوپر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے بھی سیر ہو کر پانی پیا۔

محمد عمر اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر ان مکانوں کی طرف چلا گیا۔ اس نے ایک مکان کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی مکان سے باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف رائفل تھی۔

"اکبر خان۔" محمد عمر اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "طور خان کے مہمان آئے ہیں۔ دوسرے مکان کا دروازہ کھولو اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ کھانا کھا کر ہم لوگ چلے جائیں گے۔"

"اچھا اچھا.....تم ادھر ہی ٹھہرو.....میں آتا ہوں۔" اکبر خان دوبارہ اندر چلا گیا۔ اکبر خان تقریباً پانچ منٹ بعد واپس آیا۔ اس مرتبہ اس کے ہاتھ میں رائفل کے بجائے لالٹین تھی۔ وہ دوسرے مکان کے سامنے آگیا۔ جیب سے چابی نکال کر عمر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

شارق وغیرہ بھی اندر آگئے۔ بڑا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر نمدہ بچھا ہوا تھا۔ وہ لوگ تقریباً تین گھنٹوں تک گھوڑے کی پشت پر سفر کرتے رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی نمدہ پر بیٹھ گئے۔ اکبر خان انہیں یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔

جب انہوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا تو شام ہو رہی تھی اور وہ لوگ تقریباً تین گھنٹوں تک سفر کرتے رہے تھے۔ شارق کے خیال میں اب دس بج رہے ہوں گے۔ تقریباً چالیس منٹ بعد اکبر خان ان کے لیے کھانا لے کر آگیا۔ تازہ پکی ہوئی روٹیاں اور بغیر دودھ کے چائے تھی۔ بھوک میں اس روکھی روٹی نے بھی بہت مزا دیا تھا۔

روٹی کھانے کے دوران وہ لوگ باتیں بھی کرتے رہے۔ نولکھا اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہا تھا کہ آبادی سے میلوں دور ویرانے میں آباد اکبر خان اور اس کے گھر والے کیسے زندہ ہیں۔ یہاں نہ تو زرخیز زمین ہے جس پر کوئی کھیتی باڑی ہوتی ہو اور نہ ہی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ۔ یہ لوگ کھاتے پیتے کہاں سے ہوں گے۔

"اکبر خان شہریوں سے زیادہ خوش ہے۔" محمد عمر نے ان کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "ان پہاڑیوں میں چیڑ کے درختوں کی بہتات ہے۔ اکبر خان اور اس کا بیٹا دن بھر درخت کاٹتے رہتے ہیں۔ گردیز میں لکڑی کا ایک تاجر ہفتے میں ایک مرتبہ یہاں آکر لکڑیاں لے جاتا ہے جن سے اکبر خان کو معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی وہ خود بھی شہر چلا جاتا ہے اور اپنا راشن لے آتا ہے۔"

"لیکن اس طرف تو کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے۔ لکڑی کے لیے ٹرک وغیرہ کیسے آتے ہوں گے؟" شارق نے کہا۔

"لکڑی لے جانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے استعمال ہوتے ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"محمد عمر ہم جیسے لوگوں کے لیے بھی کام کرتا ہے۔ حکومت کے باغیوں کے کئی گروہ ان پہاڑیوں میں چھپے ہوتے ہیں۔ ان کی تلاش میں پولیس اور فوج بھی اس طرف آتی رہتی ہے۔ اکبر خان سے ہمیں پولیس اور فوج کی نقل و حرکت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان اطلاعات کے عوض باغی بھی مالی طور پر اکبر خان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔"

"لیکن....." شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "باغی تو خود پہاڑوں میں دربدر پھرتے رہتے ہوں گے۔ انہیں تو اپنے کھانے پینے کی فکر رہتی ہوگی۔"

"ہمیں کبھی کھانے پینے کی فکر نہیں رہی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "ان پہاڑوں میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں جہاں سے ہمیں کھانے پینے کو مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم آس پاس بڑی بستیوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ یہاں سے ہم مال جمع کرتے ہیں۔"

"کیا لوگ خود بخود تم لوگوں کی مدد کرتے ہیں؟" نولکھا نے پوچھا۔

"بڑی بستیوں کے لوگ مشکل ہی سے کچھ نکالتے ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "ایسے لوگوں سے ہمیں زبردستی چھیننا پڑتا ہے اسلحہ کے زور پر۔ بعض اوقات لوگ مقابلے پر اتر آتے

aazzamm@yahoo.com

ہیں اور ایک آدھ آدمی ہمارے ہاتھوں سے مارا بھی جاتا ہے۔"

"زبردستی چھیننا پڑتا ہے۔" شارق بڑبڑایا۔ "تمہارا مطلب ہے ڈاکے!"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" محمد عمر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا' پھر اپنی رائفل سنبھالتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چل دینا چاہیے اور ہمارا راستہ خاصا لمبا ہے۔"

"کیا ہم رات بھر سفر کرتے رہیں گے!" شارق نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ مجبوری ہے۔ صبح ہونے سے پہلے ہمیں اپنی پہلی منزل پر پہنچنا ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا اور وہ لوگ اس مکان سے باہر آگئے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اسی طرح ان کا سفر شروع ہو گیا۔

وہ لوگ مسلسل بلندی کی طرف سفر کرتے ہوئے پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ گھوڑوں پر ان کا سفر رات بھر جاری رہا۔ انہیں کہیں تو ہموار راستہ ملا اور کہیں راستہ اس قدر دشوار تھا کہ اس طرف سے گزرتے ہوئے ان کی روح تک کانپ اٹھتی تھی۔

صبح پانچ بجے کے قریب وہ ایک بار پھر ایک کشادہ راستے پر پہنچ گئے۔ اس راستے پر بیک وقت کئی گھوڑے گزر سکتے تھے۔ یہ راستہ چٹانوں کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ بل کھاتے ہوئے اس راستے پر چلتے ہوئے ایک مسطح چٹان پر واقع ایک قلعہ نما مکان میں پہنچ گئے۔ اس مکان کے چاروں طرف خاصی کشادہ جگہ تھی اور وہاں سے نشیب میں دور تک پھیلی ہوئی وادی کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

یہ مکان قلعہ نما تھا۔ اس میں کئی کمرے تھے اور بہت وسیع و عریض صحن تھا۔ شارق کے اندازے کے مطابق یہاں کم از کم دو سو آدمی بیک وقت قیام کر سکتے تھے۔ ایسے قلعہ نما مکان انہوں نے افغانستان میں کئی جگہ دیکھے تھے۔ پہلے تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی تھی کہ ویران پہاڑوں میں آبادی سے میلوں دور اس قسم کے قلعہ نما مکان بنانے کی کیا تک تھی لیکن ایک موقع پر گل رحمان سے باتیں کرتے ہوئے انہیں یہ پتہ چلا تھا کہ افغانستان صدیوں سے بیرونی حملہ آوروں کی گزرگاہ رہا ہے۔ ان بیرونی حملہ آوروں سے نمٹنے کے لیے ہی جگہ جگہ ایسے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے گئے تھے جہاں فوج کے سپاہی موجود رہتے تھے۔ ماضی میں یوں بھی افغانستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جاگیروں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر ریاست کے حکمران' جاگیردار اور امیر نے اپنے علاقے کی حفاظت کیلئے گزرگاہوں اور اپنی ریاست کی سرحدوں پر ایسے قلعے بنا رکھے تھے تاکہ مداخلت کاروں اور بیرونی حملہ آوروں کو روکا جا سکے۔

اس وقت اس قلعہ نما مکان میں چار آدمی تھے اور بقول نولکھا کے چاروں دیسی ریچھ تھے۔ انہوں نے مہینوں سے نہ تو بال کٹوائے تھے اور نہ ہی نہائے ہوں گے۔ حالانکہ ان پہاڑوں میں پانی کی کمی نہیں تھی۔ جگہ جگہ برساتی ندی نالے موجود تھے جن میں صاف اور شفاف پانی بہہ رہا تھا۔

گھوڑے انہوں نے آنگن میں کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ محمد عمر انہیں ایک کشادہ کمرے میں لے آیا۔ یہاں فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ تھکن سے اس قدر نڈھال تھے کہ چٹائی پر گرتے ہی سو گئے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد محمد عمر نے انہیں جگایا۔ اس وقت ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ توے پر پکی ہوئی موٹی موٹی روٹیاں' تلا ہوا خشک گوشت اور بغیر دودھ کے چائے۔

اس وقت دھوپ نکل چکی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد یہ لوگ کچھ دیر دھوپ میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر کمرے میں آکر چٹائی پر لیٹ گئے۔

دوبارہ جب شارق کی آنکھ کھلی تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ نولکھا اس سے پہلے جاگ چکا تھا البتہ ثمینہ اور شاہ پری سو رہی تھیں۔ ان کی باتوں کی آواز سن کر وہ دونوں بھی جاگ گئیں۔

انہوں نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ البتہ رات کا کھانا شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی کھا لیا گیا تھا۔ رات کو روشنی کے لیے لالٹین روشن کر لی گئی۔ ایک لالٹین ان کے کمرے میں بھی رکھ دی گئی۔ محمد عمر کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا' پھر ادھر اپنے آدمیوں کے پاس چلا گیا۔

وہ لوگ اگرچہ دن بھر سوئے رہے تھے مگر ان کی تھکن ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی۔ محمد عمر کے جانے کے بعد وہ سب اونگھنے لگے۔ شارق نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے کنڈا لگا دیا اور نولکھا کے پاس آکر لیٹ گیا۔ ان سے کچھ فاصلے پر ثمینہ اور شاہ پری لیٹی ہوئی تھیں۔ ثمینہ غالباً سو گئی تھی لیکن شاہ پری جاگ رہی تھی۔ شارق کو اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

"مجھے اس کی حالت پر افسوس ہو رہا ہے۔" شارق نے نولکھا کے کان میں سرگوشی کی۔ "اسے اپنی ماں کی موت کا اتنا صدمہ ہے۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ اس کا باپ بھی اس دنیا میں نہیں رہا تو اس کی حالت کیا ہوگی۔"

"باپ اس دنیا میں نہیں رہا' کیا مطلب؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

aazzamm@yahoo.com

"میں نے ابھی تم لوگوں کو بھی نہیں بتایا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جب ہم تہہ خانے میں اترے تھے تو ملا نصیر الدین حملہ آوروں کو روکنے کے لیے باہر ہی رک گیا تھا۔ میں دروازے کے سوراخ سے آنکھ لگا کر دیکھ رہا تھا۔ دو پولیس والوں نے ملا نصیر الدین کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس سے ہمارے بارے میں پوچھ رہے تھے لیکن اس نے اپنی جان تو دیدی مگر ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اسے بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" نولکھا بولا۔

"موقع ہی کب ملا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "سرنگ سے نکلتے ہی محمد عمر نے ہینڈز اپ کرا دیا تھا۔ اس کے بعد طور خان وغیرہ آگئے تھے اور پھر صورتحال ایسی تھی کہ میں شاہ پری کو اس کے باپ کے قتل کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔ اگر اس کی ماں کا انتقال نہ ہوا ہوتا تو میں یہ دکھ بھری خبر اسے سنا ہی دیتا۔"

"بیچاری۔" نولکھا کہتے ہوئے بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "یہ تو بہت ظلم ہوا ہے اس کے ساتھ۔ وہ بیچاری اپنے باپ کا انتظار کرتی رہے گی لیکن کب تک' آخر کب تک چھپاؤ گے یہ خبر اس سے؟"

"دو تین دن بعد اسے بتا دوں گا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت تک شاید وہ اس قابل ہو جائے کہ یہ نیا صدمہ برداشت کر لے۔"

نولکھا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ اسے ملا نصیر الدین کی موت کا واقعی بڑا دکھ تھا۔ اس بیچارے نے ان لوگوں کو بچانے کے لیے جان دیدی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو ان کے بارے میں بتا کر اپنی جان بچا سکتا تھا۔

نولکھا نے گردن گھما کر شاہ پری کی طرف دیکھا۔ وہ ثمینہ سے لپٹی ہوئی تھی۔ ثمینہ تو سو رہی تھی لیکن شاہ پری کی ہلکی ہلکی سسکیاں اسے سنائی دے رہی تھیں۔ نولکھا کو اس سے پہلے سے زیادہ ہمدردی ہو گئی۔ وہ اسے دلاسہ دینا چاہتا تھا مگر اس کے باپ کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔

نولکھا نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد شاہ پری کی سسکیاں بھی بند ہو گئیں۔ شاید وہ بھی سو گئی تھی لیکن نولکھا جاگتا رہا' اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ شارق کی باتوں نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔

ہر طرف سناٹا تھا' کھڑکی کے باہر سے جھینگر وغیرہ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو اس سناٹے میں بڑی پراسرار لگ رہی تھیں۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ نولکھا نے کئی مرتبہ آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ جب بھی آنکھیں بند کرتا' شاہ پری کا معصوم چہرہ اس کے تصور میں ابھر آتا اور وہ آنکھیں کھول دیتا لیکن رات کے آخری پہر اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور بالآخر وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

○

اس قلعہ نما مکان میں رہتے ہوئے تیسرا دن تھا۔ ان لوگوں کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا' لہٰذا یہ لوگ جی بھر کے بور ہوتے رہے۔ اسی روز شام کو کھانا کھانے کے دوران محمد عمر نے اعلان کر دیا کہ اگر آج رات طور خان اور اس کے ساتھی یہاں نہ پہنچے تو وہ لوگ صبح سویرے اپنے مرکز کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

"تمہارا یہ مرکز کہاں ہے اور یہاں سے کتنی دور ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"کل صبح چلیں گے تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے زراوک نامی شہر چند میل کے فاصلے پر ہے۔"

"زراوک سے ہم کس طرف جا سکتے ہیں؟" شارق نے ایک اور سوال کیا۔

"یوں تو زراوک سے پاکستانی علاقے شمالی وزیرستان کی سرحد قریب پڑتی ہے لیکن تم لوگ اگر پاکستان جانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے جنوبی وزیرستان کی سرحد پار کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔"

"جنوبی وزیرستان زراوک سے کتنی دور ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"کئی دن کا فاصلہ ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کئی روز تک ان پہاڑوں میں بھٹکنا پڑے گا۔" قریب بیٹھے ہوئے نولکھا نے کہا۔ پھر محمد عمر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایک بات تو بتاؤ یار۔ تم لوگ ان پہاڑوں میں کیسے زندگی گزار رہے ہو۔ کیا تمہیں اپنے گھر والے یاد نہیں آتے؟"

"گھر والے!" محمد عمر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں تو اپنے گھر والوں کی شکلیں بھی بھول چکا ہوں۔ یہی پہاڑ اور ویرانی ہمارا گھر ہے۔ کہیں کہیں اس طرح کے مکان ہمارے قبضے میں ہیں ورنہ ہماری راتیں یا تو کھلے آسمان تلے گزرتی ہیں یا غاروں میں اور غاروں کی ان پہاڑوں میں کمی نہیں۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم لوگ ان پہاڑوں میں کیوں رہ رہے ہو؟" نولکھا نے

aazzamm@yahoo.com

کہا۔ "ہر شخص کا ہر حکومت سے کوئی نہ کوئی سیاسی اختلاف ضرور ہوتا ہے بلکہ سیاسی اختلاف ہر شخص کا حق ہے لیکن اختلاف زیادہ شدت اختیار کر جائے تو حکومت کے عتاب سے بچنے کے لیے روپوش ہونا ہی پڑتا ہے لیکن جب حکومت بدل جاتی ہے تو یہ سارے اختلافات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تو کئی حکومتیں بدلی ہیں۔ اس کے باوجود تم لوگ ان ویرانوں میں چھپے ہوئے ہو۔"

"اس لیے کہ ہم جیسے لوگ ہر حکومت کو مطلوب ہوتے ہیں۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہم کبھی اپنے گھروں کو نہیں لوٹ سکتے۔ ہم جیسے لوگوں کو باقی زندگی انہی پہاڑوں میں گزارنی ہوتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں!" نولکھا نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم سب فراری ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "ہم میں کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ہے جس کے ہاتھوں دو چار آدمی نہ مارے گئے ہوں۔ کسی نے قبائلی دشمنی کی بنا پر اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور کسی نے کسی اور وجہ سے۔ یہ لوگ نہ اپنے قبیلوں میں رہ سکتے ہیں' نہ شہروں اور بستیوں میں۔ یہ لوگ نہ صرف قانون کو مطلوب ہیں بلکہ ان کے دشمن بھی انہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کے لیے پہاڑ ہی محفوظ پناہ گاہیں ہیں۔"

"اوہ سمجھا....." نولکھا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تو یہ قاتلوں کا گروہ ہے جو قانون اور اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے ان پہاڑوں میں پناہ لیے ہوئے ہے۔"

"یہی سمجھ لو....." محمد عمر نے جواب دیا۔ "لیکن ان پہاڑوں کے باہر سب لوگ ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ ملک طوطی خان جیسے لوگ بھی ہیں جو وقتاً" فوقتاً" ہماری مدد کرتے رہتے ہیں اور ہم بھی ایسے موقعوں پر ان کے کام آتے ہیں۔ اس روز جب ملک طوطی خان کا پیغام ملا تو طور خان یہیں پر تھا۔ پیغام ملتے ہی وہ ہمیں ساتھ لے کر چل پڑا تھا۔"

"تو گویا طور خان اس گروہ کا سردار ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "اسے تو یہ گروہ بنانے میں بڑی دشواری پیش آئی ہوگی۔ ویسے تم اس گروہ میں کب سے ہو؟"

"مجھے تین سال ہو چکے ہیں۔" محمد عمر نے بتایا۔ "یہ گروہ طور خان زہنی نے بنایا تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً دو ہفتے پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ تاجک ہے۔ ویسے اس گروہ میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے شامل ہیں۔ میں قندھار سے بھاگ کر آیا تھا۔ دو پاکستانی ہیں جن کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے۔ وہ پولیس سے بچنے کے لیے اگرچہ آزاد علاقے میں آگئے تھے لیکن تم جانتے ہو کہ آزاد قبائلی علاقوں میں جرگے کا نظام چلتا ہے۔ جرگہ جو فیصلہ

کر دے' وہ ہر حالت میں قبول کرنا پڑتا ہے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے مجبور کرنے پر جرگے نے ان دونوں کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ دونوں وہاں سے بھاگ کر افغانستان آگئے۔ کچھ عرصہ مختلف علاقوں میں بھٹکتے رہے اور پھر اس گروہ میں شامل ہو گئے۔"

"تم نے کہا تھا کہ طور خان تم سے دو ہفتے پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ گروہ کا سردار کیسے بنا؟" نولکھا نے پوچھا۔

"طاقت کا قانون ہر جگہ چلتا ہے۔" محمد عمر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "طور خان سے پہلے اس گروہ کا سربراہ ایک قندھاری تھا۔ طور خان کا کسی بات پر اس سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس وقت طور خان کو گروہ میں کسی کی بھی حمایت حاصل نہیں تھی لیکن طور خان نے قبیلے کے قندھاری سردار کو قتل کر دیا تو گروہ کے باقی آدمیوں نے اس کے سامنے سر جھکا دیا اور اسے گروہ کا سردار تسلیم کر لیا۔"

"اس گروہ میں کتنے آدمی ہیں؟" نولکھا نے ایک اور سوال کیا۔

"تقریباً پینتیس۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "گروہ کے اخراجات چلانا سردار کی ذمہ داری ہے اور یہ سردار کا کام ہے کہ وہ قرب و جوار کی بستیوں کے سرداروں سے راشن وصول کرے یا بستیوں میں لوٹ مار کی جائے۔"

"سمجھ گیا بھائی۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لوٹ مار ہی تم لوگوں کا پیشہ ہے۔ لوٹ مار تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن ہمارا طریقہ ذرا مختلف ہے۔"

شارق ایک طرف بیٹھا خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ محمد عمر نے جو انکشافات کیے تھے' وہ اس کے لیے خاصے دلچسپ تھے۔ گروہ کے سربراہ طور خان سے بہت مختصر سی ملاقات ہوئی تھی اور وہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا لیکن اسے جو باتیں معلوم ہوئی تھیں' ان سے وہ کسی حد تک اندازہ لگا سکتا تھا کہ اگر کوئی برا وقت آیا تو طور خان جیسے شخص سے نمٹنا آسان کام نہیں ہوگا۔

اگلے روز صبح سویرے وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ راستہ زیادہ دشوار نہیں تھا۔ وہ ایک وادی میں سفر کر رہے تھے۔ دوپہر کے قریب وہ ایک دریا کے سامنے پہنچ گئے۔ پانی کی وجہ سے آس پاس درختوں کی بہتات تھی۔ شہتوت کے درخت زیادہ تھے۔ انہوں نے درختوں کے قریب ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ادھر ادھر لیٹ گئے۔ ثمینہ شاہ پری کے ساتھ تھی۔ شارق نے ثمینہ کو اشارے سے بلایا اور اس کے ساتھ ٹہلتا ہوا دریا کے کنارے پر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں پیر پانی میں لٹکا لیے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

"کوئی خاص بات ہے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ بھی اس کے قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہاں..... خاص بات ہی سمجھو۔" شارق نے مدھم لہجے میں کہا۔ "کل رات میں نے نولکھا کو تو بتا دیا تھا اور اب تمہیں بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اس معاملے کو کس طرح ہینڈل کرتی ہو۔"

"معاملہ کیا ہے؟" ثمینہ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ جب ہم ملک طوطی خان کی حویلی میں تہہ خانے میں اترے تھے تو ملا نصیر الدین پولیس والوں کو ہم سے دور رکھنے کے لیے باہر ہی رہ گیا تھا۔"

"ہاں' مجھے یاد ہے اور وہ ہمارے ساتھ بھی نہیں آیا۔" ثمینہ بولی۔

"اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔" شارق نے کہا۔ اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"کیا مطلب' کیا کہنا چاہتے ہو؟" ثمینہ اسے گھورا۔

"ملا نصیر الدین کو قتل کر دیا گیا تھا۔" شارق نے کہا اور پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اب تک میں اس لیے خاموش رہا کہ شاہ پری ماں کی موت کے صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی لیکن اس کے باپ کے قتل کی خبر زیادہ دیر تک چھپائی بھی نہیں جا سکتی۔ تم کسی طرح شاہ پری کو بتا دو کہ اس کا باپ بھی اس دنیا میں نہیں رہا۔"

ثمینہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک دم اداسی چھا گئی تھی۔ ملا نصیر الدین یا شاہ پری سے ان کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا لیکن ان سے کئی روز کا ساتھ رہا تھا اور پھر ملا نصیر الدین نے انہی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان دی تھی۔ شاہ پری سے تو ثمینہ کو کچھ زیادہ ہی انس ہو گیا تھا۔ اسے یاد آگیا' جب وہ شاہ پری کے گاؤں سے فرار ہوئے تھے اور وہ راستہ بھٹک گئی تھی اور پھر دوسرے دن اسے شاہ پری بھی اس ویرانے میں مل گئی تھی۔ اسے سب کچھ یاد آرہا تھا کہ کس طرح وہ پہاڑوں میں بھٹکنے کے بعد باغ والے مکان میں پہنچ گئی تھیں جہاں جہانزیب نامی شخص نے شاہ پری کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی اور اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ پھر ان کا اس مکان سے فرار ہونا اور پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانا۔

شام کو شاہ پری کا باپ اسے پولیس سے چھڑا کر لے گیا تھا۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ وہ جیل میں پڑی رہے گی اور پولیس والوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہے گی۔ پولیس چوکی کے انچارج نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی لیکن عین وقت پر شارق اور ملا نصیر الدین

پہنچ گئے تھے اور پولیس والوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد اسے پولیس چوکی سے نکال لے گئے تھے۔

ثمینہ کو سب کچھ یاد آرہا تھا۔ ملا نصیر الدین نے ان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا اور پھر جب وہ لوگ بھی ملک طوطی خان کے گاؤں پہنچے تھے تو ملا نصیر الدین کتنا خوش ہوا تھا۔ شاہ پری کتنا خوش ہوئی تھی۔ ملا نصیر الدین نے انہیں حفاظت کا یقین دلایا تھا اور بالآخر انہیں بچانے کے لیے اپنی جان دیدی تھی۔

ثمینہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میرا خیال تھا تم بہت باہمت لڑکی ہو اور تم شاہ پری کو سہارا دو گی لیکن تم تو خود رونے لگیں۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بات ہی ایسی ہے کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکی۔" ثمینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر تم فکر مت کرو۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔"

اپنے پیچھے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ انہوں نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شاہ پری کو اپنے سے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑے دیکھ کر شارق کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ نجانے کب سے وہاں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"مم.....میں نے.....سن لیا ہے.....سب کچھ سن لیا ہے۔" شاہ پری کی آواز جیسے حلق میں پھنس رہی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ کھڑے کھڑے لہرانے لگی۔

ثمینہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ شاہ پری بے ہوش ہو گئی تھی۔ اگر ثمینہ بروقت اسے نہ سنبھال لیتی تو وہ یقیناً گر جاتی۔ شارق بھی دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گیا اور دونوں نے شاہ پری کو سہارا دے کر زمین پر لٹا دیا۔ شارق اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ نولکھا اور محمد عمر نے بھی دیکھ لیا اور وہ دونوں بھی دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا ہوا.....کیا ہوا اس لڑکی کو؟" محمد عمر نے پوچھا۔ وہ بھی اس صورتحال سے ایک دم حواس باختہ ہو گیا تھا۔

"صدمے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔" شارق نے کہا اور چلو میں پانی لے کر شاہ پری کے حلق میں ٹپکانے لگا۔

"ماں نے اس کی آغوش میں دم توڑا تھا۔ یہ اس صدمے کو آسانی سے نہیں بھول سکے گی۔" محمد عمر نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ماں کا صدمہ تو اس نے کسی طرح برداشت کر ہی لیا تھا مگر باپ کی موت کی خبر اس کے حواس پر بجلی بن کر گری ہے۔" شارق نے کہا۔

"باپ کی موت کی خبر! میں سمجھا نہیں۔" محمد عمر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اس کا باپ ملک طوطی خان کی حویلی میں پولیس کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ کسی مناسب وقت پر اسے بتا دوں گا لیکن وہاں سے فرار ہوتے ہوئے تہہ خانے کی سرنگ میں اس کی ماں کو بچھو نے ڈس لیا' وہ مر گئی۔ میں نے اس کے باپ کی موت کی خبر چھپائی۔ اب میں ثمینہ کو سمجھا رہا تھا کہ کسی مناسب طریقے سے اسے باپ کی موت کا بھی بتا دیا جائے۔ اس نے ہماری باتیں سن لیں۔"

شارق شاہ پری کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شاہ پری ہوش میں آگئی۔ وہ کچھ دیر تک عجیب سی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھتی رہی' پھر اٹھ کر ثمینہ سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ان میں سے کسی نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ان کے خیال میں اس کا رو لینا ہی بہتر تھا۔ اس طرح اس کے دل کا غبار ہلکا ہو جاتا۔

شاہ پری کی وجہ سے انہیں تقریباً ایک گھنٹہ مزید وہاں رکنا پڑا اور پھر وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ تقریباً دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد انہوں نے دریا پار کر لیا۔ وادی کے اختتام پر وہ ایک بار پھر اونچے پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔

ان کا سفر سورج غروب ہونے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں سے گھوڑوں کی پشت پر سوار تھے اور بری طرح تھک گئے تھے۔

"ابھی ہمیں اور کتنا دور جانا ہے محمد عمر؟" ثمینہ نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔ اسے اپنے سے زیادہ شاہ پری کی فکر تھی جس کا گھوڑا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور گھوڑے پر بیٹھی ہوئی شاہ پری بار بار جھول رہی تھی۔

"تقریباً ایک گھنٹہ۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک تنگ سے راستے میں داخل ہو گئے۔ دونوں طرف عمودی چٹانیں تھیں اور راستہ اس قدر تنگ تھا کہ دو گھوڑے پہلو بہ پہلو بمشکل چل سکتے تھے لیکن وہ لوگ سنگل لائن میں چل رہے تھے۔ سب سے آگے محمد عمر تھا اور آخر میں شارق.....وہ گردن اٹھائے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دونوں طرف چٹانیں تقریباً سو فٹ اونچی تھیں جنہیں دیکھ کر خوف آرہا تھا۔ لگتا تھا جیسے کسی بھی وقت گر جائیں گی۔ یہ چٹان پہلے یقیناً ایک ہی رہی ہوگی اور کسی وقت زلزلے سے بٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوگی۔

یہ تنگ سا راستہ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا سا تھا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس راستے پر چلتے رہے اور بالآخر ایک کھلی جگہ پر پہنچ گئے۔ یہ ایک مسطح چٹان تھی جس کی چوڑائی سو فٹ اور لمبائی ڈیڑھ سو فٹ رہی ہوگی۔ اس کے تین اطراف میں بند چٹانیں اٹھی ہوئی تھیں اور ایک طرف عمودی ڈھلان تھی۔ اس ڈھلان کے اختتام پر تاحدِ نظر وسیع و عریض وادی پھیلی ہوئی تھی اور اس وادی میں بہت دور نشیب میں روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہ روشنیاں کیسی ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"زراوک شہر۔" عمر نے جواب دیا۔

شارق اس طرف دیکھنے لگا۔ روشنیوں کے پھیلاؤ سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔

وہ لوگ گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ محمد عمر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے دائیں طرف کی چٹان میں ایک اور تنگ سی دراڑ میں داخل ہو گیا۔ ان لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ اس دراڑ کے اختتام پر بھی بیس تیس فٹ چوڑی کھلی جگہ تھی اور سامنے ایک بہت بڑے غار کا دہانہ نظر آرہا تھا۔ غار کا دہانہ اتنا بڑا تھا کہ ایک ٹرک اس میں آسانی سے داخل ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ جیسے ہی اس تنگ سی دراڑ سے باہر نکلے' دو آدمی کسی طرف سے نمودار ہوئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں لیکن رائفلوں کی نالیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے پہلے محمد عمر سے' پھر شارق اور نولکھا سے ہاتھ ملایا اور پھر ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگے۔ ان دونوں لڑکیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے' پھر غار میں آگئے۔

تقریباً دس گز آگے جا کر غار دائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرف تیز روشنی ہو رہی تھی۔ مختلف جگہوں پر دو پیٹرومیکس جل رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ غار کے فرش پر بستر بچھے ہوئے تھے۔ سات آدمی غار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی گرمجوشی سے ان لوگوں سے ہاتھ ملایا تھا۔

"محمد عمر! یہ کون لوگ ہیں۔ تم انہیں یہاں کیوں لائے ہو؟" ان میں سے ایک نے محمد عمر کی طرف دیکھتے ہوئے پشتو میں پوچھا۔

"یہ طور خان کے مہمان ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "موسیٰ خان۔" وہ اس شخص کی طرف دیکھ کر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "طور خان نے کہا تھا کہ ان لوگوں کا خیال رکھا جائے

aazzamm@yahoo.com

اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ خود بھی ایک دو دن بعد یہاں پہنچ جائے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ ہم ان کا بہت خیال رکھے گا۔" موسیٰ خان نے جواب دیا اور عجیب سی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھا۔

شارق نے موسیٰ خان کی نظروں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ کسی بھی وقت اس کی نیت میں فتور آسکتا ہے۔ یہ لوگ نجانے کب سے ان پہاڑوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنا عرصہ وہ عورت سے دور رہے تھے اور اب دو جوان اور حسین عورتیں ان کے سامنے تھیں۔ ان کی نیت کسی بھی وقت بدل سکتی تھی۔ غار میں بیٹھے ہوئے اور لوگ بھی للچائی ہوئی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"موسیٰ خان۔" محمد عمر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے کھانے کا کوئی بندوبست کرو۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا۔" موسیٰ خان کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"بیٹھو۔ تم لوگ بیٹھو۔" محمد عمر نے شارق وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ دوسرے آدمیوں سے قدرے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ محمد عمر نے انہیں بتایا کہ موسیٰ خان اس گروہ کا نائب صدر ہے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کر غار کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔ شارق سرگوشیوں میں اپنے ساتھیوں سے باتیں کرنے لگا۔

"ہمیں یہاں بہت محتاط رہنا ہوگا ثمینہ۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔ یہ لوگ کسی بھی وقت کوئی حرکت کر سکتے ہیں۔"

"ان کی تو آنکھوں میں' میں نے بھی ہوس کی چمک دیکھ لی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"لیکن مطمئن رہو۔ اگر ان لوگوں نے کوئی حرکت کی تو آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"یہ ڈاکو لوگ اپنے سرداروں کا بڑا حکم مانتے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "محمد عمر نے انہیں بتا بھی دیا ہے کہ ہم طور خان کے مہمان ہیں اور میرا خیال ہے کہ طور خان کے آنے سے پہلے یہ لوگ کوئی حماقت نہیں کریں گے۔"

"کسی کی نیت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمیں بہرحال محتاط رہنا ہوگا۔" شارق نے کہا۔ وہ لوگ بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ رائفلیں انہوں نے اپنے قریب ہی رکھی ہوئی تھیں تاکہ کسی ہنگامی صورتحال میں انہیں استعمال کیا جا سکے۔

کھانا انہیں تقریباً ایک گھنٹے بعد ملا تھا۔ وہی توے کی پکی ہوئی موٹی موٹی روٹیاں اور تلا ہوا خشک گوشت۔

"میرا خیال ہے اس ملک کے لوگ باسی کھانا کھانے کے عادی ہیں۔" نولکھا نے گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"باسی نہیں' یہ تازہ کھانا ہے۔ ابھی تیار کیا گیا ہے۔" محمد عمر نے کہا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر سوکھا ہوا گوشت ہی کھاتے ہیں۔"

"اوہ۔" محمد عمر بولا۔ "بات یہ ہے کہ اس ملک کی زیادہ آبادی چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ بہت سی بستیوں میں قصاب کی دکانیں نہیں ہیں۔ لوگ جانوروں کو ذبح کرکے گوشت سکھا لیتے ہیں اور ضرورت کے مطابق استعمال کرتے رہتے ہیں۔"

نولکھا نے اس مرتبہ جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ دوسرے آدمی ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ شارق نے محسوس کیا کہ موسیٰ خان اور اس کے دو ساتھی بار بار کن انکھیوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"محمد عمر! یہ موسیٰ کیسا آدمی ہے؟" شارق نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"بہت بڑا دیوث ہے۔" محمد عمر نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "اسی لیے تو طور خان نے خاص طور پر تم لوگوں کے لیے بارے میں پیغام بھجوایا تھا کہ اس کے مہمان ہیں اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

"لیکن مجھے اس کی نیت پر شبہ ہو رہا ہے۔" شارق بولا۔ "ہم لوگ جب سے یہاں آئے ہیں۔ موسیٰ اور اس کے ساتھی ثمینہ اور شاہ پری کو گھور رہے ہیں۔"

"مجھے بھی یقین ہے کہ ان لڑکیوں کے بارے میں اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔"

محمد عمر نے جواب دیا۔ "لیکن تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو نمٹ لیں گے۔ طور خان بھی اس سے خوش نہیں ہے۔ یہ سردار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"اور طور خان کیسا آدمی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ تاجک ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "تاجکستان میں اس پر کئی لوگوں کے قتل کا الزام ہے۔ وہ فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا تھا۔ یہاں بھی کئی آدمی اس کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ کابل میں ایک بڑے پولیس آفیسر کو اس نے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا۔ اب اس کی ساری زندگی پہاڑوں میں گزرے گی۔"

"عورتوں کے بارے میں اس کا رویہ کیسا ہے؟" شارق نے ایک اور سوال کیا۔

aazzamm@yahoo.com

"عورت ہر مرد کی کمزوری ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "حسین اور جوان لڑکیاں تو ان جیسے لوگوں کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔" وہ کن انکھیوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ "مجھے یاد ہے تقریباً تین مہینے پہلے موسیٰ خان کسی عورت کو اٹھا لایا تھا جسے طور خان نے اس سے چھین لیا تھا۔ اس بات پر دونوں میں ناراضگی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ عورت کئی روز تک طور خان کے پاس رہی تھی۔ پھر وہ اسے لے کر کہیں چلا گیا تھا۔ کئی روز بعد واپس آیا تو وہ عورت اس کے ساتھ نہیں تھی۔"

"کیا طور خان اور موسیٰ خان میں اس عورت کے لیے جھگڑا بھی ہوا تھا؟"

"نہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "طور خان کے کہنے پر موسیٰ خان نے وہ عورت خاموشی سے اس کے حوالے کر دی تھی لیکن میں جانتا ہوں' ان میں رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ موسیٰ خان کے دل میں اب بھی ناراضگی ہے۔"

"ہوں۔" شارق نے ہنکارہ بھرا۔ "کیا رات کو ہمیں یہیں سونا پڑے گا۔ میرا مطلب ہے اسی غار میں!"

"ایک چھوٹا سا غار اور بھی ہے۔" محمد عمر نے کہا۔ "غار کا وہ حصہ دراصل طور خان کے استعمال میں رہتا ہے۔ تم لوگ چاہو تو وہاں سو جانا۔"

"ٹھیک ہے' ہم وہیں سوئیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

کھانا کھانے کے بعد محمد عمر انہیں غار کے ایک اور حصہ میں لے آیا۔ غار کا یہ حصہ کسی چھوٹے کمرے کی طرح تھا جس کے فرش پر چٹائی اور اس پر بھیڑ کی کھالوں سے بنا ہوا گدا سا بچھا ہوا تھا۔ ایک دیوار میں کیل ٹھنکے ہوئے تھے جن پر کچھ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اسی غار کے پچھلے حصے میں یقیناً چھوٹی چھوٹی درزیں بھی یا سوراخ تھے جن سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ سو جاؤ۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔" محمد عمر کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

وہ لوگ دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ شارق اور نولکھا بھی غار کے دروازہ نما دہانے کے دائیں اور بائیں طرف بیٹھے تھے جبکہ ثمینہ اور شاہ پری پچھلے حصے میں چلی گئی تھیں۔ اوڑھنے کے لیے بھی بھیڑ کی کھالیں ہی رکھی ہوئی تھیں۔ ثمینہ اور شاہ پری نے لیٹ کر وہ کھالیں اوڑھ لیں اور کچھ ہی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تو وحشیوں میں گھر گئے ہیں۔ جب تک یہاں سے نکل نہیں جاتے' چین سے سو بھی نہیں سکتے۔ خاص طور پر یہاں تو ہمیں جاگ کر پہرہ دینا پڑے گا۔ ایسا کرو' تم سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔ آدھی رات کے بعد میں تمہیں جگا دوں

گا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ طریقہ مناسب رہے گا۔" شارق نے جواب دیا اور بھیڑ کی کھال اوڑھ کر نیم دراز ہو گیا۔

نولکھا نے اپنی جگہ بدل لی۔ اب وہ ایسی جگہ پر بیٹھ گیا تھا جہاں سے وہ دروازے کے باہر تک دیکھ سکتا تھا۔

شارق گہری نیند سو رہا تھا۔ تھکن سے اسے ایسی نیند آئی تھی کہ کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ گویا وہ مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو نولکھا کو غار کے دروازے کے قریب بیٹھے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم بڑی جلدی جاگ گئے۔ سوئے نہیں کیا؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم سو رہے تھے تو میں کیسے سو جاتا۔" نولکھا بولا۔

"کیا مطلب؟" شارق آنکھیں ملنے لگا۔

"رات کو ہم دونوں میں یہ طے ہوا تھا کہ آدھی رات تک تم سوؤ گے اور میں جاگوں گا۔ پھر تم جاگ جاؤ گے تو میں سو جاؤں گا۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں جگانے کی بہت کوشش کی شارق باؤ مگر تم تو شاید مردوں سے شرط باندھ کر سوئے تھے۔"

"اوہ!" شارق کو سب کچھ یاد آ گیا۔ "مجھے افسوس ہے نولکھے۔ اچھا اب میں جاگ گیا ہوں تو سو جا۔"

"میں نے تو اب سونا ہی ہے۔" نولکھا نے جماہی لیتے ہوئے کہا اور ذرا آگے بڑھ کر فرش پر لیٹ گیا۔

شارق کے ذہن پر کچھ دیر تک غنودگی سی چھائی رہی۔ پھر وہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ اس نے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ابھی تک گہری نیند سو رہی تھیں۔ غار میں لالٹین جل رہی تھی۔ باہر والے غار میں پیٹرومیکس جل رہا تھا اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ دن طلوع ہوا تھا یا نہیں۔ اس نے جھانک کر باہر کی طرف دیکھا۔ موسیٰ خان اور اس کے دو ساتھی سوئے ہوئے تھے جبکہ باقی وہاں موجود نہیں تھے۔

شارق اٹھ کر اس چھوٹے غار سے باہر نکل آیا۔ رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا غار کے بیرونی حصے کی طرف چلنے لگا۔ موڑ گھوم کر اس نے باہر کی طرف جھانکا۔ غار کے دہانے کے باہر کھلی جگہ پر محمد عمر اور تین چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اور دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

تقریباً سات بجے سب ہی لوگ جاگ گئے اور غار میں گہما گہمی شروع ہو گئی۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی جاگ گئی تھیں۔ ثمینہ نے نولکھا کو جگانا چاہا مگر شارق نے اسے منع کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ نولکھا اپنی نیند پوری کر لے۔

ثمینہ اور شاہ پری کے جاگنے کے بعد شارق کے لیے ایک نئی پریشانی پیدا ہو گئی۔ ثمینہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ پریشان سا ہو گیا لیکن اس پریشانی کو دور کرنے کا ایک ہی حل تھا۔ وہ ان دونوں کو لے کر غار سے باہر آگیا۔

دھوپ نکل آئی تھی۔ موسیٰ خان اور اس کے دو تین ساتھی ایک طرف بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ فاصلے پر محمد عمر دو آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک طرف پتھر رکھ کر چولہا بنا ہوا تھا جس میں چیڑ کی موٹی موٹی لکڑیاں جل رہی تھیں اور ایک آدمی روٹیاں پکانے کی تیاری کر رہا تھا۔

شارق کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ دونوں لڑکیاں اس سے دو تین قدم پیچھے تھیں۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر غار کے دہانے کے دائیں طرف چٹان میں ایک دراڑ کی طرف بڑھ گیا۔ آگے جا کر یہ دراڑ خاصی کشادہ ہو گئی تھی۔ وہ تینوں اس دراڑ میں چلتے ہوئے اس جگہ پر نکل آئے جہاں ہر طرف بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ شارق وہیں رک گیا اور ثمینہ کو اشارہ کیا۔ ثمینہ اور شاہ پری ان پتھروں میں چلتی چلی گئی۔

ان کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ شارق وہیں بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ دونوں اسے چھوڑ کر گئی تھیں۔ وہ تینوں اسی راستے پر چلتے ہوئے غار میں واپس آگئے۔ موسیٰ خان اور محمد عمر اس وقت بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ واپسی پر شارق نے محسوس کیا کہ موسیٰ خان بڑی گہری نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کو دیکھ رہا تھا۔

ثمینہ اور شاہ پری تو غار کے اندر چلی گئیں اور شارق وہیں محمد عمر کے پاس بیٹھ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد روٹیاں پک گئیں اور بغیر دودھ کی چائے بھی تیار ہو گئی۔ موسیٰ خان اور اس کے ساتھی تو وہیں بیٹھے ناشتہ کرنے لگے۔ البتہ محمد عمر شارق وغیرہ کا حصہ لے کر اس کے ساتھ غار میں آگیا تھا۔

وہ تین دن تک یہاں پڑے رہے۔ کبھی غار کے دہانے کے سامنے آکر کھلی جگہ پر بیٹھ جاتے اور کبھی غار میں آکر لیٹ جاتے۔ ان کا تین دن کا یہ وقت بڑی اذیت میں گزرا تھا۔

طور خان کے ساتھ تین آدمی واپس آئے تھے۔ تین ملک طوطی خان کے گاؤں میں پولیس سے ہونے والے مقابلے میں مارے گئے تھے۔ طور خان نے جو وہاں کی صورتحال بتائی تھی' وہ بڑی

خوفناک تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق تقریباً ایک سو پولیس والوں نے بستی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ پہلے تو رائفلوں اور سب مشین گنوں سے فائرنگ ہوتی رہی' پھر دونوں طرف سے لائٹ مشین گنیں استعمال ہونے لگی۔ افغانستان کے کسی بھی علاقے میں روسیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور گولہ بارود کی کمی نہیں تھی۔ بعض بستیوں میں لوگوں کے پاس راکٹ بھی موجود تھے۔ ملک طوطی خان کے آدمیوں نے بھی پولیس پر دو راکٹ فائر کیے تھے جس کے جواب میں پولیس نے بستی پر راکٹوں کی بارش کر دی۔ کئی گھر کھنڈر بن گئے۔ ملک طوطی خان سمیت بستی کے درجنوں آدمی مارے گئے تھے جن میں طور خان کے تین آدمی بھی شامل تھے۔ طور خان کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ بڑی مشکل سے پولیس کا گھیرا توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ پولیس کی ایک پارٹی نے کئی گھنٹوں تک اس کا پیچھا کیا لیکن بلند پہاڑوں میں پہنچ کر وہ پولیس والوں کو دھوکا دے کر وہاں سے نکل آنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ملک طوطی خان سے اپنے تعلقات کے بارے میں طور خان نے بتایا کہ وہ لوگ جب بھی گردیز کی طرف جاتے تھے' ملک طوطی خان ہی کے مہمان بنتے تھے۔ طور خان نے ایک موقع پر ملک طوطی خان کی مدد کی تھی۔ اس کے دشمن قبیلے کے لوگ اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے لیکن راستے میں طور خان نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچا لیا تھا۔ اپنے دشمنوں سے اپنی جان بچ جانے پر ملک طوطی خان' طور خان کا احسان مند تھا۔ اسے بعد میں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ طور خان ڈاکو ہے' باغی ہے' مفرور ہے اور حکومت کو اس کی تلاش ہے لیکن وہ وقتاً فوقتاً اس کی مدد کرتا رہتا تھا۔ وہ جب اس علاقے میں ہوتا تو ملک طوطی خان اسے پولیس کی سرگرمیوں سے آگاہ رکھتا۔ ملک طوطی خان نے پہلی مرتبہ اسے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اور طور خان کو افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ملک طوطی خان کی کوئی مدد نہیں کر سکا تھا۔ اپنے تین آدمی مروا لینے کے باوجود وہ ملک طوطی خان کو زندہ نہیں بچا سکا تھا۔

طور خان کو واپس آئے ہوئے دو روز ہو گئے تھے اور اس دوران شارق نے محسوس کیا تھا کہ وہ شاہ پری پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو رہا تھا۔ شارق کو اس کی آنکھوں میں بھی میل نظر آنے لگا تھا۔

یہ تیسرے دن کی بات تھی۔ شارق' ثمینہ اور شاہ پری کے ساتھ پہاڑوں میں گھوم رہا تھا۔ نولکھا بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ لوگ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ان اطراف میں چیڑ کے درختوں کی بہتات تھی۔ درختوں کی چوٹیاں آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ زمین پر ادھر ادھر چیڑ کے پھل بکھرے ہوئے تھے۔ یہ پھل لٹو کی طرح تھے۔ آگے سے نوکدار اور پیچھے سے لٹو کی طرح

aazzamm@yahoo.com

بتدریج موٹے ہوتے چلے گئے تھے۔ دیکھنے میں بالکل لٹو ہی لگتے تھے لیکن ان پر انگوٹھے کے ناخنوں کی طرح تہہ در تہہ موٹی موٹی پرتیں تھیں اور یہ پرتیں اتنی سخت تھیں کہ انہیں ہاتھ سے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ ثمینہ کو تین چار ایسے پھل مل گئے جن کے پرت کسی قدرے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اسے پتھر سے توڑنے لگی اور اسے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ان کے اندر سے چلغوزے نکل رہے تھے۔

شارق' ثمینہ اور نولکھا کے لئے یہ انکشاف خاصا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ چلغوزہ پیڑ کے درخت پر لگتا تھا۔

شاہ پری بھی ان کے لیے ادھر ادھر گھوم کر چلغوزے کے لٹو نما پھل جمع کر رہی تھی اور وہ ان لٹوؤں کو پتھروں سے توڑ توڑ کر ان میں سے چلغوزے نکال رہے تھے۔

شاہ پری کسی قدر دور نکل کر پتھروں کے پیچھے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ لوگ چلغوزے توڑنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے شاہ پری کی عدم موجودگی کو محسوس نہیں کیا لیکن آدھے گھنٹے بعد ثمینہ کو اچانک ہی اس کا خیال آگیا۔

"ارے! یہ شاہ پری کہاں گئی؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہمارے لیے لٹو جمع کر رہی ہے۔ یہیں کہیں ہوگی۔" شارق نے جواب دیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک لٹو پر پتھر مارنے لگا۔

اور پھر اچانک ہی ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر وہ اچھل پڑے۔

"یہ.....یہ کیسی چیخ تھی؟" ثمینہ بدحواس سی ہوگئی۔

"آواز تو شاہ پری کی تھی۔" شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے چیخ کی آواز اس طرف سے آئی تھی۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور پتھروں پر چڑھنے لگا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ شارق پتھروں پر دوڑتا چلا گیا۔ چیخنے کی آوازیں مسلسل اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق ایک جھٹکے سے ایک جگہ رک گیا۔ تقریباً بیس گز آگے جو منظر اسے نظر آیا' وہ بہت ہی خوفناک اور سنسنی خیز تھا۔ طور خان نے شاہ پری کو دبوچ رکھا تھا۔ شاہ پری کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ طور خان کے شکنجے میں پھنسی بری طرح مچل اور چیخ رہی تھی۔ طور خان کے دو آدمی ایک طرف کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر شارق کا دماغ گھوم گیا۔

"طور خان....." وہ رائفل سنبھالتے ہوئے چیخا۔ "اس لڑکی کو چھوڑ دو ورنہ تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔"

طور خان اور اس کے ساتھیوں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم یہاں سے واپس چلے جاؤ....." طور خان نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ "میں نے تم لوگوں کو یہاں اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ مہمان بن کر مفت کی روٹیاں توڑتے رہو۔ اس لڑکی کو میں نے دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا۔ اسی لیے تو تم لوگوں کو محمد عمر کے ساتھ اس طرف بھیج دیا تھا۔ جاؤ' واپس چلے جاؤ شارق اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

"اگر تم نے اس لڑکی کو نہیں چھوڑا تو میں تمہارا کام تمام کر دوں گا۔ طور خان چھوڑ دو اس لڑکی کو۔" شارق چیخا۔

"طور خان جس چیز کو پسند کر لیتا ہے' اسے ہر قیمت پر حاصل کر لیتا ہے۔" طور خان نے کہا۔ "واپس چلے جاؤ شارق.....اب دنیا کی کوئی طاقت اس لڑکی کو مجھ سے نہیں چھین سکتی۔"

"میں آخری وارننگ دے رہا ہوں طور خان۔" شارق نے چیخ کر کہا۔ "اگر تم نے شاہ پری کو نہ چھوڑا تو میں فائر کھول دوں گا۔ میں تین تک گنوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اس نے گنتی شروع کر دی۔

طور خان کے دونوں ساتھیوں نے رائفلیں سیدھی کر لیں۔ طور خان اور اس کے دونوں ساتھیوں کا خیال تھا کہ شارق فائر کھولنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ تو شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ چاروں ان کے قبضے میں ہیں۔ وہ ان کے ساتھ جو چاہیں کر سکتے ہیں' ان پہاڑوں میں کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ ویسے بھی آبادی سے میلوں دور ان پہاڑوں میں ڈاکوؤں کے گروہ کے مقابلے میں کون آسکتا تھا۔

شارق نے تین کہا اور گولی چلا دی۔ گولی طور خان کے پیروں سے چند فٹ کے فاصلے پر لگی۔

"یہ تمہارے لیے وارننگ ہے طور خان۔" شارق چیخا۔ "اب اگر تم نے اس لڑکی کو نہ چھوڑا تو دوسری گولی تمہارے سر میں لگے گی۔"

طور خان کے دونوں ساتھیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ شارق پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا' اس کے دائیں بائیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ثمینہ اور نولکھا بھی پتھروں کی آڑ میں پوزیشن لے چکے تھے۔ انہوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ طور خان کے ساتھی بھی پتھروں میں پوزیشن لے چکے تھے۔ طور خان قدرے کھلی جگہ پر تھا اور شاہ پری کو دبوچے ہوئے تھا۔ شاہ پری اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے بری طرح مچل رہی تھی۔ طور خان اب اسے گھسیٹ

aazzamm@yahoo.com

کر پتھروں کی آڑ میں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شارق نے بڑی احتیاط سے نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

گولی طور خان کے کندھے پر لگی اور وہ چیختا ہوا پیچھے گر گیا۔ شاہ پری نے اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی دوڑ لگا دی۔ دوڑتے ہوئے اس کا پیر الٹ گیا۔ وہ منہ کے بل گری اور اس کا اس طرح گرنا ہی اس کی زندگی کی ضمانت بن گیا۔ اگر وہ نہ گرتی تو طور خان کے ایک ساتھی کی چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی اڑا دیتی۔ شاہ پری اٹھنے کے بجائے زمین پر رینگتی ہوئی پتھروں کی آڑ میں چلی گئی۔

اپنے پیچھے فائرنگ کی آواز سن کر شارق چونک گیا۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے ایک اونچے پتھر پر محمد عمر رائفل سنبھالے کھڑا تھا۔ شارق کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ محمد عمر نے ٹریگر دبا دیا۔ گولیوں کی باڑھ شارق کے سر کے بہت اوپر سے گزر گئی۔

"فکر مت کرو شارق بھائی۔" محمد عمر نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ بے غیرت ہیں یہ لوگ.....انہیں زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اسے اطمینان سا ہوا۔ لٹیروں اور خونیوں کے اس گروہ میں کم از کم ایک آدمی ان کی حمایت میں تھا۔ محمد عمر دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم یہیں رکو۔ میں انہیں پچھلی طرف سے جا کر گھیرتا ہوں۔" شارق نے عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پتھروں میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

نولکھا اور ثمینہ نے بھی محمد عمر کو دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

شارق دوڑتا ہوا طور خان اور اس کے ساتھیوں کے پچھلی طرف چلا گیا۔ وہ تینوں پتھروں کی آڑ میں چھپے ثمینہ وغیرہ پر فائرنگ کر رہے تھے۔ طور خان ایک کندھا زخمی ہونے کے باوجود ان پر گولیاں برسا رہا تھا۔

"طور خان۔" شارق چیخا۔ "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

طور خان نے ایک دم پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس نے رائفل سیدھی کرنا چاہی لیکن موقع نہیں مل سکا۔ شارق کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں نے اسے چھلنی کر دیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی شارق کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ تیسرے آدمی نے ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن وہ چند گز سے آگے

نہیں جا سکا تھا کہ محمد عمر کی گولیوں نے اسے ڈھیر کر دیا۔

شارق نے پتھروں سے چھلانگ لگا دی اور اس طرف دوڑا۔ جہاں شاہ پری پتھروں کے پیچھے چھپی تھی لیکن شاہ پری وہاں نہیں تھی۔ وہ شاہ پری کو آوازیں دیتا ہوا ایک طرف دوڑتا رہا اور پھر اسے شاہ پری نظر آگئی۔ وہ ایک طرف دوڑی جا رہی تھی۔

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شاہ پری کیا کرنے جا رہی تھی۔ وہ جس طرف دوڑ رہی تھی، آگے سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ تھا اور وہ یقیناً اس کھڈ میں چھلانگ لگانا چاہتی تھی۔

"شاہ پری.....رک جاؤ.....شاہ پری۔" شارق چیخا۔

لیکن شاہ پری نہیں رکی.....وہ دوڑتی رہی۔ شارق بھی تیزی سے دوڑنے لگا اور بالآخر شاہ پری کے قریب پہنچ گیا۔ کھڈ کا کنارا صرف چند گز کے فاصلہ پر رہ گیا تھا۔

شارق نے دوڑتے ہوئے چھلانگ لگا دی اور شاہ پری کو ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا اور وہ دونوں کسی طرف ڈھلان پر لڑھکنے لگے۔ شارق نے شاہ پری کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اگر وہ شاہ پری کو گرفت میں لینے میں کامیاب نہ ہوتا تو شاہ پری سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں جا گری ہوتی لیکن شارق نے اسے عین آخری لمحوں میں موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا تھا۔

○

وہ ڈھلان زیادہ خطرناک نہیں تھی۔ پندرہ سولہ فٹ لڑھکنے کے بعد وہ ایک پتھر سے ٹکرا کر رک گئے۔ شارق نے اب بھی شاہ پری کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شاہ پری کے جسم پر لباس نام کا ایک چیتھڑا تک نہیں تھا۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی اس نے شاہ پری کو چھوڑ دیا اور اس کی طرف سے رخ بدل کر بیٹھ گیا۔ شاہ پری کی سسکیاں اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"تت.....تم نے مجھے کیوں بچایا.....مر جانے دیا ہوتا مجھے....." شاہ پری سسکیاں بھرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اس ذلت کے بعد میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"میرا خیال ہے ہم بروقت پہنچ گئے تھے اور وہ دیوث اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"لیکن اس نے مجھے سب کے سامنے ننگا کر دیا....."

"ہمت سے کام لو شاہ پری۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری عزت بچ گئی۔ خدا

aazzamm@yahoo.com

کا شکر ہے کہ وہ لوگ اپنے گھناؤنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ لو.... یہ پہن لو..... میں ثمینہ کو بلاتا ہوں۔" اس نے قمیض اتار کر شاہ پری کی طرف بڑھا دی۔

شاہ پری نے قمیض پہن لی اور ایک پتھر کی آڑ میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ شارق اٹھ کر ڈھلوان کے اوپر آگیا اور ثمینہ اور محمد عمر کو آوازیں دینے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں وہاں پہنچ گئے۔ محمد عمر کے کندھے پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ اکثر افغان ایسی چادریں بھی اپنے کندھوں پر ڈالے رکھتے تھے۔

"محمد عمر یہ چادر مجھے دے دو۔" شارق نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

محمد عمر نے چادر اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔ شارق نے ڈھلان پر اتر کر وہ چادر اس پتھر کے پیچھے پھینک دی جہاں شاہ پری سمٹی بیٹھی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ چادر جسم پر لپیٹ کر باہر آگئی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ شاہ پری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اور پھر اچانک ہی وہ لوگ اچھل پڑے۔ ویرانہ اچانک ہی فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ محمد عمر دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور فارسی زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہنے لگا مگر فائرنگ نہیں رکی بلکہ اس میں کچھ اور شدت آگئی تھی۔

شارق وغیرہ بھی محمد عمر کے پاس پہنچ گئے۔ محمد عمر نے بتایا کہ دوسرے لوگوں کو طور خان کی موت کا پتہ چل گیا ہے اور موسیٰ خان طور خان کے بعض ساتھیوں کو ختم کر کے گروہ پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

"اگر موسیٰ خان گروہ کا سردار بن گیا تو ہمارے لیے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔" شارق نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تم لوگ یہیں رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" محمد عمر نے کہا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

شارق، نولکھا اور ثمینہ رائفلیں سنبھالے تیار کھڑے تھے۔ شاہ پری ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ فائرنگ کی آوازوں کے درمیان محمد عمر اور کچھ لوگوں کے چیخنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ تقریباً پانچ منٹ بعد محمد عمر دوبارہ ان کے پاس آگیا۔

"گروہ کے دس بارہ آدمی ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہیں جبکہ چند آدمی موسیٰ خان کے ساتھ ہیں۔ تم لوگ فکر مت کرو، میرے ساتھ آؤ۔" محمد عمر نے کہا اور وہ سب ایک طرف بھاگتے چلے گئے۔

تقریباً دو گھنٹوں تک ویرانہ فائرنگ کی خوفناک آوازوں سے گونجتا رہا اور یہ فائرنگ اس وقت رکی تھی جب موسیٰ خان اور اس کے سارے ساتھی ختم ہو گئے تھے۔ پتھروں میں مختلف جگہوں پر لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دیں البتہ ان کا اسلحہ جمع کر لیا اور غار کے سامنے کھلی جگہ پر آگئے۔ محمد عمر گروہ کے آدمیوں کو بتا رہا تھا کہ جھگڑا کس طرح شروع ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر شارق بروقت نہ پہنچ جاتا تو شاہ پری کی عزت لٹ چکی ہوتی۔ طور خان اور اس کے ساتھیوں نے روایات سے غداری کی تھی۔ مہمانوں کے ساتھ زیادتی کر کے افغان قوم کو رسوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو ان کے جرم کی سزا مل گئی۔

محمد عمر نے شارق کو ہیرو بنا کر ان کے سامنے پیش کیا تھا اور پھر سب نے متفقہ طور پر شارق کو گروہ کا سردار تسلیم کر لیا۔ شارق کا دماغ گھوم گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قسم کی صورتحال بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ گروہ کے لوگ شارق کے نام کے نعرے لگا رہے تھے اور پھر سب نے اپنی رائفلیں شارق کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ یہ اسے باقاعدہ سردار تسلیم کرنے کا اعلان تھا۔

شارق پیشہ ور ڈاکو نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ گروہ کا سردار بننے کا مطلب کیا ہے۔ وہ یہاں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ساری زندگی یہاں نہیں رہنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس چکر میں پھنس کر یہاں آیا تھا۔ ملک بھر کی پولیس ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس ملک سے نکل جانا چاہتا تھا مگر خونیوں کے اس گروہ کی سرداری قبول کر لینے کا مطلب تھا کہ وہ لوگ یہیں پھنس کر رہ جائیں اور کبھی واپس نہیں جائیں گے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نولکھا نے اس کے پیر پر پیر رکھ دیا اور سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بھائیو..... شارق باؤ نے گروہ کی سرداری قبول کر لی ہے۔ تم سب کو بہت مبارک ہو۔ اب یہاں کوئی طور خان اور موسیٰ خان پیدا نہیں ہوگا۔ شارق باؤ ایسا آدمی ہے جو دوسروں کے لیے جان دے سکتا ہے۔ دوسروں کی عزت بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔ یہ اپنے فرض سے کبھی غداری نہیں کرے گا اور تم سب کا خیال رکھے گا۔"

فضا ایک بار پھر سردار زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

"زندہ باد کی بات چھوڑو یار۔" نولکھا نے کہا۔ "کوئی کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ تازہ گوشت لاؤ کہیں سے، سوکھا ہوا گوشت کھا کھا کر طبیعت خراب ہونے لگی ہے۔"

"آج ہم تمہیں تازہ گوشت کھلائیں گے۔" محمد عمر نے کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ محفل برخاست ہو گئی۔ محمد عمر کے کہنے پر دو تین آدمی رائفلیں لے

aazzamm@yahoo.com

کر پہاڑوں میں چلے گئے۔

"ان پہاڑوں میں کہیں کہیں جنگلی بکرے بھی ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ ایک دو بکرے شکار کیے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔" محمد عمر نے کہا۔

وہ لوگ کچھ دیر تک باہر ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر شارق اپنے ساتھیوں کو لے کر غار کے اندر آگیا۔

"تم نے بہت برا کیا نولکھے۔" شارق نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں سردار نہیں بننا چاہتا تھا۔ جانتے ہو سرداری کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "جب ان لوگوں نے تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیا ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ سردار بننے کا سب سے بڑا فائدہ ہمیں یہ ہوا ہے کہ اب ہم ہر لحاظ سے محفوظ ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص اب شاہ پری یا ثمینہ بی بی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اب ہمیں ان لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی سے نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔ ایک دو دن بعد ہمیں یہاں سے نکلنے کا پروگرام بنانا چاہیے۔"

"ہاں۔ یہ بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" شارق بولا۔

"محمد عمر شریف آدمی ہے' اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے اعتماد میں لو اور اس کے ساتھ مل کر یہاں سے نکلنے کا پروگرام بناؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس گروہ سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"ہاں۔ محمد عمر واقعی ایک شریف آدمی ہے۔" شارق نے کہا۔ "آج شاہ پری کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا' وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر اس میں شرافت نہ ہوتی تو وہ ہمارا ساتھ دینے کے بجائے طور خان کا ساتھ دیتا۔ وہ ہمارے پیچھے تھا۔ آسانی سے ہمیں گولیوں سے چھلنی کر سکتا تھا لیکن یہ اس کی شرافت تھی کہ اس نے شاہ پری کی عزت بچانے کے لیے ہمارا ساتھ دیا۔ ہم ان سب کے لیے غیر ہیں۔ آؤٹ سائیڈ ہیں لیکن ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لیے ہمارا ساتھ دے کر اس نے شرافت کا ثبوت دیا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔"

اس کے تقریباً دو گھنٹے بعد محمد عمر بھی غار کے اندر آگیا۔ اس نے بتایا کہ گروہ کے جو آدمی شکار کرنے گئے تھے' وہ پہاڑی بکرے شکار کر کے لائے ہیں اور آج رات جشن منایا جائے گا۔

اس رات واقعی جشن منایا گیا۔ غار کے سامنے کھلی جگہ پر آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا اور دونوں بکرے مسلم اس پر بلونے جانے لگے۔

الاؤ پر بکروں کا روسٹ بہت ہی لذیز بنا تھا۔ دستور کے مطابق سب سے پہلے سردار کو بکرے کا گوشت پیش کیا گیا اور پھر دوسروں میں تقسیم کیا گیا۔

گروہ کے تین چار آدمیوں نے رقص شروع کر دیا اور باقی اونچی آواز میں کوئی گیت گا رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد جشن کے اختتام سے پہلے شارق نے یہ اعلان کر دیا کہ محمد عمر نائب سردار ہے اور دوسروں کے لیے اس کی ہر بات کو حکم کا درجہ حاصل ہوگا۔ گروہ کے آدمیوں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

جشن کے اختتام پر شارق نے محمد عمر کو اپنے پاس بلا لیا۔ غار کے اس حصے میں نولکھا وغیرہ بھی موجود تھے۔ وہ لوگ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے' پھر شارق اصل موضوع پر آگیا۔

"اب کیا پروگرام ہے محمد عمر؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے محمد عمر کی طرف دیکھا۔

"جو تم کہو گے اس پر عمل ہوگا سردار۔" محمد عمر نے کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ تم قندھار کے رہنے والے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں۔" محمد عمر نے مختصر سا جواب دیا۔

"تمہیں اپنے گھر والے یاد نہیں آتے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارے ماں باپ' بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار بھی ہوں گے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تمہاری بیوی اور....."

"شارق بھائی۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"میرے لیے سب کچھ خواب و خیال بن کر رہ گیا ہے۔ میرے ماں باپ بھی ہیں اور بہن بھائی بھی۔ میری شادی بھی ہوئی تھی۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ چند مہینے ہی رہ سکا تھا۔ وہ ان دنوں بیمار تھی۔ میں اس کے لیے دوا لینے گیا تھا اور پھر مجھے گھر واپس جانا نصیب نہ ہوا۔"

"تمہارا دل تو ان لوگوں سے ملنے کو چاہتا ہوگا۔" شارق نے پوچھا۔

"چاہنے سے کیا ہوتا ہے جبکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں قندھار کی حدود میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ قندھار کیا' کسی شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پورے ملک کی پولیس کو میری تلاش ہے۔ البتہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں میں اپنے گھر والوں سے مل سکتا ہوں۔" محمد عمر نے کہا۔

"وہ کونسی جگہ ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئٹہ۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"کوئٹہ۔ مگر یہ تو پاکستان کا شہر ہے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔" محمد عمر نے کہا۔ "کوئٹہ میں بھی ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ آباد ہیں۔ اگر میں کوئٹہ

aazzamm@yahoo.com

پہنچ جاؤں تو اپنے گھر والوں کو وہاں بلا سکتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ میں کوئٹہ بھی نہیں جا سکتا۔ یہ ملک میرے لیے ایک ایسا پنجرہ بن گیا ہے جہاں سے میں نکل نہیں سکتا۔"

"تم اگر چاہو تو میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھے اس گروہ کا سردار تو بنا دیا ہے لیکن تم جانتے ہو کہ ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔ ساری زندگی ان پہاڑوں میں نہیں گزار سکتے۔ تم ہی ہمارا ساتھ دو ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ تم نے ہی بتایا تھا کہ ہم سروبی اور گورمل کے راستے پاکستان کے علاقے جنوبی وزیرستان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہی چلو۔"

"ہو تو سکتا ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "مگر اس سے پہلے ہمیں ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا پڑے گا۔ ان لوگوں کو جب یہ پتہ چلے گا کہ ہم انہیں چھوڑ کر اس ملک سے نکلنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو یہ لوگ ہمیں جان سے مار دیں گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ آج ہی تم نے ان لوگوں کے سامنے یہ قسم کھائی ہے کہ زندگی کے آخری سانس تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ہم فرار کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو یہ ہمیں غدار قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں پتہ کیسے چلے گا؟" شارق نے کہا۔ کہ "ہم ایک دو دن بعد ان پہاڑوں سے نکلیں گے اور انہیں کچھ بتائے بغیر سروبی کی طرف بڑھتے رہے گے۔"

"اس کے لیے ہمیں باقاعدہ منصوبہ بنانا پڑے گا۔" محمد عمر نے کہا۔ "میں کچھ سوچ لوں، تم بھی سوچو۔ ہم کل اس مسئلے پر بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "لیکن یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ تمہیں شہر قندھار سے فرار کیوں ہونا پڑا تھا؟"

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سناؤ یار۔" نولکھا نے پہلی مرتبہ ان کی گفتگو میں مداخلت کی۔ "کوئی آدمی ماں کے پیٹ سے مجرم پیدا نہیں ہوتا۔ اسے حالات مجرم بنا دیتے ہیں۔ کوئی مجبوری اسے جرم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ہوا ہوگا۔ ذرا بتاؤ تو ہم بھی سنیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو بھائی نولکھا۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں وہ رات کبھی نہیں بھولوں گا۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میرا تعلق قندھار شہر کے ایک کھاتے پیتے گھرانے سے ہے۔ میری بیوی کا تعلق ایک دوسرے قبیلے سے تھا۔ ہم دونوں کی شادی قبیلے کے بزرگوں کی رضامندی سے ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس

طرح رشتے ناطے ہو جانے سے قبیلوں کے تعلقات مضبوط ہوں گے۔"

"اس رات میری بیوی بیمار تھی۔ میں دوا لینے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ اس وقت شاید رات کے دس بجے تھے۔ سردی کا موسم تھا اور بازار تقریباً سنسان ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر کا مطب بند تھا۔ اس کا گھر چار سو کے دوسری طرف تھا۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ ابھی چار سو پر پہنچا ہی تھا کہ مجھے رک جانا پڑا۔ دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاقو تھا اور دوسرا نہتا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کرانا چاہا مگر اس دوران چاقو والا آدمی اپنے حریف پر وار کر چکا تھا۔ میں نے دوڑ کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ بھاگ نکلا۔ میں اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چاقو اس کے سینے میں پیوست تھا اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور چاقو کو دستے سے پکڑ کر اس کے سینے سے کھینچ لیا۔

چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ وہ آدمی میرے سامنے تڑپ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میں اپنی بیوی کی دوا لینے کے لیے خود ڈاکٹر کی تلاش میں نکلا تھا۔ اس کی کیا مدد کر سکتا تھا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پولیس والوں نے مجھے گھیر لیا۔ اس وقت زخمی نے بھی دم توڑ دیا اور پولیس نے مجھے اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔

میں بے گناہ تھا مگر کسی نے میری بے گناہی کا یقین نہیں کیا۔ تمام ثبوت میرے خلاف تھے۔ لاش سامنے پڑی تھی، چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ ان دو چیزوں کے علاوہ کسی مزید ثبوت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مجھے جیل میں بند کر دیا گیا۔

میں چھ مہینے تک جیل میں بند رہا۔ اس دوران مجھے عدالت میں بھی پیش نہیں کیا گیا۔ لگتا تھا قانون کے محافظ مجھے جیل میں ڈال کر بھول گئے ہیں۔ اسی دوران جیل میں میری ملاقات ایک ایسے قیدی سے ہوئی جو قتل کے الزام میں سزا بھگت رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا تھا اور عدالت سے اسے دس سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ وہ دو سال بھگت چکا تھا۔

احمد شاہ نامی وہ قیدی جوان تھا اور زندگی کا اتنا طویل حصہ جیل میں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان دنوں جیل سے فرار کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس نے مجھے بھی اپنے منصوبے میں شریک کر لیا۔ میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی، وہ قاتل تھا اور جیل سے بھاگنا چاہتا تھا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن مجھے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ میں بھی احمد شاہ کے منصوبے میں شامل ہو گیا۔

اور پھر ایک رات ہم جیل سے فرار ہو گئے۔ فرار کی کوشش میں جیل کا ایک سپاہی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ جب میں احمد شاہ کے منصوبے میں شریک ہوا تھا تو میرا خیال تھا کہ میں جیل سے

aazzamm@yahoo.com

فرار ہو کر سرحد عبور کر کے چمن اور پھر کوئٹہ چلا جاؤں گا اور اپنے گھر والوں کو بھی وہیں بلا لوں گا لیکن سپاہی کے قتل سے میں بدحواس ہو گیا۔ احمد شاہ بھی گھبرا گیا تھا۔ اس گھبراہٹ اور بدحواسی میں ہم غلط راستہ پر نکل گئے اور قندھار کا رخ کرنے کے بجائے ہرات کی طرف جانے والے راستہ پر ہو لیے اور اس کا احساس ہمیں بہت بعد میں ہوا تھا۔

قندھار سے چند میل دور نکل جانے کے بعد ہمیں ایک مال بردار ٹرک مل گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے ہمیں لفٹ دیدی لیکن راستے میں ایک جگہ ٹرک رکوا کر احمد شاہ نے ڈرائیور کو قتل کر دیا۔ کلینر کا گلا میں نے گھونٹ دیا تھا۔ اب میرے ہاتھوں دو قتل ہو چکے تھے۔ میرے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ میں احمد شاہ کا ساتھ دینے پر مجبور تھا۔

ہرات سے چند میل پہلے دو پولیس والوں نے ہمارا ٹرک رکوا لیا۔ وہ ٹرک کے کاغذات چیک کرنا چاہتے تھے لیکن ہمارے پاس کاغذات نہیں تھے۔ اگر کسی قسم کے کاغذات تھے بھی تو وہ ڈرائیور کے پاس تھے اور اس کے پاس رہ گئے تھے۔

وہ دونوں پولیس والے بھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے اور ہمیں وہ ٹرک بھی چھوڑنا پڑا۔ ہرات شہر میں داخل ہو کر ہم تین چار روز احمد شاہ کے ایک دوست کے گھر میں چھپے رہے۔ احمد شاہ نے مجھے بتایا تھا کہ ہرات کے قرب و جوار میں باغیوں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ ان سے رابطہ کرنا چاہتا تھا اور اس نے گروہ کے سرغنہ کو پیغام بھی بھجوا دیا تھا اور جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

بالآخر ہمیں پیغام مل گیا۔ باغیوں کے گروہ کے دو آدمی ہمیں لینے کے لیے آئے تھے۔ اس رات ان کے ساتھ شہر سے نکلتے ہوئے پولیس نے ہمیں گھیر لیا۔ بڑا زبردست مقابلہ ہوا تھا۔ احمد شاہ اس مقابلے میں مارا گیا۔ گروہ کے دونوں آدمی مجھے اپنے ساتھ لے کر پہاڑوں میں پہنچ گئے۔

اس گروہ میں شامل ہونے کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ وہ سب لوگ خونی اور قاتل تھے۔ طور خان مجھ سے تقریباً دو ہفتے پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ تاجک تھا اور طویل عرصہ سے افغانستان میں رہ رہا تھا۔ اس نے تاجکستان میں بھی چند قتل کیے تھے اور کابل میں بھی دو تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

○

طور خان شروع ہی سے گروہ کا سردار بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ہمارا یہ گروہ وارداتیں کرتا ہوا کابل کے قریب سے گزر کر گردیز کی طرف آگیا۔ کچھ عرصہ پہلے طور خان کو موقع مل گیا اور اس نے گروہ کے سردار کو قتل کر دیا۔ موسیٰ خان کو اس نے اپنا نائب بنا لیا تھا لیکن عرصہ سے

موسیٰ خان بھی سردار بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

میں اس گروہ سے نکلنا چاہتا تھا لیکن جرائم کی دلدل میں اس قدر دھنس گیا تھا کہ اب میرا نکلنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس دوران تم لوگ آگئے۔ اس روز شاہ پری کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا' وہ پہلی مثال نہیں تھی۔ شاہ پری کی قسمت اچھی تھی' وہ بچ گئی۔ اس سے پہلے آنے والی کوئی لڑکی ان کی ہوس سے نہیں بچ سکی تھی۔

"میں نے تم لوگوں کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ تم لوگ شریف ہو۔ بلاوجہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ میں نے بھی تم لوگوں کا ساتھ اسی لیے دیا تھا۔ اب تم اس گروہ کے سردار ہو۔ اب یہاں تمہارا حکم چلے گا۔ ان آدمیوں میں اب کوئی بھی ایسا نہیں رہا جو تمہارے کسی حکم کی سرتابی کر سکے۔"

"اس دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے محمد عمر۔" نولکھا نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "تم نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن تمہیں مجرم بنا دیا گیا۔ ہم بھی ایسے ہی ہیں۔ شوقیہ طور پر اس لائن میں نہیں آئے۔ ہمیں اس طرف دھکیلا گیا ہے۔ ہم بھی اگر چاہیں تو اپنے اوپر لگے ہوئے یہ داغ نہیں مٹا سکتے۔"

"ٹھیک ہے محمد عمر۔" شارق نے کہا۔ "کل بات کریں گے۔ اب تم بھی جا کر سو جاؤ۔"

محمد عمر اٹھ کر چلا گیا۔ شارق نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اور شاہ پری سو چکی تھیں۔ وہ بھی دیوار کے ساتھ نیم دراز ہو گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

○

انہیں زراوک کے پہاڑوں سے نکلے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ ان تین دنوں میں شارق نے عقلمندی کا ایک کام یہ کیا تھا کہ گروہ کے دوسروں آدمیوں کو ارغون کی طرف بھیج دیا تھا اور وہ لوگ خود ارغون شہر کے میلوں دور سے گزرتے ہوئے سروبی کی طرف آگئے تھے۔ گروہ کے آدمیوں سے پیچھا چھڑانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ محمد عمران کے ساتھ تھا جو راستے کی رہنمائی کر رہا تھا۔

اس رات انہوں نے ایک ندی کے کنارے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ علاقہ سرسبز تھا اور یہاں درختوں کی بہتات تھی۔ سانپ' بچھوؤں اور دیگر زہریلے کیڑے مکوڑوں کا بھی اندیشہ تھا۔ ندی سے ذرا ہٹ کر انہوں نے تھوڑی سی جگہ صاف کر لی تھی۔ رات کے کھانے میں صرف سوکھا ہوا گوشت تھا جو آگ پر بھون لیا گیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

کھانے کے بعد وہ لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ثمینہ اور شاہ پری سو گئی تھیں۔ نولکھا بھی اونگھنے لگا تھا۔ شارق اور محمد عمر اس کے بعد بھی کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر محمد عمر بھی اونگھنے لگا۔

شارق کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں سے تقریباً تین گز دور ندی کے کنارے پر بیٹھ گیا اور چاندنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ شارق کا ذہن ماضی کی طرف پرواز کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیا تھا اور کیا بن چکا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ افغانستان میں کسی ایسے گروہ کا سردار بن سکتا ہے جس کا ہر شخص ایک نہیں کئی کئی افراد کے قتل میں ملوث ہے۔ یہ لوگ انسان نہیں وحشی تھے۔ انسانی زندگی کی ان کے نزدیک کوئی قیمت نہیں تھی۔

شارق کو وہ طوفانی رات یاد آگئی جب اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ کو بیدردی سے قتل کیا گیا تھا اور اس کو قتل کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔

جیل سے نکلنے کے بعد وہ شریفانہ زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن قانون کے محافظ اس کے راستے کی رکاوٹ بن گئے تھے۔ وہ پہلے تو یہ دکھ جھیلتا رہا۔ پھر اپنے راستے کی تمام رکاوٹیں ہٹاتا چلا گیا اور وہ مجرم بن گیا۔ پھر ثمینہ اس کی زندگی میں داخل ہوئی۔ وہ ثمینہ کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ثمینہ بھی اس دلدل میں پھنس جائے۔ وہ اسے ان معاملات سے دور ہی رکھنا چاہتا تھا لیکن حالات اس طرح کروٹ بدلتے گئے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ثمینہ اس دلدل میں پھنستی چلی گئی۔

ماجھا گجر اور لاہور کے دس منشیات فروشوں کے معرکے اور پھر حاجی سے ملاقات۔ حاجی بہت بڑا بین الاقوامی اسمگلر تھا۔ پوری دنیا میں اس کے رابطے تھے۔ شارق اس کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ حاجی بظاہر شارق کی دوستی کا دعویدار تھا لیکن افغانستان کی مہم پر بھیج کر دراصل حاجی نے اس کے قتل کی سازش کی تھی۔ ملک طوطی خان نے ملک فرید خان اور حاجی کے بارے میں جو انکشافات کیے تھے' وہ بڑے بھیانک تھے لیکن بہرحال وہ اس گھناؤنی سازش سے بچ نکلا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ لاہور پہنچتے ہی سب سے پہلے حاجی سے نمٹے گا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے شارق کو مریم اور رضیہ کا خیال آگیا۔ مریم نے اس کے لیے بڑے دکھ جھیلے تھے۔ اس نے اگرچہ مریم اور رضیہ کے لیے ایسا بندوبست کر دیا تھا کہ آئندہ زندگی میں انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ حاجی والا مکان رضیہ کے نام منتقل ہو چکا تھا۔ گاڑی بھی موجود تھی۔ مریم اور رضیہ کے نام لاکھوں کا بینک بیلنس بھی تھا لیکن اب اسے خیال آرہا تھا کہ حاجی نے ان کے

ساتھ بھی کوئی زیادتی نہ کی ہو۔

شارق نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ایسی کوئی صورتحال ہوئی تو وہ حاجی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے شارق وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا۔ وہ ایک پتھر سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ اس نے ٹانگیں سامنے کی طرف پھیلا لیں اور نیم دراز سا ہو گیا۔

وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ میٹھی میٹھی باتیں کر رہے تھے اور پھر ثمینہ نے اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ثمینہ نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ثمینہ کے احمریں ہونٹ اس کے سامنے تھے۔ شارق نے اپنا چہرہ نیچے جھکایا' فاصلہ کم ہوتا گیا۔ ثمینہ اس سے لپٹ گئی۔ اس نے شارق کو اپنی بانہوں میں لپیٹ لیا۔

اور پھر دفعتاً" شارق کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس گھٹ رہا ہوں۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول لیں۔ وہ اب بھی کسی کی بانہوں کی لپیٹ میں تھا گرم گرم سانس اس کے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ شارق نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا اور پھر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ ثمینہ نہیں' شاہ پری تھی جو اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک دلچسپ حقیقت کا سامنا کر رہا تھا۔

شارق کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انگلی دانتوں میں داب لی۔

"تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے۔" اس کی سماعت سے شاہ پری کی گنگناتی ہوئی سی آواز ٹکرائی۔ "میں کوئی خواب نہیں ہوں' حقیقت ہوں۔"

"لل..... لیکن..... تم یہاں..... کیوں آئی ہو....." شارق ہکلایا۔ "کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔"

"سب لوگ سو رہے ہیں گہری نیند۔" شاہ پری نے کہا۔ اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"مم..... مگر....."

"اگر مگر کچھ نہیں۔" شاہ پری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پہلی مرتبہ جب میں نے تمہیں اپنے بابا کے گھر میں دیکھا تھا تو تم اسی وقت مجھے پسند آگئے تھے۔ میں تمہیں چاہنے لگی تھی لیکن کبھی موقع نہ مل سکا کہ تمہارے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔ میں ثمینہ سے بھی ڈرتی تھی لیکن اس روز تم نے میری عزت بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ میں تم پر بھروسہ کر سکتی تھی۔ تم ہی وہ شخص ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ تم پہلے شخص ہو جس نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"لیکن اگر کسی نے تمہیں یہاں میرے پاس دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی اور ثمینہ تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔" شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ثمینہ تمہاری بیوی نہیں ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ "میرا بھی تم پر اتنا ہی حق ہے جتنا ثمینہ کا۔"

"اوہ!" شارق اس کی بات سن کر چونک گیا۔ "ثمینہ تمہارا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ تم اس کے حق پر ڈاکہ مار رہی ہو تو وہ تمہارے بارے میں کیا سوچے گی۔"

"میں اس کی سوچوں پر پابندی نہیں لگا سکتی۔" شاہ پری نے کہا۔ "میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہیں چاہنے کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ثمینہ کو۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم وہی شاہ پری ہو جو....."

"میں وہی ہوں۔" شاہ پری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "عورت کے دل میں جب پیار جاگتا ہے تو وہ بے باک ہو جاتی ہے۔ اسے کوئی ڈر خوف نہیں رہتا۔"

"تو تم بے خوف ہو کر یہاں آئی ہو۔" شارق مسکرایا۔

"ہاں۔" شاہ پری نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے دل میں کسی کا ڈر خوف نہیں رہا۔ میں بہت دنوں سے تم سے بات کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھی اور بالآخر آج موقع مل گیا۔"

"تم نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا ہے شاہ پری۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال اب تم جاؤ۔ اگر کسی کی آنکھ کھل گئی اور تمہیں میرے پاس دیکھ لیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس وقت تو جا رہی ہوں لیکن دوسری مرتبہ تم مجھے اس طرح نہیں بھگا سکو گے۔" شاہ پری نے کہا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

شاہ پری چند لمحے وہاں کھڑی رہی۔ پھر ایک مختصر سا چکر کاٹ کر پڑاؤ کی طرف جانے لگی۔ شارق اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ چند سیکنڈ بعد شاہ پری جھاڑی کے پچھلی طرف جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

شارق اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی تمام تر توجہ پڑاؤ کی طرف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی جاگ رہا ہوگا اور اس نے شاہ پری کو دیکھ لیا تو وہ اس سے ضرور پوچھے گا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ شارق کو سب سے زیادہ اندیشہ ثمینہ کی طرف سے تھا لیکن کئی منٹ گزر گئے۔ کوئی آواز سنائی نہیں دی جس کا مطلب تھا کہ سب لوگ سوئے ہوئے تھے۔

شارق کی اب نیند اڑ گئی تھی۔ اس کے لیے سوچ کی نئی راہیں کھل گئی تھیں۔ اسے شاہ پری

کی ہمت پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شاہ پری کوئی ایسا قدم اٹھائے گی۔

شاہ پری نے کہا تھا کہ وہ پہلی مرتبہ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھی اور آج موقع ملتے ہی اس نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا لیکن اس کے اس اقدام سے خود شارق کا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔

ثمینہ شارق کی پہلی محبت تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ لاہور سے فیصل آباد جاتے ہوئے اس نے پہلی مرتبہ ثمینہ کو بس میں دیکھا تھا اور اسی وقت اپنا دل ہار بیٹھا تھا اور پھر ثمینہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس نے کیا کیا جتن کیے تھے اور ثمینہ نے بھی اس کے لیے کتنی قربانیاں دی تھیں۔ سب سے پہلے وہ اپنے کالج میں رسوا ہو گئی۔ ماں باپ کی رسوائی کا باعث بنی۔ اس نے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ سب کچھ چھوڑ دیا اور شارق کے ساتھ جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی گئی۔ ایک وہ وقت بھی آیا تھا جب لاہور کی زیرزمین دنیا پر ثمینہ کے نام کی دہشت تھی۔ ماجھا گجر جیسے لوگ ثمینہ کے نام سے کانپتے تھے اور ثمینہ نے اس کا جو حشر کیا تھا' وہ بھی لاہور والوں نے دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ نے اس کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور اب شاہ پری اس کی محبت میں دعویدار بن گئی تھی اور شارق سوچ رہا تھا کہ اگر ثمینہ کو اس کا پتہ چل گیا تو واقعی قیامت ہی آجائے گی۔ ثمینہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکے گی کہ کوئی اور لڑکی اپنی زبان سے شارق کا نام لے۔

شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ دیر تک ندی کے پاس کھڑا رہا' پھر اپنے پڑاؤ میں آگیا۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا اپنی جگہ پر آگیا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر ثمینہ کے قریب لیٹی ہوئی شاہ پری نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ شارق بھی اس کی طرف دیکھتا ہوا نولکھا کے قریب لیٹ گیا۔ شاہ پری اپنی جگہ پر لیٹی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شارق کے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ شاہ پری کی حرکت نے اسے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ یہ صورتحال آگے چل کر اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ تو اس نے سوچا کہ شاہ پری کو سمجھانے کی کوشش کرے گا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شاہ پری سمجھنے والی نہیں تھی۔ اس نے جس بے باکانہ انداز میں اپنی محبت کا اظہار کیا تھا' اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اپنا اٹھا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹائے گی۔ وہ شارق سے محبت کو اپنا حق سمجھ رہی تھی اور اس حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اس کے خیال میں شارق پر اس کا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا ثمینہ کا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے سو گیا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو دھوپ نکل چکی تھی۔ نولکھا اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ پری اور ثمینہ کچھ دور ندی کے کنارے پر بیٹھی تھیں اور محمد

aazzamm@yahoo.com

عمر خشک گوشت بھوننے کے لیے آگ جلا رہا تھا۔

شارق بھی اٹھ کر ندی کے کنارے پر آگیا اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ شاہ پری بار بار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ لوگ گھوڑوں پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ شارق کو یہ دیکھ کر بالکل حیرت نہیں ہوئی کہ شاہ پری نے اپنا گھوڑا اس کے گھوڑے کے برابر کیا ہوا تھا۔ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ اسے مسلسل نظرانداز کر رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر ثمینہ نے کوئی بات محسوس کر لی تو وہ قیامت مچا دے گی۔

دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے ایک جگہ پر رکے تھے۔ کھانا کھاتے ہی انہوں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا تھا۔ تقریباً پانچ بجے کے لگ بھگ وہ ایک وادی میں پہنچ گئے۔ یہ بھی سرسبز علاقہ تھا۔ بلندی سے یہ وادی بہت حسین لگ رہی تھی۔ درختوں میں جا بجا ندیاں بہتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"وادی میں اترا جائے یا یہیں پڑاؤ ڈال دیا جائے؟" شارق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے یہی جگہ مناسب رہے گی۔" محمد عمر نے ایک طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ چٹان اوپر سے سائبان کی طرح آگے کو نکلی ہوئی ہے' ہم وہاں اپنا پڑاؤ ڈال سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر یہیں رک جائیں۔" شارق نے کہا اور ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً" وہ چونک گیا۔ شاہ پری ان کے ساتھ نہیں تھی۔ "ارے شاہ پری کہاں گئی؟"

"میرا خیال ہے پیچھے رہ گئی ہوگی۔" نولکھا نے کہا اور شاہ پری کو آوازیں دینے لگا۔

ثمینہ اور شارق بھی شاہ پری کو پکارنے لگے لیکن کوئی جواب نہیں ملا اور پھر اچانک ہی خاموش فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ وہ سب چونک گئے۔ آواز پہاڑوں میں گونج رہی تھی اور یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ گولی کس طرف سے چلی تھی۔

"شاہ پری.....شاہ پری.....کہاں ہو تم؟" ثمینہ نے بھیجروں کی پوری قوت سے چیخ کر پکارا۔

محمد عمر اور نولکھا نے اپنے گھوڑوں کو ایک طرف بڑھا دیا۔ شارق اور ثمینہ یہیں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔

تقریباً دس منٹ بعد شاہ پری ایک چٹان کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔ وہ پیدل چل رہی تھی اور ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ گھوڑے پر ایک پہاڑی بکرا لدا ہوا تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

"ارے! تم کہاں رہ گئی تھیں؟ ہم تو پریشان ہو گئے تھے اور یہ کیا ہے؟"

"مجھے یہ بکرا نظر آگیا تھا۔" شاہ پری نے گھوڑے پر لدے ہوئے زخمی بکرے کی طرف اشارہ کیا۔ "تم لوگ بہت آگے نکل چکے تھے۔ میں نے سوچا کہ رات کے کھانے کا بندوبست کر لیا جائے لیکن یہ بکرا بھی بہت دور نکل گیا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا اور بالآخر اسے شکار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔"

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔" ثمینہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "خشک گوشت کھا کھا کر تو ہم تنگ آچکے تھے۔"

شارق اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور شاہ پری کے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ شاہ پری نے بکرے کو ایک رسی سے باندھ رکھا تھا۔ اس نے رسی کھول کر بکرے کو نیچے اتار لیا۔ گولی بکرے کی گردن کے قریب لگی تھی۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ خاصا جاندار بکرا تھا جو گردن پر گولی کھانے کے بعد بھی زندہ تھا۔ شارق نے اسے زمین پر ڈال دیا اور جیب سے چاقو نکال کر تکبیر پڑھتے ہوئے بکرے کی شہہ رگ پر دھار پھیر دی۔ اس دوران نولکھا اور محمد عمر بھی واپس آگئے۔ بکرا دیکھ کر انہیں خاصی حیرت ہوئی تھی اور پھر انہیں یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی کہ یہ بکرا شاہ پری نے شکار کیا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد محمد عمر اور نولکھا اس بکرے کی کھال اتار رہے تھے جبکہ ثمینہ اور شاہ پری ادھر ادھر بکھری ہوئی لکڑیاں جمع کرنے لگیں۔

نولکھا اور محمد عمر نے بکرے کے ٹکڑے کاٹ لیے۔ نولکھا اس طرح چاقو چلا رہا تھا جیسے وہ خاندانی قصائی ہو۔

کئی روز بعد اس رات انہوں نے تازہ گوشت کھایا۔ نولکھا کا موڈ آج قدرے بہتر تھا۔ وہ بار بار اونچی آواز میں ماہیا گانے لگتا اور کبھی کوئی فلمی گیت گنگنانے لگتا۔ اس کا موڈ خوشگوار ہونے کی وجہ شاید یہ تھی کہ اب اسے امید ہو چکی تھی کہ وہ اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اپنے وطن میں بھی پولیس اس کی تاک میں ہوگی لیکن مٹی کی کشش تھی۔ اسے اپنے وطن کی مٹی سے پیار تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ مرے گا تو اپنے ہی وطن کی مٹی میں دفن ہوگا۔

اس رات وہ سب دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شارق اگرچہ شاہ پری کے عین سامنے بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کترا رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ثمینہ کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔

دوسرے دن سفر کے دوران شاہ پری' شارق سے بات کرنے کا موقع تلاش کرتی رہی اور بالآخر ایک مرتبہ اسے موقع مل ہی گیا۔ ثمینہ اس وقت نولکھا کے ساتھ ان سے کافی آگے تھی۔

aazzamm@yahoo.com

ان میں تقریباً بیس گز کا فاصلہ تھا۔ محمد عمر سب سے آگے تھا۔ شاہ پری نے موقع پا کر اپنا گھوڑا شارق کے گھوڑے کے قریب کر لیا۔

"کیا بات ہے تم مجھ سے بات کرنے سے کیوں کترا رہے ہو؟" شاہ پری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو شاہ پری۔" شارق نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "ثمینہ میری بیوی نہیں ہے لیکن میں اسے دھوکا نہیں دینا چاہتا۔ ہم دونوں کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ بہت قربانیاں دی ہیں۔ اس نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ میری خاطر وہ مجرم بن گئی۔ تمہیں شاید یقین نہیں آئے گا۔ ثمینہ اس وقت پاکستانی پولیس کو سب سے زیادہ مطلوب ہے۔ میری خاطر وہ کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہے۔ میں اسے دھوکا کیسے دے سکتا ہوں۔ اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟"

"میں نے کب کہا ہے کہ اسے دھوکا دو اور اسے چھوڑ دو۔" شاہ پری نے کہا۔ "میں تو تمہاری تھوڑی سی توجہ چاہتی ہوں۔ تھوڑی سی محبت....."

"لیکن جب ثمینہ کو پتہ چلے گا تو اسے کتنا دکھ ہوگا۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ دنیا کی کوئی عورت اپنی محبت میں کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر تمہارے ساتھ یہ ہو تو کیا تم برداشت کر لو گی؟"

"کبھی نہیں....." شاہ پری نے جواب دیا۔ "لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں شارق۔ شاید میں پہلی عورت ہوں جس نے اتنی ڈھٹائی سے اپنے دل کی بات کہی ہے۔ اب میں تم سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم ثمینہ کو چھوڑ دو لیکن تمہارا تھوڑا سا....."

"کیا تم سمجھتی ہو کہ دو تلواریں ایک نیام میں رہ سکتی ہیں؟" شارق بولا۔

"تم اگر چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

شارق کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ثمینہ کو اپنا گھوڑا موڑتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ثمینہ اپنے گھوڑے کو ان کے قریب لے آئی اور ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے۔ تم لوگ بہت پیچھے رہ گئے ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں شاہ پری سے پوچھ رہا تھا کہ آئندہ کے لیے اس کا کیا پروگرام ہے۔ ہم تو سرحد پار کر کے اپنے ملک چلے جائیں گے' یہ کہاں جائے گی؟"

"کہاں جائے گی۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "افغانستان میں اس کے اور بھی تو رشتہ دار ہوں گے۔ یہ ان میں سے کسی کے پاس جا سکتی ہے اور اگر یہ ہمارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

"یہ فیصلہ کرنا تو شاہ پری کا کام ہے کہ وہ افغانستان میں رہے گی یا ہمارے ساتھ جانا چاہے گی۔" شارق نے یہ کہتے ہوئے شاہ پری کی طرف دیکھا۔

"افغانستان میں اب میرا کون ہے؟" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ماں نے تم لوگوں کے سامنے دم توڑ دیا۔ باپ اور بھائی ملک طوطی خان کی حویلی میں پولیس کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے تو تم ہی لوگوں کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ اب میں تم لوگوں کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے ساتھ نہ لے جانا چاہو تو....."

"نہیں شاہ پری۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم تمہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ تم ہمارے ساتھ چلو گی' ہمارے ساتھ رہو گی۔"

"کیا واقعی؟" شاہ پری کا لہجہ عجیب سا تھا۔ "شارق کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"شارق کو اعتراض کیوں ہوگا۔" ثمینہ نے کہا۔ "اسے تو اور زیادہ خوشی ہوگی۔" شارق چونک گیا۔ کیا ثمینہ کو ان پر شبہ ہو گیا ہے؟ کیا اس نے یہ بات طنزیہ طور پر کہی تھی یا ویسے ہی کہہ رہی تھی؟

وہ رات بھی انہوں نے ایک چٹان کے دامن میں گزاری تھی۔ شاہ پری کی باتوں نے شارق کو کچھ اور بدحواس کر دیا تھا۔ شاہ پری اس معاملے میں جس قدر بے باک ہو رہی تھی' اسے دیکھتے ہوئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دو چار روز میں کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپ سکتیں۔ وہ خود چاہے کتنا ہی محتاط رہے' شاہ پری کی باتیں اور حرکتیں اس کا راز کھول دیں گی۔

دو دن اور گزر گئے۔ وہ لوگ سروبی نامی شہر سے چند میل کے فاصلہ پر تھے۔ ان کے پاس کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے دوپہر کے وقت ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالا تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ محمد عمر سروبی شہر جا کر کھانے پینے کا کچھ سامان لے آئے اور یہ لوگ یہیں رک کر اس کا انتظار کریں۔

"ٹھیک ہے۔" محمد عمر نے کہا۔ "میں کچھ دیر میں روانہ ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے واپسی میں دیر ہو جائے' رات بھی ہو سکتی ہے۔ تم لوگ یہاں سے ادھر ادھر مت ہو جانا۔ اگر راستے سے ہٹ گئے تو انہی پہاڑوں میں بھٹکتے رہو گے۔"

aazzamm@yahoo.com

"فکر مت کرو۔ ہم تمہیں اسی جگہ پر ملیں گے۔" شارق نے جواب دیا' محمد عمر چلا گیا۔ وہ لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کچھ ہی دیر بعد نولکھا اونگھنے لگا۔ ثمینہ بھی ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے اونگھ گئی تھی۔ شاہ پری اپنی جگہ سے اٹھ کر شارق کے قریب آگئی۔ شارق گھبرا گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شاہ پری اب موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ اس کا خیال درست نکلا۔ شاہ پری اپنی جگہ سے سرکتی ہوئی اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ کن انکھیوں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا جو صورتحال سے بے خبر اونگھ رہی تھی۔

شاہ پری نے اپنا سر شارق کے کندھے سے ٹکا دیا۔ شارق بدحواس سا ہو رہا تھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر نولکھا یا ثمینہ کی آنکھ کھل گئی تو غضب ہو جائے گا۔ اس کے برعکس شاہ پری بڑی مطمئن نظر آرہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور پھر اس نے ایک بازو شارق کی گردن میں حمائل کر دیا۔ شارق اپنے آپ کو اس سے الگ ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً" فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ شارق اچھل پڑا۔ شاہ پری بھی بدحواس ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ نولکھا اور ثمینہ کی آنکھ بھی کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی ثمینہ نے جو منظر دیکھا' وہ اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھا۔ "یہ.....یہ کیا....." وہ ہکلائی۔ "یہ آواز کیسی تھی؟"

"جنگل میں کسی نے گولی چلائی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "شاہ پری ڈر کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔" وہ شاہ پری کو پیچھے ہٹانے لگا۔

ثمینہ کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ شاہ پری کا انداز ایسا نہیں تھا کہ وہ ڈر کر لپٹی ہو۔ اس نے گھورتی ہوئی نظروں سے شاہ پری کو دیکھا اور پھر شارق کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں شبہات جنم لے رہے تھے۔

ٹھیک اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی ان کے قریب ہی ایک درخت پر لگی تھی۔ وہ سب اچھل کر درختوں کی آڑ میں ہوگئے۔ انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ جو کوئی بھی تھا' انہی کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

شارق نے اپنی رائفل اٹھا لی۔ کچھ دیر تک سامنے درختوں میں دیکھتا رہا۔ بالآخر ایک آدمی اسے نظر آگیا۔ سیاہ لباس میں ملبوس ایک آدمی درختوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے ایک طرف سے دوسری طرف چلا گیا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں اسے پیچھے سے جا کر گھیرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" شارق کہتے

ہوئے رائفل سنبھالے درختوں میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد شاہ پری بھی اپنی رائفل سنبھالے ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔ ثمینہ اور نولکھا وہیں درختوں کے پیچھے چھپے کھڑے رہ گئے۔ اس آدمی نے وقفے وقفے سے دو فائر اور کیے تھے۔

"پتہ نہیں کون بے وقوف ہے یہ۔" نولکھا بڑبڑایا۔ "ہم سے اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے جو یہ ہمیں مارنے پر تلا ہوا ہے۔"

"یہ دنیا پاگلوں اور بے وقوفوں سے بھری پڑی ہے' ہوگا کوئی۔" ثمینہ بڑبڑائی۔

شاہ پری درختوں میں چھپتی ہوئی سیاہ لباس والے اس شخص کے بہت پیچھے نکل گئی تھی۔ وہ درختوں کی آڑ لیتی ہوئی محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگی اور بالآخر اس نے سیاہ لباس والے اس شخص کو دیکھ لیا۔ اس کی شکل دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ گروہ کے ان آدمیوں میں سے ایک تھا جنہیں شارق نے ارغون کی طرف بھیجا تھا۔

شاہ پری رائفل سنبھالے دبے قدموں آگے بڑھتی رہی۔ وہ آدمی اس کی نظروں میں تھا۔ اگر وہ چاہتی تو اسے گولی مار سکتی تھی لیکن وہ اسے زندہ پکڑنا چاہتی تھی تاکہ اس سے دوسرے آدمیوں کے بارے میں پوچھا جا سکے۔ وہ ابھی دس بارہ گز کے فاصلے پر تھی کہ اس کا پیر ایک جھاڑی میں الجھ گیا۔ وہ لڑکھڑا گئی۔ آہٹ سن کر وہ شخص تیزی سے پیچھے مڑا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی رائفل سیدھی کرتا' شاہ پری نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ اس نے اگرچہ فائر بدحواسی میں کیا تھا لیکن خوش قسمتی سے گولی نے اپنا ٹارگٹ تلاش کر لیا تھا۔

گولی اس سیاہ پوش کے دائیں بازو پر لگی تھی۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ رائفل بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔ وہ رائفل اٹھانے کے لیے لپکا لیکن شاہ پری نے ایک اور فائر کر دیا۔ اس مرتبہ گولی اس شخص کے پیروں کے قریب زمین پر لگی۔

"رک جاؤ' اگر تم نے کوئی حرکت کی تو کھوپڑی اڑا دوں گی۔" شاہ پری نے چیخ کر یہ جملہ فارسی زبان میں کہا تھا۔

وہ شخص رک گیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو تھام لیا تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ گولی کلائی سے ذرا اوپر ہڈی توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ شاہ پری رائفل سنبھالے نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔ سب سے پہلے اس نے سیاہ پوش کی گری ہوئی رائفل اٹھا کر بائیں کندھے پر لٹکا لی اور اسے اپنی رائفل کی زد پر لیتے ہوئے غرائی۔

"خاموشی سے آگے چلتے رہو۔ بھاگنے کی کوشش کی تو اڑا دوں گی۔" سیاہ پوش اپنا زخمی بازو تھامے خاموشی سے اس کے آگے چل پڑا۔ اسی وقت شارق بھی درختوں میں دوڑتا ہوا وہاں پہنچ

aazzamm@yahoo.com

گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلتی گئیں۔ شاہ پری کا ایک نیا رخ اس کے سامنے آیا تھا۔ جب تک وہ ملک طوطی خان کی حویلی میں تھی' اس وقت تک شاہ پری ایک شرمیلی سی لڑکی نظر آتی تھی۔ وہ کبھی کھل کر اس کے سامنے بھی نہیں آئی تھی۔ پھر ملک طوطی خان کی حویلی سے فرار کے بعد بھی وہ ڈری ڈری اور سہمی سہمی سی لڑکی لگی تھی اور جب طور خان نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی تو اس کے بعد تو وہ کچھ اور ڈر گئی تھی لیکن دو تین روز پہلے وہ اچانک ہی شارق کے سامنے اظہار محبت کر بیٹھی تھی۔ دو روز پہلے اس نے ایک پہاڑی بکرا شکار کیا تھا اور اب اس نے اس خطرناک سیاہ پوش کو شکار کر لیا تھا جو چھپ کر ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا تھا۔

شارق بھی اس سیاہ پوش کی شکل دیکھ کر چونک گیا تھا۔ وہ اسی کے گروہ کا آدمی تھا۔ اسے یہاں دیکھ کر شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گروہ کے دوسرے آدمی بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہوں گے۔ وہ لوگ اسے اپنے پڑاؤ میں لے آئے۔ ثمینہ اور نولکھا بھی اسے دیکھ کر چونک گئے۔

"ارے!" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تو سمندر خان ہے۔ اسے تو ہم نے دوسرے آدمیوں کے ساتھ ارغوان کی طرف بھیجا تھا۔"

"ہاں میں سمندر خان ہوں۔" سیاہ پوش بولا۔ "اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم لوگ ہمارے ساتھ دھوکا کرو گے۔ اگر پتہ چل جاتا تو تم لوگوں کو اسی وقت ختم کر دیا جاتا لیکن بچ کر تم لوگ اب بھی نہیں جا سکتے۔

"ہمیں کون روک سکتا ہے؟" شارق بولا۔

"میرے ساتھی جو سروبی میں موجود ہیں۔" سمندر خان نے جواب دیا۔ "میں اپنے ایک عزیز سے ملنے اس طرف گاؤں گیا ہوا تھا۔ واپس جا رہا تھا کہ تم لوگ نظروں میں آگئے۔ میرے ساتھی تم لوگوں کی تلاش میں ہیں۔ ہم لوگوں نے پولیس کو بھی اطلاع دیدی ہے۔ تم لوگ نکل نہیں سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ بے موت مرنے کے بجائے میرے ساتھ واپس چلو۔ ہم اب بھی تمہیں سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔"

"تمہارا سردار تو میں اب بھی ہوں۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا سردار جو چاہے کر سکتا ہے۔ تم لوگوں میں سے کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم اگر ہمیں دیکھ کر خاموشی سے نکل جاتے تو شاید بعد میں ہم تم لوگوں کے گھیرے میں آجاتے لیکن ہم پر فائر کھول کر تم نے اپنی زندگی

کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ اب تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔"

"مجھے مار کر تم خود مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔" سمندر خان بولا۔ "میرے ساتھیوں کو معلوم ہے کہ میں اس طرف گاؤں گیا تھا۔ اگر شام تک بھی واپس نہ پہنچا تو وہ لوگ میری تلاش شروع کر دیں گے اور اس طرح تم لوگ بھی ان کی نظروں میں آجاؤ گے۔"

"ہم ان چکروں میں آنے والے نہیں ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شاہ پری۔" وہ شاہ پری کی طرف گھوم گیا۔ "کیا تمہارے خیال میں اسے چھوڑ دینا چاہیے یا....."

شاہ پری کا جواب بڑا حیرت انگیز اور خوفناک تھا۔ اس نے رائفل کی نال سمندر خان کے سینے کی طرف اٹھا کر ٹریگر دبا دیا۔ تڑتڑاتی ہوئی کئی گولیاں رائفل کی نال سے نکل کر سمندر خان کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے جسم سے خون کے کئی فوارے بہہ نکلے تھے۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ کوئی بھی کچھ نہ سمجھ سکا اور جب ان کے حواس بحال ہوئے تو سمندر خان کی لاش ان کے سامنے پڑی تھی اور شاہ پری کی آنکھوں میں چنگاریاں سی سلگ رہی تھیں۔

"یہ.....یہ کیا کیا تم نے شاہ پری؟" ثمینہ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"وہی جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اگر یہ کچھ دیر زندہ رہتا تو شاید ہم میں سے کسی کو اس پر ترس آجاتا اور اسے چھوڑ دیا جاتا۔ اس کا یہاں سے زندہ چلے جانا ہم سب کی موت کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے ختم کر دیا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" شارق بولا۔ "اب سب سے پہلے اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا چاہیے مگر اس کی قبر کیسے کھودیں۔"

"ہم کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ اس لاش کو جھاڑیوں سے ڈھک دیں۔" نولکھا نے کہا اور پھر وہ سب لاش کو جھاڑیوں سے ڈھکنے لگے۔

اور اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ وہاں سے پڑاؤ اٹھا کر آگے چل پڑے۔

○

اور پھر وہی ہوا جس کا شارق کو اندیشہ تھا۔ ثمینہ نے اسے اور شاہ پری کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔

یہ سمندر خان کی موت کے دوسرے دن کی بات تھی۔ دن بھر کے سفر کے بعد رات کا کھانا

aazzamm@yahoo.com

کھاتے ہی وہ لوگ سو گئے تھے۔ شارق جاگ رہا تھا' اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ آدھی رات کے قریب وہ پڑاؤ سے نکل کر تقریباً دو سو گز دور ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ شاہ پری تھی جو دبے قدموں آرہی تھی۔ شاہ پری اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"میں جاگ رہی تھی۔" شاہ پری اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "میں نے تمہیں اس طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں بھی آگئی۔ ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"دیکھو شاہ پری۔" شارق اپنے تنفس پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے' ٹھیک نہیں ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو....."

"ڈرنا تو مجھے چاہیے کہ میں لڑکی ہوں۔" شاہ پری اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "لیکن حیرت ہے کہ تم مرد ہو کر بھی عورتوں کی طرح ڈر رہے ہو۔ تمہاری جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو....."

"تو بہت خوش ہوتا۔" اس مرتبہ شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن میں کسی اور قسم کا مرد ہوں۔ میں ثمینہ سے....."

"بس کرو۔" شاہ پری بولی۔ "تنگ آگئی ہوں میں یہ نام سن سن کر۔ مجھے معلوم ہے تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہو لیکن میں ثابت کر دوں گی کہ میں تمہیں ثمینہ سے زیادہ چاہتی ہوں۔"

"لیکن شاہ پری....."

"بس چھوڑو یہ باتیں۔" شاہ پری نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"کوئی اور بات کرو۔ میں یہاں اس لیے نہیں آئی ہوں کہ ہم ایسی باتوں پر جھگڑنا شروع کر دیں جن کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔"

شاہ پری نے مسکراتے ہوئے دونوں بانہیں شارق کی گردن میں حمائل کر دیں۔ شارق کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پورے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

طوفان گزر گیا تھا۔ شاہ پری اس کے سینے پر سر ٹکائے بیٹھی تھی اور وہ دونوں مدھم لہجے میں باتیں کر رہے تھے کہ اپنے قریب کسی کے کھانسنے کی آواز سن کر وہ چونک گئے۔ شارق نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شاہ پری بھی ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ ان دونوں کی نظریں ثمینہ پر جمی ہوئی تھیں۔ ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر کچھ کہے بغیر واپس چلی گئی۔

پڑاؤ میں پہنچ کر شارق نے محمد عمر اور نولکھا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ ثمینہ بھی اپنی جگہ پر لیٹ گئی تھی۔ شاہ پری عام طور پر اسی کے قریب ہی لیٹا کرتی تھی لیکن اس وقت آگے بڑھنے کی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ نولکھا سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

شارق خاموش کھڑا ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو دوسری طرف منہ کیے لیٹی ہوئی تھی۔ شارق نے جب ثمینہ کو اپنے اور شاہ پری کے سامنے کھڑے دیکھا تو اس کا خیال تھا کہ وہ ہنگامہ مچا دے گی لیکن اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا اور شارق کے خیال میں یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

شارق ثمینہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ثمینہ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی زبان اگرچہ خاموش ہی رہی مگر آنکھوں نے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔

"ثمینہ۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "ناراض ہو مجھ سے؟"

"مجھے تم سے ناراض ہونے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ میں کون ہوں تمہاری۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ اداسی تھی۔

"ایسا نہ کہو ثمینہ۔ میں تو....."

"محمد عمر اور نولکھا سو رہے ہیں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "باتوں کی آواز سن کر وہ جاگ جائیں گے۔ ان کی نیند خراب ہوگی۔ سو جاؤ تم بھی۔"

شارق کو ثمینہ کے رویئے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ثمینہ اس طرح خاموش رہے گی۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سفر کے دوران ثمینہ عام طور پر شارق کے قریب رہا کرتی تھی لیکن اس روز ثمینہ نے جان بوجھ کر اپنا گھوڑا اس سے آگے رکھا تھا۔ وہ نولکھا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ اس کی باتوں میں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے نولکھا کو کسی قسم کا شبہ ہوتا۔

شارق اور شاہ پری سب سے پیچھے تھے۔ ثمینہ سے ان کا فاصلہ تقریباً پچاس گز تھا۔ ثمینہ نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

"تم تو کہتے تھے ثمینہ قیامت مچا دے گی۔" شاہ پری نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا کیا ہے اس نے؟ وہ تو ایک لفظ تک نہیں بولی۔"

"تم ثمینہ کو نہیں جانتیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ثمینہ کی اس خاموشی کے پیچھے ایک طوفان چھپا ہوا ہے۔ وہ جب زبان کھولے گی تو سن نہیں سکو گی۔"

"لیکن میرا خیال ہے وہ زبان نہیں کھولے گی۔" شاہ پری مسکرائی۔

اور شاہ پری کا یہ خیال غلط نکلا۔ اسی روز دوپہر کو ثمینہ غبارے کی طرح پھٹ پڑی۔ اس نے شاہ پری سے تو کچھ نہیں کہا البتہ شارق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور جب شاہ پری نے مداخلت کرنے کی کوشش کی تو ثمینہ نے اسے بھی بری طرح ڈانٹ دیا۔ محمد عمر اور نولکھا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

اب ثمینہ اور شاہ پری کے اختلافات کھل کر سامنے آگئے تھے۔ وہ نہ صرف شاہ پری سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا بلکہ ثمینہ سے بھی فی الحال دور ہی رہ رہا تھا۔

شام کو وہ لوگ بورمل کے قریب پہنچ گئے۔ بورمل پاکستان کی سرحد سے کچھ دور ایک درمیانے درجے کا قصبہ تھا۔ انہوں نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا' وہ جگہ بورمل سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔ انہیں نشیب میں اس قصبہ کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ جلد ہی سو گئے۔ آدھی رات کے بعد فائر کی آواز سن کر وہ لوگ جاگ گئے اور پھر یہ دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے کہ انہیں چاروں طرف سے پولیس نے گھیر رکھا تھا۔

پولیس والوں کی تعداد چھ تھی اور ان سب کی رائفلیں شارق وغیرہ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"پورے افغانستان کی پولیس تم لوگوں کو تلاش کر رہی ہے۔" پولیس پارٹی کے انچارج نے کہا۔ "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ تم لوگ اس طرف آرہے ہو۔ ہم نے سرحد کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی شروع کر دی تھی اور بالآخر تم لوگ ہماری گرفت میں آہی گئے۔ اب تم لوگوں کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"مم.....میں بے قصور ہوں۔" شاہ پری چیخی۔ "میں افغان لڑکی ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ یہ خونی اور قاتل ہیں۔" وہ شارق وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ "یہ لوگ مجھے بھی قتل کر دیں گے۔ مجھے بچا لو ان لوگوں سے' یہ خونی اور قاتل ہیں....."

شاہ پری چیخ رہی تھی اور شارق اور ثمینہ متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شاہ پری ایسی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ ثمینہ تو اسے ایک خواب سمجھ رہی تھی لیکن وہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ شاہ پری ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور ان پر الزامات لگائے چلی جا رہی تھی۔ حالانکہ یہ وہی شاہ پری تھی جس نے قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے ان کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دی تھیں اور یہ وہی شاہ پری تھی جسے شارق نے طور خان جیسے وحشی افغانوں کے ہاتھوں سے بچایا تھا اور بعد میں اسی شاہ پری نے اپنے آپ کو شارق کی آغوش میں گرا دیا تھا اور اب وہی شاہ پری ان سے غداری کرکے ان پر الزام لگا رہی تھی۔

"شاہ پری؟" ثمینہ بالآخر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو؟ کیا تمہیں احساس ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں' ٹھیک کر رہی ہوں اور مجھے پوری طرح احساس ہے۔" شاہ پری نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے ماں باپ تم لوگوں کی وجہ سے دھوکے میں مارے گئے۔ ہمارا گھر بار اور پورا خاندان تباہ ہو گیا۔ تم لوگ گن پوائنٹ پر مجھے اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے بھی میں موقع کی تلاش میں تھی لیکن مجھے کوئی نہیں مل سکا تھا۔ میں تم لوگوں کا منصوبہ سمجھ چکی تھی۔ تم لوگ سرحد پر پہنچ کر مجھے قتل کر دیتے اور خود سرحد پار کر جاتے۔ یہ اس گروہ کا سرغنہ ہے۔" اس نے شارق کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے ماں باپ کے قتل کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ یہ لوگ اب تک کئی محب وطن افغانوں کو قتل کرا چکے ہیں۔ انہیں بچ کر نہیں جانا چاہیے۔ میں ان کے جرائم کی چشم دید گواہ ہوں۔ میں گواہی دوں گی کہ انہوں نے میرے سامنے بہت سے لوگوں کو قتل کیا ہے۔"

"شاہ پری...." ثمینہ دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم آستین کا سانپ ثابت ہوگی۔ ہم نے تمہیں طور خان سے بچا کر واقعی غلطی کی۔"

"غلطی تو میں نے کی جو اپنوں کو چھوڑ کر اب تک تمہارا ساتھ دیتی رہی۔" شاہ پری نے کہا۔ "لیکن اب میں کوئی غلطی نہیں کروں گی اور تم....." وہ ثمینہ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے

aazzamm@yahoo.com

بولی۔ "تم تو بہت ذلیل عورت ہو۔ تم تو مجھے محبت کے حق سے بھی محروم کرنا چاہتی ہو لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ تم ایک عورت ہو اور جانتی ہو کہ عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ میں تمہیں اپنے راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دوں گی۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح شارق کو حاصل کر سکو گی؟" ثمینہ بولی۔

"نہیں لیکن میں شارق کو تمہارے پاس بھی نہیں رہنے دوں گی۔" شاہ پری نے کہا اور پھر پولیس والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ان لوگوں کو پکڑ لو۔ میں گواہی دوں گی کہ ان لوگوں نے کہاں کہاں اور کن کن لوگوں کو قتل کیا ہے۔"

"تم پچھتاؤ گی شاہ پری۔" ثمینہ غرائی۔

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے لیکن تم لوگوں کو تمہارے جرائم کی سزا ضرور ملے گی۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

ثمینہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ایک پولیس والا جو اس پارٹی کا انچارج تھا' آگے آگیا۔ اس نے ثمینہ کے منہ پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ ثمینہ چیخ کر پیچھے گر گئی۔

"تم اس طرف آجاؤ۔" پولیس والے نے شاہ پری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ اب تک بچتے ہوئے آئے ہیں لیکن دیکھتا ہوں کہ اب کس طرح بچتے ہیں۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے ثمینہ اور شارق وغیرہ کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر پولیس والوں کی طرف آگئی۔ ثمینہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

وہ اپنا گال سہلاتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ان کی رائفلیں اٹھا لو اور تم گھوڑوں کے قریب چلی جاؤ۔" پولیس پارٹی کے انچارج نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔

شاہ پری نے آگے بڑھ کر زمین پر پڑی ہوئی شارق وغیرہ کی رائفلیں اٹھا لیں اور مسکراتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ پولیس والوں کے گھوڑے وہاں سے تقریباً پچاس گز دور تھے۔ تقریباً دس گز دور پہنچ کر شاہ پری ایک پتھر سے ٹکرائی اور لڑکھڑا کر پشت کے بل گری۔ رائفلیں بھی نیچے گر گئی تھیں۔

پولیس والے مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ شاہ پری نے فارسی زبان میں کچھ کہا اور رائفلیں اٹھانے لگی۔

اور پھر وہ کچھ ہو گیا جس کی کوئی بھی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ پہلی رائفل اٹھاتے ہی شاہ پری

نے اس کا ٹریگر دبا دیا تھا۔ آٹومیٹک رائفل تھی اور اس کا میگزین بھرا ہوا تھا۔ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ گولیوں کی اس تڑتڑاہٹ میں پولیس والوں کی چیخوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ پولیس والے چیختے ہوئے گر رہے تھے اور گر گر کر تڑپ رہے تھے لیکن شاہ پری نے ٹریگر سے انگلی نہیں ہٹائی تھی۔ ٹریگر سے انگلی اس نے اس وقت ہٹائی تھی جب تمام پولیس والے خاک و خون میں لوٹ کر بے حرکت ہو چکے تھے۔

ثمینہ' شارق' نولکھا اور محمد عمر حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ شاہ پری نے رائفل پھینک دی اور اٹھ کر دوڑتی ہوئی ثمینہ سے لپٹ گئی۔ ثمینہ مبہوت سی کھڑی تھی اور جب اسے احساس ہوا تو اس نے دونوں بانہیں شاہ پری کے گرد لپیٹ دیں اور اسے بھینچ لیا۔

"شاہ پری....." ثمینہ کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"ثمینہ....." شاہ پری نے پیچھے ہٹ کر اس کا منہ چوم لیا۔ "کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تم لوگوں سے غداری کر سکتی تھی؟" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں اگر یہ ڈرامہ نہ کرتی تو یہ پولیس والے یا تو ہم سب کو مار ڈالتے یا ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے اور ہم سب زندگی بھر جیلوں میں سڑتے رہتے۔"

"جیلوں میں کیوں سڑتے رہتے۔" نولکھا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہم پر اتنے لوگوں کے قتل کے الزام ہیں کہ جیل جانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ جیل کے دروازے میں قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ لوگ ہمیں گولیوں سے چھلنی کر دیتے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" محمد عمر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو شاہ پری کی عقل مندی ہے کہ اس نے ہم سب کو اذیت ناک موت سے بچا لیا۔"

"ہاں ہم سب کو شاہ پری کا شکر گزار ہونا چاہیے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے شاہ پری کا منہ چوم لیا۔

"میرا خیال ہے اب ہم لوگوں کو یہاں سے چل پڑنا چاہیے۔" شاہ پری نے کہا۔ "اگر ان کی تلاش میں دوسرے پولیس والے اسی طرف نکل آئے تو ہمارا بچ نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شارق بولا۔ "لیکن جانے سے پہلے ہمیں ان کا ایمونیشن اپنے قبضے میں لے لینا چاہیے۔ رائفلیں تو ہمارے پاس ہیں۔ میگزین اور گولیوں کی ہمیں ضرورت پڑے گی۔"

وہ لوگ مردہ پولیس والوں کی رائفلوں سے میگزین نکالنے لگے۔ ان کے سینوں پر بھی گولیوں

aazzamm@yahoo.com

سے بھرے ہوئے بیلٹ لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب کے سب بیلٹ اتار کر اپنے سینوں پر سجا لیے۔ شارق مردہ پولیس والوں کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ اس نے ان سب کی جیبوں سے کرنسی نوٹ بھی نکال لیے اور وہ نوٹ محمد عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ اپنے پاس رکھو۔ راستے میں کہیں ضرورت پڑ جائے گی۔"

وہ لوگ رکے بغیر رات بھر چلتے رہے۔ چاند کی روشنی میں انہیں سفر کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہو رہی تھی لیکن آگے راستہ دشوار گزار تھا اور سفر جاری رکھنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ایک چٹان کے دامن میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس طویل تھکن نے انہیں بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو لمبی رسیوں سے پتھروں کے ساتھ باندھ دیا اور پتھروں پر لیٹ کر سو گئے۔ عام طور پر رات کو ایک آدھ آدمی جاگتا رہتا تھا لیکن اس رات کوئی بھی نہیں جاگ سکا تھا۔ سب لوگ بے سدھ ہو کر سو گئے تھے۔

شارق ایک پتھر سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ نیند میں بھی وہ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دوڑتے دوڑتے تھک کر گر پڑا ہو۔ اس کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں اور جسم پسینے میں شرابور تھا۔ پسینہ اس کے جسم پر کیچوئے کی طرح رینگ رہا تھا۔ وہ سوتے میں گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگا اور پھر دفعتاً" اس کی آنکھ کھل گئی۔

تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ پتھر تپ رہے تھے۔ گرمی کی وجہ سے وہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ گھوڑے بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

شارق ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ سب لوگ کہاں غائب ہو گئے تھے۔ حالانکہ رات کو انہوں نے اسی جگہ کیمپ لگایا تھا اور وہ ان سے چند گز ہٹ کر پتھر سے ٹیک لگا کر سویا تھا لیکن اب دور دور تک ان میں سے کسی کا نام و نشان تک نظر نہیں آرہا تھا۔

اچانک ہی شارق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا' کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ لوگ صبح اٹھ کر آگے روانہ ہو گئے ہوں؟ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں لیکن ان کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز تھا۔

شارق گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی جگہ آگیا جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس کی رائفل پتھر کے قریب پڑی ہوئی تھی۔ اس نے رائفل اٹھا کر کندھے پر لٹکا لی اور بار بار ان سب کے نام لے کر آوازیں دینے لگا۔ اس کی آواز کی بازگشت پہاڑوں میں گونج رہی تھی لیکن اسے جواب کسی طرف

سے نہیں ملا۔

شارق کا گھوڑا بھی غائب تھا۔ اس نے تقریباً آدھے میل کے علاقے میں گھوم پھر کر دیکھ لیا تھا لیکن کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ یہاں گھوڑے کی لید پڑی تھی۔ یہ جگہ ان کے کیمپ سے تقریباً دو سو گز دور تھی۔ شارق کو اچھی طرح یاد تھا کہ رات کو انہوں نے گھوڑے اپنے کیمپ کے قریب ہی باندھے تھے لیکن یہاں گھوڑے کی لید کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔

دفعتاً" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس جگہ گھوڑے کی لید دیکھ کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ جہاں بھی گئے تھے' اسی راستے سے گئے تھے۔ اس نے رائفل کندھے پر درست کی اور اس راستے پر چل پڑا۔ مزید دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ایک جگہ اور گھوڑے کی لید نظر آئی تھی۔ وہ اس راستہ پر چلتا رہا۔

یہ چٹانوں کے درمیان کشادہ درہ نما راستہ تھا۔ تیز دھوپ سے چٹانیں تپ رہی تھیں اور شارق کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم کے کسی خطے میں سفر کر رہا ہو۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور ہونٹوں پر پپڑیاں سی جم گئی تھیں۔

شارق نے تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ساتھیوں کے نام لے لے کر آوازیں بھی دیتا رہا تھا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ وہ اس درے سے نکل کر کھلی جگہ پر آگیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً" وہ چونک گیا۔ اسے ایسی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے کہیں پانی گر رہا ہو۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا' پھر آواز کی سمت میں چلنے لگا۔ ایک چٹان کے پیچھے پہنچ کر وہ رک گیا۔

سامنے پتھروں میں تقریباً دس فٹ کی بلندی سے پانی کی پتلی سی دھار بہہ رہی تھی۔ پانی ایک چھوٹے سے گڑھے میں گر رہا تھا۔ گڑھے میں گرنے والا پانی نیچے ہی کہیں غائب ہو رہا تھا کیونکہ وہ آس پاس کسی طرف بھی بہتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ گڑھا تقریباً تین فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا تھا۔ شارق گڑھے کے کنارے پر بیٹھ گیا اور جھک کر جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پینے لگا۔ پانی سے پیٹ بھرنے کے بعد اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور پتھر کے ساتھ ہی بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

حواس کسی قدر بحال ہوئے تو وہ صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔ صورتحال بے حد سنگین تھی۔ اگر اس کے ساتھی نہ ملے تو وہ ان پہاڑوں میں بھٹکتا رہے گا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوک پیاس سے دم توڑ دے گا لیکن اسے حیرت تو اس بات کی تھی کہ اس کے ساتھی کہاں چلے گئے تھے۔ کیا

aazzamm@yahoo.com

وہ لوگ اسے بھول سکتے تھے؟ اپنے اس خیال پر شارق کو ہنسی آگئی۔ وہ لوگ اسے کیسے بھول سکتے تھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ کہیں محمد عمر نے تو غداری نہیں کی تھی۔ ایسا تو نہیں تھا کہ محمد عمر اس کے ساتھیوں کو گن پوائنٹ پر کہیں لے گیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے شارق سے کسی قسم کا خطرہ محسوس کیا ہو اور شارق کو یہاں چھوڑ کر انہیں ساتھ لے گیا ہو۔ وہ اکیلا بھی جا سکتا تھا لیکن دو جوان اور خوبصورت لڑکیوں کا ساتھ اس کے لیے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ عورت دنیا کے ہر خطے میں مرد کی کمزوری رہی ہے۔ محمد عمر کو یہ یقین رہا ہوگا کہ اگر وہ اکیلا گیا تو کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔ اس لیے اس نے دونوں لڑکیوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں ان دونوں لڑکیوں کو رشوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا تھا۔

لیکن نہیں۔

شارق نے سر جھٹک دیا۔ محمد عمر ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے دل میں کوئی بات ہوتی تو وہ بہت عرصہ پہلے کھل کر سامنے آچکا ہوتا۔ اس نے تو طور خان کی مخالفت کرکے اس کا ساتھ دیا تھا اور اس کے بعد بھی قدم قدم پر اس کے ساتھ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ غداری نہیں کر سکتا تھا۔

شارق کافی دیر چٹان کے سائے میں بیٹھا رہا۔ اس نے اٹھ کر ایک بار پھر پانی پیا اور اسی راستے پر چل پڑا۔ جگہ جگہ گھوڑوں کی لید یہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ صحیح راستے پر جا رہا ہے لیکن شارق کے خیال میں انہیں پا لینا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ گھوڑوں پر گئے تھے اور یہ پیدل چل رہا تھا۔ وہ لوگ اب تک نجانے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اگر یہ اسی طرح ان بنجر اور ویران راستوں میں بھٹکتا رہا تو اس کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

وہ چلتا رہا۔ سورج سر پر آگیا تھا۔ چٹانیں انگاروں کی طرح تپ رہی تھیں۔ بھوک، پیاس اور گرمی سے وہ نڈھال ہو رہا تھا۔ اس کے لیے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ کندھے پر لٹکی ہوئی رائفل بھی اسے بوجھ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ اس بوجھ کو کہیں پھینک دے لیکن ہر مرتبہ ارادہ بدل دیا۔ کسی مشکل وقت میں رائفل ہی اس کے کام آسکتی تھی۔

دھوپ کی شدت میں اگرچہ کمی آگئی تھی لیکن چٹانیں ابھی تک تپ رہی تھیں۔ ایک چھوٹی سی چٹان کے اوپر سے گھوم کر وہ اچانک ہی ایک چھوٹی سی ندی کے سامنے پہنچ گیا۔ پانی دیکھ کر شارق کی پیاس بھڑک اٹھی۔ اس نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ اس نے خوب جی بھر کے پانی پیا اور دیر تک ندی میں بیٹھا رہا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔

وہ تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر ندی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نجانے اسے یہ

امید کیوں تھی کہ یہ چھوٹی سی ندی اسے کسی نہ کسی بستی تک پہنچا دے گی۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ شارق صبح سے اب تک چلتا رہا تھا۔ خالی پیٹ پانی پی پی کر اسے ابکائیاں سی آنے لگی تھیں۔ راستے میں کوئی جانور بھی اسے نظر نہیں آیا تھا جسے شکار کرکے وہ اپنا پیٹ بھر سکتا۔ وہ چلتے چلتے گر پڑا۔ اس میں اب اٹھنے اور مزید چلنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ شارق ندی کے کنارے پر پڑا رہا۔ تھکن اور بھوک سے وہ بری طرح نڈھال ہو رہا تھا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو چکا تھا۔

دفعتاً" اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ فائر کی آواز تھی جس کی بازگشت اب بھی پہاڑوں میں گونج رہی تھی۔ شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ آواز کس طرف سے آئی تھی لیکن بازگشت کی آواز بھی اب ختم ہو چکی تھی۔

شارق کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا۔ اس کے ساتھی آس پاس ہی کہیں موجود تھے اور گولی یقیناً انہی میں سے کسی نے چلائی تھی۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ اس نے ایک دو آوازیں بھی دیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ فائر کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ پورا برسٹ مارا گیا تھا۔ آواز کی بازگشت پھر پہاڑوں میں گونج رہی تھی۔ شارق نے اپنے کندھے سے رائفل اتار لی اور اس کا رخ آسمان کی طرف کرکے ٹریگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ کسی اور خیال کے تحت اس نے انگلی ٹریگر سے ہٹا لی اور رائفل نیچے جھکا لی۔

وہ فائر کرکے اپنے ساتھیوں کو اپنی موجودگی کی اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کے ساتھی نہ ہوں۔ خانہ بدوش ہوں یا پہاڑوں میں گشت کرنے والی پولیس ہو جس نے اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا ہو۔ ایسی صورت میں اس کا محتاط رہنا ہی بہتر تھا۔

وہ رائفل ہاتھ میں پکڑے ایک طرف دوڑنے لگا اور پھر دفعتاً" وہ رک گیا۔ نشیب میں تقریباً سو گز کے فاصلے پر آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ آگ کی روشنی میں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ لوگ ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ پانچ چھ آدمی الاؤ کے گرد رقص کر رہے تھے۔

شارق ایک جگہ پر بیٹھ کر اس طرف دیکھنے لگا۔ اسی لمحہ فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ آگ کے الاؤ کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے آسمان کی طرف رائفل کا برسٹ مارا تھا۔ آسمان کی طرف جاتی ہوئی گولیاں صاف نظر آئیں تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

شارق گہری نظروں سے اس طرف دیکھتا رہا۔ وہ خانہ بدوشوں کی بستی تھی اور خانہ بدوش کوئی جشن منا رہے تھے۔ دفعتاً شارق چونک گیا۔ اس کی نظریں الاؤ کے دائیں طرف کچھ لوگوں پر جم گئیں اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے نولکھا اور ثمینہ کو پہچان لیا۔ ان کے ساتھ شاہ پری اور محمد عمر بھی تھے۔ نولکھا اور محمد عمر کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ان چاروں کو دو آدمیوں نے اپنی رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر شارق کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ صورتحال آہستہ آہستہ اس کے ذہن پر واضح ہونے لگی۔ گزشتہ رات اس کے ساتھی کسی طرح ان قبائلیوں کی نظروں میں آگئے تھے۔ وہ لوگ انہیں گرفتار کرکے یہاں سے لے آئے تھے۔ شارق خود ان کی نظروں میں نہیں آسکا ہوگا اس لیے بچ گیا تھا ورنہ وہ بھی ان کے ساتھ یہاں بندھا ہوا ہوتا۔

شارق کو اپنے ساتھی مل گئے تھے لیکن صورتحال خاصی سنگین تھی۔ اس کے دو ساتھی بندھے ہوئے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری اگرچہ آزاد تھیں لیکن شاید وہ بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ ان قبائلیوں کی تعداد کتنی تھی' وہ خود اکیلا تھا۔ رائفل میں ایک بھرا ہوا میگزین تھا اور بیلٹ میں تقریباً بیس گولیاں تھیں۔ کوئی کارروائی شروع کرنے سے پہلے یہ اندازہ لگا لینا ضروری تھا کہ اس کے مقابلے پر کتنے لوگ ہیں۔

وہ اپنی جگہ پر بیٹھا کچھ دیر تک نشیب میں دیکھتا رہا' پھر وہاں سے ہٹ کر دائیں طرف چلنے لگا۔ وہ ایک مختصر سا چکر کاٹ کر ایسی جگہ پر آگیا جہاں سے اس کے ساتھی زیادہ نمایاں نظر آرہے تھے۔ اس طرف اسے ایک اور چیز نظر آگئی۔ ایک پتھر پر غالباً قبیلے کا سردار بیٹھا ہوا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر الاؤ کے ایک کنارے پر دہکتے ہوئے کوئلوں پر بکرے یا دنبے روسٹ کیے جا رہے تھے۔ شارق کو دو تین عورتیں بھی گھومتی ہوئی نظر آئی تھیں۔

شارق گھومتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اس دوران شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان خانہ بدوشوں کی تعداد پندرہ اور بیس کے درمیان تھی۔ عورتیں ان کے علاوہ تھیں۔ کوئی بچہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔

شارق کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کس طرح چھڑوائے۔ اندھا دھند فائرنگ کر دینا حماقت ہی ہوتی۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ دو چار آدمیوں کو مار سکتا تھا' باقی لوگ اسے بھون کر رکھ دیتے۔ نہیں وہ یہ حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ گھومتا ہوا خیموں کی طرف نکل آیا۔ کل آٹھ خیمے تھے۔ ایک خیمہ بڑا تھا۔ دفعتاً شارق

کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کی ترکیب اس کے ذہن میں آگئی تھی۔ اگر وہ کسی ایک خیمے کو آگ لگا دے تو قبائلیوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے گی اور وہ اپنے ساتھیوں کو چھڑا لے گا۔

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ خوش قسمتی سے ماچس اس کی جیب میں موجود تھی۔ گزشتہ رات نولکھا نے آگ جلائی تھی تو غیر ارادی طور پر شارق نے اس سے ماچس لے کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

اس نے جیب سے ماچس نکالی۔ اسے کھول کر ٹٹول کر دیکھا۔ اس میں چند ہی تیلیاں تھیں اور خیمے کے موٹے کپڑے کو ماچس کی تیلیوں سے آگ لگانا مشکل تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ خشک جھاڑیاں جمع کیں اور ایک خیمے کے قریب آگیا۔

سب لوگ خیموں کے سامنے کے رخ پر الاؤ کی طرف تھے۔ شارق نے جھاڑیاں خیمے کے کپڑے کے نیچے جمع کر دیں اور تیلی جلا کر انہیں شعلہ دکھانے لگا۔ تیلی بجھ گئی۔ دوسری تیلی سے جھاڑیوں کو آگ نہیں لگ سکی حالانکہ جھاڑیاں خشک تھیں۔

شارق کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اگر کوئی قبائلی اس طرف نکل آیا تو اسے بھاگنے کا بھی موقع نہیں مل سکے گا۔ اس نے تیسری تیلی جلائی۔ اس مرتبہ اسے ناکامی نہیں ہوئی' جھاڑیوں نے آگ پکڑ لی۔ شارق نے جھاڑیاں اس طرح سمیٹ دیں کہ انہیں اچھی طرح آگ لگ سکے۔

جھاڑیوں کی خشک شاخیں جلتے ہوئے چیخ رہی تھیں۔ شارق نے جلتی ہوئی جھاڑیاں خیمے کے کپڑے کے نیچے ڈال دیں اور جب کپڑے نے آگ پکڑ لی تو وہاں سے ہٹ کر دبے قدموں دوڑتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ چکر کاٹ کر اس جگہ آگیا جہاں اس کے ساتھی بندھے ہوئے زمین پر بیٹھے تھے۔ وہ ان کے پیچھے تقریباً دس گز کے فاصلے پر پتھروں کے پیچھے بیٹھا کبھی قبائلیوں کو دیکھنے لگتا اور کبھی خیموں کی طرف۔

قبائلیوں کا رقص جاری تھا۔ وہ فارسی یا دری زبان سے کچھ گا بھی رہے تھے جس کا ایک لفظ بھی شارق کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ بار بار خیموں کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

خیموں کے پچھلی طرف آخری خیمے سے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔ اسی لمحہ عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ قبائلیوں کا رقص تھم گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام قبائلی خیموں کی طرف دوڑنے لگے۔ پتھر پر بیٹھا ہوا سردار بھی ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ ان دو قبائلیوں کی طرف مڑنے لگا جنہوں نے نولکھا وغیرہ کو رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اس نے تیز لہجے میں ان سے کچھ کہا اور پھر خود بھی دوڑتا ہوا خیموں کی طرف چلا گیا۔

اب وہاں صرف وہی دو قبائلی رہ گئے تھے جنہوں نے نولکھا وغیرہ کو رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ شارق نے رائفل سنبھال لی اور دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔ ان قبائلیوں سے چند فٹ کے فاصلہ پر پہنچ کر وہ رک گیا۔

"تم دونوں اپنی رائفلیں پھینک دو ورنہ چھلنی کر دوں گا۔" شارق نے یہ جملہ ٹوٹی پھوٹی فارسی زبان میں کہا تھا۔ اتنے دنوں سے افغانستان میں رہتے ہوئے وہ تھوڑی بہت فارسی زبان سیکھ گیا تھا۔

ایک قبائلی تیزی سے پیچھے مڑا۔ شارق نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گولی چلا دی۔ وہ قبائلی چیخ کر ڈھیر ہو گیا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ دوسرے قبائلی نے رائفل پھینک دی۔

آگ نے دوسرے خیمے کو بھی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تمام قبائلی اس طرف جمع تھے۔ ان کے شور میں شارق کی چلائی ہوئی گولی کی آواز پر کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ایسے میں وہ کسی گڑبڑ کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

ثمینہ اور شاہ پری اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حرکت میں آچکی تھیں۔ انہوں نے نولکھا اور محمد عمر کے ہاتھ کھول دیئے۔

"رائفلیں اٹھا لو.....اور گھوڑے کہاں ہیں تم لوگوں کے؟" شارق بولا۔

قبائلیوں کی رائفلیں ایک چبوترے پر پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ایک ایک رائفل اٹھا لی۔

"اس طرف آؤ' جلدی کرو۔ گھوڑے اس چٹان کے پچھلی طرف بندھے ہوئے ہیں۔" محمد عمر نے کہا۔

"ان لوگوں کا کیا کیا جائے؟" شارق بولا۔

"انہیں ساتھ لے چلو۔ چٹان کے پیچھے لے جا کر گولی مار دیں گے۔" شاہ پری نے کہا اور ان دونوں قبائلیوں کو اپنی رائفل کی زد پر لیتے ہوئے غرائی۔ "چلو خاموشی سے چلتے رہو۔"

وہ دونوں قبائلی خاموشی سے ان کے آگے چل دیئے۔ چٹان کے پیچھے پہنچ کر وہ رک گئے۔ یہاں کئی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک ایک گھوڑا کھول لیا۔ محمد عمر ان دونوں قبائلیوں کو باندھنا چاہتا تھا مگر شارق بول پڑا۔

"ایک کو باندھ کر یہیں ڈال دو اور دوسرے کو ساتھ لے لو۔ ہمیں کچھ علم نہیں ہے کہ ہم کس جگہ پر ہیں۔ یہ قبائلی ہماری رہنمائی کرے گا۔ مناسب فاصلہ طے کر لینے کے بعد اسے بھی

راستے میں کہیں چھوڑ دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" محمد عمر نے کہا۔ "اگر ان لوگوں نے ہمارا پیچھا بھی کیا تو یہ ایک بندہ ہمارے پاس یرغمال رہے گا۔"

اس قبائلی کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے بھی گھوڑے پر ڈال دیا گیا۔ محمد عمر اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور انہوں نے گھوڑوں کو ہانک دیا۔

ٹھیک اسی وقت قبائلیوں کو بھی حقیقت کا پتہ چل گیا لیکن آگ کئی خیموں تک پھیل چکی تھی۔ وہ آگ بجھانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں قیدیوں کے بھاگ جانے کی پروا نہیں تھی۔ اس لیے کسی نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

چاند نکل آیا تھا۔ محمد عمر والا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے ثمینہ' شاہ پری کے گھوڑے' ان کے پیچھے نولکھا اور آخر میں شارق کا گھوڑا تھا۔ چاندنی کی وجہ سے انہیں زیادہ پریشانی نہیں ہو رہی تھی۔ راستہ بھی زیادہ دشوار نہیں تھا' اس لیے گھوڑے مناسب رفتار سے دوڑتے رہے۔

آدھی رات کے لگ بھگ انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ وہ اس وقت خاصی بلندی پر تھے۔ دائیں طرف نشیب میں بہت دور ٹمٹماتی ہوئی مدھم سی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ قیدی قبائلی نے بتایا کہ وہ بابا خیل نامی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ وہاں سے ایک راستہ سروبی کی طرف بھی جاتا ہے۔

وہ لوگ گھوڑوں سے اتر آئے۔ شارق کے خیال میں وہ بستی کم سے کم پانچ میل دور ضرور ہوگی۔ گھوڑوں سے اتر کر وہ لوگ ادھر ادھر پتھروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"کیا کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ بستی سے بچ کر سروبی کی طرف نکلا جا سکے؟" شارق نے قبائلی سے پوچھا۔

"اس طرف تقریباً دو میل آگے دریا کی دوسری طرف دو راستے ہیں۔" قبائلی نے منہ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ "وہاں سے ایک راستہ سروبی کی طرف جاتا ہے اور دوسرا درہ منگرو تائی نرائی کی طرف۔"

"کس کی تائی کی بات کر رہے ہو خان بھائی؟" نولکھا بولا۔

"کسی کی تائی کی بات نہیں کر رہا۔ یہ جگہ کا نام ہے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر قبائلی کی طرف رخ کرکے بولا۔ "یہ درہ منگرو تائی نرائی کہاں پر ہے؟"

"جنوبی وزیرستان کی سرحد پر۔" قبائلی نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم تمہیں دریا تک اپنے ساتھ لے جائیں گے' اس کے بعد تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔"

"میرے ہاتھ تو کھول دو۔ میں بڑی اذیت محسوس کر رہا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔" قبائلی نے ملتجی لہجے میں کہا۔

شارق نے اس کے ہاتھ کھول دیئے۔ قبائلی اپنی کلائیاں سہلانے لگا۔

"تم لوگ انہی پہاڑوں میں گھومتے رہتے ہو۔ کھانے کا سامان کہاں سے لیتے ہو اور کام وغیرہ کیا کرتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"ہم خانہ بدوش لوگ ہیں۔" قبائلی نے جواب دیا۔ "تھوڑا بہت سامان ادھر سے ادھر کرتے رہتے ہیں۔ ہم سال میں ایک دو مرتبہ پاکستان بھی چلے جاتے ہیں۔ یہاں سے کچھ سامان لے جا کر وہاں فروخت کر دیتے ہیں۔ بس اسی طرح ہمارا گزارہ ہوتا ہے۔"

"یہاں سے کیا چیز پاکستان لے کر جاتے ہو' ہیروئن؟" شارق نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"ہاں۔" قبائلی نے بے خوفی سے جواب دیا۔ "اس سے زیادہ منافع بخش اور کوئی چیز نہیں ہے۔ کم سے کم وزن' زیادہ سے زیادہ قیمت۔ اسے اپنے سامان میں چھپایا بھی آسانی سے جا سکتا ہے۔"

"ہیروئن کہاں سے لیتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"وزیرستان کی سرحد کے قریب کئی فیکٹریاں ہیں جہاں ہیروئن تیار ہوتی ہے۔" قبائلی نے جواب دیا۔ "لیکن پہاڑوں میں چھپی ہوئی ان فیکٹریوں کو تلاش کر لینا آسان نہیں ہے اور پھر ہر فیکٹری کی حفاظت کے لیے ان لوگوں نے بڑے سخت انتظامات کر رکھے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم بھی ہیروئن کی فیکٹریوں کی تلاش ہی میں نکلے ہوئے ہیں۔ ابھی تک ہم کسی فیکٹری تک نہیں پہنچ سکے لیکن جو بھی فیکٹری ہمیں ملے گی' ہم اسے تباہ کر دیں گے۔"

شارق کی یہ بات سن کر ثمینہ اور نولکھا چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ وہ اس وقت تو خاموش رہے لیکن بعد میں ثمینہ نے شارق کو گھیر لیا۔

"ہاں ثمینہ۔" شارق نے اس کے سوال کے جواب میں گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں کئی روز سے سوچ رہا ہوں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ہم ان پہاڑوں میں کیوں گھوم رہے ہیں۔ ہم یہاں کیوں اور کیا لینے آئے تھے؟" وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ "دراصل لالچ انسان کو

کبھی ایک مقام پر ٹکنے نہیں دیتا۔ وہ اوپر اور اوپر جانا چاہتا ہے۔ ہم بھی اوپر ہی جانا چاہتے تھے۔ لالچ میں آکر حاجی کا کہنا مان لیا تھا۔ وہ تو ہماری قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے ورنہ اس خبیث نے ہمیں اوپر بھیجنے کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ ہم ان ویران پہاڑوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ قدم قدم پر موت کا سامنا ہے۔ ایک دو نہیں' کئی مرتبہ موت کے منہ سے نکلے ہیں۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ پاکستان پہنچ کر اپنی زندگی کا راستہ بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اب تک ہم موت بانٹتے رہے ہیں۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے معصوم لوگوں کے خون میں زہر گھولتے رہے ہیں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہم یہ زہر بیچنے والوں کو ختم کر دیں گے۔ سب سے پہلے ہم حاجی سے نمٹیں گے۔"

"تمہارے ان خیالات پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" ثمینہ بولی۔ "ایک حاجی کو ختم کرو گے تو اس کی جگہ دس اور آجائیں گے اور پھر تم یہ بات بھول رہے ہو کہ تم بھی اسی کشتی کے سوار ہو۔ تم اب تک جو کچھ کر چکے ہو' کیا ایک حاجی کو ختم کر کے اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟"

"میں اپنے آپ کو بے قصور اور بے گناہ نہیں کہتا لیکن یہ تم بھی جانتی ہو کہ میں نے یہ کام اپنی خوشی سے نہیں کیا تھا۔ مجھے غلط اور پرخار راستے پر چلنے پر مجبور کیا گیا تھا لیکن....."

"لیکن اب تم نے جس راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا ہے وہ اس سے زیادہ پرخار ہے۔"

ثمینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے بھی کوشش کر چکے ہو' تمہیں اس کا تجربہ ہے۔ کیا اب تم ایسا کر سکو گے؟"

"ہاں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور مجھے اس پر عمل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

شارق نے جواب دیا۔ "بہرحال ہم نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے' غلط کیا ہے۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنا انتقام لینے کے لیے اپنی پوری قوم کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان جوانوں کے خون میں زہر گھولا ہے جنہوں نے کل اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ میں اس نقصان کی تلافی کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میرا خیال ہے تم ایسا نہیں کر سکتے۔ حاجی جیسے دولت کے پجاری تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب کوئی حاجی میرا راستہ نہیں روک سکے گا۔" شارق نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"کیا تم میرے یہ نقصان کی تلافی بھی کر سکو گے؟" ثمینہ نے یہ کہتے ہوئے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"تمہارا نقصان؟" شارق چونک گیا۔

"ہاں۔" ثمینہ بولی۔ "میں ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ ایک معزز پیشے سے وابستہ تھی لیکن تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔ کیا تم مجھے میرا وہ مقام واپس دلا سکتے ہو؟ میری کھوئی ہوئی عزت واپس لا سکتے ہو؟ میرے ماں باپ کی جو رسوائی ہوئی ہے' اس کی تلافی کر سکتے ہو؟"

شارق خاموش رہا۔ اس کے پاس ثمینہ کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"تم تو سنجیدہ ہو گئے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری خاطر میں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا ہے اور سب کچھ بھول چکی ہوں۔ تم جو کہو گے' میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن میری ایک بات یاد رکھنا۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "ہم چاہے کچھ بھی کر لیں' اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے۔ انتقام لینے کے لیے ہم نے خود وہی سب کچھ شروع کر دیا تھا جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک طرف تو نے موت کے سوداگروں سے جنگ شروع کر دی تھی اور دوسری طرف قانون کے خلاف محاذ کھول لیا۔ دو بڑی قوتیں ہمارے خلاف برسرپیکار ہیں۔ قانون اور موت کے سوداگر..... موت کے سوداگروں سے تو شاید ہم نجات حاصل کر لیں لیکن قانون ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اسے ہماری تلاش جاری رہے گی۔"

"قانون کی مجھے پروا نہیں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے میں موت کے ان سوداگروں سے دو دو ہاتھ کروں گا جن کی وجہ سے آج ہم اپنے گھر سے ہزاروں میل دور ان بنجر اور ویران پہاڑوں میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔"

"ایک بات کہوں شارق۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو۔" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے تم جو کچھ بھی کہہ رہے ہو' مجھے اس پر یقین نہیں آرہا۔" ثمینہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ بڑی تھکن ہو رہی ہے' رات کا باقی حصہ یہیں گزار لیں' صبح آگے چلیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"یقین تو آنے والا وقت دلائے گا۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے' اب ہمیں آگے چلنا چاہیے۔"

"اس قبائلی کے کہنے کے مطابق دریا یہاں سے صرف دو میل کے فاصلے پر ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم دریا پر پہنچ کر آرام کریں گے۔ مجھے بہت شدت کی پیاس لگ رہی ہے۔ میں نے دو

دن سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔"

"کھایا تو ہم نے بھی کچھ نہیں ہے۔" ثمینہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "دریا پر پہنچ کر پیاس تو بجھ سکتی ہے۔"

دس منٹ بعد وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس قبائلی کو محمد عمر نے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا تھا۔ ثمینہ اور شارق کے گھوڑے سب سے پہلے تھے۔ تھوڑی دیر بعد شاہ پری بھی اپنا گھوڑا روک کر ان کے ساتھ مل گئی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ مجھے وہاں چھوڑ کر آگے کیسے چل پڑے تھے؟"

"میں بتاتی ہوں۔" ثمینہ سے پہلے شاہ پری بول پڑی۔ "ہم سب لوگ تو تھکن سے نڈھال گہری نیند سو رہے تھے کہ اچانک پانچ چھ مسلح قبائلیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ وہ لوگ اپنے قبیلہ کے لیے ارغوان شہر سے کھانے پینے کا سامان لے کر آرہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ رک گئے۔ خانہ بدوش چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ان پہاڑوں میں سفر کرتے رہتے ہیں اور یہ لوگ ایک دوسرے کو لوٹتے بھی رہتے ہیں۔ ہمارے بارے میں بھی ان لوگوں کا یہی خیال تھا کہ ہمارے پاس بہت دولت ہوگی لیکن ہم تو کنگلے نکلے۔ ممکن ہے وہ قبائلی ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے لیکن مجھے اور ثمینہ کو دیکھ کر ان کی نیت بدل گئی۔ جوان اور خوبصورت عورت سے زیادہ قیمتی چیز کہاں ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ہمیں رائفلوں کی زد پر لے کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔"

"حیرت ہے۔ یہ سب کچھ ہوا اور مجھے پتہ نہیں چل سکا۔" شارق بولا۔

"تم ہم لوگوں سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے پتھر کی آڑ میں سوئے ہوئے تھے اور گہری نیند میں تھے۔ ان قبائلیوں نے بھی تمہیں نہیں دیکھا۔ ثمینہ وغیرہ کا خیال تھا کہ تمہیں بھی جگا دیا جائے لیکن میں نے انہیں منع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر تم پیچھے رہ جاؤ گے تو شاید ہماری کچھ مدد کر سکو گے اور میرا یہ خیال درست نکلا۔"

"حیرت ہے۔ میں اتنی گہری نیند سویا رہا اور مجھے اس ہنگامے کا پتہ ہی نہ چل سکا۔" شارق نے کہا۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صبح جب میری آنکھ کھلی تو دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگوں کو نہ پا کر میں پریشان ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ تو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ شاید تم لوگ مجھے بھول گئے ہو اور سوتا چھوڑ کر چلے گئے ہو۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہم تمہیں کیسے بھول سکتے ہیں۔ خاص طور پر میں اور ثمینہ۔" شاہ پری مسکرائی۔

"بے شرم۔" ثمینہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"وہ تو میں ہوں۔" شاہ پری ڈھٹائی سے بولی۔ "بہرحال ہم دونوں کے بارے میں ان قبائلیوں کے ارادے خطرناک تھے۔ ان کا تعلق ایک خانہ بدوش قبیلہ سے تھا۔ یہ لوگ سرحد پار کرکے پاکستان بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہیروئن کی اسمگلنگ کے علاوہ یہ لوگ عورتوں کی خرید و فروخت کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ ان کے قبیلے میں پانچ چھ عورتیں ہیں جو انہوں نے مختلف جگہوں سے اٹھائی ہوئی ہیں۔ سرحد پار کرتے ہی یہ لوگ ان عورتوں کو فروخت کر دیں گے۔ ہمارے بارے میں بھی یہ لوگ راستے میں یہی باتیں کر رہے تھے۔"

"لیکن جب ہم لوگ قبیلے میں پہنچے تو ہم دونوں کو دیکھ کر قبیلے کے سردار کی رال ٹپکنے لگی۔ اس نے جشن منانے کا اعلان کر دیا۔ یہ ان کی رسم ہے کہ جب کوئی عورت ان کے قبیلہ میں آتی ہے تو یہ لوگ جشن مناتے ہیں۔ سردار نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ وہ ہم دونوں میں سے کسی ایک سے شادی کرے گا۔ اس کا فیصلہ اس وقت ہوتا جب روسٹ کیے جانے والے بکروں کا گوشت تقسیم ہوتا۔ قرعہ اندازی کی جاتی اور ہم دونوں میں سے جس کا نام نکلتا' اسے سردار کی دلہن بنا دیا جاتا۔ سردار تین دن تک دلہن کو اپنے ساتھ رکھتا' پھر اسے قبیلہ کے دوسرے آدمیوں کے حوالے کر دیا جاتا اور سرحد پار کرنے کے بعد فروخت کر دیا جاتا۔"

"بہت بے غیرت ہیں یہ لوگ۔" شارق بولا۔ "کوئی غیرت مند شخص اپنی دلہن کو کسی دوسرے کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں ایسے بے غیرتوں کی کمی نہیں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"بہرحال ان کا جشن جاری تھا۔ بکرے روسٹ ہو رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہمارے لیے قرعہ اندازی ہونے والی تھی کہ اچانک خیموں میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ قبائلی اس طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔"

"خیموں میں آگ خودبخود نہیں بھڑکی تھی۔" شارق نے کہا۔ "وہ آگ میں نے لگائی تھی۔ ان کی توجہ ہٹانے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ وہ لوگ جیسے ہی اس طرف بھاگے میں تم لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم ہماری مدد کو ضرور آؤ گے لیکن تم یہاں تک پہنچے کیسے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"پہلے تو میں تم لوگوں کو ان چٹانوں کے آس پاس ہی ڈھونڈتا رہا۔ پھر مجھے گھوڑے کی لید نظر

آئی۔ سمجھو کہ وہ لید ہی میرے لیے نشانِ راہ ثابت ہوئی اور میں یہاں تک پہنچ گیا لیکن بھوک سے میری بری حالت ہو رہی ہے۔"

"فکر مت کرو ہم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

وہ لوگ ایک تنگ سے راستے پر پہنچ گئے تھے۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اس دراڑ نما راستے سے باہر آگئے۔ سامنے ڈھلان تھی اور نشیب میں دریا بہہ رہا تھا۔ مدھم چاندنی میں دریا کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔

آدھے گھنٹے میں وہ دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ گھوڑے سے اترتے ہی پانی پر ٹوٹ پڑے۔ گھوڑے بھی نجانے کب سے پیاسے تھے' وہ بھی پانی پینے لگے۔ وہ لوگ کچھ دیر وہاں رکے اور پھر دریا پار کرنے کے لیے انہیں تقریباً نصف میل اوپر کی طرف جانا پڑا۔

دریا کے دوسری طرف سبزہ تھا اور درخت تھے۔ وہ لوگ آگے جانے کے بجائے کنارے کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اس قبائلی کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا تھا کیونکہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ لوگ سو گئے تو وہ قبائلی بھاگ نہ جائے۔

واقعی سب لوگ سو گئے تھے اور پھر شارق کی آنکھ فائر کی آواز سن کر کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے قریب ہی ثمینہ اور شاہ پری سوئی ہوئی تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر محمد عمر تھا اور اس کے ساتھ وہ قبائلی۔ وہ لوگ بھی فائر کی آواز سن کر اٹھ گئے تھے۔

شارق ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ ایک اور فائر ہوا اور پھر صورتحال اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

وہ نولکھا تھا جو وہاں سے تقریباً سو گز دور دریا کی طرف بھاگ رہا تھا۔ محمد عمر بھی اٹھ کر اس طرف بھاگ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان دونوں نے ایک پہاڑی بکرا اٹھا رکھا تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی لیکن سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔

"کچھ دیر پہلے میری آنکھ کھل گئی تھی۔" نولکھا انہیں بتا رہا تھا۔ "میں نے اس بکرے کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ شاید پانی پینے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ میں رائفل اٹھا کر اس کے قریب آنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ حضرت پانی پی کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ شاید اپنی موت کی راہ تک رہا تھا۔ میں نے گولی چلا دی جو اس کی ٹانگ میں لگی' یہ زخمی ہو کر بھاگا۔ میں نے دوسرا فائر کیا اور یہ ڈھیر ہو گیا۔ اب یہ ہمارے پیٹ کی آگ بجھائے گا۔"

نولکھا مزے لے لے کر اپنے شکار کی داستان سنا رہا تھا۔ محمد عمر نے تکبیر پڑھ کر بکرے کے گلے پر چھری پھیر دی تھی اور اب وہ اس کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

آدھے گھنٹے کے بعد وہ بکرے کی کھال اتار چکے تھے۔ شارق' ثمینہ اور شاہ پری وغیرہ نے آس پاس سے سوکھی ہوئی لکڑیاں جمع کر لی تھیں۔ اس قبائلی کے ہاتھ پیر کھول دیئے گئے تھے اور لکڑیاں جمع کرنے میں وہ بھی ان کی مدد کر رہا تھا۔ بکرا روسٹ ہونے میں ایک گھنٹہ لگ گیا اور پھر انہوں نے کئی روز بعد پہلی مرتبہ بھنا ہوا گوشت پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ ان کا قبائلی قیدی بھی ان کے ساتھ بیٹھا کھا رہا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ لوگ آگے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ بچا ہوا گوشت انہوں نے ایک کپڑے میں باندھ لیا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ اس گوشت سے دوپہر اور رات کا کام بھی چل جائے گا۔

"وہ دونوں راستے کہاں ہیں جن کا تم نے ذکر کیا تھا؟" شارق نے اس قبائلی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً آدھا میل آگے ایک چٹان ہے۔" قبائلی نے اشارہ کیا۔ اس چٹان کے دائیں طرف والا راستہ منگروتائی نوائی کی طرف اور بائیں طرف والا راستہ بورمل کی طرف جاتا ہے۔ اب یہ تم لوگوں پر منحصر ہے کہ کونسا راستہ اختیار کرتے ہو۔"

"ہیروئن کی فیکٹریاں کس طرف ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"منگروتائی نوائی کی طرف۔" قبائلی نے جواب دیا۔ "کم از کم تین فیکٹریوں کے بارے میں' میں بھی جانتا ہوں۔ ان خفیہ راستوں سے بھی واقف ہوں جو ان فیکٹریوں تک جاتے ہیں۔"

"لیکن.....ہم تمہیں تو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ اب تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔"

"ن.....واپس....." قبائلی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "میں اکیلا ان پہاڑوں میں واپس نہیں جا سکتا۔ بھوک پیاس سے مر جاؤں گا۔ اگر میں اپنے قبیلہ میں واپس پہنچ بھی گیا تو وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ مم.....مجھے اپنے ساتھ لے چلو.....میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں سے غداری نہیں کروں گا اور ایسے راستے سے سرحد پار کرا دوں گا کہ کسی کی نظروں میں نہیں آؤ گے۔ سرحد پار جنوبی وزیرستان میں بھی تم لوگوں کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو' مجھے مرنے کے لیے یہاں مت چھوڑو۔"

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے لگا اور بالآخر طے ہوا کہ مسعود نامی اس قبائلی کو ساتھ لے لیا جائے۔ وہ واقعی ان کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے مسعود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کو تیار ہیں لیکن اگر تم نے کسی بھی موقع پر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو بلا دریغ گولی مار دی جائے گی۔"

"مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔" مسعود نے کہا۔ شارق نے اسے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا اور وہ آگے روانہ ہو گئے۔ اس چٹان تک پہنچنے میں انہیں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"منگروتائی نوائی کا راستہ کونسا ہے؟" شارق نے مسعود سے پوچھا۔

"یہ اس طرف۔" مسعود نے ایک طرف اشارہ کیا۔

انہوں نے گھوڑے اسی طرف موڑ دیئے۔ کچھ دیر تک تو وہ ایک کشادہ وادی میں چلتے رہے' پھر پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے' راستہ دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ کئی جگہوں پر تو انہیں گھوڑوں سے اتر کر پیدل چلنا پڑا تھا۔

دوپہر کو وہ ایک جگہ پر رک گئے۔ یہاں چند درخت بھی تھے اور ایک چھوٹی سی ندی بھی۔ انہوں نے آگ جلا کر بچا کھچا گوشت گرم کر کے کھایا اور آرام کرنے کے لیے ادھر ادھر لیٹ گئے۔

"ان پہاڑوں کے پیچھے منگروتائی کی طرف جانے والا راستہ ہے۔" مسعود نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہیروئن بنانے کی وہ تینوں فیکٹریاں بھی اسی طرف ہیں جن کے بارے میں' میں جانتا ہوں۔ وہاں اور فیکٹریاں بھی ہوں گی' انہیں تلاش کرنا پڑے گا۔"

تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ مختصر سی وادی عبور کر کے وہ ایک بار پھر پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ اس سے آگے وہ زیادہ فاصلہ طے نہیں کر سکے۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور راستہ بے حد خطرناک تھا۔ مسعود کے مشورے پر انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق آگے کئی میل تک پڑاؤ کی جگہ بھی نہیں تھی۔ ایک جگہ ایک چھوٹا سا جھرنا بھی بہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں چٹان پر تقریباً بیس فٹ اوپر ایک جگہ جم گئی تھیں' وہ کسی غار کا دہانہ تھا۔

غار تک براہ راست پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ چٹان کسی دیوار کی طرح بالکل عمودی تھی۔ اس پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا تقریباً دس گز آگے چٹان میں واقع ایک تنگ سی دراڑ میں گھس گیا۔ چٹان میں بل کھاتی ہوئی وہ دراڑ غار کے دہانے تک چلی گئی تھی۔ یہ تنگ سی دراڑ بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ اس پر چڑھتا رہا۔ دہانے سے چند فٹ پہلے وہ کھلی

aazzamm@yahoo.com

جگہ پر آگیا تھا۔

تقریباً چار فٹ چوڑی پٹی تھی جو چٹان سے باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ وہ اس پٹی پر چلتا ہوا غار کے سامنے پہنچ گیا۔ غار کے سامنے آٹھ دس فٹ چوڑی جگہ تھی۔

سورج ابھی پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا۔ روشنی غار کے اندر بھی پہنچ رہی تھی۔ شارق غار کے دہانے پر پہنچ گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ غار کے دہانے کے اندر کی طرف جلی ہوئی لکڑیاں' راکھ اور کوئلے پڑے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ یہ غار رہائش کے لیے استعمال ہوتا رہا تھا۔ پتھروں کو جوڑ کر چولہا بنایا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہاں کھانا وغیرہ بھی بنایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ایک اور بات شارق کی سمجھ میں آئی تھی کہ یہ غار رہائش کے لیے محفوظ تھا اور اس کے اندر سانپ یا بچھو وغیرہ نہیں تھے۔

غار کافی کشادہ تھا۔ اس میں دس بارہ آدمی بیک وقت رہ سکتے تھے۔ دیواریں دھوئیں سے کالی ہو رہی تھیں اور غار کے اندر بعض ایسی چیزیں بکھری ہوئی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان سے پہلے جو لوگ اس غار میں آئے تھے' وہ کئی روز رہے تھے۔

شارق غار سے نکل کر سامنے والے چبوترے کے کنارے پر آگیا۔ بیس بائیس فٹ نیچے کھلی جگہ پر اس کے ساتھی موجود تھے۔ بلندی اگرچہ زیادہ نہیں تھی لیکن نیچے جھانکتے ہوئے عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا۔ نولکھا ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی ثمینہ اور شاہ پری لیٹی ہوئی تھیں۔ محمد عمر اور مسعود ان سے کچھ دور بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شارق نے نولکھا کو آواز دی تو سب لوگ سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگے۔

"ارے! تم اس غار تک کیسے پہنچ گئے؟" ثمینہ نے کہا۔

"اس طرف ایک تنگ سی دراڑ ہے۔ وہیں سے اوپر آنے کا راستہ ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہ غار کافی کشادہ ہے۔ یہاں پہلے بھی کچھ لوگ رہ کر جا چکے ہیں۔ جلی ہوئی لکڑیاں اور کوئلے بکھرے ہوئے ہیں۔ تم لوگ بھی چاہو تو اوپر آسکتے ہو۔"

"ہم تو یہیں ٹھیک ہیں۔ ان دونوں کو اپنے پاس بلا لو۔ رات آرام سے گزر جائے گی۔" نولکھا نے کہا اور ثمینہ اور شاہ پری سے کچھ کہنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور شاہ پری وہاں سے اٹھ کر دراڑ کی طرف جا رہی تھیں۔ دس منٹ بعد وہ دونوں غار کے دہانے کے سامنے پہنچ گئیں اور شارق کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

شارق کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ دونوں اس کی چاہنے والی تھیں۔ ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے حسد و رقابت کی آگ جل رہی تھی۔ ایک موقع پر وہ ان

دونوں کی لڑائی دیکھ چکا تھا اور شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ فی الوقت بظاہر دونوں ایک دوسرے سے پیار و محبت سے باتیں کرتی تھیں اور بظاہر یہی لگتا تھا کہ ان میں سگی بہنوں جیسی محبت ہے لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے اور جب آتش فشاں پھٹے گا تو اہل پڑنے والا یہ لاوا سب کچھ اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ شارق نے اپنی جگہ سے اٹھ کر چبوترے سے نیچے جھانکا' نیچے خاموشی تھی جس کا مطلب تھا کہ نولکھا وغیرہ سو چکے تھے۔ وہ چبوترے سے اٹھ کر غار کے اندر آگیا۔ دہانے کے قریب غار کے اندر کی طرف وہ تھوڑی سی جگہ صاف کر چکا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی اس کے ساتھ ہی غار کے اندر آگئی تھیں۔ وہ تینوں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے دن بھر گھوڑوں کی پیٹھ پر سواری کی تھی۔ تھکن کے باوجود انہیں نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شارق کو نیند نہ آنے کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔ اگر وہ الگ الگ ہوتے تو کب کے سو چکے ہوتے لیکن اس کی دونوں چاہنے والیاں اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس صورتحال میں ان دونوں میں سے کس کو نیند آسکتی تھی اور شارق کو نیند اس لیے نہیں آرہی تھی کہ اس کے دل میں یہ خوف تھا کہ وہ دونوں آپس میں لڑنا شروع نہ کر دیں۔ ویرانے میں وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا لیکن شارق کے خیال میں رات اپنا نصف سفر طے کر چکی تھی۔ بالآخر اسے جمائیاں آنے لگیں۔ اس نے ٹانگیں پھیلا لیں اور نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سویا تھا لیکن گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے بدحواس ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اور شاہ پری ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر سو رہی تھیں۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ نے ان کی نیند میں خلل نہیں ڈالا تھا۔ شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر رینگتا ہوا غار سے باہر آگیا اور چبوترے کے کنارے پر رک کر نیچے جھانکنے لگا۔ اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا جیسے نیچے کسی قسم کی دھینگا مشتی ہو رہی ہو۔

"نولکھا۔" شارق نے پکارا۔ "کیا ہوا..... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ہونا کیا ہے شارق باؤ۔" نیچے سے نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "بچھو کبھی ڈنک مارنے سے باز نہیں آسکتا۔ یہ قبائلی جسے تم اپنے ساتھ لے آئے تھے' گھوڑا چرا کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاق سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اسے پکڑ لیا۔"

"میں آرہا ہوں نیچے۔" شارق بولا۔

"نہیں۔ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "محمد عمر نے اسے قابو

aazzamm@yahoo.com

میں کر رکھا ہے۔ ابھی اس کا بندوبست ہو جاتا ہے۔"

شارق دوسری طرف دیکھنے لگا۔ محمد عمر اور مسعود ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ وہ دونوں چٹان کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ تاریکی میں یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان دونوں میں مسعود کون تھا اور محمد عمر کون۔

لیکن دفعتاً" ایک آدمی نے دوسرے کو اچھال کر چٹان سے نیچے پھینک دیا۔ شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ چیخ بڑی خوفناک تھی۔

"یہ.....یہ.....کون گرا ہے؟" شارق نے چیخ کر پوچھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "وہ قبائلی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ صبح بات ہوگی۔"

لیکن ظاہر ہے شارق آرام سے نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہوا چٹان سے نیچے آگیا۔ محمد عمر ہانپ رہا تھا اور نولکھا اس کے قریب کھڑا تھا۔

"کیا ہوا محمد عمر.....تم ٹھیک تو ہو نا؟" شارق نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں شارق بھائی۔ تم فکر مت کرو۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"ہوا کیا تھا؟" شارق بولا۔ "وہ واقعی بھاگ رہا تھا یا تم لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"غلط فہمی نہیں ہوئی تھی شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "آہٹ سن کر اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی تھی۔ اس وقت مسعود دبے قدموں اس طرف جا رہا تھا۔ میں سمجھا شاید پیشاب وغیرہ کرنے جا رہا ہے لیکن وہ ایک گھوڑے کی رسی کھولنے لگا تو مجھے شک ہوا۔ اسی وقت گھوڑا بھی ہنہنانے لگا۔ میں نے محمد عمر کو جگا دیا اور ہم دونوں نے مسعود کو پکڑ لیا۔ میں تو پیچھے ہٹ گیا۔ محمد عمر نے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔"

شارق اس چٹان کے کنارے پر آگیا۔ دوسری طرف سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ تھا جس میں محمد عمر نے مسعود کو اچھال کر پھینکا تھا۔ نیچے پتھروں پر گر کر اس میں کچھ بھی نہیں بچا ہوگا۔

"جاؤ شارق باؤ۔ تم سو جاؤ" نولکھا نے کہا۔

شارق دوبارہ غار میں آگیا۔ ثمینہ اور شاہ پری گہری نیند سو رہی تھیں۔ شارق اپنی جگہ پر آکر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک وہ مسعود کے بارے میں سوچتا رہا' پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

اپنے سینے پر بوجھ محسوس کرکے شارق کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ شاہ پری اس پر لدی ہوئی تھی۔ شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ ثمینہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے دوسری طرف دیکھا۔ غار کے باہر بہت ہلکا سا اجالا نظر آرہا تھا جس کا مطلب تھا کہ

دن طلوع ہونے والا ہے۔

"شاہ پری۔" شارق کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "دن نکلنے والا ہے۔ اگر ثمینہ کی آنکھ کھل گئی تو قیامت ہی آجائے گی۔"

"اس کی تم پروا مت کرو۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "ہم نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ نہ وہ میرے معاملے میں مداخلت کرے گی اور نہ میں اس کے معاملے میں دخل دوں گی۔ وہ جاگ بھی گئی تو اپنی آنکھیں بند رکھے گی۔"

"کیا....؟" شارق کو یوں لگا جیسے اس کے سر پر ایٹم بم پھٹا ہو۔ "یعنی..... یعنی.....تم دونوں نے طے کر لیا ہے کہ....."

"ہاں.....تم ہماری مشترکہ پراپرٹی ہو۔" شاہ پری مسکرائی۔

"تمہارا مطلب ہے.... ففٹی ففٹی....." شارق ہکلایا۔

"ہاں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اگر ہم دونوں لڑتی رہیں تو نہ تم میرے ہاتھ آؤ گے نہ ثمینہ کے۔ اس لیے ہم نے ففٹی ففٹی پر ہی سمجھوتہ کر لیا ہے۔"

ٹھیک اسی وقت ثمینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے اوپر گر گئی۔ شارق کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

شارق کے لیے یہ صورتحال واقعی خطرناک تھی۔ ان دونوں لڑکیوں نے اسے بانٹ لیا تھا۔ اپنی محبت میں ایک دوسری کو حصہ دار بنا لیا تھا اور یہ شارق کے لیے حیرت انگیز بات تھی۔ اس کا علم تو یہ کہتا تھا کہ دنیا کی کوئی عورت کسی دوسری عورت کو اپنی محبت میں حصے دار نہیں بنا سکتی۔ عورت تو اپنے محبوب کے نام کے ساتھ کسی دوسری عورت کا نام سننا بھی برداشت نہیں کر سکتی اور یہاں صورتحال یہ تھی کہ دو عورتوں نے ایک مرد کی محبت پر سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اسے ساجھے کی جائیداد بنا لیا تھا لیکن شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سمجھوتہ زیادہ عرصہ تک نبھ نہ سکے گا۔ وہ ثمینہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ثمینہ نے اس کے لیے اس کی محبت کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ کسی دوسری عورت کو کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ دوسری طرف وہ شاہ پری کو بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کی محبت میں پہاڑی ندی جیسی تندی تھی۔ طوفانی انداز تھا اس کا۔ اس نے بھی شارق کی خاطر بہت کچھ کیا تھا۔ چھ پولیس والوں کو کھڑے کھڑے گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔

شارق اندازہ لگا سکتا تھا کہ ساجھے کی اس محبت کا انجام کیا ہوگا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ دونوں لڑکیاں مفاہمت کا راستہ اختیار کرکے ایک دوسرے کو دھوکا دے رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

شارق یہ سب کچھ سوچتے ہوئے سو گیا تھا اور پھر اس کی آنکھ فائر کی آواز سے ہی کھلی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ غار میں موجود نہیں تھی۔ البتہ شاہ پری اس کی ٹانگ پر سر رکھے سو رہی تھی۔ شارق نے بڑی آہستگی سے اس کا سر ہٹایا اور غار کے دہانے پر آگیا۔

باہر ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ غار سے نکل کر چبوترے پر آگیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ نولکھا اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"گولی کس نے چلائی تھی اور ثمینہ اور محمد عمر کہاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ دونوں کسی شکار کی تلاش میں گئے تھے۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "گولی کی آواز تو میں نے سنی ہے۔ اب پتہ نہیں ثمینہ نے محمد عمر کو شکار کیا ہے یا محمد عمر نے ثمینہ کو شکار کیا ہے یا انہوں نے کسی پہاڑی بکرے کو شکار کیا ہے۔"

"محمد عمر قابل اعتماد آدمی ہے۔ وہ ثمینہ کو شکار نہیں کر سکتا۔ انہوں نے یقیناً کوئی بکرا ہی شکار کیا ہوگا۔" شارق نے کہا اور آہٹ سن کر پیچھے مڑ گیا۔

شاہ پری آنکھیں ملتی ہوئی غار سے باہر آگئی۔ شارق کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اسے لے کر اسی دراڑ والے راستے سے ہوتا ہوا نیچے آگیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور محمد عمر بھی آگئے۔ وہ دونوں ایک مارخور کو ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ مارخور کو گولی بھی لگی تھی اور محمد عمر نے اسے بھی ذبح کر ڈالا تھا۔

محمد عمر اور نولکھا بکرے کی کھال اتارنے لگے اور شارق، ثمینہ اور شاہ پری لکڑیاں جمع کرنے کے لیے چلے گئے۔ انہیں واپسی میں آدھا گھنٹہ لگا تھا۔ وہ اتنی لکڑیاں جمع کر لائے تھے کہ پورا بکرا آسانی سے روسٹ کیا جا سکتا تھا۔ محمد عمر اور نولکھا بکرے کی کھال اتار چکے تھے۔ محمد عمر اپنے چاقو سے بکرے کے ٹکڑے کاٹتے ہوئے بتا رہا تھا کہ مارخور دراصل پہاڑی بکرا ہی ہوتا ہے۔ یہ سانپ کا بدترین دشمن ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس جگہ اس کی کھال کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی موجود ہو، سانپ اس کے آس پاس بھی نہیں پھٹکتا۔

بکرے کا گوشت ایک گھنٹے سے پہلے تیار نہیں ہو سکا تھا۔ اس وقت تک دھوپ تیز ہو گئی تھی اور کھلی جگہ پر بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ لوگ بھنا ہوا گوشت اٹھا کر غار میں آگئے۔

ان کا پروگرام یہ تھا کہ پیٹ بھرنے کے بعد یہاں سے رخصت ہو جائیں گے لیکن پیٹ بھرتے ہی ان پر سستی سی طاری ہونے لگی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ فی الحال یہیں آرام کیا جائے۔ دوپہر کے بعد یہاں سے چلا جائے۔ دوپہر تک وہ سب لوگ غار میں بے خبر سوتے رہے۔ اس دوران اگر ان کا کوئی دشمن آکر ان کے گلے بھی کاٹ جاتا تو انہیں پتہ نہ چلتا۔ دوپہر کو جاگ جانے

کے بعد بھی ان پر سستی سی طاری رہی اور وہ اس کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہاں سے رخصت ہو سکے تھے۔

وہ لوگ رکے بغیر چلتے رہے۔ شام سے کچھ پہلے انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور آگے راستہ خطرناک تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد سفر کرنا خطرناک تھا۔

کھانا انہوں نے اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی کھا لیا تھا۔ بچا ہوا گوشت صبح کے لیے سنبھال کر رکھ لیا گیا۔ وہ سب ایک جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شاہ پری اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ دفعتاً وہ رک گئی اور دائیں طرف نشیب میں دیکھنے لگی۔ نشیب میں ایک جگہ روشنی نظر آرہی تھی۔ ایک ہی بلب تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس ایک بلب کے علاوہ دور دور تک روشنی کا نام و نشان نہیں تھا۔

شاہ پری الجھن میں پڑ گئی۔ اگر وہاں کوئی آبادی ہوتی تو کچھ اور روشنیاں بھی ہوتیں لیکن صرف ایک ہی روشنی تھی اور یہ روشنی بھی بلب کی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ ان پہاڑوں میں جہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا، وہ اکلوتا بلب کیسے جل رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑی نشیب میں دیکھتی رہی، پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئی اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ان پہاڑوں میں ایک ایسی چیز دیکھ کر آئی ہوں جس کے بارے میں سن کر تم حیران ہو گے۔"

"ان پہاڑوں میں شیر تو ہوتے نہیں، تم نے کیا چیز دیکھ لی ہے؟" شارق بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" شاہ پری نے اشارہ کیا اور شارق کو اپنے ساتھ چٹان کے کنارے پر لے آئی۔ "وہ روشنی دیکھ رہے ہو۔" اس نے اشارہ کیا۔

"کوئی بلب جل رہا ہے۔ غالباً کوئی بستی ہوگی۔" شارق نے کہا۔

"افغانستان ایک پسماندہ ملک ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"روسیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور غربت اور افلاس کے علاوہ یہاں ہر چیز کی کمی ہے۔ یہاں بڑی بڑی بستیوں اور قصبوں میں بجلی نہیں ہے۔ افغانستان کی آدھی سے زیادہ آبادی نہیں جانتی کہ بجلی ہوتی کیا ہے۔ ہم اس وقت آبادی سے میلوں دور بنجر اور ویران پہاڑوں میں ہیں لیکن ہم سے کچھ فاصلے پر جلتا ہوا وہ بجلی کا بلب....."

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ مسعود نامی اس قبائلی نے بتایا تھا کہ پاکستان کی سرحد کے آس پاس ان

aazzamm@yahoo.com

پہاڑوں میں جہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا' وہ اکلوتا بلب کیسے جل رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑی نشیب میں دیکھتی رہی' پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئی اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ان پہاڑوں میں ایک ایسی چیز دیکھ کر آئی ہوں جس کے بارے میں سن کر تم حیران ہو گے۔"

"ان پہاڑوں میں شیر تو ہوتے نہیں' تم نے کیا چیز دیکھ لی ہے؟" شارق بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" شاہ پری نے اشارہ کیا اور شارق کو اپنے ساتھ چٹان کے کنارے پر لے آئی۔ "وہ روشنی دیکھ رہے ہو۔" اس نے اشارہ کیا۔

"کوئی بلب جل رہا ہے۔ غالباً کوئی بستی ہوگی۔" شارق نے کہا۔

"افغانستان ایک پسماندہ ملک ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"روسیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور غربت اور افلاس کے علاوہ یہاں ہر چیز کی کمی ہے۔ یہاں بڑی بڑی بستیوں اور قصبوں میں بجلی نہیں ہے۔ افغانستان کی آدھی سے زیادہ آبادی نہیں جانتی کہ بجلی ہوتی کیا ہے۔ ہم اس وقت آبادی سے میلوں دور بنجر اور ویران پہاڑوں میں ہیں لیکن ہم سے کچھ فاصلے پر جلتا ہوا وہ بجلی کا بلب....."

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ مسعود نامی اس قبائلی نے بتایا تھا کہ پاکستان کی سرحد کے آس پاس ان پہاڑوں میں ہیروئن کی فیکٹریاں ہیں اور....."

"سمجھ گیا۔" شارق نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہاں ہیروئن کی کوئی فیکٹری ہے۔"

"ہاں۔" شاہ پری نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ میرا خیال درست ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرف واقعی کوئی بستی ہو اور نشیب ہونے کی وجہ سے دوسری روشنیاں نظر نہ آرہی ہوں لیکن ان پہاڑوں میں بجلی کی موجودگی والی بات اب بھی میرے حلق سے نہیں اتر رہی اور پھر وہ روشنی یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے آدھا میل کا فاصلہ ہوگا۔"

"شاید۔" شارق بولا۔ "چیک کرنا پڑے گا۔"

نوکھا اور محمد عمر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آگئے تھے اور وہ بھی اس اکلوتی روشنی کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے تم لوگ یہیں بیٹھو۔ میں اور محمد عمر جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ روشنی کیسی ہے۔"

"شارق۔" اس نے سرگوشی کی۔ "یہ.....یہ آواز سن رہے ہو؟"

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میرا خیال ہے کوئی جنریٹر چل رہا ہے۔ اگر یہاں واقعی ہیروئن کی کوئی فیکٹری کام کر رہی ہے تو ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ آس پاس کوئی موجود ہو سکتا ہے۔"

"ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا۔ احتیاط سے آگے چلتے رہو۔" شاہ پری بولی۔

وہ تینوں ایک بار پھر آگے چلنے لگے۔ تینوں نے رائفلیں تان رکھی تھیں۔ ایک لمحے کے نوٹس پر وہ فائرنگ شروع کر سکتے تھے۔ وہ ایک تنگ سے راستے پر مسلسل نشیب سے اتر رہے تھے۔ دفعتاً" شارق رک گیا۔ اس نے ہاتھ سے اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

تقریباً دس گز آگے ایک پتھر پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا اور وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اگر وہ سگریٹ نہ پی رہا ہوتا تو اس کی موجودگی کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ چند سیکنڈ پہلے اس نے سگریٹ کا کش لگایا تھا اور سگریٹ کی مدھم سی روشنی سے ہی شارق کو اس آدمی کے بارے میں پتہ چلا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں آگے جا کر اس آدمی کو قابو میں کرتا ہوں۔" محمد عمر نے شارق اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہوشیار رہنا۔" شارق نے بھی سرگوشی کی۔ "اس کے منہ سے آواز نہیں نکلنی چاہیے۔ اگر اس نے شور مچا دیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"فکر مت کرو۔" محمد عمر بولا۔ "اسے ہونٹ کھولنے کا بھی موقع نہیں مل سکے گا۔"

محمد عمر نے اپنی رائفل وہیں رکھ کر چاقو نکال لیا اور بڑے محتاط انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا اس پتھر کی طرف بڑھنے لگا جس پر وہ شخص بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ شارق اور شاہ پری اپنی اپنی رائفل سنبھالے تیار کھڑے تھے۔

محمد عمر بہت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ پتھر کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہ شخص چادر اوڑھے بیٹھا تھا اور وقفے وقفے سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے قریب ہی پتھر پر ایک کلاشنکوف رائفل بھی رکھی ہوئی تھی۔ محمد عمر پتھر کے قریب رک گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر پتھر پر پہنچ گیا۔

پتھر پر بیٹھا ہوا وہ شخص چونک کر مڑا مگر محمد عمر نے اسے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور دوسرے ہاتھ سے چاقو کی نوک اس کی شہ رگ سے لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

aazzamm@yahoo.com

"تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو گلا کاٹ دوں گا۔ خاموشی سے نیچے اتر چلو۔"

یہ جملہ اس نے پشتو زبان میں کہا تھا اور اس شخص نے محمد عمر کی بات اچھی طرح سمجھ لی تھی۔

"کون ہو تم؟" اس شخص کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "تم جو کوئی بھی ہو' یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"ابھی تو تمہاری زندگی میرے رحم و کرم پر ہے۔ خاموشی سے نیچے اترو۔" محمد عمر نے کہا۔

وہ شخص بیٹھے بیٹھے گھوم کر پتھر سے نیچے اترنے لگا۔ محمد عمر نے اس کی گردن چھوڑ کر بڑی پھرتی سے پتھر پر پڑی ہوئی کلاشنکوف اٹھا لی تھی لیکن چاقو کی نوک اس نے اس شخص کی گردن سے لگائے رکھی تھی۔

محمد عمر اس شخص کو لے کر شارق اور شاہ پری کے قریب آگیا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس شخص کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ان دونوں نے اسے رائفلوں کی زد پر لے لیا تھا۔ محمد عمر نے چاقو جیب میں ڈال لیا اور اپنی رائفل بھی اٹھا لی۔

وہ تینوں اس شخص کو رائفلوں کی زد پر لیے اپنے پڑاؤ پر آگئے۔

"تم لوگ جو بھی ہو' بچ کر نہیں جا سکو گے۔ ان پہاڑوں پر چاروں طرف ہمارے آدمی موجود ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

"ہم یہاں تک آئے ہیں تو واپس بھی چلے جائیں گے۔" شارق نے ٹوٹی پھوٹی پشتو میں کہا۔ "تم اپنی فکر کرو اور یہ بتاؤ کہ وہاں بیٹھے کیا کر رہے تھے؟"

"وہاں کیا کام ہو رہا ہے؟"

"تم لوگ خود کیوں نہیں معلوم کر لیتے؟" اس شخص نے جواب دیا۔

"وہ تو ہم کر ہی لیں گے لیکن اس سے پہلے تم سے کچھ باتیں معلوم کرنا ضروری ہے۔" محمد عمر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ وہاں ہیروئن کی فیکٹری کام کر رہی ہے۔ تم سے ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت وہاں کتنے آدمی ہیں؟"

"تم لوگ مجھ سے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکو گے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ہم نے تو پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کر دیا ہے' تم تو انسان ہو۔ ابھی کچھ دیر میں تم فرفر بولنے لگو گے۔" محمد عمر نے کہا اور جیب سے رومال نکال کر بڑی پھرتی سے اس شخص کے منہ میں ٹھونس دیا اور پھر اسی شخص کی چادر سے ایک پٹی سی پھاڑ کر اس کے منہ پر باندھ دی کہ رومال باہر نہ نکل سکے۔

شارق اور نولکھا وغیرہ خاموش کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ محمد عمر نے ایک بار پھر جیب سے چاقو نکال لیا اور نوک اس شخص کے گال پر رکھتے ہوئے بولا۔

"میں نے تمہارا منہ اس لیے بند کیا ہے کہ تم چیخ نہ سکو۔ تمہارے ہاتھ پیر کھلے چھوڑ دیے ہیں۔ اگر تم چاہو تو اپنا دفاع کر سکتے ہو۔ اس دور ان اگر تم ہماری باتوں کا جواب دینا چاہو تو سر ہلا دینا۔"

اس نے چاقو کی نوک سے ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ اس شخص نے اچانک ہی محمد عمر کے ہاتھ پر ہاتھ مار دیا۔ اس طرح چرکا لگنے سے اس کے گال پر چٹھکا سا لگ گیا اور خون رسنے لگا۔

محمد عمر نے چاقو پھینک دیا اور ایک زوردار گھونسہ اس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ وہ شخص لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ محمد عمر نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

اس شخص کا صرف منہ بندھا ہوا تھا' ہاتھ پیر کھلے ہوئے تھے۔ وہ بھی بھرپور انداز میں اپنا دفاع کر رہا تھا لیکن محمد عمر شروع ہی سے اس پر حاوی ہو گیا تھا۔

زمین پر دھینگا مشتی کرتے ہوئے چاقو ایک بار پھر محمد عمر کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے چاقو کی نوک اس شخص کی شہ رگ پر رکھ دی۔ پہلے ایک ہلکا سا چرکا دیا' کھال کٹ گئی اور خون رسنے لگا۔

"میں تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔ بتاؤ زبان کھولو گے یا نہیں؟" محمد عمر غرایا۔

اس شخص نے سر کو ہولے سے حرکت دی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ محمد عمر نے اس کے گلے سے چاقو ہٹا لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چاقو کی نوک سے اس نے اس شخص کے منہ پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی اور منہ میں ٹھنسا ہوا رومال بھی نکال دیا اور اسے زوردار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے غرایا۔

"بتاؤ وہاں کتنے لوگ ہیں اور کیا ہو رہا ہے؟"

"وہاں.....وہاں.....تین آدمی اور ہیں۔" وہ شخص اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "ہیروئن کی یہ لیبارٹری خان عبدالقدوس کی ملکیت ہے۔ یہاں کی حکومت اب تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تو تم لوگ کیا کر لو گے؟ تم لوگ ان پہاڑوں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔"

"اس لیبارٹری میں کتنی ہیروئن تیار ہوتی ہے اور یہ ہیروئن کہاں جاتی ہے؟" یہ سوال شارق نے کیا تھا۔

"روزانہ سینکڑوں کلو ہیروئن تیار ہوتی ہے جو سرحد پار پہنچا دی جاتی ہے۔ اس میں سے کچھ ہیروئن پاکستان ہی کے مختلف علاقوں میں کھپا دی جاتی ہے اور کچھ دوسرے ملکوں کو بیچ دی جاتی

aazzamm@yahoo.com

ہے۔"

"کیا اس وقت بھی وہاں ہیروئن تیار ہو رہی ہے؟" شارق نے پوچھا۔ "نہیں۔" اس شخص نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن کام شروع کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ آج رات افیون کی ایک بہت بڑی کھیپ یہاں پہنچنے والی ہے۔ اس افیون سے پہلے مارفین بنائی جائے گی اور اس کے بعد ہیروئن کی تیاری کا مرحلہ آئے گا۔"

"کیا لیبارٹری میں تیار ہیروئن بھی موجود ہے؟" شارق نے سوال کیا۔

"ہاں.....اس وقت وہاں تقریباً دو ہزار کلو تیار ہیروئن موجود ہے۔ جو لوگ آج رات افیون کی کھیپ لے کر آئیں گے' وہی لوگ یہ تیار ہیروئن یہاں سے لے جائیں گے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"افیون کی مقدار کتنی ہے اور وہ لوگ کس وقت یہاں پہنچیں گے؟" شارق نے ایک اور سوال کیا۔

"ڈیڑھ ہزار گرام۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "وہ لوگ دس بجے کے قریب یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کیا لیبارٹری تک آنے کے لیے گاڑی کا راستہ بھی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم لوگ پیدل آتے جاتے ہیں اور مال لانے' لے جانے کے لیے گدھے استعمال ہوتے ہیں۔ اس وقت تین آدمی ان گدھوں کے ساتھ ہوں گے۔"

"اس علاقے میں اور کتنی لیبارٹریاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"چار....." اس شخص نے جواب دیا۔ "ایک خان عبدالقدوس کی لیبارٹری ہے اور تین اور ہیں لیکن تم لوگ کون ہو؟ کیا تمہارا تعلق کسی ایجنسی سے ہے؟"

"ہاں' یہی سمجھ لو۔" شارق نے کہا۔ "افیون کی کھیپ کس راستے سے آئے گی؟"

"جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا' وہاں دوسری طرف تقریباً دس گز نیچے ایک تنگ سا راستہ ہے۔ لیبارٹری تک آنے جانے کے لیے وہی راستہ استعمال کیا جاتا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"تم نے بتایا تھا کہ وہ لوگ دس بجے کے قریب یہاں پہنچیں گے۔ تمہارے ہاتھ پر گھڑی بندھی ہوئی ہے۔ اس وقت کیا بجا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

اس شخص کی کلائی پر الیکٹرونک گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر ننھا سا بلب روشن کیا اور پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آٹھ بجے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے سر ہلا دیا۔ "ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہم لیبارٹری میں موجود آدمیوں کا بندوبست کر لیں گے اور جب وہ لوگ افیون لے کر یہاں پہنچیں گے تو ان سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔"

"تم لوگ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔" اس شخص نے کہا۔ "تم لوگ جو کچھ سوچ رہے ہو' اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"عمل کرنا مشکل بھی ہو تو کوئی بات نہیں۔ ہم لوگ مشکلوں کے عادی ہو چکے ہیں۔" شارق نے کہا۔ پھر محمد عمر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "عمر اس کا بندوبست کرو۔"

محمد عمر نے اس شخص کی چادر پھاڑ کر پہلے لمبی لمبی پٹیاں بنائیں' پھر انہیں رسی کی طرح بٹ لیا اور اس شخص کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔

"تم دو تین گھنٹے یہاں آرام کرو۔ واپس آکر ہم تمہیں کھول دیں گے۔" شارق نے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "گھوڑے یہیں چھوڑ دو۔ ہم لوگ دو تین گھنٹوں میں واپس آجائیں گے۔"

وہ لوگ اپنی اپنی رائفلیں اٹھا کر چل پڑے۔ سب سے آگے محمد عمر تھا۔ اس کے پیچھے شارق' پھر دونوں لڑکیاں اور آخر میں نولکھا۔ تاریکی میں تنگ سے راستہ پر چلنا نولکھا کے لیے مشکل ہو رہا تھا لیکن وہ بہرحال ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

اس جگہ پہنچنے میں انہیں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ بلب لکڑی کے ایک پول پر لگا ہوا تھا۔ اس جگہ چاروں طرف چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں جن کے درمیان کھلی جگہ پر مختلف چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ کئی ڈرم تھے جو دھوئیں سے کالے ہو رہے تھے۔

ایک طرف لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگا ہوا تھا اور اس سے ذرا آگے بڑے بڑے پتھر رکھ کر چولہے بنائے گئے تھے۔ وہ ڈرم غالباً انہی چولہوں پر چڑھائے جاتے ہوں گے۔ ایک طرف چٹان کے ساتھ کئی بوریاں نیچے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔

دائیں طرف والی چٹان میں ایک بہت بڑا غار بھی نظر آرہا تھا۔ اس غار کے اندر بھی روشنی ہو رہی تھی۔ جو کچھ بھی تھا' اس غار کے اندر تھا اور ظاہر ہے وہ لوگ براہ راست غار میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ لوگ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے کھڑے غار کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن ابھی تک کسی انسان کا سایہ تک دکھائی نہیں دیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"شاہ پری..... ثمینہ۔" شارق نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"تم دونوں یہیں کھڑی رہو۔ غار کے علاوہ آس پاس کا بھی خیال رکھو گی۔ اس نے کہا تھا کہ یہاں صرف تین آدمی ہیں۔ ممکن ہے اس نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بولا ہو اور غار میں تین سے زیادہ آدمی موجود ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس طرف آنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور نولکھا تم اس راستے پر پہرہ دو گے۔ کوئی بھی اس طرف آنے کی کوشش کرے تو بلاجھجک گولی سے اڑا دینا اور محمد عمر تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں اپنی رائفلیں سنبھالے ایک طرف چلنے لگے۔ لکڑیوں کے انبار کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ شارق نے محمد عمر کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے دوڑتا ہوا ڈرموں کے پیچھے چلا گیا۔ یہاں سے غار کا دہانہ صاف نظر آرہا تھا۔ غار کے اندر بھی بلب کی روشنی میں ڈرم رکھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ تقریباً تین چار فٹ آگے یہ غار دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس طرف بھی روشنی نظر آرہی تھی اور غار کے اندر سے جنریٹر کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ بجلی کا جنریٹر غار کے اندر ہی کسی جگہ رکھا ہوا تھا۔

شارق نے محمد عمر کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور ڈرموں کی آڑ لیتا ہوا غار کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ غار کے دہانے تک پہنچا ہی تھا کہ ایک آدمی غار کے اندر والے موڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ شارق نے بڑی تیزی سے ایک ڈرم کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور جھانک کر سامنے دیکھنے لگا۔

وہ لمبے قد کا آدمی تھا۔ لمبی داڑھی اور سر پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا غار کے دہانے پر آکر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شارق اس شخص سے صرف دس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ ان کے درمیان صرف وہ ڈرم تھا جس کے پیچھے شارق چھپا ہوا تھا۔ شارق کی انگلی رائفل کے ٹریگر پر تھی۔ وہ کسی بھی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

وہ شخص چند لمحے غار کے دہانے پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر وہ جیسے ہی واپس جانے کے لیے مڑا' شارق بڑی پھرتی سے ڈرم کی آڑ سے نکل آیا اور رائفل کی نال اس شخص کی گردن سے لگاتے ہوئے غرایا۔

"رائفل پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

وہ شخص ہاتھ اٹھانے کے بجائے تیزی سے گھوم گیا۔ شارق نے بلاجھجک ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس شخص کی کھوپڑی میں لگی۔ وہ تیورا کر گرا لیکن اس کی انگلی ٹریگر دبا چکی تھی۔ رائفل آٹومیٹک پر

سیٹ تھی۔ گولیاں تڑتڑاتے ہوئے رائفل کی نالی سے نکل رہی تھیں۔ کئی گولیاں شارق کی ٹانگوں کے قریب سے گزری تھیں۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گیا تھا۔

رائفل خاموش ہو گئی۔ اس کا میگزین خالی ہو گیا تھا لیکن رائفل پر اس شخص کی گرفت اب بھی مضبوط تھی۔ سر پر گولی لگنے سے پہلے اس نے ٹریگر دبایا تھا اور پھر تشنج کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس سے اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

غار کے اندر کی طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر شارق نے ایک بار پھر ڈرموں کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دو آدمی دوڑتے ہوئے سامنے آگئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش کے قریب ٹھٹک کر رک گئے۔ ان دونوں نے چیخ کر ایک دوسرے سے کچھ کہا اور غار کے دہانے کی طرف دوڑے۔ دہانے پر پہنچتے ہی انہوں نے چاروں طرف اندھادھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔

شارق نے بھی ڈرم کی آڑ سے نکل کر فائر کھول دیا۔ ایک آدمی کے بازو میں گولی لگی۔ وہ چیختا ہوا پلٹا لیکن ٹھیک اسی لمحہ باہر سے محمد عمر نے فائرنگ شروع کر دی۔ یہ دونوں آدمی اس کی گولیوں کا نشانہ بن کر ڈھیر ہو گئے۔

فائرنگ بند ہو گئی۔ ایک دم سناٹا چھا گیا۔ شارق اپنی جگہ پر دبکا رہا۔ دو منٹ گزر گئے۔ غار کے اندر بھی خاموشی تھی اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شارق ڈرم کی آڑ سے نکل آیا اور اس نے محمد عمر کو بھی آگے آنے کا اشارہ کر دیا۔ محمد عمر نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ دونوں رائفلیں تانے محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ غار کے موڑ پر پہنچ کر وہ رک گئے اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرتے رہے لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ چند سیکنڈ بعد شارق چھلانگ لگا کر سامنے آگیا۔ اس نے رائفل دونوں ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔ انگلی ٹریگر پر تھی۔ وہ کسی بھی لمحہ ٹریگر دبا سکتا تھا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ غار میں کوئی نہیں تھا۔ محمد عمر بھی آگے آگیا۔

غار کے اس حصے میں کئی بلب جل رہے تھے اور دن جیسی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کا منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ غار کا یہ حصہ کسی بہت بڑے ہال کی طرح وسیع و عریض تھا۔ ایک حصے میں جدید ترین لیبارٹری بنی ہوئی تھی۔ اسٹین لیس اسٹیل کے کئی ڈرم' بڑے بڑے پتیلے اور اس قسم کی دوسری بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ ایک طرف کیمیکل کے کئی ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ یہ کیمیکل ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہوتا تھا۔ ایک طرف

aazzamm@yahoo.com

تیار ہیروئن کے پیکٹ نیچے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک پیکٹ اٹھا کر دیکھا۔ اس میں کم از کم پانچ کلو ہیروئن بھری ہوئی تھی۔ ایسے لاتعداد پیکٹ تھے۔

شارق اور محمد عمر پورے غار میں گھومتے رہے۔ یہاں کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان کے قیدی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہاں صرف تین آدمی تھے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک سامنے آچکا ہوتا۔

"دیکھ رہے ہو محمد عمر۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ زہر جو معصوم نوجوانوں کے خون میں گھولا جاتا ہے۔ موت کے یہ سوداگر اپنے گھروں میں دولت کے انبار لگانے کے لیے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بولا۔ "میں بھی موت کے ان سوداگروں کا آلہ کار بن گیا تھا۔ یہ جرم مجھ سے بھی ہوا ہے لیکن اب مجھے ہوش آگیا ہے۔ میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں موت کے ان سوداگروں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"شارق بھائی۔" محمد عمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر اس مقصد کے لیے میری جان بھی چلی جائے تو مجھے افسوس نہیں ہوگا۔"

"اب ہم مل کر ہی یہ کام کریں گے۔" شارق نے جواب دیا اور پھر وہ غار سے باہر آگیا۔ اس نے نولکھا وغیرہ کو بھی بلا لیا۔

غار میں یہ سب کچھ دیکھ کر نولکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"آگ لگا دو ان سب کو۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دو۔"

"ابھی نہیں نولکھا۔" شارق بولا۔ "ابھی تو افیون کی ایک بڑی کھیپ آنے والی ہے۔ اس کھیپ کو بھی پہنچ جانے دو' ایک ہی بار آگ لگائیں گے۔"

"ٹھیک ہے' ہم ان کا بھی انتظار کر لیں گے۔" نولکھا بولا۔

وہ لوگ غار سے باہر آکر ایک ایسی جگہ پر بیٹھ گئے جہاں سے اس طرف آنے والے راستے پر نہ صرف نگاہ رکھی جا سکتی تھی بلکہ آنے والوں کو گھیرے میں بھی لیا جا سکتا تھا۔

وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ ان میں سے کسی کے پاس گھڑی نہیں تھی' اس لیے وقت کا اندازہ لگانا دشوار ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے رات آدھی سے زیادہ بیت گئی ہو لیکن وہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ ابھی دس نہیں بجے تھے۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا اور پھر دفعتاً وہ سب چونک گئے۔ پتھروں کے لڑھکنے کی آواز ان سب نے سنی تھی۔ وہ لوگ یکدم ہوشیار ہو گئے۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آرہے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگ اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لو۔ محمد عمر تم غار کے دہانے پر پہنچ جاؤ۔ انہیں غار میں داخل ہونے سے روکنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ جو بھی غار میں گھسنے کی کوشش کرے' اسے اڑا دینا گولی سے اور نولکھا تم سامنے چلے جاؤ۔ وہ لوگ جب اس جگہ پہنچ جائیں' اس نے کھلی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

"تو تم واپسی کا راستہ بلاک کر دو گے۔ ثمینہ تمہارے ساتھ ہوگی اور شاہ پری تم اس پتھر کے پیچھے پوزیشن سنبھالے رہو گی۔ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے کسی کو بچ نکلنے کا موقع نہیں دو گی۔"

"ٹھیک ہے' فکر مت کرو۔ کوئی بھی بچ کر نہیں جا سکے گا۔" شاہ پری نے کہا۔

وہ سب لوگ اٹھ کر اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔ شارق نے بھی ایک پتھر کے پیچھے اپنی پوزیشن سنبھال لی اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پہلا آدمی دو گدھوں کو ہانکتا ہوا اس تنگ سے راستے سے نکل کر کھلی جگہ پر آگیا۔ اس شخص کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے کئی اور گدھے تھے جن پر افیون کے بورے لدے ہوئے تھے۔

آخر میں دو اور آدمی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی رائفلیں تھیں۔ وہ سب لوگ کھلی جگہ پر پہنچ گئے اور ڈرموں کے قریب پہنچ کر گدھوں پر لدے ہوئے بورے اتارنے لگے۔

"محبت خان؟ کہاں ہو تم لوگ؟" ان تینوں میں سے ایک نے غار کی طرف رخ کر کے پکارا۔

"یہاں کوئی محبت خان نہیں ہے۔ تم لوگ چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک دو۔" غار کی طرف سے محمد عمر کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ تینوں ایک دم اچھل پڑے اور ادھر ادھر پوزیشن لینے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ محمد عمر ایک پتھر کی آڑ میں تھا۔ کئی گولیاں پتھر پر لگیں۔ پتھر کے ٹکڑے ہوا میں اڑ کر ادھر ادھر بکھرنے لگے۔ ان لوگوں کی چلائی ہوئی گولیاں محمد عمر کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکی تھیں۔

شارق دائیں طرف تھا۔ اس نے بھی فائر کھول دیا۔ ایک آدمی اس کی گولیوں کا نشانہ بن کر گرا۔ دوسری طرف سے نولکھا وغیرہ نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ گدھوں پر افیون لانے والے باقی دونوں آدمی بھی چھلنی ہو کر گر پڑے۔

کوئی بھی نہیں بچا تھا۔ شارق اور اس کے ساتھی کھلی جگہ پر جمع ہو گئے۔ انہوں نے لاشیں اٹھا کر ایک طرف ڈال دیں اور افیون کے بورے اٹھا اٹھا کر لکڑیوں کے انبار پر پھینکنے لگے۔

انبار کو آگ لگانے کے بعد شارق نے دو جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں اور دوڑتا ہوا غار میں

aazzamm@yahoo.com

گھس گیا۔ اس نے لکڑیوں کو ہال کے وسط میں پھینک دیا اور جنریٹر کے قریب پڑا ہوا تیل کا ڈرم الٹ دیا۔ تیل آہستہ آہستہ جلتی ہوئی لکڑیوں کی طرف بہنے لگا۔ تیل نے جیسے ہی آگ پکڑی' شارق باہر کی طرف دوڑا۔

"بھاگو....بھاگو یہاں سے....." شارق غار سے باہر نکلتے ہوئے چیخا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گدھوں کو بھی وہاں سے ہانکنے لگا۔

گدھے بدحواس ہو کر تنگ سے راستے پر دوڑ رہے تھے۔ ان کے پیچھے شارق وغیرہ تھے۔ شارق نے مڑ کر دیکھا۔ لکڑیوں کے انبار سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ غار کے دہانے سے بھی شعلے اٹھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بہتا ہوا تیل باہر کی طرف آرہا تھا جس سے آگ پھیل رہی تھی۔

"جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے دور نکل چلو۔" شارق چیخا۔ "غار کے اندر خطرناک کیمیکل کے ڈرم پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ڈرم جب پھٹیں گے تو قیامت آجائے گی۔"

وہ لوگ اصل راستہ چھوڑ کر چٹانوں میں گھس گئے اور اندھا دھند دوڑنے لگے۔ انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ تاریکی میں اس طرح دوڑنا خود ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

وہ بے تحاشہ دوڑتے رہے اور پھر پہلا دھماکہ سنائی دیا۔ غار کے اندر کیمیکل کا کوئی ڈرم پھٹا تھا اور دھماکے کی آواز دبی دبی سی تھی لیکن شارق جانتا تھا کہ کیمیکل کے ڈرم جب یکے بعد دیگرے پھٹنے شروع ہوں گے تو یہاں قیامت آجائے گی۔ اس لیے وہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔

ایک دو اور مدھم سے دھماکے سنائی دیئے۔ وہ دوڑتے رہے اور بالآخر اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ ان کا قیدی اسی طرح بندھا ہوا پڑا تھا جس طرح وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ شارق اسے گھسیٹتا وہاں چٹان کے کنارے تک لے آیا۔

"وہ دیکھو۔" شارق نے نشیب کی طرف اشارہ کیا جہاں سے مہیب شعلے اٹھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ "وہ دیکھو' تمہارے خان عبدالقدوس خان کی لیبارٹری۔ نہیں موت کی فیکٹری۔ اب اس میں کچھ نہیں بچا۔ وہاں تیار شدہ ہیروئن اور افیون کی آنے والی نئی کھیپ' سب کچھ جل کر راکھ ہو رہا ہے اور تمہارے وہ آدمی بھی جل کر راکھ ہو جائیں گے۔"

شارق خاموش ہوا ہی تھا کہ ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور پھر پے در پے دھماکے ہونے لگے۔ غار کے اندر رکھے ہوئے خطرناک کیمیکل کے ڈرم پھٹ رہے تھے۔ ایک اور دھماکہ

اور یوں لگا جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ غار والی چٹان آتش فشاں ہی کی طرح پھٹی تھی۔ آگ کے شعلے اور چٹانی پتھر سینکڑوں فٹ اوپر تک اڑ رہے تھے۔

آس پاس کے پہاڑ ہل گئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ وہ چٹان بھی کانپ کر رہ گئی تھی جس پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق نے اپنے قیدی کی طرف دیکھا اور دفعتاً" وہ بری طرح چونک گیا۔ ان کا قیدی زمین پر لوٹ لگاتا ہوا چٹان کے آخری کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر چیختا ہوا اس کی طرف دوڑا مگر وہ قیدی ایک اور لوٹ لگا چکا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اس کی آخری چیخ بڑی خوفناک تھی۔

○

ہیروئن تیار کرنے والی وہ لیبارٹری مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی۔ وہاں اب آگ کے شعلوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

وہ لوگ رات بھر نہیں سو سکے تھے۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اس علاقے میں ہیروئن تیار کرنے والی اور بھی لیبارٹریاں موجود تھیں۔ وہ لیبارٹریاں اسی طرح پہاڑوں میں چھپی ہوئی تھیں لیکن دھماکوں کی آوازیں کہیں نہ کہیں ضرور سنی گئی ہوں گی۔ شارق کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ دن چڑھنے پر اگر پہاڑوں میں چھپے ہوئے لوگ صورتحال معلوم کرنے اس طرف آگئے تو وہ لوگ گھیرے میں آسکتے تھے۔

اس لیے وہ صبح ہونے سے پہلے ہی اس علاقے سے نکل جانا چاہتے تھے۔

صبح ہونے میں تقریباً" دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ لوگ روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ گھوڑوں پر تاریکی میں سفر کرنا اگرچہ خطرناک تھا لیکن یہ خطرہ مول لیے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ محتاط انداز میں سفر کرتے رہے۔

دن کی روشنی پھیلنے پر وہ رک گئے۔ رات بھر جاگنے اور سفر سے وہ بری طرح تھک گئے۔ ایک چٹان کے دامن میں مناسب جگہ دیکھ کر انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آگے روانہ ہو جائیں گے لیکن نیند اور تھکن نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ ایک ایک کرکے ان سب کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ سب نیند کی آغوش میں پہنچ چکے تھے۔

گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آواز سن کر سب سے پہلے نولکھا کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ کچھ دیر تک

aazzamm@yahoo.com

اپنی جگہ پر لیٹا آنکھیں میچ مچاتا رہا اور جب اس نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

وہ آٹھ آدمی تھے جنہوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان سب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ لمبی داڑھیاں' سروں پر پگڑیاں' قبائلی لباس اور گھورتی ہوئی خونخوار آنکھیں۔ وہ وحشی ہی لگتے تھے۔

نولکھا کو اپنے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اپنے قریب ہی سوئے ہوئے شارق کو جھنجھوڑ دیا۔ شارق ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کا ہاتھ سب سے پہلے اپنی رائفل کی طرف بڑھا تھا لیکن اسی وقت فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی اور رائفل شارق کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ فائر کی آواز سن کر ان کے دوسرے ساتھی بھی جاگ گئے تھے۔ صورتحال دیکھ کر ان سب کے چہرے دھواں ہو گئے تھے۔

"اگر کسی نے رائفل کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تو اسے گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔" ان میں سے ایک آدمی نے دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔"

اس شخص نے بات اگرچہ اردو میں کی تھی لیکن اس میں پشتو کے الفاظ بھی شامل تھے لیکن بات کا مطلب بہرحال ان سب کی سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ سب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ سر سے بلند کر دیئے۔ ان سے مخاطب ہونے والے شخص نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سب کی رائفلیں جمع کر لیں۔

"میرا نام گلباز خان ہے۔" اسی شخص نے باری باری ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ ویسے میں یہ بات واضح کر دوں کہ اگر کوئی فرار ہونے میں کامیاب ہو بھی گیا تو ان بنجر اور ویران پہاڑوں میں بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔ یہاں میلوں دور تک کسی آبادی کا نشان نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے احکامات کی تعمیل کرو گے۔"

"دیکھو او بھائی گلباز خان۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تو پہلے ہی مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔ راستہ بھول کر کہیں کے کہیں آنکلے ہیں۔ بھوک پیاس نے پہلے ہی ہمیں ادھ موا کر رکھا ہے۔ تم مجھے شریف آدمی لگتے ہو۔ ہمیں ان پہاڑوں سے نکلنے کا راستہ بتا دو۔ ہم خاموشی سے چلے جائیں گے۔ ہماری اور تمہاری کیا دشمنی ہے۔"

"دشمنی نہیں تو ہم ایک دوسرے کے دوست بھی نہیں ہیں۔" گلباز نے کہا۔ "دوستی کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ لا ہاتھ ملا۔" نولکھا نے کہتے ہوئے دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"ہم دوستی کا ہاتھ بھی بہت سوچ سمجھ کر بڑھاتے ہیں اور تم لوگوں کے بارے میں تو ہمیں بہت سوچنا پڑے گا۔" گلباز خان نے کہا۔

"کیوں۔ کیا ہم اس دنیا کی مخلوق نہیں جن سے دوستی کرتے ہوئے تمہیں سوچنا پڑے گا؟" نولکھا نے کہا۔

"آسمانی مخلوق نہیں ہو لیکن اس سے زیادہ خطرناک ہو۔" گلباز خان نے کہا۔ "تم وہ لوگ ہو جو برائی سے یہاں تک اپنے دشمن کو شکست دیتے آئے ہو۔ پولیس کی بھاری نفری بھی تم لوگوں کا راستہ نہیں روک سکی۔ میرے خیال میں تم لوگوں سے زیادہ خطرناک اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

نولکھا نے فوری طور پر جواب دینے کے بجائے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سب کے چہروں پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو بھائی گلباز خان؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"میں جو کچھ سمجھ رہا ہوں' ٹھیک سمجھ رہا ہوں۔" گلباز نے کہا۔ "تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ان پہاڑوں میں خبریں بڑی تیزی سے سفر کرتی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ طور خان کے گروہ کو تم لوگوں نے کس طرح توڑا تھا۔ طور خان ایک دہشت کا نام تھا۔ ہر صوبے کی حکومت اس کے نام سے خوفزدہ تھی لیکن تم لوگوں نے اس گروہ کا جس طرح خاتمہ کیا ہے' وہ قابل تعریف ہے۔ تمہارا یہ ساتھی۔" اس نے محمد عمر کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بات کی گواہی دے گا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ طور خان ہی کے گروہ کا آدمی ہے۔"

"ہاں.... تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس مرتبہ نولکھا کے بجائے شارق نے گلباز خان کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن طور خان سے بھی ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس نے ہماری ایک عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑا۔ ہمارا نہ تو کسی گروہ سے تعلق ہے اور نہ ہی ہم جرائم پیشہ ہیں۔ ہم تو حالات کا شکار ہوئے ہیں اور یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔"

افغان حکمرانوں کو ان پاکستانی جاسوسوں کی تلاش ہے جو ایک خاص مشن پر کابل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ ملک فرید خان کے مہمان تھے لیکن اتفاق سے ملک فرید خان کو کابل میں گرفتار کر لیا

aazzamm@yahoo.com

گیا تو وہ پاکستانی جاسوس براکی سے ہی بھاگ نکلے اور تخریب کاری کرتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی تلاش میں سرحدوں کی بھی نگرانی کی جا رہی ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ ہمارے گھیرے میں آگئے ہو۔ ہم تمہیں افغان حکومت کے حوالے کر دیں تو یہاں ہمیں بہت سی مراعات مل سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "خان عبدالقدوس خان کو بھی یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ اس کی لیبارٹری تباہ کر دی گئی ہے۔ وہ لیبارٹری تباہ کرنے والوں کی تلاش میں ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان مارے گا۔"

"یہ خان عبدالقدوس خان کوئی سائنس دان ہے کیا؟" نولکھا نے پوچھا۔

"انجان بننے کی کوشش مت کرو۔" گلباز خان نے اسے گھورا۔ "خان عبدالقدوس خان کو ہم پر بھی شک ہو سکتا ہے کہ اس کی لیبارٹری ہم نے تباہ کی ہے۔ وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کرے گا تو ہم تم لوگوں کو ان کے سامنے پیش کر دیں گے۔"

"تو کیا تم نے بھی کوئی لیبارٹری بنا رکھی ہے؟" نولکھا نے پوچھا۔

"میری لیبارٹری اس علاقے کی سب سے بڑی لیبارٹری ہے۔" گلباز خان نے کہا۔

"ہم لوگوں میں کاروباری رقابتیں چلتی رہتی ہیں۔ کسی لیبارٹری کو مکمل طور پر تباہ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ خان عبدالقدوس خان چین سے نہیں بیٹھے گا اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ ہمیں مل گئے ہو۔"

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"فی الحال تو تم لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ بعد میں کیا جائے گا کہ تم لوگوں سے کیا چاہتے ہیں۔ اب خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو۔ میں تم لوگوں کو وارننگ دے چکا ہوں کہ اگر کسی نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہوگی۔"

گلباز خان نے رائفل سے اشارہ کیا۔ شارق وغیرہ نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ گلباز خان اور اس کے ساتھیوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے جس کا مطلب تھا کہ انہیں زیادہ دور نہیں جانا تھا۔

"کیا ہم اپنے گھوڑے یہیں چھوڑ دیں؟" شارق نے گلباز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لو۔" گلباز خان نے کہا۔ "پیدل چلیں گے۔ ہماری منزل زیادہ دور نہیں ہے۔"

گلباز خان نے غلط نہیں کہا تھا۔ انہیں تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ وہ لوگ بڑی مشکل سے وہاں تک پہنچ پائے تھے۔ بلند پہاڑوں کے عین بیچ میں

ایک بہت بڑا شیڈ بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک مکان بھی تھا جو بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ چاروں طرف دور دور تک لوہے کی خاردار تاروں کا جنگلہ تھا۔

شیڈ کے نیچے بہت سارے ڈرم رکھے ہوئے تھے اور چولہے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف لکڑیوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ پانچ چولہوں میں آگ جل رہی تھی اور ان پر ڈرم چڑھے ہوئے تھے۔ ان ڈرموں میں کوئی چیز پک رہی تھی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ فضا میں ایک ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے لنگر تیار ہو رہا ہے۔" نولکھا گلباز خان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تم لوگوں کے پاس دیگیں یا پتیلے نہیں ہیں؟ کھانا ان ڈرموں میں تیار کرتے ہو؟"

"یہ کھانا تیار نہیں ہو رہا۔" گلباز خان نے کہا۔ "ان ڈرموں میں افیون پک رہی ہے۔ یہ ہیروئن کی تیاری کا پہلا مرحلہ ہے۔ افیون میں نوشادر ڈال کر پکایا جا رہا ہے۔ اس سے مارفین تیار ہوگی۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہیروئن کی تیاری کا مرحلہ آتا ہے۔"

"دو چار ہیرو بھی تیار کر لو تم لوگ۔ یہ کیا بات ہوئی کہ پوری قوم ہی ہیروئن کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

گلباز خان اس کا طنز نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس نے ساتھ آنے والوں کو اشارہ کیا۔ وہ مختلف جگہوں پر پھیل گئے۔ دو آدمی پہلے سے وہاں موجود تھے جو کام کر رہے تھے۔ اس طرح ان کی کل تعداد دس تھی۔

"اس مکان میں ہماری لیبارٹری ہے۔ یہاں آخری مرحلے میں ہیروئن تیار ہوتی ہے۔" گلباز خان نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے پچھلی طرف ایک اور مکان ہے جو ہم رہائش کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

"کیا یہاں آمد و رفت کا یہی ایک راستہ ہے؟" شارق نے اس راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جس سے وہ آئے تھے۔

"اصل راستہ اس چٹان کے پیچھے ہے۔" گلباز خان نے ایک طرف اشارہ کیا لیکن اگر تم یہاں سے فرار کے امکانات کا جائزہ لے رہے ہو تو اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔ ان خاردار تاروں سے بلی کا بچہ بھی نہیں نکل سکتا۔ اس کے علاوہ میرے یہ آدمی چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ ان کی نظروں میں آئے بغیر کوئی کسی طرف نہیں جا سکتا۔ بہرحال تم لوگ اپنے گھوڑے وہاں باندھ دو۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"گھوڑے تو باندھ دیتے ہیں لیکن تم ہمیں یہاں بھوکا پیاسا رکھو گے۔ افغان تو بڑے مہمان

aazzamm@yahoo.com

نواز ہوتے ہیں اور ہمیں بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہاں تمہیں بھوکا نہیں رکھا جائے گا۔" گلباز خان نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" وہ اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

وہ لیبارٹری کے پچھلی طرف والے مکان میں آگئے۔ گلباز خان انہیں ایک کمرے میں لے آیا جس کے فرش پر موٹی دری نما قالین بچھا ہوا تھا۔

"تم لوگ اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔" گلباز خان نے کہا۔ "اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو انجام کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔ کچھ دیر بعد تم لوگوں کو کھانے کو مل جائے گا۔"

گلباز خان باہر چلا گیا۔ دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ دو آدمی دروازے کے ساتھ رائفلیں سنبھال کر بیٹھ گئے تھے۔

شارق اور اس کے ساتھی دری پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ثمینہ اور شاہ پری لیٹ گئی تھیں۔ ان سب کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ اب تک وہ ہر قسم کے حالات سے نمٹتے آئے تھے لیکن یہاں صورتحال مختلف تھی۔ انہیں نہتا کر دیا گیا تھا اور ان پر مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا تھا لیکن وہ مایوس نہیں تھے البتہ ایک پریشانی کی بات ضرور تھی۔

گلباز خان نے بتایا تھا کہ وہ انہیں افغان حکومت کے حوالے کرکے اپنے لیے مراعات حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اس نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر خان عبدالقدوس خان نے چڑھائی کر دی تو وہ انہیں اس کے حوالے کر دے گا۔

"اب کیا ہوگا شارق بھائی؟" محمد عمر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم لوگ بری طرح پھنس گئے ہیں۔ اگر گلباز خان ہمیں حکومت کے حوالے کر دیتا ہے تو ہمارے بچنے کی کوئی امید نہیں رہے گی۔ اگر ہمیں موت کی سزا نہ بھی ہوئی تو ہم زندگی بھر جیل میں پڑے سڑتے رہیں گے۔ دوسری طرف اگر ہمیں خان عبدالقدوس خان کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے تو بھی ہم نہیں بچ سکتے۔ تمہیں تو تجربہ ہو چکا ہے موت کے یہ سوداگر بڑے بے رحم اور سنگدل ہوتے ہیں۔ ان سے کسی رعایت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہم نے اس کی ہیروئن کی لیبارٹری تباہ کر دی ہے۔ اس کا کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں ایسی اذیت ناک موت مارے گا کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"مایوس نہ ہو عمر۔" شارق نے کہا۔ "میں نے تو اس سے بھی زیادہ بدتر حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔ یہ صورتحال تو اتنی زیادہ بری نہیں' ہمارے صرف ہتھیار ہی چھینے گئے ہیں۔ ہمیں باندھ کر نہیں رکھا یا قید نہیں کیا گیا۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی

کمرے سے باہر جانا چاہے تو روکا نہیں جائے گا۔ یہ صورتحال مایوس کن نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں سے ہمارے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔"

"اور ہم یہ لیبارٹری تباہ کرکے ہی یہاں سے جائیں گے۔" قریب لیٹی ہوئی شاہ پری نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور..... ضرور....." نولکھا بولا۔ "لیکن پہلے ان لوگوں سے پوچھو کہ ہمیں کچھ کھانے پینے کو بھی دیں گے یا بھوکا ہی رکھیں گے۔"

"گلباز خان نے کہا تھا کہ وہ ہمیں کھانا بھجوا دے گا۔" شارق نے کہا۔

"تھوڑا انتظار کر لو..... وہ کھانا بھجوا دے گا۔"

وہ لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ تین آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ دو نے طشت اٹھا رکھے تھے اور تیسرا رائفل تانے دروازے ہی میں رک گیا تھا۔ ایک آدمی نے طشت نیچے رکھ کر دسترخوان بچھا دیا اور دوسرے آدمی نے اس پر کھانا سجا دیا۔ بھنا ہوا گوشت' نان اور دو چیزیں اور تھیں جو گوشت ہی سے تیار کی گئی تھیں۔ وہ لوگ کھانا لگا کر واپس چلے گئے۔ شارق اور اس کے ساتھی اس طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے جیسے کئی روز سے بھوکے ہوں۔

وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہی میں سے ایک آدمی ایلومینیم کی ایک کیتلی اٹھائے اندر آگیا۔ کیتلی دھوئیں سے کالی ہو رہی تھی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چینی کی چھوٹی چھوٹی پیالیاں تھیں۔

"چائے؟" اس نے کیتلی اور پیالیاں ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"چائے۔" نولکھا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے آگیا اور کیتلی اٹھا کر پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔ پھر اس نے ایک ایک پیالی ان سب کے سامنے رکھ دی۔

"ہم تو بھول ہی گئے تھے کہ چائے بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" ثمینہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔ "کئی روز بعد چائے پی رہے ہیں۔ بڑا مزا آرہا ہے۔"

"اب تو مزے لے لو۔ جب یہ لوگ ہمیں حکومت یا خان عبدالقدوس خان کے حوالے کریں گے تو پتہ چلے گا۔" نولکھا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

چائے واقعی مزے کی تھی۔ اگرچہ پاؤڈر ملک استعمال کیا گیا تھا لیکن ذائقہ بہت عمدہ تھا۔ وہ مزے لے لے کر چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔

وہ دن کا باقی حصہ کمرے ہی میں رہے۔ اس دوران شارق اور نولکھا کو فطری ضرورت کے تحت باہر نکلنا پڑا۔ ہر مرتبہ گن مین ساتھ رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی کمرے میں بلب روشن ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے یہاں بھی جنریٹر لگا ہوا تھا۔ بتی جلنے کے کچھ ہی دیر بعد ان کے لیے کھانا آگیا۔ وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے کہ گلباز خان بھی آگیا۔ اس کے ساتھ ایک گن مین بھی تھا جو دروازے ہی میں رک گیا تھا۔ گلباز خان آگے آکر ان کے قریب ہی دری پر بیٹھ گیا۔

"ہمارے بارے میں کیا ارادہ ہے خان؟ کیا کرنا چاہتے ہو؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہی خان عبدالقدوس خان کا ایک آدمی یہاں آیا ہے۔" گلباز خان نے کہا۔ "اسے اپنی لیبارٹری کی تباہی کا پتہ چل گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسے ہم پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے لیکن اسے یہ پتہ چل گیا ہے کہ کچھ لوگ ان پہاڑوں میں پھرتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ پاکستان کے وہی جاسوس ہیں جو براکی سے مار دھاڑ کرتے ہوئے فرار ہوئے تھے اور اس طرف سے سرحد پار کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اسے شبہ ہے کہ لیبارٹری انہی لوگوں نے تباہ کی ہے اور وہ لوگ ابھی تک ان پہاڑوں میں ہی کسی جگہ موجود ہیں۔ اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ اگر وہ لوگ ہماری نظروں میں آجائیں تو انہیں پکڑ کر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ منہ مانگا انعام دے گا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ابھی کچھ نہیں سوچا۔" گلباز خان نے جواب دیا۔ "اگر تم لوگوں کو خان عبدالقدوس خان کے حوالے کر دوں تو صرف چند لاکھ ڈالر ملیں گے۔ اس کے برعکس اگر میں حکومت سے رابطہ کروں تو مجھے ایسی مراعات مل جائیں گی جن سے کروڑوں کا فائدہ ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر وہی کرو جس میں تمہیں زیادہ فائدہ ہو۔" شارق نے کہا۔

"خان عبدالقدوس کا آدمی آج رات یہیں رہے گا اور صبح سویرے واپس چلا جائے گا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ تم لوگوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔" گلباز خان نے جواب دیا۔ "صبح ان لوگوں کے جانے کے بعد میں کوئی فیصلہ کروں گا اور اپنا آدمی سروبی روانہ کر دوں گا۔ میں جب تک کوئی فیصلہ نہیں کر لیتا' تم لوگوں کو یہیں رہنا ہوگا۔ ویسے تم لوگوں کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کھانا وغیرہ وقت پر ملے گا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی لیکن اگر تم لوگوں نے کوئی گڑبڑ کی تو میرے آدمی گولی چلانے میں بھی دریغ محسوس نہیں کریں گے۔"

"تمہارا وہ آدمی سروبی سے کب واپس آئے گا؟" شارق نے پوچھا۔

"دو تین دن لگ جائیں گے۔" گلباز خان نے جواب دیا۔

"ویسے میں ایک بات تمہیں بتا دوں خان۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آدمی یہاں خوش نہیں ہیں۔ وہ تم سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور موقع کی تلاش میں ہیں۔"

"تم کیا جانو؟" گلباز خان نے اسے گھورا۔

"میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تھوڑی بہت پشتو میں بھی سمجھ لیتا ہوں۔ آج دوپہر اس طرف آتے ہوئے میں نے ان کی باتیں سنی تھیں۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ تم سے خوش نہیں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" گلباز خان نے جواب دیا۔ "میرے آدمیوں میں بعض ایسے ہیں جو مجھے پسند نہیں کرتے۔ وہ مجھے چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں لیکن مجھ سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چند روز پہلے میرے دو آدمیوں نے مجھے چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کا انجام دیکھنے کے بعد کوئی بھی مجھ سے غداری کا تصور نہیں کر سکتا۔"

"تم نے انہیں قتل کر دیا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"قتل تو بہت معمولی سی سزا ہے۔" گلباز خان مسکرایا۔ "سینے میں یا سر میں گولی پیوست کر دینے سے آدمی ایک دو منٹ کے اندر اندر ختم ہو جاتا ہے اور سزا کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں سزا تو ایسی ملنی چاہیے جس کا اذیت وہ احساس تو رہے۔"

"تم نے کیا سزا دی تھی انہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ان کے جسموں پر چھوٹے چھوٹے زخم لگا کر چٹانوں میں انہیں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ ان پہاڑوں میں بڑے خونخوار بھیڑیئے پھرتے رہتے ہیں۔ رات بھر وہ بھیڑیئے ان کا گوشت نوچتے رہے اور ان کی چیخیں یہاں تک سنائی دیتی رہیں۔ ان کے ڈھانچے اب بھی ان چٹانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔" گلباز خان نے کہتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

"ایسی سزا کا دوسروں پر اثر ہوتا ہے لیکن بہت کم مدت کے لیے۔" شارق نے کہا۔ "جو لوگ ارادے کے مضبوط ہوں' دنیا کی کوئی طاقت ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ ویسے میں نے تمہیں بتا دیا ہے' سوچنا تمہارا کام ہے۔"

گلباز خان جواب دینے کے بجائے سوچ میں پڑ گیا۔ شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے گلباز خان کے آدمیوں کی ناراضگی والی بات دل سے گھڑی تھی۔ گویا اندھیرے میں تیر پھینکا تھا

aazzamm@yahoo.com

جو اتفاق سے نشانے پر لگا اور گلباز خان نے فوراً ہی اعتراف کر لیا کہ اس کے کچھ آدمی ناراض ہیں اور اسے چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر سکتے ہیں۔

یہ بات شارق نے دراصل ایک خاص مقصد کے تحت کہی تھی۔ اس نے جو منصوبہ بنایا تھا' اس کی کامیابی کے لیے ضروری تھا کہ گلباز خان کے دل میں اس کے آدمیوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں۔

"میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں گلباز خان۔" شارق بولا۔

"ہاں کہو۔" گلباز خان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے اس کیمپ کے گرد دور دور تک خاردار تاریں لگی ہوئی ہیں۔ تمہارے مسلح آدمی ہر وقت چاروں طرف گھومتے رہتے ہیں۔ ہمارے گھوڑے تمہارے قبضے میں ہیں۔ ہم یہاں سے بھاگنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیا تم ہمیں اتنی اجازت دو گے کہ ہم اس کمرے سے نکل کر کھلی فضا میں گھوم پھر لیا کریں۔ کمرے میں بند رہنے سے ہمارا دم گھٹنے لگا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی کسی قسم کی گڑبڑ کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" گلباز خان نے کہا۔ "میں ابھی تمہارے کمرے کے سامنے سے پہرہ ہٹا لیتا ہوں لیکن تم لوگ جنگل کی طرف جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔ "نہیں۔ ابھی نہیں۔ خان عبدالقدوس کا آدمی یہاں موجود ہے۔ وہ تم لوگوں کو دیکھ لے گا۔ صبح اس کے جانے کے بعد میں تم لوگوں کو بتا دوں گا۔ اس کے بعد تم لوگ کیمپ کے اندر آزادی سے گھوم پھر سکو گے لیکن گڑبڑ کی صورت میں کسی کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

"ہم کوئی گڑبڑ نہیں کریں گے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد گلباز خان چلا گیا اور وہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" محمد عمر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ گلباز خان کے کسی آدمی کو توڑ لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔"

"دو روز پہلے جس قبائلی کو پکڑا گیا تھا' اس کے بارے میں بھی تم نے یہی کہا تھا لیکن اس کی زبان بھی تم نے ہی کھلوائی تھی۔" شارق نے کہا۔

"وہ اور بات تھی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "اس کی زبان تشدد سے کھلوائی گئی تھی۔ یہاں اگر تم نے کسی کو پکڑ بھی لیا تو اس پر تشدد کیسے کرو گے؟ کہاں لے جاؤ گے اسے؟"

"تشدد نہیں' میرے ذہن میں ایک اور منصوبہ ہے۔" شارق نے شاہ پری اور ثمینہ کی طرف

دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو کام سختی سے نہ ہو' اسے پیار و محبت سے کیا جا سکتا ہے۔ گلباز خان کے آدمیوں کو توڑنے اور انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے میرے ذہن میں ایک اور منصوبہ ہے۔"

"وہی تو جاننا چاہتا ہوں۔" محمد عمر نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" شارق بولا۔ "آج رات مجھے سوچنے دو' کل صبح بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارا منصوبہ سننے کے بعد میں بھی ایک دو تجاویز پیش کروں گا۔" محمد عمر نے کہا۔

اس کے بعد انہوں نے موضوع بدل دیا اور وہ دوپہر تک باتیں کرتے رہے۔ دور کہیں سے ریڈیو کی آواز آ رہی تھی۔ کیمپ میں کسی نے ٹرانسسٹر ریڈیو لگا رکھا تھا۔

پشتو گانوں کا پروگرام تھا۔ آواز پہاڑیوں میں گونجتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

شارق دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا وہ آواز سنتا رہا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح ناشتے کے بعد انہیں کمرے سے باہر نکل کر گھومنے پھرنے کی اجازت دیدی گئی۔ خان عبدالقدوس کا آدمی صبح سویرے ہی واپس جا چکا تھا۔ گلباز خان نے خان عبدالقدوس کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ اجنبی جیسے ہی پہاڑوں میں نظر آئے' انہیں پکڑ کر اس کے پاس بھجوا دیا جائے گا۔

شارق اور ثمینہ دوسرے ساتھیوں سے الگ ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ گلباز خان کے آدمی بھی ادھر ادھر موجود تھے۔ کسی نے ان سے بازپرس نہیں کی۔ شیڈ کے نیچے اگرچہ کام نہیں ہو رہا تھا لیکن شارق کو پتہ چل گیا تھا کہ لیبارٹری میں کام جاری تھا اور گلباز خان صبح سے لیبارٹری میں گھسا ہوا تھا۔ ناشتے سے تھوڑی دیر پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آیا تھا۔

شارق اور ثمینہ ٹہلتے ہوئے ایک جگہ رک گئے۔ ان کے سامنے ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کا قطر تقریباً بیس فٹ تھا اور اس پر کوئی منڈیر وغیرہ نہیں تھی۔ شارق نے ایک پتھر اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ بہت دیر بعد اس پتھر کے پانی میں گرنے کی آواز سنائی دی تھی جس کا مطلب تھا کہ کنواں خاصا گہرا تھا۔ اس نے کنارے پر کھڑے ہو کر جھانکا مگر نیچے گہری تاریکی تھی۔ کنویں کے دوسری طرف گنجان جھاڑیاں تھیں جو کئی گز دور چٹان کے دامن تک چلی گئی تھیں۔ کنویں کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال تھا یا قدرتی طور پر معرض وجود میں آ گیا تھا۔

وہ دونوں وہاں سے ہٹ کر ٹہلتے ہوئے عمارت کے دوسری طرف ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئے

aazzamm@yahoo.com

اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔ شارق کے خیال میں یہاں سے فرار ہونا واقعی بہت مشکل تھا لیکن بہرحال ناممکن کا لفظ اس کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔

"ثمینہ!" شارق نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ کنواں تم نے دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" ثمینہ نے سر ہلایا۔ "میرا خیال ہے یہ کنواں قدرتی ہے اور بہت گہرا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" شارق بولا۔ "اور میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر دس بیس آدمی اس میں پھینک دیئے جائیں تو پتہ بھی نہیں چلے گا۔" شارق بولا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کنواں میں نے کل بھی دیکھا تھا۔" شارق نے کہا۔ "اور اس کے بعد ہی وہ منصوبہ میرے ذہن میں آیا تھا لیکن اس پر عمل کے لیے تمہیں اور شاہ پری کو اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔"

"ذرا تفصیل سے بتاؤ۔" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم نہتے ہیں اور ان لوگوں کی قید میں ہیں۔ ان کی تعداد بھی ہم سے زیادہ ہے۔ طاقت استعمال کرکے ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ ان لوگوں پر قابو پانے اور یہاں سے نکلنے کے لیے چالاکی کی ضرورت ہے اور تم دونوں یہ کام کر سکتی ہو۔ ان لوگوں نے جب ہمیں گھیرے میں لیا تھا تو میں نے اس وقت محسوس کر لیا تھا کہ سب لوگ للچائی ہوئی نظروں سے تم دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ پتہ نہیں کب سے ان پہاڑوں میں رہ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے اور تم جانتی ہو کہ کوئی مرد عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور مجھے حیرت ہے کہ ان لوگوں نے اب تک ایسی کوئی حرکت کیوں نہیں کی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ گلباز خان نے ہر معاملہ میں انہیں مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں کر رکھا ہے لیکن تمہاری اور شاہ پری کی طرف سے ذرا سی حوصلہ افزائی انہیں گلباز خان سے بغاوت پر مجبور کر سکتی ہے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں اور شاہ پری انہیں لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔"

"ملانے کی کوشش نہیں۔" شارق نے کہا۔ "انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرنا خطرناک ہوگا۔ ایسی صورت میں بعد میں یہی لوگ ہمارے لیے بھی خطرناک ثابت ہوں گے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "کل رات میں نے گلباز خان سے جب یہ کہا تھا کہ اس کے آدمی اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور یہاں سے بھاگنے کے لیے موقع کی تلاش

میں ہیں تو میری اس بات میں کوئی سچائی نہیں تھی۔ میں نے محض اندھیرے میں تیر پھینکا تھا لیکن یہ تیر نشانے پر لگا اور گلباز خان نے خود ہی اعتراف کر لیا کہ بعض آدمی واقعی یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ یہ صورتحال ہمارے حق میں ہے۔ تم اور شاہ پری ایک ایک کرکے انہیں قابو میں کرتی جاؤ تو وہ کنواں ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ گلباز خان یہی سمجھے گا کہ اس کے ساتھی ایک ایک کرکے بھاگ رہے ہیں۔"

"اگر اسے ہماری سازش کا پتہ چل گیا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہمیں یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو گلباز خان ہمیں حکومت کے حوالے کر دے گا۔" ہم اب تک افغانستان میں جو کچھ بھی کر چکے ہیں' اس کے پیش نظر تم سوچ سکتی ہو کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں لیکن شاہ پری....."

"وہ بھی انکار نہیں کرے گی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں خود اس سے بات کر لوں گا۔ اس نے ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیا ہے۔ اب بھی وہ انکار نہیں کرے گی۔"

"ٹھیک ہے' تم اس سے بات کر لو۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ان لوگوں کو تم دیکھ چکے ہو۔ یہ انسان نہیں' وحشی ہیں اور بقول تمہارے عورت کو ترسے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے مجھ پر یا شاہ پری پر قابو پا لیا تو.....میرا مطلب ہے....."

"میں سمجھ رہا ہوں۔" شارق بولا۔ "اگر کوئی ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو تم شور مچا سکتی ہو۔ ایسی صورت میں اسی کو مورد الزام ٹھہرایا جائے گا۔"

"کیا آج دن میں ہی....."

"نہیں....." شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آج رات۔ ان کاموں کے لیے رات ہی بہتر ہوتی ہے۔ رات کو یہ لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوتے ہیں۔ انہیں ایک ایک کرکے آسانی سے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ اب میں ذرا شاہ پری سے بات کر لوں' وہ نولکھا کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے اس طرف آگئے جہاں شاہ پری اور نولکھا بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمینہ بھی ان کے قریب بیٹھ گئی اور شارق کھڑے کھڑے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور ایک طرف چل پڑا۔ شاہ پری بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی۔ وہ دونوں ایک

aazzamm@yahoo.com

جگہ رک گئے۔

"شاہ پری۔" شارق اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "تم جانتی ہو کہ ہم کس قسم کی صورتحال سے دوچار ہیں۔ اگر ہم نے یہاں سے فرار کا کوئی راستہ تلاش نہ کیا تو یہ لوگ ہمیں ختم کر دیں گے یا حکومت کے حوالے کر دیں گے۔"

"رات کو تم نے کوئی بات کی تھی مگر تفصیل نہیں بتائی تھی۔" شاہ پری بولی۔ "تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"تم اور ثمینہ وہ کام کر سکتی ہو جو اس وقت ہم نہیں کر سکتے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ گئی۔" شاہ پری بولی۔ "میرے ذہن میں بھی کچھ ایسی ہی تجویز ہے۔ کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرد نہیں کر سکتے اور یہ ایسا ہی موقع ہے۔ میں تم سے اس موقع پر بات کرنے والی تھی۔ میں اور ثمینہ....."

"میں ثمینہ سے بات کر چکا ہوں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ تیار ہے لیکن بعض اندیشوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس کی تم پروا مت کرو۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں جس شخص کو اپنے قریب آنے کا موقع دوں گی' اس کے ہاتھ اسی حد تک حرکت کریں گے جہاں تک میں اجازت دوں گی۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔"

"گڈ۔" شارق مسکرایا۔ "آج دوپہر کے کھانے کے بعد ہم اس منصوبے کی تمام تفصیلات طے کر لیں گے اور آج رات ہی سے اس پر عمل شروع کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے' اس موضوع پر اب کھانے کے بعد ہی بات ہوگی۔ اب کچھ اور باتیں کریں۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شارق بھی مسکرا دیا تھا۔

○

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ لوگ کمرے میں بیٹھے رہے۔ شارق نے اپنا منصوبہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ ثمینہ اور شاہ پری کو وہ پہلے ہی بتا چکا تھا۔ نولکھا اور محمد عمر کو بھی بتانا ضروری تھا۔ اس کی بات سن کر محمد عمر کن انکھیوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا انہیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا؟"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "خطرہ ہمیں نہیں' ان لوگوں کو ہوگا جنہیں ہم اپنے جال میں پھانسیں گی۔ اس منصوبے پر عمل کس طرح ہوگا۔ میرا مطلب ہے طریقہ کار کیا ہوگا؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"طریقہ کار۔" شارق بولا۔ "یہ دونوں باری باری ایک ایک آدمی کو پھانس کر ان جھاڑیوں میں لے آئیں گی جہاں میں یا تم پہلے سے چھپے ہوئے ہوں گے اور پھر موقع پاتے ہی ہم اس آدمی پر قابو پائیں گے اور اس کا گلا گھونٹ کر لاش کو کنویں میں پھینک دیں گے۔ رات بھر میں اگر ہم تین چار آدمیوں کو بھی اسی طرح ٹھکانے لگا دیں تو ایک تو ہمارے دشمنوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور دوسرے ہمارے ہاتھ میں اسلحہ بھی آجائے گا۔ اس کے بعد ہمارے لیے ان لوگوں سے نمٹنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"اگر گلباز خان یا کسی اور کو ہم پر شبہ ہو گیا تو....."

"ایسی صورت میں موقع محل کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔" شارق نے کہا کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ چند لمحے باری باری ان سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر شارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"تمہیں گلباز خان بلاتا ہے۔"

شارق اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ لیبارٹری والے مکان میں آگئے۔ باہر سے یہ مکان ظاہر چھوٹا سا لگتا تھا لیکن اس کے نیچے ایک بہت وسیع و عریض تہہ خانہ تھا۔ اس تہہ خانے میں قائم لیبارٹری دیکھ کر شارق کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بہت بڑی لیبارٹری تھی۔

تہہ خانے میں گلباز خان کے علاوہ دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ تینوں چائے پی رہے تھے۔ ایک آدمی نے پیالی میں چائے ڈال کر شارق کی طرف بڑھا دی۔

"میں نے تمہیں ایک ضروری بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔" گلباز خان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج صبح میرے دو آدمی سروبی جا چکے ہیں۔ وہ حکومت کے نمائندے سے رابطہ کریں گے اور معاملہ طے کرنے کی کوشش کریں گے لیکن کچھ دیر پہلے میرا ایک آدمی سروبی سے یہاں آیا بھی ہے۔ اس کے پاس تم لوگوں کے بارے میں کچھ خاص اطلاعات ہیں۔"

"کیسی اطلاعات؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ تم لوگ کون ہو۔" گلباز خان نے کہا۔ "حاجی کا نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے لیکن میرا اس سے کبھی رابطہ نہیں ہوا۔ وہ ہماری لائن کا ایک کامیاب بزنس مین ہے۔ پوری دنیا میں اس کے نمائندے موجود ہیں۔ افغانستان میں ملک فرید خان کے علاوہ اور بھی چند لوگوں سے

aazzamm@yahoo.com

کاروباری تعلقات ہیں لیکن یہ اتفاق ہے کہ میرا کبھی اس سے رابطہ نہیں ہوا اور یہ بھی اتفاق ہے کہ تم لوگ یہاں موجود ہو۔ میں تمہارے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی ڈیل؟" شارق نے پوچھا۔

"پاکستان میں اگرچہ میرے بھی نمائندے موجود ہیں لیکن وہ حساب میں کچھ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حاجی سے میرا معاملہ طے ہو جائے۔ اس کے لیے میں تمہاری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو ہم میں معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں تم میرے قیدی نہیں' مہمان ہو گے اور یہاں تمہیں ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ میں سروبی سے اپنے آدمیوں کو بھی واپس بلا لوں گا۔"

"اگر میں ہاں کہہ دوں تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟" شارق نے جواب دیا۔ "ہم اس وقت اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اپنی جانیں بچانے کے لیے میں اس وقت تو تمہاری بات مان لوں لیکن یہاں سے نکل کر سب کچھ بھول جاؤں تو تم میرا کیا کر لو گے؟"

"میرے آدمی پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ وہ تمہیں نہیں بھولنے دیں گے۔" گلباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی میں سمجھتا ہوں کہ تم جیسا آدمی اپنی کسی بات سے پھرتا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم جو بات کرو گے' اس میں منافقت نہیں ہوگی۔"

"مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔" شارق بولا۔

"میرا خیال ہے اس میں کسی سے مشورے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ساتھیوں کو بھی تمہارے فیصلے سے خوشی ہوگی لیکن بہرحال تم ان سے بات کر لو لیکن اس کا جواب مجھے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مل جانا چاہیے۔ ہاں کی صورت میں اپنے آدمی کو اسی وقت سروبی روانہ کر دوں گا تو میرے دوسرے آدمیوں کو حکومت سے رابطہ کرنے سے روک دے گا۔ اب تم جاؤ اور زیادہ وقت ضائع مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں شام سے پہلے پہلے بتا دوں گا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ کمرے میں آکر اس نے اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نئے اور دلچسپ موڑ نے ان کی آنکھوں میں چمک سی پیدا کر دی۔ انہیں یہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا تھا۔

"ہمیں گلباز خان کی یہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن ہمارا پروگرام بدستور رہے گا۔ ہم اپنے منصوبے پر ضرور عمل کریں گے۔"

"وہ تو ضرور ہوگا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو ٹھیک ہے' میں ایک گھنٹے بعد گلباز خان کو بتا دوں گا کہ ہمیں اس کی پیشکش منظور ہے۔"

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد شارق نے گلباز خان کو بتا دیا کہ انہیں اس کی پیشکش منظور ہے۔

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" گلباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اپنے آدمی کو سروبی روانہ کر دیتا ہوں اور آج رات میری طرف سے تم لوگوں کی دعوت ہوگی۔ ہم اپنی دوستی کا جشن منائیں گے۔"

شارق واپس آگیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد انہوں نے چٹانوں پر مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے گن مینوں کو واپس آتے ہوئے دیکھا' گویا پہرہ بھی ہٹا لیا گیا تھا۔

"یہ اچھی بات ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ "ان لوگوں کے ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ہمیں اپنے کام میں دشواری پیش آتی۔ اب ہمارا کام آسان ہو گیا ہے۔"

گلباز خان کا آدمی سروبی روانہ ہو گیا تھا اور شام ہوتے ہی دعوت کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ دو آدمی سورج غروب ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے پہاڑوں میں چلے گئے تھے۔ ان کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی تھی۔ وہ چار مارخور شکار کرکے لائے تھے جن کی کھالیں اتار کر پارچے بنا لیے گئے تھے اور آگ کا الاؤ روشن کرکے بھی تیار کی جا رہی تھی۔

آٹھ بجے کے لگ بھگ کھانا تیار ہوا۔ ان سب نے مل کر کھانا کھایا تھا۔ گلباز خان کے ساتھی وحشیوں کی طرح گوشت کھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کھانا کھاتے کھاتے اٹھ کر ثمینہ کے قریب آگیا۔ ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس شخص نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بوٹی ثمینہ کی طرف بڑھائی۔ ثمینہ نے منہ کھول دیا۔

ثمینہ نے اس شخص کے ہاتھ سے بوٹی کھائی تو فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ ثمینہ اس شخص کی مسلسل حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ ایک آدمی شاہ پری پر مہربان ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور شاہ پری بھی اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔

رات دس بجے تک یہ محفل جاری رہی اور پھر شارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

گلباز خان نے بھی محفل برخواست ہونے کا اعلان کر دیا۔ شارق اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنے کمرے کی طرف آگیا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ دونوں آدمی حسرت بھری نگاہوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے جو ان سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

اپنے کمرے میں آکر وہ سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے پروگرام طے کر لیا اور پھر شارق اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ لیبارٹری کی طرف بلب جل رہا تھا لیکن دوسری طرف تاریکی تھی۔ شارق کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر محتاط انداز میں چلتا ہوا کنویں کی طرف بڑھنے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

کنوئیں کے قریب پہنچ کر وہ رکا اور پھر ایک مختصر چکر کاٹتا ہوا دوسری طرف جھاڑیوں میں گھس گیا۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ثمینہ کمرے سے نکلی۔ وہ کچھ دیر تک دروازے کے باہر کھڑی تاریکی میں گھورتی رہی' پھر دبے قدموں ایک طرف چلنے لگی۔ اس وقت اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

آج دن بھر میں اس نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ لیبارٹری کے دائیں طرف ایک نہ ایک آدمی چوبیس گھنٹے موجود رہتا تھا اور ثمینہ اسی طرف جا رہی تھی۔ عمارت کا موڑ گھومتے ہی وہ رک گئی۔ لیبارٹری کی طرف پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بلب جل رہا تھا۔ دیوار ہونے کی وجہ سے اس کی روشنی زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

ثمینہ دیوار کے قریب کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ اسے وہ آدمی نظر آگیا جو وہاں سے تقریباً تیس فٹ دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔

ثمینہ نے اپنی قمیض کے اوپری دو بٹن کھول دیئے اور دبے قدموں ایک طرف چلنے لگی۔

وہ پتھروں کی آڑ میں چل رہی تھی۔ تقریباً دس گز کا فاصلہ طے کرکے وہ رک گئی۔ وہاں سے پتھروں کی آڑ ہونے کی وجہ سے روشنی زیادہ نہیں تھی۔ وہ کچھ اور آگے بڑھ گئی۔ یہاں سے وہ آدمی صاف نظر آرہا تھا۔ ثمینہ ہولے سے کھانسی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اچانک آنے والی کھانسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

کھانسی کی آواز سن کر وہ شخص تیزی سے اس طرف دوڑا۔ اس نے ثمینہ کو دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ اس طرح کھڑی تھی جیسے اس شخص کی موجودگی سے بے خبر ہو۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا اس طرف آنے لگا۔ قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔

آہٹ پا کر ثمینہ پیچھے مڑی۔ اس شخص کو اپنے قریب دیکھ کر اس کے چہرے کی رنگت مستغیر ہو گئی۔

"اے۔ تم یہاں کیا کرتا ہے؟" وہ شخص بولا۔ اس کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ "کمرے میں لیٹے لیٹے دم گھٹ رہا تھا۔ تازہ ہوا کھانے کے لیے یہاں آگئی تھی۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"او ہم کو کیا اعتراض ہوگا۔ آؤ' ہمارا ساتھ بیٹھ کر بات کرو۔" وہ شخص دو قدم آگے بڑھ آیا۔

ثمینہ ذرا سا پہلو موڑے کھڑی تھی۔ وہ ایک دم سیدھی ہو گئی۔ اس کی قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس شخص کی نظریں ثمینہ کے جسم کا طواف کر رہی تھیں۔

"او... تم تو بوت زوردار ہے۔ بیٹھو بیٹھو... ہمارا ساتھ بات کرو۔" وہ شخص ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ثمینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ بھی بیٹھ گئی۔ وہ شخص اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ثمینہ کی کمر پر رینگ رہا تھا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہمارا ہاتھ مت پکڑو۔" اس شخص کی سانس بے ربط ہو رہی تھی۔ "تم ہمارا کو خوش کرو ہم ادھر تمہارا بوت خیال رکھے گا۔"

"مجھے کوئی انکار نہیں خان لیکن یہاں نہیں۔" ثمینہ بولی۔

"تو پھر کدھر؟" وہ شخص بولا۔

"ادھر' جھاڑیوں میں۔" ثمینہ نے اشارہ کیا۔ "یہاں روشنی ہے' اگر کسی نے دیکھ لیا تو....."

"او تم سچ بولتا ہے۔" وہ شخص جلدی سے بولا۔ "چلو..... ادھر چلو۔"

اس شخص نے اٹھ کر پہلے چاروں طرف دیکھا۔ پھر ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا جھاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ ثمینہ بھی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس شخص نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ایک مختصر سا چکر کاٹ کر جھاڑیوں میں آگئے۔ ثمینہ اسے اس طرف لے جا رہی تھی جہاں شارق موجود تھا۔ جگہ کا تعین وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔

جھاڑیوں میں پہنچتے ہی اس شخص نے ثمینہ کو اپنی گرفت میں لیا۔

"ادھر نہیں۔ ذرا اور آگے۔" ثمینہ نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"چلو... آگے چلو....." وہ شخص بے قابو ہو رہا تھا۔

ثمینہ آگے چل پڑی۔ چند قدم بعد وہ رک گئی۔ اس شخص نے اچانک ہی اسے دبوچ لیا۔ ثمینہ نیچے گر گئی۔ وہ شخص اس کے اوپر تھا اور وحشیوں ہی کی طرح دونوں ہاتھوں سے اسے نوچ رہا تھا۔ ثمینہ کو شدید گھن آرہی تھی۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز سن کر ثمینہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ثمینہ پر لدے ہوئے اس شخص نے بھی شاید جھاڑیوں کی سرسراہٹ سن لی تھی۔ وہ ثمینہ کو چھوڑ کر پیچھے مڑا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔

شارق نے جھاڑیوں میں سے چھلانگ لگا کر بڑی پھرتی سے اسے دبوچ لیا تھا۔ شارق کے دونوں ہاتھ اس شخص کی گردن پر تھے اور وہ پوری قوت سے اس کا نرخرہ دبا رہا تھا۔ وہ شخص بری

aazzamm@yahoo.com

طرح اچھل رہا تھا۔ ثمینہ نے اس کی ٹانگیں پکڑ رکھی تھیں۔

چند منٹ بعد ہی اس شخص کی مزاحمت ختم ہو گئی لیکن شارق نے اس کی گردن سے ہاتھ اسی وقت ہٹائے تھے جب اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ ختم ہو چکا ہے۔ اسے چھوڑ کر شارق اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ثمینہ اس کے قریب ہی کھڑی قمیض کے بٹن بند کر رہی تھی۔

چند منٹ بعد شارق نے اس شخص کی لاش کندھے پر اٹھائی۔ وہ بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے کنویں کے کنارے پر پہنچ گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے شارق نے لاش کنویں میں پھینک دی۔

کنویں کی گہرائی میں لاش گرنے کی مدھم سی آواز سن کر شارق نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

○

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

اس وقت رات کے دو بجے تھے۔

شاہ پری اپنے کمرے سے نکل کر دبے قدموں چلتی ہوئی اس شیڈ کے نیچے پہنچ گئی جہاں بہت سارے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ دھویں سے کالے ہوئے ان ڈرموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کبھی ان میں تارکول رہا ہوگا لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ ڈرم افیون سے مارفین بنانے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ مسلسل چولہوں پر چڑھے رہنے سے یہ نہ صرف باہر سے کالے ہو گئے تھے بلکہ ان کے اندر پکنے والی افیون نے انہیں اندر سے بھی کالا کر دیا تھا۔

ڈرموں سے ذرا آگے لکڑیوں کے انبار تھے۔ موٹی موٹی لکڑیاں تھیں اور بعض تو درختوں کے پورے پورے تنے تھے۔ گلباز خان کے آدمی پہاڑوں سے لکڑیاں کاٹ کر یہاں جمع کرتے رہتے تھے جو ان ڈرموں میں مارفین کی تیاری میں جلائی جاتی تھیں۔

شاہ پری لکڑیوں کے اس انبار کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ لکڑیوں کے اس انبار کے دوسری طرف چند گز کے فاصلے پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ اونگھ رہا ہو یا گہری نیند سو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے وہ جاگ رہا ہو اور پوری طرح چوکس ہو۔

وہ کچھ دیر لکڑیوں کے انبار کے قریب کھڑی رہی اور پھر ڈرموں کے پاس آ گئی۔ وہ چند لمحے یہاں بھی خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر ایک ڈرم کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آہستہ آہستہ اس کی جگہ سے ہٹانے لگی۔ ڈرم خالی ہونے کے باوجود خاصا وزنی تھا۔ شاہ پری ڈرم کو کناروں سے پکڑ کر آہستہ آہستہ گھماتی ہوئی اس کی جگہ سے تین چار فٹ دور لے گئی اور پھر دفعتاً ڈرم اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

سناٹے میں ڈرم کے گرنے کی آواز دور تک پھیلی تھی لیکن اس کے فوراً ہی بعد یکدم سناٹا چھا گیا تھا۔ شاہ پری کو یقین تھا کہ لکڑیوں کے انبار کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے محافظ نے وہ آواز سن لی ہوگی۔ وہ بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتی ہوئی اپنی جگہ سے ہٹ کر چند فٹ دور ایک اور ڈرم کے پیچھے چھپ گئی۔

aazzamm@yahoo.com

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ شاہ پری نے محافظ کو لکڑیوں کے انبار کے دوسری طرف سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک اور ڈرم کے پیچھے چھپ گئی۔ کچھ دیر تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی اور ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

شاہ پری ڈرم کی آڑ سے جھانک کر دیکھنے لگی۔ وہ محافظ نظر نہیں آرہا تھا اور نہ ہی کسی طرف سے اس کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا ہو گا۔ شاہ پری اپنی جگہ سے حرکت کرنا ہی چاہتی تھی کہ اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے مڑی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ رائفل کی نال اس کی پشت سے لگ گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی غراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"تم جو کوئی بھی ہو' اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔"

شاہ پری کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ جملہ پشتو میں کہا گیا تھا اور یہ یقیناً وہی محافظ تھا جو کچھ دیر پہلے ڈرم کے گرنے کی آواز سن کر لکڑیوں کے انبار کے پیچھے سے نکلا تھا۔ وہ یقیناً بہت محتاط آدمی تھا اور بڑی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے عقب میں پہنچا تھا۔

"ہاتھ اٹھا کر میری طرف گھوم جاؤ اور کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔" محافظ نے غرا کر کہا۔

شاہ پری نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور آہستہ آہستہ گھوم گئی۔ اس کے سر پر دوپٹہ یا چنری قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس طرح ہاتھ اوپر اٹھانے سے اس کے سینے میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ سامنے کھڑے ہوئے محافظ کی نظر اس کے چہرے اور سینے پر پڑی تو اس کے منہ سے بھی بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"تت.... تم.... تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ ہکلایا۔

"کک.... کچھ نہیں۔" شاہ پری نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ "ایسے ہی یہاں آگئی تھی۔"

"آدھی رات کو ایسے ہی تو ادھر نہیں آئی ہو۔" محافظ نے جواب دیا۔ "ایسے ہی یہاں آگئی تھی۔"

محافظ نے کہا۔ "میں ابھی تمہیں گلباز خان کے پاس لے جاتا ہوں۔ وہ تم سے پوچھ لے گا کہ اس وقت یہاں کیا کر رہی تھی۔"

"نہیں نہیں۔" شاہ پری جلدی سے بولی۔ "وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مم.... میں یہاں کچھ نہیں کر رہی تھی۔ تم مجھے جانے دو...."

"تمہیں جانے دوں۔" محافظ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "ایک شرط پر

تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"مم.... مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے.... بولو کیا چاہتے ہو۔" شاہ پری خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"تم خود سوچ سکتی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" محافظ نے کہتے ہوئے رائفل نیچے جھکا لی اور دو قدم آگے بڑھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کا جسم ٹٹولنے لگا۔

"اگر میں تمہیں گلباز خان کے پاس لے جاؤں گا تو منہ سے بات وہ بھی نہیں کرے گا۔ وہاں تو دوسرے بھی ہوں گے جو کسی اور طریقے سے بات کریں گے۔ یہاں تو میں اکیلا ہوں۔" محافظ نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں ہوس کی چمک ابھر آئی تھی۔

"کک.... کیا چاہتے ہو تم....؟" شاہ پری بولی۔

"تم اتنی انجان نہیں ہو کہ میری بات کا مطلب نہ سمجھ سکو۔ اگر واقعی نہیں سمجھی ہو تو آؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" محافظ نے کہتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ لیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اسے تاریکی میں اس طرف لے جانے لگا جہاں بوریوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔

شاہ پری کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ بوریوں کے ڈھیر کے پیچھے پہنچ کر محافظ نے رائفل زمین پر رکھ دی اور شاہ پری کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

اس کے منہ کی بدبو سے شاہ پری کو ابکائی سی آگئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ محافظ اسے دوبارہ اپنے ساتھ لپٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کسی طرف سے آہٹ سن کر وہ دونوں چونک گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ محافظ نے بوریوں کی آڑ سے بھی جھانک کر دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ "یہاں اگر کوئی اور آگیا تو مصیبت آجائے گی۔ یہیں اور چلو۔"

"کدھر چلوں؟" محافظ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس طرف جھاڑیاں ہیں۔ وہاں کوئی نہیں آسکتا۔" شاہ پری نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"تم تو بہت عقلمند ہو۔" محافظ مسکرا دیا۔ اس نے جھک کر اپنی رائفل اٹھا لی اور وہ بوریوں کی آڑ سے نکل کر شیڈ کے پچھلی طرف سے ہوتے ہوئے جھاڑیوں کی طرف آگئے۔

جھاڑیوں میں چند قدم آگے جا کر محافظ رک گیا۔ اس نے شاہ پری کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یہ جگہ ٹھیک ہے۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا۔" وہ بولا۔

محافظ نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور اس کے ساتھ چلتا رہا۔ جھاڑیاں خاصی گنجان تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

ایک کھلی جگہ پر پہنچ کر شاہ پری رک گئی۔ محافظ نے رائفل نیچے رکھ دی اور دونوں ہاتھوں سے شاہ پری کو پکڑ لیا۔ شاہ پری اسے مزید اشتعال دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ محافظ کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک ابھر آئی۔ وہ شاہ پری پر جھکا ہی تھا کہ ایک ہاتھ اس کی گردن پر لپٹ گیا۔

وہ محمد عمر تھا جو پہلے سے جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے موقع پاتے ہی جھاڑیوں سے نکل کر بڑی آہستگی سے اپنا بازو محافظ کی گردن پر لپیٹ دیا تھا اور اب آہستہ آہستہ پیچھے کھینچ رہا تھا۔

محافظ کے لیے یہ سب کچھ بالکل غیر متوقع تھا۔ اس نے شیڈ میں شاہ پری کو دیکھا تھا تو اس کے دل میں ہوس جاگ اٹھی تھی اور وہ بڑی خوشگوار امید بھی لے کر شاہ پری کے ساتھ ان جھاڑیوں میں آگیا تھا۔ اس نے یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں موت اس کی منتظر ہوگی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آہنی شکنجہ اس کی گردن پر فٹ کر دیا گیا ہو۔

محافظ نے دونوں بازو محمد عمر کے بازو پر جما دیئے تھے اور وہ گرفت چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی ہلکی ہلکی آوازیں نکل رہی تھیں۔

محمد عمر اسے قابو رکھنے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر محافظ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ شور مچا دے گا اور پھر ان کی اپنی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔

محمد عمر کا انگوٹھا محافظ کے نرخرے پر جم گیا۔ وہ پوری قوت سے اس کا نرخرا دبا رہا تھا۔ محافظ کی آنکھیں ابلنے لگیں۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر مارنے لگا۔ شاہ پری نے قریب پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ محافظ کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ وہ آخری مرتبہ محمد عمر کی بانہوں میں مچلا اور پھر اس کا جسم ڈھیلا پڑتا چلا گیا۔

محمد عمر نے دو منٹ بعد اسے چھوڑ دیا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ محمد عمر گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس نے زندگی میں کئی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن اس شخص کا گلا گھونٹتے ہوئے اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔

ہولے ہولے سانس پر قابو پانے میں کئی منٹ لگ گئے تھے۔ پھر اس نے محافظ کی رائفل کندھے پر لٹکا لی اور شاہ پری کو اشارہ کرتے ہوئے محافظ کی لاش کو ٹانگوں سے پکڑ لیا۔ شاہ پری نے لاش کی بغلوں میں ہاتھ ڈال دیئے تھے۔ وہ دونوں لاش کو اٹھا کر کنویں کے پاس آگئے۔ لاش کو کنویں کے کنارے پر رکھ کر محمد عمر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر لاش کو کنویں میں دھکیل دیا۔ تھوڑی دیر بعد کنویں کی گہرائی سے شراپ کی ہلکی سی آواز سن کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ دونوں کنویں کے قریب ہی جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرتے رہے۔ شاہ پری ایک جگہ رک

گئی۔ وہاں جھاڑیوں میں ایک کلاشنکوف رائفل پڑی ہوئی تھی۔ محمد عمر نے اپنی رائفل بھی اس کے قریب رکھ دی اور جھاڑیاں برابر کرکے شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ شاہ پری کی قمیض سامنے سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ اس نے جلدی سے رخ بدل لیا۔

"چلو.....واپس چلیں۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

شاہ پری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے پھٹی ہوئی قمیض کے دونوں کونے پکڑ کر گرہ لگا لی اور جھاڑیوں میں ایک طرف چلنے لگی۔ جھاڑیوں کے اختتام پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ محمد عمر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"چلو.....تم نکل جاؤ۔" محمد عمر نے سرگوشی کی۔

شاہ پری جھاڑیوں سے نکل آئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی عمارت کی طرف بڑھنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کمرے میں پہنچ چکی تھی۔

ثمینہ، نولکھا اور شارق جاگ رہے تھے۔ شاہ پری کو دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ثمینہ کی نظریں فوراً ہی شاہ پری کی پھٹی ہوئی قمیض کی طرف اٹھ گئیں۔

"کیا رہا؟ محمد عمر کہاں ہے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ آرہا ہے۔" شاہ پری کہتے ہوئے بیٹھ گئی۔ "ہم واقعی وحشیوں میں پھنس گئے ہیں۔ اگر میں اکیلی اس کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ مجھے خونخوار بھیڑیوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالتا۔"

شارق کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت محمد عمر بھی آگیا۔ وہ لوگ سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔

"رائفل وہیں رکھ دی تھی نا؟" شارق نے محمد عمر سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہاں تمہاری رکھی ہوئی رائفل بھی موجود تھی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "جب ہم یہاں آئے تھے تو ان کی تعداد دس تھی۔ دو آدمی پہلے چلے گئے تھے۔ تیسرے کو شام کو گلباز خان نے بھیج دیا تھا اور دو کو ہم نے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔ اس طرح اب یہاں صرف پانچ آدمی رہ گئے ہیں۔"

"اگر گلباز خان کو یہ شبہ ہو گیا کہ ان دو آدمیوں کو ہم نے قتل کر دیا ہے تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" نولکھا نے کہا۔

"اسے شبہ نہیں ہوگا۔" شارق بولا۔ "میں نے پہلے ہی اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اس کے آدمی اسے پسند نہیں کرتے اور وہ بھاگنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں۔ اس

aazzamm@yahoo.com

بات کا اس نے بھی اعتراف کیا تھا۔ ان آدمیوں کو غائب پا کر وہ یقیناً یہی سمجھے گا کہ وہ بھاگ گئے ہیں۔"

"ہمیں دو رائفلیں مل گئی ہیں۔" محمد عمر نے کہا۔ "ہمارے مقابلے میں پانچ آدمی ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں کم از کم ایک رائفل کی اور ضرورت پڑے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایک اور آدمی کو انڈر گراؤنڈ کرنا پڑے گا۔" نولکھا نے کہا۔

"ہاں۔" محمد عمر نے سر ہلایا۔ "یہ کرنا ہی پڑے گا۔"

"تو پھر اس پروگرام پر ابھی عمل شروع کر دیا جائے۔" ثمینہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "جو کام ہو جائے بہتر ہے اور پھر اس قسم کے کاموں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"چلو.....یہ کام بھی نمٹا ہی لیں۔" شارق بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

پہلے شارق باہر نکلا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے پانچ منٹ بعد ثمینہ کمرے سے نکل آئی۔ پہلے کی طرح اس وقت بھی اس نے قمیض کے اوپر والے دو بٹن کھول لیے تھے۔

ثمینہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی' پھر عمارت کے اوپر سے گھوم کر لیبارٹری کے سامنے والے حصے کی طرف چل پڑی۔ اسے یقین تھا کہ لیبارٹری کے سامنے کوئی نہ کوئی محافظ ضرور موجود ہوگا۔

اس کا اندازہ درست نکلا۔ ثمینہ نے دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی رائفل بھی اس کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی۔ برآمدے میں جلنے والے بلب کی روشنی میں ثمینہ نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جو رات کے کھانے کے دوران اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

ثمینہ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر محافظ کی طرف اچھال دیا۔ اپنے قریب پتھر گرنے کی آواز سن کر محافظ چونک گیا۔ اس نے رائفل اٹھالی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ثمینہ دیوار کی آڑ سے نکل آئی اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگی۔

محافظ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور دبے قدموں سے چلتا ہوا ثمینہ کے قریب آگیا۔

"اوئے۔ تم ادھر کیا کرتا ہے اس وقت.....رات کو۔" محافظ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"میں تو تمہاری تلاش میں پھر رہی ہوں خان۔" ثمینہ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"پہلے ایک مرتبہ کمرے سے نکلنے لگی تھی تو میرے ایک ساتھی کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس وقت سب لوگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں بڑی ہمت کر کے تم سے ملنے آئی ہوں۔"

"اوئے! میرے سے ملنے۔" خان کی باچھیں کھل گئیں۔ "کیوں بھئی؟"

"رات کو کھانے کے دوران تم نے میرا ہاتھ پکڑا تھا نا۔" ثمینہ نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اسی وقت سے تمہارے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"او میرا بارے میں کیا سوچتا ہے اوئے؟" خان بولا۔

"تمہیں نہیں معلوم کوئی عورت کسی مرد کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟" ثمینہ بولی۔ "ہم بھی پاگل کا بچہ ہے جو تمہارا بات نہیں سمجھتا۔" خان ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "آؤ' ہم دونوں ادھر بیٹھ کر سوچتا ہے۔ ادھر کوئی دیکھ لے گا تو ہمارا سوچ میں شریک ہو جائے گا۔" وہ ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی پچھلی طرف آگیا۔ اس طرف بھی کچھ روشنی تھی اور اس کی نظریں ثمینہ کے نیم عریاں سینے پر مرکوز تھیں۔

"ادھر نہیں خان۔" ثمینہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "ادھر جھاڑیوں میں چلو۔ وہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"چلو چلو.....جدھر تمہارا مرضی ہے چلو۔" خان نے کہا۔

ثمینہ اسے لے کر جھاڑیوں کی طرف آگئی۔ وہ مقررہ مقام کی طرف بڑھ رہی تھی کہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ سن کر خان چونک گیا۔

"اوئے۔ ادھر کوئی ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کوئی نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ چلتے رہو۔" ثمینہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر آگے کھینچنے لگی۔

لیکن خان وہاں رک گیا۔ پہلے ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوئے! تم ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں کرتا' ادھر کوئی ہے۔ ہم کو سچ بتاؤ' ادھر کیوں لایا ہے؟ ہم دونوں تو ادھر بیٹھ کر ہی سوچ سکتا تھا۔"

"کوئی نہیں ہے خان' تم آگے تو چلو۔" ثمینہ اسے کھینچنے لگی۔

خان کی موٹی عقل میں بھی شاید یہ بات آگئی تھی کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا ہو رہا ہے۔ ثمینہ جس انداز میں اسے آگے کھینچ رہی تھی' اس سے اسے شبہ ہو گیا تھا۔ ٹھیک اسی لمحہ جھاڑیوں میں ایک بار پھر سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ خان اس طرف مڑا اور عین اس وقت کوئی سایہ جھاڑیوں سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر آن گرا۔

وہ شارق تھا جو پہلے ہی سے اس جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ثمینہ اور خان اس کے بہت

aazzamm@yahoo.com

قریب پہنچ گئے تھے اور وہ وہاں سے ہٹنا چاہتا تھا تاکہ خان اس کی موجودگی کو محسوس نہ کر سکے لیکن جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی وجہ سے خان مشتبہ ہو گیا تھا۔ خان نے ثمینہ پر اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے۔ شارق کے خیال میں اب وقت ضائع کرنا نہایت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہی سوچ کر اس نے خان پر چھلانگ لگا دی تھی۔

خان کو شبہ تو ہو چکا تھا لیکن ایسی کسی صورتحال کے لیے تیار نہیں تھا۔ جھاڑیوں سے نکلنے والا سایہ جیسے ہی اس سے ٹکرایا وہ لڑکھڑا گیا۔ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے رائفل کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کی انگلی رائفل کے ٹریگر پر پہنچ چکی تھی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی شارق نے دوبارہ اس پر چھلانگ لگا دی۔ خان کی انگلی نے ٹریگر دبا تھا۔ رائفل چل گئی۔ گولی شارق کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔

شارق نے دوسری گولی چلانے کا موقع دیئے بغیر اسے دبوچ لیا۔ ثمینہ نے اس کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔ شارق نے اس کا گلا دبوچ لیا تھا اور اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہا تھا۔

سناٹے میں فائرنگ کی آواز دور تک گونج گئی تھی اور اندیشہ تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی اس طرف نہ آجائیں۔ ثمینہ خان کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور اسے پوری قوت سے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ شارق نے اس کا گلا دبوچنے کے لیے پوری قوت صرف کر ڈالی اور بالآخر اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے کنویں تک لے گئے۔ شارق نے خان کو کنویں میں دھکیل دیا اور ثمینہ سے رائفل لے کر ان جھاڑیوں میں ڈال دی جہاں پہلے بھی دو رائفلیں موجود تھیں۔

ثمینہ نے شارق کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے جھاڑیوں سے نکلے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے رکے بغیر دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں گھس گئے۔

نولکھا' شاہ پری اور محمد عمر انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہوا؟ یہ فائر کی آواز کیسی تھی؟" نولکھا نے کہا۔

"گڑبڑ ہو گئی۔" شارق نے جواب دیا۔ "دھینگا مشتی میں ہمارے شکار کے ہاتھ سے گولی چل گئی لیکن بہرحال ہم نے اسے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر لیٹ جائیں۔ یہی بتایا جائے گا کہ ہم میں سے بعض نے گولی کی آواز تو سنی تھی لیکن ہم باہر نہیں نکلے۔ ثمینہ' شاہ پری اور نولکھا..... تم لوگ سو جاؤ۔ میں اور محمد عمر صورتحال سے نمٹ لیں گے۔"

ٹھیک اسی لمحہ باہر بھاگ دوڑ کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ثمینہ' شاہ پری اور نولکھا اپنی اپنی

جگہوں پر لیٹ گئے۔ انہوں نے منہ دوسری طرف کر کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک آدمی دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ محمد عمر اور شارق اپنی اپنی جگہوں پر دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی ابھی آنکھ کھلی ہو۔ اندر آنے والا وہ شخص دروازے کے قریب ہی رک کر مشتبہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے گولی کس نے چلائی تھی؟" شارق نے آنے والے سے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ تم لوگوں میں سے کوئی باہر تو نہیں نکلا؟" اس شخص نے کہتے ہوئے ایک بار پھر باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہمارے ساتھی سو رہے ہیں اور ہماری آنکھ بھی گولی کی آواز سے کھلی تھی۔ کیا معاملہ ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے کیا؟"

"پتا نہیں۔ تم لوگ کمرے سے باہر مت نکلنا۔" وہ شخص کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی ثمینہ وغیرہ نے بھی آنکھیں کھول دیں۔

"سو جاؤ.....فی الحال بلا ٹل گئی۔" شارق نے کہا اور اسی جگہ لیٹ گیا۔ محمد عمر بھی لیٹ چکا تھا۔ باہر سے بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق وغیرہ سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے اور پھر ایک ایک کر کے ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سب لوگ سو چکے تھے مگر شارق جاگ رہا تھا۔ باہر کی بھاگ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دروازے کے باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ شارق لیٹا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک آنکھ میں جھری پیدا کر کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ قدموں کی آواز دروازے پر آکر رک گئی۔ شارق بے حس و حرکت لیٹا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ گلباز خان تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ دروازے میں کھڑا کچھ دیر تک ان سب کی طرف دیکھتا رہا' پھر واپس مڑ کر باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی شارق نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

صبح شارق کی آنکھ اس وقت کھلی تھی جب کسی نے جھنجھوڑ کر اسے جگایا تھا۔ وہ شاہ پری تھی۔ اس کے قریب ہی نولکھا بھی بیٹھا ہوا تھا جبکہ ثمینہ اور محمد عمر سو رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟" شارق اٹھ کر آنکھیں ملنے لگا۔

"تمہیں گلباز خان نے بلایا ہے۔ اسے اپنے تین ساتھیوں کی گمشدگی کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"انہوں نے تم لوگوں سے تو کچھ نہیں پوچھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری شاہ پری اور نولکھا کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" شاہ پری نے نفی میں سر ہلایا۔

شارق کچھ دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر برآمدے میں آگیا جہاں پانی سے بھرا ہوا ڈرم رکھا ہوا تھا۔ اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے خیال میں آٹھ یا نو بجے کا وقت رہا ہوگا۔

وہ برآمدے سے نکل کر لیبارٹری کے سامنے آگیا۔ ایک آدمی برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"گلباز خان کہاں ہے؟" شارق نے رک کر پوچھا۔

"میرا ساتھ آؤ۔" وہ آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

شارق اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا لیبارٹری میں داخل ہو گیا۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ تہہ خانے میں گئے۔ گلباز خان اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے گلباز خان۔ رات کو کیا ہنگامہ ہوا تھا۔ گولی کس نے چلائی تھی؟" اس نے گلباز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کل تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی۔" گلباز خان بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ میرے کچھ ساتھی مجھے پسند نہیں کرتے اور وہ مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں نے تمہاری بات سے اتفاق کیا تھا لیکن یہ نہیں پوچھا کہ تمہیں ان باتوں کا پتہ کیسے چلا تھا۔"

"تھوڑی بہت پشتو میں بھی سمجھ لیتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "جب تم لوگ ہمیں پکڑ کر یہاں لا رہے تھے تو میرے ساتھ ساتھ چلنے والے تمہارے دو آدمی سرگوشیوں میں تمہارے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں ہی سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ لوگ تم سے جان چھڑانا چاہتے ہیں لیکن معاملہ کیا ہے؟ رات کو گولی کس نے چلائی تھی؟"

"میرے تین آدمی غائب ہو گئے ہیں۔" گلباز خان نے کہا۔ اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ "دو آدمیوں کے بارے میں تو مجھے شبہ تھا لیکن تیسرا آدمی....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بولا۔ "وہ میرا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد آدمی تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ دوسرے دو آدمی اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہوں۔" شارق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہوا ہو اور مجھے اس کا شبہ بھی ہے۔" گلباز خان نے کہا۔ "آج صبح میرے ایک آدمی نے جھاڑیوں میں ایک جگہ خون پڑا ہوا دیکھا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ گزشتہ رات محمد عمر اور شاہ پری نے بتایا تھا کہ انہوں نے جس آدمی کو قابو کیا تھا' شاہ پری نے اس کے سر پر پتھر بھی مارا تھا جس سے اس کے سر سے خون بہہ نکلا تھا اور ظاہر ہے صبح کسی آدمی نے خون کے دھبے دیکھ لیے تھے۔

"جس جگہ خون دیکھا گیا ہے' اس سے چند قدم کے فاصلے پر جھاڑیوں میں تین رائفلیں بھی ملی ہیں۔ یہ انہی تینوں آدمیوں کی رائفلیں ہیں جو غائب ہوئے ہیں۔" گلباز خان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

شارق کو سینے میں سانس رکھتے ہوا محسوس ہونے لگا۔ گلباز خان نے ابھی تک براہ راست اگرچہ کچھ نہیں کہا تھا لیکن لگتا تھا جیسے وہ بہت کچھ جان چکا ہو اور اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شارق کو اپنی ساری محنت پر پانی پھرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ انہوں نے گلباز خان کے تین آدمیوں کو ختم کرکے تین رائفلوں پر قبضہ کیا تھا اور یہ تینوں رائفلیں ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھیں۔

"میں سمجھا نہیں' تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" شارق بولا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

"میرے وہ تینوں آدمی اگر یہاں سے بھاگ گئے ہیں تو اپنی رائفلیں یہاں کیوں چھوڑ گئے ہیں جبکہ ان پہاڑوں میں سفر کرنے کے لیے رائفل بہت ضروری ہے۔" گلباز خان چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس جگہ جھاڑیوں میں ملنے والے خون سے یہ اندازہ ہوتا ہے جیسے دو آدمیوں میں دھینگا مشتی ہوئی ہو اور ان میں ایک زخمی ہوا ہو لیکن....."

"رات کو فائر کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے تمہارے تیسرے قابل اعتماد ساتھی نے دوسرے دونوں آدمیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا ہو اور انہیں روکنے کی کوشش کی ہو جس کے نتیجہ میں ان میں لڑائی ہوئی اور گولی بھی چلی جس سے ایک آدمی زخمی ہوا اور ہو سکتا ہے راز کھل جانے کے ڈر سے وہ تمہارے قابل اعتماد ساتھی کو زبردستی ساتھ لے گئے ہوں۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائفلیں کیوں چھوڑ گئے۔" گلباز خان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے' وہ دوسری رائفلیں لے گئے ہوں۔" شارق نے کہا۔

"نہیں۔ رائفلیں پوری ہیں۔" گلباز خان نے کہا۔ "تم لوگوں میں سے کوئی رات کو باہر تو نہیں نکلا تھا؟"

"نہیں۔ ہم لوگ سو گئے تھے۔" شارق نے جواب دیا۔ "فائر کی آواز سن کر میری اور نولکھا

aazzamm@yahoo.com

کی آنکھ کھل گئی تھی جبکہ میرے دوسرے ساتھی بے خبر سوتے رہے تھے۔"

"ٹھیک ہے شارق بھائی۔" گلباز خان نے کہا۔ "اب تم جاؤ' میں بہت جلد اصل حقیقت کا پتا چلا لوں گا۔"

"اگر اس معاملے میں میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں حاضر ہوں۔" شارق بولا۔

"تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو ضرور بتاؤں گا۔" گلباز خان نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ دیر بعد شارق لیبارٹری سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے ساتھی ناشتا کر رہے تھے۔ شارق بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ گلباز خان نے کیوں بلایا تھا؟" نولکھا نے روٹی کا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"گڑبڑ ہو گئی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "رات کو ہم نے جن آدمیوں کو ٹھکانے لگایا تھا' ان میں گلباز خان کا ایک قابل اعتماد ساتھی بھی ہے اور اسے یقین ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر بھاگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مزید برآں انہیں جھاڑیوں میں چھپائی ہوئی رائفلیں بھی مل گئی ہیں جس سے معاملہ کچھ اور الجھ گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب گڑبڑ۔" شارق مسکرا دیا اور پھر تفصیل سے انہیں سب کچھ بتانے لگا۔ آخر وہ کہہ رہا تھا۔ "گلباز خان کو ہم پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہے لیکن وہ اس وقت تک کھل کر کوئی بات نہیں کہنا چاہتا جب تک اس کے شبے کی تصدیق نہ ہو جائے۔"

"اب ہو گا کیا؟" نولکھا اس کے خاموش ہونے پر بولا۔

"ہمیں محتاط رہنا پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کل گلباز خان نے ہمیں اپنے ساتھ ملانے کی بات کی تھی اور میں نے اس کی یہ پیشکش قبول بھی کر لی تھی۔ اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ اس کی سوچ کا رخ کسی حد تک بدل جائے لیکن اب ہمیں محتاط رہ کر اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے لیے کچھ اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو افسوس اس بات کا ہے کہ ہماری ساری محنت رائیگاں گئی۔"

"ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔" شارق نے کہا۔ "آج کا دن گزرنے دو۔ میں گلباز خان کے قریب رہ کر معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کروں گا۔"

"ایک بات میرے ذہن میں آرہی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گلباز خان نے کہا تھا کہ وہ تمہیں اپنا ایجنٹ بنا کر حاجی سے معاملہ طے کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے آج کل میں وہ ہمیں یہاں سے چلتا کر دے اور ہمیں ان کے خلاف کارروائی کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔" نولکھا نے کہا۔

"گلباز خان اتنا بے وقوف نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہے ہو۔" شارق نے کہا۔ "وہ ہمیں یہاں سے اس وقت تک نہیں جانے دے گا جب تک اسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہم اسے دھوکا نہیں دیں گے اور اس دوران اگر اسے یہ پتہ چل گیا کہ اس کے آدمی فرار نہیں ہوئے بلکہ ہم نے انہیں قتل کر دیا ہے تو معاملہ ختم سمجھو۔"

"بلکہ اپنا ہی خاتمہ سمجھو۔" نولکھا نے کہا۔

محمد عمر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی چائے کی کیتلی اور پیالیاں اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے موضوع بدل دیا۔

چائے کی کیتلی اور پیالیاں نیچے رکھتے ہوئے اس شخص کی نظریں شاہ پری کی طرف اٹھ گئیں۔ شاہ پری سامنے اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کی پھٹی ہوئی قمیض نظر آرہی تھی۔ اس نے قمیض کو اگرچہ گرہ لگا رکھی تھی لیکن اس کے سینے اور پیٹ کا کچھ حصہ برہنہ ہو رہا تھا۔ شاہ پری نے بھی اس کی نظروں کو محسوس کر لیا اور وہ پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔ وہ شخص کیتلی رکھ کر باہر چلا گیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد بھی وہ لوگ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر محمد عمر اور شارق اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ثمینہ بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ نولکھا اور شاہ پری کمرے ہی میں بیٹھے رہ گئے تھے۔

دن گزرتا رہا اور شارق وغیرہ کی بے چینی بڑھتی رہی۔ اس نے گلباز خان کو دن میں دو تین مرتبہ جھاڑیوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ تو وہ جھاڑیوں میں چلتا ہوا کنویں تک بھی آیا تھا۔ کنویں تک جھاڑیاں دبی ہوئی تھیں۔ شارق سوچ رہا تھا کہ اگر گلباز خان کو شبہ ہو گیا تو وہ کنواں بھی کھنگال ڈالے گا۔ کنواں اگرچہ بہت گہرا تھا لیکن شارق جانتا تھا کہ گلباز جیسے شخص سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ وہ رسے لٹکا کر خود کنویں میں اتر جائے یا کسی اور کو اتار دے۔

رات کے کھانے کے تھوڑی دیر بعد گلباز خان نے ایک بار پھر شارق کو بلا لیا۔ وہ اس وقت لیبارٹری کی عمارت کے برآمدے میں بچھی ہوئی دری پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا ہوا گلباز خان؟" شارق اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کچھ پتا چلا تمہارے آدمی کہاں گئے؟"

aazzamm@yahoo.com

"ابھی کوئی پتہ نہیں چل سکا لیکن میں نے تم لوگوں کے بارے میں ایک فیصلہ کر لیا ہے۔" گلباز خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسا فیصلہ؟" شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"تمہیں یاد ہے کہ میں نے حاجی کے معاملہ پر تم سے بات کی تھی۔" گلباز خان نے کہا۔

"ہاں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے' کیا کہنا چاہتے ہو؟" شارق بولا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگ کل صبح روانہ ہو جاؤ۔ میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ جائے گا جو تم لوگوں کو بحفاظت سرحد پار کروا دے گا۔ اس کے بعد تمہیں لاہور پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ حاجی سے معاملہ طے ہوتے ہی تم لاہور میں موجود میرے آدمی کو مطلع کر دو گے۔ وہ فیصلہ کر لے گا۔ وہ میرا قابل اعتماد آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ مل کر کوئی بھی فیصلہ کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "اپنی وہ شرائط بھی بتا دو جن کے مطابق حاجی سے معاملہ طے کیا جائے گا۔"

"شرائط کوئی ایسی نہیں ہیں جو حاجی کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔" گلباز خان نے کہا اور پھر اپنی شرائط بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"کمی بیشی تم اپنی صوابدید کے مطابق کر سکتے ہو۔"

"اور میرا حصہ اس میں کیا ہوگا؟" شارق نے پوچھا۔

"دس پرسنٹ۔" گلباز خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں صرف لاہور میں رہ کر نگرانی کرنی ہوگی۔ دس فیصد کے حساب سے بھی تمہیں بیٹھے بٹھائے لاکھوں کا کمیشن مل سکتا ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔" شارق بولا۔ "ہم کس وقت جائیں گے؟"

"صبح ناشتہ کرتے ہی روانہ ہو جاؤ لیکن....."

"لیکن کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دو ساتھی یہاں رہیں گے۔" گلباز خان نے کہا۔ "ثمینہ اور نولکھا ضمانت کے طور پر ہمارے پاس رہیں گے۔ انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہم ہر طرح سے ان کا خیال رکھیں گے۔ لاہور میں اپنے آدمی کی طرف سے کلیئرنس ملتے ہی ثمینہ اور نولکھا کو بحفاظت سرحد پار پہنچا دیا جائے گا۔"

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس کا خیال درست نکلا تھا۔ گلباز خان واقعی اتنا بے وقوف

نہیں تھا جتنا اسے سمجھ لیا گیا تھا۔ وہ ثمینہ اور نولکھا کو ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا جس کا مطلب تھا کہ اسے ان پر مکمل بھروسہ نہیں تھا۔ شارق کچھ دیر سوچتا رہا' پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے لیکن میرے ساتھیوں کو میری عدم موجودگی میں کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"مطمئن رہو۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" گلباز خان نے جواب دیا۔

شارق جب کمرے میں واپس پہنچا تو اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ نولکھا وغیرہ چونکے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

"کیا بات ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "خیر تو ہے نا.....کوئی گڑبڑ تو نہیں؟"

"گلباز خان نے صبح ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دیدی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" نولکھا بولا۔ "ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم اس جہنم سے خیر و عافیت سے نکل جائیں گے۔"

"تمہیں یاد ہوگا کہ گلباز خان نے مجھ سے بات کی تھی کہ میں لاہور میں حاجی سے اس کا معاملہ طے کرا دوں گا۔" شارق بولا۔

"اچھی طرح یاد ہے۔" نولکھا نے سر ہلایا۔

"اس نے کہا ہے کہ ہم صبح ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اس کا ایک آدمی ہمارے ساتھ جائے گا جو ہمیں سرحد پار کرا دے گا لیکن....."

"لیکن کیا؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اس لیکن کے بعد ہی مجھے کوئی گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"لیکن اس نے ہمیں اس شرط پر یہاں سے جانے کی اجازت دی ہے کہ میں تمہیں اور ثمینہ کو یہاں چھوڑ جاؤں گا ضمانت کے طور پر۔" شارق نے جواب دیا۔

"اوہ؟" نولکھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ایک لڑکی کو یہاں کیوں چھوڑا جا سکتا ہے۔ میں یہاں رہنے کو تیار ہوں۔ جاؤ' ابھی اور اسی وقت اس سے جا کر کہہ دو کہ میں تم لوگوں کی ضمانت بن کر یہاں رہوں گا۔ وہ چاہے زندگی بھر مجھے یہاں رکھ لے' مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ثمینہ کو یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔" نولکھا نے خاموش ہو کر ثمینہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"ثمینہ کے بجائے میں یہاں رہنے کو تیار ہوں۔" شاہ پری نے کہا۔

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔" نولکھا جلدی سے بولا۔ "کیا ہم اتنے بے غیرت ہیں کہ اپنی آزادی کے لیے اپنی عورتوں کو گروی رکھ دیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا یا تو ہم سب جائیں گے یا سب یہیں رہیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں یہاں رہ جاؤں۔"

"کیا واقعی تم نے اس شیطان کی یہ شرط مان لی ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ کیا واقعی تم مجھے ان وحشیوں کے بیچ میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"شرط مان لینے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "صبح جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے تو سب ساتھ ہوں گے۔ کوئی یہاں نہیں رہے گا۔"

ثمینہ کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔

"لیکن یہ سب کیسے ہوگا؟" نولکھا نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق یہاں سے جانے دیں گے جبکہ ہم بالکل نہتے ہیں اور طاقت بھی استعمال نہیں کر سکتے۔"

"ہمیں صرف ایک رائفل کی ضرورت ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہماری تعداد پانچ ہے اور وہ چار لیکن ہمیں اگر ایک رائفل مل جائے تو ان چاروں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔"

"یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ رائفلیں ہمارے ہاتھ آئیں بھی اور نکل بھی گئیں۔" نولکھا نے کہا۔

"ہمیں صرف ایک رائفل کی ضرورت ہے۔" شارق بولا۔ "اور آج رات ہم وہ رائفل حاصل کر لیں گے اور پھر صبح ہم سب کو یہاں سے جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"تھوڑی دیر بعد شارق اور ثمینہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگئے۔ دن یا رات کے کسی بھی حصے میں ان کے گھومنے پھرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ شارق اور ثمینہ اس وقت گھوم پھر کر یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ گلباز خان اور اس کے ساتھی کہاں کہاں ہیں۔ وہ دونوں لیبارٹری کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئے۔ ایک گن مین برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"گلباز خان کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"تہہ خانے میں ہے۔ بلاؤں یا تم لوگ اندر جاؤ گے؟" وہ شخص بولا۔

"نہیں۔ ہم تو ایسے ہی گھوم رہے ہیں۔" شارق کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

وہ لوگ ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے واپس آگئے۔ ایک آدمی کو انہوں نے اس جگہ دیکھا تھا جہاں سے ان پہاڑوں سے باہر آنے جانے کا راستہ تھا۔ یہ راستہ شارق پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ یہ

ایک تنگ سا درہ تھا جس میں سے پہلو بہ پہلو دو گھوڑے گزر سکتے تھے۔ شارق نے آگے جا کر یہ راستہ نہیں دیکھا تھا لیکن گلباز خان نے اسے بتایا تھا کہ تقریباً سو گز آگے جا کر یہ راستہ کشادہ ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور تنگ سا راستہ تھا جہاں سے وہ لوگ انہیں لے کر آئے تھے۔ ایک گن مین درے والے راستے پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا دوسرے راستے پر۔ دیگر علاقے میں اونچی خاردار تاریں لگی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے ان کی حفاظت کے لیے اب کوئی نہیں تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ گھوم پھر کر واپس آگئے۔ شارق نے طے کر لیا کہ یہ لوگ اس راستے سے واپس جائیں گے جس راستے سے انہیں یہاں لایا گیا تھا لیکن سب سے اہم مسئلہ رائفل کا تھا۔ رائفل کیسے حاصل کی جائے؟

وہ سب لوگ یہی سوچ رہے تھے کہ رائفل کیسے حاصل کی جائے؟ شاہ پری نے یہ تجویز پیش کی کہ رائفل حاصل کرنے کے لیے وہی پرانا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی شاہ پری یا ثمینہ کے ذریعے کسی ایک محافظ کو پھانس کر تاریکی میں لے جا کر ختم کر دیا جائے اور اس کی رائفل پر قبضہ کر لیا جائے۔ محمد عمر کے پاس ایک اور تجویز تھی لیکن وہ لوگ ابھی کسی بات پر متفق نہیں ہو سکے تھے کہ باہر سے ایک آواز سن کر چونک گئے۔ وہ سب خاموش ہو کر وہ آواز سننے لگے۔ صاف لگ رہا تھا جیسے کوئی لاؤڈ اسپیکر پر کچھ کہہ رہا ہو لیکن بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"لاؤڈ اسپیکر پر کوئی اعلان ہو رہا ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "ان پہاڑوں میں لاؤڈ اسپیکر کہاں سے آگیا۔ ریڈیو بج رہا ہوگا۔"

"ایک منٹ" شارق نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "آواز تو واقعی لاؤڈ اسپیکر جیسی ہے۔"

وہ لوگ توجہ سے وہ آواز سننے لگے۔ اسی لمحہ باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اسی لمحہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

"گلباز خان نے بلایا ہے تم سب کو لیبارٹری میں۔" اس شخص نے کہا۔ وہ خاصا بدحواس ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے، تم بہت گھبرائے ہوئے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"تم لوگ جلدی آجاؤ۔" وہ آدمی کہتے ہوئے باہر دوڑ گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ لوگ بھی اٹھ کر کمرے سے باہر آگئے۔ کھلی فضا میں آواز صاف آرہی تھی۔ محمد عمر ٹھٹک کر رک گیا اور آواز سننے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

"شارق بھائی۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"صورتحال خطرناک ہو گئی ہے۔ خان عبدالقدوس خان کے آدمیوں نے راستے کو گھیر لیا ہے اور خان خود میگا فون پر گلباز خان سے مطالبہ کر رہا ہے کہ ہم لوگوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔"

"چلو۔ گلباز خان سے معلوم ہو گا کہ قصہ کیا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ لیبارٹری کے سامنے والی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ لوگ لیبارٹری والے برآمدے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک آدمی کھڑا تھا جو انہیں اندر لے گیا۔ تہہ خانے کا بلب جل رہا تھا اور گلباز خان بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

"کیا ہوا گلباز.....یہ سب کیا ہے؟" شارق نے جاتے ہی پوچھا۔

"خان عبدالقدوس خان کو پتہ چل گیا ہے کہ اس کی لیبارٹری تم لوگوں نے تباہ کی ہے اور یہ کہ تم لوگ یہاں میرے پاس موجود ہو۔" گلباز خان نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں نے تم لوگوں کو نہیں بتایا لیکن کل اس کا ایک آدمی یہاں آیا تھا۔ اس نے مطالبہ کیا تھا کہ تم لوگوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن میں نے انکار کر دیا اور اب وہ اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر آگیا ہے اور تم لوگوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خان کو یہاں ہماری موجودگی کا پتا کیسے چلا؟" شارق نے پوچھا۔

"میرے تین آدمی سروبی گئے ہوئے ہیں۔" گلباز خان نے کہا۔ "انہی میں سے کسی ایک نے غداری کی ہو گی۔ تم نے ٹھیک کہا تھا' میرے آدمیوں میں چند غدار موجود تھے۔ مجھے پہلے بھی ان پر شبہ تھا لیکن مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے پہلے ہی ان کا بندوبست کر لینا چاہیے تھا۔"

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کیا تم ہمیں ان کے حوالے کر دو گے؟"

"کبھی نہیں۔" گلباز خان نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم لوگوں کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ خان عبدالقدوس خان کے ساتھ آٹھ دس آدمی ضرور ہوں گے جبکہ میرے پاس صرف تین آدمی ہیں۔ ہم چار آدمی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم لوگ ہماری مدد کرو گے۔"

"ہم تیار ہیں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن ہم خالی ہاتھ تو مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"تم لوگوں کی رائفلیں وہ پڑی ہیں۔" گلباز خان نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "رائفلیں اٹھا کر

میگزین چیک کر لو۔ فاضل میگزین بھی قریب ہی پیٹی میں رکھے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" شارق نے کہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ لوگ آگے بڑھ کر رائفلیں اٹھا کر چیک کرنے لگے۔ وہ سب دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ وہ صرف ایک رائفل حاصل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور قدرت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ان سب کو اپنی تمام رائفلیں مل گئی تھیں اور اب وہ اپنی مرضی کے مطابق کارروائی کر سکتے تھے۔

رائفلیں سنبھال کر وہ لوگ تہہ خانے سے باہر آگئے۔ گلباز خان بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ برآمدے کے سامنے رک کر انہیں بتانے لگا کہ خان عبدالقدوس خان اور اس کے آدمی کس طرف ہو سکتے ہیں۔

"میں نے اپنے آدمیوں کو مناسب جگہوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ تم اپنے آدمیوں کو پوزیشن سمجھا دو۔ میں اس طرف ہوں' ان پتھروں کے پیچھے۔ وہاں سے آگے آنے والوں کو روکا جا سکتا ہے۔" گلباز خان نے کہا۔

شارق نے سامنے کے رخ کا جائزہ لیا اور اپنے ساتھیوں کو ان کی پوزیشن کے بارے میں سمجھانے لگا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اس طرف تعینات کیا تھا جس طرف ان کے گھوڑے بھی موجود تھے۔

"گلباز خان۔" میگا فون پر خان عبدالقدوس خان کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تم ان آدمیوں کو میرے حوالے کر دو' ہم واپس چلے جائیں گے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم مجھے اپنا بدترین دشمن پاؤ گے۔ میں تمہیں صرف ایک منٹ کا وقت دے رہا ہوں۔ میں پانچ تک گنوں گا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہ کیا تو میرے آدمی فائرنگ شروع کر دیں گے اور تمہاری لیبارٹری بھی تباہ کر دی جائے گی۔"

چند ہی سیکنڈ بعد گنتی شروع ہو گئی۔ اس نے ابھی تین ہی کہا تھا کہ شارق نے آواز کی سمت فائر کر دیا۔ تاریکی میں اتنی دور سے کسی کو نشانہ بنانا ممکن نہیں تھا مگر شارق نے یہ فائر خان عبدالقدوس خان کو اشتعال دلانے کے لیے کیا تھا کیونکہ اس کے دل میں اچانک ہی یہ خیال آیا تھا کہ لیبارٹری کی تباہی کی دھمکی سے گلباز خان ان کے بارے میں اپنا ارادہ نہ بدل دے۔ اس کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ اس کے فائر کے جواب میں دوسری طرف سے زبردست فائرنگ شروع ہو گئی۔

گلباز خان نے بھی اپنے آدمیوں کو چیخ کر فائرنگ کا آرڈر دے دیا۔ شارق دوڑتا ہوا محمد عمر

aazzamm@yahoo.com

کے پاس پہنچ گیا۔

"محمد عمر!" وہ سرگوشی میں بولا۔ "اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر گھوڑوں کی طرف چلے جاؤ اور گھوڑے لے کر اس راستے کی طرف نکلنے کی کوشش کرو جس طرف سے یہ لوگ ہمیں لے کر آئے تھے۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"میں بھی چند منٹ میں تم لوگوں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ تم لوگ اسی راستے پر پہنچ کر میرا انتظار کرنا۔" شارق نے کہا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

دونوں طرف سے شدید فائرنگ ہو رہی تھی۔ شارق کو یقین تھا کہ گلباز خان کے آدمی زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور وہ اس کے پہلے پہلے اپنا کام ختم کر لینا چاہتا تھا۔

گولیاں شارق کے آس پاس گر رہی تھیں۔ وہ بھی فائرنگ کرتا ہوا لیبارٹری کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ وہاں گلباز خان کا ایک آدمی موجود تھا جو درے والے راستے کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔

"گلباز خان کہاں ہے؟" شارق نے چیخ کر پوچھا۔

"وہ اس طرف گیا ہے۔" اس شخص نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"تم بھی اس کی مدد کے لیے اس طرف نکل جاؤ۔ یہاں کی فکر مت کرو' میں موجود ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی اس طرف نہیں آسکتا۔" شارق نے کہا۔

وہ شخص فائرنگ کرتا ہوا ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ شارق کچھ دیر تک وہیں کھڑا ایک پتھر کی آڑ میں سامنے کی طرف فائرنگ کرتا رہا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ لیبارٹری کے برآمدے میں پہنچ کر وہ رک گیا۔ ایک بار پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا لیبارٹری کے دروازے میں گھس گیا۔

تہہ خانے میں پہنچنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ تیزی سے ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ وہ گلباز خان سے ملاقات کے لیے تین چار مرتبہ یہاں آچکا تھا اور چند باتیں اس نے نوٹ کر لی تھیں۔ لیبارٹری میں ایک طرف کیمیکل کے چند ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ڈرم کا ڈھکنا کھول کر اسے الٹ دیا۔ ڈرم میں بھرا ہوا کیمیکل زمین پر بہنے لگا۔ شارق نے دو تین ڈرم اور الٹا دیئے اور گیسولین کا ایک ڈبہ اٹھا کر سیڑھیوں کے قریب آگیا۔ ڈبہ کھول کر سیڑھیوں سے نیچے لڑھکا دیا۔ تمام سیڑھیاں تیل سے تر ہونے لگیں۔

شارق نے جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اسے سیڑھیوں پر اچھال دیا۔ سیڑھیوں پر پھیلے ہوئے گیسولین نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ آگ شارق کی توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے

پھیلنے لگی۔ شارق بڑی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رکا تھا۔ پھر سامنے کی طرف فائرنگ کرتا ہوا تیزی سے ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ اسے اپنے ساتھیوں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ لوگ گھوڑوں کی باگیں پکڑے تیار کھڑے تھے۔

"جلدی نکلو یہاں سے۔" شارق چیخا۔ "یہاں دھماکہ ہونے والا ہے۔" وہ لوگ گھوڑوں پر بیٹھ گئے اور گھوڑے ٹیلے کے دوسری طرف ڈھلان پر اترنے لگے۔

فائرنگ بڑی شدت سے ہو رہی تھی۔ آوازوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ خان عبدالقدوس خان کا پلہ بھاری تھا۔ اس کے آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جدید ترین ہتھیاروں سے بڑی زبردست فائرنگ کر رہے تھے۔ اس کے برعکس گلباز خان کے ساتھ صرف تین آدمی تھے۔

شارق اور اس کے ساتھی وہاں سے تقریباً ایک میل دور نکل گئے۔ فائرنگ کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا جیسے کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہوا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ اونچے نیچے پہاڑوں کی وجہ سے وہ جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن اس طرف سرخی دکھائی دے رہی تھی اور چھوٹے چھوٹے دھماکوں کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔

وہ لوگ زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ نولکھا اور شاہ پری کا خیال تھا کہ کچھ دیر رک کر آرام کر لیا جائے لیکن شارق اس کے حق میں نہیں تھا۔ یہ جگہ اس لیبارٹری سے زیادہ دور نہیں تھی اور زیادہ دیر یہاں رکنا ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ رات بھر چلتے رہے۔ رات کی تاریکی بتدریج کم ہونے لگی۔ وہ لوگ ایک جگہ رک گئے۔ دائیں طرف نشیب میں وسیع و عریض وادی تھی۔ دن کی روشنی اگرچہ ابھی پھیلنا شروع ہوئی تھی لیکن اس ملگجے اجالے میں بھی دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ دفعتاً ثمینہ چیخ اٹھی۔

"شارق! وہ دیکھو اس طرف۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ سب اس طرف دیکھنے لگے۔ کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں تھیں۔ وہ غالباً کوئی بھاری ٹرک تھا کیونکہ کچھ ہی دیر بعد وادی میں انجن کی ہلکی سی آواز بھی گونجتی سنائی دینے لگی تھی۔

"شاید اس طرف کوئی سڑک ہے اور ہمارا نشیب میں اترنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"اس جگہ رکنا بھی مناسب نہیں ہوگا۔" محمد عمر بولا۔ "میرا خیال ہے ہمیں پہاڑوں کے اندر چلے جانا چاہیے۔"

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک کہتے ہو' چلو تم آگے چلو۔" شارق نے کہا۔

انہوں نے گھوڑے موڑ لیے اور ایک بار پھر پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک تنگ سی سرنگ سے گزرتے ہوئے ایک نسبتاً کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ چاروں طرف چٹانیں تھیں جن کے درمیان تقریباً دو سو مربع فٹ کی جگہ ہوگی۔ اس طرف آمد و رفت کے لیے وہی سرنگ کا راستہ تھا۔ اس کے علاوہ ہر طرف عمودی چٹانیں تھیں۔ البتہ ایک طرف ایک تنگ سی دراڑ تھی۔ وہ دراڑ اس قدر تنگ تھی کہ صرف ایک گھوڑا گزر سکتا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے گھوڑے سے اتر کر اس دراڑ میں داخل ہو گیا۔

بیس پچیس فٹ کے بعد وہ دراڑ دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ اس سے آگے ایک کشادہ غار تھی۔ اس وقت دن کی روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس غار میں داخل ہو گیا۔ غار کافی کشادہ تھی اور تقریباً بیس گز آگے جا کر دائیں طرف مڑ گئی تھی۔

غار کا موڑ گھومتے ہی شارق ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ غار میں اسلحے کے انبار لگے ہوئے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر بے حس و بے حرکت کھڑا پھٹی پھٹی نظروں سے اسلحے کے اس انبار کو دیکھتا رہا۔

○

اور پھر دفعتاً" جیسے وہ ہوش میں آگیا۔ یہاں اسلحے کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے بھی یقیناً کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ایک دم رائفل تان لی۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر محتاط انداز میں الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ پچھلا موڑ گھومتے ہی اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ بڑی تیزی سے گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

وہ شاہ پری اور محمد عمر تھے۔

"کیا بات ہے۔ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو اور یہ رائفل کیوں تان رکھی ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"شی!" شارق نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ "اس غار میں کوئی موجود ہے۔" شاہ پری اور محمد عمر بھی ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے بھی اپنی رائفلیں سیدھی کر لیں۔ وہ تینوں سرنگ کی دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔

کئی منٹ گزر گئے' غار کے اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شارق نے ایک پتھر اٹھا کر اندر کی طرف اچھال دیا۔ پتھر گرنے کی آواز سنائی دی لیکن اس کے جواب میں خاموشی ہی رہی۔ شارق نے دوسرا پتھر اچھال دیا۔ اس مرتبہ بھی کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔

"کیا قصہ ہے؟ تمہیں کس بات کا شبہ ہے؟" شاہ پری نے شارق کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اس غار کے اندر اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کی حفاظت کے لیے بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔" شارق نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

"اگر کوئی موجود ہو تو اسے اب تک سامنے آجانا چاہیے تھا۔" شاہ پری نے کہتے ہوئے نسبتاً ایک بڑا پتھر اٹھا کر غار کے اندر کی طرف اچھال دیا۔ اس مرتبہ پتھر گرنے کے بعد کچھ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ پتھر رکنے کے بعد خاموشی چھا گئی۔ اس مرتبہ بھی کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا تھا۔

"میرا خیال ہے غار میں کوئی نہیں ہے۔" شاہ پری نے سرگوشی کی۔

"محمد عمر۔" شارق نے کہا۔ "تم یہیں رکو۔ ہم دونوں اندر جا کر دیکھتے ہیں۔ اگر باہر سے کسی کو آتے دیکھو تو ایک پتھر اٹھا کر اندر پھینک دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں کھڑا ہوں۔ تم لوگ جاؤ۔" محمد عمر بولا۔

شاہ پری اور شارق رائفلیں تانے بہت محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ وہ اس جگہ پہنچ کر رک گئے جہاں لکڑی کی پیٹیوں کا انبار لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی راکٹ لانچر اور کئی میزائل رکھے ہوئے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر شاہ پری کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ دونوں پیٹیوں سے آگے نکل گئے۔ آگے ایک جگہ دیوار کے ساتھ کلاشنکوف رائفلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور کچھ پیٹیاں بھی نیچے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ شارق کی توجہ رائفلوں والے ڈھیر کی طرف تھی۔ شاہ پری صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے دائیں طرف مڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

شارق تیزی سے گھوم گیا' شاہ پری چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا؟" شارق اسے اپنے آپ سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"وہ.....وہ....." شاہ پری نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور ایک طرف اشارہ کیا۔

شارق نے اس طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحہ اس کا دل بھی اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ ایک انسانی ڈھانچہ تھا جو لکڑی کی پیٹیوں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھنے والی پوزیشن میں پڑا تھا۔ ڈھانچے پر لباس موجود تھا۔ قریب ہی ایک پگڑی پڑی ہوئی تھی۔ قمیض کے کالر کے اوپر اس کی

aazzamm@yahoo.com

کھوپڑی بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے دونوں پیر آگے کو پھیلے ہوئے تھے۔ دائیاں ہاتھ زمین پر رکھا ہوا تھا اور اس ہاتھ میں رائفل بھی لگی ہوئی تھی۔ شارق ڈھانچے کے قریب آگیا۔ کھوپڑی میں پیشانی کی جگہ پر ایک گول سوراخ نظر آرہا تھا۔

"اوہ۔" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا' پھر بولا۔ "غالباً یہ اس غار کا محافظ تھا اور اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ گولی پیشانی میں لگی تھی' سوراخ صاف نظر آرہا ہے۔"

"اور غالباً اس کی موت بھی سال دو سال پہلے واقع ہوئی ہوگی۔" شاہ پری نے کہا۔ وہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی۔

"یہ تو ماہرین ہی بتا سکیں گے لیکن اب یہ طے ہے کہ اس غار میں کوئی زندہ انسان موجود نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا اور پھر آواز دے کر محمد عمر کو بھی بلا لیا۔

اسلحے کے انبار دیکھ کر محمد عمر بھی چونک گیا تھا۔ اس نے ڈھانچہ بھی دیکھ لیا تھا۔ چند گز آگے اس غار میں ایک اور موڑ تھا۔ اس طرف بھی لاتعداد لکڑی کی پیٹیاں اور اسلحہ موجود تھا۔ ہیوی مشین گنیں' لائٹ مشین گنیں' لاتعداد راکٹ اور دیگر گولہ بارود بھرا ہوا تھا۔ غار کے اس حصے میں ایک اور ڈھانچہ بھی نظر آگیا۔ وہ ڈھانچہ زمین پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ کے قریب بھی ایک کلاشنکوف پڑی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ دونوں غار کے محافظ ہوں گے۔" شارق بولا۔ "ان میں کسی بات پر جھگڑا ہوا ہوگا۔ دونوں نے فائر کھول دیا اور ایک دوسرے کی گولیوں سے ختم ہو گئے۔" یہ شخص زخمی ہو کر گھسیٹتا ہوا یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہوگا اور پھر ختم ہو گیا۔

"کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔" محمد عمر بولا۔ "لیکن یہ لوگ کون تھے اور یہ اسلحہ یہاں تک کس طرح لایا گیا؟"

"اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔" شارق نے کہا۔ "تم باہر جا کر ثمینہ اور نولکھا کو بھی بلا لاؤ۔ گھوڑوں کو احتیاط سے باندھ دینا۔ میرا خیال ہے عرصہ سے اس طرف کوئی نہیں آیا۔ کسی کے آنے کا امکان بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے گھوڑوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

محمد عمر باہر چلا گیا اور شاہ پری اور شارق گولہ بارود کے اس انبار کا جائزہ لینے لگے۔ یہ غار چٹان کے خاصا اندر تھا۔ یہاں مدھم سی روشنی موجود تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ غار کی چھت بہت اونچی تھی اور اوپر ایک خلا سا نظر آرہا تھا اور یہ روشنی اس خلا سے آرہی تھی۔

تمام پیٹیوں پر کوڈ نمبرز کے ساتھ یو ایس ایس آر لکھا ہوا تھا جس کا صاف مطلب تھا کہ یہ

روسی اسلحہ تھا۔ پیٹیوں میں ہینڈ گرنیڈ' پستول' ریوالور' رائفلوں کے میگزین اور ایمی نیشن بھرا ہوا تھا۔ چند پیٹیوں میں مشین گن کے بیلٹ تھے۔

اس اسلحہ کی مالیت کروڑوں روپے سے کم نہیں تھی لیکن ان کے لیے یہ بیکار تھا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی آگئے اور وہ سب اس اسلحہ کے بارے میں تبصرہ کرنے لگے۔

محمد عمر کے کہنے کے مطابق روسیوں سے جنگ کے دوران مجاہدین نے کئی مرتبہ روسی فوجی کیمپوں پر چھاپہ مار کر اسلحہ ضبط کیا تھا۔ یہ اسلحہ بھی ایسا ہی تھا جو روسی فوجیوں سے چھینا گیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغان مجاہدین کے جس گروپ نے روسی فوجیوں سے یہ اسلحہ چھین کر یہاں چھپایا تھا' وہ اسے بھول کیوں گئے تھے۔ ان دونوں انسانی ڈھانچوں کی موت کا وقت تعین کرنا بہت مشکل تھا لیکن ایک بات طے تھی کہ طویل عرصہ سے یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ آخر وہ کون لوگ تھے جو اتنی بڑی تعداد میں یہ اسلحہ یہاں لائے تھے اور بعد میں بھول گئے تھے۔

"جنگ کے دوران بعض چھوٹے چھوٹے گروہ بھی یہاں سرگرم عمل رہے ہیں۔" محمد عمر نے کہا۔ "انہیں مجاہدین تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ان چھوٹے گروپوں نے بھی روسی فوجیوں کے خلاف محاذ کھول رکھا تھا۔ یہ لوگ موقع پا کر روسی فوجیوں سے نہ صرف ان کی خوراک بلکہ اسلحہ بھی چھین کر لے جاتے تھے ہو سکتا ہے یہ بھی ایسا ہی کوئی گروہ ہو اور اسلحہ یہاں پہنچانے کے بعد وہ کسی اور کارروائی میں سب کے سب روسیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہوں اور جن دو آدمیوں کو وہ اسلحہ کی حفاظت کے چھوڑ گئے تھے' وہ بھی کسی بات پر آپس میں لڑ کر ختم ہو گئے۔"

"ہاں۔ یہی بات کچھ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔" شارق نے سر ہلایا۔ "اس اسلحہ کا کیا کیا جائے؟" نولکھا نے کہا۔

"کیا کرنا ہے۔" شارق بولا۔ "ہم یہ اسلحہ اپنے ساتھ تو نہیں لے جا سکتے البتہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کی چند چیزیں اٹھا لیں۔ مثلاً چند میگزین اور چند ہینڈ گرنیڈ.....جو کسی وقت ہمارے کام آسکتے ہیں۔"

"اور باقی یہیں پڑا رہے گا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "ظاہر ہے۔" شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ اسلحہ یہاں محفوظ ہے۔ اگر اتفاق سے ہماری طرح کوئی اور اس طرف نکل آیا تو خود ہی سوچتا رہے گا۔ بہرحال اب باہر چلو۔ ہمارے لیے وہی جگہ مناسب ہے جہاں ہم نے گھوڑے باندھے ہیں۔"

وہ لوگ غار سے باہر آگئے۔ نکلنے سے پہلے انہوں نے اپنی رائفلوں کے لیے میگزین اور چند ہینڈ گرنیڈز لے لیے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

وہ اسی جگہ آگئے جہاں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف عمودی چٹانیں تھیں۔ ایک طرف وہ دراڑ تھی جو غار تک چلی گئی تھی اور دوسری طرف وہ تنگ سا راستہ تھا جس کے بعد سرنگ تھی۔ اس طرح یہ جگہ ہر لحاظ سے محفوظ تھی اور شارق سوچ رہا تھا کہ اسلحے کا ذخیرہ کرنے والوں نے اس جگہ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہوگا۔ یہاں اس گولہ بارود کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

وہ لوگ رات بھر گھوڑوں پر سفر کرتے رہے تھے اور بہت تھک گئے تھے لیکن غار میں اسلحہ کی موجودگی کے انکشاف نے ان کی نیند اڑا دی تھی اور تھکن بھی بھلا دی تھی اور وہ دیر تک اسی پر تبصرے کرتے رہے تھے۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ اسلحہ اس غار تک لائے کیسے ہوں گے۔ ایسا کوئی راستہ نہیں ہے کہ جیپ بھی یہاں تک پہنچ سکے۔" نولکھا نے کہا۔

"ہم نے نشیب میں ایک گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" شارق بولا۔ "اس وادی میں سڑک موجود ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس سڑک کے راستے پہاڑ کے دامن تک تو ٹرک لے کر آئے ہوں گے اور اس سے آگے پیٹیاں کندھوں پر لاد کر لے آئے ہوں گے۔"

"اس میں تو انہیں بڑی محنت کرنی پڑی ہوگی۔" ثمینہ بولی۔

"محنت کے بغیر تو کوئی کام نہیں ہوتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"کتنا اسلحہ ہے۔ اس کی مالیت کروڑوں روپے ہوگی۔" نولکھا نے کہا۔

"افغانستان میں خوراک سے زیادہ اسلحہ موجود ہے۔" محمد عمر نے ان کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ اسلحہ افغانوں نے جنگ کے دوران روسی فوجیوں سے چھینا تھا اور بہت سا اسلحہ روسی فوجی واپس جاتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔ پورے افغانستان میں اسلحہ کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پہاڑوں میں جا بجا اس طرح بہت سا ایسا گولہ بارود چھپا ہوا ہے جس کا اب کوئی وارث بھی نہیں ہے۔ روسیوں کا چھوڑا ہوا اسلحہ ہی اب افغان آپس کی لڑائی میں استعمال کر رہے ہیں۔ روسی فوج کو افغانستان سے گئے ہوئے اگرچہ عرصہ بیت چکا ہے لیکن ان کے ایجنٹ اب بھی اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آسکی۔" نولکھا بولا۔ "روسی تو ان کے دشمن تھے۔ وہ واپس جا چکے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد یہ لوگ آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟"

"اقتدار۔" محمد عمر نے کہا۔ "اقتدار بہت بری چیز ہے شارق بھائی..... روسیوں کے جانے کے بعد یہاں کئی پارٹیاں معرض وجود میں آگئی ہیں اور ہر پارٹی اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔"

"بڑے بے وقوف ہیں یہ لوگ۔" نولکھا بولا۔ "کچھ تباہی روسی فوجیوں نے پھیلائی تھی، رہی سہی کسر انہوں نے نکال دی۔ ہم نے تو ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر دیکھے ہیں۔ ساری آبادی دوسرے ملکوں میں چلی گئی ہے جو بچے کھچے رہ گئے ہیں، وہ بھی بھوکے مر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں آتی کہ سب کچھ ختم ہو گیا تو اقتدار کا کیا کریں گے۔ کیا کھنڈروں اور لاشوں پر حکومت کریں گے۔"

"اگر یہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو روسیوں کو مداخلت کا موقع ہی نہ ملتا۔" محمد عمر نے کہا۔ "افغانستان کی تاریخ دیکھ لو۔ یہاں شروع ہی سے یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے۔ ہمیشہ انہوں ہی نے غیروں کو حملے کی دعوت دی۔ افغانستان ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے اور آج بھی سب کچھ ہو رہا ہے۔"

"انہوں نے خود ہی اپنے ملک کو جہنم بنا رکھا ہے۔ دوسروں کو کیا الزام دیا جائے۔" ثمینہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اور بدقسمتی سے ہم بھی اس جہنم میں پھنس گئے ہیں۔ نکلنا چاہتے ہیں لیکن راستہ ہی نہیں مل رہا۔" نولکھا بولا۔

"ایک دو دن میں ہم لوگ انشاء اللہ یہاں سے نکل جائیں گے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ پاکستان کی سرحد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر ہمیں راستہ معلوم ہو تو آج رات سے پہلے سرحد پار کر سکتے ہیں لیکن ہمیں راستہ معلوم نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم بھٹکتے ہوئے دوبارہ اندرونی علاقے کی طرف نکل جائیں۔ اس لیے ہمیں اب زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا بلکہ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ہم بستی میں پہنچنے کی کوشش کریں تاکہ وہاں سے ہمیں سرحد پار کرنے کا راستہ مل سکے۔"

"او بھائی۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رات کو ہم ایک جہنم سے نکلے ہیں۔ بستی کی تلاش میں کسی اور جہنم میں پھنس گئے تو ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ قسمت ہم پر مہربان رہے۔"

"محمد عمر ٹھیک کہہ رہا ہے نولکھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں واقعی کسی بستی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ یہی ہوگا کہ ہم ساری زندگی ان پہاڑوں ہی میں بھٹکتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔" نولکھا گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ جو کہتے ہو، ٹھیک ہے لیکن فی الحال تو ہمیں تھوڑا آرام کر لینا چاہیے۔ رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔ تھکے ہوئے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہاں- اس بات پر ہم تم سے متفق ہیں-" محمد عمر نے کہا- "یہ جگہ اگرچہ محفوظ ہے لیکن ایک آدمی کو جاگنا پڑے گا-"

"تم لوگ سو جاؤ- میں جاگ رہا ہوں-" شارق نے کہا- "تم لوگوں کے جاگ جانے کے بعد میں بھی تھوڑی دیر آرام کر لوں گا-"

اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی-

شاہ پری چٹان کی دیوار کے ساتھ آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی- ثمینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب جا کر لیٹ گئی- محمد عمر اور نولکھا بھی دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے-

شارق نے رائفل کندھے پر لٹکا لی اور اٹھ کر ٹہلتا ہوا سرنگ والے راستے کی طرف آگیا- وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا سرنگ میں داخل ہو گیا- پانچ دس منٹ بعد وہ سرنگ کے دوسرے دہانے پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا-

شارق کے خیال میں یہ محفوظ ترین جگہ تھی- اسلحہ والے غار تک پہنچنے کے لیے یہی ایک واحد راستہ تھا- اس راستے پر کھڑا ہوا صرف ایک آدمی پوری فوج کو روک سکتا تھا-

وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا رہا- اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا- محمد عمر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ انہیں کسی بستی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے- اگر انہیں راستہ نہ ملا تو واقعی ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں گے اور ضروری نہیں تھا کہ قسمت ہر مرتبہ ان کا ساتھ دے-

وہ تقریباً دو گھنٹے تک وہاں بیٹھا رہا- اس کی آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی- اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہیں بیٹھے بیٹھے سو جائے- وہ بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولے ہوئے تھا اور پھر وہاں سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ فضا میں گرر گرر کی آواز سن کر چونک گیا- ہوا کے دوش پر آنے والی یہ آواز کبھی تو بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوتی اور کبھی یوں لگتا جیسے میلوں دور سے آرہی ہو-

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پہاڑی کے دوسری طرف نشیب میں وادی کی سڑک سے کوئی بھاری گاڑی گزر رہی تھی- غالباً کوئی ٹرک ہوگا- شارق وہ آواز سنتا رہا- اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا- اگر وہ لوگ وادی میں اتر کر اس سڑک کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھیں تو کسی نہ کسی بستی تک پہنچ ہی جائیں گے لیکن پھر سر جھٹک کر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا- یہ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ سڑک کس طرف سے آرہی تھی اور کہاں جا رہی تھی- اس کے علاوہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ سڑک کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے کسی کی نظروں میں آسکتے تھے- گزشتہ رات انہوں نے گلباز خان کی لیبارٹری تباہ کی تھی- اس سے پہلے وہ خان عبدالقدوس خان کی لیبارٹری تباہ کر چکے تھے-

گلباز خان کے ساتھ ایک طرح سے انہوں نے دھوکا کیا تھا- اس نے انہیں پناہ دی تھی- انہیں خان عبدالقدوس خان کے حوالے کر دینے سے انکار کر دیا تھا- اس کی دشمنی مول لی تھی اور دونوں میں زبردست جنگ شروع ہو گئی تھی- گلباز خان نے شارق اور اس کے ساتھیوں پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اسلحہ دیا تھا اور اپنی مدد کی درخواست کی تھی لیکن انہوں نے گلباز خان کی مدد کرنے کے بجائے اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا اور اس کی لیبارٹری تباہ کر کے وہاں سے بھاگ آئے تھے- شارق کو یقین تھا کہ اگر گلباز خان زندہ بچ گیا ہوگا تو وہ عبدالقدوس خان کے ساتھ مل کر انہیں تلاش کرے گا اور ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان مارے گا- ایسی صورت میں سڑک کی طرف رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا- پہاڑوں میں رہنا ہی ان کے لیے سودمند تھا- کسی بستی تک جانا بھی اگرچہ ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن ان کے لیے مجبوری یہ تھی کہ کوئی بستی تلاش کرنا ضروری تھا تاکہ راستے کے بارے میں معلوم کیا جا سکے-

شارق آدھا گھنٹہ مزید وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر واپس آگیا- جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو شاہ پری جاگ رہی تھی جبکہ اس کے دوسرے ساتھی سو رہے تھے- اسے دیکھ کر شاہ پری مسکرا دی-

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"ادھر ادھر ٹہل رہا تھا-" شارق نے اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے جواب دیا- "میری آنکھوں میں بڑی شدید جلن ہو رہی ہے- میں تھوڑی دیر سو لوں' تم رائفل لے کر یہاں پہرہ دیتی رہو-"

"ٹھیک ہے' سو جاؤ-" شاہ پری نے جواب دیا اور رائفل اٹھا لی-

شارق اس جگہ لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا- سورج غروب ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے اس کی آنکھ کھل گئی- اس کے دوسرے ساتھی بیدار ہو چکے تھے-

"کیا خیال ہے آج کی رات بھی یہیں گزارنے کا ارادہ ہے یا....."

"ہم لوگ ابھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں-" شارق اٹھتے ہوئے بولا- "رات کو سفر کرنا ہمارے لیے مفید ہوگا' کم از کم آج کی رات-"

اس کے دس منٹ بعد وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور سرنگ کے راستے سے ہوتے ہوئے اس قدرتی پناہ گاہ سے باہر آگئے- تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئے- یہاں ایک تنگ سا راستہ ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا-

"وادی کی طرف جانا مناسب نہیں ہوگا- میرا خیال ہے اس راستے پر چلا جائے-" شارق نے

aazzamm@yahoo.com

ڈھلان والے تنگ سے راستے کی طرف اشارہ کیا۔

محمد عمر نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنا گھوڑا اس راستے پر ڈال دیا۔ دوسرے بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ ڈھلان ختم ہوتے ہی وہ ایک کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت ثمینہ کا گھوڑا آگے نکل گیا تھا۔ ایک چٹان کے گرد گھومتے ہی اس نے گھوڑا روک لیا اور چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو پکارنے لگی۔ شارق وغیرہ نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی اور پھر ان سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس طرف چٹانوں کا ایک سائبان سا بنا ہوا تھا۔ اور اس سائبان کے نیچے ایک بڑا فوجی ٹرک کھڑا تھا۔ ٹرک پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں لیکن صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ روسی فوجی ٹرک تھا۔ وہ لوگ کچھ دیر تک دیکھتے رہے' پھر آگے بڑھ کر ٹرک کے قریب آگئے۔

محمد عمر گھوڑے سے اتر کر پچھلے حصے پر سوار ہو گیا لیکن ٹرک خالی تھا۔ شارق بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے ٹرک کا اسٹیئرنگ سائیڈ کا دروازہ کھول لیا اور اندر جھانکنے لگے۔ اسٹیئرنگ اور سیٹوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ پسنجرز سیٹ پر ایک بھاری اوور کوٹ پڑا ہوا تھا۔ ایک سب مشین گن بھی پڑی ہوئی تھی۔ شارق پائیدان پر چڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے ڈیش بورڈ پر لگے ہوئے ڈائلز کی گرد صاف کی اور ایک ڈائل پر نظر ڈالتے ہی وہ سمجھ گیا کہ انجن اسٹارٹ کیوں نہیں ہو رہا تھا۔ فیول بتانے والی سوئی زیرو پر تھی۔

پسنجرز سیٹ پر بھاری اوور کوٹ دیکھ کر اسے یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ٹرک سردیوں کے موسم میں یہاں لایا گیا تھا۔ سردیاں بیتے ہوئے چھ سات مہینے ہو گئے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ ٹرک پچھلی سردیوں میں یہاں لایا گیا ہو گا۔ اس کا پٹرول خشک ہو چکا تھا۔

وہ ٹرک سے اتر آیا۔ اس کے ساتھی بھی گھوڑوں سے اتر کر چاروں طرف سے ٹرک کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے یہ وہی ٹرک ہے جس پر اسلحہ لایا گیا ہو گا۔" محمد عمر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "غار میں رکھا ہوا اسلحہ ٹرک لوڈ کے برابر ہے اور پھر اندازہ ہے کہ یہ ٹرک کسی روسی فوج نواز کا حصہ رہا ہو گا جو کسی طرح مجاہدین یا اس گروہ کے ہاتھ لگ گیا تھا۔"

"ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔" شارق نے سر ہلایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وادی والی سڑک سے یہاں تک کوئی ایسا راستہ ہے جس سے ٹرک یہاں تک لایا گیا تھا۔"

"اس میں پٹرول ہوتا تو یہ ہمارے کام آسکتا تھا۔" محمد عمر بولا۔

"ہاں۔" شارق بولا۔ "پتا نہیں یہ ٹرک کب سے یہاں کھڑا ہے۔ اس کا پٹرول خشک ہو چکا ہے۔ بہرحال یہ ہمارے کسی کام کا نہیں' ہم یہاں کھڑے وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں۔"

"تو پھر چلو..... منزل کھوٹی مت کرو۔" نولکھا بولا۔

وہ ایک بار پھر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور چٹانوں کے اوپر سے گھومتے ہوئے ایک کھلے راستے پر نکل آئے۔ شام ہو چکی تھی اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ کہیں رکے بغیر چلتے رہے۔ شاہ پری پیچھے تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ گھوڑا بڑھا کر شارق کے قریب لے آئی۔

"ہم نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں کوئی اور چیز تو دستیاب نہیں ہے۔ تم چاہو تو مجھے کھا سکتی ہو۔" شارق نے جواب دیا۔

"تمہیں تو بار بار کھانے سے بھی میری بھوک نہیں مٹے گی۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کسی ایسی چیز کا بندوبست کرو جس سے پیٹ کی بھوک مٹ سکے۔"

"فی الحال کچھ نہیں ہو سکتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"رات کو تو جانور بھی کہیں دبکے سو رہے ہوں گے' شکار بھی نہیں ہو سکتا۔"

شاہ پری خاموش رہی۔

وہ لوگ پہاڑوں سے نکل کر تنگ سی وادی میں ایک دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ لوگ فوراً ہی گھوڑوں سے اتر گئے اور دریا سے پانی پینے کے بعد ادھر ادھر بکھر کر بیٹھ گئے۔ انہیں وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ آہٹ سن کر چونک گئے۔ سب نے بیک وقت گھوم کر آواز کی طرف دیکھا تھا اور پھر شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ کوئی چوپایہ تھا جو دریا پر پانی پینے کے لیے آیا تھا۔

اس چوپائے کو دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور رائفل اٹھا کر نشانہ باندھنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ چوپایہ پانی پی کر جیسے ہی وہاں سے ہٹنے لگا' شارق نے فائر کا ٹریگر دبا دیا۔

ویرانہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ شارق کی گولی نشانے پر بیٹھی تھی۔ وہ چوپایہ اچھل کر گرا اور پتھروں پر تڑپنے لگا۔ محمد عمر جیب سے چاقو نکال کر تیزی سے اس طرف دوڑا۔

"شارق باؤ۔ تم نے کوئی بھیڑیا تو نہیں مار دیا؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب چاہے بھیڑیا مار دیا ہو یا شیر' تم لوگوں کو کھانا پڑے گا۔ شاہ پری کو تو ویسے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔ وہ تو مجھے بھی کھانے کو تیار ہے۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"اگر کسی وقت میری بھوک بے قابو ہو گئی تو تمہیں بھی کھا جاؤں گی۔" شاہ پری بولی۔ محمد عمر کی آواز سن کر وہ اس طرف دیکھنے لگے۔ وہ نولکھا کو بلا رہا تھا۔ نولکھا اٹھ کر دوڑتا ہوا محمد عمر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پہاڑی بکرا تھا جسے محمد عمر نے ذبح کر دیا تھا۔

بکرے کو اٹھا کر وہ لوگ اسی جگہ لے آئے جہاں شارق وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"اگر تمہیں پیٹ بھرنا ہے تو اٹھ کر لکڑیاں جمع کرو ورنہ تمہیں کچا گوشت کھانا پڑے گا۔" شارق نے شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شاہ پری کے ساتھ ثمینہ بھی اٹھ گئی اور شارق بھی۔ یہاں جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ ان جھاڑیوں کی لکڑیاں دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھیں لیکن ان سے کام چل سکتا تھا۔ وہ جھاڑیاں اکھاڑ اکھاڑ کر ایک جگہ پر جمع کرنے لگے۔

محمد عمر اور نولکھا نے آدھے گھنٹے میں بکرے کی کھال اتار لی۔ شارق نے بڑے بڑے پتھر رکھ کر چولہا سا بنا لیا اور آگ جلا دی۔ محمد عمر نے گوشت کے پارچے بنا کر آگ پر رکھ دیئے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد گوشت اس قابل ہو سکا تھا کہ کھایا جا سکے۔ سب سے پہلے شاہ پری نے ایک ٹکڑا اٹھایا تھا اور پھر دوسرے بھی پیچھے نہیں رہے تھے۔ وہ لوگ دو دن کے بھوکے تھے' کچا پکا گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگے۔

"کیسا لگ رہا ہے یہ گوشت شاہ پری؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت مزے کا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"میں لاہور میں تمہیں لکشمی چوک لے جاؤں گا۔ وہاں پچاس طریقوں سے گوشت تیار کیا جاتا ہے۔ بائٹی گوشت' کڑائی گوشت' پتیلی گوشت' تکا گوشت' ہر گوشت کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے لیکن ایسا ذائقہ تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔"

"میں لاہور کا گوشت بھی کھاؤں گی۔" شاہ پری بولی۔

"اگر زندہ سلامت لاہور پہنچ گئے تو۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شاہ پری نے اسے گھورا۔

"ان پہاڑوں سے نکل سکے تب ہی کہیں پہنچ سکیں گے نا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ ہم زندگی بھر ان پہاڑوں ہی میں بھٹکتے رہیں گے اور اسی طرح پہاڑی بکروں کا گوشت کھا کر گزارہ کرتے رہیں گے۔"

"مایوس کیوں ہو ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "نکل ہی جائیں گے نا یہاں سے۔" جواب میں ثمینہ خاموش رہی۔ وہ لوگ خاموشی سے گوشت کھاتے رہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد انہوں نے بچا ہوا گوشت سمیٹا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔ وہ لوگ رات بھر چلتے رہے۔ رات کی تاریکی میں گھوڑے اپنی مرضی سے چل رہے تھے۔ صبح کی روشنی پھیلنے پر انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے شارق چونک گیا۔ نشیب میں تاحد نگاہ سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی۔ اونچے درختوں کا ایک جنگل تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دائیں طرف ایک جگہ دو تین مکان نظر آرہے تھے۔ دو گھروں سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آرہا تھا۔ شارق چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ان دو تین مکانوں کے علاوہ انہیں دور دور تک کوئی اور مکان نظر نہیں آرہا تھا۔

محمد عمر اور ثمینہ وغیرہ نے بھی وہ مکان دیکھ لیے تھے۔

"کیا خیال ہے وہاں تک چلا جائے؟" ثمینہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہاں کچھ اور مکان ہوں جو درختوں کی وجہ سے ہمیں نظر نہ آرہے ہوں۔ اس طرح وہاں چلے جانا ہمارے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر.....؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں اور محمد عمر جا کر صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر صورتحال ہمارے حق میں ہوئی تو ہم سفید کپڑے لہرا دیں گے' تم لوگ بھی چلے آنا اور اگر ہماری طرف سے کوئی سگنل نہ ملا تو تم لوگ یہیں رک کر ہمارا انتظار کرنا۔ ہم کوئی اور راستہ سوچیں گے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ وغیرہ گھوڑوں سے اتر کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ شارق اور محمد عمر نے اپنے گھوڑے ڈھلان پر موڑ دیئے۔ وہ مکان وہاں سے زیادہ دور نہیں تھے گھوڑے پتھروں کے گرد بل کھاتے ہوئے راستے پر چل رہے تھے۔

ان مکانوں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر بیس پچیس بھیڑیں چرتی ہوئی نظر آئیں۔ انہیں غالباً صبح سویرے ہی ان کے باڑے سے نکال دیا گیا تھا۔

"تم یہیں رک جاؤ۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تم یہاں رہ کر میری مدد کر سکو گے۔" محمد عمر نے کہا۔

شارق نے اپنا گھوڑا ایک بہت بڑے پتھر کی آڑ میں روک لیا اور محمد عمر کو دیکھنے لگا جس کا گھوڑا آہستہ آہستہ ان مکانوں کی طرف جا رہا تھا اور بالآخر ایک مکان کے سامنے پہنچ کر گھوڑا رک گیا۔

شارق پتھر کی آڑ میں گھوڑے پر بیٹھا اس طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کی لگام چھوڑ

aazzamm@yahoo.com

دی تھی اور رائفل کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

محمد عمر نے مکان سے کچھ دور گھوڑا روک لیا اور پشتو میں قدرے اونچی آواز میں پکارنے لگا۔

تقریباً دو منٹ بعد ایک آدمی مکان سے باہر نکلا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ سفید داڑھی اس کے صحت مند چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے' تم کون ہو؟"

"میں مسافر ہوں۔ بہت دور سے آیا ہوں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر تک اس بوڑھے سے باتیں کرتا رہا' پھر اس نے شارق کو بھی بلا لیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق نے اپنی قمیض اتار کر ثمینہ وغیرہ کو سگنل دے رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔

وہاں تین مکان تھے۔ تینوں گھروں سے مرد اور بچے باہر آگئے تھے۔ عورتیں بھی دروازے میں کھڑی جھانک رہی تھیں۔ مردوں میں ایک تو وہی بوڑھا تھا اور تین جوان آدمی تھے۔ بوڑھے نے ثمینہ اور شاہ پری کو ایک مکان میں بھیج دیا اور شارق وغیرہ کو لے کر دوسرے مکان میں آگیا۔ ان لوگوں سے گفتگو کا چارج محمد عمر نے سنبھال لیا تھا۔

وہ انہیں بتا رہا تھا کہ وہ لوگ ارغوان سے سروبی کے لیے روانہ ہوئے تھے مگر راستہ بھٹک گئے۔ بوڑھے نے اسے بتایا کہ وہ اصل راستے سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ سروبی وہاں سے کم از کم چھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

بوڑھے نے اپنے بارے میں بتایا کہ یہ تین گھر اس کے خاندان پر مشتمل ہیں۔ اس کے ایک دور کے رشتہ دار نے جنگل کاٹنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور وہ لوگ یہاں درخت کاٹتے رہتے ہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ ٹرک آتا ہے اور کٹی ہوئی لکڑیاں لے جاتا ہے۔ کٹائی کا اصل کام جنگل کے دوسری طرف ہو رہا ہے جہاں بیس بائیس آدمی کام پر لگے رہتے ہیں۔ یہ بوڑھا دراصل یہاں چوکیدار تھا' درخت کاٹنا اس کی اضافی آمدنی میں شامل ہے۔

"ہم سے پہلے یہاں کوئی اور اجنبی بھی آیا تھا؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہاں کئی روز سے کوئی اجنبی نہیں آیا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"یہاں سے سروبی کے علاوہ کسی اور طرف جانے کا راستہ بھی ہے؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"ہاں۔" بوڑھے نے سر ہلایا۔ "سامنے والے پہاڑ کے دوسری طرف پاکستان کا علاقہ ساؤتھ وزیرستان ہے۔ منگروتائی بھی یہاں سے چند گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ سرحد زیادہ قریب ہے۔ خارزدار سرحد کے دوسری طرف پہلا قصبہ ہے۔"

"کبھی وہاں گئے ہو؟" محمد عمر نے ایک اور سوال کیا۔

"اکثر جاتے رہتے ہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "خارزدار میں میرا ماموں زاد بھائی اور کچھ رشتہ دار بھی رہتے ہیں۔ کبھی وہ لوگ بھی اس طرف آجاتے ہیں۔"

محمد عمر کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ ایک بچے نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ بوڑھے نے ایک نوجوان کو اشارہ کیا' وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد اس نوجوان نے دری پر دسترخوان بچھا دیا اور دوسرے نوجوان نے کھانا لگا دیا۔ کھانے کے دوران بھی باتیں ہوتی رہیں۔ محمد عمر بوڑھے سے کرید کرید کر پوچھ رہا تھا۔ وہ یہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ یہاں ان کے لیے کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔ بوڑھے کی باتوں سے مطمئن تھا کہ یہاں وہ محفوظ ہیں۔

کئی روز بعد انہیں ڈھنگ کا کھانا ملا تھا۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نولکھا ایک طرف بیٹھا اونگھ رہا تھا اور پھر وہیں لیٹ گیا۔ چند سیکنڈ بعد اس کے خراٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تم لوگ تھکے ہوئے ہو۔ آرام کرو۔ دوپہر کے کھانے پر میں تم لوگوں کو جگا دوں گا۔" بوڑھے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی اجنبی اس طرف آجائے تب بھی ہمیں جگا دینا۔" محمد عمر نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی پریشان نہیں کرے گا۔" بوڑھے نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

شارق اور محمد عمر کچھ دیر باتیں کرتے رہے' پھر وہ بھی دری پر لیٹ کر سو گئے۔

ان کی آنکھ دوپہر کا کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی کھل گئی۔ اس وقت ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ اگر وہ نہانا چاہیں تو ندی پر چلے جائیں۔

ندی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ دیر تک ندی کے ٹھنڈے اور شفاف پانی میں نہاتے رہے۔ اس نوجوان نے انہیں اپنے اور اپنے بھائیوں کے کپڑے بھی لا دیئے تھے۔ وہ کپڑے پہن کر انہوں نے اپنے کپڑے دھو کر سوکھنے کے لیے دھوپ میں ڈال دیئے تھے۔

واپس آتے ہوئے ثمینہ اور شاہ پری سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پہلی نظر میں تو شارق انہیں پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ وہ نہا دھو کر نکھر آئی تھیں اور صاف ستھرے کپڑوں نے ان کا حلیہ بدل دیا تھا۔ ان کے ساتھ دو اور عورتیں بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے چہرے چادروں میں چھپا لیے تھے۔ شارق کچھ دیر ثمینہ اور شاہ پری سے باتیں کرتا رہا۔ پھر محمد عمر اور نولکھا کے ساتھ دوسری طرف مڑ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ بوڑھا نصیب خان اگرچہ غریب آدمی تھا لیکن خدا نے اسے دل بہت بڑا دیا تھا۔ یوں تو مہمان نوازی ان کے قبیلے کی روایات میں شامل تھی لیکن وہ کچھ زیادہ ہی مہمان نواز ثابت ہوا تھا۔ اس نے صبح ہی دو دنبے ذبح کر ڈالے تھے اور دوپہر کے کھانے میں کئی طرح کا گوشت تیار کیا گیا تھا۔ کھانے پر پورے خاندان والے موجود تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری عورتوں کے ساتھ دوسرے مکان میں تھیں۔

کھانا بہت ہی لذیذ تھا۔ اگرچہ خمیری روٹیاں بھی موجود تھیں لیکن کئی اقسام کا گوشت ہی اس قدر مزیدار تھا کہ وہ روٹی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکے تھے۔ صرف گوشت ہی کھا کر پیٹ بھر گیا تھا۔

کھانے کے بعد وہ لوگ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ محمد عمر نے بوڑھے نصیب خان اور اس کے گھر والوں کو اپنے اور شارق وغیرہ کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنا ڈالی تھی اور وہ دونوں مطمئن تھے کہ نصیب خان نے اس کی بات پر یقین کر لیا تھا کیونکہ اس نے کسی قسم کی جرح نہیں کی تھی۔

نولکھا ایک طرف دری پر لیٹ گیا۔ محمد عمر اور شارق کو بھی جمائیاں آنے لگی تھیں۔ نصیب خان اٹھ کر چلا گیا تو وہ دونوں بھی لیٹ کر اونگھنے لگے۔

شام ڈھلنے سے کچھ پہلے وہ لوگ بیدار ہوئے تھے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد نصیب خان ان کے لیے چائے لے آیا۔ شارق کا خیال تھا کہ چائے پینے کے بعد وہ رخصت ہو جائیں گے لیکن نصیب خان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ابھی انہیں مہمان بنائے رکھنا چاہتا تھا۔

چائے کے بعد اس کا بیٹا برتن اٹھا کر لے گیا تو نصیب خان اپنی جگہ سے کھسک کر ان کے قریب آگیا۔ وہ باری باری ان کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔

شارق چونک سا گیا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوئی بات ضرور ہے۔

"ہاں۔ اب بتاؤ اصل قصہ کیا ہے؟" نصیب خان شارق کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم لوگوں نے جو کہانی سنائی تھی' میں اصل بات جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے کن انکھیوں سے محمد عمر کی طرف دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"یہ تو مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" نصیب خان دوبارہ بولا۔ "لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم لوگ میرے مہمان ہو اور میں نے تمہیں دوست بھی کہا ہے۔ ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ ہم نے اپنے بارے میں تم سے جھوٹ بولا تھا؟" شارق نے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید ثمینہ یا شاہ پری نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جس سے نصیب خان کو ان پر شبہ ہو گیا ہو۔

"میں نے تیس سال کابل شہر میں رہ کر گزارے ہیں۔ پاکستان کی طرف بھی آتا جاتا ہوں۔ میں کراچی تک گیا ہوں۔ یہ کہہ لو کہ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملا ہوں۔ کسی سے بات کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس فطرت کا مالک ہے۔ تم لوگوں کے بارے میں میرا خیال ہی نہیں' یقین ہے کہ شریف لوگ ہو اور کسی وجہ سے اصل بات کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس کے علاوہ کل رات یہاں گلباز خان اور خان عبدالقدوس خان کے آدمی بھی آئے تھے۔ انہیں ایسے لوگوں کی تلاش تھی جو ان کی لیبارٹریاں تباہ کر گئے تھے۔ انہیں دو عورتوں اور تین مردوں کی تلاش تھی۔"

"وہ لوگ یہاں آئے تھے؟" محمد عمر کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"ہاں۔" نصیب خان نے سر ہلایا۔ "لیکن اس وقت مجھے تم لوگوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ تم لوگ کون ہو' کیا ہو؟ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے لیکن تم لوگوں نے ہیروئن کی لیبارٹریاں تباہ کی ہیں اور میں اس بات پر بہت خوش ہوں۔ وہ موت کے سوداگر ہیں۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے پوری دنیا میں زہر پھیلا رہے ہیں۔ میں نے ہیروئن کے عادی کئی نوجوانوں کو سسک سسک کر مرتے دیکھا ہے۔ تم لوگوں نے موت کی یہ دو فیکٹریاں تباہ کر دیں۔ میں اس بات پر بہت خوش ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں۔ وہ ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ تم لوگ ان کی نظروں سے بچ کر نہیں نکل سکو گے۔ یہاں بھی تم لوگ زیادہ عرصہ تک محفوظ نہیں رہ سکو گے۔ مجھے یقین ہے وہ لوگ دوبارہ یہاں آئیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالیں۔ اس لیے میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

شارق اور محمد عمر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ لیبارٹری کی تباہی کے بعد گلباز خان اور خان عبدالقدوس خان میں اتحاد ہو گیا ہوگا اور انہوں نے مشترکہ طور پر ان کی تلاش شروع کر دی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ان سے اپنی تباہی کا بدلہ نہ لے لیں۔ وہ ان کی تلاش میں واقعی پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ دو خطرناک ترین انسان آپس میں مل گئے تھے۔ وہ موت کے

aazzamm@yahoo.com

فرشتے تھے اور موت کے یہ فرشتے ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے سرحد کی بھی نگرانی شروع کروا دی ہوگی۔ وہ سرحد پار کرنے والے ایک ایک شخص پر نگاہ رکھے ہوں گے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو نصیب خان۔" بالآخر شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم وہی ہیں جن کی گلباز خان اور خان عبدالقدوس خان کو تلاش ہے۔ ان کی ہیروئن کی لیبارٹریاں ہم نے ہی تباہ کی تھیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہماری تلاش میں ہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہم سے انتقام نہ لے لیں۔ ہم سرحد پار کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تمہیں یا کسی اور کو کوئی نقصان پہنچے۔ ہم ڈرتے ڈرتے تمہاری اس بستی تک آئے تھے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں ہمیں تم جیسا ہمدرد اور مہربان انسان مل گیا۔ تم ہمیں سرحد کی طرف جانے والا راستہ بتا دو۔ ہم آج رات ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"تم لوگ اپنے طور پر سرحد پار کرنے کی کوشش کرو گے تو مارے جاؤ گے۔" نصیب خان نے کہا۔ "سرحد یہاں سے تقریباً سات گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ تم لوگ بھٹک بھی سکتے ہو۔ میں اپنے بیٹے رحمت اللہ کو تم لوگوں کے ساتھ بھیج دوں گا۔ وہ تمہیں حفاظت سے سرحد پار پہنچا دے گا۔"

"اس طرح رحمت اللہ کی زندگی کو تو خطرہ نہیں ہوگا؟" شارق بولا۔

"نہیں۔" نصیب خان نے جواب دیا۔ "سرحد کی طرف کئی راستے جاتے ہیں لیکن ایک راستہ ایسا بھی ہے جس کے بارے میں میرے اور میرے بیٹوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ راستہ دشوار ضرور ہے لیکن ہر لحاظ سے محفوظ ہے لیکن....."

"لیکن کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ گھوڑوں پر سفر نہیں کر سکو گے۔ پیدل جانا ہوگا۔ گھوڑے اس راستے پر سفر نہیں کر سکتے۔" نصیب خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم گھوڑے یہیں چھوڑ جائیں گے۔" شارق بولا۔

اور پھر ان میں یہ پروگرام طے ہونے لگا کہ وہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی روانہ ہو جائیں گے لیکن نصیب خان کا خیال تھا کہ شام کے بجائے وہ لوگ صبح سویرے روانہ ہوں تو بہتر ہے کیونکہ دو گھنٹوں بعد وہ ایسے راستے پر پہنچ جائیں گے جہاں رات کی تاریکی میں سفر نہیں کیا جا سکے گا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم صبح سویرے ہی روانہ ہو جائیں گے۔" شارق نے کہا۔

نصیب خان اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور شاہ پری وہاں

آ گئیں۔ انہوں نے نصیب خان کے گھر کی خواتین کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ثمینہ انہیں بتا رہی تھی کہ نصیب خان کے گھر کی خواتین ان کا بہت خیال رکھے ہوئے ہیں۔ شارق نے انہیں روانگی کے پروگرام سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد نصیب خان پھر ان کے پاس بیٹھ گیا اور وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نصیب خان کہہ رہا تھا۔

"رحمت اللہ تم لوگوں کو سرحد پار کرانے کے بعد خارزدار لے جائے گا۔ یہ جنوبی وزیرستان کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ وہاں میرے کچھ رشتہ دار بھی ہیں۔ سرحد کے دوسری طرف پولیٹیکل انتظامیہ ہے۔ اس گاؤں کے ساتھ ہی ملیشیا کی چوکی بھی ہے۔ ملیشیا والے تم لوگوں کو پریشان کرنے کی کوشش کریں گے لیکن میرا ماموں زاد بھائی صبور خان تم لوگوں کی مدد کرے گا۔ وہاں سے اگر تم لوگ چاہو تو وانا سے ہوتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف نکل سکتے ہو۔ اس سے آگے تم لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

محمد عمر، نولکھا اور شارق خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے اور جب نصیب خان چلا گیا تو وہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ گئے۔

صبح چار بجے انہیں جگا دیا گیا۔ ان کے لیے نہ صرف ناشتہ کا انتظام تھا بلکہ نصیب خان کے گھر والوں نے راستے کے لیے بھی کھانا وغیرہ باندھ دیا تھا اور پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ لوگ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ نصیب خان سے وہ لوگ اس طرح رخصت ہوئے تھے جیسے کسی بہت قریبی عزیز سے بچھڑ رہے ہوں۔

○

جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا، دھوپ سے چٹانیں تپ رہی تھیں لیکن تیز ہوا کی وجہ سے زیادہ گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

راستہ واقعی دشوار گزار تھا۔ کہیں انہیں چٹانوں کے اوپر سے گھوم کر جانا پڑتا اور کہیں تنگ سی گھاٹیوں پر اترنا پڑتا۔ وہ لوگ اگرچہ ان پہاڑوں پر سفر کرنے کے عادی ہو چکے تھے لیکن تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ تھک گئے۔ ثمینہ اور شاہ پری سے تو اب چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ان کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔

رحمت اللہ نے بھی اس صورتحال کو محسوس کر لیا اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر کچھ دیر کے لیے رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں جھرنے کی صورت میں ایک چٹان سے پانی بھی بہہ رہا تھا۔ انہیں

aazzamm@yahoo.com

پیاس بھی بہت لگ رہی تھی اور بھوک بھی۔ پہلے تو وہ پانی پر ٹوٹ پڑے اور پھر رحمت اللہ نے دسترخوان بچھا دیا۔ کھانا اتنا وافر مقدار میں تھا کہ وہ لوگ دو وقت آرام سے کھا سکتے تھے۔ بھنا ہوا گوشت اور خمیری روٹیوں کے علاوہ موٹی موٹی میٹھی روٹیاں بھی تھیں۔ تقریباً ایک انچ موٹی روٹیوں کو کیک کہا جاتا تھا۔ اس میں اخروٹ' بادام اور پستہ وغیرہ بھی ڈالا ہوا تھا جس سے یہ کیک کچھ اور بھی مزیدار ہو گیا۔

وہ لوگ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رکے رہے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ آگے کا راستہ کچھ زیادہ ہی دشوار بلکہ خطرناک تھا۔ ایک موقع پر تو شاہ پری اور ثمینہ نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ آگے تقریباً دس گز تک کا راستہ بہت ہی خطرناک تھا۔ ایک طرف دیوار کی طرح عمودی چٹان تھی۔ اس کے ساتھ تقریباً تین فٹ چوڑی چٹان پٹی سی تھی اور اس کے ساتھ سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ۔ اس راستے پر چلنا خودکشی کے مترادف تھا مگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔

سب سے آگے رحمت اللہ تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری کو بڑی مشکل سے آگے چلنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ محمد عمر ایک ہاتھ سے چٹانی دیوار کا سہارا لیے اس تین فٹ چوڑی کارنس پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے شاہ پری کا ایک ہاتھ تھام رکھا تھا۔ شاہ پری نے اپنا دوسرا ہاتھ چٹان پر جما رکھا تھا۔ وہ چٹان کے ساتھ تقریباً چپکی ہوئی سی چل رہی تھی۔ ان کے پیچھے شارق اور ثمینہ اسی طرح چلتے ہوئے آرہے تھے۔ آخر میں نولکھا تھا۔

آدھا راستہ طے کرنے کے بعد شارق نے نظریں اٹھا کر آگے دیکھا۔ یہ کارنس چٹان کے ساتھ ساتھ اگرچہ آگے تک چلی گئی تھی لیکن رحمت اللہ نظر نہیں آرہا تھا۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ایک لمحہ کو اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ رحمت اللہ کھڈ میں تو نہیں گر گیا لیکن پھر یہ خیال اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ رحمت اللہ اگر کھڈ میں گرتا تو اس کی چیخ سنائی دیتی۔

دو تین گز کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد بات شارق کی سمجھ میں آگئی۔ آگے اس چٹانی دیوار میں ایک تنگ سی دراڑ تھی اور رحمت اللہ اسی دراڑ میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے محمد عمر بھی دراڑ میں داخل ہو رہا تھا۔

شاہ پری کے بعد شارق اس دراڑ میں داخل ہوا اور اس نے ثمینہ کو بھی اندر کھینچ لیا۔ ثمینہ کا ہاتھ چھوڑ کر اس نے باہر کی طرف جھکتے ہوئے نولکھا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نولکھا اس دراڑ میں داخل ہو رہا تھا کہ ایک پتھر اس کے پیر کے نیچے سے نکل گیا۔ نولکھا کو ایک جھٹکا لگا۔ اگر اس کا ہاتھ شارق کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو وہ بھی اس پتھر کے ساتھ کھڈ میں جا گرتا۔

نولکھا نیچے لٹکا ہوا تھا اور شارق نے بڑی مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ خوف کی شدت سے نولکھا کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا اور اس کے منہ سے عجیب سی آواز بھی نکل رہی تھی۔ محمد عمر نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر نولکھا کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں مل کر اسے اوپر کھینچنے لگے۔

وہ دونوں بڑی مشکل سے نولکھا کو کھینچ کر دراڑ میں لا سکے تھے۔ نولکھا تو فوراً ہی زمین پر گر کر لمبے لمبے سانس لینے لگا تھا۔ اس کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ شارق اور محمد عمر کو بھی پسینہ آگیا تھا۔ وہ بھی لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔

"او بھائی رحمت اللہ۔" بالآخر نولکھا نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آگے بھی اگر ایسا ہی راستہ ہے تو مجھے یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں آگے نہیں جا سکتا۔"

"نہیں بھائی نو لاکھ کا۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "آگے کا راستہ بالکل آسان ہے۔ اب کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"نو لاکھ کا۔" نولکھا بڑبڑایا۔ "میں تو نو کوڑی کا بھی نہیں رہا' تم مجھے نو لاکھ کا کہہ رہے ہو۔"

صورتحال سنجیدہ ہونے کے باوجود نولکھا کی اس بات پر وہ سب ہی مسکرا دیئے تھے۔ انہیں تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں رکنا پڑا۔

وہ دراڑ بہت تنگ تھی۔ بعض جگہوں پر تو دراڑ اس قدر تنگ تھی کہ وہ دیوار کے ساتھ گھسٹ کر بڑی مشکل سے آگے بڑھ رہے تھے لیکن پچاس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بالآخر کھلی جگہ پر نکل آئے۔ یہاں بھی وہ کچھ دیر رکے اور پھر آگے چلنے لگے۔

اب راستہ واقعی زیادہ دشوار نہیں تھا۔ وہ مسلسل ڈھلان پر اتر رہے تھے۔ سہ پہر پانچ بجے کے قریب وہ ایک بار پھر رک گئے۔

"سرحد یہاں سے بالکل قریب ہے۔" رحمت اللہ نے بتایا۔ "کچھ کھا پی کر آرام کر لیں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہوں گے اور تقریباً ایک گھنٹے بعد سرحد پار کر لیں گے۔" اس نے زمین پر دسترخوان بچھا کر بچا کھچا کھانا لگایا۔

کھانے کے بعد بھی وہ لوگ دیر تک وہاں بیٹھے رہے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے چھپ گیا تو رحمت اللہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ان لوگوں نے بھی اٹھ کر اپنی اپنی رائفلیں کندھوں پر لٹکا لیں اور رحمت اللہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

راستہ زیادہ دشوار نہیں تھا۔ کبھی وہ کسی تنگ سی گھاٹی میں اترنے لگتے اور کبھی بلندی پر چڑھنے لگتے۔ اس وقت وہ ایک بہت تنگ سی سرنگ میں پیٹ کے بل رینگ رہے تھے۔ سرنگ

aazzamm@yahoo.com

س قدر تنگ تھی کہ وہ بمشکل گھسیٹ گھسیٹ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ س سرنگ سے باہر نکل آئے۔ آگے بھی ایک تنگ سی دراڑ تھی جس میں وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے اور پھر کشادہ جگہ پر نکل آئے۔ اس سے آگے مسلسل ڈھلان تھی۔

سب سے آگے رحمت اللہ تھا اور اتفاق سے ثمینہ اس وقت سب سے پیچھے تھی۔ وہ ڈھلان پر اتر رہے تھے۔ دفعتاً" ثمینہ کا پیر پتھروں پر پھسل گیا۔ کئی چھوٹے پتھر اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئے تھے۔ ثمینہ لڑکھڑا گئی۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی اور پشت کے بل گر پڑی۔ گرنے کے بعد بھی اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی مگر پتھر اس کے نیچے سے نکلتے گئے اور وہ لڑھکتی چلی گئی۔ اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔

شارق وغیرہ تیزی سے مڑے۔ شارق اس کی مدد کے لیے دوڑا مگر پتھروں پر اس کا پیر بھی پھسل گیا اور وہ بھی ڈھلان پر لڑھکنے لگا۔ ثمینہ کے ساتھ لاتعداد چھوٹے چھوٹے پتھر بھی لڑھک رہے تھے۔ تاریکی میں اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس ڈھلان کے اختتام پر کیا ہے۔ وہ خوفزدہ انداز میں چیخے جا رہی تھی۔

بالآخر وہ جھاڑیوں میں اٹک کر رک گئی۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی شارق بھی اس کے قریب آکر رک گیا۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں لگی؟" شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے سہارا دیتے ہوئے بولا۔

"زیادہ نہیں۔" ثمینہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "بس ذرا گھٹنے چھلے ہیں۔ سر پر خراش آئی ہے۔ ہاتھوں پر رگڑ لگی ہے اور کندھے بھی چھل گئے ہیں۔ ویسے میں ٹھیک ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ان سنگین ترین حالات میں بھی تمہاری خوشدلی برقرار ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اسے سہارا دے کر اس جگہ لے آیا جہاں نولکھا وغیرہ کھڑے تھے۔

ثمینہ کسی قدر لنگڑا کر چل رہی تھی۔ گھٹنوں اور پیروں کے علاوہ جسم کے کئی حصوں پر رگڑ بھی لگی تھی اور وہ تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئی۔

"اب مجھ سے نہیں چلا جا رہا۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور پھر رحمت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "سرحد کتنی دور رہ گئی ہے؟ ہم کب سرحد پار کریں گے؟"

"سرحد۔" رحمت اللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سرحد تقریباً دو میل پیچھے رہ چکی ہے اور ہم اس وقت پاکستانی علاقے میں ہیں۔"

"او مائی گاڈ..... تھینک گاڈ۔" ثمینہ کے منہ سے بااختیار نکلا۔

"شکر ہے' ہم اس جہنم سے نکلے۔" نولکھا نے کہا اور وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ "تو پھر تھوڑی دیر رک جاؤ' ہم بہت تھک گئے ہیں۔"

"لیکن ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں نکلے۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "سرحد کے قریب ان پہاڑوں میں جا بجا پاکستانی ملیشیا کی چوکیاں بنی ہوئی ہیں۔ وہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں گشت بھی کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم ان کی نظروں میں آگئے تو پھر بچنا مشکل ہو جائے گا۔"

"کیا کہا..... ہمیں مزید اور بھی چلنا ہوگا۔" ثمینہ کے منہ سے کراہ سی نکلی۔

"ظاہر ہے ہم اس ویرانے میں تو نہیں بیٹھے رہ سکتے۔" رحمت اللہ نے جواب دیا۔ "سرحد پار کر لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم خطرات سے باہر نکل آئے ہیں۔ ہمیں جلد سے جلد محفوظ جگہ پر پہنچنا ہے۔"

"محفوظ جگہ۔" ثمینہ بولی۔ "ہمیں اور کتنا چلنا پڑے گا؟"

"کم از کم پانچ چھ میل۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "پانچ چھ میل آگے چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ہمیں دن کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے اس بستی میں پہنچنا ہے۔"

ثمینہ ایک بار پھر کراہ کر رہ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر چل پڑے۔ ثمینہ مسلسل لنگڑا کر چل رہی تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس طرح مسلسل ایک گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد وہ ایک میدان میں پہنچ گئے۔ شارق نے مڑ کر دیکھا۔ ان کے پیچھے ایک بلند پہاڑ تھا جس کے دامن میں وہ کھڑے تھے۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ لوگ یہ بلند پہاڑ عبور کر کے آئے تھے۔ اس نے سر جھٹک دیا۔ وہ لوگ تو اب تک نجانے کتنے پہاڑ عبور کر چکے تھے۔

ان کے سامنے ایک وسیع پتھریلا میدان تھا جس کے آخر میں بہت دور بلند پہاڑوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چلتے چلتے ایک بار پھر رک گئے۔ وہ باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ ایک پتھریلا راستہ تھا جو دائیں سے بائیں چلا گیا تھا۔ یہ رستہ اتنا کشادہ تھا کہ دو ٹرک باآسانی پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً" شارق چونک گیا۔ دائیں طرف بہت دور تک ایک لمحہ کو روشنی سی چمکی تھی اور پھر غائب ہو گئی تھی۔ رحمت اللہ نے بھی شاید وہ روشنی دیکھ لی تھی۔

"بھاگو۔" وہ چیخا۔ "ملیشیا کی گشتی پارٹی اس طرف آرہی ہے۔ اس طرف پتھروں کے پیچھے چھپ جاؤ۔ جلدی کرو۔"

وہ لوگ دوڑ کر بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے چھپ گئے۔ شارق نے پتھر کی آڑ میں جھانک کر

aazzamm@yahoo.com

دیکھا۔ روشنی ایک بار پھر نظر آئی۔ اس مرتبہ وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئی۔ وہ کسی ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں تھیں جو پتھریلے میدان میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔

وہ لوگ پتھروں کے پیچھے دبکے رہے۔ چند منٹ بعد ہی وہ ٹرک ان کے سامنے سے گزر گیا۔ ٹرک چھوٹا تھا اور پیچھے سے کھلا ہوا تھا اور اس میں ملیشیا کے کم از کم چھ جوان بیٹھے ہوئے تھے۔

ٹرک کے آگے نکل جانے کے بعد بھی وہ تقریباً پانچ منٹ تک پتھروں کے پیچھے چھپے رہے اور پھر اٹھ کر تیز تیز چلتے ہوئے سڑک پار کرکے دوسری طرف آگئے اور رکے بغیر چلتے رہے۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پھر رک گئے۔ آگے نشیب تھا اور تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جگہ مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔

"وہ چھوٹی سی بستی ہماری پہلی منزل ہے۔" رحمت اللہ نے روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کم از کم ایک دن اس بستی میں رہیں گے۔ اس کے بعد خارزدار روانہ ہو جائیں گے۔ آؤ' آگے چلیں۔"

وہ لوگ ڈھلان اترنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بستی میں داخل ہو گئے جہاں تین چار کتوں نے بھونک کر ان کا استقبال کیا۔ رحمت اللہ کتوں کو ہشکارتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور وہ لوگ اس کے پیچھے چلتے رہے اور پھر کچھ ہی دیر بعد رحمت اللہ ایک مکان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

○

خارزدار اس بستی سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا۔

انہوں نے وہ پورا دن اور رات اس چھوٹی سی بستی میں گزاری تھی۔ اگلے روز صبح سویرے ہی وہ لوگ ایک پک اپ ٹرک پر خارزدار کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ ٹرک اس بستی کے ملک عبداللہ خان کی ملکیت تھا۔ عبداللہ خان کی عمر چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ ملیشیا کے لیے بھی کام کرتا تھا۔ اسے ٹھیکے پر باربرداری کے چھوٹے موٹے کام مل جاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے اس پک اپ ٹرک سے اور بھی بہت سے کام لیتا تھا۔ خارزدار سے وانا تک دن میں صرف ایک بس چلتی تھی۔ وہ بس بھی صبح چھ بجے نکل جاتی تھی اور اس کے بعد آس پاس بستیوں میں لوگوں کو لانے لے جانے کے لیے عبداللہ خان کا یہ پک اپ ٹرک ہی استعمال ہوتا تھا۔ وہ معقول کرایہ لے کر لوگوں کو ان کی منزل تک پہنچا دیتا تھا۔

وہ لوگ صبح سورج نکلنے سے پہلے اس بستی سے روانہ ہوئے تھے اور سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد خارزدار پہنچ گئے۔ رحمت اللہ انہیں سیدھا اپنے رشتہ دار کے گھر لے گیا تھا۔ اس کے باپ نصیب خان کا ماموں زاد بھائی ملک شہباز دکاندار تھا۔ اپنی دکانداری کے علاوہ وہ قریب ہی واقع ملیشیا چوکی پر گوشت بھی فراہم کرتا تھا۔ ملیشیا کو گوشت کی فراہمی کا ٹھیکہ اس کے پاس کئی سال سے تھا۔ دوسرے بہت سے لوگ کئی مرتبہ یہ ٹھیکہ حاصل کرنے کی کوشش کر چکے تھے مگر چوکی کے کمانڈر سے ملک شہباز خان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس نے کبھی شکایت کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ اس لیے ہر سال یہ ٹھیکہ اسے ہی مل رہا تھا۔

ملک شہباز کا مکان خاصا بڑا تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہا تھا۔ وہ لوگ دو دن تک اس کی مہمان نوازی کا لطف اٹھاتے رہے۔ تیسرے روز ان کی روانگی کا پروگرام بنا۔

ملک شہباز کو بھی اپنے ایک کام کے سلسلے میں وانا جانا تھا۔ یہاں ملیشیا کا علاقائی ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس نے رات ہی کو بس پر اپنے اور شارق وغیرہ کے لیے سیٹیں بک کروا لی تھیں۔ افغانستان میں بھاگ دوڑ کے دوران شارق وغیرہ کو رقم کی ضرورت نہیں پڑی تھی بلکہ وہ بھول ہی گئے تھے کہ کرنسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ لوگ آبادیوں سے دور رہ کر پہاڑوں میں سفر کرتے رہے تھے۔ کبھی دو دو دن بھوکے رہتے اور کبھی جنگلی جانور شکار کرکے اپنا پیٹ بھر لیتے تھے لیکن پاکستان کی حدود میں داخل ہوتے ہی صورتحال بدل گئی تھی۔ انہیں پہاڑوں میں مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ ان کا اپنا ملک تھا اور وہ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ سفر کے لیے بسیں موجود تھی لیکن بسوں کے لیے کرایہ درکار تھا۔ رقم حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنی رائفلیں ملک شہباز کے ہاتھ اونے پونے داموں فروخت کرنی پڑیں۔ حالانکہ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ پاکستان کے کسی بھی شہر میں ایک کلاشنکوف رائفل پچاس ساٹھ ہزار میں فروخت ہو سکتی ہے لیکن وہ رائفلیں اپنے ساتھ لے کر نہیں چل سکتے تھے۔ اس لیے اسے تمام رائفلیں اونے پونے فروخت کرنا پڑی تھیں۔

بس صبح چھ بجے چلی تھی۔ گلا دین کوئے' توروزم اور تیازرہ نوائی ہوتی ہوئی سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے وانا پہنچ گئی۔

وہ بہت بڑی حویلی نما عمارت تھی جہاں بس رکی تھی۔ تقریباً دو ایکڑ رقبے پر مشتمل کھلا میدان تھا جس کے چاروں طرف مربعہ شکل کی عمارت بنی ہوئی تھی۔ طویل اور کشادہ برآمدوں نے چاروں طرف کی عمارتوں کو ملا رکھا تھا۔ یہاں دکانیں' قہوہ خانے' رہائشی ہوٹل اور چائے خانے

aazzamm@yahoo.com

تھے۔ بعض جگہ پر عمارت دو منزلہ تھی۔ درمیان میں واقع میدان میں بھی لوگوں نے جمعہ بازار کی طرح دکانیں لگا رکھی تھیں۔ بسیں بھی اسی میدان میں آکر رکتی تھیں۔ ان سے پہلے چار بسیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ان بسوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے کسی عجائب گھر سے نکالی گئی ہوں۔ دیکھنے میں یہ بسیں ڈھانچے ہی لگتی تھیں لیکن پہاڑی علاقوں میں چلنے والی ان بسوں کے انجن نہایت طاقتور تھے۔

وہ لوگ بسوں سے اتر آئے۔ ان کا خیال تھا کہ رات انہیں کسی ہوٹل میں بسر کرنی پڑے گی لیکن جب ملک شہباز نے اپنے گھر رات گزارنے کی پیشکش کی تو انہوں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔

بس سے اترنے کے بعد وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں ہر قسم کی دکانیں تھیں اور ہر دکان میں تقریباً ہر قسم کی چیزیں دستیاب تھیں۔ کریانے کی دکان میں آٹے، نمک کے علاوہ جوتے، کپڑے اور دوسری چیزیں بھی دستیاب تھیں۔ ان کے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ ہر قسم کا اسلحہ تقریباً ہر دکان پر موجود تھا۔ رائفلیں، پستولیں اور سب مشین گنیں ہر دکان پر نظر آرہی تھیں۔ گولیاں اور کارتوس وغیرہ کھلی ٹوکریوں میں اس طرح بھرے رکھے تھے جیسے چنے بک رہے ہوں۔

حویلی کے باہر کی طرف بھی دکانیں تھیں اور ان دکانوں میں بھی یہی سب کچھ تھا۔ بس سے اترتے ہی انہیں جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا، وہ وانا کی جامع مسجد تھی۔ حویلی سے ملحق نیلے پتھروں سے بنی ہوئی یہ وسیع و عریض مسجد بہت خوبصورت تھی اور شارق کے خیال میں اس نے کسی شہر میں بھی ایسی خوبصورت مسجد نہیں دیکھی تھی جہاں ہر قسم کا سازو سامان اور سہولتیں میسر تھیں۔ وانا کی اس مسجد کی تعمیر میں کئی سال لگے تھے اور یہ لوگوں کے چندے سے تعمیر ہوئی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں شہر کے تقریباً ہر فرد نے رضاکارانہ طور پر مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔

وانا کی آبادی بکھری ہوئی تھی۔ ملیشیا ہیڈ کوارٹر کی عمارت شہر کے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ بلند ٹیلے پر واقع قلعہ نما یہ عمارت دور ہی سے نظر آرہی تھی۔

ملک شہباز کا ایک مکان وانا میں بھی تھا۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں اکثر وانا آتا رہتا تھا اور اپنے مکان ہی میں ٹھہرتا تھا۔ مکان کی دیکھ بھال اور کام کاج کے لیے اس نے ایک ملازم رکھا ہوا تھا۔ ایک روز پہلے اس نے اپنے ملازم کو اپنے آنے کی اطلاع بھجوا دی تھی اور غالباً یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ مہمان بھی ہوں گے۔ اس نے کھانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔

ملک شہباز کا یہ مکان آبادی سے تقریباً نصف میل دور ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ حویلی نما یہ مکان خاصا وسیع و عریض تھا جسے چاروں طرف سے بلند فصیل نے گھیر رکھا تھا۔ اس چار دیواری کے ایک طرف پتھروں سے بنی ہوئی عمارت تھی اور اس کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ درختوں کی بھی بہتات تھی۔ لان اور درختوں کو سرسبز رکھنے کے لیے پانی کا بھی معقول انتظام تھا۔ ایک پتھریلا راستہ شہر سے اس مکان تک چلا گیا تھا۔ قرب و جوار کے ٹیلوں پر بھی مکان نظر آرہے تھے۔ قریب ترین مکان بھی وہاں سے کم از کم سو گز کے فاصلے پر تھے۔

وہ لوگ حویلی تک پیدل ہی آئے تھے۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی شارق وغیرہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایک طرف ایک کھنارہ سی کار کھڑی تھی جس کے ٹائروں کی ہوا نکلی ہوئی تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے شارق نے کار کے اندر جھانکا۔ اس کی سیٹیں بھی غائب تھیں۔

برآمدے میں لمبا تڑنگا سا ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ خاصا صحت مند آدمی تھا۔ وہ ملک شہباز کا ملازم احمد خان تھا۔ اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی لیکن ٹوتھ برش ٹائپ کی مونچھیں خاصی بارعب تھیں۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ملک شہباز کے ہاتھ سے بیگ لے لیا اور معنی خیز نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق وغیرہ کی طرف بھی اس نے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ لوگ اندر آگئے۔ یہ کمرہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور ریشمی غلاف والے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔

"آپ لوگ منہ ہاتھ دھو لیں تو چائے پی جائے۔" ملک شہباز نے شارق وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر احمد خان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "احمد خان..... ان کے لیے پانی کا بندوبست کرو۔"

"جی ملک جی۔" احمد خان نے سر ہلا دیا۔

وہ لوگ اسی کے ساتھ کمرے سے نکل کر مکان کے پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف بھی برآمدہ تھا۔ ایک طرف پانی کے دو ڈرم رکھے ہوئے تھے جن میں ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک پتھر پر صابن رکھا ہوا تھا۔

"آپ لوگ یہاں منہ ہاتھ دھو لیں۔ میں تولیہ لے کر آتا ہوں۔" احمد خان کہتا طرف چلا گیا۔ سادہ

"پہلے شاہ پری نے منہ ہاتھ دھویا، پھر ثمینہ نے۔ اس کے بعد نولکھا وغیرہ آ خان دوران احمد خان ایک بڑا سا تولیہ لے آیا۔ اس نے تولیہ شاہ پری کی طرف بڑھ شاہ پری کے سر پر چادر تھی اور نہ ہی ثمینہ کے سر پر۔ احمد خان ان کے بسیں کہاں نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اس وقت شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ مکان کے پچھلی طرف بھی درختوں کی بہتات تھی۔ تاریکی میں تیز ہوا سے جھومتے ہوئے درختوں کے سائے بڑا پراسرار تاثر دے رہے تھے۔

جب وہ لوگ دوبارہ اس کمرے میں پہنچے تو ملک شہباز وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ لوگ قالین پر بیٹھ گئے۔ نولکھا' ثمینہ اور شاہ پری تو لیٹ گئی تھیں۔ وہ لوگ طویل عرصہ تک بنجر اور ویران پہاڑوں میں بھٹکتے رہے تھے۔ ہزاروں فٹ بلند پہاڑوں پر چڑھے تھے لیکن اتنی تھکن کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج محسوس ہو رہی تھی۔ دن بھر کے سفر نے انہیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ ثمینہ تو قالین پر لیٹتے ہی اونگھنے لگی تھی۔ نولکھا کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ملک شہباز بھی آگیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد احمد خان چائے لے آیا۔ باتوں کی آواز سن کر ثمینہ اور نولکھا بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ چائے پینے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے۔ ملک شہباز انہیں وانا اور ساؤتھ وزیرستان کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے شہر جانا ہے۔ تم لوگ آرام کرو۔ میں ساڑھے آٹھ نو بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اس وقت تک کھانا بھی تیار ہو چکا ہوگا اور ہاں' کسی بات سے ڈرنے یا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو احمد خان کو بتا دینا۔"

ملک شہباز اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ باہر جا چکا تھا۔ اس کے جانے کے بعد احمد خان نے چائے کے برتن اٹھا لیے اور شارق وغیرہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئے۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں ہمارے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں ہوگا؟"

"امید تو نہیں ہے لیکن پھر بھی ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہمیں زیادہ محتاط رہنا پڑے گا کیونکہ اب اپنے دفاع کے لیے ہمارے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں ہے۔"

"میرے پاس شکاری چاقو موجود ہے۔" محمد عمر نے کہا۔

"میرے پاس بھی خنجر موجود ہے۔" شاہ پری نے کہا اور شلوار کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلی سے اپنے مکان دکھانے لگی۔

"ایک ناموافق صورتحال ہوئی تو کیا تمہارے خیال میں ہم صرف ایک چاقو اور خنجر سے اپنا دفاع کر سکیں گے؟" شارق نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملک شہباز نے پر دیکھا جائے گا۔ ویسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے امید ہے مکان خاصا وسیع ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی کوئی ایسی ناخوشگوار صورتحال پیدا ہوئی تو وہ اپنا دفاع کر سکیں گے یا نہیں؟ اسے سب سے بڑا خطرہ ثمینہ اور شاہ پری کی وجہ سے تھا۔ وہ دونوں کمبخت اس قدر حسین تھیں کہ ہر شخص کی نظریں ان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ یہاں آتے ہی اس نے احمد خان کی نظروں کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اسے شہباز خان کی نظروں میں بھی ہلچل نظر آئی تھی۔ اگر اس کی نیت میں فتور آگیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔

ملک شہباز خان یہاں کا رہنے والا تھا۔ ملیشیا کے افسران سے اس کے تعلقات تھے۔ پولیٹیکل حکام سے بھی اس کے گہرے روابط تھے۔ وہ ان کے خلاف بہت کچھ کر سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ شارق' محمد عمر اور نولکھا کو تو پولیٹیکل حکام کے حوالے کر دے اور ان دونوں لڑکیوں پر قبضہ جمالے۔ ان لوگوں کے خلاف کوئی بھی الزام عاید کیا جا سکتا تھا۔ وہ اگرچہ پاکستانی شہری تھے لیکن غیر قانونی طور پر سرحد پار کرکے آئے تھے اور افغانستان میں قتل و غارت کرکے آئے تھے۔ مزید برآں اگر ان کے خلاف تحقیقات کی جاتیں تو بات بہت دور تک نکل سکتی تھی۔ صرف لاہور میں ان کے خلاف اتنے کیسز تھے کہ کئی جنم لینے کے بعد بھی سزا پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ وہ خدشات تھے جو شارق کے ذہن میں جنم لے رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی ناخوشگوار صورتحال پیدا ہوئی تو ہر صورت میں اس سے نمٹنا ہوگا۔ کسی ایسی صورتحال سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ وانا کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ روپوشی اختیار کر سکیں۔ قصبہ نما ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کی تمام تر آبادی قبائلیوں پر مشتمل تھی۔ کسی غیر قبائلی کے لیے اپنے آپ کو یہاں چھپانا بہت مشکل تھا۔ بس سے اترنے کے بعد وہ یہاں کے رہائشی ہوٹل بھی دیکھ چکا تھا۔ سرائے نما ہوٹل تھے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں سے نہیں چھپا سکتے تھے۔ کوئی اور ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پناہ لی جاتی۔ یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ مختلف علاقوں کو جانے والی بسیں یہاں سے آگے پیچھے صبح سویرے ہی نکل جاتی تھیں۔ رات کو کسی طرف کوئی بس نہیں جاتی تھی۔

شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے سارے ساتھی اونگھ رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے نکلا اور ٹہلتا ہوا باورچی خانے میں آگیا جہاں احمد خان کھانا تیار کر رہا تھا۔ باورچی خانہ خاصا کشادہ تھا۔ چولہے میں لکڑیاں استعمال ہوتی تھیں۔ دھویں سے تمام دیواریں کالی ہو رہی تھیں۔ احمد خان نے اسے دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ احمد خان۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں سے بسیں کہاں کہاں جاتی ہیں؟"

aazzamm@yahoo.com

"ایک بس تو اس طرف جاتی ہے جس طرف سے تم لوگ آئے ہو۔" احمد خان نے جواب دیا۔ "ایک بس شمالی وزیرستان میں میدان شاہ کی طرف اور ایک بس تنائی پوسٹ سے ہوتی ہوئی فورٹ سنڈیمن کی طرف جاتی ہے جبکہ ایک اور بس تنائی پوسٹ سے ہوتی ہوئی ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف جاتی ہے۔ یہ تمام بسیں صبح چھ بجے سے پہلے نکل جاتی ہیں۔ انہی علاقوں سے آنے والی کچھ بسیں دوپہر کے وقت یہاں پہنچتی ہیں جو تھوڑی دیر رکنے کے بعد اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ قریبی بستیوں کے لیے بسیں چلتی رہتی ہیں لیکن شام سے پہلے پہلے یہ بسیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔"

"یہاں رات کو بسیں نہیں چلتیں؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" احمد خان نے نفی میں سر ہلایا۔ "راستے بڑے خطرناک ہیں۔ اس لیے ان علاقوں میں سفر دن کے وقت ہی ہوتا ہے۔ شام ہونے تک تمام بسیں اپنی اپنی منزلوں پر پہنچ جاتی ہیں۔ رات کو کوئی بس نہیں چلتی۔"

"اور ٹرک وغیرہ؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ملک شہباز نے بتایا تھا کہ ان علاقوں میں چیڑ کے درختوں کی بہتات ہے اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر ٹرکوں پر شہروں میں بھیجی جاتی ہیں۔ ٹرک تو میرا خیال ہے رات کو بھی چلتے ہوں گے۔"

"ہاں۔" احمد خان نے جواب دیا۔ "اکا دکا ٹرک چلتے رہتے ہیں لیکن حادثات بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یونہی۔ کچھ معلومات حاصل ہونی چاہیے نا۔" شارق نے جواب دیا اور باورچی خانے سے نکل آیا۔

وہ گھوم پھر کر مکان دیکھتا رہا۔ کئی کمرے تھے۔ دو تین کمرے ایسے تھے جن میں قالین بچھے ہوئے تھے اور کچھ سامان موجود تھا جبکہ باقی کمرے خالی تھے اور ان کے فرش پر گرد جمی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ مکان سے باہر آگیا اور برآمدے میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ نشیب میں شہر کی جگمگاتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ ان روشنیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شہر کہاں تک تھا اور اس کی آبادی کس قدر پھیلی تھی۔

تھوڑی دیر بعد احمد خان بھی برآمدے میں آگیا۔ اس نے دو کیرا سین لیمپ اٹھا رکھے تھے۔ وہ لیمپ فرش پر رکھ کر ان کی صفائی کرنے لگا۔

"یہاں بجلی موجود ہے تو لیمپ کی کیا ضرورت ہے؟" شارق نے کہا۔

"شہروں کی طرح یہاں چوبیس گھنٹے بجلی نہیں ملتی۔" احمد خان نے جواب دیا۔ "رات گیارہ بجے بجلی بند کردی جاتی ہے' پھر صبح پانچ بجے کھلتی ہے۔"

شارق وہیں کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کسی ہنگامی صورتحال میں یہاں سے کس طرح نکلا جائے گا لیکن احمد خان نے بسوں کی جو صورتحال بتائی تھی' اس کے پیش نظر رات کو یہاں سے کہیں بھی جانا ممکن نہیں تھا۔

وہ دوبارہ کمرے میں آگیا۔ اس کے سارے ساتھی اب بھی اونگھ رہے تھے۔ شارق بھی ایک گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسے برآمدے کی طرف سے باتوں کی آواز سنائی دی۔ اس کے چند سیکنڈ بعد قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ملک شہباز دو آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ انہیں دیکھ کر شارق کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔

ملک شہباز کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی ملیشیا کے افسروں کی وردی میں تھے۔ ملیشیا کی خاکی رنگ کی شلوار قمیض' پشاوری چپل اور سروں پر چترالی قسم کی ٹوپیاں۔ دونوں نے چوڑے بیلٹ لگا رکھے تھے اور ہولسٹروں میں ریوالور نظر آرہے تھے۔

"ڈرو نہیں۔" ملک شہباز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں آفیسر میرے دوست ہیں۔ یہ رحمان خان اور یہ حبیب اللہ۔" اس نے باری باری دونوں کا تعارف کرایا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں جب بھی وانا آتا ہوں' ان سے میری ملاقات ضرور ہوتی ہے اور ہم کم از کم ایک وقت کا کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔ کل چونکہ میرا دن بہت مصروفیت میں گزرے گا' اس لیے میں نے انہیں آج ہی کھانے پر بلا لیا ہے اور میرا خیال ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ باری باری ان دونوں افسروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے بدترین خدشات پورے ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس نے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر ان دونوں سے ہاتھ ملایا۔

ان کی باتوں کی آواز سن کر ثمینہ اور نولکھا وغیرہ بھی جاگ گئے۔ ملیشیا کے ان افسروں کو دیکھ کر ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ دونوں آفیسر بھی قالین پر بیٹھ گئے۔ ملک شہباز انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

شارق نے یہ بات فوراً ہی محسوس کر لی تھی کہ وہ دونوں آفیسر عجیب سی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری نے بھی ان کی نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔ انہوں نے قریب پڑی ہوئی چادریں اٹھا کر اس طرح لپیٹ لیں کہ ان کے جسم پوری طرح چھپ

aazzamm@yahoo.com

گئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملک شہباز واپس آگیا۔ اس نے بتایا کہ کھانا لگ گیا ہے۔ وہ لوگ اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آگئے جہاں قالین پر دسترخوان بچھا ہوا تھا اور پر تکلف کھانا چنا ہوا تھا۔ کھانے میں بکرے کا گوشت بھی تھا اور مرغی کا بھی۔

شارق رغبت سے کھانا نہیں کھا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکنہ گڑبڑ سے کس طرح نمٹا جا سکتا ہے۔ اس نے محمد عمر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔

ثمینہ اور شاہ پری بھی خاموش تھیں۔ حالانکہ عام طور پر چائے کے دوران گپ شپ ہوتی رہتی تھی۔ وہ دونوں اس طرح بیٹھی ہوئی تھیں جیسے انہیں زبردستی بٹھایا گیا ہو۔

کھانے کے بعد وہ لوگ دوبارہ اس کمرے میں آگئے۔ کچھ دیر بعد احمد خان چائے لے آیا۔ چائے کے دوران بھی گپ شپ ہوتی رہی۔ ان دونوں افسروں کا انداز اگرچہ دوستانہ اور بے تکلفانہ تھا لیکن شارق مطمئن نہیں تھا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے اور چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔

گیارہ بج گئے۔ اچانک ہی بتی جلنے بجھنے لگی۔ شارق بلب کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اچانک ہی احمد خان کی کہی ہوئی بات یاد آگئی۔ اس نے بتایا تھا کہ رات گیارہ بجے بتی بند ہو جاتی ہے۔ یہ گویا ایک طرح کا سگنل تھا کہ لوگ کیرا سین لیمپ وغیرہ جلا لیں ..... بتی دو تین مرتبہ وقفے وقفے سے جلی بجھی اور پھر ایک دم تاریکی چھا گئی۔

"احمد خان..... لیمپ نہیں جلایا تم نے ابھی تک۔" ملک شہباز نے احمد خان کو پکارتے ہوئے کہا۔

"جلا رہا ہوں ملک صاحب۔" کمرے کے باہر کہیں احمد خان کی آواز سنائی دی۔

شارق نے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا اور آہستہ آہستہ اس طرف سرکنے لگا جس طرف ثمینہ اور شاہ پری بیٹھی ہوئی تھیں۔ اچانک ہی اسے شاہ پری کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔

"کون ہو تم..... چھوڑو مجھے۔" وہ چیخ کر بولی۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔ اسی لمحہ یوں لگا جیسے وہاں دھینگا مشتی شروع ہو گئی ہو۔ شاہ پری کے ساتھ اب ثمینہ کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

"چھوڑ دو مجھے۔ کون ہو تم..... کمینے..... چھوڑو مجھے....."

شارق بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ کسی سے ٹکرا گیا۔ اس نے فوراً ہی ٹکرانے والے کو

گرفت میں لے لیا لیکن اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس نے ثمینہ کو پکڑا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ کوئی اور بھی ثمینہ کو گرفت میں لیے ہوئے تھا جو اسے دروازے کی طرف کھینچ رہا تھا۔

شارق نے ثمینہ کو چھوڑ کر اس شخص کو گرفت میں لے لیا۔

وہ ملیشیا کا ایک آفیسر تھا۔ شارق اس سے گتھم گتھا ہو گیا۔ وہ دونوں قالین پر لڑھکنے لگے۔ دوسری طرف سے بھی دھینگا مشتی کی آواز آرہی تھی۔ شارق نے اپنے حریف کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ اگرچہ شارق سے زیادہ طاقتور تھا لیکن وہ شارق کے قابو میں آگیا تھا۔

اسی لمحہ دروازے کے باہر راہداری میں مدھم سی روشنی نظر آئی۔ احمد خان لیمپ لے کر اسی طرف آرہا تھا۔ روشنی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔

ملیشیا آفیسر رحمان خان شاہ پری کو گھسیٹتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ اسے کمرے سے باہر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف محمد عمر ملک شہباز سے الجھا ہوا تھا۔ نولکھا ایک طرف کھڑا ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور پھر دفعتاً" اس نے رحمان خان کی طرف چھلانگ لگا دی۔

رحمان خان نے شاہ پری کو دبوچ رکھا تھا۔ کھینچا تانی میں شاہ پری کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ نولکھا کسی چیتے کی طرح رحمان خان پر جھپٹا تھا۔ اس نے ایک بازو رحمان خان کی گردن پر لپیٹ دیا اور اسے پیچھے کھینچنے لگا۔ رحمان خان نے شاہ پری کو بھی پکڑ رکھا تھا' وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ اس کھینچا تانی میں شاہ پری کا ہاتھ رحمان خان کے ریوالور کے دستے پر پڑ گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے ریوالور کھینچ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔

فائر کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں رحمان خان کی چیخ کی آواز بھی گونجی تھی۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ اس نے شاہ پری کو چھوڑ دیا تھا۔ شاہ پری ایک جھٹکے سے اٹھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ رحمان کی گردن اب بھی نولکھا کی گرفت میں تھی۔ رحمان خان کو تڑپتے دیکھ کر نولکھا نے اسے چھوڑ دیا۔ شاہ پری کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔ اس نے ریوالور کا رخ رحمان خان کے سینے کی طرف کرکے پے در پے دو مرتبہ ٹریگر دبا دیا۔ دونوں گولیاں رحمان کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور خون کے فوارے ابل پڑے۔

دوسری طرف ملک شہباز اور محمد عمر ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ محمد عمر نے ملک شہباز کو دبوچ رکھا تھا۔ اس دوران ملک شہباز کو جیب میں ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد ایک ساتھ کمرے میں فائر اور محمد عمر کی چیخ کی آواز گونجی۔ شہباز خان نے جیب میں رکھے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے پستول کا ٹریگر دبا دیا تھا اور گولی محمد عمر کے پیٹ میں لگی تھی۔ وہ ملک شہباز کو چھوڑ کر پیچھے الٹ گیا۔ ملک شہباز نے دوسری گولی چلا دی۔ گولی اس مرتبہ محمد عمر کی پیشانی پر لگی اور وہ ڈھیر ہو گیا۔

ملک شہباز اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ تیسری گولی چلا سکتا' شاہ پری نے یکے بعد دیگر دو گولیاں چلا دیں۔ دونوں گولیاں ملک شہباز کے سینے میں لگیں اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ملک شہباز کا ملازم احمد خان لیمپ دروازے کے سامنے زمین پر رکھ چکا تھا۔ وہ اپنے آقا کی مدد کے لیے آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر صورتحال دیکھ کر وہ چیختا ہوا باہر کی طرف دوڑا۔ نولکھا نے بھی اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اگر احمد خان بچ کر اس مکان سے باہر نکل گیا تو ان کی اپنی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔

احمد خان برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ نولکھا نے دور ہی سے چھلانگ لگا دی اور ہوا میں اڑتا ہوا احمد خان کے اوپر جا گرا۔ احمد خان کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ دونوں، زمین پر گرے تھے۔ احمد خان اگرچہ زیادہ طاقتور تھا لیکن نولکھا پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے احمد خان کو بری طرح دبوچ رکھا تھا۔ کمرے کے اندر ملیشیا آفیسر حبیب اللہ اور شارق ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری قریب کھڑی تھیں۔ حبیب اللہ اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ ہولسٹر سے ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ثمینہ صورتحال کا اندازہ لگاتے ہی آگے بڑھی اور اس نے بڑی پھرتی سے حبیب اللہ کے ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لیا اور ریوالور کی نال کی طرف سے پکڑ کر دستے سے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ حبیب اللہ کے منہ سے چیخ نکلی' اس نے شارق کو چھوڑ دیا۔ شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر سیدھا ہو گیا۔ حبیب اللہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے سر سہلا رہا تھا۔

"تم لوگوں نے تین خون کر دیئے ہیں۔ بچ کر نہیں جا سکو گے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

"تین نہیں دو۔" شاہ پری بولی۔ "ہمارے ساتھی کو ملک شہباز نے مارا ہے لیکن میں تیرا خون بھی کروں گی اور تیسرا خون تمہارا ہوگا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس نے ریوالور سیدھا کر لیا۔ اس سے پہلے کہ حبیب اللہ کچھ کہتا' شاہ پری نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی حبیب اللہ کی پیشانی میں لگی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر شارق باہر کی طرف دوڑا۔ وہ عین وقت پر برآمدے میں پہنچ گیا

تھا۔ احمد خان نے نولکھا کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ وہ پوری قوت سے اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور نولکھا کی آنکھیں باہر کو ابل پڑ رہی تھیں۔

شارق نے احمد خان کے سر پر زوردار ٹھوکر ماری مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ دو تین مزید ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی اس نے نولکھا کا گلا نہیں چھوڑا تو شارق نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے پوری قوت سے پیچھے کھینچنے لگا اور بالآخر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ احمد خان نے نولکھا کا گلا چھوڑ دیا اور اپنی گردن بچانے کی کوشش کرنے لگا۔

نولکھا نے احمد خان کو ٹانگوں سے پکڑ لیا اور وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے آئے۔ کمرے میں چار لاشیں دیکھ کر احمد خان کی آنکھیں وحشت سے ابھر آئی۔ شاہ پری خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر اس نے احمد خان کے سینے میں بھی دو گولیاں پیوست کر دیں۔ احمد خان بھی چیختا ہوا رحمان خان کی لاش کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔

شارق چند لمحے شاہ پری کی طرف دیکھتا رہا' پھر اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ شاہ پری اس سے لپٹ گئی اور اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شارق اس کا کندھا تھپتھپا رہا تھا۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر شاہ پری کو سنبھال لیا۔

شاہ پری تقریباً دس منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکی تھی۔ عجیب صورتحال تھی۔ پانچ لاشیں پڑی تھیں اور کمرے میں ہر طرف خون بکھرا ہوا تھا۔ شارق وغیرہ شاہ پری کو لے کر دوسرے کمرے میں آگئے۔ اس کمرے سے نکلنے سے پہلے شارق نے ملک شہباز کی جیب سے بھی پستول نکال لیا تھا۔

وہ لوگ کئی منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر نولکھا ہی نے زبان کھولی۔ وہ افسردہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"بیچارہ محمد عمر۔ کئی دن کا ساتھ تھا ہمارا اور اس کا۔"

محمد عمر کے تذکرے پر شاہ پری اور ثمینہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ان کا محمد عمر سے خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن ان کا کئی روز کا ساتھ رہا تھا۔ زندگی اور موت کے کھیل میں وہ ساتھ ساتھ رہے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا سگا بھائی بچھڑ گیا تھا۔ وہ لوگ بہت دیر بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکے تھے۔

"اب صورتحال ہمارے لیے زیادہ خطرناک ہو گئی ہے۔" شارق نے باری باری ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ مکان اگرچہ آبادی سے کافی دور ہے لیکن ہو سکتا ہے گولیوں کی آواز کہیں سن لی گئی ہو۔ اگر کوئی صورتحال معلوم کرنے کے اس طرف آگیا تو مشکل ہو جائے گی۔"

aazzamm@yahoo.com

"میرا خیال ہے اس طرف کوئی نہیں آئے گا۔" شاہ پری نے کہا۔ "گولیاں بند کمرے کے اندر چلی تھیں۔ ان کی آواز زیادہ دور تک نہیں سنی گئی ہوگی۔"

"پھر بھی ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔" شارق نے کہا۔

وہ لوگ تقریباً آدھے گھنٹے تک بیٹھے رہے لیکن کسی طرف سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا جس کا مطلب تھا کہ فائرنگ کی آواز واقعی کہیں نہیں سنی گئی تھی۔ اگر کہیں سنی بھی گئی ہوگی تو کسی نے توجہ نہیں دی ہوگی۔

اب ان کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ لاشوں کا کیا جائے اور آئندہ کے لیے کیا سوچا جائے۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ ہمیں صبح پہلی بس سے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" شارق نے کہا۔ "میں نے احمد خان سے معلوم کر لیا تھا۔ بسیں یہاں سے صبح چھ بجے کے لگ بھگ نکلتی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم ساڑھے پانچ بجے اڈے پر پہنچ جائیں اور ڈیرہ اسماعیل خان والی بس پر جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

"لیکن ہمارے بعد کوئی یہاں آگیا اور اس نے لاشیں دیکھ لیں تو کیا ہوگا۔ وہ لوگ تو راستے میں بھی بسیں رکوا لیں گے۔" نولکھا نے کہا۔

"کل شام کو دو تین آدمیوں نے ہمیں ملک شہباز کے ساتھ اس طرف آتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم زیادہ لوگوں کی نظروں میں نہیں آئے۔" شارق بولا۔ "ویسے ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مکان کی پچھلی طرف گڑھا کھود کر لاشوں کو دفن کر دیا جائے اور خون آلود قالین بھی اسی گڑھے میں ڈال دیا جائے۔ اس طرح ہمیں وقت مل جائے گا اور ہم یہاں سے زیادہ سے زیادہ دور جا سکیں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر گڑھا کھودنے کی تیاری کرنی چاہیے۔" نولکھا نے کہا۔ وہ لوگ اٹھ کر مکان میں گھومنے لگے۔ اسٹور والے ایک کمرے میں انہیں بیلچے اور کدال مل گئے تھے۔ وہ لوگ مکان کے پچھلی طرف آگئے اور ایک مناسب جگہ کا انتخاب کرکے گڑھا کھودنے لگے۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔ زمین نرم تھی اور انہیں گڑھا کھودنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

چار بجے کے لگ بھگ انہوں نے تمام لاشیں اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیں۔ ان کے اوپر قالین

ڈال دیئے اور گڑھا بند کرکے مٹی اس طرح برابر کر دی کہ وہ جگہ فوری طور پر نظروں میں نہ آسکے۔

لاشوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھر کی تلاشی لینے لگے۔ ایک کمرے کی الماری سے انہیں کپڑے مل گئے۔ زنانہ کپڑے بھی تھے اور مردانہ بھی۔ زنانہ کپڑوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ملک شہباز کے گھر والے بھی یہاں آتے رہتے تھے۔ انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیے اور ثمینہ اور شاہ پری باورچی خانے میں آگئیں۔ رات کا بچا ہوا کھانا گرم کرنے کے ساتھ چائے بھی بنا لی گئی۔ اس طرح انہیں ناشتہ مل گیا۔

دونوں ملیشیا افسروں' ملک شہباز کے لباس کی تلاشی اور گھر کی تلاشی کے دوران شارق کو پاکستانی کرنسی میں کئی ہزار روپے مل گئے تھے جو اس نے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ یہ رقم راستے میں ان کے اخراجات کے لیے کافی تھی۔

وہ لوگ سوا پانچ بجے ملک شہباز کی حویلی سے نکل آئے۔ اس وقت دن کا بہت مدھم اجالا پھیلنا شروع ہوا تھا۔ وہ لوگ تیز تیز قدموں سے چلتے رہے۔

وہ لوگ مسجد سے ملحق حویلی میں بسوں کے اڈے پر پہنچ گئے۔ اس حویلی کو شہر کے مرکزی بازار کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ دکانیں اگرچہ بند تھیں البتہ اکا دکا چائے خانے کھلے ہوئے تھے۔ مختلف اطراف کو جانے والی بسیں تیار کھڑی تھیں۔

یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں ڈیرہ اسماعیل خان جانے والی بس پر جگہ مل گئی۔ شارق نے ٹکٹ لیے اور وہ بس میں بیٹھ گئے۔ کچھ مسافر پہلے سے بیٹھے تھے' کچھ آرہے تھے۔

شارق کھڑکی کے ساتھ سیٹ پر بیٹھا محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک چھ بجے بس چلی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

بس شہر سے باہر نکل رہی تھی کہ پیچھے سے آنے والے ایک ٹرک نے آگے نکل کر بس کا راستہ روک لیا۔ بس رک گئی۔ ٹرک میں ملیشیا کے مسلح جوان بھرے ہوئے تھے۔ ٹرک بھی رک گیا تھا۔ ملیشیا کے مسلح جوانوں نے ٹرک سے اتر کر بس کو گھیرے میں لے لیا۔

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے نولکھا' ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ ان تینوں کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

○

aazzamm@yahoo.com

Scanned By: Azam & Ali

ملیشیا کے مسلح جوانوں نے بس کو چاروں طرف سے گھیر میں لے لیا تھا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اب قسمت ان کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ رات کو ملک شہباز کی حویلی میں ملیشیا کے دو آفیسر کھانے پر مدعو تھے۔ ان کے بارے میں دوسروں کو بھی معلوم ہوگا کہ وہ کہاں گئے تھے اور ظاہر ہے وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ان کی واپسی کب ہوگی۔ ہوسکتا ہے ان دونوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی بتایا ہو کہ ان کی واپسی رات کو کس وقت ہوگی۔ لیکن وہ رات کو اپنے ٹھکانوں پر واپس نہیں پہنچے تھے۔ جس پر ان کے دوسرے ساتھیوں کو تشویش ہوئی ہوگی اور یقیناً" کوئی نہ کوئی آدمی ان کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے صبح ہی صبح ملک شہباز کی حویلی پہنچ گیا۔ شہر سے حویلی تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ نہیں تھا۔ دوسرے راستے بھی ہوسکتے تھے اور اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ایک راستے سے شارق اور اس کے ساتھی نکلے تھے اور اس کے فوراً" ہی بعد دوسرے راستے سے ان افسروں کا کوئی ساتھی پہنچ گیا ہو۔ اس نے حویلی میں انہیں تلاش کیا ہوگا۔ دیواروں پر خون کے چھینٹے بھی دیکھے ہوں گے۔ کمرے میں قالین وغیرہ نہ پاکر اسے شبہ ہوا ہوگا اور پھر مکان کے پچھلی طرف وہ کچی جگہ بھی اس کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ شارق کو یاد آرہا تھا کہ انہوں نے بیلچے وغیرہ بھی وہیں چھوڑ دیئے تھے۔ تازہ کھدی ہوئی کچی جگہ دیکھ کر اس شخص کو شبہ ہوا ہوگا۔ بیلچے سے ذرا سی مٹی ہٹانے پر ہی ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہوگی۔ وہ بھاگم بھاگ اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچا ہوگا۔ اور دوسروں کو صورت حال سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ ان لوگوں نے بڑی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ لوگ حرکت میں آگئے تھے۔ اور ان کی بس روک لی تھی۔ ظاہر ہے دوسرے شہروں کو جانے والی بسوں کو بھی روکا ہوگا۔

شارق نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ بس کے مسافروں میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی اور مرد بھی۔ وہ سب کے سب خوفزدہ نظر آرہے تھے۔ شارق اور نولکھا ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور ثمینہ اور شاہ پری دوسری سیٹ پر۔ ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور دوسری قبائلی عورتوں کی طرح چہرے چادروں میں چھپا رکھے تھے۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "لگتا ہے اپنا آخری وقت آگیا ہے۔ کلمہ شہادت پڑھ لو۔"

"اپنی جگہ پر آرام سے بیٹھے رہو۔ ہوسکتا ہے معاملہ کچھ اور ہو۔ اگر ہمارے بارے میں کوئی بات ہو بھی تو ان سے الجھنے یا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ لوگ ہمیں اپنے ساتھ لے جانا چاہیں تو خاموشی سے ان کے حکم پر عمل کرنا۔ بعد میں دیکھیں گے کہ ہم اپنے بچاؤ کے لئے کیا کرسکتے ہیں۔" شارق نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"مقابلہ خاک کرنا ہے۔" نولکھا بولا۔ "ملک شہباز اور ان کے ساتھیوں کے جو پستول ہم نے اپنے قبضہ میں کی تھیں وہ تو تم نے راستے ہی میں پھنکوا دیئے تھے، تم دیکھ رہے ہو ان لوگوں کے پاس سب مشین گنیں ہیں۔ ہم خالی ہاتھ ان کا کیا مقابلہ کریں گے۔"

"بس اب خاموش بیٹھے رہو۔ ایک آفیسر بس کے دروازے میں کھڑا کچھ کہہ رہا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

ایک آفیسر بس کے دروازے میں کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے پہلے پشتو میں کچھ کہا پھر اردو زبان میں بولا۔

"بس کے تمام مسافر نیچے اتر آئیں اور کوئی بھی کسی قسم کی غلط حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اپنے نقصان کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔"

بس میں شارق اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ بس دو دیگر مسافر رہے تھے جو پنجاب یا کسی اور علاقے کے رہنے والے تھے۔ وہ پشتو نہیں سمجھتے تھے۔

بس کے تمام مسافر ایک ایک کرکے نیچے اترنے لگے۔ ملیشیا کے چار جوان بس کے سامنے رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ آفیسر نے اشارے سے عورتوں کو ایک طرف چلے جانے کو کہا۔ تمام عورتوں نے اس قسم کے لباس پہن رکھے تھے کہ ان کے صرف پیر نظر آرہے تھے اور وہ آفیسران کے پیروں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی عورتوں کے ساتھ دوسری طرف کھڑی ہوگئی تھیں۔ دو سپاہی ان عورتوں پر بھی رائفلیں تانے کھڑے تھے۔

شارق اور نولکھا بھی بس سے اتر کر دوسرے آدمیوں کے ساتھ کھڑے ہوگئے تھے۔ آخر میں ایک عورت اور دو بچے بس سے اترے۔ بچوں میں سے ایک کی عمر دس سال اور دوسرے کی بارہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ جبکہ اس عورت کی عمر کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔ اس نے سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی جس پر سفید پولکا ڈاٹس بنے ہوئے تھے۔ چادر اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ اس کا پورا جسم پوری طرح چھپ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی چادر کے اندر چھپے ہوئے تھے۔ چہرے پر

aazzamm@yahoo.com

بھی چادر اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ صرف ایک آنکھ کی جگہ چادر میں ذرا سا خلا نظر آرہا تھا۔ پیروں میں سلیم شاہی کی طرح کے جوتے تھے۔ افغانستان میں اور اس علاقے کی عورتیں بھی عام طور پر اس طرح کے جوتے پہنتی تھیں۔

اس پارٹی کا آفیسر بڑی گہری نظروں سے بس سے اترنے والے مسافروں کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ شارق کے سامنے پہنچا تو اس کے دل کی دھڑکن یکایک تیز ہوگئی تھی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاسکا تھا۔ وہ آفیسر شاید اس سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا لیکن اچانک ہی اس کی نظر عورتوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ عورت جو سب سے آخر میں بس سے اتری تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دوسروں عورتوں سے دور ہٹ رہی تھی۔ دو سپاہی حالانکہ وہاں بھی رائفلیں لئے کھڑے تھے مگر انہوں نے بھی شاید اس عورت پر توجہ نہیں دی تھی۔

وہ عورت دوسری عورتوں سے تقریباً" پندرہ بیس فٹ دور ہٹ چکی تھی۔ اس سے آگے ایک ٹیلا تھا۔ آفیسر نے اسے ٹیلے کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ شاید خوف کی وجہ سے اس عورت کی حالت غیر ہو رہی ہے اور وہ کسی فطری ضرورت کے تحت ٹیلے کے پیچھے جا رہی ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ چونک گیا۔

سیاہ چادر پر سفید پولکا ڈاٹ والی وہ عورت ٹیلے کے پیچھے پہنچ کر تیزی سے چلنے لگی اور پھر یکایک اس نے جھاڑیوں کی طرف دوڑنا شروع کردیا۔

آفیسر چونک گیا۔ وہ شارق کے سامنے سے ہٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیلے کے قریب پہنچ گیا۔

"اے رک جاؤ .... کیوں بھاگ رہی ہو۔ رک جاؤ۔" آفیسر چیخا۔

لیکن وہ عورت نہیں رکی۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی تیزی سے دوڑنے لگی۔ شاید چادر اس کے لئے رکاوٹ بن رہی تھی کیونکہ اب اس نے چادر بھی اتار کر پھینک دی تھی اور اس کے دوڑنے کی رفتار میں بھی تیزی آگئی تھی۔

اور پھر شارق بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ عورت نہیں مرد تھا جس نے زنانہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ ان سے تقریباً" پینتیس چالیس گز دور پہنچ چکا تھا۔ آفیسر نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

"رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔" آفیسر چیخا۔ اس نے دوڑتے ہوئے ہولسٹر سے پستول نکال لیا تھا۔

زنانہ لباس میں ملبوس وہ شخص دوڑتے ہوئے اچانک ہی رک کر مڑا۔ اس کے ہاتھ میں بھی

پستول تھا۔ اس نے آفیسر پر گولی چلا دی۔ آفیسر کی قسمت اچھی تھی کہ ٹھیک اسی لمحہ وہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر گیا تھا اور گولی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے جوابی فائر کر دیا۔

وہ شخص اب جھاڑیوں میں بھاگ رہا تھا۔ جھاڑیاں خاصی بلند تھیں اور اس کا صرف سر نظر آرہا تھا۔ اسی دوران دو سپاہی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔

"فائر!" آفیسر چیخا۔ "اڑا دو گولی سے۔"

دونوں سپاہیوں نے فائر کھول دیا۔ وہ بھی دوڑتے ہوئے جھاڑیوں میں گھس گئے تھے۔ دفعتاً" فضا میں چیخ کی آواز گونجی۔ جھاڑیوں میں دوڑتا ہوا وہ شخص گر گیا۔ دونوں سپاہی جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ آفیسر بھی اٹھ کر اسی طرف دوڑا۔

شارق اور بس کے دوسرے مسافر خوف اور حیرت سے ملی جلی نظروں سے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ دو تین عورتیں فائرنگ سے اس قدر خوفزدہ ہوئی تھیں کہ انہوں نے چیخنا شروع کردیا تھا دو اور سپاہی رائفلیں تانے جھاڑیوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

چند منٹ بعد ہی دو سپاہی زنانہ لباس میں ملبوس اس شخص کو بانہوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جھاڑیوں سے باہر آگئے۔ اس شخص کے کندھے پر گولی لگی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ باقی دو پولیس والے رائفلیں تانے اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ آفیسر بھی ہاتھ میں پستول پکڑے ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

قریب پہنچ کر سپاہیوں نے زخمی شخص کو اس طرح زمین پر پھینک دیا۔ جیسے وہ کوئی بے جان چیز ہو۔ آفیسر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر زور دار ٹھوکر رسید کردی۔

"تم سمجھتے تھے کہ ہمیں اس طرح دھوکا دے کر بھاگ سکو گے۔" آفیسر بولا۔ پھر اپنے ماتحتوں کی طرف مڑ گیا۔ "اسے اٹھا کر ٹرک پر ڈال دو۔"

"یہ کون ہے؟" ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا۔

"کل رات اس نے پاڑہ کوٹ میں تین آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ ہمیں رات ہی کو اطلاع مل گئی تھی کہ یہ دانا پہنچ چکا ہے اور صبح یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے ہم نے چیک کرنے کے لئے بس رکوائی تھی۔ یہ سمجھتا تھا کہ زنانہ کپڑے پہن کر یہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اونچی آواز میں مسافروں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "آپ لوگ بس میں بیٹھ جایئے۔ ڈرائیور' اپنا سفر جاری رکھو۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ قسمت ابھی ان سے روٹھی نہیں تھی۔

aazzamm@yahoo.com

انہیں اپنا خوف کھائے جا رہا تھا۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور نکلا تھا۔ اسی لئے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا اور خود بھی بس کی طرف بڑھ گیا۔

ملیشیا کے جوانوں نے زخمی کو اٹھا کر ٹرک پر ڈال دیا تھا اور خود بھی ٹرک پر سوار ہوگئے تھے۔ ٹرک اسٹارٹ ہوکر حرکت میں آیا اور یوٹرن لیتا ہوا شہر کی طرف واپس چلا گیا۔

تمام مسافر بس میں بیٹھ چکے تھے۔ ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی اور انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اور شاہ پری اپنی سیٹ پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ بس کے تمام مسافر اونچی آواز میں اس واقعہ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ بس کا ڈرائیور بھی چیخ چیخ کر اپنے قریب والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے مسافروں سے باتیں کر رہا تھا۔ شارق نے ان دو آدمیوں کی طرف دیکھا جن کا تعلق پنجاب سے تھا۔ وہ دونوں اس واقعہ سے خاصے خوفزدہ نظر آرہے تھے۔

"کوئی نیکی اس وقت کام آگئی ورنہ ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو اس آدمی کا ہوا ہے۔ اب اس کے ساتھ آگے کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ تم لگا سکتے ہو۔" شارق نے نولکھا کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اس کا انجام جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "مگر شارق باؤ۔ ہم نے زندگی میں ایسی کونسی نیکی کی ہے جو اس وقت کام آگئی۔ مجھے تو اپنی زندگی میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے نیکی کا نام دیا جاسکے۔ ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور شارق کی طرف جھکتے ہوئے پہلے سے زیادہ دھیمی آواز میں بولا۔ "ٹرک نے جب بس کا راستہ روکا تھا تو میں سمجھ گیا تھا کہ ہمارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ معاملہ کچھ اور نکلا۔"

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ کوئی بھولی بھٹکی نیکی کام آگئی۔" شارق بولا۔ "لیکن خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ ہمارا سفر پورے دن کا ہے۔ شام کو اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ دن میں کسی بھی وقت ان لوگوں کو اگر پتا چل گیا کہ حویلی میں کیا کچھ ہوسکتا ہے تو راستے میں کسی بھی جگہ بس کو روکا جاسکتا ہے۔ ٹیلی فون یا وائرلیس پر چاروں طرف اطلاع دی جاسکتی ہے۔ اس لئے دعا مانگتے رہو کہ ہم خیریت سے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ جائیں۔"

"یہ دعا تو میرا رواں رواں مانگ رہا ہے۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

شارق خاموش ہوکر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ہر طرف بنجر اور ویران پہاڑ تھے۔ البتہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر درختوں کی قطاریں نظر آرہی تھیں۔ انہی پہاڑوں میں چیڑ کے درختوں کے جنگل تھے جہاں سے نہ صرف چلغوزے جیسا مزیدار پھل ملتا تھا بلکہ عمارتی اور جلانے کی لکڑی بھی دستیاب ہوتی تھی۔ شارق نے لکڑیوں سے لدے ہوئے اکا دکا ٹرک بھی سڑک پر سے گزرتے

ہوئے دیکھے تھے۔

آٹھ بجے کے قریب بس تانی پوسٹ پہنچ گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اور یہاں بھی ملیشیا کی چوکی تھی۔ بسوں کا اڈہ بازار کے وسط میں تھا۔ بس رکتے ہی خوانچے والوں نے بس کو گھیر لیا۔ بعض مسافر بس میں بیٹھے بیٹھے چیزیں خریدنے لگے اور بعض مسافر نیچے اتر گئے۔

شارق کو چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اس نے نولکھا کو سیٹ پر ہی بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود بس سے اتر گیا۔ سامنے ہی چائے کی ایک دکان تھی۔ اس نے چائے کی دو چینکیں بنوائیں۔ ایک ثمینہ اور شاہ پری کو دے دی اور دوسری چینک لے کر نولکھا کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ گیا اور پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

چائے پینے کے بعد اس نے چینکیں واپس کردیں اور دوبارہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ نیچے اتر کر ادھر ادھر گھومنا نہیں چاہتے تھے مبادا کسی کی نظروں میں نہ آجائیں۔

تقریباً بیس منٹ بعد ڈرائیور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرکے بار بار ہارن بجانے لگا تاکہ بس کے وہ مسافر جو نیچے اتر کر ادھر ادھر گھوم رہے تھے، بس میں بیٹھ جائیں۔

تمام مسافر بس میں بیٹھ چکے تھے۔ بس حرکت میں آگئی۔ لیکن قصبے سے نکلتے ہی بس کو ایک چوکی پر روک لیا گیا۔ ملیشیا کے دو جوان بس کے اندر آگئے اور گہری نظروں سے مسافروں کا جائزہ لینے لگے۔ پھر ایک جوان تو دروازے ہی میں کھڑا رہا اور دوسرا آگے آکر بعض مسافروں سے مختلف سوالات کرنے لگا۔ وہ آگے بڑھتا ہوا شارق والی سیٹ کے قریب رک گیا۔

"آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟" ملیشیا کے جوان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دانا سے آئے ہیں اور ڈیرہ اسماعیل خان جا رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "دانا میں گل زمان تاجر سے ہمارے کاروباری تعلقات ہیں اسی سے ملنے آئے تھے۔ اب واپس جا رہے ہیں۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ گل زمان تاجر کا نام اس نے دانا میں ایک دکان پر لگے ہوئے بورڈ پر پڑھا تھا۔ وہ اناج کا تاجر تھا۔

"آپ کے پاس سامان کیا ہے؟" ملیشیا کے جوان نے پوچھا۔

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

ملیشیا کا جوان آگے بڑھ گیا۔ اور بعض دوسرے مسافروں سے سوال کرنے لگا۔ شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ معمول کی چیکنگ تھی۔ افغانستان سے آنے والے اسلحہ اور ہیروئن کی اندرون ملک ترسیل کو روکنے کے لئے تمام بسوں اور ٹرکوں کو چیک کیا جاتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

دو مسافروں کو اتار کر بس کی چھت پر لدے ہوئے ان کے سامان کو بھی چیک کیا گیا تھا۔ اس طرح تقریباً" پندرہ منٹ بعد ان کی بس کو آگے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

تھانہ پوسٹ کے بعد بس چند منٹ کے لئے سو یکنی رکی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ایک مسافر یہاں اترا تھا اور دو سوار ہوئے تھے۔

بلند پہاڑوں کے درمیان راستہ اس قدر خطرناک تھا کہ دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ بڑے خوفناک قسم کے موڑ تھے۔ ڈرائیور کی ذرا سی لاپرواہی ان سب کو موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ سڑک اگرچہ پختہ تھی لیکن راستہ خطرناک ہونے کی وجہ سے بس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ کہیں عمودی چڑھائی تھی اور کہیں خوفناک ڈھلان۔

یہ علاقہ کسی زمانے میں انگریزوں کی عمل داری میں رہا تھا۔ یہاں جگہ جگہ سڑک کے ساتھ چٹانوں پر انگریزوں کے کارناموں کی آہنی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں انگریز قبائلیوں سے برسرپیکار رہے تھے۔ زرک خان جیسے بہادر نے بھی اس علاقے میں انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ قبائلیوں نے یہاں کبھی بھی انگریزوں کے قدم نہیں جمنے دیئے تھے۔

دوپہر کے قریب بس جنڈولہ پہنچ کر رک گئی۔ یہ ایک بڑا قصبہ تھا۔ اور یہاں بھی ملیشیا کی ایک بہت بڑی چوکی تھی۔ جنڈولہ ساؤتھ وزیرستان اور ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن کی سرحد پر واقع تھا۔ بس یہاں تقریباً" چالیس منٹ رکی تھی۔ یہاں شارق' نولکھا' ثمینہ اور شاہ پری کو لے کر بس سے اترے تھے اور ایک ہوٹل کے سامنے ایک چارپائی پر بیٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا تھا۔

جنڈولہ سے چند میل آگے تک کا راستہ بھی بے حد خطرناک تھا۔ لیکن اس سے آگے کا راستہ بے حد آسان ہوگیا تھا۔ وہ لوگ پہاڑوں سے نکل آئے تھے اور سڑک بھی کشادہ تھی۔ ڈرائیور نے اب بس کی رفتار بھی بڑھا دی تھی۔ بس منزئی' ٹانک اور فتح سے ہوتی ہوئی شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ گئی۔

ان سب لوگوں نے بس سے اتر کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ لوگ اگرچہ خطرے کی حدود سے باہر نکل آئے تھے۔ لیکن شارق کے خیال میں اب بھی احتیاط کی ضرورت تھی۔ لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ رات کہاں گزاری جائے۔ ڈیرہ اسماعیل خان بڑا شہر تھا اور یہاں کئی ہوٹل بھی تھے۔ وہ کسی بھی ہوٹل میں قیام کرسکتے تھے مگر شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ ہوٹل میں ٹھہرنے کے لئے شناختی کارڈ کی ضرورت تھی۔ ہوٹل والے سب سے پہلے ان سے شناختی کارڈ کا مطالبہ کریں گے اور ظاہر ہے ان میں سے کسی کے پاس شناختی کارڈ نہیں تھا۔ ان کے سامنے ایک اور راستہ بھی تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے رات کو بھی پنجاب کے مختلف شہروں کے لئے بسیں چلتی تھیں۔ وہ

رات کو بھی بلاخوف و خطر سفر کرسکتے تھے۔ لیکن دانا سے ڈیرہ تک دن بھر کے سفر نے انہیں بری طرح تھکا مارا تھا اور وہ چند گھنٹے آرام کرنا چاہتے تھے۔ ان میں فوری طور پر اگلے سفر کی ہمت نہیں تھی۔

شارق کے پاس پیسوں کی کمی نہیں تھی۔ اس کی جیب میں ہزاروں روپے تھے۔ وہ شناختی کارڈ کے بغیر بھی کچھ زیادہ پیسے دے کر کسی ہوٹل میں کمرے حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ چھوٹے ہوٹلوں میں قیام کرنے والوں کو پولیس کس طرح تنگ کرتی ہے۔ اس بات کا بھی نوے فیصد امکان تھا کہ وہ جس ہوٹل میں ٹھہریں اس ہوٹل والے پولیس کو اطلاع دے دیں کہ کچھ مشکوک لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اور پولیس جس طرح جرح کرتی ہے شارق اس سے بھی واقف تھا۔

شارق یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ بنوں سے آنے والی ایک بس ان کے سامنے سے گزر گئی۔ اس بس کو دیکھ کر شارق کے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"کیا ہم یہاں سڑک پر ہی کھڑے رہیں گے یا رات گزارنے کے لئے کوئی ٹھکانہ بھی تلاش کیا جائے گا۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے اور شاہ پری نے گھونگھٹ ختم کر دیئے تھے اور چادریں عام عورتوں کی طرح اوڑھ لی تھیں۔

"وہی سوچ رہا ہوں۔" شارق بولا۔ "ہم لوگ اگر کسی ہوٹل میں قیام کریں گے تو ہم سے شناختی کارڈ طلب کیا جائے گا اور ظاہر ہے ہمارے پاس شناختی کارڈ نہیں ہیں۔ کسی ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے کی ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی ابھی بنوں سے ایک بس آئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم پولیس اسٹیشن جاکر رپورٹ لکھوا دیتے ہیں کہ ہم بنوں سے آئے ہیں اور ہمیں فیصل آباد جانا ہے۔ لیکن بس سے اترنے کے تھوڑی دیر بعد ہمارا سامان چوری ہوگیا۔ سامان میں سوٹ کیس کے علاوہ ایک بریف کیس بھی تھا جس میں دوسرے کاغذات کے علاوہ ہمارے شناختی کارڈ بھی تھے۔ پولیس سے ہمیں ایف آئی آر کی نقل مل جائے گی اور ہم کسی ہوٹل میں کمرہ لے لیں گے۔ پولیس رپورٹ کی اس نقل کی موجودگی میں ہمیں شناختی کارڈ دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"ترکیب تو اچھی ہے مگر جان بوجھ کر گردن پھنسوانے والی بات ہے۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"اس کی تم فکر مت کرو۔ گردن نہیں پھنسے گی۔ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔" شارق نے کہا۔

وہ لوگ تھوڑی دیر تک بحث کرتے رہے اور پھر لوگوں سے راستہ پوچھتے ہوئے پولیس اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ پولیس اسٹیشن وہاں سے خاصا دور تھا۔ پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ شارق نے ان تینوں کو سمجھا دیا کہ اگر ان سے کچھ پوچھا جائے تو انہیں کیا کہنا ہے۔ پھر وہ انہیں گیٹ کے باہر ہی چھوڑ کر تھانے میں چلا گیا۔

تھانے میں اس وقت خاصی چہل پہل تھی۔ شارق ایک کانسٹیبل سے پوچھتا ہوا محرر کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہاں محرر کے علاوہ پولیس والے اور دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ محرر اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی فون کا ریسیور رکھا شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"کیا بات ہے مسٹر؟" محرر نے اسے گھورا۔ "بہت بدحواس معلوم ہو رہے ہو؟"

"بات ہی کچھ ایسی ہے جناب۔" شارق قیموں جیسی شکل بنائے ہوئے بولا۔ "میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے پہلے اپنی بیوی اور دیگر عزیزوں کے ساتھ بنوں سے آیا ہوں۔ بس سے اترنے کے بعد ہم ہوٹل جانے کے لئے ٹیکسی میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ ایک ٹیکسی والے سے بات کی۔ سامان رکھنے کے بعد ہم لوگ بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ ٹیکسی ڈرائیور ٹیکسی بھگا کر لے گیا۔ ہمارا سارا سامان ٹیکسی میں تھا۔ وہ ہمارا سامان لے اڑا اور ہم وہیں کھڑے رہ گئے۔ ہمارا سامان جناب۔"

"اوے شفیق....." محرر نے قریب کھڑے ہوئے کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس ہفتے میں یہ تیسری واردات ہے۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کون ہے بھئی۔ پکڑا کیوں نہیں گیا ابھی تک۔"

"پکڑا کیسے جائے سر جی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔ "رپورٹ لکھوانے والوں کو تو ٹیکسی کا نمبر بھی معلوم نہیں ہوتا۔ ان سے پوچھیں۔" اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ "اگر انہیں ٹیکسی کا نمبر معلوم ہو تو ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ڈرائیور کو پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کردوں۔"

"آپ کو ٹیکسی کا نمبر معلوم ہے جناب۔" محرر نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ٹیکسی کا نمبر۔" شارق گڑبڑا گیا۔ "نہیں جناب، نمبر تو میں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"اب بتایئے قصور کس کا ہوا۔" محرر بولا۔ "اگر نمبر معلوم ہوتا تو ہم ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ٹیکسی کو تلاش کرلیتے۔ ویسے یہ کوئی نیا وارداتیا آیا ہے ہمارے شہر میں۔ ایک ہفتے سے ایسی وارداتیں کر رہا ہے لیکن کسی کو اس ٹیکسی کا نمبر ہی معلوم نہیں تو ایسی صورت میں ہم کیا

کرسکتے ہیں۔"

"میری رپورٹ تو لکھ لیں جناب۔" شارق بولا۔ "سوٹ کیس میں قیمتی چیزیں ہیں میری بیوی کے زیورات ہیں، اس کے ساتھ بریف کیس میں ضروری کاغذات کے علاوہ ہمارے شناختی کارڈ بھی ہیں۔ آپ رپورٹ درج کرلیں۔ ہماری کچھ مشکلیں حل ہو جائیں گی۔"

"کیا مشکلیں حل ہوں گی تمہاری۔" محرر نے اسے گھورا۔ "ٹیکسی کا نمبر تو تمہیں معلوم نہیں نہ وہ ٹیکسی پکڑی جائے گی اور نہ تمہارا سامان ملے گا۔"

"مگر جناب ہمارے شناختی کارڈ۔" شارق بولا۔ "ہم نے ہوٹل میں ٹھہرنا ہے اور شناختی کارڈ کے بغیر کسی ہوٹل میں کمرہ نہیں ملے گا۔ آپ رپورٹ درج کرکے اس کی ایک نقل مجھے دے دیں۔ ہم ہوٹل میں کمرہ تو لے لیں۔ رات باہر سڑک پر تو نہیں گزار سکتے۔"

"ہوں۔" محرر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "ایک کاغذ پر اپنی شناخت لکھ دو ہم تمہیں اس کی نقل دے دیں گے۔ ہوٹل میں کمرہ لے لینا اور ہمیں بتا دینا کہ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہو تاکہ ٹیکسی ڈرائیور پکڑا جائے تو تمہیں شناخت کے لئے بلوالیں۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" شارق نے جواب دیا اور محرر کے سامنے رکھا ہوا کاغذ اور بال پین اٹھا کر اپنی شناخت لکھنے لگا۔ آخر میں الطاف احمد کے نام سے دستخط کرکے اس نے کاغذ محرر کی طرف بڑھا دیا۔

محرر نے اس کی درخواست پڑھی۔ ایک اور کاغذ پر یہ مختصر سی تحریر لکھ دی کہ الطاف احمد نے اپنے سامان اور شناختی کارڈز کی چوری کی رپورٹ پولیس میں لکھوائی ہے۔ اس نے دستخط کرکے مہر لگا دی اور وہ کاغذ شارق کی طرف بڑھا دیا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ کتنی آسانی سے یہ کام ہوگیا تھا۔

"وہ ٹیکسی ڈرائیور کب تک پکڑا جائے گا جناب۔" اس نے پوچھا۔

"پکڑا جائے گا تو تمہیں بتا دیں گے۔ ہمارے پاس جادو تو نہیں ہے کہ ادھر رپورٹ درج ہوئی ادھر ملزم پکڑا جائے۔" محرر نے جواب دیا۔

شارق مزید کچھ بولے بغیر تھانے سے باہر آگیا۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ ایک طرف کھڑے تھے۔ شارق انہیں لے کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ درمیانے درجے کے ایک ہوٹل میں موجود تھے۔ پولیس کے دیئے ہوئے اس کاغذ کی وجہ سے انہیں دو کمرے حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

رات کا کھانا انہوں نے کمرے ہی میں منگوایا تھا۔ کھانے کے بعد وہ ایک ہی کمرے میں

aazzamm@yahoo.com

رہے۔ دوسرے کمرے کو تالا لگا دیا گیا تھا۔ انہوں نے رات ایک ہی کمرے میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک بیڈ پر شارق اور نولکھا اور دوسرے بیڈ پر ثمینہ اور شاہ پری لیٹ گئیں۔ وہ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر ایک ایک کرکے ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

شارق پہلی مرتبہ رات کو سکون سے سویا تھا۔ حسب عادت اس کی آنکھ صبح ساڑھے چھ بجے کھل گئی۔ وہ کچھ دیر تک بستر پر لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے اس کی ساری کسلمندی دور ہوگئی۔

آواز سن کر ثمینہ اور نولکھا وغیرہ بھی اٹھ گئے۔ انہوں نے بھی غسل کرلیا تو شارق نے ویٹر کو بلا کر ناشتا کمرے میں ہی منگوالیا۔ تقریباً" تین مہینے بعد پہلی مرتبہ انہوں نے ڈھنگ کا ناشتا کیا تھا۔ چائے پینے کے بعد جب وہ ہوٹل سے نکلے تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ ہوٹل سے نکلنے سے پہلے شارق نے دونوں کمروں کی چابیاں کاؤنٹر پر جمع کروا دی تھیں۔ کاؤنٹر پر اس وقت کوئی اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

"ایک بات اور۔" شارق نے کاؤنٹر کلرک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کل رات پولیس میں اپنے سامان کی چوری کی رپورٹ لکھوائی تھی۔ اگر کوئی پولیس والے مجھے پوچھنے کے لئے یہاں آئے تو اسے بتا دینا کہ میں دن کے بارہ بجے کے لگ بھگ پولیس اسٹیشن آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے جناب۔ لیکن کیا آپ کا سامان یہاں سے ...."

"نہیں بھئی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا سامان یہاں سے چوری نہیں ہوا تھا۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر اس نے کاؤنٹر کلرک کو بھی وہی فرضی کہانی سنا دی جو اس نے پولیس کو سنائی تھی۔

"ایسی تین چار وارداتیں پہلے بھی ہوچکی تھیں۔" کاؤنٹر کلرک بولا۔ "یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور ایسے نہیں ہیں۔ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے جس نے یہاں آکر لوٹ مار کا دھندا شروع کردیا ہے۔ لیکن ایک نہ ایک دن تو وہ پکڑا ہی جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" شارق کہتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑا۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔

"ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر چند قدم چلنے کے بعد وہ رک گیا۔ فٹ پاتھ پر بنے ہوئے نیوز اسٹینڈ پر اخبار سجے ہوئے تھے۔ تقریباً" تمام اخباروں کی ہیڈلائن ایک ہی تھی۔

"دانا میں پانچ افراد کے قتل کی ہولناک واردات۔"

مقتولین میں ملیشیا کے دو افسران بھی شامل ہیں۔

شارق نے ایک اخبار خرید لیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے وہ خبر پڑھنے لگا۔

"گزشتہ روز ساؤتھ وزیرستان کے ضلعی ہیڈ کوارٹر دانا میں تاریخ کا بدترین واقع پیش آیا۔ سفاک قاتلوں نے پانچ افراد کو قتل کرکے ان کی لاشیں ایک گڑھے میں دفن کر دیں اور فرار ہوگئے۔ ملیشیا فورس اور ضلعی انتظامیہ قاتلوں کی تلاش کر رہی ہے لیکن تاحال ان کا سراغ نہیں ملا۔

تفصیلات کے مطابق بعض چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ دانا کے ایک معزز شخص ملک شہباز واردات سے ایک روز قبل شام کو بس کے ذریعے خارز دار سے دانا آیا تھا اس کے ساتھ پانچ مہمان تھے جن میں دو حسین اور جوان عورتیں بھی شامل تھیں۔ ملک شہباز ان مہمانوں کو لے کر اپنی حویلی چلا گیا تھا اور اسی رات ملک شہباز ملیشیا کے دو افسروں رحمٰن خاں اور حبیب اللہ خان کو بھی کھانے کی دعوت دے کر اپنی حویلی لے گیا تھا۔ صبح جب یہ دونوں آفیسر اپنی ڈیوٹی پر نہیں پہنچے تو ان کے بارے میں ان کے واقف کاروں سے پوچھا جانے لگا۔ ایک آدمی کو ملک شہباز کی حویلی بھی بھیجا گیا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

دوپہر کے بعد تشویش بڑھی تو ملیشیا کے افسروں کی باقاعدہ تلاش شروع کردی گئی۔ ان افسروں کو آخری بار ملک شہباز کے ساتھ اس کی حویلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ یہ انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ ملیشیا کے ان دونوں افسروں کے علاوہ ملک شہباز اور اس کے مہمان بھی غائب تھے۔

سہ پہر کے قریب ملک شہباز کی حویلی کی تلاشی لی گئی تو ایک کمرے کی دیواروں پر خون کے چھینٹے نظر آئے۔ اسی کمرے میں گولیوں کے چند خالی کارتوس بھی ملے تھے۔ مزید تفتیش پر مکان کے پچھلی طرف تازہ کھدی ہوئی زمین پر شبہ ہوا۔ زمین کھودی گئی تو اس میں خون آلودہ قالین کے نیچے سے پانچ لاشیں برآمد ہوئیں۔ جن میں ایک لاش ملک شہباز کی' ایک اس کے ملازم کی' دو ان ملیشیا افسروں کی اور ایک لاش ملک شہباز کے مہمانوں میں سے ایک آدمی کی تھی۔ ان سب کو گولیاں مار کر ہلاک کرنے کے بعد اس گڑھے میں دفن کیا گیا تھا۔ ملک شہباز کے دوسرے مہمان جن میں دو مرد اور دو عورتیں شامل ہیں' لاپتا ہیں۔ دانا کی پولیٹیکل انتظامیہ اور ملیشیا حکام کو شبہ ہے کہ وہی چاروں ان پانچ افراد کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں بڑی سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ لیکن ابھی تک ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ شبہ ہے کہ وہ چاروں دانا سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

aazzamm@yahoo.com

پانچ افراد کے قتل کی اس لرزہ خیز واردات کے علاوہ دانا سے چند میل دور پاڑہ کوٹ میں بھی تین افراد کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ اس واردات کے قاتل کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ....."

شارق نے اخبار تہ کرکے جیب میں رکھ لیا۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ کو اشارہ کرتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

"اخبار کی ہیڈ لائن تو میں نے دیکھ لی ہے۔ لیکن کیا خبر اس میں ہمارے بارے میں بھی کچھ لکھا ہے؟" ثمینہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ پانچ آدمیوں کی قتل کی اس واردات کے ذمہ دار دو خوبصورت عورتیں اور دو مرد ہیں۔ انہیں سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "اخبار میں ہماری تصویریں یا ہمارے نام تو نہیں چھپے جو لوگ ہمیں پہچان لیں گے۔ ذرا آہستہ چلو ورنہ تم تو کھایا پیا ابھی ہضم کرا دو گے۔"

"ہم دو مرد ہیں اور ہمارے ساتھ دو خوبصورت عورتیں بھی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم سب کے لباس بھی قبائلی ہی ہیں۔ اگر کسی کو ہم پر شبہ ہوگیا تو پولیس بھی ہمیں شبے میں حراست میں لے سکتی ہے اور تم یہ بات بھی بھول رہے ہو کہ دانا میں بعض لوگوں نے ہمیں ملک شہباز کے ساتھ دیکھا تھا۔ اگر ہمیں حراست میں رکھ کر دانا سے ان لوگوں کو ہماری شناخت کے لئے بلایا گیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں بچا سکے گی۔"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو۔" نولکھا نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر جتنی جلدی ممکن ہوسکے اس شہر سے نکل چلو۔ کسی بھی طرف جانے والی بس پکڑلو۔"

ہمارا اکٹھے رہنا اب خطرناک بھی ثابت ہو سکتا۔" شارق نے جواب میں کہا۔ "ایسا کرو، تم اور ثمینہ رکشے پر بیٹھ کر دریا پر پہنچ جاؤ ...."

"خودکشی کرنے کے لئے۔" نولکھا نے اسے ٹوک دیا۔

"پہلے میری پوری بات سن لو۔" شارق نے اسے گھورا۔ "دریا پار کرنے کے لئے اسٹیمر چلتا ہے۔ تم دونوں اسٹیمر پر بیٹھ جانا۔ میں اور شاہ پری دوسرے راستے سے آرہے ہیں۔ گھاٹ پر یا اسٹیمر پر ہمارے قریب آنے کی کوشش مت کرنا۔ ہم ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے، یہی مناسب رہے گا۔ نولکھا نے جواب دیا۔" شارق مزید کچھ کہے بغیر شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا دوسری طرف مڑگیا۔

اس وقت نو بجنے والے تھے۔ زیادہ تر دکانیں کھل چکی تھیں۔ بازاروں میں چہل پہل شروع ہوچکی تھی۔ شارق شاہ پری کے ساتھ ایک گلی میں سے گزرتا ہوا دوسری سڑک پر آگیا۔ اتفاق سے اس سڑک پر آتے ہی ایک رکشہ مل گیا۔

"اسٹیمر گھاٹ پر چلنا ہے۔" شارق نے رکشے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ شاہ پری بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

رکشہ فوراً ہی حرکت میں آگیا۔ اسٹیمر گھاٹ پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ شارق نے رکشے سے اتر کر ڈرائیور کو منہ مانگے پیسے دے دیئے اور شاہ پری کے ساتھ گھاٹ پر اس جگہ آگیا جہاں بکنگ کیبن بنا ہوا تھا۔ کیبن کے سامنے چند لوگ لائن میں کھڑے ٹکٹ لے رہے تھے۔ ثمینہ اور نولکھا نظر نہیں آئے۔ شارق نے سوچا کہ شاید وہ اسٹیمر پر سوار ہوچکے ہوں گے۔

اپنی باری آنے پر شارق نے ٹکٹ لئے اور شاہ پری کے ساتھ جیٹی پر چلتا ہوا اسٹیمر پر آگیا۔ اسٹیمر پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق متجسس نظروں سے لوگوں کے چہروں کو دیکھ رہا تھا لیکن ثمینہ اور نولکھا نہ تو عرشہ والی سیٹوں پر نظر آئے اور نہ ہی اوپر والی سیٹوں پر۔

نو بج کر چالیس منٹ پر اسٹیمر کی روانگی تھی اور اس وقت نو بج کر پینتیس منٹ ہوچکے تھے۔ لیکن نولکھا اور ثمینہ کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ پورے اسٹیمر میں انہیں تلاش کرچکا تھا اور اب ریلنگ کے قریب کھڑا گھاٹ کی طرف آنے والے راستے کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن ان دونوں کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

اسٹیمر کی روانگی میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا اور شارق سوچ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گئے۔ اس نے یہ بھی طے کرلیا تھا کہ وہ لوگ اگر نہ پہنچے تو وہ بھی شاہ پری کو لے کر اسٹیمر سے اتر جائے گا۔ ظاہر ہے وہ ثمینہ اور نولکھا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

فضا اچانک اسٹیمر کے سائرن سے گونج اٹھی۔ شارق کی بے چینی بڑھ گئی اور پھر ٹھیک اسی لمحہ ایک رکشہ گھاٹ پر آکر رکا۔ ثمینہ اور نولکھا رکشے سے اترے۔ نولکھا نے دوڑ کر ٹکٹ لئے اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر جیٹی کی طرف دوڑا۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ ان دونوں کو اسٹیمر پر سوار ہوتے دیکھ کر

aazzamm@yahoo.com

اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا اور شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ دونوں ریلنگ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔ کچھ سیٹیں اگرچہ خالی تھیں لیکن وہ بیٹھنے کے بجائے ریلنگ کے قریب کھڑے دریا کی طرف دیکھتے رہے۔

اسٹیمر دریا میں چکر کاٹتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف بڑھتا رہا اور چند منٹ بعد دوسرے کنارے کی جیٹی سے جا لگا۔ شاہ پری اور شارق دوسرے لوگوں کی بھیڑ میں چلتے ہوئے اسٹیمر سے اتر آئے۔ ثمینہ اور نولکھا ابھی تک نہیں اترے تھے۔ شارق چند قدم آگے جاکر رک گیا اور جب اس نے نولکھا کو آتے دیکھا تو اس کی طرف توجہ دیئے بغیر شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

یہ دریا خان شہر تھا۔ دریائے سندھ کے ایک کنارے پر ڈیرہ اسماعیل خان آباد تھا اور دوسرے کنارے پر دریاخان' یہاں ریلوے اسٹیشن بھی تھا اور پنجاب کے مختلف شہروں کے لئے بسیں بھی ملتی تھیں۔

وہ لوگ مختلف سڑکوں پر ہوتے ہوئے لاری اڈے پر آگئے۔ شارق نے ایک جگہ رک کر بس کے ایک ہاکر سے مختلف بسوں کے بارے میں دریافت کیا اور کچھ آگے جاکر ایک ہوٹل کے سامنے تنے ہوئے سائبان کے نیچے کرسی پر بیٹھ گیا۔ شاہ پری بھی میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اب تک بڑی حیرت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ دریا میں اسٹیمر کا سفر بھی اس کے لئے ایک دلچسپ تجربہ ثابت ہوا تھا۔ افغانستان میں تو کسی دریا میں سفر کرنے کے لئے اسٹیمر جیسی چیز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی ان سے کچھ فاصلے پر ایک میز پر بیٹھ چکے تھے۔ شارق کی طرح نولکھا نے بھی چائے منگوائی تھی۔

وہ لوگ تقریباً" آدھ گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے۔ پھر شارق اٹھ گیا۔ اس نے چائے کے پیسے ادا کئے اور شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا کچھ ہی دیر بعد وہ اس اڈے پر پہنچ گئے جہاں سے فیصل آباد کی بسیں چلتی تھیں۔

بس میں ابھی چند ہی مسافر بیٹھے تھے اور اس کے قریب کھڑا ہوا ہاکر قریب آنے والے ہر شخص کی طرف دیکھ کر چیختے ہوئے بس کی روانگی کا اعلان کر رہا تھا۔

شارق نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ نولکھا کے قریب آنے پر اس نے اشارہ کیا۔ وہ دونوں بس میں بیٹھ گئے۔ شارق نے چار ٹکٹ لئے اور ثمینہ کو ساتھ لے کر بس میں سوار ہوگیا۔ نولکھا اور شاہ پری سے ایک سیٹ چھوڑ کر پیچھے بیٹھ گیا۔ قریب سے گزرتے ہوئے اس نے ان کا ٹکٹ

نولکھا کی گود میں ڈال دیا تھا۔

شارق کا خیال تھا کہ بس دس پندرہ منٹ میں روانہ ہو جائے گی۔ مگر انہیں بیٹھے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوچکا تھا۔ اور بس حرکت میں آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جبکہ اس کا ہاکر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ جا رہی ہے' جا رہی ہے۔"

اس دوران مختلف اشیا بیچنے والے کئی ہاکر بس میں ایک دروازے سے سوار ہوکر آواز لگاتے دوسرے دروازے سے نکل گئے تھے۔ اخبار بیچنے والا ایک نو عمر لڑکا بھی بس میں آیا تھا۔ اس کے پاس اگرچہ قومی اخبار بھی تھے لیکن ڈیرہ سے شائع ہونے والا ایک اخبار اس نے اس طرح پھیلا رکھا تھا کہ اس کی ہیڈلائن پڑھی جاسکتی تھی۔ اور ہیڈلائن وہی تھی۔ "دانا میں پانچ افراد کا قتل"

وہ لڑکا کچھ دیر شارق والی سیٹ کے قریب کھڑا رہا۔ اس اخبار کی سرخی کو دیکھ کر شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور بالآخر جب وہ لڑکا وہاں سے چلا گیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ جتنی دیر وہ لڑکا اخبار لئے وہاں کھڑا رہا تھا۔ شارق کو یوں محسوس ہوتا رہا تھا جیسے وہ اسے اس کی تصویر دکھا رہا ہو۔

بس کا ڈرائیور جب اپنی سیٹ پر بیٹھا تو اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ دو چار منٹ اس نے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنے میں لگائے اور بالآخر بس حرکت میں آگئی۔

شارق کو پوری طرح احساس تھا کہ ایک طرف تو وہ خطرے سے دور ہوتے جا رہے تھے اور دوسری طرف ہر لمحہ وہ خطرے کے قریب تر ہو رہے تھے۔ شارق فیصل آباد کے واقعات کو بھولا نہیں تھا۔ بھول بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں سے اس کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا تھا۔ یہیں پر اس کی ثمینہ سے پہلی ملاقات ہوتی تھی۔ اسی شہر میں اس نے اپنے سب سے بڑے دشمن وکیل کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اسی شہر میں ثمینہ نے اس کے بتائے ہوئے راستے پر قدم رکھا تھا اور اس کے ساتھ جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی گئی تھی۔ اسی شہر میں ان کے گرد قانون کا ایک نیا جال بنایا گیا تھا۔ اور وہ لوگ اس جال کو توڑ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اسی شہر میں نولکھا نے بھی اس کے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسم کھائی تھی اور اب تک نبھا رہا تھا۔

شارق کو یقین تھا کہ یہاں کی پولیس بھی انہیں نہیں بھولی ہوگی۔ پولیس کے تو بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پولیس کسی ملزم کو بھی نہیں بھولتی۔ شارق کو پوری طرح احساس تھا کہ وہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ فیصل آباد میں ان تینوں میں سے کسی ایک کو پہچان لیا گیا تو پھر ایک نیا کھیل شروع ہو جائے گا اور وہ کوئی نیا کھیل شروع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اب اس کے پیشِ نظر دو ہی مقاصد تھے۔ حاجی سے انتقام

aazzamm@yahoo.com

اور موت کے سوداگروں کی تباہی .... شارق سمجھتا تھا کہ اگر کسی ایک کو ختم کرکے دس انسانوں کی زندگیاں بچائی جاسکتی ہیں تو اس ایک کو ختم کرنا دینا چاہئے اور حاجی جیسا آدمی تو دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں کا قاتل تھا۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حاجی سے اسے اپنا ذاتی حساب بھی برابر کرنا تھا۔ حاجی نے اس کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ اس کے خلاف سازش کی تھی اور اس سازش کے تحت اسے افغانستان بھیجا تھا۔ وہ اسے ختم کروا دینا چاہتا تھا۔ لیکن قسمت اچھی تھی وہ اب تک زندہ تھا۔ شارق نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تین مہینے جس طرح بنجر اور ویران پہاڑوں میں گزارے تھے۔ اسے ایک ایک لمحہ کی اذیت یاد تھی۔ وہ ان اذیت ناک لمحوں کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اسے حاجی سے ایک ایک لمحے کا حساب لینا تھا۔

شارق کے ذہن میں اور بھی بہت سی الجھنیں تھیں۔ سب سے بڑی الجھن فیصل آباد کی تھی ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فیصل آباد میں ان میں سے کسی کو شناخت کرلیا گیا تو وہ یقیناً الجھ کر رہ جائے گا جبکہ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو ابھی تک یہ بھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ فیصل آباد میں ٹھہرا کہاں جائے گا۔ اس شہر میں اگرچہ صادق جیسا آدمی موجود تھا لیکن شارق ایک طویل عرصہ بعد اس شہر کا رخ کر رہا تھا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت شہر کے حالات کیا ہوں گے۔

شارق اپنی سیٹ پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ اس نے گردن گھما کر شاہ پری کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی دلچسپ نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی بنجر اور ویران پہاڑوں میں گزری تھی۔ جہاں کہیں کہیں سبزہ تھا اور یہاں تاحدِ نگاہ سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے رہا تھا۔ لہلہاتے کھیت تھے، جوان فصلیں تھیں، کہیں بھی زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا دکھائی نہیں دے رہا تھا جسے ویرانے کا نام دیا جاسکتا۔

بس مختلف شہروں اور قصبوں میں رکتی ہوئی رات آٹھ بجے کے قریب جھنگ پہنچ گئی۔ وہ لوگ اس طویل سفر سے بری طرح تھک چکے تھے۔ راستے میں جہاں بھی بس رکتی تھی یہ لوگ اتر کر ٹانگیں سیدھی کرلیتے تھے۔ جھنگ کے اڈے پر بھی بس رکی تو یہ لوگ نیچے اتر آئے۔ ثمینہ اور نولکھا بھی ان کے ساتھ آکر کھڑے ہوگئے۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس طرح فیصل آباد میں داخل ہونا ہمارے لئے خطرناک نہیں ہوگا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں سے اس بس کو چھوڑ کر سرگودھا والی بس پر بیٹھ جائیں اور سرگودھا سے لاہور کا رخ کریں۔

"لیکن میرے پاس ایک اور تجویز ہے۔" نولکھا بولا۔

"کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں نا ہم ایک دو دن جھنگ میں رک کر صورت حال کا جائزہ لے لیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "یہاں جیجا شلی موجود ہے۔ وہ اپنا شاگرد ہے۔ ایک دو دن تو ہم اس کے مہمان رہ سکتے ہیں۔"

"جیجا شلی بھروسے کا آدمی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"سولہ آنے۔" نولکھا بولا۔ "اس سے ہمیں فیصل آباد کے حالات کا پتا چل جائے گا۔"

"تو پھر چلو ..." شارق نے کہا اور مڑ کر بس کی طرف دیکھنے لگا۔

بس سے کچھ مسافر اتر چکے تھے اور کچھ نئے مسافر بیٹھے تھے۔ شارق کے خیال میں کنڈیکٹر کو ان کی عدم موجودگی کا پتا اسی وقت چلے گا جب بس چلنے والی ہوگی۔ سفر میں ان کا پورے دن کا ساتھ رہا تھا اور کنڈیکٹر جانتا تھا کہ وہ فیصل آباد کے مسافر تھے۔ روانگی کے وقت انہیں بس میں نہ پاکر اسے تشویش تو ہوگی لیکن شاید وہ زیادہ پروا نہیں کرے گا۔

وہ لوگ کچھ دور جاکر ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ نولکھا نے تانگے والے کو پتہ بتا دیا اور تانگے والے نے گھوڑے کو ہانک دیا۔ بڑا مریل سا گھوڑا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے تانگے کو کھینچ رہا تھا بالآخر آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ تانگہ رکوا کر ایک جگہ اتر گئے۔

یہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا۔ بازاروں میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی۔ وہ لوگوں سے بچتے ہوئے چلتے رہے۔ اور پھر وہ لوگ جیسے ہی ایک بغلی گلی میں مڑے ایک آدمی اچانک ہی ان کے سامنے آگیا۔ نولکھا اس شخص کو دیکھ کر اس طرح رک گیا جیسے اس زمین نے اس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ وہ شخص بھی عجیب سی نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ اور پھر اچانک ہی بڑی پھرتی سے اس نے پستول نکال لیا۔ وہ چاروں اس کے پستول کی زد میں تھے۔

شارق نے بھی اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ فیصل آباد پولیس کا ایک سب انسپکٹر تھا۔

○

"کیا بات ہے مسٹر؟" شارق نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کون ہو تم اور یہ پستول! اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا چاہتے ہو تم؟"

aazzamm@yahoo.com

"مجرم کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو ایک نہ ایک روز قانون کی گرفت میں آہی جاتا ہے۔" اس شخص نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ شاید مجھے بھول گئے ہو لیکن میں تم لوگوں کو نہیں بھولا ہوں۔ میں فیصل آباد پولیس کا سب انسپکٹر ملک حفیظ ہوں۔ آخری دنوں میں تم لوگوں کا کیس میرے ہی پاس تھا لیکن تم لوگ دھوکا دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اگر اس روز میں صرف ایک گھنٹہ پہلے طارق آباد والی کوٹھی پر پہنچ جاتا تو تم لوگوں کو بھاگنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج طویل عرصے بعد تم لوگ میرے سامنے آگئے ہو۔"

"تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" شارق نے کہا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی یادداشت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"غلط فہمی!" سب انسپکٹر حفیظ مسکرایا۔ "میں نولکھا کو کیسے بھول سکتا ہوں اور پھر پروفیسر ثمینہ ایسی چیز تو نہیں کہ اسے آسانی سے بھلایا جاسکے اور یہ لڑکی۔" اس نے شاہ پری کی طرف دیکھا۔ "شاید تمہارے گینگ میں نیا اضافہ ہے۔"

شارق نے کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ گلی میں تقریباً" دس گز اندر کی طرف تھے۔ بازار میں لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن اتفاق سے اس دوران اس طرف کوئی نہیں آیا تھا۔

"اے رکو!" شارق سب انسپکٹر کے پیچھے دیکھتے ہوئے چیخا۔

سب انسپکٹر تیزی سے پیچھے مڑا۔ کوئی نہیں تھا۔ وہ شارق کے جھانسے میں آگیا تھا۔ شارق نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑی پھرتی سے اس پر چھلانگ لگا دی اور پلک جھپکنے کی دیر میں سب انسپکٹر کا پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میری یادداشت بھی اتنی کمزور نہیں کہ تمہیں نہ پہچان سکوں ملک حفیظ۔" شارق نے اسے پستول کی زد پر لیتے ہوئے کہا۔ "تم سے اس طرح غیر متوقع طور پر آمنا سامنا ہونا بدقسمتی ہے۔ ہماری نہیں، تمہاری۔ اب ایسا کرو کہ تم دوستوں کی طرح ہمارے ساتھ چلتے رہو اور اگر تم نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو بلادریغ گولی ماردوں گا۔ واپس مڑو اور گلی میں چلتے رہو۔"

حفیظ ملک کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ بازی اس طرح پلٹ جائے گی۔

"مجھ سے غلطی ہوگئی۔" وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے تم لوگوں کو دیکھ کر اس طرح روکنا نہیں چاہئے تھا۔ وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں خاموشی سے تم لوگوں کا تعاقب کرتا اور تم لوگوں کا ٹھکانہ معلوم کرنے کے بعد مقامی پولیس کے ساتھ ریڈ کرتا۔ پھر

تم لوگ نہ بچ سکتے۔"

غلطیاں انسان ہی سے ہوتی ہیں اور ان کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال، اب چل پڑو۔ یہاں کھڑے مشکوک سے لگ رہے ہیں۔"

ملک حفیظ مڑ کر گلی میں چلنے لگا۔ شارق اور نولکھا اس کے دائیں بائیں ہوگئے تھے۔ شارق نے پستول اس کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ وہ لوگ مختلف گلیوں میں چلتے رہے۔ راستے میں کچھ لوگ بھی ملے تھے۔ مگر کسی کو بھی شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ ایک شخص کو پستول کی زد پر اس کی مرضی کے خلاف لے جایا جارہا ہے۔ جیسے ہی کوئی راہ گیر قریب آتا وہ لوگ اس طرح باتیں کرنے لگتے جیسے گہرے دوست ہوں۔

وہ ایک نیم تاریک گلی میں مڑ گئے، چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹ کھٹایا۔ تقریباً" دو منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا اور ایک مجہول سا شخص دکھائی دیا۔ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ بالکل دبلا پتلا، فاقہ زدہ چہرہ، بڑھا ہوا شیو اور میلے سے کپڑے۔

وہ جیجا شلی تھا۔

"کون ہو بھئی تم لوگ؟ کس سے ملنا ہے، کیا کام ہے؟" اس نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ باہر گلی میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ نولکھا کو پہچان نہیں سکا تھا۔

"او میں ہوں جیجے، نولکھا۔" نولکھا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "راستے سے ہٹو، ہمیں اندر تو آنے دو۔"

"استاد نولکھا۔" جیجا کے لہجے میں حیرت تھی۔ "بسم اللہ۔ ست بسم اللہ۔ آؤ .... اندر آجاؤ استاد .... پر میں نے تو سنا تھا کہ تم ...."

"کہانی اندر آکر سناؤں گا۔ گلی میں کھڑے کھڑے نہیں بتا سکتا۔" نولکھا نے اس کی بات کاٹ دی۔

جیجا شلی دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ لوگ اندر آگئے۔ شارق نے پستول اب بھی ملک حفیظ کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔

جیجا شلی نے دروازہ بند کردیا اور مڑ کر ان کے آگے آگے چلنے لگا۔

یہ مکان تین کمروں پر مشتمل تھا۔ دو کمرے ایک طرف تھے اور ایک، ایک طرف۔ تینوں کمروں کے سامنے برآمدہ تھا۔ صحن بھی خاصا بڑا تھا۔ ایک طرف پانی کا ڈرم پڑا ہوا تھا۔ جس کے قریب ایک بالٹی اور ایک لوٹا بھی رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے بیت الخلاء تھا اور جس کے سامنے

aazzamm@yahoo.com

ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

جیجا شلی انہیں ایک کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر نیلے رنگ کی دری بچھی ہوئی تھی۔ ریگزین کا ایک بغیر ہتھے والا پرانا سا صوفہ سیٹ تھا اور پلاسٹک تار کی بنی ہوئی چھ سات کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ صوفہ سیٹ اور کرسیاں غالباً" کسی بارگیننگ سینٹر سے خریدی گئی تھیں۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے استاد نولکھا۔ تم تو...." جیجا شلی کہتے کہتے خاموش ہوگیا اور متوحش نظروں سے شارق کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی طرف دیکھنے لگا جو اس نے ملک حفیظ کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔ پھر وہ ملک حفیظ کی طرف دیکھنے لگا۔ "استاد نولکھا..." وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔" یہ .... یہ کون لوگ ہیں اور یہ پستول .....؟"

"یہ میرا بجن ہے۔" نولکھا نے شارق کی طرف اشارہ کیا۔" بلکہ میرا استاد شارق باؤ .... اور یہ پولیس کا بندہ ہے۔ یہاں آتے ہی اس نے ہمیں شکار کرنے کی کوشش کی تھی مگر خود ہی شکار ہوگیا۔"

"شارق باؤ !" جیجا شلی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "بڑا نام سنا ہے استاد شارق باؤ تمہارا۔ آج تمہارے درشن بھی ہوگئے۔ مگر استاد نولکھا۔" وہ ایک بار پھر نولکھا کی طرف گھوم گیا۔ "تم اتنے عرصے سے غائب کہاں تھے اور یہ سب کیا قصہ ہے۔ یہ بیبیاں کون ہیں۔"

"ساری کہانی تمہیں بعد میں سناؤں گا۔ پہلے کسی رسی کا بندوبست کرو۔" نولکھا نے کہا۔

"رسی ابھی لاتا ہوں استاد۔" جیجا ان کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم لوگ بہت پچھتاؤ گے۔" سب انسپکٹر ملک حفیظ نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج تک کوئی مجرم قانون کی گرفت سے بچ کر نہیں نکل سکا۔ اگر تم اب تک بچے رہے ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قانون تمہارے معاملے میں بے بس ہوگیا ہے۔ ایک نہ ایک دن...."

"فی الحال تو تم بے بس ہو۔ "شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔" لیکن گھبراؤ نہیں میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بس ذرا تمہیں اپنا مہمان بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔"

ملک حفیظ کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ جیجا شلی دو تین رسیاں لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ شارق نے ملک حفیظ کو دھکا دے کر کمرے کے وسط میں پہنچا دیا۔ نولکھا نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اس کی ٹانگ پر گھٹنے کے پچھلے حصہ پر ہلکی سی ٹھوکر ماری۔ ملک حفیظ لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔ نولکھا اس کی ٹانگوں پر بیٹھ گیا اور جیجا کو اشارہ کیا۔ جیجا شلی نے بڑی پھرتی سے اس کے دونوں پیر بھی باندھ دیئے۔

"اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دو اور اسے دوسرے کمرے میں ڈال آؤ۔ ذرا جلدی کرو۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

جیجا شلی نے قمیض کی جیب سے میلا سا رومال نکال کر ملک حفیظ کے منہ میں ٹھونس دیا اور جھک کر اسے اٹھانے لگا۔ جیجا دبلا پتلا سا آدمی تھا اور ملک حفیظ ہٹا کٹا۔ لیکن جیجا شلی نے بڑے آرام سے اٹھا کر کندھے پر لاد لیا اور کمرے سے نکل گیا۔

اسے واپس آنے میں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"اب بتاؤ استاد کیا بات ہے۔" وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پر تم لوگ کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھتے کیوں نہیں' اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

"تمہاری بیوی اور بیٹا کہاں ہیں۔ کیا انہیں پتا نہیں چلا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بھرجائی تو دو مہینے پہلے فوت ہوگئی ہے استاد نولکھا۔" جیجا نے جواب دیا۔ "گردن توڑ بخار ہوا تھا۔ تین دن میں ہی ختم ہوگئی وچاری۔" اس کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

"بڑا افسوس ہوا یار۔ نولکھا نے افسردہ سے لہجے میں کہا اور اٹھ کر جیجا کو گلے لگا لیا اور اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔ ہمدردی پاکر جیجا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ سسکیاں بھرنے لگا۔

"صبر کر.... سب کو ایک دن رب کے پاس جانا ہی ہوتا ہے۔ یہ زندگی تو اس سوہنی ذات کی امانت ہے۔ بس کر.... اب صبر کر...." نولکھا اسے دلاسا دیتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپاتا رہا تھا۔

جیجا شلی نے آنسو پونچھ لئے۔ نولکھا نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور خود بھی سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ شارق بھی اس سے تعزیت کرنے لگا۔ جیجا شلی کی بیوی کا انتقال صرف دو مہینے پہلے ہوا تھا۔ زخم تازہ تازہ تھا۔ ہمدردی کے دو بول پاکر اس کے جذبات بے قابو ہوگئے تھے۔ وہ کافی دیر تک سسکیاں بھرتا رہا اور جب اس کی کیفیت سنبھلی تو نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا بیٹا کہاں ہے۔ کیا نام ہے اس کا .... ہاں .... یاد آگیا .... انور۔"

"نولکھا استاد۔" جیجا شلی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "قسمت جب منہ موڑتی ہے نا تو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ انور اپنی ماں کی موت سے ایک ہفتہ پہلے کوئٹہ گیا تھا۔ وہاں کسی آدمی سے اس کا جھگڑا ہوگیا۔ وہ آدمی اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ انور کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ مجھے اس کی گرفتاری کی اطلاع اس دن ملی تھی جس دن اس کی ماں نے دم توڑا تھا۔ میں ثریا کو قبر میں اتارنے کے دوسرے ہی دن کوئٹہ چلا گیا تھا۔ وہاں بڑی مشکل سے انور سے

aazzamm@yahoo.com

ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ دو آدمی اس کی میز پر آکر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں شکلوں ہی سے بدمعاش لگتے تھے۔ وہ انور کو پریشان کرنے لگے۔ انور کو تم جانتے ہو۔ اسے بڑی جلدی غصہ آجاتا ہے۔ وہ بھی ان کے سامنے تن گیا۔ بات بڑھ گئی۔ ایک بدمعاش نے چاقو نکال لیا۔ انور نے چاقو چھین کر اسے سینے پر وار کر دیا۔ وہ بدمعاش وہیں تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ انور نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا خیال تھا کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ اس کے حق میں گواہی دیں گے کہ پہل اس بدمعاش ہی نے کی تھی۔ لیکن جب پولیس آئی تو ہوٹل میں موجود کئی لوگوں نے انور ہی کو قصور وار ٹھہرایا۔ پولیس نے اسے قتل کے جرم میں گرفتار کرلیا۔ میں اس تھانیدار سے بھی ملا تھا جس نے انور کو گرفتار کیا تھا۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ انور نہیں بچ سکے گا۔ اس کے خلاف نہ صرف عینی شاہد موجود ہیں بلکہ آلہ قتل پر اس کی انگلیوں کے نشان بھی ثبت ہیں۔ پولیس نے چالان عدالت میں پیش کردیا ہے۔ اگلے مہینے کی تین تاریخ کو پیشی ہے۔"

"تم پر تو واقعی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں یار۔" نولکھا نے کہا۔ "کسی وکیل سے بات کی ہے تم نے؟"

"ایک وکیل سے بات کی تھی۔" جیجا نے جواب دیا۔ "وہ کیس لینے کو تیار تو ہے لیکن وہ بھی یہی کہتا ہے کہ انور کے بچنے کا امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مقدمہ لڑنے کے لئے دو لاکھ روپے طلب کئے تھے اور میرے پاس دو لاکھ تو کیا دو ہزار روپے بھی نہیں ہیں۔"

"اچھا۔ سوچتے ہیں کہ اس معاملے میں ہم تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "روپے پیسے کی تم فکر مت کرو۔ جتنا روپیہ خرچ ہوگا ہم دیں گے۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے استاد نولکھا۔" جیجا آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ "تم جانتے ہو میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہی میرا سہارا ہے۔ اگر وہ بھی پھانسی چڑھ گیا تو میں جیتے جی مرجاؤں گا۔"

"تم فکر ہی نہ کرو یار۔" نولکھا نے اسے تسلی دی۔ "ہم تمہارے بیٹے کو بچانے کے لئے اچھے سے اچھا وکیل کریں گے۔"

"رب کرے میرا پتر بری ہو جائے۔" جیجا نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں بھی کتنا بیوقوف ہوں نولکھا استاد۔ تم لوگوں سے روٹی شوٹی کا تو پوچھا ہی نہیں۔ بھوک لگ رہی ہوگی تم لوگوں کو۔"

"رہنے دو یار۔" نولکھا بولا۔ "تمہاری باتیں سن کر تو ہماری بھوک ہی اڑ گئی ہے۔ رہنے دو۔"

"نہیں استاد۔ روٹی کے بغیر بھی بھلا کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ زینوں کا تندور ابھی کھلا ہوگا۔ میں روٹیاں لے کر آتا ہوں۔" جیجا کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

"اچھا تو پھر ایسا کر زینوں کے تندرو سے روٹیاں لانے کے بجائے نان تکے اور کباب وغیرہ لے آؤ۔ استاد کالے کے ہاں سے لے کر آنا۔ ایک مرتبہ اس کے تکے کباب کھائے تھے' آج تک مزہ نہیں بھولا۔ یہ لے۔ پیسے لے جا۔" نولکھا نے جیب سے سو سو روپے کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"تم تو شرمندہ کرتے ہو استاد۔ پیسے ہیں میرے پاس۔" جیجا بولا۔

"یہ بھی رکھ لے' اور جلدی واپس آنا۔" نولکھا نے پیسے اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

"جیجا شلی پیسے لے کر چلا گیا۔ اسی دوران شارق اور شاہ پری وغیرہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے تھے۔

"یہ جیجا شلی تو واقعی بڑا دکھی انسان ہے نولکھا بھائی۔ پر ہے کیا چیز۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا بھی ایک وقت تھا۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "کسی زمانے میں پورے جھنگ میں اس کے نام کا ٹہکا تھا۔ اب تو بے چارہ ختم ہوگیا ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جیجا شلی کے بارے میں بتانے لگا۔

عبدالعزیز ..... جیجا شلی کا اصلی نام تھا۔ بیس سال پہلے اس کے باپ کی' منڈی میں آڑھت کی دکان تھی۔ اس وقت عبدالعزیز کی عمر بائیس تئیس سال رہی ہوگی۔ وہ بھی اپنے باپ کے کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ آٹھ جماعت پڑھا ہوا تھا۔ دکان کا حساب کتاب بھی سمجھ لیتا تھا۔

انہی دنوں دکان کی ملکیت پر اس کے باپ کا کسی سے جھگڑا چل رہا تھا۔ ایک روز عبدالعزیز کسی کام سے لاہور گیا ہوا تھا۔ شام کو جب واپس آیا تو یہ سنسنی خیز خبر اس کی منتظر تھی کہ اس کے باپ کے دشمن نے اپنے غنڈوں کے ذریعے اس کے باپ پر قاتلانہ حملہ کروا دیا تھا۔ اس کا باپ شدید زخمی ہوا تھا۔ جسے لوگوں نے ہسپتال پہنچا دیا تھا۔ غنڈوں نے دکان کو بھی آگ لگا دی تھی۔ جس سے دکان میں رکھا ہوا تمام سامان جل کر راکھ ہوگیا تھا۔ دکان بھی کھنڈر بن گئی تھی۔ ساتھ کی دو تین دکانوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ لوگوں کے بیان کے مطابق حملہ آوروں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ کسی کو شناخت نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن منڈی کے بعض لوگوں کو یقین تھا کہ یہ حملہ عبدالعزیز کے باپ کے دشمن غلام رسول نے ہی کروایا تھا۔

غلام رسول دس نمبری بدمعاش تھا۔ وہ ہسٹری شیٹر تھا اور تھانے میں اس کی حاضری ہوتی

aazzamm@yahoo.com

تھی۔ پولیس والوں سے اس کے تعلقات ٹھیک ٹھاک تھے۔ عبدالعزیز نے اگرچہ رپورٹ میں غلام رسول کا نام لکھوایا تھا لیکن پولیس نے غلام رسول کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کی تھی۔ اس کے برعکس غلام رسول نے عبدالعزیز کو دھمکانا شروع کردیا تھا کہ وہ رپورٹ سے اس کا نام واپس لے لے۔

اسی دوران ہسپتال میں عبدالعزیز کے والد کا انتقال ہوگیا۔ عبدالعزیز بار بار پولیس سے رابطہ کر رہا تھا۔ لیکن پولیس غلام رسول کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک ٹھوس ثبوت نہ ہوں وہ کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتے۔

غلام رسول نے عبدالعزیز کو دھمکانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ عبدالعزیز ایک شریف آدمی تھا۔ وہ تصادم سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے شہر کے بعض معزز و معتبر لوگوں تک رسائی حاصل کرکے اپنی بات ان تک بھی پہنچائی تھی لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔

بالآخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق عبدالعزیز نے بھی شرافت کا دامن چھوڑ دیا اور اس نے بھی وہ راستہ اختیار کرلیا جس سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے غلام رسول کے بعض غنڈوں کی پٹائی کی' پھر غلام رسول تک بھی پہنچ گیا۔

یہ تو طے شدہ بات ہے کہ جب کوئی شریف آدمی حالات سے تنگ آکر بغاوت پر اترتا ہے تو اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ عبدالعزیز بھی بے قابو ہوگیا۔ غلام رسول جیسے غنڈوں کے علاوہ پولیس سے بھی اس کی آنکھ مچولی شروع ہوگئی۔ عبدالعزیز کو بھی کچھ حمایتی مل گئے تھے۔ جو اپنے اپنے علاقوں کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

عبدالعزیز کو اب طاقت مل گئی تھی۔ وہ کھل کر سامنے آگیا۔ غلام رسول اور اس کے گرگوں سے آئے دن تصادم ہوتا رہتا تھا۔ جس میں عام طور پر پٹائی غلام رسول کے آدمیوں ہی کی ہوتی تھی۔ غلام رسول کے دو تین آدمی اسے چھوڑ کر عبدالعزیز کے ساتھ مل چکے تھے۔

غلام رسول چرس اور ہیروئن وغیرہ کا اڈا بھی چلاتا تھا۔ عبدالعزیز کے آدمیوں نے مشورہ دیا کہ غلام رسول کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لئے وہ بھی منشیات فروشی کا دھندہ شروع کردے۔ عبدالعزیز پہلے تو انکار کرتا رہا' لیکن پیسے کی ضرورت سے تو وہ انکار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہیروئن کے کاروبار میں بہت پیسہ ہے۔ شرافت کا دامن اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اب اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ہیروئن کے اثرات کتنے تباہ کن ہوتے ہیں۔ اس نے بھی یہ دھندہ شروع کردیا۔

ہیروئن خریدنے کے لئے وہ فیصل آباد جایا کرتا تھا۔ پہلے وہ کسی اور سے ہیروئن خریدتا تھا پھر فیصل آباد میں اس کی ملاقات مجھ سے ہوئی اور پھر مجھ سے ایسی دوستی ہوئی کہ ایک دوسرے کے جینے مرنے کے ساتھی بن گئے۔

انہی دنوں عبدالعزیز کا سامنا ثریا سے ہوگیا۔ ثریا بیوہ عورت تھی اور عمر میں عبدالعزیز سے دو تین سال بڑی تھی۔ وہ تندور چلاتی تھی۔ یہ تندور ہی اس کا وسیلہ روزگار تھا۔ علاقے کے غریب لوگ کھانا کھانے کے لئے اسی کے تندور پر آتے تھے۔ اس نے تندور کے ساتھ سرکنڈوں کا ایک سائبان سا بنا رکھا تھا جس کے نیچے بیٹھنے کے لئے چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔

ثریا خوبصورت عورت تھی۔ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھی۔ کچھ اوباش قسم کے لوگ اسے ستایا بھی کرتے تھے۔ ایک دو نے تو اسے پٹانے کی کوشش بھی کی تھی مگر اس کے ہاتھوں خود پٹ گئے تھے۔

ایک روز عبدالعزیز اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اس طرف آنکلا۔ اس وقت تندور کے ساتھ سائبان کے نیچے پانچ چھ مزدور قسم کے آدمی روٹی کھا رہے تھے اور دو غنڈے قسم کے نوجوان ثریا کو پریشان کر رہے تھے۔ عبدالعزیز قریب سے گزرتے ہوئے وہاں رک گیا۔ اس نے پہلے تو شرافت سے ان نوجوانوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اوباش نوجوان اس پر پلٹ پڑے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ جیجا شلی ہے۔ عبدالعزیز اور اس کے آدمیوں نے ان دونوں اوباش نوجوانوں کی دھنائی کر دی۔

جیجا شلی نے پہلے مرتبہ ثریا کو دیکھا تھا اور پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھا۔ وہ اس کے بعد بھی ثریا کے تندور پر آتا رہا۔ ان کی بات چیت میں کسی قدر بے تکلفی کا رنگ آگیا تھا اور پھر ایک روز اس نے ثریا کو شادی کی پیشکش کردی۔

ثریا کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ ایک سال پہلے شوہر کے انتقال کے بعد تو وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس ایک سال میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اکیلی عورت کے لئے زندگی گزارنا کتنا کٹھن ہے اور عورت اس کی طرح جوان اور حسین ہو تو زندگی اور بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے ابھی پہاڑ جیسی زندگی پڑی تھی۔ یوں تو ہر شخص نے اسے سہارا دینے کی پیشکش کی تھی لیکن ثریا نے ان کی نظروں میں مچلتی ہوئی ہوس کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ ایسے لوگوں سے بچتی رہی تھی۔ جیجا شلی ایک مختلف انداز میں اس کے سامنے آیا تھا۔ اس نے جیجا شلی کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ نامی گرامی غنڈہ تھا لیکن اس میں شرافت تھی۔ وہ تقریباً" تین مہینوں سے اس کے تندور پر آتا رہا تھا لیکن اس دوران اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جسے غیر اخلاقی کہا

aazzamm@yahoo.com

جاسکتا۔ بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ثریا نے عبدالعزیز کی پیشکش قبول کرلی۔

شادی کے بعد عبدالعزیز' ثریا کو اپنے گھر لے آیا۔ تندور اور اس سے ملحق جگہ بیچ دی گئی۔

عبدالعزیز اس شادی پر بہت خوش تھا۔ ثریا ایک وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ شروع میں وہ کوشش کرتی رہی کہ جیجا منشیات کا دھندہ اور غنڈہ گردی چھوڑ دے۔ عبدالعزیز بھی یہ سب کچھ چھوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس جال میں اس طرح پھنس چکا تھا کہ کوشش کے باوجود نہیں نکل سکتا تھا۔ ثریا سے شادی کے ایک سال بعد اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے سارے دھندے چھوڑ دیئے۔ وہ چند روز ہی سکون سے گزار سکا تھا۔ لیکن پولیس نے اسے آرام سے بیٹھنے نہیں دیا اور آخر کار اسے دوبارہ اس دلدل میں اترنا پڑا۔

غلام رسول' جیجا شلی کا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن وہ شہر کے صرف ایک علاقے تک محدود ہوکر رہ گیا۔ وہاں بھی اس کے آدمی علاقے کے لوگوں سے پٹتے رہتے تھے۔ غلام رسول کا دبدبہ ختم ہوچکا تھا۔ اس کی دہشت ختم ہوگئی تھی۔ پہلے لوگ اس کے نام ہی سے کانپتے تھے اب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگے تھے۔

اور پھر ایک روز جیجا شلی اور غلام رسول میں زور دار معرکہ ہوا۔ اس روز غلام رسول کو نہ صرف اس علاقے سے بلکہ شہر ہی سے بھاگنا پڑا تھا۔ وہ رات ہی رات میں شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

اب پورے شہر پر جیجا شلی کا راج تھا۔ شہر میں اگرچہ اور بھی چھوٹے موٹے غنڈے موجود تھے۔ لیکن وہ سب جیجا شلی کے دبیل تھے۔ جیجا ان سے علاقے کا بھتہ لیتا تھا اور وہ لوگ اس کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتے تھے۔

جیجا اپنے بیٹے انور کو پڑھانا چاہتا تھا۔ اس نے انور کو میٹرک تو کروا دیا تھا لیکن وہ اس سے آگے پڑھنے کو تیار نہیں تھا۔ جیجا نے اسے اپنے کام دھندے سے دور ہی رکھا تھا۔ اسے شہر کے بارونق علاقے میں ایک چھوٹا سا جنرل اسٹور کھول دیا تھا۔ جیجا اپنے بیٹے کی طرف سے مطمئن تھا۔ لیکن اس کا یہ اطمینان اسے لے ڈوبا۔ بہت عرصے بعد اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ جو زہر دوسروں میں بانٹ رہا تھا اس کا اپنا بیٹا بھی اس کا شکار ہوچکا ہے۔

جیجا اب پچھتا رہا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے پر نگاہ کیوں نہیں رکھی تھی۔ وہ اسے دکان پر بٹھا کر مطمئن کیوں ہوگیا تھا۔

جیجا کے لئے یہ انکشاف بجلی بن کر گرا تھا کہ اس کا بیٹا انور ہیروئن کا عادی ہوچکا ہے اور اس کی دکان بھی ویران ہوچکی ہے۔ اسے اپنی دنیا اندھیر ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اسے پہلے مرتبہ پتا چلا کہ جن لوگوں کے بچے ہیروئن جیسی موذی لعنت میں پھنس جاتے ہیں ان کا کیا حال ہوتا

ہے۔ وہ اب تک دوسروں کی رگوں میں یہ زہر گھولتا رہا تھا اور اسے کبھی پریشانی نہیں ہوئی تھی لیکن جب اپنا جوان بیٹا اس لعنت کا شکار ہوا تو اسے احساس ہوا کہ دولت کے لالچ میں وہ کیا کچھ کرتا رہا ہے۔

جیجا شلی نے منشیات کا دھندہ چھوڑ دیا اور بیٹے کو علاج کے لئے لاہور لے گیا۔ چھ مہینے کے علاج سے اس کا بیٹا تندرست ہوگیا۔ وہ اسے دوبارہ جھنگ لے آیا۔ اس نے اپنے منشیات فروشی کے تمام اڈے بند کردیئے۔ دکان کو ازسرنو سیٹ کیا اور خود بھی بیٹے کے ساتھ دکان پر بیٹھنے لگا۔

عبدالعزیز کی اس کایا پلٹ پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے ایسے تمام لوگوں سے قطع تعلق کرلیا تھا جن کا اس دھندے سے کوئی تعلق ہوسکتا تھا۔ اس کالے دھندے کی وجہ سے جیجا شلی کے پولیس والوں سے بھی گہرے تعلقات تھے۔ اس نے پولیس سے بھی اگرچہ قطع تعلق کرلیا تھا لیکن پولیس اس سے قطع تعلق کرنے کو تیار نہیں تھی۔ سونے کا انڈہ دینے والی ایک مرغی پولیس کے ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ اور وہ اپنا نقصان کیسے برداشت کرسکتے تھے۔ قانون کے ان محافظوں کی طرف سے جیجا شلی پر دباؤ بڑھنے لگا کہ وہ ا دھندہ دوبارہ شروع کردے لیکن جیجا شلی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا۔ اسے مختلف الزامات میں بار بار پکڑ لیا جاتا۔ تھانے میں اس پر سختی کی جاتی۔ مار پیٹ ہوتی مگر وہ کسی طرح بھی دوبارہ یہ دھندہ اختیار کرنے کو تیار نہیں تھا۔

پولیس نے دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کردیئے۔ اس کے بیٹے کو بھی بار بار پکڑ کر تھانے میں بند کیا جانے لگا۔ دکان اجڑ گئی۔ مگر جیجا شلی نے پولیس کی بات نہیں مانی۔

اس دوران مجھ سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مانا۔ میرے لئے اس کے دل میں بہت احترام تھا۔ وہ اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا مگر اس نے میری بھی یہ بات نہیں مانی۔

اس دوران میں شارق سے وابستہ ہوکر لاہور چلا گیا اور آج طویل عرصہ بعد جیجا شلی سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ جیجا شلی بہت بدلا ہوا تھا۔ وہ برسوں کا مریض لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی جو کہانی سنائی تھی وہ واقعی افسوس ناک تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ارادے کا پکا ہے۔ اور قابلِ اعتماد ہے۔" شارق نے نولکھا سے پوری داستان سننے کے بعد کہا۔

"ہاں .... ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد۔" نولکھا نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ جیجا شلی کھانا لے کر آگیا۔ اس نے دری پر ہی دستر خوان بچھا دیا اور وہ لوگ جیسے ہی کھانا کھانے کے لئے بیٹھے شارق کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ اس نے ہاتھ روک لیا۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"خدا کا ایک بندہ دوسرے کمرے میں بھی ہے۔ اسے بھی کھانا کھلانا ہے۔" شارق بولا۔

"اسے میں کھلا دیتا ہوں جی۔" جیجا شلی نے کہا۔ "میں سب کے لئے لے کر آیا ہوں۔ روٹیاں کم نہیں پڑیں گی۔" اس نے ایک پلیٹ میں کچھ تکہ' کباب رکھے اور دوسری پلیٹ میں دو روٹیاں رکھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد شارق بھی اپنی پلیٹ لے کر اسی کمرے میں آگیا۔ جیجا شلی' ملک حفیظ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ملک حفیظ کے منہ سے کپڑا نکال دیا گیا تھا۔ لیکن وہ کھانا نہیں کھا رہا تھا۔

"یہ روٹی نہیں کھا رہا شارق باؤ۔" جیجا نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملک صاحب؟" شارق اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اپنے پیٹ سے دشمنی کرو گے تو نقصان میں رہو گے۔ پتا نہیں تمہیں کب تک یہاں رہنا پڑے۔ بہتر ہے کہ کھانا کھالو۔ بھوکے رہو گے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی مفقود ہو جائیں گی۔"

"تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" ملک حفیظ نے اسے گھورا۔

"ہم ایک دو دن یہاں رہنا چاہتے ہیں' سکون سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں آتے ہی تم نے ہمیں دیکھ لیا اور یہ ہماری خوش قسمتی بھی ہے کہ تم ہمارے قابو میں آگئے۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ لیکن جب تک ہم یہاں رہیں گے تم ہماری تحویل میں رہو گے۔ جب ہم یہاں سے جائیں گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس دوران تم بھوکے تو نہیں رہ سکتے۔ اس لئے کھانا کھالو۔"

بات ملک حفیظ کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"میرے ہاتھ پیر کھول دو۔ میں اپنے ہاتھ سے کھانا کھاؤں گا۔ اس کے بعد بے شک مجھے دوبارہ باندھ دینا۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "اسے کھول دو۔" اس نے جیجا کو اشارہ کیا۔

جیجا شلی نے ملک حفیظ کے ہاتھ پیر کھول دیئے۔ وہ کچھ دیر تک اپنی کلائیاں اور ٹخنے سہلاتا رہا۔ اور پھر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ شارق اس سے تین چار فٹ کے فاصلے پر سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ کھانے کے دوران ملک حفیظ کوئی حرکت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے

وہ خاصا محتاط نظر آرہا تھا۔

"جیجا۔ پانی لے کر آؤ۔ میرے لئے بھی اور ملک صاحب کے لئے بھی۔" شارق نے کہا۔

جیجا کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد ہی اس نے ایک جگ اور گلاس لاکر وہاں رکھ دیا۔

"جاؤ۔ تم بھی کھانا کھالو۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

جیجا پھر کمرے سے چلا گیا۔ شارق بھی ملک حفیظ کے سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے پانی پی کر گلاس میں دوبارہ پانی بھر دیا۔

ملک حفیظ نے روٹی کا نوالہ منہ میں رکھنے کے بعد پانی کا گلاس اٹھالیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے نوالہ نگلنے کے بعد پانی پینے کا ارادہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ کن انکھیوں سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔

شارق بھی نوالہ چبا رہا تھا۔ اس نے نوالہ حلق سے اتارنے کے بعد روٹی سے دوسرا نوالہ توڑنے کے لئے جیسے ہی نظریں جھکا کر پلیٹ کی طرف دیکھا ملک حفیظ نے گلاس کا پانی اس کے منہ پر اچھال دیا۔

گلاس کا پورا پانی شارق کے منہ پر پڑا۔ روٹی کا نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے پر پہنچ گیا۔ اسی لمحے حفیظ ملک نے کباب والی پلیٹ اٹھا کر اس کے منہ پر دے ماری۔ پلیٹ کا کنارہ شارق کے رخسار کی ہڈی پر لگا۔ شارق کراہ اٹھا۔

ملک حفیظ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ شاید وہ دروازے کے راستے فرار ہونا چاہتا تھا لیکن پھر ارادہ بدل دیا اور کھڑکی کی طرف چھلانگ لگا دی۔

کھڑکی پچھلی گلی کی طرف کھلتی تھی۔ اس کا اوپر والا صرف ایک شیشہ سلامت تھا۔ باقی فریم میں شیشوں کی جگہ گتے لگے ہوئے تھے۔ کھڑکی کی چٹخنی بھی لگی ہوئی تھی۔ ملک حفیظ بڑی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چٹخنی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شارق کو رخسار کی ہڈی پر اگرچہ پلیٹ کے کنارے سے زور دار چوٹ لگی تھی لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ملک حفیظ اس دوران چٹخنی گرا کر کھڑکی کھول چکا تھا اور چوکھٹ پر چڑھ رہا تھا۔ شارق اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے پوری قوت سے اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ ملک حفیظ دونوں ہتھیلیاں کھڑکی کی چوکھٹ پر جمائے اپنے آپ کو اوپر اٹھا چکا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا پیر چوکھٹ پر رکھتا شارق نے اسے گرفت میں لے لیا اور دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر پیچھے کی طرف زور دار جھٹکا دیا۔

aazzamm@yahoo.com

جھٹکا لگنے سے چوکھٹ پر سے ملک حفیظ کے ہاتھ چھوٹ گئے۔ وہ منہ کے بل کمرے کے اندر کی طرف گرا۔ اس کی دونوں ٹانگیں شارق کی گرفت میں تھیں۔ اگر وہ دونوں ہاتھ زمین پر نہ ٹکالیتا تو اس کا چہرہ فرش پر لگتا۔

شارق نے اسے گھسیٹ کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ ملک حفیظ نے زور زور سے چیخنا شروع کردیا۔ شارق نے اس کی ٹانگیں چھوڑ دیں اور اس کی پشت پر سوار ہوکر ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا دیا۔

شور کی آواز سن کر نولکھا اور جیجا شلی وغیرہ بھی دوڑتے ہوئے اسی کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں کی صورت حال دیکھ کر وہ لوگ چونکے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

"کھڑکی بند کردو جیجے!" شارق چیخا۔

جیجے نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کردی۔ شارق نے ابھی تک ملک حفیظ کا منہ دبا رکھا تھا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر اس پر گھونسوں کی بارش کردی۔

"نہیں نولکھا۔ اسے مارو نہیں۔" شارق نے کہا پھر ملک حفیظ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹا رہا ہوں۔ اب اگر تم نے منہ سے کوئی آواز نکالی تو میں' نولکھا کو نہیں روک سکوں گا۔"

اس نے ملک حفیظ کے منہ سے ہاتھ ہٹالیا اور قمیض کے کالر سے پکڑ کر اسے ایک جھٹکے سے اٹھا دیا۔

"میں تمہیں کوئی الزام نہیں دوں گا۔" وہ ملک حفیظ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "فرار کی کوشش کرنا تمہارا حق تھا۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یہی کرتا۔ لیکن اب تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ سمجھے۔"

"تم لوگ بچ کر نہیں جاسکو گے۔" حفیظ ملک نے غراتے ہوئے کہا۔

"یہ جملہ میں کئی بار سن چکا ہوں یار۔" شارق نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا' لیکن تم نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ نولکھا۔" اس نے نولکھا کی طرف دیکھا۔

"اسے باندھ کر ڈال دو۔" کھانا دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

جیجا شلی اور نولکھا نے فوراً ہی حفیظ ملک کو دبوچ لیا اور اس کے ہاتھ پیر باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا۔

"میرا خیال ہے یہ کمرہ اس کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ کیا کوئی اور کمرہ ایسا ہے جہاں اسے

رکھا جائے اور ہم رات کو سکون کی نیند سوسکیں۔" شارق نے جیجا شلی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسے دوسرے کمرے میں پھینک دیتا ہوں شارق باؤ۔ وہاں کوئی کھڑکی بھی نہیں ہے۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے اٹھا کر اسی کمرے میں ڈال آؤ۔" شارق بولا۔

جیجا شلی اور نولکھا نے حفیظ ملک کو اٹھالیا۔ شارق بھی ان کے ساتھ کمرے میں نکل آیا۔ ثمینہ اور شاہ پری برآمدے میں کھڑی تھیں۔ شارق انہیں لے کر دوبارہ اسی کمرے میں آگیا جہاں وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد جیجا شلی اور نولکھا بھی آگئے اور دوبارہ کھانا کھانے لگے۔

"اس بندے کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا شارق باؤ۔ ورنہ یہ ہمارے لئے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" کھانے کے بعد جیجا شلی نے کہا۔

"یہ کیسے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"یہ پولیس کا بندہ ہے شارق باؤ۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "کچھ عرصہ پہلے ہی ٹرانسفر ہوکر یہاں آیا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہے۔ لیکن جب یہ گھر نہیں پہنچے گا تو اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ رات بارہ ایک بجے تک ہوسکتا ہے اس کے گھر والے اپنے طور پر اسے تلاش کرتے رہیں۔ لیکن اس کے بعد پولیس کی طرف سے اس کی تلاش شروع ہوجائے گی اور تم جانتے ہو کہ پولیس شہر کے تمام مشتبہ لوگوں سے پوچھ گچھ کرے گی۔"

"تو کیا تم بھی مشتبہ لوگوں کی فہرست میں ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"میں اگرچہ سارے دھندے چھوڑ چکا ہوں' لیکن پولیس کی لسٹ میں میرا نام اب بھی موجود ہے ہوسکتا ہے وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے میرے دروازے پر بھی پہنچ جائیں۔ اسی صورت میں...."

"میں سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔" اس کا مطلب ہے کہ ہمیں آدھی رات سے پہلے پہلے اسے لے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ لیکن تمہارے خیال میں اور کونسی جگہ محفوظ ہوسکتی ہے؟"

"ایک جگہ ہے میری نظروں میں۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اکرم سیال میرا بہت گہرا دوست ہے۔ ہمیں اس کے ڈیرے پر جگہ مل سکتی ہے۔"

"اکرم سیال کون ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"زمیندار ہے۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اس کا باپ میرے باپ کا دوست تھا۔ ان کی زمینوں پر پیدا ہونے والا سارا اناج ہمارے ذریعے منڈی میں آتا تھا۔ باپ کی موت کے بعد اکرم سیال نے زمینداری سنبھال لی تھی۔ میرے ساتھ اس کے بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ میرے والد کے قتل کے بعد جب غلام رسول سے میری دشمنی چلی تھی تو اکرم سیال نے میری بڑی مدد کی تھی۔ مجھے امید ہے کہ وہ اس معاملے میں بھی میری مدد کرے گا۔ ہمیں اس کے ڈیرے پر جگہ مل جائے گی۔"

"اس کا ڈیرا کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"شہر سے تقریباً" دو میل دور۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اس کی اپنی رہائش تو گاؤں میں ہے۔ ڈیرا گاؤں سے آدھا میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں اس کا صرف ایک ہی آدمی رہتا ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں ہمیں ابھی روانہ ہو جانا چاہئے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں' عقلمندی کا تقاضا یہی ہے۔" جیجا نے سرہلایا۔ "تو ٹھیک ہے۔ تیاری کرو۔" شارق بولا۔

اور پھر آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ اس مکان سے نکل رہے تھے۔ جیجا شلی کا مکان حیدری محلے میں تھا۔ گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ ایک کشادہ سڑک پر نکل آئے اور سڑک پار کرکے ایک اور گلی میں گھس گئے۔

حفیظ ملک کو ایک چادر اوڑھا دی گئی تھی اور شارق اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے پستول کی نالی ملک حفیظ کے پہلو سے لگا رکھی تھی اور اسے بہت واضح الفاظ میں یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر اس نے بھاگنے یا کسی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو اسے بے دریغ گولی مار دی جائے گی۔

وہ لوگ شہر سے نکل کر ریلوے لائن کے پاس آگئے۔ سب سے آگے جیجا شلی تھا۔ اس کے پیچھے ملک حفیظ اور شارق تھے۔ ان کے پیچھے ثمینہ اور شاہ پری۔ آخر میں نولکھا لڑھکتا ہوا نظر آرہا تھا۔

ریلوے لائن کے دائیں طرف ایک قبرستان تھا اور بالکل قریب ایک مزار جس پر جھنڈے لگے ہوئے تھے اور بتیاں جل رہی تھیں۔

"یہ شاید کسی بزرگ کا مزار ہے۔" شاہ پری نے ثمینہ سے پوچھا۔

"یہ اس ہستی کا مزار ہے جس نے اس خطے میں عشق و محبت کی ایک لازوال داستان رقم کی تھی۔ آج وہ ہستی اگرچہ منوں مٹی کے نیچے دفن ہے لیکن اس کا نام آج بھی زندہ ہے۔"

"میں سمجھی نہیں' کون ہے وہ ہستی؟" شاہ پری نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کا نام ہیر ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر اسے ہیر' رانجھا کی داستان سنانے لگی۔ آخر وہ کہہ رہی تھی۔ "لوگ بڑی تعداد میں اس مزار پر منتیں ماننے کے لئے آتے ہیں۔"

"سچ کہہ رہی ہو۔" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے آج محبت زندہ ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی محبت میں ثابت قدم نہ رہتے تو ہمیں ایسی داستانیں سننے کو بھی نہ ملتیں۔"

"ہاں۔ محبت زندہ باد۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ لوگ آبادی سے دور کھیتوں میں پہنچ چکے تھے۔ وہ ایک تنگ سی پگڈنڈی تھی جس پر وہ چل رہے تھے۔ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ایک جگہ ثمینہ کا پیر پھسل گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ شاہ پری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن ثمینہ پوری طرح بے توازن ہوچکی تھی۔ وہ شاہ پری کو بھی ساتھ لیتی ہوئی پگڈنڈی سے کھیت میں جاگری تھیں۔ کھیت میں پانی تھا۔ دونوں شٹراپ کی آواز سے کھیت میں گری تھیں اور دونوں کے منہ سے ہلکی سی چیخیں نکل گئی تھیں۔

شارق وغیرہ فوراً" ہی اس طرف متوجہ ہوگئے۔ نولکھا اور جیجا شلی آگے بڑھ کر انہیں اٹھانے لگے۔ شارق بھی اس طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ایک لمحہ کو وہ بھول گیا تھا کہ اس نے ملک حفیظ کو پستول سے کور کر رکھا تھا۔

ملک حفیظ کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر شارق کے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی اور کھیتوں میں ایک طرف بھاگ نکلا۔

ملک حفیظ کی یہ حرکت شارق کے لئے بالکل غیر متوقع تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور کھیت میں جاگرا۔ شارق خود بھی لڑکھڑا گیا تھا اور جب وہ سنبھلا تو ملک حفیظ تقریباً" بیس گز دور نکل چکا تھا۔

"رک جاؤ ملک ورنہ گولی مار دوں گا۔" شارق چیخا۔

لیکن ملک حفیظ نہیں رکا۔ شارق زبانی طور پر تو اسے گولی مار سکتا تھا لیکن اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ تاریکی میں کھیت میں پستول تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے ملک حفیظ کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

aazzamm@yahoo.com

ملک حفیظ پگڈنڈی پر دوڑتا ہوا ایک دوسرے کھیت کی طرف مڑ گیا۔ شارق بھی پوری قوت سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ اس بات سے بھی ڈر رہا تھا کہ اگر پگڈنڈی پر اس کا پیر پھسل گیا تو ثمینہ اور شاہ پری کی طرح وہ بھی پانی میں جاگرے گا اور پھر ملک حفیظ کا ہاتھ آنا مشکل ہو جائے گا۔ تاریکی اور کھیتوں میں وہ اس طرح غائب ہوگا کہ اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ملک حفیظ کے ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ پولیس ایک بار پھر ان کے پیچھے لگ جائے گی اور پھر وہی پرانا چکر شروع ہو جائے گا۔ جبکہ وہ اس سے بچنا چاہتا تھا۔

وہ تیزی سے دوڑتا ہوا دوسرے کھیت کی منڈیر پر پہنچ گیا۔ اس کے اور ملک حفیظ کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہ فاصلہ جیسے ہی مزید کم ہوا شارق نے چھلانگ لگا دی اور ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر جاگرا۔

وہ دونوں منڈیر سے لڑھکتے ہوئے کھیت میں جا گرے۔ اتفاق سے اس کھیت میں پانی نہیں تھا۔ شارق' ملک حفیظ کے اوپر تھا اور اس کی گردن کو بازوؤں کی لپیٹ میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ملک حفیظ نے اپنا بازو موڑ کر اس کے سر کے بال پکڑ لئے اور زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پوری قوت سے لوٹ لگا دی تھی۔

شارق دائیں طرف لڑھک گیا۔ ملک حفیظ نے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے شارق کے چہرے پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ ایک گھونسا شارق کی ناک پر لگا۔ چوٹ خاصی زور دار تھی۔ اس کا دماغ جھنجھنا گیا۔ ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔

شارق کو بھی سنبھلنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک حفیظ کی کلائی پکڑلی اور پوری قوت سے اسے مروڑنے لگا اس کے ساتھ ہی اس نے سنبھلتے ہوئے سر سے اس کے چہرے پر ٹھوکر ماری۔

ملک حفیظ بلبلا اٹھا۔ اس کی ناک سے بھی خون بہہ نکلا تھا۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر شارق اس سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ بھاگنے یا کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔" شارق نے غراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے تھے۔ تمہارا خیال تھا کہ تم بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔ لیکن شاید تم بھول گئے تھے کہ میرا نام شارق ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن تم نے خود ہی میرے غیض کو للکارا ہے۔"

شارق نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔ ملک حفیظ کچھ دیر تک پٹتا رہا پھر وہ بھی سنبھل گیا۔ وہ دونوں اب دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ کبھی شارق نیچے آجاتا اور کبھی ملک حفیظ

..... کھیت کے پودے ان کے نیچے دب رہے تھے۔ بالآخر ملک حفیظ کو موقع مل گیا اور اب وہ شارق پر ٹھوکروں کی بارش کر رہا تھا۔ لیکن ملک حفیظ زیادہ دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکا تھا کیونکہ نولکھا نے اسے پیچھے سے دبوچ لیا تھا۔

ملک حفیظ اب نولکھا کے شکنجے میں تھا۔ نولکھا کی دونوں بانہیں اس کے گلے میں لپٹی ہوئی تھیں اور ملک حفیظ کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ نولکھا نے زور دار جھٹکا دے کر اسے چھوڑ دیا۔

ملک حفیظ منہ کے بل پودوں میں گرا۔ کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا پھر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ شارق نے اسے قمیض کے کالر سے پکڑ کر اٹھایا۔ ثمینہ' شاہ پری اور جیجا شلی بھی اس دوران وہاں پہنچ گئے۔

"اب تم شرافت سے ہمارے آگے آگے چلتے رہو۔ شارق نے ملک حفیظ کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ میری طرف سے آخری وارننگ ہے۔ اب اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ملک حفیظ کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے آستین سے خون صاف کیا اور پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ شارق کی ناک اور ہونٹوں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ وہ بھی ملک حفیظ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے آستین سے خون پونچھ رہا تھا۔

"گاؤں کتنی دور ہے جیجا۔" اس نے چلتے چلتے پوچھا۔

"وہ بائیں طرف بستی نظر آرہی ہے نا وہ اکرم سیال کے ٹیوب ویل کی ہے۔ اس کے بائیں طرف تقریباً" نصف میل کے فاصلے پر گاؤں ہے۔" جیجا نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کھیتوں میں دور تقریباً" نصف میل کے فاصلے پر مدھم روشنی نظر آرہی تھی۔ اس کے بائیں طرف بھی بہت دور ایک بہت مدھم سی روشنی جھلملاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"کس طرف جانا ہے۔" شارق نے پوچھا۔ "گاؤں کی طرف یا ٹیوب ویل کی طرف۔"

"پہلے ٹیوب ویل کی طرف چلتے ہیں۔ تم لوگوں کو وہاں چھوڑ کر میں گاؤں کی طرف چلا جاؤں گا۔" جیجا شلی نے کہا۔ "تو چلو ..... آگے چلو۔" شارق نے کہا۔

وہ لوگ پگڈنڈی پر تیز تیز چلنے لگے۔ شاہ پری اور ثمینہ کی عجیب سی حالت تھی۔ پانی بھرے کھیت میں گرنے سے ان کے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو رہے تھے۔ ہاتھوں اور چہروں پر بھی کیچڑ پت گئی تھی۔ ان کے پیر بھی کیچڑ میں بھرے ہوئے تھے۔ اس طرح انہیں چلنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر گھومتے ہوئے وہ تقریباً" چالیس منٹ میں ٹیوب ویل پر پہنچے تھے۔ ٹیوب ویل چل رہا تھا۔ ایک پختہ کوٹھری میں ٹیوب ویل کی موٹریں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ اس کے سامنے ایک پختہ حوض بنا ہوا تھا جس میں پانی گر رہا تھا۔ اس حوض سے آگے تقریباً" دو فٹ چوڑا پختہ نالہ تھا۔ پانی اس نالے سے بہتا ہوا کھیتوں کی طرف جا رہا تھا۔

ٹیوب ویل والی کوٹھری کے دوسری طرف ایک اور کمرہ تھا۔ اس طرف بھی ایک بلب جل رہا تھا۔ کمرے کے سامنے ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جس کے سامنے ایک حقہ بھی رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" نولکھا بولا۔ "حیرت ہے یہاں کا رکھوالا ٹیوب ویل کھلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔"

"میرا خیال ہے وہ پانی لگانے کے لئے کھیتوں کی طرف گیا ہوگا۔" جیجا نے کہا۔

وہ لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ہی بائیں طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

"کون ہو تم لوگ ... اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔"

آوازیں سن کر وہ سب اچھل پڑے۔ ایک آدمی درخت کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے ان پر ڈبل بیرل رائفل تان رکھی تھی۔

"اپنے ہی آدمی ہیں دین محمد۔ بندوق تاننے کی ضرورت نہیں۔" جیجا شلی نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چند سیکنڈ بعد ہی وہ آدمی درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ جیجا شلی کو پہچان کر اس نے بندوق نیچے کرلی تھی۔

"کیا بات ہے جیجے؟ رات کو اس وقت ..... یہ کون لوگ ہیں۔" دین محمد کہتے ہوئے باری باری ان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تیس بتیس سال کا کڑیل جوان تھا۔ چہرے پر بھاری مونچھیں اسے بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

"اپنے بیلی ہیں۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "میں انہیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ سیال صاحب سے ایک بہت ضروری کام ہے۔"

"اس وقت تو سیال صاحب سو گئے ہوں گے ..... معاملہ کیا ہے؟" اس نے ایک بار پھر حفیظ اور شارق کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی قمیض بھی خون آلود ہو رہی تھیں "کوئی قتل کا معاملہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "لیکن میرا اس وقت اکرم

سیال سے ملنا بہت ضروری ہے۔" وہ دین محمد کو ایک طرف لے گیا اور مدھم لہجے میں اس سے باتیں کرنے لگا۔

"پولیس کا چکر تو نہیں؟" دین محمد نے پوچھا۔

"نہیں، کوئی چکر نہیں ہے۔" جیجا نے جواب دیا۔

"تو پھر ایسا کرو کہ تم انہیں لے کر ڈیرے پر چلے جاؤ۔ وہاں فتح محمد ہوگا۔ وہ تو تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔ رات ڈیرے پر آرام کرو۔ صبح گاؤں جاکر سیال صاحب سے مل لینا۔"

"اگر فتح محمد نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا تو؟" جیجا شلی بولا۔

"چلو .... میں ڈیرے تک تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" دین محمد نے کہا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔

وہ ایک بار پھر کھیتوں میں پگڈنڈیوں پر چلنے لگے۔ ڈیرا وہاں سے تقریباً" ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ دو کچے مکان تھے۔ ایک مکان کے ساتھ بہت بڑا احاطہ بھی تھا۔ جبکہ دوسرا مکان صرف دو کمروں پر مشتمل تھا۔

احاطے والے مکان کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ دین محمد چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر فتح محمد کو آوازیں دینے لگا۔ تقریباً" دو منٹ بعد ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور دین محمد ہی کی طرح کا ایک ہٹا کٹا آدمی باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی لیکن چہرے کو دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ وہ سوتے میں سے اٹھ کر آیا ہے۔

"کیا بات ہے دین محمد۔ یہ لوگ کون ہیں؟" فتح محمد نے پوچھا۔ اس کا لہجہ بھی خواب آلود تھا۔

"یہ جیجا شلی ہے اور اس کے ساتھ سیال صاحب کے مہمان ہیں۔ انہیں اندر لے جاؤ۔ یہ لوگ رات کو یہیں رہیں گے۔" دین محمد نے کہا۔

"سیال صاحب کے مہمان۔ رات کو یہاں رہیں گے۔ میں سمجھا نہیں۔" فتح محمد بولا۔

"میں صبح تمہیں سمجھا دوں گا۔ ابھی کمرے تو کھول دے۔" دین محمد نے کہا۔

فتح محمد چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور انہیں اشارہ کرتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں آگئے اور دوسرے دروازے سے گزرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔

اس طرف بہت وسیع و عریض صحن تھا۔ صحن کے دوسری طرف ایک بہت بڑا شیڈ تھا جس میں بھینسیں وغیرہ بندھی ہوئی تھی۔ اس شیڈ کے ساتھ ایک کمرہ تھا جس میں غالباً" مویشیوں کا چارہ

aazzamm@yahoo.com

وغیرہ رکھا جاتا تھا۔

جس کمرے سے وہ باہر نکلے تھے اس کے ساتھ دو کمرے اور تھے' ان کے سامنے ایک مختصر سا برآمدہ بھی تھا۔ دین محمد نے آگے بڑھ کر برآمدے کی بتی جلا دی اور دونوں کمروں کے دروازے کھول دیئے۔

یہ مکان باہر سے بظاہر کچا ہی لگتا تھا لیکن اندر سے بہت شاندار تھا۔ دونوں کمروں میں پلنگ بچھے ہوئے تھے اور آرام دہ کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کمرے میں صوفہ سیٹ بھی تھا۔

وہ لوگ کمروں میں سے ہو کر دوبارہ برآمدے میں آگئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ برآمدے کے سامنے ایک مختصر سا لان بھی بنا ہوا تھا۔ گھاس کے قطعے کے اردگرد پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں اور لان کے عین وسط میں ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا۔

یہ فوارہ چلتا ہے کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں جی۔" فتح محمد نے جواب دیا۔ "شہر سے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں بہت سی سہولتیں ہیں۔ ڈیرے پر اور گاؤں میں بجلی بھی ہے۔ پر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی جی۔ آپ سیال صاحب کے مہمان ہیں۔ گاؤں والے مکان میں کیوں نہیں ٹھہرے جی۔"

"صبح یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" شارق کے بجائے جیجا شلی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جی۔ فتح محمد نے کہا۔ "آپ لوگ آرام کریں جی۔ میں اپنے باہر والے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

فتح محمد باہر چلا گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اکرم سیال کے وہ مہمان زخمی کیوں ہیں۔ اسے شاید ایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔

شاہ پری اور ثمینہ ایک کمرے میں آگئیں۔ ان کے کپڑے کیچڑ سے لت پت تھے اور پانی میں تر ہو رہے تھے۔ شارق وغیرہ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ ملک حفیظ کو بھی وہ اسی کمرے میں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد ثمینہ نے کمرے کا دروازہ بند کرکے اپنے کپڑے اتار دیئے اور بستر کی چادر اتار کر جسم پر لپیٹ لی۔ بستر پر ایک اور چادر بھی تھی۔ شاہ پری نے بھی اپنے کپڑے اتار کر وہ چادر لپیٹ لی اور دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر آگئیں۔ ثمینہ نے برآمدے کا بلب بجھا دیا۔

لان میں فوارے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئیں۔ ان دونوں نے حوض کے پانی سے کپڑے دھو کر گھاس پر پھیلا دیئے اور ادھر ادھر دیکھتی ہوئی چادریں اتار کر حوض میں اتر گئیں۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد وہ حوض میں سے نکلیں اور چادریں لپیٹ کر کمرے میں آگئیں۔

ثمینہ نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور دونوں پلنگ پر لیٹ گئیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھیں۔

اکرم سیال کو صبح سویرے ہی اطلاع ہوگئی تھی۔ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ڈیرا پر پہنچ گیا۔ شارق اور اس کے تمام ساتھی اس وقت گہری نیند سو رہے تھے۔ اکرم سیال' فتح محمد کے ساتھ ڈیرے کے صحن میں داخل ہوا تو فوارے کے قریب گھاس پر زنانہ کپڑے پھیلے ہوئے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"یہ کس کے کپڑے ہیں فتح محمد؟" اس نے پوچھا۔

"جیجا شلی کے ساتھ مہمانوں میں دو خوبصورت لڑکیاں بھی ہیں سیال جی!" فتح محمد نے راز دارانہ لہجے میں جواب دیا۔ "رات کو جب وہ لوگ یہاں آئے تھے تو ان لڑکیوں کے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔ میرا خیال ہے اس طرف آتے ہوئے کسی کھیت میں گر گئی ہوں گی۔ لیکن ..... رات کو کس طرح انہوں نے یہ کپڑے دھو کر یہاں ڈال دیئے ہیں تو ....."

آگے بول ... رک کیوں جاتا ہے۔" اکرم سیال نے اسے گھورا۔

"تو انہوں نے پہنا کیا ہوگا۔ ان کے پاس تو کوئی سامان بھی نہیں تھا۔" فتح محمد نے کہا۔

"اچھا۔" اکرم سیال نے ہنکارہ بھرا۔" جیجا شلی کو بلاؤ۔ وہ انہی کمروں میں سے کسی میں سو رہے ہوں گے۔"

فتح محمد برآمدے میں پہلے کمرے کے دروازے کے سامنے رک گیا اور دستک دینے لگا۔ تیسری مرتبہ دستک دینے کے بعد اندر سے ثمینہ کی خمار آلود سی آواز سنائی دی۔

"کون ہے۔ کیا بات ہے؟"

"دروازہ کھولو جیجا۔ سیال صاحب آئے ہیں۔" فتح محمد نے کہا۔ "اس نے نسوانی آواز پہچان تو لی تھی لیکن اس نے جان بوجھ کر جیجا کا نام لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سب لوگ ایک ہی کمرے میں ہوں گے۔

"جیجا ساتھ والے کمرے میں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

فتح محمد دوسرے کمرے کے سامنے آگیا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔ دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ جیجا شلی آنکھیں ملتا ہوا باہر آگیا اور پھر اکرم سیال کو دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔ اکرم سیال بڑی گرمجوشی سے اس سے ملا تھا۔ جیجا شلی کے پیچھے شارق اور نولکھا بھی کمرے سے نکل آئے تھے۔ شارق کی ناک اور ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔

"جیجا شلی نے ان دونوں کا تعارف کرایا تو سیال نے ان سے بھی بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ جیجا شلی' ملک اکرم سیال کو فوارے کے قریب لے گیا اور وہاں کھڑے ہو کر مدھم لہجے میں باتیں کرنے لگا۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے تک وہاں کھڑے رہے پھر برآمدے میں واپس آگئے۔

"شارق باؤ۔" سیال اس سے ایک بار پھر گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔" تم کسی قسم کا فکر مت کرو۔ یہ میرا ڈیرا ہے۔ پولیس بھی میری اجازت کے بغیر میری زمینوں کی حدود میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ تم جب تک چاہو یہاں رہو۔ آزادی سے گھومو پھرو۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ تم جیجا شلی کے دوست ہو۔ اس ناطے میرے بھی دوست ہو۔ جیجا شلی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ تم لوگوں کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"شکریہ سیال صاحب۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں زیادہ دن تو یہاں نہیں رہنا۔ لیکن آپ کی باتوں سے ہمیں تسلی ہوئی ہے۔ مگر ہمارے ساتھ ایک اور مسئلہ بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" سیال نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس کا ایک سب انسپکٹر ہماری قید میں ہے۔" شارق نے کہا۔ کل شام کو ہم یہاں پہنچے تو اتفاق سے اس سے ہمارا سامنا ہوگیا تھا۔ اس نے پستول کی زد میں ہمیں حراست میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن خود ہماری حراست میں آگیا۔ ہم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ لیکن اسے چھوڑنا ہمارے لئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔"

"کون ہے' کہاں ہے وہ؟" سیال نے پوچھا۔

"ملک حفیظ نام ہے اس کا' اور اس وقت وہ کمرے میں بندھا پڑا ہے۔" شارق نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"ملک حفیظ۔" سیال چونک سا گیا۔ "وہ تو بہت گھاگھ آدمی ہے۔ پہلے وہ فیصل آباد میں تھا۔ اسے یہاں آئے ہوئے چند ہفتوں سے زیادہ نہیں ہوئے لیکن اس نے یہاں کھلبلی سی مچا دی ہے۔ اس نے میرے ایک بندے کو بھی شہر میں پکڑ کر بند کردیا تھا۔ ملک حفیظ سے میرا صرف ایک مرتبہ سامنا ہوا تھا۔ میں نے اپنے بندے کو تو اسی روز چھڑا لیا تھا لیکن ملک حفیظ نے مجھے دھمکی دی تھی۔ کہ میرا بندہ زیادہ دنوں تک باہر نہیں رہ سکے گا اور اتفاق سے آج ملک حفیظ میری ہی زمین پر قیدی کی حیثیت سے موجود ہے۔"

"سیال صاحب۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ واقعی اتفاق ہے کہ وہ اس وقت آپ کی زمین پر موجود ہے۔ لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔"

"میری بات کا غلط مطلب نہ لو شارق باؤ۔" اکرم سیال نے کہا۔ "جب تک وہ یہاں ہے

اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم مطمئن رہو۔ اس کا بھی پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

"شکریہ سیال صاحب۔" شارق نے کہا۔

"وہ ہے کہاں ..... میں ذرا اس کی شکل تو دیکھوں۔" سیال نے کہا۔

"وہ اس کمرے میں ہے۔" شارق نے جواب دیا اور وہ لوگ کمرے میں آگئے۔

ملک حفیظ صوفے پر بندھا پڑا تھا۔ وہ بھی ان کی آوازیں سن کر جاگ گیا تھا۔ اکرم سیال کو دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"کیوں بھئی ملک۔" سیال اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے کہتے ہیں نا مکافاتِ عمل۔ تم نے میرے بندے کو بند کردیا تھا اور اب خود یہاں بند ہو۔ لیکن پریشان مت ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کروں گا' اور یہاں میری طرف سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہارا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

"میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے چھوڑ دو۔" ملک حفیظ نے کہا۔ "یہ بات ذہن میں رکھو کہ تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔ آج نہیں تو کل قانون کی گرفت میں ضرور آؤ گے۔"

"تمہیں چھوڑنا یا نہ چھوڑنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔" سیال نے جواب دیا۔ "تم میرے نہیں ان کے مہمان ہو۔ تمہارے بارے میں جو بھی فیصلہ ہوگا وہ یہ لوگ کریں گے۔ البتہ میں ان لوگوں سے اتنی سفارش ضرور کرسکتا ہوں کہ تمہیں اس طرح باندھ کر نہ رکھا جائے۔ اس احاطے کے باہر ایک اور کمرہ ہے۔ تمہارے ہاتھ پیر کھول کر تمہیں اس کمرے میں بند رکھا جاسکتا ہے۔ کمرے کے اندر تم آزادی سے اٹھ بیٹھ سکو گے۔ وہاں بستر بھی موجود ہے۔ آرام سے سوتے رہنا۔" ملک حفیظ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شارق وغیرہ کے ساتھ کمرے سے باہر آگیا اور فتح محمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"فتح محمد! چائے تو بنا اور پھر پنڈ جاکر گھر سے ناشتا بنوا لا اور دیکھ۔ پنڈ میں کسی کو پتا نہیں چلنا چاہئے کہ ڈیرے میں کون مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جی۔" فتح محمد کہتے ہوئے باہر کے دروازے کی طرف چلا گیا۔

"آؤ جی۔ بیٹھک میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" اکرم سیال نے کہا۔ "وہاں باتیں ہوں گی۔"

وہ تیسرے کمرے میں آگئے۔ یہ کمرہ انہوں نے رات کو نہیں دیکھا تھا۔ سیال نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ شارق اس کمرے کو دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ پختہ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور بہت ہی قیمتی اور شاندار صوفے آراستہ تھے۔ چھت پر تین بہت ہی خوبصورت فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ ایک بڑا اور دو چھوٹے۔ بڑا فانوس

aazzamm@yahoo.com

درمیان میں تھا اور چھوٹے دائیں بائیں۔ دیواروں پر' خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں۔ چند آرائش کی چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرے کو دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کھیتوں میں ہیں۔

"سیال صاحب۔" شارق ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ جگہ ہے تو گاؤں میں لیکن یہ ڈیرا تو آپ نے شہر بنا رکھا ہے۔"

"او جی۔ شہروں کے مہمان سیر و تفریح کے لئے آتے رہتے ہیں۔ ان کے آرام اور پسند کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے نا جی۔" سیال نے جواب دیا۔

وہ لوگ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد شارق اٹھ گیا۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے آپ سے معذرت چاہوں گا سیال صاحب۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ساتھ دراصل دو خواتین بھی ہیں۔ میں ذرا یہ دیکھ آؤں کہ وہ بھی جاگ گئی ہیں یا نہیں۔"

"ضرور دیکھ آؤ۔" سیال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

شارق بیٹھک سے نکل کر ثمینہ والے کمرے کے سامنے آگیا اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ثمینہ نے پوچھا۔

"میں ہوں ثمینہ۔ دروازہ کھولو۔" شارق نے کہا۔

اندر سے کنڈا گرانے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ شارق نے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ پوری طرح کھولنا چاہا مگر ثمینہ نے اسے روک دیا۔ تب شارق چونک گیا۔ ثمینہ اپنے لباس میں نہیں تھی۔ وہ بستر کی چادر لپیٹے کھڑی تھی۔

"ہمارے کپڑے باہر گھاس پر پڑے ہیں۔ وہ اٹھا کر دے دو۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق نے مڑ کر لان کی طرف دیکھا اور اس نے پہلی مرتبہ گھاس پر پھیلے ہوئے کپڑے دیکھے۔ حالانکہ وہ اکرم سیال اور جیجا کے ساتھ کتنی دیر تک برآمدے میں کھڑا باتیں کرتا رہا تھا مگر لان کی طرف اس نے توجہ نہیں دی تھی۔

"رات کو ہم دونوں نے کپڑے دھو کر وہاں ڈال دیئے تھے۔ اس وقت ہم دونوں بستر کی چادریں اوڑھے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کپڑے سوکھ گئے ہوں گے وہ ہمیں دے دو۔ نہ بھی سوکھے ہوں گے تو ہم گیلے ہی پہن لیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق لان میں جاکر کپڑے اٹھایا لایا جو ابھی پوری طرح نہیں سوکھے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کپڑے ثمینہ کو تھما دیئے۔ ثمینہ نے دھڑ سے دروازہ بند کرلیا اور شارق برآمدے میں کھڑا باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

مشرقی افق پر سفیدی پھیل رہی تھی۔ صبح کے ہلکے اجالے میں ہوا کے جھونکوں سے لہلہاتی ہوئی فصلیں بڑا سحر آگیں منظر پیش کر رہی تھیں۔ ایسا حسین اور دلفریب منظر شارق نے بہت عرصہ بعد دیکھا تھا۔ وہ اس قدر محو تھا کہ اسے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ کب کمرے کا دروازہ کھلا اور کب شاہ پری اس کے قریب آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ چونکا تو وہ اس وقت جب شاہ پری کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"کتنا خوبصورت ہے تمہارا ملک۔"

"ہاں۔" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "ہمارا ملک واقعی بہت خوبصورت ہے۔ لیکن ہم ہی بدقسمت ہیں کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اس کا حسن بگاڑ رہے ہیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے وطن کی وہ خدمت نہیں کر رہے جو کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس ہم تو اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔"

"یہ بھی اچھی بات ہے کہ تمہیں احساس ہوگیا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

مجھے تو احساس ہوگیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ مجھے اس دلدل سے نکلنے نہیں دیں گے۔ دراصل ہمارے اس ملک کا نظام بالکل مختلف ہے۔ دولت کی ہوس نے ہر شخص کو اندھا کر رکھا ہے۔ وہ سرکاری آفیسر یا تاجر' قانون شکن ہو یا قانون کا محافظ' وہ صرف اور صرف دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے۔ دولت کے حصول کے لئے ہر ناجائز ہتھکنڈہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیجا شلی کی داستان تم سن چکی ہو۔ یہ شریف باپ کا بیٹا تھا اور شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن اسے غلط راستے پر چلنے پر مجبور کیا گیا۔ اس نے اپنے تحفظ کے لئے قانون کی مدد حاصل کرنا چاہی' مگر قانون کے محافظوں نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اس دلدل میں دھنس گیا اور جب اس نے اس دلدل سے نکلنا چاہا تو اس کے راستے میں ایک بار پھر رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اس کا حشر تم دیکھ رہی ہو۔ اس نے بڑی شاندار زندگی گزاری ہے لیکن آج وہ نان شبینہ تک کا محتاج ہے لیکن آفریں ہے جیجا شلی پر۔ اس نے ہر ظلم اور زیادتی برداشت کرلی لیکن اپنا ارادہ نہیں بدلا۔ اس کا بیٹا قتل کے الزام میں جیل میں ہے' اور وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ بیٹے کا مقدمہ لڑنے کے لئے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرسکے۔ ہوسکتا ہے بیٹے کو بچانے کے لئے وہ ایک بار پھر غلط

aazzamm@yahoo.com

راستے پر چل نکلے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اسے دوبارہ اس دلدل میں نہیں دھنسنے دوں گا۔"

"یہ سب کچھ صرف تمہارے ملک ہی میں نہیں ہوتا۔" شاہ پری نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ ہوس زر نے ہر شخص کو اندھا کر رکھا ہے۔"

"چائے بن گئی ہے شارق باؤ۔" اپنے عقب میں جیجا شلی کی آواز سن کر شارق چونک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ جیجا شلی اس سے چند گز پر کھڑا تھا اور کافی دیر سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ "تم لوگ بھی بیٹھک ہی میں آجاؤ۔"

"اچھا چلو۔ ہم آرہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

اسی وقت ثمینہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔ شاہ پری اس وقت کھیتوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک یکہ اس طرف آرہا تھا۔ یکے پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ہی یکہ احاطے کے باہر آکر رک گیا۔ یکے پر دودھ کے بڑے بڑے خالی برتن بھی لدے ہوئے تھے۔ وہ دونوں آدمی برتن اٹھا کر احاطے کا پرلی طرف کا پھاٹک کھول کر اندر آگئے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" ثمینہ بولی۔

"اکرم سیال کے بندے ہیں۔ بھینسوں کا دودھ دوہنے آئے ہیں۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔

ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر شیڈ کے نیچے بندھی ہوئی بھینسیں بھی ڈکرانے لگی تھیں۔ وہ دونوں آدمی آتے ہی اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ ایک آدمی شیڈ سے گوبر وغیرہ صاف کرنے لگا اور دوسرا مویشیوں کے لئے چارہ تیار کرنے لگا۔

شارق اور ثمینہ وغیرہ نے فوارے والے حوض سے منہ ہاتھ دھویا اور وہ لوگ جیجا شلی کے ساتھ بیٹھک میں آگئے۔

اکرم سیال گہری نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی زیادہ توجہ شاہ پری پر مرکوز تھی۔ اسے ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ شاہ پری کون ہے۔ لیکن اس کی سرخ و سفید رنگت اور باتوں سے وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس علاقے کی رہنے والی نہیں ہے۔ شاہ پری اردو زبان میں اٹک اٹک کر بات کر رہی تھی۔ شاہ پری نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ اکرم سیال اس میں زیادہ دلچسپی لے رہا ہے وہ اپنے آپ کو سمیٹے ہوئے بیٹھی رہی۔

"اوے فتح محمد۔" اکرم سیال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ملک حفیظ کو بھی چائے پلا دو اور میرا خیال ہے اس کے ہاتھ پیر کھول کر اسے باہر والے کمرے میں بند کردو۔ ہاتھ پیر بندھے رہنے سے تو وہ مفلوج ہو جائے گا۔"

"اچھا جی۔" فتح محمد کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ لوگ چائے پیتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد دو آدمی گاؤں میں اکرم سیال کے گھر سے ناشتا بھی لے کر آگئے۔ پراٹھے' انڈے اور ساتھ میں سالن بھی تھا۔ انہوں نے بیٹھک ہی میں بیٹھ کر ناشتا کیا۔ ملک حفیظ کو بھی اس کمرے میں ناشتا دے دیا گیا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ لوگ لان میں آگئے۔ سورج نکل چکا تھا اور چاروں طرف رو پہلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"تم لوگ چاہو تو اس احاطے سے باہر نکل کر آس پاس کھیتوں میں گھوم پھر سکتے ہو۔ لیکن زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ایک آدمی کو شہر بھیج کر وہاں کی صورت حال معلوم کرتا ہوں۔" اکرم سیال نے کہا۔

تقریباً" اسی وقت شاہ پری نے ثمینہ کے کان میں کوئی سرگوشی کی۔ ثمینہ نے معنی خیز نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا اور وہ دونوں اٹھ کر احاطے کے پھاٹک سے باہر نکل گئیں۔ صبح کی رو پہلی دھوپ میں لہلہاتے کھیتوں کو دیکھ کر شاہ پری پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اس نے افغانستان کے ایک بنجر اور ویران علاقے میں آنکھ کھولی تھی وہ وہیں پلی بڑھی تھی۔ افغانستان میں ایسے سبزے کا تو وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ یہاں جوان اور لہلہاتی ہوئی فصلیں آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ کھیتوں میں کہیں کہیں مزارعے بھی کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک جگہ پر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہیں پھر کھیتوں میں دور تک چلی گئیں اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔

اکرم سیال نے اپنے آدمی کو شہر بھیج دیا تھا اور وہ خود شارق وغیرہ کو وہیں چھوڑ کر کھیتوں کی طرف چلا گیا تھا۔ شارق وغیرہ لان میں گھاس پر بیٹھے رہے اور جب وہاں دھوپ پھیل گئی تو کمرے میں آگئے۔

"اب پروگرام کیا ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیں دو تین دن یہاں رہنا ہوگا۔" شارق نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ آج جیجا شلی کو فیصل آباد بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہاں کے حالات کا اندازہ ہوسکے۔"

"میں چلا جاتا ہوں جی۔" جیجا شلی نے آمادگی ظاہر کردی۔

"صادق کو جانتے ہو نا۔ سینما کے قریب نہر کے پل پر اس نے اپنا اڈا بنا رکھا ہے۔" شارق نے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں جی۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔

"تم سیدھے اسی کے پاس جاؤ گے۔" شارق بولا۔

"میرے نام کے حوالے سے اس سے بات کرنا۔ اس سے تمہیں صحیح معلومات حاصل ہو سکیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔ جیجا فوراً" ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"ابھی نہیں۔" شارق نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "اکرم سیال نے اپنا آدمی شہر بھیجا ہوا ہے۔ اسے واپس آلینے دو۔ تاکہ ہمیں یہاں کے حالات کا پتا چل جائے۔"

جیجا شلی دوبارہ بیٹھ گیا۔

اکرم سیال کا آدمی دوپہر دو بجے کے لگ بھگ واپس آیا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق ملک حفیظ کی گمشدگی پر شہر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ پولیس اسے بڑی شد و مد سے تلاش کر رہی ہے۔ شہر کے بہت سارے بدمعاشوں اور غنڈوں کو پوچھ گچھ کے لئے تھانوں میں بند کیا ہوا ہے۔ سب انسپکٹر ملک حفیظ کو جھنگ آئے ہوئے چند ہفتوں سے زیادہ نہیں ہوئے تھے اور یہاں آتے ہی اس نے غنڈوں اور بدمعاشوں کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کردی تھی۔ شہر کے جرائم پیشہ طبقہ اس سے ناراض تھا اور پولیس کا خیال تھا کہ سب انسپکٹر ملک حفیظ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے اور اسے قتل کرکے لاش بھی کہیں غائب کردی ہے۔ ایک اطلاع بہرحال اطمینان بخش تھی کہ پولیس نے پوچھ گچھ کے لئے شہر بھر کے غنڈوں کو دھر لیا تھا لیکن جیجا شلی کی طرف کسی نے شاید اس لئے دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ عرصہ پہلے تائب ہوچکا تھا اور ملک حفیظ سے اس کا کبھی کوئی جھگڑا بھی نہیں چلا تھا۔

دوپہر کا کھانا بھی اکرم سیال کے گھر ہی سے آیا تھا۔ سیال بھی اس وقت تک یہیں موجود تھا اور اس نے کھانا انہی لوگوں کے ساتھ کھایا تھا۔

سہ پہر چار بجے کے لگ بھگ جیجا شلی فیصل آباد چلا گیا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ رات کو واپس نہیں آئے گا۔ کیونکہ شہر میں اس کے کچھ رشتہ دار بھی رہتے ہیں وہ رات اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں رہے گا اور کل کسی وقت واپس آئے گا۔

کھیتوں میں شام سے پہلے کا منظر صبح سے زیادہ دلچسپ تھا۔ مزارع اپنا کام چھوڑ کر ڈھور ڈنگروں کو لے کر واپس جا رہے تھے۔ مویشیوں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں بڑا دلچسپ تاثر دے رہے تھیں۔

اکرم سیال کے دو مزارعے مویشی لے کر احاطے میں آئے تو ثمینہ اور شاہ پری بھی ان کے

قریب چلی گئیں۔ مویشیوں کو شیڈ میں باندھنے کے بعد وہ دونوں آدمی ا
لگے۔ آدھے گھنٹے بعد انہیں چارہ ڈال کر جب وہ بھینسوں کا دودھ دوہنے
بھی ان کے قریب آگئیں۔

"میں دودھ نکالوں۔" شاہ پری نے ایک مزارع کی طرف دیکھتے ہوئے

"پہلے کبھی بھینس کا دودھ چویا ہے بی بی؟" مزارع نے سوالیہ نگاہوں
دیکھا۔

"بکری کا۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مزارع اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور شاہ پری اس کی جگہ پر بیٹھ گئی اور دودھ دوہنے
مویشی عام طور پر اپنے مالک کا ہاتھ پہچانتے ہیں۔ اجنبی ہاتھ سے وہ بری طرح بدک اٹھتے ہیں لیکن
ہاتھ بدلنے پر اس بھینس نے کسی معمولی سے ردعمل کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ شاہ پری بالٹی نیچے
رکھے دودھ دوہتی رہی۔ مزارع کچھ دیر قریب کھڑا دیکھتا رہا پھر مطمئن انداز میں سرہلایا اور دوسری
بالٹی لے کر دوسری بھینس کی طرف چلا گیا۔

شاہ پری آخری دھار نکالنے کے بعد اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو شارق
نولکھا اور اکرم سیال قریب کھڑے دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاہ پری نے
بالٹی مزارعے کے حوالے کردی۔ اس کے اندازے کے مطابق اس بھینس نے تقریباً" چودہ کلو دودھ
دیا تھا۔

"سیال صاحب۔" شارق، اکرم سیال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم چاہو تو اپنے ایک
آدمی کو کم از کم دو تین دن کے لئے چھٹی دے سکتے ہو۔ یہ کام شاہ پری کر لے گی۔"

شارق کی اس بات پر شاہ پری نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے تقریباً" ایک گھنٹے بعد
وہ لوگ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"سیال صاحب۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بتایا تھا کہ ملک حفیظ
نے آپ کے بندے کو پکڑ کر حوالات میں بند کردیا تھا۔ کیا جرم کیا تھا اس نے؟"

"جرم تو کوئی نہیں تھا۔ لیکن ملک حفیظ کو اپنی کارکردگی دکھانے کا شوق تھا۔" سیال نے
جواب دیا۔ "میرے مزارع گامے کا ایک دکاندار سے پیسوں کے لین دین پر جھگڑا ہوگیا تھا۔ گامے
نے اسے دو ہاتھ لگا دیئے تھے۔ اس وقت ملک حفیظ اس طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے گامے کو
پکڑ کر بند کر دیا تھا۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس لئے پوچھ رہا تھا کہ ملک حفیظ سے آپ کا تنازعہ ایسا تو نہیں تھا کہ اس کی گمشدگی

aazzamm@yahoo.com

"بہت اچھی طرح؟" شارق بولا۔

"تم سیدھے اس نے نفی میں سرہلایا۔ "وہ معاملہ تو اسی وقت ختم ہوگیا تھا۔ پولیس کے میرے ہاں رے بھی کچھ تعلقات ہیں۔ ان کی مداخلت سے بات ختم ہوگئی تھی اور اس ہوسکیں گی۔"

"ٹھیک حفیظ سے کبھی سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔ تم مطمئن رہو۔ اس کے بارے میں ادھر کوئی نہیں آئے گا۔"

"ابھ ہے۔ یہی اطمینان چاہتا تھا۔" شارق نے سرہلایا۔

"یہاں اگرچہ تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا کہ ان دونوں لڑکیوں کو گاؤں بھیج دو۔ یہ میری حویلی میں رہیں گی۔ نہا دھو کر کپڑے بدل لیں گی اور وہاں انہیں کچھ دوسری سہولتیں بھی مل جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر یہ جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شارق بولا۔

ثمینہ اور شاہ پری کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں اکرم سیال کے ساتھ گاؤں چلی گئیں۔

صبح کا ناشتا اور دوپہر کا کھانا ان کے لئے گاؤں سے آیا تھا۔ لیکن رات کے کھانے کا بندوبست ڈیرے پر ہی کیا گیا تھا۔ فتح محمد بڑا اچھا باورچی ثابت ہوا تھا۔ اس نے سالن بہت لذیذ بنایا تھا اور روٹیاں بھی اس نے پکائی تھیں۔

ملک حفیظ ڈیرے کے باہر والے کمرے میں بند تھا۔ شارق نے اپنی موجودگی میں پہلے اسے کھانا کھلایا اور پھر خود نولکھا کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد وہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے پھر کمرے میں آگئے۔

بستر پر لیٹ کر بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے تھے اور پھر ان پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک سویا تھا لیکن دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے گولی چلنے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی ہو۔ وہ کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ باہر بھی خاموشی تھی اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ دوبارہ لیٹنا ہی چاہتا تھا کہ گولی چلنے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ اچھل کر پلنگ سے اتر آیا۔ فائر کی آواز کھیتوں کی طرف سے سنائی دی تھی۔ وہ پلنگ سے اتر کر دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ نولکھا بھی جاگ گیا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ احاطے کی دیوار کے باہر کسی کے دوڑنے کی آواز سن کر شارق پھاٹک کی طرف لپکا۔

وہ فتح محمد تھا جو دوڑتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔

"کیا ہوا فتح محمد۔ یہ گولیوں کی آواز کیسی تھی؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ ... وہ بھاگ رہا تھا۔ میں نے اسے گولی مار دی۔" فتح محمد نے جواب دیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"کون .... کسے گولی مار دی۔" شارق چونک گیا۔

"ملک حفیظ۔" فتح محمد نے بتایا۔ "وہ کمرے کی کھڑکی کی سلاخیں اکھاڑ کر بھاگ رہا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں رکا اور میں نے اسے گولی مار دی۔ اس کی لاش وہاں پڑی ہے۔"

شارق اور نولکھا اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے کھیت کے قریب آگئے۔ منڈیر کے ساتھ ہی کھیت میں ملک حفیظ کی لاش پڑی تھی۔

○

اکرم سیال بھی گاؤں سے ڈیرے پر پہنچ گیا تھا۔

شارق کا خیال تھا کہ ملک حفیظ کو اکرم سیال کے اشارے پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں ملک حفیظ کے لئے کھڑکی کی آہنی سلاخیں توڑ کر فرار ہونا آسان نہیں تھا لیکن جب اس نے کھڑکی کا جائزہ لیا تو اسے اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔

کھڑکی کی نچلی چوکھٹ سے اینٹیں کھود کر سلاخیں نکال دی گئی تھیں اور وہ چمچہ بھی کھڑکی کے قریب زمین پر پڑا ہوا تھا جس سے اینٹیں کھودی تھیں۔ اور ملک حفیظ کے لئے کھیر کی پلیٹ کے ساتھ یہ چمچہ بھی اس کمرے میں آیا تھا جسے ملک حفیظ نے چھپا لیا تھا۔

کمرے کی تعمیر میں اینٹوں کی چنائی گارے سے ہوئی تھی۔ اس پر سیمنٹ سے ہلکی سی لیپ کی گئی تھی۔ چمچے کی ڈنڈی سے اینٹیں اکھاڑ لینا ملک حفیظ کے لئے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا ہوگا۔

فتح محمد نے بتایا تھا کہ اس نے ملک حفیظ کو کھڑکی سے کود کر بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ پہلے تو اس نے للکار کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر ملک حفیظ نہیں رکا تو اس نے گولی چلا دی۔ پہلی گولی خطا گئی۔ ملک حفیظ اس دوران کھیت کے کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ فتح محمد نے دوسری گولی چلا دی جو اتفاق سے ملک حفیظ کے سر میں لگی اور وہ کھیت میں گرتے ہی ختم ہوگیا اور اب لاش اس کے

aazzamm@yahoo.com

سامنے پڑی تھی۔

"اب کیا ہوگا سیال صاحب۔" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گاؤں دیہاتوں میں ایسی وارداتیں ہوتی ہی رہتی ہیں اور پولیس بھی زمینداروں کے گھروں پر آتی رہتی ہے۔" اکرم سیال نے کہا۔ "کبھی معاملہ رفع دفع ہو جاتا ہے اور کبھی مقدمے چلتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ مختلف ہے۔ ملک حفیظ ایک پولیس آفیسر تھا اور پولیس کا پورا محکمہ اس کی تلاش میں ہے۔ اگر اس کی لاش یہاں سے ملی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ اس لئے میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ اس لاش کو غائب کر دیا جائے اور ہم سب اسے بھول جائیں۔"

"اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم میری تجویز سے اتفاق کرو گے۔" اکرم سیال نے مسکراتے ہوئے کہا اور فتح محمد کو اشارہ کیا۔

فتح محمد لاش کو اٹھا کر احاطے کے اندر لے گیا اور احاطے میں ایک جگہ دیوار کے قریب گڑھا کھودنے لگا۔

"لاش دبانے کے بعد اس جگہ چبوترا بنا دینا۔ تاکہ کسی کو شبہ ہی نہ ہو۔" اکرم سیال نے فتح محمد سے کہا اور شارق کی طرف گھوم گیا۔ "ٹھیک ہے۔ تم لوگ آرام کرو میں صبح آؤں گا۔" وہ ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔

اکرم سیال چلا گیا۔ نولکھا اور شارق اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک فتح محمد نے گڑھا کھود کر ملک حفیظ کی لاش دفن نہیں کردی۔ اس نے گڑھے کی مٹی برابر کی تو وہ دونوں بھی کمرے میں آگئے۔ کچھ دیر تک اس نئی صورت حال پر تبصرہ کرتے رہے اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔

صبح وہ جلد ہی اٹھ گئے۔ ان کے لئے صبح کا ناشتا بھی فتح محمد ہی نے تیار کیا تھا۔ ناشتے کے بعد شارق ٹہلتا ہوا کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ بعض کھیتوں میں مزارع کام کر رہے تھے۔ شارق ایک آدمی کے پاس رک گیا۔ وہ مزارع ایک کھیت کی منڈیر پر کھڑا تھا اس کے قریب ہی پھاوڑا پڑا ہوا تھا۔ اس کھیت میں پانی لگا ہوا تھا اور وہ مزارع دیکھ رہا تھا کہ پانی کہاں تک پہنچا ہے۔

شارق کافی دیر تک وہاں کھڑا اس شخص سے باتیں کرتا رہا اور پھر ٹہلتا ہوا مزید آگے نکل گیا۔ جب وہ کھیتوں میں ایک طویل چکر کاٹتا ہوا واپس آیا تو دس بج رہے تھے۔ نولکھا برآمدے میں کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جیجا شلی واپس آجائے تو پروگرام بناتے ہیں۔"

شارق نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

اور جیجا شلی بارہ بجے کے قریب فیصل آباد سے واپس آگیا۔

"ہاں بھئی۔ فیصل آباد کی کیا صورت حال ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"فیصل آباد کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ شارق باؤ۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "صادق کو تقریباً ایک ہفتہ پہلے پولیس نے گرفتار کرلیا تھا۔ یوں تو وہ پہلے بھی کئی بار پکڑا گیا تھا۔ لیکن ہر مرتبہ کچھ دے دلا کر چھوٹ جاتا تھا لیکن اس مرتبہ صورت حال مختلف ہے۔ پیسہ بھی اس کے کام نہیں آسکا۔ اسے باقاعدہ گرفتار کرکے چالان عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ صرف صادق ہی نہیں' اس پیشے سے تعلق رکھنے والے اور بھی بہت سے بندے پکڑ کے بند کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں سائیں اللہ رکھا بھی ہے۔"

"سائیں اللہ رکھا بھی پکڑا گیا ہے؟" نولکھا یہ نام سن کر چونک گیا۔

"ہاں جی۔" جیجا نے اثبات میں سرہلایا۔ "پولیس نے جب اس کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا تو اس نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دونوں طرف سے فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا جس میں ایک پولیس والا اور ایک سائیں اللہ رکھا کا آدمی مارا گیا تھا۔ سائیں اللہ رکھا کا تو اب بچنا بہت ہی مشکل ہے۔"

"بے وقوف۔" نولکھا بڑبڑایا۔ "اسے میں نے کئی مرتبہ سمجھایا تھا کہ کبھی پولیس سے مقابلہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔" نولکھا کے چہرے پر افسردگی چھاگئی تھی۔

سائیں اللہ رکھا اس کا خاص آدمی تھا۔ فیصل آباد میں مائی دی جھگی والا منشیات کا اڈا نولکھا نے شروع کیا تھا اور سائیں اللہ رکھا شروع ہی سے اس کے ساتھ تھا۔ نولکھا جب شارق کے ساتھ فیصل آباد سے لاہور کی طرف بھاگا تھا تو نولکھا نے اپنا وہ اڈا سائیں اللہ رکھا کے حوالے کر دیا تھا۔

سائیں اللہ رکھا لاہور میں بھی نولکھا کے پاس آتا رہا تھا۔ وہ خود تو پولیس سے برسرپیکار ہوگیا تھا لیکن اس نے سائیں اللہ رکھا کو ہمیشہ یہ ہدایت دی تھی کہ پولیس سے کبھی تصادم مول نہ لے' بلکہ کچھ لے دے کر اپنا دھندہ چلاتا رہے۔ اب تک تو وہ یہی کچھ کرتا آیا تھا لیکن بالآخر اس نے پولیس سے پنگا لے ہی لیا تھا اور قتل کے کیس میں پھنس گیا تھا۔ نولکھا جانتا تھا کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے لیکن وہ اپنے دوست کو بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں فیصل آباد میں رکنے کے بجائے سیدھا لاہور جانا ہوگا۔" شارق

aazzamm@yahoo.com

نے جیجا شلی سے تفصیل سننے کے بعد کہا۔

"میری ایک تجویز ہے شارق باؤ!" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم ثمینہ اور شاہ پری کو لے کر لاہور چلے جاؤ۔ میں فیصل آباد رک جاؤں گا۔ نولکھا نے جواب دیا۔

"میں سمجھ رہا ہوں تم فیصل آباد کیوں رکنا چاہتے ہو۔" شارق بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے اس وقت تم سائیں اللہ رکھا کی کوئی مدد نہیں کرسکو گے۔"

"نہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا "اس کی مدد کرنے کا یہی موقع ہے تم جانتے ہو' پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کے ہاتھوں پولیس کا آدمی مارا گیا ہے اور پولیس اسے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کی پوری کوشش کرے گی۔ اس کے علاوہ کیا تم پولیس کا سامنا کرسکو گے جبکہ پولیس کو تمہاری بھی تلاش ہے۔"

"کچھ بھی ہو شارق باؤ۔ میں سائیں اللہ رکھا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" نولکھا نے جواب دیا۔

شارق اسے کافی دیر تک سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ نولکھا کسی بھی صورت میں لاہور جانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اس بات پر بضد تھا کہ فیصل آباد میں رہ کر سائیں اللہ رکھا کو پولیس سے چھٹکارہ دلانے کی کوشش کرے گا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم فیصل آباد میں رہو گے کہاں؟"

"میرے پاس بہت ٹھکانے ہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "تم میرا فکر بالکل مت کرو۔ بس تم ان دونوں لڑکیوں کا خیال رکھنا۔ بلکہ میرا مشورہ ہے کہ شاہ پری کو بھی میرے پاس ہی چھوڑ جانا۔ چند روز آزادی سے گھوم پھرلے گی۔ لاہور جاکر تو اسے آزادی سے گھومنے پھرنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

"مجھے یہاں چند روز سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ میں لاہور آجاؤں گا تو پھر حاجی سے بھی نمٹ لیں گے۔" نولکھا بولا۔

"ہاں۔ اس سے تو حساب برابر کرنا ہی ہوگا۔" شارق نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "تو پھر میرا خیال ہے ہم آج شام کو یہاں سے نکل جائیں گے۔ جیجا شلی میرے ساتھ لاہور جائے گا۔ تم فیصل آباد بس سے اتر جانا۔ ہم اس بس پر آگے چلے جائیں گے۔"

"جیجا شلی تمہارے ساتھ جائے گا؟" نولکھا نے پوچھا۔ "ہاں۔" شارق نے اثبات میں سرہلایا۔ "وہ لاہور میں دو تین دن میرے پاس رہے گا۔ پھر اسے پیسے دے کر کوئٹہ روانہ کردوں گا تاکہ وہ کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرکے اپنے بیٹے کا مقدمہ لڑسکے۔"

"ٹھیک ہے۔" نولکھا نے سرہلا دیا۔

اس وقت دو بجنے والے تھے۔ فتح محمد نے انہیں آکر بتایا کہ وہ دوسرے کمرے میں کھانا لگا چکا ہے۔ وہ لوگ برآمدے سے اٹھ کر کمرے میں آگئے۔ آج اکرم سیال صبح سے نہیں آیا تھا۔ نہ ہی کھیتوں میں دکھائی دیا تھا۔

"فتح محمد۔" شارق نے کھانے کے بعد کہا۔ "تم سیال صاحب کی حویلی چلے جاؤ اور انہیں بتا دو کہ ہم آج شام سے پہلے پہلے یہاں سے جا رہے ہیں۔ وہ دونوں لڑکیوں کو لے کر یہاں آجائیں۔ میں سیال صاحب کی میزبانی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"آج جمعرات ہے جی۔ سیال صاحب تو دربار گئے ہیں۔ کل شام تک واپس آئیں گے۔" فتح محمد نے بتایا۔

"دربار۔" شارق نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں جی۔" فتح محمد نے کہا۔ "وہ ہر جمعرات کو صبح سویرے حضرت سلطان باہو کے دربار چلے جاتے ہیں اور جمعہ کی شام کو آتے ہیں۔"

"اوہ!" شارق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ حضرت سلطان باہو کا دربار جھنگ سے چند میل آگے تھا۔ دور دور سے عقیدت مند وہاں آتے تھے۔ اکرم سیال بھی ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ "لیکن بات یہ ہے فتح محمد۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جیجا شلی سے ہمیں جو حالات معلوم ہوئے ہیں ان کے پیش نظر ہمارا آج ہی یہاں سے جانا بہت ضروری ہے۔ اگر ہم آج یہاں سے نہ گئے تو بہت گڑبڑ ہوجائے گی۔ ہمارا جانا بہت ضروری ہے۔ سیال صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہے گا۔ تم ایسا کرو۔ ابھی گاؤں چلے جاؤ اور ثمینہ اور شاہ پری کو یہاں لے آؤ۔ ہم پانچ بجے تک یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں ابھی گاؤں چلا جاتا ہوں۔" فتح محمد نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فتح محمد گاؤں کی طرف چلا گیا۔

وہ تقریباً" ساڑھے چار بجے واپس آیا تھا۔ اس کے ساتھ ثمینہ اور شاہ پری بھی تھیں۔ ان

aazzamm@yahoo.com

دونوں نے بالکل نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ثمینہ نے بتایا کہ اس نے تو اکرم سیال کی بیوی کے کپڑے پہنے تھے اور شاہ پری نے اس کی بیٹی کے' یہ کپڑے چند روز پہلے ہی سلوا کر رکھے گئے تھے۔ ثمینہ نے تو کہا تھا کہ انہیں کوئی استعمال شدہ کپڑے دے دیئے جائیں لیکن اکرم سیال کی بیوی بضد تھی کہ وہ نئے کپڑے ہی پہنیں' ان کپڑوں کے ساتھ لینن کی چادریں بھی تھیں۔

سوا پانچ بجے کے قریب وہ لوگ ڈیرے سے رخصت ہوگئے۔ فتح محمد کچھ دور تک ان کے ساتھ آیا تھا۔ پھر شارق وغیرہ سے ہاتھ ملا کر واپس چلا گیا۔ وہ لوگ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر ہوتے ہوئے سڑک پر پہنچے تو چھ بجنے والے تھے۔ اس جگہ سامنے کی طرف سے ایک کچی سڑک بھی اس ہائی وے سے آکر ملتی تھی۔ جھنگ شہر اس جگہ سے بائیں طرف تقریباً" چار میل کے فاصلے پر تھا۔

وہ لوگ بس کے انتظار میں سڑک پر کھڑے رہے۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران کئی بسیں وہاں سے گزری تھیں مگر وہ سب کی سب فیصل آباد جانے والی تھیں۔ ایک بس لاہور کی تھی لیکن اس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ فیصل آباد کی بس پر وہ بیٹھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ فیصل آباد سے بس تبدیل کرنی پڑتی۔

سات بج گئے۔ لاہور جانے والی تمام بسیں بھری ہوئی تھیں۔ بالآخر وہ فیصل آباد ہی کی بس پر بیٹھ گئے۔

تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ فیصل آباد پہنچ گئے۔ نولکھا اور شاہ پری نزوالے اڈے پر ہی اتر گئے کیونکہ انہیں گلبرگ کی طرف جانا تھا۔ شارق وغیرہ کو لاری اڈے پر اترتے ہی لاہور کی بس مل گئی جو اپنے اسٹینڈ سے نکل رہی تھی۔

شارق اور ثمینہ ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور دوسری سیٹ پر جیجا شلی۔ ثمینہ نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی۔ کہ اس کا چہرہ تقریباً" چھپ گیا تھا۔ شارق سرجھکائے ہوئے تھا جیسے اونگھ رہا ہو۔ فیصل آباد میں اس کے لئے خطرہ تھا۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی پہچان لیا جاتا تو گڑبڑ ہوسکتی تھی۔

فیصل آباد شہر سے نکل آنے کے بعد بھی کافی دیر تک شارق سرجھکائے اونگھتا رہا۔ ماناوالا کے قریب پہنچ کر ثمینہ نے اسے کہنی سے ٹھوکا مارا تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ سیدھے ہوکر بیٹھ جاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ سڑک کے دونوں طرف آبادی تھی۔ بس جیسے ہی رکی

سواریوں نے یلغار کر دی۔ ایک دو ہاکر بس کے اندر بھی گھس آئے تھے جنہیں کنڈیکٹر نے ڈانٹ ڈپٹ کر بس سے اتار دیا۔ بس ماناوالا کے اسٹاپ پر صرف ایک منٹ کے لئے رکی تھی اور پھر اس کا سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔

شارق گردن گھما گھما کر بس کے مسافروں کو دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ ابھی صرف ساڑھے دس ہی بجے تھے لیکن بہت سے مسافر اونگھ رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ گہری تاریکی تھی۔ کہیں کہیں دور کوئی روشنی نظر آجاتی تھی۔

شیخوپورہ کے اسٹاپ پر بس تقریباً" پانچ منٹ رکی تھی۔ یہاں دو مسافر اترے تھے اور دو سوار ہوئے تھے۔

"بس سے اتر کر وہ تیز تیز چلتے ہوئے شیرانوالہ گیٹ کی طرف سرکلر روڈ پر آگئے۔ انہیں فوراً" ہی ٹیکسی مل گئی۔

"چوبرجی۔" شارق نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔

"میٹر سے دس روپے زیادہ ہوں گے سرجی۔" ڈرائیور نے کہا۔

"دے دیں گے یار۔" شارق نے جواب دیا۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی اور سرکلر روڈ پر شاہی قلعہ اور مینار پاکستان کے قریب سے ہوتی ہوئی داتا دربار کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔ داتا دربار اور بھاٹی والے چوراہے سے دائیں طرف مڑتے ہوئے ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ٹیکسی رک گئی۔ جس جگہ ان کی ٹیکسی رکی تھی اس کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف وہ دکان تھی جو قانونی طور پر اب بھی شارق کی ملکیت تھی۔ دکان بند پڑی تھی۔ دائیں طرف پان سگریٹ' چائے' حلیم اور اس قسم کی چھوٹی چھوٹی لاتعداد دکانیں تھیں۔ ان دکانوں کے لوگ بھی شارق کو پہچانتے تھے۔ ان کی نظروں سے بچنے کے لئے شارق نے سرجھکا رکھا تھا۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد ٹریفک کلیئر ہوا تو ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ آگے چل کر پتا چلا کہ ایک ویگن نے تانگے کو ٹکر مار دی تھی جس کی وجہ سے ٹریفک رک گیا تھا۔

دو تین موڑ گھومنے کے بعد ٹیکسی پارک کے ساتھ اس سڑک پر دوڑنے لگی جو سیدھی چوبرجی کی طرف چلی گئی تھی۔ پارک ختم ہونے کے بعد چوری سے پہلے ہی شارق نے ٹیکسی رکوائی۔ کرایہ ادا کیا اور وہ چاروں نیچے اتر آئے۔ سڑک پار کرکے نالے کی پلیا عبور کرنے کے بعد وہ اس چھوٹی سڑک پر آگئے جہاں سے شام نگر کا علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔

اس سڑک پر ایک ریسٹورنٹ' حلوائی کی ایک دکان اور دو سگریٹ کے کیبن کھلے ہوئے

aazzamm@yahoo.com

تھے۔ حلوائی کی دکان کے سامنے پہنچ کر دو تین اوباش قسم کے لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمینہ کو دیکھ کر ان میں سے ایک نے ہلکی سی سیٹی بجائی تھی۔ شارق نے ایک نظر گھور کر اس لڑکے کی طرف دیکھا لیکن رکا نہیں۔

ریسٹورنٹ سے تھوڑا ہی آگے وہ ایک گلی میں گھوم گئے۔ اور پھر اس گلی میں آگئے جہاں شارق کا وہ مکان تھا جس کے بارے میں ثمینہ کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں تھا۔ وہ مکان کے سامنے رک گیا۔ آہنی گیٹ کے اوپر سے ہاتھ ڈال کر اس نے اندر کا کنڈا کھول دیا اور گیٹ کھول کر وہ اندر داخل ہوگئے۔

شارق برآمدے میں کھڑا چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اوپر کی چوکھٹ پر کچھ ٹٹولنے لگا۔ چابی اسی جگہ موجود تھی جہاں طویل عرصہ پہلے اس نے رکھی تھی۔ اس نے ٹٹول کر تالا کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد ہی شارق نے بتی جلائی تھی۔

شارق دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا وہ طویل عرصے بعد یہاں آیا تھا۔ ثمینہ نے بھی چادر اتار دی۔ اس کے چہرے پر بھی کچھ عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس مکان سے اس کی بڑی یادیں وابستہ تھیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ فیصل آباد سے لاہور آئی تھی تو شارق کے ساتھ اس مکان میں آئی تھی۔ اس رات کو وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی جو اس نے شارق کے ساتھ ایک ہی بستر پر گزاری تھی۔ اس رات کا ایک ایک لمحہ اسے یاد تھا۔ وہ سارا منظر فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا چلا گیا۔

شارق آگے بڑھ گیا اور کمروں کی بتیاں جلاتا چلا گیا۔

ہر چیز پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ صفائی کرنے کے لئے پورا دن درکار تھا۔ لیکن اس وقت وہ یہی کرسکتے تھے کہ سونے کے لئے بستر وغیرہ جھاڑ لیں اور صبح پورے گھر کی صفائی کریں۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں کمروں میں بستر وغیرہ جھاڑنے لگے۔ شارق چادر جھاڑ رہا تھا کہ باہر کے گیٹ پر دستک کی زور دار آواز ابھری۔ شارق اور ثمینہ اچھل پڑے اور معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اسی دوران دستک کی آواز پھر ابھری۔ اس مرتبہ دروازہ زیادہ زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ دستک کا یہ انداز دیکھ کر ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے اشارہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی ہے۔

Scanned By:
Azam & Ali

دروازے پر دھڑ دھڑاہٹ کی آواز سن کر ثمینہ کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں جبکہ جیجا شلی کچھ کنفیوز سا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے تو شارق کے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ اس نے جیجا شلی اور ثمینہ کو ایک طرف ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور خود بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس دوران دروازہ ایک بار پھر زور سے دھڑ دھڑایا گیا تھا۔

شارق دروازے کے قریب رک گیا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ باہر جو کوئی بھی تھا وہ مسلح بھی ہو سکتا تھا لیکن شارق نے کسی ایسی صورتحال سے بھی نمٹنے کا طریقہ سوچ لیا تھا۔ وہ دروازے کے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کنڈے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولا۔ "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو..... کون ہے اندر؟" باہر سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

شارق نے کنڈا ہٹا دیا اور دروازے کا پٹ کھول کر پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گا اسے گرفت میں لے لے گا۔ لیکن دروازہ کھلنے کے بعد کوئی اندر داخل نہیں ہوا تو وہ سامنے آگیا۔ اس کا پڑوسی ایک اور آدمی کے ساتھ دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں ہاکی تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں لاٹھی۔

"ملک صاحب آپ" شارق اپنے پڑوسی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "خیریت!"

"اوہ آپ ہیں!" شارق کے پڑوسی ملک کے منہ سے بھی گہرا سانس نکل گیا۔ معاف کرنا بھائی میں سمجھا تھا کوئی چور وغیرہ نہ ہو۔"

"کسی چور کو اس گھر سے کیا ملے گا ملک جی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرحال۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریے کی کیا بات ہے جی۔" ملک نے کہا۔ "آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے گھر کی دیکھ بھال ہمارا فرض ہے جی۔ مہنگائی کا زمانہ ہے جی۔ کوئی معمولی سی چیز بھی چوری ہو جائے تو دوبارہ خریدنا بنانا بڑا مشکل ہوتا ہے جی۔ ویسے اس مرتبہ آپ لمبے ہی چلے گئے تھے۔"

aazzamm@yahoo.com

"جی ہاں۔ میں ملک سے باہر چلا گیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔

"اور جی میرے لئے کوئی خدمت' کھانا' چائے وغیرہ؟" ملک بولا۔

"بہت شکریہ ملک جی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کھانا تو ہم کھا کر ہی آئے ہیں۔ چائے کی اس وقت طلب نہیں ہو رہی۔ اس وقت تو سونے کو دل چاہ رہا ہے۔ لمبے سفر نے بری طرح تھکا دیا ہے۔"

"اچھا جی۔ آپ آرام کریں۔ صبح ملاقات کریں گے۔" ملک نے کہا اور شارق سے ہاتھ ملا کر واپس مڑ گیا۔

وہ دوسرا آدمی اس گلی کا چوکیدار تھا۔ شارق اسے پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ شارق کو یہ مکان لئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ مگر وہ یہاں کم ہی آتا تھا۔ پڑوس میں رہنے والے ملک صاحب سے صرف دو تین بار ہی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بھی آتے جاتے' دروازے کے سامنے۔ ملک اچھا آدمی تھا اور شارق کو بھی شریف ہی سمجھتا تھا۔ ملک کے جانے کے بعد شارق دروازہ بند کر کے اندر آ گیا۔ ثمینہ بھی کمرے سے نکل آئی تھی۔

"کون تھا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"پڑوسی تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہ سمجھا تھا شاید کوئی چور گھس آیا۔"

"میں تو ڈر ہی گئی تھی۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

جیجا شلی بھی دوسرے کمرے سے نکل کر آ گیا تھا۔ وہ لوگ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ثمینہ نے فرج صاف کر کے آن کر دیا تھا۔ تاکہ صبح تک تھوڑی بہت کولنگ ہو جائے اور اس میں کچھ چیزیں رکھی جا سکیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ انہیں ابھی ایک دو دن یہاں رہنا پڑے گا۔

"ٹھیک ہے جیجا۔" شارق نے جیجا شلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تو نیند آ رہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ۔ اب صبح دیکھیں گے۔"

"اچھا جی۔" جیجا شلی نے کہا اور دوسرے کمرے میں گھس گیا۔

شارق اور ثمینہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ شارق نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ وہ دونوں پلنگ پر لیٹ گئے لیکن نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر سوچ رہے تھے۔

ثمینہ اپنے ماں باپ کے گھر سے کتنا قریب تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ کا فاصلہ ہو گا لیکن ذہنی طور پر وہ ان سے اتنا دور ہو چکی تھی کہ یہ فاصلہ طے کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اس

نے کس کس طرح اپنے ماں باپ کو ذلیل و رسوا کیا تھا۔ اس کے بعد وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ماں باپ اسے معاف کر دیں گے۔ لیکن ظاہر ہے وہ اپنے ماں باپ کی محبت کو دل سے نہیں نکال سکتی تھی۔

دوسری طرف شارق بھی کچھ ایسی ہی باتیں سوچ رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس وقت اس کے ذہن میں بھی ثمینہ کے حوالے سے کچھ ایسی ہی باتیں آ رہی تھیں۔ ثمینہ ایک شریف لڑکی تھی۔ اسے راستے سے بھٹکانے اور جرائم کی دلدل میں دھکیلنے والا وہی تھا۔ اگر اس روز فیصل آباد میں پولیس سے بچنے کے لئے وہ اتفاق سے ثمینہ کے مکان میں نہ کودتا تو آج ثمینہ اس کے ساتھ نہ ہوتی۔ وہ ایک باعزت و باوقار پیشے سے وابستہ تھی اور اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اگر شارق اسے خراب نہ کرتا تو آج بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ لیکن شارق نے اسے راستے سے بھٹکا دیا تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے بالآخر شارق کی آنکھ لگ گئی۔

صبح جب شارق کی آنکھ کھلی تو نو بج چکے تھے۔ ثمینہ اور جیجا شلی اس سے پہلے ہی جاگ چکے تھے۔ ثمینہ نے جیجا کو بھیج کر بازار سے ناشتے کا سامان منگوا لیا تھا۔ جیجا شلی تو ناشتا کر بھی چکا تھا۔ ثمینہ' شارق کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شارق اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا اور ثمینہ ناشتا تیار کرنے لگی۔

"جیجے! تمہیں ایک کام کرنا ہے۔" شارق نے ناشتے کے دوران جیجے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں ایک پتا سمجھا رہا ہوں۔ وہاں چلے جاؤ۔" شارق نے کہا اور پھر اسے اقبال ٹاؤن والے مکان کا پتا سمجھانے لگا۔ "ماسی جی سے کہنا میں اور ثمینہ رات کو آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔" جیجا شلی فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد شارق اور ثمینہ باتیں کرنے لگے ظاہر ہے باتوں کے علاوہ ان کے پاس کرنے کو کچھ اور تھا بھی نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ جیجا شلی دوپہر تک واپس آ جائے گا۔

دوپہر تک کا وقت بڑی مشکل سے گزرا تھا۔ ثمینہ نے صبح شلی ہی سے سبزی گوشت وغیرہ بھی منگوا لیا تھا۔ اس نے سالن تیار کر لیا تھا اور اس انتظار میں تھی کہ جیجا آ جائے تو تندور سے روٹیاں منگوا لی جائیں گی۔

تین بج گئے۔ جیجا شلی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ثمینہ پریشان ہو رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ لیکن شارق مطمئن تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ماں جی نے شلی کو روک لیا ہو گا یا وہ اپنے کسی کام سے کہیں اور چلا گیا ہو گا۔

aazzamm@yahoo.com

تین بجے کے قریب وہ خود جا کر تندور سے روٹیاں لے آیا۔ وہ دونوں کھانا کھا ہی رہے تھے کہ جیجا شلی بھی پہنچ گیا۔ اس کا چہرہ ہونق سا ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے جیجے۔ کہاں غائب ہو گئے تھے اور تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے شارق باؤ۔" جیجا شلی نے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیسی گڑبڑ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ویسے جیجا کی صورت دیکھتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"آپ کی رضیہ بہن اور ماں جی تو اس گھر میں نہیں ہیں جی۔" جیجا بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ کہیں غلط پتے پر تو نہیں چلے گئے تھے؟" شارق نے اسے گھورا۔

"نہیں جی۔ میں تو ٹھیک پتے پر پہنچا تھا۔" جیجا شلی مکان کی نشانیاں بتانے لگا۔ "وہاں تو کوئی اور ہی رہتا ہے۔ کوئی چودھری اشرف ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ یہ مکان اس نے دو مہینے پہلے خریدا تھا اور ان سے پہلے جو عورتیں وہاں رہتی تھیں وہ کہیں اور چلی گئی ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" شارق بولا۔ "مکان رضیہ کے نام تھا۔ وہ اسے فروخت نہیں کر سکتی۔"

"چودھری اشرف نے مکان رضیہ سے نہیں حاجی سے خریدا تھا۔" شلی نے کہا۔

"کیا۔۔؟" شارق اچھل پڑا۔

"میں نے پڑوسیوں سے بھی معلوم کیا تھا جی۔" جیجا شلی نے کہا۔ "ان کا کہنا ہے کہ تقریباً دو مہینے پہلے حاجی کے غنڈوں نے زبردستی ان سے مکان خالی کروایا تھا۔ ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ کسی کو بھی پتا نہیں کہ وہ کہاں گئی ہیں۔"

شارق کا خون کھول گیا۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثمینہ نے بھی کھانا چھوڑ دیا تھا۔

"مجھے صبح ہی سے کچھ گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر حاجی نے ایسی کوئی حرکت کی ہے' تو بخدا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" شارق نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے صورتحال معلوم کرنی پڑے گی اور یہ معلوم کرنا ہو گا کہ رضیہ اور ماں جی کہاں ہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر جیجا شلی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم کوئٹہ کب جاؤ گے۔ اپنے بیٹے کی ضمانت کرانے کے لئے؟"

"اب میں کوئٹہ نہیں جاؤں گا جی۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اس صورتحال میں آپ

لوگوں کو چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں جی۔"

"نہیں جیجے۔" شارق نے کہا۔ "اس معاملے میں ہم خود ہی نمٹ لیں گے۔ تم کل صبح کوئٹہ چلے جاؤ۔ ابھی کھانا کھا کر تم ریلوے سٹیشن جا کر معلوم کرو کہ کوئٹہ کے لئے ٹرین کس وقت جاتی ہے۔ واپسی پر انارکلی چلے جانا۔"

"میں نے کھانا کھا لیا تھا جی' آپ کام بتائیں۔" جیجا شلی بولا۔

"انارکلی کی ایک گلی میں ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے۔" شارق نے کہا اور پھر اسے ہوٹل کا پتا اور سہیل کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔ "سہیل کو اپنے ساتھ لے کر آنا۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کر لینا۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں انہیں ساتھ لے کر آؤں گا۔" جیجا شلی کہتا ہوا چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ دونوں کچھ دیر کے لئے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر ثمینہ نے کھانے کے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ دیئے اور دوبارہ شارق کے پاس آ گئی۔

"حاجی کی اب موت ہی آئی ہے۔ وہ میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچے گا۔" شارق ہتھیلیاں بھینچتے ہوئے بولا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

ثمینہ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی تھی۔ شارق کچھ دیر تک کمرے میں کھڑا رہا پھر اس نے آگے بڑھ کر الماری کا دروازہ کھولا اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دائیں طرف لگا ہوا ایک چھوٹا سا کنڈا کھینچ لیا۔ الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی اور دیوار میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ اس خلا میں بھی الماری کی طرح ایک خانہ بنا ہوا تھا۔ شارق نے ایک خفیہ میکنزم کے ذریعے یہ خانہ بھی کھول لیا۔

ثمینہ اس کے پیچھے کھڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ شارق کے ساتھ کئی مرتبہ یہاں آ چکی تھی لیکن شارق نے الماری کے پیچھے اس خفیہ خانے کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس خفیہ خانے میں سیاہ رنگ کا ایک بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ شارق نے وہ بریف کیس نکال کر پلنگ پر رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کسی ہنگامی صورتحال کے لئے یہ بریف کیس یہاں چھپا رکھا تھا اور میرے خیال میں اب اس کی ضرورت پڑ گئی ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور بریف کیس کھولنے کے لئے اس کے نمبر ملانے لگا۔

اس نے جیسے ہی ڈھکنا اٹھایا تو ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ بریف کیس خاصا

aazzamm@yahoo.com

بڑا تھا۔ اس میں سب سے اوپر ہیروئن کی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان تھیلیوں کے نیچے کیا تھا۔ یہ ابھی اسے پتا نہیں چل سکتا تھا۔ البتہ بریف کیس کی جیبوں میں نوٹوں کے بنڈل نظر آ رہے تھے۔

شارق نے چار پانچ بنڈل نکال کر پلنگ پر رکھ دیئے اور ہیروئن کے پیکٹ اٹھا کر باہر رکھنے لگا۔ ان کے نیچے بھی نوٹوں کے بنڈل تھے۔ شارق نے وہ تمام بنڈل بھی نکال لئے۔ ان کے نیچے سے برآمد ہونے والی چیز دیکھ کر ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

وہ پستول تھا۔ ثمینہ جب سے شارق کے ساتھ جرائم کی اس دلدل میں پھنسی تھی اس نے کئی اقسام کے پستول اور ریوالور دیکھے تھے۔ لیکن اس قسم کا پستول اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ عام پستولوں سے بہت مختلف تھا۔ اس کی نال آگے کو نکلی ہوئی تھی اور اس میں ڈبل میگزین استعمال ہوتا تھا۔ ایک میگزین عام پستولوں کی طرح بٹ کے اندر۔ اس میں سات گولیاں آتی تھیں۔ اور دوسرا میگزین بٹ کے آگے فٹ کیا جا سکتا تھا۔ اس میں اٹھائیس گولیاں آتی تھیں۔ وہ میگزین بھی پستول کے ساتھ رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی سائیلنسر بھی رکھا ہوا تھا۔ جسے بوقت ضرورت فٹ کیا جا سکتا ہے۔

"یہ کیسا پستول ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"کسی بھی پستول یا ریوالور کی گولی لگنے کے بعد زخمی کو بچایا جا سکتا بشرطیکہ گولی دل میں نہ لگی ہو لیکن اس پستول کی گولی لگنے کے بعد کسی کا زندہ بچ جانا ممکن ہی نہیں' خواہ گولی جسم کے کسی بھی حصے میں لگی ہو۔" شارق نے کہتے ہوئے پستول اٹھا لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"کوئی خاص وجہ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کی گولی جسم میں داخل ہونے کے بعد پھٹ جاتی ہے اور نہ صرف جسم کے اندرونی حصے کے بلکہ بیرونی حصے کے بھی پرخچے اڑا دیتی ہے اور دنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر جسم کے ان چیتھڑوں کو نہیں جوڑ سکتا۔" شارق نے بتایا۔

"حیرت انگیز۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"حاجی کے لئے اس کی ایک ہی گولی کافی ہو گی۔ لیکن میں اس کی ساری گولیاں اس کے گندے جسم میں اتار دوں گا۔ اس کی لاش اس طرح بکھر جائے گی کہ اسے سمیٹنا مشکل ہو جائے گا۔" شارق نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

"اس نے پستول کا فاضل میگزین اور سائلنسر بھی باہر نکال لیا اور نوٹوں کے بنڈل اور ہیروئن کے پیکٹ دوبارہ بریف کیس میں بھرنے لگا۔ اس نے نوٹوں کے چند بنڈل باہر ہی رہنے دیئے تھے۔

پھر بریف کیس بند کر کے اسے دوبارہ خفیہ خانے میں رکھ کر الماری بند کر دی۔ اس نے الماری کا میکنزم ثمینہ کو بھی سمجھا دیا تھا۔

"ایک بات ذہن میں رکھنا ثمینہ۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم نے اب تک بڑے بڑے خطرناک لوگوں کا مقابلہ کیا ہے۔ ماجھا گجر جیسے آدمی کے گروہ کا قلع قمع کیا ہے۔ اب ہمارا مقابلہ حاجی جیسے آدمی سے ہے۔ حاجی دنیا کا خطرناک ترین آدمی ہے۔ یہ تو تم نے بھی اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس کا گروہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سے پنگا لینے کے بعد یہ دنیا ہمارے لئے بہت تنگ ہو جائے گی اور ہمیں دنیا کے کسی ملک میں پناہ نہیں ملے گی۔ لیکن میں نے طے کر لیا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑنا۔ اس نے نہ صرف ہمیں دھوکے سے مروانے کی کوشش کی تھی' بلکہ رضیہ اور اماں کو ایک بار پھر دربدر ہونا پڑا۔ خدا جانے وہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہوں گی۔"

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ دونوں خیریت سے ہوں گی لیکن۔" ثمینہ بات کرتے ہوئے ایک لمحہ کو رکی پھر بولی۔ "لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی کو کچھ ہوا تو اس کا انتقام حاجی سے میں لوں گی۔"

"سہیل سے صحیح صورتحال کا پتہ چلے گا۔" شارق نے کہا۔ "اس کے آنے کے بعد ہی کچھ سوچا جائے گا۔"

ثمینہ جواب میں خاموش رہی۔ شارق نے پستول میں بڑا میگزین اور سائلنسر بھی فٹ کر دیا اور اسے بیڈ کے میٹریس کے نیچے رکھ دیا۔

"مزنگ والے اڈے پر راجہ کو چھوڑ کر گئے تھے نا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "لیکن مجھے امید ہی نہیں' یقین ہے کہ حاجی نے وہاں بھی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کی ہو گی۔ آج رات میں اس کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"وہ دونوں دیر تک مزنگ والے اڈے کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ مزنگ والا اڈا ہی وہ جگہ تھی جو ان کا مضبوط گڑھ تھی۔ شارق نے اگرچہ طے کر لیا تھا کہ اب وہ ہیروئن کے دھندے کی مخالفت کرے گا اور اپنے تمام اڈے ختم کر دے گا۔ لیکن مزنگ والا اڈا اب بھی اس کے لئے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ یہاں بیٹھ کر اپنے منصوبے پر عمل کر سکتا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا اور جیجا شلی ابھی لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ ایک مرتبہ تو شارق نے سوچا کہ وہ باہر جا کر کسی جگہ سے سہیل کو ٹیلی فون کرے۔ لیکن اس خیال کو اس نے ذہن سے

aazzamm@yahoo.com

نکال دیا۔ وہ دوسروں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

رات نو بجے کے قریب دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ شارق کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ اس مکان کے عین سامنے سڑک پر لگے ہوئے کھمبے پر بلب جل رہا تھا جس کی روشنی میں گیٹ کے اندر کی طرف کھڑا ہوا سہیل صاف نظر آ رہا تھا جبکہ جیجا شلی دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

شارق نے دروازہ کھول دیا۔ جیجا شلی اور اس کے پیچھے سہیل بھی اندر آ گیا۔ سہیل' شارق سے اس طرح ملا تھا جیسے برسوں سے بچھڑے ہوئے ہوں۔ حالانکہ ان کی آخری ملاقات تقریباً" تین مہینے پہلے ہوئی تھی۔ وہ دونوں کمرے میں آ گئے جہاں ثمینہ بھی کھڑی تھی۔ کچھ دیر تک ایک دوسرے کے بارے میں پوچھتے رہے پھر شارق جلد ہی اصل موضوع پر آ گیا۔

"رضیہ اور ماں جی کہاں اور کس حال میں ہیں۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے تفصیل سے بتاؤ۔" شارق نے کہا۔

"ان کے ساتھ تو واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"تمہارے جانے کے تقریباً" ایک مہینہ بعد ماں جی میرے پاس آئی تھیں۔" سہیل کہنے لگا۔ "وہ بے حد پریشان تھیں' انہوں نے بتایا کہ حاجی نے فون پر انہیں دھمکی دی ہے کہ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر مکان خالی کر دیں۔ کیونکہ وہ مکان اس نے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے' اور ایک ہفتے بعد وہ اس مکان کا قبضہ لینے کے لئے آ جائے گا اور اگر مکان خالی نہ کیا گیا تو ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے گا۔ حاجی نے ماں جی کی کوئی بات سنی نہیں تھی اور فون بند کر دیا تھا۔

میں نے حاجی سے ملنے کی کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر میں نے رجسٹرار کے دفتر سے معلومات حاصل کیں تو یہ انکشاف ہوا کہ حاجی کے پاس رضیہ کی طرف سے اس مکان کی ناقابلِ تنسیخ پاور آف اٹارنی موجود ہے اور وہ اس کی رو سے یہ مکان فروخت کر سکتا ہے۔ جبکہ رضیہ کا یہ کہنا ہے کہ اس نے کسی کو پاور آف اٹارنی نہیں دی۔ وہ مکان تمہاری موجودگی میں اس کے نام ٹرانسفر ہوا تھا۔ اس کے بعد رضیہ نے کسی کاغذ پر دستخط نہیں کئے۔ میں رضیہ اور ماں جی کو لے کر پولیس سٹیشن بھی گیا تھا تاکہ اس دھوکہ دہی پر حاجی کے خلاف رپورٹ درج کرائی جا سکے لیکن حاجی کا نام سن کر پولیس نے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اسی دوران ایک رات حاجی کے چند گرگے میرے ریسٹورنٹ میں گھس آئے اور توڑ پھوڑ کرنے کے بعد مجھے دھمکی دی کہ میں اس مکان والے معاملے سے الگ رہوں بصورت دیگر میرے ہوٹل کو بھی آگ لگا دی جائے گی۔

اس کے ٹھیک ایک ہفتے بعد حاجی کے چند گرگے مکان پر پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ پولیس والے بھی تھے۔ انہوں نے رضیہ اور ماں جی کو گھر سے نکال دیا اور سامان بھی اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ بلکہ بیشتر سامان تو وہ ٹرک پر لاد کر لے گئے۔ ماں جی اور رضیہ یہاں میرے پاس آ گئی تھیں۔ وہ ایک رات میرے پاس رہی تھیں' پھر میں نے انہیں گلشن راوی میں اپنے ایک دوست کے گھر پہنچا دیا۔ اس دوران میں نے قانون کی مدد حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حاجی کو پتا چل گیا تھا کہ رضیہ اور ماں جی کہاں ہیں۔ اس کے غنڈے وہاں بھی انہیں پریشان کرتے رہے۔ میں نے انہیں وہاں سے بھی ہٹا دیا۔"

"اب وہ کہاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔ سہیل کی باتیں سن کر اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھ کر جائے اور حاجی کا جسم چھلنی کر دے۔

"میں نے اپنے ایک دوست کے توسط سے چاہ میراں میں ایک مکان کرائے پر حاصل کر لیا تھا اور انہیں چوری چھپے وہاں منتقل کر دیا تھا۔ میں نے رضیہ کو بھی سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ عرصہ تک یونیورسٹی نہ جائے۔ گھر سے باہر نکلنے کے لئے بھی وہ برقعہ استعمال کرے۔ حاجی کے گرگے ان دونوں کو تلاش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ میں بھی ان لوگوں سے نہیں ملتا۔ کیونکہ حاجی کے بندے میری بھی نگرانی کر رہے ہیں۔ ٹیلی فون پر دن میں ایک دو مرتبہ ان سے بات کر لیتا ہوں۔ ماں جی کو اس بات کا بہت صدمہ پہنچا ہے۔ وہ مسلسل بیمار رہنے لگی ہیں۔

"تو کیا اب بھی تمہاری نگرانی کی جا رہی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں۔" سہیل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تمہارا یہ بندہ جب میرے ہوٹل پہنچا تھا تو میں اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں تقریباً" ایک گھنٹے بعد آیا تھا اور اب سے تقریباً" ایک گھنٹہ پہلے اس کے ساتھ وہاں سے نکلتے وقت میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کسی کی نظروں میں نہ آنے پاؤں۔ ویسے مجھے امید ہے کہ یہاں تک میرے پیچھے کوئی نہیں آیا۔"

"تم حاجی کو نہیں جانتے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہاں تک تمہارا تعاقب کیا گیا ہو اور تمہیں پتا نہ چلا ہو۔ لیکن بہرحال میں ابھی اور اسی وقت ماں جی اور رضیہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے پتا سمجھا دو' میں پہنچ

aazzamm@yahoo.com

جاؤں گا' وہ سارا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔"

"میراں صاحب کے دربار کے پچھلی طرف دوسری گلی میں ہے وہ مکان۔" سہیل نے کہا اور مکان نمبر بھی بتا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔ "اور مزنگ کی طرف سے کوئی خبر ہے؟"

"زیادہ نہیں لیکن سنا ہے کہ حاجی نے تمہارے مزنگ اڈے والے ایک آدمی کو اٹھوا کر اپنے گرگوں سے اس کی پٹائی کرا دی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگوں اور دونوں بازوؤں کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہیں اور وہ میو ہسپتال میں مفلوج پڑا ہے۔" سہیل نے کہا۔

"راجہ کی بات تو نہیں کر رہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں--- شاید یہی نام ہے اس کا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"اور رضیہ کی گاڑی کا کیا ہوا؟" یہ بات سہیل سے ثمینہ نے پوچھی تھی۔

"وہ گاڑی بھی حاجی نے چھین لی تھی۔" سہیل نے کہا۔ "اخراجات کے لئے اگرچہ رضیہ کے اکاؤنٹ میں خاصی رقم موجود ہے لیکن وہ حاجی کے ڈر سے بینک کا رخ بھی نہیں کرتی۔ اخراجات کے لئے میں انہیں رقم بھجوا دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اب تم جاؤ۔ تمہارے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے نکلوں گا اور تم دوبارہ یہاں مت آنا۔ ضرورت پڑی تو میں خود ہی تم سے رابطہ کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔" سہیل کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

سہیل کے جانے کے بعد شارق جیجا شلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم نے ٹرین کا معلوم کیا؟"

"ہاں جی۔" جیجا شلی نے سر ہلا دیا اور ٹرین کے بارے میں بتانے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے تکئے کے نیچے سے نوٹوں کے تین بنڈل نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "یہ تین لاکھ روپے ہیں۔ تم کل ہی کوئٹہ روانہ ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرو۔ کل جانے سے پہلے سہیل سے مل کر جانا۔ کوئی بات ہوئی تو وہ تمہیں بتا دے گا۔ اگر مزید پیسوں کی ضرورت ہوئی تو سہیل کو فون کر دینا۔ پیسے تمہیں پہنچ جائیں گے اور ہاں۔ ہم بھی ابھی جا رہے ہیں۔ رات کو ہماری واپسی نہیں ہو گی۔ تم صبح جب یہاں سے نکلو تو چابی دروازے کی چوکھٹ کے اوپر رکھ دینا۔" شارق اسے چابی کی جگہ کے بارے میں بتانے لگا۔

"میں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے شارق جاؤ۔" جیجا شلی نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق نے اسے گھورا۔

"میں تمہیں ان حالات میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" جیجا نے جواب دیا۔

"دیکھو میرے بھائی۔" شارق نے اسے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔ "یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ میرا درد سر ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ لیکن اگر تمہارے بیٹے کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوبست نہ ہو سکا تو اسے پھانسی ہو جائے گی۔ تم ہماری فکر مت کرو اور کل کوئٹہ کے لئے روانہ ہو جاؤ۔"

شارق بہت دیر تک اسے سمجھاتا رہا اور بالآخر رات گیارہ بجے کے قریب وہ ثمینہ کے ساتھ گھر سے نکل آیا۔ اس نے نوٹوں کی دو گڈیاں جیبوں میں ٹھونس لی تھیں اور پستول قمیض کے نیچے پینٹ میں اڑس لیا تھا۔ قمیض اس نے باہر نکال لی تھی۔ اس طرح پستول چھپ گیا تھا۔ ثمینہ نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔

سڑک پر آتے ہی انہیں ایک رکشہ مل گیا۔ شارق نے ڈرائیور کو ریلوے سٹیشن چلنے کو کہا اور رکشہ حرکت میں آ گیا۔

ریلوے سٹیشن پر انہوں نے رکشہ چھوڑ دیا اور سیڑھیاں چڑھ کر پل عبور کر کے سٹیشن کے دوسری طرف جی ٹی روڈ پر آ گئے۔ یہاں کئی تانگے کھڑے تھے۔ زیادہ تر تانگے باغبانپورہ جانے کے لئے تھے۔ شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سڑک پار کر کے دوسری طرف ایک تنگ سی سڑک کے موڑ پر آ گیا۔ چادر میں لپٹی ہوئی ثمینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

سلطان پورہ اور تیزاب احاطے کے موڑ اور گھوڑے شاہ سے ہوتی ہوئی یہ سڑک بھی باغبانپورہ کی طرف چلی گئی تھی۔ شارق ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا ایک تانگے میں بیٹھ گیا۔ تانگے والا گھوڑے شاہ کی آواز لگا رہا تھا۔ شارق نے اسے اشارہ کیا۔ تو کوچوان اپنی سیٹ پر آ گیا اور گھوڑے کو ہانک دیا۔

تیزاب احاطے کے موڑ پر شارق نے تانگہ رکوا لیا۔ یہیں سے ایک راستہ چاہ میراں کی طرف جاتا تھا۔ تانگے والے کو پیسے دینے کے بعد وہ دونوں اس راستے پر چل پڑے۔ اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے اور اس راستے پر زیادہ آمد و رفت نہیں تھی۔ اس کے باوجود شارق محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ گھر سے نکلنے کے بعد سے اب تک اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ان کی نگرانی تو نہیں ہو رہی۔ لیکن اب تک کوئی ایسا شخص نظروں میں نہیں آیا تھا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا ہو۔

اسی راستے پر کچھ آگے جا کر میراں صاحب کا دربار تھا۔ شارق سیدھا جانے کے بجائے بائیں

aazzamm@yahoo.com

طرف ایک گلی میں مڑ گیا۔ اس طرح وہ دربار کے پچھلی طرف نکل آئے۔ سہیل کا بتایا ہوا نمبر شارق کو یاد تھا۔ ہر گلی کے کونے والے مکان پر گلی کا نام اور نمبر لکھا تھا۔

گلیوں میں کہیں کہیں بجلی کے کھمبے تو تھے لیکن بلب کسی کسی کھمبے پر ہی تھا۔ گلیاں نیم تاریک اور سنسان پڑی تھیں۔ ان گلیوں میں انہیں ابھی تک کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ البتہ ایک دو آوارہ کتوں نے بھونک کر ان کا استقبال کیا تھا۔

شارق ایک گلی میں داخل ہو کر ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ اس مکان کے دروازے کے اوپر زیرو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی بہرحال اتنی تھی کہ دروازے پر لگی ہوئی نمبر پلیٹ دیکھی جا سکتی تھی۔ صاحب خانہ کے نام کے نیچے گلی کا نام اور مکان نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ شارق آگے بڑھ گیا اور تیسرے مکان کے سامنے رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ شارق کے حساب سے یہی مکان ہونا چاہئے تھا۔

تیسری مرتبہ دستک کے جواب میں اندر کوئی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک کمزور سی نسوانی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ شارق اور ثمینہ نے مریم کی آواز پہچان لی۔

"دروازہ کھولئے ماں جی۔ میں ہوں ثمینہ۔" ثمینہ نے کواڑ کی جھری سے منہ لگا کر کہا۔ اس کی آواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔

"کون ثمینہ؟ یہاں کوئی ثمینہ نہیں رہتی۔" اندر سے جواب ملا۔ اس مرتبہ آواز قریب سے آئی تھی۔

"میں ثمینہ ہوں ماں جی۔ شارق بھی میرے ساتھ ہے۔ دروازہ کھولئے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

اس مرتبہ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی شارق اور ثمینہ اندر داخل ہو گئے۔ ثمینہ نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔

چھوٹا سا آنگن تھا۔ ایک طرف سو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ مریم کچھ دیر تک باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر شارق سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ اس دوران رضیہ بھی کمرے سے نکل آئی۔ وہ دوڑ کر ثمینہ سے لپٹ گئی۔

یہ لوگ کچھ دیر تک صحن ہی میں کھڑے رہے اور پھر کمرے میں آ گئے۔ مکان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ صرف دو کمرے تھے۔ صحن میں ایک طرف کچن تھا اور دوسری طرف دروازے کے قریب باتھ روم۔ جس کمرے میں وہ لوگ آئے تھے اس میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک

چارپائی کے نیچے دو اٹیچی کیس رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی۔ پانچ چھ کرسیاں اور سینٹر ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔

وہ چارپائیوں پر ہی بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد رضیہ چائے بنا کر لے آئی اور مریم رو رو کر حاجی کے ظلم کی داستان سناتی رہی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا مریم کو اس کا بہت صدمہ پہنچا تھا اور اس صدمے سے وہ بیمار ہو گئی تھی۔

"حاجی نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے" وہ رو رو کر بتا رہی تھی۔ "اس نے نہ صرف ہمیں مکان سے نکال دیا' بلکہ ہمیں مار دینے کی بھی دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ اگر سہیل نہ ہوتا' تو نجانے ہمارا کیا ہوتا۔ یہاں ہم چوروں کی طرح چھپے بیٹھے زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔"

"اب میں آ گیا ہوں ماں جی۔" شارق نے کہا۔ "اگر حاجی کو آپ کے قدموں پر ڈھیر نہ کیا تو میرا نام بھی شارق نہیں۔"

"نہیں بیٹا۔" مریم بولی۔ "حاجی نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ خدا کے لئے چھوڑ دو یہ سب کچھ اور ہمیں لے کر کسی ایسی جگہ چلے چلو' جہاں حاجی جیسے شخص کا سایہ بھی نہ پہنچ سکے۔ تم نے ہمیں جو پیسے دیئے تھے وہ جوں کے توں بینک میں موجود ہیں۔ ہم کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں گے۔ تم ان پیسوں سے کوئی کام شروع کر لینا۔ مکان گاڑی ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔"

"ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "دنیا میں کوئی بھی جگہ حاجی جیسے لوگوں سے محفوظ نہیں ہے۔ ہم جہاں بھی جائیں گے حاجی جیسے لوگ ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے اور آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ جیل سے نکلنے کے بعد میں نے شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش کی تھی' لیکن مجھے ایک دن بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا گیا۔ میں نے زندہ رہنے کے لئے وہی راستہ اختیار کر لیا جو یہ لوگ چاہتے تھے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ حاجی نے آپ کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اب مجھے صورتحال کا مقابلہ کرنے میں آسانی رہے گی' آپ پریشان نہ ہوں' صرف چند روز کی بات ہے' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میری بات مان لو بیٹا۔ چھوڑ دو یہ سب کچھ۔" مریم بولی۔ "حاجی نے کہا تھا کہ اب میں تمہاری شکل نہیں دیکھ سکوں گی۔ تم جہاں گئے ہو' وہاں سے زندہ واپس نہیں آ سکو گے۔"

"اس نے ٹھیک کہا تھا۔" شارق نے کہا۔ "حاجی نے تو ہمیں موت کے سفر پر ہی بھیجا تھا۔ لیکن میں اس کی موت بن کر واپس آیا ہوں۔ اب وہ زیادہ عرصہ اس دنیا میں نہیں رہ سکے گا۔ پھر وہ رضیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"مجھے افسوس ہے رضیہ۔ میری وجہ سے تم لوگوں کو پریشانی اٹھانا پڑی۔ تمہاری تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ لیکن چند روز کی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ماں جی کا علاج کس سے کروا رہی ہو؟"

"محلے میں ایک ڈاکٹر ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "سہیل تو انہیں ڈاکٹر مشتاق کے پاس لے جانا چاہتا تھا' لیکن حاجی کے خوف سے میں انہیں کہیں اور نہیں لے جا رہی۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔۔۔۔۔ آپ آ گئے ہیں۔ ماں جی کی ساری بیماریاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ دیکھ لینا چند روز بعد یہ ہٹی کٹی ہو جائیں گی۔" وہ بات کرتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "میں کل مکان کا بندوبست کرتا ہوں دو تین دن بعد ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے۔"

"اب ہمیں چھوڑ کے مت جانا بیٹا۔" مریم نے کہا۔

"نہیں ماں جی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔" شارق بولا۔

"وہ باتیں کرتے رہے۔ صبح کے چار بج گئے تھے۔ مریم اونگھنے لگی تھی۔

"اچھا بھئی۔ اب باقی باتیں صبح ہوں گی۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ "میں یہاں دری پر ہی سو جاتا ہوں اور ثمینہ تم رضیہ کے ساتھ لیٹ جاؤ۔"

"رضیہ اور ثمینہ دوبارہ اسی کمرے میں آ گئیں۔ مریم سو چکی تھی۔ وہ دونوں چارپائی پر لیٹ کر کھسر پھسر کرنے لگیں۔ رضیہ نے ثمینہ کے ساتھ لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

شارق دوسرے کمرے میں دری پر لیٹا صورتحال پر غور کر رہا تھا۔ حاجی نے واقعی بہت کمینگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت شارق اور ثمینہ کو افغانستان بھیجا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شارق کو افغانستان میں ختم کر دیا جائے گا اور اس طرح سب سے بڑا کانٹا اس کے راستے سے نکل جائے گا۔ لیکن اس کی یہ سازش ناکام ہو گئی تھی اور شاید حاجی کو بھی پتا چل گیا ہو گا کہ شارق زندہ بچ گیا ہے۔ لیکن اسے ابھی تک یہ پتا نہیں چلا تھا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک دو روز میں اسے پتا چل ہی جائے گا۔ شارق نے یہ طے کر لیا تھا کہ حاجی کی طرف سے وار کرنے کا انتظار کرنے کے بجائے وہ خود پہل کرے گا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا لیکن حاجی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے وہ رضیہ اور مریم کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں بیچاری اس چھوٹے سے مکان میں

کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی تھیں اور شارق نے طے کیا تھا کہ اس مرتبہ انہیں علیحدہ رکھنے کے بجائے خود بھی ان کے ساتھ ہی رہے گا اور چھپنے کے بجائے کھل کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرے گا۔

شارق اگرچہ صبح پانچ بجے کے لگ بھگ سویا تھا لیکن نو بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ ثمینہ وغیرہ جاگ چکی تھیں۔ شارق دری پر لیٹا اینٹھ رہا تھا کہ رضیہ چائے کا کپ لے کر اندر آ گئی۔

"یہ آپ کی بیڈ ٹی۔" رضیہ چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "جلدی سے حلق سے انڈیلیے اور تیار ہو جائیے ناشتے کے لئے۔۔۔۔ آپ کے انتظار میں امی نے بھی ابھی تک ناشتا نہیں کیا ہے۔"

"اوہ۔" شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ "پڑوسیوں کو اپنے بارے میں تم لوگوں نے کیا بتایا ہے۔"

"ہمارا زیادہ لوگوں کے ہاں آنا جانا نہیں ہے۔ ایک دو پڑوسنیں کبھی آ جاتی ہیں۔ امی نے انہیں بتایا تھا کہ ان کا بیٹا اور بہو یعنی آپ اور ثمینہ کراچی میں رہتے ہیں اور کبھی کبھی آتے ہیں۔"

"بیٹا اور بہو۔۔۔۔" شارق بڑبڑایا۔

"امی ٹھیک ہی تو کہتی ہیں اور اس میں کچھ غلط۔۔۔۔۔" ثمینہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر رضیہ خاموش ہو گئی اور بات بدلتے ہوئے بولی۔ "اب آپ جلدی سے اٹھ جائیں۔ مجھے اور ثمینہ کو بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

"بس تم ناشتا تیار کرو۔ میں اٹھ گیا۔" شارق نے کہتے ہوئے کپ میں بچی ہوئی چائے حلق میں انڈیلی اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ سب دری پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ ناشتے کے بعد مریم تو اپنے کمرے میں چلی گئی اور ثمینہ برتن اٹھانے لگی۔ رضیہ کرسیوں کے کشن درست کرنے لگی۔ اس نے جیسے ہی ایک کشن اٹھایا کرسی پر پڑا ہوا پستول دیکھ کر اچھل پڑی۔

"یہ۔۔۔۔۔ یہ کیا ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اسے پستول کہتے ہیں۔" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہارے مطلب کی چیز نہیں ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔"

رضیہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کشن پستول کے اوپر پھینک دیا اور دوسرے کام کرنے لگی۔ اس نے پستول کے بارے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

دس بجے کے قریب شارق گھر سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ مریم والے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ رضیہ اس وقت کمرے میں تھی۔ اس نے باہر آ کر بتایا کہ سہیل کا فون ہے اور وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ شارق کو یاد آ گیا کہ کل سہیل نے بتایا کہ اس گھر میں ٹیلی فون بھی موجود ہے اور وہ دن میں ایک دو بار فون پر رضیہ اور مریم سے بات کر لیا کرتا ہے۔ شارق مریم والے کمرے میں آ گیا۔

"ہیلو سہیل۔" شارق ریسیور اٹھاتے ہوئے بولا۔ "خیریت؟"

"ہاں۔ خیریت ہی ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر بعد پہلے جیجا شکل آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تم رات کو ماں جی کے ہاں چلے جاؤ گے۔"

"ہاں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ صبح جاتے ہوئے گھر کی چابی چوکھٹ پر رکھ جائے۔ وہ آج کوئٹہ جا رہا ہے۔" شارق بولا۔

"میں نے یہی بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ اس نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے' وہ کوئٹہ نہیں جا رہا ہے۔" سہیل نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق بولا۔

"وہ تم سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔ "تم نے اسے کچھ رقم دی تھی کہ کوئٹہ جا کر اپنے بیٹے کی ضمانت کا بندوبست کرے اور اس کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرے۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ تمہیں ان حالات میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ تمہارے پاس رہنا چاہتا ہے۔"

"بیوقوف ہے وہ۔" شارق بولا۔ "اگر وہ تمہارے پاس موجود ہے تو میری بات کراؤ اس سے۔"

"وہ گھر چلا گیا ہے اور جو رقم تم نے اسے دی تھی وہ مجھے دے گیا ہے۔" سہیل بولا۔

"ٹھیک ہے۔ رقم تم اپنے پاس رکھو۔ میں شام کو اس سے ملوں گا۔ وہ بیوقوف آدمی ہے۔ اس کے بیٹے کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے اور وہ میری محبت میں۔۔۔۔۔"

"وہ بہت معصوم آدمی ہے۔" سہیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر وہ اس دوران میرے پاس آیا تو میں بھی اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ بہرحال تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں ابھی گھر سے نکل رہا ہوں۔ سب سے پہلے مجھے مکان کا بندوبست کرنا ہے۔ اگر آج ہی مکان کا بندوبست ہو گیا تو ماں جی کو لے کر وہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد ہی کوئی پروگرام بناؤں گا۔

"ٹھیک ہے۔ اس دوران موقع ملے تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔" سہیل نے کہا۔

شارق نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ کچھ دیر ماں جی سے باتیں کرتا رہا پھر ثمینہ کو کچھ ہدایات دیتا ہوا گھر سے رخصت ہو گیا۔

سڑک پر آتے ہی اسے رکشہ مل گیا۔ شارق کا خیال تھا کہ وہ گلبرگ میں کوئی مکان تلاش کرے گا۔ گلبرگ تک جانے کے لئے اس نے تین رکشے بدلے تھے۔

گلبرگ لبرٹی چوک کے قریب اس نے رکشہ چھوڑ دیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر ٹہلتا رہا وہ یہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ کسی کی نظروں میں تو نہیں آیا۔ پھر مطمئن ہو کر ایک پراپرٹی ڈیلر کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ اس کا استقبال ایک ادھیڑ عمر عورت نے کیا تھا۔ وہ مینجر کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ دو میزیں اور بھی تھیں جن پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اس عورت کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور فوراً ہی اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا۔

"آپ نے جس قسم کے بنگلے کی ڈیمانڈ کی ہے' میرے پاس دو بنگلے ہیں۔" وہ عورت ایک رجسٹر کھول کر دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ چند لمحے رجسٹر کو دیکھتی رہی پھر ان بنگلوں کی مکانیت اور دیگر دستیاب سہولتوں کے بارے میں بتانے لگی۔

"میں یہ دونوں بنگلے دیکھنا چاہوں گا۔" شارق بولا۔

"چلئے۔ میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" وہ عورت رجسٹر بند کر کے کرسی سے اٹھ گئی۔ اس نے دوسری میز پر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کو اشارہ کیا۔ اس نے میز کی دراز سے دو الگ الگ چابیاں نکالیں اور ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

دفتر کے سامنے سرخ رنگ کی سوزوکی مرگلہ سیڈرن کھڑی تھی۔ اس عورت نے ہینڈ بیگ میں سے کی رنگ نکال کر کار کا دروازہ کھولا اور اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھتے ہوئے دوسرے دروازے بھی کھول دیئے۔ نوجوان آگے بیٹھ گیا اور شارق پچھلی سیٹ پر۔

وہ دونوں بنگلے زیادہ دور نہیں تھے۔ شارق کو دوسرا بنگلہ پسند آیا تھا۔ اس میں تین بیڈ روم تھے۔ ٹی وی لاؤنج کشادہ ڈرائنگ روم' برآمدے کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ لان کی حالت بتا رہی تھی کہ بنگلہ خالی ہونے کے باوجود اس کی دیکھ بھال کی جاتی رہی تھی۔ اس بنگلے میں سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اوپر بھی سامنے کے رخ پر ایک کمرہ تھا۔ جو اس عورت کے کہنے کے مطابق اسٹڈی روم بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن شارق نے اس کمرے کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ لیا تھا اور اسی لئے اسے یہ بنگلہ پسند بھی آ گیا تھا۔

وہ دفتر واپس آ گئے۔ شارق نے اسی وقت معاملہ طے کر لیا اور بنگلے کے مالک کو بلوا کر

aazzamm@yahoo.com

ایگریمنٹ بھی کر لیا اور رقم کی ادائیگی کر کے بنگلے کی چابی لے لی۔

شام سے پہلے پہلے شارق نے بنگلے میں فرنیچر اور دیگر ضروری اشیاء بھی لا کر ڈال دیں۔ رات دس بجے کے قریب وہ اس کام سے فارغ ہوا۔ اب اس بنگلے میں رہائش اختیار کی جا سکتی تھی۔ دوسرا سامان بعد میں بھی آ سکتا تھا۔

گلبرگ سے شارق سیدھا چوبرجی پہنچا۔ اپنے مکان والی گلی میں مڑتے ہوئے اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا جیسے دو آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں۔ اس نے کئی مرتبہ مڑ کر دیکھا تھا۔ لیکن آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

اپنے مکان کے بیرونی گیٹ میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر چوکھٹ کے اوپر والے حصے سے چابی اٹھائی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مکان کے اندر رقم رکھتے ہوئے بھی اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے چند لمحے تاریکی میں کھڑا رہا۔ پھر دیوار ٹٹول کر بلب جلا دیا۔ روشنی ہونے کے بعد بھی وہ کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر پنجے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

سہیل نے صبح فون پر بتایا تھا کہ جیجا شلی نے کوئٹہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں اسے گھر پر ہی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کھانا کھانے یا چائے وغیرہ پینے کے لئے کہیں گیا ہو۔

شارق اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور جیسے ہی اس نے بتی جلائی اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کی آنکھیں وحشت سے پلٹتی چلی گئی۔

پلنگ پر جیجا شلی کی لاش پڑی تھی۔

اس کی پیشانی میں سوراخ تھا جس سے بہنے والے خون نے اس کے چہرے، گردن اور بستر کی چادر کے کچھ حصے کو داغدار کر دیا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں میں بے پناہ خوف جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

شارق چند لمحے بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر آگے بڑھ کر پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ تکئے کے قریب ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ اٹھا لیا۔ آڑھی ترچھی ہینڈ رائٹنگ میں مختصر تحریر تھی۔

"شارق! مجھے تمہاری واپسی کا اسی روز پتا چل گیا تھا جب تم جھنگ پہنچے تھے اور جب تم نے لاہور میں قدم رکھا تھا مجھے اس وقت بھی اطلاع مل گئی تھی۔ تمہارا یہ خفیہ ٹھکانا اسی رات میری

نظروں میں آ گیا تھا۔

جیجا شلی سے اگرچہ میری کوئی دشمنی نہیں ہے، لیکن بعض اوقات گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ اس کی لاش کو میری طرف سے تحفہ سمجھو یا وارننگ۔ میں تمہیں تین دن کا وقت دے رہا ہوں۔ اس شہر سے نکل جاؤ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ افغانستان سے تو بچ کر آ گئے ہو لیکن اگر تین دن بعد اس شہر میں نظر آئے تو تم زندہ نہیں رہو گے۔"

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے چھٹے حصے کا مطالعہ کریں۔

AZAM

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

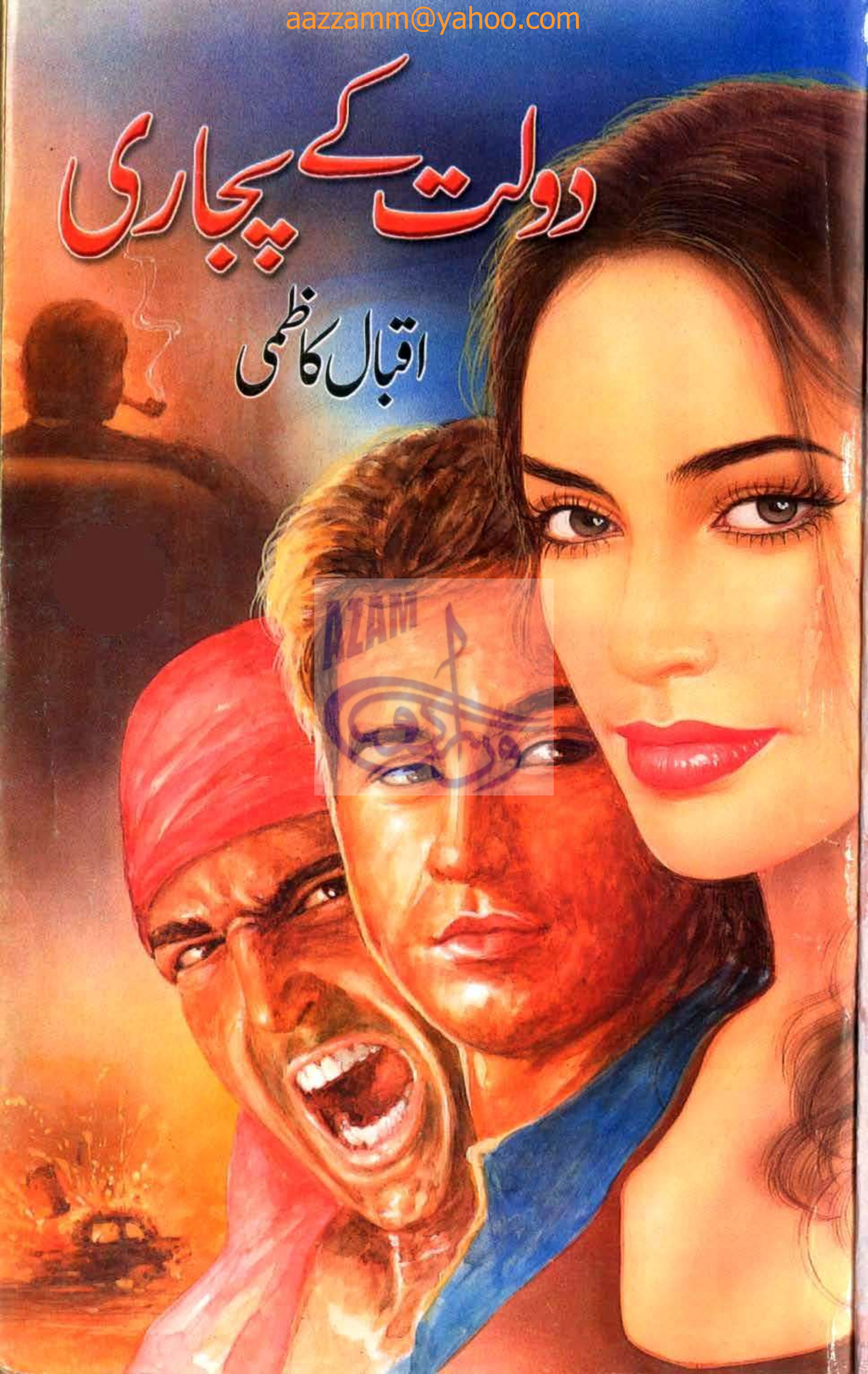

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

6

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیراسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66روپے

Scanned By:
Azam & Ali

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ خط کس نے لکھا تھا۔ صرف حاجی ہی افغانستان کا حوالہ دے سکتا تھا۔ یہ تحریر پڑھ کر شارق کا خون کھول گیا۔ اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ اس نے کاغذ پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

الماری کھلی ہوئی تھی۔ کپڑے اور تمام چیزیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ اس کمرے سے نکل آیا اور گھوم پھر کر گھر کا جائزہ لینے لگا۔ اس گھر میں کوئی اور ایسی جگہ نہیں تھی جس کی تلاشی لینے کی ضرورت پڑتی۔ وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آگیا اور خفیہ میکنزم کے ذریعے الماری کے پیچھے پوشیدہ خانہ کھول لیا۔ وہ بریف کیس جوں کا توں موجود تھا۔ اس نے بریف کیس نکال لیا اور خفیہ خانہ بند کر دیا اور ایک بار پھر جیجا شلی کی لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے شلی کی موت کا افسوس ہو رہا تھا۔ بے چارہ بے گناہ مارا گیا تھا۔

اس نے آخری نظر لاش کی طرف دیکھا اور بریف کیس اٹھا کر کمرے سے باہر آگیا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا اس مکان کے بارے میں حاجی کو پتا چل گیا تھا۔ اس کے آدمی بڑے اطمینان سے یہاں آکر جیجا شلی کو قتل کر کے چلے گئے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ چابی کہاں رکھی جاتی تھی یا ہو سکتا ہے انہوں نے شلی سے معلوم کر لی ہو۔

شارق کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ ہو سکتا ہے اس وقت بھی مکان کی نگرانی کی جا رہی ہو اسے مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر پولیس کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ پولیس کے لئے موسٹ وانٹڈ آدمی تھا۔ اگر وہ پولیس کی گرفت میں آگیا تو حاجی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اسے اپنے دشمن سے نجات مل جائے گی۔

یہ سوچتے ہی شارق تیزی سے باہر نکلا۔ اس نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا۔ تالا لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور باہر کے گیٹ کے پاس آکر اس کے اوپر سے گلی میں جھانکنے لگا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ وہ بڑی آہستگی سے گیٹ کھول کر باہر آگیا اور سڑک کی طرف جانے کے بجائے بائیں طرف مڑ گیا۔ چند گز آگے دائیں طرف ایک اور تنگ سی گلی مڑتی تھی جو اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شارق اس گلی میں مڑا ہی تھا کہ ایک گاڑی

aazzamm@yahoo.com

تیزی سے سڑک سے اس کے مکان والی گلی میں مڑی۔ شارق اس وقت بڑی پھرتی سے اس تنگ اور تاریک گلی میں مڑ گیا تھا۔ اس نے ایک لمحہ کو مڑ کر دیوار کی آڑ سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گی۔

وہ پولیس کی جیپ تھی جو بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے اس کے مکان کے سامنے رکی تھی اور کئی پولیس والے نیچے اتر کر اس کے مکان کو گھیرے میں لے رہے تھے۔ شارق مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تاریک گلی میں چلنے لگا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ دایاں ہاتھ خالی تھا اور وہ ایک لمحہ کے نوٹس پر قمیض کے نیچے پتلون میں اڑسا ہوا پستول نکال سکتا تھا۔

اس نے دوڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس طرح قدموں کی آواز پولیس والوں کو اس کی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ وہ تیز تیز چلتا رہا اور کئی گلیوں میں گھومنے کے بعد مین روڈ اور مکانوں کے درمیان نالے کے قریب پہنچ گیا۔ نالا خاصا چوڑا تھا۔ اسے پھلانگ کر پار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا چند گز آگے۔ نالے پر ایک تختہ رکھا ہوا تھا۔ یہ تختہ شاید پیدل آمد و رفت کے لئے نالے پر رکھا گیا تھا۔ شارق نالا عبور کر کے سڑک پر آ گیا۔

شارق سڑک پر تیز تیز چلنے لگا۔ دائیں طرف نالا اور بائیں طرف پارک تھا۔ پارک کے دوسری طرف وہ سڑک تھی جس سے چوبرجی کی طرف آیا جا سکتا تھا۔ اس طرح دونوں سڑکیں ون وے ٹریفک کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔

شارق بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پیچھے سے ایک رکشہ آتا ہوائی دکھائی دیا۔ شارق نے ہاتھ اٹھا دیا۔ رکشہ اس کے قریب رک گیا۔

"کہاں جانا ہے جی؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"بھاٹی۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

"میرے ساتھ ایک اور سوار بھی ہے۔ بیٹھ جائیں۔ آپ کو بھاٹی چوک پر اتار دوں گا۔" ڈرائیور نے کہا۔

شارق نے پہلی مرتبہ رکشے کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا۔ تاریکی کے باوجود اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ایک عورت تھی۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ عورت کس قسم کی ہو گی۔ کوئی شریف عورت آدھی رات کو تنہا اس طرح رکشے پر نہیں پھر سکتی۔ وہ یقیناً" کوئی آوارہ عورت تھی اور شکار کی تلاش میں تھی اور رکشہ والا بھی اس کا ساتھی تھا۔

شارق اس علاقے سے نکلنا چاہتا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھ گیا۔ رکشہ حرکت میں آتے ہی عورت اپنی جگہ سے کھسک کر شارق کے ساتھ چپک گئی۔ تیز قسم کے سینٹ کی بو شارق کے نتھنوں سے

ٹکرا رہی تھی۔

"باؤ جی۔" وہ عورت اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدہم لہجے میں بولی۔ "اگر جلدی نہ ہو تو تھوڑا سا وقت میرے ساتھ بھی گزار لو نا۔۔۔ خوش کر دوں گی اور پیسے بھی زیادہ خرچ نہیں کرنے پڑیں گے۔"

"شاید تم اسی لئے رکشے میں سڑکوں پر پھر رہی ہو۔" شارق بولا۔ "میں بھی آج فارغ ہوں اور اکیلا بھی۔ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے چار پانچ سو روپے خرچ کر سکتا ہوں۔"

"دل خوش کیتا ای باؤ۔" رکشے والا پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب بتاؤ کہاں چلوں۔ اس کے گھر جاؤ گے یا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے۔"

"میں کسی اور کے ساتھ جانے کے بجائے اپنے ہی گھر کو ترجیح دیتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اکیلا ہی رہتا ہوں۔ کسی کی مداخلت کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ تم رکشے کو پیر مکی شریف کی طرف لے چلو۔"

رکشہ اس وقت بھاٹی چوک کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ چکا تھا۔ ڈرائیور نے اسے ایک گلی میں موڑ لیا اور دوسری سڑک سے ہوتا ہوا داتا دربار کے سامنے والی سڑک پر نکل آیا۔ داتا دربار سے تقریباً" نصف میل آگے پیر مکی شریف کا علاقہ تھا۔ شارق نے رکشہ ایک کشادہ گلی میں مڑوا کر رکوا لیا۔

"اگر تم چاہو تو اسے لینے کے لئے صبح چھ بجے اسی گلی کے موڑ پر پہنچ جانا۔ میں رکشہ آگے نہیں لے جا سکتا۔ میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم یہاں سے پیدل چلیں گے۔ یہ لو۔ اپنا انعام۔" شارق نے کہتے ہوئے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر رکشہ ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

وہ عورت اور ڈرائیور دونوں ہی ایک لمحہ کو جزبز ہوئے تھے لیکن بہرحال اس عورت کو شارق کے ساتھ رکشے سے اترنا پڑا تھا۔ رکشہ مڑ کر واپس چلا گیا۔ شارق اس عورت کے ساتھ چلنے لگا۔ بجلی کے ایک کھمبے کے قریب سے گزرتے ہوئے شارق نے گردن گھما کر اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس نے بہت گہرا میک اپ کیا ہوا تھا اور اس میں شبہ نہیں تھا کہ اس کا تعلق ہیرا منڈی سے تھا۔

رات اگرچہ آدھی بیت چکی تھی لیکن ان گلیوں میں اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے ایک دو آدمیوں نے بڑی گھورتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ایک منٹ۔ تم یہاں رکو۔ میں اپنے مکان کی چابی لے آؤں۔" شارق ایک گلی کے موڑ پر

aazzamm@yahoo.com

رکتے ہوئے بولا۔

"کہاں سے؟" عورت نے پوچھا۔

"ایک مائی میرے گھر میں صفائی وغیرہ کا کام کرتی ہے۔ میں صبح جاتے ہوئے چابی اسے دے جاتا ہوں اور واپس آ کر لے لیتا ہوں۔ اس گلی میں تیسرا چوتھا مکان ہے دو منٹ لگیں گے۔" شارق نے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر گلی میں گھس گیا۔

اس گلی میں دو مکان چھوڑ کر ایک اور گلی تھی۔ شارق اس گلی میں گھس گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوئے چلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا وہ دوبارہ سڑک پر آ گیا اور لاری اڈا کی طرف جانے والے ایک تانگے پر بیٹھ گیا۔ اس عورت کے بارے میں سوچ کر وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ وہ بھی کیا یاد کرے گی کہ کس سے پالا پڑا تھا۔

شارق لاری اڈے کے سامنے سرکلر روڈ پر تانگے سے اتر گیا۔ لاری اڈا ہونے کی وجہ سے اس سڑک پر کچھ آمد و رفت تھی۔ شارق موڑ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ ایک رکشہ اس کے قریب آ کر رکا۔ شارق رکشے میں بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے شارق باؤ۔" یہ الفاظ رکشہ والے نے پیچھے مڑ کے دیکھے بغیر کہے تھے۔ شارق اپنا نام سن کر اچھل پڑا۔ "کون ہو تم؟" اس کا دایاں ہاتھ بڑی پھرتی سے قمیض کے نیچے پستول کے دستے پر پہنچ گیا تھا۔

"گھبراؤ نہیں یار شارق باؤ۔" رکشے والے نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ اگر دشمن ہوتا تو اس طرح تم سے بات نہ کرتا بلکہ تمہارا کوئی اور بندوبست کرتا۔"

"چلو مان لیا کہ تم دشمن نہیں دوست ہو۔" شارق گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "مگر تم ہو کون کیا نام ہے تمہارا اور مجھے سچ والے سے جانتے ہو؟"

"میرا نام طفیل ہے ویسے میرے جاننے والے مجھے فیلا کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں ماسی مہراں کا بھانجا ہوں۔ ایک مرتبہ تمہیں وہیں دیکھا تھا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ماسی مہراں سے تمہارا نام تو میں نے سنا ہے۔ شاید دیکھا بھی ہو۔ کیا حال ہے ماسی مہراں کا؟"

"بیمار ہے جی۔" طفیل عرف فیلا نے جواب دیا۔ "کہاں جانا ہے آپ کو بتائیں، میں پہنچا دوں گا۔"

"ماسی مہراں کے گھر ہی لے چلو یار، وہیں پہنچ کر کوئی پروگرام بنائیں گے۔" شارق نے جواب دیا اور سیٹ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ اس نے بریف کیس بھی قریب ہی سیٹ پر رکھ لیا تھا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا۔ سڑکوں پر ٹریفک کم ہو گیا تھا۔ البتہ ریلوے سٹیشن کے سامنے خاصی رونق تھی۔ طفیل نے رکشہ میکلوڈ روڈ کی طرف موڑ لیا۔

"بہت عرصہ سے تمہارے بارے میں کچھ سنا نہیں شارق باؤ۔ ماجھا گجر اور اس کی پارٹی کو تو تم نے ختم کر دیا۔ کیا تم بھی ٹھنڈے ہو گئے ہو۔" طفیل نے کہا۔

"میں لاہور سے باہر گیا ہوا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہ رکشہ تمہارا اپنا ہے یا کرائے پر چلاتے ہو؟" اس نے موضوع بدل دیا۔

"کرائے پر لیا ہوا ہے جی۔ اپنی ایسی قسمت کہاں کہ رکشے کا مالک بن سکوں۔" طفیل نے جواب دیا۔

شارق، طفیل سے اس بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ حاجی سے ٹکر لینے کے لئے اسے آدمیوں کی ضرورت تھی اور اس کے خیال میں طفیل سے کام لیا جا سکتا تھا۔ باتوں سے تو وہ بہت نڈر اور بے خوف معلوم ہوتا تھا اور ویسے بھی وہ زیر زمین دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔

رکشہ مزنگ کے علاقے میں داخل ہو کر مختلف گلیوں میں گھومتا ہوا ایک گلی میں ماسی مہراں کے مکان کے سامنے رک گیا۔ شارق نے یہاں آنے کا فیصلہ اچانک ہی کیا تھا۔ طفیل نے اسے پہچان لیا تھا اور وہ اسے اپنے کسی ٹھکانے تک نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ طفیل نے رکشہ بند کر دیا اور نیچے اتر کر سامنے مکان کا دروازہ کھٹ کھٹانے لگا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی اور ظاہر ہے سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ دو تین مرتبہ دستک دینے کے بعد دروازہ کھلا۔ شارق کا خیال تھا کہ دروازہ ماسی مہراں ہی کھولے گی کیونکہ وہ اکیلی ہی رہتی تھی۔ لیکن ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر شارق چونک سا گیا۔ اس لڑکی کو اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ شاید گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"ارے رابعہ! تم کب سے یہاں آئی ہوئی ہو۔" طفیل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "راستے سے تو ہٹو۔ ماسی کا پروہنا آیا ہے۔ جاؤ اسے جا کر جگا دو۔"

طفیل کے ساتھ ہی شارق بھی اندر داخل ہو گیا۔ رابعہ نامی اس لڑکی نے دروازہ بند کر دیا اور ماسی مہراں کو جگانے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ شارق طفیل کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بریف کیس اس نے دوسری کرسی پر رکھ دیا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہی ماسی مہراں کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا لیکن شارق کو دیکھ کر اس کی نیند غائب ہو گئی۔ وہ آگے بڑھ کر شارق سے اس طرح ملی جیسے اپنے بیٹے

aazzamm@yahoo.com

سے مل رہی ہو۔ اس نے ثمینہ کی بھی خیریت دریافت کی تھی۔

"نی رابو۔" وہ رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جلدی سے چائے بنا کر لا۔" رابعہ دروازے میں کھڑی تھی۔ وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ ماسی مہراں شارق سے گلے شکوے کرتی رہی کہ تین چار مہینوں سے کسی نے اس کی خبر ہی نہیں لی۔

"ہم یہاں نہیں تھے ماسی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں دو دن پہلے ہی تو واپس آیا ہوں۔ اب تم فکر مت کرو۔ تمہاری خیر خبر لیتے رہیں گے۔"

اسی دوران رابعہ چائے بنا کر لے آئی۔ شارق نے پہلی مرتبہ اس کی طرف دیکھا۔ رابعہ کی عمر بیس بائیس سال رہی ہو گی۔ لمبا قد صحت مند جسم اور گوری رنگت' چہرے کے نقوش بھی بہت دلکش تھے۔ وہ ایک طرف کھڑی بڑی عجیب سی نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ میری بھتیجی ہے۔ دو سال پہلے اس کا باپ مر گیا تھا۔ یہ سیالکوٹ میں رہتی ہے۔ اپنی ماں کے پاس۔ ایک ہفتے سے میرے پاس آئی ہوئی ہے۔" ماسی مہراں نے گویا اس کا تعارف کرایا۔

شارق بھی بڑی دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رابعہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور شارق ماسی مہراں سے باتیں کرتا رہا۔ دو بجے کے لگ بھگ ماسی مہراں بھی سونے کے لئے چلی گئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد طفیل بھی جانے کے لئے اٹھا تو شارق نے اسے روک لیا۔

"بیٹھو طفیل' مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"حکم کرو جی۔" طفیل دوبارہ بیٹھ گیا۔

"رکشے سے کتنا کما لیتے ہو؟ اس کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتے ہو یا نہیں؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"رکشے سے کیا کمانا ہے شارق باؤ۔ بس گزارا ہو جاتا ہے۔" طفیل نے جواب دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "البتہ کبھی کبھی کوئی ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو چار پیسے مل جاتے ہیں۔"

"میرے لئے کام کرو گے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کام کی نوعیت تم سمجھ سکتے ہو۔"

"کام کوئی بھی ہو شارق باؤ۔ پیسہ ملنا چاہئے۔" طفیل نے جواب دیا۔ "اور پھر تمہارے ساتھ کام کرنے کا تو مزہ ہی کچھ اور ہو گا۔"

"اس میں تمہاری جان بھی جا سکتی ہے۔" شارق بولا۔

"مجھے یہ اطمینان ہو گا کہ میرے مرنے کے بعد تم میرے گھر والوں کو لاوارث نہیں چھوڑو گے۔ میں ماسی مہراں سے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ ایک مرتبہ نولکھا نے بھی

تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ وہ تو تمہارا عاشق ہے۔ وہ ہے کہاں؟"

"نو لکھا فیصل آباد میں ہے۔ چند روز میں آ جائے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر تم کام کے لئے تیار ہو تو کل صبح دس بجے مجھے یہیں پر ملنا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی ہر غلطی معاف کر سکتا ہوں لیکن غداری کرنے والے کو معاف نہیں کرتا۔"

"شارق باؤ۔" طفیل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "طفیلا اپنی جان تو دے سکتا ہے لیکن تم سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وقت آنے پر تم خود بھی دیکھ لو گے کہ طفیلا دوستی کس طرح نبھاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم کل صبح دس بجے یہیں پر آ جانا اور رکشہ کل واپس کر دو۔ یہ تھوڑے سے پیسے اپنے پاس رکھ لو۔ خرچ کے لئے۔" شارق نے جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

طفیل نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے اور ہاتھ ملا کر باہر چلا گیا۔ شارق بھی اس کے ساتھ دروازے تک آیا تھا۔ طفیل کے جانے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ اسی کمرے میں آ گیا۔

طفیل کو اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ آج رات جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے شارق کو یقین ہو گیا تھا کہ حاجی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ جبکہ وہ خود اس وقت اکیلا تھا اور اسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ افغانستان جانے سے پہلے اس کے پاس صرف ایک دو بندے تھے جنہیں اس نے فارغ کر دیا تھا کیونکہ ماجھا گجر کے گروہ کے خاتمے کے بعد اس کے خیال میں اسے آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ راجہ کو وہ مزنگ والے اڈے پر چھوڑ گیا تھا۔ مزنگ والا اڈا اگرچہ خالی ہو گیا تھا لیکن اس جگہ کی حفاظت کے لئے ایک آدمی کا وہاں رہنا ضروری تھا مگر حاجی کے آدمیوں نے راجہ کی ہڈیاں توڑ کر اسے ہسپتال میں پہنچا دیا تھا۔ حاجی سے نمٹنے کے لئے شارق کو آدمیوں کی ضرورت تھی اور طفیل عرف طفیلا اس کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ اسے مزید آدمیوں کی ضرورت تھی اور اس کے لئے اسے پرانے آدمیوں سے رابطے کرنے پڑیں گے۔

پہلے شارق نے یہ سوچا تھا کہ وہ حاجی کی طرف خود پہل کرے گا لیکن رات کو حاجی نے پہل کر دی تھی اور اسے تین دن کے اندر اندر شہر چھوڑنے کی دھمکی دی تھی۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ تین دن خاموشی سے نکال دے اور اس دوران اندر ہی اندر تیاری کرتا رہے اور پھر اچانک ہی حاجی پر جھپٹ پڑے۔ سب سے زیادہ فکر اسے رضیہ اور ماں جی

aazzamm@yahoo.com

کی تھی۔ اس کے لئے گلبرگ میں بنگلہ حاصل کر لیا تھا اور اس میں کچھ ضروری سامان بھی ڈلوا دیا تھا وہ آج انہیں وہاں منتقل کر دے گا اور پھر حاجی کی طرف متوجہ ہو گا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے سو گیا۔

صبح اس کی آنکھ آٹھ بجے سے پہلے ہی کھل گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد کمرے میں واپس آیا تو رابعہ دری پر دسترخوان بچھا کر ناشتہ کر رہی تھی۔ ماسی مہراں بھی کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن وہ ناشتا کر چکی تھی۔ رابعہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ شارق نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ رابعہ کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ماسی۔ تم تو بہت کمزور ہو گئی ہو۔ کوئی علاج کروا رہی ہو یا نہیں؟" شارق نے پراٹھے کا لقمہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

"جگر کی تکلیف ہے بیٹا! ڈاکٹر کہتا ہے جگر بڑھ گیا ہے۔ اپنے پاس سے دوا دے دیتا ہے۔ کبھی ٹھیک ہو جاتی ہوں اور کبھی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔" ماسی مہراں نے جواب دیا۔

"رابعہ تم اپنی پھوپھو کو آج کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔ تک کر اس کا علاج کرواؤ۔ پیسوں کی پروا مت کرنا۔" شارق رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لے جاؤں گی جی۔ مگر میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں۔" رابعہ نے جواب دیا۔

"میں نے کہا نا کہ پیسوں کی پروا مت کرنا۔ ابھی جانے سے پہلے میں تمہیں پیسے دے جاؤں گا۔ تم ماسی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔" شارق بولا۔

"اچھا جی۔" رابعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ناشتے کے بعد شارق نے جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر ماسی مہراں کے حوالے کر دیئے اور ایک ہزار روپے کا نوٹ رابعہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ ایک ہزار روپے تم اپنے پاس رکھنا' گھر کے خرچ کے لئے ہیں۔ میں رات کو آؤں گا اور کھانا بھی یہیں کھاؤں گا۔ شاید کل رات بھی مجھے یہیں رہنا پڑے۔"

ناشتے کے بعد رابعہ تو اپنے کام کاج میں لگ گئی اور شارق ماسی مہراں سے باتیں کرنے لگا۔ ٹھیک دس بجے دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔ رابعہ نے جا کر دروازہ کھول دیا اور طفیل عرف طفیلا اندر آ گیا۔ ماسی مہراں اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"یہ اس بنگلے کی چابیاں ہیں' جو میں نے کل ہی کرائے پر لیا ہے۔" شارق نے جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر طفیلا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم سیدھے اس بنگلے پر چلے جاؤ۔ وہاں کوئی چوکیدار نہیں ہے۔ تم بنگلے پر ہی رہو گے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں تین خواتین وہاں آ

جائیں گی۔ ان میں ایک ثمینہ ہے۔ اسے تم نے پہلے بھی دیکھا ہو گا۔ دوسری میری بہن ہے اور ان کے ساتھ ماں جی۔ بنگلے میں جانے سے پہلے گوشت اور سبزی وغیرہ لیتے جانا۔ وہ لوگ دوپہر کا کھانا وہیں کھائیں گے۔ بلکہ اب تو وہیں رہیں گی۔ انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مارکیٹ سے لا دینا۔ ایک دو دن بعد نوکر کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ لیکن تم بہرحال وہیں رہو گے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ پھر میں چلتا ہوں۔" طفیل فوراً" ہی اٹھ گیا۔

"ایک بات اور۔" شارق بولا۔ "تمہارے بچے کتنے ہیں؟"

"کوئی نہیں جی۔" طفیلے نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ کرماں والی آج تک ماں ہی نہیں بن سکی۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اب وہ بیمار بھی رہنے لگی ہے۔ اب تو پچھلے چھ مہینوں سے سیالکوٹ میں رہ رہی ہے' اپنے ماں باپ کے پاس۔ یہاں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہے۔ میں مہینے میں ایک دو چکر لگا لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ اور یہ گوشت سبزی وغیرہ کے پیسے رکھ لو۔" شارق نے ایک ہزار روپے [illegible] بھی دے دیئے۔

طفیل چلا گیا۔ اس کے جانے کے تقریباً" دس منٹ بعد شارق اپنا بریف کیس لئے ماسی مہراں کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"ماسی۔ یہ بریف کیس میں تمہارے پاس رکھ کر جا رہا ہوں۔ اسے سنبھال کر رکھنا اس میں پیسے ہیں۔ رات کو واپس آ کر لے لوں گا۔ اب میں جا رہا ہوں اور تم بھی رابعہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی جانا' سمجھیں۔"

"سمجھ گئی پتر۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "تو فکر نہ کر۔ میں چلی جاؤں گی ڈاکٹر کے پاس۔" اس نے اٹھ کر بریف کیس الماری میں رکھ دیا اور الماری کو تالا لگا کر چابی دوپٹے کے پلو سے باندھ لی۔

شارق مکان سے نکل کر گلی میں آ گیا۔ اس وقت گلی میں چند بچے کھیل رہے تھے لیکن ان میں سے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ چند گز دور جا کر شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یہ جان کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی کہ رابعہ دراوزے میں کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

چند قدم آگے جا کر شارق دوسری گلی میں مڑ گیا۔ ایک مرتبہ تو اس کا دل چاہا تھا کہ اپنے اڈے کی طرف نکل جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر آگے نکل گیا۔ اس وقت اڈے کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔

شارق گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا مزنگ چوک سے تقریباً" دو فرلانگ دور مین روڈ پر نکل

aazzamm@yahoo.com

آیا۔ وہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ مزنگ پولیس سٹیشن کا انچارج انسپکٹر عثمان تھا۔

شارق کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ انسپکٹر عثمان اکیلا تھا اور وہ سادہ لباس میں تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ ڈیوٹی پر نہیں تھا لیکن شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈیوٹی پر نہ ہونے کے باوجود پولیس والا ڈیوٹی پر ہی ہوتا ہے۔

"گھبراؤ نہیں شارق۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تمہیں مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ یہ ہم دونوں کی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت ہماری ملاقات ہو گئی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔ چلو۔ کسی جگہ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔"

"میرے ساتھ کوئی دھوکہ تو نہیں ۔۔۔۔۔"

"کیوں گھبراتے ہو یار۔" انسپکٹر عثمان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آؤ۔ ادھر ایک پر سکون ریسٹورنٹ ہے۔ وہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

شارق خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ انسپکٹر عثمان کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خود بھی کسی پریشانی کا شکار ہے اور یہ تو بہرحال شارق نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکہ ہوا تو وہ آسانی سے پولیس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس کے پاس وہ خوفناک پستول موجود تھا جس کی گولی لگنے کے بعد کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے۔ یہاں سڑک سے ہٹ کر وسیع و عریض لان تھا جس کے ساتھ ساتھ چند خوبصورت جنرل سٹورز تھے اور ایک ایئرکنڈیشنڈ ریسٹوران بھی تھا۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔

ہال خاصا وسیع و عریض تھا۔ اطراف میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے۔ شام کے بعد تو یہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی لیکن اس وقت اکا دکا گاہک ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ مینجر انسپکٹر عثمان کو دیکھ کر فوراً ہی آگے بڑھا اور دونوں سے ہاتھ ملانے کے بعد ایک میز کی طرف ان کی رہنمائی کرنے لگا۔ لیکن انسپکٹر عثمان نے بیٹھنے کے لئے کونے والے ایک کیبن کا انتخاب کیا تھا۔

"رشید صاحب' چائے بھجوا دیں۔" انسپکٹر عثمان نے مینجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کیبن تک ان کے ساتھ آیا تھا۔

مینجر رشید سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ چند منٹ بعد ایک ویٹر نے ان کے سامنے چائے رکھ دی۔

انسپکٹر عثمان نے چائے بنا کر ایک کپ شارق کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا اپنے سامنے سرکا لیا۔

"سنا تھا تم افغانستان گئے ہوئے تھے۔" انسپکٹر عثمان چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔ "مجھے آج صبح ہی تمہاری دھماکہ خیز واپسی کا پتا چلا ہے۔"

"دھماکہ خیز واپسی! سمجھا نہیں۔" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کل یہاں آتے ہی تم نے جو کچھ بھی کیا ہے' اسے دھماکہ خیز ہی کہا جائے گا۔" انسپکٹر بولا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" شارق بولا۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"دیکھو شارق۔" انسپکٹر عثمان اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت ایک پولیس آفیسر نہیں دوست کی حیثیت سے تم سے بات کر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔"

"بخدا تمہاری بات کا مطلب میں اب بھی نہیں سمجھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا' البتہ ایک مہربان نے مجھے کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ۔" انسپکٹر عثمان کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔"

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جیجا شلی کون ہے؟" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اوہ۔" اس مرتبہ شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "اب تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ ابھی میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ کسی مہربان نے مجھے کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جیجا شلی سے میری ملاقات چند روز پہلے جھنگ میں ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہیروئن فروشی کا دھندہ کرتا تھا مگر پھر غائب ہو گیا۔ لیکن تمہاری برادری کے لوگ اسے تنگ کرتے رہے۔ اس دوران اس کا بیٹا سیر و تفریح کے لئے کوئٹہ گیا تھا جہاں وہ قتل کے ایک کیس میں پھنس گیا تھا۔ جیجا شلی کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ کوئٹہ جا کر بیٹے کی ضمانت کروا سکے اور اس کا کیس لڑنے کے لئے کسی وکیل کی خدمات حاصل کر سکے۔ میں اسے اپنے ساتھ لاہور لے آیا تھا۔ اسے کچھ رقم دے کر کوئٹہ بھیجنا چاہتا تھا۔ کل رات وہ اس مکان میں اکیلا تھا اور میرا خیال ہے دن میں کسی وقت حاجی کے آدمیوں کی نظروں میں آ گیا تھا۔ انہوں نے رات کو اسے قتل کر دیا اور حاجی نے ایک خط کے ذریعے مجھے دھمکی دی ہے کہ میں تین دن کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ دوں' ورنہ وہ مجھے بھی جیجا شلی کی طرح موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ کل رات بھی حاجی نے مجھے جیجا شلی

aazzamm@yahoo.com

کے قتل میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ اگر مجھے اس مکان سے نکلنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو پولیس نے مجھے دھر لیا ہوتا۔ میں جیسے ہی اس مکان سے نکلا تھا اسی وقت وہاں پولیس پہنچ گئی تھی۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہو تو ----"

"اب ساری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔" انسپکٹر عثمان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اخبار میں کیا لکھا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"یہی کہ تم طویل عرصے سے روپوش تھے اور دوبارہ اس شہر میں آتے ہی تم نے قتل و غارت شروع کر دی ہے۔ جیجا شلی تمہارا ایجنٹ تھا۔ وہ پولیس کو تمہارے بارے میں اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن تم نے اسے قتل کر دیا وغیرہ۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"پولیس کو یہ کہانی بھی حاجی نے دی ہو گی۔" شارق نے کہا۔ "حاجی شاید یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے خوف سے یہ شہر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔ لیکن مجھے تو ابھی اس سے بہت لمبا چوڑا حساب بے باک کرنا ہے۔ اس نے میری ماں اور بہن کے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں' جب تک ان کا بدلہ نہیں لے لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"سب جانتا ہوں۔" انسپکٹر عثمان بولا۔ "اس لئے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور مجھے بھی تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"لیکن تمہیں مجھ سے ہمدردی کیوں ہے اور میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" شارق نے اسے کھوجا۔

"اس لئے کہ مجھے بھی حاجی کی وجہ سے ملازمت سے معطل کر دیا گیا ہے۔" انسپکٹر بولا۔

"کیا----؟" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے چلے جانے کے بعد حاجی کے آدمیوں نے تمہارے اڈے پر حملہ کر دیا تھا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "یہ اب سے تقریباً" دو مہینے پہلے کی بات ہے۔ تمہارا آدمی سفید پاؤڈر کا تھوڑا بہت دھندہ کر رہا تھا۔ حاجی کے آدمیوں نے اسے اس طرح مارا پیٹا کہ اس کی دونوں ٹانگوں اور دونوں بازوؤں کی ہڈیاں توڑ دیں۔ اس علاقے کے لوگ آئے دن کے جھگڑوں سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس اڈے کی وجہ سے لوگوں کا سکون برباد ہو چکا ہے۔ اس ہنگامے کے بعد علاقے کے لوگوں کے ایک وفد نے ڈی آئی جی سے ملاقات کرتے ہوئے صورتحال سے آگاہ کیا۔ ڈی آئی جی نے اس روز مجھے کارروائی کے احکامات جاری کئے۔ میں نے چھاپہ مار کر حاجی کے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ حاجی کو تم جانتے ہو۔ میری اس کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے ہی روز آئی جی نے مجھے معطل کر دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "مجھ پر یہ عتاب حاجی کی وجہ

سے نازل ہوا ہے۔ میری اکیس سال کی سروس ہے۔ مجھ سے چھوٹی موٹی بد عنوانیاں سرزد ہوتی رہی ہیں۔ رشوت بھی لیتا رہا ہوں لیکن مجموعی طور پر میرا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ اس کے باوجود ایک آدمی کے اشارے پر مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اگر کسی غلط کام پر میرے خلاف کارروائی ہوتی تو میں صبر کر لیتا لیکن یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے کہنے پر ہوا جو خود گردن تک جرائم کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔ میں نے اس کی ایک مجرمانہ کارروائی کے خلاف اس کے بندوں کو پکڑا تھا جس کا نتیجہ مجھے بھگتنا پڑا۔"

"اگر تم معطل نہ ہوتے تو شاید اس طرح ہوٹل میں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرنے کے بجائے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے کی کوشش کرتے۔" شارق مسکرایا۔

"شاید۔" انسپکٹر عثمان بھی مسکرا دیا۔

"اب کیا چاہتے ہو؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو شارق۔" انسپکٹر عثمان بولا۔ "میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ تعاون کیا ہے۔ تمہاری مدد کی ہے اور اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "صورتحال یہ ہے کہ میں نے اپنی معطلی کے خلاف ہائی کورٹ میں تو کیس دائر کر دیا ہے۔ اپنی سروس بحال کرانے کے لئے ہر قسم کی قانونی مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن میں حاجی کے خلاف بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں اور ظاہر ہے وہ سب کچھ غیر قانونی ہو گا اور اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں حاجی کو قتل کر دوں؟" شارق نے کہا۔

"یہ اتنا آسان نہیں ہو گا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "لیکن بعض دوسرے طریقوں سے اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ میں تمہیں ٹپس دوں گا۔"

"مثلاً"؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم اس کے ساتھ کام کرتے رہے ہو' لیکن تمہیں بھی معلوم نہیں کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ اس کے اڈوں سے واقف ہوں۔ اس کے کم از کم دو ایسے اڈے میری نظروں میں ہیں جہاں اس کی بین الاقوامی ڈیلنگ ہوتی ہے۔ ان اڈوں پر اگر تمہاری طرف سے کارروائی ہو جائے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ اس معاملے میں میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"کس طرح" شارق نے پوچھا۔

"جس علاقے میں حاجی کے خلاف کارروائی کرو گے میں کوشش کروں گا کہ اس علاقے کے

aazzamm@yahoo.com

تھانے سے تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ میں سروس سے معطل ہوا ہوں' لیکن میرے تعلقات تو ختم نہیں ہوئے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرے گھر پر جن لوگوں نے ہلہ بولا تھا ان میں کون کون شامل تھا؟"

"ان میں سے دو کو تو میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "ایک شیرا ٹنڈر ہے' باغبانپورہ کا رہنے والا ہے۔"

"شیرا ٹنڈر۔" شارق بولا۔ "یہ نام میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔"

"تھوڑے ہی عرصے پہلے باغبانپورہ میں آیا ہے۔" عثمان نے کہا۔ "یہ بنیادی طور پر جیب تراش ہے۔ کئی سال پہلے انارکلی کے علاقے میں وارداتیں کرتا تھا۔ کئی مرتبہ پکڑا بھی گیا تھا۔ پھر نجانے کس طرح سعودی عرب چلا گیا۔ وہاں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ ایک موقع پر جیب کاٹتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ سعودی قانون کے مطابق اس کی دو انگلیاں کاٹ دی گئیں اور ملک سے نکال دیا گیا۔ یہاں آ کر کچھ عرصہ دبکا بیٹھا رہا پھر اس نے بدمعاشی شروع کر دی۔ ان دنوں حاجی کے لئے کام کر رہا ہے اور باغبانپورہ میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا ہے۔ حاجی کی پشت پناہی کی وجہ سے چھوٹے موٹے بدمعاش تو اس سے دب گئے ہیں لیکن بعض بڑے بدمعاشوں کی کوشش ہے کہ وہ وہاں اپنے قدم نہ جمانے پائے۔ ان میں جھڑپیں ہوتی رہی تھیں اور دوسرا۔۔۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا اور پھر بولا۔ "دوسرا منور ہے۔ یہ سمن آباد میں رہتا ہے۔ سمن آباد موڑ سے یتیم خانے کے موڑ تک کا علاقہ اس کا ہے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش سمجھتا ہے۔ بھتے وصول کرتا ہے۔ اس نے اپنا ایک چھوٹا سا گروہ بھی بنا رکھا ہے۔ عام طور پر سمن آباد موڑ پر رہتا ہے۔ یہ حاجی کا رشتے میں بھائی بھی ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں دو تین دن تو اپنے ذاتی کاموں میں مصروف رہوں گا لیکن تم سے کہاں رابطہ ہو گا۔"

"میرا فون نمبر لے لو۔۔۔ جب بھی ضرورت ہو' مجھے فون کر لینا۔" انسپکٹر عثمان نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

شارق نے کارڈ دیکھا۔ اس پر گھر کا فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ اس نے کارڈ جیب میں ڈال لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ ایک دو دن بعد تم سے رابطہ کروں گا۔"

وہ دونوں ریسٹورنٹ کے باہر آ گئے۔ چند سیکنڈ ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑے رہے پھر ان کے

راستے مختلف ہو گئے۔ انسپکٹر عثمان کے بارے میں سوچ کر شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ماضی میں اس کی وجہ سے بھی شارق کو بہت سی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں اور اب وہ خود ہی اس کے سامنے جھک گیا تھا۔ وہ خود مصیبت میں پھنسا ہوا تھا اور شارق سے مدد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ انسپکٹر عثمان خود حاجی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بندوق اس کے کندھے پر رکھ کر چلانا چاہتا تھا۔ اگر حاجی سے انتقام نہ لینا ہوتا تو شارق' انسپکٹر عثمان کو صاف جواب دے دیتا لیکن اپنا انتقام لینے کے لئے اس نے عثمان کی مدد کرنے کی حامی بھر لی تھی۔ عثمان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ معطل ہوا تھا۔ اس کے تعلقات ختم نہیں ہوئے تھے۔ ہر تھانے سے اس کے تعلقات تھے اور شارق' عثمان کے ان تعلقات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

شارق نے انسپکٹر عثمان سے دو تین دن کا وقت لیا تھا۔ دراصل اس دوران وہ تیاری کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے پاس کوئی آدمی نہیں تھا اور حاجی جیسے شتر کے خلاف کارروائی کے لئے آدمیوں کی ضرورت تھی۔

شارق تھوڑی دور تک پیدل چلتا رہا اور پھر اسے ایک رکشہ مل گیا۔ وہ رکشے پر بیٹھ کر لنڈا بازار کی طرف روانہ ہو گیا۔

نو لکھا بازار میں داخل ہوتے ہی اس نے رکشہ چھوڑ دیا اور پیدل آگے چلنے لگا۔ لنڈا بازار اب اتنا پھیل گیا تھا کہ نو لکھا بازار کی گلیوں میں بھی سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور پیدل چلنے والوں کے لئے بھی راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ لنڈا بازار میں اب صرف سیکنڈ ہینڈ کپڑے ہی نہیں ملتے تھے بلکہ جوتے' موزے' بچوں کی چڈیاں' بٹن اور خواتین کے انڈر گارمنٹس بھی دستیاب تھے۔

ان درآمد شدہ چیزوں سے نہ صرف بہت سے غریبوں کا بھلا ہو رہا تھا بلکہ مختلف بیماریاں بھی اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھیں۔

شارق لنڈا بازار کے ہجوم میں چلتا ہوا بابو ہوٹل پہنچ گیا۔ ایک میز پر بیٹھ کر اس نے بیرے کو چائے لانے کے لئے کہا' کچھ دیر بعد وہ چائے کی چسکیاں لیتا ہوا ہوٹل میں آنے جانے والوں کو دیکھنے لگا۔ اس ہوٹل کے زیادہ گاہکوں کا تعلق مزدور طبقہ سے تھا۔ ہوٹل کا مالک بڑا مہربان قسم کا آدمی تھا۔ اگر کوئی محنت کش قسم کا آدمی کم بھی دے جاتا تو خاموش ہو جاتا۔ ایسے لوگوں سے وہ پورے پیسوں کا مطالبہ کبھی نہیں کرتا تھا۔

اس ہوٹل کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک تنگ سا راستہ تھا جو سلطان سرائے میں چلا گیا تھا۔ اس راستے پر بھی سیکنڈ ہینڈ کپڑے بیچنے والوں کا قبضہ تھا۔ پیدل چلنے والوں کے لئے

aazzamm@yahoo.com

بہت کم راستہ بچا تھا۔ راستے کے دوسری طرف جہاں کبھی سلطان سرائے کا گیٹ ہوا کرتا تھا' وہاں چائے کی ایک دکان تھی۔ شارق اب چائے کی اس دکان کی طرف دیکھ رہا تھا' راستے میں آتے جاتے لوگوں کی وجہ سے بار بار چائے کی دکان اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی تھی۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد شارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے چائے کے پیسے ادا کئے اور سڑک پار کر کے سلطان سرائے والے راستے پر چلنے لگا۔ وہ چائے کی دکان پر پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں طرف گلے اور پیشانی پر کسی پرانے زخموں کے نشان تھے۔ داڑھی اس نے غالباً" شوقیا رکھی ہوئی تھی کیونکہ اس کے ماتھے پر نمازی ہونے کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

"موجو کہاں ہے؟" شارق نے کاؤنٹر کے سامنے رک کر پوچھا۔

"موجو۔۔۔۔ کون موجو؟" وہ شخص الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"موجدین۔۔۔۔ تمہارا کزن۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میرا نام شارق ہے اور میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"اوہ۔" وہ شخص چونک گیا۔ اس نے ایک بار پھر شارق کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس طرف دکانوں کے ساتھ ساتھ چلے جاؤ۔ آٹھویں دکان میں تمہیں موجو نظر آ جائے گا۔"

شارق اس کا شکریہ ادا کئے بغیر دکانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ سلطان سرائے میں اگرچہ زیادہ تر موٹر ورکشاپ اور سپیئر پارٹس کی دکانیں تھیں لیکن لنڈا بازار کی چند دکانیں گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ یہ سب سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کے گودام تھے۔ شارق آٹھویں دکان کے سامنے رک گیا۔ دکان کے اندر دو آدمی بیٹھے ہوئے کپڑے چھانٹ رہے تھے۔ ان میں ایک تو بوڑھا آدمی تھا۔ سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے اور ظاہر ہے وہ موجو نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرا درمیانے قد کا ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اس کا سر گنجا اور ایک کان میں بجھا ہوا سگریٹ پھنسا ہوا تھا۔ اس نے سفید کھدّر کی شلوکا قسم کی واسکٹ پہن رکھی تھی اور چیک دار کپڑے کی دھوتی بندھی ہوئی تھی۔ اس کی کنپٹی پر زخم کا پرانا نشان تھا۔ اس کے بازوؤں کے ابھرے ہوئے مسلز دیکھ کر اس کی جسمانی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

ان دونوں آدمیوں نے بیک وقت گردن اٹھا کر شارق کی طرف دیکھا تھا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں تو الجھن سی تیر گئی البتہ دوسرا آدمی اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ موجو تھا۔

"شارق باؤ؟" وہ اپنے ہاتھ سے پکڑے ہوئے کپڑے چھوڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو

گیا۔

شارق نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ "اچھا ہوا تم نے پہچان لیا۔ ورنہ مجھے اپنا تعارف کرانے میں کچھ دشواری پیش آتی۔"

"حد ہو گئی شارق باؤ' میں تمہیں کیسے نہ پہچانتا۔" موجو نے کہا اور بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوبے! جا چائے لے کر آ۔ اسحاق سے کہنا اچھی سی چائے بنائے۔ ملائی والی۔" وہ شارق کی طرف مڑ گیا اور کپڑوں کی ایک گٹھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھو شارق باؤ۔ کھڑے کیوں ہو۔"

بوڑھا اٹھ کر باہر چلا گیا اور شارق گٹھڑی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا کر رہے ہو آج کل؟"

"محنت مزدوری کر کے وقت گزار رہا ہوں شارق باؤ۔" موجو نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لاہوریوں کو پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ کسی میں دم خم ہی نہیں رہا۔ ماجھے گجر سے تمہارا آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا تو ذرا رونق رہتی تھی۔ ماجھا گجر ختم ہو گیا۔ تم لاہور چھوڑ کر چلے گئے۔ بس ہر طرف خاموشی ہی خاموشی نظر آتی ہے۔"

"اب یہ خاموشی ٹوٹنے والی ہے۔" شارق نے کہا۔

"خاموشی کیسے ٹوٹ سکتی ہے شارق باؤ۔" موجو نے کہا۔ "اب یہاں صرف حاجی رہ گیا ہے اور تم بھی حاجی کے ساتھ مل گئے ہو تو دونوں کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔ کون ٹکرائے گا تم لوگوں سے؟"

"ہم دونوں تو آپس میں ٹکرا سکتے ہیں نا؟" شارق بولا۔

"کیا۔۔۔۔؟" موجو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کوئی ان بن ہو گئی ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" شارق نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے شارق باؤ۔" موجو مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس ایک اڈا ہے۔ سونے کی کان ہے۔ دو اڑھائی کلو سفید پاؤڈر تو دن میں یوں نکل جائے گا۔" وہ چٹکی بجانے لگا۔

"لیکن اس مرتبہ سفید پاؤڈر کی نہیں' اپنی ہو گی۔" شارق نے کہا۔

"اوہ سمجھ گیا۔ بندے گرانے ہیں؟" موجو نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" شارق بولا۔

"کئی دن سے چھلیاں پھڑپھڑا رہی ہیں شارق باؤ۔" وہ دائیاں ہاتھ بائیں بازو کے مسل پر مارتے ہوئے بولا۔ "تم حکم کرو۔ بندے کا نام اور پتا بتا دو۔ وہ کل صبح کا سورج نہیں دیکھ سکے گا۔

aazzamm@yahoo.com

آج رات میں اسے اوپر پہنچا دوں گا۔"

شارق کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ بوڑھا کوبا دو گلاس چائے لے کر آ گیا۔ شارق نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"گولڈ لیف کے دو سگریٹ بھی لے آؤ۔"

بوڑھا نوٹ لے کر واپس چلا گیا۔

"اتنی جلدی بھی نہیں۔" بوڑھے کے جانے کے بعد شارق موجو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل رات بات کریں گے۔ مجھے ابھی دو اور آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

"ایک کا بندوبست تو میں کر سکتا ہوں۔" موجو بولا۔ "بڑا جی دار اور بڑا ہی وفادار بندہ ہے۔"

"کون ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پپو سیالکوٹی۔ شاہدرے میں رہتا ہے۔" موجو نے جواب دیا۔

"نام تو سنا ہوا ہے۔ بہرحال کل رات آٹھ بجے اسے لے کر داتا دربار کے اس گیٹ کے قریب پہنچ جانا جہاں دیگیں پکتی ہیں۔ لیکن پپو کو سمجھا دینا کہ قیمت وفاداری کی ہو گی۔ غداری کی صورت میں' میں خود اسے گولی مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

"حد ہو گئی شارق باؤ۔" موجو بولا۔ "میرا بندا اور تم سے غداری! یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ بڑا وفادار ہے۔ کتے کی طرح۔"

"مجھے ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے۔" شارق نے کہا اور پھر پتلون کی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ دس ہزار ہیں۔ پانچ اپنے پاس رکھ لینا اور پانچ پپو کو دے دینا۔ خرچے پانی کے لئے۔ بعد میں حساب کر لیں گے۔"

"کیا حساب باؤ۔" موجو نے نوٹوں کی گڈی شلوکے کے کسی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تم سے پیسوں کا لالچ تو نہیں ہے نا۔ تم تو بس صرف حکم کر دیا کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے بوڑھے کوبے کو آتے دیکھ کر کہا۔ "کل رات آٹھ بجے داتا دربار کے سامنے۔"

موجو نے گردن ہلا دی اور گلاس اٹھا کر چائے کا گھونٹ بھرنے لگا۔ شارق بھی چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ کوبے نے دو سگریٹ شارق کی طرف بڑھا دیئے۔ شارق نے دونوں سگریٹ موجو کے سامنے ڈال دیئے۔

"میں تو سگریٹ نہیں پیتا۔ تمہارے لئے منگوائے ہیں۔"

"سگریٹ تو میں بھی نہیں پیتا۔" موجو نے دونوں سگریٹ اٹھا کر بوڑھے کوبے کو دے دیئے۔

"لو۔ عیش کرو۔ آج گولڈ لیف پیو۔"

چائے پینے کے بعد شارق زیادہ دیر نہیں رکا۔ وہ سلطان سرائے سے نکل کر لنڈا بازار سے گزرتا ہوا دلی دروازے کے سامنے نکل آیا اور پھر دفعتاً" اسے یاد آ گیا کہ اس نے ابھی تک ثمینہ اور ماں جی کو فون نہیں کیا حالانکہ اس نے طفیل سے کہا تھا کہ وہ دوپہر سے پہلے پہنچ جائیں گی۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ اس نے دلی دروازے کے عین سامنے ایک ہوٹل سے ثمینہ کو فون کیا۔ پہلے ثمینہ سے بات کی پھر ماں جی سے بات کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ تینوں ابھی گھر سے روانہ ہو جائیں' ایک دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ کوئی چیز ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ سامان بعد میں پہنچ جائے گا۔ میں نے ثمینہ کو بنگلے کا پتا سمجھا دیا ہے۔ آپ لوگ آسانی سے وہاں پہنچ جائیں گی۔ برقعہ یا چادر اوڑھ کر گھر سے نکلیں۔ ہاں میں رات کا کھانا آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ جی ہاں۔۔۔۔ خدا حافظ۔"

فون کا ریسیور رکھتے ہوئے شارق نے کاؤنٹر کی گدی پر بیٹھے ہوئے پہلوان نما آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ گاہکوں سے پیسے لینے میں مصروف تھا۔ شارق کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹ کر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ اس میز پر صرف ایک ہی کرسی خالی تھی۔ پہلوان کے اس ہوٹل میں مرغ پلاؤ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ شارق نے ایک پلیٹ منگوا لی اور اطمینان سے کھانے لگا۔ پلاؤ واقعی مزیدار تھا۔ اس نے بڑی رغبت سے کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ ہوٹل سے نکلا اور دلی دروازے میں داخل ہو گیا اور تنگ سے ڈبی بازار سے ہوتا ہوا صرافہ کے چوک پر نکل آیا اور وہاں سے اس نے وہ راستہ اختیار کیا جو ہیرا منڈی کی طرف چلا گیا تھا۔ یہ راستہ اگرچہ خاصا طویل تھا لیکن وہ جان بوجھ کر پیدل آیا تھا۔

ہیرامنڈی کے علاقے میں پہنچ کر وہ ایک تنگ سی ترچھی گلی میں مڑ گیا۔ بعض مکانوں سے طبلے کی تھاپ اور گھنگروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ یہ رقاصائیں غالباً" رات کے پروگراموں کے لئے ریہرسل کر رہی تھیں۔ شارق ایک مکان کے دروازے میں داخل ہو کر تنگ سی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ دن ہونے کے باوجود سیڑھیوں پر اندھیرا تھا۔ تیسری منزل کے دروازے کے سامنے وہ رک گیا اور دستک دے کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔

دروازہ ایک بڑھیا نے کھولا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ چہرے پر مکڑی کا جال سا بنا ہوا تھا۔ بال برف کی طرح سفید تھے۔ وہ دبلی پتلی سی عورت تھی۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جوانی میں بے حد حسین رہی ہو گی۔ اس کی ناک پر موٹے عدسوں والی عینک لگی ہوئی تھی۔ فریم کی ایک ڈنڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس کی جگہ دھاگہ بندھا ہوا تھا جو کان پر لپٹا ہوا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق دروازہ کھلتے ہی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"ظفری کہاں ہے؟" شارق نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اندر سو رہا ہے تم کون ہے؟" عورت نے ناک پر عینک درست کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں اس کا دوست ہوں۔ اسے جگا دو۔ بہت ضروری کام ہے۔" شارق بولا۔

"وہ تھوڑی دیر پہلے ہی سویا ہے۔ میں اسے نہیں جگا سکتی۔ تم شام کو آ جانا۔" عورت نے جواب دیا۔

شارق اپنی جگہ پر کھڑا' ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ کمرہ تقریباً" پندرہ فٹ لمبا اور دس فٹ چوڑا تھا۔ اس کے ایک طرف آتشدان بنا ہوا تھا جس کے سامنے برتن بکھرے ہوئے تھے۔ آتشدان کے قریب ہی ایک کھڑکی بھی تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ دوسری دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ اس کمرے سے آگے دو کمرے اور تھے۔ ایک کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دوسرا بند تھا۔ شارق نے پہلے آگے بڑھ کر کھلے ہوئے دروازے میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ دوسرے دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ شارق اندر داخل ہو گیا۔ لیکن دوسرا قدم اٹھاتے ہی اسے رک جانا پڑے۔ کمرے میں دائیں طرف پلنگ پر ایک عورت اور ایک مرد لیٹے ہوئے تھے۔ مرد کے جسم پر بنیان اور دھوتی تھی جبکہ عورت نے بھی برائے نام ہی لباس پہن رکھا تھا۔ مرد کی آنکھیں بند تھیں۔ البتہ عورت جاگ رہی تھی اور اس نے شارق کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے الگ ہٹ گئی۔ اس نے ایک چادر بھی اپنے اوپر کھینچ لی تھی۔

"ظفری سے کہو میں ساتھ والے کمرے میں انتظار کر رہا ہوں۔" شارق نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں گھس گیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ظفری واقعی گہری نیند سویا ہوا تھا کیونکہ شارق کی آواز سن کر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ شارق کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ گلی کے دوسری طرف واقعی مکان کی کھڑکی میں دو عورتیں نیچے گلی میں کھڑے ہوئے کسی شخص سے چیخ چیخ کر باتیں کر رہی تھیں۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد ظفری کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ غالباً" اس مداخلت بیجا پر وہ جھنجلا گیا تھا۔ لیکن شارق کو کرسی پر بیٹھے دیکھ کر اس کا غصہ کافور ہو گیا اور چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

"شارق باؤ تم؟" اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے شارق سے ہاتھ ملایا۔ "کہاں غائب

ہو گئے تھے۔ تین چار مہینوں سے تمہارے بارے میں کچھ سنا ہی نہیں۔"

"میں ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تمہارے پاس کوئی کام نہیں ہے اور آج تمہیں دیکھ کر یہ بھی سچ ثابت ہو گیا کہ بیکار آدمی شیطان کے شکنجے میں آ جاتا ہے۔"

"سچ کہتے ہو شارق باؤ۔" ظفری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بیکار آدمی واقعی شیطان کے چکر میں آ جاتا ہے۔ لیکن کچھ کرنے کو ہے بھی تو نہیں۔ سارا دن ایسے ہی پڑا رہتا ہوں۔ شام کو ان گلیوں میں آنے والے تماش بینوں سے چائے پانی کا خرچہ وصول کر لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اب تم آئے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گہما گہمی شروع ہونے والی ہے۔"

"ٹھیک سمجھے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "گہما گہمی واقعی شروع ہونے والی ہے' لیکن اس مرتبہ مقابلہ زیادہ چالاک اور طاقتور دشمن سے ہے۔ میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر تم چاہو تو انکار کر سکتے ہو۔"

"اس شہر میں تم سے زیادہ طاقتور کون ہو گا شارق باؤ۔" ظفری بولا۔

"حاجی۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

"حاجی!" ظفری کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مگر وہ تو تمہارا دوست۔۔۔۔"

"دوست پہلے تھا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب وہ میرا دشمن نمبر ایک ہے۔ مجھے سب سے پہلے اسے ختم کرنا ہے یا خود مٹ جانا ہے۔"

"تمہیں کچھ کیوں ہو شارق باؤ۔" ظفری جلدی سے بولا۔ "ہم تمہارے دشمنوں کو مٹی میں ملا دیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "کل رات آٹھ بجے داتا دربار پہنچ جانا' میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"پروگرام کیا ہے؟" ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری عدم موجودگی میں حاجی نے میرے گھر والوں کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اس نے میری ماں اور بہن کو گھر سے نکال کر مکان پر نہ صرف قبضہ کر لیا بلکہ اسے فروخت بھی کر دیا۔ میری ماں بہن اور میرے دوست کو قتل کی دھمکیاں دیں' راجہ کی ہڈیاں توڑ کر اسے ہسپتال پہنچا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں افغانستان سے زندہ واپس نہیں آؤں گا اور وہ میرے بعد جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے مجھے جان سے مارنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ بچانے والا مارنے والے سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اب میں واپس آ گیا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"حاجی ایسا بے غیرت ہے۔" ظفری بولا۔ "فکر نہ کرو شارق باؤ۔ تمہاری ماں بہن ہماری ماں بہن ہے۔ ان کی بے عزتی کا بدلہ ہم لیں گے ۔ تم بتاؤ۔ کرنا کیا ہے۔"

"جو کچھ کرنا ہے وہ میں نے سوچ لیا ہے۔" شارق بولا۔ "پروگرام فائنل کر کے کل ہی بتاؤں گا۔"

"تم ابھی حکم کرو۔ کہو تو ابھی جا کر حاجی کو گولی مار دوں۔" ظفری بولا۔

"تم جانتے ہو کہ شارق سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔" شارق نے کہا۔ "ابھی ہم حاجی پر براہ راست ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ پہلے اس کے چند خاص آدمیوں کا بندوبست کرنا ہے اس کے بعد حاجی کو پکڑیں گے۔"

"بات تو عقلمندی کی 'کی ہے۔" ظفری بولا۔ "لیکن ٹھہرو۔ پہلے میں چائے منگواتا ہوں۔ پھر آرام سے بات کریں گے۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کسی عورت کا نام لے کر آواز دی۔ دوسرے ہی لمحہ وہی عورت دروازے میں نمودار ہوئی جسے شارق نے ظفری کے ساتھ لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر شرم و حیا نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ "زمرد! میرا جگری یار آیا ہے۔ اب تم جاؤ اور کسی کے ہاتھ چائے بھجوا دینا۔"

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی دھندے والی عورت تھی۔ وہ چند لمحے شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"شارق باؤ۔ تم بہت تھکے ہوئے لگتے ہو۔ تھوڑا آرام کر لو۔"

"آرام تو میں اس وقت کروں گا جب حاجی کو ٹھکانے لگا دوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"ہم مل کر اسے ٹھکانے لگائیں گے۔" ظفری بولا۔

کچھ ہی دیر بعد چائے آ گئی۔ وہ دونوں چائے کی چسکیاں لیتے اور باتیں کرتے رہے۔ ظفری حاجی کے بارے میں جان کر بہت غصے میں آ گیا تھا۔ وہ اونچا لمبا اور بھاری ڈیل ڈول کا آدمی تھا اور چہرے ہی سے بدمعاش لگتا تھا۔ اسے دیکھ کر شریف آدمیوں کا تو ویسے ہی دم نکل جاتا تھا۔ ظفری اور موجو جیسے آدمی وہ لوگ تھے جو اپنے آقا کے لئے جان بھی دے سکتے تھے۔ یہ لوگ بدکردار اور بدمعاش ضرور تھا لیکن ان کا بھی اپنا ایک کردار تھا۔ ماضی میں شارق نے ان پر کچھ احسانات کئے تھے۔ پہلے ان سے کوئی کام نہیں لیا گیا تھا لیکن اب وہ انہیں آگے لانا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں حاجی سے نمٹنے کے لئے ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت تھی۔

شارق اس وقت واقعی تھکن سی محسوس کر رہا تھا۔ وہ کئی میل تک دھوپ میں پیدل چلتا رہا تھا۔ آدمیوں کا بندوبست ہو جانے کے بعد اسے کچھ اطمینان سا ہو گیا تھا۔ چائے پینے کے بعد وہ

کرسی سے اٹھ کر ریگزین کے صوفے پر لیٹ گیا۔ باتیں کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ظفری سمجھا کہ وہ سو رہا ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

شارق سویا نہیں تھا۔۔۔۔ آنکھیں بند کر کے صورتحال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ حاجی پر براہ راست حملہ کرنے کے بجائے پہلے اس کے خاص خاص آدمیوں سے نمٹا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلے منور سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔ منور رشتے میں حاجی کا بھانجا بھی ہوتا تھا۔ اس کا حشر دیکھ کر حاجی یقیناً" تلملا اٹھے گا۔ ویسے حاجی کے بارے میں شارق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ اپنے کسی آدمی پر حملے کے بعد وہ خاموش نہیں رہے گا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ حاجی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دے گا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے شارق واقعی سو گیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سات بج رہے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ آنکھ کھلنے کے بعد کچھ دیر تک وہ یہ اندازہ ہی نہ لگا سکا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر طبلے کی تھاپ اور گھنگروؤں کی جھنکار کانوں سے ٹکرائی تو ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک اسی لمحہ ظفری کمرے میں داخل ہوا۔

"میں سو گیا تھا اور تم نے مجھے جگایا ہی نہیں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"تم بہت تھکے ہوئے تھے۔ میں نے اس لئے تمہیں نہیں جگایا کہ تھوڑا آرام کر لو۔" ظفری نے جواب دیا۔ "تم منہ ہاتھ دھو لو شارق باؤ۔ میں نے چائے منگوائی ہے۔"

شارق اٹھ کر باہر والے کمرے میں آ گیا۔ وہاں ایک طرف بیسن لگا ہوا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی چائے آ گئی۔

شارق جب ظفری کے مکان سے نکلا تو رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ بازار کی رونق شروع ہو رہی تھی۔ ہر طرف سے طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ شارق ٹہلتا ہوا ٹیکسالی گیٹ پر آ گیا اور موڑ پر کھڑے ہوئے ایک خالی رکشے پر بیٹھ گیا۔

رات دس بجے تک وہ شہر کے مختلف علاقوں میں مختلف کاموں میں مصروف رہا اور جب وہ گلبرگ والی کوٹھی کے سامنے رکشے سے اترا تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔

اس نے گیٹ کی گھنٹی بجائی۔ طفیل نے گیٹ کھولا۔ شارق گیٹ میں داخل ہو کر برآمدے میں پہنچا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ رضیہ اچانک ہی برآمدے والے دروازے سے نکل کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

○○

"یہ سب کیا ہے بھیا!" رضیہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا ہم لوگ کبھی کسی ایک جگہ

aazzamm@yahoo.com

چین سے نہیں رہ سکیں گے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔" شارق اس کے سامنے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "لیکن اب ایسا نہیں ہو گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

ماں جی کی پیشانی پر بھی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ منہ سے تو کچھ نہیں بولی' لیکن چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس صورتحال سے خوش نہیں ہے۔

"آپ ناراض ہیں ماں جی اپنے بیٹے سے۔" شارق نے اپنی بانہیں اس کے گلے میں حائل کر دیں۔

"میں ناراض نہیں ہوں بیٹا۔ لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ تمہاری زندگی کا سکون کیوں غارت ہو گیا ہے۔ چوبیس گھنٹے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو۔ یہ سب کچھ چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" ماں جی نے کہا۔

"میں تو چھوڑنا چاہتا ہوں' لیکن لوگ مجھے نہیں چھوڑتے۔" شارق نے جواب دیا۔ "بس تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے۔ اس کے بعد اپنی زندگی میں سکون ہی سکون ہو گا۔ بس۔۔۔۔ چند روز۔۔۔۔ اگر چند روز میں سب کچھ ختم نہ ہوا تو وعدہ کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو لے کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں یہ ہنگامے نہیں ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے تم کھانا کھا کر آئے ہو۔"

ثمینہ کی آواز سن کر شارق اس طرف مڑ گیا۔ "نہیں تو۔" وہ بولا۔

"تو پھر چلو۔" ثمینہ بولی۔ "تم نے کہا تھا کہ کھانا گھر پر کھاؤ گے۔ اس لئے ہم نے بھی تمہارے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

رضیہ نے کھانا لگا دیا اور وہ چاروں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران شارق انہیں اس کوٹھی کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"میں نے فوری ضرورت کا سامان ڈلوا دیا ہے۔" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن جس چیز کی ضرورت ہو تم اور ثمینہ خرید کر لے آنا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کچھ عرصہ تک تم لوگ گھر سے باہر نکلتے وقت برقعہ پہنو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تمہاری ہدایات کا خیال رکھیں گے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد بھی وہ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شارق یہاں آنے سے پہلے ماسی مہراں کے ہاں سے اپنا بریف کیس لے آیا تھا۔ اس نے بریف کیس کھول کر نوٹوں کی دو گڈیاں

رضیہ کے ہاتھ میں تھما دیں۔

"یہ دو لاکھ روپے ہیں۔ ضرورت کی چیزیں لے آنا اور یہ بریف کیس سنبھال کر رکھ لو۔ اس میں پیسوں کے علاوہ کچھ اور بھی ہے جس کا ماں جی کو پتا نہیں چلنا چاہئے۔"

کچھ دیر بعد شارق اس کمرے میں آ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ جن خصوصیات کی بنا پر شارق نے یہ کوٹھی پسند کی تھی ان میں ایک خصوصیت یہاں ٹیلی فون کی موجودگی بھی تھی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سہیل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے تک فون پر سہیل سے باتیں کرتا رہا پھر باہر آ گیا۔

"مجھے کہاں سونا ہے بھئی۔ میرے لئے بھی کوئی بستر ہے یا نہیں؟" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہارا کمرہ وہ ہے۔" رضیہ کے بجائے ثمینہ نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ صبح ملاقات ہو گی۔" شارق کہتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

صبح شارق دیر سے اٹھا تھا۔ لیکن ناشتا کرنے کے فوراً" ہی بعد گھر سے رخصت ہو گیا۔ اس نے طفیل کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ ان لوگوں کا خیال رکھے۔

گھر سے نکلنے کے بعد شارق نے چند گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ کچھ سوچ کر واپس آ گیا۔ وہ کچھ دیر تک رضیہ سے باتیں کرتا رہا۔ ان کی آواز سرگوشیوں سے زیادہ نہیں تھی۔ اس مرتبہ وہ گھر سے نکلا تو اسے فوراً" ہی رکشہ مل گیا۔

وہ سیدھا ریلوے سٹیشن کے قریب بوڑھ والے چوک پہنچ گیا۔ یہاں نئی اور پرانی کاروں کے چند شو رومز تھے جہاں کرائے پر کاریں بھی ملتی تھیں۔ اس نے ایک شو روم سے کرائے پر ایک ٹویوٹا کار حاصل کی۔ کار حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک ایسے آدمی کا نام استعمال کیا تھا جو شارق کو بھی جانتا تھا اور شو روم کے مینجر کو بھی۔ اس نام کی وجہ سے شارق کو کار حاصل کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے خاصی رقم ایڈوانس میں دے دی تھی۔

شارق اس کار پر دن بھر مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دوپہر کا کھانا اس نے ایک ہوٹل میں کھایا اور پھر ملتان روڈ کی طرف نکل گیا۔ شہر کی حدود کے اختتام کے بعد وہ مین روڈ پر ڈرائیو کرتا رہا اور پھر کار کو دائیں طرف ایک ذیلی سڑک پر موڑ دیا۔

کچھ دیر بعد شارق اس حویلی میں موجود تھا جہاں افغانستان سے پہلے انہوں نے اسلحے کی پیٹیاں اور ہیروئن چھپائی تھی۔ اس وقت شارق کے خیال میں محفوظ ترین جگہ یہی تھی۔ وہ حاجی کے

aazzamm@yahoo.com

خلاف کارروائی کے لئے اس حویلی کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا سکتا تھا۔

حویلی کی چابیاں گیٹ سے کچھ دور دیوار میں ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے اندر چھپائی گئی تھیں۔ چابیاں جوں کی توں وہاں موجود تھیں۔ ظاہر ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چھ فٹ اوپر ٹوٹی ہوئی دیوار میں چابیاں چھپائی گئی ہوں گی۔ اس نے چابیاں نکال کر گیٹ کھولا اور پھر کار کو اندر لے جا کر بند کر دیا۔

اس حویلی کا ایک کمرہ انہوں نے رہائش کے قابل بنا رکھا تھا۔ لیکن چارپائیوں پر بچھی ہوئی چادروں پر مٹی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس نے چادریں جھاڑ کر بچھائیں اور ایک چارپائی اٹھا کر باہر درخت کے نیچے بچھا دی اور اس پر لیٹ گیا۔ دوپہر کے وقت درخت کی گھنی چھاؤں میں ٹھنڈی ہوا بہت بھلی لگ رہی تھی۔ شارق پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

شارق کی آنکھ کھلی تو سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اس نے کنویں سے پانی نکال کر منہ ہاتھ دھویا اور کمرے میں آ گیا۔ وہ کمروں کی بتیاں جلاتا ہوا انتہائی اندرونی کمرے میں آ گیا جہاں اسلحے کی پیٹیاں اور بوریوں میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے رکھے تھے۔ ہیروئن کی مالیت اربوں روپے تھے اور اسلحہ اس کے علاوہ تھا۔ شارق نے اسلحہ والی ایک پیٹی کھول لی اور تین کلاشنکوف رائفلیں نکال کر انہیں چیک کرنے لگا۔ اس نے تینوں میں میگزین فٹ کر دیئے۔ ایک فالتو میگزین اٹھا لیا اور اس کمرے سے نکل کر پہلے کمرے میں آ گیا۔ اندر والے کمرے کا دروازہ اس نے بڑی احتیاط سے لاک کیا تھا۔

اس نے تینوں رائفلیں کار میں سیٹوں کے نیچے چھپا دیں اور ٹھیک سات بجے وہ حویلی سے نکل گیا۔ چابیاں اس نے دوبارہ ٹوٹی ہوئی دیوار میں اسی جگہ رکھ دی تھیں جہاں سے اٹھائی تھیں۔

مین روڈ پر ٹریفک کی وجہ سے اسے کار کی رفتار کم رکھنی پڑی۔ سمن آباد موڑ سے گزرتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ موڑ پر خاصی رونق تھی۔ چوبرجی چوک پر پہنچ کر اس نے کار کی رفتار مزید کم کر دی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا تھا۔

داتا دربار کے قریب پہنچ کر شارق نے کار سڑک پر روک دی اور نیچے اتر کر پیدل چلتا ہوا اس گیٹ کی طرف بڑھنے لگا جس کے بارے میں اس نے ظفری وغیرہ کو بتایا تھا۔

اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ داتا دربار بڑی رونق تھی۔ عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ اس گیٹ کے قریب وسیع و عریض شیڈ کے نیچے پیشہ ور باورچیوں کے بڑے بڑے کچن تھے۔ سوئی گیس کے بڑے بڑے چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔ باورچیوں کے ملازم تیار دیگیں ٹرالیوں

پر رکھے زائرین کو متوجہ کر رہے تھے اور زائرین یہ دیگیں مہنگے داموں خرید کر کھانا غریبوں میں بانٹ رہے تھے۔

شارق گیٹ کے قریب ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ وہ متجسس نظروں سے ہر آنے جانے والے کو دیکھ رہا تھا۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ؟ پر پہلے اسے ظفری دکھائی دیا پھر موجو۔۔۔۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ پپو تھا۔ اس کی عمر اٹھائیس تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ دراز قامت سڈول جسم اور مغل کٹ داڑھی اس کے چہرے پر خوب جچ رہی تھی۔ شارق نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ بظاہر وہ بڑا شریف آدمی لگتا تھا لیکن شارق جانتا تھا کہ وہ بہت خطرناک نوجوان ہے۔

شارق نے ان تینوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور گیٹ سے نکل کر سڑک کی طرف چل پڑا۔ وہ تینوں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس کے پیچھے چلنے لگے۔

کار کے قریب پہنچ کر شارق ایک لمحہ کو رکا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں بھی کار کے قریب آ گئے۔ ظفری آگے ولی سیٹ پر اور پپو اور موجو پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ شارق نے انجن سٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

سمن آباد موڑ تک پہنچنے میں انہیں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ شارق نے گاڑی ایک طرف روک لی۔

"تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ دولے دودھ والے کی دکان کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔ اس کے مخاطب وہ تینوں ہی تھے۔

"اس کی دکان تو آگے بھلا سٹاپ پر ہے۔" پیچھے بیٹھے ہوئے موجو نے کہا شارق نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ بھلا سٹاپ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف دکانیں تھیں۔ ایک تنگ سی سڑک نو ناریاں کی طرف مڑتی تھی۔ ان دکانوں کی وجہ سے یہاں خاصی رونق تھی۔ سٹاپ کے قریب پہنچ کر شارق نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔

"وہ سامنے ہے دولے دودھ والے کی دکان۔" موجو نے سڑک کے دوسری طرف اشارہ کیا۔

شارق نے کار روک لی۔ جس جگہ اس نے کار روکی تھی وہاں ایک چھوٹا سا جنرل سٹور تھا۔ ایک سائیکلوں کی دکان تھی اور دو تین دکانیں مختلف قسم کی تھیں۔ اس کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف دولے دودھ والے کی دکان تھی۔ یہاں سڑک اگرچہ زیادہ کشادہ نہیں تھی لیکن دودھ والے نے دکان کے آگے خاصی جگہ گھیر رکھی تھی۔ اینٹوں سے بنی ہوئی بھٹی پر دودھ کی بہت بڑی کڑاہی چڑھی ہوئی تھی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے لکڑی کے ایک

aazzamm@yahoo.com

تخت پر بچھی ہوئی گدی پر دولا دودھ والا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ سر پر ترچھی پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ لان کا سفید کرتا اور لٹھے کی سفید دھوتی۔

کڑاہی کے اوپر کی طرف لکڑی کا ایک اور تخت رکھا ہوا تھا جو پچھلی طرف سے کسی قدر اٹھا ہوا تھا۔ اس پر جلیبی' لڈو' اندرسے اور برفی وغیرہ کے طشت سجے ہوئے تھے۔

دکان کے سامنے لکڑی کے پانچ چھ بنچ پڑے تھے جن پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی لسی پی رہا تھا اور کوئی دودھ کا پیالہ پکڑے بیٹھا تھا۔ ان بنچوں کے قریب ہی ایک کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس نے بھی سفید کرتا اور خوبصورت بارڈر والا لاچہ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سلیم شاہی تھا اس کے سر کے بال خاصے لمبے تھے جو گردن پر پھیلے ہوئے تھے۔ بھاری مونچھوں نے اس کے چہرے کو خاصا بارعب بنا دیا تھا۔

"وہ منور ہے۔" کار میں بیٹھے ہوئے موجو نے کرسی پر بیٹھے ہوئے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

شارق غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی میز رکھی ہوئی تھی جس پر چیک دار ایک بڑا رومال بچھا ہوا تھا۔ رومال کا ایک کونا خاصا مڑا ہوا تھا۔ دور سے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے نیچے کوئی چیز موجود ہے۔ اس دوران ایک آدمی وہاں آ کر رکا اس نے جیب سے چند نوٹ نکالے اور رومال کا کونا اٹھا کر نوٹ رکھنے کے بعد اس نے منور کو سلام کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

پانچ منٹ میں تین آدمی اس رومال کے نیچے پیسے رکھ کر گئے تھے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ منور وہاں بیٹھا دکانداروں سے جگا ٹیکس وصول کر رہا تھا۔ غالباً" یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ دکاندار خود ہی وہاں آ کر جگا ٹیکس دے جاتے تھے۔

"پپو!" شارق نے مڑ کر پپو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ ذرا اس کے پاس۔ اس سے کہو تمہارا ایک دوست بلا رہا ہے۔"

پپو کار سے اتر گیا۔ موجو نے بھی ایک طرف ہٹ کر سیٹ اٹھائی اور دو رائفلیں نکال لیں۔ ایک اس نے اپنے پاس رکھ لی اور دوسری اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ظفری کے حوالے کر دی۔ موجو نے رائفل کی نال کھڑکی پر رکھ لی اور سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

پپو سڑک پار کر کے دولے کی دکان کے سامنے پہنچ گیا اور بنچوں کے اوپر سے گھومتا ہوا منور کی کرسی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ منور نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ چہرہ اس کے لئے

نیا تھا۔

"کیا بات ہے اوئے۔ کون ہو تم؟" اس نے اکھڑے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔" پپو نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ یہاں لوگوں کے سامنے تمہارے سر پر جوتے نہ لگائے جائیں تو اٹھ کر میرے ساتھ چل دو۔ وہ سامنے گاڑی کھڑی ہے۔ تمہارا باپ تم سے صرف دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

منور نے سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پپو کے منہ پر گھونسا مارنا چاہا لیکن پپو نے بڑی پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"ابھی ایسا کوئی آدمی پیدا نہیں ہو سکتا جو پپو پر ہاتھ اٹھا سکے۔" پپو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماجھے' گامے۔۔۔ ساجھے۔۔۔" منور چیخ کر اپنے آدمیوں کو پکارنے لگا۔ یہ صورتحال دیکھ کر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اب یہاں ہنگامہ ہو گا' گولیاں چلیں گی اور ایک آدھی لاش بھی گرے گی۔

چار پانچ غنڈے ادھر ادھر سے نکل کر پپو کی طرف لپکے' پپو ان کے گھیرے میں آ گیا لیکن اس نے منور کی کلائی نہیں چھوڑی۔ منور کے ایک آدمی نے پستول نکال کر ہوائی فائر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دکانیں بھی دھڑ دھڑ بند ہونے لگیں۔ منور کے آدمی یہی سمجھے تھے کہ پپو اکیلا ہی ہے لیکن کار میں بیٹھے ہوئے موجو نے رائفل کا ایک ہوائی برسٹ مار دیا تو وہاں بھگدڑ سی مچ گئی۔ منور کے غنڈے ادھر ادھر دبک کر فائرنگ کرنے لگے۔

اس بھگدڑ میں دودھ کی کڑاہی الٹ گئی اور دولا دودھ والا بھی چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ پپو واقعی دلیر آدمی تھا۔ وہ ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ سے منور کی کلائی پکڑ رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اسے گھونسے رسید کر رہا تھا۔ پھر اس نے کلائی چھوڑ دی اور دوسرا ہاتھ بھی استعمال کرنے لگا۔ منور نے موقع پا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر پپو نے اسے دو قدم سے زیادہ آگے نہیں جانے دیا۔ وہ اسے گھونسے اور لاتیں رسید کرتا ہوا سڑک کی طرف لے جا رہا تھا۔

دونوں طرف ٹریفک رک گیا تھا۔ لوگ گاڑیوں سے اتر اتر کر گلیوں میں گھس رہے تھے۔ گاڑی میں بیٹھا ہوا موجو مسلسل فائرنگ کر رہا تھا۔ اس فائرنگ کی وجہ سے منور کے آدمیوں کو سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

پپو' منور کو ٹھوکریں مارتا اور گھسیٹتا ہوا کار تک لے آیا۔ شارق کار سے اتر آیا' اسے دیکھ کر

aazzamm@yahoo.com

منور کانپ اٹھا۔

"تت۔۔۔۔ تم۔۔۔" خوف کی شدت سے اس کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

"اچھا ہوا تم نے پہچان تو لیا۔" شارق مسکرایا پھر پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے گاڑی میں ڈال دو اور اگر یہ شور مچانے کی کوشش کرے تو بھون دینا اسے گولیوں سے۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" پپو نے جواب دیا اور منور کو گاڑی میں ٹھونسنے کی کوشش کرنے لگا۔ منور مسلسل مزاحمت کر رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو پکار رہا تھا لیکن اس کے تمام ساتھی گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ پپو اسے مسلسل ٹھوکریں مار رہا تھا۔ اس کھینچا تانی میں منور کے لاچے کی گرہ کھل گئی اور کوئی بھاری چیز نیچے گرنے کی آواز سن کر پپو چونک گیا۔

وہ پستول تھا جو منور کے لاچے کی ڈاب سے نکل کر گرا تھا۔ پپو نے لپک کر پستول اٹھا لیا اور اس کی نال منور کی کھوپڑی پر رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

"اگر اس وقت اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

"مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" منور نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"کیسے بدمعاش ہو تم۔" پپو نے اسے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "ارے بدمعاش تو برستی گولیوں میں بھی سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے اور تم دو ہاتھ لگنے پر ہی ہاتھ جوڑنے لگے ہو۔ لگتا ہے تم نے کسی گدھی کا دودھ پیا ہے چور اچکا کہیں کہا۔ چل۔۔۔۔ بیٹھ گاڑی میں۔"

مگر منور اس وقت بھی رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ پپو اسے پکڑ کر کار میں ٹھونسنے لگا۔ اندر سے موجو نے منور کے ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ پپو بھی کار میں بیٹھ گیا اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔

موجو نے ہوا میں رائفل کا ایک برسٹ مارا۔ شارق جلدی سے سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ انجن سٹارٹ ہی تھا۔ اس نے گیئر میں ڈال کر گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ دونوں اطراف ٹریفک بند تھا۔ اس ٹریفک سے کار نکالنا ممکن نہیں تھا۔ شارق نے کار ایک تنگ سی گلی میں موڑ دی۔ ٹھیک اس وقت دور کہیں سے پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی تھی۔

شارق کار کو گلیوں ہی گلیوں میں گھماتا رہا۔ فضا میں پولیس کے سائرن کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز کبھی ایک طرف سے آتی کبھی دوسری طرف سے اور پھر شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ پولیس کی دو تین گاڑیاں تھیں جو غالباً انہیں گھیرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

شارق کی کار ایک گلی سے نکل کر جیسے ہی سڑک پر آئی شارق اپنی سیٹ پر اچھل پڑا۔ بائیں طرف سڑک پر پولیس کی گاڑی آ رہی تھی اور اس نے اچانک ہی سائرن کھول دیا تھا۔ یہ سائرن سن کر ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ظفری بھی چونکا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے فائر کھول دیا۔ فائرنگ سے پولیس کی گاڑی کا اگلا ایک ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ وین بری طرح لڑکھڑا گئی۔ شارق کی کار بھی اس طرف مڑی تھی۔ اس کی رفتار بھی تیز تھی اور پولیس کی تیز رفتار وین بھی لڑکھڑاتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔ فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہا تھا۔

○

شارق نے بڑی پھرتی سے سٹیئرنگ کو دائیں طرف گھما دیا۔ کار ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ مڑی۔ پولیس وین کار کے پچھلے حصے کو ٹکر مارتی ہوئی سڑک سے اتر کر ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

کار کے پچھلے حصے پر پولیس وین کی ٹکر اگرچہ زیادہ زوردار نہیں تھی لیکن کار لڑکھڑا گئی تھی۔ اگر شارق اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ بھی پولیس وین کی طرح سڑک کے دوسری طرف کسی مکان سے ٹکرا جاتی۔ ٹکر لگنے سے کار مڑ گئی تھی۔ شارق نے سٹیئرنگ سنبھالتے ہی ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی۔ شارق کے ساتھ دوسری سیٹ پر بیٹھے ہوئے ظفری نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس وین درخت سے ٹکرا کر رک گئی تھی اور پولیس والے بدحواسی میں نیچے کود رہے تھے۔ اس ٹکر سے ان کے اپنے حواس گم ہو گئے تھے اور انہیں شارق والی کار کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ انہیں تو شاید یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کار میں وہ لوگ تھے جن کی انہیں تلاش تھی۔

کار مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی یتیم خانے والے موڑ کے قریب ایک بار پھر ملتان روڈ پر نکل آئی۔ شارق کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

"پپو۔" شارق نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی آنکھیں باندھ دو تاکہ اسے یہ پتا نہ چل سکے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں شارق باؤ۔" پپو نے جواب دیا۔ "یہ تو پہلے ہی سجدے میں پڑا ہوا ہے۔ سر اوپر اٹھائے گا تو کچھ دیکھے گا نا۔"

پپو نے ٹھیک کہا تھا۔ منور سیٹ پر نہیں بلکہ ان کے پیروں میں اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پیشانی فٹ میٹ کو چھو رہی تھی۔ پپو اور موجو نے اوپر سے اسے دبا رکھا تھا۔

شارق نے بالآخر کار حویلی کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔ اس طرف آبادی نہ ہونے

aazzamm@yahoo.com

کے برابر تھی۔ رات کو اس وقت یہاں تاریکی اور سناٹا تھا۔ شارق نے حویلی کے پھاٹک کے سامنے کار روک لی اور دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے ظفری کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ جاؤ میں پھاٹک کھولتا ہوں تم کار کو اندر لے چلنا۔"

اس نے دیوار کی ٹوٹی ہوئی کھولی میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور پھاٹک کھول دیا۔ ظفری کار اندر لے گیا تو شارق نے پھاٹک بند کر دیا۔ ظفری نے کار ٹھیک جگہ پر ہی روکی تھی۔

پپو نے منور کو کار سے گھسیٹ کو باہر نکالا تو اس کا لاچہ کھل گیا۔ وہ اپنا لاچہ سنبھال رہا تھا کہ پپو نے اس کے کولہے پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔

شارق نے برآمدے والا دروازہ کھول کر برآمدے اور سامنے والے دو کمروں کی بتیاں جلا دی تھیں۔ وہ سب برآمدے کے سامنے تھے۔ منور کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں تھرتھر کانپ رہی تھیں۔

"تم نے مجھے تو پہچان لیا ہے اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ تقریباً" دو مہینے پہلے تم نے میری ماں اور بہن کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ انہیں کس طرح ذلیل کر کے گھر سے نکالا تھا۔"

"میں بے قصور ہوں استاد شارق۔" منور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے حاجی نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے۔"

"حاجی تمہارا ماما لگتا ہے نا؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اس نے یہ سمجھا تھا کہ میں مر چکا ہوں۔ وہ اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھتا ہے۔ اب میں اسے بتاؤں گا کہ کسی کو اپنے سے کمزور سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ میں نے حاجی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا' لیکن اس نے مجھ سے دشمنی مول لے لی ہے اور یہ دشمنی اسے بہت مہنگی پڑے گی۔ اسے جب اپنے آدمیوں کی لاشوں کے تحفے ملنے لگیں گے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔"

"مم۔۔۔۔ مجھے معاف کر دو شارق استاد۔" منور گھگھیایا۔

"فکر مت کرو۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" شارق بولا۔ "میں تمہیں زندہ حاجی کے پاس پہنچاؤں گا تاکہ تم اسے بتا سکو کہ شارق اس کے خلاف میدان میں اتر آیا ہے۔"

"مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔"

"کیا میں میں لگا رکھی ہے۔" موجو نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی اور اس کے ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔

منور چیختا ہوا لڑکھڑا کر گرا۔ گھونسا خاصا زوردار تھا۔ منور کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور اس کے منہ سے خون بہہ نکلا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پپو نے ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

منور چیختا ہوا ایک بار پھر لڑھک گیا۔

"یہاں نہیں۔ اسے اندر لے کر چلو۔" شارق نے کہا۔ "یہاں اگرچہ آبادی زیادہ نہیں ہے۔ اکا دکا لوگ ہی رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی چیخوں کی آواز سن کر لوگ جمع ہو جائیں۔ اندر لے چلو۔ پچھلے کمرے میں۔"

پپو اور موجو' منور کو گھسیٹتے ہوئے حویلی کے ایک کمرے میں لے آئے۔ منور اپنا لاچہ درست کر رہا تھا کہ شارق نے اس کے پیٹ پر زوردار ٹھوکر ماری۔

"تم جانتے ہو کہ کوئی شخص ہر قسم کی زیادتی برداشت کر لیتا ہے لیکن ماں اور بہن کی بے عزتی تو کوئی بے غیرت سے بے غیرت آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔" شارق چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "جتنے آدمی میرے گھر پر گئے تھے ان سب کو چن چن کر ختم کر دوں گا اور تمہارا تو میں وہ حشر کروں گا کہ حاجی بھی تمہیں دیکھ کر کانپ اٹھے گا۔"

شارق نے منور کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ پپو' ظفری اور موجو بھی ایک آدھ لات یا گھونسا جڑ دیتے۔ منور بری طرح چیخ رہا تھا۔

اس کمرے میں کچھ چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ شارق نے لوہے کی ایک سلاخ اٹھا لی اور اسے گھما کر پوری قوت سے منور کے منہ پر مار دی۔ منور کے منہ سے نکلنے والی وہ چیخ بہت ہی بھیانک تھی۔ سلاخ اس کے ہونٹوں پر لگی تھی جس سے نہ صرف اس کے ہونٹ پھٹ گئے بلکہ اوپر کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔ وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ شارق نے اسے دو چار ٹھوکریں بھی رسید کر دیں۔

"مجھے تم پر ذرا بھی ترس نہیں آئے گا۔" شارق چیخا۔ "تم اپنے علاقے کے بہت بڑے بدمعاش ہو نا۔ لوگوں سے جگا ٹیکس وصول کرتے ہو۔ شریف لوگوں کی پگڑیاں اچھالتے ہو۔ تمہیں حاجی کی پشت پناہی حاصل ہے اور پولیس کی آشیرباد۔ لیکن اب تمہیں نہ تو حاجی بچا سکے گا اور نہ ہی پولیس۔"

شارق نے ایک بار پھر لوہے کی سلاخ اٹھا لی اور منور پر پے در پے حملے کرنے لگا۔ اس پر جنون سا طاری ہونے لگا۔ اس موقع پر اگر ظفری وغیرہ بھی اسے روکنے کی کوشش کرتے وہ ان کے قابو بھی نہ آتا۔

منور کی چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اس کے جسم سے جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں اور پنڈلیوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ کم از کم تین دانت نکل چکے تھے۔ ایک رخسار کی ہڈی چٹخ گئی تھی اور دو پسلیاں بھی کریک ہو چکی تھیں۔ منور کا چہرہ اس طرح بگڑ گیا

aazzamm@yahoo.com

تھا کہ اسے پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ شارق نے سلاخ سے اس کی پسلیوں پر آخری وار کیا اور سلاخ ایک طرف پھینک دی۔ منور بری طرح چیخ رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ ابھی تک ہوش میں تھا۔

"اب تم نہ تو کبھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکو گے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ کھا سکو گے۔ زندگی بھر دوسروں کے محتاج رہو گے۔" شارق نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ پھر ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ظفری' برآمدے کے ساتھ دائیں طرف کچن ہے۔ وہاں سے تھوڑی سی مرچیں یا نمک لے آؤ۔"

ظفری فوراً" ہی باہر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پلاسٹک کی ایک برنی اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس میں پسی ہوئی مرچیں تھیں۔ شارق نے ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ڈھکنا کھول کر مرچوں کی چٹکی بھری۔

"نہیں' نہیں۔" منور بلبلا اٹھا۔ "خدا کے لئے میرے زخموں پر مرچیں نہ چھڑکو۔"

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم بہت زبردست قوت برداشت کے مالک ہو۔" شارق نے کہا۔ "کسی اور کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا تو وہ ختم ہو چکا ہوتا لیکن تم بزدل ہونے کے باوجود بہت سخت جان ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کہاں تک برداشت کرتے ہو۔"

شارق نے چٹکی بھر مرچیں اس کے ایک زخم پر چھڑک دیں۔ منور بری طرح تڑپنے لگا۔ اس کی خوفناک چیخیں ایک بار پھر کمرے میں گونجنے لگیں۔

"مار دو۔۔۔۔۔ مجھے مار دو۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "خدا کے لئے مجھے مار ڈالو۔"

"نہیں۔۔۔۔۔ تم زندہ رہو گے۔" شارق بولا۔

منور تڑپتا' چیختا رہا اور بالآخر اس کی آواز حلق میں گھٹی چلی گئی اور وہ ساکت ہوتا چلا گیا۔ منور بے ہوش ہو گیا تھا۔

"اسے اس کے لاچے میں باندھ کر گاڑی کی ڈکی میں ڈال دو۔" شارق نے ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ظفری اور پپو نے منور کا لاچہ فرش پر بچھا دیا اور منور کو اٹھا کر گٹھڑی کی طرح لاچے میں باندھ دیا۔ وہ ہڈیوں اور گوشت کا ایک ڈھیر تھا۔ جسے اٹھا کر وہ باہر لے گئے۔ سفید ریشمی لاچہ فوراً" ہی خون سے تر ہونے لگا تھا۔

شارق کمرے میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ہر طرف خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی کمرے سے نکل آیا۔ پپو اور ظفری گٹھڑی کو کار کی ڈکی میں ٹھونس رہے تھے۔ شارق قریب کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ پھر کمروں کے دروازے بند کرنے لگا اور بالآخر کار کی طرف آ گیا۔ پپو وغیرہ کار کے قریب کھڑے تھے۔

"یہ حویلی میری خفیہ پناہ گاہ ہے۔ اس کے بارے میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔" شارق باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب تم تینوں اس خفیہ ٹھکانے سے واقف ہو گئے ہو۔ میری اجازت کے بغیر تم میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں آئے گا اور نہ ہی اس حویلی کے بارے میں کسی اور کو پتا چلنا چاہئے۔"

"شارق باؤ۔" ظفری نے گویا ان تینوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تینوں نے تم سے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ ہم اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن تمہارا کوئی راز ہمارے سینے سے باہر نہیں نکلے گا۔"

"مجھے تم تینوں کی دوستی اور وفاداری پر فخر ہے۔" شارق نے کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول لیا۔ "سیٹ کے نیچے سے تیسری رائفل بھی نکال لو۔ راستے میں شاید اس کی بھی ضرورت پڑ جائے۔ منور' حاجی کا بھانجا ہے۔ اسے منور کے اغوا کی اطلاع مل گئی ہو گی۔ اس وقت پورے شہر میں ہماری تلاش ہو رہی ہو گی۔ ہمیں پولیس سے بچتے ہوئے اس زندہ لاش کو داروغہ والا میں حاجی کی کوٹھی کے سامنے پہنچانا ہے تاکہ حاجی یہ جان لے کہ شارق نے اپنی کارروائی شروع کر دی ہے۔"

شالیمار باغ تک پہنچنے کے لئے انہیں ایک طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ وہ مغلپورہ سے ہوتے ہوئے شالیمار باغ کے عین سامنے نکل آئے۔ وہاں سے شارق نے گاڑی جی ٹی روڈ پر داروغہ والا کی طرف موڑ دی۔ شالیمار باغ سے چند گز آگے لب سڑک باغبانپورہ تھانہ تھا اور شارق کو توقع تھی کہ یہاں بھی گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی ہو گی لیکن حیرت کی بات تھی کہ یہاں انہیں کوئی روک ٹوک پیش نہیں آئی تھی۔

پاکستان منٹ سے آگے نکلتے ہی شارق نے کار کی رفتار کم کر لی اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس سے آگے چونکہ دیہی آبادی شروع ہو جاتی تھی اس لئے اس سڑک پر ٹریفک بھی کم ہو گیا تھا۔ یوں بھی رات کے بارہ بجنے والے تھے۔

شارق نے گاڑی کی رفتار بہت کم کر دی۔ وہ بائیں طرف دیکھ رہا تھا۔ سڑک سے تقریباً" بیس فٹ کے فاصلے پر کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ پرانی طرز کی کوٹھیاں تھیں اور کافی کشادہ تھیں۔ حاجی کی کوٹھی بھی انہی میں سے ایک تھی۔ شارق شروع میں ایک مرتبہ ماجھا گجر کے ساتھ یہاں آیا تھا' اور اب اسے یاد نہیں رہا تھا کہ وہ کونسی کوٹھی تھی۔ لیکن بالآخر اس نے کوٹھی شناخت کر لی۔ اس

aazzamm@yahoo.com

نے سڑک کے کنارے پر کار روک لی۔ کوٹھی کا گیٹ بند تھا۔ شارق نے سڑک پر دونوں طرف دیکھا۔ باغبانپورہ کی طرف سے ایک دو گاڑیاں آ رہی تھیں اور سامنے سے ایک ٹریکٹر ٹرالی آ رہی تھی جس پر پھٹے لدے ہوئے تھے۔

"یہ سامنے والی کوٹھی ہے۔" شارق نے پیچھے مڑ کر پپو اور ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آگے پیچھے سے آنے والی گاڑیاں گزر جائیں تو ڈکی میں سے گٹھڑی نکال کر کوٹھی کے گیٹ کے سامنے رکھ دینا اور گھنٹی بجا کر لوٹ آنا۔ آج کی رات حاجی کے لئے میرا یہ ایک ہی تحفہ کافی ہے۔"

"کیا تمہارے خیال میں حاجی اس وقت کوٹھی میں موجود ہو گا؟" ظفری نے پوچھا۔

"نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہ اس وقت اپنے سینما کے دفتر میں بیٹھا ہو گا یا سمن آباد والی کوٹھی میں۔ لیکن وہ جہاں کہیں بھی ہو گا اسے پانچ منٹ کے اندر اندر اطلاع ہو جائے گی۔"

اس دوران سامنے سے آنے والی پھٹوں سے لدی ہوئی ٹریکٹر ٹرالی گزر گئی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد پیچھے سے آنے والی گاڑیاں بھی گزر گئیں۔

"چلو--- جلدی کرو۔" شارق بولا۔ اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

ظفری اور پپو بھی نیچے اتر آئے۔ شارق نے ڈکی کا لاک کھول کر ڈھکنا اوپر اٹھا دیا۔ پپو اور ظفری نے بیک وقت گٹھڑی پر ہاتھ ڈال دیئے۔ اس وقت گٹھڑی میں کچھ حرکت سی ہو رہی تھی۔ منور شاید ہوش میں آ رہا تھا۔ چادر خون سے تر ہو رہی تھی۔ انہوں نے کھینچ تان کر گٹھڑی کو ڈکی میں سے نکالا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کوٹھی کے گیٹ کی طرف چلنے لگے۔

شارق نے ڈکی میں جھانکا فرش پر خون نظر آ رہا تھا۔ اس نے ڈکی بند کر دی اور جلدی سے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور انجن سٹارٹ کر کے کوٹھی کی طرف دیکھنے لگا۔

ظفری اور پپو نے گٹھڑی گیٹ کے ستون کے قریب رکھ دی۔ پپو تو واپس آ گیا اور ظفری گیٹ کی جھری سے اندر دیکھنے لگا۔ برآمدے میں روشنی ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ستون پر لگے ہوئی کال بیل کا بٹن دو تین مرتبہ دبا دیا۔ اندر کہیں سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ ظفری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس آ گیا۔ کار حرکت میں آ چکی تھی۔ ظفر دروازہ کھول کر چلتی کار میں بیٹھ گیا۔

شارق نے یوٹرن لیا۔ کار کا رخ سیدھا ہوتے ہی اس نے گردن گھما کر کوٹھی کی طرف دیکھا تھا۔ اس وقت گیٹ کھلتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ شارق سنبھل کر بیٹھ گیا اور کار کی رفتار بڑھا دی۔

کار تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ شارق کے تینوں ساتھی محتاط بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفلوں پر تھے۔ وہ کسی بھی لمحہ کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لئے

تیار تھے لیکن انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس مرتبہ شارق نے مغلپورے کا رخ نہیں کیا۔ وہ کار کو سیدھا باغبانپورہ کی طرف لیتا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کواپریٹو سٹور کے قریب سے کار کو گڑھی شاہو کے پل کی طرف موڑ دے گا اور وہاں سے شملہ پہاڑی والے راستے سے ہوتا ہوا مال روڈ کی طرف نکل جائے گا۔

لیکن کواپریٹو والے موڑ سے چند گز پہلے ہی سڑک پر پولیس کو کھڑے دیکھ کر شارق چونک گیا۔ سڑک پر پولیس کی وین بھی کھڑی تھی اور سڑک کے وسط میں کھڑا ہوا ایک پولیس والا کار کو روکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

"ہوشیار۔" شارق اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں کار کی رفتار کم کر کے بڑھا دوں گا۔ تم لوگ فوراً" ہی فائرنگ شروع کر دو گے لیکن خیال رہے کہ کوئی پولیس والا مرنے نہ پائے۔ پولیس سے ہماری دشمنی نہیں ہے۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" ظفری نے جواب دیا۔ "اگر کوئی پولیس والا ہمارے ہاتھ سے مر بھی گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ لوگ تو ہمیں ویسے بھی نہیں بخشیں گے۔ ان کے ساتھ رعایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے کار کی رفتار کم کر دی۔ اس کی نظریں سرچ لائٹ کی طرح گھوم رہی تھیں۔ جو پولیس والا رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کاغذ بھی تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کاغذ پر ان کی کار کا نمبر لکھا ہوا تھا اور پولیس کو ان کی تلاش تھی۔

ظفری، پپو اور موجو تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے رائفلیں اپنی اپنی طرف کھڑکیوں کے ساتھ لگا رکھی تھیں۔

شارق نے کار کی رفتار اور کم کر دی۔ پولیس والے یہی سمجھے کہ کار رک رہی ہے۔ جو پولیس والا انہیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا وہاں سے ایک طرف ہٹ گیا۔

قریب پہنچتے ہی شارق نے اچانک ہی کار کی رفتار بڑھا دی۔ کار ایک زوردار جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شارق کے تینوں ساتھیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ ان کی رائفلوں کا رخ قدرے اوپر کی طرف تھا گولیاں پولیس والوں کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔

پولیس والے بدحواس سے ہو گئے۔ وہ ادھر ادھر دوڑے اور پھر دوسرے ہی لمحہ انہوں نے سنبھل کر فائرنگ شروع کر دی۔ اس وقت جی ٹی روڈ پر سٹیشن کی طرف سے دو تین تانگے آ رہے تھے فائرنگ کی آواز سے آگے والے تانگے کا گھوڑا بدک گیا۔ شارق نے بڑی مشکل سے اپنی کار

aazzamm@yahoo.com

کو بچا کر نکالا تھا۔

"پولیس وین ہمارے پیچھے آ رہی ہے شارق باؤ۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ظفری نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ وہ ہمیں نہیں پکڑ سکیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

"وہ کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ پولیس کی وین خاصی دور تھی اور اس سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔

"تم لوگ فائرنگ مت کرنا۔" شارق نے کہا۔

کار کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی اور پھر شارق نے کار کو اچانک ہی دائیں سمت تیزاب احاطے کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی اور اس طرف روشنی بھی نہیں تھی۔ شارق کار کی رفتار کو بڑھاتا چلا گیا۔

اور پھر ایک اور موڑ کو گھومتے ہوئے اچانک ایک کتا سامنے آ گیا۔ وہ آوارہ کتا دوڑتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف جانا چاہتا تھا۔ شارق نے کتے کو بچانے کے لئے سٹیئرنگ گھما دیا اور پھر وہ کار پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔

کار ایک زوردار دھماکے سے ایک دیوار سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ اس وقت پولیس وین بھی اس سڑک پر مڑی تھی۔ شارق کی الٹی ہوئی کار پولیس وین کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھی اور فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

○

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

کار ایک قلابازی کھا کر سیدھی ہوگئی۔ کار کے الٹنے اور اس کے لگنے والے جھٹکوں سے شارق وغیرہ کا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا۔ اس لحاظ سے وہ سب لوگ بہت خوش قسمت ثابت ہوئے تھے کہ ان میں سے کسی کو زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔ صرف موجو سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا' پیشانی پر ایک جگہ کھال پھٹ گئی تھی اور خون رسنے لگا تھا۔ موجو کے سوا کسی اور کو تو اتنی چوٹ بھی نہیں لگی تھی۔

کار سیدھی ہوتے ہی شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس وقت پولیس وین گلی میں گھوم رہی تھی۔ شارق اپنی طرف کا دروازہ کھولنے لگا لیکن دروازہ جام ہوگیا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اسے کھولنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"یہ دروازہ جام ہوگیا ہے۔ اپنی طرف کا دروازہ کھولو۔ جلدی کرو۔" شارق نے اپنی سیٹ سے موجو کی سیٹ کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

موجو نے اپنی طرف کے دروازے کے ہینڈل میں انگلیاں پھنسا کر زور دار جھٹکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ موجو نے اپنی رائفل سنبھالتے ہوئے باہر چھلانگ لگا دی۔ شارق بھی سیٹ پر سرکتا ہوا باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا' پپو اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شاید وہ دروازہ بھی جام ہوچکا تھا۔ ظفری سیٹوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا اس کی طرف کا دروازہ بھی جام تھا' کار کے دیوار سے ٹکرانے اور قلابازی کھانے سے آگے پیچھے کی ونڈ اسکرینز ٹوٹ گئی تھیں۔ اور شیشے سیٹوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"دروازہ نہیں کھل رہا تو چھوڑ دو۔" شارق چیخا۔ "اگلے دروازے سے نکل آؤ ..... جلدی کرو۔"

پپو آگے والی سیٹ کے اوپر سے کود کر اگلی سیٹ پر پہنچ گیا اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر آگیا۔ وہ اپنی رائفل بھی لے آیا تھا۔ اب ظفری بھی اسی طریقہ سے باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ پولیس وین نے فائر کھول دیا گیا تھا۔ چند گولیاں کار پر لگیں لیکن وہ لوگ محفوظ ہی رہے۔ ایک گولی پچھلے ایک ٹائر پر لگی۔ ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ٹائر کے پرخچے اڑنے لگے۔

شارق اور پپو نے کار کی آڑ میں پناہ لے لی جبکہ موجو چھلانگ لگا کر دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ وہ تینوں پولیس کو روکنے کے لئے فائرنگ کرنے لگے۔ ظفری ابھی تک کار ہی میں پھنسا ہوا تھا اور شارق چیخ چیخ کر اسے باہر آنے کو کہہ رہا تھا اور بالآخر ظفری بھی کار سے باہر آگیا اور وہ بھی کار کی آڑ میں پوزیشن لے کر پولیس وین پر فائرنگ کرنے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

پولیس وین رک گئی تھی اور پولیس والوں نے بھی نیچے اتر کر وین کے پیچھے پوزیشن لے لی تھی۔ دونوں طرف سے زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ پورا علاقہ فائرنگ کی آواز سے گونج رہا تھا۔ شارق کے ہاتھ میں وہ خوفناک پستول تھا جسے اس نے ابھی تک استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی گولیاں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے بہت کم فائرنگ کر رہا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھی اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔

"احتیاط سے فائرنگ کرو اور گولیاں ضائع مت کرو۔"

شارق چیخا۔

"شارق باؤ۔" موجو نے دیوار کی آڑ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں سے آپ کو کور دے رہا ہوں۔ آپ تینوں گلیوں میں آجائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تیار ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

موجو نے دیوار کی آڑ سے پولیس پر اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔ فائرنگ اس قدر شدید تھی کہ پولیس والوں کو وین کے پیچھے دبک جانا پڑا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شارق، پپو اور ظفری کار کی آڑ سے نکل کر دوڑتے ہوئے گلی میں آگئے۔

"تم لوگ نکل جاؤ۔ میں پولیس کو یہیں کچھ دیر کے لئے روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔" موجو نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہی یہاں سے نکلو۔" شارق چیخا۔

"ٹھیک ہے تو بھاگو۔" موجو نے کہا اور ایک آخری برسٹ مار کر تیزی سے مڑا۔

شارق وغیرہ بھی اس کے ساتھ ہی دوڑے تھے۔ یہ تنگ سی پرپیچ گلیاں تھیں۔ وہ مختلف گلیوں میں دوڑتے رہے۔ فائرنگ کی آواز دور رہ گئی تھی۔ غالباً" پولیس والے ابھی وہیں تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے رک گئے۔ گلی آگے سے بند تھی۔ سامنے دراصل ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر نما مکان تھا جو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ مکان غالباً" عرصہ پہلے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اور اس کے مکیں کہیں اور چلے گئے تھے۔ وہ اس کھنڈر میں گھس گئے اور ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اوپر کی منزل پر پہنچ گئے۔

مکان کے اوپر کا حصہ بھی کھنڈر بنا ہوا تھا۔ ایک کمرے کی چھت تھی وہ بھی شکستہ جبکہ باقی تین کمروں کی چھتیں ہی غائب تھیں۔ مکان کے پچھواڑے بھی ایک گلی تھی زمین کا فاصلہ بائیس تیئس فٹ سے کم تو کسی طرح بھی نہیں تھا۔

وہ اس کھنڈر نما مکان کا جائزہ لے رہے تھے کہ باہر گلی میں دوڑتے ہوئے بھاری قدموں کی

آواز سنائی دی۔ شارق اور اس کے ساتھی دیواروں کی آڑ میں ہوگئے۔ لیکن باہر سے غالباً" ان میں سے کسی کو دیکھ لیا گیا تھا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحہ زبردست فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ گولیاں ٹوٹی ہوئی دیواروں پر لگ رہی تھیں۔ فائرنگ ایک لمحہ کو رک گئی اور ایک بھاری آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

"اس مکان کو پولیس نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ تم لوگ بچ کر نہیں جاسکو گے۔ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردو۔"

جواب میں موجو اور پپو نے فائرنگ شروع کردی۔ پولیس کی طرف سے بھی زبردست فائرنگ ہونے لگی۔

"شارق باؤ۔" موجو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ پچھلی طرف سے کود کر نکل جاؤ۔ میں پولیس کو روکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہاں سے نکل کر کہیں بھی چلے جانا۔ کل رات نو بجے کے بعد حویلی میں ملاقات ہوگی۔"

اس نے پپو اور ظفری کو اشارہ کیا۔ وہ پچھلی دیوار کے قریب آگئے۔ پچھلی طرف تاریکی تھی۔ پپو نے جھک کر نیچے جھانکا اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے چھلانگ لگا دی۔ دھب کی آواز سننے کے فوراً" ہی بعد ظفری اور پھر شارق نے بھی چھلانگ لگا دی۔

اوپر سے زبردست فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ موجو پولیس کو روکے ہوئے تھا کیونکہ پولیس مکان میں داخل نہیں ہوسکی تھی۔

"اس طرف ..... جلدی۔" شارق ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے دوڑا۔ پپو اور ظفری نے بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ لگا دی تھی۔

موجو بڑی دلیری سے پولیس کا مقابلہ کر رہا تھا، وہ ایک جگہ رک کر فائرنگ کرنے کے بجائے جگہ بدل بدل کر گولیاں چلا رہا تھا۔ تاکہ پولیس کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ وہاں ایک نہیں کئی آدمی ہیں۔

چھ سات منٹ گزر گئے۔ دفعتاً" موجو چونک گیا۔ دو پولیس والے مکان کی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان پر فائرنگ کرنے کے لئے موجو کو دیوار کی آڑ سے نکل کر سامنے آنا پڑا۔ اس نے رائفل کا رخ پولیس والوں کی طرف کیا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ لیکن رائفل سے کوئی گولی نہیں نکلی۔ میگزین خالی ہوچکا تھا۔ موجو ایک دم سناٹے میں آگیا۔ وہ وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ دو تین سمتوں سے آنے والی لاتعداد گولیاں اس کے سینے میں پیوست

aazzamm@yahoo.com

ہو گئیں۔

موجو کے جسم سے خون کے دھارے بہہ نکلے۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور لڑکھڑاتا ہوا مکان کی اوپر والی منزل سے نیچے گرا۔ وہ نیچے گرنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔

دوسری طرف شارق اور اس کے ساتھی گلیوں میں دوڑتے ہوئے وہاں سے کافی دور نکل چکے تھے۔ فائرنگ کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ موجو ابھی تک ڈٹا ہوا تھا اور پھر دفعتاً" فائرنگ رک گئی۔

شارق ایک گلی سے نکلتے ہی رک گیا۔ سامنے والی گلی کافی چوڑی تھی اور دوسری طرف کے مکان بھی خاصے وسیع و عریض تھے۔ کونے پر ایک چھوٹی سی مسجد دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس مسجد کو دیکھ کر اس کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا تھا اور اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کرلیا تھا۔

"اس طرف آؤ ..... میرے ساتھ۔" شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوا ایک کشادہ گلی میں داخل ہو کر ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ یہ مکان بھی خاصا کشادہ تھا۔ آگے کے رخ پر تقریباً" آٹھ فٹ اونچی دیوار تھی۔ اینٹوں سے بنی ہوئی یہ دیوار کائی کی وجہ سے تقریباً" کالی ہو رہی تھی۔ اس کے دائیں طرف لکڑی کا گیٹ تھا جس سے ایک کار اندر داخل ہو سکتی تھی۔ شارق نے گیٹ کے اندر جھانک کر دیکھا اور پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتا ہوا دیوار پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے اندر کود گیا۔ اس کے فوراً" ہی بعد پپو اور ظفری بھی اندر کود گئے۔

وہ تینوں دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے رہے۔ شارق بڑی گہری نظروں سے اس مکان کا جائزہ لے رہا تھا۔ خاصا وسیع لان تھا۔ جس کے دوسری طرف مکان کی عمارت تھی۔ یہ مکان پرانی طرز کا تھا۔ کشادہ پورچ تھا جس میں ایک لمبی سی کار کھڑی تھی۔ پوری عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ برآمدے میں بھی کوئی بلب نہیں جل رہا تھا حالانکہ اس قسم کی عمارتوں میں رات کو برآمدے میں بلب ضرور جلا دیا جاتا ہے۔

شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ تینوں دبے قدموں چلتے ہوئے لان سے نکل کر عمارت کے پہلو میں ہوتے ہوئے مکان کے پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف بھی تقریباً" پندرہ فٹ کھلی جگہ تھی اور اس کے بعد عقبی مکان کی چار دیواری تھی۔ عمارت کے اس طرف بھی ایک مختصر سا برآمدہ تھا۔ یہاں بھی تاریکی تھی البتہ برآمدے کے دائیں طرف والے کمرے کی کھڑکی میں بہت مدہم سی سبز روشنی جھلک رہی تھی۔ کھڑکی کے اندر پردہ پڑا ہوا تھا۔ شارق نے اندر جھانکنے

کی کوشش کی مگر پردے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دیا۔

شارق نے پپو اور ظفری کو اشارہ کیا' وہ دونوں آڑ میں ہو گئے۔ شارق نے پستول دائیں ہاتھ میں پکڑلیا اور بائیں ہاتھ سے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ بھی کوئی ردعمل نہیں ہوا۔ البتہ تیسری مرتبہ دستک دینے کے بعد اندر سے ایک خمار آلود اور سہمی ہوئی سی مردانہ آواز سنائی۔

"کون ہے .... باہر کون ہے اس وقت؟"

"الطاف بھائی میں ہوں' شارق' دروازہ کھولئے۔" شارق نے جواب دیا اس کا لہجہ سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھا۔

"کون شارق؟" اندر سے پوچھا گیا۔

"لوہاری والے شفاعت علی کا بیٹا۔" شارق نے کہا۔ "دروازہ کھولئے الطاف بھائی .... میں اس وقت بڑی مصیبت میں ہوں۔"

"ایک منٹ انتظار کرو۔ میں اباجی کو جگاتا ہوں۔" اندر سے کہا گیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

دو تین منٹ گزر گئے۔ شارق خاموش کھڑا انتظار کرتا رہا۔

یہ اس کے دادا فضل الٰہی کے دوست عبدالرحمان کا گھر تھا۔ ۶۵ کی جنگ کے بعد فضل الٰہی جو چونڈہ سے لاہور آیا تھا تو اس نے عبدالرحمان کے گھر پر ہی پناہ لی تھی عبدالرحمان نے دوستی کا حق ادا کردیا تھا۔ اس نے نہ صرف فضل الٰہی اور اس کے بیٹے شفاعت علی کو کئی مہینوں تک اپنے گھر پر رکھا تھا بلکہ کوئی کاروبار شروع کرنے کے لئے اس کی مالی مدد بھی کی تھی اور لوہاری والا مکان بھی اسے الاٹ کروا دیا تھا۔

فضل الٰہی کے انتقال کے بعد ان گھروں کے تعلقات برقرار رہے تھے اور جب شارق کے باپ شفاعت علی اور اس کی ماں کو قتل کر دیا گیا تھا اور نو عمر شارق ہی کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا تو عبدالرحمان کے بیٹے نے اس کا کیس لڑنے کے لئے بڑی تگ و دو کی تھی۔

الطاف' عبدالرحمان کا پوتا تھا۔ شارق کا تقریباً" ہم عمر ہی تھا۔ شارق جب جیل سے رہا ہوا تھا تو وہ کئی مرتبہ ان کے گھر جاچکا تھا۔ لیکن جب پولیس نے شارق سے شرافت سے زندگی گزارنے کا حق چھین لیا تو شارق نے ان کے ہاں آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے پولیس انہیں بھی تنگ کرے۔

اب صورت حال مختلف ہو گئی تھی۔ پولیس پورے علاقے میں شارق اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ شارق کو یقین تھا کہ مزید پولیس علاقے میں پہنچ چکی ہوگی۔ ایسی

aazzamm@yahoo.com

صورت میں ان کے لئے علاقے سے نکلنا ضروری ہوگیا لیکن پولیس کی موجودگی میں فرار ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ پولیس کو ایسے ملزموں کی تلاش تھی جو گاڑیوں کی چیکنگ کے دوران فرار ہوئے تھے اور شارق نہیں چاہتا تھا کہ اسے اس کی حیثیت سے شناخت کرلیا جائے۔ موجودہ صورت حال میں اسے صرف ایک ہی راستہ نظر آیا تھا۔ الطاف کا مکان ان کے لئے کم از کم آج کی رات پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔

سیٹیوں کی آواز سن کر شارق چونک گیا۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ غالباً" پولیس کی مزید نفری علاقے میں پہنچ گئی تھی۔ یہ آوازیں پولیس ہی کی سیٹیوں کی تھیں۔

تین چار منٹ گزر گئے تھے۔ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ نہ ہی کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شارق نے ایک بار پھر ہلکی سی دستک دی۔ اس مرتبہ تھوڑی ہی دیر بعد ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی ہے۔

"کون ہے بھئی ؟"

شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ الطاف کا والد اور عبدالرحمان کا بیٹا راشد علی تھا۔

"میں ہوں چاچا جی شارق۔" شارق نے جواب دیا۔ "دروازہ کھولئے مجھے اس وقت آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیسی مدد؟" اندر سے آواز سنائی دی۔ "مجھے پولیس کی سیٹیاں سنائی دے رہی ہیں۔ کیا یہ پولیس تمہاری تلاش میں ہے ؟"

"جی ہاں چاچا جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "ایک غلط فہمی کی بناء پر پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے' دروازہ کھولئے' میں زیادہ دیر یہاں نہیں رکوں گا۔"

"ایک منٹ رکو۔ کھولتا ہوں دروازہ۔" اندر سے جواب دیا۔

اور پھر چند سیکنڈ بعد اندر سے کنڈا ہٹائے جانے کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ شارق اندر داخل ہوگیا۔ وہ اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ دروازہ بند نہ کیا جاسکے۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے الطاف نے بتی جلانے کے لئے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن شارق نے جلدی سے اسے روک دیا۔

"بتی مت جلاؤ۔"

شارق کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ الطاف کا بیڈ روم تھا۔ بستر پر دو ڈھائی سال کی ایک بچی سو رہی تھی۔ پلنگ کے قریب ہی ایک خوبصورت عورت کھڑی تھی۔ اس کی عمر اٹھائیس اور تیس

کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ الطاف کی بیوی فریدہ تھی۔ شارق کو وہ بھی جانتی تھی۔ لیکن اس وقت شارق کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ شارق کے بارے میں وہ اخبارات میں بھی بہت کچھ پڑھتی رہی تھی۔ گھر میں بھی اکثر و بیشتر اس کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اپنے ساس سسر اور شوہر سے شارق کے حالات سن کر اسے اگرچہ شارق سے ہمدردی ہوگئی تھی لیکن اس وقت وہ شارق کی موجودگی سے خوفزدہ تھی۔ پولیس کی سیٹیوں کی آواز وہ بھی سن رہی تھی۔ اسے یہ خوف تھا کہ اگر پولیس شارق کی تلاش میں یہاں آگئی تو شارق تو شاید بھاگ جائے لیکن وہ لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اس گھر میں ان تینوں اور ایک چھوٹی بچی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ گھر کے کام کاج کے لئے ایک ملازمہ تھی جو رات کے کھانے کے بعد اپنے گھر چلی جایا کرتی تھی۔ صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد شارق نے دروازے سے باہر گردن نکال کر سرگوشیانہ لہجے میں ظفری کو پکارا۔ پلک جھپکنے کی دیر میں ظفری اور پپو تاریکی سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ شارق نے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں جیسے ہی اندر داخل ہوئے شارق نے دروازہ بند کر دیا۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ وہ چہروں سے بھی چھٹے ہوئے بدمعاش لگ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر فریدہ کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ راشد علی اور الطاف کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ راشد علی بوڑھا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"شارق ! میں نے صرف تمہیں پناہ دی تھی۔ بدمعاشوں اور قاتلوں کے پورے ٹولے کو نہیں۔ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔"

"چچا جی۔" شارق نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "ہم میں سے کوئی نہیں جائے گا اور اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ....."

"بہت بے غیرت اور احسان فراموش ہو تم۔" راشد علی بولا۔ "تم شاید بھول گئے ہو کہ میرے باپ نے تمہارے باپ اور دادا کو اس وقت اس گھر میں پناہ دی تھی جب وہ بے گھر ہو کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا۔ ہم نے انہیں سہارا دیا۔ تمہارے باپ کی شادی ہم نے کروائی اور جب تمہیں پہلی بار پولیس نے پکڑا تھا تو ہم نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ لیکن تم سب کچھ بھول گئے۔ ہمارے تمام احسانات فراموش

aazzamm@yahoo.com

کردیئے تم نے۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں آپ کا کوئی احسان نہیں بھولا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔" اگر آپ لوگ میرے باپ اور دادا کو سہارا نہ دیتے تو شاید آج میرا بھی وجود نہ ہوتا۔ میں تو آپ کے احسانات مرتے دم تک نہیں بھول سکوں گا۔ لیکن اس وقت مجبوری ہے۔ پولیس ہماری تلاش میں ہے۔ ہمیں دیکھتے ہی گولی مار دی جائے گی۔ ہمیں پناہ چاہئے۔ یقین کیجئے۔ ہم سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ لیکن .... آپ کو ہم پر ایک اور احسان کرنا ہوگا۔ ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔ پولیس جیسے ہی اس علاقے سے نکلے گی ہم بھی چلے جائیں گے۔"

"لیکن پولیس یہاں آئے گی۔" راشد علی نے کہا۔ "اس تھانے کی پولیس جانتی ہے کہ تمہارا ہمارے ہاں آنا جانا تھا۔ وہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"پولیس کو شارق کی تلاش نہیں ہے۔" شارق نے بتایا۔ "انہیں نامعلوم ملزموں کی تلاش ہے جو چیکنگ کے دوران فرار ہوئے ہیں۔ وہ لوگ خاص طور پر اس گھر کے دروازے پر دستک نہیں دیں گے۔"

"لیکن ..... میں عزت دار آدمی ہوں۔ کوئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتا۔" راشد علی نے کہا۔

"آپ کی عزت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔" شارق نے کہا۔

"لیکن میں تم لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" راشد علی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تم بدنام زمانہ مجرم ہو۔ پولیس عرصہ سے تمہاری تلاش میں ہے۔ اگر بعد میں بھی پولیس کو پتا چل گیا کہ تم یہاں آئے تھے تو پولیس ہمیں سکون سے نہیں بیٹھنے دے گی۔"

"پولیس کو کبھی پتا نہیں چلے گا کہ ہم کبھی یہاں آئے تھے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن اگر آپ نے ہمیں پناہ دینے سے انکار کر دیا تو ...." اس نے خاموش ہوکر معنی خیز انداز میں پستول کو حرکت دی پھر ظفری اور پپو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میرے یہ دونوں ساتھی مجھ سے زیادہ خطرناک ہیں۔ میں تو آپ کا لحاظ کرسکتا ہوں لیکن یہ ....."

"تو گویا تم ....."

ہاں۔ میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جہاں سوال اپنی زندگی کا ہو وہاں دوسروں کے احسانات کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ مجبوری ہے چچا جی۔" اس نے خاموش ہوکر کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر راشد علی' الطاف اور اس کی بیوی کو پستول سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔" اب میں آپ لوگوں پر اعتماد کرسکتا ہوں۔ برائے کرم آپ تینوں درمیان

والے کمرے میں چلے جایئے۔ کسی کو اس کمرے میں چھوڑ کر میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ بھابھی! آپ بچی کو اٹھالیں' درمیان والے کمرے میں قالین بچھا ہوا ہے آپ چاہیں تو وہاں بستر بچھا سکتی ہیں' جلدی کریں۔"

"یہ زیادتی ....."

"کوئی زیادتی نہیں ہے۔" شارق نے ایک بار پھر راشد علی کی بات کاٹ دی۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ ہر وقت ہماری نظروں میں رہیں اور اس مقصد کے لئے درمیان والا کمرہ ہی مناسب رہے گا۔"

راشد اور الطاف خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے پھر الطاف کی بیوی فریدہ نے بڑی احتیاط سے پلنگ پر سوئی ہوئی بچی کو گود میں اٹھا لیا اور وہ تینوں ایک دوسرے کے پیچھے اندر والے دروازے میں داخل ہوگئے۔ شارق نے پپو کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور ظفری کو لے کر خود بھی درمیان والے کمرے میں آگیا۔

شارق کئی مرتبہ یہاں آچکا تھا اور اس مکان سے اچھی طرح واقف تھا۔ سامنے والے برآمدے سے اندر داخل ہونے کے بعد دائیں طرف بیٹھک تھی۔ بائیں طرف وہ کمرہ تھا جہاں عام طور پر مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ آگے ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ جہاں عام طور پر رات کو گھر کے سب افراد جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کمرے کے فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور خوبصورت طریقے سے آراستہ تھا۔ ایک کونے میں چھوٹی میز پر ریڈیو بھی رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے دائیں طرف ساتھ ساتھ دو کمرے تھے۔ ان میں ایک کمرہ راشد علی کا تھا اور دوسرا الطاف اور اس کی بیوی کا۔ اس کمرے کا دروازہ عقبی برآمدے میں کھلتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور کمرہ اور اس کے ساتھ کشادہ کچن تھا۔ شارق نے ان لوگوں کے لئے درمیان والے کمرے کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ یہاں وہ لوگ ہر وقت ان کی نظروں میں رہ سکتے تھے۔

الطاف کمرے میں جاکر چادریں اور تکئے اٹھالایا' اس نے دو چادریں قالین پر بچھا کر تکئے رکھ دیئے۔ فریدہ نے بچی کو ایک چادر پر لٹا دیا اور خود اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ الطاف بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا جبکہ راشد علی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم بہت برا کر رہے ہو شارق۔" راشد علی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"برائی تو اس وقت ہوگی جب میں یا میرے ساتھی آپ میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچائیں۔" شارق بولا۔ "ہمارا آپ کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پولیس کا خطرہ ٹل جانے کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

aazzamm@yahoo.com

"اور ہم پولیس کا سامنا کرنے کے لئے یہاں رہ جائیں گے۔" راشد علی بولا۔ "میں نے کہہ دیا نا کچھ نہیں ہوگا۔" شارق نے کہا اس کے لہجے میں شدید جھنجلاہٹ تھی..... "سو جاؤ..... اب تم لوگ سو جاؤ۔" اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس وقت دو بجنے والے تھے۔

راشد علی بھی جھنجلا گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر دانت بھینچ کر رہ گیا اور قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

پپو بھی اب الطاف کے بیڈ روم سے نکل کر اسی کمرے میں آگیا تھا۔ شارق نے اسے اشارہ کیا اور وہ کمرے کے دروازے کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اپنی کلاشنکوف اس نے گھٹنوں پر رکھ لی تھی۔ ظفری بھی شارق کا اشارہ پاکر فرنٹ ڈور کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا جبکہ شارق بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فریدہ اور الطاف ایک دوسرے کے قریب قالین پر بیٹھے سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ فریدہ اگرچہ خوفزدہ تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ اونگھنے لگی پھر وہ اپنی بچی کے ساتھ لیٹ گئی اور جسم پر چادر اوڑھ لی۔ اس کے تقریباً" آدھے گھنٹے بعد الطاف بھی قالین پر لیٹ چکا تھا۔ البتہ بوڑھا راشد علی کرسی پر بیٹھا جاگ رہا تھا۔

شارق، پپو اور ظفری اپنی اپنی کرسیوں پر مستعد اور چاق و چوبند بیٹھے رہے۔ سارا دن اور پھر رات بھر کی بھاگ دوڑ کے باوجود ان تینوں میں سے کسی کو نیند نہیں آرہی تھی۔

شارق اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا راشد علی اور اس کے گھر والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس گھرانے نے شارق کے باپ دادا پر واقعی بہت احسانات کئے تھے اور اس وقت انہیں یرغمال بنانے پر شارق کو افسوس ہو رہا تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

صبح ساڑھے پانچ بجے قریب کی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی تو راشد علی ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد ہی فریدہ اور الطاف بھی بیدار ہوگئے۔

"میں باتھ روم جا رہا ہوں، وضو کرنے کے لئے۔" راشد علی کرسی سے اٹھ کر شارق کے جواب کا انتظار کئے بغیر ایک کمرے میں گھس گیا۔

شارق خاموش بیٹھا کمرے کے دروازے کو دیکھتا رہا۔ تقریباً" پندرہ منٹ بعد راشد علی کمرے سے برآمد ہوا۔

"میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جا رہا ہوں۔" راشد علی خارجی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آپ باہر نہیں جاسکتے۔" شارق کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "آج گھر پر ہی نماز پڑھ لیجئے۔"

"میں نماز پڑھنے کے لئے باقاعدگی سے مسجد میں جاتا ہوں۔ وہاں میرے پڑوسی اور محلے کے دوسرے لوگ بھی آتے ہیں۔ نماز کے بعد ہم میں کچھ گپ شپ ہوتی ہے۔ اگر میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نہ گیا تو میرا کوئی نہ کوئی پڑوسی میرے مسجد میں نہ آنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے یہاں ضرور آجائے گا۔ اس وقت تم لوگوں کی یہاں موجودگی کا راز کھل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آپ مسجد میں نماز پڑھنے ضرور جایئے لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ آپ کا بیٹا، بہو اور پوتی ہمارے قبضے میں ہیں۔"

"میں تمہاری دھمکی کو سمجھ رہا ہوں۔ لیکن مطمئن رہو میری زبان بند رہے گی۔" راشد علی نے کہا۔

شارق نے دروازہ کھول دیا اور راشد علی کے باہر جاتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ پھر مڑ کر فریدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اب بھی خاصی خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"کیا تم چائے بنانے کی زحمت کرسکتی ہو بھابھی۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مت کہو مجھے بھابھی۔" فریدہ کے لہجے میں تلخی اور نفرت کا ملا جلا عنصر تھا اس نے سوتی ہوئی بچی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

شارق بھی باورچی خانے کے دروازے پر آکر رک گیا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر کی طرف باورچی خانے کا کوئی دروازہ تو نہیں تھا۔ پھر مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد فریدہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک ایک کپ ان تینوں کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ایک اپنے شوہر کو دیا اور ایک کپ لے کر خود بیٹھ گئی۔

تقریباً" سوا چھ بجے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ شارق اور اس کے ساتھی ہوشیار ہوگئے۔ شارق نے الطاف کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"اگر کوئی باہر کا آدمی ہو تو اسے کسی بہانے سے لوٹا دینا۔" شارق نے پستول سیدھا کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ "اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گی۔" اس نے فریدہ اور بچی کی طرف اشارہ کیا۔

الطاف اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ شارق آڑ میں ہوگیا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی مختلف کمروں کے دروازوں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔ الطاف نے دروازہ کھول دیا۔ راشد علی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ راشد

aazzamm@yahoo.com

علی اندر آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ فریدہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور اس کے لئے چائے بنا کر لے آئی۔

"باہر کی صورت حال کیا ہے۔ پولیس کے بارے میں کچھ معلوم ہوا۔" شارق نے راشد علی کے قریب آکر پوچھا۔

"پولیس ابھی تک علاقے میں موجود ہے۔" راشد علی نے جواب دیا۔ "بعض مشکوک گھروں پر چھاپے بھی مارے گئے ہیں اور کچھ بدنام لوگوں کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔"

"کچھ اور؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رات کو پولیس مقابلے میں ایک آدمی مارا گیا ہے اور وہ یقیناً" تمہارا ہی ساتھی ہوگا۔ پولیس ابھی اسے شناخت نہیں کرسکی لیکن پولیس کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہو۔ مرنے والے کی شناخت ہوجانے کے بعد وہ اس کے ساتھیوں کے بارے میں بھی معلوم کرلیں گے۔ اس لئے ...."

"پولیس میرے بارے میں کبھی نہیں جان سکے گی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ موجو کے مارے جانے کی خبر سن کر وہ افسردہ ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر بھی افسردگی نظر آرہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ٹھیک اسی وقت باہر کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ شارق اچھل پڑا اور الجھی ہوئی نظروں سے راشد علی کی طرف دیکھنے لگا۔

"دودھ والا ہوگا۔" راشد علی نے کہا پھر فریدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "فریدہ بیٹی۔ دودھ لے آ۔"

"دودھ لینے کے لئے فریدہ نہیں' الطاف جائے گا۔" شارق نے کہا۔

فریدہ نے باورچی خانے میں سے پتیلی لا کر الطاف کو دیدی اور وہ دودھ لینے کے لئے باہر چلا گیا۔ شارق پستول سنبھالے دروازے کے قریب کھڑا رہا۔ ویسے اسے یقین تھا کہ الطاف کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جس سے اس کی بچی' بیوی اور باپ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

دودھ والے کے جانے کے تقریباً" پندرہ منٹ بعد ایک بار پھر کال بیل بجی۔

"نوکرانی ہوگی۔ میں دیکھتا ہوں۔" راشد علی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"ایک منٹ۔" شارق نے اسے روک دیا۔ "نوکرانی کو مطلع کردو۔ اس سے کہہ دو کہ گھر والے آج کہیں جا رہے ہیں اس لئے آج وہ بھی چھٹی کرے۔"

"وہ بڑی کائیاں عورت ہے۔ اسے شک ہو جائے گا۔" راشد علی نے کہا۔

"میں جو کہتا ہوں وہ کرو۔" شارق کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

راشد علی کندھے اچکاتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً" پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس

کے اندر آتے ہی شارق نے دروازہ بند کردیا۔

بچی بھی اب بیدار ہوچکی تھی۔ فریدہ اسے لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شارق نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ وہ خود کمرے کے دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا تھا تاکہ فریدہ پچھلے برآمدے والا دروازہ نہ کھول سکے۔

فریدہ بچی کو لے کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد بچی کو لے کر باہر نکلی تھی۔

"بھابھی!" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہلے بچی کو ناشتا کراؤ اور پھر ہمارے لئے بھی کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ مجھے یقین ہے کہ ہر چیز گھر میں موجود ہوگی اور کوئی چیز لینے کے لئے گھر سے باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

فریدہ بچی کو لے کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ پہلے اس نے بچی کو ناشتا کروایا پھر سب کے لئے ناشتہ کا بندوبست کرنے لگی۔

ناشتے کے بعد صورتحال کچھ مختلف ہوگئی۔ شارق اور اس کے ساتھی دو دن سے جاگے ہوئے تھے۔ ناشتا کرنے کے بعد ان پر نیند کا خمار طاری ہونے لگا۔ راشد علی' فریدہ اور الطاف بھی کچھ ڈھیلے پڑگئے تھے۔ شارق نے پپو اور ظفری کو اپنے قریب بٹھالیا۔

"اگر ہم تینوں اونگھ گئے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "ان لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ موقع ملتے ہی یہ لوگ ہمارے خلاف کوئی کارروائی ضرور کریں گے اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا کوئی موقع آئے اور میرے ہاتھوں انہیں کوئی نقصان پہنچے۔ اس لئے مناسب یہ ہوگا کہ ہم لوگ باری باری جاگتے رہیں۔ تم دونوں اس کمرے میں جاکر سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔ تین گھنٹے بعد میں ظفری کو جگا دوں گا اور خود سو جاؤں گا۔ ظفری کے بعد پپو کی باری آئے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم اس کمرے میں جا رہے ہیں۔" ظفری نے فرنٹ ڈور کے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں کمرے میں چلے گئے۔ شارق پستول سنبھال کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ راشد علی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو رہا تھا۔ فریدہ بھی اونگھ رہی تھی البتہ اس کی بیٹی قالین پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی جو فریدہ نے کمرے سے لاکر اس کے سامنے رکھ دیئے تھے۔ شارق اس بچی کی طرف دیکھ رہا تھا اسے اندیشہ تھا کہ یہ بچی ان کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہ کردے۔

وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ شارق بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر قالین پر آگیا اور بچی کے

aazzamm@yahoo.com

ساتھ کھیلنے لگا۔ فریدہ اس وقت سو رہی تھی۔ بچی کھیلتے کھیلتے اچانک ہی رونے لگی۔ فریدہ کی آنکھ کھل گئی اس نے خونخوار نظروں سے شارق کی طرف دیکھا اور بچی کو گود میں لے لیا۔ شارق دوبارہ اپنی جگہ پر جاکر بیٹھ گیا۔

شارق کو شام سات بجے کے قریب جگایا گیا تھا۔ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور اس وقت اسے بھوک لگ رہی تھی۔ ظفری اور پپو بھی جاگ رہے تھے۔ شارق نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ باہر شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس نے فریدہ سے کہہ کر چائے بنوائی۔

چائے پینے کے بعد شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہاں سے جانے کی تیاری کرنے لگے۔

"ایک بات ذہن میں رکھنا شارق۔" الطاف نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر دوبارہ تم یہاں آئے تو صورت حال مختلف ہوگی۔"

"آپ لوگوں کو ہماری وجہ سے جو ذہنی کوفت ہوئی اس کا مجھے افسوس ہے الطاف بھائی۔" شارق نے کہا۔ "میں مجبوری کے تحت یہاں آیا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آئندہ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوگی جو مجھے یہاں لے کر آئے۔"

ابھی شام شروع ہوئی تھی۔ گلی میں لوگوں کی آمدورفت تھی۔ راشد علی مسجد سے نماز پڑھ کر واپس آچکا تھا۔ شارق' پپو اور ظفری نے چادریں اوڑھ لی تھیں۔ سب سے پہلے راشد علی نے ظفری کو دروازے پر جاکر اس طرح رخصت کیا جیسے وہ اس کا مہمان ہو۔ اس کے آدھے گھنٹے بعد الطاف نے پپو کو اسی طرح رخصت کیا۔ پپو کی رائفل چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ اسے چادر اوڑھے دیکھ کر کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے پاس رائفل ہوگی۔

نو بجے کے قریب شارق' راشد علی کے ساتھ کمرے سے نکل کر گیٹ پر آگیا' شارق نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس وقت گلی میں تین چار لڑکے کھیل رہے تھے۔ دو آدمی باتیں کرتے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے سرسری سے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ شارق نے مسکراتے ہوئے راشد علی سے ہاتھ ملایا اور گلی میں ایک طرف چل پڑا۔

راشد علی اس سے ہاتھ ملاتے ہی مڑگیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوکر دھڑ سے دروازہ بند کرلیا جیسے ڈر ہو کہ شارق دوبارہ نہ آجائے۔

شارق نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

○

صبح کے اخبارات نے پورے شہر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ بعض اخباروں نے تصویریں بھی شائع کی تھیں۔ اخبارات نے لکھا تھا کہ قتل کی ایسی سنسنی خیز واردات کبھی نہیں ہوئی تھی کہ مقتول کو اس طرح موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو کہ اس کے جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہ رہی ہو۔

اخبارات کے مطابق سینما کے مالک حاجی افضال کا بھانجہ منور شہر کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ اس کی تھانے میں باقاعدہ حاضری لگتی تھی۔ وہ اپنے علاقے میں لوگوں سے بھتے وصول کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے گرگوں کے ساتھ مل کر علاقے کے لوگوں کی زندگی حرام کر رکھی تھی۔ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی پولیس نے اس کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ حاجی افضال کی وجہ سے منور کو پولیس کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

اخبارات کے مطابق گزشتہ شام منور ملتان روڈ پر بھلا اسٹاپ پر بیٹھا لوگوں سے بھتہ وصول کر رہا تھا کہ شارق اور اس کے ساتھی اسلحہ کے زور پر اسے اغوا کرکے لے گئے۔ اطلاع ملتے ہی پولیس نے علاقے کی ناکہ بندی کردی۔ لیکن شارق اور اس کے ساتھی بڑی ہوشیاری سے منور کو اس علاقے سے نکال کر لے گئے۔ کئی گھنٹوں بعد منور کو ایک گٹھری میں باندھ کر حاجی کی کوٹھی کے سامنے ڈال دیا گیا۔ گٹھری منور کے لاچے سے بنائی گئی تھی۔ حاجی کے گھر والوں نے منور کو دیکھا تو کانپ کر رہ گئے۔ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کا ڈھیر تھا۔ تاہم اس وقت اس میں زندگی کی رمق موجود تھی لیکن اسپتال پہنچائے جانے سے پہلے وہ ختم ہوچکا تھا۔

دوسری خبر تیزاب احاطے میں ہونے والے پولیس مقابلے کی تھی۔ اس خبر کے مطابق پولیس مقابلے میں ہلاک ہونے والا موجو بھی بدمعاش تھا۔ لیکن کئی مہینوں سے وہ گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھا۔ اطلاع کے مطابق دو روز پہلے شارق نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ پولیس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ منور کو اغوا کرنے' اس پر تشدد کرنے اور اسے گٹھری میں باندھ کر حاجی کی کوٹھی کے سامنے ڈالنے میں موجو بھی شارق کے ساتھ تھا۔ واپسی پر کواپریٹو سٹور کے قریب گاڑیوں کی چیکنگ کے دوران ان کا پولیس سے مقابلہ ہوگیا۔ تیزاب احاطے کے علاقے میں موجود پولیس کے ہاتھوں مارا گیا جبکہ شارق اور اس کے دو ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس نے علاقے کی ناکہ بندی کردی اور رات بھر انہیں تلاش کرتی رہی لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ پولیس کا خیال ہے کہ شارق اور اس کے ساتھی اب بھی اس علاقے کے کسی مکان میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی مکان میں گھس کر انہوں نے گھر والوں کو یرغمال بنا رکھا ہو۔

aazzamm@yahoo.com

لیکن یہ علاقہ اتنا بڑا ہے کہ گھر گھر کی تلاشی لینا پولیس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

تیسری خبر کار کے بارے میں تھی جو شارق اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں تھی اور تیزاب احاطے کے علاقے میں دیوار سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی۔ پولیس کی اطلاع کے مطابق یہ کار شہر کی ایک کار رینٹل ایجنسی سے کرائے پر لی گئی تھی۔ رجسٹر میں اصغر علی کا نام لکھا گیا تھا جبکہ ضمانتی کے خانے میں حاجی افضال کا نام لکھا ہوا تھا۔ شو روم کے کلرک کے بیان کے مطابق وہ کار لے جانے والے کو نہیں جانتا تھا لیکن اس نے حاجی افضال کا حوالہ دیا تھا جس پر کار اس کے حوالے کردی گئی تھی۔ شو روم کے کلرک نے کار لے جانے والے کا جو حلیہ بتایا تھا وہ سو فیصد شارق کا تھا۔

تیسری خبر جو بوکس میں شائع کی گئی تھی' سب سے زیادہ سنسنی خیز تھی۔ "عفریت کی واپسی ...." اس عنوان سے شائع ہونے والی خبر میں مختصر طور پر شارق کے بارے میں بتایا گیا تھا' اور آخر میں لکھا تھا کہ یہ عفریت کئی ماہ کی غیر حاضری کے بعد شہر میں واپس آگیا ہے اور اس مرتبہ اس کا ٹکراؤ حاجی افضال کے گروہ سے ہے۔ اخبارات نے لکھا تھا کہ چند مہینے پہلے حاجی نے شارق کی منہ بولی ماں اور بہن کو بے عزت کرکے ان کے گھر سے نکال دیا تھا اور ان کے مکان پر قبضہ کرکے اسے فروخت کر دیا تھا۔ شارق نے شہر میں واپس آتے ہی اپنی ماں اور بہن کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے حاجی کے خلاف کارروائی شروع کردی ہے۔

اخبارات نے شارق کے حوالے سے ثمینہ کا بھی تذکرہ کیا تھا اور آخر میں لکھا تھا کہ ان دو گروہوں کے تصادم کی وجہ سے شہر کا امن و سکون برباد ہونے والا ہے جس میں بہت سے بے گناہ بھی مارے جاسکتے ہیں۔ اخبارات نے پولیس کے اعلیٰ حکام اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ شہر کا امن برقرار رکھنے کے لئے پیش بندی اور حفاظتی انتظامات کرلئے جائیں۔

شارق اس وقت ملتان روڈ والی حویلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ظفری اور پپو بھی موجود تھے۔ گزشتہ رات راشد علی کے مکان سے نکلنے کے بعد وہ لوگ الگ الگ راستوں سے یہیں آئے تھے۔ شارق کو اگرچہ گھر جانا تھا لیکن وہ بھی یہیں چلا آیا تھا۔ صبح نو بجے کے قریب وہ حویلی سے نکل کر مین روڈ کے بس اسٹاپ پر چلا گیا تھا۔ ناشتے اور کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ وہ اخبار بھی خرید لایا تھا۔ پپو چولہے میں آگ جلائے ناشتہ تیار کر رہا تھا اور شارق اور ظفری درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اخبار پڑھ رہا تھا اپنے اور حاجی کے بارے میں خبریں پڑھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"کیا بات ہے شارق باؤ۔" کس بات پر مسکرا رہے ہو؟" پپو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔ وہ برآمدے سے ذرا ہٹ کر دیوار کے قریب بیٹھا ہوا تھا جہاں اس نے اینٹیں جوڑ کر عارضی چولہا بنا لیا تھا۔ چولہے پر چائے کی پتیلی رکھی ہوئی تھی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حاجی کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔" شارق نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے خیال میں یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع ہوگا کہ کسی نے اسے اس طرح کا تحفہ بھیجا ہو۔ منور اس کا بھانجہ تھا۔ اس کی لاش دیکھ کر بھی حاجی نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ خود دوسروں کے ساتھ کیا کرتا رہا ہے' راجہ اسپتال میں ہے۔ وہ مرا تو نہیں لیکن اس کی حالت مردوں سے بدتر ہے۔ جس شخص کی ٹانگوں اور بازوؤں کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہوں اسے زندوں میں کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت حاجی کو ذرا بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ایک انسان کی زندگی مفلوج کر رہا ہے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دینے کے لئے صرف زبان ہلائی ہوگی۔ لیکن اب اپنے بھانجے کی لاش دیکھ کر وہ پاگل ہوگیا ہوگا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس نے میرے قتل کی سازش کی۔ میری ماں اور بہن کو ذلیل کیا۔ میرے آدمی کو مفلوج کرکے پھینک دیا۔ میں نے اس کے خلاف ابھی پہلا قدم اٹھایا ہے۔ میں حاجی سے ایسا انتقام لوں گا کہ وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"ایسا ہی ہوگا شارق باؤ۔" قریب بیٹھے ہوئے ظفری نے کہا۔ "رات کو موجو بھی اسی کی وجہ سے مارا گیا ہے' ہم نے اس کا بھی انتقام لینا ہے۔"

"میں اس سے اپنے ایک ایک آدمی کا انتقام لوں گا۔" شارق نے دانت بھینچتے ہوئے جواب دیا۔ "تم لوگ میرے ساتھ ہو۔ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔"

"ہم مرتے دم تک تمہارے ساتھ ہیں شارق باؤ۔" پپو نے کہا اور پتیلی چولہے سے اتار کر کپوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

ظفری نے چارپائی پر ہی چادر بچھا دی تھی اور پھر تھیلے میں سے ڈبل روٹی وغیرہ نکال کر چادر پر رکھنے لگا۔ شارق مکھن' اچار اور جام وغیرہ بھی لے کر آیا تھا۔ اس حویلی کے باورچی خانے میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ پچھلی مرتبہ جب وہ ثمینہ کے ساتھ یہاں آکر رہا تھا تو اس نے ہر چیز لاکر ڈال دی تھی اور اس وقت بازار سے ناشتے کے علاوہ دوپہر کے پکانے کے لئے گوشت اور آٹا وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

پپو چائے لے کر آگیا۔ وہ تینوں چارپائی پر بیٹھ گئے اور ناشتا کرنے لگے۔

"ہمیں کم از کم چوبیس گھنٹے اس حویلی میں رہنا ہوگا۔" شارق نے ڈبل روٹی کے پیس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ "پورے شہر میں ہماری تلاش ہو رہی ہوگی۔ باہر نکلنا ہمارے لئے خطرے

aazzamm@yahoo.com

سے خالی نہیں ہوگا۔ میں کھانے پینے کا سامان لے آیا ہوں۔ سالن تو میں پکالوں گا۔ روٹی کون پکائے گا؟"

"میں پکاؤں گا شارق باؤ۔" پپو نے کہا۔ "سالن بھی میں پکالوں گا۔ میرے ہاتھ کا پکا ہوا سالن کھاؤ گے تو انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ کام تم ہی سنبھال لو۔" شارق نے جواب دیا۔

ناشتے کے ساتھ ساتھ وہ صورتحال پر تبصرہ بھی کرتے رہے۔ پھر ظفری ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ حویلی کس کی ہے شارق باؤ۔"

"اپنی ہی سمجھ لو۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر تمہیں یہ حویلی پسند آگئی ہو تو مستقل طور پر یہاں رہ سکتے ہو۔"

"اپنی ایسی قسمت کہاں شارق باؤ۔" ظفری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اپنی تو زندگی ہی فٹ پاتھ پر، کھولیوں اور طویلوں میں گزری ہے۔ میں تو اس حویلی کے بارے میں کسی اور نظریے سے پوچھ رہا تھا۔"

"کیا نظریہ ہے تمہارا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس حویلی کو ہم اپنا ہیڈ کوارٹر بناسکتے۔ آس پاس زیادہ آبادی بھی نہیں ہے۔ ہماری آمدورفت کے بارے میں لوگوں کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" ظفری نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مستقل نہیں۔" شارق بولا۔ "البتہ ہم ہنگامی صورت حال میں اس حویلی کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔ مستقل طور پر آنے جانے کی صورت میں ہم یقیناً" دوسروں کی نظروں میں آسکتے ہیں۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں کوئی ایسی چیزیں ڈلوا دی جائیں کہ ہمارے کبھی کبھار آنے کا بھی جواز رہے۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ اس میں اسکریپ ڈھیر کر دیا جائے۔" پپو نے کہا۔ "یہاں جگہ تو بہت ہے۔ ایک کونے میں ڈھیر لگا دیں گے۔ لوگوں کو یہی پتا چلے گا کہ ہم اسکریپ کا بزنس کرتے ہیں۔"

تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "ایک مرتبہ پہلے بھی ہم یہاں اسکریپ لے کر آئے تھے۔ اب بھی اسکریپ ہی مناسب رہے گا۔"

وہ لوگ ناشتا کرچکے تھے۔ پپو نے برتن وغیرہ دھو کر رکھ دیئے۔ شارق تو چارپائی پر لیٹ گیا اور پپو اور ظفری اٹھ کر حویلی کا جائزہ لینے لگے۔

حویلی کا صحن بہت وسیع و عریض تھا۔ اس میں مختلف جگہوں پر شیشم کے کئی درخت تھے۔ دائیں طرف والی دیوار کے قریب درختوں کے سائے میں ایک چھوٹا کنواں بھی تھا۔ جس پر چرخی لگی ہوئی تھی۔ پینے کا پانی اس کنویں سے استعمال ہوتا تھا۔ حویلی کے پچھلی طرف بھی کافی کشادہ جگہ تھی۔ اس طرف بھی کونے میں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کا قطر بیس فٹ سے بھی زیادہ تھا لیکن اس کنویں پر چرخی نہیں تھی۔ یہ کنواں برسوں سے ایسے ہی پڑا تھا اور اس کا پانی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ کنویں کے منہ پر بیچوں بیچ ایک بہت موٹا شہتیر پڑا ہوا تھا اور کنویں کا زیادہ حصہ درختوں کی موٹی موٹی خشک شاخوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

وہ دونوں حویلی کی عمارت کے اوپر سے گھوم کر دوبارہ برآمدے والی طرف آگئے اور اندر داخل ہوکر کمروں کا جائزہ لینے لگے۔ تمام کمروں کے دروازے کھلے تھے البتہ ایک اندرونی دروازے پر موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔

وہ دونوں باہر آگئے اور دوسری چارپائی کھینچ کر شارق کے قریب بیٹھ گئے۔ شارق اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

"شارق باؤ۔" پپو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمام کمروں کے دروازے کھلے ہیں لیکن ایک دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔ اس کمرے میں کیا ہے؟"

"کل رات تم لوگ مجھ سے پہلے یہاں آگئے تھے۔ حویلی کی چابیاں بھی تمہارے پاس تھیں۔ وہ کمرہ بھی کھول کر دیکھ لیا ہوتا۔" شارق نے کہا۔

"تمہاری اجازت کے بغیر تو ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کرسکتے نا شارق باؤ۔" پپو نے کہا۔

"اب میری اجازت سے وہ کمرہ کھول کر دیکھ لو۔" شارق نے ہنستے ہوئے چارپائی کے سرہانے پڑا ہوا چابیوں کا گچھا اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا۔

وہ دونوں اٹھ کر پھر برآمدے میں داخل ہوگئے اور تھوڑی دیر بعد جب وہ اس کمرے کا تالا کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہاں سفید پوڈر کے بھرے ہوئے تھیلے اور اسلحہ کی پیٹیاں دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ فوراً" ہی باہر آگئے اور کمرے کا تالا لگا کر تیز تیز شارق کے پاس پہنچے اور چابیوں کا گچھا اس کی چارپائی پر پھینک دیا۔

"یہ ... یہ سب کچھ کہاں سے آیا شارق باؤ۔" پپو کے لہجے میں حیرت تھی۔ "یہ مال ایک ارب روپے سے زیادہ مالیت کا ہے۔ اور کئی مہینوں سے یہاں پڑا ہوا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

ان دونوں پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ غنڈے اور بدمعاش تو تھے لیکن اپنی پوری زندگی میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا تھا۔ ان کی بدمعاشی کمائی دار چاقو پر یا زیادہ سے زیادہ

aazzamm@yahoo.com

پستول پر چلتی تھی اور یہاں بڑی تعداد میں جدید ترین اسلحہ رکھا ہوا تھا۔ وہ ہیروئن کی پڑیاں بیچتے رہے تھے۔ پاؤ بھر سے زیادہ ہیروئن کبھی نہیں دیکھی تھی اور یہاں کروڑوں روپے مالیت کی ہیروئن رکھی ہوئی تھی۔

"میں اپنے دوستوں پر اعتماد کرتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "اس حویلی کی چابیاں میری عدم موجودگی میں دیوار کی کھولی میں پڑی رہتی ہیں اور چابیوں کی جگہ کا تم لوگوں کو بھی پتا چل گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ یہ مال ایک ارب روپے سے زیادہ مالیت کا ہے' لیکن مجھے تم لوگوں پر اعتماد ہے۔"

"تمہارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچے گی شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "تم نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ ہم اپنی جان دے کر بھی تمہارے اعتماد کو قائم رکھیں گے۔"

"شکریہ۔ مجھے تم لوگوں سے یہی امید ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر پپو اٹھ کر باورچی خانے چلا گیا۔ سارا سامان وہاں موجود تھا۔ گوشت اور سبزی بھی وہیں رکھی ہوئی تھی۔ وہ سالن بنانے کی تیاری کرنے لگا۔

شارق کا زیادہ وقت چارپائی پر لیٹے اونگھتے ہوئے گزرا تھا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تو وہ تینوں سوگئے تھے۔ شیشم کی ٹھنڈی چھاؤں میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے انہیں آنکھیں بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شارق کی آنکھ چھ بجے کے قریب کھلی تھی۔ ظفری اور پپو پہلے ہی جاگ گئے تھے۔ شارق کے جاگ جانے کے بعد پپو چائے بنانے لگا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ ظفری نے برآمدے کا بلب جلا دیا تھا۔ اندھیرا پھیلتے ہی مچھر انہیں پریشان کرنے لگے۔ وہ اپنی چارپائیاں اٹھا کر برآمدے کے ساتھ پہلے کمرے میں آگئے۔ یہاں لائٹ بھی موجود تھی اور چھت پر پنکھا بھی لگا ہوا تھا۔

تقریباً" آٹھ بجے کے قریب انہیں یوں لگا۔ جیسے کوئی گاڑی حویلی کے پھاٹک کے سامنے رکی ہو۔ شارق کی ہدایت پر پپو نے کمرے اور برآمدے کی بتیاں بجھا دیں۔ پپو اور ظفری نے اپنی اپنی کلاشنکوف رائفلیں سنبھال لیں۔ شارق کا پستول بھی اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

وہ تینوں برآمدے میں آگئے۔ حویلی کے پھاٹک کی جھریوں سے روشنی نظر آرہی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ گاڑی گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی اور اس کا رخ پھاٹک کی طرف تھا۔

کچھ ہی دیر بعد پھاٹک پر زور زور سے دستک دی جانے لگی۔ پھاٹک لکڑی کا تھا۔ اس لئے

آواز زیادہ نہیں پھیل رہی تھی۔ اس کے فوراً" ہی بعد ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"شاہ پری۔ دروازہ کھولو۔ میں ہوں تمہاری دوست۔"

شارق یہ آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے ثمینہ کی آواز پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ لیکن اس نے شاہ پری کا نام لے کر آواز دی تھی اور یہ بات شارق کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"کوئی عورت ہے۔ شاید غلطی سے یہاں آگئی ہے۔" ظفری نے سرگوشی کی۔

"نہیں وہ صحیح جگہ پر آئی ہے۔" شارق بولا۔ "یہ ثمینہ کی آواز ہے۔ تم جاکر دروازہ کھول دو۔ لیکن ہوشیار رہنا۔ ہوسکتا ہے ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔"

ظفری رائفل سنبھالے گیٹ کی طرف چل پڑا۔ شارق برآمدے سے نکل کر درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ پپو کو اس نے دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اس دوران ظفری پھاٹک کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے زنجیر نکال کر بھاری کنڈا کھول دیا اور تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

باہر سے کسی نے دھکا دے کر پھاٹک کو تھوڑا سا کھولا اور اس کے فوراً" ہی بعد ثمینہ اندر داخل ہوئی۔ ظفری نے اسے فوراً" ہی رائفل کی زد پر لے لیا۔

رک جاؤ .... کون ہو تم۔" اس کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

ثمینہ بڑی تیزی سے آواز کی طرف گھوم گئی۔ وہ خود کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھی لیکن ظفری تاریکی میں اور ثمینہ اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"تم کون ہو ؟ شارق کہاں ہے ؟" ثمینہ نے تاریکی میں گھورتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تاریکی میں کیوں کھڑے ہو روشنی میں آؤ تاکہ تمہیں دیکھ سکوں۔"

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"اکیلی ہوں۔ شارق کہاں ہے ؟" ثمینہ نے پھر سوال کیا۔

اس دوران شارق بھی درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ ثمینہ اکیلی ہی تھی۔

"ظفری ! پھاٹک کھول دو اور ثمینہ تم گاڑی اندر لے آؤ۔" شارق نے وہیں سے پکار کر کہا۔

ثمینہ مڑ کر گیٹ سے باہر چلی گئی اور ظفری نے گیٹ پوری طرح کھول دیا۔ ثمینہ گاڑی اندر لے کر آئی تو ظفری نے پھاٹک بند کر دیا۔ ثمینہ نے گاڑی آگے لاکر روک لی اور انجن بند کرکے

aazzamm@yahoo.com

نیچے اتر آئی۔ شارق نے قریب آتے ہوئے پپو کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے جاکر برآمدے اور کمرے کی بتیاں جلادیں۔

"خیریت ثمینہ! تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔" شارق نے ثمینہ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ان حالات میں اندازہ ہی لگایا جاسکتا تھا کہ تم کہاں ہوسکتے ہیں۔" ثمینہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ کون ہیں؟"

"اپنے ہی آدمی ہیں۔ آؤ۔ اندر بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔ ماں جی اور رضیہ کیسی ہیں۔" شارق بولا۔

"وہ دونوں تمہارے لئے پریشان ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"شاید اسی لئے تم یہاں آئی ہو۔" شارق مسکرایا۔

"ہاں' لیکن میرے آنے کی ایک اور وجہ بھی ہے؟" ثمینہ نے جواب دیا وہ برآمدے میں سے گزرتے ہوئے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

"وہ کیا.....؟" شارق نے ایک چارپائی پر بیٹھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی بتاتی ہوں۔ لیکن کیا یہاں چائے کا بندوبست ہوسکتا ہے۔ میں نے ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔" ثمینہ نے دروازے کے قریب کھڑے ہوئے پپو کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ' پپو کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ ظفری پہلے ہی باہر تھا۔ شارق نے پپو سے چائے بنانے کو کہا اور جب وہ کمرے سے نکل گیا تو شارق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟"

"آج صبح اخبار میں یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد رضیہ اور ماں جی بہت پریشان ہوگئی ہیں۔ رضیہ کو تو میں نے ساری بات سمجھا دی ہے کہ تم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو لیکن ماں جی کو کیسے سمجھاؤں۔ وہ صرف ایک ہی بات کی تکرار کر رہی ہیں کہ سب کچھ چھوڑ کر ہم کسی دوسرے شہر چلے جائیں۔"

"دوسرے شہروں میں بھی حاجی جیسے لوگ ہی بستے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"بہرحال' میں ابھی تمہارے ساتھ چلوں گا اور ماں جی کو سمجھا دوں گا اور کوئی خاص بات؟"

"ہاں۔" ثمینہ بولی۔ "سہیل کو حاجی کے آدمی اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"کیا؟" شارق اچھل پڑا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"صبح اخبار پڑھنے کے بعد میں بھی تمہارے بارے میں پریشان تھی۔" ثمینہ نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے فون پر مجھ سے رابطہ کرو گے۔ لیکن چار بجے تک تمہاری طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تو میں نے سہیل کو فون کیا۔ فون رشید نے اٹھایا تھا۔ اس نے بتایا کہ تقریباً" آدھا گھنٹہ پہلے حاجی کے تین آدمی ریسٹورنٹ میں آئے تھے۔ وہ پہلے تو سہیل سے تمہارے بارے میں پوچھتے رہے پھر اسلحہ کے زور پر اسے ایک کار میں بٹھا کر لے گئے۔"

"رشید کو کیسے پتا چلا کہ وہ حاجی کے آدمی ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ لوگ جاتے ہوئے پیغام دے گئے تھے کہ اگر آج آدھی رات تک شارق نے اپنے آپ کو حاجی کے سامنے سرنڈر نہ کیا تو نہ صرف سہیل کو قتل کر دیا جائے گا بلکہ ماں جی اور رضیہ کو بھی تلاش کرکے ختم کر دیا جائے گا۔" ثمینہ نے بتایا۔

"مجھے معلوم تھا کہ ہماری طرف سے جب کوئی کارروائی ہوگی تو حاجی خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اسی لئے میں نے پہلے ماں جی اور رضیہ کے لئے کسی محفوظ جگہ کا بندوبست کیا تھا۔ لیکن بہرحال' تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔"

"طفیل سے پتا چلا تھا کہ دو دن پہلے تم ماسی مہراں کے گھر پر تھے۔ میرا خیال تھا کہ اب بھی وہیں ہوگے۔ میں نے طفیل کو ماسی مہراں کے گھر بھیجا تھا لیکن تم وہاں نہیں تھے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ تم یہیں ہوسکتے ہو۔ اس لئے میں یہاں چلی آئی۔ گیٹ پر دستک دیتے ہوئے میں نے شاہ پری کا نام پکارا تھا تاکہ تم مجھے شناخت کرلو۔ ظاہر ہے شاہ پری کے بارے میں صرف تم اور میں جانتے ہیں۔ اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملی؟"

"ابھی نہیں۔" شارق نے نفی میں سرہلایا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اسے فیصل آباد سے بلانا ہی پڑے گا۔ حاجی والے معاملے میں ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔"

"سہیل کے بارے میں کیا کرنا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے اسے لاوارث تو نہیں چھوڑا جاسکتا۔" شارق بولا۔ "حاجی اپنے بھانجے کے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ لیکن اگر سہیل کو کچھ ہوا تو میں حاجی کے خاندان کے ایک ایک فرد کو ختم کر دوں گا۔"

اسی دوران پپو چائے لے کر اندر داخل ہوا۔

"چائے یہاں رکھ دو اور ظفری کو بھی بلا لاؤ۔" شارق نے پپو سے کہا۔ پپو نے چائے کے

aazzamm@yahoo.com

کپ چارپائی کے سامنے پڑی ہوئی چھوٹی میز پر رکھ دیئے اور کن اکھیوں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ تقریباً" دو منٹ بعد وہ ظفری کے ساتھ واپس آگیا۔ وہ دونوں سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"یہ ثمینہ ہے۔" شارق نے گویا تعارف کرایا۔ "اور ثمینہ یہ میرے وفادار دوست پپو اور ظفری ہیں۔"

"ثمینہ بی بی۔" ظفری کے لہجے میں حیرت تھی۔ "بڑا نام سنا ہے جی آپ کا۔ ماجھا گجر کے ساتھ آپ نے شارق باؤ کے ساتھ مل کر جو کچھ کیا تھا وہ سب ہمیں معلوم ہے جی۔ بڑا جگرا ہے آپ کا۔" وہ عجیب سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ ثمینہ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ ایک تو زیر زمین دنیا میں ثمینہ کا نام ہی دوسروں کو متاثر کر دینے کے لئے کافی تھا اور دوسرے اس کا حسن و شباب بھی ہوش اڑا دینے والا تھا۔

"اب مسئلہ یہ ہے۔" شارق ان دونوں کو متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "حاجی نے ہمارے خلاف کارروائی شروع کردی ہے۔ آج چار بجے اس کے غنڈے میرے دوست سہیل کو اٹھا کر لے گئے ہیں اور اس نے یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر میں نے آج آدھی رات تک اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کیا تو وہ نہ صرف سہیل کو قتل کر دے گا جبکہ میری ماں اور بہن کو بھی تلاش کرکے انہیں ختم کردے گا۔"

"سہیل ....." ظفری سوچنے والے انداز میں بولا۔ "یہ وہی تو نہیں، جس کا انارکلی میں ہوٹل بھی ہے۔"

"ہاں وہی۔" شارق بولا۔ "میرے بچپن کا دوست ہے۔ میرے لئے اس نے بہت کچھ کیا ہے بہت نقصان اٹھایا ہے میری خاطر۔ میں اس کا احسان مند ہوں اور اب میری ہی وجہ سے حاجی نے اسے اغوا کیا ہے۔ اس موقع پر میں اسے اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"فکر ہی مت کرو شارق باؤ۔" پپو بولا۔ "اگر سہیل باؤ کو کچھ ہوگیا تو حاجی سے ایسا بدلہ لیں گے کہ اس کی آنے والی کئی نسلیں یاد کریں گی۔"

"اس کے لئے ہم زیادہ انتظار نہیں کرسکتے۔" شارق بولا۔ "حاجی نے آدھی رات تک مہلت دی ہے اور ہمیں اس سے پہلے ہی کارروائی کرنی ہے۔"

"جو کہو گے ہم کریں گے شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔

"میرا خیال ہے حاجی کی سمن آباد والی کوٹھی پر گولیوں کا تھوڑا سا چھڑکاؤ کر دیا جائے۔ اس

کے لئے یہ وارننگ کافی ہوگی۔" شارق نے کہا۔

"صرف گولیوں کا چھڑکاؤ نہیں۔ میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔" پپو نے کہا اور پھر اپنی تجویز بتانے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم دس بجے یہاں سے نکلیں گے۔ پپو! تم کھانا تیار کرلو۔ ہم سب کھانا کھا کر جائیں گے۔" شارق نے آخری الفاظ پپو کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

پپو اور اس کے ساتھ ظفری بھی کمرے سے نکل گیا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"چوری کی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "گھر سے تو یہ سوچ کر نکلی تھی کہ کسی ٹیکسی یا رکشے پر یہاں آؤں گی۔ لیکن لبرٹی مارکیٹ کی طرف آتے ہوئے ایک کوٹھی کے سامنے یہ گاڑی کھڑی نظر آگئی۔ چابی بھی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ گلی میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور گاڑی لے آئی۔"

"بہت اچھا کیا تم نے اس وقت ہمیں گاڑی کی ضرورت بھی تھی۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہم تمہیں مین روڈ پر کسی جگہ اتار دیں گے۔ تم ٹیکسی پر گھر چلی جانا۔ میں بعد میں کسی وقت آجاؤں گا۔"

"نہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

ثمینہ کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ شارق انکار نہ کرسکا۔

نو بجے انہوں نے کھانا کھالیا اور ٹھیک دس بجے وہ کوٹھی سے نکل گئے۔ شارق نے ثمینہ کے لئے بھی ایک رائفل نکال لی تھی۔ ان سب نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور رائفلیں چادروں میں چھپی ہوئی تھیں۔ ثمینہ کی شمولیت کے بعد اس پروگرام میں کچھ تبدیلی کر دی گئی تھی۔

کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے شارق اور ثمینہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پپو اور ظفری پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ مین روڈ پر آنے کے بعد کار کو سیدھا لے جانے کے بجائے شارق نے اسے دائیں طرف ایک کچی سڑک پر موڑ دیا۔ اس طرح وہ یتیم خانے والے چوک پر آنے کے بجائے ایک مختصر سا چکر کاٹتے ہوئے شہری حدود میں داخل ہوگئے تھے۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ شہر میں جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی ہوگی اور پھر یہ گاڑی بھی چوری کی تھی۔ چیکنگ کے دوران وہ کہیں بھی پھنس سکتے تھے۔ ثمینہ نے بتایا تھا کہ جب وہ اس طرف آرہی تھی تو سمن آباد موڑ پر اس کی گاڑی کو روکا گیا تھا، لیکن گاڑی میں اکیلی عورت کو دیکھ کر پولیس والوں نے کچھ پوچھے بغیر اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

وہ ایک طویل چکر کاٹ کر پکی ٹھٹھی پہنچ گئے۔ اور پھر وہاں سے اس سڑک پر نکل آئے جس کی ایک گلی میں حاجی کی کوٹھی تھی۔ شارق نے کار اسی گلی میں موڑی۔ یہ گلی کافی کشادہ تھی۔ اس کے دونوں طرف کوٹھیاں تھیں اور ہر کوٹھی کے سامنے ایک مختصر لان بھی تھا۔

حاجی والی کوٹھی کے سامنے سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ کوٹھی کا گیٹ بند تھا لیکن گیٹ اور برآمدے کی بتیاں جل رہی تھیں۔ شارق اپنی کار کو ہلکی رفتار سے آگے لیتا چلا گیا۔ تقریباً" بیس گز آگے جاکر اس نے کار دائیں طرف کی ایک اور گلی میں روک لی۔

"سمجھ گئیں نا تمہیں کیا کرنا ہے۔" شارق نے کار کا انجن بند کرکے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"کلاشنکوف مجھے دیدو اور یہ پستول اپنے پاس رکھ لو۔ اسے تم آسانی سے استعمال کرسکو گی۔ ہم اس گلی کے موڑ پر تمہارے سگنل کا انتظار کریں گے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو فائر کھول دینا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے اپنی کلاشنکوف شارق کے حوالے کر دی اور اس کا پستول لے کر پتلون کے بیلٹ میں اڑس لیا۔ کار سے اتر کر اس نے ٹھیک طرح سے چادر اوڑھی اور حاجی کی کوٹھی کی طرف چلنے لگی۔

شارق بھی کار سے اتر کر دیوار کی آڑ میں کھڑا ہوگیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ظفری اور پپو نے اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول لئے تھے اور سیٹوں پر مستعد بیٹھے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے نوٹس پر رائفلیں لے کر کار سے باہر آسکتے تھے۔

ثمینہ حاجی کی کوٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دروازہ کھولنے والا باہر نہیں آیا تھا۔ ثمینہ نے قدرے آگے جھک کر کوئی بات کی پھر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک آدمی دروازے سے باہر آگیا۔ اس نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ شارق جانتا تھا کہ اس کی چادر کے نیچے بھی آٹومیٹک رائفل چھپی ہوئی تھی۔ اس نے گلی میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا دروازے میں داخل ہوگیا۔ ثمینہ بھی اس کے ساتھ ہی دروازے میں داخل ہوئی تھی اور پھر دروازہ بند ہوگیا۔

○

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے ثمینہ کو بھیڑیوں کے بھٹ میں بھیج دیا تھا۔ یہ منصوبہ خود ثمینہ ہی نے بنایا تھا اور شارق نے پہلے تو اس کی مخالفت کی تھی۔ لیکن

پھر اسے ثمینہ کی بات ماننی ہی پڑی تھی۔ اس منصوبے کے مطابق ثمینہ کہ میرے خلاف بھی بہت ہوتی۔ پہلے تو وہ اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرتی پھر اسلحہ کے زور پر کوٹھی کے پاس مجھے پناہ مل جائے کرکے باہر موجود شارق وغیرہ کو سگنل دیدیتی اور وہ بھی اندر آجاتے اور اپنی پتا چلے گا کہ میں بھاگ گئی اتنا خوفناک نہیں ہے حاجی کو جب ان کردیتے۔

دوسری طرف، کوٹھی کے گیٹ میں قدم رکھتے ہوئے ثمینہ کا دل کانپ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کوٹھی کے اندر قدم رکھنے کے بعد اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔ وہ حاجی کے آدمیوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ انسان نہیں درندے تھے۔ انہیں اگر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ لوگ اسے چیرپھاڑ کر رکھ دیں گے۔ لیکن وہ ہر قسم کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کو تیار تھی۔

جس شخص نے گیٹ کھولا تھا وہ اس کوٹھی کا چوکیدار رحمت تھا۔ پہلے ایک دو مرتبہ ثمینہ شارق کے ساتھ حاجی سے ملنے یہاں آئی تھی تو اس وقت بھی یہاں کا چوکیدار رحمت ہی تھا۔ وہ ثمینہ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ثمینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ شارق کے شکنجے سے بھاگ کر آئی ہے اور حاجی کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتی ہے۔ رحمت کو شاید کچھ شبہ ہوا تھا۔ اس لئے اس نے باہر جھانک کر دیکھا بھی تھا۔ گلی میں دونوں طرف دور دور تک کوئی نہیں تھا اور شاید مطمئن ہوکر وہ ثمینہ کو اندر لے آیا تھا اور اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کردیا تھا۔

ثمینہ گیٹ میں داخل ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ برآمدے کے سامنے نیلے رنگ کی ایک چھوٹی کار کھڑی تھی۔ کوٹھی کے اندر بھی بعض کمروں میں روشنی ہورہی تھی۔

"حاجی صاحب اس وقت یہاں موجود ہیں کیا؟" ثمینہ نے رحمت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ چلے گئے ہیں۔ دس پندرہ منٹ پہلے آتیں تو ان سے تمہاری ملاقات ہو جاتی۔ لیکن حاجی صاحب کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم تو یہاں موجود ہیں۔ حاجی کو بھی اطلاع ہو جائے گی۔" رحمت نے جواب دیا۔

"یہ کار کس کی ہے اور باہر کس کی کار کھڑی ہے۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"یہ کار تو یہیں رہتی ہے اور باہر حاجی کے منشی کی کار کھڑی ہے۔ حاجی کے بزنس کا سارا حساب کتاب الیاس کے پاس ہے۔ وہ حاجی کو اس ہفتے کا حساب دینے کے لئے ہی یہاں آیا تھا۔" رحمت نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

کر رحمت نے یہ دروازہ بھی بولٹ کر دیا تھا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن

وہ ایک طویل چکر کاٹ

جس کی ایک گلی میں حاجی [illegible] میں آگئے۔ اندر لمبا تڑنگا ایک آدمی بیٹھا میز پر بکھرے ہوئے کاغذات تھی۔ اس کے دونوں طرف قریب ہی سیاہ رنگ کا ایک بریف کیس بھی کھلا پڑا تھا جس میں بڑے نوٹوں حاجی والی کی گڈی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ثمینہ نے اس شخص کو پہچان لیا۔ وہ حاجی کا اکاؤنٹینٹ گیٹ اور [illegible]

تھ [illegible] "الیاس باؤ۔ دیکھو یہ کون آیا ہے۔" رحمت نے دروازے کے قریب رک کر کہا۔ اس نے اپنی چادر اتار لی تھی اور اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف صاف نظر آرہی تھی۔

الیاس نے سر اٹھایا اور ثمینہ کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"تم ....."

"ہاں جی۔" ثمینہ نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ "میں شارق کی قید سے بھاگ کر آئی ہوں اور اس کے بارے میں حاجی کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتی ہوں۔ مجھے حاجی کے پاس لے چلو۔ یا اسے فون پر اطلاع دیدو۔"

"حاجی کو تو اطلاع بعد میں دی جائے گی۔ پہلے تمہیں میرے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔" الیاس اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" ثمینہ بولی۔ اس نے اپنی اندرونی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا۔

"تمہارا اور شارق کا ساتھ تو بڑا پرانا ہے۔ تم نے شارق کے ساتھ مل کر بڑی بڑی کارروائیاں کی ہیں۔ ماجھا گجر کی پارٹی کو ختم کرنے میں شارق سے زیادہ تمہارا ہاتھ ہے۔ ایسی مثالیں میرے سامنے موجود ہیں جب تم نے شارق کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ لیکن اب اچانک شارق کا ساتھ چھوڑ دینے کا کیا مطلب ہے۔ کہیں تم کوئی چال تو نہیں چل رہیں؟"

"اگر کوئی چال ہوتی تو میں اکیلی یہاں نہ آتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اور جہاں تک شارق کا ساتھ چھوڑنے کی بات ہے تو میں صرف یہی کہوں گی کہ شارق انسان نہیں بھیڑیا ہے۔ اس نے پہلے مجھے برباد کیا اور اب میری بہن کو بھی برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ ایسی باتیں ہیں جو ہمارے درمیان اختلاف کا باعث بنیں۔ اس لئے ہم دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ اس نے مجھے سمن آباد ہی کے ایک مکان میں قید کردیا تھا۔ آج موقع ملا تو میں وہاں سے بھاگ نکلی۔"

"بہت خوب۔" الیاس نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں پولیس کے پاس جانا چاہئے تھا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد بتاؤ۔"

"اگر میں پولیس کے پاس جاتی تو مجھے بھی گرفتار کرلیا جاتا کیونکہ میرے خلاف بھی بہت سے کیسز ہیں۔ میں بہت سوچ سمجھ کر یہاں آئی ہوں۔ جب شارق کو پتا چلے گا کہ میں بھاگ گئی ہوں تو وہ مجھے تلاش کرکے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن حاجی کے پاس مجھے پناہ مل جائے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "شارق اتنا خوفناک نہیں ہے جتنی اس کی دہشت پھیلی ہوئی ہے۔ میں اس کے بہت سے راز جانتی ہوں۔ حاجی کو جب ان باتوں کا پتا چلے گا تو وہ بہت خوش ہوگا۔

"لیکن حاجی سے پہلے تمہیں ہم دونوں کو خوش کرنا ہوگا۔" الیاس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "حاجی تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ بہت گھاگھ آدمی ہے۔ لیکن اگر تم مجھے خوش کردوگی تو میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ حاجی تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔ صرف آج کی رات ..... صبح میں تمہیں حاجی کے سامنے پیش کردوں گا۔"

"نہیں۔ پہلے حاجی کو میرے بارے میں اطلاع دیدو۔" ثمینہ بولی۔

"اپنے حسن و شباب کی شراب کا صرف ایک گھونٹ پلا دو۔ اس کے بعد سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔" الیاس اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر یہ کام راضی خوشی ہو جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں حاجی سے تمہاری شکایت کردوں گی۔"

ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"حاجی سے شکایت تو تم اس وقت کرو گی جب تم زندہ اس کے سامنے جاؤ گی۔" الیاس نے کہا۔ "حاجی کا حکم ہے کہ تمہیں اور شارق کو دیکھتے ہی گولی سے اڑا دیا جائے۔ حاجی کو زیادہ خوشی تمہاری لاش دیکھ کر ہوگی۔ تمہیں زندہ دیکھ کر نہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر رحمت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "رحمت! وہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ آگے بڑھ کر اس کی چادر اتار دو۔"

"ابھی لو الیاس باؤ۔" رحمت نے کلاشنکوف کندھے سے اتار کر دروازے کے قریب دیوار سے لگا کر کھڑی کردی۔ "ایسے مواقع تو کبھی کبھی ہی ملتے ہیں الیاس باؤ۔"

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اتنی دیر کی گفتگو کے بعد ثمینہ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس وقت کوٹھی میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور کسی اور کے آنے کی توقع بھی نہیں تھی۔ وہ سہمے سہمے سے انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی اور بالآخر ایک جگہ رک گئی۔ پیچھے صوفہ تھا۔ رحمت کے ساتھ اب الیاس بھی آگے بڑھ رہا تھا۔ ان دونوں کی

aazzamm@yahoo.com

آنکھوں میں ہوس چمک رہی تھی۔ الیاس تو ایک جگہ رک گیا اور رحمت بدستور آگے بڑھتا رہا۔

"تم تو لوگوں کے لئے ہوا بنی ہوئی تھیں۔" رحمت اس کے سامنے رک کر بولا۔ "لیکن اب معلوم ہوا کہ تمہارے نام کی صرف دہشت ہی تھی۔ تم میں تو اتنی ہمت بھی نہیں کہ اپنا بچاؤ کرسکو۔ آخر عورت ہو نا۔"

رحمت چند لمحے خاموش کھڑا ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اچانک ہی ہاتھ بڑھا کر ثمینہ کی چادر کھینچ لی۔ ثمینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اس نے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ لئے اور باری باری دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ صرف ایک سیکنڈ میں اس میں زمین و آسمان کا فرق آگیا تھا۔ ایک سیکنڈ پہلے وہ سہمی سہمی ڈری ہوئی اور خوفزدہ تھی لیکن اب بڑے پر اعتماد انداز میں کولہوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ الیاس نے اس کی جینز کے بیلٹ میں اڑسا ہوا وہ پستول دیکھ لیا تھا۔ رحمت کی نظریں بھی پستول پر جمی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے چہرے دھواں ہوگئے تھے۔

"د..... دھوکہ....." الیاس ہکلا گیا اور خوفزدہ انداز میں الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

"کیا تم لوگوں نے ثمینہ کو اتنا ہی کمزور سمجھ لیا تھا کہ وہ آسانی سے تمہارے ہاتھ آجاتی۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے پستول ہاتھ میں لے لیا۔ "ثمینہ کا نام آج بھی دہشت کی علامت ہے اور تم جیسے بزدل تو نام سنتے ہی تھرتھر کانپنے لگتے ہیں۔ خبردار! اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنا ورنہ گولی مار دوں گی اور اس پستول کی گولی تمہیں زخمی نہیں کرے گی تمہارے جسم کے چیتھڑے اڑا دے گی۔"

"ہا.... ہا..... ہم بے قصور ہیں ثمینہ بی بی۔" الیاس ہکلایا۔ "ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم حاجی کے ملازم ہیں اور اس کا حکم ماننے پر مجبور ہیں مجھے معاف کردو میری بہن۔"

"بہن۔" ثمینہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "حاجی کے حکم کے بغیر تم مجھ سے کیا کرنے جا رہے تھے۔ اگر حاجی تمہیں اپنی بہن کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم دے تو کیا تم اس حکم کی تعمیل کرو گے؟" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "شاید تم ایسا بھی کر گزرو۔ اس لئے کہ تم لوگ بے غیرت ہو۔ اپنی غیرت اور عزت تو تم حاجی جیسے لوگوں کے ہاتھ بیچ چکے ہو۔ لیکن اب حاجی کو بھول جاؤ۔ وہ تمہیں نہیں بچاسکتا۔ تم دونوں اس طرف آکر کھڑے ہو جاؤ۔ دیوار کی طرف منہ کرکے اور دونوں ہاتھ دیوار پر رکھ لو۔ جلدی کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔ دونوں نے ہاتھ سروں سے اوپر دیوار کے ساتھ ٹکا دیئے تھے۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر پہلے رحمت کا لباس ٹٹولا۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ البتہ الیاس کی پتلون کی جیب میں پستول موجود تھا جسے ثمینہ نے نکال لیا۔

ثمینہ الٹے قدموں چلتی ہوئی باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے پردہ ہٹا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا اور بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں منہ میں ڈال کر زوردار سیٹی بجائی۔

صرف دو منٹ بعد شارق اور اس کے ساتھی حاجی کی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ وہ باہر کی دیوار پھاند کر آئے تھے۔ شارق کو دیکھ کر الیاس اور رحمت تھرتھر کانپنے لگے۔

"حاجی اس وقت کہاں ہوگا؟" شارق نے الیاس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی گیا ہے۔ اس کے کچھ غیر ملکی مہمان آئے ہوئے ہیں جو اس کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" الیاس نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

"وہاں کا فون نمبر بتاؤ۔" شارق بولا۔ الیاس نے فون نمبر بتا دیا۔

شارق نے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کال ریسیو کرلی گئی۔

"حاجی سے بات کراؤ۔" شارق ماؤتھ پیس میں بولا۔

"حاجی صاحب ابھی ابھی کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں اور مہمانوں سے بات کر رہے ہیں۔ آپ کون بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"شارق۔" شارق بولا۔ "اس بوڑھے شیطان سے کہو کہ شارق بات کرے گا۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور پھر یوں لگا جیسے ریسیور الگ رکھ دیا گیا تھا۔ شارق اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ظفری نے رحمت کو باندھ کر ڈال دیا تھا اور لب الیاس کو زمین پر گرا کر باندھ رہا تھا جبکہ پورچ برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی سے پٹرول نکال کر کوٹھی میں ادھر ادھر چھڑک رہا تھا۔

"ہیلو' کون بول رہا ہے۔" ریسیور سے ابھرنے والی آواز شارق کی سماعت سے ٹکرائی۔ اسے حاجی کی آواز شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

"میں شارق بول رہا ہوں پاجی۔ میری بات غور سے سنو۔" شارق نے کہا۔ "تم نے مجھے مروانے کی جو سازش کی تھی اس کی بات میں بعد میں کسی وقت کروں گا۔ لیکن تم نے میری عدم موجودگی میں میری ماں اور بہن کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اس کا حساب بھی تمہارے ساتھ بعد میں کسی وقت ہوگا۔ لیکن اس وقت میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ تم نے میرے جس دوست کو اٹھوایا ہے اس کا میرے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ بالکل بے گناہ ہے۔ میں تمہیں تنبیہہ کر رہا ہوں حاجی کہ اگر سہیل کو کوئی نقصان پہنچا تو

aazzamm@yahoo.com

تمہارے خاندان کے ایک ایک فرد کو چن چن کر ختم کردوں گا۔ اس وقت تمہارا اکاؤنٹ الیاس میرے قبضے میں ہے۔ یہ رشتے میں تمہارا سالا بھی ہوتا ہے۔ اگر سہیل دو گھنٹوں میں اپنے ہوٹل واپس نہ پہنچا تو صبح ہونے سے پہلے تمہیں الیاس کی لاش مل جائے گی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔" ریسیور پر حاجی کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ میں تم جیسے کیڑوں کو مسل کر رکھ دوں گا۔"

"شاید تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا۔ لو ..... خود ہی الیاس سے بات کرلو۔" شارق نے کہتے ہوئے جھک کر ریسیور الیاس کے کان سے لگا دیا۔

"حاجی ..... جی۔" الیاس کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ثمینہ اور شارق نے کوٹھی پر قبضہ کرلیا ہے۔ ہمیں بھی باندھ کر رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے پوری کوٹھی میں پیٹرول چھڑک دیا ہے اور ...."

شارق نے ریسیور الیاس کے کان سے ہٹالیا اور سیدھا ہوتے ہوئے خود ماؤتھ پیس میں بولا۔ "اب تو تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ میں خالی پیلی دھمکی نہیں دے رہا۔ میں دو منٹ میں الیاس کو لے کر یہاں سے نکل رہا ہوں۔ البتہ رحمت کو یہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تمہارے آنے تک رحمت سمیت یہ کوٹھی راکھ کا ڈھیر بن چکی ہوگی اور دو گھنٹے بعد اگر سہیل صحیح سلامت اپنے ہوٹل واپس نہ پہنچا تو صبح تمہیں الیاس کی لاش بھی مل جائے گی اور اس کے بعد تمہارے دوسرے رشتے داروں کی باری آئے گی۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا شارق۔" حاجی فون پر چیخا تھا۔

شارق نے ریسیور پٹخ دیا اور پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "باہر جو نیلی گاڑی کھڑی ہے اس میں کچھ پیٹرول بچا بھی ہے یا نہیں۔"

"اس گاڑی میں اتنا پیٹرول موجود ہے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔" پپو نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "الیاس کا منہ بھی باندھ دو اور اسے اٹھا کر کوٹھی کے باہر کھڑی ہوئی سفید گاڑی کی ڈکی میں ڈال دو جلدی کرو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

ظفری نے الیاس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے کندھے پر لاد لیا اور باہر کی طرف چل پڑا۔ میز پر بکھرے ہوئے کاغذات کے ساتھ گاڑی کی چابیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ شارق نے چابیوں کا گچھا اٹھایا پھر اس کی نظریں کھلے ہوئے بریف کیس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے نوٹوں کے بنڈل اٹھا کر پپو کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ اپنے پاس رکھ لو۔ کام آئیں گے۔"

پپو نے نوٹوں کے بنڈل پتلون کی جیبوں میں ٹھونس لئے اور شارق سے چابیوں کا گچھا جھپٹ کر باہر دوڑا۔

باہر جاکر اس نے گیٹ کھولا پھر سفید گاڑی کی ڈکی کھول دی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ظفری کو اشارہ کیا۔ ظفری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر آگیا اور الیاس کو ڈکی میں ٹھونس کر ڈھکنا بند کردیا۔ وہ جب دوبارہ گیٹ میں داخل ہوا تو شارق اور ثمینہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں پہنچ چکے تھے ثمینہ نے پھر چادر اوڑھ لی تھی۔

"یہ گاڑی نکالو۔ جلدی کرو۔" شارق نے ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے سفید گاڑی کی چابیوں کا گچھا لے کر ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔ "تم باہر جاکر گاڑی اسٹارٹ کرو۔ میں آرہا ہوں۔"

ثمینہ باہر کی طرف لپکی۔ پپو گیٹ پوری طرح کھول چکا تھا۔ ظفری نے نیلی گاڑی باہر نکال لی۔ اس دوران ثمینہ بھی سفید گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکی تھی۔ کوٹھی کے ڈرائنگ روم سے رحمت کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شارق کوٹھی سے نکل کر ثمینہ کے ساتھ سفید گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"پپو۔" شارق نے قریب کھڑے ہوئے پپو کو مخاطب کیا۔ "تیلی لگا دو اور تم دونوں اپنے اڈے پر پہنچ جاؤ۔ میں آج رات وہاں نہیں آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے استاد۔" پپو نے کہتے ہوئے جیب سے ماچس نکال لی اور دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

برآمدے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آگے راہداری میں قالین بچھا ہوا تھا۔ جس پر پیٹرول چھڑکا جاچکا تھا۔ پپو نے ماچس کی تیلی جلا کر اندر اچھال دی۔ قالین نے فوراً ہی آگ پکڑلی۔ پپو دوڑ کر باہر نکلا اور نیلی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ظفری فوراً ہی گاڑی کو حرکت میں لے آیا تھا۔

ثمینہ نے بھی جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ دونوں گاڑیاں گلی میں مخالف سمتوں میں نکلی تھیں۔ سڑک کی طرف مڑنے سے پہلے شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ حاجی کی کوٹھی سے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔ پوری کوٹھی میں پیٹرول چھڑکا ہوا تھا جس نے فوراً ہی آگ پکڑلی تھی۔

دو تین سڑکوں پر گھومنے کے بعد وہ مین روڈ پر نکلے ہی تھے کہ اچانک ہی بائیں طرف سے آنے والی پولیس کی ایک گاڑی نے ان کا راستہ روک لیا۔ ثمینہ کو بھی کار روکنی پڑی۔ شارق نے سرگوشی میں اس سے کچھ کہا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

دو تین پولیس والے گاڑی سے اتر کر ان کی طرف بڑھے۔ سب کے ہاتھوں میں رائفلیں

aazzamim@yahoo.com

تھیں۔ ان میں ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ وہ ثمینہ والی طرف آگیا۔

"کیا بات ہے حوالدار جی۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"؟میں کچھ خطرناک مجرموں کی تلاش ہے۔ ان میں ایک عورت بھی ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا اور شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ کون ہے ؟"

"میرا شوہر ہے۔ دل کا دورہ پڑا ہے۔ میں اسے اسپتال لے جا رہی ہوں۔ اگر ہم پر کوئی شبہ ہے تو اپنا ایک آدمی میری گاڑی میں بٹھا دو۔ اسپتال پہنچ کر ہم سے جو پوچھنا ہے پوچھ لے۔ اگر دیر ہوگئی تو میرے شوہر کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے اور اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

ہیڈکانسٹیبل نے ایک بار پھرباری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"جاؤ بی بی جاؤ .... اپنے شوہر کو ہمارے کھاتے میں نہ ڈالو۔" ہیڈ کانسٹیبل پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"شکریہ۔" ثمینہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ "احمق کہیں کے۔" وہ شارق کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی۔

"کیا کہا ..... میں احمق ہوں۔" شارق ایک جھٹکے سے سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

"تمہیں نہیں۔ ان پولیس والوں کو احمق کہا تھا۔" ثمینہ نے رفتار بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر پولیس مین احمق نہ ہوتے تو ہم جیسے لوگوں کا کام کیسے چلتا۔" شارق نے سیدھا ہوکر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ جانتے ہیں کہ جن مجرموں کی انہیں تلاش ہے ان میں ایک عورت بھی شامل ہے۔ ان میں اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو گاڑی کو چیک کرتے۔ تم سے ایسے سوال کرتے کہ تم پریشان ہو جاتیں لیکن وہ تمہاری باتوں میں آگئے اور مزید کوئی سوال کئے بغیر تمہیں جانے کی اجازت دے دی۔"

"اطمینان رکھو۔" ثمینہ نے کہا۔ "چیکنگ تو پورے شہر میں ہو رہی ہوگی۔ ہمیں کسی اور جگہ بھی روکا جاسکتا ہے اور وہاں شاید ہماری یہ ترکیب کامیاب نہ ہوسکے۔"

"دیکھا جائے گا۔" شارق نے کہا۔ "بعض اوقات پہلے سے سوچے ہوئے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور موقع پر جو بات سوجھ جائے کام آجاتی ہے۔"

ثمینہ اس مرتبہ خاموش رہی۔ اس کی تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی۔ گاڑی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی گلبرگ کی طرف نکل آئی اور یہ اتفاق تھا کہ گلبرگ نہر کے پل پر فوارے والے چوک کے قریب انہیں ایک پولیس پارٹی نے روکا تھا اور یہاں بھی وہی ترکیب کام آئی تھی۔

ثمینہ نے پولیس والوں کو بتایا تھا کہ اس کے شوہر پر دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ اسے اسپتال لے جا رہی ہے۔ پولیس والوں نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ویسے شارق اس مرتبہ اپنے آپ کو تیار کئے بیٹھا تھا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ فوراً" ہی حرکت میں آجاتا۔

"اس طرف کہاں جا رہی ہو؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"تمہاری عدم موجودگی میں تھوڑا سا کام میں نے بھی کیا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کل صبح میں لبرٹی مارکیٹ گئی تھی۔ سبزی والی دکان پر ایک گتے پر لکھا ہوا تھا کہ ایک کوٹھی کرائے پر خالی ہے۔ اس سبزی والے کا بھائی مالی ہے جو مختلف کوٹھیوں میں کام کرتا ہے۔ اس علاقے میں کوئی مکان یا کوٹھی خالی ہوتی ہے تو وہ مالک سے بات کرکے اپنے بھائی کو بتا دیتا ہے جو گتے پر لکھ کر دکان پر لگا دیتا ہے۔ اس طرح انہیں چار پیسے مل جاتے ہیں۔ میں نے سبزی والے کے ساتھ جاکر وہ کوٹھی دیکھی تو مجھے پسند آگئی۔ کوٹھی پسند آنے کی ایک بڑی وجہ کوٹھی کے نیچے واقع تہ خانہ ہے۔ میں نے مالک سے بات کرکے وہ کوٹھی کرائے پر حاصل کرلی ہے۔ مزے کی بات یہ کہ وہ کوٹھی ڈیکوریٹڈ ہے۔ فریج اور ضرورت کی دیگر بہت سی چیزیں بھی موجود ہیں۔ اس وقت میں تمہیں وہیں لے جارہی ہوں۔"

"یہ تو تم نے واقعی عقلمندی کا کام کیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"اگر یہ عقلمندی کا کام نہ کرتی تو اس وقت ہمارے لئے ایک مسئلہ پیدا ہوچکا ہوتا۔" ثمینہ نے کہا۔ "ڈکی میں رکھے ہوئے سامان کو ٹھکانے لگانا مشکل ہو جاتا۔ اسے گھر تو لے جا نہیں سکتے تھے۔ ماں جی پریشان ہو جاتیں۔"

"ویسے تو اس قسم کا سامان رکھنے کے لئے ملتان روڈ والی حویلی موجود ہے۔ لیکن ایسی صورتحال میں جبکہ جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی ہو شہر سے باہر نکلنا بہت مشکل ہو جاتا۔ شہر سے باہر جانے والے راستوں پر تو بڑی سخت چیکنگ ہو رہی ہے۔ ہمیں کسی دوسری جگہ کی ضرورت تھی۔ تم نے اس کا انتظام کرلیا۔ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کیا اس کوٹھی میں ٹیلی فون بھی ہے۔"

"ہاں۔ میں نے ہر چیز کا جائزہ لینے کے بعد ہی کوٹھی کرائے پر لی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

کار مختلف گلیوں میں گھومتی ہوئی ایک کوٹھی کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ گلی کافی کشادہ تھی۔ دونوں طرف کوٹھیاں تھیں، جن کی دیواریں کافی اونچی تھیں۔ اس کوٹھی کی دیوار بھی خاصی اونچی تھی۔ ثمینہ نے کار کا انجن چلتا چھوڑ دیا اور نیچے اتر گئی۔ اس نے جینز کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا۔ ایک چابی منتخب کرکے گیٹ کھولا اور دوبارہ کار میں آکر بیٹھ گئی۔ کار اندر داخل ہوکر رکی

aazzamm@yahoo.com

تو شارق نے نیچے اتر کر گیٹ بند کردیا۔ ثمینہ نے کار کوٹھی کی عمارت کے دائیں طرف گیراج کے گیٹ کے سامنے روکی تھی۔ شارق جب باہر کا گیٹ بند کرکے واپس آیا تو ثمینہ کار کو گیراج میں لے جاچکی تھی۔

شارق بھی گیراج میں داخل ہوگیا۔ گیراج کے اندر بھی ایک دروازہ تھا۔ جو بند تھا۔ ثمینہ شارق کو اشارہ کرتی ہوئی باہر آگئی۔ وہ تو برآمدے والے دروازے کا تالا کھولنے لگی اور شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ برآمدے کے سامنے ایک وسیع پورچ تھا۔ سامنے ایک بہت بڑا لان تھا۔ لان کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال ہوتی رہی ہے۔

"آؤ .... اندر آؤ۔"

ثمینہ کی آواز سن کر شارق اس کی طرف مڑ گیا اور وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔

یہ کوٹھی پانچ چھ کمروں پر مشتمل تھی۔ ہر کمرے میں اولمپیا کارپٹ بچھے ہوئے تھے۔ چار بیڈ رومز تھے جن میں بیڈ بھی بچھے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم خاصا وسیع تھا۔ اس میں فرنیچر بھی آراستہ تھا۔ ٹیلی فون کا ایک سیٹ ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا تھا اور دوسرا شارق نے ایک بیڈ روم میں دیکھا تھا۔

وہ ڈرائینگ روم سے ہوتے ہوئے ایک اور کمرے میں آگئے۔ اس کمرے میں قالین نہیں تھا۔ فرش پر چکنائی وغیرہ کے دھبے نظر آرہے تھے اور پیٹرول کے خالی ڈبے' موٹر کے دو تین ناکارہ ٹائر اور ٹیوبیں اور ایسی چیزیں بکھری ہوئی تھیں جن کا تعلق موٹروں ہی سے ہوسکتا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں چار مربع فٹ کا ایک تختہ رکھا ہوا تھا جو فرش کے لیول کے برابر تھا۔

"یہ تہ خانے کا راستہ ہے۔" ثمینہ نے تختہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

نیچے سیڑھیاں تھیں۔ ثمینہ نے تختہ ایک طرف کھڑا کرکے دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر ایک سوئچ آن کردیا۔ سیڑھیوں پر روشنی ہوگئی۔

"اور یہ دروازہ گیراج میں کھلتا ہے۔" وہ دائیں طرف بڑھ گئی اور دروازہ کھول دیا۔ "آؤ ..... اب سامان کو تہہ خانے میں پہنچا دیں۔"

دونوں گیراج میں آگئے۔ ثمینہ نے پہلے گیراج کے گیٹ کا اندر سے کنڈا لگایا اور پھر کار کی ڈکی کھولی دی۔ الیاس ڈکی میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

"یہ کم بخت مرتو نہیں گیا۔" شارق نے جھک کر اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔

"اس جیسے بے غیرت آسانی سے نہیں مرا کرتے۔" ثمینہ نے کہا۔ "بے ہوش ہوگیا ہوگا۔ اسے اٹھا کر تہ خانے میں لے چلو۔"

"جو حکم سرکار۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور جھک کر الیاس کو ڈکی میں سے نکال کر کندھے پر لاد لیا۔

تہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے ثمینہ آگے تھی اور شارق پیچھے سیڑھیوں کے اختتام پر ایک بہت بھاری اور مضبوط دروازہ تھا جس کا صرف کنڈا لگا ہوا تھا۔ ثمینہ نے کنڈا کھول دیا۔

تہ خانہ خاصا کشادہ تھا۔ ایک بڑا ہال کمرہ تھا جس میں ایک طرف ٹوٹے ہوئے فرنیچر اور دیگر کاٹھ کباڑ کا انبار لگا ہوا تھا۔ دائیں طرف دو کمرے تھے۔ دونوں کمروں میں چارپائیاں پڑی تھیں۔

ثمینہ تہ خانے میں داخل ہونے کے بعد بتیاں جلاتی آئی تھی۔ ایک کمرے میں داخل ہوکر شارق نے کندھے پر لدے ہوئے الیاس کو جھلنگا سی چارپائی پر پٹخ دیا اور جھک کر اس کی نبض دیکھنے لگا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا۔" وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "ایسے بے غیرت لوگ آسانی سے نہیں مرا کرتے .... یہ بے غیرت بھی زندہ ہے۔ چلو۔ اب اوپر چلو۔"

وہ تہ خانے سے باہر آگئے۔ شارق نے دروازہ بند کرکے کنڈا چڑھا دیا تھا۔ سیڑھیوں سے اوپر آکر اس نے تختہ بھی فرش کی خلا پر رکھ دیا۔

"کچھ کھاتے پینے کو ملے گا؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صرف چائے مل سکتی ہے اس وقت۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں نے لیکویڈ ملک کے دو ڈبے اور پتی چینی وغیرہ لاکر رکھ دی تھی۔ کل دوسری چیزیں بھی لانی پڑیں گی۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کچن میں آگئے۔ ثمینہ نے برشین گیس کا چولہا جلایا اور چائے بنانے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں چائے کے کپ لئے ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ حاجی سہیل کو چھوڑ دے گا۔" ثمینہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔" شارق چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔ "وہ دولت کا پجاری ہے۔ انسانی اقدار اور خونی رشتوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ایک فیصد امکان اس بات کا ہے کہ وہ الیاس کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے ساتھ بارگیننگ کی جاسکتی ہے۔ الیاس رشتے میں اس کا سالہ ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ ہمارے دباؤ میں آجائے۔"

"دباؤ میں تو اس صورت میں آسکتا ہے جب اس کی بیوی کو پتا چلے کہ الیاس کی زندگی خطرات سے دوچار ہے۔" ثمینہ بولی۔

"ہاں۔ اس صورت میں سہیل کی زندگی کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے۔" شارق بولا۔ "لیکن اگر

aazzamm@yahoo.com

سہیل کو کچھ ہوگیا تو میں حاجی سے بڑا خوفناک انتقام لوں گا۔ میں نے اسے دو گھنٹوں کی مہلت دی تھی۔ یہ دو گھنٹے پورے ہو جائیں تو میں ہوٹل فون کرکے سہیل کے بارے میں معلوم کرلوں گا۔"

چائے پینے کے بعد وہ ثمینہ کے ساتھ گھوم پھر کر کوٹھی کا معائنہ کرنے لگا ثمینہ نے یہ کوٹھی کرائے پر لے کر واقعی بڑی عقلمندی کا کام کیا تھا۔ ان کے مقاصد کے لئے یہ کوٹھی ہر لحاظ سے بے حد موزوں تھی۔ شارق نے طے کرلیا تھا کہ اس کوٹھی کو اپنے خفیہ ٹھکانے کے طور پر استعمال کرے گا اور کسی اور کو بھی اس کے بارے میں پتا نہیں چلنے دے گا۔

"یہ ظفری اور پپو کون ہیں ؟" ثمینہ نے پوچھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں واپس آگئے تھے۔

"دونوں وفادار اور قابل اعتماد ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "مجھے حاجی کے خلاف کارروائی کے لئے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے موجو سے رابطہ قائم کیا۔ ان دونوں کو وہی لے کر آیا تھا لیکن وہ خود ہمارے ساتھ نہیں رہا۔"

"کیا مطلب ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تیزاب احاطے کے علاقے میں وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔" شارق نے بتایا۔ "اس نے ہم لوگوں کو نکل جانے کا موقع فراہم کرکے اپنی جان دے دی۔ ظفری اور پپو بھی اس کی طرح وفادار ہیں۔ یہ اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔"

"ایک بات اور پوچھنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ بولی۔ "شاہ پری کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔ وہ فیصل آباد سے کب آئے گی ؟ یہ کوٹھی میں نے اسی کے نام سے کرائے پر لی ہے۔ میرا خیال ہے اب اسے آ جانا چاہئے۔"

"میں کل ہی طفیل کو فیصل آباد بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ شاہ پری کو یہاں لے آئے۔" شارق نے کہا اور گھڑی دیکھنے لگا۔ حاجی کو دی ہوئی مہلت میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔

اور پھر ٹھیک دو گھنٹے گزر جانے کے بعد شارق نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سہیل کے ریسٹورنٹ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال فوراً ہی ریسیو کرلی گئی۔ شارق نے رشید کی آواز فوراً ہی پہچان لی تھی لیکن پس منظر میں کچھ اور آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں سن کر شارق کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"ہیلو رشید۔" شارق جلدی سے بولا۔ "یہ شور کی آوازیں کیسی ہیں ؟"

"غضب ہوگیا شارق باؤ۔" ریسور پر رشید کی آواز سنائی دی۔ اس نے بھی شارق کی آواز

گئے ہیں اس وقت میں ریسٹورنٹ بند کرچکا تھا۔ گاڑی کی آواز سن کر باہر نکلا تو سہیل باؤ دروازے کے سامنے پڑے تھے۔ انہیں قتل کر دیا گیا ہے شارق باؤ ..... میں یتیم ہوگیا ہوں۔" ریسیور پر رشید کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔

شارق سناٹے میں آگیا۔ اس کا یہ خیال درست نکلا تھا کہ حاجی کو انسانی قدروں اور خون کے رشتوں کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس نے اپنے سالے کو بچانے کے لئے سہیل کو رہا کرنے کے بجائے اسے قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ شارق نے اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی تھی۔ وہ دولت کا پجاری تھا۔ اپنے رشتہ داروں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھ سکتا تھا لیکن اپنا مالی نقصان برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

شارق نے رشید کو تسلی دی۔ مختلف ہدایات دیں اور فون بند کردیا۔

"کیا ہوا ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ویسے وہ فون پر ہونے والی شارق کی گفتگو سے صورت حال کا اندازہ لگا چکی تھی۔

"وہی ہوا جس کا ننانوے فیصد امکان تھا۔" شارق نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "اس ذہین آدمی نے سہیل کو قتل کر دیا ہے۔ میرے دوست کو مار دیا ہے اس نے ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "سہیل کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ میں ایسا خوفناک انتقام لوں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گے۔"

شارق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ثمینہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ سہیل واقعی بہت اچھا انسان تھا۔

کچھ ہی دیر بعد شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہوا ؟" ثمینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"الیاس کی لاش کا تحفہ حاجی کو آج ہی رات ملنا چاہئے۔" شارق کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ثمینہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے لپکی تھی۔ وہ دونوں تہ خانے میں آگئے۔ الیاس ہوش میں آچکا تھا۔ لیکن ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے شارق اور ثمینہ کی طرف دیکھا تو کانپ اٹھا۔ شارق کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔

"حاجی نے سہیل کو قتل کر دیا ہے۔ اب تم بھی مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" شارق نے الیاس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مم ..... میں بے قصور ہوں ..... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ مم ..... مجھے چھوڑ دو۔ خدا

aazzamm@yahoo.com

کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔" الیاس ہکلا کر بولا۔ خوف سے اس کا چہرہ بالکل سفید ہوگیا تھا۔

"بگاڑا تو سہیل نے بھی حاجی کا کچھ نہیں تھا۔" شارق بولا۔ "اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ میرا دوست تھا اور تمہارا قصور یہ ہے کہ تم حاجی کے رشتہ دار ہو۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے میں تمہاری لاش اس کے گھر پہنچا دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے جو چاہو پوچھ لو ..... میں سب کچھ بتا دوں گا مگر ..... خدا کے لئے مجھے معاف کردو ..... مجھے چھوڑ دو۔ اپنی زندگی کے بدلے میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔" الیاس بولا۔

"دنیا کی ساری دولت بھی میرے دوست کی کمی پوری نہیں کرسکتی۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شہر میں حاجی کے اڈے کہاں کہاں ہیں۔ وہ اپنا مال کہاں رکھتا ہے۔"

"اگر تم مجھے زندہ چھوڑ دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" الیاس نے جواب دیا۔ اس کے دل میں یہ ہلکی سی امید پیدا ہوگئی تھی کہ وہ جب تک حاجی کے اڈوں کے پتے نہیں بتائے گا شارق اسے قتل نہیں کرے گا۔

"زندہ تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری موت کو آسان بنا دوں گا۔ بصورت دیگر تمہیں اس طرح اذیتیں دے کر ماروں گا کہ شیطان بھی کانپ اٹھے گا۔" شارق بولا۔

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرسکتے۔" الیاس کانپ اٹھا۔

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے جھک کر الیاس کے ہاتھ اور پیروں کی رسیاں کھول دیں۔ الیاس چارپائی پر پڑے پڑے اپنی کلائیاں اور ٹخنے سہلانے لگا جہاں رسیوں کے نشان پڑگئے تھے۔ شارق نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے چارپائی سے اٹھالیا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔

"کیا خیال ہے ثمینہ؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ "پہل تم کروگی یا میں شروع ہو جاؤں۔"

"اس کے لئے میں ہی کافی ہوں۔ تم الگ کھڑے رہو۔" ثمینہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ الیاس کے سامنے رک گئی۔ "یاد ہے حاجی کی کوٹھی پر تم نے کیا کہا تھا۔" وہ الیاس کے چہرے

پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم میرے حسن و شباب کا صرف ایک گھونٹ پینا چاہتے تھے۔ اب میں تمہارے سامنے ہوں۔ جی بھر کے پی لو۔" الیاس عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ "شارق ہمارے درمیان نہیں آئے گا۔ وہ مداخلت نہیں کرے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر تم مجھے زیر کرلو تو نہ صرف تم اپنی خوشی پوری کرسکتے ہو بلکہ تمہیں یہاں سے جانے کی بھی آزادی ہوگی۔ کوئی تمہارا راستہ نہیں روکے گا۔"

"مم .... مجھے معاف کردو ثمینہ بی بی۔" الیاس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں بے قصور ہوں مجھے معاف کردو۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھک گیا۔

"بے غیرت ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اٹھو۔ پکڑلو مجھے۔" لیکن الیاس گھٹنوں کے بل جھکا گڑگڑاتا اور رحم کی بھیک مانگتا رہا۔ ثمینہ نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا اور پھر بھرپور ٹھوکر اس کے سینے پر رسید کردی۔ الیاس چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

"اٹھو بے غیرت۔" ثمینہ اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے چیخی۔ "پکڑ لو مجھے ....."

الیاس کچھ دیر پٹتا رہا پھر اس نے اچانک ہی ثمینہ پر چھلانگ لگا دی۔

"گڈ۔" ثمینہ مسکرائی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے آپ کو بچالیا تھا۔

"اب تمہیں تھوڑی سی غیرت آئی ہے۔ آؤ ..... آؤ ..." وہ ہاتھ سے اسے اشارے کرنے لگی۔

شارق ایک طرف کھڑا دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ واقعی بڑی جی داری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ الیاس لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ دیکھنے میں وہ شارق سے بھی زیادہ طاقتور آدمی تھا۔ لیکن ثمینہ جس طرح اسے نچا رہی تھی وہ شارق کے لئے واقعی حیرت انگیز تھا۔

ایک موقع پر ثمینہ الیاس کے داؤ میں آئی۔ ثمینہ نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا پیر پھسل گیا۔ وہ پشت کے بل گری اور اس وقت الیاس نے اسے چھاپ لیا تھا۔ اس نے نہ صرف ثمینہ کی قمیض پھاڑ دی بلکہ اس کے منہ پر کئی گھونسے جڑ دیئے اس موقع پر شارق نے آگے بڑھنا چاہا مگر ثمینہ نے اسے روک دیا۔

الیاس نے دونوں ہاتھ ثمینہ کے گلے پر جما دیئے۔ ثمینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ نرخرے پر الیاس کے انگوٹھوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ثمینہ کا سانس گھٹنے لگا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی ایک ٹانگ سمیٹی اور پیر کا پنجہ الیاس کے گلے پر رکھ دیا اور اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیلنے لگی۔

ثمینہ کے گلے پر الیاس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور بالآخر ثمینہ کی گردن اس آہنی شکنجے سے

aazzamm@yahoo.com

آزاد ہوگئی۔ اس نے پیر ہی سے زور دار دھکا دیا۔ الیاس پیچھے الٹ گیا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔

ثمینہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے الیاس کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پہلے سر پر دو ٹھوکریں رسید کیں پھر الیاس کے جسم کے ہر حصے پر اس کی ٹھوکریں برسنے لگیں۔

الیاس نے موقع پاکر ثمینہ کی ٹانگ پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ ثمینہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ لیکن گرتے ہوئے الیاس کی گردن ثمینہ کے قابو میں آگئی تھی۔ ثمینہ نے دایاں بازو اس کی گردن پر لپیٹ لیا اور بائیں ہاتھ سے اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی پکڑلی اور پوری قوت سے الیاس کی گردن دبانے لگی۔

دور کھڑا ہوا شارق مسکرا دیا۔ ثمینہ نے الیاس کی گردن پر چوک ہولڈ لگایا تھا اور حریف کے لئے اس داؤ سے بچنا بہت ہی مشکل ہوتا تھا بشرطیکہ چوک ہولڈ لگانے والا اپنے بازو کی قوت صحیح طریقے سے استعمال کرنا جانتا ہو اور شارق دیکھ رہا تھا کہ ثمینہ اس داؤ کے استعمال سے واقف تھی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

الیاس نے بھی اپنے دونوں ہاتھ ثمینہ کی کلائیوں پر جما دیئے تھے اور وہ گرفت چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ثمینہ کی گرفت بڑی صحیح اور مضبوط تھی۔ اس نے دباؤ بڑھانے کے لئے اپنے پیر دیوار کے ساتھ لگا لئے تھے۔ اس طرح اس کے جسم کی ساری قوت اس کی بانہوں میں سمٹ آئی تھی۔

الیاس بری طرح مچلنے لگا۔ وہ زور زور سے زمین پر پیر پٹخنے لگا۔ پہلے تو اس نے بڑی زور آزمائی کی تھی لیکن پھر اس کی قوت مدافعت کمزور پڑنے لگی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بدستور تڑپتا رہا ثمینہ نے اس کی گردن پر دباؤ بڑھا دیا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا تھا کہ "اب یا کبھی نہیں۔"

الیاس کی آنکھیں چڑھ گئیں۔ اس کی زبان باہر نکلنے لگی۔ ثمینہ کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ اس نے بازو کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ کڑک کی ہلکی سی آواز ابھری۔ الیاس پہلے سے بھی زیادہ شدت سے مچلنے لگا۔ ثمینہ نے اس کی گردن کو دو تین جھٹکے اور دیئے اور پھر اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر رہا تھا اور سانس کی رفتار بھی بگڑ گئی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی الیاس کی طرف دیکھنے لگی جو فرش پر بری طرح تڑپ رہا تھا اور پھر وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور آنکھیں بھی جیسے حلقوں سے باہر آگئی تھیں۔

"تمہارا یہ روپ پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔" شارق ثمینہ کے قریب آگیا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس نازک سے جسم میں فولاد بھرا ہوا ہے۔"

"کوئی عورت نازک نہیں ہوتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "جب وہ انتقام لینے پر آتی ہے تو اس کا نازک بدن فولاد سے بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اس میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ بڑے سے بڑا سورما بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

"ہاں۔ یہ تو میں نے دیکھ لیا ہے۔" شارق بولا۔

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ شارق اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ پھر وہ اس سے الگ ہوگیا۔

"تمہاری یہ شرٹ ...."

"پھٹ گئی ہے۔ میں تبدیل کرلیتی ہوں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے عقلمندی یہ کی تھی کہ جب یہ کوٹھی کرائے پر لی تھی تو ایک سوٹ کیس بھی لے آئی تھی جس میں چند جوڑے اپنے کپڑے اور تمہارے لئے بھی دو تین پینٹس اور شرٹس رکھ لی تھیں۔"

"تم واقعی دور کی سوچتی ہو۔" شارق مسکرا دیا۔ "اچھا اب اوپر چلو۔ پہلے کپڑے بدل لیں پھر اس خبیث کی لاش کا بندوبست کرنا ہے۔"

وہ لوگ تہ خانے سے نکل کر اوپر ایک بیڈ روم میں آگئے۔ ثمینہ نے دیوار میں نصب الماری کھول کر اس میں سے کپڑے نکالے۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے پھٹی ہوئی شرٹ اتار کر دوسری پہن لی۔

"میں کپڑے بعد میں بدلوں گا۔ اس سے پہلے میں تھوڑی دیر کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"کیوں؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"اس طرف آتے ہوئے میں نے کسی گلی کے موڑ پر ایک چھوٹا پک اپ ٹرک کھڑا دیکھا تھا۔ کوشش کرتا ہوں کہ وہ ٹرک ہاتھ لگ جائے تو اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل کر بیرونی گیٹ کے قریب آگئے۔

"تم گیٹ کے قریب ہی رکنا۔ مجھے واپسی میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔" شارق کہتے ہوئے گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔

ثمینہ نے گیٹ بند کردیا اور قریب ہی کھڑی رہی۔ شارق کو واپسی میں واقعی زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ دس منٹ بعد گیٹ کے سامنے سوزوکی ٹرک کی مخصوص آواز سن کر اس نے گیٹ کھول دیا۔ شارق ٹرک کو اندر لے آیا تو اس نے گیٹ بند کردیا۔

شارق نے ٹرک گیراج کے قریب روکا تھا۔ وہ ثمینہ کے ساتھ اندر آگیا۔ گیراج کے سامنے والے کمرے میں شارق نے ایک بوری بھی دیکھی تھی جس میں موبل آئل کے خالی ڈبے اور اس قسم کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے بوری خالی کردی اور ثمینہ کے ساتھ تہ خانے میں آگیا۔

الیاس کی لاش کو بوری میں ٹھونس کر اس نے بوری کا منہ اچھی طرح بند کردیا اور بوری اٹھا کر دوبارہ اوپر آگیا۔ بوری اس نے باہر لے جا کر سوزوکی ٹرک میں ڈال دی اور اس کمرے میں بھرا ہوا کاٹھ کباڑ اٹھا کر سوزوکی ٹرک میں بھرنے لگا۔ تیل کے خالی ڈبے' ناکارہ ٹائر ٹیوب اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں تھیں۔ بوری ان چیزوں کے نیچے چھپ گئی۔

شارق دوبارہ کمرے میں آگیا۔ اس نے بستر کی ایک چادر پھاڑ کر اس کی چوڑائی کم کی اور اسے دھوتی کی طرح باندھ لیا۔ میلی شرٹ اپنے جسم پر رہنے دی اور چادر کا پھٹا ہوا ٹکڑا صافے کی طرح سر پر باندھ لیا۔ ٹین دبے اٹھانے میں اس کے ہاتھ چکنے اور کالے ہوگئے تھے۔ اس نے دھوتی اور پگڑی پر ہاتھ صاف کئے پھر ایک ہاتھ منہ پر بھی مل لیا۔ اب اس کے لباس اور چہرے پر چکنائی اور کالک کے دھبے نظر آرہے تھے۔

"میرے ساتھ پک اپ میں بیٹھ جاؤ۔" شارق نے کہا۔ "میں تمہیں کوٹھی کے سامنے ڈراپ کر دوں گا اور میں کل دن میں کسی وقت آؤں گا۔" وہ باہر آگئے۔ ثمینہ نے تمام بتیاں بند کرکے برآمدے والے دروازے کو تالا لگا دیا اور گیٹ کی طرف چلنے لگی۔ شارق پک اپ باہر لے آیا تو ثمینہ نے گیٹ بند کردیا اور پک اپ میں بیٹھ گئی۔

پک اپ مختلف گلیوں میں ہوتی ہوئی رضیہ والی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ ثمینہ نیچے اتر گئی تو شارق نے پک اپ آگے بڑھا دی۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ شارق پک اپ کو تیز رفتار سے سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ اس کا رخ شادمان ٹاؤن کی طرف تھا۔

ایک سڑک کا موڑ گھومتے ہی اسے پک اپ کی رفتار کم کرنی پڑی۔ سامنے سڑک کے کنارے پولیس کی وین کھڑی تھی اور دو تین مسلح پولیس والے سڑک کے وسط میں کھڑے تھے۔

شارق نے قریب پہنچ کر پک اپ روک لی۔ پولیس والوں نے پک اپ کو گھیر لیا۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

aazzamm@yahoo.com

"کون ہو تم اوئے؟" ایک ہیڈ کانسٹیبل شارق کو گھورتے ہوئے بولا۔

"باپ کی سڑکیں سمجھ کر اس وقت گھوم رہے ہو۔ تم لوگ رات کو بھی گھر میں نہیں بیٹھتے۔"

"مزدور آدمی کو آرام سے گھر میں بیٹھنے کا موقع کب ملتا ہے سرجی۔" شارق نے جواب دیا۔ "اپنے آپ کو ہی دیکھ لیں۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ رات کو گھر میں آرام سے سو جائیں۔ لیکن آپ کی بھی نوکری ایسی ہے سرجی۔ آدھی رات کو سڑکوں پر....."

"بند کرو بکواس۔" حوالدار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا ہے ٹرک میں اور کہاں جا رہے ہو اس وقت؟"

"میں مال روڈ پر دادا موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہوں سرجی۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "رات کو سارے ورکشاپ کی صفائی ہوتی ہے اور کاٹھ کباڑ گودام میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ سوزوکی میں تیل کے خالی ڈبے اور ایسی ہی بیکار چیزیں بھری ہوئی ہیں۔ انہیں گودام میں ڈالنے جا رہا ہوں۔ چیک کرلیں آپ۔"

"اوئے عمر دین۔ دیکھو۔" ٹرک میں کیا ہے؟ حوالدار نے ایک کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔

"لعنت بھیجو جی اس پر۔" عمر دین نے جواب دیا۔ وہ پہلے ہی تیل کے خالی ڈبوں کو ادھر ادھر ہٹا کر دیکھ رہا تھا جس سے اس کے ہاتھ چکنے ہوگئے تھے۔ "میرے تو ہاتھ بھی کالے ہوگئے ہیں۔ دفع کرو اسے۔"

"اوئے۔" حوالدار نے شارق کو گھورا۔ "لائسنس ہے تمہارے پاس؟"

"لائسنس۔" شارق نے جیب سے پچاس کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "اس وقت تو میرے پاس یہی ہے سرجی۔ پر معاملہ کیا ہے؟"

حولدار نے نوٹ لے کر پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔ "اوئے۔ تمہیں نہیں پتا۔" وہ بولا۔ "دو دن پہلے کسی نے حاجی افضال کے بھانجے کو قتل کر دیا تھا اور اس کے سالے کو اغوا کرکے اور اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی۔ حاجی افضال تو بادشاہ ہے اس شہر کا۔ حکومت تو اس کی ہے۔ تمام سرکاری افسر تو اس کے غلام ہیں۔ اس کے حکم پر چیکنگ ہو رہی ہے۔"

"ایسا کون ہے جس نے حاجی جیسے آدمی سے ٹکر لی ہے وہ تو میں نے بھی سنا ہے کہ حاجی بہت خطرناک آدمی ہے۔" شارق بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"اس شہر میں ایک آدمی اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ شارق نام ہے اس کا۔ ایک لڑکی بھی ہے اس کے ساتھ۔ ثمینہ ..... کچھ عرصہ پہلے ان دونوں نے شہر میں طوفان اٹھا رہا تھا۔ پھر وہ کہیں چلے گئے۔ لیکن اب واپس آگئے ہیں اور انہوں نے حاجی سے پنگے بازی شروع کردی ہے۔ اللہ ہماری حالت پر رحم کرے۔"

"لیکن سر جی۔" شارق بولا۔ "اس طرح ہم جیسے غریب لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ۔ بھلا کسی آدمی کو اغوا کرکے کھلے ٹرک میں لے جایا جاسکتا ہے۔"

"ہم نے اپنی ڈیوٹی پوری کرنی ہے۔ چلو۔ اب تم پھوٹو یہاں ہے۔ حوالدار نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

شارق نے مسکراتے ہوئے انجن اسٹارٹ کر دیا اور حوالدار کو سلام کرتے ہوئے سوزوکی آگے بڑھا دی۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد وہ شادمان ٹاؤن پہنچ گیا۔ حاجی کی کوٹھی کے سامنے کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شارق نے گلی کے موڑ پر پک اپ روک لی اور کوٹھی کی طرف دیکھنے لگا۔ چار پانچ آدمی بھی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ حاجی اس وقت کوٹھی میں موجود تھا۔

جب اس نے پک اپ روکی تھی تو کوٹھی کے گیٹ کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی اس طرف دیکھنے لگے تھے۔ شارق بار بار انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ دور کھڑے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا جیسے اس کی پک اپ خراب ہوگئی ہو۔ پھر وہ نیچے اتر آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک اور آدمی نکل کر ایک کار میں بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی کار حرکت میں آگئی۔ وہ اسی طرف آرہی تھی۔ کار جیسے ہی قریب پہنچی شارق نے ہاتھ دے کر اسے روک لیا۔

"سر جی۔ میری پک اپ خراب ہوگئی ہے۔" شارق نے کھڑکی پر جھک کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ مجھے مین روڈ تک لفٹ دیدیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

اس شخص نے پہلے شارق پھر پک اپ کی طرف دیکھا اور پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"پیچھے بیٹھ جانا۔"

شارق دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے سر جی۔ اس کوٹھی کے سامنے لوگ کیوں جمع ہیں؟" شارق نے اس شخص

سے پوچھا۔

"یہ حاجی افضال کی کوٹھی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "کسی نے اس کی سمن آباد والی کوٹھی کو آگ لگا دی ہے۔ جس میں ایک آدمی بھی جل کر مرگیا ہے اور حاجی کے سالے کو اغوا کرایا ہے۔ پورے شہر کی پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔"

"سینما والا حاجی افضال؟" شارق بولا۔ "وہ تو بڑا ٹھکے والا آدمی ہے۔ سر جی۔ اس سے کون پنگا لے گا۔"

"شارق ..... حاجی کا سب سے بڑا دشمن۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "یہ بھی حاجی سے کم خطرناک نہیں ہے۔ میں نے حاجی سے کہا تھا کہ اس سے پنگا نہ لے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی۔ حاجی نے شارق کی عدم موجودگی میں اس کی ماں اور بہن کو گھر سے نکال کر مکان پر قبضہ کرلیا تھا اور اب شارق اس سے اپنی ماں اور بہن کی توہین کا بدلہ لے رہا ہے۔"

"یہ بات تو حاجی کو پہلے سوچنا چاہئے تھی نا سر جی۔" شارق بولا۔ "کوئی غیرت مند اپنی ماں اور بہن کی بے عزتی تو برداشت نہیں کرسکتا نا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس شخص نے سرہلایا۔ "لیکن تم حاجی کو نہیں جانتے۔ وہ ملک کا سب سے بڑا سمگلر ہے۔ بڑے سے بڑا آفیسر اس کے سامنے نظریں نہیں اٹھا سکتا۔ اس نے سب کو پیسے سے خرید رکھا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ پولیس اور قانون ہر معاملے میں اس کا ساتھ دے گا اور ایسا ہو رہا ہے۔ وہ آزادانہ طور پر اپنا غیر قانونی دھندہ کر رہا ہے۔ کوئی آج تک اس کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکا۔ لیکن یہ شارق ....."

"شارق اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ حاجی کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ شارق بھی بڑا ضدی اور خطرناک آدمی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تم شارق کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟" وہ شخص چونک گیا۔

"میری طرف غور سے دیکھو مسٹر۔" شارق بولا۔ "میری شکل دیکھ کر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں شارق کو کیسے جانتا ہوں۔"

اس شخص نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے سر پر لپٹا ہوا صافا اتار دیا تھا۔ وہ شخص اس کی شکل دیکھ کر چونک گیا۔ اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ گئے۔

"شش .... شارق ...." وہ ہکلا گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑگیا تھا۔

"گاڑی سنبھالو ورنہ کسی دیوار سے ٹکرا جائے گی۔" شارق بولا۔

aazzamm@yahoo.com

اس شخص نے بڑی مشکل سے لہراتی ہوئی کار کو سنبھالا تھا۔

"کار اس موڑ سے پہلے روک لو۔" شارق نے کہا۔

اس شخص نے فوراً" ہی کار روک لی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا تھا لیکن شارق نے بڑی پھرتی سے آگے والی سیٹ پر جھک کر اس کی جیب سے پستول نکال لیا۔

"آرام سے بیٹھے رہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" شارق نے پستول اس کی گردن پر رکھ دیا۔ "حاجی کو بتا دینا کہ شارق اتنا بزدل نہیں کہ کسی بل میں چھپ کر بیٹھ جائے۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں اس کی کوٹھی کے سامنے سے ہو کر آیا ہوں اور واپس جا کر حاجی کو بتا دینا کہ اس کی کوٹھی کے قریب جو سوزوکی پک اپ کھڑی ہے اس پر لادے ہوئے اسکریپ کے نیچے ایک بوری میں اس کے سالے الیاس کی لاش ٹھنسی ہوئی ہے۔ اسے یہ بھی بتا دینا کہ میں وقتاً" فوقتاً" اسے لاشوں کے تحفے بھیجتا رہوں گا.... اب اپنی ٹائی کھولو۔"

"کک..... کیا کرنا چاہتے ہو۔" وہ شخص ہکلایا۔

"تمہیں کچھ نہیں کروں گا۔ ٹائی کھول دو۔" شارق غرایا۔

اس شخص نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی ٹائی کھول دی۔ شارق سیٹ کے اوپر سے ہو کر اگلی سیٹ پر آگیا تھا۔ شارق نے اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے باندھ دیئے اور پستول کا دستہ زور سے اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ اس شخص کے منہ سے کراہ نکلی اور اس کا سر بھی اسٹیئرنگ پر جھک گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

شارق دروازہ کھول کر کار سے اتر آیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ ایک کشادہ گلی میں تھا چند گز آگے مین روڈ تھی۔ اس نے سر والا کپڑا کار ہی میں پھینک دیا تھا۔ اس شخص کا پستول شارق کے ہاتھ میں تھا جسے اس نے دھوتی کی ڈاب میں اڑس لیا اور مین روڈ کی طرف چلنے لگا۔

اس وقت ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ یہ شارق کی خوش قسمتی تھی کہ مین روڈ پر آتے ہی اسے دودھ والا ایک رہڑہ نظر آگیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر رہڑے کو روکا اور دودھ والے سے پوچھے بغیر رہڑے پر سوار ہو گیا۔

"یار میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ پیدل چلتے چلتے تھک گیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں یار۔ بیٹھ جاؤ۔ گلبرگ لبرٹی مارکیٹ جا رہا ہوں جہاں کہو گے اتار دوں گا۔" دودھ والے نے جواب دیا۔

رہڑے پر دودھ کے ولٹوے لدے ہوئے تھے۔ وہ آدمی اکیلا ہی تھا جس نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ شارق بھی اس کے ساتھ ہی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

راستے میں ایک جگہ اگرچہ پولیس پارٹی کھڑی تھی لیکن پولیس والوں نے انہیں نہیں روکا۔ گھوڑا دلکی چال چلتا رہا اور شارق دودھ والے سے باتیں کرتا رہا۔ وہ اس سے دودھ کے کاروبار کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اپنے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک موٹر ورکشاپ میں مکینک ہے۔ ایک گاڑی چیک کرنے کے لئے نکلا تھا کہ وہ خراب ہو گئی اور اب وہ دوسرے مکینک کو بلانے جا رہا ہے جو گلبرگ میں رہتا ہے۔

وہ تقریباً" آدھے گھنٹے میں گلبرگ پہنچ گیا۔ شارق دودھ والے کا شکریہ ادا کر کے ایک جگہ رہڑے سے اتر گیا اور گلیوں ہی گلیوں میں تقریباً" آدھے میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا جہاں ماں جی اور رضیہ وغیرہ رہائش پذیر تھیں۔

جب شارق نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھی تھی صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔

○

شارق نے پپو اور ظفری کو گزشتہ رات ہی کو بڑی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ حویلی سے باہر نہ نکلیں۔ حویلی میں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں اور وہ لوگ تین چار دن تک آرام سے گزارہ کر سکتے تھے۔ حویلی میں رابطے کا اگرچہ کوئی ذریعہ نہیں تھا' سوائے اس کے کہ شارق خود وہاں جاتا' لیکن شارق کو یقین تھا کہ وہ دونوں اس کی ہدایت پر سختی سے عمل کریں گے اور حویلی سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

شارق جب الیاس والے معاملے سے نمٹ کر کوٹھی واپس آیا تو وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ بیل بجانے پر دروازہ طفیل نے کھولا تھا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا ثمینہ بھی برآمدے میں آگئی۔ شارق نے تین بجے کے قریب اسے یہاں چھوڑا تھا اور وہ غالباً" ابھی تک سوئی نہیں تھی۔

"کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی تھی؟" ثمینہ نے پوچھا۔ شارق اس وقت برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔

"ایک آدھ جگہ رکنا پڑا تھا۔ لیکن معاملہ خیریت سے ٹل گیا تھا۔" شارق نے اس کے ساتھ برآمدے والے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "سامان حاجی کی شامان والی کوٹھی کے قریب چھوڑ دیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اب تک اسے اطلاع ہو چکی ہو گی۔ یا ہونے والی ہو گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تفصیل سے اسے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔

"تم ابھی تک سوئی کیوں نہیں ہو؟"

"دوسری کوٹھی سے واپس آنے کے بعد کچھ بے چینی سی تھی۔ نیند نہیں آرہی تھی میں

aazzamm@yahoo.com

رسالہ پڑھنے لگی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ تم صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس آجاؤ گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔" وہ باتیں کرتے ہوئے کمرے کی طرف جا رہے تھے کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تم کمرے میں چل کر بیٹھو۔ میں چائے بناکر لاتی ہوں۔ بہت تھکے ہوئے ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"میں چائے نہیں پیوں گا۔ نیند آرہی ہے مجھے۔" شارق بولا۔

"ماں جی اب اٹھ جائیں گی۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد چائے پیتی ہیں وہ اس وقت تمہارے بارے میں ضرور پوچھیں گی۔ تھوڑی دیر ان سے گپ شپ کر لینا۔ ان کی تسلی ہو جائے گی۔ اس کے بعد بے شک سارا دن سوتے رہنا۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کمرے میں بیٹھا ہوں۔ ماں جی نماز پڑھ لیں تو مجھے بتا دینا۔" شارق کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوگیا۔

ثمینہ واپس مڑگئی تھی۔

شارق کمرے میں آکر بیڈ پر نیم دراز ہوگیا۔ تکیے کے قریب ہی ایک رسالہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے رسالہ اٹھالیا۔ اس کا ایک صفحہ مڑا ہوا تھا۔ ثمینہ غالباً" یہی صفحہ پڑھ رہی تھی۔ شارق بھی پڑھنے لگا۔ وہ کوئی لو اسٹوری تھی۔ شارق کو اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی اس نے رسالہ بند کرکے رکھ دیا اور اٹھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ چہرے سے ٹکرانے والا تازہ ہوا کا جھونکا بڑا فرحت بخش محسوس ہوا تھا۔

تقریباً" چالیس منٹ بعد ثمینہ کی آواز سن کر وہ پیچھے مڑا۔ ثمینہ اسے باہر آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ شارق اس کے ساتھ لاؤنج میں آگیا۔ مریم ایک طرف جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ نماز پڑھ چکی تھی اور تسبیح پھیر رہی تھی۔ اس نے آواز سن کر شارق کی طرف دیکھا اور تسبیح مکمل کرکے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

جائے نماز کے قریب ہی ٹرے میں چائے کے تین کپ رکھے ہوئے تھے۔ شارق اور ثمینہ قریب ہی قالین پر بیٹھ گئے۔ دعا مانگنے کے بعد مریم نے شارق اور ثمینہ کی طرف رخ کرکے پھونک ماری اور پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کب آئے تھے بیٹا۔"

"تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے بے شک کل کا اخبار تو تمہارے ہی بارے میں خبروں سے بھرا

ہوا تھا۔ اب ایک طرف پولیس تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے اور دوسری طرف حاجی تمہارا دشمن ہو رہا ہے۔ اس دشمنی کا انجام نہ جانے کیا ہوگا۔ میں تو ہر وقت تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔" مریم نے کہا۔

"آپ کی دعاؤں کا سایہ ہمارے سر پر رہے گا تو ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کے لئے تو دعائیں میرے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔" مریم نے کہا۔

چائے پینے کے ساتھ وہ باتیں بھی کرتے رہے۔ اس دوران رضیہ بھی اٹھ کر آگئی تھی۔ اس نے حسب معمول شکائتوں کا پنڈورا بکس کھول لیا۔ شارق ہنس ہنس کر اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔

"میرا خیال ہے اب تم ناشتہ کرکے ہی سونا۔" ثمینہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ ہم کئی روز بعد اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔"

ساڑھے سات بجے وہ سب میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ اس وقت طفیل بھی اندر آگیا تھا۔ ثمینہ نے اسے بھی ناشتہ دے دیا اور وہ باورچی خانے میں بیٹھ کر کھانے لگا۔

"طفیل!" ناشتے کے بعد شارق طفیل کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ "تم فیصل آباد میں طالب حسین کو تو جانتے ہو یا نہیں؟"

"طالب حسین ٹنڈا؟" طفیل نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں وہی۔" شارق بولا۔ "ثمینہ اور رضیہ سے پوچھ لو اگر بازار سے کوئی سودا وغیرہ منگوانا ہو تو لاکر دے دو۔ اس کے بعد فیصل آباد چلے جاؤ۔ سیدھے طالب حسین ٹنڈے کے پاس جانا وہ تمہیں نولکھا سے ملوا دے گا۔ نولکھا کے ساتھ شاہ پری نام کی ایک لڑکی بھی رہ رہی ہے۔ تم اس لڑکی کو ساتھ لے کر آؤ گے۔ میرا خیال ہے رات نو دس بجے تک تم واپس آجاؤ گے۔"

"اگر وہاں کوئی اور کام نہیں ہے تو اس سے پہلے ہی آجاؤں گا۔" طفیل نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ ثمینہ سے پوچھ لو۔ کوئی کام تو نہیں اور کرائے کے لئے یہ پیسے اپنے پاس رکھ لو۔" شارق نے سو سو روپے کے پانچ نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔

طفیل نے نوٹ جیب میں ڈال لئے اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

شارق بستر پر لیٹ گیا۔ وہ نیند سے نڈھال ہو رہا تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

شارق کی آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ آنکھ کھل جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر

aazzamm@yahoo.com

تک بستر پر پڑا رہا۔ وہ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ رضیہ کمرے میں آگئی۔

"آپ تو خوب سوئے بھائی جان۔" رضیہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"دو تین دن سے جاگا ہوا تھا۔ آج نیند پوری ہو گئی۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "یہاں اگر میرے کپڑے ہوں تو پینٹ شرٹ لا دو میں نہا لوں تو پھر چائے پئیں گے۔"

"آپ کے کپڑے اس الماری میں رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نہا کر کپڑے بدل لیں۔ ماں جی اور ثمینہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ آجائیں تو میں چائے بناؤں۔" رضیہ کہتے ہوئے باہر چلی گئی۔

شارق نے دروازہ بند کردیا اور باتھ روم میں گھس گیا وہ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد باتھ روم سے نکلا تو اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا ۔ ٹھنڈے پانی کے غسل نے اس کی ساری کسلمندی دور کر دی تھی۔ اس نے کپڑے پہنے اور کمرے سے نکل کر لان میں آگیا جہاں گارڈن چیئرز پر ماں جی' ثمینہ اور رضیہ بیٹھی ہوئی تھیں رضیہ اسے دیکھ کر وہاں سے اٹھی اور کچن میں چلی گئی۔

ہرے بھرے لان میں اس طرح بیٹھنا بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ چائے کی چسکیوں کے ساتھ وہ باتیں بھی کرتے رہے۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ عشاء کی اذان ہوئی تو ماں جی وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آگئیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد شارق بھی اٹھ گیا۔

"میں ذرا پپو اور ظفری کی خیر خبر لے آؤں۔ ہوسکتا ہے دیر ہو جائے لیکن واپس ضرور آؤں گا۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔" ثمینہ بھی اٹھ گئی۔

"نہیں۔" شارق نے سختی سے منع کردیا۔ "میں اکیلا ہی جاؤں گا اگر تمہاری ضرورت ہوتی تو میں ضرور تمہیں ساتھ لے کر چلتا۔"

تقریباً" پندرہ منٹ بعد شارق کوٹھی سے نکل گیا۔ سڑک پر آتے ہی اسے ایک رکشہ مل گیا۔

سولہ سو ایکڑ اسکیم کے علاقے میں پہنچ کر اس نے رکشہ چھوڑ دیا۔ شارق کا یہ اصول تھا کہ وہ اپنی منزل پر سیدھا کبھی نہیں گیا تھا۔ اگر اپنی گاڑی ہوتی تو بھی کئی علاقوں سے گھومتا ہوا جاتا اور اگر رکشہ ٹیکسی پر سفر کرنا ہوتا تو کئی سواریاں بدلتا۔

سولہ سو ایکڑ اسکیم کے شاپنگ ایریا میں اس نے ایک جگہ سے چرغہ نان اور تکے وغیرہ خریدے اور دوسرے رکشے پر بیٹھ گیا۔ یتیم خانے کے چوک پر اس نے وہ رکشہ بھی چھوڑ دیا۔

اس چوک پر خاصی رونق تھی' سولہ سو ایکڑ اسکیم اور یتیم خانے کے چوک پر بھی لوگ ٹولیوں میں کھڑے گزشتہ رات کے واقعات پر تبصرے کر رہے تھے۔ دوپہر کو شائع ہونے والے ایوننگ پیپرز نے بڑی سنسنی خیز خبریں شائع کی تھیں۔ ان خبروں میں شارق اور ثمینہ کے نام نمایاں طور پر شائع کئے تھے۔ بعض اخبارات نے لکھا تھا کہ انہیں درندہ بننے پر مجبور کس نے کیا تھا۔ ان دونوں کے بارے میں لوگوں کی رائے بھی مختلف تھی۔ بعض لوگ انہیں ہیرو گردان رہے تھے اور بعض انہیں نہایت ظالم اور شقی القلب قاتل قرار دے رہے تھے۔ البتہ حاجی کو سب ہی گالیاں دے رہے تھے۔ اس کے بارے میں شہر کے تقریباً" سب ہی جانتے تھے کہ وہ منشیات کا بین الاقوامی اسمگلر ہے لیکن حکومت اس پر ہاتھ نہیں ڈالتی کیونکہ نہ صرف حکومت بلکہ قانون ساز اسمبلیوں میں بھی اس کے آدمی موجود تھے۔ اور وہ لوگ اسے تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ لوگوں کی باتیں سن کر شارق نے محسوس کیا تھا لیکن وہ یہ سوچ کر مسکرا دیا کہ اگر انہیں لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ شارق ہے تو اس سے اظہار ہمدردی کرنے کے بجائے اس کے ٹکڑے کر ڈالیں۔

یہاں پولیس کی دو پارٹیاں تھیں جو گاڑیاں چیک کر رہے تھے۔ شارق بڑے اطمینان سے پیدل چلتا ہوا چوک سے بہت دور نکل گیا۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا وہ تھیلا تھا جس میں کھانا رکھا ہوا تھا۔

تقریباً" دو سو گز آگے نکلنے کے بعد اسے کاہنا جانے والی بس مل گئی۔ وہ بس پر بیٹھ کر دو اسٹاپ آگے اتر گیا' وہ سڑک پار کر رہا تھا کہ کاہنا کی طرف سے آنے والی ایک کار تیز رفتاری سے اس کے قریب سے گزر گئی۔ شارق سڑک پار کرکے اس کچے راستے پر مڑگیا جو حویلی کی طرف چلا گیا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف زیر تعمیر مکان وغیرہ تھے جنہیں کسی وجہ سے ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔

حویلی تک پہنچنے میں شارق کو زیادہ دیر نہیں لگی تھی' ہلکی سی دستک پر ہی ظفری نے دروازہ کھول دیا تھا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے تسلی کرلی تھی۔

"تم لوگوں نے ابھی کھانا تو نہیں کھایا؟" شارق نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" ظفری نے جواب دیا۔ "میں ابھی پپو سے کہہ رہا تھا کہ سڑک پر بس اسٹاپ پر جاکر کچھ لے آئے۔"

"میں تم لوگوں کے لئے کھانا لے کر آیا ہوں۔" شارق نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ لوگ کمرے میں آگئے۔ جہاں پپو چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ شارق کو دیکھ کر اٹھ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"باہر کی بتی کیوں بجھا رکھی ہے؟" شارق نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بلب فیوز ہوگیا ہے شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "ویسے وہ بتی جلانے کی ضرورت بھی نہیں۔"

"اچھا۔ تم لوگ کھانا کھاؤ۔ پھر کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" شارق نے کہا۔

"حاجی کا کیا حال شارق باؤ۔" اس نے سہیل باؤ کو چھوڑ دیا۔"

"نہیں۔" شارق نے ظفری کی بات کاٹ دی۔ "سمن آباد والے بنگلے کی آگ کا انتقام لینے کے لئے اس نے سہیل کو قتل کر دیا اور میں نے بھی رات کے پچھلے پہر الیاس کی لاش اس کی شادمان والی کوٹھی پر پہنچا دی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔" حاجی کے بارے میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ الیاس کی لاش دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی لیکن شہر میں ایک طوفان کی سی کیفیت ہے۔ پولیس بڑی شدومد سے پورے شہر میں ہمیں تلاش کر رہی ہے۔ میں نے پولیس کے ایسے اعلیٰ افسروں کو بھی سڑکوں پر دیکھا ہے جو کبھی اپنے ائیرکنڈیشنڈ دفتروں سے باہر نہیں نکلے تھے۔لیکن حاجی کا حق نمک ادا کرنے کے لئے آج ہماری تلاش میں وہ بھی سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے ہیں۔"

"ایسے حالات میں تو تمہیں بھی باہر نہیں نکلنا چاہئے تھا۔ شارق باؤ۔" اس مرتبہ پپو بولا تھا۔

"مجھ پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ویسے تمہارا مشورہ درست ہے۔ ہمیں دو چار روز احتیاط کرنی چاہئے۔ اس وقت تو میں اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے بارے میں معلوم کرلوں۔"

"ہماری فکر مت کرو شارق باؤ۔ ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم اپنا خیال رکھو۔" ظفری نے کہا۔ "ویسے اگر تم اجازت دو تو ہم دو تین دن کے لئے رائے ونڈ چلے جائیں۔ وہاں میری بہن رہتی ہے۔ میرا بہنوئی شہر کا ایک معزز آدمی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم پر کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا۔"

"اگر رائے ونڈ میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ...." شارق خاموش ہوگیا۔

"لیکن کیا؟" ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن اپنے ساتھ کوئی اسلحہ وغیرہ لے کر نہیں جاؤ گے۔" شارق بولا۔

"بالکل نہیں شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "وہ لوگ مجھے بہت شریف آدمی سمجھتے ہیں۔ میرا بہنوئی تو سمجھتا ہے کہ میں کوئی بہت اچھا بزنس کرتا ہوں۔ اسے آج تک پتا نہیں چلا کہ میں

بدمعاشی بھی کرتا ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے وہاں کسی کو پتا بھی نہیں چلنا چاہئے کہ تم بدمعاش ہو۔ دو چار دن شرافت سے وہاں گزار دو۔ آج جمعرات ہے۔ تم لوگ پیر یا منگل کو واپس آجانا۔ میں منگل کی رات یہاں آؤں گا اور ہاں پیسے ہیں نا تم لوگوں کے پاس؟"

"بہت۔" ظفری نے جواب دیا۔ "تم نے الیاس کے بریف کیس میں سے نوٹوں کے جو بنڈل نکال کر دیئے تھے۔ وہ پوری ساٹھ ہزار روپے کی رقم تھی۔ ہم نے آدھے آدھے بانٹ لئے ہیں۔ اگر تمہیں رقم چاہئے تو....."

"نہیں۔ مجھے رقم کی ضرورت نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ "لیکن تم لوگ وہاں احتیاط سے رقم خرچ کرنا۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرو گے تو کسی کو شبہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"فکر ہی مت کرو۔ ہم بہت محتاط رہیں گے۔" ظفری نے جواب دیا۔

پپو تھیلا کھول کر درمیان کی چھوٹی میز پر کھانا لگا چکا تھا۔ شارق نے بھی ان کے ساتھ کھانا کھالیا اور پھر ایک گھنٹے بعد وہ تینوں حویلی سے نکل آئے۔

سڑک پر آکر شارق تو اسی طرف کھڑا رہا اور وہ دونوں اس سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف چلے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں رائے ونڈ جانے والی بس مل گئی۔

شارق پیدل یتیم خانہ چوک کی طرف چلنے لگا۔ وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا کہ کوئی بس آئے تو اسے روک لے۔ اس نے ایک دو بسوں کو ہاتھ بھی دیا تھا۔ لیکن وہ نہیں رکی تھیں۔

سامنے سے ایک کار بہت ہلکی رفتار سے آرہی تھی۔ شارق نے کار کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ یہ دراصل وہی کار تھی جو اس وقت بھی شارق کے سامنے سے گزری تھی جب شارق بس سے اترا تھا۔ شارق تو کچے راستے پر مڑ کر تاریکی میں غائب ہوگیا تھا اور وہ کار کافی آگے جاکر رک گئی تھی ..... اور اب یہ وہی کار تھی۔ جو بہت ہلکی رفتار سے مخالف سمت سے آرہی تھی۔

شارق کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نہا گیا تھا۔ لیکن وہ کار کی طرف توجہ دیئے بغیر سڑک کے کنارے پر چلتا رہا۔

وہ کار کچھ دور جاکر واپس مڑی اور اسی طرح ہلکی رفتار سے چلتی ہوئی شارق سے چند گز آگے جاکر رک گئی۔ کار کے دو دروازے کھلے اور دو آدمیوں نے باہر نکل کر شارق کا راستہ روک لیا۔

شارق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ان میں ایک ماجھا گجر کا سالہ مجیدا تھا اور دوسرے کو شارق نہیں پہچانتا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے اور پستولوں کے رخ شارق کے سینے کی طرف!

○

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

"مجیدے تم؟" شارق' مجیدے کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں کسی قدر حیرت بھی تھی۔ "چلو اچھا ہوا۔ تم نے پہچاننے سے انکار تو نہیں کیا۔" مجیدا بولا۔ "میں تو بہت عرصے سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ پھر سنا کہ تم ملک سے ہی بھاگ گئے ہو۔ بڑا افسوس ہوا تھا مجھے یہ سن کر۔ اگر تم واپس نہ آتے تو میری یہ حسرت دل میں رہتی کہ تم سے اپنے بہنوئی کے قتل کا بدلہ نہ لے سکا۔"

"ماجھا تمہارا سگا بہنوئی تو نہیں تھا۔" شارق بولا۔ "وہ تو تمہاری پھوپھی زاد بہن تھی۔ ماجھے نے بھی تمہارے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ تو تمہیں ہمیشہ اپنا دو ٹکے کا ملازم ہی سمجھتا تھا۔ تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ اس نے کئی مرتبہ تمہیں دوسروں کے سامنے ذلیل کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے تمہیں تھپڑ بھی مارا تھا۔"

"بھائیوں میں ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔" مجیدا بولا۔ "لیکن ان باتوں سے خون کے رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہاری ان باتوں سے میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔ نہیں شارق باؤ۔" وہ سر ہلانے لگا۔ "یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ تم اس وقت مجھے نظر آگئے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے پہلے ہم رائے ونڈ سے آرہے تھے۔ اسی جگہ میں نے تمہیں سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا۔ ہماری گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اسے روکنے اور واپس موڑنے میں تھوڑا سا وقت لگ گیا۔ لیکن اس دوران تم کہیں اس طرف غائب ہوگئے تھے۔ ویسے پہلے کبھی مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم نے شہر سے باہر کسی جگہ کوئی خفیہ اڈا بنا رکھا تھا۔ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ واقعی یہاں تمہارا کوئی خفیہ اڈا بھی ہے اور میری اطلاع کے مطابق چھانگے کے مزنگ والے اڈے کا سارا مال بھی تم نے اسی خفیہ اڈے میں چھپا رکھا ہے۔"

"تو یہ بات ہے۔" شارق کے لہجے میں طنز تھا۔ "خون کا رشتہ نہیں مال کی ہوس ہے جس نے تمہیں اس وقت میرے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ میں چھانگے کے اڈے سے کوئی مال نہیں لے گیا تھا۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔" مجیدے کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہو

چکا ہے۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہمیں اپنے اس اڈے پر لے چلو۔ ورنہ ہم تمہیں وہاں چلنے پر مجبور کردیں گے۔"

شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سڑک پر بسوں وغیرہ کی آمدورفت جاری تھی۔ وہ لوگ کار کی آڑ میں اس طرح کھڑے تھے کہ سڑک پر سے انہیں کندھوں کے اوپر تو دیکھا جاسکتا تھا لیکن کوئی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ دو آدمی تیسرے پر پستول تانے کھڑے ہیں۔

"سوچ میں وقت ضائع مت کرو شارق باؤ۔" مجیدے نے کہا۔ "اس وقت تمہارے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور ویسے بھی تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ دشمنوں کی تعداد بڑھانا تمہارے لئے مفید نہیں ہے۔ حاجی کے گرگے تمہیں پورے شہر میں کتوں کی طرح تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ دوسری طرف شہر بھر کی پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اس وقت تمہیں دشمنوں کی نہیں دوستوں کی ضرورت ہے۔ اگر تم چھانگے کے اڈے والا مال میرے حوالے کردو تو میں تمہیں پناہ دے سکتا ہوں۔ میری پناہ میں آجاؤ تو حاجی کے کتے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"پوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے خود چھپتا پھر رہا تھا وہ دوسروں کو کیا پناہ دے سکتا ہے۔ تم شاید اپنے بہنوئی کا انجام بھول گئے ہو۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"دادو!" مجیدے نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اس طرح نہیں مانے گا۔ اسے زبردستی ساتھ لے جانا پڑے گا۔"

اسی وقت شہر کی طرف سے آتی ہوئی کسی بس نے ہارن بجایا۔ ہارن کی یہ آواز پولیس کے سائرن سے بڑی حد تک ملتی جلتی تھی۔ شارق نے ہارن کی اس آواز سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

"پولیس۔" وہ ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے چیخا۔

اس کا نفسیاتی حربہ سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ ان دونوں نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ شارق نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھلانگ لگا دی۔ اس کا ایک ہاتھ مجیدے کے پستول پر پڑا تھا اور پیر کی ٹھوکر دادو کے پستول والے ہاتھ پر اور جب شارق سیدھا ہوا تو مجیدے کا پستول اس کے ہاتھ میں آچکا تھا اور دادو کا پستول ہوا میں اڑتا ہوا کئی فٹ دور جھاڑیوں میں جاگرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں سنبھلتے شارق نے سڑک کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ تیز رفتار بس قریب آرہی تھی جس کے ہارن سے شارق نے فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ چند فٹ کے فاصلے سے بس کے سامنے سے گزر گیا۔

دادو نے بھی شارق کے پیچھے ہی دوڑ لگا دی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ شارق کے اچانک سامنے

aazzamm@yahoo.com

آجانے سے بس ڈرائیور نے پوری قوت سے بریک لگا دیا تھا اور ٹھیک اسی وقت دادو سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ وہ نہ تو بس کے آگے سے نکل سکتا تھا اور نہ پیچھے۔ بلکہ ہوا یہ کہ وہ پوری قوت کے ساتھ بس سے ٹکرایا اور اچھل کر دور سڑک پر جاگرا۔ دوسری طرف سے موٹر سائیکل آرہی تھی۔ موٹر سائیکل والا دادو سے ٹکرایا۔ موٹر سائیکل الٹ گئی اور اس کا سوار اچھل کر دور جاگرا۔

شارق برق رفتاری سے دوڑتا ہوا سڑک پار کرگیا تھا۔ دادو کے بس سے ٹکرانے کی آواز سن کر وہ رکا تھا' اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ آناً" فاناً" ہوگیا تھا۔ بس بھی کچھ آگے جاکر رک گئی تھی اور لوگ بس سے اتر کر اس طرف دوڑے تھے جہاں دادو اور موٹر سائیکل سوار سڑک پر پڑے تھے۔ شارق درختوں کی آڑ میں تھا۔ اس نے مجیدے کی کار کی طرف دیکھا۔ مجیدا کار کے قریب کھڑا تھا اور پھر شارق نے دیکھا کہ مجیدا دوڑ کر کار میں بیٹھ گیا اور کار حرکت میں آکر تیز رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔

شارق زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔ وہ درختوں سے نکل کر کھیتوں کی طرف دوڑنے لگا۔ اس طرف کی زمینیں بھی مختلف ہاؤسنگ سوسائٹیوں نے خرید رکھی تھی۔ کہیں ابھی تک کھیت برقرار تھے اور کہیں کہیں لوگوں نے اپنے اپنے پلاٹوں کے گرد دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔

سڑک پر ٹریفک جام ہونا شروع ہوگیا تھا۔ شارق نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر دوڑتا چلا گیا۔ اس طرح وہ ایک طویل چکر کاٹ کر یتیم خانہ چوک پر پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں پولیس نہیں تھی وہ لوگ شاید حادثہ کی اطلاع پاکر جائے حادثے کی طرف چلے گئے تھے۔

شارق جب کوٹھی واپس پہنچا تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ بیل بجانے پر گیٹ طفیل نے کھولا تھا۔

"کب آئے تم؟" شارق نے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہوں سرجی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "وہ پٹھانی بی بی بھی آگئی ہے جسے لینے کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا۔"

"نولکھا کیسا ہے؟" شارق نے چلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو بیمار ہے سرجی۔" طفیل نے کہا۔ "کئی دن سے بخار نہیں اتر رہا۔ ڈاکٹر کہتا ہے ٹائیفائڈ ہوگیا ہے۔ اسے ٹھیک ہونے میں لمبا عرصہ لگے گا۔ ویسے ٹنڈا اس کی بڑی خدمت کر رہا ہے جی۔"

"اوہ۔" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "وہ کب سے بیمار ہے؟"

"کئی دن ہوگئے جی۔" طفیل نے بتایا۔ "ویسے اس نے ٹیلی فون کا ایک نمبر دیا ہے۔ یہ ٹیلی

فون اس مکان میں ہے جی۔ کرائے داروں نے لگوا دیا ہے نولکھا نے کہا تھا کہ اگر آپ کو موقع ملے تو اس نمبر پر بات کرلیں۔" اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

شارق نے دیکھے بغیر وہ کاغذ جیب میں رکھ لیا اور اندر آگیا۔ ثمینہ' رضیہ اور شاہ پری لاؤنج میں قالین پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شاہ پری اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اس کی طرف دوڑی۔ وہ غالباً" شارق سے لپٹ جانا چاہتی تھی لیکن پھر رک گئی۔ اس نے شارق کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ پہلے انہیں بوسا دیا پھر آنکھوں سے لگایا۔ اس کا یہ والہانہ پن دیکھ کر رضیہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اس نے معنی خیز نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں ثمینہ باجی!" رضیہ کے لہجے میں سرگوشی تھی۔

"شاہ پری تمہارے بھیا کو بہت چاہتی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت وہ شاید تمہارا لحاظ کر گئی ہے ورنہ وہ تو شارق سے لپٹ جاتی اور شاید وہ اٹھ کر دوڑی بھی اسی نیت سے تھی۔"

"تم یہ سب کچھ کیسے برداشت کر رہی ہو؟" رضیہ بولی۔

"ہم وہ دو تلواریں ہیں جو بڑے پیار و محبت سے ایک ہی میان میں رہ رہی ہیں۔ ہم میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

ایک میان میں دو تلواروں والی بات پر رضیہ کے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ قہقہے کی آواز سن کر شاہ پری اور شارق ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے۔ یہ قہقہے کیوں لگ رہے ہیں؟" شارق آگے بڑھ آیا۔

"کچھ نہیں بھائی جان۔ ایسے ہی ایک پرانی بات یاد آگئی تھی۔" رضیہ مسکرائی۔

"اچھا۔ اٹھو یہاں سے اور چائے بناکر لاؤ۔ میں بڑی شدت سے اس وقت چائے کی طلب محسوس کر رہا ہوں۔" شارق بھی قالین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ کے آنے سے پہلے ہم چائے کا پروگرام ہی بنا رہے تھے۔" رضیہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔"

ثمینہ بڑے غور سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ پری سے ملاقات کرتے ہوئے شارق کے چہرے پر اگرچہ خوشگوار تاثرات آگئے تھے لیکن ثمینہ کی دور رس نظروں نے تاڑ لیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر کچھ پریشان ہے۔

"کیا بات ہے شارق۔ باہر کے حالات تو ٹھیک ہیں نا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "حالات مزید بگڑ گئے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"میں حویلی سے نکل کر مین روڈ پر آرہا تھا کہ مجیدے سے ٹکراؤ ہوگیا۔" شارق نے کہا۔ "مجیدے کو جانتی ہو نا۔ ماجھا گجر کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔"

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس کی تو ماجھے گجر کے ساتھ شاید کچھ رشتہ داری بھی ہے۔"

"ہاں۔ ماجھے گجر کی بیوی مجیدے کی پھوپھی زاد بہن ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "اس کا کہنا تھا کہ وہ ماجھے گجر کا بدلہ لینے کے لئے بہت عرصے سے مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لیکن بہت جلد یہ بات بھی کھل گئی کہ وہ خون کا بدلہ لینے کے لئے نہیں بلکہ اس مال کے لئے مجھے تلاش کر رہا تھا۔ جو ہم نے چھانگے کے اڈے سے حویلی میں منتقل کر دیا تھا۔"

"اسے اس مال کے بارے میں کیسے پتا چلا؟" ثمینہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ویسے راز کبھی نہ کبھی کھل ہی جاتے ہیں۔" شارق بولا۔ "لیکن یہ ہمیں معلوم کرنا پڑے گا کہ مجیدے یا کسی اور کو اس راز کا پتا کیسے چلا۔"

"یہ تو بہت برا ہوا شارق۔" ثمینہ بولی۔ "اب ہمیں تین محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ ایک طرف حاجی دوسری طرف پولیس اور اب مجیدا۔"

"تم پریشان مت ہو۔" شارق بولا۔ "تم جانتی ہو کہ ہم کئی کئی محاذوں پر بیک وقت لڑے ہیں۔ پہلے ہم کسی اور مقصد کے لئے لڑتے تھے۔ اب ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ۔" شارق رضیہ کو کچن سے نکلتے دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

شاہ پری خاموش بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ رضیہ نے ٹرے قالین پر رکھ دی۔ ان سب نے ایک ایک کپ اٹھا لیا اور چائے کی چسکیاں لینے لگے۔

"ماں جی کی طبیعت کیسی ہے؟" شارق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "انہیں سب سے بڑی فکر تو تم دونوں کی ہے۔ اگر حالات ٹھیک ہوں تو وہ ہم سے زیادہ صحت مند نظر آئیں۔"

"تھوڑے ہی عرصے کی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شارق بولا۔

"اور ہاں شارق۔" ثمینہ اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔ "شاہ پری بتا رہی تھی کہ نولکھا بیمار پڑا ہے۔ اسے شاید ٹائی فائیڈ ہوگیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہاں اس کا علاج بھی ٹھیک سے نہیں ہو رہا' اگر مناسب سمجھو تو اسے یہاں بلا لیا جائے۔"

"ثمینہ باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" رضیہ بولی۔ "میں بھی یہی کہنے والی تھی کہ نولکھا بھائی کو

یہاں بلا لیا جائے تاکہ اس کا علاج تو ڈھنگ سے ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں صبح ہی طفیل کو فیصل آباد بھیج دیتا ہوں۔"

وہ لوگ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رضیہ کو جمائیاں آنے لگی تھیں۔

"جاؤ۔ تم جاکر سو جاؤ۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رضیہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"مجیدے سے تمہارا سامنا کیسے ہوا تھا؟" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا شارق اسے تفصیل سے بتانے لگا کہ کس طرح مجیدے اور اس کے ساتھی دادو نے اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"میں تو بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا سڑک پار کر گیا تھا مگر دادو بس سے ٹکرا گیا تھا۔ وہ اچھل کر بہت دور گرا تھا اور ایک موٹر سائیکل بھی اس سے ٹکرا گئی تھی۔ پتا نہیں دادو زندہ بچا ہے یا نہیں۔ لیکن مجیدا بہرحال وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔"

"تو گویا مجیدے کو شبہ ہوگیا ہے کہ ہمارا خفیہ اڈا اسی طرف ہے' اور میرا خیال ہے کہ وہ اپنے آدمیوں سے اس طرف کے راستوں کی نگرانی کرائے گا۔ ایسی صورت میں ہمارا اس طرف جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"ہاں ..... ہم چند روز تک اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔" شارق بولا۔

"لیکن پپو اور ظفری؟" ثمینہ بولی۔ "وہ تو رائے ونڈ سے سیدھے وہیں آئیں گے۔ مجیدے کے آدمی یقیناً" انہیں پہچانتے ہوں گے۔ انہیں وہاں دیکھ کر مجیدے کو شبہ ہو جائے گا۔"

"اس کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ انہیں وہاں آنے سے روکنا پڑے گا۔" شارق نے کہا۔

"انہیں روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ظفری نے بتایا تھا کہ اس کا بہنوئی ہومیوپیتھ ڈاکٹر ہے اور شہر میں اس کی بڑی عزت ہے۔ رائے ونڈ زیادہ بڑا شہر نہیں ہے۔ اس کے نام سے اس کا پتا آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔"

شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم اور شاہ پری صبح سویرے رائے ونڈ چلی جاؤ۔ ظفری یا پپو سے ملاقات کرکے انہیں بتا دو کہ وہ چند روز تک لاہور نہ آئیں۔ ان کی ضرورت پڑے گی تو میں خود ہی انہیں اطلاع بھجوا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم صبح ناشتے کے بعد روانہ ہو جائیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟" شاہ پری پہلی مرتبہ بولی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"رائے ونڈ۔" شارق نے جواب دیا۔ "چند میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ تم لوگ چند گھنٹوں میں واپس آجاؤ گی۔"

"یہ معاملہ طے ہوگیا۔ میرا خیال ہے اب سو جانا چاہئے۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" ثمینہ جمائی لیتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ اپنے کمرے میں جاکر سو جاؤ۔ میں یہیں لیٹ جاتا ہوں۔" شارق بولا۔ "صبح مجھے بھی ذرا جلدی جگا دینا۔"

ثمینہ اور شاہ پری اپنے کمرے میں چلی گئیں اور شارق وہیں قالین پر لیٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد نیند کے بوجھ سے اس کی آنکھیں بند ہوچکی تھیں۔

ثمینہ نے صبح سات بجے شارق کو جگا دیا۔ سب لوگ جاگ چکے تھے۔ ناشتے کے بعد شارق نے طفیل کو بلالیا۔

"تم ابھی فیصل آباد چلے جاؤ اور نولکھا کو لے آؤ۔" شارق نے کہا۔ "بس پر واپس مت آنا۔ کوئی ٹیکسی یا پرائیویٹ کار کرائے پر لے لینا۔ ڈاکٹر کے لکھے ہوئے تمام نسخے اور دوسرے کاغذات اپنے ساتھ لینا مت بھولنا۔ راستے میں اگر روکا جائے تو یہ کہہ سکتے ہو کہ مریض کو علاج کے لئے میو اسپتال داخل کرانے کے لئے لے جا رہے ہو۔"

"تم فکر ہی مت کرو شارق باؤ۔" طفیل نے کہا۔ "میں اپنے نولکھا بھائی کو اس طرح لے کر آؤں گا کہ اسے راستے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی اور کسی کو یہ بھی پتا نہیں چلے گا کہ وہ کون ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم وقت ضائع کرنے کے بجائے روانہ ہو جاؤ۔" شارق نے کہا۔

طفیل کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ثمینہ اور شاہ پری بھی رخصت ہوگئیں۔ شاہ پری نے چادر اوڑھ لی اور ثمینہ نے رضیہ کا برقعہ پہن لیا تھا۔

ان کے جانے کے بعد شارق لاؤنج میں آگیا۔ اس نے گزشتہ رات طفیل کا دیا ہوا کاغذ جیب سے نکالا اور فیصل آباد کا نمبر ملانے لگا۔

ڈائریکٹ ڈائلنگ کی بدولت لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ عبدالغنی، برکت علی ٹنڈے کا کرائے دار تھا۔ اس نے ٹنڈے کو بلوا دیا۔

"میں شارق بول رہا ہوں برکت۔" شارق نے اس کی آواز سن کر کہا۔ "نولکھا کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" برکت ٹنڈے نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے اسپتال میں داخل کروانا پڑے گا۔ میں پریشان ہوں کہ ...."

"میں تمہاری پریشانی سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"طفیل ابھی فیصل آباد کے لئے روانہ ہوگیا ہے، وہ نولکھا کو لاہور لے آئے گا۔ میں یہاں اس کا علاج کراؤں گا۔ ڈاکٹر کے سارے نسخے اور رپورٹس بھی بھیج دینا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر ٹائی فائیڈ بگڑ گیا تو اس کی جان بھی جاسکتی ہے۔" برکت ٹنڈے نے کہا۔

تم فکر مت کرو۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کردیا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھا رہا اور پھر دوبارہ فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر عثمان کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ انسپکٹر عثمان گھر پر ہی تھا اور کال اسی نے ریسیو کی تھی۔

"بہت اچھے جا رہے ہو شارق۔" انسپکٹر عثمان اس کی آواز سن کر بولا۔ "حاجی پاگل ہوا پھر رہا ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

"یہ تو ابھی ابتدا ہے۔" شارق بولا۔ "حاجی یا تو واقعی پاگل ہو جائے گا یا میں اسے خودکشی کرنے پر مجبور کردوں گا اور تمہارے پاس کوئی خبر ہے؟"

"ایک اڑتی ہوئی خبر سنی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"کیا خبر ہے؟" شارق نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"دبئی سے حاجی نے سونے کی ایک کھیپ منگوائی ہے۔ وہ سونا کراچی پہنچ چکا ہے۔ ایک دو روز میں لاہور پہنچ جائے گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حاجی یہ سونا انڈیا بھیجنے والا ہے۔ جیسے ہی کنفرم ہوا میں تمہیں اطلاع کروں گا۔ لیکن .... تمہیں اطلاع کیسے دوں گا؟"

"ہاں۔ یہ ایک سوچنے والی بات ہے۔" شارق بولا۔ "بہرحال، میں شام کو تمہیں دوبارہ فون کروں گا اور بتا دوں گا کہ مجھ سے کہاں اور کیسے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔"

شارق کچھ دیر مزید اس سے باتیں کرتا رہا پھر فون بند کرکے کمرے میں آگیا۔ انسپکٹر عثمان سے حاجی کے بارے میں جو رپورٹ ملی تھی وہ شارق کے لئے خاصی دلچسپ تھی۔ شارق نے ابتدا ہی میں ایسے کاری وار کئے تھے کہ حاجی تلملا اٹھا تھا۔ اسے یقیناً یہ توقع نہیں رہی ہوگی کہ اس کی دھمکی کے جواب میں شارق اس کے خلاف ایسی سنگین کارروائی کرے گا۔ ماجھا گجر کے گروہ کے خاتمے کے بعد حاجی نے شارق کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اسے بھاری کمیشن دے کر ایک دو کام بھی کروائے تھے۔ وہ یقیناً شارق کو اپنا طفیلی سمجھنے لگا تھا۔ پھر اس نے شارق سے کسی قسم کا

aazzamm@yahoo.com

خطرہ محسوس کرتے ہوئے مال لانے کے بہانے اسے افغانستان بھیج دیا۔ دراصل اس نے شارق کو موت کے گھاٹ اتارنے کی سازش کی تھی۔ جو ناکام رہی تھی' اور جب شارق واپس آگیا تھا تو حاجی نے اسے خوفزدہ کرنے کے لئے نہ صرف جیجا شلی کو قتل کردیا تھا بلکہ شارق کو دھمکی دی تھی کہ وہ تین دن کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ کر چلا جائے۔ یہ کارروائی کرتے ہوئے بھی اس نے شارق کے بارے میں بہت غلط اندازہ لگایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شارق ڈر کر بھاگ جائے گا مگر شارق اس کے سامنے آہنی چٹان بن کر کھڑا ہوگیا تھا۔

حاجی نے شارق کے دو بندے مارے تھے۔ سہیل' شارق کے بچپن کا دوست تھا شارق جب جیل سے باہر آیا تھا تو سہیل نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا اور اب حاجی نے شارق کو زک پہنچانے کے لئے سہیل کو بیدردی سے قتل کر دیا تھا۔ شارق نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے حاجی کی نہ صرف کوٹھی جلا کر راکھ کر دی تھی بلکہ اس کے دو بندوں کو بھی جہنم میں پہنچا دیا تھا اور وہ دونوں بندے حاجی کے رشتہ دار تھے۔ ان دونوں کے قتل پر حاجی پر خاندانی دباؤ بھی پڑا ہوگا اور شارق نے بہرحال' یہ طے کرلیا تھا کہ حاجی کو ایک لمحے کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ وہ روزانہ کوئی نہ کوئی ایسی کارروائی ضرور کرے گا جس سے وہ پاگلوں کی طرح ناچ کر رہ جائے گا۔

یہ شارق کی خوش قسمتی تھی کہ انسپکٹر عثمان جیسا شخص حاجی کے خلاف شارق کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ انسپکٹر عثمان اگرچہ حاجی سے اپنا انتقام لینا چاہتا تھا اور شارق کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ انسپکٹر عثمان کو بھرپور طریقے سے حاجی کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شارق کو جو اطلاع دی تھی وہ یقیناً" بہت اہم تھی۔ یہ اطلاع ابھی ادھوری تھی۔ اس کے لئے شارق کا انسپکٹر عثمان سے رابطے میں رہنا ضروری تھا۔ لیکن شارق کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ وہ محض حاجی کے خلاف ایک اطلاع فراہم کرنے پر عثمان پر بھروسا کرکے اسے اپنے گھر میں نہیں لاسکتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ انسپکٹر عثمان کو بھی کسی ایسی کارروائی میں الجھا دیا جائے کہ وہ بعد میں شارق کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لاسکے۔

شارق اب تک دو محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ حاجی اور پولیس اور اب ایک تیسرا محاذ مجیدے نے کھول لیا تھا۔ اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دفعتاً" شارق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اسے یاد آگیا کہ مجیدا گڑھی شاہو میں ایک اڈا چلایا کرتا تھا۔ ماجھا گجر کے خاتمے کے بعد مجیدا بھی یہ اڈا بند کرکے غائب ہوگیا تھا۔ ممکن ہے شارق کی عدم موجودگی میں اس نے دوبارہ یہ اڈا کھول لیا ہو۔ اگر ایسی بات ہو تو انسپکٹر عثمان کو آسانی سے پھنسایا جاسکتا تھا۔

وہ کافی دیر تک اس سلسلے میں سوچتا رہا۔ اس نے ایک منصوبہ بنالیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے اٹھ کر کپڑے بدلے اور رضیہ سے کہہ کر گھر سے نکل گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شہر بھر کی پولیس اور حاجی کے آدمی اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ حاجی کے گروہ کے بیشتر لوگ تو اسے پہچانتے بھی تھے۔ لیکن پولیس کے بہت کم آدمی ایسے تھے جو اسے چہرے سے پہچانتے تھے۔ اس کا نام تو محکمہ کے ہر شخص نے سن رکھا تھا لیکن شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ کسی پولیس والے کے ساتھ کھڑا باتیں کرتا ہے تو اسے پتا نہیں چلے گا کہ شارق ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے حلیے میں کسی حد تک تبدیلی کرلی تھی۔ اس کا شیو دو تین دن سے بڑھا ہوا تھا۔ سر پر گولف کیپ پہن لی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ لگا لیا تھا۔

گھر سے نکل کر وہ کچھ دور تک پیدل چلتا رہا پھر ایک موڑ پر کھڑے ہوئے رکشے میں بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی۔" ڈرائیور نے رکشہ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی لے چلو یار۔ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کیا کرنا ہے کہاں جانا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"چڑیا گھر لے چلوں۔" ڈرائیور نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہیں لے چلو۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم سے تو یہ جانور ہی اچھے ہیں۔ جن کی دیکھ بھال تو ہوتی ہے انسانوں کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔"

"کیا بات ہے باؤ۔ بہت بیزار نظر آرہے ہو۔" ڈرائیور نے اسے گھورا۔

"تین مہینوں سے بیکار ہوں۔ جو پیسے گاؤں سے لے کر آیا تھا ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ سوچتا ہوں جیب خالی ہوگئی تو کیا ہوگا۔ یہاں تو کوئی کسی کو پانی بھی نہیں پوچھتا۔"

"لاہور والے اتنے ظالم تو نہیں ہیں باؤجی۔" ڈرائیور نے کہا۔ "تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ لاہور والوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ لیکن یار .... سب ہی لوگ تو ایک جیسے نہیں ہوتے نا۔ اگر تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں مجھے بتاؤ کہاں جانا ہے۔ میں پہنچا دیتا ہوں۔"

"پیسوں کی بات نہیں ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی ختم ہوگئے تو کیا ہوگا۔ کوئی کام مل نہیں رہا۔ میں تو رکشہ چلانے کو بھی تیار ہوں لیکن کہیں سے رکشہ بھی تو نہیں مل رہا۔"

"رکشہ چلا لیتے ہو تو پھر پریشانی کیسی میرے یار۔" رکشہ ڈرائیور بولا۔ "میرے ساتھ چلو۔

aazzamm@yahoo.com

میں رکشہ لے کر دیتا ہوں۔ اپنی ضمانت پر۔"

"بڑی مہربانی لیکن۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں یار۔" ڈرائیور نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے۔ اللہ بڑا بادشاہ ہے۔ تمہارا یہ بھائی لاہور موجود ہے تو تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے چلو پہلے چائے پیتے ہیں۔ پھر میں تمہیں رکشہ لے کر دیتا ہوں۔ ویسے تم آئے کہاں سے ہو؟"

"چیچو کی ملیاں سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہاں میاں جی کی تھوڑی بہت زمین تھی جس میں سات بھائیوں کا حصہ تھا۔ اس زمین سے تو ہمارے گھر کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا تھا۔ میں بھائیوں سے اپنا حصہ لے کر یہاں آگیا۔ میں نے بی اے پاس کیا ہوا ہے۔ لاہور بڑا شہر ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہاں مجھے کوئی شاندار نوکری مل جائے گی۔ لیکن یہاں تو کوئی گھاس ہی نہیں ڈالتا۔ ایک آدمی نے ہمدردی جتلا کر نوکری دلانے کے بہانے مجھ سے پانچ ہزار روپے لے لئے اور غائب ہوگیا۔"

"بڑا لعنتی تھا وہ آدمی۔" رکشہ والا بولا۔ "ایسے ہی بے ضمیر لوگ دوسروں کو بھی بدنام کرتے ہیں ویسے لاہور والے اتنے برے نہیں ہیں باؤ۔ یہ تو بڑا غریب پرور شہر ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے جیدار ہیں۔ جیالے ہیں جیالے۔ بڑے دلیر ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ ۶۵ اور ۷۱ میں ہندوستان کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں لاہور کے جیالوں نے ہی اپنی بہادر فوج کے ساتھ مل کر ہندوستان کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن یہاں تو ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ہر وقت دوسروں کو لوٹنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ میں کسی کو الزام نہیں دے رہا۔ ایسے بدنیت لوگ تو ہر شہر میں ہوتے ہیں۔"

"اب سمجھو تمہاری پریشانیاں ختم ہوگئیں۔" ڈرائیور نے کہا۔ "میں تمہیں رکشہ دلا دیتا ہوں۔ سب سے پہلے داتا صاحب جاکر سلام کرنا پھر اپنا کام شروع کردو۔ نیت صاف ہو تو کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔"

اس نے رکشہ ایک جگہ سڑک کے کنارے درخت کے نیچے روک لیا۔ سامنے ہی چند دکانیں تھیں۔ ان میں ایک چائے کی دکان بھی تھی۔ ڈرائیور نے لڑکے کو آواز دے کر دو گلاس چائے لانے کو کہا پھر اپنی سیٹ پر رخ بدل کر بیٹھ گیا اور شارق سے باتیں کرنے لگا۔

اس کا نام عبدالقدیر تھا۔ شارق کو اس کی باتوں سے اندازہ لگانے میں دشوارہ پیش نہیں آئی کہ وہ مخلص آدمی ہے اور اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ قدیر کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ ہوگی۔ چھ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ایک سال بعد بچی کی ولادت کے دوران بیوی کا انتقال ہوگیا۔ ایک مہینے بعد بچی کا بھی انتقال ہوگیا۔ قدیر اکیلا ہی تھا۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔

چائے پینے کے بعد وہ شارق کو اچھرے لے آیا۔ وہ جس مکان میں رہ رہا تھا وہ کسی طویلے سے ملتا جلتا تھا لکڑی کا گیٹ تھا اور اس سے آگے لمبا چوڑا صحن اور اس کے بعد دو کمرے تھے جن کے سامنے برآمدہ بھی تھا۔ کمروں کے ساتھ دوسری طرف باورچی خانہ تھا اور باہر والے گیٹ کے قریب ہی ٹوائلٹ تھا جس پر ٹین کی چھت تھی اور دروازے کی جگہ ٹاٹ پڑا ہوا تھا۔ صحن میں بکائن کا گھنی چھاؤں والا درخت تھا۔ درخت کے نیچے ایک پرانا سا رکشہ بھی کھڑا تھا۔

"لے میرے یار۔" قدیر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ رکشہ جو تم نے چلانا ہے۔ اس کی ٹینکی فل ہے۔"

"یہ کس کا رکشہ ہے؟" شارق نے اسے گھورا۔

"میرا ہے۔" قدیر نے جواب دیا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ اپنی ضمانت پر رکشہ دلاؤں گا۔ جا لے جا۔ میں رات کو گیارہ بجے واپس آتا ہوں۔ ویسے تو گیٹ کی ایک چابی اپنے پاس رکھ لے۔ تاکہ تمہیں رکشہ لانے یا لے جانے میں پریشانی نہ ہو۔"

"عجیب آدمی ہو۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے جانتے تک نہیں اور نہ صرف اپنا رکشہ بلکہ گھر کی چابی تک مجھے دے رہے ہو۔"

"اگر میں تمہیں نہیں جانتا تو کیا ہوا۔" قدیر نے جواب دیا۔ "نہ تو تم رکشہ لے کر بھاگ جاؤ گے اور نہ میرا مکان۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "انسان اپنی باتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ شارق باؤ۔ اسے آزمانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"کیا...؟" شارق اچھل پڑا۔ "تت۔ تم مجھے جانتے ہو؟"

"میں نے تمہیں اس وقت پہچانا تھا جب تم پہلی مرتبہ میرے رکشے میں بیٹھے تھے اور میں تم سے باتیں کر رہا تھا۔ آؤ اب میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔" قدیر نے اپنے رکشے کے قریب آکر اپنی سیٹ پر رکھی ہوئی گدی کے نیچے سے اخبار نکالا اور اس کا پہلا صفحہ سیدھا کرکے شارق کے سامنے کر دیا۔ "یہ آج کا اخبار ہے۔ اور یہ دیکھ لو۔"

شارق نے اخبار لے لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہونے لگی۔ پہلے صفحہ پر وہ خاصا بڑا اشتہار تھا۔ جس میں شارق کی تصویر بھی نمایاں طور پر شامل تھی۔ اس کے ساتھ تصویر کی جگہ کے برابر خالی بوکس بنا ہوا تھا اس کے نیچے ثمینہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

یہ اشتہار حکومت کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ ان دونوں کی گرفتاری ان کی گرفتاری میں مدد دینے والے یا ان کے بارے میں مصدقہ اطلاع فراہم کرنے والے کو بیس بیس لاکھ روپے انعام دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔

"تم نے یہ اشتہار پڑھا تھا اور مجھے پہچان بھی لیا تھا۔" شارق قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بیس لاکھ روپے بہت بڑی رقم ہوتی ہے قدیر۔ مجھے پہچان لینے کے باوجود تم نے مجھے گرفتار کرانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے گھر لے آئے ہو۔"

"شارق باؤ۔" قدیر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔"

"اس اشتہار میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں کو پناہ دینے والوں کو بھی سخت ترین سزا دی جائے گی۔" شارق بولا۔

"میں نے پڑھا ہے۔" قدیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے باوجود تم۔"

"اس بحث کو چھوڑو شارق باؤ۔" قدیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ ضروری نہیں کہ پولیس نے جس شخص کو مجرم قرار دیدیا ہے وہ مجرم ہی ہو۔ کچھ لوگ تو واقعی مجرم ہوتے ہیں اور کچھ کو مجرم بنا دیا جاتا ہے۔ میرے سامنے تو تمہاری مثال ہے۔ میں تمہارے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟ میں نے تو تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شارق بولا۔

"لیکن میں نے تمہیں بہت عرصے تک دیکھا ہے۔" قدیر چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "محلہ حویلیاں۔ کوچہ لالہ ہرنام داس۔ تمہارا بچپن وہیں گزرا تھا۔ پھر جب تم سزا کاٹ کر آئے تھے تو ماسی مریم نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ میں ماسی مریم کے ساتھ والے گھر میں رہتا تھا۔ میرا بچپن اور جوانی اسی محلے میں گزری ہے۔ اسی لئے تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ میں تمہیں مجرم نہیں سمجھتا۔ مجرم تو وہ معاشرہ اور وہ قانون ہے جو ایک شریف آدمی کو راستے سے بھٹکا دیتا ہے۔"

"مجرم دراصل قانون نہیں' قانون کے وہ محافظ ہیں جنہوں نے اسے آمدنی کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔" شارق بولا۔ "بہرحال' مجھے خوشی ہوئی کہ تم جیسا ایک مخلص دوست مل گیا جس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن تم نے مجھے پہچان کیسے لیا۔ اخبار میں شائع ہونے والی میری یہ تصویر تو بہت پرانی ہے۔"

"اگر میں نے تمہیں پہلے سے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بھی نہ پہچان سکتا۔ ویسے اطمینان رکھو شارق باؤ۔ اس تصویر کی وجہ سے تمہیں کوئی بھی نہیں پہچان سکتا اور ہاں ایک بات تو بتاؤ شارق باؤ۔"

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب تم مجھے چیچو کی ملیاں والی کہانی سنا رہے تھے تو میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں رکشے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" قدیر نے پوچھا۔

"میں دراصل رکشہ ڈرائیور کے بھیس میں کچھ لوگوں کی نگرانی کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح آدمی کم از کم پولیس کی چیکنگ سے بچ جاتا ہے۔ پولیس رکشہ ٹیکسی ڈرائیوروں کو نظرانداز کردیتی ہے۔ اسی طرح میں کسی قدر آسانی سے گھوم سکتا ہوں۔"

"مجھے کام بتاؤ شارق باؤ۔ میں حاضر ہوں۔" قدیر نے کہا۔

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "ضرور ضرور ..... مجھے تم جیسے مخلص اور قابل اعتماد دوستوں کی ضرورت ہے۔"

"دوست نہیں مجھے بھائی سمجھو۔ تم ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" قدیر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "یہ بتاؤ ماسی مریم کیسی ہے اور اسکی بیٹی کا کیا نام ہے۔ میں تو بھول ہی گیا۔ بہرحال وہ دونوں کیسی ہیں۔ حاجی نے ان کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔"

"وہ دونوں میرے پاس ہیں اور خیریت سے ہیں۔ حاجی اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔ لیکن اب باقی باتیں یہاں نہیں گھر چل کر ہوں گی۔ ماں جی تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

"ماں جی کون؟ قدیر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری ماسی مریم اور میری ماں جی۔" شارق نے کہا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں ٹیلی فون بھی ہے۔" اس نے ٹیلی فون کا تار دیکھ لیا تھا۔

"ابا جی نے یہ جگہ کرائے پر دی ہوئی تھی۔ ٹیلی فون کرائے داروں نے لگوایا تھا۔ چھ سات مہینے پہلے میں نے یہ جگہ خالی کروا لی۔ لوہاری والا مکان میں نے بیچ دیا تھا۔ اب اس محلے کا بھی مزا نہیں رہا۔ وہ لوگ ہی نہیں رہے۔"

شارق ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ دراصل اچھرے کے بغل میں ایک غیر قانونی بستی تھی۔ اکا دکا ورکشاپ تھے۔ اور بستی کے زیادہ مکان گوداموں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اسی لئے دن کے وقت بھی اس طرف سناٹا تھا۔

"ٹھیک ہے قدیر .... اب چلو۔ باقی باتیں گھر پر ہوں گی۔" شارق نے کہا۔ قدیر اپنا رکشہ

aazzamm@yahoo.com

باہر لے آیا۔ اس نے گیٹ کو تالا لگا دیا۔ اس دوران شارق سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" قدیر نے رکشہ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"گلبرگ۔ جہاں سے آئے تھے۔" شارق نے جواب دیا۔

رکشا اس آبادی سے نکل کر مین روڈ پر آگیا۔ شارق بڑی گہری نظروں سے اس علاقے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے خیال میں قدیر کا مکان اس کی خفیہ سرگرمیوں کے لئے ایک آئیڈیل جگہ ہوسکتی تھی' اور قدیر اس کی مدد کرنے کو بھی تیار تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شارق کی گرفتاری کے لئے بیس لاکھ روپے انعام اور اسے پناہ دینے والے کے لئے سخت ترین سزا کا اعلان کیا گیا تھا' اس کے باوجود وہ شارق کی مدد کرنے پر آمادہ تھا۔ وہ شارق کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اس لئے اسے بے قصور سمجھتا تھا مجرم نہیں۔ اس لئے اس نے شارق کو اپنی مدد کی پیش کش بھی کردی تھی۔

گلبرگ کے علاقے میں پہنچ کر شارق اسے راستہ بتاتا رہا اور بالآخر اس نے کوٹھی کے سامنے رکشہ رکھوالیا۔ دونوں نیچے اتر آئے۔ کال بیل کے جواب میں گیٹ کا چھوٹا دروازہ رضیہ نے کھولا تھا۔ شارق کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"ارے رجو؟" قدیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہچانا نہیں مجھے ارے میں قدیر ہوں۔ بھول گئیں مجھے۔ میں اماں ریشماں کا بیٹا ہوں۔ لوہاری میں تمہارے پڑوس میں رہتا تھا۔"

رضیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں نے پہچان لیا ہے قدیر بھائی۔ اماں ریشماں کیسی ہیں؟" وہ بولی۔

"اماں تو انہی دنوں گزر گئی تھی جب تم لوگ اپنا گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

"بڑا افسوس ہوا قدیر بھائی۔" رضیہ نے افسوس کا اظہار کیا۔ "چلو۔ اندر چلو۔ اماں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

مریم واقعی قدیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ پرانے محلے کا پہلا آدمی تھا جو ان سے ملا تھا۔ وہ دیر تک بیٹھے پرانی یادیں تازہ کرتے رہے تھے۔ قدیر نے دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔ کھانے کے بعد شارق اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگیا اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔

"تمہارا وہ مکان میرے مقاصد کے لئے ایک آئیڈیل جگہ ہے۔ اگر تم اجازت۔"

"اجازت؟ قدیر نے اس کی بات کاٹ دی۔" چابی تو میں تمہیں دے چکا ہوں شارق باؤ۔ اب اجازت کیسی؟ وہ مکان واقعی ایک آئیڈیل جگہ ہے۔ وہاں تو دن کو بھی سناٹا رہتا ہے اور رات کو تو یہاں کسی بندے کو بھی ذبح کر دو تو کسی کو خبر نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے ایسی ہی جگہ کی ضرورت تھی جہاں کسی کی مداخلت نہ ہو۔" شارق نے کہا۔ "یہ کوٹھی میں نے اماں اور رضیہ کے لئے کرائے پر لے رکھی ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔ میری وجہ سے ان دونوں ماں بیٹی کو بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب وہ دونوں آرام و سکون سے رہیں۔"

"میں تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہا ہوں شارق باؤ۔" قدیر نے کہا۔ "اس کوٹھی کے بارے میں کسی کو پتا نہیں چلے گا۔"

وہ ابھی باتیں کر رہی رہے تھے کہ ثمینہ اور شاہ پری بھی پہنچ گئیں۔ شارق نے ان کا تعارف کرایا تو ثمینہ کے نام پر قدیر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"آپ تو عورت نہیں شیرنی ہیں ثمینہ بی بی۔" قدیر نے کہا۔ "آپ کے نام کی تو بڑی دہشت پھیلی ہوئی ہے۔"

"حالانکہ میں ایسی نہیں ہوں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ثمینہ وہیں بیٹھ گئی تھی جبکہ شاہ پری اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شارق نے ان دونوں کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ تھکی ہوئی ہیں۔ حالانکہ سفر بھی زیادہ طویل نہیں تھا۔

"کیا رہا ثمینہ؟ ان سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ملاقات ہوگئی۔ بلکہ وہ دونوں ہمارے ساتھ ہی لاہور واپس آگئے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کیوں؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم نے انہیں میرا پیغام نہیں دیا تھا؟"

"پیغام تو میں نے دیدیا تھا مگر ظفری نے کہا تھا کہ مجیدے کی مداخلت کی وجہ سے کچھ زیادہ گڑبڑ ہوسکتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں کسی بھی وقت ان کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ وہ دونوں گڑھی شاہو میں ظفری کے ایک دوست کے ہاں چلے گئے ہیں۔" ظفری نے مجھے پتا سمجھا دیا ہے۔" ثمینہ نے بتایا۔

"اچھا۔ تم وہ پتا ذرا مجھے سمجھا دو اور جاکر آرام کرو۔ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" شارق نے کہا۔

"تھکی ہوئی بھی ہوں اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔ ہم نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔" ثمینہ نے کہا اور ظفری کے دوست رحمان کا پتا سمجھانے لگی اور پھر کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"اب کیا پروگرام ہے شارق باؤ۔" قدیر نے پوچھا۔

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ تم اپنا دوسرا رکشہ مجھے دے دو۔ میں شہر کا چکر لگانا چاہتا ہوں۔ رات نو بجے کے بعد تم اپنے گھر پر ہی رہنا۔ میں فون پر تم سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔

"تم یہی رکشہ رکھ لو شارق باؤ۔ میں اب گھر جاکر آرام ہی کروں گا۔ نو بجے سے پہلے بھی جب چاہو فون کرلینا۔" قدیر صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے رکشے کی چابی شارق کے حوالے کردی۔ بڑا ٹائٹ رکھا ہوا ہے یہ رکشہ میں نے۔ پہلی کک میں اسٹارٹ ہو جاتا ہے۔ تمہیں ذرا بھی پریشان نہیں کرے گا۔"

"پریشان کرے گا بھی تو میں اس کا علاج کرلوں گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر آگیا اور اسے رخصت کرنے کے لئے مین گیٹ تک آیا تھا۔

قدیر کے جانے کے تقریباً" ایک گھنٹہ بعد شارق بھی گھر سے نکلا۔ اس کا حلیہ رکشہ ڈرائیوروں جیسا ہی تھا۔ سر پر گولف کیپ کے بجائے اب لوفرانہ انداز میں مفلر کی قسم کا ایک کپڑا لپٹا ہوا تھا۔

وہ گلبرگ سے نکل کر سیدھا گڑھی شاہو پہنچا۔ اس آبادی کے پچھلی طرف ریلوے لائن کے سامنے اسے رحمان کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ دستک کے جواب میں دروازہ ایک ادھیڑ عمر عورت نے کھولا تھا۔ اگر اس گھر میں خوشحالی ہوئی تو وہ عورت خاصی حسین ہوسکتی تھی۔ لیکن غریبی نے اس کا حسن غارت کرکے رکھ دیا تھا۔

"جی۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اس عورت نے بڑے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

"رحمان سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں اس کا دوست ہوں۔"

دوست کا لفظ سن کر اس عورت کا رویہ ایک دم بدل گیا۔ اس کی ساری شائستگی رخصت ہوگئی۔ چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

"پتا نہیں کہاں کہاں سے آجاتے ہیں۔ نہ خود کوئی کام دھندا کرتے ہیں نہ اسے کرنے دیتے ہیں۔ دو مفت خورے پہلے بھی آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کھانا بھی کھلاؤ' چائے بھی بار بار پلاؤ .... اونہہ ..... دوست ہیں ...."

وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ شارق کو اس کی باتیں سن کر بڑا افسوس ہوا تھا۔ اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ رحمان بیکار تھا۔ اور کوئی کام دھندا نہیں کرتا تھا۔ ستم یہ

کہ اس کے دوست بھی گھر پر آتے رہتے ہوں گے۔ اس تکلیف دہ صورتحال کو وہی عورت سمجھ سکتی ہے جو سب کچھ بھگت رہی ہو۔ شارق کو واقعی افسوس ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی دروازے پر آگیا۔ وہ دبلا پتلا مدقوق سا آدمی تھا۔ کئی روز کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ وہ شکل ہی سے بیمار سا لگ رہا تھا۔

"ظفری اور پپو تمہارے ہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان سے کہو شارق آیا ہے۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"شارق باؤ۔" رحمان بدحواس سا ہوگیا۔ "آؤ .... آؤ.... اندر آجاؤ۔ شارق باؤ" وہ جلدی سے راستے سے ہٹ گیا۔ شارق کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے گردن نکال کر ادھر ادھر جھانکا جیسے اندیشہ ہو کہ کسی نے دیکھ تو نہیں لیا۔ پھر اس نے دھڑ سے دروازہ بند کرکے کنڈا لگایا۔ "ادھر آجاؤ شارق بابو۔ اس کمرے میں۔"

وہ عورت دوسرے کمرے کے دروازے میں کھڑی کھا جانے والی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شارق' رحمان کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوگیا۔ جہاں ریگزین کے صوفوں پر ظفری اور پپو ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر گڑبڑا سے گئے۔ اور ایک دم اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

"ظفری!" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہے تمہارا دوست رحمان۔" وہ رحمان کی طرف مڑگیا۔ "تم کوئی کام کیوں نہیں کرتے رحمان۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تمہاری گھروالی کتنی پریشان ہے۔ میں نے ایک چھوٹی بچی کو بھی دیکھا ہے۔ مرد کما کر نہ لائے تو عورت کا پریشان ہونا فطری امر ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہیں کیسے پتا چلا شارق باؤ۔" رحمان کا چہرہ اتر گیا۔

"تمہارے گھر کی حالت دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا ہے۔" شارق نے کہا۔ "کوئی کام کیوں نہیں کرتے۔"

"کام کرتا تھا شارق باؤ۔" رحمان نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "بازار میں تکے کباب لگاتا تھا۔ لیکن پھر اس دکاندار نے مجھے اٹھا دیا جس کے تھڑے پر میں دکان لگاتا تھا۔ اس طرح میرا کام بند ہوگیا۔ کوئی اور جگہ ہی نہیں مل رہی' جگہ مل بھی جائے تو کام شروع کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ کسی دوست کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی میری عادت نہیں۔"

"کل سب سے پہلا کام تم یہ کرو گے کہ کرائے کی کوئی دکان تلاش کرو۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔" شارق بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"دکان تو ایک ہے بڑے موقع کی۔" رحمان نے کہا۔ "لیکن وہ پندرہ سو روپے کرایہ اور پچاس ہزار روپے پگڑی مانگتا ہے۔ میرے پاس اتنے پیسے کہاں؟"

"پیسوں کا بندوبست ہو جائے گا۔ تم کل دکان کی بات کرو۔" شارق نے جیب سے پانچ ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ "دکان کی بات کرکے بیعانہ دے دو۔ باقی پیسے بھی تمہیں کل ہی مل جائیں گے۔ میں ایک ہفتے کے اندر اندر تمہاری دکان چلتی ہوئی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"شارق باؤ۔" رحمان کی آواز رندھ گئی۔ "تم تو میرے گھر میں رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ کام شروع ہو جائے گا تو تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کرکے تمہاری پائی پائی چکا دوں گا۔"

"میں تمہیں قرض نہیں دے رہا۔" شارق نے کہا۔ "دل لگا کر اپنا کام چلاؤ اور گھر کا خیال رکھو۔" وہ ظفری اور پپو کی طرف مڑگیا۔ "میرے یہاں سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد تم لوگ بھی نکل جاؤ۔ حویلی کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ اچھرہ موڑ پر فیقے چائے والے کی دکان پر چھ بجے میرا انتظار کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔ شارق باؤ۔ ہم چھ بجے پہنچ جائیں گے۔" ظفری نے جواب دیا۔

شارق ان تینوں سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ اس کا رکشہ کچھ دور کھڑا تھا۔ شارق نے سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ اسٹارٹ کیا اور اسے بازار کی طرف موڑ کر لے گیا۔

مجیدے کا اڈا بھی دراصل تکے کباب کی دکان تھی۔ اس وقت دکان بند تھی۔ اس قسم کے کھانے پینے کا کاروبار شام کے بعد ہی ہوتا تھا اور ایسی دکانوں پر خاصی رونق ہوا کرتی تھی۔ مجیدا اس دکانداری کی آڑ میں اپنا سفید پاؤڈر کا دھندا بھی چلاتا تھا۔

شارق ہلکی رفتار سے رکشے کو آگے نکال لے گیا۔ بعض لوگوں نے رکشے کو رکنے کا اشارہ کیا تھا۔ لیکن شارق روایتی رکشہ ڈرائیوروں کی طرح انکار میں سرہلاتا ہوا رکشے کو مین روڈ پر لے آیا۔

شملہ پہاڑی اور اسمبلی ہال کے قریب سے ہوتے ہوئے وہ مال روڈ پر نکل آیا۔ ایک جگہ اس نے رکشہ سروس روڈ پر روک لیا اور نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک دکان میں گھس گیا۔ کیمروں اور فوٹو گرافی کے سامان کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ ایک سیلز مین یہ سمجھا کہ شاید اسے اپنے کیمرے کے لئے کوئی فلم چاہئے ہوگی۔ شارق کا حلیہ دیکھ کر اس کا طرز عمل بھی بس ایویں سا تھا۔ لیکن جب شارق نے کوئی اچھا کیمرہ دکھانے کی فرمائش کی تو اس نے دو تین سستے قسم کے کیمرے سامنے رکھ دیئے۔

"کسی بڑی دکان پر ملازمت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بھی بہت بڑے بن گئے ہو۔ گاہک کے ساتھ اس قسم کا رویہ بدتمیزی کہلاتا ہے۔ میں نے تمہیں کوئی اچھا کیمرہ دکھانے کو کہا تھا اور تم ...."

"کیسا کیمرہ چاہئے۔" سیلز مین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے روکھے لہجے میں کہا۔ شارق نے دو تین بڑھیا کوالٹی اور قیمتی کیمروں کے نام لئے تو سیلزمین چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے شارق کو اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھا پھر اس کے مطلوبہ کیمرے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

شارق نے یاشیکا کا آٹومیٹک کیمرہ پسند کیا۔ اس کے ساتھ فلش لائٹ بھی تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ فلم کے دو رول بھی خریدے' بارگیننگ کئے بغیر قیمت ادا کی اور وہ شاپنگ بیگ اٹھا کر دکان سے باہر آگیا۔ جس میں کیمرہ وغیرہ رکھ دیا تھا۔ جب وہ رکشے کے قریب پہنچا تو ٹھٹک گیا۔ شارق جب رکشے میں بیٹھنے لگا تو ہیڈ کانسٹیبل نے اسے روک لیا۔

"اوئے۔ تمہیں پتا نہیں کہ یہاں رکشہ کھڑا کرنا منع ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"غلطی ہوگئی حوالدار جی۔" شارق نے جلدی سے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں دبا دیا۔ "آئندہ یاد رکھوں گا جی۔"

"اب تو تم یاد رکھو گے۔" ہیڈ کانسٹیبل بولا۔ "جا" لے جا رکشہ یہاں سے۔

شارق نے شاپنگ بیگ احتیاط سے آگے بنی ہوئی باسکٹ میں رکھ دیا اور رکشہ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دیا۔

اچھرے میں قدیر کے ٹھکانے پر پہنچنے میں شارق کو زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ قدیر گھر پر ہی تھا۔ رکشے کی آواز سن کر اس نے گیٹ کھول دیا اور شارق رکشے کو اندر لیتا چلا گیا۔

شارق نے پہلے مکان کا اچھی طرح جائزہ لیا پھر چھت پر جاکر روشندان میں باہر کی طرف سے کیمرہ فٹ کردیا۔ درخت کی شاخیں چھت پر جھکی ہوئی تھیں اور روشن دان کے قریب چھت پر آسانی سے چھپا جاسکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو شارق باؤ۔" قدیر نے کہا۔

"دیکھتے رہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "آج رات یہاں پہلا ڈرامہ ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں شارق باؤ۔" قدیر کے لہجے میں الجھن تھی۔ "سمجھ جاؤ گے۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہوگا۔" شارق نے کہا۔

اپنے سارے کام مکمل کرنے کے بعد وہ گھڑی دیکھنے لگا۔ پونے چھ بج رہے تھے۔ وہ ظفری

aazzamm@yahoo.com

اور پو کو لینے چلا گیا۔ ان کی واپسی تقریباً" آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ دونوں اس کے ساتھ تھے۔ اتفاق سے ظفری سے قدیر کی کچھ شناسائی نکل آئی۔

"تم دونوں اب یہیں رہو گے۔" شارق نے کہا۔ "آج کی رات تو اس طرح گزارا کرنا ہوگا کل دن میں سامان وغیرہ لاکر سیٹ کرلینا۔"

"تم ہماری فکری مت کرو شارق باؤ۔ ہم تو زمین پر بھی سو جائیں گے۔" ظفری نے کہا۔

"میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ میری واپسی تقریباً" دو گھنٹے بعد ہوگی۔" شارق کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ سیدھا گڑھی شاہو پہنچا تھا۔ اس نے رکشے پر ہی بازار کے ایک دو چکر لگائے۔ مجیدے کے اڈے کی دکانداری شروع ہوچکی تھی۔ دکان کے سامنے والے تھڑے پر بڑے بڑے کباب دانوں پر تکے کباب اور چرغہ وغیرہ بن رہے تھے۔ دکان کے سامنے چند بنچ پڑے تھے جن پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ دکان کے اندر بھی گاہکوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا کاؤنٹر بھی بنا ہوا تھا۔ وہاں اس وقت مجیدے کے بجائے کوئی اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی شکل ہی سے بدمعاش لگ رہا تھا۔ اس کی نوکدار مونچھیں خاصی بڑی تھیں۔

شارق واپس آگیا۔ ظفری وغیرہ اس وقت چائے پی رہے تھے۔ قدیر نے ایک پیالی شارق کے ہاتھ میں بھی تھما دی۔ چائے پیتے ہوئے شارق نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور انسپکٹر عثمان کا نمبر ملانے لگا۔ کال عثمان ہی نے ریسیو کی تھی۔

"حاجی کے بارے میں کوئی نئی اطلاع؟" شارق نے پوچھا۔

"ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔" عثمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس دوران تمہیں ایک اور کام کرنا ہے۔ مجیدے کو جانتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ ماجھا گجر کا ساتھی۔"

"ہاں وہی۔" شارق بولا۔ "گڑھی شاہو میں اس کی تکے کباب کی دکان ہے اور اس دکان پر وہ سفید پاؤڈر کا دھندا بھی کرتا ہے۔ اس دکان پر لمبی مونچھوں والا ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اسے اٹھانا ہے۔ مجیدے کو نہیں چھیڑنا۔ صرف اس مونچھوں والے کو۔"

"نوکدار لمبی مونچھوں والا زلفی' مجیدے کا چچا زاد بھائی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن چکر کیا ہے۔ اسے کیوں اٹھوانا چاہتے ہو۔" عثمان نے پوچھا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ زلفی کو لے کر اچھرے آجاؤ۔ میں نیفے چائے والے کی

دکان کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔ کتنی دیر میں پہنچو گے۔"

"گیارہ بجے کے قریب۔" عثمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔" شارق نے کہہ کر فون بند کردیا۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ شارق ایک بار پھر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ قدیر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ رات کے وقت اگر یہاں کسی آدمی کو ذبح بھی کر دیا جائے تو کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ اس قدر سناٹا تھا اس علاقے میں۔

قدیر نے کھانے کا بندوبست کر لیا تھا۔ دس بجے کے قریب انہوں نے کھانا کھایا اور پونے گیارہ بجے شارق باہر آکر سڑک پر کھڑا ہوگیا۔ سڑک کی طرف بھی تمام ورکشاپ وغیرہ تھے۔ ایک ویلڈر کی دکان تھی جہاں اس وقت بھی کوئی کام ہو رہا تھا۔ چمک بار بار پھیل رہی تھی۔ سڑک پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی۔ سوا گیارہ بجے کے قریب سرخ رنگ کی ایک کار شارق کے قریب آکر رکی۔ شارق محتاط انداز میں کھڑا تھا۔ اس کا دائیاں ہاتھ پتلون کی جیب میں رکھے ہوئے پستول پر تھا۔ کار رکی تو اس نے جھک کر دیکھا۔ اسٹیئرنگ کے سامنے انسپکٹر عثمان بیٹھا ہوا تھا۔ شارق دروازہ کھول کر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"گاڑی آگے بائیں طرف گلی میں موڑ لو۔" اس نے انسپکٹر عثمان کو مخاطب کرکے کہا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

"وہ کہاں ہے؟" شارق نے عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ڈکی میں۔" عثمان نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

دو تین منٹ بعد وہ قدیر کے ڈیرے پر پہنچ چکے تھے۔ زلفی کو کار کی ڈکی سے نکال کر ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں بھی کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ شارق کے اشارے پر اسے کھول دیا گیا۔

"عثمان؟" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ مجیدا' چھانگے کے مرنگ والے ڈیرے سے اسلحہ کی جو پیٹیاں لے کر گیا تھا وہ کہاں رکھی گئی ہیں۔ تم پولیس کے ایک تجربہ کار آفیسر ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی کی زبان کیسے کھلوائی جاسکتی ہے۔ اگر یہ زبان نہ کھولے تو اس کی گردن مروڑ دو۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ کام میرے آدمی بھی کرسکتے ہیں لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اگر تم حاجی کے خلاف میرے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہو تو کس حد تک جاسکتے ہو۔"

"گویا مجھے آزمانا چاہتے ہو۔" انسپکٹر عثمان مسکرایا۔

aazzamm@yahoo.com

"یہی سمجھو لو۔" شارق بھی مسکرا دیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا وہ سب باہر نکل آئے۔

شارق پچھلی طرف جاکر بڑی پھرتی سے مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور روشندان سے اندر جھانکنے لگا۔ روشندان میں کیمرہ وہ پہلے ہی فٹ کرچکا تھا۔

انسپکٹر عثمان نے اپنا کام شروع کردیا تھا۔ وہ پہلے تو زلفی سے سوال کرتا رہا۔ زلفی ہر سوال کا جواب نفی میں دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ کچھ ہی دیر بعد انسپکٹر عثمان کے ہاتھ حرکت میں آگئے۔

شارق نے قریب پڑا ہوا تھیلا کھول لیا اور اس میں سے ماچس کی ڈبیا کے برابر کالے رنگ کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر کیمرے کی فلش لائٹ کی جگہ فٹ کردی فلش لائٹ اس نے ایک طرف رکھ دی تھی۔

کمرے میں زلفی کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ شارق، عثمان اور زلفی کی تصویریں کھینچ رہا تھا۔ کیمرے پر لگائی جانے والی وہ سیاہ ڈبیا دراصل انفراریڈ شعاعوں کی بیٹری تھی۔ اس کی وجہ سے تصویریں کھینچنے کے لئے روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ تاریکی میں بھی تصویریں کھینچی جاسکتی تھیں۔

شارق نے سات آٹھ تصویریں کھینچی تھیں۔ آخری تصویر سب سے زیادہ دلچسپ تھی۔ انسپکٹر عثمان نے زلفی کی گردن پر بازو سے چوک ہولڈ لگایا ہوا تھا۔ ان دونوں کے چہرے صاف نظر آرہے تھے۔ زلفی کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں جبکہ انسپکٹر عثمان کے چہرے پر جنون اور درندگی کے تاثرات نمایاں تھے۔

تصویریں کھینچنے کے بعد شارق چھت سے اتر آیا۔ اس نے کیمرہ وہیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو انسپکٹر عثمان زلفی پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔

"بس چھوڑ دو اسے۔" شارق عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ میں پوچھ لوں گا اس سے۔"

"میں نے تو پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ کیسے زبان نہیں کھولے گا۔" عثمان نے زلفی کو ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اب تم چھوڑ دو۔ میں زبان کھلوا لوں گا اس کی۔" شارق بولا تو انسپکٹر عثمان پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ جگہ۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا خفیہ ٹھکانا ہے۔ یہاں ٹیلی فون بھی موجود

ہے۔ تم فون نمبر نوٹ کرلو۔ حاجی کے بارے میں جیسے ہی کوئی نئی بات معلوم ہو اس نمبر پر رنگ کر دینا۔ مجھے فوراً اطلاع ہو جائے گی۔"

عثمان نے نمبر نوٹ کرلیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ رخصت ہوگیا۔ شارق چھت پر جاکر کیمرہ لے آیا۔ اس نے کیمرے میں سے ریل نکال کر جیب میں ڈال لی اور پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"جانتے ہو زلفی نے اسلحہ کی پیٹی کے بارے میں زبان کیوں نہیں کھولی؟"

"نہیں۔" پپو نے نفی میں سرہلایا۔

"اس لئے کہ اسلحہ کی کسی پیٹی کا وجود ہی نہیں ہے۔" شارق مسکرا دیا۔ "یہ سارا ڈرامہ انسپکٹر عثمان کو پھانسنے کے لئے رچایا گیا ہے۔ اب وہ میری مٹھی میں ہے اور وہی کرے گا جو میں کہوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "زلفی کی گردن مروڑ کر اس کی لاش گڑھی شاہو کے کسی علاقے میں کسی جگہ پھینک دو۔"

○

اخبارات چیخ اٹھے تھے۔ چند ماہ کے سکون کے بعد شہر میں قتل و غارت کا جو ایک نیا سلسلہ شروع ہوا تھا اس نے پورے شہر میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ سنسنی خیز خبریں شائع کرنے کے ساتھ ہی اخبارات بڑے لمبے چوڑے اداریئے لکھ رہے تھے جن میں سارا زور حفاظتی پر تھا۔ ان اداریوں میں حکمرانوں اور قانون کے محافظوں کو مورد الزام ٹھہرا کر گویا اخبارات اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو چکے تھے۔

سیاستدانوں کو اپنی دکان چمکانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی روزانہ حکمرانوں اور قانون کے محافظوں کے خلاف لمبے چوڑے بیانات دے رہے تھے۔

عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ لوگ احتجاج کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ گورنر ہاؤس اور چیف منسٹر ہاؤس کے سامنے لوگوں کے احتجاجی مظاہرے روز کا معمول بن چکا تھا۔ سب لوگ جان چکے تھے کہ شہر میں ہونے والی یہ قتل و غارت دو جرائم پیشہ گروہوں کے تصادم کا نتیجہ ہے۔ اخبارات میں شارق اور ثمینہ کی گرفتاری کے لئے بیس بیس لاکھ روپے کے انعام کا اشتہار چھپا تھا۔ ان دونوں کو مفرور قرار دیا گیا تھا۔ لیکن حاجی افضال مفرور نہیں تھا۔ وہ بھی قتل و غارت میں ملوث تھا اور لوگ مطالبہ کر رہے تھے کہ حاجی کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ اسمبلیوں میں حاجی کے آدمی موجود ہیں جو اسے تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ عوام کا

aazzamm@yahoo.com

ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ ان لوگوں کی اسمبلیوں کی رکنیت معطل کر دی جائے۔

لیکن حکمرانوں پر ان عوامی مطالبوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ اس کے برعکس حاجی کی حفاظت کے لئے سرکاری طور پر ایک درجن محافظ فراہم کردیئے گئے تھے۔ جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ایک درجن پولیس والوں میں سے چھ تو اس کی داروغہ والی کوٹھی پر تعینات تھے اور چھ چوبیس گھنٹے حاجی کے ساتھ رہتے تھے۔

حکومت کی طرف سے حاجی کو محافظ فراہم کرنے والی خبر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لوگ ایک بار پھر سڑکوں پر نکل آئے۔ ہزاروں لوگوں نے چیف منسٹر ہاؤس پر ہلہ بول دیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ محافظوں کو ہٹا کر حاجی کو گرفتار کیا جائے۔ اس مظاہرے کا نتیجہ یہ ہوا کہ محافظ تو ہٹا دیئے گئے لیکن حاجی کو گرفتار نہیں کیا گیا۔

شارق بھی اخبارات میں یہ سب کچھ پڑھ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حکومت حاجی کو گرفتار نہیں کرے گی کیونکہ اس کی جڑیں بہت مضبوط تھیں اور اس نے اپنے طور پر حاجی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن حاجی اس کے قدموں پر گرپڑے گا یا یہ ملک چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں شارق نے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ دنیا کے آخری کونے تک اس کا پیچھا کرے گا اور کہیں بھی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ یہ شارق کی خوش قسمتی تھی کہ انسپکٹر عثمان جیسا شخص حاجی سے اپنا انتقام لینے کے لئے اس کے جال میں پھنس گیا تھا۔

انسپکٹر عثمان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ جو حاجی جیسے لوگوں کو تحفظ فراہم کرتے تھے۔ یہ لوگ قانون کی وردی پہن کر اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں۔ ان لوگوں کا پولیس میں آنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ناجائز دولت سمیٹی جائے۔ انسپکٹر عثمان نے بھی یہی سب کچھ کیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور دوسرے لوگوں کے نام پر بڑی جائداد بنائی تھی۔ اس کے اپنے نام پر پانچ مرلے کا صرف وہ مکان تھا جو اسے باپ کی طرف سے وراثت میں ملا تھا۔

افغانستان جانے سے پہلے شارق کی جب پولیس سے آنکھ مچولی رہتی تھی تو اس کا واسطہ انسپکٹر عثمان سے بھی پڑا تھا۔ عثمان ان دونوں مزنگ تھانے کا انچارج تھا اور شارق اپنا مزنگ والا اڈا چلانے کے لئے اسے ہر مہینے لاکھوں روپے کا بھتہ دیا کرتا تھا۔ اسی دور میں شارق نے اس کے خلاف کچھ معلومات جمع کی تھیں جن میں اس کی جائداد کی تفصیل بھی شامل تھی۔ اس جائداد میں گلبرگ میں واقع ایک بہت بڑی کوٹھی اس کی بیٹی کے نام پر تھی۔ اسی علاقے میں ایک اور کوٹھی اس کی دوسری بیٹی کے نام تھی۔ ایک بیٹا ٹرانسپورٹر تھا۔ نہ صرف شہر کے کئی روٹس پر اس کی

ویگنیں چل رہی تھیں بلکہ چار پانچ لگژری بسیں لاہور سے پشاور کے روٹس پر بھی چل رہی تھیں۔ دوسرا بیٹا امریکہ کی پنسلوینیا یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

شارق نے یہ تمام معلومات اس لئے جمع کی تھیں کہ کسی نہ کسی موقع پر اس کے کام آئیں گی۔ لیکن اسی دوران اسے حاجی کے کہنے پر افغانستان جانا پڑگیا اور واپس آنے پر انکشاف ہوا کہ انسپکٹر عثمان کو حاجی کی گرفتاری کے لئے چھاپہ مارنے کے جرم میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ عثمان نے یہ چھاپہ نیک نیتی کی بناء پر حاجی کو گرفتار کرنے کے لئے نہیں مارا تھا۔ بلکہ اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ حاجی کے آدمیوں نے شارق کے مزنگ والے اڈے پر راجا کو مارا پیٹا تھا۔ اور انسپکٹر عثمان' حاجی سے کچھ وصول کرنا چاہتا تھا۔ لیکن حاجی نے اس کی پولیس ملازمت ہی سے چھٹی کروا دی اور اب وہ حاجی سے انتقام لینے کے لئے شارق کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا تھا اور شارق نے ایسا جال پھیلایا تھا کہ وہ بڑی آسانی سے اس میں پھنس گیا تھا اور اب زندگی بھر اس جال سے نہیں نکل سکتا تھا۔

دوسرے روز اخبارات میں زلفی کے قتل کی خبر بھی شائع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجیدے کا بیان بھی تھا۔ جس میں شارق کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ مجیدے کے بیان کے مطابق گزشتہ رات نو بجے کے قریب شارق کے آدمی زلفی کو دکان سے اسلحہ کے زور پر اغوا کرکے لے گئے تھے اور پھر صبح اس کی لاش ملی تھی۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق زلفی کو پہلے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا پھر اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی گئی تھی جس سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ پولیس نے شارق کے کھاتے میں قتل کا ایک اور کیس درج کرلیا تھا۔

صبح نو بجے کے قریب شارق گھر پر ہی تھا کہ قدیر کا فون آگیا۔

"خیریت؟ کوئی خاص بات؟" شارق نے پوچھا۔

"انسپکٹر عثمان کا فون آیا تھا۔" قدیر نے بتایا۔ "وہ تم سے ملنا چاہتا ہے ایک گھنٹے میں یہاں آجائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے کہنا انتظار کرے۔ میں بھی گیارہ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کردیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ کوٹھی سے نکلا تو حلیئے سے رکشہ ڈرائیور ہی لگ رہا تھا۔ رکشہ کوٹھی کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا۔ وہ رکشہ اسٹارٹ کرکے جیسے ہی گلی کے موڑ پر پہنچا دو عورتوں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"کہاں جانا ہے آپا جی۔" شارق نے رکشہ روک کر پوچھا۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر تھی اور

aazzamm@yahoo.com

دوسری کی عمر اٹھارہ انیس سال رہی ہوگی۔ وہ دونوں ماں بیٹی تھی۔ دونوں کی شکلوں میں بڑی مشابہت تھی۔

"مزنگ جانا ہے بیٹا۔" ادھیڑ عمر عورت نے کہا۔

شارق نے گردن ہلا کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے بیٹھتے ہی وہ رکشے کو حرکت میں لے آیا۔ اس نے میٹر بھی ڈاؤن کر دیا تھا۔

شارق بھی اس وقت مزنگ ہی جا رہا تھا۔ اگر ان عورتوں نے کہیں اور جانا ہوتا تو انہیں بٹھانے سے انکار کر دیتا۔

ان عورتوں نے مزنگ چوک پر ہی رکشہ رکوالیا۔ ادھیڑ عمر عورت نے جھک کر میٹر دیکھا اور پرس میں سے سو کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میرے پاس کھلے نہیں ہیں۔" شارق نے کہا۔ "آپ وہ سامنے والی دکان سے پیسے کھلے کروالیں میں رکشہ موڑ لوں۔"

وہ دونوں عورتیں دکان کی طرف چلی گئیں اور شارق نے رکشہ آگے بڑھا دیا چند گز آگے جا کر اس نے رکشہ ایک گلی میں موڑ دیا۔ اس عورت کے پاس کھلے پیسے ہوتے تو شاید وہ لے لیتا لیکن سو کے نوٹ کے چکر میں اس نے پیسوں کا انتظار نہیں کیا تھا۔

شارق گزشتہ رات گھر جانے سے پہلے یہاں آیا تھا۔ ایک گلی میں اس نے فوٹو گرافر کی ایک دکان کے سامنے رکشہ روک لیا۔ اس گلی میں چند ہی دکانیں تھیں جو رہائشی مکانوں کے زیریں حصوں میں کھولی گئی تھیں۔ انہی میں ایک دکان مقصود فوٹو گرافر کی بھی تھی۔ یہ مکان بھی اسی کا تھا۔ اوپر کے حصے میں اس کی رہائش تھی اور نیچے اس نے دکان کھولی ہوئی تھی۔ مقصود سے شارق کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب یہاں چھانگے کا راج تھا۔ چھانگے کے بعد شارق نے اس کی گدی سنبھال لی تھی۔ اس دور میں باہر کے علاقے سے آئے ہوئے دو تین غنڈوں نے کسی بات پر مقصود کی نہ صرف پٹائی کر دی تھی بلکہ اس کی دکان پر توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔ اس کا ہزاروں روپے کا نقصان ہوا تھا۔ مقصود فریاد لے کر شارق کے پاس آیا تھا۔ نشاندہی ہونے پر شارق نے اسی روز ان غنڈوں کو پکڑلیا تھا۔ وہ غنڈے نہیں بلکہ اٹھائی گیرے اچکے اور سینماؤں میں ٹکٹ بلیک کرنے والے تھے۔ وہ تو غنڈا گردی کے آداب سے بھی واقف نہیں تھے۔ شریف آدمیوں کے ساتھ منہ ماری کرکے اپنے آپ کو غنڈے سمجھنے لگے تھے۔

شارق نے انہیں دھنک کر رکھ دیا تھا اور پھر انہیں مقصود کے پاس لے آیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف مقصود کے پیروں پر گر کر معافی مانگی تھی بلکہ اس کا نقصان بھی پورا کر دیا تھا۔

گزشتہ رات شارق نے انسپکٹر عثمان اور زلفی کی جو تصویریں کھینچی تھیں وہ ریل رات کو ہی شارق نے مقصود کے حوالے کر دی تھی۔ ریل دیتے وقت شارق نے صرف ایک جملہ کہا تھا۔ "اس ریل کا راز صرف تم تک ہی رہنا چاہئے۔" ویسے بھی شارق کو یقین تھا کہ مقصود ان تصویروں کے بارے میں کسی کو بتانے کی حماقت نہیں کرے گا۔

شارق نے جب دکان کے سامنے رکشہ روکا تو وہاں ایک اور آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی شکل سے شارق کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے' اسے دیکھ کر شارق ٹھٹکا تھا کہ کہیں مقصود کوئی چال تو نہیں چل رہا۔ لیکن شارق نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ مقصود ایسی کوئی حرکت نہیں کرسکتا جس پر اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔

شارق رکشہ سے اتر کر جب دکان کے دروازے میں داخل ہوا تو ٹھیک اسی وقت مقصود ایک نوعمر لڑکی کے ساتھ اسٹوڈیو کے دروازے سے برآمد ہوا۔ اس پولیس والے کی موجودگی میں شارق کو دیکھ کر مقصود پر کچھ گھبراہٹ سی طاری ہوگئی۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے

"ارے بھائی۔ تمہاری وہ تصویر ٹھیک نہیں کھینچی تھی۔ اندر چل کر بیٹھو۔ دوبارہ کھینچنی پڑے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دو دن اور دیر ہو جائے گی۔" شارق بڑبڑایا۔ مجھے رکشے کا لائسنس بنوانا ہے یار۔ روز چالان ہو جاتا ہے۔"

"تم اندر چل کر بیٹھو۔ ابھی تصویر کھینچ لیتا ہوں۔ جو کل تمہیں مل جائے گی۔" مقصود نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

شارق اسٹوڈیو والے کمرے میں آگیا۔ مقصود تقریباً پانچ منٹ بعد اندر آیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"یہ ہیڈ کانسٹیبل تھا جو چند روز پہلے ہی ٹرانسفر ہو کر اس تھانے میں آیا تھا۔"

مقصود نے کہا تو اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔ "میٹرک کے داخلے جا رہے ہیں۔ یہ اپنی بیٹی کی تصویریں کھنچوانے آیا تھا۔"

"میں تمہاری بات سن کر سمجھ گیا تھا۔" شارق مسکرایا۔ "تصویریں تیار ہوگئیں؟"

"ہاں۔ میرے ساتھ آؤ۔" مقصود نے ڈارک روم کا مقفل دروازہ کھولا اور اشارہ کرتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ شارق بھی اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا تھا۔ مقصود نے اندر سے دروازہ بند کر دیا اور مقفل دراز کھول کر ایک لفافہ نکال کر شارق کی طرف بڑھایا۔ "نیگیٹو بھی اسی میں

aazzamm@yahoo.com

ہیں۔" وہ بولا۔ "یہ تصویریں تو ایسی ہیں کہ سابقہ پولیس انسپکٹر عثمان کو بلا رکاوٹ پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی ہیں۔ آج صبح ہی تو اس آدمی کے قتل کی خبر اخباروں میں شائع ہوئی۔

شارق نے لفافے میں سے تصویریں نکالیں اور ایک ایک کرکے دیکھنے لگا۔ تمام تصویریں صاف آئی تھیں۔ دو تصویریں تو بہت ہی صاف تھیں۔ جس میں عثمان نے زلفی کی گردن دبوچی ہوئی تھی۔ دونوں کے چہرے بھی صاف نظر آرہے تھے۔

"یہ تصویر۔" مقصود نے اس کے ہاتھ میں وہ تصویر دیکھ کر کہا۔ "یہ تصویر تو انسپکٹر عثمان کو سیدھا پھانسی کے تختے پر پہنچا دے گی۔"

"ابھی اسے پھانسی کے تختے پر نہیں پہنچانا۔" شارق نے تصویر لفافے میں رکھ لی اور جیب سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "ان تصویروں کے بارے میں تمہاری زبان بند رہے گی۔"

"فکر مت کرو شارق باؤ۔" یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔ "مقصود نے کہا اور ڈارک روم کا دروازہ کھول دیا۔

شارق نے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور ڈارک روم سے نکل کر اسٹوڈیو روم اور پھر دکان کے بیرونی حصے میں آگیا۔ اس دوران دکان پر کوئی گاہک نہیں آیا تھا۔ شارق دکان سے نکل کر رکشہ میں بیٹھا اور اچھرے کی طرف روانہ ہوگیا۔

سڑکوں پر اس روز بھی چیکنگ ہو رہی تھی۔ لیکن شارق کو رکشہ ڈرائیوری کا فائدہ یہ ہوا کہ اسے کہیں نہیں روکا گیا تھا۔ وہ جب قدیر کے ڈیرے پر پہنچا تو انسپکٹر عثمان کو بڑی بیتابی سے اپنا منتظر پایا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر۔" شارق نے ہاتھ ملاتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کوئی خاص اطلاع جس کے لئے تمہیں خود یہاں آنا پڑا؟"

"اطلاع کوئی نہیں۔ لیکن یہ کیسے مرا؟" انسپکٹر عثمان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار اس کے سامنے پھیلا دیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"اس کی موت آئی ہوئی تھی وہ مرگیا۔ شارق نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ زلفی کمزور آدمی ہے۔ ہاتھ ذرا ہلکا رکھنا۔"

"میں جب یہاں سے گیا تھا تو وہ زندہ تھا اور ٹھیک ٹھاک تھا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے تو یہ غلط ہے۔"

"اس کا فیصلہ تم خود ہی کرلو۔" شارق نے لفافے میں سے تصویریں نکال کر اس کی طرف

بڑھا دیں۔" اخبار میں لکھا ہے کہ زلفی کی موت گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس میں ایک تصویر ایسی بھی ہے جو ڈاکٹروں کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔"

عثمان جیسے جیسے تصویریں دیکھ رہا تھا اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ وہ تصویر سامنے آئی تو اس کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑگیا۔

"یہ بکواس ہے۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔" انسپکٹر عثمان چیخا۔ اس نے غصے میں تمام تصویریں ایک طرف پھینک دی تھیں۔

"یہ تصویریں جس حقیقت کو بیان کر رہی ہیں تم اس سے انکار نہیں کرسکتے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم بہت چالاک بن رہے تھے انسپکٹر۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "حاجی سے اپنا انتقام لینے کے لئے تم نے مجھے آگے کرنا چاہا تھا۔ تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب تم مجھ سے لاکھوں روپے مہینہ کا بھتہ لینے کے باوجود آئے دن مجھے بند کر دینے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ تم ایک معمولی سے انسپکٹر ہو۔ تمہاری تنخواہ میں تو ایک شریف اور دیانتدار شخص کے گھر کا مہینے کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا لیکن تم نے جو جائیداد بنا رکھی ہے اس کی مالیت کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔" شارق ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر اس کو جائداد کا حساب گنوانے لگا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں تمہاری جائیداد کا یہ اعداد و شمار حکومت کو فراہم کرنے والا تھا لیکن اتفاق سے تم خود ہی میرے پاس آگئے اور مجھے حاجی کے خلاف آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی۔ مجھے امید ہے کہ عدالت سے ملازمت بحال ہو جانے کے بعد تم حاجی سے اپنی دشمنی بھول جاتے۔ اس سے معافی مانگ لیتے اور مجھے سلاخوں کے پیچھے پہنچانے کی کوشش شروع کردیتے۔ لیکن میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ میں نے ایسا پکا بندوبست کرلیا ہے کہ اگر تمہاری انسپکٹری بحال ہو بھی جائے تو تم میرے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاسکو۔"

انسپکٹر عثمان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ شارق سے اپنی جائداد کی تفصیل سن کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"لیکن میں نے زلفی کو قتل نہیں کیا۔" وہ چیخا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" شارق مسکرایا۔ "زلفی کو قتل کسی نے بھی کیا ہو۔ اس تصویر کو تو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔" انسپکٹر عثمان چیخا۔

"سب کچھ میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کرتے رہو۔ ہماری دوستی کی کوئی بنیاد تو ہونی چاہئے۔ ان تصویروں ہی کو بنیاد سمجھ لو۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک ان

aazzamm@yahoo.com

تصویروں کے نیگیٹو میرے پاس ہیں اس وقت تک تم دوستی نبھاتے رہو گے۔ میں ایک بار پھر بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا لیکن اگر تم نے کسی موقع پر مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی تو۔"

"تم نے مجھے برباد کردیا شارق۔" انسپکٹر عثمان کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس کی سمجھ میں شاید یہ بات آگئی تھی کہ چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ "میں تو بغیر کسی دباؤ کے تمہارے ساتھ تعاون کرنا چاہتا تھا لیکن تم نے۔"

"وہ تعاون تم اپنے مقصد کے لئے کر رہے تھے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارا مقصد پورا ہو جاتا تو تم الگ ہو جاتے۔ میں نے پیش بندی کی ہے۔ اب اگر تمہاری ملازمت بحال ہو بھی گئی تو مجھے پریشانی نہیں ہوگی اور ایک بات اور بھی تمہیں بتا دوں۔" وہ چند لمحے کو خاموش ہوا پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں تم سے جو بھی کام لوں گا اس کا معاوضہ دوں گا۔"

اس موقع پر انسپکٹر عثمان نے کچھ کہنا چاہا مگر شارق نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "جانتا ہوں کہ تمہارے پاس بہت دولت ہے۔ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تم جیسے لوگوں کی ہوس کم نہیں ہوتی۔ میں تمہیں جو معاوضہ دوں گا وہ تمہارے تصور سے بھی کہیں زیادہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر عثمان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"سب سے پہلے تو یہ کنفرم کرنا ہے کہ حاجی کا مال کراچی سے لاہور کب پہنچ رہا ہے اور یہاں سے آگے کب جائے گا۔" شارق بولا۔

"اس کا مال آج کل میں لاہور پہنچنے ہی والا ہے۔ میں تمہیں اطلاع کردوں گا۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"اطلاع تم اسی فون نمبر پر دو گے۔ مجھے فوراً خبر ہو جائے گی۔ ایک بات اور۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "پولیس یا کسی غیر متعلقہ آدمی کو اس ڈیرے کا پتا نہیں چلنا چاہئے۔ اگر میں نے کسی مشتبہ آدمی کو آس پاس بھی منڈلاتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔ اب تم جاسکتے ہو۔ بار بار یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ صرف فون پر رابطہ رکھو گے۔"

انسپکٹر عثمان چند لمحے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر تیزی سے گھوم کر باہر نکل گیا۔

"تم نے تو کمال ہی کردیا شارق باؤ۔" ظفری نے زمین پر بکھری ہوئی تصویریں اٹھاتے

ہوئے کہا۔ "یہ تصویریں تم نے کب کھینچی تھیں۔ ہمیں بھی پتا نہیں چلا۔"

"اگر میں یہ تصویریں نہ کھینچتا تو اس وقت صورتحال مختلف ہوتی۔" شارق نے جواب دیا۔ "بہرحال' اب ہمارے کام میں آسانی ہو جائے گی۔ انسپکٹر عثمان سے ہمیں نہ صرف حاجی بلکہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی مفید اطلاعات ملتی رہیں گی۔"

"تم نے ایک غلطی کر دی شارق باؤ۔" پپو بولا۔

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"زلفی کے بجائے مجیدے کو اٹھانا چاہئے تھا۔" پپو نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سرہلایا۔ "کسی کو سزا دینے کا میرا نظریہ دوسروں سے مختلف ہے۔ سزا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص عبرت حاصل کرے اور آئندہ محتاط رہے۔ اگر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو سزا کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی ہی ختم ہوگئی تو سزا کیسی؟ مرنے کے بعد تو اس کی نجات ہوگئی۔ سزا تو وہ ہے کہ وہ زندہ رہے اور سزا بھگتے۔ تکلیف اٹھائے اور اس جرم کو یاد کرے جس کے عوض اسے سزا ملی ہے۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ ہے میرا سزا دینے کا نظریہ۔ میں حاجی کو سزا دینا چاہتا ہوں۔ اگر اسے قتل کر دوں تو وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ میں اسے زندہ رکھ کر سزا دینا چاہتا ہوں۔ اس کے دو رشتہ داروں کو قتل کر دیا۔ اس کا دکھ حاجی بھگت رہا ہے۔ اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی۔ حاجی اس نقصان پر تلملا رہا ہے۔ اسے پتا چل رہا ہے کہ اسے کسی بات کی سزا مل رہی ہے۔ یہی کچھ صورت حال مجیدے کی ہے۔ اگر مجیدے کو مار دیا جاتا تو کیا ہوتا؟ کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس کے ایک بندے کو اگلے جہاں پہنچا دیا۔ یہ مجیدے کے لئے سزا ہے۔ وہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔ اسے یہ خوف ہے کہ کہیں اسے بھی قتل نہ کر دیا جائے۔ وہ اسی خوف سے چھپتا پھرے گا اور یہی خوف اس کے لئے سزا ہے۔"

"تمہارا سزا کا یہ فلسفہ اپنے پلے نہیں پڑا۔ لیکن شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" ظفری نے کندھے اچکا دیئے۔

"اس میں پلے نہ پڑنے والی کیا بات ہے۔" شارق بولا۔ "ایک میری مثال لے لو۔ حاجی مجھے سزا دینا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے میری ماں اور بہن کو نقصان پہنچایا۔ مجھے تکلیف پہنچی۔ پھر میرے بچپن کے دوست سہیل کو قتل کر دیا۔ سہیل تو اس دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن سزا میں بھگت رہا ہوں۔ اس کے دکھ میں تڑپ رہا ہوں۔"

"یہ تو تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"اچھا۔ اب بحث ختم۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے ظفری کے ہاتھ سے تصویریں لے لی تھیں۔ "اب میں گھر چلتا ہوں۔ تم میں سے ایک آدمی ہر وقت یہاں موجود رہے گا۔ جب بھی انسپکٹر عثمان کی طرف سے کوئی پیغام ملے مجھے فوری طور پر اطلاع دیدی جائے اور قدیر تم۔" وہ قدیر کی طرف مڑگیا۔ "اپنے رکشے پر گڑھی شاہو میں مجیدے کے اڈے کے آس پاس چکر لگاتے رہنا۔ اگر اس کے بارے میں کوئی بات معلوم ہو تو مجھے بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" میں صبح ادھر کا چکر لگاؤں گا۔" قدیر نے جواب دیا۔

شارق ڈیرے سے باہر آگیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کا رکشہ مین روڈ پر ہلکی رفتار سے جا رہا تھا اس نے جیسے ہی گلبرگ کی طرف جانے والی سڑک پر مڑنا چاہا۔ دو پولیس والوں نے اسے روک لیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ؟" شارق نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"خالی جا رہے ہو۔ ہمیں ہی بٹھالو۔ نہر پر فوارے کے پاس چھوڑ دینا۔" ایک پولیس والے نے جواب دیا اور وہ دونوں رکشے میں بیٹھ گئے۔

"آج کل شہر میں بڑی افراتفری مچی ہوئی ہے۔ روز ایک دو قتل ہو رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی پکڑا نہیں گیا؟" شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی پکڑا کیسے جائے۔" ایک پولیس والے نے جواب دیا۔ "دو پارٹیوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ ایک پارٹی حاجی کی ہے اور حاجی ایسا شخص ہے کہ حکومت اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی ہے۔ دوسری پارٹی شارق کی ہے۔ حکومت اپنا سارا زور شارق کی گرفتاری پر لگا رہی ہے۔ لیکن وہ تو چھلاوہ ہے۔ ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"اور اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟" دوسرا پولیس بولا۔

"ثمینہ۔" پہلے پولیس والے نے جواب دیا۔ "وہ بھی ہوا بنی ہوئی ہے۔ حاجی کی سمن آباد والی کوٹھی میں اس نے آگ لگائی تھی' اور حاجی کے سالے کو بھی وہی اٹھا کر لے گئی تھی۔ اس وقت شارق بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد بھی انہوں نے کارروائیاں کی ہیں لیکن وہ دونوں پکڑائی ہی نہیں دے رہے۔"

"کل جو قتل ہوا ہے وہ کس کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔" شارق نے پوچھا۔

"وہ بھی شارق کے کھاتے میں ہے۔" دوسرے نے کہا "وہ گڑھی شاہو والے مجیدے کا بندہ تھا۔ لگتا ہے حاجی کے ساتھ مجیدا بھی شارق کے خلاف میدان میں آگیا ہے۔"

"آج شام کو پولیس نے ثمینہ کے باپ کو بھی پکڑ لیا تھا۔ پہلے پولیس والے نے کہا۔ "وہ

بھی اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔"

شارق چونک گیا۔ یہ ایک تشویشناک خبر تھی۔

"پھر کیا ہوا جی۔ اسے تو بند کر دیا ہوگا۔" وہ بولا۔

"اسے بند کر کے کیا لینا تھا۔ چھوڑ دیا اسے۔" پولیس والے نے جواب دیا۔

"سنا ہے شارق اور ثمینہ کی گرفتاری پر بیس بیس لاکھ روپے کا انعام بھی رکھا ہوا ہے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ انعام تو ہے۔ لیکن اپنی ایسی قسمت کہاں کہ شارق کو گرفتار کر سکیں۔" ایک پولیس والے نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے ہی شارق سمجھ کر پکڑ لو سنتری بادشاہ۔ تمہیں بیس لاکھ روپے تو مل جائیں گے۔" شارق نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بڑا شوق ہے بھئی تمہیں جیل جانے کا۔" پولیس والا بولا۔ "بس اب روک لو رکشہ بڑی مہربانی تمہاری۔"

آگے سڑک کے کنارے پولیس کی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ دو تین مسلح پولیس والے سڑک پر کھڑے تھے۔ شارق نے ان کے قریب رکشہ روک لیا۔ سڑک پر کھڑا ہوا ایک پولیس والا اس کی طرف آیا تھا۔ لیکن پولیس والوں کو رکشے سے اترتے دیکھ کر وہ رک گیا۔ شارق مسکرا دیا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر پولیس والوں کو سلام کیا اور رکشہ آگے بڑھا دیا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ پولیس والوں نے اسے چھلاوہ بنا دیا تھا۔ وہ تقریباً" دو میل تک سفر کے دوران ان سے باتیں کرتا رہا تھا اور پولیس والے اسے پہچان نہیں سکے تھے۔ اخباروں میں اس کی جو تصویر شائع ہوئی تھی وہ بہت پرانی تھی۔ موجودہ حلیے میں کوئی عام آدمی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ پولیس والوں کے پاس اس تصویر کے علاوہ اس کی شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اور ظاہر ہے وہ تصویر بھی ہر پولیس والے کے پاس نہیں تھی۔

شارق جب کوٹھی پہنچا تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ دروازہ طفیل نے کھولا تھا۔ شارق رکشے کو اندر لے گیا اور اسے گیراج کے سامنے کھڑا کر دیا۔

"تمہیں تو کل واپس آ جانا تھا۔" شارق طفیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ جی ڈاکٹر نہیں ملا تھا اس لئے مجھے رات وہیں رہنا پڑا۔" طفیل نے کہا۔

شارق اندر آگیا۔ دروازہ رضیہ نے کھولا تھا۔ شارق نے اس سے نولکھا کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ سو رہا ہے۔ شارق نے ثمینہ والے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ ثمینہ اور

aazzamm@yahoo.com

شاہ پری ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی سو رہی تھیں۔ شارق دوسرے کمرے میں آگیا اور بستر پر گر گیا وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

نولکھا سے شارق کی ملاقات صبح ہوئی تھی۔ بیماری نے واقعی اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ شارق کچھ دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے ڈاکٹر احمد کو فون کر دیا۔ ڈاکٹر احمد اس گروہ کا پرانا اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ شارق ایک مرتبہ جب زخمی ہوا تھا تو ماسی مہراں کے گھر پر ڈاکٹر احمد ہی نے اس کا علاج کیا تھا۔ وہ گروہ کے دوسرے آدمیوں کا علاج بھی کرتا رہا تھا۔ شارق نے فون پر ڈاکٹر احمد کو نولکھا کے بارے میں بتایا اور کوٹھی کا پتا سمجھانے کے بعد فون بند کر دیا۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر احمد پہنچ گیا۔ اس نے تفصیل سے نولکھا کا معائنہ کیا۔ فیصل آباد والے ڈاکٹر کی رپورٹس اور اس کے لکھے ہوئے نسخے دیکھے پھر ایک نیا نسخہ لکھ کر شارق کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"پریشانی کو کوئی بات نہیں ہے۔ ان دواؤں کے استعمال سے ایک دو دن میں بخار تو اتر جائے گا لیکن مکمل طور پر صحت یاب ہونے میں کئی روز لگیں گے۔ انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

شارق نے طفیل کو بھیج کر بری مارکیٹ سے دوائیں منگوالیں۔ ڈاکٹر احمد ابھی وہیں تھا۔ وہ دیر تک شارق سے شہر کے حالات کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اس کا تجزیہ یہ تھا کہ رائے عامہ حاجی اور حکومت کے خلاف تھی۔ عوام کو اس بات کا غصہ تھا کہ حاجی تو سامنے موجود ہے اسے گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا۔ پولیس شارق اور ثمینہ ہی کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر احمد کے جانے کے بعد شارق، نولکھا کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

شارق دو تین دن گھر سے نہیں نکلا۔ ڈاکٹر احمد نولکھا کو دیکھنے کے لئے دن میں ایک مرتبہ ضرور آتا تھا۔ قدیر بھی ٹیلی فون پر اسے روزانہ شہر کی صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا اور پھر شارق کو وہ اطلاع بھی مل گئی جس کا اسے شدت سے انتظار تھا۔

○

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ ثمینہ رضیہ کے ساتھ مل کر باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھی۔ شارق کو دروازے میں دیکھ کر ثمینہ مسکرا دی۔

بھوک لگ رہی ہے؟ بس ابھی دس منٹ میں کھانا لگ جائے گا۔"

"بھوک بھی لگ رہی ہے اور ایک ضروری کام سے جانا بھی ہے۔ اس لئے کھانے کا معاملہ

اگر جلدی ہو جائے تو بہتر ہے۔" شارق کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

اس کے دو منٹ بعد ثمینہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

"کیا ضروری کام ہے۔ کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"قصور ..... بلکہ اس سے بھی آگے۔" شارق نے جواب دیا۔ "انسپکٹر عثمان سے اطلاع ملی ہے کہ حاجی کے آدمی آج رات ایک بجے تین کروڑ روپے مالیت کا سونا لے کر حسین والا کے قریب سے بھارت کی سرحد پار کریں گے۔ اس پارٹی کی قیادت حاجی کا داماد عبدالشکور کرے گا۔ ہم نے انہیں سرحد پر پہنچنے سے پہلے ہی روکنا ہے۔"

"گڈ۔" ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "ہمارے ساتھ اور کون کون جائے گا؟"

"پپو اور ظفری کے علاوہ شاہ پری بھی ہمارے ساتھ ہوگی۔ شاہ پری اس مشن میں اہم رول ادا کرے گی۔" شارق نے بتایا۔

"سب لوگ اکٹھے جائیں گے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میں ظفری اور پپو کو فون کر دوں گا۔ وہ ہم سے پہلے قصور پہنچ جائیں گے اور ایک مقررہ جگہ پر ہمارا انتظار کریں گے۔ ہم بھی کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

"کھانا تقریباً" تیار ہو چکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگیں گے۔ تم شاہ پری کو بتا دو۔ میں کھانا نکلواتی ہوں۔" ثمینہ کمرے سے نکل گئی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شاہ پری کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے ثمینہ نے بھیجا تھا۔

"کہیں جانا ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ تم تیار ہو جاؤ۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔" شارق نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "یہ مشن خطرناک ہوگا۔ اس میں جان بھی جا سکتی ہے۔ اگر تم ...."

"تمہارے لئے جان کی پروا کب کی ہے میں نے۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" شارق نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال تم تیار ہو جاؤ۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔"

شاہ پری اس کی طرف دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

تقریباً" دس منٹ بعد کھانا میز پر لگ گیا۔ شاہ پری نے وہی پرانا افغانی لباس پہنا تھا جو اس نے ابھی تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت یہ لباس اس نے شارق کی فرمائش پر پہنا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

کھانے کے بعد ثمینہ نے بھی لباس بدل لیا۔ اس نے حسب معمول جینز اور ٹی شرٹ پہنی تھی۔ یہ لباس گویا اس کا ٹریڈ مارک بن گیا تھا۔ اخبارات میں جب بھی اس کے بارے میں کوئی خبر شائع ہوتی جینز اور ٹی شرٹ کا حوالہ ضرور دیا جاتا۔

"تم لوگ یہیں انتظار کرو۔ میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" کھانے کے بعد شارق میز سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تم حاجی والی گاڑی کی بات کر رہے ہو جو دوسری کوٹھی کے گیراج میں کھڑی ہے۔" ثمینہ نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "لیکن تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ حاجی نے اس گاڑی کی چوری کی رپورٹ لکھوا رکھی ہے اور ہر پولیس والے کے پاس اس کا نمبر موجود ہوگا۔ اگر راستے میں کسی نے اس گاڑی کو چیک کر لیا تو....."

"میں نے ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔ ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "البتہ تم دونوں کو برقع پہننا ہوں گے۔"

"وہ تو ہم پہن ہی لیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن گاڑی یہاں لانے کے بجائے ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ وہیں سے نکل جائیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے چلو۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے برقعہ پہن لیا اور شاہ پری نے چادر اوڑھ لی جو برقعے ہی کی طرح تھی۔ ماں جی اور رضیہ انہیں باتیں کرتے اور تیار ہوتے دیکھتی رہیں لیکن انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"ماں جی۔" بالآخر شارق نے خود ہی کہا۔ "ہم شہر سے باہر جا رہے ہیں واپسی صبح تک ہوگی۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوئیے گا۔"

"اللہ کے سپرد بیٹا۔" ماں جی نے دعائیں دیں۔

وہ تینوں کوٹھی سے نکل کر گلیوں میں چلنے لگے۔ اس وقت اگرچہ رات کے پونے دس بجے تھے لیکن گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت برائے نام ہی تھی۔ اگر متوسط طبقے کا علاقہ ہوتا تو گلیوں میں رونق ہوتی لیکن وسیع و عریض کوٹھیوں پر مشتمل اس علاقے میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد سناٹا چھا جاتا تھا۔

وہ تقریباً" پندرہ منٹ بعد کوٹھی پہنچ گئے۔ ثمینہ چابیاں لے کر آئی تھی۔ شاہ پری اس کوٹھی کو بھی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ شارق اندر داخل ہوکر اندرونی کمرے سے گیراج میں پہنچ گیا۔ اس نے کار کا انجن اسٹارٹ کرکے اسے چیک کیا۔ انجن بہترین حالت میں تھا۔ البتہ ٹینکی میں پیٹرول کم تھا۔ شارق نے گیراج کا گیٹ کھول کر گاڑی باہر نکال کر روک لی اور نیچے اتر کر دوبارہ

گیراج میں داخل ہوگیا۔ گیٹ بند کرکے وہ اندرونی کمرے میں آگیا۔

شارق کا غیر معمولی پستول اسی کوٹھی میں تھا اور حاجی کے سالے الیاس کا پستول بھی یہیں تھا۔ وہ پستول اس نے ثمینہ کے حوالے کر دیا اور اپنا پستول شرٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا۔ اس کا حلیہ اب بھی ڈرائیوروں جیسا ہی تھا۔

گاڑی کوٹھی کے گیٹ سے نکال کر ثمینہ نے گیٹ کو تالا لگا دیا اور شارق کی ہدایت کے مطابق وہ بھی پچھلی سیٹ پر شاہ پری کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ان دونوں نے چہرے اس طرح ڈھانپ رکھے تھے کہ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

شارق گاڑی کو اچھرے کی طرف لے آیا اور اسے شہر سے باہر جانے والی فیروز پور روڈ پر موڑ دیا۔ لیکن اس سڑک پر تقریباً" دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق کو گاڑی کی رفتار ہلکی کر لینی پڑی۔ تین پولیس والے سڑک پر کھڑے تھے۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس پولیس کی کوئی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ شارق نے پولیس والوں کے قریب پہنچ کر کار روک لی۔ ان میں دو کانسٹیبل تھے اور ایک اے ایس آئی کانسٹیبلوں کے پاس رائفلیں تھیں اور نوجوان اے ایس آئی کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہا تھا۔ اے ایس آئی بڑی گہری نظروں سے کار کی نمبر پلیٹ دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ شارق والی سائیڈ پر آگیا۔

"نیچے اترو۔ یہ گاڑی کس کی ہے۔" پولیس آفیسر کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

"یہ گاڑی حاجی افضال کی ہے سرجی۔" شارق نے نیچے اتر کر جواب دیا۔

"تم کون ہو؟" اے ایس آئی نے اسے گھورا۔

"میں حاجی افضال کا ڈرائیور ہوں سرجی۔ اور یہ ان کے گھر کی بیبیاں ہیں۔ انہیں گاؤں لے کر جا رہا ہوں۔ لیکن بات کیا ہے سرجی۔" شارق بولا۔

تھانے میں اس گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ ہے۔" آفیسر بولا۔

"اوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "یہ گاڑی آج صبح مل گئی تھی۔ سرجی اور حاجی صاحب نے ایس پی صاحب کو اس کی بازیابی کی اطلاع بھی دیدی تھی۔ آپ چاہیں تو اس کی تصدیق کرلیں۔ یہاں آس پاس کوئی ٹیلی فون ضرور ہوگا۔"

"تمہیں یہ گاڑی لے کر ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔ تاکہ اس گاڑی کے بارے میں تصدیق کی جاسکے۔" اے ایس آئی نے کہا۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے تھانیدار۔" شارق ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"حاجی افضال کے گھر کی بیبیوں کو تھانے لے جائے گا۔ تم حاجی کو نہیں جانتے۔ مزنگ کے

aazzamm@yahoo.com

تھانیدار نے حاجی کے گھر پر چھاپہ مارنے کی حماقت کی تھی۔ اسے نوکری سے نکال دیا گیا۔ اور اپنی حماقت پر آج تک رو رہا ہے۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ....."

"اس کا لہجہ بدلا بدلا دیکھ کر اے ایس آئی گڑبڑا گیا۔

"میں ان خواتین کو تھانے نہیں لے جانا چاہتا۔ میں تو گاڑی کے بارے میں تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں جارہا ہوں۔" شارق گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہمت ہو تو روک لو۔ اور گاڑی کے بارے میں تصدیق کرنا چاہتے ہو تو ایس پی کو فون کر لو۔"

"یہ کون بدتمیز ہے ڈرائیور۔" پیچھے بیٹھی ہوئی ثمینہ نے اونچی آواز میں کہا تاکہ پولیس آفیسر بھی سن لے۔

"نیا نیا بھرتی ہوا ہے بیگم صاحبہ جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "اسے ابھی معلوم نہیں ہے کہ بڑے آدمیوں کے ڈرائیوروں کے ساتھ کیسے بات کی جاتی ہے۔"

"اس کا نام معلوم کرلو۔ صبح واپس آ کر میں خود ایس پی سے اس کی شکایت کروں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں بیگم صاحبہ۔" اے ایس آئی کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ....."

"بتانے کے باوجود تم ضد کر رہے ہو۔" ثمینہ نے ناگوار سے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "گاڑی چلاؤ ڈرائیور۔" آخری لفظ اس نے شارق سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

شارق نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی اور پولیس والے گاڑی کو دیکھتے رہ گئے۔

"کیسی رہی بیگم صاحبہ جی۔" شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

جواب میں ثمینہ اور شاہ پری نے زور دار قہقہہ لگایا۔ شارق بھی ان کے قہقہے میں شامل ہوگیا۔

"بعد میں جب اسے پتا چلے گا کہ اس گاڑی میں ثمینہ اور شارق تھے تو شاید وہ اپنے آپ کو گولی مار لے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق نے جواب دینے کے بجائے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت تھے۔ کہیں کہیں کوئی آبادی بھی تھی جہاں مدھم روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ شارق کار کی رفتار بڑھاتا گیا۔

قصور شہر ابھی دور ہی تھا کہ فضا میں چمڑے کی بو محسوس نے لگی۔ قصور والوں کا یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ اس شہر کے اندر اور گردو نواح میں چھوٹی بڑی بے شمار فیکٹریز تھیں۔ چمڑہ صاف کرنے اور رنگنے کے ان کارخانوں کی وجہ سے ایک طرف فضا میں آلودگی تھی تو دوسری طرف آبادی کے اندر اور ان کے چاروں طرف گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ رہائشی علاقوں کی گلیوں میں اور ہر طرف گندے پانی کے جوہڑ تھے۔ ان جوہڑوں میں کارخانوں سے بہنے والا وہ پانی جمع ہوتا رہتا تھا جس میں کیمیکلز شامل ہوتے تھے۔ اس آلودہ پانی کی وجہ سے نہ صرف شہریوں کی صحت متاثر ہو رہی تھی بلکہ آس پاس کی زرعی' اراضی بھی ویرانے میں تبدیلی ہوتی جا رہی تھی۔ کیمیکل ملا ہوا یہ گندہ پانی زمین میں جذب ہوکر پینے کے پانی میں بھی شامل ہو رہا تھا جس سے اس شہر میں طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی تھیں۔ اس شہر کے باسی آئے دن احتجاج کرتے رہتے تھے مگر حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بجائے شارق نے گاڑی کو اس سڑک پر گھما لیا جو شہر کے باہر ہی سے ہوتی ہوئی دوسری طرف جا کر گنڈا سنگھ والا اور حسین والا کی طرف جانے والی سڑک سے مل جاتی تھی۔

فضا میں بدبو اس قدر شدید تھی کہ ثمینہ اور شاہ پری نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا تھا۔ شہر سے کئی میل دور نکل جانے کے بعد انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"توبہ ... کتنی گندگی ہے اس شہر میں۔" ثمینہ بولی۔

"یہ گندگی اور فضائی آلودگی چمڑے کے ان کارخانوں کی وجہ سے ہے جن کی یہاں بھرمار ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ یہاں کے لوگ زندہ کیسے رہ رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

اس نے کار کی رفتار کم کر لی تھی۔ ایک تو سڑک ٹوٹی پھوٹی تھی اور دوسرے اسے ایک خاص جگہ کی تلاش تھی۔ وہ سڑک کے کنارے ہر سنگ میل کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

بالآخر اس نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر کھیتوں میں ایک کھنڈر نما مکان نظر آرہا تھا۔ شارق نے گاڑی روک کر دو مرتبہ ہیڈ لیمپس جلائے بجھائے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دو آدمی کھنڈر سے نکل کر سڑک پر آگئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ وہ ظفری اور پپو تھے۔

"آدھا گھنٹہ باقی ہے۔" ظفری نے کار کے ڈیش بورڈ پر لگی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"آنے سے پہلے میں نے فون کر کے انسپکٹر عثمان سے تصدیق کر لی تھی۔ اس کی اطلاع یہی ہے کہ سرمئی رنگ کی پجیرو ٹھیک ایک بجے رات گنڈا سنگھ والا پہنچے گی۔ پجیرو میں تین آدمی ہوں گے۔

aazzamm@yahoo.com

ایک آدمی گنڈا سنگھ والا سے ان کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور وہ لوگ حسین والا سے تقریباً" نصف میل بائیں طرف سوکھے دریا سے سرحد پار کریں گے۔"

"یہ کنفرم ہے کہ وہ لوگ اسی راستے سے آئیں گے۔"

شارق نے پوچھا۔

"ہاں۔" ظفری نے اثبات میں سرہلا دیا۔ "گنڈا سنگھ والا یہاں سے صرف دو میل دور ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے صرف یہی ایک راستہ ہے۔" ظفری نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم یہیں پر ان کا انتظار کریں گے۔" شارق نے کہا اور کار کو کھیتوں کی طرف موڑ لیا۔

تین چار کمروں پر مشتمل وہ مکان بالکل کھنڈر تھا۔ چھت کسی کمرے کی نہیں تھی۔ چند دیواریں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ شارق نے کار کھنڈر کے پیچھے لے جا کر اس طرح کھڑی کر دی کہ وہ دیواروں کے پیچھے چھپ گئی۔ سڑک کی طرف سے کار کو نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

وہ تینوں بھی کار سے اتر آئے۔ ثمینہ نے برقعہ اور شاہ پری نے چادر اتار کر کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دی تھی۔ شارق ان سب کو سمجھا رہا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ شاہ پری کو سب سے زیادہ اہم ذمہ داری کا سامنا تھا۔

"ڈرنا مت۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تم سے چند گز کے فاصلے پر ہوں گے ان لوگوں کو کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر ہم ان پر قابو پالیں گے۔"

"تم فکر مت کرو۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہیں دوں گی۔ اگر میرے سامنے کھڑے رہ کر وہ اپنے حواس پر قابو پالیں تو میرا نام بدل دینا۔" اس نے اچانک ہی اپنی قمیض کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا اور اس کی فراک نما قمیض پیٹ تک پھٹ گئی۔

ظفری اور پپو بدحواس سے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے پھر وہ رخ بدل کر بیٹھ گئے۔

"سمجھ گیا تم کیا کرنا چاہتی ہو۔" شارق' شاہ پری کو گھورتے ہوئے بولا۔ "فی الحال قمیض ٹھیک کرلو۔"

"شاہ پری نے مسکراتے ہوئے قمیض کے دونوں پھٹے ہوئے کنارے پکڑ کر انہیں سینے پر سمیٹ لیا۔

وہ سب قصور سے آنے والی سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رات کا ایک بج چکا تھا لیکن ابھی تک کسی گاڑی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شارق نے پپو کو سڑک کے دوسری

طرف بھیج دیا۔ وہ سڑک کے کنارے سے ذرا ہٹ کر کھیتوں میں بیٹھ گیا۔

ایک بج کر دس منٹ پر بہت دور کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دی۔ وہ ہوشیار ہو گئے۔

روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ وہ لوگ کھنڈر سے نکل کر سڑک کے قریب کھیت کے کنارے پر آگئے اور پودوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ شارق نے ایک بار پھر ظفری اور شاہ پری کو سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ظفری نے اپنی رائفل ثمینہ کے حوالے کردی اور شاہ پری کو اشارہ کیا شاہ پری پودوں میں رینگتی ہوئی سڑک کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ ظفری اس سے چند قدم پیچھے تھا۔ لیکن پھر وہ بھی شاہ پری کے قریب پہنچ گیا۔

ہیڈ لیمپس کی روشنیاں قریب آگئیں۔ شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ پجیرو ہی تھی کیونکہ اس کے ہیڈ لیمپس کسی کار کے مقابلے میں کسی قدر اونچے تھے۔ پجیرو ابھی تقریباً" دو سو گز دور تھی کہ شارق نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔ وہ کھیت سے نکل کر سڑک کی طرف دوڑنے لگی۔ ساتھ ہی وہ "بچاؤ بچاؤ۔" کی آوازیں لگا رہی تھی۔

شاہ پری سڑک پر پہنچ رہی تھی کہ ظفری نے بھی کھیت سے نکل کر اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور سڑک کے عین کنارے پر اسے دبوچ لیا۔ شاہ پری گر گئی۔ ظفری اس سے گتھم گتھا ہو رہا تھا۔ شاہ پری اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اس کھینچا تانی میں اس کی قمیض کچھ اور پھٹ گئی تھی۔

پجیرو قریب آرہی تھی۔ ظفری نے شاہ پری کا ایک بازو پکڑ لیا اور اسے کھیت کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ بار بار قریب آتی ہوئی پجیرو کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ شاہ پری سڑک پر گھسٹتے ہوئے حلق پھاڑ کر مدد کے لئے چیخ رہی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ پجیرو کی طرف اٹھا رکھا تھا جیسے اسے رکنے کا اشارہ کر رہی ہو۔

پجیرو ابھی تقریباً" سوگز دور تھی۔ شاہ پری نے ظفری سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اٹھ کر سڑک پر دوڑنے لگی۔ ظفری نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی اور چند قدم کے بعد ہی اس نے دوبارہ شاہ پری کو پکڑ لیا۔ اس مرتبہ شاہ پری کے بال اس کے ہاتھ میں آگئے تھے۔

پجیرو میں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر حاجی افضال کا داماد عبدالشکور تھا۔ ان لوگوں نے سڑک پر یہ منظر دیکھا تو چونک گئے۔ عبدالشکور نے ڈرائیور کو اشارہ کیا اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

ظفری پجیرو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پجیرو کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور پھر وہ بریکوں کی

aazzamm@yahoo.com

چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ان سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔ ظفری اب بھی شاہ پری کو بالوں سے پکڑے گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پجیرو رکتے ہی دو آدمی نیچے اترے۔ ان میں ایک ڈرائیور تھا اور دوسرا پچھلی سیٹ سے اترا تھا۔ عبدالشکور اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ جبکہ نیچے اترنے والے ڈرائیور کے پاس کلاشنکوف اور دوسرے آدمی کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ ڈرائیور نے نیچے اترتے ہی ظفری پر رائفل تان لی تھی۔

"اے۔ چھوڑو اس لڑکی کو اور الگ ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔" ڈرائیور نے ظفری کو رائفل کی زد میں لیتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"تم لوگ کون ہو؟" ظفری چیخا۔ "یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کوئی مداخلت نہ کرو تو بہتر ہے۔ جاؤ اپنا راستہ ناپو۔"

"چھوڑ دو اس لڑکی کو۔ راستہ ناپو کا بچہ۔" ڈرائیور چیخا۔ "کون ہے یہ لڑکی۔ اسے کہاں سے اٹھا کر لائے ہو۔"

"میں نے کہا نا یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے تم لوگ جاؤ۔" ظفری نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بالکل خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔

"یہ - یہ مجھے بستی سے اغوا کر کے لایا ہے۔" شاہ پری اپنے آپ کو بدستور چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخی۔

"بچاؤ - خدا کے لئے مجھے بچاؤ اس سے یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

عبدالشکور اپنی سیٹ پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لڑکی جوان اور بے حد حسین تھی۔ وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر آیا۔

"اے۔" وہ ظفری پر پستول تانتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی کو چھوڑتے ہو یا اڑا دوں تمہاری کھوپڑی۔"

ظفری کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اسی لمحہ شاہ پری نے اس کی کلائی پر دانت گاڑ دیئے۔ ظفری بلبلا اٹھا۔ شاہ پری نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور عبدالشکور کی طرف دوڑی۔ ظفری اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن ڈرائیور نے رائفل کے اشارے سے اسے روک دیا۔

شاہ پری دوڑتی ہوئی عبدالشکور سے لپٹ گئی۔

"مجھے اس سے بچالو صاحب جی۔ یہ درندہ ہے۔ مجھ مار ڈالے گا۔" وہ چیخی عبدالشکور کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ایک لمحہ کو اسے یوں لگا تھا جیسے اس کا دل پسلیوں کا پنجر توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھتا تھا اس میں کسی عورت کا قرب کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کی زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں لیکن شاہ پری نے اس کی سانسوں کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ وہ اس طرح اس سے لپٹی تھی جیسے اس کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہی ہو۔ عبدالشکور کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"کک ..... کون ہو تم۔" وہ ہکلایا۔ "اور یہ آدمی کون ہے۔"

"میں قصبے کے قریب افغانوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں رہتی ہوں۔ ہم مہاجر ہیں۔ اپنے وطن سے نکل کر روزگار کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے تقریباً" چھ مہینے پہلے یہاں آئے تھے۔ یہاں کھیتوں پر ہمیں کام مل گیا تھا۔ یہ آدمی۔" اس نے ظفری کی طرف اشارہ کیا۔

"تقریباً" دو ماہ سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ مجھ سے زبردستی شادی کرنا چاہتا ہے۔ آج اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے مجھے اغوا کرلیا۔ مجھے بستی سے نکال لانے کے بعد اس کے ساتھی کسی اور کی طرف چلے گئے اور یہ مجھے اس کھنڈر میں لے آیا۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر میں اس سے شادی نہیں کروں گی تو یہ مجھے برباد کر دے گا۔ میرے انکار پر اس نے دست درازی شروع کر دی۔ میرے کپڑے پھاڑ دیئے۔ یہ میری عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ میں موقع پاکر بھاگ نکلی۔ اگر آپ لوگ اس طرف نہ آجاتے تو یہ مجھے مار ڈالتا۔"

"فکر مت کرو۔ اب یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔" عبدالشکور نے کہا اس کے دل کی دھڑکنیں بدستور بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

ظفری خوفزدہ سا ہو کر الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔ ڈرائیور اور اس کا ساتھی بھی چند قدم آگے بڑھ کر رک گئے۔

شاہ پری اب بھی عبدالشکور سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ مسلسل حرکت کر رہا تھا۔ عبدالشکور کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ شاہ پری کا ہاتھ جب اس کے پستول والے ہاتھ میں پہنچا تو اس وقت بھی اسے خیال نہیں آیا تھا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا ہو سکتا ہے۔ شاہ پری نے اطمینان سے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا تھا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر پستول عبدالشکور کی کنپٹی سے لگا دیا۔ اور غراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اپنے آدمیوں سے کہو اسلحہ پھینک دیں' ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گی۔" عبدالشکور کو

aazzamm@yahoo.com

یوں لگا جیسے اس پر ایٹم بم پھٹ پڑا ہو۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ ڈرائیور نے یہ صورت حال دیکھ لی تھی۔ عبدالشکور نے بڑی جلدی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا۔

"کوئی گولی مت چلائے۔" دائیں طرف سے ایک چیختی ہوئی نسوانی آواز سن کر وہ سب اچھل پڑے۔ "کوئی گولی مت چلائے۔ تم لوگ چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہو۔"

یہ ثمینہ کی آواز تھی۔ شاہ پری نے بڑی تیزی سے پجیرو کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ڈرائیور نے بھی بڑی پھرتی سے گھوم کر آواز کی طرف کلاشنکوف کا برسٹ مارا تھا۔ اس کے جواب میں ان پر تین اطراف سے گولیاں برسنے لگیں۔ شارق، ثمینہ اور سڑک کے دوسری طرف سے پپو نے بیک وقت فائر کھول دیا تھا۔

ڈرائیور اور اس کا ساتھی چھلنی ہو کر گر پڑے۔ عبدالشکور بھی سڑک پر اس انداز میں بیٹھا جیسے اٹھ کر بھاگنے کی تیاری کر رہا ہو۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکا تھا۔ اسے اگرچہ کوئی گولی نہیں لگی تھی لیکن صورتحال نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

ثمینہ اور شارق وغیرہ کھیتوں سے نکل کر سڑک پر آگئے۔ عبدالشکور انہیں دیکھ کر اچھل پڑا۔ ثمینہ کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی جس کا رخ عبدالشکور کی طرف تھا۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے موت ناچتی ہوئی نظر آنے لگی۔

"تت .... تم۔" وہ ثمینہ اور شارق کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

"ہاں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن ڈرو نہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، تمہیں زندہ رکھیں گے، تاکہ تم اپنے سسر کو بتا سکو کہ تین کروڑ کا سونا لوٹنے والے کون لوگ ہیں۔ حاجی کو بتا دینا کہ ہم اس کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس سونے کے بارے میں ہمیں اس وقت اطلاع مل گئی تھی جب یہ دبئی سے کراچی پہنچا تھا اور اس پر قبضہ کرنے کے لئے ہم مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، اور اپنے سسر کو یہ بھی بتا دینا کہ شارق کی ماں اور بہن کی بے عزتی کا انتقام ابھی پورا نہیں ہوا۔ اس کے خلاف ہماری کارروائیاں جاری رہیں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر ظفری اور پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ دونوں لاشیں اٹھا کر کھنڈر میں ڈال دو اور اسے بھی باندھ کر کھنڈر میں پھینک دو۔"

"حاجی تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔" عبدالشکور نے کہا۔

"ابھی تو اسے اپنی جان کی فکر ہو گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "آج ہم تمہیں صرف اس لئے زندہ چھوڑ رہے ہیں۔ کہ حاجی کو ہمارے بارے میں بتا سکو۔ لیکن اگلی مرتبہ تمہیں پکڑ لیں گے تو

تمہاری لاش ہی حاجی کو بھیجی جائے گی۔"

شارق خاموش کھڑا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ ظفری اور پپو، ڈرائیور اور اس کے ساتھی کی لاشیں اٹھا کر کھنڈر کی طرف لے جا رہے تھے۔

"تم اپنی قمیض اتارو۔" ثمینہ نے عبدالشکور کو اشارہ کیا۔

شکور نے خاموشی سے قمیض اتار دی۔ ثمینہ نے وہ قمیض شاہ پری کی طرف اچھال دی۔

"گاڑی میں بیٹھ کر یہ قمیض پہن لو۔ اور شارق تم گاڑی کو ایک سائیڈ پر لگالو۔"

شاہ پری نے پجیرو میں بیٹھ کر قمیض بدل لی تو شارق بھی مسکراتا ہوا اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرکے اسے تھوڑا آگے لے گیا اور یوٹرن لیتا ہوا واپس آگیا۔

ظفری اور پپو اب عبدالشکور کو گھسیٹتے ہوئے کھنڈر کی طرف لے جا رہے تھے۔ ثمینہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ کھنڈر میں پہنچ کر ظفری نے کار کی ڈکی میں سے رسی نکالی اور عبدالشکور کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ ثمینہ نے اگلی سیٹ پر پڑا ہوا اپنا برقعہ اور شاہ پری کی چادر اٹھا لی اور عبدالشکور کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ کار بھی حاجی کی ہے جو ہم سمن آباد والی کوٹھی سے لے گئے تھے۔ دن چڑھنے پر کوئی نہ کوئی اس طرف ضرور آئے گا جو تمہیں رسی کی بندشوں سے آزاد کردے گا اور تم لاہور جا کر حاجی کو بتا سکو گے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا تھا اور کس نے کیا تھا۔"

وہ ظفری اور پپو کو اشارہ کرتی ہوئی واپس آگئی۔

پجیرو کا انجن اسٹارٹ تھا۔ شارق اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ پری پچھلی سیٹ پر تھی۔ ظفری اور پپو بھی پیچھے بیٹھ گئے۔ ثمینہ، شارق کے ساتھ پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سیٹوں کے درمیان خالی جگہ پر لکڑی کی تین پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ثمینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ حاجی کا تین کروڑ روپے مالیت کا سونا ان کے قبضے میں آگیا تھا۔

شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا اور پجیرو کو حرکت میں لے آیا۔ پجیرو کی رفتار گزرنے والے ہر لمحہ کے ساتھ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

○

ظفری اور پپو کو اچھرے والے اڈے پر چھوڑ کر شارق وغیرہ جب کوٹھی پہنچے تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ پجیرو انہوں نے گیراج میں بند کردی اور اس میں رکھی ہوئی لکڑی کی پیٹیاں نکال

aazzamm@yahoo.com

کر ایک کمرے میں لے آئے۔ شارق نے ایک پیٹی کھول دی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ پیٹی میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔ ہر بسکٹ سو گرام کا تھا اور ان پر دبئی کی ایک مالیاتی کمپنی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ شارق نے دوسری دونوں پیٹیاں بھی کھول ڈالیں۔ ان میں بھی سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔

"صبح جب حاجی کو اطلاع ملے گی کہ اس کا سونا ہم لوگوں کے قبضے میں آگیا ہے تو شاید اپنے آپ کو گولی ہی مار لے۔" ثمینہ نے سونے کا ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس سونے کی مالیت تین کروڑ ہے۔" شارق بولا۔ "یہ رقم حاجی کے لئے بہت معمولی ہے۔ وہ یہ مالی نقصان تو برداشت کر لے گا' لیکن یہ بات یقیناً" اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگی کہ اس کا یہ سونا ہم نے چھینا ہے۔ وہ خودکشی تو نہیں کرے گا البتہ ہمارے خلاف اس کی سرگرمیاں تیز ہو جائیں گی۔ لیکن میں اسے ایسا موقع ہی نہیں دوں گا کہ وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرسکے۔ میں اسے چین سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔"

"ویسے اس مشن کی کامیابی کا سہرا شاہ پری کے سر پر ہے۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی اداکاری لاجواب تھی۔ اسے دیکھ کر بالکل یہی لگتا تھا جیسے اسے واقعی جان سے مار دیا جانے والا ہو۔"

"ہاں۔ یہ واقعی کمال کی لڑکی ہے۔ ابھی تو اس نے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ بہرحال۔ "شارق' ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم چائے بناؤ۔ میں ان پیٹیوں کو ٹھکانے لگا کر آتا ہوں۔"

شارق نے باری باری تینوں پیٹیاں اٹھا کر تہہ خانے میں پہنچا دیں۔ تھوڑی دیر بعد ثمینہ نے چائے تیار کرلی اور وہ لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ کھڑکیوں سے دن کی ہلکی سی روشنی نظر آرہی تھی۔ شارق نے اٹھ کر ایک کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ وہ ثمینہ اور شاہ پری کی طرف مڑگیا۔

"باہر بڑی خوشگوار ہوا چل رہی ہے۔ باہر نہ بیٹھا جائے؟"

"بہت اچھا خیال ہے۔" ثمینہ اپنا کپ لے کر اٹھ گئی۔ شاہ پری نے اٹھ کر اپنا کپ اٹھا لیا اور وہ لاؤنج سے نکل کر برآمدے میں بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرسیاں پرانی تھیں اور نجانے کب سے یہاں پڑی تھیں۔ لیکن استعمال کے قابل تھیں۔

ہوا واقعی بہت خوشگوار تھی۔ شارق نے برآمدے سے باہر نکل کر جھانکا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"بادل چھا رہے ہیں۔ مغرب کی طرف سے گھٹا اٹھ رہی ہے۔ آج بارش ضرور ہو گی۔" اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"گھر چلنا ہے یا آج یہیں رہا جائے۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"آج یہیں رہ جاتے ہیں۔ رضیہ کو تھوڑی دیر بعد فون کر دینا کہ ہم شام تک آجائیں گے۔ وہ پریشان نہ ہوں۔" شارق نے کہا۔

چائے پینے کے بعد ثمینہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اس وقت کسی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ جانتی تھی کہ ماں جی اور رضیہ بھی اٹھ گئی ہوں گی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر دوبارہ رکھ دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ ماں جی نماز پڑھ لیں تو پھر فون کرے گی۔

آسمان پر بادل پھیلتے جا رہے تھے۔ اب مغرب سے گڑگڑاہٹ کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔ پھر یکایک یوں محسوس ہوا جیسے رات ہو گئی۔ سیاہ بادلوں نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان کو ڈھک لیا تھا اور فضا میں تاریکی چھا گئی تھی۔ بادلوں کی گرج کے ساتھ بجلی بھی رہ رہ کر چمک رہی تھی اور پھر آسمان سے پانی کی موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔ جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے تیز بارش کی شکل اختیار کرلی۔

پانی کی چھینٹیں برآمدے کے اندر آ رہی تھیں۔ ثمینہ اور شاہ پری کرسیوں سے اٹھ کر برآمدے کے کنارے پر کھڑی ہو گئیں۔ دونوں نے ایک ایک ہاتھ باہر پھیلا دیا تھا۔ ہاتھوں پر پڑنے والے پانی کے چھینٹے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔

شارق کچھ دیر تک دلچسپ نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ بھی کرسی سے اٹھا اور ان کے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ ان دونوں کی پشت پر رکھے اور بڑے اطمینان سے انہیں دھکا دیدیا۔ ان دونوں کے منہ سے ہلکی سی چیخیں نکلیں اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی نیچے پہنچ گئیں۔

شاہ پری نے برآمدے کی طرف دوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن ثمینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتی ہوئی لان میں لے گئی۔ وہ دونوں تیز بارش میں ایک دوسرے سے دھینگا مشتی کرتی رہیں۔ پھر برآمدے میں آگئیں۔ ان کے کپڑوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ شارق مسکراتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ثمینہ اور شاہ پری نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر دونوں نے بیک وقت شارق کو دھکا دے دیا۔ برآمدے سے باہر پہنچ کر شارق لڑکھڑا گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور چاروں خانے چت نیچے گرا۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی چھلانگ لگا کر

aazzamm@yahoo.com

برآمدے سے نیچے آئیں۔ ان دونوں نے شارق کو بانہوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا اور اسے ڈنڈا ڈولی کر کے اٹھاتے ہوئے لان میں لے آئیں۔ ایک دو جھولے دیئے اور پھر گھاس پر پھینک دیا۔

وہ دونوں برآمدے میں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ ان کے کپڑوں سے نچڑنے والا پانی برآمدے کے فرش پر بہہ رہا تھا۔ وہ دونوں شارق کی طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہی تھیں جو گھاس پر لوٹیں لگا رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد دونوں بھی پھر لان میں آگئیں اور وہ تینوں ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے اڑانے لگے۔ آج طویل عرصہ بعد انہیں تفریح کا موقع ملا تھا۔

ہنگاموں کی وجہ سے تفریح تو جیسے ان کی زندگیوں سے رخصت ہوگئی تھی اور آج موقع ملا تھا تو اس سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو لینا چاہتے تھے۔ یہاں دیکھ لئے جانے کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ ان کے چاروں طرف وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ ہر کوٹھی میں لان تھا۔ اگر کوئی بارش سے لطف اندوز ہونے کے لئے باہر نکلے گا بھی تو اپنے لان ہی میں آئے گا۔

وہ تینوں تقریباً" ایک گھنٹے تک بارش میں بھیگتے رہے پھر برآمدے میں آگئے۔ اتنی دیر تک پانی میں رہنے سے سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ ثمینہ کے تو باقاعدہ دانت بج رہے تھے۔

"تم لوگ جا کر کپڑے بدل لو۔ کہیں بیمار نہ پڑجاؤ۔" شارق نے کہا۔

"بڑی جلدی خیال آیا۔" شاہ پری بولی۔ "جب تم نے ہمیں بارش میں دھکا دیا تھا تو اس وقت تو ہمارے بیمار پڑنے کا خیال نہیں آیا تھا۔"

"نہیں۔ اس وقت صرف شرارت سوجھی تھی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پہلے ثمینہ اٹھ کر اندر گئی وہ تقریباً" بیس منٹ بعد واپس آئی تھی اس نے نہ صرف کپڑے بدل لئے تھے بلکہ سردی سے بچنے کے لئے بستر کی ایک چادر بھی اوڑھ لی تھی۔

"میں نے تمہارے لئے بھی کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیئے ہیں۔ جاؤ بدل لو۔" اس نے شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

شاہ پری اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اس نے حاجی کے داماد عبدالشکور والی قمیض پہن رکھی تھی جو بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئی تھی۔

"رضیہ کو فون کر دیا۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ "نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں کرتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد شاہ پری بھی کپڑے بدل کر آگئی۔ اب شارق کی باری تھی۔ وہ اٹھ کر اندر چلا گیا۔ جب وہ کپڑے بدل کر کمرے سے نکلا تو ثمینہ فون پر رضیہ سے بات کر رہی تھی۔ اس کے

قریب ہی صوفے پر شاہ پری بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے فون بند کر دیا۔

"کچھ کھانے کو ملے گا؟ شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ہم کئی روز بعد یہاں آئے ہیں۔ میں نے کچھ لاکر رکھا ہی نہیں تھا۔"

"بارش کچھ ہلکی ہو تو کہیں سے کچھ لے کر آتا ہوں۔" شارق بولا۔

"بارش کی وجہ سے اتنی صبح کوئی دکان نہیں کھلی ہوگی۔"

ثمینہ نے جواب دیا۔ "بہتر یہ ہے کہ بارش ہلکی ہوتے ہی ہم گھر کی طرف دوڑ لگا دیں۔ زیادہ فاصلہ تو نہیں ہے نا۔"

"یہی مناسب رہے گا۔ بارش ہلکی ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل پڑیں گے۔" شارق نے کہا۔

"اور یہ گھر؟" شاہ پری نے الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھا۔ "کیا اسے خالی چھوڑ دیا جائے گا۔ یہاں کروڑوں روپے مالیت کا سونا پڑا ہوا ہے۔"

"سونا کہیں نہیں جائے گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ گھر پہلے بھی کئی روز سے خالی پڑا تھا۔ اگر کوئی چور آ بھی گیا تو اسے یہاں فرنیچر کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ سونا تہہ خانے میں ہے اور تہہ خانے کے دروازے پر میں نے موٹا سا تالا ڈال دیا ہے۔ چور بڑی عجلت میں ہوتے ہیں۔ وہ کمروں میں الماریوں وغیرہ کی تلاشی تو لے لیتے ہیں لیکن کسی مکان میں تہہ خانے کا راستہ تلاش نہیں کرتے۔ اس لئے تم سونے کی فکر مت کرو۔ وہ محفوظ رہے گا۔"

"ہاں--- یہ بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" شاہ پری بولی۔ "کسی چور کو تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس مکان کے نیچے تہہ خانہ ہے اور تہہ خانے میں سونا بھی رکھا ہوا ہے۔"

"میرے خیال میں اس دوران حاجی کی خیریت نہ معلوم کر لی جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اسے اب تک اطلاع تو مل گئی ہوگی۔"

"اطلاع یقیناً" مل گئی ہو گی۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ شارق نے کہتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

اس نے حاجی کے دو تین ٹھکانوں کے نمبر ملائے تھے لیکن وہ کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ شادمان والی کوٹھی سے ایک آدمی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی تھی اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اسے معلوم نہیں کہ حاجی اس وقت کہاں ہوگا۔

"دیکھو۔ تم جو کوئی بھی ہو میری بات غور سے سنو۔" شارق نے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم

aazzamm@yahoo.com

ہے کہ قصور کے قریب آج حاجی کے دو بندے مارے گئے ہیں؟"

"آہو جی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں اسی سلسلے میں حاجی کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ بندے کس نے مارے ہیں اور سونا کون لوگ لوٹ کر لے گئے ہیں۔"

"حاجی صاحب کو معلوم ہے جی۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "اس کے داماد نے بتایا تھا۔ شارق اور ثمینہ نے ان پر حملہ کیا تھا۔ شکور صاحب بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگے تھے۔"

"میں حاجی صاحب کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ شارق اور ثمینہ اس وقت کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں حاجی کا نمبر معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"مجھے ان کا پتا بتا دیں جی۔ میں حاجی صاحب کو بتا دوں گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"نہیں۔ یہ بات میں صرف حاجی صاحب ہی کو بتاؤں گا۔" شارق بولا۔

"ایک منٹ ہولڈ کریں گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ ایک کے بجائے دو منٹ بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "حاجی صاحب اس وقت اقبال ٹاؤن والے مکان میں ہیں جی۔ آپ وہاں کا ٹیلی فون نمبر لکھ لیں۔"

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اقبال ٹاؤن میں حاجی کے کسی ٹھکانے کے بارے میں انکشاف ہوا تھا اور جب دوسری طرف سے فون نمبر بتایا گیا تو وہ اچھل پڑا۔ یہ تو اسی مکان کا نمبر تھا جو اس کی عدم موجودگی میں حاجی نے ماں جی اور رضیہ سے خالی کروایا تھا۔ گویا یہ مکان حاجی ہی کے قبضے میں تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور ثمینہ کو اس مکان کے بارے میں بتانے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔ کال ریسیو ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

"حاجی سے بات کراؤ۔" شارق نے ہیلو کی آواز کے جواب میں کہا۔

"حاجی صاحب اس وقت مصروف ہیں۔ وہ فون پر نہیں آسکتے۔ آپ اپنا نمبر دیدیں' وہ بعد میں آپ سے بات کرلیں گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میرا نام بتاؤ گے تو وہ ساری مصروفیت بھول جائے گا۔ شارق نے کہا۔ "اس سے کہو شارق بات کرنا چاہتا ہے۔"

"شش ۔ شارق۔" دوسری طرف جو کوئی بھی تھا وہ شارق کا نام سن کر ہکلا گیا۔ "رکو۔ ایک منٹ رکو۔"

"فون پر خاموشی چھا گئی۔ پھر چند سیکنڈ بعد حاجی کی آواز سنائی دی۔" کون بول رہا ہے۔

تمہارا پرانا دوست شارق۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ۔ مجھ سے چھپ نہیں سکو گے حاجی۔ یہ درست ہے کہ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہیں لیکن میرے ذرائع بھی لامحدود ہیں۔ اس کا اندازہ تم نے لگا لیا ہے۔ تمہارا تین کروڑ کا سونا میرے قبضے میں ہے اور تمہارے اس خفیہ ٹھکانے کا بھی میں نے پتا چلا لیا ہے۔"

"میں ..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا' شارق۔" حاجی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ابھی تو تم اپنی خیر مناؤ۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"تم نے مجھے تین دن کا الٹی میٹم دیا تھا کہ میں یہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں ورنہ تم مجھے قتل کردو گے۔ آج کتنے روز گزر گئے۔ تم میرا سراغ نہیں لگا سکے۔ میرے ایک بے گناہ دوست کو قتل کرکے تم نے بہادری کا ثبوت نہیں دیا۔ میرا انتقام جاری رہے گا حاجی ..... میں تمہیں کہیں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد اپنا یہ ٹھکانہ بھی چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے لیکن میری یہ بات ذہن میں رکھنا تم کہیں بھی میری نظروں سے چھپ نہیں سکو گے۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حاجی چیخا۔

"اچھا سبق ہے۔ اسے بار بار دوہراتے رہو۔" شارق نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ویسے ایک بات کہوں۔ تمہاری طرف سے بار بار اس دھمکی کو دوہرانا اس بات کی نشانی ہے کہ تم ڈر گئے ہو۔"

"تم میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکو گے۔" حاجی کی آواز سنائی دی۔

"پھر وہی دھمکی۔" شارق بولا۔ "ایک بات اور سن لو۔ کل رات میں نے تمہارے داماد کو زندہ چھوڑ دیا تھا لیکن آئندہ میرا اور اس کا سامنا ہوا تو تمہیں اس کی لاش ہی ملے گی۔ ویسے ایک دو دن میں' میں تمہیں ایک اور تحفہ دینے والا ہوں۔ انتظار کرو۔"

دوسری طرف سے حاجی نے کچھ کہنا چاہا لیکن شارق نے فون بند کر دیا۔ شاہ پری اور ثمینہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"اس کے پاگل ہونے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک دو چوٹیں اور لگیں گی تو اپنے حواس کھو بیٹھے گا۔"

وہ تینوں برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔ بارش زور و شور سے برس رہی تھی۔ شاہ پری کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی۔ وہ لوگ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ شارق کی آنکھوں میں بھی جلن ہو رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد بارش کا زور ٹوٹ گیا۔ ثمینہ نے شاہ پری کو جگا دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں کوٹھی کو تالا لگا کر گیٹ سے باہر نکل رہے تھے ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ان تینوں نے بھیگنے سے بچنے کے لئے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔

"رضیہ۔" شارق برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولا۔ "بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے اور نیند بھی آرہی ہے۔ تم جلدی سے ناشتا بنادو۔"

رضیہ فوراً" ہی اٹھ کر اندر چلی گئی۔ شاہ پری تو ماں جی کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی اور ثمینہ' شارق کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی جہاں نولکھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ جاگ رہا تھا اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ شارق اور ثمینہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نولکھا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"ہیلو۔" شارق پلنگ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب کیسی طبیعت ہے۔"

"ڈاکٹر احمد کے ہاتھ میں اللہ نے بڑی شفا دی ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"بخار تو اب ختم ہوگیا ہے۔ کمزوری ہے۔ وہ بھی دور ہو جائے گی اور مجھے امید ہے کہ دو تین دن بعد میں اٹھ کر گھوڑے کی طرح بھاگنے لگوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "ویسے ایک بات ہے شارق باؤ۔ میں نے جتنا خلوص تم لوگوں میں پایا ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ فیصل آباد میں جب میں بیمار ہوا تھا تو بڑا مایوس تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ مجھے بھول گئے ہو۔ لیکن آفرین ہے تم لوگوں پر۔"

"نولکھا بھائی۔" قریب کھڑی ہوئی ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارا ساتھ بہت پرانا ہے اور ہماری یہ دوستی کسی لالچ کی وجہ سے نہیں ہے۔ ہماری دوستی کی بنیاد خلوص اور پیار و محبت پر قائم ہے۔ ہم ایک دوسرے کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"میں جانتا ہوں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "افغانستان میں ہمارے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ زندگی کے اس کٹھن ترین مرحلے میں ہم ایک دوسرے کا سہارا بنے رہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ہمیں ایک دوسرے کا سہارا نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی بھی واپس نہ آتا۔"

"سچ کہتے ہو۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

اسی دوران رضیہ نے آکر بتایا کہ ناشتا تیار ہوگیا ہے۔ "یہیں لے آؤ۔" شارق بولا۔ "ہم یہیں بیٹھ کر کھائیں گے اور نولکھا سے باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

کچھ دیر بعد رضیہ ناشتا لے آئی۔ وہ نولکھا کے لئے سوپ بھی گرم کر کے لے آئی تھی۔ شاہ پری بھی وہیں آگئی تھی۔ وہ لوگ ناشتے کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔

ناشتہ کر لینے کے بعد بھی وہ لوگ کافی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ پھر ثمینہ اور شاہ پری تو اپنے کمرے میں چلی گئیں اور شارق نولکھا والے کمرے ہی میں قالین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

○

بارش پورا دن اور پھر رات بھر ہوتی رہی تھی۔ زور اگلے دن گیارہ بجے کے لگ بھگ ٹوٹا تھا۔

ظفری' پپو اور قدیر اپنے مکان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا۔ جیسے ان کا مکان سیلاب میں گھر گیا ہو۔ باہر گلی میں کئی فٹ پانی جمع تھا۔ آنگن میں بھی پانی بھر گیا تھا۔ اگر کمروں والا چبوترا اونچا نہ ہوتا تو کمروں میں بھی پانی بھر چکا ہوتا لیکن اس کی کسر اس طرح پوری ہوگئی تھی کہ دونوں کمروں کی چھتیں ٹپک رہی تھیں۔ ایک کمرا تو بہت زیادہ ٹپک رہا تھا جبکہ دوسرے کمرے کی ایک دیوار سے پانی پتلی سی دھار کی صورت میں بہنے لگا تھا۔

"تم نے تو مروا دیا قدیرے۔" ظفری نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر چھت بیٹھ گئی تو ہم بھی نیچے دب جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔ چھت نہیں بیٹھے گی۔" قدیر بولا۔

"چھت نہیں بیٹھے گی ہم بیٹھ جائیں گے۔ پپو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کل صبح سے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ چائے بھی نہیں پی۔ کہیں باہر جانے کا راستہ ہی نہیں ہے اگر بارش اسی طرح برستی رہی تو ہم یہاں بھوکے پیاسے مرجائیں گے۔"

"نہیں مرتے یار۔" قدیر بولا۔ "بارش ذرا ہلکی ہونے دو۔ میں خود باہر جاکر کھانے پینے کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں۔"

"باہر کیسے جاؤ گے۔ گلی میں تو دریا کی طرح پانی بھرا ہوا ہے۔" پپو بولا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں تیرنا جانتا ہوں۔" قدیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

دوپہر دو بجے کے قریب بارش بند ہوگئی۔ لطف کی بات یہ ہوئی کہ بارش بند ہوتے ہی بادل چھٹ گئے اور دھوپ چمکنے لگی۔

"بڑی بھوک لگ رہی ہے یار۔" ظفری بولا۔ "میں خود باہر جاتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آگیا۔ یہاں گھٹنوں تک پانی تھا۔ لیکن بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔ گلی میں زیادہ پانی تھا۔ اسے سڑک کی طرف سے ایک آدمی آتا ہوا دکھائی دیا۔ پانی اس کی کمر سے

aazzamm@yahoo.com

بھی اونچا تھا۔ اس آدمی کو دیکھ کر ظفری واپس آ گیا۔

"کیا ہوا؟" پپو نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"باہر گلی میں تو گلے گلے تک پانی ہے۔" ظفری بولا "انتظار کرلو۔ شاید تھوڑی دیر میں پانی اتر جائے۔"

انہیں شام تک انتظار کرنا پڑا۔ چھ بجے کے قریب ظفری باہر نکلا تو گلی میں ٹخنوں تک پانی تھا وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا مین روڈ پر آ گیا اور تقریباً" سو گز کا فاصلہ طے کرکے اس سڑک پر مڑ گیا جو اقبال ٹاؤن کی طرف چلی گئی تھی۔ یہاں موڑ پر چند اچھی دکانوں کے علاوہ ایک عمدہ ریسٹورنٹ اور بیکری بھی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ دو دن کی بارش سے نہ تو بجلی گئی تھی اور نہ ہی ٹیلی فون کی لائنوں میں کوئی خرابی ہوئی تھی۔ کم از کم اس علاقے کے بارے میں یہی کہا جاسکتا تھا۔ حالانکہ بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی بجلی غائب ہوتی ہے۔

بارش بند ہونے کے بعد سڑکوں پر گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی۔ آس پاس کی کوٹھیوں کے رہنے والے سودا سلف لینے کے لئے گھروں سے نکل آئے تھے۔ ان دکانوں پر خاصی رونق ہو رہی تھی۔

ظفری ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اس نے دو کپ گرم گرم چائے پی۔ پھر بیکری اور دوسری دکانوں سے کھانے پینے کی اشیاء خریدیں ریسٹورنٹ سے پلاسٹک کی تھیلیوں کا ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ ان میں کوئی بھی چیز لے جائی جا سکتی تھی۔

جب وہ آخری دکان سے باہر نکلا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھے۔ وہ ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ اس کے قریب ہی ایک موٹر سائیکل آکر رکی۔ ظفری موٹر سائیکل سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ حاجی کے گروہ کا آدمی تارا تھا۔ ظفری اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ تارا نے بھی اسے دیکھا تھا لیکن اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ شاید وہ اسے پہچان نہیں سکا تھا۔

ظفری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مین روڈ کی طرف چلنے لگا۔ ایک مرتبہ اسے نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تارا بیکری میں داخل ہو رہا تھا۔ ظفری مین روڈ پر آگیا اور سڑک کے کنارے چلنے لگا۔ وہ سڑک پار کرکے دوسری طرف پہنچا ہی تھا کہ ایک دم تاریکی چھا گئی۔ ظفری ایک جھٹکے سے رک گیا۔

اس طرف آتے ہوئے اسے بجلی بند نہ ہونے پر حیرت ہو رہی تھی اور اب بجلی چلی گئی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے دکان سے دوسری چیزیں خریدتے وقت دو تین موم بتیاں بھی

لے لی تھیں۔

گاڑیوں کی آمدورفت کی وجہ سے سڑک پر کسی حد تک روشنی تھی۔ راستہ نظر آرہا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے پر چلتا رہا اور پھر اپنی گلی کی طرف مڑگیا۔ اس طرف گہری تاریکی تھی اور کیچڑ بھی تھا۔ اس نے دونوں شاپنگ بیگ ایک ہاتھ میں پکڑ لئے اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے سنبھل سنبھل کر چلتا رہا۔ وہ کئی مرتبہ پھسلا تھا۔ اگر اس نے دیوار کا سہارا نہ لے رکھا ہوتا تو یقیناً" گر پڑتا۔

وہ تقریباً" دس منٹ بعد ڈیرے پر پہنچ سکا تھا۔ اس نے جاتے ہی سب سے پہلے موم بتی نکال کر جلائی اور پھر دونوں شاپنگ بیگ قدیر کے حوالے کر دیئے۔

"اس میں ایک تھیلی میں چائے بھی ہے۔ نکال کر پی لو۔ ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔" اس نے کہا۔

قدیر نے چائے والی تھیلی نکال لی اور پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا چائے اچھی خاصی تھی۔ ظفری نے بھی ایک کپ پیا۔ وہ کمرے کے سامنے والے ٹھرے پر بیٹھے ہوئے تھے اور مچھر انہیں بری طرح نوچ رہے تھے۔

"پتا نہیں کب آئے گی بتی!" پپو اپنی گردن پر مچھر مارتے ہوئے بولا۔

"بجلی کا کوئی بھروسا نہیں۔" قدیر نے کہا۔ "یہ تو واپڈا والوں پر منحصر ہے کہ وہ کب ٹھیک کرتے ہیں۔"

کمرے میں گرمی تھی۔ وہ لوگ باہر ہی بیٹھے رہے۔ نو بجے کے قریب بجلی آگئی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اب جلدی سے پہلے کھانا کھا لو۔ اگر دوبارہ بجلی چلی گئی تو کھانا کھانا بھی مشکل ہو جائے گا۔" ظفری نے کہا۔

قدیر نے دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا اور وہ کھانا کھاتے ہوئے موجودہ صورت حال کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ ان کی گفتگو کا موضوع بارش ہی تھا جس نے زندگی کا سارا نظام درہم برہم کر دیا تھا۔ ظفری باتیں کرتے ہوئے دفعتاً" چونک گیا۔

"یہ آواز کیسی تھی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"دھب کی آواز تھی۔ کچھ گرا ہو گا۔" قدیر بولا۔ "بارش میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ کہیں کوئی مکان بیٹھ جاتا ہے اور کہیں دیوار گر جاتی ہے۔"

وہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ہی تین آدمی دروازے پر نمودار ہوئے ان تینوں

aazzamm@yahoo.com

کے ہاتھوں میں کلاشنکوف تھیں۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" ان میں سے ایک غرایا۔

ظفری نے اس شخص کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"وہ تارا تھا۔"

○

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

وہ تینوں اس صورتحال پر بوکھلا سے گئے تھے۔ تارا کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ ظفری کے سینے کی طرف تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے پپو اور قدیر کو اپنے اپنے اسلحہ کی زد پر لے رکھا تھا۔

"تمہیں ان دکانوں کے سامنے دیکھ کر میں چونکا تھا۔" تارا نے ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ہاتھوں میں شاپنگ بیگ دیکھ کر مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم کہیں آس پاس ہی رہ رہے ہو۔ میں نے تم پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے اور تم بھی شاید مطمئن ہو گئے تھے۔ میں نے اسی وقت ایک آدمی کو تمہارے پیچھے بھیج دیا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں گزشتہ تین چار مہینوں سے اسی علاقے میں رہ رہا ہوں۔ یہاں میرا بڑا ٹھکانہ ہے۔ میں نے حلوائی کی دکان پر کام کرنے والے ایک لڑکے کو تمہارے پیچھے بھیج دیا تھا۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ تم جیسے ہی مین روڈ پر مڑے وہ ایک آڑ میں کھڑا تمہیں دیکھتا رہا۔ اتفاق سے اسی وقت بجلی چلی گئی۔ اس صورتحال سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور تاریکی میں تمہارا پیچھا کرتا رہا۔ اس نے دس بارہ منٹ بعد واپس آکر مجھے بتا دیا تھا کہ تم کہاں گئے ہو۔ مجھے یہاں آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ کیونکہ مجھے کچھ انتظام بھی تو کرنا تھا۔"

"کیا چاہتے ہو تم؟" ظفری نے اسے گھورا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکا تھا اور اس کا لہجہ بھی قدرے پرسکون تھا۔

"تمہیں یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" تارا نے جواب دیا۔ "کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو تارا۔" ظفری نے کہا۔ "میری اور تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہم دونوں میں کبھی کوئی تصادم بھی ہوا ہو۔ اگر میں اسی علاقے میں موجود ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہارے دھندے میں کوئی مداخلت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ قدیر میرا دوست ہے۔" اس نے قدیر کی طرف اشارہ کیا۔ "میں پپو کے ساتھ اس سے ملنے آیا تھا۔ بارش کی وجہ سے رک گیا تھا۔ آج کی رات یہاں رہوں گا۔ صبح واپس چلا جاؤں گا۔ میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

aazzamm@yahoo.com

اس لیے ہمیں آپس میں نہیں الجھنا چاہیے۔"

"میں نے حاجی کا نمک کھایا ہے۔" تارا نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اور میں نمک حرام نہیں ہوں۔"

"تمہیں نمک حرامی کرنے کو کون کہتا ہے۔" ظفری بولا۔ "میں کوئی مداخلت تو نہیں کررہا۔ تم آرام سے اپنا دھندہ کرتے رہو۔"

"انجان بننے کی کوشش مت کرو ظفری۔" تارا نے اسے گھورا۔ "تم جانتے ہو کہ حاجی اور شارق میں دشمنی چل رہی ہے۔ شارق حاجی کے کئی بندے مار چکا ہے اور اس کا بہت نقصان کر چکا ہے۔ اس لیے میں اس معاملے سے الگ نہیں رہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم حاجی کا حق نمک ادا کرتے رہو۔ اگر شارق کہیں نظر آجائے تو اسے گولی مار دو لیکن میرا اس معاملے سے کیا تعلق۔" ظفری نے کہا۔ "بہت گہرا تعلق ہے تمہارا۔" تارا بولا۔ "اگر تم جیسے لوگ شارق کے ساتھ نہ ہوتے تو شارق کو حاجی کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوتی۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے تارا۔" ظفری نے کہا۔ "میرا شارق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ بہت اونچا آدمی ہے اور ہم جیسے لوگوں کو تو وہ گھاس بھی نہیں ڈالتا۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" تارا چیخا۔ "تین دن پہلے تم لوگوں نے حاجی کا تین کروڑ روپے کا سونا لوٹا ہے اور اس کے دو بندے مار دیئے ہیں۔ وہ تو شکور کی قسمت اچھی تھی کہ تم لوگوں کو دھوکا دے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس نے حاجی کو شارق کے ساتھیوں کے جو حلیے بتائے تھے۔ ان میں ایک تمہارا حلیہ تھا۔ تمہارے کان کی لو پر سیاہ تل تمہاری پہچان بن گیا ہے ظفری۔ اور اب میں تمہیں حاجی کے سامنے پیش کروں گا تو وہ بہت خوش ہوگا۔ میرا خیال تھا کہ شارق بھی یہیں ہوگا۔ لیکن اسے نہ پاکر مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ کوئی بات نہیں حاجی تم سے شارق کا پتا معلوم کرلے گا۔"

"اوہ!" ظفری کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "شکور کی واقعی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ کر چلا گیا۔ لیکن اس نے حاجی کو جو کہانی سنائی ہے وہ غلط ہے۔ وہ نہ تو بہادری کا مظاہرہ کرکے وہاں سے بھاگا تھا اور نہ ہی اس نے ہمیں کسی قسم کا دھوکا دیا تھا شارق نے جان بوجھ کر اسے زندہ چھوڑا تھا تاکہ وہ حاجی کو بتا سکے کہ سونا کس نے لوٹا تھا۔ کیا اس نے حاجی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی قمیص کہاں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "بہرحال' میرا خیال تھا کہ شارق کے بارے میں اطلاع پاکر حاجی خود یہاں بھاگا آئے گا لیکن ...."

"میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ جاتے ہی حاجی کو بتا دیتا۔" تارا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اگر حاجی خود یہاں آجاتا تو مجھے کیا ملتا۔ حاجی کو میں نے ابھی تک نہیں بتایا۔ میں نے سوچا تھا کہ شارق کو باندھ کر حاجی کے سامنے پیش کروں گا۔ تو وہ مجھے منہ مانگا انعام دے گا۔ لیکن بہرحال' شارق نہ سہی' حاجی تم سے خود ہی شارق کا پتا معلوم کرلے گا اور میرا انعام تو مجھے مل ہی جائے گا۔ جانتے ہو کہ شارق کو پکڑنے یا اس کا صحیح پتا بتانے والے کے لیے حاجی نے پچاس لاکھ روپے کا انعام رکھا ہے۔ ایک دو دن میں اس کی طرف سے یہ اشتہار اخباروں میں بھی چھپ جائے گا۔ مجھے پچاس لاکھ نہ سہی۔ پندرہ بیس لاکھ تو مل ہی جائیں گے۔"

ظفری نے اطمینان کا سانس لیا۔ انعام کے لالچ میں اس نے حاجی کو ابھی تک اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ خود شارق یا ظفری کو پکڑ کر حاجی کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا اور اپنے دو آدمیوں کو لے کر یہاں آگیا تھا۔

"دیکھو تارا!" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "پندرہ بیس لاکھ روپے تو کیا حاجی تمہیں پندرہ بیس پیسے بھی نہیں دے گا۔ تم جانتے ہو کہ حاجی کا تین کروڑ روپے کا سونا ہمارے قبضے میں آچکا ہے۔ اگر تم حاجی کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ آجاؤ تو تمہیں اس سونے میں سے حصہ مل سکتا ہے۔"

"کیا تم آدھا حصہ مجھے دے سکتے ہو؟" تارا نے کہا۔

ظفری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ نمک خوار فوراً ہی نمک حرامی پر اتر آیا تھا۔

"آدھا حصہ تو نہیں۔ البتہ تمہیں اتنا مل سکتا ہے کہ زندگی بھر عیش کرو گے۔ حاجی پیسے کا پجاری ہے۔ اسمگلر ہے۔ لوگوں کا خون چوس چوس کر دولت جمع کررہا ہے تم لوگ اس کے لیے کام کرتے ہو۔ قتل تک کیے ہیں تم نے اس کے لیے لیکن حاجی نے تمہیں کیا دیا ہے۔ اس وقت تمہارے پاس پانچ ہزار بھی نہیں ہوں گے۔ اس کے برعکس شارق کو دولت کی پروا نہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کا خیال رکھتا ہے۔ یہ دیکھو۔" اس نے جیب سے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نکال کر اس کے سامنے پھینک دی۔ "شارق کے ساتھ رہتے ہوئے ہمیں پیسوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ بغیر مانگے ہمیں نوٹوں کی ایسی ہی موٹی موٹی گڈیاں دیتا رہتا ہے۔ ہمیں اس کے لیے کام کرکے خوشی ہوتی ہے۔ حاجی اپنے آدمیوں کو کیا دیتا ہے۔ شارق سے بات کرلو تو تمہیں اس سونے میں سے بھی ٹھیک ٹھاک حصہ مل سکتا ہے۔"

"لیکن ....." تارا نے کن انکھیوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"ان سے معاملہ کرنا تمہارا کام ہے۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے۔" تارا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"جیسے تمہاری مرضی استاد۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ "واقعی حاجی سے تو ہمیں سوائے دو وقت کی روٹی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میری جیب میں تو اس وقت پچاس روپے بھی نہیں ہیں۔ ان کو دیکھو۔ عیش کرتے ہیں۔"

"ایک منٹ۔" تارا ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں ان سے ذرا علیحدگی میں بات کرلوں۔"

"بالکل کرلو۔" ظفری نے جواب دیا۔ "شارق باؤ کے ساتھ رہو گے تو واقعی عیش کرو گے۔ جاؤ ..... دوسرے کمرے میں جاکر پروگرام بنالو۔"

"لیکن ....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں یار۔" ظفری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ ہم تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔ جاؤ۔ دوسرے کمرے میں جاکر آرام سے بات کرلو۔"

تارا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر انہیں اشارہ کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ ظفری ان کے ساتھ آیا تھا۔ وہ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول کر واپس چلا گیا۔

تقریباً دو منٹ بعد دوسرے کمرے سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ پستول سے دو فائر ہوئے تھے۔ ظفری وغیرہ دوڑ کر اپنے کمرے سے نکلے۔ ٹھیک اسی وقت تارا دوسرے کمرے سے باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"کیا ہوا؟ گولیاں کس نے چلائی تھیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"میں نے۔" تارا نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے۔ وہ میرے حصے میں سے آدھا طلب کررہے تھے۔"

"کونسا حصہ؟" ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"وہ حصہ جو مجھے شارق سے ملتا۔ اس میں سے آدھا طلب کررہے تھے۔ میں نے ان کا قصہ ہی تمام کر دیا۔" تارا نے جواب دیا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔" ظفری نے کہتے ہوئے آرام سے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ "آؤ۔ ادھر آجاؤ۔"

وہ اسے کمرے میں لے آئے۔ ظفری نے دروازہ بند کر دیا۔ یہ علاقہ سنسان تھا۔ تارا نے بند کمرے میں گولیاں چلائی تھیں۔ اسے امید تھی کہ فائرنگ کی آواز زیادہ دور تک نہیں سنی گئی ہوگی۔ اگر کسی نے سنی بھی ہوگی تو اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوگا کہ فائرنگ کہاں ہوئی

تھی۔

ظفری، تارا کی طرف گھوم گیا اور اچانک ہی اس کے جبڑے پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔ تارا کراہ کر گرا۔ وہ ایک دم بدحواس ہوگیا تھا۔ ظفری نے اسے دو تین ٹھوکریں بھی رسید کر دی تھیں۔

"نمک حرام۔" وہ اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔ "تو اپنے مالک کا نہیں ہو سکا تو کسی اور سے کیا وفاداری کرے گا۔ دولت کے لالچ میں تم نے اپنے ان ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو تمہارے کہنے پر جان کی بازی لگانے آئے تھے اور تمہارے ہی ہاتھوں ختم ہوگئے۔"

"یہ۔ یہ سب کچھ میں نے تم لوگوں کے لیے کیا ہے۔" تارا نے کہا۔ خوف سے اس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔

"ہمارے لیے کیا ہے؟" ظفری نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری۔ "ہمارے لیے تو تم ان دونوں کو لے کر آئے تھے تاکہ ہمیں باندھ کر حاجی کے سامنے پیش کرو اور انعام حاصل کرو۔ تم تو شارق کو بھی باندھ کر یہاں سے لے جانا چاہتے تھے۔ شارق پر ہاتھ ڈالنا اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے تم نے ..... اب تو بیٹا ہم تمہیں باندھ کر شارق کے حوالے کریں گے۔ پہلے ان لاشوں کا بندوبست کریں۔" وہ قدیر کی طرف مڑ گیا۔ "ان دونوں لاشوں کو رکشے میں ڈال کر کہیں دور پھینک آؤ ..... اگر اقبال ٹاؤن میں حاجی کی کوٹھی کے آس پاس کہیں پھینک سکو تو بڑی اچھی بات ہوگی۔"

"فکر ہی نہ کرو۔" قدیر نے کہا۔ "اگر تم کہو تو حاجی کی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے ڈال آؤں۔"

"اتنا زیادہ رسک لینے کی بھی ضرورت نہیں۔" ظفری نے کہا اور کمرے میں پڑی ہوئی ایک رسی اٹھا کر تارا کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔

اس نے تارا کے ہاتھ پشت پر باندھے تھے۔ اسی رسی سے اس نے پیر بھی باندھ دیئے تھے۔ اسے ایک طرف ڈال کر وہ قدیر اور پپو کو اشارہ کرتا ہوا دوسرے کمرے میں آگیا۔

تارا نے ان دونوں کی پیشانیوں پر گولیاں ماری تھیں اور وہ دونوں منہ کے بل اس طرح گرے تھے کہ زخموں سے بہنے والا سارا خون زمین پر ہی گرا تھا۔ کسی کے کپڑوں پر ایک چھینٹا تک نہیں پڑا تھا۔ صرف ایک کی گردن پر خون کی ہلکی سی دھار نظر آرہی تھی۔

خون جم چکا تھا۔ ظفری نے بستر کی چادر پھاڑ کر ایک ٹکڑے سے دونوں کی پیشانیوں سے خون صاف کیا اور دونوں کی پیشانیوں پر پٹیاں اس طرح باندھ دیں کہ اگر خون رسے بھی تو بہہ نہ

aazzamm@yahoo.com

سکے۔

"پپو۔" ظفری اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری مدد کرو اور ان دونوں کو اٹھا کر رکشے میں ڈال دو۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔ میں رکشہ دروازے کے سامنے لے آؤں۔" قدیر نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد وہ رکشہ اسٹارٹ کرکے دروازے کے سامنے لے آیا۔ ابھی وہ لاش اٹھا رہے تھے کہ ایک دم تاریکی چھا گئی۔

"لعنت ہو" پپو بڑبڑایا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" قدیر بولا۔ "میرے کام میں آسانی ہو جائے گی۔" پپو اور ظفری نے ایک لاش اٹھا کر رکشے میں ڈال دی۔ اسے سیٹ پر اس طرح رکھا گیا تھا جیسے کوئی زندہ آدمی سائیڈ سے کندھے کی ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا اس کا سر بھی رکشے کی ریگزین کی باڈی کے ساتھ ٹک گیا تھا۔ دوسری لاش بھی اس کے ساتھ اسی طرح رکھ دی گئی۔ ظفری نے پھٹی ہوئی چادر اٹھا کر ان کی ٹانگوں پر پھیلا کر ڈال دی۔

"انہیں اس طرح ٹکا دیا ہے کہ گریں گے نہیں۔ لیکن خیال رکھنا رکشے کو زیادہ جھٹکے نہ لگنے پائیں۔" ظفری نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو ظفری بادشاہ۔" قدیر اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"نہ تو یہ گریں گے اور نہ ہی کسی کو شک ہوگا کہ یہ زندہ انسان ہیں یا لاشیں۔" اس نے رکشہ اسٹارٹ کرکے موڑ لیا۔

پپو نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور رکشہ باہر نکل گیا۔ پپو گیٹ بند کرکے دوبارہ کمرے میں آگیا۔

گلی کچی تھی۔ بارش کا پانی ابھی تک جمع تھا۔ کئی جگہوں پر گڑھے پڑ گئے تھے' قدیر بڑی احتیاط سے رکشہ چلا رہا تھا۔ سڑک پر آکر اس نے رفتار کسی قدر بڑھا دی۔

اس نے رکشہ اقبال ٹاؤن کی طرف جانے والی سڑک پر موڑا تو سامنے دکانوں پر اب بھی رونق تھی۔ دکانوں میں پیٹرومیکس اور موم بتیاں وغیرہ جل رہی تھیں۔ یہاں دکانیں صرف ایک طرف تھیں۔ ان کے سامنے سڑک کے دوسری طرف دکانیں نہیں تھیں البتہ پھلوں کے ٹھیلے کھڑے تھے۔ یہاں بس اسٹاپ بھی تھا اور کئی لوگ اسٹاپ پر کھڑے تھے۔ کئی لوگوں نے رکشہ رکوانے کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے مگر قدیر ان پر توجہ دیئے بغیر رکشے کو اسی رفتار سے چلاتا گیا۔

حاجی کی کوٹھی وہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھی۔ سڑک ٹوٹی پھوٹی تھی اور چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ یہ علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ مکان تیزی سے بن رہے تھے۔ جو مکان مکمل ہو چکے تھے وہ تو آباد ہو چکے تھے لیکن بجلی بند ہونے کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ کونسا مکان خالی ہے اور کونسا آباد۔

تقریباً دو میل آگے جاکر قدیر نے رکشہ بائیں طرف ایک گلی میں موڑ دیا۔ اس علاقے کی تمام گلیاں کچی تھیں۔ رکشے کو خاصے جھٹکے لگ رہے تھے۔ قدیر بڑی احتیاط سے رکشہ چلا رہا تھا۔ اس نے رکشہ دائیں طرف ایک اور گلی میں موڑ لیا۔ اس کی نظریں تاریکی میں بھی سرچ لائٹ کی طرح ادھر ادھر گردش کررہی تھیں۔ بالآخر ایک جگہ پر اس نے رکشہ روک لیا اور انجن بند کرکے نیچے اتر آیا اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس گلی میں صرف دو مکان آباد تھے اور وہ دونوں مکان پیچھے رہ گئے تھے۔ جس جگہ اس نے رکشہ روکا تھا اس کے دائیں بائیں زیرتعمیر ادھورے مکان تھے۔ اس نے جھک کر ایک لاش کو کندھے پر اٹھایا اور بڑی تیزی سے اسے دائیں طرف والے مکان میں لے گیا۔ اندر جاکر اس نے لاش کو ایک دیوار کے ساتھ بیٹھنے والی پوزیشن میں ٹکا دیا۔

دوسری لاش وہ سامنے والے مکان میں لے گیا۔ وہ دروازے میں داخل ہورہا تھا کہ کیچڑ میں اس کا پیر پھسل گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ لاش اس کے کندھے پر تھی۔ وہ دھم سے نیچے گرا۔ لاش بھی اس کے ساتھ ہی گری تھی۔ اس کی پتلون کیچڑ میں لت پت ہوگئی تھی۔ اس نے اٹھ کر لاش کو گھسیٹ کر ایک طرف کر دیا اور باہر آکر رکشے میں بیٹھ گیا اور رکشے کو اسٹارٹ کرکے سیدھا آگے نکال لے گیا۔

وہ دوسری گلی میں گھوم کر اس گلی میں آگیا جہاں حاجی کی کوٹھی تھی۔ یہ وہی کوٹھی تھی جو چند مہینے پہلے حاجی نے شارق کو دی تھی اور رضیہ کے نام ٹرانسفر کی گئی تھی۔ اور بعد میں حاجی نے دھوکے سے واپس لے لی تھی۔

کوٹھی کے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ قدیر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوٹھی کا محافظ ہوگا اور چادر کے اندر یقیناً کلاشنکوف وغیرہ ہوگی۔

وہ گلیوں میں گھومتا ہوا سڑک پر آگیا۔ اسی وقت سامنے والی گلی سے ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک آدمی نکل کر سڑک پر آگئے۔ اس آدمی نے رکشے کو روکنے کا اشارہ کیا۔ قدیر نے رکشہ روک لیا۔

"میں آپ کو صرف اچھرے موڑ تک لے جا سکتا ہوں میاں جی۔" قدیر نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا رکشہ ٹھیک نہیں ہے۔ زیادہ دور تک نہیں جا سکتا۔"

aazzamm@yahoo.com

"موڑ تک ہی لے چلو بھائی۔ بڑی مہربان ہوگی تمہاری۔" اس آدمی نے کہا۔ پہلے اس نے خاتون کو بٹھایا پھر خود بیٹھ گیا۔

قدیر رکشہ کو آہستہ آہستہ چلاتا رہا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی کسی قدر آگے جھکا ہوا تھا اور مسلسل بارش اور بجلی کا رونا رو رہا تھا۔

موڑ پر قدیر نے رکشہ روک لیا۔

"کتنے پیسے دوں بھئی۔" اس آدمی نے رکشے سے اتر کر پوچھا۔

"رہنے دیں میاں جی۔ اس طرف تو آ ہی رہا تھا۔ آپ سے کیا پیسے لینے۔ قدیر نے جواب دیا۔"

وہ آدمی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ ایک طرف ہوگیا۔

وہاں کھڑے ہوئے کئی لوگ رکشے کی طرف بڑھے تھے لیکن قدیر نفی میں سرہلاتا ہوا رکشے کو آگے نکال لے گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو پپو اور ظفری اس کمرے کا فرش صاف کرچکے تھے جہاں ان دونوں کو قتل کیا گیا تھا۔ وہ دونوں دوسرے کمرے میں تھے جہاں تارا فرش پر بندھا ہوا پڑا تھا۔

"کہاں پھینکیں لاشیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"حاجی کی کوٹھی کے بالکل قریب ساتھ والی گلی میں۔" قدیر نے جواب دیا۔ "اگر بجلی آگئی تو رات ہی کو ان لاشوں کا پتا چل جائے گا ورنہ صبح حاجی کو شاید سب سے پہلی خبر ان لاشوں ہی کے بارے میں ملے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" ظفری مسکرایا۔ "حاجی کو ایسی خبریں ملتی ہی رہنی چاہئیں۔"

"اب اس کا کیا کرنا ہے ظفری۔" قدیر نے تارا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی پتا کر لیتے ہیں کہ اس کا کیا کرنا ہے۔" ظفری نے کہا پھر پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں ڈال آؤ۔ میں ذرا شارق باؤ سے بات کرلوں۔"

"پپو نے اٹھ کر رسیوں میں بندھے ہوئے تارا کو اس طرح کندھے پر لاد لیا جیسے وہ کوئی بوری ہو۔ دوسرے کمرے میں لیجا کر اس نے تارا کو بوری ہی کی طرح فرش پر پٹخ دیا تھا۔ تارا ایک دم چیخ اٹھا تھا۔ پپو نے جھلنگا سی چارپائی پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور واپس آگیا۔ اس وقت ظفری فون کا ریسیور اٹھائے نمبر ملا رہا تھا۔

ظفری ریسیور کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ گھنٹی بج رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں ہوئی۔ اس نے کریڈل ٹیپ کیا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ اس مرتبہ چوتھی گھنٹی پر کال ریسیو کرلی گئی۔ آواز شارق ہی کی

تھی۔

"میں ظفری بول رہا ہوں شارق باؤ۔" ظفری نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"یہاں ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ اس لئے میں نے فون کیا ہے۔ بہت دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔"

"یہاں بجلی نہیں ہے۔ ہم باہر بیٹھے ہوئے تھے۔" شارق کی آواز سنائی دی۔ "کیسی ایمرجنسی؟ کیا ہوا؟"

"حاجی کے دو بندے مارے گئے ہیں۔" ظفری نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "ان دونوں لاشوں کو ہم نے ٹھکانے لگا دیا ہے بلکہ حاجی کی کوٹھی کے قریب پھینک دیا ہے اور تارا ہمارے قبضے میں ہے۔ اب تاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"میرا انتظار کرو۔ میں آرہا ہوں۔" دوسری طرف سے شارق نے کہا اور اس کے ساتھ ہی فون کی لائن بے جان ہوگئی۔

ظفری نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ "شارق باؤ یہاں آرہا ہے۔" اس نے پپو اور قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تارا کے بارے میں فیصلہ وہی کرے گا۔"

"پپو یار۔" قدیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس بھاگ دوڑ نے تو بری طرح تھکا دیا ہے۔ چائے تو بنا کر پلا دے یار۔"

"ہاں یار، میرا بھی چائے پینے کو دل چاہ رہا ہے۔" ظفری بولا۔ پپو اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ٹین کی چھت والا ایک چھوٹا سا کمرہ باورچی خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس نے باورچی خانے میں آکر سب سے پہلے موم بتی جلائی پھر مٹی کے تیل والا اسٹوو جلا کر چائے بنانے لگا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد چائے بنا کر لایا تھا۔ اس نے ایک ایک پیالی ان دونوں کے سامنے رکھ دی اور ایک خود لے کر بیٹھ گیا۔ وہ چائے کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔ ابھی ان کی چائے ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ باہر سے رکشے کی آواز سنائی دی۔ قدیر جلدی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

رکشہ دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا رخ گیٹ کی طرف تھا اور اس کی روشنی گیٹ پر پڑ رہی تھی۔ قدیر نے گیٹ کھول دیا۔ رکشہ اندر آگیا۔ جب وہ گیٹ بند کرکے واپس مڑا تو شارق رکشہ بند کرکے نیچے اتر چکا تھا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ اور شاہ پری نیچے اتر رہی تھیں۔ ثمینہ نے حسب معمول برقعہ پہن رکھا تھا اور شاہ پری نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔

وہ لوگ کمرے میں آگئے۔ جہاں دو موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی بہرحال اتنی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے چہرے دیکھ سکتے تھے۔

"کہاں ہے وہ؟" شارق نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"دوسرے کمرے میں۔ آؤ میرے ساتھ۔" ظفری بولا۔

وہ لوگ دوسرے کمرے میں آگئے۔ پپو نے اس کمرے میں بھی موم بتیاں جلا دیں۔ تارا فرش پر بندھا ہوا پڑا تھا۔ شارق کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے۔

"اسے کھول دو۔" شارق نے کہا۔

پپو نے تارا کو کھول دیا اور اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا بھی نکال دیا۔ تارا لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"میں تمہیں زندہ چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر؟" شارق نے تارا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں شارق باؤ۔" تارا خوف سے کانپ رہا تھا۔ "میں تو تمہارے لیے کام کرنا چاہتا تھا لیکن ان لوگوں نے ....."

"چٹاخ۔"

تارا کی آواز طمانچے کی آواز میں دب گئی تھی۔ شارق کا طمانچہ واقعی زوردار تھا۔ تارا کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

"میں کوئی کہانی نہیں سننا چاہتا۔" شارق کے حلق سے بھیڑیے کی سی غراہٹ نکلی۔ "اگر تم یہ بتا دو کہ حاجی کہاں چھپا بیٹھا ہے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"مم ..... مجھے کچھ نہیں پتا شارق باؤ۔" تارا ہکلایا۔ "وہ تمہارے خوف سے ٹھکانے بدل رہا ہے۔ کسی بھی ٹھکانے پر ایک رات سے زیادہ نہیں رہتا۔ مجھے پتا نہیں کہ آج وہ کہاں ہوگا۔"

شارق کچھ بولنا چاہتا تھا کہ دوسرے کمرے سے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ قدیر جلدی سے دوسرے کمرے میں گیا اور پھر اسے واپس آنے میں بھی ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

"انسپکٹر عثمان کا فون ہے۔" اس نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے بتا دیا ہے کہ تم یہاں موجود ہو۔ وہ تم سے کوئی اہم بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کوئی اہم بات ہی ہوگی ورنہ وہ اس وقت فون نہ کرتا۔" شارق کہتے ہوئے فون والے کمرے میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ "ہیلو عثمان ..... خیریت۔ اس وقت کیسے فون کیا۔ کوئی خاص بات؟"

"ہاں ..... بہت ہی اہم اطلاع ہے۔ اچھا ہوا تم یہاں مل گئے۔" ریسیور پر انسپکٹر عثمان کی آواز سنائی دی۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نے حاجی کے دو آدمیوں کو قتل کرکے ان کی لاشیں حاجی کے

گھر کے قریب پھنکوائی ہیں۔"

"ان دو آدمیوں کو میں نے یا میرے کسی ساتھی نے نہیں بلکہ حاجی ہی کے ایک آدمی تارا نے قتل کیا تھا۔ لیکن تمہیں کیسے پتا چلا۔" شارق بولا۔

"اتفاق سے میں اس وقت حاجی کی کوٹھی میں موجود تھا۔" عثمان نے کہا۔

"تم ..... حاجی کی کوٹھی میں؟" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "میں دراصل حاجی سے مل کر اسے یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے خلاف جو کچھ کیا تھا وہ میری غلطی تھی۔ معافی تلافی سے معاملہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ سن گن بھی لینا تھی۔ میں حاجی سے باتیں کررہا تھا کہ ان لاشوں کے بارے میں اطلاع ملی جو ایک گلی کے دو زیرتعمیر مکانوں میں پھینکی گئی تھیں۔ حاجی کے ایک گن مین نے ایک رکشے کو اس گلی سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "حاجی کے اسی گن مین کا کہنا ہے کہ شام آٹھ بجے کے قریب تارا کوٹھی سے دو آدمیوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے کچھ بتایا نہیں تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ بعد میں جب ان دونوں کی لاشیں ملیں تو بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔ موڑ پر حلوائی کے ایک ملازم لڑکے نے یہ انکشاف کیا کہ تارا نے اسے کسی آدمی کے پیچھے بھیجا تھا جو اس کے گھر کا پتا معلوم کرکے آیا تھا۔ حاجی کو ساری رپورٹ مل چکی ہے۔ وہ لڑکا بھی اس وقت حاجی کے پاس ہے اور حاجی کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم خود بھی وہاں موجود ہو۔ حاجی کے آدمی وہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ لڑکا بھی ان کے ساتھ ہے جو تمہارے اس ٹھکانے کی نشاندہی کرے گا۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"حاجی کی کوٹھی سے تقریباً ایک فرلانگ دور اپنے ایک دوست کے مکان سے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "اس وقت حاجی اپنے آدمیوں کو جمع کررہا تھا۔ میں وہاں سے آگیا تھا۔ تاکہ کسی طرح تمہیں اطلاع دے سکوں۔"

"شکریہ عثمان۔" شارق بولا۔ "کیا حاجی اس وقت کوٹھی میں موجود ہے؟"

"ہاں۔ وہ کوٹھی ہی میں ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بعد میں کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور دوسرے کمرے میں آکر اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگا۔

"شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "تم ثمینہ بی بی اور شاہ پری کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ ہم ان لوگوں سے نمٹ لیں گے۔"

aazzamm@yahoo.com

"اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی تو؟" شارق بولا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔ وہ پوری فوج بھی لے آئیں تو ہم پر قابو نہیں پاسکیں گے۔" ظفری نے کہا۔ "بس تم ان دونوں کو لے کر نکل جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" اگر یہاں سے نکل سکو تو گلبرگ آجانا۔" شارق نے انہیں گلبرگ والی کوٹھی کا پتا سمجھا دیا۔

اس نے اچانک ہی قریب کھڑے ہوئے تارا کی کنپٹی پر زور دار گھونسہ مار دیا۔ وہ کراہتا ہوا نیچے گرا۔ وہ ایک ہی گھونسے میں بے ہوش ہوگیا تھا۔

ظفری اور قدیر نے بے ہوش تارا کو اٹھا کر رکشے کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا ثمینہ اور شاہ پری اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ سیٹ چھوٹی تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو کسی طرح ایڈ جسٹ کرلیا تھا۔ وہ دونوں تارا کو درمیان میں لے کر اس طرح بیٹھی تھیں جیسے وہ بیمار ہو۔

"شارق نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ اسٹارٹ کردیا۔ قدیر نے جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ شارق نے رکشہ گیٹ سے نکال کر گلی میں دائیں طرف موڑ دیا۔ وہ مین روڈ پر آنے کے بجائے گلیوں ہی گلیوں سے نکلنا چاہتا تھا۔

شارق کا رکشہ کچھ آگے جاکر بائیں طرف کی ایک گلی میں مڑا ہی تھا کہ مین روڈ سے ایک کار اس گلی میں داخل ہوئی۔ اس کار میں پانچ آدمی تھے۔ ایک اسٹیئرنگ کے سامنے دوسرا اس کے ساتھ والی سیٹ پر اور تین آدمی پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ حاجی کے گرگے تھے اور ان سب کے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا وہ لوگ کار سے اتر گئے۔ ڈرائیور نے کار کچھ آگے جاکر روک لی اور انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی کلاشنکوف رائفل تھی۔

گلی میں گہری تاریکی تھی۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور خود مکان کی دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ دیوار پر ابھی پوری طرح سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ مکان کے اندر سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ کئی گولیاں اس شخص کو لگیں اور وہ چیختا ہوا گلی میں گر گیا۔ وہ کیچڑ میں بری طرح تڑپ رہا تھا۔

اس کے باقی ساتھی ادھر ادھر پھیل گئے۔ دوسرے مکان کی دیوار بھی احاطے کی طرح تھی۔ دو آدمی اس دیوار پر چڑھ گئے۔ اندر سے پھر فائرنگ ہوئی۔ ان میں سے ایک چیختا ہوا دیوار سے گر گیا۔ اس کا جسم چھلنی ہوگیا تھا۔

ظفری، پپو اور قدیر نے اپنی پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ انہوں نے حملہ آوروں پر گولیوں کی

بارش کردی تھی۔ اس دوران دو حملہ آور اگرچہ ڈھیر ہو چکے تھے لیکن باقی تین آدمیوں نے پوزیشن لے کر فائرنگ شروع کر دی تھی۔

تقریباً دس منٹ تک دونوں طرف سے شدید فائرنگ ہوتی رہی۔ پھر ظفری اپنی کمین گاہ سے نکل کر آگے والے مکان کی چھت پر کود گیا اور دیوار پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے گلی میں آگیا۔ چند گز آگے وہ کار کھڑی تھی جس پر حملہ آور آئے تھے۔ ظفری اس کار کی آڑ لیتا ہوا سامنے والے مکان کی دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا۔

حملہ آورر سامنے والے مکان کی چھت سے فائرنگ کررہے تھے۔ ظفری نے ان سے نمٹنے کے لیے ہی اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی۔ وہ مکان کا صحن عبور کرتے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا چھت پر آگیا اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

قدیر کے مکان کے عین سامنے والے مکان کی چھت پر دو حملہ آور نظر آگئے۔ وہ منڈیر کی آڑ سے قدیر کے مکان پر فائرنگ کررہے تھے۔ ظفری احتیاط سے چلتا ہوا ایسی جگہ پر آگیا جہاں سے وہ ان دونوں کو زد پر لے سکتا تھا وہ تیسرے کی تلاش میں تھا جو ابھی تک اس کی نظروں میں نہیں آیا تھا۔

ظفری بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ چھت پر تیل یا گھی کا ایک خالی ڈبہ پڑا ہوا تھا۔ ظفری کے پیر کی ٹھوکر لگنے سے وہ ڈبہ پر شور آواز کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا، دور تک چلا گیا۔

ڈبے کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن کر فائرنگ کرنے والے دونوں آدمی چونکے تھے۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے پیچھے مڑے تھے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرسکتے ظفری کی رائفل کا دہانہ کھل گیا۔ گولیوں نے ان دونوں کی چھلنی کر دیا تھا۔

تیسرا حملہ آور، جو ظفری کی نظروں میں نہیں آسکا تھا چند گز آگے ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے دیوار کی آڑ سے نکل کر ظفری پر فائرنگ کر دی۔

ظفری بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا تھا۔ لاتعداد گولیاں اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھیں۔ اگر اسے نیچے گرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو یہ ساری گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو جاتیں۔ نیچے گرنے کے ساتھ ہی اس نے رائفل کا ٹرائیگر بھی دبا دیا تھا۔

حملہ آور دیوار کے قریب کھڑا تھا۔ ظفری کی رائفل سے نکلنے والی کئی گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوگئیں اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

ظفری نے انگلی ٹرائیگر سے ہٹا لی۔ دوسری طرف قدیر اور پپو نے بھی فائرنگ روک دی تھی، فضا پر ایک دم سناٹا طاری ہوگیا۔ ظفری چھت پر لیٹا رہا۔ کئی سیکنڈ گزر گئے۔ سناٹا قائم رہا۔ وہ اپنی

aazzamm@yahoo.com

جگہ سے اٹھ کر آگے آگیا۔ اس نے وہ تینوں لاشیں دیکھ لیں۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا محتاط انداز میں آگے چلتا رہا۔ لیکن کسی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تمام کے تمام حملہ آور ختم ہو چکے تھے۔

ٹھیک اسی وقت دور کہیں سے پولیس سائرن کی آواز سنائی دی' حاجی کے آدمیوں نے یہ حملہ طے شدہ پروگرام کے مطابق کیا تھا اور عین ممکن ہے حاجی نے پولیس کو بھی بتا دیا ہو کہ شارق یا اس کے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں اور یقیناً پولیس اسی طرف آرہی تھی۔

"قدیر ..... پپو ....." ظفری چیخا۔ "مکان سے باہر نکلو۔ جلدی کرو۔" وہ خود بھی سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا نیچے آگیا اور پھر دیوار پھاند کر گلی میں پہنچ گیا۔ اسی وقت قدیر اور پپو بھی اپنے مکان سے باہر آگئے تھے۔

"اس طرف' وہ ان کی کار کھڑی ہے۔" ظفری چیختا ہوا کار کی طرف دوڑا۔

وہ دونوں بھی اسی طرف دوڑے تھے۔ پپو کا پیر کیچڑ میں پھسل گیا اور وہ دھڑام سے پشت کے بل نیچے گرا۔ قدیر نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ اس دوران ظفری کار کے قریب پہنچ چکا تھا۔

کار کے اگنیشن میں چابی موجود تھی۔ ظفری نے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ ٹھیک اسی وقت پولیس کی گاڑی سائرن بجاتی ہوئی گلی میں داخل ہوئی۔ قدیر اور پپو بھی اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر کار میں بیٹھ چکے تھے۔

کیچڑ اور پانی کی وجہ سے گلی میں داخل ہوتی ہوئی پولیس کی گاڑی کی رفتار کم تھی۔ پولیس والوں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی فائر کھول دیا۔

ایک دو گولیاں کار کی ڈکی میں لگیں اور ایک گولی پچھلی ونڈ اسکرین کو توڑ کر اگلی ونڈ سکرین توڑتی ہوئی نکل گئی۔ وہ تینوں بڑی پھرتی سے نیچے جھک گئے تھے۔ پپو نے اپنی پوزیشن بدل کر رائفل کھڑکی سے باہر نکالی اور اس کا رخ پیچھے کی طرف کرکے فائر کھول دیا۔ اس کی کوئی گولی اگرچہ پولیس وین کو نہیں لگی تھی لیکن پولیس وین رک گئی۔ وہ لوگ غالباً اپنی زندگیوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

ظفری نے کار کی رفتار بڑھا دی اور چند گز آگے جاکر اسے ایک اور گلی میں موڑ دیا۔ وہ بھی شارق کی طرح گلیوں ہی گلیوں میں نکل جانا چاہتا تھا۔

○

شارق رکشے کو گلیوں ہی گلیوں میں گھماتا ہوا مین روڈ پر نکل آیا۔ اس وقت رات کے گیارہ

بج چکے تھے۔ سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا۔ بارش کی وجہ سے بھی ٹریفک کم ہوگیا تھا۔ بہت سے لوگ بارش میں اپنی گاڑیاں باہر نکالنا پسند نہیں کرتے۔

ثمینہ اور شاہ پری نے بے ہوش تارا کو اپنے درمیان دبوچ رکھا تھا' ان دونوں نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ جب وہ دونوں شارق کے ساتھ کوٹھی سے نکلی تھیں تو دونوں نے احتیاطاً" پستول اپنے اپنے لباس میں چھپا لیے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید کسی موقع پر ان کی ضرورت پڑ جائے۔

شارق نے بھی اپنا پستول شرٹ کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ لیکن ابھی تک انہیں اسلحہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ قدیر کے ڈیرے پر جو صورتحال سامنے آئی تھی اس کے پیش نظر شارق نے تارا کو لے کر وہاں سے نکل جانا ہی مناسب سمجھا تھا کیونکہ وہ تارا سے حاجی کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کرسکتا تھا۔

ویسے یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ انسپکٹر عثمان نے انہیں بروقت خطرے سے آگاہ کردیا تھا۔ اگر عثمان سے انہیں اطلاع نہ ملتی تو وہ بے خبری میں گھیر لئے جاتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہوتی۔ شارق کو ظفری وغیرہ کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ لوگ ہوشیار ہو چکے تھے اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے یقیناً تیار ہوں گے۔

نہر والے موڑ پر شارق کو زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہاں پولیس نے انہیں روکا تھا لیکن دو عورتوں اور ان کے ساتھ ایک بیمار آدمی کو دیکھ کر پولیس نے انہیں جانے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق کو ایک بار پھر رکشے کی رفتار کم کرنی پڑی۔

یہ سڑک بالکل سنسان اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رکشہ کے ہیڈ لیمپ کی روشنی میں تین پولیس والے سڑک کے عین وسط میں کھڑے نظر آئے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے آج کچھ زیادہ ہی گڑبڑ ہے۔" شارق نے پیچھے گردن گھما کر کہا اور پولیس والوں کے قریب رکشہ روک لیا۔

"کیا بات ہے سر جی۔ آج کچھ زیادہ ہی چیکنگ ہورہی ہے۔" شارق پولیس والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور دوسرے ہی لمحہ وہ چونک گیا ان تین پولیس والوں میں ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل۔ شارق نے اے ایس آئی کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی نوجوان پولیس افسر تھا جس نے اس رات قصور کی طرف جاتے ہوئے انہیں چیک کیا تھا اور شارق اسے حاجی کے نام کی دھمکی دے کر نکل گیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"شہر کے لوگ کچھ زیادہ ہی خود مختار ہوگئے ہیں۔ ایک دوسرے کو مار مار کر سڑکوں پر پھینک رہے ہیں۔" ایک کانسٹیبل نے کہا اور پچھلی سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ لوگ کون ہیں بی بی۔ اور یہ آدمی بے ہوش کیوں ہے؟"

"یہ میرا بھائی ہے جی۔ بیمار ہے۔ اسے دورے پڑتے ہیں بے ہوش ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس لے کر جارہے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

اسی دوران اے ایس آئی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ روشن کرلی۔ اس وقت شارق نے اگرچہ منہ پھیرلیا تھا لیکن اس کا چہرہ روشنی میں آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اے ایس آئی چیخ اٹھا۔

"اوئے تم ....." اس نے ایکدم شارق پر پستول تان لیا۔ "تم تو وہی ہو جو اس دن حاجی کے نام پر دھوکہ دے کر بھاگ گئے تھے۔ اب میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم شارق ہو۔ ہاتھ اوپر اٹھالو اور خبردار کوئی حرکت مت کرنا۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور پھر آفیسر کے حکم پر رکشے سے اتر گیا۔

"بی بی۔ آپ لوگ بھی نیچے اتر جاؤ۔" اے ایس آئی نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شارق ہے۔ خطرناک مجرم۔ اس نے شہر میں قتل و غارت مچا رکھی ہے۔ آپ لوگ رکشے سے اتر کر اس طرف کھڑی ہو جائیں۔"

"میرا بھائی بے ہوش پڑا ہے۔ اگر اسے کچھ ہوگیا تو ....."

"فکر نہ کر بی بی ....." اے ایس آئی نے کہا۔ "کوئی گاڑی ادھر سے آتی ہے تو آپ لوگوں کو اس میں بٹھا دیں گے۔"

ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر تارا کو سیٹ پر ڈال کر نیچے اتر گئیں۔ دونوں کانسٹیبلوں نے بھی اپنی رائفلیں شارق پر تان رکھی تھیں۔ ثمینہ اور شاہ پری ان پولیس والوں کے پیچھے چلی گئیں اور پھر ان دونوں نے اپنے اپنے پستول نکال لیے۔ شاہ پری نے دونوں کانسٹیبلوں کو زد میں لے لیا تھا اور ثمینہ نے اپنا پستول اے ایس آئی کی پشت سے لگا دیا۔

"تم نے شارق کو تو پہچان لیا لیکن یہ بھول گئے کہ اس کے ساتھ ثمینہ بھی ہوتی ہے۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "تم تینوں اپنا اسلحہ پھینک دو۔ ورنہ قتل و غارت میں ثمینہ بھی شارق سے کم نہیں ہے۔"

اے ایس آئی نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا پھر اپنا ریوالور پھینک دیا۔ کانسٹیبلوں نے بھی رائفلیں پھینک دیں۔ شارق نے قمیص کے نیچے سے اپنا پستول نکال لیا۔

"تم عقلمند ہو۔" وہ اے ایس آئی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "اب تم تینوں اس گلی میں دوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔ اگر مڑ کر دیکھا یا کہیں رکے تو شوٹ کر دیئے جاؤ گے۔"

اے ایس آئی اور دونوں کانسٹیبل واقعی عقلمند تھے۔ انہوں نے شارق کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی اور مڑ کر کوٹھیوں کے درمیان ایک گلی میں دوڑتے چلے گئے۔

"چلو رکشے میں بیٹھو' جلدی کرو۔" شارق پستول قمیص کے نیچے اڑستا ہوا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رکشہ اسٹارٹ کردیا۔

ثمینہ اور شاہ پری نے اے ایس آئی کا ریوالور اور دونوں کانسٹیبلوں کی رائفلیں اٹھائیں اور رکشہ میں بیٹھ گئیں۔ تارا کو انہوں نے اپنے بیچ میں دبا لیا تھا۔ رکشہ ایک دم حرکت میں آگیا۔

اسی وقت پیچھے سے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی چمکی تھی۔ شارق رکشے کی رفتار بڑھاتا گیا۔ وہ گاڑی بھی تیز رفتاری سے قریب آرہی تھی اور بالآخر ان کے برابر پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوگئی۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ پولیس کی گاڑی تھی۔

ثمینہ اور شاہ پری بھی ہوشیار ہوگئیں۔ انہوں نے رائفلیں پیروں کے قریب ڈال کر چادر اور برقع کا پلو اس طرح پھیلا دیا تھا کہ رائفلیں چھپ گئی تھیں۔ ٹھیک اسی وقت تارا بھی کسمسانے لگا تھا۔ وہ شاید ہوش میں آرہا تھا۔ ثمینہ بدحواس سی ہوگئی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور تارا کو اپنے ساتھ لپٹا کر ایک ہاتھ سے اس کا منہ سختی سے دبا دیا۔

شاہ پری کے دل کی کیفیت بھی خاصی ابتر تھی۔ اس نے تارا کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

شارق کا خیال تھا کہ پولیس وین انہیں روکے گی۔ اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ لیکن پولیس وین رکی نہیں۔ ان کے برابر پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوئی تھی۔ یہ وہی وین تھی جس نے نہر کے پل کے قریب انہیں روکا تھا۔ وین میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں نے انہیں پہچان لیا تھا کہ یہ وہی خواتین تھیں جو مریض کو لے جارہی تھیں۔

"ابھی تک کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں پہنچے؟" وین کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سب انسپکٹر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"رکشہ خراب ہوگیا تھا جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں ایک ڈاکٹر کو جانتا ہوں جی۔ اس کی دکان لبرٹی میں ہے ساری رات کھلی رہتی ہے۔"

"جلدی لے کر جاؤ۔ ایسا نہ ہو مریض راستے ہی میں ختم ہو جائے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی وین کی رفتار تیز ہوگئی۔

شارق کے منہ سے اطمینان کا سانس نکل گیا۔ اگر پولیس کی یہ وین صرف دو منٹ پہلے آجاتی

aazzamm@yahoo.com

تو ان کا بچنا مشکل ہو جاتا۔ پولیس وین آگے جاکر دائیں طرف والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔ شارق نے رکشہ بائیں طرف کی ایک گلی میں گھما دیا اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا تہہ خانے والی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

شارق نے رکشہ کمپاؤنڈ میں کھڑا کرنے کے بجائے گیراج میں کار کے پیچھے کھڑا کرکے گیٹ بند کر دیا تھا۔ وہ گیراج کے اندرونی دروازے سے کمرے میں آگئے تھے۔ تارا پوری طرح ہوش میں نہیں آیا تھا۔ شارق اسے کندھے پر لاد کر کمرے میں لایا تھا۔

ثمینہ نے موم بتیاں وغیرہ تلاش کرکے روشنی کی۔ شارق نے اپنا پستول نکال لیا تھا اور تارا کو زد پر لے رکھا تھا جو فرش پر پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تارا کے حواس بحال ہوگئے۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ شارق کے قدموں پر گر گیا۔

"میرا کوئی قصور نہیں ہے شارق باؤ۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "میں تو خود تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔ میں نے ظفری کو بھی یہی کہا تھا۔"

"وہ شخص دولت کے لالچ میں اپنے پرانے مالک کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے ساتھ ملنا چاہے تو اس کی نیت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" شارق نے کہا۔

"نہیں شارق باؤ۔" تارا نے کہا۔ "میں سچ کہتا ہوں شارق باؤ۔ مجھے کوئی لالچ نہیں تھا۔ میں تو بہت عرصہ سے تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔ حاجی بہت ظالم آدمی ہے۔ اس نے تمہاری ماں اور بہن کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس وقت میرے دل میں حاجی کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی تھی۔"

"اگر تم میرے پاس آنا چاہتے تھے تو ان آدمیوں کو ساتھ لے کر کیوں آئے تھے اور پھر تم نے انہیں قتل کیوں کردیا؟" شارق بولا۔

"ان کے سامنے میرے منہ سے غلطی سے نکل گیا تھا کہ میں نے شارق کے ٹھکانے کا پتا چلا لیا ہے۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ اگر حاجی کو بتایا گیا تو وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم شارق اور ثمینہ کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ ہمیں انعام تو ملے گا۔" تارا نے جواب دیا۔

"اور انعام کے لالچ میں تم لوگ مجھے پکڑنے آئے تھے۔" شارق نے اسے گھورا۔ پھر جب ظفری نے سونے میں سے حصے کی پیش کش کی تو تم نے اپنے ہی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تاکہ وہ تم سے حصہ نہ مانگ سکیں۔"

"نہیں شارق باؤ۔ یہ بات نہیں۔" تارا گھگھیایا۔ "میں نے کسی لالچ میں انہیں نہیں مارا

تھا۔ وہ دونوں تمہیں پولیس کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ انہیں روکنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ انہیں ختم کر دیا جائے۔"

"تمہارے خیال میں شارق اتنا ہی کمزور ہے کہ اسے آسانی سے پکڑ لیا جاسکے۔" شارق نے اسے گھورا۔ "پہلے ماجھا گجر کی پارٹی پھر حاجی کا گروہ اور پورے ضلع کی پولیس تو شارق کا کچھ بگاڑ نہیں سکی اور تم دو آدمیوں کو لے کر مجھے پکڑنے آئے تھے۔"

کمرے میں صرف موم بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں تارا کا چہرہ کچھ زیادہ ہی پیلا نظر آرہا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری بڑے اطمینان سے ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ گھٹن سی بھی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد شاہ پری اٹھ کر برآمدے میں چلی گئی۔ لیکن دو ہی منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے ہوئے تھے۔

"پولیس کی گاڑیاں ان گلیوں میں گھوم رہی ہیں۔ انہیں ہمارے ٹھکانے کا پتا تو نہیں چل گیا۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پولیس سائرن کی آواز شارق نے بھی سن لی تھی۔

"انہیں ہمارے ٹھکانے کا پتا نہیں چل سکتا۔" شارق نے کہا۔

"انہیں یقیناً اتنا رکشے کی تلاش ہوگی جسے ایس ایس آئی اور اس کے ساتھیوں نے روکا تھا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ پولیس یہاں نہیں آسکتی۔"

اس نے جملہ مکمل کیا ہی تھا کہ ان سب کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ بتی آگئی تھی۔ تیز روشنی میں ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں۔

"باہر والا دروازہ لاک کردو ثمینہ اور برآمدے کی بتی بھی بجھا دو۔" شارق نے کہا۔ "تارا کو ذرا انڈر گراؤنڈ لے چلیں۔ اسے وہ سونا کھادیں جو ہم نے حاجی کے داماد سے چھینا تھا۔"

ثمینہ نے باہر جاکر برآمدے کی بتی بجھا دی اور دروازہ بند کرکے لاک کر دیا۔ وہ لوگ تارا کو لے کر تہہ خانے میں آگئے۔

شارق نے تہہ خانے میں رکھی ہوئی لکڑی کی پیٹیاں الٹ دیں۔ سونے کے بسکٹ فرش پر بکھر گئے۔ تارا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"یہ ہے وہ دولت جس کے لیے حاجی تم جیسے لوگوں کو مروا رہا ہے۔" شارق نے تارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور تم نے بھی اس کے لالچ میں اپنے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اس سے پہلے نجانے کتنے آدمیوں کو مار چکے ہو۔ یہ تین کروڑ کا سونا تمہارے سامنے ہے۔ اب تم بھی اس سونے کے ساتھ اس تہہ خانے میں بند رہو گے۔ بھوک لگے تو پیٹ بھرنے کے

aazzamm@yahoo.com

لیے اسے کھا لینا۔"

"مم ..... مجھے معاف کر دو شارق باؤ۔" تارا اس کے پیروں پر گر گیا۔ تم جو کہو گے میں کرنے کو تیار ہوں۔ میری زندگی بخش دو۔"

"میں اگر تمہیں چھوڑ بھی دوں تو حاجی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" شارق نے کہا۔ "اسے تمہارے دو ساتھیوں اور قدیر کے اڈے سے اپنے دوسرے آدمیوں کی لاشیں تو مل جائیں گی لیکن تمہاری لاش نہ پاکر وہ سمجھ جائے گا کہ تم نے غداری کی ہے۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میں تمہارا ہر حکم مانوں گا شارق باؤ۔" تارا رو دیا۔

"تمہیں ایک شرط پر کچھ دنوں کے لیے زندہ رکھا جا سکتا ہے۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" تارا نے کہا۔

"مجھے حاجی کے تمام ٹھکانوں کا پتا چاہیے اور ان جگہوں کا پتا بھی جہاں وہ اپنا مال رکھتا ہے۔"

"بتا دوں گا شارق باؤ۔ میں سب کچھ بتا دوں گا۔" تارا بولا۔

"لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ مجھے زندہ چھوڑ دو گے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ لاہور چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں حاجی اور اس کے آدمی مجھے تلاش نہ کر سکیں۔" میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ لیکن تمہیں وہ تمام پتے بتانے ہوں گے جو میں پوچھ رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"بتا دوں گا ..... میں حاجی کے سارے ٹھکانے بتا دوں گا۔" تارا نے روتے ہوئے کہا۔

"تو بس شروع ہو جاؤ۔" شارق نے کہا۔ "سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ حاجی اپنا اسمگل شدہ مال کہاں رکھتا ہے۔"

"مال رکھنے کے تین ٹھکانے ہیں۔" تارا نے جواب دیا۔ "ایک مصری شاہ میں، دوسرا باغبانپورے میں اور تیسرا ملتان روڈ پر ہے۔ بھلا اسٹاپ کے قریب ایک گلی میں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس نے ان ٹھکانوں کی لوکیشن بھی بتا دی۔

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "تم ایک دو دن اسی تہہ خانے میں رہو گے۔ اس کے بعد تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

شارق نے ثمینہ اور شاہ پری کو اشارہ کیا اور وہ تینوں تہہ خانے سے باہر آگئے۔ شارق نے تہہ خانے کا دروازہ بند کرکے تالا ڈال دیا تھا۔

"میرا خیال ہے چائے تو نہیں ملے گی۔" شارق نے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بغیر دودھ کی چائے مل سکتی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے دودھ کے جو ڈبے لاکر رکھے تھے وہ کہاں گئے۔" شارق بولا۔

"اوہ! وہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

شاہ پری موقع پاکر شارق کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"تمہاری ماں اور بہن بہت اچھی ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "انہیں ہر وقت تمہاری پریشانی رہتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کی خاطر تم یہ سارے دھندے چھوڑ دو۔"

"یہ دھندے چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔" شارق بولا۔

"کسی دوسرے ملک۔" شاہ پری بولی۔ "ہمارے خاندان کے کچھ لوگ دبئی میں ہیں۔ جرمنی اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی ہمارے بہت سے لوگ آباد ہیں۔ دراصل جب سردار داؤد نے ظاہر شاہ کو معزول کرکے افغانستان کی حکومت پر قبضہ کیا تھا تو بہت سے لوگوں نے ملک چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ وہ لوگ عقلمند تھے۔ انہوں نے مستقبل کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ہمارے خاندان اور قبیلے کے بہت سے لوگ بھی اپنے ملک سے چلے گئے تھے۔ ہمارے حالات اچھے نہیں تھے۔ ہم لوگ نہیں جاسکے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اگر ہم لوگ یہاں سے دبئی چلے جائیں تو وہاں پر موجود ہمارے آدمی ہمیں پاسپورٹ بنوا کر دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم یورپ کے کسی بھی ملک چلے جائیں گے۔ زندگی سکون سے تو گزرے گی۔"

"شاید تم ڈر گئی ہو یہاں کے حالات سے۔" شارق مسکرایا۔ "اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے ملک سے باہر جانے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "یہ تو دو گروہوں کی انفرادی لڑائی ہے۔ تم ان حالات کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب ہمارے ملک پر روسی فوجوں کا قبضہ تھا۔ گلی گلی میں لڑائی ہو رہی تھی۔ کوئی شہر، کوئی گاؤں، کوئی بستی محفوظ نہیں تھی۔ قدم قدم پر بم پھٹ رہے تھے۔ میں تو ان حالات میں بھی نہیں گھبرائی تھی۔ روسیوں کے جانے کے بعد ہمارا ملک اب تک ابتری کا شکار ہے۔ اسکا اندازہ تم بھی لگا چکے ہو۔ میں اس قسم کے حالات سے ڈرنے والی نہیں اور پھر اب تمہیں چھوڑ کر تو میں کہیں اور جانے کا تصور نہیں کر سکتی۔ میں تو ماں جی اور رضیہ کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ وہ بیچاری ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔"

"بس چند روز کی بات ہے۔" شارق بولا۔ "حاجی سے نمٹ لیں تو اس شہر میں بھی سکون ہو جائے گا۔ ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ حاجی کے گروہ کے خاتمے کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں

aazzamm@yahoo.com

گے۔"

"کہاں جانے کی بات ہورہی ہے۔" ثمینہ نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا۔ اس نے شارق کا صرف آخری جملہ سنا تھا۔

"ملک سے باہر تفریح کا پروگرام بن رہا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"شاہ پری نے مجھ سے بات کی تھی۔" ثمینہ نے چائے کے کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ یہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ آخر ہم کب تک اس طرح خوف کے سائے میں زندگی گزارتے رہیں گے۔ ہم آزادی سے کہیں آجا نہیں سکتے۔ آنا جانا تو کیا گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ خوف میں بیت رہا ہے۔ ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ حاجی کے کسی آدمی کی گولی کا نشانہ بن جائیں گے یا پولیس ہمیں گولیوں سے چھلنی کر دے گی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مرتبہ دھوکا دے کر بچتے ہی رہیں۔ ہم تو خیر بھگت ہی رہے ہیں۔ ماں جی اور رضیہ کا کیا قصور ہے۔ ان کی آزادی بھی سلب ہوکر رہ گئی ہے اور اس نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔" اس نے شاہ پری کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ اپنے ملک میں آزاد تھی۔ وہاں کے حالات چاہے کیسے بھی رہے ہوں۔ لیکن اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ آزادی سے گھومتی پھرتی تو تھی لیکن ہمارا ساتھ دے کر نہ صرف یہ اپنے ملک سے جلاوطن ہوگئی بلکہ یہاں آکر یہ بھی معتوب بن گئی ہے۔ یہ بھی یہاں آزادی سے نہیں گھوم سکتی۔ شاہ پری نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے میں اس کی تائید کرتی ہوں۔ ہمیں اب یہ سب کچھ ختم کر دینا چاہیے۔ ہم فرضی ناموں سے کسی بھی ملک میں جا سکتے ہیں۔ وہاں آزادی تو ہوگی۔ پکڑے جانے یا مارے جانے کا خوف تو نہیں ہوگا۔"

"تو گویا یہ پروگرام تم دونوں کا ہے۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر کہا اور چائے کے کپ اٹھا کر چسکیاں لینے لگا۔

"ہاں۔" ثمینہ نے کہا۔ "مجھ سے ماں جی اور رضیہ کی اداسی اور پریشانی نہیں دیکھی جاتی۔ جب سے سہیل مارا گیا ہے ماں جی کچھ زیادہ ہی پریشان رہنے لگی ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "میں نے شاہ پری سے بھی کہا تھا کہ حاجی کے معاملے سے نمٹ لیں تو یہاں سے چلے جائیں گے۔ حاجی کا حساب کیے بغیر میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میں بزدل نہیں کہلانا چاہتا۔"

"حاجی کو مار کر تمہیں بہادری کا تمغہ مل جائے گا؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"یہی سمجھ لو۔" شارق بولا۔ "میں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ اب سب سے پہلے حاجی ہی کا خاتمہ ہونا چاہیے۔" اس کے علاوہ ایک اور

بات۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تو لکھا کو یہاں لے آئیں گے اور تم ماں جی والی کوٹھی کم سے کم جاؤ گے۔ ہم تو برقعہ پہن کر نکلتی ہیں لیکن اگر تم کبھی کسی کی نظروں میں آگئے تو ان پر ایک نئی مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق مسکرایا۔ "مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔"

ثمینہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فائرنگ کی آواز سن کر خاموش ہوگئی وہ لوگ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ فائرنگ کی آوازیں اگرچہ دور سے آرہی تھیں لیکن لگتا تھا جیسے دو پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی ہوں۔

"تم نے ظفری وغیرہ کو یہاں کا پتا بتایا تھا نا۔" ثمینہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے لگتا ہے کہ ہمارے ہی آدمی پولیس سے ٹکرا گئے ہیں۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔" شارق بولا۔ "اگر یہ ہمارے ہی آدمی ہیں اور پولیس یا کسی اور پارٹی سے تصادم ہوگیا ہے تو انہیں اس طرف نہیں آنا چاہیے۔ اس طرف آکر وہ بہت بڑی غلطی کریں گے۔"

"ویسے ہمیں کسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک کہا تم نے" شارق بولا۔ "شاہ پری! اندر سے رائفلیں لے آؤ۔ ہم لوگ یہیں برآمدے میں بیٹھیں گے اور اندر کی تمام بتیاں بھی بجھا دو۔"

شاہ پری نے اپنا چائے کا کپ ثمینہ کو تھما دیا اور اندر سے پولیس سے چھینی ہوئی دونوں کلاشنکوف رائفلیں اٹھا لائی۔ اس نے کمروں کی بتیاں بھی بجھا دی تھیں۔ شارق کے پاس اپنا پستول موجود تھا۔

وہ تینوں تاریکی میں کرسیوں پر برآمدے میں بیٹھ گئے اور چائے کی چسکیاں لینے لگے۔ فائرنگ کی آوازیں بدستور آرہی تھیں۔ پھر وہ آوازیں بتدریج دور ہوتی گئیں اور ان کے تسلسل میں بھی فرق آگیا اور بالآخر وہ آوازیں بند ہوگئیں۔

شارق اور ثمینہ وغیرہ برآمدے میں بیٹھے رہے۔ فائرنگ کے بند ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ لوگ کسی اور طرف نکل گئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ پولیس کو دھوکا دے کر اس طرف آنے کی کوشش کریں اور اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کے تعاقب میں پولیس بھی یہاں پہنچ جائے۔"

نوجوان اے ایس آئی اور اس کے ساتھی کانسٹیبلوں سے پولیس کے اعلیٰ افسران کو یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ شارق اور ثمینہ اس علاقے میں موجود ہیں۔ دوسرا واقعہ اس فائرنگ کا ہوا تھا۔ ہو

aazzamm@yahoo.com

سکتا ہے اب تک پولیس کی بھاری نفری نے اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہو۔ اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ گھروں کی بھی تلاشی لینا شروع کر دیں۔ جب معاملہ ثمینہ اور شارق جیسے مجرموں کا ہو تو پولیس یہ قدم بھی اٹھا سکتی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ مختلف اطراف سے پولیس سائرن کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ پولیس اس علاقے میں موجود تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ یہ کوٹھی تم نے کسی سبزی والے کی معرفت کرائے پر لی تھی۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ..... کیا بات ہے؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہوسکتا ہے کہ پولیس معلومات حاصل کرنے کے لیے اسٹیٹ ایجنسیوں اور اس قسم کے لوگوں سے بھی رابطے کرے جو مکانوں کو کرائے پر لینے دینے کا بزنس کرتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ پولیس اس سبزی والے کے توسط سے یہاں پہنچ جائے۔"

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "پولیس براہ راست کسی مکان پر جانے سے پہلے مالک سے مل کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ اس نے مکان کس کو کرائے پر دیا ہے۔ اس کوٹھی کا مالک لبرٹی ہی کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے۔ اس سے کرائے کا ایگریمنٹ صابرہ سلطانہ کے نام پر ہوا ہے اور ایگریمنٹ کے ساتھ صابرہ سلطانہ کے شناختی کارڈ کی فوٹوکاپی موجود ہے۔ اس شناختی کارڈ کو دیکھنے کے بعد پولیس مزید معلومات کے لیے یہاں آنے کی زحمت نہیں کرے گی۔"

"اور یہ صابرہ سلطانہ کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اس روز میں لبرٹی مارکیٹ گئی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں کوئی چیز لینے کے لئے ایک جنرل اسٹور میں گئی تھی۔ وہاں تین چار عورتیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ایک بڑی بی اپنے پرس میں سے پیسے نکال رہی تھیں کہ شناختی کارڈ نیچے گر گیا۔ انہوں نے شاید توجہ نہیں دی تھی۔ ان عورتوں کے جانے کے بعد میں نے وہ شناختی کارڈ اٹھا کر چھپا لیا اور دکاندار سے اس عورت کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک ریٹائرڈ ایس پی کی بیوی ہے۔ شناختی کارڈ پر ونن پورہ کا پتا لکھا ہوا ہے۔ لیکن اس کی رہائش گلبرگ میں ہے۔"

"اگر پولیس نے صابرہ سلطانہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس صابرہ سلطانہ کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ونن پورہ والے ایڈریس پر پہنچے گی اور وہاں سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایک ریٹائرڈ ایس پی کی بیوی ہے تو معاملہ وہیں

ٹھپ ہو جائے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن بہرحال، ہمیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ یہاں ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہمیں تاریک پہلو کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ لیکن ..... اس کا امکان بہت کم ہے کہ پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔ البتہ احتیاط الگ بات ہے۔ ہم غافل نہیں رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تہہ خانے میں رکھا ہوا سونا ہمیں یہاں سے ہٹانا ہوگا۔" شارق بولا۔ "اگر کسی وقت پولیس کو پتا چل گیا تو ہمیں یہ کوٹھی چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ اور سونا بھی یہیں رہ جائے گا۔"

"ہاں ..... سونا ہمیں یہاں سے منتقل کرنا پڑے گا۔" ثمینہ بولی۔ "میرے خیال میں اماں والی کوٹھی زیادہ محفوظ رہے گی۔"

"کل کا دن دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد سونا وہاں منتقل کردیا جائے گا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ جواب دینے کے بجائے شاہ پری کی طرف دیکھنے لگی جو کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی تھی۔ کلاشنکوف اس کی گود میں رکھی ہوئی تھی۔

"شاہ پری۔" ثمینہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے ہلایا۔ شاہ پری ایک دم سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ "تمہیں نیند آرہی ہے تو اندر جاکر سو جاؤ۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

"ہاں۔ بہتر ہے کہ میں یہاں بیٹھے بیٹھے اونگھنے کی بجائے اندر جاکر سو ہی جاؤں۔" شاہ پری اٹھ کر اندر چلی گئی۔

شارق اور ثمینہ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ڈھائی بج گئے۔ دفعتاً کال بیل کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے۔ کال بیل راہداری کے اندر لگی ہوئی تھی اور باہر اس کی آواز زیادہ تیز سنائی نہیں دی تھی۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آگئے ہیں۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

"ذرا محتاط رہنا۔ یہ پولیس بھی ہو سکتی ہے۔" ثمینہ بولی۔

"پولیس والے اس طرح شریفانہ انداز میں کال بیل نہیں بجایا کرتے۔ بہرحال، تم پوزیشن لے کر بیٹھ جاؤ۔" شارق کہتے ہوئے برآمدے سے اتر گیا۔ اس نے اپنا پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔

ثمینہ کلاشنکوف سنبھال کر ستون کی آڑ میں بیٹھ گئی۔ اس نے ایک گھٹنہ زمین پر ٹکا لیا تھا اور رائفل آگے کو نکال لی تھی۔ اس کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے کوئی کمانڈو پوزیشن لیے بیٹھا ہو۔ اس کی نظریں شارق پر مرکوز تھیں جو دبے قدموں محتاط انداز میں گیٹ کی طرف جارہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

شارق گیٹ کے بالکل سامنے نہیں گیا۔ وہ گیٹ کے ستون کی آڑ میں ہوگیا۔ پہلے اس نے گیٹ کی جھری میں سے باہر جھانکا لیکن سامنے کوئی نہیں تھا۔

"کون ہے۔ اس وقت باہر کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔ لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"شارق باؤ۔ دروازہ کھولو۔ میں ہوں ظفری۔" باہر سے بھی سرگوشیانہ لہجے میں آواز سنائی دی۔

شارق نے بڑی آہستگی سے چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ پہلے ظفری اندر داخل ہوا اور اس کے بعد پپو۔ شارق دروازے کے قریب کھڑا رہا۔

"دروازہ بند کر دو شارق باؤ۔ وہ نہیں آئے گا۔" ظفری نے کہا۔

"کیا مطلب؟ شارق بولا۔ "قدیر کہاں ہے؟"

"قدیر ہمارا ساتھ چھوڑ گیا شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "اندر چلو ..... تفصیل سے بتاؤں گا۔"

شارق نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور ان کے ساتھ برآمدے کی طرف آگیا۔ ثمینہ اب بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ اٹھ گئی۔

وہ لوگ اندر آگئے۔ ثمینہ نے دروازہ بند کرکے بتی جلا دی۔ جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو شاہ پری صوفے پر پڑی سو رہی تھی۔ ان کی آوازیں سن کر وہ بھی اٹھ گئی۔ شارق وغیرہ قالین پر بیٹھ گئے۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کیا ہوا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ظفری کی طرف دیکھا۔

"قدیر کے ڈیرے سے تو ہم پانچ لاشیں گرا کر بھاگ نکلے تھے۔" ظفری نے کہا اور پھر تفصیل سے اسے تمام واقعات سنانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم انہی کی کار میں فرار ہوئے تھے۔ گلبرگ میں داخل ہوتے ہی پولیس ہمارے پیچھے لگ گئی۔ یہاں شاید پولیس پہلے ہی سے الرٹ تھی۔ پولیس ہمیں روکنے کے لیے اکادکا فائر کرتی رہی۔ ہمیں جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بالآخر ہم نے ایک جگہ گاڑی چھوڑ دی اور پولیس سے مقابلہ شروع کر دیا۔ اس مقابلے میں قدیر پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہم بڑی مشکل سے پولیس کا گھیرا توڑ کر نکل سکے تھے۔ اس طرف آنے کے بجائے ہم دوسری طرف نکل گئے۔ ہم ایک طویل چکر کاٹ کر اس طرف آئے ہیں۔ پولیس ہمیں لبرٹی مارکیٹ کے دوسری طرف تلاش کررہی ہوگی۔"

"قدیر کے مارے جانے کا مجھے بہت دکھ ہوا۔" شارق افسردہ لہجے میں بولا۔ "وہ وفادار آدمی

تھا۔ اس کے دل میں لالچ نہیں تھا۔ وہ اگر چاہتا تو کئی روز پہلے' جب میں اس کے رکشے میں بیٹھا تھا' مجھے پولیس کے حوالے کرکے انعام حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن اس نے مجھ سے دوستی کرکے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کو ترجیح دی اور بالآخر اپنی جان دے دی۔"

وہ دیر تک بیٹھے قدیر ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر ثمینہ اور شاہ پری تو اٹھ کر ایک کمرے میں چلی گئیں اور شارق' ظفری اور پپو کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

○

ایک رات میں قتل کی آٹھ نو وارداتیں ..... پورے شہر میں خوف اور سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ یہ قتل و غارت دو گروہوں کے تصادم کا نتیجہ تھی۔ شارق اور حاجی کے گروہ ..... گزشتہ رات ایک آدمی شارق کا' سات آدمی حاجی کے اور دو آدمی پولیس کے مارے گئے تھے۔ لوگ ایک بار پھر سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ وہ شارق اور حاجی کی گرفتاری کے علاوہ پولیس کے اعلیٰ افسروں کی برطرفی کا مطالبہ بھی کررہے تھے۔ جو صورتحال پر قابو پانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اخبارات بھی پولیس ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔

اخبارات میں شائع ہونے والی یہ خبر بھی خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی کہ گزشتہ رات پولیس کے ایک نوجوان اے ایس آئی اور دو کانسٹیبلوں نے ایک رکشے میں سوار شارق اور ثمینہ کو روکا تھا لیکن وہ گرفتار نہ ہو سکے اس کے برعکس شارق اور ثمینہ ان پولیس والوں کا اسلحہ چھین کر فرار ہوگئے تھے۔

اے ایس آئی اور ان دونوں کانسٹیبلوں کو معطل کردیا گیا تھا۔ ویسے بھی پولیس والوں کی شامت آگئی تھی۔ نیچے سے اوپر تک لاتعداد افسروں کے تبادلے کئے جارہے تھے۔ جن علاقوں میں قتل و غارت ہوئی تھی ان علاقوں کے ایس ایچ اوز کو معطل کردیا گیا تھا۔

شہر کے رکشہ ڈرائیوروں کی بھی شامت آگئی تھی۔ یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی تھی کہ شارق رکشہ ڈرائیور کے بھیس میں آزادی سے شہر میں گھوم پھر رہا تھا اور چیکنگ کے دوران کئی مرتبہ پولیس سے اس کا سامنا بھی ہوا تھا لیکن پولیس والے اسے شناخت نہیں کرسکتے تھے۔ پولیس کے پاس شارق کی صرف ایک تصویر تھی جو جیل ریکارڈ سے حاصل کی گئی تھی۔ اس تصویر کی سینکڑوں کاپیاں بنوا کر پولیس والوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ اب ہر دوسرے پولیس والے کے ہاتھ میں شارق کی تصویر تھی۔ لیکن یہ تصویر کئی سال پرانی تھی اور اس سے شارق کو شناخت کرلینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اب پولیس کی تمامتر توجہ رکشہ ڈرائیوروں پر مرکوز تھی۔ ہر رکشے کو روکا جارہا تھا۔ ڈرائیور خواہ جوان ہو یا بوڑھا اس سے طرح طرح کے سوال کیے جاتے۔ اسکا لائسنس اور شناختی کارڈ چیک کیا جاتا اور تصویر سے اس کی شناخت کی کوشش کی جاتی۔ کئی رکشے والوں کی پٹائی بھی ہوئی تھی۔

شہر کے تمام رکشہ ڈرائیور پولیس کے اس رویے پر سراپا احتجاج بن گئے۔ انہوں نے ہڑتال کردی۔ پورے شہر کے رکشے بند ہوگئے جس سے لوگوں کو مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

عجیب صورتحال تھی۔ حاجی کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ کئی وزراء اور اسمبلیوں کے ممبر اس کی مٹھی میں تھے۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ آئی جی نے اس کی گرفتاری کے لیے بہت اوپر کی سطح پر کوشش کی تھی لیکن اسے حاجی کو گرفتار کرنے کی اجازت نہیں ملی جس پر آئی جی نے احتجاج کرتے ہوئے اپنے عہدے سے ریزائن کر دیا۔

نئے آئی جی نے کرسی سنبھالتے ہی یہ حکم جاری کر دیا کہ دو دن کے اندر اندر شارق اور ثمینہ کو گرفتار کیا جائے۔ لیکن شارق اور ثمینہ تو چھلاوہ بن گئے تھے۔ ثمینہ کی تو پولیس کے پاس کوئی شناخت ہی نہیں تھی پولیس والے ہر عورت کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اخبارات میں دوبارہ ان کی گرفتاری کے لیے اشتہارات شائع کیے گئے۔ انعام کی رقم بیس لاکھ سے بڑھا کر پچاس لاکھ روپے کر دی گئی تھی۔ ثمینہ اور شارق نے بھی وہ اشتہار دیکھا۔ ان دونوں کے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس مرتبہ شارق کے ساتھ ثمینہ کی تصویر بھی چھپی تھی۔ اس مرتبہ پولیس کو کچھ عقل آگئی تھی۔ ثمینہ کی یہ تصویر اسکے گھر والوں سے حاصل کی گئی تھی لیکن یہ تصویر ثمینہ کے کالج کے زمانے کی تھی۔ جب یہ تصویر کھینچی گئی تھی اس وقت ثمینہ کی عمر بیس اکیس سال رہی ہوگی جبکہ اس وقت وہ ستائیس اٹھائیس سال کی تھی۔ اس میں بڑا فرق آگیا تھا جو لوگ شروع سے ثمینہ کو دیکھتے آرہے تھے وہ تو اس تصویر کی مدد سے اسے پہچان سکتے تھے لیکن پہلی مرتبہ تصویر دیکھنے والا شخص قریب کھڑی ہوئی ثمینہ کو شناخت نہیں کرسکتا تھا۔

اس تصویر کی اشاعت کے بعد ثمینہ بہرحال محتاط ہوگئی تھی۔ پہلے تو وہ برقعہ پہن کر مارکیٹ چلی جایا کرتی تھی۔ لیکن اب اس نے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ دکانوں پر سودا وغیرہ لیتے ہوئے اسے چہرے سے نقاب اٹھانا پڑتا تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اسے شناخت نہ کرلیا جائے۔

شارق نے بھی اپنی تمام سرگرمیاں معطل کردی تھیں۔ ویسے بھی دو تین دن سے وقفے وقفے سے بارش ہورہی تھی۔ وہ گھر سے باہر ہی نہیں نکلا تھا۔

ان دو تین دنوں کے دوران تہہ خانے میں رکھا ہوا سونا تھیلوں میں بھر بھر کر رضیہ والی کوٹھی پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ کام ثمینہ اور شاہ پری نے کیا تھا۔ برقعہ اور چادر کی وجہ سے انہیں سونا منتقل

کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پہلے ثمینہ نے مشورہ دیا تھا کہ نولکھا کو بھی اسی تہہ خانے والی کوٹھی میں لے آیا جائے۔ لیکن شارق کے خیال میں اب یہ کوٹھی مشکوک ہوگئی تھی اگر پولیس نے کسی طرح اس کوٹھی کے بارے میں پتا چلا لیا تو وہ خود تو اپنی جان بچا کر بھاگ سکتے تھے لیکن نولکھا کو بیماری کی حالت میں لے جانا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے نولکھا کو رضیہ والی کوٹھی میں ہی رہنے دیا گیا تھا۔ البتہ شاہ پری کو بھی وہیں بھیج دیا گیا تھا۔ ثمینہ شارق وغیرہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔ انہوں نے یہاں کئی دنوں کا راشن بھی جمع کرلیا تھا تاکہ انہیں بار بار گھر سے باہر نہ جانا پڑے۔ تارا بھی تہہ خانے میں موجود تھا۔ اس کی دیکھ بھال ظفری اور پپو نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ اسے چائے اور کھانا باقاعدگی سے پہنچایا جاتا اور دن میں ایک دو مرتبہ تہہ خانے سے نکال کر باتھ روم بھی لے جایا جاتا۔ خوف اور دہشت سے تارا چند روز کے اندر ہی سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا۔

شارق نے اس سے حاجی کے بہت سے راز معلوم کرلیے تھے اور اب وہ ان کے لیے بیکار تھا۔ وہ اسے مارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔

شارق کو یہ اطمینان تھا کہ اس طرف آتے ہوئے' تارا کو راستوں کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ زیادہ تر بے ہوش رہا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد بھی ثمینہ اور شاہ پری نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا کہ وہ راستہ نہ دیکھ سکے۔ ویسے بھی وہ کوٹھی میں آنے کے کافی دیر بعد اپنے حواس میں آسکا تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئی تھیں ایک ہفتہ پہلے جس جوش و خروش سے پولیس نے شارق اور ثمینہ کی تلاش شروع کی تھی' اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ ویسے شارق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں ماند پڑ جانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ پولیس بالکل ہی خاموش ہوگئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اب بھی مشتبہ لوگوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

حاجی کی پجیرو اور قدیر کا رکشہ اگرچہ کوٹھی کے گیراج میں موجود تھا لیکن انہیں باہر نکالنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور ظاہر ہے تارا کو کندھے پر لاد کر نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ تارا کو کوٹھی سے لے جانے کے لیے شارق نے ایک اور فیصلہ کرلیا۔

اسی رات گیارہ بجے کے قریب شارق کوٹھی سے نکلا۔ اسے لبرٹی مارکیٹ کے دوسری طرف کوٹھیوں کی ایک گلی سے ایک کار چرانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ چوری شدہ

aazzamm@yahoo.com

گاڑی کوٹھی میں لے آیا تھا۔ شاہ پری کو بھی فون کرکے وہیں بلا لیا گیا تھا۔

اتفاق سے گاڑی میں کاغذات بھی موجود تھے۔ اور وہ گاڑی ایک ڈاکٹر کی تھی جو ٹاؤن شپ کا رہنے والا تھا اور غالباً" یہاں کسی سے ملنے آیا ہوا تھا۔ شارق نے ان کاغذات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد انہیں دوبارہ کار کے ڈیش بورڈ میں رکھ دیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ کمرے سے نکلا تو بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس نے شیو کرکے سفید پینٹ اور سفید شرٹ پہن لی تھی۔ وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کی ہدایت پر شاہ پری بھی تیار ہوگئی تھی۔ وہ بھی بہت اسمارٹ لگ رہی تھی۔ شارق نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر اسے کیا کرنا ہے۔

تارا کو بے ہوش کرکے کار کی ڈکی میں ڈال دیا گیا۔ شارق نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور شاہ پری پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کار کوٹھی سے نکل کر گلیوں میں گھومتی ہوئی سڑک پر آگئی اور تیز رفتاری سے ایک طرف دوڑنے لگی۔

مین روڈ پر کبابش کے سامنے کاروں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی شارق نے اپنی کار کچھ دور ہی روک لی اور وہ دونوں کار سے اتر کر ٹہلتے ہوئے کبابش کی طرف چلنے لگے۔

یہ اسنیک بار ایک بہت بڑی کوٹھی میں بنایا گیا تھا۔ یہاں شام کے بعد لوگوں کی آمدورفت شروع ہوتی اور رات گئے تک رونق رہتی تھی۔

شارق گھر سے نکلا تو کسی اور پروگرام کے تحت تھا لیکن کبابش کے سامنے گاڑیوں کی ایک لمبی لائن دیکھ کر اس نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ کسی نے انہیں گاڑی پارک کرتے یا اس میں سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

کبابش میں اچھا خاصا رش تھا۔ گاہکوں میں اکثریت نوجوانوں کی تھی ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ ان سب کا تعلق بڑے گھروں سے تھا رات کو دیر تک گھروں سے باہر رہنے پر بھی لڑکیوں سے کوئی بازپرس نہیں ہوتی تھی۔

شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اگر وہ چرغہ' کباب یا تکے بنوانا چاہے گا تو ایک گھنٹے سے پہلے اس کی باری نہیں آئے گی۔ لہٰذا اس نے کولڈ ڈرنک پر ہی اکتفا کیا اور ویٹر کو دو کولڈ ڈرنکس لانے کو کہہ کر شاہ پری کے ساتھ ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ وہاں اور بھی کچھ لوگ کھڑے تھے۔

شارق نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ آس پاس بیٹھے یا کھڑے ہوئے لوگ شاہ پری کو تو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں تھی۔ وہ دل

ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس کی تصویر روزانہ اخباروں میں چھپ رہی تھی اور کوئی اسے شناخت نہیں کرسکا تھا۔ وہ شاہ پری کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کررہا تھا۔ شاہ پری بھی بات بات پر مسکرا رہی تھی۔

شارق شاہ پری کے ساتھ تقریباً" آدھا گھنٹہ وہاں کھڑا رہا۔ اسے اندیشہ تھا کہ ڈکی میں پڑا ہوا تارا ہوش میں آکر ہاتھ پیر نہ مارنا شروع کردے۔

کولڈ ڈرنک پینے کے بعد شارق نے بل ادا کیا۔ تقریباً" اسی وقت ایک ٹیکسی وہاں آکر رکی تھی۔ ایک عورت اور ایک مرد ٹیکسی سے اترے۔ مرد نیچے اتر کر ڈرائیور کو پیسے دے رہا تھا کہ شاہ پری اور شارق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"آپ کوئی دوسری ٹیکسی دیکھ لیں باؤ جی۔ میرا ٹائم ختم ہوگیا ہے میں نے بارہ بجے ٹیکسی جمع کرانی ہے۔" ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لبرٹی تک چھوڑ دو یار۔" شارق بولا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ اگر میرا ادھر کا راستہ نہ ہوتا تو آپ کو کبھی نہ بٹھاتا۔" ڈرائیور کہتے ہوئے سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

وہ لوگ لبرٹی کے چوراہے پر اتر گئے۔ یہاں بھی تکے کباب' پان' سگریٹ کی دکانوں اور ریسٹورنٹس میں اچھی خاصی رونق تھی۔ سینما کا آخری شو ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ویسے سینما کے شو سے اس رونق پر فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس چوک پر رات دو تین بجے تک گہما گہمی رہتی تھی۔

یہاں بھی لوگ کھا جانے والی نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک دو اوباشوں نے آوازے بھی کسے تھے۔ لیکن شارق شاہ پری کا ہاتھ پکڑے خاموشی سے چلتا رہا۔

رضیہ والی کوٹھی کی طرف آنے کے لیے انہیں طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ شاہ پری کو گیٹ پر ہی چھوڑ کر چلا جائے گا پھر اس نے سوچا کہ رضیہ اور ماں جی سے بھی مل لے اور نولکھا کی خیریت بھی دریافت کرلے۔ وہ تقریباً" ایک ہفتے سے اس طرف نہیں آیا تھا۔

ماں جی سوگئی تھیں لیکن رضیہ نے انہیں جگا دیا۔ شارق کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا پھر نولکھا والے کمرے میں آگیا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ شارق کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"آج تو ماشاء اللہ بڑے اسمارٹ نظر آرہے ہو شارق باؤ۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

"میں نظرپروف ہوں۔ مجھے کسی کی نظر نہیں لگتی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور پلنگ

aazzamm@yahoo.com

کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ "کیسی طبیعت ہے اب؟"

"پہلے سے بہت اچھا ہوں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "دو چار دن بعد تمہارے ساتھ تفریح شروع کر دوں گا۔"

"بالکل نہیں۔" شارق بولا۔ "تم کم از کم ایک مہینہ مکمل آرام کرو گے۔ تمہارے سلسلے میں' میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ اگر دوبارہ بیمار پڑ گئے تو تمہارا زندہ بچنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ڈاکٹر احمد بھی یہی کہتا ہے۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ نولکھا اس طرح چارپائی پر نہیں پڑا رہ سکتا۔ اور وہ بھی ایسی صورت میں جب میرا یار چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہو۔"

"مجھے تمہاری زندگی زیادہ عزیز ہے۔" شارق مسکرایا۔ "تمہارا یار دشمنوں سے نمٹ رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو میں صحیح سلامت ہوں۔ کوئی آج تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔" نولکھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "تم لوگوں نے یہ طے کر ہی لیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اچھا ذرا یہ بتاؤ ثمینہ بی بی کیسی ہے کئی روز سے اسے بھی نہیں دیکھا۔"

"ثمینہ بھی ٹھیک ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

شارق کافی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب وہ جانے لگا تو رضیہ نے اسے روک لیا۔

"آج یہیں رہ جاؤ نا بھیا۔ کئی دن بعد آئے ہو۔ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری فرمائش تو رد نہیں کر سکتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس نے فون پر ثمینہ کو بھی اطلاع دیدی کہ وہ آج رات یہیں رہے گا۔

وہ رات ڈھائی تین بجے تک باتیں کرتے رہے۔ رضیہ بھی اسے مجبور کر رہی تھی کہ سارے کام دھندے چھوڑ کر وہ لوگ کسی دوسرے ملک چلے جائیں جہاں گمنام رہ کر سکون کی زندگی گزار سکیں۔ شارق نے اس سے بھی یہی وعدہ کیا کہ حاجی والے معاملہ سے نمٹنے کے بعد وہ سب کچھ چھوڑ دے گا۔

"رضیہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "خود سوچو یار۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ چھپ چھپ کر جی رہے ہیں۔ چھوڑو سب کچھ۔ ان سب کو لے کر نکل چلو یہاں سے۔"

"تو تم بھی ان کے ساتھ ہو۔" شارق مسکرایا۔

"کون نہیں چاہتا کہ وہ آرام کی زندگی گزارے۔" نولکھا بولا۔ "بہت ہو چکا۔ بس چھوڑ دو اب یہ سب کچھ۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "چند روز ..... مجھے صرف چند روز دے دو تم لوگ۔ میں ہر بات مان لوں گا۔"

نولکھا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ لاؤنج میں فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ تینوں چونک گئے۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" رضیہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"تم بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں۔" شارق اٹھ کر لاؤنج میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو ....."

"شارق میں ثمینہ بول رہی ہوں۔" ریسیور پر ثمینہ کی آواز سنائی دی۔ "تم فوراً یہاں آجاؤ۔"

"خیریت۔" شارق اس وقت ثمینہ کی آواز سن کر ہی چونک گیا تھا۔

"ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"پولیس نے تو نہیں۔"

"نہیں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایک اور مسئلہ ہے۔ فون پر تفصیل سے بات نہیں ہو سکتی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ ریسیور رکھ کر مڑا تو رضیہ کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ قریب ہی کھڑی تھی اور غالباً اس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"دوسری کوٹھی۔ ثمینہ کا فون تھا۔ میں وہاں جا کر تمہیں فون کر دوں گا۔ میرا خیال ہے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ اس نے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر نولکھا کو بھی بتا دیا کہ وہ جا رہا ہے۔ اور پھر دروازے سے باہر نکل گیا۔

○

رات کو شارق اور شاہ پری کے جانے کے بعد ثمینہ' ظفری اور پپو دیر تک برآمدے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ ایک بجے کے قریب ظفری اٹھ کر سونے کے لیے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن پپو بیٹھا ثمینہ سے باتیں کرتا رہا۔ وہ اپنی کسی محبوبہ کا قصہ سنا رہا تھا اور ثمینہ بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ڈھائی بجے کے قریب ثمینہ اٹھ گئی۔ پپو نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی۔ وہ دونوں اندر آگئے۔ دروازے کا کنڈا پپو نے لگایا تھا۔ وہ تو لاؤنج میں رک گیا اور ثمینہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے

aazzamm@yahoo.com

کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد وہ لباس تبدیل کرکے باتھ روم سے باہر آگئی۔ اس نے جینز اور شرٹ اتار کر شب خوابی کا لباس پہن لیا تھا۔ یہ لباس اس نے دو تین دن پہلے ہی بازار سے خریدا تھا۔

لیس پیس قسم کے کپڑے کی ڈھیلی ڈھالی مڈی تھی۔ جو لمبائی میں پنڈلیوں سے اوپر اور گھٹنوں سے ذرا نیچے تھی۔ جالی سے ملتا جلتا یہ کپڑا خاصا باریک تھا جس سے اس کا جسم جھلک رہا تھا۔

اس نے تکیہ اٹھا کر دیکھا۔ شارق کا پستول تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اس نے تکیہ درست کیا اور بستر پر لیٹ کر پلنگ پر پڑا ہوا رسالہ اٹھا لیا۔ وہ مطالعہ کی شوقین تھی اور اکثر رسالہ وغیرہ بازار سے لے آتی تھی۔ جب بھی موقع ملتا کچھ نہ کچھ پڑھ لیتی تھی۔

وہ پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز سی ہوگئی اور رسالہ پڑھنے لگی۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ دو تین صفحات پڑھنے کے بعد سو جائے گی۔

ابھی اس نے ایک ہی صفحہ پڑھا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور پپو اندر داخل ہوا۔ پپو کے اس طرح اچانک اندر چلے آنے سے ثمینہ کسی قدر گڑبڑا سی گئی۔ وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور مڈی کا کنارہ نیچے کی طرف کھینچنے لگی۔

"ثمینہ بی بی وہ ....." پپو شاید کچھ کہنے کے لیے آیا تھا لیکن ثمینہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے۔" ثمینہ کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "اندر آنے سے پہلے دروازے پر دستک نہیں دے سکتے تھے۔" غلطی دراصل اسی کی تھی۔ دروازہ اس نے بھیڑ دیا تھا اور اسے بولٹ کرنا بھول گئی تھی۔

"میرا دل چائے پینے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں۔" پپو نے جواب دیا۔ اس کا تنفس بے ربط ہورہا تھا۔

"نہیں۔ مجھے چائے نہیں پینی۔ تم باہر جاؤ۔ میں دروازہ بند کروں گی۔" ثمینہ نے رسالہ رکھ دیا اور پلنگ سے اترنے لگی۔

پپو اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کی نظروں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی اور وہ ثمینہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"جاؤ نکلو۔ میں دروازہ بند کروں گی۔" ثمینہ بولی۔ اس کے لہجے کی ناگواری بڑھ گئی تھی۔

"ثمینہ بی بی۔" پپو اس پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "جان تو ہم بھی لڑاتے ہیں۔ گولیوں کی بارش میں دشمنوں کا مقابلہ تو ہم بھی کرتے ہیں۔ تو کیا شارق لاٹ صاحب کا بچہ ہے کہ تم پر

صرف اسی کا حق ہے۔ ہمیں بھی تو کچھ ملنا چاہیے نا ..... سارا سونا تو شارق نے کہیں اور پہنچا دیا۔ لیکن تم تو یہاں ہو اور سونے سے زیادہ قیمتی ہو ....."

"کیا بکواس کررہے ہو۔" ثمینہ غرائی۔ "تمہیں ایسی بات سوچتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیے۔ میں تمہیں ....."

ثمینہ جملہ مکمل نہیں کرسکی۔ پپو نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ لیتا پلنگ پر گر گیا اور دست درازی کرنے لگا۔

ثمینہ کے حلق سے غراہٹیں سی نکل رہی تھیں اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ پپو پر جنون سا طاری ہورہا تھا۔

ثمینہ نے اس کے ہاتھ پر دانت گاڑ دیے۔ پپو بلبلا اٹھا۔ ثمینہ نے اپنی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے اسے دھکا دے کر پلنگ سے نیچے گرا دیا پپو گالیاں بکتے ہوئے بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"میں نے بہت صبر کیا ہے۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے پھنکارا۔ آج موقع ملا ہے تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

اس نے ثمینہ پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ پپو پلنگ پر گرا۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟"

دروازے کی طرف سے ظفری کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔

"ظفری استاد۔" پپو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیکھو یار۔ شارق اکیلا ہی عیش کرتا رہا ہے اس پر ہمارا بھی تو حق ہے نا۔ شارق دھوکے سے یہاں سے سارا سونا لے گیا ہے' اسے ہم پر اعتماد نہیں ہے لیکن آج کی رات یہ تو یہاں اکیلی ہے۔ ذرا دیکھو تو ..... کیسی قیامت ہے۔ ہم کب تک ترستے رہیں گے یار۔ آج موقع ہے۔ فائدہ اٹھا لو۔"

پپو کی باتوں سے ظفری بھی لڑکھڑا گیا۔ اس کی نیت میں بھی فتور آگیا۔ وہ بھی بھوکی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"لعنت ہو تم پر پپو۔" وہ بولا۔ "یہ لونڈیا تمہارے قابو میں نہیں آرہی۔ چلو۔ آگے بڑھو۔ اٹھا کر پٹخ دو اسے بستر پر۔"

"نمک حرام۔" ثمینہ غرائی۔ "میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" پپو نے ثمینہ پر چھلانگ لگائی تھی۔ ثمینہ جھکائی دے کر پلنگ پر گر گئی۔ وہ دوسری طرف اترنا چاہتی تھی لیکن پپو اس کی ٹانگ سے لپٹ گیا۔ اور اسے پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔ ثمینہ نے دونوں ہاتھوں سے پلنگ کی

aazzamm@yahoo.com

پشت کو پکڑ لیا اور ٹانگوں کو زور زور سے جھٹکے دینے لگی۔ اس کا ایک ہاتھ پلنگ کی پشت سے ہٹ گیا اور تکیے کی پشت پر پڑا۔ اور پھر ایک دم اسے یاد آگیا کہ تکیے کے نیچے شارق کا پستول پڑا ہوا ہے۔ اس نے ہاتھ تکیے کے نیچے ڈال کر پستول پکڑ لیا۔

اسی وقت ظفری بھی چھلانگ لگا کر پلنگ پر آگیا اور ثمینہ کو گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ ثمینہ نے پوری قوت سے ٹانگوں کو جھٹکا دیا۔ پپو دور جا گرا۔ ثمینہ نے اپنے آپ کو ایک اور جھٹکا دیا۔ ظفری کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو ثمینہ بڑی تیزی سے سیدھی ہوگئی۔ ٹھیک اسی لمحہ ظفری اسے گرفت میں لینے کے لیے ایک بار پھر اس پر جھپٹا تھا۔ ثمینہ نے پستول والا ہاتھ آگے نکال کر گولی چلا دی۔

گولی ظفری کے سینے میں لگی۔ اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ وہ چند لمحے پھٹی پھٹی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے جسم کو ایک اور جھٹکا لگا اور وہ پیچھے گر گیا۔

پپو اس وقت اٹھ کر ثمینہ کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن ثمینہ کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر رک گیا۔ اس نے گولی لگنے کے بعد ظفری کے جسم کو جھٹکے لیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے گولی لگنے سے بہت سے لوگوں کو مرتے دیکھا تھا لیکن کسی کے جسم کو اس طرح جھٹکے نہیں لگے تھے۔

ثمینہ بھی ظفری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پپو نے اچانک ہی چھلانگ لگا دی ثمینہ غافل نہیں تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے ہٹتے ہوئے ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی پپو کی پیشانی پر لگی۔ وہ اپنی ہی جھونک میں پلنگ کی پشت سے ٹکرا گیا۔

پپو کے منہ سے آواز تک نہیں نکلی تھی لیکن اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ گولی اندر جاکر پھٹ گئی تھی جس نے اس کا بھیجہ اڑا دیا تھا۔ خون کے کچھ چھینٹے ثمینہ کے جسم پر بھی پڑے تھے۔

ثمینہ کے چہرے پر درندگی کے تاثرات نمایاں تھے۔ لیکن پھر اس کے چہرے کے تاثرات بتدریج نارمل ہوتے چلے گئے۔ اس نے اپنے جسم کو دیکھا جہاں خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ وہ کراہت سی محسوس کرنے لگی۔ اس نے کرسی پر پڑا ہوا تولیہ اٹھا کر جسم سے خون صاف کیا اور کمرے سے باہر آگئی۔

اس کا خیال تھا کہ فائرنگ کی آواز اگر کہیں سن لی گئی ہوگی تو وہ کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائے گی۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ ایک تو اس پستول کی آواز حیرت انگیز طور پر بہت کم تھی اور دوسرے فائرنگ کمرے میں ہوئی تھی۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ آواز زیادہ دور تک نہیں گئی ہوگی اور

یوں بھی رات کا پچھلا پہر تھا اور لوگ گہری نیند میں تھے۔

وہ چند منٹ لاؤنج میں کھڑی رہی۔ پھر اس نے راہداری والے دروازے کا تالا کھول دیا۔ اب باہر سے بھی ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا جا سکتا تھا۔ پھر فون کا ریسیور اٹھا کر رضیہ والی کوٹھی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے شارق کو صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔ "میں نے برآمدے والا دروازہ ان لاک کر دیا ہے۔ باہر کا گیٹ پھاند کر اندر آجانا میں باتھ روم میں جارہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے کرسی پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھائے اور اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کے باتھ روم میں گھس گئی۔ وہ تقریباً" دس منٹ بعد جینز اور شرٹ پہن کر باتھ روم سے نکلی۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے باہر جھانکا۔

راہداری کا دروازہ بند تھا۔ اس نے پستول ہاتھ میں لے لیا اور باہر آکر برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں گیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

دس منٹ اور گزر گئے۔ شارق ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حالانکہ صرف دس منٹ کا راستہ تھا۔ اور پھر دفعتاً" وہ چونک گئی۔ کوئی شخص گیٹ پر چڑھ رہا تھا۔ پہلے اس کا سر نظر آیا پھر وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ اور چند ہی سیکنڈ بعد وہ دھپ کی ہلکی سی آواز سے اندر کود گیا۔

ثمینہ نے اس شخص کو چال سے پہچان لیا تھا۔ وہ شارق تھا۔ ثمینہ پستول ہاتھ میں لیے تاریکی میں بیٹھی رہی۔ شارق برآمدے میں پہنچ گیا۔ اور پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ٹھٹک کر رہ گیا۔

"اوہ ثمینہ۔ تم یہاں بیٹھی ہو۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو۔ یہیں بیٹھ جاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "کیا ہوا تھا۔ تفصیل سے بتاؤ۔"

"میں شب خوابی کا لباس پہن کر اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔ اتفاق سے میں دروازہ اندر سے بولٹ کرنا بھول گئی تھی۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تفصیل سے اسے سب کچھ بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ کھل کر سامنے آگئے۔ انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ ہم نے سونا کہیں اور منتقل کردیا ہے اور یہ کہ ہم انہیں حصہ نہیں دینا چاہتے۔ اگر آج وہ نہ کھلتے تو ہمارے خلاف اندر ہی اندر سازش کرتے اور کسی وقت ہمیں دھوکے سے پولیس یا حاجی کے حوالے کردیتے یا سوتے میں ہمیں قتل کرکے سارا سونا لے جاتے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے ایسا کوئی منصوبہ بنایا بھی ہو۔ لیکن اس پر عمل

aazzamm@yahoo.com

کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ آج مجھے اکیلے پاکر وہ دونوں کھل گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ آسانی سے مجھے زیر کرلیں گے۔ لیکن وہ بھول گئے تھے کہ ثمینہ پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں۔ ثمینہ ایک سے تو زیر ہو چکی ہے کوئی دوسرا اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔" وہ خاموش ہوکر شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

"ان کی لاشیں کہاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"اندر..... میرے کمرے میں۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ دونوں اٹھ کراندر آگئے۔ ثمینہ نے راہداری والا دروازہ بولٹ کردیا۔ لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے وہ ثمینہ کے کمرے میں آگئے۔ پپو کی لاش تو پوری طرح بیڈ پر تھی۔ اس کے بھیجے اور خون کے لوتھڑے بستر اور سامنے والی دیوار پر چپکے ہوئے تھے۔ بستر کی چادر اور تکیہ خون سے تر ہورہا تھا۔ ظفری کے پیر بیڈ کی پٹی پر اٹکے ہوئے تھے جبکہ اس کا باقی دھڑ فرش پر تھا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔" شارق بولا۔ "اگر میں ہوتا تو انہیں اس سے بھی بھیانک سزا دیتا۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان لاشوں کو کیسے ٹھکانے لگایا جائے۔"

"اس کا ایک طریقہ ہے۔" ثمینہ بولی۔ "ہم ابھی اور اسی وقت یہ کوٹھی چھوڑ دیتے ہیں۔ نجانے شام سے میرے ذہن میں بار بار یہ خیال کیوں آرہا ہے کہ یہ کوٹھی بہت جلد پولیس کی نظروں میں آجائے گی۔"

"اتفاق ہے کہ آج میں بھی یہ کوٹھی چھوڑ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" شارق بولا۔ "لیکن ہم یہ کوٹھی ایسے ہی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ حاجی کی پجیرو اور قدیر کا رکشہ یہاں موجود ہے۔ گیراج میں پٹرول کے جیری کین بھی رکھے ہوئے ہیں۔ ہم پٹرول چھڑک کر اس کوٹھی کو آگ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا اور کسی کو ہمارے بارے میں کوئی سراغ بھی نہیں مل سکے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ثمینہ بولی۔ "شروع ہو جاؤ۔ اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ دونوں اندر والے کمرے سے ہوتے ہوئے گیراج میں آگئے۔ شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گیراج میں ایک طرف پٹرول سے بھرے ہوئے تین جیری کین رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک کین اٹھا کر کھول لیا اور پجیرو اور رکشے پر پٹرول چھڑکنے لگا۔ کچھ پٹرول اس نے فرش اور دیواروں پر بھی چھڑکا تھا۔

دوسرا کین ثمینہ نے اٹھا لیا۔ شارق نے دوسرے ہاتھ میں تیسرا کین بھی اٹھا لیا۔ ثمینہ نے اپنے کمرے میں آکر پٹرول چھڑکنا شروع کردیا۔ اس نے لاشوں پر بھی پٹرول چھڑک دیا تھا۔ لاشوں

پر پٹرول چھڑکتے ہوئے اس کے دل میں ذرا بھی خیال نہیں آیا تھا۔ اس نے کمرے سے باہر نکل کر باقی پٹرول ڈرائنگ روم کے فرنیچر اور لاؤنج میں چھڑک دیا شارق بھی مختلف کمروں میں پٹرول چھڑکتا ہوا پھر رہا تھا۔

دونوں جیری کین خالی ہوگئے۔ شارق نے تیسرا جیری کین کھول لیا۔ ثمینہ نے کچن سے ماچس اٹھا لی۔ شارق نے کچھ پٹرول راہداری والے دروازے اور برآمدے کے فرش اور دیواروں پر چھڑکا اور جیری کین کو اٹھا کر کے باہر والے گیٹ کی طرف چلتا چلا گیا۔ پٹرول کی موٹی سی دھار فرش پر بہتی گئی۔

گیٹ کے قریب آکر وہ رک گئے۔ شارق نے چھوٹا دروازہ کھول کر باہر گلی میں جھانکا اور پھر ثمینہ کو اشارہ کردیا۔ ثمینہ نے ماچس کی تیلی جلا کر فرش پر بہتے ہوئے پٹرول پر پھینک دی۔ پٹرول نے فوراً" ہی آگ پکڑ لی اور شعلوں کی لکیر تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھنے لگی۔

ثمینہ گیٹ سے باہر آگئی۔ شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ رک کر یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ آگ برآمدے تک پہنچی تھی یا نہیں۔ ان دونوں نے بہت اچھی طرح پٹرول چھڑکا تھا اور انہیں یقین تھا کہ چند سیکنڈ کے اندر اندر پوری کوٹھی آگ کی لپیٹ میں آجائے گی۔

ان کا خیال درست نکلا۔ تیسری گلی میں مڑ کر دونوں نے پیچھے دیکھا۔ آگ کے شعلے بلند ہونا شروع ہوگئے تھے۔ وہ تیز تیز چلنے لگے اور تقریباً" دس منٹ بعد جب وہ اپنی کوٹھی میں پہنچے تو وہ کوٹھی غالباً" پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آچکی تھی کیونکہ آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے شعلے وہاں سے بھی نظر آرہے تھے اور لوگوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

شارق اور ثمینہ نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور برآمدے والے دروازے میں داخل ہوکر اپنے کمرے میں آگئے۔

○

آگ نے پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اگر آگ اتفاقیہ طور پر لگی ہوتی تو شاید اسے پھیلنے میں دیر لگتی اور پوری کوٹھی کو جلنے سے بچا لیا جاتا لیکن آگ جان بوجھ کر اور پٹرول چھڑک کر لگائی گئی تھی۔ اور پٹرول سے لگائی جانے والی آگ پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔ آناً" فاناً" پوری کوٹھی شعلوں کی لپیٹ میں آگئی تھی۔

لوگ گھروں سے نکل آئے تھے۔ آس پاس کی کوٹھیوں کے مکینوں کو اندیشہ تھا کہ پھیلتی ہوئی

aazzamm@yahoo.com

آگ ان کی کوٹھیوں کو بھی لپیٹ میں نہ لے لے۔ وہ لوگ اپنی کوٹھیوں سے اپنا قیمتی سامان نکال رہے تھے۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد پولیس کی ایک وین بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس پارٹی میں نصف درجن مسلح پولیس والے تھے اور ان کا انچارج ایک دراز قامت اور بھاری بھرکم سب انسپکٹر تھا۔ پولیس کے سپاہی رائفلیں سنبھالے ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور سب انسپکٹر چیخ چیخ کر انہیں احکامات جاری کررہا تھا۔

"تم میں سے کسی نے فائر بریگیڈ کو فون کیا ہے یا نہیں۔" سب انسپکٹر گلی میں کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کردیا جناب۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔ "لیکن فائر اسٹیشن یہاں سے اتنی دور ہے کہ گاڑی کو یہاں پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا اور اس وقت تک یہ کوٹھی جل کر راکھ ہو چکی ہوگی۔ لیکن آپ کس لیے آئے ہیں جناب آپ بھی تو کچھ کریں۔"

"ہم آگ بجھانے نہیں آئے۔" سب انسپکٹر نے جوب دیا۔ "ہم تو خطرناک مجرموں کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ جو ہماری اطلاع کے مطابق اس کوٹھی میں چھپے ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں نے کسی کو اس کوٹھی سے نکلتے ہوئے تو نہیں دیکھا ایک مرد اور ایک عورت؟"

"شارق اور ثمینہ۔" قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ وہی' کیا تم نے انہیں دیکھا ہے۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کوٹھی میں کون رہتا تھا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"پھر تم نے شارق اور ثمینہ کا نام کیسے لیا؟" سب انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"ایک مرد اور ایک عورت یعنی شارق اور ثمینہ۔" وہ شخص ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ یہی دونوں نام آجکل پولیس کے لیے ہوا بنے ہوئے ہیں۔ پولیس کو ان کے علاوہ اور کس کی تلاش ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کوٹھی میں تھے بھی تو انہیں باہر نکلنے کا موقع نہیں مل سکا ہوگا اور وہ جل کر راکھ ہو چکے ہوں گے۔"

سب انسپکٹر اسے گھور کر رہ گیا۔

فائر انجن واقعی ایک گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچ سکا تھا۔ لیکن آگ پر قابو پانا ایک انجن کے بس کی بات نہیں تھی۔ مزید گاڑیاں طلب کی گئیں۔ شہر کے دوسرے علاقوں سے دو انجن اور پہنچ گئے۔

صبح آٹھ بجے تک آگ پر قابو پا لیا گیا۔ اس وقت تک پولیس کے دو تین بڑے آفیسر بھی پہنچ

گئے تھے۔ کوٹھی راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔ ملبے میں جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ آگے پیچھے کی گلیوں میں لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا اور پولیس والے انہیں دور رکھنے کی کوشش کررہے تھے۔

فائر بریگیڈ کے آدمی اور چند پولیس اہلکار ملبہ ہٹا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک پولیس آفیسر نے لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی تھی۔

اس گلی میں رہنے والوں کے بیان کے مطابق اس کوٹھی میں ایک خوبصورت عورت رہتی تھی جس نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یہ کوٹھی کرائے پر لی تھی۔ اس کے ساتھ کبھی کبھی ایک آدمی بھی آیا کرتا تھا۔ وہ آدمی کبھی کسی گاڑی میں آتا اور کبھی رکشہ چلاتا ہوا۔

ایک آدمی نے دو عورتوں کے بارے میں بتایا۔ ایک چادر اوڑھتی تھی اور دوسری برقعہ پہنتی تھی۔ لیکن ان کے چہرے بہت کم لوگوں نے دیکھے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کوٹھی میں رہنے والے کئی کئی روز تو یہاں آتے ہی نہیں تھے اور کوٹھی خالی رہتی تھی۔

ایک طرف پولیس آفیسر لوگوں سے پوچھ گچھ کررہا تھا اور دوسری طرف ملبہ ہٹانے کا کام جاری تھا۔ گیراج کے ملبے سے ایک پجیرو اور ایک رکشے کے ڈھانچے ملے تھے۔ اور پھر یہ انکشاف زیادہ سنسنی خیز ثابت ہوا کہ ایک جگہ ملبے کے نیچے سے دو جلے ہوئے انسانی ڈھانچے بھی ملے ہیں۔

پولیس آفیسرز فوراً" ہی وہاں پہنچ گئے۔ ملبے کو بڑی احتیاط سے پوری طرح ہٹایا گیا۔ دو انسانی ڈھانچے تھے جن کی بعض ہڈیاں بھی جل کر راکھ ہو چکی تھیں۔ ان ڈھانچوں پر گوشت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جلی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچوں سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ دونوں مرد تھے یا ان میں ایک مرد اور ایک عورت تھی یا دونوں عورتیں تھیں۔ ان ڈھانچوں کو اٹھانے کی کوشش کی گئی تو وہ بکھر گئے۔ نیم سوختہ ہڈیوں کو بڑی احتیاط سے ایک چادر میں سمیٹ کر پولیس کی گاڑی میں ڈال دیا گیا۔

دوپہر کے بارہ بج گئے۔ لوگ اب بھی بڑی تعداد میں آس پاس کی گلیوں میں موجود تھے۔ فائر بریگیڈ والے جا چکے تھے البتہ پولیس والے ایک آفیسر کی نگرانی میں ملبہ ہٹا رہے تھے۔

اس دوران اس گلی کی ایک کوٹھی میں رہنے والا ایک آدمی ایک اور شخص کو پولیس آفیسر کے پاس لے آیا۔ وہ شخص غالباً" مالی تھا۔ میلا سا کھدر کا کرتا اور دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ کھٹارہ سی سائیکل کے کیریر پر گھاس کاٹنے والی مشین بھی رکھی ہوئی تھی۔

"یہ نور دین مالی ہے جناب۔" اس آدمی نے کہا۔ "یہ اس علاقے کی کوٹھیوں میں کام کرتا ہے۔ اس عورت کو یہ کوٹھی اسی نے کرائے پر دلوائی تھی۔"

aazzamm@yahoo.com

"اچھا۔ تو تم پراپرٹی ڈیلنگ بھی کرتے ہو۔" سب انسپکٹر نے نور دین کو گھورا۔

"میں پندرہ سال سے اس علاقے میں کام کررہا ہوں جناب۔" نور دین نے جواب دیا۔ "یہاں کے لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی کوٹھیاں کرائے پر اٹھانے کے لیے مجھے کہہ دیتے ہیں۔ اس طرح مجھے بھی چار پیسے مل جاتے ہیں۔ میں اور بلا سبزی والا مل کر یہ کام کرتے ہیں۔"

"یہ کوٹھی تم نے کس کو کرائے پر دی تھی؟" سب انسپکٹر نے گھورا۔

"ایک جوان عورت تھی جی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک ریٹائرڈ ایس پی کی بیوی ہے۔" نور دین نے کہا۔

"ایس پی کے عہدے سے ریٹائر ہونے والے شخص کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں ہو سکتی اس کی بیوی جوان کیسے ہو سکتی ہے؟" سب انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"ہوسکتی ہے جی۔" نور دین بولا۔ "بڑے لوگ تو دو دو تین تین شادیاں کرلیتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔ "کوئی کرایہ نامہ بھی لکھا گیا تھا؟"

"آہو جی۔" نور دین نے کہا۔ "بلا سبزی والا بڑا قانونی آدمی ہے۔ وہ ہر کام قانون کے مطابق کرتا ہے۔ اس نے وکیل سے کرایہ نامہ ٹائپ کروایا تھا اور ملک صاحب کے گھر پر بیٹھ کر اس کرائے نامے پر دستخط ہوئے تھے۔"

"ملک صاحب کون ہیں؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس کوٹھی کے مالک ہیں جی۔ باغبانپورہ میں رہتے ہیں۔ انہیں تو ابھی اطلاع بھی نہیں ملی کہ ان کی کوٹھی جل گئی ہے۔" نور دین نے کہا۔

"ملک صاحب کا کوئی ٹیلی فون نمبر ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"آہو جی۔" نور دین نے کہتے ہوئے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکال لی۔

کثرت استعمال سے یہ نوٹ بک خاصی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اس میں کہیں تو پیسوں کا حساب لکھا ہوا تھا' کہیں کسی کا ایڈریس تھا اور کہیں فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ اس نے ملک صاحب کا فون نمبر بتایا جسے سب انسپکٹر نے نوٹ کرلیا۔

سب انسپکٹر نے دو کانسٹیبلوں کو وہیں چھوڑ دیا اور باقی پارٹی کو لے کر تھانے آگیا اور ایس ایچ او کو رپورٹ دینے کے بعد فون کا ریسیور اٹھا کر ملک صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال خود ملک نے ہی ریسیو کی تھی۔

"میں گلبرگ تھانے سے سب انسپکٹر حامد بات کررہا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "کیا یہ

کوٹھی آپ ہی کی ہے۔" اس نے کوٹھی کا نمبر بتایا۔

"جی ہاں۔ کوٹھی تو میری ہی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے کوٹھی ایک ریٹائرڈ ایس پی کو کرائے پر دی تھی۔ لیکن بات کیا ہے؟"

"آپ کی کوٹھی آگ لگ جانے سے راکھ کا ڈھیر بن چکی ہے۔ ملبے میں سے دو لاشیں بھی ملی ہیں۔ آپ تھانے آجائیں اور کرایہ نامہ بھی ساتھ لیتے آئیں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور فون بند کردیا۔

ملک صاحب تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد تھانے پہنچے تھے۔ وہ پچاس پچپن کی عمر کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ سفید داڑھی جس میں چند بال کالے بھی تھے۔ ماتھے پر نشان ان کے نمازی ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ غالباً" اپنی کوٹھی کا ملبہ دیکھ کر آئے تھے۔ چہرے پر یتیمی برس رہی تھی۔

"میری کوٹھی کو آگ کیسے لگی؟ اس نے آتے ہی پوچھا۔"

"یہ تو معلوم نہیں ہو سکا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "ہمیں صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ آپ نے وہ کوٹھی کب اور کس کو کرائے پر دی تھی۔"

"ایک ریٹائرڈ ایس پی ہیں جی۔ ان کی بیگم میرے پاس آئی تھی۔ کرایہ نامہ اسی کے نام ہے۔ یہ دیکھئے۔" ملک نے براؤن رنگ کے ایک لفافے میں سے کچھ کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

یہ اسٹامپ پیپر پر کوٹھی کا کرایہ نامہ تھا۔ اس کرایہ نامے کی رو سے آٹھ ہزار روپے ماہانہ طے ہوا تھا اور پچاس ہزار روپے بطور فکس ڈیپازٹ لیے گئے تھے۔ جبکہ تین مہینے کا کرایہ ایڈوانس کے طور پر لیا گیا تھا۔ اس کرایہ نامہ پر اوتھ کمشنر کی مہر اور دستخط بھی ثبت تھے۔ کرایہ نامہ کے ساتھ کرائے دار کا شناختی کارڈ بھی منسلک تھا۔ کارڈ کا وہ حصہ اوپر تھا جس پر نام اور پتہ وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ صابرہ سلطانہ زوجہ مراد علی۔ ایڈریس وسن پورے کے ایک مکان کا تھا۔ سب انسپکٹر نے شناختی کارڈ پلٹ کر دیکھا کارڈ ہولڈر کی تصویر نہیں تھی۔ قومی شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر کو پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ سب انسپکٹر ایک بار پھر کارڈ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ صابرہ سلطانہ کی تاریخ پیدائش فروری 1940ء کی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کی عمر اس وقت پچپن سے اوپر تھی۔

"ملک صاحب۔" سب انسپکٹر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے جس عورت کو یہ کوٹھی کرائے پر دی تھی کیا آپ اسے جانتے ہیں۔ اس کی عمر کیا ہوگی؟"

"یہ کوٹھی میں نے بلاسبزی والے کی معرفت کرائے پر دی تھی۔" ملک نے جواب دیا۔ "وہ

aazzamm@yahoo.com

جوان عورت تھی۔ عمر ستائیس اٹھائیس سال رہی ہوگی۔"

"حلیہ کیسا تھا؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جوان اور خوبصورت تھی۔" ملک نے کہا اور حلیہ بتانے لگا۔ جسے سب انسپکٹر نے نوٹ کرلیا۔

"اس شناختی کارڈ کے مطابق آپ نے جس عورت کو یہ کوٹھی کرائے پر دی تھی اس کی عمر تقریباً پچپن سال ہے۔ کیا آپ نے کرایہ نامہ پر دستخط کراتے وقت شناختی کارڈ نہیں دیکھا تھا؟"

ملک اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ وہ سب انسپکٹر سے کاغذات لے کر شناختی کارڈ دیکھنے لگا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تصدیق کیے بغیر کسی کو مکان کرائے پر دینا جرم ہے۔" سب انسپکٹر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ بدنام زمانہ مجرم شارق اور ثمینہ اس کوٹھی میں روپوش ہیں۔ آپ نے عورت کا جو حلیہ بتایا ہے وہ بھی ثمینہ سے ملتا جلتا ہے۔ ہم ان دونوں کی گرفتاری کے لیے یہاں چھاپہ مارنے آئے تھے لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے کوٹھی کو آگ لگ چکی تھی اور وہ پوری طرح شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔ ملبے سے جلی ہوئی دو لاشیں بلکہ جلی ہوئی ہڈیاں ملی ہیں جن سے مرنے والوں کی شناخت ممکن نہیں۔ شبہ ہے کہ وہ ثمینہ اور شارق تھے جنہیں آگ لگنے کے بعد باہر نکلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ دونوں بھی جل کر راکھ ہوگئے۔ اب بات آپ کی ہے۔" سب انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ وہ دونوں سنگین ترین وارداتوں میں قانون کو مطلوب تھے اور آپ نے انہیں کوٹھی کرائے پر دی تھی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کسی مجرم کو پناہ دینا بھی سنگین جرم ہے۔"

"مم ..... میں بے قصور ہوں۔" ملک کا چہرہ خوف سے بالکل سفید پڑ گیا تھا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ "بلا سبزی والا قابل اعتماد آدمی ہے۔ میں نے پہلے بھی ایک دو مرتبہ اس کے توسط سے کوٹھی کرائے پر دی تھی۔ کبھی کرائے داروں سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ بلا یقیناً اس عورت کو جانتا ہوگا۔"

"وہ تو ہم معلوم کر ہی لیں گے۔" سب انسپکٹر بولا۔ "لیکن آپ بھی بری الذمہ قرار نہیں دیے جاسکتے۔ آپ یہاں بیٹھیے۔ میں ایس ایچ او صاحب سے بات کرلوں۔"

سب انسپکٹر نے پہلے ایک کانسٹیبل کو بلا سبزی والے اور نور دین مالی کو بلانے کے لیے بھیج دیا اور خود اٹھ کر ایس ایچ او کے کمرے میں آگیا اور اسے کاغذات دکھاتے ہوئے بولا۔

"مالی نے اور ملک صاحب نے جو حلیہ بتایا ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوٹھی ثمینہ

نے کرائے پر حاصل کی تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریٹائرڈ ایس پی مراد علی کی بیوی کا شناختی کارڈ اس کے پاس کہاں سے آیا۔"

"ایس پی مراد علی کی بیوی کا شناختی کارڈ!" ایس ایچ او نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں ..... یہ دیکھیے۔" سب انسپکٹر نے کاغذات اس کے سامنے رکھ دیے۔

ایس ایچ او کاغذات دیکھنے لگا پھر انہیں میز پر ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔ "اس کارڈ پر ایڈریس وسن پورہ کا ہے۔ لیکن مراد علی صاحب گزشتہ تین سال سے گلبرگ ہی میں رہ رہے ہیں۔ میں ان سے فون پر بات کرتا ہوں۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ لائن ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ان کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ان کی بیگم کا شناختی کارڈ کہیں کھو گیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ کارڈ گھر ہی میں کہیں ادھر ادھر رکھ دیا گیا ہوگا۔ چونکہ اس کی کہیں ضرورت نہیں پڑی تھی اس لیے اس کی تلاش پر توجہ بھی نہیں دی گئی۔ وہ آدھے گھنٹے میں یہاں آرہے ہیں۔ تم نے مالی اور سبزی والے کو بلایا؟"

"کانسٹیبل کو بھیجا ہے سر۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"بند کردو ان دونوں کو۔ اور کوٹھی کے مالک کو بھی بٹھائے رکھو۔" ایس ایچ او نے کہا۔

"یس سر۔" سب انسپکٹر بولا۔

ٹھیک اسی وقت ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا۔ یہ ان دونوں میں سے ایک تھا جنہیں آتش زدہ کوٹھی کے ملبے کی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا تھا۔

"کیا بات ہے حفیظ؟" سب انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سر۔ اس کوٹھی کے نیچے ایک تہہ خانے کا انکشاف ہوا ہے۔" کانسٹیبل حفیظ نے بتایا۔ "ملبے میں ایک جگہ سے اچانک ہی شعلے اٹھنے لگے تھے۔ میں پانی کی بالٹی لے کر وہاں پہنچا آگ بجھا دی۔ پھر ایک دو لکڑیاں ادھر ادھر ہٹائیں تو ان کے نیچے تہہ خانے کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ میں آپ کو رپورٹ دینے کے لیے چلا آیا ہوں۔"

"اوہ۔" سب انسپکٹر چونک گیا۔ "اور ایس ایچ او کی طرف دیکھنے لگا۔"

"چلو۔ میں بھی چل رہا ہوں۔" ایس ایچ او بھی کرسی سے اٹھ گیا۔

وہ دونوں تھانے سے باہر آکر جیپ میں بیٹھ گئے اور کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئے۔

aazzamm@yahoo.com

اس جگہ سے مزید ملبہ ہٹوا دیا گیا جہاں تہہ خانے کا انکشاف ہوا تھا۔ نیچے سیڑھیاں تھیں جن کے اختتام پر دروازہ تھا۔ دروازہ اگرچہ لکڑی کا تھا لیکن پوری طرح نہیں جلا تھا۔ شاید آگ پوری طرح نیچے نہیں پہنچی تھی۔ دروازے کا کنڈا سلامت تھا جس میں تالا بھی لگا ہوا تھا۔ ایس ایچ او کے اشارے پر ایک کانسٹیبل نے سیڑھیوں پر اتر کر تالا توڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی یوں لگا جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔ گرم ہوا کے تھپیڑے تہہ خانے سے نکل رہے تھے۔ انہیں تقریباً" آدھا گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران ایک ٹارچ کا بھی بندوبست کرلیا گیا۔

انسپکٹر اور سب انسپکٹر تہہ خانے میں اتر گئے۔ ٹارچ انسپکٹر کے ہاتھ میں تھی وہ اس کی روشنی میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پھر وہ چونک گیا۔ ٹارچ کی روشنی میں فرش پر پڑی ہوئی کوئی چیز چمک رہی تھی۔ اور جب اس نے جھک کر وہ چیز اٹھائی تو اس کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔

وہ سونے کا ایک بسکٹ تھا۔ جو گرمی سے پگھل گیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی ایک بار پھر گردش کرنے لگی۔

انہیں تہہ خانے کے فرش پر سونے کے گیارہ بسکٹ ملے تھے وہ تہہ خانے سے باہر آگئے اور اس کے تقریباً" آدھا گھنٹہ بعد انسپکٹر تھانے کے فون پر ڈی ایس پی سے بات کررہا تھا۔

○

اس سے اگلے روز تمام اخبارات کی ہیڈلائن بڑی سنسنی خیز تھی۔

"تباہی کا دیوتا شارق اور بربادی کی دیوی ثمینہ آگ میں جل کر راکھ ہوگئے؟"

ہر اخبار نے اپنے اپنے طور پر تفصیلات شائع کی تھیں۔ ہیڈلائن کے علاوہ ہر اخبار کے کم از کم دو دو صفحے شارق اور ثمینہ ہی کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک اخبار نے تو اس کی پوری سوانح شائع کر دی تھی کہ کس طرح اسے بارہ سال کی عمر میں اپنے ماں باپ کے قتل کے الزام میں سزا ہوئی تھی اور سزا کاٹ کر جیل سے رہا ہونے کے بعد اس نے کس طرح پولیس اور بعض دیگر لوگوں کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دی تھیں اور کس طرح اس نے ثمینہ کو بلیک میل کرکے اپنے ساتھ ملایا تھا۔

اخبارات میں شارق کے بارے میں بہت سے ایسے لوگوں کے انٹرویوز بھی شائع ہوئے تھے جنہیں شارق جانتا نہیں تھا۔ ثمینہ کے والد کا انٹرویو اور اس کی چھوٹی بہن اور بھائی کے تاثرات بھی شائع ہوئے تھے۔ دو اخبار ایسے تھے جنہوں نے فیصل آباد میں ثمینہ کے کالج کی پرنسپل، بعض لیکچرارز اور شاگردوں کے انٹرویو بھی شائع کیے تھے۔ ان سب نے ثمینہ کو بے حد شریف، خوش اخلاق اور رحم دل قرار دیا تھا اور اس بات پر بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ وہ شارق جیسے شخص کے ہاتھ کیسے لگ گئی تھی۔

شارق کے بارے میں بھی مختلف آراء تھیں۔ بعض لوگوں نے اسے ظالم اور بے رحم قرار دیا تھا جبکہ اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ شارق بے گناہ تھا۔ اس کے ساتھ زیادتیاں ہوئی تھیں اور وہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

اخبارات نے اسی حوالے سے لمبے چوڑے اداریے بھی شائع کئے تھے اور تقریباً ہر اخبار نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ شارق مجرم کیسے بنا؟ جس شخص نے جیل میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہو، جیل میں اس کا کردار قابل تعریف اور بے مثال رہا ہو وہ جیل سے باہر آکر اتنا بڑا مجرم کیسے بن گیا؟ بعض اخبارات نے تو قانون کے محافظوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایک شریف انسان کو بھی شارق جیسا خطرناک مجرم بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

شارق نے سب کچھ تفصیل سے پڑھا۔ اور ظاہر ہے وہ اس پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے ہیڈلائن والی خبر ایک بار پھر تفصیل سے پڑھی یہ خبر پولیس کے ذرائع سے شائع کی گئی تھی۔

اس خبر کے مطابق گلبرگ کے ایس پی کو اطلاع ملی تھی کہ خطرناک مجرم شارق اور اس کی ساتھی ثمینہ گلبرگ کے علاقے میں کسی جگہ روپوش ہیں ایس پی کی ہدایت پر پولیس کی ایک خصوصی پارٹی تشکیل دی گئی جس نے شارق اور ثمینہ کے بارے میں انتہائی رازداری کے ساتھ تحقیقات شروع کر دیں۔ چند روز پہلے گلبرگ ہی میں قدیر نامی ایک آدمی پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔ قدیر کے بارے میں تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ وہ رکشہ چلاتا ہے اور اچھرے میں رہائش پذیر ہے۔ پولیس قدیر کے بارے میں تحقیقات کرتی رہی اور گزشتہ روز یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ قدیر بھی شارق کے لیے کام کرتا رہا تھا اور ٹیلی فون پر اس کا شارق سے رابطہ رہتا تھا۔ پولیس پارٹی نے اس ٹیلی فون کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ ٹیلی فون گلبرگ کی ایک کوٹھی کا ہے۔ گزشتہ رات ایس پی کی تشکیل کردہ پارٹی اس کوٹھی پر چھاپہ مارنے کا پروگرام بنا رہی تھی کہ سب انسپکٹر حامد کی نگرانی میں پولیس کی ایک پارٹی اس طرف پہنچ گئی۔ اس پارٹی کو کوٹھی کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی تھی تاکہ شارق اور ثمینہ فرار نہ ہوسکیں۔ لیکن پولیس پارٹی جب وہاں پہنچی تو کوٹھی کو آگ لگ چکی تھی اور کوٹھی مکمل طور پر آگ کی لپیٹ میں تھی۔ بعد میں پولیس کو اس کوٹھی کے ملبے میں سے دو انسانی ڈھانچوں کی جلی ہوئی ہڈیاں ملی ہیں۔ پولیس کا دعویٰ ہے کہ وہ ثمینہ اور شارق ہی تھے جنہیں کوٹھی سے نکلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ آگ میں جل

aazzamm@yahoo.com

کر راکھ ہوگئے۔

پولیس کو کوٹھی کے گیراج سے ایک جلی ہوئی پجیرو اور ایک رکشے کا ڈھانچہ بھی ملا ہے۔ پجیرو کے چیسز نمبر اور انجن نمبر سے یہ تصدیق ہوگئی ہے کہ یہ پجیرو حاجی عبداللہ کی ملکیت ہے جو کچھ عرصہ پہلے گن پوائنٹ پر چھین لی گئی تھی۔ کوٹھی کے تہہ خانے سے سونے کے چند بسکٹ بھی ملے ہیں۔

چند روز پہلے شارق اور اس کے ساتھیوں نے گنڈا سنگھ والا کے قریب اسمگلروں کی ایک پارٹی پر حملہ کرکے ان سے تین کروڑ روپے مالیت کا سونا چھین لیا تھا جو بھارت کو اسمگل کیا جارہا تھا۔ خیال ہے کہ وہ سونا اس کوٹھی کے تہہ خانے میں رکھا ہوا تھا جو بعد میں کسی وقت وہاں سے کہیں اور منتقل کردیا گیا تھا اور غالباً" اس منتقلی کے دوران سونے کے چند بسکٹ تہہ خانے میں گر گئے تھے۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں پولیس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ وہ ثمینہ اور شارق ہی تھے جو کوٹھی کی آگ میں جل کر راکھ ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی شہریوں کو اب سکون کا سانس لینا نصیب ہوگا۔

رضیہ ' شاہ پری' ثمینہ اور نولکھا نے بھی اخبار پڑھا تھا اور اب وہ مزے لے لے کر اس خبر پر تبصرہ کررہے تھے۔

"چلو۔ قصہ ختم ہوا۔" نولکھا نے کہا۔ "اب پولیس کو تم لوگوں کی تلاش نہیں ہوگی۔ حاجی نے بھی سکھ کا سانس لیا ہوگا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ کوئی نیا پنگا لینے کے بجائے اب اس ملک سے نکلنے کی تیاری کرو۔ اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔"

"نولکھا بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" رضیہ جلدی سے بولی۔ "اب اپنا بوریا بستر سمیٹو اور جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔"

"کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ پولیس کے اعلیٰ افسروں نے اور حاجی نے ہماری موت کا یقین کرلیا ہوگا؟" شارق نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ حقائق کو چھپانے کے لیے اس قسم کی خبر اخبارات کو جاری کی گئی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ جب کسی ایک بات کے حوالے سے حکومت پر عوام کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو عوام کو مطمئن کرنے کے لیے اس قسم کی خبریں جاری کی جاتی ہیں۔ جبکہ حقائق کو چھپایا جاتا ہے۔"

"کیا اس قسم کا جھوٹ زیادہ عرصہ تک چل سکتا ہے؟" رضیہ نے کہا۔

"اس قسم کا جھوٹ چند روز سے زیادہ نہیں چلتا۔" شارق نے کہا۔ "لیکن عوام کا فوری دباؤ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے دو چار روز بعد اگر پول کھل بھی جائے تو وہ بات نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ حاجی عبداللہ جیسا شخص ہماری موت کی خبر کو آسانی سے ہضم نہیں کرسکتا۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سوچے کہ کوٹھی کو ہم نے جان بوجھ کر آگ لگائی تھی اور وہ لاشیں کسی اور کی ہوں۔"

"اس طرح تو ایک لمبی بحث چھڑ جائے گی۔" نولکھا بولا۔ "ویسے ایک موقع تو ملا ہے۔ ہمیں خاموشی سے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"شاید تم بہت زیادہ بددل ہوگئے ہو۔" شارق بولا۔

"نہیں یار شارق باؤ۔ یہ بات نہیں ہے۔" نولکھا بولا۔ "ساری زندگی گزر گئی پولیس سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے۔ اب دل چاہتا ہے کہ کچھ دن سکون اور آرام سے گزار لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "دو چار دن صورتحال کا جائزہ لینے دو۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"صورتحال کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اپنے معاملات بھی وائنڈ اپ کرتے رہو۔ تاکہ عین وقت پر کوئی اور رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔" رضیہ نے کہا۔

"جو حکم سرکار۔" شارق مسکراتے ہوئے بولا پھر ثمینہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ویسے ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ پولیس نے یہ پتا چلا لیا کہ قدیر ہمارے لیے کام کررہا تھا اور انہیں فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"ایک بات پر تم نے توجہ نہیں دی۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے قدیر کو فون نمبر اس کوٹھی کا دیا تھا جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں جبکہ اخبار میں اس کوٹھی کا فون نمبر چھپا ہے جسے ہم جلا کر راکھ کر آئے ہیں اور بقول پولیس کے انہوں نے اس فون نمبر ہی کے ذریعے اس کوٹھی کا پتا چلایا تھا۔"

"قدیر کو میں نے دوسری کوٹھی کا نمبر بھی دے دیا تھا اور اسے سختی سے یہ ہدایت کردی تھی کہ اب پرانے نمبر پر رابطہ نہ کرے۔ اس کے بعد وہ دوسری کوٹھی پر ہی فون کرتا رہا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی موت کے بعد پولیس کو یہ نمبر کیسے معلوم ہوا؟" شارق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے اس نے وہ نمبر کہیں لکھ رکھا ہو جو پولیس کی نظروں میں آگیا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے اس نے یہاں کا نمبر بھی کہیں لکھا ہوگا۔ اگر کسی وقت وہ نمبر پولیس کی نظروں میں آگیا تو ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ کوٹھی بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اس سلسلے میں فوری طور پر معلوم کرنا ہوگا۔"

aazzamm@yahoo.com

"لیکن کس طرح معلوم کیا جائے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"انسپکٹر عثمان۔" شارق نے جواب دیا۔ "معطل ہونے کے باوجود پولیس میں اس کے تعلقات ہیں۔ وہ سب کچھ معلوم کرسکتا ہے۔"

"لیکن ....." ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "آج کے تمام اخبارات میں میری اور تمہاری موت کی خبر چھپ چکی ہے۔ کیا انسپکٹر عثمان یہ راز اپنے سینے میں محفوظ رکھ سکے گا کہ تم زندہ ہو۔"

"ہاں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جس دن وہ میرا کوئی راز فاش کرے گا وہ اس کی آزادی کا آخری دن ہوگا۔ میرا کوئی راز فاش کرنے سے پہلے اسے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"تو پھر بات کرو اس سے۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ لوگ اس وقت نولکھا والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اٹھ کر لاؤنج میں آگیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ مریم لاؤنج ہی میں ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"ماں جی۔ آپ یہاں بیٹھی ہیں۔" شارق دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "باہر اتنا اچھا موسم ہورہا ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور آپ یہاں۔"

"چلی جاتی ہوں۔" مریم اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ شارق کو فون کرنا ہوگا۔

مریم جیسے ہی دروازے سے باہر نکلی شارق فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر عثمان کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی تھی۔

"میں سیالکوٹ سے عثمان کا دوست بول رہا ہوں۔ پلیز انہیں فون پر بلا دیں۔" شارق نے کہا۔

"ہولڈ کریں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور خاموشی چھا گئی۔ چند سیکنڈ بعد عثمان کی آواز سنائی دی۔

"میرا نام مت لینا عثمان اور میری بات غور سے سنو۔" شارق نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

"تم!" انسپکٹر عثمان کے لہجے میں حیرت تھی۔ "لیکن آج تم ....."

"پولیس میں جب تک تم جیسے لوگ ہوں گے ان سے ایسی ہی باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نہیں سمجھتا کہ حاجی جیسے گھاگھ آدمی اس بات کا یقین کرلیں گے۔ تم بھی پولیس کی طرح مجھے مردہ ہی سمجھتے رہو اور کسی کو معلوم نہیں

ہونا چاہیے کہ میں زندہ ہوں۔ بہرحال، تم نے ایک کام کرنا ہے۔"

"کہو ..... میں سن رہا ہوں۔" عثمان نے کہا۔

"آج اخبار میں چھپا ہے کہ پولیس نے کوٹھی کا فون نمبر قدیر کی موت کے بعد معلوم کیا تھا۔ تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ پولیس کو وہ فون نمبر کہاں سے اور کیسے ملا تھا اور آیا ان کے پاس ایسا کوئی اور نمبر تو نہیں جسکے بارے میں وہ تحقیقات کررہے ہوں۔ اور یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ پولیس مجھے اور ثمینہ کو واقعی مردہ سمجھ رہی ہے یا یہ سب ڈرامہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں معلوم کرلوں گا۔ لیکن تمہیں کہاں اطلاع دوں گا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"میں شام کو سات بجے کے بعد کسی وقت خود ہی تم سے رابطہ کروں گا۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس وقت تک شاید میں حاجی کے بارے میں تمہیں کوئی اور بھی اطلاع دے سکوں گا۔" عثمان بولا۔

"او کے۔ سات بجے کے بعد میرے فون کا انتظار کرنا۔" شارق نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

وہ لاؤنج سے اٹھ کر کمرے میں آگیا۔ ثمینہ وغیرہ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر برآمدے میں آکر مریم کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ باہر کا موسم واقعی بہت اچھا تھا۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ثمینہ وغیرہ بھی وہیں آگئیں۔

"نولکھا کو بھی بلا لو۔ وہ بھی ٹھنڈی ہوا کا لطف اٹھا لے۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ثمینہ اندر جاکر نولکھا کو لے آئی۔ وہ اب پہلے سے کافی بہتر تھا۔ اور تھوڑا بہت چل پھر لیتا تھا۔

وہ لوگ دوپہر تک برآمدے ہی میں بیٹھے رہے۔ اس دوران ثمینہ اور رضیہ کھانے وغیرہ کی تیاری کے سلسلے میں بار بار اٹھ کر اندر جارہی تھیں۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ سب لوگ لاؤنج ہی میں قالین پر بیٹھ گئے اور تاش کھیلنے لگے جبکہ مریم اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ لوگ شام تک تاش کھیلتے رہے۔ وقت گزارنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی مشغلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ساڑھے سات بجے شارق نے انسپکٹر عثمان کو فون کیا۔ کال عثمان ہی نے ریسیو کی تھی۔

"ہاں۔ کیا رپورٹ ہے عثمان؟" شارق نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"پولیس کو وہ فون نمبر قدیر کے ڈیرے پر ٹیلی فون کے قریب دیوار پر لکھا ہوا ملا تھا۔ اس نمبر کے ساتھ ایس ایس لکھا ہوا تھا۔ پولیس نے محض شبے کی بنا پر اس نمبر کے بارے میں تحقیق کی تھی۔ جس سے اس کوٹھی کا پتا چلا تھا۔ اگر کوٹھی کو آگ نہ لگتی تو رات کے پچھلے پہر پولیس تم لوگوں کو دھر لیتی۔"

"اور کوئی سراغ؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" عثمان نے جواب دیا۔ "قدیر کے سامان سے ایسے شواہد تو ملے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہارے لیے کام کرتا تھا لیکن ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے تمہارا سراغ لگایا جا سکے۔"

"اور ہماری موت والی خبر؟" شارق نے پوچھا۔

"اس سلسلے میں ابھی کنفیوژن ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "نچلی سطح پر یہی تاثر دیا گیا ہے کہ تم دونوں کوٹھی میں جل کر ختم ہو چکے ہو۔ اس خبر سے پولیس پر عوامی احتجاج کا دباؤ بھی کم ہوا ہے۔ لیکن اعلیٰ سطح پر نہایت خفیہ میٹنگز ہو رہی ہیں۔ جن میں یہ جائزہ لیا جا رہا ہے کہ وہ لاشیں واقعی تم دونوں کی تھیں یا وہ تمہارے کوئی اور ساتھی تھے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پولیس کے اعلیٰ حکام مطمئن نہیں ہیں۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" عثمان نے کہا۔ "ویسے سڑکوں پر پہلے کی طرح چیکنگ بند کر دی گئی ہے۔ البتہ بعض مقامات کی خفیہ نگرانی ہو رہی ہے۔ ہر اہم موڑ اور چوک پر سادہ لباس والے موجود ہیں۔"

"اور حاجی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے تھے؟" شارق نے پوچھا۔

"آج رات پشاور سے حاجی کے مال کی کھیپ آ رہی ہے۔" عثمان نے بتایا۔ "اس کھیپ میں کروڑوں روپے مالیت کی ہیروئن اور اسلحہ شامل ہے۔ یہ مال حاجی کے باغبانپورہ والے گودام میں اتارا جائے گا۔ میں آج رات اس گودام کا پتا بھی معلوم کر لوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" شارق بولا۔ "میں حاجی کے تمام گوداموں کے بارے میں جان چکا ہوں۔ بہرحال' ان اطلاعات کا شکریہ۔"

اس نے فون بند کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو انسپکٹر عثمان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔

"حاجی کی سزا ابھی پوری نہیں ہوئی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس نے میری ماں اور بہن کی توہین کی تھی۔ میں اسے آسانی سے تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے پھر ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔" رضیہ نے اسے گھورا۔

"اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" شارق بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب جو کچھ بھی کرنا ہوگا میں اکیلا ہی کروں گا۔ کسی اور کو میرے ساتھ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"کیا تم اکیلے جا سکتے ہو۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "یعنی میرے بغیر؟"

"آج میرا کہیں جانے کا ارادہ نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "کل کا پروگرام ہے۔ کل آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

ثمینہ نے بحث کرنا بیکار سمجھا اور اٹھ کر رضیہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ پھر لاؤنج میں بیٹھے تاش کھیلتے رہے۔

دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب شارق کوٹھی سے نکلا تو اس کے جسم پر میلا سا لباس تھا۔ سر پر پگڑی کی طرح کپڑا لپٹا ہوا تھا اور شیو بھی دو دن کا بڑھا ہوا تھا۔

اس کا رخ بس اسٹاپ کی طرف تھا۔

بس اسٹاپ پر سڑک کے کنارے جامن کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ کچھ لوگ بس کے انتظار میں درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ ان میں دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ بچے بھی تھے۔ تین چار آدمی تھے۔ شارق نے سرسری سی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور ان سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور بار بار اس طرف دیکھنے لگا جس طرف سے بس آنے والی تھی۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد ریلوے سٹیشن کی طرف جانے والی بس آتی ہوئی دکھائی دی۔ لوگ سڑک کے کنارے پر آ گئے۔ ان میں سے ایک آدمی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا شارق کے قریب آ گیا۔ لوگ بس پر سوار ہونے لگے۔ شارق بھی آگے بڑھا لیکن اچانک ہی ایک ہلکی سی غراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"تم بس پر سوار نہیں ہوگے۔ اپنی جگہ پر کھڑے رہو شارق۔"

شارق اچھل پڑا۔ اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھا۔ وہ شخص اس کے بالکل ساتھ کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی لمحہ شارق کو اپنے پہلو میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"میرے ہاتھ میں پستول ہے۔" وہ شخص ایک بار پھر غرایا۔ "اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ گولی چلا دوں گا۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ بس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگ بس میں بیٹھ چکے تھے اور بس وہاں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

○

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

"کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" شارق نے گردن گھما کر اس شخص کی طرف دیکھا۔ وہ دراز قامت اور قدرے بھاری بھر کم آدمی تھا۔ اس کا شیو بھی بڑھا ہوا تھا لیکن دائیں طرف رخسار پر زخم کا تقریباً ایک انچ لمبا نشان صاف نظر آرہا تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کی پتلون اور سفید بشرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے کپڑے خاصے میلے تھے اور غالباً کئی روز سے اس کے جسم سے جدا نہیں ہوئے تھے۔ اس نے دایاں ہاتھ شارق کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔ شارق پستول کی نال کی ہلکی سی چبھن صاف محسوس کر رہا تھا۔ پستول چھپانے کے لیے اس شخص نے ہاتھ پر نیلے چیک والا رومال ڈال رکھا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب شارق نے سرسری سے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا تو یہ رومال اس کے کندھے پر پڑا ہوا تھا۔

"شارق باؤ۔" وہ شخص اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تمہارے چاہنے والوں کی اس شہر میں کمی تو نہیں ہے ناں۔ یہ الگ بات ہے کہ چاہنے کا انداز ہر شخص کا اپنا اپنا ہے۔"

"تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" شارق نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میرا نام شارق نہیں عبدالرؤف ہے۔ میں دو تین دن پہلے کھاریاں سے آیا ہوں۔ میرے تین چار رشتے داروں کے علاوہ یہاں مجھے اور کوئی نہیں جانتا۔ میں تو مزدوری کی تلاش میں یہاں آیا ہوا ہوں' دوستیاں پالنے نہیں اور تم اپنا یہ ہاتھ پیچھے ہٹا لو۔ میں جانتا ہوں تمہارے اس ہاتھ میں پستول ہے جو تم نے کپڑے میں چھپا رکھا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے' تم اس طرح مجھے لوٹنا چاہتے ہو لیکن میرے پاس چالیس پچاس روپے سے زیادہ رقم نہیں ہے۔"

"صرف چالیس پچاس روپے کی نہیں' میں تو پچاس لاکھ کی سوچ رہا ہوں۔" اس شخص نے کہا۔ "اور اگر تمہاری وہ چیز مل جائے' کیا نام ہے اس کا..... ہاں ثمینہ.....تو یہ رقم دگنی ہو سکتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے بڑا حوصلہ ہے بھئی تم میں شارق باؤ۔ پورے شہر کی پولیس تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ حاجی کے آدمی الگ تمہیں شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈ رہے ہیں اور تم ہو کہ اس طرح آزادی سے گھوم پھر رہے ہو جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی موت کی خبر اخباروں میں چھپنے کے بعد تم یہ سمجھ رہے ہو کہ

لوگ تمہارا چہرہ ہی بھول گئے ہیں لیکن تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں تمہیں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔" شارق نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا بس اسٹاپ پر ایک بوڑھا آدمی اور دو عورتیں آگئی تھیں جو ان سے چند قدم دور کھڑی تھیں۔

"ابھی میں شور مچا دوں کہ تم شارق ہو جس نے شہر میں تباہی مچا رکھی ہے تو یہاں سینکڑوں آدمی جمع ہو جائیں گے اور ہر شخص تمہیں پہچان لے گا اور لوگ تمہاری بوٹیاں نوچ لیں گے لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تو تمہیں زندہ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ قیمت صرف تمہارے زندہ ہونے کی ہے' مرنے کے بعد تو تم ایک ٹیڈی پیسے کے بھی نہیں رہو گے۔"

شارق دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا لیکن اس نے بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پا رکھا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ اس نے اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ وہ ماجھا گجر کا پرانا ساتھی دلاور تھا جسے ایک مرتبہ پولیس نے قتل کے الزام میں گرفتار کیا تھا لیکن ماجھے گجر نے اسے چھڑا لیا تھا اور قتل کا الزام کسی اور پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد دلاور غائب ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے ایک موقع پر ایک جھڑپ کے دوران دلاور اس کے ہاتھوں بری طرح پٹا تھا اور اس کے گال پر زخم کا نشان شارق ہی کے ہاتھوں کا تھا۔

"دیکھو بھائی۔" شارق نے نہایت سکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں نہ تو شارق ہوں اور نہ ہی تمہیں جانتا ہوں۔ تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"میرے گال پر زخم کا یہ نشان دیکھ رہے ہو۔" دلاور نے بائیں ہاتھ کی انگلی سے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں اس زخم کو کبھی نہیں بھول سکتا جو تم نے لگایا تھا۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ تم مجھے مل گئے ہو۔ ماجھے گجر کو تم نے ختم کر دیا۔ حاجی جیسے شخص کو تم نے نچا کر رکھ دیا ہے۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تم اس کے ہاتھ آجاؤ۔ تمہارے لیے تو وہ مجھے پچاس لاکھ تو کیا' اس سے بھی زیادہ دینے کو تیار ہوگا لیکن میں تمہیں سیدھا حاجی کے پاس نہیں لے جاؤں گا۔ تمہیں اپنی قید میں رکھوں گا اور حاجی سے سودے بازی کروں گا اور سنو۔" دلاور شارق کے پیچھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں پستول جیب میں رکھ رہا ہوں۔ بھاگنے یا کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو پچھتاؤ گے۔ اس طرف سے دو پولیس والے آرہے ہیں۔ ویسے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ پولیس والے تمہیں نہیں پہچان سکیں گے کیونکہ اخباروں میں جو تمہاری تصویر چھپتی رہی ہے' وہ بہت پرانی اور تمہارے موجودہ حلیے سے بہت مختلف ہے۔ ویسے بھی یہ جو کانسٹیبل ہوتے ہیں ناں' یہ نرے سنتری بادشاہ ہی ہوتے ہیں۔" دلاور نے بڑی خوبصورتی

aazzamm@yahoo.com

سے ہاتھ شارق کے پہلو سے ہٹا کر پستول پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور شارق سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ سڑک کے کنارے دو پولیس کانسٹیبل اسی طرف آرہے تھے۔ دونوں نے کندھوں پر رائفلیں لٹکا رکھی تھیں اور دونوں سگریٹ کے کش لگاتے باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔

قریب سے گزرتے ہوئے دونوں نے سرسری سے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ اس دوران دلاور نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں شارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرنے لگا تھا۔

اسی وقت آگے پیچھے دو بسیں بھی وہاں آکر رکی تھیں۔ اسٹاپ پر کھڑا ہوا بوڑھا اور دونوں عورتیں ایک بس میں بیٹھ گئیں۔ دونوں بسوں سے دو دو آدمی اترے تھے۔ وہ لوگ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنے اپنے راستے پر ہو لیے۔ دونوں پولیس والے بھی آگے نکل چکے تھے۔

"میرا ہاتھ جیب میں پستول کے ٹریگر پر ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔" دلاور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تمہارے پیسے کھرے کرنا چاہتا ہوں اور کیا چاہوں گا تم سے؟" دلاور بولا۔ "خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہو۔"

"کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" شارق بولا۔

"لکشمی چوک۔" دلاور نے کہا۔ "ماجھے گجر کا نسبت روڈ والا اڈا اب میرے قبضے میں ہے۔ وہاں کوئی دھندہ نہیں ہوتا۔ کسی کو اب اس جگہ پر شبہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے میں تمہیں وہیں لے جاؤں گا۔ وہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ رہے گی۔"

"دلاور!" شارق نے پہلی مرتبہ اس کا نام لیا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے اپنے قبضے میں کر سکو گے؟ چند روز پہلے مجیدے نے بھی میرا راستہ کاٹنے کی کوشش کی تھی لیکن اپنے دو بندے مروانے کے بعد دبک کر بیٹھ گیا ہے۔"

"میں مجیدا نہیں ہوں۔" دلاور نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ چلتے رہو۔ کچھ آگے جا کر ہم ٹیکسی پکڑ لیں گے۔"

شارق خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ دلاور کا دایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں پستول کے دستے پر تھا۔ اگلے موڑ پر دو ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ دلاور نے ایک ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول

دیا۔ شارق کے بیٹھنے کے بعد وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور پستول جیب سے نکال کر شارق کے پہلو سے لگا دیا۔ اس نے چیک دار رومال ہاتھ پر ڈال لیا تھا تاکہ ٹیکسی ڈرائیور کوئی شبہ نہ کر سکے۔

"کتھے جانا ایں استاد جی؟" ڈرائیور نے اپنی سیٹ پر سنبھلتے ہوئے کہا۔

"لکشمی۔" دلاور نے مختصر سا جواب دیا۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ دلاور شارق سے اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے دونوں گہرے دوست ہوں۔ شارق اس کا جواب ہوں ہاں میں دے رہا تھا۔ وہ بار بار کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دلاور کی شکل میں ایک نئی مصیبت اس کے گلے پڑ گئی تھی اور اس نے طے کر لیا تھا کہ لکشمی چوک تک پہنچنے سے پہلے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنا ہے۔

شارق کو بالآخر اس کا موقع مل گیا۔ ایک سڑک کا موڑ گھومتے ہی اس کی نظریں آگے جانے والے ایک تانگے کی طرف اٹھ گئیں۔ تانگے کی پچھلی سیٹ پر دو خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ دلاور کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کی توجہ ایک لمحہ کو شارق سے ہٹی تھی اور شارق نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

ٹیکسی تانگے سے آگے نکل چکی تھی اور دلاور گردن گھما کر تانگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے دلاور کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال لیا۔

دلاور چونک گیا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ شارق نے اس کی کلائی کو زوردار جھٹکا دیا۔ پستول دلاور کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ڈرائیور پہلے تو یہ سمجھا کہ وہ آپس میں مذاق کر رہے ہیں۔ اس نے ٹیکسی کی رفتار بڑھا دی تھی لیکن جلد ہی اسے صورتحال کا اندازہ ہو گیا اور ٹھیک اسی وقت شارق نے دلاور کو اٹھا کر آگے پھینک دیا۔ دلاور کا سر آگے والی پسنجرز سیٹ پر اور دونوں ٹانگیں ڈرائیور کے سر کے اوپر سے ہوتی ہوئی اسٹیئرنگ اور اس کے جسم کے درمیان آگئی تھیں۔ ڈرائیور کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹ گئے تھے۔ ٹیکسی لہرانے لگی۔

اس وقت ٹیکسی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ شارق نے سامنے دیکھا۔ سامنے سے ایک بس تیز رفتاری سے اسی طرف آرہی تھی۔ شارق نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر دروازہ کھول کر چھلانگ لگا دی۔

شارق سڑک پر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ستم یہ ہوا کہ پیچھے سے آنے والا ایک اسکوٹر اس کی ٹانگوں پر چڑھ گیا۔ اسکوٹر الٹ گیا تھا اور اس کا سوار دور جا گرا تھا۔

تیز رفتار ٹیکسی سے سڑک پر گرنے سے شارق کو اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ اس کے سر

aazzamm@yahoo.com

پر بھی چوٹ لگی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ رہی سہی کسر اسکوٹر کی ٹکر نے پوری کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچنے لگیں۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے دوسری طرف دیکھا۔ تیز رفتار ٹیکسی لہراتی ہوئی سامنے سے آنے والی بس کی طرف بڑھ رہی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ شارق نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کی چادر پھیلتی چلی گئی اور پھر اس کا ذہن پوری طرح تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

شارق کو ہوش آیا تو وہ اسپتال کے بیڈ پر پڑا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ دائیں رخسار پر بھی بینڈیج تھی اور بائیں ٹانگ کی پنڈلی پر بھی کریپ بینڈیج تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد وہ کچھ دیر تک پلکیں جھپکتا رہا۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دھند سی نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی تو منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی۔ سر، ٹانگ اور سینے میں درد کی بڑی شدید لہریں اٹھی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تکلیف ضبط کرنے کے لیے جبڑے سختی سے بھینچ لیے۔

تقریباً دو منٹ بعد اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو نظروں کے سامنے چھائی ہوئی دھند آہستہ آہستہ چھٹنے لگی۔ اس نے گردن کو آہستگی سے حرکت دے کر ادھر ادھر دیکھا اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ اسپتال میں ہے۔ اس کے دائیں بائیں بھی بیڈز پر مریض لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے آپ کا جائزہ لیا اور تب اسے پتہ چلا کہ وہ زخمی ہے۔

رفتہ رفتہ اس کا ذہن صاف ہوتا چلا گیا۔ اس کے حواس بحال ہو گئے اور اسے سب کچھ یاد آگیا کہ وہ زخمی کس طرح ہوا تھا۔ دلاور اسے اسلحہ کے زور پر اپنا قیدی بنانے کے لیے لے جا رہا تھا اور اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے دلاور سے دھینگامشتی کرتے ہوئے ٹیکسی سے چھلانگ لگا دی تھی اور ایک موٹرسائیکل اس سے ٹکرا کر گری تھی اور ٹیکسی بھی سامنے سے آنے والی بس سے ٹکرا گئی تھی۔

صورتحال کا اندازہ ہوتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ وہ اسپتال میں زخمی حالت میں پڑا تھا۔ اس نے ٹانگ کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر تکلیف کی شدت سے کراہ اٹھا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر تک بے ہوش پڑا رہا تھا۔ ایک خیال فوراً ہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔ اس دوران اگر اسے پہچان لیا گیا ہے تو اس کے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔ آس پاس پولیس بھی موجود ہوگی۔

اس نے ایک بار پھر گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی پولیس والا نظر نہیں آیا تھا۔ دلاور یا

ٹیکسی ڈرائیور میں سے بھی کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی اس کی طرح شدید زخمی ہوں اور اسی وارڈ میں کسی بیڈ پر پڑے ہوں اور اگر دلاور نے بتایا ہوگا کہ وہ شارق ہے تو.....

شارق اس سے آگے نہیں سوچ سکا۔ اس نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ دائیں طرف والے مریض کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ غالباً سو رہا تھا۔ بائیں طرف والے بیڈ کے مریض کے ایک پیر پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔ یہ سرجیکل وارڈ تھا اور ہر مریض کے جسم کے کسی نہ کسی حصے پر پٹی یا پلستر دکھائی دے رہا تھا۔

شارق کے خیال میں اس کے لیے یہاں پڑے رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اوپر اٹھایا اور وہ بیڈ سے اترنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ بائیں طرف والا مریض اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آرام سے بستر پر پڑے رہو۔ تمہاری پنڈلی کی ہڈی کریک ہو گئی ہے۔ زیادہ حرکت کرو گے تو تکلیف بڑھ جائے گی۔"

"تم ڈاکٹر ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ میں ڈاکٹر تو نہیں لیکن ڈاکٹر کی بات سنی تھی۔ جب تمہیں یہاں لایا گیا تھا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "ویسے سنا ہے کہ ایکسیڈنٹ بڑا خوفناک تھا۔ تم خوش قسمت ہو کہ زندہ بچ گئے۔ تمہارے دوسرے دونوں ساتھی تو موقع پر ہی ختم ہو گئے تھے۔"

"میرے ساتھی؟" شارق نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں..... تم جس ٹیکسی میں تھے، وہ ایک تیز رفتار بس سے ٹکرا کر کچل گئی تھی۔ اس میں موجود ڈرائیور اور ایک اور آدمی کی لاشیں بڑی مشکل سے ٹیکسی کے اندر سے نکالی گئی تھیں۔ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ دروازہ کھل جانے سے تم ٹیکسی سے باہر گر گئے تھے اس لیے بچ گئے۔"

"ٹیکسی۔" شارق نے اپنی حیرت برقرار رکھی۔ "میں تو کسی ٹیکسی میں نہیں تھا۔ میں تو....."

وہ نرس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ویسے اس اطلاع پر اس نے بڑے سکھ کا سانس لیا تھا کہ اس حادثے میں دلاور ہلاک ہو گیا تھا البتہ اسے ٹیکسی ڈرائیور کی موت کا افسوس ہوا تھا۔

"ارے!" نرس اس کے بیڈ کے قریب آکر ڈانٹنے والے لہجے میں بولی۔ "تم بیٹھے ہوئے کیوں ہو؟ لیٹ جاؤ آرام سے۔"

"میں آرام سے ہی تو نہیں لیٹ سکتا نوس۔" شارق بولا۔

"تکلیف زیادہ ہو رہی ہے کیا؟" اس مرتبہ نرس کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"ہم جیسے لوگ تو زندگی بھر تکلیف ہی میں رہتے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم غریبوں کی زندگی میں آرام کہاں۔" اس کے ذہن نے اپنے بارے میں فوراً ہی ایک کہانی گھڑلی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' نرس بول پڑی۔

"آرام سے لیٹے رہو۔ پولیس والے آرہے ہیں۔"

"ہپ.....پولیس۔" شارق ہکلا گیا۔ "مم.....میں نے کیا کیا ہے نرس؟"

"پولیس تمہارا بیان لینا چاہتی ہے۔" نرس نے کہا۔ "اس حادثے میں دو آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ بچ گئے۔"

شارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک نوجوان ڈاکٹر کے ساتھ دو پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک کانسٹیبل تھا اور دوسرا ہیڈ کانسٹیبل۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ ہیڈ کانسٹیبل کے ہاتھ میں ایک گتہ تھا جس پر کلپ میں کچھ کاغذ لگے ہوئے تھے۔

پہلے ڈاکٹر شارق سے اس کے بارے میں پوچھتا رہا' پھر ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بیان لے سکتے ہیں۔"

"ہاں تو بھئی۔" ہیڈ کانسٹیبل پنسل سنبھالتے ہوئے بولا۔ "پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ اور یہ حادثہ کیسے ہوا تھا؟"

"میرا نام عبدالغفور ہے جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں لالہ موسیٰ کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ مزدوری کرنے کے لیے لاہور آیا ہوا ہوں۔ یہاں میں اپنے ایک دور کے رشتہ دار کے ساتھ رہتا ہوں۔ وہ تانگہ چلاتا ہے جی۔ باغبانپورے میں اس کا طویلہ ہے۔"

"یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ تم ٹیکسی سے کیسے گرے تھے؟" ہیڈ کانسٹیبل نے پوچھا۔

"کونسی ٹیکسی جی؟ میں تو کسی ٹیکسی میں نہیں تھا۔" شارق بولا۔ اس کے ایک رخسار پر کراس کی صورت میں بینڈیج لگی ہوئی تھی اور وہ باقی چہرہ چھپانے کے لیے ہاتھ بار بار چہرے پر رکھ رہا تھا۔

"کیا تم اس ٹیکسی میں نہیں تھے جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"نہیں جی۔ ہماری ایسی قسمت کہاں کہ ٹیکسی میں بیٹھ سکیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں تو پیدل سڑک پار کر رہا تھا۔ ٹیکسی کو تیزی سے آتے دیکھ کر میں بھاگ کر سامنے سے گزر گیا۔ میں ٹیکسی کے نیچے آنے سے تو بچ گیا لیکن ایک موٹرسائیکل نے مجھے ٹکر مار دی۔ میری ٹانگ کا کیا ہوگا ڈاکٹر جی؟" اس نے آخری جملہ ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "پنڈلی کی ہڈی معمولی سی کریک ہوئی

ہے' چند روز میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"میں لنگڑا تو نہیں ہو جاؤں گا جی؟" شارق نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ہیڈ کانسٹیبل نے ایک بار پھر شارق کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ اس سے مختلف قسم کے سوالات پوچھتا رہا۔ پھر بیان پر اس کے دستخط کروائے اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

نرس اور ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ ہی وارڈ سے باہر چلے گئے تھے۔ شارق نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ پولیس والوں نے اسے نہیں پہچانا تھا۔

پورا دن گزر گیا۔ شارق بیڈ پر پڑا سوچتا رہا کہ ثمینہ وغیرہ کو اس حادثے کی اطلاع کیسے دے۔ اسے فرار کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے دو مرتبہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کی تھی اور دونوں مرتبہ نرس نے اسے ڈانٹ کر لٹا دیا تھا۔

شام سات بجے اسٹاف کی ڈیوٹی تبدیل ہو گئی۔ دن والی نرس کی جگہ جو نرس آئی تھی' اس کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ دراز قامت' سڈول اور خاصی حسین تھی۔ صبح والی نرس اسے چارج دیتے ہوئے ہر مریض کے پاس جا کر اس کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"یہ مریض آج ہی آیا ہے۔" اس نے شارق کے بیڈ کے قریب رک کر کہا۔

"سر' بازو اور جسم کے بعض دوسرے حصوں پر چوٹوں کے علاوہ پنڈلی کی ہڈی بھی فریکچر ہے۔ اس کا چارٹ تم دیکھ لینا۔"

نئی نرس نے شارق کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے اور شارق نے بھی یہ بات خاص طور سے نوٹ کر لی تھی۔

دونوں نرسیں آگے نکل گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد صبح والی نرس چھٹی کر کے چلی گئی تو رات کی ڈیوٹی والی نرس وارڈ کے وسط میں اپنی میز پر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگی۔ اس میز سے شارق کا بیڈ چوتھے نمبر پر تھا۔ وہ نرس بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آٹھ بجے کے قریب وارڈ کا دروازہ کھلا اور دو پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ یہ دونوں وہی تھے جو دن میں بھی آئے تھے اور شارق کا بیان لے کر گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر نرس اپنی کرسی سے اٹھ کر تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی اور انہیں راستے ہی میں روک لیا۔

"آپ کو کسی سے ملنا ہے تو کل آیئے۔ اس وقت کسی کو وارڈ میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔" نرس نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہم ذاتی طور پر کسی سے ملنے کے لیے نہیں آئے سسٹر۔" ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔ "یہ سرکاری کام ہے اور تم ہمیں کسی سرکاری کام سے نہیں روک سکتیں۔"

نرس خاموش ہو گئی۔ وہ دونوں پولیس والے شارق کے بیڈ کی طرف چلنے لگے۔ شارق نے اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے سو رہا ہو۔ دونوں کانسٹیبل بیڈ کے قریب رک گئے۔ نرس بھی ان کے ساتھ تھی۔ ہیڈ کانسٹیبل نے شارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہولے سے ہلایا۔

"اوئے عبدالغفور۔ اٹھو تم سے کوئی بات کرنی ہے۔"

شارق نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر خمار آلود سے لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے حوالدار جی؟"

"اوئے۔ تم تو کہتے تھے کہ تم ٹیکسی میں نہیں تھے۔" حوالدار نے اسے گھورا۔

"آہو جی۔ میں تو بھاگ کر سڑک پار کر رہا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔

"سچ بول اوئے۔" حوالدار کے لہجے میں کرختگی تھی۔ "ایک دکان والے نے بتایا ہے کہ تم نے چلتی ٹیکسی سے چھلانگ لگائی تھی۔"

"نہیں جی۔" شارق بولا۔ ویسے حوالدار کی بات سن کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

"ٹیکسی میں ڈرائیور کے ساتھ جو شخص مرا ہے' جانتے ہو وہ کون ہے؟" ہیڈ کانسٹیبل نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"مجھے کیا پتا جی۔ میں تو کسی کو نہیں جانتا۔" شارق بولا۔

"وہ دلاور تھا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "اشتہاری ملزم..... کئی وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا۔ مجھے تو تم بھی کوئی اشتہاری ملزم ہی لگتے ہو۔ تمہارا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔"

"میرا اس آدمی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جی؟" شارق نے جواب دیا۔ "میں تو مزدور آدمی ہوں۔ آپ میرے بارے میں معلوم کر لیں جی۔ میں اپنے رشتے داروں کا پتہ بتا دیتا ہوں۔"

ہیڈ کانسٹیبل چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر مزید سوالات کرنے لگا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہیڈ کانسٹیبل یا تو اسے پہچان گیا تھا یا ان باتوں کے حوالے سے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر میں ہیڈ کانسٹیبل نے اس کا پتہ دریافت کیا تو اس نے بڑے اطمینان سے باغبانپورہ میں اچھے پہلوان کے ٹانگوں کے طویلے کا پتہ بتا دیا۔

نرس بھی ان دونوں پولیس والوں کے ساتھ وارڈ سے باہر چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً پندرہ

منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ آکر دوبارہ اپنی میز پر بیٹھ گئی۔ کبھی کوئی مریض کراہنے لگتا تو نرس اٹھ کر اس کے پاس چلی جاتی۔

دس بجے وارڈ میں سناٹا چھا گیا۔ وارڈ کے آخری سرے پر مدھم روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا جبکہ باقی تمام روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔ بیشتر مریض سو چکے تھے اور جو ابھی تک جاگ رہے تھے' وہ بھی خاموش لیٹے ہوئے تھے۔

نرس اٹھ کر وارڈ سے باہر چلی گئی۔ اس مرتبہ اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اپنی کرسی پر بیٹھی رہی' پھر اٹھ کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی شارق کے بیڈ کے قریب پہنچ گئی۔ شارق نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"میں جانتی ہوں تم جاگ رہے ہو۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "میں تم سے جو بات کرنا چاہتی ہوں' وہ تمہاری ہی بھلائی کے لیے ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آنکھیں کھول کر میری بات غور سے سنو۔"

"کیا بات ہے سسٹر....."

"سسٹر نہیں' نرس رضیہ..... میرا نام رضیہ ہے۔" نرس نے اس کی بات کاٹ دی۔ "شام کو جب میں ڈیوٹی پر آئی تھی تو مجھے تمہارا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا اور پھر آٹھ بجے ان پولیس والوں کی باتوں سے میرے شبے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ لوگ تمہیں پہچان گئے ہیں۔ ذرا سا کنفیوژن ہے اور وہ اس سلسلے میں مزید تصدیق کر لینا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں' تم کیا کہہ رہی ہو۔" شارق نے اسے گھورا۔

"بننے کی کوشش مت کرو مسٹر شارق۔" نرس رضیہ نے کہا۔ "میں نے ان دونوں پولیس والوں کی باتیں سنی ہیں۔ فرض سے زیادہ ہوس اور لالچ ان پر غالب ہے۔ تمہارے لیے پچاس لاکھ کا انعام مقرر ہے اور وہ دونوں پولیس والے یہ انعام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انہیں فرض کا احساس ہوتا تو وہ اپنے افسران کے سامنے تمہارے بارے میں شبے کا اظہار کرتے اور اس صورت میں تم اس وقت پولیس کی حراست میں ہوتے مگر وہ دونوں لالچی ہیں' انعام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بارے میں تصدیق کر کے تمہیں اپنے طور پر گرفتار کر کے اعلیٰ حکام کے سامنے پیش کریں۔"

شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اپنے بارے میں غلط بیانی اب اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

"تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

"اور اس کے بعد مجھے بلیک میل کرو گی۔ وہ پچاس لاکھ روپے تم حاصل کرنا چاہتی ہو جس کے لیے....."

"مجھے پیسے کی ہوس نہیں ہے۔" نرس رضیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں واقعی تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم زیادہ دور تک چل نہیں سکو گے۔" رضیہ نے کہا۔ "لیکن وارڈ کے اس دروازے تک تمہیں جیسے تیسے چل کر جانا ہوگا۔" اس نے وارڈ کے دوسرے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے اس دروازے کے دوسری طرف وہیل چیئر رکھ دی ہے۔ اب سے دس منٹ بعد تم دروازے سے نکل کر وہیل چیئر پر بیٹھ جانا۔ میں تمہیں محفوظ جگہ پر پہنچا دوں گی۔"

"دس منٹ بعد۔" شارق بولا۔

"ہاں.....دس منٹ بعد۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "وہ پولیس والے آج ہی رات تمہارے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت یہاں آسکتے ہیں۔ اس لیے جتنی بھی جلد ممکن ہو سکے، تم یہاں سے نکل جاؤ۔"

نرس چلی گئی۔ وہ صرف دو منٹ اپنی کرسی پر بیٹھی تھی، پھر اٹھ کر وارڈ سے باہر چلی گئی۔

اس کے جانے کے صرف ایک منٹ بعد شارق اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں پیر نیچے لٹکا لیے۔ اس کے سر کی چوٹ میں بھی تکلیف تھی اور جسم کے دوسرے حصوں میں بھی لیکن اس نے زخمی ٹانگ والا پیر جیسے ہی فرش پر رکھا، اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ اس نے جبڑے بھینچ لیے۔ چند سیکنڈ بعد وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا تمام بوجھ دوسری ٹانگ پر ڈال رکھا تھا۔

شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ تمام مریض سو رہے تھے۔ کوئی ایک آدھ جاگ بھی رہا ہوگا تو وہ اپنے بیڈ پر خاموش پڑا تھا۔

شارق بیڈ کا سہارا لیتا ہوا آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اسے وارڈ کے دوسرے دروازے تک پہنچنے میں سات آٹھ منٹ لگے تھے۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازے کا کنڈا ہٹایا اور پھر دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا۔

اس طرف دروازے کے سامنے ایک مختصر سا برآمدہ تھا اور اس کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ برآمدے میں ایک وہیل چیئر پڑی ہوئی تھی۔ شارق وہیل چیئر پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ رضیہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

"جلدی کرو، وقت بہت کم ہے۔" رضیہ نے کہا اور اسے وہیل چیئر پر بیٹھنے میں مدد دینے

لگی۔

وہیل چیئر پر بیٹھتے ہوئے شارق کو ٹانگ میں خاصی تکلیف ہوئی تھی مگر وہ دانت بھینچے ضبط کرتا رہا۔

رضیہ وہیل چیئر کو دھکیلنے لگی۔ وہ محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اگر اسے دیکھ لیا جائے تو شارق کے ساتھ اسے بھی آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا جائے گا۔

وہ لان میں سے ہوتی اسپتال کے اس حصے میں پہنچ گئی جہاں اسپتال کے عملے کے رہائشی کوارٹرز تھے۔ اس طرف سناٹا تھا۔ اس نے کونے والے ایک کوارٹر کے سامنے وہیل چیئر روک لی اور جیب سے چابی نکال کر دروازے کا تالا کھولنے لگی۔ وہ بڑی احتیاط سے کام کر رہی تھی تاکہ کوئی معمولی سی آواز بھی پیدا نہ ہو۔

وہیل چیئر کو اندر لانے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔ شارق متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مختصر سا صحن تھا۔ دو کمرے تھے جن کے سامنے برآمدہ تھا۔ رضیہ وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی برآمدے میں لے آئی اور ایک کمرے کا تالا کھولنے لگی۔

وہیل چیئر کو کمرے میں لا کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور پھر بتی جلا دی.....کمرہ خاصا کشادہ تھا۔ ایک طرف آرام دہ مسہری بچھی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی ڈریسنگ ٹیبل تھی جس پر میک اپ کا سامان سلیقے سے رکھا ہوا تھا۔ دوسری دیوار کے ساتھ الماری تھی۔ مسہری پر کچھ کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ غالباً ڈیوٹی پر جانے سے پہلے رضیہ نے جو کپڑے بدلے تھے، وہ مسہری پر ہی ڈال گئی تھی۔ اس نے کپڑے اٹھا کر کرسی پر پھینک دیئے اور شارق کو سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا اور باہر سے پانی کا جگ بھر کر لے آئی۔ اس نے جگ اور گلاس مسہری کے قریب ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"میں اپنے وارڈ سے زیادہ دیر تک غیر حاضر نہیں رہ سکتی۔" رضیہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں باہر سے دروازہ بند کر کے جا رہی ہوں، تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں صبح سوا سات بجے کے قریب آؤں گی۔"

شارق کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی باہر لے گئی۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ شارق نے تالا لگائے جانے کی آواز بھی سنی تھی۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب وہ نرس رضیہ کے رحم و کرم پر تھا۔

○

aazzamm@yahoo.com

نرس رضیہ شارق کو مکان میں چھوڑ کر باہر آگئی۔ اس نے باہر والے دروازے کو تالا لگا دیا اور وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی تیزی سے اسپتال کے بلاکس کی طرف بڑھنے لگی۔

وسیع و عریض لان عبور کرنے کے بعد اس نے وہیل چیئر ایک بلاک کے عقب میں چھوڑ دی اور رومال سے اس جگہ کو اچھی طرح صاف کر دیا جہاں اس نے ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس سلسلے میں کسی بے احتیاطی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر پولیس کے اعلیٰ حکام کو اسپتال میں شارق کی موجودگی کی اطلاع مل گئی تو پولیس کی فوج کی فوج اسپتال کی طرف دوڑ پڑے گی اور جب انکشاف ہوگا کہ شارق غائب ہو گیا ہے تو وسیع پیمانے پر انکوائری ہوگی۔ ہو سکتا ہے بلاک کے پیچھے کھڑی اس وہیل چیئر پر بھی کسی کی نظر پڑ جائے اور اسے بھی شامل تفتیش کر لیا جائے۔ ایسی صورت میں اس پر سے فنگر پرنٹس بھی اٹھائے جائیں گے۔ اس لیے رضیہ نے احتیاطاً اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے تھے۔

رضیہ ایک طویل چکر کاٹ کر ڈیوٹی روم میں آگئی جہاں تین اور نرسیں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

"بڑی بے شرم ہو تم لوگ' آج میرا انتظار بھی نہیں کیا۔" رضیہ نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے انتظار کیا تھا۔ چائے تو وقت پر نکالی تھی۔" شکیلہ نامی نرس نے جواب دیا اور ایک خالی کپ اور چائے کا تھرماس اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ شکیلہ ہاسٹل میں رہتی تھی اور روزانہ چائے وہیں سے بنوا کر لاتی تھی۔

رضیہ نے کپ میں چائے انڈیلی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے ان کی باتوں میں شامل ہو گئی۔ ان کی گفتگو کا موضوع یا تو زیرعلاج مریض تھے یا نوجوان ڈاکٹرز جو معاشقوں کے سلسلے میں خاصے بدنام تھے۔ شکیلہ میڈیکل وارڈ میں تھی جہاں بہت سے صحت مند مریض بھی داخل تھے۔ ان میں ایک دو تو ایسے تھے جو شکیلہ کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان میں ایک انارکلی میں ایک جنرل اسٹور کا مالک تھا۔ اس کی عمر پینتالیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ تقریباً پندرہ دن سے اسپتال میں داخل تھا۔ اس کے گھر والے اور دیگر رشتہ دار بھی اس سے ملنے کے لیے آتے رہتے تھے اور شکیلہ ان کی باتوں سے جان چکی تھی کہ وہ دو بیویوں کا اکلوتا شوہر تھا اور اس کی باتوں سے شکیلہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ اسے اپنی تیسری بیوی بنانا چاہتا ہے۔

"تمہارے اس مریض کا کیا حال ہے شکیلہ۔" محمودہ نامی نرس نے شکیلہ کی طرف دیکھ کر

مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "ارے وہی انارکلی والا۔"

"وہ کل ڈسچارج ہو رہا ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ "اسے اسپتال سے جانے کا بڑا افسوس ہے۔ ویسے اس نے مجھے اپنی دکان پر آنے کی دعوت دی ہے۔"

"میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ شکیلہ۔" رضیہ نے کہا۔

"ضرور چلنا۔" شکیلہ مسکرائی۔ "تمہیں دیکھ کر وہ مجھے نظرانداز کر دے گا اور مجھے خوشی ہوگی کہ میرے سر سے بلا ٹل گئی۔"

وہ اسی طرح باتیں کرتی رہیں۔ پھر رضیہ کرسی سے اٹھ گئی۔

"میں ذرا وارڈ کا ایک راؤنڈ لگا آؤں۔ ایک نئے مریض نے پریشان کر رکھا ہے۔ ایکسیڈنٹ میں اس کی ٹانگ کی ہڈی کریک ہو گئی ہے اور چوٹیں بھی آئی ہیں مگر وہ آرام سے بیٹھتا ہی نہیں۔ بار بار بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

وہ ڈیوٹی روم سے نکل کر اپنے وارڈ میں آگئی۔ اس نے وارڈ کا ایک راؤنڈ لگایا۔ سب مریض سو رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وارڈ سے باہر آگئی اور راہداری سے گھوم کر ڈیوٹی روم کی طرف آگئی۔

"ارے شکیلہ' محمودہ جلدی آؤ۔"

"کیا ہوا؟" محمودہ ایک دم کرسی سے اٹھ گئی۔

"ارے وہ مریض اپنے بیڈ پر نہیں ہے جس کا میں ابھی ذکر کر رہی تھی۔" رضیہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ بھی شامل تھی۔

"تو پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" محمودہ نے کہا۔ "وہ اسپتال میں نہیں رہنا چاہتا ہوگا' چلا گیا۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ڈاکٹر کو اطلاع کر دو' بس کافی ہے۔"

وہ تینوں ڈیوٹی روم کے دروازے کے سامنے راہداری میں کھڑی تھیں۔ اس دوران دوسری راہداری سے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ پانچ چھ آدمی ہیں اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی وہ لوگ راہداری کا موڑ گھوم کر سامنے آگئے۔

وہ پولیس والے تھے۔ ان کے ساتھ دو ڈاکٹر بھی تھے۔ پولیس پارٹی کی قیادت ایک ڈی ایس پی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ پارٹی میں ایک انسپکٹر' دو سب انسپکٹر' ایک ہیڈ کانسٹیبل اور پانچ چھ کانسٹیبل تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔

پولیس والوں کو دیکھ کر شکیلہ اور محمودہ پریشان سی ہو گئیں۔ رضیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی لیکن اس نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پائے رکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا نرس۔ تم لوگ یہاں کیوں کھڑی ہو؟" ڈاکٹر عرفان نے پوچھا۔

"سر۔" رضیہ نے کہا۔ "میرے وارڈ کا ایک مریض غائب ہو گیا ہے۔ اسے آج دن میں ہی ایکسیڈنٹ کیس میں لایا گیا تھا۔"

"اوہ! کونسے مریض کی بات کر رہی ہو؟" ہیڈ کانسٹیبل نے جلدی سے پوچھا۔ یہ وہی حوالدار تھا جو رات آٹھ بجے بھی آیا تھا۔

"وہی جی جس سے پوچھ گچھ کے لیے آپ آئے تھے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اوہ!" انسپکٹر اچھل پڑا۔ "کتنی دیر ہو گئی۔ یہ کب کی بات ہے؟"

"دس پندرہ منٹ پہلے وہ اپنے بستر پر تھا جی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں چائے پینے کے لیے ڈیوٹی روم میں آئی تھی اور جب واپس گئی تو وہ اپنے بیڈ سے غائب تھا۔"

"تلاش کرو اسے۔" اس مرتبہ ڈی ایس پی چیخا۔ "وہ ابھی اسپتال سے باہر نہیں گیا ہوگا۔ تلاش کرو اسے۔"

ایک سب انسپکٹر وارڈ کی طرف دوڑ گیا جبکہ انسپکٹر دوسروں کو چیخ چیخ کر احکامات دیتا رہا اور پھر خود ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

کانسٹیبل کے ساتھ وارڈ میں آنے والے سب انسپکٹر نے دروازے کے قریب ہی سوئچ بورڈ کے تمام سوئچ آن کر دیئے۔ وارڈ کی تمام بتیاں روشن ہو گئیں۔ بھاگ دوڑ کی آوازیں سن کر سوئے ہوئے مریض جاگ گئے۔ بعض کراہنے لگے تھے۔

سب انسپکٹر نے جھک کر تمام بیڈز کے نیچے جھانکا' پھر کانسٹیبل کو سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ کانسٹیبل دوڑتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ سب انسپکٹر وارڈ میں کھڑا گہری نظروں سے مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔ بعض مریض ایسے تھے جو ابھی تک سوئے ہوئے تھے اور انہوں نے چادریں اس طرح اوڑھ رکھی تھیں کہ چہرے بھی چھپ گئے تھے۔ سب انسپکٹر ایک ایک مریض کے پاس جا کر ان کے اوپر سے چادریں کھینچنے لگا۔ اسی دوران رضیہ بھی وارڈ میں آگئی۔ سب انسپکٹر کی حرکات دیکھ کر وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔

"یہ..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ مریضوں کو اس طرح پریشان کیوں کیا جا رہا ہے؟"

لیکن سب انسپکٹر اس کے احتجاج کی پروا کیے بغیر مریضوں پر سے چادریں کھینچتا رہا۔ اس نے مریضوں کے احتجاج کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ اس دوران ڈی ایس پی بھی ڈاکٹر عرفان کے ساتھ وارڈ میں آگیا۔ رضیہ نے سب انسپکٹر کے رویے کا ڈی ایس پی سے احتجاج کیا تو وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"چادریں کھینچ لینے سے کوئی مریض مر نہیں جائے گا لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو مریض غائب ہوا ہے' وہ کون ہے؟"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کون ہے۔ ہمارے لیے وہ مریض ہے اور یہ سب بھی مریض ہیں۔ ان کے ساتھ زیادتی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میں افسران اعلیٰ سے شکایت کروں گی۔ آخر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ مریضوں کو آدھی رات کے وقت اس طرح پریشان کریں۔"

"پہلے ہمیں اپنا اطمینان کر لینے دو۔ اس کے بعد تم شکایت کر لینا۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ اس پر رضیہ کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر کے ساتھ ڈیوٹی روم میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے پولیس کی مزید نفری طلب کی تھی۔ اس نے جیسے ہی فون بند کیا' رضیہ نے ریسیور اٹھا لیا اور میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے گھر کا نمبر ملانے لگی۔ لائن ملنے پر اس نے ایم ایس کو صورتحال سے آگاہ کر دیا اور گھورتی ہوئی نظروں سے ڈی ایس پی کی طرف دیکھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ایک منٹ نرس۔" ڈی ایس پی نے اسے روک لیا۔ "مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ تم ایک ذمہ دار اور فرض شناس نرس ہو لیکن تمہارا جو مریض یہاں سے فرار ہوا ہے' وہ انتہائی خطرناک مجرم شارق ہے۔"

"شارق۔" رضیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "لیکن اس کے بارے میں تو یہ خبر چھپی تھی کہ وہ گلبرگ کی ایک کوٹھی میں آگ لگنے سے جل کر راکھ ہو چکا ہے۔"

"وہ خبر غلط تھی۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "اب تصدیق ہو گئی ہے کہ شارق اور اس کی دوست ثمینہ زندہ ہے۔ تمہارے اس مریض نے اپنے جس رشتہ دار کا ایڈریس بتایا تھا' وہ غلط نکلا اور پھر یہ تصدیق بھی ہو گئی ہے کہ وہ سڑک پار نہیں کر رہا تھا بلکہ اسی ٹیکسی میں تھا جو حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ اس نے چلتی ٹیکسی سے چھلانگ لگائی تھی۔ اس کے ساتھ ٹیکسی میں دلاور نامی دوسرا آدمی بھی کئی وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا۔ وہ دونوں اسی ٹیکسی میں تھے۔ ہمارے پاس کم از کم تین ایسے گواہ موجود ہیں جنہوں نے شارق کو ٹیکسی سے چھلانگ لگاتے دیکھا تھا اور اس کے بعد ٹیکسی حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ بہرحال مریضوں کو ڈسٹرب کیے جانے کا مجھے افسوس ہے اور تمہاری فرض شناسی پر خوشی ہوئی۔"

"میں نے اپنا یہ فرض بھی پورا کر دیا ہے کہ ایم ایس کو اس واقعے سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"میں نے تمہیں بات کرتے ہوئے سن لیا تھا۔ ہم اس معاملے کو سنبھال لیں گے۔" ڈی ایس

aazzamm@yahoo.com

پی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

رضیہ جواب دیئے بغیر پیر پٹختی ہوئی ڈیوٹی روم سے باہر آگئی۔ جب وہ اپنے وارڈ میں پہنچی تو سب انسپکٹر جا چکا تھا البتہ ایک مسلح کانسٹیبل وارڈ کے دروازے پر کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو' چلو بھاگو یہاں سے۔" رضیہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

کانسٹیبل گڑبڑا کر دروازے سے دور ہو گیا۔ رضیہ وارڈ میں داخل ہوئی تو عجیب صورتحال تھی۔ بہت سے مریض کراہ رہے تھے۔ رضیہ ایک ایک مریض کے پاس جا کر اسے تسلی دینے لگی۔

پورے اسپتال میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ لگتا تھا جیسے پولیس کی پوری پلٹن نے حملہ کر دیا ہو۔ ہر طرف سے بھاگ دوڑ اور سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

رضیہ نے اب اپنے آپ پر پوری طرح قابو پا لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی لیکن وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر پولیس کو اس پر معمولی سا بھی شبہ ہو گیا تو اس کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

تقریباً تین گھنٹوں تک پورے اسپتال میں ایک ہنگامہ سا جاری رہا۔ پولیس نہ صرف مشکوک جگہوں بلکہ وارڈ کی بھی تلاشی لے رہی تھی۔ جو مریض سو رہے تھے' ان کے اوپر سے چادریں کھینچ دی گئی تھیں۔ یہاں تک کہ پولیس والے خواتین کے وارڈ میں بھی دندناتے ہوئے گھس گئے تھے۔ اس وقت ایم ایس بھی اسپتال میں پہنچ چکا تھا۔ پولیس والوں کے اس رویئے پر اس نے بھی ڈی ایس پی سے احتجاج کیا تھا لیکن اس کے احتجاج کی کوئی پروا نہیں کی گئی تھی۔

صبح چار بجے تک اسپتال کی حدود میں شارق کی تلاش جاری رہی لیکن اسے نہ ملنا تھا' نہ ملا اور بالآخر چند مسلح پولیس والوں کو اسپتال میں چھوڑ دیا گیا اور باقی فورس واپس چلی گئی۔

رضیہ کچھ دیر اپنے وارڈ میں رہی' پھر ڈیوٹی روم میں آگئی۔ ایم ایس نے اسپتال کے بعد ذمہ دار ڈاکٹروں کو ان کے گھروں سے بلا لیا تھا اور ایم ایس کے دفتر میں ان کی میٹنگ ہو رہی تھی۔

رضیہ کچھ دیر ڈیوٹی روم میں بیٹھی دوسری نرسوں کے ساتھ صورتحال پر تبصرہ کرتی رہی' پھر اپنے وارڈ میں آگئی۔ ایک دو مریض ابھی تک جاگ رہے تھے اور تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ رضیہ نے انہیں ایک ایک خواب آور گولی کھلا دی اور اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیئے اور اپنا سر ہاتھوں پر ٹکا دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو گئی۔

○

نرس رضیہ کے جانے کے بعد شارق بے حس و حرکت بستر پر پڑا رہا۔ رضیہ نے جاتے ہوئے

کمرے کی بتی بجھا دی تھی البتہ مسہری کے عقب میں واقع کھڑکی کھول دی تھی تاکہ تازہ ہوا بھی اندر آتی رہے۔ کھڑکی کے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا۔ کمرے کے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا اور شارق سوچ رہا تھا کہ اب وہ رضیہ کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ چاہے تو اسے بڑی آسانی سے گرفتار کرا سکتی ہے۔ کمرے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا اور کھڑکی میں بھی لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ سامنے والی دیوار میں اوپر ایک روشندان بھی نظر آرہا تھا لیکن اس روشندان سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔

شارق رضیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کون تھی؟ اگر اس نے اسے پہچان لیا تھا تو اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کی مدد کرنے پر آمادہ کیوں ہو گئی تھی؟ لیکن کیا وہ واقعی اس کی مدد کرنا چاہتی تھی یا اسے اپنے قبضے میں کرنے کے لیے یہاں لے آئی تھی۔ ٹانگ کی ہڈی کریک ہونے کی وجہ سے شارق اس وقت بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ پچاس لاکھ روپے کا بیرر چیک تھا جسے کسی بھی وقت حکومت کے سامنے پیش کر کے کیش کرایا جا سکتا تھا۔ کیا رضیہ یہ چیک کیش کرانا چاہتی تھی؟

شارق یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ اگر رضیہ کے دل میں کوئی بدنیتی نہیں تھی اور وہ واقعی اس کی مدد کرنا چاہتی تھی تو کیوں؟ وہ جان چکی تھی کہ شارق ایک خطرناک مجرم ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کی گرفتاری کے لیے اخبارات میں اشتہار دیئے جا رہے تھے اور ان اشتہاروں میں یہ بھی واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ شارق کو پناہ دینے والے کو بھی شریکِ جرم سمجھا جائے گا اور سخت ترین سزا دی جائے گی لیکن اس کے باوجود رضیہ اس کی مدد کیوں کرنا چاہتی تھی؟ اس نے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی تھی؟ اگر پولیس کو کسی طرح یہ شبہ بھی ہو گیا کہ شارق کے فرار ہونے میں رضیہ کا ہاتھ ہے تو پہلے رضیہ ہی کو پکڑا جائے گا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس کے ذہن میں ثمینہ وغیرہ کا خیال ابھر آیا۔ وہ کہہ کر آیا تھا کہ دو تین گھنٹوں میں واپس آجائے گا لیکن اسے گھر سے نکلے ہوئے چودہ پندرہ گھنٹے ہو چکے تھے۔ وہ لوگ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی شارق کا ذہن بھی الجھتا جا رہا تھا۔ اسے سب سے زیادہ الجھن رضیہ کے بارے میں تھی۔

ہر طرف سناٹا تھا۔ اس سناٹے میں ہلکی سی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کمرے میں کوئی وال کلاک بھی موجود تھا لیکن تاریکی کے باعث وہ اس وال کلاک کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

سر کے زخم اور ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے شارق بے چین ہو رہا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ جبڑے بھینچے تکلیف ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر وارڈ میں ہوتا تو اسے درد دور کرنے کی کوئی دوا مل سکتی تھی لیکن اس بند گھر میں اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ٹانگ کا درد کم ہونے لگا۔ تکلیف کم ہوئی تو شارق کو اونگھ آنے لگی۔ وہ جاگتے رہنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نیند غالب آگئی اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اور پھر شور کی آواز سن کر شارق ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ بھاگ دوڑ اور پولیس کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس نے اسپتال پر چھاپہ مارا تھا اور اس کے فرار کا پتہ چل گیا تھا۔ پولیس اسے پورے اسپتال میں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ پچھلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا اٹھ گیا۔ مسہری کی پشت دیوار سے ملی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو کھینچتا ہوا مسہری کے کنارے پر آگیا اور ہاتھ بڑھا کر کھڑکی بند کر دی۔ اس کے ٹھیک پانچ منٹ بعد شارق کو کوارٹروں کے آس پاس بھی شور کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ پولیس والے رہائشی کوارٹروں کی بھی تلاشی لے رہے تھے۔ لوگوں کے احتجاج کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ پولیس والے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ کوارٹر کے سامنے سے ان کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"یہ کس کا کوارٹر ہے؟" ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ایک نرس کا ہے جی۔ وہ ڈیوٹی پر ہے' صبح آئے گی۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟" پولیس والے نے پوچھا۔

"کوئی نہیں جی' وہ اکیلی ہے۔ کوارٹر کو تالا لگا ہوا ہے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "لیکن آپ ہمارے کوارٹروں کی تلاشی کیوں لے رہے ہیں جی؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ اسپتال سے بھاگنے والے مجرم کو ہم میں سے کسی نے پناہ دی ہوگی؟"

"چپ کر اوئے۔" پولیس والے نے کڑکتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر زیادہ شور مچایا تو تم ہی کو لے جا کر بند کر دوں گا۔"

لوگ خاموش ہو گئے۔ پولیس والوں کی آوازیں تقریباً آدھے گھنٹے تک سنائی دیتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شارق نے اطمینان کا سانس لیا اور بستر پر لیٹ کر رضیہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس وارڈ میں رضیہ کی ڈیوٹی تھی اور پولیس رضیہ سے یہ ضرور پوچھے گی کہ جب مریض وارڈ سے

غائب ہوا تھا تو وہ کہاں تھی؟ اس طرح رضیہ شبے کی زد میں آسکتی تھی اور پولیس کو جس پر شبہ ہو' اس کی زبان کھلوانے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

شارق جاگتا رہا۔ صبح چار بجے تک مختلف سمتوں سے آوازیں آتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شارق کو اندیشہ تھا کہ اگر رضیہ پکڑی گئی تو پولیس کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہے۔ وہ جاگتے رہنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نیند نے اسے مغلوب کر لیا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

شارق کی آنکھ کھلی تو کمرے میں دن کی ہلکی سی روشنی تھی اور یہ روشنی اوپر والے روشندان سے آرہی تھی۔ سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی نو بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مسہری کے قریب ہی فرش پر بچھی ہوئی دری پر رضیہ سو رہی تھی۔

شارق کو پتا نہیں چل سکا تھا کہ وہ کس وقت آئی تھی۔ اس نے اسے جگایا نہیں تھا اور کپڑے بدل کر دری پر ہی سو گئی تھی۔ شارق اپنے آپ کو گھسیٹ کر مسہری کے کنارے پر آگیا اور رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بالکل سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ پیٹ پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا پہلو میں پھیلا ہوا تھا۔ رضیہ کے کچھ بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

شارق رضیہ کو دیکھ رہا تھا کہ باہر والے دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔ وہ چونک گیا۔ کچھ دیر بعد آواز دوبارہ سنائی دی۔ اس مرتبہ زور سے دستک دی گئی تھی۔ شارق نے رضیہ کی طرف دیکھا' وہ گہری نیند میں تھی اور اس نے آواز نہیں سنی تھی۔ شارق نے اپنی صحیح ٹانگ مسہری سے نیچے لٹکائی اور پیر سے رضیہ کا کندھا ہلانے لگا۔ اس دوران دستک کی آواز تیسری مرتبہ سنائی دی تھی۔ شارق نے رضیہ کے کندھے کو زور سے ہلایا۔ رضیہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"کیا ہے.....کیا ہوا.....کون ہو تم؟" وہ گہری نیند سے اٹھائے جانے پر بدحواس سی ہو گئی تھی۔

"حواس پر قابو رکھو۔" شارق سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "باہر کوئی آیا ہے۔ دروازے پر دستک ہو رہی ہے۔"

"اوہ!" رضیہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے شارق کی دیکھتے ہوئے بکھرے ہوئے بالوں کا جوڑا بنا لیا۔ "کون ہے باہر؟"

"پتہ نہیں۔ جا کر دیکھو اور اپنے حواس پر قابو رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری باتوں سے یہاں میری موجودگی کا راز کھل جائے۔" شارق بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"اب میں ہوش میں آگئی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔" رضیہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

اس کے جاتے ہی شارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بڑی مشکل سے لنگڑاتا ہوا چل کر دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر پولیس والے اس کی تلاش میں یہاں آئے تو پکڑے جانے سے پہلے ایک آدھ کو تو ختم کر ہی دے گا۔

دو منٹ گزر گئے لیکن کوئی اندر نہیں آیا۔ البتہ باہر سے باتوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ رضیہ کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ دوسری آواز کسی مرد کی تھی۔

رضیہ تقریباً دس منٹ تک دروازے میں کھڑی کسی سے باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ شارق کمرے کے دروازے کے پیچھے دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آگئی لیکن دوسرے ہی قدم پر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو شارق کو دروازے کے پیچھے کھڑے پا کر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"اوہ! میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ تم کہاں غائب ہو گئے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "چلو' بیڈ پر لیٹو۔ اس طرح چلنا پھرنا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ تمہیں چند روز تک تو حرکت بھی نہیں کرنی چاہیے۔" اس نے آگے بڑھ کر شارق کو سہارا دیا اور اسے دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔

"میں رات بھر کی جاگی ہوئی تھی' آتے ہی سو گئی۔ مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ تمہیں ناشتہ بھی کروانا ہے۔" رضیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن جب میں اس کمرے میں آئی تو تم گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"میں بھی صبح پانچ بجے کے بعد ہی سویا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "رات بھر اسپتال میں خاصا ہنگامہ رہا۔ پولیس نے رہائشی کوارٹروں کی تلاشی بھی لی تھی۔"

"ہاں۔ مجھے رات ہی کو پتہ چل گیا تھا کہ پولیس نے کوارٹروں کی بھی تلاشی لی تھی۔ میں تمہیں تفصیل سے سب کچھ بتاؤں گی لیکن پہلے ناشتہ تیار کر لوں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی اور میں نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔" رضیہ نے کہا۔

"ابھی کون آیا تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پڑوسن کا شوہر۔" رضیہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میری پڑوسن عارفہ بھی نرس ہے اور دن کی ڈیوٹی کر رہی ہے۔ اس کا شوہر رفیق اپنے آپ کو گلفام سمجھتا ہے اور میرے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ ابھی اس لیے آیا تھا کہ میرے پاس بیٹھ کر کچھ گپ

شپ کرے گا لیکن میں نے اسے بھگا دیا کہ رات کی ڈیوٹی کر کے آئی ہوں' اب سونا چاہتی ہوں۔ عجیب آدمی ہے۔ اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے کتوں کی طرح دم ہلاتا پھرتا ہے۔ حالانکہ اس کی بیوی اس اسپتال کی سب سے خوبصورت نرس ہے۔ واقعی بہت حسین ہے۔"

"تم سے بھی زیادہ؟" شارق بولا۔

"اوہ؟" رضیہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کہیں تم بھی اپنی بیوی سے..... میرا مطلب ہے' اپنی دوست ثمینہ سے اکتا تو نہیں گئے؟"

"اوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تو تم ثمینہ کے بارے میں بھی جانتی ہو؟"

"بہت اچھی طرح۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "ویسے بھی اخبارات میں تم دونوں کا نام ساتھ ساتھ ہی چھپتا ہے۔ بہرحال' باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے ناشتہ تیار کر لوں۔ تمہیں دوائیں بھی دینی ہیں۔ میں اسپتال سے تمہارے لیے دوائیں لے آئی ہوں۔"

رضیہ کمرے سے نکل گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ شارق مسہری پر لیٹا رہا۔ رضیہ تقریباً پون گھنٹہ بعد کمرے میں آئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں اٹھائی ہوئی ٹرے ایک چھوٹی میز پر رکھ دی اور میز کو اٹھا کر مسہری کے قریب کر دیا اور ایک کرسی بھی قریب کر لی۔

شارق اپنے آپ کو کھینچ کر مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹرے کی طرف دیکھا۔ ایک پلیٹ میں پراٹھے تھے اور دو پلیٹوں میں فرائی انڈے۔ دو کپوں میں چائے بھی تھی۔

"خود کھا لو گے یا میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں؟" رضیہ نے پوچھا۔

"میں خود ہی کھا لوں گا لیکن پہلے کلی کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔ رضیہ نے اٹھ کر اسے کلی کروائی اور ایک پلیٹ میں پراٹھا رکھ کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ساتھ ہی انڈے کی پلیٹ بھی رکھ دی تھی۔ وہ دونوں ناشتہ کرنے لگے۔

"ہاں..... اب ذرا تفصیل سے بتاؤ' رات کو اسپتال میں کیا ہوا تھا۔" شارق نے ایک نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں پریشان تھا کہ اگر پولیس کو شبہ ہو گیا تو تم بھی نہیں بچو گی۔"

"پولیس کو مجھ پر شبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں یہاں چھوڑنے کے بعد میں نے وہیل چیئر دور کسی دوسرے بلاک کے پیچھے چھوڑ دی تھی۔ پھر اپنے وارڈ کا چکر لگاتی ہوئی ڈیوٹی روم میں چلی گئی۔ اس کے بعد پھر اپنے وارڈ میں آئی اور باہر نکل کر شور مچا دیا کہ میرے وارڈ کا ایک مریض غائب ہو گیا ہے اور ٹھیک اسی وقت ڈی ایس پی کی نگرانی میں ایک پولیس پارٹی تمہیں گرفتار کرنے کے لیے پہنچ گئی اور جب انہیں پتا چلا کہ تم غائب

aazzamm@yahoo.com

ہو گئے ہو تو ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی اور پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگی۔ "میں نے بھی پولیس کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ رات کو میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نے اسپتال کے سینئر ڈاکٹروں کے ساتھ میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ وزیر صحت اور دیگر متعلقہ محکموں کو اس صورتحال سے آگاہ کیا جائے اور پولیس کے اس رویئے کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا جائے۔"

"لیکن اگر پولیس کو تم پر شبہ ہو جاتا تو جانتی ہو کیا ہوتا؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس کی پروا کون کرتا ہے۔"

"لیکن ایک بات بتاؤ۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم نے اگر مجھے پہچان لیا تھا تو اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری مدد کیوں کی؟"

"اگر میں تمہاری مدد نہ کرتی تو اس وقت تم پولیس کی حراست میں ہوتے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"وہ میں جانتا ہوں اور اس کے لیے میں تمہارا بہت احسان مند ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے مجھے کیسے پہچانا جبکہ پولیس والے اس وقت تک مجھے نہیں پہچان سکے تھے۔"

"اگر میں ان دو پولیس والوں کی جو تمہارے بارے میں جاننے کے لیے آٹھ بجے کے قریب آئے تھے' باتیں نہ سن لیتی تو مجھے تمہاری اصلیت کا پتہ نہ چلتا۔" رضیہ نے ایک سیکنڈ کی خاموشی کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ میں ان پولیس والوں کے ساتھ ہی وارڈ سے باہر گئی تھی۔ وہ دونوں رازدارانہ لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا تھا کہ تم شارق ہی ہو لیکن اس پتے سے تصدیق کر لینی چاہیے جو تم نے انہیں بتایا تھا۔ وارڈ میں واپس آکر میں نے تمہارے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔ تمہاری تصویر اخباروں میں چھپتی رہی ہے۔ سرسری طور پر دیکھنے سے تمہیں شناخت نہیں کیا جا سکتا لیکن غور سے دیکھنے پر میں نے تمہیں پہچان لیا اور میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"کیوں.....؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارے بارے میں سب کچھ اخباروں میں پڑھ چکی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "تم تو شریف آدمی تھے۔ شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے لیکن ان پولیس والوں نے ہی تمہیں مجرمانہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ میں تمہیں مجرم نہیں' مظلوم سمجھتی ہوں۔ اس لیے میں نے اپنی پروا نہ کرتے ہوئے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"لیکن تم کون ہو؟ اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ ثمینہ کو اچھی طرح جانتی ہو۔ کیا واقعی اسے جانتی ہو یا اس کے بارے میں بھی صرف اخباروں ہی میں پڑھا ہے۔"

"میں نے اس کے ساتھ پڑھا ہے۔" رضیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا.....؟" شارق چونک گیا۔

"میں ثمینہ کو ذاتی طور پر جانتی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میرے والد بھی سرکاری ملازم ہیں اور چوبرجی کوارٹرز میں رہتے ہیں۔ ثمینہ کے گھر سے ہمارے قریبی تعلقات ہیں۔ ہم انٹر تک ایک ہی کلاس میں تھیں۔ پھر انٹر کرنے کے بعد میں نے نرسنگ میں داخلہ لے لیا اور ثمینہ اسی کالج میں پڑھتی رہی۔ وہ میری بڑی اچھی دوست ہے۔ اس نے ایم اے کرنے کے بعد لیکچرر شپ اختیار کر لی۔ وہ بہت اچھی اور بہت شریف لڑکی تھی۔ پھر جب وہ فیصل آباد میں تھی تو کچھ ہی عرصہ بعد اس کے بارے میں عجیب سی باتیں سننے میں آئیں۔ میں نے بالکل یقین نہیں کیا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن بعد میں جو حقیقت سامنے آئی' اسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا اور پھر اخباروں میں اس کا اور تمہارا نام آنے لگا۔ عام محفلوں میں تم دونوں کے بارے میں لوک کہانیوں کے سے انداز میں باتیں ہونے لگیں۔ عام لوگوں کو تم سے ہمدردی تھی جبکہ پولیس اور ماجھا گجر جیسے لوگوں کے لیے تم دونوں کے نام دہشت کی علامت بن گئے تھے۔ رات کو جب میں نے تمہیں دیکھا اور پولیس والوں کی باتیں سننے کے بعد تمہیں شناخت کر لیا تو میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے میری جان چلی جائے مگر تمہیں بچاؤں گی۔"

"لگتا ہے تم بھی چوٹ کھائی ہوئی ہو۔" شارق نے کہا۔ اس نے سامنے رکھی ہوئی دونوں پلیٹیں ہٹا دیں اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔ "ایک چوٹ کھائے ہوئے شخص کو ہی مجھ جیسے شخص سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں واقعی چوٹ کھائی ہوئی ہوں۔"

"اپنے بارے میں کچھ اور بتانا پسند کرو گی؟" شارق بولا۔

"کیوں نہیں۔ اس طرح دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" رضیہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "جب میں نے نرسنگ میں داخلہ لیا تو اس وقت میری عمر بیس سال تھی۔ مجھے اس اسپتال میں کام کرتے ہوئے تقریباً سات سال ہو چکے ہیں۔ تین سال پہلے میری شادی ہوئی تھی۔ سلیمان ہمارا دور کا رشتے دار تھا اور پولیس میں سب انسپکٹر

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ وہ بہت ظالم اور جابر آدمی تھا۔ انتہائی بداخلاق اور بدتمیز۔ وہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا لیکن لاہور میں وہ اکیلا ہی تھا۔ اس نے گریجویشن یہیں سے کیا تھا اور یہیں پر پولیس میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے طور پر بھرتی ہوا تھا۔ سروس کے ایک سال بعد اس نے ایک بہت بڑے مجرم کو دھوکے سے گرفتار کیا تھا جس پر اسے ترقی دے کر سب انسپکٹر بنا دیا گیا تھا۔ اس کی بداخلاقی اور بدتمیزی کی وجہ سے اس کے گاؤں کے رشتے داروں نے اس سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہت راشی آفیسر تھا۔ سب انسپکٹری اور دولت کے غرور میں وہ خود بھی اپنے رشتہ داروں سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے۔ ایک بڑا بھائی تھا جس کی غربت کی وجہ سے سلیمان نے اسے بھلا دیا تھا۔

سلیمان نے رشوت کی دولت جمع کر کے گھوڑے شاہ روڈ پر زمین خرید کر اس پر مکان بنوا لیا۔ دراصل اس نے دو دو کنال کے تین پلاٹ خریدے تھے۔ درمیان والے پلاٹ پر دو منزلہ مکان بنوایا اور باقی دو پلاٹوں کو لان میں تبدیل کر دیا۔

ایک روز وہ میرے والد صاحب سے ملنے ہمارے گھر آیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا اور اس کے چند روز بعد میرے والد کو مجبور کرنے لگا کہ شادی اس کے ساتھ کر دی جائے۔ پولیس کی دھونس دینے کے علاوہ اس نے والد کو کچھ سبز باغ بھی دکھائے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ شادی سے پہلے وہ مکان میرے نام کر دے گا۔

ڈیڈی راضی ہو گئے۔ اس نے مکان میرے نام ٹرانسفر کر دیا اور اس کے چند روز بعد شادی ہو گئی۔ میری شادی کے بعد ایک سال تک وہ زندہ رہا اور یہ ایک سال مجھ پر قیامت بن کر گزرا۔ وہ مجھے روزانہ مارتا پیٹتا۔ مجھے مجبور کرتا کہ میں نیم عریاں لباس پہن کر اس کے دوستوں کو شراب پلاؤں۔ وہ آوارہ عورتوں کو گھر میں لاتا اور اپنے دوستوں کے ساتھ داد عیش دیتا اور مجھے مجبور کرتا کہ میں ان کی محفلوں میں موجود رہوں اور اپنے ہاتھوں سے اس کے دوستوں کو شراب پلاتی رہوں۔

میرے والدین اس صورتحال سے بے حد پریشان تھے۔ وہ ایک مرتبہ مجھے گھر لے گئے اور سلیمان سے طلاق کا مطالبہ کر دیا لیکن سلیمان مجھے زبردستی اٹھا کر اپنے گھر لے آیا اور میرے والدین کو دھمکی دی کہ اگر اس کے خلاف زبان کھولی گئی تو ہم سب کا حشر برا ہوگا۔

میری شادی کو ایک سال ہو چکا تھا۔ میں خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی پھر ایک روز مجھے یہ اطلاع ملی کہ سلیمان ڈاکوؤں کے ساتھ مقابلے میں مارا گیا ہے۔ شوہر کی موت پر مجھے سوگ منانا چاہیے تھا لیکن میں بہت خوش ہوئی۔ مجھے کوئی دکھ نہیں ہوا۔ مجھے اس دجال سے نجات مل گئی تھی، میں آزاد ہو گئی تھی۔"

رضیہ کچھ دیر کو خاموش ہوئی، پھر اس نے اچانک ہی اپنی قمیض اتار دی۔

"یہ دیکھو.... میرے جسم پر یہ نشان دیکھ رہے ہو۔" وہ بولی۔ "یہ سارے نشان سلیمان کے ظلم و تشدد کی نشانیاں ہیں۔ وہ روزانہ مجھے اپنے دوستوں اور آوارہ عورتوں کے سامنے پیٹا کرتا تھا۔"

"واقعی بہت ظالم تھا وہ۔" شارق بولا۔

رضیہ نے قمیض پہن لی اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"سلیمان کی موت کے بعد میں اتنے بڑے مکان میں اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے وہ مکان کرائے پر دے دیا اور اپنے والدین کے گھر آ گئی لیکن وہاں بھی زیادہ عرصہ نہیں رہ سکی۔ بہن بھائیوں کے جھگڑوں کی وجہ سے وہاں بھی میرا جینا حرام ہو گیا تھا۔ میں نے اسپتال میں رہائش کے لیے درخواست دیدی۔ مجھے نرسوں کے ہاسٹل میں ایک کمرہ دینے کی پیشکش ہوئی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا اور الگ کوارٹر کے حصول کے لیے کوشش کرنے لگی۔ بالآخر مجھے یہ کوارٹر مل گیا۔ میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں۔ کبھی کبھار میری بہن یا والدہ تھوڑی دیر کے لیے یہاں آ جاتی ہیں۔ والد یا بھائیوں میں سے کوئی کبھی یہاں نہیں آیا۔"

"بڑی افسوسناک ہے تمہاری داستان۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک پولیس والا ہی تھا جس نے مجھے برباد کیا تھا۔" رضیہ بولی۔ "وہ تو اچھا ہی ہوا کہ ایک ہی سال بعد وہ جہنم واصل ہو گیا ورنہ میں اب تک عذاب جھیل رہی ہوتی۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا، ایک ایسے شخص نے کیا جو اپنے آپ کو قانون کا محافظ کہلاتا تھا۔ جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرے لیکن وہ جلاد بن گیا، دوسروں کے لیے بھی اور اپنی بیوی کے لیے بھی۔ اس لیے مجھے پولیس کے نام ہی سے نفرت ہو گئی ہے۔ تمہیں پولیس سے بچا کر مجھے جو تسکین ملی ہے، تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

شارق خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ رضیہ قابل اعتماد تھی، اس پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اس سے بڑی بات اور کیا تھی کہ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے گرفتار ہونے سے بچایا تھا اور اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔

وہ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔ رضیہ نے برتن اٹھا کر کچن میں اپنا کام ختم کیا اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیلی میں سے کچھ ادویات نکال لیں۔

"یہ دوائیں میں تمہارے لیے لے کر آئی ہوں۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ

aazzamm@yahoo.com

گولیاں ابھی کھا لو۔ مجھے امید ہے کہ اگر تم نے چند روز آرام کیا تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"تمہارے جیسی ہمدرد نرس ہو تو مریض کو زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم سو جاؤ کیونکہ شام کو تمہیں پھر ڈیوٹی پر جانا ہوگا۔"

"آج میرا آف ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "ویسے تھوڑی دیر کی نیند لے لینا ہی بہتر ہے۔ پہلے تم یہ گولیاں کھا لو۔"

رضیہ نے اپنے ہاتھ سے شارق کو دوا کھلائی اور دروازہ بند کرکے کرسی کا کشن اٹھا کر دری پر ڈال دیا۔

"میں یہاں سو رہی ہوں۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے جگا دینا اور اگر باہر کوئی آجائے تو تم خاموش رہنا۔ ویسے کوئی آئے گا نہیں کیونکہ تمام پڑوسی جانتے ہیں کہ آج کل میں نائٹ ڈیوٹی کر رہی ہوں اور دن میں سوتی رہتی ہوں۔"

"اور اگر تمہارا وہ پڑوسی آگیا جو پہلے آیا تھا تو.....؟" شارق نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے اسے ڈانٹ دیا تھا' اب وہ نہیں آئے گا۔" رضیہ نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا اور دری پر لیٹ گئی۔

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتی ہو؟" شارق بولا۔

"بولو.....کیا کام ہے؟" رضیہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کل صبح گھر سے نکلتے وقت میں نے ثمینہ سے کہا تھا کہ دو تین گھنٹوں میں واپس آجاؤں گا۔ اب مجھے گھر سے نکلے ہوئے تقریباً چوبیس گھنٹے ہو چکے ہیں۔ ثمینہ اور ماں جی پریشان ہوں گی' میں چاہتا ہوں کہ تم....."

"مجھے پتہ بتاؤ.....میں ابھی جا کر انہیں بتا دیتی ہوں۔ بہت عرصہ ہوا ثمینہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔" رضیہ بولی۔

"ابھی نہیں۔" شارق بولا۔ "تم تھوڑی دیر سو لو' شام کو چلی جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" رضیہ پھر لیٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی رضیہ سو چکی تھی۔ شارق مسہری کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز اس کی طرف دیکھتا رہا۔

○

ثمینہ واقعی پریشان تھی۔ شارق نے دو تین گھنٹوں میں واپس آنے کو کہا تھا لیکن آج دوسرا دن تھا اور اس کی طرف سے کوئی اطلاع بھی نہیں ملی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ شارق کہیں حاجی کے آدمیوں یا پولیس کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔ اگرچہ پولیس کی طرف سے اخباروں میں ان کے مرنے کی خبریں شائع ہو چکی تھیں لیکن وہ انسپکٹر عثمان کی رپورٹ سے واقف تھی۔ اس نے شارق کو بتایا تھا کہ پولیس نے شارق اور ثمینہ کی موت کی خبر تو جاری کر دی تھی لیکن پولیس کے اعلیٰ افسران مطمئن نہیں تھے۔ ان دونوں کے بارے میں اعلیٰ سطح پر خفیہ میٹنگز ہو رہی تھیں۔

صبح دس بجے ثمینہ نے طفیل کو بھیج دیا تھا کہ شارق کے بارے میں معلوم کرکے آئے۔ طفیل چار بجے کے بعد واپس آیا تھا۔ اس نے جو اطلاع دی تھی' وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق کل صبح گیارہ بجے کے قریب ایک حادثے میں دو آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور ایک شدید زخمی تھا جسے اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ ہلاک ہونے والوں میں ایک ماجھا گجر کا پرانا ساتھی دلاور تھا جبکہ زخمی ہونے والا شخص رات کو پراسرار طور پر اسپتال سے فرار ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مختلف باتیں سننے میں آئی تھیں۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ کوئی دیہاتی تھا جو پولیس کے خوف سے اسپتال سے بھاگ گیا تھا اور بعض لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ شارق تھا جو پولیس کو غچہ دے کر اسپتال سے فرار ہو گیا تھا۔

طفیل سے یہ اطلاع ملنے کے بعد ثمینہ نے انسپکٹر عثمان کو فون کیا۔ اتفاق سے کال اسی نے ریسیو کی تھی۔

"میں ثمینہ بول رہی ہوں۔" ثمینہ نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد کہا۔ "شارق کل سے لاپتہ ہے۔ ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ ایک حادثے میں زخمی ہونے کے بعد اسپتال سے فرار ہو گیا ہے مگر یہ اطلاع مشکوک ہے۔ میں صحیح صورتحال جاننا چاہتی ہوں کہ وہ شارق ہی تھا یا کوئی اور۔"

"یہ اطلاع درست ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "اسپتال سے فرار ہونے والا شارق ہی تھا۔"

"اوہ!" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کیا تم اس سلسلے میں تفصیل سے کچھ بتا سکتے ہو کہ یہ حادثہ کیسے ہوا اور کہاں ہوا تھا؟"

"اس سلسلے میں مجھے بھی آج صبح ہی معلوم ہوا ہے۔ انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "کل ایک ٹیکسی تیز رفتار بس سے ٹکرا گئی تھی۔ اس حادثے میں ٹیکسی ڈرائیور اور دلاور موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے۔ دلاور' ماجھا گجر کا پرانا ساتھی ہے۔ شارق کے بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ حادثے کے

aazzamm@yahoo.com

بعض چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ انہوں نے شارق کو ٹیکسی سے چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا تھا جبکہ اسپتال میں ہوش آنے کے بعد شارق نے بیان دیا تھا کہ وہ سڑک پار کر رہا تھا اور ٹیکسی سے بچنے کے لیے دوڑا تھا کہ ایک موٹرسائیکل سے ٹکرا گیا۔ شارق کا بیان لینے والے پولیس آفیسر کو اس پر شبہ ہوا تھا کہ وہ شارق ہے لیکن کوئی کارروائی کرنے سے پہلے وہ اس کے بارے میں تصدیق کر لینا چاہتے تھے اور تصدیق کرنے کے بعد جب پولیس کی ایک پارٹی اسپتال میں پہنچی تو شارق فرار ہو چکا تھا۔"

"کیا شارق زیادہ زخمی ہوا تھا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "سر' بازو اور چہرے پر چوٹیں آنے کے علاوہ اس کی پنڈلی کی ہڈی کریک ہو گئی تھی اور وہ چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔"

"اوہ!" ثمینہ بولی۔ "ایسی صورت میں وہ کہاں جا سکتا ہے۔"

"پولیس والے بھی اس بات پر حیران ہیں۔" انسپکٹر عثمان بولا۔ "پولیس نے رات کو اسپتال کا محاصرہ کر لیا تھا اور پورے اسپتال کی تلاشی لی گئی تھی۔ رہائشی کوارٹرز کو بھی چیک کیا گیا تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ آج صبح پولیس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ شارق کے کوئی ساتھی اسپتال آئے تھے جو اسے فرار کرا کے لے گئے۔ پولیس اس کی گرفتاری کے لیے مشتبہ مقامات پر چھاپے مار رہی ہے۔"

"تم بھی اسے تلاش کرو۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں رات دس بجے دوبارہ فون کروں گی۔" اس نے فون کر دیا۔

اس اطلاع کے بعد ثمینہ کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔ شارق زخمی تھا۔ اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور وہ اسپتال سے فرار ہو گیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ کس طرح چل کر گیا ہوگا۔ وہ خود سے کہیں گیا تھا یا واقعی اس کے کوئی ساتھی اسے فرار کرا کے لے گئے تھے لیکن وہ کون ہو سکتے تھے۔ آج کل ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ قدیر پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور ظفری اور پپو کو اس نے خود گولیاں مار کر ہلاک کر دیا تھا تو پھر شارق کو اسپتال سے لے جانے والے کون ہو سکتے تھے؟ عثمان نے بتایا تھا کہ چشم دید گواہوں کے بیان کے مطابق شارق نے جس ٹیکسی سے چھلانگ لگائی تھی' وہی ٹیکسی ایک تیز رفتار بس سے ٹکرا گئی تھی اور اس میں سے ڈرائیور کے علاوہ ایک اور لاش ملی تھی جسے دلاور کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا تھا۔ دلاور کو وہ بھی اچھی طرح جانتی تھی لیکن شارق سے اس کی ملاقات کیسے ہو گئی اور وہ ایک ٹیکسی میں کیسے سفر کر رہے تھے؟ اور پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ کیا واقعی وہ شارق تھا یا کوئی اور؟ ہو سکتا

ہے پولیس کو غلط فہمی ہوئی ہو اور اس کے اسپتال سے فرار ہونے کے بعد پولیس نے یقین کر لیا ہو کہ وہ شارق ہی تھا۔

لیکن اگر وہ شارق تھا تو کہاں غائب ہو گیا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ چل نہیں سکتا تھا۔ پولیس نے اسپتال کو محاصرے میں لے کر اسٹاف کے رہائشی کوارٹرز کی بھی تلاشی لی تھی لیکن اس کا سراغ نہیں ملا تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا اور اگر وہ کسی محفوظ جگہ پر ہے تو اس نے کوئی اطلاع کیوں نہیں دی؟

ثمینہ یہی سب کچھ سوچتی ہوئی نولکھا والے کمرے میں آ گئی اور اسے تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرنے لگی۔

"اگر وہ واقعی شارق تھا تو کہاں چلا گیا؟" نولکھا اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں وہ ماسی مہراں یا ملتان روڈ والی حویلی کی طرف چلا گیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن عثمان کے کہنے کے مطابق اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور وہ چل نہیں سکتا۔ وہ اسپتال سے کیسے نکلا ہوگا؟" ثمینہ بولی۔

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جب جان پر بنی ہو تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسپتال سے باہر نکلا ہوگا اور پھر کسی کار یا رکشے میں بیٹھ گیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا..... میں خود جاتا ہوں۔ پہلے ماسی مہراں کے گھر جاؤں گا۔ اگر وہاں نہ ملا تو حویلی جا کر پتا کروں گا۔"

"نہیں..... تمہارا باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔" ثمینہ بولی۔ "میں خود جا کر معلوم کروں گی۔ برقعے میں مجھے کوئی پہچان نہیں سکے گا۔"

"نہیں۔ تمہارا جانا بھی ٹھیک نہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "ماسی مہراں کے ہاں تو اس کو بھیج دو' طفیل کو۔ ہو سکتا ہے شارق وہاں پہنچ گیا ہو۔ ملتان روڈ والی حویلی سے وہ جگہ بہرحال قریب ہے۔ پہلے وہاں پتہ کر لیا جائے تو بعد میں حویلی کے بارے میں سوچیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں طفیل کو بھیجتی ہوں۔" ثمینہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ وہ برآمدے میں پہنچی تو رضیہ سے سامنا ہو گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ "واہ۔" ثمینہ مسکرائی۔ "اکیلے اکیلے چائے پی جا رہی ہے اور ہمیں پوچھا تک نہیں۔"

"میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔ آپ بیٹھئے۔" رضیہ کپ میز پر رکھ کر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اتنی جلدی بھی نہیں۔ تم اپنی چائے اطمینان سے پی لو' بعد میں بنا لینا۔" ثمینہ نے کہا اور لان کی طرف دیکھنے لگی جہاں طفیل پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

اس وقت ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ ثمینہ برآمدے سے نکل کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی لان میں طفیل کے پاس آگئی۔

"طفیل۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "یہ کام میرے لیے چھوڑ دو اور تم ماسی مراں کے ہاں چلے جاؤ۔ معلوم کرو کہ شارق وہاں ہے یا نہیں۔"

"میں ابھی جا کر پتہ کرتا ہوں جی۔" طفیل نے کہتے ہوئے پانی کا پائپ ثمینہ کے ہاتھ میں دے دیا اور خود گیٹ کی طرف چلا گیا۔

ثمینہ پائپ سنبھالے پودوں کو پانی دیتے ہوئے گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گیٹ کے چھوٹے دروازے پر آٹومیٹک لاک لگا ہوا تھا۔ طفیل نے باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا جس سے لاک لگ گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد رضیہ چائے بنا کر لان ہی میں لے آئی۔ اس نے کپ ثمینہ کے ہاتھ میں تھما دیا اور پائپ خود لے لیا۔ وہ دونوں پودوں کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ اس دوران کال بیل بجی تو وہ دونوں چونک اٹھیں۔

"طفیل کو تو میں نے ایک کام سے بھیجا ہے۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟" ثمینہ بڑبڑائی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" رضیہ پائپ گھاس پر پھینک کر گیٹ کی طرف چلی گئی۔

رضیہ نے پہلے دروازے کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ گیٹ کے سامنے ایک برقعہ پوش عورت کھڑی تھی۔ اس نے چہرے سے نقاب اٹھا رکھا تھا۔ وہ خاصی حسین تھی اور رضیہ کے لیے قطعی اجنبی۔

"جی فرمایئے؟" رضیہ نے دروازہ کھول کر سوالیہ نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔

"مجھے اندر تو آنے دو بی بی۔" وہ عورت مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟ شاید آپ غلط جگہ پر آگئی ہیں۔" رضیہ بولی۔

"میں بالکل صحیح جگہ پر آئی ہوں رضیہ بی بی۔" وہ عورت گیٹ کے اندر آگئی۔ "مجھے تمہارا جو حلیہ بتایا گیا تھا' وہ بالکل صحیح تھا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"کیا مطلب.....میں سمجھی نہیں۔" رضیہ گڑبڑا سی گئی۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں ثمینہ کی دوست ہوں۔ کہاں ہے وہ؟" وہ عورت متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

رضیہ کچھ اور بدحواس ہو گئی۔ ان کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا اور یہ اجنبی عورت ان دونوں کے نام جانتی تھی۔

"ارے وہ رہی ثمینہ۔" وہ عورت چہکی۔ "بہت عرصہ بعد دیکھا ہے اسے لیکن یہ تو ذرا بھی نہیں بدلی۔"

ثمینہ بھی اپنی جگہ پر کھڑی الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور جب وہ قریب پہنچی تو ثمینہ نے اسے پہچان لیا۔ وہ نرس رضیہ تھی۔ اس کے محلے کی رہنے والی اور اسکول سے کالج تک کے زمانے کی دوست۔ نرس رضیہ کو دیکھ کر ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یہ یہاں کیسے پہنچ گئی؟

نرس رضیہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے بڑے اطمینان سے ثمینہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر نیچے رکھ دیا اور پھر والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی۔

"بڑی طوطا چشم ہو۔" نرس رضیہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے اچھی طرح پہچانتی ہو لیکن اجنبی کیوں بن رہی ہو؟"

"تت.....تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں۔" ثمینہ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"پولیس آج تک تمہارا سراغ نہیں لگا سکی لیکن دیکھ لو میں کتنی آسانی سے یہاں پہنچ گئی ہوں۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی غلط ارادے سے آئی ہو تو واپس نہیں جا سکو گی۔" ثمینہ کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"بس۔ ہو گئیں پریشان۔" نرس رضیہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "ارے میں تو تمہاری پریشانی دور کرنے آئی ہوں۔"

"کیسی پریشانی؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"تم کل سے پریشان ہو ناں! بس اب وہ پریشانی ختم ہو گئی۔ اب تو مسکرا کر میری طرف دیکھو۔ تمہاری پرانی دوست ہوں۔" نرس رضیہ نے کہا۔

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ وہ صورتحال کو سمجھ گئی تھی۔ رضیہ اسپتال میں نرس تھی اور شارق اسپتال سے غائب ہو گیا تھا۔

"صاف صاف بتاؤ' کیا معاملہ ہے۔ وہ کہاں ہے؟" ثمینہ بولی۔

"وہ محفوظ ہے اور خیریت سے ہے۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ "کیا مجھے اندر نہیں لے جاؤ گی یا یہیں سے چلتا کرو گی؟"

"اوہ!" ثمینہ نے گہرا سانس لیا۔ "تم نے تو مجھے کنفیوز کر دیا تھا۔ چلو اندر چلو اور دیکھو.....یہ

aazzamm@yahoo.com

شارق کی بہن ہے۔ اس کا نام بھی رضیہ ہے۔"

"شارق نے مجھے بتایا تھا۔ اس کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ثمینہ نے نرس رضیہ کا بھی تعارف کرایا اور وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آگئیں۔

"رضیہ۔ تم چائے بنا کر لاؤ۔ میں اس سے کچھ باتیں کر لوں۔" ثمینہ نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ باہر چلی گئی تو ثمینہ بولی۔ "اب بتاؤ کیا قصہ ہے۔ میں تو کل سے پریشان ہو رہی تھی۔ آج کسی سے کچھ معلوم ہوا تھا جس سے پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔"

"وہ بھی تم لوگوں کے بارے میں پریشان ہے۔" نرس رضیہ نے کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی' پھر شارق کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "ویسے تو اب اس کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا مناسب علاج ہوتا رہے گا اور وہاں محفوظ بھی رہے گا۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ جا کر اسے دیکھ سکتی ہو۔"

"رضیہ!" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "میں نے تمہاری ایک ایک بات کا یقین کر لیا ہے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ....."

"میں سمجھ رہی ہوں' تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" نرس رضیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم جس قسم کی صورتحال سے دوچار ہو' اس کے تحت کسی پر بھی شبہ کرنا فطری بات ہے لیکن تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو۔ ہم بچپن کی دوست ہیں۔ بچپن سے لے کر اسکول اور کالج کے زمانے تک میں نے ہر معاملے میں تمہاری حمایت کی تھی۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتی ثمینہ۔ تم خود ہی سوچو۔ میں تمہیں وہ باتیں کیسے بتا سکتی ہوں جن کے بارے میں صرف شارق اور تم جانتی ہو۔ شارق نے یہ ساری باتیں مجھے اس لیے بتائی تھیں کہ تم مجھ پر شبہ نہ کر سکو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نولکھا کی خیریت بھی دریافت کروں اور شاہ پری کو بھی تسلی دوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب مجھے یقین آگیا ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔" ثمینہ بولی۔ "نولکھا بالکل ٹھیک ہے اور شاہ پری تھوڑی دیر میں آجائے گی تو تمہیں اس سے بھی ملواؤں گی۔ ویسے ہمارے وہاں جانے سے کسی کو شبہ تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں۔" نرس رضیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میری امی اور بہنیں آتی رہتی ہیں۔ کوئی تم لوگوں کے آنے پر شبہ نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد چلیں گے۔" ثمینہ بولی۔

اس دوران رضیہ چائے بنا کر لے آئی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شاہ پری بھی پہنچ گئی۔

وہ کچھ چیزیں لینے کے لیے مارکیٹ گئی ہوئی تھی۔ اس نے جیسے ہی ڈرائنگ روم میں قدم رکھا' وہاں ایک اجنبی عورت کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"آؤ شاہ پری۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ رضیہ ہے' میری بچپن کی دوست۔ ہسپتال میں نرس ہے۔ شارق کا پیغام لے کر آئی ہے۔"

"اوہ!" شاہ پری آگے آگئی۔ اس نے شاپنگ بیگ ایک صوفے پر پھینک دیے۔

"شارق کا پتہ چل گیا؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ وہ ٹھیک ہے اور محفوظ ہے۔" ثمینہ کے بجائے نرس رضیہ نے جواب دیا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ پری کا حسن و شباب دیکھ کر وہ دل ہی دل میں رشک کرنے لگی تھی۔

"لو چائے پیو۔" ثمینہ نے اپنا کپ شاہ پری کے سامنے رکھ دیا۔

رضیہ نے ایک اور کپ بنا کر ثمینہ کو دے دیا۔ وہ چاروں چائے پینے لگیں۔ نرس رضیہ کو ایک بار پھر بتانا پڑا کہ شارق اس کے ہاں کیسے پہنچا تھا اور پھر ان کا موضوع بدل گیا۔ ثمینہ نرس رضیہ سے اس کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"اچھا ہوا اس کے مرجانے سے میری جان چھوٹ گئی۔ اس نے تو میری زندگی عذاب بنا رکھی تھی۔"

"وہ تو واقعی تمہارے لیے عذاب تھا۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"خیر لعنت بھیجو اس پر۔" نرس رضیہ نے کہا۔ "مجھے تو تم پر حیرت ہو رہی ہے۔ تم کیسے پھسل گئیں؟ تم جیسی معصوم لڑکی جو بلی سے ڈر جایا کرتی تھی' آج لوگوں کے لیے ہوا بنی ہوئی ہے۔"

"اسے بھی چھوڑ دو۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لمبی داستان ہے۔ پھر کسی وقت فرصت میں سناؤں گی۔" اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ پونے آٹھ بج رہے تھے۔ "میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔" اس نے نرس رضیہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں چلو۔" نرس رضیہ نے جواب دیا۔

"شاہ پری۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ثمینہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم ابھی آتے ہیں۔" اس نے نرس رضیہ کی طرف دیکھا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔

وہ دونوں اپنے کمرے میں آگئیں۔ ثمینہ نے الماری سے پستول نکال لیے اور ایک پستول شاہ

aazzamm@yahoo.com

پری کی طرف بڑھا دیا۔

"اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھ لو۔ ہو سکتا ہے اس کی ضرورت پڑ جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ ایک پستول اس نے اپنے لباس میں اڑس لیا تھا۔

شاہ پری نے چادر اوڑھ لی اور ثمینہ نے برقعہ پہن لیا۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ نرس رضیہ تیار کھڑی تھی۔ وہ ان کے ساتھ باہر آ گئی۔ رضیہ انہیں گیٹ تک رخصت کرنے آئی تھی۔

گلیوں سے ہوتی ہوئی وہ مارکیٹ والے اسٹاپ پر آ گئیں۔ انہیں فوراً ہی ٹیکسی مل گئی تھی۔ وہ تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ نرس رضیہ نے ڈرائیور کو اسپتال چلنے کو کہہ دیا تھا۔

وہ اسپتال کے اس گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی جو اسپتال کے ملازمین کی آمد و رفت کے لیے مخصوص تھا۔ ملازمین کا رہائشی علاقہ بھی اسی طرف تھا۔ نرس رضیہ نے گیٹ میں داخل ہونے کے بعد برقعے کا نقاب اٹھا دیا تھا جبکہ ثمینہ اور شاہ پری نے اپنے چہرے چھپائے رکھے۔

اس علاقے میں چہل پہل تھی۔ کچھ بچے گھروں کے سامنے کھیل رہے تھے۔ وہ تینوں کوارٹروں کی ایک قطار کے سامنے سے گزرتی ہوئی پچھلی لین میں آ گئیں۔ اپنے کوارٹر کے سامنے پہنچ کر نرس رضیہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور تالا کھولنے لگی۔ ٹھیک اسی وقت ساتھ والے کوارٹر کا دروازہ کھلا اور نرس عارفہ کا شوہر رفیق باہر آ گیا۔

"ارے آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ آپ کے والد صاحب آئے تھے۔ تالہ دیکھ کر واپس چلے گئے۔" رفیق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر چبھتی ہوئی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈیڈی۔" رضیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کوئی پیغام دیا؟"

"ہاں۔ وہ صبح نو بجے کے قریب آئیں گے۔ کہہ گئے تھے کہ ان کا انتظار کیا جائے۔" رفیق نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اس پیغام کا شکریہ۔" رضیہ نے جواب دیا۔

وہ اندر آ گئیں۔ رضیہ نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا اور برآمدے میں آ کر کمرے کا دروازہ کھولنے لگی۔

ثمینہ اور شاہ پری کمرے میں داخل ہو کر رک گئیں۔ وہ دونوں عجیب سی نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھیں جو مسہری کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ رضیہ نے اندر آ کر دروازے کے سامنے پردہ کھینچ دیا تھا۔

"گھور کیا رہی ہو؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی اس سہیلی کو دعائیں دو جس نے مجھے زندہ بچا لیا۔"

"ہاں۔ رضیہ نے تو واقعی ہم سب پر ایک احسان کیا ہے جس کا بوجھ ہم زندگی کے آخری لمحوں تک نہیں اتار سکتے۔" ثمینہ نے کہا اور والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر رضیہ کو گلے لگا لیا۔

"میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں کہ شارق مجرم نہیں ہے۔ اسے اس راستے پر دھکیلا گیا ہے۔ میرا واسطہ بھی ایک ایسے شخص سے رہا ہے جو انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ تھا۔ میں نے شارق کو بچا کر کوئی احسان نہیں کیا۔ ایک بے گناہ کی مدد کی ہے۔"

"شکریہ رضیہ۔" یہ الفاظ شاہ پری نے کہے تھے۔

"تم کتنی پیاری ہو۔" رضیہ نے شاہ پری کو لپٹا لیا۔ پھر اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ "اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ میں شارق کے لیے کھانا گرم کر لوں۔ رات کے لیے بھی کھانا میں نے دوپہر ہی کو تیار کر لیا تھا اور تم دونوں کے لیے چائے بھی بنا لوں۔"

"ہم تو چائے نہیں پئیں گے البتہ شارق کے لیے کھانا گرم کر لاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

کچھ دیر بعد رضیہ شارق کے لیے کھانا گرم کر کے لے آئی' شارق کھانا کھاتا رہا اور ساتھ ہی باتیں بھی ہوتی رہیں۔

یہ تو طے شدہ بات تھی کہ شارق کو اس وقت تک یہاں سے نہیں لے جایا جا سکتا تھا جب تک اس کی ہڈی کا فریکچر ٹھیک نہ ہو جاتا اور اس کے لیے کئی روز درکار تھے۔ ثمینہ کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر شارق کو یہاں چھوڑ دیا گیا تو ان لوگوں کے بار بار آنے جانے سے کسی کو شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ مزید یہ کہ رضیہ اس کوارٹر میں رہتی تھی۔ اسی کوارٹر میں اس کے ملنے والوں کا بھی آنا جانا تھا۔ جن سے زیادہ تعلقات نہیں تھے' انہیں تو وہ ڈرائنگ روم میں بٹھا سکتی تھی لیکن جو بے تکلف سہیلیاں تھیں' اگر انہیں بار بار ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تو وہ شبہ کر سکتی تھیں کہ انہیں بیڈ روم میں جانے سے کیوں روکا جاتا ہے۔

"یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔" رضیہ نے کہا۔ "شارق کو ایک ہفتہ مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ وہ ایک ہفتہ یہیں رہے گا اور میں ایسا بندوبست کر لوں گی کہ زیادہ لوگوں کو یہاں آنے کا موقع نہ ملے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ شارق یہاں محفوظ رہے گا؟" ثمینہ بولی۔

"سو فیصد۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر خدانخواستہ ایسا کوئی وقت آیا تو میں

aazzamm@yahoo.com

اپنی جان تو دے دوں گی لیکن شارق پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ وہ صحیح سلامت تم تک پہنچ جائے گا۔"

"میری تسلی ہو گئی۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے اب تم لوگ جاؤ۔" شارق نے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دس بج رہے ہیں' تم لوگ اکیلی ہو۔"

"اکیلی!" ثمینہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں ایک سال سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اب بھی مجھے اکیلا سمجھتے ہو۔ بہرحال ہم جا رہے ہیں۔" ثمینہ اٹھ کر برقعہ پہننے لگی۔

شاہ پری نے بھی چادر اوڑھ لی اور رضیہ کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔ ثمینہ نے برقعہ پہنتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا' پھر شارق پر جھک گئی۔ اس نے اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال کر شارق کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

"خدانخواستہ اگر کوئی ناگہانی صورتحال پیش آئی تو یہ تمہارے کام آئے گا۔"

"شکریہ۔" شارق نے مسکرا کر کہا۔

ثمینہ بھی کمرے سے باہر آگئی اور جب وہ لوگ رضیہ کے ساتھ صحن کے دروازے سے باہر نکلیں تو اس کا پڑوسی رفیق اپنے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس وقت بھی گہری نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی اپنے چہرے نقابوں میں چھپا لیے تھے۔ ان دونوں نے رضیہ سے الوداعیہ جملے کہے اور گیٹ کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑیں۔

"مس رضیہ۔" رفیق نے رضیہ کو نام لے کر پکارا۔ وہ اس وقت اپنے دروازے میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے جی؟" رضیہ نے مڑ کر اسے گھورا۔

"آپ آج صبح سے کچھ زیادہ ہی مصروف لگ رہی ہیں۔" رفیق بولا۔

"آپ جانتے ہیں کہ صبح میں رات کی ڈیوٹی دے کر آئی تھی اور دن میں سونا چاہتی تھی۔ پھر میری اپنی ذاتی مصروفیات ہیں۔ میرے عزیز رشتہ دار ہیں' سب سے ملنا ملانا ہوتا ہے لیکن میری مصروفیات پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟" رضیہ نے کہا۔

"اعتراض تو کوئی نہیں لیکن پہلے کبھی گپ شپ ہو جایا کرتی تھی اور آج کل آپ لفٹ ہی نہیں کرا رہیں۔" رفیق بولا۔

"دیکھئے مسٹر رفیق۔" رضیہ کے لہجے میں سرد مہری تھی۔ "میں عارفہ کی وجہ سے آپ کا لحاظ

کرتی ہوں۔ اگر کبھی ہنس کر بات کر لیتی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں آپ پر مرمٹی ہوں۔ آپ جو وقت میرے پاس بیٹھ کر ضائع کرنا چاہتے ہیں' وہی وقت اگر آپ اپنی بیوی کو دیں تو آپ کا گھر جنت بن سکتا ہے۔ روز روز کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے آپ کے۔"

رضیہ نے اندر داخل ہو کر دھڑ سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ اس کے اس انداز گفتگو سے رفیق کی کیا حالت ہوئی تھی۔

ادھر ثمینہ اور شاہ پری باتیں کرتی ہوئی گیٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ ان کی گفتگو کا موضوع یہی تھا کہ اسپتال کے ملازمین کو رہائش کے لیے کوارٹرز تو دے دیئے گئے لیکن انہیں وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں جو ان کا حق ہے۔ ان کوارٹروں میں برسوں سے مرمت اور سفیدی نہیں ہوئی۔ لوگ اپنے طور پر ہی مرمت اور سفیدی وغیرہ کر لیتے ہیں جبکہ اسپتال ہی کی حدود میں رہائش پذیر ڈاکٹروں اور انتظامی افسروں کے بنگلوں میں ہر چھ مہینے بعد رنگ روغن ہوتا ہے۔ ان کے لیے تمام سہولتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

ایک ادھیڑ عمر آدمی اور اس کی بیوی ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ وہ دونوں بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ بالآخر مرد مداخلت کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"سچ کہہ رہی ہو بی بی۔" وہ بولا۔ "مجھے کوارٹر میں رہتے ہوئے تین سال ہو چکے ہیں مگر سفیدی ایک مرتبہ بھی نہیں ہوئی۔ یہاں غریبوں کو پوچھتا ہی کون ہے۔"

"غریب تو ہر جگہ پس رہے ہیں بھائی صاحب۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ لوگ گیٹ سے باہر آچکے تھے۔ وہ عورت اور مرد تو بس اسٹاپ کی طرف چلے گئے جبکہ ثمینہ اور شاہ پری ایک ٹیکسی کے قریب رک گئیں جس کا ڈرائیور ٹیکسی کے بونٹ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

"لبرٹی مارکیٹ چلو گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیوں نہیں بی بی جی۔" ادھیڑ عمر ڈرائیور نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میٹر سے پانچ روپے زیادہ ہوں گے۔ گلبرگ سے اس وقت واپسی کی سواری نہیں ملتی۔"

"یہ تو لوگوں سے پیسے بٹورنے کا بہانہ ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "شہر کے کسی بھی حصے میں چلے جاؤ' سواری مل جاتی ہے مگر تم لوگ..... خیر چلو۔ اگر ہمیں دیر نہ ہو رہی ہوتی تو ہم بس پر ہی چلی جاتیں۔"

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور چند سیکنڈ بعد ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ ثمینہ نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کر لی تھی کہ وہاں کھڑی ہوئی ایک اور ٹیکسی ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔ اس

aazzamm@yahoo.com

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پہلے ہی سے دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو شکلوں ہی سے غنڈے لگ رہے تھے۔ اس ٹیکسی کا ڈرائیور بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

دونوں ٹیکسیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ ثمینہ والی ٹیکسی کے ڈرائیور نے بھی غالباً اس تعاقب کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے ثمینہ وغیرہ سے تو کچھ نہیں کہا البتہ وہ محتاط ہو گیا تھا اور پچھلی ٹیکسی کو قریب آنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

بالآخر گلبرگ پہنچ کر ثمینہ نے اپنی ٹیکسی چوک سے کچھ دور رکوا لی۔ وہ نیچے اتر رہی تھیں کہ دوسری ٹیکسی ان کے آگے آکر رک گئی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں غنڈے نیچے اتر کر ان کی طرف لپکے۔ انہوں نے شاہ پری کو پکڑ لیا اور اپنی ٹیکسی کی طرف کھینچنے لگے۔

تقریباً سو گز آگے ریسٹورنٹ اور دکانیں وغیرہ تھیں۔ شاہ پری زور زور سے چیخنے لگی۔ ثمینہ نے اپنے برقعے کی پروا کیے بغیر ایک غنڈے پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کے گھونسوں اور لاتوں کی پروا کیے بغیر شاہ پری کو اپنی ٹیکسی کی طرف کھینچتے رہے۔

چوک پر بیٹھے ہوئے لوگ شور سن کر اس طرف دوڑے۔ ان دونوں آدمیوں میں سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا اور شاہ پری کو اندر کھینچ رہا تھا جبکہ دوسرا غنڈہ شاہ پری کو پیچھے سے دھکیل رہا تھا۔ چوک کی طرف سے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ دوسرا غنڈہ شاہ پری کو اندر دھکیلنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ اس غنڈے نے شاہ پری کو چھوڑ دیا اور خود ٹیکسی میں گھسنے کی کوشش کرنے لگا لیکن شاہ پری اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

ٹیکسی کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ شاہ پری ساتھ ساتھ گھسٹ رہی تھی لیکن اس نے غنڈے کو نہیں چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکسی نکل گئی۔ اس دوران دوڑتے ہوئے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے غنڈے کو پکڑ لیا اور ماں بہن کی گالیاں بکتے ہوئے اس کی دھنائی کرنے لگے۔

"مارو اس بے غیرت کو۔" ایک آدمی چیخا۔ "شرم نہیں آتی ان لوگوں کو۔ ان کے اپنے گھروں میں ماں بہنیں نہیں ہیں۔"

"پولیس کے حوالے کرو اسے۔" ایک اور آدمی چیخا۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں بہن۔" تیسرے آدمی نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے ہم ابھی پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ پولیس اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی پکڑ لے گی۔"

"پولیس تھانے تک بات پہنچ گئی تو ہماری بھی رسوائی ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ اسے کچھ سزا دے کر چھوڑ دیا جائے۔" ثمینہ نے اپنا برقعہ سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس کھینچا تانی میں اس کا برقعہ پھٹ گیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بی بی۔" ایک اور آدمی نے کہا۔ "آپ کو تھانے تک جانے یا پولیس کا سامنا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم خود ہی نمٹ لیں گے ان حرام زادوں سے۔"

"ارے! یہ دیکھو پستول۔" ایک آدمی چیخا۔

وہ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ سڑک کے کنارے زمین پر ایک پستول پڑا تھا۔ شاہ پری نے بھی وہ پستول دیکھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ یہ اسی کا پستول تھا جو غنڈوں سے دھینگامشتی میں اس کے لباس سے گر گیا تھا لیکن اس وقت اس نے پستول کے سلسلے میں خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

"اسی کا ہوگا۔" ایک آدمی نے جھک کر وہ پستول اٹھا لیا۔

"نہیں جی۔ قسم رب دی' یہ پستول میرا نہیں ہے۔" غنڈہ چیخ اٹھا۔

"تمہارے کسی ساتھی کا ہوگا۔ وارداتیں بھی کرتے ہو۔" اس نے غنڈے کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "اسے تھانے لے چلو' آپ لوگ جائیں بی بی۔" اس شخص نے آخری الفاظ ثمینہ اور شاہ پری سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

شاہ پری نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی چادر سنبھالنے لگی اور وہ دونوں وہاں سے ہٹ کر ایک گلی میں گھس گئیں۔ ان کے چہرے لوگوں نے دیکھ لیے تھے۔ اخبارات میں اگرچہ ثمینہ کی تصویر بھی چھپ چکی تھی لیکن ایک تو وہ تصویر بہت پرانی تھی اور دوسرے اسے چھپے ہوئے بھی کئی روز ہو چکے تھے۔ لوگوں کو یاد بھی نہیں رہا ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت ثمینہ کو کسی نے شناخت نہیں کیا تھا۔ یوں بھی اس وقت افراتفری کی سی کیفیت تھی۔ کسی نے اس خیال سے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں ہوگا۔

وہ دونوں قریبی راستہ اختیار کرنے کے بجائے کئی گلیوں کا چکر کاٹتی ہوئی اپنی کوٹھی پر پہنچی تھیں۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ رضیہ برآمدے ہی میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ قریب پہنچیں تو ان دونوں کی حالت دیکھ کر رضیہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"ارے۔ یہ کیا ہوا۔ کیا حلیہ ہو رہا ہے تم دونوں کا۔ لگتا ہے کسی سے دھینگامشتی ہوئی تھی۔" رضیہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بس ذرا دو غنڈوں سے دو دو ہاتھ ہو گئے تھے۔"

"کون تھے وہ؟" رضیہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"غنڈے تو غنڈے ہی ہوتے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اب تم ان کا شجرہ مت پوچھو۔ ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرو' بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"اندر چلو گی تو کھانا دوں گی۔ کھانا یہاں تو نہیں آسکتا اور ہاں۔" رضیہ جیسے چونک کر بولی "بھائی جان کا پتہ چلا۔"

"ہاں۔ وہ ٹھیک ہے۔ صرف ....." ثمینہ کہتے کہتے رک گئی۔

"صرف کیا؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے تو وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن صرف سر پھٹ گیا ہے۔ ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ چہرے کا نقشہ تھوڑا سا بدل گیا ہے اور.....اور اسے کچھ نہیں ہوا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ تم پریشان مت ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہ.....یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" رضیہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"پریشان نہ ہو میری بنو۔" ثمینہ نے اس کا گال تھپتھپایا۔ "شارق کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اسے کچھ معمولی چوٹیں آئی ہیں۔"

"آپ انہیں یہاں لے کر کیوں نہیں آئیں؟" رضیہ بولی۔

"وہ جہاں بھی ہے' محفوظ ہے۔ اور اس کی مناسب دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ فی الحال اسے یہاں لانا مناسب نہیں ہے۔ چل تو کھانا نکال ہمارے لیے' بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شاہ پری بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ رضیہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی اور پھر وہ بھی کچن میں گھس گئی۔

○

شارق کو نرس رضیہ کے کوارٹر میں رہتے ہوئے چار روز ہو چکے تھے۔ رضیہ اسپتال میں اپنی نائٹ ڈیوٹی کرنے کے ساتھ ساتھ شارق کی دیکھ بھال بھی کر رہی تھی اور حقیقت یہ تھی کہ اس نے دوستی کا دعویٰ کیا تھا تو دوستی کا حق بھی ادا کر دیا تھا۔

وہ صبح ساڑھے سات بجے اسپتال سے واپس آتی۔ سب سے پہلے شارق کا منہ ہاتھ دھلا کر اسے ناشتہ کراتی اور دوائیں دیتی۔ ناشتے کے دوران کچھ گپ شپ بھی ہوتی رہتی۔ پھر رضیہ کچھ دیر کے لیے سو جاتی۔

شام تک اسی طرح وقت گزرتا۔ رضیہ شارق کے آرام کا پورا خیال رکھے ہوئے تھی لیکن اسے خود آرام کرنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے اور آنکھیں سرخ رہنے لگی تھیں۔

اس دوران رضیہ کو بیرونی مداخلت کا بھی سامنا تھا۔ شارق کے یہاں آنے سے پہلے وہ صبح واپس آکر سو جاتی اور تین چار بجے جاگ جاتی تھی۔ اس دوران وہ اپنے کام بھی کرتی اور اس سے ملنے والے جن میں زیادہ تر نرسیں ہی شامل تھیں' آتے رہتے اور ان سے گپ شپ ہوتی رہتی۔ کبھی وہ خود کسی کے گھر چلی جاتی۔ پڑوس میں رہنے والی نرس عارفہ کا شوہر اکثر اس کے ہاں آجاتا تھا لیکن شارق کو یہاں لانے کے بعد تمام معمولات بدل گئے تھے۔ اسے آرام کا موقع بہت کم ملتا۔ ملنے کے لیے آنے والے کو بھی زیادہ تر باہر ہی سے ٹال دیتی۔ کوئی اندر آ بھی جاتا تو اسے اپنے کمرے میں لانے کے بجائے دوسرے کمرے میں لے جاتی جو ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔

شکیلہ اس کی سب سے زیادہ قریبی دوست تھی۔ وہ میڈیکل وارڈ میں نائٹ ڈیوٹی پر تھی۔ وہ عام طور پر شام کو تیار ہو کر رضیہ کے پاس آجاتی اور وہ دونوں اکٹھے ہی اسپتال جاتی تھیں لیکن شارق کی وجہ سے رضیہ تین دن سے اسے باہر سے ہی ٹرخا رہی تھی۔ شکیلہ جب بھی آتی' رضیہ ایک ہی جملہ دہرا دیتی۔ "مجھے دیر ہو جائے گی۔ تم چلو' میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

پہلے دو دن تو شکیلہ نے اس بات کو محسوس نہیں کیا لیکن تیسرے روز اسے رضیہ کی یہ بات کھل گئی کیونکہ پہلے وہ جب بھی آتی تھی' رضیہ اسے اپنے کمرے میں لے آتی تھی۔ باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں اور رضیہ تیاری بھی کرتی رہتی تھی لیکن تیسرے روز جب رضیہ نے وہی جملہ دہرایا تو وہ برا مان گئی۔

"کیا بات ہے رضیہ۔ اندر کسی کو بٹھا رکھا ہے جو مجھے باہر ہی سے ٹرخا دینا چاہتی ہو؟" اس نے رضیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں شکیلہ۔" رضیہ بولی۔ "مجھے ابھی کپڑے استری کرنے ہیں' نہانا ہے اور پوری تیاری کرنی ہے جبکہ ڈیوٹی شروع ہونے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہیں بھی دیر ہو جائے۔ اس لیے تم جاؤ۔"

"اچھا میں رات کو تم سے بات کروں گی۔" شکیلہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ اس رات ڈیوٹی روم میں شکیلہ نے رضیہ سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔

"اگر تم نے کسی سے دوستی کر لی ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر مجھ سے ملوا دو گی تو میں اسے بھگا کر تو نہیں لے جاؤں گی۔" شکیلہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ایک مرد کو ایک سال تک بھگت چکی ہوں۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اب تو مردوں کے نام ہی سے مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ کسی مرد کے لیے میرے دل میں اب کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی غیر معمولی بات ہوئی تو سب سے پہلے میں تم ہی کو بتاؤں گی۔"

رضیہ نے یہ بات کہہ تو دی تھی لیکن دل ہی دل میں اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ جب سے شارق کو اپنے کوارٹر میں لے کر آئی تھی' وہ اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ شارق کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ شارق ثمینہ کا تھا' یہ جاننے کے باوجود وہ جب بھی شارق کے بارے میں سوچتی' اپنے دل میں گدگدی سی محسوس کرنے لگتی۔

شکیلہ کے علاوہ پڑوس میں رہنے والے کچھ اور لوگ بھی تھے جنہیں رضیہ نے ناراض کر دیا تھا اور بعض لوگوں نے تو اس کے گھر آنا ہی چھوڑ دیا تھا اور رضیہ چاہتی بھی یہی تھی کہ شارق جب تک یہاں ہے' اس کے گھر کوئی نہ آئے لیکن رفیق بہت ہی ڈھیٹ انسان ثابت ہوا تھا۔

وہ چوتھا روز تھا۔ شام کے پانچ بجے تھے۔ رضیہ شارق کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ باہر کے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ رضیہ نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔ کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے صحن والا دروازہ کھول دیا اور پھر اپنے باپ کو دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی اور حسب معمول اس کے قریب ہی اپنے دروازے کے سامنے رفیق بھی کھڑا تھا۔

رضیہ اپنے باپ کو راستہ دینے کے لیے دروازے سے ہٹ گئی۔ اس کے باپ کے ساتھ ہی رفیق بھی اندر آگیا۔ رضیہ نے برآمدے میں آکر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔

"آپ اندر چلیئے ڈیڈی.....اور مسٹر رفیق۔" رضیہ مڑ کر رفیق کی طرف دیکھنے لگی۔ "پلیز آپ....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر باہر کی طرف اشارہ کر دیا۔

رفیق صحن ہی میں رک گیا۔ اس نے دوسرے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔ رضیہ نے صحن کا دروازہ بند کر دیا اور ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"بیٹھئے ڈیڈی۔" وہ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے آپ کا پیغام ملا تھا لیکن دوسرے دن آپ آئے نہیں۔"

"ایک اور ضروری کام پڑ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نہیں آسکا۔ میرا خیال تھا کہ اس دوران تم خود گھر کا چکر لگاؤ گی۔" اس کے ڈیڈی نے کہا۔

"آج کل میری نائٹ ڈیوٹی چل رہی ہے ڈیڈی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "صبح سات بجے

نے کے بعد سو جاتی ہوں اور سارا دن سوتے میں گزر جاتا ہے اور پھر کہیں آنے جانے کا وقت ہی نہیں رہتا۔ آپ بیٹھئے' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

رضیہ کہتے ہوئے باہر آگئی۔ اس نے اپنے کمرے میں آکر شارق کو اپنے باپ کے بارے میں بتایا اور پھر دروازہ بند کرکے کچن میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے بنا کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگئی۔

چائے پینے کے دوران رضیہ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کے بارے میں دریافت کرتی رہی اور پھر موقع پا کر بولی۔

"کوئی خاص کام تھا ڈیڈی؟"

"ہاں بیٹی۔" اس کے ڈیڈی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تین چار روز پہلے تمہارے مکان کا کرائے دار آیا تھا۔ تم جانتی ہو وہ ایک سرکاری آفیسر ہے۔ اس کا پشاور تبادلہ ہو گیا ہے اور وہ مکان خالی کرنا چاہتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے' مکان خالی کر دے۔" رضیہ بولی۔

"ایگریمنٹ کے مطابق اس نے ایک مہینے کا نوٹس دیا ہے تاکہ اس کی ڈیپازٹ کی رقم کی واپسی کا بندوبست ہو سکے۔ ویسے اس نے کہا ہے کہ وہ ایک مہینے کا کرایہ تو دے دے گا لیکن اگر پیسوں کا بندوبست ہو جائے تو وہ دو تین دن میں مکان خالی کرنے کو تیار ہے۔"

"ڈیڈی۔" رضیہ نے کہا۔ "کرائے سے ملنے والے پیسے تو آپ ہی کے پاس رہتے ہیں اور ڈیپازٹ کی رقم بھی آپ کے پاس ہے۔ آپ انہیں دے دیجئے۔"

"تمہارے سارے پیسے تو میں نے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا رکھے ہیں۔ مکان کا کرایہ بھی ہر مہینے بینک میں جمع کروا دیتا ہوں اور چیک بک میں نے تمہیں دیدی تھی۔" اس کے ڈیڈی نے کہا۔

"میں آپ کو چیک دے دیتی ہوں۔ آپ صبح بینک سے رقم نکلوا کر انہیں دے دیں اور ان سے ڈیپازٹ والی رسید واپس لے لیں۔ شاید تیس ہزار روپے دیئے تھے انہوں نے؟" رضیہ بولی۔

"ہاں۔ ایک بات اور....." ڈیڈی نے کہا۔ "پراپرٹی ڈیلر کو پتہ چل گیا ہے کہ مکان خالی ہونے والا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ....."

"نہیں۔" رضیہ نے بات کاٹ دی۔ "ابھی مکان کسی اور کو مت دیں۔ میں چیک بک لے کر آتی ہوں۔"

رضیہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئی اور الماری کھول کر چیک بک تلاش کرنے لگی۔ شارق

aazzamm@yahoo.com

بستر پر خاموش لیٹا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ رضیہ الماری سے چیک بک نکال کر مڑی ہی تھی کہ اپنے ڈیڈی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اچھل پڑی۔ اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ شارق نے بھی رضیہ کے باپ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا۔

"یہ.....یہ کون ہے؟" ڈیڈی کبھی شارق اور کبھی رضیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "اس لیے تم نے مجھے دوسرے کمرے میں بٹھایا تھا۔ اتنا گر گئی ہو تم' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور شاید اس لیے تم نے گھر چھوڑا تھا کہ الگ رہ کر ایسی گھٹیا حرکتیں کر سکو۔"

"آہستہ بولئے ڈیڈی۔" رضیہ بولی۔ "خدا کے لیے آپ غلط مت سمجھئے۔ میں آپ کو بتاتی ہوں' یہ سب کیا ہے۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" ڈیڈی چیخے۔ "اب میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکنا چاہتا۔"

"خدا کے لیے ڈیڈی۔" رضیہ نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں آپ کی بیٹی ہوں۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے آپ کی عزت پر حرف آئے۔ آپ بیٹھئے۔ میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں۔" اس نے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔

رضیہ کا باپ کرسی پر بیٹھ تو گیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔ وہ اب بھی خونخوار نظروں سے کبھی رضیہ کو اور کبھی شارق کو گھور رہا تھا۔ شارق نے پستول دوبارہ تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

"یہ.....یہ کون ہے؟" ڈیڈی نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک معصوم' مظلوم اور بے گناہ شخص جسے پولیس سے بچانے کے لیے میں نے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اوہ!" ڈیڈی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ گہری نظروں سے شارق کا جائزہ لے رہے تھے۔ شارق کے سر پر بندھی ہوئی پٹی' گال پر بینڈیج اور ایک ٹانگ پر کریپ بینڈیج نے انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو اخباروں میں خبر چھپی تھی کہ ایک خطرناک مجرم اسپتال کے سرجیکل وارڈ سے فرار ہو گیا اور رضیہ کی ڈیوٹی بھی سرجیکل وارڈ ہی میں تھی۔ "شارق!" اور رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "یہ تم نے کیا کیا رضیہ.....پولیس آج بھی اس کی تلاش میں ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو گیا کہ اسے تم نے اپنے کوارٹر میں پناہ دے رکھی ہے تو جانتی ہو کیا ہو گا؟"

"میں نے انجام کے بارے میں نہیں سوچا ڈیڈی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں نے ایک بے گناہ کی مدد کی ہے اور مجھے انجام کی پروا نہیں ہے۔ ابھی تک کسی کو شبہ نہیں ہو سکا کہ شارق

یہاں ہے۔ آپ بھی اس راز کو اپنے تک ہی رکھئے اور یقین کیجئے میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"غلط کام نہیں کیا۔" ڈیڈی نے اسے گھورا۔ "تم آگ سے کھیل رہی ہو بیٹی۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ اگر....."

"اس موضوع کو یہیں ختم کر دیجئے ڈیڈی۔" رضیہ نے ان کی بات کاٹ دی۔ "بس آپ سے اتنی درخواست ہے کہ اس راز کو راز ہی رہنے دیجئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "میں آپ کو چیک لکھ دیتی ہوں۔ پھر مجھے بھی ڈیوٹی پر جانے کی تیاری کرنی ہے۔"

اس دوران شارق خاموشی سے بستر پر لیٹا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رضیہ اور اس کا والد اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہ کچھ دیر آنگن میں کھڑے رہے۔ ان کی باتوں کی آواز شارق کو سنائی دے رہی تھی لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے اور پھر غالباً رضیہ کا ڈیڈی چلا گیا تھا کیونکہ باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز شارق نے سنی تھی۔ اس کے چند ہی سیکنڈ بعد رضیہ کمرے میں آگئی۔

"تمہارے ڈیڈی نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے' کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔" شارق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ امی کو بھی نہیں بتائیں گے۔ میں ڈیڈی کو جانتی ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارا یہ کوارٹر اب میرے لیے محفوظ نہیں رہا۔ تم نے بتایا تھا کہ تمہاری امی اور بہنیں بھی یہاں آتی رہتی ہیں۔ ان چار دنوں میں تو وہ نہیں آئیں لیکن اگر وہ آگئیں تو میری موجودگی راز نہیں رہ سکے گی۔ ظاہر ہے تم انہیں صرف ڈرائنگ روم تک تو محدود نہیں رکھو گی۔ وہ مجھے یہاں دیکھ لیں گی۔"

"وہ جب آئیں گی تو دیکھا جائے گا۔" رضیہ نے کہا۔ "ویسے میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا ہے کہ وہ دو چار دنوں تک امی اور بہنوں کو میرے ہاں آنے سے منع کر دیں۔"

"اب تو جو ہوگا' بھگتنا ہی پڑے گا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ میں تیاری کر لوں' ڈیوٹی کا وقت ہو رہا ہے۔" رضیہ نے کھونٹی پر ٹنگی ہوئی اپنی یونیفارم اتاری اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ لباس بدل کر آگئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر میک اپ کرنے لگی۔ وہ جب تیار ہو کر اٹھی تو شارق گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نرس کے لباس میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" رضیہ مسکرائی۔

"اس لباس میں تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" شارق نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

رضیہ مسکراتی ہوئی اس پر جھک گئی اور پھر بے اختیار اس نے شارق کی پیشانی پر بوسہ دے دیا۔

"او کے۔ میں جا رہی ہوں۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔" رضیہ نے کہا اور تیز روشنی کا بلب بجھا کر سبز رنگ کا نائٹ بلب جلا دیا۔

باہر نکل کر رضیہ نے دروازہ بند کرکے تالا لگا دیا اور شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب اسے رات بھر مدھم روشنی میں اس کمرے میں بند رہنا تھا۔ شارق کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ اب بھی پیشانی پر رضیہ کے ہونٹوں کی تپش محسوس کر رہا تھا۔

شارق رضیہ کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ رضیہ جب اسے اپنے گھر لائی تھی تو اس وقت بھی شارق نے اس کے بارے میں کسی اور رنگ میں نہیں سوچا تھا۔ وہ محض ہمدردی میں اسے یہاں لے آئی تھی اور پھر بعد میں رضیہ کی باتوں سے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ رضیہ کو اس سے ہمدردی کیوں ہو گئی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ ثمینہ رضیہ کی بچپن کی دوست تھی۔ شارق کی مدد کرنے میں ثمینہ کی دوستی کا عنصر بھی شامل تھا اور دوسرا یہ کہ وہ ایک پولیس والے کی زیادتیوں کا شکار ہو چکی تھی۔ سب انسپکٹر سلیمان اگرچہ اس کا شوہر تھا لیکن اس نے رضیہ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا' اس وجہ سے رضیہ کو اس سے نفرت ہو گئی تھی اور تیسری سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ شارق کو مجرم نہیں سمجھتی تھی۔

رضیہ کے بقول وہ ثمینہ سے دوستی کے ناطے شارق کے بارے میں سب کچھ اخبارات میں پڑھتی رہی تھی۔ اخبارات نے کئی موقعوں پر شارق کی زندگی کے پورے حالات شائع کیے تھے۔ وہ واقعہ بھی تفصیل سے لکھا تھا جس نے شارق کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔ وہ بارہ سال کی عمر کا تھا جب اس کے ماں باپ کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا اور ایک سازش کے تحت اسی کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ وہ جیل بھگت کر باہر نکلا تو ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن قانون کے محافظوں نے اسے راستے سے بھٹکا دیا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا' وہ سب کچھ رضیہ کے علم میں تھا۔

رضیہ نے اس کی مدد کسی لالچ کے تحت نہیں کی تھی۔ اسے دولت کا لالچ بھی نہیں تھا۔ اگر دولت کا لالچ ہوتا تو بہت آسانی سے اسے اور ثمینہ کو قانون کے حوالے کرکے ایک کروڑ کا انعام حاصل کر سکتی تھی۔ اسے جنسی ہوس بھی نہیں تھی۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ان پچھلے چار دنوں کے دوران وہ اپنی کسی نہ کسی حرکت سے اپنی خواہش کا اظہار ضرور کرتی مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ ایک بہت اچھی مسیحا ثابت ہوئی تھی۔ ہر لحاظ سے شارق کا خیال رکھے ہوئے تھی۔ اس نے شارق کے لیے

اپنے آپ کو اچھی خاصی مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔

ڈیوٹی پر جانے سے پہلے رضیہ رات کے لیے اس کا کھانا اور ضرورت کی ہر چیز چھوٹی میز پر رکھ کر میز کو مسہری کے قریب رکھ دیتی تھی تاکہ شارق کو بستر سے نہ اٹھنا پڑے۔ اس وقت بھی تمام چیزیں میز پر رکھی ہوئی تھیں۔

نو بجے کے قریب شارق نے کھانا کھا لیا اور وہ دوائیں بھی کھا لیں جو رضیہ الگ رکھ کر گئی تھی۔ ان دواؤں میں شاید نیند کا اثر بھی تھا کیونکہ ان کے کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی۔

کئی روز بعد شارق گہری نیند سویا تھا۔ وہ عام طور پر صبح سوا سات ساڑھے سات بجے جاگ جایا کرتا تھا لیکن اس روز ساڑھے سات بجے رضیہ ڈیوٹی سے واپس آئی تو شارق سو رہا تھا اور اسے رضیہ ہی نے جگایا تھا۔

ناشتے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے۔ ناشتے کے بعد رضیہ نے شارق کو دوائیں وغیرہ کھلائیں۔ اس کے سر اور بازو کی پٹیاں تبدیل کیں اور پھر اپنے دوسرے کام نمٹانے کے بعد مسہری کے قریب ہی دری پر لیٹ کر سو گئی۔ شارق اپنے پلنگ پر دیر تک لیٹا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ گہری نیند سوئی ہوئی رضیہ کتنی معصوم لگ رہی تھی۔ اسے اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ وہ جس کمرے میں سوئی ہوئی ہے' وہاں ایک خونی' قاتل اور اسمگلر بھی موجود ہے جو اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کر سکتا ہے اور وہ مزاحمت اس لیے نہیں کر سکتی تھی کہ وہ خود اس شخص کو یہاں لے کر آئی تھی اور پولیس سے بچانے کے لیے اسے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ یہ راز فاش ہو جانے کی صورت میں وہ خود بھی قانون کے شکنجے میں آسکتی تھی لیکن رضیہ نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی تو شارق پر بھی بھروسہ کیا تھا۔ وہ پہلے ہی روز سے اسی کمرے میں شارق کی مسہری کے قریب ہی سو رہی تھی۔ اسے یہ یقین پہلے ہی روز سے تھا کہ شارق اس کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کرے گا اور شارق رضیہ کے اس یقین کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

دوپہر تین بجے رضیہ اٹھ گئی۔ اس نے شارق کو کھانا کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر اسے سونے کا موقع نہیں مل سکا۔

چار بجے کے قریب شاہ پری اور ثمینہ بھی پہنچ گئیں۔ ثمینہ کا اصرار تھا کہ آج وہ شارق کو اپنے ساتھ لے جائے گی۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔" رضیہ نے کہا۔ "یہاں میں اس کی دیکھ بھال

aazzamm@yahoo.com

کر رہی ہوں۔ دوائیں بھی مل رہی ہیں جبکہ گھر لے جانے کے بعد اس قسم کے کچھ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"ڈاکٹر احمد اس کا علاج جاری رکھے گا۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے روزانہ دو یا تین بار بھی آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ....." ثمینہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس کے علاوہ شارق کے لیے یہاں خطرات بڑھ رہے ہیں۔ کل تمہارے ڈیڈی آئے تھے۔ بقول تمہارے وہ تو اس راز کو فاش نہیں ہونے دیں گے لیکن یہاں کسی وقت کوئی اور بھی آسکتا ہے۔ اس طرح یہ راز' راز نہیں رہے گا۔ تمہارے لیے بھی ایک مسئلہ بن جائے گا۔ اس وقت خوف کی جو ایک تلوار تمہاری گردن پر لٹکی ہوئی ہے' شارق کو یہاں سے لے جانے سے کم از کم وہ خطرہ تو دور ہو جائے گا۔"

ہاں.....یہ خوف تو ہے۔" رضیہ نے اس کی تائید کی۔ "لیکن اس وقت شارق کے لیے چلنا پھرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے ایک دو دن اور رک جاؤ۔ اس کی حالت ذرا کچھ بہتر ہو جائے تو....."

باہر کے دروازے پر دستک کی آواز سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"تم لوگ دوسرے کمرے میں چلو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" رضیہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "جو بھی ہوا' میں اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤں گی اور اسے اس طرف آنے کا موقع ہی نہیں دوں گی۔"

وہ دونوں بھی رضیہ کے ساتھ ہی شارق والے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ رضیہ نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا اور انہیں اندر جانے کا اشارہ کرکے باہر والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ نرس شکیلہ تھی۔ ابھی ڈیوٹی کا وقت بہت دور تھا اور پھر رضیہ کا رویہ دیکھ کر شکیلہ نے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ابھی تو پانچ بھی نہیں بجے تھے۔ شکیلہ شاید کسی کام سے آئی تھی۔ رضیہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی جہاں ثمینہ اور شاہ پری بھی موجود تھیں۔

"یہ میری دوست ہیں۔" رضیہ نے ثمینہ اور شاہ پری کا تعارف کرایا۔ "ثمینہ؟" شکیلہ اس نام پر چونک گئی۔ "یہ وہی ثمینہ تو نہیں جن کا تم اکثر تذکرہ کیا کرتی تھیں یعنی تمہارے بچپن کی دوست اور شارق کی ساتھی؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" رضیہ نے اسے گھورا۔ ویسے اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ اسے ثمینہ کا اصل نام سے تعارف نہیں کرانا چاہیے تھا۔ "اس ثمینہ کا اب مجھ سے کیا تعلق؟" اس نے کہا۔ "وہ تو جب کبھی اخبار میں اس کا نام چھپ جاتا ہے تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے

اور میں تم سے اس کی باتیں کرنے لگتی ہوں۔ شارق والی ثمینہ تو اب نہایت خطرناک بن چکی ہے۔ اس کا نام بھی زبان پر لانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ یہ تو سمیرا کی بڑی بہن ہے۔ سمیرا کو جانتی ہو ہاں.....نرسنگ ٹریننگ میں وہ ہمارے ساتھ تھی لیکن چند مہینوں بعد ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

"ہاں۔ سمیرا مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" شکیلہ نے کہا۔ "تمہاری تو اس سے بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی اور تم اکثر اس کے گھر بھی جایا کرتی تھیں۔"

"ہاں۔ یہ سمیرا کی بڑی بہن ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "ابھی سمیرا ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کی شادی ہو چکی ہے اور وہ مسقط چلی گئی ہے۔ یہ ثمینہ کبھی کبھار آجاتی ہے۔ آج تو کافی عرصہ بعد آئی ہے۔"

"ان کا نام تم نے کیا بتایا۔ شاہ پری.....بڑا عجیب سا نام ہے۔" شکیلہ' شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"عجیب سا کیوں؟" رضیہ نے اسے گھورا۔ "اسم بامسمیٰ ہے۔ پریوں کی شہزادی لگتی ہے یا نہیں؟"

"ہاں.....ہے تو پریوں کی شہزادی۔" شکیلہ مسکرا دی۔

وہ دیر تک باتیں کرتیں رہیں۔ پھر شکیلہ نے بتایا کہ اس کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا بھائی گاؤں سے اسے لینے کے لیے آیا ہے اور وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر جا رہی ہے اور رضیہ سے ملنے آئی تھی۔

باتوں کے دوران شکیلہ بار بار ثمینہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور یہ بات ثمینہ نے بھی نوٹ کر لی تھی۔ شکیلہ کے جانے کے بعد وہ رضیہ کو گھورنے لگی۔

"میرا نام بتانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ بولی۔ "میرا خیال ہے۔ اسے میرے بارے میں کوئی شبہ ہو گیا ہے۔ وہ بار بار مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ تم نے سمیرا کی بہن کے بارے میں جو من گھڑت کہانی سنائی تھی' مجھے یقین ہے کہ شکیلہ کو اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔"

"مجھے بھی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ مجھے تمہارا نام نہیں بتانا چاہیے تھا لیکن بہرحال' شکیلہ ایسی لڑکی نہیں ہے کہ ادھر ادھر باتیں کرتی پھرے۔ ویسے بھی آج تو وہ گاؤں جا رہی ہے۔ ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے اس نے۔ اس وقت تک شارق یہاں سے جا چکا ہوگا۔"

"لیکن اگر اس نے کہیں بات کر دی تو تم سے تو ثمینہ ہی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"میں نمٹ لوں گی۔ تم فکر مت کرو۔" رضیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خدانخواستہ اگر کوئی ایسی

aazzamm@yahoo.com

بات ہوئی تو میں اپنی جان دے دوں گی لیکن تم میں سے کسی کا نام میری زبان پر نہیں آئے گا۔ آؤ شارق کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر دوبارہ شارق کے کمرے میں آگئیں۔ شارق خاموش لیٹا ہوا تھا' انہیں دیکھ کر وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا بات ہے' لیٹے رہو آرام سے۔" رضیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"باتھ روم جانا چاہتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"میں لے جاتی ہوں۔" ثمینہ ہنستے ہوئے آگے آگئی۔ دونوں نے سہارا دے کر شارق کو مسہری سے اتارا اور ثمینہ اسے سہارا دے کر چلاتی ہوئی باتھ روم لے گئی۔

ثمینہ اور شاہ پری ساڑھے چھ بجے تک وہاں رہی تھیں۔ حسب معمول پڑوسی رفیق دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ثمینہ وغیرہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گئیں۔

رضیہ اپنے وقت پر ڈیوٹی پر چلی گئی اور شارق بند کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

پانچ چھ دن اسی طرح گزرے تھے اور شارق بیزاری کی حد تک بوریت محسوس کرنے لگا تھا۔ چلنے پھرنے سے تو وہ فی الحال معذور ہو ہی چکا تھا لیکن وہ تازہ ہوا تک کو بھی ترس گیا تھا۔ رضیہ گھر میں ہوتی تو کمرے کا دروازہ تو کھول دیا جاتا مگر پردہ پڑا رہتا تھا۔ پچھلی دیوار کی کھڑکی نہیں کھولی جا سکتی تھی۔ کئی روز سے اس نے آسمان نہیں دیکھا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے زندگی بس چند فٹ کے اسی کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی ہو۔ وہ اس کمرے سے نہ تو باہر نکل سکتا تھا اور نہ ہی اونچی آواز میں بول سکتا تھا کیونکہ اندیشہ تھا کہ پڑوسی اس کی آواز نہ سن لیں۔ وہ یہاں پڑے پڑے واقعی اکتا گیا تھا۔

صبح رضیہ ڈیوٹی سے واپس آئی تو ناشتہ کرنے اور دوسرے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول دری پر سو گئی۔ شارق مسہری پر لیٹا سامنے والی دیوار کو گھورتا رہا۔

باہر سے بچوں کے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ کوارٹرز کے سامنے شاید کرکٹ کھیل رہے تھے اور غالباً ان کے کھیل میں بڑی عمر کے دو تین آدمی بھی شریک تھے کیونکہ کبھی کبھی ان کی آوازیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا البتہ سامنے پردہ پڑا ہوا تھا جو ہوا سے ہل رہا تھا۔ کبھی پردہ ذرا سا ہٹ جاتا تو صحن میں چمکتی ہوئی دھوپ نظر آجاتی۔

دفعتاً" شارق چونک گیا۔ ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے گیند صحن میں گری ہو۔ گیند دو تین ٹپے کھانے کے بعد کہیں رک گئی تھی۔ اس کے فوراً ہی بعد دروازے پر دستک کی آواز سنائی

دی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گیند لینے کے لیے کسی بچے نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور اگر دروازہ نہ کھولا گیا تو وہ دیوار پھلانگ کر اندر آجائے گا۔

شارق مسہری پر ایک طرف جھک کر رضیہ کو جگانے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ شارق کی سرگوشیاں اس کی نیند پر اثرانداز نہیں ہو سکیں۔

دھپ کی آواز سن کر شارق ایک بار پھر چونک گیا۔ اس بچے سے دروازہ کھلنے کا انتظار نہیں ہو سکا تھا اور وہ دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا تھا۔

شارق کو صحن میں دبے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسی وقت ہوا سے پردہ ہل کر ذرا سا ایک طرف ہٹا اور اس کے ساتھ ہی شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ بچہ نہیں' کوئی آدمی تھا جو صحن میں پڑی ہوئی گیند اٹھا رہا تھا۔

شارق نے اپنی ٹانگ نیچے لٹکا کر رضیہ کے کندھے کو ہلایا۔ رضیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا ہے بھئی۔ سونے دو ناں۔"

"رضیہ!" شارق نے سرگوشی کی۔ "باہر صحن میں کوئی ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ دروازہ اندر سے بند ہے۔ صحن میں کون ہو سکتا ہے۔" رضیہ نے آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔

"باہر بچے کرکٹ کھیل رہے ہیں۔ ان کی گیند اندر آگئی تھی اور کوئی آدمی اندر کود کر آیا ہے۔" شارق نے کہا۔ اس کی نظریں دروازے کی طرف تھیں۔ اسی وقت ہوا سے پردہ ایک بار پھر ذرا سا ہٹا تھا اور شارق نے اس آدمی کو دیکھ لیا تھا جو دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"رضیہ! اٹھ کر دیکھو۔ صحن میں کوئی آدمی موجود ہے۔" شارق نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔

رضیہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ گئی اور ٹھیک اسی لمحہ دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی اندر آگیا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے تکیے کے نیچے سے پستول نکال کر اس شخص کو زد میں لے لیا لیکن رضیہ اس شخص کو دیکھ کر کانپ اٹھی تھی۔

"تت..... تم....." رضیہ ہکلا کر رہ گئی۔

"مجھے کئی روز سے شبہ تھا کہ یہاں دال میں کچھ کالا ہے۔" رفیق معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "اب پتہ چل گیا ہے کہ چند روز سے تمہاری سرگرمیاں اتنی پراسرار کیوں ہو گئی تھیں اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہے کہ پورے اسپتال کا محاصرہ کر لینے کے باوجود پولیس سرجیکل

aazzamm@yahoo.com

وارڈ سے فرار ہونے والے خطرناک مجرم شارق کا سراغ کیوں نہیں لگا سکی تھی۔"

"یہ راز جاننے کے بعد کیا تم یہاں سے زندہ واپس جا سکو گے مسٹر؟" شارق نے پستول کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "رضیہ یہ کون ہے؟"

"ہمارا پڑوسی ہے رفیق۔" رضیہ نے بتایا' اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"مسٹر شارق۔" رفیق ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ "تمہاری دھمکی اس لیے بیکار ہے کہ تم گولی چلا نہیں سکتے۔ بالفرض تم نے مجھے مار بھی دیا تو خود یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔ گولی کی آواز دور تک سنائی دے گی اور لوگ یہ جاننے کے لیے ادھر ضرور آئیں گے کہ یہاں گولی کیوں چلی۔ اس لیے تمہاری یہ دھمکی مجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتی۔ البتہ ایک اور راستہ ہے تمہارے بچ جانے کا۔"

"کیا چاہتے ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تم سے نہیں۔" رفیق کہہ کر رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "میں اس سے معاملہ طے کروں گا۔ کیوں بلوجی!" اس نے آگے بڑھ کر رضیہ کا گال نوچ لیا۔

رضیہ کے منہ سے ہلکی سی سسکاری نکل گئی۔ اس کا خون کھول کر رہ گیا۔ خون تو شارق کا بھی کھول گیا تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ رفیق نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اسے تو گولی مار کر ہلاک کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے بعد وہ خود بھی نہیں بچ سکیں گے۔"

"میں باہر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا ہوں۔ گیند اندر آگئی تھی جو میں لینے آیا تھا۔ اگر مجھے واپس جانے میں دیر ہو گئی تو بچے بھی شک کریں گے۔ میں ایک گھنٹے بعد واپس آؤں گا اور تم سے بات کروں گا۔" رفیق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ مڑا اور باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں فی الحال کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ایک گھنٹے بعد واپس آؤں گا اور اگر اس وقت مذاکرات ناکام ہوئے تو....." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

وہ واپس بھی دیوار پھاند کر گیا تھا۔

شارق نے اپنے آپ کو زندگی میں کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ رضیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رضیہ کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑی رہی' پھر دوڑ کر شارق سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا سر شارق کے سینے پر رکھ دیا۔ شارق اس کا کندھا سہلانے لگا۔

"وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" رضیہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" شارق مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

Scanned By:
Azam & Ali

وہ دونوں رفیق کا انتظار کرتے رہے۔ رفیق کہہ کر گیا تھا کہ وہ ایک گھنٹے بعد آئے گا اور رضیہ سے معاملہ طے کرے گا۔ شارق بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ وہ رضیہ سے کیا معاملہ طے کرے گا۔ رضیہ خوبصورت تھی' جوان تھی اور رضیہ ہی کے کہنے کے مطابق رفیق کئی دنوں سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کی اپنی بیوی اگرچہ رضیہ سے زیادہ خوبصورت تھی لیکن رفیق بدنیت آدمی تھا۔ وہ کسی ایک عورت پر اکتفا کرنے والا نہیں تھا۔ اس کے دل میں ہوس تھی۔ وہ نجانے کتنی عورتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوگا اور کئی مرتبہ پٹا بھی ہوگا۔ سرِعام عورتوں سے پٹائی بھی ایسے بے غیرت قسم کے آدمیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ان کا تو ایک ہی علاج تھا کہ ان کے ہاتھ پیر توڑ کر انہیں بالکل مفلوج کر دیا جائے اور وہ زندگی کے آخری لمحوں تک یہ یاد رکھیں کہ انہیں کس بات کی سزا ملی تھی۔

نرس رضیہ ایک شریف عورت تھی۔ اس نے ایک سال تک اپنے جلاد شوہر کے ظلم سہے تھے۔ اس کا شوہر اسے دوسروں کے لیے بھی کھلونا بنانا چاہتا تھا لیکن اس نے سر نہیں جھکایا تھا۔ وہ بدکردار نہیں تھی۔ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ وہ اسے مجرم نہیں' بے گناہ سمجھتی تھی اور شارق ایسا بے غیرت نہیں تھا کہ اپنی محسنہ کو کسی کے ہاتھوں اس طرح ذلیل ہونے دیتا۔

دوپہر ہو گئی لیکن رفیق نہیں آیا۔ رضیہ نے ایک دو مرتبہ باہر جا کر بھی دیکھا تھا۔ اس کی بیوی اسپتال میں ڈیوٹی پر تھی اور گھر تالا لگا ہوا تھا جبکہ رفیق عام طور پر گھر پر ہی رہتا تھا لیکن اب وہ غائب تھا۔ شارق کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ رفیق کہیں پولیس کے پاس نہ چلا گیا ہو۔ وہ رضیہ کے پیچھے اس لیے لگا ہوا تھا کہ وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ وہ اس سے اپنی ہوس کی پیاس بجھانا چاہتا تھا لیکن پچاس لاکھ روپے بڑی رقم تھی۔ اس رقم میں تو وہ خوبصورت عورتوں کی فوج جمع کر سکتا تھا۔

رضیہ کے ذہن میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات آرہے تھے۔ اس نے رفیق سے تو نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اگر وہ واقعی پولیس کو یہاں لے آیا تو وہ کیا کر سکے گی۔ اس نے اپنے خدشات کا

aazzamm@yahoo.com

اظہار شارق کے سامنے بھی کر دیا تھا۔

"میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن تم فکر مت کرو۔ میرے پستول میں چھ گولیاں ہیں۔" اس نے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا۔ "کم از کم چھ آدمیوں کو مار کر ہی کسی کو آگے بڑھنے کا موقع دوں گا۔"

"ایک ریوالور میرے پاس بھی ہے اور وہ بھی بھرا ہوا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"تمہارے پاس ریوالور!" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" رضیہ نے سر ہلایا۔ "میرے شوہر کے انتقال کے بعد یہ ریوالور اس کے سامان سے نکلا تھا جو میں نے اب تک سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے' وہ اس کا سرکاری ریوالور ہوگا اور....."

"جب وہ ڈاکوؤں سے مقابلے میں ہلاک ہوا تو سرکاری ریوالور اس کے پاس موجود تھا جو پولیس نے جمع کر لیا تھا۔ یہ ریوالور تو اس کے صندوق میں رکھا ہوا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "سلمان جس فطرت کا آدمی تھا' اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ ریوالور اس نے دفتر سے چرا کر گھر میں چھپا رکھا ہو یا کسی مجرم سے چھینا ہو جسے سرکاری مال خانے میں جمع کرانے کے بجائے اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ میں دکھاتی ہوں تمہیں۔"

رضیہ نے مسہری کے نیچے سے ایک ٹرنک کھینچ لیا جسے تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی چابیوں کا گچھا اٹھا کر ایک چابی منتخب کی اور تالا کھول کر صندوق کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

وہ ریوالور کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ رضیہ نے نال کی طرف سے بڑی احتیاط سے ریوالور اٹھایا اور شارق کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ اسمتھ اینڈ ویسن کا چھوٹی نال والا ریوالور تھا۔ اس کی چمک دمک سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت کم استعمال ہوا تھا۔ شارق اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ یہ سرکاری ریوالور نہیں تھا۔ اگر سرکاری ریوالور ہوتا تو اس پر نمبر ضرور لکھا ہوتا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سلمان نے یہ ریوالور کسی مجرم سے چھینا ہوگا۔ اس نے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا کر ریوالور کو کھول لیا۔ اس کے چیمبر میں چھ کی چھ گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے چیمبر بند کر دیا۔

"بہت اچھا ریوالور ہے۔" شارق بولا۔ "اسے اب ٹرنک میں بند کرنے کی بجائے کسی ایسی جگہ پر رکھو جہاں سے تم آسانی سے اٹھا سکو۔"

"تو پھر اسے اپنے پاس ہی رکھ لو۔" رضیہ نے کہا۔

شارق نے وہ ریوالور بھی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

"تم شاید بھول گئی ہو کہ ہم نے ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔" شارق اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس خبیث کی وجہ سے تو میں واقعی کھانا بھی بھول گئی تھی۔" رضیہ نے کہا۔

"کھانا کھانے کو تو اب دل نہیں چاہ رہا۔ البتہ چائے بنا لو اور ہاں اس خبیث کی وجہ سے زیادہ ٹینشن مت لو۔ جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔" شارق نے کہا۔

رضیہ اٹھ کر مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ شارق مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ رضیہ نے ایک کپ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور دوسرا خود لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"حیرت ہے' یہ کمبخت کہاں غائب ہو گیا۔" رضیہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ اس کا اشارہ رفیق کی طرف تھا۔

"کہیں بھی گیا ہو لیکن اب یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پولیس کے پاس نہیں گیا۔" شارق نے کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ صبح دس بجے کے قریب یہاں آیا تھا اور اب تین بج رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر وہ پولیس کے پاس گیا ہوتا تو پولیس اب تک ہمارے خلاف کارروائی کر چکی ہوتی۔ رفیق یقیناً کسی اور چکر میں ہوگا۔"

رضیہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔

"میرا خیال ہے' وہ خبیث آگیا ہے۔" رضیہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ "میں اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤں گی۔ اگر اس نے کوئی حرام زدگی کی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی۔"

"حرام زدگی کے علاوہ وہ یہاں کیا کرنے آئے گا۔" شارق بولا۔

رضیہ باہر چلی گئی۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ تقریباً دو منٹ بعد صحن میں نسوانی آوازیں سنائی دیں۔ شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ ثمینہ اور شاہ پری کی آوازیں تھیں' وہ اندر آگئیں۔

رضیہ نے ان کے لیے بھی چائے بنا لی۔ چائے پینے کے دوران شارق نے ان دونوں کو بھی بتا دیا کہ اس کا راز فاش ہو چکا ہے۔"

"اوہ....." ثمینہ چونک گئی۔ "پھر تو تمہارا یہاں رہنا خطرناک ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکل

aazzamm@yahoo.com

جانا چاہیے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" شارق بولا۔ "جس شخص کو اس راز کا پتہ چلا ہے' وہ اپنے آپ کو رضیہ کا عاشق کہتا ہے اور یہ راز چھپانے کے لیے رضیہ سے معاملہ طے کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ سمجھی۔" ثمینہ نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا پڑوسی رفیق تو نہیں جس کے بارے میں تم ہمیں پہلے بھی بتا چکی ہو۔"

"ہاں وہی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تم فکر مت کرو۔" ثمینہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "آنے دو اسے۔ ہم دونوں یہاں موجود ہیں۔ اس کے ہوش نہ اڑا دیئے تو نام بدل دینا۔"

اس کے بعد وہ لوگ رفیق ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تقریباً چار بجے کے لگ بھگ رفیق آگیا۔ رضیہ نے اسے دوسرے کمرے میں بٹھایا تھا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ثمینہ بھی اس کمرے میں آگئی۔ رفیق ثمینہ کو دیکھ کر چونک سا گیا۔ ثمینہ کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ رفیق کے سامنے والی کرسی پر اس طرح آگے کو جھک کر بیٹھی تھی کہ رفیق کے واقعی ہوش اڑ گئے تھے۔

ثمینہ باتیں کرتے کرتے اٹھ کر رفیق والے صوفے پر آگئی اور جان بوجھ کر اس طرح بیٹھی کہ اس کا جسم رفیق کے جسم کو چھو رہا تھا۔ رفیق اپنے آپ میں سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ ثمینہ نے آنکھ سے رضیہ کو اشارہ کر دیا۔ وہ بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ گئی۔ ثمینہ سرک کر رفیق کے ساتھ لگ گئی اور اپنا ایک ہاتھ پیچھے سے نکال کر رفیق کے کندھے پر رکھ دیا۔ رفیق کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں رفیق صاحب؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"بب.....بو بہت اچھی۔" رفیق ہکلایا۔

"میرے چہرے کو غور سے دیکھ کر بتایئے۔ پہلے کبھی دیکھا ہے مجھے؟" ثمینہ بولی۔

"کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔" رفیق نے جواب دیا۔

"میں بتاتی ہوں' میں کون ہوں۔" ثمینہ اس کے اوپر جھک گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ "میں ثمینہ ہوں۔ وہی ثمینہ جسے ضلع بھر کی پولیس تلاش کر رہی ہے۔ شارق کی ساتھی۔"

"ثث.....ثمینہ۔" رفیق ایک بار پھر ہکلایا۔

"ہاں وہی ثمینہ۔" ثمینہ بولی۔ "جسے پورے ضلع کی پولیس تلاش کر رہی ہے۔ وہ کتنی آسانی سے آپ کی آغوش میں آگئی ہے۔ اب آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میرے اور شارق کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے کر یا تو آپ انعام حاصل کر لیجئے اور یا زندگی کے مزے لے لیجئے۔ میں اب آپ کے سامنے ہوں۔ میں ہی نہیں' میری دوسری ساتھی اور نرس رضیہ بھی.....ہم تینوں آپ کی خواہش کا احترام کریں گی لیکن ایک بات ذہن میں رکھئے۔ ہمیں پولیس کے حوالے کرنے کی صورت میں آپ کو انعام تو مل جائے گا لیکن ہم ایک دو دن سے زیادہ پولیس کی کسٹڈی میں نہیں رہ سکیں گے اور اس کے بعد آپ کا جو انجام ہوگا' اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ دوسری صورت میں آپ عیش کریں گے۔ اب فیصلہ کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"مم.....میں پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" رفیق نے جواب دیا۔ ثمینہ کی واضح دلیل کے بعد اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "مم..... میں دوسرا راستہ پسند کروں گا۔"

"عقلمند ہیں آپ۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

رفیق بڑی حد تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ثمینہ کی پشت پر رکھ دیا۔ اسی لمحہ رضیہ اور شاہ پری کمرے میں داخل ہوئیں۔ ثمینہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ رفیق بھی سنبھل گیا۔ وہ شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ثمینہ اور شاہ پری کو کئی روز سے یہاں آتے دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہمیشہ برقعہ اور چادر اوڑھے ہوتی تھیں۔ رفیق ہر مرتبہ ان کی صرف آنکھیں ہی دیکھ پایا تھا اور ان آنکھوں سے ہی اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ بہت حسین ہوں گی اور اب وہ دونوں اس کے سامنے موجود تھیں اور اس کی توقع سے کہیں زیادہ حسین تھیں۔ رضیہ تو اسے اب ان کے سامنے ہیچ نظر آنے لگی تھی اور پھر مزے کی بات یہ تھی کہ اس کے سامنے ثمینہ بیٹھی ہوئی تھی جس کے نام کی دہشت پورے شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ اس کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔ وہی ثمینہ آج اپنے آپ کو اس کے سپرد کر رہی تھی۔ وہ کسی موقع پر یہ تو کہہ سکے گا کہ وہ ثمینہ کے حسن و شباب سے کھیل چکا ہے۔

شاہ پری بھی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ثمینہ اور شارق کے ساتھ یہ نام اس نے پہلی مرتبہ سنا تھا لیکن وہ بھی قیامت تھی۔ رضیہ تو واقعی اب ان دونوں کے سامنے ہیچ نظر آرہی تھی لیکن اس کے خیال میں چٹنی کے طور پر اسے بھی استعمال کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

"بات یہ ہے رفیق صاحب۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسی حرکتوں کے

aazzamm@yahoo.com

لیے رضیہ کا یہ کوارٹر مناسب نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے۔ اس طرح معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔"

"تو پھر.....؟" رفیق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اب وہ بڑی حد تک اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔

"ہم دونوں شام تک یہیں رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اس وقت آپ چلے جایئے۔ شام کو جب ہم باہر نکلیں تو ہمارے پیچھے پیچھے سڑک پر آجایئے۔ ہم آپ کو اپنی کوٹھی پر لے چلیں گے۔ وہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ بھی نہیں ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو رات ہمارے ساتھ کوٹھی ہی میں رہ سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے' یہ ٹھیک ہوگا۔" رفیق نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "میں اپنی بیوی سے بھی کہہ دوں گا کہ اپنے ایک دوست کے ہاں جا رہا ہوں' رات کو واپس نہیں آؤں گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ معاملہ طے ہو گیا۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب آپ اپنے گھر چلے جایئے اور یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اگر ہمارے یا شارق کے بارے میں ایک لفظ بھی آپ کے منہ سے نکلا تو ....." اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

بات رفیق کی سمجھ میں آگئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔ جاتے ہوئے بھی وہ ہوس بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رضیہ اسے باہر تک چھوڑ کر آئی اور اسے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ تینوں شارق والے کمرے میں آگئیں۔

"کیا ہوا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ شام کو ہمارے ساتھ جائے گا اور میں اس کا وہ حشر کروں گی کہ آئندہ وہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

"تمہارے حشر کرنے کے بعد وہ کسی عورت کی طرف تو آنکھ اٹھا کر واقعی نہیں دیکھے گا لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ پولیس کے پاس نہیں جائے گا؟"

"ہاں۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ اصل بات ہے بھی یہی کہ اسے پولیس کے پاس جانے سے روکنا ہے۔ ویسے ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔" ثمینہ بولی۔

"وہ کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"یہ بات تو سمجھ میں آگئی ہے کہ وہ بہت ہی گھٹیا اور کمینہ فطرت آدمی ہے۔ اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے بھاگا پھر رہا ہے۔ رضیہ نے بتایا تھا کہ وہ کئی مرتبہ پٹ بھی چکا ہے لیکن یہاں مسئلہ عورتوں کے پیچھے بھاگنے کا نہیں' ہم سب کی سلامتی کا ہے۔ رفیق جیسے لوگ

بار بار ذلیل و رسوا ہونے اور پٹنے کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ میں اسے عورتوں کے پیچھے بھاگنے کا سبق تو سکھا دوں گی لیکن اس بات کی واقعی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لیے ہمارے بارے میں پولیس کو نہیں بتائے گا۔ میری تجویز یہ ہے کہ کیوں نہ اسے زیرزمین پہنچا دیا جائے۔" ثمینہ نے کہا۔

"رضیہ کی دوست بیوہ ہو جائے گی۔" شارق بولا۔

"وہ بہت خوش ہوگی۔" رضیہ بیچ میں بول پڑی۔ "وہ تو اس سے بہت تنگ آچکی ہے۔ آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کئی مرتبہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر چکی ہے لیکن رفیق کسی طرح اسے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ وہ چھوڑ بھی کیسے سکتا ہے۔ خود تو نکھٹو ہے۔ کوئی کام دھندہ نہیں کرتا۔ بیوی کی کمائی پر پل رہا ہے۔ اس سے تنخواہ کا ایک ایک پیسہ لے لیتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اسے ہم اپنی کوٹھی کی بجائے ملتان روڈ والی حویلی میں لے چلیں گے اور وہاں اس کا قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔"

"ملتان روڈ والی حویلی!" شارق چونک گیا۔

"ہاں۔ میرے خیال میں وہی سب سے محفوظ جگہ ہوگی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"اسے وہیں دفن کر دیا جائے گا۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ نہ اس کی لاش ملے گی اور نہ اس کے قتل کے بارے میں کوئی بات ہوگی۔ اس کی بیوی بھی یہی سمجھتی رہے گی کہ شاید وہ اسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔"

"میں اس کی تائید کروں گی۔" رضیہ جلدی سے بولی۔ "اور میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ آج کی میں چھٹی لے لوں گی۔"

"نہیں رضیہ۔" ثمینہ نے کہا۔ "تمہارا اسپتال کی حدود میں رہنا بہت ضروری ہے۔ وہ تم سے ملتا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی گمشدگی کے بعد تم پر کسی قسم کا شبہ کیا جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنی ڈیوٹی پر رہو۔"

"ٹھیک ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

شام سات بجے کے قریب رضیہ ڈیوٹی پر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی تیار ہو گئی تھیں اور پھر وہ تینوں اکٹھی ہی باہر نکلی تھیں۔ ان کی توقع کے عین مطابق رفیق اپنے کوارٹر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ یقیناً ان کے انتظار میں تھا۔

ثمینہ اور شاہ پری رہائشی علاقے والے گیٹ کی طرف جانے کی بجائے رضیہ کے ساتھ چلتی رہیں اور پھر رضیہ تو اپنے وارڈ کی طرف چلی گئی اور وہ دونوں اسپتال کے مین گیٹ کی طرف چلتی

aazzamm@yahoo.com

چلی گئیں۔ گیٹ سے نکلنے سے پہلے ثمینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تقریباً بیس گز کے فاصلے پر رفیق بھی آرہا تھا۔

شام کے وقت اسپتال کے مرکزی گیٹ کے سامنے بڑی رونق تھی۔ ایک طرف خالی رکشے اور ٹیکسیاں بھی کھڑی تھیں۔ وہ دونوں گیٹ سے پانچ چھ قدم ہٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ چند سیکنڈ بعد ہی رفیق بھی ان کے قریب آگیا۔ وہ کسی قدر گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"کہاں چلنا ہے؟ میں کسی ٹیکسی والے سے بات کروں۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"ملتان روڈ.....یتیم خانے والے چوک سے تقریباً ایک میل آگے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

رفیق ایک ٹیکسی والے سے بات کرنے لگا۔ اس نے سو روپے کرایہ مانگا تو رفیق فوراً ہی تیار ہو گیا۔ ٹیکسی والا اگر ہزار روپے مانگتا تو بھی وہ تیار ہو جاتا۔ اس نے مڑ کر ثمینہ اور شاہ پری کو اشارہ کیا اور خود آگے والا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ثمینہ اور شاہ پری پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں تو ٹیکسی حرکت میں آگئی۔

ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے ٹیکسی تقریباً ایک گھنٹے میں یتیم خانے والے موڑ پر پہنچ سکی تھی۔ آگے کا فاصلہ طے کرنے میں چند منٹ اور لگ گئے اور بالآخر ثمینہ نے ایک جگہ پر ٹیکسی رکوالی۔ ڈرائیور مشکوک نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق نے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ٹیکسی یو ٹرن لیتی ہوئی واپس چلی گئی۔

رفیق عجیب سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ جگہ شہر سے خاصی دور تھی۔ سڑک کے دونوں طرف زرعی اراضی ختم ہو چکی تھی اور نئی بستیاں بن رہی تھیں۔ کوئی کوئی گھر آباد تھا جبکہ زیادہ علاقہ زیر تعمیر تھا۔

"یہ.....یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو؟" رفیق نے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز میں ہلکا سا خوف بھی تھا اور شبہ بھی۔

"محفوظ جگہ پر جہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "دراصل یہاں ہم نے ایک زیر تعمیر مکان خرید رکھا ہے۔ آرام سے رات گزاریں گے اور صبح واپس چلے جائیں گے۔ تم نے اپنی بیوی کو بتا دیا تھا ناں کہ رات کو واپس نہیں آؤ گے۔"

"وہ اس وقت تک ڈیوٹی سے واپس نہیں آئی تھی۔ میں نے ایک پرچی لکھ کر چھوڑ دی تھا کہ اپنے ایک دوست کے پاس شاہدرہ جا رہا ہوں اور رات کو واپس نہیں آؤں گا۔" رفیق نے جواب دیا۔

سڑک پر اس وقت ٹریفک کی آمد و رفت جاری تھی۔ لاہور سے ملتان وغیرہ کی طرف جانے والی بسیں بھی گزر رہی تھیں اور دوسری طرف سے لاہور آنے والی بسیں بھی آگے پیچھے چلی جا رہی تھیں۔ سڑک پار کرنے کے لیے انہیں دو تین منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔

مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔ آس پاس سناٹا تھا۔ تاریکی میں رفیق کو دو تین مرتبہ ٹھوکر لگی تھی۔ حویلی بھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شاہ پری نے رفیق کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے لے کر گیٹ سے چند قدم دور ہٹ گئی جبکہ ثمینہ دیوار کی کھوہ میں چابی تلاش کرنے لگی۔

ثمینہ دیوار کی کھوہ سے چابیوں کا گچھا نکال کر پھاٹک کے سامنے آگئی اور چھوٹے دروازے کا تالا کھولنے لگی.....اور پھر وہ رفیق کو ساتھ لے کر اندر آگئیں۔ ثمینہ نے دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا دیا۔

رفیق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں ادھر ادھر گھورنے لگا۔ اس کے دل میں پہلی مرتبہ خوف پیدا ہوا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا۔ ایسا تو نہیں کہ حویلی میں پہلے سے کچھ آدمی موجود ہوں لیکن پھر اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ پھاٹک کا تالا تو ثمینہ نے کھولا تھا' اندر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ صرف دو عورتیں تھیں اور اگر انہوں نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ ان سے تو نمٹ لے گا۔

"آؤ.....رک کیوں گئے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم تو کہتی تھیں کہ زیر تعمیر مکان ہے۔ یہ تو مجھے کوئی بہت بڑی حویلی لگتی ہے۔" رفیق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ حویلی ہی ہے۔ اسے توڑ کر یہاں ایک ماڈرن کوٹھی بنائی جائے گی لیکن اس میں ابھی وقت لگے گا۔ آؤ.....رک کیوں گئے ہو۔" ثمینہ بولی۔

"یہاں تو شاید بجلی بھی نہیں ہے۔" رفیق آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"بجلی بھی ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

شاہ پری نے ثمینہ سے چابیاں لے لیں اور آگے جا کر برآمدے والا دروازہ کھول دیا۔ اس نے برآمدے کی بتی نہیں جلائی تھی بلکہ اندر داخل ہو کر کمرے کی بتی جلا دی۔ ثمینہ رفیق کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ رفیق متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں بان کی دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کئی روز پہلے کے کھانے کے جھوٹے برتن پڑے ہوئے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری نے برقعے اتار کر ایک چارپائی پر پھینک دیئے۔ ثمینہ مسکراتی ہوئی نظروں سے رفیق کی

aazzamm@yahoo.com

طرف دیکھنے لگی۔

"آؤ۔ تمہیں یہ حویلی دکھاؤں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے' اسے دیکھ کر تمہیں حیرت ہوگی۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ دونوں اسے حویلی دکھانے لگیں۔ شاہ پری ہر کمرے کی بتی روشن کرتی جا رہی تھی۔ ایک کمرے میں پہنچ کر رفیق ٹھٹک گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی پھیل گئی تھی۔ اسلحہ کی پیٹیاں اور ہیروئن کے پیکٹ نیچے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

"یہ.....یہ کیا ہے؟" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔

"تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ یہ کیا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اگر ہم چاہیں تو پورے لاہور کو دھماکوں سے اڑا سکتے ہیں اور شہر کے نوجوانوں کو ہیروئن کے نشے میں مبتلا کرکے چند روز کے اندر اندر مفلوج کر سکتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں چاہتے۔"

"مگر تم لوگوں کے بارے میں تو یہی سنا اور اخباروں میں پڑھا ہے کہ تم لوگ منشیات کے اسمگلر ہو۔" رفیق بولا۔

"شروع میں ہم نے یہ دھندا کیا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن اب ہم دھندے کے خلاف ہیں۔ یہ اسلحہ اور ہیروئن ہم نے دوسروں سے چھینی ہے۔ تم نے ہماری اور حاجی عبداللہ کی جھڑپوں کے بارے میں بھی اخباروں میں پڑھا ہوگا۔ ہمارا جھگڑا یہی ہے۔ ہم حاجی کا یہ کاروبار بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو' تم سب کچھ سمجھ بھی نہیں سکو گے۔"

وہ دوبارہ اس کمرے میں آگئے جہاں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ رفیق ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور باری باری ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم اخباروں میں پڑھ چکے ہو کہ پورے ضلع کی پولیس اور حاجی عبداللہ کے آدمی ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن ہم ابھی تک کسی کے ہاتھ نہیں آسکے۔" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی باتوں اور اپنی سرگرمیوں کو ہمیشہ راز میں رکھا ہے۔ باہر کا کوئی آدمی ہمارے راز سے واقف ہوتا ہے تو ہم اسے سوچنے کا موقع دینے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔"

"کک.....کیا مطلب؟" رفیق ہکلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم ہمارے راز سے واقف ہو گئے ہو اور تمہاری زندگی ہمارے لیے خطرہ ہے۔"

"مم.....مگر.....تم نے تو.....کہا تھا....."

"تم واقعی بے وقوف آدمی ہو۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم واقعی تمہیں عیاشی کرانے کے لیے یہاں لائے ہیں۔ تم بے وقوف ہی نہیں بے غیرت بھی ہو۔ میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ حسین عورت ہے لیکن تم بے وفا اور بے غیرت نکلے۔ دوسری عورتوں کے پیچھے....."

ثمینہ جملہ مکمل نہیں کر سکی۔ رفیق نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ کو اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ پشت کے بل دوسری چارپائی پر گری۔ رفیق کا خیال تھا کہ یہ عورتیں ہی تو ہیں' ان پر آسانی سے قابو پالے گا لیکن یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ عورتیں مردوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

ثمینہ کے لیے رفیق کا یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ پشت کے بل چارپائی پر گری۔ رفیق بھی اس کے اوپر ہی گرا تھا۔ رفیق نے ثمینہ کے گلے پر پنجے گاڑ دیئے تھے اور وہ ثمینہ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شاہ پری چند قدم دور کھڑی تھی۔ ایک لمحہ کو تو وہ کچھ سمجھ نہیں سکی۔ پھر دوسرے ہی لمحہ وہ برق رو کی طرح حرکت میں آگئی۔ اس نے رفیق کی قمیض کا کالر پکڑ لیا اور اسے پیچھے کھینچنے لگی لیکن اس طرح اس کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ اس نے قمیض کا کالر چھوڑ دیا اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر نیک لاک لگا لیا اور اس مرتبہ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔

رفیق کا سانس گھٹنے لگا۔ ثمینہ کے گلے سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ثمینہ نے اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا۔ رفیق چارپائی سے نیچے گرا تو اس کے ساتھ ہی شاہ پری بھی گری تھی لیکن شاہ پری بڑی پھرتی سے سنبھل گئی تھی۔

رفیق پشت کے بل زمین پر پڑا تھا۔ اس کے ایک طرف ثمینہ کھڑی تھی اور دوسری طرف شاہ پری۔ وہ اب بھی ان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور انہیں محض عورتیں ہی سمجھ رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو شاہ پری کے پیر کی ٹھوکر اس کے سینے پر پڑی۔ وہ کراہتا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔ ثمینہ نے جھک کر اسے گریبان سے پکڑ لیا اور اسے اوپر اٹھانے لگی۔ رفیق نے موقع پا کر اس کے پیٹ پر گھونسہ مارا۔ یہ گھونسہ ثمینہ کے پہلو میں لگا۔ وہ ایک بار پھر کراہ اٹھی اور لڑکھڑا گئی۔ رفیق اسے گرفت میں لینے کے لیے آگے بڑھا لیکن ٹھیک اسی لمحہ شاہ پری نے آگے بڑھ کر اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کر دی۔ رفیق کراہ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے گرا۔ اس کا منہ چارپائی کے پائے سے ٹکرایا۔ ناک پر چوٹ لگی تھی جس سے خون بہہ نکلا۔

اور پھر شاہ پری نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر رفیق کو بالوں سے

aazzamm@yahoo.com

پکڑ لیا اور اسے پیچھے گھسیٹنے لگی۔ اس دوران ثمینہ بھی سنبھل چکی تھی۔ اس نے رفیق پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ شاہ پری نے رفیق کے بال چھوڑ دیئے اور وہ بھی اس پر لاتیں برسانے لگی۔ رفیق ان دونوں کے درمیان فٹ بال بنا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے دروازے سے نکل کر بھاگنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن ثمینہ نے اسے راہداری میں پکڑ لیا تھا۔

"تم ہٹ جاؤ شاہ پری۔" ثمینہ نے شاہ پری کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا جو آگے آرہی تھی۔ "اب میں اس سے اکیلی ہی نمٹ لوں گی۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لوگ اتنے گھٹیا ثابت ہو گے۔" رفیق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے غلطی کی۔ مجھے پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیے تھی۔"

"تم پولیس کو اطلاع کیسے دے سکتے تھے۔" ثمینہ بولی۔ "تمہیں تو کچھ اور ہی ہوس تھی اور اس لالچ میں تم نے پولیس کو ایک خطرناک مجرم کے بارے میں اطلاع نہیں دی۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب تم یہاں سے زندہ باہر نہیں جا سکو گے۔ زندہ کیا' تمہاری تو لاش بھی اس حویلی سے باہر نہیں جائے گی۔"

ثمینہ نے اچانک ہی چھلانگ لگا دی۔ رفیق غافل نہیں تھا۔ اس نے بچنے کے لیے ایک طرف چھلانگ لگا دی لیکن ثمینہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں' وہ فوراً ہی پلٹ گئی۔ اس مرتبہ اس کے پیر کی ٹھوکر رفیق کے پیٹ پر ذرا نیچے لگی تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا اور پھر ثمینہ نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

رفیق چیختا رہا اور ثمینہ اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کرتی رہی۔ شاہ پری قریب کھڑی یہ تماشہ دیکھتی رہی۔ رفیق جب اس کی طرف آتا تو وہ بھی ایک لات رسید کر دیتی۔ رفیق بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ہم تمہیں چیخنے سے نہیں روکیں گے۔" ثمینہ نے ایک اور لات رسید کرتے ہوئے کہا۔ "اس ویرانے میں تمہاری چیخیں کوئی نہیں سنے گا اور اگر کسی نے تمہاری آواز سن بھی لی تو کوئی ادھر نہیں آئے گا۔"

شاہ پری بھی ایک بار پھر حرکت میں آگئی۔ وہ دونوں رفیق پر لاتیں اور گھونسے برساتی رہیں۔ رفیق کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ ادھ موا سا ہو کر رہ گیا۔ اب اس میں اپنا بچاؤ کرنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ ثمینہ ایک طرف کھڑی اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"شاہ پری۔" وہ شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "باہر درخت کے قریب کچھ رسیاں پڑی

ہوئی ہیں۔ دو تین لمبی رسیاں لے آؤ۔"

شاہ پری باہر نکل گئی۔ چند منٹ بعد وہ رسیاں لے کر آگئی اور ان دونوں نے مل کر رفیق کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ اس کے ہاتھ پشت پر باندھے گئے تھے تاکہ وہ انہیں کھولنے کی کوشش بھی نہ کر سکے۔

وہ دونوں اسے گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئیں۔ رفیق چیخ رہا تھا۔ ثمینہ نے اس کی کھوپڑی پر لات رسید کر دی۔

"اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو سر کچل دوں گی۔" وہ غرائی۔ وہ دونوں اسے گھسیٹتی ہوئی حویلی کے پچھلی طرف اس کنویں کے قریب لے آئیں جو عرصہ سے بند پڑا تھا۔ رفیق کو کنویں کی منڈیر پر ڈال دیا گیا۔

"خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔" رفیق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ میری زبان بند رہے گی۔"

"تمہاری زبان بند کرنے کے لیے ہی تو تمہیں یہاں لائے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ہم تمہیں ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جہاں نہ تو کوئی تمہاری آواز سنے گا اور نہ ہی تمہاری لاش کسی کو ملے گی۔"

"نہیں نہیں' خدا کے لیے معاف کر دو۔" رفیق گھگھیایا۔

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے بڑے اطمینان سے ایک پیر منڈیر پر رکھا اور رفیق کو کنویں میں دھکیل دیا۔ رفیق کے منہ سے نکلنے والی آخری چیخ کنویں کی گہرائی میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ پھر شڑاپ کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" شاہ پری نے کہا۔

"جہاں تو اس کے گندے وجود سے پاک ہو گیا ہے لیکن کنواں گندا ہو گیا۔" ثمینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلو.....اب اندر چلیں۔"

وہ دونوں کمرے میں آگئیں۔ اپنا حلیہ درست کیا اور برقع اوڑھ کر باہر آگئیں۔ ثمینہ نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ باہر آکر انہوں نے پھاٹک کو بھی تالا لگا دیا۔ چابیوں کا گچھا اسی جگہ پر

aazzamm@yahoo.com

رکھا اور دونوں تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتی ہوئی سڑک کی طرف جانے لگیں۔

اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ شہر سے باہر جانے اور باہر سے شہر آنے والی بسوں کی آمد و رفت اب بھی جاری تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہیں ایک بس مل گئی۔

بقیہ واقعات جاننے کے لئے ''دولت کے پجاری'' کے ساتویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

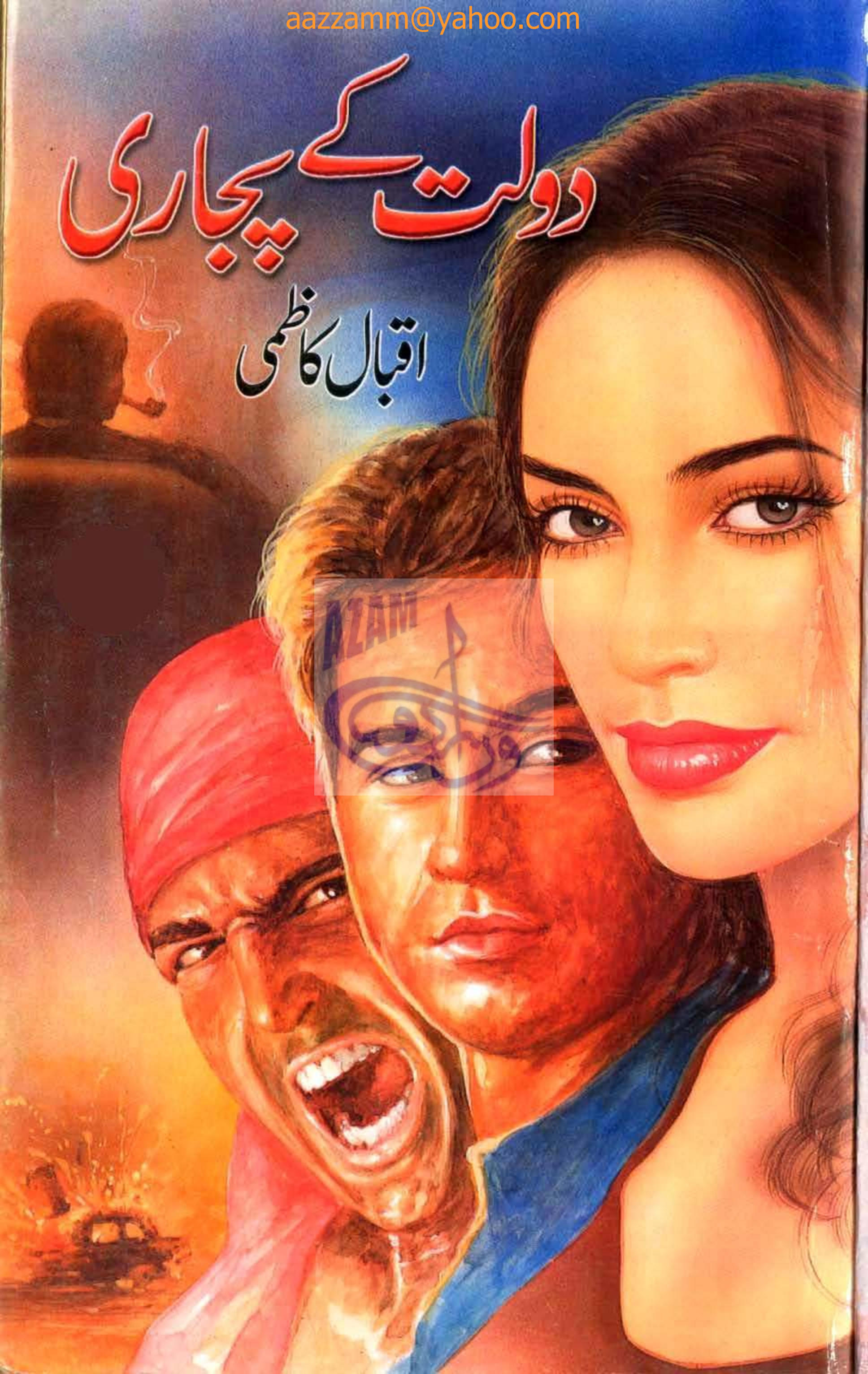

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

7

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیر اسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66 روپے

کتاب پر مت لکھیں

کتاب پر لکھنے والے سے قیمت وصول [illegible]

حاجی عبداللہ بری طرح بلبلایا ہوا تھا۔ اس روز جب اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ شارق اور ثمینہ گلبرگ کی ایک کوٹھی میں جل کر راکھ ہو گئے ہیں تو اسے اس خبر پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس کوٹھی کے گیراج میں اس کی پجیرو کا جلا ہوا ڈھانچہ اور تہہ خانے سے سونے کے چند ٹکڑے بھی ملے تھے۔ یہی قیمتی پجیرو شارق اور اس کے ساتھیوں نے اس کے داماد سے چھینی تھی اور اس میں سونے کے بسکٹوں سے بھری ہوئی پیٹیاں بھی تھیں۔ سونے کے پگھلے ہوئے چند ٹکڑے اور پجیرو کا جلا ہوا ڈھانچہ اگرچہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ثمینہ اور شارق اس کوٹھی میں تھے لیکن اسے اس بات کا یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ دونوں آگ میں جل کر مر گئے ہوں گے۔ یقین نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوٹھی کو آگ حادثاتی طور پر نہیں لگی تھی۔ حادثاتی طور پر لگنے والی آگ اس طرح اچانک نہیں پھیلتی۔ اس عمارت میں رہنے والوں کو جان بچانے کا موقع مل جاتا ہے لیکن یہ آگ اس طرح لگی تھی کہ اس نے چند سیکنڈ کے اندر اندر چاروں طرف سے پوری کوٹھی کو لپیٹ میں لے لیا تھا اور بعد میں یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ آگ حادثاتی طور پر نہیں لگی تھی بلکہ پٹرول چھڑک کر لگائی گئی تھی۔ پٹرول پوری کوٹھی میں اور چاروں طرف چھڑکا گیا ہو گا' اس لیے پوری کوٹھی آناً فاناً آگ کی لپیٹ میں آگئی تھی۔

حاجی عبداللہ یہ سوچتا رہا کہ آگ اگر شارق نے لگائی تھی تو کوٹھی سے برآمد ہونے والی وہ دو لاشیں کس کی تھیں جو جل کر راکھ ہو چکی تھیں۔

اسے یقین تھا کہ وہ لاشیں شارق اور ثمینہ کی نہیں تھیں۔ وہ دونوں اس طرح آسانی سے مرنے والے نہیں تھے۔ جس نے پورے ضلع کی پولیس اور اپنے مخالف گروہوں کے آدمیوں کو نچا رکھا تھا' وہ اس طرح آسانی سے کیسے مر سکتا تھا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ کوٹھی میں آگ لگنے سے پہلے سونا وہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ کوٹھی کو آگ جان بوجھ کر لگائی گئی تھی۔ ممکن ہے پولیس کو اس کوٹھی پر شبہ ہو گیا ہو اور شارق نے اپنے خلاف تمام ثبوت مٹانے کے لیے کوٹھی کو آگ لگا دی ہو۔

ایک اور خیال بھی حاجی کے ذہن میں آیا تھا۔ ماجھا گجر کا ایک آدمی مجیدا بھی پچھلے دنوں شارق سے ٹکرایا تھا اور شارق نے اس کا ایک بندہ بھی مار دیا تھا۔ ہو سکتا ہے مجیدے نے موقع پا کر شارق کی کوٹھی کو آگ لگا دی ہو لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا تھا کہ پچھلے چند روز میں شارق اور مجیدے میں کوئی جھڑپ ہوئی ہو۔

aazzamm@yahoo.com

حاجی، شارق اور ثمینہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہا تھا۔ اس کے آدمی پورے شہر میں پھیلے ہوئے تھے لیکن کسی طرف سے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔

اور پھر حاجی کو اس حادثے کی اطلاع بھی مل گئی جس میں دلاور نامی ایک غنڈہ ہلاک ہو گیا تھا۔ دلاور کے بارے میں حاجی کو اتنا معلوم تھا کہ وہ ماجھے گجر کے ساتھ کام کرتا رہا تھا لیکن کچھ عرصہ سے روپوش تھا۔ اس حادثے میں ایک مزدور بھی زخمی ہوا تھا لیکن حاجی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس حادثے کے دوسرے دن جب اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئیں کہ ٹیکسی کے حادثے میں زخمی ہونے والا مزدور شارق تھا جو ٹانگ ٹوٹ جانے کے باوجود اسپتال سے فرار ہو گیا تھا تو حاجی چونکا تھا۔ اس خبر سے [illegible] کے ان [illegible] کی تصدیق ہو گئی تھی کہ کوٹھی کی آگ میں مرنے والے ثمینہ اور شارق [illegible] تھے۔

حاجی کے آدمی ایک بار پھر پورے شہر میں پھیل گئے تھے لیکن کئی روز گزر جانے کے بعد بھی وہ شارق کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ اسے حیرت تھی کہ شارق زخمی ہونے کے باوجود کہاں غائب ہو گیا۔ اس کے آدمی شہر کے تمام پرائیویٹ اسپتالوں اور ڈاکٹروں کو بھی چیک کرتے پھر رہے تھے۔ شارق [illegible] تو دوسرے علاج کی ضرورت تھی اور وہ یقیناً کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرے گا [illegible] اسے [illegible] نہیں مل سکا تھا۔

حاجی [illegible] کی روزانہ چیکنگ بھی لگا دی تھی تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ [illegible] اسپتال سے فرار ہوا تھا۔ کوئی باہر سے کوئی آدمی اسے لینے آئے تھے [illegible] اسپتال سے نکلنے کا کوئی آدمی شامل تھا۔ حاجی کو حادثہ پولیس کی رپورٹ [illegible] اس کے آدمی نے جو [illegible] مختلف نہیں تھی۔

حاجی [illegible] اس معاملے پر سوچتا مزید الجھتا جاتا۔ حاجی کے اپنے آدمی شارق کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے تھے اور پھر اسے ایک اور خیال آ گیا۔ چند روز پہلے شارق کی [illegible] ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے مجیدا اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ یہ خیال آتے ہی حاجی نے اپنا ایک آدمی مجیدے کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔

حاجی نے بلاوے پر مجیدا انکار نہیں کر سکا اور خاص طور پر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حاجی شارق کے [illegible] بات کرنا چاہتا ہے تو وہ اسی وقت اس آدمی کے ساتھ چل پڑا تھا۔

حاجی اس وقت اقبال ٹاؤن والی اسی کوٹھی میں تھا جو پہلے اس نے شارق کو دی تھی اور پھر دھوکے سے واپس لے لی تھی۔ مجیدے کا استقبال حاجی نے بڑی گرمجوشی سے کیا تھا۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، پھر حاجی اصل موضوع پر آ گیا۔

"شارق نے ماجھے کے ساتھ جو کچھ بھی کیا، اس کا مجھے افسوس ہے۔" حاجی نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ شارق بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ ایک سے دشمنی رکھتا ہے تو دوسرے سے دوستی تاکہ اسے صرف ایک ہی محاذ پر لڑنا پڑے۔ ماجھے سے جب اس کی محاذ آرائی ہو رہی تھی تو شارق نے مجھ سے دوستی رکھی تاکہ میں اس معاملے میں مداخلت نہ کروں اور یہ میری بہت بڑی غلطی تھی جس کا اب مجھے احساس ہو رہا ہے۔ اب شارق ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ہے۔ وہ میرے کئی بندے مار چکا ہے اور اس کے علاوہ مجھے کروڑوں روپے کا نقصان بھی پہنچا چکا ہے۔ اس نے تمہارا بھی ایک بندہ مارا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ مل کر اس کے خلاف کارروائی کریں۔ اگر ہم بکھرے رہے تو وہ ہمیں نقصان پہنچاتا رہے گا۔"

"اس نے میرے دو بندے مارے ہیں جی۔" مجیدے نے کہا۔ "میں تو چاہتا تھا کہ ہم مل کر کام کریں گے مگر آپ کے پاس آنے سے جھجک رہا تھا۔ اب آپ نے بلایا ہے تو میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ہم الگ الگ رہ کر کچھ نہیں کر سکتے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں دوسروں کو بھی ساتھ ملا لینا چاہیے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے لیکن ہمارے ساتھ اور کون مل سکتا ہے۔" حاجی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کئی چھوٹے گروپ ہیں جو اپنے طور پر کام کر رہے ہیں اور ان سب کو کسی نہ کسی موقع پر شارق سے نقصان پہنچا ہے۔ وہ سب شارق کے خلاف ہمارے ساتھ مل سکتے ہیں۔" مجیدے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم ان سب سے بات کر لو۔ دو دن بعد ہم ایک میٹنگ رکھ لیتے ہیں جس میں شارق کے خلاف ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کر لیا جائے گا۔" حاجی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "لیکن کیا تمہیں بالکل اندازہ نہیں کہ شارق کہاں چھپا ہوا ہو گا۔"

"چند روز پہلے میں نے اسے ملتان روڈ پر دیکھا تھا۔ یتیم خانے والے چوک سے تقریباً ایک میل آگے۔" مجیدے نے کہا اور پھر اسے اسی واقعہ کی تفصیل بتانے لگا۔ جب اتفاقاً شارق سے آمنا سامنا ہوا تھا اور اس کا ساتھی شارق کو پکڑنے کی کوشش میں بس کے نیچے آ کر ہلاک ہو گیا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اس واقعہ کے بعد میں تو تین چار روز تک روپوش ہی رہا تھا اور

aazzamm@yahoo.com

ب پولیس نے ایک اتفاقی حادثہ قرار دے کر بات ختم کر دی تھی تو اس کے بعد میں گھر سے نکلا
۔ مجھے شبہ تھا کہ شارق نے اس علاقے میں اپنا کوئی اڈا بنا رکھا ہے۔ میں کئی روز تک ادھر ٹوہ
تا رہا لیکن کچھ پتا نہیں چل سکا۔ میرا خیال ہے کہ شارق اتفاقاً اس طرف گیا ہوگا۔ اگر اس کا
ئی ٹھکانہ ہوتا تو وہ دوبارہ بھی اس طرف ضرور جاتا۔"

"مجھے اس جگہ کے بارے میں بتاؤ۔ میں بھی ذرا اپنے طور پر اس علاقے کو چیک کروں گا۔"
ی نے کہا۔

مجیدے نے اس علاقے کی نشاندہی کر دی۔ اس کے بعد بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔
ان کی یہ میٹنگ ختم ہوگئی۔ حاجی نے مجیدے کو تاکید کر دی تھی کہ جیسے ہی شارق کا کوئی سراغ
ے' وقت ضائع کیے بغیر مجھے اطلاع کر دینا۔ حاجی سے اس میٹنگ میں مجیدے نے کچھ فائدہ بھی
ا تھا۔ ایک تو یہ کہ حاجی نے اسے آدھی قیمت پر ہیروئن سپلائی کرنے کا وعدہ کیا تھا اور دوسرا
یہ کیا تھا کہ وہ اس کے علاقے میں واقع اپنے پرچون کے دونوں اڈے بند کر دے گا اور اس
ج ان اڈوں کا گاہک بھی اسی کے پاس آئے گا۔ مجیدا جب حاجی کی کوٹھی سے نکلا تو بہت خوش
شارق کے خلاف کوئی کارروائی ہو یا نہ ہو' اس نے موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

مجیدے کے جانے کے بعد حاجی نے اپنے دو آدمیوں کو بلا لیا۔ مجیدے نے ملتان روڈ کی نئی
میں شارق کے کسی ٹھکانے کے بارے میں جو شبہ ظاہر کیا تھا' حاجی اپنے طور پر بھی اس کے
ے میں تحقیق کر لینا چاہتا تھا۔

"تم دونوں کل صبح ملتان روڈ چلے جاؤ۔" حاجی نے اپنے دونوں آدمیوں کو مخاطب کرتے ہوئے
"وہاں ایک نئی کالونی بن رہی ہے۔ آبادی تو اکا دکا مکانوں میں ہوگی جبکہ زیادہ تر مکان ابھی
نیر ہیں۔ وہاں جو لوگ رہ رہے ہیں' ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور ان لوگوں
رے میں بھی جو وہاں اپنے مکان وغیرہ بنا رہے ہیں۔ جیسے ہی کوئی خاص بات معلوم ہو' مجھے
دینا۔"

اور اگر شارق کہیں نظر آجائے تو؟" ایک آدمی نے پوچھا۔ "کیا اسے ختم کر دیا جائے؟"
نہیں۔" حاجی نے کہا۔ "میرا تین کروڑ کا سونا اس کے قبضے میں ہے۔ میں اسے زندہ دیکھنا
ں۔ سونا حاصل کرنے کے بعد ہی اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے گا۔"
ٹھیک ہے جی۔ ہم صبح سویرے ہی اس طرف چلے جائیں گے۔" اس شخص نے جواب دیا۔
ہے۔ اب تم لوگ جاؤ۔" حاجی نے انہیں جانے کا اشارہ کیا۔
جی اس رات اسی کوٹھی پر رہا تھا۔ صبح دس بجے کے قریب وہ کوٹھی سے نکل گیا۔ دوپہر

تک وہ اپنے مختلف ٹھکانوں پر گھومتا رہا۔ پھر اپنے سینما والے دفتر میں آگیا۔ وہاں تین چار آدمی
اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ دراصل چند ہفتے پہلے حاجی نے ایک فلم بنانے کا پروگرام بنایا تھا اور اس
سلسلے میں انڈسٹری کے ایک دو فلم ڈائریکٹروں سے بھی بات کی تھی۔ ان سب ہی نے مشورہ دیا تھا
کہ وہ پنجابی فلمیں شروع کرے۔ اردو فلموں کے مقابلے میں پنجابی فلمیں زیادہ بزنس کرتی تھیں
اور ظاہر ہے حاجی کو پیسہ کمانا تھا۔ اس نے بیک وقت دو پنجابی فلموں کا پروگرام بنا لیا تھا اور اس
وقت فلم انڈسٹری کے آدمی ہی وہاں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

حاجی تقریباً ایک گھنٹے تک ان سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے دو آدمیوں کو بڑی بڑی رقموں کے
چیک بھی دیے تھے تاکہ جن لوگوں سے ایگریمنٹ کرنے ہیں' انہیں ایڈوانس بھی دیا جا سکے۔

حاجی رات دس بجے تک سینما ہی میں رہا اور پھر اقبال ٹاؤن والی کوٹھی میں واپس آگیا۔ اس
کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کے وہ دونوں آدمی بھی آگئے جو صبح ملتان روڈ گئے تھے۔

"کچھ پتا چلا؟" حاجی نے پوچھا۔

"ایک ایسی جگہ کا پتا چلا ہے جس پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔" جیلے نامی کارندے نے جواب دیا۔

"تفصیل سے بتاؤ۔" حاجی نے اسے گھورا۔ "تم جانتے ہو میں ادھوری بات سننے کا عادی نہیں
ہوں۔"

"بتاتا ہوں جی۔" جیلا گڑبڑا گیا۔ "ہم صبح سات بجے ہی اس علاقے میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں
بہت سے مکان بن رہے ہیں۔ ہم ایک ایک مکان کے بارے میں معلوم کرتے رہے۔ بہت سا
چوڑا علاقہ ہے جی۔ چند ہی گھروں میں لوگ رہ رہے ہیں۔ ہم ایک ایک سے پوچھتے پھرے لیکن
کوئی مشتبہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ رات آٹھ بجے کے قریب اس طرف سے گزرنے والے
ایک آدمی نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے وہاں ایک حویلی میں کچھ لوگوں کو آتے جاتے دیکھا گیا تھا۔
ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی لیکن کئی روز سے وہاں کوئی نہیں آیا' حویلی میں تالا لگا ہوا
ہے۔"

"وہ حویلی کس کی ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"ٹھوکر نیاز بیگ کا کوئی چودھری ہے جی۔ آس پاس کی زمینیں بھی اسی کی تھیں جن میں سے
بیشتر زمینیں وہ بیچ چکا ہے۔" جیلے نے جواب دیا۔

"تم نے وہ حویلی دیکھی ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"دیکھی ہے جی۔ بہت پرانی حویلی ہے۔ دیواریں بھی بہت اونچی ہیں۔" جیلے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" حاجی بولا۔ "کرامت اور خورشید کو ساتھ لے جاؤ اور معلوم کرو' حویلی میں

aazzamm@yahoo.com

کوئی رہ رہا ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے حویلی کا مالک ہی وہاں آتا جاتا ہو لیکن میں کسی معمولی سی بات کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہتا۔ آج رات میں بھی یہیں رہوں گا۔ مجھے بارہ بجے سے پہلے پہلے معلوم ہو جانا چاہیے۔"

"ہم اس سے پہلے ہی واپس آجائیں گے جی۔" جیلے نے کہا۔

"تم جاؤ.....اب دیر مت کرو۔" حاجی بولا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔ کرامت اور خورشید بھی اسی کوٹھی میں موجود تھے۔ جیلے نے ان لوگوں کو ساتھ لیا اور کار میں بیٹھ کر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

وہ لوگ تقریباً پونے گیارہ بجے وہاں پہنچے تھے۔ کار انہوں نے کچی گلی کے باہر ہی چھوڑ دی تھی۔ ایک آدمی کار میں بیٹھا رہا تھا۔ جیلا، کرامت اور خورشید گلیوں میں چلتے ہوئے حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔

"یہ ہے وہ حویلی۔" جیلے نے کرامت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اندر کوئی نہیں ہے۔ پھاٹک پر چڑھ کر آسانی سے دوسری طرف اترا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر چڑھو اوپر.....دیکھ کیا رہے ہو۔" کرامت نے کہا۔

جیلا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تاریکی اور سناٹے میں جھینگروں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جیلا پھاٹک پر چڑھ گیا۔ اوپر وہ ایک لمحہ کو رکا اور پھر بڑی احتیاط سے دوسری طرف اتر گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حویلی کی عمارت بھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے پھاٹک کی جھری سے منہ لگا کر سرگوشی کی۔

"آجاؤ.....حویلی میں سناٹا اور تاریکی ہے۔"

اس کے چند ہی سیکنڈ بعد کرامت اور خورشید بھی پھاٹک پر چڑھ کر اندر آگئے اور جیلے کے قریب کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ ان تینوں نے پستول نکال لیے۔

"میری اطلاع کے مطابق یہ حویلی عام طور پر خالی ہی رہتی ہے۔ یہاں کبھی کبھار ہی کوئی آتا ہے۔ اس وقت بھی یہاں کوئی نہیں ہے مگر پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ آہستہ آہستہ آگے چلو۔" جیلے نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

وہ تینوں دائیں بائیں پھیل کر آگے بڑھنے لگے لیکن انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ بڑی آسانی سے برآمدے میں پہنچ گئے۔ جیلے نے ٹٹول کر دیکھا تو دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال لی اور اس کی روشنی میں جائزہ لینے لگا۔ ویسی قسم کا تالا تھا۔ اس نے پستول کی نالی تالے پر پھنسا کر زوردار جھٹکا دیا۔ کھٹاک کی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بھی وہ خاصے محتاط تھے۔ پہلے کمرے میں پہنچ کر انہیں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں کسی قسم کی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ دو چارپائیاں تھیں اور کھانے کے جھوٹے برتن ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک چارپائی کے قریب فاؤنٹین پین بھی پڑا ہوا ملا تھا۔

"دوسرے کمرے دیکھو۔" جیلا دروازہ کی طرف مڑ گیا۔

"کھانے کے یہ جھوٹے برتن بتا رہے ہیں کہ یہاں کوئی آیا تھا اور شاید ان میں آپس میں کوئی جھگڑا بھی ہوا تھا۔" کرامت نے کہا۔

"ہوا ہوگا۔" جیلا بولا۔ "ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہاں کون آیا تھا۔ پہلے دوسرے کمرے دیکھ لیں۔ شاید کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

وہ حویلی کے دوسرے کمرے دیکھنے لگے۔ راہداری میں ایک جگہ انہیں مردانہ جوتے بھی پڑے ہوئے ملے۔ وہ موکیشن تھے۔ ایک جوتا دوسرے سے کوئی پانچ فٹ کے فاصلے پر تھا۔

حویلی کے تمام کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک اور کمرے میں دو چارپائیاں ہی تھیں۔ ایک چارپائی پر زنانہ کپڑوں کا ایک جوڑا بھی رکھا تھا۔

"یہاں کوئی عورت بھی رہتی تھی۔" کرامت کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں کبھی کبھار دو تین آدمی آتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک عورت بھی ضرور ہوتی تھی۔ آخری مرتبہ دو عورتوں کو دیکھا گیا تھا اور پچھلے چند روز سے تو یہاں کوئی نہیں آیا۔" جیلے نے جواب دیا۔

"عیش کرتے ہوں گے وہ لوگ۔" کرامت بولا۔ "ویسے اس مقصد کے لیے یہ بہترین جگہ ہے۔"

وہ اس کمرے سے نکل آئے۔ اب وہ اس کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ جیلے نے پہلے والا طریقہ اختیار کرتے ہوئے تالا توڑ دیا اور جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو پنسل ٹارچ کی محدود روشنی میں لکڑی کی پیٹیاں دیکھ کر جیلے کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

اب تک انہوں نے کسی کمرے کی بتی نہیں جلائی تھی لیکن یہاں لکڑی کی پیٹیاں دیکھ کر جیلا ٹارچ کی روشنی میں دیواروں پر سوئچ بورڈ تلاش کرنے لگا۔ دروازے والی دیوار پر سوئچ بورڈ دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکا اور بیک وقت دو سوئچ آن کر دیے۔ کمرہ بلب کی تیز روشنی سے بھر گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ تینوں اچھل پڑے۔

aazzamm@yahoo.com

وہ کچھ دیر تک اسی طرح پیٹیوں کی طرف دیکھتے رہے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ پھر وہ تینوں بیک وقت آگے بڑھے اور ایک ایک پیٹی کھول کر دیکھنے لگے۔

اسلحہ سے بھری ہوئی پیٹیاں اور ہیروئن سے بھرے ہوئے پیکٹ۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو' حویلی شارق ہی کا خفیہ اڈا ہے لیکن انہیں حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ یہاں کروڑوں کا مال تھا اور اس کی حفاظت کے لیے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شارق کو اس اڈے کے محفوظ ہونے کا یقین ہوگا۔" جیلے نے کہا۔

"تم لوگ یہاں سے ایک رائفل اٹھا لو اور یہاں پہرہ دیتے رہو۔ میں جا کر حاجی کو اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ.....ہم یہاں موجود ہیں۔" کرامت نے کہا۔

جیلا تیزی سے کمرے سے نکلا۔ پھر گیٹ پر چڑھ کر وہ گلی میں کود گیا۔ کار تک پہنچنے میں اسے دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے شیدے کو کوٹھی چلنے کو کہا۔ کار گلی سے نکل کر سڑک پر آگئی اور طوفانی رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

○

صبح کے دس بجے تھے۔ رات کو حویلی سے واپس آنے کے بعد بھی ثمینہ اور شاہ پری نولکھا کے کمرے میں بیٹھی دیر تک باتیں کرتی رہی تھیں اور پھر تین بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں آکر سو گئی تھیں۔

شاہ پری تو صبح جلدی اٹھ گئی تھی لیکن ثمینہ ابھی تک سو رہی تھی۔ رضیہ سودا وغیرہ لینے کے لیے مارکیٹ گئی ہوئی تھی۔ شاہ پری کبھی نولکھا کے پاس آکر بیٹھ جاتی' کبھی ماں جی کے پاس اور کبھی برآمدے میں آکر کرسی پر بیٹھ جاتی۔ وہ اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

سوا دس بجے کے قریب ثمینہ جاگ گئی۔ اس نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور برآمدے میں آکر شاہ پری کے پاس بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو وہ دونوں اٹھ کر اندر آگئیں۔ فون کا ریسیور ثمینہ ہی نے اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔ میں رضیہ بول رہی ہوں۔ نرس رضیہ۔" ریسیور پر آواز ابھری۔

"رضیہ؟ خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔ نرس رضیہ کی آواز سنتے ہی اس کی

چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی کیونکہ رضیہ نے کبھی یہاں فون نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت تو وہ سو رہی ہوتی تھی۔

"ہاں۔ خیریت ہی ہے۔ ویسے کل تم لوگ جو سامان لے کر گئی تھیں' وہ بہت خراب حالت میں اسپتال پہنچ گیا ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"کیا؟" ثمینہ اچھل پڑی۔ رضیہ کا مطلب سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی۔ "تم کہاں سے بول رہی ہو رضیہ؟"

"ایک میڈیکل اسٹور سے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تم اپنے کوارٹر پر پہنچو۔ میں آرہی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا..... کس کا فون تھا؟" شاہ پری نے پوچھا۔ ثمینہ کے چہرے کے تاثرات سے وہ سمجھ گئی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"بڑی گڑبڑ ہو گئی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "رفیق کی لاش اسپتال پہنچا دی گئی ہے۔"

"کیا.....؟" شاہ پری اچھل پڑی۔ "لیکن وہ لاش کیسے ملی؟"

"نرس رضیہ کا فون تھا۔ وہ ایک میڈیکل اسٹور سے بات کر رہی تھی اور ظاہر ہے فون پر بات نہیں ہو سکتی تھی۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم رضیہ کے گھر جا رہے ہیں۔"

"میں تیار ہوں' صرف چادر اوڑھنی ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"اپنے لباس میں پستول بھی رکھ لو۔ آج شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے نولکھا کو بھی اس نئی صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

"یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔" نولکھا بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ شارق اور رضیہ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"ہاں۔ میں اور شاہ پری اسی لیے وہاں جا رہی ہیں کہ شارق کو وہاں سے نکال سکیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ رفیق کی لاش کا پتہ کیسے چلا۔ اسے تو ہم نے باندھ کر کنویں میں پھینک دیا تھا۔" قریب کھڑی ہوئی شاہ پری نے کہا۔

"کنویں سے لاش دریافت ہو سکتی ہے تو کمرے میں بھرا ہوا اسلحہ اور ہیروئن کے پیکٹ برآمد نہیں رہے ہوں گے۔ کروڑوں کا مال ہے وہ شاہ پری۔ سب سے پہلے ہمیں شارق کو وہاں سے نکالنا ہے اور اس کے بعد ہی معلوم کرنا ہے کہ کوئی اس حویلی تک کیسے

aazzamm@yahoo.com

پہنچے۔"

"ہو سکتا ہے تم لوگوں کے آنے کے بعد کوئی شخص چوری کی نیت سے حویلی میں داخل ہوا ہو اور اس نے....."

"چوری تو گھروں میں کی جاتی ہے' کنوؤں میں نہیں جھانکا جاتا۔" ثمینہ نے نولکھا کی بات کاٹ دی۔ "یہ معلوم کرنا چاہیے کہ پولیس وہاں تک کیسے پہنچی۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "اوہ۔ ایک منٹ۔ میں انسپکٹر عثمان سے بات کرتی ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر عثمان کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ لائن ملنے پر ریسیور کسی بچے نے اٹھایا تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد انسپکٹر عثمان کی آواز سنائی دی۔

"میں ثمینہ بول رہی ہوں عثمان صاحب۔" ثمینہ اس کی آواز پہچان کر بولی۔

"شکر ہے رابطہ تو ہوا۔" عثمان بولا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس تم لوگوں کا کوئی وثیقت نمبر نہیں ہے۔ کسی ایمرجنسی میں تم لوگوں سے رابطہ نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے ایک اہم کام کے لیے فون کیا تھا۔ بہرحال پہلے آپ بتائیں کہ ایمرجنسی کیا ہے؟" ثمینہ بولی۔

"گزشتہ رات حاجی کے آدمیوں نے ملتان روڈ کے قریب واقع ایک حویلی پر چھاپہ مار کر وہاں سے کروڑوں روپے مالیت کا اسلحہ اور ہیروئن برآمد کی ہے....."

"اوہ۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تو یہ حاجی کی حرکت ہے۔ بہرحال تفصیل بتاؤ۔ میں نے بھی اسی چکر میں فون کیا تھا۔"

"مجھے یہ سب کچھ آج صبح ہی معلوم ہوا ہے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "حاجی کے آدمی لوگوں کی تلاش میں تو تھے ہی' کل رات اس نے مجیدے کو بلایا تھا اور مجیدے نے اسے بتایا تھا کہ شارق کو ملتان روڈ کے علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ شارق نے اس علاقے میں کوئی ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔ حاجی کے آدمی اس علاقے کو چیک کرتے ہوئے کل رات کسی طرح اس حویلی تک پہنچ گئے جہاں ایک کمرے میں ہیروئن کے پیکٹ اور اسلحہ کی پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے فوراً حاجی کو اطلاع دیدی۔ اتفاق سے اس وقت میں بھی حاجی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی حاجی کے ساتھ حویلی گیا تھا۔ مزید اسلحہ یا ہیروئن کی تلاش میں انہوں نے اس کنویں کو چیک کیا تھا جس میں ایک لاش پڑی تھی۔ لاش کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ حاجی نے

ہی۔ پولیس نے وہ لاش کنویں سے نکال کر اسپتال بھجوا دی ہے۔ حاجی نے پولیس کو ابھی یہ نہیں بتایا کہ وہ حویلی تم لوگوں کا خفیہ ٹھکانا تھا لیکن مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد پولیس کو یہ بھی بتا دے گا تاکہ پولیس تم لوگوں کی تلاش میں زیادہ سرگرم ہو جائے۔ شارق کا حال ہے؟"

"وہ زخمی ہے اور ایک محفوظ جگہ پر ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم حاجی پر نگاہ رکھو۔ میں میں تمہیں فون کروں گی۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ اسی وقت رضیہ بھی مارکیٹ سے واپس آ گئی۔

"رضیہ! یہ برقع اتار کر مجھے دو۔ جلدی کرو۔" ثمینہ بولی۔

"خیریت!" رضیہ پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"خیریت ہی نہیں ہے۔ جلدی کرو۔" ثمینہ بولی۔

ثمینہ اپنا برقعہ پہنے ہوئے تھی۔ شاہ پری بھی چادر اوڑھے کھڑی تھی۔ رضیہ نے اپنا برقعہ اتار ثمینہ کے حوالے کر دیا۔ ثمینہ نے برقع پہن کر پلاسٹک کے ایک تھیلے میں ٹھونس لیا اور باہر کوٹھی سے نکلنے سے پہلے اس نے عقیل کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

ان کے پاس آج کل کوئی گاڑی نہیں تھی۔ وہ رکشہ ٹیکسیوں پر ہی سفر کر رہے تھے لیکن ان کو گاڑی کی ضرورت تھی۔ ثمینہ نے عقیل کو اس ضرورت سے آگاہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ثمینہ بی بی۔" آپ جوں ہی گلی سے نکل کر مین روڈ پر میرا انتظار کریں میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔"

عقیل بائیں طرف مڑ گیا تھا اور رضیہ اور شاہ پری دائیں طرف کی گلی میں مڑ گئیں۔ مین روڈ پر آ کر وہ ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔ انہیں تقریباً دس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ نیلے رنگ کی ایک کار ان کے قریب آ کر رکی تو اسٹیئرنگ کے سامنے عقیل کو دیکھ کر ثمینہ نے عقبی دروازہ کھولا اور دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ عقیل نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کہاں جانا ہے ثمینہ بی بی؟" عقیل نے سامنے والا آئینہ ایڈجسٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اسپتال' رہائشی علاقے میں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "یہ گاڑی کہاں سے لی؟"

"ایک گلی میں کھڑی تھی۔" عقیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر گاڑی کی گمشدگی کا پتہ چل گیا تو....."

"پتا نہیں چلے گا ثمینہ بی بی۔" عقیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس لیے کہ ریوالور بھی اس کی ڈکی میں موجود ہے۔ اس کا منہ اور ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں۔ وہ بیچارہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا

aazzamm@yahoo.com

ہے۔"

ثمینہ نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ تقریباً چالیس منٹ میں وہ اسپتال پہنچ گئے۔ طفیل گاڑی کو رہائشی علاقے والے گیٹ کے اندر لیتا چلا گیا اور پھر ثمینہ کی ہدایت پر اس نے گاڑی رضیہ کے کوارٹر کے سامنے اس طرح روکی کہ اس کا پچھلا دروازہ کوارٹر کے دروازے کے عین سامنے تھا۔

پڑوس والے کوارٹر کے سامنے کچھ لوگ جمع تھے۔ ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہاں رفیق کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔ وہ کار سے اتر آئیں۔ ثمینہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی رضیہ نے دروازہ بند کر لیا۔

"میرا خیال ہے کہ لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔" ثمینہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ اسپتال کا پورا اسٹاف اسے جانتا ہے لیکن ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ رفیق کی بیوی نائٹ ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد آٹھ بجے گاؤں چلی گئی تھی۔ وہ شام تک واپس آئے گی۔" نرس رضیہ نے بتایا۔

"تم پر تو کسی کو شبہ نہیں ہوا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"ہم شارق کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ تم بھی اپنی ضروری چیزیں سمیٹ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرا جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔" رضیہ نے کہا۔ "اگر میں غائب ہو گئی تو مجھ پر شبہ کیا جائے گا اس لیے میرا یہاں رہنا ہی بہتر ہے۔"

"پولیس کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا جس حویلی سے رفیق کی لاش برآمد ہوئی ہے' اس سے شارق کا کوئی تعلق ہے لیکن پولیس بہت جلد یہ معلوم کر لے گی کہ رفیق اس حویلی میں کس طرح پہنچا تھا۔ ایسی صورت میں....."

"اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو میں فوراً یہاں سے نکل جاؤں گی۔ تم میری فکر مت کرو۔ شارق کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔" رضیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے رضیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" شارق نے کہا۔ "رضیہ کا یہاں سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں رہ کر یہ حالات پر نگاہ تو رکھ سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر تم چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ لو رضیہ تم۔" وہ رضیہ کی طرف گھوم گئی۔ "تم اپنے آپ کو تنہا مت سمجھنا۔ اگر تمہیں ذرا بھی شا ہو کہ تمہارا نام اس معاملے میں لیا جا رہا ہے تو فوراً گلبرگ والی کوٹھی آجانا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔" رضیہ نے کہا۔

شارق اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے تکیے کے نیچے سے پستول بھی نکال کر قمیض کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا تھا۔

"لو.....یہ برقع پہن لو۔ اس کے بغیر تو تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔" ثمینہ نے تھیلے سے برقعہ نکال لیا۔

"یہ وقت بھی آنا تھا کہ مجھے برقع پہننا پڑے۔" شارق مسکرایا۔

ثمینہ نے اسے سہارا دے کر کھڑا کر دیا اور شارق کو برقعہ پہننے میں مدد دینے لگی۔ اس دوران رضیہ نے ہر وہ نشان مٹا دیا جس سے یہاں شارق کی موجودگی ثابت ہوتی ہو۔ اس نے شارق کی دوائیں بھی ایک تھیلے میں ڈال کر شاہ پری کے حوالے کر دی تھیں۔

پچھلے دس بارہ دن مکمل آرام کی وجہ سے شارق کی ٹانگ خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ وہ بغیر سہارے کے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ گاڑی دروازے کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ ان کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ رضیہ نے دروازہ کھولا تو اپنی ماں اور بہن کو دیکھ کر وہ کسی قدر گڑبڑا سی گئی۔ شارق کے چہرے پر نقاب گرا ہوا تھا جبکہ ثمینہ اور شاہ پری کی صرف آنکھیں برہنہ تھیں۔

"یہ میری سہیلیاں ہیں اماں۔" رضیہ نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت دیر سے آئی ہوئی تھیں' واپس جا رہی ہیں۔ آپ اندر چل کر بیٹھیے' میں انہیں رخصت کر کے آتی ہوں۔"

رضیہ کی ماں اور بہن کمرے کی طرف چلی گئیں۔ پہلے شاہ پری دروازے سے نکل کر سامنے کھڑی ہوئی کار میں بیٹھی' پھر شارق گاڑی میں گھس گیا اور آخر میں شارق کے ساتھ ثمینہ بیٹھی تھی۔ رضیہ کار کی کھڑکی پر جھکی مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔ طفیل نے کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور جب گاڑی حرکت میں آئی تو رضیہ سیدھی ہو کر ہاتھ ہلانے لگی۔ گاڑی مڑ کر گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ رضیہ نے رفیق کے کوارٹر کے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ان لوگوں کے پاس دو پولیس والے بھی کھڑے تھے۔ ایک آدمی نے رضیہ کے کوارٹر کی طرف اشارہ کیا اور پولیس والے اس کی طرف آنے لگے۔ رضیہ دروازے میں داخل ہونا چاہتی تھی کہ ایک پولیس والے نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ رضیہ مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ ان پولیس والوں میں ایک اے ایس آئی تھا اور دوسرا ہیڈ کانسٹیبل۔

"معاف کیجئے سسٹر۔" اے ایس آئی

aazzamm@yahoo.com

والی نرس صائمہ..... کیا آپ انہیں جانتی ہیں۔"

"عجیب سا سوال کیا ہے آپ نے۔" رضیہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کی پڑوسنیں ہیں اور ایک ہی جگہ کام کرتی ہیں۔ پھر نہ جاننے کا کیا سوال۔"

"میرا مطلب ہے آپ بتا سکیں گی کہ سسٹر صائمہ کہاں گئی ہوئی ہیں اور کب تک واپس آئیں گی؟" اے ایس آئی بولا۔

"وہ صبح سات بجے میرے ساتھ ہی ڈیوٹی سے واپس آئی تھی۔ شاید گاؤں گئی ہے' اپنے گھر والوں سے ملنے۔ شام تک آجائے گی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "کون سے گاؤں؟"

"اس کے والدین کھوڑیر میں رہتے ہیں لیکن گھر کا پتا مجھے معلوم نہیں۔" رضیہ نے کہا۔

"کھوڑیر تو بہت بڑا گاؤں ہے بلکہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ایڈریس کے بغیر کسی کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ بہرحال۔" اے ایس آئی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ بات آپ کو پتا چل گئی ہوگا کہ صائمہ کے شوہر رفیق کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی لاش یہاں سے میلوں دور ایک حویلی کے کنویں سے ملی ہے۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اسے قتل بھی کہا جا سکتا ہے۔ آپ تو ان کے پڑوس میں رہتی ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات کیسے تھے؟"

"آپ کو اور بھی بہت سے لوگوں نے بتایا ہوگا کہ رفیق [illegible] تھا۔ بیوی کو مارتا پیٹتا بھی تھا اور دوسری عورتوں کے پیچھے بھی بھاگتا پھرتا تھا۔"

"کیا آپ کے خیال میں اس کی موت میں بیوی کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔" رضیہ نے کہا۔ "صائمہ کا کام ایسی عورتوں میں ہوتا ہے جو شوہروں کا ظلم تو برداشت کر لیتی ہیں لیکن احتجاج نہیں کرتیں۔ ویسے بھی وہ رات کو ڈیوٹی پر تھی۔"

"ابھی مجھے پتا چلا ہے کہ رفیق کا آپ سے بھی کچھ ملنا جلنا تھا؟"

"جی ہاں۔ کبھی کبھار آتے جاتے گپ شپ ہو جاتی تھی۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"آپ سے اس کی آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟" اے ایس آئی نے پوچھا۔

"[illegible] کو جب میں ڈیوٹی پر جانے کے لیے گھر سے نکلی تھی تو وہ اپنے دروازے کے سامنے [illegible] تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا البتہ صبح ڈیوٹی سے واپس آنے کے بعد میں سو رہی تھی کہ [illegible] کوارٹروں میں رہنے والے ایک آدمی نے جگا کر بتایا کہ رفیق کی لاش ملی ہے اور اس کی بیوی صائمہ گھر پر نہیں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "اب میں اجازت چاہوں گی انسپکٹر۔ میری والدہ اور بہن آئی ہوئی ہیں۔ مجھے شاید ان کے ساتھ گھر جانا پڑے۔"

"ٹھیک۔ آپ کا بہت شکریہ۔" اے ایس آئی نے کہا اور دوبارہ اس طرف چلا گیا جہاں اب بھی محلے کے لوگ کھڑے تھے۔

رضیہ نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا اور کمرے میں ماں اور بہن کے پاس آگئی۔

○

وہ سب شارق والے کمرے میں جمع تھے۔ انہیں کوٹھی میں چھوڑنے کے بعد طفیل اس گاڑی کو اس علاقے سے بہت دور چھوڑ آیا تھا۔ کار کا مالک بندھا ہوا ڈکی میں پڑا ہوا تھا۔ طفیل نے اس کے ہاتھ پیر تو نہیں کھولے تھے البتہ ڈکی کا ڈھکنا کھول دیا تھا تاکہ ادھر سے گزرنے والا کوئی شخص اسے دیکھ کر بندشوں سے آزاد کر دے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آیا تھا اور اس نے ثمینہ کو بتایا تھا کہ گاڑی اس نے کہاں چھوڑی تھی۔

شارق کو ثمینہ والے کمرے میں بستر پر لٹا دیا گیا۔ نولکھا بھی اسی کمرے میں آگیا تھا۔ رضیہ ان کے لیے چائے بنا لائی تھی۔ شارق نے رضیہ اور ماں جی کو اگرچہ ہر معاملے سے الگ رکھا تھا لیکن کچھ عرصہ سے صورتحال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ رضیہ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھ پا رہا تھا۔ رضیہ محض باتوں کی حد تک ان کی شریک تھی۔ عملی طور پر شارق اسے کبھی آگے نہیں لایا تھا اور نہ ہی وہ ایسا چاہتا تھا۔ باتوں کی حد تک وہ اس وقت بھی ان کی شریک تھی۔ گفتگو کا موضوع وہ حویلی ہی تھی۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حاجی کے آدمی اس حویلی تک کیسے پہنچے تھے؟" شارق نے کہا۔

"مجھے انسپکٹر عثمان نے بتایا تھا۔" ثمینہ نے کہا۔ "حاجی نے مجیدے کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ مجیدے نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ اس علاقے میں شارق کا کوئی خفیہ ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے وہ حویلی تلاش کر لی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش رہی' پھر عثمان سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" شارق اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "حاجی کے آدمی وہاں پہنچ گئے تھے' انہوں نے کنویں میں پڑی ہوئی لاش کے بارے میں تو پولیس کو بتا دیا۔ اسلحہ اور ہیروئن کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"

"کیسے بتا سکتا تھا شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ اسلحہ اور ہیروئن ہی تو اس کا ایمان ہے۔ کروڑوں کے اس مال کے بارے میں وہ پولیس کو کیسے بتا سکتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"اس نے ابھی تک پولیس کو یہ نہیں بتایا کہ اس حویلی سے ہمارا کوئی تعلق ہے لیکن پولیس جلد یہ معلوم کر لے گی۔ رفیق کی لاش حویلی کے کنویں سے ملی ہے۔ رفیق اسپتال کی ایک نرس کا شوہر تھا اور میں زخمی حالت میں اسپتال سے فرار ہوا تھا۔ پولیس یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی کہ رفیق کا اس حویلی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ پولیس کی تحقیق کسی ایک جگہ نہیں رکتی۔ تحقیق و تفتیش کا دائرہ مزید وسیع ہوگا تو بات نرس رضیہ تک پہنچے گی اور اس طرح وہ خطرے میں پڑ جائے گی۔ ویسے میں نے تو کہا بھی تھا کہ اس جنجال میں پڑنے کی بجائے ہمارے ساتھ ہی نکل چلے لیکن تم نے ہی میری بات کی مخالفت کی تھی۔"

"رضیہ نے ویسے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس کا غائب ہو جانا اسے مشتبہ بنا دے گا۔" شارق نے کہا۔ "پولیس اگر رفیق کا حویلی سے کوئی ناطہ قائم کرے گی تو یہ شبہ تو ضرور کیا جائے گا کہ شارق وارڈ سے فرار ہو کر اسپتال کی حدود میں کسی جگہ روپوش رہا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ پولیس والے سیدھے رضیہ کے پاس پہنچ جائیں۔ حویلی کے کنویں سے رفیق کی لاش ملی ہے تو پولیس یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی کہ اس کا شارق سے کوئی تعلق تھا۔ پولیس یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گی کہ رفیق ہی نے شارق کو پناہ دی تھی اور اسے کہیں چھپائے رکھا تھا۔ پھر وہ کسی طرح شارق کو وہاں سے نکال کر اس حویلی میں لے گیا ہوگا۔ وہاں اس کا شارق یا اس کے ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا ہوگا جس پر انہوں نے رفیق کو باندھ کر کنویں میں پھینک دیا۔ رفیق اور شارق کا تعلق جوڑ لینے کے بعد پولیس رفیق کی بیوی کو پریشان کرے گی۔ ضمنی طور پر ہو سکتا ہے کہ رضیہ سمیت دوسرے پڑوسیوں سے بھی رابطہ کیا جائے لیکن وہ براہ راست کسی پر شبہ نہیں کر سکتے۔"

"یہ تو خیر الگ بحث ہے۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لیکن ایک بات طے ہے کہ حاجی نے ہمیں چپت لگا دی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے چپت لگائی ہے' میں اسے ایسا تھپڑ لگاؤں گا کہ وہ ناچ کر رہ جائے گا۔"

"تم ابھی کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "حاجی کو یہ تھپڑ میں لگاؤں گی۔ تم آرام سے بیٹھے رہو۔ اب میرا کام دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہی' پھر بولی۔ "چند روز میں ہی حاجی اگر تمہارا نام نہ بھول جائے اور میرے نام کی دہائی نہ دینے لگے تو میرا نام بدل دینا لیکن پہلے ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھو۔" شارق نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"انسپکٹر عثمان کی تصویریں تمہارے پاس موجود ہیں یا ضائع کر دیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"تصویریں بھی ہیں اور نیگیٹو بھی لیکن اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"وہ بڑے کام کا آدمی ہے اور میں اس سے کچھ اور کام لینا چاہتی ہوں۔ بہرحال اب یہ موضوع ختم۔ اب کسی اور موضوع پر بھی کچھ باتیں ہو جائیں۔" ثمینہ نے کہا اور پھر واقعی اس موضوع پر انہوں نے مزید کوئی بات نہیں کی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ تاش لے کر بیٹھ گئے اور شام چھ بجے تک تاش کھیلتے رہے۔ اس دوران ثمینہ نے دو تین مرتبہ انسپکٹر عثمان کو فون کیا تھا لیکن اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

سات بجے کے قریب انسپکٹر عثمان فون پر مل گیا۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں عثمان۔" ثمینہ نے کہا۔ "آج رات ساڑھے آٹھ بجے مال روڈ پر شیزان میں میرا انتظار کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "میں پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں حاجی کے بارے میں کچھ باتیں بھی بتانا چاہتا ہوں۔"

"تمام باتیں ملاقات پر ہوں گی۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اس نے شاہ پری سے تیار ہونے کو کہا اور پھر خود بھی کمرے میں آکر اس نے دروازہ بند کر لیا اور کپڑوں والی الماری کھول لی۔ کئی روز پہلے اس نے انارکلی سے دو تین ساڑھیاں خریدی تھیں اور بلاؤز وغیرہ بھی سلوائے تھے لیکن اس کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا تھا کہ وہ ساڑھی کا شوق پورا نہیں کر سکی تھی اور آج وہ ساڑھی پہننے کے موڈ میں تھی۔

پیٹی کوٹ اور بلاؤز پہننے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی اور چہرے پر میک اپ کرنے لگی۔ اس نے ہونٹوں کے دائیں کنارے کے قریب مسور کے دانے کے برابر ایک تل بھی بنا لیا تھا جو خوب جچ رہا تھا۔ میک اپ کرکے اس نے دراز میں سے سفید شیشوں والی ایک عینک بھی نکال کر آنکھوں پر لگا لی۔ فریم بہت خوبصورت تھا۔ پھر اس نے ساڑھی پہنی اور قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی۔ ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

ثمینہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس میں رکھی ہوئی چیزیں چیک کیں' پھر میز کی دراز سے کچھ رقم اور پستول نکال کر بیگ میں رکھا اور بیگ کا اسٹریپ کندھے پر لٹکا کر کمرے سے باہر آگئی۔ جب وہ شارق کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بھی اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"چکرا گئے نا؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو میں واقعی چکرا گیا تھا۔ اس روپ میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے تمہیں۔" شارق نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"عورت کے کئی روپ ہوتے ہیں۔" ثمینہ مسکرائی۔ "تم میرے کئی روپ دیکھ چکے ہو۔ اب دیکھنا اس روپ میں کیا گل کھلاتی ہوں۔"

"کہاں جا رہی ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"میں نے انسپکٹر عثمان کو ساڑھے آٹھ بجے شیزان میں وقت دیا ہے۔ شاہ پری میرے ساتھ جا رہی ہے۔ واپسی پر دیر ہو جائے تو پریشان مت ہونا۔" ثمینہ نے کہا۔ اس دوران شاہ پری بھی وہاں آگئی۔ اس نے اگرچہ شلوار سوٹ پہنا تھا لیکن بالوں کے بدلے ہوئے اسٹائل سے اس میں خاصی تبدیلی آگئی تھی۔ کوٹھی سے نکل کر مین روڈ پر آتے ہی انہیں ٹیکسی مل گئی تھی اور جب وہ شیزان کے سامنے ٹیکسی سے اتریں تو ٹھیک ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وہاں پر اس وقت بڑی چہل پہل تھی۔ خصوصاً شیزان کے سامنے تو بڑی رونق تھی۔ ریسٹورنٹ کے سامنے بھی کچھ بے فکرے کھڑے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے۔

ریسٹورنٹ کے اندر کا ماحول بڑا خوابناک تھا۔ مدھم روشنیاں تھیں۔ مرکزی دروازے سے چند قدم آگے شیشے کا بہت بڑا ایکوریم تھا جس میں رنگ برنگ مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ تمام میزیں بھری ہوئی تھیں۔ ہر میز پر کوئی نہ کوئی عورت ضرور نظر آرہی تھی۔ ان میں ادھیڑ عمر بھی تھیں اور جوان بھی لیکن زیادہ تعداد جوان لڑکیوں کی تھی جن کا تعلق ایسے دولت مند گھروں سے تھا جن میں رات کو دیر تک گھر سے باہر رہنے اور بوائے فرینڈز کے ساتھ گھومنے پھرنے پر کوئی بازپرس نہیں ہوتی تھی۔

ثمینہ ایکوریم کے قریب رک کر متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ انسپکٹر عثمان شیشے کے قریب والی ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا اور بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ نے اسے ساڑھے آٹھ کا وقت دیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ آٹھ بجے سے ہی یہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ویسے ریسٹورنٹس میں عام طور پر لگے بندھے گاہک ہی آتے ہیں۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں اکثریت ایسے ہی گاہکوں کی تھی اور انہوں نے ان دو حسیناؤں کو پہلی بار دیکھا تھا۔

ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور وہ دونوں نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی عثمان والی میز کی طرف

چلنے لگیں۔ انسپکٹر عثمان بھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ وہ دونوں اس کی میز کے قریب رک گئیں۔

"کیا ہم یہاں بیٹھ سکتی ہیں!" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اوہ.... ضرور....." انسپکٹر عثمان نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"آپ کو شاید کسی کا انتظار ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

"جج.... جی ہاں۔ وہ آنے ہی والی ہے۔" انسپکٹر عثمان بولا۔

"یعنی وہ کوئی خاتون ہے؟" ثمینہ مسکرائی۔ "ہو سکتا ہے وہ نہ آئے۔ اس وقت تو ہم آپ کے مہمان ہیں، ایک نہیں دو ہیں۔ ہر میز پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی خواہش ہوگی کہ ہم ان کی میز پر بیٹھیں۔ آپ شاید الجھن محسوس کر رہے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" انسپکٹر عثمان کھسیانا سا ہو گیا۔ "مجھے دراصل ایک ایسی خاتون کا انتظار ہے جو....."

"اور غالباً آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جی ایسی بات نہیں ہے۔ میں بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں اسے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"پھر غور سے میری طرف دیکھو مسٹر عثمان۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے عینک اتار لی۔ انسپکٹر عثمان اپنا نام سن کر اچھل پڑا۔ اس نے غور سے ثمینہ کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"میں تمہیں واقعی نہیں پہچان سکا تھا مس ثمینہ۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں جب بھی دیکھا جینز اور ٹی شرٹ میں دیکھا۔ بالوں کا اسٹائل بھی مختلف تھا۔ اس لباس میں تو تم بالکل ہی بدل گئی ہو اور یہ....." وہ سوالیہ نگاہوں سے شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری دوست ہے شاہ پری۔" ثمینہ نے اس کا تعارف کرایا۔ "اس وقت تم اسے دیکھ رہے ہو۔ کل یہ تمہارے پاس کھڑی ہوگی تو تم اسے نہیں پہچان سکو گے۔"

"اوہ۔" انسپکٹر عثمان کے منہ سے ایک بار پھر گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے ویٹر کو اشارہ کر کے کافی منگوا لی۔

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ وہ لوگ شیشے کے ساتھ جس میز پر بیٹھے تھے، وہاں سے باہر سڑک پر دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ۔ وہ کیا باتیں ہیں جو تم مجھے بتانا چاہتے تھے۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

حاجی نے پولیس کو یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ وہ حویلی بہت عرصہ سے شارق کے استعمال میں تھی۔ حویلی کے کنویں سے رفیق کی لاش ملی ہے اور رفیق صائمہ نامی ایک نرس کا شوہر ہے جو اسپتال ہی کے کوارٹر میں رہائش پذیر تھا۔ اس لیے پولیس کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا ہے کہ شارق کو اسپتال سے فرار کرانے میں رفیق کا ہاتھ تھا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے سے شارق کے لیے کام کر رہا ہو یا شارق نے اسے دولت کا لالچ دے کر اپنی مدد کے لیے آمادہ کیا ہو۔ بہرحال پولیس کو یقین ہے کہ وارڈ سے فرار ہونے کے بعد شارق اسپتال کے کسی رہائشی کوارٹر ہی میں چھپا ہوا تھا۔ پولیس نے اس سلسلے میں نئے خطوط پر تفتیش شروع کر دی ہے اور اسپتال کے ان تمام ملازمین سے پوچھ گچھ شروع کر دی گئی ہے جو اس رات ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں کچھ نرسیں بھی شامل ہیں۔ رفیق کی بیوی صائمہ کو پولیس نے حراست میں لے لیا ہے اور اس سے رفیق اور شارق کے بارے میں پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "صائمہ بے گناہ ہے۔ وہ شارق کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"کیا تم اسے جانتی ہو؟" انسپکٹر عثمان نے پوچھا۔

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن شارق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شارق سے تو رفیق کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس کی لاش حویلی کے کنویں سے کیسے ملی؟"

"ہو سکتا ہے پولیس کو الجھانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ حاجی نے رچایا ہو اور رفیق اتفاق سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہو جسے حویلی میں لے جا کر کنویں میں پھینک دیا ہو اور پولیس کو اطلاع دیدی ہو۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"بہرحال۔" ثمینہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "اسپتال کے اور کون کون سے ملازمین شے کی زد پر ہیں؟"

"چار پانچ ہیں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "اس رات سرجیکل وارڈ میں رضیہ نامی نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اس سے بھی پوچھ گچھ کی جا رہی ہے اور وارڈ بوائے سے بھی جو اس روز شام کی ڈیوٹی پر آنے کے فوراً بعد چھٹی لے کر چلا گیا تھا۔ پولیس نے مشتبہ افراد کے گھروں کی تلاشی بھی لی ہے لیکن ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے ثابت ہو سکے کہ شارق یہاں رہ چکا ہے۔"

"حاجی کے بارے میں اور کیا اطلاع ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"مجیدے کے علاوہ وہ کچھ اور پارٹیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رہا ہے تاکہ سب لوگ مل کر شارق اور تمہیں تلاش کر سکیں۔ وہ سب بے وقوف ہیں۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ سمجھتے ہیں کہ حاجی ان پر مہربان ہو گیا ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ مطلب پورا ہو جانے کے بعد حاجی ان سب کو جوتے مار کر بھگا دے گا۔"

"اب ایک اور اہم بات۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "حاجی نے حویلی سے جو مال نکالا ہے' وہ کہاں رکھا گیا ہے؟"

"اقبال ٹاؤن والی کوٹھی میں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "حاجی کا زیادہ وقت آج کل اسی کوٹھی میں گزر رہا ہے۔ میں بھی حاجی کے ساتھ چپکا رہتا ہوں۔ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں نے اس کے خلاف جو کارروائی کی تھی' وہ غلط تھی اور اب اس کا وفادار ہوں۔"

"کیا یہ کنفرم ہے کہ مال اسی کوٹھی میں رکھا گیا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس لیے کہ جب حاجی کو اس مال کے بارے میں اطلاع ملی تھی تو اس وقت بھی میں وہاں موجود تھا اور حاجی کے ساتھ جو آدمی حویلی گئے تھے' ان میں میں بھی شامل تھا اور وہ ٹرک بھی میں ہی چلا کر لایا تھا جس پر حویلی سے مال لادا گیا تھا۔"

"وہ مال کہیں اور تو منتقل نہیں ہوا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں' ابھی وہیں ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تمہیں ایک کام اور کرنا ہے۔" ثمینہ بولی۔

"وہ کیا؟" عثمان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک گاڑی چاہیے کیونکہ آج کل ہمارے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"میری گاڑی باہر کھڑی ہے' وہ لے جاؤ۔"

"نہیں۔ کوئی ایسی گاڑی جسے ٹریس نہ کیا جا سکے۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہ ایسی ہی گاڑی ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "تقریباً دو مہینے پہلے یہ گاڑی پولیس نے ڈکیتی کے ملزمان سے پکڑی تھی۔ اصولی طور پر اسے گمشدہ گاڑیوں کے پول میں جمع کر دینا چاہیے تھا لیکن یہ گاڑی ابھی تک میرے پاس ہے۔ اس کا کہیں اندراج بھی نہیں ہے۔ اگر کہیں پکڑی بھی گئی تو ٹریس نہیں ہو سکے گی۔"

"تمہارا نام تو نہیں آئے گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" عثمان مسکرایا۔ "ایسی بہت سی گاڑیاں پولیس والوں کے استعمال میں ہیں۔ انہیں

aazzamm@yahoo.com

کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں وہ گاڑی ابھی لے جاؤں گی اور کل رات گیارہ بجے تم مجھے اچھرہ موڑ پر ملو گے۔ ٹھیک گیارہ بجے۔"

"کوئی خاص بات؟" انسپکٹر عثمان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ حاجی کو یہ بتانا ہے کہ شارق اور ثمینہ سے چھینا ہوا مال آسانی سے ہضم نہیں ہو سکتا۔ ویسے اقبال ٹاؤن والی کوٹھی میں عام طور پر کتنے آدمی ہوتے ہیں؟"

"تین چار تو ہر وقت موجود رہتے ہیں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"رات گیارہ بجے اچھرہ موڑ پر آنے سے پہلے تم یہ معلوم کر لو گے کہ وہاں کتنے آدمی ہیں۔"

"تو کیا تم....."

"ہاں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "فوری جوابی کارروائی سے میں حاجی کو یہ بھی باور کرا دینا چاہتی ہوں کہ ہم غافل نہیں ہیں۔ شارق اگر زخمی ہو کر پڑا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ بے دست و پا ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل رات گیارہ بجے مقررہ جگہ پر ملوں گا۔" عثمان نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ اب چلنا چاہیے۔" ثمینہ نے کہا۔

انسپکٹر عثمان نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور وہ تینوں میز سے اٹھ گئے۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ اب بھی ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انسپکٹر عثمان کی گاڑی ریسٹورنٹ سے چالیس پچاس گز دور کھڑی تھی۔ وہ تینوں گاڑی کی طرف چلنے لگے۔ وہ سفید رنگ کی نسان سیڈان تھی۔ عثمان نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ویسے میرا مشورہ ہے کہ تم اس طرح آزادی سے مت پھرا کرو۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔" وہ مسکرائی۔ "تم مجھے نہیں پہچان سکے تھے تو کوئی اجنبی کیا پہچانے گا۔"

ثمینہ نے دروازے کا لاک کھول دیا۔ وہ دروازہ کھول ہی رہی تھی کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ ایک گولی انسپکٹر عثمان کے بائیں بازو پر لگی اور وہ چیخ کر نیچے گرا۔ ثمینہ اور شاہ پری بڑی پھرتی سے نیچے گر گئی تھیں۔ ان دونوں نے فوراً اپنے اپنے ہینڈ بیگز سے پستول نکال لیے تھے۔ انسپکٹر عثمان نے بھی پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

فائرنگ سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی ایک کار سے کی جا رہی تھی۔ فائرنگ سے بھگدڑ سی مچ گئی۔ لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ شاہ پری اور ثمینہ وغیرہ نے بھی اپنی کار کی آڑ سے سامنے والی کار پر فائرنگ شروع کر دی۔

اس کار میں تین آدمی تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور دو فائرنگ کر رہے تھے۔ دونوں کے پاس پستول یا ریوالور تھے۔ جوابی کارروائی ہوتے دیکھ کر وہ کار حرکت میں آگئی اور طوفانی رفتار سے ریگل چوک کی طرف چلی گئی۔

"کون تھے یہ لوگ؟" ثمینہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں کون تھے۔ گاڑی میں بیٹھو۔ جلدی کرو اور تم لوگ نکل جاؤ یہاں سے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"اور تم.....؟" ثمینہ بولی۔

"میری فکر مت کرو۔ تم لوگ نکل جاؤ۔" عثمان بولا۔

ثمینہ اور شاہ پری گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ ثمینہ نے انجن اسٹارٹ کیا اور ایک زوردار جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی اور اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

○

اخبار میں شائع ہونے والی وہ خبر خاصی دلچسپ تھی۔ ایک سابق پولیس افسر پر اس وقت قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مال روڈ کے ایک ریسٹورنٹ سے نکل کر کار کی طرف جا رہا تھا۔ پولیس کے ذرائع نے بتایا تھا کہ یہ پولیس آفیسر آج کل اگرچہ معطل ہے لیکن اس سے پہلے اپنی ڈیوٹی کے دوران جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرتا رہا ہے اور اس پر حملہ کسی ایسے ہی جرائم پیشہ شخص نے کیا تھا جو اس کے ہاتھوں کسی وقت زک اٹھا چکا تھا۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق ایک گولی سابق پولیس آفیسر کے بازو کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی اور اسے مرہم پٹی کر کے فارغ کر دیا گیا تھا۔ پولیس نامعلوم حملہ آوروں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ اگرچہ سادہ خبر تھی۔ اس خبر کو پڑھنے کے بعد ہر شخص یہی سمجھے گا کہ کسی جرائم پیشہ نے کوئی بدلہ لینے کے لیے پولیس آفیسر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا لیکن شارق وغیرہ کے لیے سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا اور وہ لوگ بہت دیر سے بیٹھے اسی خبر پر تبصرہ کر رہے تھے۔

"یہ انسپکٹر عثمان کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔" نولکھا کہہ رہا ہے۔ "وہ جانتا ہے کہ تمہارے پاس اس کی ایسی تصویریں ہیں جو اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتی ہیں۔ ان تصویروں کی وجہ

aazzamm@yahoo.com

سے وہ براہ راست تمہارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا لیکن ایک تلوار تو اس کے گلے پر لٹکی ہوئی ہے ناں..... اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ تم لوگوں کا ہمدرد بنا رہے اور تمہیں راستے سے ہٹانے کی کوشش بھی کرے۔"

"اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" شارق بولا۔ "ثمینہ نے پہلے سے اسے بتا دیا تھا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے شیزان میں اسے ملنے آئے گی اور ہو سکتا ہے عثمان نے پہلے سے آدمیوں کا بندوبست کر رکھا ہو اور انہیں سمجھا دیا ہو کہ کس وقت کیا کرنا ہے' لہٰذا موقع پا کر انہوں نے کارروائی کر دی۔ یہ تو خوش قسمتی تھی کہ تم دونوں بچ گئیں۔" وہ ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"سوچنے کی بات اور بھی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "گولی اس کو لگی تھی اور پھر اس نے ہمیں وہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے پاس پستول بھی تھا۔ اگر وہ چاہتا تو ہمیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر الزام حملہ آوروں پر عاید کر سکتا تھا۔"

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "ایسے کھیلوں میں تو بڑی لمبی لمبی چالیں چلی جاتی ہیں۔ تمہاری ذہانت میں کوئی شبہ نہیں لیکن تم ان باتوں کو ابھی نہیں سمجھ رہی ہو۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ انسپکٹر عثمان پر زیادہ اعتماد نہ کیا جائے۔"

"میں تم سے اتفاق کرتی ہوں۔" شاہ پری نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"بہرحال جو کچھ بھی ہو' حاجی کے خلاف آج ہی کارروائی ہو گی اور اس کارروائی میں عثمان شریک نہیں ہوگا۔ اسے فون کرکے بتا دیا جائے گا کہ ہم نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

توقع کے عین مطابق انسپکٹر عثمان گھر پر ہی موجود تھا اور فون کال اسی نے ریسیو کی تھی۔ "میں ثمینہ بول رہی ہوں مسٹر عثمان۔" ثمینہ نے اس کی آواز سننے کے بعد کہا۔ "تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے اب۔ رات کو تو میں گھبرا گئی تھی لیکن ابھی اخبار میں پڑھا تو پتہ چلا کہ گولی صرف گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔"

"ہاں۔ معمولی زخم ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔ پولیس سروس میں رہ کر تو ایسے کئی زخم لگے ہیں جن کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ بہرحال یہ زخم ہمارے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"کون تھے وہ لوگ' کچھ پتہ چلا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"پولیس سروس میں رہتے ہوئے میں نے دوست کم اور دشمن زیادہ بنائے ہیں۔" عثمان نے

کہا۔ "بیسیوں لوگوں کو جیل بھجوایا تھا۔ ہو سکتا ہے انہی میں سے کوئی ہو جو رہا ہونے کے بعد مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہو۔"

"وہ حاجی کے آدمی تو نہیں تھے۔" ثمینہ نے سوال کیا۔

"حاجی کے آدمی! تمہارے دل میں یہ خیال کیسے آیا کہ وہ حاجی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔" عثمان بولا۔

"ہو سکتا ہے حاجی کو تم پر شبہ ہو گیا ہو اور اس نے تمہاری نگرانی شروع کر رکھی ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔ وہ حاجی کے آدمی نہیں ہو سکتے۔" انسپکٹر عثمان نے پروثوق لہجے میں جواب دیا۔ "اگر وہ حاجی کے آدمی ہوتے تو ہم تینوں کا خاتمہ کیے بغیر وہاں سے نہ جاتے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ بولی۔ "اس وقت میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ہم نے آج رات گیارہ بجے والا پروگرام فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔"

"کیوں؟" عثمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"[illegible] پروگرام پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب تمہارے بازو کا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن اس دوران اگر حاجی نے وہ مال کہیں اور منتقل کر دیا تو؟"

"اس کی تم فکر مت کرو۔ ہم اس کا سراغ لگا لیں گے۔ ویسے تم بھی تو موجود ہو حاجی پر نگاہ رکھنے کے لیے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں ایک دو دن بعد تمہیں فون کروں گی۔" اس نے جواب کا انتظار کیے بغیر فون بند کر دیا۔

ثمینہ نے وہ سارا دن کوٹھی ہی میں گزارا تھا۔ شام کو اس نے گاڑی کا جائزہ لیا۔ گزشتہ رات فائرنگ کی وجہ سے اس کی کھڑکیوں کے دو شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ اس کے علاوہ گاڑی کو اور کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ رات کو گاڑی چلاتے ہوئے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ گاڑی کا انجن بہترین حالت میں تھا اور ثمینہ کو یقین تھا کہ کسی موقع پر یہ گاڑی پریشان نہیں کرے گی۔

رات کو ٹھیک گیارہ بجے ثمینہ اور شاہ پری طفیلی کو ساتھ لے کر کار میں کوٹھی سے نکل گئے۔ ایک پٹرول پمپ پر کار کی ٹینکی فل کروا لی گئی اور پٹرول کے تین فاضل گیلن بھی گاڑی میں رکھوا لیے گئے۔

اقبال ٹاؤن پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ طفیلی کو پورا منصوبہ سمجھا دیا گیا تھا۔ اس نے حاجی کی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی نہیں دیکھی تھی۔ ثمینہ اسے راستہ سمجھا رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

یہ علاقہ انڈر ڈویلپمنٹ تھا۔ کہیں ایک گھر آباد ہو چکا تھا تو اس کے آگے پیچھے چار چھ گھر زیرِتعمیر تھے۔ اس طرح آبادی بہت پھیل رہی تھی۔ ایک کچی گلی میں مڑتے ہی کار کا انجن ہچکولے کھانے لگا اور بالآخر کار گلی کے کونے پر پہنچ کر رک گئی۔ اس سے آگے دائیں طرف وہی گلی تھی جس کے سامنے والی لین میں تیسرے نمبر پر ایک خوبصورت دو منزلہ کوٹھی تھی۔

اس کوٹھی کو دیکھ کر ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ وہی کوٹھی تھی جو حاجی نے اسے دی تھی اور اس نے رضیہ کے نام ٹرانسفر کرا دی تھی لیکن بعد میں حاجی نے دھوکے سے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ ثمینہ سرگوشیوں میں شاہ پری کو اس کوٹھی کے بارے میں بتا رہی تھی۔

طفیل گیئر بدل بدل کر ایکسیلیٹر دبا رہا تھا لیکن کار آگے بڑھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ بالآخر وہ انجن بند کرکے نیچے اتر آیا اور باہر بونٹ کھول کر انجن دیکھنے لگا۔

ثمینہ کوٹھی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گیٹ کے سامنے کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف بھی صاف نظر آرہی تھی۔ کوٹھی کے اندر صرف برآمدے میں روشنی ہو رہی تھی جبکہ اندر کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔

"بی بی۔ ریڈی ایٹر میں پانی ختم ہو گیا ہے۔" طفیل نے اس قدر بلند آواز میں کہا کہ کوٹھی کے گیٹ کے سامنے بیٹھے ہوئے گن مین نے بھی آواز سن لی۔

ثمینہ اور شاہ پری نیچے اتر آئیں۔ وہ بھی چند لمحے انجن کو دیکھتی رہیں' پھر کوٹھی کے گیٹ کے سامنے آگئیں۔

"بھائی صاحب۔" ثمینہ گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "ہماری گاڑی میں پانی ختم ہو گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا....."

"میری کوئی بہن نہیں ہے بی بی' اس لیے مجھے بھائی صاحب مت کہو۔" اس آدمی نے ثمینہ کی بات کاٹ دی۔

"اچھا جناب۔" ثمینہ زیرلب مسکرا دی۔ "گاڑی کے لیے پانی مل جائے گا؟"

"میں ابھی لاتا ہوں۔ یہیں کھڑی رہو۔" وہ آدمی اندر چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک ڈبے میں پانی لے آیا۔ ثمینہ نے طفیل کو بلا کر ڈبہ اس کے حوالے کر دیا اور گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پینے کے لیے بھی ٹھنڈا پانی مل جائے گا؟"

"جتنا مرضی.....اندر آجاؤ۔ میں تمہیں فریج کا ٹھنڈا پانی پلاتا ہوں۔ باہر گلی میں کھڑے ہو کر

پانی پینا اچھا نہیں لگتا۔" گن مین نے کہا۔ وہ دونوں اگرچہ برقع پہنے ہوئے تھیں مگر شاہ پری نے نقاب اٹھا رکھا تھا اور گن مین بڑی للچائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اندر خواتین اور بچے تو ہوں گے ناں؟" ثمینہ بولی۔

"یہاں کوئی خواتین اور بچے نہیں ہیں۔ یہاں صرف میں ہوں اور منظورا ہے۔ ہم دونوں شریف آدمی ہیں اور آج تو یہاں ہمارا راج ہے۔ میں تمہیں پانی بھی پلاؤں گا اور.....اور جو کہو۔"

ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور گیٹ کے اندر آگئیں۔ گن مین نے گیٹ بھیڑ دیا۔ وہ دونوں اس کے ساتھ برآمدے میں آگئیں۔ اسی طرح اندر سے ایک اور آدمی بھی نکل آیا تھا۔ اس کے کندھے پر بھی کلاشنکوف لٹکی ہوئی تھی۔

"اوئے منظورے۔" پہلے گن مین نے دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "جا فریج میں سے ٹھنڈا پانی نکال کر لا۔ یہ بیبیاں پتا نہیں کب سے پیاسی ہیں۔ بی بی اندر آجاؤ تم لوگ۔"

ثمینہ اور شاہ پری راہداری میں آگئیں۔ ان کے ہاتھ برقعوں کے اندر تھے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے پستول نکال لیے تھے۔ ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور پھر انہوں نے بیک وقت پستول نکال لیے۔ دونوں کے پستولوں پر سائلنسر لگے ہوئے تھے۔

"ہاتھ اٹھا لو۔ اگر تم میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو بھیجہ اڑ جائے گا۔" ثمینہ غرائی۔ اس نے اس گن مین کو زد پر لے رکھا تھا جس نے انہیں اندر بلایا تھا۔

"بڑی دلیر ہو بھئی۔" گن مین ہنسا۔ "مجھے ڈراتی ہو۔ شبیرے کو....." اس نے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف اتارنے کی کوشش کی مگر ثمینہ نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کے ہاتھ پر لگی اور وہ چیخ اٹھا۔

ثمینہ نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔

"مجھے اچھی طرح پہچان لو۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں ثمینہ ہوں جس کی حاجی کو تلاش ہے۔ میں تمہیں زندہ رکھوں گی تاکہ تم حاجی کو بتا سکو کہ شارق اور ثمینہ غافل نہیں ہیں۔ حاجی اگر ہماری حویلی سے مال اٹھا لایا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ مجھے معلوم ہے' مال اسی کوٹھی میں ہے لیکن چند منٹ بعد یہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔"

ان دونوں نے گن مین اور اس کے ساتھی منظورے کو غیرمسلح کر دیا۔ ثمینہ نے آواز دے کر طفیل کو بھی بلا لیا۔ وہ پٹرول کے گیلن اٹھا لایا تھا۔

شاہ پری ان دونوں کو پستول کی زد پر لیے رہی اور طفیل انہیں رسیوں سے باندھنے لگا۔ پھر وہ

aazzamm@yahoo.com

ان دونوں کو اٹھا کر باہر لے گیا اور گاڑی میں ٹھونس دیا۔

ثمینہ اور شاہ پری پوری کوٹھی میں پٹرول چھڑک رہی تھیں۔ کچھ پٹرول انہوں نے گیٹ پر بھی چھڑکا تھا۔ ثمینہ نے دونوں کی کلاشنکوفیں بھی اٹھا لی تھیں۔

باہر آکر ثمینہ نے برقعے کی جیب میں رکھی ہوئی ماچس نکالی اور تیلی جلا کر گیٹ کی طرف اچھال دی۔ گیٹ پر چھڑکے ہوئے پٹرول نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ وہ دونوں دوڑ کر کار میں اگلی سیٹ پر ٹھنس گئیں۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ طفیل نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ تیسری گلی میں مڑتے ہی طفیل نے کار روک لی اور نیچے اتر کر اس نے کوٹھی کے دونوں محافظوں کو کھینچ کر نیچے پھینک دیا اور دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر کار آگے بڑھا دی اور مختلف گلیوں میں گھماتا ہوا سڑک پر لے آیا۔

○

اخبارات ایک بار پھر چیخ اٹھے تھے۔

اس رات اقبال ٹاؤن کا علاقہ دھماکوں سے گونجتا رہا تھا۔ یہ تو غنیمت تھا کہ اسلحہ کی پیٹیاں کوٹھی کے پچھلے کمرے میں رکھی ہوئی تھیں اور کوٹھی کے پچھلی طرف دور تک گہرا کھڈ اور ویرانہ تھا۔ کوٹھی کو آگ لگنے کے بعد قرب و جوار کے لوگ شور مچاتے ہوئے وہاں جمع ہو گئے تھے لیکن دھماکے شروع ہوتے ہی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پہلے دھماکے کے ساتھ ہی کوٹھی کی پچھلی دیوار ڈھے گئی تھی اور اس کمرے میں ایک کھڈ پڑ گیا تھا اور پھر وہ کھڈ پھیلتا ہوا کوٹھی کے پچھلی طرف واقع کھڈ سے مل گیا۔ اس طرح اسلحہ اور گولہ بارود کی تمام پیٹیاں اس کھڈ میں جا گری تھیں اور اس کھڈ ہی میں دھماکے ہوتے رہے تھے۔ اگر کوٹھی کی پچھلی طرف بھی آبادی ہوتی تو بہت بھاری جانی نقصان ہوتا لیکن جانی نقصان تو کوئی نہیں ہوا البتہ وہ کوٹھی جل کر راکھ ہو گئی تھی اور اس کے دائیں بائیں دو اور زیر تعمیر کوٹھیوں کو نقصان پہنچا تھا۔

آگ لگنے کی اطلاع ملنے پر پولیس نے بھی وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پولیس کو ایک گلی میں کوٹھی کے دونوں محافظ بھی بندھے ہوئے مل گئے تھے۔ انہوں نے چھوٹتے ہی پولیس کو یہ بیان دیا تھا کہ یہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ملکیت تھی اور اسے آگ شارق کی ساتھی ثمینہ نے لگائی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور خوبصورت لڑکی بھی تھی۔

لیکن حاجی نے کوٹھی کی ملکیت ہی سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق یہ کوٹھی بنوائی اسی نے تھی لیکن بعد میں شارق کو دے دی تھی۔ اس کے بعد اس کا اس کوٹھی سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔

پولیس افسران جانتے تھے کہ حاجی کوٹھی کی ملکیت سے انکار کیوں کر رہا تھا۔ بات کوئی معمولی نہیں تھی۔ کوٹھی میں اسلحہ اور گولہ بارود کا انبار لگا ہوا تھا۔ اگر حاجی کوٹھی کی ملکیت قبول کر لیتا تو اسے یہ بھی جواب دینا پڑتا کہ وہ اسلحہ کہاں سے آیا تھا لیکن حاجی سے پہلے اس کے کارندے یہ بیان دے چکے تھے کہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ملکیت تھی اور شارق کی ساتھی ثمینہ نے آگ لگائی تھی۔ حاجی عبداللہ کے نمک خوار پولیس افسران کوشش کر رہے تھے کہ اس معاملے میں حاجی کا نام نہ آنے پائے لیکن اخبارات کے رپورٹر حاجی کے دونوں کارندوں سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ان کے بیان لے اڑے تھے۔

اخبارات نے شارق اور ثمینہ کے ناموں کو تو کوریج دی ہی تھی لیکن حاجی عبداللہ کے نام کو بھی خوب اچھالا تھا اور پہلی مرتبہ اس کے خلاف کھل کر لکھا تھا اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ حاجی عبداللہ کو گرفتار کر کے اس واقعہ کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کرائی جائیں۔

حاجی عبداللہ وسن پورہ میں اپنے ایک معتمد کارکن کے گھر میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ اب تک اپنے آدمیوں کو بیسیوں مرتبہ فون کر چکا تھا۔ اسمبلیوں میں اس کے نمک خوار وزیر تھے اور وہ ٹیلی فون پر حاجی کو یقین دلا رہے تھے کہ اسے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی۔

حقیقت یہ تھی کہ گزشتہ رات ثمینہ کی اس کارروائی سے حاجی عبداللہ نہ صرف بوکھلا گیا تھا بلکہ پہلی مرتبہ وہ کچھ خوف بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے آدمیوں کی پوری فوج شہر میں پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ شارق اور ثمینہ کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ اس روز حویلی سے اسلحہ اور گولہ بارود کی پیٹیاں اور ہیروئن کے پیکٹ اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کا خیال تھا کہ شارق کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ اس کامیابی پر بہت خوش تھا لیکن اس کے جواب میں ثمینہ نے جو کچھ کیا تھا، اس نے نہ صرف حاجی کے ہوش اڑا دیئے تھے بلکہ اسے خوفزدہ ہو کر روپوش ہونے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ ثمینہ کے بارے میں سوچ کر وہ بار بار دانت کچکچا رہا تھا۔ اگر اتفاق سے یہ لڑکی اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کی اتنی بوٹیاں کر دے کہ انہیں گننا بھی مشکل ہو جائے۔ دوسری طرف اسے اپنے آدمیوں پر بھی غصہ آرہا تھا جنہیں دو لڑکیاں بے وقوف بنا گئی تھیں۔ وہ انہیں گولی سے اڑا دینا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شبیر اور منظور دونوں پولیس کسٹڈی میں تھے۔

حاجی عبداللہ نے اگرچہ یہ کہہ دیا تھا کہ اس کوٹھی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن وہ جانتا تھا کہ کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس علاقے کے لوگ گواہی دیں گے کہ اسے وہاں آتے

aazzamm@yahoo.com

جاتے اور رہتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

عوام کا دباؤ بھی حکومت پر بڑھتا جا رہا تھا۔ لوگ ایک بار پھر سڑکوں پر نکل آئے تھے اور حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے حاجی عبداللہ کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

دوسری طرف حاجی کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ثمینہ کو یہ پتہ کیسے چلا تھا کہ حویلی سے چرائی جانے والی ہیروئن اور اسلحہ اس کوٹھی میں موجود ہے۔ اگر انہیں اس کوٹھی میں اسلحہ کی موجودگی کا پتہ چل گیا تھا تو عین ممکن ہے انہیں دوسرے ٹھکانوں کا بھی علم ہو لیکن نہیں' حاجی نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اگر شارق وغیرہ کو کسی اور اڈے کا پتہ ہوتا تو پہلے وہیں کارروائی کرتے جبکہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کوٹھی کے بارے میں کسی طرح پتہ چل گیا ہوگا اور انہوں نے فوری کارروائی کر دی۔

دفعتاً" ایک اور خیال حاجی کے ذہن میں ابھر آیا۔ یہ خیال ایسا خوفناک تھا کہ وہ کانپ اٹھا۔ منظورا اور شبیرا پولیس کی حراست میں تھے اور وہ دونوں حاجی کے بہت ہی قابل اعتماد محافظ تھے۔ انہیں تمام گوداموں کے بارے میں معلوم تھا۔ پولیس ان پر تشدد کرکے راز اگلوا سکتی تھی اور اگر ان میں سے کسی نے زبان کھول دی تو نہ صرف کروڑوں روپے کا مال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا بلکہ اسمبلیوں میں بھی کھل کر اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اور پھر وہ بے دست و پا ہو جائے گا اور اس کے بھاگنے کا راستہ بھی نہیں رہے گا۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جلد ہی لائن مل گئی۔

"غلام حیدر!" حاجی آواز سنتے ہی بولا۔ "یہ معلوم کرو کہ شبیرے اور منظورے کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ کس تھانے میں ہیں۔"

"ابھی معلوم کرتا ہوں جی۔" دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"میں انتظار کر رہا ہوں۔ دس منٹ سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں۔" حاجی نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس!"

"میں نے ان دونوں کے بارے میں معلوم کر لیا ہے جناب۔ وہ....."

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔" حاجی نے غراتے ہوئے بات کاٹ دی۔ "ان دونوں کو ختم کرا دو۔ میں ایک گھنٹے بعد دوبارہ فون کروں گا اور اس وقت میں ان کی موت کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں سننا چاہوں گا۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا لیکن حاجی نے فون پٹخ دیا اور پہلے کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔

پینتالیس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ حاجی عبداللہ اس وقت کمرے کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ گھنٹی کی آواز سن کر وہ واپس مڑا اور آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس۔"

"شہباز بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ان دونوں کو اوپر پہنچا دیا گیا ہے۔"

"گڈ۔" حاجی کے منہ سے ایک لفظ نکلا اور اس نے فون بند کر دیا۔ "اوئے لطیف۔" اس نے نوکر کو آواز دی۔ "چائے لے کر آؤ۔"

وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

○

یہ واقعہ دن کو گیارہ بجے پیش آیا تھا اور دوپہر ایک بجے اخبارات نے ضمیمے شائع کر دیئے تھے۔ تمام ہی اخبارات نے گزشتہ رات اقبال ٹاؤن میں حاجی کی کوٹھی میں آتشزدگی اور دھماکوں کی خبریں بھی دوبارہ شائع کی تھیں اور تھانے میں قتل کی اس دوہری واردات کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔

اخبارات کے مطابق گزشتہ رات کوٹھی کو آگ لگنے کے تھوڑی دیر بعد ہی پولیس جائے وقوعہ پر پہنچی تھی تو حاجی کے دو کارندوں منظور اور شبیر کو ایک قریبی گلی میں بندھے ہوئے پایا تھا۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ یہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ملکیت ہے اور اس میں آگ شارق کی ساتھی ثمینہ نے لگائی تھی جو ایک اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ انہوں نے دھوکے سے انہیں باندھ دیا اور پٹرول چھڑک کر کوٹھی کو آگ لگا دی۔

بعد میں حاجی عبداللہ نے کوٹھی کی ملکیت ہی سے انکار کر دیا تھا کیونکہ کوٹھی میں اسلحہ اور گولہ بارود کے ذخیرے میں بھی آگ لگ گئی تھی اور دھماکے شروع ہو گئے تھے۔ دراصل حاجی اس الزام سے بچنا چاہتا تھا کہ اس نے کوٹھی میں ناجائز اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔

شبیر اور منظور حاجی کے تنخواہ دار ملازم تھے۔ وہ اس کیس کے اہم گواہ تھے اور پولیس نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا تھا لیکن آج دن کے گیارہ بجے تین نامعلوم آدمی داخل ہوئے اور

aazzamm@yahoo.com

انہوں نے آتے ہی سب مشین گنوں سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور حوالات میں بند شبیرے اور منظورے کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ نامعلوم حملہ آوروں کی اس کارروائی میں ایک کانسٹیبل بھی جاں بحق ہوا تھا جبکہ تین سپاہی زخمی ہوئے تھے۔

اخبارات نے حاجی کے خلاف ایک بار پھر کھل کر لکھا تھا کہ شبیر اور منظور کو اسی نے مروایا تھا تاکہ وہ اس کے خلاف کوئی بیان نہ دے سکیں۔ بعض اخباروں نے اسمبلیوں میں ان نمائندوں کے خلاف بھی لکھا تھا جو عوام کی نمائندگی کرنے کی بجائے صرف اور صرف حاجی عبداللہ کے مفادات کا تحفظ کر رہے تھے۔ اخبارات نے ایک بار پھر حاجی عبداللہ کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی پولیس کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ نامعلوم حملہ آوروں نے تھانے میں گھس کر حوالات میں بند کیس کے دو اہم گواہوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ یہ پولیس کی نااہلی کا کھلا ثبوت تھا۔ پولیس اپنی اور اپنے تھانے کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی تھی تو وہ عوام کو کیا تحفظ فراہم کر سکتی تھی۔

اس واقعہ کے فوراً بعد اس تھانے کے پورے عملے' ڈی ایس پی اور ایس پی تک کو معطل کر دیا گیا تھا اور پورے شہر کی پولیس کو ملزمان کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا تھا۔

عوام میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہو گئے تھے۔ پولیس تھانے ہی محفوظ نہیں رہے تھے تو کوئی عام آدمی اپنے آپ کو کیسے محفوظ سمجھ سکتا تھا۔

حاجی عبداللہ کی گرفتاری کے لیے عوام کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ چیف منسٹر ہاؤس اور گورنر ہاؤس کے گھیراؤ ہو رہے تھے۔ پولیس مظاہرین پر لاٹھی چارج کر رہی تھی لیکن حاجی عبداللہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

حاجی عبداللہ اپنی پناہ گاہ میں بیٹھا ایک ایک لمحہ کی صورتحال سے باخبر تھا اور عوام کی بے بسی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

○

صورتحال خاصی سنگین ہو گئی تھی۔ شارق اور ثمینہ وغیرہ کو اگرچہ فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہ آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ثمینہ کی کارروائی سے حاجی عبداللہ بوکھلا گیا تھا۔ عوام بھی اس کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے اور وہ روپوش ہو گیا تھا اور پھر اس روز پولیس کی حراست میں شبیرے اور منظورے کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اخبارات اور عوام حاجی کے خلاف شور مچانے لگے لیکن قانون حاجی کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں

کی گئی۔ اس کے برعکس پولیس اپنی تمام تر توانائی شارق اور ثمینہ کی تلاش میں صرف کر رہی تھی۔ جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔ زیرزمین دنیا سے تعلق رکھنے والے کئی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور ان پر تشدد کر کے ان سے شارق اور ثمینہ کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا۔

اس واقعہ کو تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ عوام کا جوش و خروش دم توڑ گیا تھا لیکن پولیس کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ شارق اور ثمینہ کی تلاش میں اب بھی جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔

اس رات نو بجے شارق وغیرہ کھانا کھا رہے تھے کہ کال بیل کی آواز نے ان سب کو متوجہ کر لیا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" شارق بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ سب لوگ اس وقت گھر میں موجود تھے۔ طفیل بھی ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں جی۔" طفیل بولا۔

"نہیں۔ تم ٹھہرو' میں دیکھتی ہوں۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

"نوکھا!" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔ اس نے طفیل کو بھی اشارہ کر دیا تھا۔

نوکھا اب بہت بہتر ہو چکا تھا۔ وہ شارق کا اشارہ سمجھ گیا تھا اور اٹھ کر کمرے سے کلاشنکوف رائفلیں لے آیا تھا۔ اب سب کے ہاتھوں میں ایک ایک رائفل نظر آ رہی تھی۔ وہ لوگ اگرچہ کھانے کی میز پر ہی بیٹھے رہے تھے لیکن رائفلیں گھٹنوں پر رکھ لی تھیں اور ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی کہ رائفلیں فوری طور پر استعمال کر سکیں۔ یہ غنیمت تھا کہ ماں جی نے کھانا آٹھ بجے کھا لیا تھا اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں ورنہ یہ صورتحال دیکھ کر پریشان ہو جاتیں۔ البتہ رضیہ ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی لیکن شارق نے اسے بھی کمرے میں بھیج دیا تھا۔

ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کے پاس پہنچ گئی۔ اس درمیان بیل ایک مرتبہ اور بجائی گئی تھی۔

"کون ہے؟" ثمینہ نے گیٹ کی جھری میں سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"دروازہ کھولیے۔ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔" باہر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ ثمینہ کو یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ اس نے ایک بار پھر جھری میں سے جھانکا لیکن باہر جو کوئی بھی تھا' ایک سائیڈ میں کھڑا تھا اور جھری میں سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

ثمینہ نے چھوٹا دروازہ کھول دیا اور پھر سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر اس کا دل اچھل

aazzamm@yahoo.com

کر حلق میں آگیا۔

وہ انسپکٹر عثمان تھا۔

"تت.....تم....." ثمینہ ہکلائی۔ "تم یہاں کیسے آئے؟"

"مجھے اندر تو آنے دو ثمینہ بی بی۔" انسپکٹر عثمان آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "بڑی مشکل سے چھپتا چھپاتا یہاں تک پہنچا ہوں۔"

ثمینہ ایک طرف ہٹ گئی۔ انسپکٹر عثمان جیسے ہی اندر داخل ہوا' اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے عثمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں یہاں کا پتا کیسے چلا؟" اس نے پوچھا۔

"یہاں کا پتا مجھے پندرہ بیس دن پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا۔" عثمان نے جواب دیا۔ "ثمینہ بی بی۔ تم شاید یہ بھول گئی ہو کہ میرا تعلق پولیس سے ہے اور اگر کوئی پولیس والا چاہے تو کسی کو زمین کی تہوں میں سے بھی ڈھونڈ نکالتا ہے۔ پچھلے دنوں تم آدھا آدھا گھنٹہ مجھ سے فون پر باتیں کرتی رہی ہو۔ فون ٹیپ کرکے نمبر اور پھر ایڈریس معلوم کرنا کچھ زیادہ مشکل تو نہیں تھا۔"

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "چلو۔ اندر چلو لیکن یہ بتا دوں کہ اگر اس وقت ہمارے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔"

"مطمئن رہو۔ میں اکیلا ہی آیا ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

ثمینہ اسے اندر لے آئی۔ انسپکٹر عثمان کو دیکھ کر شارق بھی چونک گیا۔ ثمینہ نے اسے بتا دیا کہ اسے یہاں کا پتا کیسے معلوم ہوا تھا۔

"میں ایک اہم اطلاع لے کر آیا ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ اہم اطلاع تم فون پر بھی دے سکتے تھے جبکہ تم نمبر معلوم کر چکے تھے۔" شارق نے اسے گھورا۔

"میں دو گھنٹوں سے فون پر کوشش کر رہا ہوں لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ شاید تمہارا فون خراب ہے۔ اس لیے مجھے خود آنا پڑا۔" عثمان نے کہا۔

ثمینہ اور شارق الجھی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے دوپہر کے بعد سے فون استعمال نہیں کیا تھا۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ عثمان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ فون بے جان پڑا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو اب بھی میرے اوپر یقین نہیں آیا۔" انسپکٹر عثمان' شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میری وفاداری کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہو کہ مجھے یہاں کا نمبر

اور ایڈریس پندرہ بیس دن پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ اس دوران اگر میں چاہتا تو پولیس یا حاجی کو بتا کر تم لوگوں کو یہیں پر ختم کروا دیتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ میری وفاداری کا ثبوت ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "حاجی نے میرا کیریئر تباہ کر دیا ہے۔ میں اس سے اپنا انتقام لینا چاہتا ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ میں اپنے طور پر اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ تم واحد شخص ہو جو حاجی کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا ہے۔ میں معافی تلافی کے بہانے حاجی کے ساتھ اس لیے لگا ہوا ہوں کہ اس کے بارے میں تمہیں اطلاعات فراہم کر سکوں اور اب تک میں نے جو بھی اطلاع دی ہے' وہ سو فیصد درست ثابت ہوئی ہے۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔"

"اب کونسی اہم اطلاع لے کر آئے ہو؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"حاجی تم لوگوں کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق چونک گیا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ پولیس کے علاوہ حاجی کے آدمی بھی تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ چند روز پہلے اس کے کسی آدمی نے ثمینہ کو لبرٹی مارکیٹ میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ اس وقت ثمینہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی لیکن اس اطلاع کے بعد حاجی کو یقین ہو گیا ہے کہ تم لوگ اسی علاقے میں کہیں موجود ہو اور وہ لوگ پاگل کتوں کی طرح تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کچھ عورتوں کو بھی کام پر لگا رکھا ہے۔ عورتیں چیزیں بیچنے' کرائے کا مکان تلاش کرنے یا کسی اور بہانے سے گھروں میں گھس کر معلومات حاصل کر رہی ہیں۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ ایک دو دن بعد وہ تمہارا یہ ٹھکانہ معلوم کر لے گا۔ اس لیے جتنی جلد ممکن ہو سکے تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

اس کے خاموش ہونے پر شارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کال بیل ایک بار پھر بج اٹھی۔ اس مرتبہ انہوں نے طفیل کو باہر بھیجا کیونکہ طفیل کو حاجی کے گروہ کا کوئی آدمی ملاقات ہوئی تو طفیل دو منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ نرس رضیہ سے دوسری سیٹ پر بیٹھے ہوئے

"کیا بات ہے۔ تم لوگ کچھ پریشان سے لگ رہے ہو۔" ثمینہ نے کیا اور اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بات ہی کچھ ایسی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "تم

"آج میں ڈیوٹی سے آف ہوں۔ سوچا تم لوگوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ شارق

"لیکن یہاں معاملہ کیا ہے؟"

aazzamm@yahoo.com

"اب تمہیں میری وفاداری کا یقین آجانا چاہیے۔ اگر میرے دل میں غداری کا خیال ہوتا تو اس وقت بھی تمہیں پولیس کے حوالے کر سکتا تھا۔"

"تمہاری وفاداری کا یقین تو میں نے اس دن کر لیا تھا جب میں نے تمہاری تصویریں کھینچی تھیں۔" شارق نے بھی مدھم لہجے میں جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ "جب تک ان تصویروں کے نیگیٹو میرے قبضے میں ہیں' تم میرے وفادار رہو گے۔"

"نہیں شارق بھائی' یہ بات نہیں ہے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "مجھے ان تصویروں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں تو صرف حاجی کے خلاف تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ حاجی ایک ایسا ناگ ہے جس کا سر کچلنے کے لیے تم جیسے آدمی کی ضرورت ہے اور صرف میں ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ اس معاملے میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ پچھلے دنوں سڑکوں پر جو مظاہرے ہوتے رہے ہیں' وہ حاجی کے خلاف تھے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو تمہارا ہمدرد پایا ہے۔ میری بات چھوڑو' نرس رضیہ ہی کی مثال لے لو۔ اس نے آخر تمہیں کیوں بچایا تھا۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تمہیں اپنے گھر میں پناہ کیوں دی تھی؟ کیا تمہارے پاس اس کی بھی کوئی تصویریں ہیں' جن سے وہ خوفزدہ ہے؟"

"نہیں۔ میں نے پہلی بار اسے اسپتال ہی میں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ صرف میرے نام سے واقف تھی اور میں تو اس کے نام سے بھی واقف نہیں تھا۔" شارق نے جواب دیا۔

"وہ بڑی اچھی عورت ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "اب سے پہلے میں نے اسے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا جب اس کا شوہر زندہ تھا۔ سب انسپکٹر سلمان ان دنوں میری ماتحتی میں تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے نئے گھر پر چند قریبی دوستوں کی دعوت کی تھی۔ ان میں میں بھی شامل تھا۔ وہ اپنی بیوی کو شو پیس کے طور پر اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا لیکن رضیہ نے انکار کر دیا تھا جس پر سلمان نے اسے مارا پیٹا تھا لیکن وہ نہیں مانی۔

دوسرے روز میں نے سب انسپکٹر کو اس حرکت پر ڈانٹا بھی تھا اور اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں مانا۔ اس کے بعد میں اس کے گھر کبھی نہیں گیا لیکن مجھے پتا چلتا رہا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے دوستوں کے لیے تماشا بنانا چاہتا ہے لیکن وہ غیرت مند لڑکی اس کے سامنے نہیں جھکی۔ اب یہ وہی لڑکی ہے جس نے تمہاری مدد کی اور اب بھی تمہارے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہی ہے۔ اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسے تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ وہ محض ہمدردی کی بنا پر تمہارا ساتھ دے رہی ہے اور تم میری بات کا بھی یقین کر لو کہ میں ان تصویروں کی وجہ سے تمہارا ساتھ نہیں دے رہا۔"

"وجہ کچھ بھی ہو' لیکن میں نے بہرحال تم پر اعتماد کر لیا ہے۔" شارق نے کہا۔ "اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم سے یہ اطلاع ملنے کے بعد نئے ٹھکانے پر تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا بلکہ تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتاتا بھی نہیں۔"

"یہ تو اتفاق ہے کہ ٹھکانے کا بندوبست ہو گیا ورنہ میں تم لوگوں کو فوری طور پر اپنے گھر لے جاتا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"اس طرح تم بھی خطرے میں پڑ جاتے۔" شارق مسکرایا۔

"خطرے میں تو اب بھی ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "پولیس کو یا حاجی کو پتا چل جائے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو یقین کرو' ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ حاجی کے آدمی تو مجھے اس طرح چھلنی کریں گے کہ میرے جسم پر گولیوں کے نشان بھی نہیں گنے جا سکیں گے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں نے گلشن راوی میں اپنا ایک مکان کرائے پر دے رکھا ہے۔ میں کل صبح ہی کرائے دار کو ایک ہفتے کا نوٹس دے کر وہ مکان خالی کروا لیتا ہوں تاکہ کسی ہنگامی صورتحال میں اسے پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔"

"گویا تم مکمل طور پر....."

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب میں مکمل طور پر تمہارے ساتھ ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "جب تک تم وفادار رہو گے' مجھے اپنا دوست پاؤ گے لیکن اگر غداری کا خیال بھی تمہارے دل میں آیا تو ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

انسپکٹر عثمان جواب دینے کے بجائے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ نے ماں جی کو باتوں میں لگا رکھا تھا کہ وہ شارق اور عثمان میں ہونے والی گفتگو نہ سن سکیں جبکہ اس کی اپنی تمام تر توجہ ان کی باتوں کی طرف تھی۔

گاڑی گڑھی شاہو کے پل اور تیزاب احاطے سے ہوتی ہوئی گھوڑے شاہ چوک پر پہنچ گئی۔ اس چوک سے ذرا آگے باغبانپورہ کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے گھوڑے شاہ کا مزار تھا۔ قبر ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر تھی۔ دیواروں پر اور قبر کے آس پاس مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھوڑوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ضعیف العقیدہ لوگ منتیں ماننے آتے تو پیسوں کے علاوہ چڑھاوے کے طور پر مٹی کے یہ گھوڑے بھی چڑھاتے تھے۔ ان کی منت پوری ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو' مزار کے پڑوس میں مٹی کے یہ چھوٹے چھوٹے گھوڑے بنانے اور بیچنے والوں کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

گھوڑے شاہ روڈ پر تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انسپکٹر عثمان نے گاڑی بائیں طرف موڑ لی۔ اس طرف ایک کالونی بن چکی تھی۔ مغلوں کے زمانے میں یہاں ایک وسیع و عریض اور خوبصورت باغ ہوا کرتا تھا جو بعد میں مائی کا باغ کہلانے لگا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہ باغ کافی عرصہ تک موجود رہا تھا لیکن پھر بتدریج یہاں بستیاں بنتی چلی گئیں اور شالیمار باغ تک جانے والی اس تنگ سی سڑک کے دونوں طرف باغات غائب ہو گئے۔ ایک قدیم مزار باقی رہ گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف چھوٹے بڑے مکان بن گئے تھے۔

انسپکٹر عثمان اگرچہ صرف ایک مرتبہ' کئی سال پہلے یہاں آیا تھا لیکن اسے سب انسپکٹر سلمان کے گھر کا راستہ معلوم تھا۔ اس بستی کے آگے کی طرف چھوٹے مکان تھے جبکہ پچھلی طرف بڑے پلاٹ تھے۔ سلمان کا مکان خاصا بڑا تھا اور اس کے ساتھ وسیع لان بھی تھا.....ایک سڑک اس طرف سے بھی چاہ میراں کی طرف چلی گئی تھی۔

نرس رضیہ وغیرہ ان سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھیں۔ ہارن کی آواز سن کر گیٹ نرس رضیہ ہی نے کھولا تھا۔ عثمان گاڑی کو اندر لیتا چلا گیا اور پہلے سے کھڑی ہوئی نسان کے پیچھے روک دی۔

وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو شارق حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رضیہ نے اسے بتایا تھا کہ مکان کافی عرصہ سے بند پڑا ہے اور شارق کا خیال تھا کہ دیواریں اور فرش دھول سے اٹے ہوئے ہوں گے لیکن یہاں صورتحال اس کے برعکس تھی۔ کمروں میں بیڈز بچھے ہوئے تھے۔ دوسرے کمروں میں بھی ضروری فرنیچر موجود تھا۔ ڈرائنگ روم بھی سجا ہوا تھا۔

"یہ.....یہ سب کیا ہے؟" شارق نے نرس رضیہ کی طرف دیکھا۔

"میری دور اندیشی۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جن دنوں تم میرے کوارٹر میں رہ رہے تھے' انہیں دنوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمہیں کسی محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت ہوگی۔ انہی دنوں میرے ڈیڈی بھی آئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ پہلے والے کرائے دار واپس جا رہے ہیں اور پراپرٹی ڈیلر کسی اور کو مکان کرائے پر دینا چاہتا ہے لیکن میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ جب تم میرے کوارٹر سے چلے گئے تو میں خود یہاں آئی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے میں نے یہاں کی صفائی کی اور پھر دو تین دن میں یہاں فرنیچر ڈلوا دیا۔ اس مکان کے کرائے کی ملنے والی رقم میرے پاس جمع تھی۔ اس میں سے کچھ رقم میں نے خرچ کر دی۔ میں نے پڑوسیوں کو بتا دیا تھا کہ شاید چند روز میں میرے کچھ عزیز رہنے کے لیے یہاں آجائیں اور آج میرا کہا ہوا پورا ہو گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "ویسے تم لوگوں کو پڑوسیوں سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دائیں طرف کے مکان میں جو لوگ رہتے ہیں' وہ خود بھی کسی سے ملنا

جلنا پسند نہیں کرتے اور بائیں طرف کا مکان خالی پڑا ہے۔ وہ لوگ سعودی عرب گئے ہوئے ہیں اور سامنے والے مکانوں میں رہنے والے بھی بس ایویں ہی ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے اگر خواتین یہاں آنے کی کوشش کریں تو ان سے اس طرح کا رویہ اختیار کیا جائے کہ ان کی حوصلہ شکنی ہو اور دوبارہ نہ آئیں۔" "سمجھ گئی بڑی بی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "اور بھی کچھ کہنا ہے تو کہہ ڈالو اور یقین کرو' ہم تمہاری ہدایات پر پورا پورا عمل کریں گے۔"

"شکریہ۔" نرس رضیہ بھی مسکرا دی۔ "اب میں تم لوگوں کے لیے چائے بنا دوں۔ میں نے تو بہت پہلے سے سارے انتظام کر رکھے ہیں۔ اس وقت تو چائے خشک دودھ کی پینی پڑے گی۔"

"چلے گا۔" شارق بولا۔

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں آگئے۔ شارق کے ایکسیڈنٹ والے واقعے کو چودہ پندرہ دن ہو چکے تھے اور اب تو وہ آہستہ آہستہ چلنے بھی لگا تھا لیکن نرس رضیہ نے اسے واضح طور پر تنبیہ کر دی تھی کہ وہ کم از کم ایک مہینہ اور آرام کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد نرس رضیہ اور شاہ پری چائے لے کر آگئیں۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے لیکن ماں جی اس کمرے میں چلی گئی تھیں جو ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ وہ خاصی دلبرداشتہ ہو رہی تھیں۔ انہوں نے تو اب یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ کوٹھی چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟ وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی تھیں۔

رات دو بجے تک وہ لوگ باتیں کرتے رہے اور پھر انسپکٹر عثمان تو رخصت ہو گیا لیکن نرس رضیہ وہیں رہ گئی تھی۔ اسے کل شام کو ڈیوٹی پر جانا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کل دوپہر تک یہاں رہے گی۔

نولکھا اور شارق اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ثمینہ اور رضیہ وغیرہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں اور پھر وہ چاروں ڈرائنگ روم ہی میں سو گئی تھیں۔ صبح اٹھتے ہی نرس رضیہ نے پہلے چائے بنائی۔ پھر شاہ پری کو ساتھ لے کر چاہ میراں چلی گئی۔ شاہ پری نے اب چادر بھی نہیں اوڑھی تھی۔ اسے چادر اوڑھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اس شہر میں اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ گلبرگ میں تو وہ ثمینہ کا ساتھ ہونے کی وجہ سے چادر اوڑھتی رہی تھی۔

بازار سے سامان خریدنے کے بعد وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد لوٹی تھیں۔ نرس رضیہ آتے ہی ناشتے کی تیاری میں لگ گئی۔ دوسری رضیہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

"طفیل ابھی تک نہیں آیا۔" ناشتے کے دوران ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"آجائے گا۔" شارق بولا۔ "ہوشیار آدمی ہے۔ اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ناشتے کے بعد نرس رضیہ انہیں گھوم پھر کر گھر دکھانے لگی۔ چار بیڈ روم نیچے تھے اور چار ہی اوپر تھے۔ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں اندر سے تھیں۔ یہ مکان ان کے خیال میں ہر لحاظ سے محفوظ تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ مکان کا ایک دروازہ پچھلی گلی میں تھا۔ یہ تنگ سی گلی تھی۔

مکان دکھانے کے بعد نرس رضیہ نے دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کر دی۔ وہ مرغی اور بکرے کا گوشت لے آئی تھی۔ کچھ گوشت اس نے پکانے کے لیے نکال لیا اور باقی فریج میں رکھ دیا تھا۔

اسی دوران طفیل بھی آگیا۔

"اچھا ہی ہوا آپ لوگ رات کو وہاں سے آگئے تھے۔" اس نے شارق کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "صبح دس بجے دو عورتیں آگئی تھیں۔ انہوں نے بڑے بڑے تھیلے اٹھا رکھے تھے۔ ایک عورت نے کہا وہ عورتوں کے استعمال کی چیزیں بیچتی ہے اور گھر کی عورتوں سے ملنا چاہتی ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود وہ گیٹ میں گھس آئی تھیں اور جب میں نے بتایا کہ گھر والے گوجرانوالہ گئے ہوئے ہیں' تب وہ باہر گئی تھیں۔

"انسپکٹر عثمان واقعی کام کا آدمی ثابت ہوا۔" ثمینہ بولی۔ "اگر وہ ہمیں بروقت اطلاع نہ دیتا اور ہم وہاں سے نہ نکلتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان عورتوں کی نظروں میں آسکتا تھا۔"

"ہاں۔ وہ واقعی کام کا آدمی ثابت ہو رہا ہے اور میں اس سے بہت سے کام لینا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔ "وہ حاجی سے اپنا انتقام لینے کے لیے ہمارے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہے لیکن میں یہ بندوق اس سے چلواؤں گا۔"

"حاجی کا باغبانپورے والا گودام کہاں ہے؟ عثمان نے تمہیں اس کے بارے میں بتایا تھا ناں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ گودام دراصل باغبانپورہ میں نہیں' سنگھ پورہ کے قبرستان میں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہی سڑک باغبانپورہ کی طرف چلی گئی ہے۔ اس سے پہلے سنگھ پورہ کا چوک آتا ہے۔ اس چوک کے بائیں طرف چند گز آگے ایک پرانا سا قبرستان ہے۔ اس قبرستان کے کنارے سڑک کے ساتھ دو تین مکان ہیں۔ وہ مکان حاجی کی ملکیت ہیں۔ سڑک کے دوسری طرف دکانیں ہیں جو ہمیشہ بند رہتی ہیں۔ ان دکانوں اور مکانوں کے نیچے تہہ خانہ ہے۔ اس تہہ خانے کا راستہ مکانوں

کے ساتھ بنے ہوئے ایک طویلے میں ہے۔ یہ طویلہ بھی حاجی نے بنوا رکھا ہے اور اس کا مقصد تہہ خانے کے راستے کی حفاظت کرنا ہے۔ یہاں کم از کم دو آدمی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔"

"تو پھر آج رات اس طویلے کو بھی اڑا دیا جائے۔" ثمینہ مسکرائی۔

"اگر وہاں گولہ بارود ہوا تو اسے اڑانا خطرناک ہوگا۔ اس قبرستان کے چاروں طرف گنجان آبادی ہے۔"

"تو پھر پہلے عثمان سے معلوم کیا جائے کہ اس تہہ خانے میں کس قسم کا مال رکھا ہوا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اگر وہاں اسلحہ نہ ہوا تو اس طویلے کو آگ لگا دی جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ حاجی کو پے در پے اس طرح نقصان پہنچایا جائے کہ وہ پاگل ہو جائے۔" شارق بولا۔

"تو پھر میں عثمان سے بات کرتی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے فون اٹھا لیا۔

انسپکٹر عثمان نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس گودام میں صرف ہیروئن رکھی جاتی ہے۔ اسلحہ وہاں نہیں ہوتا۔

"ٹھیک ہے۔ تم آج رات دس بجے یہاں پہنچ جانا۔" ثمینہ نے کہا۔

"پروگرام کیا ہے؟" انسپکٹر عثمان نے پوچھا۔

"آؤ گے تو پتا چل جائے گا۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے طفیل کو بھیج دیا جائے۔ وہ معلوم کرکے آئے کہ وہاں کی صورتحال کیا ہے۔ وہاں کتنے آدمی موجود رہتے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" ثمینہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔ سہ پہر پانچ بجے کے قریب طفیل کو سنگھ پورہ بھیج دیا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً تین گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ طویلا بھی برائے نام ہی ہے۔ وہاں صرف دو تانگے ہیں۔ خاصا لمبا چوڑا پلاٹ ہے جس کے زیادہ حصے میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا ہے۔ لکڑیوں کے انبار کے پیچھے دو کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ تہہ خانے کا راستہ ایک کوٹھری میں ہے۔ اس کا اندازہ اسے اس طرح ہوا کہ وہ ایک بیروزگار کوچوان بن کر وہاں گیا تھا۔ وہ آوازیں دیتا ہوا طویلے میں گھس گیا۔ اس نے دونوں کوٹھریاں بھی دیکھیں' وہ خالی تھیں۔ وہ طویلے کے صحن میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ باہر سے ایک آدمی اندر آگیا۔ اس نے چائے کے دو گلاس اٹھا رکھے تھے۔ وہ اس طویلے کا محافظ تھا جو چائے لینے گیا ہوا تھا۔ وہ طفیل سے سوال و جواب کرنے لگا۔ اسی دوران ایک اور آدمی ایک کوٹھری سے نکل کر باہر آگیا۔ اس سے طفیل کو اندازہ ہوا کہ وہ دوسرا آدمی یقیناً تہہ خانے میں تھا اور تہہ خانے کا راستہ

aazzamm@yahoo.com

اس کوٹھری میں ہے۔ ان دونوں نے طفیل کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔

شارق اور ثمینہ نے پروگرام فائنل کر لیا۔ منصوبے کے مطابق ثمینہ اور شاہ پری کو انسپکٹر عثمان کے ساتھ جانا تھا۔ رات دس بجے انسپکٹر عثمان بھی آگیا۔ اس کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کے بعد گیارہ بجے وہ تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عثمان نے قبرستان سے آگے نکل کر کار روک لی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کے کپڑے پھٹ گئے۔ بال بھی بکھر گئے اور پھر دونوں کار سے اتر گئیں۔ وہ کچھ دور تک آہستہ آہستہ چلتی رہیں' پھر دوڑتی ہوئی طویلہ کے لکڑی کے پھاٹک پر چڑھ کر اندر کود گئیں۔ وہ دونوں بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ جیسے دور سے دوڑتی ہوئی آئی ہوں۔

"کون ہے۔ ادھر کون ہے؟" لکڑیوں کے انبار کی طرف سے ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بچاؤ..... ہمیں بچاؤ۔" ثمینہ چیخی لیکن آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ وہ دونوں لکڑیوں کے انبار کے پچھلی طرف چلی گئیں جہاں اب بلب روشن ہو گیا تھا اور دو غنڈہ قسم کے آدمی کھڑے تھے۔

"کون ہو تم لوگ؟ کیا بات ہے؟" ایک نے باری باری انہیں گھورا۔

"غنڈے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ ہماری عزت لوٹنا چاہتے ہیں۔ ہم بڑی مشکل سے اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگی ہیں۔ خدا کے لیے ہمیں بچا لو۔" ثمینہ بولی۔

"فکر ہی مت کرو۔ ہم سے بڑا اس علاقے میں غنڈہ کون ہو سکتا ہے؟ آؤ' تم لوگ اندر آجاؤ۔ ہم دیکھتے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

ثمینہ اور شاہ پری کوٹھری میں داخل ہو گئیں۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

ان دونوں غنڈوں نے بھی معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دونوں لکڑیوں کے انبار کے اوپر سے گھوم کر طویلے کے پھاٹک کی طرف چلے گئے۔

ثمینہ اور شاہ پری اس کوٹھڑی میں کھڑی رہیں۔ یہ کوٹھری آٹھ بائی آٹھ فٹ سے زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کی دیواریں گارے مٹی کی تھیں اور چھت ٹین کی تھی جس پر گھاس پھوس اور سوکھی جھاڑیاں پڑی تھیں۔ فرش بھی کچا تھا۔ ایک طرف چارپائی پڑی تھی جس پر میلا سا کھیس اور تکیہ پڑا ہوا تھا۔ تکیے کے قریب کے ٹو سگریٹ اور ایک ماچس بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس چارپائی کے سامنے دو ٹوٹی ہوئی کرسیاں بھی پڑی تھیں جو غالباً" طویلے میں موجود کاٹھ کباڑ کے ڈھیر میں سے نکالی گئی تھیں۔ کرسیوں اور چارپائی کے درمیان ایک حقہ بھی رکھا ہوا تھا۔ ثمینہ نے جھک کر چلم کو چھو کر دیکھا۔ وہ گرم تھی۔ غالباً" وہ دونوں یہاں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ایک دیوار پر لگی ہوئی کھونٹی پر دو تین میلے سے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد کوٹھری کے باہر ان دونوں غنڈوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اونچی آواز میں کسی کو ماں بہن کی گالیاں بکتے ہوئے آرہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری ایک دم سنبھل گئیں۔ اب ان کے چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے خوف کا تاثر جھلک رہا تھا۔ وہ سہمی ہوئی سی ایک دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔ ساٹھ واٹ کے بلب کی روشنی میں ان کے چہروں پر زردی کا تاثر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں غنڈے اندر داخل ہو کر دروازے کے قریب ہی رک گئے۔

"بھاگ گئے حرامزادے۔" ان میں سے ایک نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ وہ دبلا پتلا لمبے قد کا مالک تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر دائیں طرف تقریباً" ایک انچ لمبا پرانے زخم کا نشان نظر آرہا تھا۔

"وہ اسی علاقے کے سڑک چھاپ غنڈے ہیں۔ اب تو بھاگ گئے ہیں لیکن دھمکی دیکر گئے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو لیکر تھوڑی دیر میں پھر آئیں گے۔"

"ہیں۔۔۔ پھر آئیں گے؟" ثمینہ ہکلا گئی۔ اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ "ہم گھر کیسے جائیں گی۔ وہ ہمیں پھر پریشان کریں گے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ جوان لڑکیاں آدھی رات کو اکیلی گھروں سے کیوں نکلتی ہیں۔ کہاں

aazzamm@yahoo.com

رہتی ہو تم لوگ؟" اسی غنڈے نے کہا۔ اس نے آخری الفاظ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"ٹیلی فون ایکسچینج کے پچھلی طرف۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ہم بھوگیوال میں اپنی بیمار تائی کو دیکھنے گئی تھیں۔ واپسی پر دیر ہوگئی۔ تم لوگ ہمیں گھر تک چھوڑ آؤ--- بڑی مہربانی ہوگی تم لوگوں کی۔"

"ناں بی بی ناں۔" وہی غنڈہ بولا۔ "دو چار غنڈوں سے تو ہم نمٹ سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمیں راستے میں گھیر لیا تو ہم کیا کریں گے۔ اپنی جان تو سب کو پیاری ہوتی ہے نا--- اگر انہوں نے یہاں حملہ کردیا تب بھی ہماری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اب موقع ہے تم لوگ یہاں سے چلی جاؤ۔"

"نن--- نہیں--- وہ ہمیں راستے میں گھیر لیں گے۔" ثمینہ نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ دونوں للچائی ہوئی نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"لیکن تم لوگوں کیلئے ہم اپنی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔" وہی غنڈہ بولا۔

"ہمیں یہاں چھپالو۔" ثمینہ گھگھیائی۔ "وہ غنڈے یہاں سے ہوکر چلے جائیں گے تو ہم یہاں سے نکل جائیں گی۔"

"کہاں چھپالیں تمہیں؟" وہ بولا۔

"اوئے نورے۔" دوسرے غنڈے نے اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بیچاری بہت پریشان اور ڈری ہوئی ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر کے لئے تہ خانہ میں چھپا دو۔ وہ حرامزادے یہاں کا چکر لگا کر چلے جائیں گے تو ہم انہیں بھی یہاں سے نکال دیں گے۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے طافو۔" نورے نے کہا۔ "وہ تہ خانہ ہی ان کیلئے محفوظ رہے گا۔ بعد میں انہیں نکال کر ہم ان کو گھر بھی چھوڑ آئیں گے۔"

اسی دوران گیٹ کی طرف سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی لکڑی گری ہو۔ نورے اور طافو نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نورا انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کی واپسی دو منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں بولنے سے منع کردیا اور خود سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آگئے ہیں اور طویلے کو گھیرنے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"تو پھر سوچ کیا رہے ہو۔" طافو بھی سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تہ خانے کا راستہ کھولو اور

انہیں چھپا دو۔"

نورے نے باری باری ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھا اور طافو کو اشارہ کیا۔ ان دونوں نے چارپائی اٹھا کر دوسری طرف رکھ دی۔ چارپائی کے پیچھے دیوار میں زمین کے قریب ایک سوراخ تھا۔ یہ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ اس میں آسانی سے ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔

"ادھر آکر کھڑی ہوجاؤ تم دونوں۔" نورے نے ثمینہ اور شاہ پری کو اشارہ کیا اور پھر آگے بڑھ کر ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر اس جگہ کھڑا کردیا جہاں پہلے چارپائی بچھی ہوئی تھی۔

طافو شاہ پری کو پکڑ کر اس جگہ لے آیا تھا۔ ثمینہ یا شاہ پری نے ان دونوں سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نورے نے جھک کر دیوار میں ہاتھ ڈالا اور اندر کسی چیز کو حرکت دی۔ ثمینہ اور شاہ پری چونک گئیں۔ زمین کا وہ حصہ لفٹ کی طرح نیچے دھنسنے لگا۔ تقریباً" چھ فٹ نیچے جاکر زمین رک گئی۔ اب زمین کا تین بائی چار فٹ کا وہ ٹکڑا کسی چبوترے کی طرح نظر آرہا تھا۔ تہ خانے کی زمین اس سے تین فٹ نیچے تھی۔

"نیچے اتر جاؤ۔ گرنا نہیں۔ چوٹ لگ جائے گی۔" نورے نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو میں تمہیں سہارا دیتا ہوں۔"

نورے نے سہارا دیکر ثمینہ کو چبوترے سے نیچے اتار دیا۔ طافو نے بھی شاہ پری کو سہارا دینا ضروری سمجھا تھا اور وہ دونوں خود بھی نیچے اتر آئے تھے۔

ثمینہ خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ یہ تہ خانہ تین فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا تھا۔ فرش اور دیواریں پختہ تھیں۔ مختلف جگہوں پر تین مرکری ٹیوب لائٹیں روشن تھیں۔ ان ٹیوب لائٹوں کا تعلق غالباً" راستے کے میکنزم سے تھا۔ لیکن ایک طرف دیوار پر سوئچ بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس کے تمام سوئچ آف تھے۔ نورے نے تین چار سوئچ آن کردیئے اور اسی دیوار کے ایک سوراخ میں ہاتھ ڈال کر کسی چیز کو حرکت دی۔ وہ چبوترہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ اس کے نیچے لفٹ شافٹ لگی ہوئی تھیں۔ ایسی لفٹ شافٹ عام طور پر پٹرول پمپوں پر نظر آتی ہیں۔ جو کاروں کو دھونے یا سروس کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔

وہ چبوترہ چھت کے خلا میں فٹ ہوگیا۔ تہ خانے کا راستہ بند ہونے سے ٹیوب لائٹوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ نورے نے سوئچ آن کردیئے تھے۔

اس وسیع و عریض کمرے میں دیواروں کے ساتھ شیشے کی الماریاں بنی ہوئی تھیں۔ اور ان الماریوں میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ ثمینہ کے خیال میں ہر پیکٹ پانچ کلو کا ضرور

aazzamm@yahoo.com

ہوگا۔ اس حساب سے وہ ہیروئن دو ٹن سے بھی زیادہ ہوسکتی تھی۔ لاہور حاجی عبداللہ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہاں سے پوری دنیا کو مال سپلائی ہوتا تھا۔ یہ تو ایک گودام تھا۔ ہوسکتا ہے اس طرح کے اور بھی کئی گودام ہوں جو اسی طرح ہیروئن سے بھرے ہوئے ہوں۔ شاہ پری بھی متوحش نظروں سے ان الماریوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیوں اوئے طافو۔" ثمینہ نورے کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کیسی رہی ہماری یہ چال؟ غنڈوں سے بچ کر پناہ لینے کیلئے ہمارے ڈیرے پر آئی تھیں۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ ہم ان سے بھی بڑے غنڈے ہیں۔"

"آج کی رات تو جشن منائیں گے۔" طافو نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "تازہ مال ہے۔ مزا آجائے گا۔ اب تک تو گلیوں میں پھرنے والی فقیرنیوں پر ہی گزارہ کرتے رہے ہیں۔ مگر ان کو دیکھو--- کیسی چمک رہی ہیں۔"

"ہاں۔ زندگی میں پہلی بار ایسی چیز ملی ہے۔ آج تو واقعی جشن منائیں گے۔" نورے نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج تم لوگوں کو پتا چلے گا کہ آدھی رات کو اکیلے گھر سے نکلنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔"

"کک--- کیا مطلب--- کیا چاہتے ہو تو لوگ؟" ثمینہ خوفزدہ انداز میں ہکلائی۔

"تم تو خود سیانی ہو۔ تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔" نورے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شرافت سے ہماری بات مان لو۔ ہنسی خوشی راضی ہوجاؤ گی تو بعد میں ہم تمہیں تمہارے گھر تک بھی چھوڑ آئیں گے۔"

"نہیں نہیں۔" ثمینہ خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "تم لوگوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ ہمیں چھوڑ دو۔"

"کیسے چھوڑ دیں۔" نورا بھی آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "زندگی میں پہلی بار تو ایسی چیز ملی ہے۔ کیسے چھوڑ دیں۔"

"ہم شور مچا دیں گے۔" ثمینہ نے دھمکی دی۔

"اس سے کیا ہوگا۔" نورے نے کہا۔ "جتنا مرضی چیخ لو۔ تمہاری آواز اس تہ خانے سے باہر نہیں جائے گی۔"

شاہ پری بھی منت سماجت کرتی ہوئی پیچھے ہٹ رہی تھی اور طافو نے اسے گھیر کر دیوار سے لگا دیا تھا۔ شاہ پری کیلئے اب پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں تھی۔ اس نے ایک طرف ہٹنا چاہا مگر طافو شکاری کتے کی طرح اس پر جھپٹا تھا لیکن شاہ پری جھکائی دیکر نیچے بیٹھ گئی۔

دوسری طرف ثمینہ بھی کچھ ایسی صورتحال سے دوچار تھی۔ نورے نے ثمینہ پر چھلانگ لگائی تو وہ بڑی پھرتی سے جھکائی دیکر ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چیخی تھی۔

"ایکشن شاہ پری!"

اور پھر دونوں نے بیک وقت اپنی اپنی شلوار کے نیفوں میں اڑسے ہوئے پستول نکال لئے۔

"بس۔ اب ختم ہوگیا تم لوگوں کا ڈرامہ۔" ثمینہ نورے کو پستول کی زد میں لیتے ہوئے بولی۔ "تم سمجھے تھے کہ ہم واقعی غنڈوں سے بچنے کیلئے یہاں آئی تھیں اور جب تم دھوکے سے ہمیں تہ خانے میں لا رہے تھے تو ہم کچھ نہیں سمجھی تھیں۔ ہم تو خود اس تہ خانے میں آنا چاہتی تھیں اور تم لوگ بڑی آسانی سے ہمارے جال میں پھنس گئے۔"

"کون ہو تم لوگ؟" نورے نے کہا۔ ان کے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔

"تمہاری موت۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن نہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گی۔ ہمارا معاملہ تو حاجی عبداللہ سے ہے۔ تم لوگ تو اس کے معمولی کارندے ہو۔ تمہیں زندہ رکھا جائے گا۔ تاکہ تم لوگ حاجی کو بتا سکو کہ یہاں کون آیا تھا۔"

"شش--- ثمینہ؟" نورا ہکلایا۔ اس کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔

"پہچان لیا۔" ثمینہ مسکرائی۔ "پہلے بھی دیکھا تھا مجھے؟"

"نن--- نہیں۔" نورا بولا۔ "حاجی کی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی کو بھی تم نے آگ لگائی تھی۔ حاجی نے ہمیں ہوشیار کردیا تھا مگر پھر بھی ہم دھوکہ کھا گئے۔"

"اگر تمہیں اپنے فرض کا احساس ہوتا اور دل میں ہوس نہ ہوتی تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھیں۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب حاجی کے اس گودام کا حال بھی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی جیسا ہوگا اور اربوں روپے مالیت کی یہ ہیروئن چند منٹ میں دھواں بن کر اڑ جائے گی۔" ہاتھ اٹھا لو اور دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوجاؤ۔"

ان دونوں نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی تھی۔ تہ خانے میں رسیاں بھی موجود تھیں اور انہیں باندھنے میں ثمینہ کو ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ان دونوں نے مزاحمت بھی نہیں کی تھی۔ ثمینہ کا خوف اس طرح ان کے ذہن کو لپیٹ میں لے چکا تھا کہ وہ مزاحمت کر ہی نہیں سکے تھے۔

"شاہ پری!" ثمینہ ان دونوں کو باندھنے کے بعد سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔ "تم یہیں رکو میں عثمان کو بلا کر لاتی ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

اس نے دیوار کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ایک کنڈے کو گھمایا۔ اوپر والے کمرے کے فرش کا وہ حصہ نیچے آگیا۔

"تہ خانے سے باہر آکر ثمینہ محتاط انداز میں چلتی ہوئی طویلے کے پھاٹک کے پاس آگئی۔ پھاٹک کی آڑ میں رک کر اس نے دو انگلیاں ہونٹوں میں ڈال کر سیٹی بجائی اور انتظار کرنے لگی۔

چند سیکنڈ بعد ہی انسپکٹر عثمان وہاں آگیا۔ ثمینہ اسے تہ خانے میں لے آئی۔ الماریوں میں بھری ہوئی ہیروئن دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

نورے کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔ نورا بھی عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عثمان نے ثمینہ کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اس کی نالی نورے کی کھوپڑی پر رکھ کر ٹرائیگر دبا دیا۔ نورے کے سر سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس نے ایک دو جھٹکے لئے اور ختم ہوگیا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" ثمینہ نے عثمان کو گھورا۔

"یہ مجھے جانتا ہے اور اچھی طرح پہچانتا ہے۔" انسپکٹر عثمان نے اس کے کان میں سرگوشی کی پھر وہ طافو کی طرف دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں بولا۔ "مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟"

"نہیں جی۔" طافو نے جواب دیا۔ وہ نورے کا حشر دیکھ کر کانپ اٹھا تھا۔ "مجھے مت ماریں جی۔ میرے نکے نکے بچے ہیں۔"

"تمہیں ان لوگوں کے نکے نکے بچوں کا خیال نہیں آتا جنہیں تم لوگ بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو۔" انسپکٹر عثمان نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"اس کے ساتھ الجھ کر وقت ضائع مت کرو۔" ثمینہ نے عثمان کو ٹوک دیا۔ ہمیں اپنی کارروائی مکمل کرکے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔" ثمینہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم باہر جاؤ اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر اور لکڑیاں وغیرہ نیچے پھینکتے رہو۔ ہم نیچے کا کام سنبھال لیں گی۔"

انسپکٹر عثمان اوپر چلا گیا اور کوٹھڑی کے سامنے انبار میں سے لکڑیاں اٹھا اٹھا کر نیچے پھینکنے لگا۔ اس میں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر۔ زیادہ تر ٹوٹے ہوئے تانگے اور درختوں کی خشک لکڑیاں تھیں۔

ثمینہ اور شاہ پری وہ لکڑیاں اٹھا اٹھا کر الماریوں کے ساتھ ساتھ ڈھیر کرتی رہیں۔ انہیں اس کام میں تقریباً" ایک گھنٹہ لگ گیا اور اس ایک گھنٹے کے دوران ہیروئن کے پیکٹوں سے بھری ہوئی ہر الماری کے ساتھ اچھی خاصی لکڑیاں جمع ہوچکی تھیں۔

ثمینہ اور شاہ پری نے نورے کی لاش اور رسیوں سے بندھے ہوئے طافو کو اٹھا کر چبوترے پر ڈال دیا اور لفٹ کو اوپر بھیج دیا۔ عثمان نے نورے کی لاش کو اٹھا کر ایک طرف ڈال دیا اور طافو

کو بھی پیر سے دھکا دیکر ایک طرف گرا دیا۔

"عثمان۔ ماچس نیچے پھینک دو۔" ثمینہ نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر عثمان نے جیب سے ماچس نکال کر نیچے پھینک دی۔ ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔ وہ لفٹ والے چبوترے پر کھڑی ہوگئی اور ثمینہ آگے بڑھ کر الماریوں کے سامنے لکڑیوں کو آگ لگانے لگی۔ لکڑیوں کے ساتھ جگہ جگہ پتلی شاخوں والی خشک جھاڑیاں بھی رکھی گئی تھیں۔ ان جھاڑیوں نے فوراً" ہی آگ پکڑ لی۔ ثمینہ نے پانچ چھ جگہوں پر آگ لگائی تھی جو آہستہ آہستہ پھیلنے لگی تھی۔

ثمینہ نے دیوار کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر لفٹ کے میکنزم کو حرکت دی لیکن اس چبوترے نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ میکنزم کو بار بار حرکت دیتی رہی۔ ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ بار بار کوشش کے باوجود وہ چبوترا ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

تہ خانے میں آگ تیزی سے پھیل رہی تھی اور دھواں بھر رہا تھا۔ آگ کی تپش سے ایک الماری کا شیشہ چٹخ کر گرا تو چھناکے کی آواز سے شاہ پری بھی بدحواس ہوگئی۔ انسپکٹر عثمان بھی اوپر سے لفٹ کے میکنزم کو بار بار حرکت دے رہا تھا لیکن مقصد پورا نہیں ہورہا تھا۔

"اسے چھوڑ دو عثمان۔ ہمیں ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کھینچو۔ جلدی کرو۔ آگ پھیل رہی ہے۔" ثمینہ نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

عثمان نے جھک کر ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اوپر کھینچنے لگا۔ اوپر آکر ثمینہ ایک طرف کھڑی ہوگئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ عثمان ایک بار پھر جھک کر شاہ پری کو اوپر کھینچنے لگا۔ شاہ پری بھی اوپر آگئی تھی۔

"جلدی کرو--- کچھ لکڑیاں تہ خانے کے اندر پھینک دو تاکہ آگ مزید پھیل جائے۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ تینوں لکڑیاں اٹھا اٹھا کر تہ خانے میں پھینکنے لگے۔ یہاں تک کہ راستے والی خلا بھی لکڑیوں سے بند ہوگئی۔ نیچے سے یہ لکڑیاں آگ پکڑتیں تو طویلے کا اوپر والا حصہ بھی آگ کی زد میں آجاتا۔ انہوں نے کوٹھڑی میں بھی بہت سی لکڑیاں پھینک دی تھیں۔

"میں طفیل کو بلاتی ہوں۔ اور تم اسے اٹھا کر پھاٹک کے پاس لے آؤ عثمان۔" ثمینہ نے طافو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دوڑتی ہوئی طویلے کے پھاٹک کے قریب چلی گئی اور پہلے کی طرح دو انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجائی۔

صرف دو منٹ کے اندر اندر طفیل گاڑی لیکر وہاں پہنچ گیا۔ اس کے ہیڈ لیمپس اور اندر کی

aazzamm@yahoo.com

بتیاں بھی بجھی ہوئی تھیں۔

"ڈکی کھول طفیل' جلدی کرو۔" ثمینہ نے کہا اور اندر کی طرف دوڑی گئی۔

اسی دوران انسپکٹر عثمان طافو کو اٹھا کر وہاں لے آیا تھا۔ طفیل نے ڈکی کھول دی۔ عثمان نے طافو کو ڈکی میں ٹھونس کر ڈھکنا بند کردیا۔ پھر وہ اور طفیل مل کر تورے کی لاش اٹھا کر لے آئے اور اسے طویلے کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر ڈال دیا۔

اس دوران ثمینہ اور شاہ پری کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں۔

انسپکٹر عثمان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور طفیل دوسری سیٹ پر۔ ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ تہ خانے والی کوٹھڑی سے دھواں نکلنا شروع ہوگیا تھا جس کا مطلب تھا کہ تہ خانے میں آگ پھیل رہی تھی۔

عثمان نے یوٹرن لیا اور کار کو چوک کی طرف موڑ دیا چوک پر سگریٹ اور چائے کی دکانیں بند ہوچکی تھیں اور یہاں مکمل سناٹا تھا۔ اس چوک سے نکلنے والی ایک سڑک تو حق نواز روڈ تھی جو باغبانپورہ سے ہوتی ہوئی شالیمار تک چلی گئی تھی۔ سامنے والی سڑک کچھ آگے جاکر جی ٹی روڈ سے مل گئی تھی اور دائیں طرف وہ سڑک تھی جو گھوڑے شاہ اور چاہ میراں کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ لوگ اسی سڑک سے آئے تھے۔ چوک سے اس سڑک کی طرف ایک گھاٹی سی بنی ہوئی تھی۔

عثمان نے اسی طرف کار موڑ لی۔ گھاٹی پر تھوڑا ہی آگے سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی پولیس چوکی تھی۔ یہ چوکی ایک مکان میں بنی ہوئی تھی۔ اس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا۔ چوکی کے دفتر والے دروازے کے باہر اگرچہ ایک بلب روشن تھا لیکن دروازہ بند تھا۔ عثمان نے چوکی سے دس بارہ گز آگے نکل کر کار روک لی' نیچے اترا اور ڈکی میں سے طافو کو نکال کر سڑک کے کنارے پر ڈال دیا اور دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے کار طوفانی رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

انہیں اپنے ٹھکانے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ شارق وغیرہ ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے البتہ مریم اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔

"بہت دیر لگا دی ہم پریشان ہورہے تھے۔" نولکھا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں کچھ دیر تو ہوگئی لیکن ہم کام ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم دونوں کے بکھرے ہوئے بال دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ دشواری پیش آئی تھی۔" شارق نے باری باری ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دشواری ہم نے خود پیدا کی تھی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "حاجی کے صرف دو گرگے وہاں موجود تھے جنہیں قابو میں کرنے کیلئے ہمیں کچھ ڈرامہ کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اور کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"

"کام ہوگیا؟" نولکھا نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" ثمینہ مسکرائی۔ "اس کے بغیر تو ہم واپس بھی نہ آتے۔ اب تک تو اس علاقے میں قیامت برپا ہوچکی ہوگی۔ اس مرتبہ تو حاجی یقیناً" پاگل ہوجائے گا۔"

"وہاں کتنا مال تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مال۔" ثمینہ ایک بار پھر مسکرائی۔ "میرے خیال میں کم از کم دو ٹن ہیروئن ضرور ہوگی جو اب تک دھواں بن کر اڑ چکی ہوگی اور اس زہریلے دھویں کا عام لوگوں پر جو اثر ہوگا اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ یہ دھواں لوگوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"دو ٹن۔" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ حاجی اس مرتبہ ضرور پاگل ہوجائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ لوگ چائے تو ضرور پئیں گے۔" قریب کھڑی ہوئی رضیہ نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی۔ اس وقت تو واقعی چائے کی طلب محسوس ہورہی ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔

رضیہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ اور آدھے گھنٹے بعد سب کیلئے چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران وہ صورتحال پر تبصرہ بھی کرتے رہے۔ اڑھائی بج گئے۔ انسپکٹر عثمان نے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو شارق نے اسے روک لیا۔

انسپکٹر عثمان فوراً" ہی رکنے پر تیار ہوگیا۔

"آؤ۔ میں تمہیں کمرا دکھا دوں۔ آرام سے سوتے رہنا۔ کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" ثمینہ نے کہا اور عثمان کو اوپر کی منزل کے ایک کمرے میں لے آئی۔ اور بتی جلا دی۔ یہ کارنر کا کمرا تھا اور اس میں دو طرف کھڑکیاں تھیں۔

انسپکٹر عثمان دروازے میں کھڑا ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ اس وقت کمرے کے اندر تھی۔ جب وہ باہر نکلنے لگی تو اس کا کندھا عثمان کے کندھے سے ٹکرا گیا۔ ثمینہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔

وہ بستر پر لیٹ گیا اور جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

○

aazzamm@yahoo.com

حاجی کو یہ اطلاع رات دو بجے ملی تھی۔

اس کے خلاف عوام کا غصہ کچھ سرد پڑ گیا تھا اور عوامی مظاہرے بھی ختم ہو رہے تھے۔ اسے اپنے آدمیوں سے صورتحال کے بارے میں مسلسل اطلاعات مل رہی تھیں۔ وہ اگر چاہتا تو اپنی کسی کوٹھی میں جاسکتا تھا لیکن احتیاطاً" وہ وسن پورے والے اسی مکان میں مقیم تھا۔

وہ اس وقت سو رہا تھا۔ ٹیلی فون اس کے بیڈ کے قریب ہی رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھ دوسری گھنٹی پر ہی کھل گئی تھی۔ کمرے میں سبز رنگ کا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ پہلے وہ خوابیدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر تیسری گھنٹی بجی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور پھر دوسری طرف سے جو کچھ بھی کہا گیا اسے سن کر حاجی کے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ غیر شعوری طور پر ایک جھٹکے سے اٹھ کر پلنگ سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ تم لوگ کہاں مر گئے تھے۔" حاجی دھاڑا۔

"میں نے اور شوکت نے دس بجے ڈیرے کا چکر لگایا تھا جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس وقت سب ٹھیک تھا جناب۔ نورا اور طافو کمرے میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ہم چند منٹ ان کے پاس بیٹھے بھی تھے۔ پتا نہیں یہ سب کچھ کب اور کیسے ہو گیا۔ میں شور کی آواز سن کر باہر نکلا تھا۔ اسی وقت دو آدمی ہمیں آگ لگنے کی اطلاع دینے کیلئے چوکی آئے تھے اور جب میں چوکی سے باہر نکلا تو دروازے سے چند فٹ کے فاصلے پر نورے کی لاش پڑی تھی۔ وہ رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور اسے سر پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔"

"بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" حاجی اس کے خاموش ہونے پر چیخا۔

"میں اپنے سپاہیوں کو لے کر جائے وقوعہ پر پہنچا تو آگ بے قابو ہو چکی تھی۔ آگ اس وقت بھی قابو سے باہر ہے۔ آسمان سیاہ دھویں سے ڈھکا ہوا ہے۔ فائر بریگیڈ کا ابھی دور دور تک پتا نہیں ہے۔ انسپکٹر صاحب بھی پہنچ چکے ہیں اور آپ کے لئے ایک اور اطلاع یہ ہے کہ سنگھ پورہ موڑ کی طرف جانے والی سڑک پر طافو بھی رسیوں سے بندھا ہوا ملا ہے۔"

"وہ زندہ ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"جی جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس نے بڑی عجیب بات بتائی ہے جناب۔"

"طافو کا بیان ہے کہ دو جوان اور خوبصورت لڑکیاں غنڈوں سے بچنے کیلئے ان کے ڈیرے میں گھس آئی تھیں۔ طافو اور نورے نے انہیں غنڈوں سے بچانے کیلئے ڈیرے میں پناہ دی تھی لیکن ان لڑکیوں نے پستول نکال لئے اور انہیں تہ خانے کا راستہ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں ایک لڑکی نے اپنا نام ثمینہ بتایا تھا۔"

"یقیناً" وہی ہوگی۔" حاجی غرایا۔ "اس کے علاوہ دنیا کی کسی لڑکی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ حاجی کے ڈیرے میں قدم رکھ سکے۔"

"اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔" دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔ "ان میں سے ایک آدمی بعد میں تہ خانے میں آیا تھا اور اس نے نورے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ثمینہ نے پوچھا کہ اس نے گولی کیوں ماری تو اس شخص نے کہا تھا کہ نورا اسے پہچانتا ہے۔"

"اوہ! یہ کون ہو سکتا ہے۔" حاجی چونک گیا۔

"آپ کے اندر ہی کا کوئی آدمی ہوگا جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"طافو کہاں ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"پولیس کی تحویل میں جناب۔ انسپکٹر صاحب بھی آچکے ہیں اور اس سے اس معاملے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"ختم کر دو اسے۔ اس کی زبان پر میرا نام نہیں آنا چاہئے سمجھے۔" حاجی کے لہجے میں بھیڑیے کی سی غراہٹ تھی۔

"اب ایسی کوئی کوشش کرنا بیکار ہے جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیوں۔ کیا اس نے آب حیات پی لیا ہے؟" حاجی چیخا۔

"وہ باقاعدہ پولیس کی کسٹڈی میں ہے اور آپ تو اخبار والوں کو جانتے ہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اخبار والوں کو ایسے واقعات کی اطلاع کیسے مل جاتی ہے۔ اس وقت بھی کم از کم سات پریس رپورٹرز اور فوٹو گرافرز اس جگہ موجود ہیں اور انہوں نے طافو سے اگلوا لیا ہے کہ ڈیرہ آپ کا تھا اور تہ خانے میں ڈیڑھ دو ٹن کے لگ بھگ ہیروئن رکھی ہوئی تھی۔"

"کتے کا بچہ؟" حاجی غرایا۔ "ختم کر دو اسے۔ ہر صورت میں ختم کر دو۔" یہ ممکن نہیں جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اقبال ٹاؤن والے کیس میں آپ کے آدمیوں کو تھانے کے اندر ختم کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں نہ صرف تھانے کا پورا عملہ بلکہ ڈی ایس پی تک کو معطل کر دیا گیا تھا۔ ہمارے انسپکٹر صاحب کو شاید پہلے ہی سے اس بات کا شبہ تھا کہ اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے طافو کو کڑی حفاظت میں رکھا ہوا ہے اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ انسپکٹر صاحب نے ڈی ایس پی اور ایس پی صاحب کو اطلاع دیدی ہے۔ وہ لوگ بھی اب پہنچنے والے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ انسپکٹر سے کہو مجھ سے بات کرلے۔" حاجی نے کہا۔

"انسپکٹر صاحب جائے وقوعہ پر ہیں جی۔ میں انہیں آپ کا پیغام دے دیتا ہوں۔" دوسری

aazzamm@yahoo.com

طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن بے جان ہوگئی۔

حاجی نے ریسیور پٹخ دیا اور دروازے پر آہٹ سن کر اس طرف مڑ گیا۔ اس کا میزبان شفقت دروازے میں کھڑا تھا۔

"کس کا فون تھا حاجی صاحب؟" شفقت نے پوچھا۔ "کیا ہوا۔ بڑے غصے میں ہیں آپ؟"

"وہ لڑکی ثمینہ۔" حاجی غرایا۔ "وہ مجھے مل جائے تو۔۔۔"

"مل جائے گی تو غصہ اتاریں گے نا۔" شفقت نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ تو چھلاوہ بنی ہوئی ہے چھلاوہ۔۔۔ اب کیا کیا ہے اس نے۔۔۔ آپ کی باتوں میں' میں نے طافو کا نام سنا تھا۔"

"اس نے سنگھ پورہ والے ڈیرے کو آگ لگا دی ہے۔ دو ٹن ہیروئن جل کر راکھ ہوگئی ہے۔ یہ لڑکی تو مجھے واقعی تباہ کرکے چھوڑے گی۔ جب تک ثمینہ اور شارق ختم نہیں ہوجاتے' میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔" حاجی بولا۔

سنگھ پورہ والے ڈیرے کی تباہی کا سن کر شفقت بھی اچھل پڑا تھا۔

"ایک بات ہے حاجی جی۔" شفقت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "شارق کو افغانستان بھیجنے کے بعد اس کی ماں اور بہن کو اقبال ٹاؤن والی کوٹھی سے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا تو میں نے اسی وقت آپ کو منع کیا تھا کہ کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جس پر بعد میں پچھتانا پڑے۔ لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی اور اب یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ ہے۔ وہ دونوں پے درپے ہمیں نقصان پہنچاتے چلے جارہے ہیں اور ہم ہیں کہ ابھی تک ان کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ حرامزادے بموں اور گولیوں کی بارش سے بھی بچ کر نکل آئیں گے۔" حاجی غرایا۔ "اگر وہ دونوں سمجھتے ہیں کہ میں ان کے سامنے سر جھکا دوں گا تو یہ ان کی بھول ہے۔ میں آخری دم تک لڑوں گا۔ چاہے میری ساری دولت ختم ہوجائے۔ انہیں تلاش کروں گا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ تم نے کہا تھا کہ وہ لوگ گلبرگ کی کسی کوٹھی میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس کوٹھی کا پتا چلا کہ نہیں؟"

"ابھی تک کوئی پتا نہیں چلا۔" شفقت نے جواب دیا۔ "میں نے کئی آدمیوں اور دس بارہ عورتوں کو بھی اس کام پر لگا رکھا ہے۔ امید ہے کہ ایک دو دن میں کوئی سراغ مل جائے گا۔"

"اگلے ہفتے مانٹریال سے پارٹی آنے والی ہے۔ وہ لوگ مال لینے آرہے ہیں جہاز ایک ہفتہ پہلے ہی کراچی پہنچ گیا تھا جو برتھ کے انتظار میں گہرے سمندر میں کھڑا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں مال کہاں سے دیا جائے گا۔" حاجی نے کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "پیٹرک کی پارٹی کا مال پہلے انڈیا سے جاتا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے انہیں توڑا تھا اور ریٹ بھی انڈیا کے مقابلے میں زیادہ تھے۔ یہ ان سے ہماری پہلی ڈیل ہونے والی ہے۔ وہ لوگ ہمیں دس لاکھ ڈالر ایڈوانس بھی دے چکے ہیں۔ اگر ڈیل مکمل نہ ہوسکی تو بین الاقوامی طور پر ہماری ساکھ ختم ہوجائے گی۔ اور ہم برباد ہوجائیں گے۔"

"اس کی تو آپ فکر نہ کریں حاجی جی۔" شفقت نے جواب دیا۔ "کچھ مال بند روڈ والے اڈے پر موجود ہے۔ میں صبح ہی عجب گل کو پشاور فون کر دیتا ہوں۔ وہ فوری طور پر کچھ بندوبست کردے گا۔ لیکن سب سے پہلے ہمیں شارق اور ثمینہ کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"اپنے سارے آدمی ان کی تلاش پر لگا دو۔" حاجی نے کہا۔ "اور بند روڈ والے اڈے پر پہرہ سخت کردو۔ اگر وہاں کوئی ایسی بات ہوئی تو میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور ہاں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "میرے پولیس کے مخبر نے سنگھ پورہ سے اطلاع دی تھی کہ طافو کے بیان کے مطابق ثمینہ کے ساتھ جو آدمی تھا اس نے نورے کو محض اس لئے گولی مار کر ہلاک کردیا تاکہ نورا اسے جانتا تھا۔ مخبر نے بھی اس شبے کا اظہار کیا ہے کہ وہ ہمارے اندر ہی کا کوئی آدمی ہوسکتا ہے۔ جو کسی وجہ سے شارق سے مل گیا ہے۔ معلوم کرو وہ کون ہے۔ اس غدار کا پتا چل جائے تو شارق اور ثمینہ تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔"

"کل ہی سے اس پر کام شروع کردیتا ہوں۔" شفقت نے جواب دیا۔ حاجی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس کا خیال تھا کہ انسپکٹر ہوگا۔ لیکن یہ اس کا ایک آدمی تھا جو اسے ڈیرے میں آتشزدگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

"مجھے پتا چل گیا ہے۔" حاجی نے مختصر سا جواب دیا اور فون بند کردیا پھر وہ شفقت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چائے بنوا کر لاؤ۔ میرا تو دماغ بھی دکھنے لگا ہے۔"

شفقت کمرے سے نکل گیا اور حاجی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اس کے سر میں دھماکے ہورہے تھے اور خون کھول رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شارق اور ثمینہ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ لاہور شہر میں رہتے ہوئے وہ لاپتا ہیں اور مزے کی بات تو یہ کہ وہ دندناتے پھر رہے ہیں اور اس کے آدمی یا پولیس ان کا سراغ نہیں لگا پا رہی۔

ایک مہینے کے اندر اندر یہ چوتھا بڑا واقعہ تھا۔ پہلے سمن آباد والی کوٹھی جلا کر راکھ کر ڈالی گئی۔ پھر اس کے آدمیوں سے تین کروڑ مالیت کا سونا چھین لیا گیا اور اس کے بعض اہم آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ ان دونوں واقعات میں شارق بھی شریک تھا۔ پھر شارق نے یہ ڈرامہ کیا کہ گلبرگ میں اپنی ہی کوٹھی کو آگ لگا کر روپوش ہوگیا۔ اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ اور ثمینہ اس آگ میں جل کر راکھ ہوچکے ہیں لیکن پھر ٹیکسی کے حادثے

aazzamm@yahoo.com

والا واقعہ پیش آیا اور یہ انکشاف ہوا کہ اس حادثے میں زخمی ہونے والا شارق تھا لیکن وہ ہسپتال سے پراسرار طور پر غائب ہوگیا اور پورے شہر کی پولیس اس کا سراغ نہیں لگا سکی تھی۔

حاجی نے ملتان روڈ والی حویلی سے شارق کے مال پر قبضہ کیا تھا اور وہ بہت خوش تھا کہ وہ شارق کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہوگیا ہے لیکن تیسرے ہی دن ثمینہ نے نہ صرف اس مال کو بلکہ اس کی کوٹھی کو بھی اڑا دیا تھا اور اس کے بعد آج اس کی اربوں ڈالر مالیت کی ہیروئن دھویں میں اڑا دی تھی۔

"ثمینہ--- ثمینہ---" حاجی دانت کچکچا کر رہ گیا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ بھوگیوال کے قبرستان والے طویلے میں کوئی تہ خانہ ہے اور اس تہ خانے میں ہیروئن بھری ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسری لڑکی کون ہے اور انہیں اس کے اڈے کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والا کون ہے۔

حاجی کے پولیس والے مخبر نے بتایا تھا کہ ثمینہ کے ساتھ اس کارروائی میں حصہ لینے والا حاجی ہی کے گروہ کا کوئی آدمی ہوسکتا ہے۔ اس بات کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی تھی کہ اس نے نورے کو محض اس لئے گولی مار دی تھی کہ وہ اسے جانتا تھا اور اسے یہ ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ اگر نورے کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو وہ اسے شناخت کرلے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی گروہ ہی کا آدمی تھا۔

حاجی کو اب دوسرے ٹھکانوں کی فکر ہوگئی تھی جن میں اربوں ڈالر کا مال بھرا ہوا تھا۔ اس مال میں اسلحہ بھی تھا اور ہیروئن بھی۔ سب سے زیادہ مال بند ر ڈ والے اڈے پر تھا۔ جہاں دو آدمی چوبیس گھنٹے موجود رہتے تھے اور حاجی نے شفقت کو ہدایت کردی تھی کہ اس اڈے کی حفاظت کیلئے مزید آدمی بھیج دیئے جائیں اور جو کوئی اڈے میں داخل ہونے کی کوشش کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔ خوبصورت لڑکیوں پر خاص طور پر نگاہ رکھی جائے۔ اگر کوئی لڑکی کسی بھی بہانے اڈے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے پکڑ لیا جائے اور حاجی کو مطلع کردیا جائے۔

حاجی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ شفقت چائے لے کر آگیا۔ اس نے ایک کپ حاجی کو دیدیا اور دوسرا خود لیکر اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں چائے پیتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے کہ شارق اور ثمینہ کہاں چھپے ہوں گے اور ان کو اطلاعات فراہم کرنے والا کون ہے۔

"اپنے گروہ کا کوئی آدمی نہیں ہوسکتا حاجی جی۔" شفقت نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا کوئی بھی آدمی غداری کا نہیں سوچ سکتا۔ یہ یقیناً" کوئی باہر کا آدمی ہے۔"

"باہر کا آدمی کون ہوسکتا ہے جسے ہمارے اڈوں کے بارے میں اتنی معلومات حاصل ہوں۔"

حاجی نے کہا۔

"دو تین آدمی ایسے ہیں حاجی جی جو آپ کے قریب رہنے کی کوشش کرتے ہیں انہی میں سے کوئی ہوسکتا ہے۔" شفقت نے جواب دیا۔

"مثلاً کون؟" حاجی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک تو زبیر ہے جی۔" شفقت نے جواب دیا۔ "یہ انگلینڈ والے گینگ کا نمائندہ ہے۔ وہ ہر وقت آپ کے قریب رہتا ہے۔ ایک سودے میں آپ نے اسے کمیشن کم دیا تھا۔ جس پر وہ ناراض بھی ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے اسے ان اڈوں کے بارے میں آپ کی باتوں سے معلومات حاصل ہوگئی ہوں اور اس نے انتقامی کارروائی کے طور پر شارق کو ان کے بارے میں اطلاع دیدی ہو۔ افغانستان جانے سے پہلے شارق سے بھی تو اس کے تعلقات رہے ہیں۔"

"اور اس کے علاوہ؟" حاجی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس انسپکٹر عثمان۔ جسے آپ نے معطل کروایا تھا۔" شفقت بولا۔

"نہیں یار۔" حاجی نے کہا۔ "وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ تو کتے کی طرح میرے پیچھے دم ہلاتا پھرتا ہے کہ میں سفارش کرکے اسے ملازمت پر بحال کرا دوں۔ اس میں اتنی جرات نہیں کہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکے اور پھر شارق سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ انسپکٹر عثمان پولیس سروس سے معطل ہوچکا ہے اور وہ اس کوشش میں ہے کہ اس کی سروس بحال ہوسکے۔ اگر اسے شارق اور ثمینہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو وہ پہلی فرصت میں انہیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیتا۔ جس سے نہ صرف فوری طور پر اس کی سروس بحال ہوجاتی بلکہ اسے ترقی بھی ملتی اور انعام بھی۔ وہ میرے خلاف شارق سے مخبری کیوں کرتا۔ اس طرح اسے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔"

"آپ کہتے تو ٹھیک ہیں حاجی جی۔ شفقت نے کہا۔ "ویسے مجیدے کا بھی آج کل آپ کے پاس بہت آنا جانا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے آپ سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہوں جنہیں وہ شارق تک پہنچا رہا ہو۔"

"نہیں شفقت۔" حاجی نے مجیدے والے امکان کو بھی مسترد کردیا۔ "نہ صرف مجیدے کا بہنوئی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے آدمی شارق کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ وہ شارق کو دیکھتے ہی گولی تو مار سکتا ہے لیکن اس سے دوستی نہیں کرے گا۔ ویسے بھی مجیدا ایک بہت چھوٹا آدمی ہے۔ مجھ سے دشمنی مول لینا پسند نہیں کرے گا۔"

aazzamm@yahoo.com

"پھر بھی ان لوگوں پر نگاہ رکھنی چاہئے۔" شفقت نے مشورہ دیا۔

"ہاں۔ اپنے اطمینان کیلئے ایسا کیا جاسکتا ہے۔" حاجی بولا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ حاجی نے پہلے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"میں محمود چیمہ بولا رہا ہوں' حاجی صاحب۔" دوسری طرف سے ہیلو کے جواب میں کہا گیا۔

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ۔۔۔۔"

"مجھے بھی اطلاع مل چکی ہے۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اچھا ہوا تم نے فون کردیا۔ طافو پولیس کی تحویل میں ہے اور اس نے پولیس کو بتا دیا ہے کہ وہ ڈیرہ میرا ہے۔ اگر یہ بات منظر عام پر آگئی تو میرے خلاف مزید ہنگامہ کھڑا ہوگا۔ تم اس علاقے کے ایس پی سے بات کرکے طافو کو وہاں سے نکال لو۔"

"یہ طافو کون ہے حاجی صاحب؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ڈیرے پر رہتا تھا۔ میرا کارندہ ہے۔" حاجی نے جواب دیا۔

"میں ابھی ایس پی سے بات کرتا ہوں۔ پھر آپ کو اطلاع دوں گا۔" محمود نے کہا۔

"میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔" حاجی نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

محمود اسمبلی کا ممبر تھا۔ اسے اسمبلی تک پہنچانے میں حاجی ہی کا ہاتھ تھا۔ حاجی نے پہلے اسے علاقے میں متعارف کرایا تھا۔ اس کے ہاتھوں علاقے کے لوگوں کے بہت سے مسائل حل کروائے تھے جن پر حاجی نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ اس وقت دوسرے سیاسی لیڈر بھی میدان میں موجود تھے۔ دو تین تو ایسے تھے جنہوں نے سیاست کو اپنی میراث بنا لیا تھا۔ وہ لوگ اسمبلیوں میں تھے۔ لوگ اپنے مسائل لیکر ان کے پاس جاتے تو انہیں ٹال دیا جاتا۔ ان سیاستدانوں کو صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا اور اس کے لئے وہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں سے جوڑ توڑ کرتے رہتے تھے لیکن عوام کے ان نمائندوں کو عوام اور ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایسے میں محمود سامنے آیا۔ وہ اپنی جیب سے پیسہ خرچ کر کے لوگوں کے مسائل حل کررہا تھا۔ علاقے میں جگہ جگہ لگے ہوئے گندگی کے ڈھیر اس نے صاف کروا دیئے تھے۔ کچھ گلیوں میں اینٹوں کے فرش بنوا دیئے تھے۔ بہت سے علاقوں میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کروا دیا تھا۔

لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان سارے کاموں کے پیچھے حاجی عبداللہ جیسے سمگلر کا ہاتھ ہے۔ وہ تو صرف محمود کو جانتے تھے جو پیسہ خرچ کرکے ان کے مسائل حل کررہا تھا۔ وہ جوان آدمی تھا اور اس میں کام کا جذبہ بھی تھا اور جب محمود الیکشن میں کھڑا ہوا تو لوگوں کی اکثریت نے اسے

ووٹ دیے۔ محمود کی الیکشن کی مہم پر بھی حاجی نے روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ ووٹ خریدنے کیلئے گھر گھر جاکر نوٹ بانٹے گئے تھے اور جب الیکشن کا رزلٹ سامنے آیا تو محمود خوشی سے ناچ اٹھا تھا۔ اس کا حریف اس علاقے کا پرانا اور گھاگ سیاستدان تھا۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک اسمبلی میں یہ سیٹ اسی کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ گویا یہ اس خاندان کی موروثی سیٹ بن گئی تھی اور اب پہلی مرتبہ اس خاندان کو شکست ہوئی تھی اور یہ سیٹ ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

لوگ محمود کو اپنا ہمدرد غمگسار سمجھتے تھے لیکن بہت جلد یہ بات سامنے آگئی کہ محمود بھی خدمت کا جذبہ لیکر نہیں آیا تھا۔ اس نے لاکھوں روپے بلا وجہ خرچ نہیں کئے تھے۔ وہ بھی ایک کے سو بنانے کے چکر میں تھا اور سب سے بڑھ کر وہ حاجی عبداللہ جیسے سمگلر کو تحفظ فراہم کررہا تھا۔ اخبارات جب بھی حاجی کے خلاف کچھ لکھتے اسمبلی میں جب بھی حاجی عبداللہ کی غیر قانونی سرگرمیوں کے خلاف آواز اٹھتی محمود اور اس جیسے زر خریدنمائندے حاجی عبداللہ کے مفادات کا تحفظ کرتے اور بات کو اسمبلی کی دیواروں کے اندر ہی ختم کر دیا جاتا۔ اس طرح حاجی کو بڑے افسروں سے لیکر وزیروں پر بھی گرفت حاصل تھی۔ جو لوگ اس کے نمک خوار تھے وہ اس کے غیر قانونی کاروبار کو تحفظ فراہم کررہے تھے اور اس کے خلاف احتجاج کرنے والے عوام پر لاٹھی چارج کیا جارہا تھا۔

پانچ بجے کے قریب محمود کی کال آگئی۔

"ہاں۔ کیا ہوا؟" حاجی نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

"طافو کو وہاں سے نکالنا بہت مشکل ہے حاجی صاحب۔ بات بہت اوپر تک پہنچ چکی ہے۔ پولیس اور حکومت کے اعلیٰ ترین افسران اس وقت بھی وہاں کیمپ لگائے ہوئے ہیں اور صورتحال پر غور کررہے ہیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"کیا بکواس کررہے ہو۔" حاجی دھاڑا۔ "حرام خور ہو تم سب۔ میں نے کروڑوں روپے خرچ کرکے تم لوگوں کو اسمبلیوں تک پہنچایا ہے لیکن تم لوگ کیا کررہے ہو۔ ایک معمولی سا کام نہیں کرسکتے۔ یہ پولیس کے انسپکٹر کی سطح کا کام تھا۔ کیا تمہارے پاس اتنے اختیارات بھی نہیں کہ ایک آدمی کو پولیس کی تحویل سے نکال سکو۔"

"بات اب بہت اوپر پہنچ چکی ہے حاجی صاحب۔" محمود نے جواب دیا۔ "ہیروئن کے زہریلے دھوئیں سے متاثر ہونے والے بیسیوں لوگوں کو مختلف ہسپتالوں میں پہنچایا جا چکا ہے۔ حکومت کے تمام بڑے بڑے افسران وہاں موجود ہیں اور طافو کے بیان سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وہ ڈیرہ آپ کا تھا اور وہاں ہیروئن آپ نے جمع کر رکھی تھی۔"

aazzamm@yahoo.com

"آگ تو میں نے نہیں لگائی تھی۔" حاجی چیخا۔ "اصل مجرم کو تلاش کرنے کے بجائے مجھے نشانہ کیوں بنایا جارہا ہے۔"

"اس لئے کہ وہ گودام آپ کا تھا۔" محمود نے جواب دیا۔ "ہم نے قدم قدم پر آپ کو تحفظ فراہم کیا۔ اسمبلی میں آپ کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبایا لیکن اب صورتحال بہت ہی سنگین ہوچکی ہے۔ آپ کے خلاف حکومت کے پاس اتنے ثبوت جمع ہوچکے ہیں کہ اب ہمارے لئے آپ کا دفاع کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔"

"کیا بکواس کررہے ہو۔" حاجی دھاڑا۔ "تمہاری یہ جرأت مجھے اس طرح کا جواب دے سکو۔ تم آج جو کچھ بھی ہو میری وجہ سے ہو۔ میں اگر چاہوں تو چند ہی روز میں تمہیں سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کرسکتا ہوں۔ تم---" وہ خاموش ہوگیا۔ اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ دوسری طرف سے لائن بے جان ہوچکی ہے۔ اس نے ریسیور پٹخ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

شفقت خاموش بیٹھا حاجی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ محمود سے کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس سے حاجی بپھر گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور اٹھ کر خاموشی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

حاجی عبداللہ بری طرح تلملایا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک کو کچا چبا جائے۔ اس کے اپنے اس کا حکم ماننے سے انکار کررہے تھے۔ محمود کو اس نے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا اور اب وہی اس کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر کرکے اس کا حکم ماننے سے انکار کررہا تھا۔

تقریباً" چھ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ حاجی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"اب کیا ہے؟" وہ دھاڑا۔

"لگتا ہے بہت غصے میں ہو حاجی صاحب۔" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہو تم؟" حاجی چونک گیا۔

"ثمینہ۔" دوسری طرف سے پرسکون لہجے میں کہا گیا۔ "میرا تو خیال تھا کہ اس وقت تک تم پاگل خانے میں پہنچ چکے ہوگے لیکن لگتا ہے بڑے مضبوط اعصاب کے مالک ہو۔ کوئی بات نہیں۔ ایک آدھ کارروائی اور سہی۔"

"مم--- میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حاجی نے دانت کچکچائے۔ "تم میرے ہاتھ آجاؤ تو تمہیں کتوں سے نچوا دوں گا۔ تمہاری بوٹیاں چیلوں اور گدھوں کو کھلا دوں گا--- تم---"

"بس تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے تمہارے پاگل ہونے میں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور حاجی کو ثمینہ کے قہقہے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ "فکر مت کرو۔ بس چند روز کی بات ہے۔ تم یا تو پاگل خانے میں نظر آؤ گے یا سڑکوں پر۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" حاجی دھاڑا۔

"میں نے تمہیں صرف یہ سنانے کیلئے فون کیا ہے کہ اپنے تمام تر وسائل استعمال کرنے کے باوجود تم ہمارا سراغ نہیں لگا سکے اور ہم تمہارے دوسرے اڈوں کی تلاش میں ہیں جن کا سراغ ہم جلد ہی لگا لیں گے اور اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ تم تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تمہارے اس ٹھکانے کا علم جہاں اس وقت تم چھپے بیٹھے ہو' تمہارے بعض بہت قریبی آدمیوں کو بھی نہیں ہے لیکن ہمیں تمہاری تمام نقل و حرکت کا علم ہے۔ اس کا یقین تم اس بات سے بھی کرسکتے ہو کہ میں اس وقت تم سے فون پر بات کررہی ہوں۔"

"تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتیں۔" حاجی چیخا۔

"اس کی فی الحال میں ضرورت بھی نہیں سمجھتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اور جب ہم تمہاری گردن پر ہاتھ ڈالنا چاہیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں تمہارے قریب آنے سے نہیں روک سکے گی۔ فی الحال خدا حافظ۔"

دوسری طرف سے فون بند ہوگیا۔ حاجی نے بھی ریسیور پٹخ دیا اور دروازے کی طرف مڑ کر چیخ چیخ کر شفقت کو پکارنے لگا۔ شفقت کے گھر والے جاگ رہے تھے لیکن شفقت سو گیا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا حاجی کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"کیا ہوا حاجی جی۔" اس کی آواز میں نیند کا خمار تھا۔

"ثمینہ کا فون آیا تھا۔" حاجی غرایا۔

"ثمینہ کا! شفقت اچھل پڑا۔ ثمینہ کا نام سن کر اس کی نیند کافور ہوگئی تھی اور دماغ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

"ہاں ثمینہ کا۔" حاجی دھاڑا۔ "اس نے دھمکی دی ہے کہ وہ لوگ جب چاہیں مجھے بھی ختم کرسکتے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ میں اس وقت یہاں چھپا ہوا ہوں۔ یہاں فون کرنے کا مطلب ہے کہ وہ سب کچھ جانتی ہے۔ یہ معلوم کرو کہ یہاں میری موجودگی کے بارے میں کس کس کو علم ہے۔ ان میں سے جس پر غداری کا شبہ ہو اسے گولی سے اڑا دو۔ جاؤ--- یہاں کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔"

شفقت کچھ کہے بغیر حاجی کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کی بیوی بھی

aazzamm@yahoo.com

فوراً" ہی اس کے پیچھے پہنچ گئی تھی۔

"کیا ہوا۔ یہ کیوں چیخ رہا ہے۔" اس کی بیوی عائشہ نے پوچھا۔ وہ ایک سیدھی سادی عورت تھی۔ اسے آج تک یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ اس کا شوہر کن کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔ حاجی کے بارے میں بھی وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس نے حاجی کا صرف نام سنا تھا اور یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے گھر میں جو شخص مہمان بن کر رہ رہا ہے یہ وہی حاجی ہے جس کے خلاف پورے شہر میں مظاہرے ہورہے ہیں۔ چار پانچ روز پہلے جب حاجی یہاں آیا تھا تو شفقت نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کا ایک زمیندار دوست ہے جو ایک مقدمے کی پیشی کے سلسلے میں شہر آیا ہوا ہے اور گھر سے باہر اس لئے نہیں نکلتا کہ اسے اپنے مخالفین سے جان کا خطرہ ہے۔ ان کا مکان دو حصوں میں تقسیم تھا۔ حاجی جس کمرے میں رہائش پذیر تھا وہ بالکل الگ تھلگ تھا۔ شفقت کی بیوی نے اس طرف کبھی جھانکا تک نہیں تھا۔ اسے کبھی حاجی کی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی لیکن آج تو وہ رات دو بجے سے بار بار چیخ پکار کررہا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" شفقت نے عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مقدمہ کچھ کمزور پڑتا جارہا ہے اس لئے آج رات سو نہیں سکا۔ رات دو بجے اس کے وکیل نے اطلاع دی تھی کہ اس کے اپنے آدمی ٹوٹ کر اس کے مخالفین سے جاملے ہیں اور ابھی کچھ دیر پہلے پھر وکیل ہی کا فون آیا تھا کہ اس کا کوئی اہم ترین گواہ اس کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہوگیا ہے۔ اسی لئے وہ غصے میں چیخ رہا تھا۔ ویسے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں پریشان کیوں نہ ہوں۔" عائشہ نے جواب دیا۔ "گھر میں جوان بیٹیاں ہیں۔ میں بھی گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ زمینداروں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ان کی آپس کی مقدمے بازیوں میں گھر کے گھر تباہ ہوجاتے ہیں انہیں تو کچھ نہیں ہوتا' مارے جاتے ہیں ان کے مزارع اور یار دوست--- دیکھو شفقت۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تمہارے دوست یہاں آتے رہتے ہیں۔ نہ میں کبھی کسی کے سامنے گئی ہوں اور نہ میں نے کبھی کسی کے آنے پر کوئی اعتراض کیا ہے لیکن جب سے تمہارا زمیندار دوست آیا ہے میں پریشان سی رہنے لگی ہوں۔ میرا تو مشورہ ہے کہ ایک آدھ دن میں اسے یہاں سے چلتا کرو۔ اگر تمہیں اپنا خیال نہیں تو میرا خیال کرو۔ اپنی جوان بیٹیوں کا خیال کرو۔"

"بات یہ ہے عائشہ۔" شفقت نے جواب دیا۔ "جب ہم پر بہت برا وقت آیا تھا اور ہم ایک وقت کی روٹی تک کو محتاج ہوگئے تھے تو میرا یہی دوست کام آیا تھا۔ تم جانتی ہو ہم کھولی نما مکان میں رہتے تھے اور اس کھولی کا کرایہ دینے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں اپنے

اسی زمیندار دوست حاجی کی وجہ سے ہوں۔ ویسے تم ٹھیک کہتی ہو۔ گھر میں جوان بیٹیاں ہیں۔ میں ان لوگوں کے جھگڑوں میں نہیں پھنسنا چاہتا۔ لیکن اسے کھرا سا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ کسی بہانے سے آج ہی اسے یہاں سے چلتا کردوں۔"

"ہم سب کا فائدہ اسی میں ہے۔" عائشہ بولی۔ "محلے والوں کو بھی اب باتیں بنانے کا موقع مل رہا ہے۔ ہماری پڑوسن فاطمہ کل مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ یہ کیسا مہمان ہے جو چوبیس گھنٹے گھر میں گھسا رہتا ہے اور باہر نہیں نکلتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی اسے رخصت کردوں گا۔" شفقت نے جواب دیا اور الماری میں سے کپڑے نکالنے لگا۔

"کہیں جارہے ہو؟" عائشہ نے پوچھا۔

"ہاں--- ایک بہت ضروری کام سے جارہا ہوں۔ دوپہر تک واپس آؤں گا۔ تم لڑکے کے ہاتھ حاجی صاحب کو ناشتہ بھجوا دینا۔" شفقت نے کہا۔

"تم بھی ناشتہ کرکے جانا۔ میں بانو سے کہتی ہوں پہلے تمہیں ناشتہ بنا دے۔" عائشہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

شفقت اپنی جگہ پر کھڑا سوچتا رہا۔ وہ بیوی کی باتوں پر غور کررہا تھا۔ عائشہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ اس کی تین جوان بیٹیاں ہیں۔ دو کالج میں اور ایک سکول میں پڑھتی ہے۔ اس محلے میں بڑی شرافت سے زندگی گزار رہا تھا۔ لوگ اس کے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ بزنس مین ہے۔ وہ اس کی عزت کرتے تھے۔ اور شفقت نے یہ عقلمندی کی تھی کہ اپنے اس کالے دھندے کو اس نے گھر سے دور ہی رکھا تھا۔ اس نے بیوی کو بھی کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے اور نہ ہی بیوی نے کبھی اس سے کچھ پوچھا تھا اور آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے صورتحال کی نزاکت کا احساس ہورہا تھا۔ اس نے حاجی عبداللہ کیلئے بڑے بڑے کام کئے تھے۔ شارق سے بھی اس کے تعلقات رہے تھے اور شارق کے افغانستان جانے کے بعد حاجی نے جب اس کی ماں اور بہن سے کوٹھی چھیننے کا فیصلہ کیا تھا تو شفقت نے حاجی کو اس کام سے روکنا چاہا تھا لیکن حاجی نے بات نہیں مانی تھی اور شارق کی ماں اور بہن کو دھکے دیکر کوٹھی سے نکلوا دیا تھا۔

افغانستان سے واپس آنے کے بعد جب شارق کو صورتحال کا علم ہوا تو اس نے حاجی کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کردیں۔ شارق کے خلاف کوئی جوابی کارروائی کرنا تو کیا حاجی ابھی تک یہ پتا نہیں چلا سکا تھا کہ شارق اور ثمینہ ہیں کہاں۔ حاجی بار بار ٹھکانے بدل رہا تھا لیکن وہ ہمہ وقت شارق کی نگاہوں میں تھا۔ شارق کو اب یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ حاجی اس کے گھر میں چھپا

aazzamm@yahoo.com

ہوا تھا۔ شفقت دراصل حق نمک ادا کررہا تھا لیکن آج بیوی کی باتوں نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ کہ اب حاجی ہارا ہوا گھوڑا ہے اور شفقت کے خیال میں ہارے ہوئے گھوڑے پر شرط لگانا عقلمندی نہیں تھی۔ اس نے چشم تصور سے آنے والے کل کی تصویر بھی دیکھ لی تھی۔ محمود کو حاجی نے اسمبلی تک پہنچایا تھا وہ حاجی کے پیر چاٹا کرتا تھا لیکن آج اس نے بھی حاجی کی کوئی مدد کرنے سے انکار کردیا تھا۔ شارق اور ثمینہ کی کارروائیاں تیز ہورہی تھیں۔ دوسری طرف عوامی دباؤ سے حکومت بھی حاجی کے خلاف کارروائی کا پروگرام بنا رہی تھی۔ ان حالات میں عقلمندی کا تقاضا تو یہی تھا کہ حاجی سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔ لیکن وہ حاجی سے اس طرح الگ ہونا چاہتا تھا کہ اسے شبہ نہ ہوسکے کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

شفقت اپنے خیالات سے اس وقت چونکا جب اس کی بڑی بیٹی بانو اس کے لئے ناشتا لیکر آگئی۔ وہ ناشتہ کمرے میں پڑی ہوئی چھوٹی میز پر رکھ رہی تھی اور شفقت بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ابو ناشتہ۔" بانو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹی۔" شفقت نے کہا اور میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد اس نے کپڑے بدلے اور آٹھ بجے کے قریب حاجی سے ملے بغیر گھر سے نکل گیا۔

شفقت نے عائشہ سے کہا تھا کہ وہ دوپہر تک واپس آجائے گا لیکن اس کی واپسی شام چھ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ وہ صرف چند منٹ کیلئے گھر میں آیا تھا اور پھر اس حصے میں چلا گیا جہاں حاجی رہائش پذیر تھا۔ وہ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران دونوں نے کئی مرتبہ کئی جگہوں پر فون کئے تھے۔

رات نو بجے کے قریب پجیرو دروازے پر آکر رکی کال بیل بجنے پر دروازہ شفقت ہی نے کھولا تھا۔ اس وقت گلی میں کچھ لوگوں کی آمدورفت ہورہی تھی۔ شفقت پجیرو سے اترنے والے دو آدمیوں سے اس طرح گرمجوشی سے ملا جیسے وہ اس کے بہت گہرے دوست ہوں اور یہ ملاقات بہت عرصہ بعد ہوئی ہو وہ انہیں اندر لے آیا۔ وہ دونوں تقریباً" دس منٹ تک حاجی سے باتیں کرتے رہے اور جب وہ واپس جانے لگے تو حاجی عبداللہ بھی ان کے ساتھ تھا۔

پجیرو چلی گئی۔ شفقت دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور اندر آگیا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

○

"مبارک ہو بھئی۔ حاجی عبداللہ دس پورے والے ٹھکانے سے بھی بھاگ گیا۔"

یہ بات انسپکٹر عثمان نے کہی تھی جو ابھی ابھی اندر داخل ہوا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر آنے والا ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ نے جلدی سے اٹھ کر ٹی وی بند کردیا اور عثمان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"تفصیل سے بتاؤ۔ وہ کس وقت وہاں سے گیا ہے اور کہاں گیا ہے؟"

"وہ رات نو بجے کے لگ بھگ وہاں سے گیا ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "میں دس بجے کے قریب مصری شاہ میں پہلوان کی دکان سے پان بنوا رہا تھا۔ میرا ارادہ اسی طرف آنے کا تھا اور تم لوگوں کیلئے پان بنوا رہا تھا کہ شفقت بھی وہاں آگیا۔ اس کے ساتھ گاڑی میں اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی تھیں۔ وہ شاید انہیں سیر کرانے کیلئے نکلا تھا اور پان لینے کے لئے رک گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ گاڑی سے اتر آیا۔ وہ آج مجھے کچھ بدلا بدلا سا لگا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ حاجی عبداللہ سے کچھ بدگمان ہورہا ہے۔ میں نے اس سے یہ دریافت کیا تھا کہ وہ تو حاجی کا بہت قریبی ساتھی ہے۔ اس سے ملاقات ہو تو اس سے میری سفارش کردے کہ اب تو مجھے معاف کردے۔ اس کے ایک ٹیلی فون پر میری ملازمت بحال ہوسکتی ہے اور تم لوگ جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا تھا؟"

"اس نے جواب تمہیں دیا تھا۔ ہم کیسے جان سکتے ہیں۔" ثمینہ مسکرائی۔

"اس نے کہا تھا کہ حاجی نو بجے تک تو اس کے گھر پر تھا۔ لیکن اس نے اسے چلتا کردیا اور ابھی اسے بھی پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اس کے بعد وہ عجیب سی باتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی جوان بیٹیوں کا بھی ذکر کیا۔ اس کی باتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ حاجی سے بدگمان ہورہا ہے اور اس سے الگ ہونا چاہتا ہے۔"

"گڈ!" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ حاجی عبداللہ کا زوال شروع ہوچکا ہے۔ شفقت پہلا آدمی ہے جس کے بارے میں تم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ حاجی کو چھوڑ رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ چند روز کے اندر اندر اس کے سارے آدمی بھاگ جائیں گے۔ لیکن ہم حاجی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ اس کے جو اڈے ہماری نظروں میں آچکے ہیں انہیں تو ہر حال میں تباہ کرنا ہے۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اب تمہیں دو کام کرنے ہیں پہلے نمبر پر یہ معلوم کرنا ہے کہ حاجی کا نیا

aazzamm@yahoo.com

ٹھکانہ کونسا ہے اور دوسرے نمبر پر بند روڈ والے ٹھکانے کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنی ہیں۔ یہ کام زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں ہوجانا چاہیے۔"

"ہو جائے گا۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں جو سب سے اہم ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" عثمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں۔ بیوی نے آج کھانا نہیں دیا؟" شارق بولا۔

"میں نے اسے چند روز کیلئے گاؤں بھیج دیا ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "آج دن میں حاجی کے دو تین آدمیوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ حاجی کو اپنے بعض آدمیوں پر شبہ ہوگیا ہے کہ وہ شارق کیلئے مخبری کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے میرا نام بھی ان مشتبہ افراد کی فہرست میں ہو اس لئے میں نے آج ہی بیوی بچوں کو گاؤں بھیج دیا ہے۔ حاجی جیسے آدمی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ مجھ پر شبہ ہونے کی صورت میں وہ میرے بیوی بچوں کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"اچھا کیا تم نے۔" ثمینہ نے کہا پھر شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم سالن گرم کرو۔ میں آکر دو روٹیاں پکا دیتی ہوں۔"

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد انسپکٹر عثمان کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آج کی صورتحال پر بھی تبصرے ہورہے تھے۔

"آج بھی اخبارات نے ضمیمے شائع کئے ہیں۔" عثمان انہیں بتا رہا تھا۔ "بعض اعلیٰ اور ذمہ دار افسروں کے ایسے بیانات بھی شائع ہوئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اب حاجی عبداللہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"حکومت ضرور کارروائی کرے گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے ہم اپنی کارروائی مکمل کریں گے۔"

"اور اسے اس قابل نہیں چھوڑیں گے کہ وہ کوئی مزاحمت کرسکے۔" یہ بات شارق نے کہی تھی۔

"مزاحمت کرنے کے قابل تو وہ اب بھی نہیں رہا۔ وہ تو پیچھے کے ٹھکانے تلاش کرتا پھر رہا ہے۔" عثمان نے کہا۔

"نہیں۔ اسے کمزور مت سمجھو۔" شارق بولا۔ "دشمن کو کبھی کمزور مت سمجھو اور حاجی عبداللہ جیسا مکار دشمن--- اس میں ابھی بڑا دم ہے۔ اس کے آدمی اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پولیس اور سرکاری محکموں میں اس کے نمک خوار موجود ہیں۔ اگر کسی شریف اور دیانتدار آفیسر نے اس کے خلاف کسی کارروائی کی بات کی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے خلاف واقعی کارروائی شروع ہوجائے گی اور اسے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کردیا جائے گا۔ نہیں میرے دوست۔ اس میں ابھی بڑا دم ہے۔ وہ آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک لڑے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" عثمان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

عثمان کھانا کھا چکا تھا۔ شاہ پری برتن اٹھا کر لے گئی اور کچھ دیر بعد چائے بنا کر لے آئی۔

"تم لوگوں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔" نولکھا نے اچانک کہا۔ "باہر بارش ہورہی ہے۔ مٹی کی بھینی بھینی مہک آرہی ہے۔" اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی اور بھیگی ہوئی ہوا کا ایک جھونکا اندر در آیا۔

"بادل تو صبح سے ہورہے تھے۔ آخر بوندا باندی شروع ہو ہی گئی۔" ثمینہ بولی۔ ہلکی بوندا باندی سے موسم خاصا خوشگوار ہوگیا تھا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ بارش تیز نہیں ہوئی پھوار سی پڑتی رہی اور تقریباً" ایک گھنٹے بعد وہ بھی ختم ہوگئی۔

وہ لوگ کافی دیر تک برآمدے میں بیٹھے رہے پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئے۔ "میرا خیال ہے اب سو جانا چاہیے۔" نولکھا انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

وہ لوگ بھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ انسپکٹر عثمان اوپر والی منزل پر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ بالآخر وہ بستر سے اٹھ کر باہر آگیا۔ اوپر کی منزل پر بھی ایک کشادہ ٹیرس بنا ہوا تھا۔ جس میں چند کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایزی چیئر پر نیم دراز ہوگیا اور بادلوں سے ڈھکے ہوئے تاریک آسمان کو گھورتے ہوئے شاہ پری کے بارے میں سوچنے لگا۔ آج اس کے یہاں آنے کی اصل وجہ شاہ پری ہی تھی۔ یوں تو اسے ثمینہ بھی اچھی لگتی تھی لیکن ثمینہ کی طرف قدم بڑھانے کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں شاہ پری کو حاصل کرکے ہی رہے گا۔ خواہ اس کے لیے اسے جیسے ہی کٹھن اور نازک مرحلوں سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے قریب رہنے کی کوشش کرے گا تاکہ شاہ پری سے ملنے کا موقع ملتا رہے۔

انسپکٹر عثمان نے چار بجے تک ٹیرس پر بیٹھا شاہ پری کے بارے میں سوچتا رہا اور جب اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے تھکنے لگیں تو وہ کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

صبح دس بجے اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔ اسے جگانے والی شاہ پری تھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

"مجھے معلوم ہے تم بیڈ ٹی پینے کے عادی ہو۔" شاہ پری نے کہا۔ "اسی لیے میں چائے بنا کر لے آئی ہوں۔" اس نے جھک کر چائے کا کپ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

آنکھ کھلتے ہی شاہ پری کو دیکھ کر عثمان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔ وہ رات بھر کرسی پر بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور پھر سوتے میں بھی اس کے خواب دیکھتا رہا تھا اور اب وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور جب شاہ پری کپ رکھ کر جانے لگی تو عثمان نے غیرارادی طور پر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

شاہ پری کو ذہنی طور پر ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ عثمان اس قسم کی کوئی حرکت کرے گا۔اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے اس نے عثمان کے اس ہاتھ کی طرف دیکھا جس سے اس نے کلائی پکڑ رکھی تھی پھر شاہ پری کی نظریں آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہوئی اس کے چہرے پر جم گئیں۔

ان نظروں میں بے پناہ سردمہری تھی۔ عثمان کے دماغ کو جھٹکا سا لگا اور اس نے شاہ پری کی کلائی چھوڑ دی۔

"سوری شاہ پری۔" عثمان کے لہجے میں خجالت تھی۔ "میرے دماغ پر شاید اب بھی نیند کا خمار طاری ہے۔"

"اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔" شاہ پری کے لہجے میں بھی سردمہری تھی۔ "چائے پی کر نیچے آجاؤ۔ سب لوگ تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

عثمان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ دروازے کی طرف جاتی ہوئی شاہ پری کو دیکھتا رہا اور جب وہ کمرے سے نکل گئی تو کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد جب وہ نیچے اتر رہا تھا تو اس کے دل میں ہلکا سا خوف تھا۔ وہ سوچ رہا کہ اگر شاہ پری نے اس کی حرکت کے بارے میں ثمینہ یا شارق کو بتا دیا ہوگا تو وہ لوگ نجانے اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

وہ سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے اور رضیہ اور شاہ پری ناشتہ لگا رہی تھیں۔ عثمان کے دل میں ہلکا سا خوف تھا۔ وہ شارق کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اور باری باری ان سب کی طرف دیکھنے لگا۔ کسی کے چہرے پر غیرمعمولی تاثرات نہیں تھے۔ شاہ پری نے بھی آملیٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ عثمان نے اطمینان کا سانس لیا۔ شاہ پری نے اس کی شکایت نہیں کی تھی۔ اس نے شاید غلطی سمجھ کر اس حرکت کو نظرانداز کر دیا تھا۔

ناشتے کے دوران یہ پروگرام بنا تھا کہ عثمان اور شاہ پری بند روڈ پر جاکر حاجی کے اس اڈے کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور اس کے بعد اس اڈے پر ریڈ کرنے کا پروگرام بنایا جائے گا۔ عثمان نے کن انکھیوں سے شاہ پری کی طرف دیکھا۔ شاہ پری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

وہ دونوں گیارہ بجے کے لگ بھگ گھر سے نکل گئے۔ شاہ پری نے ثمینہ کا برقعہ پہن لیا تھا۔ اس نے چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا البتہ آنکھیں برہنہ تھیں۔

کار تیزاب احاطہ اور سلطان پورہ سے ہوتی ہوئی ریلوے اسٹیشن کے پل کی سیڑھیوں کے قریب جی ٹی روڈ پر آگئی۔ اور پھر دو موریہ پل سے ہوتی ہوئی سرکلر روڈ پر دوڑنے لگی۔ ٹریفک زیادہ ہونے کی وجہ سے کار کی رفتار کم تھی۔ وہ شاہی قلعہ کے قریب سے گزرے تو شاہ پری حیرت آمیز نظروں سے قلعے کی عظیم دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ مغلوں کے دور کا بنا ہوا قلعہ ہے۔ لاہور شہر میں بے شمار تاریخی عمارتیں ہیں جو ہمارا تاریخی ورثہ ہیں۔ یہ تاریخی عمارتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ واپسی پر وقت ہوا تو میں تمہیں اس قلعے کی سیر کراؤں گا۔" عثمان نے شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اسے قلعے کے بارے میں بتانے لگا۔

منٹو پارک والے چوک سے کار بڈھا راوی کی طرف مڑ گئی اور پھر انہیں راوی کے پل تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس چوک پر میلے کا سا سماں نظر آرہا تھا۔ ایک طرف شہر سے باہر جانے والی بسیں قطار میں کھڑی تھیں۔ ان اطراف سے جو لوگ لاری اڈے پر نہیں جا سکتے تھے۔ وہ یہیں سے بسوں میں بیٹھتے تھے۔ دوسری طرف شہر میں داخل ہونے والی بسیں مسافروں کو اتار رہی تھیں۔ عثمان نے کار بائیں طرف بند روڈ پر موڑ لی۔ یہ سڑک زمین کی سطح سے دس بارہ فٹ اونچی تھی۔ اس کے بائیں طرف گنجان آبادی تھی اور دائیں طرف کچھ فاصلے پر دریائے راوی بہہ رہا تھا۔ سڑک اور دریا کے درمیان وسیع رقبے پر شیشم اور اسی قسم کے درختوں کا جنگل تھا۔ جس میں جگہ جگہ لوگوں کی ٹولیاں نظر آرہی تھیں۔ لوگ پکنک منانے کے لیے یہاں آتے رہتے تھے۔

"کچھ عرصہ پہلے دریا میں سیلاب آجانے کی وجہ سے شہر کا بیشتر حصہ پانی میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ جس سے بہت سا جانی و مالی نقصان ہوتا تھا۔ لیکن پھر یہاں دریا کے ساتھ ساتھ بند بنا کر اس پر یہ سڑک تعمیر کر دی گئی۔ اس بند کی تعمیر سے نہ صرف شہر کو ہر سال آنے والے سیلاب کی تباہ

aazzamm@yahoo.com

کاریوں سے بچا لیا گیا ہے بلکہ یہ سڑک تعمیر ہو جانے سے شہر کے درمیان فاصلے بھی کم ہو گئے ہیں۔ یہ سڑک یتیم خانے والے چوک پر ملتان روڈ سے جا ملتی ہے۔"

عثمان شاہ پری کو بتا رہا تھا اور شاہ پری دائیں طرف جنگل اور دریا کی طرف دیکھنے لگتی اور کبھی بائیں طرف آبادی کی طرف۔ آبادی سڑک سے تقریباً" پچاس گز ہٹ کر تھی اور خاصی گنجان تھی۔ سڑک پر دونوں طرف سے ٹریفک جاری تھا۔ اس ٹریفک میں زیادہ تر بسیں اور مال بردار ٹرک شامل تھے جو شہر کی پرہجوم سڑکوں پر جانے کے بجائے شہر کے باہر ہی باہر سے ہوتے ہوئے اپنے اپنے اڈے کی طرف چلے جاتے تھے۔

عثمان نے ایک جگہ گاڑی روک لی اور بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"وہ فلم اسٹوڈیو ہے۔ یہاں فلمیں بنتی ہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"اگر تم فلموں میں کام کرنا چاہو تو میرے کچھ تعلقات ہیں انڈسٹری میں۔ تم ہیروئن بن کر لاکھوں دلوں پر راج کر سکتی ہو۔"

"ہیروئن؟" شاہ پری نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ تم میں ہیروئن بننے کی تمامتر صلاحیتیں موجود ہیں۔" عثمان بولا۔ "ہماری انڈسٹری کی ہیروئنیں ماشاء اللہ ایسی ہیں کہ جس جگہ ڈانس کرتی ہیں وہ جگہ زمین میں دھنس جاتی ہے۔ اور تم تو اسمارٹ ہو، حسین ہو، تم تو دیکھتے ہی دیکھتے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاؤ گی اور لوگ تمہاری ایک جھلک دیکھنے کو ترسا کریں گے۔"

"مگر مجھے تو ڈانس نہیں آتا۔" شاہ پری نے کہا۔

"یہاں ڈانس آتا ہی کسے ہے۔" عثمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہیروئن کی بے معنی اچھل کود پر لوگ سیٹیاں بجاتے ہیں اور داد دیتے ہیں۔ ویسے تم چند روز میں ڈانس بھی سیکھ سکتی ہو۔"

"ہیروئن بعد میں بنوں گی پہلے وہ کام جس کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔" شاہ پری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"او ہاں۔ وہ کام تو پہلے ہونا چاہیے۔" عثمان نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تقریباً" ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر گاڑی روک لی اور بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہ باؤنڈری وال دیکھ رہی ہو۔ یہ تقریباً" تین ایکڑ کا رقبہ ہے جسے باؤنڈری وال سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ یہ پلاٹ حاجی کی ملکیت ہے۔ کئی سال پہلے اس نے یہ زمین کوڑیوں کے مول خریدی تھی اور اب اس کی مالیت کروڑوں روپے ہے۔ اسے کئی پارٹیاں اس پلاٹ کے لیے آفر دے چکی ہیں لیکن حاجی اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یہاں فلم اسٹوڈیوز بنانا چاہتا ہے کیونکہ اب اسے بھی فلموں سے کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس کی یہ حسرت پوری نہیں ہو سکے گی۔"

شاہ پری اس طرف دیکھ رہی تھی۔ خاصا وسیع و عریض رقبہ تھا جسے اونچی چار دیواری نے گھیر رکھا تھا۔ چار دیواری میں ایک بہت بڑا آہنی گیٹ تھا جس کے اندر کی طرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس شیشم کے کچھ درخت بھی تھے اور دو آدمی درختوں کے نیچے چارپائیوں پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ پلاٹ کا بیشتر حصہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں اور گھاس سے اٹا ہوا تھا۔ دائیں طرف ذرا آگے ایک مختصر سا مکان بھی نظر آ رہا تھا۔ کاٹیج نما یہ مکان دور سے خاصا خوبصورت لگ رہا تھا۔

"درختوں کے نیچے وہ کاٹیج دیکھ رہی ہو۔" عثمان نے کاٹیج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے۔ مال اسی تہ خانے میں بھرا ہوا ہے۔ اور وہ دو آدمی جو چارپائیوں پر بیٹھے حقہ پی رہے ہیں چوبیس گھنٹے یہاں رہتے ہیں۔ یہ بظاہر نہتے نظر آ رہے ہیں لیکن ان کے پاس جدید ترین اسلحہ موجود ہے۔"

شاہ پری بڑی گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس پلاٹ کے دونوں طرف گلیاں تھیں۔ اور آبادی گنجان تھی۔ پچھلی طرف بھی آبادی تھی۔

آبادی کے سامنے والے رخ پر بارہ چودہ فٹ چوڑی سڑک تھی۔ سڑک کے اس طرف کچی زمین تھی جس پر گھاس اور خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور شیشم کے درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ اس سے آگے سڑک والی گھاٹی شروع ہو جاتی تھی۔

شاہ پری ایک اور چیز دیکھ کر چونک گئی۔ بند والی سڑک کی ڈھلان پر درختوں کے نیچے دو تین پھولداریاں لگی ہوئی تھیں۔ تین عورتیں اور تین چار ننگ دھڑنگ بچے بھی نظر آ رہے تھے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" شاہ پری نے پھولداریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی خانہ بدوش ہیں جنہوں نے یہاں ڈیرہ جما رکھا ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ خانہ بدوشوں کے اس ڈیرے کو دیکھ کر شاہ پری کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا تھا لیکن اس نے عثمان کے سامنے اپنے خیال کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"اس کاٹیج کے سامنے ایک خوبصورت لان بھی بنا ہوا ہے۔ کیا کاٹیج میں کوئی رہتا بھی ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"حاجی کے گھر والے یا دوسرے رشتہ دار پکنک کے لیے دریا پر آتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ اس کاٹیج میں رات گزارتے ہیں لیکن جب سے حاجی کے خلاف ہنگامے شروع ہوئے ہیں اس نے

aazzamm@yahoo.com

سب کو اس طرف آنے سے منع کر دیا ہے۔ دو مہینوں سے یہاں کوئی نہیں آیا البتہ یہ دو چوکیدار مستقل یہاں رہتے ہیں۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ چلو اب چلتے ہیں۔" شاہ پری نے کہا۔

انسپکٹر عثمان نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی واپس موڑ لی۔ فلم اسٹوڈیو سے ذرا آگے نکلنے کے بعد اس نے گاڑی جنگل والی طرف سڑک سے نیچے اتار کر درختوں کے نیچے روک لی۔

"یہ بڑا اچھا پکنک پوائنٹ ہے۔ کچھ دیر یہاں بیٹھ کر واپس چلتے ہیں۔" عثمان انجن بند کرکے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

شاہ پری بھی نیچے اتر آئی۔ اس جگہ خاصی رونق تھی۔ جگہ جگہ گھاس پر لوگوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بچے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ درختوں کے نیچے جگہ جگہ لکڑی اور کنکریٹ کے بنچ بھی رکھے ہوئے تھے۔ جن پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ درختوں کے اختتام پر دریا پر ایک لمبا چوڑا گھاٹ سا بنا ہوا تھا۔ جہاں چپوؤں والی کشتیاں موجود تھیں۔ گھاٹ پر بھی لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ لوگ کشتیوں پر بیٹھنے کے لیے اپنی باری کا انتظار کررہے تھے۔ درختوں کے نیچے چائے' نان چھولے اور کھانے پینے کی اشیاء کے کئی ٹھیلے بھی کھڑے تھے۔

وہ دونوں ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد عثمان ایک ٹھیلے سے چاٹ کی دو پلیٹیں لے آیا۔ ایک اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور دوسری شاہ پری کی طرف بڑھا دی۔ شاہ پری کو برقعے کا نقاب اتارنا پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"تم افغانستان کی رہنے والی ہو۔ اور تمہیں یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا۔ لیکن تم اردو بہت اچھی بول لیتی ہو۔" عثمان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"افغانستان کی سرحد پار کرتے ہی مجھے یہ احساس ہوگیا تھا کہ سرحدی علاقے سے آگے کوئی میری زبان نہیں سمجھ سکے گا۔ یہاں ایک زبان ایسی ہے جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے میں نے اپنی تمامتر توجہ اس زبان کو سیکھنے پر مبذول کر دی اردو ویسے بھی بڑی اچھی زبان ہے۔ بڑی شیرینی ہے اس میں۔ مجھے یہ زبان اچھی لگی تھی اس لیے جلدی سیکھ گئی۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر آئی کیوں؟" عثمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہاں اگر تم اچھے ہاتھوں میں ہوتیں تو کوئی بات بھی تھی۔"

"کیوں ..... ؟ شارق اچھا آدمی نہیں ہے کیا؟" شاہ پری بولی۔

"شارق بحیثیت انسان بہت اچھا آدمی ہے لیکن ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "لیکن وہ جو کچھ کررہا ہے اچھا نہیں کررہا۔ ایک طرف بدمعاشوں اور اسمگلروں کے گروہوں سے

محاذ آرائی ہورہی ہے اور دوسری طرف پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔ اس کی زندگی میں ایک لمحہ بھی سکون کا نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو بھی ہے وہ بھی اسی کی طرح خوار ہے۔ تم خود ہی بتاؤ۔ حاجی اور پولیس کے خوف سے اب تک کتنے ٹھکانے بدل چکے ہو تم لوگ۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ کسی خوف کے بغیر آرام اور سکون کی زندگی گزارو۔ ہر لمحہ ایک خوف ذہن پر سوار ہے۔ کسی بھی وقت کسی طرف سے آنے والی گولی تمہاری زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم شارق کے گینگ میں کیسے شامل ہوگئیں۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ عثمان اسے پٹانے کی کوشش کررہا تھا۔ صبح اس نے ہاتھ پکڑا تھا۔ شاہ پری نے شارق یا ثمینہ سے اس کی شکایت نہیں کی تھی۔ جس سے غالباً" عثمان کا حوصلہ بڑھا تھا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس وقت وہ اسے شارق کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ پہلے اس نے فلمی ہیروئن بنانے کی بات کی تھی اور اب وہ اسے شارق کے خلاف بہکانے کی کوشش کررہا تھا۔ اور شاہ پری اسے ڈھیل دینا چاہتی تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "افغانستان میں شارق' ثمینہ اور نولکھا ہمارے گھر میں آکر رہے تھے۔ اسی دوران مجاہدین کے ایک گروہ نے ہمارے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ ہم وہاں سے جانیں بچا کر بھاگے تو یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ کئی دنوں تک ہمارا ساتھ دیا۔ ہم اپنے ہی وطن میں بے سہارا' بے بس اور مجبور ہوگئے تھے۔ شارق وغیرہ قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیتے رہے۔ ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں پناہ لی تھی لیکن اس صوبے پر قابض فوج کے ایک دستے نے اس گاؤں پر بھی حملہ کردیا۔ اس حملے میں ہمارا وہ رشتہ دار اور میرا باپ بھی مارا گیا تھا۔ مرتے وقت میرے باپ نے شارق اور ثمینہ سے کہا تھا کہ میرا اور میری ماں کا خیال رکھیں۔ میری ماں کو بچھو نے ڈس لیا۔ بہت ہی زہریلا بچھو تھا۔ وہ مر گئی۔ شارق وغیرہ مجھے ساتھ لیے پھرتے رہے۔ کئی بار ان کا موت سے سامنا ہوا۔ لیکن انہوں نے قدم قدم پر میری حفاظت کی۔ سرحد پار کرنے سے پہلے شارق نے مجھے کہہ دیا تھا کہ اگر میں چاہوں تو افغانستان میں اپنے کسی رشتے دار کے پاس جا سکتی ہوں لیکن میرا وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میں اس خون خرابے سے بھی نکلنا چاہتی تھی۔ اس لیے میں ان کے ساتھ آگئی۔"

"اور یہاں آکر بھی خون خرابے میں الجھ گئیں۔" عثمان نے کہا۔ "لیکن تم نے اس کا ساتھ چھوڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ایک مرتبہ کوشش کی تھی۔" شاہ پری نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ عثمان

aazzamm@yahoo.com

کھلتا جارہا تھا۔ "یہ معلوم ہونے کے بعد کہ شارق اور اس کے ساتھی مفرور ہیں اور طویل عرصہ سے پولیس کو مطلوب ہیں تو میں نے ان کا ساتھ چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شارق نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ مجھے پولیس کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ ایک تو میرے پاس پاسپورٹ یا ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسرے اس ملک میں آتے ہی میں ان کے ساتھ قتل کی چند اور وارداتوں میں ملوث ہوگئی تھی گو کہ ان میں عملی طور پر میرا کوئی حصہ نہیں تھا لیکن میں ان کے ساتھ تو تھی۔"

"گویا تم چاہتی ہو کہ ہر قسم کے خوف سے آزاد ہوکر امن و سکون کی زندگی گزارو۔" عثمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ خواہش تو ہر شخص کی ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ سوچوں گا لیکن شارق یا ثمینہ وغیرہ کو ان باتوں کی ہوا نہیں لگنی چاہیے۔" عثمان نے کہا۔

"میں ان سے ایسی کوئی بات کیوں کرنے لگی۔" شاہ پری بولی۔

"تم فکر مت کرو۔ میں ایسا بندوبست کروں گا کہ شارق تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور تم اس شہر میں آزادی اور سکون کی زندگی گزار سکو گی۔" عثمان نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔ خاصی دیر ہوگئی ہے۔" شاہ پری اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں چلو ..... ابھی تمہیں قلعے کی سیر بھی کرانی ہے۔" عثمان بھی اٹھ گیا۔ اس نے چاٹ والے کو پیسے دیے اور شاہ پری کے ساتھ کار کی طرف چلنے لگا۔ اس نے شاہ پری کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور شاہ پری نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

کار میں بیٹھتے ہوئے شاہ پری اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور اس کی یہ مسکراہٹ انسپکٹر عثمان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ شاہ پری نے یہ تجویز پیش کی کہ قلعے کی سیر کسی اور دن کی جائے گی لہٰذا عثمان اسے ایک شاندار ریسٹورنٹ میں لے آیا جہاں انہوں نے پر تکلف کھانا کھایا اور پھر گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔

جب وہ گھر پہنچے تو ساڑھے چار بج رہے تھے۔ عثمان کے دل میں اس وقت بھی ہلکا سا خوف تھا کہ شاہ پری اس کے خلاف کوئی بات نہ کر دے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شاہ پری ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھی۔

چائے پینے کے بعد ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ عثمان چلا گیا۔ اس نے کہا تھا کہ اب وہ

صبح آئے گا۔ اس کے جانے کے بعد شاہ پری نے انہیں حاجی کے بند روڈ والے اڈے کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"پچھلے دو موقعوں پر میں اور ثمینہ ایک حربہ استعمال کر چکی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ حاجی نے اپنے آدمیوں کو الرٹ کر دیا ہوگا اور اس مرتبہ ہمارا وہ حربہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ہم لوگ خود ہی پھنس جائیں۔ ویسے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔"

"وہ کیا ..... ؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"حاجی کے اڈے کے سامنے بند روڈ کی ڈھلان پر خانہ بدوشوں نے ڈیرہ لگا رکھا ہے۔" شاہ پری کہنے لگی۔ "کیا ہم بھی خانہ بدوش بن کر آس پس ڈیرہ نہ لگا دیں۔ اس طرح ڈیرے تک ہماری رسائی آسانی سے ہو جائے گی۔"

"تجویز تو بہت معقول ہے۔" شارق بولا۔ "لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ نیا ڈیرہ لگانے کے بجائے اس ڈیرہ والوں سے کچھ معاملہ طے کرلیا جائے۔"

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ڈیرے والوں کو پیسے دے کر وہاں سے رخصت کردیا جائے اور ڈیرہ میں ان کی جگہ ہم لے لیں۔" شارق نے کہا۔

"کیا وہ مان جائیں گے؟" ثمینہ بولی۔

"انہیں پھٹی ہوئی چھولداریوں کی معقول قیمت مل جائے گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ میرا خیال ہے صبح سویرے طفیل کو وہاں بھیج دیا جائے جو یہ بھی معلوم کرے گا کہ ڈیرے والے کرتے کیا ہیں۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "بات میری سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر وہ لوگ ڈیرہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"صبح کا انتظار کیوں کرتے ہو۔" نولکھا بولا۔ "طفیل کو ابھی بھیج دو وہ شام تک معلوم کر آئے گا کہ ڈیرے والے کیا کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ طفیل کو بلاؤ۔ میں ابھی اسے بھیجتا ہوں۔" شارق بولا۔

طفیل اس وقت سودا وغیرہ لینے کے لیے بازار گیا ہوا تھا۔ لیکن پندرہ بیس منٹ بعد وہ جیسے ہی آیا شارق نے اسے بلا لیا۔

"تم سارے کام چھوڑ دو اور اسی وقت بند روڈ چلے جاؤ۔ گھوڑے شاہ سے آگے والے چوک سے تمہیں ٹیکسی یا رکشہ مل جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"بند روڈ پر کوئی میلہ لگا ہوا ہے؟" طفیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ شارق بولا پھر شاہ پری کی طرف رخ کرکے کہنے لگا۔ "اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ میلہ کہاں لگا ہوا ہے۔"

شاہ پری بھی ہنس پڑی تھی۔ پھر وہ طفیل کو سمجھانے لگی کہ اسے کہاں جانا ہے۔

"سمجھ گیا جی۔" طفیل نے کہا۔ "فلم اسٹوڈیو کے قریب ہی ہے وہ جگہ۔ میں جب رکشہ چلاتا تھا تو کئی مرتبہ اس طرف جا چکا ہوں۔ وہ رقبہ تو بہت عرصہ سے کسی نے دیوار لگا کر گھیرا ہوا ہے۔"

"بالکل وہی جگہ ہے۔" شارق بولا۔ "اس کے سامنے سڑک کی ڈھلان پر خانہ بدوشوں نے کوئی ڈیرہ لگا رکھا ہے۔ تم نے معلوم کرنا ہے کہ وہ لوگ کام کیا کرتے ہیں اور ان کے ڈیرے پر کتنے لوگ ہیں اور یہ کہ وہ لوگ کب سے اس جگہ ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں۔"

"اچھا جی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں سب کچھ معلوم کرکے آؤں گا۔ پر واپسی پر دیر ہو جائے گی جی۔"

"واپس تو آجاؤ گے نا؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"کیوں نہیں آؤں گا جی۔" طفیل مسکرایا۔ "آپ لوگوں کو چھوڑ کر میں نے جانا کہاں ہے۔"

"بس تو پھر اب رفوچکر ہو جاؤ۔ اور سنو۔ جیب میں پیسے ہیں یا نہیں۔" شارق بولا۔ "لو ..... یہ رکھ لو۔ راستے میں کہیں میلہ لگا ہوا تو وہ بھی دیکھتے آنا۔ اس نے سو سو کے دو تین نوٹ طفیل کی طرف بڑھا دیئے۔ طفیل نے نوٹ لے کر جیب میں ڈالے اور کمرے سے نکل گیا۔

طفیل کی واپسی رات دس بجے ہوئی تھی اور وہ واقعی سب کچھ معلوم کرکے آیا تھا۔

طفیل کی رپورٹ کے مطابق اس ڈیرے میں تین مرد، تین عورتیں اور دو بچے تھے۔ ایک آدمی بھاری بھرکم اور ادھیڑ عمر تھا۔ قد قدرے چھوٹا اور سر کے بال بہت قرینہ سے تراشے ہوئے تھے۔ طفیل نے اس شخص کا جو حلیہ بتایا وہ نولکھا سے کسی حد تک ملتا جلتا تھا۔ دوسرا آدمی دراز قامت اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ رنگ اتنا گہرا تھا کہ اس پر کالے پن کا شبہ ہوتا تھا۔ قدوقامت کے حساب سے یہ شخص عثمان سے ملتا جلتا تھا اور تیسرے آدمی کا جو حلیہ بتایا گیا وہ خود طفیل سے ملتا جلتا تھا۔ عورتوں میں ایک عورت بوڑھی تھی اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ایک کی عمر بتیس کے قریب اور تیسری کی عمر بیس بائیس سال رہی ہوگی۔ دونوں بچے اس عورت کے تھے جس کی عمر بتیس کے قریب تھی۔

طفیل کے کہنے کے مطابق بھاری بھرکم ادھیڑ عمر آدمی اور اس کا وہ ساتھی جو طفیل کی طرح دبلا پتلا تھا شہر میں گھوم پھر کر بندر اور ریچھ کا تماشا دکھاتے تھے جبکہ دراز قامت آدمی سبزی

aazzamm@yahoo.com
کتاب پر نعت لکھیں

منڈی میں مزدوری کرتا تھا۔

"ان کے ساتھ وہ عورتیں کیسی ہیں۔ میرا مطلب ہے شکل صورت اور رنگ روپ کیسا ہے؟" شارق نے طفیل کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"بوڑھی عورت تو بوڑھی ہی ہے اور دوسری عورتیں البتہ خوبصورت ہیں۔ ان کے رنگ بھی گورے چٹے ہیں۔" طفیل نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ میں نے یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ وہ بوڑھا بندر اور ریچھ کا تماشا دکھا کر دن بھر میں چالیس پچاس روپے کما لیتا ہے اور تقریباً" اتنی ہی رقم ان کا تیسرا ساتھی مزدوری کرکے کما لیتا ہے اور جی ....."

"اور کیا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اور جی ....." طفیل ایک بار پھر خاموش ہوگیا اور عجیب سی نظروں سے کمرے میں موجود ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا پھر نظریں جھکا کر مدہم لہجے میں بولا۔ "اور وہ دونوں جوان عورتیں کبھی کبھی دھندہ بھی کرتی ہیں۔"

"اوہ ....." شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان لوگوں سے سودا ہو سکتا ہے۔ ان کی روز کی آمدنی سو روپے ہے جس کے لیے انہیں دن بھر سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ میرا خیال ہے اگر ہم انہیں دس ہزار روپے کی پیش کش کریں تو وہ اپنی چھولداریاں وہاں چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ سامان وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تو گویا ہم لوگ خانہ بدوشوں کی حیثیت سے ان چھولداریوں میں رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہاں۔" شارق نے سر ہلایا۔ "طفیل نے ان کے جو حلیے بتائے ہیں۔ ان کے مطابق نولکھا، عثمان اور طفیل ان آدمیوں کی جگہ لے سکتے ہیں جبکہ ان دونوں خوبصورت عورتوں کی کمی ثمینہ اور شاہ پری کر دیں گی۔"

"اور بڑھیا کی جگہ۔" ثمینہ نے کہا پھر اپنی بات کا جواب بھی خود ہی دیدیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ بڑھیا کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"بڑھیا کی ضرورت ہوگی" شارق نے کہا۔ "اس کے لئے میرا خیال ہے کہ نرس رضیہ کے بال سفید کرکے اس کا حلیہ بگاڑ دیا جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"نرس رضیہ کو چند روز کی چھٹی لینی پڑے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اور میرا خیال ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" شارق بولا۔ "کل صبح فون کرکے عثمان کو

aazzamm@yahoo.com

بھی بلا لو۔ تاکہ اس پروگرام کو فائنل کیا جا سکے۔ اسے بلکہ ابھی فون کر دو۔ اگر وہ رات ہی کو آجائے تو ہم رات ہی پروگرام بنا لیں گے اور وہ صبح سویرے ہی اپنے مشن پر نکل جائے گا۔ شاہ پری تم اسے فون کر دو۔"

شاہ پری دل ہی دل میں ہنس پڑی تھی۔ وہ جب انسپکٹر عثمان کو فون کر کے یہاں آنے کو کہے گی تو وہ سر کے بل دوڑا آئے گا۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا۔ اتفاق سے عثمان اس وقت گھر پر ہی موجود تھا۔

"کیا بات ہے۔ تم نے انہیں کچھ بتا تو نہیں دیا؟" عثمان نے شاہ پری کی بات سننے کے بعد پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "صبح ہم جس کام سے گئے تھے اس سلسلے میں بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں۔" عثمان کی آواز سنائی دی۔

شاہ پری نے ریسیور رکھ دیا اور شارق کو بتا دیا کہ عثمان یہاں آنے کے لئے گھر سے نکل رہا ہے۔ وہ تھوڑی دیر وہاں بیٹھی رہی پھر کمرے سے نکل کر اوپر والے ٹیرس میں آگئی۔ آسمان پر بادل اب بھی تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ثمینہ بھی وہاں آگئی اور اس کے قریب ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ "تم یہاں آکر کیوں بیٹھ گئی؟" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس یونہی۔ موسم کا مزہ لینے کے لئے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اچھا ہوا تم بھی یہاں آگئیں۔ ایک ضروری بات کرنا چاہتی تھی تم سے۔"

"کوئی خاص بات؟" ثمینہ بولی۔ "کہو میں سن رہی ہوں۔"

شاہ پری چند لمحے خاموش رہی پھر انسپکٹر عثمان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"اس نے یہ بات ابھی تک مجھ سے کہی نہیں ہے لیکن آج کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ مجھے اپنے ساتھ ملا کر تمہارے اور شارق کے خلاف کوئی سازش کرنا چاہتا ہے۔"

"آخر وہ کھل گیا۔" ثمینہ اس کے خاموش ہونے پر مسکرائی۔ "مجھے اور شارق کو پہلے ہی اس پر شبہ تھا۔ اور جب اس نے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو گاؤں بھیج چکا ہے تو ہمیں اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ وہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "میں شارق سے بات کر لوں گی۔ لیکن تمہیں بھی ایک کام کرنا

ہو گا۔"

"وہ کیا؟" شاہ پری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم اسے یقین دلانے کی کوشش کرو کہ تم اس کے ساتھ ہو۔" ثمینہ بولی۔ "آج رات جب وہ اپنے کمرے میں ہو گا تو موقع پا کر تم بھی چلی جانا اور اسے اپنے جال میں پھانس کر اس سے وہ سب کچھ اگلوا لینا جو اس کے دل میں ہے۔ اور اسے یہ یقین دلا دینا کہ ہمارا یہ مشن پورا ہو جانے کے بعد تم میرے اور شارق کے خلاف بھرپور طور پر اس کا ساتھ دو گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ....." شاہ پری چند لمحے رکی پھر بولی۔ "لیکن اگر اس نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو ....."

"اسے حد سے مت بڑھنے دینا۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "فی الحال ہمیں اس کی ضرورت ہے اور اس کا تھوڑا بہت نخرہ تو برداشت کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ میں نے تم لوگوں کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا۔ اب نیچے چلو۔ تم نولکھا اور رضیہ کو دوسرے کمرے میں باتوں میں لگائے رکھنا۔ میں شارق سے بات کرتی ہوں۔" ثمینہ کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔

وہ دونوں نیچے آگئیں۔ رضیہ اور نولکھا برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ پری ان کے پاس چلی گئی اور ثمینہ شارق کے کمرے میں گھس گئی۔

○

شارق بھی وہ داستان سن کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "اس پر میرا شبہ درست تھا۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس پر کسی صورت بھی یہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اس کی سازش سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ شاہ پری کو اچھی طرح سمجھا دو کہ وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہے۔ ہمارا مشن بہت اہم ہے اور اس میں اس کا شریک ہونا بہت ضروری ہے۔ اور اسی مشن کے دوران ہم اسے بھی ٹھکانے لگا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے سر ہلا دیا۔ "میں نولکھا کو سمجھا دوں کیونکہ وہ بھی اس مشن میں ہمارے ساتھ ہو گا۔"

ثمینہ اٹھ کر برآمدے میں آگئی اور شاہ پری اور نولکھا کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ نولکھا

aazzamm@yahoo.com

کو اس نے یہ بتایا کہ عثمان نے ان کے خلاف سازش میں شاہ پری کو ملانے کی سازش کی ہے۔ البتہ اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ اسی مشن کے دوران عثمان کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔

وہ تینوں وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اور جب باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی تو شاہ پری ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔ گاڑی گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی گیٹ کی جھریوں سے نظر آ رہی تھی۔

شاہ پری نے گیٹ کی ایک جھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ عثمان ہی کی گاڑی تھی۔ شاہ پری نے گیٹ کھول دیا اور عثمان گاڑی اندر لے آیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ ایک بار پھر شارق والے کمرے میں بیٹھے ہوئے منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس منصوبے کے ایک ایک پہلو کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا گیا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ عثمان صبح چھ بجے ہی یہاں سے نکل جائے گا اور بوڑھے خانہ بدوش سے بات کرنے کے بعد دیگر انتظامات کی طرف توجہ دے گا۔

رات دو بجے کے قریب عثمان اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شارق اور نولکھا بھی سونے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری دوسرے کمرے میں آ گئی۔ وہ دونوں پلنگ پر لیٹی سرگوشیوں میں باتیں کرتی رہیں اور تین بجے کے قریب ثمینہ نے شاہ پری کو گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

"جاؤ ..... وہ ابھی جاگ رہا ہو گا۔" ثمینہ نے سرگوشی کی۔ "تم اسے بیوقوف بنانے جا رہی ہو۔ کہیں خود بیوقوف نہ بن جانا۔"

"بدتمیز کہیں کی۔" شاہ پری نے اسے ہولے سے ڈانٹ دیا اور کمرے سے نکل کر دبے پاؤں زینے چڑھنے لگی۔

"عثمان صاحب۔" اس نے عثمان کے کمرے کے دروازے پر رک کر سرگوشیانہ انداز میں پکارا۔ "سو گئے کیا؟"

کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے دوسری مرتبہ پکارا لیکن اس مرتبہ بھی جواب نہیں ملا۔ اور پھر دفعتاً وہ اچھل پڑی۔ کسی نے پیچھے سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

ڈر گئیں۔" عثمان نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ اسی لئے میں باہر ٹیرس پر بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ..... چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"نہیں۔ باہر ٹیرس پر ہی بیٹھتے ہیں۔ کھلی ہوا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ وہ دونوں ٹیرس پر آ گئے۔ جہاں بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ عثمان شاہ پری کو لے کر ایسی

ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آرام سے بیٹھو۔" عثمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے ساتھ چپکنے کی کوشش کرنے لگا۔ "کیا سوچا ہے تم نے؟"

"تمہارے جانے کے بعد میں تمہاری کہی ہوئی باتوں پر غور کرتی رہی ہوں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اب واقعی مجھے احساس ہونے لگا کہ میں غلط ہاتھوں میں پھنس گئی ہوں۔ لیکن ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔"

"یہ بھی اچھی بات ہے کہ تمہیں احساس ہو گیا ہے۔" عثمان نے کہا۔ "میرا ایک مقصد حاجی عبداللہ کو نقصان پہنچانا بھی ہے اور یہ مقصد شارق کے ذریعے پورا ہو رہا ہے۔ شارق کا یہ مشن مکمل ہو جائے تو ہم اپنا مشن شروع کر دیں گے۔ اس دوران تمہیں اچھی طرح سوچنے کا موقع بھی مل جائے گا اور تم کسی فیصلے پر بھی پہنچ جاؤ گی۔"

عثمان نے شاہ پری کو کھینچ کر اپنی آغوش میں گرا لیا۔ شاہ پری نے برائے نام مزاحمت کی تھی۔ لیکن جب عثمان زیادہ ہی بے قابو ہو گیا تو وہ ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے۔" وہ اپنا لباس درست کرتے ہوئے بولی۔ "اگر کسی کی آنکھ کھل گئی اور مجھے اپنے بستر پر نہ پایا تو شبہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ میری تلاش میں ادھر بھی آ جائے۔"

عثمان کے منہ سے ٹھنڈا سانس نکل گیا۔ شاہ پری مسکراتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف چلی گئی۔ عثمان اپنی جگہ کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ اور پھر دھم سے کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اور پھر اس کی وہ رات جاگتے ہی گزری تھی۔ شاہ پری کا حسین تصور اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔

اس نے صبح جب شاہ پری سے شارق کے بارے میں بات کی تھی تو اس کے ذہن میں خدشات تھے۔ وسوسے تھے شاہ پری، ثمینہ یا شارق سے ساری باتیں نہ کہہ دے۔ وہ سارا دن انہی خدشات میں گھرا رہا تھا۔ اور پھر جب شاہ پری کا فون آیا تھا تو اس وقت بھی عثمان یہی سمجھا تھا کہ اسے بہانے سے تو نہیں بلایا جا رہا۔ اس لئے وہ پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کی پتلون کی جیب میں پستول موجود تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو وہ کم از کم ثمینہ اور شارق کو ٹھکانے لگا ہی دے گا۔ لیکن اس کے خدشات بے بنیاد نکلے تھے۔ اور پھر آج رات جس طرح شاہ پری چوری چھپے اس کے پاس آئی تھی اور جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے عثمان کو یقین ہو گیا تھا کہ شاہ پری نے اپنی زبان بند ہی رکھی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

انسپکٹر عثمان کے شارق سے تعلقات اس وقت سے تھے جب وہ مزنگ تھانے کا انچارج تھا اور شارق اس علاقے میں چھانگے والا اڈا چلا رہا تھا۔ لیکن وہ تعلقات ایسے تھے جیسے ایک پولیس آفیسر اور ایک مجرم میں ہونے چاہیں۔ عام جرائم پیشہ لوگوں کو تو پولیس والے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتتے۔ لیکن بعض جرائم پیشہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی پشت پر کوئی طاقت ہوتی ہے۔ کسی سیاستدان یا حکومت کی کسی اعلیٰ شخصیت کی پشت پناہی ہوتی ہے یا وہ لوگ بڑی بڑی رقمیں پولیس کو بھتے کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ شارق بھی ایک ایسا ہی مجرم تھا۔ اس کے ساتھ پیسے کی قوت تھی۔ اس نے بعض بڑے بڑے پولیس افسروں کو خرید رکھا تھا۔ عثمان خود اس کے ہاتھوں بکا ہوا تھا۔ اسے شارق سے بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں اسی لئے اس نے شارق کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ پھر شارق حاجی عبداللہ سے مل گیا اور ملک سے باہر چلا گیا۔ حاجی عبداللہ نے شارق کے خلاف جو سازش تیار کی تھی اس کا عثمان کو علم نہیں تھا۔ لیکن حاجی عبداللہ نے جب شارق کے اڈے پر آدمی بھیج کر شارق کے ایک آدمی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تو عثمان نے حاجی کو گرفتار کرنے کے شوق میں اس کی کوٹھی پر چھاپہ مار دیا۔ وہ اب تک حاجی کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اور اس کا نتیجہ اسے اس طرح بھگتنا پڑا کہ حاجی کے ایک اشارے پر اسے ملازمت سے معطل کر دیا گیا۔ اور پھر ایک روز اتفاق سے شارق سے ملاقات ہو گئی۔ حاجی سے انتقام لینے کے لئے عثمان نے شارق کو بھڑکا دیا۔ حاجی کے خلاف اسے اطلاعات فراہم کرنے لگا۔ شارق اس کی توقع سے کہیں زیادہ چالاک نکلا۔ اس نے عثمان کی ایسی تصویریں کھینچ لیں جو اسے پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی تھیں۔ اس دوران اس کی اطلاع پر شارق نے حاجی کے تین کروڑ روپے مالیت کے سونے پر قبضہ کر لیا۔

عثمان اب شارق کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ وہ شارق سے جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن اس کی تصویریں شارق کے قبضے میں تھیں۔ انسپکٹر عثمان نے بہت سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بنایا تھا۔ اور اس کے لئے اس نے شاہ پری کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر اس کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو نہ صرف اسے اپنی تصویریں واپس مل جائیں گی اور وہ ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو جائے گا بلکہ حاجی سے چھینا ہوا سونا بھی اس کے قبضے میں آ جائے گا اور پھر شاہ پری کو ساتھ لے کر یہ شہر ہی چھوڑ جائے گا۔

شاہ پری کا خیال آتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ شاہ پری سے محبت نہیں تھی جو اسے اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ عیاش آدمی تھا اور اس کے دل میں ہوس بھری ہوئی تھی۔

رات کا اندھیر رخصت ہو رہا تھا۔ دن کا مدھم سا اجالا پھیل رہا تھا۔ عثمان ابھی تک ٹیرس ہی میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً" سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک گیا اس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

وہ شاہ پری تھی جو چائے کا کپ لئے اوپر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن عثمان کو ٹیرس پر دیکھ کر وہ چونک گئی اور اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"میں آپ کے لئے بیڈ ٹی لے کر آئی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو جھنجھوڑ کر جگانا پڑے گا۔ لیکن آپ تو....."

"میں تو رات بھر اسی کرسی پر بیٹھا رہا ہوں۔" عثمان نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر قریب پڑی ہوئی کافی ٹیبل پر رکھ دیا۔ "ایک لمحہ بھی نہیں سو سکا۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا۔ تم نے تو مجھے بے موت مار دیا ہے شاہ پری۔ تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دماغ خراب ہوا جا رہا ہے۔"

"اپنے دماغ کو ٹھکانے پر رکھیں اور تیار ہو کر نیچے آ جائیں۔ ثمینہ آپ کے لئے ناشتہ تیار کر رہی ہے۔ آپ کو ناشتہ کر کے چھ بجے یہاں سے نکل جانا ہے۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

عثمان اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

چائے پینے کے بعد وہ کمرے میں آ گیا۔ اور پھر باتھ روم میں گھس گیا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے کے بعد وہ باتھ روم سے باہر نکلا وہ رات بھر جاگا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن ٹھنڈے پانی کے غسل سے اس کی کسلمندی بڑی حد تک دور ہو گئی تھی۔

پونے چھ بجے وہ نیچے آ گیا۔ شارق اور نولکھا بھی جاگ چکے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ ثمینہ بھی موجود تھی۔ اس نے عثمان کے سامنے ناشتہ رکھ دیا۔ وہ بار بار ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں شاہ پری کو تلاش کر رہی تھیں لیکن شاہ پری نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔

عثمان کو اپنی منزل پر پہنچنے میں تقریباً" پچاس منٹ لگے تھے۔ اس نے گاڑی خانہ بدوشوں کے ڈیرے سے تقریباً" دو سو گز دور روک لی تھی۔ وہ کچھ دیر گاڑی میں بیٹھا ڈیرے کی طرف دیکھتا رہا پھر نیچے اتر کر ٹہلنے لگا۔

تقریباً" آٹھ بجے کے قریب وہ بوڑھا اور طفیل کی عمر کا دوسرا آدمی ڈیرے سے نکل کر سڑک

aazzamm@yahoo.com

پر آگئے۔ بوڑھے نے ریچھ کی ڈوری تھام رکھی تھی اور دوسرے آدمی نے بندر کی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں چھڑیاں بھی تھی اور انہوں نے کندھوں پر تھیلے بھی لٹکا رکھے تھے۔

عثمان سڑک سے اتر کر پارک والی سائیڈ کی ڈھلان پر اتر گیا۔ وہ انہیں یہاں روک کر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے انہیں آگے نکل جانے کا موقع دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد عثمان دوبارہ سڑک پر آگیا۔ وہ دونوں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ عثمان گاڑی میں بیٹھ گیااور اسے راوی کے پل کی طرف موڑ دیا۔

وہ دونوں راوی پل والے چوک میں پہنچ چکے تھے۔ چوک پر بسوں وغیرہ کی وجہ سے خاصا رش تھا۔ عثمان نے کار ایک طرف روک لی اور نیچے اتر کر ان دونوں کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دونوں سڑک سے ہٹ کر درختوں کے نیچے کھڑے تھے اور بوڑھا شاید مجمع لگانے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں تھا عثمان نے قریب پہنچ کر بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایک منٹ کو میرے ساتھ آؤ۔ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"عثمان نے کہا۔ اس کا لہجہ مدہم تھا۔

بوڑھے نے چونک کر عثمان کی طرف دیکھا۔ وہ شکل ہی سے پولیس والا لگ رہا تھا۔ صبح ہی صبح کسی پولیس والے کی شکل دیکھ لینا بوڑھے کے خیال میں کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔

"جی مائی باپ۔ آپ حکم کریں۔" بوڑھے نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"میرے ساتھ آؤ۔" عثمان نے کہا۔

عثمان وہاں سے تقریباً" بیس گز دور سیمنٹ کی ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ بوڑھا اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں پولیس انسپکٹر ہوں۔" عثمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔"ڈرو نہیں۔ میں ایک سرکاری کام کے سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

"آپ حکم کریں مائی باپ۔" بوڑھا بولا۔

"ہمیں دو چار روز کے لئے تمہارا وہ ڈیرہ چاہئے جہاں تم لوگ رہ رہے ہو۔" عثمان نے کہا۔

"کیوں سرکار۔" بوڑھے نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جہاں تم نے ڈیرہ لگا رکھا ہے وہاں سامنے والے علاقے میں کسی جگہ چند خطرناک مجرم چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی نگرانی کے لئے ہمیں ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں سے پورے علاقے پر نگاہ رکھی جا سکے۔ تمہارا وہ ڈیرہ اس مقصد کے لئے بہترین جگہ ہے۔ اگر ہم اس جگہ کوئی دوسرا ڈیرہ

لگاتے ہیں تو ان لوگوں کو شبہ ہو جائے گا۔ اس لئے تمہارا ڈیرہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے تمہیں بہت معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا۔"

"ہم بغیر معاوضے کے بھی پولیس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں مائی باپ۔" بوڑھے نے کہا۔

"ممکن ہے تمہیں وہ چھولداریاں واپس نہ مل سکیں اس لئے ہم ان کی قیمت دیدیں گے تاکہ تمہارا بھی نقصان نہ ہو۔ میرا خیال ہے دس ہزار روپے میں تم اس جیسی کئی نئی چھولداریاں بنوا سکو گے۔"

"دس ہزار روپے۔" بوڑھا چونک گیا۔

"ہاں ..... یہ پیسے اپنے پاس رکھ لو۔" عثمان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔"پورے دس ہزار ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔"لیکن تم اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ ڈیرہ چھوڑ کر تم کیوں جا رہے ہو۔ یہ راز صرف تم تک محدود رہنا چاہئے۔ اگر تمہاری وجہ سے مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی جگہ تمہیں ٹانگ دیا جائے گا۔"

"کسی کو پتا نہیں چلے گا سرکار۔" بوڑھے نے جواب دیا۔"ہم آج ہی وہ ڈیرہ خالی کر دیتے ہیں۔"

"آج نہیں۔" عثمان بولا۔" آج تم گھوم پھر کر اپنی دہاڑی لگاؤ۔ ہم لوگ ایک دو دن میں وہاں آجائیں گے۔ ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہوں گی۔ ہم ڈیرے پر آجائیں گے تو اس کے بعد تم لوگ چلے جانا۔ ان ایک دو دنوں میں تم لوگ اپنے لئے کوئی دوسرا بندوبست بھی کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے مائی باپ۔" بوڑھے نے نوٹوں کی گڈی بڑی احتیاط سے قمیص کی اندر والی جیب میں رکھ لی تھی۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور مجمع لگا کر لوگوں کو ریچھ اور بندر کا تماشہ دکھاؤ۔"عثمان نے کہا۔

بوڑھا اٹھ کر چلا گیا۔ عثمان کچھ دیر بنچ پر بیٹھا رہا پھر وہ بھی اٹھ کر اپنی کار کی طرف چل پڑا۔

انسپکٹر عثمان شہر کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر مختلف اشیاء خریدتا رہا۔ اور جب وہ شام کو واپس لوٹا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ بہت بری طرح تھک گیا تھا۔ لیکن شاہ پری کی ایک ہی مسکراہٹ سے اس کی ساری تھکن دور ہو گئی۔ اور پھر شاہ پری کے ہاتھوں سے ملنے والے چائے کے کپ نے تو اس کا موڈ بھی خوشگوار بنا دیا تھا۔ اور وہ دن بھر کی تھکن بھول گیا تھا۔

عثمان نے شارق وغیرہ کو آج دن بھر کی رپورٹ بھی بتا دی تھی اور اس بوڑھے خانہ بدوش سے ہونے والے سودے سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔"ہم لوگ کل رات دس بجے یہاں سے نکلیں گے۔ میں صبح اسپتال جا کر نرس رضیہ کو بھی بتا دوں گی۔"

اس کے بعد وہ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ تاش لے کر بیٹھ گئے اور دو بجے تک تاش کھیلتے رہے۔ کھیل ختم ہوا تو عثمان اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے عجیب نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھا تھا۔ شاہ پری اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

تین بجے کے قریب شاہ پری ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ جب وہ اوپر پہنچی تو عثمان ٹیرس پر نہیں تھا۔ آج وہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ عثمان اس کے قدموں کی آہٹ سن کر اٹھ گیا تھا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم آج بھی ضرور آؤ گی۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیسے نہ آتی۔"شاہ پری مسکراتی ہوئی بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔"کسی کو ہماری ملاقاتوں پر شبہ تو نہیں ہوا؟" عثمان نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ اس وقت بھی سب لوگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ لیکن میری نیند نجانے کیوں اڑ گئی ہے۔" شاہ پری مسکرائی۔

"یہی حال میرا بھی ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔"ہر وقت تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔"

"دراصل ہماری سوچیں ایک دوسرے تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" عثمان بولا۔

"فیصلہ تو میں نے اسی وقت کر لیا تھا جب تم نے بات کی تھی۔ لیکن ....."

"لیکن کیا؟" عثمان نے پوچھا۔

"کیا تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ثمینہ اور شارق بہت خطرناک ہیں۔ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بھی بچ گیا تو ہمیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔" شاہ پری نے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

"بچ کیسے سکتے ہیں۔" عثمان مسکرایا۔"میں نے جو منصوبہ بنایا ہے اس میں کوئی معمولی سا جھول بھی نہیں ہے ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔"

"منصوبہ کیا ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"یہ میں تمہیں کل کے بعد بتاؤں گا۔" عثمان نے جواب دیا۔

"کل شارق کا مشن پورا ہو جائے۔ اس کے بعد میں تمہیں اپنے منصوبے کی تفصیلات بتا دوں گا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔" شاہ پری بولی۔"تم شارق اور ثمینہ کو کیوں ختم کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھ پر ساری مصیبتیں شارق کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔" عثمان نے جواب دیا۔"حاجی عبداللہ نے شارق کے آدمی کو مارا پیٹا تھا اور میں نے اس کی ہمدردی میں حاجی کو گرفتار کرنے کے لئے اس کی کوٹھی پر چھاپہ مارا تھا۔ اگر میں یہ حماقت نہ کرتا تو آج میں اپنی ڈیوٹی پر ہوتا۔ اس کے علاوہ شارق اور ثمینہ کو ختم کرنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔"

"وہ کیا۔" شاہ پری نے پوچھا۔

"میری مخبری پر شارق نے حاجی کے آدمیوں سے تین کروڑ روپے مالیت کا سونا چھینا تھا۔ اور اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ یہ سونا آپس میں تقسیم کر لیا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ بعد میں اس کا ایک ساتھی حاجی کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ پپو اور ظفری کو گلبرک والی کوٹھی میں جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مجھے آج تک اس سونے میں سے حصہ نہیں ملا۔ اور تمہیں بھی کچھ نہیں ملا۔ وہ سارا سونا شارق اور ثمینہ کے قبضے میں ہے۔ ان سے وہ سونا حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان دونوں کو ختم کر دیا جائے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے سونا کہاں چھپا رکھا ہے؟"

"ہاں ..... وہ اسی مکان میں رکھا ہوا ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"گڈ۔" عثمان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس نے شاہ پری کو ہاتھ سے پکڑ کر کرسی سے اٹھایا اور اپنے قریب بیڈ پر بٹھا لیا۔

"ان دونوں کو ختم کر دینے کے بعد وہ سونا ہمارے قبضے میں ہو گا۔ ہم وہ سونا لے کر اس شہر سے دور ایسی جگہ پر چلے جائیں گے جہاں کوئی ہمارا سراغ نہیں لگا سکے گا۔" عثمان نے کہا۔

"اور تمہاری بیوی اور بچے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"لعنت بھیجو ان پر۔" عثمان نے جواب دیا۔"میری بیوی کا باپ ایک بہت بڑا زمیندار ہے۔ اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔ وہ آرام سے زندگی گزار لے گی۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ اپنی سوچو۔ تم میرے ساتھ عیش کرو گی۔"

شاہ پری' شارق اور ثمینہ کے بارے میں عثمان کا منصوبہ سن کر کانپ اٹھی تھی۔ بات اب

aazzamm@yahoo.com

کھلی تھی۔ وہ ان دونوں کو ختم کر کے تین کروڑ روپے مالیت کے سونے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ بھی یقینی بات تھی کہ عثمان نے اس کے بارے میں بھی کوئی ایسی ہی بات سوچ رکھی ہو گی۔ جو اپنی بیوی کو چھوڑنے کو تیار ہو وہ کسی دوسری عورت سے وفا کیسے کر سکتا تھا۔

عثمان نے اچانک ہی اسے کھینچ کر پلنگ پر گرا دیا تھا۔ لیکن شاہ پری بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اب میں چلوں گی۔" شاہ پری مسکراتے ہوئے بولی۔

"بہت چالاک ہو تم ہر بار غچہ دے کر نکل جاتی ہو۔" عثمان بولا۔

"شارق اور ثمینہ والے منصوبے کے بعد میں تمہیں غچہ نہیں دوں گی۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

عثمان اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت نیچے کوئی برتن گرنے کی آواز سنائی دی۔

اوہ ..... شاید کوئی جاگ گیا ہے۔ میں چلتی ہوں۔ شاہ پری نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

عثمان پہلے کی طرح ہاتھ ملتا رہ گیا۔

○

وہ لوگ رات کے دس بجے گھر سے نکلے تھے۔

نرس رضیہ بھی شام سے پہلے پہنچ گئی تھی۔ اس گروپ میں ثمینہ' شاہ پری' نرس رضیہ' نولکھا' طفیل اور عثمان شامل تھے۔ ان سب کے جسموں پر پرانے لباس تھے۔ عثمان عام طور پر پینٹ شرٹ پہنا کرتا تھا لیکن آج وہ بھی شلوار قمیص پہن کر آیا تھا۔ وہ سب کے سب ہتھیاروں سے لیس تھے جو انہوں نے اپنے اپنے لباس میں چھپا رکھے تھے۔

وہ لوگ گلیوں میں سے نکل کر سڑک پر اس طرح چل رہے تھے جیسے کھانا کھانے کے بعد ٹہلنے کے لئے نکلے ہوں۔ گھر سے نکلنے سے پہلے انہوں نے اپنے حلیوں میں کسی قدر تبدیلی کی تھی۔ انسپکٹر عثمان کلین شیو تھا لیکن اس وقت اس کے چہرے پر گھنے دار بڑی بڑی مونچھیں نظر آرہی تھیں۔ جس سے اس کا چہرہ بڑی حد تک تبدیل ہو گیا تھا۔ نولکھا کے چہرے پر بھی سفید مونچھیں تھی جو ہونٹوں کے کونوں سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ البتہ طفیل کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔

ثمینہ' نرس رضیہ اور شاہ پری کے چہروں پر کئی جگہوں پر نیلے خال سے نظر آرہے تھے۔ خانہ بدوش عورتیں عام طور پر چہروں کی خوبصورتی کے لئے اس قسم کے خال گدوا لیتی ہیں۔ ان تینوں کے کانوں میں چھوٹی بڑی کئی کئی بالیاں تھیں اور ناکوں میں نتھنیاں بھی نظر آرہی تھی۔ ان سب چیزوں سے ان کے حلیے بھی بڑی حد تک تبدیل ہو گئے تھے۔ یہ تمام چیزیں آج ہی عثمان نے بازار سے خریدی تھیں۔

تیزاب احاطے والے چوک پر انہیں دو ٹیکسیاں مل گئیں۔ ایک ٹیکسی میں نرس رضیہ' شاہ پری اور طفیل بیٹھ گئے جبکہ دوسری ٹیکسی میں ثمینہ' نولکھا اور عثمان بیٹھے تھے۔ عثمان آگے کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

پونے گیارہ بجے کے قریب وہ ٹیکسیاں دریائے راوی کے پل والے چوک پر رک گئیں اور وہ سب نیچے اتر آئے۔ ان ٹیکسیوں کو فوراً ہی وہاں سے سواریاں مل گئی تھیں۔ وہ لوگ کچھ دیر چوک پر کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر بند روڈ کی طرف چلنے لگے۔

تقریباً" بیس منٹ بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سڑک کی ڈھلان پر ڈیرا لگا ہوا تھا۔ عثمان آج دن میں بھی اس طرف آکر بوڑھے خانہ بدوش سے ملا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ آج رات آجائیں گے اس لئے بوڑھا اپنے افراد خانہ کے ساتھ وہاں سے روانگی کے لئے تیار رہے۔ بوڑھے نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اپنا متبادل انتظام کر چکا ہے۔ وہ لوگ جیسے ہی آئیں گے وہ اپنے بندوں کو لے کر وہاں سے نکل جائے گا۔

سڑک پر بسوں کی آمدورفت جاری تھی اس لئے وہ زیادہ دیر تک سڑک پر کھڑے رہنے کے بجائے ڈھلان اتر کر ڈیرے کے سامنے آگئے۔ ایک چھولداری میں لالٹین جل رہی تھی اور باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ عثمان نے بوڑھے کا نام لے کر پکارا تو وہ فوراً" ہی باہر آگیا۔

"آگئے تم لوگ۔ ہم لوگ تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" بوڑھے نے کہا اور انہیں چھولداری میں لے آیا۔ وہ لوگ جیسے ہی روشنی میں آئے بوڑھا اور اس کے ساتھی انہیں دیکھ کر چونک گئے۔ ان سب کے حلیے بوڑھے کے اپنے افراد خانہ سے ملتے جلتے تھے نرس رضیہ تو واقعی بوڑھی لگ رہی تھی۔ دوسری بڑھیا اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟ عثمان نے بوڑھے سے پوچھا۔"

"ہم نے سبزی منڈی کے دوسری طرف ڈیرہ ڈالا ہے۔ میرا داماد جانوروں کو لے کر شام کو ادھر ہی چلا گیا تھا۔" بوڑھے نے جواب دیا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔"اب ہم چلیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ایک منٹ۔" عثمان نے کہا اور ثمینہ کی طرف رخ کر کے بولا۔"تم لوگ دوسری چھولداری میں جا کر ان عورتوں کے ساتھ کپڑے تبدیل کر لو۔"

ثمینہ وغیرہ ان تینوں عورتوں کو لے کر دوسری چھولداری میں چلی گئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آئی تھیں۔ لباس تبدیل کرنے کے علاوہ انہوں نے ان عورتوں کی سفید اور کالی پلاسٹک کی چوڑیاں بھی اتروا کر پہن لی تھیں۔ ان تینوں کی بانہوں میں اب کہنیوں تک چوڑیاں تھیں جس سے وہ بنجارنیں ہی لگ رہی تھیں۔ عثمان نے جیب سے دو سو روپے نکال کر بوڑھے کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"لو یہ رکھ لو۔ چوک پر جا کر بچوں کے لئے مٹھائی لے لینا اور تانگے پر بیٹھ جانا۔ اب تم لوگ جاؤ۔"

بوڑھے نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر والوں کو لے کر ڈیرے سے نکل گیا۔ عثمان انہیں جاتے دیکھتا رہا اور جب وہ لوگ سڑک پر کافی دور نکل گئے تو وہ چھولداری میں آگیا۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈگڈگی بجائیں گے اور کیا کرنا ہے۔" ثمینہ کی بجائے نولکھا نے جواب دیا۔

"دو تین دن ہمیں یہاں رہنا پڑے گا۔ اس دوران ہم زیادہ سے زیادہ حاجی کے آدمیوں کو نظروں میں آنے کی کوشش کریں گے اس کے ساتھ ہی ہم کچھ ایسی حرکتیں کریں گے کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہوں اور خود ہی قریب آنے کی کوشش کریں۔ اس طرح ہمیں احاطے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اور اگر انہیں کوئی شبہ ہو گیا تو؟" عثمان بولا۔

"تو اس وقت جو صورت حال ہو گی اسی کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ایک بات میں آپ لوگوں کو بتانا بھول گیا تھا۔" طفیل دخل اندازی کرتے ہوئے بولا۔"میں جب ان بنجاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا تھا تو مجھے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی تھی کہ یہ لوگ پینے کا پانی اسی احاطے سے لے کر آتے تھے تل احاطے کے پھاٹک کے اندر کی طرف ہے۔ پہلے ایک مرتبہ ان کی ایک جوان عورت پانی لینے گئی تھی۔ اسے شاید چھیڑا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ بڑھیا پانی لینے جانے لگی۔"

"گڈ۔" ثمینہ مسکرائی۔"کل میں پانی لینے جاؤں گی۔ اس طرح ہمیں موقع مل سکتا ہے۔" وہ اٹھ کر چھولداری سے باہر آگئی اور احاطے کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کے دوسرے ساتھی بھی باہر آ گئے۔ یہ لوگ چونکہ بلندی پر بیٹھے تھے اس لئے احاطہ پوری طرح ان کی نظروں میں تھا۔ گیٹ کے اندر اور باہر کی طرف ایک ایک بلب جل رہا تھا۔ لیکن وہ کم واٹ کے بلب تھے اور ان کی روشنی زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔ گیٹ کے آس پاس تو کوئی نظر نہیں آ رہا تھا البتہ کاٹیج کے برآمدے میں کرسیوں پر دو آدمی نظر آ رہے تھے وہاں شاید چالیس واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ روشنی دیئے کی طرح تھی اور اتنی دور سے ان آدمیوں کے چہرے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"ہاں۔ تو سمجھو یہ کام شروع ہو گیا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ رات دیر تک باتیں کرتے رہے اور جب سونا چاہا تو ڈھنگ سے نیند بھی نہیں آ سکی تھی۔ ہر دو تین منٹ بعد کوئی نہ کوئی مال بردار ٹرک یا بس وہاں سے گزر رہی تھی۔ بسوں کے شور میں سکون کی نیند سونا ممکن نہیں تھا۔

صبح بہر حال وہ جلدی اٹھ گئے تھے دن کی روشنی میں انہوں نے ڈیرے کے اثاثے کا جائزہ لیا۔ ایک درمیانے سائز کا ڈرم تھا جو پانی کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ایک مٹکا اور ایک بالٹی۔ مٹکے میں تھوڑا پانی تھا مگر بالٹی خالی تھی۔ دو تین پتیلیاں تھیں جو دھوئیں سے سیاہ ہو چکی تھیں۔ ایک کیتلی، چینی، پتی کے ڈبے اور اسی قسم کی چیزیں تھیں جو چند روپوں میں آسکتی تھیں۔ ایک طرف اینٹوں کا چولہا بنا ہوا تھا جس کے قریب ہی خشک لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

شاہ پری نے ڈرم کے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور آنچل سے منہ پونچھ کر چولہے میں لکڑیاں جلانے لگی۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ نے بھی منہ دھو لیا۔

"اوئے طفیل۔" نولکھا اپنی قمیص کی اندر والی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔"یہ پیسے لے اور چوک سے جا کر کچھ کھانے کو لے آ۔ حلوہ پوری لے کر آنا یار۔ کئی دنوں سے دل چاہ رہا تھا۔"

"ابھی لاتا ہوں جی۔"طفیل نے اس کے ہاتھ سے سو کا نوٹ لے لیا اور ڈیرے سے نکل کر چوک کی طرف چل پڑا۔

شاہ پری نے چولہے میں آگ جلا کر کیتلی میں چائے کا پانی رکھ دیا۔ اس نے پتی ڈال کر بغیر دودھ کی چائے بنائی جو بڑی لذیز اور خوش ذائقہ تھی۔ وہ لوگ چائے پی چکے تھے تو طفیل حلوہ پوری لے کر آگیا۔ ناشتہ ان سب نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کیا تھا۔ شاہ پری کو دوبارہ چائے بنانی پڑی تھی۔

"طفیل اور عثمان۔" ناشتے کے بعد نولکھا نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم لوگ

aazzamm@yahoo.com

دو تین گھنٹوں کے لئے ڈیرے سے ادھر ادھر چلے جاؤ۔ اگر سب لوگ یہاں رہے تو ان لوگوں کو شبہ ہو جائے گا۔ راوی کی سیر کر آؤ۔"

"ثمینہ" نولکھا نے اب ثمینہ کو مخاطب کیا۔"مجھے تو سامنے والے احاطے میں صرف تین آدمی نظر آ رہے ہیں۔ تو جا ..... وہاں سے پانی کی ایک بالٹی لے آ۔ اس طرح کچھ صورت حال کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔"

ثمینہ نے احاطے کی طرف دیکھا۔ وہاں تین ہی آدمی تھے جو گیٹ کے اندر کی طرف درخت کے نیچے چائے پی رہے تھے۔ ثمینہ نے بالٹی اٹھائی اور ڈھلوان سے اترتی ہوئی سروس روڈ پار کر کے گیٹ کی طرف چلنے لگی۔ وہ جیسے جیسے قریب پہنچ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اسے پہچان لیا گیا تو وہ زندہ واپس نہیں آ سکے گی۔ لیکن پھر یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ حاجی کے چند قریبی ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ گروہ کے عام آدمی اسے نہیں پہچان سکیں گے۔

وہ گیٹ کے قریب رک گئی اور ہولے سے دستک دی۔ تقریباً ایک منٹ بعد گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھل گیا۔ وہ شخص شکل ہی سے بڑا خرانٹ لگ رہا تھا۔ اس کے کندھے پر کلاشنکوف رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ ثمینہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"صاحب جی۔" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"ایک بالٹی پانی چاہئے جی۔"

"آؤ ..... آؤ۔ ایک بالٹی کیا دس بالٹیاں لے جاؤ۔" وہ شخص کہتے ہوئے راستے سے ایک طرف ہٹ گیا۔

ثمینہ اندر داخل ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ درخت کے نیچے چارپائی پر دو آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے پاس بھی کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔

"وہ دوسری کہاں ہے۔" گیٹ کھولنے والے گن مین نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔"ایک دفعہ آئی تھی۔ پھر وہ بڑھیا آنے لگی۔"

"پتا نہیں جی وہ کیوں نہیں آئی۔ آج ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لئے مجھے آنا پڑا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"روزانہ تم آ جایا کرو نا۔" وہ شخص بولا۔"آؤ۔ پانی بھر لو۔"

نل دائیں طرف والے کمرے کے پچھلی طرف تھا۔ ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے آدمی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس شخص نے نلکا کھول دیا۔ اور ثمینہ کے بازو پر چٹکی کاٹ لی۔ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی سسکی نکل گئی۔"کیوں چھیڑتے ہو جی!" اس نے گن مین کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوئے۔ اس چھیڑ چھاڑ ہی میں تو زندگی کے مزے ہیں۔"

گن مین نے ایک اور چٹکی کاٹی۔"یہ دس روپے رکھ لے کوئی چیز لے لینا۔ پکڑ جلدی کر۔ میرا کوئی ساتھی ادھر آ رہا ہے۔" اس نے دس کا نوٹ زبردستی ثمینہ کے ہاتھ میں تھما دیا اور سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔"اوئے بی بی تمہیں ڈر کس بات کا ہے۔ جب ضرورت ہو آ کر پانی لے جایا کرو۔ پانی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کے لئے منع کیا جائے۔"

گن مین کا دوسرا ساتھی چند قدم دور کھڑا معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بالٹی بھر گئی تو ثمینہ نے نلکا بند کر دیا۔ وہ جیسے ہی بالٹی اٹھانے کے لئے جھکی پہلے گن مین نے جھک کر بالٹی اٹھا لی۔

"چل۔ میں پھاٹک تک بالٹی پہنچا دیتا ہوں' اور چاہئے ہو تو آ کر لے جانا۔" اس نے گیٹ کے باہر تک بالٹی پہنچا دی۔ ثمینہ نے بالٹی اٹھائی اور ڈیرے کی طرف چلنے لگی۔ اس کے دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں دس روپے کا نوٹ دبا ہوا تھا۔ ڈیرے پر پہنچ کر اس نے بالٹی مٹکے میں انڈیل دی اور نولکھا کے سامنے بیٹھ کر مٹھی کھول دی۔

"یہ کیا ہے؟" نولکھا نوٹ دیکھ کر بولا۔

"چارہ۔" ثمینہ مسکرائی۔"وہ کمینہ سمجھتا ہے کہ مجھے دس روپے میں زیر کر لے گا۔ میں بھی دیکھوں گی اسے۔ ایک بالٹی اور لے آؤں۔" وہ بالٹی اٹھا کر دوبارہ احاطے کی طرف چل پڑی۔

اس مرتبہ اس شخص نے نہ صرف ثمینہ کے دو تین چٹکیاں کاٹی تھیں بلکہ چند فحش جملے بھی کہے تھے۔ ثمینہ اس کی ان حرکتوں پر مسکرا کر رہ گئی تھی۔

اس روز شام سے ذرا پہلے وہ پانی لینے گئی تو اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس وقت وہ آدمی گیٹ پر اکیلا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی کاٹیج میں تھا اور تیسرا آدمی باہر گیا ہوا تھا۔ صبح جب اس نے ثمینہ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی تو ثمینہ مسکرا دی تھی اور اس نے دس روپے بھی قبول کر لئے تھے جس سے اس شخص کا حوصلہ بڑھا تھا اور اب وہ اسے گیٹ کے ساتھ والے کمرے میں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ثمینہ نے بڑی مشکل سے اسے ٹالا تھا۔

یہ بات ثمینہ کے لئے اطمینان کا باعث تھی کہ وہ پہچانی نہیں گئی تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ بنجارن کے بھیس میں تھی اور بنجاروں کا یہ ڈیرہ کئی دن سے یہاں لگا ہوا تھا اس لئے اس پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا تھا اور دوسری بات یہ کہ حاجی کے گروہ کے نچلی سطح کے لوگ اسے نہیں جانتے تھے۔ اگر اس نے اپنا حلیہ بدلا نہ ہوتا اور اصل شکل میں ہوتی تو بھی وہ لوگ اسے نہ پہچان پاتے۔

aazzamm@yahoo.com

بنجاروں والا یہ سارا چکر اس لئے چلایا گیا تھا کہ ثمینہ اور شاہ پری دو وارداتیں کر چکی تھیں اور دونوں مرتبہ حاجی کو پتہ چل گیا تھا۔ اور اب یقیناً" اس نے اپنے آدمیوں کو تنبیہہ کر دی ہو گی کہ دونوں عورتوں پر نگاہ رکھی جائے۔ ان خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی اس ڈیرے والوں سے سودے بازی کی گئی تھی۔

دوپہر تین بجے کے بعد عثمان اور طفیل بھی واپس آ گئے تھے۔ شام کو جب ثمینہ پانی لینے کے لئے احاطے میں گئی تھی تو وہ دونوں اس وقت ڈیرے پر موجود تھے۔

دو تین دن سے آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کبھی کبھار ہلکی سی پھوار پڑ جاتی۔ ویسے لگتا تھا کہ یہ بادل برسنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

دوسرے دن ثمینہ پانی لینے کے لئے احاطے میں گئی تو اللہ دتہ نامی گن مین نے پھر اس کے ساتھ اسی قسم کی حرکات کی تھیں اور ثمینہ ہنس کر ٹال گئی تھی۔ ثمینہ کی پلاننگ دراصل یہی تھی کہ اللہ دتہ کے جذبات کو اس قدر بھڑکا دیا جائے کہ جب ثمینہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ احاطے کے اندر داخل ہونا چاہے تو کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔

اس روز ثمینہ نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ اللہ دتہ پھاٹک کے باہر آ کر بار بار ڈیرے کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

تین دن گزر گئے۔ اس روز دوپہر کے وقت جب ثمینہ پانی لینے گئی تھی تو ہلکی بارش ہوئی تھی۔ اللہ دتہ اور اس کا ایک ساتھی گیٹ کے ساتھ والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ تیسرا ساتھی کاٹیج کے برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ثمینہ پانی بھرنے کے لئے کمرے کے پچھلی طرف نل کے پاس گئی تو اللہ دتہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا تھا۔ حسب معمول اس نے ثمینہ کے ایک دو چٹکیاں کاٹیں۔ ذومعنی جملے کہے پھر بولا۔

"اگر بارش تیز ہو گئی تو تم لوگ کیا کرو گے۔ کہاں جاؤ گے تم لوگ۔"

"کیا تم ہمیں یہاں رہنے کی جگہ نہیں دو گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔"اتنا بڑا بنگلہ ہے اور خالی ہی پڑا رہتا ہے۔"

"اوئے بنگلہ کیا تمہارے لئے میرے دل میں جگہ ہے۔" اللہ دتہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم اکیلی جب چاہو یہاں آسکتی ہو۔ آج رات کو آ جانا۔ میں تمہیں اندر سے بنگلہ دکھاؤں گا۔"

"میرے مرد کو پتا چل گیا نا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔" ثمینہ نے کہا۔"وہ تو پہلے ہی کہتا ہے کہ پانی لینے کے لئے اکیلی یہاں کیوں آتی ہوں۔"

"آج رات موقع ملے تو آ جانا۔ میں انتظار کروں گا۔" اللہ دتہ نے کہا۔

اور یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ اس رات آٹھ بجے دوبارہ ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ وہ لوگ چھولداریوں میں بیٹھے رہے۔ نو بجے کے قریب بارش میں تیزی آ گئی۔

"تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ احاطے کے اندر جا رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ لوگ اپنی گدڑیاں وغیرہ سمیٹ کر تیار ہو گئے۔ ثمینہ نے بھی ایک گدڑی اٹھا کر ان کے آگے آگے چل پڑی۔ بارش خاصی تیز ہو گئی تھی۔ گیٹ کے سامنے پہنچ کر ثمینہ زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ اللہ دتہ ہی تھا۔

"بارش تیز ہو گئی ہے۔ ہمیں آج رات تھوڑی جگہ دیدو۔" ثمینہ بولی۔

"آؤ ..... آؤ۔ اندر آجاؤ۔" اللہ دتہ فوراً" ہی راستے سے ہٹ گیا۔ وہ سب لوگ اندر آ گئے۔ اللہ دتہ نے دروازہ بند کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی گیٹ کے ساتھ والے کمرے سے نکل کر آئے تھے۔ اللہ دتہ، ثمینہ اور اس کے ساتھیوں کو کاٹیج کے برآمدے میں لے آیا۔ اس دوران وہ سب لوگ بھیگ گئے تھے۔ ان کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔

اس دوران اللہ دتہ کے دوسرے ساتھی بھی وہاں آ گئے۔ وہ ہوس بھری نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بارش کی بوچھاڑ ترچھی تھی جس سے برآمدے میں بھی پانی آ رہا تھا۔

"اوئے قادر۔" اللہ دتہ نے ایک ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دروازہ کھول کر اندر پڑا ہوا قالین سمیٹ دے۔ برآمدے میں تو یہ لوگ بھیگتے رہیں گے۔"

"اگر کوئی آگیا تو ....." قادر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی تیز بارش میں کون آئے گا۔" اللہ دتہ نے کہا۔"تو دروازہ کھول۔ اگر کوئی آگیا تو میں جواب دے دوں گا۔"

قادر نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر فرش پر بچھا ہوا قالین سمیٹنے لگا۔ قالین سمیٹ کر اس نے ٹیوب لائٹیں جلا دی تھیں۔ اللہ دتہ انہیں اندر لے آیا۔

"یہاں گدڑیاں بچھا کر بیٹھ جاؤ۔ ہم ابھی آتے ہیں۔" اللہ دتہ نے کہا۔ وہ لوگ برآمدے میں جا کر کھڑے ہو گئے اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔

"ان لوگوں کو تم نے اندر بلا لیا ہے لیکن ان کے ساتھ جو آدمی ہیں ان کا کیا کرو گے؟" قادر نے سرگوشی کی۔

"ان کا بھی بندوبست کر لیں گے۔" اللہ دتہ نے کہا۔"ابھی انہیں ذرا ٹکنے تو دو۔ آج یہ

aazzamm@yahoo.com

دونوں لونڈیاں بچ نہیں سکیں گی۔"

اندر نولکھا وغیرہ نے گدڑیاں فرش پر بچھا دی تھیں۔ ان کے بھیگے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے گدڑیاں بھی بھیگ گئی تھیں اس دوران اللہ دتہ دوبارہ اندر آ گیا۔ وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں دو کمرے کھول دیتا ہوں کپڑوں کا پانی نچڑ جائے تو اندر جا کر آرام سے بستروں پر لیٹ کر سو جانا۔"

"مہربانی مائی باپ۔" نولکھا نے متشکرانہ انداز میں کہا۔

اللہ دتہ نے دو کمروں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ کچھ دیر بعد نولکھا' عثمان اور طفیل اس کے ساتھ کمرے میں چلے گئے۔ اللہ دتہ نے باہر نکلتے ہوئے بڑی پھرتی سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا لگا دیا۔ عثمان وغیرہ اندر سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگے۔

"شور مچاتے رہو۔ بارش میں آواز کوئی نہیں سنے گا۔" اللہ دتہ چیخا۔

برآمدے میں کھڑے ہوئے قادر اور اس کا ساتھی بھی ہال کمرے میں آ گئے تھے۔ وہ تینوں ثمینہ اور شاہ پری کی طرف بڑھنے لگے وہ دونوں خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگیں۔ رضیہ بڑھیا کے بھیس میں تھی۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ نرس رضیہ نے موقع پا کر اپنی گدڑی میں سے پستول نکال کر ہوائی فائر کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ بارش کے شور میں گولی کی آواز اس کاٹیج سے باہر نہیں نکلی ہو گی۔ اللہ دتہ وغیرہ بھی فائر کی آواز سن کر چونک گئے تھے۔

"ہاتھ اٹھا لو تم لوگ۔ اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو گولی مار دوں گی۔" نرس رضیہ غرائی۔

ان تینوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔ انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی رائفلیں گیٹ کے ساتھ والے کمرے ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ ثمینہ نے دوڑ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ عثمان وغیرہ باہر آ گئے۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

"باندھ دو ان حرامزادوں کو۔" نولکھا چیخا۔

عثمان اور طفیل قادر اور اس کے ساتھی کو باندھنے لگے۔ رسیاں ان کی گدڑیوں میں موجود تھیں۔ اللہ دتہ ہاتھ اٹھائے ایک طرف کھڑا تھا۔ عثمان قادر کو باندھنے کے بعد جیسے ہی اس طرف بڑھا اللہ دتہ نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ عثمان بے خبری میں اس کی زد میں آ گیا۔ وہ نیچے گرا تھا لیکن اس نے فوراً" یہ پستول نکال لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اللہ دتہ نے اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ ان دونوں میں پستول کے لئے کشمکش

ہونے لگی۔

ثمینہ اور نولکھا وغیرہ دلچسپ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً" کمرے میں فائر کی آواز گونجی۔ اس کے ساتھ ہی عثمان کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ دونوں کی کشمکش میں ٹرائیگر دب جانے سے گولی چل گئی تھی جو عثمان کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست ہو گئی تھی۔

اللہ دتہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نولکھا وغیرہ نے اسے فوراً" ہی چاروں طرف سے پستولوں کی زد میں لے لیا۔ اللہ دتہ کو اپنا پستول پھینکنا پڑا۔ اور پھر وہ بڑی حیرت سے عثمان کی لاش کو دیکھنے لگا۔ دھینگا مشتی میں عثمان کی مکھے دار مونچھیں اتر گئی تھیں اور وہ ٹھوڑی پر لٹکی ہوئی تھیں۔ اللہ دتہ نے جھک کر وہ مونچھیں کھینچ لیں۔

"تھانیدار عثمان!" اس کے منہ سے حیرت سے نکلا۔

"اگر تم نے اسے پہچان لیا ہے تو مجھے بھی پہچان لو۔ میں ثمینہ ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "ڈرو نہیں۔ ہم تم میں سے کسی کو ماریں گے نہیں۔ تم لوگوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لیکن اگر تم اپنی جان گنوانا نہیں چاہتے تو تہ خانے کا راستہ بتا دو۔ انکار کی صورت میں تمہاری کھوپڑی اڑ جائے گی۔" ثمینہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو حرکت دی۔

اللہ دتہ کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ لیکن اسے تہ خانے کا راستہ تو بتانا ہی پڑا۔ وہ انہیں ایک کمرے میں لے گیا اور دیوار میں نصب الماری کے پیچھے تہ خانے کا خفیہ راستہ کھول دیا۔

تہ خانے میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ ثمینہ کے اندازے کے مطابق وہ ہیروئن ایک ٹن سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سب مل کر ہیروئن کے پیکٹ پھاڑ پھاڑ کر زمین پر پھینکنے لگے۔ اس کام میں انہیں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔

گزشتہ دو تین دنوں کے دوران ثمینہ نے بڑی گہرائی سے احاطے کا مشاہدہ کیا تھا۔ برآمدے کے سامنے لان کے قریب بھی ایک نل لگا ہوا تھا اور وہاں لان کو پانی دینے کے لئے تقریباً" سو فٹ لمبا ایک پائپ بھی پڑا تھا۔

ثمینہ نے پائپ کا ایک سرا نلکے میں پھنسا کر نلکا کھول دیا اور دوسرا سرا لے کر تہ خانے میں آ گئی۔ پانی کی دھار خاصی موٹی اور تیز تھی۔ وہ ہیروئن کے ڈھیر پر پانی ڈالنے لگی۔

آدھے گھنٹے میں ساری ہیروئن پر پانی پڑ گیا۔ اس نے پائپ ہیروئن کے ڈھیر پر چھوڑ دیا اور وہ لوگ اللہ دتہ کو لے کر تہ خانے سے باہر آ گئے۔ تہ خانے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

"آ میرے عاشق۔" ثمینہ اللہ دتہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں اپنے پیار کی ڈوری میں اس طرح باندھوں گی کہ بس بندھے رہ جاؤ گے۔"

aazzamm@yahoo.com

نولکھا اللہ دتہ کو پستول کی زد پر لئے رہا اور ثمینہ نے اللہ دتہ کو بھی باندھ کر فرش پر ڈال دیا۔

"چلو ہمارا کام ختم ہو گیا۔" ثمینہ بولی۔ "حاجی کو اطلاع مل گئی تو اس مرتبہ وہ یقیناً" پاگل ہو جائے گا۔"

وہ کچھ دیر انسپکٹر عثمان کی لاش کی طرف دیکھتے رہے۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ ان کے ہاتھوں نہیں مرا تھا۔

باہر والے پھاٹک سے نکلنے سے پہلے نرس رضیہ نے اپنی سفید بالوں والی وگ اتار کر پھینک دی تھی۔

وہ لوگ پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گئے اور موسلادھار بارش میں راوی کے پل والے چوک کی طرف چلنے لگے۔

○

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

Scanned By:
Azam & Ali

بارش تیز ہو گئی تھی۔

وہ لوگ پانی میں بھیگتے ہوئے راوی کے پل والے چوک پر پہنچ گئے۔ عام طور پر یہاں سڑک پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ شہر سے باہر جانے والی بسیں بھی کھڑی رہتی تھیں۔ لیکن اس وقت کوئی بس نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس سڑک کے موڑ پر ایک پٹرول پمپ تھا اور چند دکانیں تھیں جن میں دو تین ہوٹل بھی تھے۔ جو لوگ بارش شروع ہونے سے پہلے بسوں کے انتظار میں سڑک پر کھڑے تھے وہ بارش سے بچنے کے لیے ہوٹلوں' دکانوں کے سائبانوں اور پٹرول پمپ کے لمبے چوڑے شیڈ کے نیچے پناہ لیے ہوئے تھے۔

ثمینہ اور نولکھا وغیرہ بھی پٹرول پمپ کے شیڈ کے نیچے آ گئے۔ نرس رضیہ بڑھیا کے بہروپ میں تھی۔ اس کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ اس نے سرخ پھولوں والی چھینٹ کا ڈھیلا ڈھالا سا کرتا اور بڑے گھیر والی شلوار پہن رکھی تھی۔ جبکہ ثمینہ اور شاہ پری نے سیاہ وائل کی قمیص اور سفید شلواریں پہنی ہوئی تھیں۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگ للچائی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ کی چنری بھی پانی میں تر ہو رہی تھی۔ وہ چنری اتار کر اسے نچوڑنے لگی تو کچھ دور کھڑا ہوا ایک آدمی چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے قریب آ گیا۔ ثمینہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بنجارنوں اور خانہ بدوش قسم کی عورتوں کے ساتھ لوگ کس قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس قبیل کی عورتیں گھناؤنا دھندہ بھی کرتی تھیں۔ چند روپوں کے لیے اپنے آپ کو غیرمردوں کے حوالے کر دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتی تھیں لیکن سب ہی عورتیں تو ایسی نہیں ہوتیں۔ انہی میں بعض عورتیں تو اپنی عزت کے لیے جان تک کی بازی لگا دیتی ہیں اور ثمینہ تو ظاہر ہے بنجارن نہیں تھی۔ اسے لوگوں کی اس قسم کی حرکتیں برداشت کرنا تھیں اور چبھتے ہوئے جملے سننے تھے۔ لیکن اس وقت وہ اس شخص کی نظریں برداشت نہیں کر سکی تھی۔

"کیا بات ہے رے؟" وہ اس شخص کو گھورتے ہوئے بولی۔ "تمہارے گھر میں ماں بہن نہیں ہے کیا؟"

"میں تو اکیلا رہتا ہوں۔ اگر تم چلی چلو تو میرے گھر میں تھوڑی دیر کے لیے رونق ہو جائے

aazzamm@yahoo.com

گی۔ جو مانگو گی دوں گا۔" "اچھا۔ یہ بات ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے چنری نچوڑ کر سر پر ڈال لی اور اچانک ہی اس شخص کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔

چٹاخ کی آواز سن کر آس پاس کھڑے ہوئے لوگ اس طرف متوجہ ہوگئے۔ اس شخص کو غالباً" ثمینہ کے اس رویے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ایک دم بدحواس سا ہوگیا اور پھر اس نے سنبھلنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

"تیری یہ مجال۔ گشتی۔ رنڈی۔" اس نے طیش میں آکر غراتے ہوئے ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ثمینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"گشتی ہوگی تیری ماں ..... رنڈی ہوگی تیری بہن۔" وہ غرائی۔ "کیا سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو ..... بہت جوانی آگئی ہے تیرے میں۔ میں ابھی تجھے بتاتی ہوں تیرے اندر کتنی مردانگی ہے ....."

ثمینہ نے اس شخص کی کلائی مروڑ دی۔ اس شخص کو یوں لگا جیسے اس کی کلائی آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے اور وہ اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

طفیل قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے لپک کر اس شخص کو گریبان سے پکڑ لیا۔ نولکھا بھی قریب آگیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس شخص کے دو تین ہاتھ بھی جڑ دیئے۔ جسامت اور حلیے سے وہ کسی خانہ بدوش قبیلے کا سردار ہی لگتا تھا۔ بنجاروں والا لباس' سر پر بندھا ہوا رومال اور گلے میں موٹے موٹے رنگ برنگے موتیوں والی تین چار مالائیں' بڑی بارعب شخصیت تھی اس کی۔

"حیا کر اوئے۔" وہ اس شخص کو ایک اور ہاتھ جڑتے ہوئے بولا۔ "تم جیسے بے غیرتوں نے تو شریف لوگوں کی زندگی حرام کر رکھی ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے ہم جیسے بنجاروں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ ہم غریب ضرور ہیں لیکن تم سے زیادہ عزت دار ہیں۔ ہم اپنی عورتوں کی طرف میلی نظروں سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال لیتے ہیں۔"

کچھ اور لوگ بھی اردگرد جمع ہوگئے تھے۔ بعض لوگ تو اس شخص کو برا بھلا کہہ رہے تھے اور بعض ثمینہ وغیرہ پر ہی جملے کس رہے تھے۔

بات بڑھ رہی تھی لیکن دو تین سنجیدہ اور بردبار قسم کے آدمیوں نے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ وہ نوجوان جس نے ثمینہ کو چھیڑنے کی کوشش کی تھی بارش کے رکنے کا انتظار کیے بغیر انہیں دھمکیاں دیتا ہوا موٹرسائیکل پر سوار ہوکر چلا گیا۔ نولکھا ثمینہ وغیرہ کو لے کر ایک طرف کھڑا ہوگیا

اور مسلسل بڑبڑاتا رہا۔

بارش کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بلکہ اس میں کچھ اور شدت آگئی تھی۔ ثمینہ وغیرہ کو اندیشہ تھا کہ اگر حاجی کے آدمیوں میں سے کوئی بند روڈ والے اس احاطے میں پہنچ گیا تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے۔ اس اڈے کی تباہی کا راز کھل جانے کے بعد حاجی کے آدمی اس طوفانی بارش میں بھی ان کی تلاش شروع کر دیں گے۔

ثمینہ وغیرہ ایسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں سے بند روڈ پر نگاہ رکھی جا سکے۔ بارش تیز ہونے کے باوجود سڑکوں پر تھوڑا بہت ٹریفک جاری تھا۔ لیکن گاڑیوں کی رفتار بہت کم تھی۔ وہ لوگ بند روڈ کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کو بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے۔

سفید رنگ کی ایک کار کو بند روڈ کی طرف سے آتے دیکھ کر نولکھا چونک سا گیا۔ وہ گہری نظروں سے اس کار کو دیکھتا رہا۔ کار کی رفتار بہت کم تھی۔ اور بالآخر وہ کار پٹرول پمپ سے پہلے ایک ہوٹل کے ساتھ رک گئی۔ اس میں سے دو آدمی اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئے۔ چند منٹ بعد بھی وہ ہوٹل سے باہر نہیں نکلے تو نولکھا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگر وہ حاجی کے آدمی ہوتے تو ہوٹل میں رکے رہنے کے بجائے ادھر ادھر گھوم کر انہیں تلاش کرتے یا ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کرتے۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اور بالآخر بارش کا زور ٹوٹ گیا۔ مزید پندرہ بیس منٹ بعد صرف پھوار سی باقی رہ گئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد اڈے سے چلنے والی بسیں بھی وہاں رکنا شروع ہوگئیں اور لوگ بھی ہوٹلوں اور دکانوں سے نکل نکل کر سڑک پر آنے لگے۔

"کیا خیال ہے چلا جائے؟" نولکھا نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔ اب یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اگر وہ راز کھل گیا تو ہماری تلاش شروع ہو جائے گی اور ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

وہ لوگ اٹھ کر پٹرول پمپ کے شیڈ سے باہر آگئے۔ نولکھا وغیرہ اب بھی مڑمڑ کر بند روڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آسمان سے برسنے والی پھوار بھی اب بالکل بند ہو چکی تھی لیکن آسمان پر جمے ہوئے سیاہ بادلوں کے پرے' گھن گرج اور چمکتی ہوئی بجلی یہ اطلاع دے رہی تھی کہ مزید بارش ہوگی اور بہت خوفناک ہوگی۔

چند منٹ بعد بند روڈ کی طرف سے آنے والی ایک ٹیکسی وہاں رکی۔ ٹیکسی کی چھت پر سامان لدا ہوا تھا۔ دو عورتیں' ایک آدمی اور دو بچے ٹیکسی سے اترے' انہوں نے جیسے ہی سامان اتارا

aazzamm@yahoo.com

نولکھا ٹیکسی کے قریب پہنچ گیا۔

"کیوں بھئی۔ ٹیشن چلنا ہے۔" اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"ڈرائیور نے پہلے نولکھا اور پھر اس کے پیچھے کھڑی ہوئی ثمینہ وغیرہ کی طرف دیکھا۔

"سب لوگ جاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔

"سارے ہی جائیں گے کسی کو یہاں تو نہیں چھوڑ جانا۔" نولکھا نے کہا۔

"میٹر سے پانچ روپے زیادہ ہوں گے۔" ڈرائیور بولا۔

"لے لینا یار۔" نولکھا نے جواب دیا۔

شاہ پری اس وقت سب سے آگے کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور شاہ پری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن سفید بالوں والی رضیہ اس سے پہلے ہی آگے بڑھ کر بڑے ٹھسے سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

نولکھا' طفیل' ثمینہ اور شاہ پری پچھلی سیٹ پر ٹھس کر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

عام حالات میں وہ بیس پچیس منٹ میں ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے لیکن ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بارش سے شہر کی بعض سڑکیں دریائے راوی کا منظر پیش کر رہی تھیں ٹریفک بھی بے ڈھنگا تھا جس وجہ سے انہیں ریلوے سٹیشن پہنچنے تک ایک گھنٹہ لگ گیا تھا۔

ریلوے اسٹیشن کے قریب ٹیکسی سے اترتے ہی آسمان سے پھر پھوار برسنا شروع ہو گئی۔ ثمینہ اور شاہ پری کو لوگ گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگوں کی نظروں کی پروا کیے بغیر مسافر خانے والے شیڈ میں داخل ہو گئے اور راستہ بناتے ہوئے سیڑھیوں پر پہنچ گئے۔

یہ سیڑھیاں ریلوے سٹیشن کے تمام پلیٹ فارموں اور ریلوے یارڈ کے اوپر سے ہوتی ہوئی دوسری طرف جی ٹی روڈ تک چلی گئی تھیں۔ یہ پل صرف پیدل آنے جانے والوں کے لیے تھا تاہم سائیکل سوار بھی یہ پل استعمال کرتے تھے۔

وہ لوگ پل پر چلتے رہے۔ شاہ پری ایک جگہ رک گئی اور جنگلے پر جھک کر ٹرینوں کو آتے جاتے دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" ثمینہ نے اس کے قریب رک کر پوچھا۔

"مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "یہاں تم لوگوں نے اتنی ترقی کر لی ہے اور ہمارے ملک میں لوگ بسوں اور ٹرکوں کے سوا کسی اور سواری کو نہیں جانتے۔ یا پھر چند سال پہلے ان کی زندگی میں ٹینک داخل ہوئے تھے۔ جب روسی ٹینک افغانستان

میں آئے تو لوگ انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوئے تھے۔ لیکن جب ان ٹینکوں نے آگ اور موت برسانی شروع کی تو ....." وہ گہرا سانس لیتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

"اب تو وہاں روسی نہیں تمہارے ہی لوگ ایک دوسرے پر موت برسا رہے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں تمہیں اپنے وطن سے محبت ہے۔ وطن کی محبت کبھی دل سے نہیں نکلتی۔ لیکن اب تو تم اسی ملک کو اپنا وطن سمجھو۔ یہ ملک بہت خوبصورت ہے۔ خدا نے بڑی نعمتیں بخشی ہیں ہمیں۔ آجکل تو ہم لوگ حاجی کی وجہ سے ذرا اپ سیٹ ہیں۔ حاجی کا قصہ ختم ہو جائے تو تم آزادی سے گھوم پھر سکو گی۔ پھر صحیح معنوں میں یہاں کی زندگی کا لطف اٹھاؤ گی۔ اب چلو۔ وہ لوگ آگے نکل گئے ہیں۔" ثمینہ نے نولکھا وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جو تقریباً" بیس گز آگے جا چکے تھے۔

شاہ پری نے مڑ کر دیکھا اور پھر ثمینہ کے ساتھ چلنے لگی۔ نولکھا اور طفیل اگلے مہینے لاہور میں لگنے والے میلے کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ رضیہ بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

وہ سب سیڑھیاں اتر کر سڑک پر آ گئے۔ سیڑھیوں کے عین سامنے سڑک کے کنارے تانگہ اسٹینڈ تھا جہاں تین چار تانگے کھڑے تھے۔ بارش کی وجہ سے یہاں اتنا کیچڑ ہو چکا تھا کہ پیر اندر دھنسے جا رہے تھے۔ اس کیچڑ میں گٹر کا پانی اور گھوڑوں کی غلاظت بھی شامل تھی۔ بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے بھی متلی سی آ رہی تھی لیکن سیڑھیوں کے قریب تانگہ اسٹینڈ کے بالکل سامنے ریلوے لائن کی دیوار کے ساتھ ایک تندور تھا اور چائے کی دکان تھی۔ تین چار مزدور قسم کے آدمی وہاں بیٹھے چائے بھی پی رہے تھے اور کھانا بھی کھا رہے تھے۔ شاید انہیں کیچڑ اور بو سے کسی قسم کی گھن نہیں آ رہی تھی۔

"سو بنیو! کتھے جانا ہے۔ آؤ بیٹھو۔ تانگہ تیار کھڑا ہے۔" ایک کوچوان نے آگے بڑھ کر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس انداز مخاطب پر ثمینہ کھول کر ہی تو رہ گئی۔ آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ یہ معاشرتی کمزوریاں تھیں۔ اپنے سے کمتر کو قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بنجاروں اور خانہ بدوشوں کی تو کوئی عزت ہی نہیں تھی۔ ان کی عورتوں کو بکاؤ مال سمجھ کر ہر شخص ان پر ہاتھ صاف کرنے کے چکر میں تھا۔ ان سے فحش مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو تو گویا ہر شخص اپنا حق سمجھتا تھا۔

سامنے کھڑے ہوئے تانگے باغبانپورہ کی طرف جانے والے تھے جبکہ ان لوگوں کو گھوڑے شاہ کی طرف جانا تھا۔ وہ لوگ سڑک پار کر کے سامنے والی گلی کے موڑ پر آ گئے۔ سلطان پورہ' تیزاب

aazzamm@yahoo.com

احاطہ چوک اور گھوڑے شاہ کی طرف تانگے یہیں سے چلتے تھے۔ اس وقت موڑ پر دو تانگے کھڑے تھے۔ آگے والے تانگے کی اگلی سیٹ پر ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ نولکھا اور طفیل اس بوڑھے کے ساتھ آگے والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ثمینہ وغیرہ پچھلی سیٹ پر۔ کوچوان نے پائیدان پر ٹک کر گھوڑے کو ہانک دیا۔

وہ لوگ گھوڑے شاہ کے مزار کے سامنے تانگے سے اتر گئے۔ وہاں کچھ اور سواریاں مل گئی تھیں اور تانگہ آگے چاہ میراں کی طرف چلا گیا تھا۔

اس وقت بارش رک گئی تھی۔ لیکن ان کے لباس پانی میں تر ہو رہے تھے۔ وہ چند منٹ مزار کے سامنے کھڑے رہے۔ قبرستان کے کنارے پر ایک چھوٹا سا مزار تھا جس پر ایک بہت گھنا درخت سایہ کیے ہوئے تھا۔ بزرگ کی قبر کے گرد تقریباً" چار فٹ اونچی چار دیواری تھی۔ قبر پر اس کے اطراف میں اور چار دیواری پر مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھوڑوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

سڑک پر دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ لوگ باغبانپورہ کی طرف جانے والی سڑک پر چلنے لگے۔ اور تقریباً" پندرہ منٹ بعد کوٹھی میں پہنچ گئے۔

گیٹ کے ذیلی دروازے کو ایسا کنڈا لگا ہوا تھا جسے باہر سے بھی کھولا جا سکتا تھا۔ نولکھا نے کنڈا کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔

گاڑی اندر موجود نہیں تھی۔ نولکھا نے شارق کو دو تین آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ کوٹھی کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن شارق موجود نہیں تھا۔

"کہاں چلا گیا شارق باؤ۔" نولکھا بڑبڑایا۔ وہ سب اس وقت مرکزی ہال میں کھڑے تھے۔

"ایسا تو نہیں کہ ہمارے بعد پولیس نے یا حاجی کے آدمیوں نے یہاں ریڈ کیا ہو؟" ثمینہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں ایسے آثار تو نظر نہیں آتے۔" نولکھا نے کہا۔ "شارق باؤ ایسا تو نہیں ہے کہ آسانی سے کسی کے قابو میں آجائے۔"

"تو پھر وہ کہاں گیا؟" اس مرتبہ شاہ پری نے لب کشائی کی تھی۔

"یہ سوچنے کی بات ہے۔ وہ دروازے کھلے چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہے۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "دروازے کھلے ہونے کے علاوہ ایسی اور کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے کسی قسم کے خطرے کی بو آتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ شارق کسی کام سے کہیں قریب ہی گیا ہوگا اور دروازے اس خیال سے کھلے چھوڑ گیا ہوگا کہ اس کی عدم موجودگی میں ہم واپس

آجائیں تو پریشان نہ ہوں۔ لیکن بہرحال' جب تک صورتحال واضح نہیں ہو جاتی ہمیں محتاط ہی رہنا چاہیے۔ طفیل!" وہ اس کی طرف مڑ گئی۔ "تم گیٹ کے پاس کھڑے رہو۔ ہم کپڑے بدل لیں۔"

طفیل ہال سے نکل کر گیٹ کی طرف چلا گیا۔ اس نے جیب سے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ اس کا لباس بھیگا ہوا ہونے کی وجہ سے پستول بھی پانی میں تر ہو رہا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ بوقت ضرورت یہ پستول چلے گا یا نہیں۔ بہرحال دل کی تسلی کے لیے ہاتھ میں یہ ہتھیار موجود رہنا ہی کافی تھا۔

ثمینہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ رضیہ اور شاہ پری دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ نولکھا بھی اپنے کمرے میں گھس گیا تھا۔

تقریباً" دس منٹ بعد ثمینہ کپڑے بدل کر کمرے سے باہر نکلی تو ہال میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" وہ آواز بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے ثمینہ۔ میں شارق ہوں۔" ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے شارق کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ارے۔ کہاں غائب ہو تم۔" ثمینہ جلدی سے بولی۔ "گھر کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور تمہیں نہ پاکر ہم پریشان ہو رہے تھے۔"

"ارے پریشان تو میں ہوگیا تھا۔" شارق کی آواز سنائی دی۔ "بارش تیز ہوئی تو مجھے یہ پریشانی ہوئی کہ تم لوگوں کا کیا ہوگا۔ میں تم لوگوں کو لینے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور دروازے اس لیے کھلے چھوڑ گیا تھا کہ اگر تم لوگ واپس آجاؤ تو کوئی پریشانی نہ ہو۔ بہرحال' تم لوگ جو کار نامہ انجام دے کر گئے ہو اس کا مجھے پتہ چل گیا ہے۔ کچھ دیر پہلے میں نے پیر صاحب کو بڑے غصے کے عالم میں اپنے آدمیوں کے ساتھ احاطے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"اوہ۔" ثمینہ چونک گئی ۔ "کیا پولیس وہاں پہنچ گئی ہے؟"

"ابھی نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں ٹیلی فون پر تفصیل سے بات نہیں کر سکتا۔ ایک گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔ آکر سب کچھ بتاؤں گا۔"

"جلدی سے آجاؤ۔ ہم سب بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔ اور دوسری طرف سے لائن منقطع ہو جانے پر ریسیور رکھ دیا اور قریب کھڑے ہوئے نولکھا اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگی۔

"شارق کا فون تھا۔ کہاں ہے وہ؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"وہ ہمیں بارش سے بچانے کے لیے لینے گیا تھا اور اسی لیے دروازے کھلے چھوڑ گیا تھا کہ اگر اس دوران ہم واپس آجائیں تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "شارق کے پاس ہمارے لیے ایک سنسنی خیز خبر ہے۔ حاجی کو اپنے اڈے کی تباہی کا پتہ چل گیا ہے۔ یہاں آنے کے بعد شارق تفصیل بتائے گا۔ وہ ایک گھنٹے میں پہنچ جائے گا۔"

"یہ تو واقعی بڑی سنسنی خیز خبر ہے۔" نولکھا بولا۔ "اب ہمیں بے چینی سے شارق کا انتظار ہے۔ وہ آجائے تو تفصیل معلوم ہو۔"

"رضیہ۔ تم چائے بنا لاؤ۔ اس وقت بڑی شدت سے طلب محسوس ہو رہی ہے اور طفیل سے کہہ دو وہ اندر آکر کپڑے بدل لے۔ کہیں اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ اور ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

رضیہ اپنے اصل حلیے میں آچکی تھی۔ اس نے کپڑے بھی ڈھنگ کے پہن لیے تھے۔ وہ ثمینہ کی طرف دیکھتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ اس دوران طفیل اندر آگیا۔ وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اندر جاکر کپڑے بدلے اور جب باہر آیا تو کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ ایک صوفے میں دھنس گیا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔

"اوئے طفیل کیا ہوا ہے تمہیں۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جوان آدمی ہو۔ اتنی سی ٹھنڈ برداشت نہیں کرسکے۔ مجھے دیکھو۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھا۔"

"آپ کی ہڈیاں پرانی ہوچکی ہیں استاد جی۔ ان پر گرمی سردی کا اثر نہیں ہوتا۔" طفیل نے جواب دیا۔

پرانی ہڈیوں والی بات پر ثمینہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد رضیہ چائے بنا کر لے آئی۔ ٹرے میں پانچ کپ رکھے ہوئے تھے۔ گرم گرم چائے سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تھی اور ایک کپ اٹھا کر سب سے پہلے نولکھا کی طرف بڑھایا۔

"اسے دو پہلے۔ دیکھو سردی سے کانپ رہا ہے۔" نولکھا نے طفیل کی طرف اشارہ کیا۔ "گرم گرم چائے پی کر شاید ٹھنڈ کم ہو جائے۔"

"میں ابھی اس کی ٹھنڈ کا بھی بندوبست کرتی ہوں۔" رضیہ نے کہتے ہوئے کپ طفیل کے سامنے کافی ٹیبل پر رکھ دیا اور دوسروں کو چائے دینے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس نے ایک گولی طفیل کی طرف بڑھا دی۔

"لو۔ یہ گولی نگل کر چائے پی لو۔ سردی ختم ہو جائے گی۔"

وہ خود نولکھا کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی اور اپنا کپ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔ چائے پینے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ صورتحال پر بھی تبصرہ کرتے جارہے تھے۔

"حاجی کو کیسے اطلاع ملی ہوگی کہ اس کے اڈے پر کوئی کارروائی ہوئی ہے۔" رضیہ نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"حاجی کو کسی کارروائی کی اطلاع نہیں ملی ہوگی۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "اسے معلوم ہے کہ پولیس اسے اور اس کے خفیہ اڈوں کو تلاش کررہی ہے اور پھر باغبانپورہ والا اڈہ تباہ کرنے کے بعد ثمینہ نے بھی اسے کوئی دوسرا اڈہ تباہ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ وہ اس دھمکی کو محض گیدڑ بھبکی نہیں سمجھا ہوگا۔ اس نے اپنے ان اڈوں کی حفاظت کے لیے مزید انتظامات کیے ہوں گے۔ ہم نے جب بند روڈ والے احاطے کی نگرانی شروع کی تھی تو وہاں صرف ایک آدمی تھا اور بعد میں ان کی تعداد تین ہوگئی تھی۔ ہو سکتا ہے حاجی ان حفاظتی انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے آیا ہو اور وہاں کی صورتحال دیکھ کر بوکھلا گیا ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس کی بوکھلاہٹ نہ دیکھ سکی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کبھی نہ کبھی ایسا موقع ضرور مل جائے گا۔" نولکھا نے کہا۔ "ابھی تو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ایسا موقع ضرور آئے گا کہ ہم سب اس کی بوکھلاہٹ' نہیں بلکہ اسے پاگلوں کی طرح اپنے سر کے بال نوچتے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے دیکھیں گے۔"

"میں تو اس خبیث کو کپڑے پھاڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔" رضیہ بولی۔

"کیوں .....؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ پھر بولی۔ "اوہ ..... سمجھ گئی ....."

دوسرے بھی شاید رضیہ کی بات کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ وہ سب مسکرا دیے۔

گرم گرم چائے پینے اور گولی کھا لینے سے طفیل کی حالت واقعی سنبھل گئی تھی۔ اس کی کپکپی ختم ہوگئی تھی اور اس نے کمبل بھی اتار کر ایک طرف ڈال دیا تھا۔

چائے ختم کرنے کے بعد بھی ان کی باتیں جاری رہیں اور پھر باہر گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر طفیل جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

وہ شارق ہی تھا۔ گاڑی برآمدے کے سامنے کھڑی کرکے وہ اندر آیا تو سب عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"تم لوگ چائے پی چکے۔" شارق ثمینہ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ایک کپ چائے مجھے بھی مل جائے تو اس سنسنی خیز خبر کی تفصیل بتاؤں۔"

aazzamm@yahoo.com

رضیہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں چائے بنا کر لے آئی۔

"میں جب بند روڈ پر پہنچا تو بارش کچھ زیادہ ہی تیز ہوگئی تھی۔" شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بتانے لگا۔ "اس جگہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ سڑک کی ڈھلان پر وہ چھولداریاں خالی تھیں۔ ایک چھولداری تو گر چکی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ تم لوگ وہاں سے کسی محفوظ جگہ پر جا چکے ہو۔ میں گاڑی کو آگے نکال لے گیا۔ یتیم خانے کے موڑ سے میں نے گاڑی واپس موڑی اور دوبارہ اس سڑک پر آنے لگا۔ ابھی میں حاجی والے احاطے سے کچھ دور ہی تھا کہ ڈھلان میں سروس روڈ پر سرخ رنگ کی ایک پجیرو کو احاطے کے سامنے رکتے دیکھا۔ میں بڑی پھرتی سے اپنی گاڑی کو سڑک کے دوسری طرف درختوں میں لے گیا۔ اور گاڑی ایسی جگہ روکی جہاں سے میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے احاطے کو دیکھ سکتا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا چائے کی ایک دو چسکیاں لیں اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"پجیرو سے دو تین مرتبہ ہارن دیا گیا۔ لیکن اندر سے جب گیٹ نہیں کھولا گیا تو ایک آدمی نے نیچے اتر کر گیٹ کھول دیا اور گاڑی اندر داخل ہوکر برآمدے کے سامنے رک گئی۔ پجیرو سے تین آدمی اتر کے برآمدے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں اور تیسرا حاجی تھا۔ ان کا تیسرا ساتھی وہ تھا جس نے پجیرو سے اتر کر باہر کا گیٹ کھولا تھا اور ایک ڈرائیور تھا جو اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا تھا۔

تینوں باڈی گارڈ اور حاجی برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ اور پھر یوں لگا جیسے وہاں کھلبلی سی مچ گئی ہو۔ دو گن مین باہر آگئے اور دونوں ہاتھوں میں رائفلیں سنبھالے ادھر ادھر دیکھنے لگے حاجی بھی برآمدے میں آگیا لیکن فوراً ہی اندر چلا گیا۔ ایک گارڈ بھی اس کے ساتھ اندر گیا تھا جبکہ دوسرا برآمدے ہی میں کھڑا رہا تھا۔

"ویلا میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ حاجی اور اس کے ساتھی بار بار اندر اور باہر آجارہے تھے۔ ایک گن مین نے بہت لمبا سا ایک پائپ اندر سے نکال کر باہر پھینکا تھا اور پھر انہوں نے باری باری تین آدمیوں کو اندر سے نکال کر پجیرو میں ڈالا تھا۔ وہ تینوں شاید بے ہوش تھے یا ....." وہ خاموش ہوکر سوالیہ نظروں سے باری باری سب کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ تینوں حاجی کے آدمی تھے اور بے ہوش ہی تھے۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن کیا تم نے انہیں چوتھے آدمی کو باہر لاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میرا مطلب ہے لاش۔"

"لاش!" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کس کی لاش؟"

"انسپکٹر عثمان کی۔" ثمینہ نے کہا اور پھر تفصیل بتانے لگی کہ وہ کس طرح حاجی کے آدمی کے

ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔"

"اوہ۔ عثمان کے بارے میں تو میں پوچھنا بھول ہی گیا تھا۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اچھا ہوا وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا اور ہمیں اس کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے پڑے۔ بہرحال' انہوں نے صرف تین آدمیوں کو گاڑی میں ڈالا تھا۔"

"اگر حاجی انسپکٹر عثمان کی لاش کو وہیں چھوڑ گیا ہے تو اس نے یہ بہت بڑی حماقت کی ہے اور اپنے لیے مزید دشواریاں پیدا کرلی ہیں۔" یہ بات نولکھا نے کہی تھی۔

"آجکل اس سے واقعی پے درپے حماقتیں ہورہی ہیں۔" شارق بولا۔ "[illegible] ذہین آدمی ہے۔ اپنی ذہانت ہی سے اس نے دنیا بھر میں ہیروئن کی تجارت کا نیٹ ورک قائم کررکھا ہے۔ لیکن دنیا کا کوئی ملک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ لیکن پے درپے چوٹیں کھانے سے اس کے حواس قابو میں نہیں رہے اور وہ ایسی حرکتیں کررہا ہے جن سے اس کے گرد نہ صرف ہمارا بلکہ قانون کا گھیرا بھی تنگ ہوتا جارہا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بہرحال' وہ اپنے تین آدمیوں کو پجیرو میں ڈال کر لے گیا تھا۔ ایک گن مین کو اس نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے بعد میں وہ اپنے آدمی بھیج دے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں انسپکٹر عثمان کی لاش وہاں سے ہٹانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"کیوں؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کو فون کرنے کے بعد میں نے علاقے کے ایس پی کو بھی اس احاطے کے بارے میں اطلاع دیدی تھی۔ میرا خیال ہے پولیس نے اب تک وہاں دھاوا بول دیا ہوگا۔ لیکن تم لوگوں نے وہاں کیا کارروائی کی ہے؟"

"ہم نے کیا کارروائی کرنی تھی۔ سارا کام تو پانی کے اس پائپ نے کیا تھا جسے حاجی نے باہر پھنکوایا تھا۔" نولکھا نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بتاتی ہوں۔" ثمینہ بولی۔ "ہم نے باغبانپورہ والے اڈے پر ہیروئن کو جلایا تھا تو اس کے زہریلے دھوئیں سے وہاں کے لوگ بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ ہیروئن کو آگ لگانا ہماری بہت بڑی غلطی تھی۔ لیکن یہاں ہم نے وہ غلطی نہیں دہرائی۔ الماریوں میں سجے ہوئے ہیروئن کے تمام پیکٹ پھاڑ کر فرش پر پھینک دیئے اور تہہ خانے میں پانی چھوڑ دیا۔ ہم لوگ اس وقت تک تہہ خانے سے باہر نہیں نکلے تھے جب تک ہمیں یقین نہیں ہوگیا تھا کہ ساری ہیروئن پر پانی پھر گیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے پائپ وہیں چھوڑ دیا تھا تاکہ ہیروئن پوری طرح پانی میں حل ہو جائے۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہم تو حاجی کے لیے ہیروئن کا شربت بنا کر آئے تھے۔" نولکھا بولا۔ "اب پتا نہیں اسے پسند آیا ہو گا یا نہیں۔"

"کاش! ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ حاجی کہاں گیا ہے۔ میں اسے فون کرکے اس کی خیریت دریافت کرتی۔" ثمینہ نے حسرت بھرے لہجہ میں کہا۔

"پہلے میں نے سوچا تھا کہ اس کی پجیرو کا تعاقب کرکے اس کا نیا ٹھکانہ معلوم کروں۔ لیکن یہ سوچ کر اس کے پیچھے نہیں گیا کہ اسے کوئی شبہ نہ ہو جائے۔ لیکن یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ شام سے پہلے پہلے اس کے نئے ٹھکانے کا پتا چل جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"وہ کیسے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شفقت۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ وہی شخص ہے جس کے گھر میں پچھلے دنوں حاجی عبداللہ پناہ لیے ہوئے تھا اور پھر اس نے حاجی کو وہاں سے چلتا کر دیا تھا۔ تمہیں انسپکٹر عثمان کی باتیں یاد ہوں گی۔ اس نے بتایا تھا کہ شفقت حاجی سے کچھ بدگمان سا ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی جوان بیٹیوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہو جو اسے ناگوار گزری ہو اور اس نے کسی بہانے حاجی کو اپنے گھر سے چلتا کر دیا۔ شفقت سے حاجی کے نئے ٹھکانے کا پتا چل سکتا ہے۔"

"گڈ۔" ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "شفقت جیسے آدمی سے حاجی کا پتا اگلوانا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ ٹھیک ہے۔ شام کو ہم دونوں اس کے گھر چلیں گے۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا لڑکی!" نولکھا نے اسے گھورا۔

"میرا دماغ بالکل درست ہے۔" ثمینہ مسکرائی۔ "حاجی کا پتا معلوم کرنے کے لیے اسے اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ اس کی جوان بیٹیوں کے حوالے سے میرے ذہن میں ایک ایسی ترکیب آئی ہے جس سے وہ خودبخود زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"اور وہ سب ترکیب کیا ہے؟" نولکھا نے پوچھا۔

ثمینہ چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے فوری طور پر ذہن میں آنے والی وہ ترکیب بتا دی اور پھر وہ سب مختلف پہلوؤں سے اس منصوبے کا جائزہ لینے لگے۔

○

حاجی عبداللہ اس رات وسن پورہ میں شفقت کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد گلشن راوی کے ایک مکان میں منتقل ہوگیا تھا۔ یہ مکان اس کے ایک بہت چھوٹے کارندے رب نواز کی

ملکیت تھا۔ رب نواز بہت چھوٹا سا کارندہ تھا۔ اس جیسے لوگ حاجی عبداللہ جیسے شخص کے قریب آنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن جب حاجی کے ایک معتمد خاص کرامت نے اسے بتایا کہ حاجی چند روز کے لیے اس کے گھر میں رہنا چاہتا ہے تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش قسمت آدمی سمجھنے لگا تھا۔

دس بارہ سال پہلے تک گلشن راوی ایک ویرانہ ہوا کرتا تھا۔ پہلے یہاں نوناریاں نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے شہر سے میلوں دور سمجھا جاتا تھا۔ اس سے آگے زرعی زمینیں تھیں جہاں ہری بھری فصلیں ہوا کرتی تھیں۔ ملتان روڈ کے دوسری طرف سمن آباد کے بعد آبادی بڑھی تو لوگ اس طرف کا رخ کرنے لگے۔ پہلے نوناریاں گاؤں کے آس پاس آبادی ہونے لگی اور پھر یہ آبادی پھیلتی چلی گئی۔ زرعی زمینیں غائب ہوگئیں اور ہر طرف پکے مکان بننے لگے۔

رب نواز کا باپ ہائی کورٹ میں ایک وکیل کا منشی تھا۔ اس زمانے میں ان کی رہائش رنگ محل میں تھی۔ اس نے تھوڑی بہت رقم جمع کر رکھی تھی۔ جیسے ہی گلشن راوی میں آبادی شروع ہوئی تو اس نے رنگ محل والا مکان بیچ کر نوناریاں کے سامنے گندے نالے کے دوسری طرف پانچ مرلے کا ایک پلاٹ خرید لیا اور اس پر دو کمرے بنوا لیے۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ مکان کی تعمیر مکمل کرتا رہا اور بالآخر دو منزلہ مکان بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ پہلے یہ ویران علاقہ سمجھا جاتا تھا لیکن مکان کی تعمیر مکمل ہونے تک' جس میں کئی سال لگے تھے' یہ علاقہ بڑا بارونق ہوگیا۔ آس پاس کے تمام علاقے آباد ہو چکے تھے۔ اس مکان سے تقریباً" ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر گندے نالے کی پلیا کے ساتھ ویگنوں کا اسٹاپ بھی بن گیا تھا جس سے شہر کے اندرونی علاقوں تک آمدورفت میں سہولت ہوگئی تھی۔

رب نواز اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس سے پہلے ایک بیٹی تھی جس کا انتقال ہوچکا تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے رب نواز کو ماں باپ کی تمام تر توجہ حاصل تھی۔ ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا۔ باپ کا خیال تھا کہ وہ اسے وکیل بنائے گا لیکن رب نواز وکیل تو کیا وکیل کا منشی بھی نہ بن سکا۔ باپ نے مار پیٹ کر اسے میٹرک تو کرا دیا تھا لیکن اس سے آگے وہ نہ پڑھ سکا۔ اس نے میٹرک بھی تھرڈ ڈویژن کے سب سے نچلے درجے میں کیا تھا۔ باپ نے کوشش تو بہت کی تھی لیکن اسے کالج میں داخلہ نہ دلا سکا۔ رب نواز کو بھی کالج سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

باپ نے کوشش کی تھی کہ رب نواز کو کسی وکیل کے پاس منشی ہی رکھوا دے۔ لیکن اس میں اتنی قابلیت نہیں تھی۔ ایک وکیل کے پاس ایک مہینے سے زیادہ نہ ٹک سکا۔ اس نے ایک کیس کے فائل کی فوٹواسٹیٹ بنوا کر مخالف وکیل کو دیدی جس کا پتہ چل گیا اور وکیل کے منشی نے

aazzamm@yahoo.com

اسے مار پیٹ کر نکال دیا۔

رب نواز اسی قسم کے کام کرتا رہا۔ باپ نے ذرا سختی شروع کی تو وہ اور بگڑ گیا۔ آوارہ لڑکوں کے ساتھ دن بھر گھومتا رہتا اور پھر اس نے راتوں کو بھی باہر رہنا شروع کر دیا تھا۔

ماں باپ اس کے غم میں گھلے جا رہے تھے۔ اس کی آوارگی کا صرف ایک ہی علاج ان کی سمجھ میں آیا۔ رب نواز کی شادی کر دی گئی۔ عابدہ ایک بہت غریب گھر کی لڑکی تھی۔ بے حد حسین اور سیدھی سادی سی لڑکی تھی جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔

ماں باپ کا خیال تھا کہ شادی کے بعد رب نواز سدھر جائے گا۔ سر پر ذمے داریوں کا بوجھ پڑے گا تو کوئی ڈھنگ کا کام دھندہ بھی کرنے لگے گا باپ نے اسے بادامی باغ لاری اڈے میں اسپیئر پارٹس کی ایک دکان پر رکھوا دیا تھا لیکن دو مہینے بعد چوری کے الزام میں وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔

باپ نے ساری جمع پونجی خرچ کر کے رب نواز کو رکشہ لے دیا۔ رکشہ چلانے میں اس کا کچھ دل لگ گیا۔ اس نے ہیرا منڈی کو اپنا مرکزی اڈا بنا لیا تھا۔ وہ کسی طرف سے بھی گھوم پھر کر ہیرا منڈی پہنچ جاتا۔ یہاں اس کی کچھ ایسے لوگوں سے دوستی ہو گئی جو معاشرے میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔

رب نواز کو رکشہ چلاتے ہوئے چھ مہینے ہو گئے۔ وہ جو کچھ بھی کماتا ادھر ادھر خرچ کر دیتا۔ اسے جوئے کی بھی عادت پڑ گئی تھی۔ ہیرا منڈی ہی میں دوسرے رکشہ ڈرائیوروں کے ساتھ بیٹھ کر جوا کھیلتا۔ کبھی تو اپنا سب کچھ ہار جاتا اور کبھی کچھ جیت بھی جاتا۔ گھر کے اخراجات اس کا باپ پورے کر رہا تھا اس لیے رب نواز کو گھر کی کوئی فکر نہیں تھی۔

اور پھر ایک روز رب نواز کے ماں باپ ٹریفک کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ سیالکوٹ میں رب نواز کا چچا شدید بیمار تھا۔ اس کے ماں باپ اس کی عیادت کے لیے جا رہے تھے کہ گوجرانوالہ کے قریب بس حادثے کا شکار ہو گئے۔ اس حادثے میں سولہ افراد جاں بحق ہوئے تھے جن میں رب نواز کے ماں باپ بھی شامل تھے۔

رب نواز اب ہر پابندی سے آزاد ہو گیا تھا جب تک ماں باپ زندہ تھے اس کی بیوی عابدہ کو کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن اب اسے بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اخراجات کی تنگی اور دیگر مسائل اس کی صحت کو بھی متاثر کرنے لگے۔ وہ جب اخراجات کے لیے رب نواز سے بات کرتی تو وہ لڑنا شروع کر دیتا۔

اس رات رب نواز دو بجے کے قریب گھر واپس آیا تھا۔ عابدہ اس کے انتظار میں جاگ رہی

تھی۔ اس رات اس نے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ گھر میں کچھ تھا ہی نہیں تو کھاتی کہاں سے۔

"تم صبح جاتے ہو اور آدھی رات کے بعد لوٹتے ہو۔ تمہیں کچھ گھر کا بھی خیال ہے۔" عابدہ نے رب نواز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ گھر کو کیا ہوا ہے؟" رب نواز نے اسے گھورا۔

"گھر میں راشن نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے آج کچھ کھایا بھی نہیں۔ اگر رکشہ چلانے سے کوئی آمدنی نہیں ہو رہی تو اسے بیچ کر کوئی اور کام شروع کیوں نہیں کر دیتے جس سے دو وقت کی روٹی تو چلے۔" عابدہ نے کہا۔

"میں صبح سے رات تک تو گھر سے باہر رہتا ہوں۔ کوئی سواری نہیں ملتی تو کیا کروں۔ کیسے خرچ پورا کروں گھر کا۔ تم بھی تو میرا کچھ ساتھ دو نا۔ دوسری عورتیں اپنے خاوندوں کے لیے کتنا کچھ کرتی ہیں۔"

"میں کیا کروں؟" عابدہ نے اسے گھورا۔ "میں پڑھی لکھی تو ہوں نہیں کہ کسی دفتر میں نوکری کر لوں۔ لوگوں کے گھروں میں برتن کپڑے دھونے کا کام کر سکتی ہوں۔ لیکن یہاں سب لوگ ہم جیسے ہی ہیں۔ عورتیں گھروں کا کام خود کرتی ہیں۔ کسی میں نوکر رکھنے کی ہمت نہیں۔ مجھے کون کام دے گا۔"

"تمہیں ایسے کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے میری جان۔" رب نواز نے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ "یہ گورے گورے نازک ہاتھ لوگوں کے برتن کپڑے دھونے کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تو لوگوں کی جیبوں سے نوٹ نکالنے کے لیے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" عابدہ نے اسے گھورا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں لوگوں کی جیبیں کاٹنا شروع کر دوں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" رب نواز بولا۔ "لوگوں کی جیبوں سے نوٹ نکلوانے کے اور بھی طریقے ہیں۔ تم اپنے آپ کو دیکھو نا..... کتنی حسین ہو۔ تم جیسی حسین عورتیں تو حسن کا نظارہ دے کر لوگوں کی جیبیں خالی کروا لیتی ہیں۔ میں رکشہ چلاتا ہوں۔ سارا دن دیکھتا رہتا ہوں۔ عیش کرتی ہیں وہ عورتیں۔"

"کیا تمہاری غیرت مر گئی ہے جو مجھے اس قسم کی باتیں سمجھا رہے ہو۔" عابدہ ایک جھٹکے سے اس کے قریب سے اٹھ گئی۔ "تم مجھے بھگا کر نہیں لائے جو مجھ سے اس قسم کے کام کروانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ عزت ہوں تمہاری۔ شرم آنی چاہیے تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

aazzamm@yahoo.com

"شرم ..... غیرت ....." رب نواز بے غیرتی سے مسکرایا۔ "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ..... فاقے کرنے اور بھوک سے ایڑیاں رگڑنے سے تمہاری عزت نہیں بڑھے گی۔ خدا نے تمہیں حسن کی دولت دی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ خود بھی عیش کرو اور میرے دن بھی آرام سے گزرنے دو۔"

"آئندہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا۔" عابدہ نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

رب نواز صبح ہوٹل سے ناشتہ اور کھانا لے آیا۔ ناشتے کے بعد وہ جانے لگا تو عابدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری باتوں پر غور کرنا۔ عیش کروگی۔"

عابدہ دن بھر پڑی رب نواز کی باتوں پر سوچتی اور کڑھتی رہی۔ اس رات بھی اسے بھوکا رہنا پڑا تھا اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ رب نواز خود تو باہر سے کھا کر آتا اور عابدہ بھوکی پڑی رہتی۔ وہ ہر رات اسے سمجھانے کی کوشش کرتا کہ اس کی بات مان لے تو اسے فاقوں سے نجات مل جائے گی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اور پھر ایک رات رب نواز واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا اور پھر اس رات عابدہ کی عزت نیلام ہوگئی۔

صبح جب رب نواز گھر سے نکلا تو عابدہ دروازے تک اسے چھوڑنے آئی تھی۔

"آج رات میں جلدی واپس آجاؤں گا۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔ کپڑے ذرا ڈھنگ کے پہننا۔" رب نواز نے گھر سے نکلتے ہوئے کہا۔

جواب میں عابدہ نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

اس رات رب نواز گیارہ بجے کے قریب واپس آگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ رکشہ مکان کے سامنے روک کر دروازے کی بیل بجاتا رہا۔ لیکن بہت دیر تک اندر سے دروازہ نہیں کھلا تو رب نواز پریشان ہوگیا۔ وہ دیوار کود کر اندر داخل ہوا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے بتی جلائی تو اس کے منہ سے بے اختیار ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

عابدہ پنکھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں دوپٹے کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اور زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔ فرش پر ایک کرسی الٹی پڑی تھی اور دوسری کرسی پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ رب نواز نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ عابدہ پانچ چھ جماعت پڑھی ہوئی تھی۔ آڑھی ترچھی اور شکستہ ہینڈ رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا کہ وہ خودکشی کررہی ہے۔ اس نے رب نواز پر ایسے الزامات لگائے تھے کہ اگر یہ پرچہ پولیس کے ہاتھ آگیا تو وہ لمبی مدت کے لیے اندر ہو جائے گا۔ اس نے پرچہ تہ کرکے جیب میں رکھ لیا اور کمرے سے باہر آکر باہر والا دروازہ کھول دیا۔ رب نواز کے ساتھ آنے والے شخص کو صورتحال کا پتا چلا تو وہ رفوچکر ہوگیا۔

رب نواز نے پڑوس کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ اور پھر کچھ ہی دیر میں عابدہ کی خودکشی کی خبر پورے محلے میں پھیل گئی اور لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے۔ پولیس بھی آگئی۔ وقوعہ کا معائنہ کرنے کے بعد پولیس نے لاش اسپتال بھجوا دی اور لوگوں کے بیانات لیے جانے لگے۔ پولیس کو رب نواز پر اپنی بیوی کو قتل کا شبہ تھا۔ لیکن بعض پڑوسیوں نے بیان دیا کہ رب نواز صبح جب رکشہ لے کر نکلا تھا تو عابدہ دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے بعد نہ تو رب نواز واپس آیا تھا اور نہ ہی عابدہ کو دیکھا گیا تھا۔

رب نواز نے عقلمندی یہ کی تھی کہ پولیس کے آنے سے پہلے اس نے عابدہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا پرچہ ضائع کردیا تھا۔ اگر وہ پرچہ پولیس کے ہاتھ آجاتا تو رب نواز بھی نہیں بچ سکتا تھا۔

پولیس رب نواز پر کوئی الزام ثابت نہیں کرسکی تھی۔ لوگوں کے بیانات اور حالات کی روشنی میں پولیس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عابدہ نے غربت سے تنگ آکر خودکشی کی تھی۔

رب نواز پر اگرچہ کوئی الزام ثابت نہیں ہوا تھا لیکن پولیس نے اسے خوب اچھی طرح نچوڑ لیا تھا۔ اس نے اپنا رکشہ بیچ دیا۔ جو بھی پیسہ ملا اس میں سے زیادہ تر پولیس کی نذر ہوگیا۔

رب نواز کے پاس اب کوئی کام دھندہ نہیں تھا۔ اس کا زیادہ وقت ہیرامنڈی کے علاقے میں گزرتا۔ اس کے دوستوں میں گلزار نام کا بھی ایک آدمی تھا جو ہیروئن بیچتا تھا۔ گلزار دراصل حاجی کے گروہ کا آدمی تھا اس نے رب نواز کو بھی اپنے کام میں لگا لیا۔

رب نواز کو گلزار کے ساتھ کام کرتے ہوئے دو سال ہوگئے تھے۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ حاجی کے گروہ میں شامل ہے لیکن اسے آج تک حاجی سے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ملنا تو درکنار اس نے حاجی کو کبھی قریب سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسے چھوٹے لوگوں کو جب اپنے آقا کے قریب آنے کا موقع ملے تو وہ اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں اور خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اس روز جب گلزار نے اس سے بات کی کہ حاجی عبداللہ چند روز اس کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہے تو رب نواز کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

رب نواز اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دنوں حاجی عبداللہ کا ستارہ گردش میں ہے۔ ایک طرف پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ اور دوسری طرف شارق اور ثمینہ اسے پے درپے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس نے شارق اور ثمینہ کو بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اتنا وہ جانتا تھا کہ یہ دونوں پہلے حاجی کے لیے کام کرتے تھے پھر کسی بات پر جھگڑا ہوا اور وہ حاجی کے دشمن بن گئے۔ حاجی کو سب سے

زیادہ نقصان شارق اور ثمینہ ہی نے پہنچایا تھا۔ وہ اس کے کئی اڈے تباہ کرچکے تھے اور حاجی آجکل ان دونوں اور پولیس کے خوف سے چھپتا پھر رہا تھا۔

رب نواز کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ حاجی عبداللہ جیسا آدمی کسی کے خوف سے چھپتا پھر رہا ہے۔ وہ تو بہت بڑا آدمی تھا۔ اسمبلیوں میں اس کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ پولیس کے بڑے بڑے افسران اس کے نام سے کانپتے تھے۔ حکومت کے وزیر اس کے گھر پر حاضری دیتے تھے۔ لیکن وہ شارق اور ثمینہ سے ڈر رہا تھا۔

اس روز گلزار نے جب بات کی تو رب نواز اچھل پڑا تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ گلزار مذاق کررہا ہے۔ لیکن گلزار بالکل سنجیدہ تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ۔" گلزار نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "حاجی کی جتنی بھی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں وہ دوسروں کی نظروں میں ہیں۔ حاجی چند روز ایسی جگہ رہنا چاہتا ہے جس کے بارے میں کسی کو شبہ نہ ہو۔ اس لیے میں نے حاجی کے سامنے تمہارا نام پیش کیا تھا۔ ہم اور تم ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ ہم حاجی کے گروہ کے ہیں لیکن کوئی شبہ نہیں کرسکتا کہ حاجی ہم جیسے لوگوں کے گھر میں بھی آسکتا ہے۔ میں نے تم پر اعتماد کرتے ہوئے حاجی کو تمہارا نام دیا تھا۔ لیکن اگر یہ راز کھل گیا کہ حاجی تمہارے گھر پر ہے تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

"تم فکر ہی نہ کرو جی۔" رب نواز نے کہا۔ "کسی کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ تم آج شام کے بعد گھر پر ہی رہنا۔ حاجی عبداللہ رات کو کسی بھی وقت تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔" گلزار نے کہا۔

رب نواز اس روز شام سے پہلے ہی اپنے گھر پہنچ گیا اور جلدی جلدی صفائی کرنے لگا۔ اس کے گھر میں بانس کی دو چارپائیاں تھیں۔ ایک پر میلا کچیلا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے بستر درست کرکے چادر پلٹ دی اور دوسری چارپائی پر چادر بچھا دی۔ اور جس حد تک ممکن ہو سکا گھر کی صفائی کرڈالی۔

رات دس بجے کے قریب ایک پجیرو اس کے مکان کے سامنے آکر رکی۔ رب نواز برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا پہلے ایک آدمی پجیرو سے اترا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے پجیرو کی طرف اشارہ کیا۔ حاجی اور ایک دوسرا آدمی پجیرو سے اتر کر جلدی سے مکان میں داخل ہوگئے اور پجیرو آگے چلی گئی۔

aazzamm@yahoo.com

رب نواز حاجی کے قدموں پر گرا جارہا تھا۔ وہ انہیں کمرے میں لے آیا۔ کمرہ اور اس کا سازوسامان دیکھ کر حاجی کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے کبھی ایسی جگہ پر بھی رہنا پڑے گا۔ لیکن ظاہر ہے اب اس پر برا وقت آگیا تھا اور اس جیسی جگہ پر رہنا مجبوری تھی۔

حاجی کے ساتھ دونوں آدمی اس کے باڈی گارڈز تھے۔ وہ بظاہر خالی ہاتھ تھے لیکن قمیضوں کے نیچے ریوالور پوشیدہ تھے۔

"معاف کرنا حاجی جی۔" رب نواز حاجی کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "میں غریب سا بندہ ہوں جی۔ یہاں آپ کے گھر جیسا آرام تو نہیں ملے گا۔ پر کوشش کروں گا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ پر ایک بات کا خیال رکھنا۔ کسی کو یہ علم نہیں ہونا چاہیے کہ میں کون ہوں اور یہاں کیوں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں جی۔" رب نواز نے جواب دیا۔ "اگر کسی نے پوچھا تو کہہ دوں گا سیالکوٹ سے میرے ابا کے رشتہ دار آئے ہوئے ہیں۔ ابا زندہ تھا تو مہمان آتے رہتے تھے۔ کسی نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ کون آیا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔" حاجی نے کہا۔ "اب تم جاکر برآمدے میں بیٹھ جاؤ۔"

حاجی عبداللہ دو دن رب نواز کے گھر میں چھپا رہا۔ یہاں اسے کوئی آرام نہیں تھا' البتہ بے آرامی زیادہ تھی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ بان کی چارپائی پر سویا تھا۔ کھانے پینے کی بھی تکلیف تھی۔ رب نواز اپنی حیثیت کے مطابق حاجی کی خدمت کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ پیسہ تو حاجی خرچ کررہا تھا اور رب نواز آگے پیچھے دوڑا پھر رہا تھا۔ ہوٹل سے صبح کا ناشتہ اور دوپہر رات کا کھانا۔

حاجی دو دن میں ہی پریشان ہوگیا۔ لیکن وہ رب نواز کی خدمت سے بہت خوش ہوا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ وہ وفادار کتا ہے جو اپنے مالک کے لیے جان بھی دے سکتا ہے۔

یہاں حاجی کو دوسری تکالیف تو تھیں ہی' سب سے بڑا مسئلہ بیرونی رابطے کا تھا۔ اس مکان میں ٹیلی فون نہیں تھا اور وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے باڈی گارڈز میں سے کسی کو باہر نہیں بھیجنا چاہتا تھا اور رب نواز میں ابھی اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ باہرجاکر صورتحال معلوم کرتا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کن لوگوں سے کیسے رابطہ کرنا ہے۔ حاجی کے دونوں باڈی گارڈز بھی تنگ آگئے تھے۔ اس چھوٹے سے مکان میں وہ لوگ ایک طرح سے قید ہوکر رہ گئے

aazzamm@yahoo.com

تھے۔

تیسرے روز شام کو حاجی نے رب نواز کو اپنے پاس بلا لیا۔

"فاروق احمد کو جانتے ہو؟" حاجی نے پوچھا۔

"وہ جو گلبرگ میں رہتا ہے؟" رب نواز بولا۔

"ہاں۔ وہی۔ مین بلے روڈ پر اس کی کوٹھی ہے۔" حاجی نے کہا۔

"نام سنا ہے جی۔ ان کی کوٹھی بھی دیکھی ہے۔ پر کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ بڑے لوگ ہیں جی۔ ہم تو ....."

"تم ابھی گلبرگ چلے جاؤ۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اسے میرا نام بتانا اور کہنا کہ میں بلا رہا ہوں۔ فوراً" چلا آئے اور اسے میری یہ انگوٹھی دکھا دینا۔ سمجھ جائے گا کہ میں نے ہی تمہیں بھیجا ہے۔" حاجی نے اپنی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتار کر اسے دیدی۔ اس میں عقیق جڑا ہوا تھا۔ "یہاں سے ٹیکسی پر بیٹھ جاؤ۔ اور اسے ساتھ لے کر آنا۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" رب نواز نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی اور فوراً" ہی گھر سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد حاجی کے گارڈز نے بیرونی دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ اور وہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔

تقریباً" دو گھنٹے بعد دروازے کے سامنے ایک گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ جب دروازے کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ تو ایک محافظ نے اٹھ کر پہلے دروازے کی جھری میں سے جھانکا پھر دروازہ کھول دیا۔

وہ سفید رنگ کی ہونڈا سوک کار تھی۔ رب نواز کے ساتھ ایک اور آدمی دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ محافظ نے دروازہ کھول دیا اور وہ دونوں اندر آگئے۔ رب نواز کے ساتھ دوسرا آدمی فاروق احمد تھا۔

حاجی عبداللہ کچھ دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا پھر وہ سب لوگ جانے کے لیے تیار ہوگئے۔

"تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔" حاجی نے رب نواز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری خدمت گزاری سے بہت خوش ہوا ہوں۔ تم سے کچھ اور کام لینا چاہتا ہوں۔ آئندہ تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔"

وہ لوگ مکان سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ رب نواز نے مکان کو تالا لگا دیا تھا۔ حاجی اور اس کے باڈی گارڈ پچھلی سیٹ پر تھے جبکہ رب نواز آگے والی سیٹ پر تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ایسی شاندار کار میں بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر عابدہ اسے دھوکا دے کر خودکشی نہ کرلیتی تو وہ اس کے لیے سونے کی کان ثابت ہوتی اور آج اس کے پاس بھی ایسی ہی گاڑی ہوتی۔

وہ مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے ایک گھنٹے بعد گلبرگ میں فاروق احمد کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ فاروق احمد نے زیادہ طویل چکر یہ دیکھنے کے لیے لگایا تھا کہ کوئی ان کا تعاقب تو نہیں کررہا۔

مین روڈ پر واقع وہ کوٹھی بہت بڑی تھی۔ اس کے پچھلی طرف ایک بہت بڑا گندہ نالہ تھا۔ کوٹھی میں آم اور جامن کے کئی درخت تھے۔ پھولوں کے پودوں سے سجا ہوا خوبصورت لان بھی تھا۔

فاروق احمد حاجی کا پرانا نمک خوار تھا۔ اور کبھی کبھار اس سے کام بھی لے لیا کرتا تھا۔ وہ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتا تھا اور کم از کم تین مرتبہ اس نے حاجی کا مال اپنے مال کے ساتھ اس طرح بیرون ملک بھیجا تھا کہ کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ بہت عرصہ سے حاجی نے اس سے کام نہیں لیا تھا اور وہ اسے تقریباً" بھول ہی گیا تھا۔ رب نواز کے کوٹھری نما مکان میں رہتے ہوئے حاجی ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا جو اس وقت اس کے کام آسکتے تھے اس کے ذہن میں فاروق احمد کا نام بھی آگیا۔ اور اس نے فوراً" ہی فاروق احمد کی کوٹھی پر منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

فاروق کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن گوری چٹی رنگت کے ساتھ صحت بھی قابل رشک تھی۔ وہ اپنی عمر سے کم لگتا تھا۔ اس کی بیوی رعنا اس سے عمر میں اگرچہ آٹھ سال چھوٹی تھی لیکن وہ بھی جسمانی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے پینتیس چھتیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔

فاروق احمد کو خدا نے ساری نعمتیں دے رکھی تھیں لیکن وہ اولاد جیسی نعمت سے محروم ہی رہا۔ شروع شروع میں انہوں نے اپنا علاج بھی کروایا۔ پیروں کے تعویذ بھی گھول گھول کر پیے۔ مزاروں پر حاضریاں بھی دیں مگر مراد بر نہیں آئی۔ اور بالآخر وہ اولاد کے معاملے میں راضی بہ رضا ہوکر بیٹھ رہے۔

حاجی سے فاروق احمد کی ملاقات کینیڈا کے سفر کے دوران جہاز پر ہوئی تھی اس کے بعد بھی وہ ملتے رہے تھے۔ اور پھر ایک روز فاروق احمد پر انکشاف ہوا کہ حاجی منشیات کا بہت بڑا بین الاقوامی اسمگلر ہے۔ اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کس طرح حاجی کے چکر میں آگیا تھا۔ لیکن ماضی میں کم از کم تین مرتبہ حاجی کا مال اپنے مال کے ساتھ باہر بھجوا چکا تھا۔ اور حاجی نے ہر مرتبہ اسے لاکھوں روپے دیے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

فاروق اچھی طرح جانتا تھا کہ حاجی آجکل زیرِ عتاب ہے اور پولیس اس کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے لیکن جب رب نواز کے ذریعے حاجی کا پیغام ملا تو وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے اپنے ہاں لے آیا تھا۔

حاجی نے فاروق کی کوٹھی میں پہنچ کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے چائے بنوا کر پی۔ فاروق کی بیوی رعنا نے پہلے سے حاجی کے استقبال کی تیاری کرلی تھی۔ وہ تمامتر حشر سامانیوں کے ساتھ خوب بن ٹھن کر حاجی کے سامنے آئی تھی۔ وہ بہت بے تکلفانہ انداز میں حاجی سے باتیں کرتی رہی۔ پھر وہ اٹھ کر کھانے کی میز پر آگئے۔

فاروق نے رعنا کو جب یہ بتایا تھا کہ وہ حاجی عبداللہ کو لینے جارہا ہے تو رعنا نے اپنی ملازمہ سے کہہ کر کھانے کی تیاری شروع کردی تھی۔ ان کی ملازمہ بھی ایک عجوبہ چیز تھی۔ اس کا شمار نہ توصنف نازک میں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی اسے مردوں کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو عورت ہی کہلاتا تھا۔ نہ صرف کپڑے عورتوں جیسے پہنتا بلکہ عورتوں کی طرح میک اپ بھی کرتا۔ موٹی موٹی آنکھیں اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ اس نے اپنا نام پری چہرہ رکھا ہوا تھا۔ وہ پچھلے بارہ تیرہ سال سے ان کے ہاں کام کررہا تھا۔ جب وہ پہلی مرتبہ گاؤں سے آیا تھا تو اس کی عمر بارہ سال تھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ دلچسپ انکشاف ہوا تھا کہ اسکا تعلق تیسری جنس سے ہے اور پھر بالکل فطری طور پر اس میں ایسی باتیں آتی گئیں جو اس جنس کے لوگوں کا خاصہ ہوتی ہیں۔

فاروق اور رعنا شروع شروع میں پریشان ہوئے تھے لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی باتوں اور عادتوں کے عادی ہوتے چلے گئے۔

پری چہرہ نے گھر کے سارے کام سنبھال رکھے تھے۔ وہ کھانے بھی بہت لذیذ تیار کرتی تھی۔ وہ چونکہ اپنے آپکو صنف نازک میں شمار کرتا تھا اس لیے فاروق اور اس کی بیوی بھی اس سے عورتوں ہی کی طرح بات کرتے تھے۔

اس وقت میز پر کھانا لگاتے ہوئے بھی وہ بڑی معنی خیز حرکتیں کررہا تھا وہ اگرچہ قابلِ اعتماد ملازم تھا مگر اسے حاجی کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ اس سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ وہ فاروق کا ایک بہت پرانا دوست ہے جو ساہیوال کا ایک بہت بڑا زمیندار ہے۔ اور چند روز یہاں رہے گا۔

"یہ تم نے کیا تماشہ رکھا ہوا ہے گھر میں فاروق احمد۔" کھانا کھانے کے دوران حاجی نے فاروق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پرانا خدمتگار ہے۔ بڑا محنتی اور قابلِ اعتماد بندہ ہے۔" فاروق احمد نے جواب دیا۔ "بچپن ہی

سے ہمارے پاس ہے۔ اس کی وجہ سے بڑی سہولتیں ہیں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ باہر جاکر کسی کو بتا دے کہ ....." حاجی کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

پری چہرہ اس وقت ایک ڈش اٹھائے کچن سے نکل رہ تھا۔

"نہیں حاجی صاحب۔" فاروق احمد نے پری چہرہ کے جانے کے بعد کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور پھر یہ گھر کی باتیں باہر نہیں کرتا۔"

"یہ قوم بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔" حاجی نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں جی۔ اس کی وجہ سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔" فاروق احمد نے جواب دیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ رعنا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حاجی اور فاروق اکیلے بیٹھے صورتحال پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

"حاجی صاحب۔" فاروق احمد کہہ رہا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون آدمی ہے جو آپ کے خلاف مخبری کررہا ہے۔"

"پتا چل جائے گا۔" حاجی نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "اور پھر میں اسے ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ دنیا کا کوئی اور شخص اپنے مالک سے غداری کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اچھا بھئی۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ نیند آرہی ہے۔ پچھلے دو دن تو بڑی بے آرامی میں گزرے ہیں۔"

"آیئے۔ میں آپ کو کمرا دکھا دوں۔" فاروق احمد اٹھ گیا۔ اسی وقت رعنا بھی آگئی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا اور اس وقت وہ شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ حاجی کی طرف دیکھ کر مسکرا دی لیکن حاجی نے منہ پھیر لیا۔ وہ دونوں میاں بیوی حاجی کو اس کا کمرہ دکھا کر چلے گئے۔

پچھلے دو روز واقعی بے آرامی میں گزرے تھے۔ اس وقت حاجی بستر پر لیٹتے ہی سوگیا۔ اور پھر اس کی آنکھ صبح ہی کھلی تھی۔

اس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جس سے موسم خاصا خوشگوار ہوگیا تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ بارش ہوگی لیکن پورا دن گزر گیا۔ بادل گرجتے رہے۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی آسمان سے نہیں برسا۔ البتہ اس سے اگلے روز صبح ہی سے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ کبھی پھوار پڑنے لگتی اور کبھی رک جاتی۔

دوپہر کے وقت بارش تیز ہوگئی۔ حاجی اس وقت ڈرائنگ روم میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس

aazzamm@yahoo.com

کے دونوں باڈی گارڈ اور رب نواز باہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاروق صبح ہی سے کسی کام سے گیا ہوا تھا اور رعنا پری چہرہ کے ساتھ کچن میں تھی۔

حاجی کچھ دیر تنہا بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے ٹیلی فون اٹھا کر اپنے قریب رکھ لیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کل کسی عورت نے ریسیو کی تھی۔

"حاجی عبداللہ بول رہا ہوں۔ مقصود کو بلاؤ۔" حاجی نے کہا۔

"ہولڈ کریں جی۔ میں ابھی بلاتی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"مقصود بول رہا ہوں حاجی صاحب۔ آپ کہاں غائب ہیں۔ میں رب نواز کے مکان پر گیا تھا۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ میں تو پریشان ہوگیا تھا کہ خدانخواستہ ....."

"حاجی پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہاں مجھے بے آرامی محسوس ہو رہی تھی۔ ٹیلی فون بھی نہیں تھا کہ کسی سے رابطہ کرسکتا۔ میں فاروق احمد کے ہاں آگیا ہوں۔ گلبرگ میں۔"

"اوہ ..... میں تو پریشان ہوگیا تھا۔" حاجی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولا۔ "بند روڈ والے اڈے کی حفاظت کا کیا بندوبست کیا ہے۔ تمہارے آدمی وہاں پہنچے یا نہیں۔"

"دو آدمی تو میں نے اسی دن بھیج دیئے تھے حاجی صاحب۔ لیکن آپ کو اس اڈے کا اچانک کیسے خیال آگیا۔"

"بس ایسے ہی خیال آگیا۔ اب وہی اڈا سب سے اہم ہے۔ وہاں کم سے کم ساٹھ کروڑ کا مال موجود ہے۔ مانٹریال والی پارٹی کو مال دینا ہے۔ وہ لوگ آجکل میں لاہور پہنچ جائیں گے۔ اس لیے جب تک مال ان کے حوالے نہیں کر دیا جاتا اس اڈے کی حفاظت بہت ضروری ہے۔" حاجی نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں حاجی صاحب۔ کوئی غیرمتعلقہ آدمی ہمارے اس اڈے کے قریب سے گزر بھی نہیں سکتا۔" مقصود نے کہا۔

"پتا نہیں مجھے کیوں وہم سا ہوگیا ہے۔" حاجی بولا۔ "تم ایسا کرو پجیرو لے کر فاروق احمد کی کوٹھی پر آجاؤ۔ ہم ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ میں اس اڈے کے بارے میں پوری طرح اطمینان کرلینا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں پہنچ رہا ہوں۔ لیکن کیا باہر نکلنا آپ کے لیے خطرناک نہیں ہوگا؟" مقصود نے کہا۔

"اتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ ہمیں راستے میں کون دیکھے گا اور ہاں شفقت کو فون پر بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ مانٹریال سے آنے والے لوگ اس سے رابطہ کریں گے۔ شفقت سے کہو جیسے ہی وہ لوگ آئیں مجھے اطلاع دے دے۔"

"بہتر ہے جی۔ میں اسے بتا دوں گا۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

حاجی نے فون بند کردیا اور تقریباً" اسی وقت رعنا اندر داخل ہوئی تھی اس نے آج صبح اٹھتے ہی بناؤ سنگھار کرلیا تھا اور حاجی کے اردگرد پھنڈلاتی پھر رہی تھی۔ بناؤ سنگھار کرنے اور حاجی کے اردگرد منڈلانے کا مقصد کچھ اور نہیں تھا وہ تو اسے صرف یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھنا چاہتی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ایک سال پہلے آخری مرتبہ جب فاروق نے اپنے مال کے ساتھ اس کا مال بھیجا تھا۔ مال منزل پر پہنچنے کی اطلاع پا کر حاجی نے اپنی کوٹھی میں ان کی دعوت کی تھی اور اس نے رعنا کو ڈائمنڈ کا ایک قیمتی اور خوبصورت سیٹ تحفے میں دیا تھا۔

حاجی ان کے گھر میں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ وہ پولیس اور شارق وغیرہ سے چھپتا پھر رہا تھا۔ وہ یقیناً" پریشان تھا اور رعنا اسے یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔

"حاجی صاحب۔ آج دوپہر کا کھانا ذرا دیر سے ملے گا۔ آپ کو بھوک تو نہیں لگ رہی؟" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ابھی تو بھوک نہیں ہے۔ جب کھانا پک جائے گا کھا لیں گے۔" حاجی نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر وہ موسم کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ رعنا حاجی کی دلجوئی کی کوشش کررہی تھی اور حاجی کو الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد رعنا وہاں سے اٹھ کر گئی تو حاجی نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک گھنٹہ کے بعد مقصود پہنچ گیا۔ حاجی کے ایک باڈی گارڈ عرفان نے گیٹ کھول دیا اور وہ پجیرو اندر لے آیا تھا۔ رعنا مقصود کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ وہ اس کے بارے میں الجھن سی محسوس کرنے لگی۔

"چلیں حاجی صاحب۔" مقصود نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔

"ہاں چلو۔" حاجی عبداللہ صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کہاں جارہے ہیں حاجی صاحب۔ کھانا تیار ہو چکا ہے۔" رعنا نے کہا۔

"ایک بہت ضروری کام ہے۔ کھانا ہم واپس آکر کھالیں گے۔" حاجی نے جواب دیا۔ اور باہر آکر پورچ میں کھڑی ہوئی پجیرو کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عرفان اور دوسرا باڈی گارڈ دلاور پچھلی

aazzamm@yahoo.com

سیٹ پر ہی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تھے۔ بیٹھنے سے پہلے انہوں نے سب سے آخر والی سیٹ کے نیچے سے کلاشنکوف رائفلیں نکال لی تھیں۔ حاجی اکثر اسی پجیرو پر آتا جاتا تھا اور اس میں رائفلیں ہر وقت موجود رہتی تھیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آسکیں۔ رب نواز کو بھی ایک رائفل دیدی گئی تھی اور وہ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ مقصود نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا اور پجیرو کو گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔ پری چہرہ نے گیٹ بند کر دیا۔ رعنا برآمدے میں کھڑی پجیرو کو سڑک کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

بارش تیز ہوگئی تھی۔ سڑکوں پر پانی جمع ہونا شروع ہوگیا تھا۔ اکادکا گاڑیاں ہی سڑکوں پر دکھائی دے رہی تھیں۔ پجیرو کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ وہ مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی بند روڈ پر آگئی اور پھر سروس روڈ پر اتر گئی۔

جب پجیرو احاطے کے پھاٹک کے سامنے رکی تو بارش کچھ اور تیز ہوگئی تھی۔ مقصود نے دو تین مرتبہ ہارن بجایا لیکن کوئی بھی باہر نہیں آیا۔

رب نواز نیچے اترگیا۔ اس نے کال بیل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر گیٹ کا ذیلی دروازہ چند انچ کے قریب کھلا دیکھ کر وہ آگے بڑھ گیا اور اندر داخل ہوکر پھاٹک پوری طرح کھول دیا۔ پجیرو اندر داخل ہوگئی۔

پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا دیکھ کر حاجی کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ پجیرو برآمدے کے سامنے رکی تو وہ عرفان اور دلاور کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ مقصود اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔

برآمدے والا دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ عرفان اور دلاور ایک دم چوکس ہوگئے۔ عرفان نے اللہ دتہ اور قادر کو کئی آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ حاجی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اللہ دتہ، قادر اور ان کا تیسرا ساتھی رسیوں سے بندھے پڑے تھے۔ وہ تینوں بے ہوش تھے یا ان کی آوازیں سن کر انہوں نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ ایک طرف انسپکٹر عثمان کی لاش دیکھ کر حاجی عبداللہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اوہ۔ تو یہ ہے وہ حرامزادہ جو ہماری مخبری کرتا رہا ہے۔" حاجی نے عثمان کی لاش کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ پھر عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ادھر ادھر دیکھو۔ کوئی نہ کوئی یہاں ضرور ہوگا۔"

حاجی ایک کمرے میں آگیا۔ تہ خانے کا راستہ اس کمرے میں تھا۔ راستہ کھلا ہوا دیکھ کر اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ لیکن تین چار سیڑھیاں

اترنے کے بعد ہی رک گیا۔ تہ خانے کا منظر دیکھ کر اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ الماریاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور تہ خانے کے فرش پر تقریباً" ایک فٹ پانی جمع تھا اور ہیروئن کے تمام تھیلے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باہر سے آنے والا ربڑ کا ایک پائپ سیڑھیوں پر پڑا ہوا تھا جس سے پانی کی موٹی دھار بہہ رہی تھی۔

یہ سب کچھ دیکھ کر حاجی عبداللہ اس طرح چیخنے لگا جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔ عرفان اور دلاور اس کی آواز سن کر دوڑے۔ دلاور نے سیڑھیوں پر پڑا ہوا پائپ اٹھا لیا اور اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ رب نواز برآمدے میں کھڑا تھا۔

"ہوشیار رہنا۔ کوئی بھی نظر آئے اسے گولیوں سے بھون دو۔" اس نے چیخ کر کہا اور دوبارہ اندر چلا گیا۔

مقصود بھی گاڑی سے اتر کر اندر آگیا۔ یہاں کی صورت حال دیکھ کر اس کے بھی ہوش اڑ گئے۔ تہ خانے میں کروڑوں روپے کی ہیروئن پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھے ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا تھا کہ انہوں نے بڑے اطمینان سے یہ کام کیا تھا۔

حاجی پر واقعی پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ چیختا ہوا تہ خانے سے باہر آگیا۔ اور فرش پر بندھے ہوئے اللہ دتہ کو زور دار ٹھوکر مار دی۔ وہ شاید واقعی بے ہوش تھا کیونکہ زوردار ٹھوکر لگنے کے بعد بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

"ان تینوں نمک حراموں کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو۔ بعد میں نمٹوں گا ان لوگوں سے۔" حاجی نے چیخ کر کہا۔

عرفان اور دلاور ان تینوں کو باری باری اٹھا کر باہر لے جانے لگے۔ حاجی عبداللہ مقصود کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"دیکھا۔ دیکھ لیا تم نے۔ اس حرامزادے شارق اور ثمینہ نے مجھے بالکل تباہ کر دیا ہے۔ کہیں کا نہیں چھوڑا انہوں نے مجھے۔ اس لیے میں کہتا تھا کہ یہاں دو چار بندے اور بھیج دو۔ لیکن تم کہتے تھے بڑا مضبوط انتظام ہے۔ کوئی اجنبی احاطے کے سامنے سے بھی نہیں گزر سکتا۔ لیکن دیکھ لیا تم نے۔ کیا کیا ہے۔ ان لوگوں نے۔"

"حفاظت کا انتظام تو ٹھیک ہی تھا حاجی صاحب۔" مقصود دھیمے لہجے میں بولا۔ "لگتا ہے وہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے اور انہوں نے دھوکے سے ہمارے آدمیوں کو قابو کیا ہوگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارق وغیرہ کو اس ٹھکانے کا پتا کیسے چلا۔"

"یہ۔ یہ حرامزادہ۔" حاجی نے چیختے ہوئے انسپکٹر عثمان کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے

aazzamm@yahoo.com

بہت کچھ معلوم تھا۔ کس طرح میرے آگے پیچھے دم ہلاتا پھرتا تھا کتے کی طرح۔ حاجی جی معاف کردو۔ دوسروں سے بھی سفارشیں کروا رہا تھا۔ کتنا حرامزادہ نکلا یہ۔ کاش! یہ زندہ میرے ہاتھ میں آتا تو میں اس کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیتا۔"

"اس لاش کو بھی گاڑی میں ڈال دیں حاجی جی۔" عرفان نے ان کے قریب آکر کہا۔

"نہیں۔ اسے یہیں چھوڑ دو۔ اور چلو یہاں سے۔ کوئی بھروسہ نہیں، ان حرامزادوں نے پولیس کو بھی اطلاع دیدی ہو اور پولیس یہاں پہنچنے والی ہو۔" حاجی نے کہا۔

وہ لوگ باہر آکر پجیرو میں بیٹھ گئے۔ سیٹ کے پچھلی طرف کچھ جگہ تھی۔ اللہ دتہ اور اس کے ساتھی ایک دوسرے کے نیچے اوپر وہیں بندھے پڑے تھے۔

پجیرو گیٹ سے باہر آکر بائیں طرف مڑ گئی۔ انہوں نے گیٹ بند کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

پجیرو گیٹ سے نکل کر رکے بغیر بائیں طرف سروس روڈ پر مڑ گئی اگر انہوں نے سامنے دیکھا ہوتا تو انہیں بند روڈ پر دوسری طرف کھڑی ہوئی وہ کار نظر آجاتی جس میں حاجی کا دشمن نمبر ایک شارق بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اگر حاجی اسے دیکھ لیتا تو پاگل کتے کی طرح اس پر چڑھ دوڑتا۔

واپس آنے میں بھی انہیں تقریباً" ایک گھنٹہ لگا تھا۔ بارش اس وقت بھی ہورہی تھی۔ فاروق اس وقت گھر پر موجود تھا۔ پری چہرہ اور رعنا بھی برآمدے میں کھڑے تھے۔ حاجی کی حالت دیکھ کر انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔

"تمہاری کوٹھی میں کوئی ایسا کمرہ ہے جہاں ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا سکے۔" حاجی نے فاروق کی طرف دیکھتے ہوئے پجیرو میں بندھے ہوئے اللہ دتہ وغیرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسا کمرہ تو کوئی نہیں جہاں سے آواز باہر نہ جا سکے۔ البتہ تہ خانہ ہے جسے ہم نے کبھی استعمال نہیں کیا۔" فاروق نے جواب دیا۔ اسے پوچھ گچھ کا مطلب سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"انہیں تہ خانے میں ڈال دو۔ بعد میں پوچھوں گا ان سے۔" حاجی نے کہا اور جب ان تینوں کو پجیرو سے نکالا گیا تو پری چہرہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"ہائے اللہ۔ انہیں کیوں باندھا ہوا ہے۔ یہ کون ہیں بیچارے۔"

"یہ گاؤں میں میرے گھر سے زیور لے کر بھاگے تھے۔ آج پکڑے گئے ہیں۔" حاجی نے کہا اور پری چہرہ کو اس طرح گھورا کہ وہ مزید کچھ نہ بول سکا۔ ان تینوں کو تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔

"اوئے عرفان۔" حاجی باڈی گارڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم تہ خانے میں جاکر انہیں

ہوش میں لاؤ۔ میں آتا ہوں ابھی۔"

عرفان تہ خانے میں چلا گیا۔ حاجی ڈرائنگ روم میں ٹہلتا رہا۔ اس کے منہ سے بار بار ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی زخمی ناگ پھنکار رہا ہو۔ رعنا اور فاروق احمد ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہیں ابھی تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ رعنا نے آگے بڑھ کر حاجی سے کچھ کہنا چاہا مگر فاروق احمد نے اسے روک دیا۔ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

حاجی عبداللہ کمرے میں ٹہلتا اور سانپ کی طرح پھنکارتا رہا۔

○

ثمینہ اور شارق رات کا کھانا کھانے کے بعد ساڑھے نو بجے کے قریب گھر سے نکلے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شارق بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سفید پینٹ اور نیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس پر سامنے کے رخ پر بائیں طرف پلے بوائے کا سمبل بنا ہوا تھا۔ ثمینہ نے لان کا خوبصورت پرنٹ والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ میچنگ کلر کا دوپٹہ بھی تھا جو مخصوص انداز میں بالشت بھر چوڑی پٹی کی طرح تہ کرکے بائیں کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ان دونوں نے اپنے چہرے چھپانے کے لیے کسی قسم کا میک اپ نہیں کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نہ صرف پولیس بلکہ حاجی کے آدمی بھی شکاری کتوں کی طرح انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اور اس کے باوجود انہوں نے اپنے چہرے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

گزشتہ روز انہوں نے حاجی کے بند روڈ والے اڈے پر دھاوا بول کر کروڑوں روپے کی ہیروئن پانی میں بہا دی تھی۔ اس مہم میں انسپکٹر عثمان مارا گیا تھا۔ انہیں شاہ پری کے ذریعے انسپکٹر عثمان کے عزائم کا پتا چل گیا تھا۔ اور شارق نے تو یہی منصوبہ بنایا تھا کہ اس مہم کے دوران عثمان کا بھی کام تمام کر دیا جائے لیکن یہ اتفاق تھا کہ انہیں عثمان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے پڑے تھے اور وہ حاجی کے آدمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

شارق اگرچہ اس مہم میں شریک نہیں تھا۔ لیکن تیز بارش کی وجہ سے ثمینہ وغیرہ کے بارے میں معلوم کرنے گھر سے نکلا تھا اور اتفاق سے اس وقت وہاں پہنچا تھا جب حاجی کی پجیرو اس احاطے میں داخل ہورہی تھی۔ اور اس نے جس انداز میں حاجی اور اس کے آدمیوں کو وہاں سے نکلتے دیکھا تھا اس سے اسے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ اپنا کام کرگئے تھے۔ گھر کی طرف واپس جاتے ہوئے ایک جگہ رک کر اس نے علاقے کے ایس پی کو

aazzamm@yahoo.com

اپنا نام بتا کر فون کر دیا کہ وہ پولیس پارٹی لے کر حاجی کے بند روڈ والے اڈے پر پہنچ جائے۔ اس نے احاطے کا پتا سمجھا دیا تھا۔

شارق گھر واپس پہنچا تو ثمینہ اور نولکھا وغیرہ اس سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ شارق نے ثمینہ سے پروگرام بنایا تھا کہ وہ شام کو شفقت سے حاجی کے نئے ٹھکانے کا پتا معلوم کریں گے لیکن شام کو پھر تیز بارش شروع ہوگئی تھی۔ جو رات تک جاری رہی۔ وہ لوگ گھر سے باہر نہیں نکل سکے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ پولیس نے کوئی کارروائی کی تھی یا نہیں۔

صبح ہونے سے پہلے بارش بند ہوگئی تھی۔ اخبار والا اخبار بھی ڈال گیا تھا۔ شارق خود ہی باہر سے اخبار اٹھا کر لایا تھا اور پھر اخبار دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ہیڈلائن وہی تھی جس کی شارق کو توقع تھی۔

وہ برآمدے ہی میں کھڑا اخبار پڑھتا رہا۔ ہیڈلائن کے علاوہ پہلے اور آخری صفحہ پر حاجی کے حوالے سے کئی خبریں تھیں۔ انسپکٹر عثمان کی لاش اور احاطے کے کاٹیج' اس کے تہ خانے اور دوسری جگہوں کی کئی تصویریں تھیں۔ انسپکٹر عثمان کا قتل بھی حاجی کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا۔

ایس پی الطاف علی کی ہنگامی پریس کانفرنس کی تفصیل بھی صفحہ اول پر شائع ہوئی تھی۔ ایس پی نے یہ اعتراف کیا تھا کہ حاجی کے اس اڈے کے بارے میں اطلاع ٹیلی فون پر شارق نے دی تھی۔ ایس پی نے اس وثوق کا اظہار بھی کیا تھا کہ حاجی کا یہ اڈا اور دوسرے اڈے تباہ کرنے میں بھی شارق اور ثمینہ کا ہاتھ تھا۔ اس کے بیان سے ڈھکے چھپے الفاظ میں ان دونوں کے لیے ہمدردی کا اظہار جھلکتا تھا۔

شارق اخبار لے کر اندر آگیا۔ نولکھا وغیرہ بھی جاگ گئے تھے۔ شارق ان سب کو خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا۔

"حاجی کی حالت قابل دید ہوگی۔" ثمینہ نے کہا۔ "کاش! میں اسے دیکھ سکتی یا کم از کم اس سے فون پر بات کرسکتی۔"

"آج میں معلوم کروں گا کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔" شارق نے کہا۔

اور پھر ناشتے کے بعد شارق اپنے مشن پر نکل کھڑا ہوا۔ اس کا حلیہ ایسا تھا جیسے ابھی ابھی کسی گاؤں سے آیا ہو۔ اجڈ' دیہاتی۔ وہ دن بھر مختلف علاقوں میں گھومتا رہا اور دوپہر کے قریب ہیرامنڈی کے علاقے میں گلزار سے سامنا ہوگیا۔ ظاہر ہے گلزار اسے نہیں پہچانا تھا۔ شارق نے اسے بتایا کہ وہ پتوکی کا رہنے والا ہے۔ وہاں اپنے دوسرے کام کے ساتھ ہیروئن بھی بیچتا ہے۔ لیکن وہ شہر میں جس شخص سے ہیروئن خریدتا تھا وہ دو دن سے غائب ہے۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ مجھ سے لے جاؤ ہیروئن جتنی چاہیے۔" گلزار نے کہا۔

"اس وقت تو میں شفقت باؤ کی تلاش میں اس طرف آنکلا تھا۔ اگر آج وہ مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کل یہاں آکر تم سے ہی لے لوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"شفقت باؤ۔" گلزار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ تو ہیروئن سپلائی نہیں کرتا۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ اس بندے سے مجھے شفقت باؤ ہی نے ملایا تھا۔ اب وہ بندہ نہیں ہے تو پہلے شفقت باؤ سے ہی ملوں گا تاکہ وہ مجھے کسی صحیح بندے سے ملا دے اور میرے ساتھ کوئی دھوکا نہ ہو۔"

"بہت عقلمند ہو۔" گلزار مسکرا دیا۔ "مگر شفقت باؤ تو اس علاقے میں کبھی نہیں آیا۔ وہ تمہیں وسن پورے میں ملے گا۔ امام دین اسٹریٹ پر رہتا ہے۔ ابھی چار پانچ دن پہلے ہی میں اس سے مل کر آیا ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم تو ہمارے اوپر والوں کے دوست نکلے۔ آؤ۔ تمہیں چائے پلاؤں۔"

"چائے تو میں نہیں پیتا۔ لسی شسی....."

"چلو۔ لسی پلا دوں گا۔" گلزار نے کہا۔

وہ دودھ دہی کی ایک دکان پر آگئے۔ دکان کا سارا سازوسامان باہر والے تھڑے پر تھا۔ دکان کے اندر گاہکوں کے لیے بینچ بچھے ہوئے تھے اور اس وقت اندر کوئی گاہک نہیں تھا۔ گلزار نے دو گلاس لسی کے لیے کہہ دیا اور دونوں اندر آکر بینچ پر بیٹھ گئے۔

"شفقت باؤ کو تم کیسے جانتے ہو؟" گلزار نے پوچھا۔

"شفقت باؤ اصل میں میرے بڑے بھائی کا دوست ہے۔ وہ کبھی کبھی پتوکی میرے بھائی کے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن جب سے میرے بھائی کا انتقال ہوا ہے شفقت باؤ نے وہاں جانا ہی چھوڑ دیا۔ میں ہی کبھی کبھی لاہور آجاتا ہوں۔ اس کے ملنے کی کوئی خاص جگہ نہیں ہے لیکن کہیں نہ کہیں ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔"

"شفقت باؤ بہت اچھا اور بہت شریف آدمی ہے۔" گلزار نے کہا۔ "وہ اس لین کا آدمی نہیں ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ حاجی کے جال میں کیسے پھنس گیا۔"

"حاجی۔" شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ "یہ حاجی کون ہے؟"

"کمال ہے۔ تم یہ دھندہ کرتے ہو اور حاجی کو نہیں جانتے۔ وہی تو بگ باس ہے۔ لاہور اور آس پاس کے علاقوں کا سارا بزنس اسی کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن آجکل اس کا ستارہ گردش میں

aazzamm@yahoo.com

ہے۔ تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ سارا اخبار اسی کے نام سے بھرا ہوا ہے۔"

"مجھے پڑھنا ہی نہیں آتا۔" شارق نے جواب دیا۔

اور پھر لسی پیتے ہوئے وہ گلزار جیسے گھاگھ آدمی کے منہ سے باتیں اگلواتا رہا۔ اس سے یہ پتا چل گیا کہ دو تین دن پہلے حاجی اس کے ایک کارندے رب نواز کے گھر پر چھپا ہوا تھا۔ پھر اچانک ہی وہاں سے غائب ہوگیا۔ اور رب نواز بھی شاید حاجی کے ساتھ ہی ہے۔

شارق اس شام جب گھر پہنچا تو بہت خوش تھا۔ وہ صرف حاجی کا ٹھکانہ معلوم نہیں کرسکتا تھا تاہم گلزار سے حاجی کے قریب رہنے والے چند اور آدمیوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کرلی تھیں۔

"اب شفقت ہی ایسا شخص ہے جس سے حاجی کے نئے ٹھکانے کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "گلزار سے شفقت کے گھر کا پتا بھی معلوم ہوگیا ہے۔ ہم اسی منصوبے پر عمل کریں گے جو تم نے بتایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم رات کا کھانا کھانے کے بعد چلیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

اور اب وہ دونوں شفقت کے گھر کی طرف جارہے تھے۔ وسن پورہ مین روڈ پر پہنچ کر انہیں امام دین اسٹریٹ تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ گاڑی انہوں نے گلی کے موڑ پر سڑک کے کنارے روک لی اور نیچے اتر کر گلی میں داخل ہوگئے۔ گلی دس بارہ فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ دونوں طرف پرانی طرز کے دو منزلہ مکان تھے۔ شارق کو گلزار سے صرف گلی کا پتا چلا تھا۔ مکان کا نمبر اور صحیح لوکیشن اس نے جان بوجھ کر دریافت نہیں کی تھی گلی میں چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق نے سامنے سے آنے والے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو روک کر شفقت باؤ کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ دائیں طرف چوتھا مکان ہے۔ جس کے سامنے بجلی کا کھمبا لگا ہوا ہے۔ وہی دروازہ ہے۔" اس شخص نے اشارے سے بتایا۔ "وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر گیا ہے۔"

شارق نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور وہ دونوں آگے بڑھ گئے اور اس مکان کے سامنے رک گئے۔ گلی میں اکلوکا لوگوں کی آمدورفت تھی۔ شارق کے اشارے پر ثمینہ نے کال بیل بجا دی۔ صرف ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ شفقت ہی تھا جو الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جی فرمایئے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہی پوچھا۔ "اگر آپ مسٹر شفقت ہیں تو ہمیں آپ ہی سے ملنا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا آپ

ہمیں اندر بیٹھنے کو نہیں کہیں گے۔ ہم تو آپ کے لیے ایک اہم پیغام لے کر بہت دور سے آئے ہیں۔"

شفقت نے ایک بار پھر الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھا پھر انہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر چلا گیا اور دروازہ بند ہوگیا۔ دو منٹ بعد دائیں طرف بیٹھک کا دروازہ کھلا۔ ثمینہ اور شارق اندر داخل ہوگئے۔ پہلے ثمینہ اندر داخل ہوئی تھی پھر شارق۔ شارق نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔

"بیٹھئے۔" شفقت نے اشارہ کیا۔ پھر بولا۔ "آپ لوگ کون ہیں اور کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس سے پہلے ہماری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں۔" شارق نے براہ راست اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہماری ایک ملاقات ہو چکی ہے۔ لیکن وہ ملاقات اتنی مختصر تھی کہ آپ نے مجھے ذہن میں نہیں رکھا لیکن میں آپ کو نہیں بھولا ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے واقعی یاد نہیں آرہا۔" شفقت نے کہا۔ "لیکن کیا آپ بتائیں گے کہ ہماری ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟"

"یہ دو سال پہلے کی بات ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "داروغہ والا میں حاجی عبداللہ کی کوٹھی میں ہم ملے تھے لیکن آپ تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے چلے گئے تھے۔ حاجی عبداللہ نے ہمارا تعارف بھی کرایا تھا۔ آپ میرا چہرہ بھول گئے ہیں لیکن میرا نام اب بھی آپ کے ذہن میں محفوظ ہوگا۔"

حاجی عبداللہ کے نام پر شفقت بری طرح چونک گیا تھا۔ ایک لمحہ کو اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا وہ گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پہچاننے کی کوشش کررہا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ نے نہیں پہچانا۔ لیکن نام بتا دوں تو آپ کو یاد آجائے گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا نام شارق ہے۔ حاجی عبداللہ کا سب سے قریبی اور گہرا دوست۔"

شفقت کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اسے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جایئے مسٹر شفقت۔" شارق نے کہا۔ "ہم کسی برے ارادے سے یہاں نہیں آئے۔ ہمیں اپنا دوست سمجھئے۔ ہمیں آپ کی ہمدردی یہاں کھینچ لائی ہے۔ اگر ہم بری نیت سے آئے ہوتے تو ہماری آمد کا انداز بھی کچھ اور ہوتا۔"

aazzamm@yahoo.com

شفقت چند لمحے متوحش نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگے تھیں۔ وہ دھم سے صوفے پر گر گیا۔ اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر تم شارق ہو تو یہ ....." اس کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ "درست سمجھا۔" شارق بولا۔ "یہ ثمینہ ہے۔ لیکن آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم آپ کو کوئی نقصان پہنچانے نہیں آئے۔ ہماری آپ سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔"

"میرا حاجی کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" شفقت اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "جب تم دونوں افغانستان گئے ہوئے تھے تو میں نے حاجی کو بہت سمجھایا تھا کہ تمہاری والدہ اور بہن کو نہ چھیڑا جائے۔ لیکن اس نے میری ایک بات نہیں مانی اور ان دونوں کو ذلیل کرکے کوٹھی سے نکال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ تم دونوں بھی افغانستان میں مارے جا چکے ہوگے۔ اس نے ایک سازش کے تحت تم لوگوں کو افغانستان بھیجا تھا۔"

"ہمیں سب معلوم ہے۔" ثمینہ بولی۔ "اور اس کی یہ غلطی ہی اس کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ اگر وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہ کرتا تو ....."

"میں جانتا ہوں۔" شفقت بولا۔ "دھوکا" فریب اور مکاری اس کی فطرت میں شامل ہے۔ مجھے بھی اس نے دھوکے سے پھانسا تھا۔ میں آج پچھتا رہا ہوں کہ میں نے اس کی بات کیوں مانی تھی۔"

"میں جان چکا ہوں کہ آپ بہت شریف آدمی ہیں۔" شارق نے کہا۔ "آپ کے جاننے والے آپ کے کردار کی تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن آپ اس کے چکر میں کیسے پھنسے تھے؟"

"میں ریلوے میں گارڈ تھا۔" شفقت نے بتایا۔ "ٹرین ڈیوٹی کے سلسلے میں اکثر پشاور آنا جانا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حاجی یہاں میرے گھر پر آیا اور مجھے پیش کش کی کہ اگر میں اس کا مال لے آیا کروں تو وہ مجھے معقول کمیشن دے گا۔ میں اس وقت لالچ میں آگیا اور اس کے کام کی حامی بھر لی۔ میں مہینے میں صرف ایک مرتبہ اس کا مال لے کر آتا تھا اور مجھے کمیشن کے طور پر تین چار لاکھ روپے مل جاتے تھے۔"

"میں دو سال تک اس کے لیے کام کرتا رہا۔ کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ میں پہلے اس مکان کے ایک حصے میں کرائے دار تھا۔ لیکن دو سال میں میرے پاس اتنا پیسہ جمع ہوگیا کہ میں نے یہ مکان خرید لیا اور گلبرگ میں بھی چار کنال کا ایک پلاٹ خرید لیا۔ لیکن ایک روز جب میں پشاور سے خیبر میل لے کر روانہ ہونے والا تھا' ٹرین پر چھاپہ پڑ گیا۔ پولیس' کسٹمز اور اینٹی نارکوٹکس اسکوڈ نے مشترکہ کارروائی کی تھی۔ کسی نے میرے بارے میں مخبری کردی تھی۔ میرے کمپارٹمنٹ کی

اس طرح تلاشی لی گئی کہ اندر سے بوگی کے تختے تک ادھیڑ دیئے گئے۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس روز میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ ٹرین تین گھنٹے لیٹ ہوگئی۔ اس دوران مجھ سے بھی پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ لیکن میرے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوسکی تھی۔

"اس روز میں بچ تو گیا تھا لیکن ریلوے حکام کی نظروں میں مشکوک ہوگیا تھا۔ مجھ پر ہیروئن کی اسمگلنگ کا الزام تو ثابت نہیں ہو سکتا تھا لیکن کچھ اور الزامات لگا کر مجھے ملازمت سے برطرف کردیا گیا۔ میں نے ہائیکورٹ میں ریلوے حکام کے اس فیصلے کے خلاف اپیل تو کر دی لیکن اپنے کیس کی باقاعدہ پیروی نہ کرسکا اور مقدمہ خارج ہوگیا۔

"اس واقعہ کو ڈیڑھ سال گزر چکا ہے۔ اس دوران حاجی نے مختلف ذرائع سے مجھ سے رابطہ رکھا۔ وہ اپنے آدمیوں کے ہاتھ کبھی کبھی مجھے کچھ رقم بھی بھیج دیتا تھا۔ میں حاجی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ میرا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ پھر حاجی سے ملاقاتیں بھی ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ میں اس کے بارے میں بہت کچھ جان گیا۔

"حاجی کی داروغہ والا کی کوٹھی پر تم سے بہت مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔ بعد میں تمہارے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم ہوا۔ تم سے دوبارہ کبھی ملاقات کا موقع نہیں مل سکا لیکن مجھے پتا چلتا رہتا تھا۔ تم نے حاجی کے لیے بہت کچھ کیا۔ تمہارے ساتھ ثمینہ کا نام بھی سننے میں آتا رہا۔ تم دونوں حاجی کے سب سے زیادہ قابل اعتماد اور معتمد ساتھی سمجھے جاتے تھے۔ اس سے حاجی کے کچھ پرانے خدمت گار ناراض بھی ہوئے۔ لیکن اس نے کبھی پروا نہیں کی۔

"پھر نجانے کیا ہوا کہ حاجی تم دونوں کو اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا۔ اس نے تم لوگوں کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا اور ایک سازش کے تحت افغانستان بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ تم لوگوں کو افغانستان میں ختم کر دیا جائے گا تو اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں رہے گا لیکن تم لوگ اس سازش سے بچ گئے۔

"اس دوران حاجی نے تمہاری ماں اور بہن کو کوٹھی سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ لیکن اس نے میری بات نہیں مانی اور جب اسے یہ پتا چلا کہ تم لوگ زندہ بچ کر افغانستان سے واپس آگئے ہو تو اس نے اپنے تمام آدمیوں کو حکم دے دیا کہ تم لوگوں کو ختم کر دیا جائے اور اس کے بعد تمہارے ہاتھوں حاجی کی تباہی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس سے وہ بری طرح بدحواس ہورہا ہے۔ کل بھی تم لوگوں نے جو کچھ کیا اس پر تو حاجی کو پاگل ہو جانا چاہیے۔"

"حاجی اس وقت کہاں ہے۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔ "پہلے وہ میرے گھر

aazzamm@yahoo.com

میں تھا۔ باغبانپورے والے اڈے کی تباہی کے بعد ثمینہ نے فون پر اس سے بات کی تو وہ یہاں سے چلا گیا۔ بلکہ میں نے اسے خود یہاں سے چلتا کیا تھا۔" شفقت چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "دراصل میری بیوی کو شبہ ہوگیا تھا۔ میری بھی جوان بیٹیاں ہیں۔ اس روز مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ مجھے حاجی جیسے آدمیوں کو اپنے گھر سے دور ہی رکھنا چاہیے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے۔" ثمینہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"گلبرگ میں۔" شفقت نے جواب دیا۔ "تین دن پہلے اس کے ایک آدمی مقصود نے مجھے اطلاع دی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ دراصل مانٹریال سے ایک پارٹی مال لینے کے لئے آنے والی ہے وہ اپنے مقامی ایجنٹ کے ذریعے مجھ سے ہی رابطہ کریں گے۔ اس لئے مجھے حاجی کے ٹھکانے کا بتا دیا گیا تھا کہ وہ لوگ آ جائیں تو میں حاجی کو مطلع کر دوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب حاجی ان لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تو وہ مانٹریال والوں کو کیا دے گا۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "حاجی کے بارے میں یہ سب کچھ میں نے تم لوگوں کو اس لئے بتا دیا ہے کہ مجھے حاجی سے نفرت ہو گئی ہے خاص طور پر اس وقت سے جب اس نے تمہاری ماں اور بہن کو کوٹھی سے ذلیل کر کے نکالا تھا۔ لیکن تم میری ہمدردی میں یہاں آئے ہو۔ کیا تم بتانا پسند کرو گے کہ مجھ سے کیا ہمدردی ہے۔"

"آپ کے بارے میں ہمیں کئی روز پہلے معلوم ہو گیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "آپ ایک شریف آدمی ہیں اور دھوکے اور لالچ میں حاجی کے چنگل میں پھنس گئے تھے جس کے نتیجہ میں آپ کو اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ لیکن اب صورت حال کچھ مزید سنگین ہو گئی ہے۔"

"مثلاً؟" شفقت نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حاجی کو شبہ ہے کہ اس کے اندر کا کوئی آدمی اس کے خلاف مخبری کر رہا ہے۔ ان مشتبہ افراد کی فہرست میں آپ کا نام بھی ہے۔ ایک دو روز میں وہ آپ سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے والا ہے۔ حاجی کے ساتھیوں میں عرفان نام کا کوئی آدمی ہے۔ اس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا ہے کہ جب آپ کو پوچھ گچھ کے لئے بلایا جائے تو وہ آپ کی بیٹی کو اٹھا کر لے جائے۔ اس طرح آپ کچھ بتانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

شفقت کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ شارق اور ثمینہ اس کی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ یہ ثمینہ ہی کا منصوبہ تھا کہ بیٹی کا نام لے کر شفقت کو دہشت زدہ کیا جائے تاکہ اسے حاجی

سے نفرت ہو جائے اور اس طرح حاجی ایک قابل اعتماد ساتھی سے محروم ہو جائے۔ شارق آج سارا دن اسی لئے پھرتا رہا تھا کہ اسے کچھ ایسی معلومات حاصل ہو جائیں جنہیں شفقت جھوٹ نہ سمجھے۔ عرفان کا نام بھی گلزار سے ہی معلوم ہوا تھا۔

"اب آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ کسی کو بتائے بغیر چند روز کے لئے بچوں کو لے کر لاہور سے باہر چلے جائیں۔" شارق نے کہا۔

شفقت چند لمحے گنگ سا بیٹھا رہا پھر غبارے کی طرح پھٹ پڑا۔ حاجی کے خلاف کچھ باتیں تو وہ پہلے ہی بتا چکا تھا لیکن اب وہ کچھ ایسی باتیں بھی بتا رہا تھا جو شارق اور ثمینہ کے لئے سنسنی خیز انکشافات کی حیثیت رکھتی تھیں۔

"ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ احتیاطاً بچوں کو لے کر چند روز کے لئے شہر سے باہر چلے جائیے۔"

شفقت اس طرح خاموش بیٹھا تھا جیسے اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی ہو۔ اور پھر ثمینہ ہی کے پوچھنے پر اس نے گلبرگ میں فاروق احمد کی کوٹھی کا پتا اور فون نمبر بھی بتا دیا۔

ثمینہ اور شارق، شفقت کے مکان سے نکلے تو ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

گھر پہنچنے میں پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ثمینہ جاتے ہی ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گئی۔ ان نے فون کا ریسیور اٹھایا اور شفقت کا دیا ہوا نمبر ملانے لگی۔ تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی اور ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کون؟"

"حاجی عبداللہ سے بات کرنی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہاں کوئی عبداللہ نہیں رہتا۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ آواز میں ایسا تاثر تھا جیسے وہ عورت حاجی عبداللہ کا نام سن کر چونک گئی ہو۔

"اگر تمہارے ہاں کوئی حاجی عبداللہ نہیں ہے تو میرے بارے میں کیوں جاننا چاہتی ہو کہ میں کون ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کسی قدر درشت لہجے میں بولی۔ "حاجی کو فون پر بلاؤ۔ ایک منٹ کے اندر اندر۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا البتہ کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"تم کس سے بات کرنا چاہتی ہو۔ یہاں حاجی عبداللہ نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔"

aazzamm@yahoo.com

"تم غالباً" فاروق احمد بول رہے ہو۔" ثمینہ درشت لہجے میں بولی۔

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس وقت تمہاری کوٹھی میں کون کون موجود ہے۔ اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اندر حاجی عبداللہ کو فون پر نہ بلایا تو۔"

"تم کون ہو اور میرا نام کیسے جانتی ہو۔" دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی گئی۔

"صرف نام ہی نہیں میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ اگر تم میرا نام جاننا چاہتے ہو تو عبداللہ کو بتاؤ کہ ثمینہ بات کرنا چاہتی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ث۔۔۔ ث۔۔۔ ثمینہ۔۔۔"

اور پھر یوں لگا جیسے دوسری طرف بات کرنے والے کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا ہو۔ میز پر ریسیور گرنے کی آواز ثمینہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

○

کوٹھی کے نیچے وہ تہ خانہ بہت گندہ تھا۔ فرش پر گرد کی تہ جمی ہوئی تھی۔ ایک طرف ٹوٹی ہوئی کرسیاں اور دوسرے کاٹھ کباڑ کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کار کی دو سیٹیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جن کے کشن پھٹے ہوئے تھے۔ ان پر بھی گرد کی تہ جمی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس تہ خانے کو عرصہ سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

اس وقت تہ خانے میں حاجی عبداللہ کے ساتھ عرفان' دلاور اور رب نواز بھی موجود تھے۔ حاجی کی بند روڈ والی کوٹھی کے تینوں محافظ اللہ دتہ' قادر اور غلام رسول فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ان تینوں کی حالت دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی اچھی خاصی خاطر تواضع ہو چکی تھی۔ غلام رسول دونوں ہاتھوں سے اپنی دائیں ٹانگ پکڑے بیٹھا تھا۔ غالباً" پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کے آثار تھے۔

حاجی عبداللہ کے ہاتھ میں کرسی کا ایک ٹوٹا ہوا پایا تھا۔ رب نواز کے ہاتھ میں بید کی لچکدار چھڑی تھی۔ حاجی عبداللہ نے آگے بڑھ کر اللہ دتہ کے پہلے زور دار ٹھوکر ماری پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے اس کے بازو پر زور دار ضرب لگائی۔ اللہ دتہ بلبلا اٹھا۔

"تمہاری آواز اس تہ خانے سے باہر نہیں جائے گی۔" حاجی عبداللہ نے چیخ کر کہا۔ "تم لوگوں کی زبانیں کھلوانے کے لئے یہ تین بندے کافی ہیں۔ مگر میرے کلیجے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی تو تم تینوں کی آنے والی سات نسلیں بھی نہیں کر سکیں گی اس لئے میں تمہاری آنے والی نسلیں ہی ختم کر دوں گا۔ میں خود تم لوگوں سے پوچھوں گا کہ وہ لوگ وہاں کیسے پہنچے تھے۔ بتا اوئے۔ جلدی بتا شارق اور اس کے ساتھی وہاں

کیسے پہنچے تھے اور انہیں تہ خانے کا راستہ کس نے بتایا تھا۔ جلدی بولو۔"

"یہ تہ خانے کا راستہ ہم نے نہیں بتایا حاجی جی۔" اللہ دتہ گھگھیایا۔ "ہم تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ چھ سات آدمی تھے حاجی جی۔ تیز بارش میں وہ اچانک ہی دیوار کود کر اندر آ گئے تھے۔ انہوں نے ہمیں رائفلوں کی زد میں لے لیا تھا۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں کر سکے تھے۔" حاجی نے لکڑی سے اسے ایک اور زور دار ضرب لگائی۔ "تمہارے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ تم لوگوں نے فائر کیوں نہیں کھول دیا۔ انہیں مار کیوں نہیں دیا اور خود کیوں نہیں مر گئے بے غیرتو۔" اس نے دو چار ضربیں لگائیں پھر بولا۔ "بات وہ نہیں جو تم مجھے بتا رہے ہو۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں۔ بتاؤ وہ لوگ اندر کیسے آئے تھے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں حاجی جی۔" اللہ دتہ تکلیف ضبط کرتے ہوئے کراہا۔ حاجی نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے بھی ضربیں لگا رہا تھا۔ اللہ دتہ فرش پر لوٹتے ہوئے بری طرح چیخ رہا تھا۔ حاجی عبداللہ رک گیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اس نے رب نواز کو اشارہ کیا۔

رب نواز نے بید کی لچکدار چھڑی سے اللہ دتہ پر بارش کر دی۔ اللہ دتہ کی قمیص پھٹ گئی۔ جسم پر جہاں بھی چھڑی پڑتی کھال ادھڑ جاتی۔ دلاور اور عرفان بھی آگے بڑھ آئے اور وہ بھی اللہ دتہ پر ڈنڈوں کی بارش کرنے لگے اللہ دتہ کا سر پھٹ گیا تھا جس سے خون بہنے لگا تھا۔

قادر اور غلام رسول کے چہرے خوف سے دھواں ہو رہے تھے۔ اللہ دتہ کو پٹتے دیکھ کر ان کے دل کانپ رہے تھے۔

اللہ دتہ خاصا سخت جان ثابت ہوا تھا لیکن پھر بھی زیادہ دیر تک وہ اس تشدد کا مقابلہ نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔ سر کے علاوہ جسم کے دو تین دوسرے حصوں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔

"تمہارا کیا ارادہ ہے اوئے۔" حاجی عبداللہ قادر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مم۔۔۔ میں بتاتا ہوں حاجی جی۔" قادر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"شاباش۔" حاجی عبداللہ اسے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "عقل مند لگتے ہو۔ مگر میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔ اگر ایک لفظ بھی جھوٹ ثابت ہوا تو تمہاری بوٹیاں کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"میں بالکل سچ بتاؤں گا حاجی جی۔ قادر نے بدستور ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بتانے لگا کہ کس طرح وہ بنجارے بارش سے بچنے کے لئے احاطے کے اندر آئے تھے۔" وہ بنجارنیں بڑی خوبصورت تھیں جی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ان میں سے ایک بنجارن پانی لینے کے لئے آیا

aazzamm@yahoo.com

کرتی تھی' اور یہ اللہ دتہ اس سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا۔ جب بارش تیز ہوئی تو اللہ دتہ نے اس بنجارن اور اس کے سارے ساتھیوں کو اندر آنے کی اجازت دی تھی۔ میں نے اس کی مخالفت کی تھی اور پھر یہ کہا تھا کہ اگر انہیں اندر آنے دیا ہے تو انہیں برآمدے ہی میں بٹھا دیا جائے۔ مگر اس پر تو ہوس سوار تھی۔ اس نے نہ صرف کاٹیج کا دروازہ کھول دیا بلکہ ان کے بندوں کے لئے کمروں کے دروازے بھی کھول دیے تھے آپ غلام رسول سے پوچھ لیں جی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر بولا۔"ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ ہم انہیں بنجارے ہی سمجھے تھے جو کئی روز سے احاطے کے سامنے بند روڈ کی ڈھلان پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ اندر آ کر انہوں نے اچانک ہی پستول نکال لئے تھے۔ اور ان میں سے ایک لڑکی نے بتایا کہ وہ ثمینہ ہے۔ ایک آدمی کے چہرے سے نقلی مونچھ اتر گئی تھی اور اللہ دتہ نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ تھانیدار عثمان تھا۔ اللہ دتہ نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی تھی مگر پستول چل گیا اور تھانیدار عثمان مر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں رسیوں میں باندھ دیا تھا۔"

"شارق بھی تھا؟" حاجی نے پوچھا۔

"نہیں جی۔ ان کے ساتھ شارق نہیں تھا۔" قادر نے نفی میں سرہلایا۔

"تہ خانے کا راستہ کس نے بتایا تھا؟" حاجی نے دوسرا سوال کیا۔

"اللہ دتہ نے جی۔" قادر نے جواب دیا۔

"میری طرف سے تم سب کو حکم مل چکا تھا کہ کسی اجنبی کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔ اور یہ تو خاص طور پر کہا گیا تھا کہ خوبصورت عورتوں پر نگاہ رکھی جائے۔ تم لوگوں نے میرا حکم نہیں مانا۔" حاجی نے کہا۔

"غلطی ہو گئی جی۔" قادر کہتے ہوئے اس کے پیروں پر گر گیا۔"اس مرتبہ معاف کر دیں جی۔ آئندہ---"

"تم لوگ آئندہ کوئی غلطی کرنے کے لئے زندہ نہیں رہو گے۔" حاجی نے کہا اور قادر پر ٹھوکریں برسانے لگا۔

اسی وقت تہ خانے کا سیڑھیوں والا دروازہ کھلا اور فاروق احمد اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے فاروق احمد۔ تم کیوں بد حواس ہو رہے ہو۔" حاجی نے اسے گھورا۔"کوٹھی پر پولیس نے دھاوا بول دیا ہے کیا؟"

"نہیں حاجی جی۔" فاروق احمد کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔ اللہ دتہ اور اس کے ساتھیوں کی حالت دیکھ کر وہ کچھ اور بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔"آپ کے لئے فون آیا ہے۔" اس نے رک رک کر کہا۔

"شفقت کا فون ہو گا۔ شاید مانٹریال والے آ گئے ہوں گے۔ تم چلو میں ابھی اوپر آتا ہوں۔" حاجی بولا۔

"نہیں حاجی جی۔ شفقت کا فون نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔ اس کی آواز بدستور کپکپا رہی تھی۔

"تو پھر کس کا فون ہے۔" حاجی نے اسے گھورا۔

"وہ---وہ اپنا نام---ثمینہ بتاتی ہے۔" فاروق نے رک رک کر کہا۔

"کیا بکتے ہو---" حاجی دھاڑا۔"اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔"

"پپ---پتا نہیں جی۔" فاروق بولا۔"آپ چل کر بات کر لیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جانتی ہے آپ یہاں ہیں۔ اگر ایک منٹ کے اندر آپ کو فون پر نہ بلایا گیا تو ہمیں کہیں اور چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔"

"چلو---میں بات کرتا ہوں اس حرامزادی سے۔" حاجی نے کہا اور پھر عرفان اور رب نواز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"تم ذرا انہیں بتاؤ نا کہ حکم عدولی کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ میں اس حرامزادی سے بات کر کے آتا ہوں۔"

حاجی' فاروق کے ساتھ اوپر آ گیا۔ ڈرائنگ روم میں رعنا بھی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ ٹیلی فون کا ریسیور ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ حاجی نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور کتے کی طرح غراتے ہوئے بولا۔"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا حرامزادی۔ تم ایک بار میرے ہاتھ لگ جاؤ تو۔"

"ایسا موقع بھی جلد آنے والا ہے حاجی۔" دوسری طرف سے ثمینہ کی پرسکون آواز سنائی دی۔ اس نے حاجی کی بات کاٹ دی تھی۔"ہماری اور تمہاری ملاقات ضرور ہو گی۔ لیکن ابھی تھوڑا انتظار کرو۔ میرا خیال تھا کہ تم ہیروئن کے تالاب میں غوطے لگا کر پاگل ہو چکے ہو گے لیکن معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے پاگل ہونے میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اور ہم چند روز میں یہ کسر بھی پوری کر دیں گے۔"

"تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہو گی۔" حاجی غرایا۔"میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں۔ تم مجھے مالی نقصان پہنچا سکتی ہو لیکن میرے قریب نہیں آ سکتیں۔"

"یہ تو پتا چل گیا ہے کہ تم واقعی آہنی اعصاب کے مالک ہو لیکن میں نے بھی عہد کر لیا ہے

aazzamm@yahoo.com

کہ میں تمہیں اپنے قدموں میں جھکنے پر مجبور کر دوں گی۔ میں جب چاہوں تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں۔ اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ مجھے تمہارے ہر ٹھکانے کا پتا چل جاتا ہے۔ لیکن میں تمہیں نہیں ماروں گی۔ تم زندہ رہو گے تاکہ اپنی آنکھوں سے اپنی تباہی کے مناظر دیکھ سکو۔ اور ایک بات ذہن میں رکھنا پاجی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔"اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے اس ٹھکانے کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ پولیس کو بھی نہیں۔"

"تم نے میرا کیا بگاڑ لیا ہے جو پولیس بگاڑ لے گی۔" حاجی نے چیختے ہوئے جواب دیا۔

"اس حساب سے تو تمہارا واقعی کچھ نہ بگڑا کہ تمہارے ہاتھ پیر ابھی سلامت ہیں۔ ویسے میں وعدہ کر چکی ہوں کہ تمہارے اس ٹھکانے کے بارے میں پولیس کو اطلاع نہیں دوں گی۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہارے پاس اب کوئی جگہ رہی ہی نہیں۔ تمہیں ایک نہ ایک روز سڑکوں پر آنا پڑے گا۔ مقابلہ کرنے کے لئے نہیں' بھیک کے لئے ہاتھ پھیلانے کے لئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"کاش! تم میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہیں بتاتا کہ میرے ہاتھ بھیک مانگنے کے لئے اٹھیں گے یا تمہارا گلا گھونٹنے کے لئے۔" حاجی چیخا۔

"تمہارے ہاتھوں میں اب اتنی طاقت نہیں رہی کہ کسی کا گلا گھونٹ سکو۔ تمہاری ساری طاقت سلب ہو چکی ہے۔ اور ہاں۔ ذرا اپنے دوست سے بات کر لو۔" چند لمحے خاموشی رہی اور پھر ریسیور پر شارق کی آواز سنائی دی۔"اپنی کمینگی کا تماشہ دیکھ لیا حاجی۔ اگر تم شرافت کا ثبوت دیتے تو تمہارے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے انتقام سے بچ جاؤ گے۔"حاجی غرایا۔"میں تمہاری بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گا۔ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

"میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا حاجی۔" شارق نے جواب دیا۔"اب تک جو کچھ بھی کیا ہے ثمینہ ہی نے کیا ہے میں تو ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہوں اور جس دن میں میدان میں آ گیا اس دن تمہیں کہیں پناہ بھی نہیں ملے گی۔ اب میں زیادہ دیر تم سے بات نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اگر تم اسی طرح چیختے رہے تو تمہارے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔"

حاجی چیخ دھاڑ رہا تھا لیکن دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ حاجی کو جب لائن بے جان ہونے کا احساس ہوا تو اس نے بھی غصے سے ریسیور پٹخ دیا۔ قریب کھڑی ہوئی رعنا خوفزدہ ہو کر اچھل پڑی تھی۔

"کل کا لونڈا اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سمجھنے لگا ہے۔" حاجی باری باری رعنا اور فاروق کی

طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"چوروں کی طرح معمولی سا نقصان پہنچا کر سمجھ رہا ہے کہ اس نے بہت بڑا تیر مارا ہے۔ یہ معمولی سا نقصان تو میرے ہاتھوں کا میل ہے۔ لیکن یہ لونڈا ایک نہ ایک دن میرے ہاتھ ضرور آئے گا اور پھر اس حرامزادے سے پوچھوں گا۔"

"لونڈا!" رعنا کے لہجے میں حیرت تھی۔"لیکن وہ تو ثمینہ تھی۔"

"ہاں۔ پہلے اس حرامزادی نے بات کی تھی۔" حاجی بولا۔"اس کا یار بھی اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا مگر۔۔۔تم لوگ کیوں خوفزدہ ہو؟"

"انہیں پتا چل گیا ہے کہ آپ یہاں ہیں۔ اگر انہوں نے۔۔۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔" حاجی نے فاروق کی بات کاٹ دی۔"میرے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ دونوں بہت خبیث ہیں کبھی قریب آنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"لیکن اگر انہوں نے پولیس کو اطلاع کر دی تو۔" رعنا خوفزدہ سے لہجے میں بولی۔

"وہ ایسا نہیں کریں گے۔" حاجی نے جواب دیا۔"میں شارق اور ثمینہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ہماری آپس کی جنگ ہے اور وہ اس جنگ میں کسی اور کو نہیں لائیں گے۔ وہ دونوں میرے دشمن نمبر ایک ضرور ہیں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اصول پرست ہیں۔ بہرحال' تم لوگ اطمینان رکھو۔ یہاں پولیس نہیں آئے گی۔"

حاجی ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر تہ خانے میں آ گیا۔ اللہ دتہ اب بھی بے ہوش پڑا تھا اور عرفان وغیرہ قادر اور غلام رسول کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تہ خانے میں ان کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ حاجی کو یہ اطمینان تھا کہ ان کی چیخیں اس کوٹھی سے باہر نہیں سنی جائیں گی۔ وہ کچھ دیر پہلے ڈرائنگ روم میں کھڑا تھا تو اس نے کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ یہاں کوٹھیاں اتنی بڑی اور ایک دوسرے سے اتنی دور تھیں کہ دوسری کوٹھی تک آواز جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"انہیں اب زندہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ختم کر دو انہیں۔" حاجی نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ان لاشوں کا کیا کریں گے حاجی جی۔" عرفان نے کہا۔

"کوٹھی کے پیچھے یہ اتنا بڑا گندہ نالہ بہہ رہا ہے۔ تیز پانی سارے شہر کی گندگی کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اس گندگی کو بھی لے جائے گا۔ پھینک دو ان کی لاشیں نالے میں۔" حاجی نے کہا۔

عرفان نے فوراً ہی پستول نکال لیا۔ قادر اور غلام رسول حاجی کے قدموں میں گر کر زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔ حاجی نے انہیں ٹھوکریں مار کر پیچھے ہٹا دیا۔ عرفان نے پہلے قادر کی کھوپڑی میں گولی ماری اور پھر غلام رسول اور اللہ دتہ کی کھوپڑیوں میں بھی گولیاں اتار دیں وہ گرد آلود فرش

aazzamm@yahoo.com

پر تڑپنے لگے۔ حاجی نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور پھر عرفان وغیرہ کو لاشیں ٹھکانے لگانے کی ہدایت دیتا ہوا اوپر آگیا۔

رعنا اور فاروق احمد ہال کمرے میں بیٹھے کھسر پھسر کر رہے تھے شاید وہ اس وقت کو کوس رہے تھے جب انہوں نے حاجی کو اپنے گھر آنے کی اجازت دی تھی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر شارق نے خود یہاں حملہ کر دیا یا پولیس کو اطلاع دیدی تو وہ بھی مارے جائیں گے۔

حاجی کو آتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"تمہارا پری چہرہ کہاں ہے۔ اس سے کہو چائے بنائے۔ بڑی شدت سے طلب ہو رہی ہے۔" حاجی نے رعنا کی طرف دیکھتے ہو کہا۔

"وہ تو ساڑھے دس بجے ہی سو جاتا ہے حاجی صاحب۔ میں چائے بناتی ہوں۔" رعنا اٹھتے ہوئے بولی۔ "مگر آپ نے تو ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"بھوک نہیں ہے مجھے۔ چائے پینا چاہتا ہوں۔" حاجی نے کہا اور وہیں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

رعنا اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ اور پندرہ بیس منٹ بعد چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے اپنے اور فاروق کے لئے بھی چائے بنائی تھی۔

وہ چائے پی رہے تھے کہ رب نواز اور دلدور' اللہ دتہ کی لاش اٹھائے ایک کمرے سے برآمد ہوئے۔ تہ خانے کا راستہ اسی کمرے میں سے تھا۔ لاش کے سر سے خون ٹپک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر رعنا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ چھوٹ گیا۔ گرم گرم چائے اس کے اوپر گری اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"یہ۔۔۔یہ کیا۔۔؟" آواز اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔ "گندگی ہے۔ پیچھے نالے میں پھینکنے جا رہے ہیں۔" حاجی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

تہ خانے میں سے یکے بعد دیگرے تین لاشوں کو باہر لے جاتے دیکھ کر رعنا اور فاروق کانپ کر رہ گئے۔ ان تینوں کو آج دوپہر ہی رسیوں سے باندھ کر یہاں لایا گیا تھا۔ پری چہرہ کے سامنے تو حاجی نے یہ کہا تھا کہ وہ تینوں گاؤں میں سے اس کے گھر سے قیمتی زیورات چرا کر بھاگے ہوئے تھے اور آج پکڑے گئے تھے لیکن بعد میں فاروق کو پتا چل گیا تھا کہ وہ تینوں بند روڈ والے اس بنگلے کے محافظ تھے جس کے تہ خانے میں پڑی ہوئی کروڑوں روپے کی ہیروئن ضائع کر دی گئی تھی۔ فاروق نے رعنا کو بتا دیا تھا کہ وہ تینوں کون تھے۔

ان دونوں کا خیال تھا کہ انہیں مار پیٹ کر چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن یہ تو وہ سوچ بھی نہیں

سکتے تھے کہ حاجی اتنا سفاک ثابت ہو گا۔ پہلے تو ان تینوں کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر سروں میں گولیاں مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حاجی نے رعنا کی بات کا جواب اس طرح دیا تھا جیسے انسانی زندگی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔

رعنا اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔ گرم گرم چائے گرنے سے نہ صرف اس کے کپڑوں کا ستیاناس ہو گیا تھا بلکہ اس کا جسم بھی جھلس گیا تھا۔ اس نے فاروق کی طرف دیکھا اور پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی۔

فاروق احمد بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں آیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا او رعنا کی طرف بڑھا۔ رعنا میں اب کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہی تھی۔ خوف سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ فاروق آگے بڑھا تو وہ اس سے لپٹ گئی۔ فاروق نے اسے بیڈ پر پر بٹھا دیا۔

"اپنے آپ کو قابو میں رکھو رعنا۔" فاروق نے کہا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

"تم اس خونی کو لے کر کیوں آئے تھے۔" رعنا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "نکالو اس قاتل کو گھر سے۔ ورنہ یہ ہمیں بھی مار ڈالے گا۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔" فاروق نے کہا۔ "میں نے تو اسے صرف منشیات کا اسمگلر سمجھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس قدر سفاک اور بے رحم ثابت ہو گا۔ اگر ہماری طرف سے کوئی بات ہو گئی۔ اور اسے ہم پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو یہ ہمیں بھی اس طرح مار کر گندے نالے میں پھینک دے گا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ پری چہرہ سویا ہوا ہے۔ اگر وہ یہ سب کچھ دیکھ لیتا تو شور مچا دیتا۔"

"جتنی جلد ممکن ہو سکے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کرو۔" رعنا اٹھ کر الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ "اگر پولیس کو ان کی یہاں موجودگی کی بھنک بھی مل گئی تو یہ لوگ تو شاید اپنی جانیں بچا کر بھاگ جائیں گے لیکن ہم نہیں بچ سکیں گے۔ اس لئے جتنی جلد ممکن ہو سکے انہیں یہاں سے چلتا کرنے کی کوشش کرو۔"

"کوشش کروں گا کہ یہ لوگ کل یہاں سے چلے جائیں۔" فاروق احمد نے جواب دیا۔

رعنا الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ فاروق احمد چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر کمرے سے باہر آگیا۔ ہال کی طرف جانے سے پہلے اس نے کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

○

اگلے روز پھر بارش شروع ہو گئی تھی۔ بارش اگرچہ تیز نہیں تھی ہلکی بوندا باندی تھی لیکن

aazzamm@yahoo.com

اس سے بھی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ پچھلے تین چار روز کی بارشوں سے شہر کی ساری سڑکیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں اور جگہ جگہ پانی جمع تھا۔

شارق اور ثمینہ وغیرہ گھر پر ہی تھے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے بوریت ہونے لگی تو نولکھا نے تاش نکال لیے اور وہ سب ثمینہ والے کمرے میں بیڈ پر بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔ رضیہ اور ثمینہ پارٹنر تھیں جبکہ دوسری پارٹی نولکھا اور شارق پر مشتمل تھی۔ شاہ پری کو تاش کا کوئی کھیل نہیں آتا تھا۔ وہ قریب بیٹھی انہیں کھیلتے ہوئے دیکھتی رہی۔ طفیل برآمدے میں کرسی پر بیٹھا بارش کے مزے لے رہا تھا۔

دوپہر کے قریب بارش بند ہو گئی۔ بادل چھٹ گئے اور دھوپ نکل آئی۔

وہ لوگ صبح سے تاش کھیل رہے تھے لیکن اب اس کھیل سے بھی بوریت ہونے لگی تھی۔ شارق نے پتے پھینک دیے۔ اور انگڑائی لیتا ہوا بیڈ سے اٹھ کر ایزی چیئر پر بیٹھ گیا اور پیر سامنے کو پھیلا لئے۔ اور پھر نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی کے ہیروئن کے ذخیرے تو ہم نے تباہ کر دیے۔ اس کے اڈوں کی تباہی کو بین الاقوامی پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا نے بھی نمایاں کوریج دی ہے۔ اس کی تباہی کی خبریں پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ اب کوئی بین الاقوامی اسمگلر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ منشیات کے حوالے سے تو یہ سمجھو حاجی ختم ہو گیا لیکن اس کے پاس اسلحے کے ذخیرے ابھی باقی ہیں۔ اس نے ہماری ملتان روڈ والی حویلی سے بھی اسلحہ اٹھا لیا تھا اب معلوم کرنا ہے کہ اسلحے کے ذخیرے کہاں کہاں ہیں۔ یہ اڈے بھی ختم ہو جائیں تو وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہو گا" ثمینہ نے کہا۔"اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا یا کم از کم پاگل خانے پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت تسلیم پڑے گی کہ یہاں کروڑوں روپے کی ہیروئن کی تباہی سے اس کی صحت پر زیادہ اثر نہیں پڑا۔ تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ اس کے تعلقات بڑے بڑے بین الاقوامی گروہوں سے ہیں۔ ان سب کا مفاد حاجی کی زندگی سے وابستہ ہے۔ وہ اسے اس طرح ختم نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اسے سہارا دیں گے اپنی طرف سے بڑی بڑی رقمیں دے کر۔ یہ لوگ ایک ایک سودے میں اربوں ڈالر منافع کماتے ہیں اس لئے یہ چھوٹا موٹا نقصان ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور پھر حاجی خود ایسا گیا گزرا نہیں ہے یہاں لاہور میں اس کی اربوں کی جائیداد ہے۔ خفیہ بینک اکاؤنٹس ہیں جن میں اربوں ڈالر جمع ہوں گے۔ حاجی جیسے شخص کو مالی طور پر تباہ کرنا بڑا مشکل ہو گا۔ البتہ ہم یہ کوشش کرتے رہیں گے کہ وہ چین سے ایک جگہ پر نہ بیٹھ سکے اور اس گھناؤنے کاروبار کے سلسلے میں دوبارہ کھڑا نہ ہو سکے۔"

"ہم یہی تو کر رہے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔"اسے تو چین سے بیٹھنے ہی نہیں دینا۔ اگر ہم لوگ اسے اسی طرح بڑے بڑے نقصان پہنچاتے رہے تو وہ کب تک برداشت کرے گا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس کے ہیروئن کے سارے اڈے ختم نہیں ہو گئے۔ مزید اڈے بھی ہوں گے جن کا ہمیں سراغ لگانا چاہئے۔ لیکن اس سے پہلے اس کے کسی اسلحہ ڈپو پر ہلہ بولا جائے۔ ہیروئن کے اڈوں پر تو اس نے حفاظتی انتظامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیے ہوں گے۔ البتہ اسلحہ کے ڈپو کے خلاف کارروائی کا موقع مل سکتا ہے۔"

"تو پھر اسلحہ ڈپو ہی کا سراغ لگایا جائے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ اس سلسلے میں ہمیں کچھ محنت کرنی پڑے گی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں ایک مرتبہ ماجھے گجر کے ایک آدمی کے ساتھ راوی روڈ پر ٹمبر مارکیٹ گیا تھا۔ اس وقت ماجھے گجر سے ہمارے تعلقات بھی اچھے تھے اور حاجی کے بھی۔ ماجھے گجر کا وہ بندہ مجھے سڑک پر ہی چھوڑ گیا تھا اور اندر کسی گلی سے دو کلاشنکوف رائفلیں لے کر آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں حاجی کا اسلحہ کا گودام ہے۔ انہیں جب اپنے گاہکوں کے لئے بھی اسلحہ کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ یہاں سے لے جاتے ہیں۔ اب معلوم نہیں وہ اڈا وہاں ہے یا نہیں؟"

"یہ میرا خیال ہے بہت پرانی بات ہے۔"شارق بولا۔"اس قسم کے اڈے آسانی سے منتقل نہیں ہوتے۔ معلوم کرنا پڑے گا۔"

"تو معلوم کر لیتے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔"میں کل صبح ہی اپنے مشن پر نکل جاؤں گا۔"

"تم جاؤ گے؟"ثمینہ نے اسے گھورا۔

"مجھے ابھی زنگ نہیں لگا ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔"ان ہاتھوں میں اب بھی اتنی طاقت ہے کہ دو چار آدمیوں کی گردنیں مروڑ سکوں۔ بند روڈ والے مشن کے بعد میرا حوصلہ بڑھ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ کام تم کرو گے۔" شارق بولا۔"اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا کہ حاجی جس کوٹھی میں ٹھہرا ہوا ہے وہاں کتنے آدمی ہیں شفقت نے بتایا تھا کہ یہ کوٹھی فاروق احمد نام کے کسی شخص کی ملکیت ہے۔ یہ فاروق احمد کون ہے اور حاجی سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"تعلق تو ناجائز ہی ہو گا۔" نولکھا بولا۔"طفیل کو بھیج دو۔ وہ معلوم کر کے آ جائے گا۔"

"طفیل نہیں میں خود جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔"میں کھانا کھانے کے بعد یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"کہیں پھنس مت جانا۔" نولکھا نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"شارق کو پھانسنا آسان نہیں ہے۔" شارق مسکرادیا۔

اور پھر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تین بجے کے قریب شارق گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ یہ اتفاق تھا کہ اس نے گزشتہ دو دن سے شیو نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کپڑے پہنے وہ بھی بہت میلے کچیلے تھے۔ شلوار کا ایک پائنچہ ادھڑا ہوا تھا۔ قمیص کے اوپر کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔ کھلے ہوئے گریبان سے اس کا بالوں بھرا سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ کندھے پر میلا سا پٹکا رکھا ہوا تھا۔ اور پیروں میں ہوائی چپل تھی۔ حلیئے سے وہ بہت غریب لگتا تھا۔

گھر سے نکل کر جی ٹی روڈ پر تیزاب احاطے کے موڑ تک آتے ہوئے شارق کا حلیہ اور بھی بگڑ گیا۔ اس کے پیر کیچڑ میں بھر گئے تھے اور ہوائی چپل سے اڑنے والے کیچڑ کے چھینٹوں نے اس کی شلوار اور قمیص کو بھی پیچھے سے مزید گندہ کر دیا تھا۔

جی ٹی روڈ پر تیزاب احاطے کے موڑ کے قریب ہی دو ایسے ورکشاپ تھے جہاں رکشے کرائے پر ملتے تھے ایک ورکشاپ کے سامنے تین چار رکشے کھڑے تھے۔ شارق وہاں پہنچ گیا۔

"رکشہ چاہئے استاد جی۔" شارق نے ورکشاپ کے مالک سے کہا۔ "ایک ہفتہ گزر گیا ہے' کوئی کام دھندہ ہی نہیں ملتا۔"

"ڈرائیونگ لائسنس ہے تمہارے پاس؟" استاد جی نے اسے گھورا۔

"لائسنس تو نہیں ہے استاد جی۔ میں دو سال تک گوجرانوالہ میں رکشہ چلاتا رہا ہوں" شارق نے جواب دیا۔

"یہ بات نہیں ہے کہ تمہیں رکشہ چلانا آتا ہے یا نہیں۔" استاد جی نے جواب دیا۔ "لائسنس نہ ہو تو آج کل پولیس والے رکشہ بند کر دیتے ہیں تھانے میں۔"

"ایسا نہیں ہو گا استاد جی۔" شارق بولا۔ "ساری بات پانچ دس روپے کی ہوتی ہے۔ رکشہ رکتے ہی نوٹ سنتری کی مٹھی میں دباؤ تو وہ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ لائسنس یا رکشے کے کاغذ ہیں یا نہیں۔"

"کہاں رہتے ہو۔ شناختی کارڈ ہے تمہارے پاس۔" استاد جی نے کہا۔

"چاہ میراں میں رہتا ہوں جی۔ شفیع کمبوہ کی حویلی میں۔ اور یہ ہے میرا شناختی کارڈ۔" شارق نے جیب سے ایک شناختی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

محمد الیاس نامی شخص کا یہ کارڈ گوجرانوالے کا بنا ہوا تھا۔ اس پر تصویر شارق کی تھی جس میں اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اس تصویر میں بھی شارق کی حیثیت سے پہچاننا مشکل تھا۔ شارق اور اس کے ساتھیوں کے پاس ایسے کئی شناختی کارڈ تھے جن پر انہوں نے تصویریں لگا رکھی تھیں۔

استاد جی نے پہلے کارڈ پھر شارق کی طرف دیکھا اور ایک رجسٹر کھول کر اس کا نام اور موجودہ پتہ لکھنے لگا۔

"سو روپیہ جمع کرا دو۔ یہ کارڈ میرے پاس رہے گا۔ رکشہ واپس لے کر آؤ گے تو کارڈ واپس مل جائے گا۔ رکشے میں پیٹرول تمہیں ڈلوانا ہو گا اور ہر قسم کی نوٹ پھوٹ کی ذمہ داری تم پر ہو گی۔ یہاں دستخط کر دو اور وہ سامنے والا رکشہ لے جاؤ۔ اگر رات دس بجے کے بعد آئے تو اگلے دن کا کرایہ وصول ہو گا۔"

"ٹھیک ہے استاد جی۔" شارق نے سو کا نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور رجسٹر پر دستخط کر کے باہر آ گیا۔

اس نے قریبی پیٹرول پمپ سے ٹنکی میں پیٹرول بھروایا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب فی الحال بارش کا امکان نہیں تھا۔ سورج کبھی بادلوں میں چھپ جاتا اور کبھی دھوپ چمکنے لگتی۔ پیٹرول پمپ سے نکلتے ہی شارق کو مزنگ کی سواریاں مل گئی۔ وہ دو جوان عورتیں تھیں۔ جو راستے بھر زور زور سے باتیں کرتی رہیں۔ انہیں مزنگ چھوڑ کر شارق نے رکشہ گلبرگ کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔

نہر کے پل پر فوارے والے چوک کے قریب اسے ایک سواری مل گئی جسے لبرٹی جانا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جس نے چہرے پر اس طرح لیپا پوتی کی ہوئی تھی جیسے مقابلہ حسن میں حصہ لینے جا رہی ہو۔

اس عورت کو لبرٹی مارکیٹ چھوڑ کر شارق سینما والے چوک پر نکل آیا اور رکشہ ایک سایہ دار جگہ پر روک کر انجن بند کر دیا۔ سامنے ہی چائے کی دکان تھی۔ شارق نے لڑکے کو آواز دے کر چائے کا ایک گلاس منگوالیا اور پچھلی سیٹ پر نیم دراز پوزیشن میں بیٹھ کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے دن بھر رکشہ چلاتے چلاتے بری طرح تھک گیا ہو۔ اس دوران دو تین لوگ آئے تھے مگر شارق نے انکار کر دیا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھی وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ اسے دیکھ کر یوں لگا جیسے وہ سو رہا ہو۔ تقریباً" آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اور پھر شور کی آواز سن کر وہ چونک گیا اور آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

چند گز دور دکانوں کے سامنے پندرہ سولہ سال کی عمر کا ایک لڑکا ایک عورت کا پرس چھین کر بھاگا تھا۔ عورت کے شور مچانے پر کچھ لوگ اس لڑکے کے پیچھے لپکے اور اسے ایک گلی میں مڑتے ہوئے پکڑ لیا۔ اس لڑکے کے ساتھ وہی ہوا جو ایسے موقع پر عام طور پر ہوتا ہے۔ قریب کھڑا ہوا ہر

aazzamm@yahoo.com

شخص اس لڑکے کو ایک دو ہاتھ جڑ رہا تھا۔ اس دوران ایک پولیس والا اس طرف آنکلا۔ اور اس جیب تراش لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

عورت کا پرس اس کو لوٹا دیا گیا اور پولیس والا اس لڑکے کو مارتا پیٹتا رکشے کے قریب آگیا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ۔ کیوں پکڑ لیا ہے بیچارے کو؟" شارق نے پچھلی سیٹ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بیچارہ ہے۔" پولیس والے نے لڑکے کی گردن پر ایک اور ہاتھ جڑدیا۔"جیب کترا ہے یہ۔ اسے تھانے لے کر جانا ہے۔ چلو تم رکشہ اسٹارٹ کرو۔"

شارق مزید کچھ کہے بغیر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رکشہ اسٹارٹ کر دیا۔ پولیس والا اس لڑکے کو لے کر پیچھے بیٹھ گیا۔ رکشے کے آس پاس سات آٹھ آدمی کھڑے تھے۔

"اس کو چھوڑنا مت سنتری بادشاہ۔ بند کر دو اسے تھانے میں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"اسے تو ایسا بند کروں گا کہ اس کی بے بے یاد کرتی رہے گی اسے۔" سنتری نے جواب دیا۔

شارق نے رکشہ آگے بڑھا دیا اور چند گز آگے جا کر ایک اور سڑک پر موڑ دیا۔ وہ اس سڑک پر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پولیس والے کی آواز سنائی دی۔

"رکشہ روکو ذرا۔"

شارق نے رکشہ سڑک کے کنارے پر روک لیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ پولیس والے نے رکشہ کیوں رکوایا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ پولیس والا اس لڑکے کی پٹائی کرتے ہوئے گندی گالیاں بک رہا تھا اور اس کے لباس کی تلاشی بھی لے رہا تھا۔ لڑکا خاموش سے پٹ رہا تھا۔

"تھانے لے جاؤں گا تو بند کر دیے جاؤ گے اور پھر کم از کم چھ مہینے کی سزا ہو جائے گی۔ پیسے نکال کہاں چھپائے ہوئے ہیں۔" کانسٹیبل نے تھپڑ مارتے ہوئے بولا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے جی۔" لڑکے نے جواب دیا۔

لیکن سنتری بادشاہ نے اس کی جیب سے سترہ روپے اور شلوار کے نیفے سے ساڑھے تین سو روپے نکال لئے۔

"تم تو کہتے تھے کچھ نہیں ہے۔" سنتری نے اسے ایک اور تھپڑ مارا۔

"یہ پیسے میرے نہیں ہیں جی۔ میری ماں بیمار۔۔۔"

"چپ کر اوئے ماں دے بچے۔" کانسٹیبل نے اسے ایک اور ہاتھ رسید کر دیا۔"چل بھاگ جا یہاں سے اگر دوبارہ اس علاقے میں نظر آیا تو پکڑ کر بند کر دوں گا۔"

"سر جی۔ مجھے بس کے کرائے کے پیسے تو دیدیں۔" لڑکے نے رکشے سے اترتے ہوئے کہا۔

کانسٹیبل نے دس کا نوٹ اس طرح لڑکے کے ہاتھ میں تھما دیا جیسے اسے بھیک دے رہا ہو۔ پھر وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے اگلے چوک پر چھوڑ دینا یار۔"

"سنتری بادشاہ۔ اس طرح روز کا کتنا کما لیتے ہو۔" شارق نے رکشہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بس یار۔ دال روٹی کا گزارہ ہو جاتا ہے۔ تنخواہ میں تو پوری نہیں پڑتی۔" سنتری بادشاہ نے جواب دیا۔

اگلے چوک پر شارق نے رکشہ روک لیا۔ اور کانسٹیبل اتر کر ایک طرف جانے لگا تو شارق نے آواز لگائی۔

"سنتری بادشاہ۔ کرایہ تو دیدو۔"

"اوئے۔۔۔قنون سے کرایہ مانگتا ہے۔ لائسنس ہے تمہارے پاس۔" کانسٹیبل نے مڑ کر اسے گھورا۔

"جیو سنتری بادشاہ۔" شارق بولا۔"ہم بھی تم جیسے قنون کے محافظوں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ مک مکا پر ہی اپنا رکشہ چل رہا ہے۔"

شارق رکشہ لے کر گلبرگ کی مختلف سڑکوں پر گھومتا رہا۔ شفقت نے فاروق احمد کی کوٹھی کا جو پتا بتایا تھا وہ زیادہ مشکل نہیں تھا وہ دو مرتبہ اس کوٹھی کے سامنے سے گزرا تھا۔ تیسری مرتبہ اس طرف پہنچا تو شام کے چھ بجنے والے تھے۔ اس نے کوٹھی کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک درخت کے نیچے رکشہ روک لیا اور نیچے اتر کر اپنی سیٹ اوندھادی اور انجن کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔

وہ تقریباً" پندرہ منٹ تک انجن کو دیکھتا رہا۔ اس نے پلگ بھی نکال کر صاف کیاتھا۔ اس دوران وہ باربار سڑک کے دوسری طرف فاروق احمد کی کوٹھی کو دیکھتا رہا تھا۔ اور پھر ایک عورت کو کوٹھی کے گیٹ سے نکلتے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ دراز قامت عورت خاصی حسین تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پلاسٹک کی ٹوکری تھی اور دوسرے ہاتھ میں پرس تھا۔ وہ اس طرح مٹک مٹک کر چل رہی تھی جیسے کسی فیشن شو میں کیٹ واک کا مظاہرہ کر رہی ہو۔

سڑک پر آکر اس نے ایک سیکنڈ کو رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر سڑک پار کر کے اس طرف آنے لگی۔ وہ سڑک کے درمیان میں گرین بیلٹ پر پہنچ چکی تھی۔ شارق کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی بہت حسین تھی۔ شارق کے خیال میں وہ فاروق احمد کی بیوی ہو سکتی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

وہ خوبصورت عورت سڑک پار کر کے قریب پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ عورت نہیں تھی۔ اس کا تعلق تیسری جنس سے تھا۔

"کتھے جانا ہے سوہنیو!" اس کے قریب پہنچنے پر شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لبرٹی مارکیٹ۔ پانچ روپے دوں گی۔" اس نے مٹک کر جواب دیا۔"روزانہ سودا لینے جاتی ہوں۔ اتنے ہی پیسے دیتی ہوں۔"

"تم یہ بھی نہ دینا سوہنیو۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام سوہنیو نہیں۔ پری چہرہ ہے۔" اس نے رکشے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی پری چہرہ ہو۔" شارق بولا۔"اگر تم واقعی عورت ہوتیں تو تمہارے لئے لوگ ایک دوسرے کا خون کر سکتے تھے۔"

"لوگ لڑتے تو اب بھی ہیں۔" پری چہرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔"جب میں مارکیٹ جاتی ہوں تو لوگ مجھے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ کوئی مجھے آئس کریم کھلاتا ہے کوئی لسی پلاتا ہے۔ اور کوئی مجھے ساتھ چلنے کو کہتا ہے۔ مگر میں کوئی آوارہ تھوڑی ہوں جو کسی کے ساتھ چل پڑوں۔ یہ مرد کتنے بیوقوف ہوتے ہیں۔ میرے لئے لڑ پڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ایسی گندی گندی گالیاں دیتے ہیں۔ کہ توبہ توبہ---شرم آنے لگتی ہے مجھے بھی۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"آج تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا۔" شارق نے کہا۔"میں تمہیں مارکیٹ اتار کر تمہارا انتظار کروں گا اور تمہیں واپس بھی چھوڑ دوں گا۔"

"پھر مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہو گے --ہے نا؟" پری چہرہ نے کہا۔

"نہیں میں ایسا آوارہ مرد نہیں ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ اس نے لبرٹی مارکیٹ میں ایک جگہ رکشہ روک لیا اور پری چہرہ کو بتا دیا کہ وہ اس جگہ اس کا انتظار کرے گا۔

پری چہرہ سودا لے کر تقریباً" پون گھنٹے بعد واپس آیا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی شارق نے رکشہ اسٹارٹ کر دیا۔ مارکیٹ کے علاقے سے کشادہ سڑک پر پہنچتے ہی رکشے کا انجن کھانسنے لگا۔ اور بالآخر شارق کو ایک جگہ رکشہ روکنا پڑا۔ سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت تھی لیکن قرب و جوار میں کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی طرف توجہ دیتا۔ شارق نے نیچے اتر کر اپنی سیٹ اوندھا دی اور پانے کی مدد سے پلگ کھولنے لگا۔

"تم اس کوٹھی کے ملازم ہو؟" شارق نے اس طرح کہا جیسے وقت گزارنے کے لئے باتیں کرنا چاہتا ہو۔

"میں بچپن سے ان کے پاس ہوں۔" پری چہرہ نے جواب دیا۔"یہ لوگ مجھے گاؤں سے لے

آئے تھے۔ ہمارا صاحب بہت اچھا ہے۔ بیگم صاحب مجھے بہت چاہتی ہیں۔ گھر کا سارا حساب میرے پاس رہتا ہے۔ بیگم صاحبہ نے کبھی مجھ سے حساب نہیں پوچھا۔ میں جو چاہوں خرچ کرتی ہوں۔"

"میں نے تمہارے صاحب کو دیکھا ہے۔ بہت اچھا آدمی ہے۔" شارق نے بولا۔

"تم نے کہاں دیکھا تھا؟" پری چہرہ نے پوچھا۔

"ایک روز اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اور وہ میرے رکشہ پر دفتر گیا تھا۔ اس نے مجھے کرائے سے پانچ روپے زیادہ دیے تھے۔" شارق نے کہا۔

"ہمارا صاحب واقعی بہت اچھا ہے لیکن آجکل بہت پریشان ہے۔"

"کیوں۔ کیا کاروبار میں کوئی گھاٹا ہو گیا ہے۔" شارق نے پلگ صاف کرتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں جی۔" پری چہرہ نے کہا۔"اس کے کوئی مہمان آئے ہوئے ہیں۔ کم بخت ہر وقت گھر میں ہی گھسے رہتے ہیں۔ کبھی باہر بھی نہیں جاتے۔ وہ جب سے آئے ہوئے ہیں' صاحب اور بیگم صاحبہ دونوں ڈرے ڈرے سے رہتے ہیں۔"

"تمہارا صاحب ان مہمانوں کو نکال کیوں نہیں دیتا۔ کون ہیں وہ لوگ؟" شارق بولا۔

"اپنے آپ کو حاجی کہتا ہے۔ میں تو اسے پاجی کہتی ہوں۔ اس کے ساتھ تین اور آدمی ہیں۔ بچے ہیں سارے۔ پرسوں رات ایک تو مجھے کھینچ کر سرونٹ کوارٹر میں لے جا رہا تھا۔ میں ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔" پری چہرہ نے بتایا۔

"ایسے لوگوں کو تو گھر میں رکھنا ہی نہیں چاہئے۔" شارق بولا۔"پرسوں اس نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا۔ کسی دن تمہاری بیگم صاحبہ کا ہاتھ پکڑ لے گا۔ تمہاری بیگم صاحبہ شاید اسی لئے ڈری ڈری رہتی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" پری چہرہ نے کہا۔"وہ جو پاجی ہے نا بڑا خراب آدمی ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔ جس دن تیز بارش ہو رہی تھی نا اس دن یہ تین آدمیوں کو رسیوں سے باندھ کر لے آئے تھے۔ پاجی نے بتایا تھا کہ یہ تینوں گاؤں میں اس کی حویلی سے قیمتی زیور چرا کر بھاگے ہوئے تھے۔ آخر انہیں پکڑ ہی لیا۔ ان تینوں کو تہ خانے میں لے جا کر بہت مارا تھا۔ کل رات تک وہ تینوں تہ خانے میں تھے۔ آج پتا نہیں کہاں غائب ہو گئے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں۔" شارق نے پوچھا۔

"آج دوپہر میں چوری چھپے تہ خانے میں گئی تھی۔" پری چہرہ نے بتایا۔"وہ تینوں تہ خانے

aazzamm@yahoo.com

میں نہیں تھے۔ فرش پر خون بکھرا ہوا تھا۔ میں نے بیگم صاحبہ کو بتایا تو انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا کہ میں کسی کو یہ بات نہ بتاؤں۔"

"تمہاری بیگم صاحبہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" شارق بولا۔ "اگر تم نے کسی کو بتایا تو وہ حاجی اور اس کے بندے تمہیں بھی ماردیں گے۔"

"میں تو بابا کل پنڈ چلی جاؤں گی۔ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے یہاں' اور تم کسی سے مت کہنا کہ میں نے تمہیں کوئی بات بتائی ہے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی کو بتانے کی۔" شارق پلگ فٹ کرنے لگا۔ اس کا مطلب پورا ہوگیا تھا۔ اب وہاں رکے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

پری چہرہ کو اس کی کوٹھی کے سامنے اتارتے ہی اس نے رکشہ آگے بڑھا دیا اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

راستے میں کئی لوگوں نے رکشہ روکنے کا اشارہ کیا تھا مگر شارق نے کوئی توجہ نہیں دی۔

آٹھ بجے اس نے رکشہ واپس کردیا۔ استاد سے اپنا شناختی کارڈ واپس لیا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

پری چہرہ نے بڑا سنسنی خیز انکشاف کیا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جن تین آدمیوں کو رسیوں سے باندھ کر لایا گیا تھا وہ بند روڈ والی کوٹھی کے محافظ تھے۔ اس روز شارق نے خود انہیں پجیرو میں ڈالتے ہوئے دیکھا تھا اور پری چہرہ کی باتوں سے اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ حاجی نے ان تینوں کو قتل کرکے لاشیں کہیں پھنکوا دی تھیں۔

نولکھا گھر پر نہیں تھا۔ ثمینہ نے بتایا کہ وہ بھی اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد حاجی کے اسلحہ ڈپو کی تلاش میں نکل گیا تھا۔

نولکھا تقریباً" دس بجے واپس آیا۔ وہ ایک ملنگ کے بھیس میں تھا گلے میں کئی رنگ برنگے موتیوں والی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ اس نے راوی روڈ کے قریب نمبر مارکیٹ کے علاقے میں اسلحہ ڈپو کا سراغ لگا لیا ہے اور وہاں اس وقت بھی اسلحہ کی پیٹیاں بھری ہوئی ہیں۔

"گڈ۔" شارق مسکرا دیا۔ "اس ڈپو کا بندوبست آج ہی ہو جائے گا۔ لیکن پہلے حاجی سے ایک اور بات کرلوں۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر فاروق احمد کا نمبر ملایا۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی تھی۔

"ریسیور حاجی عبداللہ کو دو۔ اس سے کہو اس کا پرانا دوست شارق بات کرنا چاہتا ہے۔"

شارق نے کہا۔

اور پھر اس کے دو تین سیکنڈ بعد ہی حاجی کی غرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا کوئی نئی دھمکی دینا چاہتے ہو۔ تم یہ یقین کرلو کہ میرے ہاتھ آگئے تو تمہاری بوٹیاں چیلوں اور گدھوں کو کھلاؤں گا۔"

"تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکے گی۔" شارق نے کہا۔ "اس وقت تو میں تمہیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ تم اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کرتے چلے جارہے ہو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" حاجی کتے کی طرح غرایا۔

"بے گناہوں کے خون سے کب تک ہاتھ رنگتے رہو گے۔ بہتر ہے اپنے راستے میں مزید کانٹے بونے کے بجائے اپنے آپ کو سرنڈر کردو۔"

"میں سرنڈر کردوں" حاجی چیخا۔ "میں تو تمہیں اپنے قدموں پر گراؤں گا۔"

"سنو حاجی۔" شارق نے کہا۔ "مجھے پتا چل گیا ہے کہ تم بند روڈ والے احاطے سے اپنے جن تین محافظوں کو لے کر گئے تھے انہیں تم نے قتل کرکے لاشیں غائب کر دی ہیں۔ میں تو پولیس کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن جب لاشیں ملیں گی تو پولیس خود ہی تمہارے پیچھے لگ جائے گی۔"

"کیا بکتے ہو۔" حاجی چیخا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میں تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف ہوں۔ ویسے کل تم ایک اور بہت زبردست خوشخبری سنو گے۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کردیا۔

وہ سب کچھ دیر تک حاجی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر شارق بولا۔

"میرا خیال ہے علاقے کے ایس پی کو اس اسلحہ ڈپو کے بارے میں اطلاع دیدی جائے۔ تاکہ آج رات ہی یہ کہانی بھی مکمل ہو جائے۔"

"کیا وہ گمنام اطلاع پر یقین کرلے گا؟" ثمینہ بولی۔

"یہ علاقہ اس ایس پی کا ہے جسے میں نے بند روڈ والے اڈے کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اور پھر یہ اطلاع گمنام نہیں اپنے نام سے دوں گا۔ اسے یقین کرنا ہی پڑے گا۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر کرو بات۔" ثمینہ بولی۔

ایس پی کا دفتر اس وقت بند تھا۔ شارق نے اسی علاقے کے ایک پولیس اسٹیشن کا نمبر ملا کر

aazzamm@yahoo.com

ایس پی کے گھر کا فون نمبر دریافت کیا تو دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"آپ کون ہیں جی۔ گھر کا نمبر کیوں مانگ رہے ہیں۔"

"میں ان کا دوست ہوں کراچی سے آیا ہوں۔ اس وقت ایئرپورٹ سے بول رہا ہوں۔ دو گھنٹے بعد والی فلائٹ سے اسلام آباد جارہا ہوں سوچا اپنے دوست الطاف علی سے فون پر ہی بات کرلوں۔ اس وقت دفتر بند ہے اور گھر کا فون نمبر میرے پاس نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔

"آپ نمبر نوٹ کرو جی۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر اسے ایس پی الطاف علی کے گھر کا نمبر بتا دیا گیا۔

شارق نے کریڈل ٹیپ کرکے وہ نمبر ملایا۔ اس وقت سوا گیارہ بجے تھے۔ کال فوراً ہی ریسیو کرلی گئی۔

"میں الطاف علی صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔ "میں بول رہا ہوں۔ آپ کون؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"میں شارق ہوں جناب۔" شارق بولا۔ "دو دن پہلے حاجی عبداللہ کے ہیروئن کے ایک اڈے کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اس وقت بھی ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔" الطاف علی کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کیسی اطلاع؟"

"یہ اطلاع حاجی عبداللہ کے ایک اور اڈے کے بارے میں ہے جہاں اس وقت خطرناک قسم کے اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ شارق نے کہا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ تمہاری پہلی اطلاع درست نکلی تھی اور مجھے یقین ہے کہ یہ اطلاع بھی سو فیصد درست ہوگی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تم بھی اس وقت موسٹ وانٹڈ ہو۔ لیکن کچھ عرصہ سے تم جو کچھ کررہے ہو اسے اگرچہ قانون سے تعاون کا نام دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تعاون کا طریقہ نہیں ہے۔ کیا تم مجھ سے ملاقات کرسکتے ہو۔"

"آپ سے ملاقات!" شارق چونک گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ صرف میری اور تمہاری ملاقات ہوگی اور کسی اور کو اس کا علم نہیں ہوگا۔" ایس پی الطاف علی نے کہا۔

"لیکن اگر میرے ساتھ دھوکا ہوا تو؟" شارق بولا۔

"کوئی دھوکا نہیں ہوگا۔ میرا وعدہ ہے۔" الطاف علی نے کہا۔

شارق نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر ثمینہ وغیرہ سے مشورہ کیا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں آپ سے ملاقات کے لیے تیار ہوں لیکن اگر کسی قسم کا دھوکا ہوا تو میں پہلے سے بہت زیادہ خطرناک

ثابت ہوں گا۔ آپ ٹھیک ایک گھنٹے بعد منٹو پارک کے بالکل سامنے رنجیت سنگھ کی سمادھی کے پاس آجایئے۔ آپ سادہ لباس میں اور اکیلے ہوں گے۔ میں ایک بار پھر یہ بتا رہا ہوں کہ اگر کوئی دھوکا ہوا تو آپ بھی وہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکیں گے۔"

"میں اکیلا آؤں گا اور سادہ لباس میں آؤں گا۔ کوئی میرے ساتھ نہیں ہوگا۔" الطاف علی نے جواب دیا۔

شارق نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ شارق کے ساتھ ثمینہ اور نولکھا بھی تیار ہورہے تھے۔

وہ تینوں گاڑی میں روانہ ہوگئے۔ انہیں مقررہ جگہ پر پہنچنے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ ثمینہ اسے رنجیت سنگھ کی سمادھی والے موڑ پر اتار کر گاڑی آگے نکال لے گئی اور تقریباً سو گز دور روک کر انجن اور ہیڈ لیمپس بند کر دیے۔

اس سڑک پر ٹریفک اس وقت بھی زیادہ تھا۔ دوسرے شہروں سے آنے والی اور شہر سے باہر جانے والی تمام بسیں اسی سڑک سے گزرتی تھیں۔

شارق سمادھی سے ذرا ہٹ کر ایک تاریک گوشے میں کھڑا تھا اس کا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں رکھے ہوئے پستول پر تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد سفید رنگ کی ایک کار سامنے آکر رکی۔ ایک دراز قامت آدمی کار سے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

شارق نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی مشتبہ گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ تاریکی سے نکل کر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اور پھر چند سیکنڈ بعد ایس پی الطاف علی اور شارق ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

"میں اکیلا اور خالی ہاتھ ہوں۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ آس پاس کوئی نہیں۔" ایس پی الطاف علی نے شارق کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم بھی ہاتھ جیب سے نکال لو۔ تمہیں پستول کے استعمال کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ہاتھ جیب سے نکال لیا اور پھر ان دونوں کے ہاتھ ملانے میں بڑی گرمجوشی دیکھنے میں آئی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم جیسا سمارٹ' مہذب اور تعلیم یافتہ نوجوان اس قسم کی ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث ہو سکتا ہے۔" ایس پی الطاف علی اسے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا۔

شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے پون گھنٹہ تیاری میں لگایا تھا۔ کئی دن کا بڑھا ہوا شیو بنانے کے علاوہ بال بھی بڑے سلیقے سے بنائے تھے۔ اسٹون واش جینز اور ڈینم کے ہلکے بلیو رنگ کی شرٹ میں وہ خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"ناپسندیدہ سرگرمیاں!" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بہت خوبصورت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ آپ کے محکمہ کے لوگ تو مجھے غنڈہ' قاتل' لٹیرا' درندہ' بھیڑیا اور نجانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "مجھے مجرم بنانے میں آپ ہی کے محکمہ کے لوگوں کا ہاتھ ہے۔ اگر شروع میں میری بات پر توجہ دی جاتی' مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا' تو آج شارق قاتل' لٹیرا اور سمگلر نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کی طرح کسی ایسی سیٹ پر بیٹھا ہوتا کہ اپنے لوگوں کی خدمت کرتا لیکن۔۔۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" ایس پی الطاف علی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے تمہاری پوری ہسٹری کا علم ہے۔ ایک ایک بات جانتا ہوں تمہارے بارے میں۔ اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔ اس سے پہلے میں نے صرف تمہاری تصویر دیکھی تھی۔ آج تم سے پہلی ملاقات ہوئی ہے اور چند جملوں کے تبادلے سے ہی اندازہ لگا چکا ہوں کہ تمہارے اندر ایک اچھا آدمی چھپا ہوا ہے۔"

"میں نے اپنے اندر کے اس اچھے آدمی کو کبھی بھی مرنے نہیں دیا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر میرے اندر کا وہ اچھا آدمی مر چکا ہوتا تو آج شارق ایک بہت طوفان بن چکا ہوتا۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہارے اندر کا وہ اچھا آدمی زندہ رہے اور ایک روز تمہیں پچھاڑ دے۔" الطاف علی نے کہا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "آؤ وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ اس پلیا پر۔ آج تو ہوا بھی بہت خوشگوار چل رہی ہے۔"

چند گز آگے سڑک کے نیچے سے ایک چھوٹا سا نالا گزرتا تھا۔ یہ نالا برساتی پانی کے اخراج کے لئے بنایا گیا تھا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بارش میں نالا تو کیا سڑک بھی پانی میں ڈوب جاتی تھی۔ دو دن پہلے جب تیز بارش ہوئی تھی تو یہی صورتحال تھی۔

وہ پلیا کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ بائیں طرف بتدریج بلندی کی طرف جاتی ہوئی یہ سڑک شاہی قلعے کے مرکزی دروازے تک چلی گئی تھی۔ شاہی قلعے کی فصیل اس پلیا سے چند گز کے فاصلے پر تھی۔ سڑک کے دوسری طرف رنجیت سنگھ کی سمادھی تھی اور جس جگہ یہ سڑک مین روڈ سے ملتی تھی اس کے دوسری طرف اقبال پارک تھا جس کے وسط میں مینار پاکستان نظر آ رہا تھا۔

رات آٹھ نو بجے تک قلعے والی سڑک پر رونق رہتی تھی۔ لیکن اس وقت اس سڑک پر سناٹا تھا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ جب تک میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا اس وقت تک میں بھی تمہیں خونخوار بھیڑیا ہی سمجھتا تھا۔" الطاف علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ایک اچھا بلکہ بہت اچھا انسان ضائع ہو رہا ہے۔ اس وقت تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اسے میں قانون سے تعاون ہی کہوں گا۔ تم ایک برائی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن اس طرح تمہارے جرائم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ تم اپنے لئے بھی مشکلات پیدا کرتے جا رہے ہو اور وہ لڑکی ثمینہ۔ وہ تمہارے ساتھ مل کر جو کچھ کر رہی ہے۔ قابل تعریف ہے۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔"

"تو پھر صحیح طریقہ کیا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔" الطاف علی نے کہا۔

"مجھے قانون نے بگاڑا ہے اور میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" شارق نے کہا۔ "اس کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ قانون کی حراست میں آنے کے بعد میں قانون کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ اس وقت میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں آزاد رہ کر ہی کر رہا ہوں۔ اگر میں سلاخوں کے پیچھے ہو گیا تو کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔" الطاف علی بولا۔

"یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں پہلے حاجی کا دایاں ہاتھ سمجھا جاتا تھا اس وقت مجھے حاجی

aazzamm@yahoo.com

کچھ اڈوں کا علم تھا لیکن جب سے ہم میں دشمنی ہوئی ہے اس نے بہت سے اڈے تبدیل کر دیئے ہیں۔ اپنے ذرائع سے ان اڈوں کا پتا لگا کر انہیں تباہ کر رہا ہوں۔ ہیروئن کے کچھ اڈے تو میں نے تباہ کر دیئے ہیں کچھ ابھی باقی ہیں۔ ان کا بھی جلد ہی سراغ لگا لوں گا۔ لیکن آج اسلحہ کے جس اڈے کا پتا چلا ہے اسے تباہ کر کے آس پاس کی آبادی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس لئے میں نے آپ کو اطلاع دی تھی۔ تاکہ ریڈ کر کے اس اسلحہ کے ذخیرے کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے اور میں ایک بات اور بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ یہ مت سمجھئے کہ میں یہ سب کچھ صرف قانون سے تعاون کے لئے کر رہا ہوں۔ حاجی کے خلاف اس کارروائی میں میرے انتقام کا جذبہ بھی شامل ہے۔ میں پاکستان سے باہر تھا اور میری عدم موجودگی میں حاجی نے میری ماں اور بہن کی توہین کی تھی۔ انہیں ذلیل کر کے کوٹھی سے نکال دیا تھا۔ ملک سے باہر مجھے حاجی ہی نے ایک سازش کے تحت بھیجا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے افغانستان میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور اس طرح اس کا راستہ صاف ہو جائے گا لیکن سب کچھ اس کی توقع کے برعکس ہوا۔ میں اس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ مکمل طور پر تباہ نہیں ہو جاتا۔"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ مریم نام کی وہ عورت تمہاری ماں نہیں ہے۔" الطاف علی نے کہا۔

"یہ درست ہے کہ میں نے اس کی کوکھ سے جنم نہیں لیا۔ لیکن اولاد کو جنم دینے والی عورت ہی تو ماں نہیں ہوتی۔" شارق نے کہا۔ "مریم نے مجھے جنم نہیں دیا لیکن اس نے مجھے ماں کی طرح پیار دیا۔ اس سے مجھے بھرپور ممتا ملی۔ اس نے میرے لئے وہ کچھ کیا جو کوئی عورت سگی اولاد کے لئے بھی نہیں کر سکتی۔ اگر اولاد کیلئے خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو میں اس عورت کو سجدہ کرتا جس نے مجھے اولاد سے بڑھ کر پیار دیا۔ میں اس کی توہین کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ ساری کارروائیاں حاجی سے ذاتی انتقام لینے کے لئے کر رہے ہو۔" الطاف علی نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "جب میں افغانستان میں تھا تو اس وقت مجھے احساس ہوا تھا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں غلط کر رہا ہوں۔ میں نے اسی وقت عہد کیا تھا کہ ہیروئن کے زہر کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ میں نے افغانستان میں بھی ہیروئن کی کئی فیکٹریاں تباہ کر دیں اور یہاں آ کر بھی بہت کچھ کیا۔ منشیات کی سمگلنگ کے حوالے سے حاجی

اس ملک کی سب سے بڑی مچھلی ہے۔ مچھلی نہیں اسے ڈرگس کا ہشت پا کہنا مناسب ہو گا۔ اس کا بزنس پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے پہلے میں نے اس کا بندوبست کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ الگ بات ہے کہ اس میں میرے ذاتی انتقام کا جذبہ بھی شامل ہو گیا اور میں زیادہ سنجیدگی سے کام کرنے لگا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ تم چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔" الطاف علی نے کہا۔ "ایک طرف حاجی کے آدمی پورے شہر میں شکاری کتوں کی طرح تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں اور دوسری طرف پولیس پوری شدت کے ساتھ تمہاری تلاش میں ہے۔"

"اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس وقت میں پولیس کے ایک اعلیٰ آفیسر کے ساتھ بیٹھا آزادی سے باتیں کر رہا ہوں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ آج تم سے ملاقات کے لئے اکیلا آؤں گا اور کسی کو میری اور تمہاری ملاقات کا علم نہیں ہو گا لیکن۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہو سکتا ہے کل کو یہ صورتحال نہ ہو۔"

"اگر آپ جیسا ذمہ دار آفیسر مجھے گرفتار کر سکے تو مجھے خوشی ہو گی۔" شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "میں پولیس کے تمام بڑے بڑے آفیسرز سے واقف ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کون سا آفیسر ذمہ دار اور فرض شناس ہے اور کون راشی اور بے ضمیر۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کو فون کیا تھا۔ یہ ایسا موقع ہے کہ آپ جیسے رتبے کا آفیسر پلک جھپکنے کی دیر میں کروڑ پتی بن سکتا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کو اطلاع دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں آپ کے کہنے پر ملاقات کے لئے یہاں اس لئے بھی آ گیا کہ مجھے آپ کے وعدہ پر اعتماد تھا۔ میری گرفتاری ہر پولیس والے کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھے گھیرنے کا پورا پورا بندوبست کر کے یہاں آتا لیکن اس کی حسرت کبھی پوری نہ ہو پاتی۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں تمہاری گرفتاری کا بندوبست کر کے نہیں آیا؟" ایس پی الطاف علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جس طرح آپ نے مجھے مہذب اور شریف قرار دیا تھا اس طرح میں بھی آپ کو بہت مہذب، شریف اور قابلِ اعتماد سمجھتا ہوں۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ آپ اس وقت میرے دو آدمیوں کی زد پر ہیں۔ میرے یہ دو آدمی کم سے کم پچاس پولیس والوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"مجھے معلوم ہے تم اور تمہارے ساتھی بہت بہادر ہیں۔" الطاف علی نے کہا۔ "لیکن میری خواہش ہے کہ تم یہ کانٹوں بھرا راستہ چھوڑ کر سیدھے راستے پر آ جاؤ۔ تم مجھ پر اعتماد کر کے یہاں آئے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا ساتھ دینے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر قانون کے حوالے کر دو۔ ہو سکتا ہے تمہاری سزا میں کچھ نرمی برتی جائے۔"

"مجھ پر کئی آدمیوں کے قتل کا الزام ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہ صرف الزام ہی نہیں۔ واقعی بہت سے آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ میرے ہاتھ خون میں اس طرح رنگے ہوئے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی صابن ان دھبوں کو صاف نہیں کر سکتا۔ میں کسی کی گولی سے مرنا پسند کروں گا لیکن میرے قدم پھانسی کے تختے کی طرف نہیں جائیں گے۔"

"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے۔" الطاف علی بولا۔ "میں تمہاری بات بہت اوپر تک پہنچاؤں گا۔ حاجی جیسے شخص کے خلاف تم جس طرح قانون سے تعاون کر رہے ہو یہ تمہارا بہت بڑا کریڈٹ ہے اور تمہارا یہی کریڈٹ تمہیں بچا سکتا ہے۔"

"یہ محض کہنے کی باتیں ہیں۔" شارق بولا۔ "میں کوئی سیاستدان نہیں ہوں جس کے خلاف قتل اور ملک سے غداری کے مقدمات بھی واپس لے لئے جائیں۔ جس روز میں پکڑا گیا لوگ میرے لئے سرعام پھانسی سے کم مطالبہ نہیں کریں گے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" الطاف علی نے کہا۔ "رائے عامہ تمہارے حق میں ہے۔ لوگ تمہیں مظلوم اور بے گناہ سمجھتے ہیں۔ عوام کا دباؤ بہت اہمیت رکھتا ہے۔"

"سیاسی معاملات میں تو عوامی دباؤ کو کچھ اہمیت دی جا سکتی ہے لیکن ایک ایسے شخص کے لئے جو موت کے سوداگر کے نام سے مشہور ہو چکا ہو عوام کا دباؤ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عدالت کوئی فیصلہ عوام کے دباؤ کے تحت نہیں حقائق اور شواہد کی روشنی میں سناتی ہے۔ نہیں الطاف صاحب۔ میں آپ کا یہ مشورہ نہیں مان سکتا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر الطاف علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ بات تو رہ گئی جس کے لئے ہماری یہ ملاقات ہوئی ہے۔"

"اس بات کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔" الطاف علی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "حاجی کا اسلحہ کا وہ ڈپو کہاں ہے؟"

"وہ سامنے آپ نمبر مارکیٹ دیکھ رہے ہیں۔" شارق نے بڈھا راوی والے چوک کی طرف اشارہ کیا۔ اس چوک کے دوسری طرف سڑک پر بہت لمبی چوڑی نمبر مارکیٹ اور اس کے پیچھے رہائشی علاقہ تھا۔ "وہ ڈپو اس نمبر مارکیٹ میں ہے۔ میں نے وہ ڈپو نہیں دیکھا لیکن میرا آدمی اس کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ اس ڈپو پر بہت سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں۔ آپ کو ریڈ کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ چھاپہ مار پارٹی میں شامل پولیس کے جوانوں کو آخر تک یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔"

"میں قریب ترین پولیس سٹیشن پر پہنچتے ہی ڈی آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں۔ لیکن اگر یہ اطلاع غلط نکلی تو ----" الطاف علی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی سبکی ہو گی نا؟" شارق اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "ایسی صورت میں اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے حوالے کر دوں گا۔ یہ شارق کا وعدہ ہے۔"

"بہت اعتماد ہے اپنے آپ پر اور اپنے ساتھیوں پر۔" الطاف نے کہا۔

"اپنے آپ پر اور ساتھیوں پر اعتماد ہی تو مجھے اب تک زندہ رکھے ہوئے ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تو پھر کب ریڈ کر رہے ہیں آپ -----"

"صبح ہونے سے پہلے پہلے۔" الطاف علی بولا۔ "لیکن تمہارا آدمی کہاں ملے گا؟"

"میں اپنا آدمی ابھی آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں' لیکن اس کی آزادی اور زندگی کی ضمانت آپ کو دینی ہو گی۔" شارق بولا۔

"اگر ریڈ کے دوران فائرنگ کا تبادلہ ہو گیا اور اتفاقیہ کسی گولی کا نشانہ نہ بن گیا تو وہ صبح تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔" الطاف علی نے کہا۔

"اور اس کا پیچھا کر کے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"یقین کرو۔ میں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کروں گا۔" الطاف علی نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ یہیں رک کر انتظار کریں۔" شارق نے کہا اور الطاف علی کو وہیں چھوڑ کر سڑک پر اس طرف چلنے لگا جہاں ثمینہ اور نولکھا کی کار کھڑی تھی۔

"کیا ہوا؟ کوئی گڑبڑ؟" سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی ثمینہ نے اس کے قریب پہنچتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ وہ حسب وعدہ اکیلا ہی آیا ہے۔" شارق نے کھڑکی پر جھکتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دوں تو میرے ساتھ سزا میں کچھ رعایت برتی جائے گی۔"

"پھر-----؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا نولکھا بولا۔

"ظاہر ہے میں اس کا یہ مشورہ نہیں مان سکتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "

aazzamm@yahoo.com

لیکن اسلحہ کے گودام کی نشاندہی کے لئے تمہیں ان کے ساتھ جانا پڑے گا تو لکھے۔ میں نے ایس پی الطاف علی سے ضمانت لے لی ہے کہ تمہیں نہ تو کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی واپسی پر تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ کیا خیال ہے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے شارق باؤ۔" نولکھا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ تم کوئی بات کہو میں انکار کر دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چلو میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

"تم یہیں رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ شارق نے ثمینہ سے کہا اور نولکھا کو ساتھ لے کر الطاف علی کے پاس آ گیا۔

نولکھا اس وقت بھی ملنگ کے بھیس میں تھا۔ ہرے رنگ کا چوغہ نما کُرتا جو ٹخنوں تک لمبا تھا گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی کئی مالائیں تھیں۔ سر کے بال الجھے ہوئے اور دونوں کلائیوں میں اسٹیل کے کڑے تھے۔ جب وہ دونوں ہاتھوں کو حرکت دیتا تو آہنی کڑے آپس میں ٹکرا کر چھنچھنا اٹھتے۔

"ایس پی الطاف علی چند لمحے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر شارق کی طرف رخ کر کے بولا۔

"کیا یہی شخص ہماری رہنمائی کرے گا؟"

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اور اسے صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اسی طرح سنگل پیس میں میرے پاس واپس پہنچ جانا چاہئے۔"

"ایسا ہی ہو گا۔" الطاف علی نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ کار کے ہارن کی آواز سن کر شارق نے اس طرف دیکھا اور چونک گیا۔ ثمینہ کی کار کے قریب پولیس کی ایک جیپ کھڑی تھی۔ سڑک پر سے گزرنے والی بسوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تین چار مسلح پولیس والے بھی کار کو گھیرے کھڑے نظر آ رہے تھے۔ شارق کا ہاتھ فوراً" ہی پتلون کی جیب میں پہنچ گیا۔ نولکھا نے بھی چوغے کی سائیڈ والی جیب میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ ایس پی الطاف علی نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"کار میں کون ہے؟"

"میری دوست ثمینہ۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

"الطاف علی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر بولا۔

"میرا خیال ہے وہ کوئی پیٹرولنگ پارٹی ہے۔ اکیلی عورت کو کار میں بیٹھے دیکھ کر چیک کرنے کے لئے رک گئے ہوں گے۔ پریشان مت ہو۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی میرے ساتھ آؤ۔"

وہ تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار کی طرف چلنے لگے۔ شارق الطاف علی کے پیچھے تھا تاکہ کوئی گڑبڑ ہو تو اسے پستول کی زد میں لے سکے۔

اس پولیس پارٹی کا انچارج ایک سب انسپکٹر تھا۔ اس نے اپنے ایس پی کو فوراً" ہی پہچان لیا اور کھٹ سے سیلوٹ جھاڑ دیا۔ ایک اے ایس آئی اور چار کانسٹیبلوں نے بھی ایڑیاں بجا دی تھیں۔

"کیا بات ہے آفیسر؟" ایس پی الطاف علی نے سوالیہ نگاہوں سے سب انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"مشکوک نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ ہے۔" الطاف علی نے کہا۔ "تم لوگ جاؤ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"یس سر۔" سب انسپکٹر بولا اور باری باری نولکھا اور شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔

"تم لوگ تھانے پہنچ کر میرا انتظار کرو۔ میں چند منٹ میں آ رہا ہوں۔" الطاف علی نے کہا۔

سب انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں نے ایڑیاں بجا دیں اور جیپ میں بیٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحہ جیپ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

الطاف علی ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ کار سے اتر گئی تھی۔ اس نے بھی جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"پہلی بار تمہیں دیکھا ہے۔" وہ ثمینہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں سمجھتا تھا کہ تم بہت خوفناک قسم کی عورت ہو گی لیکن ----"

"اس حسن ظن کا شکریہ۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ نے مجھے پہلی بار دیکھا ہے۔ آئندہ میں آپ کو نظر نہیں آؤں گی۔ کیا پروگرام ہے شارق؟" اس نے آخری الفاظ شارق کی طرف دیکھ کر کہے تھے۔

"ہم چل رہے ہیں۔" شارق نے کہا اور پھر الطاف علی کی طرف مڑ کر بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا اور ثمینہ کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ نے انجن سٹارٹ کیا اور کار کو ایک زبردست جھٹکے سے آگے بڑھا کر یو ٹرن لیتے ہوئے اس کی رفتار بڑھا دی۔

○○○

گندے نالے سے تین لاشوں کی دریافت نے اس علاقے میں سنسنی اور خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔

یہ لاشیں دس سے بارہ سال کی عمر کے تین چار بچوں نے دریافت کی تھیں۔ یہ بچے اس

aazzamm@yahoo.com

گندے نالے کی طرف آباد چند جھگیوں میں رہائش پذیر تھے۔ دو تین روز پہلے کی شدید بارش سے نالہ پانی سے بھر گیا تھا۔ بعض مقامات پر تو پانی نالے کے کناروں سے بھی باہر بہہ نکلا تھا۔ لیکن اس مقام پر پانی نالے کے اندر اپنی حد میں رہ کر بہہ رہا تھا۔ اس جگہ نالے کے دونوں طرف کی آبادیوں کو ملانے کے لئے ایک پل بھی تھا۔ لیکن یہ پل قیام پاکستان سے پہلے بنا تھا اور جگہ جگہ سے ٹوٹ جانے کے باعث بند کر دیا گیا تھا۔ اس کی مرمت کرنے کے بجائے اس سے تقریباً" پانچ سو گز نیچے کی طرف ایک نیا پل بنا دیا گیا تھا۔ اور ٹریفک کی آمد و رفت اسی نئے پل سے تھی۔

یہ پرانا پل اگرچہ جگہ جگہ سے ٹوٹ چکا تھا لیکن پیدل اور سائیکل سواروں کی آمد و رفت کے لئے اب بھی زیر استعمال تھا۔

جھگیوں میں رہنے والے دو ننگ دھڑنگ بچے کھیلتے ہوئے پل پر آ گئے تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں اور وہ لوگ پل کی شکستہ ریلنگ پر جھکے ان چھڑیوں سے پانی میں بہہ کر آنے والی چیزوں کو چھیڑ رہے تھے۔

نالے کے گندے پانی میں جھاڑ جھنکار اور ہر قسم کی چیزیں بہہ کر آ رہی تھیں۔ یہ پل نیچے سے دو حصوں میں تقسیم تھا۔ پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے بہہ کر آنے والی جھاڑیاں وغیرہ پل سے اٹک کر رک گئی تھیں۔ پانی کے اخراج میں تو کوئی فرق نہیں آیا لیکن پانی کی سطح پر جھاڑیاں دور تک جمع ہو گئی تھیں۔

ایک گیارہ سال کی عمر کا بچہ ریلنگ پر جھکا ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سے جھاڑیاں ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ سے وہ چند جھاڑیاں ہٹانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ چونک گیا اور گہری نظروں سے جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی اس چیز کو دیکھنے لگا جس نے اس کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔

وہ ایک انسانی پیر تھا جو ٹخنے تک نظر آ رہا تھا۔ وہ بچہ ریلنگ پر کچھ اور آگے جھک کر جھاڑیوں کو ہٹانے لگا۔ اس کی یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ جھاڑیاں ہٹتے ہی پانی میں ڈوبی ہوئی ایک انسانی لاش اوپر آ گئی۔ لاش دیکھ کر اس بچے کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

دوسرے بچے بھی اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے اپنی اپنی چھڑیوں سے پانی میں بہہ کر آنے والی چیزوں کو ادھر ادھر کر رہے تھے۔ چیخ سن کر وہ اپنے اس ساتھی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"لاش۔۔۔۔۔" وہ بچہ چیخ رہا تھا۔ "یہ دیکھو لاش۔۔۔۔۔"

لاش اوندھی تھی۔ اس کا چہرہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بچے کچھ دیر تک لاش کو دیکھتے رہے پھر شور مچاتے ہوئے جھگیوں کی طرف دوڑے۔

پانچ چھ جھگیاں تھیں جن میں مسلی رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ کاغذ' تنکوں اور مٹی کے کھلونے بنا کر شہر میں بیچتے تھے۔ اس وقت جھگیوں میں چند عورتیں اور دو آدمی تھے۔ وہ دونوں آدمی ایک روز پہلے کا تیار کیا ہوا مال بیچنے کے لئے جانے کی تیاری کر رہے تھے جبکہ عورتیں نیا مال تیار کر رہی تھیں۔

بچوں سے نالے میں لاش کی اطلاع پا کر وہ دونوں آدمی پل کی طرف آ گئے۔ دو تین عورتیں بھی ان کے پیچھے چلی آئی تھیں۔ انہوں نے بھی لاش دیکھی۔

"تھانے جا کر بتا دو۔ پتہ نہیں کون نصیبوں مارا ہے۔" ایک بوڑھی عورت نے کہا۔

"ایسا نہ ہو پولیس والے ہمیں ہی تھانے میں بٹھا لیں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"تمہیں کیوں بٹھا لیں گے۔ کوئی تم نے پھینکی ہے یہ لاش؟" بوڑھی عورت نے کہا۔ "جاؤ۔ تم دونوں تھانے چلے جاؤ۔"

وہ دونوں آدمی ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے۔ ان میں ایک نوجوان تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر اور پھر وہ دونوں تھانے کی طرف چل پڑے۔

وہ پولیس کے ساتھ تقریباً" ایک گھنٹے بعد واپس آئے تھے۔ اس دوران پل پر دس بارہ آدمی جمع ہو چکے تھے اور پہلی لاش کے ساتھ ایک اور لاش بھی دریافت ہو چکی تھی۔

پولیس والوں نے اس مسلی نوجوان کو نالے میں اتار دیا جو تھانے اطلاع دینے گیا تھا۔ اس نے پانی کی سطح پر جمع شدہ جھاڑیوں کو ہٹایا تو ان میں چھپی ہوئی تیسری لاش بھی دریافت ہو گئی۔

بڑی مشکل سے ان تینوں لاشوں کو پانی سے نکال کر پل پر ڈال دیا گیا۔ وہ مسلی نوجوان گندے پانی میں تیرتے ہوئے جھاڑیوں کو ہٹاتا رہا لیکن اور کوئی لاش نہیں ملی۔

تھانے سے آنے والی پولیس پارٹی تین آدمیوں پر مشتمل تھی۔ دو کانسٹیبل اور ایک ہیڈ کانسٹیبل۔ تین لاشوں کی دریافت نے ہیڈ کانسٹیبل کا دماغ گھما دیا۔ اس نے فوراً" ہی ایک کانسٹیبل کو تھانے کی طرف دوڑا دیا۔

گندے نالے سے لاشوں کی دریافت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی۔ لوگ پل کے آس پاس جمع ہونے لگے۔ دونوں پولیس والے لوگوں کو پل سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک سب انسپکٹر مزید پولیس اہلکاروں کو لے کر پہنچ گیا۔ سب انسپکٹر ان تینوں لاشوں کا معائنہ کرنے لگا۔ تینوں لاشوں پر ایسے نشانات تھے جیسے مرنے سے پہلے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ تینوں کے سروں پر گولیوں کے نشان تھے۔ جس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا

aazzamm@yahoo.com

کہ ان تینوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد سروں میں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ انسپکٹر کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ لاشیں چند گھنٹوں سے زیادہ پرانی نہیں تھیں اور انہیں گزشتہ روز ہی نالے میں پھینکا گیا تھا۔ اگر لاشیں زیادہ پرانی ہوتیں تو پھول کر خراب ہو چکی ہوتیں۔ ان تینوں کے لباس کی تلاشی بھی لی گئی تھی لیکن ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے ان میں سے کسی کی شناخت ہو سکتی۔

ابتدائی کارروائی کے بعد ایمبولینس منگوا کر تینوں لاشوں کو پہلے تھانے اور پھر ہسپتال بھجوا دیا گیا۔ لاشیں اٹھوائے جانے کے بعد بھی لوگ پل کے پاس جمع ہوتے رہے۔

اس خبر سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ ادھر ادھر ٹولیوں میں کھڑے اپنے طور پر تبصرے کر رہے تھے۔

پولیس سٹیشن پر ایس ایچ او انسپکٹر گل محمد اپنے سینئر ماتحتوں سے اس صورتحال پر تبادلہ خیال کر رہا تھا اور پھر اس نے یہ کیس سب انسپکٹر وحید کے حوالے کر دیا۔

تم نالے کے ساتھ ساتھ اوپر تک کا علاقہ چیک کرو۔ ان تینوں کو تشدد کے بعد سروں میں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ لاشیں کہیں اور سے لا کر نالے میں پھینکی گئی ہوں۔ لیکن تمہیں معلوم کرنا ہے کہ اس علاقے میں کہیں فائرنگ کی آواز تو نہیں سنی گئی۔" انسپکٹر گل محمد نے سب انسپکٹر وحید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔" سب انسپکٹر وحید نے کہا اور دو ماتحتوں کو لے کر تحقیقات کے لئے روانہ ہو گیا۔

سب سے پہلے وہ اس پل پر پہنچا تھا جہاں سے لاشیں دریافت ہوئی تھیں۔ جھگیوں میں رہنے والوں کے ایک بار پھر بیانات لئے اور پھر سب انسپکٹر وحید دائیں کنارے پر بڑی بڑی کوٹھیوں اور نالے کے درمیان تنگ سی جگہ پر چلنے لگا۔

تقریباً" نصف میل آگے اس نالے پر ایک اور پل تھا۔ اس پل میں بھی پانی میں بہہ کر آنے والی جھاڑیاں وغیرہ جمع تھیں۔ سب انسپکٹر وحید کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا۔ پھر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تینوں لاشیں اس پل سے آگے کسی جگہ سے نالے میں پھینکی گئی تھیں۔ اگر اس پل سے پہلے پھینکی گئی ہوتیں تو آگے جانے کے بجائے اسی جگہ پر پھنس جاتیں۔

سب انسپکٹر نے سرے والی کوٹھی سے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ وہ چھ کوٹھیوں کو چیک کر چکا تھا۔ ان کوٹھیوں کے مکینوں میں سے کسی نے گزشتہ رات فائرنگ کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ ہی کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی۔

اس وقت وہ ساتویں کوٹھی کی بیل بجا رہا تھا۔ گیٹ کے ساتھ پتھر پر فاروق احمد راجپوت کے نام کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ اس کوٹھی کا ایک گیٹ مین روڈ کی طرف تھا اور دوسرا اس گلی میں جو گندے نالے تک چلی گئی تھی۔ اس کے سامنے والی کوٹھی کی صورتحال بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ان بڑی بڑی کوٹھیوں کے پچھواڑے گندے نالے کی طرف تھے۔

پہلی مرتبہ بیل بجانے پر کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے دوسری مرتبہ بٹن دبا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد برآمدے میں ایک حسین عورت دکھائی دی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی پھر برآمدہ سے اتر کر مٹکتی ہوئی گیٹ کی طرف آ گئی اور ذیلی دروازہ کھول دیا۔

"بسم اللہ۔۔۔۔ جی آیاں نوں۔" وہ سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ سب انسپکٹر وحید مسکرا دیا۔ وہ عورت نہیں تھی۔ اس کا تعلق تیسری جنس سے تھا۔ وہ پری چہرہ تھا۔

"یہاں فاروق احمد صاحب رہتے ہیں' کیا وہ گھر پر ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"صاحب تو گھر پر نہیں ہیں جی۔ میں بیگم صاحبہ کو بھیجتی ہوں۔" پری چہرہ نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر اندر چلا گیا۔

تقریباً" تین منٹ بعد رعنا باہر آئی۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا خوف تھا۔ اور وہ اپنی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

سب انسپکٹر وحید اس سے سوالات کرتا رہا اور رعنا رک رک کر جواب دیتی رہی۔ اس کے لہجے میں بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

انسپکٹر وحید تقریباً" دس منٹ تک اس سے سوالات کرتا رہا پھر شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ آگے والی کوٹھی کی بیل بجا رہا تھا۔

○○○

حاجی عبد اللہ کے لئے گندے نالے سے لاشوں کی دریافت والی خبر بم دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔

یہ خبر اسے صبح دس بجے کے قریب ملی تھی۔ دراصل پری چہرہ گھر کا سودا لینے کے لئے مارکیٹ گیا تھا۔ اس نے یہ خبر مارکیٹ ہی میں سنی تھی۔ اس کی فطرت میں تجسس تھا۔ تجسس تیسری جنس کا خاصا ہوتا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ اپنے آپ کو روک نہیں سکا تھا۔ وہ ایک آدمی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا گندے نالے کے پل پر پہنچ گیا۔

پل کے آس پاس بہت رش تھا۔ پولیس پہنچ چکی تھی اور دو پولیس والے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پری چہرہ لوگوں کو دھکے دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ایک پولیس والے نے

aazzamm@yahoo.com

اسے روکنا چاہا تو وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

"کیا ہے رے۔ اگر میں وہ لاشیں دیکھ لوں گی تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا۔"

"چل جا۔۔۔۔۔ جلدی سے دیکھ کر آ جا۔" کانسٹیبل بولا۔ "اگر ہمارے انچارج صاحب نے دیکھ لیا تو تجھے ہی لیجا کر حوالات میں بند کر دے گا۔"

"ارے وہ مجھے کیا بند کرے گا۔ میں ہی اسے بند کر دوں گی۔" پری چہرہ کولہے مٹکاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

تینوں لاشیں پل پر ساتھ ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کانسٹیبل بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ ان لاشوں کو دیکھ کر پری چہرہ کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا تھا۔ اس نے لاشوں کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی تینوں آدمی تھے جنہیں بارش والے روز حاجی اور اس کے ساتھی رسیوں سے باندھ کر لائے تھے۔

"ہائے اللہ!" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "مر گئے یہ۔۔۔۔۔"

"کیا تم سمجھتے ہو یہ زندہ ہیں اور یہاں لیٹے آرام کر رہے ہیں۔" پولیس کانسٹیبل نے اسے گھورا۔ "جانتے ہو انہیں۔ کون ہیں یہ؟"

"مم۔۔۔۔۔ مجھے کیا معلوم یہ کون ہیں۔" پری چہرہ ہکلا کر بولا۔ "مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ یہ مر گئے۔ انسان بھی کیا ہے۔ پانی کا بلبلہ۔"

"اچھا۔ اب باتیں نہ بنا اور بھاگ جا یہاں سے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

پری چہرہ نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی اور دوسرے ہاتھ سے گال پیٹتا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا واپس چلنے لگا۔ لوگ اسے چھیڑ رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو پری چہرہ ان کی ماں بہن ایک کر دیتا۔ مگر اس وقت وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کر گیا۔

سڑک پر آ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے دل میں عجیب سا خوف سما گیا تھا اور اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ اسے گھر پہنچنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے ٹوکری ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دی اور رعنا کی تلاش میں پہلے کچن میں جھانکا۔ اسے وہاں نہ پا کر وہ کمرے کی طرف لپکا۔

اتفاق سے اس وقت ہال کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ ورنہ اس کی بدحواسی اور چہرے کا خوف دیکھ کر ضرور چونکتا۔

رعنا کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ پری چہرہ نے ہینڈل گھمایا مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا تو اندر سے رعنا کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہو رعنا آپا۔ جلدی سے دروازہ کھول۔" پری چہرہ نے کہا۔ چند سیکنڈ بعد دروازے کی ناب ہٹنے اور ہینڈل گھومنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ چند انچ سے زیادہ نہیں کھلا تھا۔ رعنا دروازے کے پیچھے تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "رک جاؤ ذرا میں اس وقت کپڑے بدل رہی ہوں۔"

"ارے مجھ سے کیا پردہ رعنا آپا۔ مجھے اندر آنے دو۔ غضب ہو گیا۔ ان تینوں کی لاشیں ملی ہیں۔" پری چہرہ نے کہا اور ہاتھ سے دروازے پر دباؤ ڈالنے لگا۔

رعنا نے پیچھے ہٹتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور پری چہرہ کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے لاک کی ناب چڑھا دی۔

"کیا ہوا۔ کن کی لاشیں ملی ہیں؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے پری چہرہ کی طرف دیکھا۔

"ارے وہی تینوں۔ جنہیں یہ لوگ بارش والے دن رسیوں سے باندھ کر لائے تھے۔" پری چہرہ نے بتایا۔

رعنا کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس کا دل اس شدت سے دھڑک اٹھا جیسے ہڈیوں کا پنجر توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر دل کی دھڑکن پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تت۔۔۔۔ تمہیں کیسے پتا چلا۔۔۔۔۔ کہاں سے ملی ہیں وہ لاشیں؟" رعنا نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"ادھر آگے۔ گندے نالے کے پل میں پھنسی ہوئی تھیں۔ پولیس نے وہ لاشیں نالے سے نکال لی ہیں۔" پری چہرہ نے بتایا۔

"وہی تھے یا کوئی اور؟" رعنا نے پوچھا۔

"وہی تینوں تھے۔ میں نے قریب سے ان کی لاشیں دیکھی ہیں۔" پری چہرہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "یہ حاجی اور اس کے ساتھی بہت خطرناک لوگ ہیں۔ انہیں جلدی سے نکال دو یہاں سے۔"

"یہ تو تم نے بڑی خوفناک خبر سنائی ہے۔" رعنا قمیض پہنتے ہوئے بولی۔ "تم نے کسی کو بتایا تو نہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟"

"نہیں رعنا آپا۔ میں اتنی بیوقوف تو نہیں ہوں۔" پری چہرہ نے کہا۔ "اگر میں بتا دیتی تو پولیس والے مجھے ہی پکڑ کر لے جاتے۔"

aazzamm@yahoo.com

"تم نے پہلی بار زندگی میں عقل سے کام لیا ہے۔ یہاں بھی ابھی زبان بند ہی رکھنا۔ فاروق اس وقت دفتر گئے ہوئے ہیں۔ میں فون کر کے انہیں بلاتی ہوں۔"

رعنا نے اپنے کپڑے درست کئے۔ بالوں میں کنگھا کیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ پری چہرہ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

رب نواز اور عرفان اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے سگریٹ پھونک رہے تھے۔ وہ جس روز سے یہاں آئے تھے ان میں سے کوئی بھی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ گھر سے باہر نکلنا تو کجا وہ تو کبھی برآمدے میں نہیں آئے تھے۔

رعنا ٹیلی فون کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئی اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھی ہوئی ٹوکری سے چیزیں نکال نکال کر دیکھنے لگی۔ گوشت اور سبزی وغیرہ تھی۔ پری چہرہ بھی قریب کھڑا کن انکھیوں سے عرفان اور رب نواز کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوے پری چہرہ۔" عرفان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یار چائے تو پلا دو۔ بہت پیاس لگ رہی ہے۔"

"پیاس لگ رہی ہے تو ٹھنڈا پانی پیو۔ چائے سے پیاس تو نہیں بجھتی۔" پری چہرہ نے کہا۔

"پیاس تو پانی سے بھی نہیں بجھتی۔" عرفان نے ہنستے ہوئے معنی خیز نظروں سے رعنا کی طرف دیکھا۔ "جب سے یہاں آئے ہیں پیاس بڑھتی جا رہی ہے۔ اچھا تم چائے تو بنا کر لاؤ۔"

"تھوڑی دیر بعد بناؤں گی چائے۔ ابھی نہیں ملے گی۔" پری چہرہ نے کہا۔

"یار بنا دو نا۔۔۔۔۔ بہت دل چاہ رہا ہے۔" عرفان بولا۔

"بنا دو نا انہیں چائے۔ کیوں بحث کر رہے ہو۔" رعنا نے پری چہرہ کو گھورتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"وہ اپنے پاجی اور دلاور سے بھی پوچھ لو۔ میں دوبارہ نہیں بناؤں گی۔" پری چہرہ نے کہا۔

"اوئے۔ کیا کہا تم نے۔" عرفان کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "اگر حاجی صاحب نے سن لیا تو تمہاری گردن اڑا دیں گے۔"

"میں نے کیا کہا ہے تمہارے حاجی کو۔" پری چہرہ بولا۔ "پاجی تو کہا ہے۔ بڑے بھائی کو پاجی کہتے ہیں۔"

"بنا لے۔" عرفان بولا۔ "ان کے لئے بھی بنا لے۔ چل جلدی کر۔"

پری چہرہ انہیں گھورتا ہوا کچن میں گھس گیا۔ رعنا میز کے پاس کھڑی ٹوکری میں سے چیزیں نکال کر ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ عرفان اسے گھور رہا ہے۔ یہ بات

اس نے پچھلے دو دن سے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ وہ جب بھی عرفان کے سامنے آتی وہ اسے عجیب سی نظروں سے گھورنے لگتا۔ کبھی موقع پا کر وہ ایک آدھ چبھتا ہوا ذومعنی جملہ بھی کہہ دیتا تھا اور اس وقت بھی اس نے کچھ ایسے ہی الفاظ کہے تھے کہ وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ان لوگوں کے سامنے بہت کم آتی تھی۔ اس کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزرتا تھا۔ جب حاجی وغیرہ یہاں آئے تھے تو اس نے بڑے شوق سے ان کے لئے کھانے وغیرہ تیار کئے تھے لیکن اب اس نے گھر کا سارا کام پری چہرہ پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ لوگ پری چہرہ کو بھی چھیڑتے رہتے تھے اور پری چہرہ بھی ان سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا۔

رعنا اپنے شوہر فاروق کو فون کرنے کے لئے اپنے کمرے سے نکلی تھی لیکن ان دونوں کو یہاں بیٹھے دیکھ کر اس نے فون کرنے کا ارادہ بدل دیا۔ کچھ دیر میز کے پاس کھڑی رہی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ فاروق احمد صبح آٹھ بجے کے قریب دفتر گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ بارہ بجے تک واپس آ جائے گا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ فاروق جلدی واپس آ جائے۔

"یہ تازہ صورتحال نہایت سنگین تھی۔ اس رات وہ جان گئی تھی کہ ان تینوں کو تہہ خانے میں قتل کر دیا گیا تھا اور ان کی لاشیں بھی اس کے سامنے ہی تہہ خانے سے نکال کر کوٹھی کے عقب میں گندے نالے میں پھینک دی گئی تھیں اور اب وہ لاشیں مل گئی تھیں۔ رعنا تو یہ سوچ کر ہی کانپ رہی تھی کہ اگر پولیس ان لاشوں کے بارے میں تحقیقات کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی تو حاجی وغیرہ تو شاید فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں لیکن وہ لوگ دھر لئے جائیں گے۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب فاروق آ گیا۔ وہ شاید کچھ دیر ہال کمرے میں رکا تھا پھر رعنا کے کمرے میں آ گیا۔ رعنا اس وقت بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ گئی اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

"کیا بات ہے رعنا۔" فاروق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"تم کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہی ہو۔ کوئی گڑبڑ؟"

"یہی پریشانی کیا کم تھی کہ حاجی جیسے خطرناک لوگ ہمارے گھر موجود ہیں۔" رعنا بولی۔ "نئی پریشانی یہ ہے کہ وہ تینوں لاشیں پولیس کو مل گئی ہیں۔"

"کیا۔۔۔۔؟" فاروق احمد اچھل پڑا۔ "تمہیں کس نے بتایا؟"

"پری چہرہ نے۔" رعنا نے جواب دیا۔ "وہ لاشیں دیکھ کر آیا ہے۔"

"کیا حاجی وغیرہ کو پتہ چل گیا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی نہیں۔ میں نے پری چہرہ کو منع کر دیا تھا کہ آپ کے آنے سے پہلے انہیں نہ

aazzamm@yahoo.com

بتائے۔" رعنا نے کہا۔

"میں ابھی حاجی سے بات کرتا ہوں۔" فاروق بولا۔ "اس شخص کی وجہ سے ہم عجیب مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ اگر پولیس یہاں تک پہنچ گئی تو ہم ہی قتل کے الزام میں دھر لئے جائیں گے۔"

"خدا کے لئے انہیں یہاں سے نکالو۔" رعنا بولی۔ "اس طرح بات کرو کہ یہ لوگ خود ہی یہاں سے دفعان ہو جائیں۔ ان کی وجہ سے تو ہر وقت میری جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔"

"دیکھو۔ میں حاجی سے بات کرتا ہوں۔" فاروق کہتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

عرفان اور رب نواز اب بھی ہال ہی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاروق حاجی والے کمرے میں آ گیا۔ حاجی بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور دلاور اس کے پیر دبا رہا تھا۔

"بڑا غضب ہو گیا حاجی صاحب۔" فاروق بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آج کل میں ہر قسم کی بری خبریں سننے کے لئے تیار ہوں' نئی خبر کیا ہے؟" حاجی نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"نئی خبر یہ ہے کہ پولیس کو ان تینوں کی لاشیں یہاں سے چند گز آگے نالے کے پرانے پل میں پھنسی ہوئی مل گئی ہیں۔" فاروق نے بتایا۔

"کیا۔۔۔۔۔؟" حاجی اچھل کر بیٹھ گیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"صبح پری چہرہ سودا لینے کے لئے گیا تھا تو اسے پتا چلا تھا۔ اس نے لاشیں بھی دیکھی تھیں۔ اس نے رعنا کو بتا دیا تھا اور رعنا میرے انتظار میں خاموش بیٹھی رہی تھی۔"

یہ خبر حاجی کے لئے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے پری چہرہ کو بلایا اور اس سے تفصیل معلوم کرنے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔

"تم نے کسی کو کچھ بتایا تو نہیں کہ وہ کون ہیں۔"

"میں تمہاری طرح بیوقوف تو نہیں ہوں۔" پری چہرہ نے تڑ سے جواب دیا۔

حاجی اچھل پڑا۔ "اوئے۔ مجھے بے وقوف کہتا ہے جس نے ساری دنیا کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔ زبان سنبھال کر بات کیا کر مجھ سے ورنہ زبان کھینچ لوں گا۔"

"دنیا کو مٹھی میں لے رکھا ہے!" پری چہرہ طنزیہ انداز میں ہنس دیا۔ "خود تو چھپ کر یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اتنا بہادر ہے تو جا کر پولیس کو بتا دے نا کہ وہ تینوں کون تھے اور تم انہیں رسیوں میں باندھ کر کہاں سے لائے تھے۔"

"بند کر زبان اپنی۔' حاجی غرایا۔ "اور دفع ہو جا یہاں سے اور سنو۔ تم اب کوٹھی سے باہر

نہیں نکلو گے۔"

"آئے ہائے۔" پری چہرہ مخصوص لہجے میں بولا۔ "میں نے کیا جرم کیا ہے جو چھپ کر بیٹھ رہوں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

آوازیں سن کر عرفان اور رب نواز بھی اندر آ گئے تھے۔ حاجی ان پر برس پڑا۔ وہ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"دیکھا۔ دیکھ لیا تم نے۔۔۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ انہیں تہ خانے کا فرش کھود کر دفن کر دو۔ مگر تم نے ہی کہا تھا کہ لاشوں کو نالے میں پھینک دیں۔ وہ پانی میں بہتی ہوئی دور چلی جائیں گی۔ مگر وہ تینوں لاشیں پل میں پھنس گئیں۔ اب پولیس نالے کے ساتھ ساتھ کوٹھیوں میں آ کر تحقیق ضرور کرے گی۔ اگر پولیس یہاں آ گئی تو کیا کرو گے؟"

"ہمیں کیا معلوم تھا حاجی جی کہ لاشیں پل میں پھنس جائیں گی۔" عرفان نے کہا۔ "مگر آپ فکر نہ کریں جی۔ پولیس یہاں آ بھی گئی تو وہ آپ تک یا ہم تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

"اب یہ جگہ ہمارے لئے خطرناک ہو گئی ہے۔" حاجی بولا۔ "ایک طرف پولیس اور دوسری طرف کم بخت ثمینہ اور شارق۔۔۔۔۔ پولیس اگر اپنے طور پر یہاں تک نہ بھی پہنچی تو ان کی طرف سے خطرہ موجود ہے۔ وہ کم بخت کسی بھی وقت پولیس کو یہاں ہماری موجودگی کی اطلاع دے سکتے ہیں۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ ثمینہ اور شارق بہت اصول پرست ہیں۔ وہ پولیس کو ہمارے بارے میں نہیں بتائیں گے۔" عرفان نے کہا۔

"اوئے کسی کے دین ایمان کا کوئی بھروسہ نہیں۔" حاجی بولا۔ "محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ اگر وہ پولیس کو اطلاع دے بھی دیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"تو اب کیا کیا جائے حاجی جی۔" عرفان بولا۔

"تم رب نواز کو لے کر شادی پور چلے جاؤ۔ وہاں کرامت سے مل کر کہو کہ یہاں اگر گڑبڑ ہوئی تو ہو سکتا ہے ہم آج رات ہی اس کے پاس آ جائیں۔ ہمارے لئے سارا بندوبست کر کے رکھے۔" حاجی نے کہا۔

"ٹھیک ہے جی۔ ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔" عرفان نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کوٹھی سے نکل گئے۔ اتفاق سے کوٹھی سے نکلتے ہی انہیں ایک رکشہ مل گیا۔ رکشہ سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا اور ڈرائیور پچھلی سیٹ پر ٹانگیں پسارے بیٹھا ہوا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

ادھر کوٹھی میں حاجی فاروق احمد سے بحث کر رہا تھا۔ فاروق اس بات پر خوف زدہ تھا کہ اگر پولیس اس کوٹھی تک پہنچ گئی تو وہ بھی مارے جائیں گے۔

"یہ تو تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا کہ ہم جیسے لوگوں سے دوستی بعض اوقات کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔" حاجی نے کہا۔ "لیکن اس وقت تو تمہارے ذہن میں کچھ اور تھا۔ حاجی سونے کی چڑیا تھا۔ مجھ سے لمبی لمبی رقمیں لیتے ہوئے تم نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ رقمیں تمہارے گلے کا پھندا بھی بن سکتی ہیں اور جب میں نے تمہاری بیوی کو ڈائمنڈ کا سیٹ دیا تھا تو تم دونوں کتنے خوش تھے اور اب کیوں مرے جا رہے ہو۔ مجھ سے دوستی کی ہے تو جگرا بھی رکھو۔ بزدل مت بنو۔ کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔"

میں تو بزدل نہیں ہوں حاجی صاحب لیکن رعنا۔ آپ جانتے ہیں عورتوں کا دل کتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ ڈر رہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اوئے ثمینہ بھی تو عورت ہے۔" حاجی بولا۔ "اسے دیکھو۔ اس نے ساری دنیا کو نچا رکھا ہے۔ اپنی بیوی کو سمجھاؤ۔ کچھ نہیں ہو گا اسے۔"

"میرا خیال ہے رعنا اور پری چہرہ کو گاؤں بھیج دوں۔" فاروق بولا۔

"بالکل نہیں۔" حاجی کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "گاؤں جا کر وہ دونوں اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکیں گے اور تمہارا یہ جو کھسرا ہے نا۔ اس سے مجھے زیادہ ڈر لگتا ہے۔ یہ قوم بڑی خطرناک ہوتی ہے جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا باہر جانا کم کر دو۔ اور تم ڈرو مت۔ حاجی اپنے وفاداروں کو فراموش نہیں کرتا۔ یہ گڑبڑ ختم ہو لینے دو میں تمہیں اتنا کچھ دوں گا کہ ساری تکلیفیں بھول جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے حاجی جی۔" فاروق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "وہی کروں گا جو آپ کہتے ہیں۔"

وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ رعنا بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا کہتا ہے وہ؟" رعنا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آج رات کو یہاں سے چلے جائیں گے۔" فاروق نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "عرفان اور رب نواز شادی پور گئے ہیں کسی اور جگہ کا انتظام کرنے کے لئے۔ خدا کرے ان کا بندوبست ہو جائے تو یہ لوگ آج ہی رات یہاں سے چلے جائیں۔"

"اب تم گھر پر ہی رہنا۔ کہیں جانا مت۔" رعنا اٹھتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں کیوں مجھے ان لوگوں سے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔ عرفان تو کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورتا رہتا ہے۔"

فاروق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رعنا یہ شکایت پہلے بھی کر چکی تھی اور وہ اس سلسلے میں

خاصا پریشان تھا۔ ایک مرتبہ تو اس نے سوچا بھی تھا کہ حاجی سے شکایت کرے لیکن پھر خاموش ہی رہا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد رعنا پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ پری چہرہ کام میں مصروف رہا۔

پانچ بجے کے قریب کال بیل کی آواز سنائی دی۔ پری چہرہ اس وقت ہال میں اکیلا تھا۔ بیل کی آواز سن کر وہ باہر نکل آیا۔ گیٹ کھول کر جیسے ہی پولیس والوں پر نظر پڑی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ سب انسپکٹر سے مختصر سی بات کرنے کے بعد وہ اندر آ گیا۔

کال بیل کی آواز سن کر حاجی اور فاروق ہال کمرے میں آ گئے تھے۔ پری چہرہ نے پولیس کے بارے میں بتایا تو حاجی جلدی سے بولا۔

"تم باہر نہیں جاؤ گے۔ رعنا کو بھیجو۔"

فاروق ایک لمحہ کو الجھن میں مبتلا رہا پھر کمرے میں آ گیا اور رعنا کو پولیس کے بارے میں بتانے لگا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" فارق نے کہا۔ "وہ شاید ان لاشوں کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہیں۔ مختصر بات کرنا اور اپنے حواس پر قابو رکھنا۔"

پولیس کا سن کر رعنا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے میں اسے ایک منٹ لگا اور پھر وہ گیٹ پر آ گئی۔

وہ تقریباً" دس منٹ تک پولیس آفیسر سے باتیں کرتی رہی اس کے دل پر عجیب سی کیفیت طاری تھی اور وہ بہت مختلط انداز میں پولیس آفیسر کے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔

رعنا نے اندر آ کر سب کچھ بتا دیا۔ حاجی کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی تھی۔

"چلو۔۔۔۔ بلا ٹلی۔" وہ بڑبڑایا۔

"پولیس والے آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتے حاجی صاحب۔" فاروق نے کہا۔ "وہ اس طرح آسانی سے تحقیقات ختم نہیں کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ دوبارہ آئیں اور اگر انہیں شبہ ہو گیا تو وہ کوٹھی کے اندر بھی آ سکتے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" حاجی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حاجی مطمئن ہو گیا تھا لیکن فاروق کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر

aazzamm@yahoo.com

سرگوشیوں میں رعنا سے باتیں کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ آج رات یہاں سے چلے جائیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر نہ گئے تو ہم کل صبح یہ کوٹھی چھوڑ دیں گے۔ آج رات تم اپنے تمام زیور، نقدی اور دوسری قیمتی چیزیں ایک چھوٹے سوٹ کیس میں رکھ لینا۔ کل کسی وقت موقع ملتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"کیا باقی سب کچھ یہیں چھوڑ دیں گے۔" رعنا بولی۔ "اتنا قیمتی ساز و سامان اور یہ کوٹھی۔۔۔۔۔ ہم نے یہ سب کچھ بنانے میں کتنی محنت کی تھی۔ یہ سب کچھ ہمیں چھوڑنا پڑے گا۔"

"جان سے زیادہ قیمتی تو کوئی چیز نہیں ہوتی۔" فاروق بولا۔ "حالات بہتر ہوئے اور قسمت نے ساتھ دیا تو یہ سب کچھ دوبارہ بن جائے گا۔"

"کیا یہ لوگ ہمیں یہاں سے نکلنے دیں گے؟" رعنا بولی۔

"تم اپنا سوٹ کیس تیار کر لینا۔ رات ہی کو موقع پا کر میں سوٹ کیس کار کی ڈگی میں رکھ دوں گا۔ کل دن میں کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جائے گا۔ پری چہرہ کو ابھی یہ بات مت بتانا۔"

"ٹھیک ہے۔" رعنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عرفان اور رب نواز دوپہر کے کھانے سے پہلے گئے تھے۔ ان کی واپسی شام چھ بجے ہوئی تھی۔ وہ دونوں آتے ہی حاجی کے کمرے میں گھس گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا تھا۔ حاجی نے فاروق احمد کو بلا لیا۔

"تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" حاجی نے کہا۔ "ہم آٹھ بجے کے قریب یہاں سے چلے جائیں گے اور اگر مناسب سمجھو تو تم لوگ بھی کوٹھی کو تالا لگا کر دو چار دن کے لئے کہیں چلے جاؤ تاکہ پولیس دوبارہ ادھر آئے تو تم لوگوں سے سامنا نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے حاجی جی۔" فاروق نے جواب دیا۔ "ہم صبح ہی گاؤں چلے جائیں گے۔"

فاروق نے رعنا کو بتایا تو اس کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ لیکن اسے مکمل اطمینان اسی وقت ہو سکتا تھا جب یہ لوگ یہاں سے چلے جاتے۔"

چھ بجے کے قریب حاجی نے مقصود کو فون کر دیا کہ وہ ٹھیک آٹھ بجے گاڑی لے کر پہنچ جائے۔

گاڑی ٹھیک آٹھ بجے پہنچ گئی تھی۔ وہی پجیرو تھی۔ حاجی وغیرہ کے بیٹھنے کے بعد جب پجیرو رخصت ہو گئی تو فاروق اور رعنا نے اطمینان کا سانس لیا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے عرفان نے

عجیب سی نظروں سے رعنا کی طرف دیکھا۔ مگر اس وقت رعنا کو ان پُر ہوس نظروں کی پروا نہیں تھی کیونکہ اب اسے یقین تھا کہ وہ واپس نہیں آئے گا۔

نو بجے کے قریب ان لوگوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کے کچھ ہی دیر بعد کوٹھی کے پیچھے نالے کی طرف سے کچھ آوازیں سن کر وہ چونک گئے۔ فاروق کمرے سے نکل کر باہر آ گیا اور عقبی دیوار کے قریب رک کر آوازیں سننے لگا۔ اور پھر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

دیوار کے دوسری طرف باتوں سے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ پولیس والے تھے۔ جو اس وقت بھی غالباً ٹارچوں کی روشنی میں نالے اور کوٹھیوں کے درمیان کچھ جگہوں کا معائنہ کرتے پھر رہے تھے۔

"ادھر کی دو تین کوٹھیاں مشکوک ہیں۔" ایک آواز سنائی دی۔ "صبح سب سے پہلے انہی کو چیک کیا جائے گا۔ صبح ایک بار پھر ہمیں یہاں بھی آنا پڑے گا۔ تاکہ دن کی روشنی میں اس جگہ کا اچھی طرح معائنہ کیا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "اب واپس چلیں۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا ہے۔"

"چلو۔۔۔۔۔" یہ وہی پہلی آواز تھی۔ "باقی کام صبح دیکھا جائے گا۔"

فاروق احمد کانپ اٹھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا۔ گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" رعنا نے پوچھا۔

"پولیس۔" فاروق احمد نے کہا۔ آواز اس کے حلق میں اٹک رہی تھی۔ "پولیس والے اس وقت بھی نالے کے کنارے پر کوئی سراغ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی نظروں میں ہماری کوٹھی مشکوک ہے۔ اس وقت وہ لوگ واپس جا رہے ہیں۔ صبح پھر آئیں گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جب عرفان اور رب نواز وغیرہ لاشیں تہ خانے سے نکال کر لے گئے تھے تو ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ خون کے قطرے کوٹھی کے اندر قالین پر بھی گرے تھے اور باہر صحن میں بھی۔ ہو سکتا ہے کہ دیوار کے دوسری طرف بھی ایسے کوئی نشانات موجود ہوں۔ اگر صبح پولیس کو وہ نشان مل گئے تو ہم دونوں کو پھانسی کے پھندے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ وہ کم بخت تو چلے گئے اور ہمارے لئے مصیبتیں کھڑی کر گئے۔"

"اب کیا کیا جائے؟" رعنا نے کہا۔ اس کے لہجے میں بھی ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔

"ہمیں صبح کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔" فاروق احمد نے کہا۔ "فی الحال ہماری بھلائی اسی میں

aazzamm@yahoo.com

ہے کہ ہم فوری طور پر یہاں سے نکل جائیں۔"

"کہاں جائیں گے؟" رعنا بولی۔

"گاؤں۔ بھائی جلال کے پاس۔" فاروق نے جواب دیا۔ "تم ایسا کرو تیاری شروع کرو۔ تمام زیور نقدی اور قیمتی چیزیں پیک کر لو۔۔۔۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپسی ہو گی۔ میرے واپس آتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ میں پری چہرہ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ ہمارے آنے تک تم تیاری مکمل کر لو۔"

"کہاں جا رہے ہو؟" رعنا نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چوہدری۔" فاروق نے جواب دیا۔ "کوشش کروں گا کہ جلدی واپس آ جاؤں۔ تم تیاری شروع کر دو۔"

فاروق کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے پری چہرہ کو ساتھ لیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ رعنا نے باہر کا گیٹ بند کر دیا اور کمرے میں آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر اس نے تیاری شروع کر دی۔ الماری کھول کر تمام اچھے کپڑے پلنگ پر ڈال دیئے۔ الماری کے نچلے حصے کی تجوری کھولی اور زیورات کے ڈبے نکال کر بیڈ پر رکھنے لگی۔ قیمتی زیورات کے کئی سیٹ تھے ان میں ڈائمنڈ کا وہ سیٹ بھی تھا جو اسے حاجی نے دیا تھا۔ اس نے تمام زیورات کے کئی سیٹ تھے۔ ان میں ڈائمنڈ کا وہ سیٹ بھی تھا جو اسے حاجی نے دیا تھا۔ اس نے تمام زیورات ڈبوں سے نکال لئے اور انہیں شیشے کے ایک خوبصورت صندوقچے میں رکھ کر تجوری میں سے نوٹوں کے بنڈل نکالنے لگی۔ ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو والے نوٹوں کے کئی بنڈل تھے۔ وہ تجوری میں سے پرائز بانڈ والے بنڈل نکال رہی تھی کہ باہر کی طرف آہٹ سن کر چونک گئی۔

اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانکنے کی کوشش کی مگر باہر کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا۔ چند لمحوں بعد آہٹ دوبارہ سنائی دی۔ وہ کمرے سے نکل کر ہال میں سے گزرتی ہوئی برآمدے میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ حیرت کی بات تھی کہ اس وقت اسے کسی قسم کا ڈر یا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا حالانکہ صورتحال نہایت سنگین اور تکلیف دہ تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حاجی وغیرہ کے جانے کے بعد وہ اپنے آپ کو اپنے گھر میں محفوظ سمجھتی تھی۔ پولیس کا خوف اس لئے نہیں تھا کہ ان کی باتوں سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صبح سے پہلے یہاں نہیں آئیں گے اور کسی اور طرف سے ڈر خوف نہیں تھا۔ وہ کئی سال سے اس کوٹھی میں رہائش پذیر تھی۔ بیسیوں مرتبہ اکیلی رہی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی اور اس نے کبھی کسی قسم کا ڈر خوف محسوس نہیں کیا تھا اور اب بھی اس کے دل میں کسی قسم کا ڈر خوف نہیں تھا۔

اس نے بوٹ ہٹا کر دروازہ کا ایک پٹ ذرا سا کھول دیا اور باہر جھانکتے ہوئے بولی۔ "کون ہے؟" لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دروازہ کچھ اور کھول کر باہر جھانکا۔ برآمدے کا بلب بجھا ہوا تھا اور باہر تاریکی تھی۔ وہ چند لمحے تاریکی میں گھورتی رہی پھر پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنا ہی چاہتی تھی کہ دائیں طرف سے آہٹ سنائی دی اور باہر سے کسی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔

دروازے کا پٹ رعنا کی پیشانی پر لگا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتی دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ رعنا نے سنبھل کر دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

عرفان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبے پھل والا چاقو تھا اور آنکھوں میں بڑی خوفناک چمک تھی۔ رعنا سر تا پا لرز اٹھی۔ اس نے چیخنا چاہا مگر عرفان نے بڑی تیزی س آگے بڑھ کر اسے اس طرح دبوچ لیا کہ اس کا ایک ہاتھ رعنا کے منہ پر تھا اور چاقو کی نوک اس کے سینے پر۔

"اگر تم نے چیخنے کی کوشش کی تو چاقو تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔" عرفان کے لہجے میں بھیڑیئے کی سی غراہٹ تھی۔ وہ اسے الٹے پیر گھسیٹتا ہوا اس کے بیڈ روم میں لے آیا۔ رعنا اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے مچل رہی تھی۔

کمرے میں بیڈ پر زیورات اور نوٹوں کے بنڈل دیکھ کر عرفان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"بھاگنے کی تیاری ہو رہی ہے۔" عرفان نے کہا اور رعنا کو دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ "اگر تم نے منہ سے آواز نکالنے کی کوشش کی تو تمہارے اس خوبصورت جسم کی بوٹیاں کر دوں گا۔"

"تت۔۔۔۔ تم یہاں کیوں آئے ہو۔" وہ ہکلائی۔

"میں جب سے یہاں آیا ہوں تمہارے حسن نے مجھے پاگل کر رکھا ہے۔ یہاں رہتے ہوئے تو مجھے تمہیں ہاتھ لگانے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں سے جاتے ہوئے میں حاجی سے بہانہ کر کے گاڑی سے اتر گیا۔ تمہارے اس خوبصورت بدن سے فیض یاب ہوئے بغیر میں کیسے جا سکتا تھا۔ میں باہر چھپا کھڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تمہارا کھسم باہر ضرور جائے گا۔ اگر وہ باہر نہ بھی جاتا تو کچھ دیر بعد میں اندر آ ہی جاتا۔ اور مجھے اپنا مطلب پورا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ نہ صرف تمہارا کھسم بلکہ وہ کھسرا بھی اس کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اب میں ہوں اور تم ہو۔ میں جس کام سے آیا ہوں وہ تو کر کے ہی جاؤں گا۔ اگر تم مجھ سے تعاون کرو گی تو

aazzamm@yahoo.com

بڑی اچھی بات ہو گی۔ بصورت دیگر۔۔۔۔ یہ چاقو دیکھ رہی ہو۔۔۔۔ تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"نہیں نہیں۔" رعنا کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "خدا کے لئے مجھے کچھ مت کہو۔ یہ۔ سب کچھ لے جاؤ اور مجھے چھوڑ دو۔"

"یہ سب کچھ تو میں لے ہی جاؤں گا مگر تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔" عرفان معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

"خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔" رعنا گھگھیائی۔

"رحم کرنا تو ہم نے سیکھا ہی نہیں۔" عرفان بولا۔ "اگر رحم جیسی چیز سے آشنا ہوتا تو حاجی جیسے بھیڑیئے کے ساتھ نہ ہوتا۔"

وہ مزید آگے بڑھا۔ رعنا نے اٹھ کر ایک طرف چھلانگ لگانی چاہی مگر عرفان نے اسے پکڑ کر پھر بیڈ پر گرا دیا۔ رعنا نے پھر اٹھنے کی کوشش کی۔ عرفان نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ رعنا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

عرفان نے ادھر ادھر دیکھا۔ بیڈ پر کپڑے بھی بکھرے ہوئے تھے۔ عرفان نے ایک دوپٹہ اٹھا لیا اور رعنا کے منہ پر اس طرح دوپٹہ باندھنے لگا جیسے گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے۔

رعنا بری طرح مچل رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر عرفان اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس نے نہ صرف اس کے منہ پر دوپٹہ باندھ دیا بلکہ اسے اس طرح دبوچ لیا کہ مزاحمت کے باوجود رعنا اپنے آپ کو اس کی گرفت سے نہیں نکال سکی۔

رعنا اپنے آپ کو بچانے کے لئے بری طرح ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ اس کے منہ سے خرخراہٹ کی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ مگر عرفان اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

رعنا چند منٹ سے زیادہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ وہ پر کٹی چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

ان کی دھینگا مشتی میں زیورات والا شیشے کا صندوقچہ نیچے گر گیا تھا۔ شیشہ ٹوٹا نہیں تھا لیکن ڈھکنا کھل جانے سے کچھ زیورات قالین پر بکھر گئے تھے۔ وہ نیچے جھک کر زیورات سمیٹنے لگا۔ اس دوران رعنا نے اپنے منہ پر بندھا ہوا دوپٹہ ہٹا دیا اور اٹھ کر چیختی ہوئی دروازے کی طرف دوڑی۔ عرفان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کی طرف لپکا اور اسے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی دبوچ لیا۔ وہ رعنا کو گھسیٹتا ہوا بیڈ پر لے آیا۔ چاقو بیڈ پر ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ اس نے چاقو والا ہاتھ بلند کیا۔ رعنا کی آنکھیں خوف سے پھٹنے لگیں۔ اس نے چاقو کے وار سے بچنے کے لئے ایک طرف

ہٹنا چاہا مگر عرفان نے اسے ایک گھٹنے کے دباؤ سے بھی بے بس کر رکھا تھا۔

چاقو پوری قوت سے رعنا کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس کی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ بری طرح تڑپنے لگی۔ عرفان نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سینے اور پیٹ پر چاقو کے وار کرتا رہا۔ رعنا کے زخموں سے بہنے والا خون بیڈ پر اور ادھر ادھر پھیلتا رہا۔ عرفان کے لباس پر بھی خون کے چھینٹے پڑے تھے۔

بالآخر وہ رعنا کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ چاقو اس کے سینے میں ہی پیوست رہنے دیا۔ رعنا کے منہ سے اب کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک تڑپی اور پھر بے حس و حرکت ہو گئی۔

عرفان نے ادھر ادھر دیکھا۔ کھلی ہوئی الماری میں فاروق احمد کے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور فاروق احمد کی ایک پینٹ شرٹ الماری سے نکال کر پہن لیا۔ پھر اس نے تمام زیورات اور نوٹوں کے بنڈل ایک کپڑے میں ڈال کر پوٹلی بنائی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے کپڑے وہیں چھوڑ دیئے تھے۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ بعد میں اسے کپڑوں کی وجہ سے شناخت کر لیا جائے گا۔

وہ ایک ہاتھ میں پوٹلی لئے گیٹ کھول کر باہر آ گیا اور اطمینان سے چلتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ سڑک پر رکا نہیں۔ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ کچھ ہی دیر بعد ریلوے سٹیشن کی طرف جانے والی بس مل گئی اور وہ بس میں سوار ہو گیا۔

فاروق کی واپسی بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ گیٹ کھلا دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا۔ اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے رعنا کو دو تین آوازیں دیں مگر جواب نہ پا کر تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ پری چہرہ بھی اس کے پیچھے تھا۔

برآمدے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فاروق احمد رعنا کو پکارتا ہوا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا۔ اور پھر دروازے میں پہلا قدم رکھتے ہی اندر کا منظر دیکھ کر اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

○

شارق کو رات پھر نیند نہیں آئی تھی اور ثمینہ بھی جاگتی رہی تھی۔ ایس پی الطاف علی سے ملاقات کے بعد جب وہ گھر پہنچے تو ایک بجنے والا تھا۔ شاہ پری، رضیہ اور طفیل ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

"بہت دیر کر دی تم لوگوں نے۔" شاہ پری انہیں دیکھتے ہی بولی۔ "ہم تو پریشان ہو رہے تھے بلکہ ہم تو یہ پروگرام بنا رہے تھے کہ مزید ایک گھنٹہ تک تم لوگ نہ آئے تو ہم لوگ تلاش میں

aazzamm@yahoo.com

نکلیں گے۔"

"ہماری تلاش میں کہاں جاتے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایس پی الطاف علی کے گھر کا پتا معلوم کیا جا سکتا تھا۔" شاہ پری نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر یہ پتا چل جاتا کہ تم لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو ہم الطاف علی کے گھر والوں کو یرغمال بنا لیتے۔ پھر دیکھتے کہ وہ تمہیں کیسے نہیں چھوڑتا۔"

"ایس پی الطاف علی فرض شناس اور ذمہ دار آفیسر ہے۔ میں نے اسی لئے اس کا انتخاب کیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اس سے مجھے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ ایک ذہین آفیسر ہے۔ معاملات سے نمٹنا جانتا ہے۔"

"نولکھا کہاں ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"وہ اسلحہ کے گودام کی نشاندہی کے لئے ایس پی کے ساتھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے صبح تک واپس آ جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"اگر اسے بند کر دیا گیا تو؟" رضیہ بولی۔ "میرا مطلب ہے ایسا نہ ہو کہ اسے یرغمال بنا کر ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت سب سے زیادہ مطلوب میں ہوں۔ اگر وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتا تو مکمل تیاری کر کے آتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس نے ثمینہ کو پولیس سے بچایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو ثمینہ کے لئے یا ہم سب کے لئے مسئلہ پیدا ہو سکتا تھا۔"

شارق چند لمحے خاموش رہا پھر اسے بتانے لگا کہ کس طرح ثمینہ پولیس کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی تھی اور یہ بھی غنیمت تھا اس پر پولیس آفیسر نے ثمینہ کو پہچانا نہیں تھا ورنہ الجھن پیدا ہو جاتی۔

وہ لوگ تین بجے تک باتیں کرتے رہے۔ شاہ پری وغیرہ کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ لوگ سونے کی تیاری کرنے لگے۔ شارق اٹھ کر اوپر والے ٹیرس میں آ گیا اور کرسی پر بیٹھ کر صورتحال کا جائزہ لینے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ جب حاجی کے اسلحہ کے گودام پر چھاپہ پڑے گا تو حاجی کی کیا حالت ہو گی۔

کچھ دیر بعد ثمینہ بھی اوپر آ گئی اور وہ دونوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔

گزشتہ دنوں کی بارشوں اور آسمان پر بادلوں کی وجہ سے موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ وہ لوگ

جس جگہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے سڑک بھی نظر آ رہی تھی۔ وہ بار بار سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ رات بیت گئی۔ دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ سامنے سڑک پر کچھ آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔

چھ بجے کے قریب ایک رکشہ گلی کے موڑ پر رکا اور نولکھا کو رکشے سے اترتے دیکھ کر ان دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ نولکھا رکشہ سے اتر کر چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور جب رکشہ مڑ کر واپس چلا گیا تو وہ بھی آگے چلنے لگا۔

ثمینہ نیچے آ گئی اور اس نے نولکھا کے بیل بجانے سے پہلے ہی دروازہ کھول دیا اور اسے لے کر اوپر آ گئی۔ نولکھا بھی ان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا رہا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "ایس پی الطاف علی مجھے لے کر پہلے تھانے پہنچا اور وہاں سے اپنے دفتر لے گیا۔ دفتر میں بیٹھ کر وہ بعض اعلیٰ افسروں کو ٹیلی فون کرتا رہا۔ پھر مجھے ساتھ لے کر ڈی آئی جی کے دفتر پہنچ گیا۔ تین بجے وہاں ڈی آئی جی کے علاوہ چند اور اعلیٰ افسران بھی جمع ہو گئے۔ مجھے دوسرے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک میٹنگ کرتے رہے۔ پھر ایس پی الطاف علی نے مجھے بتایا کہ فوری طور پر اڈے پر چھاپہ مارنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کارروائی کل یعنی آج رات کی جائے گی اور اس کارروائی کے بارے میں میٹنگ میں شریک افسروں کے علاوہ کسی کو ہوا نہیں لگنے دی جائے گی۔ ایس پی الطاف علی نے مجھے آج رات آٹھ بجے اپنے دفتر آنے کو کہا ہے۔"

"اوہ۔" شارق بولا۔ "کیا الطاف علی نے اپنے افسروں کو تمہارے بارے میں بتایا تھا۔"

"ہاں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "اس نے ڈی آئی جی کے سامنے مجھے بھی پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ اسلحہ کے اڈے کے بارے میں اطلاع شارق نے دی تھی اور یہ شارق کا خاص آدمی ہے۔"

"پھر۔۔۔؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پھر کیا؟" نولکھا بولا۔ "ڈی آئی جی صاحب نصیحتیں کرنے لگے کہ بہت خون خرابہ ہو چکا۔ اب ہم لوگ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیں۔ ہماری فراہم کردہ اطلاعات کی بدولت ہمیں کچھ رعایت مل جائے گی۔"

"اور میں جانتا ہوں کہ وہ رعایت کیسی ہو گی۔" شارق نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اب نیند آ رہی ہے چلو۔ تم لوگ بھی سو جاؤ۔"

aazzamm@yahoo.com

شارق صبح نو بجے کے قریب اٹھ گیا۔ نولکھا وغیرہ بھی جاگ گئے تھے لیکن ثمینہ ابھی تک اوپر والے کمرے میں سو رہی تھی۔ رضیہ نے شارق کے لئے ناشتہ بنا دیا اور ثمینہ کو جگانے کے لئے اوپر چلی گئی۔

"طفیل کہاں ہے۔ سو رہا ہے کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گیا ہوں آج کا دن باہر رہ کر رکشہ چلاتے ہوئے گزاروں گا۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"کہیں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔" شارق بولا۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "وہ رکشہ ڈرائیور ہے۔ اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ برا نہ مانو تو میں یہ کہوں گا کہ وہ تم سے زیادہ چالاک ہے۔ اطمینان رکھو۔ وہ کوئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"ہاں۔ چالاک تو وہ ہے۔" شارق نے کہا۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ کچھ دیر بعد ثمینہ بھی اوپر سے آ گئی۔ رضیہ نے اس کے لئے بھی ناشتہ بنا دیا۔

"آؤ یار۔ تاش کی بازی ہو جائے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے تو مجھ پر بھی بوریت طاری ہونے لگی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھ گئے۔ شاہ پری کو تاش کا کوئی کھیل نہیں آتا تھا۔ نولکھا نے شارق کو اپنا ساتھی بنا لیا۔ ثمینہ اور رضیہ پارٹنر بن گئیں۔

دو بجے کے قریب ایک رکشہ دروازے کے سامنے رکا اس کے تھوڑی ہی دیر بعد کال بیل کی آواز سنائی دی۔ شاہ پری نے جا کر دروازہ کھولا۔

وہ طفیل تھا۔ اس کا چہرہ اس طرح تمتما رہا تھا جیسے بہت بڑا معرکہ سر کر کے آیا ہو۔

"کیا بات ہے بہت خوش ہو۔" شاہ پری نے پوچھا۔

"بات ہی ایسی ہے بہن شاہ پری۔" طفیل نے کہا۔ "میں نے آج حاجی کے ایک نئے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا ہے۔ آؤ۔۔۔۔ اندر چل کر سب کے سامنے تفصیل بتاتا ہوں۔"

وہ دونوں اندر آ گئے۔ شارق وغیرہ نے تاش کے پتے پھینک دیئے۔

"تم صبح سے کہاں غائب تھے بھئی؟" شارق نے اسے گھورا۔

"بڑی گرما گرم خبر لایا ہوں شارق باؤ۔" طفیل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے حاجی کے نئے ٹھکانے کا پتا لگا لیا ہے جہاں وہ آج کل میں منتقل ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟" شارق نے اسے گھورا۔

"شارق بھائی بات یہ ہے کہ آج میرا دل رکشہ چلانے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا ساتھ ہی کوئی کام بھی ہو جائے۔" طفیل کہہ رہا تھا۔ "میں گیارہ بجے کے قریب فاروق کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا اور رکشہ ایک درخت کے نیچے کھڑا کر کے پچھلی سیٹ پر آرام کرنے لگا۔ میں یہ سوچ کر وہاں رکا تھا کہ یہ دیکھ سکوں کہ اس کوٹھی میں کون کون لوگ آتے ہیں۔ اتفاق سے تھوڑی ہی دیر بعد کوٹھی سے دو آدمی نکلے۔ ان میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ حاجی کا خاص بندہ عرفان تھا۔ اس کے ساتھی کا نام بعد میں معلوم ہوا کہ رب نواز ہے۔

انہوں نے مجھے شادی پور چلنے کو کہا۔ پہلے میں نے سوچا کہ انکار کر دوں۔ پھر انہیں رکشے پر بٹھا ہی لیا۔ شادی پور کے مین روڈ پر انہوں نے پٹھوں کی ایک دکان کے سامنے رکشہ رکوایا اور مجھے انتظار کرنے کو کہا۔

وہ بہت بڑا احاطہ ہے۔ سامنے پٹھوں کی دکان ہے اور پہلے بڑا لمبا چوڑا رقبہ ہے جہاں کئی کمرے بنے ہوئے ہیں۔ میں بھی رکشے سے اتر آیا اور نلکے سے پانی لے کر پینے لگا۔ عرفان نے دکان پر بیٹھے ہوئے آدمی کو کرامت کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آج رات آٹھ بجے کے بعد اس کے ہاں پروہنے آنے والے ہیں۔ وہ ان کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست کر رکھے۔ وہ لوگ کئی دن رہیں گے۔

عرفان اور رب نواز دوبارہ رکشے پر بیٹھ گئے اور مجھے باغبانپورہ چلنے کو کہا۔ میں نے انہیں باغبانپورہ میں مدینہ چوک پر چھوڑا تھا۔ ان کے اتر جانے کے بعد میں کچھ دیر گھاس منڈی کے سٹاپ پر رکا اور پھر یہاں آ گیا۔ مجھے ان کے پروگرام کا پتا چل گیا تھا۔ اس لئے میں نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"یہ تو تم نے واقعی بہت بڑا کام کیا ہے۔" طفیل کے خاموش ہونے پر شارق نے کہا۔ "اب فاروق کی کوٹھی کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔"

"اب لعنت بھیجو جی فاروق احمد کی کوٹھی پر۔" طفیل نے کہا۔ "اپنا مطلب پورا ہو گیا۔ اب اس طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"رکشے میں سفر کے دوران ان کی باتوں سے کچھ اندازہ لگایا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ لوگ زیادہ دیر تک ایک عورت کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔" طفیل نے جواب دیا۔ "رعنا نام ہے اس کا اور میرا خیال ہے وہ فاروق احمد کی بیوی ہے۔ اس کے بارے میں عرفان کی نیت کچھ اچھی نہیں لگتی۔"

aazzamm@yahoo.com

"رکشہ کہاں سے لیا تھا اور واپس کب کرنا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اپنا ایک پرانا جاننے والا ہے۔ اس سے لیا تھا۔ شام آٹھ بجے تک کی بکنگ ہے۔" طفیل نے بتایا۔

"تم اسے جا کر بتا دو کہ رکشہ آج شام کو نہیں کل ملے گا۔ کل کے پیسے بھی دے دینا۔ آج شام کو میں رکشہ چلاؤں گا۔" شارق نے کہا۔

"بتا دوں گا۔ پر اس وقت تو مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو نہیں ملے گا رضیہ بی بی۔" اس نے آخری الفاظ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"کھانا تو تیار ہے۔" رضیہ کے بجائے شاہ پری نے جواب دیا۔ "یہ لوگ تاش چھوڑیں تو میں کھانا میز پر لگاؤں۔"

"چلو بھئی لگاؤ کھانا۔ ہمیں بھی بھوک لگ رہی ہے۔" نولکھا کہتے ہوئے میز پر بکھرے ہوئے پتے سمیٹنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد کھانا لگ گیا۔ وہ لوگ کھانا کھاتے ہوئے بھی اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔

کھانا کھانے کے بعد شارق میں بیٹھے رہنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ رات بھر جاگا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹا تو فوراً ہی سو گیا۔

اس کی آنکھ شام چھ بجے کھلی تھی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے نئے مشن پر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے طفیل سے رکشہ اسی لئے رکھوا لیا تھا کہ وہ حاجی کے نئے اڈے کے اردگرد کا چکر لگانا چاہتا تھا۔

"نولکھا۔" وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم آٹھ بجے ایس پی کے دفتر پہنچ جانا۔ آج انہوں نے ریڈ کا پروگرام بنا لیا ہو گا۔ تم مکان کی نشاندہی کرتے ہی وہاں سے کھسک لینا۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" نولکھا بولا۔ "انہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ نولکھا کہاں غائب ہو گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا اور ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں جا رہا ہوں۔ واپسی میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔"

رکشہ کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں کھڑا تھا۔ شارق نے اس وقت رکشہ ڈرائیور جیسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ جس پر تیل وغیرہ کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اس نے انجن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے ہاتھوں پر بھی موبل آئیل کے دھبے لگا لئے۔ سر پر پٹکا بندھا ہوا تھا۔

گلی سے نکل کر سڑک پر آتے ہی اسے باغبانپورہ کی دو سواریاں مل گئیں اور پھر باغبانپورہ سے داروغہ والا تک کی بھی سواری مل گئی تھی۔ اگرچہ داروغہ والا موڑ پر بھی اسے رکشے کو شادی پور کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔

شادی پور کے شاپ سے تقریباً ایک فرلانگ پہلے کرامت کی دکان تلاش کرنے میں اسے دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس وقت اندھیرا پھیل گیا تھا۔ دکان کی پیشانی پر "چودھری کرامت ہوسن پٹھہ شاپ" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر بلب بھی جل رہا تھا۔ وہ فون نمبر دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی کہ حاجی نے شاید اس نئے ٹھکانے کا انتخاب اسی لئے کیا تھا کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔

چودھری کرامت کی اس پٹھہ شاپ کے ساتھ ہی ایک تنگ سی گلی تھی۔ شارق نے رکشہ اسی گلی میں موڑ دیا۔ دکان کے پچھلی طرف خاصی بڑی جگہ تھی۔ گلی والی دیوار خاصی اونچی تھی جو دور تک چلی گئی تھی۔ اس کے بعد دوسرے احاطے کی حد شروع ہو جاتی تھی۔ اس احاطے میں بھی گلی کے رخ پر خراد کی تین دکانیں تھیں۔ اور اس وقت تینوں دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔

شارق نے رکشہ واپس موڑ لیا۔ اس وقت پٹھوں سے لدی ہوئی ایک ٹریکٹر ٹرالی چودھری کرامت کی دکان کے سامنے رکی تھی اور دو آدمی پٹھوں کے گٹھے اتار کر نیچے پھینک رہے تھے۔ شارق نے رکشہ بائیں طرف گھما دیا اور تقریباً پچاس گز آگے چائے کی ایک دکان کے سامنے روک لیا اور لڑکے کو چائے کا کہہ کر رکشے کی پچھلی سیٹ پر پیر پھیلا کر بیٹھ گیا۔

اس وقت شام کے ساڑھے سات بجے تھے۔ رکشے پر بیٹھے چائے پیتے ہوئے شارق کرامت کی دکان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں چودھری کرامت ٹریکٹر ٹرالی سے چارے کے گٹھے اتروا رہا تھا۔

شارق جس جگہ پر موجود تھا وہاں سے ایک سڑک بجلی گھر کے علاقے کی طرف اور دوسری سرحدی گاؤں بھینی کی طرف جاتی تھی۔ اس چھوٹے سے چوک پر خاصی رونق تھی۔ بھینی کے راستے میں اور بھی بہت سے دیہات تھے۔ دن کے وقت تو تین چار بسیں اس طرف جاتی تھیں لیکن شام کے بعد ان بسوں کی تعداد کم ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھینی کی طرف جانے والی بس کافی دیر سے نہیں آئی تھی۔ موڑ پر لوگ جمع تھے۔ کچھ لوگ شارق کے پاس بھی آئے تھے اور اسے بھینی یا راستے کے کسی اور گاؤں چلنے کو کہا تھا لیکن شارق نے رکشہ ڈرائیوروں کے مخصوص انداز میں نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ دوسرے رکشہ والوں نے بھی جانے سے انکار ہی کیا تھا۔ شام کے بعد کوئی بھی رکشہ یا تانگے والا اس طرف نہیں جاتا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھی شارق رکشے پر اس طرح ٹانگیں پسارے بیٹھا رہا جیسے بہت تھکا ہوا

aazzamm@yahoo.com

ہو۔

نو بجنے والے تھے۔ ٹریکٹر ٹرالی جا چکی تھی۔ چودھری کرامت دکان پر ہی موجود تھا۔ اس کے ساتھ ایک نو عمر لڑکا بھی تھا جو گاہکوں کو پٹھے تول تول کر دے رہا تھا۔

سوا نو بجے کے قریب ایک پجیرو دکان کے سامنے رکی۔ چودھری کرامت فوراً ہی پجیرو کے پاس آ گیا۔ پجیرو سے تین آدمی اترے تھے۔ ان میں سے دو کو شارق نے پہچان لیا۔ ایک حاجی عبداللہ تھا دوسرا اس کا پرانا باڈی گارڈ دلاور۔ تیسرے کو وہ نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ تینوں پجیرو سے اتر کر فوراً ہی چارے کے گٹھوں کے درمیان ہوتے ہوئے دکان میں سے گزرتے ہوئے پچھلے حصے کی طرف چلے گئے۔ چودھری کرامت بھی ان کے ساتھ اندر چلا گیا تھا۔ پجیرو یو ٹرن لیتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد چودھری کرامت دوبارہ باہر آ گیا۔ اس نے ملازم لڑکے سے کچھ کہا اور وہ اپنا کام چھوڑ کر مخالف سمت میں دکانوں کی طرف چلا گیا۔

شارق نے رکشہ سٹارٹ کیا اور اسے ہلکی رفتار سے چلاتے ہوئے چودھری کرامت کی دکان کے سامنے روک لیا اور انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔

"دو کلو لوسن دیدو چودھری جی۔" وہ پیسے نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔

"دو کلو کیا کرنے ہیں جوان۔ روٹی کے سات کھانے ہیں۔" چودھری کرامت نے گویا مذاق کیا تھا۔

"یہ بھی بہت ہیں چودھری جی۔ میری بکری اتنے میں گزارہ کر لیتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

کرامت نے دو کلو پٹھے تول دیئے۔ شارق پیسے دیتے ہوئے بولا۔

"ایک ضروری ٹیلی فون کرنا ہے چودھری جی۔ پیسے لے لینا۔"

"ٹیلی فون اندر رکھا ہوا ہے اور میرے پروہنے آ گئے ہیں۔ تم سراج کے ہوٹل سے ٹیلی فون کر لو۔" چودھری نے کہا۔

شارق نے خریدے ہوئے پٹھے رکشے کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیئے اور رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد اس نے باغبانپورہ میں ایک پی سی او کے سامنے رکشا روکا اور اتر کر اندر داخل ہو گیا۔ اس پی سی او میں کئی ٹیلی فون تھے۔ دو پر لوگ بات کر رہے تھے۔ شارق نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے تیسرے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور چودھری کرامت والا نمبر ڈائل کر کے ٹیلی فون سیٹ سرکاتا ہوا کاؤنٹر کے آخری سرے پر چلا گیا۔ لائن ملنے میں

زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم دلاور بول رہے ہو۔" شارق نے دھیمی آواز میں کہا۔ "حاجی سے بات کراؤ۔"

"تم کون بول رہے ہو۔" دوری طرف سے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں حاجی کا پرانا دوست شارق بول رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اسے صرف اتنا بتا دو کہ میں نے اس کے اس نئے ٹھکانے کا پتا چلا لیا ہے حالانکہ اسے یہاں آئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوا ہو گا۔ اسے بتا دو کہ وہ میری نظروں سے چھپ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ میں دوبارہ بات کروں گا۔"

شارق نے فون بند کر دیا۔ وہ جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے باہر آ گیا۔

رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ حاجی کو اس کے فون کی اطلاع ملی ہو گی تو وہ ناچ کر رہ گیا ہو گا۔

اس کے بعد شارق کہیں نہیں رکا۔ حق نواز روڈ سے ہوتا ہوا گھر واپس آ گیا۔ اس وقت سوا دس بج رہے تھے۔

"تو لکھا گیا؟" اس نے ثمینہ سے سامنا ہوتے ہی پوچھا۔

"وہ تو ساڑھے سات بجے ہی چلا گیا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"طفیل۔ تم رکشہ واپس کر آؤ۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر ضرورت پڑی تو دوبارہ لے آئیں گے۔" شارق بولا۔

"رکشہ تو واپس کر آؤں لیکن وہ پٹھے کس کے کیلئے لائے ہو شارق باؤ۔" طفیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مل کر تھوڑے تھوڑے کھا لیں گے یار۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پٹھے کھاؤ گے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

شارق نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر اسے بتانے لگا کہ پٹھے اس نے کیوں خریدے تھے۔

"تم اتنا قریب چلے گئے تھے۔" ثمینہ بولی۔ "اگر تمہیں پہچان لیا جاتا تو زندہ واپس نہ آتے۔"

"پہچان لیا جاتا تب نا۔" شارق مسکرایا۔ "ویسے شارق ترنوالہ نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ مجھ

aazzamm@yahoo.com

پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں۔"

"لیکن پھر بھی احتیاط کا دامن تو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اچھا شارق باؤ۔ میں تو رکشہ واپس کرنے جا رہا ہوں۔" طفیل کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

شارق اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آ گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا اور چودھری کرامت والا نمبر ملانے لگا۔ اس مرتبہ بھی لائن ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ کال چودھری کرامت نے ریسیو کی تھی۔

"حاجی عبداللہ کو فون دو۔ میں اس کا دوست شارق بول رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حاجی عبد اللہ کی چنگھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم۔۔۔۔۔ تم حرام زادے۔۔۔۔۔"

"چیخو مت پاجی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے دیکھ لیا میں موت کے سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ تمہیں اسی طرح سہما سہما کر مار ڈالوں گا۔"

"تم میرے ہاتھ لگ جاؤ تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حاجی چیخا۔

"مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرو تو تمہارے ہاتھ لگوں گا نا۔" شارق نے کہا۔ "تم تو بزدلوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو اور میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ جب تم پجیرو سے چودھری کرامت کی دکان کے سامنے اتر رہے تھے تو میں اس وقت چند گز کے فاصلہ پر تھا۔ تم کہیں بھی چھپ جاؤ میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکو گے۔ ویسے تمہارے لئے میری ایک پیشکش ہے۔"

"بکو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔" حاجی دھاڑا۔

"اگر تم اپنے آپ کو سرنڈر کر دو تو میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔" شارق بولا۔

"بند کرو یہ بکواس۔" حاجی چیخا۔ "سرنڈر میں نہیں تم کرو گے۔ میں تمہیں کتے کی طرح اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کس کے پیر چاٹتا ہے۔ ویسے میرا وعدہ ہے کہ تمہارے کسی بھی خفیہ ٹھکانے کے بارے میں پولیس کو نہیں بتاؤں گا۔ تم سے جب بھی مقابلہ ہو گا براہ راست ہو گا۔ اور ہاں۔ میں نے کہا تھا کہ آج تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔ لیکن اب وہ خوشخبری آج نہیں کل سناؤں گا۔ میرے فون کا انتظار کرنا۔"

جواب میں حاجی نے کچھ کہنا چاہا مگر شارق نے فون بند کر دیا اور ثمینہ وغیرہ کو حاجی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ پھر رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تم لوگ کھانا کھا چکے ہو۔ مجھے تو بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"میں ابھی تمہارے لئے کھانا نکالتی ہوں۔" رضیہ کہتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

"دو بجے کے قریب نولکھا پہنچ گیا۔

"ہو گیا کام شارق باؤ۔" اس نے آتے ہی کہا۔ "پولیس نے رات گیارہ بجے ریڈ کیا تھا۔ بڑے بڑے افسران بھی موجود تھے۔ بڑا اسلحہ نکلا ہے بھئی وہاں سے۔ یہ سارا روسی اسلحہ ہے جو افغانستان سے لایا گیا تھا۔ پستولیں' کلاشنکوف' رائفلیں' لاکھوں کی تعداد میں گولیاں' راکٹ اور نجانے کیا کچھ بھرا ہوا تھا۔ اس گودام میں۔ وہ سب کچھ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔ سنا تھا کہ وزیر اور چیف منسٹر بھی اس اسلحہ کے معائنے کے لئے وہاں آنے والے ہیں۔ لیکن میں تو خاموشی سے کھسک لیا۔ وہ لوگ مجھے تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ نولکھا کدھر گیا۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے مقابلہ وغیرہ؟" شارق نے پوچھا۔

"وہاں چار آدمی تھے۔ انہوں نے مقابلے کی کوشش کی تھی۔ پولیس کی جوابی فائرنگ سے ایک مارا گیا اور باقی تین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بڑے منظم طریقہ سے چھاپہ مارا گیا تھا۔ ویسے ایک بات ہے شارق باؤ۔ اگر پولیس والے ٹھیک سے کام کریں نا تو کوئی بھی شخص جرم کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے کام کرنے کا ہی تو سارا مسئلہ ہے۔" شارق گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "پولیس کے ٹھیک سے کام کرنے کی روایت ہوتی تو آج میں اور تم بھی جرائم کی دلدل میں نہ پھنسے ہوتے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے حاجی کو یہ خوشخبری اسی وقت سنا دینی چاہئے۔"

"ہاں۔ لیکن یہ خوشخبری میں سناؤں گی۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے فون اپنی طرف سرکا لیا اور شارق سے معلوم کر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی تھی۔

"ہیلو۔" ایک خوابیدہ سی آواز سنائی دی۔

"حاجی کو فون دو۔" ثمینہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"کون بدتمیز ہو تم۔ حاجی جی سو رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اس سے کہو ثمینہ بات کر رہی ہے۔ میرا نام سنتے ہی اس کی نیند اڑ جائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ثمینہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہولڈ کرو۔"

اور پھر تقریباً" دو منٹ بعد حاجی کی آواز سنائی دی۔ مگر ثمینہ نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر بولنا شروع کر دیا۔

"حیرت کی بات ہے کہ ان حالات میں بھی تم آرام سے سو رہے ہو۔ شارق نے تم سے کہا تھا کہ وہ کل صبح تمہیں خوشخبری سنائے گا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں صبح تک انتظار میں رکھنے کے بجائے کیوں نہ ابھی وہ خوشخبری سنا دی جائے۔"

"بکتی رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" حاجی کی غراہٹ سنائی دی۔

"وہ جو تمہارا اسلحہ کا ڈپو ہے نا نمبر مارکیٹ والا۔" ثمینہ نے کہا۔ "وہ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔ تمہارا ایک آدمی مارا گیا ہے۔ تین نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور اسلحہ پر پولیس کا قبضہ ہے۔ ہے نا تمہارے لئے خوشی کی بات؟"

"کیا بکتی ہو تم؟" حاجی کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔

"اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو اپنے کسی آدمی کو فون کر کے تصدیق کر لو۔ بس اس وقت میں نے تمہیں یہی بتانا تھا۔ اگلی گفتگو تک اللہ حافظ۔"

حاجی دوسری طرف سے کچھ کہہ رہا تھا مگر ثمینہ نے فون بند کر دیا اور شارق وغیرہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"حاجی اس وقت اپنے بال نوچ رہا ہو گا۔ اسے اب رات بھر نیند نہیں آئے گی۔ مگر ہم اپنی نیند کیوں خراب کریں۔ میں تو سونے جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شاہ پری بھی اس کے ساتھ ہی آ گئی تھی وہ دونوں عام طور پر ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔

شارق ہال کمرے میں ہی صوفے پر دراز ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بھی سو چکا تھا۔

شارق کی آنکھ صبح سات بجے کھل گئی۔ رضیہ کے علاوہ سب لوگ سو رہے تھے اور رضیہ بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

"آج تو پورا اخبار سنسنی خیز خبروں سے بھرا ہوا ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لو۔ تم اخبار دیکھو۔ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

شارق نے اخبار لے لیا۔ ہیڈ لائن حاجی کے اسلحہ ڈپو کے بارے میں تھی۔ اس کے علاوہ اور خبریں چار چار کالمی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھیں۔

ایک خبر گلبرگ میں گندے نالے میں دریافت ہونے والی تین لاشوں کے بارے میں تھی۔ ان میں صرف اللہ دتہ نامی ایک شخص کی شناخت ہوئی تھی۔ وہ حاجی عبداللہ کا ملازم تھا۔

دوسری خبر شہر کے ایک رئیس فاروق احمد کی بیوی رعنا کے بہیمانہ قتل سے متعلق تھی۔ جسے آبروریزی کے بعد چاقو کے پے در پے وار کر کے بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا تھا۔

ان تین بڑی خبروں کے علاوہ فرنٹ پیج کی ساری خبریں حاجی عبداللہ سے متعلق تھیں۔

رضیہ چائے بنا کر لے آئی۔ شارق چائے پیتے ہوئے خبریں پڑھتا رہا۔ اس وقت وہ رعنا کے قتل کی خبر پڑھ رہا تھا۔ رعنا کے قتل کی اطلاع اس کے شوہر فاروق احمد نے پولیس کو دی تھی۔ جسے بعد میں پولیس نے حراست میں لے لیا تھا۔

فاروق احمد نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس کے مطابق حاجی عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کی کوٹھی پر آ گیا اور بتایا کہ وہ چند روز یہاں رہے گا۔ حاجی نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر کسی کو ان کی موجودگی کے بارے میں بتایا گیا تو ان دونوں میاں بیوی کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس دوران حاجی عبداللہ اپنے تین کارندوں کو باندھ کر لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بند روڈ والے ہیروئن کے اڈے کی تباہی ان کی غفلت کا نتیجہ تھی۔ وہ پہلے ان تینوں پر تہہ خانے میں تشدد کرتے رہے پھر انہیں قتل کر کے لاشیں کوٹھی کے عقبی گندے نالے میں پھینک دیں۔

گزشتہ رات آٹھ بجے حاجی اور اس کے ساتھی انہیں زبان بند رکھنے کی دھمکی دے کر چلے گئے تھے۔ فاروق بھی اپنے ملازم پری چہرہ کے ساتھ کسی کام سے چلا گیا اور تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس آیا تو کمرے میں بیڈ پر اس کی بیوی رعنا کی لاش پڑی تھی۔ ایک چاقو دستے تک اس کے سینے میں پیوست تھا۔ الماری کھلی ہوئی تھی اور سارا سامان بکھرا ہوا تھا۔ قاتل نقد رقم، انعامی بانڈز اور لاکھوں روپے کے زیورات لے گیا تھا۔

فاروق نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ قاتل نے بڑے اطمینان سے اپنا مشن پورا کیا تھا۔ اور اپنے خون آلود کپڑے اتار کر الماری میں سے اس کے کپڑے نکال کر پہن گیا تھا۔ اس نے قاتل کے کپڑے شناخت کر لئے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق حاجی عبداللہ کا ایک باڈی گارڈ عرفان اس روز یہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

اخبار حاجی کے حوالے سے خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ان تمام حالات و واقعات سے پولیس نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ فاروق احمد حاجی عبداللہ کا ایجنٹ تھا اور اس نے بخوشی حاجی عبداللہ کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ کیونکہ اس دوران وہ خود اس کی بیوی اور ملازم پری چہرہ آبادی سے باہر آتے جاتے تھے۔ ایک دو موقع پر تو وہ تینوں ہی اکٹھے گھر سے باہر گئے تھے۔ اگر حاجی عبداللہ نے انہیں کوئی دھمکی دی ہوتی تو وہ ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر پولیس کو اطلاع دے سکتے تھے۔

لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے حاجی اور اس کے

aazzamm@yahoo.com

ساتھیوں کو بخوشی اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ بہرحال پولیس نے فاروق احمد اور اس کے ملازم پری چہرہ کو شریکِ جرم قرار دے کر حراست میں لے لیا تھا۔

○

رات سوا دو بجے کے قریب ثمینہ سے ٹیلی فون پر بات ہونے کے بعد حاجی عبداللہ واقعی ناچ اٹھا تھا۔ نمبر مارکیٹ میں اس کا اسلحہ کا بہت بڑا گودام تھا۔ نمبر مارکیٹ کے پچھلی طرف وہ مکان آٹھ کمروں پر مشتمل تھا اور ہر کمرے میں اسلحہ کی پیٹیاں بھری ہوئی تھیں۔ پہلے یہ مکان ہیروئن کے اڈے کے طور پر استعمال ہوتا تھا لیکن پھر اسے اسلحہ کے ڈپو میں تبدیل کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو یہ ہوتا رہا تھا کہ جب کسی گاہک کو اسلحہ کی ضرورت ہوتی تو اس سے رقم وصول کر کے ڈپو کے نگران کے نام پرچی لکھ دی جاتی اور اسے فون پر بھی اطلاع دے دی جاتی۔ وہ گاہک رات کے اندھیرے میں وہاں جا کر اپنی مطلوبہ چیز حاصل کر لیتا۔ پرچی صرف ان گاہکوں کو دی جاتی جو قابلِ اعتماد ہوتے۔

تین مہینے پہلے حاجی کو اسلحہ کی ایک بہت بڑی کھیپ بہت کم قیمت پر مل گئی تھی۔ جس میں راکٹ' لائٹ مشین گنیں' ہینڈ گرنیڈ' رائفلیں' پستول اور لاکھوں کی تعداد میں گولیاں شامل تھیں۔ یہ سارا مال حاجی نے اس ڈپو کے لئے رکھوایا تھا اور یہ ڈپو دوسروں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔

حاجی کے صرف چند ہی ایسے آدمی تھے جنہیں اس ڈپو کے بارے میں معلوم تھا۔ ان میں سے بھی بیشتر کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ ڈپو بند کر دیا گیا ہے۔ اب کوئی ادھر کا رخ نہ کرے۔ یہ نئی کھیپ اس ڈپو میں لانے کے بعد تو سب لوگوں کو سختی سے اس طرف جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔

چار محافظ چوبیس گھنٹے اسلحہ کی حفاظت کے لئے وہاں موجود رہتے تھے۔ ان کے علاوہ صرف دو آدمی ایسے تھے جنہیں ڈپو میں اسلحہ کے اس انبار کے بارے معلوم تھا۔ ان میں ایک مقصود تھا اور دوسرا عرفان۔

اسلحہ کی یہ کھیپ تقریباً" دو مہینے سے اس گودام میں پڑی تھی۔ حاجی کسی ایسی پارٹی کی تلاش میں تھا جس سے پوری کھیپ کا سودا ہو سکے۔ لیکن ابھی تک اسے ایسی کوئی پارٹی نہیں ملی تھی۔ چھوٹے گاہک تو بہت تھے لیکن حاجی اس کھیپ کو ٹکڑوں میں نہیں بیچنا چاہتا تھا۔

اور پھر شارق سے کھٹ پٹ شروع ہو گئی۔ شارق نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا۔ لیکن کروڑوں ڈالر کا نقصان ہونے کے باوجود حاجی ابھی تک ڈٹا ہوا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ بینکوں میں مختلف ناموں سے اس کا خطیر سرمایہ موجود تھا۔ بیرونِ ممالک میں بھی اس کے کروڑوں ڈالر موجود تھے۔ اسے امید تھی کہ شارق سے

نمٹنے کے بعد وہ معاملات سنبھال لے گا۔ اسے پولیس سے زیادہ خوف نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ آج جو پولیس آفیسر اس کی گرفتاری کے لئے ہتھکڑیاں لئے پھرتے ہیں کل وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں گے۔

حاجی کو سب سے زیادہ خوف شارق اور ثمینہ سے تھا جو اسے پے در پے نقصان پہنچا رہے تھے اور وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا تھا اور دراصل شارق اور ثمینہ ہی کی وجہ سے پولیس بھی اس کے پیچھے لگی تھی۔ ان دونوں کا قصہ تمام ہو جائے تو پولیس سے پیچھا چھڑانا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔

اس وقت فون پر ثمینہ کی باتوں نے حاجی کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی ہی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

عرفان اور دلاور حاجی کے کمرے کے باہر برآمدے میں سو رہے تھے۔ حاجی کی آواز سن کر وہ بھی اٹھ گئے تھے اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ صورتحال کیا تھی۔

"اوئے عرفان۔۔۔۔" حاجی غراتے ہوئے بولا۔ "مقصود کا نمبر ملاؤ۔ جلدی کرو۔"

"حاجی جی۔ ہو سکتا ہے ثمینہ اور شارق نے آپ کو پریشان کرنے کے لئے فون پر یہ جھوٹی اطلاع دی ہو۔" عرفان نے کہا۔

"اوئے وہ جھوٹ نہیں بولتے۔" حاجی چیخا۔ "جو کچھ کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔ ایک تم لوگ ہو نامرد۔۔۔۔ آج تک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ نمبر ملاؤ مقصود کا۔۔۔۔"

عرفان نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور مقصود کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال کافی دیر بعد ریسیو کی گئی تھی۔ مقصود کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے بیدار ہوا ہے۔

"مقصود صاحب۔ میں عرفان بول رہا ہوں۔ حاجی صاحب سے بات کرو۔" عرفان نے کہا اور پھر ریسیور حاجی کی طرف بڑھا دیا۔

"اوئے مقصود۔" حاجی ماؤتھ پیس میں غرایا۔ "تم گھر میں پڑے آرام سے سو رہے ہو۔ کچھ معلوم ہے کیا ہو گیا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے پوچھا۔

"نمبر مارکیٹ والے گودام پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے۔ جا کر معلوم کرو اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے۔ مجھے فوراً" اطلاع دینا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" حاجی نے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا اور زخمی شیر کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔

چودھری کرامت بھی کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ حاجی

aazzamm@yahoo.com

کا پرانا ساتھی تھا۔ یہ بہت عرصے پہلے کی بات تھی۔ اس وقت حاجی عبد اللہ اتنا اوپر نہیں گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے لوگوں کے ساتھ مل کر ہیروئن کا کاروبار کیا کرتا تھا اور یہ کام بہت چھوٹے پیمانے پر تھا۔ ان دنوں چودھری کرامت بھی اس کے کاروبار میں شریک تھا۔

وہ دراصل پانچ چھ پارٹنر تھے۔ جو باری باری پشاور اور قبائلی علاقوں سے چوری چھپے تھوڑی تھوڑی ہیروئن لا کر حاجی کے حوالے کر دیتے اور حاجی انہیں ایسے لوگوں کو فروخت کر دیتا جو بڑے گروہوں کے لئے کام کرتے تھے۔

سارا کنٹرول حاجی کے ہاتھ میں تھا۔ بڑے سمگلروں سے بھی اس کے رابطے تھے۔ حاجی ایسے لوگوں سے اپنے تعلقات بڑھاتا گیا جو بعد میں اس کے بہت کام آئے۔ نئے لوگوں سے تعلقات استوار ہونے کے بعد حاجی اپنے پرانے ساتھیوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک ساتھی نے جب آنکھیں دکھانے کی کوشش کی تو حاجی نے اسے گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسرے خود ہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے۔

چودھری کرامت واحد آدمی تھا جس پر حاجی کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور سب سے زیادہ فائدہ بھی کرامت ہی نے اٹھایا تھا۔ اس نے ہیروئن کی کمائی سے بھینی کے قریب ڈیڑھ مربعہ زرعی زمین خرید لی۔ ایک اور جگہ زمین خرید کر اس نے اینٹوں کا بھٹہ لگا دیا۔ یہ چارے لوسن کی چھوٹی سی دکان بہت پرانی تھی۔ اس کو وہ آڑ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ پیسہ ہاتھ آیا تو اس نے آس پاس کے چار پانچ مکان خرید کر انہیں اپنے مکان میں شامل کر لیا۔ اس نے ساری تعمیر نئے سرے سے کرائی تھی۔ سامنے سڑک کے رخ پر تو دکان ہی رکھی تھی۔ پچھلی طرف بہت بڑا کمپاؤنڈ تھا اور اس کے پیچھے کئی کمروں پر مشتمل مکان تھا۔

بہت عرصہ پہلے وہ حاجی کے بزنس سے الگ ہو چکا تھا۔ لیکن ان میں تعلقات اب بھی تھے۔ کبھی کبھار ان میں ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ کرامت یہ بھی جانتا تھا کہ کچھ عرصہ سے حاجی عتاب کا شکار تھا۔ ایک طرف پولیس اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف شارق اور ثمینہ نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

کرامت شارق اور ثمینہ کو نہیں جانتا تھا۔ وہ اس کے بہت بعد حاجی کے گروہ میں آئے تھے۔ انہوں نے حاجی کے لئے بہت کام کیا تھا اور حاجی کو نقصان بھی بہت پہنچایا تھا۔

حاجی سے کرامت کی آخری ملاقات دو مہینے پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت شارق اور حاجی کے جھگڑوں کی ابتداء ہوئی تھی۔ حاجی نے اس وقت کہا تھا کہ شارق جیسا آدمی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ کسی بھی وقت اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہے۔ لیکن وہ چیونٹی کو نہیں

مسل سکا اور شارق اسے تباہی کی طرف دھکیلتا رہا۔

آج صبح عرفان اس کے پاس آیا تھا اور اسے پیغام دے گیا تھا کہ حاجی اس کے پاس آنے والا ہے۔ وہ چند روز یہاں رہے گا۔ کرامت انکار تو نہیں کر سکا تھا۔ اس کے کچھ راز اب بھی حاجی کے قبضے میں تھے۔ اگر حاجی اس کی مخالفت پر اتر آتا تو اسے تباہ کر سکتا تھا۔

چودھری کرامت کو پیغام ملنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس نے بیوی بچوں کو گاؤں بھیج دیا۔ اس نے اپنے ایک ملازم کو بھی گاؤں بھیج دیا تھا۔ وہ ملازم قابل اعتماد نہیں تھا۔ بہت بڑبولا تھا۔ اس کی موجودگی میں یہ اندیشہ رہتا کہ وہ کسی نہ کسی کو حاجی وغیرہ کے بارے میں بتا دے گا۔ اس لئے کرامت نے اسے گاؤں بھیج دیا تھا۔ صرف ایک لڑکے کو یہاں رکھا تھا جو حاجی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

حاجی اگرچہ بہت خفیہ طریقے سے یہاں آیا تھا لیکن اس کے آدھے گھنٹے بعد شارق نے حاجی کو فون کیا تھا۔ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ شارق کو یہاں حاجی کی موجودگی کا پتا کیسے چل گیا تھا اور اب رات کے پچھلے پہر ثمینہ نے فون کر کے حاجی کو ایک اور خبر سنائی تھی جس پر حاجی بھڑک اٹھا تھا۔

چودھری کرامت نے حاجی کو اپنے گھر میں پناہ تو دے دی تھی لیکن اب وہ خوفزدہ تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر شارق نے پولیس کو حاجی کے بارے میں بتا دیا تو پولیس یہاں ہلہ بولنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ حاجی تو ڈوب ہی رہا تھا لیکن اسے بھی اپنے ساتھ لے ڈوبے گا۔

"اوئے تمہاری جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔" حاجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "شارق کی دشمنی مجھ سے ہے۔ وہ مجھے ہی تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ تمہیں وہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"مگر حاجی صاحب۔ اگر اس نے پولیس کو یہاں آپ کی موجودگی کی اطلاع دے دی تو؟" چودھری کرامت بولا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" حاجی نے کہا۔ "اچھا جاؤ۔ تم چائے بنا کر لاؤ۔ تم نے بچوں کو بھی یہاں سے بھیج دیا ہے۔ سارے کام تمہیں خود ہی کرنے پڑیں گے۔"

"کام کی تو کوئی پرواہ نہیں حاجی صاحب۔" کرامت بولا۔ "اچھا میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چلا گیا۔ ساڑھے تین بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی۔ حاجی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ مقصود کی کال تھی۔

"خبر درست ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے بتایا۔ "وہ گودام پولیس کے قبضے میں ہے۔

aazzamm@yahoo.com

سینکڑوں پولیس والوں نے اس علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔"

"پولیس کو اس گودام کے بارے میں خبر شارق نے دی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گودام کے بارے میں شارق کو کیسے پتہ چلا۔" حاجی نے کہا۔

"شارق جس طرح کام کر رہا ہے اس کا اندازہ آپ کو ہو چکا ہے حاجی صاحب۔ لگتا ہے ہمارا کوئی بھی اڈا اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ بڑے بڑے اڈے تو وہ تباہ کر چکا ہے اب ایک ہی اڈا بچا ہے جہاں ہیروئن اور اسلحہ کی ایک بڑی کھیپ موجود ہے۔ اگر وہ اڈا بھی شارق کی نظروں میں آ گیا تو ہم مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے۔" مقصود نے کہا۔

"اپنے سارے آدمی اس اڈے کی حفاظت پر لگا دو۔" حاجی نے کہا۔ "اگر اس اڈے کا راز فاش ہوا تو میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور نمبر مارکیٹ والے اڈے پر پولیس کے ہاتھ کون کون آیا۔"

"اکو مارا گیا ہے۔ رحمت' بلا اور بکا پولیس کے ہتھے چڑھ گئے ہیں اور ظاہر ہے پولیس ان سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔" مقصود نے بتایا۔

"ختم کر دو انہیں۔" حاجی چیخا۔ "جیسے بھی ہو انہیں ختم کر دو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے جواب دیا۔ "یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ گودام آپ کا تھا۔ پولیس اب ان سے یہی معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ دوسرے اڈے کہاں ہیں۔ یا آپ کے بارے میں اور آپ کے قریبی ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔ آپ کے بارے میں وہ نہیں بتا سکتے کہ آپ کہاں ہیں۔ میرے بارے میں جانتے ہیں اور میں نے خود بھی اپنا ٹھکانہ بدل لیا ہے۔ میں اس وقت لنڈا بازار والے مکان میں ہوں اور وہیں سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔"

"اور یہاں بھی ہیروئن رکھی ہوئی ہے۔" حاجی بولا۔

"جی ہاں۔ دس بارہ بوریاں ہیں۔ تھوڑا بہت اسلحہ بھی ہے اور میرے خیال میں یہ اڈا فی الحال سب سے زیادہ محفوظ ہے۔" مقصود نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔" حاجی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

چودھری کرامت چائے بنا کر لے آیا تھا۔ چائے پیتے ہوئے بھی وہ لوگ اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہے کہ شارق ان کے بارے میں معلومات کیسے حاصل کر لیتا ہے۔

تقریباً" چار بجے کے قریب عرفان وغیرہ باہر آ کر اپنی چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ حاجی کمرے میں کبھی بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگتا اور کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ شارق اس پر پے در پے وار کر رہا تھا اور وہ اب تک شارق اور ثمینہ کا سراغ تک نہیں لگا سکا تھا۔ شارق اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ کسی جگہ پر بھی وہ چار دن سے زیادہ نہیں ٹک سکا تھا۔ اور اسے حیرت تو اس بات پر تھی کہ شارق کو اس کے بارے میں کیسے پتا چل جاتا تھا۔ یہاں آنے کے صرف آدھے گھنٹے بعد اس نے فون کر دیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جب وہ لوگ کرامت کی دکان کے سامنے پجیرو سے اتر رہے تھے تو وہ چند گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ کیا شارق کو معلوم تھا کہ وہ یہاں آنے والا ہے۔ اسے یہ اطلاع کیسے ملی ہو گی۔ کیا کرامت نے بتایا ہو گا؟ نہیں' حاجی نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ شارق اور کرامت ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔ کرامت تو شارق کے آنے سے بہت پہلے اس کاروبار سے الگ ہو چکا تھا۔

عرفان اور رب نواز' کرامت کو بتانے کے لئے آئے تھے۔ عرفان بہت پرانا اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ البتہ رب نواز پر شبہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ گروہ میں سب سے نچلی سطح پر کام کر رہا تھا۔ حاجی کو نئے ٹھکانے کی ضرورت پڑی تو اس کے گھر آ گیا اس طرح رب نواز کو اس کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بارے میں حاجی نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کام کا آدمی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ حاجی سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ رب نواز کے بارے میں اس کا اندازہ غلط نکلا ہو اور رب نواز اس کے خلاف جاسوسی کر رہا ہو۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے حاجی نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ رب نواز پر نگاہ رکھے گا۔

رات گزر گئی۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ حاجی اس وقت بھی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور دماغ سلگ رہا تھا۔ وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

مشرقی افق پر سرخی یہ بتا رہی تھی کہ کچھ دیر میں سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اس نے برآمدے میں چارپائیوں پر سوئے ہوئے عرفان اور رب نواز کی طرف دیکھا۔ اور صحن میں نیم کے درخت کے نیچے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا سے اسے کسی قدر سکون ملا تھا۔

باہر دکان کی طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ کرامت دکان پر تھا۔ اس کا کاروبار صبح سویرے ہی شروع ہو جاتا تھا۔

حاجی کو نیم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ کرامت دکان کی طرف والے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ وہ حاجی کو دیکھ کر اس کی طرف آ گیا۔

"یہ اخبار پڑھو حاجی جی۔" کرامت اس کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اس وقت دکان

aazzamm@yahoo.com

پر گاہکوں کا رش ہے۔ میں تھوڑی دیر میں اندر آؤں گا۔"

کرامت واپس چلا گیا۔ حاجی اخبار دیکھنے لگا۔ سارا اخبار اس حوالے سے خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں گلبرگ میں نالے کے پل سے تین لاشوں کی دریافت اور فاروق احمد کی بیوی رعنا کے قتل کی خبر بھی تھی۔ رعنا کے قتل والی خبر پڑھتے ہوئے حاجی کے ذہن میں گردش کچھ اور تیز ہو گئی اور فاروق احمد نے اس قتل کا الزام عرفان پر لگایا تھا کیونکہ عرفان کے خون آلود کپڑے وہاں سے ملے تھے۔

حاجی کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ کل رات آٹھ بجے جب وہ لوگ فاروق کی کوٹھی سے روانہ ہوئے تھے گلبرگ نہر والے چوک پر عرفان پجیرو سے اتر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ضروری کام ہے۔ وہ تھوڑی دیر بعد کرامت کے ہاں پہنچ جائے گا اور جب وہ واپس آیا تھا تو اس کے جسم پر وہ لباس بھی نہیں تھا جو وہ پہنے ہوئے تھا۔ لیکن حاجی نے اس وقت اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی اور اب یہ خبر پڑھنے کے بعد ساری بات حاجی کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کے سینے میں لاوا سا کھولنے لگا تھا۔ اس نے چارپائی پر سوئے ہوئے عرفان کی طرف دیکھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عرفان کا گلہ گھونٹ دے لیکن وہ بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش پر قابو پا سکا تھا۔

حاجی دوسری خبریں پڑھتا رہا۔ اسلحہ کے گودام میں چھاپے والی خبر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اسلحہ کے اس اڈے کے بارے میں پولیس کے ایک افسر اعلیٰ کو اطلاع شارق نے دی تھی جو خود بھی کئی سنگین مقدمات میں پولیس کو مطلوب ہے اور اس اڈے کی نشاندہی شارق کے ایک قابل اعتماد ساتھی نولکھا نے کی تھی۔ وہ چھاپے کے وقت پولیس کے ساتھ تھا لیکن بعد میں پراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا۔

حاجی یہ خبر بھی پڑھ پڑھ کر تلملا رہا تھا۔ شارق ایک طرف اسے تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل رہا تھا اور دوسری طرف خود پولیس اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کر رہا تھا۔ اسی اخبار میں ڈی آئی جی کا یہ بیان بھی تھا کہ شارق اگر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے تو اس کے کیس پر ہمدردانہ غور ہو سکتا ہے۔

حاجی یہ سب کچھ پڑھتا رہا اور اس کا خون کھولتا رہا۔ سات بجے کے قریب دلاور اٹھ گیا۔

"آپ کب سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں حاجی جی۔" وہ قریب آ کر بولا۔ "سوئے نہیں کیا؟"

"اوئے میری تو رات ہی جاگتے ہوئے گزری ہے۔" حاجی نے غراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم چائے بنا کر لاؤ۔ میرا تو دماغ پھٹا جا رہا ہے۔"

دلاور فوراً ہی کچن کی طرف چلا گیا اور دس پندرہ منٹ میں چائے بنا کر لے آیا۔ تھوڑی دیر

بعد عرفان اور رب نواز بھی جاگ گئے تھے۔ حاجی خونخوار نظروں سے عرفان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوئے۔ پڑھ اوئے یہ پڑھ۔" حاجی اس کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے غرایا۔ "کل جو تم نے گل کھلایا ہے اس کی تفصیل پڑھ لے۔ اس کم بخت فاروق نے ہمارے خلاف بیان دیا ہے اور کہا ہے کہ میری گرفتاری کے لئے ہر ممکن تعاون کرے گا۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "تمہاری جوانی زیادہ جوش مار رہی تھی۔ صبر نہیں ہو سکتا تھا تم سے۔ پہلے میرے لئے مصیبتیں کم تھیں جو تو نے یہ نئی حرکت بھی کر ڈالی۔"

"بس غلطی ہو گئی حاجی جی۔" عرفان نے بے غیرتی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اخبار میں لکھا ہے کہ تم اس کے گھر سے زیور اور نقدی بھی لے گئے تھے۔ کہاں ہے وہ سب کچھ؟" حاجی نے اسے گھورا۔

"وہ سب کچھ میں نے ایک پوٹلی میں باندھا تھا جی۔ وہاں سے بھاگتے ہوئے وہ پوٹلی راستے ہی میں کہیں گر گئی تھی۔" عرفان نے جواب دیا۔

حاجی چند لمحے خونخوار نظروں سے اسے گھورتا رہا پھر رب نواز اور دلاور کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اسے اندر لے چلو۔ میں دیکھتا ہوں اس میں کتنی جوانی ہے۔" عرفان کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دیں حاجی جی۔" وہ گھگھیایا۔ "پہلی مرتبہ ایسی غلطی ہوئی ہے۔ آئندہ نہیں کروں گا۔"

"میں تمہیں آئندہ ایسی غلطی کرنے کے قابل چھوڑوں گا ہی نہیں۔" حاجی اٹھتے ہوئے بولا۔ "لے چلو اسے اندر۔"

دلاور اور رب نواز' عرفان کو بانہوں سے پکڑ کر کمرے میں لے آئے۔ حاجی نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

"یہ چیخے گا ضرور۔ اس کا منہ باندھ دو تاکہ آواز باہر نہ جائے۔" حاجی نے کہا۔

عرفان نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر حاجی سے معافی مانگتا رہا۔ دلاور نے چارپائی پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور سوالیہ نگاہوں سے حاجی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ چاقو نکالو اور ----" حاجی خاموش ہو کر معنی خیز نگاہوں سے عرفان کی ٹانگوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"سمجھ گیا جی۔" دلاور مسکرا دیا۔ اس نے رب نواز کو اشارہ کیا اور پھر ان دونوں نے مل کر

aazzamm@yahoo.com

عرفان کو اس طرح زمین پر گرا دیا جیسے بکرے کو ذبح کرنے کے لئے گرایا جاتا ہے۔ عرفان اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بری طرح مچل رہا تھا۔ حاجی نے اس کے سر پر زوردار ٹھوکر مار دی۔ عرفان کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی سی چنگاریاں ناچنے لگیں اور پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

اور عرفان کو جب ہوش آیا تو یہ دیکھ کر اس کی روح کانپ اٹھی کہ اسے مردانگی سے محروم کیا جا چکا تھا۔ ایک جراح بیٹھا اس کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔

"تمہارا انجام یہی ہونا چاہئے تھا۔" قریب کرسی پر بیٹھے ہوئے حاجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کی غلطیوں کی وجہ سے آج میں تباہی کے دھانے پر کھڑا ہوں۔ اب میں کسی کی کوئی غلطی معاف نہیں کروں گا۔"

دلاور، رب نواز اور چودھری کرامت خوفزدہ سے کھڑے تھے۔ عرفان کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ چودھری کرامت آدھا گھنٹہ پہلے اندر آیا تھا۔ اس کی دکانداری صبح اور شام کے وقت زیادہ ہوتی تھی۔ صبح تانگے ریڑے والے روزگار کی تلاش میں نکلتے تو گھوڑوں کے لئے دن بھر کا چارہ لے لیتے تھے۔

چودھری کرامت جب اندر آیا تو عرفان کا کام ہو چکا تھا۔ حاجی کے کہنے پر وہی کچی آبادی سے ایک جراح کو لے آیا تھا جو عرفان کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ جب وہ مرہم پٹی کر کے فارغ ہوا تو حاجی نے پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اپنی زبان بند رکھنا۔ اگر تم نے کسی سے اس کا ذکر کیا تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا اور روزانہ آ کر اس کی مرہم پٹی کر جایا کرو۔"

"میری زبان بند رہے گی جناب۔ آپ فکر نہ کریں۔" جراح نے پانچ سو کا نوٹ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا اور اپنی چیزیں سمیٹ کر چلا گیا۔

اسی رات دو بجے کے قریب جب سب لوگ سو رہے تھے تو عرفان اپنی چارپائی سے اٹھا اور ننگے پیروں دبے قدموں چلتا ہوا کمپاؤنڈ وال کے قریب پہنچ گیا۔ چلنے میں اسے خاصی تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ دانت بھینچے اس تکلیف کو برداشت کرتا رہا۔

عرفان کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی کی آنکھ کھل گئی تو وہ پکڑا جائے گا اور زندہ نہیں بچے گا۔ دیوار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ عام حالات میں وہ ایک سیکنڈ میں دیوار پر چڑھ سکتا تھا۔ لیکن تکلیف کی وجہ سے اسے دیوار پر چڑھنے اور دوسری طرف اترنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

طرف ایک رکشہ سٹارٹ ہونے کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ رکشہ سٹارٹ ہو کر ہلکی رفتار سے اس طرف آ رہا تھا۔ عرفان نے سڑک کے بیچ میں آ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

رکشہ رک گیا۔ عرفان پچھلی سیٹ پر تقریباً" گر گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی۔" رکشہ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر پوچھا۔

"تھانے۔۔۔۔ مجھے تھانے لے چلو۔" عرفان نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ رکشہ ڈرائیور چونک گیا۔ اس نے کچھ آگے جا کر رکشے کو بائیں طرف ایک گلی میں موڑ دیا۔

گلی بالکل سنسان پڑی تھی۔ رکشہ مختلف گلیوں سے ہوتا سک نہر کے قریبی مین روڈ پر نکل آیا۔ سک نہر سے آگے پولیس سٹیشن تھا۔ رکشہ پولیس سٹیشن کے سامنے رکنے کے بجائے سیدھا آگے بڑھ گیا تو عرفان سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"تھانہ پیچھے رہ گیا ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"تھانے سے زیادہ محفوظ جگہ پر۔" رکشہ ڈرائیور نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔ کون ہو تم؟" عرفان چونک گیا۔

"تمہارا دوست۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔ اس وقت رکشہ شالیمار باغ کے گیٹ کے سامنے سے گزر کر اگلے چوک میں پہنچ چکا تھا۔

ڈرائیور نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس جگہ روشنی تھی۔ عرفان ڈرائیور کی شکل دیکھ کر چونک گیا۔

"ش۔۔۔۔ شش۔۔۔۔ شارق۔۔۔۔ تم۔۔۔۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"ڈرو نہیں۔۔۔۔" شارق نے جواب دیا۔ "مجھے شبہ تھا کہ حاجی آج اس ٹھکانے سے بھی بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے میں شام کے بعد سے آس پاس گھومتا ہوا نگرانی کر رہا تھا۔ تم نے جب تھانے چلنے کو کہا تو میں سمجھ گیا کوئی گڑبڑ ہے۔ معاملہ کیا ہے۔ تم تو حاجی کے بہت وفادار تھے۔"

"اس نے مجھے۔۔۔۔" عرفان کراہا اور پھر اسے بتانے لگا کہ حاجی نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ "مم۔۔۔۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے میری نسل ختم کی ہے۔ میں اس کے خاندان کے ایک ایک مرد کو چن چن کر ختم کر دوں گا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" شارق بولا۔

"اچھا ہوا تم مجھے مل گئے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔" عرفان بولا۔

گھاس منڈی والے موڑ پر دو پولیس والے سڑک کے درمیان کھڑے رکشے کو رکنے کا اشارہ

aazzamm@yahoo.com

کر رہے تھے۔

"ذرا سنبھل کر بیٹھ جاؤ عرفان۔ آگے پولیس ہے۔" شارق بولا۔

"مجھے تیز بخار ہو رہا ہے۔ ان کو بتانا کہ تم میرے پڑوسی ہو اور مجھے لے کر ہسپتال جا رہے ہو۔" عرفان نے کہا۔

"فکر مت کرو۔" شارق بولا۔ "انہیں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ تم زخمی ہو۔ باقی معاملہ میں سنبھال لوں گا۔"

رکشہ قریب پہنچ رہا تھا۔ دونوں پولیس والے رائفلیں سنبھالے سڑک کے وسط میں کھڑے تھے۔ شارق چاہتا بھی تو بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر رکشہ روک لیا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ؟" شارق نے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اس کے قریب آگیا تھا۔ "آج یہ روک ٹوک کیسی ہو رہی ہے۔"

"تم کون ہو۔ اس وقت کہاں سے آ رہے ہو۔" کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"لو۔۔۔۔ کر لو بات۔۔۔۔" شارق ہنسا۔ "بڑے بھولے ہو سنتری بادشاہ ایک رکشے والے سے پوچھتے ہو تم کون ہو۔ رکشہ ڈرائیور تو رکشہ ڈرائیور ہی ہوتا ہے۔ اس کا تو کام ہی دن رات سڑکوں پر رکشہ چلانا ہے۔ کبھی یہاں کبھی ماڈل ٹاؤن' کبھی گلبرگ اور کبھی بھائی لوہاری اور کبھی ٹکسالی۔"

"بہت باتیں کرتے ہو۔ لائسنس ہے تمہارے پاس۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"لائسنس تو اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔" شارق نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔ "پر اس وقت میں کوئی کرائے کی سواری لے کر نہیں جا رہا۔"

"یہ کون ہے کہاں سے بٹھایا ہے اسے۔ اوئے۔ کون ہو تم؟" کانسٹیبل نے آخری الفاظ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"میں بتاتا ہوں سنتری بادشاہ۔ اس سے کیا پوچھتے ہو۔" شارق بولا۔ "یہ میرا ہمسایہ ہے۔ بڑا تیز بخار ہو رہا ہے میں اسے میو ہسپتال لے کر جا رہا ہوں۔ ہمسایوں کا بھی تو کوئی حق ہوتا ہے نا سنتری بادشاہ۔ اس کی حالت دیکھ کر میں جلدی میں گھر سے نکلا تھا اور لائسنس جیب میں رکھنا بھول گیا لو یہ رکھ لو۔ دونوں چائے پی لینا۔" اس نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوئے۔ اس کو تو واقعی تیز بخار ہے۔" کانسٹیبل نے عرفان کا ہاتھ چھوتے ہوئے کہا۔ "اسے جلدی لے جاؤ۔ کہیں ہمارے متھے نہ لگ جائے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے شارق کے ہاتھ

سے دس کا نوٹ لے لیا تھا۔

"بڑی مہربانی سنتری بادشاہ۔" شارق رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ "جیرے کا ہوٹل کھلا ہوا ہے۔ کہو تو میں وہاں چھوڑ دوں۔"

"ہم خود چلے جائیں گے۔ تم جاؤ۔" کانسٹیبل نے کہا۔

شارق رکشے کو حرکت میں لے آیا اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

اسے اپنے علاقے میں پہنچنے میں مزید پندرہ منٹ لگ گئے تھے لیکن اپنی گلی کی طرف موڑنے سے پہلے اس نے رکشہ روک لیا۔ گلی سے زبردست فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"تم یہیں میرا انتظار کرو عرفان۔ میں دیکھ کر آتا ہوں معاملہ کیا ہے۔" شارق بولا۔ "یہاں سے ہٹنے کی کوشش تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو گی۔ اس لئے میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔"

شارق قبرستان سے نکل کر تاریکی میں چھپتا ہوا اپنی گلی کی طرف آگیا اور اسے ایک بار پھر رک جانا پڑا۔

اس کے بنگلے والی سمت سے بڑی زبردست فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہو۔

شارق تاریکی میں دبکا کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر تاریکی کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے لباس میں چھپا ہوا پستول ہاتھ میں لے کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

○

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

فائرنگ کی آوازیں گلی کے آخری موڑ کے دائیں طرف سے آرہی تھیں۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کا مکان بائیں طرف تھا۔ پہلے تو یہی سمجھا تھا کہ پولیس نے نولکھا کا پیچھا کر کے ان کا ٹھکانہ معلوم کر لیا ہو گا اور موقع پا کر ان سب کو گرفتار کرنے کیلئے مکان پر ریڈ کر دیا تھا لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ ویسے اسے ایس پی سہیل سے کسی ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر حاجی کے خلاف اطلاعات فراہم کرنے کیلئے ایس پی سہیل کا انتخاب کیا تھا۔ سہیل ایک فرض شناس اور دیانتدار آفیسر تھا۔ اگر وہ بددیانت اور بدعہد ہوتا تو اس رات جب رنجیت سنگھ کی سمادھی کے قریب ان کی ملاقات ہوئی تھی وہ انہیں آسانی سے گرفتار کر سکتا تھا۔ اس رات شارق بھی تھا' ثمینہ بھی اور نولکھا بھی اور اتفاق سے پولیس کی موبائل آگئی تھی جس میں نصف درجن مسلح پولیس والے موجود تھے۔ یہ تینوں بھی اگرچہ مسلح تھے لیکن پولیس کی آٹو میٹک رائفلوں کے سامنے ان کے پستول بے معنی ہو کر رہ جاتے۔ یہ لوگ مزاحمت کرتے تو ان تینوں کو بھون دیا جاتا اور ایس پی سہیل کو بہت بڑا کریڈٹ ملتا اور یقینی طور پر اسے اگلے رینک پر ترقی بھی مل جاتی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اگلے روز نولکھا کی نشاندہی پر جب نمبر مارکیٹ والے اسلحہ ڈپو پر چھاپہ مارا گیا تو ڈی آئی جی کے ساتھ پریس کانفرنس میں ایس پی سہیل نے برملا یہ اعلان کیا تھا کہ اسلحہ کے اس ڈپو اور اس سے پہلے ہیروئن اور اسلحہ کے تمام اڈوں کی نشاندہی شارق اور ثمینہ نے کی تھی۔

شارق اور ثمینہ اگرچہ سنگین ترین جرائم میں ملوث تھے لیکن عام لوگوں کی ہمدردیاں شارق اور ثمینہ کے ساتھ تھیں۔ لوگ شارق کی ہسٹری بھی اخبارات میں پڑھ چکے تھے اور ان کے خیال میں شارق کو مجرم بنانے میں بھی پولیس ہی کا ہاتھ تھا۔ اگر جیل سے رہا ہونے کے بعد پولیس زیادتیاں نہ کرتی تو وہ ایک سیدھا سادا اور شریف شہری ہوتا لیکن پولیس نے اسے جرائم کے راستے پر دھکیل دیا اور شارق انتقامی کارروائیاں کرتے ہوئے جرائم کی دلدل میں دھنستا چلا گیا اور اب ایس پی کے بیان کے بعد تو شارق کو عام لوگوں کی مزید ہمدردیاں حاصل ہو گئی تھیں۔

شارق حاجی کے مزید خفیہ اڈوں کی تلاش میں تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح پتہ چل ہی جاتا تھا

کہ حاجی کہاں چھپا ہوا ہے۔ آج رات وہ اس کی نگرانی کیلئے ہی چودھری کرامت کے آس پاس موجود تھا۔ اس نے دکان سے کچھ دور سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے رکشہ روک رکھا تھا اور پچھلی سیٹ پر نیم دراز اس طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس دوران پولیس کی ایک گاڑی بھی وہاں سے گزری تھی۔ پولیس والوں نے درخت کے نیچے رکشے کو کھڑا دیکھا بھی ہو گا لیکن انہوں نے رک کر پوچھ گچھ کی زحمت نہیں کی تھی اور پھر رات دو بجے کے قریب ایک آدمی کو دکان کے ساتھ والی گلی سے نکلتے دیکھ کر شارق چونکا تھا۔ وہ آدمی اسی طرف آرہا تھا اور جب وہ قریب پہنچا تو شارق نے اسے پہچان لیا۔ وہ حاجی کا باڈی گارڈ عرفان تھا۔ شارق عرفان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بہت پرانا اور حاجی کا قابلِ اعتماد آدمی تھا۔ عرفان نے جب رکشے پر بیٹھتے ہوئے پولیس سٹیشن چلنے کو کہا تو شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اور پھر شارق اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس نے عرفان کو اپنے بارے میں بھی بتا دیا تھا کہ وہ کون ہے۔ یہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹنے والی بات تھی۔ شارق کو یقین تھا کہ عرفان سے حاجی کے بہت سے راز معلوم کرے گا لیکن اس طرف آتے ہی فائرنگ کی آوازوں نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ پولیس نے اس کے مکان پر ریڈ کر دیا تھا لیکن اب اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کا مکان محفوظ تھا اور فائرنگ کسی اور جگہ ہو رہی تھی۔

شارق گھوڑے شاہ کے مزار پر واپس آگیا۔ رکشہ مزار کے پچھلی طرف قبرستان میں کھڑا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر بدحواس ہو گیا کہ عرفان رکشے میں موجود نہ تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر کراہنے کی آواز سن کر چونک گیا۔

"عرفان--- کہاں ہو تم؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"میں--- میں یہاں ہوں شارق باؤ---" ایک طرف سے عرفان کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی۔

شارق قبروں میں چلتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ عرفان گوندی کے درختوں کے نیچے پڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا۔ تم یہاں کیوں آگئے۔" شارق بولا۔

"میں نے اس طرف کسی کے آنے کی آواز سنی تھی۔ اس لئے رکشے سے اتر کر ادھر آگیا تھا۔" عرفان نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "بڑی تکلیف ہو رہی ہے شارق باؤ۔"

"اس وقت تو تمہاری تکلیف کا میں کوئی علاج نہیں کر سکتا۔" شارق نے کہا۔ "پولیس وہاں سے جائے تو تمہاری تکلیف کا بھی کوئی علاج ہو سکتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"پولیس کہاں ہے کیا تمہارے اڈے پر چھاپہ مارا گیا ہے؟" عرفان نے پوچھا۔

"اگر میرے اڈے پر چھاپہ مارا ہوتا تو میں اطمینان سے یہاں نہ بیٹھا رہتا۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک دم خاموش ہو گیا اور اٹھ کر سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔

فائرنگ کی آوازوں میں شدت آ گئی تھی اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی ایک کار بڑی تیزی سے اس کے مکان والی گلی سے نکلی اور اسی طرف آنے کیلئے سڑک پر مڑ گئی۔

شارق جھک کر دوڑتا ہوا ایک قبر کی آڑ میں لیٹ گیا۔ وہ کار بڑی تیز رفتاری سے مزار کے سامنے سے گزر گئی۔ اس کا رخ تیزاب احاطے کی طرف تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ سے آٹو میٹک رائفل سے پیچھے کی طرف فائرنگ کی جا رہی تھی چند سیکنڈ بعد ایک پولیس موبائل بھی گلی سے نکل کر تیز رفتاری سے اسی طرف چلی گئی۔ موبائل سے بھی فائرنگ کی جا رہی تھی۔

فائرنگ کی آوازیں تیزاب احاطے کی طرف بہت دور نکل گئی تھیں۔ شارق اٹھ کر عرفان کے پاس آ گیا۔

"آؤ اب چلیں۔" وہ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چل سکتے ہو یا تمہیں گود میں اٹھا کر رکشے میں بٹھا دوں۔"

"نہیں۔ میں چل لوں گا۔" عرفان نے جواب دیا اور وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا رکشے میں بیٹھ گیا۔

شارق رکشہ سٹارٹ کر کے اسے سڑک پر لے آیا اور تقریباً" سو گز آگے جا کر اسے گلی میں موڑ دیا۔ گلی میں سناٹا تھا۔ اس وقت تین بجنے والے تھے۔ فائرنگ کی آوازوں سے لوگ جاگ تو گئے ہوں گے لیکن ایسے حالات میں کوئی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

شارق نے رکشہ جیسے ہی اپنی گلی کی طرف موڑا ایک پولیس کانسٹیبل اچانک ہی تاریکی سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ شارق نے رکشہ روک لیا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بڑے پولیس مقابلے ہو رہے ہیں۔ قصہ کیا ہے؟"

"کون ہو تم اور اس وقت کہاں سے آ رہے ہو اور یہ کون ہے؟" پولیس والے نے اسے گھورا۔

"میرا نام ظہور ہے۔ رکشہ چلاتا ہوں۔ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔" شارق نے اطمینان سے جواب دیا۔ "وہ سامنے والے گھر میں رہتے ہیں۔ کوئی شک شبہ ہو تو میرے ساتھ چل کر پوچھ لو۔"

گھر چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ شارق نے رکشہ بند کر دیا تھا۔ اس نے نیچے اتر کر مکان کی بیل بجا دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی اندر سے ثمینہ کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"ظہور ہوں۔ دروازہ کھولو بھئی۔" شارق نے جواب دیا۔

"ثمینہ نے شارق کی آواز پہچان لی تھی۔ اس نے فوراً" ہی دروازہ کھول دیا۔ شارق کے ساتھ پولیس والے کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ وہ معاملہ سمجھ گئی تھی۔

"یہ کون ہے بی بی۔ اسے پہچانتی ہو؟" پولیس والے نے ثمینہ سے پوچھا۔

"پہچانتی نہ تو رات کو اس وقت دروازہ کیوں کھولتی۔ یہ میرا بندہ ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"یہ غنیمت تھا کہ پولیس والے نے اس سے عرفان کے بارے میں دریافت نہیں کیا تھا۔

"اب میں رکشے کو اندر لے جاؤں سنتری بادشاہ۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ جلدی کرو۔ کہیں پھر گڑبڑ نہ شروع ہو جائے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"قصہ کیا ہے۔ کوئی چھاپہ مارا تھا؟" شارق نے رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

کل ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے بینک لوٹا تھا۔ ان کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ یہاں ایک مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ انہی کو پکڑنے کیلئے چھاپہ مارا تھا۔ ایک کم بخت مارا گیا اور باقی بھاگ گئے۔ لیکن جائیں گے کہاں؟"

"فضل حسین کیا بات ہے۔ کون ہیں یہ لوگ۔"

آواز سن کر شارق نے اس طرف دیکھا۔ ایک اور پولیس کانسٹیبل رائفل پکڑے اس طرف آ رہا تھا۔

"کوئی نہیں یار۔ رکشے والا ہے۔ یہیں رہتا ہے۔" اس کانسٹیبل نے جواب دیا اور اپنے ساتھی کی طرف چل پڑا۔

ثمینہ نے گیٹ کھول دیا تھا۔ شارق رکشے کو اندر لے گیا اور ثمینہ نے گیٹ بند کر دیا تھا۔ شارق نے رکشے سے اترتے ہوئے ثمینہ کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ثمینہ کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"یہ کون ہے؟" ثمینہ نے عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنا دوست ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "پہلے اندر تو چلو پھر تفصیل بتا دوں گا۔"

"وہ عرفان کو سہارا دے کر اندر لے آیا اور یہ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی کہ اس کے تمام ساتھی کلاشنکوف رائفلیں لئے ہوئے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

نولکھا اوپر کسی جگہ پوزیشن لئے بیٹھا تھا۔ وہ بھی نیچے آ گیا۔ اس نے عرفان کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ثمینہ بھی اندر آنے کے بعد عرفان کا چہرہ دیکھ کر اسے پہچان چکی تھی۔

"یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گیا؟" نولکھا نے عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حاجی نے کسی بات پر خفا ہو کر اسے سزا دی تھی اور یہ دو بجے کے قریب چوری چھپے وہاں سے نکل کر تھانے جانا چاہتا تھا کہ میرے ہاتھ لگ گیا اور میں اسے یہاں لے آیا۔" شارق نے کہا۔

"مگر اسے تکلیف کیا ہے؟" نولکھا نے پھر پوچھا۔

"حاجی نے۔۔۔" شارق کہتے کہتے رک گیا اور پھر نولکھا کے کان میں بتانے لگا کہ کیا معاملہ ہے۔

"بڑا لعنتی ہے یہ حاجی۔" نولکھا بڑبڑایا اور عرفان کو ایک کمرے میں لے آیا۔

نرس رضیہ کو بتایا گیا کہ قصہ کیا تھا۔ اتفاق سے پولی فیکس مرہم گھر میں موجود تھی اس نے ٹیوب طفیل کو تھما دی کہ یہ زخم پر لگا دی جائے صبح کسی میڈیکل سٹور سے کوئی دوا منگا لی جائے گی۔

"اس طرف آتے ہوئے فائرنگ کی آوازیں سن کر میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں تم لوگ تو گھیرے میں نہیں آ گئے۔" شارق نے کہا۔ "لیکن یہ جان کر اطمینان ہوا کہ فائرنگ کسی اور طرف ہو رہی تھی۔"

"ہم بھی پہلے یہی سمجھے تھے کہ پولیس نے ہماری تلاش میں کسی غلط مکان پر چھاپہ مار دیا ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "ہم پولیس کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ لیکن معاملہ کچھ اور نکلا۔

"کل ڈاکوؤں کے کسی گروہ نے بینک لوٹا تھا اور وہ لوگ یہاں کسی مکان میں چھپے ہوئے تھے۔ انہی کو گرفتار کرنے کیلئے چھاپہ مارا گیا تھا۔ ایک ڈاکو مارا گیا ہے اور باقی بھاگ گئے۔ پولیس ان کے تعاقب میں گئی ہے۔"

اگر انہیں پتا چل جائے کہ بڑے ڈاکو تو یہاں چھپے ہوئے ہیں تو وہ ان ڈاکوؤں کو بھول جائیں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم عرفان کو یہاں لے آئے ہو۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی؟"

"گڑبڑ کیسی؟" شارق بولا۔ "یہ ہمارے لئے بڑے کام کا آدمی ثابت ہو گا۔ حاجی کے تمام راز اسے معلوم ہیں اور جب حاجی کو پتا چلے گا کہ عرفان ہمارے پاس ہے تو اس کی میا مر جائے گی۔"

"کیا خیال ہے۔ حاجی کو بتا نہ دیا جائے کہ عرفان ہمارے پاس ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے یہ خوشخبری اسے تم ہی سنا دو۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور شارق سے پوچھ کر چودھری کرامت کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ جاگ رہے تھے اور اتفاق سے کال حاجی ہی نے ریسیو کی تھی۔

"اوئے۔۔۔ دیکھ اوئے عرفان۔" وہ ہیلو کے جواب میں غرایا۔ وہ غالباً اس وقت زیادہ بدحواس ہو رہا تھا کہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ ہیلو کی آواز کسی مرد کی تھی یا عورت کی۔" مجھے معلوم ہے تیرے ساتھ کچھ زیادتی ہوئی ہے لیکن تجھے کوئی ایسی حرکت کرنے سے پہلے خود سوچنا چاہئے تھا کہ ہم کس قسم کے حالات سے گزر رہے ہیں۔ اوئے۔ میں نے تو تجھے بیٹوں کی طرح اپنے ساتھ رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں تو واپس آ جا ورنہ جانتا ہے تجھے مجھ سے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

"تم خود پناہ کی تلاش میں بھاگے پھر رہے ہو' کسی اور کو کیا پناہ دو گے۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"میں ثمینہ بول رہی ہوں پاجی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تمہاری اطلاع کیلئے عرض ہے کہ تمہارا عرفان ہمارے پاس ہے اور ہم تمہارے ہی آدمی کو تمہارے خلاف استعمال کریں گے۔"

"بکواس کر رہی ہو تم۔" حاجی چیخا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔" ثمینہ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "شکر کرو چودھری کرامت کے گھر سے نکلتے ہی عرفان شارق کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ وہ تو تھانے جا رہا تھا مگر شارق اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ لے آیا۔ اگر وہ تھانے چلا جاتا تو پولیس اب تک تمہارا تیاپانچا کر چکی ہوتی۔"

"عرفان ایسا نہیں کر سکتا۔" حاجی بولا۔ "سزا کے باوجود وہ میرا وفادار ہے۔ وہ نہ تو پولیس کے پاس جائے گا اور نہ ہی شارق کے پاس۔ تم جھوٹ بکتی ہو۔"

"تم نے اسے جو سزا دی ہے اس پر تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو میں عرفان سے تمہاری بات کروا دیتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور نولکھا کو اشارہ کیا۔ نولکھا' عرفان کو گود میں اٹھا کر لے آیا۔ ثمینہ نے ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "حاجی ہے' بات کر لو۔"

aazzamm@yahoo.com

"حاجی صاحب۔" عرفان ریسیور لے کر بولا۔ "تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں نے تمہاری کتنی خدمت کی۔ تمہاری خاطر کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور تم نے مجھے یہ انعام دیا کہ میری آنے والی نسلوں کا راستہ بند کر دیا۔ میں تم سے اس کا انتقام ضرور لوں گا۔ یہ تو اتفاق ہے کہ مجھے شارق مل گیا تھا۔ میں اپنی خوشی سے اس کے ساتھ آیا ہوں اور اب میں تمہیں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ تم۔۔۔"

ثمینہ نے اس سے ریسیور لے لیا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔

"اب تمہاری تسلی ہو گئی پاجی۔ لیکن اطمینان رکھو۔ ابھی ہم پولیس کو تمہارے بارے میں اطلاع نہیں دیں گے اور نہ ہی عرفان کو تمہارے خلاف استعمال کریں گے۔ یہ دونوں کام ہم مناسب وقت آنے پر کریں گے۔ اس وقت تک میں تمہیں دوڑا دوڑا کر اتنا تھکا دوں گی کہ تم میں قدم اٹھانے کی بھی ہمت نہیں رہے گی۔ یہ شکار کھیلنے کی ہماری پالیسی ہے۔ ماجھا گجر کو بھی ہم نے اسی طرح تھکا تھکا کر مارا تھا لیکن تمہیں میں موقع دینا چاہتی ہوں۔ میں اس وقت کا انتظار کر رہی ہوں جب تم خود ہمارے قدموں میں آکر گرو گے اور کتوں کی طرح ہمارے پیر چاٹو گے۔"

جواب میں حاجی کچھ کہہ رہا تھا لیکن ثمینہ نے فون بند کر دیا اور نولکھا کو اشارہ کیا۔ وہ عرفان کو اٹھا کر اس کے کمرے میں چھوڑ آیا۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور جب جماہیاں آنے لگیں تو اپنے اپنے کمروں میں جا کر لیٹ گئے۔ ثمینہ حسب معمول اوپر والے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی۔

صبح دس بجے کے قریب شارق رکشہ لے کر پھر جانے کو تیار ہو گیا۔ لیکن نولکھا اور ثمینہ نے اسے منع کر دیا۔

"بعض اوقات حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بھی دھوکا دے جاتی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "رات کے اندھیرے میں اگر کوئی تمہیں نہیں پہچان سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے چہرے کے نقوش بدل گئے ہیں اور کوئی تمہیں دن کے وقت بھی نہیں پہچان سکے گا۔ اب ہمیں حاجی کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ عرفان ہمارے پاس ہے۔ وہ اس کے تمام ٹھکانوں سے واقف ہے۔ اگر وہ چودھری کرامت کے مکان سے کسی اور جگہ گیا تو ہمیں پتا چل جائے گا۔"

"ایسے لوگوں نے بیسیوں ٹھکانے بنا رکھے ہوتے ہیں۔ عرفان کو خواب تو نہیں آئے گا کہ وہ کونسے ٹھکانے پر گیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"ثمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے شارق باؤ۔" نولکھا بولا۔ "فوری طور پر نہ سہی دو چار دن بعد تو پتا چل ہی جائے گا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اگر اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا زیادہ ہی ضروری سمجھتے ہو تو میں چلا جاتا ہوں شارق باؤ۔" قریب کھڑے ہوئے طفیل نے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ تم چلے جاؤ۔" نولکھا نے کہا۔

اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد طفیل رکشہ لے کر چلا گیا۔

صبح ناشتے کے بعد رضیہ نے طفیل ہی کو بھیج کر میڈیکل سٹور سے کچھ دوائیں منگوائی تھیں۔ اس نے دوائیں نولکھا کو دیتے ہوئے سمجھا دیا کہ زخم پر کس طرح لگائی جائیں گی۔ عرفان کو بخار بھی ہو گیا تھا۔ اس کے لئے بھی دوا منگوائی گئی تھی۔

اس کے ایک گھنٹے بعد شارق اور ثمینہ وغیرہ عرفان والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور عرفان انہیں بتا رہا تھا کہ وہ حاجی کے ساتھ کس طرح لگا تھا۔

عرفان کی عمر اس وقت تیس بتیس سال تھی۔ وہ شاہدرہ سے کچھ آگے شیخوپورہ روڈ پر واقع کوٹ عبدالرحمان کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ فرمان علی کوٹ عبدالرحمان کے ایک زمیندار کا ملازم تھا۔ بہت بڑی زمینداری تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زمینداری ختم ہو گئی۔ فصلوں کی جگہ زمینوں پر بڑی بڑی فیکٹریاں وجود میں آنے لگیں۔ زمینداری سمٹ کر رہ گئی۔

عرفان اس وقت پچیس چھبیس سال کا بھرپور جوان تھا۔ اس نے قصبے کے ہائی سکول سے میٹرک کیا تھا۔ باپ کا خیال تھا کہ وہ اسے بھی زمینوں پر منشی گری پر لگا دے گا لیکن زمیندار سڑک کے آس پاس کی زمینیں فروخت کر رہا تھا۔

عرفان شہر چلا گیا۔ اسے ایک واقف کار کے ذریعے حاجی کے سینما میں نوکری مل گئی۔ اسے پہلے گیٹ کیپر لگایا گیا پھر اس کا کام اور دیانتداری کو دیکھتے ہوئے اسے بکنگ کلرک لگا دیا گیا۔ عرفان بہت خوش تھا۔ اس نے تقریباً" دو سال بکنگ کلرک کی حیثیت سے کام لیا۔ حاجی اس پر مہربان تھا اور جب عرفان کے والد کا انتقال ہوا تو حاجی نے اسے نہ صرف دس ہزار روپے دیئے تھے بلکہ پندرہ دن کی چھٹی بھی دے دی تھی کہ وہ اپنے باپ کی آخری رسومات ادا کرنے کے بعد اطمینان سے واپس آئے۔

اور جب عرفان واپس آیا تو حاجی نے اسے سینما کا سپروائزر بنا دیا تھا۔ اس طرح نہ صرف اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوا بلکہ کچھ آسائشیں بھی مل گئیں اور پھر ایک روز حاجی کی ان مہربانیوں کا راز بھی کھل گیا۔ اس روز عرفان کو پہلی مرتبہ پتا چلا کہ حاجی ہیروئن کا بزنس کرتا ہے۔ تین آدمی رات دس بجے سینما میں حاجی سے ملنے آئے تھے۔ حاجی نے ان کی بڑی خاطر مدارت کی تھی اور وہ لوگ جاتے ہوئے حاجی کو کپڑے کا ایک تھیلا دے گئے تھے جس میں بڑی مالیت کے نوٹوں کے

aazzamm@yahoo.com

بنڈل بھرے ہوئے تھے۔ عرفان کے خیال میں یہ رقم کئی لاکھ روپے تھی۔

حاجی نے وہ تھیلا عرفان کے حوالے کرتے ہوئے اسے ہدایت کی تھی وہ سمن آباد والی کوٹھی چلا جائے اور وہیں رک کر اس کا انتظار کرے۔

وہ کئی لاکھ کی رقم تھی۔ عرفان چاہتا تو وہ تھیلا لے کر غائب ہو جاتا لیکن وہ ایک دیانتدار آدمی تھا اور اسی دیانتداری کی وجہ سے وہ سینما کے گیٹ کیپر سے ترقی کر کے سپروائزر بنا تھا۔ منیجر کے بعد اس کو تمام اختیارات حاصل تھے۔ جب کوئی نئی فلم لگتی تو ٹکٹیں اپنے آدمیوں کے ذریعے بلیک کی جاتیں اور بلیک کی اس رقم میں گیٹ کیپروں سے لے کر منیجر تک سب کا حصہ ہوتا لیکن عرفان نے کبھی اس بلیک منی سے اپنا حصہ وصول نہیں کیا تھا۔ حاجی بھی اس پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اور یہ عرفان کی دیانتداری ہی تھی کہ حاجی نے کئی لاکھ روپے کی رقم اس کے حوالے کر دی تھی۔

عرفان نے حاجی کے پاس رہتے ہوئے ڈرائیونگ بھی سیکھ لی تھی اور وہ حاجی کے کاموں کے سلسلے میں اکثر گاڑی لے جایا کرتا تھا۔ اس روز بھی وہ حاجی ہی کی ایک گاڑی لے کر گیا تھا۔

سمن آباد والی کوٹھی میں اسے تقریباً" ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا تھا۔ حاجی کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد حاجی نے ایک تھیلا عرفان کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسے ایک ہوٹل میں ان تین آدمیوں کے حوالے کر دیا جائے جو سینما میں رقم سے بھرا ہوا تھیلا دے گئے تھے۔

"یہ اپنے پاس رکھ لو۔" حاجی نے اسے دس روپے کے نوٹ کا آدھا حصہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ "اس نوٹ کا دوسرا آدھا حصہ ان آدمیوں کے پاس ہے۔ تھیلا ان کے حوالے کرتے ہوئے تم ان سے نوٹ کا وہ آدھا حصہ وصول کر لو گے اور نوٹ کا نمبر ضرور چیک کر لینا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی اور کو اس لین دین کا پتا نہ چلے۔"

"اس تھیلے میں ہے کیا حاجی صاحب اسے دینے کیلئے اتنی راز داری کی کیا ضرورت ہے؟" عرفان نے کہا۔

"اس میں براؤن شوگر ہے۔" حاجی نے کہا۔ "اور تم وہی کرو گے جو تمہیں کہا گیا ہے۔"

عرفان نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس روز اس نے پہلی مرتبہ براؤن شوگر کا نام سنا تھا۔ رات ایک بجے وہ تھیلا ان لوگوں کو دے آیا تھا اور رسید کے طور پر دس روپے کے نوٹ کا آدھا حصہ وصول کر لیا تھا۔

اس کے ایک ہفتے بعد عرفان کو پھر اس قسم کی خدمت انجام دینی پڑی تھی۔ پچھلی مرتبہ کی

طرح اس مرتبہ حاجی نے اسے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ عرفان خوش تو تھا لیکن اسے حیرت اس بات پر تھی کہ تنخواہ کے علاوہ حاجی اسے لمبی لمبی رقمیں انعام میں کیوں دے رہا ہے اور یہ بات تقریباً" دو مہینے بعد اس کی سمجھ میں آ سکی تھی۔

براؤن شوگر دراصل ہیروئن تھی۔ اسے پہلی مرتبہ پتا چلا کہ حاجی ہیروئن کا سمگلر ہے۔ اس کا مال صوبہ سرحد کی طرف سے آتا تھا اور وہ نہ صرف پورے پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں مال پہنچایا کرتا تھا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے گروہوں سے اس کے تعلقات تھے۔ بعض لوگ خود یہاں آتے اور مال لے جاتے اور بعض جگہوں پر حاجی خود مال بھیجتا تھا۔

عرفان کو جب اس سارے دھندے کا پتا چلا تو اس نے نوکری چھوڑ دی۔ وہ ایک سیدھا سادا نوجوان تھا۔ باپ نے رزق حلال سے اس کی پرورش کی تھی وہ تو نوکری کرنے شہر آیا تھا۔ نوکری تو اسے مل گئی تھی مالک بھی اس پر مہربان تھا لیکن وہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ مالک کی مہربانیوں کی وجہ کیا تھی اور جب پتا چلا تو اس نے نوکری چھوڑ دی۔

وہ گاؤں آ گیا۔ ماں کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ اس نے نوکری چھوڑ دی ہے۔ اس نے تو ماں کو یہ بتایا تھا کہ وہ چھٹی لے کر آیا ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ چند روز گاؤں میں رہے گا۔ پھر شہر جا کر کسی اور نوکری کا بندوبست کر لے گا۔

تیسرے دن حاجی گاؤں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ مقصود بھی تھا۔ مقصود حاجی کا خاص آدمی تھا۔ وہ دونوں تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے تک الگ بیٹھے عرفان کو سمجھاتے رہے۔

"نہیں حاجی صاحب۔" عرفان نے کہا۔ "یہ غیر قانونی کام ہے۔ اگر میں پکڑا گیا تو بہت بے عزتی ہو گی۔ گاؤں والوں کو پتا چلے گا تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ میرے باپ نے اس گاؤں میں بڑی عزت سے زندگی گزاری ہے۔ میں باپ کی عزت پر بٹہ نہیں لگانا چاہتا۔"

اس میں شبہ نہیں کہ یہ غیر قانونی کام ہے۔" حاجی نے کہا۔ "لیکن تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ کیا تم نے پولیس کے بڑے بڑے افسروں اور اسمبلیوں کے ممبروں کو میرے پاس آتے نہیں دیکھا۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں کیا کرتا ہوں۔ انہیں گھر بیٹھے ہر مہینے لاکھوں روپے مل جاتے ہیں۔ یہ میرے کام میں مداخلت کیوں کرنے لگے۔"

"لیکن حاجی صاحب یہ ملک سے غداری ہے۔" عرفان نے کہا۔

"ملک سے غداری۔" حاجی مسکرایا۔ "تم مجھے یہ بتاؤ کہ ملک کا وفادار کون ہے؟ معمولی آفیسر سے لے کر اعلیٰ ترین عہدیدار، ہر شخص نے اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھا ہے۔ کسی بڑے آفیسر کو پھینک بھی آتی ہے تو وہ علاج کیلئے امریکہ اور انگلینڈ چلا جاتا ہے۔ پیسہ تو عوام کا خرچ ہوتا ہے۔

aazzamm@yahoo.com

کیا یہ لوگ اپنے ذاتی خرچ پر بیرون ملک جا سکتے ہیں؟ نہیں میرے دوست یہ سب عیاشیاں قوم کے پیسے پر ہو رہی ہیں۔ کسی کو آج تک یہ احساس نہیں ہو سکا کہ پیسہ قوم کی امانت ہے۔ ہم نے تو سرکاری خزانے سے کبھی ایک پیسہ نہیں لیا۔ اپنا بزنس کرتے ہیں۔ تم کیوں پریشان ہو رہے تم چوری تو نہیں کر رہے۔ کسی کے گھر میں ڈاکہ تو نہیں ڈال رہے۔ یہ میرا بزنس ہے جس میں تمہیں بھی حصہ ملتا ہے اور پھر یہ تو سوچو کہ اس میں کمائی کتنی ہے۔ ابھی تو تم گاؤں کے اس کچے مکان میں رہ رہے ہو اور شاید یہ بھی تمہاری ملکیت نہیں ہے لیکن میرے ساتھ رہو گے تو سال ڈیڑھ سال کے اندر اندر تم شہر کے کئی بڑے علاقوں میں کوٹھیاں بنوا سکتے ہو اور میری اس بات کا یقین کر لو کہ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

حاجی اور مقصود نے عرفان کو قائل کر ہی لیا کہ یہ کاروبار غیر قانونی ضرور ہے مگر اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ البتہ آمدنی لامحدود ہے۔ اس ملاقات کے اختتام پر عرفان ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا تھا۔

عرفان کو مزید سہولتیں مل گئی تھیں۔ حاجی نے اسے اپنا باڈی گارڈ بنا لیا تھا۔ اس کے چند ہی مہینوں بعد شارق اور ثمینہ حاجی کے گروہ میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے حاجی کیلئے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔

حاجی نے ان پر نوازشات کی بارش کر دی تھی۔ مگر ان کا ساتھ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا۔ ان میں اختلافات شروع ہو گئے اور معاملہ قتل و غارت تک پہنچ گیا۔

عرفان کے خیال میں غلطی حاجی کی تھی۔ اس نے ایک سازش کے تحت شارق اور ثمینہ کو افغانستان بھیجا تھا اور بعد میں اس کی ماں اور بہن کو ذلیل کر کے کوٹھی سے نکال دیا تھا۔ اگر مریم اور رضیہ کو اس طرح ذلیل نہ کیا جاتا تو شاید شارق سازش والی بات کو پی جاتا۔ لیکن وہ اپنی ماں اور بہن کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکا تھا اور اس طرح انتقامی کارروائیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ اب تک جاری تھا۔ حاجی اب تک شارق کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا البتہ شارق نے حاجی کو اتنا نقصان پہنچایا تھا کہ وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔

عرفان نے حاجی کیلئے اپنا سب کچھ برباد کر لیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ پولیس کے بڑے بڑے افسران اور اسمبلیوں کے ممبر اور بعض وزیر تک حاجی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے لیکن اب صورتحال بدل گئی تھی۔ ایک طرف شارق نے اسے دربدر کر رکھا تھا۔ عوامی رائے عامہ بھی حاجی کے خلاف تھی۔ حاجی شارق اور پولیس سے بچنے کیلئے بھاگا پھر رہا تھا لیکن اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔

حاجی کے ساتھ عرفان بھی عتاب کا شکار تھا۔ حاجی کیلئے اس نے کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عرفان نے آج تک ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس پر حاجی کو اعتراض کرنے کا موقع ملا ہو۔ عرفان اپنے دوسرے ساتھیوں کو دیکھتا تھا وہ خوب عیاشی کرتے تھے۔ ان کی راتیں شراب و شباب کی محفلوں میں گزرتی تھیں مگر عرفان کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی ماں نے گاؤں میں اس کی شادی طے کر رکھی تھی۔ اور عرفان اس موقع کی تلاش میں تھا کہ حاجی کو چھوڑ کر چلا جائے اور پھر رعنا اس کی نظروں میں آگئی۔

عرفان کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ رعنا کو دیکھ کر وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ رعنا اگرچہ شادی شدہ تھی لیکن بلا کی حسین تھی جو عرفان جیسے شخص کے دل پر قیامت ڈھا گئی تھی۔

فاروق کی کوٹھی میں رہتے ہوئے اس نے ایک دو مرتبہ رعنا پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی مگر رعنا اپنے آپ کو بچا گئی تھی اور پھر اس رات جب حاجی اس کوٹھی سے نکلا تھا تو عرفان بہانہ کر کے گاڑی سے اتر گیا تھا اور پھر کوٹھی میں داخل ہو کر اسے موقع مل گیا۔ رعنا کوٹھی میں اکیلی تھی اور وہ ایک سوٹ کیس میں کپڑے اور زیورات وغیرہ پیک کر رہی تھی۔ عرفان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ بھی بھاگنے کی تیاری کر رہے تھے۔

رعنا نے مزاحمت کی تھی لیکن عرفان جیسے شخص کے سامنے چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ آخر میں اس نے چیختے ہوئے عرفان پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور عرفان نے اسی چاقو سے اسے موت کی نیند سلا دیا تھا اور کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے تمام زیورات اور نقدی وغیرہ بھی اٹھا لی تھی۔

حاجی کو دوسرے دن اخبارات کے ذریعے اس واقعہ کا پتا چلا تھا اور وہ اس قدر بپھر گیا تھا کہ اس نے عرفان کو اس کی مردانگی ہی سے محروم کر دیا۔

عرفان کو اس بات کا بہت دکھ ہوا تھا۔ ایک معمولی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا۔ اس نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ وہ حاجی سے انتقام لے گا اور پھر اس رات وہ چودھری کرامت کے مکان کی دیوار پھاند کر بھاگ نکلا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ تھانے جا کر پولیس کو اطلاع دے گا اور پولیس حاجی کو گرفتار کر لے گی لیکن اتفاق سے اسے شارق مل گیا اور وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔ اور اب عرفان نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ شارق کے ساتھ مل کر حاجی سے اپنا انتقام لے گا۔ عرفان بات کرتے کرتے رو پڑا تھا۔

"اوئے عرفان باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "مرد ہو کے روتے ہو تم فکر کیوں کرتے ہو۔ ہم حاجی

aazzamm@yahoo.com

سے تمہارا انتقام اس طرح لیں گے کہ اس کی آنے والی سات نسلیں بھی یاد کر کے عبرت حاصل کریں گی۔"

"میری تو اس نے نسل ہی ختم کر دی۔" عرفان نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرے بعد میرے خاندان کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہو گا۔"

"ہم بھی حاجی کا قصہ ختم کر دیں گے تو فکر نہ کر۔" نولکھا نے کہا۔ "اب چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔ چلو اٹھ کر بیٹھو تاش کی بازی ہو جائے۔ ذرا تمہارا دھیان بٹے گا۔"

ثمینہ فوراً" ہی تاش کی گڈی لے آئی۔ اس نے شارق کو اپنا پارٹنر منتخب کیا اور نولکھا عرفان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ان کا خیال رکھنا عرفان باؤ۔" یہ دونوں بڑے شارپ ہیں۔ اپنے مطلب کا پتا ایسے نکالتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔"

"کیوں ہم پر الزام لگا رہے ہو نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پرسوں تو میں نے تمہیں پتا نکالتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔"

"وہ پرسوں کی بات تھی۔ میں آج کی بات کر رہا ہوں۔ چلو تم پتے بانٹو۔" نولکھا نے کہا۔

اب ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ تاش یا لوڈو کھیل کر وقت گزارتے رہیں۔ بڑی بوریت ہو گئی تھی۔ رضیہ، شاہ پری اور ثمینہ تو کچھ زیادہ بور ہو رہی تھیں۔ وہ باہر نکلنا چاہتی تھیں لیکن اس خوف سے نہیں نکل رہی تھیں کہ انہیں پہچان نہ لیا جائے۔

اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد ثمینہ نے شارق کو بتا دیا تھا کہ آج وہ شاہ پری کو ساتھ لے کر شاپنگ کیلئے جائے گی۔

"تم جانتی ہو کہ حاجی کے آدمی شکاری کتوں کی طرح ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے دیکھ لیا تو سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"شاہ پری کو تو اب تک کسی نے دیکھا نہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "مجھے بھی حاجی کے صرف چند قریبی آدمیوں نے دیکھا ہوا ہے۔ ہر شخص مجھے نہیں جانتا۔ اور جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ اپنی جانیں بچاتے پھرتے ہیں۔ اگر حاجی نے کچھ آدمی ہماری تلاش پر لگا رکھے ہیں تو وہ بہت نچلے درجے کے ہیں۔ وہ ہمیں کہاں پہچانتے ہیں۔"

نہیں جانتا اور جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ بہت نچلے درجے کے ہیں۔ وہ ہمیں کہاں پہچانتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔ اگر جانا چاہتی ہو تو طفیل کو ساتھ لے جاؤ۔" شارق نے کہا۔

"ہاں تمہاری یہ بات میں مان لیتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

طفیل اس روز گھر پر ہی تھا۔ وہ تین چار روز تک چودھری کرامت والے مکان کی نگرانی

کرتا رہا تھا۔ حاجی وہیں تھا۔ اس نے کوئی نیا ٹھکانہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے شاید شارق کی اس بات پر یقین تھا کہ وہ اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع نہیں دے گا۔

ویسے حاجی کے پاس اب زیادہ آدمی نہیں رہ گئے تھے۔ اوپر کے سارے لوگ اپنی جانیں بچانے کیلئے روپوش ہو گئے تھے اور جو نچلے درجے کے تھے وہ بھی ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ مختلف اڈوں پر گھوم پھر کر ہیروئن بیچنے والے کارندوں نے بھی اپنی سرگرمیاں محدود کر دی تھیں۔ بڑے آدمیوں کے روپوش ہو جانے کے بعد ہی رب نواز جیسے چھوٹے آدمیوں کو حاجی کے قریب آنے کا موقع ملا تھا۔

ثمینہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ نچلے درجے کے لوگ انہیں نہیں پہچانتے تھے۔ شارق سے بات ہو جانے کے بعد اس نے شاہ پری کو تیار ہونے کو کہا اور خود بھی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

وہ تقریباً" ایک گھنٹے بعد باہر نکلی تھی۔ اسے دیکھ کر شارق بھی دنگ رہ گیا تھا۔ پہلی نظر میں تو وہ بھی اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ اس وقت اس کے بال ہلکے سنہری رنگ کے تھے۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ اور ہلکے سے میک اپ سے اس کا چہرہ خاصا بدل گیا تھا۔ خوبصورت پرنٹ والے شلوار سوٹ میں وہ خاصی حسین لگ رہی تھی۔ شاہ پری بھی اس سے کچھ کم نہیں تھی۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ شاہ پری اس سے کچھ زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔

طفیل بھی تیار ہو گیا تھا۔ وہ سو فیصد رکشے والا لگ رہا تھا اور ظاہر ہے وہ ان لوگوں سے ملاقات سے پہلے بھی رکشہ ہی چلایا کرتا تھا۔ اس کا ہر انداز اور لب و لہجہ سو فیصد رکشہ ڈرائیور جیسا ہی تھا۔

شاہ پری اور ثمینہ سیٹ پر بیٹھ گئیں اور طفیل رکشہ سٹارٹ کر کے گیٹ کے باہر لے آیا۔ نولکھا گیٹ بند کر کے اندر چلا گیا۔ طفیل تیزاب احاطے سے ہوتا ہوا جی ٹی روڈ پر آ گیا۔

"کہاں جانا ہے بی بی لوگ۔ کچھ اتا پتا تو بتاؤ۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"انار کلی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تو پھر دو موریہ پل کی طرف سے ہی چلتے ہیں۔ گڑھی شاہو کی طرف سے تو راستہ بہت لمبا پڑے گا۔" طفیل نے کہا۔

"لمبے راستے ہی سے چلو۔" ثمینہ بولی۔ "یہ شاہ پری بیچاری جب سے یہاں آئی ہے قید ہو کر رہ گئی ہے۔ آج ذرا سیر ہو جائے۔"

"تو چلو پھر۔ رب راکھا۔" طفیل نے رکشہ بائیں طرف موڑ دیا۔

گڑھی شاہو کے پل سے ہوتے ہوئے طفیل رکشے کو سیدھا نکال لے گیا اور شملہ کے اوپر سے ہوتے ہوئے منٹگمری روڈ پر موڑ لیا۔ یہ سڑک آگے جا کر لکشمی چوک کے قریب میکلوڈ روڈ

aazzamm@yahoo.com

سے مل جاتی تھی۔

ثمینہ شاہ پری کو مختلف جگہوں اور عمارتوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ شاہ پری کو واقعی پہلی دفعہ اس طرح باہر نکلنے کا موقع ملا تھا۔ وہ ہر چیز کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور ثمینہ کی باتیں بھی بڑے غور سے سن رہی تھی۔

رکشہ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا لوہاری گیٹ کی طرف آ گیا۔ یہ شہر کا سب سے گنجان آباد علاقہ تھا۔ یہاں ہر قسم کا ٹریفک جاری تھا۔ تانگوں کی بھرمار تھی۔ طفیل نے رکشہ ایک دکان کے سامنے روک لیا۔ وہ دکان بند تھی اور اس کے سامنے تھڑے پر پرانی کتابوں والے نے دکان سجا رکھی تھی۔

"بھائی میرے ذرا میرے رکشے کا خیال رکھنا۔" طفیل نے کتب فروش کے ہاتھ میں دس کا نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔

"کسی اور کو تو میں رکشے کے قریب نہیں آنے دوں گا لیکن اگر کسی سنتری نے پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔" کتب فروش نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"سنتری کچھ نہیں کہتا۔ بس ہم ایک گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔ ان بیبیوں کو تھوڑی سی شاپنگ کرنی ہے۔" طفیل نے جواب دیا۔

وہ تینوں وہاں سے چلتے ہوئے انار کلی میں آ گئے۔ اس وقت پانچ بجنے والے تھے۔ انار کلی میں اس قدر رش تھا کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ بیشتر لوگ ثمینہ اور شاہ پری کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اور بعض منچلوں نے تو قریب سے گزرتے ہوئے کندھا مارنے کی کوشش کی تھی۔

ثمینہ اور شاہ پری آگے آگے چل رہی تھیں اور طفیل ان کے نوکر کی طرح پیچھے پیچھے۔ انہوں نے کئی دکانوں سے شاپنگ کی تھی اور تمام شاپنگ بیگز طفیل نے اٹھا رکھے تھے۔ مارکیٹ میں شاپنگ کرتے ہوئے انہوں نے آلو چھولے کی چاٹ بھی کھائی تھی۔

شاہ پری کو اس طرح گھومنا پھرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی ساری زندگی افغانستان کے ان علاقوں میں گزری تھی جنہیں چھوٹے چھوٹے دیہات ہی کہا جا سکتا تھا۔ وہ ماں باپ کے ساتھ کئی مرتبہ کابل بھی گئی تھی لیکن اس بڑے اور ماڈرن شہر میں رہتے ہوئے بھی اسے کبھی گھومنے پھرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگ پرانی قدروں کے پابند تھے۔ عورتوں اور خصوصاً جوان لڑکیوں کا گھومنا پھرنا پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک گھر سے دوسرے گھر جانا ہوتا تو شٹل کاک برقعہ اس طرح پہنا جاتا کہ کوئی غیر مرد ان کے جسم تو کیا لباس کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور یہاں شاہ پری کیلئے تو یہ دنیا ہی الگ تھی۔ وہ اس طرح آزادی سے گھومنے پھرنے سے بہت

محظوظ ہو رہی تھی۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی دکانیں رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا اٹھیں۔ جب وہ واپسی کیلئے مڑے تو طفیل تو سامان سے لدھا ہوا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری نے بھی کئی کئی شاپنگ بیگز اٹھا رکھے تھے۔ کئی روز بعد موقع ملا تھا اور انہوں نے خوب جی بھر کے شاپنگ کی تھی۔

وہ لوگ انار کلی سے نکل کر جیسے ہی دوسری سڑک پر مڑے طفیل ٹھٹک کر رک گیا۔ کتب فروش اپنی دکان بڑھا کر جا چکا تھا اور رکشہ کے قریب دو پولیس والے کھڑے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی اور دوسرے کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔" طفیل نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میرے پاس رکشے کے کاغذات تو ہیں نہیں یہ لوگ اڑی کریں گے۔"

وہ لوگ رکشے کے قریب آ گئے۔ انہیں رکتے دیکھ کر ایک کانسٹیبل آگے آ گیا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی رکشے پر مارتے ہوئے بولا۔

"یہ تمہارا رکشہ ہے۔"

"جی سنتری بادشاہ۔" طفیل نے شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا غلطی ہو گئی سرکار۔"

"ہمارے ساتھ تھانے چلو نا۔ تمہیں بتاتے ہیں کیا غلطی ہو گئی۔" کانسٹیبل نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے کانسٹیبل اس سے کیا غلطی ہوئی ہے جو اسے تھانے لے جانا چاہتے ہو۔" ثمینہ نے کانسٹیبل کو گھورا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپنگ بیگ بھی سیٹ پر رکھ دیئے تھے۔

"آپ دوسرا رکشہ کر لیں بی بی۔ یہ رکشہ اب مشکوک ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی واردات میں استعمال ہوا ہو۔" کانسٹیبل نے کہا۔ "ہم دو گھنٹوں سے اس رکشے کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"کیا۔۔۔" ثمینہ اچھل پڑی۔ "کیا کوئی گاڑی اس طرح کھڑی رہے تو مشکوک ہو جاتی ہے۔" وہ طفیل کی طرف مڑ گئی۔ "ڈرائیور تم رکشہ سٹارٹ کرو میں دیکھتی ہوں یہ کیسے روکتے ہیں۔" اس نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں شاپنگ بیگز سنبھال کر سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ طفیل بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ سٹارٹ کرنے لگا۔

"آپ لوگ ضد نہ کریں بی بی۔ کوئی دوسرا رکشہ دیکھ لیں۔ اسے ہم تھانے لے جائیں گے۔" رائفل والے کانسٹیبل نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

اس وقت تین چار آدمی قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ ثمینہ رکشے سے اتر آئی اور کانسٹیبلوں پر چیخنے لگی۔

"کیا جرم کیا ہے اس رکشے والے نے۔ تم اسے تھانے کیوں لے جانا چاہتے ہو۔ تم لوگ وردی پہن کر اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔ اس طرح شریف شہریوں کو کیوں پریشان کرتے ہو کیا چاہئے تمہیں۔"

ثمینہ کے اس طرح چیخنے سے ایک دو آدمی بھی اس کی حمایت میں بولنے لگے۔ کچھ اور لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ثمینہ نے پولیس والوں کے خلاف یہ نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا جو کامیاب ہو گیا تھا۔ لوگ پولیس کو برا بھلا کہتے ہوئے ان کی حمایت کرنے لگے تھے۔

"ڈرائیور رکشہ چلاؤ۔ میں دیکھتی ہوں یہ کیسے روکتے ہیں۔" ثمینہ غصے میں چیختی ہوئی دوبارہ رکشے میں بیٹھ گئی۔

طفیل نے رکشہ سٹارٹ کر دیا اور اس مرتبہ واقعی دونوں کانسٹیبلوں میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ ایک پولیس والا بال پین سے اپنی ہتھیلی پر رکشے کا نمبر نوٹ کر رہا تھا۔

"اس نے نمبر نوٹ کر لیا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا بی بی شاہ پری۔" طفیل نے جواب دیا۔

"رکشے پر نمبر اردو ہندسوں میں لکھا ہوا ہے۔ میں نے ایک کے ہندسے کو دو اور دو کے ہندسے کو تین بنا دیا ہوا ہے۔ وہ اس نمبر کے ہندسے کو ڈھونڈتے رہ جائیں گے جو اس نے نوٹ کیا ہے۔ گھر پہنچتے ہی میں رنگ سے نمبر درست کر دوں گا۔"

"ہم نے چیخ دھاڑ کر معاملہ ختم کر دیا۔ اگر وہ واقعی تمہیں تھانے لے جاتا تو؟" ثمینہ نے کہا۔

"کچھ بھی نہ ہوتا ثمینہ بی بی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "ہم رکشہ ڈرائیوروں کے پاس پولیس والوں سے پیچھا چھڑانے کے بیسیوں طریقے ہوتے ہیں۔"

طفیل نے اگلے موڑ سے یوٹرن لیتے ہوئے رکشہ شاہ عالمی کی طرف موڑ لیا تھا۔ سڑک پر ٹریفک کا اژدہام تھا۔ اس لئے رکشے کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ دہلی دروازے کے قریب ثمینہ نے رکشہ رکوا لیا۔ اس نے طفیل کو بھیج کر ایک دکان سے چکن تکے وغیرہ خریدے تھے۔ جب وہ گھر پہنچے تو دس بج رہے تھے۔ شارق وغیرہ پریشان ہو رہے تھے۔

"ارے بھائی شاپنگ میں دیر ہو گئی تھی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر کوئی گڑبڑ ہو جاتی تو ہم اس سے نمٹ لیتے۔ ہم تو اپنا پورا بندوبست کر کے گئے تھے۔" اس نے قمیض

کے نیچے شلوار میں اڑھا ہوا پستول نکال کر میز پر رکھ دیا۔ شاہ پری نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"اچھا رضیہ ڈیئر!" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب جلدی سے کھانا نکال لو۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

اور پھر اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

○

اور پھر شارق وغیرہ کے لئے یہ اطلاع بڑی تشویشناک ثابت ہوئی تھی کہ حاجی چودھری کرامت کے مکان سے غائب ہو گیا تھا۔ یہ خبر طفیل نے دی تھی جو اس روز معلومات کرنے کیلئے اس طرف نکل گیا تھا۔

"وہ کہاں گیا ہو گا؟" شارق بڑبڑایا۔

"اس کے بہت سے ٹھکانے مجھے معلوم ہیں شارق باؤ۔" عرفان نے کہا۔ "اب میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ بھاگ دوڑ سکتا ہوں کیوں نہ ہم باری باری اس کے تمام ٹھکانوں پر ہلہ بول دیں۔"

"اس طرح نہ صرف وقت ضائع ہو گا بلکہ وہ ہوشیار بھی ہو جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ گیا کہاں ہے اور میرا خیال ہے چودھری کرامت سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"چودھری کرامت کو بھی معلوم نہیں ہو گا کہ وہ کہاں گیا ہے لیکن کوشش کی جا سکتی ہے۔" عرفان نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے چلو یہ کام بھی ابھی ہو جانا چاہئے۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

طفیل اور عرفان بھی جانے کو تیار ہو گئے۔ عرفان کو شارق نے اس لئے ساتھ لیا تھا کہ شاید چودھری کرامت اس کے سامنے زبان کھول دے۔ عرفان اور طفیل پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور شارق ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

جب وہ اپنی گاڑی پر گھر سے نکلے تو رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ انہیں شادی پور روڈ تک پہنچنے میں پون گھنٹہ لگ گیا۔ چودھری کرامت کی دکان کے سامنے ایک ٹریکٹر ٹرالی کھڑی تھی جس سے چارے کے گٹھے اتارے جا رہے تھے۔ کرامت کا ملازم لڑکا بھی قریب ہی کھڑا تھا۔

شارق نے چند گز کے فاصلے پر کار روک لی اور عرفان کی طرف دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگا۔ عرفان کار سے اتر گیا اور ٹہلتا ہوا دکان کے سامنے پہنچ گیا۔ کرامت کے ملازم لڑکے نے اسے کار سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کار اندھیرے میں تھی لیکن عرفان جب قریب پہنچا تو لڑکے نے اسے

aazzamm@yahoo.com

پہچان لیا۔

اس کے چہرے پر خوف کے ہلکے سے تاثرات ابھر آئے۔

"اوئے بلے۔" عرفان اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "کیسے ہو یار۔ ڈر کیوں رہے ہو میں تو تمہارا دوست ہوں۔"

"میں کیوں ڈرنے لگا عرفان باؤ۔ تمہارے ختنے میں نے تو نہیں کیے تھے۔" بلے نے جواب دیا۔

"اچھا۔ یہ بتاؤ اندر کون ہے۔ وہ لوگ ہیں یا چلے گئے۔" عرفان بولا۔

"وہ لوگ تو چلے گئے۔ کرامت چاچا اندر ہے۔ بتاؤں اسے۔" بلا بولا۔

"ہاں--- چلو--- میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" عرفان نے کہا اور بلے کے ساتھ دکان میں سے ہوتا ہوا پچھلے صحن میں آ گیا۔

سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بتی جل رہی تھی اور چودھری کرامت چارپائی پر کروٹ کے بل لیٹا حقے کے کش لگا رہا تھا۔

"اوئے بلے--- کون ہے باہر--- مال اتر گیا۔" چودھری کرامت نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر پوچھا۔

"مال اتر رہا ہے چاچا۔ تمہارا ایک پروہنا آیا ہے۔ اسے لے کر آیا ہوں۔" بلے نے جواب دیا۔

عرفان نے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا کہ چودھری کرامت اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور باہر دیکھ رہا تھا۔ صحن میں اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ عرفان کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا اور جب عرفان اندر داخل ہوا تو چودھری کرامت اچھل پڑا۔

"بیٹھ جاؤ چودھری۔" عرفان نے کہا۔ "میں دوست بن کر آیا ہوں۔ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں تو تم سے ذرا گپ شپ کرنے آیا ہوں۔"

"اس دن تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا عرفان باؤ۔" کرامت نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں تم قصور وار ہو" عرفان بولا۔ "آرام سے بیٹھ جاؤ اور حوصلہ رکھو میں تمہارا دوست ہوں یار۔ ہماری دوستی تو بہت پرانی ہے۔ کیا میں تم سے ملنے کیلئے نہیں آ سکتا۔"

چودھری کرامت کئی منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکا تھا۔ اسی دوران باہر سے ٹرالی والے کی

آواز سنائی دی۔ وہ بلے کو بلا رہا تھا۔

"جاؤ دیکھو وہ کیا کہہ رہا ہے۔" کرامت نے بلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور ہوٹل والے کو دو چائے کیلئے کہہ آؤ۔"

"چار چائے کا کہنا اور کار میں جو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں انہیں اندر بھیج دو۔" عرفان نے بلے سے کہا۔

کار میں دو آدمیوں کا سن کر کرامت کا چہرہ ایک بار پھر دھواں ہو گیا۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے عرفان کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاید تم ان آدمیوں کا سن کر ڈر گئے ہو۔" عرفان بولا۔ "وہ بھی تمہارے دوست ہیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

بلا باہر جا چکا تھا۔ اس دوران ٹریکٹر سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ چند سیکنڈ بعد ٹریکٹر ٹرالی وہاں سے چلی گئی اور اس کے فوراً ہی بعد شارق اور طفیل اندر داخل ہوئے۔ شارق کو دیکھ کر چودھری کرامت تھر تھر کانپنے لگا۔

"شارق باؤ--- میں---"

"میں نے شارق کو سب کچھ بتا دیا ہے۔" عرفان نے کرامت کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس رات اگر میں شارق کے ہاتھ لگنے کے بجائے تھانے چلا جاتا تو حاجی کے ساتھ تم بھی مارے جاتے۔ مجھے یا شارق کو تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم تم سے چند باتیں پوچھنے کیلئے آئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم ٹھیک ٹھیک جواب دو گے۔"

"عرفان باؤ۔ تم جانتے ہو میرا بہت عرصہ سے حاجی سے لین دین ختم ہو چکا ہے۔ میرا تو اس سے ملنا جلنا بھی نہیں تھا۔ اس کا یہاں آنا مجھے اچھا نہیں لگا تھا' لیکن میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں اسے منع کر دیتا تو تم جانتے ہو وہ مجھے کس طرح نقصان پہنچا سکتا تھا۔"

"تم نے حاجی سے دوستی کا حق ادا کیا ہے اور میں اس کے لئے تمہیں مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔" شارق نے کہا۔ "میں حاجی کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ انکار کی صورت میں وہ تمہیں یقیناً" بڑا نقصان پہنچاتا۔ بہرحال' لعنت بھیجو ان پچھلی باتوں پر ہم تو تم سے یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ حاجی کہاں گیا؟"

چودھری کرامت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر بلے کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ بلے نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ جس میں چائے کے چار گلاس تھے۔ اس نے ایک ایک گلاس سب کو دے دیا اور دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"چل تو باہر چل کر بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔" کرامت نے بلے سے کہا اور اس کے جانے کے بعد شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے بالکل معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔ البتہ جانے سے پہلے اس نے ٹیلی فون پر مقصود سے بات کی تھی اور وہی آکر انہیں لے بھی گیا تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا۔"

"دیکھو کرامت۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم حاجی کے پارٹنر رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ حاجی نے تم سے دھوکہ کیا تھا اور تمہیں دودھ میں مکھی کی طرح نکال دیا تھا۔ دھوکہ اور فراڈ اس کی فطرت میں شامل ہے ماجھا گجر کے ساتھ بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اور پھر میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی تم جانتے ہو۔ اس کا دین ایمان پیسہ ہے۔ وہ کسی کا دوست نہیں۔ عرفان کی ایک معمولی سی غلطی پر اتنی بڑی سزا--- اس سے تمہیں یہ بھی پتا چل گیا ہو گا کہ وہ کس قدر ظالم اور سنگدل ہے۔ کل کو وہ تمہارے ساتھ بھی یہی سب کچھ کر سکتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس کے ساتھ اگرچہ میں بھی گناہوں کی اس دلدل میں پھنسا ہوا ہوں لیکن میں نے طے کر لیا ہے کہ اسے مکمل طور پر تباہ کر کے چھوڑوں گا۔ حاجی اپنی بربادی میں دوسروں کو بھی لپیٹ رہا ہے اور تم بھی اس لپیٹ میں آ سکتے ہو۔ اگر تم بہت سے دوسرے بے گناہوں کو اور اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہو تو ہمیں بتا دو کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اس مرتبہ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔"

"میں سچ کہتا ہوں شارق باؤ مجھے بالکل پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔" چودھری کرامت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم اس کا ٹھکانہ تو ایک دو دن میں معلوم کر لیں گے لیکن اگر مجھے یہ پتا چلا کہ تم اس کے ٹھکانے سے واقف تھے تو یقین کر لو کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے نہیں بچا سکے گی۔"

"مجھے بالکل نہیں معلوم شارق باؤ۔ میں اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں۔" کرامت بولا۔ "اگر مجھے پتا چل گیا تو میں فوراً تمہیں اطلاع دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں دن میں ایک دو مرتبہ ٹیلی فون پر تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

گفت و شنید کے دوران وہ چائے بھی پیتے رہے۔ باتیں دوستانہ ماحول میں ہو رہی تھیں۔ شارق نے چودھری کرامت کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اگر وہ حاجی کے بارے میں اسے معلومات فراہم کرتا رہے تو وہ اسے تحفظ فراہم کرے گا۔

جب وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو بارہ بجنے والے تھے۔ چودھری کرامت بھی ان کے ساتھ باہر آیا تھا۔

یہ سڑک اس وقت بالکل سنسان پڑی تھی۔ شارق نے پہلے سوچا کہ لکھوڈیر اور محمود بوٹی سے ہوتا ہوا اس سڑک پر سیدھا راوی کے پل کی طرف نکل جائے لیکن اس طرح بہت لمبا چکر پڑ جاتا۔ اس نے کار داروغہ والا کی طرف موڑ لی۔ چودھری کرامت اس وقت بھی دکان کے سامنے کھڑا تھا۔ کار سامنے سے گزری تو اس نے ہاتھ ہلایا اور اندر چلا گیا۔

شارق نے کار داروغہ والا سے باغبانپورہ کی طرف موڑ دی۔ پاکستان بازار کے قریب پہنچے تو کچھ آگے سڑک کے بیچ میں پولیس کی ایک جیپ دیکھ کر شارق چونک گیا۔ جیپ کے پاس چار پولیس والے کھڑے تھے۔

"مجھے کچھ گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔" شارق بولا۔ "پچھلی سیٹ کے نیچے سے رائفلیں نکالو۔ جلدی کرو۔"

عرفان اور طفیل سیٹ سے اٹھ گئے اور سیٹ اٹھا کر اس کے نیچے رکھی ہوئی رائفلیں نکال لیں۔

ایک پولیس والا کار کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کاغذ بھی تھا۔ شارق نے کار کی رفتار کم کر دی۔

"میں ان لوگوں کے قریب پہنچتے ہی رفتار بڑھا دوں گا اور تم لوگ ہوائی فائرنگ شروع کر دینا۔ گولی کسی پولیس والے کو نہیں لگنی چاہئے۔"

پولیس والوں کی تعداد چار ہی تھی۔ ایک جیپ کے پاس کھڑا تھا۔ ایک سڑک کے درمیان میں کھڑا کار کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا اور دو ذرا ہٹ کر پوزیشن لئے کھڑے تھے۔

شارق نے کار کی رفتار کم کر دی۔ سامنے کھڑا ہوا پولیس والا ایک طرف ہٹ گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ کو دیکھا پھر کار کی طرف دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ چیخ اٹھا۔ "یہی ہے وہ کار۔"

شارق نے ایک دم رفتار بڑھا دی۔ کار ایک زبردست جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی۔ اس کے ساتھ ہی طفیل اور عرفان نے اپنی رائفلیں کھڑکیوں سے نکال کر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔

پولیس والے بدحواس ہو کر ایک دم ادھر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ عرفان نے کھڑکی کے باہر جھک کر جیپ پر فائرنگ کی۔ جیپ کا ایک ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ اب اگرچہ پولیس والوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی تھی لیکن کار فائرنگ کی پہنچ سے بہت دور نکل چکی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

کچھ آگے جا کر شارق نے کار دائیں طرف ایک تنگ سی سڑک پر موڑ لی۔ یہاں سڑک کے رخ پر چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں تھیں اور ان کے پیچھے گنجان آبادی تھی۔

"شارق باؤ گاڑی اس طرف کیوں موڑ لی۔ سیدھا نکال لے جاتے۔" طفیل نے کہا۔

"تم نے دیکھا نہیں تھا کہ پولیس والے کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر ہماری گاڑی کا نمبر لکھا ہوا تھا اور جب ہم قریب پہنچے تھے تو اس نے چیخ کر کہا تھا' یہی ہے وہ کار اس کا مطلب سمجھتے ہو۔" شارق نے کار ایک اور گلی میں موڑتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" طفیل نے پوچھا۔

"ہمارے بارے میں مخبری کی گئی تھی اور کار کا نمبر بتا کر اطلاع دی گئی تھی کہ ہم اس طرف سے گزرنے والے ہیں۔ پولیس کی اس پارٹی سے تو ہم بچ نکلے لیکن آگے باغبانپورہ تھانہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نہر کے پاس سڑک بلاک ہو گی۔" شارق بولا۔

"پولیس کو یہ اطلاع کس نے دی ہو گی۔" طفیل بولا۔

"چودھری کرامت کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" شارق بولا۔

"باہر آ کر اس نے کار کا نمبر دیکھ لیا تھا اور ہمارے وہاں سے رخصت ہوتے ہی اس نے پولیس کو فون پر اطلاع دے دی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم بے خبری میں مارے جائیں گے لیکن اب اسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"چودھری تو واقعی حرامزادہ نکلا۔ اسے سزا ملنی چاہئے۔" عرفان نے کہا۔

کئی گلیوں میں گھومنے کے بعد شارق نے کار ایک جگہ روک لی۔ جی ٹی روڈ کی طرف پولیس کے سائرن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید مزید نفری آ گئی تھی اور انہیں گھیرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

گلیاں سنسان تھیں۔ وہ دوڑتے ہوئے گلیوں میں مڑتے رہے اور بالآخر اس گلی میں پہنچ گئے جس کے اختتام پر چودھری کرامت کا مکان اور مین روڈ کی طرف دکان تھی۔

مکان کی دیوار کے پاس رک گئے۔ شارق نے طفیل کو اشارہ کیا۔ اس نے گلی کے اگلے موڑ پر جھانک کر دیکھا۔ دکان بند تھی اور وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کا اشارہ پا کر شارق' عرفان کا سہارا لے کر بڑی آہستگی سے دیوار چڑھ گیا اور پھر اس نے عرفان کو بھی اوپر کھینچ لیا۔ دیوار کے دوسری طرف اترنے میں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور چودھری کرامت ٹیلی فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ شارق نے عرفان کو اشارہ کیا۔ وہ دکان والے دروازے کی طرف چلا گیا۔

شارق دبے قدموں چلتا ہوا کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا اور آڑ میں کھڑے ہو کر اندر کی آواز سننے لگا۔ چودھری کرامت کی آواز اگرچہ زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن اس کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ شارق کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"جو کام تم نہیں کر سکے وہ میں نے کر دیا ہے۔ شارق اور عرفان اب تک یا تو مارے جا چکے ہیں یا پولیس کے گھیرے میں ہیں اور وہ بچ کر نہیں جا سکیں گے۔ تم فکر ہی مت کرو۔ میں تمہارا دوست ہوں اور دوستی نبھانا جانتا ہوں۔ شارق ابھی بچہ ہے۔"

شارق آڑ سے نکل کر دروازے کے سامنے آ گیا۔ چودھری کرامت کا رخ دوسری طرف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اگر شارق کو پتا چل بھی گیا کہ پولیس کو میں نے اس کے بارے میں اطلاع دی تھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب تم کوئی فکر مت۔۔۔" بات کرتے کرتے وہ مڑا تو شارق کو دیکھ کر آواز اس کے حلق میں اٹک گئی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

شارق اسے پستول کی زد میں لیتا ہوا کمرے میں آ گیا اور ایک ہاتھ سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ماؤتھ پیس میں بولا۔

"شارق کو گھیرنا مارنا اتنا آسان نہیں پاجی جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ اس بدبخت کرامت کو تو میں ابھی اس کے انجام کو پہنچا دوں گا اور اب تم بھی اپنے انجام کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے کسی ٹھکانے کے بارے میں پولیس کو نہیں بتاؤں گا لیکن اب نہ صرف پولیس تمہارے پیچھے لگے گی بلکہ میں بھی تمہارا پیچھا کروں گا۔ جتنا بھاگ سکتے ہو بھاگ لو۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور کرامت کی طرف بڑھا۔ "تم تو بچوں کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ تمہیں حاجی کے ٹھکانے کا پتا نہیں۔ تم نے یہ قسم شاید اس لئے کھائی تھی کہ تمہاری بیوی کی کوکھ سے جنم لینے والے بچے تمہارے نہیں ہیں۔ چلو کوئی بات نہیں تمہاری اس بات کو تو میں معاف کر سکتا ہوں لیکن تم نے پولیس کو میرے بارے میں اطلاع دے کر اتنی بڑی غلطی کی ہے جسے میں معاف نہیں کر سکتا۔ تم سمجھتے تھے کہ پولیس مجھے آسانی سے پکڑ لے گی یا گولیوں سے بھون ڈالے گی۔ تم مجھے نہیں جانتے لیکن اب تمہیں پتا چل جائے گا۔

"مجھے معاف کر دو شارق باؤ۔" چودھری کرامت گڑگڑاتا ہوا اس کے قدموں پر گر گیا۔

شارق نے اسے پیر کی ٹھوکر سے دور گرا دیا۔ اس دوران عرفان بھی آ گیا۔ اس نے گردن سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ بھی خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس

aazzamm@yahoo.com

کو چارپائی پر پھینک دیا۔

"خاموشی سے پڑے رہو۔" وہ غرایا۔ "اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو گولی سے اڑا دوں گا۔"

"یہ باہر بیٹھا کیا کر رہا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"ٹرالی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔" عرفان نے بتایا۔ "تین بجے ایک اور ٹرالی پیچھے لے کر یہاں آنے والی ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر چودھری کرامت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں غیرت نہیں آئی پولیس کو ٹیلی فون کرتے ہوئے۔ کیا تم سمجھتے تھے کہ ہم مار دیئے جائیں گے اور تمہیں حاجی سے انعام ملے گا۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی عرفان باؤ۔" کرامت اب اس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

"اس لڑکے کا اور اس کا منہ باندھ دو۔ میں اسے بتاتا ہوں کہ ایسی غلطیوں کی سزا کیا ہوتی ہے۔" شارق نے کہا۔

عرفان نے بستر کی چادر پھاڑ کر پہلے بلے کا منہ اور ہاتھ پیر باندھے اور پھر چودھری کرامت کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر پٹی باندھ دی اور پھر دونوں اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کرنے لگے۔ کرامت زمین پر لوٹ پوٹ رہا تھا۔ اگر اس کا منہ بند نہ ہوتا تو اس کی چیخیں آسمان کی خبر لا رہی ہوتیں۔

عرفان نے جیب سے چاقو نکال لیا اور بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ وہ بری طرح زمین پر لوٹنے لگا۔

"میں تمہارے جسم کا ایک ایک حصہ الگ کر دوں گا۔" عرفان غرایا۔ "تم جانتے ہو میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔"

"ایک منٹ عرفان۔" شارق بولا۔ "پہلے اس سے معلوم کر لو کہ حاجی اس وقت کہاں ہے۔ منہ کھول اس کا۔"

"اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو ٹکڑے کر دوں گا تمہارے۔" عرفان کہتے ہوئے اس کے منہ پر بندھی ہوئی پٹی کھولنے لگا پھر منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا بھی نکال لیا۔

ناک کٹ جانے سے اس کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ سارا چہرہ خون آلود تھا۔ گردن پر بھی طرف اتر بہہ رہا تھا اور فرش پر بھی خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔

"بتاؤ۔۔۔ حاجی کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

نے عرفان کو اشارہ۔۔۔ وہ سمن آباد میں ہے۔" کرامت نے جواب دیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی آواز

میں عجیب خرخراہٹ تھی۔ "ملک سلطان کی کوٹھی نالے کے بالکل سامنے ہے۔ تم تو ملک سلطان کو جانتے ہو نا۔" اس نے خاموش ہو کر عرفان کی طرف دیکھا۔

"بس ٹھیک ہے۔" عرفان نے کہا اور اس کا منہ دوبارہ باندھ دیا۔

چارپائی پر پڑا ہوا بلا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور جب عرفان نے کرامت پر چاقو سے وار کیا تو بلے نے جھرجھری لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

عرفان پر جنون طاری تھا۔ وہ کرامت پر چاقو سے پے در پے وار کرتا رہا۔ بالآخر شارق نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ کرامت کا جسم زخموں سے چور تھا اور خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔

عرفان کچھ دیر کھڑا ہانپتا رہا پھر وہ بتدریج اپنے حواس میں آتا چلا گیا۔ اس نے چاقو پھینک دیا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

"یہ کپڑے لے جاؤ۔" شارق نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے چودھری کرامت کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "منہ ہاتھ دھو لو اور کپڑے بدل لو۔ ہمیں اب یہاں زیادہ نہیں رکنا چاہئے۔ پولیس کے سائرنگ کی آوازیں قرب و جوار میں سنائی دے رہی ہیں۔"

عرفان نے ایک بار پھر اپنے خون آلود ہاتھوں اور کپڑوں کی طرف دیکھا۔ اس نے بستر کی چادر سے اپنے ہاتھ صاف کئے اور کھونٹی پر لٹکے ہوئے کپڑے اتار کر باہر چلا گیا۔

شارق چودھری کرامت کی لاش کو دیکھتے ہوئے عرفان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنا سنگدل اور سفاک انسان ہے۔ یہ اس نے فاروق کی بیوی رعنا کو بھی اسی طرح قتل کیا ہو گا۔

پولیس سائرنگ کی آوازیں اب چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس پورے علاقہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس کی گاڑی پولیس کی نظروں میں آ گئی ہو گی اب پولیس کی زیادہ توجہ اسی علاقے پر ہو گی۔

شارق کا خیال درست نکلا۔ پولیس کی ایک گاڑی سائرنگ بجاتی ہوئی اس گلی میں سے بھی گزری تھی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد طفیل اندر آ گیا۔ وہ دکان کے باہر پٹوں کے گٹھوں میں چھپا ہوا تھا۔

شارق باؤ۔۔۔ وہ زمین پر پڑی ہوئی کرامت کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پولیس اس علاقے کو گھیرے میں لے رہی ہے۔ ہمارا نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"گھبراؤ نہیں پولیس گھروں کی تلاشی نہیں لے گی۔ ہم اس مکان کے اندر بالکل محفوظ ہیں۔ بشرطیکہ۔۔۔"

"آگے بول شارق باؤ۔" طفیل بولا۔

"بشرطیکہ حاجی پولیس کو یہاں ہماری موجودگی کی اطلاع نہ دے دے۔" شارق نے کہا۔

"اس جیسے کمینے آدمی سے کچھ بعید نہیں۔" طفیل بولا۔

aazzamm@yahoo.com

عرفان بھی دوسرے کمرے سے آ گیا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھو کر کرامت کے کپڑے پہن لئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک ٹریکٹر کی آواز سن کر وہ تینوں چونک گئے۔ شارق نے گھڑی دیکھی۔ اڑھائی بجے تھے۔ ٹریکٹر دکان کے سامنے سڑک پر رک گیا۔ طفیل نے شارق اور عرفان کی طرف دیکھا اور فوراً باہر نکل گیا۔

وہ پٹھوں سے لدی ہوئی ٹرالی تھی اور دو آدمی تھے۔ ایک ٹریکٹر پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا پٹھوں کے گٹھوں کے اوپر۔ گٹھوں پر بیٹھے ہوئے آدمی نے ایک گٹھا نیچے لڑھکا دیا تھا۔

"او بھائی پٹھے اتارنے سے پہلے چودھری سے بات کر لو۔ ایک ٹرالی تو اس نے پہلے ہی اتروا لی ہے۔" طفیل نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بھی تو اس نے کل سے کہا ہوا تھا۔" اوپر والا آدمی نیچے اترتے ہوئے بولا۔ "اگر اسے یہ ٹرالی نہیں چاہیے تو ہم باغبانپورہ چلے جاتے ہیں۔"

"اندر آ کر چودھری سے بات تو کر لو۔" طفیل نے کہا۔

وہ دونوں ٹرالی سے اتر آئے۔ دکان کے پچھلے دروازے سے نکل کر صحن میں پہنچے، طفیل نے بڑی پھرتی سے دیوار کے ساتھ کھڑی کی ہوئی رائفل اٹھالی اور بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"دونوں خاموشی سے دائیں طرف والے کمرے کی طرف چلو۔ اگر کوئی حرکت کی یا آواز نکالی تو گولیوں سے بھون دوں گا۔"

وہ دونوں اچھل پڑے لیکن ظاہر ہے ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ طفیل انہیں دائیں طرف والے کمرے میں لے آیا۔ جہاں شارق اور عرفان موجود تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو باندھ کر زمین پر ڈال دیا اور منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے۔

وہ تینوں دکان کے راستے باہر آ گئے۔ ٹھیک اسی وقت پولیس کی ایک جیپ سڑک پر سے گزری تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے گٹھوں کی آڑ میں ہو گئے۔

جیپ دور جا چکی تھی۔ وہ تینوں باہر آ گئے۔ طفیل ٹریکٹر کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور وہ دونوں ٹرالی پر چڑھ کر لیٹ گئے۔ اپنی رائفلیں انہوں نے پٹھوں کے نیچے چھپا دی تھیں۔ طفیل نے ٹریکٹر سٹارٹ کیا اور اسے داروغہ والا کی طرف موڑ دیا۔

داروغہ والا موڑ پر ایک پولیس پارٹی نے انہیں روک لیا۔

"کیا بات ہے صاحب بہادر۔ آج بڑی پولیس پھر رہی ہے۔" طفیل نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر تم نے مشکوک آدمیوں کو تو نہیں دیکھا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے پوچھا۔

"نہیں صاحب بہادر۔" طفیل نے جواب دیا۔ "راستے میں پولیس والوں کے علاوہ ہمیں کوئی مشکوک آدمی نہیں ملا۔ یا پھر ہم تینوں بھائی ہیں۔ ایک میں ہوں اور دو اوپر سوئے ہوئے ہیں۔"

"اوئے چل نکل یہاں سے جلدی کر۔" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

طفیل نے ٹریکٹر جی ٹی روڈ پر موڑ دیا۔ اس وقت جلو کی طرف سے بھی ایک ٹرالی آ رہی تھی لیکن اسے نہیں روکا گیا تھا۔

پولیس کی گاڑیاں اب بھی چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ ایک نہر کے پل پر تو پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ سڑک پر عام ٹریفک تو تھا نہیں۔ گاؤں دیہاتوں کی طرف سے آنے والی ٹریکٹر ٹرالیاں اور رہڑے وغیرہ ہی تھے۔ جن پر پٹھے، سبزیاں اور دودھ کے برتن لدے ہوئے تھے۔ پولیس والے انہیں روکتے۔ سرسری سے ایک دو سوال کرتے اور پھر جانے دیتے۔

پل پر ان کی ٹریکٹر ٹرالی کو بھی روکا گیا۔ ایک سب انسپکٹر بڑے اکھڑے لہجے میں طفیل سے سوالات کرنے لگا۔

"یہ ہمارا روز کا کام ہے جی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "ہر رات اسی وقت کبھی سبزیاں اور کبھی پٹھے لے کر منڈی جاتے ہیں۔ ہمارا اس وقت نکلنا کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ اور کون ہے اور یہ اوپر کون لیٹا ہوا ہے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میرے بھائی ہیں صاحب جی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "منڈی پہنچنے تک تھوڑی سی نیند پوری کر لیں گے۔ آپ چاہیں تو اوپر چڑھ کر ان کو بھی دیکھ لیں۔"

"اچھا۔ چلو جاؤ۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"بات کیا ہے صاحب جی۔ کس کی تلاش ہے آپ لوگوں کو۔ پورے علاقے میں پولیس پھیلی ہوئی ہے۔" طفیل نے پوچھا۔

"شارق اور اس کے ساتھی اس علاقے میں موجود ہیں۔ پولیس پارٹی کو دھوکہ دے کر نکل تو گئے ہیں مگر ہیں اسی علاقے میں۔ ان کی گاڑی پکڑی گئی ہے۔ وہ لوگ بچ کر نہیں جا سکتے۔ پورے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے ہم نے۔"

"یہ شارق کون ہے صاحب بہادر؟" طفیل نے پوچھا۔

"تم نہیں جانتے اسے بہت خطرناک مجرم ہے۔" اب تم جاؤ یہاں سے۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا اور پیچھے کھڑی ہوئی دوسری ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس پر گنے لدے ہوئے تھے۔

طفیل نے ٹریکٹر کو گیئر میں ڈال دیا اور اس طرح وہ پولیس کے ہجوم میں سے بڑے آرام سے نکل آئے۔

aazzamm@yahoo.com

پولیس کی سرگرمیاں سک نہر کے ساتھ باغبانپورہ تھانے تک ہی محدود تھیں۔ شالامار باغ سے آگے کوئی غیر معمولی بات دیکھنے میں نہیں آ رہی تھی۔ مغل پورہ والے موڑ سے ذرا آگے سڑک کے ساتھ کھلی جگہ پر سبزی منڈی لگنا شروع ہو گئی تھی۔

گھاس منڈی کے قریب پہنچ کر طفیل نے ٹریکٹر سڑک کے کنارے پر روک لیا۔ ٹرالی پر گٹھوں کے اوپر بیٹھے ہوئے شارق اور عرفان بھی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے پٹھوں کے نیچے چھپائی ہوئی رائفلیں بھی نکال لیں۔

طفیل ٹریکٹر سے نیچے اتر آیا تھا۔ چند ہی منٹ بعد پاکستان بازار کی طرف سے ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی تھا۔ کار جیسے ہی سڑک پر پہنچی طفیل نے سڑک کے بیچ میں آکر ہاتھ کے اشارے سے اسے روک لیا اور جھک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے بات کرنے لگا۔ اس دوران شارق اور عرفان بھی ٹرالی سے اتر آئے۔

"انجن چلتا چھوڑ دو اور کار سے اتر آؤ۔" شارق نے ڈرائیور کو پستول دکھاتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے طفیل اور عرفان کے پاس رائفلیں دیکھ لی تھیں۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"وہ اس طرف قبریں دیکھ رہے ہو۔" شارق نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سڑک سے کافی ہٹ کر ایک قبرستان تھا جس کے سامنے کچھ حصے پر چند دکانیں بنی ہوئی تھیں جو اس وقت بند تھیں۔

"خاموشی سے اس قبرستان کی طرف چلے جاؤ۔ اگر شور مچانے کی کوشش کی تو لاتعداد گولیاں تمہارے جسم میں پیوست ہو جائیں گی۔"

وہ شخص لڑکھڑاتا ہوا قبرستان کی طرف چل پڑا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کسی وقت گر پڑے گا۔ شارق کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر طفیل اور عرفان کے بیٹھتے ہی اس نے کار کو گیئر میں ڈال کر یوٹرن لیا اور اسے تیزی سے جی ٹی روڈ پر دوڑا لیا۔

کار کا مالک سڑک پر آکر شور مچانے لگا مگر کار بہت دور نکل چکی تھی۔

○

"شارق باؤ۔" عرفان کہہ رہا تھا۔ "تمہیں یاد ہے میری اور تمہاری پہلی ملاقات حاجی کی داروغہ والا کی کوٹھی میں ہوئی تھی۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ ماجھا گجر مجھے وہاں لے کر گیا تھا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عرفان بولا۔ "اور جب تم نے حاجی کے خلاف اس کوٹھی پر ہلہ بولا تھا تو حاجی وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ تم اس کوٹھی کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہو؟"

"وہ کوٹھی تو عرصہ سے خالی پڑی ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہو سکتی ہے۔" شارق بولا۔

"انہی دنوں تم نے قصور کے علاقے میں حاجی کا سونا پکڑا تھا۔" عرفان نے کہا۔ "اس سے کتنی تگنی مقدار میں سونا اس کوٹھی میں موجود تھا۔"

"وہ تو اس نے وہاں سے نکال لیا ہو گا؟" شارق نے کہا۔

"نہیں۔ وہ سونا اب بھی اسی کوٹھی کے تہ خانے میں موجود ہے۔" عرفان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بات کو تو عرصہ بیت گیا۔ حاجی نے وہ سونا وہاں سے نکال لیا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

"نہیں شارق باؤ۔ وہ سونا اب بھی وہاں موجود ہے۔" عرفان نے جواب دیا۔ "اگر وہ سونا وہاں سے نکالا گیا ہوتا تو مجھے علم ہوتا۔ وہ سونا اب بھی وہاں موجود ہے۔"

"تو پھر کسی دن ہو جائے حملہ اس کوٹھی پر۔" ثمینہ نے کہا۔

"کسی اور دن کیوں۔ آج ہی کیوں نہیں۔" عرفان نے کہا۔ "وہاں صرف ایک آدمی ہے۔ کوٹھی کا چوکیدار۔ اسے قابو کرنا مشکل نہیں ہو گا۔ حاجی تو ویسے بھی سمن آباد میں سلطان والی کوٹھی میں چھپا بیٹھا ہے۔ وہ باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تیاری پکڑو۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

اس وقت رات کے آٹھ ہی بجے تھے۔ شارق، طفیل اور عرفان کے ساتھ ثمینہ بھی جانے کو تیار ہو گئی۔ ساڑھے آٹھ بجے وہ چاروں اپنے مکان سے نکل رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی گاڑی وغیرہ نہیں تھی۔ اس رات چھینی ہوئی گاڑی انہوں نے ایک سڑک پر چھوڑ دی تھی اور یہ اس کے چوتھے دن کی بات تھی۔

تیزاب احاطے کے چوک پر انہیں ٹیکسی مل گئی اور وہ لوگ داروغہ والا کی طرف روانہ ہو گئے۔

حاجی کی کوٹھی سے چند گز دور انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ وہ چاروں پیدل چلتے ہوئے کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ شارق وغیرہ تو کوٹھی کے سامنے درختوں کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور ثمینہ نے آگے بڑھ کر کال بیل بجا دی۔ دروازہ تیسری مرتبہ بیل بجانے کے بعد ہی کھلا تھا۔ وہ گٹھے ہوئے جسم کا تنومند آدمی تھا۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ ثمینہ نے اس کی قمیض کے نیچے پستول کی موجودگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"کس سے ملنا ہے بی بی۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"یہ اکبر صاحب کی کوٹھی ہے نا۔۔ مجھے اندر آنے کے لئے راستہ تو دو۔" ثمینہ نے مسکراتے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے کہا اور بڑی آہستگی سے اس آدمی کو ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔

"بی بی-- آپ غلط جگہ پر آ گئی ہیں- یہ کوٹھی اکبر صاحب کی نہیں ہے-" چوکیدار نے ثمینہ کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا- مگر وہ دو قدم مزید آگے آ گئی-

"اوہ-- اب مجھے یاد آ گیا" ثمینہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی- "یہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ہے- ہاں ہاں بالکل وہی ہے-"

"آپ آپ ٹھیک سمجھیں- مگر آپ--" چوکیدار کہتے کہتے خاموش ہو کر دروازہ کی طرف دیکھنے لگا- پہلے طفیل اندر داخل ہوا پھر شارق اور آخر میں عرفان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف سا ابھر آیا- "تت-- تم-- تم لوگ کون ہو بھئی- اس طرح اندر کیوں گھس آئے ہو؟"

"واہ شیر محمد واہ-" عرفان مسکراتے ہوئے بولا- "مجھے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا-"

"تت--- تم یہاں کیوں آئے ہو-" چوکیدار شیر محمد نے کہا- "حاجی صاحب نے تمہارے بارے میں سب کو اطلاع دے دی ہے- تم نے تین دن پہلے ان کا ایک بندہ بھی مارا تھا- پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور اگر حاجی کو پتا چل گیا کہ تم یہاں آئے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا-"

"اسے پتا کیسے چلے گا-" عرفان نے کہتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا-

شیر محمد کا چہرہ دھواں ہو گیا- وہ مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگا جہاں بان کی چارپائی پر اس کی دو نالی بندوق رکھی ہوئی تھی-

"اب خاموشی سے اندر چلو- ورنہ گولی مار دوں گا-" عرفان غرایا-

"تم غلط کر رہے ہو عرفان باؤ-" اگر حاجی کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا-" شیر محمد نے کہا-

"اندر چلو-" عرفان نے اس کے کولہوں پر لات رسید کر دی-

"چچ-- چلتا ہوں-" شیر محمد لڑکھڑا کر آگے بڑھ گیا-

عرفان اس سے دو قدم پیچھے تھا- برآمدے میں پہنچ کر شیر محمد نے اچانک ہی گھوم کر عرفان کے پیٹ پر ٹھوکر مار دی اور چارپائی پر پڑی ہوئی بندوق کی طرف لپکا- لیکن اس سے پہلے کہ وہ وہاں تک پہنچتا' شارق ہوا میں اڑتا ہوا چارپائی پر گرا اور بندوق پر قبضہ کر لیا-

"تم واقعی بہادر ہو-" وہ شیر محمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا- "یہ جانتے ہوئے کہ ہم چار ہیں تم نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی- میں تمہاری بہادری کی داد دیتا ہوں لیکن اب خاموشی سے اندر

چلو اور ایک بات ذہن میں رکھنا کوئی اور چالاکی تمہاری زندگی کا خاتمہ بھی کر سکتی ہے-"

"شیر محمد چند لمحے خونخوار نظروں سے باری باری انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور برآمدے والا دروازہ کھول دیا-

سب سے پہلے عرفان اندر داخل ہوا- اس نے دیوار ٹٹول کر بتی جلا دی اور شارق وغیرہ شیر محمد کو دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے-

سڑک پر ٹریفک جاری تھا- اس خدشے کے پیش نظر کہ وہ دیکھ نہ لئے جائیں شارق نے دروازہ بند کر دیا اور سوالیہ نظروں سے عرفان کی طرف دیکھنے لگا-

"اسے باندھ کر یہاں قالین پر ڈال دیتے ہیں- ہم اطمینان سے اپنا کام کرتے رہیں گے-" عرفان نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا-

شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا- یہ بڑا ہال کمرہ تھا جو پوری طرح آراستہ تھا- فرش پر دبیز قالین اور صوفے بچھے ہوئے تھے- شیشے کی ٹاپ والی تین کافی ٹیبلز تھیں- ایک دیوار پر خانہ کعبہ کی تصویر کا بہت بڑا خوبصورت فریم آویزاں تھا- مینٹل پیس پر بھی ڈیکوریشن کی کچھ چیزیں آراستہ تھیں- ہر چیز صاف ستھری تھی جس کا مطلب تھا کہ شیر محمد اپنے فرائض سے غافل نہیں تھا-

طفیل برآمدے میں جا کر چارپائی کی پائنتی کی رسی نکال لایا اور شیر محمد کو باندھ کر قالین پر ڈال دیا گیا-

"ہمیں پچھلے کمرے کی طرف جانا ہو گا-" عرفان نے کہا-

"تم دونوں یہیں رکو-" شارق نے ثمینہ اور طفیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا- "اول تو یہاں کسی اور کے آنے کی امید نہیں لیکن اگر کوئی آ بھی گیا تو اڑا دینا اسے-"

طفیل نے جیب سے پستول نکال لیا اور شیر محمد کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا- شارق اور عرفان اندرونی دروازے میں داخل ہو گئے تو ثمینہ ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی-

عرفان اور شارق دو تین کمروں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں رک گئے-

"اس الماری کے پیچھے تہ خانے کا راستہ ہے-" عرفان نے شیشے کے دروازے والی ایک الماری کی طرف اشارہ کیا- الماری کو تالا لگا ہوا تھا اور اس میں کچھ کتابیں سجی ہوئی تھیں- تمام مذہبی کتابیں تھیں جنہیں دیکھ کر یہی کہا جا سکتا تھا کہ حاجی بہت دیندار اور نیک آدمی ہے-

عرفان نے تالا توڑ دیا اور الماری کھول کر سب سے نیچے والے خانے سے کتابیں نکال کر قریب پڑی ہوئی کرسی پر رکھنے لگا- پھر خالی ہونے والی جگہ پر ہاتھ ڈال کر اندر لگے ہوئے ایک کنڈے کو کھینچ لیا- پوری الماری گھوم گئی-

aazzamm@yahoo.com

الماری کے پیچھے طرف ایک کشادہ خلا تھا۔ عرفان نے اندر داخل ہو کر دیوار پر لگا ہوا سوئچ آن کر دیا اور شارق کو اشارہ کیا۔

خلا میں روشنی ہو گئی تھی۔ شارق اندر داخل ہو گیا۔ تقریباً" چار فٹ چوڑی سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آ گئے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر بھی ایک دروازہ تھا جس پر موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ عرفان نے پستول کی نال تالے پر رکھ کر ٹرائیگر دبا دیا۔ تالا ٹوٹ کر لٹک گیا۔ اسے یقین تھا کہ فائر کی آواز اس کوٹھی سے باہر نہیں گئی ہو گی۔

دروازے کے دوسری طرف کشادہ ہال تھا جس کے اطراف میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک ایک کمرے کا دروازہ کھولتے گئے۔ تین کمرے خالی تھے۔ ایک کمرے میں لکڑی کی پندرہ بیس پیٹیاں تھیں۔ شارق نے ایک دو پیٹیاں کھول کو دیکھیں ان سب میں روسی ساخت کے پستول بھرے ہوئے تھے اور آخری کمرے میں لکڑی کی چار پیٹیاں تھیں۔ انہیں کھولتے ہوئے شارق کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ انت مام پیٹیوں میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے اور شارق کے اندازے کے مطابق اس سونے کا مجموعی وزن چار ٹن سے کم نہیں تھا۔

"حیرت ہے۔" وہ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اتنا اسلحہ اور سونا یہاں موجود ہے لیکن اس کوٹھی کو بالکل غیر محفوظ چھوڑ دیا گیا۔"

"اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔" عرفان بولا۔ "یہ سونا اور اسلحہ اس وقت یہاں لایا گیا تھا جب تم نے قصور میں اس کا سونا لوٹا تھا اور اس واقعہ کو چار مہینے ہو چکے ہیں۔ پھر یہ کوٹھی پولیس کی نظروں میں آ گئی۔ حاجی کی تلاش میں پولیس تین مرتبہ اس کوٹھی پر چھاپہ مار چکی ہے۔ حاجی نے اگرچہ اس کے بعد ایک مرتبہ بھی ادھر کا رخ نہیں کیا لیکن اسے یہ اطمینان ہو گا کہ سونا محفوظ ہے۔ وہ جس قسم کے حالات سے دوچار رہا ہے ان کے پیش نظر اسے یہ اسلحہ اور سونا کہیں اور منتقل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ اسے لے کر کہاں جاتا۔ ہر جگہ تو چھاپے پڑے رہے ہیں۔ اس لئے ہر جگہ غیر محفوظ سمجھ کر اس نے یہ مال یہیں رہنے دیا۔ صرف ایک چوکیدار کا رکھا جانا بھی ایک نفسیاتی حربہ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف کوٹھی کے سامان کی دیکھ بھال کیلئے ہے۔ ویسے اس تہ خانے کا راستہ حاجی اور مقصود کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ مجھے بھی ایک روم محض اتفاق سے پتا چل گیا تھا اور میں نے حاجی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"یہ کوٹھی تو اب بھی پولیس کی نگاہ میں ہو گی۔" شارق بولا۔ "اگر پولیس کو بھنک بھی مل گئی کہ یہاں کوئی موجود ہے تو وہ ریڈ کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔"

"اسی لئے تو برآمدے والا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور کوئی فالتو بتی بھی نہیں جلائی گئی تاکہ

کسی کی توجہ مبذول نہ ہو سکے۔ ویسے بھی اب کیا پروگرام ہے۔" عرفان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹیلی فون کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اوپر۔" عرفان نے جواب دیا۔

وہ دونوں اوپر اس کمرے میں آ گئے جہاں ٹیلی فون موجود تھا۔ ان کی آوازیں سن کر ثمینہ بھی اس کمرے میں آ گئی تھی۔ شارق نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایس پی سہیل کے گھر کا نمبر ملایا۔ کال اس کی بیٹی نے ریسیو کی تھی۔

"پاپا کھانے کی میز پر بیٹھے ہیں۔ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ آپ ایک گھنٹے بعد فون کیجئے گا۔" اس نے کہا۔

"ان سے کہو کہ شارق کا فون ہے۔ کھانا کھا کر مجھے اس نمبر پر رنگ کر لیں۔ میں یہاں چند منٹ سے زیادہ نہیں رکوں گا۔" شارق نے سیٹ پر لکھا ہوا نمبر نوٹ کروا کر ریسیور رکھ دیا۔

صرف دو منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ شارق نے مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق کال ایس پی سہیل کی تھی۔

"مجھے شارق سے بات کرنی ہے۔ ابھی اس نے مجھے فون کیا تھا۔"

"شارق ہی بول رہا ہوں جناب۔" شارق نے جواب دیا۔ "آپ کو کھانے کے دوران زحمت دی۔ لیکن کیا کروں میرے پاس وقت کم ہے اور اطلاع بہت اہم۔۔ اب فرمایئے کیا حکم ہے۔"

"میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔ تفصیل سے بتاؤ۔" سہیل نے کہا۔

"یہاں اسلحہ کی چند پیٹیاں اور تقریباً" چار ٹن سونے کے بسکٹ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ کہاں' فوراً" بتاؤ میں آ رہا ہوں۔" سہیل بولا۔

"داروغہ والا میں حاجی کی ایک پرانی کوٹھی ہے۔" شارق بتانے لگا۔ "اس کوٹھی کے تہ خانے کے دو کمروں میں اسلحہ اور سونے کی پیٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ میں تہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا چھوڑ جاؤں گا۔ ایک کمرے میں آپ کو حاجی کا ایک آدمی بھی بندھا ہوا ملے گا۔ تو آپ کتنی دیر میں آ رہے ہیں۔"

"ایک گھنٹہ تو لگے گا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ایک گھنٹے تک انتظار کروں گا اور آپ سے پہلے یہاں کسی اور کو نہیں پہنچنا چاہئے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟" شارق بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"سمجھ رہا ہوں۔۔"

سہیل کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر شارق نے فون بند کر دیا۔

"ایس پی سہیل ایک گھنٹے بعد یہاں آ رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ اکیلا نہیں ہو گا۔ ہم اس کے آنے سے چند منٹ پہلے یہاں سے نکل جائیں گے۔" شارق نے ثمینہ اور عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اس ایک گھنٹے کے دوران کیا کیا جائے۔" عرفان بولا۔

"چائے پی جا سکتی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں گھومتی ہوئی کچن کی طرف نکل گئی تھی۔ وہاں ہر چیز موجود ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔ ہم نے تو ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کچن کی طرف چلی گئی اور وہ لوگ ہال کمرے میں آ گئے۔ شیر محمد قالین پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اسی رسی سے پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ طفیل اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا پستول سے کھیل رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ثمینہ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران گفتگو بھی جاری رہی۔ عرفان نے شارق سے سوال کیا تھا کہ اس نے ایس پی سہیل کو اطلاع کیوں دی۔

"اس لئے کہ وہ ایک دیانتدار اور فرض شناس آفیسر ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "حاجی کے اڈوں کے بارے میں اس سے پہلے بھی اسی کو اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اب یہاں سونے کے بسکٹوں کی چار پیٹیاں ہیں اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان پیٹیوں میں سے ایک بھی بسکٹ غائب نہیں ہو گا۔"

"پولیس کا ہر آدمی اگر ایسا ہی ذمہ دار اور فرض شناس اور دیانتدار ہوتا تو ہم اس طرح تباہی کے دہانے پر نہ کھڑے ہوتے۔"

وہ لوگ اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ تقریباً" پینتالیس منٹ بعد وہ لوگ اٹھ کر برآمدے میں آ کھڑے ہوئے پھر کوٹھی سے باہر آ گئے۔ پولیس اب کسی بھی وقت پہنچ سکتی تھی۔

"اگرچہ ساڑھے دس بج رہے تھے لیکن سڑک پر اب بھی ٹریفک رواں دواں تھا۔ زیادہ آمدورفت بسوں، ٹرکوں اور ٹریکٹر ٹرالیوں کی تھی۔ وہ چاروں کوٹھی سے تقریباً" پچاس گز آگے جا کر سڑک پار کر کے اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کسی بس وغیرہ کا انتظار کر رہے ہوں۔

انہیں آدھا گھنٹہ مزید انتظار کرنا پڑا اور پھر سفید رنگ کی ایک کار اور پولیس کی چار پانچ

گاڑیاں کوٹھی کے سامنے رکیں۔ مسلح پولیس والے گاڑیوں سے اتر کر کوٹھی کے سامنے پھیل گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کچھ پولیس والے رائفلیں تانے اندر گھس گئے تھے۔ سفید کار سے اترنے والا شخص سادہ لباس میں تھا۔ وہ بھی کار سے اتر کر دوڑتا ہوا کوٹھی میں گھس گیا۔

شارق وغیرہ سڑک کے دوسری طرف کھڑے دیکھتے رہے۔ اس نے دور ہی سے سفید کار سے اترنے والے سادہ لباس والے شخص کو پہچان لیا تھا۔ وہ ایس پی سہیل تھا۔

شارق مطمئن ہو گیا۔ چند منٹ بعد اس نے جلو کی طرف سے آنے والی ایک ویگن کو اشارہ کیا۔ ویگن تقریباً" خالی تھی۔ وہ چاروں اس میں بیٹھ گئے۔ کوٹھی کے سامنے سے گزرتے ہوئے شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایس پی سہیل ایک باوردی انسپکٹر کے ساتھ کوٹھی کے گیٹ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

○

اخبار میں یہ خبر پڑھ کر حاجی ناچ اٹھا تھا۔

وہ ان دنوں سمن آباد میں اپنے ایک پرانے کارکن سلطان کی کوٹھی میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ سلطان دراصل جرمنی میں اس کا نمائندہ تھا۔ وہ کئی سال سے جرمنی میں رہائش پذیر تھا۔ جرمنی کے علاوہ مشرقی یورپ کے اور بھی کئی ممالک سے اس کے رابطے تھے۔ کاروبار کی آڑ میں جرمنی میں جو بھی مال پہنچتا وہ سلطان کے ذریعے ہی ترسیل ہوتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ سے مال کی ترسیل میں گڑبڑ ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس نے جرمنی کے ایک اخبار میں بھی یہ خبر پڑھی تھی کہ پاکستان میں ہیروئن کے بین الاقوامی سمگلر حاجی عبداللہ کی گرفتاری کیلئے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ اسے تھوڑی بہت گڑبڑ کا پتا تو چلا تھا لیکن تفصیلی حالات معلوم نہیں تھے۔

جرمنی میں اسے مختلف پارٹیوں سے معاملات میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ پاکستان سے مال نہیں پہنچ رہا تھا اور پارٹیاں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے کئی مرتبہ حاجی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور بالآخر صورتحال معلوم کرنے کیلئے خود آ گیا تھا۔

لاہور پہنچ کر بھی اس نے حاجی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن فوری طور پر کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں آنے کے دوسرے ہی دن اسے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ حاجی جیسا بااثر آدمی پولیس سے چھپتا پھر رہا تھا۔ لاہور پہنچ کر ہی سلطان کو شارق اور ثمینہ کے بارے میں بھی پتا چلا تھا۔ ان دونوں کے بارے میں اس نے سنا ضرور تھا لیکن ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

صورتحال سے اندازہ ہوتا تھا کہ حاجی کی تباہی کے ذمہ دار ثمینہ اور شارق ہی ہیں۔

کئی روز بعد سلطان مقصود سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مقصود سے ہی اسے اصل صورتحال کا علم ہوا تھا۔ مقصود سے بات ہونے کے دوسرے ہی دن نمبر مارکیٹ والے اسلحہ کے گودام پر چھاپہ پڑا تھا اور پھر اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے پتا چلا تھا کہ حاجی کی تباہی کے ذمہ دار شارق اور ثمینہ ہی تھے۔ وہی حاجی کے اڈوں کی مخبری کر رہے تھے۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ شارق بھی پولیس کو اتنا ہی مطلوب ہے جتنا حاجی۔ لیکن سلطان کے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک عام آدمی حاجی سے تو شدید نفرت کرتا تھا لیکن شارق کو نہ صرف عوام کی ہمدردیاں حاصل تھیں بلکہ پولیس کا اعلیٰ سطح کا ایک حلقہ بھی اس کی حمایت میں تھا۔

اور پھر مقصود ہی سے سلطان کو یہ پتا چلا کہ حاجی ان دنوں چودھری کرامت کے ہاں پناہ گزیں ہے۔ وہ کرامت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی مقصود نے اس کا فون نمبر یا پتا وغیرہ بتایا تھا۔ وہ حاجی سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن مقصود نے کہا تھا کہ حاجی کو اس کا نمبر دے دیا گیا ہے وہ مناسب وقت پر خود ہی اس سے رابطہ کر لے گا۔

اور پھر اس رات گیارہ بجے کے قریب اسے حاجی کا فون ملا تھا۔ فون پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہوئی تھی۔ حاجی نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ اس کے گھر آ رہا ہے اور پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حاجی دو آدمیوں کے ساتھ اس کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ ان میں ایک رب نواز تھا اور دوسرا دلاور۔

سلطان کی کوٹھی بیس کنال کے رقبے پر مشتمل تھی۔ ایک حصے پر رہائشی عمارت تھی اور باقی حصے پر بہت بڑا لان بنا ہوا تھا۔ کوٹھی کی دیوار کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف آم اور جامن کے درخت بھی تھے۔ سلطان اگرچہ طویل عرصہ سے ملک سے باہر تھا لیکن اس کا ملازم بہت مناسب طریقے سے کوٹھی کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔

کوٹھی کے سامنے بیس فٹ چوڑی پختہ سڑک تھی۔ اس سے آگے پندرہ بیس فٹ چوڑا پختہ نالا تھا۔ اس نالے کے وسط میں تین چار فٹ چوڑی نالی تھی جس میں پانی بہتا رہتا تھا۔ باقی حصہ خشک رہتا تھا۔ البتہ برسات کے دنوں میں یہ نالہ پانی سے بھر جاتا تھا۔ پچھلے دنوں کی بارش سے اس نالے میں اب بھی تھوڑا بہت پانی تھا۔ نالے کے دوسری طرف بھی ایسی ہی سڑک اور اس کے ساتھ کوٹھیاں تھیں۔

سلطان کی کوٹھی کے پچھلی طرف کشادہ گلی تھی اور اس طرف بھی گیٹ تھا۔ ان کوٹھیوں میں رہنے والوں کی زیادہ آمدورفت اسی گلی سے ہوتی تھی۔ لیکن حاجی کی گاڑی نالے والی طرف سے آئی تھی۔

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جس طرح ان کی آمد ہوئی تھی اس سے سلطان کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ حاجی اب یہیں رہے گا۔ کم از کم اس وقت تک جب

تک اسے کوئی خطرہ محسوس نہ ہو۔

"حاجی صاحب۔" سلطان نے کہا۔ "یہاں کے حالات دیکھ کر اور مقصود کی باتوں سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ آپ کے خلاف ان کارروائیوں میں شارق اور ثمینہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ لوگ کون ہیں۔ کیا دشمنی ہے آپ سے۔ میں نے تو سنا تھا کہ وہ آپ کا رائٹ ہینڈ ہے۔"

"غلطی میری ہی تھی۔" حاجی نے کہا۔ "میں نے اسے فٹ پاتھ سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا لیکن وہ بہت کم ظرف نکلا۔ وہ دراصل سانپ ہے جسے میں نے آستین میں پالا تھا۔ اب وہ مجھے بار بار ڈس رہا ہے۔"

"لیکن وہ آپ کے خلاف کیوں ہوا؟ اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔" سلطان نے پوچھا۔ "میں نے تو سنا ہے اس نے آپ کے لئے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔ آج تک کی تاریخ میں ہیروئن کی سب سے بڑی کھیپ اسی نے سمندر کے راستے ملک سے باہر پہنچائی تھی۔"

"ہاں یہ درست ہے۔" حاجی نے کہا۔ "مجھے یہ اعتراف ہے کہ واقعی بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے لیکن مجھے برباد کرنے میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔ وہ اب تک مجھے اربوں ڈالر کا نقصان پہنچا چکا ہے۔ مجھے بالکل برباد کر دیا ہے اس نے۔ میرے منہ پر کالک مل دی ہے۔ پوری دنیا میں رسوائی ہو رہی ہے۔ پوری دنیا میں میری ساکھ تباہ کر دی ہے۔"

"اس کی کوئی وجہ تو ہو گی؟" سلطان نے کہا۔

"وجہ!" حاجی نے اسے گھورا۔ "اسے مال لینے کیلئے افغانستان بھیجا تھا۔ وہاں اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ افغان ایجنٹوں کو قتل کر کے اس نے مال پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرے آدمی بروقت پہنچ گئے اور یہ جان بچا کر بھاگ آیا۔ یہاں آ کر اس نے مجھے ایک نئی کہانی سنا دی۔ لیکن افغان ایجنٹ بھی یہاں پہنچ گئے اور مجھے اصل کہانی کا پتا چل گیا۔ میں نے شارق سے باز پرس کرنا چاہی تو وہ دھمکیاں دیتا ہوا بھاگ گیا۔ میرا خیال تھا وہ واپس آئے گا اور ڈانٹ ڈپٹ کر معاملہ ختم کر دے گا۔ لیکن اس نے میرے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میرے ایک دو آدمی اس کے ہاتھ میں مارے گئے ہیں۔"

سلطان کو حاجی کی اس کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ شارق اس کا کارندہ ہی تو تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے کوئی بے ایمانی کی ہو۔ لیکن معمولی سی بات پر اتنا بڑا ہنگامہ۔ اس قسم کے بزنس میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں اور ایسے معاملات افہام و تفہیم سے طے بھی ہو جاتے ہیں اور پھر شارق کو حاجی کی طاقت کا اندازہ ہو گا۔ اس سے ٹکرانے کیلئے ہمت کی ضرورت تھی اور شارق نے یہ ہمت کی تھی تو یقیناً کوئی اہم بات ہو گی۔ کسی چھوٹی سی بات کیلئے وہ اپنے آپ کو خطرے میں

aazzamm@yahoo.com

نہیں ڈال سکتا تھا۔

حاجی کی بات پر یقین نہ کرنے کے باوجود سلطان نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔

"لیکن حاجی صاحب۔۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "عرفان تو آپ کا بہت ہی قابل اعتماد آدمی تھا اسے کیا ہوا؟"

"تم شارق کو نہیں جانتے۔" حاجی نے کہا۔ "اس کے ساتھ جو لڑکی ہے نا ثمینہ وہ ناگن ہے ناگن۔ اس نے عرفان کو اپنے حسن کے جال میں پھنسا لیا ہے اور عرفان محض اس خوبصورت ناگن کی وجہ سے مجھے چھوڑ کر ان کے ساتھ جا ملا ہے۔"

سلطان نے مزید کوئی جرح نہیں کی۔ ویسے اسے شبہ ہو گیا تھا کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے۔ یقیناً" حاجی سے کوئی ایسی غلطی ہوئی ہو گی جس کا خمیازہ وہ اب بھگت رہا تھا ہے۔ اس نے معاملے کی تحقیقات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ بھی طے کر لیا کہ اس معاملے میں اگر حاجی قصور وار ثابت ہوا تو وہ اسے چھوڑ کر خاموشی سے جرمنی واپس چلا جائے گا۔

حاجی کو یہاں آئے ہوئے دو دن ہو چکے تھے اور پھر تیسرے روز اخبار میں چودھری کرامت کے قتل کی خبر پڑھ کر وہ اچھل پڑا تھا۔ اس کے جسم کے مسام پسینہ اگلنے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حاجی اس قدر زیادہ خوفزدہ ہوا تھا۔ گزشتہ رات چودھری کرامت نے اسے فون پر بتایا تھا کہ شارق اور عرفان آئے تھے اور اس سے حاجی کے بارے میں پوچھ رہے تھے لیکن اس نے نہ صرف انہیں ٹال دیا بلکہ پولیس کو بھی شارق کے بارے میں فون پر گمنام اطلاع دے دی تھی اور اب وہ بچ نہیں سکے گا۔ وہ فون پر بات کر ہی رہا تھا کہ شارق کی آواز سنائی دی تھی۔ شارق نے دھمکی دی تھی۔ حاجی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ شارق دوبارہ وہاں پہنچ گیا تھا۔

اس کے بعد حاجی نے کئی مرتبہ سوچا تھا کہ پولیس کو فون کر کے کرامت کے مکان میں شارق کی موجودگی سے آگاہ کر دے لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ وہ جانتا تھا کہ شارق بہت چالاک آدمی ہے اور پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں سے نکل جائے گا اور اب اخبار میں چودھری کرامت کے قتل کی خبر پڑھ کر وہ کانپ اٹھا تھا۔ شارق نے اسے بھی دھمکی دی تھی کہ اب وہ براہ راست اس کے سامنے آئے گا۔

جب سے شارق سے تنازعہ شروع ہوا تھا شارق ہی کا پلہ بھاری رہا تھا۔ شارق اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا چکا تھا لیکن حاجی ابھی تک اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا تھا۔ بگاڑتا تو کیا وہ تو اس کا سراغ بھی نہیں لگا سکا تھا۔ اس کے برعکس خود حاجی کو ہر دوسرے تیسرے دن اپنا ٹھکانہ بدلنا پڑتا تھا اور حاجی کیلئے حیرت کی بات یہ تھی کہ شارق فوراً" ہی اس کے نئے ٹھکانے کا پتا چلا لیتا تھا۔ وہ

جس طرح نہایت خفیہ طور پر چودھری کرامت کے مکان سے نکلا تھا اسے یقین تھا کہ اب شارق اس کا سراغ نہیں لگا سکے گا لیکن شارق دوبارہ عین اس وقت کرامت کے مکان پر پہنچ گیا تھا جب کرامت فون پر اس سے بات کر رہا تھا اور شارق نے کرامت سے فون کا ریسیور چھین کر اس سے بات کی تھی۔

تین چار دن گزر گئے تھے۔ شارق نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ شارق نے چودھری کرامت سے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہو گی۔ کرامت نے اپنی جان تو دے دی مگر اس کا ٹھکانہ نہیں بتایا ہو گا۔

اس روز حاجی رات بھر بے چین رہا تھا۔ اسے ایک لمحہ کو بھی نیند نہیں آ سکی تھی۔ ایک عجیب سا اضطراب تھا۔ کبھی وہ بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگتا اور کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔

صبح پانچ بجے کے قریب وہ کمرے سے نکل کر باہر آ گیا اور ننگے پیر لان میں گھاس پر ٹہلنے لگا۔ دلاور اس وقت برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی گود میں کلاشنکوف رائفل رکھی ہوئی تھی۔ دلاور اور رب نواز رات کو باری باری جاگ کر پہرہ دیتے تھے۔

اس وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حاجی کو گھاس پر ٹہلتے ہوئے کچھ سکون سا ملا۔ وہ گھاس پر بیٹھ گیا۔ دلاور نے ایک گارڈن چیئر اس کے پاس لا کر رکھ دی۔

"کرسی پر بیٹھ جائیں حاجی جی۔ گھاس پر اوس پڑی ہوئی ہے۔ کپڑے گیلے ہو جائیں گے۔"

"اوئے رہنے دو اوئے۔" حاجی بولا۔ "اب تو ہر چیز پر اوس پڑ گئی ہے۔" دلاور دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ حاجی کچھ دیر تک تو گھاس پر ہی بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب دھپ کی ہلکی سی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اخبار والا گلی سے گزرتے ہوئے اخبار پھینک گیا تھا اور دلاور اپنی جگہ سے اٹھ کر اخبار اٹھانے جا رہا تھا۔ حاجی نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"حاجی جی۔۔ حاجی جی۔۔ یہ دیکھیں کیا ہو گیا۔۔؟"

دلاور کی آواز سن کر حاجی نے گڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا ہوا ہے؟ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے اب۔" وہ کرسی پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ دلاور اس کے قریب کھڑا تھا اور اس نے اخبار اپنے سامنے پھیلا رکھا تھا۔

"غضب ہو گیا حاجی جی۔" دلاور بولا۔ "پولیس نے داروغہ والا' والی کوٹھی پر چھاپہ مارا ہے اور

aazzamm@yahoo.com

تہ خانے کا سارا مال پولیس کے قبضے میں آگیا ہے۔"

"کیا بکتے ہو۔" حاجی اچھل پڑا۔ اس نے دلاور کے ہاتھ سے اخبار جھپٹ لیا۔ پہلے ہی صفحہ پر چار کالمی سرخی تھی۔

"شارق کی نشاندہی پر حاجی عبداللہ کی کوٹھی پر چھاپہ۔"

"کروڑوں روپے کا اسلحہ اور چار من سونا برآمد۔"

"حاجی اس خبر کو پڑھتا چلا گیا۔ اس کے دماغ سے نیند کا خمار نکل گیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سامنے کھڑے ہوئے دلاور کی طرف دیکھتے ہوئے دھاڑا۔

"صبح سویرے یہی منحوس خبر سنانی تھی تم نے مجھے۔"

"یہ خبر تو اخبار میں چھپی ہے حاجی جی۔ اس میں میرا کیا قصور۔" دلاور نے جواب دیا۔

حاجی اسے گھورتا ہوا اندر آگیا اور ہال کمرے میں ایک صوفے پر گر سا گیا۔ دلاور بھی اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔ حاجی مسلسل چیخ رہا تھا۔

"اس اخبار نے لکھا ہے کہ ایس پی سہیل کو شارق نے اسی کوٹھی سے فون پر اطلاع دی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں شیر محمد کہاں مر گیا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے شارق کوٹھی میں داخل کیسے ہوا تھا۔

"حاجی جی اخبار میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب پولیس کوٹھی میں داخل ہوئی تو تمام دروازے کھلے ہوئے تھے اور کوٹھی کا چوکیدار شیر محمد قالین پر بندھا پڑا تھا۔ اس چھوٹی سی خبر میں شیر محمد کا بیان بھی چھپا ہے۔ آپ نے وہ نہیں پڑھا۔" دلاور نے کہا۔

"اوئے میں نے تو صرف یہی ایک خبر پڑھی ہے جس نے میرے دل پر قیامت ڈھا دی ہے۔ میرا آخری اثاثہ وہی تھا۔ میرا خیال تھا کہ پولیس کبھی اس تہ خانے تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اس تہ خانے کے بارے میں تو شارق کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے پولیس کو کیسے بتا دیا۔"

"وہی تو آپ کو بتا رہا ہوں۔" دلاور بولا۔ "یہ شیر محمد کا بیان تو پڑھیں۔ اس کے کہنے کے مطابق ایک جوان اور خوبصورت عورت نے کال بیل بجائی تھی۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو وہ عورت اندر گھس آئی اور اس سے کسی اکبر نامی شخص کے بارے میں پوچھنے لگی۔ اسی دوران تین آدمی اندر گھس آئے جنہوں نے اسے کمرے میں لا کر رسیوں سے باندھ دیا۔ ان تین آدمیوں میں ایک عرفان تھا۔ دوسرا شارق اور تیسرا اس کیلئے اجنبی اور وہ خوبصورت عورت ثمینہ تھی۔ ثمینہ اور اجنبی آدمی اس کے پاس کھڑے رہے اور شارق اور عرفان کسی اور کمرے میں چلے گئے تھے

اور پھر کافی دیر بعد شارق نے کسی سے فون پر بات کی تھی۔ اس کے بعد ثمینہ نے کچن میں جا کر چائے بنائی تھی۔

وہ تقریباً" ایک گھنٹہ وہاں رہے تھے پھر کوٹھی کے دروازے کھلے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے آدھے یا پونے گھنٹے بعد پولیس آئی تھی۔ تہ خانے کا خفیہ راستہ بھی پولیس کو کھلا ہوا ہی ملا تھا۔ ایک سادہ لباس والا پولیس آفیسر اپنے ساتھیوں سے بار بار شارق اور ثمینہ کا ذکر کر رہا تھا۔

"تو یہ حرکت عرفان کی ہے۔" حاجی غرایا۔ "جب وہ بھاگا تو مجھے اسی وقت ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ اوئے۔۔۔ تم مقصود کو فون کرو۔۔ اس سے کہو۔۔ فوراً" یہاں آئے۔"

حاجی کے چیخنے دھاڑنے کی آواز سن کر سلطان بھی اپنے کمرے سے نکل کر آگیا تھا۔ اس کے بیٹھنے پر حاجی نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

"معلوم ہوتا ہے شارق آپ کے سارے راز جانتا ہے۔" سلطان نے خبر پڑھنے کے بعد کہا۔ "آپ کا جھگڑا ہوا تھا تو ان چیزوں کا بندوبست آپ کو اسی وقت کر لینا چاہئے تھا۔"

"[illegible] کس بات کا خیال رکھتا۔" حاجی بولا۔ "میرے اپنے ہی بندے بزدل نکلے۔ آج [illegible] کا پتا نہیں چلا [illegible] اور وہ شارق۔۔۔ وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ۔۔۔ پلک جھپکنے کی دیر میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ میں نے وہ سونا چار مہینے پہلے اس تہ خانے میں رکھوایا تھا۔ میرا خیال تھا وہ وہاں محفوظ رہے گا۔ مگر وہ تو ہر جگہ پہنچ رہا ہے۔ وہ سونا میری آخری امید تھی۔ اب میں واقعی بالکل [illegible] ہو چکا ہوں۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا۔"

"ہاتھی مر کر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے حاجی صاحب۔۔" سلطان نے کہا۔ "اور آپ تو ابھی زندہ ہیں۔ یہاں آپ کے پاس کچھ نہیں بچا تو کیا ہوا باہر تو اب بھی آپ کی وہی قدر و قیمت ہے۔ آپ کے ایک اشارے پر آپ کے قدموں پر دولت کے انبار لگ سکتے ہیں۔ آپ کچھ عرصہ کیلئے باہر کیوں نہیں چلے جاتے۔"

"باہر کیسے چلا جاؤں۔" حاجی نے کہا۔ "تمام راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ میں تو اس شہر سے نہیں نکل سکتا' ملک سے کیسے نکلوں گا اور پھر یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ لوگ میرے قدموں پر دولت کے انبار لگا دیں گے۔ اب اس بات کو بھول جاؤ کہ باہر کے ملکوں میں میری کوئی قدر و قیمت ہے۔ اب تو کوئی مجھے اپنے قریب بیٹھنے بھی نہیں دے گا۔ یہ بڑا گندا کاروبار ہے۔ سلطان لوگوں کو میری نہیں ہیروئن کی ضرورت تھی جس سے وہ دولت کماتے تھے۔ اب میں انہیں ہیروئن سپلائی نہیں کر سکتا اس لئے کسی کو اب میری ضرورت نہیں ہو گی۔ بیرون ملک کی کیا بات کرتے ہو۔

aazzamm@yahoo.com

یہیں پر آزما کر دیکھ لو۔ جنہیں میں نے کروڑوں کا فائدہ پہنچایا ہے وہ اب مجھے ایک ٹکا بھی نہیں دیں گے۔ لوگ نوٹوں کے تھیلے بھر بھر کر میرے پاس آتے تھے اور اب--- اب کوئی مجھ سے ملنے کو تیار نہیں ہے۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ صورتحال بہت سنگین ہے۔" سلطان نے کہا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارق کا کیا بندوبست کیا جائے۔"

"اس کا بندوبست تو اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب اس کا کوئی سراغ ملے۔" حاجی نے کہا۔ "میں نے مقصود کو بلایا ہے وہ آ جائے تو کچھ سوچتے ہیں۔"

اس دوران سلطان کا ملازم چائے بنا کر لے آیا۔ اس نے ایک ایک کپ سب کے سامنے رکھ دیا۔

"پانی پلاؤ مجھے۔" حاجی نے کہا۔

ملازم ایک گلاس پانی لے آیا۔ حاجی کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس حلق میں انڈیل لیا اور پھر کپ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

رب نواز برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک بجیرو گلی والی طرف گیٹ کے سامنے آ کر رکی تو اس نے پہلے حاجی کو بتایا پھر جا کر گیٹ کھول دیا۔ وہ مقصود تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا حاجی اس پر چڑھ دوڑا۔

"یہ--- یہ سب کیا ہو رہا ہے مقصود۔" وہ اخبار اس کے سامنے لہراتے ہوئے چیخا۔ "اس نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا ہے اور تم ان کا سراغ تک نہیں لگا سکے۔ اب یہ کہاں تک جائے گا۔ اسے تلاش کرو۔ اپنے سارے آدمی لگا دو۔"

"اپنے پاس آدمی ہیں ہی کہاں حاجی صاحب۔" مقصود نے جواب دیا۔ "اب کوئی بھی ہمارے قریب پھٹکنے کو تیار نہیں ہے۔ جو لوگ کتوں کی طرح ہمارے پیچھے پیچھے دم ہلاتے پھرتے تھے آج وہ ہمارے سائے سے بھی بچتے ہیں۔ اور ویسے بھی آج کل سارے دھندے ٹھپ ہو رہے ہیں۔ پولیس کے ڈر سے چھوٹے چھوٹے پرچون فروش بھی روپوش ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جسے شارق وغیرہ کی تلاش میں لگایا جا سکے۔"

"تو پھر وہ ہمیں تلاش کر لے گا۔" حاجی غرایا۔ "اس روز اس نے دھمکی دی تھی کہ اب وہ خود سامنے آئے گا۔ یہ تو دعائیں دو کرامت کو اس نے مر کر بھی یہاں کا پتا نہیں بتایا۔ ورنہ اب تک وہ یہاں پہنچ چکا ہوتا۔"

"ایک بات سمجھ میں آتی ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے کہا۔ "شارق کی ماں اور بہن کو

تلاش کیا جائے۔ وہ ہمارے قبضے میں آ جائیں تو شارق خود بخود ہمارے قدموں پر جھک جائے گا۔"

"ماں اور بہن کو۔" حاجی غرایا۔ "مردوں کو تو آج تک تلاش نہیں کر سکے۔ برقعہ پوش عورتوں کو کیسے تلاش کر لو گے۔"

"انہیں تلاش کر لینا زیادہ آسان ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ تو پتا چل گیا ہے کہ شارق نے چند روز پہلے اپنی ماں اور بہن کو گوجرانوالہ بھیج دیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ طفیل نامی رکشہ ڈرائیور بھی ان لوگوں کے ساتھ مل گیا تھا اور اب بھی انہی کے ساتھ ہے۔ وہ گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ شارق نے اپنی ماں اور بہن کو اسی کے گھر بھیجا ہو گا۔ کیوں نہ وہاں چیک کیا جائے۔"

"تو پھر معلوم کرو انتظار کس بات کا ہے۔" حاجی نے کہا۔

"کل میں خود گوجرانوالہ جاؤں گا اور مجھے امید ہے کہ کل شام سے پہلے آپ کو اچھی خبر سننے کو ملے گی۔" مقصود نے کہا۔

"مجھے کل رات تک اس کا پتا چاہئے۔" حاجی نے کہا۔ "اس کی بہن کو پکڑ کر لاؤ یا ماں کو پھر دیکھتا ہوں وہ کیسے مجھ سے بچ کر نکلتا ہے۔"

"فکر مت کریں حاجی صاحب اب وہ بچ کر نہیں جائے گا۔" مقصود نے کہا۔

کچھ دیر بعد مقصود چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ملازم نے ناشتہ تیار کر دیا۔ حاجی نے بڑی مشکل سے چند نوالے حلق سے اتارے اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

"دوپہر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کا دماغ سلگ رہا تھا۔ داروغہ والا کی کوٹھی پر پولیس کے چھاپے نے اس کی ساری امیدیں ختم کر دی تھیں۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اسلحہ کی چند پیٹیاں اور چار من سونا۔ اس نے سوچا تھا کہ یہ سونا لے کر وہ انڈیا کی طرف نکل جائے گا لیکن اس دوران شارق نے اسے ایک لمحہ کو بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ اور بالآخر یہ سونا بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کوٹھی کے نیچے تہ خانے کے راستے کا صرف اسے، مقصود اور عرفان کو علم تھا۔ شارق کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ اس کوٹھی کے نیچے کوئی تہ خانہ بھی ہے۔ اسے عرفان ہی لے کر وہاں پہنچا تھا اور اب حاجی سوچ رہا تھا کہ اس نے عرفان کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اسے اتنی سخت سزا نہیں دی جانی چاہئے تھی اور اب وہ اپنا انتقام لے رہا تھا اور یہ حاجی کی بدقسمتی تھی کہ عرفان شارق کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

حاجی رات بھر جاگا تھا۔ آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں میں مٹھی بھر مرچیں جھونک دی ہوں۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اس

aazzamm@yahoo.com

کی آنکھ بند ہو گئیں۔

دوپہر کو دلاور دو مرتبہ اس کے کمرے میں آیا تھا اور حاجی کو سوتا دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس نے حاجی کو جگانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

چار بجے کے قریب حاجی کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد بھی وہ تقریباً" ایک گھنٹے تک بستر پر پڑا رہا۔ اس وقت وہ برسوں کا بیمار لگ رہا تھا۔ دلاور کمرے میں آیا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی صاحب۔ آپ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لیں۔ میں کھانا گرم کرواتا ہوں۔ دوپہر کو میں نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"کھانا اس وقت کیا کھانا ہے۔ چائے بنوا دو۔ بس یہی کافی ہے۔" حاجی نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

چائے حاجی نے لان میں بیٹھ کر پی تھی۔ سلطان بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ دلاور اور رب نواز چند گز دور گھاس پر بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔

نو بجے کے قریب مقصود بھی آ گیا اور اسی وقت ملازم نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہو گیا ہے۔ وہ لوگ اٹھ کر اندر آ گئے۔

حاجی نے پہلا نوالہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ سلطان کے ملازم نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند سیکنڈ بات کی پھر میز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی صاحب کے لئے فون ہے کوئی ثمینہ بی بی ہے۔"

حاجی کے ہاتھ سے نوالا چھوٹ گیا اور وہ وحشت زدہ سی نظروں سے فون کی طرف دیکھنے لگا۔

○

"میرا خیال ہے اب حاجی کے خلاف فیصلہ کن قدم اٹھا ہی لینا چاہئے۔" یہ بات ثمینہ نے کہی تھی۔ وہ سب لوگ اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اور وقت شام چھ بجے کا تھا۔ "آج صبح اخبار میں اپنی کوٹھی پر چھاپے کی خبر پڑھ کر وہ پاگل ہو گیا ہو گا۔ یہ اس کے تابوت میں آخری کیل تھی اور اب میرا خیال ہے کہ اس کا جنازہ اٹھا ہی دینا چاہئے۔"

"ثمینہ بی بی ٹھیک کہتی ہے شارق باؤ۔" طفیل نے کہا۔ "آج اس کا قصہ ختم کر ہی دینا چاہئے۔"

"اور اس کے بعد کیا ہو گا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اگر حاجی سے مقابلہ میں بچ گیا تو اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا اور قسم اللہ کی

آپ لوگوں کے بارے میں زبان نہیں کھولوں گا۔" طفیل نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تیار ہو جاؤ۔ ہم تھوڑی ہی دیر بعد روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن گاڑی کہاں سے آئے گی۔" شارق بولا۔

"گاڑی کی فکر مت کرو۔ میں ابھی آدھے گھنٹے میں لے کر آتا ہوں۔" طفیل کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

طفیل کے جاتے ہی انہوں نے تیاری شروع کر دی۔ طے یہ پایا تھا کہ صرف مرد جائیں گے اور عورتیں گھر پر ہی رہیں گی۔ لیکن ثمینہ ان کے ساتھ جانے پر ضد کرنے لگی۔

"لے چلو شارق باؤ۔ اسے بھی آخری معرکے میں حاجی کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لینے دو۔" نولکھا نے کہا۔

اور پھر ثمینہ بھی تیار ہو گئی۔ اس نے جینز اور کالی ٹی شرٹ پہن لی۔ نولکھا نے کلاشنکوف رائفلیں نکال لیں۔ تمام رائفلوں کے میگزین چیک کئے گئے اور ہر رائفل کے ساتھ ساتھ ایک ایک فاضل میگزین بھی رکھ دیا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد طفیل ایک کار چوری کر کے لے آیا۔

"کہاں سے لائے کار؟" شارق نے پوچھا۔

"کوٹ خواجہ سعید کی ایک گلی میں کھڑی تھی چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ موقع ملتے ہی میں اسے لے آیا۔ اور اتفاق سے ٹینکی بھی بھری ہوئی ہے۔" طفیل نے جواب دیا۔

دس منٹ بعد وہ اس گاڑی میں روانہ ہو گئے۔ ثمینہ شارق کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ نولکھا، عرفان اور طفیل پچھلی سیٹ پر تھے۔

ٹھیک نو بجے وہ اس علاقے میں پہنچ گئے۔ پہلے انہوں نے کوٹھی کے آگے اور پیچھے کا ایک چکر لگایا پھر وہاں سے تقریباً" سو گز دور ایک مکان کے سامنے گاڑی روک لی۔ اس دکان کے ایک پلر پر لگے پر "ٹیلی فون کی سہولت موجود ہے" لکھا ہوا تھا۔ ثمینہ کار سے اتر کر دکان پر آ گئی۔ اس نے دکاندار سے ٹیلی فون مانگا اور سیٹ لے کر کاؤنٹر کے آخری سرے پر چلی گئی اور سلطان کے بنگلے کا نمبر ملانے لگی۔ کال فوراً" ہی ریسیو کر لی گئی۔ وہ سلطان کا ملازم تھا۔

"حاجی سے بات کراؤ۔ اس سے کہو میں ثمینہ بات کر رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر حاجی کی آواز سنائی دی۔

"تم۔۔ تم کتیا۔۔ گشتی۔۔ میں تمہیں۔۔۔"

"تمہیں بولنے کیلئے الفاظ نہیں مل رہے۔ پہلے سوچ لو تمہیں کیا کہنا ہے۔" ثمینہ اس کی بات

aazzamm@yahoo.com

کاٹتے ہوئے بولی۔ "تم سمجھتے تھے یہاں محفوظ ہو۔ ہم نے تمہیں جان بوجھ کر مہلت دے رکھی تھی۔ وہ مہلت ختم ہو رہی ہے۔ اب تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔ اس دوران اگر تم اپنے ساتھیوں سمیت ہاتھ اٹھا کر باہر آ جاؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے بلکہ بڑے احترام سے پولیس کے حوالے کر دیں گے لیکن ٹھیک پندرہ منٹ بعد تمہاری کوٹھی پر حملہ شروع ہو جائے گا۔ یہ بات ذہن میں رکھو۔ تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔" ثمینہ نے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا' جینز کی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر ٹیلی فون سیٹ کے قریب رکھا اور واپس آ کر کار میں بیٹھ گئی۔

کار نے پہلے گلی کا چکر لگایا۔ نولکھا اور طفیل کار سے اتر کر بڑی تیزی سے سامنے والی کوٹھی کے آگے کھڑی ہوئی ایک کار کے پیچھے چھپ گئے۔ ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور چادروں کے اندر رائفلیں چھپی ہوئی تھیں۔

کار اوپر سے گھوم کر نالے والی طرف آ گئی۔ شارق نے پہلے ثمینہ کو اتارا پھر عرفان کو اور چند گز آگے جا کر کار روک لی اور نیچے اتر کر کار کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ اور عرفان نالے میں اتر گئے تھے۔ اس طرح انہیں نالے کی منڈیر کی آڑ مل گئی تھی۔

اس وقت ساڑھے نو بجے تھے۔ سڑک پر اور گلی میں بھی لوگوں کی آمدورفت تھی۔ اندیشہ تھا کہ گلی میں آنے جانے والا کوئی آدمی فائرنگ کی زد میں نہ آ جائے۔ لیکن نولکھا کو اطمینان تھا کہ فائرنگ شروع ہوتے ہی لوگ گھروں میں دبک جائیں گے۔

حاجی کو دی ہوئی مہلت کے پندرہ منٹ پورے ہوتے ہی ثمینہ نے نالے میں پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے کوٹھی کی طرف اچھال دیا۔

پتھر غالباً" برآمدے کی چھت پر گرا تھا۔ اس کے فوراً" ہی بعد اندر سے فائرنگ شروع ہو گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ بھی مقابلے کیلئے تیار بیٹھے تھے۔ شارق' ثمینہ اور عرفان نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔

فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ گلی ایک دم سنسان ہو گئی۔ لوگوں نے اپنے گھروں کی بتیاں بجھا دیں۔ ساتھ والی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے کھڑی ہوئی کار کے پیچھے چھپے ہوئے نولکھا نے بھی فائر کھول دیا۔

رب نواز اس طرف والے برآمدے کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ اس کی چلائی ہوئی گولیوں نے کار کو چھلنی کر دیا۔ کار کے دوسری طرف سے طفیل نے فائر کھول دیا۔ رب نواز اس کی گولیوں کی زد میں آ گیا اور وہ چیختا ہوا برآمدے کی چھت سے

نیچے گرا۔

"میں کوٹھی کے اندر جا رہا ہوں۔" نولکھا نے طفیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں رہو اگر کوئی چھت پر سے فائرنگ کرے تو تم بھی فائر کھول دینا۔"

"رک جاؤ نولکھا اندر جانا خطرناک ہو گا۔" طفیل چیخا۔ مگر نولکھا کار کی آڑ سے نکل کر حاجی والی کوٹھی کی طرف دوڑا۔ اس نے حیرت انگیز طور پر پانچ فٹ اونچی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ دھب کی آواز سے نیچے گرا اور برآمدے کی طرف دوڑا۔

اسی لمحے برآمدے والے دروازے کی آڑ سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ وہ حاجی تھا۔ جو کلاشنکوف سے فائرنگ کر رہا تھا۔ نولکھا نے آم کے ایک درخت کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور تنے کی آڑ لے کر فائرنگ کرنے لگا۔ دروازے کی طرف سے فائرنگ رکی تو نولکھا درخت کی آڑ سے نکل کر برآمدے کی طرف دوڑا۔

حاجی اس وقت رائفل کا میگزین بدل رہا تھا۔ اس نے نولکھا کو آتے دیکھا تو فائر کھول دیا۔ نولکھا رک گیا۔ اس کے جسم کو اس طرح جھٹکے لگ رہے تھے جیسے اس نے بجلی کے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو گیا لیکن وہ گرا نہیں وہ سنبھل گیا۔ اس نے رائفل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور دو قدم آگے بڑھ گیا۔

حاجی کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔ نولکھا کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ خون کی کئی دھاریں بہہ رہی تھیں لیکن وہ رائفل تانے آگے آ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی رائفل سیدھی کی حاجی نے ایک بار پھر ٹرائیگر دبا دیا۔ اس مرتبہ بھی کئی گولیاں نولکھا کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ وہ پھر لڑکھڑایا۔ اس مرتبہ وہ نہیں سنبھل سکا۔ لیکن اس مرتبہ اس کی انگلی نے بھی ٹرائیگر دبا دیا۔ اس کی رائفل سے نکلنے والی گولیاں دیوار میں پیوست ہونے لگیں۔ پھر وہ دھڑام سے گرا اور اس کی رائفل بھی خاموش ہو گئی۔

طفیل نے نولکھا کی بھیانک چیخوں کی آواز سن لی تھی۔ وہ کار کی آڑ سے نکل کر دوڑتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔ اندر کودتے ہی اس نے نولکھا کو خون میں لت پت بے حس و حرکت پڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر فائرنگ کرنے لگا۔

نولکھا کی چیخوں کی آواز شارق نے بھی سنی تھی۔ وہ چیختا ہوا ساتھ والی کوٹھی کی طرف دوڑا اور دیوار پر چڑھ کر حاجی والی کوٹھی میں کود گیا اور درختوں کی آڑ سے کمروں کی کھڑکیوں کی طرف فائرنگ کرنے لگا۔

ثمینہ اور عرفان کو بھی کوٹھی تک آنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی اندھا دھند فائرنگ کر رہے

aazzamm@yahoo.com

تھے۔ اور پھر شارق نتائج کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ آیا۔ اس نے بھی نولکھا کی لاش دیکھ لی تھی اور اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

طفیل۔۔ تم اس طرف سے فائرنگ جاری رکھو میں اندر جا رہا ہوں۔" شارق چیختا ہوا برآمدے کی طرف دوڑا۔

اس نے پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا تو حاجی ایک طرف سے دوڑتا ہوا دوسری طرف جا رہا تھا۔ اس نے مڑ کر فائر کیا مگر اس کی رائفل خالی ہو چکی تھی۔ شارق موت کے فرشتے کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ شارق نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فائر کھول دیا۔ حاجی کے جسم میں کئی سوراخ ہو گئے۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخیں بڑی خوفناک تھیں۔

دوسری طرف ثمینہ اور عرفان کو بھی اندر آنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے اندر گھس آئے۔ اور پھر ثمینہ چیخ کر گری۔ اس کی ٹانگ میں گھٹنے سے کچھ اوپر گولی لگی تھی۔

طفیل بھی اندر آ گیا۔ شارق پر جیسے جنون طاری ہو گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو چن چن کر ختم کر رہا تھا۔ طفیل اور عرفان بھی اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔

اور پھر ان کی فائرنگ کا جواب دینے والا کوئی نہیں رہا۔ کوٹھی میں مختلف جگہوں پر حاجی اور اس کے ساتھیوں کی چھ لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ساتویں لاش نولکھا کی تھی جو برآمدے میں پڑی تھی۔ ثمینہ زخمی تھی اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ گولی ران کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

"عرفان گاڑی لے کر آؤ جلدی کرو۔" شارق چیخا۔

"اس طرف مقصود کی پجیرو کھڑی ہے۔" طفیل چیخا۔ "اسی طرف سے نکلو۔" اس نے باہر آ کر نولکھا کی لاش کندھے پر لادی۔ شارق نے زخمی ثمینہ کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ عرفان دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔ پجیرو کا دروازہ لاک نہیں کیا گیا تھا اور چابی بھی اگنیشن میں موجود تھی۔

نولکھا کی لاش پچھلی سیٹ پر ڈال دی گئی۔ ایک سیٹ پر شارق ثمینہ کو لے کر بیٹھ گیا اور عرفان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحہ پجیرو ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھی اور گلی سے نکل کر تیز رفتاری سے سڑکوں پر دوڑنے لگی۔

○

نولکھا کی لاش ہال کمرے میں چارپائی پر پڑی تھی۔ شاہ پری لاش سے لپٹی بلک بلک کر رو رہی

تھی۔ شاہ پری اور ان کا ساتھ افغانستان سے تھا۔ وہ نولکھا سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی۔ ان سب نے ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔ کسی ایک کو معمولی سی تکلیف بھی ہوتی تو سب تڑپ اٹھتے اور اب نولکھا کی زخموں سے چور لاش دیکھ کر رضیہ اور شاہ پری اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی تھیں۔ شاہ پری کی حالت تو بہت خراب تھی۔ رضیہ کو شارق اس کمرے میں لے گیا جہاں اس نے زخمی ثمینہ کو لٹایا تھا۔

اتفاق سے دو دن پہلے رضیہ نے بازار سے کچھ ایسی دوائیں منگوا لی تھیں جو ایسے موقع پر کام آ سکتی تھیں۔ رضیہ نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے شارق کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا اور شاہ پری کو اندر بلا کر دروازہ بند کر لیا۔

وہ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد باہر نکلیں۔ شارق نولکھا کی لاش کے پاس کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ رضیہ کو دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" رضیہ نے کہا۔ "گولی گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ میں نے ڈریسنگ کر دی ہے چند روز میں ٹھیک ہو جائے گی۔"

شارق ثمینہ کے کمرے میں آ گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ شارق کو دیکھ کر وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے نولکھا کے پاس لے چلو پلیز؟"

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ ثمینہ کو سہارا دے کر ہال کمرے میں لے آیا اور صوفے پر بٹھا دیا۔ ثمینہ نے زخمی ٹانگ آگے کو پھیلا لی تھی۔ نولکھا کی لاش دیکھ کر ثمینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

عرفان اور طفیل بھی آنسو بہا رہے تھے۔ شاہ پری تو چارپائی کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گئی تھی۔

"طفیل۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ حاجی سے مقابلے کے بعد تم اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو گے۔"

"ہاں شارق باؤ۔" طفیل بولا۔ "میں صبح ہی اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"صرف تم ہی نہیں ہم سب۔" شارق بولا۔ "حاجی کا گروہ ختم ہو گیا ہے اور حاجی کے خاتمے کے ساتھ ہی ہمارا مقصد بھی پورا ہو گیا ہے۔ اب اگر کوئی اور حاجی پیدا ہو گا تو اس کا راستہ روکنے کیلئے کوئی اور شارق اور نولکھا بھی آ جائے گا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ تم سب لوگوں کا کیا خیال ہے۔"

وہ تقریباً" ایک گھنٹے تک مشورہ کرتے رہے اور پھر سب نے شارق کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر

aazzamm@yahoo.com

لیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق پجیرو پر کہیں چلا گیا۔ اس کی واپسی ڈیڑھ گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ پجیرو میں ایک بوری رکھی ہوئی تھی جس میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔ یہ وہ سونا تھا جو تقریباً" چار مہینے پہلے قصور کے علاقے میں حاجی کے آدمیوں سے چھینا گیا تھا۔

اور پھر تین بجے کے قریب شارق ٹیلی فون پر ایس پی سہیل سے بات کر رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا شارق۔" ایس پی سہیل کہہ رہا تھا۔ "چھ آدمیوں کا قتل کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ صبح جب یہ خبر اخبارات میں چھپے گی تو پورے شہر میں ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو گا۔"

"ہنگامہ نہیں جشن۔" شارق نے کہا۔ "حاجی کے قتل اور اس کے گروہ کے خاتمے پر لوگ جشن منائیں گے۔"

"میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنے آپ کو روک لو شارق۔" سہیل نے کہا۔ "اب بھی وقت ہے میں پوری کوشش کروں گا کہ۔۔"

"میں نے آپ کا مشورہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے ساتھیوں سمیت صبح چھ بجے اپنے آپ کو آپ کے سامنے سرنڈر کرنے کو تیار ہوں۔ صبح چھ بجے مینار پاکستان کے سامنے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھئے کہ اگر اس وقت کسی پولیس والے نے ہم پر رائفل اٹھانے کی کوشش کی تو ہم بلالحاظ فائر کھول دیں گے اور مرنے سے پہلے بیس تیس آدمیوں کو ختم کر دیں گے۔"

"تم فکر مت کرو ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" سہیل نے کہا۔ اس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔ "مجھے تمہارے اس فیصلے پر خوشی ہوئی۔ میں ابھی ڈی آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں لیکن ایسا نہ ہو کہ آخری وقت پر تم اپنا فیصلہ بدل دو۔"

"میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بدل نہیں سکتا۔" شارق بولا۔ "صبح ٹھیک چھ بجے مینار پاکستان کے سامنے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

اور پھر ٹھیک پانچ بجے وہ کوٹھی سے نکل گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شارق تھا اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر ثمینہ اور شاہ پری۔ پچھلی سیٹ پر رضیہ، عرفان اور طفیل تھے۔ آخری سیٹ کی جگہ پر سفید چادر سے ڈھکی ہوئی نولکھا کی لاش پڑی تھی۔

مینار پاکستان کے سامنے سڑک پر دور تک پولیس کے مسلح جوان کھڑے تھے۔ گیٹ کے اندر وسیع لان میں بھی پولیس والے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سڑک پر بسوں اور دوسرے ٹریفک کی آمدورفت جاری تھی۔

شارق نے شاہی قلعہ کے عین سامنے مینار پاکستان کے لان والے گیٹ میں پجیرو موڑ دی۔

گیٹ پر کھڑے ہوئے پولیس والے مستعد ہو گئے۔ ایک انسپکٹر پجیرو کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ تقریباً" پچاس گز آگے جا کر شارق نے پجیرو روک لی۔ وہاں ڈی آئی جی اور پولیس کے کئی اعلیٰ افسران کھڑے تھے۔ ان میں ایس پی سہیل بھی تھا۔ شارق نے انجن بند کر دیا۔ چند لمحے اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا اور پھر نیچے اتر آیا۔ عرفان اور طفیل نے بھی نیچے اتر کر نولکھا کی لاش کو گاڑی سے نکال کر نیچے رکھ دیا۔

اور پھر ان سب نے اپنی اپنی رائفلیں پجیرو سے نکال لیں۔ ایس پی سہیل ڈی آئی جی کے ساتھ کھڑا تھا۔ سب سے پہلے شارق نے آگے بڑھ کر اپنی رائفل ایس پی سہیل کے قدموں میں رکھ دی۔ ثمینہ اور عرفان وغیرہ نے بھی اس کی تقلید کی اور پھر ان سب نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ڈی آئی جی نے اشارہ کیا۔ شارق اور اس کے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ ان آفیسروں کے ساتھ اخبارات کے رپورٹر بھی کھڑے تھے۔ انہوں نے شارق اور ثمینہ کو گھیر لیا لیکن شارق اور ثمینہ نے اپنی زبانیں بند رکھیں۔ جب انہیں پولیس کی گاڑی میں سوار کرایا جانے لگا تو شارق نے ایس پی سہیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ نولکھا کی تدفین پورے احترام سے کی جائے اور مجھے اس کے جنازے میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے۔ ثمینہ زخمی ہے اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ اسے مناسب علاج کی ضرورت ہے اور شاہ پری افغان لڑکی ہے اسے ہم افغانستان سے لے کر آئے تھے یہ بے گناہ ہے اور میری ماں اور بہن کا خیال رکھا جائے۔

"شارق صاحب۔" ایک پریس رپورٹر چیخا۔ "آپ اپنے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گے؟"

"اس وقت صرف اتنا کہوں گا کہ کسی شریف آدمی کو جرم کے راستے پر نہ دھکیلا جائے۔ پولیس میں بدعنوان اور راشی لوگوں کی نہیں، ایس پی سہیل جیسے ذمہ دار، دیانتدار اور فرض شناس لوگوں کی ضرورت ہے۔ باقی مجھے جو کچھ بھی کہنا ہے عدالت میں کہوں گا۔ اگر مجھے کہنے کی اجازت دی گئی تو۔"

وہ لوگ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔

ڈھائی سال پہلے ایک معصوم بچے پر ظلم و استبداد سے جو ڈرامہ شروع ہوا تھا وہ اپنے پیچھے ایک طویل خونچکاں داستان چھوڑ کر ختم ہو گیا۔

ختم شد

Scanned By:
Azam & Ali